محبت خواب سفر

رُخسانہ نگار عدنان

دیباچہ

عزیز قارئین!

محبت خواب سفر میرا دوسرا طویل ناول اور میرے خیال میں خواتین کا بھی اب تک کا طویل ترین ناول ہے۔ پانچ سال کے 60 مہینوں اور آتی جاتی گرمیوں، سردیوں، خزاں اور بہار کے مہینے میں ختم ہونے والا یہ ناول میرے دل سے بہت قریب رہا۔ اس کی قسط میں سب کاموں سے فارغ ہو جانے کے بعد بہت فرصت سے دل لگا کر لکھا کرتی تھی۔ آپ کی تنقید اور تعریف ہر ماہ جس طرح مجھے پڑھنے کو ملتی۔ اس نے کہانی کے بہت سے اسرار سلجھانے میں بھی میری مدد کی۔ آپ کی محبتوں نے میری رہنمائی کی۔ قدم قدم پر امتل کے محبت بھرے مشورے اور تعریف میرے لیے بہت قیمتی تھے۔ محبت اس کائنات کا سب سے پرانا جذبہ ہے اور اس کے باوجود یہ اولڈ ایج نہیں ہوا جو دل بھی اس جذبے کو پہلی بار محسوس کرتا ہے وہ اسے بالکل نیا اچھوتا اور کم سن لگتا ہے، یہی اس جذبے کی سب سے بڑی خوبی ہے اور سب سے سنہری جال بھی۔ انسان اس جال میں پھنسا اتنی دور نکل جاتا ہے کہ خود کو کیا خدا کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور اس خود فراموشی میں اپنے محبوب کو بھی بھول جائے تو میڈم یاقوت کا کردار جنم لیتا ہے۔ میڈم یاقوت اس کہانی کا وہ ستون ہے جس پر یہ پورا ناول استوار ہوا۔

محبت کا خواب دیکھنے والی میڈم یاقوت تلاش و جستجو کے اس لمبے سفر پر نکل پڑی اور اس کے ساتھ ہم بھی۔ اس سفر کا باعث یقیناً محمود عالم کا کردار تھا مگر اس کی جستجو بچھڑی ہوئی محبت نہیں کچھ اور تھا۔

دائم اور عزہ کے کردار کی کیمسٹری آپس میں ملتی تھی مگر وہ محبت کو بھی فرصت سے کرنا چاہتے تھے۔ اپنی اپنی ذات کے اونچے قلعوں پر فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے بعد۔۔۔۔

مگر کیا محبت انتظار کرتی ہے؟

تنزیل ایک جوشیلا، بھڑکیلا مگر بہت نرم دل رکھنے والا نوجوان جس کے لیے اپنی شناخت میں شکست و ریخت کا باعث بن گئی، تانیہ جو مایوس ہوگئی۔ مایوسی جو کفر سے بڑھ کر ہے اور عائشہ جس نے تقدیر کو آخری لمحہ تک آزمایا کس نے کیا کھویا کیا پایا؟ یہ تو آپ ناول کے اختتام پر جانیں گے مگر آپ کی محبتوں نے مجھے ممنون اور مقروض کر دیا ہے۔ میرا یہ ناول برادرم محمد علی قریشی شائع کر رہے ہیں اُمید ہے کہ میرے آئندہ ناول بھی القریش پبلی کیشنز سے ہی شائع ہوں گے۔

آپ کی رائے کا انتظار رہے گا

دُعا گو

رخسانہ نگار عدنان

''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ .... حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ''
''آؤ فلاح کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف........''
صبح کے اوّلین سحر آفرین لمحات میں دعوت عام کی پُر تاثیر صدا گونج رہی تھی۔ انہوں نے گھر کا دروازہ کھولا۔
خنک ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے نے ان کے چہرے کو چھوا۔
باہر کی طرف اُٹھتا ان کا پہلا قدم دہلیز پر پڑی کسی چیز سے ٹکرایا۔ وہ کچھ حیران سے نیچے کو جھکے اور ملگجے اندھیرے اور ملگجی روشنی میں ان کی بصارتوں نے تولیے میں لپٹے اس ننھے سے وجود کو دیکھا، جو دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے، پوری آنکھیں کھولے اِدھر اُدھر سر مارتا، شاید بھوک کے منبع کو تلاش کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ چند ثانیے کو ششدر سے بیٹھے رہ گئے۔ نہ جانے کون سا الوہی لمحہ تھا، جو ان سے یہ فیصلہ کرا گیا۔
وہ اس ننھے وجود کو بانہوں میں اٹھائے واپس کھلے دروازے سے اندر چلے گئے۔
ڈور بیل کی تیز آواز گونجی۔
ان کے دھیان کی دہلیز پر سوکھے پتے کی طرح لرزتا ہوا یہ بھولا بسرا خیال پل بھر کو چُرمرا گیا اور شعور کی تیز ہوا میں اُڑتا کہیں گم ہو گیا۔ وہ آنکھیں کھولے، یک ٹک چھت کو دیکھتے رہ گئے۔

✻◉......◉✻

''لیں جناب! آج یہ آخری بوجھ بھی سر سے اتر گیا۔ یار! viva (وائیوا) تو میری توقع اور امید سے اِس قدر زبردست ہوا کہ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔'' سویٹی نے میز بجاتے ہوئے خاصے پُر جوش لہجے میں ان دونوں کو گویا اطلاع دی تھی۔
''عورت ہو نا، اس لئے ہمیشہ بے یقین رہتی ہو۔'' اسامہ سبحان نے اسے چھیڑا۔
''Will you shut up مسٹر مرد؟'' وہ واقعی چوگئی۔ ''اور تم مرد منزل سامنے ہوتے ہوئے بھی بھٹکتے پھرتے ہو۔ کبھی اِس دوارے، کبھی اُس دوارے۔ اس لئے سب کچھ پا کر بھی بے سکون رہتے ہو، کبھی نہ قانع ہونے والے۔''
''او مائی گاڈ، مس لائبہ! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم اتنی گاڑھی اُردو بول رہی ہو، وہ بھی غصے کے عالم میں۔ جب کہ غصے میں تو تمہارے منہ سے یوں انگریزی کف اُڑاتی نکلتی ہے کہ بخدا سنبھالے نہ سنبھلے اور تھامے نہ تھمے۔''
دائم مصطفی نے ہنستے ہوئے کہا تو لائبہ نے ایک گہری خفا سی نگاہ اس پر ڈالی، گویا کہہ رہی ہو ''تم تھامنے والے تو بنو، نہ تھموں تو کہنا۔''
اس کے نم ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے اور دائم اس کی نظروں کے پیغام سے صاف نظریں چُرا کر اسامہ کو دیکھنے لگا۔
''MIT ہو گیا۔ نیکسٹ پلاننگ گائیز؟'' اس نے جان بوجھ کر ٹاپک بدلا۔ ورنہ لائبہ کا موڈ بدل جانے کا خدشہ تھا۔
''نیکسٹ پلاننگ آفٹر رزلٹ مائی ڈیئر!'' اسامہ، ٹیبل پر پڑی ہینڈ بک اٹھا کر دیکھنے لگا۔ ''کیا کھاؤ گے تم لوگ؟'' وہ فاسٹ فوڈ کے مختلف آئٹمز پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔
''فی الحال تو لوگ اپنی جان کھا رہے ہیں۔'' دائم، لائبہ کے سرخ چہرے کو دیکھ کر شرارت سے بولا۔
''میری جان اتنی فالتو نہیں ہے۔ اور اگر مجھے یہی چیزیں کھانی ہوں گی تو تم دونوں کافی ہو اس کے لئے۔'' وہ خفا سی نگاہ، گلاس ونڈو سے باہر دوڑاتے ہوئے بولی تو دائم نے ایک طائرانہ نظر اس کے پھولے ہوئے ناراض چہرے پر ڈالی۔
''یار! یہ تمہیں بیٹھے بیٹھے ہو کیا جاتا ہے؟'' اسامہ نے مینیو بُک زور سے بند کرتے ہوئے لائبہ سے پوچھا تو وہ اسے محض دیکھ کر رہ گئی۔
''وہی جو ہم دونوں کو نہیں ہوتا۔ یہ جن اسی پر عاشق ہے بس۔'' دائم ہنسا۔
''میں کوئی چیز اٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں گی، اب تم نے کوئی فضول بات کی تو۔'' وہ بپھر کر بولی تو دائم نے دونوں ہاتھ، کانوں کو لگاتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ اسامہ نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔

''تین سال گزر گئے، تم دونوں کو اسی طرح لڑتے جھگڑتے مگر ابھی تک اس تنازع کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔''
''اور ہو گا بھی نہیں۔ میرے لئے پاستا لے آنا۔'' دائم نے جلدی سے کہا۔
''کیونکہ تم اس کو حل کرنا ہی نہیں چاہتے۔ میرے لئے چکن سلسہ ہاٹ اینڈ اسپائسی۔'' اس نے اسامہ کو آرڈر دیا۔
''بائی داوے، تم دونوں کے درمیان تنازع ہے کون سا؟ اور میں تم دونوں کا ملازم نہیں، یہاں سیلف سروس ہے۔ جس کا جو دل چاہے، خود اٹھے اور لے کر آئے۔'' وہ صاف انکار کرتے ہوئے بولا۔
''جب تمہیں تنازعے کا علم ہی نہیں تو ہر بار اس کے حل پر کیوں زور دیتے ہو؟'' لائبہ چوکر اس سے پوچھنے لگی۔
''کیونکہ تم دونوں کا مسئلہ حل ہو گا تو میری باری آئے گی نا۔'' اب کے اس نے لائبہ کو خاص تیکھی نظروں سے دیکھا۔ وہ کندھے اچکا کر سامنے دیکھنے لگی۔
''تم ایسے کرو، پہلے باری لے لو۔ ایجوکیشن تمہاری مکمل ہو چکی ہے۔ جاب کا مسئلہ ہے، سو چند ہفتوں میں وہ بھی حل ہو جائے گا۔ بہتر ہے، تم ہی پہل کر گزرو۔ کیوں لائبہ؟'' دائم کے مشورے پر لائبہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
''اوکے، کوئی نہ اُٹھے۔ میں تو اپنے لئے کچھ لینے جا رہی ہوں۔ بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے۔ ادھر نہ جانے کون سے مسئلے سلجھائے جا رہے ہیں۔'' وہ کہہ کر اُٹھنے لگی تو اسامہ بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔
''تم بیٹھو، میں لے آتا ہوں۔'' وہ کرسی کھسکا کر مڑ گیا۔ اس وقت کیفے میں رش بھی بہت تھا۔ لنچ بریک میں ادھر چلتا ہی فاسٹ فوڈ تھا۔
''اسامہ بہت اچھا ہے لائبہ! ہے نا؟'' اسامہ کے جانے کے چند لمحوں بعد دائم بولا۔
''آئی نو۔ بار بار ری مائنڈ کرانے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ تم مجھے سویٹی کیوں نہیں کہتے؟ کہنا نہیں آتا کیا؟'' وہ ایک بار پھر چو کر بولی۔
''ہاں، نہیں آتا۔ پھر؟'' اس نے بھی چوابا۔
''کب تک نہیں سیکھو گے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔
''ویسے یار! اگر تم یوں پٹری سے نہ اُترو تو اچھی خاصی معقول...... مگر نہیں، تم اتنی بھی معقول لڑکی نہیں ہو۔'' دائم نے یک بیک اس کی مختصر سی شرٹ کے کھلے گریبان سے جھانکتے دودھیا سینے پر چبھتی ہوئی ترچھی نظر ڈالی۔
''کیا مطلب؟'' وہ اس پر نگاہیں جما کر بولیں۔
''تمہاری شرٹ دن بدن سکڑتی نہیں جا رہی اور گلا پھیلتا جا رہا ہے۔ اور اتنی ٹھنڈ میں بھی تمہاری پنڈلیوں کو خوب گرمی ستانے لگی ہے۔ یہ کم از کم کسی معقول لڑکی کا حلیہ نہیں ہو سکتا میرے نزدیک۔'' دائم نے ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے اس کے سانچے میں ڈھلے فگر سے نظریں چرائیں تو وہ ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''میں نے کوئی لطیفہ تو نہیں سنایا۔'' وہ ناراضی سے بولا۔
''میرے لئے تو یہ کسی لطیفے سے کم نہیں۔ ویسے اس میں دو لطیفے ہیں۔'' وہ نم ہوتی آنکھوں کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے ہنسی روک کر بولی۔ دائم نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
''یار دائم! تم لندن میں پیدا ہوئے ہو، یہیں پلے بڑھے اور ابھی تک اس کی تہذیب میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر پا رہے۔ ہے نا لطیفہ؟'' وہ رک کر ہنسی تو دائم اسے تاسف بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔
''اور دوسرا لطیفہ...... سناؤں؟'' وہ گہرے گریبان کے ساتھ ٹیبل پر آگے کی طرف جھک کر اس کی طرف وارفتہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ دائم نے کوئی جواب نہیں دیا۔
''جب میں تمہارے سامنے اچھے خاصے معقول حلیے میں پھرتی تھی۔ دن بھر کے ساتھ کے باوجود میں تمہیں دکھائی نہیں دیتی تھی اور جب سے میں نے خود کو اس سوسائٹی کی ڈیمانڈز کے مطابق ڈریس اپ کرنا شروع کیا ہے، اس دن سے میں تمہیں باقاعدہ دکھائی دینے لگی ہوں۔ ہے نا لطیفہ؟'' وہ تیزی سے پلکیں جھپکتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔ آنکھوں میں اُترتی نمی کو پلکوں سے پرے دھکیلنے کے لئے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے وہ یونہی کھانسنے لگی۔
''اب کیا ہوا ہے؟'' دائم اس کی جانب دیکھتے ہوئے ہولے سے بولا۔
''ایکسکیوز می۔ میری طبیعت نہیں ٹھیک۔ کل ملیں گے۔ بائے!'' اس نے عجلت بھرے انداز میں کرسی کی سائیڈ سے لٹکا اپنا شولڈر بیگ کھینچا اور تقریباً دوڑتے ہوئے کیفے کے بیرونی دروازے کی طرف بھاگ گئی۔
''لائبہ!...... لائبہ! رُکو تو یار۔'' دائم کئی قدم پکارتا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا مگر وہ رکی نہ تھی۔

''عجیب لڑکی ہے، میں ابھی تک اس کو سمجھ نہیں سکا۔'' دائم سر ہلاتے اپنی کرسی پر جا بیٹھا اور اسامہ کا انتظار کرنے لگا۔

❊◉......◉❊

''گڈ مارننگ میڈم!.......گڈ مارننگ۔'' میڈم یاقوت، داخلی دروازے سے اندر قدم دھرتی جا رہی تھیں۔ اُس کی ہیل کی ٹِک ٹِک کے ساتھ دائیں بائیں اپنی میزوں کے گرد اپنی کرسیوں پر بیٹھے تمام ایمپلائز اٹھ اٹھ کر گڈ مارننگ میڈم کا سُریلا نغمہ ان کے کانوں میں انڈیلتے جا رہے تھے، جس کے جواب میں وہ اپنے شولڈر کٹ سنہری بالوں والے سر کو ہلکا سا خم دے کر گویا اس سلامی کو قبول کر رہی تھیں، جو انہیں قدم قدم پر پیش کی جا رہی تھی۔ ایمپلائز کی جھکی جھکی نظریں ان کی سبک رفتار چال اور مضبوط قدموں پر جمی تھیں۔ سیاہ نازک ہائی ہیل سینڈل میں مقید سڈول دودھیا پاؤں جن کی انگلیوں کے تراشیدہ ناخنوں پر برائٹ پنک شیڈ کی نیل پالش لگی تھی، برائٹ پنک کلر کی شاندار سلکی ساڑھی میں ان کا جاذب نظر سراپا پورے آفس لاؤنج میں خوشبوئیں بکھیرتا جا رہا تھا۔ ساڑھی کی رنگت سے میچ کرتا لائٹ میک اپ اور خوب صورت نازک ڈائمنڈ کی جیولری ان کے سجے سجائے روپ کو اور بھی پُرکشش بنا رہی تھی۔

''ہاشمی صاحب! لاسٹ منتھ پروگریس رپورٹ آج آپ نے مجھے لنچ آورز کے بعد لازمی چیک کروانی ہے اور آڈیٹرز فائنل رپورٹ کا کیا بنا؟'' وہ ذرا کی ذرا اپنے آفس کے ساتھ بنے کیبن کے دروازے پر رکیں اور کمپیوٹر اسکرین پر نگاہیں جما کر بیٹھے ہاشمی صاحب سے بولیں جو اچانک انہیں اپنے سامنے دیکھ کر بوکھلاتے ہوئے ''گڈ مارننگ میڈم!'' کہنے لگے۔ انہوں نے صراحی دار اُٹھی ہوئی گردن کو ہولے سے ہلایا۔

''اوکے میڈم! آڈیٹرز رپورٹ پرسوں تک ملے گی۔''

''فائن۔'' وہ کہہ کر اپنے آفس کے گلاس ڈور کی طرف مڑیں۔ ان کی پرسنل سیکرٹری عائشہ بخاری پیچھے آتے ہوئے دو قدم ہٹ کر کھڑی تھی۔ گلاس ڈور خود بخود کھلتا چلا گیا۔

وہ آگے بڑھیں۔ عائشہ بخاری ان کی تقلید میں اندر داخل ہوئی۔ دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

انہوں نے اپنا نازک سا پنک سلور پرس گلاس ٹاپ والی ٹیبل پر رکھا اور خود ٹیبل کے دوسری جانب پڑی ریوالونگ چیئر پر جا بیٹھیں۔

عائشہ بخاری، آفس کے سائیڈ روم میں چلی گئی اور چند لمحوں میں شیشے کے نازک گلاس میں پانی لئے واپس آئی جو اس نے میڈم یاقوت کے دائیں ہاتھ ٹیبل پر رکھ دیا۔ انہوں نے گلاس اٹھا کر دو گھونٹ پانی پیا اور گلاس رکھ دیا۔

''آج کا شیڈول کیا ہے؟'' انہوں نے بڑی نزاکت سے ٹشو سے ہونٹوں کے کناروں کو چھوا۔

''آج گیارہ بجے راحت ماربل انڈسٹری والوں سے آپ کی فائنل میٹنگ ہے۔ پہلی میٹنگ میں ان کے ساتھ تمام معاملات پر بات چیت ہو گئی تھی۔ مگر ریٹس فائنل نہیں ہوئے تھے۔ وہ آپ کے ریٹ سے سیون پرسینٹ زیادہ ڈیمانڈ کر رہے ہیں، اس لئے آج.......''

''میرا خیال ہے، وہ آج بھی شاید انہی ریٹس پر اڑے ہیں۔ اس لئے تم ایک بار کھوکھر برادرز سے بھی کنٹیکٹ کر کے ان کی ڈیمانڈ معلوم کرو۔ اگر ان کے ریٹس معقول ہوئے تو آج ہی ان کو میٹنگ کے لئے بلوا لو۔'' وہ ریوالونگ چیئر ہولے ہولے گھماتے ہوئے بولیں۔

''اوکے میم! میں یہ ابھی کر لوں گی۔ سیکنڈلی آج جہانگیر ہمدانی صاحب آ رہے ہیں، دبئی سے۔ آپ لنچ ان کے ساتھ کریں گی، اس سے پہلے انہیں ریسیو کرنے ایئرپورٹ گاڑی جائے گی۔ لنچ کے بعد ہاشمی صاحب آپ کو بریف کریں گے۔ تین بجے مائی چین آف بوتیکس کی مس صائمہ آپ کو بریف کریں گی، اسلام آباد میں ہماری کھلنے والی تیسری برانچ کی افتتاحی تقریب کی تفصیل بتائیں گی۔ پانچ بجے جاوید صاحب نے آپ سے اپائنٹ منٹ لے رکھی ہے۔ چھ بجے.......''

''چھ بجے کے بعد کی تمام اپائنٹ منٹس کینسل کر دو۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''چھ بجے میں آفس سے اُٹھ جاؤں گی۔ ڈنر.......''

''میم! آپ کا ڈنر آج سیٹھ جمیل کے نئے ولا کی خوشی میں گرینڈ فنکشن ہے، وہیں ہو گا۔'' اس نے یاد دہانی کرائی۔

''نو، نو۔ ڈنر جہانگیر صاحب کے ساتھ ہو گا۔ سیٹھ جمیل سے میں بعد میں ایکسکیوز کر لوں گی۔'' وہ جلدی سے بولیں۔

''میم! سیٹھ جمیل، مائی چین آف گروپس کے تھرٹی پرسینٹ شیئر ہولڈر ہیں۔''

''اوہ کمی، اونلی تھرٹی پرسینٹ۔'' وہ سر جھٹک کر نخوت سے بولیں۔ ''اوکے۔ آج میں اپنی اس حماقت کا بھی اینڈ کرتی ہوں۔ سیٹھ جمیل کو میں نے اس وقت بزنس پارٹنر بنایا تھا، جب میں سمجھتی تھی کہ مجھے بزنس کے اسرار و رموز سمجھنے کے لئے کسی زیادہ سمجھ دار، منجھے ہوئے بزنس مین کے ساتھ کی ضرورت ہے۔ ورنہ اس وقت بھی مجھے فنانشل پرابلم بالکل نہیں تھی۔ اور یہ میری امیچور سوچ تھی،

جسے جہانگیر نے اس وقت بھی پوائنٹ آؤٹ کیا تھا۔ مگر میں نہیں مانی۔ مجھے اپنی صلاحیتوں کے پوٹینشل کا اندازہ نہیں تھا، ورنہ وقت میں بھی اکیلی یہ سب آسانی سے سنبھال سکتی تھی۔ اینی وے، ہر انسان پر ایک فیز ایسا ضرور آتا ہے، جب اسے خود بھی صلاحیتوں کا اندازہ نہیں ہو پاتا اور وہ کوئی نہ کوئی حماقت ضرور کر گزرتا ہے۔ تم ابھی ہمارے بزنس کنسلٹنٹ شیخ اقبال صاحب کنٹیکٹ کرواور ان کے ساتھ میری پرسوں....... نہیں، بلکہ کل رات ایک ڈنر میٹنگ رکھ لو۔ میں اب اس پارٹنرشپ کا دی اینڈ کر رہی ہوں۔'' وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھیں۔ عائشہ نوٹ بک میں نوٹ کرنے لگی۔

''اور ہاں، وہ جو نئے اسسٹنٹ منیجر کی تقرری والا معاملہ ہے، وہ کب تک سیٹل ہوگا؟'' وہ یاد کرتے ہوئے بولیں۔

''میم! آپ کی ہدایت کے مطابق لاسٹ ویک تمام نیوز پیپرز میں ایڈ دے دیا گیا تھا۔ پرسوں آفٹر لنچ انٹرویو ہے۔ میں آپ کو بتا چکی ہوں۔'' عائشہ نوٹ بک بند کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں، میں بھول گئی، یہ اسسٹنٹ منیجر والا مسئلہ بہت اُلجھ گیا ہے۔ کوئی ڈھنگ کا بندہ مل ہی نہیں رہا۔ یہ تیسری اپائنٹمنٹ ہے گی۔'' وہ پیشانی پر اُنگلی پھیرتے ہوئے قدرے تشویش سے بولیں۔

''اگر مجھے دوبئی والی مین برانچ کے لئے کوئی معقول بندہ مل جائے تو اِدھر کسی ناتجربہ کار سے بھی گزارا ہو جائے گا۔ کیونکہ اُدھر کام تو رضا نے بخوبی سنبھال رکھا ہے۔ صرف اس کی ہیلپ کے لئے کوئی ہونا چاہئے۔ میرا اب دونوں طرف پراپر ٹائم دینا بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اوکے، دیکھتے ہیں۔ پرسوں انٹرویو میں شاید کوئی سوٹ ایبل شخص مل ہی جائے۔''

عائشہ بخاری بے تاثر چہرہ لئے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''جہانگیر کو ریسیو کرنے کون جائے گا؟'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد وہ بولیں۔

''ڈرائیور کے ساتھ....... آپ بتا دیں، کس کو بھیجوں؟'' وہ اپنی رائے دیتے دیتے رک کر بولی۔

''تم نہیں جاؤ گی کیا؟'' وہ عائشہ کو عجیب سی نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

''جی....... جی میم! میں چلی جاؤں گی۔'' وہ قدرے بوکھلا کر بولی۔

''کم آن۔ اب بنو مت۔'' وہ ہوا میں ہاتھ لہرا کر استہزائیہ انداز میں مسکرائیں تو عائشہ بخاری کا سر جھک گیا۔

''اور یہ تم نے اپنا حلیہ دیکھا ہے؟ لگتا ہے، بستر سے اٹھ کر آ گئی ہو۔ کیا میری پی اے کا ڈریس ایسا ہونا چاہئے؟ مائی چین آف گروپس کی آنر کی پی اے ہو اور یہ اول جلول ڈریس۔ عائشہ! کیا مجھے ہر بار تمہیں وارن کرنا پڑے گا؟'' ان کا لہجہ اتنا ترش نہیں جتنا انداز۔ عائشہ کے چہرے کا رنگ اُڑ سا گیا۔ وہ جواب میں کچھ کہنا چاہ رہی تھی، مگر اس کے ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

''سس....... سوری میم!'' میڈم یاقوت کی شعلہ بار نگاہوں سے گھبرا کر وہ بمشکل کہہ پائی۔

''سوری فار واٹ؟....... تم جانتی ہو کہ میری برداشت کی ایک لمٹ (حد) ہوتی ہے۔ اس کے بعد سب کچھ ختم۔ انڈراسٹینڈ وہ زور سے چلائیں۔ عائشہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا آ گیا۔ اس نے آہستگی سے کرسی کی بیک کو تھام لیا۔

''اوکے، اب تم آفس چند منٹ بھی نہیں رکنا۔ فوراً ''مائی بوتیک'' گلبرگ برانچ میں جاؤ اور سب سے بہترین ڈریس۔ ''مائی پارلر'' سے اپنی کوئی شکل نکال کر آؤ۔ اتنی دیر میں جہانگیر کی فلائٹ کا ٹائم ہو جائے گا۔ لنچ کے علاوہ شام تک تم جہانگیر کو کمپنی دو گی۔ تمہیں معلوم ہے نا، وہ کتنے چوزی ہیں۔ اور یہ تو تمہاری گڈلک ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ اب مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑے، سمجھ گئیں تم؟'' ان کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ عائشہ بخاری دُھواں دُھواں چہرے کے ساتھ بے حرکت کھڑی رہ گئی۔

''یو وانٹ ٹو سے سم تھنگ؟ (تمہیں کچھ کہنا ہے) اُسے خاموش کھڑا دیکھ کر وہ تیزی سے بولیں۔

''نو....... ناٹ ایٹ آل میڈم!'' وہ تیزی سے پلکیں جھپکتے ہوئے بولی۔

''فائزہ کو اپنی سیٹ پر بٹھا جاؤ۔'' وہ نارمل لہجے میں کہہ کر اپنے سامنے پڑی فائل کھولنے لگیں۔ عائشہ بخاری مُردہ قدموں کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔

''سنو!'' وہ ابھی دروازے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ انہوں نے اسی تحکم بھرے لہجے میں پکارا۔

''جی میم!'' وہ مستعدی سے مڑیں۔

''کوئی پرابلم چل رہی ہے گھر میں؟'' وہ فائل سے نظریں اٹھا کر بولیں۔

''نہیں میم!'' وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔

''تو پھر چہرے پر زبردستی اس خوامخواہ کی مسکینی کو ہٹاؤ۔''

''جی میم!''

''تمہارے فادر......ٹھیک ہیں وہ؟''
''رات بھرانہیں تکلیف ہوتی رہی، اس لئے۔'' وہ نم لہجے میں بولی۔
''اِٹس اے پارٹ آف لائف۔ یہ سب چلتا رہتا ہے۔ اکاؤنٹ سیکشن سے جاتے ہوئے دس ہزار لے جانا اور شام کو ان کا چیک اپ کراؤ۔ ناؤ چیئر اپ۔ او کے!''
''تھینکس اے لاٹ میم! میں اب جاؤں؟'' وہ مشکور لہجے میں بولی تو انہوں نے سر ہلا دیا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

✿......✿

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا، شام کے سرمئی سائے ہر طرف اپنے پَر پھیلا چکے تھے۔ قرب و جوار کی مساجد میں مغرب کی اذانیں ہو چکی تھیں، جب کہ دور کہیں سے ابھی بھی اذان کے آخری کلمات سنائی دے رہے تھے۔ فضا میں دونوں وقت ملنے پر جو گہرا سکوت اور اُداسی چھا جاتی ہے، وہی درد ان کلمات میں رچا بسا سنائی دے رہا تھا، جو سننے والوں کے دل کو اپنے سحر میں جکڑ رہا تھا۔ شام کے ان انتہائی لمحات کی گمبھیرتا، کچھ فضا میں بسا حزن اور تنزیل مراد کے قدموں سے لپٹی دن بھر کی ناکام کوششوں کی تھکن اُس کی رفتار کو اور بھی سست بنا رہی تھی۔
گھر کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ وہ آہستگی سے دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ نیم تاریک برآمدے سے ہوتا ہوا وہ صحن میں آ گیا۔ صحن میں لگے امرود کے اکلوتے درخت پر پرندوں کے گھونسلے بنے تھے اور یہ وقت پرندوں کے بھی گھر لوٹنے کا ہوتا ہے۔ درخت پر چڑیوں کے بے تحاشا شور نے اس گہری اُداسی اور گمبھیرتا کو صحن میں خاص حد تک شکست دے رکھی تھی۔
دادی جان، تخت پر گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز، درخت کو ٹکٹکی جمائے دیکھ رہی تھیں۔ حالانکہ موسم اچھا خاصا سرد ہو رہا تھا۔ اور اس وقت وہ عموماً اپنے کمرے میں ہی ہوتی تھیں۔
''السلام علیکم دادی جان! اس وقت ادھر کیوں بیٹھی ہیں؟ ٹھنڈ لگ جائے گی آپ کو۔'' وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کچھ فکرمندی سے بولا۔
''وعلیکم السلام! آ گئے؟'' وہ اس کی طرف کچھ غور سے دیکھنے لگیں۔
''جی۔'' تنزیل ان کے یوں دیکھنے پر نظریں چُرا کر سامنے بنے کچن کی طرف دیکھنے لگا۔ اسی وقت یاسمین کچن سے باہر نکلیں۔ صحن کی لائٹ جلا کر وہ تنزیل کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہیں آ گئیں۔
''بڑی دیر لگا دی بیٹا! تم نے۔ دوپہر کو گھر بھی نہیں آئے۔ کھایا تھا کچھ؟'' وہ اس کے بال سنوارتے ہوئے محبت سے پوچھنے لگیں۔
''آپ کو بتایا تو تھا کہ تین چار جگہ جانا تھا، اس لئے شام کو......''
''صاحبزادے! تین چار جگہ جاؤ یا دس بارہ، اصل بات تو یہ ہے کہ کہیں کامیابی بھی ملی یا روز کی طرح یونہی کندھے اچکاتے چلے آئے ہو؟''
احسن مراد کی طنزیہ آواز اس کے کانوں میں پڑی تو اسے لگا، دن بھر کی تھکن اس کے کندھوں میں درد بن کر دوڑنے لگی ہے۔ اس نے ایک شرمندہ سی نظر ماں کے چہرے پر ڈالی۔
''اُٹھو، پہلے باپ کو سلام کر لو جا کر۔ دن میں کئی بار تو تمہارا پوچھ چکے ہیں۔ دوپہر کو تم کھانے پر نہیں آئے تو خاصے فکرمند ہو رہے تھے۔'' یاسمین نے جانے کیسے اس کے درد کو جان لیا تھا۔ نرم ہاتھوں سے اس کے کندھے ہولے ہولے دباتے ہوئے بولیں تو وہ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''چلیں اماں! آپ بھی اندر۔ یہاں تو اب خاصی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔'' یاسمین نے ساس کا ہاتھ پکڑ کر انہیں سہارا دیا۔
''خیر سے کیا نتیجہ نکلا، تین چار جگہ گھومنے پھرنے کا؟'' ان کا لہجہ اسی طرح کاٹ دار تھا۔ اس کے سلام اور حال چال پوچھنے پر بھی ان کے لہجے میں فرق نہیں آیا تھا۔
''ابو! دو جگہ تو انٹرویو تھا۔ ایک جگہ ٹیسٹ اور حامد صاحب کی طرف تو آپ نے بھیجا تھا۔'' وہ سر جھکا کر بولا۔
''کیا کہا حامد صاحب نے؟'' وہ بے تابی سے بولے۔
''میرا سی وی (C.V) دیکھا اور......''
''اور مایوس ہو کر جواب دے دیا ہوگا۔'' وہ جلدی سے بولے۔
''نہیں، اپنی لیبارٹری اور میڈیسن شاپ کے لئے سائنس اسپیشلی بیالوجی اینڈ میڈیسن کیمسٹری سے متعلقہ گریجویٹ چاہئے۔ جب کہ میرا تھرو آؤٹ جرنلزم رہا ہے تو......''

"تمہارا دل تھا پڑھائی میں، نہ دماغ۔ میں نے لاکھ سر مارا کہ تم سائنس پڑھو۔ باپ انجینئر ہو، اپنے مانے کا ٹاپ اسٹوڈنٹ اور بہترین آرکیٹیکچر، تو بیٹا کم از کم، ایم ایس سی تو ہو۔ مگر تمہارا تو دماغ شروع ہی سے سائنس میں نہیں چلتا تھا اور تمہارے سر پر عشق سوار تھا آرٹس کا، جیسے جرنلزم تمہارے بغیر شاید مٹ ہی جائے گا زمانے سے۔ اور اس میں بھی ناکام۔ اب بھلا ایک رپورٹر بن کر تمہیں کیا مل جانا تھا؟ دیکھ لیا نا، دو سال سے جوتیاں چٹخار رہے ہو اور کسی "گئے گزرے" اخبار میں بھی پارٹ ٹائم جاب نہیں مل رہی۔ تم آگے کیا کرو گے بھلا؟" وہ بغیر رکے دل کی ساری بھڑاس اس پر نکالتے ہوئے بولے اور وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کہہ سکا۔

یہ بھی نہیں کہ "ابو جی! ادھوری تعلیم اور بغیر کسی تجربے کے وائٹ کالر جاب بھلا کہاں ملتی ہے۔ میں نے ایک دو چھوٹے موٹے اخبارات میں پارٹ ٹائم کیا تو آپ کو اس میں نہ جانے کون سی انسلٹ کا احساس ہوا کہ فوراً چھوڑ دینے کا کہہ ڈالا۔ اور اب دو ڈھائی ہزار کی جاب بھی نہیں مل رہی۔"

"آپ کم از کم اسے منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم تو ہو لینے دیجئے۔ اگر ڈھنگ کی نوکری نہیں مل رہی تو اس میں اس کا کیا قصور؟ کون سا اپنی تعلیم مکمل کر سکا ہے، جو پلیٹ میں سجی سجائی بہترین جاب مل جائے۔" یاسمین، بیٹے کی حمایت میں بولیں۔

"تم چپ کرو، جاہل عورت! ہمیشہ اس کی ناکامیوں پر پیٹھ ٹھونکنے آ جاتی ہو۔" وہ ایک دم سے بے قابو ہو کر چلائے۔ "جو اس کی پہلی ناکامی پر حوصلہ شکنی کی ہوتی تو آج کچھ بن گیا ہوتا۔ باپ کے یوں بستر پر پڑ جانے سے اس گھر میں روٹی کے لالے نہ پڑ جاتے۔"

"احسن بیٹا! کیوں چلا رہا ہے؟ تیری طبیعت بگڑ جائے گی خوامخواہ۔ مل جائے گی نوکری اس کو۔ یوں چیخنے چلانے سے کیا خوشحالی چل کر آ جائے گی گھر میں؟ .... حوصلہ کر۔" ثریا خاتون، احسن مراد کی والدہ، دوسرے کمرے سے بلند آواز میں بولیں۔

"حوصلہ میں تو کر رہا ہوں، گھر تین جوان بیٹوں سے بھرا پڑا ہے اور صاحبزادے روز سیر سپاٹا کر کے رات گئے گھر آ کر کھاتے پیتے ہیں اور ٹانگیں پسار کر سو جاتے ہیں۔ اگلی صبح کھا پی کر ڈکار لیتے، پھر باہر کی راہ لیتے ہیں۔" انہوں نے یوں چیخنے چلانے کے دوران ایک بار بھی تنزیل کے دھواں ہوتے چہرے کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی، جس کے کندھوں پر دباؤ ڈالے یاسمین گویا اسے دلاسا دے رہی تھیں۔

اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

"دیکھو جا کر، کون آیا ہے باہر؟" احسن مراد اپنے غصے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے تنزیل سے بولے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

"کچھ تو خیال کریں، جوان بیٹا ہے۔ گرم خون ہوتا ہے۔ غصے اور جوش میں آ کر خدانخواستہ کچھ غلط سوچ بیٹھا یا کر گزرا تو ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔" یاسمین، شوہر کے غصیلے چہرے کو دیکھتے ہوئے قدرے ترشی سے بولیں۔

"یہ سب تمہارے بے جا لاڈ پیار اور ڈھیل کا نتیجہ ہے جو وہ ابھی تک بے روزگار ہے۔" وہ بیوی پر الٹ پڑے۔

"ایسے کون سے لاڈ اٹھائے ہیں میں نے اس غریب کے؟" وہ بڑبڑائیں۔ "اتنی تو کوشش کر رہا ہے۔ آپ کی بیماری کی وجہ سے اس کی تعلیم بھی ادھوری رہ گئی۔ ماسٹرز کر چکا ہوتا تو یقیناً کسی نہ کسی اچھے اخبار میں جگہ بنا چکا ہوتا۔ گریجویشن کے فائنل ایگزام تھے جب میرا آپریشن ہوا۔ بے چارے کی ایک ٹانگ گھر میں ہوتی، دوسری ہسپتال میں۔ مر کے پاسنگ مارکس لے سکا۔ آج کل ہر شعبۂ زندگی میں کس قدر مقابلے بازی ہے۔ اور وہ مقدور بھر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ پھر بھی آپ آتے ہی اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔" یاسمین کو شوہر کے رویے پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

"تو کیا کروں؟ اسے سر آنکھوں پر بٹھا لوں؟ بینک بیلنس ختم ہو گیا، گھر میں پھوٹی کوڑی نہیں رہی۔ ان چار سالوں میں تو رفتہ رفتہ کر سب کچھ ختم ہو گیا اور جوان ہوتی تین بیٹیاں۔ میری تو راتوں کی نیند اڑی جا رہی ہے اور تم ماں ہو کر کیسی بے فکر ہو۔" وہ چڑ کر بولے۔

"احسن مراد! جتنی فکریں اور اندیشے پالیں گے، اتنی زندگی تنگ ہوتی جائے گی۔ فکر ضرور کریں، مگر کچھ اللہ پر بھی چھوڑ دیں۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ آپ رات بھر فکر کر کے اپنا خون جلاتے رہیں گے تو کیا ہوگا، نوکری چل کر آ جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ ہاں، آپ رات بھر دعا کریں تو نوکری ملے یا نہ ملے، آپ کے جلتے گھومتے دل و دماغ کو سکون ضرور مل جائے گا۔ اور یہ سکون آپ کے دماغ کا حق ہے۔ یوں بے جا فکروں سے اپنے قلب و ذہن کو کیوں اس کے جائز حق سے محروم کرتے ہیں؟ خود بھی بے سکون ہوتے ہیں، اوروں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔" یاسمین اب ان کے پاس بیٹھ کر ان کا کمزور ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے کہہ رہی تھیں۔

"سکون ہی تو نہیں ملتا مجھے۔" وہ جیسے تھک کر بولے۔ "بہت کوشش کرتا ہوں، خود کو سمجھانے اور سنبھالنے کی مگر نہ جانے کیا ہے، ذرا سی پریشانی پر میرا دل و دماغ کچھ بھی قابو میں نہیں رہتا۔" وہ بے بسی سے بولے۔ "اور یہ عمر بھر کی معذوری۔ اور کچھ نہیں

خیال مجھے پاگل کر دیتا ہے۔ ایک چلتا پھرتا، بھاگتا دوڑتا انسان یوں لاچار ہو کر بیٹھ جائے، پاگل نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ میں تو اس گھڑی کو روتا ہوں، جب اس زیر تعمیر پلازے کے چوتھے فلور پر مزدوروں کو ہدایت دیتے ہوئے، کیسے بالکل اچانک میرا پاؤں پھسلا اور سب کچھ ختم ہو گیا۔" وہ قاتل لمحے ایک بار پھر ان کی نگاہوں کے سامنے پوری جزئیات کے ساتھ پھرنے لگے۔

"احسن! آپ نے کیوں خود کو ان لمحات کا قیدی بنا لیا ہے؟ جو چیز تقدیر میں درج ہو، وہ آپ کی حسنِ تدبیر سے بھی نہیں ٹل سکتی۔ اللہ نے یونہی آپ کو اس امتحان میں مبتلا کرنا تھا، سو اس نے کیا۔ آپ لاکھ سر پٹیں کہ اس روز آپ سائٹ پہ نہ جاتے، چھٹی کر لیتے، چوتھے فلور پر نہ جاتے، گئے تھے تو اتنی دیر وہاں نہ کھڑے ہوتے یا اس کنارے کے قریب نہ کھڑے ہوتے۔ یہ سب تقدیر کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اور یہ محض آپ کی پریشان کن سوچیں ہیں، جو دن رات آپ خود پر سوار رکھتے ہیں۔ ورنہ دیکھیں، آپ پہلے سے کتنے بہتر ہو گئے ہیں۔ ابھی تو آپ شکر کریں۔ اللہ نے آپ کو زندگی بخش دی۔ کوئی خوفناک فریکچر........"

"ریڑھ کی ہڈی کے چار مہرے کھسک جانا، کیا کسی خوفناک فریکچر سے کم ہے تمہاری نظر میں؟" وہ تلخی سے بولے تو یاسمین سر ہلانے لگیں۔

"اچھا، اب مجھے بتائیں، آپ کی تازہ ترین پریشانی کیا ہے، جس کا غصہ آپ ان تمام باتوں کو دہرا کر نکال رہے ہیں؟"

"میری ساری دوائیں ختم ہیں۔ بلکہ کل بھی نہیں لیں میں نے اور مجھے اچھی خاصی تکلیف......." وہ یاسمین سے کوئی بھی پریشانی زیادہ دیر تک چھپا نہیں سکتے تھے۔

"آپ کو تکلیف ہے تو آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" یاسمین ان کی تکلیف کا سن کر بے چین ہو گئیں۔

"کیا کر لیتیں تم؟ اب کیا رہ گیا ہے بیچنے کو؟" وہ تیزی سے بولیں۔

"کچھ بھی کر لیتی احسن!....... ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ رات کتنی تاریک اور طویل کیوں نہ ہو، اس کا انجام بالآخر صبح کی سپیدی ہی ہے۔ یہ میرا یقین ہی نہیں، ایمان بھی ہے۔ پلیز آپ خود کو کمپوزڈ رکھا کریں، اللہ بہتر کرے گا۔ میں ابھی تنزیل کو بھیج کر دوائیں منگواتی ہوں۔ آپ پلیز اس سے تو صحیح طرح سے بات کر لیا کریں۔ نہ جانے کیا کیا سوچ رہا ہوگا، دل میں۔" وہ تنزیل کا خیال آتے ہی بے چین ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "صبح سے بھوکا پیاسا، پتہ نہیں کہاں سے مارا مارا آیا تھا اور آپ نے....... آپ بھی کبھار حد کر دیتے ہیں۔"

"السلام علیکم ابو جان!....... امی جان!" ثانیہ اندر داخل ہوتے ہوئے دونوں سے بولی۔

"اتنی دیر لگا دی؟" یاسمین تشویش سے بولیں۔

"جی، بس دیر ہو گئی۔" وہ سر جھکا کر مدھم لہجے میں بولیں۔

"کیا بات ہے، خیریت تو ہے نا؟" یاسمین اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔

"جی امی! خیریت ہی ہے۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر لائی۔

"تم تو پانچ بجے سے پہلے آ جاتی ہو اکیڈمی سے۔ آج تو چھ بلکہ ساڑھے چھ ہو رہے ہیں۔"

"امی! رضوی صاحب اکیڈمی بند کر رہے ہیں اسی مہینے سے۔ انہیں بہت نقصان ہوا ہے۔ آج انہوں نے میٹنگ میں سب ٹیچرز کو انفارم کیا، جس کی وجہ سے دیر ہو گئی۔" وہ سر جھکا کر دھیمی آواز میں بولی تو احسن مراد کے ساتھ یاسمین کے ہاتھوں سے بھی اُمیدوں کے بادبان چھوٹنے لگے۔ احسن مراد، بیوی کی طرف دیکھنے لگے۔

"کہو، اب سپیدۂ سحر کے بارے میں کیا کہتی ہو؟"

"چلو کوئی بات نہیں، ایک در بند، سو در کھلے۔ تم منہ ہاتھ دھو کر دیکھو۔ سعدیہ نے چائے بنائی ہو تو ادھر اپنے ابو کے کمرے ہی میں لے آؤ۔ اور تنزیل کو بھی بلا لاؤ۔" وہ باہر جانے لگیں۔

"تم لوگ چائے باہر ہی کہیں پی لو۔ میرے سر میں درد ہے۔ مہربانی کر کے ادھر کوئی نہ آئے۔" احسن مراد نے بے حد روکھے لہجے میں کہا تو یاسمین مڑ کر کوئی بحث بھی نہ کر سکیں۔ اس وقت تو انہیں خود کسی حوصلے، تسلی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور جسے حوصلہ دینا چاہئے تھا وہ تو پہلے ہی....... یاسمین نے ایک خاموش شکایتی سی نگاہ شوہر پر ڈالی اور باہر نکل گئیں۔

کہاں تک ہم مسلسل رخ بدلتے جائیں کشتی کا
وہیں طوفان اُبھرتا ہے جہاں ساحل سمجھتے ہیں

احسن مراد نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جاتی ہوئی یاسمین کو سنایا اور پھر زیر لب اسی شعر کو بار بار دہرانے لگے۔

✿◉......◉✿

"ہیلو عزہ عالم! کہاں گم ہو بھئی؟ صبح سے تلاشِ گمشدہ کی پکار تمہارے نام کے ساتھ سارے کالج میں گونج رہی ہے۔ تم نے تو

نہیں دیکھا کہیں ہماری عزیزہ دوست آنسہ عزہ عالم کو۔" فرح نے ٹینس کورٹ سے نکلتی عزہ عالم کو پیچھے سے آ کر کندھوں سے تھام کر گھما ڈالا۔

"کم آن فرح! تمہیں معلوم تو ہے، آج کل میں کس مصروفیت میں ہلکان ہو رہی ہوں۔ پھر یہ ساری بکواس کر کے میرا جی جلانے کی کیا تک ہے؟" وہ بلو بلیزر کی زپ بند کرتے ہوئے قدرے خفگی سے بولی۔ اس کا سرخ و سفید اُجلا چہرہ خون کی حدت سے جیسے دہک رہا تھا۔ فراخ دودھیا پیشانی پر ابھی بھی پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ سانسوں کا زیر و بم اس کی جسمانی مشقت کا پتہ دے رہا تھا۔ تولیے سے وہ اپنی پیشانی اور چہرہ پونچھتے ہوئے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"یہ ساری مصروفیات تم نے خود جی کا جنجال بنا رکھی ہیں، ورنہ میری جان! پڑھتے سب ہی ہیں، تھوڑا بہت غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ بھی لیتے ہیں۔ مگر تمہاری طرح پاگل کوئی نہیں ہوتا۔" فرح اس کے خیرہ کر دینے والے حسین چہرے کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے پیار سے بولی۔

"ہائے فرح! تمہیں کیا بتاؤں، ٹاپ آف دی لسٹ اِن ایوری فیلڈ آف لائف کتنا اٹریکٹ کرتا ہے مجھے۔ یہ احساس ہی میرے اندر دیوانگی سی بھر دیتا ہے کہ نصابی، غیر نصابی ہر سرگرمی میں عزہ عالم، وکٹری اسٹینڈ پر کھڑی نظر آئے اور میری اس دیوانگی میں شامل ہے میری محنت اور اللہ جی کی خاص مہربانی۔ بس ظالم! تُو نے چکھا ہی نہیں۔" وہ عجب سرشاری کے عالم میں آنکھیں بند کر کے بولیں۔

"فتح کا نشہ، دنیا کے سب نشوں سے بڑھ کر نشیلا اور ظالم ہوتا ہے۔"

"اللہ ہمیں اس نشے سے بچائے اور تمہارے دماغ کے اس خلل سے میں واقف نہیں ہوں گی تو کون ہوگا؟ ویسے یہ ٹینس ٹورنامنٹ میں پنگا ضروری تھا، جب کہ ہمارے سمسٹر بھی سر پر ہیں؟" وہ دونوں اب میوزک روم کے باہر بنے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ چکی تھیں۔

"مجبوری مائی ڈیئر!...... کوشش بھی کروں تو نہیں رہ سکتی۔ ویسے ایگزام کو میں نے کبھی بھوت نہیں سمجھا، یو نو۔" اس نے بیگ سے ہیئر برش نکال کر بالوں میں ہلکا سا چلایا اور بالوں کو دوبارہ ہیئر بینڈ میں جکڑنے لگی۔

"تو پھر ایک اور خوشخبری بھی سن لو۔" فرح اپنی فائل کے پیپرز اُلٹتے ہوئے بولی۔

"وہ کیا؟ کینٹین لے کر جا رہی ہو مجھے؟" عزہ نے برش دوبارہ بیگ میں رکھا۔

"وہ تو تم لے کر جاؤ گی۔ کالج میں سالانہ فنکشنز اسٹارٹ ہو رہے ہیں۔"

"یہ تو معلوم ہے مجھے۔" وہ آرٹس گیلری سے نکلتے لڑکیوں کے گروپس کو دیکھتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔

"تم نے کس کس میں حصہ لیا ہے؟"

"صرف ڈریس شو میں۔ ایک فوک گانے پر ڈانس ہے اور چھوٹا سا اسٹک ہوگا۔ دیکھو، وہ کرتی ہوں کہ نہیں۔ موڈ پر ڈیپینڈ کرتا ہے۔ تم خوشخبری تو سناؤ۔"

"میڈم فاخرہ نے فنکشنز میں کلاسیکل ڈانس کا آئٹم بھی شامل کر دیا ہے۔ ابھی نوٹس بورڈ پڑھ کر آ رہی ہوں۔ حصہ لوگی؟"

"کلاسیکل ڈانس میں؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"پچھلے دنوں تم نے کلاسز جوائن کی تھیں، "مائی کلاسک رقص" والوں کی۔"

"ہاں۔ وہ تو کی تھیں۔ مگر صرف سیکھنے کے شوق میں۔ اسے اسٹیج پر پرفارم کرنے کا میں نے کبھی نہیں سوچا، پھر......" وہ کچھ جھجک کر بولی۔

"پھر کیا؟" فرح کو اس کی جھجک پر حیرت سی ہوئی۔

"کچھ نہیں۔ سوچوں گی۔" وہ کندھے جھٹک کر بولی۔

"تمہاری ماما اب کیسی ہیں؟" فرح چند لمحوں بعد بولی۔

"فائن۔" اس کا لہجہ بے حد سرسری تھا۔

"سنا ہے، فنکشن میں چیف گیسٹ میڈم یاقوت ہوں گی۔ مائی چین آف گروپس کی اونر۔" فرح تھوڑی دیر بعد پھر بولی۔

"رئیلی؟" عزہ قدرے پُرجوش ہو کر بولی۔

"سنا ہے۔ ابھی فائنل پتہ نہیں۔ تھرڈ ایئر کا نجم کہہ رہا تھا۔ نجم گروپ کی گوسپ اکثر درست ہوتی ہیں۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔ اگر میڈم یاقوت چیف گیسٹ ہوں گی تو مجھے کلاسیکل رقص کا آئٹم کرنا چاہئے، کیا خیال ہے؟" عزہ جیسے خود سے بولی۔

"ہاں یار! اس وقت تو جدھر دیکھو، میڈم یاقوت کی شہرت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ پرسوں میں ایک چینل پر ان کا انٹرویو دیکھ رہی تھی۔

ہت زبردست لیڈی ہیں۔ دیکھنے میں بھی اور سننے میں بھی۔ دبئی سے انہیں یہاں سیٹل ہوئے محض پانچ چھ سال ہوئے ہیں اور اس قت ملک کے ہر بڑے شہر میں ان کا بوتیک، سیلون، آرٹ و فیشن جیولری، رقص، غرض شوبز سے متعلقہ ہر شعبہ میں مائیز (My's) کا م لازمی ہو گیا ہے۔ میڈم یاقوت کی آمد نے ہر فیلڈ میں گویا تہلکہ مچا دیا ہے۔ ان کا چیف گیسٹ بننا واقعی بہت ایکسائٹنگ (پُرجوش) ؏گا۔ میں تو آٹو گراف ضرور لوں گی۔" فرح ابھی سے پُرجوش ہوئی جا رہی تھی۔ "تم تو شاید ان سے مل بھی چکی ہو؟"

"کہاں یار! وہ ڈانس کلاسز کے دوران صرف ایک بار اکیڈمی آئی تھیں اور پانچ منٹ کی تقریر کی تھی، پوری کلاس کے سامنے اور ا۔ ریئلی بہت مقناطیسی شخصیت کی مالک ہیں۔ ان کی پرسنالٹی میں ایسا جادو ہے کہ سامنے ہوں تو اور کچھ سوجھتا بھی نہیں۔" عزہ سور میں جیسے میڈم یاقوت کی سحر انگیز شخصیت میں گم تھی۔

"چلو پھر دعا کرتے ہیں، چیف گیسٹ وہی ہوں۔ پتہ ہے، میری کزن کی پچھلے دنوں شادی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا برائیڈل ریس مائی چوائس سے لیا تھا۔ اُف، کیا ڈریس تھا۔ اتنا خوب صورت اور اتنا یونیک کہ جو دیکھتا، ایک بار ضرور ٹھٹکتا۔ واقعی My's والوں کی بات ہی اور ہے۔" فرح رطب اللسان تھی۔

"درست کہا تم نے۔ دو ماہ پہلے کالجیٹ ڈیبیٹ کانٹسٹ میں حصہ لینے آواری گئی تھی۔ سیکنڈ ہال میں مائیز والوں کا فیشن شو ہو رہا ا۔ ایسے ایسے غضب کے ڈریسز تھے کہ جی چاہ رہا تھا، سب ہی خرید لوں۔ بہت ڈیسنٹ ڈیزائننگ تھی۔ ذرا بھی اوور یا چیپ محسوس یں ہو رہی تھی۔

"چلو، پھر میڈم فاخرہ کے پاس چلیں۔ تم اپنا نام لکھواؤ۔ اور ان سے اُگلوانے کی کوشش بھی کرتے ہیں، چیف گیسٹ کے بارے ں۔" فرح اُٹھتے ہوئے بولی تو عزہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"پہلے یار! کینٹین چلیں گے، میرا پیاس سے برا حال ہے۔ یہ ثوبیہ اور ارم نظر نہیں آ رہیں تمہارے ساتھ؟" دونوں کینٹین کی رف چل پڑیں۔

"دونوں کی اکنامکس کی کلاس تھی، جاتے ہوئے انہیں بھی لے لیتے ہیں۔ فارغ ہو چکی ہوں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" دونوں دھوپ سے بچنے کے لئے آرٹس گیلری کے شیڈ کے نیچے سے ہو کر اسپورٹس گراؤنڈ سے باہر نکل یں۔

✲✲......✲✲
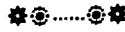
"میڈم! کوئی خاور قریشی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" انٹرکام پر فائزہ بھٹی نے میڈم یاقوت کو اطلاع دی۔

"کون خاور قریشی؟"

"کسی کالج سے......" فائزہ بھٹی نے پڑھ کر کالج کا نام بتایا۔

"کیوں، انہوں نے اپائنٹ منٹ لے رکھا ہے؟"

"نو میڈم! وہ کہتے ہیں، تین دن پہلے بھی آئے تھے، آپ میٹنگ میں تھیں۔ وہ آپ سے صرف چند منٹ لینا چاہ رہے ہیں۔ لج کے پرنسپل صاحب کا کوئی خصوصی پیغام لائے ہیں۔" فائزہ نے تفصیلاً بتایا۔

"اچھا، ان کا کارڈ بھجوا دو اور انہیں انتظار کرنے کو کہو۔"

"فائزہ! ان صاحب کو اندر بھجوا..." بیس منٹ بعد ان کے کلائنٹس اٹھ کر باہر گئے تو انہوں نے فائزہ کو پیغام دیا۔

"میڈم! پرنسپل صاحب نے آپ کے لئے پیغام بھیجا ہے۔ اصل میں وہ خود آنا چاہ رہے تھے اور شاید آئیں بھی۔ کچھ مصروفیات وجہ سے وہ ٹائم نہیں نکال پا رہے۔ آپ ہمارے کالج کے بارے میں تو جانتی ہیں نا؟" خاور قریشی کا دیا ہوا لفافہ کھول کر پڑھتے ئے میڈم یاقوت نے سر ہلایا۔

"کیوں نہیں۔ آپ کا کالج شہر کے دو ایک بہترین کالجز میں سے ایک ہے۔ اور اس میں صرف برگر فیملیز کے بچے ہی داخل ہو ہیں۔ کیونکہ اس کالج کے ہوش ربا اخراجات برداشت کرنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔" میڈم یاقوت نے لفافہ بند کرتے ئے صاف گوئی سے مسکرا کر کہا۔

"سوری میڈم! اب آپ زیادتی کر رہی ہیں۔ ہمارا کالج بہترین رزلٹ شو کرنے میں شہر میں نہیں بلکہ ملک کے چند سرکردہ ز میں سے ایک ہے۔" خاور قریشی نے احتجاجاً کہا۔

"ظاہر ہے، وہ کیا کہتے ہیں، جتنا گُڑ ڈالو اتنا میٹھا ہو گا۔ اتنے ہائی چارجز وصول کرنے کے بعد بھی اگر یہ کالج آؤٹ اسٹینڈنگ ٹ نہیں دکھائے گا تو پھر شہر کی بورژوا کلاس کو کسی اور ہائی فائی کالج کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔" وہ ریوالونگ چیئر گھماتے ئے اسی صاف گوئی سے بولیں۔

''لیکن میڈم! اس ملک میں ایسے کالجز کی بھی بہتات ہے، جن کی فیسیں اور اخراجات تو آسمان کو چھو رہے ہیں، مگر رزلٹ ہوتا ہے۔''

''خیر، میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ تعلیم کا شعبہ ابھی فی الحال میرے پراجیکٹس کی رینج میں نہیں آتا۔ آپ کے پاس منٹ ہیں اور مجھے ابھی ایک اہم کام کے لئے نکلنا ہے۔'' وہ سلور رسٹ واچ دیکھتے ہوئے رکھائی سے بولیں تو خاور قریشی شرمندہ ہو گئے۔

''سوری، اصل میں آپ کی سیکرٹری سے اپائمنٹ مل نہیں پا رہی۔''

''خاور صاحب! آپ کس لئے آئے ہیں؟'' اب کے لہجہ اور بھی روکھا تھا۔

''آپ پرنسپل صاحب کا میسج پڑھ چکی ہیں، وہ آپ کو کالج کے سالانہ فنکشن میں چیف گیسٹ کے طور پر مدعو کرنا چاہ رہے ہیں۔'' خاور قریشی جلدی سے بولے۔

''کب ہے آپ کا فنکشن؟''

''جی اگلے ماہ کی پانچ تاریخ کو۔''

''تقریباً تیرہ چودہ دنوں بعد۔'' وہ چند لمحوں بعد بولیں۔

''یس میڈم۔''

''ایسا ہے کہ آپ میری پی اے کو فنکشن کی ڈیٹ لکھوا جائیں۔ اگر اس دن میرے پاس ٹائم ہوا تو میری پی اے آپ کو کے انفارم کر دے گی۔ دوسری صورت میں سوری۔''

''میڈم! آپ کی شمولیت ہمارے لئے بڑے اعزاز کی بات ہو گی۔ آپ اسے اپنی اپائمنٹس میں شامل کر لیں۔''

''میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میرا تمام شیڈول میری سیکرٹری کے پاس ہوتا ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ پانچ تاریخ کو میری کون سی اپائمنٹس ہیں۔ شاید میں فارغ ہوں۔ آپ معلوم کر لیں جا کر۔''

''پلیز میڈم! آپ کو معلوم ہے، ینگ جنریشن آج کل آپ کی کس قدر فین ہو رہی ہے۔ آپ کو اپنے درمیان دیکھے گی تو ان کی جادوئی شخصیت سے کتنا انسپائر ہو گی۔ آپ جیسی قد آور شخصیت کو نئی نسل سے ملنا چاہئے تاکہ انہیں پتہ چلے، اتنی بلندی پر لمحات کا کھیل نہیں۔ اس کے پیچھے سالوں کی جدوجہد چھپی ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر ایک مضبوط قوت ارادی کا مالک دماغ ینگ جنریشن کا حق ہے آپ پر۔'' خاور قریشی نے وہ پتا پھینکا، جس سے سخت سے سخت دل بھی موم ہو جاتا ہے اور یہی ہوا۔

''آخر ہیں نا شعبۂ تعلیم سے وابستہ۔ گفتگو سے پٹانا آپ لوگوں کو خوب آتا ہے۔ او کے، میں ابھی پی اے کو بلا کر پانچ تاریخ کا شیڈول چیک کرتی ہوں۔ میری حتیٰ الامکان کوشش ہو گی کہ میں ینگ جنریشن کی اس خوب صورت گیدرنگ کو مس نہ کروں، خیال ہے، اب آپ کی تسلی ہو جانا چاہئے۔''

اسی وقت ان کے سیل کی سریلی گھنٹیوں میں بیپ بج اٹھی۔ اسکرین پر جہانگیر ہمدانی کا نام جگمگا رہا تھا۔ ان کے لب خود بخود اٹھے۔

''تھینک یو میڈم! میں کل فون کر کے کنفرم کر لوں گا۔'' میڈم یاقوت کے سر ہلانے پر وہ خدا حافظ کہتے ہوئے باہر گئے۔

میڈم یاقوت نے ایک گہرا سانس لے کر موبائل کان سے لگا لیا۔ ان کے لبوں پر بڑی جان دار مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور انوکھی سی لو دینے لگا تھا۔

✿✿......✿✿
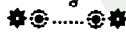
''دائم! رات کے کھانے میں کیا مینیو ہونا چاہئے؟...... تم میری ہیلپ کرو تو میں زبیدہ کو بتا جاؤں۔ آج میرا آپریشن ہے۔ واپسی پر مجھے اچھی خاصی دیر ہو جائے گی۔'' ڈاکٹر رخشندہ سرمئی لباس میں ہلکا پھلکا میک اپ کئے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے سامنے بیٹھے دائم مصطفیٰ سے بولیں۔

''ماما! جو مرضی پکا لیں۔ آپ کو میری پسند کا علم ہے۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا میگزین ایک طرف رکھتے ہوئے بولا۔

''جان! مجھے معلوم ہے۔ اور جو آپ خود سے بول دیں تو میرے لئے یہ بہت مہربانی ہو گی۔'' وہ اپنا شولڈر بیگ چیک کرتے ہوئے اسی عجلت بھرے انداز میں بولیں۔

''ماما! پاپا کس وقت آئیں گے؟''

''دائم! کم آن۔ آپ کو اپنے پاپا کی سب ٹائمنگز کا علم ہے، پھر کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' وہ بیگ سائیڈ پر رکھ کر تعجب سے

''ہوں، لگتا ہے بور ہو رہے ہو۔''

''آف کورس۔ آپ کو معلوم ہے، میں فارغ نہیں بیٹھ سکتا۔''

''تو کل سے اپنے پاپا کے آفس چلے جایا کرو۔''

''نہیں ماما!....... پاپا کے آفس ٹائم میں پاپا تھوڑی رہتے ہیں، اچھے خاصے ظالم جابر باس بن جاتے ہیں۔ ذرا ذرا سی غلطی پر اچھی خاصی کلاس لینے والے۔ مجھے بہت اُلجھن ہوتی ہے۔'' وہ اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''دائم! آج یا کل، یہ سب تمہیں ہی سنبھالنا ہے، اپنے پاپا کا بزنس۔ ابھی ان سے کچھ سیکھو گے تو کل کام آئے گا نا۔ پھر یہ بیزاری کیوں؟''

''ماما! مجھے آپ سے بے حد ضروری بات کرنا ہے۔ مگر آپ کے پاس ٹائم ہی نہیں ہوتا۔'' وہ ان کے تیار حلیے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''میری جان! تمہارے لئے ٹائم نہیں ہوگا تو اور کس کے لئے ہوگا؟'' وہ اس کے بالوں کو سنوارتے ہوئے میٹھے لہجے میں بولیں۔

''ماما! جو بات میں کرنا چاہ رہا ہوں، وہ تھوڑا سا ٹائم مانگتی ہے۔ اور آپ اس وقت جانے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ اس لئے کرنے کا فائدہ نہیں۔''

''ہوں، تیار تو میں ہوں۔ اور آج چھٹی بھی نہیں کر سکتی۔ آپریشن ڈے ہے۔'' وہ کچھ سوچ کر بولیں۔

''جی، معلوم ہے مجھے۔ کتنی ننھی منھی روحیں اس دنیا میں آپ کے ہاتھوں سے ہو کر آنے کے لئے بے چین ہوں گی۔'' وہ منہ بنا کر بولا تو وہ ہنس پڑیں۔

''ان ننھی روحوں کے پیرنٹس سن لیں تو تمہارے سر پر ایک بال نہ رہنے دیں۔ آج کے دن کا وہ کتنی بے چینی سے انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔''

''ماما! ادھر پیرنٹس کب ہوتے ہیں؟ بے چاری عورت ہی.......''

''دائم! میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ اب اگر کھانے کا بتا دو تو میری مشکل حل ہو۔'' ڈاکٹر رخشندہ گھڑی پہ نگاہ ڈالتے ہوئے بولیں۔

''اور میری مشکل کون حل کرے گا؟''

''فراغت........ ہوں........ یوں کرو، حل ہے میرے پاس۔'' وہ چٹکی بجاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کیا؟'' دائم بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''شادی کر لو۔ سر کھجانے کو ترسو گے، بلکہ.......'' وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

''جاب لیس کو کون لڑکی دے گا بھلا؟''

''بیٹا جان! اشارہ کرو۔ لڑکیاں دوڑی آئیں گی۔'' وہ زبیدہ کو آواز لگاتے ہوئے بولیں۔

''مجھے ایسی دوڑ کر آنے والی لڑکیوں سے شادی نہیں کرنی۔ آپ میری بات سن کیوں نہیں رہیں؟ اس وقت زبیدہ مجھ سے زیادہ اہم ہے کیا؟'' وہ جھنجلا کر ان کے کندھے تھام کر بولا۔

''میری جان! دنیا میں کھانے سے اہم کچھ بھی نہیں۔ ہر بھاگ دوڑ کا انجام بالآخر روٹی نکلتا ہے۔''

زبیدہ ان کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''فضول لاجک۔'' وہ سر جھٹک کر بولا۔ رخشندہ اسے ان سنی کر کے زبیدہ کو رات کے کھانے کے متعلق بتانے لگیں۔

''اب رائس تو تم لازمی لو گے۔ دونوں باپ بیٹا لگتا ہے، پچھلے جنم میں بنگالی رہ چکے ہو۔'' وہ زبیدہ سے کہتے ہوئے پلٹ کر بولیں تو دائم نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''ماما! تو آپ میری بات نہیں سنیں گی؟'' وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھیں تو وہ پیچھے آتے ہوئے بولا۔

''آج رات گیارہ بجے کے بعد میں تم کو ایک گھنٹہ دوں گی۔ جو تمہارے دماغ میں کھچڑی پک رہی ہے نا، میرے سامنے انڈیل دینا۔ پھر دیکھیں گے، اس کھچڑی کا مزید کیا بن سکتا ہے۔''

''تو گویا آپ سیریس نہیں؟'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''ارے بالکل نہیں، آئی ایم سیریس۔ ویسے جہاں تک میرا خیال ہے، تم کچھ نہ کچھ سوچ چکے ہو۔ اس لئے اتنے بے چین ہو رہے ہو۔''

"جی ماما!"

"میرا تو خیال تھا، جب تک تمہارا رزلٹ نہیں آتا، تم کچھ گھومو پھرو، عیش کرو۔ پھر تو عملی زندگی کی مصروفیت تو بندے کو ایسا جکڑتی ہے کہ اپنے لئے ٹائم نکالنا بھی محال لگتا ہے۔ بہر حال، رات کو بات کریں گے۔" پھر وہ جاتے جاتے رُکیں۔ "ویسے بائی دا وے، تم نے سوچا کیا ہے؟ اب دیکھو، مجھے بڑی بے چینی لگ گئی ہے۔"

"ماما! میں پاکستان جانا چاہ رہا ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا تو ڈاکٹر رخشندہ کے قدم وہیں ٹھٹک کر رہ گئے۔ وہ دائم کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"ماما!" اُن کی محویت پر دائم نے انہیں ہولے سے ہلایا۔

"او کے، خدا حافظ۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔

"میں نے ایسی کوئی انوکھی بات تو نہیں کہی۔ پھر ماما کا ری ایکشن؟" وہ سوچتے ہوئے اندر کی طرف مڑ گیا۔

✿◉......◉✿

"آپ کی ایجوکیشن؟" میڈم یاقوت نے تنزیل مراد پر اپنی نگاہیں جما کر پوچھا۔

"گریجویشن میڈم۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"اور تجربہ؟" میڈم یاقوت کے دائیں جانب بیٹھا شخص بولا۔

"جاب ملے گی تو تجربہ ہوگا نا۔" وہ کچھ تلخی سے بولا۔

"کوئی چھوٹی موٹی جاب، جو یہاں آنے سے پہلے کرتے رہے؟" میڈم یاقوت بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سنجیدہ چہرے پر سجی اس نوجوان کی گہری گہری اُداس آنکھیں انہیں خواہ مخواہ اپنی جانب متوجہ کر رہی تھیں۔ گندمی رنگت میں بلا کی کشش تھی یا میڈم یاقوت کو محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی تلوار کی مانند کھڑی ناک اور بھرے بھرے ہونٹوں کے اوپر سیاہ گھنی مونچھیں، چوڑی پیشانی اور سیاہ گھنگھریالے خوب گھنے بالوں والا سر۔ نہ جانے کیوں وہ انہیں شناسا سا لگ رہا تھا۔

"کمپیوٹر سے کوئی شد بد ہے؟ میرا مطلب ہے کوئی ڈپلومہ وغیرہ؟" ہاشمی صاحب کی آواز پر وہ چونکیں۔ نوجوان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو جناب! خالی خولی بی۔ اے پر تو ایسی جاب نہیں ملتی۔" ہاشمی صاحب چمک کر بولے۔

"میرا تو خیال ہے، آپ کے ایڈ میں خالی خولی بی۔ اے ہی کی ڈیمانڈ تھی۔ اور جب انٹرویو کے لئے آؤ تو اس میں خالی خولی کے ساتھ آپ دس ڈگریاں اور ڈیمانڈ کرنے بیٹھ جاتے ہیں، جس کا صاف مطلب ہے، آپ لوگ....." وہ ایک دم سے غصے میں آ گیا۔ اس کے ماتھے کی رگ پھڑ پھڑانے لگی۔ سیاہ آنکھوں میں جھلکتی سخت ناراضی اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے کا پتہ دے رہی تھی۔

"آپ کا پورا نام کیا ہے، مسٹر تنزیل ماد؟" میڈم یاقوت ایک دم سے ہاتھ اٹھا کر بولیں۔

"میرے C.V. میں لکھا ہے۔ آپ پڑھ سکتی ہیں۔ ویسے آپ کو جاب نہیں دینی تو شکریہ۔ یہ بہانے..."

"تنزیل احسن مراد!" میڈم یاقوت با آواز بلند بڑبڑائیں۔ "احسن مراد ہے تمہارے فادر کا نام؟" وہ اس کی جھنجلاہٹ کو نظر انداز کر کے جلدی سے بولیں۔

"جی۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔

میڈم یاقوت کے ہاتھ سے پین چھوٹ کر فائل پر گر پڑا۔ وہ یک ٹک پلک جھپکے بغیر تنزیل مراد کو دیکھے جا رہی تھیں۔

میڈم یاقوت کی طویل خاموشی اور چہرے کے غیر معمولی تاثرات، تنزیل مراد کے ساتھ انٹرویو پینل کے بقیہ ممبران کو بھی چونکا سے گئے۔

ہاشمی صاحب نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ میڈم یاقوت جیسے گہری نیند سے بیدار ہوئیں۔ فائل پر گرے پین اٹھا کر انہوں نے خود کو کمپوز کرنے کی پہلی کوشش کی۔

"میڈم! مزید کوئیسچن پوچھے جائیں؟" ہاشمی صاحب نے قدرے آہستگی سے ان کی طرف جھک کر پوچھا۔

"ٹھیک ہے مسٹر! آپ جا سکتے ہیں۔ رزلٹ ایک ہفتے بعد معلوم کر لیں یا......" انہوں نے ہاشمی صاحب کی سرگوشی کو نظر انداز کرتے ہوئے تنزیل مراد سے قدرے روکھے لہجے میں کہا۔

"یا......کیا؟" وہ تلخی سے بولا۔ "میڈم! سلیکشن تو آپ پہلے ہی کر چکی ہوں گی۔ کوئی بھی اپنے کسی قریبی تعلق دار یا جاننے والے کا Near and dear one ہے نا؟ پھر یہ فارمیلٹی کیوں؟ آپ کی فرم کون سا گورنمنٹ فنڈز کی محتاج ہے؟ اور یہ میرٹ کا ڈھکوسلہ...... آخر ہم جیسے سفید پوشوں کی تضحیک کا یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟"

تنزیل مراد، میڈم یاقوت کی آنکھوں میں اُترتی سرد مہری، بیگانگی سے اس انٹرویو کا حتمی نتیجہ اخذ کر چکا تھا اور نہ جانے کیوں آج سر جھکا کر باہر نکلنے سے پہلے اپنے دل میں اُبلتے لاوے کو وہ دبا نہ سکا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے میڈم یاقوت کو نفرت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے بولنے لگا۔

''آپ کا انٹرویو ختم ہو چکا ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔'' میڈم یاقوت نے اپنی مخروطی انگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا تو وہ مٹھیاں بھینچ کر انہیں دیکھتا رہا۔ ہاشمی صاحب، میڈم یاقوت کی فراخ پیشانی پر پڑتے بلوں کو دیکھ کر بے اختیار اُٹھ کھڑے ہوئے، تنزیل کو خود باہر کرنے کی نیت سے۔ اسی لمحے وہ کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں، آپ جیسے زمینی خداؤں نے ہماری زندگی کی اہمیت کتنی بے معنی سی کر دی ہے۔'' وہ اپنی فائل ہاتھ میں پکڑے غصیلے لہجے میں کہتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گیا تو وہاں موجود چاروں نفوس نے گویا سکون کا سانس لیا۔

''نیکسٹ امیدوار کو بھیجیں۔'' ہاشمی صاحب ریسیور اٹھا کر ریسیپشن پر کہنے لگے کہ میڈم یاقوت نے انہیں ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔

''جی میڈم!'' وہ قدرے تعجب سے ریسیور کان سے ہٹا کر پوچھنے لگے۔

''باقی امیدواروں کے انٹرویوز آپ پانچ بعد منٹ شروع کریں۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہی ہوں۔ ڈرائیور سے کہیں، گاڑی نکالے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں تو تینوں ممبران ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ گویا باقی کے انٹرویوز صرف خانہ پُری کے لئے ہیں یا باہر بیٹھے امیدواروں کی امیدوں کو ہرا رکھنے کے لئے۔

''اور ہاں، ہاشمی صاحب! یہ جو نوجوان ابھی انٹرویو دے کر گیا ہے، کیا نام تھا اس کا؟'' وہ اُٹھتے اُٹھتے بولیں۔

''تنزیل مراد، میڈم!'' ہاشمی صاحب جلدی سے بولے۔

''ان کا سی وی میری ٹیبل پر رکھوا دیجئے گا۔ او کے، اب میں چلتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اپنا پرس اٹھا کر تیز قدموں سے باہر نکل گئیں تو تینوں ممبران نے معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ کیا اور میڈم یاقوت کے اُلجھے ہوئے رویے کے بارے میں سوچتے ہوئے اگلے میدوار کا انتظار کرنے لگے۔

✲◉......◉✲
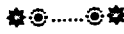
''آخر تم پاکستان کیوں جانا چاہتے ہو؟''

ڈاکٹر رخشندہ اس رات حسبِ وعدہ دائم سے بات نہ کر سکیں۔ اگلا سارا دن بھی روزانہ کی مصروفیات میں گزر گیا۔ آتے جاتے نہیں دائم کا رُوٹھا رُوٹھا سا انداز ان کے وعدے کے یاد دہانی کرواتا رہا، سو دوسری شام وہ ہسپتال سے جلدی اُٹھ آئیں۔ آج تو مصطفیٰ بھی ڈنر پر موجود نہیں تھے، وہ کسی بزنس ڈیل کے سلسلے میں انوائیٹڈ تھے۔ دونوں ماں بیٹے نے اکٹھے رات کا کھانا کھایا۔ کھانے کے حد زبیدہ ابھی ابھی فل کریم چاکلیٹ کافی کے دو مگ ان کے سامنے رکھ گئی تھی۔ ڈاکٹر رخشندہ کل سے اپنے دل میں مچلتے سوال کو بان پر لائیں۔

''اس کا سادہ سا جواب تو یہ ہے، پاکستان از مائی ہوم لینڈ، مائی مدر لینڈ۔'' دائم نے کافی کا بھاپ اُڑاتا مگ اُٹھایا۔

''غلط۔'' ڈاکٹر رخشندہ نے ٹانگیں سمیٹ کر صوفے پر رکھیں اور کندھوں پر پڑی شال درست کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری یدائش لندن کی ہے۔ میرے سوال کے جواب میں تم یہ نہیں کہہ سکتے۔''

''نو مام! میری پیدائش بے شک لندن کی ہے، مگر میرے ماں باپ کی، میرے دادا کی اور ان کے باپ، سب کی جڑیں اسی مٹی ں پیوست ہیں اور میں اسی درخت کی شاخ کا ایک حصہ ہوں۔ فزیکلی میرا یہاں پیدا ہونا، لندن کو میرا ہوم لینڈ بنانے کے لئے کافی میں۔''

وہ قدرے سنجیدگی اور تھوڑا خفا لہجے میں بولا تو ڈاکٹر رخشندہ کو بے اختیار اُس کے اس انداز پر پیار سا آ گیا۔

''تم تو برا مان گئے۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ دیکھو دائم! آج اس وقت پاکستان جن حالات، میرا مطلب ہے انٹرنیشنل لیول پر لستان کی ریپوٹیشن جس نازک موڑ کا سامنا کر رہی ہے، ایسے میں تو کوئی پاگل ہی، جس کے پاس کسی بھی یورپی ملک یا مغربی ملک کی نلٹی ہو، وہ پاکستان جا کر سیٹل ہو جانے کا سوچے گا۔ اور یہاں تمہیں مسئلہ کیا ہے؟''

''مام! میں اس ملک میں دوسرے درجے کا شہری ہوں۔ کوئی بھی معاملہ ہو۔ قانونی، معاشی، معاشرتی یا کچھ اور، مجھے ہمیشہ سرے درجے کی اہمیت دی جاتی ہے، اور......''

''اور یہ سیکنڈ کلاس امپورٹینس، پاکستان میں فرسٹ کلاس امپورٹینس سے ہزار درجے باعزت اور قابلِ قبول ہے۔ چاہو تو خود رنیٹ پر یہ سارا تقابلی جائزہ لے سکتے ہو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر قدرے تیزی سے بولی تھیں۔

''مام! میں آئی ٹی کا اسٹوڈنٹ ہوں۔ اور یہ سب آپ سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ مگر اس وقت ہمارا موضوع پاکستان کا دوسرے ممالک سے تقابلی جائزہ ہرگز نہیں ہے۔ اگر کسی ملک کے سب اچھے اچھے، لائق، ہنرمند، قابل لوگ اسے اپنے لئے غیر محفوظ جان کر اسے چھوڑ جائیں گے تو بتائیں پھر اس کی ترقی کی رفتار کیا ہو گی؟ صرف اپنی بہتری، خوشحالی اور محفوظ مستقبل کی خاطر سب اپنے ملک کو گھٹیا جاننے لگیں تو وہ ملک گھٹیا نہیں ہوتا۔ اس سے فرار حاصل کرنے والوں کی سوچ سطحی ہوتی ہے۔ اس مٹی کا، ان درختوں، ہریالی پر بڑا حق ہوتا ہے، جن کی آبیاری اس نے ننھے بیجوں کی شکل میں کی ہو۔ اور میں سمجھتا ہوں، بہترین انسان وہ ہے، جو اپنے محسن کو کبھی فراموش نہ کرے۔ ایم آئی رانگ؟''

ڈاکٹر رخشندہ ہاتھ میں مگ لئے، بڑے غور سے بیٹے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

''نہیں، بالکل نہیں۔ تمہاری سوچ بہت اچھی، بہت خوب صورت ہے اور کافی حد تک آئیڈیلسٹک۔ میرا مشورہ ہے، تم یہاں ابھی کچھ عرصہ اپنی فیلڈ سے منسلک کوئی جاب کرو یا اپنے پاپا کا بزنس جوائن کر لو اور اس دوران وقتاً فوقتاً اپنے ان خیالات کا جائزہ لیتے رہو۔ اپنی meditations (سوچوں) کو ذرا میچور ہونے دو۔ کچھ وقت دو خود کو بھی اور اپنی ان آئیڈیل سوچوں کو بھی۔ تھوڑا پریکٹیکل لائف میں آؤ گے تو تمہاری سوچ ایک نیا رخ لے گی۔ اور یہ نیا رخ یقیناً تمہیں بہترین گائیڈ لائن دے گا، تمہاری آئندہ پلاننگ کے سلسلے میں۔'' ڈاکٹر رخشندہ ٹھہر ٹھہر کر بولیں۔ دائم خاموشی سے سنتا رہا، اس کی خاموشی کو وہ نیم رضا جان کر کافی پینے لگیں۔ دائم بھی چپ چاپ کافی پینے لگا۔ دونوں ہی گہری سوچوں میں گم تھے۔

''میرا خیال ہے، تم میری بات سمجھ گئے ہو۔ ہے نا؟'' چند لمحوں بعد وہ خود ہی بولیں۔

''ہوں!'' دائم نے مگن انداز میں کہا تو وہ بھی مطمئن سی ہو کر کافی کے آخری گھونٹ پینے لگیں۔

''مام! ایک بات تو بتائیں۔'' دائم نے ان سے پہلے مگ خالی کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''پوچھو!''

''کیا آپ کا کبھی دل نہیں چاہا، واپس جانے کو؟'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ بولنے لگا۔

''ہوں....... چاہا بھی۔ مگر مصروفیت میری جان! جب بندہ مصروف ہو جائے تو پھر روٹین لائف میں ان سوچوں کی گنجائش نکالنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔''

''مصروفیت ایک علیحدہ چیز ہے، اس طرح کی سوچیں علیحدہ۔ یہ سوچیں اگر آپ کے اندر موجود ہوں تو بے تحاشا مصروفیت ان کے پنپنے میں آڑ نہیں بن سکتی۔''

''دائم.......!'' وہ تنبیہی انداز میں بولیں۔ ''اگر ابھی تمہاری تسلی نہیں ہوئی تو کہہ ڈالو، جو کہنا چاہتے ہو۔''

''آپ کا گھر ہے پاکستان میں۔ پھر پاپا کا اچھا خاصا بزنس بھی۔ پھر آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ادھر ہی کیوں مستقلاً آ بسے'' دائم کی سوئی ادھر ہی اٹکی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر رخشندہ کو لگا، وہ شاید ہی اس کے سوالوں کا شافی جواب دے سکیں۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ گھر، انسانوں سے ہوتے ہیں۔ خالی مکان کتنا ہی عالیشان کیوں نہ ہو، گھر نہیں کہلایا جا سکتا۔ میرے پیرنٹس پہلے فوت ہو چکے تھے۔ بہن بھائی کوئی تھا نہیں۔ دور پرے کے چند ایک رشتے دار تھے، جن سے شادی کے بعد ملنا جلنا ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ تمہارے دادا کا انتقال تو میری شادی سے بھی پہلے ہو گیا تھا۔ ایک دادی تھیں تمہاری، جن کا بائی پاس کروانے ہم ادھر آئے۔ پھر تمہاری پیدائش کے سبب ہمیں ادھر ہی کچھ عرصہ رکنا پڑا۔ اسی دوران تمہاری دادی کا انتقال ہو گیا۔ ان کی ڈیڈ باڈی لے کر ہم پاکستان گئے۔ بس....... اس کے بعد نہ جانے کیوں، وہ گھر ہمیں کھانے کو دوڑنے لگا۔ پھر میں نے اور تمہارے پاپا نے مستقلاً لندن سیٹل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔''

''اور پاپا مان گئے؟''

''ان کے ماننے کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہے۔ تمہارے پاپا کی چھوٹی سی آئرن فونڈری تھی، جسے حکومت نے قومیا لیا۔ اگر بدلے میں گورنمنٹ نے مصطفیٰ کو معاوضہ بھی دیا، مگر ان کا پھر ادھر بزنس کرنے سے دل ہی اچاٹ ہو گیا۔ انہوں نے برسوں اس فونڈری کو اپنی شبانہ روز محنت سے پروان چڑھایا تھا اور جب اس نے ٹھیک ٹھاک مارجن سے پروڈکشن شروع کی، حکومت نے اس پر اپنی نظریں گاڑ لیں، جس پر وہ ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ پاکستان سے ہی انہیں وحشت سی ہونے لگی۔ اور یہ جو تم میرے سامنے پاکستان کی رٹ لگا رہے ہو، اپنے پاپا کے سامنے نہ کہہ بیٹھنا۔ ان کا موڈ آف ہو جائے گا۔ اور اب چلو، چل کر سو جاؤ۔ خاصا ٹائم ہو گیا ہے۔'' وہ اٹھنے کو پر تولنے لگیں۔

''اور میرا مسئلہ۔ وہ تو آپ نے حل کیا نہیں۔'' دائم اسی طرح بیٹھے بیٹھے بولا۔

''دائم! اب پٹو گے مجھ سے۔ دیکھو، تمہارے مسئلے کے دو آپشنز ہیں۔ دو تین ماہ کے لئے گھوم پھر آؤ۔ یورپ، امریکہ

یا......"

"پاکستان۔" وہ لقمہ دیتے ہوئے بولا تو وہ اسے گھورنے لگیں۔

"جہاں تم چاہو۔"

"اور دوسرا آپشن؟"

"اپنے پاپا کا بزنس جوائن کرلو یا کسی جاب کے لئے اپلائی کردو۔ مصروف ہو جاؤ گے تو یہ فضول کی سوچیں تمہارا پیچھا چھوڑ دیں گی۔ خالی دماغ، شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ معلوم ہے نا؟" وہ دونوں خالی مگ اُٹھاتے ہوئے بولیں۔

"اس سلسلے میں آخری فیصلہ کس کا ہوگا؟" وہ حتمی انداز میں کہتے ہوئے اٹھا۔

"یقیناً تمہارا۔" وہ رک کر بولیں۔

"تو پھر میرا آخری فیصلہ پاکستان جانے کے بارے میں ہے۔ چاہے میں چند ماہ کے لئے جاؤں یا...... آپ پلیز صرف پاپا سے ذکر کردیں۔ باقی میں خود ان سے بات کرلوں گا۔ گڈ نائٹ مام!" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھا۔ ان کی پیشانی پر ہلکا سا بوسہ دے کر مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ انہوں نے بے اختیار اپنی پیشانی کو چھوا، تاریک رات کی سرد نمی جیسے ان کی پیشانی کو چھو کر گزر گئی۔

"پاکستان...... نہیں دائم!...... کبھی نہیں۔" وہ مگ وہیں رکھ کر صوفے پر گر سی گئیں۔

"میرا انتقام تمہاری قبر تک پیچھا کرے گا اور تمہیں قبر بھی پناہ نہ دے گی، جب تک میں حساب نہ چکا لوں۔ یاد رکھنا۔" نفرت، غصہ، وحشت، انتقام، کیا نہ تھا اس آواز، اس لہجے میں جو ایک زمانے بعد پھر سے ان کے کانوں میں گونجی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھیں، بس سر پکڑے سوچنے لگیں کہ دائم کو پاکستان جانے سے کس طرح روکیں۔ اور دائم کی ضدی طبیعت شاید ہی ان کی کسی دلیل کو قبول کرے۔

ان کے ارد گرد سوالیہ نشان ناچنے لگے۔

✲◉......◉✲
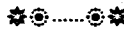
موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ سرمئی بادلوں کی ٹولیاں آسمان پر اِدھر سے اُدھر اٹکھیلیاں کرتی پھر رہی تھیں۔ قدرے تیز اور خنک ہوا انہیں اپنی بانہوں میں لئے پھریریاں سی بھر رہی تھی۔

لان کی باؤنڈری وال کے ساتھ لگے انار اور خوبانی کے درختوں کی شاخیں عجیب سرمستی کے عالم میں جھول رہی تھیں اور نیچے کیاریوں میں لگے خوش رنگ، خوشبودار پھول سر اُٹھا کے حیران آنکھوں سے کبھی جھومتی شاخوں کی طرف دیکھتے تو کبھی آگے پیچھے بھاگتے بادلوں کی طرف۔ خود عزہ عالم بھی بار بار اس خوب صورت نظارے میں جیسے گم ہو کر رہ جاتی اور اس کے سامنے کھلی کتاب کے اوراق پھڑ پھڑا کر اس کی محویت کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ سر جھٹک کر کتاب کی طرف متوجہ ہو جاتی۔ مگر یہ ارتکاز بھی چند منٹوں کے لئے ہوتا۔ ہوا کا تیز، خوشبودار لہراتا جھونکا پھر سے اسے موسم کی خوب صورتی کی جانب کھینچنے لگتا۔ وہ تقریباً گھنٹہ بھر سے اس چیپٹر کو ختم کرنے کے چکر میں پوری توجہ سے پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر ہوا کی شرارت اور موسم کا سحر اُس کی کوشش کو ناکام کرنے پر تلے ہوئے تھے اور ایسے سہانے منظر کو چھوڑ کر اندر بیڈ روم میں جانے کو بھی اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ آج کل کالج میں ہونے والے فنکشن کی تیاری کی وجہ سے اس کی پڑھائی اچھی خاصی متاثر ہو رہی تھی۔ ایک دو اہم پیریڈز تو ضرور ہی ضائع ہو جاتے۔ اس لئے وہ کوشش کرتی، گھر آ کر اس کمی کو ضرور ہی پورا کر لے۔ مگر آج کل نہ جانے کیوں، اس کا موڈ نہیں بن پا رہا تھا۔ گھریلو فضا اس کو مسلسل ڈسٹرب کر رہی تھی حالانکہ اس کا یہ عہد خود سے اتنا ہی پرانا تھا، جتنا اس کے شعور کی بیداری کہ وہ گھریلو ٹینشن کو اپنی پڑھائی کے راستے میں کبھی حائل نہیں ہونے دے گی اور اس کے لئے اس نے ایک لمبی اور مشکل ریاضت کے بعد ایسا سیٹ اپ بنا لیا تھا کہ پڑھتے وقت اس کا دھیان صرف کتاب کے صفحات پر لکھے الفاظ اور ان کے مفہوم در مفہوم کی طرف ہوتا۔ وہ گھریلو مسائل کا بٹن آف کر دیا کرتی تھی اور کالج جا کر وہ ایک پُر جوش طالبہ کا روپ دھار لیتی، جسے تعلیم اور تعلیم سے وابستہ دوسری غیر نصابی سرگرمیوں کے علاوہ اور کسی سر درد سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور جب وہ گھر کے اندر ہوتی تو......

کاش وہ اس گھر میں پیدا نہ ہوئی ہوتی۔

بارھویں دفعہ اس کی یکسوئی ہاتھ چھڑا کر پرے جا کھڑی ہوئی۔ وہ سر اٹھا کر شور مچاتے پتوں اور جھومتی شاخوں کو دیکھنے لگی۔ تیز ہوا کا ایک شریر جھونکا آیا اور اس کی آنکھوں کے نم گوشوں میں اٹکا ننھا سا آنسو اپنے پلّو میں چھپا کر کہیں دُور لے اُڑا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر اپنی آنکھیں رگڑنے لگی۔

اس وقت سیاہ گیٹ سے باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ اس نے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا۔ چوکیدار بے حد مستعدی سے گیٹ

کے دونوں پٹ وا کر رہا تھا۔ سیاہ شیشوں والی سیاہ مرسڈیز سبک رفتاری سے سرمئی تارکول کی سڑک پر گویا تیرتی ہوئی پورچ میں کھڑی ہوئی۔

گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر جسٹس محمود عالم کا پی۔اے باہر نکلا اور اس نے بڑے مؤدب انداز میں پچھلا دروازہ کھولا۔ جسٹس محمود عالم سیاہ سوٹ میں ملبوس شاندار اور بارعب انداز میں گاڑی سے باہر نکلے۔ ان کا قیمتی لباس اس وقت بھی اسی طرح بے شکن تھا جس طرح وہ صبح گھر سے جاتے وقت تیار ہو کر نکلے تھے۔ ان کے سیاہ بالوں کے بیچ سفیدی چھب دکھانے لگی، مگر کنپٹی کے سیاہ بالوں سے جھانکتی یہ سفیدی ان کے وقار میں کئی گنا اضافہ کر رہی تھی۔ سائیڈ پوز سے نظر آتی ان کی تواں ناک اور صاف رنگت والا پُرکشش چہرہ دور ہی سے انہیں ایک خوبرو، باوقار شخص ثابت کر رہا تھا۔

'پاپا کتنے گریس فل ہیں۔ اور اس عمر میں بھی ان کی فٹ نیس قابلِ رشک ہے۔ میں جب بھی پاپا کی طرف دیکھتی ہوں، میں جیسے فخر سے لبریز ہو جاتا ہے۔ جسٹس محمود عالم کی بیٹی ہونا ایک قابلِ اعزاز منصب ہے۔ مگر محمود عالم جیسی شخصیت کی بیٹی ہونا، رشک۔'

وہ باپ کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ جا رہی تھی۔ وہ نپے تلے قدموں سے کوٹھی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے۔ پی۔اے پہلے ہی ان کا بریف کیس اور فائلیں لے کر اندر جا چکا تھا۔ شاید موسم کی دلکشی نے انہیں روکا تھا کہ عزہ کی محویت نے پانچویں قدم پر کچھ سوچنے کے بعد لان کی طرف مڑ گئے۔

''گڈ ایوننگ پاپا!'' ان کے قریب آنے پر عزہ دلی خوشی سے معمور لہجے میں بولی۔ وہ اپنے معمول سے ہٹ کر کچھ بھی بہت کرتے تھے اور اس وقت معمول کے مطابق اندر جانے کے بجائے ادھر آنا عزہ کو بہت خاص لگا۔

''گڈ ایوننگ۔ ہاؤ آر یو؟'' وہ کین کی چیئر پر بیٹھتے ہوئے متانت بھرے لہجے میں بولے۔

''فائن پاپا!'' وہ ماتھے پر آتی، ہوا سے پریشان لٹوں کو کانوں کے پیچھے اٹکاتے ہوئے خوشی سے بولی۔

''کیسی جا رہی ہیں تمہاری اسٹڈیز؟'' انہوں نے ٹیبل پر پڑی کتابوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''اے ون، پاپا!'' اس وقت اس کی ساری حسیات باپ کی توجہ پر مرکوز تھیں۔

''اینی پرابلم؟'' پتہ نہیں، وہ روٹین کے سوال پوچھتے تھکتے نہیں تھے۔ بچپن سے لے کر آج تک انہوں نے عزہ سے پوچھے جانے والے سوالوں کا پیٹرن نہیں بدلا تھا۔

''نو پاپا! اگر ہو گی تو آپ سے ضرور ڈسکس کروں گی۔'' وہ اپنے شیفون کے ریڈ اسکارف کو گردن کے گرد لپیٹتے ہوئے بولی۔

''ہوں، اچھی بات ہے۔ میں تمہارے رزلٹ کو ہمیشہ آؤٹ اسٹینڈنگ دیکھنا چاہتا ہوں اور مجھے خوشی ہے، اس معاملے میں تم نے مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔'' انہوں نے اپنے تنے ہوئے وجود کو کرسی پر کچھ ڈھیلا چھوڑا۔ ''اور کیا چل رہا ہے آج کل؟''

''کالج میں اینول فنکشن ہونے والے ہیں۔ اس میں پارٹی ریسیپشن ہے میری۔ اور ٹینس ٹورنامنٹ، جو اس ہفتے کے آخر ہو گا۔'' وہ پُرجوش انداز میں بتاتے ہوئے باپ کے سپاٹ چہرے کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے جواب میں محض ہوں کہہ کر خفیف سا سر ہلا دیا۔ اس کے چہرے پر چمکتی جوت ان کے اتنے ٹھنڈے ردِعمل پر ایک دم سے بجھ گئی۔ وہ پلکیں جھپکتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اپنی ہتھیلیوں کو دیکھنے لگی اور ان دونوں کے بیچ پھیلتی خاموشی کو توڑنے کے لئے سرسراتی لہراتی ہوا بار بار دونوں کے بیچ اٹھکیلیاں کرتی رہی۔

''آج موسم بہت اچھا ہو رہا ہے۔ ہے نا پاپا؟'' بالآخر عزہ نے خاموشی کو توڑا۔

''ہوں۔'' محمود عالم جیسے کسی گہرے خیال سے چونکے اور سر اٹھا کر آسمان پر منڈلاتے بادلوں کو دیکھنے لگے۔ ''تمہاری ماما کہاں ہیں؟'' بالآخر انہوں نے وہ سوال پوچھ ہی لیا، جس سے لاشعوری طور پر شاید دونوں ہی کترا رہے تھے۔

''بیڈروم میں ہیں۔'' عزہ نظریں چرا کر دھیرے سے بولی۔

''انہیں بھی بتانا تھا، موسم کی خوب صورتی کے بارے میں۔'' پتہ نہیں، انہوں نے طنز کیا تھا یا مشورہ دیا تھا۔ عزہ ان کا چہرہ دیکھ کر بھی فیصلہ نہ کر پائی۔

''آپ چائے ادھر ہی پئیں گے یا اسٹڈی میں؟'' چند لمحوں بعد عزہ نے پوچھا۔

''اگر تو ہماری بیٹی خود اپنے ہاتھوں سے چائے دم کر کے لائے تو ہم ادھر ہی پی لیں گے۔ ورنہ تو مشتاق کے ہاتھوں سے روزانہ چائے کے نام پر جوشاندہ پیتے ہیں۔ سو آج بھی پی لیں گے۔'' وہ ایک دم سے بشاش لہجے میں مسکراتے ہوئے بولے۔ عزہ کو جیسے سارے جہاں کا خزانہ مل گیا۔

''وائے ناٹ، پاپا! آپ چینج کر کے آئیں۔ میں اتنی دیر میں چائے لاتی ہوں۔ اور اگر میری دم کی ہوئی چائے، آپ کے

مشتاق کے ہاتھوں کی چائے سے زبردست نہ ہوئی تو پھر کہیے گا۔ میرا انعام پکا۔'' وہ پُر جوش انداز میں کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''پکا۔'' وہ جواباً مسکرائے۔ ''کیا انعام لے گی، ہماری بیٹی؟'' وہ اس وقت خاصے موڈ میں لگ رہے تھے۔

''آج رات ہم تینوں باہر ڈنر کریں گے، ایک ساتھ۔ پکا؟'' اس کے لئے یہ دنیا کا سب سے بڑا انعام تھا کہ وہ دونوں کے ساتھ اچھا وقت گزارے۔''

''میری طرف سے تو پکا ہے۔ اب تمہاری ماما کیا کیا موڈ ہے، اس کا وعدہ تو میں نہیں کر سکتا۔'' وہ اُٹھتے ہوئے بولے۔

''ماما کی فکر نہ کریں آپ، وہ میری فرمائش نہیں ٹال سکتیں۔'' وہ بھرپور اعتماد سے بولی تو محمود عالم نے ایک گہری نظر اس کے خوب صورت چہرے پر ڈالی۔

''او کے، دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن یہ تو سب چائے پینے کے بعد کی باتیں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ چائے ہی دوبارہ مشتاق سے بنوانی پڑ جائے۔'' وہ جاتے جاتے ہلکا سا ہنس کر بولے تو عزہ انہیں خفگی سے دیکھنے لگی۔

''اور یہ بھی ہو سکتا ہے، آج سے مشتاق کی شام کی چائے کی آپ چھٹی کر دیں، میرے ہاتھوں کی چائے پی کر۔'' وہ اسی پُر اعتماد لہجے میں بولی تو محمود عالم کو بہت اچھا لگا۔

''غریب کی روزی پر لات مارنا تو عزہ عالم! انصاف کی بات نہیں۔'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے اسی خوشگوار موڈ میں بولے۔

''بات اگر انصاف یا بے انصافی کی ہوگی تو آپ کی کورٹ تک ہی پہنچے گی۔ اور خدارا، لمبی لمبی تاریخیں نہ ڈالیے گا، وہ آپ کی کورٹس کا موٹو ہے کہ میں اور مشتاق آخری فیصلہ لاٹھیوں کے سہارے، سفید سروں کے ساتھ سنیں۔'' وہ موتیا کی باڑ پھلانگتے ہوئے شرارتی لہجے میں بولی تو محمود عالم ہنس پڑے۔

''بہت تیز ہوگئی ہو تم۔'' وہ جواباً کہتے ہوئے اندرونی دروازہ کھول کر اندر چلے گئے اور عزہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

محمود عالم جیسے ہی بیڈروم میں داخل ہوئے، ان کے قدم جیسے دروازے کی دہلیز نے جکڑ لئے اور آنکھیں سامنے کے منظر کو دیکھ کر جیسے پھٹ سی گئیں۔

وہ کیسی آواز تھی کہ چائے کے لئے پانی، برنر پر رکھتی عزہ کے ہاتھ اتنی زور سے لرزے کہ ساس پین اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ماربل فلور پر زوردار آواز کے ساتھ جا گرا۔

✲ ......✲
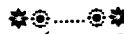
''یہ کیا ہے؟'' میڈم یاقوت، مشتاق لہجے میں کہتی ہوئی ذرا سا جھکیں۔ ان کی نظریں جہانگیر ہمدانی کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر پڑے تین انار کے دانوں سے نسبتاً کچھ بڑے قرمزی شعاعیں بکھیرتے ان پتھروں پر جیسے ٹھہر سی گئی تھیں۔

جہانگیر ہمدانی نے ہتھیلی کو ہولے سے حرکت دی تو ذرا سے ارتعاش کے ساتھ وہ تینوں پتھر اپنی جگہ سے سرکے۔ اب ان سے شہد کی رنگت جیسی یا شاید نارنجی، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔

''ساری روشنیاں گل کر کے دیکھو گی تو ان سے نیلی اور گرین کس روشنی نکلے گی۔ بہت خوب صورت اور ان گنت شیڈز ہیں ان کے۔'' جہانگیر ہمدانی نے ان پتھروں سے نظریں ہٹا کر میڈم یاقوت کے چمکتے چہرے کو دیکھا، جوان ہیروں کی مانند ہی مختلف شیڈز دے رہا تھا۔

''کیسے ہیں؟'' رائے پوچھتے ہوئے اس نے مٹھی بند کر لی۔

''بہت شاندار...... زبردست...... میرے لئے ہیں؟'' وہ بہت دیر تک اس خواہش کو دل میں نہ دبا سکیں۔

''ہوں...... ہیں تو تمہارے لئے۔'' جہانگیر ہمدانی نے میڈم یاقوت کی روشن پیشانی پر لہراتی بالوں کی گولڈن لٹ کو اپنی انگلی پر لپیٹا۔ جہانگیر ہمدانی کے لباس سے اُٹھتی قیمتی کولون کی مسحور کن مہک نے میڈم یاقوت کی ہر حس کو لمحہ بھر کے لئے جیسے مفلوج سا کر ڈالا اور اس شخص کی قربت میں آ کر اکثر وہ خود کو یونہی بے بس محسوس کیا کرتی تھیں۔

''کیا مطلب؟'' میڈم یاقوت نے مخمور لہجے میں بمشکل اپنی بوجھل پلکیں اٹھا کر پوچھا۔ جہانگیر ہمدانی کی بے بس کر دینے والی گہری گہری نظریں ابھی تک ان کے چہرے کے بے حد قریب خوشبودار حصار سا کھینچے ہوئے تھیں۔

''مطلب میری جان!'' انہوں نے میڈم یاقوت کے چہرے پر اس خوب صورت پل کا لطیف سا خراج ثبت کرتے ہوئے گہرا سانس لیا اور تینوں پتھر مٹھی کھول کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے۔ ''مجھ سمیت میرا سب کچھ، تمہارا ہی تو ہے۔ کہو تو ابھی ثبوت دے دوں؟'' ان کے بھاری لہجے اور معنی خیز انداز نے میڈم یاقوت کو بے ساختہ وہاں سے اُٹھنے پر مجبور کر دیا۔

''تو یہ گفٹ دینے کا کون سا طریقہ ہے؟'' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔

''ہمیں تو نہ محبت کرنے کے آداب آئے، نہ حُسن کو خراج بخشنے کے۔ جو ایسا ہوتا تو آج آپ ہم سے یوں گریزاں تو نہ ہو
اور ہر بار ہمیں آپ کی چوکھٹ پر اپنا کاسۂ محبت لے کر آپ کو مانگنے تو نہ آنا پڑتا۔'' وہ میڈم یاقوت کے قابلِ رشک فگر اور بے
حسین چہرے کی کشش کو اپنی بے باک نظروں میں سموتے ہوئے شاعرانہ انداز میں بولے۔

''اوں ہوں، پھر وہی اُلجھی اُلجھی باتیں۔ اتنے دنوں بعد آئے ہیں اور یہ مبہم گفتگو۔'' انہیں شروع سے جہانگیر ہمدانی کے
انداز سے بہت اُلجھن ہوتی تھی کہ پاس آنے بھی نہیں دیتا اور دور جانے بھی نہیں دیتا۔ پتہ نہیں، اس شخص کے گریز میں بھی
مقناطیسی کشش تھی کہ وہ اپنی ہستی کا وقار تو کیا، اپنی ہر مصروفیت کو گویا گولی مار کر دوڑی چلی جاتیں اور ادھر آ کر ساحل اور سمندر کا کھ
شروع ہو جاتا۔ یہ شخص ترساتر سا کر توجہ اور محبت کی ایک دو بوندیں ان کے پیاسے دل کے صحرا میں برساتا اور بس۔

''کہو تو سب کچھ کھل کر کہہ ڈالوں؟ یہ روز روز کی گداگری کا سلسلہ تو تمام ہو۔ پتہ نہیں یاقوت! تم میں کیا ہے، کتنے برس ہو
تم سے قریب ہوئے اور ابھی بھی یوں لگتا ہے، جیسے میں نے تمہارے اس قاتل حُسن، اس خوش نما، خوش ادا سراپے کو پہلی بار د
ہے۔ تمہیں دیکھتے ہی تمہیں مکمل طور پر پالینے کی خواہش دل میں چٹکیاں کاٹنے لگتی ہے۔ مگر یہ ظالم من کی آنکھ تمہارے حُسن
نظارے سے ہی سیر نہیں ہوتی تو خواہش کا کشکول خالی کا خالی رہ جاتا ہے۔ یار! تم اس عمر میں بھی سڑک کا امن خراب کرنے کی پو
اہلیت رکھتی ہو۔ سراپا قیامت۔'' فیروزی اور بلیو کلر کی لائٹ کامدانی مہین ساڑھی میں میڈم یاقوت کا سانچے میں ڈھلا دودھیا بدن
بار اس کا ایمان خراب کر رہا تھا۔

''یہ سارے فقرے آپ کی ذاتی شاعری ہے یا کسی تھرڈ کلاس رومانٹک فلم کے ڈائیلاگ؟ حد کر دیتے ہیں آپ بھی۔'' وہ
انداز میں جہانگیر ہمدانی کے مدھ بھرے جملے اپنے کانوں کے رستے دل میں اُتار رہی تھیں، یکایک بیزار سی ہو کر بول اُٹھیں
کب تک بارش کے برسنے کی آواز سن کر اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔

''او کے یار! تم ایک مشکل سبجیکٹ ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا، کون سی چیز تمہیں خوش کرے گی اور کون سی ناراض۔ اچھا سنو، اب
کام کی باتیں ہو جائیں۔'' جہانگیر ہمدانی نے اُٹھتے ہوئے سیدھے ہو کر کہا۔

''تو گویا اب تک بے کار باتیں ہو رہی تھیں؟'' وہ جتا کر بولیں۔

''تمہیں سمجھنا بہت مشکل ہے۔ ابھی تم ان باتوں سے بیزار ہو رہی تھیں اور اب..... اچھا، تمہیں جلد ہی ایک ایگزی بیشن
اہتمام کرنا پڑے گا۔ بہت زبردست سی۔ My's کے بی ہاف پر۔''

''کیسی ایگزی بیشن؟'' وہ پیشانی کی لٹوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے بولیں۔

''ان اسٹونز سے مزین جیولری کی۔''

''اوہ، اب بھی۔'' میڈم یاقوت نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے پتھروں کو دیکھ کر ہونٹ سکوڑے۔

''اور اس کے لئے ماڈلز بلکہ اسپیشلی ایک ہی ماڈل ایسی قیامت ہو کہ یہ ڈائمنڈز اور روبیز ہوں اور اس کا قاتل سراپا۔ اور خدا
لئے، اس نمائش میں ان پروفیشنل ماڈلز میں سے کسی کو سلیکٹ نہ کرنا، بالکل نیا چہرہ ہو۔ بے تحاشا معصومیت لئے۔ اور اَن چھوا کوارا
جس کی صراحی دار گردن میں پڑے یہ لاکھوں کے پتھر کروڑوں کے لگیں۔ اور اس ایگزی بیشن میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہو، جو
سیٹ چھوڑنے سے پہلے اپنا آرڈر پلیس نہ کرے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟'' جہانگیر ہمدانی نے اس تصور کا نقشہ پیش کیا، جس
اسے بہت دنوں سے بے چین کر رکھا تھا، جب سے یہ پتھر اس کے پاس آئے تھے۔

''ویسے بائی داوے، یہ اسٹونز کہاں سے ہاتھ لگے؟ اور ان کی مالیت کیا ہوگی؟ اور.......''

''یاقوت! ہم دونوں کی انڈراسٹینڈنگ اور محبت تقاضا کرتی ہے کہ ہم بزنس کے معاملات میں بھی اسی اعتماد کا مظاہرہ کر
کون؟ کتنا؟ کیا؟ کیسے؟ یہ تمہاری ہیڈک ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔'' جہانگیر ہمدانی نے ایک دم سرد لہجے میں قدرے ناگواری
میڈم یاقوت کا بے اختیار جی چاہا، ان ننھے پتھروں کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر اچھال دیں، جواب ان کی طرف دیکھ کر دبی دبی ہنس
رہے تھے۔

''لیکن یہ تو مجھے جاننے کا حق ہے نا کہ ہمارے پاس اتنا اسٹاک موجود ہے جو ہم سارے آرڈر فُل فِل (Full fill
سکیں۔'' وہ تیکھے لہجے میں ابرو اچکا کر بولیں تو جہانگیر ہمدانی ہنس پڑا۔

''تمہیں یہ اسٹائل سوٹ کرتا ہے۔ حُسن کا نخرہ نہ ہو، جو عاشق میں تڑپ نہ پیدا کر سکے تو بالکل مزہ نہیں دیتا۔ اس مچھلی کی
جس میں کانٹا نہ ہو، کھانے میں اس کا ذائقہ شکر قندی جیسا ہی لگے۔ بے مزہ، بے ذائقہ......اور تم اسٹاک کی فکر نہ کرو، بس آ
فکر کرو۔ اور یہ آرڈر کے ساتھ تم یہ نخرہ ضرور امیج کرنا کہ جی دیکھیں، کوشش کرتے ہیں۔ شاید آپ کی قسمت کا ایک آدھ پیس بچ ج
آپ تھوڑی دیر بعد کنٹیکٹ کریں۔ کسٹمر کی طلب کو جگانا ہے، مقابلے بازی کی ریس کو ہوا دینی ہے۔ اب ظاہر ہے، اس نمائش کو

کوئی بے چارہ سفید پوش تو آئے گا نہیں۔ سارے شہر کے نودولتیے انفرادیت کے چکر میں ایسی نمائشوں میں منڈلاتے پھرتے ہیں۔ اور پھر تمہارا نام، ریپوٹیشن اور تمہاری پرسنالٹی کا میجک۔ دیکھنا، یہ نمائش کتنی کامیاب رہے گی۔"

"اور میرا اشیئر؟"

"کیا؟" وہ حیرت سے چلا اٹھا۔ "ویری سیڈ۔ چلو، میں کچھ نہیں لوں گا۔ سب تمہارا۔ نفع نقصان سمیت۔ کہو تو لکھ دوں؟" وہ قدرے ناراضگی سے بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"میں نے اگر کبھی تمہیں اپنے سے الگ سمجھا ہوتا تو آج تم جس مقام پر کھڑی ہو، شاید اس کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتیں۔ مجھے بہت شاک لگا ہے۔" وہ پُرملال لہجے میں بولا۔

"مجھے بھی تم اکثر ایسے شاک لگاتے رہتے ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ مجھے جتانے کی عادت نہیں، تمہاری طرح۔ ورنہ......" اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس!" جہانگیر ہمدانی نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میڈم! یہ آپ کو کوئی میسج دینا چاہ رہے ہیں۔ ادھر کاریڈور میں، میں نے بہت روکا انہیں کہ میڈم میٹنگ میں ہیں مگر......" ویٹر، پلیٹ میں رکھا وزیٹنگ کارڈ میڈم یاقوت کے آگے کرتے ہوئے مؤدب لہجے میں بولا۔

"اوکے، جسٹ اے منٹ جہانگیر! میں ابھی آئی۔" وہ کارڈ ہاتھ میں لئے ویٹر کے ساتھ باہر نکل گئیں تو جہانگیر ہمدانی گہرا سانس لے کر کچھ سوچنے لگا۔ اسی وقت سائیڈ ٹیبل پر پڑے میڈم یاقوت کی سیل فون کی بیپ بج اُٹھی۔

جہانگیر ہمدانی نے موبائل ہاتھ میں لے کر اسکرین پر چمکتا نام پڑھا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی جان دار مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ بہت پیار بھرے انداز میں اس نے اسکرین پر جگمگاتے اس نام پر اپنی انگلی دھیرے سے پھیرتے ہوئے اس کے لمس کو گویا محسوس کرنے کی کوشش کی۔

"ہیلو......!" موبائل آن کر کے اس نے کان لگا کر میٹھے لہجے میں کہا۔

"پہچانا نہیں؟ میں جہانگیر ہوں۔ ہاؤ آر یو، سویٹ ہارٹ؟" اس کے مسکراتے لبوں اور کھلتے چہرے سے دل کی خوشی عیاں تھی۔

"فائن......آپ سناؤ۔ بہت دنوں بعد یاد کیا؟"

"جلد ہی۔ بہت جلد اب تو چکر لگے گا۔ بہت دل کر رہا ہے، اپنی سویٹ ہارٹ کو دیکھنے کو۔ اِن شاء اللہ، پہلی فرصت میں اور پہلی پوسیبل فلائٹ سے۔" جہانگیر ہمدانی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس ننھے سے موبائل کے اندر جا گھسے۔

"ہیں! یہ کیا، لائن ڈراپ ہوگئی۔" دوسری طرف سے ٹوں ٹوں کی آواز کے ساتھ رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ جہانگیر ہمدانی نے ایک بے بس نگاہ موبائل پر ڈال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اسی وقت میڈم یاقوت اندر داخل ہوئیں۔

"کس کا فون تھا؟" وہ اسے موبائل رکھتے دیکھ چکی تھیں۔

"سویٹ ہارٹ کا۔" وہ نیم دراز ہوتے ہوئے بولا۔

"اوہ!" میڈم یاقوت نے سیل فون اٹھا کر نمبر چیک کیا۔

"میرا جلد ہی چکر لگے گا۔ شاید اسی ہفتے ادھر ہی سے چلا جاؤں۔" جہانگیر ہمدانی نے کہا تو میڈم یاقوت کے چہرے کا رنگ بدل سا گیا۔ اور موبائل ہاتھ میں لئے وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گئیں۔

٭......٭

"یہ تمہیں بیٹھے بٹھائے پاکستان جانے کی کیا سوجھی ہے؟" اسامہ سبحان نے دائم سے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"یار! بیٹھے بٹھائے کب؟......میں نے تو کھڑے ہو کر بھی سوچا ہے، مجھے تو یہی بات سوجھ رہی ہے۔" وہ مذاقاً بولا۔

"کوئی وجہ؟......مطلب خاص وجہ؟" اسامہ کو شاید ڈاکٹر رخشندہ نے دائم سے اندر کی بات اُگلوانے کو کہا تھا۔

"نہ عام، نہ خاص۔ کوئی وجہ نہیں۔ بس میں کچھ عرصے کے لئے، شاید چھ آٹھ مہینے کے لئے یا سال دو سال کے لئے وہاں کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ اپنے لوگوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں، جیسے کوئی شخص پُرسکون سمندر میں سفر کرتے کرتے کسی اَن دیکھے جزیرے کو دریافت کرنے کی خواہش کے آگے خود کو بے بس پائے اور بیچ سفر میں اس جزیرے پر اُتر پڑے۔ بس کچھ ایسی ہی بے بس کر دینے والی میری یہ خواہش بھی سمجھ لو۔"

"اور یہ بس میں کس طرح آئے گی؟"

"بس میں آنے کا راستہ نہیں۔ بائی ایئر ہی جانا پڑے گا۔" دائم نے شرارت سے کہا تو اسامہ اسے گھورنے لگا۔ "چین اِک پل

نہیں اور کوئی حل نہیں۔ صرف وہاں جا کر اس بے چینی کو سمجھو چین مل سکتا ہے۔ اپنے لوگوں میں رہ کر، ان کو برت کر۔"

"یار! تم عجیب بات کر رہے ہو۔ اپنے تو وہ ہوتے ہیں، جن کے ساتھ آدمی ساری زندگی رہتا ہے، سارے معاملات کر زندگی کا ہر پل ان کے ساتھ شیئر کرتا ہے۔ ٹھیک ہے، ہم پاکستانی ہیں، مگر ہم نے تو آنکھ کھولنے کے بعد ساری زندگی ادھر ہے۔ وہاں کی معاشرت ہماری اب تک یہاں گزاری گئی زندگی سے ذرا میچ نہیں کرتی۔ بے وجہ خود کو مشکل میں ڈالنا۔ میری یہ لکھ لو کہ تمہیں وہاں جا کر پچھتانا پڑے گا۔" اسامہ پُرزور لہجے میں بولا۔

"لاؤ کاغذ پین۔ لکھ لیتا ہوں۔ اور جو پچھتایا تو تمہیں آواز دے لوں گا۔" دائم چڑ کر بولا۔

"اور جو میں گزرا وقت نکلا تو تمہاری آواز محض بازگشت بن کر لوٹ آئے گی۔"

"اسامہ! وہاں بھی انسان رہتے ہیں اور رہ رہے ہیں۔ اس ملک کا ہم پر بھی حق ہے۔ مجھے تو ماما، پاپا پر حیرت ہوتی ہے ا افسوس بھی کہ وہ اپنی زندگی کا بہترین حصہ، اپنی ذہانتوں اور صلاحیتوں کا قیمتی پورشن اس غیر ملک میں غیروں کو بخوشی دے ر اور اپنے ملک کے لئے ان کے پاس کیا ہے؟ تابوت میں بھیجنے کے لئے مردہ جسم اور ڈیڈ باڈیز کہ وطن کی خاک تو نصیب ہو سکے ڈیئر! کیا وطن کی مٹی صرف ان کے مردہ، بے کار جسموں کو جگہ دینے کے لئے ہے؟ اس کا ان کے زرخیز دماغوں پر کوئی حق نہیں؟ کی جذباتی دلیل نے ایک پل کے لئے اسامہ کو بھی چپ کرا دیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو دائم! مگر اکیلے تم کیا کر سکتے ہو؟"

"میرا ارادہ بھی کوئی توپ داغنے یا کوئی بہت قابلِ ذکر کارنامہ انجام دینے کا نہیں، صرف اپنی اعلیٰ تعلیم کو اپنے لوگوں کرنے کا خیال ہے۔ شاید میں اپنے کسی ایک ہم وطن کے ہی کام آسکوں۔" وہ جذباتی پن سے بولا۔

"ہاں...... ایسا ہو سکتا ہے۔" اسامہ چمکتی آنکھوں سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"بھئی، تم وہاں جا کر کسی پاکستانی لڑکی سے شادی کر کے اپنے وطن سے محبت کا قرض ادا کر سکتے ہو۔ کم از کم کسی ایک کے تو تم کام آسکو گے، مجھے پورا یقین ہے۔" وہ شرارتی لہجے میں بولا۔

"تم بھی اس کو ڈھنگ کی صلاح نہ دینا۔ مجھے یقین ہے، دائم کے دماغ کے کچھ پُرزے تو ویسے ہی ڈھیلے ہیں۔ جو رہے ہیں، انہیں تمہارے مشورے ضرور ڈھیلا کر دیں گے۔" لائبہ کافی کے تین مگ ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوتے ہوئے

"تمہاری موجودگی میں، میں اپنی خدمات سے دستبردار ہوتا ہوں۔" اسامہ صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تو گویا میں تم دونوں کے دماغ کے پیچ ڈھیلے کرتی ہوں؟" وہ ٹرے ہاتھ میں لئے ایک دم تپ گئی۔

"یہ تو میں نے بالکل بھی نہیں کہا۔ تم نے سنا دائم؟" اسامہ معصومیت سے بولا تو دائم نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

"تم دونوں مل کر مجھے بے وقوف بناتے ہو۔" وہ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر قدرے افسردگی سے بولی۔

"نہیں...... بالکل نہیں سویٹ ڈیئر! اب بھلا کوئی بنے بنائے کو کیا بنائے گا؟" اسامہ نے اپنا مگ اُٹھاتے ہوئے آرا کہا۔

"دائم! ویسے دیکھا جائے تو تمہارا یہ فیصلہ یا ارادہ جو بھی ہے، مجھے تو اچھا خاصا ایڈونچر لگ رہا ہے۔ یہ کیا اس برفیلے چوہوں کی طرح دبک دبک کر زندگی تمام کر دو۔" وہ اپنی خوب صورت، ننھی سی ناک سکوڑ کر بولی۔

"تمہارا کیا ارادہ ہے؟...... تم کیا کرو گی؟" دائم نے مگ لبوں سے لگایا۔

"ہم تو ڈال کے ٹوٹے پتے ہیں، جدھر ہوا لے چلی، چلے جائیں گے۔" وہ بیرونی سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پر گرتی برف کے گالوں پر نظریں جما کر عجیب لہجے میں بولی۔

"کیا بات ہے، یعنی فری فلائٹ۔ تمہارے تو مزے ہیں۔ سویٹی یار! آج کل جہازوں کے کرائے اتنے بڑھ گئے ہر بھاری بھر کم فیصلہ کرنے سے پہلے بھی جیب کی طرف سو بار دیکھنا پڑتا ہے۔ تم بلاٹکٹ اُڑتی پون کے سنگ جہاں چاہو، آ جا سکتی اسامہ نے کافی کا گرم گرم گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے بے ساختہ کہا تو دائم اور لائبہ دونوں اس کی بات سن کر ہنس پڑے۔

"ویسے پاکستان گئے تو مجھے بھی کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" وہ چند لمحوں بعد بولی۔

"تم سوچ نہیں رہیں، بلکہ سوچ چکی ہو۔ بھئی دائم! نوٹ کر لو۔ اس لڑکی نے تمہارے ہر ارادے میں رضا کارانہ شمولیت رکھی ہے۔" اسامہ نے کتنا سچ کہا تھا۔ لائبہ نے خفا سی نظروں سے اسے دیکھا۔ اسے پتہ نہیں، کیسے میری سوچوں کا علم ہے۔

"ہم یار ہیں تمہارے۔ دلدار ہیں تمہارے۔ ہم سے ملا کرو۔" اسامہ، لائبہ کو دیکھتے ہوئے لبوں میں گنگنانے لگا تو لائبہ

خفیار اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔
"اچھا مذاق ختم۔ بتاؤ دائم! تم نے فائنل کیا سوچا ہے؟" کافی کا خالی مگ، ٹیبل پر رکھتے ہوئے لائبہ نے اپنی بے چینی کو سنجیدگی کا تاثر دیتے ہوئے پوچھا۔
"فی الحال تو میرا ارادہ ہے جانے کا۔ آج یا کل میں پاپا سے بھی بات کرلوں گا۔ اس کے بعد سب کچھ ڈن۔"
"چلو، پھر میں بھی چلوں گی۔" وہ بھی فوراً تیار ہو گئی۔
"ہاں بھئی۔ تم خود مختار ہو، اپنا ہر فیصلہ کرنے میں۔" اسامہ اسے رشک بھری نظروں سے دیکھ کر بولا۔
"ایسی کوئی بات نہیں۔ میرے فیصلوں کی پرواز صرف میری سوچوں تک ہے۔ اس سے آگے کی طاقتِ پرواز نہیں ہے میرے پاس ڈیئر!" وہ پھیکی سی ہنسی سے بولی۔
"اس میں اتنی رنجیدہ، سنجیدہ یا ماتمی صورت بنانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ ہم سب کی طاقتِ پرواز ایک حد تک ہوتی ہے۔ ہمارے نوے فیصد فیصلے دوسروں کی رضا کے تابع ہوتے ہیں۔ اور جو باقی دس فیصد بچتے ہیں، ان پر تقدیر اپنی قینچی چلا دیتی ہے۔ یوں ہم پر ناحق تہمت ہے مختاری کی۔ کچھ ایسا ہی حال سب انسانوں کے فیصلوں کا ہوتا ہے فرینڈز!" دائم نے مسکراتے ہوئے گویا لائبہ کو تسلی دینا چاہی۔ یہ اور بات کہ وہ اس کی "تسلی" پہ ضرورت سے زیادہ پھیل جاتی تھی۔
"ایسا بھی اندھیر نہیں مچا۔ اپنے مستقبل کا ہر فیصلہ میں خود کروں گی۔ اور دیکھنا تم لوگ، کیا دوسروں کی رضا اور کیا فیس Destiny (تقدیر) کی قینچی، سب کو میرے فیصلوں کو فیس کرنا پڑے گا۔" لائبہ چمکتی آنکھوں کے ساتھ مضبوط لہجے میں بولی تو دائم اور اسامہ نے اسے یوں دیکھا جیسے کسی بچی کو تتلی پکڑ کر خوش ہوتے دیکھ رہے ہوں۔
"چلو، یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ Time will qulify everything"
"ابھی تو ہم کچھ اور بات کر رہے تھے غالباً۔" اسامہ نے دونوں کو یاد دلایا۔
"یاد ہے....... اتنے دُور نہیں نکل گئے کہ تمہیں یاد دہانی کروانا پڑے۔" لائبہ جو دائم کی مسکراہٹ کو بڑی دل جمعی سے دیکھ رہی تھی، اسامہ کے ٹوکنے پر کچھ چڑ کر بولی۔
"اتنی دور نکل بھی نہیں جانا۔ ورنہ میں ضرور یاد دہانی کرواؤں گا۔" وہ باور کرانے والے لہجے میں بولا۔
"اور تمہاری یاد دہانی پر جیسے میں رُک جاؤں گی۔ یہ خوش خیالی اپنے دماغ سے نکال دیجئے، مسٹر!" وہ فوراً اُسامہ کے جملے کی تہہ تک پہنچ کر بولی۔
"جس طرح تم مجبور ہو، اسی طرح میں بھی ہوں۔ اوکے! میرا خیال ہے، اب چلنا چاہئے۔ کافی ٹائم ہو گیا ہے۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔
"بہت گھنّے ہو تم، اُسامہ! تم نے تو بتایا ہی نہیں کہ تمہارا فیوچر پلان کیا ہے؟" دائم کے پوچھنے پر اُسامہ گہری سی مسکراہٹ سے اسے تکنے لگا، مگر بولا کچھ نہیں۔
"تم سے کیا پوچھا گیا ہے، فلاسفر صاحب!" لائبہ کو بھی اس کی اتنی گہری مسکراہٹ سے کھد بدی ہوئی۔
"بتاؤں گا جلد۔" وہ کہتے ہوئے اپنا رین کوٹ، صوفے کی بیک سے اٹھا کر پہننے لگا۔
"برادر! یہ دوستی تو نہ ہوئی۔" دائم نے اس کے قریب آکر کندھے پر ہاتھ مارا۔
"بتاؤں گا۔ سب سے پہلے تم دونوں کو ہی بتاؤں گا۔ ابھی تو میں خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہا۔ یونہی کہہ ڈالا تو تم دونوں کہو گے، ہماری کاپی کر رہے ہو۔"
"تو گویا یہ تکون ایک ہی جگہ جا کر دم لے گی۔ جہاں تک میرا خیال ہے، اُسامہ سبحان! تم بھی پاکستان جانے کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ ایم آئی رائٹ؟" لائبہ نے پورے یقین سے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو اُسامہ اسے جھٹلا نہ سکا۔ کیسے کہہ دیتا کہ تمہارا اور دائم کا یہ خیال تو ابھی یا چند دنوں کا ہے جبکہ وہ تو بہت سالوں سے پل پل دن گن رہا تھا کہ کب اسے پاکستان جانے کا موقع ملے اور اس کی جستجو کو کنارہ ملے۔ اسے سوچ کے اس برزخ سے نجات ملے، جو سالوں سے اُس کے اندر گل سڑ رہا ہے۔ اُسامہ ان دونوں کو کوئی بھی جواب دیئے بغیر چپ چاپ باہر نکل آیا۔ اس کے قدم ایک لمبی مسافت پر جانے کو بے چین ہو رہے تھے۔

✲۞......۞✲

"تنزیل بیٹا! آج تم نے کہیں نہیں جانا؟" ناشتے کے بعد جب کافی دیر تک وہ اپنے کمرے سے نہ نکلا تو یاسمین کچھ بے چین سی ہو کر اندر چلی آئیں۔ وہ کرسی پر بیٹھا صحن سے لگے امرود کے درخت کی اونچی شاخوں کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں ان شاخوں پر تھیں اور دھیان کہیں دور.......

''نہیں امی! کہیں نہیں۔'' وہ یاسمین کی آواز پر کچھ چونکتے ہوئے قدرے ٹانگیں پھیلا کر سستی سے بولا۔
''اچھا!'' وہ کچھ لاجواب سی ہو کر وہیں کھڑی رہ گئیں۔
''کچھ کام تھا آپ کو؟'' ماں کی خاموشی اسے کچھ سمجھانے لگی۔
''نہیں۔ کچھ خاص نہیں۔'' وہ جبراً مسکرائیں۔ جس سے ان کا چہرہ کچھ اور بھی کھنچ سا گیا۔ تنزیل نے بے اختیار نظریں ج
درخت کی اونچی شاخوں پر تین چار چڑیاں پھدکتے ہوئے شور مچا رہی تھیں۔
''میرے مولا! تیرا شکر ہے۔'' ثریا خاتون تخت پر لیٹے لیٹے حسبِ عادت بلند آواز میں بڑبڑائی تھیں۔
''تانیہ کہاں ہے امی؟'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد تنزیل نے پوچھا۔
''اسے کہیں انٹرویو کے لئے جانا تھا۔ ابھی ابھی نکلی ہے۔'' وہ کہتے ہوئے تنزیل کے پلنگ کی چادر درست کرنے لگیں۔
''کیسا زمانہ آ گیا ہے۔ پہلے ایک فرد کماتا تھا، سات کھاتے تھے اور الحمدللہ بخوبی گزر اوقات ہو جاتی تھی۔ اب تو ایسی
پڑی ہے ہر چیز میں کہ سات کمانے والے ہوں تو پھر بھی گزارہ نہیں ہوتا۔ یہ صدی بڑی ہی بھوکی صدی ہے۔ اس کی تو اب
سے ہوتی ہے۔ کام کرتے جاؤ، ہنر سیکھتے جاؤ۔ مقابلے میں ریس لگائے دوڑتے جاؤ، پھر بھی نہ یہ مطمئن ہے نہ اس کا پیٹ
اور.......اور کچھ کر کے دکھاؤ۔ بس یہی ہاہاکار پڑی ہے زمانے میں۔ آج سوچتی ہوں، میرے ہاتھ میں بھی کوئی ہنر ہوتا، ک
سلائی کڑھائی کا تو چلو میں اپنے گھر کے لئے چار نہ سہی، دو پیسے ہی بنا سکتی۔ اپنا وجود ایسا ناکارہ اور فاضل تو نہ محسوس ہوتا۔ تعلیم
کسی شمار میں نہیں اور جو جانو تو جاہل بھی نہیں کہ جا کر دو چار گھروں میں جھاڑو پونچھا کر کے اپنی نظروں میں کوئی جگہ بنا سکو
شرمندہ ہوں بیٹا! میں تم سے، اپنے شوہر سے، خود سے کہ میں کسی کے بھی کام کی نہیں۔
پتہ نہیں، وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔ کیسی سوچیں آج کل ان کے دماغ میں پل رہی تھیں کہ کہتے کہتے وہ آنکھوں میں
لائیں۔
''امی! کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ خدا نہ کرے کہ آپ ناکارہ یا بوجھ ہوں۔ امی! آپ نے تو اس گھر کا سارا بوجھ اٹھا رکھا
تنکا بکھرتے اس آشیانے کو جوڑ رکھا ہے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں؟ میں ہوں نا، ان شاء اللہ بہت جلد کوئی نہ کوئی جاب مل ج
گی۔'' وہ اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا اور ماں کی دلجوئی کرتے ہوئے بولا۔
''بجلی اور گیس کا بل دو ماہ کا سرچارج لگ کر آیا ہے۔ ساتھ میں ڈس کنکشن کا نوٹس بھی اور کل آخری تاریخ ہے۔ اچھا
کشادہ تھا۔ آج اتنا ہی ہوتا تو ایک حصہ کرائے پر چڑھا دیتے۔ نہ جانے کہاں سے تمہارے دادا کے سوتیلے پیدا ہو کر چلے آ
تو مر کھپ چکے تھے، سو مقدمے بازی سے بچنے کے لئے تمہارے ابا نے آدھے سے زیادہ گھر ان کے حوالے کر دیا اور جو دیکھا
ان کا حق بھی تھا، پر اتنے کھاتے پیتے تھے جو اپنا حق سوتیلے بھائی کے حق میں چھوڑ دیتے تو کیا تھا؟ پر کسی کے بارے میں کو
ہے؟ لاکھوں کی پراپرٹی کوڑیوں کے مول بیچ کر باہر چلتے بنے۔ آج وہی جگہ ہمارے پاس ہوتی.......تین کمروں کے اس ڈر
تو ہمارا گزارہ محال ہے، کرائے کا کیا سوچیں؟''
تنزیل کو ماں کی باتیں سن کر ہی ہنسی آنے لگی۔ سالوں پہلے کی بات جس کا یہاں کوئی محل بھی نہیں تھا، شاید بجلی اور گیس
یونہی سب کے اوسان خطا کر دیتے ہیں۔
''تمہارے دادا کے سوتیلے بھائی۔ یہ تم عورتوں کو کہانیاں سنانے کی کتنی لت ہوتی ہے؟ بھلا اس کو کیا سناتی ہو؟ کیا فرق
اسے؟'' احسن مراد، اسٹک کے سہارے نہ جانے کب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ وہ اسٹک بہت کم استعمال کرتے تھے۔ خو
بھی ہوتا تو تنزیل کا سہارا لے لیا کرتے تھے، ورنہ وہیل چیئر پر ہی ادھر سے اُدھر آیا جایا کرتے تھے۔
''ایسی کیا کہانی ہے۔ سچ بات ہے۔ آج وہ جگہ.......'' یاسمین قدرے برا مانتے ہوئے بولیں۔
''اچھا بس، گڑے مُردے اُکھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ جو بیت گیا، سو بیت گیا۔ اچھا ہے وہ اسی دنیا میں اپنا حق
ورنہ تو روزِ محشر میں کہاں سے ان کو ادائیگی حق کرتا پھرتا۔ یہ آج تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا یاد آیا ہے؟''
''دیکھا نہیں آپ نے، سامنے قریشی صاحب نے دو کمرے بالکل ڈربہ نما، چھ ہزار روپے پر کرائے پر چڑھائے ہیں۔
پوری حویلی تھی، اگر.......''
''اگر مگر، کاش، چونکہ، چنانچہ سب نااہلوں اور نکموں کی ایجادات ہیں۔ ان میں سے ایک لفظ بھی تمہیں اپنی گفتگو میں ا
کرنا پڑے جو تمہارا یہ نالائق بیٹا کسی قابل ہوتا، گھر بیٹھا پلنگ نہ توڑ رہا ہوتا۔ چائے کا ایک کپ اگر اس وقت موجود ہو تو بنا
کمرے میں لا دو۔ بڑا شکر گزار ہوں گا۔'' وہ چڑچڑے پن سے اسٹک کھٹ کھٹ کرتے کمرے سے نکل گئے۔ تنزیل ان
نکلتے ہی ایک جھٹکے سے اٹھا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ یاسمین اس سے چائے کا پوچھتی رہ گئیں۔

بیرونی دروازہ کھولتے ہی اس کے قدم جیسے دہلیز پر جم کر رہ گئے۔

❋◉......◉❋

''بڑا زبردست فنکشن تھا۔ اور عزہ یار! تم نے تو کمال کر دیا۔ تم نے تو ناہید چودھری کے رقص کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہمیں تو تمہاری اس خفیہ صلاحیت کا علم ہی نہیں تھا۔ سارے کالج میں دھوم مچ گئی ہے۔ میں نے خود سنا، میڈم ضیاء پرنسپل صاحب سے کہہ رہی تھیں۔ میں نے اپنی لیکچرر شپ کے دوران بڑے بڑے ٹیلنٹڈ اسٹوڈنٹ دیکھے ہیں، مگر عزہ عالم جیسا ایک بھی نہیں۔ اس لڑکی نے تو ہر فیلڈ میں اپنی ذہانت و قابلیت کا سکّہ جما دیا ہے۔ ویری ورسٹائل ٹیلنٹ ہے اس میں۔ مبارک ہو بھئی عزہ! میڈم ضیاء جیسی کنجوس ٹیچر کے اتنے شاندار ریمارکس۔'' سعدیہ پُرجوش آواز میں سرخ چہرہ لئے عزہ کے کندھے کے گرد بازو حمائل کئے نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

''تھینکس!'' عزہ نے ماتھے پر آتے بالوں کو سر جھٹک کر پیچھے کرتے ہوئے آرام سے کہا۔

''ویسے یہ تمہاری فرسٹ اسٹیج پرفارمنس تھی۔ کیسا لگ رہا تھا؟''

''ویسا، جیسا لگا کرتا ہے۔ ویسے اپنے جملے کو کریکٹ کرلو، یہ میری پہلی ڈانس پرفارمنس تھی۔ اسٹیج تو میرے قدموں کے نیچے ہے، تب سے ہے جب میرے قدم بھی ابھی ٹھیک سے زمین پر جمے نہیں تھے۔''

وہ اِک ادائے بے نیازی سے مسکراتے ہوئے بولی تو اس کے گرد کھڑی لڑکیاں مسکرانے لگیں۔

''کیا بات ہے؟ تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟ حالانکہ آڈیئنس تو بھرپور رسپانس دے رہا تھا۔ آج تو کالج کا ہوٹ گروپ بھی خوب تالیاں اور بگل بجا بجا کر تمہیں داد دے رہا تھا، پھر بھی جناب خوش نہیں۔'' فرح اُس کے موڈ کے ہر رنگ کو پہچانتی تھی، اس کے بجھے بجھے سے انداز کو دیکھ کر بولی۔

''نہیں، خوش ہوں بس۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر ٹشو سے اپنے چہرے پر آئی ہلکی ہلکی نمی کو جذب کرنے لگی۔ ''چلو، کچھ کھاتے پیتے ہیں۔''

''بھئی اندر تمہارے لئے بطورِ خاص اسٹاف اور چیف گیسٹ کے ساتھ ریفریشمنٹ کا انتظام ہے۔ کینٹین تو ہم جیسے جائیں گے۔'' سعدیہ نے رشک بھرے انداز میں اس کے دراز، خوب صورت سراپے کو دیکھ کر کہا۔ شاکنگ پنک بھاری کامدانی کے ساتھ مغلئی طرز کے گھیردار فراک اور چوڑی دار پائجامے میں میچنگ جیولری اور میک اپ اُسے واقعی کوئی مغلئی شہزادی ظاہر کر رہے تھے۔

''چھوڑو، میں ان کے ساتھ ریفریشمنٹ نہیں لیتی۔'' وہ اپنی خوب صورت سی ناک چڑھا کر بولی۔

''حضور کی خرابیٔ مزاج کی وجہ پوچھ سکتے ہیں؟''

''چھوڑو یار! سارا موڈ غارت ہو گیا۔ یہ ہماری کالج کی انتظامیہ ایک نمبر کی جھوٹی ہے کہ فنکشن میں چیف گیسٹ میڈم یاقوت ہوں گی۔ میں نے تو اسی ایکسائٹمنٹ میں رقص میں حصہ لیا تھا، ورنہ میں یہ آئٹم کبھی نہ کرتی۔ میرے پیرنٹس اس کو کبھی پسند نہ کرتے اور میں نے انہیں بتائے بغیر محض میڈم یاقوت کی نظروں میں آنے کے لئے یہ رسک لیا اور وہ محترمہ اعلان کر کے آئی بھی نہیں۔'' عزہ کوفت بھرے لہجے میں بولی۔

''ارے، وہ تو پرنسپل صاحب نے شروع ہی میں بتا دیا تھا کہ وہ اپنی کسی انتہائی مصروفیت کی بنا پر نہیں آسکیں گی اور انہوں نے خود بہت معذرت کی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ آئندہ کالج میں ہونے والے کسی بھی غیر نصابی پروگرام میں وہ بغیر دعوت کے ہی شرکت کریں گی۔ صرف انہیں پروگرام کی ڈیٹ بتا دی جائے، وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گی۔'' سعدیہ نے پرنسپل صاحب کے کہے گئے الفاظ پھر سے دہرا دیئے۔

''ارے جانے دو۔ بڑے لوگوں کے وعدے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میرا اس وقت بہت موڈ خراب ہے۔ ویسے بھی بہت تھکاوٹ ہو گئی ہے۔ میری توبہ جو میں آئندہ کلاسیکل ڈانس میں حصہ لوں۔ بہت تھکا دینے والی ایکسرسائز ہے۔'' وہ کہتے ہوئے باہر ن کی طرف بڑھی۔ کالج کی تمام لائٹیں آن تھیں۔ رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ پول لائٹیں اس اندھیرے کو دور کرنے کی ناکام شش کر رہی تھیں۔

''کینٹین نہیں چلو گی کیا؟''

''نو......بالکل نہیں۔ اس وقت صرف گھر۔ ویسے بھی ڈرائیور آچکا ہوگا۔ پہلے ہی فنکشن مقررہ ٹائم سے ایک گھنٹہ لیٹ ختم ہوا ہے۔ میں بس اب گھر ہی جاؤں گی۔ او کے، بائے۔ پرسوں ملاقات ہوگی۔ کل تو چھٹی ہے نا!'' وہ دُور سے ہاتھ ہلاتی تیز قدموں ے لان عبور کرتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھی تو اُس کی فرینڈز اُسے دیکھتی رہ گئیں۔

''عجیب موڈی لڑکی ہے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے کینٹین کی طرف بڑھ گئیں۔

❋◉......◉❋

دھوپ بہت تیز اور تیکھی تھی اور ہوا بالکل بند۔ حالانکہ صبح کے نو دس بجے اچھی ہوا چلتی تھی، مگر آج تو جیسے ہوا کہیں بارا چھپی بیٹھی تھی اور ہوا کی ناراضگی کی بھلا کس کو پرواتھی۔ پرواتو اس وین کی تھی، جو انہیں چکتی تھی۔ اس کی تاخیر بہت تکلیف دہ تھی اس کے لئے۔ کھڑے کھڑے ٹانگیں شل ہونے لگی تھیں۔ وہ کبھی ایک ٹانگ پر وزن ڈالتی تو کبھی دوسری پر۔ اسٹاپ کے پیچھے دو بینچ پڑے تھے اور دونوں پر ہی شکل سے اوباش ٹائپ نظر آنے والے دو لڑکے خوب ٹانگیں بازو پھیلا کر بیٹھے تھے یا شاید انہوں نے اس طرح بینچوں پر قبضہ کرلیا تھا۔

دھوپ کی ناقابلِ برداشت حدت سے گھبرا کر اس نے آنکھوں پر ہاتھ کا شیڈ سا بنا کر وین کے آنے والے راستے کو دور ڈالا، مگر اس کی بینائی کی آخری حد تک وین کے کوئی آثار نہیں تھے۔

''دس بھی بج چکے۔ مائی گاڈ!'' اس نے پریشانی سے رسٹ واچ دیکھی۔

''دھوپ میں نکلا نہ کرو، رُوپ کی رانی! گورا رنگ کالا نہ پڑ جائے۔ مست مست آنکھوں سے چھلکاؤ نہ.......'' پتہ نہ وقت وہ دونوں اس کے دائیں بائیں، بے حد قریب بلکہ ساتھ جڑ کر آکھڑے ہوئے تھے، اسے اپنی پریشان خیالی میں دھیان آیا تھا۔ ان کے یوں کورس کی شکل میں گانے پر وہ ڈر کر اُچھل ہی پڑی۔ ایک نے بڑی بے باکی سے اس کی کمر کے گرد ہاتھ جیسے کرنٹ کھا کر پیچھے کو ہٹی۔

اچھی خاصی بارونق، شہر کی مصروف ترین روڈ تھی اور یہ سب سے زیادہ رش والا اسٹاپ مگر اس گھڑی جانے ساری خلقت چھپی تھی۔ سڑک پر دُور دوڑتی اِکا دُکا کاروں کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

''کک.......کیا تکلیف ہے تم دونوں کو؟'' وہ قدم پیچھے ہٹا کر خود پر قابو پا کر بولی۔

''ہائے.....دونوں کو ایک ہی تکلیف ہے۔ دردِ دل۔'' وہ دونوں سینے پر ہاتھ رکھ کر پھر کورس کی شکل میں بولے تھے۔'' ہے ہمارے ہی کسی ہمدرد شاعر نے، دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو.......''

وہ دونوں ایک بار پھر اس کے بے حد قریب چلے آئے تھے۔ اُس کی آنکھوں میں دُھند سی اُترنے لگی۔ بے بسی سے اس اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

''دل تو میرا پریشان ہے کاشف.......شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے.......کیوں بے کاشف! بتا؟'' ایک نے اس میں پڑے بالے کو اُنگلی سے چھیڑتے ہوئے بڑی ترنگ سے کہا۔

''بدتمیز!.......تمیز نہیں ہے تمہیں؟'' وہ زور سے چلاتے ہوئے آگے کو دوڑی۔

''قمیض پہن تو رکھی ہے، میری جان! کہو تو اُتار دیں؟'' پیچھے والے نے ایک دم سے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

سامنے سے گزرتا ایک موٹر سائیکل سوار بے اختیار چیخ سن کر رک گیا اور اس کے پیچھے آتے دو اور موٹر سائیکل سوار۔ آ ایک کار بھی رک گئی۔ چند لمحوں میں وہاں میلہ سا لگ گیا۔ ان دونوں کو پیٹتے ہوئے سب اپنے اپنے مسائل کی بھڑاس نکال تھے۔ وہ اس بھیڑ سے نکل کر باہر جانا چاہ رہی تھی۔ وین ان چند لمحوں میں آکر چلی بھی گئی تھی۔ سڑک پر ٹریفک جام ہونے لگی۔

پیچھے سے آتی میڈم یاقوت کی پجارو بھی ذرا پل کو رُکی۔ عائشہ بخاری کے ساتھ بیٹھی میڈم یاقوت نے سیاہ گلاسز کے پیچھے قدرے ناگواری سے گاڑی کی مدھم چال پر گردن موڑ کر دیکھا۔ اسی وقت ان کی گاڑی نے اسپیڈ پکڑ لی کہ بیک مرر میں انہیں ہراساں، پریشان چہرہ نظر آیا۔

انہوں نے گلاسز ذرا سے اُتار کر عائشہ بخاری کی طرف دیکھا، جو ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ رہی تھی۔

''گاڑی پیچھے لے جائیں، خان بابا!'' عائشہ بخاری نے میکانکی آواز میں ڈرائیور سے کہا۔ گاڑی ریورس ہونے لگی۔

بات کا بتنگڑ بنانے میں تو ہماری قوم یوں بھی شیر ہے۔

''ہمارا کوئی قصور نہیں، لڑکی خود لائن مارنے کے چکر میں تھی۔ ہم نے شرم دلائی تو اُلٹا شور مچانے لگی۔

تانیہ کے کانوں میں پٹتے ہوئے اُس مردود کی آواز پڑی تو اُس کا جی چاہا، زمین کے شق ہونے کا انتظار کئے بنا کہیں کی مین ہول میں چھلانگ لگا دے۔ حرام موت کی قدغن مجبوروں کے لئے ہی کیوں؟ اس کی آنکھوں میں سفید دھوپ کرچیاں چبھ لگی۔

سامنے سڑک پر رواں ٹریفک اور آتے جاتے لوگ کسی دُھندلے منظر کا حصہ لگ رہے تھے۔ پیچھے جھگڑے کے شور میں اُس کی کپکپاہٹ کو بڑھا رہا تھا۔ اس وقت جہازی سائز شاندار بلیک کلر کی گاڑی بالکل اس کے پاس آکر رُکی تھی۔ وہ تو اتنی باختہ تھی کہ گاڑی کے اتنے قریب آنے پر اُچھل کر پرے بھی نہ ہٹ سکی، بس خوف زدہ بھیگی آنکھوں سے سامنے دیکھے گئی۔

"آیئے، ہم آپ کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔" گاڑی کی کھڑکی کا شیشہ نیچے سرکا۔ عائشہ بخاری کے چہرے پر بڑی دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ تانیہ نے سراسیمہ نظروں سے پہلے اس کی جانب اور پھر گاڑی کی پچھلی نشست کی جانب نگاہ کی۔ دوسری طرف بھی کوئی عورت بیٹھی نظر آئی۔

"آ جائیں پلیز۔ جہاں کہیں گی، ہم آپ کو ڈراپ کر دیں گے۔" عائشہ بخاری کی سریلی، دوستانہ آواز ایک بار پھر اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"نن......نہیں......شکریہ۔ ابھی وین آنے والی ہے۔" اس نے بے حد خشک لبوں کو خشک زبان سے تر کرنے کی کوشش کی۔

"ارے......!" عائشہ بخاری اب کے کھل کر مسکرائی۔ "وین تو ابھی آپ کے سامنے سے گزر کر گئی ہے۔ آپ کو شاید نظر نہیں آئی۔ یا آپ خود اس تماشے کو انجوائے کرنے کے موڈ میں ہیں۔" اس کے طنز نے تانیہ کو مزید بوکھلا دیا۔ اسے لگا جیسے کسی تیز رفتار گاڑی نے گندے کیچڑ کے چھینٹے اس کے بے داغ لباس پر نقش کر دیئے ہوں۔

وہ منہ سے ایک بھی لفظ نکالے بغیر گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر جا بیٹھی۔

"وہ......وہ دیکھیں، جا رہی ہے (گالی)......ارے ان کا تو دھندہ ہے، ہر جگہ اڈہ کھول کے......" وہ خبیث نہ جانے کیا بکواس کر رہا تھا۔ گاڑی کا دروازہ بند ہوتے ہی آٹومیٹک شیشہ خود بخود باہر کی تلخ فضا کے آگے تن گیا تو جیسے اس کے بے تحاشا تنے ہوئے اعصاب آہستہ آہستہ اپنی جگہ پر آنے لگے۔ گاڑی کے اندر کی خوشبودار، خوشگوار ٹھنڈک کا جاں فزا احساس اور جسم کے نیچے نرم و گداز نیچے ہی نیچے کھنچتی ہوئی آرام دہ سیٹ اور بے آواز رفتار سے گویا سڑک پر تیرتی ہوئی گاڑی اُسے چند لمحے پہلے کی شرم ناک حالت سے باہر کھینچ لائی۔

"کدھر جانا ہے آپ کو؟" عائشہ بخاری کے نرمی سے کیئے گئے سوال پر وہ چونکی اور گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔

عائشہ بخاری کے نازک سراپے کے دوسری جانب بیٹھی وہ عورت کسی ریاست کی راجکماری لگ رہی تھی۔ وہائٹ شیفون کی کڑھائی والی ساڑھی میں سفید ڈائمنڈز کی جولری پہنے بے حد قیمتی گوگلز لگائے تمکنت سے کسی راج ہنس کی طرح گردن اٹھائے وہ سامنے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ حسن و بے نیازی کا ایسا مرقع، جسے کوئی پہلی بار لاشعوری نظر سے دیکھنے کے بعد دوسری بار دیکھنے کی ہمت نہ کر پائے۔ اس کا رعب حسن، مقابل کی ہمت ڈھانے کو کافی تھا۔

"بس، یہ لیفٹ ٹرن کر کے مجھے اُتار دیں۔" عائشہ کے دوبارہ پوچھنے پر وہ کچھ کنفیوز ہو کر بولی تو اس عورت نے گردن موڑے تانیہ کو ترچھی نظر سے دیکھا۔

"وین پر آپ کو اتنا نزدیک اُترنا تھا کیا؟" کنفیوز وہ تھی، عائشہ بخاری نہیں۔ اس نے مزے سے پوچھا۔

"وہ نہیں، اصل میں مجھے انٹرویو کے لئے ایک جگہ جانا تھا، اس کے لئے میں پہلے ہی لیٹ ہو چکی ہوں، جاتے جاتے مزید آدھ گھنٹہ لگ جائے گا اور میرا نمبر نکل جائے گا۔ اس لئے ادھر جانے کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ آپ پلیز مجھے تھوڑا سا آگے اتار دیں۔"

"جاب لیس ہیں آپ؟" عائشہ نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"جی، کچھ ایسی ہی بات ہے۔" تانیہ جبراً مسکرائی تو اس کے گالوں میں بڑے گہرے ڈمپل پڑے تھے۔ میڈم یاقوت نے ایک نظر پھر سے اس کے چہرے پر ڈالی۔ عائشہ بخاری مڑ کر میڈم یاقوت سے کچھ آہستہ آواز میں کہنے لگی۔

"جی بس، یہیں مجھے اتار دیں۔ شکریہ!" اس کے کہنے پر خان بابا نے گاڑی سڑک کی سائیڈ پر روک لی۔

"دیکھیں، اگر آپ کو جاب کی ضرورت ہے تو ہماری فرم میں آج کل ایک ویکنسی خالی ہے۔ اگر آپ انٹرسٹڈ ہوں تو کل صبح دس بجے تشریف لے آیئے گا۔" عائشہ بخاری نے اپنے ہینڈ بیگ سے اسے ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر تھمایا تو تانیہ کچھ حیران نظروں سے دیکھنے لگی۔

"کیسی جاب؟" وہ چند لمحوں بعد بولی۔

"آفس ورک ہی ہو گا۔ آئیں گی تو پتہ چل جائے گا۔ اور ہاں، اچھی ہینڈسم سیلری بھی ہو گی، یہ ذہن میں رکھیے گا۔" عائشہ بخاری نے گہری مسکراہٹ لئے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوکے، میں دیکھوں گی۔" وہ کارڈ ہاتھ میں لئے گاڑی سے اُتر آئی۔

"لفٹ کا شکریہ۔ وہ بھی ایسی کنفیوز کنڈیشن میں۔" مسکراتے ہوئے کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا تو اس کے گالوں کے گڑھے میڈم یاقوت کے حافظہ میں نقش ہو کر رہ گئے۔ عائشہ بخاری نے ایک خوب صورت الوداعی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی۔ گاڑی بغیر دھول مٹی اُڑائے سبک رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

تانیہ مٹھی کھول کر کارڈ دیکھنے لگی۔ اس نے بہت سے وزیٹنگ کارڈز دیکھ رکھے تھے، مگر ایسا منفرد اور ڈیسنٹ کارڈ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ سلور حاشیے کے اندر بہت خوب صورت ایش گرے رائٹنگ میں مائی چین آف گروپس کے نیچے میڈم یاقوت لکھا ہوا تھا۔ نیچے آفس کا ایڈریس اور فون نمبرز، فیکس نمبرز۔

''وہ عورت مجھے کہیں دیکھی دیکھی سی لگ رہی ہے۔'' اس نے ایک بار پھر کارڈ پڑھتے ہوئے سوچا۔ ''اور پتہ نہیں، کیسی جاب ہے اور کیا ڈیمانڈ ہے۔ میں تو خالی خولی بی۔اے ہوں، وہ بھی تھرڈ ڈویژن کے ساتھ اور اب تک پر یپ، ون، ٹو کلاسز کو پڑھاتی رہی ہوں۔ مجھے بھلا آفس ورک کا کیا پتہ؟ پھر ان بڑے لوگوں کی بڑی باتیں، سڑک پر مہربان اور آفس کی سیٹ پر بالکل انجان۔ بڑی شرمندہ ہونے والی بات ہے۔ نہ بی بی تانیہ! یہ حماقت نہ کرنا، چپ کر کے کسی چھوٹے موٹے اسکول کی ویکنسی تلاش کرو۔ کوئی میڈک، منڈیر پر نکل کر ٹرائے گا تو لوگوں کے پتھروں کا ڈر تو ہوگا ہی۔ خود ہی پھسل کر نیچے آگرے گا۔ چپ کر کے اپنی قابلیت کے مطابق جاب تلاش کرو۔''

اس نے اسی وقت کارڈ ہینڈ بیگ میں منتقل کرتے ہوئے اُدھر جانے کا آئیڈیا یکسر مسترد کر دیا تھا۔

❋

"تم......" جسٹس محمود عالم کے منہ سے چند لمحوں کے ناقابلِ برداشت ضبط کے بعد فقط یہی نکل سکا۔
"کیسی لگ رہی ہوں؟" سارہ عالم، دوپٹے کا کونہ پکڑ کر ہوا میں لہراتے ہوئے نصف دائرے میں گھوم کر بولیں۔
"بالکل...... بالکل پاگل لگ رہی ہو۔" وہ کوشش کے باوجود...... بے حد کوشش کے باوجود اپنا ضبط کھو چکے تھے۔ سارہ عالم کے سجے سنورے چہرے پر قوسِ قزح کے رنگوں کی جگہ سیاہ مٹیالے سایوں نے لے لی۔
وہ ڈیپ اورنج کلر کے شوخ لباس میں ملبوس تھی، جس پر ویلوٹ کے مختلف برائٹ رنگوں کے گلاب جا بجا کھلے ہوئے تھے۔ تیز اورنج کلر کی خوب گھیردار، تنگ پائنچوں والی شلوار اور اسی رنگ کا بڑے بڑے پھولوں والا شوخ دوپٹہ۔ اگر یہ سوٹ دو تین ماہ بعد پہنا جاتا تو بھی گوارا ہوتا۔
پھولوں سے میچنگ کے لئے یا سوٹ سے، سارہ نے ملٹی کلر کے موتیوں والا ست لڑا گولڈ کا بڑا سا ہار، اس کے ساتھ میچنگ بڑے بڑے جھمکے، دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگنوں کے ساتھ ڈھیروں ڈھیر سونے کی چوڑیاں بھری ہوئی تھیں۔ جہاں ست لڑے ہار کا اختتام تھا، وہیں سونے کے دو بھاری گلوبند سیٹ پہن رکھے تھے۔ یوں لگ رہا تھا، چوتھی کی دلہن اپنے میکے سے آ رہی ہے یا روانگی کا ارادہ ہے۔ میچنگ اورنج تیز چیختا ہوا شوخ میک اپ، بلش آن، آئی شیڈز اور لپ اسٹک، بالوں میں جگہ جگہ چمکتی افشاں اور جوڑے میں گلاب کے گجرے، تیز بھاری خوشبو، جسٹس محمود عالم کا ردعمل غیر فطری نہیں تھا۔
"تمہیں...... تمہیں تو میں کبھی بھی اچھی نہیں لگی۔ چاہے میں خود کو سرتاپا بدل لوں۔ میں نے ساری شام اس کمرے میں بند ہو کر صرف تمہاری خاطر تیار ہونے میں برباد کر ڈالی اور تم کہہ رہے ہو، میں پاگل لگ رہی ہوں...... بالکل پاگل لگ رہی ہوں۔" وہ ب بے قابو ہو کر چیخنے لگیں۔
"ہاں، میں ہوں پاگل...... پاگل۔ جو تمہاری ایک محبت کی نظر کے لئے پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔ تم نے مجھے پاگل کیا ہے، تمہاری سرد مہری نے۔ اس زندگی کے سرد جہنم میں رہتے رہتے میں واقعی پاگل ہو چکی ہوں۔ مگر تمہیں کیا پروا؟ تمہیں تو بہت خوشی ہو رہی ہو گی کہ یہ پاگل ہو گئی، اب جلد ہی مر بھی جائے گی۔" وہ اب پوری قوت سے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھیں۔ "مگر یاد رکھو، محمود عالم! میں مروں گی نہیں۔ کبھی نہیں مروں گی۔ مر کر بھی نہیں مروں گی۔ مر کر بھی تمہارے آس پاس ہی رہوں گی۔ جس طرح اُنیس برس سے تم نے میری زندگی کو اس برزخ میں قید کر رکھا ہے، میں بھی تمہیں اسی برزخ میں تڑپا تڑپا کر ماروں گی۔ تم موت مانگو گے، تمہیں خدا کرے موت بھی نہ ملے...... تم......"
وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر گلے پر ہاتھ رکھے زور زور سے چیخ رہی تھیں۔
"مینٹل...... پاگل عورت...... برزخ میں تم نہیں، میں ہوں۔ میں تمہاری رفاقت کے برزخ میں ہوں۔ موت کم از کم اس خ سے زیادہ اذیت ناک، زیادہ تکلیف دہ نہیں ہو گی۔" وہ دانت پیس کر بولے۔ آواز نیچی رکھنے کی ان کی کوشش بے سود ثابت ا۔ غصے نے ان کے دماغ کا ہر سوئچ آف کر دیا تھا۔ "تم ابھی کون سا میرے لئے کسی سکون کا باعث ہو؟ تم ابھی بھی میرے لئے بدبودار برزخ ہو۔ کسی خوفناک چڑیل کی طرح میری زندگی کو نوچتی ہوئی۔" وہ چلا کر کہتے ہوئے رکے نہیں۔ سارہ عالم نے کان جھٹکے جھٹکے سے اُتار کر ان کی طرف اچھالے تھے۔ وہ جاتے ہوئے زور سے دروازہ بند کر گئے۔ ایک جھمکا دروازے سے باہر، اندر گرا تھا۔
قدموں میں گرے ہوئے ساس پین کو نیچی دھندلائی نظروں سے دیکھتی عزہ عالم وہیں پتھر کا بت بنی ان دونوں کی چیخ و پکار کو نس ساعتوں سے سن رہی تھی۔ نیچی نظروں سے ہی اس نے اردگرد سے گزرتے نوکروں کو دیکھا تھا، جو دبے قدموں سے باہر، گھر دنے کمدروں میں یا سرونٹ کوارٹرز کی طرف جا رہے تھے۔ کھڑکی سے نظر آتے مالی بابا نے پودوں کو اسپرے کرنا موقوف کر دیا تھا سس نظروں سے سارہ عالم کے بیڈروم کی کھڑکی سے آتی آوازوں کو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ رانی اپنے چار سالہ بچے کو گود میں رد بے قدموں سے اپنے کوارٹر کو بھاگ گئی تھی۔

اسی وقت اس نے محمود عالم کی گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو اس کا سکتہ ٹوٹ گیا۔ وہ کندھوں میں اُترتے بے تحا
محسوس کرتی بوجھل، بے آواز قدموں سے نکلی تھی۔
وہ سارہ عالم کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ اُس کی نظریں اس جھٹکے پر تھیں۔ اندر وہ چیزیں اُٹھا اُٹھا کر پھینک رہی تھ
لمبے پہلے ڈریسنگ ٹیبل کا شیشہ ٹوٹا تھا۔ کانچ کے گلاس، ڈیکوریشن پیسز، لیمپ، میک اپ کا سامان، کپڑے، زیور....... ہر
نے اُٹھا اُٹھا کر چیختے ہوئے در و دیوار کو دے ماری تھی۔
اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور گلے میں پھندے سے پڑ رہے تھے۔ وہ ہراساں و خوف زدہ سی اُ
کے ساتھ بہت آہستہ آہستہ لاکڈ دروازوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔
"ماما!....... ماما! دروازہ کھولیں۔ ماما!....... مجھے ڈر لگ رہا ہے....... ماما! پلیز۔"
"ماما....... ماما....... اوں....... ہوں....... ہوں......."
ڈھائی سال کی بچی، سفید نیٹ کی فراک پہنے گلابی ربن سنہری بالوں میں باندھے ڈر اور خوف سے روتے ہوئے
دروازے سے چمٹی ماما، ماما کہے جا رہی تھی۔ اندر سے آتی چیزوں کو پٹخنے کی آوازیں اُس کے ننھے دل کو اور بھی سہما رہی تھیں۔
پہلے محمود عالم سے ہونے والی تکرار کے نتیجے میں سارہ عالم نے ایک وحشت کے عالم میں نیم سوئی جاگی عزہ عالم کو بیڈ
کمرے سے باہر پٹخ دیا تھا اور دروازہ بند کر کے چیختے ہوئے توڑ پھوڑ کرنے لگی تھیں۔ اور وہ ننھی سی بچی جو اس سارے منظر ا
کو سمجھنے سے قاصر تھی، صرف اپنی تنہائی، ماں سے جدائی، اس کی ناراضی کا خیال کر کے دروازہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہا
تھپتھپائے جا رہی تھی۔ اب روتے روتے اس دروازے سے لپٹ کر سو چکی تھی۔
کسی ملازم نے آگے بڑھ کر اسے نہیں اٹھایا تھا کہ بیگم صاحبہ کا غصہ ان کی ہمدردی کو ان سمیت اس گھر سے دس کوس د
پٹخنے کے لئے کافی تھا۔
وہ بچی اس بند دروازے سے لپٹ کر روتے روتے جوانی کی دہلیز پر آ کھڑی ہوئی تھی، مگر نہ اس کے والدین کی ذہنی
ایک قدم بڑھی تھی، نہ سارہ کی وحشت کافور ہوئی تھی۔ بلکہ ان کی شدت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔
عزہ، اب دروازہ نہیں پیٹتی تھی، نہ ماں کو پکارتی تھی۔ بس وہیں کھڑی بے آواز آنسوؤں سے روئے چلی جاتی، جیسے
رہی تھی۔ اسے لگا، وہ ابھی بھی وہی ڈھائی سال کی بے زبان سہمی ہوئی بچی ہے، جو کسی بھی طرح اپنے دلی جذبات ماں پر آشکار
سکتی کہ شاید اس کے دل میں چھپی ماں کے لئے اتنی ڈھیر ساری محبت کو جان کر اس کی وحشت میں کمی آ سکے۔ وہ جو ا
بہترین مقررہ تھی، آل راؤنڈر تھی، صرف اپنی ماں سے دل کی بات نہیں کہہ سکتی تھی۔ کیسی بے بس تھی۔

✲◉.......◉✲

کسی نے زور سے دروازہ کھولا تھا اور لفافہ کھول کر پڑھتا تنزیل چونکا تھا۔ ثانیہ ہراساں صورت لئے دروازے میں کھ
تنزیل نے جلدی سے کاغذ لفافے میں ڈال دیا۔
"تم جلدی آ گئیں، امی تو کہہ رہی تھیں، تم کہیں انٹرویو دینے گئی ہو۔" اس نے لفافہ فولڈ کرتے ہوئے پوچھا۔
"کیا ہے یہ؟" اس نے جیسے تنزیل کا سوال سنا ہی نہیں۔ "اپائنمنٹ لیٹر تو نہیں؟" وہ متجسس ہو کر لفافہ اس کے ہاتھ
لگی۔
"انٹرویو کال ہے، خالد انٹر پرائزز کی جانب سے۔ ہم جیسوں کی قسمت میں صرف انٹرویو لیٹرز ہی لکھے ہیں۔ اپائنمن
نہ جانے کون خوش نصیب کھولتے ہیں۔" وہ بے دلی سے لفافہ اسے تھما کر اندر کی جانب بڑھ گیا تو ثانیہ نے لفافہ کھولنے بغی
سانس لیا اور اس کے پیچھے چل پڑی۔
وہ دونوں جڑواں تھے۔ اور کتنی مزے کی بات تھی، جس طرح ناکامیاں ان دونوں کے حصے میں ساتھ ساتھ آ رہی تھ
ان کی قسمتیں بھی جڑواں ہیں۔ دونوں نے روپیٹ کر بی۔ اے، پاسنگ مارکس میں کیا تھا اور اب دونوں ہی مسلسل انٹرویوز د
تھے۔ لیکن کوئی بھی مناسب کیا، معمولی سی جاب حاصل کرنے میں بھی ناکام تھے۔
"تم دے آئیں انٹرویو؟" کمرے میں پہنچ کر تنزیل نے پھر سے پوچھا۔
"نہیں، آج میں بھی انتقام پر اُتر آئی۔" وہ کرسی پر بیٹھ کر اپنے سینڈل کے اسٹریپ کھولنے لگی۔
"کیا مطلب؟....... کیسا انتقام؟" تنزیل قدرے حیران ہو کر بولا۔
"بھئی ہر بار میں ہی کیوں انٹرویو روم کے باہر بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کروں؟ آج انٹرویو پینل کے خدائی فوج دار
کریں گے اور یہ انتظار، انتظار ہی رہے گا۔ کیونکہ میں گھر آ چکی ہوں۔ کہو، کیسا انتقام لیا؟" وہ اپنے گلابی پاؤں جوتوں کی قید

کر کے انہیں ہولے ہولے دباتے ہوئے مزے سے بولی تو تنزیل نے سر ہلا دیا۔
''بہت بھیانک انتقام لیا تم نے بے چاروں سے۔'' تنزیل گہرا سانس بھر کر بولا اور پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔
''تو میرے سڑیل بھائی! اس پر مسکرایا بھی جا سکتا ہے۔ ابھی مسکرانے پر حکومت خیر خواہ نے کوئی ٹیکس چارج نہیں کیا۔'' وہ اُس کی اُداس شکل دیکھ کر بولی۔
''نئی اطلاع ہے میرے لئے کہ یہاں اس ملک میں کوئی چیز چارج کے بغیر بھی.......''
''تانیہ! آ گئیں تم....... چائے پیو گی؟....... تنزیل سے بھی پوچھ لو۔'' یاسمین نے ان دونوں کی آوازیں سن کر کچن ہی سے پوچھا۔
''امی!....... تھوڑی سی بنا دیں۔'' تانیہ نے تنزیل سے پوچھے بغیر کہا۔
''اپنے ابو کی دوا لے آئی ہو؟'' یاسمین نے ذرا سا دروازے کے اندر ہو کر آہستہ آواز میں پوچھا تو تانیہ چپ سی ہو گئی۔
''اوہ، سوری امی! دراصل وین ہی نہیں مل سکی اور میں تو.......''
''اچھا چلو....... جلدی سے تنزیل کو پیسے نکال کر دو، یہ جا کر لے آتا ہے۔ وہ دو بار پوچھ چکے ہیں۔'' وہ کہہ کر واپس مڑ گئیں تو تانیہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر اس کے اندر جھانکنے لگی۔
''یہ نسخہ ہے ابو کا اور یہ....... پیسے.......'' وہ ایک ایک کر کے بیگ کی ساری جیبیں دیکھتی چلی گئی۔ چند لمحوں میں اس نے سارا بیگ کھنگال ڈالا۔ ''ادھر ہی تو رکھے تھے میں نے چھوٹی زپ والی پاکٹ میں۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''مائی گاڈ! کہیں گر تو نہیں گئے؟'' اس کے چہرے کا رنگ اُڑ سا گیا۔ تنزیل جو منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، اب آرام سے سر کے نیچے دونوں ہاتھ رکھ کر نیم دراز ہو گیا۔ تانیہ نے اٹھ کر بیگ پلنگ پر اُلٹا دیا اور اب اسے جھاڑ کر دیکھنے لگی۔
''میرا خیال ہے، پانچ سو کا نوٹ، سوئی سے تو کچھ بڑا ہی ہوتا ہے۔'' تنزیل کے کہنے پر وہ اسے گھور کر دیکھنے لگی۔
''بھئی گر گئے ہوں گے کہیں۔ اس نوٹ نے گر کر تمہیں ایک بڑے ذہنی خلجان سے بچا لیا۔ وہ نوٹ بیگ میں پڑا رہتا اور تمہیں پریشان کرتا رہتا۔ اس سے یہ لے لوں گی، وہ لے لوں گی، جو دوائیوں سے بچ جائیں گے، چائے کی پتی لے آؤں گی یا آدھا کلو گوشت یا.......''
''تنزیل کے بچے! چپ کر جاؤ۔'' بے بسی سے اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
''اب کیا ہو گا؟ پتہ نہیں، کہاں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کے امی نے صبح دیئے تھے۔ ابھی تو بل بھی جمع کروانے ہیں۔'' تانیہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
''کیا پتہ، امی نے تمہیں پکڑائے ہی نہ ہوں۔ جاؤ پوچھ آؤ جا کر۔ ویسے بھی امی جی کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔'' تنزیل کے کہنے پر وہ غائب دماغی سے اسے دیکھنے لگی۔
''نہیں، انہوں نے خود میرے ہاتھ میں دیئے تھے۔ اب اگر ان سے پوچھوں گی تو وہ اور پریشان ہو جائیں گی۔ ویسے کیا پتہ، گھر میں گر گئے ہوں۔ پوچھتی ہوں جا کر۔'' وہ پریشانی میں اُٹھ کر باہر چلی گئی تو تنزیل بھی ایک ٹھنڈی سانس لے کر اُٹھ بیٹھا۔
''مائی چین آف گروپس....... میڈم یاقوت.......'' اس کی نظر بیگ کے اُلٹے ہوئے اسباب کے درمیان چمکتے اس کارڈ پر پڑی تو وہ ٹھٹک سا گیا اور کارڈ اٹھا کر پڑھنے لگا۔
''یہیں تو میں انٹرویو دینے گیا تھا اور خالد والوں کا لفافہ دیکھ کر مجھے یہی خیال ہوا تھا کہ ادھر سے اپائنٹمنٹ لیٹر آ گیا ہے۔'' وہ کارڈ ہاتھ میں لئے سوچنے لگا۔ ''تنزیل میاں! جتنا آپ وہاں بھڑک کر آئے ہیں، اس کے باوجود آپ کو وہاں سے پازیٹو رسپانس کی امید ہے۔'' کوئی اُس کے اندر سے چہک کر بولا تو وہ سر ہلا کر جیسے اس کی تائید کرنے لگا۔ چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد وہ کارڈ مٹھی میں دبا کر باہر نکل آیا۔

❋۞.......۞❋
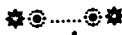
''تم نے کچھ پلان کیا، ایگزی بیشن کے بارے میں؟'' آفس میں داخل ہو کر بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد جہانگیر ہمدانی نے میڈم یاقوت سے پوچھا، جو انٹر کام پر عائشہ بخاری کو کسی کو بھی اندر بھیجنے یا کال ملانے سے منع کر رہی تھیں۔
''کافی یا چائے....... یا کولڈ ڈرنک؟'' میم یاقوت نے ریسیور ہاتھ سے رکھے بغیر جہانگیر ہمدانی سے پوچھا تو وہ کلائی آگے کر کے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھنے لگا۔
''میرا خیال ہے، کافی چلے گی۔ لنچ میں تو ابھی ٹائم ہے۔ لنچ اکٹھے کریں گے نا۔''
''آف کورس۔ عائشہ! دو زبردست کافی اپنے ہاتھوں سے بنا کر لاؤ۔'' انہوں نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور جہانگیر ہمدانی کی

طرف متوجہ ہوئیں۔

''بہت چارمنگ لگ رہی ہو، ہمیشہ کی طرح۔'' جہانگیر نے میڈم یاقوت کے چمکتے چہرے کو نظروں کے حصار میں لے کر گمبھیر آواز میں کہا تو وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے مسکرانے لگیں۔

''میں نے ایگزی بیشن کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''یاد ہے مجھے ڈیئر! اور تمہیں معلوم ہے نا، جو چیز میں کرنے کا ارادہ کر لوں تو اسے شاندار طریقے سے اور ذرا ہٹ کے کرنا چاہتی ہوں اور میرا خیال ہے، یہی میری کامیابی کا راز ہے کہ میں چھوٹے سے چھوٹے پراجیکٹ کو بھی پورے دھیان اور توجہ سے کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ لاشعوری طور پر کوئی کمی رہ جائے تو الگ بات ہے، ورنہ میں خود سے کوئی کمی نہیں چھوڑتی۔'' وہ پیپر ویٹ گھماتے ہوئے اپنی دلکش آواز میں کہہ رہی تھیں۔

''تمہارا پراجیکٹ میرے ذہن میں ہے اور اس کا مین اوبجیکٹ، آئی مین ماڈل، اس کا نقشہ جیسا تم نے کھینچا تھا، وہ میرے ذہن پر نقش ہے۔ اب اس نقشے میں رنگ کیسے بھرنے ہیں، وہ میرا کام ہے۔'' وہ ذرا رک کر مسکراتے ہوئے بولیں۔

''اوہ، باکی داوے، اس کلرنگ میں اندازاً کتنا ٹائم لگے گا؟'' جہانگیر ہمدانی نے کچھ جتانے والے انداز میں پوچھا۔

''تم کب تک یہ ایگزی بیشن کروانا چاہ رہے ہو؟''

''اس منتھ کے اینڈ تک یا نیکسٹ منتھ کے اسٹارٹ میں لازمی۔''

''ڈونٹ وری، ہو جائے گا۔'' وہ پُراعتماد لہجے میں بولیں۔

''فار گاڈ سیک، یاقوت! ان گھسی پٹی ماڈلز میں سے کوئی نہ لینا۔ ہر دوسرے ایڈ میں یہ دو چار چہرے بار بار دیکھ کر آڈینس پہلے ہی جی اوب چکا ہے۔ جتنی یونیک ہماری اسٹونز کی جیولری ہو گی، ماڈل کو بھی اتنا ہی یونیک ہونا چاہئے۔ تمہیں یاد ہے نا میری بات؟'' جہانگیر ہمدانی نے کہا۔

''میں آج تک تمہاری چھوٹی سے چھوٹی بات نہیں بھولی، یہ تو پھر........''

اسی وقت عائشہ بخاری ہلکا سا دروازہ بجا کر بھاپ اُڑاتی کافی کے دو مگ لئے اندر چلی آئی تو میڈم یاقوت نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وائٹ شلوار کے ساتھ پنک کُرتے میں اس کا نازک سراپا بہت پُرکشش لگ رہا تھا۔ خوب صورت نقوش سے مزین اُس کا چہرہ صرف لپ اسٹک سے سجا تھا۔ اُس کی سیاہ گہری گہری پھیلی ہوئی آنکھیں سیاہ پلکوں کی باڑ میں چھپی ہوئی تھیں۔

''گڈ مارننگ سر!'' وہ آہستگی سے کہتے ہوئے کافی، جہانگیر ہمدانی کو پیش کرنے لگی۔

''تھینکس مائی پریٹی فرینڈ!'' اُس نے مگ تھامتے ہوئے جان بوجھ کر عائشہ کے ہاتھ کو اچھی طرح دبایا۔ وہ کسمسا کر رہ گئی۔ میڈم یاقوت نے دیکھ کر نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

''یاقوت ڈیئر! یہ عشو ڈارلنگ کے حُسن میں کچھ زیادہ سوز و گداز پیدا نہیں ہوتا جا رہا؟'' وہ عائشہ کے سانچے میں ڈھلے جسم کو پہلے گھونٹ کے ساتھ گویا دل میں سموتے ہوئے بولا۔

''یہ تو مائی ڈیئر! تمہیں پتہ ہو گا کہ کتنا گداز ہے اور کتنا سوز۔'' وہ بے باک انداز میں بولیں تو جہانگیر ہمدانی نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔ عائشہ بخاری کی سیاہ آنکھوں میں سرمئی بادل تیرنے لگے۔

''ہمارے سامنے تو یہ سوز و کرب کی تصویر بنی پھرتی رہتی ہے۔'' میڈم یاقوت کہنیاں میز کی گلاس ٹاپ پر جماتے ہوئے دلچسپی سے عائشہ کے ہراساں چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''اور یہی سوز تو اس کے حسین چہرے کا گہنا ہے، جو مجھ جیسے مصروف بندے کو بھی سفر میں راستے کے پڑاؤ کا احساس اتنی شدت سے دلاتا ہے........''

''تمہیں رُکنا ہی پڑتا ہے تو گویا تم اس کے حُسنِ جہاں سوز کے سحر میں جکڑ کر یہاں رُکتے ہو نہ کہ ہماری دوستی کی خاطر۔'' یاقوت نے عائشہ بخاری کو آنکھ سے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے جہانگیر سے شکوہ کیا۔

''تم تو تم ہو مائی ڈیئر! تم جیسا تو اس روئے مین پر تو کیا، آسمان کی وسعتوں میں بھی کوئی نہ ہو گا۔ اور اس لئے کے مجھے کسی قسم کے کھانے کی بھی ضرورت نہیں۔ ذرا اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنے دھڑکتے دل سے میری بات کی گواہی لے لو یا کہو تو میں لے لوں۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا تو یاقوت کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ وہ دوسری طرف دیکھنے لگیں۔

''اور یار! تمہاری یہ زبردست سی سیکرٹری کافی بھی زبردست بناتی ہے۔ میرے ادھر پڑاؤ کی یہ دوسری وجہ ہے۔'' اس نے بڑے بڑے دو گھونٹ بھر کر آنکھیں بند کر کے سرور کی سی کیفیت میں کہا۔

''چلو، ایسی دو ایک وجہیں ہی سہی جو تمہارے قدم پکڑتی ہیں۔''

''یار! میری اگلے ہفتے کے لئے لندن کی سیٹ تو کنفرم کروادو۔''

''تو تم واقعی ادھر سے لندن ہی جاؤ گے۔'' میڈم یاقوت نے قدرے حیران ہو کر پوچھا۔

''آف کورس۔ تمہیں یقین نہیں آ رہا؟''

''نہیں، بے یقینی کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ بس تم اگلے ہفتے تک رک جاؤ۔'' وہ حتمی لہجے میں بولیں۔

''پھر؟''

''پھر میں بھی ساتھ چلوں گی۔''

''اس سے پہلے کیا رکاوٹ ہے؟''

''تمہیں یاد نہیں، ہماری اسلام آباد کی دوسری برانچ کی اوپننگ ہے۔ سیلون پلس بوتیک اینڈ جیولری میک اپ شاپ کا بہت شاندار آرکیڈ ہے، جہاں ہم اپنی یہ برانچ کھول رہے ہیں اور تمہیں روکنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ تم سے اس کی اوپننگ کروانا چاہ رہی ہوں۔'' میڈم یاقوت نے نے وہ بات کہہ دی، جو وہ سرپرائز کے طور پر چھپائے ہوئے تھیں۔

''اوہ، کم آن یاقوت!'' جہانگیر ہمدانی نے خالی مگ، ٹیبل پر رکھا اور ایک خاص محبت بھری نظر سے یاقوت کو دیکھا۔ ''تم ابھی تک ایک پرفیکٹ بزنس ویمن نہیں بن سکیں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ ابرو اچکا کر بولیں۔

''کاروبار بڑھانے کے لئے بھی محبوب کو آگے کر رہی ہو مائی ڈیئر! دیس ناٹ اے بیس کلیو فار بیسٹ رزلٹ۔'' وہ اُٹھ کر چلتا ہوا میڈم یاقوت کی چیئر کے عین پیچھے جا کھڑا ہوا۔

''محبوب تو تمہاری مٹھی میں بلکہ تمہارے قدموں میں ہے، میری جان! اس کے کھو جانے کے اندیشے میں ایک گولڈن چانس کو مٹی میں نہ ملاؤ۔''

''میں ابھی بھی نہیں سمجھی۔'' میڈم یاقوت نے چیئر ذرا سی پیچھے کو گھمائی۔

''تمہارا بزنس ادھر اب قدم جما چکا ہے اور ٹھیک ٹھاک منافع میں بھی جا رہا ہے۔''

''اور میری جان بہت با اصول ہے، سو ٹیکس بھی پورے پے کرتی ہوگی، کسی بھی قانونی اڑچن سے بچنے کے لئے۔''

''آف کورس!''

''اس میں کروڑوں نکل جاتے ہوں گے۔'' اس کی اُنگلیاں اب میڈم یاقوت کی دودھیا گردن کے نچلے حصے کو چھو رہی تھیں۔ اسی لمحے ان کا جی چاہا، جہانگیر ہمدانی کی اس اُلجھی ہوئی گفتگو کو آگ لگا دیں۔

''تقریباً۔'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولیں۔

''نو ڈیئر! اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ نا۔ کسی بھی منسٹر سے اس کا افتتاح کراؤ۔ بھول گئیں لاسٹ ٹائم رضا کھوکھر تمہاری فرم کے اینول فنکشن میں کیسے تم پر مرا جا رہا تھا، ایک شام ساتھ گزارنے کے لئے۔''

جہانگیر ہمدانی کے لہجے میں کھلی محبت کی آنچ میڈم یاقوت کو پگھلائے جا رہی تھی۔

''اس کے ساتھ میں نے ایک نہیں، دو شامیں برباد کی تھیں، مگر وہ تو لیس ہی ہوا جا رہا تھا۔'' انہوں نے جھٹکے سے اپنی گردن پیچھے کی تو ان کے چہرے کے بے حد قریب جہانگیر ہمدانی کا چہرہ تھا۔

''تو ہونے دینا تھا نا، ڈیئر!'' جہانگیر نے چہرہ ذرا اور نیچے کو جھکایا اور پیچھے ہٹتے ہوئے ان کی چیئر گھمانے لگا۔

''دیکھو، تمہارا بزنس اس وقت ٹاپ پر جا رہا ہے اور اس کی بنیادی وجہ تمہاری محنت، ذہانت اور تمہارا یہ قیامت خیز حُسن ہے۔ اب اس قیمتی سکے کو دونوں رخ سے استعمال کرنے کا وقت آ گیا ہے۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

''یعنی؟''

''دولت آج کل کے زمانے میں اکیلی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جب تک سیاست کی طاقت اس کے ہم رکاب نہ ہو، مختصراً میرے کہنے کا مطلب ہے کہ تم اس برانچ کا افتتاح کسی منسٹر سے کراؤ، اسی لیول کے کسی افسر سے۔ پھر دیکھنا، تمہاری طاقت کیا کرشمے دکھاتی ہے۔ تمہیں اپنے سامنے ہر بند دروازہ کھلتا ہوا نظر آئے گا، اس جادوئی سم سے۔''

''ہوں، میں سمجھ گئی۔ اور یہ کچھ ایسا مشکل بھی نہیں۔ ان وزیروں کے پٹانے کی ہر ''دوا'' تو میری جیب میں ہے۔ گڈ آئیڈیا۔ مان گئی تمہاری ذہانت کو۔'' وہ جہانگیر ہمدانی کے مضبوط ہاتھوں کو زور سے دبا کر بولیں۔

''ذہن میں نہیں، تم ہو اور میری طاقت بھی۔ اسی لئے تو اتنا فخر ہے مجھے تمہارے ساتھ پر۔'' اس نے بھی پورے جوش سے ان

کے ہاتھوں کو دبایا۔

''چلو، یہ ڈن ہوا۔اس کے بعد تو ہم دونوں اکٹھے ہی چلیں گے نا لندن۔''

''تم بھول رہی ہو، اس ماہ کی پچیس تاریخ کو تمہیں سواتی شالوں کی کنسائمنٹ پوری کرنی ہے اور یہ تمہاری پہلی یورپین ہے۔اسے تمہیں بہت بھرپور طریقے سے مکمل کرنا چاہئے۔ایم آئی رائٹ؟'' جہانگیر ہمدانی کے کہنے پر میڈم یاقوت کے چہرے رنگ بجھ سے گئے۔

''اور اس کے بعد میری ایگزی بیشن والا پراجیکٹ۔اور جناب! اتنے ٹائم میں تو میری واپسی بھی ہو جائے گی۔اور ڈیئر لندن کون سے کسی سیر سپاٹے کے لئے جا رہا ہوں، تمہارے لئے ہی جا رہا ہوں۔'' وہ ان کی بجھی ہوئی آنکھوں میں جھانک کر بولا بے زاری سے دوسری طرف دیکھنے لگیں۔

''ناراض ہوگئی ہو؟'' وہ ان کی طرف جھکا۔

''نہیں۔'' وہ چند لمحوں بعد گہرا سانس لے کر دھیرے سے بولیں۔

''پرامس۔اس کے بعد ہم دونوں ایک ٹرپ اکٹھے ضرور کاٹیں گے، اگلے ماہ کے اینڈ تک۔جہاں تم کہوگی۔'' وہ بچوں کی انہیں بہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہوں، دیکھیں گے۔'' وہ قدرے بے رخی سے کہہ کر چیئر دوسری طرف گھما کر دروازہ کھولنے لگیں۔

''اگر تم کہتی ہو تو میں نہیں جاتا۔'' وہ دراز پر دھرے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ جما کر بولا۔

''یہ میں نے کب کہا؟ اچھا ٹکٹ کب کی کراؤں؟'' وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹا کر نارمل لہجے میں بولیں۔

''پندرہ سے اٹھارہ کے درمیان کروالو۔'' وہ اب سامنے صوفے پر بیٹھ کر سگار سلگا رہا تھا۔اس کے لباس کی بوجھل خوشبو بھی میڈم یاقوت کے اردگرد منڈلا رہی تھی۔میڈم یاقوت نے ایک زخمی سی نظر اس بے رحم پر ڈالی جو ہمیشہ سب کچھ جان کر انجان بن کرتا تھا۔

''پندرہ اور اٹھارہ کے درمیان۔'' وہ دل میں دہرا کر سوچنے لگیں۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' وہ سگار کا کش لے کر ان کے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔

''کچھ خاص نہیں۔کیا خیال ہے، لنچ کے لئے چلیں؟'' پندرہ سے اٹھارہ کے درمیان ان کا دماغ بہت تیزی سے کام کر رہا وہ اب جہانگیر ہمدانی کو جلد سے جلد ''بھگتا'' کر ان سوچوں کو ٹھکانے لگانا چاہ رہی تھیں۔

''چلو، باقی باتیں وہیں چل کر ہوں گی۔کھانے کے دوران ایک دو معاملے اور بھی طے کرنے ہیں تم سے۔''

مگر میڈم یاقوت نے جیسے اس کی کوئی بات نہیں سنی تھی۔انٹرکام پر عائشہ بخاری کو مزید ہدایات دیتے ہوئے بھی ان کا دماغ نقطے کو سوچے جا رہا تھا۔

✲◉......◉✲
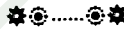
''کیا خیال ہے، اب ڈسکس کر لیا جائے کہ مسئلہ کیا ہے۔'' جیسے ہی کھانا ختم ہوا، سویٹ ڈش کی پیالی سائیڈ پر رکھتے ہو مصطفیٰ صاحب نے سامنے بیٹھے دائم اور ڈاکٹر رخشندہ کو ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیسا مسئلہ؟'' دائم نے نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

''مسئلہ بھی مائی سن! آپ ہی کا پیدا کردہ ہے۔ویسے میرے پاس تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے۔'' وہ سویٹ ڈش کا آ چمچہ لیتے ہوئے بولے۔

''وہ کیا ہے؟'' دائم نے سویٹ ڈش نہیں لی تھی۔نیپکن سے ہاتھ اور چہرہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

''لندن سے لوئر رلینڈ کا ٹرپ بطور بچ ہائکر، تم اور تمہارے فرینڈز اور اگر ٹرین یا جہاز سے جانا ہو تو بھی تمام اخراجات اُٹھا۔ میری مظلوم جیب حاضر ہے۔'' کہتے ہوئے انہوں نے داد طلب نظروں سے بیوی کی جانب دیکھا، جو ابھی بھی سنجیدہ شکل بنا ہوئے تھیں۔

''میرا خیال ہے، آپ سرپرائز کو ریپر میں ہی لپٹا رہنے دیں۔اس مسئلے کا ذکر کریں، جس سے آپ نے بات شروع کی تھی دائم نے منہ بنا کر ان کے پروپوزل کو رد کرتے ہوئے کہا تو انہوں نے ڈاکٹر رخشندہ کو دیکھا جو کہہ رہی تھیں۔دیکھا، میں نہ کہتی تھی۔

''چلو، تمہید کو گولی مارو۔یہ بتاؤ، تم پاکستان کیوں جانا چاہ رہے ہو؟ کوئی ایک مضبوط وجہ مجھے بتا دو تا کہ لمبی بحث بحثی سے بچت سکے۔'' وہ جان چھڑانے کے سے انداز میں بولے تو ڈاکٹر رخشندہ نے گھور کر انہیں دیکھا۔

''پاپا! میں حیران ہوں، آپ دنیا جہان کی سیر سپاٹے کے پروپوزل میرے سامنے لا رہے ہیں اور ایک پاکستان کا نام آپ کو کھٹا

رہا ہے۔ اس کی کوئی ایک مضبوط وجہ آپ مجھے بتا دیں تا کہ لمبی بحثا بحثی سے بچت ہو سکے۔'' وہ ان ہی کے انداز میں بولا تو مصطفیٰ صاحب اسے گھورتے ہوئے ہنس پڑے۔

''تم یقیناً بڑے ہو گئے ہو۔ بہتر ہے، چپ کر کے شرافت سے میرا بزنس سنبھال لو۔ ہر مسئلے پر بحث کا ایک ہی حل۔''

''آپ کے لئے بہترین، میرے لئے نا قابلِ قبول۔'' وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بولا۔

''وجہ؟'' ان کے خیال میں تو دائم نے آج تک کوئی بڑی ضد تو کیا، معمولی سی بھی نہیں کی تھی اور اب جیسے وہ اور کچھ سننا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ انہیں ڈاکٹر رخشندہ کی گہری تشویش کا اندازہ ہوا۔

''پاپا! کیا اپنے وطن جانا یا جانے کا ارادہ اتنی نا فہم سی بات ہے، جس کے لئے دلائل دیئے جائیں، سمجھایا جائے۔'' وہ جیسے زچ ہو کر بولا تو وہ سر ہلانے لگے۔

''واقعی یہ کوئی ایسی نا فہم، میرا مطلب ہے، نا سمجھی کی بات تو نہیں۔ کیوں بیگم!'' انہوں نے تائید کے لئے رخشندہ کی طرف دیکھا۔

''کر چکے آپ بات؟'' وہ کڑے تیوروں سے بولیں۔

''نن........ نہیں بھئی، کر رہا ہوں۔ ہاں تو مائی سن! وجہ بتاؤ۔'' وہ جلدی سے بولے۔

''وجہ یہ ہے پاپا! کہ میں پاکستان جانا چاہتا ہوں۔ ہمیشہ کے لئے نہیں، چند ہفتوں یا چند مہینوں کے لئے یا ہو سکتا ہے، ہمیشہ کے لئے بھی۔'' سنجیدگی سے بولا۔

''آج سے پہلے تو تمہیں ایسا کوئی نادر آئیڈیا سوجھا تھا۔ مجھے یاد ہے، آج سے چھ ماہ پہلے تم نے خود مجھ سے کہا تھا کہ پاپا! ایگزام کے بعد میرا ارادہ ایک ورلڈ ٹرپ کاٹنے کے فوراً بعد آپ کا بزنس سنبھالنے کا ہے۔ دیٹس آل۔''

''تو ورلڈ ٹرپ میں پاکستان نہیں آتا کیا؟'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا تو مصطفیٰ صاحب لاجواب ہو کر رخشندہ کی طرف دیکھنے لگے۔

''تو یہ تمہارا حتمی فیصلہ ہے؟'' ڈاکٹر رخشندہ نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد ٹھنڈے ٹھار لہجے میں پوچھا۔

''ماما! آپ سمجھ نہیں رہیں، یہ کوئی ایسا نہیں کہ میں آپ سے یا آپ مجھ سے ضد باندھ لیں۔'' وہ جیسے عاجز آ کر بولا۔

''تم ضد باندھ رہے ہو۔'' وہ اسی بے لچک لہجے میں بولیں۔

''اور اگر یہی بات میں کہوں تو۔''

''دائم! میں تمہیں منع نہیں کر رہی۔ مگر ابھی کچھ عرصہ ٹھہر جاؤ، پریکٹیکل لائف........''

''پلیز مام! یہ باتیں ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''آپ نے جو کہنا ہے، وہ کہیں۔''

''میں اگر تمہیں اجازت نہ دوں تو؟'' وہ چند لمحوں بعد بولیں تو دائم نے شکایتی نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

''رخشندہ! یہ کوئی اتنا سیریس مسئلہ نہیں کہ تم اتنی ٹینس ہو جاؤ، ینگ جنریشن اسی طرح کے ایڈونچرز میں پڑنا پسند کرتی ہے، جن سے انہیں بار بار منع کیا جائے۔ تم تو مجھ سے زیادہ سمجھدار ہو۔'' مصطفیٰ صاحب نے قدرے دھیمے لہجے میں سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

''میں نا سمجھی کر رہی ہوں تو یہ سمجھ جائے، کیا اسے اپنی ضد کے لئے میری ناراضی کی بھی پروا نہیں رہی۔'' وہ چیخ کر بولیں۔

''مام! میں آپ کو ناراض کب کر رہا ہوں؟'' وہ ملائمت سے بولا۔

''ہاں کر رہے ہو تم مجھے ناراض۔'' وہ ایک دم سے میز پر زور سے مکا مارتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''اگر تم جاؤ گے تو میری مرضی کے بغیر، میری ناراضی کی قیمت پر........ سنا تم نے۔ جا سکتے ہو تو جا کر دکھاؤ۔'' وہ شدید غصے کے عالم میں کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں تو دائم قدرے پریشان ہو کر باپ کی طرف دیکھنے لگا۔

''یار! کیوں میرے گھر کا سکون درہم برہم کرتے ہو؟ بڑی ٹھنڈے اور دھیمے مزاج کی عورت ہے میری بیوی۔ ساری زندگی کبھی بھی ہم دونوں میں تُو تکار کی نوبت نہیں آئی۔ اور مجھے لگتا ہے، لختِ جگر! تم ہم دونوں میں ''پڑوا'' کے چھوڑو گے۔'' مصطفیٰ صاحب، ذہن میں بڑبڑائے تو دائم سے مسکرایا بھی نہ گیا۔

''ابھی ٹھہر جاؤ، کچھ عرصہ........ میرا مشورہ تو........''

''پاپا! آپ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں، پھر کبھی آپ میرے منہ سے پاکستان جانے کا نام نہیں سنیں گے۔'' وہ تیزی سے ان کی بات کٹ کر بولا تو وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''ماما کے خوف کی کیا وجہ ہے؟'' وہ جیسے لفظ تول کر بولا تھا۔

''کیسا خوف؟'' وہ متعجب لہجے میں بولے۔
''آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔''
''مائی سن! میں ابھی بھی نہیں سمجھا۔''
''آج سے تقریباً چھ ماہ پہلے انکل شفیع ادھر سے اپنا بزنس وائنڈ اپ کر کے پاکستان جا رہے تھے، ان کی فیئر ویل سے واپسی کے بعد آپ نے لاؤنج میں بیٹھے، ماما سے پاکستان چلنے کو کہا تھا، یہاں سے سب کچھ سمیٹ کر، تو آپ نے دیکھا تھا اُن کی آنکھوں میں کیسا خوف اُتر آیا تھا اور انہوں نے آپ کی بات پوری ہونے سے پہلے سختی سے اسے رد کر دیا تھا۔ اس خوف کی بابت پوچھ رہا ہوں۔''
وہ اس کی بات سن کر گہرا سانس لیتے ہوئے سر سمجھانے لگے۔
''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ بات میں نے بھی محسوس کی تھی۔ اس وقت تو میں بھی رخشندہ کا موڈ خراب نہ ہو جائے، اس لیے چپ کر گیا تھا، مگر اس کے بعد دو ایک بار میں نے پھر ذکر کیا تو اس نے اسی طرح کا ردعمل ظاہر کیا، جسے میں سمجھ نہیں سکا۔ میں نے تمہاری طرح رخشندہ سے اس خوف کی وجہ پوچھی تھی، جس کا اس نے مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ ''آپ کا وہم ہے'' کہہ دیا۔ پھر میں بھی چپ کر گیا۔ ''تمہیں پتہ ہے، بے وجہ اصرار میری عادت نہیں۔'' دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنساتے ہوئے دھیمی آواز میں بول رہے تھے۔
''تو آپ کو بھی اس بات کا یقین ہے نا، کہ مما پاکستان جانے کے نام سے خوف زدہ ہیں۔'' وہ دھیمے سے جوش میں بولا۔
''ہاں، یہ میں نے نوٹ کیا ہے تو تمہیں بتایا ہے۔''
''یہی اُلجھن تو مجھے پاکستان کی طرف کھینچ رہی ہے۔ کیا آپ کے ذہن میں ماضی کی کوئی ایسی بات آتی ہے، جس کا اس سے کوئی رابطہ بنتا ہو؟'' وہ باپ کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
''ہرگز نہیں، میں نے اس نقطے پر کافی سوچا تھا۔ پاکستان ہم دونوں نے باہمی رضامندی اور مشاورت سے چھوڑا تھا۔ تمہارے ہونے کے بعد، تمہاری بہترین ایجوکیشن کی خاطر ہم نے یہیں سیٹل ہونے کا فیصلہ بھی مل کر کیا تھا۔''
''اس دوران آپ پاکستان گئے؟ مطلب دونوں ساتھ؟''
''میں دو بار گیا، رخشندہ ایک بار۔ دو ایک اموات ایسی ہوئی تھیں، جن کی وجہ سے جانا ضروری تھا۔''
''اس دوران آپ نے ماما سے پاکستان واپس چلنے کو نہیں کہا؟''
''کہا تھا۔ اور اس نے کوئی اتنے زوردار طریقے سے انکار بھی نہیں کیا۔ یہی کہا کہ ابھی دائم کی ایجوکیشن زیادہ ضروری ہے۔ میرا بھی دل نہیں تھا جانے میں۔ سو کبھی بحث یا تکرار کی نوبت نہیں آئی۔''
''ہوں۔'' وہ کچھ سوچنے لگا۔
''اب کیا سوچ رہے ہو؟''
''پاپا! آئی تھنک، آئی ہیو ٹو گو پاکستان۔'' وہ سوچ سوچ کر بولا۔
''تو تم ضرور جاؤ گے۔'' وہ جیسے ہار مانتے ہوئے بولے۔
''کیا آپ ماما کے خوف کی وجہ جاننا نہیں چاہیں گے؟''
''یقیناً۔''
''تو پھر آپ انہیں میرے جانے کے لئے راضی کرنے میں مدد کریں۔''
''صرف مدد کروں گا ڈیئر! راضی کرنے کا بیڑا نہیں اٹھاتا۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولے تو وہ مسکرانے لگا۔
''آپ صرف مدد کریں، مجھے آپ کی مدد ہی کافی ہوگی۔ اور پاپا! آپ میرے پیپرز وغیرہ تیار کروا دیں۔ اتنے میں، میں ماما کو راضی کر لوں گا۔''
''کب تک جانا چاہ رہے ہو؟''
''ایک ماہ تک لازمی۔''
''چلو ٹھیک ہے۔ میں پیپرز تیار کرواتا ہوں۔ تم فیلڈ مارشل صاحب سے این او سی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور اب آرام کرو۔ گڈ نائٹ!'' وہ کہتے ہوئے اس کا کندھا تھپک کر آگے بڑھ گئے۔
''گڈ نائٹ پاپا!'' اس نے سستی سے وہیں بیٹھے کہا اور زبیدہ کو کافی بنانے کا کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

✻.....✻
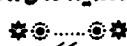
''ہیلو سویٹی! میری جان!......کیسی ہو؟'' میڈم یاقوت نے کھنکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"فائن!" اُس کا فائن اتنا سرد تھا کہ میلوں دُور سے بات کرتی میڈم یاقوت تک اس کی ٹھنڈک بخوبی پہنچی تھی۔
"خفا ہو میری جان؟" وہ پیار بھرے لہجے میں بولیں۔
"یہ حق کب دیا آپ نے مجھے؟" وہ اسی روٹھے ہوئے لہجے میں بولی۔
"مجھ سمیت میرے سب کچھ پر جتنا حق میری جان کا ہے، اور کسی کا بھی نہیں۔" وہ ممتا بھرے لہجے میں بڑے پیار سے بولیں۔
"صرف لفظوں کی حد تک۔" سویٹی کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔
"آزمانے کو نہیں کہوں گی، میری جان! اپنی ماں کی یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا، محبتوں کو کبھی آزمانے کی غلطی نہ کرنا۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولیں۔ "اچھا، کیسے ایگزام ہوئے تمہارے؟"
"کم آن ماما! کتنی بار پوچھیں گی؟ پچھلی تین کالز میں یہی بات آپ نے کم از کم تین بار پوچھی تھی۔" وہ جھلا کر بولی تو میڈم یاقوت ہنس پڑیں۔
"اتنی بار بتاؤ کہ میری تسلی ہو جائے۔ اور جو رہی بات بار بار پوچھنے کی تو تمہاری ماما اب بوڑھی ہو گئی ہے، سو بھول جاتی ہے۔"
"خبردار، جو آپ نے خود کو بوڑھا کہا۔ آپ دس سال بعد بھی مجھ سے ینگ لگیں گی، آئی نو۔ اور اتنی ہی زبردست۔" وہ بڑے فخر سے بولی۔
"جتنی بھی زبردست لگوں، اپنی جان سے بڑھ کر نہیں۔" وہ پیار سے بولیں۔ "کیا ہو رہا ہے آج کل؟"
"مام! سخت بوریت۔ پلیز مام! مجھے اپنے پاس بلوا لیں نا۔" وہ ملتجی لہجے میں زور دے کر بولی۔
"تو میں نے یہ فون تمہاری اسی بوریت کو رفع کرنے کے لئے تو کیا ہے۔"
"سچ مام! آپ مجھے بلوا رہی ہیں اپنے پاس؟...... کب؟ کتنے دن لگیں گے؟...... ماما! میرا جی چاہ رہا ہے، آپ کے پاس اُڑ کر آ جاؤں۔" وہ پُرجوش انداز میں بولتی چلی گئی۔
"بھئی، یہ میں نے کب کہا کہ میں تمہیں اپنے پاس بلا رہی ہوں؟ تمہاری بوریت دور کرنے کے لئے میں نے ہیری کو فون کر دیا ہے۔ وہ تین دن بعد یعنی تیرہ تاریخ کو تمہارے پاس ہوگا۔ تمہیں پورا اسکاٹ لینڈ گھمائے گا۔ جی چاہے تو آگے، جہاں تمہارا دل چاہے، ہو آنا۔ پھر جیسے ہی میں فارغ ہوتی ہوں، میں اپنی جان کے پاس چلی آؤں گی۔" وہ بڑے ملائم لہجے میں اسے تمام شیڈول سمجھانے لگیں۔
"مجھے نہیں جانا کسی ہیری ویری کے ساتھ۔" وہ جیسے بگڑ کر بولی۔ "مجھے بس آپ کے پاس آنا ہے، سنا آپ نے؟"
میڈم یاقوت نے ریسیور کان سے ہٹایا۔
"اچھا، یوں خفا نہیں ہوتے۔ کہا نا، بلا لوں گی جلد ہی تمہیں۔ اب تم جانے کی تیاری کرو اور......"
"اگر مجھے آپ کے پاس نہیں آنا تو مجھے کہیں بھی نہیں جانا۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔
"نہیں، ہرگز نہیں۔" وہ سختی سے بولیں۔ "تم ادھر ہرگز نہیں رہو گی۔ کم از کم اس مہینے۔"
"کیوں، اس مہینے ادھر کیا سیلاب آنے والا ہے؟ یا کوئی آتش فشاں لاوا اُگلنے والا ہے؟" وہ بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔
"شٹ اپ لائبہ! تم بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو۔ میری ڈھیل کا غلط مطلب مت لو اور ذرا فاخرہ کو فون دو، میں خود اس سے بات کر کے تیاری کا کہہ دیتی ہوں۔ تم سے تو کچھ کہنا ہی فضول......" وہ تیز تیز بول رہی تھیں اور وہ شاید ریسیور رکھ کر جا چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد فاخرہ لائن پر تھی۔ وہ اسے تفصیل سے سارا کچھ سمجھانے لگیں اور فاخرہ کے ساتھ بہت مغز ماری کی ضرورت انہیں کبھی بھی نہیں پڑی تھی۔ وہ تو لمحوں میں ان کی بات تو کیا، ان کہی بات کا مفہوم تک جان جاتی تھی۔ سو اس سے بات کر کے ان کا ذہن ہلکا پھلکا ہو گیا۔
'آخر کب تک میں اس گندگی سے بچانے کے لئے اپنی معصوم بیٹی کو دوڑا دوڑا کر ہلکان کرتی رہوں گی؟ ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک۔ یہ اس مسئلے کا حل تو نہیں۔' فون رکھ کر انہوں نے بے حد تھکے تھکے انداز میں سوچا۔
'وہ اس طرح بھاگتے بھاگتے مجھ سے دور بھی ہوتی جا رہی ہے اور بدظن بھی۔ اگر میں نے اسے بھی کھو دیا تو میرے پاس کیا بچے گا؟ یہ بے جان مال و دولت جو میں رات کی تاریکی میں روؤں تو میری آنکھ سے ٹپکتا ایک آنسو نہ صاف کر سکے۔ میری اصل دولت تو میری بیٹی ہے اور وہی مجھ سے کوسوں دور ہے۔ میرے زندہ رہنے کی وجہ اور وہی مجھ سے اتنی دور کہ جب تڑپوں تو ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سینے سے بھی نہ لگا سکوں اور دھڑکے، وسوسے الگ۔ میں، جو بزنس ٹائیکون ہوں، اندر سے کتنی بزدل اور تنہا۔ جو سویٹی مجھے دیکھ لے تو...... نہیں نہیں، اس وقت کے آنے سے پہلے مجھے اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی پائیدار حل نکالنا ہوگا۔ مستقل حل۔' وہ اُٹھ کر ٹہلنے

لگیں۔

"ارے، کمال ہے......حل تو بالکل سامنے ہے اور مجھے سوجھ نہیں رہا" چلتے چلتے وہ ایک دم رک کر خود سے بولیں۔
شادی......جلد از جلد......اس سے زیادہ بہترین اور خوب صورت حل اور کیا ہوگا بھلا؟ زبردست۔" وہ خوش ہوتے ہوئے
دینے لگیں۔ ان کا ذہن اب اسی لائن کو آگے سے آگے سوچ رہا تھا، بہت دُور تک۔

✿⊙......⊙✿

"افوہ......کیا مصیبت ہے؟ کہاں گیا وہ کارڈ؟" تانیہ بڑبڑاتے ہوئے تنزیل کے کمرے کی تلاشی لے رہی تھی۔ وہ
میں نہانے گیا تھا، ورنہ اس کی بے چینی کی وجہ ضرور پوچھتا۔

"اچھ بھلا کل میں نے ادھر ہی تو بیگ اُلٹایا تھا، یہیں کہیں گرا ہوگا" وہ اب پلنگ کے نیچے گھسی دیکھ رہی تھی، جہاں
چپس والے فرش کی اصل شکل کہیں گم ہوگئی تھی۔

"امی بے چاری اکیلی کیا کیا کریں؟" وہ اپنے کپڑے جھاڑتی اُٹھ کھڑی ہوئی اور پلنگ کے تکیے اٹھا کر دیکھنے لگی۔
ان تینوں بہنوں کا کمرہ احسن مراد کے ساتھ والا تھا اور وہ ساری رات درد سے تڑپتے رہے۔ ان کی ہائے ہائے نے
کے لئے تانیہ کو سونے نہ دیا تھا۔ اور وہ جو کل یہ ارادہ بنا بیٹھی تھی کہ میڈم یاقوت کے آفس نہیں جائے گی، احسن مراد کی ہائے
اسے راتوں رات نہ صرف یہ کہ ارادہ بدلنے پر مجبور کر دیا، بلکہ اس جاب کو حاصل کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کرنے کے لئے
کر دیا اور اب وہ وزیٹنگ کارڈ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا، اس کو ہلکان کرنے کے لئے۔

"مل گیا" تکیے کے نیچے پڑا، وہ کارڈ جگمگا رہا تھا۔

وہ کارڈ بیگ میں رکھ کر ایک منٹ نہ رکی، یاسمین کو خدا حافظ کہتی، بالوں پر آخری بار برش کرتی باہر نکل گئی۔ اور آج شا
بھی اس پر مہربان تھی کہ اسے فوراً ہی وین بھی مل گئی اور سیٹ بھی۔

وہ سارے راستے امی کی تاکید پر قرآنی آیات کا وِرد زیرِ لب کرتے اب ملنے کی دعا کرتی رہی۔ آفس کا ایڈریس کچھ
نہیں تھا اور اسٹاپ سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔

تیسرے آفس کا دروازہ کھولتے ہی اسے گلاس ڈور کے باہر نکھری نکھری عائشہ بخاری سر جھکائے کچھ لکھتی نظر آگئی۔
ایک طمانیت بھرا سانس لیا، ذرا رک کر اپنا حلیہ درست کیا، بالوں پر ہاتھ پھیرا، قمیض کی ان دیکھی سلوٹیں دور کیں اور دوپٹہ
کرتے ہوئے آگے بڑھی۔ اسی وقت میڈم یاقوت اپنے آفس سے باہر نکلیں، وہ کسی ضروری کام کے لئے باہر جا رہی تھیں۔

بیرونی دروازے سے آتی تانیہ کو دیکھ کر انہوں نے رخ پھیر لیا۔ اگلے ہی پل وہ دوبارہ آفس جا چکی تھیں۔

"عائشہ! وہ کل والی لڑکی آئی ہے، اسے تسلی بخش طریقے سے ڈیل کرو اور اس کا C.V یا جو بھی کوائف ہوں، فوراً
بھیجو۔" تانیہ مراد کے عائشہ تک پہنچنے سے پہلے وہ عائشہ کو یہ ہدایات دے چکی تھیں۔

چند منٹوں بعد ان کا چپراسی پیپر ان کے سامنے رکھ کر باہر جا چکا تھا۔

کاغذ پر لکھا نام ہی ان کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کرانے کے لئے کافی تھا۔ وہ ذرا سا آگے جھک کر دیکھنے لگیں۔

"تانیہ مراد" نام کے خانے کے آگے لکھا تھا اور ان کا ذہن ٹھٹک سا گیا تھا۔

"تنزیل مراد......تانیہ مراد......" ان کا دماغ کڑیاں ملانے لگا۔

"میڈم! کیا کہوں مس تانیہ مراد سے؟" چند منٹ بعد عائشہ بخاری ان کے سامنے سوالیہ چہرہ لئے کھڑی تھی، جسے
نے ابھی اندر بلایا تھا۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی نظریں کاغذ پر لکھے نام سے ہٹائیں۔

"اس سے کہو، اپنا C.V چھوڑ جائے۔ اسے اسی ہفتے کسی بھی دن انٹرویو کے لئے کال کر لیا جائے گا۔ اور ہاں، اس
کنٹیکٹ نمبر ضرور لے لینا" اب وہ خاصے مطمئن لہجے میں بول رہی تھیں۔ چند منٹ پہلے کا اضطراب اور بے چینی غائب تھی
نے قدرے الجھ کر انہیں دیکھا۔ کہاں تو وہ اتنی بے تاب تھیں کہ اس لڑکی کو فوراً اپنے روبرو لے آئیں اور اب ایک ہفتے کا ٹائم د
تھیں۔

"عائشہ ڈیئر! پکا ہوا پھل بالآخر آپ کی جھولی میں ہی آکر گرے گا۔ اس کے لئے یوں اُچھل اُچھل کر اپنی انرجی ضائع
کی ضرورت نہیں۔ جو میں نے کہا ہے، وہ کرو اور اسے فارغ کر کے اندر آؤ" انہوں نے عائشہ کی آنکھوں میں تیرتی اُلجھ
کرنے کے لئے کہا تو وہ سر ہلا کر واپس مڑ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ میڈم یاقوت ہمیشہ ٹھنڈا کر کے کھانے کی قائل ہیں، کبھی گرم گرم ہضم
کے چکر میں اپنا منہ نہیں جلاتیں۔

"یس میڈم!" چند منٹ بعد وہ پھر ان کے سامنے موجود تھی۔

"کیا کہا تم نے اس سے؟" وہ نہ جانے کیا جاننا چاہ رہی تھیں۔ ہلکی سی بے چینی ان کی آنکھوں اور چہرے سے جھلک رہی تھی۔

"وہی جو آپ نے کہا تھا۔ ویسے......" وہ رکی۔ وہ تھوڑا سا مایوس ہوگئی تھی۔ "معلوم نہیں، دوبارہ آئے یا......"

"ڈونٹ وری مائی گرل! اشی وِل ہیو ٹو کم۔" وہ ریوالونگ چیئر کو گھما کر آرام سے بولیں۔

"بیٹھو!" وہ ان کے کہنے پر آہستگی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ میڈم یاقوت نے چیئر کا رخ بائیں دیوار کی طرف کر لیا اور ہاتھ میں پکڑا ریموٹ ذرا سا بلند کر کے دیوار کے رخ بٹن پش کرنے لگیں۔

اسی وقت سامنے دیوار پر جہاں صندلی لکڑی سے بے حد نفیس کام کیا گیا تھا، ایک چھبیس انچ کے ٹی وی جتنا بلاک اپنی جگہ سے سرک گیا اور اسکرین نظر آنے لگی۔ تانیہ مراد اسٹل پوز میں اسکرین پر موجود تھی۔ میڈم یاقوت اور عائشہ بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"کیا خیال ہے؟" چند لمحوں کے سکوت کے بعد میڈم یاقوت نے چیئر ذرا سی گھما کر معنی خیز انداز میں پوچھا تو عائشہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیسا ہے ہمارا انتخاب؟" وہ ریموٹ پر لگا ایک اور بٹن پش کرتے ہوئے چٹخارہ سا لے کر پوچھنے لگیں۔ اب اسکرین پر تانیہ کے چہرے کا سائیڈ پوز نظر آ رہا تھا۔ ہونٹوں کے بائیں کنارے پر ذرا اوپر ننھا سا جگمگاتا تل اس کی یونانی طرز کی ناک کے نیچے بہت بھلا لگ رہا تھا اور گال کے نیچے پڑنے والا ہلکا سا بھنور، نگاہوں کو اپنی جانب کھینچتا تھا۔ کمان جیسے ابروؤں کے نیچے بڑی بڑی سیاہ غلافی آنکھیں، جن کا ترچھا پن ان کی کشش میں اضافہ کر رہا تھا۔

"آپ کا انتخاب ہمیشہ ہی لاجواب ہوتا ہے۔" عائشہ بخاری نے مدھم سی آواز میں کہا تو میڈم یاقوت نے یونہی گردن موڑ کر دیکھا اور پھر خود ہی ہنس پڑیں۔

"آف کورس۔ تمہاری موجودگی میرے لاجواب انتخاب کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ صحیح کہا تم نے۔ اچھا چھوڑو۔ کیا قیامت چہرہ ہے یار!" اسکرین پر اب بار بار اسی چہرے کے مختلف پوز ڈوروز ڈیک سے بار بار دکھائے جا رہے تھے۔

"وہ جو میں نے تم سے ذکر کیا تھا، جیولری کی ایگزی بیشن کا، اس کے لئے یہ لڑکی کیسی رہے گی؟ دیکھو تو، کیسا فوٹو جینک چہرہ ہے۔ میک اپ کے بغیر ہے۔" انہوں نے ایک سرشاری سے گہری سانس لی اور تانیہ کے چہرے سے نظریں ہٹا کر بولیں۔

"کیا یہ ماڈلنگ کے لئے تیار ہو جائے گی؟ میرا مطلب ہے......" سوال پوچھتے پوچھتے جیسے عائشہ کو خود ہی اپنے سوال کے بے تکے پن کا احساس ہو گیا تھا، جواب کا انتظار کئے بغیر وہ اپنی انگلیاں مروڑنے لگی۔

"کیا...... یہ نہیں تیار ہوگی؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگیں۔ پھر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہنس پڑیں۔ "تمہارا یہی پن تو ہمیں لوٹ لیتا ہے، عائشہ ڈیئر!"

عائشہ کا سر جھک گیا۔

"خیر، اب یہ معصوم بچوں والے سوال بند کرو، نیکسٹ پلاننگ کی بات کرو۔" وہ ریموٹ ٹیبل پر رکھ کر قدرے سنجیدگی سے بولیں۔ "اسی ہفتے...... آج منگل ہے۔ تم اسے جمعرات تک کال کر لو یا پھر اس سے نیکسٹ ڈے، جب میں فارغ ہوں۔ تھوڑی تیاری بھی ضروری ہے۔ میں ہمیشہ تھرو پراپر چینل کام کرنا چاہتی ہوں۔ اب یہ جہانگیر کی عجلت پسندی کے باعث میں اپنے کام میں کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتی۔ وہ اسی ہفتے لندن چلا جائے گا تو میں آرام سے سب کچھ مینج کر لوں گی۔" بولتے ہوئے وہ جیسے عائشہ کی موجودگی سے لاتعلق ہو چکی تھیں۔

"دیکھو، کیا غضب کی ہائٹ ہے اس کی اور کیا کمال فگر۔ آج کل سوکھی سڑی ماڈلز کی طرح بے رونق چہرہ نہیں ہے۔" وہ ایک بار پھر اسکرین پر نظریں جما کر کہہ رہی تھیں، جس میں تانیہ اُٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔ کیمرے نے اُس کا کلوز اَپ لیا تھا۔

"ویسے عائشہ! میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔ بلکہ یہ آئیڈیا اس لڑکی کو دیکھ کر ہی میرے ذہن میں آیا ہے اور......"

"ایکسکیوز می، میڈم! قطع کلامی کی معافی چاہتی ہوں۔"

میڈم یاقوت کے ماتھے کی شکنیں عائشہ کو اپنی غلطی کا احساس دلا گئیں۔

"وہ جو انٹرویوز آپ نے پچھلے سے پچھلے ہفتے کئے تھے، ان کا فائنل آپ نے کچھ آرڈر نہیں کیا۔" میڈم یاقوت کی تیز نظروں سے گھبرا کر وہ جلدی سے بولی۔

"مجھے یاد ہے، کچھ بھی نہیں بھولتی میں۔ ابھی بھولنے کی بیماری نہیں لگی مجھے، جو تم ایسا خیال کر رہی ہو۔" وہ تیکھے پن سے جتا کر بولیں۔

"سوری میم! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔

''خیر! میں اسی طرف آ رہی ہوں۔ تم پہلے میرا وہ آئیڈیا سن لو۔ اگر یہ آئیڈیا قابلِ عمل ہے تو سب چیزوں کو چھو
اس کی طرف توجہ دینا ہوگی۔ سنو!''
وہ قدرے آگے ہو کر ذرا جوش میں بولنے لگیں تو عائشہ پورے دھیان سے انہیں سننے لگی۔

✼.......✼
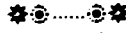
''ماما! آپ کی یہ ناراضی اور کتنے دن چلے گی؟'' دائم، ڈاکٹر رخشندہ کی تین روزہ خاموش احتجاجی ناراضی سے تنگ
وہ کلینک کے لئے نکل رہی تھیں۔ وہ ایک چبھتی ہوئی نظر اس پر ڈال کر سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگیں۔
''پلیز ماما! یوں مت کریں۔ آپ کو معلوم ہے، میں آپ کی ناراضی، وہ بھی اتنے دن تک برداشت کر ہی نہیں سکتا
کندھے تھام کر بولا تو انہوں نے منہ موڑ لیا۔
''ماما جانی! پلیز۔ اچھا، کچھ بولیں تو سہی۔ چاہیں تو مجھے جی بھر کر ڈانٹ لیں۔ مگر خدا کے لئے، اس تکلیف دہ
کریں۔ ویسے تو آپ شخصی آزادی رائے کے حق میں زمین آسمان کے قلابے ملا سکتی ہیں، اور جو میں نے اک ذرا سی
کر دیا ہے تو آپ کی خفگی ہی تمام نہیں ہو رہی۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی قدرے نروٹھے پن سے کہے گیا تو انہوں
ناراض نظر اس پر ڈالی۔
''اچھا ادھر بیٹھیں میرے پاس۔ میرے صرف ایک سوال کا جواب دے دیں، پھر آپ دیکھئے گا، میں کبھی با
نہیں کروں گا۔ میرا مطلب ہے، وہاں جانے کا۔'' وہ انہیں زبردستی کھینچتے ہوئے صوفے تک لے آیا تھا، اپنے سامنے
بولا۔ ''آپ پاکستان کا نام لینے پر، میرا مطلب ہے، پاکستان جانے کے ذکر پر اتنی خوف زدہ کیوں ہو جاتی ہیں؟''
اچانک اور غیر متوقع تھا کہ ڈاکٹر رخشندہ بے اختیار چونکی تھیں، جیسے کسی نے ان کی چوری پکڑ لی ہو۔
''میں......نہیں تو۔ ہرگز نہیں۔ میں بھلا پاکستان کے ذکر سے خدانخواستہ کیوں خائف ہونے لگی؟ وہ میرا وطن
مجھے دنیا کے ہر ملک سے بڑھ کر عزیز۔'' وہ محض صفائی دینے کی غرض سے کچھ زیادہ ہی بول گئیں۔ دائم بہت گہری نظ
دیکھ رہا تھا، جس کا احساس انہیں اپنی بات کے اختتام پر ہوا۔
''میں کیوں بھلا خوف زدہ ہونے لگی، پاکستان کے ذکر سے؟ فضول بات کی تم نے۔'' وہ اس سے نظریں چرا
ہاتھ مسل کر بولیں۔ ''مجھے دیر ہو رہی ہے، پھر بات کریں گے۔'' وہ جان چھڑانے کی خاطر اُٹھنے لگیں۔
''پلیز ماما! بیٹھیں، میں نے کہا تھا کہ آپ پاکستان کے نام سے نہیں، وہاں جانے کے ذکر سے، خاص طور پر میر
اتنی ہراساں کیوں ہیں۔ کیا آپ کو کسی کا خوف ہے؟'' وہ نرمی سے ان کے ہاتھ پکڑ کر بولا۔
''ہرگز نہیں۔ بالکل نہیں۔ مم.... مجھے کیوں کسی کا خوف ہونے لگا؟ کیا بات کی تم نے، بالکل بے محل سی۔'' وہ بے
ہنسنے کی کوشش کرنے لگیں۔
''ماما پلیز! یہ مصنوعی ہنسی۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''خیر، اب آپ کیا کہتی ہیں؟''
''میں نے کیا کہنا ہے، جو کہنا ہے تمہیں معلوم ہے۔ بات بار بار دہرانے سے فائدہ؟'' وہ پھر سے سخت لہج
قدرے روکھے پن سے بولیں تو وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ ڈاکٹر رخشندہ کی نظر اس کے اترے ہوئے چہرے پر پ
اٹھتے بیٹھ گئیں۔
''جوان اولاد ہے، ایڈونچر کا شوق ہے محض اسے، یا تمہاری چڑ کی وجہ سے خوامخواہ ضد میں آ رہا ہے۔ دیکھنا، وہاں
کا سارا شوق ہوا ہو جائے گا۔ پھر جیسے اُدھر آج کل حالات ہیں، بڑے بڑے وطن پرست دوسرے ملکوں میں پنا
کوششوں میں لگے ہیں۔ دیکھنا، ایک آدھ ہفتے میں ہی صاحبزادے کا سارا ایڈونچر اڑنچھو ہو جائے گا۔ پھر وہاں کا شد
نازک طبیعت کہاں سہار پائے گی؟ تم منہ پھلا کر انکار کرتی چلی جاؤ گی تو اپنے ہی حق میں برا کرو گی۔ اس معاشرے م
بڑھا ہے، دس سال کا بچہ اپنے والدین کی رائے کو جبر سمجھتا ہے۔ اور یہ ماشاء اللہ، جوان ہو کر ہماری مرضی کا پابند ہے تو
خوش نصیب ہیں۔ بہتر ہے، اس خوش بختی کو بدبختی میں نہ بدلا جائے۔ اگر وہ تمہاری خوشی، مرضی کے بغیر جانے کا فیصلہ
جائے تو کیا رہ جائے گا تمہارے پاس، اپنا مان گنوا کر؟ بہتر ہے، اسے خوشی خوشی اجازت دے دو۔ وقت کی نزاکت کو سمجھ
رات میں تو مصطفیٰ نے انہیں بہت تفصیل سے اونچ نیچ سمجھاتے ہوئے مان جانے کا مشورہ دیا تھا، جسے وہ صبح اٹھ
فراموش کر بیٹھی تھیں۔ مگر اب دائم کا اُترا چہرہ دیکھ کر انہیں مصطفیٰ کی بات کی سنگینی کا احساس ہوا۔ انہیں لگا، دائم اگلے ہی
کہے گا۔ مجھے اجازت دیں یا نہ دیں۔ میری آج یا کل کی سیٹ کنفرم ہے تو میں کیا کر لوں گی؟ اس کے پیروں کی بیڑی تو نہ
''دائم! تم وہاں جا کر کرو گے کیا؟'' ایک طویل خاموشی کے بعد ان کے سوال پر دائم نے قدرے حیرانی سے انہیں دیکھ

"تو آپ مجھے جانے کی اجازت دے رہی ہیں؟" وہ ان کا سوال نظرانداز کر کے دبے دبے جوش سے بولا۔
"ہاں، مگر صرف دو ماہ کے لئے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اگر تم میری خوشی کو کچھ سمجھتے ہو تو......" وہ متنبہ کرنے والے انداز میں بولیں۔
"اوماما! زندہ باد۔ ایک دو ماہ تو بہت ہیں۔ پھر آپ نے یہ کیوں کہا کہ میں آپ کی خوشی کو کچھ نہیں سمجھتا؟ نہ سمجھتا ہوتا تو اب تک ہاں نہیں، پاکستان میں بیٹھا ہوتا۔" وہ ان کے کندھوں سے لپٹتے ہوئے پُرجوش لہجے میں بولا۔
"کب تک جانے کا ارادہ ہے......؟" اس کا جوش دیکھ کر انہوں نے اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ "کچھ فیصلے وقت پر چھوڑ دیا کرتے ہیں، رخشندہ بی بی! کیا پتہ، اسی میں کوئی بہتری ہو۔" وہ خود اکثر کتنا تڑپتی تھیں، پاکستان جانے کے لئے۔ مگر اس خوف کی وجہ سے۔ یا اللہ! میرے بچے کو اپنی امان میں رکھنا۔ وہ اس کے گھنے بالوں والا سر چوم کر دل میں دعا کرنے لگیں۔
"پاپا سے میں نے پیپر تیار کرنے کا کہہ دیا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے، دو تین دنوں تک میرا ویزا، پاسپورٹ تیار ہو جائے گا۔ پھر جس دن میں جانا چاہوں، وہ میری سیٹ کنفرم کروا دیں گے۔"
"تو گویا تم میری اجازت کا ڈرامہ رچا رہے تھے۔" انہوں نے دائم کا کان زور سے کھینچا۔
"ارے ماما! چھوڑ دیں۔ کیا مجھے ایک کان کے ساتھ پاکستان بھیجنے کا ارادہ ہے؟" اس نے زور لگا کر اپنا کان چھڑایا اور ہاتھ سہلانے لگا۔ "توبہ، کتنا پکا ہاتھ ڈالتی ہیں۔ بے چارہ آپریشن ٹیبل پر لیٹا مریض تب ہی تو چوں بھی نہیں کر سکتا۔ اور ماما ڈارلنگ! اگر آپ کی اجازت نہ ملتی تو میں ان کاغذات کو آگ لگا دیتا، مگر آپ کی رضامندی کے بغیر نہ جاتا۔" وہ بڑی محبت سے ماں کو دیکھ کر بولا تو ان کو اس پر بے تحاشا فخر محسوس ہوا۔
"پھر تو میں نے غلطی کی تمہیں اجازت دے کر۔" وہ تاسف بھرے لہجے میں بولیں۔
"کمان سے نکلا تیر اور زبان سے نکلی بات، ماما جان! ناقابلِ واپسی ہوتی ہے۔ آپ بس اب میری پیکنگ میں مدد کروا دیں۔ اور تھوڑی شاپنگ میں ہیلپ وہاں کے موسم کے مطابق۔" وہ پُرجوش سا ہو کر اٹھا۔
"وہاں جتنی گرمی ہو گی، ایک بار تو ایئرپورٹ پر اترتے ہی جناب کے ہوش گم ہو جائیں گے۔ وہاں انگلینڈ والا مئی جون نہیں ہوتا کہ آپ ایک طویل سرد موسم کے بعد فریش نیس فیل کریں۔" انہوں نے اپنی سی آخری کوشش کی تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔
"آئی ڈونٹ کیئر۔ اور ماما! میں کوئی موم سے نہیں بنا کہ گرمی سے پگھل جاؤں گا۔ زندگی تجربات کا نام ہی تو ہے۔" یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تو ڈاکٹر رخشندہ ایک گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔
اسی وقت زبیدہ کے ساتھ اسامہ اندر داخل ہوا، اس کے سلام کے جواب میں وہ خوش دلی سے اس سے ملنے لگیں۔
"کولمبس نے امریکہ دریافت کیا اور ایک زمانے میں دھوم مچا دی بلکہ اس کی دریافت نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، اور تمہارے دوست اپنی دریافت شدہ ہوم لینڈ کو از سرِ نو تلاشنے جا رہے ہیں، جس سے دنیا کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، البتہ ان کی صحت متاثر ہو گی۔ جسمانی اور ذہنی دونوں۔"
وہ اسامہ کو دائم کے کمرے کے پاس چھوڑتے ہوئے سامنے کھڑے دائم کو دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہنے سے باز نہ رہ سکیں۔ جس کے جواب میں دائم نے ایک دلکش سی مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔
"یار! کیوں آنٹی کو ڈسٹرب کر رکھا ہے تم نے؟" اسامہ اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔
"ان کی ڈسٹربنس ہی تو رفع کرنے جا رہا ہوں۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔
"اونچا بولو، کسی کے سامنے خود کلامی نہیں کیا کرتے۔ مسٹر ہیرو کس کی ڈسٹربنس رفع کرنے جا رہے ہو؟" اسامہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔
"چھوڑو، یہ بتاؤ، مس لائبہ آج کل کدھر گم ہیں؟ میرا خیال ہے، اس سے آخری ملاقات آج سے پانچ روز پہلے ہوئی تھی اور فون بھی اسی رات ہوئی تھی۔ میں تو ماما کی خفگی کی وجہ سے سب کچھ بھولا ہوا تھا۔ تم گئے تھے اس کی طرف؟"
"نہیں بھئی۔ ٹائم ہی نہیں مل سکا۔" وہ بھی شانے اچکا کر بولا۔
"کیوں، تمہیں سرکاری ترجمان کی کوئی پوسٹ تو نہیں مل گئی، جو ٹائم نہیں ملتا؟ خیر سے پورے تین دن بعد تشریف لائے ہو۔" وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔
"تو تمہیں کون سی توفیق ہو گئی کہ آ کر پتہ کر لو۔ خود تو جیسے مایوں بیٹھے تھے۔" وہ بھی جواباً تڑخ کر بولا۔
"بتایا تو ہے ماما!"
"اوکے، اوکے......دس بار دہرا چکے ہو۔ ماما کی ناراضی۔ یار! تم پاکستان جا کر کیا کرو گے؟ تم تو مانچسٹر تک اکیلے نہیں جا

سکتے، ماما کے بغیر۔ یاد نہیں، وہ پکنک جب تمہیں بخار ہو گیا تھا؟" وہ شرارت سے یاد دلانے لگا۔
"کم آن اسامہ! فضول بات۔ وہ تو موسمی بخار تھا، ماما سے جدائی کا نہیں۔" وہ اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا
اس کے سفید جھوٹ پر ہنس پڑا۔
"چلو ذرا، یہ سویٹی بی بی کی تو خبر لیں چل کر۔ اتنے دن تک وہ غائب نہیں رہ سکتی۔ مبادا نصیبِ دشمناں طبیعت نا
چاری کی۔"
"ماشاء اللہ۔ تو گویا پاکستان جانے کی تیاری شروع کر دی جناب نے۔ اور اس بے چاری کی جو طبیعت بھی ناساز
دیکھ کر بحال ہو جائے گی۔" وہ آنکھ دبا کر بولا تو دائم جھینپ گیا۔
"یار! تم کیوں نہیں چلتے میرے ساتھ؟" دائم بولا۔
"جا تو رہا ہوں۔ اور تمہیں اکیلا جانے دوں گا؟"
"نہیں بھئی، میں پاکستان جانے کی بات کر رہا ہوں۔"
"اور بھی غم ہیں میری جان زمانے میں، پاکستان جانے کے سوا۔" وہ باہر نکلتے ہوئے گنگنایا۔
"تمہیں کیا غم ہیں بھلا؟ آج بتا ہی دو۔" وہ اسے گھور کر بولا۔
"کبھی فرصت ملی تو سنائیں گے حالِ دل۔ پھر نہ ہوا جگر چھلنی تو کہنا۔" وہ رک کر شاعرانہ انداز میں بولا تو دائم ب
پڑا۔
"لگتا ہے، آج کل مشاعرے اٹینڈ کرتے پھر رہے ہو۔"
"یہی سمجھ لو ڈیئر!....... چلو اب۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ لائبہ کی غیر موجودگی اس کو بری طرح سے کھٹک رہی تھی۔ وا
اسے دیکھنا چاہ رہا تھا، سو قدم تیز کرتے ہوئے بولا تو دائم نے بھی رفتار بڑھا دی۔

✲⊙......⊙✲

جہانگیر ہمدانی نے ڈپلیکیٹ چابی، دروازے کے لاک میں گھمائی۔ دوبارہ گھمانے سے لاک کلک کی آواز کے سا
جہانگیر ہمدانی کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی، پاؤں کے پاس پڑے بریف کیس اور سفری بیگ کو ہاتھ میں لے کر
دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا۔ دروازہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ اندر مکمل سناٹا تھا۔
"لگتا ہے، گھر میں کوئی نہیں۔" وہ بڑبڑائے۔
"اینی باڈی ہوم؟" وہ ذرا شوخ آواز میں گنگناتے ہوئے بولے۔ جواب میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ سامان لابی میں
کمرے سے دوسرے کمرے میں پھرنے لگے۔ یہ تین بیڈ رومز، ایک لاؤنج اور ڈرائنگ، ڈائننگ پر مشتمل لگژری اپارٹمن
کے علاوہ اس میں دو سائیڈ رومز بھی تھے، جس میں سے ایک فاخرہ کے بیڈ روم کے طور پر اور دوسرا اسٹڈی کے طور پر استعما
جہانگیر ہمدانی نے یہ اپارٹمنٹ آج سے تین سال پہلے لائبہ کے لئے خریدا تھا، جب میڈم یاقوت نے لائبہ کو انگلینڈ اسٹڈی
کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اس سے پہلے وہ دبئی، مڈل ایسٹ کے مہنگے ترین تعلیم اداروں میں پڑھتی رہی تھی۔
"لگتا ہے، شاپنگ وغیرہ پر گئی ہیں۔" وہ تھک کر ایک صوفے پر جا بیٹھے۔ اتنے لمبے سفر کے اختتام پر ایسا بے رو
ان کا موڈ اچھا خاصا بگڑ گیا تھا۔ اٹھ کر فریج کا جائزہ لیا اور پائن ایپل جوس کا ٹن نکال کر منہ سے لگا لیا۔ فریج میں کھانے
کوئی قابلِ ذکر چیز موجود نہیں تھی۔ جوس پینے کے تھوڑی دیر بعد تک کوفت بھرا انتظار کیا۔
"کیا مصیبت ہے؟" انہوں نے جھلا کر میڈم یاقوت کو کال کیا۔
"یار! یہ سویٹی کدھر غائب ہے؟ میں پہنچا ہوں تو خالی اپارٹمنٹ بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔" وہ چھوٹتے ہی ہائے
بولے۔
"کیسا گزرا سفر؟ پہنچنے کی اطلاع تو کر دیتی تھی۔" میڈم یاقوت میٹھی آواز میں پوچھنے لگیں۔
"بھئی، پلین کا سفر تھا۔ کیسا گزرنا تھا؟ اور اطلاع کیا کرتا۔ ابھی تو پہنچا ہوں۔ اور یہ روکھا پھیکا استقبال۔ کدھر غا
دونوں؟" میڈم یاقوت کا ٹھنڈا لہجہ اور خیال رکھنے والا انداز انہیں اور بھی جھلسا گیا۔
"لائبہ بہت موڈی ہے، رات میں اس کا فون آیا تھا۔ اپنی فرینڈز کے ساتھ چھٹیاں گزارنے جنیوا جا رہی ہے۔ اور
بالکل اِن ٹائم انفارم کیا اس لڑکی نے، کم از کم تمہیں تو بتا دیتی۔" میڈم یاقوت کے جواب نے جہانگیر ہمدانی کو پل بھر کے
کر دیا۔ مگر یہ شاک چند لمحوں کے لئے ہی تھا۔
"چلو، کوئی بات نہیں۔ یہی تو ایج ہوتی ہے، انجوائے کرنے کی۔ میں تو سیدھا ہوٹل ہی گیا تھا، جہاں ہمیشہ ٹھہرا کرتا

ادھر کوئی روم خالی ہی نہیں تھا۔ مجھ سے غلطی ہوئی، نکلنے سے پہلے بکنگ بھی نہ کروائی۔ اب کل صبح کے لئے بکنگ کروا آیا ہوں اور سوچا رات ادھر Stay کرلوں گا اور کچھ لائبہ سے گپ شپ بھی رہے گی۔ خیر، اب تو رات خاصی ہو چکی ہے۔ اب تو ریسٹ ہی کرنا چاہئے۔" انہوں نے ایک بھرپوری جمائی لی۔

"کھانے کو کچھ ہے نہیں تو کسی فوڈ پلیس سے فون کر کے منگوالو۔" وہ اسی کیئرنگ لہجے میں بولیں۔

"اوہ، ڈونٹ وری....... مجھے بالکل بھوک نہیں۔ پلین میں اسنیکس لے لئے تھے۔ اور اب جوس پی لیا ہے۔ رات گزر ہی جائے گی۔ اب تو صرف بستر پر لیٹنے کی خواہش ہو رہی ہے۔ اور کیا ہو رہا تھا؟" فون بند کرنے سے پہلے انہوں نے رسماً ہی پوچھا۔

"تمہاری کال کا انتظار۔ بہت مس کر رہی ہوں تمہیں۔" وہ گہری آواز میں بولیں۔

"اوہ، کم آن۔ وی آر ناٹ ٹین ایجرز۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیزاری سے بولے۔

"محبت کرنے والے ہمیشہ ٹین ایجر ہی رہتے ہیں ڈیئر!" وہ جتا کر بولیں تو انہوں نے "شیور، آئی لو یو۔ گڈ نائٹ!" کہہ کر بےزاری سے فون کر دیا۔

"مجھ سے بلی چوہے کا کھیل کھیلتی ہے۔ استادوں سے استادی۔" ٹانگیں پھیلاتے ہوئے جہانگیر ہمدانی نے ایک موٹی سی گالی دیتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ چند منٹوں بعد اٹھ کر انہوں نے اپنے بیگ کی اندرونی جیب سے وہسکی کی پاکٹ سائز بوتل نکالی اور وہیں صوفے پر نیم دراز ہو کر گھونٹ گھونٹ پیتے غم غلط کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

اگلی صبح اٹھتے اٹھتے بھی بارہ بج گئے۔ نیند تو کب کی پوری ہو چکی تھی، اٹھنے کو ہی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ پہلی صبح ہی بے حد روکھی اور بیزار کن لگ رہی تھی۔ حالانکہ جہانگیر کا لندن آنے کا مقصد محض لائبہ سے ملنا تو نہیں تھا، کچھ اور بھی کاروباری معاملات نپٹانے تھے۔ لندن میں قیام بھی محض ایک ہفتے کا تھا۔ اور کام بے شمار تھے۔ اسی آخری سوچ نے بستر چھوڑنے پر مجبور کیا۔

شام تک کا وقت بے حد مصروف گزرا۔ دو تین ضروری کلائنٹس سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ ایک بڑا پراجیکٹ بھی مل گیا، جس کی خواہش مدت سے ان کے دل میں تھی۔ سو ان کا موڈ اس کے بعد خوشگوار ہی رہا۔ شام پھر فارغ تھی۔ ایک بار پھر دل میں لائبہ سے ملاقات کی خواہش مچلی۔ جی چاہا، اپنی بیوی کو فون کر کے ہوٹل کا ایڈریس لے لیں اور کل پرسوں فارغ ہوتے ہی اس سے مل آئیں۔ مگر انہیں پتہ تھا، وہ کبھی لائبہ کا ایڈریس نہیں بتائیں گی۔ ان کا ارادہ اپنی دل پسند پب میں جانے کا بن گیا۔

'ادھر تو خیر پوری رات ہی گزرے گی، لنڈا مل گئی تو اس نے دن چڑھے تک پیچھا نہیں چھوڑنا۔ کیوں نہ پہلے تھوڑی بہت شاپنگ کر لی جائے۔' وہ یہی سوچ کر میک زون کی طرف چلے آئے۔ مگر دو چار شاپس پھرنے کے دوران میں انہیں اندازہ ہو گیا کہ موڈ شاپنگ کا بالکل بھی نہیں۔ صبح والی بیزاری اور قنوطیت پھر سے طبیعت پر چھانے لگی تھی۔

"ہمدانی!....... تم ہمدانی.......!" کسی نے عقب سے پکارا تو وہ بے ساختہ گردن موڑ کر پیچھے دیکھنے لگے۔ پچاس پچپن یا شاید اس سے زیادہ عمر کا شخص بڑے حیران کن تاثرات کے ساتھ ان پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔ نقوش کے لحاظ سے تو وہ ایشین ہی لگ رہا تھا، مگر سرخ و سپید رنگت، دراز قد اور اچھا قیمتی لباس اسے اسی سوسائٹی کا ممبر بتا رہے تھے۔

"تم ہمدانی تو خیر نہیں ہو۔" اب وہ ذرا رک کر انہیں غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "سنا بیٹا....... کیا بھلا سا نام تھا۔" وہ کنپٹی پر انگلی رکھ کر سوچنے لگے۔ "یاد آ گیا، جہانگیر....... جہانگیر ہمدانی ہو نا!" وہ پُرجوش انداز میں خود ہی ان کا ہاتھ تھام کر بولے تو جہانگیر کے بیزار چہرے پر بے وقت مسکراہٹ نمودار ہو سکی تھی۔

"آپ.......آپ کون؟" وہ جان چھڑانے کے سے انداز میں بیزاری سے بولے۔

"میں آغا فیاض ہوں۔ تمہارے باپ کا بہترین دوست۔ جب میں نے تمہیں آخری بار دیکھا تھا، اس وقت تمہاری عمر بمشکل آٹھ نو سال رہی ہو گی۔ سعودیہ میں جب ہمدانی سے ملا تھا۔" آغا فیاض کا اندازہ درست تھا۔ ان کا بچپن واقعی سعودیہ میں گزرا تھا۔

"تمہارا باپ.......؟" وہ منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولے۔

"جی، ان کے انتقال کو تو اب کافی سال بیت گئے۔" انہیں واقعتاً اپنے باپ کی وفات کا سال یاد نہیں تھا۔ ان کی قنوطیت گہری ہونے لگی۔

"اوہ....... بہت افسوس ہوا۔" وہ افسوس بھرے لہجے میں بولے۔ "اور تم یہاں کیسے؟"

"جی بس، بزنس کے سلسلے میں آیا ہوں۔ ویسے میں آج کل دبئی میں ہوتا ہوں۔ امپورٹ ایکسپورٹ کے علاوہ چھوٹا موٹا جو بھی جیکٹ ملے، کر لیتا ہوں۔"

"یہاں کتنے دن کے لئے آئے ہو؟"

"تقریباً ہفتہ بھر کے لئے۔ مجھے ابھی ایک ضروری بزنس میٹنگ......" وہ اب کمبل ہونے والے اس شخص سے بھاگ جانا

چاہتے تھے۔

''چلو، ابھی تو میرے ساتھ گھر چلو۔ رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ، پھر تم سے تمہارے باپ کی باتیں کروں گا۔ عرصے شناسا کی صورت نظر آئی ہے۔'' آغا فیاض کے کہنے پر جہانگیر قدرے پریشان سے اسے دیکھنے گئے۔

''پلیز انکل! پھر سہی۔ ابھی میں جلدی میں ہوں۔ ابھی.......''

''میں تمہیں خاصی دیر سے واچ کر رہا ہوں اور ونڈو شاپنگ کے دوران تم مجھے کسی جلدی میں نظر نہیں آئے۔ اس لئے نہیں چلے گا۔ تم رستے میں کوئی اور وجہ ڈھونڈ لینا، مجھ سے جان چھڑانے کی۔ ویسے میرا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔'' آغا فیاض ان کی بیزاری کو نوٹ کر لیا تھا۔ مسکراتے ہوئے جتا کر کہا تو جہانگیر کو شرمندہ ہونا پڑا۔

''بس انکل! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں بہانہ تو نہیں کر رہا۔''

''چلو، اگر سچ بھی کہہ رہے ہو تو میں تمہیں جلدی فارغ کر دوں گا۔ اب چلیں؟'' آغا فیاض کا اصرار کچھ ایسا شدید چاہتے ہوئے بھی انکار نہیں کر سکے۔ انہیں شہرِ ہوشربا کی پہلی شام ہی غارت ہوتی نظر آئی۔

''آغا فیاض کا گھر میک زون سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گراؤنڈ فلور پر بنا فلیٹ باہر سے اچھا، کشادہ اور خوب صورت لگ علاقہ بھی اچھا تھا اور لوکیشن بھی۔

آغا فیاض نے کال بیل پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں اپنائیت بھری نظروں سے مسکرا کر دیکھا تو انہیں بھی مجبوراً مسکرا گردن گھما کر اوپر جاتی سیڑھیوں کو دیکھنے لگا۔

یوں بغیر جان پہچان کے کسی کے گھر چلے آنا، انہیں بہت برا لگ رہا تھا۔ ''چوں'' کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ دروازے کے عین بیچ میں ایک پری پیکر، پری چہرہ سجا کھڑا تھا کہ اس پر نگاہ پڑتے ہی شہرِ ہوشربا کی شام غارت ہو. افسوس کہیں فضا میں تحلیل ہو کر رہ گیا۔ اس پل ان کا جی چاہا، وہ تمام عمر اس چوکھٹ پر کھڑے اس بت کافر کا دیدار کرتے ر تک۔ پلک جھپکے بغیر۔

✿◉......◉✿

''آج پھر اتنی دیر کر دی۔'' قاسم بخاری، عائشہ کے انتظار میں برآمدے ہی میں ٹہل رہے تھے، اسے دیکھتے ہی بول پڑ

''سوری بابا! آپ کو معلوم تو ہے کہ مجھے اپنی باس کے ساتھ ہی اٹھنا ہوتا ہے۔ وہ جلدی چلی جائیں تو میں دوپہر لوٹ آتی ہوں، وہ بیٹھی رہیں تو مجھے بھی ان کے ساتھ دیر تک بیٹھنا پڑتا ہے۔'' وہ تھکے تھکے سے انداز میں وضاحت د. بولی۔

''میں پہلے دن سے خلاف ہوں تمہاری اس جاب کے، مگر......'' وہ تیز لہجے میں کچھ کہتے ہوئے رک سے گئے۔ عائش چہرہ اُس کی تکان کا پتہ دے رہا تھا۔ اور وہ بلا سوچے سمجھے، جاہلوں کی طرح آتے ہی اس پر گرجنے برسنے لگے تھے۔

''اچھا چلو، تم جلدی سے منہ ہاتھ دھو لو۔ میں اتنے میں چائے بنا لیتا ہوں۔ تم تھکی ہوئی ہو گی۔'' وہ جلدی سے نر بولے تو عائشہ مسکرا دی۔

''نہیں بابا! میں تھکی ہوئی تو نہیں ہوں۔ اور اگر تھکی ہوئی ہوں گی بھی تو گھر آتے ہی میری ساری تھکان اُتر جاتی ہے ہاتھ دھو کر آتی ہوں، چائے میں خود بنا لوں گی۔ آپ اندر چلیں۔'' وہ انہیں کندھے سے تھام کر اندر کی طرف کرتے ہو.

''یوں بھی بابا! میرا چائے پینے کا موڈ ہو رہا ہے، آپ کے ہاتھ کا جوشاندہ نہیں۔''

''شریر لڑکی! میں جوشاندہ بناتا ہوں؟'' انہوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ ''اور جو تمہارے گھر آتے ہی حکم ہے۔ تو میری بیٹی! کیا ضرورت ہے اپنی اس کمزور سی جان کو چکی میں ڈالنے کی؟ میری پنشن ہم دونوں کے لئے کافی ہے۔ چکا ہوں۔''

''بابا! بنیادی ضرورتوں کے علاوہ سو پرابلمز ہوتے ہیں، جن کا حل صرف پیسے میں ہوتا ہے۔ پھر مجھے بھی تو کچھ کرنا تھوڑا بہت خود کو اپنے فعال ہونے کا احساس دلانے کے لئے ہی سہی۔'' وہ کہتے کہتے رک سی گئی۔ ''میں ابھی آتی ہوں۔'' سے اندر چلی گئی تو قاسم بخاری تاسف بھری نظروں سے جاتا دیکھتے رہے۔ لاؤنج میں آ کر یونہی صبح کا اخبار اٹھا کر دیکھنے تھوڑی دیر بعد چائے کی ٹرالی گھسیٹتے ہوئے چلی آئی۔

''بائی داوے، ہم دونوں میں سے مہمان کون ہے، جس کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے؟'' فرائیڈ رولز، پاپڑ، نمک اور کیک ٹرالی دیکھتے ہوئے وہ مسکرا کر بولے۔

''اس وقت تو ہم دونوں ہی خاص الخاص مہمان ہیں، بابا جان! جب خود کو کسی قابل نہ جانو، کوئی آپ کی قدر نہیں کرتا۔

پہر میں چائے تو بنا کر نہیں پی۔" وہ چیزیں ان کی پلیٹ میں رکھنے لگی۔
"نہیں بھئی، میری اتنی مجال کہاں؟ وہ تمہاری ہٹلر کی بھانجی نسرین مجھے چائے تو کیا، چائے کی جھلک بھی نہیں دکھاتی۔"
"کھانا دوپہر میں آپ نے ٹائم پر کھایا تھا نا؟" وہ رولز کے ساتھ کیچپ ان کی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"ایگزیکٹ ٹائم پر۔ اور دوا بھی لے لی تھی کہ تم اگلا سوال یہی کرو گی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے پلیٹ تھام لی۔
"بابا جان! ذرا سی لاپروائی یا بدپرہیزی سے آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ پھر تکلیف بھی اٹھانا پڑتی ہے۔ بہتر ہے کہ پہلے ہی احتیاط کر لیں۔" وہ چائے کا کپ لے کر ان کے سامنے جا بیٹھی۔
"تم کچھ نہیں لو گی؟"
"نہیں بابا! دوپہر میں لنچ خاصا ہیوی تھا۔ اور کام کے دوران چائے کی فرصت ہی نہیں مل سکی۔ اس وقت صرف چائے ہی کی طلب ہے۔" وہ چسکیاں لے کر چائے پینے لگی تو قاسم صاحب بھی رول ختم کر کے چائے پینے لگے۔ خاموشی کا ایک طویل وقفہ در آیا تھا۔
"بابا! چپ کیوں ہیں؟" وہ ان کی اتنی طویل خاموشی پر بولی۔
"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔" انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔
"عائشہ بیٹا! پھر تم نے کیا سوچا؟"
"کس بارے میں بابا؟" وہ بالکل نہیں سمجھی۔ چائے کے آخری نیم گرم گھونٹ حلق میں اتار کر اس نے کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔
"ارسلان کے پرپوزل کے بارے میں۔" کپ رکھتے ہوئے اس کا ہاتھ بری طرح سے کانپا تھا اور چہرے کا رنگ بھی جیسے پل بھر میں زرد ہوا تھا۔ قاسم صاحب نے عینک کے موٹے عدسوں سے بغور اسے دیکھا۔
"کیا بات ہے عائشہ؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ اس کی ہراساں صورت دیکھ کر گھبرا سے گئے۔
"خیر، خیریت ہی ہے بابا! میں ذرا آرام کرنا چاہ رہی تھی، سر میں درد بھی ہے اور تھکن بھی۔" وہ اپنی کنپٹیاں دباتے ہوئے بولی۔
"اور جو ظہیر کا فون آئے گا، وہ تو........ بہت جلدی کر رہے ہیں۔"
"بابا جان! پلیز........ آپ سے میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ ایک دم سے چیخی تھی۔ پھر باپ کے چہرے کی طرف دیکھ کر کچھ نادم سی ہو گئی۔ "آپ........ آپ اکیلے رہ جائیں گے۔ مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ آہستگی سے نظریں جھکا کر بولی۔
"یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے۔ اور دنیا میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ میری تنہائی یا اکیلا پن کچھ نرالا نہیں ہوگا اور میری تنہائی سے زیادہ تمہاری شادی ضروری ہے کہ میں تمہیں یوں بے آسرا چھوڑ کر نہیں مرنا چاہتا۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولے۔
"بابا جان! میں نے کہہ دیا نا کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ اجنبی نظروں سے تکتے ہوئے گستاخی سے بولی۔
"میرے اکیلے پن کا سوچ کر محض........ تو تم چاہتی ہو........" وہ مصنوعی ہنسی ہنسے۔ "میں مر جاؤں۔ تاکہ تم اس بے کار کی بندش سے آزاد ہو کر اپنی زندگی کا خود فیصلہ کر سکو۔ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو........"
"بابا جان! پلیز۔" وہ تڑپ کر اٹھی اور ان کے پاس آ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔
"تو بابا کی جان! کیوں باپ کی یہ آرزو پوری نہیں کر دیتیں؟ میری زندگی کا اب کیا بھروسہ؟ یہ گھڑی گھڑی کی تکلیف اشارہ ہی ہے، اس بلاوے کی گھنٹی کی طرح، جو بجے جا رہی ہے۔ کب تک میں اس گھنٹی کی پکار کو نظرانداز کرتا رہوں گا؟ تم کسی محفوظ سائبان تلے ہو گی تو میں چین سے مر تو سکوں گا۔" وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ملتجی لہجے میں بولے۔
"بابا جان! ابھی نہیں پلیز........ ابھی کچھ دن اور........" وہ کہہ کر رکی نہیں، تیز قدموں سے اپنے کمرے میں دوڑ گئی۔
'بابا جان! آپ کو میں کیسے بتاؤں، میں شادی نہیں کر سکتی۔ کبھی بھی نہیں........ امی جان! آپ ہوتیں تو بابا جان کو سب بتاتیں۔ آپ نے اتنی جلدی کیوں کی؟ کاش! آپ کی جگہ میں قصہ پارینہ بن چکی ہوتی۔ امی جان! میں کس سے یہ سب کہوں؟' وہ کمرے میں جاتے ہی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑی تصویر کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

❀........❀
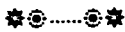
"ہیلو اسامہ! کہاں ہو یار! صبح سے ٹرائی کر رہا ہوں۔" اسامہ نے جیسے ہی سیل فون آن کر کے کان سے لگایا، دائم کی جھنجلائی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔
"دھیرج یار! آہستہ بولو۔ ابھی کانوں کے اسپیئر پارٹس بازار میں نہیں ملتے۔ اور بھری جوانی میں میرا بہرا ہونے کا کوئی ارادہ ہے۔ اور میں تمہاری طرح کسی بزنس مین کی ہڈحرام اولاد نہیں ہوں، جسے کمانے دھمانے کی کوئی فکر ہی نہ ہو۔ تمہیں معلوم ہے نا، اس وقت میرا آفس ٹائم ہوتا ہے اور ڈیوٹی آورز کے دوران موبائل فون آف رکھنے کا سخت آرڈر ہمارے باس کا ہے۔" اسامہ نے

تفصیلاً جواب دیتے ہوئے ٹیبل پر پڑی فائل اٹھا کر کوٹ کے نیچے بغل میں دبائی اور آفس کے بیرونی دروازے کی طر
''بس کرو یہ کمائیوں کے چرچے۔ کمانے دھانے کی بھی تم نے خوب کہی۔ تم خود کون سا کسی مزدور کی اولاد ہو؟
کرنے کا زیادہ شوق ہے۔ یہ پارٹ ٹائم بھی محض تم نے نمبر ٹانکنے کو جوائن کر رکھی ہے، ورنہ اس کے بغیر بھی تم یا تمہا
فاقوں کے علاوہ کسی بھی جان لیوا مرض سے مر سکتے ہیں۔''
''ہر لحاظ سے اپنے ماں باپ کا فائدہ سوچنا کہ مریض بڑھیں گے تو تمہاری ماما کی چاندی ہوگی اور اس وقت
جیب میں ہے، اگر اتنا ہوا کہ تم تک پہنچ سکا تو دیکھنا، آتے ہی حساب برابر کروں گا۔ یہ جو طعنہ تم نے مجھے خودنمائی کا دیا
وہ جیسے ہی باہر نکلا، اس کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، جو کالے بادلوں سے اٹا ہوا تھا۔ دبیز، موٹے موٹے
صبح سے آسمان پر چھائی ہوئی تھیں کہ صرف پہلے قطرے کی جرأتِ اظہار کا انتظار تھا۔ اسامہ نے ایک نظر آسمان
قدموں کی رفتار تیز کر لی۔
''خودنمائی کا تو تمہیں اچھا خاصا جنون ہے، اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ اور سنو، کچھ پتہ چلا اس بے وفا
میں؟'' دائم کے کہنے پر اسامہ ایک لمحے کو رکا۔
''نہیں، کل تمہارے ساتھ ہی تو اس کے اپارٹمنٹ گیا تھا، وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ نہ کوئی میسج۔''
''آج محترمہ مجھے اسکاٹ لینڈ سے کال کر رہی تھیں۔ اس نے تمہیں بھی کال کیا تھا، مگر تمہارا موبائل آف تھا
اُدھر بیٹھی ہیں، یہ محترمہ۔ بلکہ بیٹھی کیا ہیں، سیر سپاٹوں میں مگن ہیں، اکیلی اکیلی۔ اور ویسے یہاں ہمارے بغیر اسے سا
اور اب بغیر بتائے چلی گئی۔'' دائم، لائبہ کے خلاف اچھا خاصا بھرا بیٹھا تھا۔ اسامہ چند لمحوں کو چپ سا ہو گیا۔ اسی وقت
سا بارش کا قطرہ اس کے گال پر پھسلتا چلا گیا۔ ساتھ ہی ٹپاٹپ قطرے برسنے لگے۔
''ایسی کیا آفت پڑی تھی اس پر کہ ایک منٹ کو فون کر کے بھی نہ بتا سکی؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہو گیا
''یہ تو اس نے نہیں بتایا۔ یہی کہہ رہی تھی کہ کوئی مجبوری تھی۔''
''ویسے تو محترمہ بہت دعوے کرتی ہیں، خود مختار ہونے کے، ایک اطلاع دینے کی تو مجاز نہیں ہیں۔'' اسامہ کو حقیقتاً
''یہی میں نے بھی کہا تو یار! ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں خود اس کے رونے سے پریشان ہو گ
کیا مگر اس نے کچھ بھی سنے بغیر روتے روتے فون آف کر دیا۔ بعد میں بھی ٹرائی کرتا رہا، مگر اس کا موبائل ہی آف تھ
اُس کا کانٹیکٹ نمبر میرے پاس تھا ہی نہیں۔ نہ جانے، بے چاری کے ساتھ کیا مسئلہ ہوا، جو یوں اچانک چلی گئی۔'' دا
ڈسٹرب کر رہا تھا۔
''کچھ بتایا نہیں اس نے، کتنے دنوں کا پروگرام ہے؟'' اسامہ نے بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ بارش میں ایک
گئی تھی۔
''نہیں، اس پر تو ابھی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔ میں تو ابھی اسے یوں اچانک چلے جانے پر جھاڑ رہا تھا کہ اس
کا پروگرام شروع کر دیا اور میں کچھ پوچھ ہی نہیں سکا۔''
اسامہ شیڈ کے نیچے کھڑا، برستی بارش کے بلبلے سے بنتے دیکھتا رہا۔
''پھر تم آ رہے ہو نا؟'' دائم نے پوچھا۔
''بارش ذرا تھمتی ہے تو آتا ہوں۔ تمہاری تیاری کہاں تک پہنچی؟''
''ابھی تو شاپنگ کرنی ہے، پھر پیکنگ اور تیاری کا نمبر آئے گا۔ اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ تم آ جاؤ تو ا
شاپنگ کے لئے ڈنر بھی اکٹھے کر لیں گے۔ اس دوران شاید اس سویٹی کی بچی سے بھی رابطہ ہو جائے۔'' دائم
بتایا۔
''مگر یار! مجھے تو گھر بھی جلدی جانا ہے آج تو۔''
''گھر کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ مجھے ضروری پڑی ہے تو دونوں غائب ہونے کے چکر میں ہیں۔ یہ ہوتی ہے دو
دس بیس دن ہوں، پھر جی بھر کر گھر سے چمٹے رہنا۔'' دائم ناراضی سے بولا تو اسامہ مسکرا دیا۔
''اچھا، لڑتے کیوں ہو؟ آ رہا ہوں۔'' اس نے خدا حافظ کہہ کر موبائل آف کر دیا۔ چند لمحوں بعد وہ لائبہ سے
کوشش کر رہا تھا، جس کا موبائل ابھی بھی آف تھا۔

✲......✲
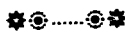
''ارے کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے سب پر، جو کوئی بھی میری بکواس نہیں سن رہا۔'' احسن مراد نے بے اختیار کر

پھاڑ موڑے پر نیم خوابیدہ سی تانیہ اور نیچے دری پر لیٹی یاسمین ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھیں۔ سنیعہ اور ربیعہ پاس ہی بیٹھی اسکول کا ہوم ورک کر رہی تھیں۔
احسن مراد کی چنگھاڑ پر دونوں نے خوف زدہ نظروں سے باپ کے کمرے کی طرف دیکھا اور جلدی جلدی اپنے بیگ سمیٹ کر نانیہ کے کمرے میں چلی گئیں۔ یاسمین نے قدرے پریشان نظروں سے تانیہ کی طرف دیکھا، جیسے پوچھ رہی ہوں۔ ''اب کیا کہوں جا کر؟'' تانیہ نظریں چرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ احسن مراد کی دوا نہیں آسکی تھی اور نہ ہی ثریا خاتون کی۔ وہ تو کل سے سب سے ناراض ہو کر منہ بند ہو کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ احسن مراد وقفے وقفے سے دھاڑ کر سب کا دل دہلا رہے تھے۔ دو بار یاسمین اندر جا کر اپنی خوب ''عزت افزائی'' کروا کے آچکی تھیں۔
''آج تو دوا کے ہی نہیں، کھانے کے بھی لالے پڑے ہیں۔ کچن کا کونہ کونہ چھان چکی ہوں، کسی قسم کی دال بھی نہیں مل سکی۔ پیاز، لہسن، آٹا، چائے، چینی، گھی سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اور ان دونوں کے اسکول سے وارننگ کا آخری نوٹس بھی کہ اگر اسی ہفتے فیس جمع نہ ہوئی تو ان کو بھی فارغ کر دیا جائے گا۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ بکنے والی سب چیزیں بک چکیں۔ اب یہ پرانا بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی پڑا ہے یا سال کے گیارہ مہینے خراب رہنے والا فریج، جس کو شاید کباڑیا بھی نہ خریدے۔ کیا کروں؟'' وہ سر پکڑ کر رونے لگیں۔ تانیہ نے بہت کوشش کی ان کو کوئی حوصلہ افزا جملہ کہنے کی، کوئی تسلی بخش فقرہ۔ مگر کوشش کے باوجود وہ صرف اپنے لبوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔
پرسوں گھر کا سارا کاٹھ کباڑ، اخبار، ردی، پرانے جوتے، کپڑے سب پھیری والے کو دے دیئے تو بمشکل دو کلو آٹا، آدھ کلو دال اور ایک پاؤ چینی آئی تھی۔ وہ بھی ان دو دنوں میں سونگھ سونگھ کر استعمال کرنے کے باوجود ختم ہو گیا۔
''سنتے ہو یا سب مر گئے؟ بہرے ہو گئے؟ یا مجھے کہیں سے زہر لا دو۔ کم بختو! حرام خورو! سب کو پالتا رہا، اب میں درد سے مر رہا ہوں، کوئی نہیں سنتا۔ منہ چھپائے جانے کدھر مر گئے ہیں۔ کوئی میری اس درد سے جان چھڑائے، ہائے ظالمو!''
ان کا واویلا سب کا جی برا کر رہا تھا۔ یاسمین نے متوحش نظروں سے ایک نظر اِدھر دیکھا اور بے دقت اُٹھیں۔ تانیہ انہیں روکنا چاہ رہی تھی کہ ''نہ جائیں، ابو نے کوئی کسر نہیں چھوڑنی۔'' مگر کسی نہ کسی کو تو جانا ہی تھا، ورنہ وہ یونہی چیختے چلے جاتے۔ اسی وقت بیرونی دروازہ کھلا اور تنزیل ہاتھ میں شاپر لیئے اندر داخل ہوا۔
تنزیل پر دونوں کی نگاہ پڑی تھی۔ پہلے دونوں نے شاپر کو دیکھا۔ شاپر کے باہر کسی میڈیسن شاپ کا نام پرنٹ تھا۔ تانیہ تیزی سے اس کی طرف لپکی۔
''اے اے، خیر تو ہے؟...... کیا مجھے ہڑپ کرنے کا ارادہ ہے، آدم خور حسینہ!'' تنزیل، تانیہ کے یوں جھپٹنے پر کچھ بوکھلا کر ہٹا۔
''ابو کی دوائیں لے کر آئے ہو؟'' وہ لفافہ تقریباً چھینتے ہوئے بولی۔
''ظاہر ہے، اس دکان پر پکوڑے یا بریانی تو بکتی نہیں۔ دو دن کی دوا ہے، ابو کی اور ایک دن کی دادی کی۔'' تنزیل نے بتایا تو یہ نے اطمینان بھرا سانس لے کر لفافہ یاسمین کو تھما دیا، جو صد شکر کہتی نگاہوں سے تنزیل کی بلائیں لیتی احسن مراد کے کمرے میں چلی گئیں۔
''پیسے کہاں سے آئے تمہارے پاس؟'' تانیہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔
''اب خیال آیا۔'' وہ چمک کر بولا۔ ''اچھا، میں نے کسی کی جیب کتری ہے تو کیا کر لو گی؟'' وہ جھک کر جوتے اتارتے ہوئے بولا۔
''کچھ بھی نہیں۔ اب تو میرا اتنا دل چاہ رہا ہے کہ کاش، میں نے چودہ سال اسکول کالج میں برباد نہ کیے ہوتے۔ جب کا شا لیتا ہوتا تو آج ہم یوں مر مر کر نہ جی رہے ہوتے۔'' وہ اُداس لہجے میں بولی۔
''کیا بات ہے سسٹر! ایسی بھی کیا مایوسی؟'' تنزیل لاپروائی سے بولا۔
''اب مایوسی کے سوا بچا ہی کیا ہے؟ کچن میں جا کر دیکھو، دھول اُڑ رہی ہے۔ امی دوائیں تو لے گئی ہیں، ابو کچھ کھائے بغیر دوا لیں گے۔ دوپہر کو سب ہی نے تقریباً فاقہ کیا ہے۔ صرف ابو نے چائے کے ساتھ دو پاپے لیئے تھے یا ربیعہ اور سنیعہ نے کل کی کے ساتھ آدھی آدھی روٹی۔ اور ابو دوپہر سے جتنا غصہ کر چکے ہیں، وہ سب ہوا ہی میں تحلیل ہو گئے ہوں گے۔''
''ہاں، مجھے خیال نہیں رہا، ورنہ کھانے کے لئے بھی کچھ لے آتا۔'' تنزیل نے کہا تو تانیہ نے اسے یوں دیکھا جیسے واقعی وہ کسی جیب کاٹ کر آیا ہو۔
''بتاؤ گے نہیں، کہاں سے اینٹھ کر لائے ہو؟'' وہ متجسس ہو کر بولی۔

''محنت کی کمائی ہے مائی سسٹر! اینٹھنا ہوتا تو سال بھر کے لئے ہاتھ ضرور مارتا۔''
''ایسی کیا سونے کی اینٹیں ڈھولیں تم نے جو اتنی ڈھیر ساری مزدوری مل گئی؟ اور یہ تم آج کل غائب کدھر رہتے ہو۔ تمہاری غیر موجودگی ابو کو اور تاؤ دلاتی ہے۔'' تانیہ کو یاد آیا، وہ آج کل روز صبح صبح نکل جاتا ہے۔
''گھر پڑا رہوں تو بھی ابو کو چارپائیاں ٹوٹتی نظر آتی ہیں۔ پاؤ بھر خون تو وہ میری موجودگی کا سوچ کر ہی جلا لیتے ہیں۔''
''اور ڈیڑھ پاؤ تمہاری غیر موجودگی میں آوارگی کا سوچ کر۔'' تانیہ بولی۔
''صحیح کہا۔ ابو ایک مشکل شخص ہیں، جن کو خوش کرنا دنیا کا انتہائی کٹھن کام ہے۔ میں تو امی کے حوصلے کو داد دیتا ہوں، جو
''تم بات کا رخ نہیں بدلو۔ میں پیسوں کا پوچھ رہی تھی۔'' تانیہ تیزی سے بولی۔
''تھانے دارنی! بتا رہا ہوں۔ ایک دوست کا کیری ڈبہ ہے، جس میں وہ کسی اسکول کے بچوں کو پک اینڈ ڈراپ کر تین دن سے بے چارے کو بخار تھا اور تین دن سے اس کے کہنے پر میں اس کی ڈیوٹی کر رہا تھا۔ آج اس نے مجھے تین دن کا معاوضہ دیا ہے۔ حالانکہ میں نے انکار کرنا چاہا، مگر ابو کی تکلیف کا سوچ کر خاموشی سے جتنے اس نے دیئے، بلکہ دو سو روپ ادھار مانگ کر لے آیا۔ ابھی جا کر باقی کے پیسوں کا تھوڑا راشن لے آتا ہوں۔ دو تین دن تو گزر ہی جائیں گے۔'' وہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔
''تنزیل! ایسا کب تک چلے گا؟'' تانیہ کی آنکھیں بھر آئیں۔
''پتہ نہیں بہنا! اپنی سی کوشش تو کر رہے ہیں۔ آج بھی ایک جگہ انٹرویو دے کر آیا ہوں۔ یہ موڑ والے حاجی صاحب اسٹور کے لئے سیلز مین کی ضرورت ہے، ان سے بھی کہہ کر آیا ہوں۔ کہہ رہے تھے، کل آنا، بتاؤں گا۔''
''تم اب اس معمولی سی کریانے کی دکان پر ملازم لگو گے؟'' تانیہ چلا کر بولی۔
''تو کیا کروں؟ سپر مین تو بننے سے رہا۔ سیلز مین ہی بن سکتا ہوں۔''
''میرا بس چلے نا قسم سے، کوئی جادو کا چراغ میرے ہاتھ لگ جائے۔ اُف...... میں کیا کروں۔'' تانیہ اپنے ہاتھ کر بولی۔
''جادو کے چراغ کے خواب ہڈحرام، کاہل دیکھا کرتے ہیں۔ ابو نے سن لیا تو ہفتے بھر کی لعن طعن ایک ہی قسط دیں گے۔''
''تنزیل! یہ جادو کا چراغ چاہے جائز طریقے سے یا جائز، میں حاصل کر کے رہوں گی۔ اس روز روز کے جینے مر نجات ملے۔''
''بری بات تانیہ! ہمارے والدین کی تربیت......''
''تنزیل! پلیز جناب کوئی وعظ نہ جھاڑنے لگ جانا۔ آج کل یونہی راہ میں پڑا جادو کا چراغ ملتا بھی نہیں۔ میں نے تو بات کہی ہے۔ اور میں اتنی خوش قسمت ہوں بھی نہیں۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو خدا کی قسم، میں یہ چانس مس نہیں کروں گی۔'' لہجے میں بولی تو تنزیل اسے گھور کر رہ گیا۔
''اور میں تمہاری ٹانگیں توڑنے کا چانس مس نہیں کروں گا، یاد رکھنا۔'' وہ اُٹھتے ہوئے اسے دھمکا کر بولا۔
''کیا...... کیا بکواس کی تم نے؟ دوبارہ کہنا۔'' وہ مُکا ہوا میں لہرا کر اس کی طرف لپکی تو وہ ہنستا ہوا باہر چلا گیا۔

❋ ......❋

''عزہ! تم آج کالج سے کب فارغ ہو گی؟'' سارہ عالم نے سلائس پر مارملیڈ لگاتے ہوئے، گھونٹ گھونٹ ایپل شیک سے پوچھا۔ محمود عالم اردگرد سے بے نیاز ''ڈان'' میں گم تھے۔
''بارہ بجے تک مما!''
''ہوں۔'' سارہ عالم نے سلائسز پلیٹ میں رکھ کر محمود عالم کے آگے رکھ دیئے۔
''ناشتہ کر لیں پہلے آپ، پھر آپ کو دیر ہو جائے گی۔'' سارہ عالم نے بے حد نرم، میٹھے لہجے میں محمود عالم سے کہا۔ ان
''ہوں'' کہہ کر چند لمحوں بعد اخبار ہٹایا اور پلیٹ اپنے قریب کھسکائی۔ ''میری چائے میں پلیز! شوگر نہیں ڈالنا۔'' سارہ ان چائے بنا رہی تھیں۔ انہوں نے جلدی سے کہا۔
''کیوں مما! خیریت، آپ کو کہیں جانا ہے؟''
''نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا۔ مرید کی بیوی ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے اور نواز کل سے چھٹی پر ہے۔ بے چارہ فرید تم کرنے جائے گا تو اسے واپس آتے آتے ایک ڈیڑھ تو بج ہی جائے گا۔ اور بارہ بجے اس کی بیوی کا آپریشن ہے۔'' وہ فکرمند

کہتے ہوئے عزہ کو بہت پیاری لگیں۔ سادہ سے گرے کلر کے جارجٹ کے کُرتا شلوار میں وہ لگ بھی بہت پیاری رہی تھیں۔ اس نے کن انکھیوں سے، بہت آہستگی سے ناشتہ کرتے باپ کی طرف دیکھا، جو ناشتے کے ساتھ اخبار کی لائنوں پر بھی نظریں دوڑا رہے تھے۔

''تو مما! اس سے کہیں، گاڑی چھوڑ جائے۔ میں خود آ جاؤں گی۔''

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تم ڈرائیو نہیں کرو گی۔'' سارہ عالم کے بولنے سے پہلے، بے نیاز سے محمود عالم تیزی سے بولے تھے۔

''ایک تو ابھی تمہارا لائسنس نہیں بنا، دوسرے تمہیں ابھی ٹھیک سے ڈرائیونگ نہیں آتی۔ اور فرید کی بیوی کا آپریشن ڈاکٹرز نے کرنا ہے، فرید نے نہیں جو تم یوں فکرمند ہوئی جا رہی ہو۔ اس سے کہنا، ٹائم پر عزہ کو پک کرے۔''

وہ اپنے مخصوص میکینیکل لہجے میں بولے تھے۔ سارہ عالم کو ایک لمحے کو شدید طیش آیا۔ اپنی فکرمندی یا ہمدردی کا طعنہ سن کر۔ مگر پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہ یہ گھونٹ پی گئیں۔ عزہ کی نظریں ماں کے چہرے پر تھیں۔

''او کے بابا، ماما! آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔ بائے اینڈ سی یو۔'' اس نے باری باری دونوں کے پاس جھک کر پیار لیا اور اپنا اسٹول درست کرتی باہر نکل گئی، جہاں فرید اُترا ہوا منہ لے کر گاڑی کے بیک ڈور کھولے اس کا منتظر کھڑا تھا۔ راستے میں جو فرید نے جگہ جگہ گاڑی مارنے کی کوشش کی، عزہ کو غصے کی بجائے ہنسی آ گئی۔

''سنو فرید! تم نے ڈرائیونگ لائسنس لے رکھا ہے؟'' اس نے گاڑی سامنے نظر آتے گڑھے میں دے ماری تھی۔ زوردار طریقے سے اُچھلنے کے بعد سنبھلتے ہوئے عزہ نے اس سے پوچھا۔

''جی بی بی جی!'' وہ نادم سا ہو کر بولا۔

''مگر یاد رکھو، یہ گاڑی انشورڈ نہیں ہے۔ پاپا بے وجہ کا نقصان برداشت نہیں کریں گے۔'' وہ نچلے لب کا کونہ دبا کر بولی تو وہ ڈر کر محتاط ہو گیا اور خاصا بچ بچ کر گاڑی چلانے لگا۔

''اچھا، یہ چابی مجھے دے دو اور تم یہ پیسے لو۔ ٹیکسی یا رکشہ سے ہاسپٹل چلے جاؤ، میں خود ہی آ جاؤں گی۔'' وہ جیسے ہی کالج کی پارکنگ میں اُتری، فرید کو پیسے دیتے ہوئے بولی۔

''نن...... نہیں بی بی جی! صاحب بہت سخت ناراض ہوں گے۔ میں جی ٹھیک بارہ بجے آ جاؤں گا۔'' اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑنے لگیں۔

''پاپا کو آج لیٹ آنا ہے اور رات کو کسی ڈنر میں بھی جانا ہے، اس لئے انہیں پتہ نہیں چلے گا۔ ماما سے میں خود کہہ دوں گی۔ جاؤ، اب میری کلاس اسٹارٹ ہونے والی ہے۔'' وہ چابی اس سے لے کر تحکمانہ لہجے میں بولی تو وہ اور گھبرا گیا۔

''نہیں بی بی جی!...... کیوں مجھے نوکری سے نکلوائیں گی؟ میں......'' وہ گڑگڑانے لگا۔

''فرید! جاؤ، کچھ نہیں ہوگا۔ اور پیسے چاہئیں تو لے لو۔'' مگر وہ کھڑا گھگھیاتا رہا تو عزہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

اور آج تو اس کی موج کا دن تھا۔ جب سے اس نے گاڑی ایک تانگے میں ماری تھی اور دوسری بار سامنے کھڑے سارجنٹ کو، محمود عالم اسے گاڑی نہیں چلانے دیتے تھے۔

اس نے تیز میوزک آن کیا اور مین روڈ پر بخیر و عافیت گاڑی لے آئی۔ مین روڈ پر اس وقت اسکول کالج ٹائم آف ہونے کی وجہ سے خاصا رش تھا۔ اس کا ہاتھ اسٹیئرنگ پر بار بار بہک رہا تھا۔ بائیں طرف سروس روڈ خالی دیکھ کر اس نے گاڑی اسی طرف موڑ لی۔ سروس روڈ دور تک خالی تھی۔ اس نے کھل کر سانس لیتے ہوئے پیشانی پر آیا پسینہ ٹشو سے صاف کیا اور میوزک کا والیوم اور بھی تیز کر دیا۔

''کس کا ہے، یہ انتظار میں ہوں نا......!'' گلوکار کی سیٹیوں کے ساتھ وہ بھی سیٹی بجا رہی تھی۔

آج ربیعہ اور سنیعہ کے اسکول میں فیس جمع کروانے کی آخری تاریخ تھی اور وہ پرنسپل صاحب سے مل کر بمشکل ایک ہفتے کی مہلت لے کر آیا تھا۔

'ایک ہفتہ چٹکی بجاتے گزر جائے گا۔ پیسوں کا انتظام کہاں سے ہوگا؟' تنزیل ان خوف ناک سوچوں میں گھرا بھاری قدموں سے، اردگرد سے بے نیاز چلا جا رہا تھا، جب اسے پتہ بھی نہ چلا، کب تیز میوزک کا شور مچاتی وہ گاڑی اُس کے سر پر آ پہنچی تھی۔ اُسے تو تیز بجتا ہارن بھی سنائی نہیں دے رہا تھا، جس پر عزہ ہاتھ رکھ کر ہٹانا بھول گئی تھی۔ اسپیڈ پر رکھا پاؤں دبتا ہی چلا گیا اور...... عزہ نے بے اختیار دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لئے......!

✲......◉......✲
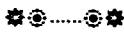
''محترمہ! لائسنس دکھائیں گی آپ، یوں دن دیہاڑے راہ چلتوں کو کچلنے کا؟...... اور کیا پیچھے شہر کی سڑکوں پہ کوئی سلامت نہ رہا تھا جو آپ اس ویرانے میں گاڑی لے کر چڑھ دوڑیں۔ یقیناً کشتوں کے پشتے لگا آئی ہوں گی۔ بائی داوے، ہم معصوم بے گناہ مقتول

ہوتے ہوتے رہ جانے والے یا ہو جانے والے، اپنا قصور پوچھ سکتے ہیں، شہزادی عالم سے؟''
تنزیل تیزی سے کپڑے جھاڑ کر اٹھا اور دس قدم آگے جا کر ایک زوردار بریک کے نتیجے میں رکنے والی گاڑی تک دوڑ کر اور اب دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے خوف زدہ سی عزہ عالم کو کھا جانے والی نظروں سے گھور کر جھکتے ہوئے غرا کر پوچھ رہا تھا۔
''تو یہ زندہ بچ گیا...... اگر میرا ہاتھ بروقت ہینڈ بریک پر نہ پڑتا اور یہ بھاری اینٹ جیسا پاؤں اسپیڈ سے نہ ہٹتا تو اس عالم ایک قاتلہ بن چکی ہوتی۔ اوہ مائی گاڈ......!'
ایک بھیانک حادثے سے بچ نکلنے کی خوشی نے اس کے سارے خوف و ہراس کا خاتمہ کر دیا۔
''تو آپ اندھے ہیں جو......'' وہ ایک ہاتھ ہٹا کر زور سے چلائی۔ ہینڈ بریک کے نتیجے میں اس کا سر، جو گاڑی کی ٹکرایا تھا، اس سے زبردست ٹیس اٹھی تھی۔ تنزیل نے کھڑکی کے کھلے شیشے سے ہاتھ بڑھا کر سی ڈی پلیئر کا سوئچ آف کر گھورنے لگا، جواب منہ پر ہاتھ رکھے بے اختیار ہنسے جا رہی تھی۔
''خوب...... تو اب تم لوگوں کو ہمارا سڑکوں پر پیدل چلنا بھی گوارا نہیں۔ یہ سڑکیں تو کم از کم تمہارے جج باپ کی حدود میں نہیں آتیں، جو آپ کسی جاگیر دارنی کی طرح عیش و مستی بلکہ خرمستی کے موڈ میں اس بے مہار گاڑی کو دوڑاتی رہیں کے گھوڑے کی طرح اور الزام سارے شہر پر دھریں، نابینا ہونے کا۔'' تنزیل اسے گھورتے ہوئے چبا چبا کر بولا تو عز ہنس پڑی۔
''او مسٹر جل ککڑے!...... مت اتنا جلا کر۔ مائی گاڈ! ایک گولڈن چانس آج میرے ہاتھ سے نکل گیا، ورنہ یقین تمہارے اس خونخوار جلے بھنے وجود کے پرزے بڑے احترام سے چن کر کسی ہاسپٹل تو ضرور چھوڑ آتی۔ مت اتنا جلا کرو۔ سیاہ بدلیاں مستقل تمہارے اس خونخوار چہرے پر ڈیرا جما کر بیٹھ گئی ہیں۔ آئینہ دکھاؤں؟'' عزہ اس کے سرخ پڑتے چہرے کو چھیڑتے ہوئے بولی۔
''بہتر ہے، ایک مستقل آئینہ تم اپنے تھوبڑے کے آگے فٹ کرالو۔ اگر تمہیں گاڑی ڈھنگ سے نہیں چلانا آتی تو ہوا اس بلائے جان کو لے کر دوسروں کی جانیں فنا کرنے کو۔'' وہ غصیلی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔
''تو گویا تم بھی ڈر گئے تھے۔ قسم سے بالکل صحیح ڈرائیونگ آتی ہے مجھے۔ پتہ نہیں، روڈ کے عین درمیان میں آ کر کیا مجھے۔ سامنے پانچ سات گاڑیاں ایک ساتھ آ جائیں تو میرے ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں۔ ورنہ تو مجھے ڈرائیونگ وہ صفائی دینے والے لہجے میں بولی۔
''ورنہ تو مجھے ڈرائیونگ آتی ہے۔'' تنزیل اس کی نقل اتارتے ہوئے منہ چڑا کر بولا۔ ''تمہیں کچھ بھی نہیں آتا۔ سنا تم اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ خوش گمان ہو۔ جس دن تمہاری اس صحیح ڈرائیونگ کے جوہر بیچ سڑک کھل گئے تمہارے باپ کی منصفی بھی امتحان میں پڑ جائے گی اور تم تو ظاہر ہے ہوگی ہی نہیں یہ سب دیکھنے کو۔''
''یوشٹ اپ، تنزیل کے بچے!'' وہ دانت کچکچا کر بولی۔
''ابھی میری شادی نہیں ہوئی اور شادی سے پہلے بچے؟ یہ تمہاری کلاس کا فیشن ہو سکتا ہے، ہم غریب لوگ ابھی کرنے کے اہل نہیں ہیں۔'' اس نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ عزہ کا چہرہ یک دم گلابی ہو گیا۔
''بہت فضول ہو تم۔ آؤ، تمہیں ڈراپ کر دوں۔ گھر جا رہے تھے تم؟''
''او بی بی! بخشو۔ چوہا لنڈورا ہی بھلا اللہ نے ابھی جو میری جان بخشی ہے، تمہارے ہاتھوں میں۔ کفران نعمت کرتے کو ایک بار پھر تھالی میں سجا کر تمہاری ایڈونچرس طبیعت کے حوالے کر دوں۔ معاف کیجئے گا۔'' وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔
''تنزیل! میں گھر جا رہی ہوں۔'' وہ جانے کو سیدھا ہوا تھا، وہ قدرے لاچار لہجے میں بولی۔
''تو جاؤ، میں ایدھی والوں کو رضا کارانہ ایڈوانس کال کر دیتا ہوں۔ تمہارے گھر کے راستے میں پڑنے والی تینوں مین وہ اپنی ایمبولینس بھجوا دیں، لاشوں اور زخمیوں کو اٹھوانے کے لئے۔'' وہ ایک بار پھر چڑ کر بولا۔
''اچھا بس، بہت ہو گئی۔ میں جا رہی ہوں۔'' وہ اگنیشن میں چابی گھما کر تنک مزاجی سے بولی۔
''تو جاؤ، میں ابو سے جا کر کہہ دوں گا۔ شام کو عزہ کے جنازے کو کاندھا دینے چلنا ہے۔''
''تنزیل!...... گھٹیا! بدتمیز! بے ہودہ! میں کیوں مرنے لگی؟'' وہ ایک دم تلملا کر بولی۔
''ہاں، مریں تو وہ بے چارے جو تمہاری اس بے مہار ڈرائیونگ کی رینج میں اپنی بدبختی کے طفیل آئیں۔'' وہ دوبدو بولا۔
''خدا حافظ!'' وہ منہ پھیر کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی۔
''اچھا چلو، کیا یاد کرو گی۔ تم نے میری جان بخشی، میں اس کا کفارہ بھرنے کو تیار ہوں۔'' وہ ڈرائیونگ ڈور کی طرف آیا۔

ہرا سانس لے کر بولا۔
''بہت بہت شکریہ، رہنے دیجئے۔ آپ کو زحمت ہوگی۔'' وہ منہ پھلا کر بولی۔
''اُف!......ایسے منہ پھلا کر تم بالکل اپنی موٹی کٹی کی طرح لگتی ہو۔ ویسے سلامت ہے یا تمہاری اس خوف ناک طبیعت کے ون ٹھکانے لگ چکی؟'' وہ عزہ کی عزیز از جان بلی کا نام لے کر شرارت سے بولا۔
''تنزیل! اب تم میرے ہاتھوں سے پٹ جاؤ گے۔ کبھی مجھے مُردہ بناتے ہو، کبھی میری کٹی کو۔'' اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ئے تنزیل کے کندھے پر زوردار مُکا رسید کیا تھا۔ وہ اُف کر کے اپنا کندھا پکڑ کر رہ گیا۔
''جیک آف آل ٹریڈز! آج کل کیا ریسلنگ پر ہاتھ صاف کر رہی ہو؟ کیسا آہنی مُکا تھا۔ میرا کندھا ہل گیا۔'' وہ اپنا کندھا ہلا کر بولا۔ ''دیکھا، موت تم امیر لوگوں کو کتنا خوف زدہ کر دیتی ہے، صرف نام ہی کافی ہے خود چاہے شہر بھر میں موت کا ہرکارہ بنی رو۔'' وہ اس کے برابر آ کر بیٹھی تو تنزیل نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
''خوامخواہ اس وقت سے مجھ پر الزام تراشی کیے جا رہے ہو۔ کسی کو معمولی سا ہٹ بھی نہیں کیا میں نے۔'' وہ برش لے کر اپنے لوں میں چلانے لگی۔
''ہائے! اس زود پریشان کا پریشان......''
''شعر تو صحیح پڑھ لو، نالائق لڑکے!''
''شعر کو گولی مارو، تمہارا تو آج کا کارنامہ ہی سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ پورا شہر اپنی جان بخشی کی خوشی میں مٹھائی اِنٹے گا۔'' تنزیل نے گاڑی سروس روڈ سے نکال کر مین روڈ پر ڈالی۔
''ٹھیک ہے، میں اب تم سے بات نہیں کروں گی۔'' وہ ایک بار پھر منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔
''مت کرو۔'' وہ کندھے اچکا کر بولا۔ ''ویسے تمہارے باوا جان کو خبر تھی کہ تم آج کل کس ''محاذ'' پر نکلی ہو؟'' تنزیل نے ایک بار پھر اسے چھیڑا۔ وہ اسی طرح منہ پھلائے چپ بیٹھی رہی۔
''اچھا چلو، اب موڈ ٹھیک کرو، ورنہ......''
''ورنہ کیا......؟''
''ورنہ میں گاڑی یہیں، بیچ سڑک کے اس ریڈ سگنل پہ کھڑی چھوڑ کر اُتر جاؤں گا۔'' وہ دھمکانے والے انداز میں بولا۔
''بہت خبیث ہو تم۔'' عزہ نے ایک بار پھر اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔
''دیکھو، یہ دست درازی، بے جا زدوکوب اور خوف و ہراس کے زمرے میں آتا ہے۔ تھانہ پاس ہی ہے۔''
''یہ بھی کر دیکھو، منہ کی کھانا پڑے گی۔'' وہ بے نیاز لہجے میں بولی۔
''جانتا ہوں۔ تھانے تو آپ کے گھر کے سرونٹ کوارٹرز کی طرح ہیں۔''
''بہت فضول بولتے ہو تم، جل ککڑے!'' وہ ہنسی۔ ''اچھا، گھر تو آؤ گے نا؟''
''اتنا فارغ نہیں ہوں میں۔'' وہ بہت مشاقی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔
''اوہو! ہلو نہیں۔ گر جائے گا۔'' وہ ایک دم اس کے کندھے تھام کر بولی۔
''کیا مطلب؟'' تنزیل قطعاً نہیں سمجھا۔ ''سارے شہر کو تم نے ہی تو کندھوں پر اُٹھا رکھا ہے۔ تمہیں تو ہلنے کی بھی اجازت ہں۔'' وہ معصوم لہجے میں بولی تو تنزیل ہنس پڑا۔
''تمہاری جاب کیا بنا؟......مل گئی؟''
''ابھی تم کس کلاس کا ذکر کر رہی تھیں؟ فی الحال تو یہی جاب ہے۔''
''تم پاپا سے کیوں نہیں کہتے؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔
''سوری۔ میں، میرا پورا گھرانہ حد درجے خوددار اور غیرت مند ہے، یہ سفارش وغیرہ کے معاملے میں، یونو۔'' وہ اسے چڑاتے ئے بولا۔
''آئی نو۔ اونہہ، خوددار!'' وہ بڑبڑائی۔ ''ماموں جان کیسے ہیں؟'' وہ چند لمحوں بعد بولی۔
''جیسے تھے، ویسے ہیں۔ اس عمر میں بھلا اب کیا تبدیل ہوں گے وہ؟'' اس نے گاڑی عزہ کے گھر کی طرف جانے والی سڑک طرف موڑ دی۔
''یاسمین آنٹی، تانیہ وغیرہ......؟''
''تمہاری یاسمین آنٹی، تانیہ وغیرہ بھی ایسی ہی ہیں، جیسی تم نے کبھی کسی زمانے میں دیکھی ہوں گی۔'' وہ اسی لہجے میں بولا۔

''تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' وہ جھلا کر بولی۔
''بڑی مطلبی لڑکی ہو بھئی۔ اب گھر قریب آ گیا تو میں اور میری باتیں فضول ہو گئیں۔ یار! یہ تم سب امیر لوگوں کی جیسی کیوں ہوتی ہے۔ انسانوں سے ڈس پوز ایبل تھنگو جیسا سلوک کرتے ہو۔ ٹشو کی طرح منہ ہاتھ صاف کیا اور ڈ اچھال دیا۔''
''کیونکہ ٹشو کا مصرف ہی یہی ہے۔'' وہ کندھے اچکا کر بولی۔
''بالکل درست خطوط پر پرورش کر رہے ہیں، پھوپھا جان تمہاری۔ ان کی صحیح جانشین ثابت ہو گی تم۔'' وہ سر ہلا کر
''اچھا، اب طنز کے تیر اپنی زنبیل میں ڈالو اور شرافت سے چلو اندر۔ کھانا کھا کر جانا۔ اتنے دنوں بعد تو تم نے شکل
گاڑی اس کے عالی شان گھر کے سامنے رک چکی تھی۔
''میں نے شکل نہیں دکھائی ڈیئر کزن! تم نے زبردستی دیکھی ہے۔ اور پھپھو کو میرا سلام کہنا۔ اینڈ گڈ بائے! امی پر ہوں گی۔ اچھے بچوں کی طرح میں انہیں بتائے بغیر کہیں بھی نہیں جاتا۔ خدا حافظ!'' وہ عجلت بھرے انداز میں گاڑی چھوڑ کر ہی باہر نکل آیا اور پھر عزہ کے پکارنے کے باوجود اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔
عزہ وہیں کھڑی اسے پکارتی رہی۔ اس کے موڑ مڑتے ہی وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ اک انجانا سا ملال اس کر گیا، جسے وہ ہمیشہ کی طرح کوئی نام نہ دے سکی۔

✽◉......◉✽

''یہ آبگینے ہے....... میری پوتی۔ اور آبگینے! یہ جہانگیر ہمدانی ہے، میرے ایک پرانے بہت اچھے دوست کا ملاقات ہو گئی تو میں اسے زبردستی گھر.......''
آغا فیاض پُر جوش انداز میں دونوں کا تعارف کروا رہے تھے، جب آبگینے روٹھا ہوا چہرہ لے کر ان کی پوری بات طرف مڑ گئی۔ آغا فیاض اسی طرح نرم میٹھی مسکراہٹ چہرے پر سجائے جہانگیر ہمدانی کا ہاتھ پکڑے اندر لے آئے۔ تھو گرما گرم چائے اور ڈھیر سارے لوازمات کے ساتھ اس کی تواضع بڑی محبت و خوش اخلاقی سے کر رہے تھے۔
''ڈنر کئے بغیر میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ ابھی میرا بیٹا بھی آنے والا ہے، اس سے تمہیں ملنا ہو گا اور اپ ساری باتیں مجھ سے کرنا ہوں گی۔ ٹھہرو، میں تمہیں اس کی اور اپنی دو تین پرانی فوٹو گرافس دکھاتا ہوں، جو اس وقت گ دونوں اکٹھے تھے۔'' آغا فیاض کا جوش اور خوشی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی اور جہانگیر ہمدانی جو ایک بیزار موڈ کے سا آیا تھا، اب بہت پُرسکون انداز میں مطمئن و سرشار سا بیٹھا تھا۔ ڈنر کی دعوت ملنے کے بعد چہرے کا سکون جیسے اور گہرا فیاض کی کسی کسی بات کا ہوں ہاں یا کسی مختصر جملے سے جواب دے رہا تھا، ورنہ اسی سکون کے ساتھ ان کی باتیں سن رہا اس کے باپ اور آغا فیاض کی اچھی دوستی سے متعلق تھیں۔
''آبگینے! ڈنر زبردست ہونا چاہئے۔ سوسی! سنا تم نے بھی؟'' آبگینے کے پاس کھڑی بنگلہ دیشی ملازمہ سے خوشگوار انداز میں کہا تھا۔
''آغا جان! مجھے جانا ہے۔ آج میری فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی ہے، اس نے مجھے بہت اصرار سے بلایا ہے۔ فرینڈز ادھر جمع ہوں گے، میں نہیں جاؤں گی تو کتنا آکورڈ لگے گا۔'' آبگینے کہتے ہوئے رو دینے کو تھی۔ کچھ تو آغا فیاض جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے، اب یہ لیچڑ سا مہمان آ گیا تھا، جو کافی اور لوازمات ڈکارنے کے باوجود دفع ہو لے رہا تھا۔ آبگینے کو رنج اور غصہ بیک وقت ہو رہا تھا۔
''نو آبگینے!....... نو۔ آج تم کہیں نہیں جا سکتیں۔ بہت دنوں بعد تو ہمارے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے اور یہ تمہار دوستوں کی فضول پارٹیاں۔ آئی نو آل اباؤٹ دیز پارٹیز۔ اگر جہانگیر نہ بھی آتا تو بھی میں تمہیں جانے کی اجازت نہ دیتا نے۔ اور تمہیں جس چیز کے بارے میں علم ہے، اس کے لئے ضد کرنا ہی نہیں چاہئے۔'' ان کے سمجھانے میں بھی عجیب کہ آبگینے روتے ہوئے کچھ ڈر کر پرے ہو گئی۔
''اب خوشی خوشی مہمان کی تواضع کا انتظام کرو۔ مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ جب تمہارا کالج ختم ہو چکا، تعلیم مکمل یہ دوستیاں کیسی؟ میں لڑکیوں کی دوستی کو صرف اسکول تک محدود رکھنے کا قائل ہوں۔ یہ گھروں اور کیفے میں ہونے وا دوستی کا حصہ نہیں، خرافات ہوتی ہیں۔ اور میں تمہیں ان خرافات میں حصہ نہیں لینے دوں گا....... سوسی! ڈنر میں فرائیڈ وہ تم بہت اچھی بناتی ہو۔ ساتھ میں چاول بھی ضرور ہوں۔ اس کے علاوہ میٹ اور چکن کی ایک ایک کوئی سی بھی ڈش بنا جو جلدی بن سکے۔ اوکے!'' وہ آبگینے کے آنسوؤں بھرے چہرے پر ایک تیز نظر ڈال کر سوسی کو ہدایات دینے باہر نکل گئے

وہ جہانگیر ہمدانی کو اس کے باپ کی تصاویر دکھاتے ہوئے اس کا پس منظر بتا رہے تھے۔ اُن کی پُرجوش آواز لاؤنج سے کچن تک آ رہی تھی۔ نک چڑھا نخریلا مہمان خاصا کم گو بھی تھا اور اچھا سامع بھی، جو آغا فیاض کی بلا تکان باتوں کو بڑی دل جمعی سے سنے جا رہا تھا۔ آبگینے پتھریلی کچن کی ڈائننگ ٹیبل کے پاس پڑی چیئر پر چپ چاپ بیٹھی رہی۔ سارا کھانا سوسی نے بڑی پھرتی اور مہارت سے خود ہی تیار کر لیا۔

"کھانا تیار ہو گیا تو ٹیبل پر لگا دو، سوسی! میرا خیال ہے کافی ٹائم ہو گیا ہے۔" آغا فیاض ساڑھے نو بجے کچن کے دروازے پر آ کر بولے تھے۔ انہوں نے ایک نظر ستا ہوا چہرہ لئے بیٹھی آبگینے کو دیکھا۔

"کھانا ریڈی ہے جی!" سوسی کراکری صاف کرتے ہوئے مؤدب لہجے میں بولی۔

اسی وقت کال بیل بجی۔ آغا فیاض تیزی سے پلٹے اور دروازہ کھولنے چل دیئے۔

"مائی سن! شکر ہے، تم اِن ٹائم آ گئے۔ میں نے تمہیں ایک بہت خاص مہمان سے ملوانا تھا۔ اگر تم نہ مل پاتے تو مجھے افسوس رہ جاتا۔ آؤ!" آغا فیاض، اسامہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبے دبے جوش سے بولے۔

"ایسا کون سا خاص مہمان آ گیا، آغا جان! جو آپ اتنے خوش ہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ چل پڑا۔ لاؤنج میں سامنے ہی جہانگیر ہمدانی اپنی پُرکشش شخصیت لئے سوبر انداز میں بیٹھا سگار پی رہا تھا۔

آغا فیاض نے دونوں کا تعارف کرایا۔

"انکل! یہ آپ کا بیٹا...... آئی مین......" جہانگیر ہمدانی، اسامہ کو دیکھ کر قدرے اُلجھ کر بولا۔

"بیٹا نہیں، میرا پوتا ہے۔ بیٹا ہی ہوا نا یار!" وہ اسامہ کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کر کے محبت بھرے انداز میں بولے تو جہانگیر ہمدانی سر ہلا کر مسکرانے لگا۔

"تم دونوں بیٹھ کر باتیں کرو، میں کھانا لگواتا ہوں۔" آغا فیاض نے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ دونوں پر ڈالی اور کچن کی طرف بڑھ گئے۔

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا، صرف ایک آبگینے تھی، جو روئی روئی آنکھوں اور سرخ ناک کے ساتھ بڑی بے دلی سے کھانا محض ٹونگ رہی تھی اور جہانگیر ہمدانی کو لگا، اس کا یہ تین چار گھنٹوں کا انتظار رائیگاں نہیں گیا۔ سرخ ناک اور متورم آنکھوں کے ساتھ آبگینے کا حُسن کچھ اور بھی قیامت خیز لگ رہا تھا۔ وہ کھانے کے دوران گاہے گاہے کن انکھیوں سے اس کے ملیح چہرے کو دیکھتا رہا۔ آغا فیاض ہی سب کی میزبانی کا فرض ادا کر رہے تھے۔ اسامہ ان کی خوشی دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے آبگینے؟" جیسے ہی مہمان رخصت ہوا، اسامہ، آبگینے کے کمرے میں چلا آیا۔

"مجھے کیا ہونا ہے، اس قفس میں کسی جان دار کو کیا ہو سکتا ہے بھلا، گھٹ گھٹ کر مر جانے کے سوا؟" وہ ایک دم جیسے پھٹ کر بولی۔

"ایں...... یہ کیا؟ تم تو بہت زندہ دل ہو۔ آغا جان کی کوئی بات بری لگی کیا؟" اسامہ کو خاصی حیرت سی ہوئی۔ ورنہ وہ تو آغا جان کی دیوانی تھی، ان کی خوشی میں خوش رہنے والی۔

"وہ کیا کہیں گے، ہر اُڑنے والی خواہش کے پَر کترنے کے سوا۔ بھائی! میں اس پنجرے میں یونہی سسک سسک کر اپنی جان ہار جاؤں گی۔" وہ پھر سے رونے لگی۔

"آخر ہوا کیا ہے؟" اسامہ پریشان ہو کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"آج میری برتھ ڈے تھی۔ آغا جان نے مجھے نہیں جانے دیا۔"

"وہ تو مہمان کے آ جانے کی وجہ سے......"

"وہ پہلے ہی منع کر چکے تھے کہ میں نہیں جاؤں گی۔ پچھلے ہفتے سونیا کے گھر ٹی پارٹی تھی۔ انہوں نے ادھر نہ جانے دیا۔ سامنے والے اپارٹمنٹ میں جولی رہتی ہے، اتنی اچھی لڑکی ہے۔ آغا جان اس سے نہیں ملنے دیتے۔ نیچے والے فلور میں شبیر صاحب کی دونوں بیٹیاں دس بار ہمارے گھر آ چکی ہیں اور ہر بار مجھے انوائٹ کر کے گئیں، مگر آغا جان نے نہیں جانے دیا۔ آخر آغا جان کیا چاہتے ہیں، مجھے ان دیواروں میں قید کر کے؟ کالج میرا چھڑوا دیا۔ انہیں ایسا ہی کوئی خوف ہے تو مجھے کسی سلاخوں والے پنجرے میں ہاتھ پاؤں باندھ کر بٹھا دیں۔ اس طرح مشکوک رویے سے میری نظروں میں تو نہ گرائیں۔"

بہت سالوں کا غبار تھا اس کے اندر جمع۔ آج ایک دم سے نکل پڑا۔ اسامہ ایک گہرا سانس لے کر اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ ان ساری باتوں میں کچھ بھی جھوٹ نہیں تھا، آغا جان یونہی آبگینے کی نگرانی سی کرتے رہتے تھے۔ بے چاری اپنے سائے سے بھی خوف زدہ رہنے لگی تھی۔

''اچھا پلیز، اب یہ رونا تو بند کر دو۔ آغا جان کی تو یہ عادت ہے۔ تمہیں اتنی گہرائی سے نہیں سوچنا چاہئے۔ کچھ اس کے حالات اور رسم و رواج ایسے ہیں کہ آغا جان جیسا بندہ ایسی ہی سوچ رکھ سکتا ہے۔ اس میں ان کا بھی قصور نہیں۔''

''تو کیوں رہتے ہیں وہ اس کھلے ڈُلے معاشرے میں، جس نے خوامخواہ ان کی اس عمر میں نیندیں اُڑا رکھی ہیں؟'' وہ بولی۔

''میں بات کروں گا آغا جان سے، تم......''

''اسامہ! تم ادھر بیٹھے ہو۔ میں تمہارے روم میں گیا تھا۔ آؤ ذرا میرے ساتھ۔'' آغا فیاض دروازے میں کھڑے تھے۔ آبگینے کی باتیں انہوں نے سنی تھیں یا نہیں، ان کے چہرے سے کچھ بھی ظاہر نہیں تھا اور وہ آبگینے کی طرف ذرا بھی تھے۔ اسامہ نے ایک نظر آبگینے کے روئے روئے، ناراض چہرے پر ڈالی اور پھر اٹھ کر باہر آ گیا۔ آغا فیاض بڑی بے چینی میں ٹہل رہے تھے۔

''لگتا ہے، کوئی بہت ہی خاص بات ہے۔'' اسامہ ان کی طرف بڑھتے ہوئے سوچنے لگا۔

''آؤ، تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولے۔ جذباتی کے ہر ہر انداز سے چھلک رہا تھا۔ اسامہ ہمہ تن گوش ان کے پاس بیٹھ گیا۔

❁

''آؤ عائشہ!......وہ تم نے کال کیا اُس لڑکی کو......کیا نام تھا اُس کا......یس، یاد آیا......تانیہ مراد'' عائشہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی، میڈم یاقوت عجلت بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

''اوہ، سوری میڈم! آئی رئیلی فارگیٹ......میں ابھی......'' عائشہ کچھ پشیمانی سے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولی۔

''چہ، خوب۔ یعنی اب مجھے اپنی سیکرٹری کو یاددہانی کروانا پڑے گی کہ اسے کیا کرنا ہے، کیا نہیں۔'' وہ طنز بھرے غصیلے انداز میں بولیں تو عائشہ کی ندامت میں اور اضافہ ہو گیا۔

''سوری......سوری میڈم!......میں ابھی......''

''عائشہ! مجھے تنگ کرنے کو اور لوگ کیا کم ہیں، جو تم نے بھی یہی طریقہ اپنا لیا ہے۔ بیسیوں کام ہیں جو مجھے نمٹانے ہوتے ہیں اور اب یہ یاددہانی کی ذمہ داری بھی میرے سر پر آ پڑی۔''

''میڈم!'' عائشہ نے خاصی بے بسی ولاچاری سے انہیں دیکھا۔

''اور وہ میگزین کی ڈرافٹنگ......کیا بنا؟''

''ایوری تھنگ اِز ریڈی میڈم! صرف آپ کو ایک نظر دیکھنا ہے، فائل ورک تو مکمل ہے۔''

''اور آفس کے لئے جگہ دیکھ لی؟''

''یس میڈم! آپ کے حکم کے مطابق، میگزین کے لئے آفس کا سیٹ اپ ہمارے آفس سے الگ، ای بلاک میں کیا گیا ہے۔ آفس بھی تیار ہے اور ضروری سامان بھی......بیک یارڈ میں پرنٹنگ پریس لگا دیا گیا ہے، جس وقت آپ دیکھنے چلیں۔'' وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔

''گڈ......وری گڈ! باقی کاموں میں بھی ایسی مستعدی دکھایا کرو۔ اچھا، یہ کچھ کلپس ہیں۔ مائیز پارلر والوں نے بھیجی ہیں۔ آٹھ لڑکیاں ہیں۔ ہمیں پانچ کی ضرورت ہے۔ جہانگیر نے انہیں اپنے ساتھ ہی واپسی پہ دبئی لے کر جانا ہے۔ آؤ دیکھو ذرا۔'' انہوں نے ریموٹ اٹھا کر دیوار گیر اسکرین کو آن کیا۔

آٹھ لڑکیاں، خوب صورت، جوان، نرم، لچکیلے جسموں اور پُرکشش چہروں والی......ان کے کلپس......عائشہ کی نظریں نہیں اُٹھ رہی تھیں۔ Eight naked young beauties.

''تو......تو میم!'' وہ گڑبڑا کر بولی۔ اسکرین پر نظر جمانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی اس کوشش میں چند سیکنڈز سے زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔

''ابھی تمہارے اندر سے یہ شرم وحیا کے کیڑے مرے نہیں۔ میرا خیال ہے، مزید ڈی ڈی ٹی چھڑکنے کی ضرورت ہے۔'' وہ بھرپور طنزیہ نظر اس کے گلنار چہرے پر ڈال کر بولیں۔

''اچھا، اب یہ فضول پوز نہ دو اور مجھے بتاؤ۔ ان میں سے پانچ کون سی دی بیسٹ ہیں؟'' وہ قدرے اُکتائے ہوئے انداز میں رسی گھما کر بولیں۔

''یہ سب میڈم! کیا یہ اپنی مرضی سے جانا چاہ رہی ہیں؟'' وہ سوال، جو وہ کرنا نہیں چاہ رہی تھی، پھر بھی نہ جانے کیسے ان کی ہاں سے پھسل گیا۔

''ظاہر ہے، ہم زبردستی تو نہیں کر سکتے۔ سودا کسی بھی چیز کا ہو، دونوں فریقوں کی رضامندی سب سے پہلے ضروری ہوتی ہے۔ بیچنے والے کی اور خریدنے والے کی۔'' وہ معنی خیز انداز میں کندھے اچکا کر بولیں تو عائشہ کے چہرے کی حیرت جیسے بڑھ گئی۔

''دیکھو بھئی، ہم تو ان کے سامنے سب آپشن رکھتے ہیں۔ اور یہ مت سمجھنا، یہ کوئی بے چاری گئی گزری، ضرورت مند لڑکیاں ہیں، جو چند ہزار کے لئے اپنا سب سے قیمتی ''موتی'' بھی بیچنے پر تیار ہیں۔ یہ سب کی سب ہائی سوسائٹی کی اعلیٰ کلاس سے تعلق رکھتی ہیں۔ بے تحاشا پیسے اور فراغت نے ان کے اندر کی کیریئر گرلز کو بیدار کر دیا ہے۔ یہ اب خود کو مصروف رکھنے کے لئے کچھ کرنا چاہتی

ہیں۔ کچھ کرنے کے ساتھ اگر شہرت، روپیہ پیسہ اور Satisfaction بغیر کسی بیڑی کو پہنے ان کے سامنے ہاتھ باند
ہے تو اور کیا چاہئے۔" میڈم یاقوت تفصیل بتا رہی تھیں اور عائشہ کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں۔

"میری جان! یہ ترقی کے اعجاز ہیں۔ سب کچھ آپ کے ہاتھ میں۔ اور بھئی ہم نے تو ان کے ٹیلنٹ کو گروم کرنا
پالش، تھوڑا سا پش Push اور بس یہ سب آرٹ کے آسمان کے چمکتے ستارے۔" وہ ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے
کہہ رہی تھیں۔

"دیکھو ہم کوئی ناجائز کام نہیں کر رہے، ہاں یہ ہے کہ اس طرح کے کلپس ان لڑکیوں کے لئے جاتے ہیں جو گر
نظر آتی ہیں اور اس میں تھوڑا سا گھپلا ہے کہ یہ سب کام خفیہ کیمروں کے ذریعے ہوتا ہے لیکن اس چناؤ کے بعد بھی صر
آگے "کام" میں لایا جاتا ہے، جو اپنے شوق اور مرضی سے آگے جانا چاہئیں۔ اور بھئی، آج کل تو جس لڑکی کو
سنورنے، خوب صورت نظر آنے شوق ہے، ماڈلنگ، شوبز اس کے لئے کسی کریز سے کم نہیں اور دبئی چمکتے ستاروں
دوشیزاؤں کا سنہرا خواب۔ ہم تو بس اس خواب میں حقیقت کا رنگ بھرتے ہیں تو کیا غلط کرتے ہیں؟" وہ اتنے بھول
تھیں کہ عائشہ فقط ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"اور یہ تمہارے منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں؟" انہیں اچانک عائشہ کا اُترا چہرہ برا لگنے لگا۔ "ہزار بار ری مائنڈ کر
میرے سامنے فریش looks کے ساتھ آیا کرو۔" وہ کچھ چڑ کر بولیں تو عائشہ جواب میں بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔" انہیں اس کی خاموشی پر غصہ آ گیا۔

"میڈم! کوئی بات ہے ہی نہیں تو۔" وہ انگلیاں مروڑ کر بولی۔

"عائشہ! یہ محبوباؤں والی ادائیں، نخرے دکھاتے انداز، بہتر ہے اپنے خاص ملنے والوں کے رہنے دو۔ مجھ سے یہ
ساجت مت کروایا کرو۔ بولو کیا بات ہے؟" وہ اسی چڑے ہوئے انداز میں بولیں۔

"کچھ بھی نہیں میڈم! میں تو......" اس کی نظر میڈم یاقوت کی سانپ جیسی زہریلی نظروں پر پڑی تو اس کا پتا پانی ہو

"پاپا...... پاپا بہت ضد، اصرار کر رہے ہیں آج کل۔" وہ پیشانی پر آئے پسینے کے نادیدہ قطروں کو صاف کر
یاقوت سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"وہ، میری شادی کے لئے۔" وہ اٹک اٹک کر بولی تو میڈم یاقوت ایک دم سے کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"تو کر لونا، کیوں نہیں مان لیتیں بات اپنے بابا جانی کی۔" ہنسی رکنے پر وہ بے اعتنائی سے بولیں تو عائشہ نے
انہیں دیکھا۔

"ویری فنی۔ اچھا اب یہ لطیفے سنانا بند کرو اور جو کام میں نے تمہیں دیئے ہیں، ابھی جا کر کرو۔ یہ جہانگیر صاحب
وہ اشارۂ ابرو کریں گے اور کائنات بدل جائے گی۔ گھر بیٹھی ایک لڑکی کو میں راتوں رات پروفیشنل ماڈل بنا دوں،
جادو کی چھڑی ہے نا۔" وہ ٹیبل پر پڑی چیزیں اِدھر اُدھر کرتے ہوئے بڑبڑائیں تو عائشہ آہستہ سے باہر نکل گئی۔ میڈم یا
نمبر ملانے لگیں۔

✲⊙......⊙✲
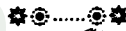
"یار لائبہ! یہ کوئی طریقہ ہے؟ تم بتائے بغیر، ملے بغیر چلی گئیں۔ اور اب دیکھو، کل صبح میری فلائٹ ہے پاکستان
سے اتنا نہیں ہوا کہ آ جاؤ۔ میں نے تمہیں سیٹ کنفرم ہوتے ہی بتا دیا تھا۔ دوستوں میں ایسی بے رخی۔ معلوم نہیں، مجھے
مہینے یا ہو سکتا ہے سال لگ جائیں، یا......" دائم، لائبہ پر خفا ہو رہا تھا۔

"بس...... اس سے آگے کچھ مت کہنا دائم! تمہیں نہیں پتہ، میں کس قدر مجبور ہوں۔ ماما کا حکم ہے کہ جب تک
گی، میں نہ تو واپس آ سکتی ہوں اور نہ......" اس کی آواز ایک بار پھر رندھ گئی۔

"ارے خدا کے لئے، اب یہ اشکوں کا پروگرام نہ اسٹارٹ کر دینا۔ او کے، یہ تمہاری مدر کا حکم ہے تو تم مت آؤ
تمنا تھی کہ میں تم سے مل کر جاتا۔ پھر پتہ نہیں، کب ملاقات ہو۔"

دائم واقعی اس کے لئے اُداسی سی محسوس کر رہا تھا، جو ہر گھڑی اُسے اپنی محبت کا احساس دلانے کے لئے بیتاب
تھی اور اب جب وہ اتنی دور جا رہا تھا، وہ اس سے الوداعی ملاقات بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے، ادھر مجھے قرار آ رہا ہے۔ میں رات بھر نہیں سوئی کہ کس طرح ایک بار آ کر تم سے مل
شاید چوری چھپے یہ حرکت بھی کر گزرتی، مگر پتہ نہیں کیوں مجھے محسوس ہوا کہ...... چلو چھوڑو۔" وہ ایک گہرا سانس
بولی۔

''کیا محسوس ہوا تمہیں؟'' دائم اس کے لہجے پر چونکا۔
''نہیں۔ کچھ خاص نہیں۔'' وہ دھیمی اُداس آواز میں بولی۔
''بولو نا پلیز۔ اب تمہاری یہ خوامخواہ کی اُداسی مجھے بے چین رکھے گی۔ تم کیا کہہ رہی تھیں؟'' دائم اضطراب سے بولا۔
''مجھے ایسا لگا، جیسے میری نگرانی ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں، اس بار ماما کو پریشانی ہے۔ ایک تو مجھ سے پروگرام ڈسکس کئے بغیر مجھے یہاں اُٹھا کر پھینک دیا اور اب جب میں واپس آنے کی ضد کر رہی ہوں تو بھی سختی سے منع کر دیتی ہیں۔ دائم! ماما کا رویّہ مجھے بہت اُلجھا رہا ہے، نہ جانے کیا بات ہے؟'' دائم سے پہلی بار اتنی سنجیدہ گفتگو کر رہی تھی۔
''تم اپنی ماما سے کہو نا کہ وہ تمہیں اپنے پاس پاکستان بلا لیں، پھر تم وہاں بھی میری جان کھانے کو موجود ہو گی۔ نہ بابا! میں اپنا شور و واپس لیتا ہوں۔'' وہ فوراً بولا اور لائبہ مسکرا بھی نہ سکی۔
''تمہیں کیا پتہ؟ میں کتنی بار ماما سے ضد کر چکی ہوں، ان کے ساتھ رہنے کی۔ وہ جہاں بھی رہیں، مجھے اپنے ساتھ رکھیں مگر میری یہ خواہش زندگی کی حسرت بنتی جا رہی ہے۔ میں مڈل ایسٹ میں تھی تو ماما نے مجھے پہلی کلاس سے بھی پہلے بورڈنگ بھی بھیج دیا۔ مجھے نہیں یاد پڑتا، میں ان کے ساتھ کبھی مہینہ بھر بھی رہی ہوں۔'' آج لائبہ کے لہجے میں عجیب سی خودترسی کی کیفیت تھی، جس نے دائم کو بھی بے چین کر دیا تھا۔ ''اس کی کیا وجہ ہے؟ تم نے کبھی پوچھا نہیں۔''
''پوچھا، میں تو سر پٹخ کر تھک چکی ہوں۔ وہ مجھے ہمیشہ ٹال دیتی ہیں۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولی۔
''تمہیں اپنے پاس نہیں رکھ سکتیں تو خود تمہارے ساتھ رہ لیں۔''
''وہ کہتی ہیں، دونوں باتیں ہی ناممکن ہیں۔ دیکھو، یہ سلسلہ کب تک چلتا ہے۔ لیکن ایک بات ہے، اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ شاید میں اب زیادہ دیر ان کے اس حکم کی تابعداری نہ کر سکوں۔ ویسے تمہارا پاکستان کتنے دن مہینے لگانے کا ارادہ ہے؟'' وہ موضوع بدل کر بولی۔
''معلوم نہیں۔ ابھی تو مجھے خود کچھ معلوم نہیں۔'' وہ اپنے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بولا۔
''دائم! ایک بات پوچھوں...... سچ سچ بتاؤ گے؟'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد لائبہ نے کچھ رک رک کر کہا۔
''پوچھو، میں جھوٹ کیوں بولوں گا؟'' وہ لاپروائی سے بولا۔
''مجھے لگتا ہے، تم پاکستان کسی خاص مقصد کے لئے جا رہے ہو۔ کوئی ایسی بات، خیال جس کا ادراک تمہیں ابھی کچھ عرصہ پہلے ہوا ہے۔ اس سے پہلے تو میں نے کبھی تمہارے منہ سے ایسا کوئی ارادہ نہیں سنا تھا۔ سچ کہو، کوئی لڑکی، کسی کزن وزن کا چکر تو نہیں ہے؟'' وہ شکی سے لہجے میں بولی تو دائم ہنس پڑا۔
''کی نا پھر عورتوں والی بات۔''
''یہ عورت کس کو کہا تم نے؟'' وہ بے اختیار غرّائی۔
''کسی کو نہیں بھئی، شکی لڑکی! ایسی کوئی بات نہیں۔ بس اِدھر کے ماحول سے میرا جی اُکتا سا گیا ہے۔ ہر طرح کی آزادی ہونے کے باوجود مجھے یہاں عجیب سی گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔ یہاں ہم سالوں سے ہیں، پھر بھی اجنبی سمجھے جاتے ہیں تو جو ہماری شناخت ہے، وہاں ہمارے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے۔ شاید میں اس خیال کو پرکھنے جا رہا ہوں۔ ویسے تم بے فکر رہو، کسی کزن کا چکر نہیں ہے۔ اِس تو ہمارا کوئی خاص قریبی عزیز بھی نہیں تو کزن کیا ہو گی؟'' دائم اسے تسلی دینے والے انداز میں بولا۔
''ویسے مجھے تمہاری باتوں پر کچھ خاص یقین تو نہیں ہوا، پھر بھی مان لیتی ہوں۔ اچھا اب ایک اور بات بالکل سچ سچ بتا دو تو ہری زندگی کے تلاطم میں شاید ٹھہراؤ آ جائے۔ اس بے قرار دل کو ذرا سا قرار مل جائے۔'' وہ مختلف سی ٹون میں بولی تو دائم کے کان کھڑے ہو گئے
''بولو!''
''دائم! ڈو یو لو می؟'' وہ جیسے گنگنائی تھی۔ اس کے لہجے کی جھنکار میں ایک پل کو دائم کا دل بھی جیسے بھنور کھا کر رہ گیا۔
''دائم! میں نے کچھ پوچھا ہے؟''
''تمہیں میری کسی بات کا یقین نہیں۔ کچھ بھی کہوں گا تو نہیں مانو گی۔'' وہ جیسے چونک کر بولا۔
''نہیں، تم جو کہو گے، میں سچ مان لوں گی۔ پرامس!''
''لائبہ! تم میری دوست ہو، اس تعلق سے میں واقعی پیار کرتا ہوں تم سے۔ لیکن اگر تمہارا استفسار عشق محبت پارٹنر والے لو کی ہے تو اس بارے میں ابھی کچھ بھی نہیں جانتا۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔''
''تم جھوٹ بولتے ہو۔'' وہ ایک دم چلّائی۔ ''مجھے پتہ ہے، تم مجھے صرف بہلا رہے ہو۔ ورنہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔ تم صرف

میرا دل رکھنے کو یہ سب لفاظی کر رہے ہو۔ صحیح کہہ رہی ہوں نا میں؟" وہ ایک دم آپے سے باہر ہو گئی تھی۔
"دیکھا، میں نے کہا تھا نا تم نہیں مانو گی میری۔"
"میں بچی نہیں ہوں، جو تمہاری باتوں میں آ جاؤں گی، تمہارے بہلانے سے بہل جاؤں گی۔ آخر تم سب مجھے سمجھتے ہو؟...... مجھے کسی بات کا علم نہیں۔ احمق ہوں میں، نا سمجھ۔ سب سمجھتی ہوں۔ سنا تم نے؟" وہ چیختے ہوئے رو۔ ہی لائن ڈس کنکٹ ہو گئی۔ دائم نے ایک گہرا سانس لے کر فون رکھ دیا۔
"تو صاحبزادے! سب تیاری مکمل ہے نا تمہاری؟" اسی وقت مصطفیٰ اور ڈاکٹر رخشندہ ایک ساتھ اس کے کم دروازے سے اندر داخل ہوئے۔
"یس پاپا! سب پیکنگ مکمل ہے۔" دائم نے اٹھتے ہوئے ایک نظر کونے میں پڑے تینوں سوٹ کیسوں پر ڈالی۔ چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔
"اچھا، یہ خط رکھ لو۔ یہ کاکا بشیر نے بھیجا ہے۔ گھر تو اتنے عرصے سے بند پڑا تھا۔ کاکا بشیر ہمارا بہت پرانا ملازم فون نمبر وغیرہ تو میرے پاس تھا نہیں، گاؤں کا ایڈریس تھا۔ اس پر خط لکھا تھا۔ اس نے بڑی محبت اور عقیدت مندی ہے۔ وہ تمہارے جانے سے پہلے گھر کے پاس موجود ہوگا۔ ساتھ اس کا بیٹا بھی ہوگا۔ یہ گھر کی چابیاں ہیں۔ ایڈریس او پرانی تصویر۔ اب تو ظاہر ہے، وہ اچھا خاصا بوڑھا ہو چکا ہوگا۔ اس کا بیٹا ٹیکسی ڈرائیور ہے، وہ تمہاری ہر طرح کی مدد کر۔ ہم آتے ہوئے بیچ آئے تھے، اب تمہارا قیام نہ جانے کتنے عرصے کا ہو۔ خریدنی چاہو تو خرید لینا، ورنہ ہائر کر لینا۔ ا کارڈز، چیک بکس، ٹریول چیکس سب رکھ لئے ہیں نا؟" مصطفیٰ صاحب اسے سب چیزیں تھماتے ہوئے پوچھنے لگے۔
"جی پاپا! سب کچھ میرے ہینڈ بیگ میں موجود ہے۔ اچھا، یہ ہے کاکا بشیر۔ بے چارہ جم وائز تو واقعی کاکا لگ تصویر میں نظر آتے مختی سے وجود کو دیکھ کر بولا۔
"اور اسے یہ بھی بتا دیں کہ خیر سے اس ہینڈ بیگ کو ہاتھ میں پکڑ لینے کو ہی کافی نہ سمجھے۔ آج کل پاکستان چوروں او جنت بنا ہوا ہے اور وہاں ایف آئی آر درج کرانا، ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے کے برابر ہیں۔ انگلینڈ کی پولیس جیسی پ تلاشے۔" ڈاکٹر رخشندہ رُوٹھے رُوٹھے سے لہجے میں بولی۔
"تو ماما! آپ پاپا کے واسطے کے بغیر بھی ڈائریکٹ یہ سب مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔ یا آپ ابھی تک خفا ہیں؟" وہ ڈاکٹر رخشندہ کے کندھوں پر سر رکھ کر لاڈ سے بولا۔ "ویسے پاپا! ماما خفا ہو کر زیادہ حسین نہیں لگتیں؟" وہ باپ کو دیکھ کر شرار آنکھ میچ کر بولا تو مصطفیٰ صاحب ہنس پڑے۔
"شیطان! بیوی میری ہے اور کس روپ میں زیادہ حسین لگتی ہے، مجھے زیادہ پتہ ہے۔" وہ بھی اس کے لہجے میں رخشندہ نے جھٹکے سے دائم کو خود سے علیحدہ کیا۔
"زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے آپ دونوں اس وقت ذرا بھی اچھے نہیں لگ رہے۔" وہ کہتے کہتے پڑیں۔ دائم نے گھبرا کر باپ کی شکل دیکھی، جو پریشانی سے بیوی کی طرف دیکھ رہے تھے۔
"رخشندہ! بی بریو۔ ڈونٹ بی سلی۔ کیوں بچے کو پریشان کر رہی ہو؟ تمہارے آنسو دیکھ کر جائے گا تو خاک وہا مصطفیٰ صاحب نے رخشندہ کے کندھے تھپتھپا کر دھیرے سے کہا۔
"تو آپ کا کیا پروگرام ہے، اسے وہاں سیٹ کروانے کا؟ اور مجھ سے جھوٹ بول رہے ہیں کہ گھومنے پھرنے روتے روتے سر اُٹھا کر چمکیں تو مصطفیٰ اور دائم نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔
"ماما! پاپا کا مطلب ہے، آپ اسی طرح روتی رہیں تو میں نہیں جا پاؤں گا۔" وہ آگے بڑھ کر ماں کے برابر بیٹھتے ہو۔
"تو مت جاؤ نا۔" وہ آنسوؤں بھرا چہرہ اس کے سامنے کر کے بولیں۔
"ماما! پلیز۔" وہ جیسے زچ ہو کر بولا تو مصطفیٰ صاحب بھی تاسف بھرے انداز میں سر ہلانے لگے۔
"صحیح کہا ہے کسی نے، عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔ اتنے دنوں کے واویلے کا یہ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پا صاحب نے لبوں میں کہا تو ڈاکٹر رخشندہ انہیں گھورنے لگیں۔ دائم منہ پرے کر کے مسکرانے لگا۔
"اچھا ماما! آج میرا آپ کے ساتھ آخری ڈنر...... نن...... نہیں، میرا مطلب ہے، ادھر آپ کے ساتھ۔ چلیں ایمان سے، بڑی بھوک لگی ہے۔ پھر بعد میں بیٹھ کر ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ کیوں پاپا؟" وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔
"زبیدہ سے کہو، کھانے کے بعد کافی کے ساتھ تین چار ہینڈ ناول بھی ساتھ رکھ دے۔" وہ بولے۔
"وہ کس لئے بابا؟" دائم کے ساتھ رخشندہ بھی انہیں دیکھنے لگیں۔

"بھئی، باتیں تو ہم دونوں باپ بیٹا کریں گے، ان کے اشک پونچھنے کے لئے تولیوں کی ضرورت تو پڑے گی نا۔"
"مصطفیٰ!" ڈاکٹر رخشندہ غصے اور بے بسی سے کہتے ہوئے بے اختیار ہنس پڑیں تو وہ دونوں بھی ہنسنے لگے۔

✿◉......◉✿

"ٹھاہ!" کی زوردار آواز کے ساتھ چینی کی پلیٹ اس کے قدموں سے تھوڑی دور ٹوٹی تھی اور اس میں موجود شوربہ یا شاید شوربہ نما دال تھی، جس نے سارے صحن میں نقش و نگار بنا دیئے تھے۔

"اس سے اچھا کہیں سے زہر لا دو مجھے۔ یہ روز روز جو میری بے بسی کا مذاق اُڑانے کو کبھی یہ منحوس مٹیالے پانی جیسی دال اور کبھی آلوؤں کا ملغوبہ اُٹھا لاتی ہو کہ دیکھو احسن مراد! یہ ہے تمہاری اوقات۔ اب زندگی یہ سیال پیتے ہی گزرے گی۔ جو سانسوں کی ڈور عزیز ہے تو صد شکر اور صبر کے ساتھ یہ تلچھٹ اپنے حلق میں اُنڈیلتے جاؤ، تو یہ تمہارا خیال ہے۔"

وہ خوب بلند آواز میں چلا رہے تھے۔

"مجھے ایسی فقیروں جیسی زندگی نہیں چاہئے۔ ایسی معذوروں اور لاچاروں جیسی زندگی کہ خود سے بھی نفرت ہو جائے۔ مجھے کہیں سے زہر لا دو، میں پھانک لوں یا میرے گلے میں پھندا ڈال دو۔ میں خود اپنا خاتمہ کر لوں۔ تم ساروں کے سینوں میں ٹھنڈ پڑ جائے، جو تم پر میں یہ مفت کا بوجھ بن گیا ہوں۔ جان چھوٹ جائے گی تم سب حرام خوروں کی۔ جن کو میں اپنا خونِ جگر دے کر پالتا رہا، ان پر میں بوجھ بن گیا ہوں۔ الٰہی! میرے لئے موت کا پروانہ بھیج دے۔ اتنی دنیا بے سبب مر رہی ہے، اِک موت میرے نام بھی لکھ بھیج۔ ہائے......"

وہ واویلا کرتے ہوئے ہاتھ کے پاس پڑی چیزیں اُٹھا اُٹھا کر دیوار پر مارنے لگے تھے۔

"اے احسن! صبر کر۔ حوصلہ کر میرے بچے! کیوں کفر بکے جا رہا ہے؟ شکر کر اس ذات کا، جس نے تجھے ایسے صابر شاکر بچے دیئے، ایسی بے زبان بیوی دی اور تیری قسمت کا رزق بھی برا بھلا تجھے دے ہی رہا ہے۔ ورنہ تو ایک دنیا بھوک سے بھی مر رہی ہے ور ایک بگڑی ہوئی اولاد کے کرتوتوں سے بھی۔ شکر کر......" احسن مراد کی والدہ ان سے بھی اونچا اونچا بولیں تو کچن میں کھڑی یاسمین نے آنکھوں میں آئے آنسو پونچھتے ہوئے ایک نظر صحن سے کچن کی طرف دبے پاؤں آتے تنزیل کو دیکھا اور جلدی سے اپنا چہرہ دوپٹے کے پلو سے رگڑ لیا۔

"امی! کیا ہوا؟" اسی وقت تانیہ اندر داخل ہوئی۔ وہ شاید نہا کر نکلی تھی۔ گیلے بال تولیے میں لپیٹتی خاصی پریشانی کے عالم میں اندر آئی۔

"کیا ہونا ہے، وہی روز کا جھگڑا۔ اور سچ پوچھو تو وہ بھی سچے ہیں۔ دائمی مریض ایک تو اپنے مرض کے ہاتھوں پریشان، اوپر سے ڈھنگ کا کھانے کو بھی نہ ملے، وہ تو کاٹنے کو دوڑے گا ہی۔ کیا کرے، یہاں تو نصیب ہی لگتا ہے، کیل کانٹوں سے لکھا گیا ہے۔ ہر کوشش رائیگاں۔ ہر دعا بے فیض۔ کیا کروں، کوشش تو کرتی ہوں۔" وہ کہتے کہتے پھر سے آنسوؤں پر بند باندھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ وہ دونوں اپنی جگہ چور سے بن کر کھڑے ہو گئے۔ اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ تنزیل باہر دیکھنے گیا، واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ڈھکی ہوئی ڈش تھی۔

"ساتھ والوں نے بریانی بھیجی ہے۔ لگتا ہے، نصیب کو تو ترس نہیں آیا، محلے والوں کو آ گیا ہے۔" اس نے ڈش سلیب پر رکھی تو یاسمین ایک گہرا سانس لے کر پلیٹ لینے کے لئے مڑیں تو وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل گئے۔

"کیا کہا ان کے پرنسپل نے؟" تانیہ نے پوچھا۔

"ایک ہفتے بعد فیس جمع کروانے کا وعدہ کر کے آیا ہوں، جیسے مجھے پتہ ہے، ایک ہفتے بعد مجھے تکیے کے نیچے پڑے پیسے مل جائیں گے۔ بس ان دونوں کو گھر بٹھا کر پرائیویٹ امتحان دلانے کی تیاری کرو۔" وہ جوتے اتار کر انہیں ٹھوکر مارتے ہوئے پلنگ پر دراز ہو گیا۔ تانیہ بے دلی سے اپنے بال سلجھانے لگی۔ یاسمین تھوڑی دیر بعد ان کے لئے چاولوں کی پلیٹ لے کر آ گئیں۔

"کھایا ابو نے کچھ؟" تنزیل نے ان کا اُترا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں بصد وقت چند نوالے لئے ہیں۔ دوا جو لینی تھی۔ رات کے لئے وہ بھی نہیں ہے۔" وہ افسردگی سے پلیٹ میز پر رکھ کر بیٹھ گئیں۔

"اب تو اُدھار دینے والے بھی شکل دیکھتے ہی اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں۔ کوئی اُدھار دیتا ہے واپسی کی اُمید پر۔ یہاں تو ایسی کوئی سیدھی کسی کو نظر نہیں آتی تو کوئی کیا دے۔" تنزیل جیسے خود سے کہہ رہا تھا۔

بیرونی دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی۔

"اب یہ بھری دوپہر میں کون جی جلانے آیا ہے، اس سُونے گھر میں؟" وہ بیزاری سے اُٹھتے ہوئے بولا اور باہر نکل گیا۔

''اُف!.........نا قابلِ یقین.........مائی گاڈ.........امی!'' وہ باہر ہی سے بولتے بولتے اندر داخل ہوا۔ انوکھی سی چہکار لہجے میں تھی۔

''کیا.........کیا مل گیا؟ اب پھر کہیں سے قورمہ تو نہیں آ گیا؟'' تانیہ سر اونچا کر کے دروازے سے آگے دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''مائی اپائنٹمنٹ لیٹر، مائی ڈیئر سسٹر!.........امی! مبارک ہو۔'' وہ لیٹر ہاتھ میں لئے ماں سے لپٹ گیا۔

''کیا، کیا.........کیسا اپائنٹمنٹ لیٹر؟.........تم نے تو شاید تیس چالیس جگہ اپلائی کر رکھا ہے۔ خیر سے قرعہ کدھر کا نکلا؟'' کے ہاتھ سے لیٹر چھینتے ہوئے بولی۔

''یہ مائیز گروپ والوں کی طرف سے ہے۔ تم نے ادھر بھی انٹرویو دیا تھا؟'' تانیہ خوشگوار حیرت سے بولی۔

''یہ پوچھو، کدھر نہیں دیا تھا۔ شہر کی کوئی ہی تھکو فرم بچی ہو گی، جسے مابدولت نے اپنے انٹرویو سے فیض یاب نہ کیا ہو۔'' اونچے کر کے بولا۔ اسی وقت پھر دروازے پر دستک ہوئی تو تنزیل نے برا سا منہ بنا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

''میرا خیال ہے، تم آج دروازے کے پاس ہی کرسی بچھا کر بیٹھ جاؤ۔'' تانیہ شوخی سے بولی۔ وہ جھلا کر باہر چلا گیا۔

''لو جی، پہلا اپائنٹمنٹ لیٹر آیا ہے اور ڈاکیہ صاحب دروازے میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے ہیں، مٹھائی کے لئے۔'' وہ لیٹر لے کر ایک بار پھر پڑھنے لگا۔

''یہاں کھانے کے لالے پڑے ہیں، اسے مٹھائی کہاں سے دو گے؟ کہہ دو، پھر آئے۔'' یاسمین دروازہ بجتا سن کر پریشانی سے بولیں۔

''کہہ آیا ہوں۔ بڑا ڈھیٹ ہے۔''

''سیٹ کون سی ہے تمہاری؟'' تانیہ نے اچک کر پھر لیٹر لے لیا۔

''ایگزیکٹو کے ساتھ۔'' وہ بڑے آرام سے بولا۔

''ایں.........!'' تانیہ ششدر رہ جانے والے انداز میں دوبارہ لیٹر پڑھنے لگی۔

''تم بھی تو یوں پوچھ رہی ہو، جیسے مجھے وہ کوئی ایسی ہی سیٹ آفر کریں گے۔ فی الحال تو ایز اے جرنلسٹ رکھا ہے۔ ابو کو بتاؤں جا کر؟'' وہ قدرے ہچکچا کر پوچھنے لگا۔

''ہاں، ہاں۔ جاؤ بتاؤ آؤ۔ اگر سو نہ رہے ہوں تو۔'' وہ جانے لگا۔ ''اور سنو، کچھ جلی کٹی کہیں تو سن لینا آرام سے۔'' وہ بولیں تو وہ سر ہلا کر باہر نکل گیا۔

کون اس راہ سے گزرتا ہے
دل یونہی انتظار کرتا ہے
دھیان کی سیڑھیوں پہ پچھلے پہر
کوئی چپکے سے پاؤں دھرتا ہے
دل تو میرا اُداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

''شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے.........شہر کیوں.........'' احسن مراد آنکھیں بند کئے، مگن سے انداز میں لب ہلا رہے تھے۔

''ابو!'' تنزیل نے چند لمحوں کے انتظار کے بعد آہستہ سے انہیں پکارا۔

''شہر کیوں.........'' انہوں نے اپنی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''آؤ.........آ جاؤ۔ تمہیں فرصت مل گئی اس بوڑھے لنگڑے کے پاس آنے کی۔''

''ابو پلیز! ایسا تو نہ کہیں۔'' وہ ان کے پاس جھک کر بیٹھ گیا۔ ''میں تو شرمندگی سے آپ سے آنکھیں نہیں ملا پانے کی وجہ سے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''تمہارا اس میں کیا قصور؟ جب نصیب کی سختی آتی ہے تو بندے کو ایسے ہی لاچار کر دیتی ہے۔ مجھے دیکھو، میں یوں چلتا پھرتا معذور ہو پڑوں گا۔ ان ٹانگوں نے چلنے کا مزہ نہ چکھا ہوتا تو شاید مجھے اتنے ملال نہ ستاتے۔ اب تو بس والا معاملہ ہے زندگی کے ساتھ۔'' وہ بہت نرم، عاجز سے لہجے میں بات کر رہے تھے۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا، یہ ابھی والے احسن مراد ہیں۔ چیختے چلاتے، دھاڑتے۔

"ابو! مجھے جاب مل گئی ہے۔ ابھی اپائنٹمنٹ لیٹر آیا ہے۔" وہ ان کے گھٹنے دباتے ہوئے دبے دبے جوش سے بولا تو وہ ایک لمحے کو چپ سے ہو گئے۔

"جیسی جاب پہلے کرتے رہے تھے۔ دو ڈھائی ہزار والی۔" وہ تلخی سے بولے۔

"نہیں ابو! بہت اچھی جب ہے۔ پے بھی اچھی ملے گی اور سہولتیں بھی۔"

"اچھا، ایسی کیا خوبی دیکھ لی انہوں نے تمہاری بی۔اے کی ڈگری میں؟" وہ طنز سے بولے تو وہ چپ سا ہو گیا۔

"چلو مبارک ہو۔ دیکھتے ہیں، کیا لہر بہر لاتی ہے تمہاری نوکری اس کٹیا میں۔ جاتے ہوئے یہ صحن کی کھڑکی کھول جانا۔" کہتے ہوئے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں تو وہ آہستہ سے اٹھ کر کھڑکی کھولتے ہوئے باہر آ گیا۔

"دھیان کی سیڑھیوں پہ پچھلے پہر......" وہ پھر سے گنگنانے لگے تھے۔

✽◉......◉✽
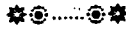
میڈم یاقوت کی گاڑی رات گئے ان کے محل جیسے گھر کے پورٹیکو میں داخل ہوئی۔ وہ کسی لیٹ نائٹ فنکشن سے لوٹی تھیں اور اس وقت ان کا جسم تھکن کے احساس سے جیسے ٹوٹ رہا تھا۔ سیاہ سلیولیس ساڑھی کے ستاروں بھرے پلو کو سنبھالتی وہ گاڑی سے نیچے اُتریں اور اندرونی عمارت کی طرف بڑھیں۔ ان کے کانوں میں کچھ نامانوس سا شور پڑا۔ انہوں نے ناگواری سے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

انیکسی کے ملازم آ جا رہے تھے۔ ان کا اٹھا قدم وہیں رہ گیا۔ پہلے سر جھٹک کر انہوں نے اندر کی طرف جانا چاہا، پھر کچھ سوچ کر ہائی ہیل کے باوجود تیز قدموں سے چلتی انیکسی کی طرف بڑھیں۔ دروازے کے پاس کھڑے ایک دو ملازم انہیں دیکھ کر مؤدب سے ہو کر پیچھے ہو گئے۔

"وہ جی، بی بی کی طبیعت خراب ہے۔ ڈاکٹر کو لینے بھیجا ہے۔" ان کا ملازم جس کا نام انہیں رات کے اس پہر کیا یاد آنا تھا، با ب لہجے میں بولا۔

"ہوں۔" وہ کہہ کر انیکسی کے اندر داخل ہوئیں اور پیچھے سے دروازہ بند کیا۔ سٹنگ روم سے آگے بیڈ روم تھا، جس کی کھڑکیوں دروازوں پر پڑے سفید حریری پردے خنک ہوا سے ہولے ہولے لہرا رہے تھے۔ سامنے بیڈ پر ہڈیوں کا نیم مُردہ ڈھانچہ سا پڑا تھا، ،ا کا تیز تیز چلتا نفس اس کے زندہ ہونے کا پتہ دے رہا تھا۔ میڈم یاقوت کو دیکھ کر اس کی مُردہ آنکھوں میں جیسے زندگی کی جوت ی اٹھی۔

"کیا تکلیف ہے تجھے مردار! یہ ڈرامے کیا کرتی ہے آئے روز؟" میڈم یاقوت نے اس کے سرہانے کسی قدر جھک کر ترش لہجے ،ا کہتے ہوئے بڑھیا کے سر کو زور کا جھٹکا دیا تھا۔

"مم...... میں...... سانس نہیں آ رہی مجھے۔" وہ گھگھیا کر بمشکل اُکھڑے سانسوں کے درمیان بولی۔

"تو تُو نے سانس کا کیا کرنا ہے، اچار ڈالنا ہے؟ اب اس عمر میں، اس تعفن زدہ سانسوں کی گندگی باہر نکال کر اور کتنا اس دنیا کو ،ذ کرنا ہے؟ بدبخت! توڑ دے اس ڈوری کو۔ جا مر جا۔ چھوڑ دے زندگی کا پیچھا۔" وہ اسے زور سے پرے دھکا دیتے ہوئے سنگ ،ا سے بولیں۔

"ہر کوئی اپنی موتے (موت) مرتا ہے یاقوت! میں کیسے مر جاؤں؟ زہر لا دے مجھے کہیں سے۔" وہ جیسے درد سے کراہ کر بولی۔

"تجھے زہر دے کر ایک کُتیا کی موت اپنے اعمال نامے میں لکھوا لوں؟...... کُتیا! تُو ایسے کیسے مرے گی؟ تیری موت کی راہ دنیا بھر کی سہولتیں جو کھڑی ہیں، جو تیرے اُکھڑے سانس بحال کر دیتی ہیں۔ ان ہی عیاشیوں کے لئے تُو زندگی بھر تڑپتی رہی، نی رہی۔ اب تجھے یہ عیش ہی نہیں مرنے دیتے۔ جس دن یہ عیش کی آکسیجن تیرے اس منحوس منہ سے ہٹالی، آپوں آپ تیرے نصیب) کی موت دوڑی آئے گی۔ نامراد! تُو خود سے مرنے والی نہیں۔" میڈم یاقوت نے زمانے بھر کی نفرت اپنے لہجے اور ،ا میں سمو کر ہڈیوں کے اس پنجر کو دیکھا۔

"ارے تجھ جیسیوں کو دیکھ کر تو موت بھی منہ پھیر کر چل دیتی ہے۔ زمین بھی تیرے گندے وجود سے اپنا آپ پلید نہیں کرنا ۔ تیرے جیسا گند نہ زمین کے اوپر بھلا، نہ نیچے۔ یونہی ایڑیاں رگڑتی رہ زہرہ بائی! یاد کر وہ دن، جب میں نے کہا تھا، بے رحم ،ا تُو موت مانگے، تجھے موت بھی نہ ملے۔ اور میں تجھے اتنی آسانی سے مرنے بھی نہیں دوں گی۔ ابھی تو تُو بہت سا جیے گی۔ تُو میرے سر پر ہاتھ رکھنے والا کون ہوگا؟ بی بی! سوچ نا۔" ملازم کے ساتھ ڈاکٹر فرسٹ ایڈ باکس لئے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ وہ تی نگاہ ڈاکٹر پر ڈال کر باہر نکل گئیں۔

بھی کچھ دیر پہلے شیفون کی ساڑھی میں اچھی خاصی ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی اور اب یوں لگ رہا تھا، اس شیفون میں کسی نے انار

چھوڑ دیئے ہوں۔ پٹاخ پٹاخ جلتے ہوئے۔ ان کے پورے وجود کو دہکا رہے ہوں۔ سوئمنگ پول کے سامنے سے گز
میڈم یاقوت نے بے اختیار اس میں کود جانے کی خواہش پر بند باندھا تھا۔ اس جلتے جلتے احساس سے دامن چھڑانے کے ل
ہی وہ لائبہ کا نمبر ملانے لگیں۔ لائن فوراً ہی مل گئی۔ فاخرہ نے فون ریسیو کیا تھا۔

''جی، سویٹی بی بی تو سو رہی ہیں۔''

''فاخرہ! جھوٹ مت بولو مجھ سے۔ دو اس کو فون۔'' ابھی پتہ بھی نہیں چلا کہ پوری طرح سے حلق پھاڑ کر چیخی ہیں
شاید گھبرا کر فون سویٹی کو دے دیا تھا۔ لائن میں ہلکا سا شور اُبھرا تھا۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنا اور نہ سننا ہے۔ انڈر اسٹینڈ؟'' لائبہ کی سرد اجنبی آواز ان کے کانوں سے ٹکرا
جیسے واقعی کسی جلتے دوزخ میں جا گری ہیں۔ ان کا دماغ اُبلنے لگا۔

''تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟ بہت سر چڑھا لیا ہے میں نے تمہیں۔ اور یاد رکھو، مجھے تمہیں سر سے اُتارنا بھی آتا ہے۔ مم
زور سے چیخ رہی تھیں۔ دوسری طرف لائن کب کی بے جان ہو چکی تھی۔ وہ ادھ موئی سی ہو کر صوفے پر گر گئیں۔

✲ ◉ ...... ◉ ✲

''آغا جان! آخر آپ اس شخص کے متعلق معلومات لے کر کیا کریں گے؟'' آغا فیاض نے اسامہ کو جہانگیر ہمدانی ک
کا ایڈریس دیتے ہوئے ہر طرح کی معلومات لینے کو کہا تو وہ بول اٹھا۔

''تمہیں نہیں پتہ، میں کیا کروں گا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولے تو وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''میں اب عمر کے اس حصے میں ہوں، جہاں رات کو سوؤں تو صبح اٹھنے کا یقین تو کیا، گماں بھی نہیں ہوتا۔ اور ا
جاگ کر نہیں گزار سکتا کہ کہیں موت میرے بوڑھے جسم کو غافل جان کر اس میں سے روح نہ لے اُڑے۔ میں جلد
فرض سے فارغ ہونا چاہتا ہوں۔'' وہ رکے۔ ''جہانگیر اچھا لڑکا ہے۔''

''لڑکا ...... آغا جان! He is a man! ...... ادھیڑ عمر آدمی۔ آپ اس کو آبگینے کے لئے سوچ رہے ہیں؟''

''سوچا تو میں نے اور بھی بہت کچھ تھا اور سب سوچا پورا ہوتا بھی نہیں۔'' وہ اس پر نظریں جما کر بولے تو وہ شرمن
اُدھر دیکھنے لگا۔

''بہر حال، ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا ہو۔ اس معاشرے کا آزاد چلن اور بے باک انداز نہ تم سے چھپے
پوشیدہ۔ یہاں رہتے ہوئے بیٹیوں، بیٹوں کے نیک چلن کی دعا کرنا بڑی احمقانہ سی خواہش لگتی ہے مجھے۔ میں یہ نہیں
پر بھروسا نہیں، تم یہ کہہ لو مجھے خود پر بھروسہ نہیں۔ جہانگیر اچھا شخص ہے، خاندانی، نیک، مخلص، خوش شکل، خوش مزا
آبگینے کو ہر وہ آسائش دے سکتا ہے جس کی کوئی بھی باپ اپنی بیٹی کے لئے تمنا کرتا ہے۔''

''آپ کو معلوم ہے کہ وہ غیر شادی شدہ ہے؟ اور اگر ہے بھی تو کیا وہ محض آپ کی خواہش پر آبگینے سے شادی کر لے

''وہ غیر شادی شدہ ہے، میں نے پوچھ لیا ہے۔ قدم جمانے کے چکر میں اس نے شادی نہیں کی۔ اور وہ اتنا مہذ
کہ اگر میں اس سے آبگینے کو اپنانے کا کہوں تو وہ انکار نہیں کرے گا۔ جب کہ میرے خیال میں اس کی نوبت نہیں آ
مجھ سے یہ درخواست کرے گا۔''

''جب کہ وہ یہاں صرف ایک ہفتے کے لئے ہے۔'' اسامہ طنز سے بولا۔

''وہ کسی کا ملازم نہیں، اپنے بزنس کے سلسلے میں ادھر ہے اور وہ کہہ رہا تھا، وہ چند دن اور رہے گا۔''

''آغا جان! آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ایک شخص، جس سے ملے آپ کو محض چند گھنٹے بھی نہ
آپ اس قدر بھروسہ کرنے چلے ہیں کہ اپنی قیمتی ترین چیز اس کے حوالے کرنے جا رہے ہیں۔ میں سمجھ نہیں پا رہا؟
بولا۔

''بھروسے کی کیا بات ہے بیٹے! کبھی کبھی آدمی ان پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتا جن کے ساتھ ایک مدت سے رہ رہا
ایسے شخص سے بھروسے کا رشتہ جڑنے میں چند گھنٹے نہیں لگتے۔'' آغا جان کی بات، اسامہ کو ایک بار پھر دل پر جا لگی۔

''آپ سوچ لیں اچھی طرح، آغا جان! مجھے یہ مناسب نہیں لگ رہا۔''

''تم صرف مجھے یہ معلومات لا دو، اس کے بعد سوچنا یا عمل کرنا میرا کام ہے۔ اور میرے خیال میں تم میرا ا
گے۔''

''پلیز آغا جان! مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں کل ہی آپ کو بتاؤں گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا تو وہ سر ہلا کر اپنے کم
بڑھ گئے۔ اسامہ کاغذ کے اس پُرزے کو دیکھنے لگا، جس پہ جہانگیر ہمدانی کا ایڈریس لکھا تھا۔

❁●......●❁
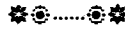
''بوائز اینڈ گرلز! آریو ریڈی؟........ فنکشن بس اسٹارٹ ہونے والا ہے۔'' حمیدہ غنی نے ڈریسنگ روم میں ذرا سا جھانک کر مختلف ملبوسات میں تیار لڑکے لڑکیوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''سب تیار ہیں، میڈم! آپ کے اشارۂ ابرو کا انتظار ہے۔'' فائقہ اپنا بھاری غرارہ سنبھالتے ہوئے بولی۔

''واؤ، عزہ! آپ تو واقعی قلوپطرہ لگ رہی ہیں۔ بائی داوے، یہ ڈریس واقعی اتنا قیمتی ہے یا یہ آرٹیفیشل جیولری سے سجا ہے؟'' حمیدہ غنی تعریفی انداز میں اس کے لباس کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''آپ کی حُسنِ نظر ہے میڈم! اگر آپ کو یہ رئیل لگتے ہیں تو یہ رئیل ہیں۔ ورنہ اسٹیل اور پیتل کے سمجھیں۔'' وہ ہونٹ دبا کر بولی تو سب ہنس پڑے۔

''میڈم! چیف گیسٹ کون ہے، آج کے ڈریس شو میں؟'' حمیدہ غنی مڑ کر جانے لگیں تو آصف نے جلدی سے پوچھا۔

''اب تم لوگوں کو یہی نہیں معلوم۔ میڈم یاقوت آ بھی چکی ہیں، چیف گیسٹ کے طور پر۔'' وہ جھک کر بولیں تو عزہ عالم کے دل نے ایک ہارٹ بیٹ مس کی۔ اس کا چہرہ خوانخواہ حدت دینے لگا۔

میڈم یاقوت کی شخصیت میں کیسا انوکھا سحر تھا۔ یہ رعبِ حُسن تھا یا کیا تھا، پورے فنکشن کے دوران ان کی مقناطیسی شخصیت طلبہ و طالبات کی بھرپور توجہ کا مرکز بنی رہی۔

وہ آج سے پہلے بہت بڑی بڑی، قابل، لائق اور معتبر شخصیات سے انعامات وصول کر چکی تھی۔ مگر اس کی ایسی حالت پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، جیسی میڈم یاقوت سے شیلڈ لیتے وقت ہو رہی تھی۔ ہاتھوں میں ہلکی سی لرزاہٹ تھی اور سارے بدن کا لہو جیسے گردش کرتا ہوا لو دیتے اس کے حسین چہرے پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ اس کی براق، کشادہ پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ اور جو دل کی حالت تھی، وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

''میڈم! شی از دا بیسٹ آل راؤنڈر آف آور کالج۔ اکیڈمک اینڈ نان اکیڈمک، ہر قسم کی سرگرمیوں میں سب سے آگے اور سب سے شاندار پرفارمنس کا مظاہرہ کرنے والی، آور پراؤڈ، آور بیسٹ اسٹوڈنٹ، عزہ عالم!''

ان کی سائیکالوجی کی لیکچرار اناؤنس منٹ کر رہی تھیں۔ عزہ جیسے اپنی حالت پر قابو پا کر انعام وصول کرنے آگے بڑھی۔ ان کی اناؤنس منٹ نے اسے ایک بار پھر کنفیوز کر دیا۔ حالانکہ اسٹیج پر اس کی آمد پر اسی طرح کے تعریفی کلمات کہے جاتے رہتے تھے، مگر آج نہ جانے کیوں اس کا سارا اعتماد اس شاندار عورت کے سامنے مسمار ہوا جا رہا تھا۔ میڈم یاقوت نے بھی بطورِ خاص گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

''Its my pleasure to meet such a brilliat student. All the best.'' انہوں نے بے حد گرمجوشی اور محبت سے اس کے ہاتھ کو اپنے نرم گداز ہاتھوں میں لے کر بھینچا تھا۔ ان کی چمکتی آنکھوں سے کیسی روشنی نکل رہی تھی کہ عزہ ان سے نگاہ نہیں ملا پا رہی تھی۔

''تھینکس........ تھینک یُو۔ اینڈ اِٹس مائی آنر، ٹو گین یور لو اینڈ اٹینشن۔'' اس نے بمشکل اپنی کپکپاتی ٹون پر قابو پا کر لڑکھڑاتے اعتماد سے جواباً کہا تھا۔ اس کی کھنک دار آواز نے میڈم یاقوت کی ساعتوں کو چونکایا تھا۔ وہ جو اس کا ہاتھ چھوڑنے جا رہی تھیں، پھر سے گرفت میں لے کر اسے دیکھنے لگیں۔

''حسین چہرے اور غیر معمولی ذہانت ہمیشہ سے میری سے میری کمزوری رہی ہے۔ میں فنکشن کے بعد تم سے ملنا چاہوں گی۔'' وہ پُرشوق، لو دیتی نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر جما کر بڑی لگاوٹ سے بولی تھیں۔

''شیور، اِٹس مائی آنر۔'' وہ آہستگی سے ہاتھ ان کی گرفت سے نکالتے ہوئے خفیف سا سر ہلا کر بولی تو انہوں نے اپنائیت بھری ایک میٹھی نگاہ اس پر ڈال کر شیلڈ اس کی طرف بڑھائی۔ تالیوں کی گونج میں شیلڈ سینے سے لگائے وہ اُتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتی اسٹیج سے اُتر آئی۔

''اگر میں اپنے دلی جذبات کی ترجمانی الفاظ کی صورت کروں گی تو آپ لوگوں کو یہ الفاظ کلشے لگیں گے۔ مگر یہ جملہ میں ضرور کہنا چاہوں گی کہ قوس قزح کے رنگوں سے سجی اس حسین و ذہین محفل نے حقیقی معنوں میں مجھے کچھ حیران، کچھ مسرور کر دیا ہے۔ مجھے یہ سب دیکھ کر بہت اچھا محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے بچے، ہمارے فیوچر جب ایسے ویل ریپوٹیڈ اداروں سے اتنے اچھے پالشڈ اور گرومڈ ہو کر نکلیں گے تو پریکٹیکل لائف ان کے سامنے کسی بھی مشکل کو پہاڑ بنا کر پیش نہیں کر سکے گی۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوا بھی تو مائی ڈیئر سٹوڈنٹس! we are there for your help. اس شاندار تعلیمی ادارے کی باؤنڈری وال سے باہر پریکٹیکل لائف کی ہر پرابلم کو حل کرنے میں مائی چین آف گروپس پیش پیش ہے۔ ''مائیز'' کا گول زندگی کی فیلڈ میں ینگ جنریشن کو پروموٹ کرنا ہے اور ہم

اپنے اس پُرخلوص مقصد میں تب ہی کامیاب ہوں گے، جب آپ ہمیں اپنی توجہ کے لائق جانیں گے اور ہم ہر لمحہ آپ کے سا زندگی کا ریفائنڈ وژن پیش کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ آخر میں ایک بار پھر میں کہنا چاہوں گی اور جملہ گھسا پٹا جملہ نہیں بلکہ مجھے ا اتنے حسین چہروں اور چمکتی دمکتی ذہانتوں کے درمیان آ کر اپنا آپ بے حد معمولی اور کمتر سا لگ رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ چمکتی ریاضتیں عملی زندگی سے بھی اپنا لوہا منوائیں اور ان کی چمک کو زمانے کے نشیب و فراز ماند نہ کر سکیں، شکریہ۔ آپ سب کی محبتا شکریہ۔"

میڈم یاقوت کے اس چھوٹے سے خطاب کے جواب میں اسٹوڈنٹس نے بھرپور تالیوں کی گونج سے اپنی محبت کا اظہار کر "وہ ان سے ملنے پر کیا بات کرے گی؟ پتہ نہیں، کر بھی پائے گی کہ نہیں۔ آخر وہ ان کی موجودگی میں اتنی نروس ہے؟ حالانکہ شی اِز اے ناٹس اینڈ لِونگ لیڈ۔ پھر میری ایسی حالت کیوں ہو رہی ہے؟ ان سے ملاقات کی خواہش تو عر میں تھی، پھر یہ سب کیوں؟"

وہ شیلڈ سینے سے لگائے بے دھیانی سے اسٹیج پر تقریر کرتی میڈم یاقوت کے دلکش سراپے کو یک ٹک دیکھتی خود سے ا اس بات سے بالکل بے خبر کہ وہ مسلسل کسی کی نگاہوں کے حصار میں ہے۔

"خیر، جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ دو چار باتیں کر لوں گی۔ ان کے سوالوں کے جواب دے لوں گی۔ کون سا مجھے کھ مجھے خود کو کمپوز رکھنا چاہیے، اتنی ایکسائٹ منٹ بھی اچھی نہیں ہوتی۔ ریلیکس۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے دہکتے گا ہوئے خود کو ریلیکس کرنے لگی اور تھوڑی دیر میں خود کو پہلے کی طرح نارمل کر چکی تھی۔ کانفیڈنٹ اور انرجیٹک عزہ عالم۔

اور پتہ نہیں، یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ کم نصیبی، میڈم یاقوت کو ریسیپشن میں شرکت کئے بغیر اچانک آ جانے وا باعث فوراً جانا پڑا۔ جہاں کالج کی انتظامیہ کو ان کے جلدی جانے کا قلق تھا، وہیں وہ خود بھی معذرت خواہ تھیں اور عزہ حالت ہی عجیب ہو رہی تھی۔ وہ انہیں ہال سے جاتے دیکھ کر خود بھی چپکے سے باہر نکل آئی۔ یہ ادھوری سی ملاقات اسے کچھ کر گئی تھی۔

"آخر ایسی کیا بات ہے ان میں؟ میرا کیا ریلیشن ہے ان سے کہ میں ان کے اس طرح جانے کو فیل کر رہی انسپائرڈ ہوں ان کی زبردست پرسنالٹی سے اینڈ تھنگ ایلس۔" وہ ایک بار پھر خود سے اُلجھتی آہستہ آہستہ چلتی گیٹ کی ط تھی۔

"ہیلو پریٹی گرل! کین آئی ڈراپ یُو؟" اسے اپنی گاڑی گیٹ سے باہر کھڑی نظر آ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ گاڑ بڑھتی، پیچھے سے آتی بلیک پراڈو کی کھڑکی کا شیشہ ذرا سا سرکا اور میڈم یاقوت اپنے سُریلے لہجے اور محبت لٹاتی نگاہوں چہرے پر فوکس کرتے ہوئے بولیں۔

"اوہ، آپ.......؟" وہ اچھا خاصا چونکی تھی۔ "نو تھینکس۔ میری گاڑی آ چکی ہے۔" وہ مسکرا کر پُراعتماد لہجے میں بولی

"اوکے، یہ دل خوش گماں ہے بہت۔" وہ جھنکار جیسی ہنسی، لبوں سے چھلکا کر بولیں۔ "سوچا تھا، کچھ سفر ایک حسین کمپنی میں گزر جائے گا۔ شاید قدرت کو ہماری اس معصوم خواہش کی تکمیل ابھی منظور نہیں۔ اوکے، پھر ملیں گے۔ بائے!" انہوں نے ایک بھرپور مسکراتی نگاہ اس کے چہرے پر لٹائی اور سیاہ موٹا شیشہ سرکتا ہوا کھڑکی کے چوکھٹے میں فٹ ہو رینگتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"کیا یہ بھی میرے لئے اتنی ہی اٹریکشن فیل کر رہی ہیں، جتنی میں؟" وہ وہیں کھڑی سوچنے لگی۔ پیچھے سے گروپ اونچے اونچے قہقہے لگاتا باہر نکلا تو وہ اپنے خیال سے چونکی اور تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ سعدیہ او طرف آ رہی تھیں اور اس کا اس وقت کسی سے بات کرنے کا موڈ نہیں تھا۔

✲✲......✲✲
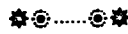
"آپ کہیں جا رہے ہیں؟" سارہ عالم کمرے میں داخل ہوئی تو محمود عالم کو تیاری کے آخری مرحلے میں، خود پر پر کہیں جانے کے لئے تیار پا کر چونکی تھی۔

"ہوں!" چونکے تو وہ بھی تھے، مگر اس کی آمد پر۔ "وہ سی ایم صاحب نے سارے پروینس سے سیشن ججوں اور سینئر میں عشائیہ دیا ہے، اسی میں جا رہا ہوں۔" انہوں نے شیشے کے سامنے خود کو دیکھتے ہوئے اپنا آخری جائزہ لیا اور سیاہ ناٹ ذرا سی ٹائٹ کی۔

"مجھے تو آپ نے بتایا نہیں۔ کیا مجھے نہیں ساتھ لے کر جائیں گے؟" وہ چار قدم آگے بڑھ کر قدرے حیران سے۔ اور ان کے سیاہ کوٹ کے کالر میں لگی منہ بند گلاب کی ننھی سی کلی کو چھوتے ہوئے نہایت استحقاق سے انہیں دیکھنے لگی۔

"تم........تم........کیا کرو گی وہاں جا کر؟" وہ ایک دم سے اڈ آنے والی ناگواری کو چھپاتے ہوئے ذرا سا پیچھے ہٹ کر بولے۔

"جو آپ کریں گے۔" وہ تھوڑا اور قریب ہوئی۔

"بھئی ہمارا تو یہ پروفیشنل ڈنر ہے۔ آپ جا کر بور ہوں گی۔"

"آپ کے ساتھ تو میں جہنم میں جا کر بھی بور نہیں ہو سکتی۔" اب وہ ان کی سلکی ٹائی پر انگلیاں سرسرا رہی تھی۔ "دوسرے لوگ بھی تو اپنی بیویوں کو لے کر آئیں گے نا۔ مجھے صرف پانچ منٹ دیں، میں ابھی تیار ہو جاتی ہوں۔"

"سوری، میں پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہوں۔ تمہیں نیکسٹ ٹائم لے جاؤں گا۔" انہوں نے آخری بار بالوں میں برش کیا اور عجلت بھرے انداز میں باہر کی طرف لپکے۔

"اصل میں آپ مجھے لے کر جانا ہی نہیں چاہتے، اسی لئے تو آپ نے مجھے پہلے سے بتایا نہیں۔ یہی بات ہے نا؟" وہ غراہٹ بھرے لہجے میں ان کے قریب آ کر بولی۔

"حد ہے بدگمانی کی بھی۔" وہ منہ میں بڑبڑائے۔

"میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ یہی بات ہے نا؟" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"چلو یہی سمجھ لو۔" وہ جان چھڑانے کے سے انداز میں بولے۔

"کیوں؟" وہ تیز آواز میں بولی۔ "کیا میں تمہاری جائز بیوی نہیں؟"

"اوہ شٹ اپ سارہ!........یہ میں نے کب کہا؟" وہ جھلا کر بولے۔

"تو پھر یہ گریز کیوں؟ آپ ہر جگہ میرے ساتھ کو avoid کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کتنی نفرت ہے آپ کو مجھ سے، آج کھل کر بتا دیں۔" وہ ان کا بازو زور سے پکڑ کر ہذیانی انداز میں بولی۔

"اوہ ربش، مجھے دیر ہو رہی ہے۔ یہ فضول باتیں میرے آنے کے بعد کر لینا، میں سن لوں گا۔" وہ فراخ پیشانی پر بل ڈال کر بولے۔

"پھر بھی آپ کے پاس کم از کم میرے لئے ٹائم نہیں ہوگا۔ مجھے صرف اس گریز کی وجہ بتا دیں۔" وہ چبا چبا کر انہیں تیز نظروں سے دیکھ کر بولی۔

"سارہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں واقعی تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ بلیو می میرا یقین کرو۔ ورنہ میں تمہیں ضرور ساتھ لے کر جاتا۔ پہلے بھی تو........"

"جھوٹ........جھوٹ بولتے ہو تم........تمہیں تو مجھے اپنے ساتھ لے جاتے شرم آتی ہے۔ بدشکل ہوں، لولی لنگڑی ہوں، کالی کلوٹی ہوں یا بے ہنگم گوشت کا پہاڑ ہے میرا بدن، جسے ساتھ لے کر چلتے تمہیں لوگوں کی ہنسی کا خوف آتا ہے؟ کیا ہوں میں تمہاری نظر میں؟" وہ چلا کر بولی۔

"سارہ! آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔" وہ دانت بھینچ کر اُمڈتے ہوئے طیش کو دبا کر بولے۔

"مجھے ساتھ کیوں نہیں لے جا رہے، مجھے صرف اس سوال کا جواب دے دو۔" وہ ضدی لہجے میں ان کا بازو مضبوطی سے تھام کر بولی۔

"تم........تم پاگل ہو گئی ہو۔ کہہ جو رہا ہوں۔ پھر دہی........"

"پھر نہیں، ابھی........ابھی اسی وقت چلوں گی میں۔"

"تم........تم کیا ہو؟" وہ وحشت بھرے انداز میں بے بس ہو کر بولے۔

"پاگل دیوانی ہوں، یہی تم مجھے قرار دے کر ساتھ نہیں لے جاتے کہ سارہ بیمار ہے۔ ہے نا؟" وہ غرا کر بولی۔

"یہ........یہ تمہارا پاگل پن ہے، جو سب کے بیچ مجھے شرمندہ کرتا ہے۔ تم ایسی جگہوں پر میری وائف، میری پارٹنر بن کر تھوڑی جاتی ہو؟ تم تو میری جاسوس بن کر جاتی ہو۔ تمہارا ہر انداز، سب کے سامنے اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ تمہیں مجھ پر شک ہے اور اسی شک کی تلاش میں تم میرے ساتھ آئی ہو۔ سنا تم نے؟" وہ بھی غصے میں آ کر بھڑک چکے تھے، پھر بھی آواز دبا کر بولے۔

"آ گئی نا، دل کی بات زبان پر۔ اسی لئے........اسی لئے تم مجھے ساتھ نہیں لے جانا چاہ رہے تھے۔ اسی لئے۔" وہ زور سے چلا کر بولی۔

"چلاؤ مت۔ ہر گھڑی کوئی نہ کوئی تماشہ کھڑا کئے رکھتی ہو۔ تم دن بہ دن میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہو، علاج کراؤ اپنا۔" وہ تنفر بھرے لہجے میں کہتے ہوئے زور سے اپنا بازو چھڑا کر راہ میں آئی ہر چیز کو ٹھوکر مارتے باہر نکل گئے تو سارہ عالم کا بے

اختیار جی چاہا کہ کوئی بھاری چیز اٹھا کر محمود عالم کے سر پر دے مارے۔ یا اس سارے سجے سجائے گھر کو پیٹرول چھڑک کر آگ
یا...... یا کسی تیز دھار آلے سے اپنی شہ رگ کاٹ ڈالے۔
''فریبی، جھوٹا، دغاباز، مکار، دوغلا، بہروپیا۔'' وہ فون پر کوئی نمبر ملاتے ہوئے مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ دوسری طرف
کرتے ہی بہ دقت اس نے گالیوں پر قابو پایا۔ رسمی سلام دعا اس نے بہت مشکل سے کی تھی۔
''بیگم غازی! آپ نہیں گئیں، سی ایم کے ڈنر میں ارشاد بھائی کے ساتھ؟'' وہ اپنے مطلب کی بات پر جلد ہی آ گئیں۔
''سی ایم کے ڈنر میں؟...... نہیں، انہوں نے تو آج ایسا کوئی ڈنر نہیں دیا۔ غازی صاحب تو اپنے دوستوں کے
اسٹڈی میں بیٹھے ہیں۔ اگر ڈنر ہوتا تو وہ ضرور جاتے اور مجھے بھی ساتھ لے کر جاتے۔ آپ کو تو معلوم ہے، وہ میرے بغ
پارٹی میں نہیں جا......''

سارہ نے وحشت کے عالم میں کریڈل دبا کر فون پٹخ دیا۔ اس کی سانسیں بری طرح سے بے ہنگم ہو رہی تھیں۔
اس نے زور زور سے سانسیں سینے سے کھینچتے ہوئے کھڑکیوں کے پردے ہٹائے اور کانپتے ہوئے کھڑکی کھولنے لگ
کھڑکی کھول کر وہ اسی کی چوکھٹ پر سر رکھ کر اپنی سانس متوازن کرنے کی کوشش کرنے لگی، مگر باہر کی فضا میں زور زور سے
کھینچنے کے باوجود اسے سانس کھل کر نہیں آ رہا تھا اور اس کوشش میں اب اس کی آنکھیں جیسے پھٹی جا رہی تھیں اور سینہ ناقابلِ
بوجھ سے دبا جا رہا تھا۔

اسی وقت عزہ، شیلڈ ہاتھ میں لئے مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔
''ماما! دیکھیں، آپ کی بیٹی فرسٹ پرائز ون کر کے آئی ہے۔ اور آپ کو ایک مزے کی بات...... ماما! آر یو اوکے؟''
پر جھکے اس کے وجود کو زور زور سے اوپر نیچے ہلتا دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس نے شیلڈ بیڈ پر پھینکی اور ماں کی طرف لپکی۔
''عزہ!...... عزہ!...... میں گئی۔'' وہ سینے اور گردن کو زور سے بھینچتے ہوئے شدید تکلیف کی کیفیت میں بمشکل بولی تھی۔
''او مائی گاڈ! آپ کی طبیعت پھر خراب ہو گئی۔ آپ کا انہیلر کہاں ہے؟...... ڈاکٹر کو فون کروں۔'' وہ انہیں کھینچ کر بڑ
اور تیزی سے سائیڈ ٹیبل کی درازیں کھول کر دیکھنے لگی۔
''آں...... آں...... او...... ہو......'' سارہ کے حلق سے اب عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔
''یہ...... یہ مل گیا...... مام! منہ ذرا سا ادھر......'' وہ سارہ کی بیڈ کراؤن پر لڑھکی ہوئی گردن سیدھی کرتے ہو
کے منہ سے لگاتے ہوئے بولی۔ وہ اکیلی، ماں کے بکھرتے وجود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ اور ارد گرد کوئی ملازم بھی نظر
جسے آواز دے کر مدد کے لئے بلاتی۔ سارہ کا رنگ پیلا زرد ہو رہا تھا۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ عزہ ن
تھام کر سیدھا کیا۔
''ماما! اندر کی طرف سانس کھینچیں۔ زور سے پلیز۔ کوشش تو کریں۔'' وہ انہیلر ان کے منہ میں دباتے ہوئے دوسر
اس کے بے قابو ہوتے جسم کو تھامتے ہوئے بولی تو سارہ نے بہ دقت سانس اندر کی طرف کھینچی۔
''زور سے۔'' عزہ نے دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن سہلا کر کہا تو سارہ نے اپنے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر
لیں تو جیسے اس کے اندر کہیں گہرائی میں ڈوبتی سانسیں اُبھرنے لگیں۔ سانسوں کی کشادگی نے اس کے بکھرتے وجود کو سن
''اور لیں تھوڑا سا۔'' وہ سارہ کے پُرسکون ہوتے چہرے کو دیکھ کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔
تھوڑی دیر میں سارہ کی سانسیں اور حالت دونوں سنبھل چکی تھیں۔ مگر اس کا سارا وجود جیسے نڈھال سا ہو کر بیڈ پر گر
نے اس کے سر کے پیچھے دو تین تکیے اور کشن رکھ دیئے تو اس نے آہستگی سے آنکھیں موند لیں۔ عزہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہ
غنودگی میں جاتے دیکھ کر اس نے آہستگی سے شیلڈ اٹھائی اور سست قدموں سے باہر نکل گئی۔

✿✿......✿✿

''تو یہ آپ کا حتمی فیصلہ ہے کہ آپ، جہانگیر ہمدانی سے آبگینے کا نکاح کر رہے ہیں، وہ بھی اسی ہفتے۔ کیا آپ نے
پوچھ لیا ہے؟'' اسامہ، آغا فیاض کا فیصلہ سننے کے بعد انتہائی مضطرب لہجے میں پوچھنے لگا۔
''یہ میرا حتمی اور آخری فیصلہ ہے کہ آبگینے جیسی بچکانہ ذہنیت کی مالک لڑکی کے لئے جہانگیر جیسے میچور اور سمجھدار
نہایت سوٹ ایبل ہوتے ہیں بلکہ ناگزیر بھی۔ تم خود ساری معلومات کروا چکے ہو اور ہر طرح سے مطمئن بھی۔ اس کا
سائونڈ بزنس ہے۔ پاکستان اور سعودیہ میں بھی پراپرٹی ہے اور ادھر لندن میں بھی۔ اس کے علاوہ جہانگیر ایک شریف اور پڑھا
لکھا، قابل انسان ہے اور اس نے ابھی تک شادی بھی نہیں کی۔''
''آغا جان! کسی کو پرکھنے کے لئے اتنی دور بیٹھے محض زبانی معلومات لے لینا کافی نہیں ہوتا۔'' وہ ان کی بات کا

بڑے لہجے میں بولا۔

"صرف معلومات نہیں اسامہ! وہ شخص کہیں دور نہیں، ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ تم بھول رہے ہو۔" وہ اطمینان سے بولے۔

"صرف موجود، اس کا ماضی، اس کا حال؟ کیا جانتے ہیں آپ اس کے بارے میں؟"

"اسامہ! میں نے تمہیں یہاں بحث کرنے کے لئے نہیں بلایا۔ میں اس شخص کے باپ کو اور اس کے خاندان کو بچپن سے جانتا ہوں۔ بہت اچھے، نیک، شریف لوگ تھے۔ اور اس کا باپ ایک محبت کرنے والا، ہمدرد، دوسروں کا خیر خواہ۔ تم ملے ہوتے اس سے تو میری ان باتوں کی ضرور تائید کرتے۔ ان دو تین ملاقاتوں میں جہانگیر مجھے ہو بہو اپنے باپ کی فوٹو کاپی لگا ہے۔ شکل وصورت تو اس نے باپ سے چرائی ہی ہے، اس کی ساری عادتیں بھی اپنے باپ جیسی ہیں۔ محنتی، شریف، تم کو اور دوسروں کا احترام کرنے والا۔ میرا دل اس کی طرف سے مطمئن ہے۔ پھر یہ حیلے بہانے کیوں؟ دل کے اطمینان سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ میں کتنے مہینوں سے آبگینے کے لئے کسی اچھے اور مناسب رشتے کی تلاش میں تھا، بلکہ بے حد بے چین تھا۔ تم سب جانتے بوجھتے انجان بنو تو الگ بات ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر شکوہ بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"اور میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں جو اس نے مجھے جہانگیر سے ملوا دیا۔ یہ ٹھیک وہی شخص ہے، جس کی مجھے تلاش تھی۔" وہ بہت پُر اعتماد لہجے میں کہہ رہے تھے۔ وہ جتنے مطمئن نظر آرہے تھے، اسامہ کو اتنی ہی زیادہ بے چینی گھیر رہی تھی۔ اسے یہ معاملہ اتنی جلدی طے کرنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"آبگینے...... آبگینے مان جائے گی؟"

"اسے ماننا پڑے گا۔" وہ ضدی سے لہجے میں بولے۔

"آغا جان! گریجویشن کا معاملہ اور تھا، اسے خود بھی پڑھنے کا اتنا شوق نہیں تھا۔ وہ آپ کی ضد بلا چوں وچرا مان گئی۔ اور آبگینے کی اس بچکانہ حرکت کی بات بھی اور تھی، جس کی وجہ سے آپ نے اسے کالج سے اٹھا کر گھر بٹھا لیا۔ مارشل کسی بھی طرح اس کے لائق نہیں تھا، مگر یہ اس کی تمام زندگی کا معاملہ ہے۔ آپ کو اسے اور خود کو کچھ وقت دینا چاہئے۔ آپ جہانگیر صاحب سے تین چار ماہ کا ٹائم لے لیں۔ اس دوران بہت کچھ سوچا......"

"میرا دماغ نہیں خراب جو گھر آئی نعمت کو ٹھوکر مار دوں، اور آبگینے کا مارشل کے ساتھ کوئی بچکانہ حرکت نہیں تھی۔ اس کی حماقت اور ایک بھیانک غلطی تھی۔ اگر مجھے بروقت علم نہ ہو جاتا تو نہ جانے بات کہاں تک جا پہنچتی۔ اور اس کے بعد یہ چھ ماہ جیسے میں نے گزارے ہیں، وہ میرا دل جانتا ہے۔ وہ تو خدا کو مجھ بڈھے کی حالت پر رحم آ گیا تو جہانگیر مجھے سر راہ ٹکرا گیا، ورنہ تو انسان بھی تقدیر سے کم بے رحم نہیں ہوتے۔" وہ ایک بار پھر جتا کر بولے۔

"آغا جان! پلیز۔" وہ عاجز آ کر بولا تو وہ چپ کر گئے۔

"جہانگیر آج ڈنر پر آ رہا ہے۔ وہ ادھر ایک ہفتے کے لئے ہے اور آج مجھے اس سے فائنل ڈے اینڈ ٹائم طے کرنا ہے۔"

"آپ پروپوزل اس کے سامنے پیش کر کے معاملہ طے بھی کر چکے ہیں؟" وہ کچھ حیران سا ہوا۔

"اور میں اتنی دیر سے تم سے کیا کہے جا رہا ہوں؟ تمہارا دھیان ہے کدھر؟" وہ چڑ کر بولے۔ "سب کچھ طے ہو چکا ہے۔"

"اور...... آبگینے......؟"

"آبگینے...... آبگینے...... تمہاری سوئی یہیں پر اٹکی ہوئی ہے۔ اتنی فکر ہے آبگینے کی تو اتنے عرصے میں تم نے کیا ہاتھ پاؤں مارے؟ اچھا، اب اس بات کو ختم کرو اور میرے ساتھ چند ضروری معاملات پر بات کر لو۔" وہ اپنی گرم شال کندھوں کے گرد لپیٹتے ہوئے سیدھے ہو بیٹھے۔

"یہ اپارٹمنٹ میں آبگینے کے نام کر رہا ہوں اور اس کی مالیت کے برابر رقم تمہارے اکاؤنٹ میں تمہارے لئے ٹرانسفر کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ آبگینے کے اکاؤنٹ میں موجود رقم کے ساتھ میں چند ہزار پاؤنڈز اور جمع کروا رہا ہوں۔ کیونکہ جہانگیر نے روایتی جہیز سے منع کر دیا ہے۔ بس شادی کا جوڑا اور چند ملبوسات لینے ہوں گے۔ تھوڑے بہت زیورات جو آبگینے کی ماں کے موجود ہیں، ان کو جدید فیشن کے زیورات میں تبدیل کروا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تم آبگینے سے بات کر لو، جو اسے مزید چاہئے ہو۔" وہ سب کچھ طے کئے بیٹھے تھے۔ اسے محض اطلاعات فراہم کر رہے تھے۔

"مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ آپ یہ سب آبگینے کو گفٹ کر دیں۔ میں خود تو اسے کچھ دے نہیں پاؤں گا۔" وہ دھیمے سے شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

"تم دونوں میرے لئے برابر ہو۔ اور میں کسی کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں کرنا چاہتا۔" وہ نفی میں سر ہلا کر بولے۔

''آغا جان! آپ نے یہ اپارٹمنٹ آبگینے کے نام کر دیا ہے تو آگے........ میرا مطلب ہے........''
''میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔'' وہ اپنے سفید بالوں والے سر کو ہلا کر بولے۔ اسامہ انہیں دیکھنے لگا۔ وہ کچھ ر
تھے۔
''تم نے آگے کیا سوچا ہے؟'' وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولے۔
''اگر کوئی اچھی جاب مل جائے اور مجھے امید ہے، رزلٹ آنے پر کوئی نہ کوئی اچھی جاب مل جائے گی۔''
''تو تم ادھر ہی رہنا چاہتے ہو۔'' وہ گہرا سانس لے کر اسے دیکھتے ہوئے بولے تو وہ انہیں ناسمجھی سے دیکھنے لگا۔ پھر
دماغ میں فلیش سا ہوا۔
''آپ یہاں نہیں رہنا چاہتے۔ کہیں اور جائیں گے کیا؟'' وہ اٹک اٹک کر بولا۔
''ہوں۔'' وہ کسی نادیدہ نقطے کو تکتے ہوئے بولے۔
''کہاں؟'' وہ بے چینی سے بولا۔
''تم میرے ساتھ جاؤ گے؟ ویسے میرا خیال ہے، ضرور جاؤ گے۔'' وہ مسکرائے تو وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔
''پاکستان۔'' ان کے کہنے پر وہ بری طرح سے چونکا تھا۔
''ویسے کیا عجیب بات ہے، انسان تمام عمر اچھی زندگی کی آسائشات کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اپنے گھر، اپنے
اپنا وطن سب کچھ چھوڑ جاتا ہے۔ اور جب جوانی کا چمکیلا سورج ڈھلتے ہوئے سرخی سے سیاہی میں بدلنے لگتا ہے تو ا
ہوئے بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے لگتا ہے۔ میرا اگر چہ اب وہاں کوئی نہیں۔ نہ منتظر، نہ مشتاق۔ اس کے باوجود میرا دل ہمک
کی آغوش میں دفن ہونا چاہتا ہے، جہاں اس امنگوں بھرے دل نے زندگی کی پہلی رمق پائی تھی۔ ہے نا عجیب سی بات
کھوئے سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔
''اور اسامہ! ہم سب ماضی پرست لوگ ہیں۔ ہمارا ماضی کتنا ہی تاریک اور بھیانک کیوں نہ ہو اور حال کتنا ہی
صورت کیوں نہ ہو، ہمیں اپنے ماضی کے سامنے کمتر ہی لگتا ہے۔ اور آج کل میرا دل، دماغ اسی نوسٹلجیا کی گرفت میں آ
چاہتا ہے، سب زنجیریں توڑ کر ان گلیوں کی خاک میں جا سماؤں۔ یہ میرے محسوسات ہیں، پتہ نہیں تم متفق ہو کہ نہیں۔''
سانس لے کر ہلکا سا ہنسے۔
''آغا جان! ایک بات کہوں؟'' اس نے پتہ نہیں ان کی باتیں سنی بھی تھیں یا نہیں۔ انہیں اس کے انداز سے ایسا
پاکستان جا رہے ہیں، نہ جانا چاہتے ہیں؟'' وہ اس کے چپ ہو جانے پر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔
''تو آپ آبگینے کا رشتہ وہیں جا کر کر دیں۔ وہاں تو آپ کو ایک سے ایک اچھا، قابل بھروسہ رشتہ مل سکتا ہے۔''
''جہانگیر ہمدانی میرے لئے بہت قابلِ بھروسہ ہے اور میں اسے زبان دے چکا ہوں۔ بے شک اس تیز رفتار
تہذیب کے اثرات نے ہم سے بہت کچھ چھین لیا ہے۔ ہمارے سارے قیمتی اور سنہری اصول۔ اس کے باوجود اصولوں
ہوتی عمارت کی کچھ اینٹیں ابھی بھی مضبوطی سے اپنی جگہ جمی ہیں۔ میں اپنی زبان، اپنے وعدے سے نہیں پھروں گا۔ تم جا
جائزہ لو۔ جہانگیر نے آٹھ بجے تک آنے کا کہا تھا اور اب سات بجنے کو ہیں۔ میں ذرا کمر سیدھی کر لوں۔''
کہتے ہوئے وہ وہیں صوفے پر نیم دراز ہو گئے اور آنکھیں بند کر لیں تو اسامہ مایوس و دل گرفتہ اٹھ کر چلا آیا۔ ا
اب آغا جان کو اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی نہیں ہٹا سکتا۔ وہ آبگینے کے کمرے کے دروازے میں ہی رک گیا۔ وہ بیڈ پر
رو رہی تھی۔
''میں اسے کیا کہوں، کیسے تسلی دوں؟ اور میری تسلی اس کے لئے کب کافی ہو گی؟'' وہ دہلیز میں کھڑا سوچتا رہا۔
''آبگینے پلیز! اس طرح مت روؤ۔'' وہ بہت ہمت کر کے اندر چلا آیا۔
''اسامہ! مجھے کوئی مشورہ، کوئی نصیحت نہیں چاہئے۔ میں بہت سارا رونا چاہتی ہوں۔ میرے اندر بہت زیادہ پانی اکٹھا
میں وہ سب آنکھوں کے رستے بہا دینا چاہتی ہوں۔ اور یہ مت سمجھنا، میں یہ آنسو اپنی اس بے چارگی حالت پر بہا رہی ہوں
بھی نہیں معلوم، مگر میں رونا چاہتی ہوں۔ پلیز، تم چلے جاؤ یہاں سے۔ شاید یہ آنسو مجھے پُرسکون کر جائیں۔ تم جاؤ یہاں
اکیلا چھوڑ دو پلیز۔'' وہ سرخ آنکھیں، متورم چہرہ لئے روتے ہوئے بولی تو وہ ایک گہرا سانس لے کر خاموشی سے باہر آ گیا۔
''آغا جان بالکل ٹھیک نہیں کر رہے، میرا دل کہہ رہا ہے۔'' اس نے آخری بار بے بسی سے سوچا اور بیرونی دروازہ کھول
گیا۔

✿✿✿

"وہاں پہنچتے ہی اپنی خیریت کی اطلاع فوراً کرنا۔ اوّل تو کاکا بشیر کا بیٹا تمہیں لینے آئے گا ایئرپورٹ۔ اگر نہ بھی آئے تو بھی ایڈریس تمہارے پاس موجود ہے۔ بلکہ اب تو زبانی یاد ہو چکا ہوگا۔ اور اپنے جن قریبی احباب اور جاننے والوں کے کانٹیکٹ نمبرز میں نے تمہیں دیئے ہیں، انہیں احتیاط سے......."

"پلیز بابا! آپ یہ مان کیوں نہیں لیتے کہ میں اب اتنا بڑا ہو چکا ہوں کہ ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک اکیلا، بالکل سیف اینڈ ساؤنڈ جا سکتا ہوں۔" وہ زچ آ کر بولا تھا۔

"میری جان! میں تو مانتا ہوں، بلکہ ان کھلی آنکھوں سے تمہارے ماشاء اللہ اتنے اونچے لمبے وجود کو تسلیم بھی کرتا ہوں۔ میں تو تمہاری ماما کے جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا، جو مسلسل رونے کے باعث اپنے ڈائیلاگ دہرانے سے قاصر ہیں۔" مصطفیٰ صاحب نے ڈاکٹر رخشندہ کے روئے روئے چہرے کو دیکھ کر شرارت سے کہا مگر وہ مسکرا بھی نہ سکیں۔

"ماما! پاپا آپ کو غالباً ہنسانا چاہ رہے ہیں۔" دائم نے رخشندہ کا کندھا ہلا کر شرارتاً کہا۔

"آج بیس تاریخ ہے، دو ماہ بعد یعنی اگلے سے اگلے ماہ کی بیس تاریخ تک تم واپس نہ آئے تو......." وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے سوں سوں کرتی ناک ٹشو سے رگڑتے ہوئے بولیں۔

"تو......؟" وہ دونوں ہمہ تن گوش ہو کر بولے۔ ڈیپارچر لاؤنج کی تیز روشنیوں میں ان دونوں کی آنکھوں سے جھانکتی شرارت بخوبی پڑھی جا سکتی تھی۔

"تو میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔" وہ تیزی سے بولیں۔

"رئیلی......؟" وہ ایک دم سے خوش ہو کر بولا۔ "پھر تو ماما! میری زیادہ سے زیادہ کوشش ہوگی کہ مجھے دو ماہ سے زائد ہی لگ جائیں۔"

"دائم! تم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہو مجھ سے کہ صرف ایک ماہ یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ماہ۔ اگر تم بھول نہیں رہے تو۔" انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

"توبہ ہے ماما! یہ وعدے یہ وعدے لئے جا رہی ہیں۔ جانتی ہیں، ایفائے عہد نہ کرنے والا میری نظروں میں کتنا بڑا کمینہ ہے۔ اور میں چاہوں بھی تو اتنا بڑا کمینہ نہیں بن سکتا۔ ہاں، چھوٹے درجے کا کمینہ بننے کی کوشش ضرور کروں گا۔ آئی مین، اگر دو چار دن آگے پیچھے ہو جائیں تو۔" وہ ماں کے چہرے پر اُمڈتا غصہ دیکھ کر نچلا ہونٹ منہ میں دبا گیا۔

"آپ......آپ دیکھ رہے ہیں اسے؟ اس کی نیت میں تو ابھی سے فتور ہے۔ میں کہتی ہوں، آپ اسے روک کیوں نہیں لیتے؟ اگر جانا اتنا ہی ضروری ہے تو ہم سب اکٹھے چند دنوں کے لئے چلے جاتے ہیں۔" وہ روہانسی ہو کر بولیں۔

"حوصلہ کرو ڈاکٹر صاحبہ!.......حوصلہ۔ بھئی اب تک تو مجھے پتہ تھا، یہ ڈاکٹر لوگ بڑے بہادر ہوتے ہیں۔ سامنے لیٹے شخص کا دل، کلیجہ، گردے اکھاڑ پچھاڑ کر بھی ان کی نہ تو آنکھیں نم ہوتی ہیں، نہ دل مغموم۔ آپ کیسی کمزور دل ڈاکٹر ہیں بھئی؟" مصطفیٰ صاحب پھر سے انہیں چھیڑنے لگے۔ اسی وقت دائم کے موبائل پر وائبریشن ہوئی۔ اس نے اسکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھا اور ماں کو اُلجھا چھوڑ کر ذرا پرے ہو گیا۔ ڈیپارچر لاؤنج میں اس وقت اچھا خاصا رش تھا۔ فلائٹ روانہ ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں تھی۔

"ہیلو یار! تم کہاں ہو؟ پہلے ہم گھر انتظار کرتے رہے کہ تم آ جاؤ تو مل کر نکلتے ہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ تم ایئرپورٹ نہ پہنچ گئے ہو۔ مگر حضرت یہاں بھی ندارد۔ آخر ایسی کون سی خطا ہو گئی، بندہ خطا کار سے کہ جناب نے الوداعی ملاقات کرنے سے بھی اجتناب کیا؟" دائم تو فون کان سے لگاتے ہی شروع ہو گیا اور اس کا غصہ بجا بھی تھا۔ اسے اسامہ سے اس بات کی امید نہیں تھی کہ وہ اس سے ملنے نہیں آئے گا۔ حالانکہ پرسوں شام جب وہ گھر اس سے مل کر گیا تھا تو کہہ گیا تھا کہ دائم کی روانگی سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پہنچ جائے گا۔

"سوری یار! آئی ایم رئیلی سوری۔ مجھے خود اس بات کا بے حد افسوس ہے کہ میں جاتے ہوئے تم سے مل نہیں سکا۔ حالانکہ میرا پکا ارادہ تھا، میں تم سے کہہ کر بھی گیا تھا۔ بس کچھ مجبوری ہو گئی، جس کی وجہ سے آ نہیں سکا۔" اسامہ نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"ایسی کون سی اتنی بڑی مجبوری تھی، جو دوستوں کی آخری ملاقات کے درمیان حائل ہو گئی؟" دائم طنز سے بولا۔

"مجبوری چھوٹی بڑی نہیں ہوتی، بس مجبوری ہوتی ہے۔ اس کو ہم ناپ تول نہیں سکتے۔ بس وہ موقع بے موقع آ کر ہمارے ضبط و برداشت کی پیمائش کرتی رہتی ہے اور اسی پیمائش کی بنیاد پر تقدیر سے ہمارے حق یا نقصان میں فیصلے صادر فرماتی ہے۔ سو نہ بندہ مجبوری کے آگے اڑ سکتا ہے، نہ تقدیر کے سامنے۔ تم سناؤ، کب ہے روانگی؟" اسامہ نے کبھی ایسے لہجے میں بات نہیں کی تھی، جیسے ایک جنگجو کو نہتا کر کے بے جگری سے لڑنے کو کہا جائے تو شاید ایسی ہی درماندگی اس کے لہجے میں در آتی ہے۔

"تم دونوں نے شاید ایکا کیا ہوا تھا کہ جاتے وقت مجھے اسی طرح پریشان اور افسردہ کر کے بھیجو گے۔ وہ لائبہ بی بی کو فون کرو تو

وہ بہانے بہانے سے رونے لگتی ہے۔تم سے کچھ امید تھی، سو وہ بھی جاتی رہی۔" دائم گلہ کرتے ہوئے بولا۔
"سوری یار! میرا ایسا ارادہ ہرگز نہیں تھا۔بس، ہو جاتا ہے کبھی کبھی۔تم دل پر مت لو، خوش خوش جاؤ اور خوش
"ہاں، ڈھیر ساری خوشیاں جو دوستوں نے میری جھولی میں بھر دی ہیں۔مجھ سے تو سنبھالی نہیں جا رہی
بولا۔
"کم آن دائم! یار تم تو بہت خوش اُمید ہو، پھر یہ اُداسی کیسی؟" وہ پھیکی سی ہنسی سے بولا۔
"وہ تو آج سے پہلے تم بھی تھے۔بائی داوے، اس مجبوری کا نام بتانا پسند کرو گے، جس کی وجہ سے تم
مبارک کے آخری دیدار سے محروم کر دیا؟"
"پرسوں آبگینے کا نکاح ہے اور ساتھ ہی رخصتی بھی۔آج سارا دن آغا جان کے ساتھ کچھ شاپنگ میں گز
معاملات تھے، میں نے بہت کوشش کی کہ ٹائم پر تمہاری طرف پہنچ سکوں اور دوسری طرف آغا جان کی خفگی کے
کوشش کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا جبکہ مجھے بہت دکھ رہے گا۔" وہ تفصیل بتا رہا تھا۔
"آبگینے کا نکاح......" دائم اٹک اٹک کر بولا۔"اتنی جلدی؟......میرا مطلب ہے، پرسوں تک تو تم
کیا تھا اور اب اچانک......کیا کوئی رشتہ دار، میرا مطلب ہے قریبی عزیزوں میں سے ہے لڑکا جو اتنی ایمر جنسی
ہے؟"
"ایسی کوئی بات نہیں۔بس آغا جان نے اسے قریبی عزیزوں میں شامل کرنے کی ٹھان لی ہے۔ان کے کہ
اس کا لہجہ ہنوز پژمردہ تھا۔
"پھر تو اچھی ایج کا ہوگا۔" دائم فوراً اندازہ لگا کر بولا۔
"درست سمجھے۔یہی تو میں، آغا جان سے سر پیٹ چکا ہوں۔مگر وہ تو اپنی بات سے ایک انچ اِدھر اُدھر
چھوڑو، اب تو سب معاملات فائنل ہو چکے۔تم وہاں پہنچ کر فون تو کرو گے نا؟"
"جتنے اچھے طریقے سے تم نے مجھے سی آف کیا ہے، میں بھی جا کر سوچوں گا کہ اسامہ صاحب کو فون کیا جا
"یا کسی مجبوری کا بہانہ گھڑ لیا جائے۔ہے نا؟" اسامہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔"شیم آن یو، دائم مصطفیٰ
بات بتا دی، پھر بھی تم طنز کر رہے ہو۔وہ دوست ہی کیا جو دوست کی مجبوری کو اس کا بہانہ جانے۔" وہ ایک دم
"سوری یار! میں کوئی طنز نہیں کر رہا تھا۔بس تم سے ملنے کو بہت دل کر رہا تھا نا، اس لئے شاید اپنی فیلنگز
ڈھیلے لہجے میں بولا۔
"اچھا سنو، ایک اہم بات۔" اسامہ کچھ یاد آنے پر پُرجوش لہجے میں بولا۔
"اب کیا ہے؟ اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے، جہاز روانگی کی۔جلدی بولو، ماما پاپا بلا رہے ہیں مجھے۔" دائم
کرتے دیکھ کر کہا۔لاؤنج میں موجود اس فلائٹ کے مسافر اپنا ضروری سامان اٹھا رہے تھے۔
"آغا جان کا ارادہ ہے کہ آبگینے کی شادی کے بعد وہ پاکستان چلیں گے۔" وہ جلدی سے بولا۔
"تو کیا تم بھی آؤ گے؟"
"شاید ہاں، شاید نہیں۔اصل میں مجھے پاکستان جانا تو ضروری ہے۔اگر کوئی بہت اچھی جاب مل گئی تو رُ
جاؤں، ورنہ آغا جان کے ساتھ ہی۔"
"اگر ایسا ہے تو تم مجھے ضرور بتانا۔میں تمہارا ادھر انتظار کروں گا۔وہاں کا ایڈریس وغیرہ تم گھر آ کر ماما پا
میں پہنچ کر تمہیں فون کروں گا۔اوکے، میں اب چلتا ہوں۔" وہ عجلت بھرے انداز میں کہتے ہوئے فون بند کرنے لگا۔
گھر آتے جاتے رہنا ماما، پاپا کے پاس، ان کی خیریت پتہ کرنے کے لئے۔"
"یار! یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے؟ اتنی تو تم مجھ سے امید رکھو۔" وہ شکوہ بھرے انداز میں بولا۔
"اوکے۔اور وہ لائبہ سے کوئی رابطہ ہو یا کچھ پتہ چلے تو مجھے ضرور انفارم کرنا۔اوکے، اللہ حافظ اینڈ ٹیک کیئر
ملیں گے۔"
"اللہ کی امان میں جاؤ۔ان شاء اللہ جلد ہی ملیں گے۔خدا حافظ۔" اسامہ نے بھی افسردہ لہجے میں کہہ کر فون
دائم فون بند کر کے ان دونوں کی طرف آیا، جو اب چپکے چپکے اپنی آنکھیں صاف کر رہے تھے۔پہلی بار اس
ملال جاگا کہ اسے انہیں یوں چھوڑ کر جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔دونوں کا ابھی سے اس کی جدائی کے خیال
آ گئے......

"میں بہت جلد لوٹ آؤں گا۔" اس نے دل میں ایک بار پھر خود سے عہد کیا اور ہنستے مسکراتے ان سے رخصت ہو کر جہاز کی رھیاں چڑھ گیا۔ وہ دونوں تو آنکھوں میں ڈھیر سارے جگنو لئے اس کے ہر اٹھتے قدم سے بے شمار دعائیں باندھ رہے تھے۔ جہاز ے چنگھاڑ کے ساتھ فضا میں بلند بھی ہو گیا مگر وہ دونوں وہیں کھڑے رہے۔

"میرا خیال ہے، اب چلنا چاہئے۔" مصطفیٰ صاحب نے رخشندہ کے سرد ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے آہستگی سے کہا تو وہ ، کے اشارے پر سر رکھ کر بے اختیار رونے لگیں۔

"رخشندہ ڈیئر! حوصلہ۔ وہ بہت دور نہیں گیا۔ لوٹ آئے گا چند سالوں میں۔ کیوں اس طرح بی ہیو کر رہی ہو؟" وہ ان کا سر لاتے ہوئے بولے۔

"مصطفیٰ! میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کو دیکھے بغیر۔ آپ ابھی اور اسی وقت مجھ سے ایک وعدہ کریں۔" وہ سیدھی ہو کر ٹشو ے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے بولیں۔

"ہاں، کہو۔"

"ہم بہت جلد پاکستان چلیں گے، دائم کے پاس۔ بس آپ کل ہی سے اپنا بزنس ادھر سے وائنڈ اپ کرنا شروع کریں۔ اگر ہم چند ہفتوں یا مہینوں بعد واپس آ بھی جاتا ہے تو بھی ہمیں چند سالوں بعد ہی سہی، پاکستان لوٹ کر تو جانا ہے۔ پھر ابھی کیوں یں۔" وہ ٹھوس لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"مگر پہلے تو تم جانے کا نام نہیں لینے دیتی تھیں۔" انہیں کچھ حیرت سی ہوئی۔

"اسے آپ میری بے وقوفی سمجھیں، ورنہ سچ تو یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن ہمیں لوٹ کر تو جانا ہے۔ اور میں تو ابھی سے اپنے وطن پسی کے لئے دل میں بہت کچھ محسوس کرنے لگی ہوں۔"

"دیکھ لو، کہیں میں سب بوریا بستر باندھ لوں اور تم کہو، یہ سب تو تم نے ایسے ہی کہہ تھا۔" مصطفیٰ صاحب بولے۔

"ہرگز نہیں، میں اس بات پر قائم ہوں اور آپ، دائم سے اس بات کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ ہم اسے بہت جلد سرپرائز دیں ے۔ ٹھیک ہے نا؟" چند منٹ پہلے کی افسردگی ان کے چہرے سے غائب ہو چکی تھی اور اب آنکھوں میں انوکھی سی چمک آ گئی تھی۔

"بالکل ٹھیک بیگم صاحبہ! اور اپنا گھر کسے برا لگتا ہے؟ ویسے میں نے دائم سے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ وہ جا کر میری فیکٹری کے لئے کوئی اچھی سی جگہ خرید کر کام شروع کروا دے۔"

"بہت میسنے ہیں آپ۔ اگر میں جانے کا نہ کہتی تو۔" وہ ساتھ چلتے ہوئے بولیں۔

"مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ تم دائم کے جاتے ہی مجھ سے پہلے جانے کو تیار ہو جاؤ گی۔ اتنی عمر ساتھ گزارنے کے بعد بھی اگر میں ہیں نہ سمجھوں تو کون سمجھے گا، مائی ڈیئر وائف!"

ان کے پُراعتماد لہجے نے ڈاکٹر رخشندہ کے غم سے بوجھل دل کو اندر تک سرشار کر ڈالا۔ واپسی کا سفر پہلے جتنا انہیں دشوار لگ رہا اب ایک دم سے خوشگوار ہو گیا تھا۔

❁◉......◉❁

"دیکھو، آج تمہارا پہلا دن ہے۔ جاتے ہی طرم خان نہ بن جانا کہ اوور کانفیڈنٹ ہو کر ہر کام میں ٹانگ اڑانے کی کوشش لگو اور نہ بالکل بدھو بن کر صرف حکم ملنے کا انتظار کرتے رہو۔ پہلے دن بڑی ہوشیاری سے آفس میں موجود لوگوں کا جائزہ لینا۔ اس کی نظر میں کیا مقام ہے، اس کا اندازہ لگانا۔ اور ہاں، اپنے سب ڈاکومنٹس رکھ لینا۔ اور اپائنٹمنٹ لیٹر بھی۔"

حسن مراد، صحن میں موجود تخت کے پاس کرسی بچھائے سامنے بیٹھے تنزیل مراد کو چائے پیتے ہوئے مسلسل ہدایات دیتے جا رہے وہ سعادت مندی سے سر ہلائے جا رہا تھا۔

"اب اتنا بھی احمق یا بدھو نہیں میرا بیٹا کہ تقرری کا خط ہی ساتھ لے جانا بھول جائے۔ آپ بھی حد کرتے ہیں۔" یاسمین نے سامنے ناشتے کی ٹرے لا کر رکھتے ہوئے پیار سے تنزیل کو دیکھ کر کہا۔

"ارے نوکری کا پہلا دن بڑے بڑوں کو ہونق بنا دیتا ہے۔ ایسی اوٹ پٹانگ حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں، جو اس بے چارے نے عام ں بھی خواب میں بھی نہ کرنے کا سوچا ہو۔ تم نے کبھی جاب کی ہو تو پتہ ہو۔" وہ یاسمین کی کم فہمی کو نشانہ بنا کر بولے تو سب نے لگے۔ اصل میں اس مسکراہٹ کا باعث ان کا فقرہ نہیں تھا بلکہ یہ خوب صورت پل تھے، جو اس گھر کے مکینوں اور اس کی ، نے کم ہی دیکھے تھے۔ بہت کم احسن مراد خوش دکھائی دیتے تھے۔ جب سے خاص طور پر یہ معذوری ان کے ساتھ آ لگی تھی، جو اپنے گھر میں کسی کو بھی خوش نہیں ہونے دیتا تھا۔

"اچھا امی!......اچھا ابو جی! میں اب چلتا ہوں۔ پہلا دن ہے، ٹائم پر پہنچنا چاہئے۔ وین پکڑتے پکڑتے بھی ٹائم لگ جائے

گا۔" تنزیل نے اپنی چائے ختم کر کے پیالی میز پر رکھی اور اپنی گرے کلر کی شرٹ کی طرف دیکھا، کہیں بیٹھے گئیں۔ یہ اس کا بہترین سوٹ تھا، جو پچھلے سال ثانیہ نے اسے اس کی برتھ ڈے پر گفٹ کیا تھا۔ جب اس کے تھی اور اسی دن ثانیہ کی برتھ ڈے ہونے پر وہ اسے محض ایک پین ہی دے سکا تھا۔ وہ اس سوٹ کو بہت کم پہنتا پینٹ اس کے دراز قد اور کسرتی بدن پر بہت اٹھ رہی تھی۔ یاسمین نے جی ہی جی میں اس کی نظر اتاری۔

"بیٹا! ذرا رک جاؤ، میں تمہیں دم کروں گی۔" ثریا خاتون اپنی تسبیح ادھوری چھوڑ کر بولیں۔

"افوہ دادی! اب مجھے دیر ہو رہی ہے۔ ویسے ہی پھونک ماردیں۔" وہ جلدی سے ان کے آگے جھک کر سر ہلا کر اس کے چہرے اور سینے پر پھونک ماردی۔

"اللہ نظر بد سے بچائے۔ پہلا دن ہے نوکری کا۔ اللہ ترقی دے۔ کامیابی و کامرانی دے۔ اس گھر کا روشن سے محفوظ رہو۔" ان کی دعا لمبی ہوتی جا رہی تھی۔ تنزیل نے جلدی سے فائل ہاتھ میں لی اور عجلت بھرے انداز باہر نکل گیا۔

"ماشاء اللہ، کتنا پیارا لگ رہا ہے میرا بیٹا۔ اللہ اسے اپنی امان میں رکھے۔ اور جو آپ آج اس کے لئے باہر چلے آئے تو دیکھا، اس کے چہرے پر کیسی خوشی، کیسی تمتماہٹ تھی۔ کتنا خوش ہوا وہ آپ کی توجہ پا کر۔" یا بولیں تو وہ بھی سر اٹھا کر گھر سے نکلتے تنزیل مراد کی پشت کی طرف دیکھنے لگے۔

"کیوں نہ ہو خیال۔ آخر میرا بیٹا ہے۔ میں........" وہ کہتے کہتے ایک دم سے چپ کر گئے۔ جس خیال تھی، اسی خیال نے یاسمین کو اس منظر سے نگاہیں چرا کر کچن میں جانے پر مجبور کر دیا۔

اور یہی خیال تنزیل مراد کو صبح صبح عجیب سی سرشاری سے ہمکنار کر گیا تھا۔ بہت دنوں بعد آج احسن مراد میں بات کی تھی۔ یوں اس کے لئے فکر مند دکھائی دیئے تھے اور اتنے دنوں بعد کمرے کی گوشہ نشینی چھوڑ کر انہوں میں جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے جاب ملنے کی اتنی خوشی نہیں ہو رہی تھی، جتنی طمانیت باپ کی محبت اور تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سارا راستہ سیٹی کی دھن پر کوئی نہ کوئی شوخ گانا گنگناتا رہا تھا۔ اسٹاپ پر اس کی توقع کے خاصا تھا، مگر وین کوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ ادھر کھڑا وین کا انتظار کرتا رہا۔ اب اس کا انتظار دو ویگنیں آئیں اور دونوں ناک منہ تک بھری ہوئیں۔ اس کے باوجود کتنے مسافر اس کے دروازے سے لٹک گئے لٹک جاتا اگر یہ پوائنٹ اس کے روٹ کے ہوتے۔ وہ مایوس ہو کر اسٹاپ سے آگے چل پڑا۔

"کیا مصیبت ہے؟" اس نے فائل اپنی ٹانگ پر ماری۔

ڈارک میرون شیراڈ اس کے سامنے سے گزری تھی۔ اس نے سرسری نگاہ سے دیکھا اور پلٹ کر اسٹاپ کی وقت وہ گاڑی ریورس ہو کر اس کے بالکل پاس آ کر رکی۔ جیسے ہی اسے گاڑی پا آ کر رکنے کا احساس ہوا، گاڑی کا تھا۔

"آؤ، کدھر جانا ہے تمہیں؟" بھاری بھرکم بارعب آواز پر اس نے نظروں کا زاویہ گھمایا۔ جسٹس محمود میں اتنی صبح کہاں سے آ رہے تھے، وہ کچھ ٹھیک سے اندازہ نہیں لگا سکا۔

"شکریہ، میں چلا جاؤں گا۔" وہ جھجک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"فضول کی تکرار میں اپنا اور میرا وقت برباد مت کرو۔ آؤ بیٹھو!" ان کا لہجہ اور انداز اتنا دوٹوک اور حتمی نہ کر سکا اور خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"کدھر جانا ہے تمہیں؟" چند لمحوں بعد انہوں نے اسی گمبھیر آواز میں پوچھا تو اس نے ایڈریس بتا دیا۔ کر گاڑی لیفٹ لائن میں کر دی۔

"جاب مل گئی ہے تمہیں کہیں یا ابھی تک مٹر گشتی کرتے پھر رہے ہو؟"

ان کے انداز پر اسے غصے کے بجائے ہنسی آنے لگی۔ وہ جو آتے ہوئے احسن مراد کے رویے سے خوش سے آج جان بخشی ہوگئی، وہ کسر محمود عالم صاحب نے پوری کر دی۔

"جی دونوں کے بین بین سمجھ لیں۔ آئی مین، ففٹی ففٹی۔" وہ مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو وہ اسے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔ پھر راستہ بھر دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔

مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر ڈرائیور نے از خود گاڑی روک دی تھی۔ وہ شکریہ کہہ کر اترنے لگا۔

"اگر یہ بین بین اور ففٹی ففٹی کے مشغلے سے دل بھر جائے تو میرے چیمبر چلے آنا۔ شاید تمہاری قابلیت

۔" وہ اسی تند لہجے میں بولے تو اس کا دل چاہا، اس مہربانی پر بے ساختہ قہقہہ لگائے۔
"اس مہربان سوچ کے لئے ڈبل شکریہ۔ آپ کو اپنے غریب رشتہ داروں کا کتنا خیال رہتا ہے۔ خدا حافظ۔" وہ اترتے
پنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ انہوں نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ اسی وقت پاس سے سیاہ پراڈو گزری اور اس
ہ کھلے شیشے سے انہیں ایک شناسا سی جھلک دکھائی دی۔ اس سے پہلے کہ وہ غور کرتے، ان کی گاڑی آگے بڑھ گئی۔
اس کی پہلی مڈبھیڑ ہی عائشہ بخاری کے ساتھ ہوئی، جو آفس کا گلاس ڈور دھکیل کر اندر جا رہی تھی۔
"ایکسکیوزمی مس اسنیے۔" وہ دروازے کے پاس ہی اسے روک کر بولا۔
"جی فرمایئے؟" وہ کڑے تیور لئے مڑی تھی۔
"یہ میرا اپائنٹمنٹ لیٹر ہے۔ مجھے کہاں جانا ہوگا؟" اس نے لیٹر اس کے آگے کر دیا۔
"اوہ، تو آپ ہیں تنزیل مراد؟" اس نے لیٹر پر سرسری نگاہ دوڑا کر اس کا جائزہ لے ڈالا۔
"کیا لکھا ہوا ہے؟" وہ قدرے پریشان لہجے میں پوچھنے لگا۔
"کیا مطلب؟"
"میرا مطلب ہے کہ تنزیل مراد کے سر پر سینگ ہوں گے لکھا ہوا ہے جو آپ میرا اس طرح جائزہ لے رہی ہیں؟" اس کے
سے انداز پر عائشہ نے بے اختیار اپنی ہنسی روکی۔
"اگر آپ کی زبان اسی طرح متحرک رہی تو شاید یہ لکھوانا بھی پڑ جائے نوٹس بورڈ پر۔" وہ نچلا ہونٹ دبا کر بولی تو اب کے اس کا
تنزیل نے لے ڈالا۔
"ویری گڈ!" وہ اسے ستائشی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ بلیو ٹراوزر پر اس نے وائٹ ٹاپ پہن رکھی تھی اور گلے میں جھولتا سفید

اتنا بڑا دوپٹہ اس ڈریس کے ساتھ کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا؟" اس نے خود کو یہ فقرہ بولنے سے بہ دقت روکا تھا۔
پ ذرا ٹھہریں، میں ابھی پتہ کر کے آتی ہوں۔" وہ اسے سائیڈ پر پڑے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتی بغلی دروازے سے
ں میں گھس گئی۔
ری! مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ اصل میں آپ کی اپائنٹمنٹ اس آفس میں نہیں۔ یہ ایڈریس لکھا ہے، آپ ادھر پہنچ جائیں۔ میڈم تو
لئے نکل بھی چکی ہیں اور پہلے ہی دن آپ اگر دیر سے پہنچے تو وہ وقت کی پابندی کو بہت پسند کرتی ہیں اور ذرا سی دیر سویرا انہیں
نے کے لئے کافی ہے۔ آپ کے پاس اپنی کنوینس تو ہوگی نا؟"
ماشاء اللہ۔ مس! اگر میں اتنا ہی اسٹیبلش ہوتا تو ٹکے ٹکے کی نوکری کے لئے دھکے کھا رہا ہوتا؟ اور یہ غلطی آپ لوگوں کی ہے
یڈریس اس آفس کا لکھا گیا ہے۔" وہ بھی دوبدو ہو کر بولا تو وہ اسے تیز نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔
یر! بات سنو۔" اس نے باہر سے گزرتے کسی شخص کو پکارا۔ "ان صاحب کو اس ایڈریس پر پہنچا دو۔ جلد سے جلد۔ دیر ہو گئی تو
م کے غصے کا علم ہے۔ انہیں گیارہ بجے آرٹس کونسل پہنچنا ہے۔" وہ جلدی جلدی اسے تاکید کرتی، تنزیل کو جانے کا اشارہ کر
طرف مڑ گئی تو تنزیل کو کچھ افسوس سا ہوا کہ اسے اس آفس میں کیوں نہیں اپائنٹ کیا گیا۔
ذیر نے بھی لگتا تھا، میڈم کے غصے کو ہوا بنا کر سر پر سوار کیا تھا، جو اس نے گاڑی کی اسپیڈ اسی سے نیچے ہونے ہی نہیں

روڈ سے بالکل ہٹ کر اندرونی سڑکوں کی یہ ذیلی سڑک تھی، جس پر دور دور تک آبادی کا نشان نہیں تھا۔ آبادی تو ہوگی، مگر
ی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک بڑی سی بلڈنگ کی پارکنگ میں گاڑی لمحہ بھر کو روک کر نذیر نے اسے اُترنے کا اشارہ کیا

احب! یہ سامنے گیٹ ہے، اندر چلے جائیں۔ باقی معلومات وہاں ریسیپشن سے لے لیں۔ مجھے اگلے کام سے نکلنا ہے۔"
ں کھڑا چھوڑ کر گاڑی لے گیا تھا۔ تنزیل کچھ حیران سا اندر کی طرف بڑھا۔ اسے بلڈنگ کے اندر، باہر کوئی ذی روح نظر
تھا۔
یلے گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ سامنے بھائیں بھائیں کرتا تاریک طویل برآمدہ تھا۔ روشنی سے آنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں
ظر نہیں آ رہا تھا۔
دم پیچھے سے دروازہ زور سے بند ہوا۔ ہر طرف گھپ اندھیرا ہو گیا۔ تنزیل کے ہاتھوں سے فائل ہی نہیں گری، اس کے
طوطے بھی اس اندھیرے خلا میں اُڑ کر کہیں پھڑپھڑانے لگے۔

نکاح بے حد سادگی سے ہوا تھا۔
آبگینے پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔ ایک تو کم سنی کا روپ، دوسرے انوکھا سا سوز اُس کے حسین چہرے کے گرد ہالہ کئے
اسامہ کو بے اختیار لائبہ یاد آ گئی۔
'محبت سے بڑی اور مضبوط زنجیر اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔' اس نے بے ساختہ سوچا تھا۔ جہانگیر ہمدانی، آگئے
بیٹا بچ تو بہت رہا تھا، مگر دونوں کی عمروں کا فرق بہت نمایاں لگ رہا تھا۔ سب ہی مہمانوں نے اس کا ذکر سرگوشیوں
تھا۔ آغا فیاض یہ سرگوشیاں سن کر بھی انجان بنے شاید مسرور نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔
''جہانگیر بیٹا! اس کا نام ہی آبگینے نہیں، یہ طبعاً بھی بہت حساس ہے۔ آج اگر اس کے ماں باپ زندہ ہو
اتنی فکر نہ ہوتی۔ مگر اب جیسے اس کی فکر سے میرا دل بوجھل ہوا جا رہا ہے۔'' وہ کپکپاتی آواز میں نم آنکھوں
آبگینے کو سینے سے لگائے کہہ رہے تھے۔
''آغا جان! میں وعدہ نہیں کرتا مگر حتی الامکان کوشش کروں گا کہ آپ کی اس فکر کو دور نہ کر سکا تو کم از کم اس
بھی نہ کروں گا۔ مجھے اور آبگینے کو صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' وہ ان کے رعشہ زدہ ہاتھوں کو اپنے
تھامے کہہ رہا تھا، جس سے آغا فیاض کو ایک اطمینان سا نصیب ہوا تھا کہ انہوں نے بے تحاشا روتی آبگینے کا سر
اپنے ہاتھوں سے گاڑی میں بٹھا دیا۔
تقریب میں موجود سب ہی مہمان، آبگینے کے اس حسین روپ کی بے تحاشا تعریف کر رہے تھے۔
''آبگینے! تمہارا دولہا اس حُسن کی تاب لا بھی پائے گا یا تم ہوش میں لانے والی دوا کا انتظام ساتھ کر
شوخ سہیلی ہنسی تھی۔
اور وہ واقعی ہوش میں کب تھا۔
وہ تو اسے اس اپارٹمنٹ کے اندر بٹھا کر جیسے بھول ہی گیا تھا۔ کمرے سے باہر شاید لاؤنج تھا، جہاں میوزک
قہقہے لگانے اور باتیں کرنے کی آوازیں رات گئے تک آتی رہی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے اس کی کمر تختہ ہو چلی تھی۔ تین
سے ٹیک لگا کر سیدھی بھی ہوئی تھی۔ جس وقت وہ دروازہ کھول کر بیڈروم میں داخل ہوا، صبح کے پونے چار بج ر
قریب آ کر دھم سے گرا تھا۔
''بے بی! تم ابھی تک یونہی سجی بیٹھی ہو؟ او لعل ڈول! یُو ے ڈارڈ۔ ناؤ یُو ہُڈ سلیپ۔ سو جاؤ۔ اب مجھے
اس نے ایک جھٹکے سے اس کا عنابی گھونگھٹ اٹھایا تھا۔ تیز بُو کے بھبکے، آبگینے کو سانس روکنے پر مجبور کر رہے تھے
نظروں سے اس مدہوش اجنبی کو دیکھا۔ وہ مندی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''کیا حُسن ہے، کیا بیوٹی ہے۔ پتہ نہیں کون حرام زادہ کہتا ہے، چاند سے بڑھ کر اس کائنات میں کوئی حسین
نے آبگینے کو........ میری آبگینے کو کہاں دیکھا ہو گا۔ ہیں........'' اس نے ایک جھٹکے سے آبگینے کی نازک کلائی مرا
کھینچا اور وہ بے دھیان سی اس کے اوپر گرتی چلی گئی۔
''بس میری جان! آج کی رات کے لئے اتنا کافی ہے۔ اب چینج کر لو۔'' وہ اسے اپنے اوپر سے دھکیل کر
جاؤ۔ نشے میں کم ہے ساری رات........ تیری جوانی کے مدہوش نشے میں کم........ میں بھی، تم بھی........''
وہ بھدی آواز میں گرتا لڑھکتا ڈولتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا اور اپنے چہرے کو، ہونٹوں کو، رخساروں کو
صاف کرتے ہوئے وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا، اس کا یہ سجا سنورا روپ کسی گٹر میں گر گیا۔
'آغا جان! یہ آپ نے میرے ساتھ کیا کیا؟........ آغا جان! کیا کیا؟'' وہ اپنے زیور نوچ نوچ کر پھینکنے
تھی۔
''آغا جان! آپ نے اس شادی کے لئے آبگینے کی رضامندی نہیں لی تھی کیا؟''
اگلی صبح جب آغا جان اور اسامہ ان دونوں کا ناشتہ لے کر آئے تو وہ ٹوٹی بکھری پیلے کاٹن کے سوٹ میں خ
صوفے میں بیٹھی تھی اور اسامہ اس کے پاس بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہا تھا۔ اس کے کانوں نے جہانگیر ہمدا
بلند سرگوشی سنی تو اس کا بے اختیار جی چاہا، سامنے فروٹ باسکٹ میں پڑی تیز دھار چھری اٹھا کر اس بہروپیے کے
''نن........ نہیں........ نہیں تو........ پوچھا تھا۔ کیا ہوا؟'' اس نے آغا جان کی گھبرائی ہوئی آواز سنی۔

"اوہ بھئی، حد ہوگئی۔" تیز آواز کے ساتھ اس کے گم ہوتے حواس ایک دم سے بحال ہوئے تھے۔ اسی وقت کھٹ کھٹ نہ جانے کون سے کونے سے بجلی کے بٹن دبائے گئے اور سارا ماحول یکبارگی دودھیا روشنیوں میں نہا گیا۔ چار جانب سے قدموں کی چاپ اور آوازوں کی بھنبھناہٹ سی سنائی دینے لگی۔ تنزیل نے ہاتھ سے گرتی فائل کو مضبوطی سے سنبھالا اور اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے اندھیرے سے ایک دم روشنی ہوجانے پر اپنی آنکھوں کو زور سے جھپکا۔

"یہ......یہ ہے آپ کی کارکردگی، رضوی صاحب! ایک دم صفر......"

کھٹ کھٹ کرتی ہیل اس کے داہنے جانب آکر رکی تھی اور ساتھ ہی ناراضی بھری آواز۔ تنزیل نے سیدھے ہوتے ہوئے ٹائی کی ناٹ تھوڑی ٹائٹ کی۔ میڈم یاقوت بیج کلر کی مہین ساڑھی میں میچنگ جیولری اور میچنگ میک اپ کے ساتھ تیکھے چتون لئے اردگرد کھڑے پانچ یا شاید زیادہ لوگوں پر غضب ساڈھا رہی تھیں۔ انہوں نے تنزیل کو سرسری نگاہ سے دیکھا۔ یہ سامنا اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ تنزیل کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ سلام کرے، آداب یا گڈ مارننگ یا بچوں کی طرح پہلے دن یوں فول بننے پر احتجاجی رویہ ...ے۔ وہ متذبذب سا کھڑا سب کے اُترے ہوئے چہرے دیکھ رہا تھا۔

"ہاؤ آر یو ینگ مین؟ میرا خیال ہے، اپنے اتنے سرپرائزنگ ویلکم کو آپ بھی انجوائے کررہے ہیں یا......؟" وہ رکیں اور وقفہ ہوتے ہوئے اس کے تاثرات کا جائزہ لینے لگیں۔

"ڈر گئے۔ پہلے ہی دن لمبا ہاتھ ہوگیا، ہے نا؟" وہ خود ہی قیاس کر کے کھل کر مسکرائیں تو باقی لوگ بھی مسکرانے لگے۔ تنزیل ان ...اتنی ایکوریٹ ججمنٹ پر قدرے حیران سا ہوا۔

"کچھ ایسا ہی معاملہ تھا، ابھی چند لمحے پہلے میرے ساتھ۔ جب روزی اور جان کے لالے پڑے ہوں تو میرا خیال ہے، ایسی ...نڈیشن میں ہر بندہ روزی پر لات مار کے جان بچانے کی کوشش کرے گا۔ میں بھی گھپ اندھیرے میں کہیں کوئی روشن دان یا بھول ...ل سے کھلا رہ گیا میرے سائز کا روزن ڈھونڈنے کی سعی کرنے والا تھا، اگر چند سیکنڈ اور یہی سرپرائزنگ ویلکم چلتا تو۔" وہ کھنکار کر ...صاف کرتے ہوئے صاف گوئی سے بولا۔ میڈم یاقوت کے صبیح چہرے کی رنگت ایک پل متغیر سی ہوئی، دوسرے پل وہ کھلکھلا کر ...ہا پڑیں۔

"انٹرسٹنگ......مسٹر......" وہ انگلی اٹھا کر گویا ہوئیں۔

"تنزیل مراد۔"

"تمہاری یہی صاف گوئی اور اسٹریٹ فارورڈ انداز ہمیں انٹرویو میں بھایا تھا، لیکن اس ہتھیار کو بار بار، موقع بے موقع استعمال ...رو گے تو یہ تمہارا گلا بھی کاٹ سکتا ہے، روزی روٹی کی طرف۔" وہ انگلی اٹھا کر اسے ...ور کراتے ہوئے بولیں۔

"جو ہتھیار رکھتے ہیں، وہ ان کے استعمال سے بھی بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اور کہاں ان کا استعمال کرنا ہے، اتنی عقل بھی ...ہیں۔" وہ خوداعتمادی سے بولا۔

"میرا خیال ہے، تم اپنے بارے میں اوور اسٹیمیٹ ہو۔ اور یہ تمہاری جیت کو آسانی سے ہار میں بدل سکتی ہے۔ خوبی پر ضرورت ...یادہ نازاں ہونے لگو تو یہ خرابی بننے میں دیر نہیں لگاتی۔ اور مسٹر رضوی!" وہ خشک سے لہجے میں کہتے ہوئے مسٹر رضوی کی طرف ...۔ "اس بے قاعدگی بلکہ میری نظر میں بے ہودہ مذاق کی آپ کے خیال میں کیا سزا ہونی چاہئے، آپ خود ہی تجویز کردیں۔" ان ...روں میں کیسا کڑا پن تھا کہ اچھا بھلا ادھیڑ عمر سوبر سا رضوی کچھ کنفیوز نظر آنے لگا۔

"وہ......وہ میڈم!......میں آپ کے گوش گزار......" وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ناک کی نوک پر آئی عینک ...ست کرنے لگے۔

"واٹ؟" وہ زور سے چلائیں۔ "یہاں خرگوش بھی ہیں، نان سینس۔ چڑیاں، فاختہ اور کبوتر کے گھونسلوں کے علاوہ۔ تم نے یہ ...ن آثارِ قدیم والوں سے چڑیا گھر کے لئے ہائر کی ہے یا چڑیا گھر کی سابقہ عمارت ہمارے آفس کے لئے؟" مارے طیش کے ان ...دھیا رنگت میں لہو سا جھلکنے لگا تھا۔

"س......سوری......میڈم!......آئی مین نائٹ دیٹ......آئی وانٹ ٹو سے......" وہ بری طرح سے ہکلانے لگا۔

...م! یہ صرف ایک ماہ کے لئے ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ بلڈنگ اسی علاقے میں ہو، فرنٹ پر۔ کوئی نئی بلڈنگ خالی نہیں مل رہی تھی، ...ایک ملی تھی، وہ......"

"پھر یہ کھنڈر کیوں لے لیا؟ کیا اکاؤنٹس پرابلم تھی؟" وہ تیزی سے بولیں۔

"ناٹ ایٹ آل میڈم! ایکچوئیلی وہ بلڈنگ اگلے ماہ خالی ہونا تھی۔ میری تمام تر کوششوں کے باوجود......"

"یہ کہو کہ تمہاری تمام تر ناقص پلاننگ کی بدولت وہ بلڈنگ خالی نہ ہوسکی اور تم نے ملبہ ہائر کرلیا۔" وہ نخوت سے ناک چڑھا کر

سرخ اینٹوں والی اونچی چھت اور دیواروں کو تکتے ہوئے بولیں۔

''میڈم! یہ صرف تیس دنوں کے لئے۔ ہمیں ادھر پرنٹنگ مشینیں بھی لگوانی تھیں اور ویڈیو روم بھی۔ یہ عمارت کے لئے کافی کشادہ ہے۔ ہماری تقریباً تمام اچھی بوتیکس اور پارلرز بھی ادھر ہی ہیں تو اس لئے........ ویسے وہ بلڈنگ خالی ہو جائے گی تو میں اسے فرنشڈ کروانا شروع کر دوں گا، جیسے ہی........''

''اچھا بس، اب یہ شیخ چلی والی کہانیاں مجھے نہ سنائیں۔ اب مجھے کسی اور ذمہ دار شخص کے سپرد یہ کام سونپنا ہوگا۔ آپ میز پر بیٹھ کر پیپر ورک کر سکتے ہیں تنخواہ میں ملنے والی موٹی رقم کے نوٹ گن سکتے ہیں۔ مجھے اب آپ کی صلاحیتوں کو شوق نہیں جاوید صاحب! یہ تنزیل مراد کو اس اکلوتے ڈھنگ کے کمرے میں لے آئیں، جسے شروع میں ان حضرت کو دکھایا تھا۔''

وہ رُکھائی سے کہتی، کھٹ کھٹ کرتی وہاں سے چلی گئیں تو باقی افراد بھی رضوی صاحب کے بوکھلائے ہوئے چہرے کو نظروں سے دیکھتے اِدھر اُدھر ہو گئے۔

جاوید صاحب، تنزیل کو لمبے لمبے برآمدوں اور راہداریوں سے گزارتے ہوئے براؤن کلر کے نئے پالش شدہ دروازے کے سامنے لے کر پہنچے۔ عمارت واقعی کافی پرانی تھی اور اس کی حالت بھی اچھی خاصی مخدوش تھی۔ دیواروں پر پینٹ تو کیا ہی، سیمنٹ بھی جگہ جگہ سے اُکھڑ چکا تھا۔ کچھ ایسا ہی حال فرشوں کا بھی تھا۔ دروازے لکڑی کے تھے اور تقریباً ابھی تھوڑی دیر پہلے مائیز گروپ والوں کا ہیڈ آفس دیکھ کر آ رہا تھا۔ پوری عمارت تو اس نے نہیں دیکھی تھی۔ مگر بلڈنگ بہت شاندار اور جدید اسٹائل کی بنی ہوئی تھی۔ ماربل کے چکنے فرش، کیپسول لفٹ، خوبصورت آفسز، کیبن اس کے مقابلے میں یہ عمارت واقعی آثار قدیمہ کا کوئی کھنڈر ہی لگ رہی تھی۔

''لیس، کم آن!'' ہلکی سی دستک کے جواب میں میڈم یاقوت کی آواز اُبھری۔ وہ دونوں آگے پیچھے اندر آ گئے۔ میڈم یاقوت نے دونوں کو دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے سامنے پڑی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان کے سامنے تین فائلیں اوپر نیچے کھلی پڑی تھیں اور وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔

''ہاں، بس تم فوراً چل پڑو۔ میں ادھر سے دس پندرہ منٹ میں فارغ ہو جاؤں گی۔ مجھے آدھے گھنٹے تک اوکے!'' کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

''مسٹر تنزیل! ہمارا اس طرح طریق کار نہیں کام کرنے کا۔ میں کام کے معاملے میں کسی بھی قسم کی بے ضابطگی برداشت نہیں کر سکتی۔ اور آج ایک کام کی ابتدا ہی اتنے بے ڈھنگے طریقے سے ہوئی ہے کہ میرا امپرامنٹ لوز ہو گیا۔ بے شمار کام اور سب کی نگرانی ایک شخص کس طرح کرتا ہے، یہ کوئی مجھ سے پوچھے۔ خیر......'' وہ سانس لینے کو رکیں۔ ''مجھے زیادہ مصروف رکھنا اچھا لگتا ہے۔ مگر یہی مصروفیت اس وقت بے حد کوفت کا باعث بنتی ہے، جب میں کسی اہم کام کو نہ دیکھ سکوں۔ میں کوشش کے باوجود پچھلے ہفتہ ٹائم نکال کر یہ بلڈنگ دیکھنے نہ آ سکی۔ اسٹاف پر بھروسہ کیا اور پہلی بار مجھے اس طرح مایوس کیا۔''

وہ جاوید صاحب کو تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھیں، جن کا جھکا سر مزید ان کے سینے سے جا لگا۔ میڈم یاقوت نے سامنے پڑا پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا اور بڑی نفاست سے دو گھونٹ لے کر گلاس واپس رکھ دیا۔

''آج کا زمانہ، میڈیا کا زمانہ ہے۔ آپ گندی سے گندی پراڈکٹ کو خوب صورت، چنچل، شوخ حسینہ کے ذریعے زبردست سے اشتہار کے ذریعے آسمان پر لے جا سکتے ہیں۔ جوں جوں ٹائم گزر رہا ہے، ہر قسم کا بزنس اسی مارکیٹنگ کو بیس (Base) کرنے لگا ہے۔ ایک ٹافی سے لے کر سونا بیلٹ تک ہر چیز اسی میڈیا پروجیکشن کی مرہونِ منت ہو کر سوسائٹی کو اچھے اور بہترین طریقے سے سرو کر رہے ہیں، ہمیں بھی اپنی سروسز کو مارکیٹنگ کے ذریعے لوگوں کے۔ خیر! میری ان باتوں کا مقصد یہ نہیں کہ ہم کوئی چینل لانچ کرنے جا رہے ہیں۔ بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ ہم اپنے والے ڈریسز، جیولری اور ایک اپ شاپس میں ہونے والی نئی مفید تبدیلیوں کو لوگوں کے سامنے لائیں۔ ایک معلوماتی روزہ فیشن میگزین کے ذریعے۔ یہ میگزین ہمارے ملک بھر اور بیرونِ ملک ہونے والے فیشن ایگزیبیشن کی کوریج کیا کیا مقاصد ہوں گے، یہ تم کو جاوید صاحب تفصیلاً بتا دیں گے۔ تم شہزاد صاحب کے انڈر کام کرو گے، جو آج کل والی ایک فیشن پریڈ کی کوریج کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تم ''مائی فیشن میگ'' کے سب ایڈیٹر دوسری سہولتوں کے بارے میں بھی تمہیں جاوید صاحب انفارم کر دیں گے۔ آج سے بلکہ ابھی سے تمہیں یہ سیٹ سنبھالنی اگلے ہفتہ تک آ جائیں گے تو وہ مزید تمہیں گائیڈ کر دیں گے۔ اس کے علاوہ کوئی پرابلم، کوئی کنفیوژن ہو تو تم مجھ

ہو۔ میں اپنے محنتی، ذمہ دار اسٹاف کی بہت ریسپیکٹ کرتی ہوں۔ آیئے تنزیل مراد! ٹیک یور سیٹ۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے اسے وہاں آکر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولیں تو وہ قدرے کنفیوز سا ہوکر پہلے جاوید صاحب کی ف، پھر میڈم یاقوت کی طرف دیکھنے لگا، جواب کرسی سے خاصا ہٹ کر کھڑی اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ وہ جھجکتے ہوئے چند م آگے بڑھ کر ریوالونگ چیئر کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"مگر میم! میرا کچھ خاص ایکسپیرئینس....... آئی مین فیشن میگ کے سلسلے میں نہیں ہے۔"

"میں نے تمہارے .C.V میں پڑھا تھا۔ جرنلزم تمہارا سبجیکٹ ہی نہیں، تمہارا انٹرسٹ بھی ہے اس میں۔ اور فیشن میگ بھی افت ہی کی ایک شاخ ہے۔ اس کے لئے مطلوبہ قابلیت ہونی چاہئے، وہ تجربے سے آتی ہے۔ جو کمی بیشی ہوگی، وہ شہزاد صاحب ی کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور ہاں......" وہ مڑتے ہوئے رکیں۔ "اس سیٹ پر اسی کانفیڈنس کے ساتھ بیٹھو، جس کا تم چند ٹ پہلے مظاہرہ کر رہے تھے۔ یہ سیٹ تمہارے اس ہتھیار کو پالش کر دے گی، اگر تم اس کا درست استعمال کرو گے۔ او کے، وِش یو بیٹ آف لک۔"

کہہ کر انہوں نے اپنا دودھیا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، جسے اس نے جھجکتے ہوئے ذرا سا تھام کر چھوڑ دیا۔ برقی رو کا ہلکا سا جھٹکا ں کی انگلیوں کی پوروں سے پورے ہاتھ میں سرایت کر گیا تھا۔ وہ اپنی کیفیت میں غلطاں کھڑا تھا، جب میڈم یاقوت خوشبودار ہونکے کی طرح دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں اور وہ کچھ حیران، کچھ مسرور اور بے یقین سا کھڑا ہلتے پردے کو دیکھتا رہ گیا۔

✲✲......✲✲

"لیکن بیٹا! تم نے تو کہا تھا کہ ابھی دو تین دن ادھر اور رکو گے۔" آغا فیاض نے قدرے بے چینی سے رخصتی کے لئے تیار ے جہانگیر ہمدانی اور اس کے ساتھ روٹھا روٹھا سا چہرہ اور انداز لئے سادگی سے تیار کھڑی آبگینے کو دیکھا۔

"جی آغا جان! کہا تو تھا۔ لیکن ایک تو مجھے کچھ ایمرجنسی ہوگئی ہے۔ اس کی وجہ سے اتنا اچانک جانا پڑ رہا ہے۔ آپ کو تو پہلے ہی تھا کہ میں ادھر صرف ڈیڑھ ہفتے کے لئے آیا تھا تو بیچ میں یہ شادی....... مجھے ایک ہفتہ زائد لگ گیا ہے۔ اس لئے اُدھر کا کام بھی ب ہو رہا ہے۔ دوسرے شادی کا گرینڈ فنکشن، آئی مین ولیمہ، وہ بھی تو پرسوں ہے۔ اس کے لئے مجھے کم از کم ایک دن تو پہلے جانا ۔ اس لئے میں نے کل صبح کے بجائے آج شام کی ہی ٹکٹیں کنفرم کروالیں۔ مجھے امید ہے، آپ میری مجبوری سمجھتے ہوئے کچھ ہیں کریں گے۔" جہانگیر ہمدانی بڑے مہذب اور مؤدب انداز میں آغا فیاض کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لئے ت سے بولا تو وہ جواباً مزید اصرار نہ کر سکے۔

"آبگینے!....... بیٹا! تم اُداس تو نہیں؟....... میرا مطلب ہے، ایسا تو ہر لڑکی کی زندگی میں ہوتا ہے۔ ہونا ہوتا ہے شادی کے ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح آبگینے کو سمجھائیں کہ اس کا یہ ناراض رویہ کم از کم فارمل رویے ہی میں بدل جائے۔ اسے کوئی شکوہ، کوئی گلہ کرے اور کچھ نہیں تو ان سے لڑ ہی لے۔

"مجھ پتہ ہے مجھے۔" وہ آنکھوں میں اُترتی بے تحاشا دھند کو پلکیں جھپکتے ہوئے پیچھے دھکیلنے کے دوران ذرا سا رخ پھیر کر بولی تو بے چینی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ آبگینے کی شادی کے فیصلے سے لے کر اس لمحہ رخصت تک ایک پل کو اس کا دل مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔ سے دھڑکے اس کے دل کو لگے تھے۔ وہ ان دھڑکوں کو جھٹکتا تو یہ وہم مضبوطی سے اس کے دل کا دامن جکڑ لیتا کہ آبگینے خوش ہے۔

"ویسے آغا جان! میں نے کہیں پڑھا تھا کہ عورت کو خوش کرنا اور اس کو سمجھنا، دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ اور مجھے اس قول کی پر شادی کے لمحہ اولین ہی سے یقین آگیا ہے۔ آبگینے کو خوش کرنا یا اس کی خوشی کو سمجھنا مجھے ایک دشوار ترین مسئلہ لگ رہا ہے۔"

نہیں، یہ جہانگیر ہمدانی کا طنز تھا یا حقیقت بیان کرنے کا انداز، جو بھی تھا، آغا جان اور اسامہ کو کچھ نادم سا کر گیا تھا۔ دونوں نظر آبگینے کو دیکھا جو اب کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے باہر کی طرف متوجہ تھی۔

ایسی بات نہیں ہے بیٹا! اصل میں یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ آبگینے اس کے لئے تیار نہیں تھی اور یہ ہر لڑکی کی زندگی کا ایسا ڑ ہوتا ہے کہ بعض کو تو اسے قبول کرنے میں خاصا وقت لگ جاتا ہے۔ اگر ان کے پارٹنر محبت اور توجہ کا بھرپور اظہار کریں تو یہ ری بھی طے ہو جاتا ہے۔" آغا فیاض گڑبڑا کر بولے۔ جہانگیر ہمدانی کے لب استہزائیہ انداز میں پھیلے۔

"آپ کا تجربہ یقیناً لڑکیوں کے ایسے انداز یا ری ایکشن کے بارے میں بہرحال مجھ سے زیادہ ہے۔ میں اپنی سی پوری کوشش ں گا کہ آبگینے اس نازک موڑ کو ذہنی طور پر قبول کرتے ہوئے جلد سے جلد مجھے بھی ذہنی طور پر قبول کر لے۔"

ں کی سابقہ گفتگو کی طرح اسامہ کو یہ بھی اس کا طنز ہی لگا۔

ہو کے، اب اجازت دیں۔ فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔ چلیں آبگینے! سامان تو پہلے ہی نیچے گاڑی میں رکھوایا جا چکا ہے۔" اس

نے رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے پیچھے کھڑی آبگینے سے کہا۔
''اور آغا جان! آپ دونوں ولیمے میں شرکت کے لئے تو آئیں گے نا۔ مجھے اور آپ کی پوتی کو بے حد خوشی ہو
آغا جان کے ہاتھ تھام کر اصرار سے بولا۔
''میں ضرور آتا جہانگیر بیٹا! میری زندگی میں اب تم تینوں کی ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے علاوہ اور کیا رکھا ہ
شاید میں نہ کرسکوں۔ ہاں، بہت جلد میں تم دونوں سے ملنے آؤں گا، اس کا میں وعدہ کرتا ہوں۔ ایک دو ماہ کے اند
سے اس کے ہاتھ دبا کر بولے۔''اور جہانگیر بیٹا! مجھ سے ایک وعدہ کرو۔''
''جی آغا جان! دس وعدے لیں۔'' وہ ہمہ تن گوش ہو کر بولا۔
''تم میری بچی کو بہت خوش رکھو گے۔ بہت کم عمری میں اس نے ماں باپ کی جدائی کا صدمہ سہا ہے۔ بہت
مالک ہے، مگر بہت محبت کرنے والی۔ ابھی تھوڑی خفا ہے مجھ سے، ہم سے کہ اس کی اتنی اچانک شادی کیوں کر دی گئی
تم اس کی خفگی دور کرو گے، یہ ٹوٹ کر دل و جان سے تم سے محبت کرے گی۔ پھر بھی اس دوران اگر تمہیں اس کی کوئی با
گراں گزرے تو میرے ان سفید بالوں کا خیال کرتے ہوئے نظر انداز کر دینا۔''
کہتے کہتے ان کی آواز کانپنے لگی اور آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔
''آغا جان! کیا آپ کو مجھ سے یہ تمام باتیں کہنا چاہئیں؟ کیا کوئی اپنے بیٹے سے بھی ایسی باتیں کرتا ہے؟ مجھے
کہ یہ سب بہت جلدی میں ہوا ہے اور آبگینے اسے ایکسپٹ کرنے میں تھوڑا ٹائم لے گی۔ آپ بالکل فکر نہ کریں،
سے بڑھ کر اسے چاہوں گا کہ کبھی آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ امید ہے میرے ان لفظوں نے آپ کی تسل
اجازت؟'' وہ مؤدب انداز میں اپنا سر ان کے آگے ذرا سا خم کر کے بولا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے سر
پھیرا اور دعا دی۔
''چلیں۔'' اس نے مڑ کر چند قدموں پر ڈارک براؤن ویلوٹ کے سوٹ میں اُداس سی آبگینے کو محبت بھری نظ
تو وہ نظریں چرا گئی اور کرسی کے ہینڈل سے لگا اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر کندھے پر رکھنے لگی۔ جہانگیر ہمدانی دروازے کی
فیاض نے آبگینے کو اپنے سینے سے لگا لیا۔
''مجھے معاف کر دینا میری بچی! تم شاید میری کیفیت یا میری مجبوری کو نہ سمجھ سکو۔ جب خود ماں ہوگی، پیاری
احساس ہوگا کہ بیٹی رب تعالیٰ کی کیسی نازک ذمہ داری ہوتی ہے، جسے آپ نبھانے کے لئے ہر گھڑی بے چین
خصوصاً جب یہ ذمہ داری مجھ جیسے ناتواں بوڑھے کے کندھوں پر پڑی ہو، یہی سوچ کر اپنے اس ضعیف دادا کو م
کپکپاتے ہاتھوں سے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ آبگینے ان سے لپٹ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔
''نہیں میری بچی!...... رونا نہیں۔ بہت خوش خوش اپنی زندگی کے اس خوب صورت سفر کا آغاز کرنا ہے۔
بھری زندگی میری بیٹی کی طرف اپنی بانہیں پھیلائے کھڑی ہے۔ اور میرے دل سے نکلی دعائیں تمہیں زندگی کا ہر دشوا
عبور کرنے میں مدد دیں گی۔ جاؤ، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ سدا آباد رہو۔ بہت خوش رہو اور تمہارے سکھ کی خبر
آخری سانسوں کو سبک رفتار کریں گی۔ اللہ کی امان میں دیا تمہیں۔'' انہوں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی
بوسہ دیا تو اس نے بھی سنبھلتے ہوئے ٹشو سے اپنا چہرہ صاف کیا۔
''اپارٹمنٹ کے پیپرز اور چیک بک اور کارڈ وغیرہ احتیاط سے رکھ لئے ہیں نا تم نے؟'' وہ جاتے جاتے اس
اثبات میں سر ہلانے لگی۔
''اب تو اپنے آغا جان سے ناراض نہیں نا؟'' وہ چلتے چلتے پھر رک کر بولے تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''مسکرا کر کہو، اپنے ہونٹوں سے۔'' وہ مصر ہو کر بولے تو وہ ہلکا سا ہنس دی۔
''نہیں آغا جان! آپ سے بالکل ناراض نہیں میں۔ اپنا بہت خیال رکھئے گا۔ اور اسامہ! تم بھی آغا جان
بہت دنوں بعد مخصوص لہجے میں بولی تھی۔ دونوں کے کندھوں سے جیسے بوجھ سا سرک گیا۔
''بس، تم خوش رہنا، ہم خوش رہیں گے۔ میری جان! چلو اب دیر نہ کرو۔'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔
''آبگینے! ایک منٹ۔'' اسامہ، آغا جان کے آگے جاتے ہی بولا تو وہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
''تم نے آغا جان کو تو شاید مطمئن کر دیا، مگر میں......'' وہ متذبذب سا ہو کر بولا۔ ''تم خوش ہونا؟......سچ
آبگینے ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
''بولو نا پلیز۔'' وہ بے چین سا ہو کر بولا۔

"میں جو کچھ بولوں گی، وہ صرف میری ظاہر کی ترجمانی کرے گا۔ میرے اندر کیا اُکھاڑ پچھاڑ ہو رہی ہے، میں چاہوں بھی تو بیان نہیں کر سکتی۔ بس اتنا اطمینان کرلو کہ میں زندہ ہوں اور بظاہر نارمل ہوں۔" وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بولی تھی۔

"کچھ تو کہو، شاید میں کچھ تمہاری مدد کر سکوں۔" وہ مضطرب سا ہو کر بولا۔

"میں اس سارے پراسس میں ایک بات سمجھی ہوں، انسان کتنا ہی اپنے پیاروں کے ہجوم میں کیوں نہ گھرا ہو، اس کی زندگی میں ایک دو مرحلے ایسے آتے ہیں، جنہیں اسے اکیلے ہی فیس کرنا پڑتا ہے۔ شادی کی رات حجلۂ عروسی میں دُلہن پر کیا بیتتی ہے، اس کا دامن محبتوں سے بھر جاتا ہے یا کسی اور چیز سے۔ یہ صرف دُلہن جانتی ہے، چاہے اس کی بارات میں ہزاروں لوگ شامل ہوں۔ اور مرنے کے بعد ایک تاریک گڑھے میں دفن ہونے والے مُردے پر کیا بیتتی ہے، یہ صرف وہی جانتا ہے۔ چاہے اس کے جنازے میں ہزاروں لوگ شامل ہوں۔"

وہ کتنے عجیب سے لہجے میں کہہ رہی تھی کہ اسامہ کو اپنے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ شادی کا مطلب نئی زندگی، خوشی......."

"میں نے کہا نا، تم نہیں سمجھو گے۔" اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"کیا جہانگیر اچھا آدمی نہیں؟" اسامہ اپنا خدشہ زبان پر لے آیا۔

"**Agha Jaan not choose the right partner for me.**"

(آغا جان نے میرے لئے صحیح آدمی منتخب نہیں کیا)

"تو کیا؟" اسامہ پریشان سا ہو گیا۔

"اس وقت مجھے ان سوالوں کی نہیں اسامہ! نیک تمناؤں کی ضرورت ہے۔ چلیں، اب جب جانا ہی ٹھہرا تو دو گھڑی کی دیر بھی کیوں؟ ہے نا۔" وہ ہنس دی، کھوکھلی ہنسی کے ساتھ۔ اسامہ اس کا چہرہ تکنے لگا۔

"اے مسٹر! یوں مت گھورو مجھے۔ اب مجھے گھورنے کا رائٹ صرف ایک آدمی کے پاس ہے، جو یقیناً کمرہ ہمارے انتظار میں بے چین ہو رہا ہوگا۔ اور میں ٹھیک ہوں۔ بہت خوش نہ سہی، ہو جاؤں گی۔ ابھی یہ جنم لئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ اوکے Let's move" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی تو اسامہ کو پتہ چلا کہ واقعی لاابالی سی، ضدی اور احمق آبگینے کی جگہ ایک نئی آبگینے جنم لے چکی ہے اور نہ جانے کیوں اسے اس نئی آبگینے سے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے خوف کی وجہ خود بھی جاننے سے قاصر تھا۔

"پاپا! مجھے ادھر کھڑے گھنٹہ بھر ہونے لگا ہے اور آپ کا وہ کاکا بشیر، نظر کی آخری حد تک غائب ہے۔ گھر
ابھی اسٹارٹ نہیں ہوا، اس کا جو سیل نمبر آپ نے مجھے دیا تھا، اس پر بھی کانٹیکٹ نہیں ہو پا رہا۔ اور ادھر سلونی شام
سیاہ چادر اوڑھانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بتائیں، اب کیا کروں؟" دائم سامان کے پاس بے چینی سے ٹہلتے ہوئے
"بالکل، میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب مجھے خود ہی گھر کا رستہ پکڑنا چاہئے۔ ایڈریس تو میرے پاس ہے، لی
لاکڈ ہوا تو کیا کروں گا میں؟ پتہ نہیں، آپ کا یہ بونگا ملازم کدھر سو گیا ہے۔" وہ جھلا کر دور دور تک نظریں دوڑا
"اچھا، آپ کی بات ہو چکی ہے۔ گھر میں موجود ہے۔ اس کا بیٹا تو ٹھیک ہے؟ میں خود چلا جاتا ہوں۔ کوئی ٹیک
ٹھیک ہیں نا؟"

"جی...... سفر اے ون گزرا۔ اور ماما کو میرا اسلام کہئے گا۔ میں گھر جا کر تفصیلاً بات کرتا ہوں۔ او کے، بائے
آف کرتے ہوئے جلدی سے ٹرالی گھسیٹی اور ایئرپورٹ سے باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر میں وہ سامان ٹیکسی میں لادے گھر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

کچھ تو ٹیکسی کی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ اسے کم رفتار سے چلانے میں ہی عافیت تھی، کچھ شاید ٹیکسی ڈرائیور
وہ پہلی بار پاکستان آیا ہے، سو اسے اچھی طرح رستے میں آنے والی ہر شے کا نظارہ کروا دیا جائے۔

'ارے کون بے وقوف کہتا ہے، پاکستان خوب صورت نہیں یا یہ ایک گندا ملک ہے۔ صفائی ستھرائی کے علاو
پسماندہ ملک۔ کتنی اچھی سڑکیں۔ لندن کے معیار جیسی نہ سہی، مگر ان سے کم تر بھی نہیں۔'

گاڑی کینٹ ایریا سے گزر رہی تھی۔ تارکول کی صاف ستھری، ہموار سڑکوں کے دونوں جانب ہرے بھرے در
اپنے فیصلے کے درست ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔

"آپ جی پہلی بار پاکستان آئے ہیں؟" ڈرائیور نے شاید اس کی مشتاق نظروں اور محویت کو دیکھ کر قیاس کیا۔

"ہوں......" وہ واقعی چونکا تھا۔ "ہاں۔"

"کسی ضروری کام سے آئے ہیں؟ میرا مطلب ہے، کسی سے ملنے یار ہیں گے ادھر ہی؟"

"ابھی تو ادھر ہی رہوں گا کچھ عرصہ۔" اس نے گہرا سانس لے کر سیدھا ہوتے ہوئے ایک نظر ٹیکسی ڈرائیور کو د

"ویسے دو سال پہلے میں نے بھی بڑی کوشش کی تھی، باہر جانے کی۔ لندن، سعودیہ یا دبئی۔ مگر ایجنٹ اتنا حرامی لگ
چمپت ہو گیا۔ بس جی، صبر شکر کر کے ادھر ہی بیٹھ گئے۔" وہ حسرت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ویسے تم اچھے ڈرائیور ہو، ادھر بھی ٹھیک ٹھاک کما لیتے ہو۔ شوق کی خاطر ابروڈ جانا چاہ رہے تھے یا روزگار کے ل

"کیا آپ کو میری شکل یا حلیے سے لگتا ہے کہ میں شوق کی خاطر لاکھوں روپیہ برباد کروں گا؟ ادھر تو جب سے
دال روٹی کی مشقت میں پڑے ہیں۔ شوق کس نے پالنے ہیں، وہ بھی نوابوں والے۔" وہ تلخی سے موڑ کاٹتے ہوئے بولا

"یار! بندے کا روزگار لگا ہوا ہو، کام سیٹ ہو تو اپنا ملک ہی دبئی ہے۔" دائم نے اس کی حوصلہ افزائی کے لئے
کہا۔

"یہ تو جی آپ جیسے پیٹ بھروں کی باتیں ہیں، ورنہ تو ابھی شہر میں اعلان کروا دیں، مفت باہر لے جانے کا تو
ادھر کوئی اپنی مرضی سے رہنے کے لئے تیار ہو۔ سب کے سب باہر جانے کے لئے مرے جا رہے ہیں۔ اور ادھر ہے بھی
اور خجل خواری۔ دیہاڑی پر یہ ٹیکسی چلا رہا ہوں، رات کو مالک کو رقم دینا ہوتی ہے۔ کبھی کبھار تو گھر لے جانے کے لئے
نہیں بچتا۔ اور جو چالان ہو جائے یا گاڑی کہیں لگ جائے، پھر تو کئی دنوں کے فاقے کی نوبت آ جاتی ہے۔ ایسے ملک
جو دن رات کی محنت کے باوجود دو وقت کی روٹی دے سکے، نہ عزت۔" ٹیکسی ڈرائیور جلے بھنے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"آپ یہاں چند دن رہیں گے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا، یہاں زندگی کتنی تلخ ہے۔ پر خیر، پیسے والے کے لئے

بس اس نے دائم کے حلیے پر ایک چبھتی ہوئی نگاہ ڈالی تھی۔
'پیسہ صرف پاکستان میں نہیں، دنیا کے ہر ملک میں اچھی زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس کے باوجود کچھ اور چیزیں بھی ضروری ہوتی ہیں، ایک سکون بھری زندگی گزارنے کے لئے پیسے کے علاوہ بھی۔' یہ بات اس نے دل میں کہی تھی۔ اب تک اس نے اچھی خوشحال زندگی گزاری تھی، مگر وہ سمجھتا تھا، اس کی خوشیوں بھری زندگی کا ضامن صرف پیسہ نہیں ہے۔
"یہ ادھر سے دائیں مڑ کے آگے۔" ڈرائیور نے کہتے ہوئے موڑ کاٹا تھا۔ پوش ایریے کی کوئی سڑک تھی، جو دور تک ویران تھی۔
'آپ ایک بار ایڈریس پڑھ دیں مجھے۔"
دائم ہاتھ میں پکڑی چٹ سے ایڈریس پڑھنے لگا۔ گاڑی کی رفتار کچھ کم ہوئی تھی۔
"بس ادھر سے تھوڑا ہی دور ہے اور........" اسی وقت پیچھے سے ایک موٹر بائیک آگے کی طرف آئی۔
"گاڑی روکو۔" موٹر بائیک پر سوار پچھلے نوجوان نے سیاہ پسٹل ایک دم سے ڈرائیور کی کنپٹی پر رکھ کر غراتے ہوئے کہا۔ دوسرا نوجوان بجلی کی سی تیزی سے بائیک سے اُتر کر دائم کی سمت آیا اور اس کے ادھ کھلے شیشے سے ہاتھ اندر کر کے سیاہ ریوالور اس کی گردن سے لگاتے ہوئے دروازے کا لاک کھولا۔
"کک........کون ہو تم؟........کیا چاہیے؟" ٹیکسی ڈرائیور گھگھیا کر بولا۔
"بکواس بند........سمجھے؟ جلدی سے جیبیں خالی کرو۔" اس کی غراہٹ میں کیا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور نے اپنی جیب سے چمڑے کا بوسیدہ سا پرس نکال کر کانپتے ہاتھوں سے اس کے حوالے کیا۔
"تم بھی نکالو۔" دائم کی طرف کھڑا لڑکا دروازہ کھول کر بولا تو دائم نے خاموشی سے والٹ نکال کر اسے تھما دیا۔
"یہ بھی دو۔" اس نے ایک دم سے دائم کے دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہینڈ بیگ جھپٹا تھا۔
"ارے، ارے........اس میں کچھ نہیں۔ میرے ڈاکومنٹس ہیں۔ یہ دے دو۔" دائم کے پیروں تلے سے زمین نکلی تھی۔ اس لڑکے نے دائم کو بلتے دیکھ کر اس کی کنپٹی پر زور سے پسٹل ماری تھی اور دوڑتا ہوا بائیک پر سوار ہو گیا۔ دوسرا اس کے پیچھے بیٹھا اور دونوں ان کی نظروں کے سامنے ویران سڑک پر گویا اُڑتے ہوئے بائیں جانب مڑ گئے۔
"میرے خدا!.....اس بیگ میں تو میرا سارا کچھ ہے۔ او مائی گاڈ!" دائم حواس باختہ سا تھوڑی دور ان کے پیچھے بھاگا۔
"حرام زادے........یہ غنڈہ راج چل رہا ہے ادھر۔ آج کل دن دیہاڑے آنکھوں کے سامنے لوٹتے پھر رہے ہیں، دندناتے ہوئے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔"
"تم چلو ان کے پیچھے، جلدی۔" دائم گاڑی میں آ کر بیٹھتے ہوئے تیزی سے بولا۔
"کوئی فائدہ نہیں جناب! اب تک تو وہ نکل گئے ہوں گے۔ پکڑے بھی گئے تو آپ کیا کر لیں گے، خالی ہاتھ؟"
"جلدی چلاؤ گاڑی، میں ان سے اپنا بیگ لے کر رہوں گا۔ اُف، تمہیں نہیں پتہ........جلدی کرو۔" وہ اپنی ہتھیلی پر مکا مارتے ہوئے صدمے اور پریشانی سے بولا۔
"ساری دیہاڑی میں سات سو کمائے تھے، بدبخت لے گئے۔" ٹیکسی ڈرائیور اپنے دکھ میں گرفتار تھا۔
"بائیں جانب بڑھو، جلدی کرو بھئی۔" دائم کا بس نہیں چل رہا تھا۔
"صاحب جی! بے کار ہے۔ آپ دیکھیں........دیکھ لیں، وہ کوئی ہمارے انتظار میں ادھر کھڑے ہیں؟" بائیں جانب مڑ کر بھی سڑک خاصی ویران تھی اور دور تک کوئی ذی روح نہیں تھا۔
'ماما کتنا درست کہہ رہی تھیں۔ آتے ہی اتنی بڑی مصیبت۔' دائم کی آنکھوں کے آگے شام کے اندھیرے، تاریکی میں بدلنے لگے۔ اس کی جیب میں تو اب ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دینے کے لئے بھی رقم نہیں تھی۔
'اب کیا ہوگا؟' عجیب بے بسی کا احساس اسے اپنے حصار میں لینے لگا۔

❁ ⊛ ...... ⊛ ❁

"جی فرمایئے؟" آغا فیاض نے کال بیل کی آواز پر دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے ایک تنومند، سرخ و سفید انگریز کو کھڑے پا کر

"سیون ڈی۔" وہ باہر لگے نمبر کو پڑھ رہا تھا۔
"جی آپ کو کس سے ملنا ہے؟"
"آپ آغا فیاض........ایم آئی رائٹ؟"
"جی میں ہی ہوں۔"

''آئی ایم جارج ڈینل۔'' اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔
''میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''
''آپ کیسے پہچان سکتے ہیں؟ ہم پہلی بار مل رہے ہیں۔'' وہ خوش دلی سے مسکرا کر بولا۔ ''یہ اپارٹمنٹ آپ کا ہے؟''
''جی بالکل۔''
''آپ رینٹ پر ہیں ادھر؟''
''نہیں تو۔'' وہ اُس کی انکوائری پر کچھ اُلجھ کر بولے۔
''کیا ہم اندر چل کر بات کر سکتے ہیں؟''
''شیور...... کم آن۔'' وہ اسے لے کر اندر چلے آئے۔ باہر یوں بھی خاصی سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اندر آ
سے ہلکی ہلکی گرمائش کا احساس ہو رہا تھا۔ جارج اندر داخل ہوتے ہوئے سب طرف کا جائزہ لے رہا تھا۔
''آپ یہ اپارٹمنٹ اپنی گرینڈ ڈاٹر کے نام کر چکے ہیں؟'' وہ بیٹھنے کے چند لمحوں بعد بولا۔
''جی......'' وہ کچھ حیران سے ہوئے۔ ''جی!'' اقرار میں سر ہلا کر بولے۔ ''آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''
''کیونکہ میں یہ اپارٹمنٹ خرید چکا ہوں۔'' وہ سرخ ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ سجا کر بولا تو آغا فیاض کو لگا، ان
زور سے ضرب لگائی ہے۔
''جی......؟'' ان کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔ ''میں سمجھا نہیں۔''
''میں دبئی سے آ رہا ہوں۔ پرسوں ہی میرے اور مسٹر جہانگیر کے درمیان یہ سودا طے پایا ہے۔ میں انہیں فل
رہا ہوں۔ صرف فائیو پرسینٹ باقی ہے۔ میں نے یہ اپارٹمنٹ دیکھ رکھا تھا، اسی لئے فوراً ڈیل کر لی۔'' پھر کچھ تو
''آپ کو شاید یقین نہیں آ رہا۔ یہ میں آپ کو پیپرز کی کاپی دکھاتا ہوں۔ ویسے آپ مسٹر جہانگیر کو فون کر سکتے ہیں
لئے۔''
اس نے جیکٹ کی جیب سے کاغذ نکال کر ان کے آگے کئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ کاغذ دیکھیں
ہاتھی کو دھکے دے کر باہر نکال دیں۔
''آپ پلیز جیسے تسلی کرنا چاہیں۔'' انہیں یوں ششدر و ساکت بیٹھے دیکھ کر وہ نرمی سے بولا تھا۔
''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ انہیں تو ابھی گئے بمشکل پندرہ دن ہوئے ہیں۔'' وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں شاید خود سے
ان پندرہ دنوں میں ان کا رابطہ جہانگیر سے تین بار ہوا تھا۔ اس نے تو اشارتاً بھی ایسی بات نہیں کی تھی۔ آ
بات ہوئی تھی، وہ بھی انہیں کچھ مطمئن سی لگی تھی۔ اور جہانگیر نے تو ان سے فنکشن میں نہ آنے کا اچھا خاصا گلہ بھی
کریں، اس سے فون پر کیا پوچھیں؟ وہ پریشان سے ہو کر اس شخص کو دیکھنے لگے، جو ان کے پیروں کے نیچے کی زمین
لیوا مراسلہ لایا تھا۔
اس نے ایک بار پھر پروفیشنل انداز میں مسکراتی ہوئی نگاہوں سے انہیں پیپرز دیکھنے کا گویا مشورہ دیا۔ انہوں
ہوا بھاری سانس خارج کیا اور کانپتے ہاتھوں سے کاغذ اٹھا کر پڑھنے لگے، جن پر موٹے موٹے حروف اسی ہاتھی کو
ظاہر کر رہے تھے۔ انہوں نے گھبرا کر کاغذ دوبارہ ٹیبل پر پٹخ دیئے۔
''آپ فون کر کے پتہ کر لیں۔'' وہ ان سے ہمدردانہ لہجے میں بولا۔
''مجھے یقین نہیں، آپ یقیناً کوئی فراڈ ہیں۔'' وہ قطعیت سے بولے۔
''اپنا اور میرا ٹائم برباد نہ کریں۔ اپنے سن اِن لاء سے کانٹیکٹ کریں۔'' وہ اب کے کچھ کھردرے لہجے میں
گھورتے ہوئے اٹھ کر فون کے پاس آ گئے۔
''ہیلو، جہانگیر بیٹا! یہ میں ہوں، آغا فیاض۔'' انہیں اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ واضح طور پر محسوس ہوئی تھی۔ وہ ما
میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس اجنبی کو دیکھ رہے تھے، جو اس چھت کے مالک کا سا ہی رویہ دکھا رہا تھا۔
''جی آغا جان! کیسے ہیں؟ میں آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔'' وہ بشاش لہجے میں بولا تو انہیں کچھ حوصلہ ہوا۔
''کس سلسلے میں؟ آ نگینے تو ٹھیک ہے نا؟''
''جی وہ تو بالکل ٹھیک ہے اور میں بھی۔ آپ سنائیں، اسامہ کیسا ہے؟''
''وہ بھی ٹھیک ہے اور میں بھی۔'' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی فضول بات کو کیسے شروع کریں۔
''اس سے میری بات تو کروانا تھی۔'' ان کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ حالانکہ سامنے بیٹھے اس انگریز کے جھولے

کے دل کو یقین تھا، پھر بھی وہ جہانگیر سے پوچھ نہیں پا رہے تھے۔
"جی ابھی تو وہ سو رہی ہے۔ اٹھے گی تو ضرور آپ کی بات کروا دوں گا۔ اور سنائیں، طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ کب چکر لگائیں گے ہماری طرف؟" اس کا لہجہ پہلے کی طرح اپنائیت بھرا تھا۔
"اِن شاء اللہ، جلد ہی۔" انہوں نے جارج کے چہرے کے کوفت میں بدلتے تاثر کو ایک نظر دیکھا۔ "وہ ایک بات کرنا تھی تم سے جہانگیر بیٹا!" وہ کچھ ہکلا کر بولے۔
"جی ضرور کریں آغا جان! میں سن رہا ہوں۔"
"وہ آبگینے نے تمہیں کچھ کاغذات دیئے تھے۔" وہ پھر سیدھی طرح بات نہ کر سکے۔
"کیسے کاغذات آغا جان؟" اس کا انجان سا لہجہ انہیں حوصلہ دے گیا۔
"اس اپارٹمنٹ کے، جو میں نے اس کے نام کیے تھے۔"
"کیوں، آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ عجیب اکھڑے سے انداز میں بولا۔
"یونہی........ وہ........ یہ جارج صاحب آئے ہیں ابھی میرے پاس، یہ کلیم کر رہے ہیں کہ وہ یہ اپارٹمنٹ خرید چکے ہیں تم سے۔" وہ اٹک اٹک کر قدرے بے نیاز سے لہجے میں کہنے کی کوشش کرتے ہوئے بولے۔
"اوہ، اچھا........ جارج صاحب پہنچ گئے آپ کے پاس۔" وہ حیران ہوئے بغیر نارمل سے لہجے میں بولا۔
"تو تم جانتے ہو اسے؟" وہ تیزی سے بولا۔
"جی آغا جان! میرا بہت اچھا جاننے والا ہے۔ لندن آتا ہوں تو اکثر اس سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔" انہیں اس وقت جہانگیر کا اس ہاتھی سے اپنے دوستانے کا ذکر زہر سے بھی برا لگا تھا۔
"اور یہ جو یہ فضول بکواس کر رہا ہے، وہ؟" وہ آواز قدرے دبا کر بولے۔ جارج کے کان ان کی طرف ہی لگے تھے۔
"آغا جان! اس میں بکواس کی کیا بات ہے؟" وہ حیرانی سے بولا۔
"کیا مطلب؟ جو یہ کہہ رہا ہے، سچ ہے؟" ان کے دل نے زور کا جھٹکا کھایا تھا۔
"بالکل سچ ہے۔ اصل میں آغا جان! میرے پاس تو لندن میں آل ریڈی اپارٹمنٹ موجود تھا۔ پھر دو دو رکھنے کا کیا فائدہ؟ میں نے آبگینے سے مشورہ کیا، قیمت اچھی مل رہی تھی، سو اچھا سودا میں ٹالنے کا قائل نہیں۔ بزنس مین ہوں نا، منافع تگڑا ملے تو رہ نہیں سکتا۔ پھر مجھے معاف کیجئے گا، ان دنوں کچھ رقم کی بھی ضرورت تھی۔ حالانکہ رقم تو میرے پاس موجود تھی اور میں مزید کا بھی انتظام کر سکتا تھا، لیکن میں نے یہ گولڈن چانس اویل کرنے کا سوچا۔ شاید پھر اس اپارٹمنٹ کی ایسی اچھی قیمت نہ مل پاتی مجھے........ آپ کو برا لگا یہ سب؟" وہ بولتے بولتے رک کر پوچھنے لگا۔
"ہوں۔ تم نے ذرا بھی ذکر نہیں کیا۔" ان کو ٹانگوں سے کھڑے ہونا دوبھر ہوا جا رہا تھا اور قریب کہیں بیٹھنے کو کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے ٹیلی فون اسٹینڈ پر اپنا پورا وزن ڈال دیا۔
"اصل میں یہ ڈیل اتنی اچانک ہوئی کہ میں ذکر بھی نہ کر سکا۔ ویسے میں آج ٹائم نکال کر آپ کو فون کرنے والا تھا۔ اچھا ہوا، آپ نے کر لیا۔ اور یوں بھی آپ نے تو چند دنوں تک یہاں سے چلے ہی جانا ہے۔ آئی مین پاکستان، تو پھر اس اپارٹمنٹ کی دیکھ بھال کون کرتا؟ رینٹ پر دو تو کرائے دار گھر کی بنیادیں تک ہلا جاتے ہیں، اس لئے میں نے سوچا، اسے پڑا پڑا گھن جو لگے گا تو کچھ وٹ کھرے کر لیتے ہیں۔ آبگینے کی بھی یہی مرضی تھی۔"
"ابھی تو چند دن ہوئے تھے۔ اور یہ تو میرا تحفہ تھا آبگینے کے لئے۔ اور میں کون سا ابھی پاکستان جا رہا تھا؟ تمہیں کم از کم مجھ سے پوچھ تو لینا چاہئے تھا، اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ رکھائی سے بولے۔
"آپ اپنے منہ سے تحفہ بھی کہہ رہے ہیں اور اجازت لینے کی بات بھی کر رہے ہیں۔ آپ کا یہ دوہرا نظریہ میری سمجھ میں نہیں رہا۔ آپ ناراض ہیں تو میں آپ کو ابھی رقم ٹرانسفر کروا دیتا ہوں۔ میں نے تو آبگینے کے فائدے کے لئے ہی کہا تھا۔ میں نے بے کار پڑے اس ڈربے کو چاٹنا تھا کیا؟" وہ ان سے زیادہ درشت لہجے میں بولا تو ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا۔
"ابھی تو ہم رہ رہے ہیں۔ تمہیں اتنا تو خیال کرنا چاہئے تھا۔" وہ دانت بھینچ کر سینے میں اٹھتی درد کی لہروں کو دبا کر بولے۔
"تو یہ کون سا آپ کو ابھی خالی کرنے کا کہہ رہا ہے اسے۔ مہینہ، دو مہینے آرام سے رہیے۔ یہ دوبارہ آپ کو اپنی شکل بھی نہیں دکھائے گا۔ بس جانے سے پہلے فون کر دیجئے گا۔ چابی لینے پہنچ جائے گا۔ دیٹس آل۔" وہ بے نیاز سے لہجے میں کہتے ہوئے انہیں سلگا گیا۔ وہ جواباً کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ آہستگی سے "خدا حافظ" کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔
"آپ یہ پیپرز اور اپنا کانٹیکٹ نمبر چھوڑ جایئے۔ میں خود آپ سے رابطہ کر لوں گا۔" وہ ماتھے پر آئے پسینے کی نمی کو ہتھیلی کی پشت

سے رگڑتے ہوئے رُک رُک کر منتظر نظروں سے اپنی جانب دیکھتے جارج سے بولے تو وہ سر ہلا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر ان پیپرز پر رکھا۔

''اوکے، بائے۔ میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔'' کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بے دم سے ہو کر صوفے پر... وقت اسامہ اندر داخل ہوا۔

''آغا جان! یہ شخص کون تھا؟'' اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے باہر نکلتے جارج کو دیکھ کر پوچھا۔

''میرا ایک جاننے والا۔'' وہ لب دانتوں سے کچل کر بولے۔

''پہلے تو کبھی میں نے اسے نہیں دیکھا۔ یہ کاغذ کیسے ہیں؟'' وہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھنے لگا تو اس کی نظر پیپرز پر پڑی۔

''ہیں کچھ۔'' انہوں نے تیزی سے کاغذ اپنی گود میں کھینچ لئے۔ ''تمہارا رزلٹ کب ہے؟''

''جی!'' وہ اس غیر متوقع سوال پر کچھ حیران ہوا۔ ''شاید ایک دو ماہ تک۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''تم نے پھر کیا سوچا ہے میرے ساتھ، پاکستان جانے کے بارے میں؟'' وہ ابھی بھی گرم چادر کے اندر ہاتھ ہلکا دبا رہے تھے۔

''ابھی تو نہیں آغا جان! پہلے رزلٹ تو آ جائے۔ کسی اچھی جاب کے لئے ٹرائی کروں گا، پھر سوچوں گا، جا... آخر میں پُرسوچ سے انداز میں شاید خود سے بولا تھا۔

''اور میں نے تم سے کہا تھا، میرے عمرے اور پاکستان جانے کے لئے پیپرز اور ٹکٹ کا انتظام کرو، وہ.......''

''اتنی جلدی؟........ آغا جان! ابھی تو آپ کہہ رہے تھے، پہلے آبگینے سے ملنے چلیں گے۔ مجھے اس سے بات... گئے ہیں۔ راستے میں آتے ہوئے سوچ رہا تھا، گھر جاتے ہی اس سے بات کروں گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے فون کی طرف...

''میں نے ابھی فون کیا تھا، وہ سو رہی ہے۔ ٹھہر کر کر لینا۔ ادھر بیٹھو میرے پاس آ کر۔'' وہ اسے ہاتھ پکڑ... بولے۔ ''تم دس پندرہ دن میں میرے جانے کا انتظام کر دو۔ اور میں تو کہتا ہوں، تم بھی میرے ساتھ ہی چلو۔ یہاں اکیلے؟'' وہ محبت سے اس کا ہاتھ دبا کر بولے۔

''آغا جان! وہاں بھی کون ہے؟ یہاں کم از کم اچھے روزگار کی آس تو ہے نا۔ آپ اتنی جلدی کیوں جانا چاہ... عرصہ رہے، وہاں سال چھ مہینے اور ٹھہر جائیں گے۔ مجھے جاب مل جائے، پھر چھٹی لے کر اکٹھے ہی چلیں گے۔''

''نہیں رہ سکتا نا اب ادھر۔'' وہ پشیمان سے لہجے میں بولے۔

''کیوں....... کیوں نہیں رہ سکتے؟'' وہ تنگ کر بولا۔ ''میں جو ہوں ادھر آپ کے پاس۔ کیا آپ صرف آبگینے... ہوئے تھے؟''

''یہ بات نہیں ہے۔'' وہ درد کو دبا کر بولے۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ ان کی شکل دیکھ کر بولا۔

''ہاں، میں ٹھیک ہوں۔ تم وہ کرو، جو میں کہہ رہا ہوں۔''

''یعنی؟''

''میرے جانے کے انتظامات۔ پہلے اللہ کے حضور حاضری دوں گا۔ دل بہت بے چین سا ہے۔''

''آغا جان! خیریت تو ہے؟ آپ مجھے کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟''

''یہ شخص جو ابھی یہاں سے گیا ہے........ اس اپارٹمنٹ کا نیا مالک ہے۔ جہانگیر نے یہ اپارٹمنٹ اس کے ہاتھ... اس کے پیپرز ہیں، دیکھ لو۔'' وہ کپکپاتے ہوئے لہجے میں بولے اور گود میں رکھے کاغذات اس کے پاس رکھ دیئے، جو... کی بات سنتے ہوئے ان کو یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

''یہ....... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

''میرے پاس اب کہنے کو بچا ہی کیا ہے۔ تم خود دیکھ لو یہ سب۔'' ان کے لہجے میں صدیوں کی تھکن اُتر آئی تھی۔

''آغا جان!'' وہ ابھی بھی شاک میں تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں عجیب سی ندامت و پشیمانی نے آن گھیرا... رخصتی کے اتنے دنوں بعد انہیں اپنے فیصلے اور عجلت پسند رویے پر ملال سا ہوا تھا۔ بہت اندر کہیں دُور تک جس میں خسارہ... آ رہا تھا اور وہ ساکت بیٹھے اسامہ سے اپنا یہ درد شیئر بھی نہ کر سکے۔ بس سینہ دبائے، آنکھیں موند کر آنکھوں میں اُترتی... کوشش کرنے لگے۔

☼☼......☼☼
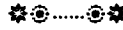
"کیسا رہا تمہارا جاب کا پہلا دن؟" وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا، احسن مراد دروازہ کھولتے ہوئے اس کے سلام کے جواب میں بے چینی سے بولے۔

"ٹھیک....... اچھا......" ان کے اشتیاق بھرے لہجے پر وہ سنبھل کر بولا۔

"کیسے لوگ ہیں؟" وہ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ چلنے لگے۔

"اچھے ہیں۔ ویسے پہلے دن کیا پتہ چلتا ہے۔"

"بندہ ہوشیار ہو تو پہلے دن بہت کچھ قیاس کر لیتا ہے۔" وہ اُس کے ٹھس انداز پر کچھ چڑ کر بولے۔

"قیاس تو ابو جان! قیاس ہی ہوتا ہے۔ یقین تک پہنچنے کے دوران بندہ بہت کچھ قیاس کر لیتا ہے اور ان میں سے اکثر فضول واہیے ہی نکلتے ہیں۔" آفس کے کام کے دوران تو نہیں، ہاں ویگن کی جگل خواری نے اسے اچھا خاصا تھکا دیا تھا اور آتے ہی احسن مراد کی تفتیش۔

"قیاس یقین کے قریب لے جاتا ہے اور مجھے تو تمہارے انداز سے لگ رہا ہے، تم یہ جاب بھی چند دن سے زیادہ نہیں چلانے والے۔" وہ اپنے مخصوص شکی انداز میں بولے۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ پہلی دونوں جابز بھی میں نے نہیں چھوڑی تھیں۔ آپ پتہ نہیں کیا سمجھتے ہیں، جیسے مجھے شوق ہے۔"

"توبہ ہے۔ اس بے چارے کو سانس تو لینے دیں۔" یاسمین، بیٹے کی مدد کو آگے بڑھیں۔

"میں نے کیا اس کی آکسیجن روک لی ہے جو اسے سانس نہیں آرہی؟" وہ اسی چڑچڑے لہجے میں بولے۔

"اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟" وہ فوراً تنزیل کے کندھے سہلا کر بولیں۔ "صبح کا تھکا ہارا آیا ہے، اسے بیٹھنے تو دیں۔"

"ہاں، انہوں نے تو جیسے اسے صبح سے ایک ٹانگ پر کھڑا کر رکھا ہو گا۔ تمہاری یہ بے تکی ہلا شیریاں اسے کچھ نہیں کرنے دیتیں۔ بے جا لاڈ جتا جتا کر اسے نکما مت کرو۔" وہ حسب عادت اونچا اونچا بولنے لگے۔

"احسن! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟....... اچھا چلیں، اندر چل کر بیٹھیں۔ چلو تنزیل! تم بھی منہ ہاتھ دھو لو جا کر۔ نہانا ہے تو نہا لو۔ میں تمہارے ابو کے کمرے میں ہی چائے تیار کر کے لے آتی ہوں۔" وہ تنزیل کو وہاں سے ہٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

"صبح سے تو تم نے چائے پانی کی ہڑتال مچا رکھی تھی، کچھ نہیں ہے، کچھ نہیں ہے۔ اب کون سے چشمے برآمد ہو گئے چائے کے، ہمارے لاڈلے کے چہرۂ انوار کے ظہور کے ساتھ؟"

"صبح پی تو تھی آپ نے، صرف دوپہر کو میں نے نہیں دی کہ اتنی گرم دوا کھاتے ہیں۔ گرمی ہو جائے گی۔"

"ماشاءاللہ، یہ ہمدردیاں پہلے تو مجھ بدنصیب کے لئے تمہارے دل میں نہ جاگیں۔ اب محض بیٹے کی چائے کی دودھ پتی بچانے کے لئے میرے لئے اُمڈ پڑیں۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر بولے۔

"آپ سے تو بات کرنا بھی دشوار ہے۔" وہ منہ میں بڑبڑائی۔

"میرا تو ساتھ بھی اب تمہارے لئے دشوار ہے، تو میری بات کیا برداشت ہو گی؟ بھلا اونچا بولو، اتنا بہرا نہیں ہوں میں کہ تمہاری یہ بکواس نہ سن سکوں۔"

"مراد! کیا ہو گیا ہے، کیوں آتی جاتی ہواؤں سے بھی لڑنے لگے ہو؟....... وہ بے چارا صبح سے اب گھر میں آیا ہے اور تم......" احسن مراد کی والدہ اندر سے بولی تھیں۔

"ہاں، پاگل ہو گیا ہوں میں، جو آتے جاتوں کو کاٹنے لگا ہوں۔ بس یہ طعنہ ملنا باقی تھا مجھے اس گھر میں، وہ بھی اپنی ماں کے ہاتھوں۔"

"میرا خیال ہے، اچھی خاصی تھکن تمہاری رفع ہو گئی ہو گی، ابو جان کی اس تازہ مالش سے۔" وہ اندر داخل ہوا تو دروازے میں کھڑی ثانیہ شرارت سے بولی۔

"میری مالش ہو گئی، تمہیں خوشی مل گئی۔ آج کے دور میں یہ خوشی ہی تو انمول ہے، جو صبح سے اس کے حصول کے لئے جوتیاں چٹخا رہا ہے، اسے تو ملی نہ، تمہیں کھڑے کھڑے لمحہ بھر میں مل گئی۔" وہ کوفت بھرے انداز میں کہتے ہوئے جھک کر اپنے جوتے اتارنے لگا۔

"اپنی اپنی قسمت ہے۔" وہ اسی طرح مسکرا کر بولی۔

"اب یہاں کھڑی یونہی اپنی خوش قسمتی پر دانت نکوستی رہو گی یا مجھے دو گھونٹ پانی بھی پلواؤ گی؟"

''آتے ہی ابو جان سے ملاقات کا کچھ تو اثر ہونا ہی تھا۔ چ..... چ..... پہلا دن اور ایسی تلخی.......اچھا گو ہوں۔'' وہ اس کے گھورنے پر تیزی سے باہر نکل گئی۔

احسن مراد نے چائے اپنے کمرے میں ہی پی۔

''زیادہ پیار جتانے کی ضرورت نہیں۔ میرا کپ میرے منہ پر مارو اور تم لوگ کہیں دوسرے کونے میں جا کر مَرو'' انہوں نے سب کی چائے ادھر رکھنا چاہی تو وہ اسی کڑوے لہجے میں بولے۔ یاسمین انہیں کپ دے کر چائے تنزیل کے لئے آئیں۔

''آج تو ابھی تمہاری جاب کا پہلا دن تھا اور باقی پورا مہینہ پڑا ہے، پھر بھی تنخواہ ملے گی تو اتنے دن.......کم دیں گے؟'' جیسے ہی تنزیل نے چائے ختم کی، یاسمین پریشانی ظاہر کرتے ہوئے بولیں۔

''اوہ امی! سب سے اہم بات بلکہ خوشخبری تو میں آپ کو بتانا ہی بھول گیا۔'' وہ ان کی بات پر ایک دم بشاش لہجے

''اچھا، ہمارے گھر میں بھی خوش خبریوں کا نزول ہونے لگا ہے۔ قابلِ غور بات ہے۔'' تانیہ نے لقمہ دیا۔

''امی! بہت اچھے لوگ ہیں۔ آتے آتے مجھے بتایا گیا کہ تنخواہ ایڈوانس ملے گی۔ وہ بھی کل ہی۔ پے سلپ ملے گی گا کہ کتنی ہے۔ مجھے اپنے منہ سے پوچھنا اچھا نہیں لگا۔ ظاہر ہے، اچھی ہی ہوگی۔ ویسے آپ فکر نہ کریں، اِن شاء کچھ انتظام کرلاؤں گا، اگر تنخواہ لیٹ بھی ہوئی تو۔'' وہ ان کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''پھر تو بہت اچھے لوگ ہیں، ورنہ آج کل تو لوگ پورا مہینہ خون نچوڑتے ہیں پھر بھی اگلے کی محنت کے چ تکلیف ہوتی ہے۔ ویسے کام کیا ہے تمہارا؟''

''فیشن میگزین نکال رہی ہے ان کی فرم، اس کے لئے اسسٹنٹ ایڈیٹر رکھا ہے مجھے۔'' وہ ریلیکس ہو ٹانگیں پھیلا کر سر کے پیچھے بازو رکھتے ہوئے بولا۔

''واؤ، فیشن میگزین اور تم.......تمہیں تو میچنگ کی الف ب نہیں آتی، فیشن میگزین خاک چلاؤ گے؟'' تانیہ بو

''جلنے والے یونہی بیٹھے رہ جاتے ہیں۔''

''اللہ کی شان ہے، مینڈک کو بھی زکام ہوا۔ اسی لئے اللہ گنجے کو ناخن نہیں دیتا۔''

''چاند کا تھوکا منہ پر۔ مجھے اس وقت جواباً محاورہ یہی آرہا ہے۔ یہ جنگ پھر کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو ہوئے آلکسی سے بولا۔

''تمہاری اُردو شروع سے کمزور ہے، جب بھی اس میدان میں اُترو گے، مات ہی کھاؤ گے۔'' وہ اسے چیلنج کر

''تانیہ! یہ فضول باتیں بس کرو۔ برتن اٹھاؤ اور چل کر تھوڑے سے چاول پڑے ہیں، وہی بھگو دو۔ میں ذرا ا ہوں۔ اور تنزیل! تم تھوڑی کمر سیدھی کرلو۔ صبح سے بیٹھے ہوگے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''ہاں، ابو کہہ تو رہے تھے۔ بے چارے کو انہوں نے ایک ٹانگ پر کھڑا کر رکھا ہوگا، جو تھکن سے برا حال ہ کر جاتے ہوئے بولی۔

''بے کار، مباش کچھ کیا کر۔ نئے نہیں تو پرانے ادھیڑ کر سیا کر۔ امی! اسے کام دیا کریں۔ فارغ رہ کر اس کی ز ہوتی جا رہی ہے۔'' تنزیل کے کہنے پر تانیہ جاتے جاتے رک گئی۔

''تمہیں تو میں آکر پوچھتی ہوں۔'' وہ دھمکانے والے انداز میں رک کر بولی۔

''چلو، جو کہا ہے، وہ کرو جاکر۔'' یاسمین اسے اپنے آگے کرتے ہوئے باہر نکل گئیں تو تنزیل اٹھ کر پلنگ پر تھکاوٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ احسن مراد کی باتوں نے اسے اُداس سا کر دیا تھا۔

'پتہ نہیں، ابو جان مجھ سے خوش کیوں نہیں ہوتے؟' وہ ان کی باتوں کو ذہن میں لاتے ہوئے افسردگی سے

❀⊚......⊚❀
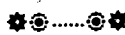
''عزہ! ادھر آئیں آپ۔'' وہ ریکٹ سنبھالے باہر کی طرف جا رہی تھی، جب لاؤنج میں بیٹھے محمود عالم نے اسے

''جی پاپا!'' وہ پاس آکر کھڑی ہوگئی۔

''یہ مارکس شیٹ دیکھی ہے آپ نے اپنی؟'' انہوں نے اس کی مارکس شیٹ اس کے سامنے کی، جو وہ ٹیبل پر رکھ آئی تھی۔

''جی پاپا!'' ان سے ملنے والی شاباش کے خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''غیر نصابی سرگرمیاں اچھی چیز ہیں، مگر اسٹڈی سے اہم نہیں۔'' وہ خشک لہجے میں بولے۔ ''آپ نے دیکھا اپنا

"جی پاپا! اے پلس گریڈ آیا ہے۔" وہ تو ان کے لہجے پر کچھ کنفیوز ہو کر بولی۔
"صرف اے پلس گریڈ پر نظر ہے، ذرا پرسنٹیج دیکھی ہے؟"
"نائنٹی ٹو پوائنٹ سیون۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"اونلی بولو ساتھ۔" وہ ترشی سے بولے۔ "کیا بات ہے، اسٹڈی کی طرف انٹرسٹ کم ہو رہا ہے یا ٹائم نہیں مل رہا یا کوچنگ کی ضرورت ہے؟" وہ اس کا چہرہ فوکس کرتے ہوئے بولے۔
"نو پاپا! ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ رو دینے کو تھی۔ حالانکہ اس کے ٹیچرز نے تو اس کی مارکس شیٹ دیکھ کر ساری کلاس کے سامنے اسے سراہا تھا۔ سب اسٹوڈنٹس کو اس جیسا مثالی اسٹوڈنٹ بننے کی تلقین کی تھی اور پاپا۔
"تو پھر اتنی کم پرسنٹیج کیوں؟" وہ خفگی سے مارکس شیٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔
"نیکسٹ ٹائم آئی وِل ٹرائی مائی بیسٹ پاپا!" وہ آہستہ سے بولی۔
"میں آپ کی پرفارمنس کو شاندار دیکھنا چاہتا ہوں، اسپیشلی اِن اسٹڈیز۔ تمہیں معلوم ہے نا۔"
"جی پاپا!" وہ مجرموں کی طرح سر جھکا کر بولی۔
"کوئی پرابلم ہے تو کہہ ڈالو" وہ اٹھتے ہوئے بولے۔
"نو پاپا!" وہ رندھی ہوئی آواز میں نظریں جھکا کر بولی۔
"ویسے رزلٹ تو یہ بھی برا نہیں، مگر فائنل رزلٹ میں مجھے پرسنٹیج نائنٹی سکس کے اراؤنڈ نظر آنی چاہیے۔ اس تھکے ہوئے رزلٹ کے لئے آپ کیا گفٹ لیں گی پاپا سے؟" وہ اس کا جھکا ہوا چہرہ انگلی سے اٹھاتے ہوئے ذرا سا مسکرا کر بولے۔
"جب رزلٹ ہی آپ کو پسند نہیں آیا تو تحفہ کا کیا سوال؟" وہ اپنا چہرہ جھٹک کر خفگی سے بولی۔
"نہیں، رزلٹ اتنا خراب نہیں۔ البتہ مجھے واقعی پسند نہیں آیا اور واقعی یہ ڈیمانڈنگ ہے بھی نہیں۔ او کے، میں اپنی مرضی سے گفٹ لے آؤں گا۔ اور اگر فائنل سمیسٹر کا رزلٹ میری پسند کا ہوا تو گفٹ آپ کی پسند کا۔ آئی پرامس۔" وہ اس کے آگے اپنا مضبوط ہاتھ پھیلا کر بولے۔
"گاڑی...... پرامس؟" وہ جلدی سے بولی۔
"پرامس۔" انہوں نے کہا تو اس نے ان کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
"کسی سے کہہ کر کافی مجھے اسٹڈی میں...... بلکہ نہیں، میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ ڈنر اکٹھے کریں گے۔ تم تیار رہنا، کہیں باہر چلیں گے۔" وہ جاتے جاتے پھر فراخ دلی سے بولے تو عزہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ تھوڑی دیر میں اس نے ان کی گاڑی روانہ ہونے کی آواز سنی، اسی وقت فون کی بیل ہوئی۔
"ہیلو!" وہ ریسیور اٹھا کر بولی۔
"عزہ عالم سے بات ہو سکتی ہے؟" مہین سی اجنبی آواز ایئر پیس میں اُبھری تھی۔
"آئی ایم اسپیکنگ۔"
دوسری طرف ایک لمحے کو سکوت سا ہوا۔
"جی میم! ہیں۔" اس نے دُور ہوتی آواز کو کہتے سنا۔
"عزہ عالم! آئی ایم یاقوت۔ پہچانا؟" دوسرے پل اس کے کانوں نے میڈم یاقوت کی کھنک دار آواز سنی تھی۔
"آں...... آف کورس۔ آئی ریمیمبر۔" بدحواسی اُس پر طاری ہونے لگی۔
"اچھا، ایسا ہے کہ ہماری ایک فیشن پریڈ ہو رہی ہے، پی سی میں، ابھی ایک گھنٹے بعد۔ اگر آپ آ سکو تو۔ مجھے یونہی خیال آیا کہ آپ کو یہ ایگزیبیشن مس نہیں کرنی چاہیے، اس لئے انوائٹ کر رہی ہوں۔ آؤ گی؟" بڑا ہی اپنائیت بھرا فرمائشی انداز تھا۔
"ایک گھنٹے بعد......" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "میں کوشش کرتی ہوں۔"
"کوشش نہیں، بیسٹ ٹرائی۔ آئی ایم ویٹنگ یو۔ او کے، بائے۔" اس نے مسرور ہوتے دل کو سنبھال کر ریسیور رکھ دیا۔
'جانا تو چاہیے۔ انویٹیشن، وہ بھی میڈم یاقوت دے رہی ہیں خود سے۔ ویری ایکسائٹنگ۔ فرح کو فون کر کے ساتھ چلنے کو کہتی ہوں۔' اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے فرح کو فون کر کے تیار کر لیا۔
"تم تیار ہو جاؤ، میں بیس پچیس منٹ میں پہنچ رہی ہوں۔" اس نے تائید کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔ وہ خود بھی محض دس منٹ میں تیار ہو کر آ گئی تھی۔
"او مائی گاڈ! دونوں ڈرائیور ندارد۔ ماما خدا جانے شام سے کدھر گئی ہیں اور پاپا بھی...... میں کس کے ساتھ جاؤں؟" وہ

سیڑھیوں پر کھڑی سوچ میں پڑ گئی۔ پورچ میں صرف محمود عالم کی شیورلیٹ کھڑی تھی۔
'جانا تو ضرور ہے، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔' وہ اندر سے گاڑی کی چابی لاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ کر خود سے بولی۔
''دو چار بار اسی طرح چلاؤں گی تو جھجک دور ہو گی۔'' وہ گاڑی آہستگی سے سڑک پر لاتے ہوئے خود سے بولی۔
صاف ستھری کشادہ سڑکیں تھیں اور ادھر رش بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ گاف لین سے مڑتے ہوئے باہر نکل گئی۔
'آج میوزک نہیں لگاتا؟ ذہن بٹ جاتا ہے۔' وہ اس وقت صرف اپنا مورال ہائی کرنے کے لئے خود کلامی کر رہی تھی۔
''یہ مارا!'' اس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔ وہ مین روڈ کی ٹریفک سے بحفاظت نکل آئی تھی۔ مین روڈ کی ذرا سی ٹریفک کو اب ڈر بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے قدرے بے فکری سے تھوڑی سی اسپیڈ بڑھا دی۔
'بڑی بات ہے، میڈم یاقوت نے مجھے خود فون کیا ہے۔ اتنی بڑی شوبز فگر کا مجھے خود سے انوائٹ کرنا....... بتایا نہیں اور ماما کو بھی۔' اُسے ایک دم سے یاد آیا۔ بائیں جانب گاڑی ٹرن کرتے ہوئے وہ کچھ پریشان سی ہو گئی تھی کے خیال سے۔
نہ جانے کیا ہوا۔ کس جانب سے ہوا میں اُڑتی ہوئی کوئی بلو، گاڑی کے بونٹ سے ٹکرائی تھی اور ایک زور دار جھٹکے سے اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ خود ایک طرف لڑھک گئی۔

✿◉......◉✿
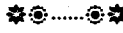
نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا۔ فون کی بیل سے ان کے بہت گہری نیند میں سوئے حواس بہ دقت بیدار ہوئے۔ کمرے میں زیرو پاور کے بلب کی روشنی کے باوجود چند لمحے تو انہیں سمجھ میں ہی نہیں آیا، وہ کہاں ہیں۔
فون کی مسلسل بجتی بیل پر وہ ایک دم اٹھے تھے۔
'خدا خیر کرے، اس وقت کس کا فون ہے؟' وہ خود کو سنبھالتے، کارپٹ پر بے آواز قدموں سے چلتے، ننگے پاؤں فون تک پہنچے۔ فون بجے جا رہا تھا۔ ان کے دل کی دھڑکن اس کی بجتی گھنٹی کے ساتھ تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔
''ہے....... ہیلو.......'' وہ لرزتی آواز میں بولے۔ اسی وقت اسامہ سرخ آنکھیں لئے اپنے کمرے سے نکل کر کھڑا ہوا۔
''آغا جان.......!'' دوسری جانب جہانگیر ہمدانی کی بھنچی بھنچی سی آواز تھی۔
''آں....... ہوں....... بول رہا ہوں....... خیر....... خیر تو ہے؟'' ان کا دل جیسے سینے میں پھڑ پھڑانے لگا۔ انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ اس وقت بجنے والا فون جہانگیر ہمدانی کا ہو گا۔
''آغا جان!....... آغا جان!....... آبگینے نے خودکشی کر لی ہے۔''
ان کے ہاتھ سے ریسیور گرتا چلا گیا اور وہ سینہ پکڑ کر خود وہیں زمین پر ڈھے گئے۔ اسامہ ان کو تھامنے کے لئے لپکا مگر وہ خرد سے بیگانہ ہو چکے تھے.......!

✿◉......◉✿
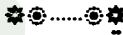
سی سی یو کے باہر ٹہل ٹہل کر اسامہ کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں اور دل و دماغ جیسے کسی پہاڑ کے نیچے آ گئے تھے۔ حالات ناقابلِ یقین لگ رہے تھے اور ناقابلِ برداشت بھی۔
وہ جہانگیر ہمدانی سے آبگینے کے رشتے کے خلاف ضرور تھا اور اس کی چھٹی حس بھی بار بار اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتی رہی اور اس ناپسندیدگی کا اظہار بارہا اس نے آغا جان کے سامنے بھی کیا تھا۔ لیکن یہ تو اس کے گمان کی آخر حد میں بھی نہیں تھا کہ آبگینے اس دنیا سے بھی جا سکتی ہے۔
''اس نے واقعی خودکشی کی ہے۔ فروٹ کاٹنے والی تیز دھار چھری اس نے اپنے سینے میں گھونپ لی تھی۔ مجھے تو ایک پل کو یقین بھی نہ آ سکی۔ میں نے خود پوسٹ مارٹم رپورٹ دیکھی ہے، یہ واقعی سوسائیڈ تھا۔''
ابھی کچھ دیر پہلے اس کے ایک اچھے واقف کار کا فون آیا تھا، جسے اس نے فوری طور پر جہانگیر ہمدانی کی بات کی تصدیق کرنے اور پتہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔
'کیا میں یہ سب آغا جان کو بتا سکوں گا؟ کبھی نہیں۔' اس نے وحشت بھرے انداز میں اپنے گھنے بال مٹھی میں جکڑے اور آغا جان....... ابھی تک ان کی حالت خطرے سے باہر نہیں آ سکی تھی۔ آٹھ گھنٹے گزر گئے اور ڈاکٹرز کے مطابق اگلے اڑتالیس گھنٹے شدید خطرے کے موجود تھے۔ کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

'اوہ، آغا جان! میں کیا کروں؟........کاش میں اُڑ کر جا سکتا، آبگینے کے معصوم چہرے کو آخری بار ایک نظر دیکھنے کے لئے۔ آغا جان! آبگینے کو ہم دونوں کا انتظار ہوگا۔ وہ کیا کہے گی، اس کا بھائی اور دادا کتنے کٹھور نکلے۔ اسے کندھا دینے بھی نہ آ سکے۔ آغا جان! معلوم وہ آخری لمحات میں کس اذیت ناک تکلیف سے گزری ہو کہ اس نے جان سے گزرنے کا کٹھن ترین فیصلہ کر لیا۔ وہ ایسی فطرت پسند تو کبھی نہیں تھی۔ آپ نے اس کی مرضی کے خلاف تعلیم چھڑوا کر گھر بٹھایا۔ وہ دو چار دن رو دھو کر چپ ہو گئی تھی۔ مگر اس طرح کا انتہائی رویہ تو اس نے کبھی کسی معاملے میں بھی نہیں دکھایا۔ نہ جانے اس پر کیا بیتی؟ کیا پتہ یہ خودکشی ہو کہ قتل........اوہ میرے خدایا! یہ کیسی بے بسی ہے؟ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔'

وہ اپنے ہاتھوں پر سر گرائے رو رہا تھا۔

'آغا جان! آپ نے ایسا کیوں کیا اس معصوم کے ساتھ؟ اُسے میلوں دور پٹخ دیا۔ آخر کیا نظر آیا تھا آپ کو اس مکار صورت کے باز فراڈیے انسان میں۔ اب کون اس سے آبگینے کے خون کا حساب مانگے؟ آپ تھوڑی ہمت کر لیتے، کم از کم یوں بیمار نہ پڑتے تو میں ایک بار تو ضرور جاتا، اس کے ہاتھوں پر آبگینے کا لہو دیکھنے۔ آغا جان! آپ نے یہ کس بے بس موڑ پر لا کر مجھے کھڑا کر دیا ہے؟'

'آبگینے تو چلی گئی، کیا اب آغا جان کو بھی کھو دو گے؟ تمہاری سوچیں اگر نوکِ زبان پر آ گئیں تو شاید آغا جان ایک پل کو نہ جی سکیں۔ کیا اب انہیں بھی گنوانا چاہتے ہو؟' کوئی اس کے اندر چیخ کر بول رہا تھا۔

'مجھے خود کو سنبھالنا چاہئے۔ ورنہ شاید میں آبگینے کے ساتھ خدانخواستہ آغا جان کو بھی رو رہا ہوں گا۔ آبگینے تو جا چکی منوں مٹی تلے، میں اب شاید اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ہاں، آغا جان کی زندگی کے لئے دعا اور کوشش کر سکتا ہوں کہ اب انہیں ان اذیت ناک سوچوں کی ذرا سی ہوا بھی نہ لگے۔ ان کا کمزور دل تو اب کچھ بھی نہیں سہہ سکے گا۔' وہ اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر سے ٹہلنے لگا۔

'میرے اللہ! مجھے صبر دے، حوصلہ اور ہمت کہ میں آغا جان کو سنبھال سکوں اور آبگینے کی ایسی بہیمانہ موت کو فراموش کر سکوں۔ حوصلہ دے، میرے اللہ! حوصلہ۔' وہ دعا کرتے ہوئے ایک بار پھر سے بکھرنے لگا

'مجھے دعا کرنی چاہئے۔ دو نفل پڑھنے چاہئیں۔ کہتے ہیں، مصیبت پر خدا کو دل سے یاد کرو تو وہ ضرور سہارا بنتا ہے۔ ڈھارس دیتا ہے۔' وہ بہتی آنکھوں اور ناک کو آستین سے رگڑتا ہوا بوجھل قدموں کے ساتھ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

"ابھی خطرہ موجود ہے۔ کم از کم اگلے اٹھارہ گھنٹے بہت اہم ہیں۔ اگر اس دوران انہیں ہلکا سا اٹیک بھی ہو گیا تو شاید ان کا بچنا ممکن نہ ہو۔" وہ نفل پڑھ کر ڈاکٹر کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر کا جواب سن کر وہ کچھ بھی کہے بغیر سر جھکائے باہر نکل گیا۔ وہ بے جان قدموں سے سی سی یو کی طرف جا رہا تھا، جب اس کے موبائل کی بیپ بج اُٹھی۔ اس نے بددلی سے ہاتھ میں پکڑا موبائل آن کر کے کان سے لگایا۔ نام یا نمبر دیکھنے کی بھی اس نے کوشش نہ کی تھی۔

"توبہ ہے اسامہ! تم کدھر ہو؟ تین گھنٹوں سے ٹرائی کر رہی ہوں، تمہارے گھر کے نمبر پر، سیل نمبر پر۔ آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟"

لائبہ کی بے صبرے پن سے چیختی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو اسے خیال آیا کہ اس کا موبائل فون پہلے بھی بجتا رہا ہے۔ سننے کا تو خیال ہی نہیں آیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا، بولتے کیوں نہیں ہو؟" اس کی مسلسل خاموشی پر وہ پھر سے تیز لہجے میں بولی تھی۔

"لائبہ! پلیز، میں اس وقت تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ بات کر سکتا ہوں۔ تم پھر کال........" وہ رو دینے والے لہجے میں بمشکل بولا۔

"خبردار اسامہ! فون بند نہیں کرنا۔ مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟........اچھا تم ہو کہاں؟ بتاؤ مجھے، میں آ رہی ہوں۔" وہ حسبِ عادت تیز تیز بول رہی تھی۔

"تم کیا کرو گی آ کر؟ میں خود کو کسی سے ملنے کی کنڈیشن میں نہیں پا رہا۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"عجیب آدمی ہو۔ نہ کچھ بتا رہے ہو، نہ آنے دیتے ہو۔ آخر تمہیں تکلیف کیا ہے؟ اتنی بری لگنے لگی ہوں میں تمہیں کہ تم میری صورت کچھ بھی برداشت نہیں کر پا رہے؟" وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"لائبہ! فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری کسی بک بک کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ اور آنا چاہتی ہو تو آ جاؤ۔ میں ہسپتال میں ہوں۔"

اس نے جلدی سے ہسپتال کا نام بتا کر موبائل آف کر دیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ ایک تو صدمے اتنے اچانک، پھر مسلسل آنکھ

گھنٹوں سے ٹہل ٹہل کر اس کا دماغ جیسے شل سا ہو گیا تھا۔ وہ نڈھال سا ہو کر صوفے پر گر گیا۔

✿◉......◉✿

"امی جان!.......امی جان! کہاں ہیں آپ؟.......واٹ اے سرپرائز۔ اے پلیزنٹ سرپرائز۔ دیکھیں تو۔"
مسلسل تکرار سنتے ہوئے کچھ حواس باختہ سی باتھ روم سے نکلی تھی۔

"کیا آفت آ گئی ہے تم پر جو یوں چیختے جا رہی ہو؟ آخر کون سا قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے؟ دو منٹ کے لئے
تھیں؟" وہ خفگی بھرے انداز میں کہتے تولیے سے اپنا منہ رگڑتے ہوئے بولی۔

"امی جان! صبر شکر کے گھونٹ پینے کے دن اب سمجھیں لد گئے اور ہمارے لئے روزگار کا ملنا ہی قارون کے خزانہ
ملنے کے برابر ہے۔ کیونکہ آج کل خود بخود چھپر تو پھٹنے سے رہا۔ پھٹ بھی جائے تو کوئی نہ کوئی آفت ہی نازل ہو
برستا۔" وہ سرخ دمکتا چہرہ لئے بڑی خوشی سے کہہ رہی تھی، جیسے واقعی اس کے ہاتھ کوئی خزانہ ہی لگ گیا ہو۔

"اچھا.......اتنی لمبی تمہید کا مقصد کیا ہے؟ مجھے افتاں و خیزاں باتھ روم سے نکالا ہے اور اب کسی فلسفی کی طرح
فول بکے جا رہی ہو۔ جلدی بولو، مجھے کچن بھی دیکھنا ہے جا کر۔ تمہارے ابو اٹھنے والے ہوں گے، اٹھتے ہی کھانے کا
یاسمین قدرے بے زاری سے تولیہ باہر صحن میں لگے تار پر ڈالتے ہوئے بولیں۔

"اوّل تو کچن میں کچھ ہے نہیں، جس کے آپ درشن کرنے جائیں گی۔ صبح میں نے آپ کو بتا تو دیا تھا،
صاحب کچھ لے آئیں تو......."

"اوہ ہاں، میں تو بھول ہی گئی۔ اب پھر تمہارے ابو کا نزلہ گرے گا، وہ بھی سارے گھر پر۔" یاد آتے ہی وہ
تخت پر گر گئیں۔

"بس امی! اب اس نزلے کے گرنے کے دن بھی سمجھیں لد گئے۔" وہ قریب آ کر ماں کے کندھے دبا
جوش سے بولی۔

"اپنی ایسی قسمت کہاں؟ خیر، جو میرے مولا کی مرضی۔ اچھے دن نہیں رہے تو یہ بھی نہ رہیں گے۔ زندگی جیسے
گزر ہی جائے گی۔ تم کہو، کیا کہہ رہی تھیں، جس کے لئے سارا گھر سر پر اٹھا رکھا تھا۔"

"امی! میری انٹرویو کال آئی ہے، اسی فرم میں، جہاں میں پچھلے دنوں گئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا، اگر آپ کو
لیں گے۔ ان ہی کی طرف سے یہ لیٹر آیا ہے۔" اس نے ٹائپ شدہ لیٹر، ماں کے آگے کیا۔

"لیٹر کا کیا ہے، وہ تو پہلے بھی آتے رہتے تھے۔ تنزیل کو کیا کم آئے تھے۔ نوکری تو جب ہی ملتی ہے، جب تقرر
بیٹے نے بے روزگاری میں جو چند سال گزارے تھے، اس نے انہیں ہر مرحلے سے باخبر کر دیا تھا۔

"پیاری امی! آپ تو کافی سیانی ہو گئی ہیں۔ سارے مراحل کا آپ کو علم ہے۔" تانیہ نے محبت سے ماں کا
مسکرا کر کہا۔

"چل ہٹ، چار بچے پالے تو کیا بے عقلی سے پالے؟ مجھے عقل مندی کا سرٹیفکیٹ دینے چلی ہے۔"

"توبہ، میری توبہ۔ میں اپنی ماں کو عقل مندی کا سرٹیفکیٹ دوں گی؟" اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"امی! اصل میں ہوتا تو ایسے ہی ہے کہ تقرری کا لیٹر آئے تو نوکری پکی۔ لیکن ان لوگوں نے مجھے کہا تھا
آپ کو کال کریں گے انٹرویو کے لئے، ورنہ نہیں۔ تو آج انٹرویو کال لیٹر ہی تو آیا ہے اور کل ہی انٹرویو ہے۔
میرے خیال میں......." وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "یہ فرم وہی ہے، جہاں تنزیل کو جاب ملی ہے۔ میرا تو
جیسے خود کو یقین دلانے والے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر تو بہت اچھی بات ہے۔ تم تنزیل سے ساری معلومات لے لینا۔" یاسمین ا
بولیں۔

"لو، ابھی خود تنزیل میاں کو ان کا آفس جوائن کئے چوبیس گھنٹے ہوئے ہیں، ان سے میں معلومات لو
بولی۔

"پاگل، لڑکوں کو بڑا پتہ ہوتا ہے، کون سی جگہ لڑکیوں کی جاب کے لئے مناسب ہے، کون سی نہیں۔ ان
ہے۔ ان کا مشاہدہ اور تجربہ ہم گھر بیٹھی عورتوں کی نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے، اسی لئے تو ان میں عقل بھی زیاد
اسے سمجھانے لگیں تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"میری بھولی ماں! آج تنزیل صاحب کو جاب مل گئی تو وہ عقل مند ہو گئے۔ کل تک تو بے چارے بدھو

کہلاتے جاتے تھے۔ کہیں تو ابھی ابو سے پوچھ آؤں تصدیق کے لئے۔'' وہ شرارت بھرے لہجے میں بولی تو یاسمین نے اس کے کندھے پر چپت رسید کردی۔

''تمہارے ابو تو ایسی ہر تصدیق کے لئے ہر لحہ تیار ہوں گے۔ ان کے کیا کہنے۔ ابھی تو انٹرویو ہوگا، پھر جاب کا مرحلہ اور اس کے بعد پیسے کی شکل دکھے گی۔ اس وقت تک کیا، کیا جائے؟ دوپہر کا کھانا اور تمہارے ابو کی کل سے ختم دوائی۔ پرسوں میں ساتھ والی نجمہ سے تین سو روپے بڑی مشکل سے اُدھار مانگ کر لائی تھی۔ آج صبح اس نے دوبار پیسے منگوا بھیجے ہیں۔ یہ شرمندگی الگ سے اُٹھانی پڑ رہی ہے۔'' یاسمین خفت بھرے لہجے میں آہستہ آہستہ بتا رہی تھیں۔

''آپ نے کیوں ان کمینے لوگوں سے مانگا؟ آپ کو پتہ نہیں، ایک بار دو سو روپے بل کے لئے ان سے ادھار لیے تھے، تین دنوں میں انہوں نے گھر کی دہلیز پکڑ لی تھی اور دو سو کی جگہ تین سو روپے نکلوائے تھے۔ امی! آپ بھی حد کرتی ہیں۔'' ثانیہ خفگی بھرے لہجے میں بولی۔

''بیٹا! میں حد نہیں کرتی، اس حد سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں جس پر تمہارے ابو ذرا سی کمی پر جا کھڑے ہوتے ہیں۔ اب کیا کروں؟'' وہ پریشان لہجے میں بولیں۔

''میں کیا بتاؤں؟ اب تو کچھ بیچنے کے لئے بھی نہیں بچا۔'' وہ بھی بے بسی سے بولی۔

''تم کہو تو یاسمین! میں سارہ کی طرف ہو آؤں، اس سے کچھ.......'' اسی وقت اندر سے ان کی ساس آہستہ آہستہ چلتے ہوئے باہر آکر بولیں۔ وہ شاید ان ماں بیٹی کی گفتگو سن چکی تھیں۔

''نہیں اماں! پلیز۔ بالکل نہیں۔ آپ کو پتہ نہیں۔'' یاسمین کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے۔

''ہاں، پتہ تو ہے مجھے وہ کس طبیعت کی مالک ہے۔ اسے تو کبھی بوڑھی ضعیف ماں کا خیال نہیں آیا۔ بیمار بھائی کا نہیں آیا تو اس کی تنگ دستی کا کیا آئے گا۔ خود سے مانگ کے، بے شرم بن کر بھی دیکھ لو۔ اسے تو شرم بھی نہیں آتی۔ کبھی خیال نہیں آیا کہ دس موٹریں گھر میں کھڑی ہیں، جا کر ماں کا حال احوال ہی پوچھ آئے، زندہ ہے کہ مر گئی۔'' وہ ملول لہجے میں کہتے ہوئے خود بھی رونے لگیں۔

''دادو!......میری پیاری دادو! جہاں آپ دونوں خواتین نے اتنے سخت، اتنے کڑے دن صبر شکر کے سہارے گزار لئے، اب صرف چند ہی تو دن ہیں۔ اس کے بعد ان شاء اللہ اچھے دن بہت جلد ہی آنے والے ہیں۔ مجھے پکا یقین ہے، بس تھوڑے سے دن اور۔'' ثانیہ بوڑھی دادی سے لپٹتے ہوئے انہیں دلاسہ دیتے ہوئے بولی۔

''ہاں بچے! یہی دلاسا دے دے کر تو خود کو بہلا رہے ہیں، ورنہ اس عمر میں خود کو بہلانا ہی دنیا کا کٹھن ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ جوانی میں تو انسان ہر کٹھن مرحلہ با آسانی جھیل جاتا ہے۔ بڑھاپا انسان کا بدن ہی کمزور نہیں کرتا، اس کا دل اور حوصلہ بھی ناتواں کر جاتا ہے۔ تمہارا دل جواں ہے، سو حوصلے بھی جوان ہیں۔ ہمارے تو دل کا پرانے کپڑے والا معاملہ ہو چکا ہے۔ اب اس میں ڈھلنے کی اور گنجائش نہیں۔'' وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھیں۔

''سر جوڑے زمانے بھر کی چغلیاں ہی کرنی ہیں، صبح سے یا کچھ کھانے مرنے کو بھی تیار کیا ہے، تم تین عورتوں نے؟ خود سے تو کبھی پوچھنے کی توفیق ہوگی نہیں۔ دل میں دعائیں کرتی ہوں گی، سو گیا ہے تو مر ہی جائے۔ اٹھے ہی نہ اسی لئے تو گھنٹوں مجھ بدنصیب کے کمرے میں کوئی جھانکتا نہیں۔ اب کچھ کھانے کو ملے گا مجھے یا تینوں یونہی دیدے پھاڑ کر مجھے گھورتی رہیں گی؟'' احسن مراد کمرے سے چلا رہے تھے۔ تینوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کو یوں دیکھا کہ وہ گھڑی سر پر آ پہنچی، جس کا خیال ہی انہیں گھنٹے بھر سے ولائے دے رہا تھا۔

''ایسا کون سا افلاطونی سوال پوچھ لیا میں نے، جو تینوں پر موت کی سی خاموشی چھا گئی؟ ثانیہ! میرا کھانا جو بھی ہے، زہر ڈال کر لے آؤ میرے کمرے میں۔ شاید تم لوگوں کی مراد پوری ہو جائے۔'' وہ زہر خند لہجے میں کہہ کر خاموش ہوئے تو تینوں ایک دوسرے سے نظریں چراتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

''ارے۔ اوہ......اوہ.......دیکھو، روکو گاڑی۔'' دائم کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ ڈرائیور بھی سامنے کا منظر دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ اسٹیرنگ اس کے ہاتھوں میں ڈول کر رہ گیا۔ گاڑی ایک پل کو اِدھر اُدھر لہرائی تھی۔

''روکو بھی۔ کیا اب تم بھی سامنے جا کر مارو گے۔ حد ہوگئی۔'' گاڑی رکنے سے پہلے ہی دائم دروازہ کھول کر چھلانگ لگاتے ہوئے نیچے اُتر گیا۔

وہ دونوں لڑکے جو چند لمحے پہلے اس کی رقم اور بیگ لُوٹ کر بھاگے تھے، سامنے سے آنے والی گاڑی سے ٹکرا کر زخمی حالت میں سڑک پر گرے پڑے تھے۔ ان کی بائیک شاید گاڑی کے بونٹ سے اور لائنس سے ٹکرائی تھی۔ گاڑی کے بونٹ اور نچلے حصے پر گہرے نشانات پڑ چکے تھے۔ دونوں ہیڈ لائٹس ٹوٹ چکی تھیں اور ڈرائیونگ سیٹ پر ڈرائیور ندارد تھا۔

وہ یقیناً جائے وقوعہ سے فرار ہو چکا تھا۔
دائم نے بڑے پُرسکون انداز میں ان سے اپنا بیگ اور رقم واپس لی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بھی جھپٹ کر بلیک جیکٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر اپنا اور اس کا والٹ نکال لیا تھا۔
"حرام زادے! دیکھا حرامزدگیوں کا نتیجہ۔ کسی دن یونہی کسی اندھے موڑ پر کسی گاڑی کے نیچے آ کر ایسے کچلے جاؤ گے کہ لاشیں بھی نہ پہچانی جائیں گی قبریں تو تم اپنی پہلے ہی تنگ کر چکے ہو، ان حرام کاموں کو اپنی زندگیوں کا مقصد بنا کر ڈالتی پھرتی ہیں، بھری جوانی میں اس دنیا سے دفعان ہو گئے۔ اچھا ہے، دنیا کا گند کچھ کم ہو۔" ڈرائیور نے دونوں زخمیوں کو گھورتے ہوئے نفرت بھرے انداز میں کہا تھا۔ دائم بھی ان کے لئے اپنے دل میں ہمدردی کی کوئی رمق محسوس نہیں کر رہا تھا۔
"پولیس کو کال کریں۔" دائم نے انہیں کراہتے دیکھ کر کہا۔
"توبہ کریں جی، توبہ۔" ٹیکسی ڈرائیور نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "اگر خوش قسمتی نے آپ کا ساتھ دیا ہے تو کیوں بدقسمتی کو آواز دیتے ہیں؟ یہ جو لوٹا ہوا مال واپس مل گیا ہے، اس سے بھی ہاتھ دھوئیں گے اور اُلٹے سیدھے پھنسیں گے۔ وقت اور عزت دونوں کا ضیاع۔ ایف آئی آر تک نہ کٹوا سکیں گے۔ اور اگر سب کچھ ہو بھی گیا تو آپ کو رقم نہیں ملیں گے۔ یہ بات آپ میری لکھ لیں، ہاں۔" وہ جلدی جلدی بولتے ہوئے اپنی رقم گننے کے بعد والٹ جیب میں ڈالتے ہوئے مڑا۔
"اور آپ نے کہیں جانا ہے تو جلدی سے گاڑی میں بیٹھیں۔ ورنہ اپنا سامان اتار دیں اور مجھے اجازت دیں بلکہ کرایہ بھی نہ دیں۔ میں کسی پھڈے میں پڑنا افورڈ نہیں کر سکتا۔ اور یہاں پولیس کیس کا مطلب کسی دلدل میں بقلم خود اترنا ہے۔ اور میں آپ کو یقیناً اتنا بے وقوف، سر پھرا اور پاگل تو نہیں لگتا نا۔" وہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر بھولپن سے پوچھتے پوچھتے آتے آتے رہ گئی۔
"اور یہ دونوں جو زخمی پڑے ہیں، جان سے جائیں گے؟ اس نے ان کراہتے ہوئے زخمیوں کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھا۔
"مرنے دیں جی ایسے مردودوں کو۔ یہ نہ مرتے تو ہمیں مار دیتے۔ اور برے کام کا برا نتیجہ۔ اب بھگتیں اور کریں۔" اس نے موٹی سی گالی بکتے ہوئے تنفر بھری نظروں سے دونوں کو دیکھا۔
"اچھا ایک نظر گاڑی کو تو دیکھ لیں۔" دائم کو خیال آیا تو تیزی سے سامنے کھڑی گاڑی کی طرف بڑھا۔ ٹیکسی ڈرائیور بھی ترحم بھری نظر دائم پر ڈالی اور اپنی گاڑی کی طرف مڑ گیا۔
"ارے .... یہ تو کوئی لڑکی ہے۔ خاتون! آپ ٹھیک ہیں؟" اس نے اسٹیئرنگ پر گری اس لڑکی کو ذرا جھکتے ہوئے سیدھی ہوئی۔ اس کے ماتھے سے ہلکا سا خون رس رہا تھا۔ بظاہر ویسے کوئی خاص چوٹ نظر نہیں آ رہی تھی۔ نظروں سے ملگجے اندھیرے میں دائم کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔
"محترمہ! کیا مجھے نظروں سے گھائل کر دیں گی؟ دو کو تو آپ پہلے ہی نیم جان کر چکی ہیں۔ دیکھ کر گاڑی نہیں چلانی ہے تو آپ کا آنکھیں بند کر کے گاڑی چلانا آج میرے لئے بہت ہی لکی ثابت ہوا ہے۔ تھینک یُو۔ تھینک یُو ویری مچ۔ آپ کی ڈرائیونگ میری نیّا پار لگا گئی۔ ویسے آپ کے پاس ڈرائیونگ لائسنس ہے؟"
"صاحب جی! اپنا سامان پکڑ لیں۔" ٹیکسی ڈرائیور سچ مچ اس کا سامان اتار لایا تھا۔ اسی وقت دور سے کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔
"ارے ارے .... بھائی! ایک منٹ ٹھہرو تو، آ رہا ہوں۔ توبہ۔ ادھر تو ہر کوئی ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے۔ اب میں اور سواری کہاں ڈھونڈوں گا؟ کدھر پھنس گیا؟ آ رہا ہوں، رُکو۔ اور محترمہ! اگر آپ بخیریت ہیں اور یہاں سے چلی جائیں، ورنہ یہ دونوں زخمی یہیں کروٹیں بدلتے اگر جان سے گزر گئے تو آپ کی آئندہ کی ساری زندگی خراب کر جائیں گے۔ پھر بائیک کو ٹکر مارنے کا شکریہ۔ بائے!" کہہ کر وہ عزہ کے چہرے کے تاثرات دیکھے بغیر ٹیکسی میں دوڑ کر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور بھی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ دائم کے بیٹھتے ہی گویا ٹیکسی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔
"یار! کم از کم انہیں کسی ہسپتال کے باہر ہی چھوڑ دیتے۔" دائم نے زخمیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے افسردہ ہو کر کہا۔
"ابھی میرا اتنا دماغ نہیں پھرا۔ ہم کسی ہسپتال لے بھی جاتے تو کسی ڈاکٹر نے ہاتھ نہیں لگانا تھا، جب تک پولیس کیس نہ بن جاتا۔ اور ہماری پولیس سب کچھ کرتی ہے، بس ایک کیس درج کرنے میں ہفتے لگا دیتی ہیں۔ یہ یہاں مریں یا جئیں، برابر ہے۔ ویسے آپ زیادہ پریشان نہ ہوں، یہ زیادہ زخمی نہیں۔ اور ایسی چیزیں بڑی ڈھیٹ اور سخت جان ہوتی ہیں۔

ہں مر جایا کرتیں۔ ابھی میدان صاف دیکھ کر بھاگ لیں گے ادھر سے، دیکھئے گا۔"

ٹیکسی ڈرائیور ایسے معاملات میں خاصا تجربہ کار لگ رہا تھا۔ دائم موڑ مڑنے تک پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔

عزہ نے سر جھٹک کر اپنے ماتھے کو ہلکا سا دبایا تو اس کے منہ سے ہلکی سی سسکی نکلی۔ اس نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور گاڑی سٹارٹ کر کے ریورس کرتے ہوئے پیچھے کی طرف موڑنے لگی۔ نیچے گرے ہوئے ان دونوں لڑکوں میں سے ایک اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ب عزہ کی گاڑی کی طرف ہی بڑھ رہا تھا۔ اسی سے خوف زدہ ہو کر اس نے اپنے حواس قابو میں کر کے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

"یا اللہ! آج ادھر سے نکل جاؤں، آئندہ کبھی گاڑی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔ آئی پرامس۔" موڑ تک جاتے جاتے وہ بلند آواز ں دعا کرتی رہی۔ وہ لڑکا اب تقریباً دوڑ رہا تھا۔ اگر وہ زخمی نہ ہوتا تو یقیناً گاڑی تک پہنچ ہی جاتا۔

مین روڈ پر پہنچ کر بھی عزہ نے گاڑی کی رفتار کم نہیں کی تھی۔

"پتہ نہیں، کس منحوس کا منہ دیکھ کر نکلی تھی۔ آج میں نے کسی کو ٹکر نہیں ماری تو کوئی مجھ سے آ کر ٹکرا گیا۔ یعنی کوئی نہ کوئی حادثہ ہونا ضرور ہے۔ یا اللہ! اب پاپا، مما سے ٹکراؤ نہ ہو جائے، ورنہ آج میری خیر نہیں۔" وہ مرر میں ایک نظر اپنے ماتھے کے زخم کو دیکھتے ہوئے خود سے بولی۔

"ایگزیبیشن بھی رہ گئی۔ جتنا مجھے میڈم یاقوت سے ملاقات کا کریز ہے، اتنا ہی ان سے ملاقات دشوار ہوتی جا رہی ہے۔ نہ جانے کیا پزل ہے۔" سامنے سے آتی گاڑی کا ڈرائیور، عزہ سے بھی اناڑی لگتا تھا۔ دونوں کی ٹکر ہوتے ہوتے بچی۔

"بائے گاڈ! آج تو گھر ہی پہنچ جاؤں تو کارنامہ ہو گا۔" وہ اپنے دھڑ دھڑ کرتے دل کو قابو کرتی مختلف آیات کا ورد کرتی گھر تک آہی پہنچی تھی۔ اور گیٹ سے گاڑی اندر کرتے ہوئے اس نے خود کو جی بھر کر کوسا کہ پانچ منٹ لیٹ ہی آ جاتی۔

جسٹس محمود عالم اپنی گاڑی سے اتر کر کوریڈور کی سیڑھیوں پر کھڑے عزہ کی گاڑی پورٹیکو میں پارک کر کے آنے کے منتظر کھڑے تھے۔ گاڑی لاک کر کے باہر نکلتے ہوئے عزہ کو صحیح معنوں میں اپنی جان جسم سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ جسٹس محمود عالم کی عقابی نظریں ڑی کے ڈینٹ اور ٹوٹی ہوئی لائٹس دیکھ چکی تھیں۔

"گڈ ایوننگ پاپا!" اس نے پہلی سیڑھی پر ہی رک کر روہانسی آواز میں کہا اور ان کے اندر جانے کا انتظار کرنے لگی۔

"مشتاق! افضل! نذیرا!" وہ اُس کی گڈ ایوننگ کو نظر انداز کرتے ہوئے گھر کے نوکروں کو زور زور سے آوازیں دینے لگے۔ اگلے پل سارے ملازم ان کے سامنے قطار میں سر جھکائے کھڑے تھے۔

"تم سب آج میری یہ بات پہلی اور آخری دفعہ پتھر پر لکیر سمجھ کر لکھ لو کہ اگر چھوٹی بی بی آئندہ اس گیٹ سے کوئی بھی گاڑی باہر لے کر گئیں تو تم میں سے ایک بھی مجھے اس گھر میں نظر نہ آئے۔ جس وقت عزہ بی بی گاڑی لے کر اس گیٹ سے باہر نکلیں، تم سب خود کو لری سے برخاست سمجھنا۔ اور تم لوگوں کو پتہ ہے کہ میں بات دہرانے کا عادی ہوں نہ حکم کو نظر انداز کرنے کا۔ سن لیا تم لوگوں نے؟"

وہ اتنی زور سے گرج رہے تھے کہ تمام ملازموں سمیت عزہ اپنی جگہ کھڑی پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

"جج...... جی سرکار!...... ایسا ہی ہو گا۔" فضل پرانا ملازم تھا اور عمر رسیدہ بھی، سر اٹھائے بغیر پست آواز میں سر ہلاتے ہوئے سنایا۔

"دفع ہو جاؤ اب تم سب۔ اور تم ذرا اندر آؤ۔" نوکروں کو جانے کا کہہ کر انہوں نے سخت لہجے میں عزہ سے کہا اور اندر کی طرف گئے۔ عزہ کی ٹانگوں سے جان نکلی جا رہی تھی۔

اب پاپا میرا کیا حشر کریں گے؟" وہ وہیں کھڑی سوچنے لگی، مگر کوشش کے باوجود اندر جانے کی ہمت نہ کر پائی۔

"عزہ! کم اِن۔" محمود عالم کی دھاڑ پر وہ زور سے اُچھلی۔

"جی پاپا!" اگلے لمحے وہ ہوا ہوتی جان اور فق چہرے کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"کس کی اجازت سے گاڑی لے کر گئی تھیں تم؟" وہ بے حد غصے سے بولے۔

ہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

میں پوچھ رہا ہوں آپ سے کچھ۔" چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد وہ پھر دھاڑے۔ وہ محض لرزتی پلکیں اٹھا ا۔

میں نے آپ کو منع کر رکھا ہے کہ آپ گاڑی کو ہاتھ نہیں لگائیں گی، جب تک آپ کو ڈرائیونگ نہیں آ جاتی اور آپ کا لائسنس ، جاتا۔ پھر بار بار اس حکم عدولی کی وجہ؟...... بولو!" وہ دو قدم چل کر اس کے پاس آ گئے تھے۔ اسے لگا، وہ ابھی اسے پیٹنا ردیں گے۔

پاپا......!" وہ خشک لبوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"اگر کہیں جانا ضروری تھا تو دونوں ڈرائیور گھر میں موجود تھے، ان سے کہتی۔ تمہیں کیا تکلیف تھی؟ او
تنخواہ لیتے ہیں؟ بتاؤ مجھے۔"
اور وہ جواب میں کہہ نہ سکی کہ اس وقت دونوں میں سے ایک بھی گھر میں موجود نہیں تھا۔
"میں آپ کو دو چانس دے چکا ہوں، اب اور نہیں دوں گا۔ آپ خود ہی اپنی پنشمنٹ تجویز کر دیں تو
آپ کو ایکسکیوز نہیں کروں گا۔ کیپ اِن یور مائنڈ۔" وہ جیسے چبا چبا کر بولے۔ نظریں بدستور اس کے چہرے
"سس......سوری پاپا!" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔
"میں کہہ چکا ہوں، آج آپ کو ایکسکیوز نہیں کیا جائے گا۔ اپنی سزا بتائیں؟"
"پاپا! نیکسٹ ٹائم نہیں ہوگا ایسے، پلیز۔"
"شٹ اپ عزہ! میں بات دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔ آپ کا ایک ہفتے کے لئے گھر سے نکلنا بند۔ ا
جائیں گی۔ سنا آپ نے؟"
"کالج جانے پر پابندی، وہ بھی پاپا کی طرف۔ اسے لگا، وہ حیرت سے یہیں کھڑے کھڑے فوت ہو جا
"آ گئے آپ، چلیں میں ریڈی ہوں۔ آپ نے چینج تو نہیں کرنا؟" اسی وقت سارہ عالم اپنے کمرے
باہر نکلتے ہوئے بشاش لہجے میں بولی تو محمود عالم کی پیشانی جیسے شکنوں سے بھر گئی۔ بے حد کٹیلی نظروں سے سا
پیس کر رہ گئے۔
"تمہیں سوائے بننے سنورنے کے اور کوئی کام نہیں آتا، اسٹوپڈ عورت! یہ لڑکی، یہ بالشت بھر کی لڑکی تم
کسی دن اچانک فون آ جائے گا پولیس والوں کا کہ آ کر اپنی بیٹی کی لاش اٹھا کر لے جائیں تو پھر تمہارا یہ بناؤ
گا، جاہل عورت!" ان کا نہ جانے کب کا دبا لاوا سارہ کو دیکھتے ہی اُبل پڑا تھا۔
"تم ہوش میں ہو اپنے؟ میں تمہاری بیوی ہوں، کوئی راہ چلتی غیر عورت نہیں، جسے تم اُٹھتے بیٹھتے اپنی
بناتے رہو۔ اور یہ بالشت بھر کی چھوکری صرف میری نہیں، تمہاری بھی ذمہ داری ہے۔ اتنا ہی اس کی محبت جو
کرواسے سنبھالنے کے لئے۔ یا اپنی دُم کے ساتھ لٹکا لو اسے۔ ایک میرا بننا سنورنا تمہیں آگ لگاتا ہے، ویسے
میں اپنی آنکھیں سینکتے پھرو۔ تم جیسے انصاف پسندوں کو ایک میں ہی زہر لگتی ہوں۔"
سارہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔ عزہ کی کنپٹیاں چٹخنے لگیں۔
'اب دونوں میں زوردار جنگ ہو گی۔' اس کے دماغ پر جیسے کوئی ہتھوڑے برسانے لگا
"ہاں، زہر لگتی ہو تم مجھے۔ اور تمہارے اندر ہے ہی کیا، جس کی تعریف کی جائے۔ گھر آتا ہے آدمی سکو
لئے اور تم دہلیز پر ہی میرے لئے انگارے سجا کر بیٹھی ہوتی ہو، اور بیٹی کو بھی اپنی لائن پر لگاؤ۔ بدتمیز، نافرمان
میری زندگی کو دوزخ بنا دیا ہے۔ اس سے تو اچھا ہے، میں گھر ہی نہ آیا کروں، کسی ہوٹل میں رات گزار لیا کرو
وہ دھاڑتے ہوئے پلٹے اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئے۔
"ہاں، تو تمہیں بلاتا کون ہے؟ تم گھر کب آتے ہو؟ تم تو ہوٹل میں آتے ہو، سرائے میں رات گزارنے
لگاؤ ہے جو ہماری محبت میں......" سارہ عالم اب دروازے کے پاس کھڑی زور زور سے چیخ رہی تھی۔ عزہ
بڑھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اور سر میں ہوتے دھماکے کچھ سننے نہیں دے رہے تھے۔ وہ کتنا ان دونوں
رہی تھی، مگر خود ہی اس کا باعث بن گئی تھی۔
'اور آج پاپا نے جو میری انسلٹ کی ہے۔ نافرمان، احمق......اپنی لائن پر لگاؤ......اور ملازموں کے سا
گری ہچکیوں کے ساتھ زور زور سے رو رہی تھی۔ ایسی انسلٹ محمود عالم نے اس کی پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ کبھی اسے
جھڑ کا تھا۔ اور کبھی آج تک یہ نہیں کہا تھا کہ سارہ کے ساتھ عزہ نے بھی ان کی زندگی دوزخ بنا دی ہے۔
"میرے اللہ! مجھے موت دے دے۔ میں مر جاؤں۔ ماما، پاپا کے جھگڑے ہی ختم ہو جائیں۔ میں مر جاؤ
روتے ہوئے کہے جا رہی تھی۔

✲⊙......⊙✲
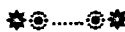
"ہیلو، ہیلو جہانگیر! بھئی کدھر ہو تم؟ کہاں گم ہو گئے ہو؟......تمہارا سیل فون مسلسل آف ہے۔ کسی نمبر پر
مسئلہ کیا ہے؟" میڈم یاقوت کی جھلائی ہوئی آواز جہانگیر ہمدانی کے کانوں میں پڑی تو وہ ایک گہرا سانس لے کر
"آپ کے پاس ہوں جانِ من!" وہ مخمور لہجے میں بولا۔

"ہٹو، کوئی بے پر کا بہانہ نہیں چاہئے مجھے۔ اتنے دنوں سے تو تمہیں جانِ من کا کوئی خیال نہیں آیا۔" وہ خفا ہو کر بولیں۔
"یہ کبھی نہ سوچنا۔ وہ دن جہانگیر ہمدانی کی زندگی کا آخری دن ہوگا، جب اس کے خیالوں میں یاقوت نہیں ہوگی۔ مائنڈ اِٹ۔" وہ اپنے پرانے لہجے میں بولا۔
"جانے دو۔ اب وہ زمانے لد گئے۔ اسی لئے تو اتنے دن خبر نہیں لی۔" وہ اسی نروٹھے پن سے بولیں۔
"یار! ایک پراجیکٹ میں بری طرح سے پھنس گیا تھا۔ تمہاری جان کی قسم! کام کچھ ایسا تھا کہ چاہنے کے باوجود میں تم سے رابطہ نہ کر سکا۔ سوچا ایک ہی بار فارغ ہو کر بات کروں گا۔ فراغت ہو، تم ہو، تمہارا خیال ہو، زندگی میں اس سے بڑھ کر کوئی آسائش ہی نہیں، تمہیں معلوم ہے۔"
"مجھے بہلانے کو تم اچھے ڈائیلاگ تراش لیتے ہو اور تم اس فن کے ماسٹر ہو، میں جانتی ہوں۔"
"لگتا ہے، اس بار ناراضی کچھ زیادہ ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔
"زیادہ۔" وہ زور سے بولیں۔ "جہانگیر! پورے پندرہ دن بعد تم سے بات ہو رہی ہے اور تم مجھے جھوٹے سچے ڈائیلاگ سنا رہے ہو۔"

"اچھا، اب ناراضی ختم کرو۔"
"ناراضی ایسے تو ختم نہ ہوگی اب۔"
"تو کوئی پینلٹی دینا پڑے گی، سویٹ ہارٹ؟"
"آف کورس۔"
"تو بولو نا۔ خادم کی جان بھی حاضر ہے۔"
"خادم کی جان نہیں، خادم چاہئے۔" وہ اک ادا سے بولیں۔
"تو خادم آپ کے قدموں میں حاضر ہو جاتا ہے۔ بولیں، کب؟"
"چوبیس گھنٹے کے اندر اندر۔" وہ اِٹھلا کر بولیں۔
"ٹھیک ہے۔ اور کوئی حکم میرے آقا؟"
"ریئلی، تم آ رہے ہو؟"
"آف کورس، کل شام پانچ بجے اپنی جان کے روبرو ہوں گا۔ اور دیکھ لو، ابھی چھ بجنے والے ہیں، یعنی چوبیس گھنٹوں سے بھی پہلے۔"
"ریئلی! تم مجھے ٹال تو نہیں رہے؟" وہ مشکوک لہجے میں بولیں۔
"خادم کی یہ مجال، اپنی ملکہ عالیہ کا حکم ٹالے؟ تم جانتی ہو، میں دنیا میں سب کو ٹال سکتا ہوں، سوائے اپنی جان کے۔"
"پھر وہی مکھن۔ چلو، کل دیکھیں گے۔ میں خود آؤں گی تمہیں ایئر پورٹ لینے۔" وہ نہال لہجے میں بولیں۔
"تم ایئر پورٹ نہ آنا، بلکہ ہوٹل ہی آ جانا۔ ایئر پورٹ پر کون خود پر ضبط کے بند باندھتا پھرے گا؟ اتنے دنوں کی جدائی کے بعد ایک اور امتحان میں پڑنا مجھے پسند نہیں۔" وہ اتنے بے ساختہ لہجے میں بولا کہ میڈم یاقوت کے منہ سے چند لمحے کچھ نکل ہی نہ سکا۔
"اچھا، میرے کام کا کیا بنا؟" وہ خود ہی تھوڑی دیر بعد بولا۔
"کون سے کام کا؟" وہ بڑی مشکل سے بولی تھیں۔
"دونوں کاموں کا۔ ایگزیبیشن کے لئے ماڈل کا اور جو آرڈر میں نے تمہیں بک کرائے تھے ادھر کے لئے۔ کم از کم آٹھ آئٹمز ہیں۔"
"پہلا کام تو ہوا سمجھو۔ تم آتے ہو تو ماڈل سے تمہیں ملوا دوں گی۔ باقی کے مرحلے تو بعد کے ہیں۔ اور دوسرا کام......" وہ ایک پل کو رکیں۔ "آٹھ آئٹمز میں نے سلیکٹ کر لئے تھے۔ کیا قیامتیں تھیں۔ دو تو خیر ان میں سے خود ہی ایگری ہیں آنے کے لئے اور دو بھی تو ہیں مگر ان کے گھر والے پس و پیش کر رہے ہیں۔ کل میں نے عائشہ کو بھیجا تھا، وہ انہیں کونس کر آئی ہے۔ بس ایڈوانس ٹریل دینا پڑے گا۔ اور باقی چار خود ہی دبئی آنے سے گھبرا رہی ہیں۔ سوچ رہی ہوں، انہیں ادھر دو تین شوٹس میں لے لوں۔ جسم کی نمائش اور پیسے کی ہوس انسان کے بہت سارے اصولوں کا گلا با آسانی گھونٹ دیتی ہے۔ اگلے پھیرے تک خود ہی راضی ہو جائیں گی۔ کیا تم انہیں ساتھ ہی لے جاؤ۔"
"ہوں، چلو جو کرنا ہے کر لو یار! ادھر اُدھر بھی بڑی شارٹیج ہے۔ ذرا کوئیک سروس کرو۔ آخر تمہارے اتنے بڑے نیٹ ورک کا کیا

فائدہ؟" وہ قدرے جھلا کر بولا۔
"جہانگیر! نیٹ ورک جتنا مرضی ہم پھیلا لیں، لوگ ابھی بھی لڑکیوں کے معاملے میں بہت بیک ورڈ ہیں۔ وہ تو پیسے کی چمک دمک کی، جس نے ہمارا کام آسان کر دیا ہے۔ خیر تم فکر نہ کرو۔ اصل میں میری کوشش ہوتی ہے کہ ایسا وہاں جا کر تمہارے حلق میں نہ پھنسے، تمہارے اشاروں پہ چوں چرا کئے بغیر ناچے۔ کیا خیال ہے؟" وہ معنی خیز لہجے میں
"بہت اچھا خیال ہے۔ اور تمہارے کام کا یہی طریق کار تو مجھے پسند ہے کہ تمہارے کام کے آفٹر رزلٹ بہت ہیں۔ آج تک مجھے شکایت کا موقع نہیں ملا اور نہ ہمارے کلائنٹس کو۔" وہ اس کی کارکردگی کو سراہتے ہوئے بولا۔
"اور ان شاء اللہ، آئندہ بھی نہیں ملے گا۔ اوکے، پھر کل ملاقات ہوگی، ہے نا؟" وہ ایک بار پھر تصدیق کرنے کو بولیں
"آف کورس، کل روبرو۔ اور یہ تو کہنے کی ضرورت نہیں کہ تمہیں کیسے مجھے ویلکم کرنا ہے کہ اتنے دنوں کی تھکن اتر جائے، مائی لو۔" میڈم یاقوت کے کانوں نے یہ بے ساختہ اظہار سنا تو شرم سے سرخ پڑ گئیں۔ بمشکل بائے کہہ کر انہوں منقطع کر دیا۔ ان کے چہرے کی رنگت کے ساتھ دل کی دھڑکنیں بھی منتشر ہوتی جا رہی تھیں۔
اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔
"یس!" انہوں نے آہستگی سے اپنے رخسار تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ عائشہ بخاری اندر داخل ہوئی۔
"میڈم! تانیہ مراد آئی ہیں۔ انٹرویو کے لئے آپ نے انہیں کال کروایا تھا۔" وہ اندر آ کر مؤدب لہجے میں بو
"آ گئی وہ۔" انہوں نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔
"جی میم! کہیں تو اندر بھیج دوں؟"
"ہوں، دو منٹ بعد بھیج دینا۔ بلکہ تم بھی ساتھ ہی آ جانا۔ پانچ منٹ بعد مجھے ویسے بھی نکلنا ہے، فیکٹری کے پیپرز احتیاط سے ساتھ رکھ لینا۔"
"اوکے میم!" وہ جانے کو مڑی۔
"اور ہاں، سنو!" میڈم یاقوت نے اسے پکارا تو وہ رک گئی۔ "کل جہانگیر آ رہا ہے۔ شام پانچ بجے کی فلائٹ کرنے جاؤں گی۔ نوٹ کر لو جا کر۔ پھر میں کہیں بتانا بھول جاؤں۔" وہ کہتے ہوئے ٹیبل کی دراز میں کچھ دیکھنے لگیں کے قدم کہیں زمین میں ہی پیوست ہو کر رہ گئے ہیں۔
"کیا کھڑے کھڑے سو گئی ہو؟ جاؤ اور بھیجو اس لڑکی کو اندر۔" میڈم یاقوت اسے یوں کھڑے دیکھ کر جھلا بولیں تو زرد چہرہ لئے وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔
"احمق لڑکی۔ ہونق۔" میڈم یاقوت بڑبڑائیں۔
"مے آئی کم ان میڈم!" اگلے ہی لمحے عائشہ پھر دروازے میں کھڑی اندر آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی
"یس......" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ عائشہ کے پیچھے ہی تانی مراد سفید سوتی کڑھائی والے شلوار سوٹ دوپٹہ اوڑھے اندر داخل ہوئی۔ دھیمی آواز میں اس نے سلام کیا۔ میڈم یاقوت نے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے ا کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
تانیہ نے اپنے C.V. کی فائل گلاس ٹاپ پر میڈم یاقوت کی طرف کھسکا دی، جسے وہ کھول کر سرسری لگیں۔
"اس سے پہلے آفیشل جاب کا تجربہ ہے آپ کو؟" چند لمحوں کے سکوت کے بعد انہوں نے پوچھا۔
"نو میم! اس سے پہلے میں صرف اسکول میں پڑھاتی رہی ہوں۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔
میڈم یاقوت نے ایک نظر اس کے میک اپ سے بے نیاز، بے داغ حُسن کو دیکھا۔ لبوں پر شاید لائٹ پنک تھی یا اس کے ہونٹوں کی رنگت ہی ایسی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ غلافی آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی لہر کوند رہی تھی۔
"ادھر تو سارا آفیشل ورک ہے، کر لیں گے؟" وہ اسی سرسری لہجے میں بولیں۔
"آئی ٹرائی مائی بیسٹ میم!" وہ دونوں ہاتھوں کی مخروطی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے اسی اعتماد سے ب
"آفس ٹائمنگ، اسکول ٹائمنگ سے ڈیفرنٹ ہوتی ہے۔" انہوں نے اس کا C.V. بند کر کے فائل اس کے سا
"آئی نو میم!"
"تو ٹھیک ہے۔ کل سے آپ جوائن کر لیں۔ عائشہ آپ کو سارا کام سمجھا دیں گی۔ اور مجھے یقین ہے، آپ سب کر لیں گی۔ آفیشل ورک سمیت مینرز بھی۔" ان کی آخری بات پر تانیہ نے کچھ اُلجھ کر انہیں دیکھا۔

"اوکے، یو کین گو۔ عائشہ! گاڑی نکلواؤ۔"

تانیہ کچھ حیران سی باہر نکل آئی۔ اتنا عجیب اور سرسری سا انٹرویو اسے بالکل سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ تو سوچ رہی تھی، پتہ نہیں کیسے کیسے مشکل سوال پوچھے جائیں گے، اور پتہ نہیں وہ ان کے جواب دے بھی پائے گی یا نہیں۔ لیکن ادھر تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے یہ انٹرویو یونہی فارمیلیٹی پوری کرنے کو لیا گیا ہے۔ ورنہ اسے انٹرویو تو کہیں سے بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

'اور یہ میڈم نے کیا بات کی کہ عائشہ مجھے مینرز بھی سکھا دے گی۔ آخر انہوں نے مجھ میں کون سے مینرز کی کمی دیکھی جو ایسی بات کی؟' وہ اپنی سوچوں میں اُلجھتی باہر کی طرف جا رہی تھی۔

'اور میں نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ کل بھی کیا اسی فلور پر مجھے آنا ہو گا؟ .... چلو، ریسیپشن پر پتہ چل جائے گا۔ اور تنخواہ تو انہوں نے بتائی ہی نہیں اور مجھے بھی پوچھنا یاد نہیں رہا۔ چلو، کل پتہ چل جائے گا۔' وہ خود کو تسلی دیتے ہوئے لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچ گئی۔

پارکنگ ایریا سے نکل کر وہ گیٹ کی طرف جا رہی تھی اور اوپر بلائنڈر سے اسے دیکھتی میڈم یاقوت خود کو اپنے انتخاب کی داد دے رہی تھیں۔

"پرفیکٹ .... شی از پرفیکٹ۔" وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑائیں۔

"میڈم! گاڑی تیار ہے۔" پھر عائشہ بخاری کی آواز نے ان کی مسکراہٹ کا خاتمہ کیا تھا اور وہ اپنا ہینڈ بیگ لیتے ہوئے اس کے پیچھے باہر نکل گئیں۔

✲◉.....◉✲
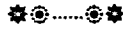
"ہیلو، ہیلو .... جی پاپا! میں بول رہا ہوں۔"

"السلام علیکم!" آواز کم آنے کی وجہ سے دائم کو خاصا اونچا بولنا پڑ رہا تھا۔

"جی ابھی تھوڑی دیر پہلے پہنچا ہوں .... جی، راستے میں دیر ہو گئی۔"

"جی بس دیر ہو گئی .... تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ ہاں بس بخیریت ہی پہنچ گیا ہوں۔ شاید آپ لوگوں کی دعائیں ساتھ تھیں۔"

"نہیں پاپا! کچھ نہیں ہوا .... بلکہ سمجھیں، کچھ ہوتے ہوتے رہ گیا .... جی، آتے ہی میرا استقبال ہو گیا اور یہ پوچھیں ذرا بے کا کا بشیر سے۔ کہہ رہے ہیں کہ مجھے صاحب نے کہا تھا، گھر پہ رہ کر چھوڑے صاحب کا انتظار کروں۔ ان کا جہاز گھر کی چھت پر ہی تو لینڈ کرے گا۔"

وہ دروازے کے پاس مؤدب کھڑے کا کا بشیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"پاپا! ابھی گھر تو نہیں دیکھا، میں ابھی دیکھتا ہوں۔ سوچا پہلے آپ کو اپنے پہنچنے کی اطلاع کر دوں۔ ماما کو دیں فون۔"

"جی ماما! السلام علیکم! .... ٹھیک ٹھاک ہوں۔ یوں بھی چند گھنٹوں میں، میں نے کیا خراب ہو جانا تھا؟"

"سوری .... مذاق کر رہا تھا۔ آپ سنائیں، ٹھیک ہیں؟"

"کیا فیصلہ کیا ہے آپ نے؟" اس نے ریسیور دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے سامنے رکھی میز پر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے پو

"اچھا .... پاکستان شفٹ ہونے کا۔ ویری نائس۔ مگر ماما جان! پہلے تو آپ بالکل راضی نہیں تھیں۔ نام سننے کو تیار نہیں تھیں۔ میرے آتے ہی آپ کی سوچ میں کیا انقلاب آ گیا؟" وہ خوش ہو کر بولا۔

"اچھا .... میرے آنے سے۔ گویا میں اگر نہ آتا تو آپ کی سوچ میں انقلاب نہیں آنا تھا۔ ویسے آپ کا ارادہ کب تک ہے؟"

"پر ماما! ایک بات سوچ لیں۔ ابھی تو میں آیا ہوں اور آتے ہی ایک حادثے کا شکار ہوتے ہوتے بال بال بچا ہوں۔ اب اگر تھوڑے قیام کے دوران میرا ارادہ بدل جائے، یعنی واپس آنے کا اور آپ ادھر آنے کے انتظامات مکمل کر لیں تو پھر کیا ہو گا؟ ہم تو نہ رکے رہیں گے نہ اُدھر کے۔ کیا خیال ہے؟" وہ شرارتی لہجے میں بولا۔ "آپ کون سا اُردو کا محاورہ بولتی ہیں۔ دھوبی کا کتا ....

جی ماما! میں مذاق کر بھی رہا ہوں اور نہیں بھی۔ ویسے آپ کو میرے اس مذاق پر غور کرنا چاہئے۔ ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ ہے نا؟"

ڈاکٹر رخشندہ کو واقعی اندازہ کرنا مشکل ہو گیا، وہ مذاق کر رہا ہے یا سنجیدہ ہے۔

"اوہ ماما! حادثہ کچھ خاص نہیں، ویسے آپ صحیح کہتی ہیں۔ پاکستان کے ماحول اور وہاں کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں کے سچ یہاں آ کر مذاق لگنے لگتے ہیں۔ زمینی اور آسمانی حقائق میں اچھا خاصا تضاد ہے۔ میں پتہ نہیں ادھر سیٹ ہو بھی پاتا ہوں یا نہیں۔"

"جی نہیں .... آتے ہی مایوس نہیں ہوا، بس تھوڑا سا ڈس ہارٹ ہوا ہوں۔ میرا امیج اپنے وطن کے بارے میں بہر حال ایسا

ہرگز نہیں تھا۔ اسامہ آیا؟ یا اس کا کوئی فون وغیرہ؟“
”بڑا بے وفا ہے۔ میرے آتے ہی آنکھیں پھیر لیں۔ ویسے وہ ہے بھی من موجی سا۔ جی میں آتا تو دن میں چار ورنہ ہفتوں خبر نہیں لیتا تھا۔ ویسے آپ خود فون کر لیتیں۔“
”جی، میں بھی فارغ ہو کر کرتا ہوں۔ اوکے ماما! اب سخت بھوک لگ رہی ہے۔ دیکھتے ہیں، آپ کے کاکا بشیر صاحب نے کچھ پکایا ہے۔ تھکاوٹ اُترتی ہے تو پھر بات کریں گے تفصیل سے۔ اوکے بائے ماما! آئی مس یُو۔ اللہ حافظ۔“ آخر میں کر اس نے فون آف کر دیا۔
”جی کا کا جی!........ کیا پکایا ہے آپ نے؟“ اس نے جمائی روکتے ہوئے اپنی طرف میٹھی نظروں سے دیکھتے کا پوچھا۔
”سب ہی کچھ ہے جی۔ جو صاحب نے ٹیلی فون پہ لکھوایا تھا۔ میری بہو اچھے کھانے پکاتی ہے۔ ویسے کل تک باورچی کا بھی انتظام کر لے گا۔ آپ نے نہانا ہے تو باتھ روم میں سب کچھ موجود ہے۔“
”اوکے، پہلے میں تھوڑا گھر دیکھ لوں۔ میرے لئے کون سا کمرہ سیٹ کیا ہے آپ نے؟“
”جی یہ ساتھ والا۔ آپ کا سامان بھی ادھر رکھوا دیا ہے۔“ وہ لاؤنج سے بائیں ہاتھ نکلتے دروازے کی طرف بولا۔
”چلو، گھر بعد میں دیکھ لیں گے۔ پہلے میں باتھ لے کر فریش ہو جاؤں۔ کچھ پیٹ میں جائے گا تو آنکھیں میرے نہانے تک کھانا لگوائیں۔“ کہتے ہوئے وہ اپنے بیڈروم میں داخل ہو گیا۔
کمرہ اس کی توقع سے بڑھ کر کشادہ اور ویل ڈیکوریٹڈ تھا۔ صاف ستھرا، ہوادار، آرام دہ۔ اس نے کمرے میں سکون کا سانس لیا۔ سامنے بچھے شاندار بیڈ کو دیکھ کر پہلے تو یہی جی چاہا کہ لمبی تان کر سو جائے، مگر پھر سر جھٹکتے ہوئے بڑھ گیا۔

❊⊙......⊙❊
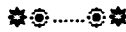
”مے آئی کم ان میڈم؟“ ہلکی سی دستک کے بعد سیاہ لباس میں ملبوس دراز قامت تنزیل مراد دروازے پر کھڑا رہا تھا۔ میڈم یاقوت نے سر کے ہلکے سے اشارے سے اسے اندر آنے کی اجازت دی۔
”تھینک یُو!“ کہتے ہوئے وہ ان کے سامنے پڑی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔
”میم! یہ آپ کی دی ہوئی آؤٹ لائن کے مطابق میں فیشن میگ کا ڈرافٹ تیار کر رہا تھا۔ آپ ایک نظر دیکھ لیں تو شروع کرواؤں۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل کھول کر ان کے آگے رکھی تو وہ بغیر کچھ کہے فائل لے کر دیکھنے لگیں۔
”اس میں نیو کلیکشن کے نام سے بھی دو پیج رکھنے چاہئیں۔“ دو تین صفحات دیکھنے کے بعد وہ بولیں۔
”میم! وہ ہے آگے۔“ وہ ذرا سا اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے انہیں بتانے لگا۔
”آگے نہیں۔ میرے خیال میں اسے تعارفی صفحات کے فوراً بعد لگواؤ اور ان دو صفحات کو جتنا اٹریکٹو بنا سکو، بے شک لمبا ہی ہو گیا، ورنہ وہ تمہیں کافی گائیڈ کر دیتا۔ اُس کا اس فیلڈ میں خاصا تجربہ ہے۔ ویسے مجھے تمہارا ڈرافٹ پسند آیا، پرفیکٹ نہ سہی، مگر پرفیکشن کے قریب تر ہے۔ آئی لائیک اِٹ۔“ وہ سر ہلا کر آخری صفحات پر سرسری سی نگاہ ڈالتے ہوئے بولیں۔
”تھینکس میم! کوئی ایڈوائز؟“ وہ فائل ان سے واپس لیتے ہوئے بولا۔
”بس، مائی فیشن میگ کی پہلی کاپی ایسی اٹریکٹو ہونی چاہئے کہ جو دیکھے، خریدے بغیر نہ رہ سکے۔ پہلی کاپی کے آتے ہی جلد ہمیں پتہ چل جائیں گے، ہماری پروڈکٹس کی سیل بڑھنے سے اور ایگزیبیشنز میں لوگوں کے رش سے۔“
”شیور میڈم! آئی وِل ٹرائی مائی بیسٹ۔“
”مجھے یقین ہے۔ ویسے یُو آلسو لُک ویری ہینڈسم اینڈ ڈیشنگ۔ ماڈلنگ کی طرف کبھی خیال نہیں گیا تمہارا؟“ جب انہوں نے ایک سراہتی ہوئی نظر اس کے وجیہ سراپے پر ڈالتے ہوئے پوچھا تو وہ ایک لمحے کو کنفیوز سا ہو گیا۔
”نو........ نو میڈم! میرا انٹرسٹ نہیں ہے بالکل۔“ وہ کچھ اٹکتے ہوئے بولا تو وہ بڑی دلکشی سے مسکرانے لگیں۔
”ویسے میری بات پہ سوچنا ضرور۔“ وہ ریوالونگ چیئر پر جھولتے ہوئے مزے سے بولیں۔
”اوکے۔ کین آئی گو میڈم؟“ وہ جھینپتے ہوئے بمشکل بولا۔
”ہوں، جاؤ۔ اور سنو۔“ وہ جاتے جاتے رک گیا۔ ”تمہیں پے ایڈوانس مل گئی ہے نا؟“

"آج ملے گی میم! وہ حمید صاحب کہہ رہے تھے۔"
"اور کوئی پرابلم؟"
"ابھی تو میم! پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کر رہا ہوں۔"
"او کے، میں کچھ کرتی ہوں۔ اور کوئی پرابلم؟"
"نو میڈم! تھینک یو۔" وہ شکر گزاری کے احساس سے مغلوب ہو کر بولا تو وہ سر ہلاتے ہوئے فون سیٹ اپنے پاس کھسکا کر فون ملانے لگیں۔
تنزیل آہستگی سے باہر نکل گیا۔ وہ قسمت کی اس مہربانی پر کبھی کبھی بے یقین سا ہونے لگتا۔

✲ ……… ✲
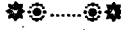
"او مائی گاڈ! .... اتنا کچھ ہو گیا اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔" لائبہ نے ساری بات سن کر اپنا سر تھام لیا۔
"کب بتاتا اور کیا بتاتا؟ آبگینے کے نکاح کا تو میں نے تمہیں پہلے بتایا ہی تھا اور تم کون سا یہاں بیٹھی ہوئی تھیں؟ اور یہ دونوں دے تو ابھی چند گھنٹوں میں .... میرا تو سوچ سوچ کر دماغ پھٹنے لگا ہے۔ آبگینے اور خودکشی۔ کیسے وہ ایسا انتہائی قدم اٹھا سکتی ہے؟ اَن بلیو ایبل۔ میں کیسے خود کو سمجھاؤں؟ .... اور آغا جان کی یہ حالت .... ڈاکٹرز تو بالکل مایوس ہیں۔ میری زندگی میں پہلے دن سے رشتے ہی۔ یہ دو ہی تو میرا سب کچھ تھے اور وہ دونوں بھی آج ختم۔ لائبہ! اگر آغا جان کو کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گا۔" وہ بچ لائبہ کے شانے پر سر رکھ کر سسک اٹھا۔ لائبہ کے دل کی ایک دھڑکن مس ہوئی تھی۔
"کم آن اسامہ ڈیئر! تم تو بہت با حوصلہ ہو۔ دیکھو، مردانگی عام حالات کو فیس کرنے میں نہیں۔ اصل انسان تو ایسے کرائسز میں منے آتا ہے کہ اس میں کتنا ظرف، کتنا حوصلہ ہے۔ پلیز تم خود کو سنبھالو۔ تھوڑا حوصلہ کرو۔ اگر تم یوں بچوں کی طرح ٹوٹ کر بکھرنے لگے تو ادھر پڑے اس ٹوٹے بکھرے انسان کو کون سمیٹے گا؟ وہ تمہارا ہی آخری سہارا نہیں، تم بھی ان کے واحد مضبوط سہارے ہو۔ مضبوط بنو اسامہ! اپنے لئے نہ سہی، اپنے آغا جان کے لئے۔ اور سوچو تو، تمہیں دو رشتے تو میسر تھے، مجھے دیکھو، میرا کون ہے؟ ایک جو سالوں بعد اپنی شکل دکھاتی ہے، وہ بھی دُور دُور سے۔ اور کوئی نام کا بھی رشتہ نہیں۔ اگر میں بھی ایسی کمزور سوچوں کو اپنے ذہن میں جگہ دینے لگوں تو شاید چند دن بھی نہ جی پاؤں۔ اور ڈیئر! میں تو تمہیں سب سے زیادہ مضبوط شخصیت کا مالک سمجھتی تھی۔ سمجھ دار اور ہمت۔ پلیز، میری خاطر خود کو سنبھالو۔" وہ بہت آہستہ آہستہ اس کے بال سہلاتے ہوئے ان میں نرمی سے انگلیاں چلا رہی تھی۔ اس کے لباس سے اٹھتی دھیمی دھیمی پرفیوم کی مہک نے کچھ دیر کو اسامہ کے تنے ہوئے اعصاب کو پُرسکون کر دیا تھا۔ اس کی نرم نرم انگلیاں اس کے سر کی ساری دُکھن چُن رہی تھیں اور اس کا شہد آگیں لہجہ اس کی پتھرائی ہوئی سماعتوں پر جیسے پھوار کے مانند برس رہا تھا۔ اسے وہ ایک لمبی مسافت کے بعد کسی سایہ دار پیڑ کی نرم چھاؤں میں آنکھیں بند کئے لیٹا ہے اور شبنمی پھوار اس کے تھکے ماندے اعصاب کی تھکن چُن رہی ہے۔
"تھینک یو .... تھینک لائبہ! .... صحیح کہتے ہیں، دوست اس موقع پر کام آتے ہیں جب انسان کا اپنا آپ بھی اس سے ہیں چرانے لگتا ہے۔ بہت تھک گیا ہوں میں۔ بہت زیادہ۔ تمہارا کندھا میسر آیا تو .... تمہیں برا تو نہیں لگا؟" وہ سیدھا ہوتے ہوئے پھیکے سے لہجے میں بولا۔
"کم آن اسامہ! کیسی اجنبیوں والی بات کر رہے ہو؟ دوست ہوتے کس لئے ہیں؟ ایسے اذیت ناک لمحوں میں، میں تمہارا دکھ نہیں بانٹوں گی تو اور کون بانٹے گا؟" وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے نرم و نازک ہاتھوں میں پیار سے لے کر سہلاتے ہوئے بولی۔
"کیا تم لوگ پہلے سے اس شخص کو جانتے تھے جو ایسا اندھا اعتماد کر ڈالا اس پر؟ آخر انسان ایسے معاملوں میں کسی اجنبی پر یونہی تو نہیں کر لیتا نا۔" وہ ابھی بھی اس کے ہاتھ سہلا رہی تھی۔
"بہت کہا تھا میں نے بھی آغا جان سے۔ یہی کہا تھا، ان کے شناساؤں میں سے تھا وہ فراڈیا۔ اور تم یقین کرو، پہلے دن پہلی نظر شخص مجھے ایک بار نہیں بھایا تھا۔ میری چھٹی حس اس کے بارے میں کچھ اچھا پریڈکٹ (پیش گوئی) نہیں کر رہی تھی، پھر .... پھر بھی نہ جانے کیوں، آغا جان نے میری ایک نہیں سنی۔ اور آبگینے .... وہ کب مان رہی تھی؟ مگر اس بے وقوف کو تو انکار کچھ بھی نہیں کرنا آتا ہے۔ آغا جان نے ساری زندگی اسے اپنے رعب کی چھری نیچے دبائے رکھا کہ اسے اونچی آواز میں نہ آیا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
"ہاں، دو بار ملی تھی میں بھی آبگینے سے۔ وہ تو بہت معصوم اور کم گو سی لگی تھی مجھے۔ یوں خودکشی کرنا .... اور تم بتا رہے ہو، اس انسان نے اپارٹمنٹ بھی سیل کر دیا تم لوگوں کا تو پھر یقیناً یہی چکر ہو گا۔ اس نے رقم ہتھیانے کے لئے ہی آبگینے سے شادی کی

ہو گی۔'' وہ قیاس لگاتے ہوئے بولا۔

''رقم نہیں لائبہ! رقم تو وہ بٹور چکا تھا، اپارٹمنٹ سیل کر کے۔ اگر اس نے آبگینے کو مارنا ہوتا تو پہلے مار دیتا۔ اپارٹمنٹ تو دو روز پہلے کا ہے۔ یہ تو آج رات......'' اس کا گلا رندھ گیا۔

''تو پھر کیا معاملہ ہو سکتا ہے؟ یا پھر وہ اس شادی کے لئے راضی نہیں تھی شاید۔''

''ہاں...... یہ بات ہو سکتی ہے۔ وہ ناخوش تھی، بہت زیادہ۔ یہاں سے جاتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے جاتے ہوئے بھی اس سے بہت پوچھا کہ وہ خوش ہے یا نہیں۔ اس نے مجھے صاف لفظوں میں کہ وہ ٹھیک آدمی نہیں ہے۔ وہ بہت دکھی سی ہو رہی تھی۔ میں اس کی جاتے وقت کی اُداس صورت نہیں بھلا سکتا۔ بہت مجھے مرنے کے بعد۔ اتنی شدت سے تو میں نے اسے زندگی میں محسوس نہیں کیا تھا، جتنا ان چند گھنٹوں میں وہ میرے گئی ہے۔ یوں لگتا ہے، وہ اپنے مُردہ بدن سے نکل کر میرے دل میں آسمائی ہے۔ کاش......'' وہ پھر سے ہاتھوں لگا۔

''اسامہ! پلیز، تم خود کو سنبھالو۔ ہمت کرو۔ آغا جان ٹھیک ہوتے ہیں تو تم اس فراڈیے پر کیس کر دو۔ دودھ کا دودھ ہو جائے گا۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''ایسا ہو بھی جائے تو کون سا آبگینے لوٹ آئے گی؟ وہ تو چلی گئی نا ہم سے دُور، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ سوچو، آغا جان کر اس کے بارے میں پوچھیں گے تو میں کیسے اُنہیں بہلاؤں گا؟''

''یہی تو میں تم سے کہہ رہی ہوں۔ تم خود کو سنبھالو گے تو ان کو بہلا سکو گے۔ اچھا سنو، تم نے کچھ کھایا ہے؟ دوپہر بھی ڈھل گئی۔ بریک فاسٹ تو تم نے یقیناً نہیں کیا ہوگا۔ چلو، چل کر کھاتے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''نہیں لائبہ! مجھے قطعاً بھوک نہیں۔ تم جا کر کچھ کھا آؤ۔'' وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولا۔

''پلیز اسامہ! میری کوئی بات تو مان جاؤ۔ تو کیا میں چلی جاؤں؟'' وہ اسے دھمکانے والے انداز میں بولی۔

''تمہاری مرضی ہے۔'' وہ شکست خوردہ انداز میں بولا۔

''اسامہ! پلیز، میری خاطر۔'' اس نے ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''لائبہ! آغا جان کو ہوش آ جائے، پھر جو تم کہو۔ ابھی مجھ سے کچھ نہیں کھایا جائے گا۔ آئی سو سیئر۔'' وہ بے بسی

''او کے، میں خود ہی کچھ لے آتی ہوں۔ تم بیٹھو۔'' وہ نرمی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کافی کے دو مگ اور ایک سینڈوچ لے کر آ گئی۔ بڑی منتوں سے اس نے اسامہ کو دو لقمے کھلا

''ویسے تمہیں جانا چاہئے تھا۔'' تھوڑی دیر بعد لائبہ بولی تو اس نے سرخ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیسے جا سکتا تھا؟ شکر ہے، میں آغا جان کو ہسپتال لے آیا، ورنہ جیسی ان کی حالت ہوئی، مجھے یقین نہیں تھا گے۔ ڈاکٹرز تو ابھی تک......'' اس نے صوفے کی بیک پر سر پٹخا۔

''اب آگے کیا سوچا ہے تم نے، جبکہ بقول تمہارے اپارٹمنٹ بھی اس نے بیچ ڈالا ہے تو؟''

''آغا جان ٹھیک ہو جائیں۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔ ابھی تو ان کی سلامتی کے علاوہ مجھے کچھ نہیں سوجھ رہا کر بولا۔

''اچھا، تم کافی تو لو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' لائبہ نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

''میں بھی ابھی کل رات ہی آئی تھی۔ آتے ہی دائم کو فون کیا۔ ویسے تو مجھے پتہ تھا، وہ جا چکا ہوگا، پھر بھی ہوئی۔ بہت مس کر رہی تھیں اسے۔ تمہیں ایک بار کال کیا تو تمہارا موبائل آف تھا۔ میں نے سوچا صبح کر لوں گی۔ ورنہ میں صبح ہی آ جاتی اگر مجھے پتہ چل جاتا تو۔''

اسے اسامہ کی حالت سے خوف سا آ رہا تھا، اس لئے بے مقصد ہی بولے جا رہی تھی۔ اور اسامہ تو شاید بے دھیانی سے سی سی یو کے بند دروازے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''ویسے میری ماما اور میں بھی بہت عرصہ دبئی میں رہ چکے ہیں۔ اور ماما کا تو بزنس بھی ابھی ہے ادھر۔ اکثر ہیں۔ وہ یقیناً اس شخص کو جانتی ہوں گی۔ میں ذکر کروں گی ان سے۔ اور تم بتا رہے تھے کہ وہ پاکستان بھی جاتا اس کا کندھا آہستہ سے ہلا کر پوچھا۔

''ہوں!''

"چپ کیوں ہو؟ کچھ کہونا۔" وہ اس کی چپ سے خائف ہو کر بولی۔
"ٹھیک ہوں میں۔" وہ بے زاری سے بولا۔
"اسامہ! تم نے اس شخص کا نام تو مجھے بتایا نہیں۔ میں آج ہی ماما کو فون کر کے پوچھتی ہوں۔"
اسی وقت سی سی یو کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر اُڑی ہوئی رنگت لئے باہر نکلا۔ اسامہ ایک جھٹکے سے اس کی طرف بڑھا۔
"ڈاکٹر! مائی فادر......؟"
ڈاکٹر اس کا کندھا تھپک کر واپس اندر چلا گیا۔
"یہ......یہ کچھ بولا کیوں نہیں؟ آغا جان......آغا جان ٹھیک تو ہیں؟" اسامہ کی رنگت یک دم زرد ہو گئی۔
"ٹھیک ہوں گے اسامہ! اگر خدانخواستہ انہیں کچھ ہوتا تو ڈاکٹر ضرور بتاتا۔" لائبہ نے اسے تسلی دی تو وہ بے چینی سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔
"تم نے بتایا نہیں، اس شخص کا نام کیا تھا جس سے آبگینے کی شادی ہوئی؟" چند لمحوں بعد لائبہ پھر بولی۔
"جہانگیر ہمدانی......" اس کے لبوں پہ ہی تھا کہ ڈاکٹر ایک دم سے دروازہ کھول کر باہر نکلا اور حواس باختہ سا اسامہ کی طرف بڑھا۔
"ڈاکٹر! وہاٹ ہیپنڈ؟ (کیا ہوا)" وہ خوف زدہ ہو کر چلایا۔
"جہانگیر ہمدانی......آئی کانٹ بی لیو اِٹ......" لائبہ کی نظروں نے ڈاکٹر کی ہوائیاں اُڑی صورت اور اسامہ کے خوف کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ "تم نے کیا نام بتایا اسامہ!...... جہانگیر ہمدانی؟" وہ اس کا کاندھا جھنجوڑتے ہوئے بولی، جو اس کی طرف قطعاً متوجہ نہیں تھا۔
"ڈاکٹر صاحب!" اسامہ کے حلق سے آواز بمشکل نکلی تھی۔
ڈاکٹر نے آہستگی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔
"آپ مسلمان ہو؟" ڈاکٹر نے شستہ انگریزی میں اس سے گویا سرگوشی میں پوچھا۔ وہ جواب میں فقط سر ہلا کر رہ گیا۔
"آپ لوگوں کا دعا پر بڑا گہرا ایمان ہوتا ہے۔ اس وقت انہیں دل سے نکلی دعا کی اشد ضرورت ہے، جو جسم کے پنجرے میں پھڑپھڑاتی ان کی روح کو اس پنجرے میں رہنے کے لئے کچھ اور مہلت دلوا سکے۔ دعا کریں۔" ڈاکٹر آہستہ آواز میں کہتے ہوئے ایک پل کو رکا اور واپس پلٹ گیا۔
اسامہ کٹے شہتیر کے مانند گرنے کو تھا، جب لائبہ کے نازک سہارے نے اسے پیچھے سے تھام کر صوفے پر بٹھایا۔
"بی بریو اسامہ! پلیز۔" وہ اس کے یخ بستہ ہاتھوں کو اپنے نرم گداز ہاتھوں میں لے کر سہلاتے ہوئے سرگوشی میں بولی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو لائبہ کی اتنی قربت ملنے پر اسامہ شاید اپنے حواس ہی کھو بیٹھتا۔ ان لمحوں کی کھوج میں تو وہ جیسے صدیوں کا سفر طے کر آیا تھا۔ پھر بھی کوئی لمحہ وصال پل بھر کو بھی اس کے وجود کو مہکا نہیں سکا تھا۔ اور جب سے اسے یہ احساس ہوا تھا کہ لائبہ، دائم میں انٹرسٹڈ ہے، اس نے اس خوش گمانی سے پیچھا چھڑانے کی شعوری کوشش شروع کر دی تھی۔
یہ الگ بات کہ ابھی تک وہ اپنی اس کوشش میں ناکام چلا آرہا تھا۔ لائبہ کو نہ پا سکنے کا خیال ہی اسے سوہانِ روح محسوس ہوتا۔ اس کے پورے وجود میں پارے کے مانند بے چینیاں سی بھر دیتا۔ اور اب وہ لمحہ جب اس کے بے حد قریب بیٹھا تھا، وہ اسے محسوس کرنے سے بھی قاصر تھا۔
"پلیز لائبہ! دعا کرو، میرے آغا جان کو کچھ نہ ہو۔ ان کی ہر تکلیف مجھے مل جائے۔ ان کا ہر درد میرے بدن میں اُتر جائے۔ ہر دکھ مجھے مل جائے۔ وہ میرے لئے کیا ہیں، تم نہیں جانتیں۔ اور انہیں ابھی نہیں جانا چاہئے۔ ابھی تو انہوں نے میرے لئے......
یا خدایا! ابھی نہیں۔ ابھی نہیں۔" وحشت بھرے انداز میں اس نے اپنا سر زور زور سے دائیں بائیں پٹخا۔
"اللہ نے چاہا تو انہیں کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ تمہارے دل سے نکلی دعا کو ضرور قبول کرے گا۔ اِن شاء اللہ، وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" اسی طرح اس کے ہاتھ تھامے تسلی بھرے انداز میں بولی۔ وہ چند لمحے اسی طرح ساکت بیٹھا رہا، پھر ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور دوسری طرف چلا گیا۔
"اسامہ! کہاں جا رہے ہو؟" لائبہ بے چین ہو کر اس کے پیچھے لپکی۔
وہ کاریڈور کے آخر میں بنے واش روم میں داخل ہوا تو وہ سست قدموں سے واپس آکر بیٹھ گئی۔ اسامہ باہر آیا تو اس کا چہرہ تر تھا۔ کہنیوں تک جری فولڈ کی ہوئی تھی۔ اس کے سیاہ گھنے بالوں والے بازو بھیگے ہوئے تھے۔ شاید وہ وضو کر کے آیا تھا۔ وہ اسی خاموشی سے سائیڈ روم میں چلا گیا اور قالین پر قبلہ رو ہو کر سینے پر ہاتھ لپیٹ کر کھڑا ہو گیا۔ لائبہ وہیں بیٹھی دل میں آغا فیاض کی صحت یابی کی

دعا مانگنے لگی۔

یہ شاید اسامہ کی دعاؤں کا اثر تھا، اس طویل سجدے کا نتیجہ دعا کی قبولیت تھا۔ ڈاکٹر نے ڈیڑھ گھنٹے بعد باہر آ کر ان کا خطرے سے باہر آ جانے کی خوشخبری سنائی دی۔

''ابھی نہیں، آج رات انہیں ادھر ہی رکھا جائے گا۔ کل روم میں شفٹ کریں گے۔'' اسامہ کے پوچھنے پر ڈاکٹر بتا گیا۔

''میرا خیال ہے اسامہ! ابھی تم گھر جا کر کچھ ریسٹ کرو۔ انکل کو ابھی یہ ادھر ہی رکھیں گے۔ یہاں بیٹھنے سے چلے جاؤ۔''

''شکریہ لائبہ! لیکن میں گھر نہیں جا سکوں گا۔ ڈاکٹر نے تھوڑی دیر بعد ان سے ملنے کا کہا ہے۔ میں انہیں دیکھ کر اطمینان ہو گا۔ تم جانا چاہو تو چلی جاؤ۔ میری وجہ سے تم بھی صبح سے ڈسٹرب ہو رہی ہو۔'' اس کی طرف دیکھ کر وہ نرمی سے

''کیسی غیروں جیسی باتیں کر رہے ہو؟ ہم دوست ہیں۔ اگر خدانخواستہ مجھ پر ایسا وقت آتا تو کیا تم میرے دکھ ہوتے؟ مجھے یونہی چھوڑ کر چل دیتے؟'' لائبہ منہ پھلا کر خفگی سے بولی تو اسامہ اس کے اس اپنائیت بھرے انداز پر مسکرا

''اچھا سوری۔ اب یوں منہ پھلا کر کھڑی نہ ہو۔'' وہ اس کا کندھا ہلا کر بولا۔

''تو چلو، پھر باہر چل کر کچھ کھا پی آتے ہیں۔ تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا۔''

''او کے چلو، چلتے ہیں۔'' وہ دونوں باہر کی جانب چل دیئے۔

''لائبہ! تم بار بار جہانگیر ہمدانی کا نام کیوں پوچھ رہی تھیں؟'' چلتے ہوئے اسامہ کو یاد آیا تو رک کر پوچھنے لگا۔

''یونہی، نام سنا سنا لگ رہا تھا۔ ویسے کیا تمہیں یقین ہے کہ اس کا نام جہانگیر ہمدانی ہی ہے؟'' وہ قدرے بے یقینی

''کیسی باتیں کرتی ہو؟ اس میں یقین نہ کرنے کی کیا بات ہے بھئی۔ نکاح نامے میں ہر جگہ اس نے اسی نام اور میں بھلا کیوں بھولنے لگا اس خبیث کا نام؟ پتہ نہیں، اس نے آبگینے کا کیا حال کیا کہ اسے خودکشی کرنی پڑی۔ چیخ چیخ کر کہتی رہی کہ وہ اچھا آدمی نہیں۔ مگر تقدیر نے اپنا فیصلہ منوا کر چھوڑا۔ آغا جان ہوش میں آئیں گے تو میں ان گا؟'' وہ ایک بار پھر بکھرنے لگا۔

''اسامہ! تمہارے پاس آبگینے کی شادی کی تصویریں تو ہوں گی، جس میں جہانگیر ہمدانی ہو گا۔ ہے نا؟'' وہ سی کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں ہیں تصویریں۔ شاید چھ سات ہیں۔ جہانگیر نے ہی زیادہ تصاویر بنوانے سے منع کیا تھا۔ کیوں؟''

''مجھے وہ تصاویر مل سکتی ہیں، ابھی؟''

''ابھی؟'' وہ کچھ حیران سا ہوا۔ ''ابھی تو وہ گھر پر پڑی ہیں اور میں آغا جان کو اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

''تو کب جاؤ گے؟'' وہ جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے بولی۔

''آغا جان کو دیکھ لوں، پھر۔ ویسے تم ان تصاویر کو کیا کرو گی؟''

''اخبار میں چھپواؤں گی۔ چلو اب کچھ کھا کر جلدی سے آغا جان کو دیکھتے ہیں۔ میرے ساتھ گھر چلو۔ مجھے ا کی بے چینی سی ہو رہی ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر لفٹ میں سوار ہوتے ہوئے عجلت بھرے انداز میں بولی تو اسا میں کوئی راز چھپا ہوا محسوس ہوا۔ لیکن اس نے کچھ پوچھا نہیں۔ کیونکہ اسے پتہ تھا، لائبہ تصویریں دیکھے بغیر کچھ نہیں اسے بھی گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

❁⊙......⊙❁

''ہیلو ڈیئر!...... ہاؤ آر یو؟...... کیسا گزرا سفر؟'' میڈم یاقوت کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بشاش لہجے سے بولیں جو کاؤچ پر نیم دراز اپنا سیل فون ہاتھ میں لئے شاید کوئی نمبر ملا رہا تھا۔ میڈم یاقوت کو اپنے سامنے مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

''فائن، زبردست۔ بلکہ قیامت لگ رہی ہو۔ جسٹ لائک اے فل بلوم روز۔'' وہ اس کے پاس آتے ہوئے بولا۔ میڈم یاقوت اس وقت نارنجی ساڑھی میں خوب صورت جیولری اور فریش میک اپ کے ساتھ واقعی کوئی کھلا تھیں۔ ان کے سرخ و سفید رنگ و روپ سے گویا روشنیاں سی پھوٹ رہی تھیں، جو جہانگیر ہمدانی کی تھکی ماندی گئیں

''تھینکس۔ لفاظی تو تم پر ختم ہے۔'' وہ اک ادا سے ساڑھی کا پلو جھٹک کر جہانگیر ہمدانی کے بڑھے ہوئے ہا

نے نرم وگداز ہاتھوں میں لے کر بولیں۔ ”اتنے دن تک نہ تو تمہیں اس گلاب کا خیال آیا، نہ اس کی خوشبو کا۔ آج سامنے دیکھتے ہی ممنوعہ رومانس جاگ اُٹھا۔“

”تم بجا ہو، گلہ کرنے میں۔ میری غفلت واقعی قابل معافی نہیں۔ کوئی سزا دو نا پھر۔“ وہ ان کی آنکھوں میں گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ان نظروں میں نہ جانے کیا تھا، میڈم یاقوت کے گلگلوں چہرے پر اور بھی رنگ بکھر گئے۔

”سزا تو ملے گی۔ ضرور ملے گی۔ ویسے اتنے دنوں کی بے گانگی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟ یا یہ بھی کوئی ادائے دلبرانہ تھی؟“ وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر کاؤچ کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

”بزنس مصروفیت میری جان! اور کیا وجہ ہوگی۔“ وہ ان کے پاس ہی کاؤچ پر آ بیٹھا۔

”بزنس کی مصروفیت کسی کی بھی مجھ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ تم یہ گھسا پٹا بہانہ رہنے دو۔ مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔ لگتا ہے، کسی بہت ہی رنگین مصروفیت میں گم تھے، جو ہماری بھی یاد نہیں آئی۔“ وہ معنی خیز انداز میں بولیں۔

”اب وہ دن لد گئے، جانِ جان! جب ڈالی ڈالی منڈلانے کا مزہ ہی اور تھا۔ اب تو جب سے آپ کی زلفوں کے اسیر ہوئے ہیں، کوئی رنگ، کوئی خوشبو اس دل کو بھاتے ہی نہیں۔“ وہ میڈم یاقوت کے گال پر جھولتی لٹ کو انگلی پر لپیٹ کر بولا۔

”بس رہنے دو۔ اس بار کوئی نئے ڈائیلاگ یاد نہیں کر کے آئے۔“ وہ طنز سے بولیں۔

”اب میرے دل کی آواز تمہیں ڈائیلاگ لگتے ہیں۔“ وہ خفگی سے بولا۔

”اچھا بس۔ اور ادھر دبئی میں سب سیٹ جا رہا ہے؟“ وہ بات بدل کر بولیں۔

”ایک دم سیٹ یار! تم نے جو چار آئٹم بھیجے تھے، تین تو بڑے آرام سے لائن پر لگ گئیں۔ ایک نے تو بڑی آفت مچائی۔ کیا تم نے اسے بتایا نہیں تھا کہ وہ کس کام سے ادھر جا رہی ہے؟“ وہ کاؤچ پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولا۔

”کون؟ کس کا ذکر کر رہے ہو؟“ وہ ماتھے پر شکن ڈال کر بولیں۔

”وہ کیا نام تھا اس کا، منزہ شاید۔ ایئرپورٹ پر ہی اس نے رونا دھونا شروع کر دیا کہ اسے واپس بھجوا دیا جائے۔ وہ کسی فیشن پریڈ میں حصہ نہیں لے گی۔ اسے ابھی واپس جانا ہے۔ اچھا خاصا ہنگامہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ تمہیں تو پتہ ہے، یہ معاملات کتنے نازک ہوتے ہیں۔“

”پھر...... پھر کیسے ہینڈل کیا تم نے اسے؟“ وہ قدرے بے تاب ہو کر بولیں۔

”سو طریقے ہوتے ہیں ہینڈل کرنے کے۔ کر لیا۔ ویسے آئندہ تم احتیاط سے برتن واش کر کے بھیجا کرو۔ تمہیں علم ہے، آج کل بہت سختی ہو رہی ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”ادھر سے تو ٹھیک ہی گئی تھی۔ فیشن کی دنیا میں نام بنانے کا بھوت سوار تھا ان پر اور ڈھیر سارے ریال، درہم سمیٹنے کی ہوس۔ خیر ہم سب کر لیں گے، آپ فکر نہ کریں۔“ وہ منہ میں بڑبڑائی تھیں۔

”چلو لعنت بھیجو اس موضوع پر۔ میری ایگزیبیشن کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟“ اس نے سگار سلگاتے ہوئے میڈم یاقوت کو دیکھا۔

”سب سے ضروری کام ہو چکا۔ ماڈل میں سلیکٹ کر چکی ہوں، تم ایک نظر دیکھ لو تو بس اسے تھوڑا بہت ٹرینڈ کرنا پڑے گا اور تھوڑا سا برین واش۔“ میڈم یاقوت گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کرتے ہوئے بولیں۔

”اُف یعنی ایک اور لمبا انتظار۔“ جہانگیر ہمدانی کوفت بھرے انداز میں بولا۔

”جہانگیر!“ وہ آہستگی سے بولیں۔

”ہوں۔“ وہ میڈم یاقوت کے لہجے پر کچھ چونکا۔

”ایک بات کہوں، مانو گے؟“

”دس کہو، دس کی دس مانوں گا۔“

”دس نہیں، صرف ایک۔“ وہ سگار پر نظریں جما کر بولیں۔

”کہو۔“ وہ غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”پہلے وعدہ کرو، مانو گے۔“ وہ اپنی نیم خوابیدہ سی نظریں اس پر جما کر بولیں۔

”وعدہ ہی وعدہ۔ کیا ان چند دنوں میں مجھ پر اعتبار بھی نہیں رہا؟“ وہ خفگی سے بولا۔

”تم مجھ سے شادی کر لو۔ نکاح۔“

”واٹ؟“ وہ کاؤچ سے اچھلا۔ ”آر یو کریزی؟“

''اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے؟'' وہ جہانگیر کا ردِعمل دیکھ کر سپاٹ لہجے میں بولیں۔
''کیا ہمیں شادی کی ضرورت ہے ڈیئر؟'' وہ ذومعنی انداز میں بولا تو میڈم یاقوت کی نظریں پل بھر کو جھکیں۔
''شادی ایک لیگل اناؤنسمنٹ ہوتی ہے، کسی بھی مہذب سوسائٹی میں مرد اور عورت کے قریبی تعلق کو ظاہر کرنے
''اب اتنے سالوں بعد اس لیگل اناؤنسمنٹ کی ضرورت آ پڑی؟ ہم پر ویسے بھی کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔'' وہ لا
''تم بھول رہے ہو جہانگیر! میں ایک نوجوان بیٹی کی ماں بھی ہوں۔'' اس لمحے ان کے لہجے میں ایک شکست خ
تھی۔
''میں ہی تو یہ بات نہیں بھولتا، تمہیں معلوم ہے۔'' وہ کچھ مختلف لہجے میں بولا، جسے میڈم یاقوت کچھ سمجھ نہ سکیں
''میں لائبہ کی شادی کرنا چاہ رہی ہوں، جلد از جلد۔ اس کی ایجوکیشن مکمل ہو چکی ہے۔ میرے پاس اس کے
اس عمر میں ایک بیٹی کو جتنا ماں کی توجہ اور ٹائم کی ضرورت ہوتی ہے، وہ میرے پاس نہیں۔ اس لئے میں چاہتی ہو
دوں، فی الفور۔''
''تو لائبہ کی شادی سے ہماری شادی کا کیا تعلق؟'' وہ قدرے بیزار لہجے میں بولا۔
''تم شاید اس بات کی گہرائی کو نہ سمجھو کہ تم نہ ماں ہو نہ باپ۔'' وہ افسردگی سے بولیں اور سگار کا گہرا کش لـ
لگیں۔
''یہ تم مجھے طعنہ دے رہی ہو یا طنز کر رہی ہو؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولا۔
''دونوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ لائبہ خان، ولدیت کے خانے میں خان لکھوا کر میں نے اس خانے کو پُر
مجھے معلوم ہے، مجھ پر وہ ٹائم آنے والا ہے جب سویٹی مجھ سے اپنے باپ کے بارے میں ضرور دریافت کرے گی
خوف زدہ ہوں۔ میں اپنی ہی بیٹی کو خود سے دور بھگائے رکھتی ہوں۔ وہ اگر یہ سوال نہ بھی پوچھے تو جہاں کہیں لائبہ
چلے گا، وہاں یہ سوال دہرایا جائے گا، بڑی شدت کے ساتھ۔'' وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھیں۔ ایک دم ہی ان
گیا تھا۔ ایک دکھ دینے والی انوکھی سی تحریر چہرے کی اَن دیکھی لکیروں میں اُتر آئی تھی۔
''لیکن میں ابھی بھی نہیں سمجھا کہ ہماری شادی سے تمہارا یہ مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے۔'' جہانگیر ہمدانی کو اب
تھی۔
''کیا سب ہمارے تعلق کے بارے میں پوچھیں گے نہیں اس سے پہلے ہی؟''
''اوہ یاقوت! کیا بیک ورڈ زمانے کی باتیں کر رہی ہو؟ تم کیا کسی لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہو یا لائبہ
فیملی میں کرنے جا رہی ہو، جہاں یہ فضول انویسٹی گیشن کی جائے گی؟ اور اگر تمہیں کچھ خیال ہے تو صاف
ہیں اور اچھے دوست بھی۔'' وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے اٹھ کر فون کی طرف بڑھا۔
''جہانگیر! ہم جتنا مرضی ایڈوانس ہو جائیں، بیٹیوں کے رشتے ناطے کرتے وقت ان سوالوں کی پکڑ م
ابھی ہمارے ہاں مرد و عورت کی اتنی قریبی دوستی کا چلن نہیں ہوا اور کوئی بزنس پارٹنر بیڈ روم شیئر نہیں کرتے۔ یہ
بعد میں بہت بڑے بڑے پرابلمز کھڑی کر دیں گی، تم سمجھ نہیں رہے۔'' وہ قدرے عاجزی سے بولیں۔
''کم آن، اتنے دنوں بعد ملے ہیں، تم یہ فضول قصہ لے کر بیٹھ گئی ہو۔'' وہ بائیں آنکھ سے بڑا واضح اشارہ
لہجے میں بولا۔
''تھنک۔ اس وقت تو مجھے جانا ہے۔ آئٹم فیسٹیول کے سلسلے میں آج ہماری بڑی پریڈ ہے۔ اس کے بع
اہم میٹنگ ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔
''وہ کس سلسلے میں؟'' وہ متجسس لہجے میں بولا۔
''کام ہو جائے گا تو بتاؤں گی۔''
''اچھا، اب ہم سے بھی ایسی رازداری۔ یہ سلسلہ کب شروع ہوا؟''
''ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں فرصت میں بتاؤں گی۔ اس وقت تو تم میری کوئی بھی ایسی بات مجھ
اب ریسٹ کرو۔ بلکہ میں تو کہہ رہی تھی، میرے گھر ہی آ جاؤ۔ گپ شپ کریں گے۔'' وہ جاتے جاتے آ کر
''نہیں، مجھے ادھر زیادہ سہولت ہے۔'' وہ روکھے لہجے میں بولا۔
''میرے گھر سے بھی زیادہ؟'' وہ اس کے پاس رک گئیں۔
''ایسا میں نے کب کہا؟''

"کیا خفا ہو گئے؟" وہ اس کا انداز دیکھ کر بولیں۔
"تو کیا نہیں ہونا چاہیے؟ اتنے دنوں بعد ملے ہیں، تمہیں فرصت نہیں دو گھڑی پاس بیٹھنے کی۔"
"یہ سب بکھیڑے میرے گلے میں تم نے ہی ڈالے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں تم بھی میرے ساتھ چلو۔ دیکھنا، اس وقت مائی لروپ کی فیم آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔"
"نہیں، کل سہی۔ آج میں ریسٹ کے موڈ میں ہوں۔ سوچا تھا...... چلو خیر، پھر سہی۔ تم جاؤ۔" وہ خوش دلی سے بولا۔
"کسی چیز کی ضرورت؟"
"رات کو تو آ جاؤ گی نا؟"
"نہیں، ویسے گھر جانے سے پہلے چکر لگاؤں گی۔"
"اس کی بھی ضرورت نہیں۔" وہ منہ پھیر کر بولا۔
"عائشہ کو بھجوا دوں یا کسی اور کو؟" وہ گویا اسے بہلانے کو بولیں۔
"بھجوا دینا اسے لیکن ذرا سمجھا کر اور......"
وہ مسکرائیں۔ "او کے، بائے۔"
"بائے!" وہ میڈم یاقوت کو دروازے تک چھوڑنے بھی نہیں گیا۔
اس کے چہرے پر گہری سوچ کی پرچھائیں تھی۔
"لائبہ کی شادی...... ہوں، تو یہ بات ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے سوچنے لگا۔

❋

''عزہ! ادھر آؤ۔''

محمود عالم لان میں بیٹھے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے، جب انہیں عزہ پچھلی طرف سے نکل کر اندر جاتی دکھائی دی۔ سادہ سا کاٹن کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ بالوں میں شاید برش بھی نہیں کیا تھا۔ کیچر میں جکڑے بال آدھے بکھرے چہرے پر آ رہے تھے، اُترا ہوا چہرہ اور ماتھے کے پاس لگا سنی پلاسٹ۔ انہوں نے کل شام کے بعد اسے اب دیکھا تھا۔

وہ خاموشی سے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

''تم کالج نہیں گئیں؟'' اس کا اُداس و ناراض چہرہ دیکھ کر ان کے دل کو کچھ ہوا۔

''آپ نے منع کیا تھا۔'' وہ اسی طرح سر جھکائے آہستگی سے بولی۔

''میں نے......؟'' انہیں سن کر حیرانی سی ہوئی، پھر ایک دم سے یاد آیا کہ غصے میں کل شام انہوں نے بھی روک دیا تھا۔

''کم آن مائی چائلڈ!'' وہ سر ہلا کر رہ گئے۔ ''بیٹا! وہ تو میں نے غصے میں یونہی کہہ دیا تھا۔ اب بھلا میں کیوں روکوں گا؟ ویسے تم میرے کہے کا اتنا مان رکھنے والی تو ہو نہیں۔'' وہ شکایتی سے لہجے میں بولے۔

''میں نے تمہیں اتنی بار ڈرائیونگ سے منع کیا اور تم نے ہر بار حکم عدولی کا مزہ لیا ہے۔ ہے نا؟'' وہ مسکرا گئی۔

''اچھا، اب جلدی سے جائیں، چینج کر کے آئیں۔ اچھا سا ڈریس اور فریش سا چہرہ۔ جاتے ہوئے چائے دونوں باپ بیٹی مل کر چائے بھی پئیں گے۔ اور آپ کی ناراضی بھی دور کریں گے، ہری اپ۔'' وہ مسکراتی نظر ہوئے بولے تو وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

''بھئی جاؤ۔ اس وقت چائے کا سخت موڈ ہو رہا ہے۔'' وہ اخبار کی طرف از سرِ نو متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔ پلٹ گئی۔

وہ آج تک اپنے ماں باپ کے رویوں کو سمجھ نہیں سکی تھی۔ پل میں تولہ، پل میں ماشہ۔ دونوں کے مزاج اور دونوں کی ذہنی ہم آہنگی میں صدیوں کا بُعد تھا۔ محمود عالم کا گلیشیر جیسا سرد رویہ پگھلتا تو اپنے سیلابی ریلے میں جاتا۔ سارہ عالم کا پارے جیسا موڈ جو ہر لمحے نقطۂ عروج کو پہنچا رہتا۔

کبھی کبھی اسے دونوں پر بہت ترس آتا۔ دونوں کتنی قابلِ رحم زندگی گزار رہے تھے۔ ایک دوسرے سے ہوئے ایک دوسرے کو ناپسند کرنے کے باوجود ساتھ رہنے پر مجبور۔ اور کبھی اسے ان پر شدید غصہ آتا کہ دونوں آپس کی کدورت اور جنگ کے دوران شاید ان دونوں نے کبھی عزہ کے بارے میں سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی۔

فریش ہونے اور چینج کرنے کے باوجود اس کی طبیعت میں خاطر خواہ تبدیلی نہیں آ سکی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے کے دو مگ سرونگ ٹرے میں رکھے لان میں چلی آئی۔ وہ اخبار گود میں رکھے سامنے خوبانی کے پیڑ کو تکتے ہو۔ تھے کہ وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ اس کے بارے میں ہی سوچ رہے تھے۔

وہ اسے کیسے بتاتے صرف سارہ ہی نہیں، وہ بھی ان کی مرضی کے خلاف اس دنیا میں آئی تھی۔

انہیں کتنی تمنا تھی کہ ان کا بیٹا ہوتا، عزہ کی جگہ۔ ان کا بیٹا، مضبوط ہاتھوں پاؤں والا اور اونچا لمبا، خوبرو۔ باور ہی نہیں کرا سکے تھے کہ خدا نے انہیں بیٹا نہیں، بیٹی دی ہے۔ شاید اس کے اسکول جانے تک انہوں نے پیار نہیں کیا تھا۔ کبھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ جب بھی یہ خیال آتا کہ ان کا بیٹا ہی نہیں بیٹی ہے تو ٹوٹ ٹوٹ جاتا۔ پھر خود کو کمپوز کرنے کی کوشش میں ہی وہ نہ جانے اپنے اردگرد کیا کچھ توڑ جاتے۔ یہ تو اکیڈمک رزلٹ تھے، جنہوں نے انہیں اس کی طرف متوجہ کیا یا پھر اس کی من موہنی، بھولی صورت، ماں باپ

کے دوران اس کا سہما سہما روپ انہیں بے اختیار اس کی طرف مائل کرتا چلا گیا۔ لیکن یہ سچ تھا۔ اب بھی جب کبھی انہیں بیٹے کی کمی کا شدت سے احساس ہوتا، وہ اسی طرح اس سے بیگانگی و نفرت کا اظہار کر جاتے۔

"پاپا! چائے۔" وہ ٹرے ان کے آگے رکھے کچھ دیر تو بیٹھی رہی، جب ان کا انہماک نہ ٹوٹا تو اس نے مگ اٹھا کر ان کے آگے کیا۔

"تھینکس!" انہوں نے چونکتے ہوئے مگ تھاما اور پھیکی سی مسکراہٹ لئے اسے دیکھا۔ کبھی کبھی کسی خواہش کی نارسائی انسان کی پوری زندگی بدل کر رکھ دیتی ہے۔

"گڈ، ناؤ یو لک فریش۔ ناراض ہو اپنے پاپا سے؟" چائے کا پہلا گھونٹ بھرتے ہوئے انہوں نے اس کے شفاف چہرے کو دیکھ کر کہا۔

"نہیں پاپا!" وہ مگ کے کنارے پر انگلی پھیرتی رہی۔

"ہماری بیٹی کو ڈرائیونگ کا اتنا شوق ہے؟" انہیں نہ جانے اس وقت کیوں اس پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔ "چلو، ایسے کرتے ہیں، میں فرید سے کہتا ہوں، وہ روزانہ شام کو ایک گھنٹہ ہماری بیٹی کو دے۔ اِن شاء اللہ، پندرہ بیس دنوں میں آپ ٹرینڈ ہو جاؤ گی اور کانفیڈنٹ بھی۔ اب تو ناراضی ختم ہو جانی چاہئے۔" وہ اس کی اُتری ہوئی شکل دیکھ کر شکوہ کرتے ہوئے بولے۔

"تھینک یو پاپا! میں ناراض تو نہیں۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"تو ذرا اچھی سی اسمائل دیں نا، یہ زبردستی کی مسکراہٹ نہیں چلے گی۔" انہوں نے فرمائشی انداز میں کہا تو وہ بے اختیار مسکرا دی۔

"پاپا! ایک بات پوچھوں؟" چند لمحوں بعد وہ سنجیدگی سے بولی۔

"پوچھو۔" وہ اب اخبار کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"آپ میں اور ماما میں کیا چیز باعثِ اختلاف ہے؟" وہ کچھ ڈرتے ہوئے بولی۔

"کوئی چیز نہیں بیٹا جی!" وہ ایک دم سیدھے ہو بیٹھے۔ انہیں عزہ کی سنجیدگی غیر معمولی سی لگی۔

"پھر آپ کے آئے دن کے جھگڑے۔" وہ ان کے دیکھنے کے انداز پر اپنی بات پوری نہ کر سکی۔

"جھگڑے ہر گھر میں ہوتے ہیں۔" انہیں یہی دلیل سوجھی۔

"شاید ایسا ہو، مگر پاپا! ایسے جھگڑے شاید کسی گھر میں بھی نہیں ہوتے، جیسے آپ دونوں کے درمیان۔ کیا آپ نے مما سے کسی مجبوری کے تحت شادی کی تھی؟" اس کے اندر کا اضطراب آج وجہ کھوجنا چاہ رہا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں تھا۔" وہ مجبوراً بولے۔ اب وہ دل میں پچھتا رہے تھے۔ انہوں نے عزہ کو چائے لانے کا کیوں کہا۔

"پھر انہیں یہ شک کا کامپلیکس کیوں ہے کہ آپ انہیں پسند نہیں کرتے؟"

وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تو صرف ایک پل کو انہوں نے دل میں شکر کیا کہ اس وقت ان کا کوئی بیٹا ہوتا اور وہ سرکش انداز میں ان سے یہ سوال و جواب کر رہا ہوتا تو ان کی کیا حالت ہوتی۔

"اس کا جواب تو تم نے خود ہی پہلے سوال میں دے دیا ہے۔ اسے محض یہ کامپلیکس ہے، اور کچھ نہیں۔" وہ مطمئن سے انداز میں لے۔

"اس کی وجہ؟" اس کی چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا تھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔ میں اسے ہزار بار یقین دلا چکا ہوں، مگر اس کے دماغ میں......" عزہ کی نظروں سے خائف ہو کر انہوں نے "خناس" کا لفظ حلق کے اندر اتار لیا۔

"پاپا! اعتبار ساتھ کا یقین دلایا تو نہیں جاتا۔ یہ تو خود بخود ایک دوسرے کو محسوس ہو جاتا ہے۔" وہ دکھی لہجے میں بولی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟" وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولے اور مگ، ٹیبل پر رکھتے ہوئے گود میں پڑے ڈان کے صفحات سیدھے کرنے لگے۔

"مما، نانو کے گھر جانے سے کیوں خائف ہیں؟ کبھی ان کا احوال پوچھنے بھی نہیں گئیں۔" اس کے دماغ میں ایک عرصے کا غبار تھا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ غبار چھٹنے یا کم ہونے کے بجائے اس کے دباؤ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"یہ تو تم اسی سے پوچھو۔ اس کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں؟" وہ اب انٹرنیشنل نیوز کا صفحہ سامنے پھیلائے دیکھ رہے تھے۔

"اور آپ...... آپ بھی تو کبھی نہیں جاتے ادھر۔ آپ کی بھی تو شاید وہ مامی ہیں۔" عزہ آج کچھ نہ کچھ جان لینا چاہتی تھی۔

گرچہ اب محمود عالم کا رویہ نورسپانس والا تھا، مگر کچھ دیر پہلے والی بشاشت اسی سرد گلیشیر کی اوٹ چلی گئی تھی۔

''تمہاری ماں کی وجہ سے۔ ادھر جانے کا نام لوں تو اس کا ٹمپرامنٹ اس کا ساتھ چھوڑنے لگتا ہے۔'' انہوں
سے نظریں نہ ہٹائیں۔

''ایسا کیوں ہے پاپا؟'' وہ کندھے اچکا کر اسے دیکھے بغیر بولے۔

''آج تم نے بلاوجہ کالج سے چھٹی کی۔ اسی وجہ سے تمہارا موڈ تھوڑا ڈپریس ہے۔ میرے خیال میں، تم جا کر
دیکھ لو یا کچھ پڑھ لو۔ اگر کسی چیز کا موڈ نہیں تو ریسٹ کر لو۔'' وہ اب کے خاصے خشک لہجے میں بولے۔

''پاپا! ایک بات کہوں، مانیں گے؟'' وہ ان کے روکھے پن کو نظر انداز کرتے ہوئے پہلی بار پُرجوش انداز میں

''ہوں، کہو۔'' وہ اخبار میں گم ہو چکے تھے۔

''پاپا! آپ ابھی فارغ ہیں نا؟''

''ہوں۔''

''پاپا! پلیز۔'' وہ بے ساختہ اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی اور ان کے گھٹنوں کے پاس دوزانو بیٹھتے ہوئے
لہجے میں بولی تو انہوں نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں بولو۔''

''پاپا! ہم نانو سے ملنے چلیں۔ بس تھوڑی دیر کے لئے پلیز۔ اتنا عرصہ ہو گیا، ہم نہیں گئے۔'' وہ منت بھرے
تھی۔

''اپنی ماما کا پتہ ہے؟ زمین آسمان ایک کر دیں گی۔'' وہ اس کے دمکتے شاداب چہرے کی معصومیت پر نہ چا
بولے۔

''ماما پارلر گئی ہیں نا۔ شام سے پہلے نہیں لوٹیں گی۔ پلیز پاپا! میں نے کبھی آپ سے کوئی ضد نہیں کی۔'' اسے
لئے بلیک میلنگ کی سوجھی۔

''عزہ! پھر سہی۔'' وہ کمزور سے لہجے میں بولے۔

''پاپا! وہ پھر بھی آتے آتے مہینوں لگ جائیں گے۔ مجھے اسٹڈی سے ٹائم نہیں ملتا اور آپ کو کورٹ سے۔
اس نے واقعی اس طرح ضد پہلی بار کی تھی۔ وہ خود کو لاچار سا محسوس کرنے لگے۔

''عزہ! آدھے گھنٹے میں مجھے جسٹس ریاض کی طرف جانا ہے۔'' وہ اسے ٹالنے والے انداز میں بولے۔

''پاپا پلیز! ابھی کچھ دیر تک تو آپ فارغ تھے۔ پھر بھی آپ چلے جائیے گا، ہم ادھر زیادہ دیر نہیں بیٹھیں گے
نیم راضی دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولی۔

''عزہ! تمہاری ماما خفا ہوں گی۔'' انہوں نے اسے سارہ کی خفگی سے ڈرانا چاہا۔

''مجھ پر ہوں گی تو ہونے دیں۔ بس آپ چلیں۔'' اس کے اصرار پر وہ با دلِ نخواستہ اُٹھ کھڑے ہوئے
چھوٹتی خوشی کے رنگ دیکھ کر وہ گہرا سانس لے کر رہ گئے۔ اب وہ اسے کیا بتاتے، وہ ادھر کیوں نہیں جانا چاہتے۔

''میں نے تو ابھی چینج کیا ہے۔ آپ تو چینج نہیں کریں گے پاپا؟'' وہ پُرجوش ہوتے ہوئے بولی۔ ''آپ تو
فل لگ رہے ہیں۔''

تھوڑی دیر میں ان کی گاڑی ان رستوں کی جانب گامزن تھی، جو کبھی ان کی منزل ہوا کرتے تھے۔ اور اب
وہ عزہ کے ساتھ جاتے ہوئے بھی ذہنی طور پر کہیں اور تھے، دھیان کی کسی اور ہی دنیا میں۔ جو بے دھیانی کی
تھی، جہاں جانے کی اجازت انہوں نے خود کبھی نہیں دی تھی۔ اور آج گویا دلِ ناداں کو ان کی اجازت کی بھی

✲◉......◉✲

''آغا جان! اب کیسا محسوس کر رہے ہیں آپ؟'' اسامہ نے آنکھیں بند کئے بالکل خاموش لیٹے آغا جان
پوچھا۔

''ہوں!'' وہ آنکھیں کھولے بغیر لبوں میں بڑبڑائے۔

''اب تھوڑا لیکوئیڈ شروع کریں۔ ابھی ڈاکٹر آپ کے سامنے کہہ کر گئے ہیں۔ جوس یا سوپ، کیا لاؤں آپ
سے ان کا سر سہلاتے ہوئے بولا۔

''تو تم آبگینے کو رخصت کرنے نہیں گئے؟'' وہ آنکھیں بند کئے بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

''آغا جان!'' وہ رنج سے چُور آواز میں بولا۔

"کتنا انتظار کیا ہو گا اس نے میرا، آخری سفر پر روانہ ہوتے وقت۔ اسے ہم دونوں کی بے وفائی کا یقین ہو گیا ہو گا نا؟" انہوں نے اب بھی آنکھیں نہیں کھولیں۔ آنسوؤں کی لکیریں ان کی آنکھوں کے گوشوں سے نکل کر کانوں کے پیچھے گم ہونے لگیں۔

"آغا جان! پلیز، ابھی یہ باتیں نہ کریں۔ آپ کے لئے ٹھیک نہیں۔ پلیز!" وہ ان کے آنسو انگلیوں کی پوروں میں جذب کرتے ہوئے بولا۔

"مجھ سے تو وہ بہت ناراض تھی، تم نے دیکھا نہیں، وہ جاتے وقت بھی مجھ سے خوش نہیں تھی۔ وہ رو نہیں رہی تھی مگر اس کا رواں رواں جیسے اپنی بے زبانی پر فریاد کر رہا تھا۔ اسامہ! میں نے اپنی معصوم، پھول سی بچی پر ایسا ظلم کیوں کیا؟ تم تو مجھے روک رہے تھے، پھر میں اتنا ظالم کیوں بن گیا؟" وہ آنکھیں کھول کر وحشت بھری نظروں سے اس سے پوچھ رہے تھے۔

"آغا جان! آپ نے کچھ بھی ظلم نہیں کیا۔ سب ہی والدین اپنی بیٹیوں کے لئے اچھا ہی سوچتے ہیں۔ آگے کے فیصلے ان کی تقدیر کرتی ہے۔" وہ انہیں تسلی دینے والے انداز میں بولا۔

"تقدیر نہیں، ہم والدین اپنی بے زبان بیٹیوں کو اپنے تجربے کی لاٹھی سے زبردستی ہانکتے ہیں۔ کاش! تم..... تم ہی....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے تو اسامہ ان سے نگاہیں نہ ملا سکا۔ کمرے میں چند لمحے کو سکوت چھا گیا۔

"میں کتنا بدنصیب ہوں۔ سب سے پہلے بیٹی، پھر بیٹا اور بہو کی حادثاتی موت جس کے نتیجے میں گڑیا سی آبگینے میری گود میں ڈال دی گئی اور اب آبگینے بھی۔ ایک جنم میں، میں نے سات جنموں کے دکھ دیکھے ہیں۔ اور دیکھو کتنا سخت جان ہوں پھر بھی۔ پھر بھی موت کے سامنے پوری ڈھٹائی سے تن کر کھڑا ہوں۔ اب بھلا زندگی کے پاس میرا کوئی اُدھار باقی ہے، جسے چکانے کے لئے میں پھر موت کے منہ سے لوٹ آیا ہوں؟ یہ لمحہ لمحہ کی موت، اذیت۔ اسامہ! میری باقی کی زندگی تو موت سے بھی کٹھن ہے۔ تم نے کیوں میرے لئے زندگی کی دعا کی؟...... یا اللہ! مجھے موت دے دے۔ جانے کا ٹائم تو میرا تھا۔ آبگینے! تم کیوں چلی گئیں؟ تم نے تو ابھی زندگی کی ساری بہاریں دیکھنا تھیں۔ میں نے کیوں تمہاری کھلتے پھول کی سی زندگی کو ظالم خزاں رُت کے حوالے کر دیا؟........" وہ آنسو بہاتے ہوئے، تکیے پر اِدھر اُدھر سر پٹخنے لگے۔

"آغا جان! پلیز رحم کریں، خود پر نہ سہی، مجھ پر۔ خود کو اتنی تکلیف مت دیں۔ ابھی بھی ڈاکٹر آپ کی صحت سے مطمئن نہیں۔" وہ ان کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

"کیا کروں؟ یہ ظالم سوچیں مجھے ایک پل کو پُرسکون نہیں ہونے دیتیں، اسامہ! میں مر جاؤں گا، یہ سوچ سوچ کر۔ مجھے کہیں سے لا دو گہری سی، کبھی نہ ختم ہونے والی نیند۔" وہ بچوں کی سی معصومیت سے ملتجی لہجے میں بولے۔

"میں نرس کو بلاتا ہوں۔ آپ کو کوئی سکون آور دوا دے دیں۔ آپ خود بھی تھوڑا سنبھلنے کی کوشش کریں۔ میں آتا ہوں۔" وہ ان کا ہاتھ تھپتھپا کر کرتے ہوئے آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے جاتا دیکھتے رہے۔

"میرے مولا! یہ میرے کن گناہوں کی سزا ہے؟" وہ پھر سے بے قراری سے بولے تو ایک بھولا بسرا چہرہ یک دم ان کے دماغ میں آ کر گیا تو وہ جیسے حیران سے رہ گئے۔ ایسا تو انہوں نے پہلے کبھی بھی نہیں سوچا تھا۔

"کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟...... کیا واقعی؟" وہ اس چہرے کو تکتے ہوئے حیران سے خود سے پوچھنے لگے۔ انہیں اس پل آبگینے اور اپنی بیماری، اپنا ظلم سب بھول گئے۔ ذہن کے دریچے میں تو وہی چہرہ ڈھیر سارے سوال لئے انہیں تکے جا رہا تھا اور وہ جیسے خود سے بے خبر ہو چکے تھے۔

✽ ◉......◉ ✽

"بھئی دائم یار! تمہاری مما کو تو تمہارے بغیر ایک پل چین نہیں۔ کہاں تو یہ پاکستان کا نام سننے کو تیار نہیں تھیں، کہاں پاکستان گویا ان کی بات بات کا وِرد بن گیا ہے۔ چلو پاکستان، چلو پاکستان۔ اب بھئی مجھے اِدھر سے سب کچھ وائنڈ اپ کرنے میں کچھ ٹائم تو لگے گا۔ میں تمہیں سمجھا رہا ہوں، تم کچھ اِدھر پیر جما لو تو پھر میں قدم اکھیڑوں۔ ورنہ یوں جما جمایا بزنس ایک دم چھوڑ کر تو نہیں آ سکتا۔ اور پھر تم جانو! آج کل میں روزگار ہی دنیا میں ایسی چیز ہے، جس کے لئے آدمی دیس سے بدیس اس طرح اپنا لیتا ہے جیسے وہ اسی مٹی سے اُگا ہو، ہے نا؟"

صاحب کی گمبھیر آواز ایئر پیس سے آہستہ آہستہ اُبھر رہی تھی، جسے دائم بہت توجہ سے سن رہا تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں خود آپ دونوں کو بہت مس کر رہا ہوں۔ ابھی تو مجھے آئے زیادہ دن بھی نہیں ہوئے اور ابھی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں اِدھر قدم جما بھی پاؤں گا یا نہیں۔ سرمایہ کاری کے لئے مجھے اِدھر کا ماحول کچھ زیادہ سازگار نہیں لگا۔ یہاں کنفیوژن بہت زیادہ ہے۔ گورنمنٹ اور عام آدمی کی سوچ میں زمین آسمان کا فرق ہے اور اسی وجہ سے یہاں مسائل بڑھے ہوئے ہیں۔ آپ اتنے سالوں سے لندن میں بزنس کر رہے ہیں، اب پتہ نہیں اِدھر کا ماحول آپ کو کیسا لگے۔

ویسے پاپا! میں سوچ رہا ہوں کہ ابھی مجھے فی الحال کوئی چھوٹی موٹی جاب کر لینی چاہئے، ادھر کی فضا اور ماحول کو سمجھ... کیا خیال ہے؟'' دائم کے لہجے میں مصطفیٰ صاحب نے کچھ مایوسی کا عنصر پایا تھا۔ ایک لمحے کو وہ سمجھ نہ سکے کہ اسے کیا...

''آئیڈیا تو اچھا ہے۔ لیکن بیٹا جی! میرے خیال میں آج کل نہ تو عام طبعی عمریں ہی اتنی زیادہ ہوتی ہیں... اسٹیمنا ہے کہ وہ ایک زندگی میں دو زندگیوں کے تجربے کرتا پھرے۔ تم جاب کرو گے، وہاں کے ماحول کو سمجھو گے... لگے گا۔ یہ تمہیں بھی نہیں معلوم اصل میں تم نے ایک غلطی کی ہے، جس کا احساس شاید تمہیں بھی نہیں اور اس لمحے... تھا۔'' وہ خاصی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

''وہ کیا پاپا؟'' وہ کچھ چونک کر بولا۔

''فیصلے کی کمزوری یا قوت ارادی کی کمی، تم اسے جو بھی کہہ لو۔''

''کیا مطلب؟'' وہ واقعی نہیں سمجھا۔

''اب میں نہیں جانتا، تم اصل میں پاکستان کس لئے آئے ہو، تمہارے دل میں کیا ہے۔ کیا تم محض رخشندہ... ڈھونڈنے آئے ہو یا وطن کی مٹی کی کشش نے تمہیں اپنی جانب کھینچا اور یہ کشش وقتی ہے یا واقعی تمہاری سوچوں اور... حصہ گھیر چکی ہے۔ تمہیں پہلے اپنے اندر اس کا کھوج لگانا چاہئے، باقی رہ گئے ادھر کے حالات اور ماحول۔ اس... کمزوریاں بھی تمہیں اپنی اس کمزور قوت ارادی کے باعث زیادہ نظر آ رہی ہیں۔ اس طرح تو ہر نئی اجنبی جگہ پر... دوسرے گھر میں جاؤ تو آدمی پہلی چند راتیں ٹھیک سے سو نہیں پاتا۔ یہ تو تم ایک ملک سے دوسرے ملک میں آ... ہے مصمم ارادہ۔ اگر وہ کر لیا جائے تو بہت ساری راہ کی دشواریاں تو خود ہی کہیں منہ چھپا لیتی ہیں۔ تم اپنے ا... ارادے سے آئے ہو؟ اگر خود کو ادھر سیٹ کرنے کا ارادہ پاؤ تو پھر ان خامیوں کو معمولات زندگی کا حصہ جان... کوشش کرتے ہوئے اپنی جگہ بناؤ۔ اگر ایسا نہیں کر پاتے تو چپ چاپ مہینہ دو مہینہ بعد واپس آ جاؤ۔ میں رخ... گا۔ میری بات سمجھ میں آئی؟'' وہ ایک طویل گفتگو کے بعد گہرا سانس لے کر بولے۔

''جی پاپا! سمجھ میں آ گیا۔ آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ زندگی واقعی اتنی طویل نہیں کہ آپ اس میں... تجربے کرتے پھریں۔ آپ کی باتوں کی روشنی میں سوچنے کی کوشش کرتا ہوں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ امید ہے، فیصلہ کر لوں گا۔''

''اور اس میں کتنا ٹائم لگے گا؟''

''میرے خیال میں کچھ زیادہ نہیں۔ ویسے بائی داوے، آپ کو کیا بے چینی ہے؟'' وہ مسکرا کر بولا۔

''یار! ہماری بے چینیوں کے دن تو لد گئے۔ اب تو ہمیں آپ کی فکر ہے، دن رات آپ کی مما کو آپ کے خواب جاگتے میں بھی آنے لگے ہیں۔'' وہ ہنسے۔

''کم آن پاپا! ابھی آپ کہہ رہے تھے، زندگی نئے نئے ایڈونچرز کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اب خود ہی نئے... رہے ہیں۔''

''بھئی یہ تجربہ تو زندگی کی لازمی شرط ہے۔ اس کے بغیر زندگی چھوٹی ہو یا بڑی، پھیکی اور بے مزہ ہے۔'' ا... اسے چیلنج کرنے والے انداز میں بولے۔

''جانے دیں۔ کہاں تو آپ دن رات شادی کو بندش اور آزادی کی قاتلہ کہتے نہیں تھکتے اور اب اس... رہے ہیں۔''

''ارے یار! اسی پابندی میں تو لطف ہے۔ ساتھی کے بغیر ہر خوشی ادھوری ہے۔ میری بات لکھ لو۔ ویسے... کوئی حسینہ دیکھ ڈالو۔ مستقل پاکستان رہنے کا بہانہ مل جائے گا۔'' وہ ہنسے۔

''پاپا جان! مجھے ادھر مستقل رہنے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت نہیں، آپ جانتے ہیں۔''

''اچھا بھئی پاٹے خان! تمہیں کون رائے دے سکتا ہے؟ جمشید صاحب سے ملے ہو؟'' انہوں نے موضو...

''اوہ پاپا! اے گریٹ نیوز تو میں آپ کو سنانا بھول ہی گیا۔ مجھے فیکٹری پسند آ گئی ہے۔ میں.......''

''مگر میں نے تو تمہیں زمین دیکھنے کو کہا تھا۔''

''پاپا! چالو حالت میں زبردست فیکٹری ہے۔ بہت زبردست ایریا ہے اور رقبہ اتنا ہے کہ ہم چاہیں تو... ہیں۔ فیکٹری کی پروڈکشن زبردست ہے اور پراڈکٹ کوالٹی اے ون۔ میں نے خود جمشید صاحب کے ساتھ... ہے۔ آج کل کاٹن گارمنٹس کی کتنی ڈیمانڈ ہے، یہ تو آپ کو پتہ ہی ہے۔ ویسے ابھی جمشید صاحب کو فون کر...

کرنے کا کہہ دیتا ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"
"اگر تمہیں جگہ پسند ہے۔ ویسے بائی داوے، یہ تم اتنے ایکسپرٹ بزنس مین کب سے ہو گئے کہ مارکیٹنگ بھی کر آئے اور لوکیشن کی اہمیت کا اندازہ بھی کر لیا؟" وہ پتہ نہیں اسے کیا جتا رہے تھے۔
"گڈ کویسچن۔" وہ ہنسا۔ "پاپا! آپ کا بیٹا ہوں۔ میں نے صرف جمشید صاحب پر ہی بھروسہ نہیں کیا بلکہ آپ کے دوست کامران مرزا، وہ جو دو بار لندن بھی آئے ہیں، جو اسپورٹس گڈز کا بزنس کرتے ہیں، میں نے ان سے بھی مشورہ لیا۔ انہوں نے اپنے ایک دوست ماہر گارمنٹس ایکسپورٹر کو لے کر فیکٹری کا وزٹ کیا۔ ان ہی دونوں کے مشورے کے بعد میں یہ سب آپ سے کہہ رہا ہوں۔ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں، بچہ؟" وہ خفگی سے بولا۔
"نہیں مائی سن! آج تو مجھے یقین ہو گیا کہ میں ایک جوان، ذہین اور قابلِ فخر بیٹے کا باپ ہوں۔ ویل ڈن۔ میں ابھی کامران مرزا کو فون کر کے باقی کی ڈیٹیل لیتا ہوں، پھر تمہیں کل فائنل بتاؤں گا۔ اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔" وہ خوش دلی سے بولے۔
"ابھی بھی کامران انکل کو فون کریں گے، مجھ پر بھروسہ نہیں کر رہے۔"
"ارے یار! تم تو لڑکیوں کی طرح بات بات پر روٹھ رہے ہو۔ بزنس اسی طرح چلا کرتے ہیں۔ دیکھ بھال کر، سوچ سمجھ کے۔ ویسے مجھے تمہارا طریق کار پسند آیا۔ اس کا مطلب ہے، تم آگے چل کر کامیاب بزنس مین بنو گے۔ گاڑی پرچیز کر لی تم نے؟"
"کل ان شاء اللہ، یہ کام بھی کر لوں گا آج گیا تھا، مگر کوئی خاص پسند نہیں آئی۔"
"اور وہ جو میں نے اپنے خاص الخاص دوست سے ملنے کو کہا تھا، وہ؟" انہیں جیسے یاد آیا۔
"او سوری، بھولا نہیں۔ مگر کنوینس نہ ہونے کی وجہ سے جا نہیں سکا۔ کل یا پرسوں اِن شاء اللہ، چکر لگاؤں گا۔"
"ایڈریس ہے نا تمہارے پاس؟"
"جی بالکل ہے۔ آپ ماما کو میرا اسلام کہیے گا۔ میں رات کو انہیں فون کروں گا اس وقت تو وہ ہسپتال میں ہوں گی۔"
"ہاں بالکل، تم بھی اپنا بہت خیال رکھنا اور جو بھی فیصلہ کرو، خوب سوچ سمجھ کر اور جب کر چکو، پھر پلٹ پلٹ کر نہ دیکھو، نہ سوچو۔ انڈر اسٹینڈ؟"
"یس پاپا! اپنا اور ماما کا خیال رکھیے گا۔ میں رات کو فون کروں گا۔ او کے، اللہ حافظ۔"
"فی امان اللہ!" انہوں نے فون بند کر دیا تو دائم کے اردگرد جیسے اُداسی سی پھیلنے لگی۔ اسے اسامہ اور لائبہ بے اختیار یاد آئے۔
"کمال ہے، دونوں نے مجھے فون نہیں کیا۔ میں نے جتنی بار بھی ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، دونوں موبائل آف تھے۔ پاپا سے بھی پوچھنا یاد نہیں رہا۔ پھر ٹرائی کرتا ہوں۔" وہ اسامہ کا نمبر ملانے لگا۔ نو رسپانس پر اس نے گہرا سانس لے کر موبائل آف کر دیا۔
"کیا وجہ ہو سکتی ہے، اسامہ کی مجھے فون نہ کرنے کی؟" وہ کنپٹی پر انگلی پھیرتے ہوئے سوچنے لگا۔

✻◉......◉✻

"ایکسکیوزمی، میڈم ہوں گی اندر؟" تنزیل آفس میں داخل ہو کر سر جھکائے ڈائری میں کچھ لکھتی عائشہ بخاری سے بولا تو اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ عائشہ کی نظروں میں ایک پل کو شناسائی کی لہر اُبھری، دوسرے پل اس کی نظریں بے تاثر ہو چکی تھیں۔
"یس۔ میڈم اندر ہیں۔" وہ کرسی پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔
"مجھے انہیں ایک تو یہ فائل دکھانی تھی اور سائن لینے تھے۔" وہ ہاتھ میں پکڑی بلیک کلر کی فائل آگے رکھتے ہوئے بولا۔
"آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔"
وہ سر ہلا کر پھر سے ڈائری میں لکھنے لگی۔ تنزیل کرسی سے ٹیک لگا کر اس کے آفس کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی بھٹکتی ہوئی نظریں عائشہ بخاری کے جھکے ہوئے سیاہ گھنے شولڈر کٹ بالوں والے سر پر آ کر رک گئیں۔ سیاہ لباس میں اس کی رنگت کھلی کھلی سی لگ رہی تھی۔ شارٹ سلیوز والے شارٹ شرٹ کے ساتھ اس نے بلیک ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ بھرے بھرے ہونٹوں پہ ڈارک میرون لپ اسٹک اور جھکی ہوئی آنکھوں کے پپوٹوں پر آئی لائنر اس کے لو دیتے حُسن کو اور بھی تمازت دے رہا تھا۔ تنزیل کو پتہ بھی نہیں چلا، وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی جھکی ہوئی گھنی پلکوں کی ہولے ہولے لرزتی باڑ، چھوٹی سی ستواں ناک، بھرے بھرے ہونٹ جن پر اس کی نگاہ بھٹک بھٹک کر آ رکتی۔ اسے اپنا دل غیر معمولی انداز میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا بے اختیار جی چاہا، وہ باقی کی ساری زندگی یہیں بیٹھا رہے، اس چہرے کی آرتی اتارے۔ اسے اپنی بے خودی میں پتہ بھی نہیں چلا، کب عائشہ بخاری کی نظریں اُٹھیں۔ اپنے چہرے پر اُس کی نظروں کا ارتکاز وہ کافی دیر سے محسوس کر رہی تھی، مگر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ سامنے بیٹھا شخص اس قدر ڈھیٹ ہو گا کہ اس کے دیکھنے پر بھی زاویۂ نگاہ نہیں بدلے گا۔ اس سے پہلے وہ اسے کوئی سخت جملہ کہتی، اسی وقت میڈم یاقوت کے

کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی شخص باہر نکلا۔

''جایئے اندر۔'' وہ زور سے ڈائری ٹیبل پر پٹختے ہوئے غصے سے بولی تو تنزیل جیسے ہوش میں آ گیا۔ عائشہ کے ٹ دیکھ کر اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''سوری۔'' اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا اور وہ اٹھ کر میڈم یاقوت کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

''بدتمیز، اسٹوپڈ، اِل مینرڈ۔'' جاتے جاتے اس نے عائشہ کی بڑبڑاہٹ بخوبی سن لی تھی، جس پر اس کے لبوں کی گ اور بھی گہری ہو گئی۔ میڈم یاقوت ہمیشہ کی طرح اس سے بہت مہربان طریقے سے پیش آئیں۔

''کب تک میں امید رکھوں، مائی فیشن میگ کی پہلی کاپی مارکیٹ میں آنے کی؟'' وہ بڑی دلنشین مسکراہٹ ے ہوئے بولیں۔

''ایگزیکٹ اس ڈیٹ پر میڈم، جو آپ نے کہی ہے۔ ان شاء اللہ۔'' وہ بھی جواباً مسکرا کر بولا۔

''ویل، مجھے آپ سے یہی امید ہے۔ اور آپ مطمئن ہیں اپنی جاب سے؟ کوئی پرابلم تو نہیں؟''

''نو میڈم! کوئی پرابلم نہیں۔ صرف یہ ہے کہ پریس اسٹاف کچھ کمپیوٹر کی کمی کا کہہ رہے تھے۔ اس کے لئے م صاحب سے بات کی تو وہ کہنے لگے کہ ہم جلد ہی دوسری بلڈنگ میں شفٹ ہو جائیں گے، جہاں سب کچھ سیٹ کیا جار ہا

''ہاں، ٹھیک کہا جاوید نے۔ یہ بلڈنگ تو عارضی ہے۔ بہر حال، آپ معلوم کر لیں، اگر کچھ ضروری چاہئے تو میں ا دیتی ہوں، وہ انتظام کروا دیں گے۔''

''ٹھیک ہے میڈم! مجھے اب اجازت۔'' وہ سر ہلا کر اُٹھتے ہوئے بولا۔

''یس، یُو کین گو۔'' وہ ریوالونگ چیئر کو ذرا سا جھلاتے ہوئے بولیں تو وہ ہلکا سا سر خم کر کے باہر نکل گیا۔

'ہوں، عارضی بلڈنگ۔ آف کورس مائی ڈیئر! یہاں ہر چیز عارضی ہے، اگر غور کرو تو۔ اگر سمجھو تو۔' وہ خود ہی ہ پڑیں۔

''عائشہ! اب کسی کو اندر نہ بھیجنا۔ صرف وہ ضروری فائلیں بھیج دو، جن پر ارجنٹ سائن چاہئیں یا جن کا دیکھنا ضرور کل شاید میں آفس نہ آ سکوں۔ اگر آئی بھی تو تھوڑی دیر کے لئے۔ سمجھ گئیں تم؟'' وہ انٹر کام پر عائشہ بخاری سے بولیں۔

''یس میڈم!'' تھوڑی دیر بعد وہ انہیں فائلیں دے کر چلی گئی تو ان فائلوں کو دیکھنے کے دوران انہیں پتہ ہی نہیں رات میں ڈھل گئی۔ ان کے موبائل سے بجنے والی دلکش موسیقی نے انہیں چونکایا۔

''کیسے یاد آ گئی ہماری؟'' وہ کھنکتی ہوئی ہنسی کے دوران بولیں۔

''یہ اچھا ستم ہے حضور! اپنے در پر بلا کر ایسی بے نیازی کہ ہم تو درشن سے بھی گئے۔'' جہانگیر ہمدانی کی آواز ان ٹکرائی تو ایک بار پھر ہنس پڑیں۔

''سوری ڈیئر! آج کام بہت تھا۔ کل کا دن تمہارا۔ رئیلی، سارا دن تمہارے نام۔''

''اور شام؟'' وہ ذو معنی انداز میں بولا۔

''اوہ.......'' وہ جھینپ کر رہ گئیں۔

''اچھا یار! اب آ جاؤ نا۔ کم از کم ڈنر تو اکٹھے کر لیں۔'' وہ پیاسے لہجے میں بولا۔

''ہوں، بس اُٹھنے لگی ہوں۔ پہنچتی ہوں آدھے پونے گھنٹے تک۔'' کہتے ہوئے انہوں نے بزر بجائی۔

''تو میں انتظار کر رہا ہوں۔ اس بار تم صحیح معنوں میں مجھے تڑپا رہی ہو۔ اچھا ویلکم دے رہی ہو۔ اس سے تو رہتا۔'' وہ فون بند کرنے سے پہلے شکوہ کرنے سے باز نہیں آیا۔

''آ رہی ہوں بابا! کہا جو ہے۔ بائے، سی یُو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہہ کر موبائل آف کر دیا۔ ا ناک کر کے اندر چلی آئی۔

رات کے نو بجنے والے تھے۔ انہیں احساس ہوا، آج معمول سے بہت زیادہ ٹائم ہو گیا ہے۔ وہ جلدی جلد چیزیں سمیٹنے لگیں۔

''عائشہ! بھئی، یہ فائلیں اٹھا لو۔ میں نے سب پر سائن بھی کر دیئے ہیں۔ اور جدھر ضروری نوٹ لکھنے ہیں۔ اور کوئی مسئلہ ہو تو تم کل، اگر میں آئی تو ڈسکس کر لیں گے۔ ورنہ پھر پرسوں۔ او کے؟'' وہ پرس کندھے پر ڈا عائشہ ٹیبل سے فائلیں اٹھانے لگی۔

''اور ہاں، تمہیں معلوم ہے نا؟'' انہوں نے کہا تو عائشہ کے ہاتھ سے فائلیں چھوٹ کر نیچے گر گئیں۔

"دھیان کدھر ہے تمہارا؟" وہ ترشی سے بولیں۔
"سوری میم!..... سوری۔" وہ چہرے پر آتے بال ایک ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے دوسرے سے فائلیں اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"جہانگیر نے آج تم سے ملنے کی خواہش کی ہے۔ یاد ہے کہ بھول گئیں؟ میں نے بتایا تھا تمہیں۔" عائشہ کے چہرے کی اُڑی ہوئی زرد رنگت اور ہلکے ہلکے لرزتا بدن انہیں عجب سا لطف دے گیا۔
"م...... مم...... میڈم! پپ...... پلیز آج نہیں۔ میرے بابا کی طبیعت بالکل اچھی نہیں۔ پلیز میڈم!........ پلیز۔" اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ اب گری کہ اب۔
"کیا ہو گیا تمہارے باوا کو؟ جب لمبی لمبی رقمیں بٹورتا ہے، تب تک ٹھیک رہتا ہے۔" وہ تمسخر سے بولیں۔ عائشہ کا کٹ مرنے کو جی چاہا۔
"پلیز میڈم!" وہ کانپتے، لرزتے ہاتھ جوڑ کر بولی۔
"اوہ شٹ اپ۔ یہ ڈھکوسلے نہیں چلیں گے۔ کیا چاہتی ہو تم، بولو؟" ان کے لہجے میں کیا تھا کہ عائشہ کے بندھے ہاتھ ایک دم سے لٹک گئے اور آنسو بھری آنکھوں میں اَن دیکھی وحشت اُتر آئی۔
"میڈم! اُن کی طبیعت واقعی اچھی نہیں تھی، ورنہ میں کب انکار کرتی ہوں؟" اس نے پست لہجے میں آخری کوشش کی تو میڈم یاقوت، ماتھے پر بل ڈال کر اسے جانچنے والی نظروں سے دیکھنے لگیں۔
"او کے، تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔ جاؤ اب۔" وہ کہتے ہوئے باہر جانے لگیں۔
"گاڑی ہے تمہیں ڈراپ کرنے کے لئے یا نہیں؟" جاتے جاتے انہیں خیال آیا۔ وہ جو پہلی مہربانی پر حیران کھڑی تھی، دوسری بات پر ششدر رہ گئی۔
"گاڑی تو کوئی نہیں میم! لیکن میں چلی جاؤں گی، پبلک کنوینس سے۔" وہ جلدی سے بولی کہ اجازت ملے یہاں سے اور بھاگ لے وہ۔
"یہ ٹائم پبلک کنوینس کے لئے بالکل سوٹ ایبل نہیں۔ اسپیشلی جب تم آج خوب دل سے تیار ہوئی لگ رہی ہو۔" وہ ناقدانہ نظروں سے سیاہ لباس میں اس کے نازک سراپے کو دیکھتے ہوئے بولیں تو وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔
"ہیلو! کون؟ سید صاحب! موسیٰ خان نکل گیا، ایمپلائز کو لے کر؟" وہ اپنے موبائل پر اب کوئی نمبر ملا کر کسی سے بات کر رہی تھیں۔
"ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے۔ یوں کریں اس سے کانٹیکٹ کر کے کہیں، میرے آفس سے عائشہ بخاری کو پک کرے اور اسے اس کے گھر ڈراپ کر دے۔ انڈر اسٹینڈ۔" وہ حکمیہ لہجے میں بولیں اور ادھر کا جواب سن کر انہوں نے سر ہلاتے ہوئے موبائل آف کیا۔
"تم نیچے ہی چلو میرے ساتھ۔ موسیٰ خان دس منٹ میں پہنچ رہا ہے۔ تمہیں پک کر لے گا۔ ویسے یہ بڑی معیوب سی بات ہے کہ تم میری سیکرٹری ہو اور تمہارے پاس اپنی کنوینس نہیں ہے۔" وہ وہیں کھڑے کھڑے پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔
"تم کل صبح آتے ہی مجھے یاد کروانا، میں تمہارے لئے گاڑی کا ارینج کرتی ہوں۔ او کے، مجھے دوبارہ اس طرح تم بے چارگی کی حالت میں دکھائی نہ دو۔ Lets move" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ عائشہ اپنی نہ سمجھ آنے والی کیفیت سے باہر نکل آئی۔
"میں خود تمہیں ڈراپ کر دیتی، مگر مجھے جہانگیر کی طرف جانا ہے۔ ہوٹل کا روٹ بالکل مختلف ہے۔ او کے، بائے۔" لفٹ سے اترتے ہی وہ مروّت بھرے انداز میں کہتی باہر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئیں تو عائشہ بخاری حیران و پریشان کچھ دیر وہاں کھڑی رہی۔
"کس قدر عجیب عورت ہے یہ۔ کبھی بادام کے چھلکے کی طرح سخت اور کبھی آسمان سے برستی شبنم جیسی ٹھنڈی، مہربان اور کبھی کسی ظالم طوفان کی طرح بے رحم اور سفاک۔ یا اللہ! میں اس دلدل سے کبھی نکل بھی سکوں گی یا نہیں؟ کہیں کوئی رستہ میرے لئے ہے یا نہیں؟ میں اس دلدل میں دھنستی دھنستی پاتال میں اُتر جاؤں گی۔ پاتال میں تو ہوں اور کون سی پاتال میں اتروں گی؟ آئینہ دیکھ کر خود سے گھن آتی ہے۔ اتنے خوب صورت بدن پر سجا یہ حسین چہرہ کتنا مکروہ، کتنا غلیظ، کتنا قابلِ نفرت ہے۔ اس بدن کے فریب کی حقیقت کوئی جانے تو میرے منہ پر تھوک دے۔ یا اللہ! تُو مجھے موت کیوں نہیں دے دیتا؟ ایسی گندی ذلت بھری زندگی سے اذیت بھری موت اچھی۔ اپنی ماں کو میں کھا گئی۔ اب کیا بابا؟........ نہیں، ان کے لئے ان کانٹوں پر خود کو گھسیٹ رہی ہوں، ورنہ تو ایسی حرام زندگی سے کب کی نجات پا کر حرام موت کو گلے لگا چکی ہوتی۔"
اکار یڈور کے کونے میں کھڑی اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ آنسو تھے کہ اُمڈے چلے آ رہے تھے۔ وہ سر

جھکائے آنکھیں جھپکاتی باہر آ گئی۔ اسے اس وقت کسی تاریک کونے کی تلاش تھی۔ جب تک وہ پارکنگ ایریے کے کنارے
موسیٰ خان گاڑی لے کر پہنچ گیا۔ وہ خود پر قابو پاتی گاڑی کی طرف بڑھی۔
فرنٹ سیٹ پر نہ جانے کون بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بھی کوئی موجود تھا۔ وہ اُلجھن میں باہر ہی کھڑی رہ گئی۔
''مس صیب! یہ نواز صاحب کو ابھی دو منٹ میں ڈراپ کرنے کا ہے۔ پھر پیچھے سے صیب آگے آ جائیں گا۔ ام
معافی چاہتا ہوں۔'' موسیٰ خان اس کی ہچکچاہٹ دیکھتے ہوئے بولا تو وہ ایک گہرا سانس لے کر پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی
پڑی۔ اس نے کھڑکی کی طرف منہ کر لیا۔ گاڑی میں مکمل اندھیرا تھا۔
اس نے سیلابی ریلے کی طرح امڈ آنے والے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔ اگر یہ آنسو وہ نہ بہاتی تو اسے لگ رہا تھا
ہو جائے گا۔ وہ ہاتھ میں ٹشو لئے تھوڑی تھوڑی دیر بعد چہرہ صاف کرتی جا رہی تھی۔ اسے پتہ بھی نہیں چلا، تھوڑے سے فاصلے پر
تنزیل مراد بغور اس کا جائزہ لے رہا ہے۔
جب اس کے آنسو کسی طور نہ رکے تو تنزیل سے برداشت نہ ہو سکا۔
''اونہوں، ہوں۔'' اس نے جان بوجھ کر کھنکارتے ہوئے عائشہ کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا اور اسے ہو بھی گیا۔
اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے گردن ٹیڑھی کر کے ایک تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔
''اوہ، یہ تو شام والا اسٹوپڈ ہے۔'' اسے اور غصہ آ گیا۔ آگے فرنٹ سیٹ والا شخص اُتر گیا تو وہ منتظر رہی کہ تنزیل آگے
نہیں۔ لیکن جب وہ نہ اُترا تو بول پڑی۔
''موسیٰ خان! گاڑی روکو۔ میں آگے آ جاتی ہوں۔'' وہ تنک کر بولی۔
''کیا آگے موسیٰ خان آپ کی گریہ وزاری میں مخل نہیں ہو گا؟'' وہ آہستگی سے بولا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔
''شٹ اپ۔'' وہ دبے لہجے میں غرائی۔
''تھینک یُو۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔
''مس صیب! آپ کا گھر بس آنے ہی والا ہے۔ کہتی ہیں تو گاڑی روک لیتا ہوں۔'' موسیٰ خان بولا۔
''رہنے دو۔ جہاں انسان دن بھر اتنی تکالیف برداشت کرتا ہے، وہاں چند منٹ اور سہی۔'' وہ تنزیل کو جتاتے ہوئے
''ویٹس گریٹ۔ انسان کو زندگی کے ہر موڑ پر ایسی ہی بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ آنسو تو بزدل بہایا کر
فائٹ کرتے ہیں، وہی جنگ جیتا کرتے ہیں۔'' وہ بھی اسے جتاتے ہوئے بولا۔
''لفاظی میں کسی کا کیا جاتا ہے، یہ تو جس پر بن پڑے، وہی جانتا ہے۔ بس موسیٰ خان! یہیں روک لو۔'' ذیلی
ہاتھ جاتی سڑک کے باہر ہی اس نے گاڑی رُکوا دی اور تیزی سے اُتر گئی۔
وہ کارنر سے دوسرے گھر میں بیل دے رہی تھی، جب ان کی گاڑی ٹرن ہو کر مین روڈ پر پہنچی۔
'لگتا ہے تنزیل مراد! آپ کا دل تو گیا کام سے۔' مین روڈ پر آتے ہی اس نے ایک گہرا سانس لے کر مسکرا
کہا تو جیسے اس کے دل نے بے اختیار ''یس'' کہا تھا۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر خود اس مدھر سرگوشی کو سنا، جہاں وہ
حسین چہرہ کٹیلی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

✿◉......◉✿

میڈم یاقوت اور جہانگیر ہمدانی نے بڑے خوشگوار موڈ میں ڈنر کیا۔ تھوڑی دیر ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد
بیڈ روم میں آ گئے تھے۔
''اب جناب کا موڈ کیسا ہے؟'' ولایتی سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے میڈم یاقوت نے بے تکلفی
ہوتے ہوئے ریفریجریٹر سے مشروب کی بوتل اور نازک سے گلاس نکالتے دیکھ کر پوچھا۔
''آپ کے ہوتے ہوئے موڈ کیسے بگڑ سکتا ہے مائی ڈارلنگ!'' وہ مسکرا کر اس کے پاس ہی آ بیٹھا۔
''وہ تمہارا ٹریڈ مارک عرف عائشہ بخاری نہیں پہنچی۔'' وہ اس کی کلائی میں پڑے نازک بریسلٹ سے کھیلتے ہوئے
''جانے دو، آج اس کی چھٹی سمجھو۔ ہم کس مرض کی دوا ہیں؟''
''واٹ؟'' اسے جیسے کرنٹ لگا۔
''ایک سو تین بخار تھا کمبخت کو۔ میں نے کہا، دفع ہو جاؤ۔ تم ہر کام کے موقع پر ہی ڈرامے کیا کرو۔ بڑے بڑے
ان تتلیوں کو۔ دیکھا تھا، جب نئی نئی آئی تھی، منہ میں زبان نہیں تھی۔ جو کہو، چپ چاپ مانتی تھی۔ آہستہ آہستہ پر نکل آئے
بھی۔'' میڈم یاقوت نے ایک اور گہرا کش لے کر دھواں جہانگیر ہمدانی کے چہرے پر پھینکا۔ ''کیا بات ہے، آج کیا

گی؟" انہوں نے بوتل کی طرف اشارہ کیا تو وہ اٹھ کر بے دلی سے سانچے سے برف کی ٹکڑیاں گلاسوں میں ڈالنے لگا۔ "کل آفس تو آؤ گے نا، میرا اسلیکشن دیکھنے؟" ایک دم یاد آنے پر میڈم یاقوت نے پوچھا۔

"اوہ ہاں، کیوں نہیں۔" اس نے گلاس یاقوت کے آگے کیا۔

"ویسے ایگزیبیشن کی امید میں کب تک رکھوں؟"

"اوں، ابھی نہیں۔ ابھی تو کسی کو بھی خبر نہیں۔ میں نے اسے کس کام کے لئے منتخب کیا ہے۔ وہ بے چاری نیک پروین تو گھر سے آئیڈیل جاب کے لئے آئے گی۔ اپنے گھر کے حالات سدھارنے کے لئے۔ یہ نہیں پتہ، ہم اس کی زندگی سنوار دیں گے۔ اگلے جنم تک ہمیں دعائیں دے گی۔" وہ بات ختم کر کے ایک ہی سانس میں مشروب پی کر خود ہی ہنسنے لگیں۔

"تم بھی نا، ایسے ہی آئٹم یوز کرتی ہو۔ قطرہ قطرہ، ترسا ترسا کر ملنے والا آبِ حیات۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"جان قطرہ قطرہ کر کے پینے میں تو مزہ ہے۔ بڑے بڑے گھونٹوں والے تو پھر بھی میری طرح بیٹھے رہ جاتے ہیں۔" وہ اپنے خالی جام کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔

"تم نے میری پیشکش پر غور کیا؟" قدرے توقف کے بعد میڈم یاقوت بولیں۔

"کون سی پیشکش؟" جہانگیر ہمدانی کو قطعاً یاد نہیں آیا۔

"شادی والی۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولیں۔

"ارے جانے دو یار! آج تمہیں پھر دورہ پڑا ہے، نیک پروین بننے کا۔ دونوں کے دلوں نے شادی ہی تو کر رکھی ہے۔ ہے نا؟ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"

"بس، بہت ہو گئے یہ بہلاوے۔ مجھے اب فائنل جواب چاہئے۔" وہ غصے سے بولیں۔

"فائنل جواب ہی تو دے رہا ہوں میری جان!" وہ ان کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔

"شٹ اپ۔ میں......" اسی وقت میڈم یاقوت کے موبائل کی بیپ بج اٹھی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھالیا۔ جہانگیر ہمدانی نے بھی 'پیش قدمی' روک دی۔

"ہیلو سویٹی! مائی سویٹ ہارٹ! ہاؤ آر یو میری جان؟" وہ لائبہ کی آواز سنتے ہی کھل اٹھیں۔ ساڑھی کے لٹکتے پلو کو سنبھالتے، رو پر لپیٹتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آئی ایم فائن میری جان! آواز بہت کم آرہی ہے۔ مجھے شاید سگنلز نہیں آرہے۔ ٹھہرو، میں باہر نکلتی ہوں۔" کہتے ہوئے وہ سرخ آنکھیں لئے جہانگیر ہمدانی کی طرف مڑیں۔ "اوکے جہانگیر! کل ملیں گے۔ میں اب چلتی ہوں۔ بہت رات ہو گئی۔ بائے!" وہ عجلت میں اپنا پرس اٹھا کر جہانگیر ہمدانی کے جواب کا انتظار کئے بغیر دروازہ کھول کے باہر نکل گئیں۔ ان کا سارا دھیان کان سے لگے سیل فون کی طرف تھا۔

"کیا...... کیا کہہ رہی ہو؟...... انکل جہانگیر...... نہیں نہیں...... تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔" جہانگیر ہمدانی جو میڈم یاقوت کو روکنے کے لئے پیچھے ہی لپکا تھا، میڈم یاقوت کی آواز سن کر وہیں کھڑا رہ گیا۔

"اوکے، مجھے آواز نہیں آرہی۔ تم بند کرو۔ میں گھر پہنچ کر تمہیں کال بیک کرتی ہوں۔ ہاں، ہاں...... کرتی ہوں۔ بس تھوڑی دیر میں۔ اوکے بائے، ٹیک کیئر۔" کہتے ہوئے وہ نازک ہیل پر کھٹ کھٹ کرتی تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گئیں اور پیچھے کھڑے جہانگیر ہمدانی کے دماغ میں اَن دیکھے خطرے کی گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔

'لائبہ کیا بتا رہی تھی؟...... کہیں آبگینے کے بارے میں تو نہیں؟' وہ وہیں کھڑے کھڑے اندازہ لگانے لگا۔ جو کچھ بھی تھا، اس کے لئے اچھا نہیں تھا۔ اتنا تو اسے محسوس ہو رہا تھا۔

'جو بھی ہو، آئی ڈونٹ کیئر۔' وہ خود کو جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کمرے میں پلٹ آیا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

✲✲......✲✲

"جب مجھے اچھی جاب مل گئی ہے تو تمہیں اس بکھیڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟" تنزیل، تانیہ سے الجھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تنزیل! دقیانوسی باتیں نہ کرو۔ آج کل تو یوں بھی ایک شخص کے کمانے سے گزارا نہیں ہوتا۔ ہمارے گھر میں تو پھر اتنے مسائل ہیں، سب سے بڑھ کر ابو کی بیماری۔ ہم دونوں کمائیں گے تو زیادہ بہتر نہیں ہو گا؟" وہ اپنے ہاتھوں پیروں کے نیلو فائل کرتے ہوئے قدرے بے نیازی سے بولی۔ کل اس کا آفس میں پہلا دن تھا۔ کپڑے وہ پہلے ہی پریس کر کے رکھ چکی تھی۔ تنزیل کو آتے ہی پتہ چلا تو نہ جانے کیوں اسے اچھا نہیں لگا۔

''کیا بات ہے، تمہیں کیا پریشانی ہو رہی ہے؟ میں پہلے بھی تو جاب کرتی تھی۔'' تانیہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ
''وہ جاب اور تھی۔ تمہیں معلوم ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔
''تو اس جاب میں کیا خرابی ہے جب کہ تم ان کی اتنی تعریفیں کرتے ہو۔'' وہ تنک کر بولی۔
''خرابی کچھ نہیں۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ وہ لوگ اچھے نہیں۔ ایک ویل ریپوٹڈ فرم ہے لیکن پتہ نہیں تانیہ! کچھ عرصہ، دو چار ماہ ٹھہر نہیں سکتیں؟'' وہ اپنا اضطراب بیان نہیں کر سکتا تھا۔ بار بار عائشہ بخاری کا رویا چہرہ اس کی نگاہوں میں
''ابھی چانس ملا ہے، بعد میں کون دے گا؟ تمہیں کیا کھٹک ہے؟ کھل کر کہو۔'' وہ کچھ اُلجھتے ہوئے لے کر رہ گیا۔ اسی وقت ڈور بیل بج اٹھی۔ ربیعہ نے شاید دروازہ کھولا تھا۔
''اس وقت کون آ گیا بھلا؟'' تانیہ اٹھ کر باہر جاتے ہوئے بولی۔''ارے.....اوہ......دادو! امی! دیکھ کے حلق سے خوشی سے چیخ نما آواز یں نکلی تھیں۔
عزہ عالم دوڑ کر اس کے گلے لگی تھی۔ جبکہ محمود عالم، صحن کے بیچوں بیچ منجمد سے کھڑے تھے۔ اِدھر اُدھر تلاشتے ہوئے۔ اسی وقت یاسمین اس کے ساتھ باہر نکل آئیں۔
''عزہ، میری بچی! میری جان! آج کیسے بوڑھی نانی کی یاد آ گئی۔'' عزہ کو دیکھتے ہی وہ لرزتی کانپتی لپکیں تو وہ دوڑ کر نانی کے سینے میں سما گئی۔
''ماں جیسی بے وفا نکلی تو بھی اور باپ جیسی بے مروّت۔'' وہ چور نظروں سے بیزار سے محمود عالم کو دیکھنے
''آیئے بھائی جان! اندر بیٹھتے ہیں۔'' یاسمین آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے بولیں داخل ہو گئے۔
''مجھے نہیں ملنا اس سے۔ جاؤ یہاں سے۔'' یاسمین تھوڑی دیر بعد احسن مراد کو بلانے آئیں تو وہ بے بولے۔ یاسمین نے گھبرا کر کھلے دروازے کی طرف دیکھا، کہیں آواز مہمانوں تک نہ پہنچ جائے۔
''اچھا ٹھیک ہے۔ میں کہہ دیتی ہوں، آپ سو رہے ہیں۔'' یاسمین جلدی سے مڑتے ہوئے بولیں۔
''جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے، کہہ دو میں جاگ رہا ہوں۔ مگر ملنا نہیں چاہتا۔'' وہ پہلے سے بھی زیادہ یاسمین جلدی سے باہر نکل آئیں۔
''کیسا عجیب شخص ہے، بہنوئی کے رشتے کا بھی لحاظ نہیں۔'' وہ منہ میں بڑبڑائیں۔ اسی وقت بیرونی در جو تنزیل کو کچھ منگوانے کے لئے بھیجنا چاہ رہی تھیں، اپنی جگہ کھڑی رہ گئیں۔ اس وقت انہیں ذرا بھی امید نہیں حیران سی، آنے والے تیسرے مہمان کو رسمی سلام بھی نہ کر سکیں۔
''اس........ السلام علیکم........ آیئے، آیئے سارہ........!'' آپی کا لفظ بے ساختہ یاسمین نے اپنے لبوں بار پہلے وہ سارہ کے سامنے یہ غلطی کر چکی تھیں، جس پر وہ اچھی خاصی سیخ پا ہوئی تھی۔
''تم کیا ننھی بچی ہو، دودھ پیتی جسے ماں باپ نے کسی مغالطے میں بیاہ دیا۔ میں احسن بھائی سے عمر میں تمہیں دس بار بتا چکے ہیں، مگر پتہ نہیں کیوں، تمہارے سر میں یہ بات نہیں سماتی۔'' اس کے علاوہ بہت کچھ ما لحاظ عمر آپی نہیں کہتی تھیں بلکہ تعظیماً کہتی تھیں اور وہ ہر بار بھڑک اٹھتی۔
''تو گویا اندر محفل جمی ہے۔ دیکھوں ذرا میں بھی چل کر۔'' وہ یاسمین کے اس لنگڑے سے سلام کو یکسر نظر انداز میں با آواز بلند بڑبڑاتی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔
آگے کیا ہونے والا تھا، یاسمین کو اس کا بخوبی اندازہ تھا۔ انہوں نے وہیں کھڑے تنزیل کو بلانے اور بھی منگوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔
''خوب........ بہت خوب........'' وہ دروازے تک پہنچیں تو چند قدم آگے کمرے کے اندر کھڑی سارہ پھنکاری۔ یاسمین کے قدم وہیں تھم گئے۔
''تو تم یہاں ہو۔ اپنی یادوں کے مزار پر تجدید محبت کا چراغ جلانے آئے ہو یا ان یادوں کا سوگ منانے۔ برسی ہے آج۔'' وہ براہِ راست سامنے بیٹھے، دانت بھینچے سارہ کی اچانک غیر متوقع آمد اور اس براہِ راست ؟ جانے کی کوشش کرتے نظر آئے۔ گود میں رکھے دونوں ہاتھ بھینچ گئے تھے اور چہرہ چند لمحوں میں ہی خون چھلکا سارہ کی یہاں آمد کی ذرا سی بھی امید نہیں تھی مگر اس کے آ جانے پر اتنا براہِ راست حملے کی بھی کم توقع تھی، مگر جس ڈھب میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا، اسے دیکھتے ہوئے تو کوئی بھی توقع کی جا سکتی تھی۔

"تم..." اتنے سارے لوگوں کے بیچ خود کو یوں نشانہ بنتے دیکھ کر وہ اپنے اندر اُبلتا لاوا بمشکل دبائے ہوئے بے بسی سے بولے۔

"ہاں، میں۔ تمہیں کب توقع ہوگی، تم آج یوں رنگے ہاتھوں پکڑے جاؤ گے۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھے تیزی سے بولی۔ وہ واقعی پارلر سے سیدھا ادھر آئی تھی۔ ٹیوب لائٹ کی روشنی میں تازہ فیشل کیا ہوا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت اور پُرکشش دکھنے کے باوجود اس وقت محمود عالم کو بے حد بدصورت اور قابلِ نفرت لگ رہی تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اٹھ کر اس بھری محفل میں اس عورت کا یہ چمکتا دمکتا چہرہ نوچ کر مسخ کر ڈالیں۔

"کیوں، کیا کیا ہے میں نے، بے ہودہ عورت؟" وہ دانت کچکچا کر بولے۔

"بتا دوں سب کو، کیا ہو تم۔ اصل میں تمہاری یہ پارسائی کا لبادہ ابھی دھجیوں میں......."

"سارہ......!" ثریا خاتون کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ اتنی زور سے چلائیں کہ ایک پل کو تو سارہ بھی دہل کر گنگ سی ہو گئی۔ محمود عالم کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ غصے کی شدت ان کے پورے جسم کو گویا جھلسا رہی تھی۔ انہیں لگا، آج ضبط و برداشت کی ساری طنابیں ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائیں گی اور دنیا دکھاوے کا یہ جھوٹا، ناپائیدار سائبان ابھی، اسی لمحے تنکے تنکے ہو کر بکھر جائے گا۔ آج ان کا جی ہر حد سے گزر جانے کو چاہ رہا تھا اور شاید وہ گزر بھی جاتے۔ وہ ممنوعہ الفاظ، جن سے انہوں نے اپنی زبان کو بیس سالوں سے روک رکھا تھا، آج شاید ادا کر ہی دیتیں اگر ان کی حالت کا احساس ثریا خاتون کی جہاندیدہ نظروں کو نہ ہو جاتا۔

ان کے لب ذرا سے وا ہوئے تھے اور ثریا خاتون تڑپ کر اپنی جگہ سے اُٹھیں اور محمود عالم کے لبوں پر اپنے کانپتے لرزتے ضعیف ہاتھ رکھ دیئے۔

"نہ میرے بیٹے! نہ۔ تجھے اللہ کا واسطہ۔" وہ ان کے لبوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"ممانی جان! میری برداشت کی حد بس آج یہیں تک تھی۔ پلیز، مت روکیں مجھے۔" وہ لب بھینچ کر انہیں نرمی سے اپنے سے علیحدہ کرتے ہوئے بولے۔ سارہ کو وہ اب بھی نفرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے، جواب بھی اسی تنتنے سے انہیں گھور رہی تھی۔

"عالی!" ثریا خاتون نے بے اختیار اپنے جھریوں زدہ ہاتھ ان کے آگے جوڑ دیئے۔ انہیں اس نام سے کسی نے ایک زمانے کے بعد پکارا تھا۔ پل بھر کو تو وہ بھول ہی گئے وہ کس جگہ، کس لمحے کے حصار میں کھڑے ہیں۔

"پاپا!" ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھتی، سہمی ہوئی وہ آواز عزہ کی تھی۔ انہوں نے ایک نظر سب کو دیکھا۔

انہیں سب چہرے، سارا منظر یکسر اجنبی لگ رہا تھا۔ انہیں لگا، ان کی روح کسی اور زمانے سے سفر کرتی، کسی اور لمحے کی قید میں آ گئی ہے۔ سارہ کا مسخ شدہ چہرہ، ثریا خاتون کے جڑے ہوئے ہاتھ، عزہ کی ڈبڈبائی نظریں، کچھ بھی پہچان کی گرفت میں نہیں آ رہا تھا۔

"پھوپھا جان! پلیز بیٹھ جائیں۔" کسی نے بے حد نرمی سے ان کا بازو پکڑ کر انہیں نشست پر بٹھانا چاہا۔ انہوں نے اجنبی نظروں سے تنزیل کو دیکھا اور سرد مہری سے اپنا بازو جھٹک کر اس سے چھڑایا۔

"لڑکے! اپنی حد کو پہچانو" وہ دبی آواز میں، سرد لہجے میں غرّائے۔ ایک دم تنزیل پر جیسے کسی نے سرد پانی انڈیل دیا۔ وہ سُن سا کھڑا رہ گیا۔

محمود عالم سب کو اجنبی، سرد نظروں سے تکتے ایک جھٹکے سے مڑے اور تیز قدموں سے چلتے باہر نکل گئے۔

"آ گیا قرار، مل گیا سکون تجھے؟ اگر وہ سالوں بعد، دو گھڑی کے لئے ادھر آ ہی گیا تھا، نامراد!" ثریا خاتون بے بسی سے انہیں دیکھ کر سارہ کو گھورتے ہوئے بولیں۔

"ڈرامہ......سارا ڈرامہ ہے اس شخص کا۔ یہ سمجھتا ہے، ہر بار مجھے اپنے غصے سے زیر کر لے گا۔ اماں سیل۔ میں اسے بتا کر رہوں گی کہ میں کیا ہوں۔ میں سارہ ہوں۔ سارہ عالم۔ جو بھول جاتا ہے، میں منوا کر رہوں گی۔ یہ اس طرح فرار ہو کر، بیگانگی کا لبادہ اوڑھ کر مجھ سے کہیں نہیں بھاگ سکتا۔ میں اسے خود سے دُور کہیں بھی نہیں بھاگنے دوں گی۔"

بولتے بولتے سارہ کا سانس بے قابو ہونے لگا۔ مگر اسے جیسے کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ ثریا خاتون کی ملامتی نظروں کو نظر انداز کر کے وہ مڑی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

"کہاں جا رہی ہو سارہ! بیٹھو ادھر آ کر دو گھڑی ماں کے پاس۔ سراب کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تو تُو شاید خود کو بھی بھول گئی ہے۔ یہ تیری نظر کا فریب ہے، دھوکا ہے۔ یہ تیرے ہاتھ نہیں آئے گا۔ مت پیچھا کر اس کا۔ جانے دے اسے دو گھڑی، اپنے سے دور۔ یوں نہ اس کی زندگی تنگ کر۔" ثریا خاتون ہانپتے ہوئے کرسی پر ڈھے گئیں۔ ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔ وہ بھی موجود سے کسی غیر مرئی پل میں سانس لے رہی تھیں۔ باہر آگے پیچھے دونوں کی گاڑیاں اسٹارٹ ہو کر جا چکی تھیں۔

ڈرائنگ روم میں موجود سانس لیتے نفوس اس غیر معمولی صورتِ حال کو سمجھنے کی سعی لاحاصل کر رہے تھے۔

اسی وقت احسن مراد بیساکھی کے سہارے اندر داخل ہوئے۔

''اماں! سارہ آئی تھی، مجھ سے ملے بغیر چلی گئی کیا؟'' وہ روتی ہوئی ماں سے بولے۔

''پتہ تو ہے تمہیں، وہ کس ذہنی خلجان میں مبتلا ہے۔ کتنے سالوں بعد محمود آیا تھا۔ ابھی دو گھڑی کو بیٹا بھی ماں سے ملنے، حال چال پوچھنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔ بھائی کا خیال کیا آتا؟'' وہ چہرہ صاف کرتے ہوئے بولیں۔

وہ چپ سے کھڑے رہ گئے۔ سر جھکائے بیٹھی اپنے ہاتھوں کو مسلتی ایک نظر عزہ کو دیکھا مگر بولے کچھ نہیں۔

''ایسے دیوانوں کی طرح دونوں گاڑی دوڑا گئے ہیں۔ اللہ انہیں اپنی اماں میں رکھے۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کو سمجھنے سے خود کو معذور جانتی ہوں۔ ہر انسان کو اس نے کسی نہ کسی اندیشے کی پکڑ میں قابو کر رکھا ہے، جسے مال حاصل اولاد ہونے نہ ہونے کے دکھ میں جکڑ رکھا ہے۔ جوان دو فکروں سے آزاد ہے، اس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی اندیشہ اور ان دونوں کو دیکھو، بظاہر کوئی آزار، کوئی دکھ نہیں۔ انہوں نے ہوائی دکھ پال رکھے ہیں، جن کا کوئی سر پیر نہیں رہتے ہیں۔ بے چاری بچی بھی ساری زندگی ماں باپ کے تماشے دیکھتی رہی ہے۔ پڑھے لکھے، جاہل گنوار جنہیں جھگڑوں کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں کہ جوان بیٹی کے سامنے وہ کیسی بچکانہ حرکتیں کر کے خود کو چھوٹا کر رہے ہیں۔ ان کے گھر نہیں جاتی۔ دن رات کی پھلجھڑیاں، میرا کمزور دل کہاں سے سہے۔ خود مہینوں، سالوں نہیں آتی اور آج آئی ہے تم نے۔ شک انسان کو جیتے جی دوزخ میں جھونک دیتا ہے۔ اپنی بھڑکائی آگ میں خود ہی جلتا مرتا ہے بلکہ ہے۔ پتہ نہیں اسے کب سمجھ آئے گی۔'' وہ اب اپنا سر اپنے ہاتھوں سے ہولے ہولے دبا رہی تھیں۔ ثانیہ آگے بڑھ گئی۔

''دادو پلیز! آپ ریلیکس رہیں۔ دوپہر میں بھی آپ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔'' وہ ان کا سرا سے بولی تو عزہ شرمساری ہوگئی۔ اسے یوں تماشا بنا کر جانے والے اس کے ماں باپ ہی تھے۔

''دیکھیں تو، عزہ کیسے پریشان ہوگئی ہے۔ پھپھو تو اسی طرح کرتی ہیں۔ آپ عزہ کا تو خیال کریں ہمارے پاس رہے گی۔'' ثانیہ نے شاید اس کی کیفیت بھانپ لی تھی، تب ہی مسکراتے ہوئے شاید اس کی تھی اور اس سے تو مسکرایا بھی نہیں گیا تھا۔

لو حسن مراد گہرا سانس لے کر پلٹ گئے تو تنزیل بھی آہستگی سے باہر نکل گیا۔ باہر کھڑی یاسمین کو تنزیل پر دکھ کی عجیب سی تحریر لکھی محسوس ہوئی کہ وہ وہیں کھڑے کھڑے اس کے دکھ کے خیال سے بے چین سی اور عزہ کی دل جوئی زیادہ ضروری تھی۔ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے اندر داخل ہوگئیں۔

✲◉......◉✲
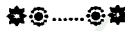
''ہائے ماما! آئی لو یُو۔ مائی پلیور ٹو سی یو۔ ماما! یُو لُک سو کیوٹ۔ بالکل پہلے جیسی۔ بلکہ پہلے سے بھی میرڈ؟'' لائبہ خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے میڈم یاقوت کے سینے میں سمائی۔ سرخوشی کے عالم میں سانسوں میں سموتے ہوئے کہے جا رہی تھی۔

''رئیلی۔'' انہوں نے زور سے اسے اپنے سینے کے ساتھ بھینچا۔ ''خوب صورت میں یقیناً لگ رہی سویٹی سے بڑھ کر نہیں۔ آئی رئیلی مِس یُو میری جان!'' انہوں نے اس کا چہرہ اٹھا کر دیکھتے ہوئے اس کا سے مسکراتے ہوئے انہیں تکے جا رہی تھی۔

''دیکھو، تم نے ایک بار کال کی کہ ماما! آ جائیں۔ دیکھو، میں پہلی اویل ایبل فلائٹ سے تمہارے پاس ہے کہ مجھے تمہاری پروا نہیں۔ حالانکہ وہاں........''

''حالانکہ وہاں آپ کے دس ہزار بکھیڑے ادھورے پڑے آپ کی ایک نظر کرم کے منتظر ہیں اور آپ اپنی بے چاری مظلوم بیٹی کی طرف کر دینے کا فیصلہ کسی بہت ہی ناگزیر وجہ کے تحت کیا ہے۔ آئی نو۔'' وہ حمائل کرتے ہوئے بڑے بڑے شوخ، بے تکلف انداز میں بولی۔

''سویٹی! میری جان! محبتوں پر شک نہیں کیا کرتے۔ مل جائیں تو بس ان کے مل جانے کی خوشی کرتے ہیں۔ ان خوب صورت لمحوں کو سابقہ غموں کے سوگ میں برباد نہیں کیا کرتے۔ تم سے ملنے کے لئے ضرورت نہیں۔ کسی بھی جگہ کا رخت سفر باندھنے کے لئے ایک ہی وجہ ناگزیر ہے کہ میری جان وہاں پر لٹاتی نظروں سے اس پر فدا ہو جانے والے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''رئیلی ماما! آپ سچ کہہ رہی ہیں؟ مجھ سے اتنا پیار کرتی ہیں؟'' وہ بے یقینی سے ان کے صبیح چہرے کو تکے

"اتنا ائی سویٹ ہارٹ! کہ تمہاری بہتری کی خاطر یہ جدائی جیسا عذاب بھی بخوشی جھیل رہی ہوں۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں؟" وہ
ساتھ اس کے رخساروں کو چھوتے ہوئے بولیں۔
"مام! اس بار تو میں یہ بہتری کی دوراندیش وجہ جان کر ہی رہوں گی۔ دیکھیئے، آپ...." وہ دھمکانے والے انداز میں بولی۔
"اب کیا ساری وجوہات یہیں ایئرپورٹ پر ہی جان لو گی؟ گھر چلنے کا ارادہ نہیں کیا؟" وہ مسکرا کر بولیں تو وہ بھی ہنس پڑی۔
مشتاق تھی۔ جس کو سننے کے لئے ان کی سماعتیں ترس رہی تھیں۔
"مام! یہ رین کوٹ۔ باہر سنو فال شروع ہونے والی ہے۔ تھینک گاڈ، آپ کی فلائٹ ان ٹائم پہنچ گئی۔ ذرا دیر ہو جاتی تو ایک لمبا
اگلے آٹھ گھنٹوں کی ساری فلائٹس ڈیلے کر دی گئی ہیں۔ میں آتے ہوئے انکوائری سے معلوم کر کے آئی ہوں۔ میں سمجھی تھی،
آپ کی فلائٹ بھی لیٹ ہو جائے۔" وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے بتا رہی تھی۔
"جب جذبے سچے ہوں اور اپنی پیاری بیٹی سے ملنے کی لگن شدید تو پھر فلائٹ لیٹ نہیں ہو سکتی۔" وہ اسی پیار بھری نظروں سے
دیکھتے ہوئے بولیں۔
"کیا بات ہے مام! خیریت ہے نا جو اس بار اتنا پیار جتایا جا رہا ہے؟" وہ فوراً بولی۔
"اچھا۔ اگر میں اظہار میں کنجوسی کروں تو مشکوک ہو جاتی ہو کہ آپ میری مام ہی نہیں لگتیں۔ زیادہ کروں تو شک کہ کوئی مطلب
مجھے۔" وہ لاؤنج سے باہر نکلتے ہوئے بولیں۔
باہر آسمان پر چھائے گھنیرے سرمئی بادلوں کی تہیں موسم کی پیش گوئی کر رہی تھیں۔
"خیر، میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ کو مجھ سے کوئی مطلب ہو سکتا ہے۔ بس اتنا غیر معمولی اظہار آپ نے کم ہی کیا ہے۔" وہ
انداز میں کہتے کہتے بھی جتا گئی۔
نے خود کو حد سے زیادہ مصروف کر رکھا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں، تمہارے پیار یا پروا میں کوئی کمی آ گئی ہے۔ دوری تو
کو بڑھاتی ہے۔" وہ اب پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ رہی تھی۔
آپ کا مطلب ہے کہ محبت کو بڑھانے کے لئے زندگی میں بس چند بار ہی ملو۔ ہے نا؟" وہ شکایتی لہجے میں بولی۔
یہ میں نے کب کہا؟ ویسے فکر نہ کرو، میں تمہاری سب شکایتوں کا جلد ہی ازالہ کرنے والی ہوں۔" انہوں نے دُھند کی
خوسانس کے ذریعے اندر کھینچی۔ انہیں شروع ہی سے دھند کے گھیرے بادلوں میں سرایت کرتی یہ گیلی گیلی سی خوشبو بہت

"تو گویا اس بار آپ مجھے ساتھ لے کر جا رہی ہیں؟ مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ آپ جو مجھے آنے نہیں دے رہیں تو اس کا
آپ اس جدائی کا کوئی مستقل حل تلاش کر رہی ہیں۔ تھینک گاڈ! آپ کو مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا خیال تو آیا۔ یوں
ادھر خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی ہوں۔" وہ خوش خوش کہہ رہی تھی۔
یاقوت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شاید اس کی امید کو اتنی جلدی ختم کرنا نہیں چاہ رہی تھیں یا واقعی انہوں نے کوئی حل

"ارلڈ کب آ رہا ہے؟" وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔ سڑک پر آتے ہی میڈم یاقوت نے خاموشی کا قفل توڑا۔
"ایک دو ہفتے بعد۔" وہ سرسری لہجے میں بولی۔
"کتنے دن تک واپسی کا پروگرام ہے؟ میرا مطلب ہے، مجھے اپنی تھوڑی تیاری بھی تو کرنی ہے۔ فاخرہ بھی ساتھ چلے گی
اور بعد خود ہی بولی تو میڈم یاقوت نے ایک نظر اسے دیکھ کر گردن گھمالی۔
لندن بہت پسند ہے، مگر میرا آنا ادھر کم ہوتا ہے۔" وہ موسم کی خوب صورتی کو محسوس کرتے ہوئے بولیں۔
میں نے کچھ اور پوچھا ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔
بہتر نہیں کہ ہم اس موضوع پر گھر چل کر بات کریں؟" وہ گہرا سانس لے کر بولیں۔
آپ نے جو کچھ سوچ رکھا ہے، طے کر آئی ہیں۔ اس میں گھر جا کر بھی کسی ردوبدل کی مجھے توقع نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ جو
آئی ہیں، وہ مجھے ابھی بتا دیں۔ مجھے انتظار سے نفرت ہے۔" وہ تند لہجے میں بولی۔
غصہ اور جھنجھلاہٹ زندگی کو شیپ دینے والے جذبے ہیں۔ یہ انسان کی پوری زندگی کو بناتے اور بگاڑ دیتے ہیں۔ ان کو چھوٹے
جذبے کے ساتھ انچ کر کے زندگی کو مشکل نہیں بنانا چاہئے۔ ان کا اظہار کرو، کسی ٹھوس مسئلے پر۔" وہ سنبھل کر بول رہی تھیں۔
مِثلاً آپ کیا کہہ رہی ہیں اور کیوں کہہ رہی ہیں۔ اتنی پیچیدہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ مجھے بس آپ کے ساتھ جانا
ہر صورت۔ آپ صرف یہ یاد رکھیں اور فار گاڈ سیک مام! مجھے اوٹ پٹانگ وجوہات سے قائل کرنے کی کوشش مت کیجئے

گا۔ میں نہیں سمجھوں گی اور نہ سنوں گی۔ میری یہاں رہنے کی آخری وجہ بھی بظاہر تمام ہو چکی کہ میری ا
آپ مجھے یہاں کس لئے قیام کرنے پر مجبور کریں گی؟'' وہ تیز تیز کہہ رہی تھیں۔
''گیبہ!'' وہ اکثر پیار میں اسے یہی کہہ جایا کرتی تھیں۔ ''تجھے اپنی ماں سے کتنی محبت ہے؟'' وہ عجیب
''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ اور مام! محبت کوئی ناپنے تولنے کی چیز تو ہے نہیں کہ میں کہوں کہ مجھے
یا سو میٹر لمبی محبت ہے۔ مجھے آپ سے اتنی محبت ہے، جتنی ایک پردیس کی ماری بیٹی کو اپنی ظالم ماں سے ہو
وہ ہنس پڑیں۔
''اتنی جلدی فیصلہ نہ سنا دیا کرو۔ تھوڑا سوچ سمجھ کر........''
''پلیز، ہر چھوٹی بڑی بات پر مجھ سے فلسفیوں جیسا سوچ بچار نہیں ہوتا۔ آپ کو جو کہنا ہے، کہہ ڈالیں
بولی۔
''کیسے کہہ دوں اور کیا؟ یہ سب کہنا اتنا آسان ہے۔ ابھی جو تم میرے پہلو میں بیٹھی ہو، اتنی محبت
کر........نہیں، کبھی نہیں۔ کم از کم ابھی نہیں۔'' انہوں نے جھرجھری لے کر سوچا۔
''آپ نے کچھ نہیں کہا اور گھر آ گیا۔'' جا کر اس فاخرہ بیگم سے دو گھنٹے کی بریفنگ نہ لینے بیٹھ جا
چھوٹی بات کی رپورٹ پہنچانے کا شوق ہے۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے گاڑی موڑی تو وہ کھل کر مسکرا دیں
انہیں لگا، ان کے سامنے کسی نے ان کی جوانی کا عکس سجا دیا ہو۔ وہ یک ٹک اپنی آنکھوں کی اس ٹھنڈ

✿◉......◉✿
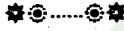
نالۂ صبا تنہا، پھول کی ہنسی تنہا
اس چمن کی دنیا میں ہے کلی کلی تنہا
دیکھئے تو ہوتے ہیں سارے ہم قدم رہرو
کاٹیے تو کٹتی ہے راہِ زندگی تنہا
کون کس کا غم کھائے، کون کس کو بہلائے
تیری بے بسی تنہا، میری بے کسی تنہا

تیز والیوم میں اے نیّر کی آواز گونج رہی تھی۔ اور اس کی آواز کا سوز و گداز چیخ چیخ کر اس وحشت
اعلان کر رہا تھا جو محمود عالم کی ہر رگ میں ماتم برپا کر رہا تھا۔ ان کی گاڑی کی اسپیڈ خطرناک ہندسے کو چھو
چھوٹی سڑکوں کے گڑھوں میں گاڑی نے زوردار دھچکے کھائے مگر انہیں تو شاید اپنا بھی ہوش نہیں تھا کہ
جانے کا ارادہ تھا۔ بس لگ رہا تھا کہ دل اس وحشت ناک رگوں کو کاٹتی تنہائی کے جان لیوا احساس کے
گا۔ یہ تنہائی اور اکیلے پن کا احساس تو جیسے زمانوں سے انہیں اندر ہی اندر کسی دیمک کی طرح چاٹ رہا
پہلے کبھی اس سناٹے نے نہیں اٹھایا تھا۔ کیا جامد چپ میں بھی ایسے شوریدہ طوفان چھپے ہوتے ہیں جو
فصیل کو ریت کی دیوار کی طرح ڈھا سکتے ہیں؟ آج سے پہلے نہ انہیں کسی کا گمان تھا، نہ خیال۔
ان کے پورے وجود کو ان دیکھی آگ جلا رہی تھی۔ انہیں لگ رہا تھا، سب کچھ بھک سے اُڑ جائے
سے یہ چاہ بھی رہے تھے کہ آج یہ آگ سب کچھ بھسم کر ہی ڈالے۔ وہ جو روز قطرہ قطرہ شمع کی طرح پگھل
قطرہ قطرہ موت کی ساری اذیت اپنے اندر اتار کر اس خاکی بدن سے چھٹکارا پالیں۔
''کیا مل رہا ہے مجھے؟ اس اذیت ناک زندگی کے ہاتھوں کیا مل گیا ہے؟ میں کیوں زندہ ہوں؟ ک
سے؟ اور کب تک اس بے مقصد زندگی کے بوجھ کو کسی گدھے کی طرح پیٹھ پر لادے پھروں، کب تک؟
دہکتے ہوئے سینے سے خارج کی۔
نہ جانے ان کی گاڑی کس ویرانے میں آ نکلی تھی۔ دل جیسے کسی ویرانے میں، جہاں صدیوں سے
کسی آواز، کسی خیال، کسی شبیہ کو اس طلسم کدے میں آہٹ پیدا کرنے کی اجازت نہ تھی اور آج اس طلسم
آوازیں ہی آوازیں، تصویریں ہی تصویریں اور بھولے بسرے دل نشین، دل فریب مناظر۔ وہ بھٹکے ہوئے
کو دیکھتے تو کبھی دوسری تصویر پر نظر جمانے کی کوشش کرتے تو کبھی کوئی آواز ان کا دھیان بٹا دیتی۔ وہ جیسے
نے ایک دم سے طوفانی رفتار سے بھاگتی گاڑی روکی تھی۔ ان کا سر اور سینہ زور سے اسٹیئرنگ سے ٹکرائے
بات کہ انہیں کسی درد، کسی تکلیف کا احساس تک نہ ہوا تھا۔

'جب پورا بدن پھوڑا بنا ہوا ہو تو یہ معمولی تکلیف کیا احساس پیدا کرے گی؟' وہ خود ہی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ کتنی دیر اسٹیئرنگ پر سر رکھے اپنی ڈھیٹ زندگی کے ہونے کے احساس کے ساتھ بے حس پڑے رہے۔

'نہ موت آئی ہے نہ......اور یہ عورت......'' انہوں نے سر اٹھاتے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں بھینچ لیے۔ 'یہ عورت میری کا تاوان ہے، جینے کا کفارہ......اس زندگی کی سزا جس کے لیے میں نے کسی کی زندگی لی تھی۔ اور اس کے بعد اس بچی ہوئی کے ایک پل کا بھی لطف نہ اٹھا سکا۔ اسے حیوان سمجھ کر جی نہ سکا۔ کیسی ہے یہ سزا جو ختم بھی نہیں ہوتی اور دیکھنے والوں کی نظر میں بھی نہیں۔ یہ تو جسٹس محمود عالم کی لگژری لائف ہے، جس پر لوگ رشک کرتے ہیں۔ دولت، منصب، شاہانہ عیش و عشرت۔ ا کے لیے یہ باعثِ رشک ہی تو ہے اور میرے لیے کسی عقوبت خانے کا ٹارچر سیل۔ اور اس اندھی کوٹھری میں کوئی روزن روشنی کا، نہ خیال کا، نہ امید کا۔ مجھ جیسے شخص کو کوئی امید رکھنی بھی نہیں چاہیے۔ اور میں زندگی سے اب مزید کوئی رعایت چاہتا ہا۔ ساری رعایتیں، سارے استحقاق تو میں استعمال کر بھی چکا۔ اب کیسی رعایت؟' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسے۔ کلائی آگے کر کے وقت کا اندازہ کرنا چاہا۔

او میرے خدایا! اتنا وقت گزر گیا اور عزہ شاید ادھر ہی تھی۔ وہ ضدی، ہٹ دھرم اور پاگل عورت کب اسے اپنے ساتھ لائی ہو امیرے پیچھے ہی تو وہ پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے نکل آئی تھی۔ کیا سوچتی ہوگی عزہ ہم دونوں کے بارے میں؟......میرے ہم دونوں اس قابل نہیں تھے، تُو نے ہماری گردنوں پر یہ معصوم بوجھ ڈالا ہی کیوں؟......کاش سارہ! تم اتنے سالوں میں ایک سمجھنے کی کوشش کرتیں، کبھی ایک اچھی بیوی کی طرح اس ٹوٹے پھوٹے شخص کو سمیٹنے کی، جوڑنے کی کوشش کرتیں تو شاید ہماری ے بچ جاتی۔ اب اس کے اندر کیسی شخصیت پنپ رہی ہے، مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔'

ب گہرا سانس لے کر سیدھے ہوئے۔ کچھ دیر پہلے والا طوفان تھم چکا تھا۔ قلب و ذہن کی حالت مکمل طور پر تو نہیں مگر کچھ ی۔

انے تھکے ہوئے ذہن کے ساتھ گاڑی اسٹارٹ کی اور عزہ کو لینے کے لیے چل پڑے۔ وہ آج بھی خود کو سمیٹنے میں کامیاب بیشہ کی طرح۔

❁ ◉ ...... ◉ ❁

گڈ لیس۔ آئی کانٹ بلیو اِٹ۔'' آبگینے اور جہانگیر ہمدانی کی شادی اور نکاح کی تصاویر میڈم یاقوت کے سامنے بیڈ پر تھیں اور ان کے چہرے پر دکھ اور بے یقینی کے رنگ آ جا رہے تھے۔ آنکھوں میں تحیر اور عجیب سی توہین کا احساس ہلکورے یدہ احساس تھا، جو وہ لائبہ تو کیا، خود سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہ رہی تھیں۔ وہ حیرت کا بڑھ چڑھ کر اظہار کرتے ہوئے اس کو کم کر دینا چاہتی تھیں۔

یا! اب آپ کو بھی یقین۔ فون پر آپ میری بات کا یقین نہیں کر رہی تھیں۔ اور دیکھیں، آپ کو کانوں کان خبر بھی نہیں دی ویسے آپ دونوں میں اتنی دوستی ہے۔'' لائبہ ان کی کیفیات سے بے خبر کہے جا رہی تھی۔

ں۔'' انہوں نے تصویریں ہاتھ سے سمیٹ کر ایک طرف کر دیں۔

ر پھر آبگینے کی موت۔ وہ بھی خودکشی۔ پتہ نہیں، ماما! کیا چکر ہوا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟'' وہ ان کے ساتھ کمبل میں لپٹتے ا۔

ں کیا کہہ سکتی ہوں، جب مجھے اس معاملے کی خبر ہی نہیں ہو سکی؟ ہو سکتا ہے اس لڑکی کی انوالومنٹ کہیں اور ہو، اس لیے اس ای قدم اٹھایا ہو۔'' وہ غائب دماغی کی سی کیفیت میں تھیں مگر لائبہ کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

سامہ کہہ رہا تھا کہ آبگینے شادی نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ اپنے کسی کلاس فیلو میں انٹرسٹڈ تھی۔ وہ غیر مسلم تھا۔ ان کے آغا جان سے ہی اٹھا لیا۔ آبگینے اس بات پر بہت ڈپریس تھی مگر جہانگیر ہمدانی سے شادی پر وہ بالکل خوش نہیں تھی۔'' وہ ان کے لیٹتے ہوئے بولی۔

تو صاف ظاہر ہے۔ اس کی ناپسندیدگی اس کی موت کا سبب بنی۔'' وہ لائبہ کے بالوں میں آہستگی سے انگلیاں چلاتے

!! اگر ایسا تھا تو وہ شادی کے فوراً بعد کر لیتی......اتنے دنوں بعد......کچھ سمجھ نہیں آتا۔ وہ بے چارہ اسامہ جا بھی نہیں تجہیز و تکفین (Funeral) میں۔'' وہ افسردہ لہجے میں بولی تو میڈم یاقوت پہلی بار اپنی کیفیت سے باہر نکل کر قدرے

ما! ایک بات پوچھوں؟'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

''دس باتیں پوچھیں۔ آج میں یہاں آپ کے ساتھ سوؤں گی۔'' وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے طمانیت سے
''بالکل ننھی بچی بنی ہوئی ہو اس وقت۔'' انہوں نے مسکرا کر بے اختیار اس کی دودھیا پیشانی چوم ڈالی۔
''تو ہوں نہیں کیا آپ کی ننھی بچی؟'' وہ ان سے لپٹ گئی۔
''لیبہ! تمہیں کوئی پسند ہے؟'' وہ چند لمحوں بعد بولیں تو لائبہ نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔
''کیا مطلب؟ مجھے تو بہت کچھ پسند ہے۔ آپ کا ساتھ، آپ کی گود، آپ کا اپنے ساتھ ہونا۔''
''پگلی! غور سے سنا نہیں اور بولنے لگیں اوٹ پٹانگ۔ میرا مطلب ہے کوئی تمہیں اچھا لگتا ہے، ایزا۔ ہونے کے باوجود وہ لائبہ سے یہ براہِ راست ذکر کرتے ہوئے جھجک سی گئیں۔
''آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' وہ چند ثانیے بعد بولی۔
''کوئی ماں اپنی بیٹی سے یہ سوال کیوں کرتی ہے؟'' وہ اس کا چہرہ پڑھ رہی تھیں۔
''مجھے کیا پتہ، مجھ سے تو آپ نے پہلی بار یہ پوچھا ہے۔'' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
''تو میرے بیٹے! جب یہ وقت آنا تھا، تو تب ہی میں نے پوچھنا تھا۔ تم بتاؤ؟'' وہ پیار سے اس کے گا بولیں۔
''کیا بتاؤں؟'' اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس بے درد کی شبیہ بے اختیار آنکھوں کے آئینوں پلکیں نہیں اٹھا پا رہی تھی۔
''بھئی تمہیں کوئی پسند ہے تو بتا دو، ورنہ میں اپنی تلاش کے گھوڑے دوڑاؤں۔'' وہ اس کے چہرے کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔
''مام! صرف میرے پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے؟'' وہ چند لمحوں بعد افسردگی سے بولی۔
''کیا مطلب؟ سب کچھ میری بیٹی کی پسند ہی سے تو ہوگا۔''
''ون پرسن کی پسند تو کوئی ویلیو نہیں رکھتی نا ماما!'' وہ ان کے گلے میں پڑی چین سے کھیلتے ہوئے بولی۔
''تو کیا یہ پسندیدگی ون وے ہے؟'' وہ گہرا سانس لے کر بولیں تو لائبہ نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔
''کون ہے وہ؟'' وہ اس کے چہرے پر چھائے سرمئی بادلوں کو اپنے دل میں اُترتا محسوس کر رہی تھیں۔
''میرا کلاس فیلو۔'' وہ اسی طرح ان کے سینے سے لپٹی ہوئی تھی۔
''تم اسامہ کی بات کر رہی ہو؟'' انہوں نے اندازہ لگایا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''تو پھر؟''
''ماما! بتانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ میری بارہا اُس سے اس مسئلے پر بات ہو چکی ہے۔ وہ مجھے صاف لحاظ سے قطعاً انٹرسٹڈ نہیں اور نہ ہوگا۔'' وہ گہرا سانس بھرتے ہوئے سیدھی ہوئی۔
''تو کیا وہ کسی اور کے ساتھ انوالو ہے؟''
''نہیں، ابھی تک تو کوئی نہیں۔''
''پھر تو میری جان! مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ میں سب ہینڈل کرلوں گی۔ تم مجھے اس کا نام اور پتہ وغیرہ بتا پرنس کسی چیز کی فرمائش کرے اور میں پوری نہ کرسکوں؟'' وہ لاڈ سے اس کا چہرہ سہلاتے ہوئے بولیں۔
''مام! ہی از ناٹ تھنگ۔ کیپ اِن مائنڈ۔'' وہ پسپا لہجے میں بولی۔
''آئی نو مائی سویٹ ہارٹ! تمہاری پسند کوئی معمولی چیز ہو بھی نہیں سکتی۔ کل مجھے اس سے ملوا رہی ہو تھیں۔ لائبہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''کیوں، کیا وہ ملنا پسند نہیں کرے گا مجھ سے؟'' وہ فراخ پیشانی پر بل ڈال کر بولیں۔
''یہ بات نہیں مام! وہ یہاں نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے لندن میں۔''
''تو پھر کہاں ہے؟ کیا کوئی انٹرنیٹ فرینڈ شپ کا چکر ہے؟ لیکن نہیں، تم بتا رہی ہو، تمہارا کلاس فیلو۔ لڑکے کے بارے میں سب جان لینا چاہتی تھیں۔
''وہ آج کل پاکستان گیا ہوا ہے۔''
''اوہ، تو اس کی فیملی پاکستان میں ہے۔''
''نہیں، فیملی تو ادھر ہی ہے۔ آئی مین، اس کے پیرنٹس۔ وہ اکیلا ہی ادھر گیا ہے۔''

"عارضی طور پر یا مستقل؟"

"پتہ نہیں مام! وہ کہہ رہا تھا، یہ اسے خود بھی نہیں پتہ۔"

"عجیب بے وقوف لڑکی ہو۔ پہیلیاں بجھوائے جا رہی ہو۔ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ تفصیل سے بتاؤ۔" وہ اب کے جھلا کر بولیں۔

"کیا بتاؤں، مجھے خود کچھ پتہ نہیں اس کے ارادوں کے بارے میں۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"نام کیا ہے اس کا؟ یہ تو بتا سکتی ہونا۔" وہ تحمل سے بولیں۔

"دائم نام ہے اس کا۔ میرے ساتھ ہی ایگزام دیا ہے۔ بہت آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ رہ چکا ہے پورے اکیڈمک کیریئر کے دوران۔ اور بہت اچھا ہے، بہت نائس، ہینڈسم، گڈلکنگ اور سب سے بڑھ کر مجھے بہت بہت اچھا لگتا ہے۔ مام! میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گی، ورنہ...... ورنہ میں شادی نہیں کروں گی۔" وہ ایک دم ان سے لپٹ کر سسکنے لگی۔ میڈم یاقوت اس کی کیفیت پر سوچ میں پڑ گئیں۔

"او کے ڈیئر! ڈونٹ وری۔ یور مدر از آلائیو اینڈ ایوری تھنگ اِز پاسیبل۔ (پریشان نہ ہو، تمہاری ماں ہے نا، سب ٹھیک ہو جائے گا)" وہ اس کا سر تھپکنے لگیں۔

"مام! مجھے نیند آرہی ہے، میں سونے جا رہی ہوں۔" وہ ایک دم سے اٹھی اور بیڈ سے اُتر کر دوڑتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"لائبہ! میری بات سنو بیٹی!" انہوں نے پریشانی سے اسے پکارا، جسے وہ اَن سنی کر کے جا چکی تھی۔

'جو نارسائی میری زندگی چاٹ گئی، کیا وہی میری بیٹی کی زندگی بھی ہڑپ کر جائے؟ ہرگز نہیں، میرے جیتے جی ایسا نہیں ہوگا۔' وہ یہی ارادہ کر رہی تھیں کہ بیڈ پر سرسراتا ہاتھ بے اختیار تصویروں کے اسی ڈھیر سے جا ٹکرایا۔ ان کے دل میں کوئی ٹیس سی اُٹھی۔ وہ تصویریں ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگیں۔

کسی بھی تصویر میں انہیں جہانگیر ہمدانی غیر مطمئن یا ناشاد دکھائی نہیں دے رہا تھا، جیسے واقعی اس کے دل کی کوئی مراد بر آ رہی ہو۔ وہ سیاہ ڈنر سوٹ میں قابلِ رشک مردانہ وجاہت کے اس سراپے کو بے خود انداز میں تکتے جا رہی تھیں، جو ان کی دسترس میں رہتے ہوئے بھی ان کا نصیب نہیں بن سکا تھا۔

'جہانگیر! کیا یہ لڑکی مجھ سے بھی حسین تھی کہ تم اس کو شرعی مہر کے ٹھپے کے بغیر حاصل کرنا گناہ سمجھنے لگے اور نکاح جیسا ثواب کمانے چل پڑے؟ اور میں، جو تمہارے اتنے "قریب" رہ چکی ہوں، کبھی کسی مرحلے میں قبولیت کی ایسی باوقار سند حاصل نہ کر سکی کہ معاشرے میں بطور Your token of love پیش کر سکتی۔ تم نے مجھے وہی سمجھا ہے، جو ساری دنیا سمجھتی ہے یا میں خود کو سمجھتی ہوں۔ کم از کم جہانگیر! میں تمہارے ساتھ تو ایک پیور سوچ، خالص محبت سے ملتی ہوں اور اسی کی توقع رکھتی ہوں۔ لیکن نہیں، تم یقیناً اپنے اور میرے تعلق کو اس پاکیزہ حد سے بہت نیچے، بہت ہلکا جانتے ہو، جب ہی میری ہر بار کی التجا، درخواست، خواہش کسی کو بھی تم نے درخورِ اعتنا نہیں جانا۔ تو تم نے مجھے وہی سمجھا ایک "پیشہ ور" اینڈ تھنگ الیس۔'

ان کی کنپٹیوں میں گرم سیال کھولنے لگا۔

'تو پھر میں وہ بن نہ جاؤں ڈیئر! جو تم نے مجھے سمجھا ہے۔' اپنے یاقوتی لبوں پر زہر خند مسکراہٹ سجاتے ہوئے انہوں نے خود سے کہا اور نکاح کی تصویر کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ جہانگیر ہمدانی اب تنہا ان کی ہتھیلی پر سجا بیٹھا تھا، جسے برسوں سے وہ اپنی تقدیر بنانا چاہ رہی تھیں۔ وہ اب اس ادھوری تصویر کو بہت عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

'آہ، میری زندگی...... میری زندگی میں تین مرد آئے اور میں بے نام، بے سائبان ان کے وجود کی ڈھال، ان کے تحفظ کو تمام عمر ترستی رہی۔ میری تقدیر میں کیسی تشنگی ہے، جسے دنیا کی ہر نعمت، ہر عیش قدموں میں ڈھیر ہونے کے باوجود میں ختم نہیں کر سکتی۔ یہ کیسی بے بسی ہے۔ اتنے اختیارات کے ہوتے ہوئے ایسی بے اختیاری۔ شاید میری قسمت نے اس سے بڑا مذاق میرے ساتھ کیا ہی نہیں کہ اس مذاق سے میری زندگی کے ہر دکھ نے جنم لیا ہے۔'

اپنی بے بسی اور بے چارگی کے جان لیوا احساس نے بڑے دنوں بعد ان کے دل میں انگڑائی لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خود کو مشغولیتوں کی طرح مصروف رکھتی تھیں کہ سنپولیے جیسی رینگتی یہ سوچیں کبھی ناگ نہ بن پائیں۔ انہوں نے خود کو کبھی ان سوچوں کے حوالے کیا ہی نہیں تھا۔ یہ تو جہانگیر ہمدانی تھا، ان کا دوست، ان کا رفیق، بہترین ساتھی جس نے پیٹھ پیچھے وار کیا تھا۔ ان کے احساسات کو اس زہر آلود خنجر سے گھائل کیا تھا۔ ان کو ان کی اوقات یاد دلائی تھی۔

'تم بھی دوستی نبھائی دوست! تو کیا اب یہ میرا فرض نہیں، تمہارے اس قرض کو لوٹاؤں بمعہ سود کے۔' وہ جہانگیر ہمدانی کے بارے میں کوئی انتہائی قابلِ نفرت فیصلہ کرنا چاہ رہی تھیں مگر ان کا ذہن اس توہین کے احساس سے ابھی باہر نہیں نکل پا رہا تھا، جو ان تصویروں

نے ان کے اندر پیدا کیا تھا۔ انہوں نے تصویریں اٹھا کر سائیڈ ٹیبل کی دراز میں پھینک دیں اور خود کو پُرسکون کرنے لگیں۔

✲⊙......⊙✲
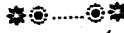
'اُف، یہ سب کہنا کتنا آسان ہے اور سوچنا کس قدر مشکل۔ میں نے پاپا سے کہہ تو دیا۔ میں دو چار دن میں جواب دوں گا کہ مجھے مستقل ادھر رہنا ہے یا واپس جانا ہے۔ اور آج دو دن سے سوچ سوچ کر میرا دماغ تھک گیا ہے۔ دل میں جگہ نہیں بنا پا رہی۔ میں ادھر آنے کے لئے کس قدر ایکسائیٹڈ تھا۔ بقول پاپا، یہ سب یوتھ ایڈونچرس نیچر ہے۔ پوری ہو گی تو جھاگ کی طرح بیٹھ جاؤ گے۔ اور اب تو واقعی ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ میرا سارا شوق کافور ہو گیا ہے۔ اکیلا ہوں، اس لئے اتنی بوریت محسوس کر رہا ہوں۔ اتنے دنوں میں کوئی دوست تو کیا، شناسا......'

وہ لان میں ٹہلتے ہوئے مسلسل خود سے باتیں کر رہا تھا کہ دوست پر اسے اسامہ اور رائیہ کا خیال آ گیا۔ باوجود رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ کچھ وہ بھی گارمنٹس فیکٹری کے سلسلے میں کافی مصروف رہا تھا اور اب دو دن سے یہ والی ڈیل بھی جیسے ملتوی ہو گئی تھی۔ اسے اب اس پراجیکٹ میں بھی کوئی چارم محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

'جب تک یہاں رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ نہیں ہو جاتا، میں فیکٹری یا بزنس یا جاب کسی سے بھی متعلق کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔'

وہ اب اپنے سیل فون پر اسامہ کے نمبر پش کر رہا تھا۔

"ہیلو......ہیلو اسامہ!......بے وفا، ہرجائی، طوطا چشم!" اس کی آواز سنتے ہی وہ زور زور سے کہنے لگا۔

"مائنڈ یو۔ تم لائبہ کے نمبر پر بات ہیں کر رہے۔ یہ میں ہوں، اسامہ۔ تمہارے یہ خالص زنانہ طعنے خالی دھیان ہے؟" وہ جواباً ہلکے پھلکے انداز میں بولا تو دائم کو کتنے دنوں بعد غیر معمولی خوشی کا احساس ہوا۔ وہ واقعی ان کی جدائی میں خود کو مرجھایا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔

"بکو مت۔ یہ زنانہ طعنے خالصتاً تمہارے لئے ہیں۔ گھٹیا انسان! تم کدھر دفعان ہو گئے تھے؟ فون کر کر کے تھک گئیں۔ یہ کس حسینہ کے خوف سے تم نے مسلسل اپنا سیل آف کر رکھا ہے اور خود سے بھی رابطہ کرنے کی زحمت نہیں کی۔ بے وفا اور ہرجائی نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟" وہ ٹہل ٹہل کر دل کا غبار نکال رہا تھا۔

"کچھ میری بھی سنو گے یا اپنی کہے جاؤ گے؟" اسامہ کی بوجھل آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ کچھ چونکا۔

"ایسی کیا بیت گئی تمہارے ساتھ کہ تم بالکل ہی کٹ گئے دوستوں سے؟" وہ پھر بھی کہنے سے رہ نہ سکا۔

"کٹے تو تم ہو جو ادھر آ کر بیٹھ گئے ہو۔ تمہیں پتہ تھا نا، آبگینے کا نکاح ہے۔"

"ہاں، جب میں آنے والا تھا، ان ہی دنوں شاید۔"

"وہ نکاح کے بعد اپنے ہزبینڈ کے ساتھ دبئی چلی گئی تھی اور چند دنوں بعد اس کی خودکشی کی اطلاع ملی۔ موت کی دہلیز تک ہو آئے۔ اتنے دن وہ ہاسپٹل میں رہی۔ مجھے تو خود اپنا ہوش نہیں تھا، میں کسی سے کیا رابطہ کرتا۔" وہ رک رک کر کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز کے زیر و بم میں جھلکتا یاس اتنی دور کھڑے دائم کو بھی تڑپا گیا۔

"کمال ہے یار! تم نے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ تو آبگینے نے سوسائیڈ کیوں کی؟" اب کے وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"اللہ کو بہتر معلوم ہے۔ میں تو اس کے جنازے میں بھی نہیں جا سکا۔ آغا جان کو بہت سخت اٹیک ہوا تھا۔ وہ بچ گئے تھے۔ یہ تو ان کی زندگی تھی باقی جو سانسیں رواں ہو گئیں، ورنہ......" وہ چپ کر گیا۔

"اب کیسے ہیں وہ؟"

"بظاہر تو بہتر ہیں لیکن اندر سے جیسے چکنا چور ہو گئے ہیں۔ اس حادثے کو پل بھر کے لئے بھی نہیں بھولے۔"

"ظاہر ہے، اتنی جلدی کیسے بھول سکتے ہیں؟ ٹائم لگے گا۔"

"آج کل میں آغا جان، عمرے کے لئے جانے والے ہیں۔ جب سے ہاسپٹل سے آئے ہیں، ایک ہی رٹ ہے کہ انہیں عمرے کے لئے جانا ہے اور وہیں سے سیدھا پاکستان مستقل۔"

"ریئلی۔ یہ تو اچھی بات ہے۔ تم انہیں میرا ایڈریس دے دینا۔ بلکہ تم خود کیوں نہیں آ جاتے ساتھ؟"

"میں کیسے آ سکتا ہوں؟ لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لئے، سنہری مستقبل کے لئے ان ملکوں کا رخ کرتے ہیں اب جبکہ میں اپنے فیوچر کے انتہائی نازک موڑ پر کھڑا ہوں، خالی ڈگری ہاتھ میں لئے پاکستان آ جاؤں۔ یہاں میرے لئے کون سی جاب سجا کر بیٹھا ہو گا؟" وہ تلخی سے بولا۔

"جاب کا مسئلہ نہیں۔ تم اگر آنا چاہو تو ہم دونوں ادھر مل کے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اور ادھر بھی تو تمہیں کیا ملا

جاب ملے گی۔ کون سا گھر بیٹھے مل جائے گی۔ کہیں اپلائی کیا ہے؟"

"بہت سی جگہوں پر۔ غیر ملکی کمپنیوں میں بھی اپلائی کر چکا ہوں۔ کینیڈا میں بہت اچھی جاب کے لئے میری انٹرویو کال بھی آ چکی ہے۔ اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"اتنی دور؟" دائم حیران ہوا۔ "تم نے لندن ہی چھوڑنا ہے تو پاکستان آ جاؤ۔ اپارٹمنٹ وغیرہ بے شک ابھی نہ سیل کرو۔ ویسے ہی چند ہفتوں کے لئے آ جاؤ۔"

"اپارٹمنٹ تو سیل ہو بھی چکا۔" وہ پھیکی سی ہنسی سے بولا۔

"کیا مطلب؟...... آغا جان نے کر دیا؟"

"نہیں۔ وہ انہوں نے آبگینے کو گفٹ کیا تھا۔ اس کی ڈیتھ سے چند دن پہلے اس کے ہزبینڈ نے سیل کر دیا۔ ہمیں اگلے مہینے اسے بھی خالی کرنا ہے۔" دائم کو اس کے لفظوں کے بیچ چھلکتا دکھ صاف سنائی دے رہا تھا۔

"تو گویا آبگینے کا ہزبینڈ ٹوٹل فراڈ نکلا۔ پھر تو آبگینے کی خودکشی بھی یقیناً قتل ہوگی۔ کیا خیال ہے؟"

"ہوں۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ اس پر کیس کرنے کے لئے مضبوط شواہد کے علاوہ بھاری جیب کی بھی ضرورت ہے، جو فی الوقت نہ میرے پاس ہے، نہ آغا جان کے پاس۔"

"بہت دکھ ہوا اسامہ! یہ سب جان کر۔ میرے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم اتنے بڑے کرائسز سے گزر رہے ہو۔ اس وقت تو تمہیں یقیناً کسی دوست، سہارے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہوگی۔ یونہی نہیں میرا دل کئی دنوں سے تمہاری طرف سے بے چین تھا۔ لائبہ کو خبر ہے اس سارے معاملے کی؟"

"ہاں، وہ ہاسپٹل میں میرے ساتھ ہی رہی ہے۔ ویسے آج اس کی ماما نے آنا تھا پاکستان سے، وہ بتا رہی تھی۔ ورنہ تو تقریباً روز ہی وہ آغا جان سے ملنے آتی رہی ہے۔ بہت ڈھارس بندھائی ہے اس نے میری ان دنوں میں۔ وہ نہ ہوتی تو شاید میں اتنی جلدی نہ سنبھل پاتا۔"

"چلو، یہ تو اچھا ہوا۔ کوئی تو تمہارے پاس تھا۔ اللہ تمہیں حوصلہ دے۔ اور یار! وہ لائبہ کی مام سے ضرور ملنا۔ سنا ہے، بڑی لیڈی ہے۔ اور ذرا بنک سک سے تیار ہو کر جانا۔ ان پر اچھا امپریشن ڈالنا۔ کیا پتہ، لاٹری نکل آئے تمہاری۔" دائم نے اسے چھیڑا۔

"تم جانتے ہو، میں کبھی ان خرافات میں نہیں پڑا۔ او کے، پھر فون کروں گا۔ آغا جان میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں ان کا ٹریٹمنٹ نیو کروانے ادھر آفس آیا تھا۔ کچھ ان کی میڈیسن لینی تھیں۔"

"تو گویا وہ عمرے کے لئے جا رہے ہیں؟"

"بہت ضد کر رہے ہیں۔ اب کچھ ٹھیک بھی ہیں۔ بار بار انہیں منع کرنا، خاص طور پر عمرے سے، مجھے بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ تم کیسے ہو؟ دل لگ گیا تمہارا؟"

"پتہ نہیں یار! دل کا ہی تو پتہ نہیں چل رہا۔ اِدھر خوش ہے، نہ اُدھر راضی تھا۔ بس اسی بے چینی کا سرا ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں، دعا کرنا، کہیں یہ بنک جائے۔ اور میں ایک بار پھر تمہیں تاکید کر رہا ہوں کہ تم آغا جان کے ساتھ ہی پاکستان آ جاؤ۔ ایک تو راستہ کا خیال رکھ سکو گے، دوسرے تمہاری بھی آؤٹنگ ہو جائے گی۔ میں گارمنٹس فیکٹری کا سوچ رہا ہوں۔ تمہیں بہت شاندار آفر کر سکتا ہوں۔ اگر تم ہامی بھرو تو۔" دائم نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔

"او کے، میں سوچوں گا۔ اپنا خیال رکھنا۔ خدا حافظ!" اس نے مزید کوئی بات کئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا تو دائم نے بھی سیل فون رکھ دیا۔

"لائبہ کو فون کرنا چاہئے۔ اس نے بھی مجھے اسامہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ کیا پتہ اس کرائسز کے دوران وہ اسامہ کے لئے سافٹ کارنر پیدا کر چکی ہو۔ پھر اس کی ماما بھی آ رہی ہیں۔' وہ سوچتے ہوئے لائبہ کا نمبر ملانے لگا۔ اس کا سیل فون آف تھا۔ 'پتہ نہیں اس لڑکی کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔' اس نے جھلا کر موبائل آف کر دیا۔

اس نے پھر سے ٹہلنا شروع کر دیا اور سوچوں کا سلسلہ وہیں سے جوڑا، جہاں اسامہ کو فون کرنے سے پہلے ٹوٹا تھا۔ اسی وقت موبائل کی بیپ بج اٹھی۔ دوسری طرف جمشید صاحب تھے۔

"ہیلو دائم! بھئی کیا حال ہیں؟ دو دن سے کوئی رابطہ ہی نہیں۔ میں آپ کی کال کا انتظار ہی کرتا رہا۔"

"جی، میں کچھ مصروف تھا۔ آج کل میں کرنے والا تھا۔ آپ سنائیں، کیا حال ہیں؟"

"الحمدللہ، اچھا، وہ آپ کے لئے ایک خبر تھی۔" وہ شاید جلدی میں تھے۔

''جی، میں سن رہا ہوں۔''
''وہ گارمنٹس فیکٹری، جس میں آپ انٹرسٹڈ تھے۔''
''تھے کیا سر! میں ابھی بھی ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔
''اگر ہیں تو ابھی میرے آفس آ جائیں، ورنہ وہ واقعی ''تھی'' ہو جائے گی۔''
''کیا مطلب؟''
''بھئی کوئی اور بھی اس ڈیل میں انٹرسٹڈ ہے۔ بلکہ شاید ایک دو دن میں سب معاملات بھی طے پا جائیں۔''
''کون انٹرسٹڈ ہے؟''
''کوئی میڈم یاقوت ہیں۔ مائز گروپ آف انڈسٹری کی آنر۔ انہیں اچانک دو تین دنوں کے لئے ملک سے شاید سودا ابھی ہو چکا ہوتا۔''
''نہیں، نہیں جمشید صاحب! فیکٹری کسی صورت ہاتھ سے نہیں جانا چاہئے۔ میں بس آ رہا ہوں، آدھے گھ مالکان سے بات چیت کر کے پیپرز تیار کروائیں۔ آئی ایم جسٹ کمنگ۔''
وہ فیصلہ جو اس سے دو دنوں سے نہیں ہو پا رہا تھا، دو منٹوں میں ہو گیا۔ اس نے واقعی ادھر رہنے کا ارا مشکل کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ بس مصطفیٰ صاحب کو اگلے چند منٹوں میں انفارم کر کے اسے جمشید صاحب نکلنا تھا۔

❁⊙......⊙❁
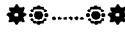
''نانو! آخر کیا ہے ماما، پاپا کے بیچ جو اتنے سالوں سے ان کے درمیان ٹینشنز کری ایٹ کر رہا ہے؟ پلیز، خاتون کے بستر میں گھسی ان کے ساتھ جڑ کر بیٹھی تھی۔ ثریا خاتون نے عینک کے پیچھے سے ایک گہری نظر اس کے دانے گرانے لگیں۔
''نانو! بتائیں نا پلیز۔ میں ان دونوں کے جھگڑے دیکھ دیکھ کر تھک چکی ہوں۔ کبھی کبھی تو میرا جی چاہتا پروا نہیں تو میں ان کے بیچ موجود ہی کیوں ہوں۔ کہیں بھاگ جاؤں یا خودکشی کر لوں۔''
''اللہ نہ کرے میری بچی! کیسی نامعقول باتیں کر رہی ہو؟'' انہوں نے دہل کر تسبیح چھوڑ کر اس کے ہونٹوں پر
''تو وہ جو کچھ کر رہے ہیں، وہ معقول ہے؟'' وہ تنگ کر بولی۔
''یہ میں نے کب کہا؟'' عزہ منتظر نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنا جملہ کہہ کر پھر چپ کر گئیں۔
''پھر مجھے بتائیں نا، ان کی لڑائیوں کا کیا سبب ہے؟ ماما کو ان پر کیا شک ہے؟ کیا پاپا کسی اور کو پسند کرتے زبردستی ماما سے کی گئی اور اتنے سال گزرنے کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے کو قبول نہیں کر پا رہے؟''
''عزہ بچی! تیرے کالج میں مضمون کون سے ہیں؟'' ثریا خاتون نے جواب میں کہا تو وہ انہیں گھورنے لگی۔
''کیا مطلب نانو! میرے سوال کا اس بات سے کیا تعلق؟''
''مجھے لگتا ہے، تُو اپنے باپ کی طرح وکالت پڑھ رہی ہے یا نفسیات۔ ہے نا؟'' وہ سراسر اس کا دھ تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھی۔
''نانو! یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ آپ بتائیں مجھے بس۔'' وہ ان کے دونوں ہاتھ کھینچتے ہوئے ضد
''ایسی کوئی بات نہیں۔ بس دونوں کی طبیعت میں ضد زیادہ ہے اور کچھ ہٹ دھرمی۔ اور اس کے علاوہ
''ہرگز نہیں۔ ماما ہر جھگڑے میں صاف صاف کہتی ہیں کہ پاپا انہیں پسند نہیں کرتے پہلے دن سے۔ ا کو جھٹلاتے نہیں بلکہ اون کرتے ہیں۔''
''کیا کرتے ہیں؟'' ثریا خاتون اس کے آخری لفظ پر ٹھٹکیں۔
''افوہ، مطلب اقرار کرتے ہیں۔''
''میرے بچے! جہاں تُو اتنا کان لگا کر سنتی ہے ان کی باتیں، وہاں دو چار اسی طرح ضد کر کے پوچ ان دونوں کے بیچ میں کیا ہے۔ اس وقت تو صاف بات ہے، تمہاری دادی اللہ بخشے میری نند نے خود سے تھا بلکہ بتایا تھا کہ وہ یہ رشتہ محمود کے کہنے پر ہی لائی ہیں۔ بڑی دھوم دھام سے شادی بھی ہوئی۔ شادی کے کیسے یہ شیطانی وسوسے آ گئے کہ ہر گھڑی تلوار سونتے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہتے ہیں۔ ثر

سمجھانے کی کوشش کی۔ جھگڑے کی وجہ جاننے اور اسے سلجھانے کی کوشش کی، پر سچی بات ہے، جس گتھی کا کوئی سرا ہی نہ ہو، وہ کوئی کیا سلجھائے گا؟ پھر تھک ہار کر سب پیچھے ہٹ گئے۔ آہستہ آہستہ ملنا جلنا بھی واجبی ہو گیا۔ میں ماں تھی، آتی جاتی رہتی تھی۔ پر سارہ کا رویہ بہت خراب تھا۔ صرف اس شک کی وجہ سے نہیں۔ ویسے بھی دولت کی فراوانی نے اس کے دماغ میں کیڑا پیدا کر دیا تھا۔ سگے بھائی بھاوج کو کچھ سمجھتی ہی نہ تھی۔ یہ تو میری بیٹی، پر سچ کہوں، اسے تو ماں کی آمد بھی کسی مطلب کا پیش خیمہ لگتی۔ شروع شروع میں تو میں اس کے چڑچڑے پن کی وجہ سے نظر انداز کرتی رہی، مگر جب اس نے کھلے ڈُلے لفظوں میں احسن کی غربت اور اچھی خوراک کے لئے میرا اس کے گھر آنے کا ذکر کیا تو جانو، میں تو کٹ ہی مری۔ اس دن سے اس دل کو سمجھا لیا کہ اب چاہے کچھ بھی ہو، سارہ کے گھر کا رخ نہیں کرنا۔ میری بہو، اللہ اسے زندگی دے اور زندگی کی سب نعمتیں بھی، غریب گھر کی ہے مگر دل بادشاہوں والا ہے۔ کڑے سے کڑے وقت میں بھی میں نے اس کے چہرے پر غصہ، کوفت یا مجھ سے بیزاری نہیں دیکھی، ورنہ......."

"نانو! فار گاڈ سیک۔ میں آپ سے کیا پوچھ رہی ہوں، آپ ممانی جان کی تعریفیں کرنے بیٹھ گئی ہیں۔ ماما کو پیسے کا غرور ہے تھوڑا بہت۔"

"تھوڑا بہت نہیں میری بچی! بہت زیادہ۔ تُو بیٹی ہو کر تھوڑے بہت کی رعایت دے رہی ہے، ورنہ میں ماں ہو کر جانتی ہوں، دولت کی چربی نے اس کی آنکھوں سے کھرے کھوٹے، اپنے پرائے کی پہچان مٹا دی ہے۔ چھوٹے آدمی سے وہ ملنا پسند نہیں کرتی۔" وہ صاف گوئی سے تنک کر بولیں۔

"نانو! آپ میری بات نہیں سمجھ رہیں۔ حالانکہ مجھے پتہ ہے، آپ کو سب معلوم ہے، مگر آپ مجھے بتانا نہیں چاہ رہیں۔ نہ بتائیں۔ اگر ان دونوں کے جھگڑے یونہی چلتے رہے تو یقین کریں، کسی دن آپ کو اپنی اس فالتو نواسی کی خودکشی کی خبر مل جائے گی، پھر رو دیجئے گا میری جواں مرگی پر بین ڈال ڈال کر۔" وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولی تو ثریا خاتون نے اس کو دو ہتھڑ جڑ دیئے۔

"خاک تیرے منہ میں۔ جیسی منہ پھٹ ماں، ویسی بیٹی۔ سنگ دل، ظالم، اپنے جذبات کی پروا ہے بس، اپنے دل کی خبر۔ دوسروں کے جذبات کو چاہے پیروں کے نیچے روند ڈالیں۔ خبردار، آئندہ ایسے منحوس کلمے منہ سے نکالے تو۔"

اسی وقت باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔

"کلمے میں منہ سے نکال چکی، اب تو آپ نے صرف سننا ہے یا میرے جنازے میں شرکت کرنی ہے۔ ان دونوں کے جھگڑے میری جان لے کر رہیں گے۔ سن لیں۔"

اسی وقت محمود عالم کمرے میں داخل ہوئے۔ تیز تیز بولتی عزہ کو وہیں پر بریک لگ گئے۔

"چلو اٹھو۔ گھر نہیں چلنا؟" وہ ثریا خاتون کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے عزہ سے بولے۔ پیچھے کھڑے تنزیل نے ان کے سپاٹ چہرے کو ایک نظر دیکھا اور واپس مڑ گیا۔

"آؤ، آؤ بیٹا! بیٹھو دو گھڑی میرے پاس بھی۔ دیکھو تو یہ کیا میرا سر کھا رہی ہے۔ تم دونوں سمجھ دار، پڑھے لکھے ہو کر اپنے جھگڑوں کے دوران اس کے وجود کو کیوں بھول جاتے ہو؟ اب یہ نا سمجھ بچی نہیں جو یہ سارا تماشا دیکھ کر سہم کر کہیں چھپ جائے گی۔"

ثریا خاتون انہیں دیکھتے ہی بولنے لگیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عزہ کو ایسی بارعب نظروں سے دیکھا کہ وہ اگلے پل نانی کے بستر سے اتر کر پیروں میں جوتے پہنتے ہوئے انہیں سلام کر کے باہر نکل گئی۔

"اے لو، حد ہو گئی۔ رہنے دو اسے آج کی رات نانی کے پاس۔ یہ کوئی ٹائم ہے کہیں جانے کا؟ پہلے جاتے وقت مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ اسے ادھر ہی بھولے جا رہے ہیں اور اب......."

"اچھا ممانی جان! پھر بھی آؤں گا۔ آپ کسی دن چکر لگا لیجئے گا۔" وہ ان کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پل بھر کو ان کے پاس رکے۔ سلام کیا اور جواب سنے بغیر باہر نکل گئے۔

تنزیل اپنے کمرے کی چوکھٹ پر کھڑا شاید ان کے جانے کا منتظر تھا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے، اس نے فوراً دروازہ بند کیا اور اندر چلا گیا۔ راستہ بھر دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔

ساڑھے بارہ کا ٹائم تھا، جب ان کی گاڑی گھر کے گیٹ میں داخل ہوئی۔ اندر سے ڈاکٹر فرحان باہر نکل رہے تھے۔

"اچھا ہوا سر! آپ آ گئے۔ بیگم صاحبہ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ ابھی تو میں نے انہیں سکون آور دوا دے دی ہے۔ انہیں استھما کے دورے زیادہ پڑنے لگے ہیں اور دورے کی شدت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے میری ایڈوائز ہے، آپ انہیں کچھ دن انڈر آبزرویشن رکھوالیں۔ میں نے میڈیسن لکھ دی ہیں، وہ آپ منگوا لیں۔" ڈاکٹر فرحان اپنے پیشہ وارانہ انداز میں ان کے پاس رک کر بولے۔ جواب میں محمود عالم نے سر اثبات میں ہلایا اور آگے بڑھ گئے۔

عزہ تیزی سے سارہ کے بیڈروم کی طرف بڑھی۔ وہ سر کے نیچے تکیوں کا ڈھیر رکھے، نیم غنودگی میں تھی۔

محمود عالم نے کمرے کے باہر سے گزرتے ہوئے ایک نظر سارہ کو دیکھا اور اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئے۔
اسٹڈی روم کے ساتھ ہی ان کا بیڈ روم بھی تھا۔ ویسے جھگڑوں کے بعد وہ عام طور پر وہیں رات بسر کیا کرتے۔ زیادہ تر وہ وہیں شب بسری کیا کرتے تھے۔

''ماما! آپ ٹھیک ہیں؟ کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟'' وہ ان پر جھک کر ماتھا چومتے ہوئے بے قراری سے بولا۔ تک کی ماں کی ناراضی وہ فراموش کر چکی تھی۔

سارہ نے ایک اجنبی سی نظر اس پر ڈالی اور ذرا سا رخ پھیر کر آنکھیں بند کر لیں۔ عزہ کا دل جیسے دکھ سے بھر گیا۔ میں یہ خیال جڑ پکڑنے لگا، وہ فالتو ہے۔ ان دونوں کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ وہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے بڑھ گئی۔

✻◉......◉✻
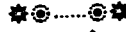
''آغا جان! آپ عمرہ کر کے واپس آ جائیں گے نا؟'' وہ انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔ راستے میں کئی دفعہ سو بار دہرایا گیا سوال دہرا رہا تھا، جس کا ہر بار جواب اسے آغا جان کی پھیکی سی زیر لب مسکراہٹ سے ملا تھا۔

''کہاں آؤں گا واپس؟'' وہ جیسے زچ ہو کر بولے تھے۔

''یہیں لندن، میرے پاس۔'' وہ ان کی جانب دیکھ کر بولا۔

''یہاں اب کیا رکھا ہے؟'' وہ افسردگی سے بولے۔

''میں تو ہوں نا۔ کیا میرا ہونا آپ کے لئے کچھ معنی نہیں رکھتا؟''

''تمہارا ہونا ہی تو اب مجھے زندہ ہونے کا احساس دلا رہا ہے۔ مگر میرے بیٹے! مجھے معاف کر دینا، میں اب واپس نہیں آؤں گا۔ بلکہ اب مجھے ادھر واپس پلٹنا ہے، جہاں سے میں چلا تھا۔ سچ کہا ہے کسی نے، یہ دنیا گول ہے اور آدمی اپنی خواہشات کی اس کی گولائی کے گرد گھومتا رہتا ہے اور جیسے ہی اسے یہ خیال ستانے لگتا ہے کہ اب اس لاحاصل سفر کا اختتام ہونے کو ہے، وہ اسی نقطۂ آغاز پر پہنچ جانے کو بے تاب ہونے لگتا ہے، جہاں سے اس نے یہ سفر شروع کیا تھا۔ اب مجھے بھی میرا اندر حکم دے رہا ہے، آغا فیاض! واپس چلو، تمہارے ہر سفر کا اختتام ہونے کو ہے۔ کم از کم نقطۂ آغاز کی مٹی کو تو چھو لو گے۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

''آغا جان! کیا یہ مایوسی نہیں؟''

''شام........ میرے بیٹے! جب زندگی سر پر ڈھلنے لگتی ہے تو رات سے پہلے اپنی عمر جی لینے والا ہر بوڑھا دل ایسا ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی سے ہر توقع، ہر امید کٹنے لگتی ہے۔ اس کی ساری منصوبہ بندی، خواب، تعبیریں، امیدیں، خواہشیں دم توڑنے لگتا ہے۔ ہر اس خواب کا سلسلہ ٹوٹنے لگتا ہے، جو دنیا کے معاملات سے وابستہ ہو۔ پھر تو بس آگے کی جستجو اور زندگی کی ہر پہیلی بوجھ کر اسے موت کی مسٹری اپنی طرف کھینچنے لگتی ہے، اسی لئے تو زندگی کی کشش کم ہونے لگتی ہے۔''

''آغا جان! آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ آپ تو میرے حوصلے کو بھی کمزور کر رہے ہیں۔'' وہ مرجھائی ہوئی آواز میں بولا۔

''قطعاً نہیں۔ میں تو تمہیں زندگی کی حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں۔ اور یار! بوڑھے بندے کے پاس اور ہوتا کیا ہے۔ زندگی میں محبوبہ اپنا خوب صورت عروسی لباس بدصورت حقائق کی صورت میں تار تار کرتی ہے اور ان حقائق کا سامنا کرتے کرتے جب بندہ جیتے جی بھی مرنے لگتا ہے تو موت اسے کسی ان دیکھی دل فریب حسینہ کی مانند نظر آتی ہے، جس کے دلربا اشارے اسے زندگی جیسی حسینہ سے نجات کا مژدہ سناتے ہیں تو وہ سچ مچ زندگی سے روٹھ جانا چاہتا ہے۔ اور یار! اب میرا کوئی ادھار نہیں اس زندگی پر، جو بھی مل رہا ہے، بونس سمجھ کر وصول کر رہا ہوں۔ تمہاری خوشی دیکھ لوں گا تو سمجھو، ڈبل بونس وصول کر لیا۔ اب تم بھی جلدی سے کوئی خوش خبری سنانا۔ میری مانو تو پاکستان آ جاؤ، دو چار سالوں بعد بھی تو آؤ گے نا، ابھی میرے ساتھ آ جاؤ۔'' وہ اسے بہلانے کے انداز میں بولے۔

''آپ پاکستان کس کے پاس جائیں گے؟ آپ تو کہہ رہے تھے، اب پاکستان میں آپ کا کوئی خاص رشتہ دار بھی نہیں۔''

''اس مٹی سے بڑھ کر تو واقعی کسی سے میرا تعلق نہیں۔'' انہوں نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا لیا اور خلا میں کچھ تلاشنے لگے۔

''پھر؟''

''پھر کچھ بھی نہیں۔ وہاں جا کر تمہارا انتظار کروں گا۔''

''آپ دائم کے پاس چلے جائیے گا۔ دو بار اس کا فون بھی آ چکا ہے۔ ایڈریس تو ہے نا آپ کے پاس؟''

''پہلے تو یار! مجھے اپنے رب سے ملنا ہے جا کر۔ دعا کرو، وہ میری توبہ قبول کر کے مجھے گناہوں سے پاک کر دے اللہ

نصیب ہوں گا میں، اگر اس پاک مٹی کا حصہ بن جاؤں تو اور کیا چاہئے مجھے۔ زندگی سے ہر گلہ جاتا رہے گا۔" وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

پھر راستہ بھر انہوں نے اور کوئی بات نہیں کی۔ بس ایک دو بار اسے اپنا خیال رکھنے اور ساتھ چلنے کو کہتے رہے۔

"اسامہ! تم مجھے اس دنیا میں سب سے بڑھ کر ہو۔ اپنا خیال رکھنا اور میرا مشورہ مانو تو میرے ساتھ ہی چلو۔ یا جلدی آ جانا۔ انتظار اگر طویل ہو جائے تو روگ بن جاتا ہے۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے الوداعی لمحات میں کہہ رہے تھے۔

"جانتا ہوں۔ پتہ نہیں، انتظار ہے بھی کہ نہیں۔" وہ لبوں میں ہولے سے بولا۔

"زندگی کے بہت سے معاملات تب بگڑتے ہیں، جب بہت کچھ ہم خود ہی فرض کر لیتے ہیں۔ اگر ہم دوسروں کے بارے میں مفروضے قائم کرنے کے بجائے حقیقت کو جاننا چاہیں تو بہت سی مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔ میری بات پر غور کرنا اور اپنا خیال رکھنا۔ جیسے ہی اپارٹمنٹ چھوڑو، مجھے نیا ایڈریس فوراً دینا۔ اللہ کی امان میں دیا تمہیں۔ اس کے گھر جا کر بھی تمہارے لئے بے شمار نعمتوں کی دعا کروں گا۔ اللہ حافظ میرے بچے!"

وہ نم آنکھوں سے اس کی آنکھوں کی نمی سے نظریں چراتے آگے بڑھ گئے۔ اس پل اسامہ کا جی چاہا، دوڑ کر ان سے لپٹ جائے، انہیں کہیں نہ جانے دے۔ پتہ نہیں کیوں، اسے لگ رہا تھا، وہ اب دوبارہ انہیں کبھی نہیں دیکھ پائے گا۔ یہ مہربان صورت جو اب اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی تو پھر کبھی نظر نہیں آئے گی۔

"آغا جان! رک جائیں۔ نہ جائیں۔" وہ انہیں بے آواز صدا سے پکارنے لگا۔

بہت نڈھال، بہت پژمردہ لوٹا تھا وہ۔ اسے لگا، وہ پوری دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے، بالکل تنہا۔

اسے اسی ہفتے یہ اپارٹمنٹ بھی خالی کر دینا تھا۔ اسے ضرورت کی بس تھوڑی ہی چیزیں ادھر سے اٹھانا تھیں، جو زندگی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ وہ ناگزیر ہستیاں تو دور جا چکی تھیں۔ ان لمحوں میں اس کا جی چاہ رہا تھا، وہ فوراً آغا جان کے مشورے پر عمل کر کے پاکستان جانے کی تیاری کر ڈالے۔

کال بیل دوسری بار بجی تو اسے مجبوراً اٹھنا ہی پڑا۔

لائبہ کے ساتھ میڈم یاقوت اپنے خوب صورت، باوقار سراپے کے ساتھ کھڑی اسے پہلی نظر میں متاثر کر گئیں۔

"میٹ مائی مام اسامہ!" لائبہ نے بڑی شوخ آواز میں میڈم یاقوت کا تعارف کرایا تھا۔

"آیئے پلیز، اندر آیئے۔" سلام کرتے ہوئے وہ انہیں اندر لے آیا۔

"یہ تمہارے آغا جان سے ملنے آئی ہیں اور آبگینے کا افسوس کرنے بھی۔" لائبہ نے بیٹھنے سے پہلے ہی کہہ ڈالا۔

"اوہ... پھر تو انہوں نے دیر کر دی۔" پتہ نہیں کیوں، وہ نظر بھر کر میڈم یاقوت کے لو دیتے مکمل بھرپور حسن کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

"کیا مطلب، آغا جان؟" لائبہ بیٹھتے بیٹھتے رک گئی۔

"ابھی انہیں ایئر پورٹ سی آف کر کے آ رہا ہوں۔ عمرہ کرنے گئے ہیں، سعودیہ۔"

"تم نے بتایا بھی نہیں۔" وہ حیرت سے بولی۔

"تم بھول رہی ہو، میں نے دو تین بار تم سے ذکر کیا تھا۔ پھر ان کا اصرار اتنا زیادہ تھا کہ مجھے جلدی میں ٹکٹ کنفرم کرانا پڑا۔ اور آپ سنائیں آنٹی! کیسی ہیں؟ ویسے آپ کو آنٹی کہنے کو جی نہیں چاہ رہا۔" اس نے صاف گوئی سے کہہ ہی ڈالا تو لائبہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور میڈم یاقوت کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ لو دینے لگی۔

"دیکھا، لگتا نہیں کہ یہ میری مام ہیں۔ کتنی چارمنگ ہیں۔"

"لائبہ!" میڈم یاقوت نے پیار سے بیٹی کو دیکھا۔

"کیا تواضع کروں آپ کی؟ چائے، کافی یا فروٹ؟"

"نو تھینکس۔ اس وقت کچھ نہیں۔ ابھی ہم شاپنگ کے لئے نکل رہے تھے۔ راستے میں سوچا، آغا جان سے ملتے چلیں۔ کل مام واپس جا رہی ہیں۔" لائبہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"تم بھی جا رہی ہو ساتھ؟"

"نہیں، میں وعدے پر ٹرخائی جا رہی ہوں۔ صرف دو ماہ کا وعدہ لیا ہے ان سے۔ ذرا بھی دیر ہوئی تو میں خود بھی اکیلی سفر کر سکتی ہوں۔ مما کو پتہ ہے۔"

"پتہ ہے مجھے۔ چلو اب چلیں۔ دیر ہو رہی ہے۔ او کے بیٹا! ہم چلتے ہیں۔ رات کو ٹائم ہوا تو ہماری طرف چکر لگا لینا۔" وہ جاتے جاتے اسے دعوت دے گئیں۔ وہ سر ہلا کر انہیں دروازے تک چھوڑنے گیا۔

✲۞......۞✲
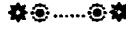
''لائبہ! اسامہ اچھا لڑکا ہے۔'' وہ انہیں ایئرپورٹ پر سی آف کرنے آئی تھی، جب فلائٹ کی روانگی سے تھوڑی دیر پہلے نے کہا۔

''یس مام!'' وہ لاپروائی سے چیونگم چباتے ہوئے بولی۔ ''ویسے مام! یہ کوئی بات نہ ہوئی۔ صرف چار دن۔ مما نے آپ سے کوئی بات بھی نہیں کی۔'' وہ ان کے کندھے سے جھول کر بولی۔

''تمہاری ٹھیک طرح سے بات تو کبھی پوری نہ ہوگی۔ اچھا دیکھو، اگر انکل جہانگیر سے تمہاری بات ہو تو یہ آگے ذکر نہ کرنا۔ میں خود جا کر دیکھوں گی۔''

''آئی نو مام! مجھے پتہ ہے۔ ویسے آپ کیا کریں گی؟''

''یہ میرا ہیڈک ہے۔ تم نے غلطی کی۔ اگر تم مجھے دائم کے پیرنٹس سے ملا دیتیں تو مجھے ذرا سہولت رہتی اس سارے معاملے اور سمجھانے میں۔''

''مام! دراصل اس کی مدر ڈاکٹر ہیں نا۔ ڈاکٹر رخشندہ۔ وہ ایک سیمینار میں شرکت کے لئے آئرلینڈ گئی ہوئی تھیں، ورنہ آپ کو ملوا دیتی۔'' لائبہ کہہ رہی تھی اور میڈم یاقوت کو لگا، کسی نے انہیں دس ہزار وولٹ کرنٹ کے تار سے جھٹکا دیا ہے۔ وہ آنکھوں سے لائبہ کو دیکھ رہی تھیں۔

''کک...... کیا نام لیا تم نے؟'' وہ چند ثانیے کے بعد اپنی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بہ دقت بولیں۔

''کس کا نام؟'' لائبہ ان کے چہرے کو کچھ حیرانی سے تکتے ہوئے بولی۔

''اس لڑکے کی مدر کا؟'' وہ لبوں میں بڑبڑائیں۔

''ڈاکٹر رخشندہ۔''

''دائم ان کا اکلوتا بیٹا ہے؟'' وہ جیسے ٹرانس زدہ لہجے میں بولیں۔

''یس مام!''

''ڈاکٹر رخشندہ کے شوہر کا نام........ مصطفیٰ احمد ہے؟''

''یس۔ آپ کو کیسے معلوم ہے؟'' وہ حیرت اور خوشی سے بولی۔

وہ چند لمحے چپ چاپ اس کی صورت دیکھتی رہیں۔ اسی وقت ان کی فلائٹ کی روانگی کا اعلان کیا گیا۔ انہوں نے بیگ اٹھایا اور آگے چل پڑیں۔

''مام! کیا بات ہے؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' وہ بے قرار ہو کر ان کے پیچھے لپکی۔

''لائبہ! تم دائم کو بھول جاؤ اور اب اس حوالے سے زندگی بھر کبھی اس کا ذکر نہ کرنا۔'' وہ سرد لہجے میں لفظ چبا چبا کر بولیں۔

''مام........!'' لائبہ کی آنکھیں پھٹ جانے کو تھیں۔

''اسامہ اچھا لڑکا ہے، ورنہ اور بہت۔ مگر........ دائم نہیں، کبھی نہیں۔ انڈراسٹینڈ، اینڈ بائے۔ ٹیک کیئر۔'' وہ اس کا گال ہلکے سے چھو کر اسے پتھر بنا چھوڑ کر آگے بڑھ گئیں۔

۞

میں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔'
جہاز نے رن وے چھوڑ کر ابھی اُڑان بھری تھی کہ پچھتاوؤں کے بھنور میں ان کا دل اُبھرنے، ڈوبنے لگا۔
'جانا ایک دو دن کے لئے ملتوی بھی ہو سکتا تھا۔ زندگی بھر کی ریاضت........ جس پل، جس گھڑی کا انتظار اس دلِ نامراد کو سالوں سے تھا، ایک لمحے کی حماقت جلد بازی میں گنوا آئی۔ یہ میں نے کیا کیا؟ کیوں کیا؟........ واپسی اتنی ضروری تو نہیں تھی، جتنا ضروری وہاں ٹھہرنا۔ آخر میں نے یہ بے وقوفی کیوں کی؟'
ان کا جی چاہ رہا تھا، اُڑتے جہاز سے نیچے چھلانگ لگا دیں۔
'اور اس بے وقوف لڑکی نے بھی مجھے آخری لمحے میں بتایا یہ سب........
اس معصوم کو کیا خبر کہ اس خبر سے اس کی ماں کی سانسوں کی ڈور بندھی ہے۔ اس خبر کو پانے کے لئے تو وہ ہر گھڑی جان کی بازی لگا دینے کو تیار ہے اور مجھے یہ خبر ملی بھی اور میں احمقوں کی طرح اٹھ کر جہاز میں آبیٹھی۔ یا اللہ! ابھی اس سزا کا اور کتنا دورانیہ باقی ہے؟ اور جو ختم ہونے کی امید قائم ہوئی تو میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی طوالت کو مزید کھینچ کر نہ جانے اور کتنے سالوں پر محیط کر دیا۔ مجھ جیسی پھونک پھونک کر قدم رکھنے والی، محتاط سوچ کے ساتھ ایک ایک باریکی کا خیال رکھنے والی سے یہ غلطی کیسے سرزد ہو گئی؟'
پچھتاوے تھے کہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا، وہ زندگی کی بازی ہار کر جا رہی ہیں۔
'دائم تو پاکستان میں ہے۔'' اندھیرے میں امید کی کرن چمکی۔
'اس کو ڈھونڈنا کون سا آسان ہو گا؟ ایک اور طویل، تھکا دینے والی مشقت۔' انہیں بے پناہ کوفت کا احساس ہوا۔
'لگتا ہے آج میری ساری عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے۔' چند لمحوں بعد انہیں ایک بار پھر حماقت کا احساس ہوا۔
'دائم کا پتہ، لائبہ کے ذریعے چل سکتا ہے۔ وہ اس کے پیرنٹس سے مل کر سب معلومات مجھ تک پہنچا سکتی ہے۔' ان کے ذہن میں نئی سوچ آئی۔ 'یہ ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک۔ اور اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہو گی، جو میری ڈاکٹر رخشندہ سے ملاقات نہیں ہو سکی........ لیکن........ یہ ملاقات اب بہت دنوں تک ٹل نہیں سکتی۔ مجھے بہت جلد آنا ہو گا اس عورت سے ملنے۔ بہت جلد۔' انہوں نے اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ اور ایک فلم سی ان کی نگاہوں کے سامنے چلنے لگی۔
'اور یہ لائبہ کیسی حماقت کرنے چلی ہے۔ دائم سے محبت........ بے وقوف لڑکی۔ اسامہ اچھا لڑکا ہے۔ پھر کوئی آگا پیچھا بھی نہیں۔ ایسے لڑکے ہی اچھے شوہر ہوتے ہیں۔ پھر جو مجھے خوف چند دنوں سے محسوس ہو رہا تھا کہ لائبہ کی شادی کے سلسلے میں جس ذہنی اذیت سے گزرنا پڑے گا اور جس سے میں بچنا چاہتی ہوں۔ اس مسئلے کا بھی حل نکل آئے گا۔ مگر یہ لائبہ کو کون سمجھائے گا؟ کم بخت محبت کا بھوت سمجھنے سمجھانے سے کہاں سر سے ٹلتا ہے بلکہ اسے تو اور ضد ہو جاتی ہے۔' انہوں نے تھک کر سوچا۔
'لیکن نہیں، سمجھنے سمجھانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ مجھے پتہ ہے۔'
ان کے بھرے بھرے لبوں پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ اُبھری تھی اور دل میں سرشاری کی بھیگی سی لہر نے سر اٹھایا تھا۔ انہیں لگا، ان کی بے انت مسافت کا اختتام قریب ہے۔ سب ریاضتوں کا اجر ملنے کو ہے۔ مگر یہ سب آسان کب ہے؟ جس دلدل میں، میں خود کو پھنسا چکی ہوں، اس سے نکلنا آسان........ ناممکن ہے۔ پھر تو یہ تلاش فضول ہے۔ اپنے گلے میں ایک پھندا اور ڈالنے والی بات۔' انہوں نے نہایت افسردگی سے سوچا۔ 'اور اس کے بغیر بھی سانس لینا دوبھر ہے۔'
ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورتِ حال کو وہ کس رخ سے ہینڈل کریں کہ ان پر آنچ بھی نہ آئے۔ جبکہ ایسا کسی صورت بھی ممکن نہیں تھا۔
'دنیا کا، زندگی کا پہلا اصول ہی یہی ہے۔ انسان وہی کچھ کاٹتا ہے جو کچھ وہ بوتا ہے۔ اور اس دنیا نے میرے ساتھ کیا کیا، اس پر کون نظر کرے گا؟ میرے دکھ کو کون سمجھے گا؟........ اذیت کے اس صحرا سے کون گزرنا پسند کرے گا، جس سے میں گزر آئی ہوں؟ اگر کوئی نخلستان سراب جیسا ہی سہی، دکھائی پڑتا ہے تو تقدیر کہتی ہے، منہ موڑ جاؤ۔ کیسے؟........ کیسے میں یہ سب کر سکتی ہوں؟ ایک عمر کا

انتظار لاحاصل رہ جائے گا۔نہیں، ہرگز نہیں۔اب میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔کسی بھی اندیشے، خوف اور وسوسے کو اپنے لئے پیش نہیں کروں گی۔

دنیا نے جو کچھ میرے ساتھ کیا، میں وہی کچھ تو لوٹا رہی ہوں۔بلکہ خسارہ تو میرے حصے میں آیا ہے۔ایک لمبا اور اختتام بھی خوف اور وحشتوں کا مجموعہ۔دکھ کی فصل تو میں نے کاٹی ہے۔کس نے میرا ساتھ دیا؟ حتیٰ کہ اپنے سائے سو مجھے بھی کسی کی پروا نہیں ہونا چاہئے۔اور........ مجھے ہے بھی نہیں۔'

انہیں لگا، ان کا دل ایک مدت بعد بہت سارے بوجھ سے آزاد ہوا ہے۔اصل میں ہمارے دل پر بوجھ کافی ہوتا ہے۔اگر ہم خود ایمان داری سے جائزہ لیں تو آدھے سے زیادہ غم خود ہی جھٹک کر اتار پھینکیں۔میڈم یاقوت نے ایسا ہی کیا۔ان خود ساختہ غموں کو جھٹک کر خود سے دور کر دیا۔وہ ان لمحوں میں اب ایک ہی بات، ایک ہی نکتے کی سوچ 'دائم! اور بس۔مجھے ہر صورت اس تک پہنچنا ہے۔کاش، میں چند ماہ پہلے لندن کا چکر لگا لیتی تو شاید....انہوں نے 'ابھی بھی بہت دیر نہیں ہوئی۔میرا دل کہہ رہا ہے۔'وہ لبوں میں گنگنائیں اور کھڑکی سے باہر آسمان کی وسعتوں آگے کی پلاننگ کرنے لگیں۔

❁○......○❁

''عزہ! یہاں بیٹھی ہو، کلاس بنک کر کے۔'' سعدیہ کالج کے اس اکیلے گوشے میں بھی اسے ڈھونڈتے ہوئے والا ٹاپک تم نے پہلے سے پڑھ رکھا ہے؟'' وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے بولی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ گھاس کے تنکے توڑتے ہوئے پھیکے سے لہجے میں بولی۔

''کیا بات ہے؟ آر یو آل رائٹ؟'' سعدیہ نے ذرا جھانک کر اس کا جھکا ہوا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

''آئی ایم فائن۔'' اس نے جبراً مسکراتے ہوئے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''لگ تو نہیں رہیں۔'' وہ مشکوک لہجے میں بولی۔

''لگنے کا کیا ہے، اکثر جو لگتا ہے، ویسا ہوتا بھی نہیں۔شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔لیکن یار! غلط میں بھی نہیں۔میں ہوں۔بس۔'' وہ کندھے اُچکا کر لان میں دُور تک دیکھنے لگی۔

''بس کچھ غائب دماغ سی لگ رہی ہو۔میں پہلے پیریڈ سے نوٹ کر رہی ہوں۔'' سعدیہ جلدی سے بولی تو عزہ نے کے مشاہدے کی داد دی۔

''ہاں، کچھ ایسا ہی مجھے بھی فیل ہو رہا ہے۔'' اس نے فوراً ہی اعتراف کر لیا۔

''اس غائب دماغی کی وجہ؟''

''معلوم نہیں۔'' وہ ایک بار پھر کندھے اُچکا کر بولی۔

''انسان تب ہی غائب دماغ ہوتا ہے، جب گرد و پیش سے اس کا دماغ کسی اور مسئلے میں اُلجھا ہو۔اب تمہارا دماغ میں اُلجھا ہوا ہے، یہ تمہیں پتہ ہوگا۔'' وہ کتنا درست کہہ رہی تھی۔

''یار! تم سائیکالوجی کیوں نہیں رکھ لیتیں؟'' عزہ نے اس کے گھٹنے کو ہلا کر مذاقاً کہا۔

''آئی ایم سیریس۔کیا گھر میں کوئی پرابلم چل رہا ہے؟'' وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی۔

''نہیں یار! ہمارے گھر میں کیا پرابلم چلنا ہے۔پاپا بزی، میں بزی۔اور گھر میں ہے کون؟'' وہ پھیکی سی ہنسی کے کر بولی۔

''اور تمہاری ماما بھی تو ہیں۔'' سعدیہ نے گویا اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔عزہ نے بے اختیار کن انکھیوں سے دیکھا کہ اس کو اس مسئلے کی کس حد تک خبر ہو سکتی ہے۔اس کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔

''ہاں...... ماما۔'' اس نے کھینچ کر لمبا کیا۔''دراصل میں رات ماما کی طبیعت بھی کچھ خراب ہوگئی تھی، اسی وجہ سے سوئے ہم کچھ۔ماما کی طرف سے دل پریشان تھا، اسی وجہ سے ادھر آ بیٹھی۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر توجیہ پیش کی۔

''کیا زیادہ طبیعت خراب ہوگئی تھی ان کی؟'' وہ اسی ہمدردانہ لہجے میں بولی۔

''ہاں۔کچھ زیادہ۔'' اس نے سر جھکا کر اعتراف کیا۔

''تو تم آج چھٹی کر لیتیں، ان کے پاس رہتیں۔'' سعدیہ نے وہ مشورہ دیا، جس کا خیال اسے ایک بار آیا بھی تھا رویے کو دیکھ کر اس نے کالج جانے میں ہی عافیت جانی۔

''ہاں، میں تو کہہ رہی تھی۔مگر ماما کہنے لگی۔تمہاری اسٹڈیز کا حرج ہوگا، چلی جاؤ۔'' کہتے کہتے....

آنکھ کے گوشے میں نمی سی اتر آئی۔

"ہاں، تمہیں کریز بھی تو ہے ناپ کرنے کا۔" سعدیہ کا دھیان، آنکھ کی نمی کی طرف نہیں گیا تھا۔ "تمہاری ماما نے سوچا، ذرا کمی رہ گئی مارکس میں تو تم ان ہی کو موردِ الزام ٹھہراؤ گی۔ بہتر ہے کالج ہی چلی جاؤ۔" عزہ نے سر جھکا لیا۔ کچھ بولی نہیں۔

"اگلے ماہ سے باسکٹ بال کا ٹورنامنٹ اسٹارٹ ہو رہا ہے۔ ابھی میں نوٹس بورڈ سے پڑھ کر آئی ہوں۔ تم تو حصہ لو گی، ظاہر ہے۔" ٹٹولنے والے انداز میں کہنے لگی۔ عزہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم نے پڑھا؟" وہ اس کی خاموشی پر بولی۔

"ہاں پڑھا ہے۔" وہ بے دلی سے بولی۔

"پھر؟"

"دیکھو۔" وہ دُور جامن کے اونچے درخت کی شاخ پر بیٹھی سرمئی چڑیا کو اِدھر اُدھر پھُدکتے دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟ دل زیادہ اُچاٹ ہو رہا ہے تو گھر چلی جاؤ۔" سعدیہ اس کی بے دلی کو ماں کی بیماری کی پریشانی پر محمول کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں، میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ لیکن اگلے پیریڈ کے بعد۔ سر ہاشم کا پیریڈ میں نہیں چھوڑ سکتی۔ تمہیں معلوم ہے، وہ فوراً پاپا کو شکایت جڑ دیں گے اور پاپا ہر غلطی معاف کر سکتے ہیں، اسٹڈیز سے لاپروائی نہیں۔"

اسے پتہ تھا، یہ توطیت اب کسی مصروفیت میں گم ہو کر ہی اس کا پیچھا چھوڑ سکتی ہے، اس لئے اس نے باقی کے تمام پیریڈز اٹینڈ کرنے کا فیصلہ کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب کیا ہوا؟" سعدیہ حیرانی سے بولی۔

"چلو بھئی، سر ہاشم کی کلاس اسٹارٹ ہونے والی ہے۔" اس نے کلائی پر بندھی گھڑی اس کے آگے کی تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁◉......◉❁
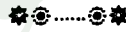
"تم آج آفس سے چھٹی کر لیتے تنزیل!" یاسمین نے اس کے آگے ناشتہ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی تیار ہو کر کچن میں داخل ہوا تھا۔

"کیوں امی! خیریت؟" وہ ناشتے کی ٹرے اٹھاتے ہوئے رک گیا۔

"اپنے ابو کو چیک اپ کے لئے لے جاتے۔ پچھلے چھ مہینے سے ان کا چیک اپ نہیں ہوا۔ ساری رات بے چین رہے ہیں درد سے۔ اب تو یہ والی دوا بھی کچھ خاص اثر نہیں کرتی۔" وہ اب مگوں میں چائے انڈیل رہی تھیں۔

"آپ کو مجھے ایک دو دن پہلے بتانا چاہئے تھا۔ نئی جاب ہے، ایسے تو میں چھٹی نہیں کر سکتا۔ کیا زیادہ تکلیف ہے ابو کو؟" وہ قدرے بے چین سا ہو کر بولا۔

"ہے تو زیادہ ہی بیٹا! تمہیں پتہ ہے، کم از کم رات کو درد زیادہ بھی ہو تو وہ شور نہیں مچاتے، برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن خیر..... تم ناشتہ کرو، تمہاری بات بھی درست ہے۔ نئی نوکری ہے، یونہی تو چھٹی نہیں کر سکتے۔ لے جاؤں باہر تمہارا ناشتہ؟ ادھر ٹیبل تو باہر اماں کے سامنے رکھی ہے، وہیں بیٹھ کر کر لو۔" وہ اس کی ناشتے کی ٹرے میں چائے کے تینوں مگ رکھ کر باہر لے گئیں تو وہ بھی باہر آ گیا۔

باہر سرخ فرش والا صحن خوب دُھلائی کے بعد چمکا ہوا تھا۔ برآمدے کے ستون سے لپٹی بیلوں کے پتوں سے ابھی بھی پانی کا قطرہ ٹپک رہا تھا۔ چھت کو جاتی سیڑھیاں بھی ابھی گیلی تھیں۔ امرود کے درخت کے نیچے ایک بھی پتا گرا ہوا نہیں تھا۔

"امی! یہ صبح صبح کون سے جنات صفائی کر گئے؟ گھر تو چمک رہا ہے۔" اس نے اندر سے نکلتی تانیہ کو دیکھ کر شرارت سے کہا۔ کلر پر ہلکے رنگ کی کڑھائی والے کلف زدہ سوٹ میں وہ خود بھی بہت نکھری نکھری لگ رہی تھی نم بال کسی آبشار کی صورت اس کی کمر پر پڑے تھے۔ چہرہ میک اپ سے بے نیاز تھا، مگر لبوں پر ہلکا براؤن کلر شیڈ دے رہا تھا۔

"ہاں، تمہیں جنات کے کام ہی لگیں گے۔ کبھی جھوٹے منہ انسانوں کی تعریف بھی کر دیا کرو۔ نہ جی، اس میں اپنی ہتک ہوتی ہے۔" وہ دادی کے پاس تخت پر بیٹھتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔

"صبح سے اٹھی ہوئی ہے، خوامخواہ کی مشقت۔ میں نے کہا بھی کہ میں سب کر لوں گی، تم تھوڑی دیر اور ریسٹ کر لو۔ مگر میری نہیں سنی اماں! اس لڑکی نے۔ آج پہلا دن ہے ادھر دفتر میں بھی۔ نہ جانے کتنا کام کرنا پڑے۔" یاسمین کچھ پیار، کچھ فکرمندی سے بیٹی کا پھول کی طرح کھلا چہرہ دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی نظر اتارتے ہوئے بولیں۔

"اچھا۔ تو یہ جنات کا نہیں، کسی چڑیل کی کارستانی تھی۔ ماڈرن زمانہ آ گیا ہے، امی! آج کل چڑیلیں بھی کتنی صفائی پسند ہو گئی

ہیں۔ ویری اسٹرینج۔" اس نے پھر سے تانیہ کو چھیڑا۔
"جی، جنات تو ہڈحرام ہو گئے ہیں، صبح کو فقط بابو بن کر تیار ہوتے ہیں، ناشتہ، کپڑے، جوتے سب تیار ملا
آفس جا کر دو چار فائلیں نمٹا کر چائے، خوش گپیوں میں ٹائم پاس کر کے آتے ہیں تو بے چارے گھر والے آگے ہوتے
ہیں کہ بے چارے بڑا ہل جوت کر آئے ہیں۔" تانیہ نے اپنا مگ اٹھاتے ہوئے حساب برابر کیا۔
"تانیہ! صبح صبح لڑائی کر کے جانا ہے، دونوں کو اور کوئی کام ہی نہیں آتا۔ اماں! دیکھ رہی ہیں آپ؟" یاسمین۔
کو گفتگو میں شامل کرنا چاہا۔ "آپ کی طبیعت تو اچھی ہے نا اماں؟" وہ قدرے تشویش سے بولیں۔
"ہاں، اچھی بھلی ہوں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر جیسے کسی خیال سے چونکیں۔
"پھر کیا سوچ رہی ہیں؟" یاسمین نے ان کا ناشتہ ان کے آگے کیا۔
"کچھ بھی نہیں۔ یونہی، اس بے وقوف سارہ کا خیال آ گیا۔ رات کو کیا تماشا لگایا اس نے۔ اتنے عرصے بعد
رخ کیا تھا، پھر وہ بے چاری عزہ، وہ کب آتی ہے ادھر؟ اور اس نے دو گھڑی انہیں بیٹھنے نہ دیا۔ ماں کا حال تک پو
ہوئی اسے۔ ساری رات سوچ سوچ کر دل گھومتا رہا۔ ایسی بیٹیاں ہوتی ہیں؟ کبھی بھولے سے ماں کی خبر گیری کی
بیمار بھائی کا کبھی خیال نہیں آیا۔ خدا نے بے انتہا دے رکھا ہے۔ ہر عیش، ہر آرام سے نواز رکھا ہے اسے، پھر بھی نہ
جانے کون سی بے چینیاں اسے گھیرے رکھتی ہیں؟ اب یہاں سے چیخ چلا کر گئی، گھر جا کر الٹا اپنی ہی طبیعت بگڑ
خیال آتا رہا، یہاں سے کیسی وحشت میں گاڑی دوڑاتی لے گئی۔ خیر سے پہنچی بھی کہ........ اللہ اسے ہدایت دے
نے تو کبھی ماں ہو کر اس کی دولت کا لالچ نہیں کیا اور اس کا تو وہ حال ہوا کہ اللہ نے تھوڑے میں زیادہ ڈال دیا تو
ایسا بھی کیا نامراد دولت کا غرور۔"
وہ جیسے خود سے کہے جا رہی تھیں۔ رات سے سوچ سوچ کر ان کا دماغ پلپلا ہو گیا تھا۔ ایک تو سارہ کا رویہ ایسا
دعا لینے کی زحمت نہیں کی۔ حال احوال تو کیا پوچھنا، وہ اچھی خاصی خود کو چور سی محسوس کر رہی تھیں، بہو بیٹے کی نظر
نے ان کے آخری فقرے پر ایک عجیب سی نظر ان پر ڈالی۔
"ایک زمانے میں اماں جی! یہی الفاظ آپ کے میرے لئے ہوتے تھے۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ اللہ
بڑے بول ہمارے ہی منہ پر دے مارتا ہے۔ میری کم مائیگی، کم حیثیتی آپ کو دن رات کھٹکتی اور سارہ کے سامنے
کئی بار مجھے یہ طعنہ دیئے بغیر نہ رہتیں کہ خدا نے میری اوقات سے بڑھ کر میری جھولی میں ڈال دیا ہے، یہ سب
سے بڑھ کر ہے۔ ہے نا اماں جی؟" انہوں نے ایک یاس بھری نظر اس چھوٹے سے صحن پر ڈالی اور جیسے کسی ڈور کے
کر مسکرانے لگیں۔
"تم ساتھ تو کچھ لو نا۔ کیا خالی پیٹ جاؤ گی؟" وہ تانیہ کو جلدی جلدی چائے کے گھونٹ بھرتے دیکھ کر بولیں۔
"امی! صبح صبح ناشتہ کرنا بہت مشکل لگتا ہے مجھے، آپ کو پتہ ہے۔ اچھا، مجھے دیر ہو رہی ہے، میں اب چلوں۔"
کر کے رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
"بال سمیٹ کر جانا۔" یاسمین تنبیہی لہجے میں بولیں۔
"باندھ رہی ہوں امی! فکر نہ کریں۔" وہ کہتے ہوئے اندر چلی گئی۔
"میں ذرا ابو سے مل لوں، جاگ رہے ہیں نا؟" تنزیل اٹھتے ہوئے بولا۔
"نہیں۔ فجر کے بعد تو سمجھو سوئے ہیں۔ میں نے بھی ابھی نہیں جگایا کہ تھوڑا ریسٹ کر لیں۔ ویسے تم ڈاکٹر
ان کے لئے۔ اور اگر ہو سکے تو کل چھٹی بھی۔" وہ پھر سے تاکید کرنا نہ بھولیں۔
"جی امی! میں آج درخواست دے دوں گا چھٹی کی۔ ابو کی دوا تو ہے نا ابھی؟"
"ہاں ایک دن کی تو ہے۔ اسی لئے کہا تھا، دوبارہ چیک کروا لیتے۔ شاید وہ کوئی تبدیلی کر دیتے۔"
"چلیں، کل ان شاء اللہ، چیک کروا دیں گے۔ اچھا دادو! میں اب چلتا ہوں۔" وہ چپ بیٹھی دادی سے بولا
رہ گئیں۔ یاسمین برتن سمیٹنے لگیں۔ تنزیل وہیں ٹہلنے لگا۔
"کیا بات ہے، اب جا نہیں رہے؟" یاسمین کچن کی طرف جاتے جاتے رک گئیں۔
"تانیہ کو ساتھ لے جاتا ہوں نا۔ اسٹاپ تک تو اکٹھے ہی جائیں گے۔" اس نے کہا تو یاسمین مسکرا کر آگے بڑھ
"اللہ دونوں کے پیار و محبت کو اسی طرح قائم رکھے۔" وہ دل میں دعا مانگتے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔
"چلیں۔" جیسے ہی تانیہ دوپٹہ اوڑھ کر شولڈر بیگ کندھے پر ڈال کر باہر نکلی تو تنزیل کو اپنا منتظر پایا تو کچھ

مانے لگی۔

"امی!......دادو!......اللہ حافظ۔ ہم جا رہے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے تنزیل کے ساتھ باہر کی طرف چل پڑی۔

"یاد ہے، جس روز تمہارا پہلا دن تھا آفس میں، ابو صبح سے تمہیں کتنی ہدایات دے رہے تھے۔" گھر سے نکلتے ہی تانیہ نے کہا تو
یل نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"تمہارا آف کتنے بجے ہوگا؟"

"معلوم نہیں۔ شاید پانچ بجے۔"

"مزا آتا ہے بہت۔ ہے نا؟" تانیہ چند لمحوں بعد کسی خیال کے آنے پر بولی۔

ں۔" تنزیل نے کہا۔

پھپھو اور پھوپھا جان کتنے عجیب سے ہیں؟ پھپھو تو جیسے ہر وقت، ہر کسی سے خفا رہتی ہیں۔ لگتی ہی نہیں ابو...... لیکن نہیں۔"
سر ہلانے لگی۔

آج کل تو وہ واقعی ابو کی بہن لگتی ہیں۔ ابو بھی تو ہر وقت ناراض ہی لگتے ہیں۔"

وہ تو اپنی بیماری اور معاشی حالات کی وجہ سے ایسے ہو گئے ہیں۔" تنزیل، باپ کے رویے کی توجیہ دیتے ہوئے بولا۔

پھوپھا جان کی پرسنالٹی دیکھی ہے تم نے، تنزیل! جوانی میں کیا قیامت ڈھاتے ہوں گے۔ حسینوں کے دل انہیں دیکھ کر تھم تھم
دل گے۔ اور پھپھو ہر وقت ان سے آمادۂ جنگ نظر آتی ہیں۔"

یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے۔" تنزیل قدرے رُکھائی سے بولا۔

تمہیں کیا ہوا ہے؟ اتنے رُوڈ سے ہو رہے ہو؟" تانیہ اس کے خشک رویے پر بولی۔

کچھ نہیں۔" وہ اسی طرح پیدل چلتے سامنے دیکھ رہا تھا، جیسے اس موضوع سے پیچھا چھڑا کر کہیں بھاگ جانا چاہتا ہو۔

رات بھی تم کچھ ایسا ہی ری ایکٹ کر رہے تھے، جب ان کے چلے جانے کے بعد ہم سب باتیں کر رہے تھے۔" تانیہ کو یاد آیا،
ات کو بھی ایسے ہی گم صم سا تھا۔

یسی کوئی بات نہیں۔" وہ اب زیادہ تیز چل رہا تھا۔

تنزیل! تم نے کبھی مجھ سے کچھ نہیں چھپایا تو پھر یہ کیا ہے؟" وہ خفا سے لہجے میں بولی۔

کچھ بھی نہیں۔ تمہیں خدا جانے کیا وہم ہو گیا ہے۔" وہ چڑ کر بولا۔

پھوپھا جان نے تمہیں بری طرح سے جھڑکا تھا۔ اس وجہ سے ایسے اس موضوع پر بی ہیو کر رہے ہو۔" اس کا نام بھی تانیہ تھا،
ل کی ہر رگ، ہر کمزوری سے واقف تھی۔ تنزیل نے ایک شکایتی سی نگاہ اس پر ڈالی اور قدم سست کر لئے۔

یہی بات ہے نا؟" تانیہ اپنے اندازے کی تصدیق چاہتی تھی۔

"تانیہ! وہ مجھ سے ہمیشہ اسی ٹون میں بات کرتے ہیں۔ بے حد انسلٹنگ۔ پتہ نہیں کیوں، مجھے محسوس ہوتا ہے جب بھی وہ مجھ
بات کرتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں عجیب سی تحقیر، تضحیک یا...... پتہ نہیں کیسی اجنبیت ہوتی ہے جیسے...... جیسے وہ مجھے بہت
سمجھتے ہوں۔ مجھے خود سے مخاطب کرنے پر...... میرا مذاق اُڑا رہے ہوں۔ میں ان سے بات کرنے کے لائق نہیں...... یہ
رات کی فیلنگز نہیں، بہت دیر سے نہ جانے کب سے میں نے ہمیشہ انہیں مخاطب کر کے اسی طرح کا رسپانس لیا ہے اور...... یہ
وہم ہرگز نہیں ہے۔ تمہاری بس آ گئی، فرنٹ سیٹ خالی ہے۔ بیٹھ جاؤ اور خدا حافظ۔ اینڈ آئی وش یو ہیو اے نائس ڈے۔ ٹھیک

مسکراتی نظروں سے خدا حافظ کہہ کر پیچھے ہٹ گیا اور تانیہ جو اس سے یہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ بھی یہ سمجھتی ہے کہ یہ اس کا وہم ہرگز
، اس نے بھی محمود عالم کے لہجے میں، ان کے رویے میں تنزیل کے لئے ایسی ہی گراوٹ محسوس کی ہے۔ کہہ نہ سکی۔ بس جب
ں کو نظر آتا رہا، وہ اس کے لئے بے تحاشا دعائیں کرتی رہی۔ دل سے ایک بہن اپنے بے حد پیار کرنے والے بھائی کی
ں اور خوشیوں کی دعائیں کرتی رہی۔

✿......✿

کیا ہے یہ سب، مسٹر جہانگیر ہمدانی؟"

یڈم یاقوت نے تصویروں کا پلندہ، ایزی چیئر پر جھولتے، سگار کا کش لیتے جہانگیر ہمدانی کی آغوش میں پھینکا اور چلا کر پوچھا۔
نکھوں سے نفرت اور غصے کے شعلے لپک رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس جھوٹے، دغاباز، ہزار مونہی ناگ کا سر
روں تلے کچل کر اپنے اندر بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کر سکیں۔

جہانگیر ہمدانی کی جھولتی چیئر رک گئی۔ آنکھیں کھول کر گود میں گرتی، پھسلتی تصویروں کو دوسرے ثانیے کو...... فقط ایک ثانیے کو میڈم یاقوت نے اس کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا، دوسرے پل وہ تھا۔

''تو تمہیں پتہ چل گیا کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ وہ کیا کہا ہے شاعر نے۔ حسرت ان غنچوں پہ ہے، نے ایک نظر ان تصویروں پر ڈالی اور انہیں سمیٹتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''تم لندن یہ گل کھلا کر آئے اور مجھے بتانا تو کیا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کو میں کیا کہوں؟'' وہ میں زنک کلر کی خوب صورت ساڑھی کا پھسلتا پلو کمر کے گرد لپیٹتے ہوئے اس کے قریب آئیں۔

''کاروباری معاملہ، اور کچھ بھی نہیں۔'' کندھے اچکا کر لاپروائی سے بولا۔

''تمہارے کاروباری معاملات کب سے اتنے رازدارانہ ہونے لگے کہ تم نے مجھ سے بھی چھپانا شروع برت چکے ہو مجھ احمق سے؟'' وہ شعلے برساتی نظروں سے گھورتے ہوئے بولیں۔

''اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں، میری جان! یہ جو تم مجھ سے برت جاتی ہو، ایسی قربت، ایسی دوری کے قریب، بے حد قریب آ گیا۔ ان کی دودھیا گردن پہ جھولتی، بل کھاتی سنہری لٹ کو انگلی سے ہٹاتے ہوئے نگاہ ان پر ڈالتے ہوئے بولا۔

''شٹ اپ!'' میڈم یاقوت نے اس کے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا اور چار قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئیں

''اتنا غصہ۔ چچ...... چچ...... ڈارلنگ! اس غصے میں تو تم اور بھی دو آتشہ لگ رہی ہو۔ مت کرو یہ ظلم

''شٹ اپ جہانگیر!...... اور بائی گاڈ، یہ اپنے تھرڈ کلاس، گھٹیا ڈائیلاگ اپنے پاس رکھو تو زیادہ بہتر اس کاروباری معاملے کی پوری تفصیل سے آگاہ کرو کہ کتنا منافع کمایا اور کتنا خسارہ اٹھایا، آ گینے کی خود کشی کے اب کے وہ اپنے غصیلے جذبات پر قابو پا کر قدرے ٹھہر ٹھہر کر مگر بے لچک لہجے میں بولیں۔ ''اور ہاں میں اتنا جھوٹ ہی قابلِ نفریں اور مہلک ہے، جتنا کسی سادہ لوح دوست کی پیٹھ میں چھرا گھونپنا۔ مجھے امید ہے کرو گے۔ اب شروع ہو جاؤ۔'' وہ چند قدم ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ اتنے اطمینان سے، جیسے اب تھم ہلیں گی نہیں۔

جہانگیر ہمدانی کے پاس فرار کے لئے کوئی رستہ نہیں تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا سوچتا رہا اور پھر بیٹھ گیا۔ آہستہ

''تم یوں اچانک بنا بتائے لندن کیوں گئیں؟ بتانا پسند کرو گی؟ جبکہ میں یہاں تم سے بہت سے کے لئے پڑا اسڑ رہا تھا۔'' وہ اب کے ذرا تیز لہجے میں میڈم یاقوت کو پریشرائز کرنے کے لئے بولا۔

''ہمارے درمیان اگلی کوئی بھی بات تمہاری اس تفصیل کے بعد ہو گی، جسے تم اپنے دماغ میں اس رہے ہو۔ لیکن یاد رکھنا، اس تفصیل کو کافی حد تک میں جانتی ہوں، اس لئے......'' انہوں نے تنبیہی انداز دیا۔

''جب تفصیل جانتی ہو تو مجھ سے کیا سننا چاہتی ہو؟'' وہ بیزار لہجے میں بولا۔

''وہ مجبوری، جس کے باعث اس عام سے حُسن کے آگے تم نے بے اختیار گھٹنے ٹیک دیئے کہ نکاح شاید سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے...... یا...... میرے سامنے ایسا پوز کرتے تھے۔'' ان کے دل کی آگ

''مجھے تمہارے سامنے کچھ بھی پوز کرنے کی ضرورت نہیں۔ انڈر اسٹینڈ؟'' وہ غصے میں انگلی اٹھا کر بولا

''ہاں، درست کہا تم نے۔ تمہیں مجھ سے خوف کھانے یا پوز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جو چیز دسترس مٹھی میں قید ہو، اس کے اُڑ جانے کا، ہاتھ سے نکل جانے کا کیا خوف؟ یُو آر رائٹ۔'' وہ چبا چبا کر بولیں رویے کا احساس ہوا۔

''تم ہرٹ ہوئی ہو...... اس نکاح کی خبر سے، یا میرے چھپانے سے؟'' وہ اٹھ کر اس کے بے حد

''ایسی کوئی بات نہیں کہ میں ہرٹ ہوئی ہوں۔'' وہ اس کی قربت سے خائف ہو کر قدرے رکھائی سے

''نکاح ضرورت تھی۔ وہ بڈھا آغا میرے گلے پڑ گیا تھا اور یہاں صورتِ حال ایسی تھی کہ لگتا تھا ہاتھ لگنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی تھا اور میرا خدا گواہ ہے کہ میں نے کسی جذبے، کسی عشق، محبت، کے زیرِ مغلوب ہو کر یہ نکاح نہیں کیا تھا۔ بہت ہی خاص کسٹمر ہے میرا، جس کی ایک ڈیل کروڑوں کی ہوتی ہے تھی۔ اور بخدا یقین کرو، جس لمحے میں لندن گیا، اس وقت میرے ذہن میں ایسی کوئی بات یا کچھ بھی پلان

اور غیر متوقع انداز میں ہوا کہ میں تمہیں واقعی انفارم نہیں کر سکا۔ مہینہ بھر بھی نہیں لگا کہ دی اینڈ ہو بھی گیا۔" وہ واقعی کچھ سنسر
ے ہوئے، کچھ منکشف کرتے ہوئے تفصیل بتا ہی گیا۔

"آئی کانٹ بلیو دس اسٹوری۔" وہ جہانگیر ہمدانی کا کلائی سے اوپر سرکتا ہاتھ کھٹک کر رکھائی سے بولیں۔ "کوئی اندھے ماں باپ
گے، جنہوں نے کچھ بھی نہ دیکھا۔ نہ تمہاری اور اس لڑکی کی عمر کا فرق، نہ اجنبیت اور کسی گارنٹی اور بھروسے کے بغیر چپ کر کے
ہاری جھولی میں ڈال دی اور بعد میں بقول تمہارے "دی اینڈ" کے بعد بھی انہوں نے کوئی ری ایکشن نہیں کیا بلکہ ایکشن بھی
۔" وہ ساڑھی کا پلو اپنے نیم برہنہ شانوں پر لپیٹتے ہوئے قدرے پرے ہو کر بولیں۔

"آل رائٹ۔" وہ میڈم یاقوت کے پرے کھسکنے پر خود بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "مگر غلط میں بھی نہیں کہہ رہا۔ یہی سب کچھ ہوا
ل میں بابا یعنی آبگینے کا دادا کہیں میرے فادر کو جانتا تھا، اس نے خود ہی مجھے پہچانا اور پھر خود ہی سمجھو، پوتی پلیٹ میں سجا کر
آگے پیش کر دی کہ اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ مفت کی شراب تو قاضی بھی نہیں چھوڑتا، میں تو پھر......." وہ آنکھ دبا کر ہنسا۔
"اسے اپنی موت کا خوف تھا، اس سے پہلے بے چارہ اپنی پوتی کا ہاتھ کسی قابلِ بھروسہ، جان پہچان کے سیلڈ بندے کے ہاتھ
کر جانا چاہتا تھا۔ مجھے اس نے ایسا ہی پایا اور مجھے پھر اس سلسلے میں ذرا بھی کوشش نہیں کرنی پڑی۔ بعد میں انہوں نے کیا
یا تھا، ایکشن لینے کے لئے بندے کے پاس سورسز اور سرو سز دونوں ہونے چاہئیں، جو یقیناً ان کے پاس نہیں تھے اور آبگینے
کے بعد میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے پھر سے جھکا۔

"آبگینے کی تدفین......" وہ لبوں میں بڑبڑائیں۔

"کیا اس کی موت کو دل پر لے لیا تم نے؟ کم آن، یہ سب تو ہمارے پروفیشن میں چلتا ہے۔" جہانگیر کا ہاتھ میڈم یاقوت کے
بے بسمل کر نیچے سرکنے لگا۔ وہ بدک کر اٹھیں اور ایزی چیئر کے پاس پڑے ٹیبل سے وہ تصویریں اٹھا کر چیئر پر بیٹھ گئیں۔
انہیں غصہ تو بہت آیا مگر اسے بے وقت کے غصے کو پینا بھی آتا تھا۔

"ان تصویروں میں وہ بڑھاپے کیا؟" وہ از سرِ نو تصویریں دیکھنے لگیں۔ جہانگیر ہمدانی نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کر دیا۔
"کوئی تھنک نہیں۔"

انہوں نے تصویریں پھر سے رکھ دیں۔ "اور تمہارے کسٹمر کی وہ کروڑوں کی ڈیل، جس کی تم تدفین کر آئے، کیسے ہاتھوں سے
ذرا اس پر روشنی ڈالو۔" انہوں نے سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑا، جہاں سے ٹوٹا تھا۔

"نہیں یار! یہ لڑکیاں بڑی ہی ناقابلِ بھروسہ چیزیں ہوتی ہیں۔ شکل سے اتنی بھولی، معصوم اور ڈرپوک لگتی تھی۔ ایک بار بھی مجھے
نہیں گزرا کہ وہ سوسائیڈ بھی کر سکتی ہے، ورنہ......."

"ورنہ کیا کر لیتے تم؟ اسے روک لیتے؟" وہ تیز لہجے میں بولیں۔

"نہیں، یہ بات نہیں۔" وہ ماتھے پر بل ڈال کر کسی سوچ میں گم ہوتے ہوئے بولا۔

"چلو مٹی ڈالو اب اس موضوع پر۔ میری جان اب بخش دو۔ میری توبہ۔ جو آئندہ کوئی بھی بزنس ڈیل یا کوئی اور معاملہ تمہارے علم
بغیر کروں۔ آئی سوئیر۔ دیکھو، کان پکڑتا ہوں۔ اب تو راضی ہو جاؤ۔" وہ کان پکڑتے ہوئے اٹھ کر میڈم یاقوت کے پاس
گھٹنوں کے بل آ بیٹھا اور دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ دیئے۔

"جہانگیر! مجھ سے سچ بولو۔" وہ اس کی قسم کو نظر انداز کرتے ہوئے بولیں۔

"سچ؟" وہ حیرت سے چلایا۔ "تمہارے خیال میں، میں تم سے جھوٹ بک رہا ہوں، بکواس کر رہا ہوں؟"

"آبگینے نے واقعی خودکشی کی یا...... تم نے خود......" وہ نگاہیں اس کے چہرے پر جما کر بولیں۔

"بات! اگر تم مجھ پر، میرے سچ پر شک کرو گی تو میں کسی اور سے کیا توقع رکھوں؟ بہت دکھ کی بات ہے کہ تمہیں اب مجھ پر
اعتبار نہیں رہا، ملی ہی۔ آج اگر تم یہ پلندہ اٹھا کر میرے پاس نہ لاتیں تو بھی آج رات یا کسی بھی ایسے وقت جب تم میرے "واقعی"
میں خود سے تمہیں سب بتانے والا تھا۔ تم جانتی ہو، میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتا۔ تمہاری جان کی قسم، میں سچ کہہ رہا
ہوں۔" ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے جکڑ کر گمبھیر لہجے میں بولا۔

"آبگینے نے واقعی خودکشی کی تھی؟" ان کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"ہاں۔ اس بے وقوف نے مجھے موقع ہی نہیں دیا اور فروٹ نائف سے کیسی بے خوفی سے اپنا دل چیر دیا۔ میں اس چھٹانک بھر
کی اس جرأت کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے جھرجھری سی آنے لگتی ہے۔ میری زندگی میں ایسے واقعات بہت کم بلکہ نہ
ہونے کے برابر ہوئے ہیں۔ صرف ایک، جس میں گوری نے کمرے کی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی تھی اور......." وہ جیسے جھرجھری لے
کر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اس نے تو حد کر دی۔ ویسے مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ میں واقعی میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیسی تحریر اُبھری تھی...... غم کی، خوف کی یا کسی پچھتاوے کی، میڈم یا
ٹیبل پر پڑی تصاویر کے پاس رکا اور تصویریں اٹھا کر باری باری دیکھنے لگا۔ آبگینے کا معصوم حُسن ان عزا
تھا کہ ایک پل کو اس کے دل میں ہوک سی اُٹھی کہ اس نے اس لو دیتے حُسن کو کیسا سنبھال کر، بینت کر
بے داغ رکھنے کی کوشش کی تھی، اپنے ہی تڑپتے، مچلتے دل کو پل بھر کے لئے بھی بے قابو نہیں ہونے دیا تھا۔
سیکنڈ اپروچ میں۔ مگر قدرت نے سیکنڈ اپروچ تو کیا، پہلی بھی نہ ہاتھ لگنے دی اور سب کچھ مٹی میں مل گیا۔
میں سما جانے والے نازک بدن کو لحد میں اُتارتے کیسے اس کے دل پر آرے چلے تھے کہ وہ خود نہیں جا
آنکھوں سے نکل کر آبگینے کے سفید دمکتے کفن پر پھول بن کر کھلے تھے، اس کے حُسن کی خراج کے طور پر۔
''کوئی فائدہ نہیں، اس کے نگیٹوز میرے پاس ہی۔'' میڈم یاقوت کی درشت آواز اسے بہت دور
اسے خود بھی پتہ نہیں چلا، وہ تصویروں کے ٹکڑے کر رہا تھا۔ آبگینے کا خوب صورت چہرہ، بدن کی
ہاتھوں میں تھا۔ اپنی اس بے خود کیفیت پر وہ خود بھی حیران سا رہ گیا۔
''تم مجھے بلیک میل کرنے کے لئے کہہ رہی ہو؟'' اس نے باقی ماندہ تصویریں بھی چار ٹکڑے کر دیں
''میں ایسا کچھ نہیں کر رہی، نہ کرنا چاہتی ہوں۔ محض تمہیں بتا رہی ہوں۔ اگر دوبارہ بھی اس ہوٹل
تو......'' وہ معنی خیز انداز میں کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔
''ویسے مجھے حسرت ہی رہی، ایسا بے وقوف باپ، سوری دادا دیکھنے کی جس نے بغیر کسی تحقیق کے
مہذب انسان کے ہاتھوں میں اپنی پھول سی پوتی دے دی۔'' وہ ایک بار پھر طنز کرتے ہوئے بولیں۔ ''تم
واقعہ بھی۔ میں اب چلتی ہوں۔ کل ذرا آفس آجانا، کچھ امور ڈسکس کرنے ہیں۔'' وہ جاتے جاتے رک کر
''نہیں رک جاؤ نا۔ اتنی رات گئے ایئر پورٹ سے سیدھی اس تفتیش کے چکر میں آ گئیں۔ اب
بھرے لہجے میں بولا تو میڈم یاقوت کو ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ کس قدر یہ اپنے نفس کا غلام ہے۔
''اِٹس او کے۔ گھر ہی تو جانا ہے۔ ابھی تو آٹھ بھی نہیں بجے۔'' وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بولیں۔
''تو ڈنر بھی میرے ساتھ نہیں کرو گی؟''
''نہیں۔ ابھی تو جا کر پہلے فریش ہوں گی، پھر ڈنر کا سوچوں گی۔'' ایک لمبے سفر کی تھکن ان کے بدن
''او کے، تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ چلوں کہ نہیں؟'' وہ فیصلہ کرتے ہوئے یک دم
یاقوت جو انکار کرنے چلی تھیں، پھر نہ جانے کیا سوچ کر اثبات میں سر ہلا گئیں۔
''تمہاری مرضی ہے، ورنہ میں کیا کہہ سکتی ہوں؟'' وہ کندھے اُچکا کر بولیں۔
''اور اب خدا کے لئے، گھر جا کر بھی یہ تفتیشی انداز نہ اختیار کرنا۔ میں پہلے ہی کافی فیڈ اپ ہو
لندن چلی گئیں۔ اب آئی ہو تو تھانے دارنی بن کر اب مجھے اور بور مت کرنا۔'' وہ چلتے چلتے رک کر بولا
''عائشہ تو آتی رہی ہو گی، جناب کے مزاج ٹھکانے پر رکھنے کے لئے۔'' انہیں کچھ خیال آیا تو بولیں
''جانے دو۔ اس روتی بصورتی صورت کا میرے سامنے نام نہ لو۔ صرف ایک شام آئی تھی، وہ
نہیں تھی، وہ ہاسپٹل میں ہے۔ میرے مزاج اس نے خاک ٹھکانے پر لگانے تھے۔ آئندہ آنے سے
اب کاریڈر میں سے گزر رہے تھے۔
''چچ...... چچ...... پھر تو واقعی بری ہوئی تمہارے ساتھ۔ لگتا ہے، آبگینے کی آہیں تمہارا پیچھا کر
نے اسے چھیڑا۔
''پلیز...... پھر وہی ذکر؟'' وہ چلتے چلتے رک گیا۔
''او کے۔ اب کچھ نہیں کہوں گی۔ ویسے عائشہ کے فادر واقعی ہاسپٹل میں ہیں۔ میں نے آتے ہوئے
''لائبہ کیسی ہے؟'' جہانگیر ہمدانی کو خیال آیا۔ دونوں لفٹ میں سوار ہو چکے تھے۔
''ٹھیک ہے۔'' وہ قدرے سنبھل کر بولیں۔
''اسے ساتھ ہی لے آتیں۔ اب اس کی کون سی اسٹڈیز کا حرج ہو رہا ہے؟'' جہانگیر ہمدانی نے
عجیب سی نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ آبگینے کا کفن میں لپٹا معصوم چہرہ ان کی نظر اور جہانگیر ہمدانی کے بیچ
تھا۔ حالانکہ انہوں نے ایسا منظر دیکھ تو نہیں رکھا تھا، پھر بھی نہ جانے کیوں انہیں لگا، وہ اس وقت وہاں
ایک جھرجھری سی لے کر نظریں گلاس لفٹ کے بیرونی منظر پر جما دیں۔

"کل کا کیا شیڈول ہے پھر؟" دونوں ڈائننگ ہال کے بیرونی کاریڈور سے گزر کر باہر کی طرف جارہے تھے کہ میڈم یاقوت کی بھٹکتی ہوئی نگاہ بے اختیار ایک ٹیبل پر جا کر جیسے ٹھٹک سی گئی۔ انہوں نے دوبارہ نگاہ جما کر دیکھا تو ایک لہر سی ان کے دھڑکتے دل میں اُبھری تھی۔

"جہانگیر! تم ذرا گاڑی میں چل کر بیٹھو، میں ابھی آتی ہوں پانچ منٹ میں۔" وہ عجلت بھرے انداز میں بولیں۔

"اب کون نظر آ گیا؟ خدا کے لئے یاقوت! اب میرا اور امتحان نہ لو۔ یہ........"

"صرف پانچ منٹ۔ تم چلو، میں آ رہی ہوں۔ پرامس، صرف پانچ منٹ۔" وہ ملتجی لہجے میں بولیں تو جہانگیر ہمدانی نے کوفت بھرے انداز میں انہیں دیکھا اور پھر پیر پٹختے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گیا۔ میڈم یاقوت نے ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور تیز تیز قدموں سے اس ٹیبل کی جانب بڑھیں، جہاں ان کی نگاہ ٹھٹکی تھی۔

✿◉......◉✿

"یہ آپ کی ٹیبل ہے۔ یہ کیبن بھی مکمل طور پر آپ کے پاس ہے۔ پہلے ادھر دو ٹیبلز تھیں، ایک میڈم نے اُٹھوا دی۔ اب یہ سب آپ کا۔"

عائشہ بخاری اسے چھوٹے سے کیبن میں لے آئی تھی، جس میں ٹیبل، شاندار سی چیئر، سائیڈ پر کمپیوٹر ٹیبل اور فائل کیبنٹ تھی۔

کیبن چھوٹا سا تھا، مگر اس کی امیدوں سے بہت بڑا۔

"میرا کام کیا ہو گا؟" وہ وہیں کھڑے کھڑے بولی۔

"یہ میڈم آئیں گی تو بتائیں گی آپ کو۔" عائشہ بے نیازی سے بولی۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور آنکھوں میں لال ڈورے ایسے تیرتے تھے، جیسے یا تو ابھی وہ رو کر آئی ہے یا رونے والی ہے یا کسی نے اسے کچی نیند سے اُٹھا دیا ہے۔ تانیہ نے اس کی سوجی ہوئی، نیم خوابیدہ نظروں کو دیکھا اور دوسری نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔ اسکن ٹائٹ جینز پر ریڈ کلر کی شارٹس تھی اور گلے میں ریڈ لائننگ اسکارف، لبوں پر ریڈ لپ اسٹک اور کانوں میں سلور بڑے بڑے بالے۔ اس کی ساری تیاری اس کے چہرے کے بالکل برعکس لگ رہی تھی۔ سرخ رنگ احتجاجاً اس کے چہرے سے روٹھا ہوا لگ رہا تھا۔

"آپ کدھر بیٹھتی ہیں؟" تانیہ کو گھبراہٹ سی ہو رہی تھی کہ وہ اس کیبن میں بیٹھ کر کرے گی کیا۔

"میری ٹیبل وہ سامنے میڈم کے دروازے کے پاس ہے۔ آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو یا کوئی پرابلم، آپ مجھ سے آ کر کہہ سکتی ہیں۔ میں اب چلتی ہوں۔" اس کے لہجے میں کہیں بھی دوستانہ پن نہیں تھا، نہ رعایت، نہ کوئی حوصلہ دینے والا انداز۔

"ویسے ایک بات پوچھوں؟" وہ جا چکی تھی، مگر پھر پلٹ کر آئی اور اُلجھی کھڑی تانیہ سے بولی۔

"جی پوچھیں۔" وہ اس کے چلے آنے پر ایک دم سے خوش ہو کر بولی۔

"کیا یہ جاب آپ کی مجبوری ہے؟" اس نے سوجی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پر جمائیں۔

"جی......ظاہر ہے۔ آپ کو میرے چہرے سے شوقیہ جاب کرنے کا سائن تو نہیں ملتا ہو گا۔" وہ جلدی سے کچھ بے ربط بول گئی تھی۔

"اس سے پہلے بھی کہیں جاب کی ہے؟" وہ اسی طرح نظریں جمائے بولی۔

"جی ہے، ایک اکیڈمی میں۔" وہ ذرا فخر سے بولی۔

"وہ کیوں چھوڑ دی؟"

"میں نے کب چھوڑی؟ ان کی اکیڈمی بند ہو گئی تھی، اسی لئے۔"

وہ تانیہ کو عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟" وہ ڈر کر بولی۔

"یونہی۔ اوکے! آپ بیٹھیں، میں چلتی ہوں۔" وہ کچھ بھی بتائے بغیر جانے کے لئے پلٹی۔

"پلیز، بات سنیں۔ آپ بتائیں گی نہیں کہ آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی تھیں؟" وہ کچھ روہانسی ہو کر اس کے پیچھے چلی آئی۔

"ارے۔" وہ ایک دم سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم تو ابھی سے خوف زدہ ہو گئیں۔" ہنسنے سے بھی اس کی آنکھوں میں پانی اُتر آیا تھا۔

"ابھی سے آپ کا کیا مطلب ہے؟" وہ ہراساں لہجے میں بولی۔

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" وہ اس کا کندھا تھپک کر بولی۔ "تم اپنی سیٹ پر بیٹھو جا کر، مجھے بھی کام کرنا ہے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تو تانیہ پژمردہ سی واپس اپنے کیبن میں آ گئی۔

"میں نے پہلے کسی آفس میں جاب نہیں کی، اس لئے گھبرا رہی ہوں۔ ورنہ ادھر کیا ہے جو میں ڈروں؟ اور یہ" کہاں کھسکا ہوا لگتا ہے، ورنہ ڈرنے کی کیا بات ہے؟"

وہ کرسی پر بیٹھ کر خود کو دلاسا دیتے ہوئے کہنے لگی اور اپنے بکھرے ہوئے احساسات پر قابو پانے لگی، جو عائزہ/ محسوس ہونے لگے تھے۔

✿⊙......⊙✿
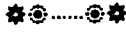
"ہیلو، ہیلو!......جی پاپا! میں بول رہا ہوں۔" وہ بہت گہری نیند میں سویا ہوا تھا، جب فون کی مسلسل بجتی بیل پر آنکھیں کھول کر ملگجی روشنی میں ٹائم دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف مصطفیٰ صاحب تھے۔

"بیٹا جی! جو سوتا ہے، وہ کھوتا ہے۔ سن رکھا ہوگا آپ نے؟"

"سن رکھا ہے۔ اور یہ آپ نے بھی سن رکھا ہوگا کہ خدا نے دن بنایا کام کے لئے اور رات آرام کے لئے۔" وہ بھی کر بولا۔ گہری نیند سے اٹھنے پر آنکھیں جلنے سی لگی تھیں اور گردن میں اینٹھن سی محسوس ہو رہی تھی۔

"زبردست بھئی۔ مجھے اپنے ہونہار سپوت سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔" وہ کھل کر ہنسے۔ "اب کیا کریں بار فرق آ گیا ہے کہ مشرق سوتا ہے تو مغرب جاگتا ہے۔ مغرب گھوڑے بیچتا ہے تو مشرق لگا میں کستا ہے۔ جغرافیے کے زیر محاورے، ضرب المثل اُلٹی سیدھی ہو سکتی ہیں۔ میں کوشش کے باوجود تمہیں جلدی فون نہیں کر سکا۔ سو گہری نیند سے جگا سناؤ، کیا حال ہے؟"

"نیند سے برا حال ہے۔ باقی تو سب ٹھیک ہے۔" اس نے جمائی روکتے ہوئے کہا۔

"نیند کی خیر ہے، باقی احوال درست ہونا چاہئے۔ پھر سوچا تم نے؟ اصل میں یار! پھر مجھے ٹائم نہیں ملتا۔ ایک ڈ پھنسا ہوا ہوں، اس لئے تمہاری صبح کا انتظار نہیں کر سکتا کہ کہوں تم سو جاؤ۔ صبح بات کریں گے۔" وہ معذرت بھرے انداز میں

"جی ہاں، اس کے بعد آپ کے آرام کا ٹائم جو ہو جائے گا۔" وہ فوراً بولا تو مصطفیٰ صاحب ہنس پڑے۔

"بھئی، کیا کریں، بڈھے بندے ہیں۔ ہمارے لئے تو آرام ضروری ہے۔ تم تو جوان ہو، کچی نیند کی مار سہہ آنکھیں کھلیں یا ابھی بھی غنودگی میں ہو؟ اُٹھ جاؤ اب۔" وہ اس کی جمائی کی آواز سن کر جھلاتے ہوئے بولے۔

"اوہ پاپا! تنگ کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں سوجھا آپ کو؟" اس نے پھر جلدی سے منہ بند کر لیا، مبادا مصطفیٰ جمائی کی آواز سن لیں۔

"اچھا چلو، جلدی سے بات کرو اور سو جاؤ۔ کیا بنا پھر تمہاری سوچوں کے تانے بانے کا؟ تم نے مجھے انفارم کر غالباً بھول گئے۔"

"نہیں پاپا! بھولا نہیں تھا، تھوڑا مصروف تھا۔"

"ونڈرفل۔ ویسے مصروفیت کا سبب پوچھ سکتا ہوں؟"

"وہی پاپا! گارمنٹس فیکٹری والا معاملہ، اسی سلسلے میں۔" وہ اب پوری طرح سے نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔

"پھر کیا بنا؟......لیکن نہیں، اس سے پہلے تو تم نے یہاں رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ کرنا تھا، اس کا کیا بنا؟" وہ بے تابی

"وہی تو بتا رہا ہوں پاپا! آپ کو بھی اب جلد سے جلد اپنا بزنس وائنڈ اپ کر کے ادھر آنے کی کوشش کرنا چاہئے ادھر رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں گارمنٹس فیکٹری خریدنے میں مکمل طور پر انٹرسٹڈ ہوں۔ مگر اب......" وہ رکا۔

"مگر اب کیا؟" وہ بے چینی سے بولے۔

"فیکٹری سیل کرنے والے کا موڈ بدل گیا ہے شاید یا اسے ہم سے زیادہ اچھی پرائز مل رہی ہے، اس لئے دا صاحب بتا رہے ہیں کہ کوئی میڈم یاقوت ہیں، وہ انٹرسٹڈ ہیں۔ ان کی ادھر فرم بھی ہے اور بوتیکس، پارلر اور نہ جانے خاصی ساؤنڈ پارٹی ہے۔ میں نے جمشید صاحب کے کہنے پر ڈبل قیمت دینے کی پیشکش کر دی تو......"

"تو کیا؟" وہ کچھ اُلجھ کر بولے۔

"میڈم یاقوت نے اپنے کنسلٹنٹ کو ہر قیمت پر، چاہے وہ کوئی بھی ہو، اس پر فیکٹری خریدنے کا کہہ دیا ہے کیا کروں؟ یہاں تو پہلے قدم پر ہی رکاوٹیں کھڑی ہونے لگی ہیں۔ اسی سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا۔

"اگر میرا فون نہ آتا تو تم نے شاید خود سے کرنا نہیں تھا۔" وہ شکایت بھرے انداز میں بولے۔

"نہیں پاپا! یہ بات نہیں۔ اس مسئلے پر میں خود الجھ گیا ہوں۔ جمشید صاحب کے بقول یہ ایک گولڈن چانس ہے کارخانوں کی ادھر کمی نہیں۔ مگر پہلے قدم پر ہی رجیکشن مجھے اچھی نہیں لگی۔ پھر پاپا! ایک اور پریشان کن خبر بھی ہے

رات بھر مجھے ٹھیک سے نیند نہیں آسکی۔"

"کیا بات، خیر تو ہے؟" وہ پریشان کن خبر پر واقعی پریشان ہو گئے۔

"وہ میرا دوست ہے نا، پاپا! اسامہ۔ اس کی سسٹر آبگینے نے سوسائیڈ کر لی۔ اس لئے آغا جان بھی ہاسپٹلائز رہے۔ مجھے کل پتہ چلا اور میں رات بھر ٹھیک سے سو نہیں سکا۔" وہ پریشان لہجے میں بولا۔

"اوہو، تم نے بتایا نہیں، ورنہ میں چلا جاتا۔ اب کیسے ہیں اس کے آغا جان اور......."

"وہ تو شاید عمرہ کرنے چلے گئے ہیں۔ ویسے آپ ماما کو لے کر صبح ہی اس کی طرف ہو آئیں۔ کیونکہ وہ آج کل میں اپنا اپارٹمنٹ بھی چھوڑنے والا ہے۔ پاپا! ایک بات کہوں؟" وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔

"بولو، کیا بات ہے؟"

"پاپا! آپ اسامہ کو......" وہ پھر سے جھجک گیا۔ پتہ نہیں وہ کیا جواب دیں۔ "جتنی مورل سپورٹ دے سکیں، پلیز اس کی ہیلپ کریں۔" وہ بات کا رخ بدل گیا مگر مصطفیٰ صاحب اس کی بات کو سمجھ گئے تھے۔

"اوکے بیٹا! میں کوشش کروں گا، جو مجھ سے ہو سکا۔ تم اب سو جاؤ، میں تمہیں کل اس فیکٹری والے مسئلے پر سوچ کر بتاؤں گا۔ تم جلد بازی میں کوئی قدم نہ اٹھانا۔ کیونکہ فیکٹری کی کوئی بھی قیمت بہر حال ہم نہیں دے سکتے۔ میں جمشید سے خود بھی بات کرتا ہوں۔ اور ہاں یار! تم میرے اس دوست سے بھی نہیں ملنے گئے۔ میں نے تم سے کتنی بار کہا بلکہ پرسوں میں نے اسے تمہارے آنے کا فون بھی کر دیا تھا۔ تم گئے نہیں، وہ یقیناً انتظار کرتا رہا ہوگا۔ اچھے بھلکڑ انسان ہو تم۔" وہ اس پر خفا ہوتے ہوئے بولے۔

"سوری پاپا!...... آئی ایم سوری۔ بالکل بھول گیا تھا۔ کل آئی پرامس، کل ضرور جاؤں گا۔ اور اب میں ان سے مل کر ہی آپ کو فون کروں گا۔" وہ شرمندہ سے لہجے میں بولا۔ وہ واقعی بھول گیا تھا۔

"اوکے، ٹیک کیئر۔ اپنا بہت خیال رکھنا۔ تمہاری ماما تمہیں بہت مس کر رہی ہیں۔ ان کا بھی اصرار تمہاری طرح بڑھتا جا رہا ہے کہ سب کچھ سمیٹ کر چلا جائے پاکستان۔ پر یار! میں محض تمہاری ماما کے کہنے پر اتنا بڑا رسک جلد بازی میں نہیں لے سکتا۔ تم اپنے ذرا قدم جمالو، پھر سوچتا ہوں۔ اوکے، اللہ حافظ!"

"اللہ حافظ پاپا!... ماما کو میرا اسلام کہیے گا۔ میں انہیں صبح فون کروں گا۔ اور اسامہ کی طرف ضرور جایئے گا۔ خدا حافظ۔" انہیں تاکید کرتے ہوئے اس نے ریسیور رکھ دیا اور ایک بار پھر تکیے پر سر رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

✻◎......◎✻

"کمال ہے، اسامہ بیٹے! تمہاری دوستی کیا صرف دائم سے تھی؟ یار! تھوڑا، بہت تعلق، جان پہچان تو ہماری بھی تم سے تھی۔ اپنا نہ سہی، ہم وطن سمجھ کر ہی ہمیں خبر کر دی ہوتی۔ اتنا بڑا سانحہ تم پر بیت گیا اور تم نے اطلاع بھی نہیں کی۔"

وہ دائم کی تاکید پر اگلے ہی روز ڈاکٹر رخشندہ کو لے کر اسامہ کے فلیٹ پر چلے آئے تھے۔ وہ واقعی اپنا سامان باندھے بیٹھا تھا۔ شاید انہیں تھوڑی دیر ہو جاتی تو وہ جا چکا ہوتا۔ اسے گلے لگاتے ہوئے انہوں نے بڑے اپنائیت بھرے انداز میں گلہ کیا تھا۔

"سوری انکل! ریئلی، ویری سوری۔ مگر یہ سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ میں خود بھی یقین نہیں دلا سکا بلکہ ابھی تک......" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ "آبگینے ہم سے روٹھ چکی ہے، مجھے یقین نہیں آتا انکل! وہ بہت پیاری تھی۔ بہت ڈرپوک، معصوم۔ فوراً خوف زدہ ہونے والی۔ اس نے اپنے والدین کو بہت کم عمری میں ٹریفک کے اس جان لیوا حادثے میں اپنے سامنے موت کے منہ جاتے دیکھا تھا۔ ساری زندگی اس کے اندر سے یہ خوف نہیں نکلا۔ پھر آغا جان کی سخت طبیعت اور تربیت۔ وہ اونچی آواز میں بولتے تو وہ کانپنے لگ جاتی تھی اور مجھے تو یقین نہیں آتا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے خود کو ختم کر سکتی ہے۔ کبھی نہیں۔" اسے آج یوں بھی آبگینے کی بہت یاد آرہی تھی۔

کچھ آغا جان کی جدائی کا اثر تھا، اس کا دل آج کسی کے کندھے سے لگ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکا اور بے اختیار رونے لگا۔

"حوصلہ کرو میرے بیٹے! حوصلہ۔ اب اس دکھ پر سوائے صبر کے اور کچھ کیا بھی نہیں جا سکتا۔ ویسے تمہیں اس شخص کے خلاف اسٹینڈ لینا چاہئے تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، سخت دھوکے باز اور بے ایمان شخص تھا، ورنہ بقول تمہارے وہ لڑکی اپنی جان نہیں لے سکتی تھی۔" مصطفیٰ صاحب دکھ سے بولے۔

"اور تم نے اپنے آغا جان کو عمرے پر اکیلے کیوں جانے دیا؟ تم نے بتایا، وہ اتنے سیریس اٹیک سے جانبر ہوئے تھے۔ اگر اس دوران یا سفر میں ہی ان کی طبیعت خدانخواستہ بگڑ جائے تو......؟" ڈاکٹر رخشندہ بولیں۔

"میں کیا کر سکتا تھا آنٹی! وہ بہت ضد کر رہے تھے۔ دن رات ایک ہی رٹ تھی کہ انہیں اللہ کے گھر حاضری دینی ہے۔ یہ جو زندگی

بچی ہوئی انہیں ملی ہے، وہ اسی لئے ملی ہے۔ میں بالآخران کی ضد کے آگے ہار گیا۔'' وہ تھکے ہوئے، شکست خوردہ لہجے
''اور اپارٹمنٹ کیوں چھوڑ کر جارہے ہو، اگر تمہارا ارادہ یہیں رہنے اور جاب حاصل کرنے کا ہے تو؟''
''اپارٹمنٹ سیل ہو چکا ہے انکل!'' وہ سر جھکا کر بولا۔
''کیا تمہارے آغا جان نے سیل کر دیا؟ انہوں نے تمہارا نہ سوچا؟''
''نہیں۔ اصل میں آغا جان نے یہ آبگینے کو شادی میں گفٹ کر دیا تھا تو اس کے شوہر نے اسے سیل کر دیا۔'' وہ
رہا تھا تو انہیں احساس ہوا کہ ان کے ساتھ کیسا دھوکا ہو چکا ہے۔ دونوں نے ایک افسوس بھری نظر اس نڈھال سے لڑکے
اس لمحے انہیں اپنے دائم کی طرح ہی عزیز لگ رہا تھا۔ ٹوٹا ٹوٹا سا، بکھرا ہوا۔ ڈاکٹر رخشندہ کا بے اختیار جی چاہا، آگے
سمیٹ لیں۔
''یہاں سے کدھر جاؤ گے؟''
''یہاں سے اسٹریٹ فور میں فلیٹ دیکھا ہے، میں ایک پاکستانی کے ساتھ شیئر کروں گا اسے۔ اس دوران جاب
کوئی اور اچھی جگہ دیکھ لوں گا۔ ویسے مجھے بھی پاکستان جانا ہے جلد ہی۔ دائم کا سنائیں، کیا حال ہے اس کا؟ اس نے کیا فیصلہ
وہ بات بدل کر بولا۔
''ابھی تو سمجھو، کوئی پکا ٹھوس فیصلہ وہ حضرت نہیں کر پائے۔ مگر آج کل میں امید ہے کہ کرلے گا۔''
''میں آپ لوگوں کے لئے کافی لے کر آتا ہوں۔ کچن میں ابھی کچھ سامان کھلا ہے۔ کم از کم کافی بن سکتی ہے۔''
''نہیں دائم!........اوہ، اسامہ! رہنے دو۔'' ڈاکٹر رخشندہ کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔ وہ مسکرانے لگا تو اسی
طرح ہی لگا۔ دونوں میاں بیوی کی نظریں ایک لمحے کو ملیں تو مصطفیٰ صاحب نے سر ہلا دیا۔
''اسامہ! ادھر آ کر بیٹھو میرے پاس۔'' انہوں نے بڑی اپنائیت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ''دیکھو
میاں بیوی دائم کے جانے کے بعد خود کو بہت تنہا محسوس کر رہے ہیں اور ہمارا اتنا بڑا لگژری اپارٹمنٹ ہمیں کھانے کو
طور پر دائم کا کمرہ۔ اگر تم ہمیں دائم کی جگہ رکھ کر، اپنے پیرنٹس سمجھ کر ہماری فیلنگز کا احساس کرو تو تمہیں فور اسٹریٹ کے
اپارٹمنٹ میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔'' وہ آہستہ آہستہ کہنے لگیں تو وہ حیران سا انہیں دیکھے گیا۔
''جی، کیا مطلب؟'' وہ آنکھیں پھیلا کر بولا۔
''یار! مطلب وطلب چھوڑو، بس یہ دونوں بیگ اور سوٹ کیس اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔ اصل میں تو ہما
ہیں۔ اس کی ایک وجہ اور بھی ہے۔'' مصطفیٰ صاحب اسی بے تکلف لہجے میں بولے، جس میں وہ بولا کرتے تھے۔
''مجھے آفس میں بھی دائم کی جگہ تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے۔ میں مانتا ہوں، دائم میرے آفس بہت کم آتا
شاید اسے کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا، لیکن تم میرے اچھے بیٹے بنو گے اور میری تھوڑی ہیلپ کروا دیا کرو گے۔ ہے نا
''اوہو، بھئی سیدھے الفاظ میں کہہ دیں نا، آپ اسامہ کو اپنے آفس کی جاب بھی آفر کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر رخشندہ مسکرا
''اصل میں بیٹا! تم بھی مسافر، ہم بھی مسافر والا حال ہے۔ تم کہتے ہو کہ جلد یا بدیر تمہیں یہ ملک چھوڑ کر پاکستان
یہی ارادہ ہمارا بھی ہے تو تم نے کون سی مستقل جاب کرنی ہے۔ لیکن ہاں، اگر ارادہ بنے تو اس دوران اگر بہت اچھی
کرنے میں حرج بھی نہیں۔ لیکن فی الحال تم ہمارے ساتھ چلو گے اور کل سے میرے ساتھ آفس۔'' وہ قطعی فیصلہ کر
کھڑے ہوئے جبکہ اسامہ حیران پریشان ایک لفظ کہنے کے بھی قابل خود کو نہیں پا رہا تھا۔
''انکل! پلیز........ تھینک یو........ آپ نے میرا اتنا خیال کیا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ........'' اسے اپنے جذبات
کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

✻⊙......⊙✻
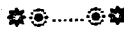
''ہائے!'' عزہ نے باتوں کے دوران سر اٹھایا تو اس کے بالکل سامنے، میز کے بالمقابل میڈم یاقوت اپنے
پرکشش سراپے اور سحر انگیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی دلکشی سے بولیں تو اسے ناقابل یقین
کچھ اس طرح محسوس ہوئی کہ چند لمحے وہ کوشش کے باوجود کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ اس کی دوست سعدیہ اور چار گروپ فرینڈز
زوہیب اور علینہ بھی کچھ ایسے ہی چونکے تھے۔
''ہیلو میڈم!'' وہ اپنی خوشی پر بمشکل قابو پاتے ہوئے سرخ چہرہ لئے اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس
یاقوت سے ہیلو کہا تو انہوں نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ صراحی دار، دودھیا گردن ہلاتے ہوئے بڑی خوش
''کین آئی ٹیک یور سم ٹائم، پریٹی گرل؟'' وہ مسکراتے ہوئے عزہ سے مخاطب تھیں۔ باقیوں نے معنی خیز

عزہ چند قدم چل کران کے پاس آگئی۔

"اور کیسی ہو؟ اف آئی نوٹ فارگیٹ یور گڈ نیم؟" انہوں نے بڑی گرم جوشی اور محبت سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے تھے۔ اس کے نرم گداز ہاتھوں کی حرارت، عزہ کے اندر کسی نرم میٹھی دھوپ کی طرح اُتری تھی۔

"عزہ!" وہ بڑی محبت اور خوشی سے اسے تک رہی تھیں۔

"آپ کو میرا نام یاد ہے۔ سرپرائزنگ۔" وہ خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ ان کی محبت بخش حرارت کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے بولی۔

"اگر مجھے تمہارا نام یاد نہ ہوتا تو اس شام میں اسپیشل تمہیں فون کر کے ایگزیبیشن میں انوائٹ نہ کرتی۔" انہوں نے جتانے والے انداز میں گلہ سا کیا۔

"آئی ایم سوری۔ ریئلی سوری۔ اس شام میں نکلی تھی گھر سے، مگر........ کچھ ایسا ہوگیا کہ پہنچ نہ سکی ایگزیبیشن میں۔" وہ معذرت بھرے انداز میں قدرے شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"اور میں تمہاری اس پیاری سی معذرت کا انتظار کرتی رہی کہ شاید آپ مجھے بھول سے مس کال ہی کر دیں۔" اس کے ہاتھ ابھی تک ان کے ہاتھوں میں تھے۔

"ریئلی! آپ نے ایسا سوچا........ آئی مین انتظار؟" وہ خوشی سے مغلوب لہجے میں حیرانی سے بولی۔

"بالکل، میں نے انتظار کیا۔ پتہ ہے عزہ! ہم جو بے تحاشا مصروف اور کچھ مشہور قسم کے لوگ ہوتے ہیں، دن بھر میں ہزاروں نہیں تو سینکڑوں لوگوں سے ملتے ہیں۔ ایک جیسے چہرے، ایک جیسی باتیں، روٹین کی، بزنس کی، تعریف سن سن کر بڑے عادی ہوتے ہیں اور اس اگی بندھی ڈل مصروفیت کے دوران اگر کوئی ایسا چہرہ، لہجہ، آواز کچھ بھی ہمیں ذرا انوکھے انداز میں کلک کر جائے تو ہمارے لئے اسے فراموش کر دینا آسان نہیں ہوتا۔ اور تمہارا چہرہ بھی ایسا ہی ایک خوب صورت، من موہنا چہرہ ہے۔ جس نے دید کے پہلے لمحے سے میری میموری کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔ شاید میری یہ فیلنگ ون سائیڈ ہو۔ بٹ آئی ڈونٹ کیئر، کیونکہ مجھے جو اچھا لگتا ہے، میں اس کا برملا اظہار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی۔"

عزہ کے لئے یہ سب کچھ بہت غیر متوقع اور قدرے حیران کن تھا۔ یہ نہیں تھا کہ کبھی کسی نے اس سے محبت کا اظہار اتنے اچھے الفاظ اور انداز میں نہیں کیا تھا۔ اسکول کالج میں اپنے دوستوں اور اساتذہ سے وہ اس طرح کے ستائش بھرے جملے سنتی ہی رہتی تھی، مگر یہ اپنائیت بھرا، دل میں اُتر جانے والا انداز اس نے کسی کی محبت میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ حتیٰ کہ سارہ اور محمود عالم کے انداز میں بھی نہیں۔ وہ دونوں تو یوں بھی اظہار کو سطحی معنوں میں لیتے تھے، شاید ہی اس کے شعور میں اس نے خود اپنے لئے ان کے منہ سے یا ایک ادھورے کے لئے ایسا ستائش بھرا، محبت کے شیرے میں لتھڑا ہوا ایک آدھ جملہ ہی سنا ہو۔ میڈم یاقوت کا اپنائیت بھرا انداز ایسا تھا، جیسے کوئی بہت اپنا، بہت قریبی بچھڑا ہوا عزیز، انسانوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا اس سے آملا اور آتے ہی اسے گلے سے لگا لیا ہو اور اس گلے لگنے والی کیفیت میں کیسا جادو تھا۔ اسے لگا، وہ صدیوں کی مسافت کے بعد کسی شجر سایہ دار کی ٹھنڈی چھاؤں میں آبیٹھی ہو اور کوئی بھی اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس بدن کی ایک ایک سلوٹ میں اُتری گہری تھکن کو چن رہا ہو........ اس فائیو اسٹار ہوٹل کے خنک ڈائننگ ہال میں لمحہ بھر کی یہ کیفیت کیسی تھی کہ میڈم یاقوت نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے اس کے کندھے کو اپنے ساتھ لگا لیا، وہ جیسے گہری نیند سے جاگی۔

"تھینک یُو میڈم!" وہ اتنی آہستگی سے بولی کہ خود اپنی آواز نہ سن پائی تھی۔

"تمہارا نام کس نے رکھا تھا؟" ان کا ریشمی ہاتھ وہی محبت بھری حدت اب اس کے کندھے میں سمو رہا تھا۔

"معلوم نہیں۔ ماما یا پاپا میں سے کسی نے رکھا ہوگا۔" وہ آہستگی سے کچھ محجوب لہجے میں بولی۔ اسے واقعی معلوم نہیں تھا کہ اس کا نام کس نے رکھا ہے اور اس نے کبھی جاننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

"بہت خوب صورت ہے۔ تمہارے خوب صورت چہرے کی طرح پُرکشش اور منفرد، جیسا تمہارا حُسن ہے، دیکھنے والے کے دل میں اُتر جانے والا، ویسا ہی تمہارا نام۔ اسی لئے تو تم مجھے یاد رہ گئیں اور میں تمہیں کبھی بھولنا نہیں چاہوں گی۔ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا مطلب کیا ہے؟"

وہ سحر انگیز لہجے میں اس کے چہرے پر اپنی بڑی بڑی براؤن آنکھیں جما کر بولیں تو پہلی بار عزہ نے خود کو ان نظروں کے حصار میں خود کو بے بس سا محسوس کیا، جیسے کسی پرندے کے پَر قینچی بھی نہ کئے ہوں مگر وہ چاہنے کے باوجود اُڑ بھی نہ سکے، جبکہ وہ کسی پنجرے میں قید بھی نہ ہو۔

"جی!" اُس کے ہونٹ پھڑپھڑائے۔ وہ قطعاً بھول چکی تھی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔ اسے کہاں جانا ہے یا کون اسے دیکھ رہا

ہے۔ وہ تو ان سنہری آنکھوں کے سونے میں گویا اپنی بینائی کھو چکی تھی۔ اسے چمکتی، چندھیا دینے والی روشنی کا
دے رہا تھا۔

''آگ میں جلتا ہوا یا برف میں سویا ہوا۔'' انہوں نے گمبھیر لہجے اور گہری آواز میں کہا۔ وہ کسمسائی مگر اس کا
جو اس کے گرد ان دیکھی دیواریں کھینچے ہوئے تھی۔

''اس وقت........ یہ حُسن برف میں سویا ہوا ہے۔'' انہوں نے بے ساختہ اس کے ماتھے پر پڑے کرل کو ہا

''اور میں اسے آگ میں جلتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔'' انہوں نے انگلی کو ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر چھوڑ دیا تو جیسے اس
کسی نے یخ پانیوں سے جلتے صحرا میں پھینک دیا ہو۔

''اور اس حُسن کی آگ سے ساری دنیا کو جلا دینا چاہتی ہوں، تم دیکھنا'' وہ بھرے بھرے ہونٹوں میں بڑبڑائیں

''جی........ میں کچھ نہیں۔'' وہ سخت کنفیوز ہو گئی تھی اور ارد گرد کا ماحول پھر سے ہولے ہولے سانس لینے لگا
بے حس، جامد کیفیت جیسے دم توڑ رہی تھی۔ ارد گرد چلتے پھرتے لوگوں کے قدموں کی آوازیں، ڈائننگ ہال کے برتنوں
کی کھنکتی آوازیں، مدھم گفتگو، ہلکے قہقہوں اور گنگناتی سرگوشیوں کی آوازیں اور اپنے دوستوں کی معنی خیز بار بار
نگاہیں پس منظر سے زندہ ہو کر بالکل پیش منظر میں آ گئی تھیں۔ میڈم یاقوت اپنے پُرکشش، خوب صورت سراپے
ساتھ اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ اسے لگا، چند لمحے بیشتر شاید وہ یہاں نہیں تھی، کہیں اور چلی گئی تھی۔ کہا
اُلجھن میں پڑ گئی۔

''تمہاری یہ معصومیت میرے خیال میں کہیں بھی آگ نہیں لگنے دے گی، سوائے دل کے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس
کیوں؟)

''میں ابھی بھی نہیں سمجھی۔'' اپنے نہ سمجھ سکنے کا اعتراف کرتے ہوئے اسے سخت شرمندگی سی ہوئی۔ وہ ایسی کی
رہی تھی۔

''تمہیں یہ سب سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں، مائی ڈیئر!........ تم نے اکیڈمی جانا چھوڑ دیا؟'' انہوں نے اچانک

''کون سی اکیڈمی؟'' وہ قطعاً نہیں سمجھی۔

''مائی کلاسیکل ڈانس اکیڈمی۔'' وہ بولیں تو اسے ایک بار پھر خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ تو گویا انہیں معلوم تھا۔

''وہ ایگزام شروع ہو گئے تھے۔ اس کے بعد بھی مصروفیت، اس لئے........''

''تمہارا فائنل سمیسٹر کب تک ہے؟''

''فائنل تو ابھی دور ہے۔ آپ آئیں نا۔ میری فرینڈ کی برتھ ڈے ہے اور ڈنر ٹیبل قریب ہے۔'' وہ خوش دلی سے

''میں ضرور اس ٹیبل پر بیٹھنا اپنے لئے خوشی کا باعث جانتی اگر اس ٹیبل پر عزہ کا برتھ ڈے کیک سجا ہوتا۔''
بولیں کہ عزہ کے دل کے دروازے ایک بار پھر زوردار آواز سے میڈم یاقوت کو ویلکم کہتے ہوئے چوپٹ کھل گئے۔

''رئیلی........ آپ آئیں گی میری برتھ ڈے پر؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔

''ضرور آؤں گی، اگر تم انوائیٹ کرو گی۔'' وہ شولڈر پر پڑے براؤن گھنے بالوں کو ہلکا سا جھلا کر بولیں۔ ''
تمہارے لئے۔'' وہ اس کے دوستوں کی بے چین نظروں کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''وہ کیا؟'' سعدیہ اب اسے اشارے کر رہی تھی آنے کے لئے۔

''تمہیں کچھ نہ کچھ کرنے کا شوق ہے اور........ میں دیکھ رہی ہوں، تم میں پوٹینشل بھی بہت ہے، بہت کچھ
کچھ سیکھا ہے، مائی اکیڈمی سے، کیا اس کو Utilize (استعمال) نہیں کرو گی؟''

ان کی بات پر وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''سوری، وہ محض میرا شوق تھا۔'' وہ ان کا مطلب مقدور بھر سمجھ کر جلدی سے بولی۔

''ایسی بات نہیں۔ میں بھی سمجھتی ہوں۔ شوق شوق ہی رہنا چاہئے، اسے ٹینشن نہیں بننا چاہئے۔ شاہی قلعے
رائل ڈریسز کی ایگزیبیشن ہے۔ ایسی ایگزیبیشن جو فیشن ورلڈ میں ایک مدت تک یاد رکھی جائے گی اور ایسے ڈر
ہوں، فیشن ٹرینڈز کو ایک بالکل نیا کلاسیکل ٹچ دیں گے۔ میں ان ڈریسز میں سے ایک جو سب سے قیمتی اور خو
تمہارے اس سانچے میں ڈھلے بدن پر سجا دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمہاری چال، تمہاری اُٹھان، تمہارا یہ قیامت سرا
اس لباس کی قیمت کو کئی ہزار گنا بڑھا دے گا۔ ہلکی پھلکی ماڈلنگ سمجھ لو۔ شوقیہ اگر کرنا چاہو، یہ میرا کارڈ رکھ لو۔ خ
سوچ سمجھ کر، گھر میں چاہو تو پیرنٹس سے مشورہ کر لو۔ میرا تو خیال ہے، وہ تمہیں اس بے ضرر سی ماڈلنگ سے نہ

ٹم میں اتنا ٹیلنٹ ہے تو یہ ان کے لئے باعثِ فخر ہونا چاہئے۔" وہ اب جلدی جلدی کہہ رہی تھیں۔

وہ سلور، چکنا چمکتا کارڈ ہاتھ میں لئے متذبذب سی کھڑی تھی۔

"نو میڈم......" اس نے کہنا چاہا۔

"پلیز، ابھی کچھ نہ کہو۔ ہفتہ بھر سوچ لو، پھر مجھ سے کانٹیکٹ کر کے جو کہنا چاہو، کہہ لینا۔ میں تمہیں قطعاً فورس نہیں کر رہی۔ وِش یو بیسٹ آف لک اینڈ گڈ بائے۔ جوائن یور فرینڈز اینڈ انجوائے۔"

وہ اس کا کندھا ہلکا سا دبا کر جس طرح آئی تھیں، اسی طرح واپس مڑ گئیں اور اسے لگا، وہ صرف ان کی موجودگی میں ہی خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی، بلکہ جب بھی ان کے بارے میں سوچے گی، خود کو ایسا ہی لاچار محسوس کرے گی۔ یہ کیسی کیفیت تھی، وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

❁

''مس! آپ کو سر بلا رہے ہیں۔'' وہ کمپیوٹر آن کیے، کی بورڈ پر آہستہ آہستہ اپنی انگلیوں کو رواں کر رہی تھی، کرمؤدب لہجے میں کہا۔

''سر......؟'' وہ اُلجھی۔ ''کون؟ کہاں؟''

''میڈم کے آفس میں۔'' پیون کہہ کر واپس مڑ گیا۔

اس کی میڈم یاقوت سے ملاقات ہو چکی تھی، وہ اس سے بہت پیار سے ملی تھیں۔ کسی بھی مسئلے پر فوراً ا کرنے کی ہدایت کر رہی تھیں۔

''میں نے جمیل سے کہہ دیا ہے، تمہیں آفس ورک میں ٹرینڈ کر دے گا۔ جلد ہی سب کچھ سیکھ جاؤ گی۔ اور کی ضرورت نہیں۔ ریلیکس رہو۔''

وہ ت شفقت بھرے انداز میں اس سے بولیں تو اس کے اندر چھایا خوف و ہراس اور ٹینشن جیسے اڑ یہ سر بھلا کون ہوئے؟ وہ اپنے حلیے پر نظریں دوڑاتی، بالوں پر ہاتھ پھیرتی دوپٹہ درست کر کے میڈم یاقوت کے عائشہ بخاری کا کیبن خالی تھا۔

''مے آئی کم اِن؟''

''یس۔'' جہانگیر ہمدانی نے اپنے آگے پڑی فائل بند کر دی۔

'اوہ!' تانیہ کے ہونٹ سکڑے۔ صبح میڈم یاقوت نے اس کے کیبن کے آگے سے گزرتے ہوئے جہانگیر تعارف کرایا تھا۔

''مس تانیہ! یہ آپ کے رئیل باس ہیں۔ اکثر جب میں سیٹ پر نہیں ہوتی تو یہی کام سنبھالتے ہیں۔ تم ا اور اپنی ہر پرابلم ان سے شیئر کر سکتی ہو۔'' انہوں نے جاتے جاتے تاکیداً کہا تھا۔ جہانگیر ہمدانی کی بے باک اس وقت بھی سمجھ نہیں سکی تھی، صرف اس کی مردانہ جاذب نظر پرسنیلٹی اور وجیہہ قد و قامت کو دیکھ کر اس کی دھ دھڑکی تھیں اور اب پھر......وہ ذرا سا گھبرا گئی۔

میڈم یاقوت کمرے میں موجود نہیں تھیں۔

''آیئے مس تانیہ مراد! پلیز۔'' وہ کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مہذب لہجے میں بولا تو وہ آہستگی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کتنے ماہ ہو گئے آپ کو یہاں جاب کرتے؟'' وہ ریوالونگ چیئر کو نامحسوس طریقے سے ہلاتے اس پر نظریں

''نو سر! مہینے نہیں۔ ابھی تو بمشکل ایک ہفتہ ہوا ہے۔'' وہ فوراً تصحیح کرتے ہوئے کھنکتی آواز میں بولی۔ جہانگ سے اس کے دل کی دھڑکنیں ایک بار پھر بے ہنگم ہونے لگی تھیں۔ لرزتی پلکیں اس کی جذباتی مدوجزر کا پتا دے ر کی بدلتی رنگت اس کے گلابی ہونٹوں کی رنگت سے ہم آہنگ ہو رہی تھی۔ ہلکی کولنگ اور کمرے میں موجود خنکی کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔

''اوہ، یُو رئیلی اے نیو۔'' تانیہ کا معصوم حُسن اور بے ریا شفاف آنکھیں اس کے اندر بھی ہلچل مچانے لگ جاب سے مطمئن ہیں؟''

''جی سر!'' اس نے اپنی کپکپاتی سرد انگلیوں کو باہم جکڑا۔

''ہمارے بزنس کا نیٹ ورک دبئی اور سنگاپور میں بھی ہے، آپ کو معلوم ہے نا؟'' وہ لاعلم تھی اس لئے چپ کو آفر کروں......میڈم نے آپ کو بتایا ہوگا، میں زیادہ تر دبئی ہی میں ہوتا ہوں۔ اپنے ساتھ کام کی آفر سیلری پر تو؟''

اس کی آفر، تانیہ کو کرسی سے اچھالنے کے لئے کافی تھی، کجا ٹرپل سیلری کی آفر۔
"نو سر! میں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔
"آپ میں کام کرنے کی لگن ہے اور مجھے اپنے لئے محنتی اور مخلص اسٹاف کی ضرورت ہے۔ اگر آپ چاہیں تو" اس کی چمکتی نگاہیں، تانیہ کے سرخ پڑتے چہرے کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھیں۔
"نو سر!...... تھینک یو۔"
"اوکے، نو پرابلم۔ اچھا، ابھی تو میں نکل رہا تھا۔ اپنی ڈیفنس والی برانچ کے لئے دبئی سے کچھ بڑے آرڈرز کرائے تھے۔ میں چند دنوں میں بالکل واپس جانے والا ہوں تو یہ آرڈر مکمل کروا کر مجھے اپنے ساتھ لے جانے ہیں مس تانیہ! آپ جانتی ہیں نا کہ ہمارا بنیادی کام بوتیکس اور جیولری کا ہے، سو آپ کو اس کے بارے میں اپنا نالج اپ ڈیٹ رکھنا چاہئے۔ آپ ابھی میرے ساتھ چل رہی ہیں۔ آپ دس منٹ میں تیار ہو جائیں، اتنی دیر میں ڈرائیور گاڑی نکالتا ہے۔" وہ گویا اسے حکم دیتے ہوئے انٹرکام پر گاڑی کے کہنے لگا تو تانیہ حیران پریشان سی اپنی جگہ پر بیٹھی رہ گئی۔ اسی وقت عائشہ بخاری اندر داخل ہوئی۔
"سر! آئی ایم ریڈی ٹو گو۔" وہ ڈارک بلیو شارٹ شرٹ اور ٹراؤزر کے ساتھ وائٹ پرلز کی لائٹ جیولری پہنے عام دنوں سے زیادہ خاص لگ رہی تھی۔
"نہیں، تم رہنے دو۔ آج میرے ساتھ، مس تانیہ جا رہی ہیں۔ ہم دو گھنٹوں تک واپس آ جائیں گے۔ تم خاور کی اسائنمنٹ کا پیپر ورک مکمل کرلو۔" وہ اُٹھتے ہوئے بولا تو عائشہ بخاری پل بھر کو اپنی جگہ منجمد سی ہو کر رہ گئی اور پتھرائی ہوئی نظروں سے سر جھکائے بیٹھی تانیہ کو دیکھنے لگی۔ اسی وقت میڈم یاقوت اندر داخل ہوئیں۔
"ہائے! دیکھو، میں اِن ٹائم آ گئی ہوں۔ خیریت، ادھر کوئی میٹنگ چل رہی ہے؟" وہ پیچ کلر کی خوب صورت ساڑھی میں ہم رنگ لائٹ میک اپ میں ہر روز کی طرح بہت پُرکشش لگ رہی تھی۔
"میں ذرا ڈیفنس تک جا رہا ہوں۔ دیکھوں، کہاں تک آرڈرز مکمل ہو گئے ہیں۔ میرے پاس ادھر صرف ایک ہفتہ ہے۔ اور ہاں، میں مس تانیہ مراد کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ تمہیں بھی چاہئے انہیں آفس ورک سے زیادہ فیلڈ ورک سے اِن ٹچ رکھو۔ آفس ورک کے لئے اِدھر ایمپلائز کم ہیں کیا؟" وہ ٹیبل سے اپنا سیل فون اور کی رِنگ اٹھاتے ہوئے بولا عائشہ بخاری اب منتظر سی نگاہوں سے میڈم یاقوت کو دیکھ رہی تھی۔
"اِٹس اوکے، لے جاؤ۔ اور بھئی میں تو خود چاہتی ہوں کہ کوئی مجھے بھی اسسٹ کرنے والا ہو۔ گھن چکر کی طرح مجھے ساری طرف گھومنا پڑتا ہے۔ اب تم جتنے دن اِدھر ہو بہتر ہے ذرا سب طرف کا وزٹ کرلو۔ اور اگر اس معاملے میں تانیہ کو کچھ ٹرینڈ کرسکو تو آئی تھینک فُل۔ اور عائشہ! پلیز تم ذرا قریشی صاحب سے کہو، اکاؤنٹس کی فائل لے کر میرے پاس آئیں۔ لنچ تو ہم اکٹھے کریں گے نا۔" وہ باہر جاتے جہانگیر ہمدانی سے بولیں۔
"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ فون کرلینا۔ کم آن مس مراد!" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا جبکہ عائشہ بخاری اسی طرح کھڑی تانیہ کی طرف دیکھ رہی تھی، جو پریشان سی اپنی اُنگلیاں چٹخا رہی تھی۔
"میڈم! میں جاؤں؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میڈم یاقوت نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ بادل نخواستہ مڑ کر باہر جانے لگی۔ عائشہ بے دلی سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"میڈم! ایک بات ہے۔" تانیہ دروازے کے پاس جاتے جاتے مڑ کر بولی۔
"ہوں، کہو۔" وہ اب اپنی چیئر پر بیٹھ کر آگے پڑی فائل کو دیکھ رہی تھی۔
"میڈم! یہ...... آئی مین فیلڈ ورک...... میڈم! مجھے گھر سے صرف آفس ورک کی پرمیشن ہے۔" وہ اٹک اٹک کر کہہ ہی گئی تو میڈم یاقوت کے ہونٹ ایک پل کو بھنچ گئے۔ شفاف پیشانی پر ناگواری کی شکن سی اُبھری۔
"مس تانیہ! یہ فیلڈ ورک بھی آفس ورک میں شامل ہے۔ ہمارا بنیادی کام فیلڈ ورک ہی ہے، جو آپ کو بھی کرنا ہے۔ آج نہیں تو کل۔ آپ سوچ لیں۔" ان کا لہجہ اتنا روکھا تھا کہ لگ ہی نہیں رہا تھا، یہ میڈم یاقوت ہیں۔ تانیہ ڈر سی گئی۔
"اور مس عائشہ! آپ کیا اسٹیچو بننے کی پریکٹس کر رہی ہیں؟ آپ نے سنا نہیں، میں نے آپ سے کیا کہا تھا۔" وہ ایک دم طیش میں آ کر بولیں تو عائشہ گھبرا کر سوری میڈم کہتی باہر نکل گئی اور حلق میں اُترتے نمکین پانی کو پیتی تانیہ مراد بھی بے جان قدموں سے باہر نکل گئی۔
"مجھے صرف آفس ورک کی پرمیشن ہے۔ ہونہہ...... دیکھنا مس تانیہ! آپ کے گھر والے خود آپ کو فیلڈ ورک ہی نہیں بلکہ ایسے ایسے کام کرنے پر مجبور کریں گے، جن کے بارے میں نہ تم نے، نہ کبھی تمہارے "شریف، باعزت" گھر والوں نے خواب میں

بھی سوچا ہوگا۔ بس کچھ دن اور انتظار میری جان! تم خود گڑگڑاؤ گی میرے آگے اس فیلڈ ورک کے لئے۔ مکڑی کے جال جتنا مرضی پھڑ پھڑائے، مچلے، بھڑکے، ہاتھ پاؤں مارے۔ جان سے تو جا سکتی ہے، بس اس نازک تانے بانے سکتی۔"

وہ ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ پر نظریں جمائے کہہ رہی تھیں۔

✲✲......✲✲
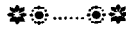
"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی، ماما؟" عزہ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے یونہی ڈائننگ روم کے پاس سے عالم کو ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے کھانا کھاتے دیکھ کر وہ اندر آ گئی۔ وہ روسٹڈ فش کے ساتھ سلاد دکھا رہی تھیں۔ عزہ کی آواز پر ان ٹھٹکا، اس کے بعد وہ پھر یکسو ہو کر کھانے لگیں۔ عزہ کچھ دیر ان کے جواب کی منتظر کھڑی رہی، پھر آہستگی سے کرسی گھسیٹ

"کہاں سے آ رہی ہو، اس وقت آوارہ گردی کر کے؟"

سارہ اس کے بیٹھتے ہی کرخت لہجے میں بولیں تو وہ پل بھر کو بھونچکی سی رہ گئی۔ سارہ کا لہجہ اور الفاظ اکثر ہی ہت والے ہوتے تھے، مگر ایسا لفظ شاید انہوں نے پہلی بار بولا تھا۔ وہ گنگ سی بیٹھی رہ گئی۔

"جی ماما! آپ سے پوچھ کر گئی تھی کہ سعدیہ کی برتھ ڈے تھی۔" وہ آنسو پیتے ہوئے وضاحت دینے لگی۔

"سعدیہ کی برتھ ڈے؟" انہوں نے زور سے کانٹا پلیٹ پر پٹخا اور دانت کچکچا کر بولیں۔ "باپ کو دنیا بھر کے مظلو دلانے سے فرصت نہیں، موٹی موٹی فائلیں اسے گھر، اولاد اور بیوی سے زیادہ عزیز ہیں۔ بیوی کو تو سمجھو اس نے گھر کا کباڑ سمجھ کر کونے میں ڈال دیا ہے، کم از کم بیٹی کا ہی ہوش کر لے۔ سارا سارا دن دوستوں اور پڑھائی کے بہانے بار ہے۔ کدھر جاتی ہے، کیا کرتی ہے، کس سے ملتی ہے؟ کون خبر رکھے۔ میں کچھ بولوں گی، پوچھوں گی تو کہیں گے، یہ تو سے ماورا۔ ان پڑھ، گنوار۔ میں کیا کسی کو عقل دے سکتی ہوں؟ جو ساری زندگی شوہر نے مقام دیا، وہی اولاد نے دیا کبھی مجھے کسی قابل سمجھا اور اب نہ بیٹی صاحبہ کچھ سمجھنے کو تیار ہیں۔ میں پوچھتی ہوں، یہ تم صبح کی نکلی اب اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟ کون سی سالگرہ جو رات گئے تک چلتی ہیں یا......"

اُف......سارہ کے الفاظ تھے یا بارود کے گولے۔ عزہ بے یقینی، حیرت، دکھ اور یاس سے پتھرائی آنکھیں لئے شکی عورت کو دیکھ رہی تھی، جو بدقسمتی سے اس کی ماں تھی اور آج سے پہلے تو ان کا لہجہ کبھی ایسا گرا ہوا نہ تھا اور نہ الفاظ جی چاہ رہا تھا، کوئی بھی دلیل، کوئی بھی وجہ پیش کرنے کے بجائے یہیں زمین شق ہو اور وہ اس میں دھنس جائے۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں میں تم سے۔ یوں دیدے پھاڑ پھاڑ کر مجھے کیا دیکھ رہی ہو؟ پہلے تو باوا نے میرے ہزار باوجود اس مخلوط ادارے میں ڈال دیا، جہاں مجھے پتہ ہے، پڑھائیاں کم اور آنکھ مٹکا زیادہ ہوتا ہے۔ اتنی دنیا تو ہم نے ہے۔ یہ آج کل کے لڑکے لڑکیاں کیسے ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر گھر سے باہر ڈیٹیں مارتے پھرتے ہیں عزہ کو لگا، واقعی اس کی ماں پاگل ہو گئی ہے۔ پاپا بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ وہ یک ٹک ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے پیالے پانیوں سے بھر گئے تھے۔

"ماما! آپ نے مجھے ایسا سمجھ رکھا ہے؟" وہ ضبط کرتے کرتے بھی ضبط کھو بیٹھی اور بے اختیار روتے ہوئے اٹھ

"تو کیا سمجھوں تمہیں میں؟ تمہارے باپ جیسا نیک، پارسا، بہروپیا جیسا وہ ہے، دھوکے باز فریبی......اس میری سچی محبت پر یقین کیا، جو میں تم پر کرلوں؟ مجھے پتہ ہے، تم بھی وہی کرو گی جو تمہارے باپ......" ان کا سانس کیا۔ مگر یاد رکھو، میں ابھی زندہ ہوں۔ یہ حرام......"

وہ پھولے سانسوں کے درمیان پتہ نہیں، کیا کیا بول رہی تھیں۔ ان کی سانسوں کا زیر و بم آپس میں الجھ رہا ابلنے لگی تھیں اور گلے کی رگیں پھول رہی تھیں۔ وہ زور زور سے سر ہلاتے، سانس لینے کی کوشش کرتے سر ادھر ادھر عزہ دوڑ کر ان کے کمرے میں گئی اور ان انہیلر لا کر ان کے منہ کے آگے کیے ان کا سر ایک جگہ ٹکانے لگی۔

"پلیز مما! سنبھالیں خود کو مما!......بلیو می، میں کہیں نہیں گئی تھی۔ آئی سوئیر۔ سانس لیں......زور سے کریں۔" وہ چہرے پر بہتے آنسوؤں کے درمیان کبھی اپنی صفائی دیتی اور کبھی ماں کی حالت پر انہیں سنبھالنے لگتی۔

"ڈاکٹر صاحب کو فون کروں۔ ماما! آر یو آل رائٹ؟" وہ ان کی سفید پڑتی رنگت کو دیکھتے ہوئے گھبرا گئی۔

"ٹھیک ہوں، چھوڑو۔" انہوں نے انہیلر اس کے ہاتھ سے کھینچا اور بمشکل چلتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں چلی گئیں

اُس کا جی چاہا، وہ یہیں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اتنا زیادہ کہ اسے ماما کی باتیں سن کر آئندہ کبھی رونا شاید اس ارادے پر عمل کر بھی ڈالتی کہ اسی وقت محمود عالم اندر داخل ہوئے۔ وہ شاید چیمبر سے آ رہے تھے۔ ڈرائیور

کر اسٹڈی کی طرف جا رہا تھا۔
"السلام علیکم پاپا!" وہ اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے بے دلی سے مسکرا کر بولی۔
"وعلیکم السلام۔ کیا ابھی تک کھانا نہیں کھایا تم نے؟" وہ اس کے پاس ہی رک گئے۔
"نہیں، کھا لیا۔ میں سعدیہ کی برتھ ڈے پر گئی تھی تو ڈنر بھی وہیں کر لیا تھا۔ آپ کھائیں گے؟" وہ ایک بار پھر اُمڈ آنے والے آنسوؤں پر قابو پاتی ہوئی سر جھکا کر بولی۔
"اچھا، تو دوبارہ بھوک لگ گئی جو آتے ہی پھر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئیں۔" وہ ذرا سا مسکراتے ہوئے اس کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھے تو وہ نفی میں سر ہلا کر انہیں دیکھنے لگی، جو اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔
"کیا بات ہے، تم روئی ہو؟" وہ اس کا متورم چہرہ اور آنکھیں دیکھ کر بولے تو اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔
"پھر کیا بات ہے؟"
"کچھ نہیں۔ آپ کھانا کھائیں گے؟"
"نہیں، میں کھا کر آیا ہوں۔ عزہ! طبیعت تو اچھی ہے نا تمہاری؟" وہ فکرمندی سے بولے تو اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔ آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔
"کیا ہوا، بتاؤ؟" وہ گہرا سانس لے کر بولے تو عزہ ٹشو باکس سے ٹشو پیپر لے کر چہرہ صاف کرنے لگی۔
"میں حالانکہ ماما کو بتا کر گئی تھی کہ میں سعدیہ کی برتھ ڈے پر جا رہی ہوں........ پھر بھی پتہ نہیں کیوں، میں آئی ہوں تو وہ مجھ پر ناراض ہونے لگیں۔ اتنی فضول باتیں........ پاپا! میں انہیں بتا کر گئی تھی کہ میں کہاں جا رہی ہوں، پھر بھی........ پھر بھی........" آنسو ایک بار پھر چھلک پڑے۔
"پھر بھی کیا؟" وہ اپنے مخصوص کمپوزڈ لہجے میں بولے۔
"وہ کہہ رہی تھیں کہ میں نہ جانے کہاں سے آئی ہوں، کس سے........" وہ بہتے آنسوؤں کو پونچھنے لگی۔
"کم آن، شی از میڈ۔" وہ ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اس کے آگے کرتے ہوئے لاپروا انداز میں بولے تو عزہ ششدر سی انہیں دیکھنے لگی۔
"پاپا! وہ پاگل نہیں ہیں۔ آپ کی بے نیازی انہیں غصہ دلاتی ہے۔" وہ آہستگی سے ان کی طرف دیکھ کر بولی۔ ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔
"مائی چائلڈ! شی از میڈ۔ بلیو می۔" وہ ٹھنڈے لہجے میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ "اور اگر تم اس عورت کی باتوں کی یوں ہی پروا کرتی رہیں تو تمہارے دماغ پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔" وہ شاید اُٹھنے لگے تھے۔
"پاپا! وہ میری ماں ہیں۔" وہ احتجاجاً انہیں یاد دلاتے ہوئے بولی۔
"تو ماں بنے نا، تاوان تو نہ بنے اس رشتے کا۔ چھوڑو اس کے بارے میں سوچنا اور اندر جا کر ریسٹ کرو۔" وہ اسے مشورہ دے کر جانے لگے۔
"پاپا! وہ کون ہے یا تھا، جس کی وجہ سے آپ نے ماما کے بارے میں سوچنا، پروا کرنا چھوڑ دیا؟" پتہ نہیں، اس کے اندر اتنی جرأت کہاں سے آ گئی تھی۔ ماں کی دیوانے پن کی حالت نے یا باپ کے ہمدردانہ رویے نے اسے یہ حوصلہ دیا کہ وہ ایسا خطرناک سوال جو وہ تنہائی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، محمود عالم سے پوچھ ڈالے۔ ان کا ری ایکشن اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔ وہ کسی سنگی مجسمے کی طرح ساکت کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔
"شٹ اپ عزہ! اور اپنی حد میں رہو۔" وہ نیچی آواز میں غرائے تھے۔ اس غراہٹ کے ساتھ ان کی آنکھوں سے کیسے شعلے لپکے تھے کہ عزہ ان کی حدت کی تاب نہ لا سکتے ہوئے کرسی سے اُٹھ کر دو قدم پیچھے ہو گئی۔
"اور میرے خیال میں تمہاری ماں کی رائے اتنی غلط بھی نہیں۔ اور میرے خیال میں مجھے تمہاری کمپنی کو بھی چیک کرنا پڑے گا، جو اس طرح کے فضول خیالات تمہارے دل و دماغ میں جگہ گھیرنے لگے ہیں۔ زیادہ بہتر ہے کہ ان ربش خیالات کے بجائے تم اپنی سٹڈیز پر دھیان دو، انڈر اسٹینڈ! آئندہ تمہارے منہ سے یہ بیہودہ سوالات نہ سنوں۔" وہ چبا چبا کر بولتے ہوئے اسے زہر آلود نگاہوں سے تکتے، چند ثانیے وہیں کھڑے رہے اور پھر کرسی کو ایک ٹھوکر مار کر باہر نکل گئے۔
عزہ کی آنکھوں میں آنسو جیسے منجمد ہو کر رہ گئے۔ جیسے اُس کی سوچیں ماں باپ کی اس "مشترکہ سوچ" کے بارے میں جان کر منجمد ہو گئی تھیں۔
"پاپا........ ماما........ آپ دونوں مجھے ایسا سمجھتے ہیں........ ایسا؟" اس کے اندر دُکھ کی دُھند چھانے لگی۔ اس نے کرسی کی

بیک تھام کر خود کو سہارا دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، ایسے کرب ناک دکھ کا اظہار وہ کس طرح کرے اور کہا
'آخر میں کیوں ہوں؟ کیوں؟........ یہاں کس کو میری ضرورت ہے؟ کس کو؟........ کسی کو بھی نہیں۔'
اس رات ایک مدت بعد شاید اپنے شعور میں پہلی بار نینداس کی آنکھوں سے روٹھی تھی۔ پہلی بار اسے
نیازی پر غصہ نہیں آیا تھا، نفرت محسوس ہوئی تھی۔ ایسی نفرت جیسی اسے خود سے محسوس ہو رہی تھی، اپنے ہونے سے

✲......✲

شام کے پانچ بجنے والے تھے، جب تنزیل نے فائلیں سمیٹ کر پیچھے پڑے ٹیبل پر رکھیں اور براؤن کر
گیا۔
'میڈم ابھی آفس میں ہوں گی؟' اس نے سوچتے ہوئے پیون کو بیل دے کر بلایا اور اسے اپنے جانے کا بتا
بڑی سی پرانی بلڈنگ کی اونچی چھتوں کو اوپر تک دیکھنے کے لئے سر کو اچھا خاصا پیچھے لے جانا پڑتا تھا۔ اس
کے ساتھ ساتھ گونج بن کر چلی آ رہی تھی۔
اُن کا اس بلڈنگ میں بس یہی ہفتہ تھا۔ مائی فیشن میگ کی دوسری کاپی بس نکلنے کو تھی۔ اس کے فوراً بعد
چھوڑ کر نئی بلڈنگ میں شفٹ ہو جانا تھا، جو وہ کل ہی جاوید صاحب کے ساتھ جا کر دیکھ آیا تھا۔ ہر قسم کی جدید
لیب اور دوسرے ماڈرن ایکوپمنٹس سے آراستہ تھی۔ اس کا آفس تو بہت شاندار تھا۔
'چلو، اس آثار قدیمہ سے تو جان چھوٹ جائے گی۔' وہ برآمدے سے گزر رہا تھا اور ایک چمگادڑ اس کے
اُڑ کر تاریک برآمدے کے دوسرے کونے میں کہیں روپوش ہو گئی تھی۔ اس نے گھبرا کر قدموں کی رفتار تیز کر لی
یاقوت کے آفس پہنچا، چھ بجنے والے تھے۔
عائشہ بخاری نے تھوڑی دیر بعد اسے اندر جانے کا اشارہ کیا تو وہ اس کا سرد چہرہ دیکھتا ہوا اندر چلا گیا۔
''لیس!'' اس نے اندر داخل ہوتے وقت ہلکا سا ناک کیا تھا۔ میڈم یاقوت نے ہولے سے کہا۔ رخ ان کا
دوسری جانب تھا۔
''گڈ ایوننگ میڈم!'' وہ مؤدب لہجے میں ٹیبل کے قریب جا کر ان سے مخاطب ہوا۔
''بیٹھ جاؤ۔'' انہوں نے چیئر گھما کر رخ اس کی جانب کیا ان کے ہاتھ میں جلتا ہوا سگار تھا اور آنکھوں
چہرے کی چمک دمک مفقود تھی اور میک اپ مرجھایا ہوا۔ لبوں کی لالی اُڑ کر شاید آنکھوں میں سمو گئی تھی۔ بال
مگر سلجھے ہوئے بھی نہیں لگ رہے تھے۔ ساڑھی بے شکن تھی، مگر پھر بھی مسلی ہوئی لگ رہی تھی۔ ان کی نظر
بدلی سی محسوس ہو رہی تھیں۔
''میڈم! یہ میگزین کی فائنل کاپی۔ کل صبح پریس بھجوا دیں گے۔ آپ اسے ایک نظر دیکھ لیں۔'' اس نے
ان کے آگے کھول کر رکھ دی۔ انہوں نے ایک سرسری نگاہ فائل پر ڈالی اور سگار کا گہرا کش لیا۔
''تم......؟'' انہوں نے مخمور سے لہجے میں سگار والا ہاتھ بلند کر کے سوالیہ انداز میں شاید اس کا نام پوچھا تھا
''تنزیل...... تنزیل نام ہے نا تمہارا؟'' وہ لہک لہک کر بولی تھیں۔
''ج...... جی۔'' ان کے منہ سے نکلا، بُو کا بھبھکا اس کی سانسوں کو تنگ کر گیا تھا۔
''پورا نام بولو نا۔'' وہ اسی طرح ہاتھ لہرا کر بولیں۔
''جی، تنزیل مراد۔'' وہ کچھ ہکلا کر بولا۔
''پورا نام۔'' وہ پھر سے باآواز بلند بولیں۔
''تنزیل احسن مراد۔'' وہ ذرا گھبرا گیا۔
''ہوں!'' انہوں نے مطمئن سا ہو کر گہرا کش لیا۔ کمرے میں نامانوس بُو اور گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا
بھاگ جائے۔
''اب کیوں بیٹھے ہو؟ جاؤ اب۔'' وہ سرخ آنکھیں اس پر جما کر بولیں۔
''وہ میڈم!...... مجھے کل کی لیو چاہئے...... اور گاڑی بھی۔ میں نے اپنے فادر کو چیک اپ کے لئے
جانا ہے۔'' اس کا حوصلہ، میڈم یاقوت کو اس حالت میں دیکھ کر پسپا ہونے لگا تھا۔
''کیا ہو گیا تمہارے باپ کو؟ احسن مراد کو؟ ہے نا، یہی نام ہے نا تمہارے باپ کا؟''
وہ اسی بے خودی سے، لڑکھڑاتے لہجے میں برہنہ سڈول بازو ہوا میں لہرا کر بولیں تو تنزیل کا جی چاہا

یہاں سے چلا جائے اور شاید چند لمحوں میں وہ ایسا کر بھی ڈالتا کہ اسی وقت ریٹائرنگ روم سے جہانگیر ہمدانی نے باہر

"کدھر ہے تمہاری تواضع؟ آ جاؤ، اب میں بور ہو رہا ہوں۔" وہ تنزیل پر ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر بڑی بے تکلفی سے
ہر کوئی میڈم یاقوت سے بولا۔ اس وقت عائشہ بخاری ٹرے میں دو وائن گلاس اور شیشے کے بڑے پیالے میں برف
لے ریٹائرنگ روم میں چلی گئی۔
"جہانگیر ہمدانی کا لٹا ہوا چہرہ جیسے کھل اٹھا۔ "تم اپنا کام مکمل کر لو۔ کم آن سویٹی!" آخری الفاظ اس نے آہستگی سے
اندر جاتے ہوئے ادا کیے تھے، جنہیں سنتے ہی تنزیل کو لگا، اس کے لباس میں کسی نے چنگاریاں بھر دی ہوں۔ اس نے

تھا۔
"میں ریسیپشن پر فون کر دیتی ہوں۔ گاڑی کل صبح تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔ ایڈریس لکھوا دینا اور کوئی پیسے وغیرہ
اکاؤنٹس سے لے لینا۔ اس کی کاپی کل پریس بھجوا دو تو سمجھو تمہارا کام ختم۔ اب اگلی کاپی کی تیاری نئی بلڈنگ میں ہوگی۔
تمہیں اپنا آفس پسند آیا؟" وہ ایک دم سے خود کو سنبھال چکی تھیں۔ سگار ایش ٹرے میں رکھ دیا، ہاتھوں سے بال سلجھا کر
نارمل لہجے میں بات کر رہی تھیں۔
"جی میڈم!" وہ کچھ بے دلی سے بولا۔
"آفس جوائن کرتے ہی تمہیں گاڑی کی سہولت بھی مل جائے گی۔ میں تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہوں۔ اپنی اور

"ٹھیک میڈم! میں اب جاؤں؟" وہ اُٹھ کھڑا ہوا تو انہوں نے سر ہلا کر اسے جانے کی گویا اجازت دی۔
عجیب کیفیات میں گھرا باہر نکل آیا۔
کیبن خالی تھا۔
"میں ادھر جاب کسی بھی صورت نہیں کرنے دوں گا۔ اور یہ عائشہ...... اسٹوپڈ...... اس جیسی لڑکیاں مجبوری کی آڑ میں
پھرتی ہیں۔ ہونہہ! پیسے کے لالچ میں۔"
سارا ماحول یاد آتے ہی اس کا خون کھولنے لگا۔ وہ بیٹھ کر تانیہ کا انتظار کرنے لگا جو نہ جانے کہاں گئی ہوئی تھی۔
وہاں بیٹھے شاید آدھا گھنٹہ گزر گیا۔
"تانیہ کدھر ہے؟" جیسے ہی عائشہ بخاری باہر نکلی، وہ لپک کر اس کے پاس پہنچا۔
"وہ شاید جا چکی ہیں۔ ایک منٹ، میں میڈم سے پوچھ کر بتاتی ہوں۔" وہ کہہ کر دوبارہ اندر چلی گئی۔ وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔
"وہ چلی گئی ہیں آفس ٹائم سے پہلے کیوں؟" وہ ایک منٹ بعد اس کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی۔
"آفس ٹائم سے پہلے کیوں؟" وہ مضطرب سا ہو کر اس سے سوال کر بیٹھا۔ وہ نگاہیں چرا کر ٹیبل پر پڑی فائلیں ترتیب سے رکھنے

"آپ نے پوچھا نہیں، وہ کیوں چلی گئی؟" وہ اس کی بے توجہی پر چند لمحوں بعد پھر بولا۔
"کمال کرتے ہیں آپ، میں کیا اُس کی خبر گیری کو یہاں بیٹھی ہوں یا اس کے آنے جانے کا ٹائم ٹیبل لے کر؟...... اتنی فکریں
ہیں تو گھر سے نکلنے سے پہلے پردا کیا کریں۔ جسے خود سے یہاں آنا ہوتا ہے، وہ خود سے جا بھی سکتا ہے۔" وہ ایک دم سے جھنجلا کر
بولی۔ معلوم نہیں، اس کے لہجے میں کیا تھا کہ تنزیل کو اس کی بات بری لگنے کے باوجود غصہ نہیں آیا۔ وہ گہری سانس لے کر اس کی
طرف دیکھنے لگا، جو ابھی بھی ٹیبل کی چیزوں کی طرف متوجہ تھی۔
"اب آپ جائیں گے کہ میں کچھ کام کر لوں۔" وہ اس کے یوں مسلسل دیکھنے پر چڑ کر بولی تو وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر
ہلا کر رہ گیا۔
"ویسے بائی دا وے، آپ سب کے ساتھ اسی کڑوے لہجے میں بات کرتی ہیں یا آپ کی یہ خوبی مجھ سے گفتگو کے دوران اُبھر کر
آئی ہے؟" وہ جاتے جاتے رک کر بولا تو عائشہ اسے گھورنے لگی۔
"آپ کے دانت ہیں؟" وہ وہیں کھڑا پوچھنے لگا۔
"جی...... ؟" وہ حیرانی سے بولی۔
"جی اگر ہیں تو انہیں کبھی کبھار ہوا بھی لگوا لیا کیجئے، یوں منہ کے اندر پڑے پڑے گل سڑ جائیں گے۔ منہ میں بھی آپ صرف
زہر ہی چھوڑتی ہیں، گلے سڑے نہ بھی، جھلس تو ضرور جائیں گے۔" وہ کہہ کر رکا نہیں، اس کو گھورتا دیکھ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا

تو عائشہ بخاری کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
"جو مسکرانے کی قیمت جانتے ہوں مسٹر تنزیل! وہ پھر خود سے مسکرانا بھول جاتے ہیں۔ زندگی کے اس بازار میں بن چکی ہوں، ہر چیز مول بکتی ہے۔ ہر عضو کی حرکت کے دام لگتے ہیں اور اس مسکراہٹ کے دام تو بڑے خاص ہوں میں یونہی کیسے مسکرا سکتی ہوں؟" وہ بے دم سی ہو کر کرسی پر گر گئی۔ اسی وقت انٹر کام کی بزر بجنے لگی تو کنپٹی کو دبائے ہوئی۔

٭......٭
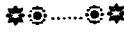
"اچھا ہوا دائم صاحب! آپ خود ہی تشریف لے آئے۔ میں ابھی آپ کو کال کرنے والا تھا۔" اسے جمشید کر بیٹھے چند منٹ ہوئے تھے، وہ اپنے کلائنٹ سے فارغ ہو کر اندر آتے بولے۔
"خیریت سر! جو مجھے یاد کیا جا رہا تھا؟"
"آف کورس، خیریت ہی ہے۔ پہلے یہ بتائیں، کیا چلے گا؟...... چائے، کافی، کولڈ ڈرنک؟"
"کافی تو یہاں پینا بہت مشکل ہے، یہاں کا کلائی میٹ لندن سے بہت مختلف ہے۔ میں تو حیران ہوتا ہوں کیسے اتنی پی لیتے ہیں؟" وہ بولا تو جمشید صاحب ہنس پڑے۔
"یہ سب پبلسٹی کا کمال ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے دنیا کے ہر کونے میں اپنے قدم جما لئے ہیں اور اپنی پراڈکٹ لئے وہ کیسے کیسے ایڈورٹائز کرتی ہیں کہ ہمالیہ پر رہنے والا بندہ بھی ٹھنڈی ٹھار سپرائٹ پینے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ ہیں، ٹی وی کھولا، چائے کا ایسا اشتہا انگیز اشتہار آیا کہ فوراً ہی پھر سے چائے کی طلب جاگ اٹھی تو ایسے پیتے ہیں ہر کافی۔ اور جو یہاں بہت زیادہ مشتہر ہوتا ہے، وہی ہماری ضرورت بن کر طلب بن جاتا ہے۔ وری سمپل۔" دوائر کا کہہ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔
"گڈ! ویسے آپ تو اپنے کلائنٹ کو ہر لحاظ سے، میرا مطلب ہے ہر پہلو پر ٹھیک ٹھاک satisfy (مطمئن) کر گے۔" وہ ان کے دلائل پر بولا تو وہ ایک بار پھر ہنس پڑے۔
"ہم کماتے کس بات کا ہیں۔ وہ مشہور زمانہ کہاوت ہے نا کہ وکیل اپنے دلائل سے کالے کوے کو بھی سفید اور سفید کبوتر کو کالا کوا۔"
"بالکل درست کہا آپ نے، میں مان گیا۔" وہ سر ہلا کر بولا۔
"مصطفیٰ صاحب کا فون آیا تھا کل مجھے۔ اور آج میں آپ کو کال کرنے ہی والا تھا۔" اس وقت ملازم کولڈ ڈرنک رکھ گیا۔ "میری بات ہوئی تھی، فیکٹری مالکان سے۔ اصل میں انہیں آپ سے بھی زیادہ جلدی ہے۔ وہ یہاں سے بیرون ملک جا رہے ہیں، اس لئے جلد سے جلد یہ سب کچھ طے کر لینا چاہتے ہیں۔"
"وہ کیا سب کچھ بیچ باچ کر جا رہے ہیں؟...... کیوں؟" وہ رہ نہ سکا اور پوچھ بیٹھا۔
"معلوم نہیں۔ اصل میں ان کا ایک بھائی قتل ہو گیا تھا، چند ماہ پہلے شاید تاوان وغیرہ کے چکر میں۔ اس لئے ہوئے ہیں کہ یہاں رہنا ہی نہیں چاہتے۔ اور یہ سچ بھی ہے، ادھر حالات دن بہ دن اتنے دگرگوں ہو چکے ہیں کہ نہ امن میں ہے اور نہ سڑک پر چلتا۔ یہاں ہر چیز، ہر شخص غیر محفوظ ہو چکا ہے۔ پر کیا کریں صاحب! ہم جیسوں نے تو ہمارے پاس تو اور کوئی آپشن نہیں۔" وہ بے بسی سے مسکرائے۔
"اگر آپ کے پاس آپشن ہوتا تو کیا آپ یہ ملک چھوڑ کر چلے جاتے؟" وہ ان کے خیالات پر کچھ حیران ہوا۔
"شاید۔ بلکہ یقیناً۔" ان کے جواب پر وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا۔
"چھوڑیں جناب! یہ تو نہ ختم ہونے والی بحث ہے۔ ہم کام کی بات پر آتے ہیں۔ میڈم یاقوت پاکستان آئی فیکٹری مالکان سے بات کی تھی، اس قیمت کی جو آپ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن انہوں نے مجھے کوئی مثبت جواب نہیں رہا ہے کہ وہ یہ فیکٹری شاید دوسری پارٹی کو سیل کرنا چاہ رہے ہیں۔ وہ منہ مانگی قیمت دے رہی ہے۔" ان کی بات پر وہ ہو گیا۔
"پھر اب؟" چند لمحوں بعد وہ بولا۔
"پھر اب یہ کہ فیکٹری کم از کم یہ والی کا خیال دل سے نکال دیں، آپ کو ایک اور......" وہ کہتے کہتے رک گئے۔
"میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔" وہ چند ثانیے بعد بولے تو وہ کولڈ ڈرنک کے سپ لیتا انہیں دیکھنے لگا۔
"ہوں، کوشش کرنے میں حرج نہیں۔" جمشید صاحب سر ہلا کر شاید خود سے کہہ رہے تھے۔

"ایسا ہے دائم! کہ میں کل اِن شاء اللہ، آپ کو اسی وقت کال کروں گا تو آپ میرے چیمبر میں آجایئے گا۔ کل اِن شاء اللہ یہ معاملہ طے پا جائے گا، مجھے یقین ہے۔" وہ پُریقین لہجے میں بولے۔

"وہ کیسے؟"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں کل آپ کو فون کروں گا۔ آپ کہیں جایئے گا نہیں۔" وہ تاکیداً بولے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے، پھر مجھے اجازت دیجئے۔" وہ ان سے مصافحہ کر کے باہر نکل آیا۔

'ابھی تو شام بہت لمبی ہے اور ادھر کس قدر بوریت ہے۔ میں نے واقعی غلطی کی، پاپا کا مشورہ مان لیتا، آرام سے کہیں جاب کر لیتا۔ خوامخواہ کا سر درد۔ یوں بھی میرا تجربہ کہاں ہے، یہ بزنس وغیرہ کا؟ اور یہ جمشید صاحب بھی معاملے کو لٹکانے کے ماہر لگتے ہیں۔ اُکتاہٹ ہونے لگی ہے اب تو اس فضول بک بک سے۔ کل ہو جائے گا، کل ہو جائے گا۔'

وہ گاڑی پارکنگ سے نکالتے کوفت و بیزاری میں بڑبڑا رہا تھا۔

'اور میں نے کیسا یہ بے وقوفانہ فیصلہ کیا اور اٹھ کر چلا آیا۔ لوگ یہاں باہر جانے کے لئے مرے جا رہے ہیں۔ یہاں ہے بھی کیا۔ شور، بے ہنگم ٹریفک، آلودگی، گند، کوڑے کے ڈھیر جگہ جگہ پڑے ہوئے، ٹوٹی سڑکیں، ہر سہولت کا ناقص سسٹم، سہولت کیا ایک دوسری۔ یہاں کچھ بھی آرام دہ نہیں۔ مسائل ہی مسائل۔ اور گورنمنٹ تو جیسے کہیں ہے ہی نہیں۔ اس کا اندازہ تو مجھے پہلے دن ہی ہو جانا چاہئے تھا، جب وہ لٹیرے مجھے ایئرپورٹ سے آتے ہوئے ٹکرائے تھے۔ مگر میری خوامخواہ کی ضد۔ یہاں بھلا ہے کیا انجوائے کرنے کے لئے؟ پھر اتنی گرمی......... نہیں، میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ اگر ماما کی کوئی اُلجھن ہو گی بھی تو وہ خود ہی سولو کر لیں گی۔ مجھے یہ ہیڈک اپنے سر لینے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟'

اسے یہ شام عام دنوں سے زیادہ کٹھن اور لمبی لگ رہی تھی۔ وہ سگنل پر کھڑا تھا اور دو لڑکے اشارہ توڑ کر بائیک بھگا لے گئے تھے، جو دوسری طرف سے آتی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ سامنے چوک پر کھڑا سپاہی سب کچھ لاتعلقی سے دیکھ رہا تھا۔ اسے کوفت سی ہونے لگی۔

دوسرے سگنل کی صورتِ حال اس سے بھی دلچسپ تھی۔ ایک لڑکے کے پاس شاید بائیک کے کاغذات نہیں تھے۔ سارجنٹ نے اس سے پوچھ گچھ کی، تھوڑا پرے لے گیا۔ چند منٹوں بعد لڑکا مسکراتا ہوا بائیک لے کر اس کی گاڑی کے بالکل برابر میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ پیچھے کھڑے دوسرے نوجوان نے اس لڑکے سے پوچھا۔

"کیا ہوا؟" تو وہ مسکرانے لگا۔

"سو روپیہ مانگ رہا تھا، چالان نہ کاٹنے کا۔ میں نے کہا، میرے پاس تو صرف تیس روپے ہیں۔ وہی دے آیا ہوں۔" دونوں ہنسنے لگے اور دائم کا جی چاہا، وہ رو پڑے۔ اور جمشید صاحب نے اسے بتایا تھا۔ "رشوت نہیں بھئی۔ لینا دینا تو یہاں چلتا ہی رہتا ہے۔ جن ملکوں میں حکومت سو رہی ہو تو لوگوں کو اپنے کام اس طرح سلجھانے پڑتے ہیں۔ کیا کریں؟" وہ جلتا کُڑھتا، بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

'مجھے اپنے فیصلے پر ازسرِ نو سوچنا پڑے گا۔ یوں جذباتی ہو کر بھی کوئی فیصلہ کرنا درست نہیں۔ صرف حب الوطنی یا تھوڑی سی جذباتیت سے زندگی کے اتنے بڑے فیصلے نہیں ہوتے۔ پاپا درست کہتے تھے، یہ جذباتی پن تھوڑے دنوں میں اتر جائے گا۔ مجھے یہ سب باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔ ایک ڈیڑھ ماہ میں میرا یہ حال ہونے لگا ہے، ابھی تو عمر پڑی ہے۔' وہ اب سلو ڈرائیونگ کرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"میاں! گھر کے بستر میں کیا کھٹمل ہیں، جو سونے نہیں دیتے؟ سڑک پر چلتے ہوئے مسئلے سلجھاتے رہے تو بھری جوانی میں اوپر لائی کر جاؤ گے۔"

دو تین گاڑیاں اُسے اوور ٹیک کر گئی تھیں، تیسری گاڑی میں بیٹھے صاحب جلے بھنے انداز میں بولے تو اسے ہنسی آ گئی۔

'یہ لوگ کس قدر عجلت پسند ہیں۔ سڑک پر ایک سگنل پر رُکنا ان کے لئے دشوار ترین اور گھروں میں چاہے گھنٹے گزاریں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لگتا ہے، مجھے ڈپریشن ہو رہا ہے........ اوہ، یاد آیا۔ پاپا کے دوست کی طرف چلا جائے۔ شاید کچھ اس اذیت کا علاج ہو سکے۔' اس کے ذہن میں برقی رو کی طرح خیال آیا اور ایڈریس ڈائری میں دیکھ کر اس نے پول کے پاس لگی تختی کو پڑھ کر گاڑی دائیں طرف موڑ لی۔

✲◉......◉✲
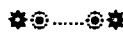
اس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ لباس شاید سیاہ تھا یا ملگجا، سلوٹ زدہ دوپٹہ نہیں تھا۔ اس کے گیسو کندھوں تک آ رہے تھے۔ سفید، دودھیا رنگت شاید لباس کے رنگ کی وجہ سے میلی میلی لگ رہی تھی۔ صرف رنگت ہی نہیں، اس کی کشادہ آنکھیں بھی بجھی بجھی لگ رہی

تھیں اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، ہونٹوں کی لالی بھی سیاہی میں بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ کہ
لٹکا ہوا تھا۔ وہ انہیں بے حد خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے ابھی ان پر پل پڑے گی۔ وہ اس سے خوف زدہ
پل ان کا جی چاہا، وہ ان کی نظروں کے سامنے سے ہٹ جائے۔ مگر وہ تو ایک ایک قدم گن کر اُٹھاتی ان کی طرف
نے خود ہی اُٹھ کر وہاں سے چلے جانا چاہا۔ مگر یہ کیا، وہ اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ اسی لمحے اس کے پیچھے سے دوسرا ہیولہ
لبادے میں تھا، بالکل کسی ڈھانچے کے مانند۔ اس کے نقوش وہ پہچانتے تھے، مگر اس ملگجی روشنی میں بھی انہیں واضح
تھی۔ ناک نقشہ پھیلا پھیلا سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ہیولا دو قدم آگے بڑھ کر رک گیا۔ وہ انہیں نفرت بھری نظروں
جیسے افسوس سے دائیں بائیں سر ہلا رہی تھی۔ وہ اب واقعی وہاں سے بھاگ جانا چاہتے تھے، مگر انہیں لگا، وہ یہاں
ہل سکیں گے۔ ان کے جسم کو جیسے کسی نے زمین میں گاڑ دیا تھا۔ وہ اب کچھ پریشان ہونے لگے تھے۔ وہ دونوں
طرف بڑھ رہی تھیں۔ شاید انہیں مارنے کے لئے۔ وہ اب خوف زدہ ہو رہے تھے۔ ان کے ماتھے پر شاید پسینہ آ
تھا۔ وہ ہاتھ سے ماتھا رگڑنا چاہتے تھے، مگر ان کا ہاتھ اپنی جگہ پتھرا چکا تھا۔ وہ وہ دونوں ان کے بالکل قریب، بے
کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ چیخ رہے تھے، مگر بے آواز .... ان دونوں کے چہرے
انہوں نے بے آواز چیختے ہوئے آنکھیں میچ لیں۔ بے چینی سے سر مارتے انہوں نے یک لخت آنکھیں کھول دیں۔
پر جھکا شاید انہیں بلا رہا تھا۔

وہ چند ثانیے ساکت نظروں سے اس چہرے کو دیکھتے رہے اور پھر گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اُٹھنے کی
وہ شاید ایرانی تھا۔ انہیں سہارا دے کر اٹھانے لگا۔ اس نے انہیں سنگی ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔

خانہ خدا ان کی نگاہوں کے بالکل سامنے تھا۔

انہیں نماز پڑھنے کے بعد تسبیح کرتے اونگھ آ گئی تھی۔ کب وہ لیٹے اور انہیں گہری نیند نے آ لیا۔ اور وہ خواب
تک متوازن نہیں ہو پائی تھیں۔ وہ اجنبی چہرہ ان کے لئے ڈسپوزایبل گلاس میں آبِ زم زم لے آیا۔ انہوں نے
سارا گلاس پی لیا۔

''تھینک یو۔'' انہوں نے گلاس اسے تھماتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''آر یو آل رائٹ؟'' وہ مہربان لہجے میں بولا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ مسکراتے ہوئے چلا گیا
وہ جب سے یہاں آئے تھے، انہوں نے یہ خواب دوسری بار دیکھا تھا۔ بالکل ایسا تو نہیں، اس سے ملتا
پہلے اور آج پھر۔ انہوں نے ایک بار پھر آنکھیں زور سے بند کرتے ہوئے اس خواب کا رنگ مٹانا چاہا۔ خانہ خدا
سکون ملا تھا۔ یوں، جیسے عمر بھر کی تھکن اُتر گئی ہو اور وہ ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔ اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ وہ آتے
کے فوراً بعد اس مشقت بھری عبادت کو چل پڑے تھے۔ دن رات نوافل اور عبادت کے دوران انہیں ایک بار بھی
ہوئی تھی، بلکہ انہیں یوں لگتا، وہ کبھی بیمار تھے ہی نہیں۔ آج ان کا مکہ میں آخری دن تھا۔ کل صبح انہیں مدینہ روانہ ہونا
کا مقصد تمام ہو جانا تھا۔ دل بہت بے چین تھا اور نگاہیں بے تاب۔ اس پیارے گھر کا نظارہ کرنے کو۔ مگر وہ
لئے جو بے چینی تھی، وہ اس بے چینی سے بھی سوا تھی، جو اللہ کے گھر کو دیکھ کر ہوئی تھی۔

مگر یہ خواب .... ان تین دنوں میں انہیں ہلکی ہلکی تکلیف ہوئی تھی۔ انہیں ان خوابوں کی وجہ سمجھ میں
آ بیٹے کا غم بھلانے آئے تھے، اس دکھ کی گٹھری کو اپنے اللہ کے گھر رکھوانے آئے تھے کہ وہ اس کا بوجھ اُٹھانے
موت کا معاملہ قتل یا خودکشی، اپنے رب کے حوالے کرنے آئے تھے اور انصاف کے سوالی بنے تھے۔

مگر ان دونوں خوابوں نے تو اُلٹا کام کیا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا، ان کی ساری ریاضت، ساری عبادت
کے پلڑے میں مظلومیت کے بجائے ظلم کا بار بڑھ گیا ہے، وہ اب محض سائل نہیں تھے۔ جو کھاتہ کھلنے جا رہا تھا، اس
خود کو بھی جواب دہ نہیں سمجھا تھا، کبھی سوچا نہیں تھا۔ انہیں نہیں پتہ تھا، ان کی پکڑ کس مقام پر ہو گی۔ وہ سب بھول
سب یاد تھا۔ انصاف کرنا بھی اور حساب لینا بھی۔

وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

'ابھی ہوٹل جا کر اسامہ کو فون کرتا ہوں۔ وہ ٹھیک ہو کہ نہیں۔ کیسے اُلٹے اُلٹے خواب آ رہے ہیں، وہ بھی
بول رہے تھے اور جانتے بھی تھے کہ ان خوابوں کا اسامہ سے کوئی تعلق نہیں۔

✲ .... ✲

''کیسا فیل کر رہے ہو؟'' ڈاکٹر رخشندہ ابھی ابھی کلینک سے لوٹی تھیں، اسامہ ٹی وی کے آگے بیٹھا

یہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کے پیچھے ہی زبیدہ دو کافی کے مگ سروِنگ ٹرے میں رکھے چلی آئی۔

"بہت اچھا........ بہت زیادہ۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "میں ہمیشہ گھر میں رہا ہوں، مگر اس ہفتہ بھر میں مجھے یوں لگنے لگا ہے، جیسے میں کسی مکان میں زندگی گزار کر آیا ہوں۔ تھینک یُو آنٹی!" وہ ممنون لہجے میں بولا۔ وہ واقعی خاصا مطمئن لگ رہا تھا۔

"اوہ، کم آن اسامہ! ہمارے درمیان شکریے والا رشتہ تو نہیں ہونا چاہیے۔ تم آفس کب سے جانا شروع کرو گے، مصطفیٰ کے؟" بولیں انہوں نے کافی کا مگ اُسے تھمایا۔

"کل سے۔ میں تو آج ہی جانا چاہ رہا تھا، انکل کہنے لگے، آج وہ آفس میں نہیں ہوں گے، اس لئے۔" اس نے مگ لبوں سے لگایا۔ دونوں خاموشی سے کافی پینے لگے۔

"اسامہ! اگر ہم چند ماہ میں پاکستان جانا چاہیں تو کیا تم ہمارے ساتھ چلو گے؟" وہ تھوڑی دیر بعد بولیں۔

"آف کورس!"

"پتہ ہے، دائم کے بغیر مجھے یہاں ایک ایک دن بہت بھاری لگ رہا ہے۔ جیسے کسی وزن دار چیز کو دھکیل رہی ہوں۔ میرا اصل میں بھی دل نہیں لگتا۔ اور گھر........ گھر میں تو اب تم آ گئے ہو تو کچھ بہتر لگنے لگا ہے۔" وہ آنکھوں میں آئی نمی کو پی کر مسکرانے لگیں۔ "میں مصطفیٰ سے کہہ رہی ہوں، جلد سے جلد سب کچھ سمیٹیں۔ ہمیں کون سا وہاں جا کر کوئی پرابلم ہوگی۔ اپنا گھر ہے۔ میں کلینک سیٹ کر لوں گی اور یہ دونوں باپ بیٹے بھی کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔ بس، اب ادھر رہنا دشوار ہے۔ تم سناؤ، تمہارے آغا جان اب کیسے ہیں؟ عمرہ کرنا کوئی آسان تو نہیں۔ عبادت بھی محنت کے بل بوتے پر ہوتی ہے۔ اور ان جیسا ضعیف آدمی۔ اسامہ! تم نے انہیں اکیلا جانے ہی کیوں دیا؟"

"وہ میری سن کب رہے تھے؟ ایک ہی لگن تھی۔ کل فون آیا تھا، کہہ رہے تھے، بہت بہتر ہے۔ کل شاید انہیں مدینہ روانہ ہونا ہے۔ بس دس بارہ دن اور ہیں، اس کے بعد پاکستان چلے جائیں گے۔" وہ آہستہ آہستہ بتانے لگا کہ اسے بھی آج کل ان کی کمی محسوس ہو رہی تھی اور گھر اداسی بھی محسوس کر رہا تھا۔

"اداس ہو ان کے بغیر؟" ڈاکٹر رخشندہ اس کا چہرہ دیکھ کر بولیں۔

"ہوں تو۔ مگر کیا کر سکتا ہوں؟" وہ مسکرایا۔

"ہاں واقعی، کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ ہمارے احساسات ہمارے بس میں ہی کب ہوتے ہیں؟ میں تو یہ سب اس لئے کہہ رہی تھی کہ وہ بیمار تھے اور تم ان کے بیٹے کی جگہ........ اگر وہ جانا ہی چاہتے تھے تو تم ان کے ساتھ چلے جاتے۔ عمرے کے بعد وہ پاکستان چلے جاتے اور تم ادھر لوٹ آتے۔"

"میں نے یہ بھی کہا تھا۔ وہ نہیں مانے۔"

"کیوں؟" وہ کچھ حیران ہوئیں۔

"پتہ نہیں۔ اصل میں ان کی ایک بات میں نے نہیں مانی، جس کا شاید انہیں دکھ تھا۔ انہوں نے میری بات نہیں مانی۔" وہ پردہ سے لہجے میں بولا۔

"کیسی بات؟" ڈاکٹر رخشندہ اُلجھ کر بولیں۔

"آپ نہیں سمجھیں گی، اصل میں........" وہ رک کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اگر اس نے اب یہ کانٹا نہ نکالا تو شاید ساری عمر اس نے کو نکال نہیں پائے گا۔

"اصل میں آنٹی......!" وہ پھر رکا۔ متذبذب سا۔ "میں آغا جان کا پوتا نہیں........ ان کے بیٹے کا بیٹا نہیں........ بلکہ میرا ان سے کوئی بھی تعلق نہیں، سوائے منہ بولے رشتے کے۔" وہ اٹک اٹک کر کہہ رہا تھا اور ڈاکٹر رخشندہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

✲⊛......⊛✲
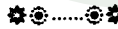
وہ بہت عجلت میں اپنے کمرے سے نکلی تھی اور اس تیزی میں لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی کہ اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔

اسے لگا، اس کا سر کسی آہنی دیوار سے ٹکرایا تھا۔ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی گر گئی تھی۔ کچھ ایسا ہی حال ٹکرانے والے کا بھی تھا۔

"آپ پچھلے جنم میں یا تو بھینسے رہ چکے ہیں یا آئندہ کسی جنم میں آپ کا اس قسم کا پروگرام ہے یا ایسے کسی خاندان سے آپ کا تعلق رہ چکا ہے۔ سینگوں کے بغیر ایسی زوردار ٹکر........ اوہ مائی گاڈ! میرا سر۔"

چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے، ٹکرانے والے کو دیکھے بغیر وہ ہائے وائے کرتی ہوئی زور سے بولی تو دائم اپنی چوٹ کو بھول کر اسے دیکھنے لگا۔ اصل میں اندر داخل ہوتے ہوئے یونہی اس کی نظریں اپنے گرد سے اٹے بوٹوں کی طرف چلی گئیں تو اسے

بے تحاشا شرمندگی اور کوفت کے احساس نے گھیر لیا۔

'کیا سوچیں گے، جسٹس محمود عالم، یہ کیا کسی سڑک کی صفائی کر کے آ رہا ہے یا پتھر کوٹ کر۔' اور اسی لمحے سے زوردار ٹکر ہوئی تھی کہ چند لمحے کو اس کی آنکھوں کے سامنے بھی تارے سے ناچ گئے۔

''اگر آپ کی شان دار اور جان دار ٹکر کے بارے میں، میں بھی ایسے خیالات کا اظہار کروں تو آپ بُرا... کے کہ آپ بھی کسی جنم میں ذرا ڈیلی، بیمار شارسی گائے بھینس رہ چکی ہیں، وہ بھی بغیر سینگوں کے۔'' وہ اس... دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا تو عزہ کو اور بھی غصہ آ گیا۔

''واٹ؟'' وہ سر ہلاتے ہوئے زور سے چلائی۔ ''گواچی گاں کی طرح ٹکراتے آپ پھر رہے ہیں... میرے دکھ رہے ہیں۔''

''اے مس! میں نے آپ کی زبان لوٹائی ہے۔ اب یہ بے ہودہ ہے کہ با ہودہ، اس کا فیصلہ آپ خود... آپ کے ہاں بے چارے مہمانوں کو اسی طرح ٹکر مار کر کھری کھری سنا کر دروازے سے لوٹا دینے کا رواج... کلائنٹس کا کیا حال ہوتا ہوگا، اس در پر آ کر۔'' وہ جتاتے ہوئے انداز میں بولا۔

''مہمان آپ ہوں گے ان کے، جنہوں نے آپ کو انوائٹ کیا ہوگا۔ ہٹیں میرے راستے سے۔'' وہ جھلا... سے ہو کر باہر نکل گئی تو دائم کچھ حیران، کچھ شرمندہ سا اسے دیکھنے لگا۔

''چلیں سر جی! میں نے صاحب کو اطلاع کر دی ہے۔'' وہ پلٹ کر واپسی کے لئے ابھی ایک بڑھ... پاس آ کر اطلاع دی۔ وہ گہرا سانس بھرتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑا۔

''السلام علیکم!'' وہ ملازم کے پیچھے اسٹڈی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو خنک ہوا کا جھونکا اس... اسٹڈی ٹیبل کے پاس کرسی پر بیٹھے کسی موٹی سی کتاب کا مطالعہ کرتے جسٹس محمود عالم کو دیکھ کر اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! جی فرمائیے، آپ کو مجھ سے کس سلسلے میں ملنا تھا؟''

سلام کا جواب دیتے ہوئے خاصے سرد لہجے میں انہوں نے اس سے پوچھا تو وہ ہکا بکا سا رہ گیا۔ فوری... بند دروازہ کھول کر باہر نکل جائے۔

''جی میں نے کارڈ بھجوایا تھا اندر۔'' وہ ان کے روکھے لہجے پر قدرے ہکلا گیا۔

''وہ تو میں نے دیکھ لیا ہے۔'' انہوں نے آگے پڑے وزیٹنگ کارڈ کو ذرا سا اُنگلی سے چھو کر گویا اسے... مصطفیٰ ہے۔ ایم آئی ٹی میں ماسٹر ہیں۔ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟'' ان کا انداز ہنوز لاتعلق سا تھا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' اس نے جتانے والے انداز میں اجازت مانگی تھی۔

''بیٹھ جائیں۔ ویسے.......'' انہوں نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ ''میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے... جلدی۔'' ان کے کہنے پر وہ بیٹھتے بیٹھتے اٹھ کھڑا ہوا۔

''جی اصل میں، میں غلطی سے آپ سے ملنے کے لئے آ گیا۔ دوسری غلطی مجھ سے یہ ہوئی کہ اپائنٹ... اور سنگین غلطی، میں اپنے پاپا کی خواہش پوری کرنے کی ہامی بھرتے ہوئے یہاں آیا، جنہوں نے بڑے مان... سے ملنے کے لئے بار بار اصرار کیا تھا۔ اب میں جا کر ان سے عرض کروں گا کہ وہ اپنی اس اُبلتی محبت کو سرد کر... انہیں جانتے بھی نہیں۔'' وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا اور محمود عالم کے ماتھے کی شکنیں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ انہوں... کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔

''ان ساری جذباتی باتوں کا مقصد میں جان سکتا ہوں؟'' ان کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔

''نتھنگ۔'' وہ گہرا سانس لے کر بے دلی سے بولا۔ ''آپ کا کافی ٹائم برباد کر چکا ہوں۔ چلتا ہوں... جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اس کا غصے اور کوفت سے برا حال تھا۔

وہ اندازے سے ہی دائیں طرف مڑا تھا اور لاؤنج کے کونے میں دیوار کے سامنے لگے آئینے میں اپنی... سارہ عالم کے سامنے سے گزرنے لگا۔

''اے، کون ہو تم؟ اور یوں منہ اٹھائے کدھر گھومتے پھر رہے ہو؟'' وہ لپ اسٹک ہاتھ میں لئے تڑپ... ''کیا آپ مجھے یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ بتا سکتی ہیں، محترم خاتون؟'' وہ اپنے غصے پر قابو پا کر کوفت... ''تم ہو کون؟ اور تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ تم یوں گھر میں دندناتے پھرو؟ یہ سارے نوکر کہاں مر گئے... کیا سب جو انہوں نے تم جیسے مسٹنڈے کو گھر میں گھسنے دیا، یا تم نے سلیمانی ٹوپی پہن رکھی تھی، جو کسی کو نظر...

نزید!.......نواز!.......رحیم!"
وہ صوفے پر پڑا دوپٹہ اٹھاتے ہوئے زور زور سے ملازموں کو آوازیں دینے لگیں تو دائم کو لگا، وہ کسی پاگل خانے میں آ گیا ہے۔
وہ اُلٹے پاؤں اسی طرف مڑ گیا، جدھر سے آیا تھا اور صد شکر اُسے مسٹرڈ کلر کے ٹائلوں سے مزین بیرونی دروازے کو جاتا راستہ بھی یاد آ گیا، وہ تقریباً دوڑتا ہوا باہر نکل تھا۔
اندر سے "جی بیگم صاحبہ!" کی مؤدب آوازیں آ رہی تھیں۔
باہر مکمل اندھیرا چھا چکا تھا۔ لان کی پول لائٹس کی ہلکی روشنی پورٹیکو اور سڑک کو روشن کرنے کے لئے ناکافی تھی۔
اور دروازے کے اسٹیپس اُترتے ہوئے وہ دوسری بار کسی سے ٹکرانے سے بچا تھا۔
"اوپلیز، ناٹ اگین۔" عزہ پیچھے ہٹتے ہوئے بھی گملے کے ساتھ ٹکرا گئی تھی اور وہ اس پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر تقریباً دوڑتا ہوا گیٹ کے بغلی دروازے سے باہر نکل گیا تھا، جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے اپنے حواس بحال کئے اور اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے ایک کوفت بھری نگاہ 'عالم ولا' پر ڈالی اور گاڑی بھگا لے گیا۔
"اس گھر کا نام 'عالم ولا' نہیں، 'پاگل ولا' ہونا چاہئے۔" موڑ مڑتے ہی اس نے بلند آواز میں خود کو کہتے سنا تھا۔

❋◉......◉❋
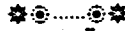
"امی جان! دیکھئے، دونوں سوٹ کتنے خوب صورت اور قیمتی ہیں۔ یہ بائیس سو کا ہے اور یہ پرپل والا اٹھارہ سو کا۔" ثانیہ بہت جوش بھرے انداز میں دونوں سوٹ کھول کھول کر ماں کے آگے پھیلا رہی تھی۔ ربیعہ اور سنیعہ بھی اشتیاق بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔
"آپی! ایک مجھے دے دیں۔ دیکھیں، یہ میرون والے کی شرٹ کتنی چھوٹی ہے، مجھے بالکل پوری آئے گی۔" وہ للچائے ہوئے انداز میں میرون سوٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔
"خبردار.......!"
"مگر ثانیہ! تمہیں یہ سوٹ انہوں نے دیئے کیوں؟ یوں بھی تمہیں جاب کرتے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ یہ سب......"
یاسمین متذبذب لہجے میں آنکھوں میں ڈھیر ساری اُلجھن لئے کبھی کپڑوں کو دیکھتیں، کبھی بیٹی کے پُرمسرت چہرے کو۔
"امی! میں نے بھی لینے سے انکار کیا تھا، مگر جہانگیر صاحب نے زبردستی، اپنی خوشی سے.......وہ کہہ رہے تھے، آپ پہلی بار ہماری اس شاندار بوتیک میں آئی ہیں۔ امی! یہ تو سب سے سستے والے تھے۔ وہاں تو دس ہزار سے کم کوئی اچھا سوٹ ہی نہیں تھا۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ریڈی میڈ سوٹ اتنے مہنگے......" وہ جوش بھری کھنکتی آواز میں گویا بہنوں کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھی۔
"دس ہزار کے ہوں یا پچاس ہزار کے، ہمیں اس سے کیا مطلب؟ تم یہ دونوں سوٹ تہہ کر کے شاپر میں رکھو اور مجھے کل صبح جاتے ہوئے دینا، میں ان صاحب کو واپس کروں گا اور براہِ مہربانی اس کے ساتھ ہی اپنا استعفیٰ بھی۔ تم وہاں جاب نہیں کرو گی۔" تنزیل نہ جانے کس وقت گھر میں داخل ہوا تھا اور شاید ثانیہ کی ساری گفتگو بھی سن چکا تھا۔ اس کے نقوش تنے ہوئے تھے اور نظروں میں انتہا درجے کی سرد مہری تھی۔
"کک.......کیا مطلب؟.......سوٹ تم کہتے ہو تو واپس کر دوں گی، مگر استعفیٰ بھلا کیوں؟ خوامخواہ۔" وہ دونوں سوٹ ہاتھ سے پرے کرتے ہوئے گڑبڑا کر بولی۔
"امی! اس کو اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں سمجھا سکتی ہیں تو سمجھا لیں۔ میں اسے وہاں جاب نہیں کرنے دوں گا۔" تنزیل دوٹوک لہجے میں سختی سے کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر جوتوں کے تسمے کھولنے لگا۔
"وجہ پوچھ سکتی ہوں، مسٹر تنزیل مراد! آپ کی اس اچانک تبدیلیٔ خیالات کی؟" وہ تنک کر اس کی طرف ذرا سا رخ پھیر کر بولی۔
"وجہ!" اس کے ہاتھ پل بھر کو رکے اور جھکا ہوا سر ذرا سا اٹھا۔ "وجہ بتانا ضروری ہے کیا؟" وہ ایک جوتا اتار کر دوسرے کے تسمے کھولنے لگا۔
"جی ہاں۔ ضروری نہیں، بے حد ضروری ہے کہ بلاوجہ اتنی اچھی، اتنی شاندار جاب میں تمہارے تو کیا، شاید کسی کے بھی کہنے پر نہیں چھوڑوں گی، اسی لئے کوئی ٹھوس وجہ بیان کرنے کی کوشش کرنا۔" اس کا لہجہ نہ صرف بے لچک تھا بلکہ تھوڑا سا تمسخرانہ بھی۔
دونوں پیروں کو جوتوں اور جرابوں کی قید سے آزاد کر کے تنزیل مراد نے ٹانگیں آگے کو پھیلاتے ہوئے ثانیہ کی طرف دیکھا۔
"اگر میں کہوں کہ وجہ صرف یہ ہے کہ میں کسی صورت نہیں چاہتا کہ تم وہاں جاب کرو تو کیا یہ کم ہے؟" اس کے لہجے ہی نہیں، نظروں

میں بھی بڑا اعتماد، بڑا مان تھا۔ یوں بھی آج تک اس نے تانیہ کی اور تانیہ نے اس کی کوئی بات رد نہیں کی
انڈر اسٹینڈنگ اتنی تھی کہ اکثر تو بنا کچھ کہے وہ ایک دوسرے کے دل کی بات جان لیا کرتے تھے۔ اب بھی تنزیل
توقع رکھتے ہوئے بڑے مان سے کہا تھا۔ یاسمین باری باری دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''نہیں۔'' وہ پُرزور لہجے میں بولی۔ ''یہ وجہ نہ صرف ناکافی ہے بلکہ انتہائی فضول بھی ہے کہ میں صرف تم
مشکلوں سے ہاتھ آئی اتنی اچھی جاب کو لات ماردوں۔ سوری۔'' تانیہ کا جواب تنزیل کے لئے ہی نہیں، یاسمین کے
تھا۔ ورنہ انہوں نے دونوں میں اختلاف کم ہی دیکھا تھا۔

''تانیہ! میں تم سے یہ بلاوجہ یا کسی فرمائش کے تحت نہیں کہہ رہا۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔'' تنزیل سمجھانے وا
لہجے میں بولا۔

''تم سمجھانے کی کوشش کرو، یار رہنے دو۔'' وہ اس پر نظریں جمائے گھور رہی تھی۔ ''یا میں خود سے سمجھ لوں؟''

''کیا؟'' تنزیل اس کے انداز سے اُلجھا۔

''تم جیلس ہو رہے ہو۔ تم اکیلے ہی اس گھر کے کماؤ پوت بننا چاہتے ہو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈا
تنزیل اسے بغور دیکھنے کے باوجود جان نہیں پایا کہ اسے ''بدلے'' ہوئے دن ہوئے ہیں یا چند گھنٹے۔

''تانیہ! یہ تم کہہ رہی ہو؟'' وہ دکھی لہجے میں بولا۔ ''میری محبت اور خلوص پر شک کر رہی ہو۔ امی! دیکھ رہی
واقعی دکھ ہوا تھا۔

''امی کو مدد کے لئے بلانے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی وجہ ہے تو بتا دو، ورنہ یونہی یہ باتیں کر کے اپنا اور میرا
اور تم جانتے ہو، میں تمہاری کوئی بات نظر انداز نہیں کیا کرتی۔ مگر یہ جاب اس وقت کتنی ضروری ہے، یہ تم بھی جا
چند دنوں میں ایسی کوئی خرابی اس جاب میں نظر نہیں آئی کہ میں ایسا سوچنے کی کوشش بھی کروں۔'' تانیہ نے دونوں
خوب صورت سے بڑے شاپنگ بیگ میں رکھے۔

''وہاں کا........ ماحول اچھا نہیں ہے۔'' وہ کمزور لہجے میں بولا۔ جو کچھ وہاں دیکھ آیا تھا، میڈم یاقوت اور
سے ''بے حال'' ہوتے، وہ تانیہ کو کبھی بھی جاب نہیں کرنے دے گا۔ یہ اس کا اٹل فیصلہ تھا۔

''صرف میرے لئے۔'' وہ طنز سے بولی۔ ''اور تمہارے لئے اچھا ہے؟''

''میری بات اور ہے۔'' وہ جھلا کر بولا۔

''کیوں، تمہارے سینگ ہیں جو میرے نہیں؟ یا تمہارے اندر کوئی اسپیشل کوالٹی ہے، وہاں کے ماحول
جس سے میں محروم ہوں؟''

تنزیل اس کی ٹون اور لہجے پر نہ صرف حیران تھا بلکہ کچھ کچھ پریشان بھی ہو گیا تھا۔ یہ سب ''دوسوٹوں''
تھا۔

''دیکھو تانیہ! فضول بحث نہ کرو۔ یہ بات تو مجھے بھی اچھی نہیں لگی کہ انہوں نے بلاوجہ تمہیں یہ دو انتہائی
دے دیئے۔ پھر گھر کے آگے ڈراپ کر کے گئے۔ بیٹی! آج کل کے زمانے میں اتنا سخی اور مہربان کوئی یونہی نہ
ہو اور معصوم بھی۔ پھر دفتر کی نوکری کا یہ تمہارا پہلا تجربہ ہے۔ اول تو تمہیں آفس سے یوں اپنے افسر کے ساتھ
دوسرے ان کا مہربان رویّہ۔ تنزیل مرد ہے۔ اس نے باہر کی دنیا دیکھ رکھی ہے۔ اس نے کچھ دیکھا ہے تو تم
خیال میں تم یہ دونوں سوٹ کل جا کر واپس کر دو۔ ان کا ردِعمل ہی تمہیں بہت کچھ سمجھا دے گا۔'' یاسمین نے
تانیہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''انہوں نے اپنی خوشی سے یہ مجھے دیئے تھے۔ نہیں لینے۔ تم تو میں
دیتی، نہ لیتی۔ اب چونکہ لے چکی ہوں تو واپس لوٹا کر نہ صرف ان کی ناراضی مول لوں گی بلکہ جاب سے بھی
دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔ تنزیل نے اگر دنیا دیکھ رکھی ہے تو تھوڑی بہت آدمی کی پہچان کی حس میرے اندر بھی
ان لوگوں میں اور اس آفس کے ماحول میں کوئی ایسی قابلِ گرفت بات نظر نہیں آئی۔ جس دن نظر آئی، میں سوچ
اور امی! آفس سے باہر میں کسی پکنک اسپاٹ پر نہیں گئی تھی، آفس کے کام سے ہی گئی تھی۔ نوکری کا مطلب نوکری
ذہن میں رکھیں اور دماغ کو جتنا سکیڑتے جائیں، یہ تنگ ہوتا جاتا ہے۔ جتنا وسیع کریں گے، اتنا کھلے گا۔ میں
ہوں۔'' تانیہ کی گفتگو اور اس کے بدلے ہوئے انداز نے تنزیل کو پریشان اور یاسمین کو اچھا خاصا حیران کر دیا
طرح دوٹوک لہجے میں اتنے پُراعتماد انداز میں بات نہیں کرتی تھی، وہ بھی ماں اور بھائی کے سامنے۔ نہ جانے

گھبرانے لگا، کسی ناخوشگوار بات کے ہو جانے کے احساس سے۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"تم پریشان نہ ہو۔ ابھی تھوڑا غصے میں آ گئی ہے، اس لئے تمہاری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی۔ تم رات میں بات کر لینا اس سے۔ ویسے کوئی خاص وجہ ہے جو تم نہیں چاہتے کہ وہ وہاں جاب کرے؟" یاسمین کو تنزیل کی پریشان صورت ہمیشہ یونہی بے چین کر دیا کرتی تھی، وہ اس لمحے سے ہر ممکن تلافی کی کوششیں شروع کر دیتی تھیں۔ اب بھی باہر جاتے جاتے انہیں تنزیل کے پریشان چہرے نے روک لیا تھا۔

"امی! وہاں کا ماحول تانیہ جیسی لڑکی کے لئے بالکل بھی مناسب نہیں۔ آپ پلیز اسے سمجھائیں۔ اور دیکھ رہی ہیں، اس کا رویہ بھی کتنا بدلا بدلا سا ہے۔ زمانہ بہت ہوشیار ہے اور یہ بہت بے وقوف۔" وہ اپنی پیشانی مسلتے ہوئے بولا۔
"میں جانتی ہوں بیٹا! مگر اس وقت وہ کچھ سننے سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی۔ بہر حال تم رات کو پھر بات کرنا، میں بھی کروں گی۔ فکر نہ کرو، اللہ اچھا ہی کرے گا۔ وہ اتنی بھی نادان نہیں کہ یونہی فریب کھا جائے۔ تم اُٹھو، منہ ہاتھ دھو لو اور اپنے ابو سے بھی مل لو۔ ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لی ہے تم نے؟" انہیں جاتے جاتے یاد آیا۔
"جی امی! کل لے جاؤں گا ابو کو، آف لے لی ہے میں نے کل کی۔" اسے اٹھتے اٹھتے پھر میڈم یاقوت کے کمرے کا ماحول یاد آیا اور اس کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ اور رات تک اسے دوبارہ موقع ہی نہیں ملا کہ وہ تانیہ سے بات کر سکے۔ وہ پہلے کچن میں مصروف رہی تھی اور کھانے کے بعد برتن دھو کر اپنے صبح کے لئے کپڑے استری کرنے لگی۔ اس دوران اس نے ایک بار بھی تنزیل سے بات نہیں کی۔ گویا وہ اس سے ناراض تھی۔ اور جیسے ہی تنزیل نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بات چھیڑی، وہ بھتے سے اُکھڑ گئی۔
"کیوں، آخر تمہیں تکلیف کیا ہے میرے جاب کرنے سے؟" وہ بدتمیزی سے استری ایک طرف رکھتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔

"مجھے تکلیف تمہاری جاب سے نہیں، 'وہاں' جاب کرنے سے ہے۔" تنزیل بمشکل غصے کا گھونٹ بھر کر بولا۔
"ہو...... آئی ڈونٹ کیئر۔" وہ آگ لگا دینے والے لہجے میں بولی تو تنزیل نے ضبط کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے خود کو بمشکل ہاتھ اٹھانے سے روکا۔

"تانیہ! تم بدتمیزی کر رہی ہو اور نادانی بھی۔" وہ دانت کچکچا کر بولا۔
"بدتمیزی پر تم مجھے اُکسا رہے ہو اور میں نادان نہیں ہوں، نہ کوئی معصوم مرغی یا بھیڑ بکری جسے کوئی منہ میں ڈال لے گا۔ اور پھر آئندہ مجھ سے یہ فضول بات نہ کرنا۔ میں نہیں سنوں گی۔" اس نے کپڑے ادھورے چھوڑ کر استری کا پلگ نکالا اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے اندر چلی گئی۔ تنزیل کا مارے غصے کے برا حال تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے دو تین کرارے تھپڑ لگائے۔ وہ غصے میں کھولتا ہوا باہر نکلا تھا۔
صحن میں ربیعہ بستر لگا کر اب پیڈسٹل فین لگا رہی تھیں۔ وہ دھپ دھپ کرتا، سیڑھیاں چڑھ گیا۔
"تنزیل!...... تنزیل! اوپر کہاں جا رہے ہو بیٹا؟ اوپر گرمی ہے۔ پھر پنکھے کے بغیر مچھر بھی بہت ہوں گے۔ آ جاؤ نیچے۔" وہ ماں اور دادی کی پکاریں ان سنی کرتے، اپنے کھولتے ہوئے دماغ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے چھت پر ٹہلنے لگا۔
"ان دونوں کو ہوا کیا ہے؟ اتنی گرمی میں یہ بھی اوپر چڑھ گیا ہے۔ اور یہ تانیہ بھی شاید اندر سو گئی ہے۔ حبس ہے کمروں میں۔" وہ بول رہی تھیں اور اندر کمرے میں بستر درست کر کے لیٹتے ہوئے تانیہ کی نظر ٹیوب لائٹ کے پاس اس موٹی سی چھپکلی پر پڑی جو اُڑ کر آتے پتنگوں اور مچھروں کا ڈنر ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کر کر رہی تھی۔ چھپکلی سے اسے نہ صرف خوف آتا تھا بلکہ گھن بھی۔ ایسے موقع پر تنزیل ہمیشہ چھپکلی کو بھگا دیا کرتا تھا۔ وہ بستر کے بالکل کنارے پر لیٹی اس چھپکلی کی بھاگ دوڑ اور اس کا شکار بنتے پتنگوں کو دیکھنے لگی۔

"نیند آ گئی تو میں لائٹ بند کروں گی۔ کہیں بستر پر ہی نہ آ گرے۔" وہ اور بھی کنارے سے لگ گئی۔
چھپکلی کا یہ کھیل چند منٹ اور جاری رہا۔ پھر وہ کسی مچھر کے تعاقب میں کمرے میں باہر نکل گئی تو تانیہ نے سکون کا سانس لیتے ہوئے لائٹ آف کر دی۔
اندر کمرے میں حبس تھا۔ پنکھا بھی گرم ہوا پھینک رہا تھا۔ اسے یک بیک جہانگیر ہمدانی کی شاندار گاڑی کی مہکتی خنک فضا یاد آ گئی تو وہ اردگرد کے تکلیف دہ ماحول سے یک دم غافل ہو گئی۔
وہ بدنیت یا حریص نہیں تھی کہ آسائش بھرے چند گھنٹوں نے اسے خرید لیا تھا۔ اصل میں تو اس نے آسائشوں کو کبھی اتنے قریب سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ ایسی نرم گداز، آرام دہ سیٹ، ٹھنڈی مہکی مہکی سی گاڑی کی فضا اور جہانگیر ہمدانی جیسے ڈیشنگ، سوبر باس کے شاہانہ انداز اور بوتیک میں اسے اسپیشل پروٹوکول، جیسے وہ ان کے آفس کی کوئی ورکر نہیں، ان کی پارٹنر ہو۔ سوفٹ ڈرنک سے تواضع

کے دوران ہی بڑے دوستانہ انداز میں جہانگیر ہمدانی نے اسے بوتیک کے اسٹاف سے متعارف کرایا تھا اور وہا
قیمتی، خوبصورت اور اسٹائلش ملبوسات، جیولری، سینڈل اور پرس سب اسے یوں دکھایا گیا تھا، جیسے وہ کوئی ب
اہمیت تو اسے اس بیس سالہ زندگی میں کبھی گھر، اسکول و کالج کہیں بھی نہ ملی تھی اور جہانگیر ہمدانی کا واپسی کے
ہوئے گمبھیر آواز میں کہا گیا وہ جملہ۔

''یو آر ویری اسپیشل۔ اینڈ آئی آلویز وانٹ ٹو ٹریٹ یو اسپیشلی۔'' اسے سر سے پاؤں تک اس ایک جملے
ڈالا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس اہمیت پر کیسے ستارے سے جگمگا اٹھے تھے اور دل و دماغ پر اپنے خاص ہو
نشہ سا طاری کر دیا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے انگڑائی لی، پھر کروٹ بدل لی۔

'پتہ نہیں، تنزیل کو کیا تکلیف ہوئی ہے۔ ہوتی رہے۔ آئی ڈونٹ کیئر۔' خوشگوار لمحات کو سوچتے ہوئے
غصیلا انداز یاد آیا۔

''آپ کی مسکراہٹ بہت خوب صورت ہے۔ میں یہاں پاکستان میں، باہر ساری دنیا میں بہت سی لڑ
خوبصورت مسکراہٹ میں نے کسی کی نہیں دیکھی۔ آپ مسکرایا کیجئے۔ اس سے آپ کے چہرے کو بہت مقدس
جہانگیر ہمدانی کا دوسرا خوب صورت کمپلیمنٹ۔ اُس کی آنکھیں آپوں آپ بوجھل سی ہو کر ایک دم
لگیں۔

"آخر یہ گئی کہاں ہے؟........صبح سے یہ میرا چوتھا فون ہے۔کل بھی کرتی رہی ہوں، کل بھی موجود نہیں تھی اور سیل فون بھی آف ہوا ہے اس نے۔" میڈم یاقوت غصہ برداشت کرنے کے باوجود جیسے پھٹ پڑی تھیں۔ان کی دھاڑ نے فاخرہ کو ریسیور دوسرے ان سے لگانے پر مجبور کر دیا۔

"وہ میم! سیل فون تو اس کا گھر ہی پہ ہوتا ہے۔کل بھی کمرے میں پڑا تھا اور آج بھی۔کل تو شام سے پہلے ہی آ گئی تھیں، مگر آج ......" فاخرہ کی نظر گھڑی کی گیارہ بجاتی سوئیوں پر گئی۔

"تمہیں کچھ علم نہیں کہ وہ جاتی کہاں ہے؟ تمہیں کیا بھنگ پی کر سونے کے لاکھوں دیتی ہوں میں؟ اندھی ہو، دیکھتی نہیں، وہ کیا لائی پھر رہی ہے۔اور یہ خبیث گلزار حرام خور کیا نشے میں ٹن رہتا ہے؟ اس کو بتا دو، یہ حرام خوریاں نہ چھوڑیں تم دونوں نے تو کتوں سے بوٹیاں نچوا دوں گی تمہاری........"

آگے جتنی شاندار گالیاں تھیں، اسے فاخرہ کی سماعتیں بھی سن نہ پائی تھیں۔فاخرہ نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور کان سے لگایا تو ٹوں ٹوں کی آتی آواز پر اس نے سکون کا گہرا سانس لیا اور ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"اپنی عیاشیوں سے فرصت نہیں کہ بیٹی کی خبر رکھ سکیں اور سارا نزلہ ہمارے اوپر نکالتی ہیں جیسے وہ بڑی ہماری سنتی ہیں۔گلزار پیچھے جاتا ہے تو بی بی صاحبہ پھٹکار کر اسے واپس روانہ کر دیتی ہیں تو وہ بے چارہ کیا کرے؟' فاخرہ وہیں کارپٹ پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

اس رات لائبہ رات کو ڈیڑھ بجے گھر آئی تھی۔اور وہ جس حالت میں گھر آئی تھی، اسے دیکھ کر فاخرہ سے حیرت وصدمے کے باعث کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

وہ جاتے وقت منی اسکرٹ کے اوپر لانگ کوٹ پہن کر گئی تھی، جواب ندارد تھا اور دودھیا سڈول ٹانگوں پر اسکرٹ اوپر چڑھ کر بھی منی ہو گیا تھا۔چھوٹے سے بلاؤز کا اوپری بٹن ٹوٹا ہوا تھا اور نیچے والا کھلا ہوا تھا۔اس کی آنکھوں میں لال ڈورے تھے اور آنکھوں میں اجنبیت۔اس کے پاؤں گویا زمین پر نہیں، ہوا میں پڑ رہے تھے۔رکھتی کہیں اور پڑتا کہیں۔چوتھے قدم پر اس نے اِدھر اُدھر ڈولنے کی کوشش ترک کرتے ہوئے خود کو صوفے پر گرا لیا۔

فاخرہ جو رات کے اس پہر تک ڈائننگ ٹیبل پر کھانے کے برتن سجا کر لائبہ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی، اب اس سے کیا پوچھتی کھانے کا؟ اسی وقت تھکے تھکے قدموں سے گلزار اندر داخل ہوا تھا۔

"اسی کلب کے باہر فٹ پاتھ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔باہر قیامت کی سردی ہے اور یہ........بڑی مشکل سے گاڑی یہاں تک لایا۔" سر ہلاتے ہوئے افسوس بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اچھی بھلی تھیں، پتہ نہیں چند دنوں میں کیا دماغ کی کایا پلٹ ہوئی ہے۔میں تو کہتی ہوں، اس بار جو میم آئیں تو دونوں ماں بیٹی کے بیچ کوئی جھگڑا ہوا ہے یا کوئی بڑی بات۔ایئرپورٹ سے واپس آئی، تب ہی گم صم سی تھی۔تیسرے دن سے یہ روٹین شروع کر دی۔اب بھلا بتاؤ، ہم کیا روکیں اور کیا سمجھائیں؟ کیا ہماری اوقات اور کیا حیثیت، جو یہ کوئی بات مانیں گی۔یہ تو میم کو خود چاہیے، آئیں اور اپنی آنکھوں سے یہ سارا تماشا دیکھ کر کوئی اس کا علاج کریں۔بھئی صاف بات ہے، ہمارے تو بس کا نہیں یہ سب کچھ۔" فاخرہ تشویش سے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

گلزار نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کتنی ہی دیر گزر گئی۔دونوں چپ چاپ بیٹھے نہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔لائبہ کے ہلکے ہلکے خراٹے لاؤنج میں گونجنے لگے تو فاخرہ اٹھ کر اندر سے کمبل لے آئی اور گٹھری بنی، نیم برہنہ لائبہ پر ڈال کر لاؤنج کی مین لائٹ آف کرتے ہوئے کونے میں بیٹھے گلزار کے پاس چلی آئی۔

"تم تو کچھ کھا لو۔"

"مجھے اب بھوک نہیں۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''اب تم ہی سنو، میری تو ہمت نہیں مزید گالیاں سننے کی۔ میڈم یاقوت کے دماغ پر بھی آج فون کا بھوت سوار ہو
رہی ہیں۔ اب میں کیا کہوں؟'' فاخرہ نے خوف زدہ نظروں سے بجتے فون کو دیکھا۔

''سن لو جا کر۔ بی بی اٹھ جائے گی۔'' گلزار نے منت بھرے انداز میں کہا۔

''ان کے سر پر تو اب ڈھول تاشے بجاؤ، تب بھی نہیں اُٹھیں گی۔ اس بے چاری مسکین سی گھنٹی کی اوقات
بڑبڑاتے ہوئے اٹھی اور ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے خود کو گالیوں کے لئے تیار کیا۔

''کہاں ہے سویٹی؟'' کان سے ریسیور لگاتے ہی جیسے شعلہ سا لپکا۔

''جی سو رہی ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''واٹ؟'' وہ اتنے زور سے دھاڑیں کہ ذرا فاصلے پر کھڑے گلزار نے بھی یہ دھاڑ بخوبی سن لی۔ ''یہ تم میرے
کھیل کھیل رہی ہو؟ کبھی وہ گھر میں نہیں ہوتی، کبھی سو رہی ہوتی ہے۔ اس کو اٹھاؤ اور کہو، میں فوراً بات کرنا چاہ رہی ہوں
میں بولیں تو فاخرہ کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ گلزار ابرو اچکا کر پوچھنے لگا۔

''میم! وہ گہری نیند سو رہی ہیں۔ نہیں اُٹھیں گی۔'' وہ پست لہجے میں بولی۔

''فاخرہ!'' وہ کسی بل کھاتی ناگن کی طرح پھنکاریں۔ ''مجھے صاف صاف بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟ اگر تم اپنے حق میں
چاہتی تو۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر، سرد لہجے میں پھنکاری تھیں۔

''میم! میں انہیں اٹھانے کی کوشش کرتی ہوں۔ آپ ہولڈ کریں۔'' فاخرہ نے بالآخر ہتھیار ڈالنے والے انداز میں
سائیڈ پر رکھ کر لائبہ کی طرف بڑھی، جو اپنے آپ سے بے خبر، ہاتھ پاؤں صوفے سے لٹکائے، ہوش و خرد سے بیگانہ، گردن
لڑھکائے ہلکی آواز میں خراٹے لے رہی تھی۔ اس کے ادھ کھلے منہ سے ناگوار سی بُو پاس کھڑی فاخرہ کو بھی محسوس ہوئی۔

''سویٹی بی بی!.... سویٹی بی بی!'' وہ آہستہ آواز میں کہتے ہوئے اسے زور زور سے جھنجوڑ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر کسمسا
رہی، جس کے جواب میں لائبہ نے ''ہوں'' کہہ کر کروٹ بدلی اور گہری نیند میں گم ہو گئی۔ فاخرہ تھک کر فون کے پاس آ گئی۔

''تم میڈم کو سب سچ سچ بتا دو، جان چھڑاؤ۔'' گلزار نے اس کے پاس آتے ہوئے کان میں سرگوشی کی۔

''اپنی کھال نہیں اُدھڑوانی میں نے۔ ہٹو۔'' فاخرہ نے کوفت بھرے انداز میں کہنی سے اسے پرے دھکیل کر ریسیور اٹھا

''میم! وہ نہیں اٹھ رہیں۔''

''کیا پی کر سوئی ہے؟'' وہ کھردرے لہجے میں بولیں تو فاخرہ نے ان کے اندازے کی داد دی۔

''آپ صبح فون کر لیں۔ یا جیسے ہی وہ اُٹھیں گی، میں آپ کو فون کر دوں گی۔ ویسے میم! وہ مجھے بہت ڈسٹرب لگ رہی
جانے.......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''نہ جانے کیا؟''

''شاید آپ دونوں کے بیچ کوئی بات ہوئی ہے۔ آپ کو سی آف کر کے آنے کے بعد سے پہلے تو وہ گم صم سی رہیں
اس کے بعد یہ معمول۔ سارا دن، خاص طور پر شام ڈھلے باہر جاتی ہیں اور سیل فون بھی ساتھ نہیں رکھتیں۔ میں خود
ہوں۔ وہ آپ کی طرح مجھے بھی پیاری ہیں بہت۔'' وہ جھجکتے ہوئے آہستہ آہستہ کہہ ہی گئی۔ اور حیرت انگیز طور پر میڈم
جواباً کچھ بھی کہے بغیر آہستگی سے فون بند کر دیا۔

وہ جو اس سے دائم کا، پاکستان اور لندن دونوں کے ایڈریس لینا چاہ رہی تھیں اور اس معاملے میں ان کی بے قراری
پل چین نہیں لینے دے رہی تھی، اپنی اس بے چینی میں وہ یہ بات بھی بھول گئیں کہ لائبہ نے ان سے اپنی کسی خواہش کا
آتے سے وہ کیسے بے دردی کے ساتھ اسے اس خواہش سے دستبردار ہونے کا حکم دے آئی تھیں۔

'تو یہ سب اس بات کا ردِ عمل ہے، جو وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہ رہی۔ میری بے قراری اپنی جگہ، مگر لائبہ سے بڑھ
بھی عزیز نہیں۔ فاخرہ صحیح کہہ رہی ہے، وہ بہت ڈسٹرب ہے۔ اگر اس ڈسٹربنس میں وہ خدانخواستہ کچھ اُلٹا سیدھا کر بیٹھ
کروں گی؟ اس پہلو سے تو میں نے واپس آ کر ایک پل بھی نہیں سوچا، سوائے اپنے سے دور رکھنے کے۔ میں نے آج تک
خواہش تشنہ نہیں رہنے دی تو پھر یہ خواہش تو اس کے امنگوں بھرے دل کی آرزو ہے۔ مجھے اُسے اس بری طرح منع کرنے
طریقے سے سمجھانا چاہئے تھا۔ یہ خواہش تو اس کی کبھی پوری ہو نہیں سکتی، مگر میں اپنی بچی کو بھی کھونا نہیں چاہتی۔ اس سلسلے میں
با اعتماد دوست کی ضرورت ہے۔ کون.......؟' وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

'اسامہ....... یس، وہ اچھا لڑکا ہے اور اسے اس کرائسز پر سنبھال سکتا ہے۔ میں نے لائبہ کے لئے اس کی آنکھوں میں

بھی ہے، وہ بہت خاص ہوتی ہے۔ کسی بہت خاص، چاہنے والے کے لئے۔ ہوں، مجھے اسامہ سے بات کرنی چاہئے۔‘‘ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے نمبر ملانے لگیں۔

لیکن تین نمبر دبانے کے دوران ہی انہیں احساس ہوگیا کہ لندن میں اس وقت کی ٹائمنگ کے حساب سے اسامہ سو رہا ہوگا۔

’’صبح کال کرنی ہی زحمت میں یہ کام کروں گی۔‘‘ انہوں نے موبائل ایک طرف رکھ دیا۔ اسی وقت فون کی بیل بج اٹھی۔

’’لیں!‘‘ دوسری طرف ان کے پراپرٹی ایڈوائزر، ندیم صاحب تھے۔

’’میڈم! کل سب کچھ فائنل ہو جائے گا۔ میں خود آ کر پیپرز پر آپ کے سائن لے جاؤں گا، فیکٹری کے سلسلے میں۔‘‘ وہ مختصراً بتا رہے تھے۔

’’ہوں، ٹھیک ہے۔ تم آ جانا کل آفس، کسی بھی وقت۔‘‘ وہ بے دلی سے بولیں۔

’’میم! ایک بات اور ہے۔‘‘

’’ہوں، کہو۔‘‘

’’میم! ہم یہ فیکٹری کچھ زیادہ مہنگی نہیں خرید رہے؟ جبکہ اسی قیمت پر ہم اس سے بڑا پلانٹ خرید سکتے ہیں۔‘‘

’’وہ تو تمہارے کہنے کی وجہ سے یہ کر رہی ہوں کہ کوئی اور پارٹی بھی اس کی خرید میں انٹرسٹڈ ہے۔‘‘ وہ جلدی سے بولیں۔

’’جی میم! اور اس پارٹی کے لیگل ایڈوائزر ابھی بھی مُصر ہیں اس سودے کے لئے۔ مگر ہمارے جتنا ریٹ بہرحال نہیں دے سکتے۔‘‘

’’تو پھر......؟‘‘ وہ اس کی بے سروپا بات کا مطلب نہیں سمجھیں۔

’’میڈم! آپ یہ فیکٹری لائبہ بی بی کے لئے خرید رہی ہیں، محض انویسٹ کرنے کے خیال سے۔‘‘

’’ہاں۔ تو؟‘‘

’’فیکٹری اس وقت بہترین پروڈکشن کر رہی ہے۔ یعنی اگر کوئی لگن سے کام کرنے والا اسے چلائے تو یہ چند ہی ماہ میں نہ صرف اصل قیمت ریٹرن کر سکتی ہے بلکہ بہترین پرافٹ بھی۔ اور آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ کی مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ آپ اس کے لئے کوئی اچھا کوالیفائیڈ منیجر ہائر کریں گی۔‘‘

’’ہاں بھئی، اب کہہ بھی چکو جو کہنا ہے۔‘‘ وہ اُکتا کر بیزاری سے بولیں۔

’’میم! کوئی بھی ایمپلائی بہرحال ایک...... میرا مطلب ہے، اتنے خلوص اور محنت سے کام وہی کر سکتا ہے، جس کا ذاتی انٹرسٹ بھی شامل ہو۔ یہ میرا خیال ہے۔ ورنہ تو آج کل پیسے...... مطلب اچھے پیکج پر بہترین ملازم رکھے جا سکتے ہیں۔‘‘

’’پھر؟‘‘ وہ اب فون رکھنے کا سوچ رہی تھیں۔

’’میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ وہ جو دوسری پارٹی اس میں انٹرسٹڈ ہے، وہ لندن پلٹ نوجوان ہے۔ اس میں کام کرنے کا جذبہ بھی ہے اور پریکٹیکل لائف میں کچھ کرنے کا شوق بھی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو پارٹنرشپ کر لیں۔ لائبہ بی بی سلیپنگ پارٹنر کی حیثیت سے اور وہ فیکٹری کو چلانے کے لئے۔ سال، دو سال کا کانٹریکٹ کر لیں۔ سال دو سال بعد جس کا جی چاہے، وہ فیکٹری خرید لے، جس کا جی چاہے الگ ہو جائے۔ کیسا آئیڈیا ہے میڈم!‘‘ وہ داد طلب انداز میں بولے تو میڈم یاقوت کو احساس ہوا، آئیڈیا واقعی برا نہیں تھا۔ ایک تو سرمایہ کم لگانا پڑتا، دوسرے زبردست منافع کی امید بھی رکھی جا سکتی تھی، بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے۔

’’اچھا آئیڈیا ہے۔ ویسے ایسا زبردست آئیڈیا تمہارے دماغ میں تو نہیں آ سکتا۔‘‘ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنز سے بولیں۔

’’آئیڈیے کی پسندیدگی کا شکریہ میڈم! اور واقعی آپ کا اندازہ درست ہے۔ یہ میرا نہیں، دوسری پارٹی کے لیگل ایڈوائزر جمشید صاحب کا آئیڈیا ہے، جو اپنے کلائنٹ کا بھی سارا سرمایہ داؤ پر نہیں لگانا چاہتے۔ کیونکہ وہ بہرحال اس ملک میں نووارد ہے۔ اور کوئی بھی بیرونِ ملک سے آیا شخص پاکستان کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر سرمایہ کاری کرنے سے پہلے سو نہیں تو پچاس بار تو ضرور سوچے گا۔ میرے خیال میں یہی وجہ ہے، ان کے اس پروپوزل کی۔ کہئے، آپ کو پسند آیا؟‘‘ وہ بشاشت سے بولا۔

’’ہوں۔ تو ایسے کرو پھر تم ان سے ایک میٹنگ رکھ لو۔ جو معاملات طے ہوں، مجھے آگاہ کر دینا۔‘‘ وہ بولیں۔

’’سوری میڈم! یہ زحمت آپ کو خود کرنی ہوگی۔ اس شخص سے پہلے آپ مل لیں، آپ اسے اوکے کر دیں تو قانونی معاملات میں خود طے کر لوں گا۔ یہ سارا معاملہ آپ کے اعتماد کا ہے۔ میں لاکھوں کی ڈیل اپنے سر نہیں لے سکتا۔ جبکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ پارٹنرشپ کے خلاف ہیں۔‘‘ ندیم صاحب نہ صرف باتونی تھے بلکہ میڈم یاقوت کے مزاج سے بھی خوب واقف تھے۔

’’اوکے۔ میری سیکرٹری سے بات کر کے کل یا پھر پرسوں کا کوئی ٹائم رکھ لو۔ میں مل لوں گی۔ مگر یاد رہے، میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہوگا۔ آج کل تین جگہ ایگزیبیشن کی تیاریاں عروج پر ہیں۔ اور دوسری بات، اگر وہ شخص مجھے پسند نہ آیا تو تم مجھے ہندسوں کی

زبان میں قائل کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔'' وہ گویا اسے خبردار کر رہی تھیں۔

''رائٹ میڈم! میں ابھی جمشید صاحب کو فون کرتا ہوں کہ وہ اپنے کلائنٹ دائم مصطفیٰ سے بات کر کے کل کا کوئی ٹا

''تم نے کیا نام لیا ابھی؟'' وہ بری طرح چونکی تھیں۔

''جمشید صاحب، میڈم!'' وہ بے خیالی میں بولے۔

''نہیں، دوسرا والا نام۔'' وہ دل میں اسے گالی دیتے ہوئے بولیں۔

''دائم مصطفیٰ، میڈم!''

''یہ...... یہ لندن سے آیا ہے، تم بتا رہے تھے؟'' وہ بے صبری سے بولیں۔

''یس میڈم!''

''تم ایسا کرو، ابھی اس کے وکیل کو فون کر کے صبح بارہ بجے سے پہلے جو بھی ٹائم وہ کہیں، سیٹ کرلو۔'' وہ تیزی سے بولی

''مگر آپ کی سیکرٹری...... میرا مطلب ہے......''

''ندیم! ابھی مجھے فون کر کے بتاؤ، کون سا ٹائم طے ہوا ہے۔ میں تمہاری کال کا انتظار کر رہی ہوں۔'' انہوں نے
بات کاٹی اور فون رکھ دیا۔

'اوہ مائی گاڈ!...... دائم مصطفیٰ...... دائم......' انہیں لگا، ان کا دل کسی سرپٹ گھوڑے کی طرح اندھا دھند کسی تاریک
بھاگا جا رہا ہے، جس کی ٹاپوں کی آواز ان کے حواس معطل کیے دے رہی ہے۔ کانوں میں سائیں سائیں کے ساتھ رفتار
عروج کی طرح بڑھ رہا تھا۔ انہیں اپنے چہرے سے آگ کے شرارے سے پھوٹتے محسوس ہو رہے تھے۔

'وہ میرے اتنے پاس، اتنے قریب ہے اور میں پاگلوں کی طرح......' انہوں نے آگے بڑھ کر کمرے کی کھڑکی کھو
میں گہرے گہرے سانس لئے۔

'اس کی سانسیں اس شہر کی فضاؤں میں گھلی ہیں اور میں بے خبر ہوں۔ یا الٰہی، اوہ......' وہ دونوں ہاتھوں
تھپتھپاتے ہوئے بے قابو ہوتی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگیں۔

✿⊛......⊛✿
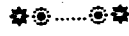
تنزیل، احسن مراد کا ڈاکٹر سے چیک اپ کروا کے باہر نکلا تو ایک بجنے والا تھا۔ اپائنٹمنٹ کے باوجود کلینک میں
اور ڈاکٹر ہر مریض کو چیک کرنے میں پون گھنٹے سے کم لگا ہی نہیں رہا تھا۔ یوں بھی یہ شہر کا مہنگا ترین اور مشہور ترین ڈاکٹر
مشہوری کی وجہ اُس کا یہ تسلی بھرا طویل چیک اپ ہوتا تھا۔ وہ مرض کے متعلق مریض سے چھوٹی سے لے کر بڑی ہر بات
دریافت کرتا کہ مریض کو لگتا اس ڈاکٹر سے زیادہ اس کا ہمدرد روئے زمین پر کوئی ہے ہی نہیں۔

''رپورٹس کتنے بجے ملیں گی؟'' گاڑی چلتے ہی احسن مراد نے پوچھا۔

''جی تین بجے۔''

''پھر وہ ڈاکٹر صاحب کو دکھانی بھی ہوں گی۔'' احسن مراد کا موڈ بھی اچھا لگ رہا تھا۔ کچھ ڈاکٹر نے بھی ان کے
نوید سنائی تھی۔

''جی ابو! ظاہر ہے۔''

''پھر دوبارہ آؤ گے کلینک؟''

''جی کلینک تین ساڑھے تین بجے بند ہوتا ہے۔ میں نے لیبارٹری والے سے کہا تھا کہ رپورٹس کوشش کر کے ڈھائی
کر دے تاکہ میں ڈاکٹر صاحب کو دکھا سکوں، ورنہ کل پھر چکر لگے گا۔ آج کی چھٹی ہی اتنی مشکل سے ملی ہے۔'' وہ ان کا
ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اچھی بات ہے۔ تمہیں چھٹی کرنی بھی نہیں چاہئے۔ ایسی اچھی جاب تو بندے کو قسمت سے ملتی ہے۔ جب
گزارے لائق......''

معلوم نہیں، تنزیل کی صبح سے اپنے لئے خواری کا خیال کر کے یا گاڑی ڈرائیو کرتے ڈرائیور کا خیال تھا کہ انہوں نے
نہیں کی۔ تنزیل نے نیچی نظروں کے ساتھ بہت آہستہ سے نسخہ تہہ کر کے گود میں پڑی فائل میں رکھ دیا۔ یہ کوئی نئی بات
احسن مراد نے اسے یوں کچوکا لگایا تھا۔ یہ تو ان کی شروع سے عادت تھی۔ اس کا رزلٹ بہترین بھی آ جاتا تو شاباش بھی
کہتے وہ کوئی ایسا طنز کر جاتے کہ اس کا جی چاہتا، وہ ان کی ناراض نظروں سے کہیں دور بھاگ جائے۔ یا پھر اللہ اسے ایسا
ایک بار، کم از کم ایک بار انہیں مکمل طور پر خوش کر سکے۔ مگر یہ تو بچپنے کی خواہش تھی، اب تو اس نے ایسا سوچنا اور خواہش کر

دیا تھا۔ وہ اب ان باتوں کا عادی ہو چکا تھا۔ سو اب بھی ان کا جملہ اسے بہت افسردہ نہیں کر سکا۔ انہیں خلاف توقع خود ہی اپنے بے موقع بولے گئے اس کڑوے جملے کا احساس ہو گیا کہ وہ اس کا چہرہ پڑھتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

"ثانیہ بھی تمہارے ہی آفس میں کام کر رہی ہے؟" چند لمحوں بعد انہوں نے دوسرا اچھتا ہوا سوال پوچھا تھا۔

"جی۔ میں دوسرے آفس میں ہوتا ہوں۔ کمپنی البتہ ایک ہے۔" وہ گردن موڑ کر جلتی دھوپ میں بہتے ٹریفک کو دیکھنے لگا۔

"اچھے مہربان لوگ لگتے ہیں، ورنہ چند ماہ کی کچی نوکری میں ایسے کون ڈرائیور گاڑی بھیجتا ہے۔ تم بھی جی لگا کر محنت کرنا، بہت جلد اچھا مقام بنا لوگے۔" وہ پھر سے اسے اس کی نالائقی جتانا نہ بھولے۔

"جی ابو!" وہ اب کچھ بے زار سا ہو چلا تھا۔ جبکہ احسن مراد کو گھر اتار کر اسے پھر واپس بھی آنا تھا۔

اور صد شکر، اس کا دوسرا سفر بہت سہل رہا۔ رپورٹیں تیار تھیں اور ڈاکٹر صاحب نے بھی فوراً چیک کر کے دوائیں لکھ دیں۔ وہ اتنے میں میڈیکل اسٹور پہ دوائیں لینے اُترا تھا۔ سیلز مین دوائیں نکال رہا تھا۔ وہ گردن موڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

لٹ ہاتھ پر پھولوں کے گجرے اور ہار بیچتا لڑکا، بھاگتی دوڑتی ٹریفک کے سگنل پر رکنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے پیروں میں گھسی ہوئی پلاسٹک کی چپل تھی، وہ بایاں پاؤں لنگڑا کر چل رہا تھا۔

"یہ لیں سر، چیک کر لیں۔" سیلز مین کے متوجہ ہونے پر اس نے دوائیں دیکھ کر پیک کروائیں اور پے منٹ کر کے باہر نکل آیا۔

ابھی ان کی گاڑی چند قدم ہی آگے گئی تھی کہ سرخ بتی پر رکنا پڑا۔ ان کی گاڑی کے ساتھ بائیں ہاتھ پر رکی بلیک پراڈو کی کھڑکی تھما رہے وہی بچہ گجرے بیچ رہا تھا۔ پیسے لے کر وہ پچھلی گاڑی کی طرف لنگڑاتا ہوا بھاگا۔

لڑکے کا تعاقب کرتی اس کی نگاہ بے اختیار بلیک پراڈو کے پچھلے ادھ کھلے شیشے سے اندر گئی اور جیسے ہمیشہ کے لئے وہیں جامد ہو کر رہ گئی۔ جہانگیر ہمدانی بڑی لگاوٹ اور محبت سے اپنے ساتھ جڑ کر بیٹھی عائشہ بخاری کی کلائیوں میں وہ گجرے پہنا رہا تھا۔ اسی پل سیاہ شیشہ اوپر سرکتا ہوا بند ہو گیا مگر اس کی نظریں اس تاریک شیشے پر جمی رہ گئیں۔ اشارہ کھل چکا تھا۔ گرین بتی جل اُٹھی تھی مگر اُسے لگا، اس پر کھلتی زندگی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے۔

✲✲......✲✲
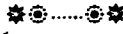
وہ "مائی کلیکشن" کے خوب صورت، اسٹائلش قیمتی ملبوسات کا ڈسپلے دیکھ رہی تھی۔ پروگرام تو نہ جانے کون سا تھا۔ "مائی کلیکشن" کا نام سنتے ہی وہ دلجمعی سے بیٹھ کر پروگرام دیکھنے لگی۔

"اب تمہارا دھیان کیا ان تھرڈ کلاس فیشن ڈیزائنرز کی طرف لگ گیا ہے جو پڑھنے کے بجائے تم اس میں گم ہو" اسے پتہ بھی نہیں چلا، کب محمود عالم ڈارک براؤن ڈنر سوٹ میں ملبوس، خوشبوئیں لٹاتے لاؤنج میں داخل ہوئے اور اب ترش لہجے میں ان کے سر پر کھڑے کہہ رہے تھے۔ اس نے گڑبڑا کر ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا۔

"پاپا! آپ...... وہ میں فارغ تھی، یونہی......" وہ پہلی بار اس طرح ان کے رعب میں آ کر ہکلائی تھی۔ اسے یوں لگا، جیسے وہ کوئی ناقابل معافی جرم کر رہی تھی، جو وہ یوں اسے گھور رہے تھے۔

"اسٹڈی کا مطلب صرف سلیبس بکس نہیں ہوتیں، اور بھی بہت کچھ پڑھنے کے لائق ہوتا ہے کتابوں میں۔ اگر کسی کو شوق ہو۔ تمہیں معلوم ہے، مجھے یہ ٹی وی پر آنے والی اچھل کود، ناچ گانے اور فضول فیشن پریڈز سے کتنی چڑ ہے۔ یوں بھی تمہارا سمسٹر سر پر ہے، فارغ وقت تو تمہارے پاس ہونا ہی نہیں چاہئے۔" ان کے یوں ڈانٹنے پر عزہ کو یاد آیا کہ انہیں واقعی ان خرافات سے چڑ ہے۔

"پاپا! کیا آپ میری ایج میں بھی اسی طرح ان چیزوں سے چڑا کرتے تھے؟" زبان پر آتا سوال اس نے بڑی مشکل سے روکا

"میں جا رہا ہوں، صدیقی صاحب کی طرف۔ گیٹ ٹو گیدر ہے۔ آپ لوگ ڈنر کر لینا، میری واپسی ذرا دیر......"

"آپ جا رہے ہیں؟" سارہ عالم کی تیاری، محمود عالم سے بھی بڑھ کر تھی۔ سکارلٹ ریڈ کلر کی ہلکی کامدانی والی ساڑھی کے ساتھ ہلکے میک اپ اور گولڈ کی جیولری میں بلاشبہ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی مگر جیسی گیٹ ٹو گیدر محمود عالم بیان کر رہے تھے، اس کے لئے وہ ضرورت سے زیادہ تیار ہو گئی تھی۔

"میں بھی بس تیار ہوں۔ ایک منٹ، پرس لے آؤں۔" وہ بائیں رخسار سے چھوتی بل دار لٹ کو ہلکا سا پرے جھٹکتے ہوئے جانے لگی۔

"کیا تم میرے ساتھ جا رہی ہو؟" ان کے گرج دار سوال پر عزہ خود کو ایک نئے معرکے کے لئے تیار کرنے لگی۔ اتنے دنوں سے دونوں چپ تھے، اور خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھے بغیر، معمول کے کام کئے جا رہے تھے، شاید آج اس کا خاتمہ ہونے والا تھا۔

''آف کورس۔ آپ صبح کہہ کر گئے تھے کہ صدیقی صاحب کی طرف گیٹ ٹوگیدر ہے، وہیں کے لئے تیار ہوئی ہوں
''تیاری'' پر ایک مطمئن نظر ڈالتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

''آر یو میڈ؟ یہ ڈریس، گیٹ ٹوگیدر کے لئے ہے یا تمہاری دعوتِ ولیمہ ہے، جس میں یہ چیختا کلر اور خون چھلکاتی لپ اسٹک لگا کر جا رہی ہو؟ فارگاڈ سیک سارہ! مجھے ایک بار بتا دو، تم مجھ سے چاہتی کیا ہو؟ کیوں مجھے شہر بھر میں تماشا بنا دینے پر تلی ہوئی ہو تم مجھ سے؟'' وہ اتنا زور سے چیخے کہ عزہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہو گئی، کہیں غصے میں وہ اس پر ہی کوئی چیز نہ ماریں۔

''کیوں، کیا خرابی ہے میری تیاری میں؟ آج کل یہ کلر اِن ہے، پھر رات کے فنکشن میں......'' وہ معصوم سا چہرہ بنا رہی تھی۔

''شٹ اپ......شٹ اپ۔'' اسے لگا، وہ ابھی اپنے بال نوچنے لگیں گے۔

''میں جا رہا ہوں۔ اور تم اچھی طرح ایک ہفتے کے اندر سوچ لو، تم نے میرے ساتھ رہنا ہے یا کسی پاگل خانے میں۔ یہ حرکتیں تمہارا تو شاید کچھ نہ بگاڑ سکیں لیکن مجھے پاگل کر دیں گی...... تم اس پاگل عورت کو نہیں سمجھا سکتیں کہ کون سا فیشن اِن ہے۔ ویسے تو ایسے بے ہودہ پروگرام مزدلجمعی سے دیکھتی ہو، بتاؤ اس مینٹل کو بھی کچھ۔'' آخری دونوں جملے انہوں نے عزہ سے کہے جو آئندہ کے لئے بھی ایسے کسی پروگرام کو دیکھنے سے توبہ کر چکی تھی۔ مگر سارہ کی حالت اس سے زیادہ خراب تھی۔ وحشت اور وہی رد کیے جانے کی ذلت کا احساس اس کے پورے وجود کو گویا تشنج کے جھٹکے لگا رہا تھا۔

''میں......میں پاگل ہوں۔ ہاں، میں پاگل ہوں جو تم جیسے پتھر، ظالم، بے حس انسان کے ساتھ سر پھوڑ رہی ہوں، زندگی برباد کر رہی ہوں۔ ہاں، تم کہہ سکتے ہو، میں پاگل ہوں۔ میرے ساتھ جو بھی رہتا، وہ پاگل دیوانہ ہو جاتا۔ تمہاری دلی اسے اپنے حواسوں میں بھلا رہنے دیتی؟ میں ہوئی پاگل تمہاری محبت میں، ہاں میں مانتی ہوں۔'' وہ چیختے ہوئے بولیں۔
''میں پاگل ہوں۔ تم نے بنایا ہے مجھے پاگل۔ تمہاری یہ پتھر نظریں جن میں، میں کبھی سمائی ہی نہیں۔ کبھی تم نے مجھے اپنا پرایا بھی نہیں سمجھا اور تمہیں احساس تک نہیں کہ تمہاری یہ بیگانگی مجھے کیسے توڑ رہی ہے، ریزہ ریزہ کر رہی ہے۔ میرے جی......''

''یہ دیکھو، فارگاڈ سیک، مجھے معاف کر دو۔'' انہوں نے زور سے کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ سارہ کے آگے جوڑے۔
''بخدا، مجھے نہیں ضرورت تمہاری اس دیوانی محبت، چاہت اور کسی بھی سر دردی کی۔ مجھے بخش دو۔ اور اس عمر میں، میرا بس بھی ہوتا تو ایسی پاگلوں والی چاہت پر دو حرف بھیج کر کہیں روپوش ہو چکا ہوتا۔ اور کاش! یہ میرے بس میں ہوتا۔'' انہوں نے سہمی ہوئی عزہ اور سارہ کو دیکھا۔

''بہتر ہے، اب تم یونہی دلہن بنی اپنے کمرے میں جا کر گمشدہ یا رائیگاں جانے والی محبت کا سوگ منانے ہوئے چلاؤ۔ بس مجھے بخش دو...... بخش دو مجھے۔'' وہ اسی طرح دونوں ہاتھ جوڑے سارہ پر ایک حقارت بھری نظر ڈال کر تیزی سے ماربل کے چکنے فرش کو روندتے ہوئے باہر نکل گئے۔

جیسے ہی ان کے پیچھے دروازہ ایک آواز کے ساتھ بند ہوا، سارہ کو جیسے ہوش آ گیا۔

''دیکھا......دیکھا تم نے...... کیسے ٹھوکروں میں رکھتا ہے یہ میرے وجود کو، میری محبت کو، میری عزت کو۔ دو کوڑی کا کر کے رہنے دیا اس نے مجھے، میری نظروں میں۔ رُکو محمود عالم! آج میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گی۔ مار ڈالوں گی یا خود مر جاؤں گی۔ رُکو، آج تمہیں یوں اپنی تذلیل کر کے جانے نہیں دوں گی۔'' وہ پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی محمود عالم کے پیچھے بھاگی۔

محمود عالم کی گاڑی کو گیٹ سے باہر جاتے دیکھ کر اس پر اور بھی وحشت سوار ہو گئی۔ لاؤنج کی سیڑھیوں کے پاس رکھے گملے اس نے پاؤں کی ٹھوکر سے نیچے لڑھکا دیئے اور واپس مڑ کر دروازہ اس قدر زور سے بند کیا کہ پورا گھر لرز اٹھا اور کمرے تک کے راستے میں جو چیز آئی، وہ اپنی جگہ پر نہ رہی۔ اس کی چیخ و پکار بازگشت بن کر پورے گھر میں چکرا رہی تھی۔ عزہ نے بیڈروم کا دروازہ زوردار آواز سے بند ہوتے سنا اور اس کے بعد بیڈروم سے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے، شیشہ ٹوٹنے، چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔

'بہت دنوں بعد مما کو دورہ پڑا ہے اور بہت شدید...... انہوں نے بیڈروم بھی لاک کر لیا ہوگا۔ اگر ان کی حالت بگڑ گئی تو......'عزہ سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس طرح کے ماں باپ اس نے کسی کے بھی نہیں دیکھے تھے۔ اسے تو دونوں ہی ابنارمل لگتے تھے۔ محمود عالم نے اسے مخاطب تک نہیں کیا تھا اور آج کیا بھی تو کیسے پھنکارتے ہوئے، جیسے وہ ان کی اولاد نہ ہو، کسی راہ چلتے راہگیر کی اولاد ہو جو انہوں نے بے مول خریدی ہو۔

اس کا سر چکرانے لگا۔
'کیا تھا، اگر مما اس طرح شوخ لباس میں تیار ہو گئی تھیں، وہ انہیں آرام سے بھی بتا سکتے تھے۔ نہ لے جانے کا کوئی بہانہ کر دیتے۔ مگر یوں ان کی محبت کو دھتکارنا، ان کی انسلٹ کرنا......... لیکن اگر وہ کوئی بہانہ کرتے تو کیا مما آرام سے مان جاتیں؟ کبھی بھی نہیں۔ تب بھی انہوں نے اسی طرح کے ردِعمل کا اظہار کرنا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے پر اعتبار کب ہے۔ مما، پاپا پر اعتماد نہیں کرتیں اور پاپا کو ان کے اعتماد، بے اعتمادی کسی بھی چیز کی پروا نہیں بلکہ انہیں تو شاید کسی کی بھی پروا نہیں۔ وہ اپنے آپ سے، اپنے اردگرد کی چیز، ہر شخص سے بے پروا، بے نیاز ہیں۔
اور اس سارے سیٹ اپ میں، میں کہاں ہوں؟ ان دونوں کے نزدیک میری کیا حیثیت، کیا مقام ہے؟ شاید کچھ بھی نہیں۔ یا تو میری ضرورت بھی نہیں۔ میں بے سبب ان کے درمیان رہتی چلی آ رہی ہوں۔ بس یونہی، جیسے یہ فرنیچر پڑا ہے۔ اس عالی شان گھر میں ضرورت کی چیزیں بلکہ شاید چیزوں کا تو کوئی استعمال بھی ہے۔ میرا تو وہ بھی نہیں۔ پھر میں کیوں ان کی مرضی، ان کی خواہش، ان کی بوند بھر توجہ کی طالب بنی، ترستی نگاہوں اور حسرت بھرا دل لئے ان کی جانب دیکھتی ہوں۔ جبکہ مجھے معلوم ہے کہ انہیں شاید میرے ہونے کا بھی احساس نہیں۔ پھر میں کیوں اِدھر ان کے بیچ کسی بے جان شے کی طرح اپنی قیمتی زندگی کو قطرہ قطرہ ضائع کر رہی ہوں۔ کیوں؟'
اس کا سوال کرتا، سلگتا دماغ پل بھر میں اسے دونوں کے وجود، دونوں کی محبت اور نفرت سے بے نیاز کر چکا تھا۔
'اگر میں ان دونوں کے ہونے کے احساس کو اپنے دل سے کھرچ کر نکال پھینکوں تو یقیناً میری زندگی بہت سہل ہو جائے گی۔ بہت آسان، بہت پُرسکون۔ بس مجھے یہی کرنا چاہئے تھا اور ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ میں مزید خود کو ضائع نہیں کروں گی۔ گڈ بائے ماما، پاپا گڈ بائے۔ جس طرح میرے جیتے جاگتے وجود سے آپ دونوں غافل ہیں، اسی طرح آج میں خود کو آپ دونوں کے جیتے جاگتے جسموں کی موجودگی سے بے نیاز کرتی ہوں۔ آپ ہیں لیکن نہیں ہیں۔ ہوں گے لیکن نہیں ہوں گے۔'
ان دونوں کو ریجیکٹ کر کے اس کے دل کو کتنا سکون سا مل رہا تھا۔ معلوم نہیں، یہ سب کرنا آسان تھا کہ مشکل مگر لمحہ موجود اسے زیادہ آسودگی اور اطمینان بخش رہا تھا۔
چند منٹ اور سوچنے کے بعد وہ ایک عزم سے اُٹھی اور کونے میں پڑے فون سیٹ پر اس کی انگلیاں نمبر ملانے لگیں۔

❊⊙.......⊙❊
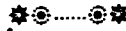
"ہاں اسامہ بیٹا! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اللہ کے گھر میں، اللہ کے فضل سے بالکل تندرست، صحت مند۔" وہ بڑے پُرجوش انداز میں کہہ رہے تھے۔
"ہاں، درد ہوا ہے ایک دو بار مگر سب ٹھیک رہا۔ اللہ نے بڑا کرم کیا۔ میں نے تمہارے لئے بڑی دعائیں کی ہیں۔ اور بچہ! اب بتا تمہارے سوا اور رہا ہی کون ہے، جس کے لئے دعا کروں؟ ایک آبگینے تھی......... اس کے حق میں بھی بہت دعا کی ہے۔ اللہ اس کی روح کو بہت سکون، آرام دے۔ زندگی میں وہ جتنی محروم، ترسی ہوئی رہی، اس کی آخرت اتنی ہی سرسبز ہو۔ اور اس کے قتل کی وجہ کچھ بھی ہو، یقین کرو، اسے تکلیف دے کر مارنے والا بھی سکون سے نہیں رہ سکے گا۔ مجھے اللہ کے گھر سے پوری امید ہے۔ تم سناؤ، جاب کیا بنا؟ اور رہائش کدھر ہے؟"
وہ اسے تقریباً ایک ہفتے بعد فون کر رہے تھے۔ اس ہفتہ بھر میں ان کی طبیعت بہت خراب رہی تھی۔ ایک پورا دن تو وہ ہسپتال رہے تھے، اسی لئے اسامہ کو فون نہیں کر سکے تھے۔ مگر اسے بتا کر پریشان بھی نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔
"آغا جان! آپ کی دعائیں کتنی جلدی رنگ لائی ہیں۔ بہت اچھی جاب اور رہائش دونوں کا انتظام ہو گیا ہے۔" اسامہ بتا رہا تھا۔
"اچھا......... وہ کیسے؟"
"وہ میں نے آپ کو بتایا تھا نا، میرا دوست ہے دائم، اس کے ماما پاپا اپنے گھر لے آئے ہیں۔ دائم تو آج کل پاکستان میں ہے میں فی الحال انکل مصطفیٰ کے آفس جا رہا ہوں۔ اور آپ کا کیا پروگرام ہے؟"
"میں ان شاء اللہ ٹھیک دو دن بعد پاکستان کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔ الوداعی طواف کے لئے رُکا ہوا ہوں۔ کل صبح جدہ کے لئے روانہ ہوں گا۔ تمہارا کب تک پاکستان آنے کا پروگرام ہے؟" وہ بے تابی سے بولے۔ اس سے دور آ کر انہیں اس کمی کا احساس بڑی شدت سے ہونے لگا تھا۔
"ان شاء اللہ بہت جلد۔"
"بس جلدی کوشش کرنا۔ مجھے زیادہ انتظار نہ کروانا۔ ان بوڑھی سانسوں کا پتہ نہیں، کب تھم جائیں۔"

''آغا جان! ایسی باتیں نہ کریں۔ اور دائم کا ایڈریس ہے نا آپ کے پاس۔ جا رہے ہیں نا سیدھے وہاں؟''
''اِن شاء اللہ، تم اپنا خیال رکھنا۔ کل پھر فون کروں گا۔ اللہ حافظ۔'' ان کے سینے میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگا۔ انہوں نے یہ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔
وہ خواب انہیں تسلسل سے ہر دو تین دن کے بعد دکھائی دے رہا تھا، جو اس درد کا باعث بن رہا تھا۔ وہ خواب ان کی بڑی پریشانی کا روپ دھار رہا تھا، جس کا علاج انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سینہ دباتے ہوئے وہیں بینچ پر ڈھال ہو گئے۔

✿◉......◉✿
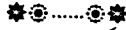
''سدیعہ! دیکھو تو، دروازے پر کون ہے۔'' یاسمین نے چکن کڑاہی کو دم پر رکھتے ہوئے مسلسل ہونے والی کال بیل پر آواز دی۔
''جی فرمائیے، کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' ربیعہ کے سامنے ایک اجنبی صورت تھی۔
''جی فرمائیے؟'' ربیعہ نے ایک نظر میں سامنے کھڑے اجنبی شخص کو دیکھا۔ اس کی دوسری نظر اس کے قدموں کے پاس دو بڑے بڑے سوٹ کیسوں پر پڑی۔ اس کے چہرے سے تھکن ہویدا تھی، جیسے وہ کسی بہت لمبے سفر سے لوٹا ہو۔ اس کے چہرے پر ایک ایک سال کی تھکن تحریر تھی۔ اس کی ٹانگیں جیسے بڑی مشکل سے اس کے بوڑھے بدن کا وزن اٹھائے کھڑی تھیں۔ چند لمحے اور کھڑا رہا تو اپنے ہی قدموں پر گر پڑے گا۔
''احسن...... احسن مراد ہے؟...... یہی گھر ہے نا اس کا؟'' وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے، کپکپاتے بدن کے رعشہ پر قابو پا کر بولا۔
''جی یہی گھر ہے۔ آپ کو ابو سے ملنا ہے؟'' ربیعہ کو اس بوڑھے کی حالت پر بے ساختہ رحم سا آیا۔
''اور...... اور ثریا خاتون......؟'' وہ ڈرتے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خدشہ سا لہرایا۔
''جی......'' وہ یہی کہہ سکی۔
اب وہ بے تابانہ نظروں سے اُدھ کھلے دروازے سے اندر تک دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
''کس کو بلاؤں جی؟ آپ کو کس سے ملنا ہے؟'' اس نے کچھ چوکنا ہو کر، ادھ کھلا دروازہ ذرا سا بھیڑ کر احتیاط برتتے ہوئے محتاط انداز میں پوچھا۔ بھائی نے کل بھی سختی سے کہا تھا کہ بغیر پوچھے دروازہ نہیں کھولو اور دروازہ کھلا بھی نہیں چھوڑو۔ دن دہاڑے ڈکیتیاں ہو رہی ہیں۔
''ربیعہ! کون ہے؟...... تم دروازے ہی سے چپک گئی ہو۔'' یاسمین اسے دیر ہو جانے کی وجہ سے پوچھتی ہوئی دروازے تک چلی آئیں۔
''امی! پتہ نہیں، کون ہیں۔ ابو اور دادی کا پوچھ رہے ہیں۔'' اس نے بتاتے ہوئے باقی ماندہ دروازہ بھی بند کر دیا کی۔
''ہے کون؟'' یاسمین سینے پر پھیلایا دوپٹہ سر پر لیتے ہوئے آگے بڑھیں۔ ''جی......''
''بیٹا! احسن یا ثریا بھابی میں سے کسی سے کہیں، آغا آیا ہے۔'' ان سے اب واقعی کھڑا ہونا دوبھر ہو رہا تھا۔
''جاؤ ربیعہ! دادی کو بتا کر آؤ۔'' انہوں نے فوراً ربیعہ سے کہا، جو ان کی بات سن کر اندر چلی گئی۔
''کہیں دور سے آئے ہیں آپ؟''
''ہاں...... بہت دور سے۔'' وہ نڈھال سے لہجے میں بولے۔
''آئے ہائے، کون آیا؟ یہ ربیعہ کہہ رہی ہے۔ آغا اب کہاں؟ اسے تو زمانے بیت گئے، پردیس سدھارے۔ اللہ جانتے ہے بھی یا......'' ثریا خاتون ایک زمانے بعد اس تیزی سے چلتی ہوئی باہر آئی تھیں۔ سانسوں کے ساتھ آواز بھی نہیں تھا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے آگے بڑھیں اور یاسمین کے پیچھے ہٹنے سے پہلے اسے ذرا سا پرے دھکیل کر دروازے کے بیچ کھڑے ہو کر چندھیائی آنکھوں سے سامنے کھڑے شخص کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگیں۔
''یا مر گیا...... نہیں ثریا بھابی! بڑا سخت جان ہوں۔ اتنی آسانی سے اس دنیا کی جان چھوڑنے والا نہیں۔'' ان کے ساتھ کانپتے ہوئے لہجے میں بولے۔
''آغا! تم...... تم اتنے سالوں بعد...... یاسمین! میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی، میرے خدا!'' وہ یکبارگی زور سے جھپک کر دوبارہ آنکھوں پر جماتے ہوئے بے یقینی سے بولیں۔ اب کے یاسمین نے بھی ذرا غور سے دیکھا، جھریوں بھرا یہ چہرہ کچھ دیکھا بھالا سا لگا۔

"آ...آؤ...اندر آؤ....... یہاں کیوں کھڑے ہو؟ اگر راہ بھول کر ہماری یاد تمہارے بے وفا دل کو آہی گئی۔ آؤ۔" وہ بڑی گرم جوشی اور محبت سے دروازے سے ہٹتے ہوئے رستہ دینے لگیں۔

"یہ سامان......" انہوں نے جھک کر بھاری سوٹ کیس اٹھانے چاہے۔

"رہنے دو، یاسمین بچیوں کو ساتھ لگا کر اٹھا لے گی۔ اب یہاں تک صحیح سلامت آ پہنچے ہو تو یہ بوجھ اٹھا کر کہیں ہمارے سر نہ پڑ جا۔" وہ آگے بڑھ کر آغا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے محبت بھرے انداز میں بولیں۔

"پڑنا تو تمہارے ہی پڑنا ہے بھابھو! چاہے اب پڑوں، چاہے چند دنوں، مہینوں بعد۔"

وہ اپنا ٹھنڈا، کانپتا ہاتھ ثریا خاتون کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بڑی احتیاط سے دہلیز کی سیڑھیاں چڑھے۔ چوکھٹ پر رک کر ایک صحن سے آگے نظر آتے برآمدے اور کمروں پر ڈالی اور دوسری نظر گھما کر بائیں جانب کی دیوار کی طرف دیکھا۔

"کہا تھا...... اس دن کے لئے تو کہا تھا آغا! یوں ہاتھ پیر کٹوا کر نہ جا۔ کچھ آخری عمر کے لئے چھوڑ جا۔ ارے اس عمر میں تو بڑے بڑے تیس مار خاں ہمت ہار جاتے ہیں۔ ساری دنیا کی جادونگری کو لات مار کر اپنے مٹی کے گھروندے کی طرف پلٹتے ہیں۔ بڑی ظالم ہوتی ہے یہ زندگی کی کڑکتی سہ پہر۔ پر تجھے ہم پر اعتبار ہی کب تھا۔ کیسا بے بھروسہ ہوا جا رہا تھا، جیسے تیرے حصے پر قابض ہو جائیں گے ہم۔"

صحن کے درمیان میں رک کر ثریا خاتون نے ان متوحش نظروں کی وحشت کو بھانپتے ہوئے بڑے بے لوث انداز میں جتایا کہ آغا اپنی جگہ جھینپ کر رہ گئے۔

"یہ بات نہیں تھی بھابھو! تمہیں معلوم ہے، پیسے پیسے کو محتاج ہو رہا تھا ان دنوں، اس لئے تو سب کچھ بیچ باچ کر......"

"رہنے دے، یہ بونگی دلیلیں کسی اور کو دینا۔ میں نہیں سمجھتی تجھے؟ سب رشتے ناتے توڑ کر جانا چاہتا تھا تُو تاکہ واپس لوٹنے کا کوئی بہانہ سلامت نہ رہے۔" وہ اسی انداز میں ہاتھ نچا کر بولیں تو آغا کو فوری طور پر کوئی جواب نہیں سوجھا۔

"اماں! اندر چل کر بیٹھنے تو دیں۔" یاسمین کو ان کی حالت پر ترس آیا۔

"ہاں، ہاں چلو۔ یہ ادھر احسن کے کمرے میں چلو۔ احسن!...... احسن! دیکھو تو، کون آیا ہے۔"

ثریا خاتون بے دھڑک انداز میں بڑی مدت بعد ایسی کھنکتی آواز میں احسن مراد کو پکارتی ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"شوہائے وفا" کو پڑھتے پڑھتے احسن مراد نے ماں کے بے اختیار سے انداز کو ذرا چونک کر دیکھا۔

یاسمین نے آگے بڑھ کر کمرے کی لائٹ آن کر دی، ورنہ احسن مراد تو کھڑکی سے آتی ملگجی دم توڑتی روشنی میں اس کتاب پر نگاہیں جمائے بیٹھے تھے۔ معلوم نہیں، پڑھ رہے تھے یا یونہی کسی خیال میں کھوئے ہوئے تھے۔

کمرے میں روشنی پھیلتے ہی انہوں نے سامنے کھڑی ماں، بیوی اور بیٹیوں کے ساتھ کھڑے اس اجنبی سے چہرے کو دیکھا۔ کچھ دیر تک تو وہ واقعی نہیں پہچانے، نہ پہچاننے کی سعی کی۔

"کون؟...... کون ہے یہ اماں؟" وہ قدرے بیزار سے لہجے میں بولے۔ انہیں یوں بھی اپنی تنہائی میں کسی کا مخل ہونا اچھا نہیں لگتا تھا۔

"دیکھ...... غور سے پہچان ذرا۔" وہ سرپرائز دینے والے انداز میں جوش سے بولیں تو احسن کی فراخ پیشانی پر بل سے پڑ گئے۔

"آ...... آغا جی...... ہے اماں!" وہ خواب ناک سے انداز میں بولے۔

"احسن!...... میرا بیٹا...... احسن!" وہ بے اختیار سے ہو کر آگے بڑھے اور احسن کو گلے لگاتے ہوئے رو پڑے۔

"آپ کو ہماری یاد کہاں سے آگئی؟ آپ تو ہم سے ہر رشتہ، ہر ناتہ توڑ گئے تھے۔ اسی لئے تو کبھی کوئی رابطہ نہ کیا۔ نہ کوئی خط، نہ تار۔" وہ بھی بھرائی ہوئی آواز میں انہیں گلے لگاتے ہوئے بول اٹھے۔

"کہہ لو۔ جو بھی جی میں آتا ہے، سب کہہ لو۔ اور میں ہوں بھی ان ہی باتوں کے لائق۔ مگر خدارا...... خدا کے لئے احسن! ابھو! مجھ سے منہ نہ پھیرنا۔ میں نے تم لوگوں سے منہ پھیرا، تم نہ ایسا کرنا، ورنہ میری یہ چار دن کی زندگی دو دن میں تمام ہو جائے گی۔ تم لوگوں کی محبت میں سب چھوڑ چھاڑ آیا ہوں۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"کچھ بچا ہی نہیں ہوگا تو چھوڑ چھاڑ کر کیا آنا ہے؟" ثریا خاتون دھیمی آواز میں بڑبڑائیں۔ آغا نے دکھی نگاہ سے اس جملے پر بھابی کی طرف دیکھا۔ ان کی نگاہ میں بے بسی، بے کسی، دکھ، وحشت کیا نہیں تھا۔ یاسمین کے نرم دل کو بے اختیار ان سے ہمدردی سی محسوس ہوئی۔

"اتنے برس میں آغا جان! ایک بار بھی آپ کو ہماری یاد نہ ستائی، ہمارا خیال نہ آیا، اس سرزمین کی محبت نے دل میں کروٹ نہ لی؟" احسن مراد ان کے ہاتھ تھامے، رُندھی ہوئی آواز میں پوچھ رہے تھے۔ اس چچا کی گود میں پل کر تو وہ جوان ہوئے۔ ان بوڑھی

بانہوں نے اپنی جوانی میں انہیں کیسے محبت بھرے جھولے جھلائے تھے کہ وہ چاہتے بھی تو اس محبت کی گرمی کو فراموش نہ
یاسمین نے جلدی سے آغا جان کے پیچھے کرسی لا کر رکھ دی۔ وہ آہستہ سے پیچھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھ ابھی تک
ہاتھوں میں تھے۔

''یہ دل کو دل سے راہ والا معاملہ ہوتا ہے یاد بھی۔'' وہ جیسے ہانپ رہے تھے۔ ''تم لوگوں نے کتنا مجھے یاد کیا،
یار تھا، کبھی ایک بار بھی بھولے سے خط پتر پہ دو حرف لکھ کر بھیجے؟ کبھی کوئی فون، کسی آتے جاتے کے ہاتھ پیغام۔ تم
لوگوں کے لئے جیسے مر ہی گیا ہوں۔'' وہ اب اونچی اونچی، بے قابو ہوتی سانسوں سے بے پرواہ ہو کر بول رہے تھے۔

''ہم آپ کے رویے سے خوف زدہ تھے۔ جس طرح آپ سب تعلق توڑ کر گئے، اگر ہم رابطہ کرنے کی کوشش کرتے تو
آپ کیا جواب دیتے اور آپ کا ردِعمل شاید اس نفرت کو جگا دیتا جو دلوں میں بدصورت رویوں نے پیدا کر دی تھی۔'' ان
لہجے میں ان کے ہاتھ تھپکتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں تھی احسن! یہ ناراضگی، خفگی سب منہ دیکھے کی باتیں ہوتی ہیں۔ پردیس میں تو اپنوں کی
خوشبو ہی بندے کو جیون کی ڈور سے لپٹے رہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ میں بھی سالوں تک دل ہی دل میں تمہاری طرف
کسی واسطے کا منتظر رہا اور پھر بالآخر میرے دل نے یہ امید توڑ ہی ڈالی اور خود سے رابطہ کرنے کی ہمت خود میں نہ پا
اپنے پیچھے چھوڑا کیا تھا، جو مڑ کر دیکھتا۔'' ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

یاسمین نے ٹرے میں کولڈ ڈرنک کا گلاس رکھ کر ان کے آگے پیش کیا۔

''نہیں بیٹا! صرف سادہ پانی۔ یہ پیوں گا تو اور طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' انہوں نے نرمی سے گلاس پرے کر دیا
''اے، ہوا کیا ہے تمہیں جو اس طرح نچڑ کر رہ گئے ہو؟ طبیعت تو اچھی ہے نا تمہاری؟'' ثریا خاتون نے ان
چہرے اور کمزور ہڈیوں والے جسم کو دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

''عمر پیری سے بڑی کون سی بیماری ہے بھابھو؟'' وہ پھیکے سے لہجے میں بولے۔

''پھر بھی، کون سا مرض لاحق ہوا ہے، جو بدن سے خون ہی نچوڑ کر لے گیا؟'' وہ تشویش بھرے انداز میں پوچھنے لگیں
''دل کا مرض ہی ہے، جو ساری عمر جان کو چمٹا رہا۔ وہ ہی اپنے ساتھ بھی لے کر جائے گا۔'' وہ اسی پھیکی ہنسی
یاسمین کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر پینے لگے۔

''وہ تو جوانی کی تکلیف تھی۔'' وہ دھیرے سے بڑبڑائیں۔

''یہ......احسن کی بیوی ہے نا۔ کیا بھلا نام تھا......'' وہ پانی پی کر گلاس لوٹاتے ہوئے یاسمین کی طرف دیکھ کر بولے
''یاسمین۔ تمہیں ہم یاد نہیں رہے، اس غریب کا نام بھلا کیا یاد رہتا؟'' وہ سر ہلا کر بولیں تو سب کے لبوں پر مسکراہٹ
اسی وقت تانیہ اور تنزیل آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔

''امی! یہ پھر باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ آپ لوگوں سے ہزار بار کہا ہے کہ حالات کتنے خراب جا رہے ہیں۔ ایک
بھی دروازہ کھلا نہ چھوڑیں اور سب کے سب......یہ......''

بولتے بولتے اس کی نگاہ آغا جان پر رک گئی جو احسن مراد کے بالکل پاس بیٹھے تھے اور ایک زمانے بعد اسے ابو
پر اس درجہ سکون دکھائی دیا تھا۔ دادی بھی بغیر گاؤ تکیے کا سہارا لئے لکڑی کی کرسی پر ہشاش بشاش بیٹھی تھیں۔

''لگتا ہے، کوئی خاص مہمان ہے۔'' اس نے اندازہ لگایا۔

''یہ بچے......'' آغا جان نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''احسن کا بیٹا ہے تنزیل اور تانیہ۔ دونوں جڑواں ہیں
دونوں چھوٹی ربیعہ اور سنیعہ۔'' ثریا خاتون نے فوراً تعارف کرایا۔

''دونوں بڑوں کو تو بچپن میں، میں نے دیکھ رکھا ہے۔ میرا مطلب ان کے بچپن میں۔'' ان کی وضاحت پر سب
احسن مراد بھی مسکرائے تھے۔

''یہ تمہارے آغا جان ہیں۔ بلکہ تمہارے کیا، سب کے۔ تمہارے ابا کے اکلوتے سگے چچا، جنہیں زمانوں تک ہم
زنجیروں نے جکڑے رکھا۔ آج نہ جانے کیسے ہم غریبوں کی یاد آ گئی انہیں جو پلٹ آئے۔'' ثریا خاتون تعارف کرانے کرانے
کر گئیں۔ آغا جان کے لبوں پر بے چاری سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

''ماشاء اللہ، بچے بڑے ہو گئے ہیں۔'' چند لمحے بعد وہ بولے۔

''ہم بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے جوان ہونا ہی تھا۔'' وہ فوراً سے پیشتر بولیں۔ احسن مراد اور یاسمین نے ایک لمحے
ثریا خاتون بڑے عرصے بعد اس انداز میں بولی تھیں۔

"چلیں اماں! میرے خیال میں پہلے آغا جان منہ ہاتھ دھولیں۔ یا اگر نہانا چاہیں تو نہالیں۔ اتنے میں، میں کھانا لگاتی ہوں۔ ان کو بھوک لگی ہوگی۔ چائے کھانے کے بعد بنالوں گی۔" یاسمین نے آنے والے کمزور مہمان کی نقاہت کا خیال کرتے ہوئے فوراً پیشکش کی۔

"ہاں بیٹا! میں نہاؤں گا۔ اس کے بغیر طبیعت تازہ دم نہیں ہوگی۔" وہ جلدی سے بولے۔

"اے آغا! وہ تمہاری پوتی بھی تھی ایک۔ جانے کیا بھلا سا نام تھا اس کا، وہ کہاں ہے؟" ثریا خاتون کو اچانک یاد آیا تھا۔ "کیا لائے اسے؟" وہ فوراً ہی قیاس کرتے ہوئے بولیں تو آغا جان کے چہرے پر جیسے زمانے بھر کی وحشت سمٹ آئی۔ انہوں نے ان نظروں سے بھائی کی طرف دیکھا اور پھر نگاہیں جھکالیں۔

کمرے میں ایک لمحہ کو سناٹا سا چھا گیا تھا۔

"ثانیہ! تم چل کر ذرا باتھ روم میں تولیہ وغیرہ رکھو۔ آغا جان نہالیں۔" یاسمین نے اس خاموشی کو توڑا۔

"تم لائے نہیں تم نے آغا؟ وہ اپنی پوتی کو ساتھ نہیں لائے؟ کیا نام تھا اس کا۔" ثریا خاتون ہٹیلے پن سے اسی سوال کو دہرا کر بولیں۔

"آگینے نام تھا اس کا۔" ان کے لہجے میں بے شمار کانچ ٹوٹے تھے۔ گلے میں پھندا سا اٹک گیا۔

"تو ساتھ کیوں نہیں لائے اسے؟" وہ ان کی حالت سے بے خبر بولیں۔

"کیسے لاتا؟" وہ پھندے کو جھٹکتے ہوئے بمشکل بولے۔

"کیوں، کیا آنے پر راضی نہیں تھی؟ دیکھا، یہ انجام ہوتا ہے ان فرنگیوں کی صحبت کا۔ آدمی کا اپنی اولاد پر اختیار بھی نہیں رہتا۔ تو تمہیں اکیلے آتے دیکھ کر ہی شک ہوگیا تھا۔" وہ فوراً قیاس کرتے ہوئے بولیں۔

"آدمی کا اپنی اولاد پر اختیار تب رہے، جب تقدیر پر اختیار ہو۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں کہہ کر بے اختیار رونے لگے۔

"ایک ہی بات ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔ "پر تمہیں کیا ہوا؟ خیر تو ہے نا؟ کہاں گئی وہ؟" وہ ہراساں سی آواز میں بولیں۔ "زبردستی لے آتے نا۔"

"کیسے لے آتا، بھابھو؟......وہ تو مر گئی۔"

چھناک سے جیسے کوئی برتن ٹوٹا تھا۔ سب کی سماعتوں میں ایسی جھنجھناہٹ ہوئی اور سارے کمرے میں سناٹا سا پھیل گیا۔ ثریا اپنا اگلا سوال بھی بھول گئیں۔

❁◉......◉❁
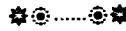
ڈانسنگ فلور تیز، جلتی بجھتی روشنیوں کی زد میں تھا۔

میوزک کا تیز، بے ہنگم، کانوں کو پھاڑ دینے والا شور ان روشنیوں کی وحشت کو اور بھی بڑھا رہا تھا۔

فلور پر تھرکتے، تڑپتے، نیم برہنہ، دنیا و مافیہا سے بے خبر، مدہوش بدن، دیکھنے والوں کے جذبات میں ہیجان پیدا کر رہے تھے۔

مگر یہ بے ہودہ، ناقابلِ برداشت منظر اس کے جذبات میں ہیجان نہیں، اشتعال پیدا کر رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا، خون اس کی رگوں میں دوڑ نہیں رہا، اُبل رہا ہے۔ اور اگر اس نے تھوڑی دیر اور اس اُبلتے، کھولتے خون کی گردش کو برداشت کیا تو اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

اس نے خود پر قابو پانے کے لئے اپنی نظریں اس پُر شور منظر سے ہٹائیں اور ذرا سا پیچھے مڑ کر گاڑی میں بیٹھے گلزار کو دیکھا، جو اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ فوراً نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اسامہ نے ایک گہری سانس لی۔ اسے لگا، اس کے اندر سے بھاپ کا غبار باہر نکلا ہے۔

وہ اسی شہرِ کافراں میں پلا بڑھا تھا، اسی آزاد، بے راہ رو معاشرے میں اس کے شعور نے ہوش سنبھالا تھا۔ بچپن کی معصوم نظروں اور لڑکپن کی منہ زور خواہشوں نے یہیں اس کے اندر سر اٹھایا تھا۔ لڑکپن اور جوانی کی دہلیز پر شاید اس کے قدم بھی اُکھڑ کر انہی راہوں کی جانب بڑھ جاتے، اگر آغا جان کا رعب، ڈر، خوف اس کے ہمراہ نہ ہوتا۔

انہوں نے کبھی اس کے ہوش میں اسے مارا پیٹا نہیں تھا۔ حتیٰ کہ کبھی تھپڑ تک نہیں مارا تھا، نہ کبھی دھمکایا تھا کہ یوں کرو گے تو میں حلال کر دوں گا۔ بس ان کا رعب ہی اس کے دل پر اتنا تھا کہ اس کے نوخیز جذبات نے خود بخود اپنی خواہشوں کی حدود متعین کر لی تھیں کہ اس لکیر سے آگے ایک قدم نہیں اٹھانا۔ اور آج تک آغا جان کو اسے تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

اور وہ تو یہاں کھڑا گزشتہ آٹھ منٹوں سے اس وقت کو کوس رہا تھا، جب اس نے میڈم یاقوت کے محبت بھرے فون اور التجا بھری درخواست کو مانتے ہوئے لائبہ کو کچھ ٹائم دینے اور اس کا خیال رکھنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اس نے مرد ہوتے ہوئے لندن کی ان بدنام گلیوں کا رخ نہیں کیا تھا، جہاں لائبہ آج کل اپنی شامیں اور راتیں بتا رہی تھی۔ سن کر ایک پل تو اسے یقین ہی نہیں آیا۔ بتانے والا

اگر میڈم یاقوت کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ کبھی یقین نہیں کرتا۔ اور یقین بھی اس کے بارے میں، جسے اس کے اونچے مقام پر بٹھا رکھا تھا۔ جس کے خیال کو بھی وہ اتنی احتیاط سے سوچتا کہ کہیں اس کے تصور میں ہوس و حرص اپنی جگہ نہ کی محبت کے پاک اور مقدس رشتہ کو پراگندہ نہ کر دیں۔ وہ خیالوں میں جس کے بارے میں اس درجہ محتاط تھا، وہ اس بے ہنگم میوزک کی بے سُری روھم پر پیر اٹھاتی، رکھتی، کم از کم اس کے خیالوں والی لائبہ تو نہیں تھی۔

'اور یہ تو وہ والی لائبہ بھی نہیں، جس سے میں حقیقت میں ملا کرتا تھا اور جس کے پانے کی آرزو خود سے بھی چھپا اتنے سے دنوں میں اتنی دور کیسے نکل آئی؟' اس نے افسوس اور قدرے غیض سے اسے دیکھا، جو میوزک چینج ہونے پر چھوڑ کر فلور سے نیچے اتر رہی تھی یا جیسے ہوا میں معلق، زمین ڈھونڈنے کی سعی کر رہی تھی۔

وہ گرتی، ڈولتی، سنبھلتی، میزوں سے ٹکراتی ''سوری، ایکسکیوزمی'' کرتی ڈرنک کارنر کی طرف جا رہی تھی۔

اسامہ اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

''یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے؟'' وہ اس کے قریب پہنچ کر غصے میں غرایا۔ اس نے مُندی مُندی سی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ گردن ایک طرف جھٹکی، سر مارا اور ہوا میں ہاتھ بلند کر کے مڑنے لگی۔ اس کی مدہوش آنکھوں میں شناسائی کی رمق نہیں تھی۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں، میری بات سنو۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو اپنی طرف کھینچ کر موڑا۔

''ہو آر یُو؟......لیو دا وے۔'' اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے لڑکھڑاتی آواز میں قدرے غصے سے کہا۔

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم اس قدر گر جاؤ گی۔ چلو یہاں سے۔'' اس نے دانت پیس کر اس کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے اسے اپنی جانب کھینچا۔

''چھ......چھوڑو مجھے......کون ہو تم؟......میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ تم آج کے لئے کسی اور سے رابطہ کرو۔'' وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ مگر اس کا جملہ اسامہ کو آگ لگا گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اس پر اٹھ گیا۔ چٹاخ کی آواز میوزک میں کہیں دب گئی۔ مگر لائبہ اپنے قدموں پر لڑکھڑا کر گرتے گرتے اسامہ کی بانہوں میں سنبھلی۔

''ہاؤ ڈیئر یُو......ہاؤ ڈیئر یُو......یُو اسٹوپڈ......باسٹرڈ......یُو......'' اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان اُمڈ پڑا۔ پاس سے گزرتے ایک دو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسامہ نے معاملہ مزید بے قابو ہونے سے پہلے ہی اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے زور سے گھسیٹا اور دروازہ دھکیلتا باہر لے آیا۔

باہر گلزار اس کی مدد کو لپک کر آیا تھا۔

وہ اب زور زور سے چیخ رہی تھی۔ اسامہ کو لینے کے دینے بھی پڑ سکتے تھے۔ یہاں کا قانون، شخصی آزادی کے حق اور چوکنا تھا کہ لائبہ کی ایک چیخ اسے اور گلزار کو حوالات کی سیر کرا سکتی تھی۔

اسامہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور گھسیٹ کر اسے گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر پٹخا اور پھرتی سے اندر ہوتے ہوئے دروازہ بند کر لیا۔ گلزار اتنی دیر میں ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح سیٹ پر تڑپ رہی تھی، مچل رہی تھی۔

''چھوڑو مجھے۔ تم ہوتے کون ہو مجھے ہاتھ لگانے والے؟......میں ابھی چیخ چیخ کر لوگوں کو اکٹھا کر لوں گی۔ گی۔ تمہاری یہ جرأت، تم نے مجھے مارا۔ آئی وِل کِل یُو۔ آئی ہیٹ یُو۔ آئی ہیٹ ایوری تھنگ......ایوری الون......آئی وانٹ ٹو ڈائی۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اسامہ کو مار رہی تھی۔ سوچے سمجھے بغیر اوٹ پٹانگ بولے جا رہی تھی۔ اسامہ کا مارے طیش کے اور بھی برا حال تھا۔ وہ بار بار اس کو دروازہ کھول کر اترنے سے روک رہا تھا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا یہ ارادۂ خودکشی۔ آئی ڈونٹ کیئر۔ میں سمجھوں گا، میں تم جیسی کسی بے وفا، ہرجائی لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اپنے ان تمام تر جذبات پر، جو تم سے متعلق تھے۔'' وہ بار بار اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے غرا رہا تھا۔

''تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟......کیا چاہئے تمہیں مجھ سے؟......کیوں میرا پیچھا نہیں چھوڑ دیتے؟ نہیں، دس ہزار بار کہوں گی کہ مجھے تم سے نفرت ہے۔ تم کیوں میری زندگی سے نکل نہیں جاتے؟ کیا چاہتے ہو؟'' وہ تھک کر تھک گئی اور نشہ بھی کچھ ہرن ہوا۔ وہ اب اسامہ کی طرف دیکھ رہی تھی، مگر نظروں اور جملوں میں ابھی بھی انکار تھا۔

''کیا چاہئے تمہیں مجھ سے، بولو؟'' وہ ایک دم سے اس کا گریبان پکڑ کر بولی۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے بیزاری، نفرت، غصے اور بے بسی سے ایک نظر اسے دیکھ کر اپنا گریبان چھڑانے کی کوشش

"جھوٹ بولتے ہو تم......تم یونہی میرے پیچھے نہیں لگے ہو۔ میں سب سمجھتی ہوں، بچی نہیں ہوں اور......اور جب سے تم ماما سے ملے ہو، تمہیں ان کی دولت کا اندازہ ہوا ہے۔ تم اور......اور......محبت کا نام لے کر مجھ سے چپکے جا رہے ہو۔ تمہیں پتا ہے نا، میں اپنی ماما کی دولت......ملینز، بلینز، ٹریلینز کی اکلوتی......اکیلی وارث ہوں......میں سب سمجھتی ہوں۔ تم یونہی نہیں رہا رہے۔ مگر یاد رکھنا، میں تمہاری ایسی ہر اسکیم......" وہ اب ہانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ ان کے گلے میں پھنسنے لگی تھی۔

"شٹ اپ لائبہ! آئی ڈونٹ کیئر یور ملینز اور ٹریلینز۔" وہ اس کی حالت دیکھ کر اپنے شدید غصے کو پی گیا۔ اپنا گریبان اس سے چھڑا کر ذرا بے رخی سے پرے ہو گیا۔

"مجھے تمہارے لاکھوں، کروڑوں کی کیا پروا ہو گی۔ آج کی شام کی اس وحشت ناک ملاقات سے پہلے مجھے تمہاری پروا تھی، مگر اب وہ بھی نہیں رہی۔ آج میری سمجھ میں آیا کہ ہر دل محبت کے قابل نہیں ہوتا۔ یہ انمول خزانہ ہر دل کے حصے میں آ بھی نہیں سکتا۔" وہ لب بڑبڑایا تھا۔

باہر گہری ہوتی رات کی طرح گہرے اندھیرے اس کے دل پر اتر رہے تھے۔

"ہاں، تم مجھ سے کیوں محبت کرو گے؟ مجھ جیسی بے سہارا، تہی دامن لڑکی سے، جس کی ماں تک اس سے جھوٹی محبت کا ڈھونگ رچاتی ہے، اس سے آج تک کسی نے محبت نہیں کی تو تم کیوں کرو گے؟ تم ٹھیک کہتے ہو، میں محبت کے قابل نہیں۔ میں تو نفرت کے بھی قابل نہیں۔ میں کسی بھی جذبے کے قابل نہیں۔ پھر میں کیوں ہوں؟ کیوں زندہ ہوں؟ بتاؤ مجھے۔ یونہی بے وجہ، بے مقصد جی کر میں کیا کروں گی؟ مجھے تو مر جانا چاہئے۔ اگر کسی کی زندگی میں کوئی ایک شخص بھی پیار کرنے والا نہ ہو تو اسے مر جانا چاہئے۔ زمین پر کسی بوجھ کی طرح مسلط نہیں رہنا چاہئے۔ ہاں، اب میری سمجھ میں آیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مجھے مر جانا چاہئے۔" وہ روتے روتے سر ہلاتے ہوئے جیسے خود سے باتیں کر رہی تھی۔ اسامہ کی چند لمحے پیشتر کی بے زاری ایک دم ہمدردی میں بدل گئی۔

وہ بری طرح سے بکھر رہی تھی۔ روتے روتے اس کے کندھے پر سر رکھ کر سسکنے لگی تو اسے اس پر بے تحاشا ترس آیا۔

"مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا۔ مجھے کبھی پیار نہیں ملا تو میں کسی کو کیا دوں گی؟ تم نے ٹھیک کہا، ہر دل، محبت کے قابل نہیں ہوتا۔" وہ اس کے بازو سے لپٹی روتے ہوئے بار بار یہی چار فقرے دہرائے جا رہی تھی۔ اسامہ سر پکڑ کر بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔ محض چند لمحوں میں جیسے وہ اس سے صدیوں کے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ پہلے بھی اس کی نہیں تھی اور اب تو اس کے دل کی رہی سہی خوش گمانی بھی فنا ہو گئی تھی۔

گلزار بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کرتا ہوا گاڑی مطلوبہ روڈ پر لے آیا تھا۔

"مجھے اب صرف میڈم یاقوت کو ایک فون کرنا ہے کہ یہ معاملہ میرے بس سے باہر ہے۔ جو کرنا ہے، وہ خود آ کر کریں۔ ڈیٹس اٹ۔ اس کے بعد مجھے اس طرف کا رخ نہیں کرنا۔ ایک دلِ ناکام کو سمجھانا ہی ہے۔ وہ تو میں پہلے بھی سمجھا رہا تھا۔ یوں بھی مجھے اب زیادہ دن رہنا ہی نہیں۔ میں انکل، آنٹی سے بات کرتا ہوں۔ جتنی جلدی وہ چلیں۔ آغا جان کے بغیر میں شاید زندہ تو رہ سکتا ہوں جی نہیں سکتا۔" وہ خود کو سمجھا رہا تھا۔ گاڑی اپارٹمنٹ کے آگے رک چکی تھی۔

لائبہ اس کے بازو کو اپنے سینے سے لگائے، مضبوطی سے گرفت میں لئے گہری نیند سو چکی تھی۔

گلزار اس کی طرف اور وہ گلزار کی طرف بے بسی سے دیکھنے لگا۔

✿⊙......⊙✿

"ہیلو مس تانیہ!......ہاؤ آر یو؟" وہ سر جھکائے دراز میں سے کوئی چیز ڈھونڈ رہی تھی کہ جہانگیر ہمدانی کی گمبھیر، بالکل پاس سے آئی آواز سے تقریباً اچھل ہی پڑی۔ اس کا کندھے سے ڈھلکتا دوپٹہ بے اختیار نیچے گر گیا۔ وہ جلدی سے جھک کر دوپٹہ اٹھاتے ہوئے اسے سینے پر پھیلانے لگی۔ جہانگیر ہمدانی بے حد دلچسپی سے اس کے شفاف چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔

"فائن سر!" وہ کچھ خجالت بھرے انداز میں جواب دیتے ہوئے اٹھی۔

"پلیز......تشریف رکھیں۔ میں ادھر سے گزر رہا تھا، سوچا آپ سے ملاقات کر لی جائے۔" وہ بے تکلف سے لہجے میں کہتے ہوئے اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"تھینک یو۔" خود کو کمپوز کرتے ہوئے وہ اب خاصے بااعتماد انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"لگتا ہے، آپ بزی ہیں۔"

"کچھ خاص نہیں۔" وہ ہلکے سے کندھے اچکا کر بولی۔

"گویا فارغ ہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

''نو سر! بس تھوڑا بہت کام۔ اصل میں زیادہ تر کام تو مس عائشہ نمٹا لیتی ہیں۔ میں ویسے بھی آفس ورک سے۔'' اسے واقعی ابھی ادھر کچھ خاص کام نہیں دیا جاتا تھا۔ دو چار فائلیں جن کی گراف میچنگ کرنا، ریشو نکالنا یا ان کمپیوٹر میں فائل کرنا جو اسے دو تین دنوں میں ہی آ گیا تھا۔

''ہاں، یہ تو مجھے کیا، سب کو معلوم ہے۔ یہاں زیادہ تر کام عائشہ ہی نمٹا لیتی ہیں۔'' وہ معنی خیز انداز میں آگے جگ کو گھماتے ہوئے بولا۔ ''آپ خیال رکھئے گا۔ اور یہ تو مجھے بھی پتہ ہے، آپ فی الحال کام سیکھ رہی ہیں۔''

جواباً تانیہ نے یونہی سر ہلا دیا۔ ان جملوں میں کوئی بھی جملہ جواب طلب نہیں تھا۔

''وہ سر!........ آپ سے ایک بات کہنا تھی۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولی اور پھر سوچ میں پڑ گئی۔ کہیں اس کی بات ے جائیں۔ ان دو سوٹوں نے اس کے گھر میں یوں تنازع کھڑا کیا تھا کہ یاسمین اور تنزیل ابھی تک اس سے ٹھیک طرح رہے تھے۔ وہ تو دیکھتے ہی منہ دوسری جانب کر لیتا تھا۔ اس کا یہ دل شکن رویہ اسے بہت تکلیف دے رہا تھا۔ وہ دوسرے سے اتنے دنوں کے لئے ناراض نہیں ہوئے تھے۔

''کہیے، رک کیوں گئیں؟'' وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔

''سر! آپ خفا تو نہیں ہوں گے؟'' وہ اب پچھتا رہی تھی کہ اسے یہ بات شروع ہی نہیں کرنا چاہئے تھی۔ گھر والوں یا بدیر مان ہی جاتے مگر باس کو ناراض نہیں ہونا چاہئے۔

''بالکل نہیں مس تانیہ! آپ اتنی اچھی، اتنی پیاری ہیں کہ آپ سے کوئی کبھی بھی خفا ہو ہی نہیں سکتا۔ کم از کم میری طرف سے تو لائف ٹائم گارنٹی ہے نہ خفا ہونے کی۔'' وہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے مزاحیہ انداز میں بولا تو وہ ہلکا سا مسکرا

''آپ کھل کر کیوں نہیں مسکراتیں؟ آپ کو بھی شاید اپنی مسکراہٹ کے قاتلانہ ہونے کا علم ہے جو یہ کنجوسی کرتی ہیں۔'' وہ اس کے مسکراتے، کٹاؤ دار، بھرے بھرے گداز ہونٹوں پر نگاہیں جما کر بولا تو اس کی مسکراہٹ ایک دم سے خود بخود آنکھوں پر آ گریں۔

''سر! وہ جو آپ نے مجھے سوٹ دیئے تھے، سر! وہ میری امی........ سر! انہیں یہ اچھا نہیں لگا۔ وہ چاہ رہی تھیں کہ وہ سوٹ واپس کر دوں۔'' وہ پلکیں جھپکتی، انگلیاں چٹخاتی، چہرہ سرخ کرتی، سیدھی جہانگیر ہمدانی کے بغیر دروازے میں گھستی چلی گئی۔

'شاید پہلے بچاؤ کی کوئی صورت نکل آتی، اب تو تانیہ بی بی! آپ کے بچنے کا امکان ناممکن ہو گیا۔' اس نے ایک کر خود سے کہا۔

''سر! آپ نے مائنڈ کیا؟'' وہ اس کی خاموشی سے معنی اخذ کر کے بولی۔

''نو۔ اس میں مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے؟'' وہ خوب صورت مسکراہٹ لبوں پر سجا کر اپنائیت بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''مائیں اس طرح کے تحائف سے یونہی خدشات میں مبتلا ہو جایا کرتی ہیں۔ یور مدر ز ری ایکشن اِز ناٹ آکورڈ تانیہ! آج کا زمانہ اس قدر میٹریلاسٹک ہو چکا ہے کہ کسی کا بے وجہ کا خلوص اب ہمیں ہضم ہی نہیں ہوتا۔ اور آپ جیسی حسین بیٹی کی ماں کو تو اور بھی محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ میں ان کے گریز کو حق بجانب سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ نے کہ ہماری کمپنی کے باس صرف تم پر ہی مہربان نہیں بلکہ اچھے کام اور اچھی صورتوں کو اس طرح کے معمولی گفٹس ان کی بنانے کے لئے اکثر ہی دیئے جاتے ہیں۔ اور آپ ادھر پہلی نہیں، جن پر یہ خاص نظرِ عنایت کی گئی ہے، بلکہ سب کو حسب درجہ۔ کیوں مس عائشہ!'' اس نے دروازے کے باہر سے گزرتی عائشہ کو بے ساختہ مخاطب کرتے ہوئے گواہ کے لئے طلب کیا تھا۔

''جی سر........'' وہ انٹرنس پر ہی رک کر استفہامیہ انداز میں بولی۔

''گڈ ورکرز کو ان کی پرفارمنس اور حوصلہ افزائی کے لئے گفٹ دینا ہماری کمپنی کی روایت رہی ہے عائشہ! آپ گواہ اس بات کی؟'' وہ معنی خیز انداز میں عائشہ کے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھ کر بولا تو وہ جواباً مسکرا بھی نہیں سکی۔

''میں جاؤں سر؟'' کی اجازت طلب کرنے لگی۔

''آف کورس۔ آپ دیکھ رہی ہیں کہ میں مس تانیہ کے ساتھ بزی ہوں۔ آپ کی میڈم کیا کر رہی ہیں؟''

''جی وہ تو ابھی آئی نہیں۔'' وہ ایک اچٹتی سی نگاہ، تانیہ کے فریش مطمئن چہرے پر ڈال کر بولی۔

''اوکے، وہ آئیں اور مس تانیہ کے بارے میں پوچھیں تو آپ بتا دیجئے گا کہ وہ میرے ساتھ ذرا سائٹ تک گئی

واپسی لازمی تک ہو جائے گی۔" وہ خود ہی پروگرام سیٹ کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تو تانیہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ جبکہ عائشہ نے ایک ترحم بھری نظر تانیہ پر ڈال کر اثبات میں سر ہلایا اور آگے بڑھ گئی۔

"مگر...... مم...... مجھے ادھر کام ہے۔" اس نے یونہی آگے پڑی دونوں گرین فائلوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ، کم آن مس تانیہ! یہ کام آ کر کر لیجئے گا۔ ابھی ذرا میرے ساتھ چلیں۔ مجھے آدھے گھنٹے میں سائٹ پر پہنچنا ہے۔ آپ پلیز دیرمت کیجئے۔ اور یہ بھی آفس ورک ہے۔ اینڈ یو آر آن ڈیوٹی۔" وہ اس کے پریشان چہرے کو دیکھتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے سر! مگر مجھے میڈم کے آنے سے پہلے یہ فائلیں دیکھ کر ان کی ٹیبل تک پہنچانی ہیں۔ میڈم خفا ہوں گی۔" اس نے بہانہ گھڑا۔ ورنہ دل تو اس کا بھی چاہ رہا تھا کہ وہ جہانگیر ہمدانی کی آفر قبول کر لے۔ پتہ نہیں، کیا بات تھی ان کی مسحور کن کمپنی میں، وہ سب کچھ بھول جایا کرتی تھی۔ بس دل چاہتا، ان کی گمبھیر، دل میں اترتی آواز اور سحر انگیز گفتگو کو سنتی رہے۔ ان کی ستائش بھری نظروں کا مفہوم وہ سمجھ کر بھی انجان بننا چاہتی تھی۔ مگر اس کا اپنا دل ان کے ہر لمحہ ساتھ کا متمنی ہوتا جا رہا تھا۔ اسے گھر جا کر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔

"آپ کی میڈم بالکل خفا نہیں ہوں گی، میں گارنٹی دیتا ہوں۔ لائیے، یہ فائلیں مجھے دیں۔ انہیں عائشہ دیکھ لیں گی یا کوئی اور۔ آپ پارکنگ میں نیچے آ جائیں، میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ حکمیہ انداز میں کہتے ہوئے دونوں فائلیں اٹھا کر باہر نکل گیا تو وہ گہرا سانس لے کر اپنا بیگ اٹھانے لگی۔

"مجھے آج آپ سے ایک بہت خاص بات بھی کرنی ہے۔ سائٹ سے جلدی فارغ ہو گئے تو کسی اچھے ریسٹورنٹ میں لنچ کریں گے۔ وہیں آپ سے وہ بات کرنا چاہوں گا۔" جیسے ہی وہ گاڑی میں آ کر بیٹھی، گاڑی چلتے ہی اس نے کہا تو تانیہ کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہونے لگیں۔

"کک...... کیسی بات سر؟" وہ گڑبڑا کر بولی۔ "اور سر! پلیز، میں باہر لنچ نہیں کروں گی۔ آئی مین، یہ اچھا نہیں۔" وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔

"کیا اچھا نہیں؟ میرے ساتھ جانا، ڈیوٹی کرنا یا ریسٹورنٹ میں لنچ کرنا؟"

"لل...... دوسری بات۔" ان کی خفگی کے خیال سے تھوک نگل کر بولی۔

"یہ بھی آپ کی ڈیوٹی کا حصہ ہے، مس تانیہ! آپ کسی اسکول میں نہیں پڑھاتیں کہ صبح آٹھ بجے اسکول میں ہوں گی اور دو بجے گھنٹہ بجتے ہی اسکول سے نکل کر سیدھا گھر چلی جائیں گی۔ آفس ورک میں باہر کے بھی سو کام ہوتے ہیں۔ آپ پڑھی لکھی، سمجھ دار ہیں۔ میری بات سمجھ چکی ہوں گی۔"

"یس سر!" وہ انگلیاں مسلتے ہوئے ان کی مسحور کن شخصیت کی قربت کے زیر اثر بمشکل بول سکی۔ گاڑی کی خنک فضا، جہانگیر ہمدانی کے چھ فٹ پر موجود لباس و بدن سے اٹھتی سحر انگیز بھینی بھینی خوشبو اس کے حواس پر طاری ہونے لگی تھی۔

اسے اپنے چہرے پر ان کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہوا تو اس نے بوجھل پلکیں اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس کی جانب بہت گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا، پھر مسکراتے ہوئے کھڑکی کے سیاہ شیشے سے پرے دیکھنے لگا۔

"وہ خاص بات، جو سر کرنا چاہ رہے ہیں، نہ جانے کتنی خاص ہو گی کہ......" اس سے آگے اس کا بے قابو ہوتا دل کچھ قیاس ہی نہ کر پایا۔

✲⊙......⊙✲
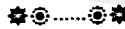
"میڈم! میں اسامہ بات کر رہا ہوں۔" رابطہ ملتے ہی اسامہ نے سلام کے بعد کہا۔

"میں تمہاری آواز سنتے ہی پہچان گئی تھی، تعارف کی ضرورت نہیں۔ کیسے ہو مائی سن؟" وہ اپنائیت بھرے لہجے میں زمانے بھر کی مٹھاس سمو کر بولیں۔

"فائن میڈم!" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"نورلائبہ؟" چند لمحوں کے سکوت کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے وہ بھی۔ لیکن ابھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ کچھ اخذ نہیں کر پائیں۔

"میڈم! آئی ایم سوری، مگر آپ نے جو فرض مجھے سونپا تھا، میں اسے ادا کرنے سے قاصر ہوں۔" وہ معذرت بھرے انداز میں

''کیا مطلب؟ مجھے جو بھی بات ہے، صاف صاف بتا دو۔ کچھ بھی مجھ سے نہ چھپانا پلیز۔'' وہ بے چین سے انداز میں
اسامہ کو ان کی پریشانی کا کچھ کچھ اندازہ ہوا۔
''میڈم! اصل میں وہ کسی کی کوئی بھی بات سننے پر تیار نہیں۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ صاف صاف کن لفظوں میں
بتائے۔
''میں سمجھی نہیں، کیسی بات؟'' وہ اُلجھ کر بولیں۔
''میڈم! اصل میں........'' وہ رکا۔ ''لائبہ ان دنوں بہت فرسٹریٹڈ ہے۔ معلوم نہیں، وہ کس بات سے ہرٹ ہوئی ہے
وقت اس کی ذہنی حالت ایسی ہے کہ وہ خدانخواستہ کسی بھی انتہا پر خود کو لے جا سکتی ہے۔ آئی کانٹ ہیلپ ہر۔'' وہ بے بسی کا
چھپے لفظوں میں بولا۔
''کس بات سے ہرٹ ہوئی ہے؟'' میڈم یاقوت کی ساعتوں کی سُوئی اس ایک جملے پر گویا منجمد ہو کر رہ گئی۔ وہ جواباً
طور پر کچھ پوچھ بھی نہیں سکیں۔
''ہیلو........ ہیلو........'' لائن بے جان ہو گئی تھی۔ ''میڈم! آپ سن رہی ہیں نا؟'' وہ کریڈل دبانے لگا تھا۔
''سن رہی ہوں۔'' وہ کسی گہرے کنوئیں سے بولیں۔
''تم نے اس سے پوچھا نہیں، اسے کیا پرابلم ہے؟ میرا مطلب، کس چیز نے اسے پریشان کیا ہے اس قدر؟'' وہ رک
بولیں۔
''میڈم! وہ کچھ بھی شیئر کرنے پر تیار نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔
''تم تو اس کے اچھے دوست ہو، ذرا کوشش کر کے........'' وہ نہ جانے کیوں، لجاجت سے بولیں۔
''میڈم! میں اس کا اچھا دوست ہوں مگر اس وقت اس کا ذہن کسی بھی اچھائی کو قبول کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ وہ ہر
پہلو دیکھ ہی ہے۔ وہ میری بے غرض دوستی اور خلوص کو شک، میرے کسی لالچ کا نتیجہ سمجھ رہی ہے۔ دوستی کے رشتے کو اتنا گرا ہوا
دیکھ سکتا، اس لئے سوری۔'' وہ واقعی اب لائبہ کے معاملے سے پیچھے ہٹ جانا چاہتا تھا۔
''اسامہ! میری ایک بات کا جواب دو گے؟ بالکل سچ، بغیر کسی جھوٹ یا لگی لپٹی کے........؟'' چند پل سوچنے کے بعد
کن انداز میں بولیں۔
''پوچھئے، میں جھوٹ بے حد مجبوری کے علاوہ نہیں بولتا۔'' اس نے تھک کر کہا۔
''کیا تم لائبہ کو پسند کرتے ہو؟........ آئی مین، فار میرج؟ ایک مستقل پسندیدگی کے طور پر؟'' وہ بے جھجک سے بولیں
تو ایک پل کو اسامہ کی سماعتیں اور بھی سُن ہو کر رہ گئیں۔ اتنے صاف الفاظ میں اعتراف تو اس نے کبھی خود سے نہیں کیا تھا
کے منہ سے سننا۔
''تم نے جواب نہیں دیا؟'' اس کی خاموشی پر وہ بولیں۔
''میڈم! میں اسے پسند کرتا ہوں، کسی رشتے کی شکل کے بغیر بھی۔ اور آج کل وہ کس کنڈیشن میں ہے، اس طرح کے
اسے مزید مشتعل کریں گے۔ آپ فی الحال میری پسندیدگی کے معاملے کو جانے دیں۔'' وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں اقرار کر
میڈم یاقوت کو خوشی تو ہوئی مگر انہوں نے اظہار نہیں کیا۔
''وہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی؟'' انہیں جیسے یاد آیا۔
''وہ بات کرنے کی حالت میں ہو گی تو بات کرے گی نا۔'' وہ جتانے والے انداز میں بولا۔
''کیا مطلب؟........ کیا بیمار ہو گئی ہے؟ خدانخواستہ اس نے کچھ ایسا ویسا تو نہیں کر لیا؟ بہت جذباتی، بہت غیر ذمہ دار
اسامہ! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ بولو، کیا کِیا ہے اس نے؟ مجھ سے بات کرنے کی حالت میں کیوں نہیں؟'' وہ مضطرب لہجے میں
گئیں۔
''آپ کے اور اس کے درمیان کوئی بات ہوئی تھی، آخری ملاقات کے دوران؟'' اسامہ ان کے سوال نظر انداز کر کے
''بات........ ایسی کچھ خاص تو نہیں۔'' وہ سوچنے لگیں، اسامہ سے کہیں یا نہ کہیں۔ ''کبھی کبھی بچے والدین سے ایک
ضد لگا بیٹھتے ہیں، جو تقدیر نے ان کے لئے لکھی ہی نہیں ہوتی تو پھر اس میں بے چارے والدین کیا کریں؟ آسمان پر چڑھنے
کرتی تو میں انکار نہ کرتی۔ بے جا ضد کا کوئی انجام نہیں ہوتا، جبکہ میں اسے صاف صاف سب بتا کر بھی آئی ہوں۔'' وہ
انداز میں لائبہ کی کسی ضد کی طرف اشارہ کر رہی گئیں اور اپنی ایسی بے بسی کا، جس کا علاج ان کے پاس تھا ہی نہیں۔
''کہیں لائبہ کی ضد........ دائم کے بارے میں تو نہیں؟'' اسامہ کی بات پر انہیں جھٹکا سا لگا۔

"تو تم جانتے ہو اس کی خواہش کے بارے میں؟" انہوں نے جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔
"بس، اتنا جتنا ایک اچھا دوست جان سکتا ہے۔"
"ہوں۔"
"تو آپ اس کی بات کیوں نہیں مان جاتیں؟ دائم ایک بہت اچھا، سمجھ دار، ایجوکیٹڈ پرسن اور ایک خوشحال، پڑھی لکھی فیملی کا اکلوتا وارث......"
لفظ "وارث" پر وہ تڑپ اٹھی تھیں، جیسے کسی نے ان کے دل کے عین بیچوں بیچ سوئی چبھوئی ہو۔
"مجھے دائم پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن اسامہ! یہ بات نہ میں اس وقت تمہیں، نہ لائبہ کو سمجھا سکتی ہوں کہ یہ ہونا ناممکن ہے۔ قطعاً ناممکن۔" وہ بے لچک انداز میں بولیں۔
"وہ بات نہیں بتائیں گی آپ؟"
"نہیں، میرے لئے بتانا ممکن نہیں۔ بس یہ سمجھ لو، یہ تقدیر کا اٹل فیصلہ ہے کہ لائبہ، دائم سے شادی نہیں کر سکتی۔ جس طرح بھی ہو سکے، اس کے دماغ کو اس فضول ضد سے باہر نکالنے کی کوشش کرو۔" وہ حسب عادت حکمیہ انداز میں بولیں تو اسامہ کو خاصا ناگوار گزرا۔
"سوری، وہ میری کوئی بات نہیں سن رہی۔"
"اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ مجھ سے بات کراؤ۔" وہ جھنجلا کر بولیں۔
"اس نے رات کو اتنی پی لی تھی کہ اسے ہوش آنے میں ابھی مزید چھ آٹھ گھنٹے لگیں گے۔" وہ خود کو کہنے سے روک نہ سکا۔
"واٹ......؟" وہ چلا اٹھیں۔
"میڈم! لائبہ کی راتیں، شامیں لندن کی ان بدنام گلیوں کے بارز اور کسینوز میں بسر ہو رہی ہیں، جن کا کوئی شریف آدمی نام بھی لینا پسند نہیں کرتا۔"
اسامہ نے انکشاف کیا تھا کہ بم بلاسٹ ہوا تھا، ان کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ انہیں یوں لگا، کمرے کی چھت ان کے سر پر آ گری ہو۔ ان کے حواس مختل ہو گئے۔ انہیں زور کا چکر آیا۔ وہ اپنے ہی قدموں پر چکرا کر گریں اور گول گول گھومتی، کمرے کی دیوار کو تھامنے کی کوشش کرنے لگیں۔

✿◉......◉✿
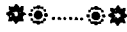
"سر! آپ نے مجھ سے کیا بات کرنا تھی؟" اس مشہور، مہنگے ترین چائنیز ریسٹورنٹ میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آرام سے بیٹھے جہانگیر ہمدانی سے تانیہ نے پوچھا۔ انہیں دو گھنٹوں کی جگہ ساڑھے چار گھنٹے لگ چکے تھے۔ اب تو آفس ٹائم بھی ختم ہو چکا تھا۔ اگرچہ سائٹ پر وہ کسی زیر تعمیر عمارت کی کنسٹرکشن کا جائزہ لیتا رہا۔ آرکیٹیکچرز اور ورکرز کے ساتھ نقشے اور تفاصیل میں اُلجھا اُسے ماہئڈ روم میں بٹھا کر شاید بھول گیا تھا۔ وہاں بیٹھے تانیہ کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیوں ساتھ لے کر آیا تھا۔
"سوری۔ مجھے خاصا ٹائم لگ گیا۔ تم نے ریفریشمنٹ لی؟" وہ بڑے اپنائیت بھرے انداز میں سوری کرتے ہوئے بے تکلفی سے اسی صوفے پر اس کے قریب آ بیٹھا، جس پر وہ بیٹھی تھی۔ "دیکھا، کتنا کام ہوتا ہے کہ آدمی کو کسی بات کا ہوش نہیں ہوتا۔" کہتے کہتے اس نے سگار سلگایا تھا۔ ایک اور مسحور کن، دلفریب خوشبو اسے گھیرنے لگی۔
"چلو، اب لنچ تو کیا، ہائی ٹی کا ٹائم ہو گیا ہے۔ کچھ کھا پی کر تمہیں گھر ڈراپ کر دوں گا۔ آفس ٹائم تو اب ختم ہو گیا۔ آپ کو آفس سے کچھ لینا تو نہیں تھا؟" وہ اس کے خائف سے انداز پر انداز تخاطب بدل کر فارمل لہجے میں بولا۔
"نو سر!" اس نے گردن ہلائی۔
"چلو اٹھو پھر۔" وہ اسے لئے ریسٹورنٹ میں چلا آیا اور یہ تانیہ مراد کی زندگی کا پہلا موقع تھا، اتنے شاندار ریسٹورنٹ میں ایک نامدار آدمی کے بالمقابل بیٹھ کر ڈھیر ساری خوشبو اڑاتی ڈشز کا لنچ کرنا۔ اسے یہ سب خواب کے مانند لگ رہا تھا۔
"ہاں، بات تو کرنی ہے۔" انہوں نے ایک بار پھر سگار سلگا لیا تھا۔ تانیہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ صبح سے اس کے بدن کی ساری رگیں اسی ایک سوال کے گرد دھڑک رہی تھیں۔
"جی کہئے۔" وہ اپنی شدید گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بظاہر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔
"تانیہ! آپ کو معلوم تو ہے کہ ہماری فرم اصل میں فیشن فرم ہے۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک فیشن انڈسٹری سے متعلق تقریباً ہر فیلڈ سے ہمارا تعلق ہے۔ فیبرک سے لے کر فیشن ڈیزائننگ، فیشن پریڈز، ماڈلنگ، سب ہماری فرم سے کنسرنڈ ہیں۔ ہم بہترین فیشن اور ٹرینڈز کو فرنٹ پر لاتے ہیں اور ہماری متعارف کرائی گئی پروڈکشنز خواہ وہ لباس ہوں، میک اپ، جیولری یا ماڈلز، دنوں میں

فیشن کی دنیا میں دھوم مچا دیتی ہیں۔ اس وقت پاکستان میں جتنی بڑی ماڈلز ہیں، ان سب کو متعارف کرانے کا سہرا "مائیڈا" کے سر ہے۔ ہر عام سی ماڈل کو سپر ماڈل ہم نے بنایا ہے، یونو۔" وہ کش لینے کو رکا تو تانیہ کو پہلی بار اس کی گفتگو سے اُکتاہٹ ہوئی۔

"آئی نو سر!" وہ محض اپنی توجہ کا ثبوت دینے کے لئے آہستہ سے بولی۔

"میرے پاس تمہارے لئے ایک آفر ہے۔" اس نے دھوئیں کے خوب صورت چھلے بناتے ہوئے، مخمور نگاہوں سے دیکھا۔

"کیسی آفر سر؟" اس وقت ریسٹورنٹ میں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔

"ہمارے ہاں ایک ایگزیبیشن ہو رہی ہے، کچھ ڈائمنڈز کے سلسلے میں۔ مہینہ اور تاریخ تو ابھی طے نہیں ہوا، مگر میری خواہش ہے کہ تم اس ایگزیبیشن میں ہماری نئی سپر ماڈل کے طور پر اُبھرو۔"

ان کی آفر تھی یا سانپ کا ڈنک۔ شاید اس ڈنک کے لگنے پر بھی تانیہ اتنی خوفزدہ ہو کر نہ اُچھلتی جتنا وہ اس آفر پر ہوئی تھی۔

"نو...... نیور سر!...... ہاؤ ڈو یو تھنک سو...... نیور...... آئی وانٹ ٹو گو ہوم۔ ایکسکیوز می۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جہانگیر ہمدانی کے چہرے کا رنگ ایک پل کو بدلا۔ دوسرے پل اس نے بل کی رقم نکال کر پلیٹ میں رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے، چلیں۔" وہ یوں نارمل تھا، جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ تانیہ خفا سی ہو کر جواب دیئے بغیر اس کے آگے چلتی نکل گئی تو جہانگیر ہمدانی کے لبوں پر رینگتی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

✲◎......◎✲
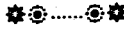
"میڈم! یہ آپ سے ملنے آئی ہیں۔" پیون نے کارڈ، میڈم یاقوت کے آگے رکھا تو وہ اپنے خیال سے بری طرح چونکیں۔ اس وقت وہ کسی اور کی آمد کسی بھی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ انہیں اس وقت صرف ایک ہی شخص کی آمد کا انتظار تھا جس کے انتظار میں انہوں نے رات سے صبح اور صبح سے یہ دوپہر کیسے کی تھی۔ ان کا دل ہی جانتا تھا کہ وہ کن کانٹوں پر چل کر یہاں تک پہنچی تھیں۔ سوان گھڑیوں میں تو ملک الموت بھی ان سے ملنے آ جاتا تو وہ انکار کر دیتیں۔

انتظار کی گھڑیوں کو مختصر کرنے کے لئے وہ مسلسل ریوالونگ چیئر کو گھمائے جا رہی تھیں۔ اضطراب و بے چینی ان کی ایک ایک حرکت سے عیاں تھی۔ انہوں نے ایک نظر کمرے کی پارٹیشن کے دوسری جانب صوفے پر بیٹھے فائل پڑھتے اپنے لیگل ایڈوائزر کی جانب دیکھا، جو پیون کے آنے پر ان ہی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کہہ دو، اس وقت میں کسی سے نہیں مل سکتی، کسی بھی صورت۔" انہوں نے کرسی جھلاتے ہوئے بیزاری سے کہا۔ پیون مڑ گیا۔ انہوں نے یونہی کارڈ اٹھایا۔

"عزہ عالم!" ان کی متحرک کرسی کو زور کا جھٹکا لگا۔ چرچراہٹ کی آواز کمرے کی پُرسکون فضا میں اُبھری۔

"سنو!" وہ بے اختیار، جاتے ہوئے پیون سے بولیں۔ وہ اس ہستی کو بھی کسی طرح، کسی قیمت پر نظرانداز نہیں کر سکتی تھیں جبکہ وہ بذاتِ خود ان سے ملنے آئی تھی۔

"ندیم! آپ ذرا ریٹائرنگ روم میں چل کر بیٹھیں اور وہ اپنے کولیگ سے کانٹیکٹ کریں، کدھر رہ گئے وہ؟" ندیم فائلیں اٹھا کر سامنے سے ریٹائرنگ روم کی طرف بڑھ گیا اور وہ میڈم یاقوت سے یہ بھی نہ کہہ سکا کہ پچھلے بیس منٹ میں تین بار ان سے کانٹیکٹ کر چکا ہے۔

"بھیجو انہیں اندر۔" وہ خود کو پُرسکون کرتے ہوئے پیون سے بولیں تو وہ سر ہلا کر باہر نکل گیا۔

کیمل کلر کے گولڈن براؤن ایمبرائیڈ ڈ سوٹ میں اپنے دراز قد اور کم سن، پُرکشش چہرے پر ایک لو دیتی مسکان لئے وہ میں داخل ہوئی تو میڈم یاقوت اس کے استقبال کو اپنی سیٹ سے خود اُٹھ کر آگے بڑھیں۔

"السلام علیکم میڈم!" اپنے استقبال کے لئے انہیں خود سے اٹھتے دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ آنکھیں کچھ اور بھی روشن ہو گئی تھیں۔ وہ جوان سے مصافحہ کرنے کے لئے آگے بڑھی تھی، انہوں نے اس کا نرم گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"وعلیکم السلام۔ ویلکم مائی ڈارلنگ۔ جب سے تم نے آنے کے بارے میں فون کر کے بتایا تھا، مت پوچھو، یہ دل تمہیں دیکھنے کو کس قدر بے چین ہوا جا رہا ہے۔ اوہ پریٹی گرل! میں بتا نہیں سکتی، تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر میں کس قدر خوش ہوں۔" بہت دیر تک وہ اسے اپنے سینے سے لگائے، ذرا سا بھینچتے ہوئے اس کے سنہری سلکی بالوں کو ہلکا سا بوسہ دیا اور خود سے الگ کرتے ہوئے محبت میں بولیں۔

"تھینک یو میم!" وہ سرخ چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ سجا کر بولی تو جیسے سیدھی ان کے دل میں اتر گئی۔
"آؤ بیٹھو۔" وہ اسے وزیٹرز چیئر پر بٹھاتے ہوئے اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔
"پتہ ہے، کچھ چہرے ہوتے ہیں بہت خاص کہ انہیں دیکھتے ہی دل پکار اٹھتا ہے کہ انہیں اپنا بنا لو۔ اپنے قریب بٹھا لو اور کبھی خود سے دور نہ جانے دو۔ کیا تمہیں کبھی ایسا محسوس ہوا، کسی کو دیکھ کر؟" وہ بہت اپنائیت بھرے انداز میں اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے کر بولیں تو عزہ کو بہت اچھا، بہت خوشگوار سا محبت بھرا احساس ہوا۔ کیا کوئی اس سے ایسے بھی محبت کا اظہار کر سکتا ہے؟
"ابھی تک تو نہیں ہوا تھا، آج آپ سے مل کر ہو رہا ہے۔" وہ بے اختیار کہہ گئی تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔
"ماشاءاللہ! خدا نے خوب صورتی کے ساتھ ذہانت بھی فراوانی سے عطا کی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ والدین جن کے تم جگر کا ٹکڑا ہو۔ ایسا پیارا، دلنشین چہرہ، ایسی ذہانت بھری آنکھیں اور انداز ماشاءاللہ۔" وہ اس کے ہاتھ اور دبا کر سراہتے ہوئے بولیں تو ان کی بات پر عزہ کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔ اس نے اپنی اس لمحاتی کیفیت کو خود پر طاری تو نہ ہونے دیا، مگر میڈم یاقوت کی دل کی گرفت میں وہ کمزور لمحہ آ چکا تھا۔
"کیا پیو گی....... کولڈ ڈرنک، چائے، کافی یا فاسٹ فوڈ منگوالوں؟" وہ یوں چاہت بھرے انداز میں پوچھ رہی تھیں، جیسے وہ ان سے ملتی رہی ہو یا ان سے بہت قریبی رشتہ ہو اور آج دنوں بعد ان سے ملنے آئی ہو۔
"کچھ بھی نہیں۔ اس وقت میں جلدی میں ہوں۔ ڈرائیور نیچے انتظار کر رہا ہے اور گھر میں ماما۔" وہ لب کا کونہ کاٹتے ہوئے بولی۔
"پھر بھی....... چلو کولڈ ڈرنک۔" انہوں نے انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر کہہ ڈالا۔
"نو میڈم! پلیز تکلیف نہیں۔ میں پھر کسی دن پی لوں گی۔ آج مجھے واقعی جلدی ہے۔" وہ زیادہ دیر ادھر رکنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر ڈرائیور نے پاپا کو یا ماما کو بتا دیا کہ وہ کالج کے بعد کدھر گئی تھی تو .... وہ بھی کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔
"میم! وہ آپ نے ذکر کیا تھا، رائل فورٹ میں ایک چھوٹے سے اسٹری ڈسپلے کی کتھک ڈانس سے متعلق۔" وہ کچھ جھجکتے ہوئے مقصد کی طرف آئی جس کے لئے وہ ادھر آئی تھی۔
"میری خوش نصیبی ہو گی اور میری فرم کی بھی، اگر عزہ عالم اسے عزت بخشے تو۔ ایک سرسری سی انٹرنس ہو گی، محض پانچ یا سات منٹ کا شوٹ....... ایک بے حد قیمتی ڈریس کا ڈسپلے ہو جائے گا اور اس خوب صورت ٹیلنٹڈ چہرے کا بھی۔ وہاں عام لوگ نہیں ہوں گے، شہر کی کریم فیشن ایرا سے متعلق بہت خاص الخاص چند لوگ۔ مگر کوریج بڑی ملے گی۔ اگر دل مانتا ہے تو یہ پیپر پڑھ لو۔ لمبا چوڑا ایگریمنٹ نہیں، صرف دو دن کا شو ہے اور اس میں تمہاری سمجھو دس بارہ منٹ کی پرفارمنس۔ تمہاری پرفارمنس کا ٹرائل بھی اور ریہرسل کا بھی۔ اسے پڑھ کر یہاں سائن کر دو۔ اس ماہ کے اینڈ میں ہے۔ انتیس اور تیس تاریخ کو رات نو سے دس کے درمیان۔"
وہ اسے پوری تفصیل بتاتے ہوئے ٹیبل پر پڑا ایگریمنٹ پیپر اٹھا کر اس کے آگے کرتے ہوئے سائن کی جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے بولیں۔
"دیکھو، اس میں کوئی برائی نہیں۔ آج کل تو اچھے پڑھے لکھے گھرانوں کی سلجھی ہوئی ٹیلنٹڈ بچیاں اس فیلڈ میں بڑے شوق، بڑی محنت کے بعد اپنی جگہ بنا رہی ہیں۔ اب ذہانت صرف کتابیں رٹنا نہیں رہ گیا، بلکہ ہر ٹریڈ میں جس طرف آپ کا رجحان ہو، اپنی ذہانت کو استعمال میں لانا چاہئے۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ پیون دو کولڈ ڈرنکس سرو کر گیا تھا۔
"میم! یہ گھر لے جاؤں۔ آئی مین دو تین دن میں پڑھ کر....... مطلب......." وہ اپنا مدعا بیان نہیں کر پا رہی تھی۔
"ڈونٹ وری، سب فیئر ہے، پھر بھی تم اپنی تسلی کے لئے لے جاؤ اور سوچ سمجھ کر، جب دل ہنڈرڈ پرسنٹ اوکے کہہ دے تو سائن کر کے لے آنا، ورنہ ہمارے بیچ محبت کا رشتہ تو قائم ہو ہی چکا، اسے کسی سائن کی ضرورت نہیں۔ ایم آئی رائٹ؟" وہ ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے بولیں تو عزہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور کاغذ تہہ کر کے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا۔
"مجھے اب اجازت۔ ڈرائیور نیچے ویٹ کر رہا ہے۔ میں پرسوں یا اس سے اگلے دن حاضر ہو جاؤں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"جب تمہارا جی چاہے۔ اگر کہو تو ڈرائیور تمہیں پک کرنے آ جائے گا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"نو تھینکس۔ میں خود آ جاؤں گی۔" وہ مصافحہ کے لئے ان کا ہاتھ تھام کر بولی تو وہ دروازے تک اسے چھوڑنے چلی آئیں۔
"تم نے پانی کا گھونٹ بھی نہیں لیا۔ مجھے گلہ رہے گا۔" کولڈ ڈرنک یونہی پڑی تھی۔
"پھر کبھی۔ اوکے بائے۔" وہ دروازے کی ناب دبا کر بولی۔
"ٹو کے، ٹیک کیئر۔ اپنا بہت خیال رکھنا۔ تم نایاب ہی نہیں، بہت قیمتی بھی ہو۔ یہ میری لفاظی نہیں، میرے دل کی سچی آواز ہے، للہ! وہ تمہیں میرے پاس ضرور لائے گی۔ اللہ حافظ!" انہوں نے اتنی گرم جوشی سے اسے رخصت کیا تھا کہ اس کی آنکھیں اٹھ

چاہت پرنم سی ہوگئیں۔
وہ بوجھل قدموں سے باہر نکل گئی۔ اور کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ وہ سامنے سے آتے شخص سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔
سامنے والا شخص بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔
"تھینک گاڈ! آج آپ نے مجھے ٹکر مارنے سے بخش دیا۔ ویسے بائی داوے، اس پورے شہر میں کیا میں ہی آپ کو ٹکرانے کے لئے؟" وہ چڑے ہوئے انداز میں دائم مصطفیٰ سے بولی تو وہ ہاں کہتے کہتے رہ گیا۔ وہ جھلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔
احساس ہوا۔ 'کچھ خاص بات ہے اس لڑکی میں جو میں صرف اسی سے ٹکراتا ہوں، جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔
دو مخالف قطبین میں کشش تو ہوتی ہی ہے۔' وہ سر جھٹک کر جمشید صاحب کے پیچھے چل پڑا۔

✿◉......◉✿

"بھابھو! میں بوجھ نہیں بنوں گا آپ لوگوں پر۔ کچھ روپیہ ادھر بینک میں ٹرانسفر کروا کے فکس کروا رہا ہوں۔
آئے گا، وہ مجھ اکیلی جان کے لئے کافی ہوگا۔ اوپر کا کمرہ........ میں اس کا کرایہ دینا چاہوں گا........ اصل میں کرایہ
بھی لے لوں، مگر اب میں اپنوں میں آخری چند دن گزارنا چاہتا ہوں۔" آغا جان سب کے لئے اچھے قیمتی تحفے لائے تھے۔
خاتون کے لئے گرم شال اور ایک چین۔
"دیکھا، ہوا نا انگریزوں کی صحبت کا اثر۔ وہی کم بخت روپوں، پیسوں، ڈالروں کی باتیں۔ آغا! پہلے بھی تجھے سمجھاتی
کہتی ہوں۔ محبتوں میں، رشتوں میں یہ مول تول چھوڑ دو۔ ارے یہ سب برائے خرید و فروخت نہیں ہوتا۔ ہم پر
بھی خدانخواستہ آجائے تو بھی تم سے ایک روپیہ نہ لیں گے۔ ایسا سمجھ رکھا ہے ہمیں؟ یہ پیسے دے کر ہی رہنا تھا تو ان ہی کے پاس
رہ جاتے۔ ادھر آنے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟" وہ غصے میں منہ پھلا کر بولیں تو آغا جان کو ایک عرصے بعد لگا، وہ آزاد
سانس لے رہے ہیں۔
"آپ کی محبت و خلوص کا بہت شکریہ۔ میں نے ہمیشہ اچھے جذبوں کی قدر کی۔" وہ افسردہ لہجے میں بولے۔
'اس لئے یوں اکیلے ہو۔' وہ دل میں بولیں۔
"اور یہ اوپر کے کمرے کا تم کیا کرو گے؟ سیڑھیاں چڑھ کر کوئی ہڈی وڈی تڑوانی ہے؟ نیچے یاسمین نے تمہارا کمرہ
ہے۔ بچیوں کا سامان اسٹور صاف کر کے ادھر رکھوا دیا ہے، اب اور کسی کے سامنے یہ کرائے بھاڑے کی بات نہ کرنا۔"
تنبیہی انداز میں کہا۔
"سارہ اور محمود سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔" وہ چند لمحوں بعد بولے تو ثریا خاتون چپ سی ہوگئیں۔
"چلیں گے کسی دن۔" انہوں نے ٹالنے والے انداز میں کہا تو وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھے اور باہر صحن میں آگئے۔ کوئی
نہیں تھا۔
انہوں نے یونہی نگاہ اٹھائی، منڈیر سے پرے انہیں اس کمرے کی بوسیدہ دیوار نظر آئی تو دل میں ہوک سی اٹھی۔
سہارے آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔
"ارے آغا جان! آپ ادھر کدھر؟" تنزیل جو شام ڈھلے بے چینی سے اوپر چھت پر ٹہل رہا تھا، اوپر آتے دیکھ کر
بولا۔
وہ تانیہ کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ پانچ کب کے بج چکے تھے۔
اسے آفس سے آئے گھنٹہ بھر ہونے کو آیا تھا اور وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ اس طرح بے چینی سے نیچے ٹہلتا تو
بھانپ لیتیں، وہ اسی لئے اوپر آ گیا تھا۔
"یونہی بیٹا! سوچا اوپر چل کر کچھ پرانی یادوں کو ہی تازہ کر لیں۔ بوڑھے آمی کے پاس یادوں کے سوا اور ہوتا ہی کیا
سانس درست کرتے ہوئے ہولے سے کہا اور منڈیر سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے۔
"میں آپ کے بیٹھنے کے لئے اندر سے کچھ لاتا ہوں۔" اسی وقت اسے پچھلی گلی میں گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ وہ
کی طرف لپکا۔
تانیہ، جہانگیر ہمدانی کی گاڑی سے نیچے اتر رہی تھی اور وہ اس کے لئے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ تنزیل کو لگا، وہ
دونوں کی یا اپنی جان لے لے گا۔
"کون ہے نیچے؟" آغا جان آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آگے آئے اور منڈیر پر سے نیچے جھانکنے لگے۔

✿◉......◉✿

وہ بالکل ویسا ہی تھا۔ ان کی سوچوں جیسا۔ جیسا آج تک وہ سوچتی آئی تھیں۔
وہی قد بت، وہی ناک نقشہ، ویسی ہی آنکھیں، وہی اونچی پیشانی، ویسے ہی بال، وہی رنگ و روپ، چوڑے چکلے شانے، بھرا بھرا مردانہ جسم، وہی وجاہت اور وہی شباہت۔
وہ ان کے سامنے بیٹھا وہی بت تھا، جسے ان کا قلب آج تک بڑی فرصت، بڑی محبت سے تراشتا آیا تھا۔
فرق صرف اتنا تھا، پہلے وہ اس بت کو آنکھیں بند کر کے اپنے سامنے دیکھا کرتی تھیں اور آج اس لمحہ موجود میں وہ جیتا جاگتا، سانس لیتا، مسکراتا، باتیں کرتا سامنے تھا۔ خوب صورت لہجے کے بھنور میں ڈوبتی اُبھرتی اس کی آواز ان کے کانوں میں سچ مچ رس گھول رہی تھی۔
ساری میٹنگ کے دوران انہوں نے کئی بار پوری آنکھیں کھول کھول کر اسے بار ہا دیکھا اور اپنے دل کو جیسے بار بار یقین دلایا۔
"یہ وہی ہے۔" وہ چپکے چپکے خود سے کہے جا رہی تھیں۔ "وہی، جس کا انتظار میرے قلب ونظر، میری روح و بدن، میری سماعتوں، میری بصارتوں، میرے حواسوں نے پل پل کیا تھا۔ وہی ہے جو آج تک میرے جینے کا اور جیتے چلے جانے کا سب سے بڑا مقصد تھا۔"
اسی کے خیال نے تو آج تک زندگی کے جھلستے صحرا کو نخلستان میں تبدیل کیا تھا، ورنہ وہ تو نہ جانے کب کی اس جلتی بلتی دوزخ نما زندگی کا ایندھن بن بھی چکی ہوتیں۔
اسی کے خیال نے ان کی سانسوں کی ٹوٹتی ڈور کو بار بار زندگی کی آس اور امید سے ملایا تھا۔
وہ جب بھی کسی مرحلے پر ہتھیار ڈالنے کا سوچتیں، اس کا خیال ان کے ناتواں حوصلوں کو پست ہونے سے بچاتا تھا۔
پھر کیسے.......کیسے اسے اپنے سامنے دیکھ کر بھی وہ خود کو کمپوز رکھ پاتیں؟
خود کو سمجھانے بجھانے کے باوجود، بار بار ان کی سوچ کے اُلجھے تار انہیں منظر سے کہیں دُور، پس منظر میں کھینچ کر لے جاتے۔
"میڈم! آپ کیا کہتی ہیں؟" ندیم کی آواز پر وہ بڑی دور سے لوٹی تھیں۔ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے انہیں ایک دم سے اپنی پوزیشن کی نزاکت کا احساس ہوا۔
ایک عمر کا جان لیوا انتظار اور ایک پل کی بے صبری، کیے کرائے پر پانی پھیر دے گی اور وہ پیچھے رہ جائیں گے۔ تا عمر کے پچھتاوے الگ۔
"نہیں۔ اب مجھے کچھ نہیں ہارنا.......کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ تو میرے کورٹ میں آ چکا ہے تو پھر بے صبری کیسی؟" وہ خود کو سمجھا رہی تھیں۔
"بھئی، میں تو ایگری (راضی) ہوں ہر طرح سے۔ آپ جمشید صاحب کے کلائنٹ سے پوچھئے۔" انہوں نے لبوں پر دلکش مسکراہٹ سجاتے ہوئے اس کی وجاہت کو نظروں کے رستے دل میں اتارا۔
"مجھے آپ کی شرائط منظور ہیں، میں اگرچہ اس ملک میں نووارد ہوں مگر بزنس کی فیلڈ میرے لئے نئی ہے نہ اس کے رموز۔ میرے پاس میری ڈگری اور ان سب سے بڑھ کر مجھے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ ہے اور میں تو سمجھا تھا کہ جو آپ ففٹی پرسینٹ شیئرز کی پارٹنر شپ کر رہی ہیں تو یہ پارٹنر شپ کام کے لحاظ سے بھی ہوگی۔ اس بات پر میں کافی اُلجھن محسوس کر رہا تھا کہ میں اگر کوئی چیلنج قبول کروں تو اسے اپنے طور پر ہینڈل کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، بجائے کسی دوسرے کے مشورے یا مداخلت کے۔ اسی لئے میں اس پارٹنر شپ میں شامل ہونے سے ہچکچا رہا تھا۔ مگر اب آپ نے بتایا کہ آپ کی پارٹنر شپ محض سلیپنگ پارٹنر شپ ہوگی، سب کچھ مجھے خود کرنا ہوگا تو میرے پاس اعتراض کا آپشن بہت کم ہے۔ میں تو تقریباً تمام شرائط سے ایگری ہوں۔" دائم خوب صورت لہجے میں اپنی بات کہتے ہوئے سیدھا میڈم یاقوت کے دل میں اُتر گیا تھا۔ وہ بہت توجہ، بہت دھیان سے اسے سن رہی تھیں۔
"تقریباً سے کیا مراد ہے آپ کی مسٹر دائم؟" وہ اسی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔
"سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہے۔ مگر ایک فائنل مشورہ میں اپنے فادر سے ضرور کروں گا، ایگریمنٹ سائن کرنے سے پہلے۔" وہ مسکرا کر بولا تو میڈم یاقوت نے بہ دقت اپنی ناگواری کو اسی مسکراہٹ تلے چھپایا۔
"آپ کے فادر کہاں ہوتے ہیں؟" وہ انجان بن کر بولیں۔
"لندن۔"
"کسی کام کے سلسلے میں گئے ہیں؟"
"نہیں۔ وہ بہت عرصہ پہلے پاکستان سے برطانیہ سیٹل ہو گئے تھے۔ میری پیدائش سے بھی پہلے۔"
میڈم یاقوت نے اُلجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔
"آپ کی پیدائش پاکستان کی نہیں؟" وہ بے یقینی سے بولیں۔

''نہیں، میں لندن ہی میں پیدا ہوا تھا۔ میں آج باقی تفصیلات کا اچھی طرح سے جائزہ لے لیتا ہوں، پھر آپ کو بتا دوں گا تو آپ سب کچھ فائنل کر لیجئے گا۔'' اسے اپنا یوں موضوعِ گفتگو بننا اچھا نہیں لگ رہا تھا، اس لئے اس اور اب جمشید صاحب کو اجازت لینے کا اشارہ کر رہا تھا۔ میڈم یاقوت اس کی طرف دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم
''ٹھیک ہے میڈم! پھر کل آپ کو ندیم صاحب بتا دیں گے اور سائن وغیرہ لے لیں گے۔ باقی تو سب کچھ جمشید صاحب نے کاغذات فائل میں ترتیب سے رکھتے ہوئے فائل بند کی تو میڈم یاقوت نے گہرا سانس لیتے ہوئے
''او کے، جیسے آپ کہیں۔ مجھے بھی کوئی جلدی نہیں۔ اگر دائم صاحب مزید ٹائم سوچنے کے لئے لینا چاہیں تو پہلا قدم ہی سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہئے اور پھونک پھونک کر بھی۔'' پتہ نہیں، وہ طنز کر رہی تھیں یا تعریف، دائم نے طرف دیکھا۔

''ارے نہیں میڈم! مائز انڈسٹریز کے کسی بھی ونگ میں شمولیت میرے تو خیال میں کسی کی خوش قسمتی صاحب کے لئے یقیناً یہ اعزاز ہوگا۔'' جمشید صاحب نے قدرے خوشامدی انداز میں کہا۔
''اگر یہ اعزاز حاصل کرنا چاہیں، تو۔'' میڈم یاقوت نے اپنے دودھیا ہاتھ گلاس ٹاپ پر سجاتے ہوئے ذومعنی
''اور میرا اس پر یقین ہے کہ جو ہوتا ہے، منظورِ خدا ہوتا ہے۔ اجازت میڈم!'' وہ بڑی متانت سے کہتے ہو۔
میڈم یاقوت کی سماعتوں نے کسی بھولے بسرے لہجے کا دھوکا کھایا۔ ان تینوں کے اٹھتے ہی وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
الوداعی کلمات کہتے ہوئے انہیں رخصت کر کے وہ کھوئی کھوئی سی اپنی نشست پر آ بیٹھیں۔

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

وہ آنکھیں بند کئے، زیرِ لب دہرا رہی تھیں۔
'تو آج میری تلاش بخیر انجام پائی...... ایسا ہی ہے نا؟' انہوں نے آنکھیں کھول کر گویا خود سے پوچھا۔ انہیں نہیں آ رہا تھا کہ ابھی چند لمحے پہلے جس کے بدن اور لباس کی خوشبو ابھی تک سامنے والی چرمی سیٹ کے اردگرد منڈلا تھا، جس کی ان کے وجدان نے برسوں تلاش کی تھی۔ اَن تھک تلاش۔
یہ ایک واحد پریشان کن، تھکا دینے والا مسئلہ تھا، جس سے وہ کبھی نہیں تھکی تھیں مگر اس کا سرا ابھی تو بھی ان تھا۔ یہ ان کی سچی لگن ہی تو تھی کہ وہ سرا ڈھونڈ رہی تھیں کہ قدرت نے مجسم وجود کو ان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ وہ اگر یقین نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟
'اب میں سمجھوں گی، میں نے زندگی میں جو چاہا سو پا لیا۔ اب کوئی کسک، کوئی دکھ نہیں اور اپنی ظالم تقدیر سے کوئی اب تو سب طرف اطمینان، خوشی، سکون۔
''لائبہ......!'' سکون کے ہلکورے لیتے ان کے دماغ نے جھٹکا کھایا تھا اور وہ گلاس ٹاپ پر مُکا مارتے ہو لگیں۔

❁⊙......⊙❁

''تم کس کے ساتھ آئی ہو؟'' ابھی تانیہ کیرے میں پہنچی ہی تھی کہ تنزیل دو دو، چار چار سیڑھیاں پھلانگتا اس کے سر اس نے تو آغا جان کی بھی پروا نہیں کی تھی جو ابھی تک وہیں کھڑے تھے۔ جب تک وہ منڈیر سے نیچے جھانکے گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے جا چکا تھا۔
''یہ تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے، سوائے میری جاسوسی کرنے کے۔'' تانیہ ایک دم اس کا سامنا ہو جانے اور اس سے چڑ کر بولی۔
''میں تم سے پوچھ رہا ہوں، مجھے صرف اس کا جواب دو۔ اِدھر اُدھر میں ٹالو نہیں۔'' وہ اسی غصیلے لہجے میں اس سے بولا۔
''کیا مصیبت ہے، آفس سے تھکے ہارے آؤ تو یہ حضرت کچہری سجا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تم آج مجھے بتا دو تنزیل تمہارا مسئلہ کیا ہے؟'' وہ اس کے غصے سے دل میں خائف ضرور ہو رہی تھی، مگر بظاہر بہادر بن رہی تھی۔ سینڈل اتار کر اس نے کر دوسرے کندھے پر ڈالا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔
''آفس ٹائم تمہارا ختم ہوئے ڈیڑھ دو گھنٹے ہو چکے ہیں اور اب یہ جھوٹ مت بولنا کہ کنوینس نہیں مل رہی تھی، کنوینس سے تم اُتری ہو، وہ میں دیکھ چکا ہوں۔'' وہ اس کے سر پر کھڑا دیوار پر ایک ہاتھ جما کر سختی سے بولا۔

"اگر سب کچھ دیکھ چکے ہو تو پھر میرا دماغ کیوں خراب کر رہے ہو" وہ صاف اس سے نظریں چُرا کر بے دید لہجے میں بولی تو پہلی بار احساس ہوا کہ کچھ غلط ہونے نہیں جا رہا بلکہ بہت کچھ غلط ہو چکا ہے۔ اس خیال سے اس کے بدن میں جھرجھری سی دوڑ گئی

"ثانیہ! تم ایسے کیوں کر رہی ہو؟" وہ بے بس سے انداز میں کہتے ہوئے جھکا اور دوزانو اس کی کرسی کے قریب زمین پر بیٹھ ایک ہاتھ کرسی کے ہتھے پر، دوسرا زمین پر رکھے وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں کیا کر رہی ہوں میں؟ میری تو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہارے دماغ میں میرے متعلق کیسا فتور پیدا ہو گیا پہلے تم فضول میں ضد لگائی کہ جاب چھوڑ دوں اور اب اُلٹے سیدھے سوال کر کے خود بھی پریشان ہو رہے ہو اور مجھے بھی پاگل کر رہے ہو۔" وہ بے خوف لہجے میں کہتی چلی گئی مگر تنزیل سے نظریں ملائے بغیر۔

"یہ اُلٹے سیدھے سوال نہیں۔ ابھی تمہاری جاب کو مہینہ نہیں ہوا اور باس اس قدر مہربان کہ کبھی شاپنگ کروائی جا رہی ہے اور کبھی ڈنر پہ لے جایا جا رہا ہے۔ کیا اس کی تم واحد ایمپلائی ہو جو وہ اس قدر مہربان ہے تم پر" وہ چبا چبا کر بولا۔

"تمہیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یقین کرو، جو تم سمجھ رہے ہو۔ ایسا بالکل بھی نہیں اور مہینہ بھر میں اگر ازراہِ ہمدردی انہوں نے دو بار مجھے گھر ڈراپ کر دیا ہے تو اس میں کون سی قیامت آ گئی ہے۔ میں اسٹاپ پر کھڑی وین کا انتظار کر رہی تھی کہ ان کی

"شٹ اپ ثانیہ!" وہ کرسی کے ہتھے پر زور سے مکا مار کر اُٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلتے ہوئے بے تحاشا اُمڈ آنے والے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

"تم گھر سے کتنے بجے نکلی تھیں؟" وہ اس کے سامنے رک کر غراتے ہوئے بولا۔

"آفس ٹائم کے بعد۔" ثانیہ کی زبان اس کا غصہ دیکھ کر بے ساختہ ہکلا گئی تھی۔

"جھوٹ...... ایک اور جھوٹ۔ آخر ایک جھوٹ کو نبھانے کے لئے تم اور کتنے جھوٹ بولو گی؟ بتاؤ۔" وہ اب کے اپنی ہتھیلی پر مکا مار رہا تھا۔ اس کی کنپٹی کی رگیں پھڑک رہی تھیں۔

"کیا...... کیا جھوٹ بولا ہے میں نے تم سے؟...... اور ہٹو، میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔ آتے ہی میرا دماغ خراب کر دیا ہے تم نے۔" وہ ایک دم سے اُٹھتے ہوئے باہر کی طرف لپکی۔ تنزیل نے مڑ کر اس کی کلائی پکڑی اور ایک جھٹکا دے کر اسے پھر سے کرسی پر گرا دیا تھا۔ ثانیہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اسے تنزیل سے ایسے سخت روّیے کی توقع نہیں تھی۔

"تم صبح بارہ بجے سے اس کے ساتھ آفس سے نکلی ہوئی ہو اور اب جب سات بجنے کو ہیں، تم گھر لوٹ رہی ہو اسی کے ساتھ، جس کے ساتھ تم ساری دوپہر گھومتی رہی تھیں۔" وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے اس کے اوپر جھکا کہہ رہا تھا۔

"نہیں تنزیل! میرا یقین کرو۔ میں جہانگیر صاحب کے ساتھ سائیٹ پر......"

"سائیٹ پر لے جانے کے لئے صرف تم ہی کیوں؟ اور ہر بار تم...... تمہاری جاب کو جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے۔ بائی دا وے تمہیں تمہاری کس قابلیت یا کوالی فیکیشن کی بنیاد پر اپنے ہمراہ لے کر جاتے ہیں؟ کتنا تجربہ ہے تمہارا سائیٹ پر جانے کا؟" وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ ہزیمت اور دکھ کے ملے جلے احساس سے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"جاؤ ان سے جا کر پوچھو، میں نہیں کہتی ان سے ساتھ لے جانے کے لئے۔ اور پیچھے ہٹو، میرے والدین ابھی زندہ ہیں۔ میں ان کو جواب دہ ہوں، نہ کہ تمہارے۔" اس نے کہتے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کی۔

"میں تمہارا بھائی ہوں اور والدین گھر میں رہتے ہیں اور جس طرح جھوٹ بول کر تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہو، ان کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکو گی؟"

وہ زندگی میں پہلی بار وہ ایک سخت گیر بھائی کے روپ میں دکھائی دیا تھا۔ پل بھر کو وہ گنگ رہ گئی۔

"میں...... میں دھول جھونکوں گی؟...... دھوکا دوں گی؟...... ایسا چیٹر سمجھا ہے تم نے مجھے؟...... گھر سے جاب کے لئے والوں میں تمہاری نظروں میں مشکوک ہو گئی۔ بری، بدکردار......" وہ کہتے کہتے ایک دم سے رو پڑی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ اور پوچھنے کا حق ہے مجھے اور تم پوچھنے پر اگر جھوٹ بولو گی تو کیا مجھے غصہ نہیں آئے گا؟ تم سارا دن ساتھ گزار کر آئی ہو اور......"

"بس کرو...... خدا کے لئے بس کرو۔ چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ اتنی زور سے چیخی کہ یاسمین کچن میں برتن دھوتی، گیلے ہاتھوں کو لئے کمرے میں آ گئیں۔

"ثانیہ! وہ ایک اچھا انسان نہیں۔ وہ ایک برا آدمی ہے۔ اتنی تو پہچان ہونی چاہئے تمہیں۔ اور کبھی آدمی اچھا بھی ہو، ڈھلے

ڈھلائے کپڑے پہنے کوئلے کی کان میں چلا جائے تو قصور کان کا نہیں، اس آدمی کی عقل کا گنا جائے گا اور تم بھی کھائی میں گر رہی ہو۔" وہ اسے دھواں دھار روتے دیکھ کر قدرے دُکھ بھرے ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

"کیا ہوا؟........ تانیہ کیوں ایسے چیخی؟ رو رہی ہو؟........ تنزیل! کیا ہوا؟ تم نے کچھ کہا؟" یاسمین نے اندر آ کر حواس باختگی سے باری باری دونوں سے پوچھا۔

"میں نے کچھ نہیں کہا، سمجھا رہا ہوں اسے۔ جانتے بوجھتے نادان بن رہی ہے۔" تنزیل پیچھے ہٹتے ہوئے اکھڑا۔

"نادان بنوں یا احمق، کنوئیں میں گروں یا کھائی میں، یہ میرا مسئلہ ہے۔ اس کے سینے میں کیوں درد اٹھ رہا ہے، لیں اپنے لاڈلے کو۔ اب آئندہ اگر اس نے مجھ سے اس طرح، اس لہجے میں بات کی تو خدا کی قسم، میں بھی کوئی لحاظ..."

"میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا۔ ختم کر دوں گا تمہیں اور تمہارے دماغ کے اس خناس کو۔ اتنا بے غیرت سمجھ رکھا ہے مجھے کہ سب تماشا اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھوں اور بے غیرتوں کی طرح چپ رہوں؟ تمہارا گلا نہ گھونٹ دوں..." وہ پاگلوں کی طرح اس کی طرف لپکا۔ بیچ میں اگر یاسمین نہ آ جاتیں تو شاید وہ اس کو مار ہی ڈالتا۔ وہ طیش کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"امی! یہ گھر سے کیا نکلی ہے، اس کا دماغ ہی خراب ہو گیا۔ ساری مستی، سارا طنطنہ نکال دوں گا۔ امی! یاد رکھنا۔" وہ زوردار آواز میں گرجا تھا۔ اس کی گرج پر ایک بار تو تانیہ کا کلیجہ دہل کر جیسے حلق میں آ گیا۔

"ہوا کیا ہے آخر؟ کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے۔ کیوں چیخ چیخ کر تماشا لگا رہے ہو؟ آرام سے بیٹھ کر بتاؤ۔" بازو سے پکڑ کر سمیٹنا چاہا۔

"بہت آرام سے سمجھا چکا۔ اس کی سمجھ میں اب دوسری زبان آئے گی۔" وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر غرائے ہوئے...

"اور تم کن چکروں میں میرے آفس کے چکر لگاتے ہو، کیا مجھے پتہ نہیں؟ اس وقت تمہاری حیا اور غیرت میں کچھ منہ سے نہیں بول رہی تو یہ نہ سمجھو کہ آنکھوں سے بھی اندھی ہوں۔ سب پتہ ہے مجھے۔" وہ جواباً اتم... لمحے کو چپ سا ہو گیا۔

"پاگل ہو گئے ہو دونوں۔ اب یہ دن دیکھنا رہ گیا تھا، میری زندگی میں۔ پہلے فاقے تھے تو کم از کم سکون تو نہ کیا اٹھانا پڑا، لڑ جھگڑ کر باپ دادا کی عزت اچھالنے لگے۔ افسوس کی بات ہے۔ تنزیل! تم تو سمجھ دار ہو۔" وہ سر پکڑ کر دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے بولیں۔

تنزیل چند ثانیے کھڑا اسے گھورتا رہا، پھر پیر پٹختا باہر نکل گیا۔

"ہونہہ!" تانیہ نفرت سے ہنکارا بھر کر دوبارہ کرسی پر بیٹھی تو یاسمین کو اس کی ہنکار میں کسی بڑے طوفان کی آہٹ سنائی دی تھی۔ یاسمین کا کمزور دل سینے میں زرد پتے کی طرح لرزنے لگا تھا۔

انہوں نے خود کو زندگی میں اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا، جتنا اس لمحے تانیہ کو دیکھتے ہوئے محسوس... پتہ چل رہا تھا، جوان خون کا بگاڑ کیسے بوڑھے باپ کو قبل از وقت قبر میں اتار دیتا ہے۔

'اگر احسن اور آغا جان نے یہ سب سن لیا تو؟' اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکیں۔

✲◉......◉✲

دائم گھر آتے ہی کمپیوٹر سنبھال کر بیٹھ گیا تھا۔

"مائز انڈسٹری" کی ویب سائٹ کھول کر اس نے چھوٹی بڑی ہر تفصیل کا بغور جائزہ لیا تھا۔ اگرچہ زیادہ نہیں تھی، دو ڈھائی سال میں ہی کراچی، لاہور، اسلام آباد اور مڈل ایسٹ میں اس کی تمام برانچز بن چکی تھیں۔ دو ڈھائی سال میں فیشن جیسی فیلڈ میں اس طرح قدم جمانا اور نام کمانا واقعی کمال کی بات تھی اور یہ کمال دکھا رہی تھی۔

'اور میڈم یاقوت جیسی عورت ایسا کمال با آسانی دکھا سکتی ہے۔ جو کوئی بھی ان سے پہلی بار ملے گا، ان کی شخصیت کا قائل ہو کر اُٹھے گا، جیسے میں۔ اس عمر میں اتنا اسٹیمنا اور اتنا بارعب، سحر انگیز حُسن و جمال کہ بات کے سوا کچھ کہہ نہ سکے۔ اس عورت کی کامیابی میں ستر فیصد کمال اس کی ساحرانہ شخصیت کا بھی ہے۔ یہ کیس نہ صرف چیلنجنگ ہوگا بلکہ دلچسپ بھی۔ اور بظاہر بزنس میں ناجائز ذرائع یا ہتھکنڈوں کا عمل دخل بھی نظر نہیں آتا۔ کیا یہ شاندار بزنس ایمپائر اس عورت کے دیانت دارانہ عمل کا نتیجہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو بھی اس کے ساتھ کام کرنا مزہ عطا کرے گا۔ تو پھر ڈن، میڈم یاقوت!' اس نے شٹ ڈاؤن کرتے ہوئے مطمئن انداز میں...

کام سے فارغ ہو کر اس نے مصطفیٰ صاحب کو فون کیا، انہیں میڈم یاقوت سے ملاقات اور باقی کی تفصیل سے آگاہ کیا۔
تمہارا دل کیا کہتا ہے؟" سب کچھ سن کر آخر میں انہوں نے پوچھا۔
ہنڈرڈ پرسنٹ او کے۔" وہ ایک لمحے کا توقف کیے بغیر بولا۔

اور جمشید صاحب؟"
وہ تو پہلے ہی مجھے قائل کر رہے تھے اس پارٹنر شپ کے لیے۔ یہ تو میں نے خود سے کچھ ویب سائٹ سے معلومات لی ہیں اور ان کی گلبرگ کی برانچ کا سرسری سا وزٹ کیا۔ دو ایک جگہوں پر اور گیا ہوں۔ پارٹی ساؤنڈ بھی ہے پاپا! اور ٹرسٹ وردی والا تو ادے کہہ رہا تھا۔
تم اگر اتنے مطمئن ہو تو یقیناً مجھے اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ ویسے بھی یہ فیکٹری گارمنٹس کی ہے جو ابھی تک ان کے بزنس کا حصہ نہیں تھی۔ یعنی پروڈکشن پراجیکٹ ایک نئی چیز جس میں آل اِن آل تم ہو گے اور مجھے تمہارے ٹیلنٹ پر مکمل بھروسہ ہے۔ ڈیڈ کی تفصیل ایک بار پھر اچھی طرح پڑھ کر، جمشید صاحب سے مشورے کے بعد میرا تو خیال ہے، اللہ کا نام لے کر سائن کر دو بسم اللہ کرو۔" انہوں نے دائم کی مرضی دیکھتے ہوئے او کے کیا۔
اور ہاں دائم! وہ میں نے یار! محمود عالم کو فون کیا تھا اور انہیں خوب سنائی تھیں کہ تم اچھے دوست نکلے۔ برسوں بعد پہلی بار میرا بیٹا ملنے آیا اور تم نے اس کے ساتھ کیسا واہیات سلوک کیا۔ بہت معذرت کر رہا تھا کہ وہ قطعاً نہیں پہچانا۔ اور تم نے بھی تو کھل کر تعارف نہیں کروایا، ورنہ.......''
"پاپا! اور کھل کر تعارف کیا ہوتا ہے؟ اپنا نام، آپ کا نام، وزیٹنگ کارڈ سب تو انہیں بتایا۔ وہ تو برف کی سِل جیسے ٹھنڈے ٹھار تھے۔ ان پر سر پھوڑنے والا اپنا ہی سر پھوڑے گا، ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔" وہ جل کر بولا۔ ''اور پلیز، اب نہ مجھ سے کہیے گا کہ میں ان سے رابطہ کروں یا ان کے درِ دولت پر جا کر ماتھا ٹیکوں۔ اس ریکویسٹ کے لئے پیشگی معذرت۔'' اس نے فوراً ہاتھ اٹھا دیا۔

نہیں بھئی، میں ایسی ریکویسٹ نہیں کروں گا۔ بالکل بھی۔ وہ خود تمہیں آج کل میں فون کرے گا، کسی دعوت میں انویٹیشن کے لئے۔ ہاں اگر وہ خود فون کرے تو خوامخواہ کی اکڑ نہ دکھانا۔ اگر ادھر سیٹل ہونے کا پروگرام ہے تو کسی نہ کسی سے بنا کر تو رکھنی ہے اور رشتہ دار ادھر ہمارا ہے نہیں۔ سمجھ میں آیا؟'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولے۔
اور رشتہ دار نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اکیلے ہونے کے خوف سے ہر اول جلول سے رشتہ داری گانٹھتے پھریں۔ آئی ایم سوری۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔
"دائم!" وہ سختی سے بولے۔ ''وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔ اگر اس نے کسی غلط فہمی کے باعث تمہیں پروٹوکول نہیں دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فضول لینگویج استعمال کرو۔ مجھے یہ پسند نہیں۔''
او کے پاپا! جب ان کا فون آئے گا تو دیکھوں گا۔ دوست آپ کے ہیں، سو پلیز دوستی کے تقاضے نبھانا مجھ پر کسی طرح سے فرض نہیں۔ میں وعدہ نہیں کرتا۔ موڈ پر ڈیپنڈ کرتا ہے، ہوا تو غور کر لوں گا۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ ''اور آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے پاکستان آنے کا؟"
فی الحال کچھ خاص نہیں۔ پہلے تم فیکٹری کا کام شروع کرو، پھر دیکھیں گے۔''
پاپا! میں گھر میں کچھ رینوویشن کروانا چاہ رہا ہوں۔ بیس بائیس سال کسی بھی عمارت کو خستہ حال کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں جبکہ درمیان اس کی دیکھ بھال بھی نہ ہو سکی۔''
جیسے تمہاری مرضی۔ گاڑی کیسی جا رہی ہے تمہاری؟''
فرسٹ کلاس۔ اسامہ کیسا ہے؟ آفس جا رہا ہے آپ کے ساتھ؟''
ہاں جا رہا ہے۔ آج کل مجھے کچھ اپ سیٹ لگ رہا ہے۔ تم فون کر لینا اور اپنی ماما کو بھی۔''
جی ضرور پاپا! میں آپ دونوں کو بہت مس کر رہا ہوں۔'' وہ اُداسی سے بولا تو وہ ایک لمحے کو چپ سے ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اپنی اداسی کا اظہار کس طرح کریں۔
لیکن فکر نہ کرو ڈاؤننگ مین! اُداسی دور کرنے کا کوئی نہ کوئی آئٹم نظر آ ہی جائے گا۔ او کے، ٹیک کیئر۔ وی آر آلسو مس یُو۔ اللہ حافظ۔"
"پاپا بھی نا......" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ فون بند کر دیا۔

✲⊙......⊙✲

عزہ نے میڈم یاقوت کے آفس جا کر بہادری کا مظاہرہ تو کر لیا تھا، مگر واپس آنے کے بعد وہ پریشان ہو گئی۔ کیا؟

'اگر پاپا کو پتہ چل گیا، وہ نہ معلوم میرے ساتھ کیا کر ڈالیں۔'

وہ پریشان سی کمرے میں ٹہلتے ہوئے کبھی ٹیبل پر پڑے اس پیپر کو دیکھتی اور کبھی محمود عالم کے غصے کا تصور کرتی۔

'پاپا کو بتائے گا کون؟ وہ کون سا ایسے فیشن شوز میں جاتے ہیں۔ ایک اینٹرنس ہی تو دینی ہے۔ بعد میں مزید کچھ سوچوں گی۔' اس نے سوچا۔

'اور جو میڈم یاقوت نے کہا ہے کہ اس شو میں شہر کی کریم آئے گی۔ اگر ان میں پاپا کا کوئی کولیگ، جانے والا قدموں کو بریک سا لگا۔

'ایک چھوٹی سی پرفارمنس پہ پاپا مجھے کتنا ڈانٹ لیں گے؟'

وہ خود کو بہلا رہی تھی تو اسے سوا سال پہلے کا وہ دن یاد آیا، جب محمود عالم نے یہ پتہ لگنے پر کہ وہ پرفارمنگ آرٹس جہاں "مائزا اکیڈمی" کے شارٹ پروگرام میں اس نے حصہ بھی لے رکھا ہے، انہوں نے جو اس کی خبر لی تھی اور ساتھ تھپڑ یا مار پیٹ کی کسر رہ گئی تھی بلکہ شاید ان کی تکلیف بھی اتنا دکھ نہ دیتی، جتنا محمود عالم کے بے عزت کر دینے والے تھیں کہ اس نے وہ پروگرام ڈیڑھ ہفتہ پہلے ہی ختم کر دیا تھا، مکمل ہونے سے پہلے اور آج تک دوبارہ جوائن کرنے کی ہمت پیدا نہ کر سکی تھی۔

پر اُس کا شوق بلکہ آتشِ شوق جو اسے پل بھر کو چین نہ لینے دیتا۔ اسے کلاسیکل رقص کس قدر پسند تھا، جیسے ردھم سے تیرتی تتلی جس کے قدم نہ زمین پر ہوتے تھے نہ بلند فضاؤں میں، بس ہوا کے دوش پر ہر خیال، ہر فکر سے مدہوش۔

'اور پاپا، ماما کون سا میری فکروں میں نڈھال ہوئے جا رہے ہیں؟ ان دونوں کے سر پر تو ایک ہی سودا سوار دوسرے سے منوا لینے کا۔ ہر وقت ضدم ضد، ہر وقت چیخ و پکار، جاہل پرندوں کی طرح ایک دوسرے کے پَر نوچ جنون.......اور ان کے ان جنونی رویوں کے بیچ میرا کیا حال ہو رہا ہے، انہیں اس کی کب خبر ہے؟" وہ نڈھال سی ہو کر اور پنکھے کی ہوا سے پھڑپھڑاتے صفحے کو دیکھنے لگی۔

'یہ بہرحال اس قدر آسان فیصلہ نہیں۔ مجھے پاپا کو انفارم کر کے ہی یہ قدم اٹھانا چاہیے۔ اور ان سے بات کر پاؤں گی؟.......کیسے؟' سوچ سوچ کر اس کا سر دُکھنے لگا تھا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس!" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"چھوٹی بی بی! کھانا لگ گیا ہے۔ صاحب اور بیگم صاحبہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" ملازم نے اندر آ کر مؤدب اس کی نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف اُٹھیں۔ نو بجنے کو تھے۔ وہ روزانہ اس وقت کھانا لگنے سے پہلے ہی پہنچ جاتی تھی۔ آج تو اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ اس کے سر ہلاتے ہی ملازم باہر نکل گیا۔

اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کیا اور باہر نکل گئی۔

کھانا اسی تکلیف دہ خاموشی کے دوران کھایا گیا۔ صرف چمچوں، پلیٹوں اور کانٹوں کی کھنک تھی۔ ان تینوں میں سے کسی نے کسی کو مخاطب نہیں کیا تھا، نہ کوشش کی تھی۔

عزہ نے بے دلی سے کھانا کھاتے ہوئے سارہ اور محمود کے سرد و سپاٹ چہروں کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر

"تم ٹھیک طرح سے کھانا نہیں کھا رہیں۔ کدھر دھیان ہے تمہارا؟" اس کے چاول پلیٹ میں تقریباً اسی طرح بالآخر سارہ کے نوٹس میں آ ہی گئے۔

"کھا رہی ہوں ماما!" وہ آہستگی سے بولی تو محمود عالم نے ایک سرسری نگاہ اُس کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی۔

میرا تو خیال ہے، تم آج کل ٹھیک طرح سے پڑھ بھی نہیں رہیں۔" انہوں نے بھی اس کے کھوئے کھوئے انداز کو پوائنٹ آؤٹ کرنا ضروری سمجھا۔

"نو پاپا! ایسی تو کوئی بات نہیں۔" نوالہ اس کے حلق میں پھنسنے لگا۔

"تمہارا فائنل سمسٹر کب ہے؟ کچھ ڈیٹس کا پتہ چلا ہے؟" وہ اب اس کی طرف متوجہ تھے۔

"نو پاپا! ابھی تو لاسٹ سمسٹر کا رزلٹ کمپلیٹ نہیں ہوا۔" اس نے پانی کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔

سالوں کے بعد میرا ارادہ تمہیں ابروڈ بھجوانے کا ہے۔ تم اپنا مائنڈ سیٹ کر لینا اس بارے میں۔"
ماما پ نے سوچا، یہ جو یہاں خوامخواہ کبھی کبھار نظروں میں آتی ہے، اسے نظروں سے دور ہی کیا جائے۔' اس نے جل کر دل

"میں باہر نہیں بھیجوں گی۔" سارہ تک شاید اس کے دل کی آواز پہنچی تھی، جھٹ سے بولیں۔
"بچے چھپا کر بیٹھی ہونا جو خود سے دور نہیں کرو گی۔ اپنی طرح جاہل رکھنے کا ارادہ ہے۔" محمود عالم اپنے مخصوص ترش

"اعلیٰ تعلیم کے تمغے میرے ماتھے پر نہیں سجے جو اپنے علاوہ کسی اور کو انسان ہی نہ سمجھنے دے۔" وہ جواباً چوٹ کرتے
محمود عالم نے انہیں کڑی نظروں سے گھورا۔
"مکمل جنگ بجنے والا ہے۔" عزہ نے متوحش نظروں سے دونوں کے چہروں کی طرف دیکھا، جہاں ایک دوسرے کے
لئے اور کچھ نہیں تھا۔
"فون آیا تھا۔" محمود عالم کے تیکھے جواب کا کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد سارہ بولیں تو انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا۔
"آ رہی ہیں آج کل میں۔" انہوں نے خود ہی بات آگے بڑھائی۔
"ہاں، میں نے روکا ہے یا اب بیٹی کے گھر آنے کے لئے بھی انہیں این او سی جاری کروانا پڑے گا۔" انہوں نے تھوڑا سا
منہ بنایا، لہجہ پہلے سے بھی کڑوا تھا۔ عزہ کو حیرانی سارہ کی قوت برداشت پر ہو رہی تھی۔
"کہہ رہی تھیں، کوئی سرپرائز دیں گی۔" وہ ایک بار پھر محمود عالم کے طنز کو پی گئیں۔
"انہوں نے جو سرپرائز تمہاری شکل میں مجھے دیا ہے، اس کے بعد تو کسی سرپرائز کی تمنا ہی نہیں۔" وہ بڑی نفاست سے کہا
لہجے میں جیسے کونین گھل رہی تھی۔
سارہ کی قوت برداشت اپنے اختتام کو پہنچی۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا چمچہ زور سے آگے پڑی پلیٹ پر دے مارا۔ پلیٹ کا کیا
ہوا، دیکھنے کی بجائے وہ دیکھ رہی تھی گر سارہ کا چہرہ۔
"کیا تکلیف دی ہے میں نے تمہیں ساری زندگی، جو تم ہر وقت طعنہ زن رہتے ہو؟" وہ خونخوار لہجے میں بولیں۔
"یہ پوچھو، کون سی تکلیف نہیں دی تم نے مجھے زندگی بھر۔" وہ اب بہت مطمئن لہجے میں بول رہے تھے جیسے ان کا مقصد پورا ہو
اور وہ کو بھڑکانا چاہ رہے تھے۔
"پاپ ہر وقت یوں ماما کو بلیم نہ کیا کریں۔ اور انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جو......"
وہ میز پر مکا مار کر اتنی زور سے دھاڑے کہ جملہ پورا کرتی اس کی زبان بے اختیار اپنے ہی دانتوں کے نیچے آ کر
"اس جاہل عورت کی حمایت نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا؟ آخر ہو نا اسی کی بیٹی۔ اس کی جہالت اور پاگل پن کا کچھ نہ
کچھ تم میں۔ اور مجھے پتہ تھا اس بات کا، اسی لئے میں نے تم سے کوئی توقع نہیں لگائی۔ جیسی ماں، ویسی بیٹی۔ میری طرف
داری مت کرو، اٹھو جاؤ۔ اور یہ مکاروں کی طرح تم جو مسکین صورت بنا کر مجھے دیکھتی ہو، جیسے مجھ سے بڑھ کر ظالم، خونخوار درندہ تم
نے کبھی دیکھا نہ ہو۔ ان بناوٹی نظروں کی چال بازی میں سب سمجھتا ہوں۔ مجھے نہ اس عورت پر اعتبار ہے، نہ تم پر۔ سنا تم نے؟ اور
آئندہ ہمارے معاملے کے بیچ بولنے کی کوشش نہ کرنا۔" وہ غصے میں کف اڑاتے کیا کیا کہے جا رہے تھے۔ سن ہوتی سماعتیں اور
ماؤف ہوتا ذہن اسے کچھ بھی سمجھنے نہ دے رہی تھیں۔ اس کی تمام تر حسیں سمجھ رہی تھیں تو صرف ایک بات کہ آج سے پہلے پاپا نے اس
طرح کبھی بات نہیں کی۔ آج ان کی نفرت، بیزاری اپنی انتہا پر تھی۔ خاص طور پر اس کے لئے۔ اپنی بیٹی عزہ عالم کے لئے۔
وہ کسی بت کی طرح آنکھوں میں آنسو لئے انہیں تن فن کرتے جاتا دیکھتی رہی۔
سارہ کے آنسو اب زور و شور سے بہہ رہے تھے۔
"کیا ضرورت تھی خوامخواہ اس پاگل کے سامنے میری حمایت میں بولنے کی؟ آج سے پہلے تک تو خاموش تماشائی کی طرح
ہمارا تماشا دیکھتی رہتی تھی۔ آج سے پہلے تو کبھی ماں کی محبت کا درد تمہارے دل میں نہ جاگا تو آج یہ دو حرف کہنے کی کیا
ضرورت تھی۔ پہلے ٹوکا ہوتا تو آج اس طرح نہ بھڑکتا یہ۔ میری تو قسمت خراب ہے اور اب اس برباد قسمت کے ساتھ میں نے
ساری زندگی گزاری ہے۔ تم تو کم از کم اپنے اچھے بی ہیویئر سے باپ کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کر دیا تو لب
سی کر بیٹھی رہتی ہو یا کمرے میں بند اللہ جانے پڑھتی ہو یا......"
یہ جملہ تھا یا تلوار کی کاٹ کہ اس کا جیتا جاگتا، دھڑکتا بدن دو لخت ہو گیا۔ کیسی شدید تکلیف ہوئی تھی اسے کہ اس کے

"آج سے پہلے ماں کی ہمدردی میں آنکھ کھولی ہوتی تو آج تمہارے باپ کو یوں چلانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میری ہمدردی کرو گی؟ ہو تو اسی پتھر دل انسان کی بیٹی، اسی کا لہو۔ میرا خیال کرو گی؟ اور اب یہ ٹسوے بہانا بند کرو، کھانا کھاؤ اور جا کر آرام کرو۔ تمہیں کم از کم میری ٹینشن اپنے سر لینے کی ضرورت نہیں۔" وہ اجنبی لہجے میں کہتی ہوئی اسے دیکھتے ہوئے اٹھیں اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

بیڈ روم میں آ کر بھی اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ ان دونوں کا یہ روپ اپنے لئے اس نے پہلی بار دیکھا اور اسے تو سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے اپنے سگے ماں باپ اسے یہ کچھ سمجھتے ہیں۔

"پتہ نہیں، میں ان کی بیٹی ہوں بھی یا نہیں۔' اس نے روتے روتے ایک دم سے آنسو پونچھے اور وہ فیصلہ جو گھنٹوں سے سوچ سوچ کر بھی نہ کر پا رہی تھی، ان تین منٹوں میں کر گئی۔

اس نے اٹھ کر پیپر پہ سائن کئے، کاغذ تہہ لگا کر ہینڈ بیگ میں رکھا، مرر میں ایک نظر خود کو دیکھ کر برش کیا، لٹوں کو سنوار کر آ کر اپنی اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

'ماما! پاپا!........آپ کے آج کے رویے نے میری آئندہ زندگی کے راستے متعین کر دیئے ہیں۔ تھینک یو۔' اس نے ہسٹری آف ایشیا کے سرورق پر دیکھا اور مطلوبہ چیپٹر نکال کر پوری توجہ سے پڑھنے لگی۔

پہلی سطر پر نظر ڈالنے سے پہلے اس نے اپنے ذہن سے ہر سوچ، ہر فکر، ہر ٹینشن کا سوئچ آف کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ کل ہونے والی اپنی فرسٹ پرفارمنس کے بارے میں ہر سوچ کا بھی۔

تانیہ نے اگلے روز آفس سے چھٹی کر لی تھی۔ یاسمین نے دل میں شکر کیا، ورنہ صبح ہی صبح سب کے سامنے اس ہنگامے کا ڈنکا بج تھا جسے وہ کل شام سے چھپائے ہوئے تھیں۔

احسن مراد اور ثریا خاتون نے ان دونوں کے چیخنے کی وجہ پوچھی تو وہ ٹال گئی تھیں۔ آوازیں تو آغا جان نے بھی سنی ہوں گی، وہ ابا ہونے کے ناتے شاید پوچھنے سے جھجک گئے۔

"خدا کرے اس نے جاب چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔"

تنزیل کے گھر سے چلے جانے تک وہ دل ہی دل میں مختلف قیاس کرتی رہیں۔ صرف ربیعہ کے ہاتھ ایک بار ہی تانیہ سے پچھوایا کہ اس نے آفس نہیں جانا تو اس نے جواب میں کہا کہ وہ آج چھٹی کرے گی۔

"کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" وہ فارغ ہو کر اس کی چائے اور ناشتہ اندر کمرے میں ہی لے آئیں۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے سُتے ہوئے چہرے کے ساتھ مختصراً جواب دیا۔

اس کی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور شاداب چہرہ اُترا ہوا تھا۔ گلابی رنگت میں رات بھر میں زردیاں سی اُتر آئی

یاسمین کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ اتنی پژمردہ اور مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی، جیسے خدانخواستہ سب کچھ لٹا بیٹھی ہوں۔ ان کی ممتا تڑپی۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر سہلانے لگیں۔

"تانیہ بیٹا! کیا بات ہے؟ مجھے نہیں بتاؤ گی؟" ان کے پیار بھرے لہجے کا اثر تھا کہ وہ پھر سے رونے لگی۔

"تانیہ! جو بھی بات ہے بیٹا! مجھے بتا دو۔ آنسو کسی مسئلے کو حل نہیں کرتے۔" وہ اس کے آنسو پونچھتے ہوئے محبت سے بولیں۔

"امی! یقین کریں، کوئی بات بھی نہیں ہے۔" وہ ذرا سا اُٹھ بیٹھی۔

"تو پھر تنزیل کا غصہ....... تنزیل سمجھ دار ہے، وہ یونہی غصہ کبھی نہیں کرتا۔ اس نے کچھ......" وہ کہتے کہتے رک گئیں۔ تانیہ کے آنسو ایک بار پھر بہنے لگے تھے۔

"امی! خدا گواہ ہے، ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو تنزیل سمجھ رہا ہے۔ سر بہت اچھے ہیں، وہ صرف میرے ساتھ ہی نہیں، سب کے لیے بہت نائس ہیں، بہت مہربان۔ آپ آفس جا کر کسی سے بھی پوچھ لیں۔ میں نے اپنی کولیگ فاطمہ اور عائشہ سے ان سوٹوں کی بات کی تو وہ ہنس پڑیں۔ کہتی تھیں، تمہیں سر نے صرف تین سوٹوں پر ٹرخا دیا ہے۔ ہمیں تو چار چار سوٹ اور ساتھ میچنگ شوز اور پرس گفٹ کیے تھے۔ جب وہ پہلی بار کسی بوتیک میں گئی تھیں، سر کے ساتھ۔

وہ جانتی تھی، اس کی بات گپ سے زیادہ نہیں۔ پھر بھی نہ جانے کیوں وہ جھوٹ بول گئیں۔

"یہ بات ہے تانیہ! تنزیل کے غصے کی بات علیحدہ۔ یہ گفٹ دینے والی بات تو مجھ گھر میں بیٹھی جاہل عورت کے دل کو بھی نہیں لگتی۔" وہ صاف گوئی سے اس کی دلیل کو ان سنی کرتے ہوئے بولیں۔

"تو میں جھوٹ بول رہی ہوں؟ انہیں مجھ سے کون سا مفاد ہے بھلا؟" وہ ایک دم غصے میں تڑپ کر بولی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی، مگر بیٹا! بے وجہ کی مہربانی....... انہیں کوئی مفاد ہو یا نہ ہو، تم ماں ہونے کے ناتے میری ایک بات مانو گی۔" انہوں نے ممتا کا کارڈ آزماتے ہوئے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"کون سی بات......؟" اس کے تیکھے چتون بتا رہے تھے کہ ان کا یہ کارڈ ضائع چلا جائے گا۔ انہیں اسے بچا کر رکھنا چاہیے۔

"تم جاب چھوڑ دو۔" وہ محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر مضبوط لہجے میں بولیں۔

"اور کسی دوسری جاب کے لیے دھکے کھاؤں؟"

"نہیں، اب تم جاب نہیں کرو گی۔ گھر میں رہو گی اور......"

"کسی نزول کا لے رشتے کی غیب سے آمد کا انتظار کروں گی، جو جہیز کی ایک لمبی لسٹ کے ساتھ مشروط مجھ سے شادی پر راضی ہو

گا۔" وہ اتنی تیزی سے اور ایسے کاٹ دار لہجے میں بولی کہ ایک پل کو یاسمین کو چپ سی لگ گئی۔ ان کے اندر صبح سے الا وہ گھنٹی پورے زور سے بجی تھی، جسے وہ کل سے ان سنی کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ اور بیٹا! تمہاری سوچ ایسی منفی تو کبھی نہیں رہی تھی۔ تم تو میری اتنی اچھی بیٹی ہو۔ سمجھدار، حساس، خیال رکھنے والی۔ پھر تم ایسی باتیں کیوں سوچنے لگی ہو؟" انہوں نے پیار جتا کر اسے پٹانا چاہا۔

"امی! جب انسان پریکٹیکل لائف میں آجاتا ہے تو یہ ساری باتیں سوچنا پڑتی ہیں۔ اور آپ پلیز جاب چھوڑنے سے نہ کریں اور نہ مجھ پر اس سلسلے میں کوئی دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں۔ میں اتنی اچھی نوکری یونہی فضول وسوسوں کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ تو مجھے کل کی تنزیل کی فضول بکواس سے ڈسٹرب کر دیا، آج ریلیکس ہونے کے لئے میں نے چھٹی کی ہے اور آپ نے صبح صبح یہ موضوع چھیڑ دیا ہے۔ پلیز اب اور نہیں۔" وہ عاجزانہ انداز میں کہتے ہوئے بستر سے نیچے اتر کر جانے لگی۔

"تانیہ! اگر میں تمہیں حکم دوں تو؟" انہوں نے آخری پتا بھی پھینک دیا۔ وہ ایک لمحے کو ٹھٹکی۔

"سوری امی! لیکن آپ یقین رکھیں، میں ایسا کچھ نہیں کروں گی، جس سے آپ کا سر نیچا ہو یا آپ کو......"

"اس سے زیادہ اور میرا سر تم کیا نیچا کرو گی کہ میرے منہ پر میری بات ماننے سے تم صریحاً انکار کر رہی ہو اور ضمانتیں دے رہی ہو، کچھ ایسا ویسا نہ کرنے کی۔ تمہاری نافرمانی سے بڑھ کر ایسا ویسا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر تم میری بات تانیہ......!" وہ طیش میں بولتے بولتے اٹھیں اور غصیلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔ "تو میں بھی تم سے بات کروں گی۔ کبھی نہیں۔" وہ غصے سے کانپتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ اور تانیہ بے جان سی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے ماں کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا اور ایسی دھمکی........

وہ تو کل والی جھڑپ کو معمولی سمجھ رہی تھی کہ ایک دو دن میں تنزیل کو منا لے گی تو امی کا غصہ بھی دور ہو جائے گا مگر معاملہ ہی ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔

"آخر میں بھی کیوں ضد پر اڑ گئی ہوں؟ میں ان کی بات کیوں نہیں مان لیتی، جبکہ وہ خود مجھے جاب چھوڑ دینے کو کہہ رہا ہے۔ گھر کا سلسلہ کیسے چلتا ہے، مجھے اس سر درد سے نجات مل جائے گی۔ یہ تو اچھی بات ہے۔ تو پھر مجھے گوارا کیوں نہیں؟"

وہ ہاتھوں پر سر گرائے خود سے پوچھ رہی تھی کہ اس پر بڑا خوفناک سا انکشاف ہوا۔ وہ لرز کر رہ گئی۔

✿⊙......⊙✿
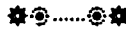
"کیا بات ہے، آج آپ ڈیوٹی پر نہیں۔ حیرت ہے۔" وہ آغا جان کی دوائیں لینے اس میڈیکل اسٹور پر آیا تھا کہ عائشہ بخاری کو دیکھ کر کچھ چونک سا گیا۔

سیلز مین اس سے نسخہ لے کر دوائیں نکالنے لگا تو وہ خود کو طنزیہ جملہ بولنے سے روک نہ پایا۔

عائشہ بخاری نے ایک لاتعلق سی نظر اس پر ڈالی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"مس! میں آپ سے مخاطب ہوں۔" اس کی بے نیازی تنزیل کو جھلسا گئی۔

"میں اجنبی لوگوں کے فضول سوالوں کا جواب نہیں دیا کرتی۔" وہ سرد لہجے میں آہستگی سے بولی اور کیش کاؤنٹر کی طرف مڑ گئی۔ دواؤں کا لفافہ سیلز مین سے لے کر اس نے پے منٹ کی اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ ذرا دوائیں نکال کر بل بنوائیں۔ میں دو منٹ میں آتا ہوں۔" وہ دوائیں لے کر آتے ہوئے سیلز مین سے کہتا تیزی سے گلاس ڈور دھکیلتا عائشہ بخاری کے پیچھے لپکا۔ وہ پارکنگ میں کھڑی گرے سوزوکی کا دروازہ کھول رہی تھی۔ دیکھ کر پل بھر کو ٹھٹکی، پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"آپ مجھے اجنبی کہہ کر یوں جان نہیں چھڑا سکتیں۔" وہ جانے کیوں تلملا کر بولا تھا۔

"مسٹر! آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ اگر آپ مجھے یونہی تنگ کریں گے تو میں......." وہ کھلے دروازے کو پکڑ کر بولی۔

"تو کیا کریں گی، شور مچائیں گی؟ ویسے یوں آپ کو کوئی تنگ کرے تو میرے خیال میں آپ کے لئے یہ تجربہ ناخوشگوار۔" وہ اس کے زرد پڑتے چہرے پر نظریں جما کر سرد مہری سے بولا۔

"شٹ اپ!" وہ حلق میں بولی اور گاڑی میں بیٹھنے لگی۔ تنزیل نے بے اختیار اس کا دروازے پر رکھا ہاتھ تھام لیا۔

"میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" اب کے وہ قدرے نرم لہجے میں بولا مگر وہ بھڑک اٹھی۔

"میں آپ جیسی بے ہودہ انسان سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ چھوڑیں میرا ہاتھ۔" اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی ریورس کرتے ہوئے لمحہ بھر میں وہاں سے چلی گئی۔

"مجھے اس سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہئے تھی۔ اس کا ردعمل درست ہے۔ پتہ نہیں مجھے آج کل ہو کیا گیا

کو بھی ہلا کر جاتا ہوں اور یہ سب اس ثانیہ کی بچی کا کیا دھرا ہے۔ اور آج میں اس کا علاج کر کے چھوڑوں گا۔ اس نے ایسا احمق سمجھ رکھا ہے مجھے، گھر والوں کو۔ یہ جاب پر جانے کا نام تو لے کر دیکھے، اس کا حشر کر دوں گا میں۔" وہ نئے سرے سے کھولنے لگا تھا۔
وہ ست روی سے اسٹور کی جانب بڑھتے ہوئے ذہن میں آئندہ لائحہ عمل کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ تقدیر اس کے بارے میں کیسی منصوبہ بندی کیے بیٹھی ہے۔

✻●......●✻
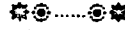
"صاحب! چائے۔" دائم اخبار پڑھ رہا تھا، جب کاکا بشیر نے چائے لا کر اس کے آگے رکھی۔
"صاحب! کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔"
"کون؟" وہ چونکا۔ ادھر اس سے ملنے کون آ سکتا تھا بھلا؟
"رحیمہ مائی ہے۔ بڑی پرانی خدمت گار بیگم صاحبہ کی۔ بلاؤں اندر؟"
"ہاں، بلا لو۔" وہ سر ہلا کر بولا اور کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ پچاس ساٹھ سال کی عمر رسیدہ عورت اچھے مضبوط، صحت مند جسم کی تھی۔ کاکا بشیر کے ساتھ آتے ہوئے سلام کر کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔
"آپ پلیز بیٹھیں۔" اس نے سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ "مہربانی" کہتے ہوئے بیٹھ گئی۔
"ماشاء اللہ! آپ ہو ڈاکٹر صاحب کے بیٹے۔ پورے دس سال میں نے کام کیا تھا جی ان کے کلینک۔ بڑا ہمارا ساتھ رہا۔ بہت ہی بہت نیک، بھلی مانس ہیں جی آپ کی والدہ۔" وہ کہنے لگی تو دائم نے کاکا بشیر سے اس کے لئے چائے لانے کو کہا۔
"نہیں پتر! اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں ادھر اپنے بیٹے کے گھر آئی ہوئی ہوں۔ ویسے میں گاؤں ہی میں ہوتی ہوں، آج ادھر سے گزری، کوٹھی کھلی دیکھی تو نہ رہ سکی۔ کاکا بشیر تو خیر مجھے جانتا ہے، جب اس نے بتایا کہ چھوٹے صاحب آئے ہوئے ہیں لندن سے تو دل کیا مل کر ہی جاؤں۔" وہ بڑی محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "کیسی ہیں بیگم صاحبہ؟"
"بہت شکریہ۔ ماما ٹھیک ہیں۔" وہ اس کی محبت پر شرمندہ سا ہو گیا۔
"وہ نہیں آئیں۔ یہاں سے جانے کے بعد انہوں نے تو پلٹ کر ہی نہیں دیکھا۔ حالانکہ یہاں ان کا کلینک اتنا مشہور تھا کہ بعد میں بھی اکثر لوگ پتہ کرنے آتے رہتے۔ وہاں بھی کام کر رہی ہیں نا؟"
"جی، ہسپتال میں بھی اور ایک کلینک میں بھی۔"
"ماشاء اللہ! ان کا فون آئے تو میرا سلام ضرور دینا، پتر! بڑی اچھی تھیں، بڑی مہربان تھیں مجھ پر۔ اللہ بخشے، تمہاری دادی کا بڑا احسان ہے مجھ پر۔ ویسے تو بے چاری وہ بھی بہت اچھی تھیں اور اپنی جگہ سچی بھی۔ پوتا کھلانے کی بڑی آرزو تھی انہیں۔ اور بیگم صاحبہ، صاحب دونوں میں بڑا پیار تھا اور اللہ کی رحمت سے دونوں میں کوئی نقص، کمی بھی نہیں تھی۔ بس اللہ کی طرف سے دیر تھی۔ پر تمہاری دادی کا غصہ، ناراضی تو اس بات پر دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی اور بیگم صاحبہ بے چاری اتنی پریشان، اتنی ڈری ہوئی تھیں کہ انہوں نے ایک بار......"
وہ اپنی دھن میں کہتے کہتے رک سی گئی۔ دائم جو سرسری انداز میں اسے سن رہا تھا، چونک اٹھا۔
"ایک بار کیا؟" وہ اس کے چپ رہنے پر بے چینی سے بولا۔
"ایک بار......" اس نے منہ میں دہرایا اور پھر دائم کو بغور دیکھا۔
"بس جی، ایک بار تو بے چاری میرے آگے رو ہی پڑیں کہ رحیمہ مائی! تو ہی اللہ سے میرے لئے دعا کر کہ وہ میری گود ہری کر دے۔ میں نے دعا کی بھی جی جان سے۔ دیکھیں، اللہ نے کیسی میٹھی ماں دی جو آپ جیسا کڑیل، سوہنا پتر لکھ دیا ان کے نصیب میں۔ دادی کے نصیبوں میں یہ دن دیکھنا نہیں تھا۔" وہ پھر سے روانی سے بولنے لگی مگر دائم کی ساری توجہ پہلے جملے پر اٹک گئی۔ اسے لگا، وہ ایک بار کے بعد بات کو بدل گئی ہے۔ اس نے اسے ٹٹولا مگر وہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے تھوڑی دیر بعد اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پھر آنے کی کہتی ہوئی جیسے آئی تھی، ویسے چلی گئی۔
"یہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کیا؟" وہ اس کے جانے کے بعد کتنی دیر تک سوچتا رہا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔
"ماما! کیا بات ہے؟ بھول گئی ہیں مجھے؟" وہ جانتا تھا، ڈاکٹر رخشندہ اس وقت کلینک میں مصروف ہوں گی۔ پھر بھی وہ نہ رہ سکا اور فون ملاتے ہی بولا۔
"میری جان! میرے بیٹے! میں تمہیں بھول سکتی ہوں؟ ایک پل کو بھی سانس لینا بھول سکتی ہوں، مگر تمہیں مِس کرنا نہیں۔ ظلم تو تم نے خود مجھ پر کیا ہے اور اب مجھ ہی کو۔" وہ شاید آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھیں۔
"سوری ماما! مرا مقصد آپ کی پیاری پیاری آنکھوں میں برسات لانا نہیں تھا۔ بس اب آپ پاپا سے کہیں اور آنے کی تیاری

کریں۔" وہ بے صبرے پن سے بولا۔

"نہ تم نے میری بات مانی، نہ تمہارے والد صاحب مانتے ہیں۔ میں تو تم دونوں کی فیصلوں کی صلیب سے لٹکی ہوئی ہو
ناراضی سے بولیں۔

"واؤ، ماما! لگتا ہے، آج کل شعر و شاعری کی طرف دھیان زیادہ ہے۔ اچھا ماما! آج مجھے آپ کی ایک پرانی شناسا
خدمت گزار ملنے کے لئے آئی۔" اس نے خوامخواہ سسپنس پھیلاتے ہوئے کہا۔

"کون؟....... میری ایسی راز دار، خدمت گزار کون تھی بھلا؟" وہ چونکیں۔

"مائی رحیمہ۔ یاد ہے نا آپ کو؟ آپ کے کلینک میں آپ کے ساتھ کام کرتی تھیں۔

دوسری طرف ایک جامد خاموشی سی چھا گئی۔

"ماما.......!" اس نے ہولے سے پکارا۔

"کون مائی رحیمہ؟ میں کسی رحیمہ کو نہیں جانتی۔ یہ تم کن فضول لوگوں سے ملنے لگ گئے ہو؟ میری بات مان جاؤ اللہ
دائم! میں تمہارے بغیر بہت اُداس ہوں۔ پلیز!" وہ صاف بات بدلتے ہوئے بولیں تو دائم ان کے انکار پر کچھ کہہ ہی نہ سکا
فون بند کرنے کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک سوچتا رہا۔ ماما نے مائی رحیمہ کو کیوں نہیں پہچانا؟ اور گھبرا کر بات کیوں
ایک اجنبی عورت آج کر جھوٹ کیوں بولنے لگی؟ یا ماما جھوٹ بول رہی ہیں؟ مگر کیوں؟
وہ سوچتا رہا۔ مگر اس کی وجہ نہ جان سکا۔

✿◉.....◉✿

"اپنا حال دیکھ رہی ہو؟ مجھے صرف یہ بتا دو، تم یہ انتقام کس سے لے رہی ہو، خود کو یوں تباہ کر کے؟" بکھرے بکھرے
لباس، سوجے ہوئے پپوٹے اور اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں کے ساتھ یک ٹک سامنے دیکھتی لائبہ کو جھنجوڑ کر اسامہ نے پوچھا
اتنے پُرزور جھنجوڑنے پر بھی اس نے سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور پھر دیوار پر نظریں جما دیں۔

"لائبہ! یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" وہ بے بس سا ہو کر بولا۔

"اچھا مجھے بتاؤ، تمہیں کس بات نے ہرٹ کیا ہے؟ تم ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہی ہو؟ تم نے تو شراب کبھی چکھی نہ
اور یہ نائٹ کلب....... یہ سب کیا ہے؟ پلیز مجھے بتاؤ کچھ تو۔"

وہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ اس کے براؤن بالوں میں نہ جانے کتنے دنوں سے برش نہیں کیا گیا تھا۔ گھنگھریالے
پرندے کے گھونسلے کے مانند اُلجھے ہوئے تھے۔ اسامہ سے واقعتاً اس کا یہ حال نہیں دیکھا جا رہا تھا۔ وہ اسے نہیں ملتی نہ سہی
زندہ تو رہے۔ لائبہ نے اس بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

"کیا دائم کی جدائی میں تم نے یہ حال کر لیا ہے؟ مگر تم تو اس کا فون بھی اٹینڈ نہیں کرتیں، وہ کل بھی مجھ سے کہہ رہا تھا
دائم کا نام لینے پر اس نے ایک زخمی نگاہ، اسامہ کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں آج دائم کو فون کر کے تمہاری ساری حالت کے بارے میں بتاتا ہوں۔" اسے ابھی احساس ہوا
وجہ سے وہ جان سے جا رہی ہے، کم از کم اسے تو اس کی حالت کی خبر ہونا چاہئے۔ اس کو یہ سب دائم کو بتا دینا چاہئے۔

"تم اسے کچھ نہیں بتاؤ گے؟" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

"تم جان سے گزر جاؤ اور اسے پتہ بھی نہ چلے؟"

"جان میری ہے، تمہاری نہیں۔ تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟" وہ اسی سرد لہجے میں بولی تو اسامہ نے تڑپ کر ا
اسے ابھی تک اسامہ کی تکلیف کی وجہ ہی معلوم نہیں تھی۔

"لائبہ! کیوں تم اپنی زندگی سے کھیل رہی ہو؟ اس حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کر لیتیں کہ دائم تمہارے لئے نہیں تھا
شاید نہ ہوگا۔ اس کے جذبات تمہارے بارے میں بالکل مختلف ہیں، جیسا تم اس کے بارے میں سوچتی ہو۔" وہ تکلیف سے
بولا۔

"میں اس وقت صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ تم کیوں ہو؟ تھے کیوں نہیں ہو جاتے؟" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر
میں بولی کہ اسامہ کو لمحہ بھر کے لئے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا۔ اور جب آیا تو وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"او کے، ایز یو لائیک۔ اور یہ جو تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں دائم کے خلاف کر کے اپنے لئے راہ ہموار کرنا چاہتا
ہوں تو اس غلط فہمی کو اپنے دل و دماغ سے نکال دو، تم میرے نصیب میں ہو یا نہیں۔ مگر دائم تمہارے لئے نہیں ہے۔ تمہارا
بات اب تک آ جانا چاہئے تھی۔ جب تمہاری اتنی با اختیار ماں نے تمہیں دوٹوک انداز میں سمجھایا تھا تو تمہیں سمجھ جانا چاہئے

لائبہ اب بہت بڑا ہو گیا ہے۔ اور اب آج سے اس لمحے سے میں بھی تمہارے لئے ہوں نہیں بلکہ تھا۔ گڈ بائے۔"

اسامہ کو کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔ آج زندگی میں پہلی بار اتنا شدید غصہ آیا بھی تو کس پر، جس کے ناقابل حصول ہونے کے خیال ہی سے اس نے نا زندگی تمہارہنے کا کرب ناک فیصلہ کر لیا تھا۔ وہی اسے "تھا" ہونے کا کہہ رہی تھی تو وہ کیوں نہ ہمیشہ کے لئے، اس کے لئے گم ہو جاتا۔

وہ اپنی طرف پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی لائبہ کو یونہی چھوڑ کر نکل آیا تھا۔ اور لائبہ نے تو جیسے اس کو سنا ہی نہیں تھا۔

اس کے اردگرد بے تحاشا شور ہو رہا تھا۔ شور ہی شور۔

'فائم تمہارے لئے نہ تھا، نہ ہے، نہ ہوگا۔ جب تمہاری اتنی با اختیار ماں نے تمہیں یہ بتا دی ہے تو تمہیں اس بات کو سمجھ جانا چاہئے تھا۔ ماں، با اختیار ماں...... وہ تو ساری زندگی میرے لئے بے اختیار رہیں۔ بے اختیاری کا اختیار انہوں نے کبھی مجھے نہیں یا تو خود کو کیا دیتیں؟'

'وہ پوچھتا ہے، میں کس بات سے ہرٹ ہوئی ہوں؟...... میری اسی با اختیار ماں نے کس بے دردی سے میرے دل کا اکلوتا خواب میرے سینے سے نوچ پھینکا اور یوں اسے بھول جانے کا حکم دے ڈالا جیسے یہ سب میرے بس ہی میں تھا۔

وہ ماں ہے...... ماں ہے میری، جس نے ساری زندگی کسی چھوت کی بیماری کی طرح مجھے خود سے دور رکھا۔ جب بھی پاس جانے کی تمنا کی، مجھے میلوں میل خود سے دور پھینک دیا۔ ماں کو تو اپنی اکلوتی اولاد سے طویل دوری کیا، گھنٹوں کی جدائی بھی ہو تو وہ پاگل ہو اٹھتی ہے۔

وہ عورت طاقت کا سمبل اور سب کچھ ہو سکتی ہے، میری ماں نہیں۔ میری کچھ بھی نہیں۔ میرا کوئی بھی نہیں...... جسے چاہا، وہ بھی میرا نہیں۔ جو مجھے چاہتا تھا، آج وہ بھی چلا گیا۔ پھر میرے لئے کیا رہ گیا؟ کیا ہے میرے لئے یہاں کہ میں بے وجہ جی کر جسم و جان کے عذاب سے گزرتی رہوں۔ جیتے جی زندگی کا برزخ جھیلوں۔ ایسا کر کے میں کس کی اذیت کا سامان کروں گی؟ اس ماں کا جسے میری ضرورت ہے نہ خیال۔ اس محبوب کا جو میرا کبھی تھا ہی نہیں، یا اپنے عاشق کا جسے میں نے لات مار کر باہر نکال دیا، ہمیشہ کے لئے اور میں قطرہ قطرہ زندگی کا زہر پیتی رہوں...... کیوں؟'

وہ اب لبوں میں ہذیانی انداز میں بڑبڑا رہی تھی۔

اس کی آنکھیں ابھی بھی دیوار پر کسی نادیدہ نقطے پر جمی تھیں۔ یک دم اسے کچھ خیال آیا۔

وہ دوڑتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔

فاخرہ اور گلزار دونوں ہی گھر پر نہیں تھے۔

اس نے دیوانہ وار نچلی دراز کھول کر گولیوں کی شیشی نکالی اور میز پر پڑا پانی کا گلاس اٹھا کر اس نے شیشی کا ڈھکن کھولا اور لمحہ بھر کو کچھ سوچا۔

'نہیں...... کچھ نہیں۔' اس نے سر جھٹکا اور دوسرے پل اس نے شیشی اپنے منہ میں انڈیل لی۔

✻⊙......⊙✻
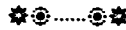
وہ اگلے دن بھی آفس نہیں گئی۔

نہ جانے وہ کون سی سوچ کا پہرہ تھا، جس میں اس کے قدم، اس کا ذہن جکڑ سا گیا تھا۔ حالانکہ دل تو ہمک رہا تھا۔

روز صبح تیار ہو کر، نہا دھو کر فریش ہوتے ہوئے دُھلا دُلایا نیا یا اسٹائلش سوٹ پہن کر ہلکا پھلکا میک اپ کر کے دنیا کی گہما گہمی میں شامل ہوتے ہوئے اپنے زندہ ہونے کا کتنا خوب صورت احساس ملتا تھا۔ پھر آفس کا شاندار لگژری ماحول، مہذب، پڑھے لکھے، عمدہ لباس پہنے آتے جاتے، اسمائل پاس کرتے کولیگ، تانیہ نے تو جیسے ایک ہی زندگی میں کسی دوسری دنیا میں قدم رکھ دیا تھا۔ جہانگیر ہمدانی کا التفات بھرا مہربان رویہ، توجہ بھری گہری نظریں اور بے تکلف مگر مہذب انداز۔ اسی مہذب، مہربان، میٹھے انداز نے اس کے دل پر جال پھینکا تھا۔ وہ تو پھڑ پھڑا بھی نہیں سکی تھی۔ اس نے جاب پہلے بھی کی تھی، مگر اکیڈمی کا ماحول، آفس کے ماحول سے بالکل مختلف تھا۔ وہاں تو صرف ایک ہی کام تھا۔ کام، کام اور بس کام۔ پڑھا پڑھا کر، پیریڈز اٹینڈ کر کے، کند ذہن اسٹوڈنٹس سے سر کھپا کر اس کا دماغ پلپلا ہو جاتا تھا۔ ڈریسنگ اس وقت بھی وہ مناسب ہی کر کے جاتی تھی، مگر اس بات کی ادھر کسی کو اتنی پروا بھی نہیں ہوتی تھی۔ سر کو تو بس ایک ہی فکر ہوتی تھی کہ اس کی کلاس میں اسٹوڈنٹس کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے۔

اور ادھر تو ایسی کیا، کسی بھی طرح کی کوئی ٹینشن نہ تھی۔ مگر وہ ایسی بے وقوف بھی تو نہیں تھی کہ محض ماحول کے اس فرق کے باعث اتنی آسانی سے ٹریپ ہو جاتی۔ یہاں پہ تو کچھ اور ہی گڑبڑ ہوئی ہے۔ اس نے ٹہلتے ٹہلتے سر تھام کر کہنی منڈیر پر رکھی اور اوپر دُھلے ہوئے کپڑے پھیلانے آئی تھی جو یاسمین نے دھوئے تھے۔ انہوں نے اسے اوپر پھیلانے کے لئے نہیں کہا تھا۔ وہ خود ہی ٹوکری اٹھا

کراو پر چلی آئی بلکہ انہوں نے تو کل سے اس سے ہر طرح کی بات چیت بھی بند کر رکھی تھی۔ اس کی طرف دیکھنا بھی
نے رات کو کھانا نہیں کھایا۔ انہوں نے پوچھا بھی نہیں۔ صبح اس نے نو بجے اٹھ کر چائے کی خالی پیالی پی تو انہوں نے
ٹوکا کہ خالی پیٹ چائے کیوں پی رہی ہے۔ ایسی بے اعتنائی، ایسی ناراضی تو انہوں نے آج تک اس سے نہیں برتی
روّیے سے ایسا لگ رہا تھا، جیسے اس سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہو۔ وہ اپنی ہی نظروں میں چور سی ہو گئی تھی۔
اور تنزیل، وہ تو رات گئے گھر لوٹا تھا۔ وہ یونہی پانی پینے نکلی تو اس سے کھانے کا بھی پوچھ بیٹھی۔ وہ کوئی بھی جواب
نفرت بھری نظر اس پر ڈال کر اندر چلا گیا تو جیسے اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

اس نے رات بھر سوچا تھا۔ جتنی بار نیند بے چینی کے احساس سے ٹوٹی، اس نے اتنی بار اس مسئلے پر سوچا تھا۔
بہت پروا، یاسمین اور تنزیل کی۔ پھر وہ کیوں ڈھیٹ بن رہی تھی؟ اس کی وجہ صرف اس کے دل کا چور جانتا تھا۔

'مگر اس ڈھٹائی کا فائدہ کیا ہوگا؟ جو میرا یہ نادان، بے وقوف دل چاہتا ہے، وہ بھی تو ناممکن ہے۔ یہ دنیا اور
ایسا ہونا ممکن نہیں تو پھر میں کس آس پہ یہ ہٹ دھرمی دکھا رہی ہوں؟' اس نے آخری بار اپنے سرکش دل کو سنبھالنے کی

اُس کا دل جہانگیر ہمدانی کی گہری گہری نظروں کے بھنور میں دُور کہیں ڈوب گیا تھا۔ وہ ان دو دنوں میں اسے
بیچ، ظالم بھنور سے نکالنے کے ہزار جتن کر چکی تھی، مگر جیسے اس کی ہر کوشش، سعی بر آب ثابت ہو رہی تھی۔

'قربانی ہمیشہ عورت کے حصے میں آتی ہے۔ قربان گاہ پر ہمیشہ بیٹی، بہن کو مصلوب کیا جاتا ہے۔ اِک اگر میں
کی خوشی کی خاطر اپنی اس نوخیز محبت کو قربان کر دوں گی تو کون سا یہ کارنامہ ہوگا؟ میرے مرنے سے اگر کسی کو راحت
سہی۔' اس نے تھک کر بھیگتی آنکھوں کو رگڑا۔

نیچے اب یاسمین صحن دھو رہی تھیں۔ وہ صبح سے بری طرح سے کام میں جتی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اس کے اٹھنے
صاف کر کے مشین لگالی تھی اور اسی دوران کچن کے برتن اور کچن بھی صاف کر لیا۔ چنے کی دال بھگو کر دوسرے چولہے
احسن مراد کے پرہیزی کھانے کے لئے چکن کی یخنی بھی رکھ دی تھی۔ انہوں نے اس کے ہونے کو مکمل طور پر نظرانداز
اپنے جوڑوں کے درد کو بھلا کر صبح سے خود کو کسی مشین کی طرح مصروف کر رکھا تھا۔

"امی! آئی ایم سوری۔ پلیز، ایسے تو نہ کریں۔" وہ دال دھو رہی تھیں، جب تانیہ نے بے اختیار ہو کر کچن میں
آگے ہاتھ جوڑے اور دال کا باؤل ان سے لینا چاہا۔ انہوں نے ایک کٹیلی، سرد نگاہ اس پر ڈالی اور باؤل اپنی طرف
نیچے رکھ دیا۔

"امی پلیز! میری بات تو سنیں۔" اس نے ٹونٹی بند کرتے ہوئے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے تم سے صرف ایک بات سننی ہے کہ تم جاب چھوڑ چکی ہو، اس کے علاوہ میں تمہارے منہ سے ایک لفظ نہیں سنوں
گی۔" یاسمین بولیں تو جیسے تانیہ کو سکتہ سا ہو گیا۔ یہ لہجہ، یہ الفاظ، یہ انداز، اس کی نرم دل اتنی ہمدرد محبت کرنے والی امی
سکتے۔

انہوں نے ایک نظر اس کے گم صم چہرے پر ڈالی اور دال کی پتیلی اٹھا کر چولہے پر رکھی دوسری دیگچی کی طرف بڑھیں

"امی! میں جاب چھوڑ دوں گی۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے نڈھال سے انداز میں ان کی طرف بڑھی۔

"تم آئندہ آفس نہیں جاؤ گی۔ مجھ سے صرف یہ کہو۔" وہ اسی پتھریلے لہجے میں بولیں۔

"امی! ریزائن دینے۔ اور یوں بھی پہلے نوٹس دینا ہوتا ہے۔ مگر آپ فکر نہ کریں، میں اس ماہ کے ختم ہونے
چھوڑ دوں گی۔ آئی پرامس۔" یقین دہانی کراتے کراتے اس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تو جیسے یاسمین کا دل بھی اس کے
پسیج گیا۔

"تم صرف استعفیٰ دینے کے لئے کل جاؤ، اس کے بعد دوبارہ نہیں۔" وہ حتی الامکان لہجہ اسی طرح سخت رکھے ہوئے

"امی! فارمیلٹی بھی ضرور ہوتی ہے، پہلے نوٹس دینا ہوگا، پھر استعفیٰ اور پھر تنخواہ ملنے تک مجھے رکنا ہوگا۔
میں۔" وہ شکست خوردہ سے انداز میں کہہ رہی تھی تو یاسمین کو احساس ہوا، وہ اپنی ضد منوانے کے لئے ایک نقصان کر
ایک محض تنزیل کی تنخواہ سے کیا ہوگا جبکہ ایک نفس کا مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ یہ تو دونوں کی تنخواہ سے ان دو ڈھائی
کا پتہ بھی نہیں چلا تھا۔ اور اب تانیہ جاب چھوڑ دے گی تو وہ حقیقتاً اس خیال سے پریشان ہی ہو گئیں۔

"بلکہ میں تو چاہ رہی تھی کہ نئی جاب اس دوران کوئی تلاش کر لیتی تو پھر ادھر سے ریزائن کرتی، تو آپ کا یہ
برداشت نہیں ہو رہا۔" وہ ایک دم سے روتے ہوئے اس سے لپٹی تو انہیں لگا، ان کا سارا غصہ، بیزاری اور ضد اس کے
ساتھ ہی بہہ گئے ہیں۔ اسے کیسے اس گھر کے مسائل کا خیال تھا۔ اور ایک وہ کچھ شرمساری سی اس کا سر سہلانے لگیں۔

✲◉......◉✲
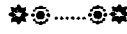
"میڈم! آپ کو ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں، ایمرجنسی ہے۔" پاس سے گزرتی سسٹر کیتھی نے باہر جاتی ڈاکٹر رخشندہ کو پیغام دیا اور وہ گلدمے اچکاتے ہوئے گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔
وہ آج کتنے دنوں بعد وقت پر گھر جانے کے لئے نکلی تھیں ورنہ روز انہیں کلینک ہی میں اچھی خاصی دیر ہو جاتی تھی۔
سوسائیڈ کیس تھا۔ انہیں او ٹی میں داخل ہوتے ہی پتہ چلا۔
"کتنی خوب صورت لڑکی ہے کہ جیسے قدرت نے اس کے چہرے کا ایک ایک نقش بڑی محنت اور محبت سے تراشا ہے۔ اور اس چہرے کے پیچھے کیسا ناشکرا دماغ ہے، جس نے اپنے تخلیق کار کی محنت اور محبت کا خیال اس حسین وجود کو مٹاتے ایک پل بھی نہ سوچا۔" گلوز پہنتے ہوئے اسے مسلسل دیکھ رہی تھیں۔
"ایشین لگتی ہے۔" ڈاکٹر مارکس نے آہستگی سے کہا۔
"ہوں۔" وہ اس پر جھکیں۔
ان کے ہاتھوں میں ہزار بار زندگی نے جنم لیا تھا، اس پل کی خوشی انہیں جیسے نئے سرے سے تازہ دم کر دیتی تھی مگر ہاتھوں سے نکلتی، سانسوں میں اٹکی، جسم کے پنجہ سے نکلنے کے لئے مچلتی زندگی کو بچانا، تھامنا کتنا کٹھن، کتنا دشوار گزار لگتا تھا انہیں۔ پھر ایسی زندگی کو بچانا، جسے آدمی خود اپنے ہاتھوں سے ختم کر کے لایا ہو۔ وہ اسے بچا بھی لیتیں تو ان لمحوں کی تھکان دنوں ان کی روح کو بوجھل اور بوجھل کیا کرتی تھی۔
"ابھی نہیں آسکتی اسامہ بیٹا! ایک ایمرجنسی ہے۔ آپریٹ تو کر دیا گیا ہے، مگر اس کی حالت ابھی خطرے سے باہر نہیں۔ مجھے کچھ دیر لگ جائے گی۔ آپ لوگ کھانا کھالینا۔" آپریشن تھیٹر سے باہر نکل کر انہوں نے گھر فون کیا تھا۔
"انکل بھی ابھی گھر نہیں آئے ہیں، آجاؤں آپ کو لینے؟" اسامہ بولا۔
"نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی آج موسم خاصا شدید ہو رہا ہے۔ تم آفس سے جلدی آ گئے تھے؟"
"جی، دوپہر سے بھی پہلے۔" وہ آہستگی سے بولا۔ وہ لائبہ سے ملنے چلا گیا تھا، پھر جس طرح اس نے اسامہ کو اپنی زندگی سے نکل جانے کا کہا، اس کی حالت اتنی خستہ اور پریشان حال تھی، وہ آفس دوبارہ جا ہی نہیں سکا۔
"ٹھیک ہے...... چلو، تم اب ریسٹ کرو۔ انکل آتے ہیں تو کھانا کھالینا۔ اللہ حافظ۔" ڈاکٹر رخشندہ نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔
اسامہ کا دل نہ جانے کیوں بے چین سا ہو رہا تھا اور وہ کوشش کے باوجود ڈاکٹر رخشندہ کی ہدایت پر عمل نہیں کر سکا اور تھوڑی دیر بعد وہ ہسپتال پہنچ گیا۔
"اوہو...... تم کیوں آئے؟ میں بس نکلنے ہی والی تھی۔" وہ سی سی یو کا دروازہ کھول کر باہر نکلیں۔ سامنے بیڈ پر سفید، بے داغ چادر کے نیچے کوئی وجود پڑا تھا، چہرے پر لگے آکسیجن ماسک نے اس کا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ یوں بھی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کے عمل میں بمشکل ایک ڈیڑھ سیکنڈ لگا۔ کوئی تجسس سا تھا، اسامہ کے اندر جو اسے اس کے چہرے کو دیکھنے پر اُکسا رہا تھا۔ وہ شاید اندر ہی چلا جاتا کہ ڈاکٹر رخشندہ نے آہستگی سے اس کا بازو پکڑ کر آگے کی طرف کیا۔
"مصطفیٰ گھر آچکے ہوں گے، ہم دونوں کو نہ پا کر پریشان ہوں گے۔ آج سنو فال کی بھی پیش گوئی ہے، تم کیوں آئے" وہ کہتے ہوئے اسے اپنے ساتھ باہر لے آئیں۔
پیش گوئی پوری ہو چکی تھی۔
باہر نرم برف کے سفید گالے ادھر اُدھر لڑھکتے پھر رہے تھے۔ ساکت و جامد، سرمئی آسمان۔
"ادھر کے موسم کیسے بے رونق سے ہوتے ہیں۔ پاکستان میں بارش بھی ہوتی ہے تو کیسی گھن گرج سے۔ بارش برسے یا نہ برسے، بادل ایسے گرجتے تھے کہ ابھی ٹوٹ کر برسیں گے۔ ایسا جی لگا کر برستی ہیں وہاں بارشیں کہ آدمی کو اندر سے بھی دھو جاتی ہیں، آدمی کے من کے سارے غبار بارش کے شفاف پانیوں کے ساتھ بہہ جاتے ہیں کہ آدمی Beptise (عیسائیت میں شامل ہونے کے لئے غسل دینا) ہو جاتا ہے۔ اور ادھر...... ادھر تو موسم کیا برستا ہے، جیسے من پر کوئی بوجھ کی گٹھریاں دھرتا جاتا ہے۔ بوجھل دل کو اور بھاری کر جاتا ہے ادھر کا موسم۔"
ڈاکٹر رخشندہ، گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے نہ جانے کس دُھن میں کہے جا رہی تھیں۔ اسامہ دھیان و بے دھیانی کے عجیب سنگم پر رہا، کبھی انہیں سن لیتا، کبھی ونڈ اسکرین پر تیز تیز گردش کرتے وائپرز کو دیکھتے ہوئے اس گم صم موسم کی طرف متوجہ ہو جاتا اور کبھی کھو دینے والی محبت کے ماتم میں گم ہو جاتا۔
"تم کدھر ہو؟" انہوں نے اس کی بے دھیانی کو محسوس کر ہی لیا۔

''یہیں ہوں، آپ کے پاس۔'' اس کی مسکراہٹ اس برفیلے موسم سے بھی زیادہ سرد تھی۔ ''آپ کو سن رہا تھا۔''
''لگ تو نہیں رہا۔ مگر اس میں تمہارا قصور بھی نہیں۔ یہ اس ظالم موسم کا اثر ہے۔'' وہ اس کی ساری بے توجہی نظر انداز
ڈالتے ہوئے بولیں تو اس نے گردن سیٹ کی پشت سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔
''لگتا ہے اسامہ! تم خوش نہیں ہو۔'' انہوں نے اس کے ملول چہرے سے جانے کیا قیاس کیا تھا۔
''ہوں۔'' اس نے جواب دیئے بغیر کہا اور آنکھیں اسی طرح بند رکھیں۔ پھر ڈاکٹر رخشندہ نے کچھ نہیں پوچھا۔
''پتہ نہیں کیسے آج کے والدین ہوتے ہیں، اولاد جوان ہو جائے تو وہ سمجھتے ہیں وہ ہر ذمہ داری سے آزاد ہو گئے
کے دوران پھر سے شروع ہو گئیں۔ لگتا تھا، آج ان کا موڈ خوب بولنے کا ہے ورنہ وہ کم ہی بولا کرتی تھیں۔
''اب کیا ہو گیا؟'' مصطفیٰ صاحب نے اندازہ لگا لیا کہ اب وہ دائم کے بارے میں کچھ نہ کچھ بولیں گی۔
''ایسی خوب صورت، پیاری لڑکی۔ نہ ماں سر پر، نہ باپ۔ اور سلیپنگ پلز کی پوری شیشی معدے میں انڈیل کر لی
بلکہ مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ وہ بچ گئی ہے۔ حالانکہ ابھی بھی اس کی کنڈیشن خاصی سیریس ہے۔ میں اندازاً
کم تین گھنٹے مزید۔ اور اس سے پہلے بھی شاید وہ ڈرگز لیتی رہی تھی۔ اچھی بھلی اپنی جان کی دشمن لگ رہی تھی۔''
اسامہ بہت آہستہ آہستہ نوالے لے رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں، اس کا دل اُداسی کی اتھاہ گہرائیوں میں نیچے ہی نیچے جا رہا
''اوفوہ، یہ تو اس معاشرے میں روزانہ کی بات ہے۔ اور یار! تم ڈاکٹرز میں یہ بہت برائی ہے کہ نہ جگہ دیکھتے ہو
اپنے کیسز ڈسکس کرنا شروع کر دیتے ہو۔ اور کچھ نہیں تو کھانے کی میز کا ہی خیال کر لو۔ اور اسامہ! کیا بات ہے، تمہارا
ٹھیک ہے؟ یا اپنی آنٹی صاحبہ کی باتیں سن کر کھانے سے ہی جی بھر گیا ہے؟'' انہوں نے اسامہ کو یونہی بیٹھے دیکھ کر کہا۔
''کچھ نہیں۔ کھا چکا میں۔ بھوک نہیں تھی۔ آپ دونوں کا ساتھ دینے بیٹھ گیا تھا۔ ایکسکیوز می۔'' وہ کہتے ہوئے ڈائننگ
روم سے نکل گیا۔
''اس کو کیا ہوا ہے؟'' مصطفیٰ صاحب بولے۔
''پتہ نہیں۔ رات میں بھی بجھا بجھا سا تھا۔ شاید آغا جان یاد آ رہے ہوں، یا آبگینے۔'' ڈاکٹر رخشندہ بولیں۔
''آج آفس سے بھی جلدی اٹھ آیا۔''
''ہوں۔ مصطفیٰ! پتہ نہیں کیا بات ہے، اس لڑکی کا چہرہ میری نظروں سے ہٹ نہیں رہا۔ لگتا ہے، جیسے اس چہرے کو
بھی کہیں دیکھ رکھا ہو، بہت قریب سے۔'' ڈاکٹر رخشندہ پھر سے اس موضوع پر آ گئیں۔
''کم آن۔ تم تو کسی بات کو سوار کر لیتی ہو، اپنے دماغ پر۔ ایشین تھی کیا؟'' انہیں خیال آیا۔
''ہاں۔ اسی لئے تو جیسے کوئی خیال دل میں سُوئی کی طرح چبھ رہا ہے۔'' وہ اُداسی سے بولیں۔
''پھر وہی محرومی کہ کاش تمہاری بھی کوئی بیٹی ہوتی۔'' انہوں نے بیوی کو چھیڑا۔
''حد کرتے ہیں آپ بھی۔ اب بھلا اس عمر میں، میں اس محرومی کے احساس کو پال کر کیا کروں گی؟''
''بھئی، اب ایسی بھی کیا مایوسی؟ آج کل تو یورپ میں ٹرینڈ ہو رہا ہے۔ ساٹھ ساٹھ سال کی بوڑھی عورتیں بچے پیدا
اور تم تو ابھی اس عمر سے بہت دور ہو۔ کہو تو...... '' وہ شرارت سے بولے۔ ''ٹرائی کرنے میں کیا حرج ہے؟''
''شٹ اپ!...... پٹری سے اُترتے آپ کو بھی دیر نہیں لگتی۔ میں دیکھوں، زبیدہ کہاں ہے۔ اسے چائے یا کافی کا
تمتماتا چہرہ لئے وہاں سے اٹھ گئیں۔
اسامہ کمرے میں آ کر مسلسل لائبہ کا سیل نمبر ٹرائی کر رہا تھا۔
'وہ میرا نام دیکھ کر جان بوجھ کر اٹینڈ نہیں کر رہی۔ جب شام میں، میں اس سے ہر تعلق توڑ آیا ہوں تو پھر کیوں فون
کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کرتی اور میں...... میں جیسے ان چند گھنٹوں میں اس کی یاد
خیال سے پاگل ہوا جا رہا ہوں۔ سنبھل اے دل! سنبھل۔' اس نے سیل فون آف کر کے بیڈ پر اچھال دیا اور خود کھڑکی
اُداس موسم کی سفید اُداسی کو نظروں کے رستے اندر اتارنے لگا۔

✲◉......◉✲
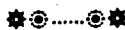
''یس!'' گلاس ڈور ہلکا سا ناک ہونے پر عائشہ بخاری نے آگے پڑے پیپرز سے سر اٹھا کر کہا اور اس کی نظریں ٹھہر
گئے۔ تنزیل مراد اس کے سامنے کھڑا تھا۔
''کین آئی سٹ ہیئر؟'' جب کافی دیر تک عائشہ نے اسے بیٹھنے کو نہ کہا تو وہ خود سے بول پڑا تو جواب میں عائشہ
اُچکا دیئے۔ وہ کرسی تھوڑی سی پیچھے کر کے بیٹھ گیا۔ چند لمحے خاموشی سے سرکے۔

"جی فرمایئے؟ میڈم سے ملنا ہے تو میڈم ابھی آفس نہیں آئیں۔" عائشہ نے رُکھائی سے کہتے ہوئے اپنے آگے پڑے پیپرز سمیٹ لیے۔

"نہیں، مجھے ان سے نہیں ملنا۔" وہ اس کی مخروطی اُنگلیوں والے سفید موی متحرک ہاتھوں پر نظریں جما کر بولا۔

"پھر؟" وہ اس سے جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔

"مجھے آپ سے بات کرنا تھی۔" کہتے ہوئے تنزیل کو احساس ہوا کہ یہ بات شروع کرنا کتنا مشکل اور نازک مرحلہ ہے۔

"جی، میں سن رہی ہوں۔ کہیے!" اس نے بلیک ریڈ روز والی شارٹ شرٹ کے ڈیپ گلے پر اسکارف کو آگے کیا تو تنزیل کی نظریں بے اختیار اس کے کھلے گریبان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے پورے بدن میں خون کی گردش نارمل رفتار سے تیز ہو گئی۔ بالکل غیر ارادی طور پر اس کی نظریں عائشہ کے سراپے میں اُلجھ گئیں۔ شارٹ شرٹ کے نام پر اس نے جو بھی پہن رکھا تھا، اسے فقط چیتھڑا کہا جا سکتا تھا۔ تنزیل کی کنپٹیاں کھولنے لگیں۔ اسے لگا، وہ غلط جگہ پر بات کرنے آ گیا ہے۔

"یہ مجھے کب بتائے گی، جو خود گلے تک اس دلدل میں دھنسی کھڑی ہے۔" اُس کے نیم برہنہ حلیے کو تنزیل نے کراہت آمیز نظروں سے دیکھا۔ کھٹک کی آواز پر وہ اپنی جنونی سوچ سے باہر نکلا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے پیپرز کو سنبھالتے ہوئے بیک ریک کی طرف بڑھی۔ اس کی پینٹ، اس کی ٹانگوں اور جسم کے ہر حصے کے ساتھ گویا چپکی ہوئی تھی۔ شاید اس کی سلائی بننے کے بعد کی گئی تھی۔ پیپرز ایک دراز میں رکھتے ہوئے اس کی شرٹ کولہے کے اوپر کمر سے سرکتی ہوئی اوپر تک چلی گئی۔ چاندنی کا کوندا سا لپکا تھا اور تنزیل کی نظریں پل بھر کو چندھیا کر رہ گئیں۔ اس کا معطر، بھرا بھرا، کھلے کھلے گلاب سا وجود اُس کے بے حد قریب کسی کمان کی طرح جھکا ہوا تھا۔ تنزیل کو لگا، وہ پل بھر کو یونہی اس زاویے پر رہی تو اس کا خود سے اختیار اُٹھ جائے گا۔

"میرے خیال میں آپ کے پاس کافی فالتو ٹائم ہے، یوں بیٹھ کر کسی مراقبے میں کھو جانے کا۔ البتہ میرے پاس آپ کے مسائل کو جانچنے کا ٹائم نہیں۔ سوری!" وہ کسی خوشبودار جھونکے کی طرح پلٹی، اس کے بے حد پاس ہوا کے جھونکے کی طرح رکی اور کبھی ہوئی اس کی کرسی کے پیچھے سے ہو کر گلاس ڈور دھکیلتی باہر چلی گئی۔

وہ میڈم یاقوت کے آفس میں جا چکی تھی اور وہ کسی پتھر کے بُت کی طرح اس کرسی پر بے حس وحرکت بیٹھا تھا۔

اسی وقت جہانگیر ہمدانی اس کے آفس میں جھانکتے ہوئے میڈم یاقوت کے آفس کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا تو وہ جیسے کسی گہرے خواب سے جاگا۔

"میڈم تو ابھی آئی نہیں، عائشہ نے بتایا تو تھا۔ آفس میں اب یہ دونوں ہوں گے آن ڈیوٹی۔ مس عائشہ۔"

اس کے اندر شعلہ سا بھڑکا۔ اس کا دل چاہا، وہ شیشے کے ان دروازوں کو ٹھوکریں مارتا ہوا جائے اور اس واہیات، جھوٹی، بے حیا، بے ایمان لڑکی کا گلا دبا کر اسے ختم کر دے ہمیشہ کے لئے۔ وہ بھڑک کر اٹھا بھی اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے۔

"مگر کس رشتے سے؟ کس ناتے سے؟" کسی نے اس پر طنز کیا تھا اور وہ اپنی آگ میں جلتا ہوا، من من کا بھاری قدم اٹھاتا باہر نکل آیا۔

اسے اب عائشہ بخاری یا کسی سے بھی کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا دل فیصلہ کر چکا تھا۔

✲ .... ✲
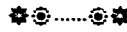
"ہیلو بابا! کیا حال ہیں آپ کے؟"

"فائن بیٹا! آپ سنائیں۔"

"میں ٹھیک ہوں پاپا!......اور ماما کا کیا حال ہے؟"

"وہ بھی ٹھیک ہے۔ تم سناؤ کیسے فون کیا؟ اور تمہارا ایگریمنٹ ہو گیا؟"

"اسی لئے فون کیا ہے پاپا! سب کچھ ہو گیا۔ میں نے پیپرز سائن کر کے جمشید صاحب کے حوالے کر دیئے ہیں۔ اس ہفتے شاید اسٹارٹ ہو جائے۔ اور امین نے گھر کا کام بھی شروع کروا دیا ہے۔ فرش تو سارے نئے بنیں گے۔ اور بھی بہت کام ہے۔ اور یہ افسوس ہو رہا ہے کہ میں اتنے دن فارغ کیوں بیٹھا رہا، یہ کام کیوں نہ کروا ڈالا۔ اب دونوں کام ایک ساتھ شروع ہو جائیں گے تو ذرا مشکل ہوگی۔" وہ جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"سب سے پہلے تو میری طرف سے مبارک باد۔ اور بھئی یہ گھر کا کام تو تم بعد میں بھی کروا سکتے تھے۔ ہم آتے تو ہم کروا لیتے۔ تمہیں کتنی مشکل ہوگی۔ جمشید سے کہہ کر کسی قابلِ اعتماد آرکیٹیکچر کے حوالے کر دو سب کام اور خود اپنے پراجیکٹ کی طرف دھیان دو۔ میں سوچ رہا ہوں، بچے نظروں کے سامنے رہیں تو ماں باپ کے نزدیک بچے ہی رہتے ہیں۔ اور اب تم نظروں سے دُور جا کر اتنے بڑے بڑے کام کر رہے ہو تو مجھے لگ رہا ہے، میں ایک جوان، باصلاحیت بیٹے کا باپ ہوں۔ ویل ڈن مائی سن! مجھے بہت

خوشی ہو رہی ہے۔ بالکل نئی سی۔" وہ جذبات سے مغلوب لہجے میں بولے۔

"تھینک یو پاپا! میں کوشش کروں گا پاپا! آپ کو ایسی خوشیاں دیتا رہوں۔"

"بھئی تواتر سے بھی نہ دینا۔ میرا بوڑھا دل اتنی خوشیاں بھی نہیں سہہ سکے گا۔" وہ ہنسے۔ "اور سناؤ، محمود عالم نے کال کی سے؟"

"یس پاپا! ان کا فون آیا تھا۔ بڑے نپے تلے بلکہ سوچ سوچ کر جیسے معذرت کر رہے تھے اور اپنے گھر ملنے کو انوائٹ کر رہے تھے۔" دائم نے بتایا۔

"اچھا، ویری گڈ۔ کب ہے پارٹی ان کے گھر؟" مصطفیٰ صاحب جیسے خوش ہو کر بولے۔

"آئی تھنک، نیکسٹ ویک۔ لیکن میں شاید نہ جا سکوں۔" اس نے صاف انکار تو نہ کیا۔

"بری بات دائم! دیکھو، انہوں نے تمہیں خود کہا ہے فون کر کے۔ ایک بار اگر کسی سے غلطی ہو جائے، وہ بھی کسی سے تو۔" مصطفیٰ صاحب اسے سمجھانے لگے۔

"پاپا! پلیز۔ میں اس وجہ سے نہیں کہہ رہا۔ اچھا دیکھوں گا، اگر ٹائم .... بلکہ آپ کی خوشی کی خاطر پوری کوشش ایک بات پوچھنا تھی آپ سے۔" وہ اصل مقصد کی طرف آیا، جس کے لئے اس نے فون کیا تھا۔

"ہاں پوچھو۔"

"پاپا! آپ کو یاد ہے، ماما کے کلینک میں ادھر جب آپ لوگ پاکستان میں تھے کوئی عورت کام کرتی تھی، ملازمہ سے۔ آپ کو یاد ہے نا؟" وہ اس دن کی الجھن رفع کرنا چاہ رہا تھا کہ ڈاکٹر رخشندہ نے ایسا کیوں کہا۔

"مائی رحیمہ........" وہ جیسے سوچنے والے انداز میں یاد کرنے لگے۔ "ہاں یاد آیا۔ ایک عورت رخشندہ کے کلینک پر کام کرتی رہی تھی بلکہ اماں مرحومہ کے زمانے میں گھر بھی آیا کرتی تھی، اس کا نام شاید رحیمہ ہی تھا۔ مجھے کچھ کچھ یاد تھی؟" وہ شاید اس کی شکل و صورت کی بابت پوچھ رہے تھے۔

اونچی لمبی سی، چہرے مہرے سے دیہاتی لگتی ہے۔ سانولا رنگ، ماتا خاصا چوڑا ہے۔" دائم نے اس عورت کا سامنے لاتے ہوئے اس کا نقشہ بیان کیا۔

"ہاں، صحیح کہہ رہے ہو تم۔ مجھے یاد ہے، وہ ایسی ہی تھی۔ تمہیں کہاں ملی؟"

"وہ ادھر گھر آئی تھی۔ کہتی تھی، گھر کھلا دیکھا تو آ گئی۔ ویسے وہ شاید کسی گاؤں میں رہتی ہے، آج کل۔ ماما کے رہی تھی۔"

"اچھا، اپنی ماما کو بتانا تھا، ان کے پرانے رشتے دار آنا شروع ہو گئے ہیں۔" وہ مذاقاً بولے۔

"بتایا تھا پاپا!" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے، پھر فون کرنا۔ میں اس وقت بزی ہوں۔" انہوں نے سمجھا شاید بات ختم ہو گئی ہے، فون بند کرنے سے بولے۔

"پاپا! ماما کو میں نے بتایا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ اس نام کی کسی عورت کو وہ کبھی جانتی بھی نہیں تھیں۔ لگیں کہ تم اوٹ پٹانگ لوگوں سے ملنے لگے ہو۔ واپس آ جاؤ، وغیرہ وغیرہ۔" دائم نے جلدی جلدی بتایا تو وہ جیسے چپ

"مگر رخشندہ نے انکار کیوں کیا؟ مجھے یاد ہے، ایسی ایک عورت کافی سال تک اس کے کلینک میں بطور ملازمہ تھی اور رخشندہ سے خاصی قریب بھی تھی۔" وہ جیسے سوچ سوچ کر بول رہے تھے۔

"یہی بات تو وہ عورت کہہ رہی تھی کہ وہ ماما کے خاصا قریب تھی اور یہ کہ دادی جان، پوتا نہ ہونے پر اکثر ماما کو ماما، مائی رحیمہ سے اکثر اپنا دکھ شیئر کیا کرتی تھیں۔

"ہوں........" مصطفیٰ صاحب بولے۔ "ٹھیک کہتی ہے وہ، اماں جان بہت ترس گئی تھیں تمہارے لئے۔ واقعی بہت رنجیدہ ہوتی تھی، اماں کے ایسے طعنوں پر۔ مگر اس نے مائی رحیمہ کو پہچاننے سے انکار کیوں کیا؟" وہ خود ہو سکتا ہے، انہیں یاد ہی نہ ہو یا وہ کسی اور کو سمجھی ہوں۔" انہوں نے بات ختم کرنا چاہی۔

"پاپا! ایسی بات نہیں۔ مجھے ماما کے لہجے سے لگا تھا کہ وہ........ پتہ نہیں کیوں مجھے لگا، وہ جان کر انجان عورت کی آمد کا سن کر جیسے انہیں شاک سا لگا ہو۔" اس نے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"او یار! تمہارے اندر کہیں جیمز بانڈ کی روح تو نہیں حلول کر گئی؟ خواہ مخواہ کا سسپنس پھیلا رہے ہو۔ رخشندہ کیا گا؟ تمہیں وہم ہوا ہو گا۔ یا ہو سکتا ہے اسے واقعی وہ عورت یاد نہ ہو۔ جانے دو اب اس ذکر کو۔ اور سناؤ، اپنی امی

کوئی نیا تازہ تعریف نامہ۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولے۔
"پاپا! آپ بھی اس شاندار خاتون کو دیکھیں گے تو پل بھر کو آپ کی بولتی بھی بند ہو جائے گی۔ ایک سحر ایسا جادو ہے ان کی شخصیت میں کہ مقابل کو پہلی ملاقات میں چاروں شانے چت کر ڈالے۔"
"او کے، ملیں گے تب فیصلہ کریں گے، چاروں شانے چت ہونا ہے یا ہوش و حواس سے جانا ہے۔ عورت نہ ہوئی، کلوروفام کی پڑیا ہو گئی۔ جانے دو اب تم بھی۔ پاکستان آ کر اچھے خاصے گپی ہو گئے ہو۔ او کے، اللہ حافظ اینڈ ٹیک کیئر۔ اور سنو، اسامہ کو فون کر لینا۔ وہ آج کل حضرت اُداس اُلو بنے یک ٹک دیواروں کو گھورتے رہتے ہیں۔ میں سے تم کی تفسیر بنے رہتے ہیں۔ ذرا یاروں کا حال احوال بھی لے لیا کرو، ورنہ اور دو چار دنوں میں اس کلوروفارم کی پڑیا نے تمہیں ہمارے جوگا بھی نہیں چھوڑنا۔ خدا حافظ۔" وہ فون بند کرتے کرتے بھی اسے ٹھیک ٹھاک سنا گئے۔
"لگتا ہے، میں نے پاپا کے سامنے میڈم یاقوت کی تعریف میں کچھ زیادہ ہی قلابے ملا دیئے ہیں۔ وہ چو سے گئے ہیں۔ آئندہ پاپا کا خیال رکھیں گے۔ اور یہ اسامہ بہادر کو کیا ہوا ہے؟ لگتا ہے، لائبہ بی بی نے بالکل ہی چھٹی کرا دی ہے جو وہ اب ہجر و فراق کی تصویر بنے سب کی نظروں میں آ رہے ہیں۔' اس نے مسکراتے ہوئے اسامہ کا نمبر ڈائل کرنا شروع کیا۔

❁◉......◉❁

"مے آئی کم اِن سر؟" جہانگیر ہمدانی کسی فائل کو پڑھنے میں بری طرح سے محو تھا، جب جھنکار کی طرح سریلی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ساری محویت بھک سے اُڑ گئی۔
"ہو، مس۔ آف کورس۔" فائل بند کرتے ہوئے اس نے لہجے اور نظروں میں سارے زمانے کی مٹھاس سموتے ہوئے کہا تو تانیہ پھیلے ہوئے دوپٹے کو اور پھیلاتے ہوئے دھیمی چال سے آگے بڑھی۔
"مس مراد! آپ کے یہ پھیلے ہوئے تنبو نما دوپٹے کو دیکھ کر کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ آپ کسی مدرسے میں درس لینے آ رہی ہیں یا دینے جا رہی ہیں۔" وہ پتہ نہیں، اسے تنبیہ کر رہا تھا یا طنز۔ تانیہ نے گھبرا کر سینے پر پھیلا آسمانی دوپٹہ تھوڑا سا سمیٹ لیا۔
"میری گفتگو میں بار بار ایسے پوائنٹس آتے رہے ہیں کہ آپ سمجھ سکتی ہیں، ہمارا تعلق کس فیلڈ سے ہے۔ دوسرے آپ اس ایج میں ایسے ڈل کلرز پہنتی ہیں، جیسے ستر سال کی بوڑھی عورتیں پہنتی ہیں۔ سفید، ہلکا پیلا، ہلکا گلابی، پھیکا براؤن، پھیکے بے ذائقہ رنگ جنہیں دیکھ کر زندگی سے بیزاری ہونے لگے۔ آپ ینگ ہیں، اسمارٹ ہیں، گڈ لکنگ ہیں، اپنی عمر کے لحاظ سے، عمر کے تقاضوں کے مطابق شباب کے سب رنگ آپ کے لئے ہیں۔ اس عمر میں نہیں پہنیں گی تو کیا بڑھاپے میں پہنیں گی؟ آئی ایم سوری، میں کچھ زیادہ بول گیا۔ اور امید ہے، آپ نے مائنڈ نہیں کیا ہو گا۔" وہ سب کچھ کہہ کر اس کے سرخ پڑتے، شرمسار سے چہرے کو دیکھ کر گویا محظوظ ہوا تھا۔
"سوری سر! مگر مجھے شوخ کلرز پسند نہیں ہیں۔" وہ لرزتی پلکوں کو اٹھاتی گراتی، سیدھی اس کے دل کی دنیا مسمار کرتی چلی گئی۔
"ایک بار میرے کہنے پر شوخ کلرز پہن کر دیکھئے، آپ خود اپنے آپ پر عاشق نہ ہو گئیں تو مجھے جہانگیر ہمدانی کے بجائے جو جی چاہے، کہہ ڈالیے گا۔ سرخ بھڑکتا رنگ ہو یا سیاہ رات کا پُر اسرار لبادہ، جس میں ہزاروں قیامت خیز اسرار چھپے ہوتے ہیں۔ پہن کر دیکھئے تو قیامت کو بھول جائیں گے۔" جہانگیر ہمدانی نے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ایک پیگ لیا تھا، جس کا نشہ جیسے اب چڑھ رہا تھا۔ وہ کئی دنوں سے خود بھی محسوس کر رہا تھا کہ تانیہ مراد کو دیکھ کر کئی دن پہلے کی پی ہوئی، اس کے سر چڑھ کر بولنے لگتی ہے۔ اس کا پورا بدن جیسے اَن دیکھی آگ میں جلنے لگتا ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مگر نئی یوں تھی کہ اب اس کی ضبط کی حدیں ٹوٹنے لگی تھیں۔ جو چیز جتنی زیادہ ناقابلِ حصول لگتی ہے، اس کی طلب اتنی ہی شدت سے بھڑکتی ہے۔
"جی۔" تانیہ کے پیروں کے نیچے کی زمین بھی دھڑکنے لگی تھی۔
"یونہی میں کہہ رہا تھا، آزمائش شرط ہے۔" وہ ٹیبل پر اس کی طرف کو آگے جھکا۔
"آپ نے بلوایا تھا سر مجھے؟" وہ جلدی سے بولی۔ اس کی نگاہوں کی تپش اسے کسی موم کی طرح پگھلا رہی تھی۔
"دو دن کہاں تھیں؟" جہانگیر ہمدانی کو یاد آیا۔
"کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور گھر میں کام تھا۔"
"اوہ، کیا ہوا طبیعت کو؟ کسی ڈاکٹر کو دکھایا؟" وہ بظاہر فکر مندی سے بولا۔
"ایسی خراب نہیں تھی سر! بس یونہی ڈپریشن سا تھا۔" وہ انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولی۔
"کس بات کا ڈپریشن؟" اس نے اپنے مضبوط مردانہ گندمی ہاتھ گلاس ٹاپ کے سینٹر میں اس کے سامنے رکھے۔
تانیہ کا جی چاہا، سچ سچ بتا دے کہ وہ ایک دو روز میں جاب چھوڑنے والی ہے۔

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ ان گداز، باہم جکڑے ہاتھوں پر نظریں جما کر بولی۔
''گھر میں کوئی پرابلم؟........اینی فنانشل پرابلم؟'' وہ اٹھ کر ٹیبل کے کارنر پر کھڑا ہو گیا۔
''نو سر!''
''پھر کہیں میری اس آفر کی ٹینشن تو نہیں تھی؟'' وہ اس کارنر سے چل کر تانیہ کے کارنر پر آ کھڑا ہوا۔ سفاری سوٹ کی خوشبو، تانیہ کے حواس پر چھانے لگی۔
''نو سر! اس کے لئے تو میں نے پہلے ہی ریفوز کر دیا تھا۔'' وہ نیچی نظروں سے اسے اپنے اتنے پاس کھڑا دیکھ کر گھبرائی۔ ادھر آ جائے تو؟'' اس کا دل انوکھے ارتعاش پر دھڑکا تھا اور تنزیل کے خیال نے جیسے اس ارتعاش کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔
''مجھے تمہارا ریفوز بہت بھایا تھا، تانیہ! مجھے ایسی بولڈ، اپنے جی کی بات فٹ سے کہہ دینے والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ جیسی معطر معطر، پاکیزہ، دھلی دھلائی، ان چھوئی کلی جیسی نازک، مہین، سیدھی کسی کے دل میں سما جانے والی، تانیہ!'' وہ ریشمی بالوں بھرے سر کے بالکل قریب ہو کر بے خود سے، گمبھیر لہجے میں بولا۔
''تانیہ! میں تمہیں دیکھتا ہوں تو جیسے اپنے آپ میں نہیں رہتا۔ پتہ نہیں، مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ آج تک اتنی لمبی زندگی گزارا اور ان چند دنوں میں جب سے تمہیں دیکھا ہے، اگلا ایک قدم بھی تنہا اٹھانا کسی قیامت کی طرح لگ رہا ہے۔ ایسے کیوں ہو رہا ہے ڈارلنگ! مجھے بتاؤ۔ میں بہت پریشان ہوں، بہت کنفیوز۔'' اس نے تھوڑا جھک کر تانیہ کی انگلیوں کے لرزتے سرد ہاتھوں پر اپنا بھاری گرم ہاتھ رکھ دیا۔ ''مجھے لگتا ہے، یہ کچھ خاص جذبہ ہے، بہت خاص جو آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ تمہیں بھی ایسا لگتا ہے یا یہ سب یک طرفہ ہے؟'' اس کی مضبوط، حدت بھری گرفت میں تانیہ کے سرد ہاتھ جیسے کسی پناہ میں آ گئے تھے۔ وہ کوشش کے باوجود نہ چہرہ اٹھا پا رہی تھیں نہ پلکیں۔
''مم........میں........''
اسی وقت باہر سے کسی کی باتوں کی آواز آئی۔
کھٹ سے دروازہ کھلا اور میڈم یاقوت، عائشہ بخاری کے ساتھ بولتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔
میڈم یاقوت نے ایک تیز گہری نظر کمرے کے منظر پر ڈالی۔
جہانگیر ہمدانی، بیرونی کھڑکی کی سلائیڈز سرکا رہا تھا اور تانیہ مراد ہراساں نظروں سے آنے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر کا چہرہ بے تاثر تھا۔ مگر میڈم یاقوت کی جہاں دیدہ نظریں اس پس منظر کو دیکھ چکی تھیں، جو ان کی آمد سے پہلے اس کمرے کا منظر تھا۔
''ہائے۔'' وہ اپنی کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے جہانگیر ہمدانی سے بڑے پروفیشنل انداز میں بولیں۔
''ہائے۔'' جہانگیر ہمدانی نے اسی بے تاثر لہجے میں کہا۔
''او کے عائشہ! تم فائنل شیڈول تیار کرو اور رضا سے کہنا، سب اریجمنٹس پرفیکٹ ہونے چاہئیں۔ بلکہ وہ شام میں مجھ سے مل لے اور صائمہ حیات سے بھی۔ باقی کی تفصیل میں نے تمہیں سمجھا دی ہے۔ پہلے پیپر ورک مکمل کرلو، پھر کچھ ڈسکس کرلیں گے۔''
عائشہ بخاری سر ہلاتے ہوئے ان کی بات مکمل ہونے پر آہستگی سے مڑی اور باہر نکل گئی۔ جاتے جاتے ایک تیکھی نظر تانیہ مراد کے سراپے پر بھی ڈالی تھی، جو اب یہاں سے نکلنے کے لئے پر تول رہی تھی۔
''میں اب جاؤں سر؟'' وہ ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تو جہانگیر ہمدانی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ میڈم یاقوت کی نگاہوں سے گھبراتی باہر نکل گئی۔
''تم اور کتنے دن ادھر پڑے رہو گے؟........ادھر کام کا حرج ہو رہا ہے۔ آرڈر تیار ہے اور میرا خیال تھا تم آج نکل جاؤ گے۔ مگر تمہارے تو ایسے ارادے نہیں لگتے۔ میں ہوٹل سے ہو کر آ رہی ہوں۔ تم صبح کے وہاں سے نکلے ہو۔'' وہ کچھ غصے میں بول رہی تھیں، جس پر جہانگیر ہمدانی کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔
''پہلی بات یہ کہ صبح سے میں ادھر نہیں ہوں۔ اور بہت شکریہ کہ آپ کو میری خبر گیری کا بھی خیال آ گیا جو ملنے آ پڑیں۔ اور دوسری بات، پہلے بھی آرڈر تیار ہوتے اور نکلتے رہے ہیں، اب کیا بچوں کی طرح میں ساتھ جاؤں گا، ایئرپورٹ تک؟'' وہ ان سے کہتے ہوئے اس کے دائیں جانب کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔
''پچھلی بار کیسی گڑبڑ ہوئی تھی ایئرپورٹ پر، تمہیں یاد ہے نا۔ اور یہ تم نے ہی مجھ سے کہا تھا کہ اگلا آرڈر میں اپنی نگرانی میں کلیئر کر جاؤں گا، ورنہ مجھے کوئی الہام نہیں ہوا تھا۔ ویسے مجھے خیال نہیں رہا کہ تم واقعی آج کل نہیں جا سکتے۔'' وہ ذو معنی لہجے میں بولیں۔
''کیا مطلب؟ کیوں نہیں جا سکتا؟'' وہ جیسے چونک کر بولا۔

"یہ بالشت بھر کی چھوکری تمہارے قابو میں نہیں آ رہی۔ ڈیڑھ دو ماہ ہونے کو آئے۔ مان لو جہانگیر ہمدانی! تمہاری وجاہت میں اب پہلے سا دم خم نہیں رہا، جب لڑکیاں مکھیوں کی طرح تمہارے اوپر گری پڑتی تھیں۔ اور یہ تمہارا چیلنج ہی تھا کہ میں اس پری صورت کو خود پا لوں گا۔ ورنہ میں یہ کام مہینہ بھر پہلے کر چکی ہوتی۔ اب تمہیں تو شاید کوئی جلدی نہیں، مگر مجھ میں مزید انتظار کا حوصلہ نہیں۔ بس تمام کر دو اس ڈرامے کو۔ ہفتہ مہینہ بھر میں ایگزیبیشن کرواؤ اور آرڈر لے کر چلتے بنو۔ وہاں کام کا اچھا خاصا حرج ہو رہا ہے۔ مجھے بھی اس کے بعد ادھر کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔" وہ اچھے خاصے رُوکھے کاروباری انداز میں بولیں تو جہانگیر ہمدانی کو خاصا برا لگا۔ کچھ دیر کو تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ یاقوت ہی اس سے بات کر رہی ہے یا کوئی اور ہے۔

"یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟" وہ تیکھے لہجے میں بول ہی پڑا۔

"تو اور کس لہجے میں بات کروں؟ اتنے دنوں سے تو اشاروں کنایوں میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم ہو کہ نظر انداز کیے جا رہے ہو اور تمہاری اس جیل وجحت میں یہ مچھلی ہاتھ سے پھسل جائے گی، میں تمہیں بتا رہی ہوں۔" وہ دوٹوک انداز میں بولیں۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میرا تجربہ ان معاملوں میں تم سے زیادہ ہے، اب پھر کیا کہتے ہو؟"

"کس بارے میں؟"

"خواہ اس لڑکی کے بارے میں جہانگیر! میں اس کھیل کو اب تمام کرنا چاہ رہی ہوں۔ اس کی وجہ سے میرے اپنے بھی کام اٹکے پڑے ہیں۔" وہ جلدی سے بولیں۔

"تمہارے اپنے کون سے کام اٹکے پڑے ہیں، ذرا بتانا تو؟"

"یہ بات بتانے کی نہیں ہوتی۔ تم بولو۔" وہ اب نچلے دراز میں سے کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔

"یاقوت! تم اتنی بدل گئی ہو یا میں تمہیں اب اچھا نہیں لگتا؟ یا ہمارے بیچ پہلی سی محبت کی شدت نہیں رہی کہ ہمیں ایک دوسرے کی پروا ہی نہیں رہی۔ تم کتنے کتنے دن میرے پاس آتی نہیں۔" جہانگیر ہمدانی یاس بھرے لہجے میں ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دل گرفتگی سے بولا تو میڈم یاقوت کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"یہ سب تم خود سے پوچھو۔ مجھ سے مت پوچھو۔" وہ بے رخی سے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑا کر بولا۔

"کیا پوچھوں؟ کیا ہو گیا ہے ہم دونوں کے بیچ یاقوت! یہ دل آج بھی صرف تمہارے نام پر دھڑکتا ہے، باقی سب تمہیں بھی معلوم ہے، سب بزنس ہے۔ پھر تم ایسے کیوں کر رہی ہو؟"

"میں کر رہی ہوں؟" وہ درشتی سے بولیں۔

"تو اور کون کر رہا ہے؟ ہم دونوں کے بیچ اور کون ہے؟"

"بے اعتباری۔ سنا تم نے؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولیں۔

"کیسی بے اعتباری؟ محبت پر بے اعتباری؟"

"تم آن جہانگیر! محبت بے چاری کو اور خوار نہ کرو۔ یہ بے اعتباری تم نے خود پیدا کی ہے۔ آبگینے والا معاملہ تم اتنی جلدی بھول گئے، جس سے تم نے نکاح کیا تھا اور میں بے چاری تو بیٹھی صرف مسکین سی محبت لے کر جس کا کوئی مادی وجود بھی نہیں۔" وہ جتانے والے انداز میں بولیں۔

"تم ابھی تک مجھ پر اعتبار نہیں کر سکیں۔" وہ جیسے شاک کے عالم میں بولا۔

"جہانگیر! اعتبار ایک بار کیا جاتا ہے، بار بار نہیں۔ اور اب پلیز، قسمیں وسمیں کھا کر یہ اعتبار، محبت، پیمان، وعدے نہ شروع کر دینا۔ آئی ایم سوری، بٹ آئی ایم ریئلی بزی۔" وہ جیسے عاجز لہجے میں بولیں تو جہانگیر ہمدانی کو غصہ آ گیا۔

"گو ٹو دا ہیل۔ مجھے کیا ضرورت ہے، قسمیں، وعدے کھانے کی؟ جو ہو چکا، میں اس پر پہلے تمہیں یقین دہانی کرا چکا ہوں۔ اگر تمہارا دل نہیں مانا تو نہ سہی کہ آئی ڈونٹ کیئر۔ ٹھیک ہے، مجھے بھی جانا ہے۔ مہینہ بھر کے اندر تم اس لڑکی کو تیار کرو۔ میں ایگزیبیشن کی تیاری کرتا ہوں۔ مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے فضول میں ادھر پڑے رہنے کا۔ میں جو ادھر بھاگا بھاگا آتا ہوں تو صرف تمہاری چاہ، تمہاری محبت میں۔ اگر تمہیں ہی یہ سب کچھ بناوٹ اور ڈرامہ لگتا ہے تو پھر لعنت ہے مجھ پر۔ تم بدل گئی ہو، تمہارے جذبات میرے لئے بدل گئے ہیں، مجھے پروا نہیں۔ مگر میں اور میرے جذبات آج بھی تمہارے لئے ویسے ہی پُرجوش ہیں، جیسے اولین دن سے تھے اور رہیں گے۔ اب آئندہ ہمارے درمیان یہ ٹاپک نہیں آئے گا، سوائے بزنس افیئرز کے۔ میں ہوٹل ہی میں ہوں۔ کسی کام کے سلسلے میں ضرورت پڑے تو فون کر لینا۔ گڈ بائے!" وہ چبا چبا کر کہتے ہوئے بولا، میڈم یاقوت کو کاٹ دار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ایک

جھٹکے سے اٹھا اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

'ہونہہ........ یہ ہوتے ہیں مرد۔ سچ کہو تو آگ لگ جاتی ہے اور خود سارے زمانے کے بہروپیے بنے محبت کا راگ الاپتے رہیں اور فرماتے ہیں۔ باقی سب تو بزنس کا حصہ ہے۔ جیسے میں اندھی اور پاگل ہوں کہ اس بھنورے کو نہ پہچان سکوں۔ مانتی بزنس افیئر کے فرق کو نہ جان سکوں۔ جاؤ جہانگیر ہمدانی! کسی الھڑ مٹیار کو بے وقوف بنانا۔ میڈم یاقوت کے لئے یہ جھگڑے بچوں کے کھلونے ہیں۔ بہت کھیلی ہے وہ ان کھلونوں کے ہاتھوں، اب اور نہیں۔ محبت، جذبات رہیں ایک طرف۔ ہونہہ! مسلسل بڑبڑاتے ہوئے میز پر پڑی چیزیں اِدھر سے اُدھر پٹختی رہیں۔

اسی وقت ان کے سیل فون کی بیپ بج اٹھی۔ انہوں نے شعلہ بار نظروں سے موبائل فون کو دیکھا، ایک گہرا سانس لے کر سانسوں کو متوازن کیا اور اگلے ثانیے فون اٹھالیا۔

''یس اسپیکنگ۔ کون؟........ ہوں........ وہاٹ؟'' وہ اتنی زور سے دھاڑیں کہ دروازے سے اندر داخل ہوتی تزئیل اُچھل ہی پڑی۔

✽⊙......⊙✽
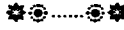
وہ کسی اور ہی کیفیت میں گھری ہوئی تھی۔

اگر میڈم یاقوت نہ آجاتیں تو شاید سر اُسے پرپوز ہی کردیتے بالکل۔ بالکل ایسا ہی تو لگ رہا تھا۔ ایسی کیفیت تھی ان کی اپنی ان کے بارے میں۔ بالکل ویسے جذبات۔ تو وہ بالکل ٹھیک سمجھی تھی۔ یقیناً یہ دل سے دل کو راہ والا معاملہ تھا۔ دل ان کے لئے بے چین ہوا جا رہا تھا اور اس روز تنزیل اور یاسمین سے جھڑپ کے بعد اس کے دل نے بھی انکشاف کیا کہ جہانگیر ہمدانی سے محبت کرنے لگی ہے اور اس انکشاف نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا کہ اپنے اور ان کے بیچ موجود فاصلہ کم نہیں تھا، یہ تو صدیوں اور قرنوں کی خلیج تھی، جو کسی طور پر بھی پاٹنا ممکن نہ تھی اور آج یہ انہونی، یہ معجزہ ہونے کو چلا تھا کہ منہ سے اعتراف محبت........ یہ اعتراف محبت نہیں تو اور کیا تھا؟ وہ اپنے بے بس کردینے والے جذبات کے آگے ہار بتا رہے تھے، اس سے شیئر کر رہے تھے اپنی کیفیت۔ اس سے بڑھ کر اور اظہارِ محبت کیا ہوتا ہے؟........ اب وہ جس طرح آئی تو یُوں تو کہنے سے رہے۔ کیا میں واقعی اتنی خوش بخت ہوں، اتنی نصیبوں والی کہ جس کو چاہا، جس کے بارے میں تقدیر نے خود بخود، بغیر کسی حیل و حجت کے میرا لکھ دیا۔ میرا اپنا مقدر۔ میرے خدا! مجھے یقین نہیں آرہا، ایسا بھی ہوسکتا ہے کیسے ہوسکتا ہے؟........ اور وہ میرے ڈل کلرز پہننے پر کیسے چوے ہوئے تھے، اب کیسے دل سے اپنی تمنا کا اظہار کریں کیسے رنگوں میں اچھی لگتی ہوں۔ تم جس رنگ کا کپڑا پہنو، وہ موسم کا رنگ۔ شاعر بے چارہ تو یہ کہتا ہے اور سر........ نہیں، جانے کیسے کہوں؟ وہ کہتے ہیں، میں شوخ رنگ پہنوں، ان کی پسند کے مطابق ڈھل جاؤں۔ ان کی نیت میں کھوٹ ہوتا تو کیوں کہتے کہ لڑکیاں میرے جیسی ہی اچھی ہوتی ہیں۔ ان چھوئی، پاکیزہ، معطر۔ اور انہوں نے میرے انکار کو بھی بلکہ........ بلکہ اُنہیں تو خوشی ہوئی میرے انکار سے۔ شاید انہوں نے مجھے پرکھنے کے لئے ہی یہ آفر کی۔ شاید میڈم کے نمبر لگتی ہیں۔ یقیناً تنزیل نے ان کے بارے میں کچھ ایسا ویسا سن لیا ہوگا، جو میری اس جاب کے خلاف ہوگیا۔ ورنہ دن ہو گئے ہیں ادھر۔ پھر سر کے ساتھ آنا جانا، تنہائی میں بیٹھنا، پھر دو بار کا لنچ، شاپنگ۔ کبھی انہوں نے کوئی چھچھوری حرکت نہیں کی۔ صرف آج پہلی بار، نہ جانے کیسے میرے ہاتھ تھام لئے انہوں نے۔ اوہ!' اسے پھر سے اپنی ان لمحوں کی یاد آئی تو جیسے تن بدن میں سرور بھری انگڑائی سی بل کھانے لگی۔ دل میں انوکھی سی گدگدی ہونے لگی اور اس پل کا نشہ اس کو سرشار کرنے لگا۔

'اگر کچھ دیر اور میرے ہاتھ ان کے ہاتھوں میں رہتے تو نہ جانے۔' اُس کے پورے بدن میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

''کیوں گئی تھی وہ آفس، جب میں منع کر کے گیا تھا۔'' تنزیل کی دھاڑ نے اسے تصور کی دلفریب دنیا سے حقیقت میں

''بس، تھوڑی دیر کے لئے گئی تھی۔ اب استعفیٰ دینے بھی تو جانا تھا اس نے۔'' یاسمین کی گڑگڑاتی، لجاتی سی آواز اعصاب جیسے تن گئے۔

'نہیں دیتی میں ریزائن۔ کیا کرلیں گے یہ طرم خان؟' وہ کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، ہر قسم کی صورت حال لئے۔ پہلے تو سب قیاس و گمان تھا، اب تو محبت جیسی طاقت اس کی پشت پر تھی۔ پتہ نہیں کیا ہوا تھا، اُسے کسی بھی بات سے کوئی خوف، ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ محبت کے نشے نے اسے چند گھنٹوں میں ہی اتنا بہادر، اتنا توانا بنا ڈالا تھا کہ سامنے تن کر کھڑی ہوسکتی تھی۔

''دے آئیں تم ریزائن؟'' تنزیل شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"نہیں۔" وہ لاپروائی سے انگلیاں سامنے کر کے اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

"کیوں؟" وہ چیخ کر بولا۔

"جب میری مرضی ہوگی، میں ریزائن دوں گی۔ کسی کے حکم پر نہیں۔" وہ ہاتھ نیچے کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے خوفی سے بولی تو تنزیل کا سارا غصہ جیسے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ کچھ یہی حال پیچھے کھڑی یاسمین کا بھی تھا۔

"بیٹا تم تو مجھ سے کہہ کر گئی تھیں کہ تم استعفیٰ دینے جا رہی ہو۔" وہ جلدی سے بیٹی کی مدد کو آگے بڑھیں۔

"امی! آپ نے اس کی بات پر یقین کر لیا؟ یہ ان چند دنوں میں مجھ سے اتنے جھوٹ بول چکی ہے کہ اپنی پوری عمر میں نہیں بولے ہوں گے۔ اور اب آپ سن لیں اور تم بھی۔ تم کسی کے حکم سے استعفیٰ نہیں دو گی بلکہ اپنی مرضی سے دو گی۔ یہ لو ریزیگنیشن لیٹر۔ اس پر اپنی مرضی سے سائن کرو۔" اس نے پینٹ کی جیب سے پرچہ کاغذ اور بال پوائنٹ نکال کر اس کے آگے کیا۔ "میں خود کل تمہارا استعفیٰ تمہارے آفس پہنچا دوں گا۔"

وہ بڑے اطمینان سے اس کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا اور کاغذ کو کرسی کی ہتھی پر جما کر سائن والی جگہ بال پوائنٹ رکھتے ہوئے اشارہ کیا۔

یاسمین اب فکر کرنے والوں کی شکلیں دیکھ رہی تھیں۔ تانیہ اسی طرح ٹانگ پر ٹانگ رکھے بے پروائی سے کبھی کاغذ کو اور کبھی تنزیل کو دیکھ رہی تھی۔

"چلو میرا بیٹا! کر دو سائن۔ دفع کرو، جب تم نے یہ نوکری کرنی نہیں تو کیا ضرورت ہے کھچ کھچ کی؟...... گھر کا ماحول الگ خراب ہے اور دماغ الگ۔ شاباش، میری اچھی سمجھ دار بیٹی۔ بھائی کہہ رہا ہے تو تمہارے بھلے کو کہہ رہا ہے اور سچ پوچھو تو اب تمہارا نوکری کی ایسی کوئی خاص ضرورت ہے بھی نہیں تو کیوں بندہ خود کو خجل خوار کرتا پھرے؟ گھر بیٹھ کر آرام سے میرا ہاتھ بٹاؤ، دادی اماں کی طرح۔ چلو کر دو سائن۔ میں چائے بنا رہی ہوں۔ آ کر، سب کے بیچ بیٹھ کر دونوں بہن بھائی پہلے کی طرح پیو شاباش۔" یاسمین، بچوں کی طرح اسے پچکار رہی تھیں۔

"اگر میں سائن نہ کروں تو؟" اس کا انداز سراسر چیلنج کرنے والا تھا۔ ٹھنڈا پڑتا تنزیل پھر سے بھڑک اٹھا۔

"تو کیا ہوگا، یہ تم بعد میں دیکھنا۔" وہ دھمکانے والے انداز میں بولا۔

"تم مجھے دھمکا رہے ہو؟" وہ بے خوفی سے بولی۔

"نہیں، صرف بتا رہا ہوں۔" تنزیل نے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔

"تو میں نہیں کرتی۔" یہ کہہ کر اس نے کاغذ دو حصوں میں پھاڑ دیا۔

"تانیہ....." تنزیل نے کرسی کو الٹی ٹھوکر مارتے ہوئے اُس کے چہرے پر زور کا ہاتھ جمایا کہ اس تھپڑ کی گونج اور تانیہ کی چیخ پورے گھر میں سنائی دی۔

یاسمین، تنزیل کو سنبھالنے کی کوشش میں ہانپنے لگیں اور وہ پاگلوں کی طرح تانیہ کو دو تین تھپڑ مارتا چلا گیا۔ تانیہ کی چیخیں پورے گھر میں گونج اٹھیں۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے زور زور سے چیخ رہی تھی اور دروازے کے قریب کھڑا تنزیل، یاسمین کی کمزور گرفت سے نکلنے کے لیے زور لگا رہا تھا۔ یاسمین نے بے اختیار اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ دروازے کو ٹھوکریں مارتا باہر نکل آیا۔

احسن، ثریا خاتون اور آغا جان ہانپتے کانپتے اس کی طرف آ رہے تھے کہ انہوں نے تنزیل کو طیش میں باہر جاتے دیکھا اور معاملہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

✲ ◉ ...... ◉ ✲

"بھئی واہ، زبردست۔ اس بار تو ہماری بیٹی نے کمال کر دیا۔ بڑا آؤٹ اسٹینڈنگ رزلٹ رہا ہے ہماری بیٹی کا۔ میں آج یونہی اس کے کالج چلا گیا اور مجھے پتہ نہیں تھا کہ آج ان کا رزلٹ بھی ہے۔ اور مزے کی بات دیکھو، پرنسپل صاحب بتا رہے تھے کہ ان کا ابھی سلیبریٹ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، مگر اتنا شاندار رزلٹ آنے کی وجہ سے اور میرے اچانک چلے جانے پر وہ مجبور ہو گئے۔ سب ٹیچرز اور ان کی کلاس کے تمام ٹیچرز کے سامنے عزہ کو شیلڈ دی جائے۔ یقین کرو، اس پل جو میری حالت تھی، وہ میں ہی جانتا ہوں۔ آئی فیل رئیلی پراؤڈ۔ میں خود بہت اچھا اسٹوڈنٹ رہا ہوں، مگر میری بیٹی نے تو میرے بھی تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ میں تو اپنی زندگی کا بہترین دن کہوں گا کہ میری بیٹی نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا۔" وہ کھانے کے لیے ابھی اسٹڈی سے باہر نکلے تھے، گھر میں تھوڑی دیر پہلے آئے تھے، جیسے ہی عزہ ڈائننگ ٹیبل پر آئی، محمود عالم جیسے اپنے جذبات پر اختیار کھو بیٹھے۔ اٹھ کر اسے گلے سے لگا کر پیار کیا اور پھر بانہوں کے حصار میں لے کر کہتے چلے گئے۔

"شکر ہے، شکر کہ آپ نے زندگی بھر کوئی فخر تو محسوس کیا، اپنے علاوہ کسی اور پہ۔" سارہ اس لمحے بھی طنز کرنے سے نہ چوکیں۔

اگر چہ محمود عالم کی خوشی پر اس لمحے ان کا اپنا دل بھی نہال سا تھا، مگر یہ تو دونوں کے درمیان جیسے طے شدہ معاہدہ تھا کہ ایک
خوشی میں اکٹھے کبھی خوش نہیں ہونا۔

عزہ نے ایک ٹھنڈی، بے تاثر نظر ماں کے سپاٹ چہرے پر ڈالی اور دوسرے لمحے محمود عالم کے بازوؤں کی گرفت
محسوس کرنے کی کوشش کی اور دوسرا لمحہ ان کے لئے مزید حیران کن تھا کہ وہ اس گرمی محبت کو محسوس ہی نہ کر سکی۔ ان کا پیار
بناوٹ اور دکھاوا لگ رہا تھا، جیسا وہ کالج میں محسوس کر رہی تھی، جب سب ٹیچرز کے سامنے زوردار کلیپنگ کے ساتھ پرنسپل
نے اسے شیلڈ دی اور محمود عالم کی شاندار تربیت کو خراج تحسین پیش کیا تو شاید یہ سب اس خراج تحسین کا ردعمل تھا، ورنہ
اس کا اکثر ہی آتا تھا، بلکہ شاید دو ایک بار ہی پر سٹیج اُوپر نیچے ہوئی تھی اور ایسا پیار محمود عالم نے پہلے تو کبھی نہیں جتایا تھا۔

'پاپا! آپ صرف ایک دنیادار انسان ہیں، جو ہر عمل دنیا کو دکھانے اور خوش کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ اس شیلڈ
کی خوشی یا تمغہ کا آپ کو ذاتی طور پر کبھی خیال نہیں آیا۔ آج اس لمحے آپ جتنے خوش ہیں کہ دنیا آپ سے خوش ہے تو پاپا! میں
بہت دکھی ہوں، بہت افسردہ کہ آج سے آپ کی بیٹی بھی آپ کی راہ پر چل پڑی ہے۔ دنیاداری کی راہ پر، دکھاوے کی راہ پر
اور اس راہ سے واپسی مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔' اس نے آہستگی سے خود کو باپ کے حصار سے نکالا اور خاموشی سے بیٹھ
گئی۔ محمود عالم ابھی بھی کچھ کہہ رہے تھے، جسے اس کے کان سن نہیں پائے تھے۔

کچھ یہی حال سارہ عالم کا بھی تھا۔ وہ بھی شوہر کو ان سنی کرتے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ تھیں۔

محمود عالم ان دونوں کو خاموش دیکھ کر چپ کر گئے۔

''بس، تمہارا فائنل سمسٹر ہو جائے تو باہر کسی اچھی یونیورسٹی میں جہاں تم چاہو، ایڈمیشن کرواؤں گا۔ ویسے مجھے خوشی ہوگی
اگر تم لاء پڑھو، میری طرح جسٹس عزہ عالم کہلاؤ۔'' وہ پھر اسی سرخوشی کے عالم میں بولے۔

''اسے تو بخش دیں، مستقبل کی پاگل کہلوانے سے۔'' سارہ منہ میں بڑبڑائی تھیں مگر دونوں نے سن لیا تھا۔ محمود عالم نے
زہر خند نگاہ بیوی پر ڈالی مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔

پھر کھانا خاموشی سے کھایا جانے لگا۔

''سر! مہمان آئے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں بٹھا لوں کہ ادھر ہی لے آؤں؟'' وہ تقریباً کھانا ختم کر چکے تھے، جب ملازم نے
آ کر کہا۔

''تم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ کارڈ نہیں دیا انہوں نے؟'' وہ نیپکن سے ہاتھ اور منہ صاف کرتے ہوئے بولے۔

''اب رات کو بھی چین نہیں کہ آدمی دو گھڑی گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر دو لقمے ہی کھا لے۔'' سارہ عادتاً بڑبڑائی تھیں۔

''جی تو ڈرائنگ روم میں......؟'' ملازم استفسار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مہمان خود ہی اندر چلے آئے، جنہیں دیکھ
کر سی سے اُٹھتے اُٹھتے پھر سے وہیں بیٹھ گئے۔ وہ اُلجھی ہوئی نظروں سے آنے والے کو دیکھ رہے تھے۔

✲✲......✲✲

''کیا بات ہوئی تھی آخر؟'' میڈم یاقوت نے بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا، وہ اس بار
فتح کے کھیل میں کسی نہ کسی محاذ پر شکست کھا جائیں گی۔ اس شکست کا احساس ہی ان کے اعصاب کو نڈھال کر رہا تھا۔ اگر
اس محاذ پر ہوئی تو شاید وہ اپنی کسی بھی کامیابی کا جشن نہ منا سکیں گی۔

''ہمارے سامنے تو کوئی بات نہیں ہوئی، وہ تو کئی دنوں سے ہم سے بات چیت کرنا بھی چھوڑ چکی تھیں اور ہم کیا
بات۔ نوکروں کو مالکوں کی باتوں سے کیا غرض؟ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھنے کا ہمیں حکم ہے، پھر بھی کوشش کرتی رہی
اپنی......'' فاخرہ بولے چلی جا رہی تھی اور میڈم یاقوت کی کنپٹیاں درد سے پھٹ رہی تھیں۔

''اب کیا حال ہے اس کا؟'' وہ انگلیوں سے کنپٹی دباتے ہوئے بولیں۔

''ابھی تو جی ڈاکٹروں نے بائیس گھنٹوں کے لئے خطرے کا بتایا ہے۔ آٹھ گھنٹے گزر چکے، باقی کے لئے اللہ
ہیں، پر جی......'' وہ رک گئی۔

''پر کیا؟'' وہ چونکیں۔

''موقع ایسا نازک ہے اور پتہ نہیں کون سی ایسی دکھ دینے والی بات تھی، جس کی وجہ سے بی بی اپنی جان پر کھیل
وقت تو صرف ماں کی موجودگی ان کے ہر دکھ درد کا علاج ہو سکتی ہے۔ آپ ان کا حال تو دیکھیں آ کر، لائبہ بی بی اس
رہی ہیں۔ پتہ نہیں، اتنی سی عمر میں کیا روگ لگا لیا ہے کہ اپنی جان کی خود ہی دشمن ہو گئی ہیں۔ آپ آ جائیں، میرا دل گھبرا
صرف پیدا نہیں کیا میں نے، ہر گود میں کھلانے سے لے کر اتنا رنگ و روپ، جوانی ان ہی ہاتھوں میں آئی ہے اور اب

پاکر لائے گی تو میڈم یاقوت کو اپنے اندر دور تک سناٹے سے گونجتے محسوس ہوئے۔ لائبہ کی خودکشی کی کوشش نے انہیں شاک پہنچایا تھا بالکل غیر متوقع خبر کے طور پر۔ مگر آنسو۔
آنسو تو ان کی آنکھوں سے ایک نہیں ٹپکا تھا۔ کیا وہ اندر باہر سے پتھر ہو چکی ہیں کہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو موت کی طرف جاتے دیکھ کر وہ ایک حیثیت دایہ، فاخرہ کی طرح ایک اشک بھی نہ بہا سکیں؟
"فاخرہ! تمہیں میری مجبوری کا علم ہے۔" وہ اتنی آہستگی سے بولیں، جیسے خود سے کہہ رہی ہوں۔
"تو انہیں اپنے پاس بلالیں۔" وہ جھٹ سے بولی۔
"فاخرہ!" اب کے وہ دبنگ لہجے میں بولیں۔
"پھر میڈم جی! اس طرح تو وہ گھل گھل کر........" وہ پھر رونے لگی تھی شاید۔
"تو کیا کروں؟ ادھر بھی پھنسی ہوئی ہوں۔ اس ہفتے میں مل بھی نہیں سکتی۔" وہ اپنی پیشانی مسلتے ہوئے بولیں۔
"اس طرح تو وہ اور زندگی سے مایوس ہو جائے گی، جب اتنا بڑا واقعہ ہو جانے پر بھی آپ اس کے پاس نہ آئیں تو........" فاخرہ نے موقع کی نزاکت کا احساس دلایا۔
"اسامہ تو ہے نا اس کے پاس؟" انہیں ایک دم سے خیال آیا۔
"کہاں جی...... شاید ان ہی سے کوئی جھڑپ ہوئی تھی۔ ہم گھر پر نہیں تھے، مہینے کا سودا لینے مارکیٹ گئے تھے۔ واپس آ رہے تھے، جب اسامہ صاحب نیچے جا رہے تھے۔ میں نے انہیں واپس چلنے اور چائے کافی کا پوچھا تو انہوں نے خفا موڈ کے ساتھ کہا کہ لائبہ بی بی کا آرڈر ہے، میں اب کبھی انہیں اپنی شکل نہ دکھاؤں۔ اس لئے وہ اب دوبارہ ادھر نہیں آئیں گے۔ یقیناً کوئی جھگڑا ہوا ہو گا۔ ہسپتال سے گلزار نے دوبارہ انہیں فون کرنے کی کوشش کی مگر رابطہ ہو نہیں سکا۔" فاخرہ کی تفصیل پر میڈم یاقوت اور بھی دل گرفتہ ہو گئیں۔
"تم...... یہی خرابی ہے اس لڑکی میں۔ ہٹ دھرمی، بات کو مانتی ہے نہ سمجھتی ہے۔ ضدی بچوں کی طرح جس بات پر اڑ گئی تو کسی کی نہیں سنے گی۔ اب بھلا اسامہ جیسا........" وہ کہتے کہتے رک گئیں۔
"پھر کہوں گی جی، چھوٹا منہ، بڑی بات۔ زندگی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اور اللہ نے رحم کھا کر ایک موقع دیا ہے ہمیں۔ آگے جو آپ کی مرضی۔" فاخرہ نے دبے دبے لہجے میں انہیں گویا تنبیہ کی۔
"جانتی ہوں۔ بہر حال، تم اب اسے ذرا سی دیر کے لئے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا۔ میں اگلے ہفتے آنے کی کوشش کرتی ہوں، بلکہ ان شاء اللہ ضرور آؤں گی اور اس مسئلے کو حل کر کے ہی جاؤں گی۔ اب روز روز یہ انوکھے بکھیڑے میں نہیں سلجھا سکتی۔ ادھر کم اُلجھنیں ہیں؟ اور تم باتوں باتوں میں اسے اسامہ کے لئے راضی کرنے کی کوشش کرو، باقی میں سمجھا لوں گی آ کر اب اس مسئلے کا یہی حل ہے۔ میں دو چار گھنٹے بعد پھر فون کرتی ہوں اس کی طبیعت پوچھنے کے لئے۔ گلزار موجود ہے نا اس کے پاس؟" انہوں نے فون رکھنے سے پہلے پوچھا۔
"جی ادھر ہی ہے۔ یہ تو میں آپ کا فون سننے باہر آئی تھی۔"
"ٹھیک ہے، اس کا خیال رکھنا۔ اور اس سے کہنا میں آ رہی ہوں۔ ابھی سیٹ نہیں مل رہی۔ کل پرسوں تک آ جاؤں گی۔ خدا حافظ۔" انہوں نے تھکے تھکے انداز میں فون بند کیا تھا۔
"پتہ نہیں یہ لڑکی میرا امتحان بن گئی ہے یا ابھی میری زندگی سے امتحان تمام نہیں ہوئے۔ زمانے بعد ایک خوشی کی کرن چمکی اور پھر کھو گئی۔ اب یہ مانے یا نہ مانے، اس بار میں یہ مسئلہ حل کر کے ہی آؤں گی۔ پھر جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ بہت نرمی کر کے دیکھ لی ہے میں نے اس کے ساتھ۔"
انٹرکام پر عائشہ بخاری کو اپنی اگلے ہفتے لندن روانگی کے لئے بکنگ کروانے کا کہنے لگیں۔

✲ ◉ ...... ◉ ✲

"آغا جان......!" محمود عالم کے لب خفیف سے کانپے تھے مگر آواز نہیں نکلی تھی۔ کچھ ایسی ہی کیفیت سارہ کی بھی تھی۔ اور عزہ دونوں کی کیفیات سے انجان، نانی کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"نانو جان! السلام علیکم۔ آج کیسے راستہ بھول کر آ گئیں آپ؟" وہ نانی کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بڑے جوش سے بولی۔
"ہاں بیٹا، میں راستہ بھول کر آ گئی۔ تم اور تمہارے ماں باپ کبھی یاد کر کے بھی نہ آئے، خود ہی مہینوں بعد ممتا کی تپ سے مجبور بے شرموں کی طرح ملنے چلی آتی ہوں۔" وہ عزہ کے ماتھے پر بوسہ دے کر اسے ایک طرف کرتے ہوئے سارہ اور محمود کی طرف شکوہ کناں نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''آغا جان!........اماں! یہ آغا جان ہیں؟'' سارہ کی فہمائشی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے دبے دبے کرسی سے اٹھیں۔

''دیکھا آغا! میرے بچوں کا حافظہ تم سے اچھا نکلا۔ بے چاروں نے کبھی سالوں پہلے اس بے وفا چچا کو دیکھا تھا'' ثریا بانو نے فخریہ نظروں سے سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے آغا جان سے کہا تو وہ ذرا سا مسکرا کر سارہ کے سر پر پیار دیا۔

''میں کب کہتا ہوں، میں اچھا ہوں؟ تم سب اور یہ بچے کم از کم مجھ سے زیادہ محبت کرنے والے نکلے ہیں کہ پہچان بھی لیا۔'' ان کی مسکراہٹ پھیکی سی تھی، وہ ساکت بیٹھے محمود عالم کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''عالی! ملو گے نہیں اپنے اس بے وفا ماموں سے؟'' وہ قدرے بے قراری سے خود ہی آگے بڑھتے ہوئے بولے محمود عالم نے اچٹتی سی نظر ان پر ڈالی اور جیسے مجبوراً آہستگی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''سلام ماموں جان!'' لہجے سے بے دلی صاف ہویدا تھی۔ آغا جان کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔ محمود عالم ان کے سینے سے تو لگ گئے مگر دونوں کے سینوں کے بیچ صدیاں آ کر تن گئیں۔

آغا جان ان کے کندھے پر تھپکیاں دے رہے تھے۔ مگر وحشت و سراسیمگی نے ان کے گرد حصار سا کھینچ دیا۔ پیچھے ہٹ گئے تھے۔ آغا جان نے ان کی بے گانگی کو صاف محسوس کر لیا۔

''اور مامی جان! آپ کیسی ہیں؟ آئیے، کھانا کھاتے ہیں۔'' وہ بے حد رسمی لہجے میں، اپنے خول میں سمٹتے ہوئے بولے
''نہیں بیٹا! کھانا تو ہم کھا کر آئے ہیں۔ اور یہ تنزیل کدھر رہ گیا؟'' ثریا بانو نے بڑبڑاتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ اسی مراد نے اندر داخل ہوتے ہوئے سب کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ بڑے دنوں بعد آئے۔ کبھی پھپھو سے ملنے کا خیال نہیں آیا؟ کیسی جاب رہی ہے تمہاری؟'' خوش اخلاقی کے مظاہرے نے جہاں تنزیل کو حیران کم، پریشان زیادہ کر دیا، وہیں ایسی کیفیت عزہ اور باقی لوگوں کی بھی تھی کے چہرے کی سختی میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

''کب آئے آغا جان! آپ پاکستان؟'' وہ اب جلد از جلد یہاں سے چلے جانا چاہتے تھے، اس لیے رسمی کارروائی والے انداز میں بولے، جواب پیچھے پڑے صوفے پر تنزیل کے ساتھ ہی بیٹھ چکے تھے۔

''دو ہی ہفتے ہوئے۔'' وہ نظریں اٹھا کر محمود عالم کے چہرے کے پتھریلے تاثرات کو دیکھنے لگے۔

''دو ہفتے۔ اور آپ آج ہم سے ملنے آئے؟'' سارہ حیرت زدہ افسوس سے بولیں۔

''طبیعت اچھی نہیں تھی ان کی۔ آج بھی بس ڈرتے ڈرتے گھر سے لے کر نکلی ہوں۔ دیکھو تو حال کیا بنا رکھا ہے، جیسے صدیوں کا کوئی بیمار۔'' ثریا بانو ہمدردانہ انداز میں دیور کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''یہ بیٹی ہے تمہاری سارہ؟'' آغا جان نے لاؤنج کے پلر سے ٹیک لگا کر کھڑی عزہ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''جی، عزہ نام ہے اس کا۔ اور عزہ! یہ تمہارے نانا جان ہی ہیں۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر سلام کرنے کا اشارہ کیا تو وہ پاس آ گئی۔

''اور احسن بھائی کیسے تھے؟'' سارہ آج سب کو حیران کر رہی تھیں۔

''اللہ کا شکر ہے، بالکل ٹھیک۔ پہلے سے بہت بہتر۔ اب تو گھر سے باہر بھی تھوڑا بہت چکر لگا لیتا ہے۔'' ثریا بانو پر نہال ہوتے ہوئے بولیں۔

''تو انہیں بھی ساتھ لے آنا تھا۔'' سارہ نے مسکرا کر تنزیل کو دیکھا تو وہ بھی جواباً مسکرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں وہی سرد سی تحقیر تھی، جو تنزیل کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ ان کی نظروں میں ہوتی۔ نے بے ساختہ نظریں جھکا لیں۔

''چائے، کافی، کولڈ ڈرنک یا کھانا، کیا لیں گے آپ آغا جان؟'' سارہ ان کے قریب ہی آ کر بیٹھ گئی۔
''کچھ بھی نہیں۔ اس وقت اگر کچھ کھا لیا تو رات بھر بے آرام رہوں گا۔ صبح آنا تھا تم سے ملنے، پھر سوچا صبح شاید... اس لیے۔'' وہ محمود عالم کی طرف شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے تو محمود عالم اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ایکسکیوز می، مجھے ایک بے حد ضروری فائل اسٹڈی کرنی ہے۔ آپ ابھی ادھر ہی ہیں نا۔ پھر تفصیل سے باتیں ہوں گی اور کچھ نہیں تو چائے لے لیں۔ سارہ! ملازمہ سے کہو۔'' وہ کہتے ہوئے ان کے حیران چہروں سے نظریں چراتے ہوئے سے چلتے کمرے سے باہر نکل گئے۔

آغا جان کے چہرے پر ایک تاریک سایہ سا لہرا گیا۔ کچھ ایسا ہی حال ثریا بانو اور سارہ کا بھی تھا، جبکہ تنزیل...

رنگ اُڑاتے ہوئے شرمندگی کے اس احساس کو زائل کرنے کی کوشش کرنے لگا، جو ہمیشہ یہاں آ کر اس کا مقدر بنتی تھی اور عزہ، محمود عالم کے اس رویے پر حیران ہی نہیں، شاکڈ تھی۔

لکھے پڑھے لکھے، مہذب، کھرڈ انسان کا سالوں بعد گھر آنے والے مہمان سے ایسا سلوک جیسے وہ روز راہ چلتے ادھر آ نکلتے ہوں۔ اُس نے چور نظروں سے آغا جان کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر تکلیف دہ شرمندگی کے تاثرات صاف پڑھے جا سکتے تھے۔ پانچ نفوس کے کمرے میں موجود ہونے کے باوجود وہاں ایک جامد خاموشی تھی، جیسے کمرے میں کوئی موجود ہی نہ ہو۔

سارہ کو پہلی بار محمود عالم پر شدید غصہ نہیں آیا تھا بلکہ اپنے خول میں بند اس خود پرست انسان سے شدید گھن آئی تھی۔

'آغا جان کی آمد سے ان کی کسی دُکھتی ہوئی رگ میں درد جاگا تھا تو کم از کم میری ماں کا تو خیال کر لیتے جو اس بڑھاپے میں صرف ہماری محبت کے خیال سے سالوں بعد آتی ہیں۔ خود تو انہیں کہیں جانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور تنزیل۔' سارہ نے جھکی جھکی نگاہوں سے پہلے ثریا بانو اور پھر لب بھینچے، کی رنگ گھماتے تنزیل کی طرف دیکھا۔

'ماشاءاللہ، کیا خوبرو جوان نکلا ہے تنزیل۔ اور اب برسر روزگار بھی ہے۔ اور نہ بھی ہوتا تو۔' اُن کی دوسری بھٹکتی ہوئی نگاہ تنزیل کے ساتھ صوفے پر بیٹھی عزہ پر پڑی تھی۔

ایک الوکھی سی لہران کے دل میں اچانک اُبھری۔ خیال کا کیسا کوندا تھا، جس نے تھوڑی دیر پہلے کی ساری کلفت کو ان کے دل و دماغ سے نکال کر باہر پھینک دیا۔

"کیا عالی ناراض ہے کسی سے؟" آغا جان ابھی بھی اس شرمساری کے حصار میں تھے، اس جامد خاموشی کو توڑتے ہوئے بولے۔

"نن...... نہیں تو۔ بس مزاج ہی ایسا ہو گیا ہے اس کا۔ ذرا نہیں گھلتا ملتا کسی سے، نہ ہی پاس بیٹھتا ہے، نہ کوئی بات کرتا ہے دل کی۔ اُکھڑا اُکھڑا، ناراض سا رہتا ہے۔" ثریا بانو بہت آہستہ آہستہ کہہ رہی تھیں۔

"اماں! عادت ہوتی ہے کچھ لوگوں کی اس طرح کے رویے اختیار کر کے توجہ حاصل کرنا۔ تنزیل بیٹا! تم تو کھانا کھاؤ گے نا۔ میں گرم کھانا لگواتی ہوں۔" وہ محمود عالم کے موضوع کو لپیٹتے ہوئے ایک جوش کی کیفیت میں اُٹھیں اور بڑے میٹھے لہجے میں تنزیل سے پوچھنے لگیں۔ وہ ان کے التفات پر کچھ بوکھلا سا گیا۔

"نہیں پھپھو! میں کھا کر آیا ہوں۔ تھینک یو۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اچھا بیٹھو، تم عزہ سے باتیں کرو۔ میں چائے کا کہہ کر آتی ہوں۔ اماں! آپ اور آغا جان کو میں اب جانے نہیں دوں گی۔ رات آپ ادھر ہی رہیں گے۔" سارہ پیار بھری دھونس سے کہتی باہر نکلیں تو ثریا بانو اور تنزیل جیسے بے ہوش ہوتے ہوتے بچے۔ انہیں پہلی بار اس گھر میں ایسا پروٹوکول مل رہا تھا۔

'پتہ نہیں، آغا جان کے طفیل یا...... مگر سارہ تو آغا جان سے......' ثریا بانو اُلجھ سی گئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی کا رویہ اُلجھا دینے والا ہی تو تھا۔

❋◉......◉❋
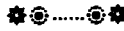
اسامہ، ڈاکٹر رخشندہ کو ڈراپ کر کے واپس مڑ رہا تھا، جب اس کی نظر ہسپتال کے گیٹ سے نکلتے گلزار پر پڑی۔ اس نے چونکتے ہوئے بے اختیار گاڑی بیک کی اور جب گلزار نے اسے یہاں اپنی موجودگی کی وجہ بتائی تو چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہ سکا۔

"تم مجھے اطلاع تو کر سکتے تھے۔" وہ ترشی سے بولا۔

"ہمیں تو خود اپنا ہوش نہیں تھا جی، اپنا مال ہو تو چاہے غرق بھی ہو جائے تو بندہ کسی کے سامنے ہولا نہیں پڑتا۔ پرائی امانت پر زوال آتا نظر آ رہا ہو تو جان پر بن جاتی ہے۔ اگر بے بی کو خدانخواستہ کچھ ہو جاتا، ہم تو جیتے جی زمین میں گڑوا دیے جاتے۔ اور بے بی کی ماں...... میڈم جی کو پتہ ہے، ان کے جلال کا۔ ہمارے اوپر کتے چھڑا دیتی یا جو بھی کر گزرتی...... پر ایمان داری کی بات ہے، جس رب کو جان دینی ہے اصل ڈر تو اس کا تھا۔ باقی تو سب بعد کی باتیں ہیں۔ اللہ نے کرم کیا، ربّ سوہنے نے ہم نمانوں کی لاج (لاج) رکھ لی۔" وہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے عاجزی سے بولا تو اسامہ کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ آہستگی سے گلاس ڈور دھکیلتا اندر داخل ہوا تھا۔ لائبہ جاگ رہی تھی، اس کا منہ دوسری طرف تھا۔ وہ دھیرے سے جا کر اس کے بیڈ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ گلزار شاید دوائیں لینے جا رہا تھا۔ اسامہ کو کمرے کے پاس چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ چند گھنٹوں میں زندگی سے موت کی جانب سفر کی کوشش نے ہی اس کے چہرے سے حُسن و جوانی کی ساری رعنائیاں نچوڑ لی تھیں۔ سفید، پھیکی رنگت جس میں ہلدی گھلی ہوئی تھی۔ ستواں ناک کے نیچے تراشیدہ لبوں کی لالی سرمئی سیاہیوں میں کہیں ختم ہو گئی تھی۔ اس کی کلائی کی نیلی رگ میں

ڈرپ کی سُوئی اندر گھبی ہوئی تھی اور سوکھا سڑا ہاتھ کسی ستر برس کی بڑھیا کا لگ رہا تھا۔

کمرے کی فضا میں رچی دواؤں کی ناگوار سی بُو اس کے وجود سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے......جیسے سردخانے میں پڑی کوئی بے جان لاش۔ ٹھنڈی یخ، بے حس و حرکت......وہ پلک تک نہیں جھپک رہی تھی۔ اور اس آخری خیال نے اسامہ کی ریڑھ کی ہڈی میں برقی رو سی دوڑا دی تھی۔

"یہ کیا حرکت کی تم نے؟" اس نے بے چین سا ہو کر پوچھا۔

وہ بدستور کسی بے جان لاشے کی طرح بے حس پڑی رہی۔

"کیا اس طرح کرنے سے تمہیں وہ سب کچھ مل جائے گا، جس کے لئے تم اپنی جان سی قیمتی شے کو داؤ پر لگا رہی ہو؟"

اس نے اب بھی کوئی ردِعمل ظاہر نہ کیا۔

"کیا تم مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہو کہ میری طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتیں؟ میں جانتا ہوں، تم اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو۔ دیکھو......میری طرف دیکھو......اگر اپنی مجبوری کو مجسم دیکھنا چاہتی ہو تو مجھ مجبور کی طرف دیکھو۔ میں اپنے دل کے ہاتھوں کتنا مجبور ہوں کہ تمہارے ہزار بار ٹھکرانے اور دھتکارنے کے باوجود پھر تمہارے بارے میں سن کر دیوانہ وار چلا آیا۔ اور کل جو میں تم سے کہہ کر گیا تھا کہ اب تمہیں اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا تو وہ جھوٹ تھا۔ میں تمہیں اپنی شکل دکھاؤں یا نہ دکھاؤں، مگر تمہاری صورت دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اس میں بھی جھوٹ نہیں۔ یہ میں تم سے نہیں، خود سے کہہ رہا ہوں......اگر تمہیں کچھ ہو جاتا......تو شاید میں اس سے بھی زیادہ بزدلی کا مظاہرہ کر جاتا۔ اب سمجھ آ رہی ہے مجھے تمہاری مجبوری......لائبہ! پلیز میری طرف دیکھو۔" وہ اپنی ہتھیلی میں اس کی بے جان، سوکھی انگلیوں کو آہستگی سے ہلاتے ہوئے بولا تو لائبہ نے سر ہولے سے اس کی طرف گھمایا۔

اس کی سرمئی آنکھوں میں شفاف پانی ہلکورے لے رہا تھا۔ اسامہ سے نظریں ملتے ہی وہ پانی بے اختیار بہہ نکلا۔

"اس طرح تم کیا حاصل کر لوگی؟ بتاؤ مجھے۔" اس پل اسامہ کو اس پر بے تحاشا ترس آیا، جیسے کوئی ننھی بچی بھرے میلے میں اپنے ماں باپ سے بچھڑ گئی ہو اور کسی آشنا کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دامن کھینچتے ہوئے آنسوؤں سے رونے لگی ہو۔

"مجھے اب کچھ حاصل نہیں کرنا۔" وہ بہتے آنسوؤں کے درمیان بولی۔

"تو پھر یہ سب کیا ہے؟"

"زندگی خواہش سے عبارت ہے۔ اس جان کا ظہور ہی تمنا کے بدن سے ہوا ہے، جب انسان کے اندر سے خواہش ہی ختم ہو جائے، اس کے جینے کا کوئی مقصد نہیں رہتا۔ جب مجھے کچھ پانا ہی نہیں، حاصل ہی نہیں کرنا تو پھر زندہ رہ کر کیا کروں گی؟ اور کس کے لئے؟" وہ دوسرے ہاتھ سے آنسو گالوں سے رگڑتے ہوئے بولی۔

"تم اتنی خود غرض ہو کہ اپنی خواہشوں کو ہی مقصدِ حیات بنا رکھا ہے تم نے۔ وہ نہ ملیں تو جان سے گزر جاؤ۔" وہ اسے سرزنش کرنے والے انداز میں بولا۔

"تم جو کہو، میں برا نہیں مانوں گی۔ مگر میرا یہ ذاتی فیصلہ ہے کہ میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔" وہ قطعیت سے بولی گویا وہ زندہ نہ رہنے کا فیصلہ کر چکی ہو۔

"میں دائم کو فون......" وہ چند لمحوں کے سکوت کے بعد بولا۔

"نہیں، تم کوئی فون نہیں کرو گے۔ مجھے بھیک میں کچھ بھی نہیں چاہئے۔ اور تمہارے خیال میں ترس کھا کر کی محبت کتنے دن ساتھ دے گی؟ اور سچ پوچھو......" اس کا سانس ناہموار ہونے لگا تھا۔ "تمہارے دائم صاحب ایسی بھیک دینے کے یوں بھی قائل نہیں۔" وہ حد درجہ مایوس تھی۔ اسامہ کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اسے کس طرح تسلی دے۔ اسی وقت ڈاکٹر رخشندہ ایک نرس کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ اسامہ کو بیٹھے دیکھ کر وہ ایک پل کو ٹھٹک کر رہ گئیں۔

"تم یہاں......" انہوں نے اُلجھی ہوئی نظروں سے اسامہ اور لائبہ کو دیکھا۔

"یہ میری دوست ہے لائبہ! بلکہ میری اور دائم کی مشترکہ دوست، کلاس فیلو۔" وہ بے ربط سے انداز میں اٹھتے ہوئے تعارف کروانے لگا تو ڈاکٹر رخشندہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی۔

"اوہ، تب ہی میں کہوں یہ چہرہ کچھ شناسا سا لگتا ہے۔ ایک بار دائم کے ساتھ گئی تھی تو اس نے ڈیپارٹمنٹ میں لائبہ کا تعارف کرایا تھا۔ اور کل رات سے میں مسلسل سوچتی رہی کہ مجھے یہ چہرہ دیکھا ہوا سا کیوں لگ رہا ہے۔" وہ اب اس کی فائل پڑھتے ہوئے کہہ رہی تھیں، چہرے پہ وہی شفیق سی مسکراہٹ تھی۔

"گڈ ریکوری ہو رہی ہے۔" انہوں نے فائل بند کی۔ "مگر تم نے پوچھا اپنی دوست سے کہ اس نے یہ بزدلانہ حرکت کیوں کی ہے؟" وہ اب اس کی ڈرپ کی ریڈنگ دیکھ رہی تھیں۔

"ڈی پوچھ رہا ہوں۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔

"جب خدا کسی جسم میں روح زندگی کو داخل ہونے کا حکم دیتا ہے تو پھر یہ زندگی، خدا کی امانت ہو جاتی ہے، جس کی ہمیں اس کے آخری دم تک حفاظت کرنا ہوتی ہے۔ اور جو اس امانت میں خیانت کرے، وہ خدا کی نظر میں بھی معتوب ٹھہرتا ہے اور سوسائٹی کی نظر میں بھی۔ ناٹ اے فیئر پرسن، جھوٹا اور خائن شخص کسی کو اچھا لگے گا بھلا؟" وہ اس کی آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر باری باری چیک کرتے ہوئے پروفیشنل انداز میں بول رہی تھیں۔

"مجھے کسی کو اچھا لگنا بھی نہیں۔" لائبہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے خفگی سے بولی۔

"اور جس کے لئے اتنا بڑھ قدم اٹھایا، اس کو بھی نہیں؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اچانک بولیں تو لائبہ اور اسامہ نے کچھ پریشانی سے انہیں دیکھا۔ کیا وہ ان دونوں کی گفتگو سن چکی تھیں؟ "آخر کسی کے لئے تو اتنا بڑا قدم اٹھایا ہو گا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے۔" دوسرے پل مسکراتے ہوئے انہوں نے ان دونوں کے خیال کی گویا تردید کی۔

"اس وقت میں بزی ہوں۔ جیسے ہی فارغ ہوتی ہوں، پھر تمہارے پاس آ کر بیٹھوں گی۔ اسامہ! تم چل رہے ہو یا بیٹھو گے؟" وہ کہتے ہوئے اسامہ کی طرف مڑیں۔

"نہیں، نہیں......بس نکل رہا ہوں۔ او کے لائبہ! شام کو آؤں گا۔ ٹیک کیئر۔" وہ کہتے ہوئے ڈاکٹر رخشندہ کے پیچھے ہی باہر نکل آیا۔

'تو یہ لڑکی، دائم سے محبت کرتی ہے۔ دائم نے تو کبھی مجھ سے ذکر نہیں کیا۔' اسامہ ان کو خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل گیا اور وہ اس کی پشت کو گھورتے ہوئے سوچنے لگیں۔

'اور اسامہ......اسامہ کے چہرے کا ملال......اور کل سے اس کی کھوئی کھوئی کیفیت......تو کیا یہ لائبہ سے محبت کرتا ہے؟......یہ کیسی تکون ہے میرے خدا!' وہ اُلجھ سی گئیں۔

'یہ محض محبت کا سلسلہ نہیں، اِک جنون اور دیوانگی کا سفر ہے، جس کا آغاز لائبہ کی خودکشی کی کوشش سے ہو چکا ہے۔' انہیں ایک اضطراب نے گھیر لیا۔ 'ایک زندگی، ایک جان کا معاملہ......اس لڑکی کی نظروں کو میں پڑھ سکتی ہوں، اسے زندگی سے اب لینا دینا نہیں۔ گویا اسے دوبارہ ملنے والی زندگی سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ اس کے باوجود کہ مجھے پتہ چل گیا ہے، یہ دائم کی کلاس فیلو ہے۔' اس کے باوجود وہ سوئی ان کے دل میں گڑی تھی۔ 'اس چہرے کو دائم کے ڈیپارٹمنٹ کے علاوہ کہاں دیکھا ہے؟' وہ اردگرد سے بے خبر اس بات کو بے چینی سے سوچے جا رہی تھیں۔

✿◉......◉✿
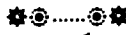
تجھ کو ڈھونڈے ہے گزرتا ہوا پل پل جاناں
دیکھ ہم کب سے کھڑے ہیں سرِ مقتل جاناں
اب بھی سانسوں میں مہکتا ہے وہ آنچل جاناں
اب بھی تصور میں ایک چہرہ بلاتا ہے مجھے
اب بھی آئینے میں اِک عکس ہے اوجھل جاناں
اب بھی آنکھوں میں کسی خواب کا سناٹا ہے
اب بھی ہے سطح پر گہرائی کی ہلچل جاناں
ڈوبتا جاتا ہے بے وصل چراغوں کا دھواں
پھیلتا جاتا ہے اِک ہجر مسلسل جاناں

اور......

چھوڑ جاتا ہے حادثات کے ناگ
وقت کتنا بڑا سپیرا ہے

انہوں نے ڈائری زور سے ٹیبل پر پٹخ دی۔

ایک اور قاتل رتجگا ہے منتظر میرا۔

میں بھول جانا چاہتا ہوں اور یادوں کو آوازیں دے کر بلاتا رہتا ہوں۔ یہ تنہائی......یہ تنہائی بھی کب رازداں ہے میری۔ یہ تو دروبام کی آوازیں، ساری بھولی بسری صدائیں کسی تبرک کی طرح سینے سے لگائے میرے حوالے کرنے چلی آتی ہے۔

اس ظالم، بے درد تنہائی سے اچھی تو محفل ہے۔

اور محفل.......آج محفل بھی ان ہی سنگدل چہروں سے سج گئی جنہیں میں تنہائی میں بھی نہیں سوچنا چاہتا۔
'اور آج تک ایسا کب ہوا ہے کہ جو چاہا، سو ہو گیا۔' انہوں نے ہاتھوں پر سر گرا دیا۔
'کیا بچا ہے اب اس بجھی ہوئی راکھ کی چنگاریوں میں بھی، جو کریدنے یہ چلے آئے ہیں۔ آخر یہ سنگدل یادیں مر کیوں نہیں جاتیں؟
کیوں نہیں دیتیں؟ لوگ کہتے ہیں، محبت ایک جزا ہے۔ ایک انعام، چنیدہ لوگوں کے لئے ایک خوب صورت تحفہ خداوندی، اس
سی زندگی میں ملنے والی ایک پُرکشش، سنہری ڈیل، زبردست پیکج کے ساتھ کہ زندگی کی ہر ہر مشکل اس پیکج کے کمال سے حل ہو
جائے، جنہیں محبت مل گئی، انہیں زندگی کی ہر خوشی مل گئی۔
'اور ظالم لوگو! اگر میرے بس میں ہوتا تو میں شہر کے چوراہے میں کھڑے ہو کر، چیخ چیخ کر اعلان کرتا، اس محبت کے زہر
بچو، اس کے زہریلے ڈنک سے خود کو بچاؤ.......ارے بے وقوفو! یہ سنہری ڈیل، خوب صورت پیکج کے بھیس میں بہت جان لیوا
دینے والے عذاب لے کر آتی ہے۔ ہجر مسلسل، بے وصل راتوں کے کانٹوں بھرے بچھونے سے، بچو، محبت جیسے ظالم ناگ، سنہری
سے بچو، دھوکا نہ کھاؤ۔ یہ عمر بھر کو تمہارے بدن کی رگ رگ میں بے سکونی، درد اور بے چینی کے زہر سرایت کر جائے گی۔ فریب نہ
کھاؤ، اس ظالم کے فریب سے بچو اور اس کی سزا تو تاعمر ہوتی ہے۔
جب روح بدن سے کھینچ لی جائے، جب ہر بے یقینی، یقین کے فیز میں داخل ہو جائے، جب اسرار سے پردہ اٹھ جائے، جب
موت کا بھید بھرا اندھیرا روشن ہو گا، تب.......تب.......شاید اس ظالم زہر کے درد سے نجات مل جائے۔ پر مجھے تو لگتا ہے، یہ زہر
میرے بدن میں نہیں، میری روح میں بھی سرایت کر چکا ہے۔ یقین کی حد میں داخل ہو کر اگر ایک نئے برزخ میں آنا پڑ گیا تو؟
میں نے سو جنموں کی سزا بھوگ لی ہے۔ رحم.......اے ظالم محبت! رحم۔'
وہ اپنے بال مٹھیوں میں لئے، کسی وحشت زدہ پاگل شخص کی طرح متوحش آنکھوں کے ساتھ دیوانہ وار کمرے میں گردش کر رہے
تھے۔ ان کے اندر کی ساری وحشتیں برہنہ ہو گئی تھیں۔ آج وہ ایک بار پھر ایسی بے بسی محسوس کر رہے تھے، جیسی سال میں ایک بار ان
پر طاری ہوتی تھی کہ چپکے سے اس جان گزر جائیں اور دیکھیں، بدن کا زہر روح میں بھی چھید کر چکا ہے۔
'اگر جو آج کی شب نہ گزری تو یہ جاں گزر جائے گی۔' انہوں نے خود سے سرگوشی کی تھی۔
دروازے کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ جیسے ان پر کسی نے یخ پانی کی بالٹی الٹ دی۔ دروازے پر کسی نے
دستک دی تھی۔
''یس!'' اس نیم وحشت زدہ، نیم دیوانے انسان کو محمود عالم کے لبادے میں آنے میں چند سیکنڈ لگے۔
''آپ ابھی تک سوئے نہیں.......؟'' سارہ ان کے سامنے شب خوابی کے لباس میں ایک فکرمند بیوی کا سا انداز لئے کھڑی
تھی۔
''نہیں.......'' وہ کوئی بہت کڑوا کسیلا، پھاڑ کھانے والا جواب دینا چاہتے تھے مگر نہ جانے کیسے لب بھینچ کر رہ گئے۔
''کچھ ضروری کام کر رہے تھے آپ؟'' اس نے ان کی رائٹنگ ٹیبل پر ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالی۔ سب کتابیں اور فائلیں ترتیب
اور سلیقے سے ایک طرف اوپر نیچے پڑی تھیں۔ صرف وہ سیاہ ڈائری ٹیبل پر الٹی پڑی تھی۔
''یس!'' وہ انتہائی خشک لہجے میں بولے۔
''آغا جان اتنے برسوں بعد آئے اور آپ اس طرح ان کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے۔ بیٹھے بھی نہیں۔'' سارہ کے لہجے میں
کچھ نہیں تھا، مگر اس کے الفاظ.......انہوں نے بے اختیار اس پر ایک جلتی نگاہ ڈال کر رخ پھیر لیا۔
''میں جانتی ہوں، آپ کو انہیں دیکھ کر کیا کچھ نہ یاد آیا ہو گا۔ مگر جب آدمی اتنا مچور ہو جائے تو اسے بھرنے کی حاجتیں
لگنی چاہئیں نہ کہ ادھڑے ٹانکوں والے کچے زخم.......ہر پل رسنے کو تیار۔'' وہ اس وقت جتنا بھی طنز کرتیں کم تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا
تو دونوں کے درمیان زبردست جھڑپ کا آغاز ہو چکا ہوتا۔
''تم یہاں یہی کہنے آئی ہو صرف؟'' وہ خود پر قابو پاتے ہوئے پلٹے اور چبا چبا کر بولے۔
''نہیں۔ کہنے نہیں بلکہ دیکھنے آئی تھی۔'' ان کی نگاہیں صاف جتانے والی تھیں۔
''سمجھیں کہ میں زندہ ہوں یا مر گیا۔'' وہ تیزی سے بولے۔
''خیر، یہ تو میرے گمان میں نہیں تھا۔ ٹھیک ٹھاک سخت جان ہیں آپ اس معاملے ہیں۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے کہہ کر سامنے
پڑے کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔ ''بیٹھ جائیں۔ کیوں خوامخواہ کی الجھن میں خود کو ہلکان کر رہے ہیں؟ ماضی، ماضی ہوتا ہے۔ ہمارے لاکھ
منانے سے حال یا مستقبل نہیں بن جاتا اور کاش بن سکتا۔'' وہ چٹخارہ سا لے کر بولیں تو انہیں بہت سالوں پہلے والی سارہ یاد آگئی۔
''میں یہاں اپنے ضروری کام نمٹانے کے لئے آتا ہوں۔ اگر آپ اپنی بات مکمل کر چکیں تو پلیز مجھے لیو می الون۔'' وہ خشک

ہما کہتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل پر جا بیٹھے۔ عینک لگاتے ہوئے فائل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
"جانتی ہوں محمود عالم! آپ کو بھی اور آپ کے ضروری کاموں کو بھی۔ ضروری کیا، انتہائی ضروری کاموں کے بیچ بھی شام ڈنر کا اہتمام آپ کر ہی لیتے ہیں۔ اور بھئی سچی بات ہے، آج کی رات اس اہتمام سے زیادہ اور کوئی ضروری کام نہیں۔" وہ ایک الگ ہی لہجے میں چبا چبا کر بولیں تو محمود عالم نے ایک بار پھر خود کو ضبط کے پل صراط سے گزارا۔
"تمہاری ممی ایک ضروری کام کے لئے آئی تھی۔ بلکہ ایک ضروری بات کے لئے۔" سارہ کو پتہ چل گیا تھا، یہ ہانڈی اس وقت تک بیچ بیچ میں ابلتی رہے گی، ابل نہیں سکتی، اس لئے چھیڑ چھاڑ کو ملتوی کرتے ہوئے موضوع بدلا اور اٹھ کر پاس آ کر بیٹھ گئیں۔
"آپ اور میں لاکھ ایک دوسرے کے مخالف اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہوں، مگر عزہ سے تو ہم دونوں کو ایک جتنا پیار ہے۔" سارہ کی اس اچانک بات پر وہ اچانک چونکے تھے۔ اس وقت وہ واقعی سارہ کے منہ سے ایسی کوئی بات سننے کی توقع نہیں رکھتے تھے۔
"ہوں۔" انہوں نے محض ہنکارا بھرا۔
"میں کہہ رہی تھی......" وہ سرگوشی والے انداز میں کہتے ہوئے آگے ہوئیں۔
"ڈیٹ۔" محمود عالم اتنا زور سے دھاڑے کہ سارہ کرسی سمیت پیچھے اُلٹتے اُلٹتے بچیں۔ "آر یُو میڈ؟" وہ ابھی ان کی دھاڑ سے سنبھلی نہ تھیں کہ ان کے چلانے پر حواس باختہ سی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ کڑھتی ہوئی ہانڈی اُبل پڑی تھی۔

✲◉......◉✲

"دائم بیٹا کیا حال ہے تمہارا؟" ڈاکٹر رخشندہ نے فرصت پاتے ہی دائم سے رابطہ کیا تھا۔
"اوہ ماما!......آپ سنائیں، آج کیسے یاد کر لیا؟ ویسے آپ مجھے آنے نہیں دے رہی تھیں اور رو رو کر برا حال کر لیا تھا کہ جاؤں، اور اب کتنے کتنے دن فون نہیں کرتیں۔ فون کروں تو ملتی نہیں۔ بھلا یہ کیسی ممتا ہوئی آپ کی؟" وہ چھوٹتے ہی تیز تیز بولا۔
"بہت بدتمیز ہو گئے ہو۔ میرے سامنے ہوتے تو دو ہاتھ لگاتی میں۔ تمہاری آواز سنتی ہوں تو دل بے قابو ہونے لگتا ہے۔ پھر ملنے میں بہت دن لگ جاتے ہیں۔ تم میری ممتا کو امتحان میں ڈال کر پوچھتے ہو، یہ کیسی ممتا ہے؟" ان کے کئی دنوں کے رُکے آنسو بہہ نکلے تھے۔
"سوری مام! آئی ایم رئیلی سوری۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں خود آپ کو اتنا مس کر رہا ہوں۔ جب دو تین دن آپ کی آواز بھی سننے کو نہیں ملتی تو خود ترسی کا شکار ہونے لگتا ہوں۔ ایسے لگتا ہے، جیسے آپ کو مجھ سے پہلی سی محبت نہیں رہی۔" وہ ناراض انداز میں بولا تو ڈاکٹر رخشندہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"بے وقوف! تم تو یوں کہہ رہے ہو، جیسے یہ عاشق اور محبوبہ والی محبت ہے کہ پہلے اور بعد کی محبت میں فرق پڑ جاتا ہے۔ ممتا کی محبت پہلے دن ہوتی ہے، ویسی آخر تک رہتی ہے۔ اس میں وقت کے آگے پیچھے ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اور کئی کئی دن فون نہ کرنے کی وجہ میں نے تمہیں بتا دی۔ دوسرے مصروفیت۔ تمہاری دوری کے تکلیف دہ احساس کو کم کرنے کے لئے میں نے خود کو مصروف کر لیا ہے۔ تم بتاؤ، کچھ کام کاج شروع کیا یا ابھی ایڈونچر ایڈونچر کھیل رہے ہو؟"
"آپ کو پاپا نے نہیں بتایا؟ آپ کا بیٹا خیر سے کماؤ پوت ہو گیا ہے۔ دو ہفتے ہو رہے ہیں مجھے آفس جاتے ہوئے اور گھر کو بھی سیٹ کروا رہا ہوں۔ آئیں گی تو پہچان نہیں پائیں گی اپنے ہی گھر کو۔" وہ فخریہ انداز میں بولا تو جواب میں چپ سی کر گئیں۔
"ماما چپ کیوں ہو گئیں؟"
"تو تم نے ادھر سیٹل ہونے کا پکا ارادہ کر لیا ہے؟" وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولیں۔
"فی الحال تو ایسا ہی ہے۔ ویسے نائنٹی پرسینٹ تو پکا ہے۔ اسی لئے تو گھر بھی سیٹ کروا رہا ہوں۔" وہ اسی جوش سے بولا۔
"تمہاری کلاس فیلو تھی؟" وہ اچانک موضوع بدلتے ہوئے بولیں۔
"آپ......" وہ بھی چونکا۔ "یس مام! آپ کو پتہ ہے پہلے بھی...... کیا وہ ملی ہے آپ سے؟" وہ چہک کر بولا۔ "یقیناً اسامہ نے کروایا ہو گا۔ اس کا مجنوں۔" آخری فقرہ اس نے لبوں میں ادا کیا تھا مگر ڈاکٹر رخشندہ نے سن لیا۔ "مگر میرے خیال میں وہ اسامہ سے محبت نہیں کرتی۔" وہ آہستہ سے بولیں۔
"ہاں، ٹھیک اندازہ لگایا آپ نے۔ دیوانی ہے وہ تو۔" وہ یونہی ہنسا۔
"کس کی؟" وہ بے ساختہ بولیں۔
"کی......" وہ ان کی بات پر گڑبڑا گیا۔

''دائم! تمہیں معلوم ہے، وہ ایموشنلی تم میں انوالو ہے۔'' انہوں نے وہ بات کہہ ڈالی، جس کے لئے فون کیا تھا۔ وہ خاموش سا رہ گیا۔

''ایم آئی رائٹ؟''

''مام! اُس کے جذبات یک طرفہ ہیں۔ میں قطعاً اس میں انٹرسٹڈ نہیں۔'' وہ چند لمحوں بعد قطعی انداز میں بولا۔

''اور یہ یک طرفہ جذبات اتنے شدت پسند اور زور آور ہیں کہ وہ ان کی رو میں بہہ کر اپنی جان پر کھیل گئی'' بولیں۔

''وہاٹ؟''

''شی ایٹمپٹڈ سوسائیڈ، دائم!'' وہ آہستہ سے بولیں تو وہ شاکڈ سا رہ گیا۔

''اب اُس کی حالت بہتر ہے۔ مگر میں بہت گلٹی فیل کر رہی ہوں کہ میرے بیٹے کی وجہ سے ایک لڑکی اپنی جان سے جائے۔ یہ ایک انتہائی عمل ہوتا ہے۔ آخری فیصلہ...... اور آدمی ایک عالم سے مایوسی کے بعد اس پل صراط پر قدم رکھتا ہے۔ اور یہ فیصلہ میرے بیٹے کے باعث ہو، مجھے بہت عجیب سا لگتا ہے۔ دیکھو، جانچو۔ اپنے دل کے اندر جھانکو۔ بہت بھی گنجائش ہو...... میرے خیال میں وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔ پھر تمہاری کلاس فیلو بھی رہ چکی ہے۔'' وہ آہستہ اور دائم کو غصہ آنے لگا تھا۔

''مام! یک طرفہ جذبات کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرا زبردستی آپ کے لئے ایسا فیل کرنے کی کوشش کرے۔ زبردستی اپنی خواہش منوانے کے لئے خودکشی جیسے اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آئیں۔ اگر آپ اپنے جذبات میں بہہ گئی ہیں تو دوسرے آپ کے اس غلط فیصلے کا تاوان کیوں ادا کریں؟ اور کلاس فیلو ہونے کا یہ بھی مطلب نہیں کہ آپ انہیں پسند کریں اور اپنی زندگی میں شامل کرلیں اور مام!'' وہ تیز تیز بولتے ہوئے رکا۔ ''ایسی جذباتی لڑکی جو حصول میں ناکامی پر اپنی جان لینے پر تُل جائے، آپ خود سوچیے وہ کیسی غیر ذمہ دار، ناسمجھ ہوگی جو کوئی دباؤ برداشت نہ کر سکے، سوائے خودکشی کے۔ معاف کیجئے گا، اسے آئندہ ایسے کسی اقدام سے روکنے کے لئے میں خود کو کی قربانی نہیں دے سکتا۔ آئی ایم سوری۔'' وہ دوٹوک انداز میں رُکھائی سے بولا۔ رخشندہ تھوڑی دیر کے لئے چپ ہوگئیں۔ انہیں دائم لگے تھے مگر نہ جانے کیوں، لائبہ کا چہرہ نظروں کے سامنے آتے ہی ان کے دل کے گمنام سے گوشے میں ہمدردانہ لکتے تھے۔

''اس وقت تم جذباتی ہو رہے ہو۔ میں جانتی ہوں، فون رکھتے ہی تمہیں لائبہ کے ساتھ نہ صرف ہمدردی محسوس ہو گی بلکہ یہ بھی کہ جو لڑکی تمہیں نہ پا سکنے کے خیال سے موت کے دہانے پر جا کھڑی ہوئی، وہ آنے والی زندگی میں تمہارے لئے وہ تم سے سچی محبت کرتی ہے اور اس کا ثبوت......''

''کم آن مام! وہ بے چارہ اسامہ بھی اس دیوانی لڑکی سے سچی محبت کرتا ہے۔ آپ مجھ پر ٹائم ضائع کرنے کے بجائے محنت کریں۔ اسے اسامہ کی سچی محبت کا یقین دلائیں تو کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے۔ البتہ میرا دل اس کے معاملے میں کچھ اثر نہیں ہوگا۔ میں بہت پہلے اس کے معاملے پر اپنے دل کو اچھی طرح ٹٹول چکا ہوں۔ وہ لائبہ کے معاملے میں سوائے ایک اچھی دوست کے۔ پاپا کیسے ہیں؟ آفس جا رہے ہیں؟'' وہ لائبہ کے بارے میں شاید سب کچھ کہہ کر موضوع بدلتے ہوئے جمائی لے کر بولا۔

''ٹھیک ہیں وہ دائم! تم نے پہلے اپنے دل کو لائبہ کے پاس رہ کر ٹٹولا تھا، اب اس سے دُور ہو، ذرا ایک بار اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش کرو، تمہیں اپنے اندر ضرور کچھ گنجائش محسوس......''

''پلیز ماما!...... او کے، میں آپ کو پھر فون کروں گا۔ اس وقت میں ایک ضروری کام سے نکل رہا ہوں۔'' اُکتا کر فون بند کر دیا۔

✿ ⊙ ...... ⊙ ✿
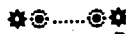
''امی!...... امی! سو رہی ہیں؟'' یاسمین غنودگی میں تھیں جب انہیں ثانیہ کی آواز اپنے بہت قریب سے سنائی دی۔ طرح آنکھیں بند کیے پڑی رہیں اور سچی بات ہے، ان کا جی بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ آنکھیں کھول کر اس کو دیکھیں۔ انہیں زندگی میں پہلی بار ثانیہ پر اتنا غصہ آیا تھا۔ کبھی شدید، غصہ کبھی ترس اور کبھی خود کو سمجھا بجھا کر کل پر اس کی یہ آمادگی چند گھنٹوں کے لئے ہوتی، پھر کوئی نہ کوئی وجہ رنجش نکل آتی۔

''امی! مجھے پتہ ہے، آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ حالانکہ آپ کے سامنے کی بات ہے۔ سارا قصور میرا نہیں تھا

کی گو پریشرائز کر کے استعفیٰ لکھ کر دینے کا کہنا کیا جائز ہے؟ پھر ایسے جاہلوں کی طرح مار پیٹ۔ مگر امی! میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔ اتنی ذلت اور دکھ کے جان لیوا احساس سے گزر کر آنے کے باوجود میں نے خود کو، اپنے دل کو سمجھا لیا ہے کہ اس میل ڈومینیٹ سوسائٹی میں بہر حال جیت گھر کے مردوں کی ہی ہوتی ہے، ورنہ شاید...... چند دنوں میں غیرت کے نام پر میرے مقتول، لہولہان جسم اور آپ کے بیٹے کی ایک غیرت مند بھائی کے طور پر تصویر چھپ جائے۔"

اس کی بات پر یاسمین نے تڑپ کر آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ اس تکلیف دہ صورتِ حال کی انتہائی خوف ناک مگر حقیقی تصویر پیش کر رہی تھی۔

"ہمارے معاشرے کے مرد، باپ، بھائی، بیٹے کتنے ہی پڑھے لکھے، متحمل مزاج، برداشت والے کیوں نہ ہوں، غیرت کے نام پر وہ چٹے ان پڑھ، گنواروں کی صف میں جا کھڑے ہوتے ہیں۔ اس معاملے میں جاہل اور پڑھے لکھے کی مردانگی ایک ہی ڈگری پر پائی جاتی ہے۔ میں درست کہہ رہی ہوں نا امی؟" انہیں آنکھیں کھول کر دیکھتے ہوئے وہ رُندھی ہوئی آواز اور ستے ہوئے چہرے سے بولی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"سب سمجھتی ہو تو پھر کیوں ضد لگا کر بیٹھی ہو؟" وہ تھکی تھکی سی آواز میں بولیں۔

"میں ضد لگا رہی ہوں؟" وہ تڑپ کر بولی۔ آنسو آنکھ سے چھلکے۔

"اچھا، اب کیا کہتی ہو؟ یہ تم دونوں نے روز کا معمول بنا لیا ہے۔ گھر میں لڑائی جھگڑا، تُو تکار...... اس سے اچھا تو فاقے تھے، وہ بے روزگاری تھی، جس کے طفیل گھر والے بھوکے پیٹ سوتے تھے مگر شیر و شکر تو تھے۔ یہ پتہ نہیں، کیسا رزق لا رہے ہو تم دونوں، گھر میں بے سکون، برکت، محبت اٹھ ہی گئی ہے۔ دلوں سے بھی اور در و دیوار سے بھی۔ پھر اس دادا برابر شخص کے سامنے...... اُس دن مجھے کیسی شرمندگی ہو رہی تھی، ان دونوں کے سامنے جھوٹی تاویل دیتے ہوئے۔ وہ دونوں بچے نہیں تھے۔ تم دونوں کی عمروں سے دگنا ان کا تجربہ ہے۔ سب سمجھ گئے تھے، وضع داری میں چپ رہے۔ گھر کی ایسی بوجھل فضا سے گھبرا کر بصدِ اصرار میں نے انہیں سارہ کی طرف بھجوا اور تمہارا باپ..." وہ رکیں۔ "وہ نہ تو بچہ ہے اور نہ دونوں جیسی وضع داری ان کی طبیعت میں ہے۔ آج انہوں نے عزت افزائی، میری کر ڈالی ہے، اس کے بعد تو یہ یہاں لیٹے ہوئے میں دل میں دعا کر رہی تھی کہ سوتی رہ جاؤں ہمیشہ کے لئے۔ کم از کم اس روز کے تکلیف دہ مناظرے سے تو میری جان چھوٹ جائے گی۔ اور تم دونوں کو بھی اپنا جھگڑا نمٹانے میں آسانی ہو جائے گی۔"

وہ کہتے کہتے ضبط کھو بیٹھیں اور رونے لگیں۔

"امی! بات کچھ بھی نہیں تھی۔ سب تنزیل کی منفی ذہنیت کا شاخسانہ......"

"تو تم دے لو مثبت ذہنیت کا ثبوت۔ تم بچی ہو تو چھوڑ دو اس بلائے جان نوکری کو...... تم ضد پر تن کر کھڑی ہو گئیں۔ وہ مرد ہے، تمہاری اس ہٹ دھرمی نے اسے یوں چیخنے چلانے پر مجبور کیا ہے، ورنہ تمہیں بھی پتہ ہے اور مجھے بھی، کبھی اس نے کسی سے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ احسن ملازمت نہ ملنے پر دن رات اسے ڈانٹتے ڈپٹتے، لتاڑے تھے اور اس نے کبھی منہ سے اُف نہیں کیا تھا۔ ہر کڑوی بات کو چپ کر کے پی جاتا تھا۔ مگر تم نے تو حد کر دی، ضد اور ڈھٹائی کی۔ پہلے خود سے نوکری چھوڑنے کو کہتا رہا۔ وہ نہیں مانیں۔ اس دن استعفیٰ کے کاغذ رکھے تو وہ پھاڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالے۔ اسے طیش نہیں آتا تو اور کیا کرتا۔ سارے گھر کا ماحول خراب ہو کر رہ گیا ہے۔ میں کس کو سمجھاؤں؟ اسے سمجھاؤں، وہ تو مرنے مارنے پر اُتر آتا ہے۔ ثانیہ اور ربیعہ الگ سہمی ہوئی ہیں اور میں تمہاری دادی، دادا کے سامنے خوامخواہ چور سی بن گئی ہوں۔ پتہ نہیں، کس بدبخت کی نظر کھا گئی اس گھر کے سکون کو۔" وہ بغیر رُکے بولتی چلی گئیں۔

"یہ استعفیٰ ہے میرا۔ اب اس گھر میں سکون ہو جائے گا۔ چھوڑ دی میں نے نوکری بھی اور ضد بھی۔ اب تو کسی کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں رہے گی۔" اس نے یک دم روتے ہوئے ہاتھ میں دبا کاغذ ان کے آگے پھینکا اور اندر بھاگ گئی۔

یاسمین ہکا بکا پہلے اسے یوں جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ جونہی ان کی نظریں سینے پر گرے کاغذ پر پڑیں، وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ وہ ثانیہ کا استعفیٰ ہی تھا۔

انہیں خوشی سے سکتہ سا ہو گیا۔

"مگر یہ کیوں رو رہی ہے؟" انہیں پریشانی نے آگھیرا۔ "تو کیا وہ سب سچ ہے، جس کے لئے روز تنزیل جھگڑا کرتا تھا، یہ اپنے باس کے ساتھ......؟ نہیں نہیں، ثانیہ ایسی نہیں ہو سکتی۔ ایسی نادان، بے وقوف۔" انہوں نے تڑپ کر خود ہی نفی کی تھی۔

ان کا دل اندر سے کہے جا رہا تھا۔ محبت نادان اور بے وقوف ہی کیا کرتے ہیں۔

✿ ◉ ...... ◉ ✿
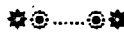
"میڈم! یہ ثانیہ مراد کا استعفیٰ ہے۔ کچھ گھریلو پرابلمز کی وجہ سے وہ ریزائن کر گئی ہیں۔"

میڈم یاقوت، فاخرہ کا نمبر ملا رہی تھیں لائبہ کا پتہ کرنے کے لئے، جب عائشہ بخاری نے ان کے سامنے لا رکھ دیا۔

انہوں نے سیل فون ہاتھ سے رکھ دیا۔

''سرپرائزنگ۔ ویسے عشو یار! یہ تم غریب، مڈل طبقے کے لوگ کچھ عجیب نہیں ہوتے؟ پہلے خاص طور پر لپٹائی مڈل کلاس کی لڑکیاں گھریلو حالات اور پرابلمز کا رونا روتے ہوئے گھر سے نکل کر سڑکوں پر آتی ہو اور جب تمہارے حل ہونے لگتے ہیں تو ریزائن کر کے چل پڑتی ہو اور وجہ وہی گھسی پٹی، گھریلو پرابلمز........ اصل میں تم کنفیوزڈ لوگ خود پتہ نہیں ہوتا کہ تم لوگوں کے پرابلمز ہیں کیا۔ ہے نا؟ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟'' وہ استعفیٰ کے کاغذ کو انگلیوں میں اس کا کونا موڑتے ہوئے کچھ بنا رہی تھیں۔

''پہلے کھلی فضا میں اُڑان بھرنا چاہتی ہو اور جب چند منٹ اوپر جا کر پتہ چلتا ہے کہ اُڑان بھرنا تو آسان ہے اوپر جا کر توازن قائم رکھنا مشکل ہے تو پھر بزدلوں کی طرح حفاظتی تدابیر..... میرا مطلب ہے، پیراشوٹ کھولے بغیر چھلانگ لگا دیتی ہو........ ایسے۔'' انہوں نے اس کاغذ کا جہاز بنا کر پہلے ہاتھ اونچا کر کے دور تک اُڑایا اور پھر چھوڑ دیا۔ عائشہ بخاری کے قدموں میں آ کر گرا تھا۔

''کیسی بے وقوف لڑکی تھی۔ ہم نے کھلی فضا میں اُڑان بھرنے کا موقع دیا۔ کچھ دن کی پریکٹس کرتی تو توازن سنبھال لیتی۔ بے وقوف نے بلندی کے بجائے پستی کا انتخاب کر ڈالا۔ خوب صورت، شاہانہ زندگی پر خودکشی کو ترجیح دی۔'' وہ اب بڑے ہلکے پھلکے انداز میں ریوالونگ چیئر پر جھول رہی تھیں۔ ''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا، عائشہ ڈیئر؟''

''یس میم!'' وہ سر جھکائے، کاغذ کے اس بے جان ٹکڑے کو دیکھ رہی تھی۔

''کوشش تو تم نے بھی کی، خودکشی کرنے کی کئی مگر۔ مگر تم جانو، ہمیں بزدل لوگ اچھے نہیں لگتے۔ اور جو اچھے لگیں، انہیں بزدل بننے نہیں دیتے۔ دیکھا، ہم نے تمہیں کتنا بہادر بنا ڈالا ہے۔ ہے نا؟'' وہ اس کی شکل دیکھتے ہوئے جیسے محظوظ ہو رہی تھیں۔

''یس میم!'' وہ ایک بار پھر گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

''بہادر تو تم بن گئیں، مگر چہرے کی یہ مسکینی اور یہ منحوس اُداسی کا پکا لیبل ایسے چہرے پر چپکا رکھا ہے کہ لاکھ کوشش کرو، کی نحوست زائل نہیں ہو سکتی۔ تم اگر میرے کام کی نہ ہوتیں تو خدا کی قسم، میں بہت دیر پہلے تمہیں کہیں جہنم رسید کروا چکی ہوتی۔ بکواس کی ہے، میرے سامنے اپنی شکل پر یہ ٹھیکرے نہ برسایا کرو۔ تمہیں دیکھتے ہی بندے پر ڈپریشن طاری ہونے لگتا ہے، نفرت محسوس ہونے لگتی ہے۔ ہر منظر بے رنگ لگنے لگتا ہے اور موت پرکشش دکھائی دینے لگتی ہے۔ لگتا ہے، تمہارے گھر والے کنے والے ہو رہے ہیں۔'' وہ جلال بھرے انداز میں کہتے ہوئے سیٹ سے اُٹھی تھیں۔

اور عائشہ بخاری کی ٹانگیں کپکپانے لگی تھیں اور چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

''نن........ نہیں میم! آئی ایم رائٹ کوائٹ........ ویل فریش۔'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بے ربطی سے بولنے لگی۔

وہ بالکل اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کی براؤنش سلکی ساڑھی سے اُٹھتی خواب ناک، بھینی بھینی خوشبو عائشہ کے ناک میں گھسی جا رہی تھی۔

''فریش........ تم فریش ہو تو یہ ہمدانی بھرا ہوا آتش فشاں کیوں بنا پھرتا ہے؟ اگر اپنی بچت چاہتی ہو تو آج شام تک کچھ کرو۔ اُس کے چونچلے اٹھانے کا میرے پاس ٹائم نہیں۔ اور وہ ایک سائن پر رضامند نہیں ہو رہا۔ یہ فائل پکڑو، کل صبح تک ان پیپرز پر ہمدانی کے سائن موجود ہونے چاہئیں، ورنہ........ تم جانتی ہو۔'' وہ غراہٹ بھرے انداز میں اسے فائل تھما کر وہ زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''او کے میم!........ یس میم!''

''یہ اٹھا کر دو مجھے۔'' انہوں نے نیچے پڑے کاغذ کے اس جہاز کی طرف اشارہ کیا۔

عائشہ نے جھک کر کاغذ اٹھا کر انہیں تھمایا۔

''لگتا ہے، احسن مراد! تمہارے بچوں کو تمہیں خوشیاں دینے کی بہت جلدی ہے۔ چلو، ہم تمہارے بچوں کی یہ معصوم خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ کیا یاد کرو گے۔'' انہوں نے کاغذ سیدھا کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے تہہ لگا کر سامنے ٹیبل کی طرف بڑھایا، عائشہ کو جانے کا اشارہ کیا اور خود سیل فون اٹھا کر فاخرہ کا نمبر ملانے لگیں۔

ے پہلے شاہی قلعے میں صرف ایک بار آیا تھا۔
روز اچھی خاصی گرمی تھی اور شام قریب ہونے کے باوجود شاہی قلعے کی سیر کرتے ہوئے اسے اچھی خاصی کوفت ہوئی تھی۔
قلعے کے دیوہیکل گیٹ نے ہی اسے امپریس کر دیا تھا اور پھر اندر داخل ہونے پر وہ ساری سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی سال
نش عمارت اس کی توجہ اپنی جانب کھینچتی رہی، مگر گرمی اسے بے حال کر رہی تھی۔ چاہنے کے باوجود کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
یش محل، شاہی حمام، نوادرات کا ہال...... وہ سب ہی جگہوں پر بے دلی سے چند منٹ ٹھہرا اور سورج غروب ہونے سے
بھری شام میں قلعے کی سیر سے جیسے جان چھڑا کر باہر نکل آیا تھا۔
اسے تو اندازہ ہی نہیں تھا، یہ سرخ اینٹوں کی عام سی عمارت جو بھری دوپہر میں بالکل صحرا جیسی لگتی ہے، رات میں جگمگاتے
مقموں اور دل فریب روشنیوں میں اتنی پُرکشش اور قابلِ دید بھی ہو سکتی ہے۔ اس نے تو انوی ٹیشن دیکھتے ہی نہ
بند کر لیا تھا۔ مگر پھر میڈم یاقوت کا اصرار کم محبت بھرا فون اسے مجبور کر گیا کہ وہ اس فنکشن کو مس نہ کرے۔
بھی بڑی بزنس ڈیل تھی۔ وہ میڈم یاقوت کے ساتھ اپنے تعلقات دوطرفہ خلوص پر رکھنا چاہتا تھا۔ پہلی بار انہوں نے اسے
انتھا اور وہ پہلی بار منہ پھاڑ کر انکار کر دیتا تو یقیناً انہیں اچھا نہیں لگتا۔ ادھر آیا تو وہ میڈم یاقوت کی خوشی کے لئے تھا، مگر اب آ
اماگر وہ یہ فنکشن مس کر دیتا تو یقیناً ایک بڑی غلطی کرتا۔
یاقوت کی آرٹس اکیڈمی کی کوئی پرفارمنس تھی۔
ی پریڈز سے تو کریم ماڈلز نکلتی ہیں۔ یہ جو تم گیسٹ دیکھ رہے ہو، ان میں سے کوئی بھی عام یا معمولی حیثیت کا شخص نہیں
بڑی انٹرنیشنل کمپنیز، فرحزاور بزنس کمیونٹی سے تعلق ہے ان کا۔ اس طرح کی فیشن پریڈز میں سال میں صرف ایک بار کرواتی
ں میں کوئی بھی پرانی ماڈل نہیں ہوتی، سب فریش فیسز ہوتے ہیں۔ اور ہر بار ایسی پریڈز سے دو تین ماڈلز ایسی نکل آتی ہیں،
لیول پر فیم حاصل کرتی ہیں اور اس پریڈ میں ڈسپلے ہونے والے ہمارے بوتیکس کے ڈریسز اور جیولری، مت پوچھو ان کی
مل ہوتی ہے۔ یوں سمجھو، پورا سال اس فیلڈ سے متعلق لوگ ''مائز انڈسٹری'' کی اس پریڈ کا انتظار کرتے ہیں۔ ان تین
نکار۔ آج لاسٹ نائٹ ہے۔ آج کا سارا پروگرام، سارے آئٹمز اسپیشل ہیں۔ تم یقیناً انجوائے کرو گے۔'' وہ بہت اپنائیت
ے انداز میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کی نشست بھی فرنٹ میں اپنے ساتھ رکھی
ا شروع ہو چکا تھا۔
ر باری باری خوب صورت ڈریسز اور جیولری پہنے اسٹیج پر آتیں، کیٹ واک کرتی ہوئی ریمپ پر چلتیں اور ایگزٹ سے آف دا
ا تیں۔
ر معزز خواتین و حضرات! آج رات کا اسپیشل آئٹم انارکلی۔ خوب صورت کلاسیکل میوزک اور کلاسیکل رقص کے ساتھ۔''
ے اسٹیج پر آ کر اناؤنس کیا۔
بتیاں گل کر دی گئیں۔
دھیرے میں میوزک کی بیٹ کے ساتھ کوئی سایہ سا اسٹیج پر اُتر آیا تھا۔ اور پھر روشنی کا ایک ہالہ اس کو اپنے حصار میں لئے اسٹیج
لگا۔ میوزک کی لے تیز ہوئی اور روشنیوں میں رقص کرتا وہ سایہ اب سب کی نظروں کے سامنے تھا!
نڈرفل...... فنٹاسٹک۔'' میڈم یاقوت کی پُرجوش آواز اس کی سُن سی سماعتوں سے ٹکرائی۔
بگلیں ستاروں بھرے چوڑی دار پاجامے، پشواز اور بڑے سے دوپٹے کو پنوں سے خوب صورت اسٹائل دیئے میوزک کی ردھم
نھالی، کمان سے بازو فضا میں لہراتی، لچکیلی کمر کو خم دیتی، کنول جیسے اوڑھیا لہروں کو اٹھاتی دھرتی وہ کوئی پروفیشنل ماڈل نہیں تھی۔
ن میں اس کی مہارت، نازک بدن کی لچک اور سب سے بڑھ کر چہرے کی معصومیت اور کم سنی نے اب تک آنے والی سب
محنت پر پانی پھیر دیا تھا۔

''زبردست........ایڈ مائرنگ........'' میڈم یاقوت کا جوش اور خوشی دیدنی تھا۔ جبکہ دائم کی نظریں
لہراتے اس وجود کے ساتھ ساتھ گردش کر رہی تھیں۔

'اسے کہاں دیکھا ہے؟' اسے عجیب سی اُلجھن نے گھیر لیا تھا۔ جیسے ہی بے تحاشا تالیوں کی گونج میں وہ
اسٹیج کے پیچھے چلی گئی تو دائم کو بے ساختہ یاد آیا۔

لاہور میں ایئر پورٹ سے واپسی پر پہلا ٹکراؤ اور ''عالم ولا'' میں ہونے والی وہ زوردار ٹکر.......

''عزہ عالم!'' وہ اردگرد سے بے خبر بڑبڑایا تھا۔

اسے پتہ نہیں چلا، میڈم یاقوت اس کی بڑبڑاہٹ اور محویت کو نوٹ کر چکی ہیں۔ وہ اس محویت کو کیا
اسے پتہ نہیں تھا۔

❀◉......◉❀
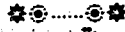
آج ان کا اس بلڈنگ میں آخری دن تھا۔ بلکہ آخری شام تھی۔ دن تو ڈھل ہی چکا تھا۔

بلڈنگ کی ساری مشینری، فرنیچر ادھر سے شفٹ کیا جا چکا تھا۔ اب آفس ٹائم ختم ہونے کو تھا۔ سب اور کر
وہ خود بھی اب نکلنے والا تھا۔ آج کل اسے یوں بھی گھر جانے کی جلدی ہوتی تھی۔

تانیہ کے استعفیٰ نے اس کے سر سے منوں بوجھ اتار دیا تھا۔ گھر کی کشیدہ فضا بہت خوشگوار نہ سہی مگر
اگرچہ تانیہ ابھی اس سے ناراض تھی، مکمل کر بات کرتی تھی نہ اسے خود سے مخاطب کرتی تھی بلکہ اکثر اسے دیکھ
جاتی۔ یاسمین آواز بھی دیتیں تو ڈھیٹوں کی طرح اندر ہی بیٹھی رہتی۔

مگر اب اسے تانیہ کی ناراضی کی پروا تھی۔ وہ اسے منانا چاہتا تھا اور آج اس نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ
لوازمات لے کر جائے گا۔ اگر وہ اسی طرح پھولے منہ کے ساتھ اندر کمرے میں پڑی ہوگی تو اسے خود منا
ضد کر کے چائے بنوائے گا اور شام کو اسے کہیں باہر آئس کریم کھلانے بھی لے جائے گا۔ اور اگر وہ جاب کرنا
اکیڈمی میں اسے جاب کرنے کا بھی کہے گا۔ یوں بھی یاسمین نے اسے بتا دیا تھا کہ انہوں نے رشتہ کرانے والی
لئے کہہ دیا ہے۔ وہ دو ایک دنوں میں کوئی اچھا پرپوزل لانے والی بھی ہے۔ ان دونوں ماں بیٹے کا اب خیال
کی شادی کے اس مسئلے کو حل کریں جو بگڑتے بگڑتے رہ گیا۔

''رشید! دیکھو آ کر، یہ سامنے الماری میں کچھ رہ تو نہیں گیا؟'' اس نے نیچے جھک کر دراز چیک کرتے ہوئے
اسی وقت اسے اپنے عقب میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔

''رشید! چیک کر لیا سب کچھ؟'' وہ اسی طرح جھکے ہوئے بولا۔

''ہینڈز اپ!'' کسی نے اس کی گدی سے کوئی چیز لگاتے ہوئے بارعب آواز میں کہا تھا۔ اسے سکتہ سا ہو

❀◉......◉❀
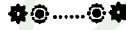
رات کے تین بج رہے تھے۔

ستارۂ سحری پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، صرف کھلی کھڑکیوں سے آتی نیلی سیاہی مائل آسمانی روشنی سی کمرے میں
کروٹیں بدل بدل کر اس کے پہلو دُکھنے لگے تھے۔ تنگ آ کر وہ بستر سے اٹھ بیٹھا۔ چند لمحے یونہی
اُدھر دیکھتا رہا، پھر اُٹھ کر کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔ سبزے کی گیلی مہک اور رات کے آخری پہر کی نم ہوا اس کے
نے ایک گہرا سانس لے کر اس نم سی خوشبو کو اپنے سینے میں کھینچا۔

آسمان روشن ستاروں سے جگ مگ کر رہا تھا۔ مطلع بالکل صاف تھا، اگرچہ فضا میں خنکی تھی، مگر بادل
'یہاں کے موسم کتنے خوب صورت ہوتے ہیں۔ سانس کے رستے اندر اُتر جانے والے۔ اندر تک
قدرت رکھنے والے۔ لندن میں تو ایک ہی موسم رہتا ہے۔ سرد، دُھند میں لپٹا، ہڈیوں کے گودے کو منجمد کر دینے
والی دُھند ہی دُھند....... ماما اور پاپا تو کہتے تھے، میں پاکستان کے موسموں کی شدت سہہ نہیں پاؤں گا اور
رکھ کر دوڑا چلا آؤں گا۔ اور اس دن جمشید صاحب کہہ رہے تھے، دائم! آپ نے جولائی اگست پاکستان میں
پھر آپ ہر موسم جھیل سکتے ہیں، بخوشی....... اور مجھے نیند کیوں نہیں آ رہی؟'

اس نے کھڑکی کی بریکٹ پر یونہی ہاتھ مارا اور بالوں میں اُنگلیاں چلانے لگا۔

'عزہ عالم....... پہلی نظر میں، میں اسے قطعاً پہچان نہیں سکا تھا، بالکل بھی....... اور عام روٹین میں جب

وہ کب کی آ؟ وہ اسی جملے پر اٹک کر سوچنے لگا۔

'جسٹس محمود عالم کے گھر میں داخل ہوتے ہی ٹکر.......' اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کھڑکی کی بریکٹ پہ لگا کنارا بھرے خوب صورت آسمان کو تکنا شروع کر دیا، یوں جیسے عزہ عالم کا معصوم، کم سن چہرہ ان ہی ستاروں کے بیچ کہیں ابھر آیا ہو۔ وہ یک ٹک ان تاروں کو دیکھنے لگا۔

'وہ اسی کی کھلاہٹ...... دوسری بار واپسی پر وہ کیسے گڑبڑا کر پیچھے ہٹی تھی تو اس کے چہرے کے تاثرات کیسے تھے، جیسے کسی کے انتا دیکھ کر کوئی انجان بننے کی کوشش کرتا ہے۔ کیا وہ بھی مجھے برسوں سے جانتی ہے؟...... وہ جیسے ہی ریمپ پر چلتی ہوئی میرے سامنے آئی تھی تو پہچان کے دوسرے لمحے میں مجھے ایسے لگا، جیسے میں اسے برسوں سے، صدیوں سے جانتا ہوں۔ نظروں کی پہچان نے صدیوں کے فاصلے مٹا ڈالے تھے۔ دُوری اور بیگانگی کی ہر دیوار ہمارے درمیان سے گر گئی تھی۔ ان لمحوں کے بیچ جب اس کا مبہوت کر دینے والا روپ اُبھرا تو وہ کیسی اپنی اپنی لگ رہی تھی۔ بالکل جیسے کوئی اپنے بے حد پاس دیکھتا اور سوچتا ہے۔ مجھے تو یاد ہی نہیں۔ اس نے کیسے پرفارم کیا تھا۔ میں تو اسی نو دریافت اپنائیت کے سحر میں گم تھا، ہم آواز کی زوردار، پُرجوش تالیوں اور ایکسیلنٹ، ایکسیلنٹ کی آوازوں نے مجھے خرد کی دنیا میں لا پٹخا تھا۔

وہ چلی گئی اور مجھے لگا، دنیا کا ہر منظر زندگی سے خالی ہو گیا ہے۔ بے جان، مُردہ، بے کار۔

بالکل وہ اس روز میڈم یاقوت کے آفس میں بھی مجھ سے ٹکرائی تھی۔ وہ اسی لئے ان سے ملنے گئی تھی۔ یوں تو جسٹس محمود عالم بے حد سخت دکھائی دیتے ہیں۔ A stubborn man (ایک مشکل، ہٹیلے انسان) اور بیٹی کو ہر قسم کی آزادی، چہ معنی

اپنے سوچ پہ اسے ہنسی آ گئی۔ فارسی کا یہ چھوٹا سا جملہ اکثر مصطفیٰ صاحب استعمال کیا کرتے تھے اور وہ خوب جھنجلاتا تھا اس کا خود ہی خیالوں میں اس کا استعمال کر رہا تھا۔

یہ ہم اپنی پسندیدہ ہستیوں کی ناپسندیدگی کو اپنی ناپسند کے باوجود اپناتے چلے جاتے ہیں۔ یہ آج اس پر کھلا تھا۔

'وہ شام اور وہ شام بھی تو یاد کرو۔' ایک دم اس کے اندر کوئی چٹکی بجا کر شوخ لہجے میں بولا تھا۔ 'پاکستان آمد کی پہلی شام، جب وہ رحیم اور بک لے کر چھپت ہوئے تھے اور عزہ بی بی نے اپنی گاڑی ان دونوں کی بائیک پر چڑھا کر انجانے میں مجھ پر کیسا کیا تھا۔ اور اس ملگجی نیم اندھیری شام کے زیرِ اثر میں عزہ کا چہرہ یاد نہیں رکھ سکا تھا۔ آنے والوں دنوں میں بھی کبھی کبھار مجھے آثار ہا مگر اس کا چہرہ نہیں...... اور اس دن بھی میں اسے نہ پہچان سکا، جب ''عالم ولا'' میں اس سے ٹکرایا اور اس کے بعد ان کے آفس میں۔ اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا کہ میں بار بار ایک ہی چہرے سے ٹکرار ہا ہوں۔ وہ کون سی نادیدہ طاقت ہے، جو بار بار ہمیں کھینچ کر ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔ اسے محض اتفاق یا حُسنِ اتفاق chance and coinc تو نہیں کہا جا سکتا۔ ایک ہی اتفاق حالتِ تکرار میں بلکہ مکدر......'

اس کے اندر کا مطلع اس نیلے آسمان کی طرح دُھلا دُھلا سا ہو کر نکھر گیا۔ رات بھر کے سارے بوجھ اُتر گئے تھے۔ اندر کی ساری گھٹن بہہ گئی تھی۔ گھٹن کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

'میں کیسے پاگلوں کی طرح، نظروں ہی نظروں میں اسے تلاشتا رہا تھا۔ فنکشن آف ہونے کے بعد بھی وہ مجھے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی میڈم یاقوت کے ساتھ جاتی ہوئی...... اُس کا میڈم سے کوئی خاص تعلق لگتا ہے۔ میڈم کے اس کے ساتھ انداز بالکل ویسا تھا، جیسے میرے ساتھ...... یا پھر سب کے ساتھ وہ ایسے ہی ہوتی ہیں، ریفائنڈ اینڈ پولائٹ۔' اس نے گہرا اور سحری کو جگر جگر کرتے آہستگی سے اُفق کی جانب بڑھتے دیکھ کر ایک لمحے کو سوچا اور پھر پلٹ کر بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ اب بے تحاشا نیند آ رہی تھی۔ جیسے سینے پر دھرے سارے بوجھ اُتر گئے۔ دل اور دماغ پھول کی پتی کی طرح ہلکے ہوئے لمحوں بعد وہ گہری نیند سو چکا تھا۔

❋◉......◉❋

'یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تنزیل نے بھلا ایسا کیا کِیا ہو گا؟...... وہ تو...... آخر اُسے پولیس کیوں پکڑ کر لے گئی؟ میرے اللہ کیا ہے؟...... وہ تو اتنا سادہ، محنتی، کم گو سا اور......' یاسمین پاگلوں کی طرح ٹکر ٹکر کبھی احسن مراد کو دیکھتیں تو کبھی ثریا بانو آنا جان کو۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہاتھ ملتی۔ بے ربط سا کوئی جملہ بول لیتیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے تنزیل کے کسی آفس ورکر لڑکے نے انہیں اطلاع دی تھی کہ اسے پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔

'کیوں؟...... کس لئے؟...... کہاں؟' اُسے ان تینوں باتوں میں سے کسی کے بارے میں بھی علم نہیں تھا۔ اس نے اطلاع دی گویا ان پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔

'پورے دفتر میں سے وہ اس اکیلے کو ہی کیوں لے گئے؟' ثریا بانو نے روتے ہوئے جیسے تڑپ کر خود سے سوال کیا۔
احسن مراد لب بھینچے خاموش بیٹھے تھے مگر ان کی آنکھوں سے نکلتے شعلے بتا رہے تھے، وہ کسی بہت بڑے طوفان کو
روکے بیٹھے ہیں۔
''اس کے دفتر فون کر کے پتہ کرنا تھا۔'' تھوڑی دیر کے بعد آغا جان بولے۔
''کیا تھا؟ مگر وہاں سے تو کوئی فون بھی نہیں اٹھا رہا۔ اب کیا کریں؟'' یاسمین نے اب رونا شروع کر دیا تھا۔
''اس وقت تک گھر لوٹ آتا تھا۔ کیا کروں؟........ کہاں جاؤں؟ کس سے کہوں؟'' وہ بے قراری سے کہتی
ہوئیں۔
''تانیہ سے اس کے دفتر کا پتہ لکھوا لاؤ۔ میں جاتا ہوں۔'' آغا جان نے پتھر کے بت بنے احسن مراد کو دیکھ کر
کہا۔
''مجھے ڈر تھا...... اسی دن کا ڈر تھا۔ پہلے دن سے یہ لڑکا...... کوئی گل کھلائے گا، کسی طرح...... یہ ہے آخر کار
انہوں نے ماں اور چچا کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے پتہ نہیں، کس طرح آدھی گالی منہ کے اندر دبائی۔
''کوئی مجھے بتائے، ایک معمولی گریجویٹ کو ایسی اچھی نوکری، ایسی تنخواہ، پھر پک اینڈ ڈراپ؟...... کس
دھندے میں پڑ گیا تھا یا پھر........ اس فرم کا ہی یہ کوئی اندر کھاتہ ہوگا، جب ہی انہوں نے اس زمانے میں کسے ایسی
ایسی نوکری دے دی۔ میں تو پہلے دن سے کھٹک گیا تھا اور میرا ڈر درست نکلا۔ میں......''
وہ غصے اور طیش کو لبوں سے کاٹ کاٹ کر دھیما کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور غصہ ملتا نہیں تو ٹھوکر اچھال کر
سے زمین پر مارتے ہوئے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
''مگر احسن! اب تو اس کی نوکری کو بھی اتنے ماہ ہو گئے تھے، پھر اپنی تانیہ بھی تو ادھر ہی جاتی رہی ہے۔ اگر
ہوتی تو پہلے پتہ نہ چل جاتی۔'' ثریا بانو نے بیٹے کا غصہ ٹھنڈا کرنے کو کہا۔
''اماں! آپ کو کچھ نہیں پتہ۔ آپ بیچ میں مت بولیں، جو میں جانتا ہوں۔'' احسن مراد غصے پہ قابو پانے کو
زور سے دھاڑے کہ یاسمین نے بے حد خوف زدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا جبکہ ثریا بانو شرمندہ سی ہو کر نظر
آغا جان کے لئے بھابھو کا یہ روپ کچھ اجنبی سا تھا۔
'کبھی تو یہ آنگن صرف اسی شیرنی کی دھاڑ سے گرجا کرتا تھا۔ کیا وقت اتنا ظالم، اتنا طاقت ور ہے کہ آدمی
ہے، انہیں شیر سے بلی اور بلی سے چوہا بنانے میں بہت دیر نہیں لگاتا۔' انہوں نے ایک چوری نظر ثریا بانو اور دوسری
غصیلے روپ پہ ڈالی۔
'کیا اسے مکافات عمل کہیں گے؟' انہوں نے دونوں کے چہروں کو دیکھ کر ایک پل کو سوچا تو انہیں آج کل
سے یاد آ گیا۔ وہ ایک جھرجھری سی لے کر یک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔
''یاسمین بیٹا! مجھے تانیہ سے ایڈریس لا دو آفس کا۔ میں پتہ کر آتا ہوں۔ شام گہری ہوتی جا رہی ہے۔ رات
جائے گی۔'' وہ کہتے ہوئے باہر کی طرف بڑھے۔
''پلیز آغا جان! آپ اس مشکل میں نہ پڑیں۔ آپ خود ٹھیک نہیں ہیں۔ یہ ہماری سر دردی ہے۔ ہم خود
ناہنجار، نامعقول اولاد ہو تو ضعیف والدین کو اس عمر اور معذوری کی حالت میں تھانوں کے چکر لگانے ہی پڑتے
دوزخ سے گزر آیا۔ یہ ذلت رہ گئی تھی، دیکھنے کو۔'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو اٹھا کر
دیں۔
''یہ کوئی غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔'' تنزیل جانتے بوجھتے کوئی بھی غلط، غیر قانونی کام کیسے کر سکتا ہے؟''
بولے۔ اصل میں تو وہ اندر کے شور سے گھبرا کر باہر کی سچویشن میں پوری طرح انوالو ہونا چاہ رہے تھے۔
''آغا جان! پولیس والے اندھے، احمق یا پاگل نہیں ہیں کہ یونہی منہ اٹھا کر کسی کو بھی گرفتار کرنے چل پڑیں
نہ کوئی ثبوت ہوگا تو انہوں نے ہاتھ ڈالا۔ اب کیا کروں؟........ کدھر جاؤں؟'' وہ جیسے بے بس سے ہو کر بولے۔
''یاسمین! تم عالی کو فون کیوں نہیں کرتیں؟ اس کے تعلقات ہوں گے، اس کے ایک فون کی دیر ہے۔ مدد کا
کیوں نہیں آیا کسی کو؟'' آغا جان اپنے اس نئے، اچھوتے خیال کے آنے پر جوش سے بولے تو یاسمین اور ثریا بانو
نگاہ ایک دوسرے پر ڈالی اور زاویہ نظر بدل لیا۔
''جسٹس محمود عالم عرف عالی صاحب! آغا جان ہم جیسے کیڑے مکوڑوں سے تو وہ ملنا پسند نہیں کرتے، کجا

پھر بھی انتظار کریں گے۔" احسن مراد فوراً پلٹ کر بولے تو آغا جان نے تحیر بھری نظر سے سب کے چہروں کو دیکھا اور پھر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔

انہیں اس دن کا محمود عالم کا رویہ یاد آ گیا تو ان کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"تم ان سے بات کر دیکھو، شاید وہ عالی سے بات کر کے کچھ کر سکے۔" انہوں نے ایک پُر امید نگاہ حاضرین کے اُترے ہوئے چہروں پر ڈالی۔

"کوئی فائدہ نہیں آغا! ان دونوں میاں بیوی کے تعلقات ہمیشہ نیزے کی نوک پر ٹنگے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے وہ کیا کوئی بات کرنا چاہیں گے؟ ان سے کوئی توقع فضول ہے۔" ثریا بانو آہستگی سے چور نگاہوں سے بیٹے کے اُترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر بولیں۔

"شاید آپ ٹھیک کہتی ہیں بھابھو! اس دن ان دونوں کے رویے......." وہ سر ہلانے لگے۔ بظاہر انہیں کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی تھی مگر یہ پوچھنے کا موقع بھی نہیں تھا۔

"میں خود ہی جا کر پتہ کرتا ہوں۔ یاسمین! ادھر آؤ۔" وہ تھکے ہوئے، نڈھال سے باہر نکل گئے تو یاسمین چہرہ صاف کرتی ان کے پیچھے لپکی۔

"اللہ خیر کرے۔ جبریل تو بڑا اچھا بچہ ہے۔ کبھی اس نے کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی۔ کبھی کسی سے لڑائی جھگڑا، کسی کو بے جا تنگ کرنا۔ بس پڑھائی میں کچھ کمزور رہا، جس کے طعنے باپ ساری زندگی دیتا رہا۔ پھر بھی بے چارے نے کبھی سر اٹھا کر جواب نہیں دیا۔ بڑی اچھی طرح سب کا خیال رکھتا ہے۔ سعادت مند بھی ہے۔ پھر کچھ دنوں سے اُلجھا ہوا اور پریشان سا تھا....... دس بار پوچھا، کچھ بتاتا نہیں تھا۔ ورنہ باپ کے ساتھ خدا جانے کیا جھگڑا چل رہا تھا۔ سچ پوچھو بھائی! اس عمر میں ہم بوڑھوں کو کوئی کسی قابل نہیں سمجھتا کہ ہماری عمروں کے ساتھ عقلیں بھی سٹھیا گئی ہیں۔ زور کا ہی شور ہوتا ہے نا۔ زور گیا تو شور بھی ختم۔ اب کوئی نہ سنتا ہے، نہ کسی مشورے کے اہل جانتا ہے۔ ہمارا تمہارا دور ختم ہو گیا، آغا!....... ختم ہو گیا۔ اب تو ہم بوڑھوں سے صرف مصلے پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے کی توقع کی جاتی ہے، سو کرے جاتے ہیں۔ نماز کا ٹائم ہو گیا، اٹھ کر تم بھی سجدہ کر لو۔ ایک بار بھی میں نے تمہیں نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ اب تو لب گوریاں آ گئیں، کب توبہ تِلّا کرو گے؟ بڑے گناہوں کو چھوڑ، چھوٹے ہی شمار میں نہیں آتے۔ اللہ!"

"بڑے گناہ، چھوٹے گناہوں کے اوپر غالب آ جاتے ہیں تو چین نہیں لینے دیتے۔ سمجھ میں نہیں آتا، بھابھو! کہاں سے توبہ تِلّا شروع کروں؟ کس گناہ پر پہلا آنسو بہاؤں؟ کس گناہ کو گناہوں کی قطار میں سب سے آگے کھڑا کروں اور توبہ کروں؟ اور یہ بھی تو قسمت والے کرتے ہیں۔ میری تو قسمت اس معاملے میں بھی زور آور نہیں۔"

وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے وہیں جھکے بیٹھے رہے۔

"کچھ پیسے دو، مجھے پتہ نہیں وہاں کیا حالات پیش آتے ہیں۔ کون سے تھانے میں ہے؟ پہلے تو یہی پتہ کرنا ہے۔ اور سن رکھو بیگم! اگر کوئی بہت بڑا پھڈا یا دھندا ہوا تو بہت بھاگ دوڑ کی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔ چاہے جیل کی سلاخوں کے پیچھے سڑتا رہے، میں بتا رہا ہوں۔"

وہ یاسمین سے ترشی سے بولے۔ انہوں نے الماری سے کچھ نوٹ کرا نہیں تھمائے۔

"میرا تو رواں رواں اپنے بچے کے لئے دعا کر رہا ہے احسن! آپ جانتے ہیں، وہ ایسا نہیں۔ کچھ غلط نہیں کر سکتا۔"

"بے وقوف عورت! میرے تمہارے جاننے اور جاننے سے کیا ہو گا؟ وہ ظالم لوگ تو ثبوت مانگتے ہیں۔ چلتا ہوں۔ دعا کرو۔"

"ٹھہریں ابو! میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" تانیہ ایک دم سے اندر سے چادر اوڑھتی ہوئی نکلی تھی۔ اس کی آنکھیں، ناک، سرخ ہو رہے تھے۔

"تم...... تم کہاں جاؤ گی میرے ساتھ؟ تھانے میں ماری ماری پھرو گی۔ بیٹھو آرام سے۔" وہ غصے میں آ کر بولے۔

"ابو! میں اپنی میڈم سے بات کرتی ہوں۔ ہم ان کے پاس ہی جاتے ہیں سیدھے۔ تھانے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ یوں بھی جبریل ان ہی کی فرم میں ہے۔ انہیں سب معاملے کا علم ہو گا اور وہ مجھے بھی جانتی ہیں۔" تانیہ آگے بڑھ کر پُر اعتماد لہجے میں بولی تو وہ کچھ لمحے کھڑے سوچتے رہے۔

"اچھا، چلو آؤ۔" وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گئے تو تانیہ بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔

یاسمین زیر لب دعا کرتی ان کے پیچھے دروازہ بند کرنے چل پڑیں۔

✲◎......◎✲

"تم دودھ کیوں لیتی ہو؟" ڈاکٹر رخشندہ نے اس کی رپورٹس دیکھ کر ایک طرف رکھ دیں اور کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ ایک

دو اِدھر اُدھر کی سرسری باتیں پوچھنے کے بعد انہوں نے پوچھا تھا۔ لائبہ ان کے سوال پر کچھ پریشان سی ہو کر اپنی انگلیاں الجھی
کیفیت میں چٹخانے لگی۔

”لائبہ! میں نے کچھ پوچھا ہے آپ سے۔“ ان کے لہجے میں سختی نہیں تھی مگر کچھ ایسا تھا کہ لائبہ مزید پریشان ہو گئی۔ شاید
میں شاید وہ رو ہی دیتی۔

”آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟“ اس نے خود پر قابو پانے کے لئے چند سیکنڈ لئے تھے مگر لہجہ پھر بھی کمپوزڈ نہیں تھا۔

”تمہاری میڈیکل رپورٹس کہہ رہی ہیں۔ اور میرے خیال میں صرف جسم کو نہیں بلکہ تمہاری دماغی قوتوں اور صلاحیتوں کو
کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ تم موت کی چوکھٹ سے گزر کر واپس آئی ہو۔“

ڈاکٹر رخشندہ طبعاً بہت نرم مزاج تھیں اور غصہ بھی انہیں بہت کم آتا تھا۔ تلخی تو ان کے اندر تھی ہی نہیں۔ مگر اس لڑکی
انہیں پہلے دن سے غصہ، کوفت اور نہ جانے کیا کیا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود ہر بار اس سے بات کرنے کے دوران
میں آ جایا کرتی تھیں۔

”میرا خیال ہے ڈاکٹر صاحب! یہ سب میرے پرسنل معاملات ہیں۔ میں جیتی ہوں، خود کو مارتی ہوں یا مرنے کی کوشش کرتی
ہوں اور اس کوشش میں ناکام ہوتی ہوں یا کامیاب، یہ میرا مسئلہ ہے۔“

ان کا تلخ لہجہ بالآخر رنگ دکھا ہی گیا۔ وہ بھی جواباً ناراض ہو کر رُوڈ ہو رہی تھی۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ جیتی ہے یا مرتی
انہیں اس سے کیا مطلب؟

یوں بھی میں اب ٹھیک ہوں۔ میرے خیال میں آج آپ مجھے ڈسچارج کر دیں۔ میں اب بہتر فیل کر رہی ہوں۔“
کمبل اپنی ٹانگوں سے ہٹاتے ہوئے رُکھائی سے بولی تو ڈاکٹر رخشندہ کا جی چاہا، گو ٹو داہیل کہہ کر اٹھ جائیں۔ مگر پھر اسی پل
ہی ان کے دل میں جیسے کسی نے چٹکی سی لی۔

”تمہارے پیرنٹس تمہارے ساتھ نہیں رہتے؟“ وہ چند لمحوں بعد بولیں۔

”یہ آپ اسامہ سے پوچھ لیجئے گا۔ میرے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں۔“ اس نے رکھائی کی انتہا کر دی۔

”لائبہ! ناراض مت ہو۔ تم ایک اچھی، سمجھ دار لڑکی ہو۔“

”یہ آپ سے کس نے کہا؟“ وہ اسی انداز میں آنکھیں سکوڑ کر بولی۔

”کوئی یہ کمنٹس کہتا نہیں بلکہ سمجھنے کی بات ہے۔ پھر تم پڑھی لکھی ہو۔ آئی ٹی میں ماسٹرز کرنے کے بعد یہ ایسی حرکات سے
کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟ یا انتقاماً ایسا کر رہی ہو؟“ وہ اس کے اندر کے جس تک رسائی چاہتی تھیں۔ کوئی جھروکہ، روزن یا دروازہ
انہیں اس پیاری سی لڑکی سے دلی ہمدردی ہو چلی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر ماؤں جیسا غصہ آ رہا تھا کہ اس نے اپنے
ساتھ ایسا کھیل کیوں کھیلا۔

”اچھا یہ کوئی اصول، کلیہ یا قاعدہ ہے کہ آپ آئی ٹی میں ماسٹرز کرنے کے بعد سوسائیڈ رائٹ کے حق دار نہیں رہتے۔
نالج میں فرسٹ ٹائم یہ بات آئی ہے۔“ وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنسی۔

وہ افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

”ٹھیک ہے، آج شام تک تمہیں ڈسچارج کر دیا جائے گا۔“ وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

”سوری۔“ وہ آہستگی سے بولی تو وہ چند لمحے کھڑی اسے دیکھتی رہیں۔

”تم کیوں اکیلی ادھر رہ رہی ہو؟ اس طرح تنہا ہو گی تو لامحالہ ذہن، دل ان خرافات کی طرف جائے گا۔ اپنے پیرنٹس
چلی جاؤ یا...... یا شادی کر لو۔“ وہ پھر بھی اسے خود کو مشورہ دینے سے نہ روک سکیں۔

”دونوں باتیں میرے اختیار میں نہیں۔“ وہ پہلے والے انداز میں انگلیاں چٹخا کر بولی۔

”تمہاری مدر کو علم ہے یہ سب؟“ انہیں اس پر بہت ترس آیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”تو وہ آئیں کیوں نہیں؟“ بے ساختہ ان کے لبوں سے پھسلا۔ اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا، اس کی آنکھوں کے
شفاف پانیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ انہیں دکھ ہوا۔

”اسامہ بتا رہا تھا، وہ بزنس کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے، بہت مصروف ہوں۔ میرا مشورہ ہے تم ان کے پاس چلی جاؤ۔“ وہ
تھپکتے ہوئے بولیں۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ قطرے گرنے لگے۔

”وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتیں۔ انہوں نے مجھے کبھی اپنے ساتھ نہیں رکھا۔“ اس کی آنکھیں برس رہی تھیں مگر

لگتا تھا، اس کے حبس زدہ علاقے تک رخشندہ نے رسائی حاصل کر لی تھی۔ وہ انہیں کسی ننھی بچی کی طرح لگی۔ دائم کو یہ بھلا کیوں نہیں لگی؟ انہیں پہلی بار وہ خیال آیا، جس پر انہوں نے دائم سے اچھی خاصی جرح کی تھی اور وہ چڑ گیا تھا۔

"بچپن سے پہلے مری کانونٹ، پھر ہم دبئی، شارجہ، مسقط میں رہے اور ہر بار میری بورڈنگ ان سے دُور کسی دوسرے شہر، کسی دوسری ریاست، کسی دوسرے ملک میں ہوتی۔ او لیول کے بعد انہوں نے مستقلاً مجھے ادھر بھجوا دیا اور خود پاکستان سیٹل ہو گئیں۔" وہ اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔ ڈاکٹر رخشندہ نے اسے ٹشو تھمایا۔

"تم نے ان سے اس کی وجہ نہیں پوچھی؟"

"بارہا۔" وہ اب سوں سوں کر رہی تھی۔ ڈاکٹر رخشندہ نے دلچسپی سے اس کی دہکتی ناک اور متورم آنکھوں کو دیکھا۔

"ہر بار ایک ہی جواب، میں مصروف رہتی ہوں۔ تمہیں ٹائم نہیں دے پاؤں گی، تم ڈسٹرب ہو گی، تمہاری اسٹڈیز میں خلل پڑے گا، وغیرہ وغیرہ۔"

"اور اب، جبکہ تم ایجوکیشن مکمل کر چکی ہو، اب تم ان سے کیوں نہیں کہتیں؟" وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلاتے ہوئے بولیں۔ اس کے آنسوؤں نے انہیں بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"کہا بہت دفعہ، مگر اچھا اگلی بار، ایک ماہ، دو ماہ بعد، چند دن ٹھہر جاؤ، بزی ہوں، اور نہ جانے کیا کیا۔ بہت بار میں نے ان سے اپنے ریلیشن کا تجزیہ کیا، مجھے لگتا ہے، میں ان کی رئیل ڈاٹر نہیں ہوں مگر جب وہ میرے پاس ہوتی ہیں، مجھ سے ملنے آتی ہیں کیونکہ میں تو ان کے گھر بہت کم گئی ہوں تو ان کا التفات، ان کی محبت، اتنی شدید اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ میرے تجزیے کے پیمانے چھوٹے پڑنے لگتے ہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ سب کیا ہے۔ وہ ایسا کیوں کرتی ہیں۔ کیوں مجھے خود سے دُور رکھنا چاہتی ہیں؟ اور پاس آتی ہیں تو روتی ہیں۔ مجھے ایک پل کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتیں۔ میرے اکاؤنٹ میں آج تک بیلنس لاکھوں سے کم نہیں ہوا کبھی۔ پتہ نہیں، ان کی یہ کیسی محبت ہے؟ اور سچ پوچھیے، مجھے اب ان کی اس محبت کا یقین بھی نہیں رہا۔ عجیب ڈھکوسلا سا لگتی ہے۔" وہ آخر میں اُکتاہٹ بھرے لہجے میں کہتی ہوئی بیڈ کی بیک سے پشت لگا کر بیٹھ گئی۔

"میں کل ایک سیمینار میں شرکت کے لئے اسکاٹ لینڈ جا رہی ہوں۔ میری واپسی پر ہفتہ دس دن لگ جائیں گے۔ ورنہ میں خود تمہاری مدر سے بات کرتی۔ اگر تم اجازت دو تو میں واپس آ کر ان سے بات کر لوں؟" وہ ملائمت سے بولیں۔ کیسا دلاسا تھا ان کے لہجے میں کہ لائبہ کے بوجھل دل پہ کسی نے پھاہا رکھ دیا ہو۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور میرا دوسرا مشورہ۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھیں۔ "اب تم ایک گریڈ پرسن ہو، پڑھی لکھی، میچور، ایک مکمل ذہن والی سمجھ دار لڑکی۔ بھلا خود بہتر طور پر سمجھنے والی۔ اب جبکہ تمہیں اپنی ماں کی محبت بھی ڈھکوسلا لگتی ہے تو پھر اس ڈھکوسلے کو دیکھنے کی خاطر خود کو الجھن میں کیوں ڈالتی ہو؟ اپنی زندگی جیو اور بھرپور طریقے سے جیو۔ اس بات کا خیال چھوڑ دو، وہ تمہیں پاس کیوں نہیں بلاتیں یا وہ ایسا کیوں کرتی ہیں؟ تم کوئی جاب کر لو۔ کچھ بھی کرو مگر خود کو مصروف کرو، اپنے ذہن کو، اپنے دل کو۔ اور دوسرا مجھے یقین ہے، آپ کی ماما ایک دن خود آپ سے اپنے تمام پرابلمز ڈسکس کریں گی۔ وہ یقیناً کسی مناسب وقت کے انتظار میں ہوں گی۔ اور مجھ سے ایک آخری وعدہ کرو۔" وہ اس کے آگے اپنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولیں۔

"وہ کیا؟" اس نے ہچکچا کر ان کے ہاتھ کی طرف دیکھا مگر اپنا ہاتھ بڑھایا نہیں۔

"تم یہ سوسائیڈ اٹیمپٹ سیکنڈ ٹائم نہیں کرو گی۔ جو بھی پرابلم ہو گا، تم مجھ سے کہو گی۔ اپنی ماں نہ سہی، ماں کی طرح کا جان کر۔ وعدہ کرو گی؟" وہ اسے مجبور کر رہی تھیں، جیسے اس کی رائے لینا چاہ رہی ہوں۔

"وعدہ نہیں کرتی مگر کوشش کرنے کا وعدہ ضرور کرتی ہوں۔ یوں بھی اس اٹیمپٹ نے مجھ پر اور بہت سے انکشافات کیے ہیں۔ میری توقعات کو اور بھی ٹھیس لگی ہے۔ اگر وہ میری رئیل ماما ہوتیں تو یہ سب سن کر بھی وہ نہیں آئیں تو پھر کب آئیں گی؟ اس لئے......" وہ پھر سے نم لہجے کا گھونٹ سا بھر کر بولی اور مسکرانے لگی۔

"تو اسی لئے کہہ رہی ہوں نا، جاب کرو۔ خود کو بزی کرو گی تو یہ سوچیں تنگ نہیں کریں گی۔ میں اب چلتی ہوں۔ شام تک تمہیں ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ میں شام کو آؤں گی۔ ٹیک کیئر۔ اسامہ بھی شاید چکر لگائے۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں تو لائبہ ایک گہری سانس لے کر بیڈ کی بیک پر سر رکھ کر کچھ سوچنے لگی۔

❋ ◉ ...... ◉ ❋
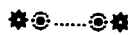
"ہوں، سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا نا؟" عائشہ بخاری اندر داخل ہوئی تو میڈم یاقوت فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھ کر رُک کر بیٹھ گئی۔

"تمہارا کوئی بندہ تو نہیں تھا بلڈنگ میں اس کے علاوہ؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"ویری گڈ......اور بلڈنگ میں کوئی اور ریکارڈ یا کچھ سامان وغیرہ؟......بس، یہی میں جاننا چاہتی تھی۔
کا......بڑے بے وقوف ہو، جو یہ سوال پوچھ رہے ہو۔" وہ ریسیور کی تار سے کھیلتے ہوئے اٹھلا کر ہنسی تھیں۔ عائشہ
انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ابھی اسے دو چار دن، ہفتہ دس دن جیل کی روٹیاں توڑنے دو۔ بڑے دن ہمارے نوٹوں پر عیش کیے ہیں اس
سرکار کی میزبانی کا بھی مزہ لینے دو۔" وہ اب مستقل عائشہ کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھیں۔
"نہیں بھئی......اتنے لمبے چوڑے منصوبے نہیں ہیں۔ آخر کو ہمارا ورکر ہے۔ ہم اس کا خیال نہیں کریں گے
گا؟ پرچھی چھپی، اس نے حرکت بڑی گھٹیا کی تھی۔ ہماری تھال میں کھایا، اسی میں ہتھوڑی لے کر چھید کرنے لگا۔
ضروری ہے نا؟" عائشہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ "ہمارا ورکر اور تھوڑی سی سزا" وہ ان دونوں فقروں کا مطلب
"نہیں......اتنا زیادہ نہیں۔ تم کہہ دینا ان سے، ہتھ ہولا ہی رکھیں۔ بس کچھ دن کے لیے مہمان سرائے میں
جائے گا تو لے آئیں گے۔ ہمارا مقصد تو پورا ہو جائے، پھر چھٹی ہی چھٹی۔ او کے، اب سب کچھ احتیاط سے۔ کہیں
اس سارے معاملے......"

"نہیں، نہیں۔ بھٹی بلڈنگ تو ہماری فرم نے ہائر کر رکھی تھی۔ مگر ہم تو کئی دنوں سے ادھر سے شفٹ کر چکے ہیں،
میں موجود ہے۔ وہی غیر قانونی سی ڈیز اور دوسری خرافات کا ذاتی طور پر دھندا چلا رہا تھا۔ اس نے تو الٹا ہمیں بدنام
کی ہے۔ کم سے کم اس ننھے منے جرم کی سزا تو ہونا چاہیے نا۔ ہماری ریپوٹیشن سے بڑھ کر تو کچھ بھی نہیں، اس کا سبق تو
یہ صلہ دیا ہماری مہربانیوں اور محبتوں کا اس نے۔ میرے خیال میں اب بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہو گی۔ اب سب
ہی۔ مزید کوئی مشورہ لینا ہو تو فون کر لینا۔ او کے، بائے!" کہتے ہوئے انہوں نے آہستگی سے ریسیور کریڈل پر رکھا
طرف دیکھنے لگیں۔

"تم کیوں پریشان ہو گئیں، مس رونی صورت؟" وہ اس کے پریشان چہرے کو فوراً بھانپ لیتی تھیں۔
"نہیں تو میم! یہ فائلیں ہیں۔ ذرا دیکھ لیں۔ صرف دو پر آپ کے سائن چاہئیں اور......"
"میری ٹکٹ کنفرم ہو گئی، لندن کے لیے؟"
"یس میم! کل شام چھ بجے کی فلائٹ سے۔"
"ہوں۔ بس جو سائن کروانے ہیں، ابھی کروا لو۔ کل میں آفس نہیں آؤں گی۔ جہانگیر بیٹھیں گے ادھر۔ اور خیال
واپسی پر کوئی شکایت نہ ملے۔" وہ پیپرز پہ سائن کرتے ہوئے تنبیہی لہجے میں بولیں تو عائشہ نے سر ہلا دیا۔ اس کی رنگت
زرد ہو گئی تھی۔

"جاؤ تم اب۔" انہوں نے یک دم پین ایک فائل کے اوپر پھینکتے ہوئے بیزاری سے کہا تو وہ تیزی سے مڑ کر باہر نکل گئی۔
"یہ کیا کر رہی ہو یاقوت! تم؟......اور کب تک؟......اور یہ سب کرنے کے بعد بھی سکون نہیں مل رہا۔ آگ تو
ایک بھی شعلہ سرد نہیں پڑا۔ اندر تو اسی طرح بھا نبڑ جل رہے ہیں۔ تو پھر اس ساری تگ و دو سے کیا حاصل ہے؟"
وہ بے چین سی ہو کر چیئر زور زور سے گھمانے لگیں۔ عائشہ کی زرد رنگت نے ان جلتے شعلوں میں کچھ اور لکڑیاں
تھیں۔ یوں بھی آج کل لائبہ کے خیال نے انہیں بہت ڈسٹرب کر رکھا تھا۔ ایک انتقام میں لے رہی ہوں اور شاید ایک
سے بھی جاری ہے۔ ظاہر ہے، قدرت بھی تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی اور جو بے چارہ نیوٹن کہہ گیا، ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے
ردِ عمل......" وہ آنکھیں بند کر کے چیئر کے ساتھ اِدھر اُدھر جھلانے لگیں۔
اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔
"یس......" انہوں نے آنکھیں بند کیے اسی طرح جھولتے ہوئے کہا۔
"میم! وہ ثانیہ مراد اور اس کے والد احسن مراد صاحب آئے ہیں، آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" عائشہ دروازے کے بیچ
پوچھ رہی تھی۔

"احسن مراد......!" میڈم یاقوت کو لگا، ایک پل کو ان کے دل کی ساری دھڑکنیں سمٹ کر ایک نقطے میں سو گئی ہوں۔
بے اختیار ان کا دل چاہا کہ اٹھ کر دروازہ بند کر دیں اور ان کے سامنے جا کھڑی ہوں۔ اور کہیں۔ "دیکھو احسن......
ہوں۔"

وہ زور سے چلائیں۔ "ہوں......کیا کہتے ہیں؟" ان کے سینے میں دھواں سا بھرنے لگا۔
"آپ سے فوری ملنا چاہتے ہیں۔ کافی پریشان لگ رہے ہیں۔" عائشہ بغور ان کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھ

بھی منہ مانگی شرط نہ ہار رہی تھی۔

"ہم ان کے باپ کی نوکر ہوں کہ ان کے چلے آنے پر فوراً اُٹھ کر ملنے چل پڑوں؟ ان سے کہو، پہلے مینرز سیکھیں ادھر آنے کے، ناؤ انہیں جا کر، میڈم اپائنٹمنٹ کے بغیر کسی سے نہیں ملتیں۔ اور دوسرے یہ کہ میڈم پندرہ دن کے لئے لندن جا چکی ہیں، انہیں لیکن اب پندرہ دن بعد کی کسی تاریخ میں ملے گی۔ جاؤ کہہ دو جا کر........اور دوبارہ میرے پاس یہ سفارشی انداز مت لے کر آنا۔ کمبری ملازم ہو، ٹکے ٹکے کے لوگوں کی نہیں۔ انڈر اسٹینڈ؟" انہوں نے ایک ہی تیر سے دونوں کو گھائل کیا تھا اور اپنی برسوں کی بھڑکتی آگ پر گویا دو چار چھینٹے پانی کے گرا دیئے۔ عائشہ سر ہلاتی باہر نکل گئی۔

'زندگی گول ہے، آج مجھے یقین آ گیا۔ احسن مراد! دیکھو، بالآخر وہ دن آ ہی گیا نا ہماری زندگی میں۔ ہم اور تم آمنے سامنے، وہ بھی ایسے کہ تم گڑگڑاتے ہوئے بھیک مانگتے میرے سامنے آئے ہو۔ مگر جس طرح مجھ پر کسی نے رحم نہیں کھایا، نہ وقت نے، نہ لوگوں نے۔ سو اب یہ سب اُدھار جو برسوں سے میری گردن سے لٹکا تھا، وقت آ گیا ہے اس اُدھار کو چکانے کا۔ اور بھول جاؤ تم بھی کہ میں رحم کھاؤں گی۔ تم پر یا تمہاری اولاد پر۔ ابھی تو یہ ابتدا ہے احسن مراد! ابھی تو وہ منزل بھی آنی ہے تمہاری زندگی میں کہ تم خود سے، دنیا سے اپنے سائے سے بھی چھپتے پھرو گے۔ پھر ملوں گی تم سے بالمشافہ، پھر........جب تم کسی سے کیا، خود سے بھی ملنے کے قابل نہیں رہو گے۔ پھر ملیں گے ڈیئر!'

میڈم یاقوت کو لگا، ان کے اندر کی جلتی سلگتی بھڑکتی آگ اب میٹھے میٹھے درد میں ڈھل رہی تھی، سکون آور درد........یہ میٹھی سی کسک جس کے حصول کے لئے انہوں نے وقت کی تسبیح پہ دنوں، لمحوں اور سالوں کے دانے کس اذیت، کس کرب سے گزر گزر کر گرائے تھے۔ آج بالآخر وہ لمحہ آ ہی گیا، ابھی تو پہلا کھاتہ کھلا تھا۔ نمبر ایک........اس کے بعد دو، تین، چار۔

'لمبا حساب ہے۔ بہت احسن مراد! گنتی نہیں کر سکو گے۔ روؤ گے، تڑپو گے، فریاد کرو گے اور تمہیں نہیں پتہ، جب کوئی یوں روتا ہے، تڑپتا ہے، ایڑیاں رگڑتا ہے تو قدرت کو خاموش اس منظر کا نظارہ کرنے میں کتنا لطف آتا ہے کہ کوئی خدائی طاقت اس فریادی کی مدد کے لئے حرکت میں نہیں آتی۔ ایک عرصے تک، ایک زمانے تک۔ تم بھی گنتی شروع کر دو........ایک، دو، تین، چار، پانچ۔'

وہ بڑے دل فریب انداز میں گنگناتے ہوئے، پُرمسرت انداز میں کرسی جھلاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

✼......✼......✼
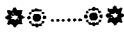
سارہ کے لئے تو یہ خبر ہی بے حد چونکا دینے والی تھی۔

ملال انہیں یاسمین اور احسن مراد کے دکھ کا نہیں تھا، رنج تو انہیں اپنے اس نو تعمیر شدہ شیشے کے محل کے ٹوٹ جانے کا تھا، جو انہوں نے چند دنوں میں بڑی جانفشانی سے اپنے تخیل کے زور پر تعمیر کیا تھا اور ابھی اسے دیکھ دیکھ کر ان کی مسرت کے پیمانے بھی لبریز نہیں ہوئے تھے کہ ایک ایک کر کے کانچ کے مینارے زمین پر آ رہے ہے۔

"تنزیل کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی۔" انہیں لگا، کسی نے ان کے منہ پر بڑا زوردار طمانچہ لگایا ہے۔

"میرا بیٹا تو بہت بھولا، ایماندار اور شریف ہے۔ وہ کوئی ایسی حرکت کیوں کرے گا؟ جو بھی ہے، کسی غلط فہمی یا دھوکا دہی کا شاخسانہ ہے۔ سارہ! پلیز، محمود بھائی سے کہہ کر........" یاسمین، فون پر بچوں کی طرح رو رہی تھیں۔

سارہ نے کوئی بھی آس دلائے بغیر، کچھ کہے سنے بغیر فون رکھ دیا۔

عزہ اور تنزیل........کیسا خوش کن سپنا دیکھا تھا انہوں نے چند دنوں میں اور اس کی تعبیر کیسی بھیانک، ذلت آمیز نکلی تھی۔ اور محمود عالم تو اس اچھوتے خیال کو سنتے ہی بھڑک اُٹھے تھے۔ جتنا شدید ان کا ری ایکشن تھا، اس سے سارہ کو توقع تھی کہ وہ شاید ہی اس رشتے پر راضی ہوں گے۔ پھر بھی سارہ کو یہ اُمید تھی کہ وہ ضد سے، ہٹ دھرمی سے اپنا پورا زور لگا کر یہ بات منوا سکتی ہیں۔ اگر عزہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیں تو ان کا مؤقف زیادہ اسٹرونگ ہو جائے گا۔ مگر اب........

اب تو شاید وہ اس ایشو پر کبھی سر اٹھا کر بات بھی نہ کر سکیں۔

اور مجھے بھلا یہ بے ہودہ خیال سوجھا ہی کیوں؟ کہاں وہ تنزیل مراد ایک گریجویٹ مڈل کلاس کا قبول صورت جوان اور کہاں عزہ عالم۔ دیکھو تو نظر نہ ٹھہرے اس کے معصوم حُسن پر اور ذہانت میں اس نے باپ کے بھی پر کاٹ دیئے ہیں۔ نصابی کے علاوہ غیر نصابی، ہر ایکٹیویٹی میں سر فہرست عزہ عالم کا نام آتا ہے۔ آج محمود عالم اشارہ کریں۔ آج شہر بھر کی ایلیٹ کلاس کے والدین ایک سے ایک نہال، دولت مند بیٹے کا رشتہ مل سکتا ہے اور احسن بھائی کے گھر کیا ہے، بھوک، ننگ، تین تین بیٹیاں۔ احسن بھائی کا غصہ، گالی گلوچ، ڈگمگی کی مظلومیت اور اماں کے طعنے۔ ایسے ماحول میں بھلا عزہ کیسے رہ سکتی ہے؟ محمود کا اس خیال پر بھڑکنا بے جا نہیں تھا۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے تراشیدہ بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

مگر عزہ کو کون سا اس گھر میں جا کر رہنا تھا؟ اس کے نام پر محمود عالم پہلے ہی ایک پلاٹ، ایک کوٹھی اسلام آباد میں بُک کرا چکے

ہیں، بات بن سکتی تھی۔ تنزیل دبو لڑکا ہے، عزہ سے دب کر رہتا۔ رعب دار دبنگ مرد تو عورت کی زندگی حرام کر دیتا ہے
اپنی ٹانگ اوپر رکھنے کے چکر میں۔ محمود نے مجھے کون سی خوشیوں بھری زندگی دی ہے۔ ایسے پھول کی سی زندگی، جس کے
جھاڑ لگی ہو۔ پھر احسن بھائی اور یاسمین احسان مند رہتے۔ مجھے کون سا ان سے گہرا میل ملاپ رکھنا تھا؟ بس ایک
لڑکا........! اور دیکھیے بھالے لڑکے نے کیا گل کھلایا ہے۔ کیسے محمود سے بات کروں گی؟"
انہوں نے بیزاری سے سر ہلایا۔ "اسی لئے رشتہ داریوں میں گھسنا نہیں چاہئے۔ ہر وقت کاسہ پکڑے خواتواہ
آتے ہیں، ان سے مجھے کبھی عزت اور مالی سہارا ملا نہیں، اُلٹا ذلت کے کاموں میں حصہ دار بنانے چلے آتے ہیں اور"
اسی وقت محمود عالم اندر داخل ہوئے۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے انہوں نے ایک سرسری سی نگاہ اپنی سوچوں میں گم
ڈالی اور اسی تمکنت بھری چال سے چلتے ہوئے گزر گئے۔
سارہ اپنے خیال سے چونکیں تو ان کے پیچھے لپکیں۔
"بات سنیے!" وہ بیڈ روم میں ان کے پیچھے آتے ہوئے بولیں۔
"ہوں۔" وہ کمرے میں داخل ہو کر صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔
"یاسمین بھابی کا فون آیا تھا۔ بہت پریشان تھیں وہ۔" سارہ نے ایک عرصے بعد اس تشویش بھرے لہجے میں اپنے
ذکر کیا تھا۔
"کیوں؟ کیا ہوا؟" محمود عالم نے پھر بھی احتیاط سے کام لیتے ہوئے مختصر الفاظ استعمال کئے۔
"تنزیل کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے، نہ جانے کس لئے۔ آفس سے کسی نے اطلاع دی ہے۔ اب احسن بھائی گئے
ہیں مگر ابھی تک لوٹے نہیں۔ وہ بے چاری بہت پریشان ہیں۔ آپ ذرا پتہ لگائیں۔" وہ بڑی فکرمندی سے کہہ رہی تھیں
سارہ کی فکرمندی پر کچھ حیرت تو ہوئی مگر انہوں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔
"میں نے کیا مؤکل چھوڑ رکھے ہیں خلا میں جو پتہ کرواؤں؟ جنہوں نے یہ اطلاع دی، ان ہی سے باقی کی تفصیل
تھی۔" وہ سرد لہجے میں کہتے ہوئے جھک کر جوتے اتارنے لگے۔ سارہ کے دماغ میں غصے کی لہر دوڑی مگر یہ بات
کو مزید بگاڑ سکتا تھا۔
"آپ کے اتنے تعلقات ہیں۔ کہیں بھی فون کر کے پتہ تو کروائیں۔"
"میرے تعلقات حوالات سے آگے کے معاملات میں ہیں۔ علاقے، آفس جاب کی نوعیت، جرم کی قسم کے مطابق
کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اور ابھی میں فی الحال کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ بہت تھکا ہوا ہوں۔ مجھے اس وقت ایک
تھوڑا سا آرام چاہئے۔ اگر مل سکے تو۔"
وہ حسب عادت سارہ سے جان چھڑانے والے انداز میں بولے تھے۔ سارہ سمجھ تو گئی تھیں مگر ظاہر نہیں کیا۔
"بلکہ میرا خیال ہے، آپ یوں کریں، ڈرائیور کے ساتھ چلی جائیں۔ ان کے گھر جا کر سب پتہ کریں۔ کچھ
ضرورت ہو، وہ لے جائیں۔ اس سے آگے ہم نہ ہی انوالو ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ یوں مجھے بھی اس لڑکے کے بارے
اس طرح کے کاموں کے لئے سوٹ ایبل ہے۔ شاید ہی وہ کوئی نیک نامی والا کام کر سکے۔ اس لئے ایسے معاملات
اپنی ریپوٹیشن داؤ پر نہیں لگانی چاہئے۔ میرا خیال ہے آپ میری بات سمجھ رہی ہیں۔"
وہ آہستہ آہستہ بولتے ہوئے ڈریسنگ روم میں چلے گئے تو سارہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ انہیں کیسے قائل کریں۔
"عزہ کہاں ہے؟ وہ مجھے کل بھی نہیں ملی۔" وہ لباس تبدیل کر کے باہر آتے ہوئے بولے۔
"اپنے کمرے میں ہی بیٹھی پڑھ رہی ہے۔" وہ بے خیالی میں بولیں۔
"آپ کو علم ہے، پرسوں رات وہ کتنے بجے گھر لوٹی تھی؟" انہیں بیڈ پر بیٹھتے ہوئے جیسے یاد آیا۔
"اس کی دوست کی برتھ ڈے تھی۔ مجھ سے پوچھ کر گئی تھی۔"
"برتھ ڈے کا مطلب رات کے دو ڈھائی بجے گھر آنا نہیں ہوتا۔ آئندہ ایسی کسی بھی پارٹی، فنکشن میں بھیجنے سے
سے پوچھ لینا چاہئے۔ اور آئندہ میں اسے اتنی رات گئے گھر آتا نہ دیکھوں۔ اسے ذرا میرے پاس بھجوائیں۔" وہ بیڈ
ٹیک لگا کر، ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول لے کر ٹی وی آن کرنے لگے تو سارہ نے مزید تنزیل کے معاملے پر بات کو بے
باہر آگئیں۔
"آج کی شام واقعی حیران کن ہے۔ سارہ اور بغیر بحث، چیخ و پکار کے مان گئیں۔" وہ چینل سرچنگ کرنے لگے۔
تھوڑی دیر میں عزہ دروازے پر دستک دے کر اندر آگئی۔

"جی پاپا! آپ نے بلوایا مجھے؟" وہ اندر آ کر بولی تو انہوں نے ٹی وی آف کرتے ہوئے ریموٹ ایک طرف رکھ دیا۔ گرین گھبراہٹ میں عزہ انہیں پہلے سے نہ جانے کیوں بڑی بڑی سی لگی، میچور سی۔ انہوں نے گولڈن گلاسز کے پیچھے سے اسے ایک بار بغور دیکھا۔ ان کے جسم میں خون کی گردش کچھ تیز سی ہو گئی۔ انہوں نے بے اختیار اس کے سرو قامت، نازک سراپے سے نگاہیں ہٹا لیں۔

"پرسوں رات کو آپ کی کون سی فرینڈ کی برتھ ڈے تھی؟ بیٹھ جائیں۔" انہوں نے سخت لہجے میں کہتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عزہ کے چہرے کا رنگ پل بھر کو فق سا ہوا تھا۔ ہتھیلیوں پر پسینہ اُمڈ آیا تھا، تیز تیز دھڑکتے دل پہ قابو پاتے ہوئے وہ آہستگی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میری دوست سعدیہ کی۔" وہ سر جھکائے، لہجے کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوئے قدرے اعتماد سے بولی۔

محمود عالم کی نظریں گویا اس کے چہرے پر گڑی جا رہی تھیں۔

"اور واپسی کتنے بجے ہوئی؟" اس کے ہاتھوں کی لرزش ان کی نظروں کی گرفت میں آ گئی تھی۔

"بارہ بجے کے بعد۔" اس نے تھوک نگلا۔ اسے ذرا بھی گمان نہیں تھا کہ وہ اسے ان سوال جواب کے لئے بلوائیں گے۔

"بارہ بجے کے بعد......یعنی ڈھائی بجے۔" وہ چبا کر بولے۔

"جی......جی تھوڑی دیر ہو گئی تھی۔ وہ......اُس نے روک لیا تھا۔" وہ ان کی سرد نگاہوں سے واقعتاً گھبرا گئی تھی۔

"تھوڑی دیر عزہ؟......رات کا آخری پہر شروع تھا اور آپ اسے تھوڑی دیر بولتی ہیں۔ اب دھیان سے میری بات سنیں۔ آج کے بعد آپ اپنی فرینڈز، کالج یا کسی بھی ایسے فنکشن پارٹی میں شرکت نہیں کریں گی جو شام سات بجے کے بعد شروع ہونا ہو یا اس کے بعد ختم نہ ہو سکتا ہو، انڈراسٹینڈ؟ اور مجھے یہ تنبیہ دوبارہ دہرانی نہ پڑے۔ اس معاملے کی حکم عدولی پر یا اس پر عمل درآمد نہ ہونے کی صورت میں، میں کیا کر سکتا ہوں، اس کا اندازہ آپ اپنے دماغ میں جتنی دور تک لگانا چاہیں، لگا لیں۔ مگر مجھے دوبارہ یہ سب دہرانا نہ پڑے۔" وہ چبا چبا کر بولتے ہوئے اسے سرد اور برفیلی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ خوف کی برقی رو، عزہ کے جسم کے رونگٹے کھڑے کر گئی۔

"اگر پاپا کو ذرا سا بھی علم ہو جائے، پتہ چل جائے کہ میں اس رات کہاں تھی......تو......" اُسے خوف سے جھرجھری سی آ گئی۔

"مگر پاپا! ڈرائیور میرے ساتھ تھا اور میں......" گھبراہٹ میں اس کے منہ سے ایک اور بے وقوفانہ جملہ نکلا۔ اسے لگا، اس نے اپنے پیروں پہ خود کلہاڑی ماری ہے ڈرائیور کا ذکر کر کے۔ اگر پاپا نے اسے بلوا کر پوچھ لیا تو؟

"مجھے اس سے غرض نہیں۔ بہرحال میں آج ہی سارے ڈرائیورز کو ہدایت کر دیتا ہوں کہ شام سات بجے کے بعد وہ آپ کو کہیں بھی لے کر جانے کے پابند نہیں ہوں گے۔ آپ کے اصرار پر انہیں مجھ سے اجازت لینا ضروری ہو گی۔ جائیں، دیکھیں ابھی تک میری چائے نہیں آئی۔" کہتے ہوئے انہوں نے گویا اسے جانے کی اجازت دے دی۔

وہ مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی باہر آ گئی۔

"عزہ بی بی! غصہ اور خودسری اپنی جگہ......مگر یہ معاملہ ایسا نہیں کہ زیادہ دن تک پاپا کی عقابی نظروں سے چھپا رہ سکے۔ اگر یہ قدم اٹھا ہی لیا ہے تو پھر حوصلہ بھی خوب بڑا کرو، ورنہ جو آفت تم پر چند ماہ بعد ٹوٹنی ہے، وہ آج ہی ٹوٹ پڑے گی۔" وہ خود پر ملامت کرتی، گھومتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ کچن میں جا کر پاپا کے لئے چائے ہی بھجوا دے۔ محمود عالم کے رویے نے اس کے حواس معطل کر دیئے تھے۔

وہ کمرے میں آ کر بیڈ پر ڈھے گئی۔

٭......٭

"ہیلو سر!......میں تانیہ بات کر رہی ہوں......تانیہ مراد۔"

اس کی گھبرائی ہوئی، روہانسی آواز جہانگیر ہمدانی کے کانوں میں پڑی تو اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ مگر اس وقت وہ اس خوشگوار حیرت کا اظہار نہیں کر سکتا تھا کہ میڈم یاقوت ابھی آ کر وہاں بیٹھی تھیں۔

"یس......میں نے پہچان لیا ہے۔ کیسی ہیں آپ؟" وہ سنبھل کر بولا۔

میڈم یاقوت نے ٹیبل پر پڑے سگار کیس میں سے سگار نکال کر سلگاتے ہوئے سرسری نظروں سے دیکھا۔

"سر! میں ٹھیک ہوں سر!......ایک مسئلہ ہو گیا ہے سر!......مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے سر!" وہ اس وقت واقعی بہت مجبور لگ رہی تھی۔ جہانگیر ہمدانی کو کمینی سی خوشی محسوس ہوئی۔

''کیسی مدد؟'' اس نے میڈم یاقوت سے نظروں میں پوچھا۔

''سر! پولیس میرے بھائی کو پکڑ کر لے گئی ہے اس کے آفس سے........ سر! وہ کہتے ہیں کہ بھائی کوئی نحش سی ڈیز اور پیپر کیا کرتا ہے، لڑکیاں وغیرہ اسمگل........ سر! بھائی تو میڈم یاقوت کی فرم میں ملازم ہے۔ بلڈنگ بھی ان کے آفس کی تھی اور اس آفس میں بھائی کے سوا اور کوئی ورکر بھی نہیں تھا۔ سب عجیب طریقے سے غائب تھے سر! میرے بھائی کو کسی سوچی سمجھی سازش کے ٹریپ کیا گیا ہے سر! میرا بھائی تو بہت سادہ ہے بالکل۔'' وہ روتے ہوئے، گھبرا گھبرا کر بول رہی تھی۔

''تو تمہارا مطلب ہے یہ ساری پلاننگ میڈم یاقوت نے تمہارے بھائی کو ٹریپ کرنے کے لئے کی ہے؟'' وہ جان بوجھ کر صاف الفاظ میں بولا تو میڈم یاقوت کے دھواں اُگلتے لبوں پر گہری مسکراہٹ جم گئی۔ وہ سر ہلانے لگیں۔

''سر! میں یہ نہیں کہتی، مگر کچھ ایسا ہی ہے۔ پلیز سر! آپ کچھ کریں میرے بھائی کے لئے۔ میں میڈم کے پاس گئی تھی ان کے آفس، اپنے ابو کے ساتھ۔ وہ لندن چلی گئی ہیں پندرہ روز کے لئے۔ ان کی سیکرٹری بتا رہی تھی۔ سر! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں؟ کس سے بات کروں؟........ سر! آپ تو مجھے جانتے ہیں۔ اور میرا بھائی سر! وہ ایسا گھٹیا، واہیات کام کر ہی نہیں سکتا۔ وہ بہت عزت، غیرت والا ہے۔ وہ ایسا کام کبھی نہیں کر سکتا۔ پلیز سر! کچھ کریں۔''

''میڈم یاقوت لندن گئی ہیں، پندرہ دنوں کے لئے۔'' اس نے پھر دہرایا تو میڈم یاقوت ہنس دیں اور ہاتھ کے اشارے سے فون بند کرنے کا کہنے لگیں۔

وہ ہاتھ کے اشارے سے کیا کہہ رہی تھیں، جہانگیر ہمدانی سمجھ گیا۔

''اچھا، دیکھو تانیہ! اس وقت میں تو اسلام آباد میں بیٹھا ہوں، ایک پراجیکٹ میں اُلجھا ہوا۔ بہت کوشش بھی کروں تو دو دن سے پہلے نہیں آ سکتا۔ بہرحال، میں یہاں بیٹھے کوشش کرتا ہوں، فون کے ذریعے، جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے۔ اور دیکھو، اگر معاملہ زیادہ گمبھیر ہوا تو پھر میرے فون بھی کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہ پولیس والے بڑے گھاگ ہوتے ہیں۔ یونہی کسی پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ اگر انہیں کوئی نہ کوئی کلیو تو انہیں ملا ہوگا۔ بہرحال، تم فکر نہ کرو۔ میں واپس آتے ہی کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔ او کے، ٹیک کیئر۔ بائے!'' اس نے مزید بات سنے بغیر موبائل آف کر دیا۔

''یہ کیا، کیا بھئی، نیا بکھیڑا؟'' موبائل آف کرتے ہوئے اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیا کہہ رہی تھی تمہاری محبوبۂ دلنواز؟'' وہ صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولیں۔

''وہ تو جو کہہ رہی تھی، تم نے سن لیا۔ اور یہ لندن والا کیا سلسلہ ہے بھلا؟''

''ظاہر ہے، اور کیا کہتی پھر؟'' وہ ٹالنے والے انداز میں بولیں۔

''کس نوعیت کے کیس میں اندر کیا ہے اُس چڑے کو؟''

''کچھ خاص نہیں، اندر کیا ہے تو باہر بھی نکلوا دیں گے۔ پھڑ پھڑا رہا تھا ذرا، اس لئے۔''

''ویسے ایک بات میں کافی دنوں سے محسوس کر رہا ہوں۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد جہانگیر ہمدانی نے کہا۔

''وہ کیا؟'' میڈم یاقوت وہاں ہوتے ہوئے بھی موجود محسوس نہیں ہو رہی تھیں۔

''تم اب کافی کچھ میرے علم میں لائے بغیر کرنے لگی ہو۔'' وہ جانچنے والی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''بزنس سیکرٹ میری جان۔ اور یہ سب کچھ تم سے سیکھا ہے۔ اور یہ تو ہماری معمولی سی ٹیکنیک ہے، جو میں استعمال کرتی ہوں۔ اس سے کچھ تمہارے کام بھی سلجھ جائیں گے اور بس۔'' ان کا انداز صاف ٹالنے والا تھا۔

''اب اس کا فون دوبارہ آئے تو؟''

''تو بھی ٹال دینا، پھنسا ہوا ہوں، ابھی نہیں آ سکتا۔'' انہوں نے سگار ایش ٹرے میں اَدھ جلا پھینک دیا۔

''کیا بات ہے؟ کچھ کنفیوز لگ رہی ہو۔'' وہ یاقوت کا چہرہ ہی نہیں، سوچ بھی پڑھ سکتا تھا۔

''ہوں........ کچھ نہیں۔ بس تھکن سی محسوس ہو رہی تھی۔ سوچا گھر چل کر ریسٹ کروں اور میں شاید کل شارجہ کے لئے نکلوں۔ وہاں دو تین کام پھنسے ہوئے ہیں۔ اتنے دن تم ذرا آفس دیکھ لیا کرنا۔''

''ایک اور بالا ہی بالا فیصلہ۔'' جہانگیر ہمدانی نے شکوہ کرتی نظر سے دیکھا۔ ''کتنے دن لگیں گے؟''

''زیادہ نہیں۔ ہفتہ دس دن یا اس سے بھی کم۔''

''اگر تانیہ اس دوران آفس آ گئی تو؟''

''ہوں........ آ سکتی ہے وہ۔ بہرحال عائشہ سنبھال لے گی۔ اس سے کہہ دینا۔ دیکھو اب۔ یہ سب کچھ میں نے بہت سوچ کر پلان کیا ہے اور صرف تمہارے لئے۔ تم جانتے ہو نا؟ اس لئے کسی قسم کی بے صبری کا مظاہرہ نہ کرنا۔''

"تم سے بڑھ کر میرے صبر سے کون واقف ہوگا بھلا؟" وہ بائیں آنکھ دبا کر خباثت سے بولا تو میڈم یاقوت سے ایک لمحے کے لئے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"کھانے کا کیا پروگرام ہے؟"

"چل کر کھاتے ہیں یا یہیں منگوا لیں؟"

"نکل، چلتے ہیں۔" وہ اُٹھتے ہوئے بولیں۔

"ویسے تم جا رہی ہو۔ ورنہ میرا ارادہ تھا، لندن چکر لگانے کا دو ہفتوں کے لئے۔" وہ چلتے چلتے بولا تو میڈم یاقوت ٹھٹک گئیں۔

"کیوں، خیریت؟"

"کچھ ڈلیوری باقی ہے رقم کی، اُدھر کے کلائنٹ سے۔"

"ابھی رہنے دو۔ میں آ جاؤں تو پھر دیکھنا۔ فی الحال ادھر تمہاری ضرورت زیادہ ہے۔ یہ والے معاملات سلجھ جائیں تو پھر چلے جانا۔" وہ مشورہ دیتے ہوئے بولیں تو وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

✲◉......◉✲

"بابا؟" یاسمین نے بے تابی سے تانیہ سے پوچھا۔
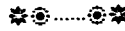
"سر تو اسلام آباد میں ہیں، تین دن بعد آئیں گے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تو یاسمین کے رکے ہوئے آنسو پھر سے بہہ نکلے۔ کہیں سے کوئی امید نہیں بندھ رہی تھی۔

ابھی احسن مراد تھانے سے ہو کر آئے تھے اور آ کر انہوں نے جتنی سخت یاسمین کو سنائی تھیں، انہیں لگا اتنی بے عزتی تو ان کی تمام عمر نہیں ہوئی تھی۔

"پولیس والے میرا اتنا مذاق اُڑا رہے تھے۔ باپ کو دیکھو، لنگڑا لولا اور بیٹے کی جوانی دیکھو، سنبھالی نہیں جا رہی۔ کیسی حرکتیں کر رہا ہے لڑکیاں دبئی، شارجہ بھجواتا ہے، ان کی سی ڈیز بنا کر بیچتا ہے۔ ارے بڈھے! ایسا بیٹا پیدا کیا تُو نے گھر میں؟ اس کی بہنیں نہیں ہیں کیا، پرائی بہنوں، بیٹیوں کی عزت کو گلی گلی بیچنے کا دھندا کرنے لگا؟ توبہ توبہ، اس کرتوت سے تو شیطان بھی پناہ مانگے۔ یہ تو شیطان کا باپ نکلا۔ ہمیں مخبری نہ ہوتی بروقت تو یہ کتنے گھروں میں اور آگ لگا چکا ہوتا۔ ایف آئی آر تو کٹ چکی، اب جا کر کسی وکیل کا بندوبست کرو۔ اور میں تو کہتا ہوں، شہر بھر کا کوئی وکیل بدمعاش ہوگا جو اس کا مقدمہ لڑے گا۔"

میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسی گفتگو کی، نہ سنی جیسی آج میں سن سن کر زمین میں گڑ تا رہا۔ کان کھول کر سن لو یاسمین بیگم! نہ میرا نام ہے نہ جیب میں اتنا مال کہ میں تھانہ کچہری جا کر رہتی عزت بھی نیلام کر ڈالوں اور نہ اب میں دوبارہ ادھر جاؤں گا۔ جو بھی وہ اس کے ساتھ کیا کرتی ہے، مجھے اس کی پروا نہیں۔ آج سے وہ ہمارے لئے مر گیا۔ تم بھی اسے بھول جاؤ اور نہ اب دوبارہ مجھ سے اس کے متعلق کوئی تقاضا کرنا ورنہ اس عمر میں کہیں جا کر زہر پھانک لوں گا یا کسی ٹرک کے آگے آ جاؤں گا۔ مگر اس بدبخت کے پیچھے نہیں جاؤں گا۔ سن لو کان کھول کر۔"

انہوں نے اتنے واضح الفاظ میں گرج گرج کر کہا کہ یاسمین نے کیا، سارے محلے نے سن لیا ہوگا۔ اس وقت سے وہ بند کمرے میں گرے پڑے تھے اور تانیہ نے یاسمین کے کہنے پر جہانگیر ہمدانی کو فون کیا تھا۔ وہاں سے بھی مایوسی ہاتھ آئی۔

"کیسے بھول جاؤں اسے؟....... اسے بھولوں گی تو مر جاؤں گی جیتے جی، وہ تو میری آنکھوں ٹھنڈک ہے، میرے دل کا سکون ہے۔ ہائے، کس بدبخت کی نظر کھا گئی میرے گھر کے سکون کو۔ اچھی اس گھر سے بھوک دُور ہوئی کہ بدبختی، بدنامی نے گھیراؤ کر لیا۔ میرے مالک!...... ہمیں وہ عزت وافلاس دے دے، مگر میرے بیٹے کو مجھ سے ملا دے۔ میں اس کے بغیر مر جاؤں گی....... مر جاؤں گی۔" یاسمین بے بس ہو کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

تانیہ چند لمحے بیٹھی ماں کو یوں ٹوٹ کر روتے دیکھتی رہی، پھر آہستگی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

باہر صحن میں مکمل خاموشی تھی۔ ربیعہ اور ثانیہ، دادی کے کمرے میں تھیں۔ آغا جان بھی وہیں صوفے پر سر جھکائے نہ جانے کن سوچوں میں گم تھے۔ احسن مراد کے کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔

کسی نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا، وہ آہستگی سے سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آ گئی۔

حبس اور گرمی کے دن گنے جا چکے تھے۔ فضا میں ہلکی ہلکی خوشگوار سی ٹھنڈک تھی۔ ستاروں بھرا آسمان جیسے ٹمٹماتے جگنو۔ وہ منڈیر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

تنزیل اس وقت کیا کر رہا ہوگا، حوالات میں بند؟ بے ساختہ اسے تنزیل کا خیال آیا۔

دونوں کے بیچ پچھلے دنوں سے جو کشیدگی اور سرد جنگ چل رہی تھی، فقط دو روز پہلے تو اس کا خاتمہ ہوا تھا، تانیہ کے استعفیٰ کے

بعد۔ مگر ابھی دونوں میں کھل کر بات چیت نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے کھلے دل سے ابھی تک تنزیل کو نہیں بلایا تھا اور نہ ہی بات پہ دل بھی نہیں چاہتا تھا۔ جہانگیر ہمدانی کے خیال سے دست برداری نے اسے بہت شکست خوردہ سا کر دیا تھا۔

'اور ابھی سر کیسے اجنبی انداز میں بات کر رہے تھے، جیسے جانتے نہ ہوں۔ انہوں نے ایک بار بھی مجھ سے انشفٹ کے بار سوال نہیں پوچھا اور نہ میرے بارے میں۔' اس کے افسردہ دل میں خیال اُبھرا۔

'شاید اس وقت میں پریشان ہی اتنی تھی کہ میری پریشانی کی وجہ سے پوچھنا بھول گئے ہوں، ورنہ ایسے کیسے ہو سکتا ہے نظر انداز کریں یا ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی بیٹھا ہو۔ اسی لئے وہ ٹھیک طرح سے بات نہ کر رہے ہوں، یہی بات ہو سکتی ہے'

'اور تنزیل۔ اس کے بغیر گھر کیسا سُونا سُونا لگ رہا ہے۔ اور جب شام ڈھلے گھر آتا تو کیسے یہ خالی خالی سا گھر بھرا کا وجود اس گھر کے سارے خالی کونوں کھدروں میں چھا جاتا تھا۔ ساری فضا کیسی بھری بھری، باوزن سی ہو جایا کرتی تھی اس سب کے ہوتے یہ گھر کتنا خالی، کتنا ویران لگ رہا ہے اور ابو نے کیسے سنگ دلی سے کہہ ڈالا کہ خدانخواستہ وہ......نہیں نہیں ہوتے تنزیل کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرا بھائی، میرا دوست........ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی پیارا نہیں۔ اور امی......امی تو مر جائیں گی، اس کی جدائی میں۔ ان کی تو جان ہے تنزیل میں۔ ابو تو شروع ہی سے اس کے بارے میں ایسا رویہ رکھتے رہے ہیں ہو۔ صرف پڑھائی میں شارپ نہ ہونے کی وجہ سے۔ پھر بھی اس نے اپنی بساط سے بڑھ کر گھر کے لئے، سب کے لئے کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب اس پر یہ وقت پڑا ہے۔ اور تنزیل ایسا واہیات کام کیسے کر سکتا ہے؟ نہیں......یہ تو سراسر بہتان، ایک گھٹیا پلان کے سوا کچھ بھی نہیں........تنزیل! میں لڑوں گی تمہارے لئے........میں صبح پھر سر ہمدانی سے بات ذرا آرام سے اور تھوڑا تھوڑا محبت بھرے، میٹھے انداز میں۔ مجھے ہر حال میں تنزیل کو بچانا ہے، اس سازش سے۔ اور یہ نے بھی کی ہے، یقیناً یہ میڈم یاقوت کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ کتنے فریب اور دھوکا دہی سے اس نے آفس کہیں اور تنزیل کو پھنسایا جیسے چوہے دان میں چوہے کو پھنساتے ہیں۔ ہاں، یہ سازش ہے۔ مجھے عائشہ بخاری کے چہرے سے وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ مکار بڑھیا، لندن وندن کوئی نہیں گئی، وہیں آفس میں چھپی بیٹھی ہو گی اور ہماری بے بسی کا مزہ لے گی۔ وہ عورت تو پہلے دن سے مجھے اچھی نہیں لگی تھی۔ تنزیل کو خدا جانے اس میں کیا خوبی نظر آئی تھی۔ ایک بار تنزیل جائے، پھر دیکھوں گی اس بڈھی گھوڑی، لال لگام کو۔'

وہ طیش بھرے انداز میں جوڑ توڑ کر رہی تھی۔

''تانیہ!........تانیہ! نیچے آؤ۔'' ثریا بانو کی صحن سے آتی تیز آواز نے اسے اپنی عمیق سوچوں سے کھینچ کر نکالا تھا۔

''جی دادی!'' وہ منڈیر سے نیچے جھکی۔

''نیچے آؤ........جلدی سے۔'' وہ کچھ گھبرائی ہوئی لگی تھیں اسے۔ آغا جان بھی صحن میں کھڑے تھے۔ یاسمین، ربیعہ سب اس کی طرف دیکھ رہے تھے، سر اُٹھا کر۔ اس کا دل بے قابو ہو کر دھڑکنے لگا۔

''خدا خیر کرے۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھے دھڑ دھڑ کرتی ایک کی جگہ دو سیڑھیاں اُترنے لگی۔

٭......٭

اُسے لگ رہا تھا، زندگی سے ہر رنگ، ہر خوشبو ختم ہو چکی ہے۔ ہر چیز بے جان، بے کار اور بے رنگ سی محسوس ہونے اس کے اپنے جسم و جاں اور دل و دماغ کے ہر گوشے پر جالے سے تن گئے تھے۔ ہر چیز زنگ آلود محسوس ہوتی۔ کسی بھی بات میں کوئی کشش، دلفریبی نہیں رہی تھی۔ ساری کائنات جیسے یک رنگی ہو گئی تھی۔ بے کیف، بے رنگ، بے وزن...... بے کیف کائنات کے بیچ بے وجہ سانس لیتی ایک بے فائدہ، بے وزن سی چیز۔ ایسے اور کتنے دن کوئی جی سکتا ہے بھلا؟؟ ایک کر کے کمرے کی چیزیں اُٹھا اُٹھا کر اِدھر اُدھر پھینکنا شروع کر دیں۔

تھوڑا سا شور، تھوڑی سی آوازیں، چیزوں کے ٹوٹنے کا دلفریب عمل، چند لمحوں کے لئے اسے خوشی دیتا اور پھر ان ہی لمحوں میں اسے دھکیل دیتا۔ اس نے اٹھ کر ہر چیز کو ٹھوکر مارنا شروع کر دیا۔ چیزوں کو روندتے، توڑتے، مسلتے معمولی سا اثر ہو رہا تھا، وہ بھی لمحاتی کیفیت تھی۔ اس کے بعد پھر وہی جمود، وہی بے کیف، اچاٹ کرنے والی حالت۔

بالآخر اس نے اس جامد، بے رنگ، بے مزہ سی کیفیت کا سرا ڈھونڈ ہی لیا۔ ایک وقتی سہارا جس کا مزہ بھی لمحاتی تھا اور شاید وہ بیئر کا دوسرا ٹن کھول رہی تھی، جب ڈوربیل زور سے چیخی تھی۔

''Who the man here?'' اُس نے شیشے کے جام کو زور سے سامنے دیوار پر مارا اور مسلسل ہونے والی کال کر بالآخر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھولتے ہی اُس کی نگاہیں حیرت سے پھیل گئیں۔

✲◉......◉✲

"توبہ، اس گھر میں کوئی بھی فون اٹینڈ کرنے والا نہیں رہا۔ دس دس نوکروں کی فوج اور ایک بھی نظر نہیں آ رہا۔" وہ کوفت سے انداز میں کڑھتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلی تھی۔

اس وقت وہ بڑی دل جمعی سے پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ باہر لاؤنج میں ہونے والی اس مسلسل فون بیل نے اسے ڈسٹرب کر کے رکھ دیا۔ کتنی دیر وہ کان لپیٹے بیٹھی رہی، پھر مجبوراً اٹھ کر باہر آئی۔ فون ایک بار بند ہونے کے بعد دوبارہ بجنا شروع ہو چکا تھا۔

"لگتا ہے، حضرت ڈھیٹوں کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"ہیلو!" کہتے ہوئے اس نے دل میں کہا۔

"مس عزہ عالم.....!" دوسری طرف بڑے اطمینان سے چند لمحوں بعد پوچھا گیا تھا، گویا اس کے ہیلو کا پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد۔

"یس، اسپیکنگ۔"

"کانگریچولیشنز۔ اس رات فنکشن میں آپ نے کمال کی پرفارمنس دی۔ پیپر میں دیکھا آپ نے؟"

الفاظ تھے یا خنجر کا وار، جو سیدھا کسی نے اس کے دل میں گھونپا تھا۔ وہ سُن کھڑی رہ گئی۔

✲◉......◉✲

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایف آئی آر کٹ چکی ہے۔ اب صرف تب ہی کچھ ہو سکتا ہے، جب کیس کورٹ میں جائے گا۔"

محمود عالم نے کمرے میں داخل ہو کر سنجیدگی سے ایک نظر سامنے بیٹھے نفوس پر ڈالی اور کھڑے کھڑے انہیں بتایا۔

ثریا بانو نے آغا جان کی طرف دیکھا جو یک ٹک محمود عالم کے سرد چہرے اور بے حد اجنبی انداز کو بڑے دھیان سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ محمود کتنا...... کتنا زیادہ بدل گیا ہے۔ میری سوچ سے بھی زیادہ۔"

"کوئی گنجائش بیٹا! اگر نکل سکتی۔" آغا جان کا ارادہ شاید اپنے خیالات سے باہر نکلنے کا نہیں تھا۔ ثریا بانو نے خود ہی ملتجی انداز میں کہا۔

"ہوتی تو آپ کو یہاں آنے کی زحمت ہی نہ کرنا پڑتی۔ میں خود سے ہی اسے لے آتا جا کر...... کیس کافی اسٹرانگ ہے۔ ایف آئی آر نہ کٹی ہوتی تو میں کچھ کر سکتا تھا۔ اب مشکل ہے۔" ان کا وہی برفیلا، انجان لہجہ تھا۔

"ایف آئی آر کس نے کٹوائی ہے؟" تانیہ یہاں آنے کے بعد پہلی بار بولی تھی۔ وہ پہلے ہی ادھر آنے کے حق میں نہیں تھی۔ آغا جان اور ثریا بانو کا اصرار تھا کہ محمود عالم ان دونوں کے آنے کا کوئی لحاظ رکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ تو ضرور کریں گے اور شاید اس "کچھ نہ کچھ" کی گنجائش نکل سکتی تھی، اگر محمود عالم واقعی ان کی مدد کے خیال سے ہی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے۔ تانیہ کو ان کے بیزار رویے ہی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کچھ نہیں کریں گے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا، جو متمول اور صاحبِ حیثیت ہونے کی وجہ سے اپنے غریب رشتے داروں سے ہر گھڑی بچنا چاہتے ہیں، کہیں کوئی فیور نہ مانگ لیں۔

"ظاہر ہے، جس فرم میں وہ کام کرتا تھا، ان ہی کی ریپوٹیشن متاثر ہو گی اُس کے اس گھٹیا فعل سے۔"

"سوری انکل! ابھی کچھ ثابت نہیں ہوا کہ اس نے کچھ کیا ہے یا نہیں۔ آپ اسے culpsit (مجرم) نہیں قرار دے سکتے۔ اور پھر اس طرح کا مواد کوئی بھی کہیں رکھوا کر کسی کو بآسانی ٹریپ کروا سکتا ہے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"کوئی ایسا کیوں کرے گا؟ ظاہر ہے، کوئی دشمنی ہی ہو گی، ورنہ یونہی ناپسندیدگی والی بات ہوتی تو آرام اسے نوکری سے نکال دیتے۔ یوں حدود کا کیس بنوا کر اسے اس طرح پھنسانے بلکہ اس کی تمام زندگی، اس کے کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ بہترین تو یہ ہوتا کہ آپ لوگ ادھر آنے کے بجائے اپنے طور پر اس کی فرم کے کسی ذمہ دار بلکہ ہیڈ سے مل کر معاملہ رفع دفع کرانے کی کوشش کرتے اور اس مسئلے کا سب سے آسان اور سستا ترین حل ہے بھی یہی۔"

محمود عالم نے واضح الفاظ میں ان کی اِدھر آمد کو بے کار ثابت کر دیا تو تانیہ کے ساتھ ثریا بانو اور آغا جان بھی شرمندہ سے ہو گئے۔

سارہ نے ایک نظر ان کے شرمندہ چہروں پر ڈالی اور دوسری تنبیہی نگاہ محمود عالم پر، مگر وہ ان کی طرف متوجہ ہی کب تھے۔

"ہم ادھر احسن گئے تھے شام کو۔ ملاقات نہیں ہو سکی، تنزیل کے باس سے۔ شاید وہ ملک سے باہر ہیں کہیں۔" آغا جان نے تھکی تھکی آواز میں کہا اور وہ ادھر آنے تک بہت پُرجوش تھے اور ان ہی کے اصرار پر تو ثریا بانو اور تانیہ ادھر آنے پر رضامند ہوئی تھیں، حالانکہ ان دونوں کو شاید اندازہ تھا، محمود عالم کے متوقع رویے کا۔

''پھر تو کچھ ہونا بہت مشکل ہے، اس طرح کے کیسز میں۔ بلکہ ہر طرح کے کیس میں سب سے شارٹ کٹ راستہ یہی جل کر مسئلے کو حل کرنا ہے۔ ورنہ تو ادھر چھوٹے سے چھوٹے کیس کو کئی سالوں تک با آسانی لٹکایا جا سکتا ہے۔ میرا مشورہ ہے آپ کسی طرح کوشش کر کے اس کی فرم کے کسی اچھے اور رسائی والے افسر سے رابطہ کریں۔ وہی اس معاملے کو سلجھانے میں مدد کر سکے گا۔ ورنہ اگر بات کورٹ تک جاتی ہے تو اس وقت شاید میں کچھ کر سکوں، وہ بھی اگر میرے اختیار میں ہوا۔ ورنہ کے معاملے میں انوالو ہونے سے کسی کی بھی ریپوٹیشن پر حرف.......''

''چلیں دادی جان! اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ ایک در بند، سو در کھلے۔ اُٹھیں۔'' ثانیہ ان کی بات تیزی سے کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں بولی تھی۔ محمود عالم نے ایک نظر اس کے غصیلے چہرے پر ڈالی اور سر ہلاتے ہوئے منہ پھیر لیا۔

''ہوں....... ہاں چلو۔ اُس نے ہمیں اس امتحان میں ڈالا ہے تو کوئی بھی سوچا ہو گا۔ سچ کہا تم نے، ایک در بند ہو گیا اُٹھیں۔'' ثریا یا نو مایوس لہجے میں کہتے ہوئے گھٹنوں پر وزن ڈال کر بمشکل اُٹھیں۔ ان چند گھنٹوں میں ہی جیسے ان کی عمر کئی سال آگے کھسک گئی تھی۔

تنزیل اس پورے گھر کا کتنا مضبوط ستون تھا، اس کا اندازہ انہیں ان چند گھنٹوں میں ہو رہا تھا۔

احسن مراد غصے میں تھے، مگر وہ اندر سے کس بری طرح سے ٹوٹے ہیں، اس کا اندازہ انہیں ماں ہونے کے ناطے تھا۔ انہوں نے اُٹھتے اُٹھتے ایک شکایت بھری نظر چپ بیٹھی سارہ کے چہرے پر بھی ڈالی۔ کم سے کم انہیں اپنی ماں اور بھائی کی پریشانی کا احساس تو ہونا چاہئے تھا۔ سارہ نے بے ساختہ نظریں چُرا لیں۔

''اماں! بیٹھیں نا، کچھ دیر تو۔'' اُٹھتے ہوئے رسماً سارہ کے منہ سے نکلا۔

''بیٹھ کر کیا کریں گے؟ سچ کہا سیانوں نے، مشکل پڑے تو بندے کا سایہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ خوش رہو، آباد رہو۔ کی امان میں دیا سب کو۔ ہم تو اب چراغِ سحری ہیں، نہ جانے کس گھڑی بجھ جائیں۔ اللہ اب ہمیں اپنے بچوں کی کوئی خوشی دکھائے۔ ہم بوڑھے، ناتواں دل تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔ اچھا محمود بیٹا! فی امان اللہ۔'' انہوں نے پاس سے گزرتے ہوئے کپکپاتا ہاتھ محمود عالم کے سر پر رکھا اور آہستہ سے باہر نکل گئیں۔

اس دستِ شفقت کے نیچے کیا تھا کہ محمود عالم کو لگا، ان کے برف جیسے دماغ پر کسی نے ایک مدت بعد محبت کی حدت کا کوئی انگارہ سا رکھ دیا ہو، جس کی میٹھی میٹھی جلن نے انہیں اندر سے گرما دیا ہو۔ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے پتھر کے ہو گئے۔

وہ لوگ چلے گئے۔ سارہ انہیں رخصت کر کے واپس بھی آ گئیں۔ وہ وہیں بیٹھے تھے، گم صم، لاتعلق سے۔

سارہ کو محمود عالم پر شدید غصہ آیا، وہ بھی اپنے میکے والوں کے ملنے۔ ورنہ تو ہمیشہ ان کی جنگ اپنی ذات کو منوانے کی تھی۔ اچھا خاصا موقع تھا ان لوگوں پر اپنے اثر و رسوخ کی دھاک بٹھانے کا۔ اور کچھ نہیں تو آغا جان کو بھی پتہ چلتا، سارہ جسٹس محمود عالم کتنی پاور کا مالک ہے۔

''اب یہاں بیٹھے کس کی یاد کا چراغ جلا رہے ہیں؟ کیا تھا، ان کو کوئی جھوٹی تسلی ہی دے دیتے۔ کام تو کیا آتا، تعلق مجھ سے جو تھا۔'' وہ وہیں کھڑے جلے کٹے انداز میں بولیں۔ محمود عالم نے سر اٹھا کر انہیں لاتعلق نظروں سے دیکھا اور کہے بغیر اُٹھ کر چل دیئے۔

''یہ اچھا ڈرامہ ہے۔ جب جواب نہ دینا ہو تو یوں دیوانوں کی طرح اَن سنا کرتے ہوئے چلتے بنو جیسے بولنے والا ہے۔'' وہ کلستے ہوئے بولیں اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

✲◎......◎✲
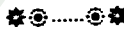
''آ....... آپ کون؟'' اس کی بات سن کر حقیقی معنوں میں عزہ کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے تھے۔

''فنکشن میں لاجواب پرفارمنس کو سراہنے والا کون ہو سکتا ہے؟ اس فنکشن میں موجود پاپا کا کوئی جاننے والا یا کوئی واقف کار۔

اُس نے ریسیور ہاتھ میں پکڑے پکڑے قیاس کے گھوڑے دوڑائے۔ وہ بری طرح سے ڈر گئی تھی۔ یوں بھی محمود عالم کے بعد وہ ویسے بھی اچھی خاصی خوف زدہ تھی۔ اگر انہیں پتہ چل گیا تو وہ کیا نہیں کریں گے، وہ سمجھتی تھی۔

''اصل میں تو میں گھر آ کر انکل کے سامنے ہی آپ کو یہ مبارکباد دینا چاہتا تھا مگر اب رہ نہیں سکا تو میں نے سوچا، تعریف دیر تک سینے میں دباؤ تو وہ حسد نہ سہی، بخل تو بن ہی جاتی ہے۔ بھئی آرٹسٹ کا حق ہے، اپنی محنت کی داد سمیٹنے کا۔ میں آج کل انکل کے پاس حاضر ہو کر بھی......''

وہ ترنگ میں کہے جا رہا تھا اور عزہ نے گھبرا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اس پر اپنے ہاتھ کے ذریعے سارے بدن کا

ہی ہو گیا، جیسے ریسیور خود بخود اچک کر ان کے کان سے آ لگے گا۔ اسے اب ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔
"یا اتنا قریبی، انکل کا سگا رشتہ دار کون ہو سکتا ہے؟ اور جو وہ واقعی آج شام یا ایک دو روز میں پاپا کے سامنے چلا آیا، یہ تعریف کرنے، سراہنے؟ اُف......!"
ان لمحوں کا تصور کر کے ہی اسے جھرجھری سی آ گئی۔ پیشانی پر آنے والے پسینے کے قطرے ہتھیلی سے صاف کیے اور وہیں بیٹھ گئی۔
"کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" اس نے چور نظروں سے پاس سے گزرتے ملازم کو دیکھا اور اس کے جانے کے بعد آہستگی سے یو پی کا بٹن دبا کر آیا اس کال کا نمبر دیکھنے لگی۔
نمبر قطعی اجنبی تھا۔ وہ اور پریشان ہو گئی۔
"یہ سب تو ہونا ہی تھا عزہ بی بی! اور تم نے یہ سب کچھ پہلے سوچ بھی رکھا تھا۔ پھر یوں خوف کے مارے ہاتھ پاؤں چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی ہے؟ جو ہو گیا، جو کر لیا، اسے فیس کرنے کی خود میں ہمت پیدا کرو۔ اور یہ کون سا کوئی ڈھکا چھپا کام تھا، جو کسی کو معلوم نہ ہوتا۔ آج یا کل پتہ تو چلنا ہے سب ہی کو۔ اور میں اپنے اندر مچلتی خواہش اور تڑپ کا گلا نہیں دبا سکتی۔ مما، پاپا جو کچھ کر رہے ہیں، انہیں کبھی اس کا احساس ہوا ہے کہ ان کے جھگڑوں اور بے وجہ کی نفرت کا میرے اوپر کیا اثر پڑ رہا ہے یا ان دونوں کے رویوں نے مجھے کتنا اکیلا کر دیا ہے۔ جب انہیں میرے وجود کی پروا نہیں تو میں کیوں ڈر ڈر کر ان کی ناراضی کے خوف سے اپنے ٹیلنٹ کا گلا دباؤں؟ نیور...... بلکہ مجھے ہمت کر کے خود کسی کے بھی بتانے سے پہلے انہیں آگاہ کر دینا چاہیے۔ کیا کریں گے، زیادہ سے زیادہ ڈرائیں دھمکائیں گے۔ پروا نہیں کرتے، مزید بے پروا ہو جائیں گے تو آئی ڈونٹ کیئر۔ میں اب اپنا اُٹھا ہوا قدم واپس نہیں لے جا سکتی۔ نیور۔"
دل ہی دل میں سوچتی اپنا حوصلہ بندھاتی ایک عزم سے اٹھی تھی۔
"مے آئی کم اِن، مما!" وہ سارہ کے بیڈ روم میں آئی۔
وہ تنہا تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کا مساج کر رہی تھیں۔
"آج تمہیں کیسے فرصت مل گئی ماں کے پاس آ کر دو گھڑی بیٹھنے کی؟" وہ ان کے پاس پڑے کاؤچ پر بیٹھی تو وہ حسبِ عادت طنزیہ لہجے میں بولیں، جو ان کا دتیرہ تھا۔
"آج تو شاید آپ نے پارلر جانا تھا، شام کو آنٹی ریحانہ کے گھر گیدرنگ ہے۔" وہ ماں کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔
"نہیں، میں نہیں جا رہی شام میں۔" وہ ایک دم بجھے ہوئے لہجے میں بولیں۔
"کیوں؟...... کل تو آپ کا پروگرام تھا۔" اسے کچھ حیرت سی ہوئی۔
"ہاں بس۔" انہوں نے مساج کرنا بند کر دیا اور افسردگی سے کریم کی بوتل بند کرنے لگیں۔
"تمہارے ایگزام کب ہیں بھلا؟" وہ چند لمحوں بعد بولیں۔
"ابھی ٹائم ہے...... مما! آپ سے ایک بات کرنی تھی۔" وہ دل میں ہمت پیدا کرتے ہوئے بولی۔
"ہاں کہو۔" وہ اب آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھیں۔ "میرے اِدھر رِنکلز کچھ زیادہ نہیں ہو رہے؟" ہونٹوں کے کناروں کو چھوتے ہوئے انہوں نے شاید خود سے کہا تھا۔ عزہ کا حوصلہ ٹوٹنے لگا، کیسے بات کا آغاز کرے۔
"مما! ہمارے کالج کی طرف سے فنکشن ہے۔ بلکہ...... اصل میں فنکشن ایک ملٹی نیشنل کمپنی لانچ کر رہی ہے۔ ہمارے کالج میں نوٹیفکیشن آیا ہے کہ جو حصہ لینا چاہے، اپنا نام لکھوا لے۔" اس نے دل کڑا کر کے بات شروع کی۔
"کس سلسلے میں نام لکھوانا ہے؟" سارہ بے توجہی سے اپنے چہرے کا ہلکے ہاتھوں سے مساج کرتے ہوئے بولیں۔
"میوزیکل رقص ہے۔ ایسے ہی بس، اویئرنیس۔"
"کیا کہہ رہی ہو عزہ؟" وہ ایک دم سے دھاڑیں۔ "تمہیں بچپن سے تمہاری لمٹس کے بارے میں بتا رکھا ہے۔ تقریریں کرو، مباحثوں میں حصہ لو، کوئز کرو اور جو غیر نصابی سرگرمی ہو۔ مگر یہ ناچنا گانا، کنجروں والے کام نہ ہماری فیملی میں کسی نے کیے ہیں اور نہ تم کرنے کی کوشش کرنا۔ تمہارے باپ کو پتہ چل گیا تو تمہیں مار ڈالنے سے گریز نہیں کرے گا۔ اس معاملے میں وہ شخص ایسا ہی ہے اور یہ کون سا قابلِ تعریف کام ہے، جس کے کرنے کے لیے تم تڑپنے لگو۔ خبردار! ایسے کسی بھی پروگرام میں حصہ لینے کی نہ مجھے ہی پسند ہے نہ تمہارے باپ کو۔ پہلے ہی میں اس قدر پریشان ہوں۔" وہ تیز لہجے میں کہے گئیں۔ عزہ کو اُمید تو تھی، وہ الجھی گی۔ مگر پھر بھی اس کا دل کچھ خوش فہم سا تھا۔ وہ ان کے جواب پر چپ بیٹھی اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتی رہی۔
"پتہ نہیں، کیا بنا ہو گا ادھر۔ اماں کتنی پریشان تھیں۔ ہزار بار کہا ہے، ادھر میرے پاس آ جائیں۔ اس گھر میں تو مسائل ہی تمام

نہیں ہوتے۔ وہ کیوں اپنے بڑھاپے کو گھلا رہی ہیں وہاں۔ مگر ہٹ دھرمی تو ان کی طبیعت کا خاصا ہے۔" کبھی نفی میں سر ہلاتے ہوئے تاسف سے کہہ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟" عزہ نے بجھے ہوئے دل میں پوچھا۔ نہ جانے کیوں اسے امید تھی، سارہ منع نہیں کریں گی۔

"تنزیل کو پولیس پکڑ کر لے گئی۔ اللہ جانے کیا گل کھلایا ہے اس نے چار دن کی نوکری میں۔ رات تمہاری مامی آئی تھی، تمہارے پاپا سے ہیلپ کے لئے کہنے۔ انہوں نے ٹکا سا جواب دے دیا، بے چاروں کو۔ اپنا سا منہ لے کر چلی گئیں۔"

"مگر تنزیل نے کیا کیا ہے؟" وہ کچھ پریشان سی ہو کر بولی۔

"معلوم نہیں........ کوئی سی ڈیز وغیرہ کا چکر ہے۔ لڑکیاں اسمگل کرنے کا۔" وہ دبی ہوئی آواز میں عزہ سے بولیں۔

"تنزیل اور یہ کام؟ ناممکن۔ میں نہیں مانتی، ماما! وہ اس ٹائپ کا نہیں ہے۔ چند روپے کیا، چند لاکھ بلکہ کروڑ بھی ہوں تو نہیں کرے گا۔ میں جانتی ہوں اسے ممّا! وہ بہت سلجھے ہوئے، صاف ستھرے، بے داغ کردار کا مالک ہے۔ یقیناً کسی نے اسے پھنسانے کی کوشش کی ہو گی۔ آپ گئیں نہیں ادھر؟" وہ جذباتی پن سے بولتے ہوئے ان سے پوچھنے لگی۔

"کیسے جاتی؟ شرمندگی سی محسوس ہوئی کہ ذرا ان کے کام تو آ نہیں سکے اور تماشا دیکھنے چلے آئے۔" پہلی بار ان کے لہجے میں اپنے میکے کے لئے کچھ ہمدردی محسوس کی تھی۔

"ممّا! اس میں تماشا دیکھنے کی کیا بات ہے۔ آخر وہ لوگ اس وقت مصیبت میں ہیں۔ تھوڑا دلاسا تسلی بھی ان کو ملے گی۔ خاص طور پر مامی تو بے چاری بہت ہی پریشان ہوں گی۔ آپ کو جانا چاہئے تھا۔ اور کچھ نہیں تو تھوڑی تسلی ہی انہیں حوصلہ ملے گا کہ اس کڑے وقت میں کوئی تو ان کے ساتھ ہے۔" وہ بڑی لگن سے انہیں سمجھا رہی تھی۔ اس کے بارے میں جان کر شاک سا لگا تھا۔ وہ تو اتنا خوددار اور غیرت مند تھا کہ کبھی بلاوجہ ان کے گھر نہیں آیا تھا۔ کبھی حاسد نظروں سے ان کے اس عالیشان محل کو نہ دیکھتا۔ نہ اس نے کبھی محمود عالم سے کسی سفارش کے لئے کہا۔ بے روزگار چٹخاتا رہا، مگر کبھی سارہ سے بھی مدد کے لئے نہیں کہا۔

"تم چلو گی میرے ساتھ؟" ان کی سمجھ میں شاید عزہ کی بات آ گئی تھی، چند لمحوں بعد بولیں۔

"کب؟........ ابھی؟"

"ہاں۔ ابھی چلتے ہیں۔ شام کو تو تمہارے پاپا آ جائیں گے۔ پتہ نہیں کیوں، ان کا نام........ چلو، تم چینج کر آؤ، میں جاتی ہوں، آدھے گھنٹے میں نکل جائیں گے۔" سارہ اٹھتے ہوئے بولیں تو وہ بھی سر ہلا کر باہر نکل آئی۔

'راستے میں ایک بار پھر ممّا سے بات کر کے انہیں قائل کرنے کی کوشش کروں گی۔ آرام سے مان جائیں تو ٹھیک ہے، ورنہ قدم تو میں اٹھا ہی چکی ہوں۔' وہ کمرے میں آتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

✲ ◉ ...... ◉ ✲

وہ چند لمحے انہیں خاموش کھڑی دیکھتی رہی۔ اس کے ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست تھے اور نظروں میں سرد پن۔ وہ کچھ کہے بغیر پلٹی اور صوفے پر بیٹھ کر اپنے سابقہ "مشغلے" میں مصروف ہو گئی۔

"سویٹی! مائی ڈارلنگ! یہ........ یہ کیا؟" وہ اس کے اجنبی رویے کو بھول کر بیئر کا ٹن اس کے ہاتھ میں دیکھ کر چیخی تھیں۔

لائبہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ٹن کو منہ سے لگا کر بڑے اطمینان سے گھونٹ بھرنے لگی۔

میڈم یاقوت کو لگا، کسی نے انہیں بیچ چوراہے میں برہنہ کر دیا ہو۔ مادر زاد برہنہ!

'تو فاخرہ سچ کہتی تھی۔ میں نے ہی کان نہیں دھرا اور میرے کیے کرائے پر پانی پھر گیا۔ کوئی بیچ رستے پر اور کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ یہ کیسا اندھیر تھا؟........ ان کے قدم بے جان ہو رہے تھے۔ وہ تو یہ بھی بھول گئیں، وہ یہاں سر پکڑے لائبہ کے پاس ڈھے گئیں۔

اس نے ایک سرسری نگاہ ان پر ڈالی اور ذرا سا رخ پھیر لیا۔ اس کی خوب صورتی اور نوخیز حسن کا ہر پہلو آنکھوں کے نیچے سیاہ گہرے حلقے، غلافی آنکھوں کے سیاہ پڑتے پپوٹے، رخساروں کی ابھری ہوئی زرد ہڈیاں، دہکتے ہونٹ بے رنگ اور بے دست ہو رہے تھے۔ یہ وہ لائبہ تو نہیں تھی، جس سے وہ چند ماہ پہلے مل کر گئی تھیں۔

"مت اس طرح پیو اس بیہودہ چیز کو۔" وہ زیادہ دیر تک حالتِ افسوس میں نہ رہ سکیں اور غصے میں اس کے ہاتھ سے چھین کر سامنے دیوار پر دے مارا۔

اس نے اب کی بار ایک غصیلی نگاہ ان پر ڈالی اور دوسرے پل پھر سے بے نیازی ہوگئی۔

"یہ کیا حال کر رکھا ہے تم نے اپنا؟ ...... ایسی حالت میں چھوڑ کر گئی تھی؟ بولو، کیا کیا ہے؟ ...... اپنے ساتھ کیا کرتی رہی ہو، بولو؟" وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے سسکنے لگیں۔

"تم میری عمر بھر کی کمائی ہو، ساری زندگی کا سرمایہ۔ اس سرمائے کو ایک ہی بار میں برباد کرتے ہوئے تمہیں ذرا میرا خیال نہیں آیا۔ میں کیا کروں گی تمہارے بغیر؟ کون ہے میرا اس دنیا میں، تمہارے سوا؟" وہ اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگانے لگیں۔ وہ بیٹھی پہلے ہی کی طرح بیٹھی رہی۔ دونوں گھٹنوں کے گرد بازوؤں کی زنجیر کیے، سپاٹ چہرہ، خشک آنکھیں لیے۔

"تم بولتی کیوں نہیں ہو؟ ...... بولو، جواب دو مجھے۔ کیوں اپنے ساتھ تم نے یہ موت کا گھناؤنا کھیل کھیلا؟ اتنی خود مختار ہوگئی ہو؟" اس کی مسلسل خاموشی اب اندر ہی اندر دہلا رہی تھی۔

"میری زندگی، میری موت کا معاملہ ہے۔ آپ کس خوف میں زرد پڑ رہی ہیں؟ میں نے آپ کی خوب صورت، رنگین زندگی میں آنے کی کوشش نہیں کی تو پھر ان بے کار ڈائیلاگز سے کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہیں؟" وہ اسی پتھرائے ہوئے چہرے اور بے تاثر آنکھیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"لائبہ...... بیٹا! میں یہ ڈائیلاگ بول رہی ہوں؟" ان کا صدمے سے برا حال تھا۔

"اچھا ...... آپ ڈائیلاگ نہیں بول رہیں تو پھر مجھے ایسا کیوں لگا کہ آپ کسی فلم کے ڈائیلاگ بول رہی ہیں؟ فلم بھی وہ، جو بار بار دیکھ رہی ہو۔ مجھے ایسا کیوں لگا میم؟" اس کی ہنسی میں ایسا کٹیلا زہر تھا کہ میڈم یاقوت کو لگا، موت کو گلے لگانے کی کوشش کے بعد ملنے والی نئی زندگی پرانی لائبہ کو نہیں، کسی اور اجنبی لڑکی کو ملی ہے، جس سے وہ ذرا بھی واقف نہیں۔

"کس لہجے میں بات کر رہی ہو مجھ سے؟ میں تمہاری ماں ہوں۔" آنسو دل گرفتگی کی اس آخری انتہا پر بالآخر نکل ہی پڑے۔

"ماں؟" اس نے چٹکی بجائی۔ "یہ مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں کہ میری کوئی ماں بھی ہے۔ اصل میں میم! اتنے سالوں سے تنہا ہاسٹلوں اور کمروں میں رہتے رہتے ہر دیوار پر اپنا ہی سایہ دیکھتے دیکھتے ایسی تنہائی، اکیلے پن کی عادت سی ہوگئی ہے کہ کبھی کسی ماں باپ وغیرہ کا خیال ہی نہیں آیا اور اس خیال نہ آنے کی ایک وجہ بھی ہے۔"

میڈم یاقوت کے آنسوؤں سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

میڈم یاقوت اب ٹشو سے اپنا چہرہ صاف کر رہی تھیں۔

"میں نے رشتوں کے بارے میں اتنی فضول کہانیاں سن رکھی ہیں کہ یہ رشتے محبت، چاہت اور نہ جانے کس کس ان دیکھی گوند سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ ایک کو ذرا سی تکلیف، ذرا سا دکھ پہنچتا ہے تو دوسرے کی کیفیت، اس کی حالت ناقابلِ بیان ہوتی ہے اس لئے مجھے کبھی اپنے اردگرد ایسے کسی رشتے کے ہونے کا احساس ہی نہیں ہوا۔"

"میں جانتی ہوں، تم ناراض ہو مجھ سے۔ بہت زیادہ مایوس بھی ہو مجھ سے۔ اور میں اس کا اعتراف بھی کرتی ہوں کہ میرے اتنے برسوں کے بعد تمہارا یہ غصہ، ناراضی اور اجنبی رویہ غلط بھی نہیں۔ مگر میں کیا کرتی لائبہ! میں مجبور تھی۔ ورنہ میں تمہارے اس طرح موت کے دہانے سے گزرنے کا سن کر ایک پل کو بھی تم سے دور رہ سکتی تھی؟" انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"پلیز، اب کوئی نئی اسٹوری گھڑ کر میرا اور اپنا وقت برباد نہ کریں۔ میں اب کچھ ریسٹ کرنا چاہتی ہوں۔" وہ ایک جھٹکے سے

"تمہاری ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں، سویٹی بے بی! اور یہ کوئی کہانی بھی نہیں گھڑ رہیں۔" فاخرہ جو کافی دیر سے ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی، مداخلت کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ ابرو اچکا کر بولی مگر بیٹھی پھر بھی نہیں۔

"تمہاری ماما کو بھی اللہ نے دوسری نئی زندگی دی ہے، وہ بھی تمہارے لئے۔ تمہاری خودکشی کا سن کر انہیں اٹیک ہوگیا تھا۔ ہفتہ بھر انہیں ہسپتال میں رہنا پڑا۔ دیکھتی نہیں کس قدر کمزور ہو رہی ہیں میڈم۔"

فاخرہ کی بات پر میڈم یاقوت کو طیش تو بہت آیا، مگر جس خوب صورتی سے اس نے یہ کہانی گھڑی تھی، انہیں بے اختیار اپنی اس ملازمہ پر پیار آ گیا۔ اس نے مشکل کی اس گھڑی میں کیسا حقِ نمک ادا کیا تھا، ورنہ شاید وہ ناک سے لکیریں بھی نکال لیتیں تو لائبہ ان کی کسی بات پر یقین نہیں کرتی، جیسا کہ اب کر رہی تھی۔

"ممّا...... یہ فاخرہ سچ کہہ رہی ہے کیا؟" وہ ایک دم سے بدلے ہوئے، پُرتشویش لہجے میں کہہ رہی تھی اور اس کے بعد لائبہ میں پہلی بار اس نے انہیں ماما کہا تھا۔ انہیں فاخرہ کی دلی محبت میں ذرا بھی شک نہ رہا۔ ایک بار پھر ثابت ہوگیا کہ

سویٹی کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے فاخرہ سے بڑھ کر سمجھدار اور وفادار ملازمہ انہیں اور کوئی نہیں مل سکتی تھی۔
''فاخرہ! میں نے تمہیں سختی سے منع کیا تھا کہ لائبہ کے سامنے یہ ذکر نہیں کرنا۔'' اب کہانی میں رنگ بھرنے تھی اور اس طرح کی اداکاری میں تو وہ طاق تھیں۔
''سوری میڈم جی! میں زیادہ دیر سویٹی بے بی کا آپ سے ایسا بیزار رویہ برداشت نہیں کر سکی، اس لئے۔'' شکریہ ادا کرتے ہوئے بولی کہ انہوں نے اس کی کہانی کو صحیح ثابت کر دیا تھا۔
''ماما! کیا ہوا تھا آپ کو، بتائیں مجھے؟'' وہ ایک دم سے پہلے والی لائبہ بن گئی تھی۔ ان سے ٹوٹ کر پیار کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
''مائنر سا اٹیک تھا، اور کچھ بھی نہیں۔ اتنے دن میں کبھی نہ رکتی، مائی سویٹ ہارٹ! ڈاکٹرز اتنے سنگ دل ہر ارادے، ہر کوشش کو اپنی مسیحائی کی زنجیروں سے باندھتے رہے، ورنہ میں اپنی جانو کی ذرا سی تکلیف کا سنو لعنت ہے میرے ماں ہونے پر۔ اور ڈیئر! مجھے تمہارے غصے اور ناراضی پر اور بھی پیار آ رہا تھا۔ وہ آنسو تو اپنی بے میں چاہنے کے باوجود کیسی مجبور ہو گئی تھی۔'' وہ اب چٹ پٹ اس کے بوسے لیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
''اللہ نے واقعی مجھ مجبور ماں پر رحم کھایا، جو میری ممتا کو کسی بھی صدمے سے بچا لیا، ورنہ...... کیا حالت ہو اب میں آ گئی ہوں نا تو میرے بچے! اپنے دل کا ہر دکھ، ہر تکلیف اپنی ماں کی جھولی میں ڈال دو۔ جو تم چاہتی ہو مجھے اپنی جان پر بھی کھیلنا پڑا تو میں کھیل کر تمہارے لئے حاصل کروں گی۔ آئی پرامس۔ اور اب تمہیں اس حال چھوڑ کر نہیں جاؤں گی یا تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی یا......''
وہ محبت والتفات کے ریلے میں بہتے ہوئے بہت سی باتیں بے سوچے سمجھے کہہ گئیں، ورنہ ان کا دل جانتا گواہ تھا، وہ اس کے دل کی کسی بھی خوشی کو پورا کرنے کے قابل نہیں۔
''سچ مام! ریئلی، آپ سچ کہہ رہی ہیں۔ مجھے ساتھ لے کر جائیں گی۔'' لائبہ کی سماعتوں نے اس جملے کے بعد نہیں کیا تھا۔
''اِن شاء اللہ، میری پوری کوشش ہو گی، ورنہ دوسرا آپشن تو ہے ہی۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لگائے لگائے بولیں۔
''دوسرا آپشن کون سا ہے؟'' وہ انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔
''کیا سب کچھ ابھی پوچھ لو گی؟ بھئی فاخرہ! جلدی سے کھانے کا کچھ کرو، میں نے تو پلین میں بھی کچھ نہیں کھایا میں نے میڈیسن بھی لینی ہیں۔'' آخر میں انہوں نے قدرے کمزور آواز میں کہا۔
''اب مجھے بتاؤ، تم نے یہ فضول حرکت کی کیوں؟''
''چھوڑیں ماما! جو بیت گیا، اسے بھول جائیں۔ اب تو آپ کے سامنے زندہ سلامت، ہٹی کٹی بیٹھی ہوں ہٹاتے ہوئے ان کی گود میں لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔
میڈم یاقوت نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کا ماتھا چوم کر کچھ سوچنے لگیں۔ ان کی انگلیاں اس کے بال سلجھا جذباتی ریلے کے دوران کہی گئی باتوں پر عمل کی کوئی صورت نکالنے میں جت گیا تھا۔

✿⊛......⊛✿

ایسی اندھیری رات اُس کی زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی۔
'اور اگر یہاں سے نکل گیا تو شاید اس کے بعد بھی نہیں آئے گی۔' اس نے دیوار سے پہلو لگانے کی کوشش کی سے ایک بے اختیاری سی کراہ نکلی۔
پاؤں کے انگوٹھے سے لے کر سر کے بالوں تک اس کا پورا بدن مواد سے بھرا دردناک پھوڑا بنا ہوا تھا، وہ نہ لیٹ سکتا تھا، نہ کھڑا ہو سکتا تھا۔
مسلسل آٹھ گھنٹے اُلٹا لٹکنے کے بعد اور چمڑے سے پٹائی کے بعد اس کی ٹانگوں سے تو جان ختم ہوئی ہی تھی، اس دُکھ رہا تھا۔
'آخر میرے ساتھ یہ سب کیوں ہوا؟...... کس نے کیا؟ اور کس لئے؟'
وہ جب بھی ان تین سوالوں کو سوچتا، اس کے بدن کی ہر دُکھن پر یہ تینوں سوال غالب آ جاتے۔ وہ ان لمحوں میں بھی فراموش کر بیٹھتا۔

دیر تک اور بڑی دُور تک سوچنے کی کوشش کرتا کہ وہ سارا مواد کس نے اور کس وقت اس کے آفس میں رکھا تھا کہ سارا دن تو وہ موجود تھا، پھر کیسے؟

تھک کر اس کا دماغ تھک جاتا اور کوئی کڑی ہاتھ نہ آتی۔ صبح کے تین گھنٹوں میں اس نے اپنی نگرانی میں آفس مکمل طور پر خالی کیا تھا۔ صرف چند ضروری فائلیں اور کچھ اہم چیزیں تھیں جو ٹیبل کے اوپر یا سامنے ریک پر پڑی تھیں۔ پھر وہ کیسے پچھلی جگہ آ گیا۔

بس ایک بار پندرہ منٹ کے لئے وہ لنچ آورز میں باہر نکلا تھا۔ ادھر سے چونکہ آفس اسٹاف اور دوسرا سب سامان دوسرے آفس کیا جا چکا تھا، سو کینٹین بھی نہیں تھی۔ اس نے رشید کو کچھ لانے کے لئے بھیجا، وہ جب کافی دیر تک نہ آیا تو بھوک سے مجبور ہو کر دیکھنے لگا تھا۔

وہ گرم نان کباب اسے لاتے دیکھ کر وہ وہیں سائیڈ روم میں بیٹھ کر کھانے لگا اور اس میں صرف دس منٹ لگے تھے۔ اس بلڈنگ میں اس کے علاوہ رشید اور گیٹ پر ایک چوکیدار تھا۔

کیا وہ رشید تھا؟ اُس کے خیالات کی سوئی ادھر آ کر ٹھٹک جاتی۔ 'رشید ایسا نہیں کر سکتا۔' اسے نہ جانے کیوں یقین تھا۔

پھر کون ہو سکتا ہے؟ اس نے ایک بار پھر پہلو کے بل لیٹنے کی کوشش کی۔ اس کی کمر پر جگہ جگہ خون آلود شرٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کمر کا کیا حال ہو سکتا تھا۔ اور اسے تو خود اپنے کانوں پر بھی یقین نہیں آ رہا تھا، جس جرم میں اسے گرفتار کیا گیا تھا۔

گھٹیا اور گھٹیا الزام کہ وہ شرفاء کی بے قابو ہوتی بیٹیوں کی ویڈیوز بنا کر بیرونِ ملک بھیجتا تھا۔

"تم!..... جن رئیسوں کی وہ عزتیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کی گناہگار نظروں نے یہ گھٹیا فلمیں دیکھ لیں تو تمہارا قیمہ شہر کے عام کام پڑ جائے گا۔ تمہارے جسم کا پنجر تک کسی گدھ کے حصے میں نہیں آئے گا۔ بے غیرت!...... بے حیا......! تیرے گھر میں بہنیں نہیں تھیں؟ کسی گندے خون کی پیداوار لگتا ہے تُو مجھے۔"

بدلے کے انتقام پر وہ افسر جو موٹی اور گندی گالی بک رہا تھا، وہ اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار ادھر آ کر ہی سنی تھی۔ اس گھٹیا الزام کو سن کر ہی ساکت ہو گئے تھے، وہ تردید یا تائید کیا کرتا۔ اور پھر احسن مراد کا آنا۔

وہ کبھی بھی نہیں بھلا سکے گا۔ اس نے اپنے باپ کی آنکھوں میں اپنے لئے کیسی نفرت، کیسا زہر دیکھا تھا۔

"میں نہیں کہوں گا، مجھے تم سے کسی بہت نیک کام کی امید تھی مگر ایسا گندا، ایسا پلید کام تم کرو گے، اس کی بھی توقع نہیں تھی۔"

وہ پاس آ کر کسی سانپ کی طرح پھنکارے تھے۔

"سنو میری بات۔ اگر تم پاک صاف کسی طرح ان سلاخوں کے پیچھے سے نکل آئے تو میری طرف سے پیشگی مبارک باد لو۔ میں دوبارہ ادھر آؤں گا، نہ تمہارے گندے کارنامے کی پیروی کر کے اپنے آپ کو اس کیچڑ کے حوالے کروں گا۔ اور جو کر سکو ایک احسان ہم پر ضرور کرنا، کبھی ہمیں اپنی شکل نہ دکھانا۔ میں یہ سمجھوں گا، ہمارا کوئی بیٹا تھا ہی نہیں۔ رب نے قسمت میں یہ محرومی لکھ رکھی تھی، جس پر ہم نے کبھی غور نہیں کیا۔ اب تم جیو یا مرو، ان سلاخوں کے پیچھے کسی کوڑھی کی طرح سسک کر دم توڑ دو، مجھے پروا نہیں۔ تم نے جو روگ ہمیں لگانا تھا اور جو شدید بدنامی کا ہماری عزت کو لگانا تھا، سو لگا لیا۔ ہم تمہیں بھول گئے، تم ہمیں بھول جانا۔" انہوں نے ایک آخری تحقیر بھری نظر اس پر اُچھالی اور چلے گئے۔

اسے کبھی دل کو بھی اس نے کسی محبت بھرے سلوک کی توقع نہیں تھی، مگر وہ اس طرح اسے اپنے بدن سے کاٹ کر دور پھینک دیں کسی کوڑھ زدہ حصے کی طرح۔ اس کی اسے بہر حال توقع نہ تھی۔ کچھ نہ کچھ گنجائش تو اس کے دلِ خوش فہم نے پال ہی رکھی تھی اور انہوں نے ساری امیدوں کو روند کر چلے گئے۔

انہوں نے اس سے اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں سنا تھا اور اس کے پاس تو شاید اپنی خستہ حالت کے سوا اور کچھ کہنے کے لئے تھا بھی نہیں۔

کیا واقعی میں اپنے گھر والوں کے لئے مر گیا؟ اپنے ماں، باپ اور بہنوں کے لئے۔ محض ایک مفروضے کی بنا پر، ایسے جرم کی جس کی تحقیق نے کیا بھی نہیں۔ کیا انہیں مجھ پر ذرا بھی اعتبار نہیں تھا۔

'ٹھیک ہے آپ نے۔ مجھ پر یہ جرم ثابت ہو یا نہ ہو، میں اپنا اعتبار آپ لوگوں پر کبھی ثابت نہیں کر سکوں گا۔ میری بریت بھی شاید اب پر لگے اس دھبے کو دھو نہیں سکے گی۔ اور آپ نے یہ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوچا۔ ہو سکتا ہے، میری بے گناہی آپ کے دلوں میں کوئی نرم گوشہ جگا دے۔ میں آپ لوگوں کی محبت پر اب بھی اعتبار نہیں کر سکوں گا۔ کبھی نہیں...... کبھی نہیں۔'

اس کی آنکھیں کسی معصوم بچے کی طرح برس رہی تھیں، جس کا عزیز از جان کھلونا کسی نے اپنے پیروں تلے روند ڈالا ہو۔ رات کی تاریکی میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

❁◉......◉❁
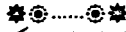
''وہ سب کچھ تو آپ کو محمود نے بتا ہی دیا ہے کہ اب کچھ بھی ہونا ناممکن ہے۔ ایف آئی آر جو کٹ چکی ہے۔ بیٹا اگر قصور ہے تو آپ کو اس کی کمپنی کے ڈائریکٹرز سے بات کرنی چاہئے۔ احسن بھائی نے بتایا کہ ایف آئی آر کس نے کٹوائی خلاف؟'' عزہ کو ماں کے اس ''دلاسا'' دینے کے انداز سے اچھی خاصی کوفت ہوئی۔

یاسمین روئے جا رہی تھیں۔ ان کے پاس ہر سوال کا جواب یہ بہتے ہوئے اشک تھے۔ تانیہ لب بھینچے بیٹھی تھی ، ربیعہ نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا۔ باقی صرف ثریا بانو اور آغا جان بچے تھے، جو خود سارہ کے اس طرز گفتگو پر پہلو بدل رہے تھے۔

''اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کس بدبخت، بدنظر کی نیت میں فتور آیا اور کس کے دماغ میں یہ گندگی ہے، جس میں ہمارا بچہ پھنس گیا؟ اور احسن کی تم بھلے پوچھو، وہ تو ایسے ہر نازک موقع پر انتہا پر جا کر سوچتا ہے۔ حوالات اس غریب سے ملنے گیا اور رشتہ توڑنے کا اعلان کر کے بے چارے کو جیتے جی گویا دیواروں میں گاڑ آیا۔ ایسا سنگ دل باپ بھی ہو گا کوئی؟ بیٹے پر کیچڑ اچھالا اور انہوں نے عاق نامہ جاری کر دیا۔ ایسا بھی کیا طیش اور خون پر ایسی بھی کیا بے اعتباری بھلا؟'' ثریا بانو تھوڑا سا سنبھلنے کا انتظار کرنے کے بعد بولنے لگیں۔ یاسمین نے ان کی آخری بات پر تڑپ کر انہیں دیکھا۔

''ارے ہزاروں ایسے بے گناہ روز پھانسے جاتے ہیں، کسی نہ کسی سازش کا شکار ہو کر سلاخوں کے پیچھے جاتے ہیں، وارث انہیں یا لاوارث کر دیتے ہیں۔ ایسا بھی اندھیر نہیں مچا ابھی۔ بجائے اس کے تم کوئی دوڑ دھوپ کرو، کسی کی ضمانت کی کوشش کرو، اُلٹا اس غریب کو برا بھلا کہہ کر ہر ناتا توڑ کر چلے آئے۔'' ثریا بانو تسبیح کو مٹھی میں لپیٹ کر بولنے لگیں۔

''میرا ادھر کوئی واقف کار نہیں۔ محمود سے مجھے امید تھی۔ یہ لوگ تو راضی نہیں تھے۔ میں ہی رات کو اصرار کر کے آیا اس نے بھی....... خیر اسے زیادہ پتہ ہو گا، یہ معاملے کس طرح نمٹتے ہیں؟ مگر ضرورت مند تو دیوانہ ہوتا ہے اور اپنی چاہئے۔ کسی سے رابطہ ہی نہیں ہو رہا۔ پتہ نہیں، اس آزمائش میں اللہ کی کیا مصلحت ہے اور سلجھاؤ کی کوئی صورت بھی نظر آغا خان، سارہ کے شرمندہ سے چہرے پر نظر ڈال کر بولے۔

''میں نے تو خود آپ کے آنے سے پہلے ہی محمود سے بات کی تھی، جو میرے بس میں تھا۔'' سارہ نے آہستگی سے کی طرف کوفت سے دیکھنے لگیں جو روئے جا رہی تھیں۔

''پلیز امی! آپ تو چپ کریں۔ حوصلہ کریں۔ مت روئیں اس طرح۔'' تانیہ انہیں چپ کرانے لگی۔ ربیعہ سہمی ہوئی سی بیٹھی تھیں۔

''کیا حوصلہ کروں؟ دو دن ہونے کو آئے۔ میرا بچہ مجھے نظر نہیں آیا۔ پتہ نہیں، اس پر کیا بیت رہی ہو گی؟ کچھ کھایا ہو گا یا نہیں؟ کس حال میں ہو گا؟'' وہ ہچکیاں لینے لگیں۔

''حوصلہ کرو یاسمین! اللہ پر بھروسہ کرو۔ وہ اگر بے گناہ ہے تو ضرور اللہ اس کی مدد کرے گا۔ اس کا رحم، اس کا کرم وقت میں کوئی کسی کے کام نہیں آتا، سوائے رب کی ذات کے۔ اس پر بھروسہ رکھو۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی ثریا بانو نے طنزیہ نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا تھا۔ سارہ کو ان کے انداز پر غصہ تو آیا مگر وقت بہرحال طیش یا طنطنہ دکھانے کا نہیں تھا۔

''اماں! میں جو کچھ کر سکتی تھی، آپ کے دکھ میں شریک ہونے کے لئے، یہ رکھ لیں۔'' کہتے کہتے انہوں نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر ماں کے آگے رکھی۔

''اللہ کا نام لو، سارہ!....... تم آ گئیں ہمارے دکھ میں شریک ہونے، یہی ہمارے لئے بہت ہے۔ تم ان کو نوٹ پرے کرتے ہوئے وضاحتی نگاہوں سے یاسمین کی طرف بھی دیکھا۔ انہوں نے چہرہ صاف کرتے ہوئے

''نہیں پھپھو! ان کی قطعاً ضرورت نہیں ہمیں بس.......''

''آپ کا موبائل بج رہا ہے۔'' ربیعہ نے آہستگی سے کہا تو وہ ایکسکیوزمی کہتے ہوئے ساتھ والے کمرے میں آ گئی۔ اسکرین پہ جہانگیر ہمدانی کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

''السلام علیکم سر!'' اس نے اپنی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''بھئی کہاں ہو؟ میں کافی دیر سے ٹرائی کر رہا ہوں۔'' وہ خاصے بے تکلف لہجے میں بولا۔

''میں سر! ادھر ہی ہوں۔ دوسرے کمرے میں تھی۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''اور کیسی ہو؟''

"لیں ہر اوہ......" اس کی آواز رندھ گئی۔

"ہاں اس دن میں ٹھیک طرح سے بات نہیں کر سکا تھا۔ ہاں اب کہو، کیا مسئلہ ہے؟" وہ ریلیکس انداز میں کہنے لگا۔

"سر! میں نے بتایا تو تھا آپ کو اور سر! بھائی تو کافی مہینوں سے مائیز، میں کام کر رہے تھے۔ اور میرا بھائی تو سر! بے حد شریف، با اصول اور غیرت مند ہے، وہ ایسا گھناؤنا، گھٹیا کام کر ہی نہیں سکتا۔ سر! اسے کسی نے ٹریپ کیا ہے، ورنہ......"

"دیکھو، یہ کوئی بچوں کا کھیل تو ہے نہیں۔ اچھا خاصا حساس معاملہ ہے۔ اور ٹریپ کرنے والی بات اس طرح ہضم نہیں ہوتی۔ وہ ڈیلی رپورٹڈ کمپنی کا ورکر ہے اور آفس میں یہ سب کرتے ہوئے تو گویا وہ اکیلا نہ ہوگا، اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہوں گے۔ یا پھر کسی ایک بندے نے نہیں یعنی کسی ایک دشمن نے نہیں، کمپنی نے ٹریپ کیا ہے۔ تم اس دن بھی یہ بات کر رہی تھیں اور میں تمہیں بتا رہا تھا۔ یہ بات اگر میڈم یاقوت کے کانوں میں پڑ گئی تو جو بہتری کی صورت ہے، سو وہ بھی نہیں رہے گی۔ وہ اپنی کمپنی کی ساکھ کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ بہر حال، یہ جس کسی کا بھی کام ہے، زیادہ دیر اس سے بچ نہیں سکتا۔ اب ایسا ہے کہ کل میری اہم میٹنگ ہے اور پرسوں دوپہر کو ایک جرمن کلائنٹ سے ملاقات۔ یعنی پرسوں شام کو میں واپس آجاؤں گا اور یقین کرو، آتے ہی اس کام سے لگ جاؤں گا۔ تم بالکل بھی پریشان نہ ہونا، نہ گھبرانا۔ میں بس دو روز میں ادھر ہوں گا۔ اور تمہارا بھائی چاہے وہ قصور وار ہے یا بے گناہ، مگر، وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" وہ یقین بھرے انداز میں اسے تسلی دے رہا تھا۔

بے چینیوں میں گھرے دل میں گہرا سکون اُتر گیا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں نا سر؟" وہ بے یقینی سے بولی۔

"تمہارے سر کی قسم۔ البتہ اس کام کی میں فیس بھی لوں گا۔" وہ شوخ لہجے میں بولی۔

"سر! جو آپ کہیں۔" وہ فوراً بولی۔

"سوچ لو، فیس تمہاری سوچ سے بڑھ کے ہو سکتی ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

"سر! میں اپنے بھائی کی آزادی کے لئے ہر فیس، ہر تاوان بھرنے کو تیار ہوں۔" وہ پورے یقین سے بولی۔

"تب اپنی بات پر قائم رہنا۔"

"ٹھیک ہے سر!"

"او کے، ٹیک کیئر یور سلف، ویل ڈن۔" انہوں نے آخر میں کہا تو ثانیہ جواباً انہیں خدا حافظ بھی نہ کہہ سکی۔ اس کے گال یک دم دہکنے لگے اور کان سے جیسے دھواں سا نکلنے لگا۔

"کس کا فون تھا ثانیہ؟" عزہ ایک دم سے اندر داخل ہوئی تھی۔ ثانیہ نے سنبھلتے ہوئے موبائل کان سے ہٹا کر آف کیا۔

"وہ میرے باس کا۔ جدھر میں کام کرتی تھی۔" وہ محتاط لہجے میں بولی۔

"تم اور تنزیل تو شاید ایک ہی آفس میں کام نہیں کرتے تھے؟" وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"ہاں!" وہ افسردگی سے بولی۔

"اچھا، پاپا نے تو کورا جواب دے دیا۔ میں سوچ رہی تھی، میری فرینڈز کے فادرز، انکل وغیرہ پولیس میں ہیں۔ دو ایک تو پاپا کو بھی اچھے جاننے والے ہیں۔ تم تنزیل کے آفس کا ایڈریس اور اس کے اونر کے بارے میں بتاؤ۔ میں کچھ کروں گی۔"

"تم کیا کرو گی، جب محمود انکل نے کچھ نہ کیا؟" وہ رکھائی سے بولی۔

"پھر بھی، کوشش میں کیا حرج ہے؟ کدھر ہے اُن کا آفس، ہیڈ آفس؟" وہ اصرار بھرے لہجے میں بولی۔

"مائیز گروپ آف کمپنیز میں جاب کرتا تھا، تنزیل۔ اور میں بھی۔" وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"وہ جو میڈم یاقوت کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ مائیز ایسوسی ایشن۔" وہ جلدی سے بولی تو ثانیہ نے سر ہلا دیا۔

"ہوں، میڈم یاقوت۔ ان سے تو میری اچھی واقفیت ہے۔" اس کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔

"تمہاری واقفیت، میڈم یاقوت سے؟" ثانیہ نے اچنبھے سے پوچھا تو عزہ نے سر ہلا دیا۔

"ہاں، وہ دو ایک بار ہمارے کالج فنکشنز میں آئی تھیں۔ مجھے ٹرافی اور میڈلز دیتے ہوئے سمجھو میری فین ہو گئی تھیں۔ یہ تو بھئی آسان کام ہے۔ میری بات وہ کبھی نہیں ٹالیں گی۔ میرے پاس تو ان کا پرسنل نمبر بھی فیڈ ہے۔ میں ابھی گھر جا کر ان سے بات کرتی ہوں، میرا سیل فون گھر ہی رہ گیا ہے۔ اب تم ذکر فکر نہ کرنا بلکہ مامی کو اور نانو کو بھی تسلی دو۔ ان شاء اللہ تنزیل ایک دو دن میں گھر ہوگا۔" وہ پورے یقین سے کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تو ثانیہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ تنزیل کے بغیر یہ گھر مجھے، ہمیں کیسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے، کیا بتائیں۔" وہ نم آنکھوں سے بولی۔

''میں جانتی ہوں۔ اللہ کرم کرے گا۔ میں تمہیں گھر جا کر کچھ دیر بعد فون کروں گی، میڈم یاقوت سے بات کر کے۔''
''ویسے میں اور ابو ان کے آفس جا چکے ہیں۔ ان کی سیکرٹری بتا رہی تھی کہ لندن گئی ہیں کچھ دنوں کے لئے۔ اب تم رہی تھی کہ جھوٹ۔ بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے دکھ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔
عزہ کے آتے ہی سارہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''چلو، تمہارے پاپا گھر آ چکے ہوں گے۔ اچھا اماں! آپ زیادہ فکر نہ کریں اور نہ دل کو لگائیں۔ اس عمر میں زیادہ اچھی نہیں ہوتی۔ آپ تو ویسے بھی ٹھیک نہیں رہتیں۔ میں تو کہتی ہوں میرے ساتھ ہی چلیں۔'' سارہ نے رحماں اماں کو کہا۔
انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''نہیں بیٹا! آدمی وہی اچھا جو سکھ کے ساتھ دُکھ کے دنوں میں بھی ساتھ دے۔ اب میں اپنی بہو اور پوتے پوتی کو آفت کی گھڑی میں چھوڑ کر تمہارے ساتھ جاتی کیا اچھی لگوں گی؟ دعا کرو بس میرا بچہ گھر آ جائے۔ پھر اسی خوشی تمہارے گی۔''
''اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا اماں!...... اچھا بھابی! آپ ہمت کریں گی تو سب کو حوصلہ ملے گا۔ بھائی جان سے کہئے سو رہے تھے۔ میری طرف سے پوچھ لیجئے گا، پھر آؤں گی۔ اچھا آغا جان! خدا حافظ۔'' وہ سب سے ملتے ہوئے باہر آئیں ڈرائیور گاڑی لئے ان کا منتظر کھڑا تھا۔

٭......٭
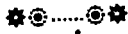
تانیہ کا کہا سچ نکلا۔ میڈم یاقوت کا سیل فون تو آف تھا۔ آفس کے دونوں نمبروں سے ہی پتہ چلا کہ وہ لندن گئی ہیں، دن میں آئیں گی۔
'اور میں، بے چاری تانیہ کو کیسی جھوٹی تسلی دے کر آئی کہ جیسے ابھی تنزیل کو حوالات سے نکلوا لاؤں گی۔ اور یہ کام نہیں تھا، اگر پاپا چاہتے تو۔ پتہ نہیں پاپا اس معاملے میں ایسی سرد مہری کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہیں۔ ہم آئے تو ایک بار بھی کہ ان لوگوں کا کیا حال تھا یا تنزیل کا کیا بنا؟ ویسے پاپا کی کیا بات ہے، وہ تو ہر معاملے میں ہی ایسے سرد، بے نیاز رویہ کرتے ہیں جیسے یہ سب کچھ پہلے بھی ان پر بیت چکا ہو۔ کسی واقعہ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہاں، بس ممامے الجھنے میں ہزار ڈگری پر چلا جاتا ہے، جیسے کسی کو مار ہی ڈالیں گے۔' وہ سر کے نیچے بازو رکھے مسلسل محمود عالم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔
''یس......!''
''وہ، صاحب نے آپ کو بلایا ہے ڈرائنگ روم میں۔'' نوکر نے دروازے میں کھڑے ہو کر اسے اطلاع دی۔
''کیوں، کوئی مہمان آئے ہیں؟''
''جی۔''
''کون ہیں؟'' وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ مہمانوں کی محفل میں اسے کم ہی بلوایا جاتا تھا۔ یقیناً کوئی خاص مہمان ہوں گے، اس نے اندازہ لگایا۔
''جی کوئی صاحب ہیں۔''
''اکیلے یا فیملی کے ساتھ؟''
''نہیں جی، اکیلے ہیں۔ بیگم صاحبہ کو بھی بلوایا ہے، وہ باتھ لے رہی ہیں۔''
''تم چلو، میں آتی ہوں۔'' وہ کچھ اُلجھتی ہوئی شیشے کے آگے کھڑی ہو کر خود کو دیکھنے لگی۔
'آخر ایسا کون سا خاص مہمان ہے، جس سے پاپا بطور خاص مجھے ملوانا چاہتے ہیں؟ ہو سکتا ہے، ان کا کوئی خاص دوست ہو۔' اس نے خود ہی قیاس کیا۔ اور تھوڑی دیر بعد حلیہ درست کر کے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔
اندر داخل ہوتے ہی سامنے بیٹھے شخص پر نظر پڑی تو اسے جھٹکا سا لگا۔
''آؤ، آؤ عزہ!'' محمود عالم اسے دیکھتے ہی خوش اخلاقی سے بولے۔
''ان سے میں تمہیں ملوانا چاہ رہا تھا۔ میرے بڑے پرانے اور قریبی دوست کے صاحبزادے ہیں۔ شروع ہی سے لندن میں رہے ہیں۔ چند ماہ سے ادھر ہیں۔ دائم مصطفیٰ۔ پہلے بھی یہ ادھر آئے تھے اور میں غائب دماغی میں پہچان نہیں سکا تھا۔ اور یہ ہے میری اکلوتی، لاڈلی، بے حد بریلینٹ اور ٹیلنٹڈ بیٹی عزہ عالم ہے۔ سارے کالج میں ہماری بیٹی کی ذہانت اور ٹیلنٹ کا چرچا ہے۔ پورے اکیڈمک کیریئر میں عزہ نے اپنے کالج میں کسی بے چارے کو فرسٹ پوزیشن کی جگہ نہیں لینے دی۔'' محمود عالم بڑے فخر سے بتا رہے تھے۔

بال بنانے گزار رہے تھے۔

"انکل آپ کی اتنی ٹیلنٹڈ بیٹی سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ بلکہ اس تعارف سے پہلے ہی میں ان کے ٹیلنٹ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ اے بریلینٹ پرفارمنس، اس دن کے فنکشن میں......"

دائم کہہ رہا تھا اور عزہ کو لگا، اس کے قدموں کے نیچے کی زمین دھک کرنے لگی تھی۔

✿◉......◉✿

"ماما آپ کو نہیں معلوم، دائم کی ماما ڈاکٹر رخشندہ نے اس سارے کے دوران میرا بالکل آپ کی طرح خیال رکھا۔ کئی بار مجھے ان سے اتنا سکون ملا، جیسے آپ مجھے تسلی دے رہی ہوں، آپ میرے پاس بیٹھی ہوں، مجھ سے باتیں کر رہی ہوں۔"

لائبہ ان کے ساتھ بیڈ پر لیٹی کہہ رہی تھی اور میڈم یاقوت حسن سماعتوں کے ساتھ ماضی اور حال کو متوازن رکھنے کی کوشش میں لگی تھیں۔

"ماما آپ سن رہی ہیں نا میری بات؟" وہ ان کی مسلسل خاموشی پر بولی۔

"ہوں...... سن رہی ہوں۔" ان کی آواز گہرے کنوئیں سے آئی تھی۔

"ماما انہوں نے خود مجھ سے کہا کہ ان کی کوئی بیٹی ہوتی تو وہ بالکل میرے جیسی ہوتی اور انہیں مجھے دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے وہ مجھ سے مل چکی ہوں۔" لائبہ کی بات پر میڈم یاقوت نے گہرا سانس لیا اور چپ رہیں۔

"بہت پیارا گول جو ہے میری بیٹی!" وہ اس کے ریشمی بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بولیں۔

"ہاں ممی تو ان سے پہلے نہیں ملی۔ ایک بار دائم کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ میں ملی تھی اور بس۔"

"ہو جاتا ہے کبھی ایسے بھی کہ آدمی کو لگتا ہے، اس نے کوئی چہرہ پہلے سے دیکھ رکھا ہے۔ وہ چہرہ، کوئی بھولا بھٹکا منظر اس کے ذہن کے کسی طاق میں دھرا ہوتا ہے اور اس کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اور جب سامنے آتا ہے تو لگتا ہے، پہلے بھی دیکھا ہے اس چہرے کو۔" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"ماما آپ ان سے ملیں گی نا؟" وہ ان کی باتوں کو ان سنا کرتے ہوئے پُرشوق لہجے میں بولی۔

"ملنا تو ہے۔" وہ اسی کھوئے کھوئے انداز میں بولیں۔

"اور دیکھیں، یہ سیکنڈ چانس ہے۔ پہلے بھی آپ آئی تھیں اور ادھر نہیں تھیں، اور اس بار بھی وہ پرسوں ہی اسکاٹ لینڈ گئی ہیں۔ دن میں واپسی ہوگی ان کی شاید۔ اتنا تو آپ رُکیں گی نا؟" وہ بڑی لگن سے پوچھ رہی تھی۔

"ہوں، دیکھیں۔" انہوں نے پھر مبہم سا جواب دیا۔

"ماما اس بار میں آپ کو یوں نہیں جانے دوں گی۔ آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی۔ آپ نے پرامس کیا ہے مجھ سے۔" وہ یاددہانی کراتے ہوئے بولی۔

"ہوں۔ کیا بات ہے؟ اسامہ نہیں آتا آج کل؟"

"آتا ہے۔ وہ اب انکل مصطفیٰ کے ساتھ آفس جاتا ہے۔ ادھر ہی بزی ہوگا۔"

"انکل مصطفیٰ؟"

"رخشندہ آنٹی کے ہزبینڈ۔ آپ کو نہیں بتایا میں نے؟"

"معلوم ہے مجھے۔"

"دائم کے جانے کے بعد اسامہ ان کے گھر شفٹ ہو گیا ہے ماما!"

"ہوں۔"

"دائم سے ملاقات ہوئی آپ کی؟" وہ ان کی انگلیوں میں پڑی انگوٹھی اتارتے ہوئے آہستگی سے بولی تو میڈم یاقوت نے اس کی طرف دیکھا۔ سچ بولیں کہ جھوٹ۔ وہ سوچنے لگیں۔

"ماما آپ نے جواب نہیں دیا۔" وہ تھوڑی دیر انتظار کے بعد بولی۔

"نہیں، ہوٹل میں جا کر مجھے اتنی مصروفیت رہی کہ میرے دھیان سے نکل گیا۔ ویسے میں نے کہہ رکھا ہے۔ ایک دو سے اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل......"

"ماما اور کو ڈیک، آپ نے کیا معلومات حاصل کرنی ہیں اس کے بارے میں، مجھے بتائیں۔" وہ چونک کر بولی۔

"اچھا تم ابھی اپنے دماغ کو اُلجھاؤ۔ سو جاؤ اب۔ رات گہری ہو چکی ہے۔ اس پہ پھر بات کریں گے۔ اور کل ذرا اسامہ کو تو آنے دو کان کھینچوں۔ میں اس سے کہہ کر بھی گئی تھی اور اس نے یہ خیال رکھا میری بیٹی کا۔"

وہ اس کا دھیان، دائم سے ہٹانے کے لئے موضوع بدل کر بولیں تو لائبہ چپ ہوگئی۔ اس کے دل میں غصہ اور رنج پیدا ہوئے تھے۔

'ماما! کبھی میری خوشی کے لئے کچھ نہیں کریں گی؟ دائم کے بارے میں جو انہوں نے پہلی بار کہہ دیا، وہی حرفِ آخر دلِ بےقرار! تُو بھی اب ٹھہر جا...... ٹھہر جا۔'

وہ اُن کے سینے میں چہرہ چھپائے، بند آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

میڈم یاقوت، کہنی کے بل بیٹھے بیٹھے اسی زاویے پر نہ جانے کیا کچھ سوچتی رہیں۔

لائبہ سو چکی تھی۔ انہوں نے آہستگی سے اپنا بازو اُس کے سر کے نیچے سے کھسکایا اور لیمپ کی لائٹ آف کرتے گئیں۔ انہوں نے ڈرائنگ ٹیبل پر رکھا لائبہ کا موبائل فون مٹھی میں لیا اور دبے قدموں سے باہر آ گئیں۔

فون بک سے وہ اب نمبرز چیک کر رہی تھیں۔

چند لمحوں میں ڈاکٹر رخشندہ کے جگمگاتے نام کے آگے ان کا نمبر آ چکا تھا۔

اُن کی متحرک اُنگلی وہیں تھم گئی۔

ان کی ساکت نگاہوں کے سامنے بہت سے منظر ایک ایک کر کے گزر رہے تھے۔ کسی پردۂ اسکرین پر چلتی فلم کے مانند۔

'تو یوں ہے ڈاکٹر رخشندہ! جیسے بیچ کا زمانہ ہمارے درمیان آیا ہی نہیں۔ اب تم میرے اتنے قریب ہو کہ میں جب حساب بے باق کر سکتی ہوں۔ سچ کہا کسی نے، ہر انتظار کو ایک دن ختم ہونا ہی ہوتا ہے۔ سو میرا تمہارا، سب کا انتظار آج اختتام پذیر ہوتا ہے۔ سوچوں تو زمانوں کی مسافت تھی۔ نظریں جھکا کر اب بھی اپنے برہنہ پیروں کے چھالے گن سکتی ہوں اس لمحہ موجود میں دیکھوں تو جیسے یہ لمحہ کل کی بات ہے...... کل میری زندگی کا یہ کارڈ تمہارے اور تم جیسے فرعونوں کے لئے وقت کے فاتح نے ان کارڈز کو چھپا رکھا تھا۔ اور آج وقت نے وہ سارے کارڈز لا کر میری جھولی میں ڈال دیے۔

پہلا کارڈ تنزیل مراد...... احسن مراد۔

دوسرا کارڈ عزہ عالم...... سارہ عالم...... محمود عالم۔

تیسرا کارڈ دائم مصطفیٰ...... ڈاکٹر رخشندہ۔

دو کارڈز اِن پراسس آ چکے ہیں۔ اور مائی اولڈ فرینڈ! یہ رہا تیسرا کارڈ۔'

کہتے ہوئے انہوں نے کالنگ کا بٹن پریس کر دیا۔

ڈاکٹر رخشندہ نے وال کلاک میں ٹائم دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی میڈیسن کی کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔ وہ لیٹنے لگی تھیں کہ سائیڈ ٹیبل پر پڑا ان کا موبائل دھیمے سُروں میں بج اٹھا۔

'اس وقت کس نے یاد کر لیا؟...... یقیناً دائم ہوگا۔ یہ بے وقت کے فون اسی کے آتے ہیں۔' انہوں نے مسکرا کر فون اٹھایا۔ ''لائبہ کالنگ'' چمک رہا تھا۔

اُن کے ماتھے پر شکن سی اُبھری۔

''اللہ خیر کرے، یہ دیوانی لڑکی پھر نہ کچھ اُلٹا سوچ رہی ہو۔'' انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے گرین بٹن پریس کر دیا۔

''یس۔''

''یوں تو کسی کو تلاشنا اتنا مشکل نہیں، شاید میں تمہیں آج نہیں، برسوں پہلے تلاش کر چکی ہوتی۔ مگر مجھے بس ہونا چاہئے تھا کہ جس کے زور سے میں تم جیسی کمینی عورت کو اپنے انتقام کی اس آگ میں جلا کر بھسم کر سکوں، جو برسوں سے میں کسی بھانبڑ کی طرح جل رہی ہے۔ اتنا ہی کافی ہے اپنا تعارف کرانے کے لئے یا اپنے مکمل بائیو ڈیٹا کی تفصیل بھی پسند کرو گی؟'

ڈاکٹر رخشندہ کی نیند سے بوجھل آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔

''کک...... کون ہو تم؟ اور کیا بکواس کر رہی ہو؟'' انہوں نے بمشکل اپنے حواس مجتمع کیے۔

''پہچانا نہیں اپنی گھائل کو؟ یا تعارف کراؤں گھٹیا عورت!'' اس کے لہجے میں کچھ تھا۔ ڈاکٹر رخشندہ کو ٹھنڈے پسینے آ گئے۔ انہوں نے موبائل آف کر دیا۔

"اُس فنکشن میں دیکھا تم نے عزہ کو؟" جسٹس محمود عالم کے چہرے پر اشتیاق سا تھا اور عزہ کا چہرہ........دائم نے یونہی گھماتے ہوئے اُس کے چہرے کی طرف نگاہ کی اور جیسے اُس کی نبضیں تھم سی گئیں۔ اس کے چہرے کا رنگ ہی فق نہیں ہو رہا تھا، آنکھوں سے جھلکتی وحشت اور کپکپاتے ہونٹ بھی دائم کو کسی گڑبڑ کا پتہ دے گئے۔

"د.....د پاپا!......ہمارے کالج میں فنکشن ہوا تھا نا۔" اس کی کانپتی، لرزتی آواز اور بدحواس سے انداز، دائم کو بہت کچھ سمجھا گئے۔ وہ اب بات کو سنبھالنے کے لئے اگلا جملہ سوچنے لگا۔

"مگر دائم کا تمہارے کالج میں بھلا کیا کام؟........کیوں دائم؟"

"کمال ہے، انہیں بیٹی کا خوف زدہ، متوحش چہرہ کچھ بھی نہیں بتا رہا۔' دائم ان کی بات پر سر ہلاتے ہوئے حیران سا ہوا۔

"جی بالکل۔ میرا بھلا اب کسی بھی کالج فنکشن........"

"صاحب! فون ہے آپ کا۔" اسی وقت ملازم، ہاتھ میں کارڈلیس لئے فرشتۂ رحمت بن کر چلا آیا۔ محمود عالم پوری طرح اس آنے والی طرف متوجہ ہو گئے۔

عزہ نے بوجھل سینے سے گھٹی ہوئی سانس خارج کی اور اپنے کپکپاتے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں جکڑ کر باپ کی طرف دیکھنے

"ایکسکیوز می۔" محمود عالم، فون سنتے ہوئے اُٹھ کر باہر چل دیئے۔

"ایکسکیوز می۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ذرا بتانا پسند کریں گی کہ یہ کیا معاملہ ہے؟" دونوں نے ہی محمود عالم کے باہر جانے پر گہرا سانس لیا تھا۔

"کون سا معاملہ؟" وہ ابرو اُچکا کر بولی۔

"ماشاءاللہ۔ کیا انداز بدلے ہیں۔ لگتا ہے، موسموں سے کوئی قریبی نسبت ہے آپ کے مزاج کو۔" وہ دلچسپی سے اب اس کے ہوئے چہرے اور پُراعتماد آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ پاپا کے مہمان ہیں، اتنی بے تکلفی ان ہی کے ساتھ فرمائیے گا۔" وہ تنک کر کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔ نہیں تو نہ سہی۔ بھئی ہمارا شمار نہ حاسدوں میں ہوتا ہے، نہ منافقوں میں۔ ہمیں جو چیز اچھی لگے، فوراً ہی برملا تعریف پسند کرتے ہیں۔ آپ کی پرفارمنس اچھی لگی۔ سو اس کو نہ سراہنا ہمیں بخل لگا، اس لئے فوراً تعریف کر دی۔ آپ کو پسند نہیں تو کوئی نہیں۔ انکل کے مزاج بہرحال آپ سے اچھے ہیں۔ ابھی میں نے آپ کی شان دار کارکردگی کا ذکر ہی کیا۔ کیسا کِھل اُٹھا تھا اُن کا۔ باقی کی تعریف بھی میں ان ہی سے کرلوں گا۔ تھینک یُو۔" وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے سینٹرل ٹیبل پر پڑا میگزین اُٹھا کر دیکھنے لگا۔

"اور میں تو وہ میگزین "مائی فیشن" بھی لانا بھول گیا، جس میں آپ کی شان دار پرفارمنس، باتصویر جلوہ افروز ہے۔" وہ میگزین کی ورق گردانی کرتے ہوئے یونہی بولا اور عزہ کا پہلا اُٹھا ہوا قدم جیسے زمین سے اوپر ہی معلق رہ گیا۔

"ک......کیا میگزین؟........آپ کے پاس کہاں سے آیا؟" وہ عین اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"بھئی ظاہر ہے، میں جب اس فنکشن میں جا سکتا ہوں تو میگزین........یوں بھی میگزین کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ ایک چیز چھپ کر سب کے لئے مارکیٹ میں آ گئی۔ ویسے مجھے تو کچھ حیرانی سی ہو رہی ہے۔ انکل تو کہہ رہے تھے کہ اُن کی بیٹی بہت ٹیلنٹڈ، ذہین اور سمجھدار بنانے کیا کیا ہے۔ مگر آپ کا امپریشن، آپ کے بی ہیویئر سے تو کچھ اور ہی پڑا مجھ خاکسار پر۔" وہ اب اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھتے ہوئے ان سے محظوظ ہو رہا تھا

عزہ کو ٹھیک ٹھاک گڑبڑ کا احساس ہوا۔

وہ کچھ دیر یونہی کھڑی اُس کی جانب دیکھتی رہی۔ اُس کا دھیمی دھیمی مسکان لئے، پُرکشش چہرہ اُسے آگ لگا رہا تھا۔ ایک گہرا

سانس لے کر وہ پیچھے پڑے صوفے پر بیٹھ گئی اور خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کرنے لگی۔
'یہ شخص خطرناک ہو سکتا ہے۔ جو طوفان ابھی کچھ دنوں بعد آنا ہے، اس کی کمینگی کی وجہ سے ابھی، اسی گھڑی اگر سب جاننے کے بعد پاپا کس حد تک جاسکتے ہیں، وہ "حد" میں ابھی افورڈ نہیں کر سکتی۔'
"ہیلو۔" دائم نے شرارت سے اسے چونکانے کی کوشش کی۔ اُس کی مسکراہٹ، عزہ کو زہر سے بھی بری لگی۔
'مجھے اپنی کمزوری اس پر شو نہیں کرنی چاہئے۔ پتہ نہیں، کس ذہنیت کا مالک ہے۔ میرے یوں حواس باختہ ہونے سے کیا اخذ کرے۔ ابھی اسے فوری طور پر یہاں سے دفعان کرنے کی ترکیب سوچنا چاہئے۔' وہ خود کو پُرسکون کرتے ہوئے اس کے بارے میں سوچنے لگی۔

"ویسے کیا آپ لوگوں کے ہاں مہمانوں سے یہی سلوک کیا جاتا ہے؟" پتہ نہیں، وہ باتونی تھا یا یونہی شوخ ہو رہا... پریشان چہرے کو دیکھ کر بولا۔

"مطلب......؟" اس نے پھر ابرو نچکائے۔
"نہ کوئی ٹھنڈا گرم پانی......نہ اچھی میزبانی اور نہ مہربان کمپنی۔" وہ ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔
اسی وقت ملازم ٹرالی دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوا۔
"لیجئے، شوق فرمایئے۔" وہ تپے ہوئے انداز میں بولی۔
"میں نے تو دو چیزوں کی اور بھی فرمائش کی تھی۔" ملازم کولڈ ڈرنک سرو کر کے چلا گیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
"اس کے لئے آپ ملازم کو روک لیتے، آپ کو اچھی کمپنی دے دیتا وہ۔" وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولی۔
"آئی ایم سوری، میں سمجھ نہیں سکا۔" وہ بھولپن سے بولا۔
"کیا......کیا سمجھ نہیں سکے؟"
"آپ کو مجھ پر غصہ کیوں آرہا ہے؟" وہ کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔
"مجھے کیوں غصہ آنے لگا بھلا؟"
"تو آپ جھوٹ بھی بولتی ہیں...... پر ایک منٹ، آپ کی یہ والی "خوبی" تو فوراً ہی ظاہر ہو گئی تھی۔ میرا مطلب... والی۔"

'اُف...... کتنا چالاک شخص ہے۔ اس سے بات کرنا آسان نہ ہوگا اور بات کرنا بہت ضروری ہے۔' وہ... سوچنے لگی۔
"کسی بھی مسئلے پر اتنا سوچ و بچار، وہ بھی اس عمر میں۔ فرسٹ ایکسپرینس ہے میرا۔ ویسے میرا دوستانہ مشورہ ہے... لئے۔"

عزہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"جو ڈیل کرنی ہے، کرلیں۔ میں بڑا فرینڈلی نیچر کا بندہ ہوں۔" وہ اس کی طرف تھوڑا جھکتے ہوئے آواز دبا کر بولا... بھی غصہ آگیا۔
"سمجھا کیا ہے آپ نے مجھے؟ مطلب کیا ہے آپ کا اس ساری بے ہودہ بکواس سے؟" وہ ایک دم سے بھڑک اٹھی... کندھے اُچکا کر کولڈ ڈرنک پینے لگا۔
اُس کی خاموشی پر عزہ خود ہی ٹھنڈی ہو گئی۔ آخر مطلب بھی تو اسے ہی تھا۔
"آپ پاپا سے میرے اس دن کے فنکشن کے حوالے سے کوئی بات نہیں کریں گے؟" چند لمحے سوچنے کے بعد... انداز میں بولی۔
"وجہ؟" وہ بھی اسی کے انداز میں بولا۔
"میں وجہ بتانے کی پابند نہیں۔" وہ رُکھائی سے بولی۔
"سوری۔ تو پھر میں بھی وعدہ نہیں کر سکتا۔" عزہ کو اس سے اسی جواب کی توقع تھی۔ وہ لب کاٹنے لگی۔
"تو گویا آپ نے اپنے پیرنٹس کی پرمیشن کے بغیر اس فنکشن میں حصہ لیا تھا۔"
عزہ اُس کی بات پر کرنٹ کھا کر اُچھلی تھی۔
"نن...... نہیں...... ہرگز نہیں۔ ایسی تو کوئی بات...... میں کیوں......" اس نے ہکلاتے ہوئے پُرزور انداز... کرنے کی کوشش کی۔

دائم اب پھر صوفے سے ٹیک لگائے، ٹانگیں آگے کو پھیلائے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا، جیسے کوئی سمجھ دار شخص کسی بچے کا پہلا جھوٹ پکڑ رہا ہو۔ عزہ کو بھی شاید اپنی کمزور تردید کا احساس ہو گیا تھا۔ تردید ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

کمرے میں چند منٹ کے لئے خاموشی چھا گئی۔

"وجہ اس انکار کی؟" جسٹس محمود عالم کی بھاری گونج دار آواز کہیں قریب ہی سے ابھری تھی، گھر کے اندر کی جانب کھلنے والی ڈرائنگ روم کی صندلی نقشین کھڑکیوں کے پیچھے سے۔

"میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں۔ جس طرح آپ مجھے سب کی نظروں میں ڈی گریڈ کرتے ہیں، میں کیوں آپ کی جھوٹی شان اور نمود کے لئے ہلکان ہوتی پھروں؟ میں نہیں جاؤں گی۔" سارہ عالم کی بے خوف، نڈر آواز بھی اسی سمت سے آئی تھی۔

"تم...... تم اس دو ٹکے کے نالائق، گھٹیا لڑکے کے لئے مجھے ذلیل کرنا چاہ رہی ہو؟" اب کے محمود عالم کی آواز دبی دبی مگر غصے سے بھری تھی۔

"دو ٹکے کا نالائق، گھٹیا لڑکا میرا بھتیجا ہے۔ آپ بھول جاتے ہیں۔"

ایسے ہر موقع پر جب سارہ عالم کو اپنی اہمیت کا ذرا بھی احساس ہوتا تھا، وہ اس طرح کا کوئی ایشو نکال کر کھڑی ہو جاتی تھیں، جانب ڈرائنگ روم کے دروازے کے پاس پہنچ کر انہیں اپنی سبکی کا احساس بری طرح سے ستانے لگا تھا۔

"یاد رکھو، سارہ بیگم! دو نمبر کام یا حرکات میں تمہارا بھتیجا تو کیا، میری اولاد بھی ملوث ہو گی یا اس کا نام بھی آئے گا تو میں اس کو رتی برابر اہمیت نہیں دوں گا، بلکہ خود...... خود اس کے لئے سخت سے سخت سزا دلواؤں گا۔ میں کبھی کسی بھی حال میں بے کردار لوگوں کی حمایت نہیں کر سکتا۔ تمہیں نہیں آنا تو مت آؤ۔" محمود عالم غصے بھری اسی مدھم آواز میں دھمکاتے ہوئے شاید اندر آ رہے تھے۔

وہ دونوں جو سناٹے کی سی کیفیت میں ان دونوں کا جھگڑا سن رہے تھے، ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

عزہ کے چہرے کا رنگ ایک بار پھر زرد ہو رہا تھا۔ موٹی موٹی سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔

محمود عالم کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی وہ ایک دم اٹھی اور بھاگتے ہوئے پچھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔

دائم کو ایک دم سے بھاگ کر جاتی اس روتی، خوف زدہ ڈری سہمی لڑکی سے نہ جانے کیسی اپنائیت سی محسوس ہونے لگی۔

اسی وقت محمود عالم اپنے پتھریلے چہرے پر دھیمی سی مسکان کا خول سجائے اندر داخل ہوئے اور وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کے روکنے پر بھی نہ رکا۔ ان کی شرمندہ سی نگاہوں سے لگ رہا تھا، انہیں محسوس ہو چکا ہے کہ دائم ان کے اور سارہ کے جھگڑے کی ساری روئیداد سن چکا ہے، شاید اسی لئے انہوں نے اسے زیادہ رکنے کو کہا بھی نہیں۔

ان بڑے بڑے خوب صورت عالی شان گھروں کے پیچھے کتنی عام سی، چھوٹے ذہنوں کی کہانیاں ہوتی ہیں کہ پاس سے گزرنے والا تو بس ان کی ہیبت سے ہی ڈر جاتا ہے کہ اسے تو پتہ ہی نہیں ہوتا، ان ابوالہول جیسے گھروں میں بونوں جیسے انسان رہتے ہیں۔

وہ گاڑی پیچھے کرتے ہوئے نہ جانے کیا کچھ سوچ گیا۔

✽◉......◉✽
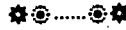
"کیسے ہو؟" وہ دیوار سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندے شاید غنودگی میں تھا یا یونہی آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ یہ آواز سنتے ہی ایک دم اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ کچھ دیر تک اپنی سرخ ڈوروں والی سوجی ہوئی آنکھوں میں بے یقینی کا تاثر لئے سامنے دیکھتا رہا، اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر آگے آیا تھا۔

"تم...... تم یہاں کیوں آئی ہو؟" وہ غراتے ہوئے مضبوطی سے حوالات کی سلاخیں پکڑتے ہوئے گرجا۔

"امی نے بھیجا ہے مجھے۔" تانیہ اس کے غصے سے ہراساں ہو کر ذرا سا پیچھے ہٹی۔

"کیا پھانسی ہو گئی تھی مجھے، جو امی نے تمہیں میری لاش وصولنے کے لئے بھیجا ہے؟" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر تانیہ کا گلا ہی دبا ڈالے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟...... خدا نہ کرے۔" تانیہ اس کی بات پر لرز کر بولی۔

"اسی لئے تو امی نے مجھے بھیجا ہے۔ ابو جو کچھ تم سے بول کر گئے، امی کو پتہ چلا تو انہوں نے رات سے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا ہے۔ تمہیں تو ابو کی طبیعت کا پتہ ہے۔ امی کو یہ ڈر تھا کہ اس اکیلے پن اور خود ترسی کی حالت میں تم کوئی بات دل پر نہ لے لو، اس لئے۔"

"اسی لئے امی نے تمہیں ادھر بھیجا ہے کہ تم ان باتوں کا تعفن بھرا ڈھیر میرے دل کے اوپر سے اٹھا لو۔ شٹ اپ تانیہ! یو شٹ اپ۔" وہ دانت پیستے ہوئے غصے میں بولا۔ اس کی نظریں بھٹک کر حوالات کے احاطے سے آگے بیٹھے، ان کالی وردیوں میں

ملبوس عملے کے ارکان پر جا کر ٹھہر رہی تھیں، جن کے منہ میں زبانیں نہیں، شہر بھر کے گٹروں کا تعفن بھرا تھا۔ اسے
''تھانہ کلچر'' کی ہر اصطلاح بمعہ اس کی عرفیت کے سب پتہ چل گیا تھا اور حیرت اسے اپنے اعصاب کی مضبوطی پر ہو رہی تھی جو یہ
سہے جا رہے تھے۔

''انہوں نے تم پر تشدد کیا ہے؟'' تانیہ اس کی ڈپٹ سے بے نیاز، تشویش بھرے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں، پیار کیا ہے۔'' وہ چڑ کر بولا۔ ''تانیہ! بچوں جیسی احمقانہ باتیں مت کرو اور جاؤ یہاں سے۔ میں ابھی زندہ ہوں
تو آ کر ڈیڈ باڈی لے جانا۔ بچ نکلا تو خود ہی آ جاؤں گا، مگر آج کے بعد...... بلیو می تانیہ! آج کے بعد اگر تم ادھر آئیں یا تمہیں
بھیجا، میں یا تم کو شوٹ کر دوں گا، یا اپنا سر ان دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر خود کو مار ڈالوں گا۔ سنا تم نے؟''

''بی بی! فکر نہ کرو، یہ تمہارا کچھ لگتا، یہاں سے ہیرو ہی بن کر نکلے گا۔ وہ بھی اصلی والا ہیرو۔ پوڈر والا نہیں۔'' پاس سے
ہرکارہ شاید اس کی آخری بات سن چکا تھا، گزرتے گزرتے طنزیہ بولا۔ تانیہ نے اور بھی خود کو اپنی سیاہ چادر میں سمیٹ لیا اور
اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''ہو گئی تسلی تمہاری یا مزید مجھے بے غیرتی کی موت مارو گی؟ جاؤ اب یہاں سے۔'' وہ ایک بار پھر دانت پیس کر بولا۔

''تمہیں یہاں کس چیز کی ضرورت ہے؟ امی پوچھ رہی تھیں۔'' وہ اس کے تیوروں سے ڈر کر بولی۔

''زہر کی ضرورت ہے۔ لا دو گی؟ نہیں نا۔ تو پھر جاؤ یہاں سے'' وہ حد سے زیادہ چڑچڑا اور غصیلا ہو رہا تھا۔ شاید
چڑچڑے پن پر غصہ نہیں آ رہا تھا، رونا آ رہا تھا۔ وہ بار بار باہر کو اُمڈتے اپنے آنسو پی رہی تھی۔

''تنزیل! یہ تمہیں زیادہ تنگ تو نہیں کرتے؟ کتنے کمزور ہو گئے ہو، ان چند گھنٹوں میں۔'' وہ رُندھی ہوئی آواز میں
کمزور، مضمحل سراپے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں، میں اِدھر دعوت شیراز پر بلایا گیا ہوں نا۔ ان لوگوں نے مجھے اپنے کھانے ٹیسٹ کرنے کے لئے تو مہمان کیا ہے۔
احمق لڑکی! یہاں سے اور دوبارہ بھی اِدھر مت آنا۔ امی سے کہنا، میں ٹھیک ہوں۔ ابو کی کسی بات کو میں نے دل پر نہیں لیا،
بیٹا ہوں، میں ان کی طبیعت سے واقف نہیں ہوں گا تو اور کون ہو گا؟ اور مجھے ان کی باتوں سے کوئی رنج یا غم نہیں ملا۔ جو ہو رہا ہے
سے......'' وہ رکا۔ ''اور امی سے کہنا، وہ صرف میرے لئے دعا کریں۔ ان کا بیٹا بے گناہ ہے۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔ اگر
میری بریت ثابت کرنا مقصود ہوئی تو وہ خود ہی غیب سے کوئی انتظام فرما دے گا، ورنہ بہت سے لوگ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی
گولی کا نشانہ بھی تو بن جاتے ہیں۔ میرے لئے قدرت نے شاید یہ والا طریقہ منتخب کر رکھا ہو۔ مجھے اپنی موت و زندگی کی فکر
نہیں، صرف تم لوگوں کی فکر ہے۔ بس تم گھر رہ کر امی، ابو، دادی اور بہنوں کا خیال رکھو اور ادھر دوبارہ مت آنا۔ جاؤ اب۔''
جلدی بولتا ہوا اس کی تسلی کرانے کی نیت سے کہتا چلا گیا۔

''اچھی بات ہے، ویسے آغا جان بھی آنا چاہ رہے تھے تم سے ملنے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میں کیا یہاں کسی درگاہ پر بیٹھا ہوں، جو سب حاضری کا شرف دینا ضروری سمجھ رہے ہو؟ خبردار، اب یہاں کوئی آیا تو''
سے اسی چڑچڑے پن سے بولا۔

''اچھا، کوئی نہیں آئے گا تم سے ملنے۔ تم خوامخواہ اپنا خون نہ جلاؤ۔ تنزیل! مجھ سے وعدہ کرو، تم ہمت نہیں ہارو گے، چند
دن ہیں سختی اور پریشانی کے، میرا دل کہتا ہے۔'' وہ جاتے جاتے اسے پیار بھری نظروں سے تکتے ہوئے بولی۔

''ہوں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے غائب دماغی سے بولا۔

''اور پتہ ہے، میں نے سر ہمدانی سے بھی کہہ رکھا ہے اور انہوں نے مجھ سے وعدہ بھی کیا ہے۔ بس ایک دو دن میں وہ
تمہیں ان سلاخوں سے باہر......''

''کیا...... کیا کہا تم نے؟'' وہ بری طرح سے چونکا۔

''وہ، میں نے سر جہانگیر ہمدانی سے بات کی تھی، انہوں نے وعدہ......''

''تم...... تم اس سے ملنے گئی تھیں؟'' وہ پھنکار کر بولا۔

''نن...... نہیں...... وہ تو اسلام آباد گئے ہیں۔ ایک دو دن میں آئیں گے، بلکہ آج شام تک......'' وہ اس کے غصے
کر پھر سے ہکلا گئی۔

''تانیہ! میری بات کان کھول کر سن لو، تم اس شخص سے کسی طرح، کسی بھی مقصد کے لئے نہیں ملو گی۔ چاہے مجھے پھانسی ہو
یا عمر قید۔ تم اس ملعون انسان کے پاس نہیں جاؤ گی۔ وہ کیا ہے، تمہیں نہیں پتہ۔ میں...... اوہ...... میرے دماغ میں یہ بات
کیوں نہیں...... اوہ میرے خدا!...... یہ تو بالکل سامنے کی بات تھی۔ بالکل سامنے کی......''

وہ کہتے کہتے اپنے بال نوچتا، دونوں ہاتھوں پر سر گراتے، سلاخوں سے ٹکراتے کسی عالمِ وحشت میں بولا۔
"ک.....کیا.....کیا بات؟.......کون سی بات سامنے کی؟.......تنزیل! کیا کہہ رہے ہو؟.......تم ٹھیک ہو نا؟" تانیہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔
"سنو تانیہ! میری بات غور سے.......اتنی سمجھ دار تو تم بھی ہو۔" وہ سلاخوں کو پکڑے ہوئے اُس کی اُنگلیاں چھو کر قدرے تحمل سے بولا۔ "یہ سب کہانی کب شروع ہوئی، تمہیں پتہ ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھ رہا تھا۔
"کون سی کہانی؟" وہ اُلجھی۔ اُسے لگا، تنزیل کے دماغ پر اثر ہو گیا ہے تشدد کا۔
"تمہارے ریزائن سے یہ سارا قصہ شروع ہوا ہے۔ میری سمجھ میں آ گیا.......تمہارے ریزائن کے بعد....... یہ سب کچھ ہوا ہے۔ میں اندر حوالات میں اور تم......." وہ اسے سوچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ "تم کسی بھی حال میں سر ہمدانی یا میڈم ہارٹ کے پاس نہیں جاؤ گی، کسی بھی فیور کے لئے۔ رہا میں تو تم چند دن مجھے بھول جاؤ۔ یقین کرو، اوّل تو وہ مجھے خود ہی بے زار ہو کر باہر نکال دیں گے۔ اگر انہوں نے ایسا نہ بھی کیا تو میرا دوست ہے، اس کا بھائی بہت کمپیٹنٹ وکیل ہے۔ میں تمہیں جاوید کا ایڈریس اور فون نمبر دوں گا۔ تم اس کو ساری بات بتانا، وہ کل تک مجھ سے خود ملنے آ جائے گا۔ میں اسے ساری بات سمجھا دوں گا۔ میں ان کیس قانونی طور پر لڑوں گا۔ تم بس مجھ سے ایک وعدہ کرو، لیکن پکا۔" وہ آہستہ آہستہ بولتے ہوئے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر بڑے کمپوزڈ انداز میں کہہ رہا تھا۔
"ہوں۔" تانیہ غائب دماغی سے بولی۔
"تم "نائیز گروپ" کے کسی ایڈمنسٹریٹر سے نہیں ملو گی، کسی بھی حال میں۔ وعدہ کرو۔"
تانیہ کو یوں لگا، وہ گلے تک کسی دلدل میں پھنس گئی ہے۔ اور اب کوشش کے باوجود اس کے گلے سے کوئی آواز نہیں نکلے گی۔
"تنزیل! یہ سب بہت لمبا پراسس ہوتا ہے۔ کچہری، وکیل، پھر ان کی فیس وغیرہ، ہم کہاں سے کریں گے؟ تم چار دن سے باہر ہو اور سارا گھر اودھڑ گیا ہے۔ معمولی معمولی سے باہر کے سودے، ابو، دادی اور آغا جان کی دوائیں، ربیعہ اور تانیہ کے اسکول کے مسائل، پانی کے بل کی تصحیح کرانے کے لئے اتنی پریشانی ہوئی۔ کبھی امی اور کبھی میں۔ دیکھو، ہمیں ان لوگوں سے کیا لینا دینا، ان کا کیا کام دھندہ ہے۔ ہمیں تو اپنا مطلب نکلوانا ہے۔ تم باہر آ جاؤ، پھر ہم ان سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے۔" تانیہ اسے رسان سے سمجھاتے ہوئے بولی۔
"تو گویا تم وہاں جاؤ گی؟" وہ اس کی ساری بات کا مطلب اخذ کرتے ہوئے بولا۔
"تم کہتے ہو تو نہیں جاؤں گی، جو تم کہو۔" اس نے ایک دم سے ہتھیار ڈال دیئے۔ تنزیل نے اس کے روّیے پر کچھ اُلجھن سے دیکھا۔
"پنسل کاغذ ہے تمہارے پاس؟" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا تو تانیہ نے ہینڈ بیگ سے پنسل اور پیڈ نکالا۔
تنزیل نے اسے اپنے دوست کا ایڈریس اور فون نمبر لکھوا دیا۔
"اب تم جاؤ اور امی کے ساتھ ان کے گھر چلی جانا۔ شام کو وہ پانچ بجے کے قریب گھر آتا ہے۔ صرف مجھ سے ملنے کا پیغام دینا، کہانیاں نہ سنانا۔ میں خود اسے سب سمجھا دوں گا۔"
"ہاں، میں تو بے وقوف ہوں، چھوٹی بچی، جو کہانیاں سنانے بیٹھ جاؤں گی۔" اسے پین پیڈ بیگ میں رکھتے غصہ آ گیا۔
وہ اُس کی محبت، ہمدردی میں مری جا رہی تھی اور وہ مسلسل اس کے جذبات کا مذاق اُڑائے جا رہا تھا۔ شاید سارے بھائی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اپنی بہنوں کے جذبات کے مقابلے میں غیر جذباتی۔
"تم میرے لئے چھوٹی بچی ہی تو ہو۔ میں تمہیں زمانے کی ہر آفت، ہر مصیبت سے بچا کر، سب سے چھپا کر اپنے گھر کی محفوظ چھت تلے اپنی نگاہوں اور اپنی مضبوط پشت کے پیچھے رکھنا چاہتا ہوں تانیہ! تمہیں نہیں پتہ، گھر سے باہر کی دنیا تن تنہا لڑکی کے لئے کیا ہے۔ اور اللہ کرے، تمہیں یہ پتہ چلے بھی۔ یہاں ہر قدم پر کوئی نہ کوئی بھیڑیا گھات لگائے بیٹھا ہے اور تم.......تم میری بہن ہونے کے باوجود واقعی بے وقوف ہو۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولا تو تانیہ سچ مچ رو پڑی۔
"تنزیل! تم مجھ سے اب ناراض تو نہیں؟"
"نہیں۔ اب جاؤ۔"
"کیا بات ہے، لیلیٰ مجنوں کے راز و نیاز تمام نہیں ہوئے؟ ملاقات کا ٹائم ختم ہو گیا ہے۔" پیچھے سے کوئی کھردری آواز میں بولا تو تانیہ الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئی۔
تنزیل ٹھنڈی سلاخوں سے ماتھا ٹیکے اسے دیکھتا رہ گیا۔ ✿

❋◉......◉❋

ٹہل ٹہل کر اُن کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ اور سوچ سوچ کر دماغ جیسے کسی پھوڑے کی طرح دُکھنے لگا تھا۔
دنیا واقعی گول ہے، بیضوی ہے یا چوکور ہے، سب کچھ دائرے کے اندر ہے۔ آدمی ایک نقطے سے چلے تو بالآخر اُسی پر پہنچ ہی جاتا ہے۔ چاہے وہ پہنچنا چاہے یا نہ پہنچنا چاہے۔
اور وہ تو اس نقطے کو کبھی کا فراموش کر چکی تھیں۔ زندگی کی ٹرین کے گزرے ہوئے کسی چھوٹے سے اسٹیشن کی طرح کی گاڑی واقعی کچھ ہی دیر کو ٹھہری تھی اور انہوں نے تو دوبارہ اس اسٹیشن کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔
'سوچا تھا رخشندہ!......تم نے سوچا تھا۔ چپکے چپکے، چوری چوری بار ہا اس چھوٹے سے، معمولی سے پل ماندہ اسٹیشن میں، خود سے بھی چھپ کر بہت بار سوچا تھا۔ دیکھا ایسی منحوس سوچ کا نتیجہ۔ کہتے ہیں نا، برا خیال ہو، خواب ہو یا حادثہ بھلا ہی بہتر ہوتا ہے......اور میں تو سب بھول چکی تھی، پھر؟'
اس پھر کے آگے اتنے بڑے بڑے سوالیہ دائرے تھے، وہ تھک کر بستر پر بیٹھ گئیں۔ ایک زمانے کے بعد انہوں نے رات جاگ کر گزاری تھی۔
''آخر میں کس بات سے اتنی خوف زدہ ہوں، جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں۔' انہوں نے تھک کر خود کو سمجھانے کی سعی کی۔
'کیا تو ہے۔' دل کمبخت نے چپکے سے سرگوشی کی۔
'مگر ایسا نہیں جو قابلِ تعزیر ہو، قابلِ سزا یا قابلِ نفرت۔ ہاں، قابلِ نفرت......مگر......پتہ نہیں، ملا کیا؟......کیوں کیا؟' بھولا بسرا منظر یاد آتے ہی وہ اپنا سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ 'میں ایسی تو نہ تھی، پھر؟'
'آخر مجھے اس سارے سوال و جواب کے جھنجٹ میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب کچھ ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا' انہوں نے خود کو اطمینان دلانے کی جھوٹی کوشش کی جبکہ دل تو اندر سے پھڑکے جا رہا تھا۔
وہ سیل فون اٹھا کر، ایک ایک نمبر سوچ کر دبانے لگیں۔ 'انسان واقعی بے بس ہے، اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔'
''یادش بخیر! آج کیسے بھول گئیں، مام ڈارلنگ! اپنی بے تحاشا مصروفیت میں اس ناچیز کے لئے وقت نکالنا؟'' اُن کے مُردہ تن میں جان ڈال دی تھی۔ وہ اپنے دماغ میں وہ جملے ترتیب دینے لگیں، جو انہوں نے ابھی بولنے تھے۔
''کیا ہو رہا تھا؟'' وہ اس کا شکوہ نظرانداز کر کے بولیں۔
''آفس میں ہوں۔ خیریت، آر یو او کے؟'' وہ ان کی آواز سے کچھ چونکا تھا۔
''ہوں، ٹھیک ہے سب۔'' ان کے منہ سے نکلا۔
''آپ تو سیمینار اٹینڈ کرنے آئی ہیں نا، اسکاٹ لینڈ؟''
''ہوں۔ دائم! ایک بات اپنے دل سے پوچھ کر بتاؤ۔'' وہ اُس کا سوال اَن سنی کرتے ہوئے بولیں۔
''پوچھیں۔ ویسے مجھے آپ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔''
''تم نے اب کیا طے کیا ہے؟ تمہارے ایڈوینچر کو اب کافی ماہ ہو گئے، میرے لئے اور کتنی سزا باقی ہے؟''
''ماما......!'' وہ پریشان سا ہو گیا۔ ''آپ کو معلوم تو ہے سب، پھر میں نے یہاں بزنس پاپا اور آپ کے مشورے سے اسٹارٹ کیا تھا اور ابھی تو بہت دن نہیں ہوئے۔''
''بہت دن تمہارے لئے نہیں ہوئے، میرے لئے تو جیسے صدیاں بیت گئی ہیں۔'' وہ آزردگی سے بولیں۔ ''تم واپس؟'' وہ لاپروا سے انداز میں بولیں جیسے وہ واقعی انہیں ایک دو دن کی ڈیٹ بتا دے گا۔
''مام! ابھی تو نہیں......یا شاید مشکل ہے۔ میں یہاں سیٹ ہو رہا ہوں......ہو گیا ہوں۔'' وہ رک رک کر کرتے ہوئے بولا۔
''وہاٹ؟'' انہیں اس جواب کی کچھ کچھ اُمید تو تھی مگر......
''مام! آپ کو کوئی پریشانی ہے؟ میرا دل کہہ رہا ہے۔''
''میرا دل کتنا ہی پریشان، ڈوب جائے، دھڑکنا بھول جائے، سو واٹ؟ تمہیں کیا پروا؟ تمہیں صرف اپنی ذات، دلچسپیوں سے پیار ہے، ان کی پروا ہے، ان کی فکر ہے۔ تم اتنے خودغرض نکلو گے دائم! اس کی مجھے امید نہیں تھی۔ اور میں نے اپنی زندگی کی ہر ترجیح سے بڑھ کر چاہا، پیار دیا، توجہ دی، بے شمار محبت دی کہ آج ہم دونوں تمہاری فکر، تمہاری پرورش میں ہیں۔ کل تم ہمیں ان کا ریٹرن دو گے، اسی پیار، اسی فکر، اسی محبت سے۔ اب جبکہ ہمیں تمہاری ضرورت ہے، تم نہ جانے کن تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کرنے ہم سے میلوں دور جا بیٹھے ہو۔ ہماری دیوانی چاہت کا مذاق اُڑانے یا اس کا امتحان لینے

کاش، بچ بھر کر۔ بچ گئے تو کسی اولڈ ہوم میں آ کر ڈھونڈ لینا۔ مر گئے تو ہمارے تابوت بھی وصول نہ کرنا۔ اسی دن کے لئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر خدا کے آگے سجدے کر کر کے میں نے تمہیں مانگا تھا کہ ایک دن یوں اپنی من مانی کرتے ہوئے ہمیں چھوڑ جاؤ۔ ٹھیک ہے، انتظار کرنا ہو تو اپنے باپ کو کرنا، جو تمہارے سامنے بشاشت کی جھوٹی اداکاری کر سکتا ہے، میں نہیں۔ ٹیک کیئر۔‘‘

ان کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں جیسے وہ میلوں تیز بھاگ کر آئی ہوں۔ غصہ، طیش، بے بسی اُن کے خون میں اُبلتا ہوا جیسے آنکھوں میں آ گیا تھا۔ انہوں نے سیل فون اٹھا کر دور پھینک دیا اور خود گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ اسی وقت ان کا سیل فون بج اٹھا۔

وہ ایک جھٹکے سے اُٹھیں۔ دائم کا نمبر تھا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد انہوں نے سیل فون آف کر دیا۔

’’جب میری بات کی، میری خواہش کی کوئی اہمیت ہی نہیں تو پھر یہ ادب آداب کیسے؟‘‘ انہوں نے سیل فون پھر اُچھال دیا۔

’’زندہ، ادھ جوان خون ہے۔ پھر تم سے میلوں دُور اور .... اور شاید ’’اُس‘‘ کے آس پاس...... کہیں آس پاس..... تم اس ماں کو گی، کیا یہ ٹھیک ہے؟‘‘

وہ بستر میں منہ تک کمبل اوڑھ کر لیٹ چکی تھیں۔ چند لمحے سوچتی رہیں، پھر اُٹھ کر دراز سے سلیپنگ پلز کی شیشی نکالی اور ایک گولی پانی کے ساتھ نگل لی۔ وہ بہت کم ایسی ادویات استعمال کرتی تھیں مگر اس وقت انہیں لگ رہا تھا، اگر وہ چند گھنٹے سوئیں گی نہیں تو دماغ پھٹ جائے گا۔ وہ اب مزید کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھیں۔

’’وہ نمبر تو لائبہ کا تھا، پھر.......‘‘ نیند میں ڈوبتے اُن کے دماغ نے آخری بات یہی سوچی تھی۔

✲ ⊙ ...... ⊙ ✲
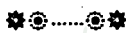
زمانہ کتنا بدل گیا ہے یا ہم بدل گئے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ بھاگ دوڑ، یہ عجلت پسندی، یہ افراتفری ہر کوئی جیسے دوڑے جا رہا ہے، منزل کی طرف دیکھے۔ بس آپا دھاپی ہے۔ یہ بھی کر لو، یہ بھی سمیٹ لو، یہ بھی چھین لو۔ اس ’’بھی‘‘ نے زندگی کتنی دشوار کر دی ہے۔ زندگی پہلے بھی اسی ’’بھی‘‘ کے ساتھ دوڑتی بھاگتی تھی اور ہمیں پتہ نہیں چلتا تھا، محسوس نہیں ہوتا تھا یا ہمارے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس ’’بھی‘‘ پر غور کرتے، یہ ’’بھی‘‘ پہلے بھی موجود تھا جیسے مجھے سب کچھ چاہیئے تھا۔ یہ ’’بھی‘‘ اور وہ ’’بھی‘‘ اور اسی ’’بھی‘‘ کے لیے میلوں پیدل دوڑا یا ہے۔ نہ جانے کس کس انجان رستوں کی انجان گلیوں میں اور ہاتھ کیا آیا، کچھ بھی نہیں۔ یہ مدوجزر سا دل کا تلاطم اور سینے میں کروٹیں لیتا درد کا دریا کبھی چڑھتا، کبھی اُترتا اور دماغ کے آئینے پہ بجی ماضی حال کی گڈمڈ ہوتی تصویروں کی ...... اور وہ خواب۔

انہیں پورے ایک ماہ بعد رات وہ خواب پھر دکھائی دیا تھا۔ وہ خوف ناک ہیولے، سایوں کی صورت سوال کرتے، ٹکٹکی باندھے ان کی طرف بڑھتے۔ وہ پیچھے مڑ کر بھاگ جانا چاہتے تھے اور پیچھے کچھ بھی نہیں تھا، اندھیرے خلا کے سوا۔ اور اس اندھیرے میں ڈوب جانے کا سوچ کر ہی ان کا دل ڈوبنے لگتا۔ وہ مڑ کر دیکھتے ہیں، وہ ہیولے ان کے بے حد قریب آ چکے ہوتے ہیں۔ بہت ہی قریب کہ جیسے ...... جیسے انہیں مار ہی ڈالیں گے۔ اس عالمِ وحشت میں جو اُن کی آنکھ کھلی تو پھر دن نکلنے تک سو نہیں سکے۔ اور صبح انہوں نے اُٹھ کر نماز بھی پڑھی۔ ایک زمانے کے بعد وہ اپنے رب کے آگے یوں جھکے تھے۔ جب وقت ہمارے سامنے سے انکار کر دیتا ہے تو پھر ہمیں وقت کے آگے جھکنا ہی پڑتا ہے۔ ثریا بانو کی دن رات کی نصیحتیں، قبر کے ڈراوے اور برزخ کی باتوں نے انہیں واقعی اپنے آخری وقت کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

مگر صبح تو وہ اپنے دل کی پریشانی سے خائف ہو کر اپنے رب کے آگے جھکے تھے اور پہلی بار اپنے لئے سکون بھری موت کی دعا کی۔ دل کے بھرے پیالے سے چند موتی بھی ٹپکے تھے، مگر دل کی بے چینی کو قرار نہیں آیا تھا۔

ان کی دوا بھی دو دن سے ختم تھی، کون لاتا؟ پہلے تنزیل آتے جاتے ان سے پوچھتا رہتا یا خود ہی چیک کرتا رہتا کہ کون سی دوا ختم ہو گئی ہے یا ہونے والی ہے۔ اب تانیہ سے کہتے تو انہیں شرم آئی، سونا شتے کے نام پر چائے کا کپ پی کر وہ خود ہی دوا لینے گھر سے نکل آئے۔

گھر کے قریبی میڈیکل اسٹور سے ان کی دو گولیاں نہیں ملی تھیں اور دکان دار کے بتائے ہوئے ایک اسٹور تک آنے کے لئے انہیں دو اسٹاپ کراس کر کے ویگن سے اُتر کر ادھر آنا پڑا تھا۔ اب دوا تو وہ خرید چکے تھے اور دو سڑکیں ٹریفک کے اژدھام سے بھی وہ کراس کر آئے تھے مگر ابھی دو سڑکیں مزید باقی تھیں اپنے اسٹاپ تک جانے کے لئے۔ وہ سانس لینے کے لئے فٹ پاتھ کے کنارے بچھے اس خالی بنچ پر بیٹھ گئے تھے۔

’’محلہ کتنا بدل گیا ہے، بالکل اُس کی نظروں سے پہچان ہی ختم ہو گئی ہے اور پھر وہ مجھے کیوں پہچانے؟ اپنے وقت پر، جب میرا وقت تھا، میں بھی کسی کو نہیں پہچانتا تھا اور وقت سے بڑا استاد کوئی نہیں اور فن کار کوئی نہیں۔ سارے حساب گن گن کر سنبھال رکھتا

ہے، ہمیں لوٹانے کے لئے۔ اور وہی کچھ ہمیں لوٹا رہا ہے۔ چلو، میرے ساتھ نہ سہی، ثریا بانو کے خیال سے یا سارہ
ان بے چاروں کی مدد کر ہی سکتا تھا۔ احسن....... احسن بھی تو وہ نہیں رہا....... اُس کے ساتھ اُلٹا کام ہوا ہے۔
گو تھا، وقت نے اسے اتنا ہی جھگڑالو، چڑچڑا اور غصیلا بنا دیا ہے....... یہاں واقعی بہت کچھ بدل گیا ہے۔ مجھے
تھا۔ اب بھلا میں ادھر کس لئے آیا ہوں؟ جوانی میں جب میں سب کو ٹھوکر مار کر چلا گیا، اب ادھر سب پر بوجھ بنے
میرا کوئی حصہ، کچھ بھی تو نہیں ادھر۔ کیا سوچتے ہوں گے سب کہ ایک اپنی مصیبتیں کم ہیں کہ یہ مفت کا بوجھ آ پڑا
ہونے لگے۔

'میں نے تو سوچا تھا، اسامہ آجائے گا تو دونوں ادھر مل کر رہ لیں گے۔ آخر وہ آ کیوں نہیں چکتا۔ ادھر بیٹھا
دھوپ میں آنکھیں چُندھیائے سامنے دیکھ رہے تھے۔

'ہاں، جوانی میں وہ علاقے یونہی دل کو بھاتے ہیں۔ ان کی کشش ہی جدا ہے۔ میں نے....... میں نے بھی
سارا سرمایہ ادھر ہی لٹا دیا اور اب بڑھاپے میں بیماریوں کی گٹھڑی اُٹھا کر ادھر چلا آیا ہوں۔ اس سے بڑی اپنے
گی؟ جب جوانی میں اس زمین کو میری توانائیوں کی ضرورت تھی تو وہ میں غیروں کو دیتا رہا اور اب بڑھاپے میں
نے کسی غیر ہضم شدہ خوراک کی صورت مجھے اپنے سے باہر نکال پھینکا تو میں اِدھر دھرتی کا بوجھ بن کر آ بیٹھا۔'

'یہ....... یہ جہانگیر ہمدانی.......' اپنے بوجھ بنتے وجود کو کوستے کوستے ان کی نگاہ ایک نقطے، ایک چہرے پر ٹھہر گئی
اور کتاب پڑھنے کے لئے عینک لگاتے تھے مگر دُور کی اُن کی نظر بالکل ٹھیک تھی، انہیں دھوکا نہیں ہو رہا تھا۔ وہ
اُٹھے اور اس طرف لپکے، جہاں انہیں وہ نظر آیا تھا۔

٭٭.......٭٭

''ماما! میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔'' بیچ کی گرم بھربھری ریت پر لیٹے بیٹھے، بھاگتے دوڑتے
مناتے، ننگ دھڑنگ جسموں سے نظریں پھیرتے ہوئے لائبہ نے پاس بیٹھی ماں سے آہستگی سے کہا۔ میڈم یاقوت
مرکی نقطے کو بغور دیکھے جا رہی تھیں۔ لائبہ کے بولنے پر بھی ادھر ہی دیکھتی رہیں۔

''ہوں۔'' اُن کا ارتکاز ٹوٹا تھا۔

''میں جاب کرلوں؟'' اس نے بیچ چیئر پر لیٹی اس بھیگی مرغی جیسی گوری کو دیکھا جو ابھی پانی میں سے ڈبکیاں
''ہوں۔ اچھی بات ہے۔'' وہ اسی بے توجہی سے بولیں تو لائبہ کے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹ گیا۔ اس نے
گمانی کی بنا پر یہ بات کی تھی کہ میڈم یاقوت اسے فوراً منع کر دیں گی اور کہیں گی کہ وہ تو اسے اپنے ساتھ لے جانے
اس بار نہیں تو دو چار ماہ بعد وہ اسے یہاں سے لے ہی جائیں گی تو پھر جاب کرنے کی کیا ضرورت بھلا؟ مگر ان کے
ساری خوش گمانی کو ریت کے گھروندے کی طرح زمین بوس کر دیا۔

وہ آنکھوں میں اُمڈ کر آتے آنسوؤں کو پلکیں جھپک جھپک کر ضبط کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

''میں خود سمجھتی ہوں کہ میری مصروفیت سے تم بہت زیادہ نظر انداز ہو رہی ہو۔ میں تمہیں جو وقت دینا چاہیے
اور تم فارغ رہ کر خود کو زیادہ اکیلا محسوس کرتی ہو۔ میرے بزنس کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہے کہ میں تمہیں اپنے
نہیں رکھ سکتی، ورنہ.......''

''کیوں، آپ خدانخواستہ کوئی ''دھندا'' کرواتی ہیں؟'' وہ آنسو، جو آنکھوں سے نہیں ٹپکے تھے، انگارے
بھر کو میڈم یاقوت کچھ بول نہ سکیں۔

''ہاں، اگر ایسا ہے تو پھر تم کیسے ری ایکٹ کرو گی؟'' وہ یونہی سر پھیر کر غور سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں نے کیا کرنا، بس یہ جو زندہ ہوں، اس کا جواز ختم ہو جائے گا۔ ایسی شرم ناک زندگی وہ بھی یونہی جیتے رہنے
میں کیا کروں گی، اُس کا طوق گلے سے اُتار پھینکوں گی اور بس....... آپ کا آئیڈیل میری نگاہ میں اتنا بلند، اتنا
میں آپ کو کسی کمتر مقام پر سوچ ہی نہیں سکتی، کجا دیکھوں۔'' وہ ایک دم سے ان کے گلے میں بانہیں حمائل کر
مسکرائیں۔

''میں اس پر فخر نہیں کروں گی۔ انسان بہرحال انسان ہے، فرشتہ یا کوئی دیوتا نہیں ہو سکتا کہ کبھی کوئی غلطی نہ کرے۔
آزمائش سے گھبرا کر کسی غلط رستے کا انتخاب کر بیٹھے اور میری جان! پریکٹیکل لائف کے دھندے تمہیں کیا
انسان کی حیثیت کٹھ پتلی سے کم نہیں ہوتی اور ہم سب کٹھ پتلیاں ہی تو ہیں۔'' وہ افسردہ سے لہجے میں کہنے لگیں۔
کی ساری روشنی کسی دھندلے غبار کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔

"آپ ذرا بھی کہیں، میری ماما سے بڑھ کر کوئی گریٹ نہیں، میں تو اتنا جانتی ہوں۔"

"ہم لائبہ! ایک کام کرتے ہیں۔ پاکستان اور مڈل ایسٹ میں ہماری کمپنی کا بنیادی بزنس فیشن اور ملبوسات جیولری سے متعلق ہے۔ ہمارا ارادہ تو تھا کہ ہم ادھر بھی اپنی کوئی چھوٹی موٹی برانچ لانچ کریں مگر اس کے لئے علیحدہ سرمائے اور ایک شیئر شخص کی ضرورت تھی، جو فی الحال مجھے نہیں مل رہا تھا اور اب اچانک مل گیا ہے۔" روشن، نرم گرم دن کی ساری روشنی کسی دھندلے غبار کی لپیٹ میں آگئی تھی۔ میڈم یاقوت کو اپنی عقل پہ تھوڑا افسوس ہوا۔

"وہ کہاں؟"

"یہاں، میرے پاس۔" انہوں نے پُرمسرت انداز میں اس کے سینے پر انگلی رکھ کر کہا۔

"تم جاب کرنا چاہتی ہو نا، اسے بھی جاب ہی سمجھو۔ تم ادھر ایک بوتیک اسٹارٹ کر دو۔ سب کچھ ہم پرووائیڈ کریں گے۔ فاخرہ تمہاری ہیلپ کرے گی اور تمہیں مصروفیت مل جائے گی۔"

لائبہ ان کی بات پر جیسے سوچنے لگی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"ماما! میں سوچ کر بتاؤں گی، بزنس وغیرہ کا میرا تجربہ نہیں اور مجھے کچھ ایسا شوق بھی نہیں۔ پھر یہ خاصا باؤنڈ کر دینے والا کام ہے۔ میں تو چار آٹھ گھنٹے کی جاب ہی کرنا چاہتی ہوں محض اور بس۔" وہ کچھ اُکتاہٹ بھرے انداز میں بولی تھی۔

"چلو، سوچ لینا۔ یہ اسامہ نے ادھر ہی آنے کا کہا تھا، ابھی تک آیا کیوں نہیں بھلا؟"

"آجائے گا۔" وہ اسی بے دھیانی سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے بولی۔ 'ماما ہر صورت مجھے خود سے دور رکھنا چاہتی ہیں اور بس' سوچنے لگی۔

"یاقوت! یہ کیا حماقت کرنے جا رہی ہو؟ آج یا کل تمہارے کالے دھندے کا بھانڈا بیچ چوراہے پھوٹے گا تو کیا بیٹی کو بھی اپنے اس دھندے میں حصہ دار بنا ڈالو گی۔" کسی نے کیسی بے دردی سے انہیں لتاڑا تھا۔ نرم گرم روشن دن پھر کسی دھندلے غبار کی لپیٹ میں آگیا تھا۔

دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کے پاس بیٹھی، دو مختلف نقطوں پر سوچ رہی تھیں۔

لائبہ کے موبائل کی میٹھی جلترنگ بجنے لگی۔

"واؤ....... ماما! ڈاکٹر رخشندہ کا فون ہے۔" ایک دم سے کھلتے ہوئے اس نے سیل کان سے لگایا۔

میڈم یاقوت کے اندر وہی آگ سلگنے لگی۔ لائبہ بہت خوش، بہت مگن انداز میں باتیں کر رہی تھی۔

'یہ عورت کتنی بڑی لٹیری ہے۔ ہر بار میری کوکھ پر حملہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر رخشندہ! تم جو کھیل، کھیل رہی ہو، تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ تمہیں زمین آسمان کے بیچ چھپنے کا ٹھکانہ نہ ملے گا۔' وہ اس سلگتی آگ کی تپش سے گھبرا کر اٹھیں اور ٹہلتے ہوئے آگے نکل گئیں۔

"ماما! یہ بات کریں نا آنٹی رخشندہ سے۔ انہوں نے بطورِ خاص آپ کے لئے فون کیا ہے۔ نہ مل سکنے پر معذرت کر رہی ہیں اور آپ کو رکنے کا کہہ رہی ہیں۔ بات کریں۔" لائبہ پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ سرخ چہرہ لئے ان کے پیچھے آئی تھی، وہ تو اس سے بہت دور نکل آئی تھیں۔

"معذرت کس بات کی؟ ڈاکٹر صاحبہ جلد یا بدیر ہمیں ملنا تو ہے۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک چاہے نہ چاہے تو بھی ملنا تو ہو گا۔" انہوں نے سیل فون کان سے لگاتے ہی منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر مدھم غراتی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

ڈاکٹر رخشندہ پل بھر کو گم صم سی ہو گئیں۔

تو ان کا شک درست نکلا۔ انہوں نے اسی شک کو کنفرم کرنے کے لئے تو فون کیا تھا۔

"کک...... کون...... کون بات کر رہی ہیں آپ؟" انہوں نے واقعی پہچاننے کے لئے اپنے حافظے کی ساری قوت صرف کرتے ہوئے ہکلا کر پوچھا تھا۔

"جانے دیں ڈاکٹر صاحبہ! یہ بھولپن، یہ انکتی گفتگو آپ کو زیب نہیں دیتی۔ اور وہ دن بھی لد گئے، جب کوئی بے وقوف ایسی باتوں میں آکر اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتا تھا، جھوٹے وعدوں، جھوٹی قسموں پر۔ اب تو فرصت ملے تو بس کڑیاں جوڑیے اور احتساب کے لئے تیار ہو جائیں اور اس بار زمانے کی کوئی چال کارگر نہ ہو گی۔ سب کچھ...... جی ہاں، کیوں نہیں ملیں گے؟ ضرور ملیں گے۔ ملنے کی کوشش کروں گی۔ ملنا تو ہے لازمی۔ اوکے بائے۔"

لائبہ ان کے پاس آکھڑی ہوئی تو انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے فون آف کر دیا۔

"دیکھا ماما! کتنی اچھی ہیں ڈاکٹر رخشندہ۔" وہ عجب مسرور سے انداز میں بولی تھی۔

"ہوں، اچھی ہیں۔ بعض لوگوں کو ساری زندگی اچھے رہنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔

"جی، کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔ لائبہ! میں کہہ رہی تھی، ٹھیک ہے تم بزنس میں انوالو نہیں ہونا چاہتیں، نہ سہی۔ میں بھی تم سے کوئی زبر نہیں ڈالنا چاہتی۔ تم کوئی چھوٹی موٹی جاب کرنا چاہتی ہو، کرلو۔ ادھر کچھ کمپنیوں کے ساتھ ہماری کوئی نہ کوئی ڈیل چل رہی میں تم چاہو جاب......"

"پلیز مام! آئی ہیٹ فیور۔ مجھے اپنی کوالیفکیشن پر جاب حاصل کرنا ہے۔ خواہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔"

"اوکے، جو تمہارا دل چاہے۔ مگر بیٹا! میں دوسرے معاملے کو بھی اب نمٹانا چاہتی ہوں، جلد سے جلد۔"

"کون سا معاملہ؟" لائبہ کچھ سمجھ تو گئی تھی، اسی لئے ناگواری سے بولی۔

"تمہاری شادی کا معاملہ۔ پلیز، اب اور ڈلے مت کرو۔"

"کیوں، میرے کیا بال سفید ہو رہے ہیں؟" وہ چیخ کر بولی۔

"ایسی بات نہیں۔ تم نے جو یہ حرکت کی ہے لائبہ! میرا دل خود بڑے زور کا دھکا کھا کر سنبھلا ہے۔ ایسا نہ ہو گ ٹرائے ٹو انڈراسٹینڈ۔" وہ ملتجی لہجے میں بولیں۔

"کم آن مام! جس نے جتنے سانس لینے ہیں، وہ کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کم یا زیادہ نہیں ہو جائیں گے۔ اسامہ تو لگتا ہے نہیں آئے گا۔"

"تو اسامہ میں کیا خرابی ہے؟"

"میں نے کب کہا، کوئی خرابی ہے؟" وہ اسی انداز میں بولی۔

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟" وہ زچ ہو کر بولیں۔

"مام! مسئلہ کیا ہے، آپ نہیں سمجھیں گی۔ بلکہ سوری ٹو سے، آپ سمجھنا ہی نہیں چاہتیں تو پھر سمجھانے کا فائدہ؟ آپ جگہ پُر کرنا چاہتی ہیں کہ ایک شخص کی جگہ کوئی بھی دوسرا لے سکتا ہے مگر میری ڈکشنری میں یہ ناممکن ہے۔ میرا دل جو جگہ ہے، اس کی جگہ کوئی اسامہ نہیں لے سکتا۔ بس اتنی سی بات ہے جو آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

وہ تیز تیز بولتے ہوئے پلٹی۔ اس کے بالکل سامنے اسامہ کھڑا تھا۔ اس کی زبان بے اختیار دانتوں کے نیچے آگئی۔

✿......✿
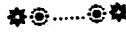
وہ دونوں تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ چل رہی تھیں۔ ایک دوسرے سے بھی بے خبر اور ارد گرد سے بھی انجان۔ اسٹاپ گزرنے کا بھی احساس نہیں ہوا

وہ گھر جا کر کتنا روئی تھی۔

"امی! تنزیل...... وہ تنزیل تو رہا ہی نہیں۔ اتنا کمزور کہ پہچانا نہیں جاتا۔ انہوں نے اس کو مارا پیٹا بھی ہے۔ آنکھوں سیاہ حلقے، جیسے وہ ان راتوں میں سویا بھی نہیں۔ اس کی شرٹ جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی اور خون آلود۔ پتہ نہیں، میں کیسے اس کے ضبط کر کے کھڑی رہی۔ امی! سارا راستہ میں روتی آئی۔ امی! مجھ سے تنزیل کی حالت نہیں دیکھی گئی۔ امی! میرا بھائی تو اتنا اچھا، ہمدرد، اتنا محبت کرنے والا، سب کا خیال رکھنے والا۔ کبھی اس نے ہمارے ساتھ بدتمیزی نہیں کی، مارا پیٹا بھی نہیں، پھر اس کو وہ روئے جا رہی تھی۔

"امی! میں نے جب سے آنکھ کھولی ہے، اسے اپنے ساتھ پایا ہے۔ ہم دونوں اکٹھا کھیلتے، اکٹھا کھاتے پیتے۔ میں چپ کراتا، وہ روتا تو میں بھی رونے لگ جاتی۔ اس نے ہمیشہ اپنی ہر پسندیدہ چیز مجھے دے دی، بنا مانگے۔ ابو کی ڈانٹ ڈپٹ، لڑکپن کی مار پیٹ، کبھی اس نے پلٹ کر بدزبانی نہیں کی۔ وہ تو اتنا اچھا ہے۔ امی! مجھے اس کے لئے جو بھی کرنا پڑا، میں کروں گی اپنی جان دے کر بھی اُس کی جان بچ سکتی ہوں۔" وہ یاسمین کی بانہوں میں مچل مچل کر بچوں کی طرح روتی رہی تھی۔ اس کو آ رہا تھا، نہ قرار۔

اور وہ شام پانچ بجے سے بھی پہلے یاسمین کو ساتھ لے کر تنزیل کے اس دوست کے گھر چلی آئی، جس کا اس نے ایڈریس تھا اور اس سے وہی غلطی ہو گئی، جس سے تنزیل نے منع کیا تھا۔ اس نے ساری کہانی ایک بار پھر روتے ہوئے سنادی۔

ایسی کہانی پر کوئی یقین کرے یا نہ کرے، وہ بدک ضرور جاتا ہے۔ اُس کا دوست بھی بدک گیا تھا۔ اس کیس میں مدعی گواہ مارے جاتے ہیں۔

"آنٹی! آپ تو جانتی ہیں، آج کل کے زمانے میں خاص طور پر ہماری پولیس کیسی بدمعاش ہو گئی ہے۔ اس کی نظر

مجھے بد، شریف، عزت دار میں کوئی فرق ہی نہیں رہا۔ جس پر ذرا شبہ بھی ہوتا ہے، وہ اس کی نسلوں کو داغ دار کر ڈالتی ہے۔ اس کے اگر پڑوس تک کے بے گناہ لوگ لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ بتائیے، ایسے میں کوئی کیا کسی بے قصور کا ساتھ دے؟ کس کے حق میں گواہی دے۔ عزت دار تو اپنی عزت لپیٹ کر ایسے معاملات سے دور ہی رہنا چاہتا ہے۔ بہر حال، میں پھر بھی کوشش کروں گا، جو ہو سکا ان کی مدد کروں۔ ویسے کل تو میں سیالکوٹ جا رہا ہوں دو دن کے لئے، ضروری کام ہے۔ وہاں سے آتے ہی بھائی کو لے کر جاؤں گا۔ اصل میں بھائی بھی شہر میں نہیں، اپنی سسرال گئے ہوئے ہیں، ورنہ میں ابھی انہیں لے کر چلا جاتا۔ آپ لوگ فکر نہ کریں، جو کچھ ہو سکا، وہ میں کروں گا۔"

آخر میں اس نے اپنی طرف سے تسلی دینے کی تو پوری کوشش کی تھی، مگر وہ جانتی تھیں کہ جو کچھ وہ شروع میں تمہیداً کہہ چکا ہے، وہی اس کے دل کی بات ہے۔ وہ شاید ہی تنزیل سے ملنے جائے۔

اب تانیہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ تنزیل نے اسی لئے اسے منع کیا تھا کہ جاتے ہی سب کچھ اسے نہ بتا دینا۔ وہ پھر آئے گا تو تنزیل خود۔ شاید وہ اپنی زبان سے سب کچھ اسے بتاتا تو اور بات ہوتی۔ پر اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں مایوس و دل گرفتہ ہو کر باہر نکل آئیں۔

ادھر شام ڈوب رہی تھی اور لوگ باگ اپنے گھروں کی طرف رواں دواں تھے۔ ہر کوئی پرندوں کی طرح اپنے آشیانے کو لوٹ جانے کو بے چین تھا اور "وہ جو اتنے دنوں سے گھر ہی نہیں آیا......" یہ سوچتے ہی یاسمین کے کب سے رکے ہوئے آنسو بھل بھل بہنے لگے۔

"امی! راستہ ہے، پلیز خود کو سنبھالیں۔" تانیہ نے انہیں یوں بے قابو ہوتا دیکھ کر فوراً کہا۔

"میں کیا کروں، میرا دل درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ میرا بے گناہ بچہ نہ جانے کس کی گندی سوچ کی سزا بھگت رہا ہے؟ اور باہر نکلنے کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آ رہی۔ میں کیا کروں؟ کس سے فریاد کروں جا کر؟ تمہارا باپ اس کے سامنے رونے دھونے کی بھی نہیں دیتا، اس کے سینے میں تو بیٹے کے لئے دل کی جگہ پتھر رکھا ہے۔ معلوم نہیں، اس دن غریب کو حوالات میں کیا کہہ کر آئے ہیں۔"

"اچھا، آپ زیادہ ٹینشن نہ لیں۔ اتنی پریشان ہو رہی ہیں۔ مجھے تو آپ کی فکر لگ رہی ہے۔ اللہ مالک ہے۔ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔" وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولی۔ "کچھ نہ کچھ" کے بجائے تو اسے بھی ابھی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک یہ اُمید تھی، سو وہ بھی ختم ہو گئی۔

"اس مہینے نہ تمہاری تنخواہ آئے گی، نہ تنزیل کی۔ اور ان دو چار مہینوں میں کون سے خزانے بھر گئے تھے، جو دو چار سال آرام سے کھائیں؟ دو چار دنوں میں سارا راشن ختم ہونے والا ہے۔ اور جو کیس لڑنے کی کوئی صورت بنی تو ہم کہاں سے خرچ کریں گے؟ وکیل کی ایک فیس ہم نہیں دے سکتے، کہاں پورے مقدمے کی پیروی۔ اس لئے تو مجھے قرار نہیں آ رہا۔ کوئی اُمید کا جگنو نہیں بچا میرے تو۔"

ان کے جسم سے جان نکلی جا رہی تھی۔ تانیہ نے پاس سے گزرتے رکشے کو ہاتھ دے کر روکا اور انہیں زبردستی ساتھ بٹھا کر گھر لے آئی۔ ورنہ ان حالات میں وہ بھی رکشے کا کرایہ دینے کے حق میں نہ ہوتیں۔

وہ رات بھی پچھلی چار پانچ راتوں کی طرح بہت بھاری، بہت بوجھل تھی۔ قطرہ قطرہ بھیگتی، تمام ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ڈنر کے بعد تین بار جہانگیر ہمدانی کو مسڈ کالز دی تھیں۔ کوئی رسپانس نہیں آیا تھا۔ ہار کر چوتھی بار اس نے نمبر ملایا تو سیل آف تھا۔

ٹھیک کہا کسی نے۔ برے وقت میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ تنزیل! تم کہتے ہو کہ ان کی طرف بالکل رجوع نہ کروں تو پھر میں کہاں جاؤں؟ قانونی رستے کی طرف جاتے ہیں تو سالوں تک یہ معاملہ لٹک جائے گا۔ پھر خالی جیب کے ساتھ کوئی کتنا ہی پارسا کیوں نہ ہو، خود کو بے گناہ ثابت نہیں کروا سکتا۔ میڈم یاقوت کے جا کر پاؤں پڑتی ہوں تو نہ معلوم وہ کیا شرائط رکھیں۔ ہو سکتا ہے تمہارے خدشات درست ہوں۔ تیسرا تو کوئی رستہ نہیں۔

یا ہے تیسرا رستہ بھی کہ بقول ابو کے، تمہیں یونہی ان سلاخوں کے پیچھے سڑنے مرنے دیا جائے۔ اللہ نہ کرے۔ یہ تانیہ سے نہیں ہوگا۔ ہم دونوں جڑواں ہیں۔ ہم دونوں نے ماں کے پیٹ میں شاید ایک دوسرے کی سانسیں بھی شیئر کی ہوں، ایک دوسرے کی غذا سے حصہ لیا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تنزیل کو خدانخواستہ کچھ ہو جائے اور تانیہ یونہی مزے سے جیتی رہے۔ ہرگز نہیں........

نہیں تنزیل! میں اپنے بھائی کو یونہی جیل میں سڑنے مرنے نہیں دوں گی۔ میں کچھ نہ کچھ کروں گی۔ خواہ اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، کسی کی حد کو پھلانگنا پڑے۔"

وہ فجر کی نماز کے بعد بڑے عزم سے دعا مانگتی، دل میں پختہ ارادے باندھتی اُٹھی تھی۔ ساری رات اس نے اکھو تھی۔ مصلّے سے اٹھ کر بستر میں لیٹتے ہی اسے گہری نیند آ گئی تھی۔ وہ بہت گہری نیند سوئی تھی۔

تکیے کے نیچے رکھے موبائل فون کی مدھم مسلسل بجتی بیپ سے اُس کی آنکھ کھل گئی۔

اسکرین پر نگاہ پڑتے ہی اس کی خمار آلود آنکھوں سے ساری نیند بھک سے اُڑ گئی۔

''یس.......یس سر!''

''کیسی ہو بھئی تانیہ؟'' ان کی آواز فریش اور بہت قریب سے آئی تھی۔

''ٹھیک سر!'' خوشی سے اس کے اعصاب بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔

''سوری بھئی، میں کل تمہیں کال بیک نہیں کر سکا۔ ایک میٹنگ میں تھا۔''

''سر! آپ آئے نہیں ابھی؟''

''رات ہی پہنچا ہوں۔ بلکہ سوری، کل دن ہی میں آ گیا تھا۔ مگر مصروف اتنا تھا کہ فوری طور پر تم سے رابطہ نہیں کر پایا۔ البتہ بالکل فارغ ہوں۔'' جہانگیر ہمدانی کے فریش لہجے اور اپنائیت بھرے انداز سے تانیہ کو انوکھی سی تقویت مل رہی تھی۔ جس میں اس نے رات گزاری تھی، اس کا خاتمہ اس خوش گوار کال نے کر دیا تھا۔

''تو میں آپ سے کتنے بجے آفس ملنے آؤں سر؟'' وہ جلدی سے بولی۔

''نو بجے کے بعد، اینی ٹائم۔''

''تھینک یُو سر!.......تھینک یُو ویری مچ سر! میرے بھائی نے کچھ نہیں کیا، وہ بالکل بے گناہ ہے۔ آپ اس کی کم از کم ... کروا دیں گے نا؟''

''شیور۔ آپ آؤ، پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ اتنی دیر میں وہ جس تھانے میں بند ہے، میں وہاں سے کیس کی ساری ... لیتا ہوں۔ پھر جو صورت بھی ممکن ہوئی، اسی کے تحت کوئی لائحہ عمل طے کر لیں گے۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔ اوکے بائے۔''

''تھینک یُو.......تھینک یُو سر!.......خدا حافظ۔'' اس نے سرشار لہجے میں کہتے ہوئے سیل کان سے ہٹایا۔

'میڈم یاقوت کی نیت جو بھی ہو، سر ہمدانی میرے لئے اپنے دل میں بڑا اسپیشل سافٹ کارنر رکھتے ہیں۔ مجھے علم ... دل کی خبر صرف دل کو ہو سکتی ہے۔ اور میرا دل یہ بات جانتا ہے، تنزیل آج شام تک اِن شاء اللہ، گھر میں ہوگا۔ میرا دل کہ ...'

وہ خوش خوش سی بستر سے اُتر آئی۔ نو بجنے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔

✿⊙......⊙✿
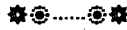
''پاپا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا، ماما اب ایک دم سے کیوں اتنا ناراض ہو گئی ہیں؟ کل تک تو وہ واپس آنے کا خود ... تھیں۔ گھر کی رینوویشن کے بارے میں ہدایات دے رہی تھیں اور آج.......آج صبح ایسی خفگی کا اظہار کہ صاف کہہ دیا اگر ... نہ لوٹا تو وہ کبھی مجھ سے بات نہیں کریں گی۔ اور میں صبح سے بارہا ٹرائی کر چکا ہوں۔ وہ ... نمبر دیکھ کر فون اٹینڈ نہیں کر رہیں ... پریشان ہوں۔'' دائم روہانسی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''یار! مرد بنو۔ پریکٹیکل لائف میں ایسے ہرڈلز آتے ہی ہیں۔ بچوں کی طرح رونے نہیں بیٹھ جایا کرتے۔ ماں ہی ... ہے نا۔ کتنی دیر رہیں گی؟ دو چار گھنٹے، دو چار دن۔ خود ہی مان جائیں گی۔ ان کی مامتا ہی انہیں چین نہیں لینے دے گی۔ تم ٹینشن لیتے ہو؟'' مصطفیٰ صاحب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''آپ کی والدہ اس طرح آپ سے ناراض ہوتی ہوں گی تو آپ ٹینشن نہیں لیتے ہوں گے۔ مگر پاپا! آپ ... ہیں، میں مصطفیٰ نہیں، دائم مصطفیٰ ہوں۔ جو دو چار دن تو کیا، ماما کی دو چار گھنٹوں کی ناراضی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔'' ... سے بولا۔

''سوری بھئی! میں بھول گیا تھا نا، تم ماں کی چار گھنٹوں کی ناراضی نہیں سہہ سکتے تو ماں کی گود سے نکلے ہی کیوں تھے ... آنے کے لئے؟ ماما کے پپو بنے بیٹھے رہتے۔'' وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولے۔

''آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے اور میں بہت پریشان ہوں۔''

''یار ہوا کیا؟ تم نے وجہ نہیں پوچھی؟''

''انہوں نے موقع ہی نہیں دیا۔ ویسے ایک بات آپ میری لکھ لیں، ماما کے ساتھ کوئی انڈرسٹرنس ہے۔ ضرور کوئی ... جسے وہ مجھ سے، آپ سے، کسی سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتیں۔ یاد ہے نا، کیسے انہوں نے رحیمہ مائی کا ذکر سنتے ہی کہہ دیا تھا ... جانتیں اس عورت کے بارے میں۔ جبکہ آپ نے اسے پہچان لیا تھا۔''

کیا مسئلہ ہو سکتا ہے، جو وہ ہم دونوں سے چھپا رہی ہیں؟'' مصطفیٰ صاحب بھی سیریس ہو گئے۔
مسئلہ کسی ان سکیورٹی کا ہے، وہ خوف زدہ ہیں کسی بات سے، کسی شخص سے یا کسی واقعہ سے۔ مگر ظاہر نہیں کرنا چاہتیں۔''
''مسٹر جیمز بانڈ کے بھتیجے! تم نے یہاں کوئی سراغ رسانی کی کمپنی تو نہیں جوائن کر لی؟ اتنے نقطوں کی طرف تو میرا دماغ اتنے
برسوں میں نہیں گیا، جتنا تم نے دو چار ماہ میں اخذ کر لیا ہے۔''
''بابا بات ہے ذہانت کی۔''
''بالکل بیٹا جی! آپ کے پاپا تو نرے گدھے ہیں اور آپ.....'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔
''پاپا! آہستہ۔ کنکشن ڈس مس ہو جائے گا۔''
''تم تو پوری کوشش کر رہے ہو، ہم میاں بیوی کی لائن آف کمیونیکیشن کا کنکشن ڈس مس کرنے کی۔ یعنی میں اپنی بیوی پر شک
کروں کہ وہ مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ کیوں صاحبزادے! میں ٹھیک سمجھا تمہاری نیت کو؟''
''بالکل ٹھیک۔ اب یہ آپ کا کام ہے، ان سے اُگلوانا۔ اور پلیز، ان سے کہہ سن کر مجھ غریب کی تو بخشش کروائیں۔ ابھی میں
نے لاکھوں کا لاگا کر بیٹھا ہوں، سب ڈبو کر آ جاؤں، اگر کہتی ہیں تو۔'' وہ چڑ کر بولا۔
''بھئی ماں کی ناراضی کا خیال ہے تو لاکھ کروڑ کے ڈوبنے کا غم نہیں کرنا چاہئے۔ آخر تم مصطفیٰ نہیں، دائم مصطفیٰ ہو۔'' وہ اسے
چڑاتے ہوئے بولے تو وہ ہنس دیا۔
''پاپا! آپ پکے بزنس مین ہیں، اُدھار کے قائل نہیں۔ اچھا، اب آپ ماما سے بات کر کے میری لائن کلیئر کروائیں، ورنہ میں
بزنس نہیں کر سکوں گا۔ اور اپنا خیال رکھئے گا۔''
''تم بھی اپنا خیال رکھنا اور پریشان نہیں ہونا۔ وہ رات تک خود ہی فون کر لیں گی۔ اللہ حافظ!'' کہتے ہوئے انہوں نے رابطہ
منقطع کر دیا۔
''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' دائم نے نیم دراز ہوتے ہوئے دعا کی۔

✲◉......◉✲

'کیا امپریشن لے کر گیا ہو گا وہ شخص میرے بارے میں۔ ہمارے گھر کے ماحول، ماما، پاپا کے ریلیشنز کے بارے میں۔' عزہ
سوچ کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔
ماما کمرے میں بند تھیں اور محمود عالم گھر سے باہر جا چکے تھے۔
'ان دونوں کے ذاتی جھگڑے ہی تمام نہیں ہوتے، یہ کسی اور کے امپریشن کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ اور جو اس نے
بدلہ لینے کی غرض سے یا یونہی پاپا کو فون کر کے بتا دیا تو پاپا کے غصے کا آتش فشاں مجھ پر پھٹ پڑے گا۔ ابھی کچھ دنوں تک مجھے
یہ خبر نہیں ہونے دینی چاہئے۔ مجھے دائم صاحب سے بات کرنی چاہئے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔' وہ سوچتے ہوئے باہر نکلی اور
فون پر جھک کر ہیٹ سے اس دن کی ڈیٹ میں آئی کالز کے نمبر نوٹ کرنے لگی۔
نمبر اسے یاد تھا۔ نمبر آتے ہی اس نے نوٹ کیا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔
'لیکن اسے فون کر کے کہوں گی کیا؟' وہ نمبر ڈائل کرنے سے پہلے سوچ میں پڑ گئی۔
'پاپا کو نہ بتانے کی ریکویسٹ میں پہلے کر چکی ہوں۔ اب مزید کہوں گی تو نہ جانے وہ کیا سمجھے کہ نہ جانے کتنا ''گہرا'' معاملہ
ہے۔ کہیں یہ فون کال اور بھی معاملہ نہ بگاڑ دے۔' وہ کشمکش میں پڑ گئی۔
'جو بھی ہو، دیکھا جائے گا۔ مجھے بات کر کے اطمینان کر لینا چاہئے کہ وہ پاپا سے کچھ نہیں کہے گا۔' وہ ہمت کر کے نمبر ملانے
لگی۔
بیل جا رہی تھی۔ تیسری بیل پر کسی نے ہیلو کہا تھا۔ عزہ نے خشک لبوں پر زبان پھیری اور جواباً ''ہیلو'' کہا۔

✲◉......◉✲

''ہیلو، کیا ہو رہا ہے؟'' وہ گہری سوچوں میں گم تھی، جب سعدیہ کی بشاش آواز نے اسے چونکایا۔ ایک گہرا سانس لے کر اسے
دیکھا۔
''نتھنگ۔ (کچھ نہیں)'' وہ کندھے اچکا کر پھر سے بے خیالی میں گھاس نوچنے لگی۔
''تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے۔'' سعدیہ کے کہنے پر اسے اب خیال آیا کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ رکھے
تھے۔ یقیناً ان میں ہی کوئی چیز اس نے چھپا رکھی ہو گی۔
''کوئی گفٹ ہے؟'' اس نے بے نیاز سے لہجے میں کہا۔

''گفٹ کس خوشی میں دوں گی میں تمہیں؟ کیا مس ورلڈ منتخب ہو گئی ہو؟'' وہ شوخ سے انداز میں کہتے ہوئے دھرنا مار کر بیٹھ گئی۔

''ہو بھی سکتی ہوں۔ مگر مجھے ایسا کوئی شوق نہیں۔'' اس نے اپنے سامنے رکھے اُدھڑی ہوئی گھاس کے ڈھیر کو اچھال دیا۔

''خیر، یہ تو نہ کہو۔ تمہیں شوق نہیں۔ شوق ہے تو تم نے پہلا قدم اُٹھا لیا ہے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی۔'' معنی خیز انداز پر عزہ کا دل زور سے دھڑکا۔ کیا سعدیہ کو بھی.......؟

''کیا مطلب اس قیاس آرائی کا؟''

''کسی اور سے سنتی تو قیاس ہی لگاتی رہ جاتی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ عزہ! دوست میری ہو اور اس سے متعلق خبریں دوسروں کے توسط سے ملیں۔'' اب کے اس کا لہجہ شکایتی تھا۔

''واٹ ڈو یو مین، خبریں؟'' عزہ کو کوفت سی ہوئی۔

''خبریں؟'' اس نے زور دے کر کہا۔ ''خبروں کا مطلب اخبار اور اخبار کے لئے....... یہ دیکھو، اپنے دوستوں کی خبریں بھی ہمیں اخباروں سے معلوم ہونے لگیں۔ مجھے اس فرینڈ شپ کو قائم رکھنے کے بارے میں نئے سرے سے سوچنا ہوگا۔'' جتاتے ہوئے شوخ رنگوں سے سجا فیشن میگزین اس کے آگے رکھ دیا۔

مائیز فیشن آف دا منتھ کے سرورق پر اس کی آنچل کی اوٹ میں جھانکتی خوب صورت سی تصویر صاف پہچانی جا رہی تھی تو وہ مبہوت سی دیکھتی رہ گئی۔ اس نے یہ میگزین آج نہیں دیکھا تھا۔ چند دن پہلے وہ یونہی لان میں ٹہل رہی تھی۔ اس نے کوریئر والے سے یا پوسٹ مین سے یہ میگزین اندر لے جاتے دیکھ کر فوراً جھپٹ لیا تھا۔ کھڑے کھڑے چند نظروں سے کی ورق گردانی کرتے ہوئے اسے دوپٹے میں چھپا کر وہ اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی۔ سارہ کے اچانک آنے پر اس نے بیڈ کے نیچے پھینک دیا۔ اس کے لئے تو یہ خیال ہی رونگٹے کھڑے کر دینے والا تھا کہ اگر سارہ یا محمود عالم کے ہاتھ لگ گیا تو....... اس کے بعد وہ شاید بھول گئی یا اس نے جان بوجھ کر میگزین نکال کر نہیں دیکھا۔ اور اب سعدیہ آہستہ آہستہ ورق ٹائٹل پیج کی مکمل تصاویر سے سجے سینٹر کے صفحات تک لے آئی۔

اس کی چار تصویریں تھیں۔ چاروں مختلف پوز لئے ہوئے۔ اور اس چمکتی دمکتی، روشن دھوپ کا کمال تھا یا وہ تصویریں اچھی تھیں کہ اس نے اپنے اندر سرشاری کی انوکھی سی کیفیت ہلکورے لیتی محسوس کی۔

کیا اُس کی ناک اتنی ستواں، اتنی خوب صورت ہے؟ بے اختیار اس نے اپنے ناک کو ٹٹولا تھا اور اتنے شمس رنگ کے تراشیدہ گداز لب اسے پہلے تو اتنے آرٹسٹک نہیں لگے تھے۔ اس کی پیشانی بالکل سارہ جیسی تھی مگر آنکھیں اور ناک چہرے پر حکومت کرتی آنکھیں اور ناک محمود عالم کی چرائی ہوئی تھیں۔ بچپن سے آج تک ان آنکھوں اور ناک کی وجہ سے اسے ''اچھا، محمود عالم کی بیٹی ہیں آپ۔'' کہہ کر پہچان جایا کرتے تھے۔ محمود عالم کی آنکھوں میں گہرائی اور سوز تھا تو اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ بے تحاشا سیاہ چمکیلی آنکھیں۔ اس کی ذہانت کی آئینہ دار آنکھیں۔ مگر ان تصویروں میں تو اس کی آنکھیں کچھ اور تھیں۔ سر اٹھاتی، حسین جوانی کا روپہلا سنہری عکس لئے کہانیاں سناتی آنکھیں۔

''پہلی بار تو میں بھی تمہیں نہیں پہچان پائی تھی۔ میرے انکل کے ہوٹل نے سارا ارینجمنٹ کیا تھا اس فنکشن کا، اس لئے۔ انکل میرے لئے اسپیشلی یہ میگزین لے کر آئے۔ انہیں پتہ ہے کہ مجھے ایسے میگزین کا کتنا شوق ہے۔ اب انہیں کیا تھا کہ اس میں خیر سے جو ہوش رُبا حسن کی بجلیاں گراتی یہ خوب صورت حسین نے چہرے کے نام سے سرورق پر براجمان ہیں یہ بے وفا دوست ہے۔ بتاؤ، اس بے وفائی پر تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ مار دیا جائے یا چھوڑ دیا جائے؟'' سعدیہ گھور کرتے ہوئے اسے گھور کر بولی۔

''یار! بالکل اچانک کسی کے بے حد اصرار پر میرا یونہی خود کو آزمانے کا پروگرام بن گیا۔ یوں بھی محض سات منٹ کی تھی۔ آڈینس کے نام پر ہجوم چاہے جتنا بڑا ہو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیمرہ، لائٹیں اور کلاسیکل رقص کے ساتھ میں لینا چاہتی تھی۔ سمجھو، ایک ٹرائل کیا تھا اپنے ساتھ۔'' کہتے ہوئے بھی اس کی نظریں سرورق پر آنچل کی آڑ سے ترچھی نگاہوں اپنی ہی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

''اور اب اس کی سزا کیا ہوگی؟''

''تم نے کس کس کو بتایا ہے؟''

''ابھی تو سیدھا تمہارے پاس آ رہی ہوں، اعلان تو اب جا کر کروں گی۔ پھر دیکھنا، کیسی ٹریٹ لیں گے سب تم سے۔

اور اس کی سیلیبریشن تمام عمر یادر ہے گی۔"

"اچھا! ابھی کسی سے ذکر کرنے کی......." وہ یہیں تک کہہ پائی تھی کہ بیگ میں پڑا اس کا موبائل بج اٹھا۔

"ایکسکیوزمی!" کہتے ہوئے وہ موبائل نکال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔

"ہیلو!"

"عزہ عالم بات کر رہی ہیں؟" آواز بھی اس کے لئے اجنبی تھی۔

"جی، آئی ایم اسپیکنگ۔"

"عائشہ بخاری بات کر رہی ہوں۔ میڈم یاقوت کی سیکرٹری۔"

"اوہ...... میں نے پہچان لیا۔ کیسی ہیں آپ اور آپ کی میڈم؟"

"فائن۔ میں نے آپ کو اس لئے فون کیا ہے کہ میم آپ سے آگے بات کرنا چاہ رہی ہیں، اگلے پراجیکٹ کے لئے۔"

"وہ کیا ہے؟"

"آئی تھنک، ماڈلنگ ہے۔ اسی ماہ پی سی میں۔"

"میم آ گئی ہیں لندن سے؟"

"وہ ایک دو دن میں آنے والی ہیں۔ ان ہی کی ہدایت پر میں آپ کو فون کر رہی ہوں۔ آپ سے اپائنٹمنٹ سیٹ ہو جائے تو انہیں انفارم کر دوں۔"

"اگر میرا ارادہ نہ ہو تو؟"

"تو بھی آپ کو میم سے مل کر بتانا ہوگا۔ نیکسٹ تھرسڈے ٹھیک ہے میٹنگ کے لئے؟ گیارہ بجے سے دو بجے کے درمیان آپ آ جائیں۔ میں آپ کو شام کا ٹائم بھی دے سکتی ہوں، مگر میم نے کہا تھا، آپ کو یہی آور ز سوٹ کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آ جاؤں گی۔ اوکے، بائے!"

اس نے ابھی فوری طور پر کچھ نہیں سوچا تھا اور تھرسڈے میں ابھی پورے پانچ دن باقی تھے۔ پانچ دن کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لئے کافی تھے۔

"تمہیں سر نعیم یاد کر رہے تھے۔ میں ابھی کلاس سے نکلی ہوں تو انہوں نے میسج دیا تھا مجھے اور میں بھول گئی۔ انٹر کالجیٹ کمپیٹیشن ہو رہے ہیں بیڈمنٹن کے۔ شاید اسی کے لئے بلا رہے ہوں۔" سعدیہ اٹھ کر اس کے پاس آتے ہوئے بولی۔

"اوں...... موڈ نہیں میرا اس بار پارٹیسپیٹ کرنے کا۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تو سعدیہ کچھ دیر تک بول ہی نہ سکی۔

"کیا میں نے ٹھیک سنا؟" وہ عزہ کے بالکل سامنے رکتے ہوئے حیران سے لہجے میں بولی۔

"بالکل ٹھیک سنا۔ یہ انٹر کالجیٹ بیڈمنٹن کمپیٹیشن، ڈیبیٹ کمپیٹیشن اور اس طرح کے دوسرے مقابلے...... یار! اب کچھ چارم نہیں رہا ان میں۔ یوں بھی میری کپ بورڈ میں مزید کپ اور ٹرافیاں سجانے کی جگہ باقی نہیں، اس لئے۔"

وہ کچھ اس طرح بولی کہ سعدیہ زور زور سے سر ہلانے لگی، جیسے ساری بات سمجھ میں آ گئی ہو۔

"میں سمجھ گئی اور یہ کہ آئی ایم تو مورا ے چائلڈ، ہے نا؟ کہ بچے ایسے کپ، ٹرافیاں جیت کر خوش ہوتے ہیں، آپ کے لئے تو اب دوسرے میدان کھل رہے ہیں اور دعوت مقابلہ دے رہے ہیں کہ آؤ عزہ عالم! اور ہمیں اپنے پاؤں تلے کچل کر اپنی حسین پیشانی پر ملکہ عالم کا تاج جگمگاؤ۔ ہے نا؟" سعدیہ کہتے کہتے ہنسی تو عزہ بھی کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کی ہنسی، اس کا قہقہہ اور آنکھوں کی چمک بتا رہے تھے کہ وہ واقعی یہی سب کچھ کہنے جا رہی تھی اس نے کن انکھیوں سے سعدیہ کے ہاتھ میں پکڑا میگزین دیکھا اور اپنے بدن میں بجلی کی لہر سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

گھر آنے کے بعد اس نے کمرہ بند کر کے وہ میگزین نکالا اور پورے دھیان سے ایک ایک زاویے سے علیحدہ علیحدہ تصویروں کو دیکھنے لگی۔ وہ جوں جوں ان تصویروں کو دیکھتی گئی، وہ تصویریں جیسے اس سے کلام کرنے لگیں۔

"دیکھو عزہ عالم! غور سے دیکھو۔ یہ تم ہو۔ تم...... اتنی خوب صورت، اتنی حسین اور ایسی ہوش ربا کہ جو دیکھے شاید مبہوت رہ جائے۔ ہاں، اگر تم پہلے زمانوں میں کہیں پیدا ہوئی ہوتیں تو کسی حُسن کے پجاری فنکار نے وینس سے بڑھ کر تمہارا مجسمہ تراشا ہوتا کہ سارا عالم اس مجسمے کو دیکھتی اور اس کے عشق میں گرفتار ہو جاتی، جیسے...... جیسے تم خود...... خود ہی اپنے اس قیامت خیز حُسن کے عشق میں گرفتار ہوئی جا رہی ہو۔ اور حسن ہو یا عشق، چاہنے والی، سراہنے والی نظر سے محروم ہو تو ردّی کا ڈھیر ہے۔ اور کیا ایسے ہوشربا حسن کو تم ردّی کا ڈھیر بنانا پسند کرو گی؟ تم نے تو بچپن سے لے کر آج تک اسکول، کالج ہر جگہ جہاں جہاں تمہارا قدم پڑا ہے، تم نے اپنی انفرادیت کو اس طرح منوایا ہے کہ وہاں ہر دیکھنے والی آنکھ کو صرف تم ہی تم نظر آتی تھیں اور اب...... اب ان دل کو پاگل کر

دینے والی تصویروں کو دیکھو اور فیصلہ کرو۔ کیا ایسے قیامت حُسن کے خزانے کو محض ڈگریوں کے ڈھیر کے نیچے دفن کر دینا ٹھیک نہیں۔ جبکہ تمہیں آگے بڑھنے کے لئے، خود کو منوانے کے لئے ایک نہایت وسیع میدان بھی مل رہا ہے۔ اس میدان کو جیتنے کے لئے قدم اٹھ ہی چکا تو پھر کیوں نہ اسے مقصدِ حیات بنا ڈالو۔ ایسی فتح، جو تمہارے انگ انگ میں نیا خمار بھر دے۔ نئی وحشت.....

وہ اُٹھ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اسے اپنے چہرے کا ایک ایک نقش اور نوخیز لوچ دار حسین بدن کا ایک ایک خم اپنے گمان پر پورا اُترتا دکھائی دے رہا تھا کہ وہ یہ میدان مار لے گی۔ وہ نہ جانے کب تک یک ٹک خود ہی کو دیکھتی رہی۔ اور رات ہونے تک اپنے بستر پر لیٹنے سے پہلے اس نے اسی طرح کئی بار خود کو آئینے میں دیکھا اور دیکھتی رہی۔ سونے سے پہلے خود اپنے ہی عشق میں مبتلا ہو چکی تھی۔

✲◉......◉✲
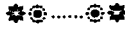
''مے آئی کم اِن سر؟'' تانیہ، عائشہ بخاری سے پوچھ کر، دروازہ ہلکا سا بجاتے اندر داخل ہوتے ہوئے بولی تھی۔ جہانگیر ٹیبل کے نیچے کسی دراز میں جھکا شاید کچھ تلاش کر رہا تھا، اس کی آواز پر بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

''یس، یس...... آف کورس۔ اور میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ صبح سے، صدیوں سے، نہ جانے کب سے۔ ویلکم۔'' وہ پُرجوش انداز میں کہتے کہتے اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر کی طرف آتے ہوئے بے اختیار اس کی طرف بڑھا۔

''تھینک...... تھینک یُو سر!'' تانیہ کو اپنے پُرجوش استقبال کی بہرحال توقع نہیں تھی۔ وہ تو رستہ بھر بھی کئی خدشے لئے آئی تھی۔ جس طرح آج کل ان کے حالات جا رہے تھے، مصیبت کے وقت اپنے بھی پرائے اور پرائے، اجنبی بن جاتے ہیں۔ اب تو کسی سے مدد مانگتے یا دل کی بات کہتے بھی ڈر لگنے لگا تھا کہ پتہ نہیں اس سے آئندہ کے لئے صاحب سلامت بھی رہے یا نہیں۔ اور اسے بھی جہانگیر ہمدانی سے کوئی بہت بڑی توقعات نہیں تھیں۔ بس اتنی امید تھی کہ منت سماجت کے بعد کسی طرح وہ ضمانت کے لئے راضی کر ہی لے گی۔ مگر انہوں نے منت سماجت کا موقع دیا تو۔

''تھینک یُو تو یگلی! مجھے تمہارا ادا کرنا چاہئے کہ میں ایسی مصیبت کی گھڑی میں تمہیں مسلسل ٹالتا رہا اور پھر بھی تم چلی آئیں۔ ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ اب تک تم مجھ سے سخت خفا ہو چکی ہو گی، شاید ہی آؤ۔'' وہ عین اس کے سامنے آ کر اس کے لباس اور بدن سے اُٹھتی مسحور کن، دھیمی دھیمی خوشبو اس کے حواس پر چھانے لگی، جیسے اس کا لمبا چوڑا مضبوط جسم سراپے پر چھا رہا تھا۔

''کیسی ہو......؟ کتنی کمزور ہو گئی ہو۔ بے وقوف! کسی بھی مصیبت کی اتنی ٹینشن لیتے ہیں کہ خود کو ہی گھلا ڈالو۔ یہ کیا ہے تم نے، ڈیئر! کیا آئینہ دیکھنا بھی چھوڑ دیا؟ ظالم لڑکی! کیوں خود پر اتنا ظلم کرتی رہیں؟ ایسی پیاری آنکھوں کے گرد......'' کہتے کہتے ایک دم سے آگے بڑھا اور ہاتھ بڑھا کر اسے قریب کر لیا اور بڑے پیار اور نرمی سے اس کا سر تھپکنے لگا۔

''تم اپنے خون کے رشتوں سے، جن سے تمہارا بس آدھی عمر تک ہی ساتھ رہتا ہے، ان کی محبت میں تم خود کو اپنے...... جس کے ساتھ تم نے عمر بتانی ہو گی اور اسے اپنے دل کا شہنشاہ بھی بنانا ہو گا، اس پر ذرا سا غم کا سایہ پڑ جائے تو تم اپنا آپ کو ہی مٹا ڈالو گی۔ میں تمہاری اور تمہارے ان بے ریا سچے جذبات کی تہہ دل سے قدر کرتا ہوں۔ سلام کرتا ہوں تمہارے حساس دل کو، مائی سویٹ لو۔''

جہانگیر ہمدانی ایک ہاتھ اس کے سر پر اور دوسرا اس کی کمر اور اس کے شانے پر بڑے پیار، بڑی نرمی سے پھیر رہا تھا۔ اپنائیت بھرا، محبت سے لبریز، ہمدردی و خلوص کی سچی مہک اس انداز سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی کہ چند لمحے کی خفیف سی جھجک کے علاوہ اسے کچھ بھی محسوس نہ ہوا۔ ایسے جیسے ایک لمبی مسافت، ایک تکلیف دہ سفر کے بعد وہ کسی گھنے سایہ دار پیڑ کی ٹھنڈی چھاؤں تلے آ گئی ہو۔ آپوں آپ اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک کر اس کے کوٹ میں جذب ہو گئے۔

''کیوں خود کو اتنا اکیلا اور تنہا سمجھتی رہیں؟ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ بھول گئیں مجھے؟'' اس نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے، اس کا ماتھا اونچا کر کے اس پر ہلکا سا بوسہ لے لیا۔ اس کے رگ و پے میں جیسے کوئی کاٹ دار برقی رو دوڑ گئی۔ اس نے مزاحمت کرتے ہوئے اسے پرے دھکیل کر پیچھے ہٹنا چاہا اور جہانگیر ہمدانی..... بھلا ایسے لمحے سے فائدہ نہ اُٹھاتا؟

''آئی لو یُو تانیہ!...... مائی سویٹ ہارٹ...... تمہاری پریشانی کیسے مجھے وہاں بے چین، بے قرار کرتی رہی، میں لفظوں میں تمہیں نہ بتا سکوں۔ مگر اظہار...... اظہار کو اگر بہت دیر تک زنجیریں پہناتے رہو تو وہ پھر بے قابو ہونے لگتا ہے۔ ایسا نہیں لگ رہا کہ اس بے چینی کو میں نے کیسے اپنے بے قابو ہوتے دل میں سمویا ہو گا۔'' کہتے کہتے بے قابو انداز میں وہ اس پر جھکا کر پیچھے کو گری تھی، دیوار کے ساتھ۔ اگر صوفہ اس کے پیچھے موجود نہ ہوتا تو شاید اس کا سر اس دیوار سے ٹکراتا۔ اس کا

لرزا مچل رہا تھا اور سارے چہرے پر جیسے کسی نے آگ دہکا دی ہو۔ سارے جسم پر ہلکی ہلکی کپکپاہٹ طاری تھی کہ کوشش کے باوجود وہ اس پر قابو نہیں پا رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ کب سر سے سرک کر شانوں پر اور شانوں سے ڈھلک کر کمر تک آ گیا تھا۔ اس نے اپنے ہی پیچھا دوپٹہ نکالنے کی کوشش کی۔ اس کے ہاتھوں سے جیسے دم ہی ختم ہو چکا تھا۔

”کیا غلط کہہ رہا ہوں میں؟ کیا تم نے ایسی بے چینی اپنے دل میں میرے لئے محسوس نہیں کی تھی؟ بولو!“ اس کی مضبوط انگلیوں نے اس کے رخساروں پر جھولتی لٹوں کو چھوتے ہوئے رخساروں سے ہٹایا۔ وہ پیچھے ہونا چاہتی تھی، اُٹھ جانا چاہتی تھی، بھاگ جانا چاہتی تھی۔

اسے کیا ہو رہا تھا، اسے خود بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا........ دل کہتا تھا، بھاگ جاؤ تانیہ! اُٹھو، دروازہ کھولو اور نکل جاؤ۔

ہلکی سی دستک کے ساتھ دروازہ کھل گیا تھا۔ اور عائشہ بخاری اندر کا سین دیکھ کر پل بھر کے لئے وہیں کھڑے کھڑے جیسے جم گئی۔

”یو .... ہاؤ ڈیئر یو کم اِن دا روم؟........ جاہل، گنوار۔“ جہانگیر ہمدانی کے ہاتھ سے کسی نے نشے کی بوتل چھین کر زمین پر ٹال دی تھی۔

”سر ...... سر! وہ میڈم بار بار کال کر رہی ہیں۔ اِٹس ارجنٹ۔ سس .... سوری۔“

شاید اس ”نشے کی بوتل“ کو دوبارہ جوڑنے کی کوشش کی جا سکتی ہے یا کوئی اور عذر کہ جہانگیر ہمدانی جو اپنے وحشیانہ غصے کے لئے بھی مشہور تھا اور عائشہ بخاری سے بڑھ کر اس کے اس وحشی پن سے کون واقف ہو سکتا تھا، نہ جانے کیسے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اپنے طیش پر قابو پانے لگا۔

”اوکے ...... اِٹس اوکے۔ مگر تمہیں اتنے مینرز نہیں آتے کہ کیسے روم میں انٹر ہوتے ہیں۔ آ جائیں تمہاری میم۔ تمہیں تو میں ٹھیک کرواتا ہوں۔ دفع ہو جاؤ اب یہاں سے۔“

اس سے پہلے کہ عائشہ بخاری ایک جتاتی ہوئی نگاہ مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تانیہ پر ڈال کر باہر نکلتی، تانیہ اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”سر! مجھے اجازت دیں۔ میں پھر آ جاؤں گی۔“ اس کی جھکی جھکی پلکیں لرز رہی تھیں اور اپنے ہی بے قابو ہوتے حواس کی چغلی کھا رہی تھیں۔

”اور تمہارا وہ کام جس کے لئے تم آئی تھیں؟“ جہانگیر ہمدانی کے جملے نے جیسے اسے کھڑے کھڑے جکڑ لیا۔ ”میرا خیال ہے، وہ ضروری ہے۔ کیا خیال ہے؟“ جہانگیر ہمدانی نے جس انداز میں کہا، تانیہ نے بے بس نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”میرا خیال ہے، کہیں باہر چل کر بات کرتے ہیں۔ یہاں تو کوئی بھی کام کی بات نہیں ہو سکتی، سوائے .... تمہارے دل کش حُسن کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے۔“ اس نے کچھ ایسی جتاتی ہوئی نظر اس کے سراپے پر ڈالی کہ وہ کھڑی کھڑی کٹ کر رہ گئی۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ کہاں تھی۔ کم از کم یہاں، اس کمرے میں، اس روئے زمین پر تو نہیں تھی۔ ان چند پلوں کا ہراساں کر دینے والا خیال اس کے دل کی دھڑکنوں میں ہلچل سی مچا گیا۔

”باقی کے سب کام بعد میں۔ سب سے پہلے تمہارا کام۔ جس کا میں تم سے اتنے دنوں سے وعدہ کر رہا تھا۔ اسے تو کم از کم ایفا ہونا چاہئے۔ محبت کے دوسرے وعدے تو اس کے بعد ہی ایفا کرنے کا موقع مل سکے گا۔ مجھ جیسے نوآموز عاشق کو۔ ہے نا؟“

وہ اس کے پاس سے گزرتے گزرتے پھر ایک گستاخی کر گیا اور تانیہ کے لئے قدم اٹھانا دوبھر ہو گیا۔

وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکلے اور ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کاریڈور کے دوسری جانب مڑ گئے اور اپنے کیبن کے دروازے پر کھڑی عائشہ انہیں جاتا دیکھ کر گہری سانس لے کر رہ گئی۔ ایک سوچ نے اس کے دماغ پر دستک دی تھی، جسے اس نے اگلے ہی پل جھٹک دیا تھا۔
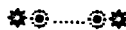
”جسے خود ڈوبنے کا شوق ہو، اسے غرق ہونے دینا چاہئے۔“ وہ کندھے اچکا کر اپنے کیبن میں مڑ گئی۔

✲ .... ✲

”حد ہو گئی۔ نہ بھلا اب تمہاری یہ عمر ہے، یوں گھر سے کئی کئی گھنٹے غائب رہنے کی؟ اس وقت سے ہول ہول کر میرا کمزور دل اچھا نہیں رہا کہ نہ جانے اس کمزور، بیمار دل کے ساتھ ایسی ہجوم بھری سڑکوں پر کہاں مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔ اپنا نہیں تو ہمارا ہی خیال کر لو۔ جانے سے پہلے بتا تو دیا کرو۔ ہمارے پاس کون ہے تمہارے پیچھے دوڑانے کو؟“ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے، ثریا بانو ان پر جیسے پل پڑیں۔ وہ گہرے سانس لیتے ہوئے وہیں صحن میں رکھے تخت پر بیٹھ گئے۔

"اے ربیعہ! پانی لاؤ اپنے دادا کے لئے۔ صحت نہیں دیکھتے اور جوانی کے مشغلوں کے پیچھے بھاگتے ہو۔" اب سکنا بڑبڑائیں۔

پانی کے دو گھونٹ پی کران کی جان میں جان آئی۔

کیسی حماقت کی تھی، اندھادھند اُس سراب کے پیچھے بھاگنے کی۔ وہ تو پیچھے سے آنے والی دیوہیکل بس عین وقت پر... لیتی تو شاید اب تک وہ اپنے قیمہ ہوئے جسم کے ساتھ اس جینے کے عذاب سے نجات پا چکے ہوتے۔

"اب کچھ بولو گے بھی یا یونہی گونگے کا گڑ کھا کر بیٹھے رہو گے؟"

یاسمین سر پر پٹی باندھے اپنے کمرے میں لیٹی تھیں۔ احسن مراد تو یونہی کمرے میں مقید رہتے تھے۔ دونوں بچیاں اسکول جاتیں، واپس آ کر نہ جانے کون سے کونے کھدروں میں گھس جاتیں۔ ثانیہ صبح کی گھر سے نکلی ابھی تک نہ آئی تھی۔ جان ہی بچے تھے، جن سے ثریا بانو دو چار باتیں کر لیا کرتی تھیں ورنہ تو چپ رہ رہ کران کا دم گھٹنے لگتا۔ کسی پہ وارد کرنے کو تھکنے لگتی تو جی چاہتا، وہ بولتی جائیں اور کوئی سامنے بیٹھا سنتا رہے۔ آغا جان کی صورت انہیں بڑا اچھا سامع مل گیا تھا۔

"بس، یونہی دوا ختم ہو گئی تھی، وہی لینے گیا تھا۔" وہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولے۔

"کیا کوہ قاف پر لینے چلے گئے تھے؟ صبح تو بجے کے نکلے، اب ایک بجنے کو ہے۔" وہ جرح کرنے والے انداز میں بولیں۔

"دو گولیاں یہاں سے نہیں ملیں، اس لئے ذرا دور جانا پڑا۔" وہ صفائی دینے والے انداز میں بولے۔

"پھر بھی، اتنی دیر؟" ان کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"آج میں نے اسے دیکھا۔" وہ ان کی بات اَن سنی کرتے ہوئے جیسے خود سے بولے۔

"کسے؟......کسے دیکھ آئے؟" وہ بری طرح سے چونکی تھیں۔

"جہانگیر کو۔" وہ بڑبڑائے۔

"ایں......کون جہانگیر؟" وہ ٹھٹکیں۔

"آ بگینے......آ بگینے کی جس سے شادی کی تھیں میں نے، وہی۔"

"تو......؟" ثریا بانو کچھ بے مزہ سی ہو کر بولیں۔

"وہ......وہی قاتل ہے میری بچی کا۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ میں اس کے پیچھے بھاگا تھا اور......پکڑ نہیں سکا لیتا تو......" ان کا سانس تیز تیز چلنے لگا۔

"تو کیا کر لیتے پکڑ کر؟ کون سے ثبوت ہیں تمہارے پاس؟ اس سے نکاح شادی کی کوئی تصویر تک تو ہے نہیں تمہارے پھر کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ اس نے تمہاری پوتی کو مارا یا اس نے خودکشی کی؟ بالفرض اُسے پکڑوا بھی دو تو مقدمے کی جانتے ہو، یہاں مقدمے کی پیروی کا مطلب؟......عمریں لگ جاتی ہیں۔ اور معاف کرنا، آغا! اب تمہارے پاس کی پیروی تو کیا، پرانوں کی پیروی کا بھی وقت نہیں بچا۔ اور ضروری نہیں، ہر مقدمے کا فیصلہ ہمارے حق ہی میں ہو۔ بہرحال ہم نہیں ہوتے، ورنہ ساری زندگی اپنے ساتھ بے انصافی نہ ہونے دیں، بلکہ سارے زمانے کے فیصلے اپنے حق میں کر چھوڑو، جانے دو۔ کچھ فیصلے اس منصف کے لئے چھوڑ دو، جس نے ایک دن ہر مقدمہ کا فیصلہ کرنا ہی ہے خواہ ہمارے حق میں ہو ہمارے خلاف۔ بس اس دن سے ڈرو آغا! اس فیصلے کے دن سے......اور ہم جیسے کمزور، بے بس، بے مایہ لوگ تو اس لائق اپنے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی، ہر ظلم کو یوں اس منصف کی عدالت میں درج کروا کے صبر کر لیتے ہیں اور کچھ ہمارے بس میں نہیں۔ اُٹھ کر نماز پڑھ لو، نہیں تو کھانا کھا لو اور کچھ آرام کر لو۔ خود کو اتنا نہ تھکاؤ۔ اب پہلے جیسی توانائیاں نہیں ہیں۔ نہ دل میں میں کہ یہ سارے ایڈونچر سہار جائیں۔ میں نماز پڑھ لوں۔" وہ انہیں کیا کیا نہ سنا گئی تھیں اور وہ گم صم بیٹھے رہ گئے۔

✲ ۞......۞ ✲
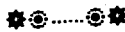
"تم......؟" وہ اسے یہاں پانے کی توقع کبھی گمان میں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے چہرے سمیت سارا وجود سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا تھا، سوائے آنکھوں کے اور اس کے باوجود اس نے پہلی نظر میں اسے پہچان لیا۔

'کیا میرے دل میں موجود نرم گوشہ اسے کھینچ کر لایا؟ یا اپنی باس کی کوئی ڈیل طے کروانے آئی ہے یہ؟' دوسرا خیال زیادہ لگنے والا تھا۔ اس کے ماتھے پر بل سے پڑ گئے۔

"کیوں آئی ہو یہاں؟" چند لمحے پہلے والی حیرت، ہلکی سی خوشی اس کے لہجے سے غائب ہو چکی تھی۔

"تمہیں خبردار کرنے۔" اس کا دوسرا خدشہ درست نکلا تھا۔

"اپنی میڈم کی مکاریوں اور اوچھے وار کے بارے میں تو اس کے لئے تم نے یہاں آنے کی زحمت فضول کی۔ میں یہ پہلے

یہاں کی چند سیاہ راتوں کے رت جگوں میں اخذ کر چکا ہوں۔" وہ چبا چبا کر بولا۔
"اخذ کر کے خبردار ہو چکے ہوتے تو اپنی بہن کو ان لوگوں کے آگے چارے کے طور پر نہ بھیجتے۔" عائشہ کا لہجہ اس سے بھی زیادہ تلخ تھا۔
تنزیل اس کی بات سن کر پل بھر کو سناٹے میں رہ گیا۔
"کیا مطلب؟" وہ کافی دیر بعد بولنے کے قابل ہوا تھا۔
"میرا جملہ واضح ہے۔ کچھ بھی معنی خیز نہیں۔ تم سے جیل کی چند اذیت ناک راتیں نہ کٹ سکیں تو آگے کی آزمائشوں کے سامنے کیا ہو گے؟" وہ بہت کچھ جتا گئی اسے۔
"کیا ثانیہ، میڈم یاقوت سے ملنے گئی؟" وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولا۔
"تھوڑی سی تصحیح کر لو، زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکو گے۔ میڈم یاقوت نہیں، جہانگیر ہمدانی۔ وہی تو میم کے رائٹ ہینڈ ہیں۔"
"او مائی گاڈ......!" اس نے اپنا سر سلاخوں سے ٹکرایا۔ "میرے منع کرنے کے باوجود...... مجھے یہی خطرہ تھا۔" وہ لبوں میں بڑبڑایا۔
"امید کرتی ہوں، اب چند گھنٹوں بعد ہی ہم دونوں کی ملاقات اس چار دیواری سے باہر ہو گی۔ اب آپ شاید ادھر چند گھنٹے بھی ہیں۔"
"تم نے مجھے یہ بتانے کی زحمت کی، شکریہ۔ ایک کام کر سکتی ہو مہربانی فرما کر؟" وہ ایک بار پھر اسے اَن سنا کرتے ہوئے عجلت سے بولا۔
"جب یہاں تک آ گئی ہوں تو، چلو بتاؤ۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "مگر پلیز، مجھ سے ایسا کوئی کام نہ کہنا جو میری جاب سے متعلق ہو۔"
"معلوم ہے مجھے، تمہیں اپنی جاب کتنی عزیز ہے۔ اور شاید تم اسی جلن میں مجھے یہ سب بتانے آئی ہو، میری یا ثانیہ کی خیر خواہی میں نہیں۔"
لب کا ابال اس جملے کی صورت نکلا۔ عائشہ ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گئی۔ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔
"تو پھر میں چلتی ہوں۔" وہ سرد لہجے میں کہتے ہوئے مڑنے لگی۔
"پلیز! اگر یہاں تک آ ہی گئی ہو اور میں تمہیں زبردستی روک تو نہیں سکتا اور تمہیں میری بات بری لگی ہے تو پھر بھی میں سوری نہیں کہوں گا۔ مجھے جو برا لگتا ہے، میں اس کے کہہ دینے پر بھی شرمندگی محسوس نہیں کر سکتا۔" اس نے صاف گوئی سے کہہ ڈالا۔
"کہو جلدی، میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔" عائشہ کی اس بات پہ بھی وہ دو تین طنزیہ جملے بولنا چاہتا تھا۔
"تم ثانیہ کو میرا پیغام دے سکتی ہو کہ وہ مجھے فوراً آ کر ملے۔"
"نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔
"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوا۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا۔
"مسٹر تنزیل مراد! آپ بھول رہے ہیں، میں ان کی ایمپلائی ہوں اور اس پیغام دینے کا مطلب ہے کہ میرے باس جو ڈیل کرنے جا رہے ہیں، میں اسے خراب کر دوں۔ سوری۔" وہ صاف گوئی سے کندھے اچکا کر بولی۔ "کوئی اور کام ہو تو بولو۔"
"اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ جب تم میرا یہ معمولی کام نہیں کر سکتیں تو مزید کیا کہوں؟" وہ روکھے پن سے بولا۔
"ہاں...... میں کسی اور کے ذریعے کوشش کر سکتی ہوں یا اگر تم مجھے اس کا سیل نمبر دے دو تو میں کسی طرح اس تک تمہارا یہ پیغام پہنچا دوں گی۔" وہ جیسے ان پر احسان کرتے ہوئے بولی۔
"ٹھیک ہے، لکھو یا فیڈ کر لو۔" وہ نمبر اپنے سیل میں فیڈ کرنے لگی۔
"ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔" وہ نمبر فیڈ کرتے ہوئے بولا۔ "اس میسج کا کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔"
"میں ابھی سے کوشش کر لوں، اسے کال کرنے کی؟" تنزیل نے فوراً کہا تو اس نے اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ پھر پانچ منٹ کے دوران وہ وقفے وقفے سے ثانیہ کا سیل فون ٹرائی کرتا رہا، ہر بار سیل آف ملا۔
"آئی ایم سوری۔ مگر تم خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو، جو کچھ ہونے جا رہا ہے، اگر تمہاری کال مل جاتی تو کچھ امید تھی، مگر اب...... پھر بھی میں جاتے ہی کسی بہانے سے اسے تمہارے پاس بھیجنے کی کوشش کرتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے سیل فون بیگ میں ڈال کر جانے لگی۔
"سنو! تم ان کی پرانی ایمپلائی ہو۔ کچھ ایڈوائز کرو گی، مجھے ایسی سچویشن میں کیا کرنا چاہیے؟" وہ نہ جانے کیسے اس سے کہہ

گیا۔ شاید دل کہہ رہا تھا کہ اسے کچھ دیر اور ادھر روکے رکھو۔

''میں ان کی پرانی ایمپلائی ہوں، درست کہا۔ مگر ہر کیس کے ساتھ ان کا طریق کار بدل جاتا ہے۔ تم نے ہم کو کیا ہمٹ کیا ہے، مجھے نہیں معلوم یا تمہارے ذریعے تانیہ کو پانا مقصود تھا۔ اگر ایسا ہوا تو بھی تمہاری یہ اسیری چند دنوں پر محیط ہوگا کا کوئی لمبا کھیلا، طویل پلاننگ ہوئی تو تمہیں یہاں سے کوئی بھی کسی طرح نہیں نکلوا سکتا۔ میں کچھ ٹھیک سے کہہ نہیں سکتی، خواہش رکھ سکتی ہوں۔ دعا نہیں کروں گی کہ میں نے خود اپنے لئے، کسی کے لئے مدت ہوئی دعا مانگنا چھوڑ دیا ہے۔ اوکے وِش یُو گڈ لک...... بائے!'' وہ اپنے ہاتھ ہلاتی اسے دیکھتے ہوئے مڑی اور اگلے لمحے برآمدے کا موڑ مڑ گئی۔

''تانیہ...... تانیہ! احمق لڑکی! کاش تم میرے سامنے آجاؤ۔ آئی وِل کِل یُو...... سمجھایا تھا، پھر بھی وہی کرنے جا رہی ہو، میں کیا کروں۔'' وہ سلاخوں پر مکے مار رہا تھا۔

✲◉......◉✲
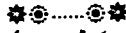
''پاپا! آپ کی کافی۔'' عزہ نے کافی کا بھرا ہوا مگ ان کی ٹیبل پر دائیں ہاتھ رکھا اور اپنا مگ لے کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''اگر آپ ڈسٹرب نہ ہوں تو کچھ دیر یہاں بیٹھ جاؤں؟'' وہ بیٹھنے سے پہلے بولی۔ وہ اپنے آگے کھلی کتاب پر نظر اردگرد سے بے نیاز نظر آرہے تھے۔

''شیور'' چند لمحوں بعد وہ گردن ہلا کر بولے۔

''کیا کوئی خاص بات ہے؟'' اس وقت اس کا دل اپنے اتنے بڑے گھر کی وحشت وسناٹے سے سخت گھبرا رہا تھا۔ خاموشی، سرد احتجاجی جنگ دونوں باپ بیٹی کے خلاف جاری تھی۔ وہ سارا وقت کمرے میں رہتیں، باہر نکلتیں تو نوکروں کو ڈانٹ جاتی۔ آج کل محمود عالم بھی دیر سے گھر آرہے تھے۔ آتے اور سیدھے اسٹڈی میں گھس جاتے اور اکثر اسٹڈی کے ساتھ والے کمرے میں ہی سو جاتے۔ انہوں نے خود بھی سارہ کا سامنا کرنے سے مکمل پرہیز کر رکھا تھا اور ان دونوں کی اس لڑائی سے عزہ اذیت میں مبتلا تھی۔ نوکروں کو کافی بناتے دیکھ کر وہ خود ان کے لئے لے کر چلی آئی۔

''ہوں، خاص بھی ہے اور کچھ پریشان کن بھی ہے۔'' بالآخر انہوں نے اپنے آگے کھلی کتاب، ٹیبل پر الٹی کر کے کافی کا مگ تھام لیا۔

''کیا خاص بات ہے اس میں؟'' اسے خوشی ہوئی کہ محمود عالم نے اسے ٹائم دینے کے خیال سے کتاب الٹی کر دی۔ اس کے سوال پر انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ ان کی نظروں میں جانے کیا تھا، وہ کچھ کنفیوز سی ہوگئی۔

''فیملی کورٹس میں اس طرح کے کیسز معمول کی بات ہے۔'' انہوں نے گرما گرم کافی کا گھونٹ بھرا۔

''کیسے؟...... کیسے؟'' نہ چاہتے ہوئے اصرار بھرا سوال اس کی زبان سے پھسل گیا۔

انہوں نے دوسری بار پھر ان ہی جانچتی نظروں سے اسے دیکھا اور ایک بھرپور انداز میں مسکرا دیئے۔ ان کی مسکراہٹ جیسے انہوں نے اپنی بے ساختہ ہنسی کو روکا۔

''ہوں...... تو ہماری بیٹی اتنی بڑی ہوگئی ہے کہ اس طرح کے کیس اس کے ساتھ ڈسکس کئے جاسکتے۔ ہیں؟'' انہوں نے اسی جان دار، بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے کرسی جھلائی اور کافی کے بڑے سے گھونٹ کا مزہ لیا۔

''پیرنٹس کی اجازت کے بغیر، ان سے چھپ کر لڑکی نے اپنے دور کے کسی کزن سے لو میرج کر لی۔ لڑکے کے والدین سے اپنے بیٹے کی شادی کسی صورت نہیں کرنا چاہتے، شاید کوئی خاندانی رقابت یا سیاست کی وجہ سے...... اور لڑکے لڑکی نے مخالفت کی پروا کئے بغیر جوانی کے نشے میں چور اپنے محبت بھرے جذبات کی پروا کی، صرف اپنے دلوں کی آواز سنی اور نکاح کر لیا۔'' وہ رکے۔

''اس طرح کے معاملات میں دو طرح کے رزلٹ آتے ہیں۔ لڑکی پچھتاتی ہے یا لڑکا بہت جلد فیڈ اپ ہو جاتا ہے۔ چوری کا بہر حال، کسی کو پتہ نہیں چل سکتا اگر...... اس کے والدین اب اس کی شادی کسی بڑے خاندان کی دولت مند فیملی کی لڑکی سے کرنا چاہ رہے ہیں، لڑکا بھی شاید دولت کی وجہ سے اس نئی لڑکی کی خوب صورتی سے یا والدین کی اطاعت کے خیال سے اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اسی دوران اس کی بیوی پریگنٹ ہو جاتی ہے۔ اس کے والدین کو پتہ چل جاتا ہے۔ ظاہر ہے کسی بھی پیرنٹس کا ری ایکشن ہو سکتا ہے۔ بہر حال، وہ صلح کی نیت سے لڑکے کے والدین سے رجوع کرتے ہیں۔ لڑکے والے ظاہر ہے، صاف انکار کر دیتے ہیں اور مزے کی بات، وہ لڑکا بھی اس رشتے کی قانونی حیثیت سے مکر جاتا ہے۔ اور ہماری لڑکیاں کتنی ہی پڑھی لکھی، پُراعتماد اور ہوشیار ہو جائیں، اس میل ڈومینیٹ معاشرے میں مرد سے مار کھا جاتی ہیں۔

کے پاس نکاح نامے کی کوئی کاپی نہیں، نہ اصلی فوٹو کاپی۔ ان کا نکاح بھی کسی مولوی نے پڑھایا، جس کا چند دن پہلے انتقال ہو گیا ہے۔ ریکارڈ میں ایسا کوئی نکاح نامہ موجود نہیں۔ مولوی کے گھر والوں کے بقول کچھ لوگ محکمہ اوقاف کے نمائندے بن کر آئے تھے اور ریکارڈ گھر سے لے گئے تھے۔ نکاح کے گواہوں میں لڑکے کے دو دوست ہیں۔ ایک کے بارے میں لڑکی کے پاس سوائے نام اور کوئی معلومات نہیں۔ دوسرا ملک سے باہر جا چکا ہے، جس کو ہم ٹریس آؤٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر وہ مل گیا تو معلوم گواہی دے یا نہیں۔ اگر دے بھی تو نکاح نامے کا ثبوت ہونا ضروری ہے اور لڑکے کی ہمت دھری ظاہر کر رہی ہے، وہ اب شاید لڑکی کو اپنانا چاہے گا۔ اور وہ لڑکی، جس کی پوری زندگی....... ساری زندگی داؤ پر لگ گئی، ایک کمزور لمحے کی زد میں آکر۔ وہ لڑکا قبول کرتا ہے، تب بھی اس کے والدین اسے قبول نہیں کریں گے۔ اور اس لڑکے کی نظر میں اس کا کیا مقام رہ گیا؟ صفر۔ اور صفر کو بھی عدد سے ضرب دے لو، کسی بھی عزت دار شخص کے ساتھ جوڑ دو، وہ صفر ہی رہے گا۔ اور اگر وہ لڑکا کیس جیت جاتا ہے، لڑکی کو اور دغاباز قرار دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو بھی اس لڑکی کی زندگی میں کیا بچے گا، رسوائی یا حرام موت....... اس کے ہی کہتے ہیں اگر یہ لڑکا اسے اپنا لے گا تو شاید یہ بچ جائے، ورنہ دوسری صورت میں اس کے بھائی اسے گولی مار دیں گے۔

ایک ایسا فعل، جو لڑکے اور لڑکی کی باہمی رضامندی و خوشی سے انجام پایا، اس میں سزاوار صرف لڑکی قرار دی جا رہی ہے۔ یہ عدالتوں کی روزمرہ سماعتوں میں سب سے زیادہ سنا جانے والا کیس اور ہر بار منصف کے دل کی دنیا کو ہلا دیتا ہے کہ ایک غلطی یہ انسان کی پوری زندگی کو مائینس کر سکتی ہے۔ سن رہی ہو نا تم؟“

وہ بولتے بولتے اس کو گم صم بیٹھے دیکھ کر اچانک بولے اور وہ، جو سُن بیٹھی تھی، ان کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

”پاپا! ہم ہمیشہ ہی یہ کیوں بطے کیے رکھتے ہیں، والدین کی مرضی کے خلاف جو بھی کیا جائے گا، اس کا نتیجہ مائینس ہی نکلتا ہے؟“ وہ تھوڑی دیر بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

”کیونکہ ینگ جنریشن کے پاس جسٹ آبزرویشن اور ایموشنز ہوتے ہیں، وہ صرف **Impulses** سے **Motivate** ہوتے ہیں۔ جب کہ پیرنٹس کے پاس وہ ہوتا ہے، جن سے ینگ جنریشن ان ایموشنز کے سارے پراسس سے گزرنے کے بعد واقف ہوتی ہے۔“

”وہ کیا ہوتا ہے؟“ وہ بے چینی سے بولی۔

”تجربہ....... **Result** میری جان!“

”ضروری تو نہیں، ہمیشہ ان کا تجربہ انہیں درست سمت میں لے کر جائے۔“

”لے کر نہ بھی جائے، ان میں گائیڈ کرنے کی کوالٹی بہر حال بہترین ہوتی ہے۔“ وہ اپنے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بولے۔

”پاپا! آپ نے کبھی محبت کی ہے؟ ایسا کوئی موڑ آپ کی زندگی میں آیا ہے، جب آپ نے اپنے ایموشنز کو اپنے پیرنٹس کے تجربات سے بڑھ کر مانا ہو؟“ اس کے سوال پر ان کے ہاتھ ان کے بالوں ہی میں ٹھٹک گئے تھے اور نگاہیں ایک ہی نقطے پر جمی رہ گئی تھیں۔

”پاپا! میں نے کچھ پوچھا ہے آپ سے؟“ وہ ان کی ساکت خاموشی پر بے قراری سی بولی۔ شاید ان کی برفیلی چٹان سی شخصیت کا کوئی سرا ہاتھ لگ جائے۔

”محبت کو لوگ بہت مختلف طریقوں سے ڈیفائن کرتے ہیں۔ دل کے بے ریا سچے جذبے، روح کی سچائی، انمول خزانہ اور نہ جانے کیا کیا کہا جاتا ہے اس مشہور زمانہ، رسوائے زمانہ ٹرم کو....... میں یہ اس لئے نہیں کر سکا کہ میں اپنے طریقے سے ڈیفائن کرتا ہوں۔“ وہ اب پہلے کی طرح نارمل ہو چکے تھے۔

”محبت ایک ذمہ داری کا نام ہے۔“ وہ رک کر بولے۔ ”دو دلوں کے درمیان ہونے والے ایگریمنٹ پر قائم رہنے کی ذمہ داری...... اور سوری ٹو سے، مائی ڈیئر! میں کبھی بھی ایک ذمہ دار شخص نہیں رہا۔ اس لئے قدرت کا یہ انمول تحفہ میرے حصے میں نہیں آ سکا اور اب ایکسکیوزمی، مجھے بہت کام ہے۔ اِف یُو ڈونٹ مائنڈ۔“

کہتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر کتاب سیدھی کی اور اس کے اٹھنے کا انتظار کیے بغیر، کتاب پڑھنے میں محو ہو گئے اور وہ بے دلی قدموں سے باہر نکل آئی۔ ان کی باتوں نے اس کے اندر سوچ کا نیا در کھول دیا تھا۔

✲ .... ✲
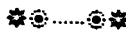
”یہ سچ ہے، میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ اپنے دل میں تمہارے لئے ایک سوفٹ کارنر بڑا اسپیشل قسم کا بھی رکھتا ہوں۔ شاید اسی کو لوگ محبت کا نام دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، میں بھی تمہارے ساتھ کسی دھانسو قسم کے عشق میں مبتلا ہونے والا ہوں، مگر یہ بھی سچ ہے،

میری زندگی اتنی مصروف، اتنی گنجلک ہو چکی ہے ان کاروباری مصروفیات میں اُلجھ کر کہ عشق محبت جیسی عیاشی کے لئے وقت ہی نہیں، ناممکن بھی لگتا ہے۔ ایک بات بتاؤ، میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟" وہ جو بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہی تھی، اس کر چونک سی گئی۔

"آپ......آپ اچھے ہیں۔ اچھے لگتے ہیں۔" وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے مگر با اعتماد آواز میں بولی۔

"گڈ۔ یہی......یہی فیلنگز میرے دل میں ہیں تمہارے لئے......دیکھو ڈیئر! میری زندگی کا سارا نقشہ تمہارے سامنے پھر جس طرح سے ہمارا بزنس پھیلتا جا رہا ہے اور گلوبل ٹرینڈز سے بھی یہی لگتا ہے کہ یہ صدی فیشن ٹریڈ کے حکومت کرنے کی میرے پاس پرسنل لائف کے لئے وقت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے اس معاملے میں، میں نے یہ طے کر رکھا ہے کہ پرسنل لائف کے لئے لائف پارٹنر اسے ہی منتخب کروں گا، جو میری فیلڈ میں میرا رائٹ ہینڈ بنے۔ یاقوت کے ساتھ میری شپ ہے بلکہ میرے خیال میں جتنی پرانی ہم دونوں کی دوستی ہے، اتنی تو پرانی لوگوں کی شادیاں بھی نہیں ہوتیں۔ لیکن ہم دونوں کچھ ایسا بھی ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے پرے دھکیلتا ہے۔ کوئی ذہنی مخالف قوت، کوئی علیحدہ سوچ۔ اس لئے بار بار ہم ٹائیک پر ایک دوسرے کے قریب آئے اور دور چلے گئے۔ مگر تمہیں جب سے میں نے دیکھا ہے، بس یہی سوچ میرے دماغ پر حملہ کرتی ہے۔ You are the right match for me. رائٹ لیڈی! مگر پھر وہی اپنی کاروباری مصروفیات اور خیال۔ تم نے نہ جانے اپنی لائف کے بارے میں کیسے ہم سفر کا تصور بنا رکھا ہے۔" وہ بہت طریقے سے اسے گھیر گھار کر اصل کی طرف لا رہا تھا۔

"پھر تمہارے ریزائن کرنے سے میرے دل میں خیال آیا اور مجھے کچھ دکھی سا کر گیا کہ شاید تم نے ہماری فیلڈ میں کچھ Lose loopes دیکھے ہیں، جو ہمیں کوئی بھی ٹھوس وجہ بتائے بغیر تم نے استعفیٰ بھجوا دیا۔"

"نہیں سر! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اصل میں میرے گھر کی طرف سے کچھ پریشر تھا۔ ورنہ مجھے آپ کے آفس کا ماحول اچھا لگتا تھا۔ اور سر! ہماری سوسائٹی کا ناگزیر، اٹوٹ بنت ہمارا فیملی سسٹم ہے، جہاں ہم اپنے پیرنٹس، اپنے بہن بھائیوں کی خاطر کچھ، ہر خواہش، ہر جذبے کو پس پشت ڈال سکتے ہیں۔" اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنے استعفیٰ کی وجہ بیان کر دی۔

"بہر حال، تمہارے پاس ٹائم ہے، جتنا تم چاہو۔ میرے پروپوزل پر غور کرو، جی چاہے تو ہاں کر دینا، ورنہ انکار خدانخواستہ کوئی تم سے دشمنی پر نہیں اتر آؤں گا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے ویٹر کو بلانے کے لئے اس کی طرف جہاں وہ کھڑا تھا۔

ثانیہ نے مضطرب نظروں سے اسے دیکھا۔ جس مقصد کے لئے وہ یہاں آئی تھی، اس پر تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔

"اوہ یس۔ مجھے یاد ہے۔ میں بھولا نہیں۔ مگر اس میں ایک ایسی بات ہے، جو کہتے ہوئے مجھے ذرا اچھا نہیں لگ رہا اب تک اِدھر اُدھر کی ہزار باتوں کے دوران بھی اپنے اندر اس بات کے لئے ہمت پیدا نہیں کر سکا۔"

"کیا مطلب سر؟......کیسی بات؟" وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

"یہ بات میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں اور تم پہلے بھی بری طرح سے ری ایکٹ کرتے ہوئے انکار کر چکی ہو۔ مگر وقت مجبوری ہے، مجھے فوری طور پر ایک نئے فریش چہرے کی ضرورت ہے، اپنی جیولری کی ایگزیبیشن کے لئے۔ یاقوت یہاں نہیں، ورنہ وہی میری کچھ مدد کر دیتی اور ایگزیبیشن کی ڈیٹ سر پر آتی جا رہی ہے۔ میں صبح سے تم سے یہ بات کہنے کی کوشش ہوں اور کہہ نہیں پا رہا۔ تم کہاں کر سکتی ہو؟ یہ ذرا سی ماڈلنگ بہت مشکل ہے تمہارے لئے۔ اور میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" وہ پھر سے تنزیل والے معاملے کو اپنی مجبوری کی آڑ میں گول کر گیا۔

"مگر سر! اس معاملے کا میرے بھائی کے کیس سے کیا تعلق؟" ثانیہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

"بہت معصوم ہو تم نائی ڈیئر! اور مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے یہ سب کہتے ہوئے۔ بہت کمینی سی بات ہے، پر مجبوری ہے۔" وہ پھر سے ادھوری بات کہہ کر چپ کر گیا۔

"سر! میں بہت پریشان ہوں۔ اس وقت آپ کے سوا اور کوئی میری مدد نہیں کر سکتا۔" وہ اب رو دینے کو تھی۔

"میں بھی بہت پریشان ہوں۔ تمہارے سوا کوئی میری مدد نہیں کر سکتا۔ میری کروڑوں کی ڈیل ڈوب جائے گی۔" وہ انداز میں بولا۔

"سر! میں کیا کروں؟" سچ مچ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"پلیز، یوں مت کرو۔ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ یہ ایگریمنٹ پیپرز ہیں، ان پر سائن کر دو۔ فقط ایک سال کا ایگریمنٹ

اور بائی ایگزی بیشنز ہوں گی۔ سمجھو، تمہاری لاٹری نکل آئے گی۔ پھر تمہارا بھائی بھی اس ذلت بھری قید سے رہا ہو جائے گا۔'' اس
ایک دم انگلش تحریر میں چھپا ہوا کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور کوٹ کی جیب سے پین بھی۔
ثانیہ نے آنسو بھری نظروں سے اس پیپر کو پڑھنے کی کوشش کی۔ اس سے کچھ بھی پڑھا نہیں جا رہا تھا۔
''ثانیہ! مجھ سے وعدہ کرو، تم جہانگیر ہمدانی کے پاس یا مائیز کے کسی بھی ایڈمنسٹریٹر کے پاس نہیں جاؤ گی۔ وعدہ کرو۔'' اس نے
اختیارانہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ نظروں کے سامنے تنزیل کا کمزور چہرہ، خون کے دھبوں والی قمیض، سوجی ہوئی آنکھیں اور ہونٹ آ گئے۔
منظر جو اس لمحے اس کی نظروں کے سامنے آیا، وہ بالکل اجنبی تھا۔ بہت خوب صورت، بہت انوکھا مگر اسے اور بھی وحشت زدہ کر

ماڈل کے روپ میں کیٹ واک کر رہی تھی۔ ادھورے، آدھے لباس، ننگے بازوؤں اور ننگے سینے کے ساتھ.......
اس نے ایک دم دہشت بھرے انداز میں آنکھیں کھول دیں۔
''نو را.......نو ر.......آئی کانٹ ڈو اِٹ۔'' کہہ کر وہ رکی نہیں۔ کرسی پرے دھکیل کر اندھادھند باہر نکل گئی۔
چائے کا کپ لگاتے ہوئے جہانگیر ہمدانی کے چہرے پر بڑی زہریلی مسکراہٹ تھی۔
اس نے پین کوٹ کی اوپری جیب میں لگایا اور پیپر تہہ کئے بغیر ہاتھ میں پکڑا، کھانے کا بل ٹیبل پر رکھا اور باہر نکل آیا۔

٭......٭
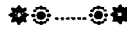
''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔''
''کس سلسلے میں؟'' انہوں نے خشک لہجے میں کہا۔
''ظاہر ہے، اس عمر میں، میں پریگنٹ تو ہو نہیں سکتی اور ہوتی بھی تو کم از کم تم جیسی لٹیری گائنا کالوجسٹ سے کبھی رجوع نہ
لاتی۔'' وہ زہر خندگی کے ساتھ بولیں۔ ''تم تو مجبور عورتوں کی کوکھ اجاڑنے سے بھی گریز نہ کرو۔''
''شٹ اپ!'' وہ ناقابل برداشت غصے میں چلائیں۔
''کیا تمہارے شٹ اپ کہنے سے میری زندگی کا وہ اذیت ناک باب ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، جو تم نے کھولا تھا؟''
''مجھے تمہاری کوئی بکواس سمجھ میں نہیں آ رہی۔ آخر ان ساری ذومعنی، فضول باتوں کا مقصد کیا ہے؟ اور تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی
ہو؟'' وہ غصے میں زچ آ کر بولی تھیں۔
''ماشاء اللہ، اس معصومیت اور بھولپن پہ کون نہ قربان جائے۔ تمہیں ابھی معلوم ہی نہیں کہ میں تمہارے پیچھے کیوں پڑی ہوں؟
ارے میں تمہاری ہوئی وہ مکھی ہو، جو مسیحائی کے مقدس پیشے کی دکان سجا کر بیٹھتی ہے اور گند بیچتی ہے۔''
''تم اپنی گھٹیا بکواس بند نہیں کرو گی؟ میں فون بند کر رہی ہوں۔'' ڈاکٹر رخشندہ کا ضبط اپنی آخری حدوں کو چھو گیا۔
''فون بند کرنے سے پہلے سن لو اور مجھے تم سے تصدیق کروانے کی ضرورت بھی نہیں، صرف تمہاری اطلاع کے لئے بتا رہی
ہوں کہ جس چیز پر ڈاکہ ڈال کر تم دنیا کے اس کونے میں آ چھپی تھیں اور سمجھی تھیں کہ اتنا عرصہ اس شے پر قابض رہنے کے بعد اس پر
تمہارے نام کی مہر لگ جائے گی تو یہ تمہاری بھول تھی۔ دائم میرا بیٹا ہے، خون کی کشش اسے بالآخر مجھ تک خود ہی کھینچ لائی۔''
''جھوٹ، بکواس، فضول بکواس کر رہی ہو تم۔ دائم میرا بیٹا ہے، میرا اپنا۔'' ڈاکٹر رخشندہ ہذیانی انداز میں چلائیں۔
''چلاؤ مت۔ جھوٹ چلا کر بولنے سے سچ نہیں بن جاتا اور یہ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی کہ دائم ہی میرا بیٹا ہے۔ اب اپنے
جانے منہ سے خود بتاؤ گی یا میں جا کر بتا دوں؟''
''شٹ اپ!.......شٹ اپ!.......میرے بیٹے کے سامنے جا کر تم نے کوئی بھی گھٹیا بات کی تو میں تمہارا خون کر دوں گی۔ وہ
میرا بیٹا ہے، میں نے جنم دیا ہے اسے۔ چاہو تو آ کر اس کا برتھ سرٹیفکیٹ اور لندن کے مشہور گائنی کلینک کا ریکارڈ چیک کر لو کہ دائم کو جنم
دینے والی کون ہے، سنا تم نے؟'' وہ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان زور سے چلائیں۔
''ڈیئر ڈاکٹر۔ تم امیروں کا طریقہ واردات کچھ کام تو نہیں کر سکتا۔ آخر تم اپنے جرم کا کوئی ثبوت کیسے چھوڑ سکتی تھیں؟ ہسپتال
ریکارڈ میں اندراج کرانا، ماں کے نام پر کسی عورت کا نام درج کرانا کیا مشکل ہے؟ اور سنو ڈاکٹر رخشندہ! ان گھٹیا ہتھکنڈوں اور
ڈاکیومنٹس سے تم خود کو بہلا سکتی ہو، اپنے جرم کو Justify کر سکتی ہو، مجھے نہیں۔ اگر تم مجھ سے نہیں ملو گی تو میں خود جا کر دائم کو
اصل حقیقت سے آگاہ کر دوں گی۔ پھر نہ مجھ سے شکایت کرنا کہ تمہیں مطلع نہیں کیا۔ بائے۔'' انہوں نے بڑے پرسکون انداز میں
فون بٹن آف کرتے ہوئے کان سے ہٹایا۔
اسی وقت لائبہ ان کے پیچھے سے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
وہ ہیرونی دروازہ کھول کر کب اندر آئی تھی، انہیں پتہ ہی نہیں چلا تھا۔ انہوں نے تو اس کے باہر جانے کی تسلی کر کے ڈاکٹر رخشندہ

کوفون کیا تھا۔
''کسے فون کر رہی ہیں آپ؟'' وہ انہیں غور سے دیکھتے ہوئے وہیں کھڑے بولی۔
''اپنی ایک کلائنٹ کو۔ پرانا حساب چکتا نہیں کر رہی اس سلسلے میں۔'' وہ میڈم یاقوت ہی کیا جو گھبرا جائے۔
''اور دائم کا اس میں کیا ذکر؟'' انہیں اندازہ نہیں تھا، وہ ان کی گفتگو کا کتنا حصہ سن چکی ہے۔ وہ ذرا سا گڑبڑائیں۔
''تمہارا حال بھی عجیب ہو رہا ہے۔ نام کسی کا لو، تمہیں دائم سنائی دیتا ہے۔ میرے سمجھانے کو کافی سمجھو، ورنہ خود ا
بھی نظریں چراؤ گی۔ پیرنٹس کے پاس بہرحال، بچوں سے زیادہ معلومات ہوتی ہیں اور زیادہ تجربہ بھی۔''
''مام! آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں؟'' وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ''دودھ پیتی بچی، ناسمجھ یا بے وقوف...... کیا
مجھے؟'' وہ سرد لہجے میں کہتے ہوئے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔
''ایسا کچھ نہیں۔ میں تمہیں اپنی بہت سمجھ دار، سیانی بیٹی سمجھتی ہوں۔''
''مام! پلیز، جھوٹ مت بولیں مجھ سے۔ آپ مجھے صرف اپنے سے متعلق کوئی شے سمجھتی ہیں، جسے کچھ پوچھنے کا
کوئی حق نہیں۔ آپ سمجھتی ہیں، میرے اپنے کان، اپنی آنکھیں یا اپنا دماغ نہیں ہے کہ میں آپ کے منہ پر بولے گئے جھوٹ
پکڑ سکوں۔''
ہلکا ہلکا سا رنج، غصہ اور تھوڑی تھوڑی سی نفرت انہیں اس کی آنکھوں سے چھلکتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے میڈم
آپ بڑا بے بس لگا۔ وہ کیسے اسے یہ سب کچھ سمجھائیں۔
''اچھا، تم صبح سے کہاں غائب تھیں؟ بلکہ دو تین دن سے روز صبح کو غائب ہو جاتی ہو۔ کہاں جاتی ہو؟''
''کم از کم آپ کی خفیہ سرگرمیوں کا سراغ لگانے نہیں جاتی۔'' وہ تلخی سے بولی۔
''کیوں، ماں سے اس قدر بدگمان ہوتی ہو؟'' وہ بے بسی سے بولیں۔
''آپ ایک ہی بار مجھے سچ سچ بتا دیں۔ آر یو مائی ریئل مدر؟'' وہ جیسے پھٹ کر بولی۔
''لائبہ! میری جان!...... کیسی بات کہی تم نے؟'' رنج کی کیفیت ان کے پورے چہرے پر پھیل گئی۔
''سچ...... سچ بولیں صرف میرے ساتھ۔ کیا تعلق ہے آپ کا میرے ساتھ؟'' وہ اسی وحشت زدہ انداز میں بولی۔
''لائبہ! ماں ہوں میں تمہاری۔ بیٹی ہو تم میری۔''
''جائز کہ ناجائز؟'' وہ اسی چیختے ہوئے کانچ لہجے میں بولی۔
''شٹ اَپ...... کیا بکواس کر رہی ہو؟ تم یہ سب کہہ کر خود کو نہیں، مجھے گالی دے رہی ہو۔'' ان کا چہرہ غصے سے سرخ
''گالی تو آپ نے مجھے بنا رکھا ہے۔ کسی گالی کی طرح مجھے خود سے علیحدہ کر رکھا ہے تاکہ کسی کے پوچھنے پر بتا نہ سکیں کہ
آپ کی کون ہوں۔'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ آنسو ضبط کرتی اسی طرح چلائی تھی۔
''بیٹی ہو تم میری۔ مت بدگمان ہو مجھ سے اس قدر۔'' وہ ان سے بدگمانی میں یقیناً بہت آگے نکل چکی تھی۔
''بیٹی ہوں آپ کی۔ مگر شاید کسی گناہ کا پھل۔''
''چٹاخ......!'' ان کا ہاتھ روکنے کے باوجود اٹھ گیا۔
''کس نے خناس بھرا ہے تمہارے دماغ میں؟...... فاخرہ نے؟'' وہ غصے میں کھڑی ہو گئیں۔
''ان خاموش مگر سوالی کرتی دیواروں نے...... آئینے کے چلاتے عکس نے۔ بتائیں، آپ کی کوکھ سے جنم لیا ہے تو
میرا باپ؟...... لائبہ خان...... واہ، کیا نام دیا ہے آپ نے میرے گم نام باپ کو، جس کا پورا نام بھی مجھے معلوم نہیں۔
تسلیاں دیتی ہیں مجھے کہ میں دنیا کی خوش قسمت ترین بیٹی ہوں کہ میڈم یاقوت کی بیٹی ہوں۔ بتائیں مجھے، میرا باپ
ہے؟''
اور میڈم یاقوت اپنے اوپر سارا ضبط کھو بیٹھیں۔ انہیں ہوش نہیں تھا کہ وہ کسے پیٹ رہی ہیں اور کس سے پیٹ رہی۔
لیمپ، گلاس، تھپڑ، مکے، لاتیں، جس پر ان کا زور چلا اور اُن کے آگے آرام سے پٹتی، زخمی ہوتی لائبہ کا کیا حال ہے، انہیں
نہیں تھا۔ جسمانی طور پر بے ہوش وہ بعد میں ہوئیں، ہوش ان کے پہلے ہی جا چکے تھے۔

✿⊙......⊙✿

''تنزیل بہت مشکل میں ہے۔ اس نے تمہیں ارجنٹ بلوایا ہے۔ اس نے تم سے کوئی بہت ضروری بات کرنی ہے۔''
آیا SMS پڑھتے ہوئے وہ پریشان سی ہو گئی۔
'تنزیل کو کیا ہوا؟ اور یہ کس نے SMS کیا ہے؟' وہ کوشش کے باوجود نہ سمجھ سکی۔

"شام ہو رہی ہے۔ اس وقت میں کیسے کہیں جاسکتی ہوں؟ اور سارے دن کے بعد تو گھر لوٹی ہوں اور واپسی پر امی کا غصہ، دادی کی دھمکی اور ابو کی مشکوک نظریں۔ اور میرے پاس اتنی دیر باہر رہنے کا کوئی مضبوط بہانہ بھی تو نہیں تھا۔ ان کا مشکوک ہونا بھی بنتا ہے۔ اب کیا کروں؟ کس نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اپنا نام بھی نہیں بتایا۔ شاید جیل میں کوئی تنزیل کا ساتھی ہو اور اس نے تو مجھے منع کیا تھا کہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرنا اور اب تو مجھے امید ہے بھی کہ مجھے ادھر نہیں جانا پڑے گا۔ پھر اس نے مجھے کیوں بلوایا ہے؟ اور ٹھیک ہو۔ سر جہانگیر کو فون کروں۔" وہ پریشانی میں اُٹھ کر ٹہلنے لگی۔

"شام ہو رہی ہے۔ کوئی اُٹھ کر لائٹیں نہیں جلا سکتا۔ کیا نحوست پھیلا رکھی ہے پورے گھر میں، جیسے کوئی مر گیا ہو، سوگ منایا جا رہا ہے۔ ارے بدبختو! میں ابھی زندہ ہوں۔ لنگڑا لولا سہی، سانس تو لے رہا ہوں۔ پھر یہ نحوست ٹپکاتی شکلیں، یہ گھر کی دیواروں سے برستا ہول۔ کیا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہو تم لوگ، بتاؤ مجھے؟"

احسن مراد کی دھاڑتی، چنگھاڑتی آواز پر وہ ٹہلتے ٹہلتے زور سے اُچھلی تھی۔ لپک کر کمرے کی لائٹ روشن کی اور ڈرتے ڈرتے ہوئی۔ وہ اپنے کمرے کے باہر برآمدے ہی میں کھڑے گرج رہے تھے۔ کچن میں بھی اندھیرا تھا۔ صحن کی لائٹ بھی کسی نے نہیں جلائی تھی۔ دادی کے کمرے سے مدھم روشنی آ رہی تھی۔ یاسمین صحن میں لگے امرود کے پیڑ کے نیچے بچھے تخت پر گم صم بیٹھی تھیں اور شاید انہیں اس حال میں بیٹھے دیکھ کر احسن مراد کو تاؤ آیا تھا۔

درخت پر چڑیوں نے شور مچا رکھا تھا۔ دونوں وقت گلے مل رہے تھے اور چار سُو پھیلتی اُداسی، شفق کی لالی کیسی دل کو ہاتھ ڈالتی وحشت سی پھیلا رہی تھی۔

"کھانے کے نام پر آج اس گھر میں کچھ دال دلیہ پکا ہے یا کسی دربار کے لنگر سے کچھ آئے گا؟" وہ اب یاسمین کی طرف رخ کا لئے میں پوچھ رہے تھے۔

"کچھ تھا نہیں تو کیا پکاتی؟ دوپہر میں سب کو کل کی دال دے دی تھی۔ اب کیا کرتی؟" یاسمین ڈرتے ڈرتے مگر بے حد شکست خوردہ لہجے میں بولیں تو تانیہ کی نظروں کے سامنے دوپہر ہوٹل کی وہ انواع اقسام کی کھانوں سے سجی ٹیبل گھوم گئی، جس پر بیٹھ کر اس نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ اور گھر میں سب نے باسی دال کھائی تھی۔

'وہ دال تو ربیعہ اور سعیعہ کل رات کو بھی ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کھانے پر تیار نہیں ہو رہی تھیں اور پھر تانیہ بی بی! تم دعویٰ کرتی ہو کہ فیملی سسٹم کی بُنت ہمارے معاشرے کا ناگزیر حصہ ہے کہ ہم اپنے پیرنٹس، اپنے بہن بھائیوں کو اپنی ہر خواہش پر ترجیح دیتے ہیں۔ بہت خوب!...... دوپہر تو حلق تک ٹھونستے ہوئے تمہیں ایک بار بھی معاشرے کی اس ناگزیر بُنت کا خیال نہیں آیا۔' کسی نے اسے اندر سے لتاڑا تھا۔

"کیا...... یہی امید تھی مجھے تم سے۔ یہی جواب دو گی کہ اس گھر میں کچھ ہے ہی نہیں۔ اندر جاؤ، کچن میں تھوڑا مٹی کا تیل اور ماچس کی تیلی لا کر سب کو آگ لگا دو۔ یہ جواب دینے سے بھی جان بخشی ہو جائے گی تمہاری۔" وہ کمرے سے نکلتے آغا جان اور ثریا کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اسی انداز میں دھاڑے۔ اسی وقت کال بیل چیخ اُٹھی۔

تانیہ نے آگے بڑھ کر صحن اور برآمدے میں روشنی کی اور یاسمین کی طرف دیکھنے لگی جو مُردہ قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

✲◉......◉✲

وہ اپنے لئے شاپنگ کرنے آئی تھی۔

تین دن بعد اسے میڈم یاقوت سے ملنے جانا تھا۔ اسی موقع کی مناسبت سے اسے اپنے لئے کوئی بہت اچھا سا سوٹ خریدنا تھا۔ میچنگ جوتی اور جیولری۔ حالانکہ اس کے پاس بے اندازہ کپڑے، جوتے اور جیولری موجود تھی مگر اس کے باوجود اسے کوئی بھی سوٹ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ سارہ سے پوچھ کر ڈرائیور کے ساتھ اس شاندار آرکیڈ میں آ گئی۔ خود سے اپنے لئے شاپنگ کرنے کا اس کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ صرف کالج کراؤڈ کے سامنے دھواں دھار تقریریں کرنا، پوری جان لڑا کر میچ جیتنا یا کسی بھی ڈرامے میں جاندار ایکٹنگ کر پانا کافی اور ہر سمسٹر میں ٹاپ کرنے سے خود پر اعتماد مکمل نہیں ہوتا بلکہ پریکٹیکل لائف میں داخل ہونے کے لئے اس طرح کے تجربات سے بھی گزرنا ضروری ہے۔ اس نے خود ہی خود کو مختلف تجربات سے گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ آج اسی لئے وہ ماما کی مدد کے بغیر اپنی شاپنگ کرنے آئی تھی۔

اور محض ڈیڑھ گھنٹے کی جگل خواری کے بعد وہ اپنے لئے شاپنگ مکمل کر چکی تھی۔ اسے کچھ بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ راستے میں نظر آنے والے کئی ریسٹورنٹس نے اس کی بھوک کو اور چمکا دیا مگر اُس کا رُکنے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا۔

'گھر جا کر کھانا کھاؤں گی۔' اس نے طے کرتے ہوئے قدم آگے بڑھائے۔

''ہیلو، ہاؤ آر یو؟'' وہ بالکل اس کے سامنے سے آ رہا تھا۔ راستہ بدلنے کا موقع بھی نہیں تھا، نتیجتاً وہ اس کے سامنے مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''فائن!'' وہ سنجیدگی سے جواب دے کر آگے بڑھنے لگی۔

''بھئی اس دن فون کیا اور ہیلو کہہ کر آف کر دیا۔ خیریت تھی؟''

''یہ بندہ نہیں، چپکو ہے۔ بس چپک گیا۔'' دل میں بل کھاتے ہوئے اس نے سوچا اور کندھے اچکا دیئے۔

''غلطی سے مل گیا تھا، جیسے ہی احساس ہوا، میں نے آف کر دیا۔''

''کیا یہ فرسٹ ٹائم ہے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔ ''بلکہ نہیں، آپ تو اس میں......'' وہ زبان دانتوں تلے دبا کر رک گیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ تیکھے پن سے بولی۔

''یہ فراڈ سے جو آپ بہانے گھڑ لیتی ہیں۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''کیا مطلب؟......کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' وہ اسے گھور کر بولی۔

''ہرگز نہیں۔ میں نے یہ کہا بھی نہیں۔ پلیز، بیٹھیں گی نہیں'' وہ کیفے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا یہاں؟'' اس نے بیچ رستے کی طرف اشارہ کر کے حیرانی سے پوچھا۔

''کیا بھیک مانگنے کا ارادہ ہے؟'' وہ پھر سے شریر لہجے میں بولا تو وہ اسے گھور کر آگے بڑھنے لگی۔

''اس دن کی ادھوری بات پوری نہیں کریں گی؟'' اس نے پیچھے سے پکار کر کہا تو وہ حسبِ توقع رک گئی۔

''کیا مطلب؟''

''میں سوچ رہا تھا، آج انکل سے مل آؤں۔ اس دن تو ان کی ٹیلنٹڈ بیٹی کی شاندار پرفارمنس کی تعریف رہ ہی گئی تھی۔''

''آپ مجھے بلیک میل کرنا چاہ رہے ہیں؟''

''کیا آپ اپنی تعریف سے بلیک میل ہوتی ہیں؟'' وہ معصومیت سے بولا۔

''لگتا ہے، کافی شاپنگ کر لی۔ تھک گئی ہوں گی۔ کچھ کھا لیتے ہیں۔'' اس نے عزہ کو کمزور پڑتے دیکھ کر ایک بار پھر کہا۔ لمحہ بھر سوچنے کے بعد اس کے ساتھ چل پڑی۔

''ویسے میں سمجھ نہیں سکا، آپ نے سب سے چھپا کر یہ کیوں کیا؟'' وہ اسنیکس کا آرڈر دینے کے بعد بیٹھتے ہوئے بولا۔

''کیا، کیا؟......میں نے کیا چھپایا ہے؟'' وہ تنک کر بولی۔

''یہی، رائل فورٹ میں کلاسیکل رقص کی پرفارمنس کی بات کر رہا ہوں میں۔ ویسے مذاق نہیں کر رہا، سیریسلی آپ اچھا رقص کرتی ہیں۔''

''اور یہی بات ممی، پاپا بھی پسند نہیں کریں گے۔ یونہی شوق کی بنا پر میں نے اکیڈمی جوائن کی تھی، پھر ماما کو کہیں سے پتا چل گیا، انہوں نے میری ٹھیک ٹھاک کلاس لی، جس کی وجہ سے میں نے وہ شارٹ کورس بھی ادھورا چھوڑ دیا۔ اور اب یونہی میڈم ہمارے کالج آئیں، وہاں انہوں نے میری مغلیہ شہزادی کے روپ میں پرفارمنس دیکھی تو مجھے یہ رائل فورٹ والی آفر کر دی۔ میں نے بھی اس خیال سے کہ ٹرائل میں کیا حرج ہے، دس پندرہ منٹ کی پرفارمنس ہے اور وہ بھی ایک دن کے لئے...... ایڈونچر کے لئے کر لیا۔''

''اس کا مطلب ہے، تمہیں بھی میری طرح ایڈونچر کرنے کی بیماری ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرایا۔ ''ہم پہلے بھی مل چکے ہیں نا؟''

اس کی بات پر عزہ نے کچھ الجھتے ہوئے اسے دیکھا، کچھ کچھ یاد آ رہا تھا۔

''کہاں؟......اوہ، یاد آیا......میڈم یاقوت کے آفس سے نکلتے ہوئے۔'' اسے خود ہی یاد آ گیا۔

''اور ایک بار پہلے بھی۔'' وہ اب بڑی پُرشوق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، اس کے صاف شفاف، بے ریا حسین چہرے کو۔

''وہ بھلا کب؟'' اسے قطعاً یاد نہیں آیا۔

''اس دن تو تم نے میرے ساتھ نیکی کی تھی، جب ایئرپورٹ سے آتے ہوئے دولٹ کے میری ٹیکسی رکوا کر گن پوائنٹ پر میرا ٹریول بیگ اور کرنسی چھین کر بھاگ گئے تھے اور تم نے اپنی گاڑی ان کی بائیک سے ٹکرا کر دونوں کو زخمی کر ڈالا تھا۔''

دائم کے بتانے پر عزہ کو یاد آ گیا۔ وہ ایک دم سے کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

''اچھا......میرا وہ ڈرائیونگ کا ایڈونچر آپ کا بھلا کر گیا۔ فائن، اور آپ نے مجھے تھینکس بھی نہیں بولا۔''

''تھینکس بولنے تو ڈھونڈتا ڈھونڈتا تمہارے گھر پہنچا تھا اور تمہارے پاپا نے بھی پہچاننے سے انکار کرتے ہوئے باہر کا راستہ

ے کر بھی گئی۔ بس اس بار بار کے ٹکرانے پر میں چونک گیا۔" وہ اب مزے لے کر اسے بتا رہا تھا اور وہ چہرے پر بڑے انوکھے رنگ لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا؟...... کس لئے چونک گئے تھے؟" وہ سمجھی نہیں۔

"مجھے سمجھنے میں پوری رات لگی تھی۔ تمہیں دو منٹوں میں کیسے سمجھا دوں؟" وہ اسنیکس رکھتے ویٹر کو دیکھ کر ہولے سے بولا، جسے وہ سن بھی نہ سکی۔

"اچھا، تمہارا کوئی دوست ہے؟"

"بہت سے۔" وہ بائٹ نگلنے کے لئے کوک کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

"بہت سے نہیں، صرف ایک، بہت قریبی جس سے تم ہر بات کہہ سکو اپنے دل کی۔" دائم کی بات پر اس کا تیزی سے چلتا منہ رک گیا۔

"نہیں...... ایسا تو کوئی دوست نہیں۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"اور ایسا میرا بھی کوئی دوست نہیں، کم از کم پاکستان میں۔"

"تو کیا پوری دنیا میں آپ نے اپنی دوستی کا نیٹ ورک پھیلا رکھا ہے؟" وہ ناک چڑھا کر بات کرتے ہوئے کتنی حسین لگتی تھی، کاش کوئی دائم کے دل سے پوچھتا۔

"کیا دوستی ہمارے درمیان ہو سکتی ہے؟" اس نے ہاتھ پھیلایا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ عین اسی وقت کسی نے بہت حیران نگاہوں سے اس منظر کو دیکھا۔

✲✲......✲✲

"تنزیل!...... میری جان! میرے بچے!" یاسمین کی کپکپاتی آواز ساکت فضا میں گونجی تھی۔

وہ دیوانہ وار دروازے کی طرف دوڑی۔

ثریا، انور اور آغا جان بھی دروازے کی طرف بڑھے۔

لئے میں تنزیل، یاسمین کے ساتھ دو قدم اندر آ چکا تھا۔

"بس، اس سے آگے ایک قدم نہیں۔" احسن مراد صحن کے وسط میں کھڑے تنبیہی انداز میں ہاتھ اٹھا کے دھاڑے تھے۔ "اس کے لئے اب اس کے لئے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔"

"احسن!" یاسمین تڑپ کر مڑی تھیں اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے احسن مراد کو تکتے ہوئے تنزیل کا بازو دونوں ہاتھوں میں دبوچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"کک...... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟...... کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ چلیں، اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔ دیکھیں تو، ظالموں نے میرے بچے کا کیا حال کیا ہے چار پانچ دنوں میں۔" وہ تنزیل کو اپنے ساتھ لگائے دو قدم آگے بڑھیں۔

"میں تم سے کہہ آیا تھا نا کہ اب تمہارا ہم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ چاہے ادھر سڑو یا باہر آ جاؤ۔ اس گھر کے دروازے تم پر بند ہو چکے۔ کیسے بے غیرت، بے حیا ہو تم کہ منہ اٹھا کر چلے آئے۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے فوراً۔"

وہ یاسمین کی کوئی بھی بات سنے بغیر اسی طرح ہاتھ فضا میں لہرا کر نفرت بھرے لہجے میں پھنکارے تھے۔ تنزیل نے ایک نظر ان کے چہرے پر لکھی اس گہری نفرت کی تحریر کو پڑھا۔ خشک نظروں سے بازو سے چمٹی روتی ہوئی ماں کو دیکھا اور آہستگی سے اپنے بازو سے ان کے ہاتھ ہٹانے لگا۔

"نہیں، نہیں تنزیل! تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ میں نہیں جانے دوں گی تمہیں۔ اماں جان!...... آغا جان! آپ دیکھیں نا، یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پلیز سمجھائیں انہیں۔ خدا کے لئے احسن! اسے دو گھڑی آرام...... پتہ نہیں، اس نے کچھ کھایا بھی ہے اور ...... حال دیکھیں......"

وہ پاگلوں کی طرح اسے چھوتی، اس سے لپٹتی، اس کے ہاتھوں کو چومتی اسے اندر کی جانب گھسیٹنے لگیں۔

"ہاں احسن! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ غلطیاں بچوں ہی سے ہوتی ہیں۔ پھر تنزیل نے کچھ کیا بھی نہیں۔ اور اسے بیٹھنے تو دو، پوچھو تو کہاں رہا؟ یہ سب قصہ کیا تھا۔ چلو، تم اندر بیٹھو۔ کیوں اپنی طبیعت خراب......" آغا جان سے اور برداشت نہ ہو سکا تو آگے بڑھ کر احسن مراد کو سمجھانے لگے۔

"آغا جان! پلیز، آپ مہمان ہیں اور میرے لئے قابلِ احترام بھی۔ اس وقت تک جب تک میرے اصولوں یا میرے گھر کے معاملات پر آپ اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اس سے زیادہ نہ میں کہنا چاہوں گا، نہ آپ سن سکیں گے۔"

احسن مراد نے کھرے کھرے انہیں ان کا مقام یاد دلایا۔ آغا جان نے ایک شرمندہ سی نگاہ یاسمین اور تنزیل پر ڈالی اور سر جھکائے پیچھے کی طرف مڑ گئے۔

''ہیں........ ہیں........ احسن! تیرا دماغ تو ٹھیک کام کر رہا ہے نا میرے بچے! اب ایسا بھی کیا اندھیر؟ جو رب نے ہم کو گھر بیٹھے سن لی تو تجھے اس کا رحم ہضم نہیں ہو رہا کہ خود خدا بننے چلا ہے۔ جب میرے مولا نے میرے بچے کا پردہ رکھا تو اب تو ہے اسے یوں ذلیل کر کے گھر سے نکالنے والا؟ ابھی میں زندہ ہوں، وہ آغا تو تیرا مہمان ٹھہرا اور مہمان کی تُو نے خوب عزت کی۔ ارے ایسی عزت افزائی سے تو اچھا تھا تُو سیدھا سیدھا اس سے کہہ دیتا کہ میاں! چل، اپنا بوریا بستر اُٹھا اور نکل یہاں سے۔ اور مجھ سے بھی بول کہ اماں! تیرا بھی چل چلاؤ کا وقت ہے۔ قبر میں پیر لٹکائے بیٹھی ہو۔ ملک الموت کا انتظار کیا کرنا، خود ہی اس کے پاس چل پڑو۔ اب تیرے فیصلوں پر خیر سے اثر انداز جو ہونے جا رہی ہوں۔ اب اگر اس کو گھر میں نہیں رکھنا تو مت رکھ۔ ہم بھی یہاں کوئی بھی نہیں رہے گا۔ کم سے کم میں تو نہیں۔ چل تنزیل بچے! چلیں ہم۔ اے ربیعہ!........ اندر سے میری چادر لا۔ زمین پر ایک تیرا ہی گھر نہیں صرف، ہاں یاد رکھ۔''

ثریا بانو اپنے برسوں پرانے پُر جلال روپ میں گرجی تھیں۔ احسن مراد کو لگا، اب وہ مزاحمت میں ایک لفظ نہیں بول سکیں گے۔

''اماں! کیوں ایسے لوگوں کے لئے اپنی اولاد سے جھگڑا مول لیتی ہیں، جن سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ میں جو کر رہا ہوں گھر کی بہتری، آپ سب کی........''

احسن مراد کی کمزور دلیل نہ خود کو قائل کرنے کے قابل تھی، نہ دوسروں کو۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر یاسمین اور تنزیل کو کڑی نظروں سے دیکھنے لگے۔ یاسمین نے بے اختیار تنزیل کو اپنی اوٹ میں کر لیا۔ احسن مراد نے تحقیر بھرے انداز میں سر ہلا کر دونوں کو دیکھا۔

''شرم کر، تیرے باپ کی جگہ ہے جسے تُو پرایا کہہ رہا ہے۔ اب اگر وہ غریب ہمیں اپنا سمجھ کر ہمارے بیچ آ ہی گیا ہے تو کمینوں کی طرح اسے طعنے مارے گا۔ احسن! تیرا دل اتنا تنگ کب سے پڑ گیا؟ مجھے تو لگتا ہے، تُو جسمانی طور پر نہیں، ذہنی طور پر ہو گیا ہے۔'' ثریا بانو کے انداز میں ملامت ہی ملامت تھی۔

''افوہ اماں! میں آغا جان کو کب یہ کہہ رہا ہوں؟ اور معاف کیجئے گا، اس وقت جو آپ کے دل میں آغا جان کی محبت کے پھوٹ رہے ہیں تو آپ بول رہی ہیں، یہ وہی آغا جان ہیں، جن کا کسی زمانے میں آپ........''

''بس کر احسن! کیوں اتنا اذیت پسند ہوتا جا رہا ہے؟ خود کو تقدیر کی طرف سے یہ تکلیف کا تحفہ ملا ہے تو کیوں اوروں کو ہر گھڑی رُلائے۔ طعنوں تشنوں سے چھیدے؟ کیوں اتنا سخت دل ہوتا جا رہا ہے۔ کیا سوچتے ہوں گے، تمہارے آغا جان خودداری میں آ کر کچھ اُلٹا سیدھا کرنے کا سوچ بیٹھے تو.....'' وہ گھبرا کر اندر کی طرف جانے لگیں۔

''اور سن، اب تُو نے تنزیل کو یہاں سے نکالنے کی بات کی تو میں بھی یہاں نہیں رہوں گی۔ یوں بھی سارہ دس بار مجھے آ کر رہنے کا کہہ چکی ہے۔ کہو تو پوتے کو بھی لے کر ابھی چلی جاؤں۔''

''ہاں، جا کر دیکھ لیں، سارہ بیگم نے آپ کو چار دن جھیلا یا آپ کے اس مشہورِ زمانہ، پاک صاف پوتے کو دو گھڑی میں پناہ دی تو آ کر میرے منہ پر تھوک دیجئے گا۔'' وہ اسی طنز بھرے لہجے میں پھنکارے تھے۔

''بس رہنے دے، ہر کسی کو اپنی طرح بے شرم نہ گردان۔ آدمی کو آئینے میں اپنا چہرہ ہی نظر آتا ہے۔'' وہ جاتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھیں۔

''تم ادھر آؤ ذرا۔'' احسن مراد نے یاسمین سے کہا تو وہ چہرہ صاف کرتی، دل ہی دل میں رب کا شکر ادا کرتی ان کی طرف بڑھیں کہ تنزیل کو رہنے کی اجازت مل گئی۔

''تم اسے اپنی زبان میں سمجھا کر یہاں سے چلتا کر دو تو زیادہ بہتر ہے، تمہارے حق میں بھی اور اس کے حق میں بھی، ورنہ........ ورنہ میں خود صاف صاف اسے بتا دوں گا۔ پھر مجھے الزام مت دینا۔ میری برداشت بس یہیں تک تھی، سنا تم نے؟ یہ مجھے یہاں دکھائی نہ دے۔''

ان کے لہجے میں کیسی سفاکی تھی کہ یاسمین کی ریڑھ کی ہڈی ہی نہیں، پورے جسم میں ایک سرد لہر دوڑی تھی۔

''احسن! پلیز، خدا کے لئے۔'' ان کی آنکھوں سے ایک بار پھر بھل بھل آنسو بہنے لگے۔ اس سے پہلے کہ وہ اور ہاتھ جوڑ کر منت سماجت کرتیں، وہ راستے میں آئی کرسی کو ٹھوکر مارتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے اور یاسمین خود کو گھسیٹتی ہوئی اسی کرسی پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

٭٭.......٭٭

"تو تم انکار کرتی ہو اس بات سے کہ دائم میرا بیٹا ہے۔" میڈم یاقوت نے انگلیوں میں پڑی ہیروں کی انگوٹھیوں سے کھیلتے ہوئے بے حد سرد لہجے میں کہا تھا۔

ڈاکٹر رخشندہ کا ہاتھ رائٹنگ پیڈ پر تیزی سے چل رہا تھا۔ وہ یوں مصروف تھیں، گویا سامنے بیٹھی اس جان دار، بھرپور شخصیت والی ہستی سے واقف ہی نہ ہوں۔

ابھی محض بیس سیکنڈ پہلے تک وہ بہت مگن انداز میں اپنے معمول کی فائلز چیک کرتے ہوئے کافی کا کہہ بیٹھی تھیں، جب چپراسی نے کسی کی آمد کا بتایا۔ وہ ابھی منع کرنا ہی چاہ رہی تھیں کہ میڈم یاقوت دروازہ کھول کر اندر آ گئیں۔

لو بھر کو ڈاکٹر رخشندہ انہیں پہچان نہیں سکی تھیں مگر یہ صرف لمحے سے بھی کم مدت تھی کہ ان کے دماغ میں جھماکا سا ہوا تھا۔ برسوں پہلے کے بہت سے مناظر ایک ساتھ گڈمڈ ہو کر ان کی نگاہوں کے سامنے آئے تھے۔

"یقیناً بیٹھنے کو نہیں کہو گی اور مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت بھی نہیں۔" کہتے ہوئے وہ خود ہی بیٹھ گئی تھیں۔ ڈاکٹر رخشندہ ایک گہرا سانس بھر کر اپنے سامنے پڑے رائٹنگ پیڈ پر کچھ لکھنے لگیں تو چند لمحوں کے سکوت کے بعد میڈم یاقوت نے یہ جملہ کہا تھا۔

ڈاکٹر رخشندہ نے ذرا سا ہاتھ روک کر ان کا جملہ سنا اور پھر سے ان کا قلم روانی سے چلنے لگا۔

"تم مصروف ہو تو فارغ میں بھی نہیں۔ تمہیں صرف اتنا بتانے آئی ہوں کہ میں دائم سے مل چکی ہوں بلکہ ایک بار نہیں، بہت بار۔ اس کا چہرہ، اس کے نقوش، اس کی قامت، اس کے انداز سب چیخ چیخ کر اعلان کرتے ہیں کہ وہ کس کا لہو ہے۔ تم سے میں اس بات کا کوئی سرٹیفکیٹ لینے نہیں آئی کہ تم مجھے بتاؤ کہ اس کا مجھ سے کیا تعلق ہے۔ تم نے اتنا عرصہ کسی چوری شدہ مال کی طرح اس پر اپنا قبضہ جمائے رکھا اور دنیا کے سامنے....... بہرحال۔" وہ ذرا دیر کو رکیں۔ "تم اسے خود بتا دو کہ اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔ بلکہ نہیں، تمہیں تو یہ سب بتاتے ہوئے شرم آئے گی۔ کیسے دکھاؤ گی اسے اپنا وہ گھناؤنا روپ۔ چلو، تمہارے ساتھ یہ رعایت کرتی ہوں کہ تم اسے اپنے بارے میں نہیں، میرے بارے میں بتا دو کہ میں کون ہوں۔ آگے جو وہ پوچھے گا، اس کا جواب میں دے دوں گی۔"

وہ بڑے آرام سے گردن اکڑا کر ڈاکٹر رخشندہ کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ گئیں۔

"پھر تم ایگری ہو مجھ سے؟" وہ چند لمحوں کے انتظار کے بعد بولیں۔

"میں تم سے ایک بات ہی کہوں گی کہ دائم میرا بیٹا ہے اور جو تمہیں شک ہے تو ہم ڈی این اے ٹیسٹ کرا لیتے ہیں اور بس دودھ کا دودھ، پانی کا پانی۔ ویسے کیا وجہ بتا کر تم بیٹے کو اس ٹیسٹ پر آمادہ کرو گی؟" میڈم یاقوت کے طنز پر ڈاکٹر رخشندہ گنگ سی ہو گئیں۔

"چلو، اگر میں تمہاری اس بکواس کو مان بھی لوں کہ دائم تمہارا بیٹا ہے تو پھر میرا بیٹا کہاں ہے؟ وہ تو تمہارے پاس ہی تھا اور اب یہ بالکل نہ کرنا کہ کسی بھی ایرے غیرے کو اٹھا کر، میرا بیٹا بنا کر لے آؤ کہ اب مجھے بے وقوف بنانا تمہارے لئے مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔ چلتی ہوں، تم اب بیٹے کو اپنی اصلیت بتانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں اب تم سے رابطہ نہیں کروں گی، وہ خود تمہیں کال کرے گا۔ او کے بائے!" وہ کہتے ہوئے فخریہ سے انداز میں اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"ایک منٹ۔" ڈاکٹر رخشندہ نے پین پیڈ پر رکھا اور آنکھوں پر لگا گولڈن چشمہ اتار کر میز پر رکھا۔

"اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو پوچھو جا کر اپنی بیٹی سے۔ بلکہ تم تو دائم سے ملتی ہو۔ ایک بار نہیں، کئی بار مل چکی ہو۔ اس سے پوچھنا کہ تم نے اس کے لئے لائبہ، تمہاری بیٹی جو تمہارے حساب سے دائم کی بہن بنتی ہے۔ اس کا پرپوزل دائم کے آگے رکھا تھا بلکہ اصرار کیا تھا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو کیا میں یہ واہیات خیال اپنے ذہن میں بھی لاتی، کجا اپنے بیٹے کے آگے پیش کرتی۔"

ڈاکٹر رخشندہ کی بات نے میڈم یاقوت کے قدم جکڑ لئے۔

"گڈ! اچھی کوشش ہے، اپنے دفاع کے لئے۔ اور یہ مت سمجھنا کہ میں یہ دائم سے پوچھ نہیں سکتی۔ مگر تمہاری یہ آفر اس وقت تھی جب تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں لائبہ کی ماں ہوں۔" انہوں نے بھرپور انداز میں اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا اور جانے کے لئے مڑ گئیں۔

"اور اگر یہ جاننے کے بعد بھی میں اپنی بات پر قائم رہوں تو؟ لائبہ کے لئے دائم کا رشتہ قبول کرو گی؟"

ڈاکٹر رخشندہ کی بات سن کر وہ سناٹے میں آ گئیں۔

❁

"تم نے بوائے فرینڈز کب سے بنانے شروع کر دیئے؟" وہ کھانا ختم کر کے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتی اٹھ کر جانے لگی
سارہ کا یہ کٹیلا جملہ سن کر حق دق سی کھڑی رہ گئی۔

"کک......کیا مطلب ماما؟" اس نے بے ساختہ ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر جیسے خود کو سہارا دیتے ہوئے گھبرا کر پوچھا۔

"ایسا مبہم جملہ تو نہیں بولا۔ وہ کون تھا کیفے میں تمہارے ساتھ دوپہر کو، جس کا ہاتھ تھامے تم سب کے بیچ بیٹھی تھیں۔
تمہیں ایک پل کو بھی خیال نہیں آیا کہ تم شہر کے کس عزت دار آدمی کی بیٹی ہو اور یوں سر عام اجنبی لڑکوں کے ساتھ عہد
باندھتے کوئی کیا سمجھے گا؟ کوئی کیا، جس طرح میں نے دیکھا اور نہ جانے کس کس نے دیکھا ہو گا اور کیا کچھ اخذ کیا ہو گا، تمہ
تمہارا باپ دیکھ لیتا تو کیا وہ تم سے اتنے سکون سے یہ سب پوچھ رہا ہوتا، جس طرح میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔"
عزہ جیسے اندر تک چھلنی ہوتے ہوئے جا رہی تھی۔ بے تحاشا ضبط، غصہ و رنج پینے کی کوشش میں اس کی سرخ ہوتی آنکھوں میں
لاوا امڈ آیا۔

"سوری ماما! بہتر تھا، یہ سب پاپا ہی دیکھ لیتے۔ پھر وہ مجھ سے باز پرس کرتے تو کم از کم یہ زبان اور ایسا لہجہ نہ اختیار کرتے
آپ......" اس نے بہتے آنسوؤں کے بیچ رک کر لب زور سے کاٹے۔ "اور آپ کو شاید معلوم نہیں، میرے باپ ہی نے مجھے
کے بہترین کو ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ میں خود داخلہ دلوایا تھا۔ وہاں ایک لڑکا نہیں، کئی لڑکے پڑھتے ہیں تو آپ کے خیال میں،
سے سلام دعا بھی نہیں کرتی ہوں گی؟ اگر کسی سے ایسے سلام دعا کرتی یا آپ کی زبان میں سر عام ہاتھ ملاتی ہوں تو کیا
مطلب ہے میں اس سے کوئی عہد و پیماں باندھ رہی ہوں گی؟ اور وہ لڑکا......وہ لڑکا بھی کوئی اجنبی نہیں، پاپا کے جانے
آپ کو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ بلکہ آپ جیسے جتنے بھی ہوں گے، انہیں ایسی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہیں تو وہی دکھا
ہے جو وہ دیکھنا اور سوچنا چاہتے ہیں۔ اور ماما! سوری، انسان وہی کچھ دیکھتا ہے جو اس کا ذہن اسے دکھاتا ہے۔ اور آپ کے
کیا کوئی صحت مند سوچ پروان چڑھ......"

"بند کرو اپنی بکواس۔ بے ہودہ، بدتمیز، بے حیا! ماں کی سوچ کو گھٹیا کہتی ہو......تمہاری چوری پکڑی میں نے، اس
اس کے لئے میں سوری بھی نہیں کہوں گی۔ یہ سچ ہی ہے، سر راہ غیر لڑکوں کے ساتھ ہاتھ ملانے کو تم دعا سلام کہو یا عہد و پیماں
ہی بات ہے۔ جو بات غلط ہے، سو ہے۔ تمہارے باپ نے تمہیں جو یہ نام نہاد آزادی دے رکھی ہے تو عزہ بی بی! اس سے
فائدہ اٹھانے کا کبھی سوچنا بھی مت۔ وہ تمہیں بظاہر جتنا براڈ مائنڈڈ اور پڑھا لکھا، مہذب دکھائی دیتا ہے، اس کی سوچ میری
سے کہیں زیادہ گھٹیا اور تنگ ہے۔ اور تم جو یہ سوچ رہی ہو کہ میری جگہ وہ تمہیں دیکھ لیتا۔ تو تمہارے خیال میں وہ تمہیں شاباش
اس بات پر اور تمہاری پیٹھ ٹھونکتا۔ ہرگز نہیں عزہ بی بی! اس وقت تک تمہارا جو حال وہ کر چکا ہوتا، تم اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتیں۔
وہ انتہا کا تنگ نظر اور پسماندہ سوچ کا مالک ہے۔ کبھی اس کے ظرف کو آزمانے کی کوشش نہ کرنا، ورنہ ساری عمر ہاتھ ملتی رہو گی۔
آنسوؤں کے ڈرامے میرے سامنے مت کرو، میں ان سے متاثر ہونے والی نہیں۔ اپنے مخلوطی ادارے میں جاؤ اور صرف اس غرض
کے لئے، جس کے لئے تمہیں وہاں بھیجا جاتا ہے۔ ہماری سوچوں کے تنگ اور کھلا ہونے کو اپنی بے راہ روی سے نہ اپنی بربادی
نقصان اٹھاؤ گی۔"

وہ بلا تکان بے دردی کے ساتھ بولتی چلی گئیں اور عزہ کو تو اب کچھ دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ صرف ان کی آگ کے گولے
برساتی آواز کانوں سے ٹکراتی محسوس ہو رہی تھی۔ لفظ بھی اس گھن گرج میں کہیں گم ہوتے جا رہے تھے۔
سارہ اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال کر اب بڑے اطمینان سے اٹھ کر وہاں سے جا چکی تھیں اور وہ......وہ تو پتہ نہیں وہاں
موجود بھی تھی یا نہیں۔

برتنوں کی کھٹ پٹ سے اسے ہوش آیا۔
ملازم برتن اٹھا رہا تھا اور شاید کن انکھیوں سے اس کی طرف بھی دیکھ رہا تھا یا دیکھ چکا تھا۔ آنسو تو اس کے اب بھی مسلسل بہہ رہے

...کو بھی سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے خالی خالی نظروں سے سامنے دیکھا اور اپنے بے جان ہوتے جسم کو گھسیٹتی ...کمرے میں لے آئی۔

...ما نے اسے ترحم بھری نظروں سے دیکھا۔ اسے وہ نظریں اپنی پشت پر گڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

...دونوں لڑتے تھے، ایک دوسرے پر طنز و طعنوں کے تیر برساتے اور وہ سن سن کر زمین میں گڑتی جاتی کہ اس کے پڑھے ...مہذب، سلجھے ہوئے ماں باپ لڑنے پر اُتریں تو کیسی گھٹیا زبان استعمال کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی ...انہیں کبھی دوسرے کی عزتِ نفس کا خیال نہیں آیا تھا۔ اور آج.......آج وہ خود تختۂ مشق بن گئی۔

...ما نے اتنا کچھ سوچ لیا۔ اور یہاں تک کہ میں بوائے فرینڈز بناتی ہوں۔ اور جو اس روز پاپا نے مجھے رات کو دیر سے آتے ...انہوں نے اس سے کم تو نہیں سوچا ہوگا۔ اس سے کم تو شاید کوئی سوچ بنتی ہی نہیں، بوائے فرینڈز بنانے سے ...ہے کہ میں مخلوط ادارے میں پڑھتی ہوں اور میری دوستی فرینڈ شپ سے آگے.......اور آگے جا چکی ہو۔ ہاں، ماما یہاں ...سوچ سکتی ہیں۔ ہاں، وہ دونوں یہ سب سوچ سکتے ہیں۔ اب میں تصور کر سکتی ہوں۔ ہاں، وہ جنہیں ایک دوسرے پر اعتبار ...نہیں تو انہیں مجھ پر، اپنے خون پر، اپنی اولاد پر کیسے بھروسہ ہو سکتا ہے؟ اور میں..... میں بے وقوف یونہی رونے بیٹھ گئی، ...پریشان ہو گئی کہ میری ماں، میرے بارے میں ایسی گھٹیا بات کیسے سوچ سکتی ہے۔ ارے عزہ! بے وقوف، وہی تو دنیا ...پہلا فرد ہوں گی جو تیرے بارے میں یہ شاندار سوچ رکھیں گی اور اسے سب طرف اپنے واویلے سے نشر کریں گی اور ...کوئی اور نہیں، میرا باپ ہوگا، جو میرے بارے میں بے اعتباری کا پہلا علم بلند کرے گا۔ مجھے....... مجھے ان سے ...ابھی ان سے توقع ہے تو پھر مجھ سے بڑھ کر کوئی احمق نہیں۔ وہ چاہے ایک دوسرے کے بارے میں سوچیں یا میرے ...یا کسی اور کے بارے میں، ایک ہی طرح سے سوچیں گے۔ یہ ان کی سرشت میں شامل ہے۔ عادتیں بدلی جا سکتی ہیں، ...پھر میں ایسی چیز کا غم کیوں کروں، جو بدلی نہیں جا سکتی۔'

...نے گہری سانس لیتے ہوئے ٹشو نکال کر اپنا چہرہ صاف کیا اور برش اٹھا کر بال سلجھانے لگی۔

...اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے برش ٹیبل پر رکھا اور گنگناتے ہوئے سیل فون کی طرف بڑھی۔

...بجھا چکی تھی مگر اس گنگناہٹ کے پیچھے اس کے زخمی دل کی کراہ تھی، جو اسے مکمل طور پر خوش تو کیا، مطمئن بھی نہ ہونے ...تا۔

✲◉......◉✲
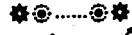
"...سوچ رہے ہو؟" تانیہ نے کسی گہری سوچ میں گم، بستر پر نیم دراز تنزیل سے پوچھا۔

"...لگتا ہے، اب میرے لئے صرف سوچیں ہی رہ گئی ہیں۔" وہ لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ لئے بولا۔

"...کرے، کیسی باتیں کرتے ہو؟ اللہ نے یہ مشکل ٹالی ہے، آگے بھی آسانیاں پیدا کرے گا۔ ابھی تو تم سب سوچیں اپنے ...نکال کر صرف آرام کرو۔" وہ اسے تسلی دینے والے انداز میں مسکرا کر بولی۔

"...نے ابو کا رویہ دیکھا ہے؟" وہ اصل رنج اپنی زبان پر لے آیا۔

"...ما کون سی نئی بات ہے۔ وہ تو شروع ہی سے ایسے ہیں۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"...میرے ساتھ۔ ہے نا؟" وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "اس بات کو میں بہت بچپن سے نوٹ کرتا آ رہا ہوں۔ ...یہ بات چیک کی تھی کہ ابو میرے ساتھ امتیازی سلوک کرتے ہیں۔ کیوں؟ وجہ بھی سمجھ میں آتی تھی کہ میں کوشش ...امیدوں پر پورا نہیں اُتر پاتا تھا۔ پڑھائی میں بالکل نکما۔ اور اسے میں نے اپنا قصور جان کر ان کی عمر بھر کی خفگی سے ...مگر......" اس نے آنسوؤں کا پھندا حلق سے اندر دھکیلا۔ اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے ہوئے نم ہوئی جا ...تو زیادہ اچھے نہ سہی، مگر نارمل ہو چکے تھے میرے ساتھ کچھ دنوں سے۔ اور میرا دل اسی بات پر پھولے نہیں سماتا ...سب کچھ ہوا۔ میرا اللہ گواہ ہے، اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ اور میرا دل کہتا ہے، ابو بھی اس بات کو جانتے ہیں۔ مگر ...کی تلاش میں ہوتا ہے، کسی اور بہانے سے کوئی سوچا سمجھا فائدہ اٹھانے کا منصوبہ.......ابو کو بھی ایسے ہی کسی بہانے کی ...ہتکارا پانے کے لئے۔ تم نے شام کو ان کی نگاہوں میں وہ نفرت کے شعلے دیکھے تھے؟ مجھے لگ رہا ہے، ابھی بھی وہ ...پاس بھڑک رہے ہیں اور ان کی تپش.......تانیہ! یہ تپش مجھے کیسے آرام سے رہنے دے گی؟" اس کے لہجے میں ...گی، دکھ ہی دکھ۔ "شام کو ابو نے جس طرح میرے ساتھ کیا ہے، اس وقت میرے دل نے دعا کی، کاش میں حوالات ...کے پیچھے ہمیشہ کے لئے رہ گیا ہوتا۔ دن رات ذلت اٹھاتا۔ گالیاں، تشدد سہتا مگر کبھی ابو کی ان نگاہوں کا سامنا نہ ...کرنا پڑتا۔

''اب جانے بھی دو۔ تم نے تو بہت زیادہ دل پر لے لیا ہے۔ وہ بیمار ہیں، بوڑھے ہو رہے ہیں، وہ بھی تو
گزرے ہیں ان دنوں۔ اتنی راتیں جب تم جیل میں رہے، وہ سوئے نہیں۔ دن میں بھی سلیپنگ پلز لے کر سوتے۔
تمہیں پتہ ہے، وہ کبھی اپنے دکھ، اپنی اذیت کو کسی سے شیئر نہیں کرتے۔ یونہی چیخ چلا کر اپنی تکلیف کو غصے میں چھپا
شام کو بھی تمہارے آنے سے پہلے وہ اسی طرح غصہ کر رہے تھے کہ تم آ گئے۔ پھر ان کی دوا بھی ختم ہو چکی ہے۔ اور کم
جو شاید آج سے چھ ماہ پہلے تھے۔ اور دیکھو، انہوں نے آغا جان کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ وہ بے چارے تو بہت
ضعیف.......اور تمہیں تو وہ اپنا بیٹا جان کر........''

''نہیں تانیہ! تم نہیں سمجھو گی، جو میں سمجھا ہوں۔ تم جاؤ اور سو جاؤ۔ میں بھی کوشش کرتا ہوں۔'' اس نے ایکدم
ہوئے موضوع ہی لپیٹ دیا۔ تانیہ کو پتہ تھا، وہ اس کی بات سے قطعاً مطمئن نہیں ہوا اور مطمئن ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ ام
رویے نے سب کو ہی حیران اور دکھی کر دیا تھا۔

''سنو!'' وہ لائٹ آف کر کے جانے لگی تھی، جب تنزیل نے اسے پکارا۔

''تم کہیں گئی تو نہیں تھیں کسی سے ملنے، میری سفارش کرنے؟'' تنزیل کے اس اچانک سوال پر وہ لمحہ بھر کو گڑبڑا
گئی۔ اس کا لاشعور اس سوال کے لئے اس وقت سے منتظر تھا، جب تنزیل گھر آیا تھا مگر پھر بھی وہ بری طرح سے چونک گئی۔

''نن.......نہیں۔'' اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ کم از کم تنزیل کو سب کچھ سچ بتا دے گی۔ اور اب تنزیل کے سامنے
پتہ چلا، وہ ساری دنیا کو یہ سچ بتا سکتی ہے، صرف تنزیل کو نہیں۔

''پھر.......پھر انہوں نے مجھے کیوں رہا کر دیا؟.......اور کیسے؟'' وہ جیسے لبوں میں بڑبڑایا۔

''تم آم کھاؤ، پیڑ مت گنو۔'' وہ یہ کہنا چاہتی تھی، مگر کہہ نہ پائی۔

''بغیر کسی سفارش کے، کسی قانونی داؤ پیچ کے بغیر انہوں نے کیسے مجھے رہا کر دیا؟ کہیں انکل محمود.......مگر نہیں،
کے پھندے تک لے جانے کی سفارش تو کر سکتے تھے مگر رہا کرنے کی نہیں۔ دو ہی تو اشخاص میرے اس دنیا میں
خیر خواہ ہیں۔ ایک ابو جان اور ایک ہمارے پھوپھا جان، جسٹس محمود عالم صاحب۔'' وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ خود سے،
مگر اس کا تجزیہ بالکل درست تھا۔

''اچھا، اب سو جاؤ۔ باقی صبح باتیں کریں گے۔ میں امی کو دیکھوں جا کر، وہ سوئیں یا نہیں۔ انہیں گولی دے آئی تم
بھی تمہاری طرح ابو کی باتوں کو خوب ہی دل سے لگایا ہے۔ اوکے، شب بخیر!''

تانیہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی اور تنزیل نے تکیہ کھسکا کر سیدھا کیا اور سر تکیے پر گرا کر آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش
تانیہ اس کے کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آئی۔ ہلکی روشنی میں یاسمین بستر پر چت لیٹی چھت کو تکے جا رہی
'یہ سب اپنے دکھ، اپنے مسائل کو زبان دے سکتے ہیں۔ اور میں.......میں کس سے کہوں کہ میں کیا کر بیٹھی ہوں'
احسن مراد کے کمرے سے آتی روشنی سے اندازہ لگایا، وہ یقیناً کوئی نہ کوئی کتاب پڑھ رہے ہوں گے۔

وہ دبے قدموں سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آ گئی۔

کیسی اندھیری رات تھی۔ آسمان صاف تھا، مگر کہیں کہیں کوئی دھندلا سا تارا تھا۔ نہ چاند، نہ چاند کی روشنی۔ کالا
گھورتا آسمان اسے اور بھی ڈراؤنا سا لگا۔ حالانکہ اس وقت اکثر عشاء کی نماز پڑھ کر چھت پر آ کر ٹہلنا اور آسمان کی طرف
سے باتیں کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ اور آج اس کا دوست آسمان بھی اس سے روٹھا روٹھا لگ رہا تھا۔ کچھ ناراض
دکھاتا۔

'اگر تنزیل کو پتہ چل جائے کہ میں نے جہانگیر ہمدانی کے ساتھ اُن کی جیولری پروڈکٹس کی ماڈلنگ کے لئے
ایگریمنٹ کر لیا ہے تو.......تو شاید وہ سونے کے بجائے میرا گلا دبانا زیادہ پسند کرے۔ اور ابو.......ابو نہ جانے کیا
نکالنے کے، مجھے زندہ اس گھر کے کسی کونے میں دفن کر دینا زیادہ بہتر سمجھیں۔'

'اور اس کے علاوہ میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔' اس نے سر اٹھا کر گہرا سانس لیا۔ آسمان بھی کیسا دھندلا رہا تھا۔
'کاش! میں نے تنزیل کی بات پہلے مان لی ہوتی۔ پہلے ہی اس جاب سے.......کتنا پہلے؟' کوئی اس کے اندر
جاتے ہی جہانگیر ہمدانی کی لش پش کرتی شخصیت اور ان کی چکا چوند کر دینے والی امارت، رہن سہن سے ایک
انسپائریشن کی دلدل میں دھنستی چلی گئیں۔ سب کچھ جانتے بوجھتے.......کاش میں لمحہ بھر کو رک کر کچھ سوچ لیتی تو آج
درست کہتا ہے۔ شاید انہوں نے یہ سب کچھ مجھے ٹریپ کرنے کے لئے.......اس لئے تنزیل کو بھی پھنسایا اور
خدا!.......تو میری نیت سے آگاہ ہے کہ پہلے بھلے میں شاید اس مصنوعی محبت کے جال میں آتے آتے بھٹکی تھی مگر

بیچارہ صرف اور صرف اپنے بھائی کے لئے، اپنے گھر والوں کے لئے ہی اٹھایا، جیسے .... جیسے کوئی خود کش حملہ آور اپنے جسم کو بارود کی نذر کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے گھر والوں کے لئے کوئی آسائش، کوئی بہتری کی ضمانت لیتا ہے، ایسے ہی میں .... اگر...... وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔

"اگر جہانگیر ہمدانی...... مجھ سے شادی کر لیں...... شادی کے بعد بھلے ماڈلنگ یا "جو بھی" کروانا چاہیں، میں ہنسی خوشی کر لوں گی انہوں نے خود اپنے منہ سے مجھے پرپوز کیا تھا۔ ہاں، میں ان سے یہ بات کہہ سکتی ہوں...... اور وہ مان بھی لیں گے۔ اس میڈم کو منانے سے پہلے اگر میں انہیں راضی کر لوں...... تباہی تو میری ہر دو صورتوں میں ہے، مگر اس طرح کم ہے کم...... میرے گھر والے، میرے شریف ماں باپ ایک حرام زندگی کا طعنہ سننے سے تو بچ جائیں گے۔ اور جہانگیر ہمدانی میں میری دلچسپی سے تو تنزیل بھی خوش ہی ایک خواہ مخواہ ہوگا تو ہوتا رہے۔ ایک آزاد زندگی تو جیے گا۔ اور آج کل سب طرف یہی تو ہو رہا ہے۔ خالی شرافت کے دام کون لگاتا ہے؟ ہر شخص تو برائے فروخت کا اشتہار بنا پھرتا ہے۔ اب یہ اپنا اپنا نصیب، کون کس قیمت پر بکتا ہے؟ اور ہمارے گھر کے مسائل...... مسائل نہیں، دلدل ہیں جن کا اس کے سوا اور کوئی حل نہیں...... اور ماڈلنگ کون سا برا پروفیشن ہے۔ لوگ مشہور ہونے کے لئے نہ جانے کیا کیا قیمت چکاتے ہیں۔ مجھے تو تھال میں سجا کر آفر کی گئی ہے، اور کیا چاہئے تھا مجھے۔ بس جہانگیر مان جائیں تو سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔"

یہ سوچتے اُس کا ذہن اس نئی سوچ کے ساتھ بالکل ہلکا پھلکا ہو گیا۔ یہ سوچ اسے اندھیری رات میں کسی جگنو کی طرح ملی تھی اور اسے اس جگنو کو اب اپنے پلو میں باندھنا ہی تھا ہر صورت...... وہ مصمم ارادہ کرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف

✲◉......◉✲

"آغا جان! میں نے آپ کے اکاؤنٹ میں کچھ رقم ٹرانسفر کروا دی ہے، آپ فون کر کے پتہ کر لیں۔"

"مجھے رقم کی نہیں، تمہاری ضرورت ہے اسامہ! تم سمجھتے کیوں نہیں؟" وہ جیسے عاجز آ کر بولے۔

"آغا جان! ابھی کچھ کما تو لوں۔ یہاں آتے ہی مجھے کون سی جاب مل جائے گی؟ آپ سنائیں، آپ کی صحت اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہی رہا ہوں۔" وہ بے دلی سے بولے۔

"کیا بات ہے آغا جان! کسی نے کچھ کہا ہے؟ مجھے لگتا ہے، آپ خوش نہیں ہیں یا کوئی مسئلہ ہے۔ پلیز مجھے بتائیں۔" وہ بے قرار ہو اٹھا۔ وہ کافی دیر سے محسوس کر رہا تھا کہ آغا جان کچھ کھوئے کھوئے، پریشان سے ہیں۔

"کچھ خاص نہیں، بس یونہی" انہوں نے پھر اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ نے ادھر آ کر غلطی کی ہے۔ کیا آپ ایسا فیل کر رہے ہیں؟ پہلے تو آپ مجھے اتنے ناخوش نہیں لگے۔"

"ہاں یہی سوچ رہا ہوں کہ میں نے ادھر آ کر غلطی کی۔ کم از کم وہاں تم تو تھے میرے پاس، یہاں تو...... یہاں تو میں اپنوں میں خود کو بے حد تنہا محسوس کر رہا ہوں۔ بس یار! آ جاؤ اب تم بھی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں رُک رُک کر بولے۔

"اچھا...... میں کوشش کرتا ہوں جلد آنے کی۔ اصل میں مصطفیٰ انکل کا بھی پروگرام ہے واپسی کا۔ مگر وہ کچھ پراجیکٹ مکمل کر رہے ہیں۔ انہوں نے کچھ ایسے مجھے اپنے ساتھ سیٹ کیا ہے اور کچھ ایسے مشکل وقت میں میرے کام آئے ہیں کہ یوں ان کو اکیلا چھوڑ چھاڑ کر آنا مناسب نہیں لگتا۔ میرا خیال ہے، آپ اُداس ہو گئے ہیں اور...... کچھ...... شاید فنانشل ...... وہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ میں اب ہر ماہ رقم ٹرانسفر کرواتا رہوں گا۔ آپ جہاں رہ رہے ہیں، ان کی تھوڑی ہیلپ کریں۔ میں چاہ رہا ہوں، کچھ اتنی رقم ہو جائے کہ آ کر گھر یا چھوٹا موٹا کوئی کام شروع کر سکوں۔ اب آپ ایک کام کریں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے چند لمحے رکا۔

"آپ کل صبح ہی دائم سے ملنے جائیں بلکہ دو چار دن اس کے ساتھ ہی رہیں میری جب بھی اس سے فون پر بات ہوتی ہے، وہ آپ کے نہ آنے کا گلہ کرتا ہے۔ آپ مجھ سے وعدہ کریں، کل آپ ضرور جائیں گے آپ کی طرح وہ بھی ادھر بالکل اکیلا ہے۔ ایڈریس تو میں نے پہلے آپ کو لکھوا رکھا ہے نا۔ جائیں گے کل آپ؟" وہ بصد اصرار کہہ رہا تھا۔

"ہاں، جاؤں گا۔ شاید اسی طرح کچھ جی بہل جائے۔ تم مجھے صحیح بتاؤ، تم کب تک آؤ گے؟...... دیکھو اسامہ! مجھے اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، اب دل کہتا ہے ایک بار تمہیں دیکھ لوں تو پھر......"

"پلیز آغا جان! یہ باتیں نہیں کرنی۔ ابھی آپ نے زندگی میں بہت سی خوشیاں دیکھنی ہیں، خاص طور پر میری۔ ہے نا؟" "ہم آ تو سہی، اہتمام تو کرو۔ شاید تقدیر نے کچھ خوشیاں دیکھنا لکھ رکھی ہوں، ورنہ تو اب تک میں خود خوشی جیسے پرندے کو ڈرا

کر خود سے دُور اُڑا تا رہا ہوں۔'' وہ افسردہ لہجے میں بولے۔

''اچھا، میں جلد آپ کو بتاؤں گا اپنے آنے کے بارے میں، بلکہ میں دائم سے بات کرتا ہوں۔ اگر میری کوشش
کام میں تو میں آجاتا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں اور اپنا خیال رکھیں۔ اللہ حافظ!'' وہ کہتے ہوئے فون رکھنے لگا۔

''اسامہ!........سنو میری بات۔'' ایک دم سے انہیں کچھ یاد آیا۔

''جی آغا جان!''

''میں نے جہانگیر ہمدانی کو دیکھا ہے اِدھر۔''

''کہاں........؟'' وہ بری طرح چونکا۔ ''کہاں دیکھا آپ نے؟''

''ادھر ہی روڈ پر۔ اور بدقسمتی سے میں اسے پکڑ نہیں سکا۔ وہ میری پہنچ سے دور تھا۔ سوچتا ہوں، پکڑ بھی لیتا تو اس کا
لیتا۔'' وہ رنجیدگی سے بولے۔

''کیں نہیں بگاڑ سکتے۔ میرے ہاتھ آجائے تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ہم اتنے بھی بے بس نہیں۔ اور آگے
یونہی رائیگاں جانے دیں؟ ہر گز نہیں۔ آپ نے مجھے بتا کر اور بھی بے چین کر دیا ہے۔ میں اب جلد آنے کی کوشش کرتا ہوں
آپ کسی بھی بات کو دل پر نہ لیں۔ میں ابھی دائم کو فون کر کے آپ کے آنے کے بارے میں بتاتا ہوں۔ اسے یہاں کا
وہ گاڑی میں آپ کو لینے آجائے گا۔''

''نہیں نہیں، میں خود چلا جاؤں گا۔ تم اسے زحمت نہ دو اور اپنا خیال رکھنا۔ تمہیں دیکھے جیسے زمانے بیت گئے ہیں
میں دیا۔'' بوجھل آواز میں کہتے ہوئے انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

''آغا جان! ناشتہ کر لیں آکر۔'' یاسمین اُترے ہوئے چہرے اور متورم آنکھیں لئے، شرمندہ سی ان کے پاس کھڑی تھی

''ابھی دل نہیں کر رہا بیٹا!'' وہ ان کے نادم چہرے کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولے۔

''سوری آغا جان! بہت شرمندہ ہوں میں آپ سے، رات احسن نے جو کچھ کہا۔ اصل میں اس بیماری نے انہیں
رنج کر دیا ہے کہ چڑچڑے پن میں انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کس سے بات کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں۔'' وہ ان
زانو بیٹھتے ہوئے شرمسار لہجے میں کہنے لگیں۔ ''ہم تو یہ سب سہنے کے عادی ہو گئے ہیں، مگر انہوں نے آپ کو بھی اس طرح
آپ ہمیں معاف کر دیں۔'' وہ ان کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولیں۔

''کیوں شرمندہ کرتی ہو بیٹی! احسن میرا بھی تو بیٹا ہے۔ وہ اگر اپنے بیٹے پر خفا ہو سکتا ہے اور اس کا بیٹا سر جھکا کر اس
سکتا ہے تو میں بھی اپنے بیٹے کا غصہ جھیل سکتا ہوں۔ تم کیوں شرمندہ کرتی ہو؟ جیسے میرا ویسے ہی بوجھل ہو رہا ہے، اس
دل نہیں کر رہا۔ ذرا ٹھہر کر کر لوں گا۔ تم جا کر باقیوں کو دو، بعد میں میرے لئے لے آنا۔ تنزیل اُٹھ گیا؟'' وہ بڑے
ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت سے بولے۔

''جی اُٹھ گیا ہے۔ آپ کی طرح اس کا بھی جی نہیں چاہ رہا ناشتے کو۔ بلکہ کوئی بھی نہیں کھا رہا۔ آپ اماں جان کے کمرے میں
جائیں، میں سب کے لئے وہیں ناشتہ بنا کر لے آتی ہوں۔ آپ کے کہنے پر سب کھا لیں گے۔ آپ اُٹھ کر آجائیں۔'' وہ
باہر نکل گئیں۔

''میرے کہنے پر سب کھا لیں گے۔'' وہ لبوں میں بڑبڑاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں ہنسے اور سر کرسی کی پشت
آنکھیں موند لیں۔

✿ ◉ ......◉ ✿
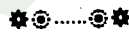
''مصطفیٰ! آپ میری پاکستان کے لئے ٹکٹ کنفرم کروا دیں۔ میں اسی ہفتے دائم کے پاس جانا چاہ رہی ہوں۔'' ناشتے
کے بعد آفس کے لئے نکلنے والے تھے کہ ڈاکٹر رخشندہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''مذاق کا یہ وقت نہیں ڈیئر! اور نہ ناراضی دکھانے کا۔ تمہیں منانے بیٹھ گیا تو آفس سے تو چھٹی سمجھو۔ پھر......'' وہ ہاتھ
کستے ہوئے سرسری لہجے میں بولے۔

''نہ یہ مذاق ہے، نہ ناراضی۔ مجھے جانا ہے دائم کے پاس۔''

''یکا یک، بلکہ رات بھر میں کیسی مامتا بے چین ہوئی ہے کہ تم نے اپنے بے چارے سرتاج سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا''
وہ جتاتے ہوئے بولے تو وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گئیں۔

''اور ابھی تازہ ترین اطلاعات کے مطابق چوبیس گھنٹے پیشتر تو تمہاری اپنے بیٹے سے ٹھیک ٹھاک قسم کی ناراضی چل رہی
قسم کی منقولہ و غیر منقولہ مدرشپ سے تم نے اعلانِ لاتعلقی بھی کر ڈالا تھا اور اب ایکا ایکی........ یار بیگم! اتنی جلدی تو گرگٹ

بے موسم کے تیور۔ اور آپ تو ہر کام میں اچھی خاصی مستقل مزاج واقع ہوئی ہیں۔ اپنی پارٹنر شپ کی مثال ہی لے لو۔" وہ اپنے پورے رنگ پر آ چکے تھے۔

"پلیز مصطفیٰ! کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کریں۔" وہ زچ ہو کر بولیں۔

"گویا ابھی بھی ہماری سنجیدگی پر شک ہے۔ آپ سے نبھا کے باوجود۔ بھئی اسامہ! تم ہی آ کر انصاف کرو یعنی ایسے ایسے جاں گسل مراحل سے خاتون کے ہمراہ بخیر و عافیت گزر آئے ہیں اور انہیں ہماری سنجیدگی پر شک ہے۔" وہ کمرے سے نکلتے، اسامہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولے تو ڈاکٹر رخشندہ جز بزسی ہو کر پہلو بدلنے لگیں۔

"کیا سمجھا نہیں؟" وہ چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"پاکستان جانا چاہتی ہوں، اسی ہفتے۔ سیٹ کنفرم کرانے کے لئے کہا ہے اور تمہارے انکل نہ جانے کیا کیا......" وہ بیزار سی ہو کر بولیں۔

"کہنے لگتے ہیں، ہے نا؟" وہ فوراً ان کی بات کاٹ کر بولے۔

"میں نے یہ کب کہا؟" وہ خائف سی بولیں۔

"کیا بات ہے آنٹی! خیریت تو ہے؟" اسامہ اس اچانک اطلاع پر کچھ چونک سا گیا۔

"بس یونہی، دل کچھ پریشان سا ہے، دائم کی طرف سے۔ اب آپ لوگوں کا تو پتہ نہیں، کب تک ارادہ ہے، ادھر سے جانے کا اور دائم میرے ہزار کہنے کے باوجود وہ آ رہا ہے۔ پتہ نہیں، کوئی بھی میری بات کو سنجیدگی سے نہیں لے رہا جیسے...... جیسے میں کوئی پاگل ہوں۔" کہتے کہتے ان کی آواز پھٹ سی گئی اور وہ ہاتھوں پر سر گرا کر ایک دم سے رونے لگیں۔ بہت دنوں کا غبار ان کے اندر جمع ہو رہا تھا۔ آج نہ جانے کیسے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ خود پر قابو نہ رکھ سکیں۔

"ارے...... ارے بیگم!...... حد ہو گئی بھئی۔ کیا بچکانہ پن ہے۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ کیا ہوا ہے، کسی نے کچھ کہہ دیا؟ یا میری کوئی بات بری لگی ہو تو سوری۔ پلیز، یوں روؤ مت۔" مصطفیٰ صاحب ایک دم سے گھبرا کر ان کی طرف بڑھے۔

"آنٹی! پلیز، حوصلہ کریں۔ کیا ہوا ہے؟ دائم یاد آ رہا ہے؟" اسامہ بھی ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہیں۔ ان کی سسکیاں بند ہو چکی تھیں، مگر آنسو اسی طرح بہہ رہے تھے۔ مصطفیٰ صاحب پریشانی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"اچھا چلو، میں آج ہی تمہارے جانے کا کچھ کرتا ہوں۔ تم حوصلہ رکھو۔ اور تمہاری بات ہم سنجیدگی سے نہیں لیں گے تو اور کس کی لیں گے۔ سوری، تمہیں میرا مذاق اچھا نہیں لگا۔" مصطفیٰ صاحب نے دوسری بار معذرت کی تو ڈاکٹر رخشندہ کو اپنے رویے کی زیادتی کا احساس ہوا تو ٹشو لے کر آنسو صاف کرنے لگیں۔

"نہیں، آپ کا مذاق تو برا نہیں لگا۔ اور آپ نے ایسا کچھ کہا بھی نہیں۔ بس یونہی، دائم کی طرف سے دل پریشان سا ہے۔ میں اس کے پاس فوراً جانا چاہتی ہوں۔" انہوں نے چہرہ صاف کرتے ہوئے نارمل لہجے میں کہا تو مصطفیٰ صاحب مطمئن سے ہو کر، کرسی کھینچ کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔

"یہ ہوئی نا بہادر بیوی والی بات۔ اوکے، آپ کی پریشانی کا آج ہی علاج کرتے ہیں۔ دونوں چلتے ہیں اکٹھے، تمہارے لئے ٹکٹ اور سیٹ بک کرانے کے لئے اور پھر سارا دن اکٹھے گزارتے ہیں۔ بھئی، آج یہ آفس وغیرہ کا ٹنٹا تم سنبھال لینا۔ آج ہم بیوی کا "جی" سنبھالنا ہے۔ سنبھل گیا تو شام سے پہلے ایک چکر لگا لیں گے۔" وہ شرارت سے بولے تو اسامہ مسکرا کر، سر ہلاتا نکل گیا۔

"کتنی مثالی محبت ہے دونوں میاں بیوی میں۔ وہ بھی اس عمر میں ایسی رفاقت کم ہی دیکھنے میں آتی ہے......" وہ ابھی یہیں تک سوچ پایا تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔

انابیہ کا نمبر تھا۔ اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی، ورنہ وہ تو اب سمجھ بیٹھا تھا کہ وہ اسے فراموش کر چکی ہے۔

"آج کا کیا پروگرام ہے؟ آج کہیں؟" چھوٹتے ہی اس نے سلام دعا کے بعد کہا تو وہ دوسری بار حیران ہوا۔

"آج تو یار! مشکل ہے۔ انکل آج آفس نہیں جا رہے تو مجھے ہی سارا دن بیٹھنا پڑے گا۔" وہ مجبور سے لہجے میں بولا۔

"اوکے، ایز یو وش۔ ڈنر تک تو فارغ ہو جاؤ گے؟" وہ بڑے آرام سے بولی تو اس کی حیرت دوچند ہو گئی۔

"ہاں، اس وقت تو ہو جاؤں گا۔ اوکے، پھر ڈنر پر ملتے ہیں۔ اس روز میں نے فون کیا، تم گھر پہ نہیں تھیں۔ فاخرہ بتا رہی تھی، تمہاری مام کہیں گئی ہیں، چلی گئیں کیا؟"

"ہاں۔ اوکے، شام کو ملتے ہیں۔ بائے!" اس نے ٹالنے والے انداز میں کہہ کر لائن منقطع کر دی۔ اسامہ کندھے اچکاتا آگے بڑھ گیا۔

٭٭......٭٭
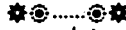
''کیا بات ہے، تم میرا فون کیوں نہیں اٹینڈ کر رہیں؟'' مسلسل بجتے ہوئے سیل فون کی بیپ نے اس کی ساری محویت
برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ بیچ میں کئی بار سیل آف بھی کر چکی تھی۔

''یہ میں نے کیا مصبت پال لی ہے۔'' اس نے کئی بار جھلا کر سیل کو بیڈ پر پٹخا تھا اور اب......اب جیسے اس کے اندر
غبار، حلق تک آنے کو تھا۔ کتابیں ایک جھٹکے سے پرے کرتے ہوئے وہ سیل ہاتھ میں لے کر اس کرسی پر بیٹھ گئی، جو لان کی طرف
تھی۔

''اٹینڈ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی، اس لئے۔'' اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''کیا کوئی پرابلم ہے گھر میں؟'' کرنٹ کی طرح اس سوال نے اسے چھوا تھا۔

آج تک وہ کوئی بھی بیسٹ فرینڈ کیوں نہ بنا سکی کہ وہ بیسٹ فرینڈ ایک نہ ایک دن اس کے گھر کے مسائل کو جاننے کے لئے اس
سے یہ سوال کرے گی اور وہ کوئی بھی ٹھوس بہانہ نہ گھڑ سکے گی۔ اس کے ماں باپ کے آئے دن کے جھگڑے اُس کی بچپن سے لے کر اب تک کی
دنوں میں یادرفتہ بننے پر مجبور کر دیتے ہیں، اس لئے اس نے دل کو یہ روگ لگایا ہی نہیں۔ اور یہ..... جمعہ جمعہ آٹھ دن کی دوستی میں
اوراس سے گھریلو پرابلمز پوچھ رہا تھا، وہ سلگ کر رہ گئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں کہ میں ہر وقت کسی گھریلو مسئلے میں اُلجھی رہوں۔ اور سوری، یہ دوستی ووستی میں نہیں نبھا سکتی۔ میرے پاس
نہ تو اتنا فالتو ٹائم ہے، نہ اتنی گوسپ کہ بیٹھی گپ لڑاتی رہوں۔ آپ پلیز آئندہ مجھے فون نہیں کیجئے گا۔ یوں بھی میرا فائنل سمسٹر شروع
ہونے کو ہے۔ میں بالکل نہ فون کر سکوں گی، نہ سن سکوں گی، اس لئے معذرت۔ امید ہے، مائنڈ نہیں کریں گے آپ۔'' ایک سانس میں
''میرے مائنڈ کرنے کا اتنا خیال ہے محترمہ! تو کیا آپ کو احساس ہے، آپ کے اس روکھے پتھر پھاڑ رویے کا کسی کے
دماغ انسان پر کیا اثر ہوگا، جسے ابھی محض چند ہی دن پہلے آپ نے نئی نویلی، بے لوث دوستی کے بندھن میں جکڑا اور اب
فریق کی رائے جانے بغیر گڈ بائے کہتے ہوئے اگلی گاڑی میں سوار ہونے کو پر تول رہی ہیں۔''

وہ اس کے فون بند کرنے کے خیال ہی سے ہراساں ہو کر بے سوچے سمجھے بولتا چلا گیا۔

''وہاٹ ڈو یُو مین؟........ میں دوستیاں بدلنے کی عادی ہوں؟ آپ سے پیچھا چھڑا کر کسی اور سے......شٹ اپ۔ آپ
نے مجھے سمجھا کیا ہے؟........ کیا سمجھا ہے مجھے؟'' وہ جیسے غصے میں پاگل ہونے لگی۔ ''آئندہ مجھے فون کیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا
اور یہ مت سمجھئے گا، مجھے اس میگزین کی فوٹو کی دھمکی دے کر بلیک میل کر لیں گے۔ میں اپنے پیرنٹس کو سب کچھ پہلے ہی بتا دوں گی،
سو آئندہ مجھے فون کرنے کی زحمت مت کیجئے گا، ورنہ منہ کی کھائیں گے۔'' زور زور سے بولتے ہوئے اس نے سیل آف کر دیا۔

''اب مجھے اس کی سم بھی بدلنی پڑے گی۔ حد ہوگئی، گھٹیا انسان۔ یعنی میں دوستیاں کرتی پھرتی ہوں، بھانت بھانت کے لوگوں
سے۔ ایسا گھٹیا سمجھا اس نے مجھے۔ حد ہوگئی۔ کیا ہوگیا ہے، لوگوں کے دماغ ہی خراب ہوگئے ہیں۔ ہر کوئی ایک ہی ٹریک پر
رہا ہے۔ جیسے........ جیسے میں نے پتہ نہیں، کیا کر ڈالا ہو۔'' وہ تیز تیز بولتے ہوئے کمرے میں ٹہلے جا رہی تھی۔ اسی وقت دروازے
پر دستک ہوئی۔ وہ ایک دم سے جیسے ہوش میں آ گئی۔

''یس!'' اپنے چہرے اور بالوں کو سہلاتے ہوئے اس نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

محمود عالم آہستگی سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئے۔ وہ بے اختیار ٹھٹکی۔ وہ بہت کم اس کے کمرے میں خود آتے تھے۔
وہ زرد چہرہ لئے اس قدر حیران سی انہیں دیکھتی رہ گئی کہ سلام کرنا بھی بھول گئی۔

''کیا بات ہے، میرے بیٹے کو کوئی پریشانی ہے؟'' وہ خلاف معمول اچھے موڈ میں تھے۔

'چہ، خوب۔ دونوں میاں بیوی بھی خوب ہیں۔ اپنا موڈ اچھا ہو تو کسی کو گھاس ڈالتے، ورنہ لات رسید کرتے ہیں۔' وہ بڑبڑا کر رہ
گئی۔

''نو پاپا! آئی ایم فائن۔'' وہ جبراً مسکرائی۔

''تو کیا ہو رہا تھا؟'' انہوں نے سرسری سی نگاہ اس کے کمرے میں دوڑائی۔ سرسراتی نگاہ، بیڈ کے بیچوں بیچ پڑے سیل پر جا
رکی۔ صد شکر، وہ اسے آف کر چکی تھی۔

''لگتا ہے، پڑھائی کا موڈ نہیں آج۔'' انہوں نے اسی ملائم لہجے میں کہا تو وہ آہستگی سے کندھے اچکا کر مسکرا دی۔

''او کے، چلو پھر کہیں باہر آؤٹنگ پر چلتے ہیں۔ آج ڈنر باہر ہی کریں گے۔ اپنی ماما کو دیکھو، اگر وہ تیار ہوں تو انہیں بھی ساتھ
لے لیں۔'' ان کی بات پر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

''پاپا! آپ ٹھیک تو ہیں؟'' وہ تشویش بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیا میری ذہنی حالت پر شک ہو رہا ہے؟" وہ ایک دم سے اس کی آنکھوں کی تحریر کو پڑھتے ہوئے ہنس کر بولے۔
"پاپا! ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ شرمندہ سی ہوئی۔
"تو جاؤ، پھر ماما کو بلا لاؤ۔ میں لان ہی میں ہوں۔" وہ باہر کی طرف مڑے۔
"پاپا! وہ......" وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے ان کے پیچھے لپکی۔
"ہاں، کیا؟" وہ مڑے۔
"آپ ماما سے خود کہہ دیں، میں ذرا چینج کر لوں۔" وہ فوراً بات بدل کر آہستگی سے بولی اور ذرا خوف زدہ سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی کہ ناراض تو نہیں ہو گئے۔
"اوکے، آپ تیار ہوں۔ ہم آپ کا ویٹ کرتے ہیں۔" وہ ان کی بات سن کر گرتے گرتے بچی۔
اور جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو دوسرا ہے ہوش کر دینے والا منظر سامنے تھا۔
دونوں میاں بیوی محمود عالم اور سارہ عالم بالکل تیار، خوشبوئیں بکھیرتے لان کی باؤنڈری کے پاس باتیں کرتے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ سارہ نے ڈارک بلیو اور بلیک کنٹراسٹ کا ریشمی سوٹ پہن رکھا تھا اور محمود عالم ڈارک بلیو ڈنر سوٹ میں کتنے شاندار لگ رہے تھے کہ وہ نظر بھر کر انہیں دیکھ بھی نہ سکی۔
اگر یہ پہلے دن سے اسی طرح باہمی یگانگت اور محبت بھرے انداز میں رہتے تو......کیا برا تھا؟ آپ کے باہمی جھگڑوں اور لڑائی نے مجھے کس طرح سے باغی کر دیا ہے۔ کہ اب آپ دونوں سے متعلق کوئی بھی خوش کن منظر مجھے خوش نہیں کرتا۔'
وہ بجھے ہوئے دل کے ساتھ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ وہ دونوں پہلے ہی فرنٹ سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔
"کیا بات ہے عزہ! ہماری بیٹی اتنی چپ چپ کیوں ہے؟" راستے میں وہ دونوں ہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، وہ مسلسل چپ تھی۔ وہ اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے بولے۔ سارہ نے ایک بیگانی سی نگاہ اس کے بجھے ہوئے چہرے پر ڈالی اور نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ اسے دکھ سا ہوا۔
'ماما کو میری پرواہ نہیں کہ میں ناراض ہوں۔' اس کے حلق میں گولا سا پھنسا۔
"نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی تو دوبارہ انہوں نے کچھ نہیں پوچھا۔
اسے حیرت کا تیسرا جھٹکا اس وقت لگا، جب ہوٹل میں داخل ہوتے ہی محمود عالم ان دونوں کو لے کر جس ٹیبل کی طرف بڑھے، پہلے سے کوئی موجود تھا۔
دائم مصطفیٰ جگمگاتے چہرے پر بڑی دل فریب مسکراہٹ لئے ان کے استقبال کو کھڑا ہوا تھا۔
عزہ کا بے اختیار جی چاہا، وہ سارے مینرز، ایٹی کیٹس پر دو حرف بھیجتے ہوئے وہاں سے بھاگ جائے۔
"تو بھئی، آج ہم نے اپنا وعدہ ایفا کر دیا۔ اب آپ کی باری ہے اپنا وعدہ نبھانے کی، اپنے پیرنٹس کو پاکستان کھینچ کر لانے کی۔" وہ ہنس کر دائم سے مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔ عزہ کی طرح سارہ کے چہرے کے تاثرات بھی کچھ اتنے خوشگوار نہیں رہے تھے۔

"عزہ سے تو تمہارا تعارف ہو ہی چکا ہے، یہ میری مسز سارہ عالم ہیں۔" محمود عالم تعارف کرا رہے تھے۔
"السلام علیکم آنٹی! آئی ایم گلیڈ ٹو میٹ یو۔" وہ گرمجوشی سے کہتے ہوئے ان کی طرف ذرا سا جھکا اور کن انکھیوں سے عزہ کے بے موڈ کا جائزہ لیا۔
"وعلیکم السلام۔" سارہ روکھے لہجے میں کہتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔
اور پھر کھانے کے دوران ہی انہیں کچھ یاد آیا۔
انہوں نے بغور سامنے بیٹھے ہنستے مسکراتے اس فریش چہرے کی طرف دیکھا۔
'اوہ......یہ تو وہی ہے، جو اس دن عزہ کے ساتھ کینٹین میں......' اُن کی اُلجھن رفع ہو گئی، جو وہ دائم کا چہرہ دیکھتے ہی محسوس کرنے لگی تھیں۔
ان کی دوسری نگاہ عزہ کے بجھے ہوئے چہرے پر پڑی۔
'یہ سب کس کا پلان ہو سکتا ہے؟......کم از کم عزہ کا نہیں۔ ورنہ وہ یوں پریشان نہ کرتی۔ محمود عالم......ہاں، وہی مجھے نیچا دکھانا چاہتا ہے، اپنی پسند کے لوگوں کو اپنی زندگی میں رکھ کر۔ اور محمود کے رویّے سے لگ رہا ہے، اس نے مجھے مشورے کے قابل بھی نہیں سمجھا اور خود ہی جیسے سب کچھ طے کر ڈالا ہو۔ کیا عزہ بھی اس میں شامل ہے؟'
سوال و جواب میں وہ کھانا کھانا بھی بھول گئیں۔ وہ پھر سے عزہ کی طرف دیکھنے لگیں، جس کے چہرے پر سوائے بیزاری اور کوفت

کے کچھ نہیں تھا۔

''کیا بات ہے، تم کھانا نہیں کھا رہیں؟'' محمود عالم نے بڑے میٹھے انداز میں انہیں ٹوکا تو وہ دل ہی دل میں کھولتی پلیٹ پر جھک گئیں۔

'زندگی کے اس موڑ پر میں تمہیں من مانی نہیں کرنے دوں گی محمود عالم!' وہ دل میں خود سے عہد کر رہی تھیں۔

❁......❁

''کیا بات ہے........ اتنی چپ چپ کیوں ہو؟'' وہ کھانے کے دوران بھی مسلسل چپ تھی، وہی بولتا تھا۔

''نہیں، بس یونہی۔'' اس نے تھکے تھکے مضمحل انداز میں کرسی کی بیک سے سر ٹکایا۔

''کافی منگواؤں؟''

''بلیک کافی۔'' چند لمحوں بعد وہ ویٹر کو آرڈر کرنے لگا۔

''بہت اکیلا، خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں میں آج کل۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد وہ بولی۔ ڈائننگ ہال ناک ماحول میں آرکسٹرا کی دھیمی موسیقی کے ساتھ پورے ہال میں انواع و اقسام کے کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں پھر تھیں۔

''آج کل تمہاری مام آئی ہوئی ہیں، اس کے باوجود بھی؟'' اسامہ نے اس کے اداس اور پژمردہ چہرے کو دیکھا۔

''مام........ ہونہہ........'' وہ اپنے بلاؤز کے بٹنوں سے کھیلنے لگی۔ ''پتہ نہیں اسامہ! کیوں، آج کل مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ وہ میری رئیل مدر نہیں ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' وہ اس کی کیفیت کی وجہ سمجھ گیا۔

''جس طرح سے انہوں نے ساری زندگی مجھے خود سے دور، بالکل الگ کاٹ کر پھینکے رکھا اور اب بھی........ جب دوسری بار جنم لیا ہے اور میں صرف اور صرف ان کی قربت کی طلب گار ہوں، وہ پھر بھی مجھے خود سے دور رکھنے پر مُصر ہیں، نتیجہ نکلتا ہے؟''

''کم از کم یہ تو نہیں کہ وہ تمہاری رئیل مدر نہیں۔ جبکہ وہ تمہاری ذرا سی پریشانی پر بھاگی چلی آئی ہیں اور ضرورت........''

''پلیز، ضرورتوں کا نام مت لینا۔ مجھے ان کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں نہ وہ یہ بات سمجھتی ہیں، نہ کوئی دوسرا۔ اور کوشش ذرا سی پریشانی تو نہیں۔''

''اچھا بھئی، بڑا تاریخی یادگار واقعہ ہے۔ چھوڑو، ہوگی ان کی کوئی مجبوری تمہیں خود سے دور رکھنے کی۔ تم کیوں خوا سوچ کر خود کو ہلکان کرتی ہو؟ ان کی دی ہوئی سہولتوں سے فائدہ اٹھاؤ، لائف انجوائے کرو اور بس۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بو

''میں نہ تو ان سہولتوں سے فائدہ اٹھا سکتی ہوں، نہ ایسی بے نام لائف انجوائے کرنا چاہتی ہوں، جس میں مجھے اپنے علم نہ ہو۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

''کیا مطلب؟''

''میں نے اپنے فادر کے بارے میں پوچھا اور ان کا رویہ........ اسامہ! کوئی جاہل عورت بھی اس طرح ری ایکٹ نہیں جس طرح انہوں نے........ اُف........ میرا سوچ سوچ کر دماغ پکنے لگا ہے۔'' وہ بے اختیار اپنی کنپٹیاں دبانے لگی۔

''تم نے ان سے کیا کہا تھا؟''

''ماں باپ نہ رکھنا چاہتی ہو، باپ کے نام و مقام کا علم نہ ہو تو مجھ جیسی اولاد اور کیا اخذ کرے گی بھلا؟'' وہ ڈھکے چھپے بولی۔ مگر اسامہ کو سمجھنے میں کچھ دیر نہ لگی۔

''تم نے آنٹی سے یہ کہا؟''

''آف کورس۔''

''تو ان کا ری ایکشن یقینی تھا۔ ایسی بات سن کر کوئی بھی ماں اسی طرح کا رویہ اختیار کرے گی، نہ کہ تمہیں چومے چاٹے گی'' قدرے ناگواری سے بولا۔

''تو یہ میرے شک کو یقین میں بدلنے والی بات ہوئی نا پھر۔'' وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

''کیوں اپنی اور ان کی زندگی کو مشکل بنا رہی ہو؟''

''وہ میری زندگی کو مشکل بنا رہی ہیں۔''

"کیا پتہ اُن کی کوئی مجبوری ہو، جس کی وجہ سے........"

"اسٹاپ اٹ۔ مجبوری، مجبوری سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔ مگر وہ مجھ سے یہ مجبوری شیئر کرنے کو تیار نہیں۔ کیا میں کوئی ننھی بچی ہوں، جو مجھ سے کچھ بھی شیئر نہیں کرنا چاہتیں؟"

"خدا معلوم، وہ کیسی مجبوری ہو کہ تم پھر سنتے ہی کون سی حد پار کر جاؤ، تمہارا کیا پتہ۔" ویٹر کافی سرو کرنے لگا۔

"مجھے لگتا ہے......" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"اب کیا لگتا ہے؟" وہ جیسے تنگ آ کر بولا۔

"میری ام......کوئی اچھا کام نہیں کر رہیں۔" وہ رک رک کر بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوا۔

"وہ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں، انہیں ڈر ہے۔" وہ رکی۔

"کیا؟"

"ان کی ذات پر پڑا کوئی پردہ نہ اُٹھ جائے اور......اور میں ان کی اصلیت نہ جان لوں۔"

"مائی گاڈ......لائبہ! تم بہت خطرناک ہو۔" اسامہ حقیقتاً اس کے خیالات جان کر ششدر رہ گیا تھا۔

"نہیں، دیکھنا تم، یہی بات ہے۔" وہ یقین سے بولی۔

"تمہارے اندر زیرو زیرو سیون، جیمز بانڈ کی کوئی باقیات تو حلول نہیں کر گئیں؟"

"چلو، یہی سمجھ لو۔" وہ پہلی بار مسکرائی۔

"کیا مطلب، سمجھ لوں؟ تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟" وہ اس مسکراہٹ پر چونکا۔

"میں ام کی ذات اور زندگی پر پڑا پردہ ہٹا کر رہوں گی۔"

"مطلب، تم ان کے ساتھ جا رہی ہو؟"

"جا تو رہی ہوں، مگر ان کے ساتھ نہیں۔"

"یار! کیوں میرا بھیجا پلپلا کر رہی ہو؟ ایک ہی بار ساری بات بتا دو۔" اسامہ عاجز آ کر بولا۔

"میں پاکستان جا رہی ہوں۔" اس نے گویا انکشاف کیا۔

"مگر، ام کے ساتھ؟"

"نہیں، اکیلی۔"

"مگر وہ تو یہاں ہیں۔"

"احمق! اب وہ چلی جائیں گی۔ وہ کل جا رہی ہیں اور میں اگلے ہفتے کسی بھی دن۔"

"تو......پھر تو مسئلہ حل ہو گیا۔ بلکہ دو مسئلے حل ہو گئے۔" وہ چٹکی بجا کر بولا۔

"کیا مطلب، کیسے مسئلے؟"

"رخشندہ آنٹی کو بھی آج کل الہام ہوا ہے کہ انہیں اسی ہفتے یا دو چار دنوں میں پاکستان جانا چاہئے۔ اب تم دونوں اکٹھا چلی جانا، میں ابھی جا کر ان سے ذکر کرتا ہوں۔"

لائبہ اسے گھورنے لگی۔

"اب گھور کیا رہی ہو؟"

"تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے؟"

"مجھے پکڑنا۔ میں گرا۔" اس نے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی تو وہ ہنس پڑی۔

"پتہ نہیں کیوں، کچھ بھی کرنے کا ارادہ کرتی ہوں تو تمہارے بغیر سوچ کر عجیب سا لگتا ہے۔"

"اب تو میں واقعی گیا۔" وہ ایک طرف لڑھکا۔

"اچھا بس کرو، سب دیکھ رہے ہیں۔ اور ذرا سنجیدہ ہو جاؤ اور مجھے بتاؤ، تم اس معاملے میں میری کیا ہیلپ کر سکتے ہو؟ یعنی پاکستان جانے کے سلسلے میں؟"

"بتا تو دیا ہے، رخشندہ آنٹی کو ساتھ کر دیتا ہوں۔ ایک سے دو بھلے۔"

"کیا میرا جانا ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے یا غلط، یہ اب تم سوچو۔ فیصلہ تو تم ہی نے کرنا ہے۔ تم مشورہ تو سنو گی، مگر کرو گی اپنے دل کی۔ تو پھر سمجھانے کا

فائدہ؟'' اسامہ نے صفائی سے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

✱◉......◉✱

ریسٹورنٹ سے باہر نکلتے ہوئے میڈم یاقوت بری طرح سے تھکی تھیں۔
سیکنڈ گلاس ڈور دھکیل کر جو کپل ابھی اندر گیا تھا، وہ انہیں ساکت کرنے کے لئے کافی تھا۔
'ڈاکٹر رخشندہ کے ساتھ یہ کون تھا؟' ان کا وجدان کہیں محوِ پرواز تھا۔
''مصطفیٰ! اب جانے بھی دیں۔'' اندر جاتے ہوئے ڈاکٹر رخشندہ کی فریش آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔
''یہ مصطفیٰ ہے......اس سے ملو۔'' دور کہیں سے، بہت دور سے آتی صدا اُن کے کانوں میں اُتری تھی۔
دونوں ہاتھوں میں پکڑے بڑے بڑے شاپنگ بیگز آہستگی سے ان کے ہاتھ سے پھسل گئے۔ اور وہ اسی ملا
بہت دور نکل گئی تھیں۔

✱◉......◉✱

''سر! پلیز، آپ میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کریں۔'' وہ التجا کرتے ہوئے اب رو دینے کو تھی۔ وہ اس کے سامنے
بیٹھے، سگار کے کش لے رہے تھے۔ یوں جیسے یہ ساری کتھا اس نے انہیں نہیں، کسی اور کو سنائی تھی۔
''یہ زیادہ بہتر نہ ہوتا کہ تم ایگریمنٹ کے مطابق میری مجبوری سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتیں۔'' ایک
کے بعد دھواں اس کے چہرے کی طرف اُڑاتے ہوئے انہوں نے اسی بے نیاز ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا تھا۔
''سر! میں ایگریمنٹ سے کب انکار کر رہی ہوں؟ میں تیار ہوں مگر......اور یہ تو آپ نے خود ہی پہلے مجھ
تو......''
وہ ٹوٹ ٹوٹ کر جو کچھ بھی کہہ رہی تھی، یہ بھی اس کے نزدیک ایک بہادرانہ عمل تھا۔ ورنہ جس طبقے سے وہ تعلق رکھتی تھی
منہ سے خود اپنے لئے شادی کا اصرار کرنا معیوب ہی نہیں، بے شرمی کی آخری حد بھی سمجھا جاتا تھا۔
''دیکھو، اس سے بھلا کیا فرق پڑے گا؟ کام تو پھر بھی تمہیں یہی کرنا پڑے گا۔ مجھے تمہارا یہ فضول اصرار سمجھ میں نہ
ان کے لہجے ہی نہیں، انداز میں بھی اچھی خاصی بے زاری اُمڈ آئی تھی۔ سامنے بیٹھی، رونی صورت بنائے تانیہ اپنے
لئے اصرار کرتی ایک دم سے بے کشش سی دکھنے لگی تھی۔
'یہ میری ایگزی بیشن کے لئے پرفیکٹ ہے بھی یا نہیں؟' انہیں یکا یک اس کی صورت سے سارا غیر معمولی پن غائب
تھا۔ وہ از سرِ نو اپنی چوائس کو ناقدانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
''سر! بے شک آپ کو فرق نہ پڑتا ہو، مگر میرے لئے یہ بہت بڑی ڈھارس، بہت بڑا اسکیورٹی گارڈ ہوگا۔ میرے
سر! ان کی عزت، ان کی شرافت کو میں اس بزنس، میرج ڈیل جو بھی آپ کہیں، اس کی ڈھال سے محفوظ رکھ لوں گی
گے۔ ان کے پندار، ان کی شرافت......'' وہ سوچے سمجھے بغیر اپنے دلی جذبات کو زبان دینے کی کوشش میں بے ربط
تھی۔
''اوہ، ربش! یہ سب پسماندہ ذہنیت کی بے کار سوچیں ہیں۔ شرافت، عزت، نیک نامی، حیا، وفاداری اور نہ
ایبسٹریکٹ ٹرمز جن کا کوئی مادی وجود نہیں ہوتا، ان کو بچانے کی فضول کوشش میں ہم زندہ انسانوں کی بنیادی ضرورتوں
پھیر سکتے۔ اور مائی ڈارلنگ! انسانوں کی بنیادی ضرورت صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے پیسہ......کل جب تم
ماہ کی فیشن پریڈز سے ڈھیروں ڈھیر پیسہ کما کر ان کا گھر، ان کی جھولیاں بھر دو گی تو پھر یہ نام نہاد عزت، شرافت کی لغا
کے منہ خود بخود بند ہو جائیں گے۔ کوئی تم سے پوچھے گا بھی نہیں، تم نے یہ نوٹ کہاں سے کمائے اور کیسے کمائے۔ ان
میں یہ طاقت نہیں، اس لئے تمہیں اس کے طلسم، اس کے سحر کا کچھ اندازہ نہیں۔ دنیا کی ہر شرافت کا منہ بڑے سے
سے بند کر سکتا ہے۔ تم میری اس بات کو آزما کر دیکھ لو۔ محض پہلے ٹرائل میں ہی تمہارے یہ سارے خدشے منہ کے بل آ گ
وہ اب پوری تن دہی سے اسے سمجھانے میں لگے ہوئے تھے۔ اس از سرِ نو ناقدانہ جائزے نے انہیں بتا دیا تھا
عام صورت نہیں کہ ان کی ایگزی بیشن کے لئے پرفیکٹ نہ ہو۔ 'شی از پرفیکٹلی سوٹ ایبل۔' ان کے دل نے پکار کر کہا تھا
''میں آپ کی ہر بات سے ایگری کرتی ہوں۔ کچھ بھی آپ غلط نہیں کہہ رہے۔ مگر میری بات ماننے میں کیا حرج
لئے اگر آپ مجھے ایک بھی ٹھوس دلیل دے دیں تو شاید میں قائل ہو جاؤں۔'' وہ بھی اسی نقطے پر اڑی ہوئی تھی۔
''یہ سب جو میں نے تم سے کہا، کیا تمہارے نزدیک ٹھوس دلیلیں نہیں؟'' وہ کچھ جھلا کر بولے۔
''اس میں آپ نے ایک بھی ایسی بات نہیں کہی کہ آپ کس وجہ سے مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے جبکہ......مجھ

پیار کر چکے ہیں۔"

اس کی بات پر جہانگیر ہمدانی کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ اپنا سر پیٹ لیں، کس ہٹ دھرم لڑکی سے پالا پڑا تھا اور غضب یہ کہ وہ اسے پھنسانے کے چکر میں اظہار محبت بھی کر چکے ہیں اور اب اس سے پھرنا یا اس سرپھری لڑکی کا دماغ کسی اور سمت پھیرنا انہیں مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی لگ رہا تھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں نا، مجھے تم سے محبت سے انکار نہیں۔ اور شادی بھی میں تم ہی سے کرنا چاہوں گا۔ مگر جب تک یہ ایگزی بیشن اور میرے خاص پراجیکٹ مکمل نہیں ہو جاتے۔ اور پلیز، اب یہ تم بچوں کی طرح ضد کرنا چھوڑو۔ آج میڈم یاقوت کی واپسی ہے، انہوں نے آتے ہی شور مچا دینا ہے کہ ایگزی بیشن کے لیے ابھی کوئی بھی تیاری شروع نہیں کی گئی۔ ہم اس مسئلے پر پھر فرصت میں بیٹھ کر ڈسکشن کر سکتے ہیں۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں کہہ کر اٹھتے ہوئے بولے۔

ثانیہ نے بے اختیار ان کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر ان پر اپنا چہرہ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

یہ لنچ آورز تھے۔ وہ دونوں لنچ کر چکے تھے اور ان کی ٹیبل اگرچہ بالکل ہال کے آخری کونے میں تھی اور ارد گرد کی کئی ٹیبلز خالی تھیں مگر اس کے باوجود ہال خالی نہیں تھا۔ کئی ٹیبلز پر لوگ بیٹھے تھے۔ ویٹر آ جا رہے تھے اور تو اور کاؤنٹر منیجر ادھر اُدھر پھر رہا تھا۔

"ثانیہ! ہوش میں آؤ۔ کیا کر رہی ہو؟" وہ جھلا کر بولے اور اپنے بھیگتے ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگے، جنہیں وہ پوری قوت سے جکڑے بیٹھی تھی۔

"آپ جب تک میری بات نہیں مانیں گے، میں یہاں سے نہیں ہلوں گی اور نہ آپ کو جانے دوں گی۔" وہ کسی چھوٹی ضدی بچی کی طرح روتے ہوئے سر اٹھائے بغیر بولی تھی۔

"تم پاگل تو نہیں ہو؟ ایسے معاملات اس طرح زور زبردستی سے گن پوائنٹ کے زور پر منوائے جاتے ہیں بھلا؟ چھوڑو مجھے اور اٹھو یہاں سے۔ کہا ہے نا، پھر بات کریں گے۔" وہ سخت کوفت، بے زاری اور جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہے تھے۔ پورا زور لگا کر بھی اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑانے میں ناکام رہے تھے، جو اس کے آنسوؤں سے مکمل طور پر بھیگ چکے تھے۔

"اگر یہ پاگل پن ہے تو ہو۔ اگر یہ زور زبردستی ہے تو ہو۔ مگر آپ کو میری بات ماننا پڑے گی۔ میں آپ سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتی ہوں اور میں اس محبت کو اپنے گھر والوں کی نفرت کا شکار نہیں ہونے دوں گی۔ آپ کو آج اور ابھی اسی وقت فیصلہ کرنا ہو گا۔"

اس نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھا کر قطعی انداز میں کہا۔ جہانگیر ہمدانی کو پہلی بار اس کے بھیگے چہرے، سرخ ڈوروں والی متورم آنکھوں اور سرخ ہوتی ناک کی پھننگ اور سرخ و سفید چہرے کی چمکیلی رنگت نے ڈسٹرب کیا تھا۔ وہ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکے تھے۔ ان سرخ ڈوروں میں انہیں اپنا زخمی دل جکڑتا ہوا محسوس ہوا، جس سے وہ خود کو فوری طور پر چھڑا نہیں سکے تھے۔ ان کے ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھوں میں تھے اور انہوں نے اپنے ہاتھ چھڑانے کی سعی ترک کر دی تھی۔ اس کے آنسو بلا روک ٹوک بہے چلے جا رہے تھے۔ وہ جو کسی بھی "صورت" ہاں نہ کرنے کا ارادہ کر کے آئے تھے، خود کو ڈانواڈول محسوس کرنے لگے۔ انہیں لگا، ان کے سارے گھناؤنے ارادے اس لڑکی کے شفاف، بے ریا آنسوؤں میں کہیں بہہ گئے ہیں۔

'کیا وہ اس کے ساتھ بھی بہت برا کر سکیں گے؟......اور اگر اس سے شادی بھی کر لی، تو جہانگیر میاں! بہت مشکل ہو جائے گی۔ سوچ لو اچھی طرح۔' کوئی اندر ہی اندر انہیں آنکھیں دکھاتا، ان کی پسپائی کا اعلان کرتا انہیں خبردار بھی کیے جا رہا تھا۔

"ثانیہ! یہ سب ایسے نہیں ہوتا۔ پلیز، سمجھنے کی کوشش کرو۔" انہوں نے آخری بار شکست خوردہ سے لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"صحیح تو وہ نہیں ہے جو میں کرنے جا رہی ہوں، جس عہد کا میں نے خود کو پابند کیا ہے۔ صحیح تو وہ نہیں ہے۔ میں تو اب صرف اس عہد کو تھوڑا سا لیگل کرنا چاہ رہی ہوں اور بس۔ کم سے کم میری مکمل تباہی سے پہلے آپ میری یہ بے ضرر سی خواہش تو ضرور پوری کریں گے۔ خواہ یہ پیپر میرج ہی کیوں نہ ہو، خواہ آپ اسے سب کے سامنے ایک بار own کرنے کے بعد disown کر دیجیے، مجھے اپنی جوتی کے برابر بھی درجہ نہ دیجیے گا، مگر صرف میری یہ بات مان لیجیے۔ آپ کو اس محبت کی قسم جو آپ کے دل میں بھی میرے لیے تھی یا ابھی بھی اس کی کوئی رمق باقی ہے۔ پلیز!" وہ اپنی بات مکمل کر کے ایک بار پھر سے رونے لگی تھی۔

دنیا میں مرد کے بازو اور عورت کے آنسو کیا نہیں کر سکتے۔ دو پہر اس بے وقوف، روتی دھوتی، کمزور سی لڑکی نے انہیں اس موقف پر ایمان لانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ بھی کسی کے سامنے ایسے ہار سکتے ہیں۔ کوئی مجبور انہیں بھی "مجبور" کر سکتا ہے۔ محض اپنے آنسوؤں سے ان کے پتھر دل کو بلیک میل کر سکتا ہے۔ وہ کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اس منظر کو سوچیں گے اور خود کو Justify کرنا چاہیں گے تو کبھی یقین نہیں کر پائیں گے کہ ایک کمزور لڑکی کے آنسوؤں سے پگھل کر ہار مان گئے تھے۔ وہ ہار

گئے تھے۔

''اچھا کہو، کیا چاہتی ہو؟'' ایسا ہارا ہوا جملہ جو انہیں اندر تک شانت کر گیا تھا۔ اس ہار میں ان کی خوشی بھی شامل ہے۔ ایک نئے احساس کا انوکھا سا تجربہ ہوا تھا۔

تانیہ اب اپنے آنسو پونچھ کر زبردستی مسکراتے ہوئے خود کو سنبھال رہی تھی۔

''میرے ہاتھ......'' انہوں نے ابھی بھی اس کے ایک ہاتھ میں جکڑے اپنے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور ذرا سا جھک کر ان کے آنسوؤں سے تر ہاتھوں پر اپنے سلگتے لب رکھ دیئے اور ان جلتے انگاروں نے جہانگیر ہمدانی کے بدن میں جیسے جلتے پٹاخے چھوڑ دیئے تھے۔ دھنا دھن، آتش بازی کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ پورے بدن میں جیسے خوشیوں کی بارات اُترنے کی نوید لہر در لہر اُتر رہی تھی۔

محض ایک جملہ بولنے سے انہیں ایسی خوشی ملے گی، اس کا تو انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ بے یقینی سے تانیہ کے لبوں کو دیکھتے چلے گئے۔

✲◉......◉✲
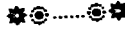
بے ڈال کے پتے
شاخوں سے جدا، سائے سے انجان
جدھر ہوا لے چلے
ڈولتے چلے، گرتے پڑتے چلے
رستوں سے بے خبر
منزلوں سے نا آشنا
بھیگتی بارشوں میں سر جھکا کر رو پڑے
جلتی دھوپ میں چیخ کر رہ گئے
آندھیوں کے شور میں اپنی چیخیں دبائے
ہانپتے کانپتے، ہوا کے ساتھ بھاگے چلے
اور جو ذرا دم لینے کو رکیں
ہوا کے تھپیڑے نہ ٹھہرنے دیں
نہ گلشن کے مکینوں سے شناسائی
نہ کسی دوست کی ہمراہی کا لطیف احساس
دوست ان کے ہوتے ہیں، جن کا پتہ ہوتا ہے
کوئی مکاں ہوتا ہے
ملنے کا پھر امکاں ہوتا ہے
بے ڈال کے پتے کسے اپنا دوست بنائیں
خزاں نے انہیں بے گھر کر دیا
ہواؤں نے کچھ سوچنے نہ دیا
آج جو سوچنے بیٹھے
تو رنگ زرد پڑ گیا
اور یونہی کسی کے قدموں تلے
چرمرا کر رہ گئے......بے ڈال کے پتے!

اور شاید وہ اسی طرح گاڑی کے پہیوں تلے آ کر چرمرا کر رہ جاتا، اگر ڈرائیور ہوشیاری سے ایک چیختی ہوئی بریک نہ لگاتا۔ چنگھاڑتی ہوئی بریک کی آواز سارے میں گونجی تھی اور وہ جو سر جھکائے اپنے ہی قدموں کو گنتا، نہ جانے کن سوچوں کے تانے بانے اُلجھاتا، اردگرد سے بے خبر چلا جا رہا تھا، اس چنگھاڑ پر اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔

''اوئے......اوئے کسی بقراط کی اولاد! یہ اپنی قیمتی سوچیں اپنے گھر کے کسی تالے میں ڈال کر نکلا کر۔ ابھی ٹیں ہو جاتا، تیری تو خلاصی ہو جاتی، کچلنے والا بھی جیتے جی جہنم کے مزے لوٹتا۔ احمق گدھا!''

اُن کے پاس سے گزرتی گاڑی میں سے اس خوشحال صورت لڑکے نے زبان سے گویا انگارے اس کی طرف اچھالے تھے۔
...کھڑا انا بھی کی کیفیت میں اسے دیکھتے ہوئے اس کی باتوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"معلوم نہیں، اس ملک میں راہ چلتے خودکشی کرنے کا استار، رجحان کیوں ہے؟ مسئلہ کوئی بھی ہو، اسے طریقے سے سوچ سمجھ کر ...نے کے بجائے سڑک پر اُٹھا کر لے آؤ اور کسی بھی چلتی گاڑی کے آگے لیٹ جاؤ۔ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور اپنی بھی ...۔ یار! عجیب قوم ہے یہ۔ اس کی سائیکی میری سمجھ سے باہر ہے۔ جب سے آیا ہوں، تم نویں ہو جسے میں نے اپنے خدا کی ...موت کے منہ میں جاتے جاتے گویا کالر سے پکڑ کر گھسیٹا ہے۔ ورنہ تمہاری طرح ان آٹھوں نے بھی موت کے فرشتے سے ...کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی...... ہو یا گئے؟" اُسے یونہی گم صم کھڑے دیکھ کر بولتے بولتے دائم نے ہاتھ اس کی ...کے آگے لہرایا تھا۔ تو اس نے آنکھیں جھپک کر ایک گہرا سانس لیا تھا اور سر جھٹک کر آگے چل پڑا۔
"...مسٹر! نئی زندگی مبارک ہو۔ سنبھل کر۔ دوسری بار ملنے والے اس تحفے کو اَن ریپ کرنا۔ زندگی سے خوب صورت کوئی تحفہ ...اور ریممبر، یہ تحفہ سیکنڈ ٹائم میں نے تمہیں دیا ہے۔ بے شک بچانے والا، مارنے والے سے طاقت ور ہوتا ہے۔ پھر بھی ایٹی ...کا تقاضا ہے کہ بندہ ایسے موقع پر تھینک یُو بول دیتا ہے۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دائم نے گویا اسے جتانا چاہا۔ تنزیل ایک ...نگاہ اس پر ڈال کر اسی سست روی سے آگے بڑھتا رہا۔
"...گر شاکڈ ہو تو آؤ، جہاں کہو گے، ڈراپ کر دوں گا۔" اس کی فطرت ہی ایسی تھی، کسی کی پریشانی کا خیال اسے ڈسٹرب کر دیتا ...سے سر نکال کر گاڑی تھوڑی سی بیک کر کے اس کے قریب لاتے ہوئے اس نے آفر کر ڈالی۔ تنزیل نے ایک خشک سی نگاہ ...کے بشاش چہرے پر ڈالی اور منہ پھیر کر آگے بڑھ گیا۔
"عجیب ہوتی ہو۔ ہو سکتا ہے، گونگے ہو۔ چلو کوئی بات نہیں۔ اگر بہرے بھی ہو تو پلیز فار گاڈ سیک! سڑک پر نہ نکلا کرو۔ یا ...کوئی شناختی علامت ماتھے پر لگا کر۔ اپنا نہیں، کسی دوسرے غریب کا ہی بھلا ہو جائے گا۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا...

مگر تنزیل نے اس کی نصیحت سنی ہی کب تھی۔
اس کی بینائی کو تو اس منظر نے جکڑ لیا تھا، جو وہ سڑک پار دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا، وہ واقعی بہرا بھی ہو چکا ہے اور اپاہج بھی۔
...ہنستے ہوئے، خوش باش چہرے کے ساتھ، دوپٹہ گلے میں ڈالے، جہانگیر ہمدانی کا ہاتھ پکڑے اس کی گاڑی میں بڑی ...سے بیٹھ رہی تھی۔ جہانگیر ہمدانی نے بڑے بے تکلف انداز میں اسے سہارا دینے کی غرض سے گویا گود میں اٹھا کر گاڑی میں بٹھایا...

...وہ کون ہی تو تھی، جس نے کسی فٹ بال کی طرح اسے فٹ پاتھ سے سڑک کے بیچوں بیچ اچھال کر پھینکا تھا؟
ایک ساتھ کئی گاڑیوں کے ٹائر چرچرائے تھے اور ان کی چنگھاڑ نے ذرا آگے گئے دائم کو چونکا دیا تھا۔
اس نے بیک مرر میں دیکھا۔
وہی پریشان صورت، ہونق نوجوان سڑک کے بیچوں بیچ کھڑا تھا اور اس کے آگے پیچھے گاڑیوں کی قطاریں۔ کچھ کی بریکیں لگ ...گئی تھیں، کچھ......
"...نفسیاتی لگتا ہے۔" دائم بڑبڑایا۔
...دھر کے اس نوجوان کو گاڑیوں کے ہٹ ہونے سے لہرا کر گرتے دیکھا تو اس نے اپنے لب بھینچ لئے۔
...وہاں سے ٹرن کرنا مشکل تھا اور اوپر سے آنے میں خاصا ٹائم لگ جاتا۔
"جانے دو۔" اس نے گردن جھٹکی اور آگے بڑھ گیا۔
مگر دل نہ جانے کیوں، اس نوجوان سے خاص ہمدردی محسوس کر رہا تھا۔ مگر اس نے دل کی آواز پر کان دھرے بغیر گاڑی کو بھگا دیا...

✲ ◎...... ◎ ✲

"آغا جان اس وقت جائیں گے؟...... اور کدھر جا رہے ہیں، یہ تو بتا جائیں؟" یاسمین کچن سے آٹا گوندھتی ان کے پیچھے لپکی

"...کا دوست ہے۔ رات بھی اس کا فون آیا تھا۔ بصدِ اصرار بلا رہا تھا۔ اور میں کوئی رہنے تھوڑی جا رہا ہوں؟ بس، اس سے ...ملا دو تین گھنٹوں میں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ یاسمین کو صاف لگا کہ وہ انہیں ٹال رہے ہیں۔
"...میں ناراض ہیں؟ اور پھر احسن نے آپ سے ایکسکیوز بھی نہیں کیا۔ آپ کو میں غلط نہیں کہوں گی، مگر درخواست کر

سکتی ہوں۔ چھوٹا جان کر آپ انہیں معاف کر دیں۔ دل پر نہ لیں۔" وہ جھکی نظروں سے شرمندہ آواز میں کہہ رہی تھی۔

"پگلی! کوئی اپنے بچوں سے بھی ناراض ہوتا ہے؟ دیکھو، میں اتنے دنوں سے ادھر ہوں۔ اسامہ نے بہت بار موقع دیا جا کر اس کے دوست سے مل آؤں، پھر ایک دو ضروری کام بھی ہیں، وہ بھی نمٹا آؤں تو شام تک آ جاؤں گا۔ نہ بھی آسکا تو بتا دوں گا۔ میں قطعاً ناراض نہیں۔ نہ احسن سے، نہ کسی اور سے۔" وہ تسلی دینے والے انداز میں ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر

"اماں جان ہوتیں تو وہی آپ کو روک لیتیں، وہ کسی سے ملنے گئی ہیں۔ اچھا، کھانا تیار ہے۔ روٹی پکا لوں تو کھا کر جائیے جانے کیوں انہیں ٹھہرانے پر بضد تھیں۔

"ابھی دو گھنٹے پیشتر تو میں نے ناشتہ کیا ہے۔ اور اس بیماری میں جتنا کم کھاؤ، اتنا اچھا ہے۔ پھر دوپہر کا کھانا میں ایک بجے تک کھاتا ہوں۔ ہو سکتا ہے، اس وقت تک آ ہی جاؤں۔ تم یونہی پریشان نہ ہو۔ میں بالکل تم لوگوں سے خفا ہو کر نہیں" کہتے ہوئے جانے کے لئے مڑے۔

"تھوڑا انتظار کر لیتے۔ تنزیل آ جاتا تو وہ آپ کو چھوڑ آتا۔ آپ کے لئے یہ انجان شہر نہ سہی، پھر بھی اتنے سالوں نے اسے آپ کے لئے انجان ہی بنا دیا۔ کیسے گھر ڈھونڈیں گے؟" وہ ایک نئی پریشانی سے گھبرا کر بولیں۔

"اللہ مالک ہے۔ اور میں کوئی بچہ تو نہیں۔ شہر تبدیل شدہ سہی، مگر میرے لئے انجان ہرگز نہیں ہے۔ اللہ حافظ۔" نہیں، مبادا یاسمین اور کوئی دلیل دے کر انہیں روکنے کی کوشش کریں۔

یاسمین خاموش کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہیں۔ پھر مڑ کر کچن کی طرف چل دیں۔ احسن مراد اپنے کمرے کے در کھڑے ان ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

یاسمین کو دکھ سا ہوا۔ وہ چاہتے تو آغا جان سے معذرت کر سکتے تھے، انہیں جانے سے روک سکتے تھے۔ معلوم نہیں کے دل کو پختہ یقین تھا، آغا جان ناراض ہو کر گئے ہیں اور اب پتہ نہیں، واپس آتے ہیں یا نہیں۔

"بے فکر رہو۔ وہ اور کہیں نہیں جانے والے۔ ان کو شہر میں ہمارے سوا اور کوئی سہارنے والا نہیں۔ ایسے لوگ جب وقت کے بادشاہ ہوتے ہیں تو انہیں کوئی دکھائی نہیں دیتا اپنے سوا۔ اور جب وقت کا پہیہ اُلٹا گھومتا ہے تو بھی انہیں دکھائی نہیں دیتا۔ یعنی خود سے بڑھ کر کوئی مظلوم نہیں لگتا۔ یہ خود پرست، خود غرض لوگ ہر دور میں یونہی لوگوں کی توجہ رہتے ہیں۔ جانے دو۔ آ گئے تو ٹھیک، ورنہ کسی کو پیچھے منتوں کے ہرکارے دوڑانے کی ضرورت نہیں۔ اور کھانا پک گیا مجھے دوا لینی ہے۔"

وہ اسی سنگ دل لہجے میں بولتے ہوئے کہتے چلے گئے، جو آج کل ان کا وتیرہ بن چکا تھا۔ یاسمین ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئیں۔

٭......٭

"عزہ بی بی! آپ کا فون ہے۔" وہ کتابوں میں سر گھسائے، پورے دھیان سے پڑھنے میں مصروف تھی، جب ملازمہ نے آ کر اسے اطلاع دی۔

"میرا فون؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس کی کوئی بھی دوست یا کلاس فیلو لینڈ لائن پر فون نہیں کرتی تھی۔ سب اس کے موبائل پر فون کرتی تھیں۔ پھر؟...... وہ سوچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

'ماما یا پاپا کا ہو گا' قیاس کا آخری گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس نے سائیڈ پر پڑا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو!" اس نے محتاط سی آواز میں کہا تھا۔ نہ جانے، دل میں کیسا چور تھا۔

"وعلیکم۔ ہیلو، اچھی دوستی کا رشتہ باندھا، عزہ بی بی! کیا باقی تمام معاملات کا بھی آپ ایسا ہی حشر کرتی ہیں؟ کبھی مسکرایا، گلے...... سوری! اور جب جی نہ چاہا، لات ماری، آنکھیں پھیر لیں، تُو کون، میں کون۔"

وہ طنز بھرے لہجے میں کہتا چلا گیا۔ عزہ سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ کو گھورتے ہوئے ایک ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئی۔

"یوں ٹھنڈی آہیں بھرنے سے کام نہیں چلے گا۔ جب دو افراد کے درمیان کوئی ڈیل ہوتی ہے تو پھر اسے ایک کو توڑنے کا مجاز نہیں ہوتا۔" وہ اس کے سانس لینے پر فوراً بولا تھا۔ اسے غصہ آ گیا۔

"وہاٹ ڈیل؟" وہ بھنا کر بولی۔ "کون سی ڈیل کی ہے، مسٹر! میں نے آپ سے؟ یونہی کبھی سلام دعا کر لینے کو اسے ڈیل کا نام دے بیٹھے۔ آپ تو عجیب......"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ پاپا کے تعلقات کا خیال آ گیا۔ اب یوں بھی اسے اس شخص سے محتاط ہو کر ہی گفتگو کرنا چاہئے کون سی بات کی دُم پکڑ کر، کس کے سرے جوڑ کر پاپا کے ہاتھ میں تھما دے اور اس سے یہ سب بعید بھی نہیں۔

اں، کہہ ڈالیے۔ آپ تو عجب لسوڑے یا لیچڑ شخص ہیں۔" وہ بے ساختہ بولا تو وہ ایک دم ہنس دی۔
لذا تیلی پتلی سے بھی شغف رکھتے ہیں۔" اس نے سوچا، اب یہ میری جان چھوڑ دے گا۔
آپ جاننے کی کوشش تو کیجئے، پھر آپ پر یہ عقدہ کھلے گا، مابدولت کون کون سے مشغلے رکھتے ہیں۔" وہ بھی ترنگ میں آ کر
اس کی بے ساختہ ہنسی کی آواز سن کر۔
س کس مشغلے سے بھلا؟" وہ پوری طرح سے متوجہ ہو کر بولی۔ کہاں وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی اور اب ایک دم
ہنے لگی۔
یہ فرصت کی باتیں ہیں، ذرا فرصت سے بیٹھیں گے تو بتائیں گے۔ تو پھر کہاں مل رہی ہیں آج شام مجھ سے؟" وہ فوراً ہی
اُترتے ہوئے بولا۔
نے ایک پل کو ریسیور کان سے ہٹایا۔
بہت خوش گمانیاں پال رکھی ہیں آپ نے، آپ کی دو باتیں سن کر میں ڈیٹ مارنے پر اُتر آؤں گی، تو میں صرف آپ پر ہنس
لی۔"
ہنسئے اور خوب ہنسئے۔ بس دعا کریں، اس کہانی میں کہیں آنسو نہ آ جائیں۔ چاہے خوشی کے ہوں یا غم کے۔" وہ پھر سے ٹون
لا۔
اُف، آپ کتنی لایعنی باتیں کرتے ہیں۔" وہ زچ آ کر بولی۔
لایعنی مین فضول باتیں؟" وہ معصومیت سے پوچھنے لگا تو عزہ سر ہلا کر رہ گئی۔
اتنے بھولے نہیں ہیں آپ، یوں پریٹینڈ کرتے اچھے نہیں لگتے۔"
پھر کس طرح اچھا لگتا ہوں؟......اچھا، ڈنر میں کیسا لگ رہا تھا؟" وہ فوراً ہی خوش ہو کر بولا۔
اچھا، کمین پن بھی ہے آپ میں۔ ویسے یہ سوال تو عموماً لڑکیوں کو کانشس کرتا رہتا ہے اور آپ......" وہ شرارت سے نچلا
لب چپ ہو گئی۔
بھئی، اُلٹا زمانہ جو چل رہا ہے۔ لڑکے، لڑکیوں کے ڈھنگ، ان کی وضع قطع اپنا رہے ہیں۔ کان میں بالی، بالوں میں پونی،
چھلا، منہ پہ فیشل، آنکھ میں کاجل...... مائی گاڈ، لڑکے دیکھے ہیں نا؟ آپ کے کالج میں ہی خاصی ورائٹی ہو گی۔ اور
......میں کیا کہوں، یہ تو دیکھنے سے تعلق رکھنے والے نظارے ہیں۔ زبان سے کیا حق ادا ہو گا۔"
لگتا نہیں، آپ انگلینڈ پلٹ ہیں۔ آپ تو مجھے گوال منڈی پلٹ لگتے ہیں۔" اس کی زبان کی روانی سے وہ متاثر ہو کر بولی

"آپ جو بھی پلٹ سمجھیں۔ بس "لگتے" والی بات پلّے سے باندھ لیں۔" وہ اس کی بات اچک کر بولا۔
"کیا مطلب؟" وہ بالکل نہیں سمجھی۔
"بھئی، مجھے کچھ نہ کچھ لگنا چاہئے۔ آپ کا......" آخری دو حرف اس نے اتنی آہستہ آواز میں کہے کہ عزہ بمشکل سن پائی۔ سن کر
وہ چپ سی ہو گئی۔
"ہیلو!" لائن بے جان ہونے سے دائم سمجھا، وہ فون بند کر گئی ہے۔
"آپ مجھے صرف یہ بتا دیں، آپ نے فون کیوں کیا تھا اور کیسے کیا تھا؟" وہ جیسے اس کی باتوں کی گرفت سے خود کو نکالنے کے
لئے بولی تھی۔ اسے پتہ نہیں چلا تھا، وہ اسے باتوں میں اُلجھائے جا رہا تھا۔ اب احساس ہوا تو وہ جلدی سے فون بند کر کے یہاں سے
اٹھ رہی تھی۔ سارہ سامنے آ کر بیٹھ گئی تھیں۔
"نمبر آپ کو ہی کیا تھا۔ ملازم نے بتایا نہیں تھا اور کیوں کیا تھا کہ یہ پوچھوں، دوستی کرنے کے بعد یکایک یہ بے رُخی کیسی؟" وہ
سنجیدگی سے بولا۔
"میں کوئی دوستی نہیں کر رہی۔ میں پہلے بھی آپ کو بتا چکی ہوں کہ میرے پاس نہ اتنی فرصت ہے نہ مجھے یوں دوستیاں
کرنے کی اجازت۔"
"تو اس دن آپ نے بلا اجازت اور اپنا ٹائٹ شیڈول چیک کئے بغیر مجھ غریب کا رستہ کھوٹا کیا تھا۔"
"کیا مطلب......میں نے آپ کا راستہ کھوٹا کیا؟......اور اگر ایسا کچھ ہے بھی تو چلیں، آپ رستہ بدل لیں، جو آپ کو اچھا
لگے۔" وہ جھلا کر بولی۔
"تب کیا فائدہ؟"

"کیوں، اب کیا ہو گیا؟"

"اب تو رستہ کھوٹا ہو گیا اور میں اسی کو سچا بناؤں گا۔"

"کمال ہے، آپ عجیب ہٹ دھرم اور ضدی ہیں، جب میں آپ سے کہہ رہی ہوں سوری تو پھر۔" اسے پیچھا چھڑا مشکل رہا تھا۔

"اب سوری سے کام نہیں چلے گا۔" وہ اس کی کوفت کا مزہ لیتے ہوئے بولا۔

"تو پھر کیا کروں؟........ ناک سے لکیریں نکالوں؟"

"یہ بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔"

"آخر آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟" وہ جھلا اٹھتی اگر نیل فائل کرتی سارہ کی موجودگی کا احساس نہ ہوتا وہ لیں۔ یہ خیال بھی اسے جلد سے جلد فون بند کرنے پر اکسا رہا تھا۔

"کیونکہ........" وہ رکا۔ "کیونکہ........ آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔ تین لفظوں میں کہہ دوں تو "I love you"

عزہ کو کسی نے ہزار وولٹ کا کرنٹ لگایا تھا۔

اسے لگا، سارہ بھی یہ تین حرفی الفاظ سن چکی ہیں، تب ہی ہاتھ روکے اس کی جانب دیکھ رہی ہیں۔ اس نے ایک دم کریڈل پر ڈال دیا۔ پل بھر میں اس کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہو گئی تھیں اور پیشانی سے پھوٹتا پسینہ اور سینے میں بے قرار دل........

'کہیں وہ دوبارہ فون نہ کر ڈالے۔ ماما نے آگے بڑھ کر ریسیو کر لیا........ وہ تو ڈھیٹ جھجکے گا نہیں۔ اور ماما...... انہوں نے پاپا سے جھگڑا کیا تھا اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ یہ لڑکا انہیں قطعی پسند نہیں۔ اگر وہ کچھ دور کا سوچ بیٹھے ہیں تو ذہن سے اس خیال کو نکال دیں، ورنہ وہ قیامت اٹھا دیں گی اور پاپا نے بھی اسی ٹون میں جواباً کہہ دیا تھا۔ وہ قیامت اٹھائیں یا آفت، انہیں کسی کی پروا نہیں۔ ان دونوں کا یہ بلاواسطہ ذو معنی سا جھگڑا اور اس کی وجہ وہ کچھ سمجھ نہیں سکی مگر دل بہت سے اشارے کے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر نظر انداز کرتی جا رہی تھی۔

'اور اب اگر ماما کو پتہ چل جائے کہ میں کس سے بات کر رہی تھی........ تو شاید وہ قیامت بھی آ جائے۔'

اس نے ریسیور ذرا سا کریڈل سے ہٹا کر رکھ دیا اور وہیں بیٹھ کر ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔ سارہ ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور پھر سے اپنے مشغلے میں مصروف ہو گئیں۔

✿ .... ✿
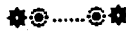
سارا کمرہ سگار کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔

کمرے میں صرف ایک لیمپ جل رہا تھا، جس کی ہلکی روشنی میں کمرے میں پڑی ہر چیز کے سائے لمبے ہو کر سارے ماحول کو پُراسرار اور سوگوار سا بنا رہے تھے۔ میڈم یاقوت ریٹائرنگ روم کے چرمی صوفے پر نیم دراز، سگار ہاتھ میں لئے مسلسل پی رہی تھیں۔ اس سے پہلے آدھی سے زیادہ "بوتل" چڑھا چکی تھیں، اس کے باوجود نہ تو ان کی عقل مختل ہو رہی تھی، نہ ہوش گم۔ بلکہ حواس اور بھی بیدار ہو گئے تھے اور بیدار ہو کر کس بے دردی کے ساتھ ان کے دل و دماغ میں پنجے گاڑے کسی زہریلے بچھو کی طرح مسلسل ڈنک مار رہے تھے۔

'تو سارا قصہ یہ ہے۔ اب پینڈورا باکس کھلنے کو ہے۔ اور یہ تو ہونا ہی تھا، اس دن کے لئے میں نے خود کو بہت دن پہلے تیار کر رکھا تھا۔ پھر یہ ڈسٹربنس، یہ ڈپریشن کیسا؟........ مگر اس سے پہلے کہ یہ پینڈورا باکس کھلے، سب کچھ لوحِ محفوظ پر لکھے حساب کی طرح مکمل کر سامنے آ جائے۔ مجھے اپنے ان پیاروں کے سارے نہ سہی، آدھے حساب تو چکتا کرنے چاہئیں۔ اتنی اذیت، ذلت، اتنا دکھ جتنا انہوں نے مجھے دیا، اس کا نصف اس سے بھی کچھ زیادہ تو انہیں بھی میری طرف سے تحفتاً ملنا چاہئے۔ اب سارے ٹارگٹ، سارے مہرے از سر نو نہیں، بلکہ اسی ترتیب سے آگے بڑھاتے ہوئے اسپیڈ ذرا تیز کرنی ہو گی، پہلے ہی بہت وقت بیت گیا اور میرے لئے تو ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ موت سے پہلے پھندے سے جھولنے تک ملنے والی مہلت کے مانند۔ مجھے اب ڈھیلا نہیں چھوڑنا۔ ہرگز نہیں۔

اور یہ لائبہ کی بچی نے اپنا ڈرامہ نہ رچایا ہوتا تو میں یقیناً اب تک اپنے کئی کام آگے بڑھانے کے ساتھ تکمیل کے قریب ہوتی۔

لائبہ میرے لئے دن بہ دن پرابلم بنتی جا رہی ہے۔ اگر یہ شادی پر آمادہ ہو جاتی تو میری زندگی قابلِ رشک ہو جاتی۔ اس سے فارغ ہو کر جنگ لڑنے کا مزہ ہی اور ہے۔ جبکہ اس لڑکی نے مجھے اُلجھا کر رکھ دیا ہے۔ اس کے باوجود ہر گھڑی ناخوش ....

لڑکی...... گھر بیٹھے دنیا کی ہر نعمت قدموں میں لوٹ رہی ہے اور اس کے دماغ میں جانے کون سے کیڑے کلبلا رہے ہیں۔ اپنا گھر ہے ایک بھی ضرورت کے حصول کے لئے تو قیمت سن کر نواب زادی کے ہوش اُڑ جاتے۔ پھر قدر ہوتی زندگی اور زندگی سے وابستہ ضرورتوں کی اہمیت کی۔ ہونہہ........

اس کا جلدی ہی مجھے کچھ کرنا پڑے گا۔

اور یہ جہانگیر نہ جانے کن ہواؤں میں ہے۔ ادھر آیا ہے تو ادھر ہی کا ہو گیا ہے۔ اُدھر دبئی میں اکیلا پراچہ کیا کر رہا ہو گا؟ عقل کا بنا، پیٹ کا موٹا...... اُسے ہر دم کھانے نگلنے سے ہی فرصت نہیں۔ آج جہانگیر سے بھی دوٹوک بات کرتی ہوں۔ اگر میرا یہاں رہنا ضروری نہ ہوتا تو میں خود چلی جاتی۔'

بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے پاس پڑے سیل فون کو اٹھا کر نمبر ملانا شروع کر دیا۔ سلگتا سگار ابھی بھی انگلی میں دبا تھا۔

"چلا گیا ہے؟...... کون لے گیا؟" وہ دوسری طرف کی بات سن کر چونکی تھی۔

"اوہ، اچھا...... او کے، تھینکس۔" کہہ کر انہوں نے لائن ڈس کنکٹ کر دی۔

'تو جہانگیر صاحب تیزی دکھا گئے۔ شاید اس تتلی کو پھانسنے کے لئے بڑی طبیعت مچل رہی ہو گی، کمینے کی۔ ہزار بار سمجھایا، ٹھنڈا کر کے کھاؤ۔ کسی دن منہ کے ساتھ یہ سارا کچھ بھی آگ میں جھونک بیٹھو گے۔ مگر نہیں، جہاں کوئی حسینہ دیکھی، ان کی رال وہیں ٹپکنا شروع اور عقل گم۔ اور اب سیل آف جا رہا ہے۔' انہوں نے شاید جہانگیر ہمدانی کا نمبر ملایا تھا۔ سیل صوفے پر پھینک دیا۔

'آگے کا لائحہ عمل یاقوت!...... آگے کی پلاننگ......' وہ خود سے مخاطب تھیں۔ 'تو تنزیل مراد پنجرے سے اُڑ گئے ہیں۔ تو میں مراد ابھی تم اس آنچ کے قریب بھی نہیں پہنچے، جو تم نے مجھے دی ہے۔ بس تھوڑا انتظار۔ ذرا جہانگیر کی پراگریس کا پتہ چل جائے، پھر اگلا وار شدید ہو گا۔ تم اس ساری بختی کو تقدیر کی طرف سے سمجھ رہے ہو گے۔ تو میری جان! بھولے ہو تم...... چلو یونہی سہی۔ تقدیر کا لکھا سمجھتے رہو۔' انہوں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں میچ کر کھولیں اور اردگرد یوں دیکھا جیسے منظر سے پہلی بار واقف ہو رہی ہوں۔

انہوں نے عائشہ بخاری کو اندر بلایا۔

"یس میم!" ان کے دھوئیں، گھٹن اور اندھیرے سے ایک پل کو تو عائشہ کا سر بھی چکرا گیا۔

"عزہ عالم سے کون سا ٹائم مقرر ہے؟...... کل آنا ہے نا اس نے؟" وہ اب پھر گہرے گہرے کش لے رہی تھیں۔

"کل بارہ سے ایک کے درمیان آئیں گی وہ۔"

"اسے ری مائنڈ کروایا تم نے؟"

"ابھی کراؤں گی میم!"

"بہت مستعد ہو گئی ہو میرے جانے سے تم عائشہ بخاری!" وہ طنز سے بولیں۔ 'اور یہ جہانگیر کن ہواؤں میں ہے، کچھ خبر ہے؟' وہ کٹیلی نگاہوں سے اس کے پورے سراپے کو دیکھتے ہوئے بولیں تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"رہو گی ہونق ہی عائشہ بخاری! اتنے سالوں سے ادھر ہو، پھر بھی لگتا ہے ابھی گھر سے اُٹھ کر آئی ہو۔ اور تمہیں پتہ ہے، میں نے تمہیں اپنے ساتھ کیوں لگا رکھا ہے، تمہاری اس حماقت برساتی صورت کے باوجود؟" وہ اُٹھ کر اُس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

"صرف اس لئے کہ تمہاری بھولی صورت سے لوگ وہ سمجھیں جس کے لئے ہم انہیں کونس کرنا چاہتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں کا گھاٹا ایک تمہاری صورت سے بھی ہو جاتا ہے۔ یُو آر اور بیسٹ پبلسٹی آئٹم...... ناؤ گو آؤٹ۔" انہوں نے اس کی ٹھوڑی کو جھٹکا اور پھر سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

عائشہ مڑ کر دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔

جبکہ میڈم یاقوت اب پوری تن دہی سے سگار پی رہی تھیں۔ بالکل خالی الذہن، بظاہر کچھ بھی نہ سوچتے ہوئے بہت کچھ تیزی سے سوچ رہی تھیں۔

❁

''امی! تانیہ کہاں ہے؟''

دھاڑ سے بیرونی دروازہ کھلا تھا اور سرخ چہرہ لئے تنزیل دو لمبے لمبے ڈگ بھرتا صحن عبور کر کے کچن کے دروازے پر
لہجے میں بولا تھا۔ یاسمین برتن دھو رہی تھیں۔ ہاتھ میں پکڑی پلیٹ اس کی تیز آواز سن کر چھوٹ گئی تھی۔

''ابھی تو آئی نہیں۔ تم........'' وہ پلٹیں اور دھک سے رہ گئیں۔ ''کک........ کیا ہوا؟........ یہ کیا ہوا تمہیں؟'' وہ تیزی
اس کی طرف بڑھیں۔ اس کی پیشانی پر بینڈیج بندھی تھی۔ ماتھے کے ایک کونے پر سفید پٹی سے جھانکتا خون کا سرخ دھبہ ان کا دل
گیا۔ ان کی دوسری تیزی سے گردش کرتی نگاہ کہنیوں سے پھٹی آستینوں کی طرف گئی۔

''کیا ہوا تنزیل! بتاؤ مجھے، جھگڑ کر آ رہے ہو کسی سے؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا؟ بولو، بتاؤ مجھے۔'' وہ با
کی طرح اسے آگے پیچھے سے گھوم کر چھوتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''اب کوئی نیا گل کھلا آئے حضرت۔ کہا ہے، اس بدبخت کو چلتا کرو یہاں سے۔ کسی دن ہم سب کے منہ پر کالک مل
پھر تمہیں میری باتوں کا یقین آئے گا۔'' احسن مراد اندر بیٹھے بیٹھے دھاڑے تھے۔

''کوئی باپ اپنے بیٹے سے یوں بلا جواز اتنی نفرت نہیں کر سکتا، اتنا مجھے پتہ ہے۔ پھر آپ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتے
بتائیں گے مجھے؟''

وہ کسی آندھی کے بگولے کی طرح اُڑتا ہوا احسن مراد کے کمرے میں پہنچا تھا۔ عین ان کی کرسی کے سامنے کھڑے ہو کر
کر اس نے ایک ایک لفظ ادا کیا تھا۔ لفظوں کی سختی اور کھردرے پن سے زیادہ وحشت اُس کی آنکھوں اور چہرے کے خدوخال
جھلک رہی تھی۔

''ہاں........ اچھا ہوا۔ اچھا سوال کیا........ مجھے بتا ہی دینا چاہئے۔ جن باپوں کے تم جیسے نالائق، ناکارہ اور (گالی ان
سے پہلی بار اس نے سنی تھی) بیٹے ہوں، بلکہ کیسے بیٹے........'' یاسمین کسی چیل کی طرح ان کی طرف جھپٹی تھیں۔

''احسن مراد! ساری زندگی اس گھر کی، آپ کی، سب کی بے لوث، بے ریا کسی باندی کی طرح خدمت کی ہے۔ تعریف
نہ کبھی ملی نہ میں نے لالچ کیا۔ بڑا قرض ہے آپ پر اور آپ کے گھر پر۔ میری خدمتوں کا عوضانہ جب تک ادا نہ کریں گے،
رب کا سامنا کریں گے۔ آج سارے قرض معاف کرتی ہوں۔ صرف میرے بیٹے کو معاف کر دیں۔ آپ نے اگر کبھی
سمجھا، کبھی آپ کے بنجر سنگلاخ دل میں محبت کی کوئی کونپل میرے لئے یا کسی اور کے لئے پھوٹی ہو، آپ کو اس کونپل کی محبت
خدا کے واسطے میرے بیٹے کو بخش دیں۔ مت اسے اتنی اذیت دیں کہ وہ زندگی سے نفرت کرنے لگے۔ ابھی آپ اسے نفرت
رہے ہیں۔ محبت تو آپ نے کبھی کی ہی نہیں۔ نہ مجھ سے، نہ کسی اور سے۔ صرف اپنی اذیت سے پیار ہے۔ آپ کو اس پیار
میرے بیٹے کو نفرت کرنا نہ سکھائیں۔ اسے اپنی زندگی جینے دیں۔ آپ کو ایک محبت کی ماری ماں تا اپنے ماں ہونے کا واسطہ
اپنی ماں سے تو پیار ہے نا آپ کو؟ اس پیار کا واسطہ احسن مراد! میرے بچے کو میرے پاس رہنے دیں۔ اسے اتنا نہ دھتکاریں
دھتکار کر چلا جائے اور کسی کو اس کی ضرورت ہو نہ ہو، مجھے ہے۔ مجھے اپنے بیٹے کی اسی طرح ضرورت ہے، جیسے جینے کے لئے
کی۔ مجھ ماں تا کی ماری ماں سے یہ آکسیجن نہ چھینئے احسن! اللہ کے واسطے........!''

یاسمین پاگلوں کی طرح ان کی گھٹنوں پر جھکی ان کے پیروں کو چھوتی روتے ہوئے بے ربط سے جملے بولے جا رہی تھیں۔
آواز حلق سے پھٹ پھٹ کر نکل رہی تھی۔ ان کے دونوں ہاتھ جڑے ہوئے تھے، جنہیں وہ بار بار ان کے پیروں پر رکھ رہی تھیں

''امی!........ امی! خدا کے لئے ہوش کریں۔ امی! پلیز سنبھالیں خود کو۔ میں ساری دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں، دھتکار سکتا ہوں
کو نہیں۔ کبھی نہیں۔ آپ نے یہ سوچا کیسے؟........ ابو لاکھ مجھ سے نفرت کریں، مجھے اپنانے سے بھی منکر ہو جائیں، تب بھی
چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ آئی پرامس۔ پلیز، مت روئیں۔ مت پتھروں سے سر پھوڑیں۔ پتھر کبھی کسی کو کچھ نہیں دیا کرتے
اگر انہیں خدائی کی مسند پر بٹھا دیا جائے تو پھر وہ واقعی خدا کے غرور میں آ کر بہت سے ایسے فیصلے ان پر مسلط کر دیتے ہیں، جن

انہیں اس مسند پر بٹھایا ہو۔ امی! مجھے منگنا ہے، میری زندگی کی بھیک مانگنی ہے تو اللہ سے مانگئے۔ انسانوں کا نہ یہ درجہ ہے نہ حق کہ ان سے کسی دوسرے انسان کی زندگی اور خوشیوں کی بھیک مانگی جائے۔ امی! آپ میری ماں ہیں، آپ سے بڑھ کر اللہ کے بعد میرے لئے کوئی بھی قابلِ احترام، قابلِ عبادت نہیں۔ اللہ کے بعد اگر میں بھی کسی کے آگے جھکوں گا تو آپ کے آگے۔ آپ خدا کے بعد میرے لئے محترم ہیں۔ خود کو نہ جھکائیں، نہ گرائیں، میں آپ کے پاس ہوں، آپ کے پاس رہوں گا ہمیشہ۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے۔''

"چاہے کوئی قیامت ٹوٹ پڑے، کوئی بھی آفت، کوئی بھی مشکل تنزیل! مجھے چھوڑ کر تو نہ جاؤ گے؟ میں نے تمہارے بغیر، اپنے بچے کے بغیر یہ چند دن کیسے گزارے، اس کے بعد مجھے پتہ چلا، میں تو تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ تم چند دن اور نہ آتے تو یہ تمہاری دیوانی ماں گزر جاتی، میرے بچے! بوڑھی ہوگئی ہوں اور کمزور دل بھی۔ اب اور کوئی صدمہ نہیں سہہ سکتی۔ مجھے اب نہ چھوڑ کر جانا۔"

وہ کسی کمزور، سہمی ہوئی نقاہت زدہ بچی کی طرح اس کی بانہوں میں سمٹی شبنمی آنکھیں بند کئے ہوئے ہی بڑبڑا رہی تھیں اور احسن مراد کسی بت کی طرح ساکت و ششدر ان دونوں کی اس درجہ والہانہ محبت و عقیدت کو کسی سحر کے زیرِ اثر تکے جا رہے تھے۔ انہیں تو پتہ ہی نہیں تھا، یاسمین، تنزیل سے اتنی محبت کرتی ہیں۔ اتنی کہ اس کی خاطر وہ ان کے قدموں میں بھی گر سکتی ہیں۔ بلکہ شاید کسی کے قدموں میں بھی۔

'اور مجھے پتہ ہی نہیں۔ میں کیسا بے خبر ہوں...... کیسا بے خبر۔'

وہ دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیتے آہستہ آہستہ باہر جا رہے تھے۔ ان دونوں کے جانے کا منظر احسن مراد کے آئینوں میں دھندلا رہا تھا۔ ایسی محبت تو انہوں نے کبھی اپنی ماں سے بھی نہیں کی تھی۔ ہاں، مگر کسی سے کی تھی۔ کس سے؟ وہ یہ یاد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس محبت میں ایسی جولانی، ایسی شدت، ایسی تندی تو نہ تھی۔ ان کی محبت تو کسی پُرسکون ندی کے نیچے بہتی لہر در لہر پانیوں کی طرح تھی۔ بظاہر مطمئن اور پُرسکون اور اندر سے ہیجان انگیز۔ مضطرب و بے چین...... کیسی دنیا دار سی محبت تھی ان کی کہ انہیں خود بھی پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کسی سے اتنی گہری محبت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

'پتہ ہوتا...... پتہ ہوتا تو کیا کر لیتا؟...... مجھ سا بزدل، دنیا دار شخص کبھی بھی کسی مثبت جذبے کے لئے اعلانِ جہاد نہیں کر سکتا۔ بزدلوں میں گلیور بننا بہت مشکل ہوتا ہے۔ سر کٹے لوگوں کے بیچ گردن پر سر اٹھا کر چلنا بہت مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ کسی مشکل کو بھی سر کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اس لئے تو محرومِ محبت ہیں، نامراد ہیں۔ بے زبان محبتیں، بے مراد رہتی ہیں۔'

محبت بھی بیان کی محتاج ہے
اسے بھی زبان کی احتیاج ہے
لاکھ جذبوں کی آگ سلگاؤ
اظہار ہی اس آگ کا علاج ہے

اور انہیں اظہار ہی تو تمام عمر نہ کرنا آیا، نہ اس سے جس سے اس دل نے تمام تر شدتوں سے محبت کی تھی، نہ اس سے جسے تقدیر نے ان کے جیون ساتھی کے طور پر درج کیا تھا۔ آج یاسمین کا چلانا بالکل درست تھا۔ وہ پیاسی زمین تھی، جسے کبھی محبت کی بوند نہیں مل سکی۔ اس کا واویلا کرنا، بین کرنا بے جا نہ تھا۔ اب اگر اس نے اپنی پیاس کا رخ کسی اور جانب موڑا ہے تو انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ پیاسی ماں سے اس کے صحرا پر برستی بارش چھین لیں۔ وہ اتنے ظالم تو کبھی بھی نہیں تھے۔

'تو یوں ہوتا ہے، جن لوگوں کو اپنی محبت نہیں ملتی تو وہ نامراد ساری زندگی دوسروں سے ان کی محبتیں چھیننے میں، سکون پانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ اور سکون تو پھر بھی نہیں۔ سکون تو پھر بھی نہیں۔ کیسی بے سکونی ہے۔ کیسا اضطراب ہے یہ ہجر کے غم...... کاش کوئی مجھے بتا سکتا۔'

وہ مضطرب سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔

یاسمین کے آنسوؤں نے یہ کس دکھ کی چنگاریوں کو سلگا دیا تھا۔ ان کا جی چاہا، وہ گھر کی دیواریں ڈھا کر کسی جنگل، کسی صحرا میں نکل جائیں۔ گریبان چاک کر ڈالیں یا خود اپنی بوٹیاں نوچ نوچ کر چیل کوؤں کے آگے ڈال دیں۔ ایسی آگ تو کبھی نہیں بھڑکی تھی۔

"کہاں سے آ رہی ہو تم؟" تنزیل کی چنگھاڑ نے انہیں اس جلتے بلتے صحرا سے باہر لا پھینکا تھا۔ اس کی چنگھاڑ جانے کس طوفان کا پیش خیمہ تھی کہ وہ بے سوچے سمجھے تیزی سے باہر کی طرف لپکے۔

صحن کے بیچوں بیچ کھڑی تانیہ، تنزیل کے آہنی وجود کے پیچھے انہیں زرد چہرہ لئے دکھائی دی۔ ان کے اٹھتے قدم وہیں رک گئے۔ انہیں یاسمین کے واسطے یاد آ گئے تھے۔

انہیں لگا، وہ زندگی میں دوسری بار ہار گئے ہیں۔ ابھی تو پہلی شکست سے زندگی زخم زخم تھی، یہ دوسری شکست...... انہوں نے

بے اختیار دیوار کا سہارا لیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگے۔

❁◉......◉❁

''میں تو آپ سے سخت ناراض ہوں۔ آپ کو پہلے مجھ سے ملنے آنا چاہئے تھا۔ میں خود آنا چاہتا تھا، مگر ہر بار اسامہ مجھے ٹال دیتا کہ آغا جان خود تم سے ملنے آئیں گے۔ کچھ اس کے منع کرنے پر، کچھ اپنی مصروفیت کی بنا پر میں چاہتے ہوئے بھی آپ سے ملنے نہیں آسکا۔ اب آپ آئے ہیں تو میں آپ کو کہیں جانے نہیں دوں گا۔''

دائم بڑی محبت سے ان کے پاس بیٹھا کہہ رہا تھا تو نہ جانے کیوں ان کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔ کیا وہ ایسی بے غرض محبت کے حق دار ہیں؟ ان کے دل نے ان سے سوال کیا تھا، جس کا جواب ان کے پاس یقیناً نفی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اسی شرمندگی سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنے اندر جھانکنا مدت ہوئی، چھوڑ دیا تھا۔

''تمہارا شکریہ بیٹا! جو تم اتنی محبت سے مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ میں خود آنا چاہتا تھا، مگر اپنے بھتیجے اور بھابی اور ان کے بچوں کی محبت اور اصرار نے مجھے اس پر فوری عمل نہیں کرنے دیا، ورنہ اسامہ ہر فون کال پر مجھے یاد دہانی کرواتا تھا۔''

دنیا داری کتنی مشکل ہے اور بہت سے بھرم محض جھوٹ کی بنیاد پر قائم کئے جاتے ہیں، ورنہ سچائی تو ہر انسان کی پُروقار شخصیت کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دے۔

''اب آپ کچھ دن تو ادھر رہیں گے نا۔ دیکھیں، میں ادھر بالکل اکیلا ہوں اور کبھی کبھی اس اکیلے پن کو محسوس بھی کرتا ہوں۔ اسپیشلی جب آف ڈے میں گھریلو ملازم ہوں، مگر کوئی اپنا نہیں۔ آپ ہوں گے تو مجھے اچھا لگے گا۔'' وہ اتنی اپنائیت سے کہہ رہا تھا کہ وہ چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکے۔

''وعدہ آغا جان!........ میں آپ کو آغا جان کہہ سکتا ہوں انکل کے بجائے؟'' وہ بولتے بولتے رک کر پوچھنے لگا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بڑی محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''اصل میں نہ میں نے اپنے گرینڈ پا کو دیکھا، نہ گرینڈ ماں کو، تو مجھے ان رشتوں کی جب دوسرے لوگوں کے پاس دیکھتا تو کمی محسوس ہوتی تھی۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا۔ انہیں اس کی سادگی پر دل سے پیار آیا تھا۔

''اور آج کل ایسے لوگ بھی ہیں بیٹا! کہ جن کے پاس یہ رشتے ہوتے ہیں اور ان کے لئے یہ بوجھ ناقابل برداشت ہو جاتا ہے، کون سی گھڑی آئے اور وہ اس بوجھ کو منوں مٹی تلے دفن کر آئیں۔ ہر پرانی نسل کو نئی نسل سے یہ گلہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا آیا ہے، میں انہیں اس کے لئے قصوروار نہیں سمجھوں گا۔'' وہ اب بہت مطمئن سے ہو گئے تھے۔ احسن مراد کی باتوں نے حقیقتاً ان کا دل نرم کر دیا تھا۔ اگرچہ وہ یہاں کسی بہت اچھے۔ پُرجوش سلوک کی تمنا میں تو نہیں آئے تھے مگر احسن کا کھردرا رویہ انہیں پہلے دن ہی باور کرا گیا کہ شاید وہ انہیں زیادہ دن برداشت نہیں کر سکتے۔ بھابھو بہت بدل گئی تھیں تو احسن مراد بھی بہت چینج ہو گیا تھا اور وہ خود...... خود بھی تو بدل گئے تھے۔ انسان بھی کیا چیز ہے، ہر بدل جانے والی چیز سے زیادہ ناقابلِ یقین حالتیں اس پر گزرتی ہیں اور بعض اوقات ایسی چونکا دینے والی ہوتی ہیں کہ وہ خود کو آئینے میں دیکھے تو پہچان نہ سکے۔ ان کے ساتھ بھی تو یہی ہوا تھا۔ اکثر اپنا ہی عکس آئینے میں پرایا لگتا تھا۔

''آپ پلیز، ان لوگوں کو فون کر کے کہہ دیں کہ ابھی کچھ دن اِدھر ہی رہیں گے۔ کپڑے وغیرہ جو بھی ہیں، میں لے آؤں گا بازار سے۔ یا پھر آپ کہیں تو ڈرائیور جا کر ان لوگوں کے گھر سے لے آئے گا۔ کیا کھائیں گے آپ؟ ابھی لنچ ٹائم ہے اور کھانا ریڈی ہے۔ میں اس وقت آفس میں ہوتا ہوں، آپ کا فون سنا تو میں نے کہہ دیا کہ گھر میں ہوں، آجائیں۔ اگر کہتا کہ آفس میں ہوں تو شاید آپ آج بھی آنا مؤخر کر دیتے۔ میں کھانا لگواؤں؟''

''بہت شکریہ بیٹے! اتنی محبت کا۔ مگر میں کھانے کے بعد شام تک چلا جاؤں گا۔ یوں...'' وہ رکے۔ یوں کسی اجنبی، جس سے کوئی تعلق رشتہ نہ ہو، رہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''تو گویا آپ مجھے اسامہ کی طرح نہیں سمجھ رہے۔ میں نے تو اس لئے آپ کو آغا جان! کہا تھا کہ آپ بھی مجھے اس کی جگہ سمجھیں گے۔ مگر آپ تو........'' وہ شکایتی لہجے میں بولا تو وہ مسکرانے لگے۔

''چلو یونہی سہی، اگر تم اسی سے خوش ہو تو واقعی میرے لئے اسامہ کی طرح ہی ہو۔ فون کدھر ہے؟ میں یاسمین کو بتا دوں، وہ انتظار کر رہی ہوگی، میں کھانے تک آنے کا کہہ کر آیا تھا۔'' وہ خوش دلی سے کہتے ہوئے اٹھے تو دائم نے مسکرا کر کونے میں پڑے فون کی طرف اشارہ کیا اور خود کھانا لگوانے چل دیا۔

❁◉......◉❁

ڈائننگ روم میں رحیمہ مائی بیٹھی، کاکا بشیر سے باتیں کر رہی تھی، وہ اندر داخل ہوتے ہی چونک سا گیا۔

ھ لمحے وہاں کھڑا سوچتا رہا۔
سلام صاحب! کیا حال ہیں آپ کے؟ یہاں سے گزری تو سوچا، سلام کر جاؤں۔" اس کی نظر دائم پر پڑی تو اپنی جگہ سے اُٹھ
ا۔
ہوں...... السلام علیکم۔ اللہ کا شکر ہے۔ آپ کا کیا حال ہے؟" وہ بامروّت لہجے میں بولا تو وہ خوش ہو گئی۔
شیر کاکا! آپ کھانا لگوا لیجئے۔ اور مائی رحیمہ! آپ بھی کھانا کھا کر جایئے گا اور......"
ی وقت اس کے ہاتھ میں دبا سیل فون گنگنا اٹھا۔ اس نے ایک نظر اسکرین پر چمکتے نمبرز کو دیکھا، لب بھینچے کچھ سوچتا رہا، پھر
ریسیور کا بٹن آن کرتے کان سے لگا لیا۔
ویلکم...... موسٹ ویلکم!...... کہئے ناراض لیڈی! خفگی دور کر لی؟...... اس ناچیز پر کیسے رحم آ گیا؟"
بے ہودہ! یہ کیا اندازِ تکلم ہے؟ ماں سے ایسے بات کرتے ہیں؟" ڈاکٹر رخشندہ یقیناً اس کی بات سن کر مسکرائی تھیں۔
کوئی خوب صورت، ڈیسنٹ خاتون بلاوجہ ناراض ہو جائے تو ان سے ایسے ہی مخاطب کرنا چاہئے۔ لگتا ہے، آج کل آپ کی
باتھو کوئی جنگ چل رہی ہے۔"
تمہیں معلوم ہے نا، میری ان سے کبھی کوئی جنگ کیا، معمولی سی چپقلش بھی نہیں ہوئی۔ اس لئے اندھیرے میں تیر چلانے کی
نہیں۔" وہ فوراً بولیں۔
تو پھر کس کا ملبہ اس کمزور دل پر گرایا گیا تھا؟" اس کا اشارہ ڈاکٹر رخشندہ کی آخری ناراض کال کی طرف تھا۔
ملبہ نہیں، حق۔ میرا حق ہے نا تم پر کچھ کہ نہیں؟" وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو کر بولیں۔
بجلہ حقوق بحق والدہ محترمہ محفوظ ہیں۔ آپ سے بڑھ کر آپ کی اولاد جیسی پراپرٹی پہ اور کون حق جتا سکتا ہے بھلا مدر جان!
لے اللہ یہ کیسا انوکھا وہم جاگا ہے بھلا؟...... ویسے ماما! بندہ بیمار ہو، کسی وہم کا شکار ہو جائے تو اسے ڈاکٹر یا کسی سائیکاٹرسٹ
کا مشورہ دیا جاتا ہے اور اگر ڈاکٹر کو ایسی ضرورت پیش آ جائے تو اس کے لئے کیا ایڈوائس ہو گی بھلا؟" وہ شرارتاً بولا۔
بنو گے مجھ سے۔ اور کوئی وہم نہیں ہوا مجھے۔ اچھا سنو، ایک بات پوچھوں؟ تم سے سچ بولنا ہے۔" ایک دم سے بولیں، جس
کے لئے انہوں نے فون کیا تھا۔
کہیں تو حلف اٹھا لوں، جو کہوں گا، سچ کہوں گا۔ یہ آج کل آپ کو دوسرا فوبیا ہوا ہے کہ آپ کا بیٹا اب آپ کو ڈاج دے کر
جھی بول سکتا ہے۔ ایم آئی رائٹ مام؟"
"کاش! تم میرے سامنے ہوتے تو واقعی دو ہاتھ لگا دیتی۔ اچھا سنو، تم یہاں کسی میڈم یاقوت کو جانتے ہو؟" انہوں نے دھڑکتے
ل سے یہ سوال پوچھا تھا۔
"جانتا۔" کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا تو انہیں تسلی سی ہوئی کہ یقیناً وہ ان کا مذاق اُڑائے گا کہ وہ کس وہم میں مبتلا ہو گئی ہیں۔
"مام ڈیئر! آپ کو پاپا نے بتایا نہیں؟" وہ قہقہہ روک کر بولا۔
"کیا...... کیا نہیں بتایا......؟" ان کا دل ایک بار پھر زور سے دھڑکا تھا۔
"یہی کہ میں انہی کا تو بزنس پارٹنر ہوں۔ ان کی گارمنٹس فیکٹری میں ففٹی پرسینٹ شیئرنگ کی ہے میں نے۔" وہ کہہ رہا تھا اور
ماما کھڑے کھڑے گر پڑیں گی۔ سہارا لینے کو پیچھے پڑے صوفے پر گر سی گئیں۔ تو ان کے خدشے بے جا نہ تھے۔
"کیوں...... آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"
"تم ان کے ساتھ پارٹنر شپ ختم کر سکتے ہو میرے کہنے پر؟" وہ کمزور سی آواز میں بولیں۔
"کیوں ماما! خیریت تو ہے؟" وہ پریشان سا ہو گیا
"وہ...... وہ اچھی عورت نہیں ہے۔ میری بات کا یقین کرو گے؟" ان کی آواز ڈوب ڈوب کر اُبھر رہی تھی۔
"مگر ماما! شی از ویری نائس اینڈ گریس فل۔ آر یُو اوکے ماما؟" وہ ان کی کمزور آواز پر قدرے پریشان ہو کر پوچھنے لگا۔
"تو تم میری بات نہیں مانو گے؟" وہ اس کے سوال کو نظر انداز کر کے بولیں۔
"ماما ڈیئر! پھر وہی ضد...... اچھا وجہ بتا دیں مجھے، میں غور کروں گا۔" اس نے زچ ہو کر کہا۔
"اگر میں وجہ کے بغیر تمہیں حکم دوں تو کیا تم نہیں مانو گے؟"
"مان لوں گا۔" وہ ہارے ہوئے انداز میں بولا۔
"تو پھر مان لو۔" وہ فوراً بولیں۔
"ماما! آپ رحیمہ مائی سے بات کریں۔ اس روز میرے بتانے پر آپ پہچان نہیں سکی تھیں۔ یہ بات کریں۔" ایک دم سے

ڈاکٹر رخشندہ کو موضوع سے ہٹانے کا جواز نظر آ گیا۔ کاکا بشیر کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر برتن سیٹ کرتی رحیمہ مائی کے کان سے اس نے سیل فون لگا دیا۔

''رحیمہ مائی! ماما سے بات کریں۔'' وہ کہہ کر اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔

''السلام علیکم بیگم صاحبہ جی! میں رحیمہ......آپ نے پہچانا مجھے؟''

یہ دوسرا دھکا تھا، جو ڈاکٹر رخشندہ کو وہاں بیٹھے بیٹھے لگا تھا۔ آخر یہ لڑکا میرے ساتھ کیا کرنے جا رہا ہے۔ انہیں دائم پر غصہ آیا تھا۔ خون کے گھونٹ پیتے ہوئے انہوں نے سیل فون دوسرے کان سے لگایا۔

''ٹھیک ہوں میں......تم کیسی ہو؟'' وہ بے حد روکھے لہجے میں بولیں۔

''میں جی اللہ کا شکر ہے، آپ کے جانے کے بعد بس دو ہی جگہ میں نے ملازمت کی، مگر کہیں بھی جی نہیں لگا۔ آپ جیسا اچھا اور مہربان مالک ملا۔ نہیں تو......''

''اچھا سنو، تم ادھر بار بار کیوں آ رہی ہو؟ کیا مقصد ہے تمہارے ادھر آنے کا؟'' وہ ایک دم اس کی بات کاٹ کر بولیں تو رحیمہ مائی کی فراٹے سے چلتی، شیرے میں ڈوبی زبان ایک دم سے رک گئی تھی۔

''ج......جی......کک......کوئی نہیں۔'' اس نے لڑکھڑاتی زبان سے کہتے ہوئے پاس کھڑے دائم کی طرف دیکھا۔

''نہیں......کچھ تو ہے جو تم بار بار، بلا مقصد ادھر آ رہی ہو۔ کیا پٹی پڑھانا چاہتی ہو؟ کیا ارادے ہیں تمہارے؟'' انہوں نے گویا تابڑ توڑ حملہ کیا۔ وہ ہراساں، امداد طلب نظروں سے دائم کی طرف دیکھنے لگی۔

''نن......نہیں جی......کچھ بھی نہیں......خدانخواستہ میں کیوں آپ کو بلیک میل کروں گی یا دائم بیٹے کو......میں تو آپ کی نمک خوار، آپ کی وفادار......''

''اچھا بس۔ زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں۔ میں چند دنوں تک پاکستان آ رہی ہوں۔ پاکستان آؤں گی تو تم سے بات کروں گی۔ بشیر کا کا کو اپنا کوئی نمبر شمبر دے جانا، میں خود آ کر تمہیں بلواؤں گی۔ اور ہاں، اس دوران دوبارہ ادھر آنے کی ضرورت نہیں۔ اگر پیسوں ویسوں کی ضرورت ہے تو میں دائم سے کہہ دیتی ہوں، تمہیں دے دیتا ہوں۔ مگر دوبارہ ادھر میرے آنے تک میں آ کر نہ بلواؤں۔ سنا تم نے؟''

وہ تیز تیز بولتی چلی گئیں اور رحیمہ اپنی بوڑھی سلیٹی آنکھوں میں اترتی نمی سے بے خبر حیران سی بنے گئی۔ اسے اپنی نرم دل، مہربان بیگم صاحبہ سے ایسی طوطا چشمی اور بے مروتی کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے سیل دائم کی طرف بڑھا دیا وہ بغور اس کی حالت کا جائزہ لے رہا تھا۔

وہ سیل دائم کو تھما کر سر ہلاتے ہوئے، لبوں میں کچھ بڑبڑاتی باہر کی طرف چل پڑی۔

''اے مائی! کھانا تو کھا کر جانا۔ کدھر جا رہی ہو؟'' کاکا بشیر نے اسے یوں باہر جاتے دیکھ کر آواز لگائی، جسے وہ ان سنی کر کے نکل گئی۔

'اسے کیا ہوا؟ کیا ماما نے کچھ کہا ہے؟......اور وہ کیا کہہ رہی تھی کہ اسے کیا ضرورت ہے بلیک میل کرنے کی......پر بلیک میل؟'

اس نے الجھ کر سیل سے کان لگایا، دوسری طرف صرف سائیں سائیں کی آوازیں تھیں۔

''کاکا بشیر! بھاگ کر جاؤ، مائی کو اندر بلا کر لاؤ۔ مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔ جلدی جاؤ، کہیں وہ نکل نہ جائے۔'' خیال آتے ہی اس نے فوراً کاکا بشیر کو باہر کی طرف دوڑایا۔

''پہلے ماما نے اس نام کی کسی عورت سے واقفیت سے انکار کیا اور اب اتنی لمبی چوڑی گفتگو کی۔ بغیر جان پہچان کے کوئی ایسی باتیں نہیں کرتا۔ آخر یہ کیا مسٹری ہے؟ ماما کا رویہ کیسا عجیب ہوتا جا رہا ہے جیسے......جیسے وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کیا؟'' وہ الجھ کر سوچ گیا۔ آغا جان جیسے ہی ڈائننگ روم میں آئے، وہ گہرا سانس لے کر ان کی طرف بڑھ گیا۔

✻......✻

''میں اگلے ہفتے جا رہی ہوں اسامہ! من ڈے کی شام پانچ بجے کی سیٹ کنفرم کروائی ہے میں نے۔'' وہ اسے اطلاع دے رہی تھیں۔ ''اور آنٹی کی سناؤ، ان کا کیا ارادہ ہے؟ میں تمہارے فون کا انتظار کرتی رہی، پھر اکتا کر خود ہی بکنگ کروائی۔''

''بہت جلد باز ہو تم لڑکی! میں نے تم سے کہا تھا نا، تھوڑا صبر کر لو۔ آنٹی کے ساتھ چلی جانا۔'' وہ خفا ہوتے ہوئے بولا۔

''تمہارے لارے پر میں نہیں بیٹھی رہ سکتی۔''

ش بیٹھی رہ سکتیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ لائبہ ابرو اچکا کر رہ گئی۔

یا نہیں، رخشندہ آنٹی کا کیا پروگرام ہے؟''

نا کا کوئی ضروری آپریشن ہے، اس ہفتے کے اینڈ میں تو اگلے ہفتے وہ بھی کہہ رہی ہیں، فرسٹ ممکنہ فلائٹ میں ٹکٹ او کے کرا تا ہوں، اگر منڈے کو ہی ان کی بھی سیٹ کنفرم ہو جاتی ہے تو کروا لیتا ہوں۔''

تم نہیں جاؤ گے؟'' اس کا انداز کچھ ایسا تھا پوچھنے کا کہ اسامہ لمحہ بھر کو چپ رہ گیا۔

بھی فی الحال نہیں۔ تم نے اپنی ماما کو بتایا تھا، اپنے آنے کے بارے میں؟''

یں پاگل ہوں کیا، جو بتاؤں گی؟'' وہ تیزی سے بولی۔

گر انہوں نے ری ایکٹ کیا...... آئی مین سوچ لو۔ ان کی ناراضی سے بہتر ہے پہلے ان کو بتا دو۔''

جانے دو، اب مجھے ان کی ناراضی کی پروا نہیں۔ جب تک پروا تھی تو کیا مل گیا جواب ان کی خوشی کے خیال کو سینے سے لگی گھومتی رہوں۔ اور سنو!'' وہ ایک دم سے بولی۔

ہوں!''

تمہیں زیادہ ایفی شینسی دکھانے کی ضرورت نہیں کہ اٹھا کر انہیں انفارم کر دو۔ ورنہ......''

ورنہ کیا کرو گی؟''

ورنہ تمہارا جو حشر ہوگا، تم خود بھی نہیں سوچ سکتے۔ میں دوستی کیا، دشمنی کی ہر حد پھلانگ جاؤں گی اور اس کے باوجود جانا تو میں ہے۔'' وہ اسے دھمکاتے ہوئے بولی۔

بھئی جب تم نے جانا ہی ہے تو میں روڑے اٹکانے والا کون ہوتا ہوں؟'' وہ جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے بولا۔

اور سنو، وہ تمہاری فاخرہ اور گلزار...... اُن سے کیا کہہ کر جاؤ گی؟''

''جسٹ شٹ اَپ اسامہ! اب کیا میں ان لوگوں کے آگے جواب دہ ہوں گی، جو میری ماں کے نمک خوار ہیں؟ چھوڑو، چینج دا اب یوں بھی میں نے سارے خدشے، واہمے اپنے دماغ سے نکال دیئے ہیں۔ بس جانا ہے، یہ سوچ لیا ہے اور کچھ نہیں۔''

''ایک بات کہوں؟''

''بولو!''

''تم دائم کے لئے جا رہی ہو نا؟ ورنہ ایسا باغیانہ خیال پہلے تو کبھی تمہارے دماغ میں نہیں آیا۔ مدتوں سے آنٹی نے تمہیں خود دور کر رکھا ہے۔''

اسامہ رک رک کر بولا تھا۔ وہ جواب میں لمحہ بھر کو خاموش رہی۔ شاید کوئی عذر لنگ تراشنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ایسا ہوتا اسامہ! تو میں سوسائیڈ اٹیمپٹ کرنے سے پہلے ضرور کوشش کرتی۔ میری اس پلاننگ میں دائم سے ملاقات ہے تو مگر ضروری نہیں، پتہ نہیں اس نئی زندگی نے مجھے کیسے تبدیل کیا ہے کہ ایک بات مجھے سمجھ میں آ گئی ہے۔ زندگی ہو یا موت ہو یا ت، مانگ کر نہیں ملتی۔ لاکھ جھولیاں پھیلاؤ، منتیں کرو، واسطے دو، ان کے ملنے کے اپنے ہی ڈھنگ ہیں۔ کوشش...... سر توڑ شش سے یہ شاید مل تو جاتی ہو، مگر اس ملنے میں خود سپردگی نہیں، زبردستی کا رنگ زیادہ نمایاں ہوگا۔ اور زبردستی تو انسان جانور کو بھی یادہ دیر کھونٹے سے نہیں باندھ سکتا۔ یہ تو پھر جذبے ہیں، مانگنے سے کیا ملیں گے؟''

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی تو اسامہ کو انجانی سی خوشی ہوئی۔ اس کی سوچ کتنی حقیقت پسندانہ ہو گئی تھی۔ وہ ضد، وہ بچپنا، ہٹ دھرمی پلے گزرے دنوں کا قصہ ہو چکے تھے۔

''چپ کیوں ہو گئے؟...... کچھ کہو گے نہیں؟''

''سراہنے کے لئے الفاظ نہیں، اس لئے خاموش خراج تحسین پیش کر رہا ہوں، تمہارے ان میچور خیالات کو۔'' وہ بولا تو لائبہ ہنس دی۔

''کیا خراج تحسین کا انداز ہے۔ نہ الفاظ، نہ کوئی احساس۔''

''ملو تو دونوں چیزیں پیش کر دوں گا۔'' وہ بے ساختہ بولا۔

''شیور...... کل لنچ میں ملتے ہیں۔'' وہ جواباً بولی۔

''لائبہ! ایک بات پوچھوں؟''

''دس پوچھو۔''

''چلو چھوڑو، پھر سہی۔''

"مجھے معلوم ہے، تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" وہ فوراً بولی۔
"اسامہ! تم بہت اچھے ہو۔ اتنے اچھے کہ جتنے اچھے پارٹنر کا خواب کوئی بھی لڑکی دیکھ سکتی ہے۔ میرے خیالات تبدیل کرنے کے بارے میں بدلے تو ہیں مگر دل کو قائل کرنا بہت مشکل ہے۔ تم کسی اچھی لڑکی سے......."
"اچھا، کل دوپہر میں ملتے ہیں۔ اللہ حافظ!" اس نے ایک دم سے پھر رابطہ منقطع کر دیا تو لائبہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

✿ .... ✿

"کہاں سے آ رہی ہو تم؟" تنزیل نے اپنا سوال دہرایا تھا۔
"جاب کی......." تانیہ نے کہنا چاہا۔
"شٹ اپ! جھوٹ مت بولو مجھ سے۔" وہ دھاڑا تھا۔
"کیا جھوٹ بول رہی ہوں میں تم سے؟" وہ چوکر بولی اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے کیسی چنگاریاں نکل رہی تھیں کہ تانیہ ایک پل سے زیادہ ان کی طرف نہ دیکھ سکی۔
"کیوں ملتی ہو تم اُس راسکل سے؟" اس نے تانیہ کی کلائی پکڑ کر اس زور سے دُہری کی کہ برداشت کرتے کرتے بھی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
"تنزیل! کیا کر رہے ہو؟....... چھوڑو اسے۔" یاسمین، بیٹی کی مدد کو آگے بڑھیں۔ مگر تنزیل نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا، وہ اس کی کلائی کو اس آہنی جکڑن سے پکڑے ہوئے تھا۔
"کون....... کون راسکل؟" تکلیف کے مارے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ یاسمین پاس آ کر تانیہ کی کلائی اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگیں۔
"جہانگیر ہمدانی۔ تمہارا......." ایک موٹی گالی اس نے زبان کی نوک پر آتے آتے روکی تھی۔
"اچھا ہوا تم نے دیکھ لیا....... ہاں، میں تھی جہانگیر ہمدانی کے ساتھ۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا کر بے خوفی سے جواب دیا تھا۔
اور تنزیل اپنے ہاتھ پر قابو نہ رکھ سکا۔
اس کا زوردار طمانچہ، تانیہ کے چودہ طبق روشن کر گیا۔ وہ پوری کی پوری گھومتی ہوئی اس سے پہلے کہ پیچھے پلٹ کر گرتی، یاسمین نے اسے اپنی کمزور بانہوں میں تھام لیا تھا۔
"ذلیل.......!" وہ دانت پیس کر دوسری گالی دباتے ہوئے غرایا۔ "میں نے تمہیں منع کیا تھا نا، اس سے ملنے کے لیے! کیوں، کس لئے ملتی ہو اس سے؟ کیا لگتا ہے وہ تمہارا؟" وہ پھر سے اسے مارنے کے لئے جھپٹا تھا۔ یاسمین نے اسے اپنی پشت کے پیچھے پناہ دی تھی۔
"ہاں ملتی ہوں اس سے....... ملوں گی۔" وہ نڈر ہو کر چلائی۔
"شوٹ کر دوں گا میں اسے بھی اور تجھے بھی۔" وہ بغیر کسی لحاظ کے اتنی زور سے چلایا کہ یاسمین گھبرا کر اردگرد کی دیواروں کی طرف دیکھنے لگیں۔
"جیل کی دیواریں بھا گئی ہیں تمہیں۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔ "یونہی تو تم دندناتے نہیں پھر رہے۔ یہ اُن کی مہربانی ہے۔"
"بکواس بند کرو۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا....... تم....... تمہارے اندر اس نے ایسے شیطانی خیالات بھر دیے ہیں۔ تم پاگل ہو گئی ہو۔ تمہیں....... تمہیں......."
"ہاں، میں ہو گئی ہوں پاگل اُس کے پیار میں....... اور امی! وہ ابھی گھنٹہ بھر میں مجھے پرپوز کرنے آ رہے ہیں۔ میں نے....... میں نے ان سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"
یاسمین اور تنزیل کو لگا، کسی نے بھری دوپہر میں ان کے گھر کے صحن میں بم پھینک دیا ہے کچھ ایسی ہی کیفیت دیوار کے پاس کھڑے احسن مراد کی بھی تھی۔ وہ سب بے یقین نظروں سے نڈر کھڑی تانیہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

✿ .... ✿

"یس....... آئی ایم اسپیکنگ۔" اس نے ریموٹ آگے کرتے ہوئے سی ڈی پلیئر کا چیختا ہوا والیوم کم کیا۔ تیز انگلش میوزک کی ردھم سے کمرے کا فرش، دیواریں، کھڑکیاں جیسے تھرتھرا رہی تھیں۔
"کیسی ہو میری جان؟" وہ اپنے مخصوص شہد آگیں لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ پہلے ان کی کال ریسیو کرنے، پھر اس لہجے کو سننے سے اپنے اندر نفرت، بے زاری، کوفت کی آگ سی بھڑکتی محسوس کر کے اس کی پیشانی پر گہرے بل پڑ گئے تھے۔

"ہاں۔" اپنی برہنہ پنڈلیوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے اس نے خاصے بے مہر لہجے میں جواب دیا۔
"اس بار واپس لوٹ کر بھی میں جیسے واپس نہیں آئی۔ تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔" ان کے احساسات تک اس کے لہجے کی
ہری بھی نہیں تھی۔
وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔
"کیا کہہ رہی تھیں؟" ان کا لہجہ خلاف معمول مشتاق سا تھا۔
"کچھ خاص نہیں۔" اس نے سر بیڈ کے کراؤن سے ٹکا کر کمر سیدھی کر لی۔
"اور جو جاب کرنے کے بارے میں تم کہہ رہی تھیں؟" انہیں بھلا اس کی اتنی پروا کب سے ہونے لگی تھی۔ اُسے اُلجھن سی

"فی الحال نہیں۔" اس کے مختصر جوابات اس کی ذہنی کیفیت کا عکاس تھے۔ مگر یا تو وہ کسی اور موڈ میں تھیں جو بالکل سمجھ نہیں پا
رہی تھیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھیں۔
"یوں اس طرح فارغ رہ کر، اُلٹی سیدھی سوچیں دماغ میں پالنے سے بہتر ہے کسی کام میں خود کو مصروف کر لو۔" شاید اس کی
چپ اور کوشش نے انہیں کچھ محتاط سا کر دیا تھا۔ ورنہ وہ فون ہفتے میں ایک دو بار سے زیادہ نہیں کرتی تھیں۔ اور اب....... جانے
دوران میں دو بار اسے فون کر رہی تھیں۔
"بظاہر مصروف ہونے سے کیا ہوگا؟" اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔
"بیٹے، اس بار واپس آئی ہوں تم سے مل کر تو....... تم ٹھیک کہہ رہی ہو، بظاہر مصروف ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ ادھر ہزاروں
کام پڑے ہیں، جو میری توجہ چاہتے ہیں۔ اور میرے دھیان کی پرواز صرف تمہاری طرف ہے لائبہ! مائی سویٹ ڈارلنگ! اپنا بہت
خیال رکھنا۔ اپنے لئے نہ سہی، اپنی اس ماں کے لئے، جسے تمہاری ضرورت ہے۔" وہ بالکل بدلے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھیں۔
"کیا آپ کو واقعی میری ضرورت ہے؟" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔
"اس وہم کا کانٹا کیسے میں تمہارے دل سے نکالوں؟" وہ جیسے بے بس سی ہو کر بولیں۔
"وہم نہیں ہے یہ، مجھے یقین ہے۔" وہ جوش سے کہتے کہتے رُک گئی۔
"سنو، آج میں جو تم سے کہنے جا رہی ہوں، اسے بہت دھیان سے سنو اور اپنے دل پر نقش کر لو۔ یہ سب اتنا ہی سچ، اتنا ہی حقیقی
ہے جتنا تمہارا یہ مادی وجود......" وہ جیسے ہانپتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں بولی تھیں۔ لائبہ کا دل کسی انجانی بات، کسی
انہونے راز کے معلوم ہونے کے خیال سے بڑی زور سے دھڑکا تھا۔
وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور سیل کو مضبوطی سے کان سے چپکا لیا اور بے تابی سے ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔
"میں نے نہ تو تمہیں کسی کوڑے کے ڈھیر سے اُٹھایا ہے، نہ کسی خیراتی ادارے سے گود لیا ہے اپنی ممتا کی تسکین کے لئے۔
تم میرے وجود کا حصہ ہو، بالکل ایسے جیسے....... جیسے تم، تم نہیں، میں ہوں۔ اس کی تصدیق آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر کر
لو، یہ آنکھیں جھوٹ بولیں گی، نہ آئینے کا عکس....... تم میری اپنی بیٹی ہو، میری کوکھ سے جنم لیا ہے تم نے......" وہ سانس
لیں۔ ان کی سانسیں یوں پھول رہی تھیں، جیسے وہ میلوں کا سفر کر کے آئی ہوں۔
اس کا کان جو سیل سے چپکا تھا، گرم ہو کر دہکنے لگا تھا۔
"تم نے......اور......" وہ پھر رُک گئیں۔
"......اور......" اسے مزید برداشت کرنا محال لگ رہا تھا۔
"تم اور...... تمہارا بھائی...... ٹوئنز......" وہ خواب ناک انداز میں اتنا آہستہ بولیں جیسے اس دھندلے سے منظر کو ایک بار
آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی ہوں۔
"بھائی...... میرا بھائی......" اُس کی چیخ مدھم نہیں تھی، مگر بہت بلند بھی نہیں تھی۔ "ٹوئنز ماما!...... تو وہ...... کہاں
ہے؟" اندر کوئی صحرا اُگ آیا تھا۔ پیاس کا، حسرت کا۔
"پتا...... یہی آگ تو برسوں سے میرے اندر دہک رہی ہے...... کھو گیا وہ مجھ سے۔" وہ شاید روئی تھیں یا رو رہی تھیں۔
"وہ کھو گیا زندگی کی اس بھیڑ میں...... اُس کی تلاش میں مجھو، در در، گوچے گوچے بھٹک رہی ہوں، کسی بھکاری کی طرح۔ اپنی
پانے کی آس میں...... ہر ہر گھر کی دہلیز پر بیٹھتی ہوں...... اس...... اس آس پر کہ شاید وہ مجھے مل جائے...... میری ترسی
ہوئی، میری پیاسی ممتا کو قرار......"
وہ ہچکیوں سے رو رہی تھیں، پھوٹ پھوٹ کر۔

''ماما! پلیز سنبھالیں خود کو۔ پلیز ماما! میں ڈھونڈوں گی آپ کے ساتھ مل کر اسے۔ ماما! آئی ایم ود یو...... پلیز ما
سلیف۔''

ایسی بے قراری۔ وہ تو آج تک کبھی اس کے سامنے نہیں روئی تھیں۔ وہ تو ہمیشہ اسے کسی آہنی چٹان کی طرح مضبوط
کھڑی دکھائی دی تھیں۔ اسے اپنی بے بسی پر رونا آنے لگا۔ کاش وہ اس وقت ماں کے پاس ہوتی، ان کے ٹوٹے بکھرے
بانہوں میں سمیٹ لیتی۔ ان کے سارے آنسو اپنی ہتھیلیوں میں، اپنی پلکوں پر روک لیتی۔ ان کے برہمن دل کا سارا غم
اتار لیتی۔ ان کی ساری تشنگیاں، ان کی ساری پیاس اپنے لبوں میں جذب کر لیتی۔

''ماما!...... ماما! پلیز چپ کر جائیں...... میں...... میں تو ہوں نا آپ کے پاس۔'' اس کی آنکھوں سے آ
تھے۔

''ہاں...... ہاں میری جان! میری سویٹی! آئی لو یو۔ تھینک گاڈ، تم ہو میرے پاس۔ اس ظالم زندگی نے مجھ
چھین لیا، ورنہ...... ورنہ میرے پاس جینے کا کیا جواز رہ جاتا؟...... ہاں، تم ہونا۔''

وہ اب شاید ہنس رہی تھیں، مگر اس ہنسی میں کیسے کانچ ٹوٹ رہے تھے، جن کی کرچیاں لائبہ کو اپنے دل میں اترتی
تھیں۔ اس نے سیل کو مضبوطی سے اپنے پسینے میں بھیگتے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا، جیسے...... جیسے ماں کو کندھوں
سینے سے بھینچ لیا ہو۔

'کاش! میں نے من ڈے کے بجائے کل کی سیٹ کنفرم کرائی ہوتی۔' اُس کے بے قراری سے پاگل ہوتے دل
تمنا کی۔

''اور تمہاری سلامتی...... تمہاری زندگی کے لئے تمہیں خود سے دور کر رکھا ہے کہ تم پر کوئی آنچ نہ آئے......
ملے، میری ذات سے نہ اس زندگی کی تلخ حقیقتوں سے...... اور جو تم نے اپنی جان لینے کی کوشش کی تو مجھے لگا، کی
پر چھری چلا دی ہو۔ مجھ سے وعدہ کرو، اب دوبارہ کبھی بھی زندگی کے کسی بھی کٹھن ترین موڑ پر یہ حرکت دوبارہ نہیں کرو
وعدہ کرو۔'' اسے سچ مچ ان کی ممتا اور اپنے لئے ان کی بے قرار محبت پر یقین آ گیا۔

ابھی جو چند لمحے پہلے ان کا فون ریسیو کرتے ہوئے جیسی بے اعتباری، بے گانگی اور بے زاری ان کے لئے
تھی، سب کی سب انوکھے سے محبت بھرے جذبے میں ڈھل گئی تھی۔

''پرامس مما!...... آئی پرامس۔ پھر دوبارہ کبھی ایسا کام نہیں کروں گی۔ خواہ...... خواہ کیسی قیامت مجھ
پڑے۔'' وہ بے اختیار سے لہجے میں بولی تھی۔

''خدا نہ کرے، اللہ نہ کرے تم پہ کبھی کسی دکھ کا سایہ بھی پڑے۔'' وہ بے ساختہ بولی تھیں۔

لائبہ انہیں اپنی آمد کے بارے میں بتانے کا سوچ رہی تھی۔ وہ اس کمزور لمحے کی زد میں آ چکی تھی، جس کے تحت
اہم ترین فیصلہ انہیں بتا سکتی تھی۔

''اور سنو، دوسری اہم بات۔'' شاید وہ بھی کسی اور اہم بات کو بتانے کے لئے لفظوں کو ترتیب دے رہی تھیں
ہوئی سرگوشی میں بولیں۔

اس کے سارے حواس ایک دم سے پھر الرٹ ہو گئے۔ آج ماما اس کے سامنے کون کون سے انکشافات کرنے
کے دل نے گواہی دی کہ یہ دوسری بات شاید پہلے راز سے بھی زیادہ اہم ہو۔ وہ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

''کوڑے کے ڈھیر سے جو بچے اُٹھائے جاتے ہیں، وہ گناہ کی سیاہ راتوں کا انجام ہوتے ہیں۔ میں نے تمہیں
ڈھیر سے نہیں اُٹھایا، تمہیں جنم دیا تھا، محبت سے یا...... مجبوری سے...... مگر اس سے پہلے، اس کے بعد ہارا......
انہوں نے ایک دم خود کو کچھ کہنے سے روکا۔ وہ بے چین سی ہو گئی۔

''بس، تمہارے جاننے کی جو دوسری بات ہے وہ یہ ہے کہ تم...... کسی گناہ کا پھل نہیں ہو...... اس دن تمہا
گالی سن کر میں نے پہلی بار دل سے دعا کی کہ کاش یہ گالی سچ ہوتی اور اس سچ کے نتیجے میں، میں بھی کب سے اس
ہوتی کہ ایسا سچ وجود میں آنے سے پہلے میں خود کو ختم کر لینا زیادہ برحق سمجھتی نہ کہ تمہیں پیدا کرتا...... اب دوبارہ مجھ
میں کوئی سوال نہ کرنا کہ وہ کون تھا، کون ہے؟'' وہ اتنی تیزی سے بول رہی تھیں جیسے اس موضوع کو جلد سے جلد لپیٹ
اور لائبہ ان سے اگلا سوال بھی یہی کرنے والی تھی کہ جیسے انہوں نے اس کی زبان پکڑ لی۔

''وہ جو کوئی بھی تھا، ہے، میرا وعدہ ہے ایک دن تمہیں اس کے بارے میں ضرور بتا دوں گی۔ بس ایک بار
بارے میں پتہ چل جائے۔ بلکہ وہ تو......'' وہ کچھ اور منہ سے نکل جانے کے خیال سے رُکی تھیں شاید۔ اور لائبہ

کے لیے بے چین ہوگئی۔

"کیا آپ کو اس کے بارے میں علم ہو چکا ہے؟" اس نے بے ساختہ اندھیرے میں تیر چلانے کی کوشش کی۔ میڈم یاقوت کے گھبرانے اور اسے اس طرح پہلی بار اعتماد میں لینے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ سراغ لگا چکی تھیں۔

"یہی سمجھ لو۔ کچھ علم ہو بھی چکا اور کچھ نہیں بھی۔" وہ فوراً بولیں تو پہلی بار لائبہ کا دل حقیقی خوشی کے احساس سے متعارف ہوا۔ اس انکشاف تھی۔ اس کا باپ جو کوئی بھی تھا، بے وفا، جفا خو...... اس کا وجود ہے...... اس کا بھائی جلد یا بدیر اس سے ملنے والا اور اس کی ماں...... آہنی ارادوں والی زیرک ماں، کس تردد کے ساتھ ایک ہشیار مرغی کے مانند اپنی فیملی کو مکمل کرنے کے لیے اب سے کٹھنائیوں کے جنگل میں رستہ بنا رہی ہے...... اور وہ کس طرح بے یقین ہوئی۔ اپنی ماں...... اپنی محبت کرنے لگی اپنے والی ماں پر شک کر بیٹھی۔

"جیسے ہی میں ساری کڑیاں جوڑنے میں کامیاب ہو جاتی ہوں، ہم اکٹھے رہیں گے۔ ادھر تمہارے پاس ہی مل کر۔ بس تھوڑے دن، مہینے اور صبر کر لو۔ میں سب کچھ سمیٹ کر آ جاؤں گی۔ اب تم یکسوئی کے ساتھ کسی بھی کام کی طرف خود کو لگاؤ، مصروف ... اور میری اس بات کو اپنے ذہن کے سب سے محفوظ گوشے میں لکھ کر رکھ لو۔ تم خوش ہو یا غمگین، خود کو مصروف رکھو۔ صرف ایک بات تمہیں کسی بھی انتہائی تباہ کن انجام سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ ہر صورت خود کو بزی کر لو، باقی جو بھی معاملات ہیں، وہ بڑا لوں گی۔ تم اب کسی فالتو سوچ، منفی خیال کو اپنے دل میں نہ آنے دینا۔ مجھے تمہارا صرف اتنا تعاون درکار ہے، اتنی فیور تو کرو ... اس مشکلوں میں پھنسی، مجبور ماں کے ساتھ؟" کس انداز سے انہوں نے اس کے اندر سوئی ہوئی محبت کرنے والی، فرماں بردار بنا دیا تھا کہ وہ اب کسی طور ان کے کسی فیصلے، کسی مدد سے انکار کر ہی نہیں سکتی تھی۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں ماما!...... میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں اور رہوں گی۔ آپ کی بیٹی ہوں۔ ہوں نا؟" وہ پہلی بار ملائی۔

"بالکل، مائی سویٹ ڈاٹر۔ آئی لو یو۔" انہوں نے بے ساختہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا اور شاید اپنے لب بھی ماؤتھ پیس ملائے تھے کہ ان کے بوسے کا لمس، لائبہ کو اپنی پیشانی پر محسوس ہو رہا تھا۔

"آئی لو یو، مام!" وہ سرشار سے لہجے میں گہرا سانس لے کر بولی۔

"اپنی تیور ون؟" وہ شاید لائبہ کے بوجھ سے خود کو مکمل رہا کروانا چاہ رہی تھیں، سو تسلی کے لئے فون بند کرنے سے پہلے بولیں۔ لائبہ پھر وہ بات کہتے کہتے رہ گئی۔

"ٹرو ماما!" وہ آہستگی سے بولی۔

"گڈ، مائی سویٹی! ٹیک کیئر آف یو۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!" وہ ہولے سے بولی۔

"تم نے کہا کیوں نہیں کہ ماما! میں آپ کے پاس آنا چاہ رہی ہوں؟" اس نے جھلا کر سیل کی بجھتی ہوئی روشنی کو دیکھا اور ایک لمحہ سوچتے ہوئے نمبر پش کرنے لگی۔ مگر پھر رک گئی۔

"ابھی نہیں۔ ابھی مجھے خود کو ان کو کچھ وقت دینا چاہئے۔ ابھی من ڈے میں دن ہیں۔" اس نے ایک دم آف کا بٹن دبا دیا اور پرسکون گہرا سانس لیتے ہوئے تکیے پر گر گئی۔

"میں کسی اندھیری رات کی گود میں پلنے والے گناہ کا پھل نہیں۔ اوہ مائی گاڈ!" وہ سر اُٹھا کر سرشاری سے گہرے گہرے سانس ... "ماما! آج آپ نے مجھے، میرے وجود کو کتنا قیمتی، کتنا معتبر کر دیا ہے۔ ہر لمحے اس احساس کا زہریلا ڈنک مجھے اندر ہی اندر ... تھا کہ میں ناجائز ہوں۔ اور آپ کی ممتا پر، آپ کے ماں ہونے پر شک کرتے ہوئے کیسے میرے دل پر برچھیاں سی چلتی ... مجھی خوشی ملی ہے مجھے اس لمحے کہ میرا کوئی باپ ہے۔ صرف مجھے پیدا کرنے کا سبب بننے والا نہیں، بلکہ سچ میں میرا حقیقی ... جس کا نام...... کاش! میں ماما سے ان کا نام ہی پوچھ لیتی اور ماما...... اتنی شان دار عورت میری ماں ہے۔ آئی رئیلی پراؤڈ ... ماما ڈیئر مام!" اس نے ہاتھ پر تصوراتی بوسہ لیتے ہوئے بڑی چاہت سے ماں کو مخاطب کیا تھا۔

وہ ہنسی ہو کر گنگنانے لگی فضا میں جھلانے لگی۔

اس کا پورا وجود کسی معطر پھول کی طرح کھلا جا رہا تھا، اُڑا جا رہا تھا، کسی خوشبودار جھونکے کے مانند، اوپر ہی اوپر۔

✲⊙......⊙✲

... گھر میں سوگ اور وحشت کی ایسی بلائیں رقص کر رہی تھیں، جن کی موجودگی میں زندگی خوشی، امید اور خواہش کا ایک ہلکا سا ... بھی نہیں بھر سکتی تھی۔

گھر کے کونے کونے سے موت اور غم کے اندھیرے سائے نکل نکل کر سارے گھر کی فضا پر قابض ہو چکے تھے جیسے
مرگ نہیں، کئی موتیں ایک ساتھ واقع ہو چکی ہوں۔

جیسے سارا گھر موت کی کالی چادر اوڑھ کر سو گیا ہو۔ تا وقت قیامت۔ اور اس سوتے ہوئے گھر کا واحد چوکیدار
جو ہر اندر کی طرف بڑھتے قدم کو دبوچ لے گی، اپنے پنجوں میں لے کر زندگی کا سارا رس نچوڑ لے گی۔

تنزیل اپنا سر دونوں ہاتھوں پر گرائے، سرخ آنکھیں لئے، بدن میں کھولتے خون میں اُڑتی چنگاریوں کو دبائے
کو اُٹھنے سے روکے ہوئے تھا اور اسے پتہ تھا، یہ روک محض چند منٹوں یا چند گھنٹوں کی ہے۔

"اگر وہ شخص اس گھر میں آیا یا اس گھر کی دہلیز پر اس نے قدم بھی رکھا تو اس کے ساتھ ساتھ تمہاری بھی
تم نے؟" تانیہ کے منہ سے جہانگیر ہمدانی کے پرپوزل لے کر آنے کا سندیسہ سنتے ہوئے وہ اس کی جانب بڑھا
ہاتھ میں اس کی گدی دبوچ کر کسی بھیڑیے کی طرح غرا کر بولا تھا۔ مارے تکلیف کے تانیہ کی آنکھیں باہر کو
اس دھمکی پر ابھی عمل کر گزرے گا۔

"ام........ امی........!" تکلیف ضبط کرتے ہوئے بھی اس کے منہ سے دلدوز چیخ نکلی تھی اور اس چیخ پر
حواسوں میں آیا تھا۔ فقط اتنا کہ اسے کسی بے جان چیز کی طرح چھوڑتے ہوئے سامنے دیوار کی طرف ایسا دھکا دیا تھا
ہوئے اس پتھریلی دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔

اس کے سر کا جو حصہ دیوار سے ٹکرایا تھا، اسے لگا وہاں کسی نے چھری اُتار دی ہو۔ لبوں کے آگے ہاتھ رکھے اس کی
گھٹی گھٹی چیخیں نکلتی چلی گئیں۔

یاسمین خود کو گھسیٹتے ہوئے اس تک آئی تھیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے سینے سے لگائے، اندر لے جانے لگی تھیں۔

احسن مراد پہلے ہی اندر جا کر کرسی پر گم صم بیٹھ چکے تھے، جیسے باہر ہونے والے اس تماشے سے انہیں کوئی واسطہ نہ
ہو رہا ہے، وہ اس سب سے بہت پہلے سے واقف تھے۔

انہوں نے اجنبی، پتھرائی ہوئی نظروں سے اپنے سامنے سے یاسمین کو تانیہ کو اپنے ساتھ لگائے دوسرے کمرے میں
اور لب بھینچ کر کچھ سوچنے لگے۔

یاسمین نے اسے اندر لے جا کر اس کا سر سہلایا تھا اور تھوڑا پانی پلا کر لٹا دیا تھا۔ چت لیٹی تانیہ کی آنکھوں میں
شناسائی کی رمق نہیں تھی اور یاسمین خود کو کسی بے بس پتلی کی طرح محسوس کر رہی تھیں، جس کے دھاگے کسی اور کی انگلیوں میں
وہ اب ایسے اس کے دوسری طرف بیٹھ گئیں۔

ابھی ان کی ساس آ جائیں گی اور اور پھر آغا جان، ربیعہ اور سنبعہ........ وہ اس ساری فضا، اس وحشت بھرے ماحول
پیش کریں گی؟ کیا بہانے گھڑیں گی؟

جس بات کے ہونے کا احساس اس گھر کے در و دیوار کو سہا رہا تھا، ان کا دل کہہ رہا تھا یہ طوفان نہ تو ابھی چڑھا ہے
بہت کچھ بہا لے جانے کے لئے آیا ہے۔

وہ کسی طرح اس طوفان کو چڑھنے سے پہلے بند باندھ کر روک سکیں، کوئی پیش بندی، کوئی مضبوط بند اگر وہ باندھ سکیں
نے سسکی سی لیتے ہوئے کن انکھیوں سے چت لیٹی تانیہ کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح پلکیں جھپکے بغیر رو رہی تھی۔
اور اس کے آنسوؤں نے ایک بار بھی ان کے دل میں کسی درد کو نہیں جگایا تھا۔

جب بیٹیاں سرکش ہو جائیں تو کیا ممتا اپنے مقام سے دست بردار ہو جاتی ہے؟ انہوں نے اپنے اندر اس درد کو
کوشش کی، جو تانیہ کے آنسوؤں کو دیکھ کر بیدار ہونا چاہئے تھا، مگر ان کا اندر تو کسی دھول اُڑاتے صحرا کی طرح ویران
فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ اپنی لاش گھسیٹتے ہوئے فون سننے آئیں۔

دوسری طرف آغا جان تھے اور ایک دو دن تک نہ آنے کا کہہ رہے تھے۔ انہیں یوں لگا، جیسے ان کے کانوں میں کسی نے
زندگی کی امید پھونک دی ہو۔

آغا جان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی سی ایک آخری کوشش تو کر ہی سکتی تھیں۔

انہوں نے اُمید بھرے انداز میں ریسیور رکھتے ہوئے، سر اٹھا کر گہرے گہرے سانس لئے تھے، یہ سوچے بغیر کہ
کے اصرار نہ کرنے پر کیسے رنجیدہ ہوئے تھے۔

وہ کھلے بالوں کو لپیٹ کر ان کا جوڑا بناتے ہوئے کچن میں چلی آئیں۔

احسن مراد نے کوئی سوال جواب کئے بغیر اپنے آگے رکھا کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔

زیل اسی طرح سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیٹھا تھا۔
ل جان نے بھی شام کو آنا تھا۔ ربیعہ اور سدیعہ کو انہوں نے کچن میں ہی بٹھا کر کھانا دے دیا تھا، دونوں نے ماں کی اُتری
ہوکر تانیہ اور تنزیل کے کھانا نہ کھانے کے بارے میں ایک بار پوچھا اور پھر سر جھکا کر کھانا کھانے لگیں۔
اٹھو تنزیل! تھوڑا سا کھانا کھالو۔" انہوں نے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا سر اٹھانے کی کوشش کی۔
پلیز امی! اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ پلیز!" وہ اسی طرح سختی سے دونوں ہاتھوں میں سر جکڑے بولا۔
میری خاطر میرے بچے! دو لقمے لے لو۔ یوں خون جلانے اور کڑھنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اور یہ مسئلہ......"
امی آپ کو نہیں پتہ، یہ صرف مجھے پتہ ہے کہ یہ مسئلہ کس طرح حل ہوگا۔ پلیز! آپ بیچ میں مت آئیں۔" وہ ایک دم سر
ہوئے مشتعل لہجے میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے کسی نے خون انڈیل دیا تھا اور چہرے کے پتھرائے ہوئے نقوش کیسے
ئے تھے۔ پہلی بار یاسمین کو اسے دیکھتے ہوئے خوف سا محسوس ہوا۔
لت کرو اس طرح۔ اتنی انتہا تک جا کر سوچو گے تو انجام آگ اور خون کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔" انہوں نے اس کے کندھے
تے ہوئے سختی سے کہا تھا۔
امی جان! آپ نے بھی زندگی اس معاشرے میں گزاری ہے، آپ کو بھی معلوم ہے، ایسے مسئلے صرف آگ اور خون سے ہی
تے ہیں۔" وہ اسی شعلہ بار لہجے میں غرایا تھا۔
تنزیل! میں نے ایسے جاہلانہ انداز میں تو تمہاری پرورش نہیں کی کہ ایک ذرا سی چنگاری کو سامنے دیکھتے ہی تم اسے الاؤ بنانے
ہاؤ۔ کچھ ہوش و عقل سے کام لو۔ وہ اگر جذباتی اور پاگل ہو رہی ہے تو تم کم از کم ہوش کا مظاہرہ کرو۔ اور جو جانور باغی ہو جائے،
چھریاں مار کر قابو نہیں کیا جاتا، نہ ذبح کرنا اس کا واحد حل ہوتا ہے۔" وہ اس کے کندھوں اور سر کو سہلاتے ہوئے ٹھنڈے لہجے
سمجھانے لگیں۔
"امی آپ کس خوش فہمی میں ہیں؟ وہ سمجھنے سمجھانے کی حدود کراس کر چکی ہے۔ اب وہ کسی بھی طرح سے نہیں سمجھے گی، یہ میں
رہا ہوں۔" پہلی بار وہ ٹھنڈے مگر بے مہر لہجے میں بولا تھا۔
"ہم کوشش تو کر سکتے ہیں، اسے یوں تو نہیں چھوڑا......"
"کب میں چھوڑ رہا ہوں نہیں رہا۔" وہ غرایا۔ "اور اسے میں چھوڑ سکتا بھی نہیں۔ نہ اُس بڈھے گدھ کو......میں......" وہ غصے میں
ہاتھ کی مٹھیاں بھینچنے لگا۔
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے، وہ کسی دباؤ میں آ کر یہ سب کر رہی ہو۔" وہ اس خدشے کے تحت بولیں، جو بار باران کے دل میں سر اٹھا

"پہ کو اس کا باغی پن کسی دباؤ کے زیر اثر لگ رہا ہے کیا؟" وہ تیزی سے بولا تو انہوں نے سر جھکا لیا۔
"یہ بھلی اکیڈمی میں جاب کرتی تھی، اللہ جانے کیا ہو گیا اس لڑکی کو۔ دماغ ہی خراب ہو گیا۔ اور اب جو کہہ رہی ہے، وہ رشتہ

"اس کی ایسی کی تیسی کر دوں گا۔ میں یہاں یوں ہی نہیں بیٹھا۔ اس بدمعاش کا ہی انتظار کر رہا ہوں۔ وہ اگر آج ادھر آئے
نہیں جائے گا یہاں سے، یہ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔" وہ پھر پہلے والے انداز میں آپے سے باہر ہوتے ہوئے بولا تو یاسمین
ان میں بے بسی سے آنسو آ گئے۔
"مجھے بتاؤ، میں کیا کروں؟ تمہیں روکوں یا اس سے ہمدردی کروں؟ میں......میں کیا کروں؟" وہ ہاتھوں پر سر گرا کر رونے
لگیں۔ بے بسی انہوں نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔
"پلیز امی! ادھر کھانا تو لو، پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں اُس سے بات کرتی ہوں ذرا طریقے سے۔ اتنی نا سمجھ نہیں، کوئی نہ کوئی
بات ہے۔ تم پریشان نہ ہو۔" انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے لقمہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالنا چاہا۔ اس نے لقمہ ان
ہوئے لے کر دوبارہ ٹرے میں رکھ دیا۔
"مجھے بھوک نہیں۔" کہہ کر وہ باہر نکل گیا تو انہیں لگا، وہ یہاں بیٹھی رہیں تو پھر رونے لگیں گی۔ وہ وہی ٹرے اٹھا کر تانیہ
کے پاس چلی آئیں۔
"اٹھو کچھ کھالو۔" وہ جو یہ سوچ کر آئی تھیں کہ اس سے بے حد نرمی سے بات کرنی ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی ترش لہجے میں

وہ اسی طرح چت لیٹی چھت کو دیکھتی رہی۔ البتہ اب اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے۔ یاسمین چند لمحے کھڑی اسے دیکھتی

رہیں، غصے کا شدید اُبال اٹھا تھا۔ انہوں نے لب زور سے کاٹ کر جیسے خود کو یاد دہانی کروانا چاہی۔

'مجھے غصے سے ڈِیل نہیں کرنا بلکہ ہمدرد اور غم گسار سہیلی بن کر۔ جو شاید میں نے کبھی بننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ کیونکہ یہ لڑکی کبھی میری سہیلی نہیں تھیں۔ سو وہی طرزِ عمل میں نے بھی اپنایا۔ کیونکہ ہمیں تو وہی بات بہترین اور قابلِ عمل لگتی ہے، جو ہم اپنوں سے حاصل کرتے ہیں۔' وہ سوچ رہی تھیں۔

"اس طرح کیوں کر رہی ہو، تانی میری بیٹی!" وہ ایک گہرا سانس لے کر ان سوچوں سے پیچھا چھڑاتے ہوئے اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ اس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان تھے۔ انہوں نے آہستگی سے اس کے بال پیشانی سے ہٹائے۔

وہ اسی طرح بے حس پڑی تھی۔

"اُٹھو نا........ کچھ کھالو۔ کھانے سے دل کو ڈھارس ہو گی، پھر مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ کیوں اس طرح بے حال ہو کر رہی ہو؟ جو تمہارے دل میں ہے، کہہ ڈالو اپنی ماں سے........ میں........ آخری حد تک تمہاری مدد کے لئے تمہاری پشت پر موجود ہوں۔" انہوں نے کہتے ہوئے ذرا سا جھک کر اس کے چہرے کا بوسہ لیا اور تھوڑا مسکرا کر اس کی ہمت بڑھانی چاہی۔

"تو پھر میری جہانگیر سے شادی کروا دیں۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں۔" وہ ان کا ہاتھ نرمی سے پرے کرتے ہوئے اور نا آشنا انداز میں بولی۔

انہیں اس کی بات سن کر جھٹکا لگا۔ ان کا ہاتھ اسے تھپڑ مارنے کے لئے اٹھا تھا، جسے انہوں نے وہیں روک لیا۔

"کیا وجہ ہے اس سے شادی کرنے کی، جو عمر میں تمہارے باپ کے برابر ہے؟ اور اس کا کردار........"

"آپ ان سے ملی نہیں۔ ان میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔" وہ ذرا سا اُٹھ کر دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے ہٹ دھرمی سے بولی۔

"تم نا سمجھ ہو اور نادان بھی........"

"اندھی یا بہری تو نہیں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر دو بدو بولی۔

"مت آگ سے کھیلو۔ یہ تمہیں، ہمیں اس گھر کو، سب کو بھسم کر ڈالے گی۔ تانیہ! رحم کرو میری بیٹی ہم پر۔" کتنی دیر کا باندھا بند جیسے ٹوٹ گیا۔ وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کو روکنے لگیں۔

"وہم ہے آپ کا، ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ اگر اس آگ میں کچھ بھسم ہوا بھی تو........ وہ تانیہ مراد کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا۔ پر......آپ کے پیاروں پر اور اس گھر تک اس آگ کی آنچ نہیں آنے دوں گی۔" وہ یکسر بیگانے پن سے بولی۔

"تم........ تم الگ ہو کیا ہم سے؟ اس گھر سے جو میں خود خدانخواستہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے آگ میں جھونک دوں؟" وہ کربولیں۔

"سب کے جلنے سے اچھا ہے صرف ایک جل جائے۔" وہ سنگ دلی سے بولی تو یاسمین ششدر سی اسے دیکھنے لگیں۔

'یہ اتنی بڑی کب ہو گئی........ کب؟ مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔ ابھی تو دو پونیوں میں ربن ڈالے، فراک پہن کر اسکول بیگ اور بڑا سا دوپٹہ اوڑھے گھُمٹی سمٹائی، تنزیل کے پیچھے پیچھے اس کے ساتھ کالج......اور......' وہ رونا بھی بھول گئیں۔

"کیا وہ شخص تمہیں بلیک میل کر رہا ہے؟ تمہاری کوئی کمزوری ہے ان کے پاس؟ مجھے بتاؤ" ایک دم انہیں امید سی دکھائی دی۔ دل تو کمبخت یہ ماننے پر تیار ہی نہیں تھا کہ وہ واقعی بدل چکی ہے کہ خود اپنے منہ سے شادی، وہ بھی دوگنی عمر کے شخص کے ساتھ کرنا چاہ رہی ہے۔

"ایسا کچھ بھی نہیں۔ میں یہ سب اپنی رضا، اپنی خوشی سے کر رہی ہوں۔" اس نے تیسری انگلی کا ناخن دانتوں سے چبایا۔ "اس کی مجھے شریعت بھی اجازت دیتی ہے۔" وہ چکنا گھڑا بنی ہوئی تھی۔

"یوں معاش کی تلاش کا بہانہ کر کے اپنے لئے بدکردار مرد تلاشتی پھرو، اس کی شریعت تمہیں اجازت دیتی ہے؟" وہ خود پر قابو نہ رکھ سکیں تو بلند آواز میں چلائیں۔

"اپنی اپنی نظر کا قصور ہے۔ کسی کو ہیرا بھی پتھر نظر آتا ہے اور کسی کو پتھر میں چھپا ہیرا۔" وہ ڈھٹائی کی انتہا پر تھی۔ یاسمین نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا اور سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"کیا کروں میں........ میرے خدایا! کیا کروں؟........ ایسی........ ایسی بیٹیاں ہوتی ہیں جن کے پیدا ہونے پر ماں باپ سے شکر کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے گھر میں رحمت بھیجی ہے۔ یہ........ یہ........ رحمت ہے یہ۔" وہ سر اٹھا کر تانیہ کی طرف دیکھ کر ہذیانی انداز میں بولیں۔ اس نے انہیں دیکھ کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"ایسا ہونا ممکن نہیں تو پھر........" انہوں نے اس کے ارادوں کی "پرواز" کا اندازہ کرنا چاہا۔

"تو پھر......اور بھی........کئی راستے ہیں........کیونکہ........شادی تو مجھے ان ہی سے کرنی ہے۔" اس نے رُک رُک کر مگر صاف الفاظ میں کہہ ڈالا۔ یاسمین اسے دیکھتی رہ گئیں۔ صدمے کے باعث ان سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"وہ کون سا منحوس دن تھا، جب ہم نے تمہیں گھر سے نکلنے کی اجازت دی؟ کیا........کیا بتاؤں جا کر تمہارے باپ کو، تمہاری دادی کو، جو ابھی آنے والی ہے۔ اور آغا جان........" وہ پھر سے رونے لگیں۔

"پلیز امی! بس کریں۔ اپنی مرضی کی شادی کر لینا کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں کہ آپ........" اس نے آگے کیا کہا، یاسمین سن ہی نہ سکیں۔

"ابو کو اور آنا ہی کیا ہے۔ چیخیں گے، چلائیں گے، گالیاں دیں گے اور بس۔ دادی کے آگے میں جواب دہ نہیں۔ ان کی اولاد ہے۔ آپ سے میں کہہ چکی ہوں جو کہنا تھا۔ اور آغا جان سے میرا کیا واسطہ؟" وہ ناخن دیکھتے ہوئے ایسی لاتعلقی سے کہہ رہی تھی، یاسمین کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب اسے کیا سمجھائیں۔

"اچھا، چند دن ٹھہر جاؤ ذرا، تنزیل کا غصہ سرد پڑ جائے۔ تمہارے باپ سے میں طریقے سے بات کر لوں تو پھر......"

"پلیز امی! جو ہو رہا ہے، اسے ہونے دیں۔ یہ سب کچھ اسی طرح ہونا ہے۔ چاہے آج ہو، چاہے چند دن اور چند ماہ بعد ہو۔" بےزار لہجے میں اسی طرح بول رہی تھی، جیسے یہ کسی معمول کا ذکر ہو۔ یاسمین ان ماؤں میں سے تھیں، جنہوں نے اپنے بچوں کو کبھی ذرا بھلا کہا تھا، نہ منہ بھر بھر کر کوسنے دیئے تھے۔ چاہے بچے سارا گھر اوندھا کر دیتے یا کتنا ہی نقصان کر دیتے۔ مگر آج........آج ان کا جی چاہ رہا تھا، وہ جاہل ماؤں کی طرح منہ بھر بھر کر اسے کوسنے دیں۔ دوہتڑوں سے اسے پیٹیں، بال نوچ نوچ کر اس کا حلیہ بگاڑ دیں، اسے اتنا ماریں کہ اس کے دماغ سے سارا خناس نکل جائے۔ مگر یہاں بھی انہیں ناکامی ہی ہوتی کہ وہ کوشش کر کے بھی یہ سب نہ کر سکی تھیں، جو اس وقت ان کا دل چاہ رہا تھا۔

"امی! میں جانتی ہوں، اس وقت آپ کا دل چاہ رہا ہے مجھے ماریں پیٹیں، گالیاں دیں، بددعائیں اور کوسنے دیں۔ اس دن کو کوسیں، جب میں پیدا ہوئی تھی۔ اور اس ختم ہو جانے والی رسم پر نوحہ گری کریں کہ جب والدین اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔ کاش یہ رسم آپ کے زمانے تک چلی آئی ہوتی تو آج آپ کا یوں رونے پیٹنے، بین کرنے کا موقع نہ ملتا۔ مگر........امی! میں آپ سے ہمدردی کر سکتی ہوں۔ آپ کا دکھ اگر آپ چاہیں تو شیئر کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں، جیسے پہلی کرتی تھی۔ مگر یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے، یا ہونے جا رہا ہے، اس سارے میں، میں اتنی ہی بےبس ہوں جتنی آپ۔" وہ کہہ رہی تھی اور یاسمین دم بخود سن رہی تھیں کہ شاید........شاید کوئی صورت نکل آئے۔

"امی! میں مجبور ہوں، میں وعدہ کر چکی ہوں۔ یوں سمجھیں، میں خود کو رہن رکھ چکی ہوں۔ نہ اپنے نفس کی بےلگام خواہشوں کے ہاتھوں، نہ ہوس بھری محبت کے نام پر اور نہ دولت و عیش کی خاطر۔" وہ اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ چند لمحے سر جھکا کر اپنے پیروں کو تکتی رہی۔

"میں اپنے عہد کے باعث بےبس ہو چکی ہوں اور اب واپسی ناممکن ہے۔ آپ صرف اتنا سمجھ لیں کہ ہماری نجات........ ممکن نہ تھی۔" وہ ہنسی۔ "آپ لوگوں کی بچی کھچی عزت و حرمت کو تھوڑا سکیور کرنے کے لئے اس طرح میرا نکاح بہترین راستہ ہے۔ ....ورنہ آپ کے لئے، اس گھر کے لئے اپنی بنیادوں پر کھڑے رہنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہو جائے گا۔ اس گھر کو بچانے کے لئے........جیسے پہلے وقتوں میں سارے شہر کو خون آشام بلا کے قہر سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی ایک دوشیزہ کی، ایک شخص کی قربانی دی جاتی تھی، اسی طرح........اس گھر کی بقا کے لئے میری قربانی........"

"ہرگز نہیں۔ تم بتاؤ، کیا، کیا ہے تم نے؟ کیا وعدے پیمان باندھے ہیں؟ کس کمزوری کا تاوان چاہتے ہیں وہ؟........ہم سارے گھر کو ملبہ بنا کر بھی تمہیں بچا لیں گے۔ ہم پر یقین کرو، بھروسہ کرو تانیہ! ایک بار تم کہہ کر دیکھو۔ میں، تنزیل، تمہارے ابو ہم سب تمہاری جگہ اپنی قربانی دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ خود کو فنا کر ڈالیں گے، مگر تمہیں بچا لیں گے۔ بتاؤ مجھے، کیا معاملہ ہے؟ بتاؤ۔" انہیں اس اندھیرے گھٹے ہوئے غار میں روشنی و ہوا کا روزن دکھائی دیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح کہتے ہوئے اسے جھنجوڑنے لگیں۔

"نہیں امی! میں اپنی کرنی کا بھگتان کسی کو بھی بھگتنے نہیں دوں گی۔ جس طرح آپ سب میری خاطر اپنا آپ داؤ پر لگا سکتے ہیں تو میں........میں کیسے آپ کو اس پل صراط پر روانہ کر سکتی ہوں؟ بس اب بھول جائیں، یہ سب۔ مجھے جانا ہی ہے۔ چار بجے کے قریب جہانگیر صاحب آئیں گے اور کل نکاح........" وہ کہہ کر رُکی نہیں، تیزی سے باہر نکل گئی۔

یاسمین اپنا سینہ پکڑے وہیں بستر پر دُہری ہو کر گر گئیں۔

✻ ⊛ .... ⊛ ✻
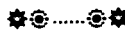
"ہیلو........السلام علیکم آنٹی!" وہ دونوں شاپنگ آرکیڈ سے باہر نکل رہی تھیں، جب سامنے سے آتے دائم نے گلاسز آنکھوں

سے اُتارتے اور دونوں کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے خوش دلی سے سلام کیا تھا۔

عزہ تو جواب میں ہلکا سا سر ہلا کر بائیں طرف دیکھنے لگی، جب کہ سارہ کی کیفیت ذرا مختلف تھی۔

انہوں نے شاید جواب دیا تھا یا نہیں، عزہ کو پتہ نہیں چل سکا۔ مگر وہ باقاعدہ رُک گئی تھیں۔

"اچھا ہوا، تم مل گئے۔ میں خود تم سے مل کر کچھ بات کرنا چاہتی تھی۔" انہوں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا اور شاپنگ آرکیڈ کے مرکزی دروازے سے ذرا ایک طرف ہو گئیں تو دائم کے چہرے پر پھیلی خوشگوار مسکراہٹ کچھ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

"کہیں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔ یوں راستے میں......" اس نے سارہ کی طرف ایک نظر دیکھا اور دوسری نظر لاتعلق سی کھڑی عزہ پر ڈالی۔

"نہیں، اتنی لمبی چوڑی بات نہیں ہے، مختصر کہنا ہے۔ اگر تم اس مختصر کہے کو کافی جانو گے تو۔" ان کا لہجہ کچھ بدلا سا گیا تھا کے ساتھ عزہ نے بھی گردن گھما کر سارہ کی طرف دیکھا۔

"جی، میں سن رہا ہوں۔" وہ ذرا سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" وہ لمحہ بھر کے توقف کے بعد خشک لہجے میں بولیں۔

"کیا؟" وہ قطعاً نہیں سمجھا۔ البتہ عزہ کے دل میں کچھ پکڑ دھکڑ سی ہونے لگی تھی۔ "کیا مطلب آنٹی! میں سمجھا نہیں؟"

"اس قدر نا سمجھ یا نادان تو نظر نہیں آتے۔ اچھے خاصے گھاگ ہو۔" ان کے لہجے میں ہی نہیں، لفظوں میں بھی ان کے دل چھپی نفرت جھلکنے لگی تھی۔

دائم کے چہرے کے نقوش تن گئے۔ جبکہ عزہ اب اُڑی رنگت کے ساتھ ماں کی طرف دیکھ رہی تھی اور دوسری نظر اردگرد جاتے لوگوں کی طرف۔

"آپ وضاحت کریں گی، آپ کا اشارہ میری کس ہوشیاری کی طرف ہے؟" وہ بے حد سنجیدہ مگر متحمل انداز میں بولا تھا

"تم جس چکر میں محمود عالم کے گرد چکر لگا رہے ہو کہ اس کے دل کے ساتھ ہمارے گھر کے اندر بھی جگہ بنا لو گے تو تم بھول ہے۔ تمہیں اپنے گھر تو کیا، میں اپنے اردگرد بھی دیکھنا پسند نہیں کروں گی، کجا تم میری......" انہوں نے یکدم لب بھینچ کر سی نظر عزہ کے فق چہرے پر ڈالی۔ "میرے اتنے کہے کو کافی سمجھنا اور دوبارہ خوامخواہ کے واسطے بڑھانے کے لئے محمود عالم کے منڈلانے کی ضرورت نہیں، ورنہ شاید یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔" وہ دوبارہ سن گلاسز لگاتے ہوئے وہاں سے جانے لگیں۔

دائم کے پاؤں جیسے کسی نے بھاری زنجیر سے باندھ دیئے تھے۔

"دیکھئے خاتون! ایک بات میری بھی سنتی جائیں۔" اس نے بھاری زنجیر زوردار جھٹکے سے قدموں سے اتاری تھی اور ان طرف پلٹ کر سرد لہجے میں بولا۔

سارہ ذرا سا پلٹیں جبکہ عزہ ان سے دو قدم آگے جا کر اسی طرح رخ پھیرے کھڑی رہی۔

"آپ کی اس تنبیہ کو میں کیا سمجھوں، حکم یا مشورہ؟" اس کا لہجہ اور چہرے کے تاثرات یکسر بدل چکے تھے۔

سارہ نے لمحہ بھر کو رک کر کچھ سوچا اور پھر ایک قدم آگے بڑھیں۔

"بہتر تو یہی ہے کہ اسے مشورہ سمجھو۔ اس سے پہلے کہ یہ مشورہ حکم بن جائے۔" وہ چبا چبا کر بولیں۔

دائم نے ان کی بات سن کر سر جھکایا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھایا۔ "اور پوچھ سکتا ہوں، یہ مشورہ کس خوشی میں دیا جا رہا ہے مجھے" اس کے چہرے کے تاثرات یک دم نارمل سے ہو گئے۔ وہ اب مشتاق نظروں سے سارہ عالم کے اکڑے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا

"تم سن نہ سکو گے۔" وہ طنز سے بولیں۔

"جب آپ کی اتنی میٹھی، شہد بھری باتیں سن سکتا ہوں تو یقیناً اگلا انکشاف ان سے زیادہ رسیلا تو نہ ہوگا۔" وہ اب جیسے سارہ کے غصے سے محظوظ ہو رہا تھا۔ عزہ نے اس کی بات سن کر بے اختیار گردن موڑی تھی، وہ بڑے آرام سے مسکراہٹ چہرے پر سجائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"زیادہ لفاظی کی ضرورت نہیں۔" وہ چڑ کر بولیں۔ "صرف اتنا سن لو، مجھے تم سے، تمہاری صورت سے نفرت ہے۔ سنا نے......؟" وہ اپنے اسی غصیلے لہجے میں بے قابو سی ہو کر بولیں جو محمود عالم کے ساتھ لڑائی کے دوران ان کے انداز میں اُڈ آتا تھا

"اور اس نفرت کی وجہ؟ بظاہر تو میری صورت نہ ایسی بری ہے اور نہ قابلِ برداشت۔" وہ ایک قدم بڑھ کر ان کے رو ہوا۔

"تم سے نفرت کے لئے میرے پاس ایک ہی وجہ کافی ہے کہ......تم......مصطفیٰ کے بیٹے ہو۔ اس سے آگے ایک لفظ کی بھی گنجائش نہیں۔ انڈر اسٹینڈ؟ آئندہ میں تمہاری صورت نہ دیکھوں۔" وہ چبا چبا کر کہتے ہوئے تیز قدموں سے آگے بڑھ گئیں۔

راس بار دائم میں وہاں سے ہلنے کی بھی ہمت نہ ہو سکی۔
اکی شخص اس سے اس کے اتنے اچھے، مہربان، محبت کرنے والے باپ کی وجہ سے بھی نفرت کر سکتا ہے، یہ انہونی بات تو وہ کسی سے اُترنے والے فرشتے کے منہ سے بھی سنتا تو کبھی یقین نہیں کرتا۔
کہ...... تم ...... مصطفیٰ کے بیٹے ہو...... مصطفیٰ کے بیٹے۔"
ماکے کانوں میں ایک ہی نفرت بھری آواز بازگشت کی طرح ٹکرا رہی تھی۔ وہ تو وہاں کھڑے کھڑے یہ بھی بھول گیا، وہ کہاں اور ادھر کیوں آیا تھا۔
ما ایک بازگشت کی بھاری زنجیر نے اس کے قدم ہی نہیں، اس کے پورے وجود کو جکڑ لیا تھا۔

✿◉......◉✿
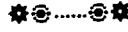
اسامہ! میں خود کو بہت کمزور فیل کر رہی ہوں۔" وہ دونوں ساحل کنارے ہی ٹہل رہے تھے۔ اس دن سرد ہواؤں اور دبیز ساحل کو ویران کر رکھا تھا۔ وہ دونوں ابھی کیفے سے لنچ کر کے آ رہے تھے اور لائبہ نے ہی اسے فون کر کے بلوایا تھا۔
ب کیا ہو گیا؟ ویسے یہ آج کے تازہ جوکس میں سے ایک ہو سکتا ہے کہ تم خود کو کمزور فیل کر رہی ہو۔"
راں نہیں۔ ماما نے جس طرح مجھے اعتماد میں لے کر رات کو بات کی ہے، اس کے بعد مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اچانک جا رح ان کے ری ایکشن کو فیس کروں گی۔ وہ یقیناً بہت ناراض ہوں گی، جبکہ......" اس نے سرد ہوا کا جھونکا چہرے سے ہی سکی سی لی۔
بہتر ہے، تم بھی تھوڑا انتظار کر لو۔ ان کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤ۔ سیٹ کینسل کرو اور...... اور بس۔" اسامہ جو اس شدید دھند میں اس چہل قدمی کے خلاف تھا اور وہیں کیفے میں بیٹھ کر ڈسکشن کرنا چاہ رہا تھا، مگر لائبہ کی ضد پر اُٹھ کر باہر آیا تھا، لاکر بولا۔
ٹس۔ پتہ نہیں کیوں، میرا دل کہہ رہا ہے، ماما کو میری ضرورت ہے۔ مجھے ان کے پاس ہونا چاہئے۔ اور جس طرح کے انہوں نے کئے ہیں، میں ان کی ٹوٹی پھوٹی کیفیت کو یہاں بیٹھے محسوس کر رہی ہوں۔ چاہتی ہوں، ان کے پاس جا کر شیئر

انکشافات کی مسلسل رٹ لگائے ہوئے ہو۔ اب جب تک مجھے پوری بات نہیں بتاؤ گی تو مجھ سے صحیح مشورہ کیسے لوگی؟" وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "مائی گاڈ! سردی دیکھو۔ دھند کی موٹی موٹی تہیں نیچے اُتری چلی آ رہی ہیں اور اتنی سرد ہوا بھی نہیں بگاڑ رہی، اُلٹا ان کے اندر جا کر فریز ہو رہی ہے۔ کافی پیتے ہیں اندر چل کر۔" اس نے ایک بار پھر تجویز پیش کی۔
رکے، چلو۔ اس سردی کے احساس نے تمہیں کچھ سمجھنے نہیں دینا۔" اب کے لائبہ بھی چو کر بولی۔ دونوں اِن ڈور شیڈ کے نیچے آ گئے۔ شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیوں کے پیچھے سے دُھند کے بادل ہر طرف قابض ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ اسامہ نے کافی کا اور منتظر نظروں سے لائبہ کی طرف دیکھنے لگا۔
ماما کہہ رہی تھیں کہ میرا کوئی بھائی بھی ہے۔" چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے اسامہ سے شیئر کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔
بھائی؟...... تمہارا؟" وہ واقعی حیران ہوا تھا۔
ہم ٹوئنز تھے...... بقول ماما کے، وہ کھو گیا اُن سے۔ وہ سالوں سے اسے ڈھونڈ رہی ہیں، اسی لئے......" وہ رُکی۔ اسامہ ہی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"
یونہی۔" اس نے گہرا سانس لیا اور کھڑکی کے پار دیکھنے لگا۔
ہاں یکایک اس کی نگاہوں سے جھلکنے لگی تھی۔
اسامہ! آر یو اوکے؟" اس کی مسلسل چپ پر لائبہ نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔
ہوں...... تم بولو۔" وہ جیسے کہیں دور سے لوٹا تھا۔
مگر اس کے باوجود یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے مجھے خود سے دُور کیوں رکھا ہے؟ اس بات کا پہلی بات سے تو کوئی لنک نہ؟"
ہوں۔" اس نے پھر ایک گہرا سانس لیا۔
کیا لائف ٹریزوں کی طرح ہوں، ہوں کرتے جا رہے ہو؟ کچھ بولو منہ سے۔" وہ جھنجلا کر بولی۔
کیا بولوں؟ اب یہ بالکل تمہارا پرسنل معاملہ ہے، جو تمہارا دل کہے کرو۔" وہ ایک دم سے ہی لاتعلق سا نظر آنے لگا۔

''میرا پرسنل معاملہ!'' وہ دانت پیس کر بولی۔ ''اور تم.......تم کیا ہو؟ کیوں یہاں میرے ساتھ بیٹھے ہو؟'' وہ ایک دم مشتعل ہو گئی۔

''کیا تمہارا بھائی بچپن میں کہیں کھو گیا تھا یا تھوڑا بڑا ہو کر؟'' وہ اس کی خفگی کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''معلوم نہیں۔ اس وقت تو اس انکشاف نے ہی مجھے اس درجے حیران کر دیا کہ میں کسی تفصیل میں جا ہی نہیں سکی۔ اب بے چین ہو رہی ہوں کہ خود جا کر سب معلوم کروں۔ شاید بھائی کی تلاش میں ہی ماما کی کوئی ہیلپ کر سکوں۔'' وہ پُرجوش سی بولی۔

''اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو چلی جاؤ۔'' وہ تو بالکل بے نیاز سا ہو گیا تھا۔ لائبہ نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

''اسامہ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ تشویش سے بولی۔

''ہاں یار! ٹھیک ہوں۔'' اس نے بالوں میں اُنگلیاں چلاتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

''کچھ تو ہے، تم کچھ چھپا رہے ہو؟''

''کچھ بھی نہیں۔ تم کہو، کیا کہہ رہی تھیں؟'' وہ صاف اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے بولا تو لائبہ چپ ہو گئی۔ کافی آئی تو دونوں پیتے ہوئے مختلف سوچوں میں گم ہو گئے۔

✲◉......◉✲
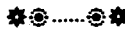
''ماما! آپ کو اس طرح بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔''

وہ راستہ بھر خاموش بیٹھی کڑھتی رہی، اور تھوڑی دیر بعد بول ہی اُٹھی۔

''تم چپ رہو۔ تمہارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یا پھر ہے؟'' وہ غصے میں بولتے ہوئے ایک دم طنزیہ انداز میں بولیں تو وہ ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

رہ رہ کر اس کی نگاہوں کے سامنے دائم کا بجھا بجھا، مصنوعی مسکراہٹ سجائے خجالت بھرا چہرہ آ رہا تھا اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ سارہ کی ان فضول باتوں کا مداوا کس طرح کرے۔

اس کے دل میں ماں کے خلاف، دائم کے لئے دل میں کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ کوئی نرم گوشہ یا انوکھا احساس بھی دائم کی کال کے بعد بھی نہیں، جب اس نے کھلے لفظوں میں اس سے اظہارِ محبت کر ڈالا تھا۔ بلکہ وہ تو سرے سے اس فون کال کو ذہن سے کھرچ کر، کسی اور نہج پر سوچنے کی سعی کر رہی تھی کہ سارہ عالم کی اس بے وجہ کی تضحیک نے اس کی خوابیدہ ہمدردی کو جگا دیا تھا۔ ایسے موقعے پر کسی سے بھی ہو سکتی تھی۔

''پلیز ماما!'' اس نے کن انکھیوں سے مگن انداز میں گاڑی ڈرائیو کرتے ڈرائیور کو دیکھا۔ ''اگر اس نے پاپا سے کچھ کہہ دیا تو مین.......'' اس نے سارہ کو حالات کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا۔

''سو واٹ؟.......آئی ڈونٹ کیئر۔ بلکہ اچھا ہے، بہت اچھا ہو گا اگر وہ بتا دے۔ میں اس کا انتظار کروں گی۔'' وہ لاپروا ہو کر بولیں تو عزہ ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ یہ مصطفیٰ صاحب کون ہیں؟ اور ان کے بیٹے سے آپ کو کیوں نفرت ہے بھلا؟.... مگر چاہنے کے باوجود پوچھ نہیں سکی۔ یہی بات تو اس کے لئے حیرت کا باعث بن رہی تھی کہ محمود عالم کے لئے مصطفیٰ صاحب کا بیٹا ہونے کی وجہ سے دائم پسندیدہ اور پیارا تھا اور سارہ کے لئے مصطفیٰ صاحب کا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ ناپسندیدہ بلکہ قابلِ نفرت تھا۔ کیوں؟ اس کیوں نے اس کی سوچوں کو اور بھی اُلجھا دیا۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو اس بے عزتی میں حصہ دار سمجھنے لگی تھی، جو سارہ نے دائم کی کی تھی۔

اس نے پُرسکون بیٹھی ماں کو دیکھا۔ ایک سوچ اس کے دماغ میں برقی رو کی طرح کوندی تھی۔

'اگر مستقبل قریب میں پاپا، دائم اور میرے بارے میں کوئی فیصلہ.......جیسا کہ ان کے رویّے سے لگ رہا ہے، کر لیں تو ماما پاپا.......شاید اسی فیصلے سے بچنے کے لئے پیش بندی کے طور پر انہوں نے دائم کو آج اس طرح سرِ راہ روک کر بے عزت کیا ہو۔ اگر مستقبل قریب میں ایسا چاہیں تو میں.......؟' دوسری سوچ پہلی سے بھی زیادہ شاکنگ تھی۔ 'میں کدھر کھڑی ہوں گی؟ ماما کے یا پاپا کے ساتھ؟' اس نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اس خوف ناک لمحے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، وہ کیسی صورتِ حال ہو سکتا تھا۔

'مگر یہ مصطفیٰ صاحب کا اس سارے معاملے میں کیا کردار ہے؟.......کہیں.......ماما ان میں انوالو رہی ہوں.......دائم کو دیکھ کر.......اوہ.......اس لئے ماما، پاپا کے درمیان زندگی بھر کلیش ہی رہے۔ بلکہ دونوں میں ذہنی ہم آہنگی شاید ہی کبھی

ہو جے......' وہ آنکھیں بند کئے کڑیاں جوڑے جا رہی تھی۔
اسی لئے ماما جب...... جب دائم کو دیکھتی ہیں، ڈسٹرب ہو جاتی ہیں۔ ہاں، ہاں...... ایسا ہی ہوا ہے۔' ایک ایک کر کے دائم
پھر اور سارے مناظر اور سارہ کا رد عمل اس کی نظروں کے سامنے آتا گیا۔
"یہ سارا سامان اندر رکھواور دیکھو ذرا، سرونٹ کوارٹر سے مقصود کی بیوی کو بلا کر لاؤ۔" سارہ کی آواز نے اسے خیالوں کی دنیا سے
اٹھا دیا۔ وہ بے دلی سے اُتر کر اندر چلی گئی۔
پھر شام اور رات تک اس کی پژمردہ طبیعت میں بشاشت نہ آ سکی۔ پڑھنے میں دل لگا، نہ کسی اور ایکٹوٹی میں۔ حالانکہ شاپنگ
جانے سے پہلے وہ بہت ایکسائیٹڈ تھی کہ کل اس نے میڈم یاقوت سے ملنے جانا تھا۔ آج کا دن وہ اپنی تیاری میں گزارے گی۔ مگر
دائم عالم کے طرزِ عمل نے اس کے سارے جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ گاہے گاہے سارہ کے چہرے اور ان کی سرگرمیوں کو
بھی دیکھ رہی۔ وہ خوش تھیں، ظاہر کر رہی تھیں اور وہ یقیناً دائم کی بے عزتی کر کے بہت خوش تھیں۔
ڈائننگ ٹیبل پر ان کا بڑھ بڑھ کر محمود عالم اور عزہ کو ڈشز پیش کرنا، دونوں کی کھانے سے لاپروائی پر پُرمغز لیکچر بھی ان کے تازہ
دم ہونے کی دلیل تھا۔ عزہ نے بے دلی سے تھوڑا سا کھانا کھایا اور ایکسکیوز کر کے اُٹھ گئی۔ کچھ ایسے ہی مگن سے انداز میں محمود عالم نے
بھی کھانا کھایا اور اپنی اسٹڈی میں چلے گئے۔ کمرے میں آ کر بھی وہ بے چین ہی رہی۔
ساری دوپہر، ساری شام ایک ہی نقطے پر مرکوز سوچیں اب اور بھی تکلیف دہ ہوتی جا رہی تھیں۔
'کیا مصیبت ہے آخر؟ میں اتنی ڈسٹرب کیوں ہوں؟ اگر ماما کو کوئی گلٹ نہیں تو میں کیوں؟' وہ جھلا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اُٹھ
کر لیٹ گئی۔
دوبارہ کتاب کھول کر پڑھنے کی کوشش کی۔ کل کے لئے ڈریس کے ساتھ میچنگ جیولری نکالی اور پھر سب کچھ یونہی الماری میں
رکھ دیا۔
'یہ پریشانی، یہ بے چینی کیسے رفع ہو گی؟' اس نے سنجیدگی سے بیٹھ کر سوچنا شروع کیا۔
'کیونکہ...... کیونکہ آپ مجھے اچھی لگتی ہیں، تین لفظوں میں کہہ دوں تو...... I love you" بھولی ہوئی آواز اس کی
کانوں میں گونجی۔ اس نے چونک کر اِردگرد دیکھا۔ کمرے میں اس کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔
"مجھے تم سے، تمہاری صورت سے نفرت ہے۔ سنا تم نے؟" اس کے کانوں میں سارہ کا زہریلا لہجہ گونجا۔ "تم سے نفرت کے
میرے پاس ایک ہی وجہ کافی ہے...... کہ...... تم...... مصطفیٰ کے بیٹے ہو۔ اس سے آگے ایک پوائنٹ کی بھی گنجائش نہیں۔
انڈرسٹینڈ؟...... آئندہ میں تمہاری صورت نہ دیکھوں۔"
اس کے کانوں سے دھواں سا نکلنے لگا۔
اسے پتہ نہیں چلا، کب اس نے سیل اٹھایا اور کب اس کی انگلیاں دائم کے نمبر پش کرتی چلی گئیں۔
"جی، کوئی کسر رہ گئی تھی والدہ محترمہ کی نفرت بھری باتوں میں جو آپ نے زحمت کی؟" اسے دائم سے جو توقع تھی، وہ چھوٹتے
ہی اس کے مطابق بھڑک کر بولا تھا۔
"میرے دماغ میں ایک کنفیوژن ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ جو مجھے بے چین کر رہی ہے۔" اسے پتہ نہیں چلا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔
اس نے کیا کہنے کے لئے فون کیا تھا۔
"جی، فرما دیجئے۔ جو باقی ماندہ گالیاں اور لعن طعن رہ گئی ہے، وہ آپ فرما دیجئے۔" وہ اسی طنزیہ انداز میں بولا۔
"آپ کے پاپا...... آئی مین...... ماما کا ان سے کیا ریلیشن ہو سکتا ہے؟" وہ اس کے طنز پر غور کئے بغیر اپنے ذہنی خلجان
لی۔
"کیا یہ زیادہ بہتر نہ ہوتا، آپ اس تعلق داری کے بارے میں اپنی والدہ سے دریافت فرمائیں؟ بظاہر تو وہی تعلق ہو گا، جو مجھ
ہے۔" وہ چبا چبا کر بولا۔
"آپ سے کون سا تعلق؟" وہ سمجھی نہیں۔
"ظاہر ہے، نفرت کا۔"
"مگر کیوں؟"
"مجھے کیا معلوم؟ یہی سوچ سوچ کر تو دوپہر سے میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ پاپا سے بات کرنا چاہ رہا تھا، ان سے بھی کانٹیکٹ
نہیں ہو رہا، پتہ نہیں، کیا پزل ہے۔" وہ خود بھی اُسی اُلجھن کا شکار تھا۔ سو زیادہ دیر تک اسے چھپا نہیں سکا۔
"آپ کے پاپا...... آئی مین کیسے ہیں؟ اگر آپ انہیں بحیثیت ایک کردار...... یعنی فادر کے دیکھنا چاہیں تو؟" وہ یہ کہنا نہیں

چاہتی تھی، مگر اٹک اٹک کر کہہ گئی۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''ہیلو........آپ سن رہے ہیں؟''

''کاش، اس وقت میرے بس میں ہوتا تو میں آپ کو اپنے پاپا سے ملواتا۔ میرے پاپا بحیثیت ایک فادر کے اور ایک کے ایک آئیڈیل انسان ہیں۔ اتنے پولائٹ، مہربان اور محبت کرنے والے کہ نفرت جیسا لفظ تو ان کی ڈکشنری میں شاید ہے ہی نہیں، مجھ سے ہی نہیں، میری ماما سے، اپنے ورکرز سے اور جس جس شخص سے ان کی کیسی بھی ڈیلنگ ہو، سب ہی یک زبان کہیں گے احمد اِز این آئیڈیل پرسن۔ اور میرے لئے وہ کیا ہوں گے، اس کا اندازہ آپ لگا ہی سکتی ہیں۔ جس طرح آج دوپہر آپ کی ماما نے ان کو اس طرح پوائنٹ آؤٹ کیا کہ ان کی وجہ سے انہیں مجھ سے نفرت ہے تو یقین کریں، میں نے جس طرح اور جیسے خود کو سنبھالا اپنے شدید غصے کو کنٹرول کیا، میں اس پر ابھی بھی حیران ہوں کہ پاپا کے خلاف میں کسی کے منہ سے کیا، کسی کی بری نظر بھی نہیں سہہ سکتا۔ اور یہ سب........میں کیسے بیان کروں؟'' وہ کہتا چلا گیا۔ وہ جوں جوں بولتا جارہا تھا، عزہ کے اندر محرومیوں کے خلا بڑے بڑے صحراؤں میں بدلتے جارہے تھے۔

''اگر کبھی کوئی اس سے پوچھے، اس کے پیرنٹس ایز ہیومن بینگ کیسے ہیں تو وہ جواب میں کیا کہے گی؟'' جواب میں ہولناک سناٹے منہ کھولنے لگے تھے۔

''آپ سن رہی ہیں نا؟'' وہ اس کی جامد چپ پر بولا۔

''ہوں۔'' اس نے زور سے آنکھیں میچ کر کھول دیں۔

''آپ خوش قسمت ہیں، جنہیں ایسے آئیڈیل محبت کرنے والے والدین ملے........اور یہ تو سب نصیب کی باتیں ہوتی ہیں۔ جس طرح ہماری شکل وصورت، تقدیر ہمیں پیدائش کے ساتھ اَن مٹ ملتی ہے، اسی طرح ماں باپ........'' اس کی آواز میں نمی سی گھلنے لگی تھی۔

''ویسے ایک بات کہوں عزہ! اگر آپ برا نہ مانیں تو؟''

شاید اس کی نم آواز کا ہی اثر تھا کہ دائم کی آواز ہی نہیں، اس کا لہجہ بھی نرم پڑ گیا تھا۔

''نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ پلکوں پر اٹکے موتی ٹپک ہی پڑے تھے۔

''ہوسکتا ہے، آپ کی مدر اور میرے فادر میں ماضی میں کوئی کلیش رہا ہو، مگر فی الوقت ان کے غصے کی جو وجہ میری سمجھ میں آئی ہے، وہ کچھ اور ہے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا۔

''وہ کیا؟'' اس نے آنکھیں صاف کرلیں۔

''آپ کے پیرنٹس کے آپس کے تعلقات کیسے ہیں؟'' وہ جھجکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''ہونہہ........'' وہ ہنسی۔ ''میرا خیال ہے، ان دو چار ملاقاتوں میں تو آپ یہ جان ہی گئے ہوں گے، ان دونوں کے تعلقات کا کھلا راز۔'' اس کی آنکھوں میں پھر پانی اترنے لگا۔

''ایگزیکٹلی........یہی میں کہنا چاہ رہا ہوں۔ ان کے اس موجودہ غصے کی وجہ یہی تعلقات ہیں۔'' وہ جیسے کچھ بوجھتے ہوئے بولا۔

''میں سمجھی نہیں؟''

''انکل محمود مجھے پسند کررہے ہیں، یہی وجہ ہے، ان کے اس موجودہ روّیے کی........ہے نا؟'' وہ اپنے اندازے کی تائید چاہ رہا تھا۔ عزہ کے ذہن نے اس کے اندازے کی فوراً تائید کی مگر وہ زبان سے چپ رہی۔

''اچھا پلیز، اب تم پریشان مت ہو۔ اس سارے معاملے کو کیسے ہینڈل کرنا ہے، میں دیکھ لوں گا۔'' وہ ایک دم اپنائیت بھرے لہجے میں بولا تو وہ چونک گئی۔

''چہرہ صاف کرو شاباش!'' اس کی دوسری ہدایت اور بھی حیران کن تھی۔

''کیا مطلب؟''

''بھئی جب انسان رو کر دل کا غبار نکال لیتا ہے تو پھر چہرہ صاف کرلینا چاہئے نا۔''

''جی نہیں، میں کیوں رونے لگی بھلا؟'' اس نے کہتے ہوئے بے ساختہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

''ابھی آپ کو پریکٹس کی ضرورت ہے۔''

''وہ کس لئے؟''

"جھوٹ بولنے کے لئے۔"
عزہ نے سیل فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا اور پھر کان سے لگا لیا۔
"آپ پاپا سے بات کریں گے؟" وہ موضوع بدل کر بولی۔
"اتنا بے وقوف لگتا ہوں میں آپ کو؟"
"ہاں، اتنے تو نہیں، تھوڑے کم۔" وہ بھی مزا لیتے ہوئے بولی۔
"اچھا، اور جو اس دن میں نے ریکویسٹ کی تھی، بحالی ڈیل کی، وہ کیا ہوئی؟" وہ اس کا موڈ اچھا دیکھ کر فوراً بولا۔
"کیسی ڈیل؟" وہ انجان بن کر بولی۔
"پتہ نہیں کون گھامڑ آپ کو پوزیشن دلواتا ہے، ورنہ آپ کا حافظہ تو مجھے خاصا ماشاءاللہ لگتا ہے۔"
"اچھا، اب مجھے پڑھنا ہے۔ پہلے میں اس فضول ڈسٹربنس میں پڑھ نہیں سکی۔ اوکے بائے!"
"اے...... سنو، سنو......!" وہ تیزی سے بولا۔
"اب کیا ہے؟"
"کل اس وقت فون کروں؟"
"جی نہیں۔" وہ فوراً بولی۔
"بھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کرلوں گا۔ اوکے بائے، ٹیک کیئر۔"
عزہ نے سیل آف کر کے اطمینان بھرا سانس لیا۔
'اگر اس طرح کا، تازہ ہوا کے لئے مجھے کوئی روزن ملتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے آخر...... اوکے!' اس نے مسرور ہو کر آنکھیں بند کرلیں۔ 'ڈیل اوکے۔' وہ کہتے ہوئے خود ہی ہنس پڑی۔

❁◉......◉❁
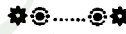
چار بجنے میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔
یاسمین کو یوں لگ رہا تھا، جیسے سُولی چڑھانے کا گھنٹہ بجنے میں ڈیڑھ گھنٹہ ہو۔ وہ جلے پیر کی بلی کی طرح اندر باہر پھر رہی تھی۔
اماں جان واپس آ چکی تھیں۔ دو تین بار گھر میں چھائی خاموشی کے بارے میں استفسار کر چکی تھیں۔ یاسمین ہر بار مختلف بہانے کر چکی تھی۔
تنزیل اسی طرح بغیر کچھ کھائے پیئے اندر لیٹا تھا۔ تانیہ نے نہا دھو کر کپڑے بدل لئے تھے اور اب وہ بھی اندر لیٹی ہوئی تھی۔
یاسمین کے سینے میں ہلکا ہلکا سا درد تسلسل ہوئے جا رہا تھا، جسے وہ نظرانداز کر کے بے چین سی پھر رہی تھیں۔
فون کی بجنے والی گھنٹی سے انہیں لگا، ان کا درد سہتا، سکڑتا سمٹتا دل اچھل کر منہ کے رستے باہر آ گرے گا۔
"جی...... جی......" وہ بات کر رہی تھیں اور اماں جان اندر کمرے سے صدائیں لگائے جا رہی تھیں۔
"یاسمین! کون ہے؟...... کس کا فون ہے؟" پتہ نہیں، انہیں کیا بے چینی تھی۔
"اماں جان! وہ ملتان سے فون تھا۔" وہ بجھا ہوا چہرہ لئے اندر آ گئی تھیں۔
"ملتان سے کس کا فون تھا؟" وہ بے قراری ہو کر اٹھ بیٹھیں۔
"آپ کی خالہ زاد بہن، زینب خالہ کا انتقال ہو گیا۔" وہ آہستگی سے بتانے لگیں۔
"انا للہ......" وہ منہ میں بولیں اور سینے پر ہاتھ مار کر رہ گئیں۔ "تو زینب مجھ سے بازی لے گئی۔ بچپن سے ہر کھیل میں ہم دونوں کی شرط لگا کرتی تھی اور وہی ہمیشہ جیتا کرتی تھی۔" وہ بہتے آنسوؤں کے درمیان بولیں۔
"بتایا کچھ، جنازہ کب ہے؟ کیا ہوا تھا اسے؟" چند لمحوں بعد وہ صدمے سے ذرا باہر نکلنے لگیں تو پوچھنے لگیں۔
"ہارٹ فیل۔ اور جنازہ و تدفین تو کل دوپہر کو ہو گی، ٹائم بارہ ایک کے درمیان۔"
"پھر تو میں اس کا چہرہ دیکھ سکتی ہوں۔ سارا بچپن انہی گلیوں میں کھیلتے گزرا اور اس کے دوستانے کا اتنا حق تو ہے مجھ پر۔" وہ ایک دم سے اُٹھتے ہوئے بولیں۔
"تو کیا آپ جائیں گی؟"
"اور نہیں تو کیا...... تم تنزیل سے کہو، مجھے ریل کار میں سوار کروا آئے۔ رات تک پہنچ جاؤں گی۔"
"اماں جان! کیا بات کرتی ہیں؟ اتنا لمبا سفر اور آپ اکیلے کیسے جائیں گی؟" یاسمین حیرت سے بولیں۔
"جانا تو ضروری ہے میری بیٹی! اب احسن کی ذمہ داری کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں ساتھ چلنے کو کہتی۔ خیر، اللہ مالک ہے۔ تنزیل

ہے نا گھر میں۔ میرے دو جوڑے رکھ کر بیگ تیار کر دو۔ میں وضو کر کے کپڑے بدل لیتی ہوں۔" وہ جس طرح ارادہ کر کے اٹھی، پھر انہیں روکنا محال ہو گیا۔ یاسمین نے، احسن مراد نے انہیں سمجھانا چاہا، ان کی بیماری اور لمبے سفر سے ڈرایا مگر وہ ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ پھر یاسمین چپ ہو گئی۔

'ٹھیک ہے، اماں جان چلی جائیں، اور تنزیل بھی۔ میں بالا ہی بالا کچھ کرنے کی کوشش کروں گی۔ شاید اللہ نے یہ بھی کوئی مصلحت کا پیام بھیجا ہے۔ صحیح ہے۔' وہ دل میں سوچتے ہوئے جلدی جلدی اماں جان کا بیگ تیار کرنے لگیں۔

"نہیں...... ہرگز نہیں جاؤں گا میں۔ بتا رہا ہوں آپ کو۔" تنزیل سنتے ہی بیٹھے سے اٹھ گیا۔

"تو کیا بوڑھی دادی کو دھکے کھانے کے لئے اکیلے روانہ کر دو گے؟ اس عمر میں جب انہیں نہ ٹھیک سے دکھتا ہے نہ سنائی دیتا ہے۔ سمجھایا لاکھ انہیں کہ مت جائیں، مگر نہیں رکتیں تو ان کے ساتھ ہم بھی ضد لگا کر بیٹھ جائیں؟" یاسمین نے جیسے عاجز آ کر کہا۔

"آپ کو معلوم ہے نا، گھر میں اس وقت کیا تماشا چل رہا ہے۔ لیکن ایسے حالات میں ہرگز گھر سے نہیں جاؤں گا۔ مما آپ کو صاف بتا رہا ہوں۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔

"تنزیل!...... میرے بیٹے! ماں پر بھروسہ کرو۔ کچھ نہیں ہوتا اِدھر۔ اچھا ہے، ایک دو دن کے لئے معاملہ ذرا ٹل جائے گا۔ شاید سمجھ جائے۔ میں سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ تم اِدھر رہو گے تو ضد میں آ کر کچھ نہیں مانے گی۔ کیا پتہ، اس میں بھی اللہ کی کوئی بہتری ہو۔ تم تھوڑا سا تحمل اور برداشت سے کام لو اور کسی کی نہیں تو میری خاطر چلے جاؤ۔ پلیز بیٹا!" وہ اب رو دینے کو تھیں۔ ہر طرف سے ان کو اپنی شامت آتی نظر آ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں چلا جاتا ہوں۔ مگر کل صبح سویرے واپس آ جاؤں گا، دادی کو چھوڑ کر۔ انہوں نے رہنا ہوا تو رہ لیں گی، میں نہیں رکوں گا۔" وہ اُکھڑے لہجے میں مانا تو یاسمین نے شکر کیا، وہ مانا تو سہی۔ گھنٹہ بھر کے اندر دونوں روانہ ہو گئے۔

"امی جان! اگر کوئی گڑبڑ ہوئی، وہ شخص ادھر آیا یا اس نے کوئی بے ہودگی دکھانے کی کوشش کی تو میں آپ کو بتا رہا ہوں، میں اس کو نہیں شوٹ کروں گا، اس گھر کو بھی آگ لگا دوں گا۔ آپ کو میری وحشت کا اندازہ تو ہو ہی گیا ہو گا۔ میں کسی کو معاف نہیں کروں گا۔ سمجھا لیجئے گا اس کو اچھی طرح۔" وہ جاتے ہوئے تانیہ کے کمرے کی دہلیز پر رک کر آتشیں لہجے میں دھمکا کر گیا تھا۔ ان کے جانے کی یاسمین نے دو نفل شکرانے کے پڑھے۔

'ایک خطرہ تو ٹلا۔ اب وہ بلا آنے والی ہے آدھے گھنٹے بعد۔' انہوں نے ڈرائنگ روم اور باقی گھر کا بکھرا سامان سمیٹتے ہوئے سوچا۔

تانیہ نے اٹھ کر چائے بنائی تھی۔ ان کا کپ باہر تخت پر رکھ گئی تھی اور اپنا اندر لے گئی تھی۔

"ربیعہ، سعیعہ! بات سنو۔" وہ اندر بیٹھی اپنا ہوم ورک کر رہی تھیں، کسی خیال کے تحت یاسمین نے ان دونوں کو آواز دی۔

"جی امی!"

"دیکھو بیٹا! یوں کرو، تم دونوں سامنے آسیہ آپی کے گھر چلی جاؤ۔ میں نے نائمہ سے بات کر لی تھی، وہ تم دونوں کو ٹیوشن پڑھا دیا کرے گی، شام کو ایک گھنٹہ۔ مگر ہفتے میں تین دن۔ مہربانی ان کی کہ فیس بھی نہیں لیں گی۔ آج تم دونوں چلی جاؤ، پھر جس دن وہ کہیں، دوبارہ چلی جانا۔'

دونوں سر ہلاتے ہوئے اندر چلی گئیں۔

وہ نہیں چاہتی تھیں کہ جہانگیر ہمدانی آئے اور اس کے ساتھ ہونے والی بدمزگی یا کسی اور خرابی کے دوران ان دونوں کو کچھ پتہ چلے۔ تانیہ تو بے حس ہو چکی تھی، مگر گھر کے ماحول میں ہونے والی اس کشیدگی کا ان کے کچے ذہنوں پر کیا اثر پڑ سکتا تھا، انہیں اس کا خیال تھا۔

وہ بظاہر کچن کے کاموں میں مصروف تھیں جبکہ ان کے کان گھر کے بیرونی دروازے کی طرف لگے تھے۔ تانیہ کو وہ برآمدے میں بے قراری سے ٹہلتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

'کیا ہو گیا ہے اس کو؟ میرے اللہ! رحم کر، ہماری عزت بنائے رکھنا۔ اس لڑکی کو ہدایت دے میرے مالک! میرے آشیانے کی حفاظت کرنا۔ ہمیں اس گناہ کی سزا نہ دینا جو ہم سے سرزد نہیں ہوا۔ اگر ہوا بھی ہے تو درگزر فرما۔ رحم کر۔ رحم کر۔'

وہ کبھی برتن دھونے لگتیں، کبھی دال چاول نکال کر چننے لگتیں اور کبھی سب چھوڑ چھاڑ کر پورے دھیان سے گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں کرنے لگتیں۔

احسن مراد کے کمرے کی گمبھیر خاموشی الگ سے ان کا دل دہلائے جا رہی تھی۔ یہ خاموشی بھی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ تب ہی باہر کسی گاڑی کے رکنے اور دروازہ کھلنے، بند ہونے کی بڑی واضح آواز سنائی دی تھی۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی

پھر کوری۔ دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی باہر کی طرف بڑھیں۔
ل بجنے سے پہلے ہی تانیہ دروازہ کھول چکی تھی۔ آنے والے پر نگاہ پڑتے ہی ان کا دل دھک سے رہ گیا!

❋⊙......⊙❋

ے پہلے...... اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے، میں سوچتی رہ جاؤں اور وقت ایک بار پھر میرے دامن میں گرے پھول اُڑا
مجھے ایک بار پھر تہی دامن کر جائے، مجھے گزرتے وقت کے ایک ایک لمحے کی قدر کرنی ہے۔ آخر میں یہ بلاوجہ کی تاخیر
ہی ہوں، جب سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو چکا ہے۔ سب کچھ نظر آ رہا ہے۔ اس سے
لوٹ دوسری بار میرے حق پر ڈاکا ڈالنے کی کوشش کرے، میں خود آگے بڑھ کر میدان پر قابض کیوں نہیں ہو جاتی۔
مجھے اب اور دیر نہیں کرنی۔'

یہ خیال یک بیک آیا تھا۔ جہانگیر ہمدانی سے ان دو دنوں میں ایک بار بھی رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔ شاید وہ ادھر ہو ہی نہیں۔
زی بار قیاس کرتے ہوئے فون رکھ دیا۔ سگار سلگاتے ہوئے انہیں خیال آیا کہ ان دنوں میں انہوں نے دائم سے بھی کوئی
ور نہ اس کا کوئی فون آیا۔

'ڈاکٹر درخشندہ...... اگر اس نے پہلے رابطہ کر لیا...... جھوٹی سچی کوئی کتھا سنا ڈالی یا ہو سکتا ہے کہ یہیں نہ آ گئی ہو تو میری
ریاضت پھر جائے گا۔ مجھے اور دیر نہیں کرنی چاہئے۔' انہوں نے فیصلہ کن انداز میں سوچا اور جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جہانگیر کی کچھ خبر ہے؟" باہر نکلتے ہی عائشہ بخاری نے پوچھا۔

"...... کل ایک بار ان کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے، کسی ضروری کام میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ فارغ ہوتے ہی فون کریں
گے" نے بتایا، جسے میڈم یاقوت نے غیر حاضر دماغی سے سنا۔

"جانتی ہوں اس کے ضروری کام۔" وہ منہ میں بڑبڑائیں اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔

انہوں نے گاڑی خود ڈرائیو کرنے کا فیصلہ کیا اور آفس سے گاڑی لے کر نکل آئیں۔

'اس وقت ادھر ہی ہو گا، یقیناً۔' انہوں نے شام کے ڈھلتے سائے دیکھتے ہوئے سوچا۔ آدھے گھنٹے میں طے ہونے والا سفر
بیس منٹ میں طے کیا تھا۔

"صاحب گھر پر ہی ہیں۔" چوکیدار نے جیسے ہی کہا تو وہ مطمئن سی ہو کر گاڑی بند کر کے نیچے اُتر آئیں۔

'بڑا زبردست ہے۔' اور یہ محض اتفاق تھا کہ انہوں نے چند دن پہلے دائم کو ادھر ڈراپ کرتے ہوئے گھر دیکھ رکھا تھا۔ وہ
سے گزرتے ہوئے ملازم کی پیروی میں اندر داخل ہوئیں۔

ڈرائنگ روم میں بیٹھے شاید دو منٹ ہوئے تھے، جب دائم اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی جیسے ان کے پورے دن میں
رنگ گئی۔

"اوہ گریس فل لیڈی! مجھے امید نہیں تھی کہ آپ میرے غریب خانے کو رونق بخشیں گی۔" وہ سلام کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

"بہت ضروری بات کرنا تھی تم سے، اس لئے نہ تو صبر ہو سکا کہ تمہیں بلواتی یا انتظار کرتی۔ آؤ بیٹھو میرے پاس۔" انہوں
نے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان کے بدلے بدلے انداز دائم کو حیران سا کر رہے تھے۔

"بڑی پرانی بات کہنی ہے تم سے...... بیٹھو میرے پاس۔" انہوں نے اس کے پاس بیٹھتے ہی اس کی طرف رخ کر کے
کہا۔

❁

کیمل براؤن کلر کے اسٹائلش سفاری سوٹ میں وہ ایک ہینڈسم اور جاذبِ نظر شخصیت کا مالک نظر آرہا تھا۔ لا...
بظاہر عمر بھی بہت زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی، جیسا انہوں نے اپنے ذہن میں جہانگیر ہمدانی کا خاکہ تصور کر رکھا تھا۔ ...
رنگت کے ساتھ کھڑے کھڑے مردانہ نقوش، کشادہ پیشانی سے آگے سیاہ گھنے بالوں والا سر اور چوڑے کندھے اور ...
بھرپور مرد ظاہر کر رہے تھے۔

یاسمین اسے تانیہ کے ساتھ اندر ڈرائنگ روم کی طرف جاتا دیکھتی رہیں۔ اُس کی متوازن، پُراعتماد چال اس کی ...
غماز تھی اور چہرے کے مجتمع تاثرات اسے کہیں سے بھی کمزور یا کنفیوز ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ وہ اس طرح متوازن چال چلتے
صحن سے گزرا، جیسے وہ اکثر اسی رستے سے گزر کر اندر ڈرائنگ روم میں جاتا رہا ہو۔

اس کی بالوں بھری چوڑی کلائی پر بندھی خوب صورت ڈائل والی گھڑی، جس کے شیشے کے پیچھے لگے نگینوں سے ...
پھوٹ رہی تھیں، اس گھڑی کی مالیت کا اعلان کر رہی تھیں۔

'میں اس سے کیا بات کروں گی؟' یکایک یاسمین کو اپنی کمزور حالت اور کمزور پوزیشن کے منفی حصار نے اپنے گھیرے ...
شروع کر دیا۔ وہ تو تصویر میں کوئی نشئی، چرسی، موٹی توند والا کوئی گنوار سا مرد جو حلیے سے ہی نو دولتیا اور شکل و صورت سے ...
نظر آتا ہوگا، اور جسے وہ دیکھتے ہی غصے اور طیش میں اُبل پڑنے کو تیار ہو جائیں گی، بلکہ اسے خوب کھری کھری سنا کر ...
کرنے کی ہر طور کوشش کریں گی۔ اور ابھی جہانگیر ہمدانی کو دیکھنے سے قبل انہیں یقین تھا کہ وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں

'مگر یہ......' ان کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے مساموں سے پھوٹ نکلے۔

'تنزیل کے غصے اور انتقامی جذبے سے میں نے تو کچھ اور ہی تصور کر رکھا تھا، مگر یہ تو...... تنزیل اس شخص سے ...
خائف کیونکر ہو سکتا ہے؟ دیکھنے میں تو یہ اچھا خاصا پڑھا لکھا، مہذب اور قابل شخص لگتا ہے اور سب سے بڑھ کر ...
وہ عرق عرق، پریشان کن سوچوں میں غرق تھیں۔

'اب مجھے اس سے کس طرح بات کرنا ہوگی؟' بیرونی دروازے کے بند ہوتے ہوتے باہر کھڑی جس جہازی ...
پڑی تھی، وہ منظر ذہن میں آکر انہیں مخمصے میں ڈال گیا تھا۔

سارے گھر میں مکمل خاموشی اور سناٹا تھا۔ شام دھیرے دھیرے پَر پھیلاتی، امرود کے گھنے درخت کی شاخوں پر ...
رہی تھی۔

احسن مراد کے کمرے میں گمبھیر چپ چھائی ہوئی تھی۔

ایک بولتی چپ کی چادر نے سارے گھر کو اپنی بغل میں لے رکھا تھا۔

'تنزیل کا غصہ، اس کی ناراضی یونہی بے وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور یاسمین بی بی! تم ساری زندگی گھر کا چولہا چوکا کرنی ...
گھومنے والی عورت۔ تمہیں کیا پتہ، باہر عیاری نے، مکاری نے کیسے کیسے مہذب بہروپ بھر رکھے ہیں۔ تم تو ایسے کسی ...
یافتہ بھیڑیے کو دیکھو گی تو متاثر ہی ہو گی۔ تمہاری نظروں سے عقیدت اور دماغ میں احساسِ کمتری کا پیدائشی عنصر ...
کاش! ہم خود بھی سر اٹھانا سیکھ جائیں، برائی کے آگے۔ جیسے آج کے دور میں برائی، گناہ سینہ تان کر چل رہا ہے۔ ...
شرافت کی قامت میں اضافہ کریں۔ یوں ڈر ڈر کر، خوف زدہ ہو کر ہم یقیناً نباہ کو انچ انچ اونچا کیے جا رہے ہیں، ...
دولت کا تاج سجائے، ہمیں ہماری پستہ قامتی کا اور بھی احساس دلا رہا ہے۔ محض اس کی دولت اور خوش لباسی سے متاثر ہو کر
اچھی، نیک سیرت، خوب صورت بیٹی اُس کے حوالے کر دوں؟ ہرگز نہیں۔' وہ جوش میں بھری کچن سے نکلیں۔

''اتنی اچھی، نیک سیرت، خوب صورت بیٹی؟...... اگر اتنی اچھی ہوتی تو آج مجھے کسی غیر کے سامنے جا کر یوں ...
وہ صحن میں رک کر لبوں میں بڑبڑائیں۔ سر اُٹھا کر شفق رنگ لالیوں کو سیاہی میں بدلتے دیکھ کر انہوں نے بے اختیار
کے مالک، دن کی سفیدی کو رات کی اَن مٹ سیاہی میں بدلنے والے مالک سے تانیہ کے دل کے پلٹنے اور اس شخص کے ...

دھاما گئی تھی اور مضبوط قدموں سے ذرا چاپ پیدا کرتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھیں۔
"کچھ خاص نہیں۔ صرف ایک کپ چائے۔ اور کچھ نہیں۔"
ابھی یہ اُن کے قدموں کی چاپ کا ری ایکشن تھا، ورنہ اس سے پہلے تو ڈرائنگ روم بھی باقی گھر کے سناٹے کے مانند سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ان کے سینے میں دل نے الٹی سی کروٹ لی۔
بے اختیار جی چاہا، اندر جاتے ہی تانیہ کے منہ پر کس کر چانٹا مار دیں، مگر کس حق سے؟
تانیہ کا کروٹ پڑے دل نے استہزائیہ انداز میں سوال کیا تھا۔
یہ تو کی خود ہی نے تو انہیں اس کی ذات پر کسی بھی دعویٰ حق سے دستبردار سا کر دیا تھا۔
"آیئے امی!" تانیہ بڑے اعتماد سے دروازے سے چند قدم پرے کھڑی ان کی طرف دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
لگا، جیسے وہ ان کی حالت کا سبب جان گئی ہو اور اب ان کا تمسخر اُڑا رہی ہو۔ انہوں نے اس کے چہرے پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال کر صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے، مطمئن سے اس بظاہر "شان دار" مرد کو دیکھا، جس نے ان کے گھر، ان کی زندگی سے سکون، چین چھین کر کے بے چینی، بے سکونی اور نفرت کی آگ دہکا دی تھی۔ جو لمحہ بہ لمحہ بھڑکتی جا رہی تھی۔
"یہ میری امی ہیں سر! اور امی! یہ جہانگیر ہمدانی۔" تانیہ نے اسی مسکان بھرے چہرے کے ساتھ تمکنت بھرے انداز میں ان کا تعارف کروایا، جیسے اپنی چوائس کی "داد" ان سے چاہ رہی ہو۔
وہ احتراماً اٹھ کھڑا ہوا اور ہلکا سا سر خم کر کے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے لب ہلائے بغیر محض سر کے خفیف اشارے سے جواب دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود سامنے بچھی چار کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئیں۔
"میں چائے لے کر آتی ہوں۔" تانیہ نے رک کر ماں کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے کچھ اخذ کرنے کی ناکام کوشش کی، ایک نگاہ جہانگیر ہمدانی کے کمپوزڈ چہرے پر ڈالی اور کہہ کر باہر نکل گئی۔
اس نے لیمن کلر کے سوٹ پر ہلکی سبز رنگ کی کڑھائی تھی اور بال پیچھے سے کھلے تھے۔ تھوڑے سے بالوں کو کیچر میں مقید کر کے باقی کو اس نے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ حالانکہ پہلے اسے بال کھولنے سے کیسی وحشت ہوتی تھی۔ گیلے بال خشک بھی نہ ہوتے کہ وہ باندھ لیتی۔ یاسمین بولتی رہتیں، گیلے بالوں سے بدبو آنے لگے گی، جوئیں پڑ جائیں گی، ابھی مت باندھو، خشک ہو لینے دو۔ مگر وہ نہ سنتی۔ اور آج اس نے یہ اہتمام بالوں کو کھلا چھوڑ رکھا تھا اور اس کے لباس کی سرسراہٹ کے ساتھ نرم چنبیلی سی، بھینی بھینی مہک بھی اس کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔
وہ یہ پرفیوم نہیں لگاتی تھی۔ بچپن سے کہیں دادی نے ایک بار نیک باکرہ عورت کی کہانیاں سناتے ہوئے اسے بتایا تھا کہ عورت کے لباس کی خوشبو اگر کوئی غیر مرد سونگھ لے تو یہ زنا کے برابر ہوتا ہے۔ اس کے بعد تانیہ نے کبھی بھی کوئی خوشبو استعمال نہیں کی تھی، کبھی کبھار لگا کر جاتی۔ جب اکیڈمی جانے لگی تو اس نے بالکل خوشبو لگانا ترک کر دیا اور آج آج اس کے لباس سے، مشام جاں میں مہک پھوٹ رہی تھی۔ انہیں لگا، وہ ہر دلیل، ہر جواز جو وہ اپنی "پاک باز" بیٹی کے حق میں دے سکتی تھیں، ہارتی جا رہی تھیں۔

"کیوں آئے ہو تم یہاں؟" جسے ہارنے کا ڈر ہوتا ہے، وہ ضرور ہار جاتا ہے۔ کہیں کا پڑھا ہوا یہ زریں قول، ہار کے آخری لمحات میں انہوں نے ایک دم سے باہمت ہو کر کڑے لہجے اور سپاٹ چہرے کے ساتھ سامنے بیٹھے اس جاندار مرد سے پوچھ بیٹھیں۔
"آپ کو تانیہ نے نہیں بتایا کہ میں یہاں کیوں آنا چاہ رہا ہوں؟" اس کے اعتماد میں سرِ مو فرق نہ آیا۔ اسی طرح ٹانگ پر ٹانگ رکھے مطمئن لہجے میں بولا۔
"میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔"
جب عمر بھر کا سرمایہ، زندگی بھر کی کمائی داؤ پر لگی ہو تو وہ کیسے سر جھکا کر کسی دباؤ میں آ کر پیچھے ہٹ سکتی تھیں۔ انہیں آخری پتا شو کرنا تھا۔ اپنی مامتا کی اور اس پورے گھر کی عزت کی جنگ لڑنا تھی۔ تنزیل اور اماں کے جانے کے بعد یہ ذمہ داری خود بخود ان کے کاندھوں پر آ گئی تھی۔ اگر تنزیل یہاں ہوتا تو شاید ڈرائنگ روم کی فضا اتنی پُر امن نہ ہوتی۔
"میں اپنا پرپوزل لایا ہوں، آپ کی بیٹی تانیہ کے لئے۔ کیونکہ میرے ماں باپ میں سے کوئی بھی حیات نہیں اور کوئی ایسا رشتہ دار نہیں، جسے میں اس کارِ خیر کے لئے بھیجتا۔" اس نے ٹانگ کے نیچے اتاری اور بڑی تفصیل سے اپنی "آمد" کا سبب بیان کیا۔

"کیا آپ کو اپنی اور تانیہ کی عمر میں فرق کا علم ہے؟" اب ان کی نگاہوں میں نہیں، چہرے کے تاثرات میں بھی کٹیلا سا غصہ جھلکنے لگا تھا۔

''معلوم ہے مجھے۔'' اسی مطمئن لہجے میں جواب آیا۔

''پھر بھی۔'' وہ اس کے اطمینان سے جز بز ہوئیں۔

''یعنی یہ فرق جانتے ہوئے بھی چلا آیا ہوں۔'' وہ ہلکا سا ہنسا۔

''میں نہیں آنا چاہتا تھا، مگر آپ کی بیٹی کے مجبور کرنے پر آیا ہوں۔'' اس کے جواب سے انہیں بے تحاشا سُبکی کا احساس ہوا کیا کرنے جا رہی تھی۔ سب کی، سارے زمانے کی دشمنی مول لے کر، جس کے لئے لڑ رہی تھی، وہ تو اس کا طلب گار ہی نہیں تھا۔

''تو پھر آپ یہاں، میرے سامنے تانیہ کو یہی جملہ کہیں۔ جس طرح خاموشی سے آئے ہیں، اسی طرح خاموشی سے نکل اس گھر سے ہی نہیں، اس کی زندگی سے بھی۔ کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی اس بے جوڑ رشتے کے لئے راضی ہے نہ خوش۔'' انہوں واضح الفاظ میں اپنی ناپسندیدگی اور انکار کا اظہار کر ڈالا۔ انہیں جہانگیر ہمدانی کے روّیے سے قوی یقین تھا، وہ کندھے اچکا کر ہو گا اور باہر نکل جائے گا۔

اور ایسا ہوا بھی۔ ان کی توقع کے بالکل برعکس وہ بولا۔

''او کے! مجھے خود شادی وادی کا شوق ہے نہ ضرورت اور نہ کوئی ایسی مجبوری۔ آپ لوگ بھی راضی ہیں نہ خوش تو فضول پڑنے کی کیا ضرورت۔ آئی ایگری وِد یُو۔''

وہ اتنی آسانی سے مان جائے گا اور اتنے آرام سے اس ساری قیامت کو مفت کا کھٹ راگ کہہ کر دامن جھاڑتا ہوا گزر گا۔ اس کی تو انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔ انہیں اپنے کانوں پر جیسے یقین ہی نہیں آیا۔ بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی وہ اُٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔

چار قدم گن گن کر چلتے ہوئے وہ ان کے پاس آ کر رُکا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ ان کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کہنے لگا ہو۔

کیا؟.......وہ اس کے بولنے سے قبل قطعاً جان نہ سکیں۔

✲◉......◉✲

اُس کے جسم میں جیسے درد کے لاتعداد پھوڑے سے اُگ آئے تھے۔ ایسے دُکھتے مواد سے بھرے پھوڑے کہ جن کو ذرا ہلا لینے سے ان کے پھوٹ جانے کا ڈر ہو۔ اور درد ایسا تکلیف دہ، ناقابلِ بیان کہ جس کی اذیت، وحشت اور تکلیف نہ اس سے کہی جا رہی تھی اور نہ سہی جا رہی تھی۔ اور کہنا بھی کس سے تھا، ان خالی خالی کالی سیاہ دیوؤں کے مانند سیاہ جٹائیں کھولے بیٹھی اک بلا سے جو درد اور دُکھن کے ان تکلیف دہ لمحات میں اس کو کسی سینگ دار بھوت کی طرح وحشت سے سر ہلاتی، پھنکاریں مارتی اپنی زباں لپکتی اس درد کے مارے بدن کو چلتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''آں.......آئے.......'' انجانے میں ہی اپنا ہاتھ بائیں شانے سے چھو گیا تھا اور مارے درد کے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ اسے لگا کہ وہ گرم گرم دہکتی سلاخ ابھی اس کے شانے کو چھو کر ہٹی ہو۔

وہ دہکتی لال سرخ انگارہ سی سلاخ کسی چمکتی دھاری دار تلوار کی طرح اس کی پشت، کندھے اور سینے کو داغتے ہوئے اس کی رانوں اور پنڈلیوں کو بھی اس درد کے دریا میں اتار گئی تھی۔ اسے چیخنے کی اجازت تھی، نہ چلّانے کی۔ اس کے منہ میں ٹھنسا ہوا اسے زور زور سے سر مارنے، چیخنے اور اپنا ہی سر دیواروں سے ٹکرانے پر تو مجبور کر رہا تھا، مگر اس کے حلق سے ایک ''سی'' کی آواز موٹے کپڑے کی تہوں سے نکل کر باہر نہیں جا سکتی تھی۔

باہر....... جہاں چند قدموں کے فاصلے پر اس کے بے حد پیارے، عزیز از جان بلکہ اسے بھی اپنی جان سے بڑھ کر چاہنے والا شخص بیٹھا فرصت کے لمحات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے چائے کے مگ کے ساتھ گرما گرم پکوڑوں کے ساتھ گھونٹ گھونٹ حلق میں اُتار رہا تھا۔ سامنے چلتے ٹی وی، اور وی سی آر میں لگی دلچسپ رومان پرور فلم نے اس شام کی رنگینی اور لطف کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ ان پُر مسرت لمحات کے دوران اس شخص کو ایک بار بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ ''وہ'' اس کے پاس موجود نہیں ہے بلکہ ایک سیاہ کوٹھری کی نیچی چھت کے نیچے درد و اذیت کے طوفان سے نبرد آزما ہے اور ابھی بھی موت اسے اپنے پنجوں سے کسی بے بال ہوتے چوزے کی طرح کئی فٹ بلندی سے نیچے گرا گئی ہو۔

شانے سے ابھی تک نکلتی درد کی ٹیسوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔ ہاں وہ زندہ ہے اور اگر وہ اسی طرح موت پنجوں سے نکل نکل کر زندہ رہتا رہا تو بار بار درد و اذیت اور دکھ کے اس دریا کو عبور کرنے پر مجبور ہوتا رہے گا تو وہ کیوں زندہ ہے؟ درد کو محسوس کرتے ہوئے چائے کے گھونٹ کی طرح پہلی بار اپنے حلق سے اُتارتے ہوئے پہلی بار اس کے دماغ میں یہ اُبھری تھی۔ اور یہ کیسی سوچ تھی کہ اسے اس لمحۂ خاص میں درد کی شدت تو کیا، درد کا منبع تک بھول گیا تھا۔

ہرگی ہی اس درد کے طوفان کا باعث ہے اگر یہی نہ رہے تو میں بار بار موت کے کنوئیں میں چھلانگ لگانے اور اس کے
رنے کی تکلیف سے محفوظ ہو جاؤں گا تو یہ سارا کھیل اس جینے کا ہے۔ اس کھیل کو ختم کر کے اس درد سے نجات حاصل کی جا

نے ذرا سا پہلو بدلا تھا اور منہ سے سسکاری سی نکلی تھی، مگر اس سسکی نے اس نئی سوچ کو اور بھی پختہ کر دیا تھا کہ وہ اس کے
یں پنجے گاڑ کر بیٹھ گئی۔
طے ہو گیا کہ مجھے اب زندہ نہیں رہنا۔' اس نے پہلو سے اُٹھتی درد کی پکار کو نظر انداز کرتے ہوئے دل میں طے کیا۔
س زندگی سے نجات کیسے ملے گی؟' اس کا معصوم ذہن زندگی سے نجات کے طریقے سوچنے لگا۔
و بھائی! پانی۔" کسی ہاتھ نے اس کی طرف پانی سے لبالب گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔ اس نے خون ہوتی نگاہوں سے
اس اور پھر اس ہاتھ کی طرف دیکھا۔
کے اندر تو پیاس ہی پیاس تھی، جلن ہی جلن۔ کیا وہ اس ایک گلاس سے بجھ جائے گی؟ پہلی بار اس کا ناپختہ ذہن ایسی پختہ
کر رہا تھا۔
بر دست پیاس...... پیاس تو اس کے لبوں پر آگ آئی تھی۔ حلق میں کانٹے چبھو رہی تھی۔ اس نے لرزتے، کپکپاتے ہاتھ
ں طرف بڑھائے ہی تھے کہ زوردار دھما کا سا ہوا اور گلاس اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر چکنا چُور ہو گیا۔ اس کی پیاس اس
ہی ادھوری رہ گئی اور...... وہ آج تک تشنہ لب تھا...... آج تک......
واب تھا یا حقیقت، آنکھ کھلتے ہی وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس خواب کی جزئیات کو جوڑتے ہوئے خالی الذہن ہوا جا رہا تھا۔
ی سوال چھت اور دیواروں پر گردش کر رہا تھا۔ یہ خواب تھا یا حقیقت؟

✲✲......✲✲

ور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم یہ کہانی سن کر یقین نہ کرو۔" وہ اسی طرح جھکے سر کے ساتھ ہلکی سی کھنک کے ساتھ بولیں اور آہستگی
بڑھا کر دائم کا ہاتھ اپنے دودھیا نرم و گداز ہاتھ میں لے لیا۔
م کو لگا، وہ اس وقت یہاں موجود نہیں۔ جسمانی طور پر یہاں ہونے کے باوجود میڈم یاقوت کم از کم اس کمرے میں کہیں
ں۔
ں کا مضبوط مردانہ گندمی ہاتھ ان کے نرم گداز مگر ٹھنڈے یخ ہاتھ کی گرفت میں تھا اور اس نے چاہنے کے باوجود اپنے ہاتھ کو
ن سے رہا کرانے کی سعی نہیں کی۔
تم یقین نہ کرو تو اس میں تمہارا قصور نہیں، بلکہ کوئی اور سنے گا تو وہ بھی اسی طرح بے یقین رہے گا کہ یہ کہانی ہے، ہی کچھ ایسی
رت میں تمہیں وہ پوری کہانی نہیں سناؤں گی کہ اسے سنانے کا حوصلہ اتنے برس کے دشت پھلانگ آنے کے باوجود بھی
ندر پیدا نہیں ہوا۔" انہوں نے رک کر سسکی سی لی۔
ئم بے اختیار چونکا۔ پانی کا ایک ننھا سا قطرہ اس کے ہاتھ پر ان کی آنکھ سے ٹپک کر گرا تھا۔
ں نے انہیں حوصلہ دینے کے لئے منہ کھولا اور ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی رک گیا۔ اس خوب صورت، جاذب نظر کئی
ں کو بھی گھائل کر دینے والے چہرے پر اس وقت کس کرب، کس اذیت کی تحریر رقم تھی کہ دائم کو لگا، اس کا ہر جملہ تشفی، ان کے
کے کھلتے منہ پر پھاہا نہیں رکھ سکے گا۔
میں تمہیں صرف اس کہانی کا وہ خاص حصہ سنانا چاہتی ہوں، جس کا تعلق تم سے اور مجھ سے ہے۔" انہوں نے گہرا سانس لے
دم سے جھکا ہوا سر اٹھایا تھا۔
ب کی بار بحرِ حیرت میں غوطہ زن ہونے کی باری دائم کی تھی۔
"آپ کی کہانی کا تعلق مجھ سے؟" وہ اس حیرت کا اظہار کیے بغیر رہ نہ سکا۔
انہوں نے تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔
"ہاں، تمہارا تعلق مجھ سے اور میرا تم سے اس کہانی کا سب سے خاص حصہ کہ میرے لئے تو اب باقی کی کہانی بے معنی ہو چکی
لا، اوری کی پوری مجھ پر بیت چکی ہے۔ اس کے دُکھ اٹھانے، درد سہنے، خوشی کی امید کاشت کرنے اور مایوسیوں میں ڈھلنے کے
ے لئے میرے اندر سے ہو کر گزر رہے ہیں اور گزری ہوئی چیزیں کتنی ہی اہم اور خاص کیوں نہ ہوں۔ حال سے زیادہ طاقت ور
ہم نہیں ہو سکتیں۔ سو میرے لئے اب یہ ساری کہانی پرانی اور بے معنی ہو چکی ہے، سوائے اس خاص حصہ کے جس میں تمہارا اور
راتعلق بنتا ہے اور ٹوٹ جاتا ہے اور اب ایک بار پھر تقدیر کی مہربانی اور میرے اندر پھیلے اس دشتِ بے کنار کی ہزار مناجات

کے نتیجے میں جڑنے جا رہا ہے۔'' وہ اب اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنے نرم گداز اور بتدریج گرم ہوتے ہاتھوں میں لے کر بڑی لگاوٹ اور خاص نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مطمئن سے لہجے میں بولیں۔

''کیسا تعلق؟'' اس نے ایک دم ہراساں ہو کر اپنے دونوں ہاتھ ان کی نرم پڑتی گرفت سے کھینچے تھے، ان کے چہرے پر پُر خیز سکوت تھا، جیسے اب انہیں یوں اس کے ہاتھ کھینچ لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

''بڑا گہرا تعلق، اٹوٹ تعلق جسے زمانے کی ستم ظریفی نے بڑی شقاوت سے توڑنے کی کوشش کی تھی، مگر اس کی ہر کوشش میرے جذبے، میری جستجو اور میری تلاش کے سامنے آج دم توڑ گئی۔'' وہ اب پُر سکون انداز میں ذرا سا پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی تھیں۔

جبکہ دائم کی اُلجھن میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اسے اس خوامخواہ کے اسرار سے کوفت سی ہونے لگی تھی۔

''آپ جو بھی کہنا چاہتی ہیں، پلیز کہہ ڈالیں۔ مجھے یہ سنسنی اور سسپنس اُلجھا رہا ہے۔'' وہ اپنی اُلجھن سے پریشان ہو کر بیٹھا۔

''وہی کہہ رہی ہوں۔ ابھی تو میں خود کو بھی ان انمول لمحوں کا یقین دلا رہی ہوں، جس کے لئے میرے تشنہ دل نے برسوں انتظار کیا ہے۔ وہ قیمتی گھڑیاں یہی تو ہیں۔'' ان کے چہرے پر الوہی سی مسکراہٹ لو دے رہی تھی اور آنکھوں میں انوکھی سی چمک جھلملا رہی تھی، جیسے کوئی شخص رونے اور ہنسنے کے دوراہے پر کھڑا ہو کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی قیاس نہیں کر سکتا کہ یہ ابھی رو دے گا کہ ہنس پڑے گا۔

''بتاؤں تمہیں، تمہارے اور میرے بیچ کیسا اٹوٹ، کیسا انمول رشتہ ہے؟'' وہ اُس کے اُلجھن بھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے پُر جوش سی آواز میں سیدھا ہوتے ہوئے بولیں۔ ''تمہارے اور میرے بیچ.......'' اسی وقت ان کے سیل کی ''موبائل فون'' کی رنگ ٹون بج اٹھی۔

انہوں نے بے حد ناگواری سے سیل اٹھا کر اس کی اسکرین کی طرف دیکھا، وہ اس لمحے شاید عزرائیل کی کال بھی ریسیو نہ کرتیں، مگر یہ کال فاخرہ کی تھی، جس کے پاس انُ کے وجود کا دوسرا جواز تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' انہوں نے بادل نخواستہ سیل اٹھایا اور کمرے کی بیرونی سمت کی طرف بڑھ گئیں۔

اگر یہ کال میڈم یاقوت کو بے حد ناگوار گزری تھی تو دائم کو بھی اس کے بے وقت آنے اور پھر میڈم یاقوت کے اس کال کرنے پر سچ مچ غصہ آ گیا تھا اور کوفت اور اضطراب میں اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ نظریں میڈم یاقوت کے چہرے پر تھیں۔

''ہاں.......ایسی کیا آفت آ گئی تھی تم پر؟'' وہ غصے میں قہر آلود لہجے میں بولیں۔

''وہ آپ سے ایک بات کرنا تھی۔'' وہ ان کی قہر بھری آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''بکو۔'' وہ غرّائیں۔

''وہ بی بی.......سویٹی بی بی....... مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا، کیسے بات کروں؟'' فاخرہ اُلجھ کر بولی۔

''فاخرہ! میرا دماغ مت خراب کرو۔ جلدی پھوٹو، کیا بکنا ہے؟ میں اس وقت بہت بزی ہوں۔'' وہ دانت کچکچا کر بولیں۔

''میم! وہ سویٹی بی بی نے اپنا ضروری سامان ایک سوٹ کیس اور بیگ میں پیک کر کے بیڈ کے نیچے چھپا رکھا ہے۔ کل رات میں نے انہیں واپسی پر اپنا پاسپورٹ بیگ سے نکالتے دیکھا تھا اور آج صبح میں نے ان کا سامان کچھ اس طرح، جیسے شاید وہ کہیں جا رہی ہوں۔'' وہ رُک رُک کر بولتی چلی گئی۔

''کہاں جا رہی ہے وہ؟'' وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولیں۔

''مجھے نہیں معلوم میم!'' وہ بے بسی سے بولی۔

''تو پتہ کرو۔ یہ گلزار کیا بھنگ پی کر سو یا رہتا ہے؟ اس کے پیچھے نہیں جاتا کیا؟'' وہ ایک بار پھر غرّا کر بولیں۔

''جی وہ جاتا تو ہے، پر آج کل بی بی کی ملاقات صرف اسامہ صاحب کے ساتھ ہو رہی ہے تو اس کے متعلق تو آپ نے کہہ رکھا ہے کہ.......'' وہ کہتے کہتے چپ کر گئی۔

''ہوں.......اسامہ سے بات کی تم نے؟'' وہ ٹھنڈی سی پڑ گئی تھیں۔

''جی، کی۔ مگر انہوں نے اُلٹا مجھ سے سوال کرنے شروع کر دیئے۔''

''تم دونوں دن رات ڈیوٹی دو۔ اسے کہیں اِدھر اُدھر نہیں ہونا چاہئے۔ یہ لڑکی کوئی نیا گل کھلا کر رہے گی۔ نہ معلوم اسے کیوں نہیں ہے۔ میں بات کرتی ہوں اس سے۔'' انہوں نے بڑبڑا کر کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ اور جلدی سے لائبہ کا نمبر ملانے لگیں۔

اس کا سیل آف تھا۔ انہوں نے ذرا توقف کے بعد اسامہ کا نمبر ملایا۔ اس کا سیل بھی آف تھا۔

ے ماتھے کی شکنیں گہری ہو گئیں۔
فاخرہ کا شک بے جا نہیں تھا۔ لائبہ اس وقت کیا کرنے جا رہی ہے، انہیں کچھ اندازہ نہ ہو سکا۔ اس وقت تو سب سے لازمی بلانا تھا جو کہ وقفے وقفے سے نمبر ملانے پر بھی نہیں ہو پا رہا تھا۔
ریت تو ہے میم؟" دائم نے ان کے بار بار نمبر ملانے پر قریب آ کر تشویش سے پوچھا۔ وہ یوں چونکیں جیسے اس کے وجود م ہوں۔
ہاں...... ہاں، ٹھیک ہے...... سوری دائم! اس وقت مجھے ایک ارجنٹ کام آ پڑا ہے۔ میں رات کو یا کل کسی وقت دوبارہ تم ں بار رابطہ کرتی ہوں۔ سوری!...... ویری سوری فار ڈسٹربنس۔ حالانکہ اس وقت میں خود بھی نہیں جانا چاہ رہی تھی، مگر بہت ی ہے۔" انہوں نے سیل بند کرتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہوئے ٹیبل پر پڑا اپنا پرس اور گاڑی کی چابیاں

ں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ راستے میں بات ہو جائے گی۔"
ہ اب اس بھید کی طوالت کا سوچ کر کوفت سی ہونے لگی تھی۔ اسے کبھی بھی سسپنس والی کہانیاں متاثر نہیں کرتی تھیں کجا کہ جبکہ اسے یقین نہیں تھا کہ یہ کہانی اس ہی سے متعلق ہے۔ اس کا دل کہہ رہا تھا، میڈم یاقوت کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ مگر وجود اس اسرار کو جاننا چاہ رہا تھا۔ ابھی اور اسی وقت۔ اسے اپنی بے چینی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔
یہ بات کرنے کا نہیں، اس وقت میں دماغی طور پر بالکل غیر حاضر ہو چکی ہوں، اس بات کو کلیئر کرنے کے لئے۔ اس لئے یقین کرو، جیسی بے چینی اس قصے کو سننے کی تمہارے اندر اُتر آئی ہے، اس سے کئی گنا زیادہ میرے اندر ہے۔ میں اب بہت ب تم سے کہے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آئی پرامس! بہت جلد۔"
ں نے اس کا کندھا محبت سے تھپتھپاتے ہوئے بڑے اپنائیت بھرے انداز میں کہا۔
ر ایک وعدہ تم بھی مجھ سے کرو۔" وہ بیرونی دروازے کے پاس پہنچ کر رکیں۔
سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔
ابھی مجھ سے باقی کی کہانی سننے کے لئے اصرار نہیں کرو گے۔ میں تمہیں سناؤں گی ضرور، مگر ذرا ٹھہر کر۔"
ب میں دائم کچھ بھی نہیں کہہ سکا۔ اس کے پلے ان کی کوئی بات بھی نہیں پڑ رہی تھی۔ وہ بالکل خالی الذہن ہوا جا رہا تھا۔
ہاری ماں کا پاکستان آنے کا کوئی ارادہ تو نہیں؟" وہ پورچ کے پاس پہنچ کر اچانک مڑ کر بولی تھیں۔
ید ان کا پروگرام بن رہا ہے۔" وہ سرسری لہجے میں بولا۔
بھی نہیں...... ابھی تو بالکل نہیں۔ جب تک دائم کو سب پتہ چل نہ جائے۔" وہ ماتھے پر بل ڈال کر لبوں میں بڑبڑائیں۔
ی......؟" دائم نے پوچھا۔
کچھ نہیں۔ چلتی ہوں اب۔ تمہیں یوں پریشان کرنے کی ایک بار پھر معذرت۔ رات کو اگر تم سے کانٹیکٹ نہ ہو سکا تو کل لازمی ملیں گے۔ اوکے بائے اینڈ ٹیک کیئر آف یور سیلف۔" وہ اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئیں۔
لیدار گاڑی دیکھتے ہی گیٹ بند کرنے لگا۔
ون تھیں یہ بیٹا؟" اسے پتہ نہیں چلا، کب آغا جان اس کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تھے۔
میری بزنس پارٹنر۔ آپ اٹھ گئے؟" وہ ان کی طرف پلٹتے ہوئے اندر کی طرف بڑھا۔
ہیں کیوں، دیکھا تو نہیں، یونہی آواز شناسا سی لگی تو باہر آ گیا۔" وہ ہولے سے بڑبڑائے تو دائم مسکرانے لگا۔
آغا جان! چلیں چائے پیتے ہیں۔ اس عمر میں ایسے مغالطے ہوا ہی کرتے ہیں۔ ورنہ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اس خاتون سے ملے ہوں۔ چلیں اب۔" وہ انہیں کندھوں سے تھام کر اندر کی طرف بڑھا تو وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے اس کے ساتھ آگے ے۔

✲✲......✲✲
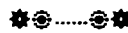
ہیلو اسامہ! گڑبڑ ہو گئی ہے۔"
بھی ہی اسامہ نے لائبہ کی کال ریسیو کی، وہ بے تابی سے بولی۔
کیا ہو گیا ہے؟" وہ ابھی بستر میں ہی لیٹا تھا، اٹھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ لائبہ کا فون آ گیا۔
مجھے لگا ہے، فاخرہ اور گلزار کو شک ہو گیا ہے کہ میں کہیں رفو چکر ہو رہی ہوں۔ ان دونوں کے اندر جیمز بانڈ کی روحیں حلول کر ہی ہیں ان کو سوتے بھی نہیں۔ جب اٹھ کر باہر آتی ہوں، دونوں لاؤنج میں دھرنا دیئے خوش گپیوں میں مگن ہوتے ہیں۔ ایسے

خوشگوار تعلقات تو ان کے کبھی بھی نہیں رہے، جتنے آج کل ہو رہے ہیں۔ آج سیچرڈے ہے، کل سنڈے اور پرسوں ارلی مارننگ
فلائٹ ہے۔ گویا مجھے سنڈے کی مڈنائٹ کے بعد ہی ایئرپورٹ پہنچنا ہوگا۔ اور جس طرح یہ دونوں میری نگرانی کر رہے ہیں، مجھے
لگتا کہ میں ان کو چکر دے کر نکل سکوں گی۔" وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔

"تو ان کو بتا دو سچ سچ۔" اسامہ آرام سے بولا۔

"اچھا، میرا دماغ خراب ہے؟ اسی وقت وہ ماما کے چمچے، ماما کو خبر کریں گے اور ماما کا محبت بھری قسموں، وعدوں والا
گا اور مجھے سیٹ کینسل کرانا پڑے گی۔ اور میں اب ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔"

"افوہ، میری تو یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کہاں تم اپنی ماما کی مرضی کے خلاف ان کے پاس جا رہی ہو، جس کے نتیجے میں
کی شدید خفگی اور غصے کا بھی خوف ہے اور اس خوف سے نڈر ہو اور ان ملازموں سے کسی چوہیا کی طرح ڈر رہی ہو۔ پھر اتنا
کرو گی؟" اسامہ چڑ کر بولا۔

"اوہ، شٹ اپ! یہ چوہیا کسے کہا تم نے؟" وہ غصے میں چلائی۔ "اور کیپ اِن مائنڈ۔ میں کسی سے نہیں ڈرتی، صرف
محتاط ہوں کہ ماما کو یہ دونوں خبر نہ کر دیں اور وہ مجھے منع کر دیں گی، جبکہ میں ہر حال میں ان کے سامنے ایک سرپرائز کی طرح
رہی ہوں۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

میڈم یاقوت کو سرپرائز دینے کے خیال سے ہی تو اس کی خوشی دو چند ہوئی جا رہی تھی۔

"اچھا، تم صحیح۔ اب بتاؤ میرے لئے کیا حکم ہے؟" وہ اس کی بچوں جیسی ایکسائٹمنٹ سے اُکتا کر بولا۔

"تم کل کی طرح کسی بہانے سے...... آں...... کوئی پارٹی فنکشن یا ڈنر کے بہانے مجھے پک کر لو...... مگر سامان
دونوں کو یوں مشکوک دیکھ کر میں نے آدھا سامان واپس الماریوں میں ٹھونس دیا ہے۔ مگر پھر بھی بڑا بیگ ان کے سامنے
مشکل ہے۔ بتاؤ میں کیا کروں؟" وہ حسبِ عادت فوراً اس سے مشورہ مانگتے ہوئے بولی۔

"خالی ہاتھ نکل آؤ۔ سامان کو گولی مارو، وہ دونوں اسی دھوکے میں رہیں گے کہ تم سامان تو لے کر جاؤ گی۔ اس کی راہ
رہیں گے۔ تم میرے ساتھ چلی آنا، انہیں شک بھی نہیں ہوگا۔" اسامہ نے فوراً مشورہ دے ڈالا، جو بالکل سامنے کی بات ہے۔

"آئیڈیا تو اچھا ہے اور خاصا قابلِ عمل بھی، مگر پھر بھی مجھے کچھ نہ کچھ سامان کی ضرورت ہوگی۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"بھئی تم کون سا کسی گاؤں میں جا رہی ہو؟ ایئرپورٹ جاتے ہوئے جو بہت ضروری سامان چاہئے ہوگا، وہ خرید لینا۔"
اسامہ نے چٹکی بجاتے اس کا مسئلہ حل کر دیا۔

"ہاں ٹھیک کہتے ہو تم۔" وہ بالآخر راضی ہو گئی۔ "جو کچھ ذاتی چیزیں میں لے جانا چاہتی ہوں، اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال کر
یہاں سے نکال لے جاتی ہوں۔ کل رات کو تم کسی فنکشن کا بہانہ کر کے مجھے پک کرنے آجانا۔"

"بھئی، بہانے کی ضرورت نہیں۔ رخشندہ آئی تھیں، ڈنر پر پہلے سے ہی انوائٹ کرنے کا ارادہ کئے بیٹھی ہیں۔ اصل میں
بھی جانے کے لئے بہت بے چین ہیں۔ شاید ڈنر کے بہانے تمہیں بلا کر سیٹ کینسل کرنے کی باضابطہ درخواست دے
لائبہ! اکٹھے چلیں گے۔ کیا پتہ، اسی بہانے وہ دائم کو موم کرنے میں کامیاب ہو جائیں، تمہاری سعادت مندی ان کے دل
ٹھاک جگہ بنا لے۔ کیوں، کیا خیال ہے؟" اسامہ نے جھکتے ہوئے اس سے کہا۔

"ایک دم بوگس آئیڈیا۔ اوّل تو اب دنیا کی کوئی بھی طاقت مجھے سیٹ کینسل کرانے پر مجبور نہیں کر سکتی، دوسرے روگئی
بات...... اسامہ! کوشش کرو، آئندہ مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرو۔" وہ ایک دم سے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔
کچھ عجیب سا لگا۔ وہ اور دائم کے ذکر سے خائف؟

اس کے اندر کیسی تبدیلی آرہی تھیں۔ وہ اس خیال سے چونکا۔ کیا کوئی فصلِ بہاراں متوقع تھی؟ وہی نہیں، اس کا دل
تھا۔ وہ دلِ خوش فہم، جسے اس نے تھپکیاں دے دے کر سلایا تھا، بہلایا تھا۔ اس بدلی بدلی سی لائبہ سے اب ہر ملاقات کے بعد
انداز میں ہمکنے لگتا تھا اور وہ ہر بار جانتے بوجھتے اس دلِ ناداں کی فرمائش کو سنی ان سنی کر دیتا تھا۔

مگر اب جو اس کے کان سن رہے تھے، اسے اَن سنا کرنا دشوار تھا۔

"اس گریز کو میں کیا نام دوں لائبہ؟" وہ پہلی بار سنجیدگی سے بولا۔

"کچھ بھی۔ مگر ابھی کریدو نہیں، جستجو میں نہ پڑو۔ مجھے خود کچھ پتہ نہیں۔ یوں لگتا ہے، بہت کچھ افشا ہونے کو ہے۔ اس
جیب میں کچھ نہ کچھ انہونا راز چھپا ہے۔ کیا؟ میں بھی نہیں جانتی۔ مگر دل کا اشارہ ہے کہ ابھی اس موضوع کو لپیٹ لپاٹ کر
یونہی پڑا رہنے دوں۔ اس کو کسی لمبی فرصت میں حل کریں گے۔ تو کل مجھے ڈنر پر پک کرنے آرہے ہو؟"

وہ کچھ فہم، کچھ نافہم سی باتیں کرتے ہوئے فون بند کرنے لگی۔

"کہیں تم یہ فون گھر سے تو نہیں کر رہیں کہ فاخرہ اور گلزار کمرے کے باہر کان لگائے کھڑے ہوں۔" اسامہ ہنسا۔
"کیا بے وقوف سمجھ رکھا ہے؟ ذرا مارکیٹ آئی تھی، اس کے سامنے بنے اس چھوٹے سے پارک میں آ گئی کہ تمہیں ساری بات سمجھا سکوں، او کے۔ اور آج یا کل فون کر کے مجھے انوائٹ کرنا نہ بھولنا۔ او کے!" اس نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔
یہ الگ بات کہ اسامہ لائن کے بے جان ہونے کے بعد بھی کتنی دیر تک سی کان سے لگائے یونہی نیم دراز سا پڑا رہا۔ بہت ، گویا بہت صدیوں بعد دل خوش گمان نے خوابوں کی بُنت شروع کر دی تھی۔ ایک ادھوری خوش رنگ پھولوں بھری چادر جسے ایک ں نے خود ہی بڑی سنگ دلی سے اس کا پہلا سرا کھینچ کر ادھیڑنا شروع کر دیا تھا۔ آج دل نے اسی اُدھیڑے ہوئے ٹانکے کو پکڑ کر رے سے خواب بُننا شروع کر دیئے تھے اور وہ چہرے پر جان داری مسکان لئے نئے خوابوں کی بُنت کو یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔
وہ اگلی ہی شام لائبہ کو فاخرہ اور گلزار کی کڑی نگرانی سے نکال لایا تھا۔
اور وہ گاڑی میں بیٹھی بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔ بات بات پر قہقہے لگا رہی تھی کہ اسامہ کو بے اختیار اسے ٹوکنا پڑا۔
"مت اتنا ہنسو کہ......" اس نے اگلا جملہ کہنے سے خود کو روکا۔
"کہ پھر بہت رونا پڑے۔ ہے نا، یہی کہنا چاہ رہے ہو نا؟" وہ ایک طویل قہقہے کو سمیٹ کر آنکھوں میں آیا پانی صاف کرتے ے بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔
رائل بلیو، خوب صورت ٹاپ اور بلیک کلر کی لانگ اسکرٹ میں اس کا سانچے میں ڈھلا بدن کیسی قیامت ڈھا رہا تھا۔ کاش اسے انے کا استحقاق ہوتا۔ ایک بار پھر اسامہ کے دل نے اپنی اس محرومی کو سرد آہ تلے دبایا۔
"بہت خوش ہو لائبہ؟" وہ چند لمحوں بعد بولا۔
"بہت بہت زیادہ کہ چاہوں بھی تو تمہیں بتا نہیں سکتی۔" وہ فوراً بولی۔ اسامہ کے کان جو کچھ اور ہی سننے کے منتظر تھے، ساکن ہو گئے۔
"اور جو انٹی بہت خفا ہوئیں تو؟" وہ پھر خود کو بولنے سے باز نہیں رکھ سکا تھا۔
"آئی ڈونٹ کیئر۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "اسامہ! تمہیں نہیں پتہ، مجھے اس دن کا کس شدت سے اور کتنے برسوں سے ار تھا۔ یوں سمجھو، پل پل گن کر میں ان لمحوں تک پہنچی ہوں، بہت انمول گھڑیاں ہیں یہ۔" وہ خوشی سے چمک رہی تھی۔
"واپس آؤ گی؟" اس کے لہجے میں ایک مرجھائی ہوئی آس چٹکی۔
"آنا تو مشکل ہے، اگر آ بھی گئی تو ماما کو ساتھ لے کر آؤں گی، یہ میں دل میں ٹھان کر جا رہی ہوں۔ اور تم جانتے ہو، جو میں ٹھان لوں، اسے پورا کر کے رہتی ہوں۔" وہ مصمم ارادے سے بولی تو اسامہ اس کے چمکتے چہرے کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکا۔
"تم کب آؤ گے پاکستان؟" اسے بالآخر اس کا خیال آ ہی گیا، جو اس کے ہجر کے صحرا میں ابھی سے خود کو جلتا محسوس کر رہا تھا۔
"آنا تو ہے لازماً۔ ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تم انتظار کرو گی میرا......؟" وہی مرجھائی ہوئی آس پھر سے لی۔
"آف کورس۔ کیوں نہیں؟ تم میرے سب سے اچھے دوست ہو......اور پھر ایکس لوور بھی۔" وہ شرارت سے آنکھ دبا کر بولی۔
"ایکس لوور، مطلب؟"
"کیا ابھی بھی اسی منصب پر قائم ہو؟" وہ انجان بن کر پوچھ بیٹھی تھی، اسامہ چپ رہا۔
"داد ہی دے سکتی ہوں تمہاری ثابت قدمی کو۔"
"لائبہ! ایک بات کہوں، بلکہ درخواست کروں؟" گھر نزدیک آ رہا تھا۔ وہ دل کی بات کہہ دینا چاہتا تھا۔ اگرچہ اسے ایئرپورٹ اسی نے لے کر جانا تھا مگر پھر بھی دل بے اعتبار سا ہوا جا رہا تھا کہ پتہ نہیں، پھر یہ موقع ملے نہ ملے۔
"ہاں کہو، مابدولت اس وقت آپ کی ہر درخواست کو قبول کریں گے۔" وہ شاہانہ انداز میں کہتے ہوئے اپنا دودھیا مخروطی انگلیوں والا سنگِ مرمر سا سفید ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ کر اِدھر اُدھر گھمانے لگی۔
"ہوں ہوں......" گاڑی ڈولنے لگی۔ اسامہ نے بے اختیار اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔
لائبہ کے سرد ہاتھ پر کیسی نرم گرم پھواری برسی تھی کہ لمحہ بھر کو وہ ہاتھ کھینچنا بھول گئی۔
"چھوڑو نا!" اس نے کسمسا کر ہاتھ کھینچا۔
"چھوڑ دیا۔" اسامہ نے کہہ کر اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔
دونوں کے درمیان ذو معنی سی خاموشی گنگنانے لگی۔ اسامہ کا دل اس ایک لمحہ بے اختیار کی خوشبو سے مہکنے لگا تھا، جبکہ لائبہ کے دل کی حالت کچھ عجیب سی تھی۔

ہاتھوں کے مساموں سے نکل کر سارے بدن میں سرایت کرتی اس برقی رونے بہت کچھ انوکھا اس سے کہہ ڈالا تھا، جو وہ کبھی
بھی سننا پسند نہیں کرتی۔

''میرے لئے کوئی آس، کوئی جگنو؟'' گاڑی سے اُترتے ہوئے اسامہ نے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے سوالیہ انداز
میں کہا تو لائبہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

وہ اس سوال سے بچنا چاہ رہی تھی، مگر اس کی راہِ فرار کے سامنے اسامہ ایک مضبوط چوڑی دیوار کے مانند کھڑا تھا۔

''دیر ہو رہی ہے، چلیں۔'' اس آہنی دیوار سے نظریں چراتے ہوئے وہ آہستگی سے بولی۔ اسامہ نے اسے اور اس کے گریز
انداز کو دیکھا اور آہستگی سے سر ہلا کر پلٹ گیا تو لائبہ گہرا سانس لے کر اس کے پیچھے ہو گئی۔

✽۞......۞✽
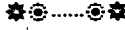
''مجھے یقین نہیں تھا کہ تم آؤ گی۔'' وہ اس گرم جوشی، محبت والتفات سے اس سے ملی تھیں، جس سے ملا کرتی تھیں۔

''نہیں، کیوں نہیں آنا تھا؟ جبکہ میں وعدہ کر چکی تھی۔'' عزہ نے بااعتماد لہجے میں کہا۔ اسے حقیقتاً اس گریس فل خاتون سے مل
کر خوشی ہوئی تھی۔ کتنی باوقار، کتنی شان دار لگتی تھیں وہ دیکھنے میں۔ اس سے جس اپنائیت، جس تپاک سے ملتیں، عزہ کو یقین ہی نہیں
تھا کہ یہ مائیز گروپ کی ایگزیکٹو ہی ہیں یا کوئی اور، اسی اپنائیت، اسی محبت نے تو عزہ کو اُکسایا تھا کہ وہ اس فیلڈ میں قدم رکھے۔ جس
کے بارے میں اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا اور نہ اِدھر آنے کا اس کا کبھی پلان رہا تھا۔ مگر میڈم یاقوت کی محبت اور
اصرار اسے کسی مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتا چلا گیا۔

''وعدے کی بات نہ کرو میری جان! اس ظالم دنیا میں شاید ہی کوئی ایک فرد ہو، جس نے کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی موڑ پر اپنے
ہی منہ سے کئے گئے وعدے سے نظریں نہ چرائی ہوں۔ البتہ تمہاری یہ ایفائے عہد کی خوبی مجھے پسند آئی۔ بالکل تمہاری معصوم
مبہوت کر دینے والے خوب صورت چہرے کے مانند۔ میں لندن جتنے دن بھی رہی، شاید ہی کوئی لمحہ گزرا ہو جب میں نے تمہیں
سوچا ہو۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح اسے اپنے بے حد قریب بٹھایا تھا، ان کے لباس سے اُٹھتی مسحور کن، دل کھینچ لینے والی خوشبو
جیسے جکڑے جا رہی تھی۔ وہ ان کی اجازت کے بغیر اپنی جگہ سے اب ہل بھی نہیں سکتی تھی۔

''تھینکس میم! جو آپ نے مجھے یاد رکھا۔ ورنہ مجھے تو خود میں کوئی ایسی خاص خوبی نظر نہیں آتی، جو آپ کی مصروف سوچوں میں
اپنی جگہ بنا سکوں۔''

وہ ان کی توجہ پا کر کھلی کھلی سی آواز میں بولی۔ ان کی نگاہوں کے مقناطیس اس کے چہرے پر فٹ تھے کہ اتنی توجہ، اتنا ارتکاز اسے
کچھ کچھ کنفیوز کرنے لگا تھا۔

''میری جان! تم کیا ہو، ذرا میرے دل پر ہاتھ رکھ کر میرے دل سے پوچھو۔'' شہد بھرے لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے
اختیار ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ دیا۔ وہ چھوئی موئی کی طرح اس انوکھے اظہارِ محبت پر لجا کر رہ گئی۔

''تھینکس...... آپ کی محبت کے جواب میں مجھے یہ لفظ بہت چھوٹا اور بہت کم تر سا لگ رہا ہے۔'' اس نے ہولے سے
ہاتھ ان کے سینے سے ہٹانا چاہا، جہاں واقعی ایک دھمک کی آواز کے ساتھ دھڑکتا دل ان کی زندگی میں بھرپور شرکت کی گواہی دے رہا
تھا کہ انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت کچھ اور بھی سخت کر لی۔

''تمہارے منہ سے ادا ہوتا یہ چھوٹا سا، کم تر لفظ میرے لئے کس قدر قیمتی اور کتنا انمول ہے، اس کا تمہیں اندازہ نہیں۔ کیا لو گی؟
کولڈ ڈرنک یا جو بھی کہو۔'' انہوں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

''جوس منگوا لیں۔ ویسے میں زیادہ دیر رُک نہیں سکوں گی۔ آپ کو معلوم ہے، کالج ٹائم آف ہونے کے بعد میرا باہر رہنا۔''
وہ ذرا سا پرے کھسکتے ہوئے سامنے لگے کرسٹل کے خوب صورت وال کلاک کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں جانتی ہوں اور تمہاری مجبوری کو بھی سمجھتی ہوں۔ مگر اس معاملے میں ابھی تمہیں کوئی زیادہ قابلِ عمل مشورہ نہیں دے سکتی
عزہ! تم کیا ہو، یہ تمہیں بھی نہیں معلوم۔ تمہارے اندر کتنا ٹیلنٹ ہے، کتنا پوٹینشل ہے، کام کرنے کا، خود کو منگوانے کا کہ اگر تم نے کبھی
بھی نمایاں فیلڈ میں خود کو انوالو نہ کیا، اپنی تمام تر توانائیاں اس میں نہ لگائیں تو مجھے لگتا ہے کہ تمہارے اندر لگا یہ انرجی کا ٹائم بم تمہیں
تباہ کر دے گا اور میں کبھی بھی ایسا نہیں چاہوں گی۔ پہلی نظر میں، میں نے جو تمہارے بارے میں اندازے بنائے تھے، تم ان سے
گنا زیادہ انرجیٹک اور ٹیلنٹڈ ہو۔ اور میں یہ تمہیں مکھن لگا رہی ہوں نہ کسی قسم کی خوشامد کر رہی ہوں کہ تمہیں مکھن یوں نہیں لگ سکتا کہ
اپنی بہت ساری خوبیوں اور ان کے نتیجے میں حاصل ہونے والی اکیڈمک اور نان اکیڈمک کامیابیوں سے تم بھی آگاہ ہو اور میں تمہاری
خوشامد کیوں کروں گی؟ ایکسکیوز می!'' کہہ کر انہوں نے اٹھ کر انٹر کام پر جوس کے لئے کہا اور دوبارہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

''مجھے خوب صورت جسموں اور چہروں والی لڑکیوں کی کیا کمی ہے؟ یہ سارا میٹریل آج کل خام مال کی صورت مارکیٹ میں عام

پڑا ہے۔ اٹھاؤ، تھوڑا سا پریکٹس کا ریگمال مارو اور لائن میں لے آؤ۔ کوئلہ ہیرا بن جائے گا۔ مگر میری جان! تم اصل میں ہو ہی ہیرا، ریگمال مارنے یا مزید کسی بھی پالشنگ کی ضرورت نہیں۔ اس کا اندازہ تمہیں اس رائل فورٹ والے چھوٹے سے فنکشن میں ہوگا۔ اگرچہ اس میں بہت کم لوگ شامل تھے مگر یقین کرو، اس کا فیڈ بیک اور پھر ڈیمانڈز...... میں تمہیں بتا نہیں سکتی، کیا رسپانس

اسی وقت دروازے پر ناک ہوا اور ملازم دو اورنج جوس اندر لا کر ان کے آگے سرو کر گیا۔
"اب کے جو ہمارا ارادہ ہے، وہ تین سیشن پیریڈیز کی صورت میں ہوگا۔ تم صرف دو میں آؤ گی، ایک میں ایز اے ماڈل اور ایک میں ایز اے کلاسیکل ڈانسر۔ بہت لائٹ اپیئرینس ہوگی، مگر بہت بھرپور طریقے سے کہ دیکھنے والے کچھ دیر کو تو پتھرا کر رہ جائیں گے...... یہ میرا دعویٰ ہے۔ اب تم کہو، کیا ارادے ہیں؟"
انہوں نے اپنی طویل بات ختم کرتے ہوئے جوس اسے تھمایا اور دوسرا خود اٹھا کر لبوں سے لگا لیا اور منتظر نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔
"میرا اگر ارادہ نہ ہوتا تو میں آپ کے پاس آتی ہی نہیں۔" جان لیوا انتظار کے بعد اس کے لبوں سے نکلا تو میڈم یاقوت کے سینے سے رکا ہوا سانس باہر کو خارج ہوا۔ انہیں لگا، جیسے ساری دنیا آہستہ آہستہ ان کے قدموں میں واقعتاً ڈھیر ہونے جا رہی ہے۔
"زبردست...... مجھے تم سے اسی شاندار ارادے اور پختہ نظر جملے کی توقع تھی۔ یو آر مائی ڈائمنڈ۔ اور اسے وقت ثابت کرے گا، میں تمہیں کیسا جگر جگر کرتا ہیرا بناتی ہوں کہ دنیا بھر کی آنکھیں چندھیا کر رہ جائیں گی۔" ان کا خوشی کے مارے کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔
"لیکن اس موڑ پر عزہ! میری ایک دو باتیں ذرا دھیان سے سن لو تو اچھا ہے۔"
انہوں نے گھونٹ گھونٹ جوس پیتی عزہ کو دیکھ کر آرام سے کہا تو وہ انہیں دیکھنے لگی۔ اس کے خیال میں اب تو کوئی ایسی بات رہ ہی نہیں گئی تھی۔
"یہ دنیا جسم کے تقاضوں سے بندھی ہے، پیٹ میں روٹی نہ ہو، تن پہ کپڑا نہ ہو تو یونہی جسم چلانے لگتا ہے، خود کو منوانے لگتا ہے، تب ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا میں جسم سے بڑی حقیقت کوئی نہیں۔ عزت، غیرت، ایمان، نیکی، گناہ، ثواب یہ سب غیر مادی اصطلاحات ہی نہیں، غیر حقیقی بھی ہیں، اس جسم کے مقابلے میں اور بے قیمت بھی۔ جبکہ جسم کی قیمت چکاتے چکاتے انسان مر جاتا ہے۔ اس وقت میرا مقصد تمہیں کسی گہرے فلسفے میں دھکیلنا نہیں، صرف یہ بتانا ہے کہ اب آج کل کی کمپیوٹر ایج میں یہ ایک سائنس، ایک آرٹ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ ساری تجارت، سارے سودے، ساری سائنس، سارا آرٹ اسی کے گرد گھومتا ہے، جو اس گردش کے محور کو جان گیا، وہ آسمان کی بلندیوں کو چھو گیا...... یہ پیچیدہ آرٹ فیلڈ ہے، جس میں کامیابی حاصل کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ بہت ذہین، بہت ٹیلنٹڈ لوگوں کی فیلڈ ہے۔ ہر بندہ اس میں نہیں کھپ سکتا۔ کھپ بھی جائے تو ٹک نہیں سکتا۔ جبکہ تم وہ خاص ہو، وہ اسپیشل جسے میری نظروں نے پہلے دن پہچان لیا تھا کہ یہ ہیرا ایک دن دنیا کے آسمان پر سب سے روشن، سب سے چمکنے والے ستارے کی جگہ لے گا اور میں اسے ثابت کر کے رہوں گی۔ کیا تم اسے ثابت کرنے میں میری مدد کرو گی دل سے؟"
بولتے بولتے ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے بولیں تو وہ کسی ٹرانس زدہ معمول کی طرح اثبات میں سر ہلانے لگی۔
"گڈ...... ویری گڈ۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔" وہ سرخوشی کے عالم میں اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔
اٹھا ایک بھری گھڑی عزہ کے حواسوں کو چھو کر معطل سا کر گئی۔
"یہ بس دو پیریڈز کا ایگریمنٹ ہے بھئی، میں تم سے کوئی بھی لانگ ٹرم ایگریمنٹ نہیں کروانا چاہتی کہ تم بندھ نہ جاؤ۔ جی نہ لگے، اپنی ٹرم پوری کرو اور چھوڑ چھاڑ دو۔ یہ دیکھو۔" انہوں نے پیپرز اس کے آگے کیے۔
"ڈانس کی طرف سے کوئی دباؤ ہو سکتا ہے، اس لیے میں شروع ہی سے لمبے لمبے ایگریمنٹ کے خلاف ہوں۔ بچوں کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ گھر ہر حال میں پہلے اہم ہے اور فیلڈ بعد میں۔" وہ اب کے متاثر کن، ہمدردانہ لہجے میں بولیں تو واقعی عزہ ان کے انداز سے بہت متاثر ہوئی اور سرسری انداز میں ان پیپرز کو پڑھنے لگی۔
"گھر جا کر مشورہ کر لو۔" وہ جانچتی ہوئی نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔
"اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے خود پر اور آپ پر بھروسہ ہے۔ مجھے ادھر سائن کرنے ہیں؟" اس نے ایک دم سے پڑھنا موقوف کر کے پوچھا تو انہوں نے فوراً سر ہلا دیا۔
اس نے ان سے پین لے کر دونوں جگہوں پر سائن کر دیئے۔ اسے اب کسی کی بھی پروا نہیں تھی۔

میڈم یاقوت نے پیپرز اس کے ہاتھ سے لے کر والہانہ انداز میں اس کے رخسار پر ہلکا سا بوسہ دیا تو وہ ایک بار پھر کسمسا کر رہ گئی اور اس کی اس ادا پر میڈم یاقوت کی نگاہوں میں انوکھی سی چمک اُبھری تھی۔ اگر وہ دیکھ لیتی تو شاید ڈگمگا جاتی۔

وہ ان سے مل کر، گھر جانے کے لئے باہر نکل آئی۔

اس کی گاڑی باہر نکل رہی تھی، جب دائم، لیفٹ سائیڈ سے داخل ہوا۔ اس نے عزہ کو دیکھا مگر وہ اس طرح سے کھوئی کھوئی سی ڈرائیو کر رہی تھی کہ دائم کو دیکھ ہی نہ سکی۔

'یہ یہاں کیوں آئی تھی؟' اس کا ماتھا ٹھنکا۔

رات بھر کی بے چینی اسے کھینچ کر یہاں تک لے آئی تھی، مگر عزہ کا اس طرح سامنا ہونا نہ جانے کیوں اس کے دل کو اچھا نہ لگا تھا۔

'لگتا ہے، یہ پھر کوئی حماقت کرنے چلی ہے اور وہ بھی کسی سے مشورہ لئے بغیر۔ نہ جانے خود کو کیا سمجھتی ہے۔ اگر پہلی ایگزیبیشن کی تصویریں محمود انکل دیکھ لیتے تو شاید وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرتی۔'

وہ دل میں کلبلا رہا تھا۔

'ہوسکتا ہے، وہ یونہی میڈم یاقوت سے ملنے آئی ہو۔ میں نہ جانے کیا کیا سوچ رہا ہوں۔ اور یہ میڈم یاقوت.....'

اُس کی سوچوں کی سُوئی اس نام پر آ کر ٹِک ٹِک کرنے لگی۔

❁◉......◉❁
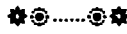
''یہ دیکھ لیں آپ۔ آپ کے بیٹے کی ضمانت، زرِ ضمانت کے لئے میں نے پچیس لاکھ جمع کروائے تھے، جن کے بدلے تانیہ نے ہماری کمپنی کی پروڈکٹس کی ماڈلنگ کے لئے دو سال کا ایگریمنٹ کیا تھا کہ اگر وہ اس ایگریمنٹ کو توڑتی ہے تو اسے لاکھ روپے دینا ہوں گے، جو اس ایگریمنٹ توڑنے کے نتیجے میں ہماری کمپنی کو نقصان ہوگا۔ تیس لاکھ پینالٹی۔ میرا مطلب ہے کے اور پچیس لاکھ جو ہم نے بطورِ زرِ ضمانت جمع کروائے، آپ مجھے ادا کر دیں۔ میں ابھی یہاں سے چلا جاتا ہوں۔''

وہ کیا کہہ رہا تھا، یاسمین کو بالکل سنائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر اس کا مفہوم جب ان کی سمجھ میں آنے لگا، انہیں لگا اس کمرے کی دیواریں اپنی جگہ سے ہلنے لگی ہیں اور پورے قد کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ خوف سے ان کی بولنے کی قوت ہی جیسے ختم ہو کر رہ گئی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

''اسے ماڈلنگ تو یوں بھی کرنا ہی ہے۔ کیونکہ وہ ہم سے ایگریمنٹ کر چکی ہے۔ اور یہ اس کی ضد تھی کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ اس طرح آپ لوگ، جو بقول اُس کے، اُس کی ماڈلنگ سے بدنام ہوں گے، اس سے محفوظ ہو جائیں گے۔ وہ یہ بات آخری کوشش کے طور پر کرنا چاہ رہی ہے، حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ آپ لوگ اتنے دقیانوس یا پرانے خیالات کے مالک ہوں گے۔ محض اس کے ماڈلنگ کرنے سے آپ کی زندگی میں کوئی خاص چینج آئے گا، سوائے ڈھیر سارے روپے اور مال و دولت کے۔ لا تبدیلی کسے اچھی نہیں لگتی۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟'' وہ کہہ رہا تھا اور یاسمین ناسمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

''اب یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ یا تو اسے اس فیلڈ میں آنے کی اجازت بخوشی دے دیں تو میں بھی اس سے شادی کر لئے......'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ تانیہ چائے لے کر آ رہی تھی۔

اس نے ایک نظر یاسمین کے سُتے ہوئے چہرے پر ڈالی اور دوسری نظر جہانگیر ہمدانی کے مطمئن چہرے پر۔

''یہ چائے لے لیں۔'' تانیہ نے ان کے آگے چائے رکھی تو وہ جیسے گہری نیند سے بیدار ہو گئیں۔ دونوں کو عجیب سی نظروں سے دیکھا اور اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

❁◉......◉❁
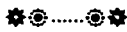
''کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ تم صرف ایک ہفتہ ٹھہر جاتیں تو ہم دونوں ساتھ ہی چلے جاتے پاکستان۔'' لائبہ اور اسامہ کی توقع کے مطابق ڈاکٹر رخشندہ نے رسمی سلام دعا کے بعد پہلی بات ہی اس سے یہ کی تھی۔

''امپاسیبل آنٹی! ایک ہفتہ؟ میں تو اب ایک دن بھی مزید نہیں ٹھہر سکتی۔ آپ کو نہیں پتہ، میں کس قدر ایکسائٹڈ ہو رہی ہوں جانے کے بارے میں۔'' اس نے بھی توقع کے عین مطابق جھٹ سے انکار کرتے ہوئے کہہ ڈالا تھا۔

''کیا پہلی بار پاکستان جا رہی ہو؟'' اسامہ نے آہستہ سے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''پاکستان پہلی بار نہیں جا رہی، بلکہ اس طرح پہلی بار جا رہی ہوں، اپنی مدر کی پرمیشن کے بغیر۔'' اس نے فوراً ہی زبان دانتوں تلے دبا لی، مبادا انکل اور آنٹی اسے نافرمانی خیال کرتے ہوئے لمبا چوڑا لیکچر پلانا شروع کر دیں۔

''لائبہ! اگر تمہاری مدر تمہیں ابھی پاکستان آنے سے منع کر رہی ہیں تو بہتر ہے تم تھوڑا انتظار کر لو۔'' ڈاکٹر رخشندہ نے کہا

بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا، جیسے وہ ان کی بات مان ہی جائے گی۔
"ہرگز نہیں آنٹی! اوہ تو مجھے ساری زندگی ہی منع کرتی رہیں گی، خود سے دور رکھنے کے لئے۔" آج ایکسائٹمنٹ کی وجہ سے اس کی بار بار پھسلتے ہوئے سچ بولے جا رہی تھی۔
"کیوں دور رکھنا چاہتی ہیں وہ تمہیں خود سے؟" اور اس کا سچ رخشندہ نے فوراً پکڑ بھی لیا۔ اسامہ نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا تو لائبہ کو خود مجرمانہ سا احساس ہوا۔
"معلوم نہیں۔ ہوگی کوئی وجہ۔" اب کے وہ کندھے اچکا کر بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی، اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے۔ ایسا تھا کہ اب کوئی اور بات کی جائے۔
"کیا بات ہے بھئی، آج کی ڈنر میں بھی محض پاکستان جانا، نہیں جانا کی ہاٹ ڈش ملے گی یا کچھ اور بھی ہوگا؟" مصطفیٰ صاحب جو پاس بیٹھے بظاہر اخبار پڑھ رہے تھے، موضوع بدلنے کی غرض سے بولے۔
"ہوں....... تیار ہے سب۔" ڈاکٹر رخشندہ کچھ مایوس سی بادلِ نخواستہ اُٹھی تھیں۔
"ویسے ایک بار پھر کہوں گی، یہ تمہارا ایک اور جذباتی فیصلہ ہو سکتا ہے اور تمہارے حق میں شاید زیادہ خوشگوار بھی نہ ہو۔" انہوں نے آخری کوشش کے طور پر لائبہ کو قائل کرنا چاہا۔
"آئی ڈونٹ کیئر آنٹی! جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ پہلے کیا کچھ میرے حق میں خوشگوار ہو رہا ہے جو یہ ناخوشگوار ہوگا۔ جو ہو رہا ہے، اسے ہونے دیا جائے۔" لائبہ کی آمد اور اس کے ایسے جرأت مندانہ انداز نے ڈاکٹر رخشندہ کو بے چین سا کر دیا تھا۔
"مجھے بھی اب کوئی بولڈ اسٹیپ لینا پڑے گا، ورنہ سب کچھ میرے ہاتھ سے نکلتا چلا جائے گا۔" انہوں نے پُرعزم و پُرجوش سی ہو کر دیکھتے ہوئے چپکے سے دل میں کہا۔
"آخر بھی یہ نیو جنریشن اتنی ضدی اور اپنی بات کی پکی کیوں ہوتی ہے؟" انہوں نے بظاہر خوشگوار لہجے میں یہ کہا تھا، مگر انداز بے چینی اور کچھ پریشانی عیاں تھی۔ مصطفیٰ صاحب نے ایک نظر میں رخشندہ کے چہرے کو دیکھا اور کچھ اخذ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک تو رخشندہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں، خوش باش۔ ان سے گپ شپ میں مگن۔ لائبہ کے لئے ڈنر کا اہتمام کیا۔ پھر اب.......
وہ ان کی بے چینی کا سرا ڈھونڈنے لگے۔
"یہی دو باتیں اکثر زندگی میں ناکامی اور کامیابی کی وجہ بنتی ہیں، بیگم صاحبہ!" وہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔
"ہوں!" وہ بے خیالی سے کہتی کچن میں چلی گئیں۔
"آنٹی! میں آپ کی ہیلپ کر دوں؟" دوسرے ہی لمحے لائبہ ان کے پاس کھڑی کہہ رہی تھی۔
"ہاں....... کچھ خاص نہیں۔ بس اب کھانا ٹیبل تک پہنچانا ہے۔ اصل میں آج ہماری ملازمہ چھٹی پر چلی گئی۔ اس کے کچھ عزیز آئے ہیں اِدھر، انہوں نے بلوایا تو میں نے کہا، چلو یہ غریب بھی دو دن کی فراغت کا مزہ لے لے۔ میری آگے دو دن کی چھٹی جو ہے اور بھی میں نے تو ایک زمانے کے بعد ککنگ کی ہے۔ اب کھانا جیسا بھی لگے۔ بس اللہ کا شکر ہی ادا کرنا۔ مجھے تو آج پکاتے ہوئے ایسے لگ رہا تھا، جیسے سب کچھ بھول بھال چکی ہوں۔" وہ خود ہی کھانا ڈشوں میں نکالتے ہوئے کہے گئیں۔
"آنٹی! آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا؟" لائبہ ان کی باتوں کو اَن سنی کرتے ہوئے دھیرے سے بولی۔
"کس بات کو؟" وہ چونکیں۔
"جو میں آپ کے ساتھ جانے کے لئے....... آئی مین......." وہ کچھ خجل سی بولی تو انہیں بے اختیار اس پہ پیار آیا۔
"ارے نہیں بیٹا! میں تو یونہی کہہ رہی تھی کہ چلو ہمارا ساتھ رہے گا۔ اگر تمہیں اس طرح خوشی مل رہی ہے تو بہت اچھی بات ہے، مجھے تمہیں مجبور کرنے کا تو کوئی حق نہیں۔" انہوں نے پیار سے اس کے گال کو چھو کر کہا اور اوون میں سے چاول نکالنے لگیں۔
"اصل میں آنٹی! میں اس لئے بھی بہت پُرجوش ہو رہی ہوں، جانے کے بارے میں۔ ماما کو سرپرائز بھی دینا چاہ رہی ہوں۔ ماما نے مجھے ایک بہت زبردست نیوز دی تھی اور بکمال حیرت کی بات کہ ماما اتنا عرصہ وہ مجھ سے کیسے چھپائی رہیں۔"
"کون سی بات؟" انہوں نے ٹرالی میں سرونگ پلیٹس اور چمچے رکھتے ہوئے سرسری لہجے میں پوچھا۔
"ماما بتا رہی تھیں، میرا ایک بھائی بھی ہے۔ ہم دونوں ٹوئنز تھے۔ ہاؤ سرپرائزنگ! میں تو اس خیال سے کئی راتیں پوری نیند نہیں لے سکی۔ ہے نا زبردست نیوز آنٹی!"
"اوہ، پلیز دھیان سے۔" ان کے ہاتھ سے قورمے کی ڈش چھوٹنے لگی تھی۔ لائبہ نے پکڑتے ہوئے بے اختیار کہا۔
"اٹس اوکے۔" وہ مرجھائی ہوئی آواز میں بولیں۔

''ٹوئنز...... پتہ ہے، ماما کہہ رہی تھیں......''

ڈاکٹر رخشندہ کی نظروں کے سامنے برسوں پہلے کی وہ تاریک رات آ گئی، جب دو جڑواں بچے محض پانچ منٹ کے وقفے سے رحم مادر سے پھسل کر ان کے مسیحا ہاتھوں میں آئے تھے اور ان کی پیشانی عرق عرق ہونے لگی۔ کہ انہوں نے بھائی کا پتہ کر لیا ہے۔ مگر ابھی مجھے نہیں بتائیں گی۔ بس اسی لئے تو میں بغیر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اُڑ کر ماما کے پاس جانا چاہ رہی ہوں۔ اب تو آ میری ایکسائٹمنٹ کی وجہ جان سکتی ہیں اور مجھ سے خفا بھی نہیں ہوں گی۔''

لائبہ پُر جوش آواز اور تمتماتے چہرے کے ساتھ بول رہی تھی اور ڈاکٹر رخشندہ جیسے وہاں موجود ہی نہیں تھیں۔

''اوہو بھئی۔ کیا کھانا ازسرِ نو تیار ہونے لگا؟ اب تو بھوک بھی خوب چمک اُٹھی ہے۔ کیا صرف خوشبوئیں سونگھا کر پیٹ بھریں گی آج؟'' اسامہ بولتا ہوا کچن میں آ گیا تھا۔

''ہوں...... ہاں، یہ لے جاؤ تم دونوں۔ باقی کا میں لے آتی ہوں۔'' انہوں نے بھری ہوئی ٹرالی آگے کی اور خود رخ پھیر کر کاؤنٹر سے کچھ اور چیزیں اِدھر اُدھر رکھنے لگیں۔

دونوں باتیں کرتے، ٹرالی دھکیلتے باہر نکل گئے تو انہوں نے کتنی دیر کی روکی ہوئی سانس سینے سے خارج کی اور رخ پھیر کر بے حال ہو گئیں۔ انہیں اپنی کیفیت خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''امی! آ جائیں، بے خوف ہو کر۔ کھانا نہ صرف دیکھنے میں بہت appetizing (اشتہا انگیز) ہے بلکہ کھانے میں بھی مزے دار ہے۔ آپ آ جائیں دل کڑا کر کے۔'' اسامہ بھی مصطفیٰ صاحب کی کمپنی میں رہتے رہتے ان ہی کے سے انداز و الفاظ میں بات کرنے لگا تھا۔

وہ خود کو بمشکل کمپوز کرتے ہوئے باہر آ گئیں۔

''ہوں...... پسند آیا تم لوگوں کو کھانا؟'' انہوں نے جبراً چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا۔ اسامہ اور لائبہ اپنی پلیٹوں میں کھانا نکالنے میں مگن تھے جبکہ مصطفیٰ صاحب کی نظریں ڈاکٹر رخشندہ کی اس جبری مسکراہٹ کو جانچنے میں لگی تھیں۔

''آپ کیوں نہیں کھا رہے؟'' رخشندہ نے فوراً ان کی نظروں کا ارتکاز محسوس کرتے ہوئے انہیں ٹوکا تو وہ سر ہلا کر پلیٹ کی طرف جھک گئے۔

'آخر کیا سبب ہو سکتا ہے رخشندہ کی اس مضطرب سی کیفیت کا؟ دائم کی جدائی کو تو مہینے ہونے کو آئے۔ یوں بھی یہ اس سے ملنے اگلے ہفتے جا ہی رہی ہے۔ تو پھر...... کیا وجہ ہو سکتی ہے؟'

پہلی بار انہوں نے بیوی کی اُلجھی ہوئی کیفیت کو محسوس کیا تھا اور جیسے خود بھی اُلجھ سے گئے تھے۔

رخشندہ بے دلی سے پلیٹ میں ڈالے گئے تھوڑے سے چاولوں میں چمچہ چلا رہی تھیں۔ وہ قطعاً ان لمحات میں اس میز پر موجود نہیں تھیں، اس بات کا مصطفیٰ صاحب کو یقین تھا۔

'میں اب اس بے وجہ کی اُلجھن کو جان کر ہی رہوں گا۔' انہوں نے لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے تہیہ کیا اور قدرے مطمئن سے ہو کر رغبت سے کھانا کھانے لگے۔

✲◉......◉✲
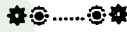
''آپ اگر لا سکتے ہیں تو آدھے گھنٹے میں نکاح خواں، گواہ، جن کو بھی لانا چاہیں لے آئیں اور اسے دو بول پڑھوا کر لے جائیں۔ میں اس کی ماں ہونے کے ناتے آپ کا پرپوزل قبول کرتی ہوں۔ مگر یہ سب......'' وہ رُکیں۔

تانیہ اور جہانگیر ہمدانی ساکت انہیں تک رہے تھے۔

''فقط آدھے گھنٹے میں ہو جانا چاہئے۔ اس سے زیادہ......''

انہوں نے ایک نفرت بھری نظر تانیہ پر ڈالی اور جھٹکے سے آگے بڑھ گئیں۔ خود کو مجتمع رکھنے کی بھرپور کوشش میں ان کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ تانیہ کو لگا، وہ ابھی کھڑے کھڑے اپنے قدموں پر گر پڑیں گی۔

''میں جاؤں پھر؟'' جہانگیر ہمدانی کی آواز اسے میلوں کے فاصلے سے سنائی دی۔ اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''لگتا ہے، سارا کچھ ایمرجنسی میں ہونے جا رہا ہے۔ تمہارے گھر والوں کو تم سے زیادہ جلدی ہے۔ ہے نا؟'' پتہ نہیں، یہ کہنا تھا کہ طنز۔ تانیہ اس وقت کسی بھی فرق کو جاننے کی حالت میں نہیں تھی۔

ہراساں چہرے پر ایسا سناٹا تھا، جیسے عمر بھر کے لئے قوتِ گویائی سے محروم کر دی گئی ہو۔ پورے سراپے کے ساتھ وہ کسی بے حرکت مجسمہ کے مانند کھڑی تھی۔

"اوکے، میں چلتا ہوں۔ آدھا گھنٹہ تو اچھا خاصا شارٹ ٹائم ہے۔ یا تم کچھ کہنا چاہو گی؟" وہ پلٹنے سے پہلے مڑے۔
تانیہ اس طرح ساکت کھلے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی، جہاں سے ابھی یاسمین نکل کر گئی تھیں۔
"کیا بات ہے؟ پریشان ہو تو کہہ ڈالو۔ ابھی کچھ ٹائم لے لو۔ میں تمہاری مدر سے کہہ دیتا ہوں۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا تو جیسے اس کے مُردہ بدن میں پھر سے زندگی دھڑک اٹھی۔
"آر یو آل رائٹ؟" جہانگیر ہمدانی کے منہ سے فقط یہ لفظ نکلے تھے، جو کسی بھی تشویش یا فکر سے عاری تھے۔
"ہوں۔" اس کے حلق سے مبہم سی آواز نکل سکی۔ ابھی زبان کی قوت بحال نہیں ہوئی تھی۔
"جاؤں میں؟" وہ شاید چاہ رہا تھا کہ تانیہ کسی طرح انکار کر دے اور اسے جواز مل جائے اور........
یہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
وکے بائے۔ میں بس تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ اور یہ سب تمہاری ضد ہے۔ خیر، میں تم سے محبت بھی تو کرتا ہوں۔" وہ تے کیسے عجیب طریقے سے خیرات کے لفافے میں بند اپنی مصنوعی محبت کا اظہار کر کے گیا تھا۔
انگیر ہمدانی کے باہر نکلتے ہی تانیہ بھربھری مٹی کی طرح وہیں، اسی جگہ اپنے قدموں پر اکڑوں بیٹھ گئی۔
رونا چاہتی تھی، یاسمین کو پکار کر انہیں منع کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں سب بتا کر اپنے تحفظ کے لئے منتیں کرنا چاہتی تھی، محض تنزیل تک انہیں رکنے کے لئے کہنا چاہتی تھی مگر اس کے منہ میں زبان گوشت کے ٹکڑے کی طرح بے حس وحرکت پڑی گنگ تھی۔
امی!" اس کے حلق سے چیخ نکلنا چاہتی تھی، مگر اس کے پورا زور لگانے پر بھی نہیں نکل سکی۔
مجھے چھپا لیں......امی! مجھے چھپا لیں۔ امی! میں یہاں سے، اس گھر سے، اس اپنے گھر سے آپ لوگوں کو چھوڑ کر، اس بادارات کے لٹیروں کے مانند چھپ چھپا کر نہیں جانا چاہتی......امی! مجھے کہیں چھپا لیں......کہیں بھی......اپنے گھر کے کسی بھی محفوظ نظر آنے والے کونے کھدرے میں، کہیں بھی روپوش کر لیں۔ امی! مجھے بھیڑیوں کے بھٹ میں جانے لیں......امی! میں آپ کی پیاری، اچھی، نازک، کمزور دل تانیہ......امی پلیز! کچھ کریں۔ تنزیل کو بلائیں......ابو سے امی! کچھ تو کریں۔ مجھے یوں اپنے ہی گھر سے دھکے دے کر نہ نکالیں۔ میں نہیں جانا چاہتی......نہیں۔'
وہ اکڑوں بیٹھی دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو جکڑے وحشت کے عالم میں گنگ تھی۔ اس طرح کہ اس کی آنکھوں میں نمی تک بس وحشت ہی وحشت، خوف و ہراس ہی تھا۔
اے میرے عالمِ وحشت! گواہ رہنا، میں نے اپنے پیاروں کی خاطر خود کو مصلوب کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور جو اپنوں کے ربان ہوا کرتے ہیں، وہ رویا نہیں کرتے، چیخ چلا کر فریاد نہیں کیا کرتے۔ یہ سب......یہ سب کانٹوں بھرے رستے میرا مقدر بانہ ہوں، میرا انتخاب ضرور ہیں۔ اور اپنے انتخاب پر واویلا کر کے میں اپنی قربانی کو رائیگاں نہیں جانے دوں گی۔ ہرگز ......کم از کم اس گھر سے نکلنے سے پیشتر میں ایک آنسو نہیں بہاؤں گی۔ بالکل نہیں۔'
وہ اسی طرح کسی بے جان بت کے مانند سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اکڑی ہوئی گردن کو موڑ کر وال کلاک کی طرف دیکھا۔
بیس پچیس منٹ تو ہوں گے......میری تیاری کے لئے کافی ہیں۔' چند لمحات پہلے والی کیفیت کہیں گم ہو چکی تھی۔ اب اسے اپنی تیاری کا خیال تھا۔
ایک بھکاری کا جنازہ بھی اٹھتا ہے تو آدابِ میت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ میں تو پھر اس گھر کی عزت کی میت بننے جا رہی ہوں کچھ تو شایانِ شان ہونا چاہئے۔'
وہ بے رحمی سے سوچتی ہوئی اکڑی ہوئی ٹانگوں کو بہ دقت گھسیٹتی باہر نکل گئی۔

✲ ......✲
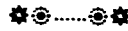
"تم میڈم یاقوت کے آفس کیا کرنے آئی تھیں ابھی؟" دائم نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا تو دوسری طرف کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ کوئی معقول بہانہ گھڑ رہی تھی۔
"میں نے تمہیں ان کے آفس سے نکلتے دیکھا ہے۔" دائم نے ذرا دیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے فوراً بعد کہا۔
"تو......کیا کروں؟" وہ حسبِ توقع تنک کر بولی تھی۔
"میں پوچھ رہا ہوں، تم وہاں کیا کرنے آئی تھیں؟" اب کے اس نے ذرا ڈپٹ کر پوچھا تھا۔
"کیا میں آپ کے آگے جواب دہ ہوں مسٹر؟" دائم کو امید تھی، وہ یہی جواب دے گی۔
"بالکل ہو۔" وہ بایقین لہجے میں بولا۔
"ماشاء اللہ! کیا حق جتانے کا انداز ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔ "ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے دائم صاحب! کہ یہ میرا ذاتی

معاملہ ہے اور میں اپنی ذات......."

"سوری مس عزہ! محبت، ذات سے الگ کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ ایک دم اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"محبت؟" وہ ذرا زور سے بولی۔ "یہاں اس ٹرم کا کیا ذکر؟"

"پہلے یہ بتاؤ، کیا محبت، ذات سے الگ ہو سکتی ہے؟" وہ اسے ٹریک پر لانے کو بولا۔

"معلوم نہیں۔" اس نے صاف دامن بچایا۔

"مجھے معلوم ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"تو میں کیا کروں؟ میں اب فون بند......."

"ابھی نہیں۔ میری بات سنو پہلے پوری۔" وہ تیزی سے بولا۔

"کوئی زبردستی ہے؟" وہ تلملا کر بولی۔

"بالکل، زبردستی ہے۔ میں تمہاری خبر نہیں رکھوں گا تو اور کون رکھے گا؟" وہ جان بوجھ کر اُسے چڑانے کے لئے پھر حق جتا کر بولا تو وہ واقعی بری طرح سے چڑ گئی۔

"آپ ہوتے کون ہیں میری جاسوسی کرنے والے؟ بس بہت ہو گئی۔ بہت کچھ سن لیا میں نے آپ کا اور برداشت کر لیا۔ اور نہیں سنوں گی۔ اور زیادہ فکر جتانے کی ضرورت نہیں۔ میں خدانخواستہ کوئی لاوارث نہیں۔ آئندہ مجھے اس فضول....." وہ بلا تکان غصے میں بولتی چلی گئی۔

"اسی لئے تو فون کیا ہے مس! کہ آپ لاوارث نہیں کہ جو جی میں آئے، کرتی پھریں۔ میں اصل میں انکل محمود کو فون کرنا تھا۔ سوچا، پہلے آپ سے معلوم کر لوں کہ جناب کیا کیا کارنامے انجام دے آئی ہیں۔ انہیں تفتیش کرنے میں سہولت رہے گی۔" وہ اسے جلانے کو مزے لے کر بولا اور عزہ کا جی چاہا، اگر وہ اس کے سامنے آ گیا تو وہ واقعی اس کا لحاظ نہیں کرے گی۔ وہ محمود عالم کا نام لے کر اسے کس حد تک بلیک میل کر سکتا تھا، اس کا اندازہ اسے دیکھا۔

"لیٹ اِز لیٹ..... آپ کا جو جی چاہے، آپ کریں۔ آئی ڈونٹ کیئر۔ اور ہمت ہے تو رابہ ساری باتیں گھر آ کر ماما کے سامنے کہیں، پھر وہ آپ کو بتائیں گی کہ میں کون ہوں اور آپ کون ہیں، انڈر اسٹینڈ؟" کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"گویا والدہ محترمہ کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ میں ان کے خوف سے نہ سامنے آؤں گا، نہ اپنے لب کھولوں گا۔ تو عزہ بی بی! آپ کی بھول ہے۔ آپ کا واسطہ کسی عام سے بزدل عاشق سے نہیں پڑا، یہ دائم مصطفیٰ ہے۔ آپ تو کیا، آپ کی والدہ کو بھی اپنا ہم نہ بنایا تو نام بدل دینا میرا۔" وہ پُرعزم لہجے میں خود سے بولا تھا۔

اور پھر محمود عالم کا نمبر ملانے لگا۔

"مجھے انہیں خبردار ضرور کرنا چاہئے کہ ان کی صاحب زادی کن ہواؤں میں پرواز کرنے جا رہی ہے۔ پہلی بار ہی مجھے ان سے کھل کر ذکر کر دینا چاہئے تھا، پھر چاہے وہ اسے روکتے یا اجازت دیتے، ان کی مرضی۔ اور یہ میڈم یاقوت....... یہ عزہ سے کیا کام لینا چاہ رہی ہیں؟" آخری نمبر پُش کرتے ہی اس کی انگلیاں ساکت ہو گئیں۔

"پہلے مجھے خود تھوڑا باعلم ہونا پڑے گا۔ یوں نمبر ملا کر، ڈائریکٹ انہیں یہ سب کہہ دینا یقیناً مشکل بھی ہو گا اور شاید وہ اس پر یقین بھی نہ کریں اور غصے میں آ جائیں۔ یہ تو یقینی بات ہے....... اور میں تو آیا تھا، میڈم یاقوت کی وہ متجسس کہانی سننے اور عزہ کے چکر میں پڑ کر خوامخواہ اپنا اسٹیمنا برباد کرنے لگا۔ پہلے مجھے اس گتھی کو تو سلجھانا چاہئے، جس نے رات بھر مجھے سونے نہیں دیا۔" اس نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس کا رُخ میڈم یاقوت کے آفس کی طرف تھا۔

✿⊛......⊛✿

"احسن! آپ سو رہے ہیں؟" وہ اندر داخل ہوئیں تو احسن مراد، چیئر کی پشت سے سر ٹکائے، آنکھیں بند کئے یوں غافل پڑے تھے، جیسے گہری نیند سو رہے ہوں۔

انہوں نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔

کمرے میں اُترتی شام کے گہرے سایوں نے گہرا سلیٹی غبار سا پھیلا رکھا تھا۔ انہیں پہلی نظر میں یاسمین کا چہرہ اور وجود اسی غبار میں لپٹے ہوئے دکھائی دیئے۔ انہوں نے اپنا واہمہ جان کر پھر سے آنکھیں موند لیں۔

"احسن.......!" یاسمین بے آواز قدموں سے چلتی ان کے زانو پر ہاتھ رکھ کر، ان کے پیروں کے پاس اکڑوں بیٹھ گئیں تو وہ ایک دم چونک کر سیدھے ہوئے۔

یاسمین ان کے پیروں کے پاس بیٹھی تھیں اور ان کے زانو پر دھرا ان کا یخ ہاتھ واہمہ نہیں تھا۔

رے میں پھیلے غبار سے خاموشی کی سائیں سائیں رُکنے لگی۔
"اندھیرا ہے۔ لائٹ کیوں نہیں جلاتیں؟"
ساہو کران کا دل ایسے بولتے اندھیرے سے گھبرایا تھا، ورنہ تو وہ سب روشنیاں گُل کر کے ہی کمرے میں بیٹھا کرتے تھے اور
یاں اندھیرے سے اور ان کی اس عادت پر سب سے زیادہ غصہ آیا کرتا تھا۔
"کیا کروں گی روشنی جلا کر؟" یاسمین کی بھاری، نم آواز ان کے پیروں کے پاس سے اُبھری۔ "اور نصیب کی سیاہ شمع کسی بجلی
سے روشن نہیں کی جاسکتی۔" انہوں نے اپنا بھاری، پتھر سا سر بے اختیار ساہو کران کے زانو پر دھرے ہاتھ پر گرا دیا۔
"یاسمین!" احسن کے لب کپکپائے۔ دل نے کسی انہونی کے ہونے کی گواہی دی تھی کہ وہ اپنا سوال، اپنا خدشہ لفظوں میں نہ
ڈھال سکے۔
"میں آپ سے التجا کرنے آئی ہوں آپ سے۔" چند لمحوں کی جان لیوا خاموشی کے بعد یاسمین نے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو رگڑ کر سر

احسن نے یوں انہیں دیکھا، جیسے کہنے لگے ہوں، مجھ سے کچھ نہ کہنا۔ نہیں۔
"نہیں احسن! یہ کہے بغیر چارہ نہیں اور کوئی راستہ نہیں۔" یاسمین نے ان کے چہرے پر لکھی کرب ناک التجا پڑھ لی تھی۔
"کبھی ایسے ہوتا ہے، ہمیں لگتا ہے کہ ہم اپنے ہی وجود کے اندر محفوظ نہیں۔ کیسا غیر محفوظ ہونے کا ناقابلِ بیان احساس ہوتا ہے
یا اَن دیکھے خطرے کی لٹکتی تلوار کے سائے میں لرز لرز کر زندگی جیتا نہیں، جی جی کر مرتا ہے کہ کوئی ہے ہمارے دائیں پہلو
سے ہی ہم پر وار کر ڈالے گا۔ اور ہمارا بایاں پہلو، جہاں ہمارا دل دھڑکتا ہے، صحت مند و توانا دل۔ جس کی رگوں سے ہر
بار خون سارے جسم کو ملتا ہے، ہمیں لگتا ہے وہ محفوظ ہے۔ اور احسن! ستم دیکھئے کہ وہی دل ہم پر حملہ کر دے، ہمارے اپنے
اگر حصہ ہماری تباہی و بربادی کا سب سے بڑا حصہ دار بن جائے، ہے نا لطیفہ۔" وہ روتے روتے ہنس دیں۔ "ہمارا دل،
سب سے محفوظ حصہ، ہماری پناہ گاہ ہی ہم پر بجلی گرا دے تو ہم کیا کریں؟"
"کیا کہہ رہی ہو؟...... کیا بک رہی ہو؟...... شام ڈھلے اُلٹی اُلٹی باتیں۔" احسن مراد خفگی سے بولے۔ انہیں واقعی یاسمین کی
ذہنی حالت بگڑی ہوئی لگی تھی۔
"اُلٹی باتیں، ہاں۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔ "احسن! یہ دنیا مکافاتِ عمل کا گھر ہے۔ انسان جو کرتا ہے، وہی وقت اور
تاریخ اسے دہرا کر دکھاتی ہے۔ میں نے اپنے پورے خاندان، دور و نزدیک ہر جانب سے تاریخ کو کھنگال کر دیکھ لیا، مگر ایسا
واقعہ درج نہیں ملا مجھے۔ آج ابھی کچھ دیر بعد ثانیہ کا نکاح ہے جہانگیر ہمدانی کے ساتھ۔ وہ اس گھر سے ہمیشہ کے لئے
رخصت ہو جائے تو پھر آپ اپنی خاندانی تاریخ کا ورق ورق کھولیے گا اور اسے بغور پڑھیے گا۔ ایسا کوئی واقعہ، جس کی زد میں
لڑکی ہمیں لے آئی ہے، آپ کے سامنے بیٹا ہو اور آپ نے یک طرفہ فریق بن کر خلافِ عدل کوئی فیصلہ کر ڈالا ہو اور
اس تاریک شام میں اس ناقابلِ معافی جرم کے تاوان کی گھڑی ہو کہ وقت کی لوح سے تو کچھ بھی نہیں مٹتا، سب اَن مٹ
ذرا سوچئے گا۔" وہ کہتے ہوئے اُٹھنے لگیں۔
احسن مراد نے بے قرار ساہو کران کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"کیا...... کیا کہہ رہی ہو یہ سب؟...... ثانیہ ایسی ہٹ دھرم نہیں۔ میرے پاس بھیجو، میں سمجھاتا ہوں اسے۔"
"کیا چاہتے ہیں آپ؟" وہ تڑپ کر بولیں۔ "وقت جو بھرم قائم رکھنا چاہتا ہے، آپ اسے سامنے بلا کر اس کی ڈھٹائی کا تماشا
دیکھ کے اس بھرم کو چکنا چور ہوتا دیکھ سکیں گے؟ یقیناً نہیں۔ اور آپ کا کیا خیال ہے، میں نے یہ فیصلہ یونہی کر لیا ہے؟ رات آپ
نے سارا قصہ سنایا تھا تو میں نے کیا کہا تھا کہ مجھے اس لڑکی کے رویے میں لچک نظر آتی ہے نہ گنجائش۔ پھر بھی میں نے ماتا کا ہر
گُر و ہتھیار آزما کر دیکھ لیا۔ جب کوئی بھی شے رخصت ہونے کے لئے پَر تول لیتی ہے تو پھر پَر قینچ کرنے کے بعد قینچی ڈھونڈنے
میں برباد کرنے کے بجائے اسے رخصت کی اجازت دے دینی چاہئے۔ وہ چاہے خود سر و سرکش بیٹی ہو یا برسوں کی کمائی ہوئی
...... میں آپ کو بتانے آئی ہوں، اگر آپ کے پاس کوئی اور حل ہے تو کوشش کر دیکھیں...... ورنہ بچی کھچی عزت سنبھالنے کا
طریقہ نظر آیا کہ میں ایک ناجائز ہوتے کام کو جائز کرنے کی کوشش کروں۔" وہ رک کر انہیں دیکھنے لگیں کہ شاید وہ جواباً کچھ
کہیں۔

"میں...... ان سے کیا کہو گی؟" انہوں نے فیصلے کی ذمہ داری، یاسمین کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"کیا گھر دیکھ کر اماں کتنے سوال کریں گی، بالآخر تھک کر چپ ہو جائیں گی۔" وہ لب چبا کر ذرا توقف سے بولیں۔
"نکاح خواں کو بلایا ہے۔ آپ آجائیں تو......"

''جاتے ہوئے یہ دروازہ بند کر جانا۔ اور پلیز! لائٹ نہ جلانا۔'' انہوں نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا اور پہلے کی طرح پشت پر سر ڈال دیا۔

یاسمین نے ایک نظر انہیں دیکھا اور آنکھوں میں اُمڈتے آنسوؤں کو رگڑ کر دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل آئیں۔ بچانے کے لئے ابھی انہیں کچھ اور بھی کرنا تھا۔

❁⊛......⊛❁

''کیا بات ہے؟ تم اتنی جلدی کیوں آ کر لیٹ گئیں؟ طبیعت تو اچھی ہے؟'' مصطفیٰ صاحب نے بیڈ روم میں داخل ہوتے ہوئے سامنے لیٹی ڈاکٹر رخشندہ کو دیکھا، جنہوں نے انہیں دیکھتے ہی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''ہوں، ٹھیک ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔

''کھانا بھی تم نے ڈھنگ سے نہیں کھایا اور وہ بچی پہلی بار ہمارے گھر آئی تھی، وہ بھی تمہارے انوائٹ کرنے پر اور تم نے انٹرٹین کیا اسے۔''

مصطفیٰ صاحب کی عادت نہیں تھی، یوں بات کو جتا کر یا بڑھا چڑھا کر کہنا مگر آج انہیں واقعی رخشندہ کا رویہ نہ صرف تھا بلکہ اس میں کچھ اوپرا پن بھی محسوس ہوا تھا، جیسے وہ کسی گہری اُلجھن میں گھری ہوں۔ ان کی صرف اس کیفیت کو لے کر صاحب نے سوچنا شروع کیا تو انہیں خیال آنے لگا کہ رخشندہ کی یہ کیفیت نئی نہیں، انہیں ہی نوٹس لینے میں وقت لگا اور اب وہ کیفیت کے پیچھے چھپی وجہ تک پہنچنا چاہ رہے تھے۔

''بس یونہی، ایک دم سے جی ہر چیز سے جیسے اچاٹ سا ہو گیا۔ اس کے پاکستان جانے کے خیال سے ہی، دائم کی یاد کی وجہ سے شاید یا کوئی اور بات، میں خود جان نہیں سکی۔'' وہ ذرا سا تکیوں کا سہارا لے کر اُٹھتے ہوئے پژمردگی سے بولیں۔

''کیا تم واقعی نہیں جانتیں کہ تم کس اُلجھن میں ہو آج کل؟'' وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولے۔

''میں کس اُلجھن میں ہوں بھلا؟'' وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولیں۔ بھلا مجھے کون سی اُلجھن ہو سکتی ہے آپ کی نظر میں؟'' وہ کے انداز پہ برا سا مان کر بولیں۔

''رخشندہ! اگر کوئی پرابلم ہے تو کہہ ڈالو۔ ہم دونوں کے بیچ کبھی ایسی دُوری یا لاتعلقی نہیں رہی کہ تم کچھ مجھ سے کہہ نہ سکو یا مجھ سے کچھ چھپاؤں۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے کوئی بھی بات شیئر کیے بغیر رہ نہیں سکتے۔'' انہوں نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھام کر بھرے انداز میں کہا۔

''میں نے بھی کبھی آپ سے کوئی بات نہیں چھپائی۔'' وہ شکست خوردہ سے انداز میں نظریں جھکا کر بولیں۔

''میں پہلے کی نہیں، اب کی بات کر رہا ہوں۔ کوئی تو مسئلہ ہے، کافی دنوں سے میں دیکھ رہا ہوں، تم عجیب کھوئی کھوئی سی ہو۔ میں ایک ہی جگہ بیٹھی جانے کیا سوچتی رہتی ہو۔''

''یہی کہ آخر پاکستان جانے کا فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے یا کسی بھی طرح دائم کو ادھر کیوں نہیں بلا لیتے؟ آخر میری محبت میں کمی ہے جو میں آپ دونوں کو کسی بھی طرح قائل نہیں کر پا رہی۔ بس صرف یہی خیال ہے آج کل میری سوچوں پر حاوی۔ اور کوئی بات نہیں۔'' انہوں نے مصطفیٰ صاحب کے ہاتھوں کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ ان کو دیکھتے رہے۔ چند لمحے جانچتی نظروں کے ساتھ دیکھا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیا نہیں؟'' وہ اب پوری طرح سے الرٹ ہو چکی تھیں۔

''یہ بات نہیں ہے۔ کوئی اور مسئلہ ہے ضرور۔'' وہ پُریقین لہجے میں بولے تو رخشندہ کی گرفت ان کے ہاتھوں پر کمزور پڑ گئی۔

''آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔'' وہ رنجیدہ سے انداز میں بولیں۔

''میں تم پر شک نہیں کر رہا بلکہ اپنی محبت کے بارے میں مشکوک ہو رہا ہوں۔'' وہ اُٹھ کر کرسی پر جا کر بیٹھ گئے۔

''مطلب؟''

''تمہیں شاید میری محبت پر اعتماد نہیں یا میرے اعتماد کو اس قابل نہیں سمجھتیں کہ اپنا مسئلہ مجھ سے شیئر کر سکو۔''

''کیا نئے نویلے کپل کی طرح اعتماد پر یقین، محبت چاہت کی قسموں کی پائیداری کی احمقانہ باتیں کر رہے ہیں۔ مصطفیٰ مجھے آپ پر بھی بھروسہ ہے اور آپ کی محبت پر بھی مکمل یقین۔ بلکہ سو میں سے ایک سو دس فیصد اعتبار۔ جو بھی مسئلہ، جو بھی پرابلم ہو گا آپ کے سوا اور کس سے کہوں گی؟ اب مجھے نیند آ رہی ہے۔ اگر اجازت ہو تو لیٹ جاؤں؟'' وہ ذرا بشاش لہجے میں کہتے ہوئے سیدھے کر کے لیٹ گئیں۔

مصطفیٰ صاحب ان کی طرف دیکھتے رہے، پھر سائیڈ پر پڑے اپنے سیل فون کو اٹھا کر چیک کرنے لگے۔

ے کمال ہے، دائم کی تین مسڈ کالز آئی ہوئی ہیں اور تینوں اس وقت جب ہم ڈنر کر رہے تھے۔ اور ایک اس سے بھی پہلے،
ما...... ایسی کیا بات ہوگئی، میں معلوم کروں ذرا۔" وہ کہتے ہوئے سیل ہاتھ لئے اُٹھ کر باہر نکل گئے۔

ل عورت! یہی موقع تھا، کہہ ڈالتیں۔ اپنے دل میں برسوں سے چڑھتا اُترتا یہ دریا آج بہا ڈالتیں۔ انہوں نے تمہیں کیا کہنا باتوں کے سوا؟ کم سے کم اس بے یقینی وسوسے سے تو نجات ملتی۔ اور اس عورت کو پختہ یقین ہے، دائم اسی کا بیٹا ہے۔ اور ...... جب اسے ماں کے پاس جا کر پتہ چلے گا کہ دائم اس کا بھائی ہے تو...... او مائی گاڈ! یہ کیا کہانی بننے جا رہی ہے؟ اگر ذ پھر یہ بات ہم تین چار لوگوں کے بیچ نہیں، ساری دنیا کے سامنے کھل کر آجائے گی۔ تماشا سا تماشا لگے گا۔ اور وہ...... وہ ...... اسے اس وقت طاقت کا خمار ہے۔ اور عزت...... عزت کی اسے کیا پروا۔ جو خود کو سر بازار سجا کر بیٹھی ہو، اسے تو بلکہ ا عزت سے کھیلنے کا ایک پُرکشش کھیل مل رہا ہے، مفت میں۔ میلہ بھی خوب سجے گا اور شور بھی بہت مچے گا۔ میں تو شاید یہ ا جاؤں، مگر...... مگر مصطفیٰ اور دائم...... میں ان دونوں کا اعتماد، محبت، بھروسہ کھو کر شاید مر ہی جاؤں۔ کیسے جیوں گی ایسے رح، اپنا بھرم ریزہ ریزہ ہوتے دیکھ کر۔ نہیں...... ہرگز نہیں۔ مجھے اور دیر نہیں کرنی چاہئے۔ ابھی تو بات بیچ سے آگے نہیں بڑت، جو ذلیل ہونی ہے، ابھی ہو جائے۔ جو تماشا لگنا ہے، ابھی دو چار لوگوں میں لگ جائے۔ ساری دنیا کی اُٹھتی اُنگلیاں کرتی زبانیں...... نہیں، نہیں...... میں ابھی مصطفیٰ کو بتا دیتی ہوں جا کر۔"

ٹا کی سرعت کے ساتھ بستر سے اُٹھیں اور بالکونی کی طرف بڑھیں۔ مصطفیٰ، دائم کو فون کر رہے تھے۔

ہوں...... اچھا...... نہیں یار! کمال کرتے ہو...... اور میری بات سنو، یہ تم کن عورتوں میں گھر گئے ہو، جو تمہیں اس طرح کر رہی ہیں؟...... جانے دو یار! تمہارے باپ نے بھری جوانی کسی پارسا درویش کی طرح گزاری ہے اور تم...... کیا ادھر الی تھی، جو سانولی سلونی حسیناؤں......"

مذاق نہیں کر رہا۔ تمہاری اوٹ پٹانگ باتوں کا یہی جواب ہو سکتا ہے۔ اصل میں تم نے سوچا کہ تمہارے ایڈونچر ادھر رہو گے تو ہماری نظروں کی گرفت میں آجائیں گے۔ اس لئے سات آٹھ سمندر پار......"

اچھا، چلو ٹھیک ہے۔ سوچتا ہوں، کسی ایسی خاتون کے بارے میں۔ وعدہ نہیں کر سکتا۔ تمہاری ماں نے سن لیا تو پھر تمہیں ہم ے علیحدہ علیحدہ اپارٹمنٹس میں آکر ملنا پڑے گا۔"

نہیں مجھے تو مت سمجھو۔ مگر میں تمہاری طرح نادان نہیں۔ او کے، ٹیک کیئر۔ بائے! بہت خیال رکھنا۔ اللہ حافظ!"

"کیا کہہ رہا تھا دائم؟" انہیں پتہ تو چل گیا تھا کہ رخشندہ ان کے پیچھے آکر کھڑی ہوگئی ہیں، پھر بھی چونک سے گئے۔

"کچھ خاص نہیں۔" وہ ٹالنے والے انداز میں بولے۔

"کس خاتون کا ذکر ہو رہا تھا؟" وہ مشکوک سے انداز میں بولیں تو وہ بے اختیار ہنس پڑے۔

"اس میں یوں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" وہ خفگی سے بولیں۔

"بھی عورت، عمر کے جس بھی حصے میں ہو، بے چارے نیک، شریف، پارسا شوہر پر شک کرنے کا حق ہمیشہ محفوظ رکھتی ہے۔"
ی کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

"میں شک نہیں کر رہی۔ آپ نے سنا تو پوچھ لیا۔" وہ بات کو سرسری انداز میں کرنے کی کوشش میں بولیں۔

معلوم نہیں بھئی۔ کوئی خاتون ہیں، جنہیں دائم کا چہرہ دیکھ کر میں یاد آجاتا ہوں۔ اور اس لئے انہیں دائم پر سمجھو بے وجہ کا غصہ تا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی؟" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے مزے سے بولے جیسے کوئی چٹکلہ سنا رہے ہوں۔

"کون خاتون؟" وہ اُلجھ کر بولیں۔

معلوم نہیں۔" وہ کندھے اچکا کر بولے۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ آپ نام تو پوچھتے۔" بے اختیار اپنے سوال پر ان کا دل دھڑکا۔ میڈم یاقوت کے سوا اور کون ہو سکتی ہے؟ ان ملاں کے بیٹے سے دشمنی پالنے والی۔ پر وہ دائم سے اس کا اظہار برملا تو نہیں کر سکتیں۔

"آپ سوئیں نہیں؟" وہ گتھی سلجھانے میں لگی تھیں اور مصطفیٰ صاحب ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا بغور معائنہ کر رہے

بس نیند نہیں آرہی تھی۔" انہوں نے ایک گہرا سانس لے کر قدرے بے بسی سے کہا۔

ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ نیند آرہی ہے۔" وہ جتانے والے انداز میں بولے تو وہ ہاتھ مسلنے لگیں۔

رخشندہ! کم آن یار! کیا مسئلہ ہے؟"

وہ تو کہنے آئی ہوں آپ سے۔" وہ دل کڑا کر کے سر اُٹھاتے ہوئے بولیں۔

"تو کہو نا۔ آخر یوں سوچوں میں گھرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بارہ تو بج گئے ہیں۔ اسامہ دیکھو، لائبہ کو بھی آف کر کے کہا ہے۔" انہوں نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

"مصطفیٰ! میں آپ کو بتاتی ہوں کہ مسئلہ کیا ہے؟" وہ اُٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھیں اور سر جھکا کر جیسے بات کا سرا پکڑنے لگیں۔ مصطفیٰ صاحب کے چہرے پر تجسس کے سارے رنگ تھے۔

❁ ......❁
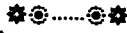
"مبارک ہو احسن بھائی! یاسمین بھابی!" زیدی صاحب اور ان کی بیگم نے نکاح کی دعا ہوتے ہی بڑے خلوص سے میاں بیوی کو مبارکباد دی تھی۔

دونوں نے ایسی نظروں سے انہیں دیکھا، جیسے انہیں کسی نے گالی دی ہو۔

زیدی صاحب اور ان کی بیگم دو واحد ہمسائے تھے، جو پورے محلے کے ساتھ اتنے ہی مخلص اور غمگسار تھے، جتنے ان کے ساتھ۔ ایسی آفت گھڑیوں میں جب احسن مراد کو دنیا کی کوئی طاقت بیٹی کے نکاح میں بیٹھنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی، زیدی صاحب کے اصرار اور منت نے اثر کر دکھایا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں نکاح خواں اور نکاح کے تعلق سے بننے والے داماد دونوں سے رُخ پھیر کے اپنی چیئر پر لب سیئے، آنکھوں میں ناشناسائی کی کیفیت لئے سب سے لاتعلق بیٹھے تھے۔

"کچھ تانیہ کا جھکاؤ اور کچھ ان لوگوں کی مجبوری کہ وہ ابھی نکاح کر کے رخصتی کروانا چاہتے ہیں۔ پرانے جاننے والے ہیں، بیچ میں کچھ ناراضگیاں آ گئی تھیں۔ اماں اور احسن راضی نہیں ہوئے اور لڑکے کا اصرار ہے کہ جو کرنا ہے، آج کل میں۔ دو دن بعد یو کے چلے جانا ہے۔ اور ہمارے حالات بھائی! آپ کے سامنے ہیں۔ کھانے کے لالے پڑے ہیں، بیٹی کے ہاتھ کہاں سے کریں گے؟ یہ لڑکا اپنا ہے، جان پہچان کا ہے۔ اور پھر تانیہ کی پسند۔ آپ سے کیا چھپاؤں، اگر آپ گواہوں کی جگہ...... بہن ہوں گی۔"

باقی کا مدعا یاسمین کے آنسوؤں نے بیان کر دیا تھا اور کچھ ان کی ٹوٹی بکھری، شکست خوردہ حالت نے۔ زیدی صاحب کی بیگم نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا، اُٹھ کر ان کے ساتھ چلے آئے تھے۔

اب محلے والے ہی سنیں گے جو زیدی صاحب اور ان کی بیگم بیان کریں گے اور بات کو آگے کس انداز میں بیان کرنا ہے، اس کا سلیقہ ان دونوں سے زیادہ اور کسی کو نہیں تھا۔

لوگوں کی بہت پروا یا تو یاسمین کو پہلے بھی نہیں تھی۔ جان نکلی جا رہی تھی، اپنا آشیانہ لُٹ جانے کے خیال سے۔ تانیہ کا غلط فیصلہ معلوم نہیں، اسے کس انتہا تک لے جاتا۔ اماں اور تنزیل کا سامنا کرنا اور پھر احسن مراد کی حالت کا سوچ کر تو کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

'دائمی مریض ہیں، یہ صدمہ نہ سہہ سکے تو...... تو کیا ہوگا؟' بس یہی خیال دل دہلائے دے رہا تھا۔ وقفے وقفے سے ان کے ویران چہرے کو دیکھ کر دل میں ان کی سلامتی کی دعا کرتی رہیں۔

نہ جانے کیوں، تانیہ کی طرف اب ان کا دھیان نہیں جا رہا تھا۔ اور نکاح ہوتے ہی جیسے ان کے دل میں سر اٹھاتے ہر دعا کا سر قلم ہو گیا تھا۔ عجیب سی خاموشی، بے دھیانی سی چھا گئی تھی۔

زیدی صاحب اور ان کی بیگم رخصت ہوئے اور نکاح کے لئے آنے والی مختصر بارات بھی۔

فقط چار گواہ اور دولہا دو گاڑیوں میں آئے تھے۔ اور اب ان میں سے چار گواہ اور ایک گاڑی روانہ ہو چکی تھی۔

وہ صحن کے وسط میں کھڑی ہو گئیں کہ یہ دونوں بھی نکلیں تو وہ بیرونی دروازہ بند کر کے آخری فریضہ بھی نبھا ڈالیں اور کمرے میں جا کر اپنی لاش کو ڈال دیں۔ ان کے اعصاب اس جنگ سے اب شل ہو چکے تھے۔

ان کا ضبط آخری کنارے پر تھا۔

"امی! میں ابو سے ملنا......" میرون بڑی سی چادر میں لپٹی تانیہ ان کے پاس آ کر رُکی۔

اس نے چادر کے نیچے میرون ہی سادہ یا شاید کڑھائی والا سوٹ پہن رکھا تھا۔ ہلکے میک اپ کے نام پر لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل...... انہوں نے تو ایک بار بھی اس کی طرف پوری نظر سے نہیں دیکھا تھا۔

"شش......" انہوں نے بے اختیار اپنے لبوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "جتنی سرپرستی اب تک تمہارا باپ تمہاری کر سکتا تھا، کر چکا ہے۔ اس لئے بہتر ہے، اس کی جو چند سانسیں بچی ہیں، انہیں بچا رہنے دو۔ اپنے منحوس سائے میں لپیٹ کر نہ لے جاؤ ورنہ...... ورنہ...... تمہارے بغیر تو جی لیں گے، ان کے بغیر...... بس جاؤ یہاں سے۔"

وہ اس خیال ہی سے لرزاں تھیں کہ احسن مراد کو کچھ ہو نہ جائے۔

"امی! میں ملنے کے لئے آسکتی ہوں کبھی؟" اس کی آنکھیں ضبط سے لال ہونے لگیں۔
"ہاں، آسکتی تھیں اگر ہم تمہیں اس گھر سے زندہ رخصت کرتے۔ اور مُردوں کو رخصت کر کے ان سے ملاقات کے پیمان نہیں باندھے جاتے۔ جاؤ، تم مر گئیں آج سے ہمارے لئے بس۔" انہوں نے کہتے ہوئے بے اختیار رخ پھیر لیا۔
"امی! پلیز، اتنی سنگ دلی......" اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔
"جاؤ" وہ مڑے بغیر اپنی آواز دبا کر بولیں۔
تانیہ چند لمحے بے بس سی کھڑی ماں کی بے رخی کو دیکھتی رہی، پھر سر اٹھا کر پورے گھر کو ایک نظر دیکھا۔
بابل کا گھر تو ایک دن سبھی بیٹیاں چھوڑ جایا کرتی ہیں۔ اسے بھی چھوڑ ہی جانا تھا۔ یہ تو اس کی پیدائش کے اوّلین لمحوں سے طے شدہ امر تھا۔ مگر اس طرح جانا ہوگا، یہ تو کبھی اس نے بڑے سے بڑے خواب میں بھی نہیں دیکھا یا تصور کیا تھا۔ وہ تو اس گھر، اس گھر کا سب سے پیارا، لاڈلا کھلونا تھا، جسے دادی اور ابو نے کیسے ہاتھ پکڑ کر چلایا تھا اور امی...... امی نے تو کبھی اسے جھڑکنا تو کجا، اونچی آواز تک سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اس نے بھی تو کبھی کوئی ان کی نافرمانی، ان کے کسی حکم کے برعکس کچھ نہیں کیا تھا۔ اور آج۔
اسے اپنے ہی سوالوں کا جواب اپنے اندر اُٹھتے طوفان میں مل گیا۔
"تو یہ سب جب تک اچھے تھے، جب تک میں اچھی تھی۔ نیک، فرماں بردار۔ میں نے جہاں اپنی من مانی کی، ذرا سی حکم عدولی، تو جیتے جاگتے وجود کو لاش میں بدل ڈالا۔ یہ ہوتی ہے ماں باپ کی محبت، جبکہ میں یہ سب ان کی خاطر، ان کی محبت میں...... زُلیں...... کاش میں جانے سے پہلے ایک نظر اسے دیکھ سکتی۔ چاہے وہ میری طرف تھوکنا بھی پسند نہ کرتا۔ میں......"
اس نے برآمدے سے آگے سنبعہ اور ربیعہ کو دروازے کے ساتھ لگے کھڑے دیکھ کر اپنا نیم مُردہ ہاتھ اٹھایا اور گرا دیا۔ آنسوؤں کے ریلے میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
گاڑی کے تیز چنگھاڑتے ہارن نے اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ جہانگیر ہمدانی نہ جانے کس وقت باہر نکل کر گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔
اس نے ایک سسکی سی لی، خدا حافظ کہنے کے لئے اس کے لب تو ہلے، مگر آواز نہ نکل سکی۔
اپنی چیخوں اور ہچکیوں کو ہاتھوں سے روکتی وہ باہر بھاگ گئی۔ یاسمین نے پھر بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔
چند ثانیے بعد گاڑی روانہ ہونے کی آواز سنائی دی۔ اور یاسمین خود کو گھسیٹتے ہوئے برآمدے کے کنارے پر پڑے تخت پر آ گئیں خود کو گرا دیا۔
وہ بیرونی دروازہ بھی بند کرنا بھول گئیں۔
سارے گھر میں ایسی جامد خاموشی تھی، جیسے یہاں ایک بھی نفس زندہ نہیں۔ سب لاشیں...... ایک لاش تو ابھی باہر گئی۔
"ابھی کون گیا باہر؟...... یہ دروازہ کس نے کھول رکھا ہے؟...... تانیہ! دیکھنا تو ذرا...... تا......" انہیں کتنی دیر بعد جیسے ہوش آیا تھا۔
تیز ہوا کے شور میں دروازے کے پٹ ہلے تھے تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھیں۔ آسمان لال سرخ ہو رہا تھا اور شمال سے اُٹھنے والے گرد کے طوفان کی آوازیں دُور دُور سے آتی کھڑکیوں، دروازوں کے بجنے کی آوازوں کے ساتھ مل کر اور بھی خوفناک لگ رہی تھیں۔
انہوں نے دوڑ کر بیرونی دروازہ کھولا اور گلی میں نکل کر دیکھنے لگیں۔
"وہ چلی گئی...... اتنی جلدی...... میرے آنے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اور اس طوفان میں؟ ایسے طوفان میں بھی کوئی گھر سے جاتا ہے؟...... تانیہ!...... میری بچی تانیہ!" وہ دروازے کے ہلتے پٹ کو تھام کر سسکنے لگیں۔
"امی، امی! چلیں اندر۔ دیکھیں، کتنا طوفان ہے۔ آئیں نا، لائٹ بھی چلی گئی ہے۔ آپ اس وقت ویران گلی میں کیوں نکل آئی ہیں، اندر آئیں۔"
ربیعہ اور سنبعہ انہیں کھینچنے لگیں اور وہ آنکھوں، منہ میں پڑتی دھول مٹی کی پروا کیے بغیر مڑ مڑ کر ویران گلی کو دیکھتی ہوئی اندر چلی آئیں۔
دھول میں اٹا ویران صحن اور امرود کے درخت کے پتوں کا شور، جیسے کوئی بین کر رہا ہو، ایسے ہوا سیٹیاں بجاتے ہوئے در و دیوار سے ٹکرا رہی تھی۔
وہ کہاں ہیں؟ انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ دونوں کون ہیں؟ انہیں کیوں گھسیٹ رہی ہیں؟...... وہ دیوانوں کی طرح اپنا آپ چھڑاتے ہوئے خود کو چھڑانے لگیں۔ اور پھر صحن کے بیچوں بیچ بے جان سی ہو کر ان کی بانہوں سے پھسلتی فرش پر گر گئیں۔

✲⊛......⊛✲

''عائشہ! تم نے کیا سوچا ہے پھر اس پرپوزل کے بارے میں؟'' وہ جیسے ہی چینج کر کے اندر لاؤنج میں آئی، اس کے بیٹھنے کا انتظار کیے بغیر قاسم بخاری بے صبری سے پوچھنے لگے۔

''کون سا پرپوزل؟'' وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے ریموٹ کنٹرول سنبھال کر ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئی۔

''حد ہو گئی۔ جس کا ذکر میں نے تم سے پرسوں بھی کیا تھا۔ محسن صاحب کے بیٹے عمران کے بارے میں۔'' وہ قدرے ملامت سے بولے تو عائشہ بخاری نے ذرا سی گردن ترچھی کر کے باپ کو دیکھا۔

وہ دو تین سالوں میں کتنے بوڑھے لگنے لگے تھے۔ بیمار اور کمزور بھی۔

''ابو! ایک بات کہوں؟'' وہ ریموٹ سے ٹی وی آف کرتے ہوئے ان کی طرف مڑی۔

''ہاں بولو۔'' وہ اس کی توجہ پا کر ذرا مشتاق سے ہوئے۔

''آپ پلیز یہ پرپوزل والا سلسلہ بند کر دیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''کیا مطلب؟'' وہ تیکھے انداز میں بولے۔

''میں شادی...... نہیں کر سکتی...... نہیں کروں گی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

''وجہ...... وجہ پوچھ سکتا ہوں اس احمقانہ فیصلے کی؟'' وہ تلخی سے بولے۔

''وجہ میری جاب ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''کیا مطلب جاب؟...... تو جو جاب کرتے ہیں کیا وہ ساری زندگی کنوارے رہتے ہیں؟''

''ساروں کا تو مجھے پتہ نہیں، البتہ میں شادی نہیں کر سکتی، اگلے دس سال تک۔ اور اس کے بعد کون پاگل بوڑھا مجھ سے شادی کرے گا؟ تو نتیجہ نکلا، کبھی نہیں کر سکتی۔'' وہ آرام سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

''بوڑھے باپ سے مذاق کرتے ہوئے شرم نہیں آتی تمہیں؟ ایک تو فالتو سامان کی طرح مجھے گھر میں ڈال کر بھول جاتی ہو، اچھی جاب ہے، بیس بیس گھنٹے اور کبھی دو دو دن گھر نہیں آتیں۔ تم سے دس ہزار بار کہہ چکا ہوں، تم بس جاب کو دفع کیوں نہیں کر دیتیں، مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے، سوائے تم عزت سے رخصت ہو جاؤ اور بس۔''

''اور یہی ہونا ناممکن ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''کیوں ناممکن ہے؟'' ان کی قوتِ سماعت اس عمر میں بھی کمال کی تھی۔

''ابو! میں نے ایگریمنٹ کر رکھا ہے، اپنی فرم کے ساتھ کہ فل ٹائم جاب کروں گی اور اگلے دس سال تک شادی نہیں کروں گی۔ سمجھیں، میں نے بانڈ بھر رکھا ہے۔''

''عائشہ! کیا بے ہودہ بکواس کر رہی ہو؟ ایسا کسی جاب، کسی فرم میں نہیں ہوتا۔ تم نے کیا مجھے بالکل سٹھیایا ہوا سمجھ لیا ہے؟'' وہ ایک دم غصے میں آ گئے۔

''ابو! پلیز، میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ جو آپ بار بار پرپوزل لانے اور لے جانے والوں سے بعد میں مجبوراً معذرتیں کرتے پھرتے ہیں، اس زحمت سے بچ جائیں گے۔ آئی ایم سیریس۔ مجھے واقعی شادی نہیں کرنا۔ پلیز میری مجبوری سمجھیں۔''

''مجبوری تو میں تمہاری بخوبی سمجھ رہا ہوں۔'' انہوں نے کچھ ایسی نظروں سے اسے دیکھا کہ وہ اپنی جگہ ہی جیسے کٹ مری۔ ان کی نظروں کا تحقیر بھرا انداز...... انہوں نے بال دھوپ میں تو سفید نہیں کیے تھے۔ بہت کچھ نہ سہی، یہ اس کی فل ٹائم جاب سے کچھ تو اخذ کر ہی چکے ہوں گے کہ وہ کیسی باعزت جاب کر رہی ہے۔

''اس لئے چاہتا ہوں، کسی بھی ذلت بھری صبح کا سامنا کیے بغیر رات کی سیاہی پھیلنے سے پہلے کسی طرح تمہیں باعزت رخصت کر دوں اور تم...... تم مجھے مجبور کر رہی ہو کہ میں تمہاری رضامندی لئے بغیر کہیں بھی ہاں کر دوں۔ آج اگر تمہاری ماں اور بھائی زندہ ہوتے تو مجھے یوں تمہاری منتیں نہ کرنا پڑتیں۔ اور وہ دونوں آج کل مجھے جس شدت سے یاد آ رہے ہیں، کاش تم میری اس پاگل کر دینے والی تنہائی کا خیال کر سکتیں۔'' وہ جذباتی انداز میں کہتے ہوئے اٹھے اور باہر نکل گئے۔

'اور ابو! کاش آپ بھی اندازہ کر سکتے کہ میں اس تنہائی، اس اکیلے پن سے کتنی خوف زدہ ہوں کہ جیسے ہی یہ تنہائی میرے اندر سے نکل کر ارد گرد چھاتی ہے تو کیسے...... کیسے مجھے پاگل کرنے لگتی ہے۔

امی اگر زندہ ہوتیں...... آپ کو شاید معلوم نہیں، انہیں میں نے ہی تو مارا ہے۔ میری وجہ سے...... اور وہ وجہ اگر آپ پر چل جائے تو شاید آپ بھی۔ اور میں اس جان لیوا تنہائی کے ساتھ اس اکیلے گھر میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟...... ابو! اسے میری خود غرضی سمجھئے کہ اپنے اس خوف کی وجہ سے میں آپ کو کچھ بھی نہیں بتا سکتی۔ اور بتا بھی کیسے سکتی ہوں؟ کوئی بھی بیٹی اپنے باپ

ماں اپنی ذلتوں اور شرم ناک کرتوتوں پر پڑے پردے کو کیسے اُٹھا سکتی ہے؟
نہ بھٹکتی پہلے قدم پر، نہ اس دلدل میں اُترتی کہ پھر اُترتی ہی چلی گئی۔ ابو! کاش ٹین ایج کے پہلے سالوں میں مائیں ہوشیار تو
ہوں، گر بیٹیوں کی بہترین دوست بھی بن جائیں تو بہت ساری لڑکیاں عائشہ بخاری بننے سے بچ جائیں۔ امی کیسی ہوشیار، چوکنی
میری ہر حرکت پر نظر رکھنے والی۔ میرے وجود میں آنے والی ہر تبدیلی سے باخبر، باعلم۔ انہیں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ ان کی بیٹی
ہمراز، کسی دوست کی تلاش میں اندر سے کتنی پیاسی اور کتنی اکیلی ہے کہ اس پیاس نے اسے کانٹوں بھرے جنگل میں پہنچا دیا،
پانی تو نہیں تھا، بس کانٹے ہی کانٹے تھے۔ نہ پیاس بجھی، نہ اگن مٹی اور سب کچھ تباہ ہو گیا۔'

"عائشہ ادھر دیکھو باہر کیسا طوفان اٹھ رہا ہے۔ زبردست آندھی ہے۔ اٹھ کر ڈرائنگ روم کی کھڑکیاں، دروازے بند کر دو۔" قاسم
آواز اسے گھر کے بیرونی حصے سے آئی تو وہ آنکھیں رگڑتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔
ہر کے طوفان سے بچنے کے لئے اس گھر کے دروازے اور کھڑکیاں تو بند کر ڈالیں۔ مگر جو طوفان اندر اٹھا تھا، وہ پھر کسی بھی
دروازے کے بند کرنے سے نہ رکا۔

ہر طرف ان دُکھتی، اذیت ناک یادوں کی سرسراہٹیں تھیں، پُرشور، زناٹے دار ہوائیں....... کہ ان ہواؤں نے کتنے مہینوں بعد
ذات پر پڑے پردوں کی دھجیاں اُڑانا شروع کر دیں۔ وہ اُٹھ کر بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔
کہاں سے شروع ہوئی یہ ذلت بھری کہانی، جب اسے وہ ملا.......وہ، جو اس کے مقدر کا سیاہ ترین مگر ناگزیر حصہ بن گیا۔
دور ہوتی چلی گئی۔

❊⊙......⊙❊
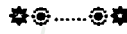
ر رابطہ کرو گی؟" اسامہ نے پُر امید انداز میں پوچھا۔
ئے ناٹ؟" وہ اسی لاپروا انداز میں بولی۔
لاتو نہیں۔" وہ مشکوک ہوا۔
اُف اسامہ، یار! بہت ساری چیزیں جو واقعی ہوتی ہیں، مان لو they exist وجود رکھتی ہیں۔ پر تم ہمیشہ ان کے منکر رہے ہو۔
تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟" وہ برا مان کر بولا۔
تم جس طرف چاہے سمجھ لو۔" وہ شریر انداز میں بولی۔ اسامہ نے ناراضی سے منہ پھیر لیا۔
اچھا، اب یہ ننھے بچوں کی طرح منہ نہیں پھلاؤ بابا! وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے تمہیں فون کروں گی۔ اور ہاں، جیسے ہی
اگلی کا پروگرام ڈن ہوتا ہے، مجھے فوراً انفارم کرنا۔ ویسے تم نے فیل کیا، وہ کچھ اُلجھی ہوئی سی نہیں تھیں؟" وہ بات کرتے کرتے
سوچنے سر ہلا دیا۔
تم نے بھی محسوس کیا ہے۔ ہو گی کوئی ٹینشن۔"
شاید تمہارے پوچھنے پر کہہ دیں۔" وہ ٹٹولنے والے انداز میں بولی۔
ہے، وہ مجھ سے اتنی فری نہیں۔ اگرچہ بہت فرینڈلی ہیں، مگر دل کی بات کون بتاتا ہے؟ سالوں سال ساتھ رہنے والے
چھپا کر رکھتے ہیں تو ان سے تو میرا ابھی چند ماہ سے واسطہ ہوا ہے۔ کیا کہہ سکتا ہوں؟"
ترکے بغیر بات نہیں کر سکتے؟" لائبہ چڑ کر بولی۔
سنو، اگر تمہاری ماما نے تمہیں ایئر پورٹ ہی سے چلتا کر دیا تو مجھے اگلی فلائٹ نمبر ضرور بتا دینا۔ میں ریسیو کرنے آ جاؤں
ادھر ہی بیٹھا رہوں۔" وہ اسے چھیڑنے کو بولا۔
اگر تم مجھ سے۔ اور میری ماما ایسی بھی سنگ دل نہیں۔ مجبوراً ہی سہی، چند دن تو برداشت کریں گی۔"
تمہارے پاس گھر کا ایڈریس ہے نا؟" وہ فکر مندی سے بولا۔
میں اپنے گھر جا رہی ہوں تو کیا مجھے اپنے گھر کا علم نہیں ہو گا؟.......وہ اناؤنس منٹ ہو رہی ہے۔ چلوں پھر میں۔"
کی فلائٹ روانگی کی اناؤنس منٹ ہوئی تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اسامہ کے دل پر جیسے ڈھیر ساری دُھند اُتر آئی۔
خاموش نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔
پلیز! اس طرح نہ دیکھو۔ ورنہ میں بھی رو دوں گی۔ یا یوں کرو۔" وہ ایک منٹ کہہ کر اپنا شولڈر بیگ دیکھنے لگی۔
آنکھوں پر رکھ لو۔" اس نے ٹشو نکال کر اسے تھمایا اور ہنس دی۔
یہ پارٹ آف لائف مائی فرینڈ! آنا جانا زندگی میں لگا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے، اگلے ہفتے رخشندہ آنٹی کے ساتھ میں
ہو کرنے آؤں۔ کیا خیال ہے؟" وہ شاید اس کا جی بہلانے کو بولی تو وہ واقعی سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیا۔

''دیٹس گڈ۔ اب ایسا سڑا منہ نہ بنانا۔ میں واقعی تمہیں مس کروں گی۔ اور جس طرح میرے ایموشنل کرائسز میں تم نے میرا خیال رکھا ہے، یقین کرو، شاید میری ماما بھی نہ رکھتیں۔ وہ تو........ خیر، آئی ریئلی لو یُو۔ از اے فرینڈ۔'' کہتی ہوئی وہ اس کے کندھے کے گرد دونوں بازو ڈال کر بے تکلفی سے ملی تو اسامہ ذرا سا گڑبڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

''تم ٹپیکل ایسٹرن، شرمیلے لڑکے ہو۔ میں لکی ہوں کہ تم میرے دوست ہو۔ میں واقعی تمہیں مس کروں گی۔'' اس نے ہنستے ہوئے بھی اس کے گال کو اپنے رخسار سے مس کیا تھا۔ اسامہ واقعی شرما کر اور پیچھے ہٹ گیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''مجھے تمہاری اس کمزوری کا واقعی علم نہیں تھا، ورنہ تھوڑا تمہیں تنگ کرنے میں خوب مزا رہتا۔ چلو اُدھار سہی۔'' وہ واقعی بہت خوش تھی۔ اس کے انداز، اس کے الفاظ سب اس کی طرح کھلے جا رہے تھے۔

''لائبہ! آئی ریئلی مس یُو۔ اور واقعی یہ ممکن ہے کہ تمہاری جدائی کام کر دکھائے اور اگلے ہفتے میں رخشندہ آنٹی کے ساتھ آؤں۔'' وہ اس کے جانے کے خیال سے ہی ہراساں ہو کر بولا تو وہ ہنستے ہوئے اسے یوں دیکھنے لگی، جیسے کہہ رہی ہو، دیکھا تھی۔

''او کے، گڈ بائے! اینڈ ٹیک کیئر۔ انکل آنٹی کو میرا الوداعی سلام کہنا۔ اور........ اور اپنا خیال رکھنا۔'' وہ جاتے جاتے آنکھیں صرف اسامہ کی ہی نہیں جھلملائیں، وہ بھی پلکیں جھپکتی وہاں سے چلی گئی۔

✲◉......◉✲
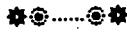
''یہ ہیرو ضرور میرے لئے کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی کرے گا۔ اگر اپنی فینسی دکھانے کے لئے شام میں پاپا سے ملے اپنی ہٹ دھرمی اور مردانگی کے زعم میں ماما سے ملنے اور باتوں باتوں میں کہہ ڈالا تو........ تو میں کیا کروں گی؟ کم از کم اس سے پہلے میں ان دونوں کو فیس نہیں کر سکتی۔ ہاں اس کے بعد میں کمل کران سے خود بات کر لوں گی۔ ابھی اسے اس سے پہلے روکنا ہوگا۔ کیسے روکوں؟''

عزہ کا گھر آ کر، دائم کے فون کے بعد، سوچ سوچ کر پریشانی سے برا حال تھا اور کوئی حل بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

'اگر اسے ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی اور پڑ تو چکی ہوگی، بہت شارپ ہے کہ میں اس سے خوف زدہ ہوں یا ماما، پاپا کو لانے سے ڈرتی ہوں تو وہ یقیناً میری اس کمزوری کا بہت فائدہ اُٹھائے گا۔ کچھ ایسا کروں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی ٹوٹے۔ کیا ہو؟'

اسے تو آج لگ رہا تھا، اس کی تمام تر دماغی صلاحیتوں کو کہیں زنگ لگ گیا ہے۔ کوئی بھی حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

'فی الحال اسے فون کر کے کہیں ملنے کو کہتی ہوں۔ پھر دورانِ گفتگو اندازہ لگاؤں گی کہ وہ میری اس کمزوری کا فائدہ کہاں سکتا ہے۔ اور عزہ بی بی! وہ تمہیں بار بار دوستی کے نام پر بلیک میل کر سکتا ہے تو تم کیوں نہیں؟ اور صرف دوستی کیوں؟' ایک خیال آنے پر اس کی آنکھیں چمکی تھیں۔

''وہ تو تم سے محبت کا دعوے دار بھی بن چکا ہے۔ وہ جو ہتھیار تم پر آزمانا چاہتا ہے، تم بھی اس کو اپنی ڈھال کے طور پر استعمال اور ڈیئر! دوستی تو دوستی، محبت سے بڑی ڈھال تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور محبوبہ اپنے ناز نخرے سب دکھانے کا حق رکھتی ہے۔ وعدے اس ٹریڈ کے سب سے نمایاں ٹریڈ مارکس ہیں۔ تو میں کیوں نہ ڈائریکٹ ان ٹریڈ مارکس کو استعمال کروں۔''

''دائم! آئی ایم آلسو اِن لو وِد یُو...... پلیز! فارمی اینڈ فار مائی لو، ٹرسٹ می، اِٹس پیشن۔ پلیز! کر لینے دو نا۔ نیکسٹ ٹائم تمہارے اماں باوا سے اور ان اماں، باوا کی روحوں سے بھی اجازت لے کر ایسے کسی کام میں ہاتھ ڈالوں گی۔ آئی پرامس۔ پلیز! وہ آئینے کے سامنے کھڑی شکل بسورتی، آنکھیں مٹکاتی ایسے انداز میں کہہ رہی تھی، جیسے دائم اس کے سامنے ہی بیٹھا دوسرے پل وہ اپنے عکس سے محظوظ ہوتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس دی۔

'دیٹس گریٹ آئیڈیا۔ یس، آئی ایم جینئس۔ اور اس پراجیکٹ کے مکمل ہونے تک دائم صاحب! اب تو آنکھ بھی نہیں ہلا گے ہماری اجازت کے بغیر۔ اسے کہتے ہیں، اُلو بنانا۔ زبردست، یہ تو بہت آسان تھا۔ یونہی سوچ سوچ کر میرا دماغ پلپلا ہوا جی، نمبر ملائیں دائم ڈارلنگ کا۔'

اس نے سیل فون اٹھا کر دائم کا سیل نمبر ملایا۔

''یور نمبر از ناٹ رسپانڈنگ۔'' اس نے منہ بگاڑتے ہوئے لمحہ بھر کو سوچا اور دائم کے گھر کا نمبر ملانے لگی۔

چار بیلوں کے بعد کسی نے ریسیور اٹھایا تھا۔ کوئی بوڑھی سی آواز تھی۔

''دائم تو گھر پر نہیں۔'' وہ سن کر سوچ میں پڑ گئی۔

''کب تک آئیں گے؟''

"شام تک یا رات تک۔ ٹائم کوئی مقرر نہیں ان کے گھر آنے کا۔"
اس نے شکریہ کہہ کر فون رکھنا چاہا۔
"یہ آواز......؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"ارے آغا جان......آغا جان!" وہ بے ساختہ سیل کان سے لگا کر بولی۔ دوسری طرف سے لائن بے جان ہو چکی تھی۔

✿◉......◉✿

"مجھے یقین تھا، تمہیں مجھ سے زیادہ بے چینی ہوگی یہ سب جاننے کی۔ رہ نہ سکو گے۔ آؤ، آ جاؤ!" وہ جیسے ہی ان کے آفس میں
وا، وہ سگار کی راکھ جھاڑتے ہوئے کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولیں اور سگار کو ایش ٹرے میں مسل کر سرمئی ساڑھی کے مسلے ہوئے
رعا کرتے ہوئے ٹیبل کی طرف سے باہر نکلیں۔
ائم جواب میں فقط ہلکا سا مسکرایا۔
"آؤ بیٹھو۔ ویسے بھی میں فارغ ہو کر تمہاری طرف ہی آنے والی تھی۔ میں خود بہت اَن ایزی فیل کر رہی ہوں۔ برسوں کی
ن چند گھنٹوں میں کئی سو گنا بڑھ گئی ہے کہ مجھے اپنے اعصاب شل ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ کہیں بھی چل کر ریلیکس کرتے
پنے دل پر دھرے اس بھاری پتھر سے راز کو تم سے شیئر کرنا چاہ رہی تھی۔ بہت تھک گئی ہوں میں اس بوجھ کو اُٹھاتے
۔" وہ کہتے ہوئے نڈھال سی صوفے پر گر گئیں اور آنکھیں موند لیں۔
ائم خاموشی سے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔
ان کی آنکھیں بند تھیں اور سرمئی پپوٹوں کا رنگ اس وقت ساڑھی کے کلر سے ہم رنگ ہوا جا رہا تھا۔ اگرچہ میک اپ کے بغیر
ر بھی ان کا سُونا سُونا سا روپ اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا تھا۔
عورت جوانی میں کیسی قیامت ڈھاتی ہوگی؟"
حسن اور جوانی قیامت سی ہو تو عورت کو زندگی میں اَن گنت قیامتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کم صورت عورت میری نظر میں
ت ہوتی ہے۔ کسی بندھی معمول کی روایتی زندگی گزار کر مٹی میں اُتر جاتی ہے۔ اور ہیرے جیسی صورتیں عورت کی ساری زندگی
رلی رہتی ہیں۔ مرد اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ خوب صورت عورت اپنے اندر کیسا جادو رکھتی ہے کہ اس کی ساری عمر پھر
لدے میں رستہ تلاش کرتے گزر جاتی ہے۔ اور کوئی ایسا مسیحا نہیں آتا، جو اس طلسم کدے کا تالا اسمِ اعظم سے توڑ سکے۔ جو
دلا سکے۔ جو آتا ہے، وہ....." وہ نم لہجے میں بولتے بولتے ایک دم بات ادھوری چھوڑ کر سیدھی ہو گئیں۔
لیا لو گے......کولڈ ڈرنک، کافی یا چائے؟"
کچھ بھی نہیں۔ آپ اس روز کیا کہہ رہی تھیں؟" وہ اپنی بے چینی کو بمشکل دبا کر بولا تو وہ استہزائیہ انداز میں ہنس دیں۔
لمحے کی اپنی ایک کیفیت، ایک سحر ہوتا ہے۔ وہ لمحہ اس سحر سے نکل جائے تو بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ صحیح کہا ہے کسی نے کہ
ن سے نکلا تیر ہے۔ جو کمان میں واپس لوٹایا نہیں جا سکتا۔" وہ اسی طرح پژمردہ لہجے میں بولیں۔
ائم! جب میں نے تمہیں پہلے بار دیکھا تھا تو میرے دل نے گواہی دے دی تھی کہ یاقوت! آج تیری تلاش کا سفر تمام ہوا
گواہی تو اور کوئی نہیں ہوتی نا۔" وہ اس کے پاس ہو کر بیٹھ گئیں۔
ں تو اس پہلی ملاقات میں سب کچھ کہہ ڈالنا چاہتی تھی، مگر پھر دل کو سنبھل جانے کو کہا کہ تھوڑی تصدیق، تحقیق ان کاموں
ہوتی ہے۔ ہر بات دل کے اشارے پر تو حق نہیں جانی جا سکتی۔ سو دو چار ماہ جس طرح بھی ہو سکا ممکن، میں نے دل کی
ل اور ثبوت کی کسوٹی پر جانچا اور گواہی سچی نکلی۔"
ی گواہی؟" دائم کے دل نے ایک بیٹ مِس کی۔
ں پچھلے دنوں ڈاکٹر رخشندہ سے بھی مل کر آئی ہوں۔ میرے دل نے جو کہا، سچ تھا۔ تصدیق ہو گئی۔"
ری ماما سے؟" اس کے لب ہلے۔
تمہاری ماں نہیں۔" وہ تڑپ کر بولی تھیں۔
لت......؟" اب کے چلانے کی باری دائم کی تھی۔ "کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"
ہ......دل کی گواہی کا سچ۔ تمہاری حقیقی ماں، ڈاکٹر رخشندہ نہیں، میں ہوں......میڈم یاقوت۔" دائم کے سر پر کسی نے بم

✿◉......◉✿

ں تھوں مشروب کی تیسری بوتل خالی کر کے ہاتھ سے پرے لڑھکا چکا تھا۔

دو بوتلوں کی ٹوٹی ہوئی کرچیاں اور تیسری کا لخت لخت بدن، کارپٹ پر جگہ جگہ جذب ہوتی، دھبے چھوڑتی فضا کو خوار کر اس کے اعصاب کو شل کرتی ہوئی اُم الخبائث کی ناقابلِ برداشت بدبو اور وہ وہیں بیٹھے رہنے پہ مجبور!
وہیں بیٹھے رہنے پر بلکہ ایک ہی پہلو پر بیٹھے رہنے اور جہانگیر ہمدانی کی لحہ بہ لحہ پھٹتی ہوئی آواز، غیر ہوتی حالت اور ڈھٹائی کو دیکھتے رہنے پر مجبور۔
'الٰہی! یہ کیسی مجبوریوں کی دلدل میں اُتر آئی ہوں میں...... یہ کیا کر ڈالا ہے میں نے؟ اور ابھی پہلے قدم پر، اولین لمحوں دل کے پھٹنے کی یہ صورت کہ ابھی پھٹا اور...... روح پرواز۔'
'نہیں تانیہ بی بی! روح، وہ بھی نافرمان۔ سرکش روحیں اتنی جلدی پرواز نہیں کیا کرتیں...... جس غم اور صدمے کے ساتھ اپنے ماں باپ، اپنے پورے گھر کو اُتار کر آئی ہو، کیا اس کے بعد ان کے جسموں کی روحیں پرواز کر گئیں؟...... نہیں نا...... تو پھر چھٹکارا، تمہاری رہائی محض چند گھنٹوں میں کیسے ہو سکتی ہے؟ ابھی تو ابتدائے عشق ہے۔ امتحان تو ہر قدم پر...... قدم قدم پر۔'
"پلائے جا...... ساقیا!...." وہ لڑکھڑاتے، ڈولتے، فضاؤں میں ہاتھ بازو لہرا لہرا کر کسی غیر مرئی سہارے کو تلاشتے، قدم قدم ناموز بچے کی طرح بہ دقت بمشکل گرتے پڑتے ان چار قدموں کا فاصلہ طے کر کے دھڑام سے اس کے سامنے بستر پر آ گرا تھا۔
اس کا ایک بازو اس کے سر کے نیچے تھا اور دوسرا بیڈ سے نیچے لہرا رہا تھا۔ دونوں ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکی ہوئی ایک دوسرے کئی فٹ پرے بے جان مرے ہوئے اعضاء کی طرح پڑی تھیں۔
"میری جان!" چند لمحے خود کو سنبھالنے، اپنے گھومتے جھومتے سر کو جھٹکے دے کر متوازن کرنے کی بے سود کوشش میں کرنے کے بعد اس نے ذرا سا سر اُٹھا ہی لیا تھا۔ تانیہ کو بے اختیار اس سے گھن آئی اور جیسے بدبو کے بھبکے اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا، ابھی اسے ابکائی آ جائے گی۔
"اس پیکر ناز...... ناز کا فسانہ
دل ہوش...... ش میں آئے تو سنائے"
چند پل اسی مدھم، نیم بے ہوشی میں پڑے رہنے کے بعد ہکلاتے، ڈوبتے اُبھرتے اس نے شعر پڑھا اور اپنے گرے ہوئے ہاتھ کو اٹھا کر اس کے وجود کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔
"کم بخت کتنا سمجھایا تھا اس دل کو...... قابو میں رہنا، ہوش کرنا۔ پہلی رات ہے...... پر ڈارلنگ! میں تمہیں اس بے چارے کی مجبوری کا فسانہ سناؤں تو تم...... تم بھی رو پڑو...... روؤ...... روؤ...... روؤ۔" بند آنکھیں کھول کر اس نے سرخ سرخ ڈوروں والی آنکھیں نکالیں اور اتنے زور سے ڈپٹ کر بولا کہ تانیہ کا دل بے اختیار سہم کر رہ گیا۔
"روؤ...... تم روتی کیوں نہیں؟...... ایسی ہوتی ہیں دُلہنیں؟...... دُلہنیں تو روتی ہیں...... روتی ہوئی بابل کے گھر سے جاتی ہیں۔ تم کیسی...... کیسی عجیب دُلہن ہو؟ تم روتی نہیں، عجیب بات ہے...... بات کیا ہو گی، وقت بدل گیا ہے نا!...... اب دلہنیں نہیں روتیں نا...... میں سمجھ گیا۔" اس نے زور سے اپنا ہاتھ تانیہ کے زانو پر مارا۔ "ہاں، میک اپ خراب ہو جاتا ہے ان کا نا...... اس لئے نہیں روتیں، ہے نا؟...... پر میں رو دوں رونا چاہتا ہوں...... میں تم سے محبت کرتا ہوں بہت...... بہت زیادہ...... لو، تمہیں بیاہ لایا...... چلو، تمہاری جگہ میں رو لیتا ہوں...... تم نہ روؤ پلیز!...... وائپ یور ٹیئرز...... پلیز! ڈونٹ ویپ، آئی ایم فائن...... یہ دیکھو، میں رویا۔" وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
"بہت دکھی ہوں میں...... بہت اکیلا، تنہا...... کوئی نہیں میرا...... اور میرا کوئی ہو ہی نہیں سکتا...... کیسے ہو سکتا ہے؟ آں ہاں۔" وہ بچوں کی طرح منہ اٹھا کر، منہ کھول کر رونے لگا۔ اس کی باتوں پہ تانیہ جو چپکے چپکے رونے لگی تھی، ایک دم پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔
وہ اس نشے میں کیسی سچی باتیں کر رہا تھا۔
وہ بابل کے گھر سے نکلتے ہوئے کب روئی تھی؟ دُلہنیں تو روتی ہیں۔ یہ کیسی عجیب دُلہن ہے۔ وہ روئی نہیں...... بس اس بات پر اس کی آنکھوں میں ایک دم آنسو آ گئے۔ مگر جہانگیر ہمدانی کے یوں منہ پھاڑ پھاڑ کر رونے پر پریشان و خوف زدہ ہوتے ہوئے اس کے آنسو خود بخود رک گئے۔
"آپ...... پلیز...... اس طرح نہ کریں...... نہ روئیں۔" ڈرتے ڈرتے ذرا سا اُسے چھو کر ہاتھ فوراً کھینچتے ہوئے اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔ "پلیز!" اُس کے منہ سے رال دائیں بائیں بہہ رہی تھی۔
"میں اس لئے نہیں روتا ڈارلنگ! میں اکیلا ہوں...... تمہیں راز کی بات بتاؤں۔" ایک دم اس نے رونا بند کر کے بیڈ پر بچھی چادر کا کونا کھینچا اور اپنا منہ رگڑ کر صاف کرنے لگا

"میرے ساتھ بے شمار خون چوسنے والی چڑیلیں ہیں.......وہ ہر وقت، ہر لمحہ میرے ساتھ رہتی ہیں۔" وہ ذرا سا آگے کو ہوکے بولا اور پھر تانیہ کے چہرے پر تاریک خوف کے سائے لرزتے دیکھ کر زور سے قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"ڈر گئیں.......تم ڈر گئیں نا؟.......مجھے پتہ تھا، میری جان! بہت کمزور دل ہے۔" وہ بے اختیار اس کا چہرہ اپنی طرف کھینچ کر بولا اور منہ اس کے چہرے کے قریب لایا۔ تانیہ نے ایک جھٹکے سے اپنا چہرہ پیچھے کھینچ لیا۔ اسے اس شخص سے جو اس کے اپنے باعث اس کی زندگی بھر کا ساتھی بن گیا تھا، کیسی گھن آرہی تھی۔

اس نے بے اختیار اپنا دوپٹہ اپنے منہ کے آگے کر لیا۔

پہلی بار.......پہلی بار کسی شرابی، کسی اتنے پاگل سے نوش سے اس کا واسطہ پڑا تھا، بلکہ اس نے تو پہلی بار اپنی آنکھوں سے کسی کو اور پینے کے بعد ایک ہوش مند انسان کو پاگل، بے بس جانور میں ڈھلتے دیکھا تھا۔

"تمہیں اچھا نہیں لگ رہا۔ ہے نا؟.......اوکے، میں آتا ہوں۔" اسے نہ جانے کیسے تانیہ کے دوپٹہ پر منہ رکھنے سے احساس ہوا وہ اس وقت کتنا ناقابلِ برداشت ہو رہا ہے۔ پہلے کی نسبت قدرے ہوش مند انداز میں تھوڑا لڑکھڑاتے اور زیادہ سنبھلتے ہوئے وہ بے کے مغربی رخ پر بنے دروازے کو کھول کر اس کے اندر چلا گیا۔

"شاید یہ باتھ روم ہوگا، یا پھر.......' اس نے ایک کراہ کے ساتھ اپنا پہلو بدلا اور کلاک پر نظر کی۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے اور وہ گیارہ بج کر پچاس منٹ سے اسی ایک پہلو پہ بیٹھی تھی اور اتنا ہی ٹائم ہو گیا تھا، جہانگیر ہمدانی کو پینے پلانے کا شغل کرتے۔ وہ مکمل طور پر ہوش سے بے گانہ ہو چکا تھا، بالکل نیم بے ہوش.......تانیہ کے دل میں بے اختیار وہاں سے بھاگ جانے کا خیال تھا اور اٹھنے کے خیال سے وہ اپنی جگہ سے ذرا ہلی بھی تھی.......مگر پھر اس کلاشنکوف بردار گارڈ کا خیال آگیا، جو خوفناک شکل کے ساتھ بالکل الرٹ، اس اپارٹمنٹ کے باہر کھڑا تھا۔

وہ جب اندر آئے تو پورے اپارٹمنٹ میں صرف ایک ملازم تھا، وہ بھی شاید گونگا تھا۔ کیونکہ کھانا کھانے اور سرو کرنے کے دوران اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس سے مگر کچھ کھایا ہی نہیں گیا تھا، سوائے کولڈ ڈرنک کے دو گھونٹ پینے کے۔

جہانگیر ہمدانی نے فقط ایک بار اسے کھانے کو کہا تھا اور پھر بے نیازی سے یوں کھانے میں جت گیا تھا، جیسے کئی دنوں کے بعد کھا رہا ہو اور وہ سر جھکائے اس کے سامنے بیٹھی اپنی انگلیاں مروڑتی رہی۔

"چائے پیو گی یا قہوہ؟" پورے اُنیس منٹ کھانے میں صرف کرنے کے بعد اس نے تانیہ سے پوچھا تھا، جیسے وہ بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک رہی تھی۔ اس نے ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اوکے.......میرا بھی موڈ نہیں۔ تم اندر چلو، ہم ذرا اپنی طبیعت کو بہلانے کا اہتمام کرتے ہیں۔" وہ اسے اس کمرے میں چھوڑ کر چند منٹوں کے لئے باہر چلا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ملازم بیئر کی بوتلیں، برف کے مختلف اشکال میں جمے ہوئے ٹکڑے اور وائن گلاس اندر ٹیبل پر سجا گیا تھا۔ پینے سے پہلے جہانگیر ہمدانی نے اسے بھی دعوت دی تھی۔ اس نے نفرت سے منہ موڑ لیا تو وہ ہنس پڑا۔

"کتنے دن اس سے منہ موڑو گی آخر؟.......چلو تو میں خود تمہیں پیش کرتا ہوں۔ ہلکی پھلکی ہو جاؤ گی۔ کِھل اُٹھے گی تمہاری یہ بیوٹی۔ دیکھو کس طرح اُجڑی، غم زدہ بیٹھی ہو جیسے شادی کی پہلی رات بیوہ ہو گئی ہو۔ یہ لو!" اس نے ہاف گلاس مشروب میں آئس کیوب ڈال کر اسے یوں پیش کیا، جیسے وہ کوئی آبِ حیات ہو اور خود کو بیوہ کہلانے کے تصور نے اسے ذرا بھی ہراساں نہیں کیا۔ شاید دل کے کسی کونے نے "خدا کرے" بھی زیرِ لب کہا تھا۔

اس نے خاموشی سے دوسری بار پھر منہ پھیر لیا تو وہ ہنستا ہوا اپنی جگہ پر چلا گیا.......اُف.......اس وقت واش روم کا دروازہ کھلا تھا۔ جہانگیر ہمدانی نائٹ ڈریس میں تازہ دم چہرہ لئے، ہوش و حواس میں پہلے جیسی نارمل مسکراہٹ لئے باہر نکلا تھا۔

"اب کچھ کام کی باتیں ہو جائیں، مائی ڈارلنگ!" وہ اس کے پاس آکر نیم دراز ہوتے ہوئے بے تکلفی سے بولا تو تانیہ کا دل لمحہ بھر کو جیسے دھڑکنا بھول گیا۔

"کام کی باتیں؟" اُس نے خوف زدہ نظروں سے جہانگیر ہمدانی کو دیکھا۔

✲ ✲ ✲
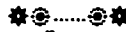
"یہ.......کیا.......کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" بہت دیر بعد بے یقینی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر عبور کرنے کے بعد ہکلاتے ہوئے اس کی زبان سے یہ لفظ نکلے تھے۔

"ٹھیک.......بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں، میرے بچے!" میڈم یاقوت کو دائم سے اسی طرح کے ردِعمل کی اُمید تھی۔ سو تھوڑی لیکن تھوڑی مضطرب سی بیٹھی اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی تھیں۔

اور جب وہ بولا تو ان کا وہ اضطراب بھی رفع ہوگیا، جو کسی غیر متوقع ردِ عمل کے خیال سے انہیں لاحق ہو رہا تھا۔

"غلط...... بالکل غلط...... میں نہیں مانتا اس من گھڑت، بے تکی بات کو۔" وہ اگلے ہی پل بھڑک کر اُٹھ گیا تھا۔

"نہ یہ بات بے تکی ہے نہ من گھڑت۔ اور اپنی بات کی سچائی کے لئے میں تم سے کوئی جذباتی ڈائیلاگ نہیں بولوں گی، نہ اپنے دل کی اس بے سیراب حالت کو بیان کرنے کی کوشش کروں گی، جو سالوں سے مجھے اندر ہی اندر بے حال کر چکی ہے۔ دیمک کی طرح مجھے اندر ہی اندر چاٹ رہی ہے، صرف یہ کہوں گی۔" وہ رُکیں، بجھتے ہوئے سگار کی راکھ جھاڑی اور کچھ سوچ کر سگار ایش ٹرے میں مسل دیا۔ "تمہیں شاید مجھ پر اعتبار نہ آئے کہ اعتبار کا تعلق بھی قائم ہونے کے لئے وقت کی شرط سب سے ضروری ہے۔ اور ہم ملے بظاہر دن ہی کتنے ہوئے ہیں، البتہ تمہیں اپنی ماں پر خوب اعتبار ہے، ان پر خوب بھروسہ کرتے ہو، ان سے پوچھ لو۔" وہ اس کے مقابل کھڑی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، پورے اعتماد سے بولیں۔

"کیا...... کیا پوچھ لوں؟" وہ اکھڑ لہجے میں بولا، جیسے ابھی انہیں دھکا دے کر وہاں سے بھاگ جائے گا۔

"صرف اتنا کہ میں آپ کا بیٹا ہوں یا...... کسی میڈم یاقوت کا...... اور پھر اس عورت کے چہرے کے تاثرات...... ان پر تو کیا دیکھ سکو گی۔ نیٹ پر بات کرنا...... اور آواز کی لڑکھڑاہٹ و ہکلاہٹ تمہیں اس کے سچ جھوٹ کا پتہ دے دے گی۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گی۔" وہ نرمی سے اس کا کندھا ہلکا سا دبا کر پیچھے ہٹ گئیں۔

"جب مجھے آپ کی بات کا یقین ہی نہیں، ایک فیصد بھی نہیں تو میں کس بنیاد پر ان سے یہ لایعنی سوال کروں؟ سوری! میں نے اپنا اور آپ کا ٹائم ویسٹ کیا۔ مجھے اب چلنا چاہئے۔ خدا حافظ!" وہ کہہ کر رکا نہیں، ایک جھٹکے سے باہر جانے کے لئے مڑا۔

"تو پھر تمہیں یہاں کون سی کشش کھینچ کر لائی تھی، اس خائن عورت سے یہ سوال نہیں پوچھ سکتے؟" اس کا ہاتھ دروازے کی ناب پر تھا، جب پیچھے سے میڈم یاقوت کی پُرسکون آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ "تو خود سے یہاں چلے آنے کی وجہ ضرور پوچھ لینا۔" دائم نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ سپاٹ چہرہ اور اُداس سی آنکھیں لئے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں کیسی اُداسی تھی، جیسے...... جیسے خشک آئینے ابھی کے ابھی چخ کر چُور چُور ہو جائیں گے...... مگر ایک قطرہ آنسو کا ان میں سے نہ ٹپکے گا۔

وہ سپاٹ چہرہ اور اُداس سی آنکھیں لئے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں کیسی اُداسی تھی جیسے...... جیسے خشک آئینے ابھی کے ابھی چخ کر چُور چُور ہو جائیں گے...... مگر ایک قطرہ آنسو کا ان میں سے نہ ٹپکے گا۔

اس نے وحشت زدہ سا ہو کر رخ پھیر لیا اور ناب گھمائی۔

"تمہارا اندر تمہیں اس سوال کو پوچھنے کی نہ سہی، سوچنے کی جرأت ضرور دے گا...... رہ گئی میں...... میں تو صدیوں سے اس راہِ حیات میں کسی بے جان لاش کی طرح چوراہے پر لٹکی تمہاری آمد کی منتظر ہوں...... اب بھی رہوں گی۔" کہہ کر انہوں نے اپنا رُخ سے اپنی چیئر گھمائی اور رخ دوسری جانب کر لیا۔

دائم نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

میڈم یاقوت نے تیزی سے چیئر دوبارہ گھمائی اور بند سپاٹ دروازے کو دیکھا، وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

'تو وہ چلا گیا...... سب جان کر بھی...... مجھے بے اعتبار ٹھہرا کر...... اپنی ماں کو، اپنی جنم دینے والی کو بے بھروسہ ٹھہرا کر...... نہیں، نہیں...... وہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ ابھی چند لمحوں میں پلٹ آئے گا۔ جب میری ممتا کی کشش اسے سمندر پار سے کھینچ کر لا سکتی ہے تو اب سب جان کر وہ کیسے مجھ سے دُور جا سکتا ہے؟...... کیسے؟' وہ بے چین سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

چند لمحے کمرے کے وسط میں کھڑی بند دروازے کو گھورتی رہیں۔

'اسے اب تک لوٹ آنا چاہئے...... آ جانا چاہئے۔' وہ ہوش سے بے گانہ، لبوں میں بڑبڑائیں۔

'شاید وہ میرے پیچھے آنے کی توقع کر رہا ہو۔ ہاں، وہ اس اُمید میں حق بجانب ہے۔ میں ماں ہوں اُس کی۔ اتنے سالوں بعد اس کے سامنے، اسے پانے کے بعد اس بات کو کہنے کے قابل ہوئی ہوں تو وہ...... اور بہت کچھ جاننے کا منتظر ہوگا...... اگر میں اس کی ماں ہوں، اُس کی اصل ماں، جنم دینے والی...... تو وہ میرے پاس کیوں نہیں؟...... ایک غیر عورت کی آغوش میں کیوں رہا؟ کیوں ایک غیر عورت کو اتنے سال اپنی ماں سمجھتا رہا؟ یقیناً وہ خفا ہو کر گیا ہے مجھ سے۔ وہ سب سچ، ساری حقیقت جاننا چاہتا ہے...... اور اب اسے اور خود کو اتنا بڑا سچ بتا کر میں کیسے ایک پل کے لئے اس سے دور رہ سکتی ہوں؟...... نہیں، ہرگز نہیں۔' جذباتی انداز میں خود سے کہتی ہوئی یوں بند دروازے کی طرف دوڑیں جیسے دائم دروازے کے دوسری طرف کھڑا ہو۔ انہوں نے جھٹکے سے دروازہ کھولا۔

دور تک اخروٹی سنگی برآمدہ اس طرح سنسان تھا، جیسے وہاں کبھی کسی نے قدم ہی نہ دھرا ہو۔

انہوں نے وحشت بھری اچٹتی نگاہ عائشہ بخاری کے کیبن اور دوسرے کیبن پر ڈالی۔ ہر طرف گہرا سناٹا تھا۔

شاید......وہ نیچے ہو۔ نیچے ہی کھڑا میرا منتظر......بھلا اتنا بڑا انکشاف سننے کے بعد کوئی کیسے لمحہ بھر میں خود کو سمیٹ کر کسی اور جگہ ہو سکتا ہے؟......وہ یقیناً نیچے کھڑا ہو گا۔ مجھے جانا چاہئے اور تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ کہیں وہ بد دل ہو کر، مجھے جھوٹی سمجھ کر یہاں سے چلا جائے۔'

وہ دیوانہ وار اس سنگی برآمدے میں دوڑتی چلی گئیں، یہ دیکھے بغیر کہ وہ ننگے پاؤں ہیں۔

وہ اسی دیوانگی میں لفٹ سے اُتر کر، ریسیپشن کے آگے سے گزرتی ہوئی، شیشے کا دروازہ دھکیلتے ہوئے باہر نکل آئیں۔

باہر تو کڑی دھوپ تھی۔ آنکھوں کو چبھتی ہوئی، سفید دودھیا روشنی۔ اور پارکنگ میں اِدھر اُدھر کھڑی گاڑیوں کے درمیان ان کے ملازم کھڑے تھے۔ مگر وہ نہیں تھا......وہ کہیں بھی نہیں تھا......اتنا بڑا پارکنگ ایریا جیسے دھول اُڑاتے صحن میں ڈھل گیا......اور دُور تک اُڑتی ہوئی ریت......غبارِ راہ کی طرح اُڑتی، لپکتی۔

"میڈم کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟" پیچھے سے کسی نے بے چین آواز میں پوچھا تھا۔

وہ اس دھول اُڑاتے، خوف ناک بسیط صحرا سے باہر نکلی تھیں۔ پلٹ کر اجنبی نظروں سے دیکھا، ان کا شاید کوئی ملازم تھا یا منت یا کوئی اور......شناسائی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں تھی۔

"تم کون ہو؟......وہ کہاں گیا؟" وہ پوچھنا چاہ رہی تھیں اور لبوں پر زبان پھیر کر رہ گئیں۔

"میڈم! آپ ٹھیک ہیں؟......آپ کے شوز......" اس نے کہتے ہوئے نیچے ان کے قدموں کی طرف اشارہ کیا۔ "اتنی تیز دھوپ ہے۔ پاؤں......آپ کے پاؤں جل جائیں گے۔"

وفادار ملازم یوں پریشان تھا، جیسے اس کے اپنے پاؤں برہنہ ہوں اور اس کڑی دھوپ میں جل رہے ہوں۔

"تو وہ نہیں رُکا....چلا گیا۔" وہ دھول اُڑاتا، بسیط صحرا ان کے اندر منتقل ہو گیا اور اس تپتی ریت پر چلتی وہ اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

"کمال ہے، یہ میڈم کو کیا ہو گیا؟" اس نے پاس آ کر کھڑے تین اور ملازموں سے کہا۔

"چھوڑو یار! ان بڑے لوگوں کے خوشیوں اور غموں کو ظاہر کرنے کے طریقے بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ مٹی پاؤ، تم کیوں کھڑے اس دھوپ میں جل رہے ہو؟ تم نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب چلو، وہ تو جا بھی چکیں۔" کسی بڑی عمر کے قدرے تجربہ کار ملازم نے اس کا کندھا تھپکا اور وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے اندر چلے گئے۔

❁

کس کے جلووں کی دھوپ برسی ہے
آج تو شام بھی سحر سی ہے

اس نے آہستگی سے پیچھے ہاتھ لے جا کر اس کا آنچل اُس کے سر سے سرکایا، دوسرے ہی پل وہ آتشیں آنچل اس کے حُسن کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو بے پردہ کر گیا...... وہ کسمساتے ہوئے سمٹ سی گئی۔

ہر ادا آبِ رواں کی لہر ہے
جسم ہے یا چاندنی کا شہر ہے

"اوں، ہوں...... پھول کو کھلنے دو، رات کی رانی کو مہکنے دو۔" اُس نے پھر ایک بے باک سی جسارت کی۔ "ذرا مت ڈ... اس سے زیادہ تمہارے ساتھ کچھ نہیں کر سکتا۔ سمجھو، پرمیشن نہیں ہے۔" وہ اس کا ٹھنڈا یخ نازک ہاتھ اپنے گرم گداز ہاتھ میں لیتے ہوئے سرد سی آہ بھر کر بولا۔

تانیہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا، جیسے مفہوم سمجھنا چاہ رہی ہو۔

"چند ہی دن میرے ساتھ رہو گی تو اس کا مفہوم خود بخود سمجھ جاؤ گی۔ ابھی سے خود کو ہلکان مت کرو۔ تم تو وہ قیمتی ہیرا ہو، جتنی بھی احتیاط سے سنبھال کر رکھا جائے، اتنا ہی کم ہے۔ میں سمجھتا تھا، میں خود پر قابو پانے کی صلاحیت مکمل طور پر حاصل کر چکا ہوں مگر تمہیں یوں اپنے ساتھ دیکھ کر اور ستم بالائے ستم مکمل حقوق استحقاق کا مالک جانتے ہوئے بھی بند باندھنا مجھے کتنا مشکل ہے، اس کا اندازہ تو تمہیں ہو ہی گیا ہوگا۔ میں اپنے اس پاگل پن پر قابو پا چکا ہوں۔ اُف، بہت قاتل ہے تمہارا یہ معصوم حُسن۔ اب میں سوچ سکتا ہوں، میں نے یقیناً گھاٹے کا سودا نہیں کیا، بلکہ بہت بڑا نفع کمایا ہے۔ جس کی مجھے ایک فیصد بھی اُمید نہیں تھی۔ تھینک یُو۔" وہ پھر سے پُرجوش ہوتے ہوئے سیدھا ہوا۔

"کس بات کے لئے؟" تانیہ نے آہستگی سے پوچھا۔

"تمہاری ضد کے لئے، یہی شادی والی...... ورنہ یار! میرا ارادہ تو تمہیں سراسر ٹرخانے کا تھا۔"

تانیہ نے ایک بار پھر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا، جو کچھ جہانگیر ہمدانی کی باتیں اور انداز سمجھا رہے تھے، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی اور جو سمجھ رہی تھی، اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔

"اتنے سوال مت کرو ابھی...... اب تم چینج کر کے تھوڑا ریسٹ کر لو۔ دو چار گھنٹے سو جاؤ گی تو فریش ہو جاؤ گی۔ میں بھی نیند لے لوں۔ اور کل کا پروگرام سن لو، بلکہ تھوڑا آگے کا بھی۔ پہلے ہی بہت وقت ضائع ہو چکا ہے۔" وہ رکا۔

"اصل میں، میں اتنے لمبے چوڑے چکر چلاتا نہیں۔ ایک وہ آبگینے......" اس نے بے اختیار زبان لبوں تلے دبائی۔

"جب آرام سے کام ہو جاتا ہے تو اس بک بک میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی...... چلو، یہ بھی ٹھیک ہی ہوا۔" وہ رکتے ہوئے بولا اور اس کی طرف رخ کر کے ذرا سا اٹھ گیا۔

"کل شام کی اگر ہمیں پہلی فلائٹ کی دبئی کے لئے ٹکٹیں مل جائیں تو بہترین ہیں، چاہے رات ہی کی مل جائیں۔ مگر کل کی تا... میں...... اُمید تو ہے، مل جائیں گی تو ہم کل ہی نکل جائیں گے، دبئی کے لئے اور......"

"وہاں...... وہاں کیا کریں گے؟" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"بھولپن!" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "بہترین ہے...... شاندار! یہی تو اصل گریس ہے تمہارا۔ اس حُسن کی آفت کو ڈیڑھ... دینا۔ یونہی بھولی بھولی سی رہنا...... اور یہی تمہاری ویلیو بڑھاتا رہے گا۔" وہ ایک دم اسے داد دینے والے انداز میں بولا۔

"امیری بھولی بھالی باربی ڈال! تمہیں نہیں معلوم، تم نے کس بات کا ایگریمنٹ کیا ہے ہمارے ساتھ...... میں نے تم سے یہ نکاح تمہارے مجبور کرنے پہ کیا ہے تو سمجھو، تمہیں الگ سے مارجن دیا ہے پسندیدگی کا، ورنہ تمہیں میں بتا چکا ہوں، میں ان فضو... میں پڑا نہیں کرتا۔ خیر! اب تم بھی اس قصے کو بھول جاؤ، میں بھی بھول گیا ہوں۔" اس نے ہوا میں یوں ہاتھ ہلایا جیسے کوئی مکھی اڑائی...

"کس قصے کو؟" وہ غائب دماغی سے بولی۔

"یہی، شادی نکاح والے کو...... اور خبردار!" وہ ایک دم بولا۔ "اس سلسلے کی بھنک نہ تو میڈم یاقوت کے کانوں میں پڑنی چاہئے اور نہ کسی اور کے...... تمہارے میرے علاوہ صرف وہ چار گواہ ہیں جو مجھے جانتے ہیں نہ تمہیں، اُجرتی گواہ تھے، سو اُجرت لے کر رخصت ہو چکے۔ اب اگر ہم ان سے کہیں، کسی موڑ پر بھی ملیں گے تو میری جان! وہ ہمیں پہچان بھی نہیں پائیں گے۔ سو یہ خیال نہ کرنا کہ کوئی گواہ بھی ہے ہمارے نکاح کا...... آج کے بعد میں نے کسی کی زبان پر اس تعلق سے متعلق کوئی لفظ بھی سن لیا تو سمجھنا وہ تمہاری آزاد، پُرآسائش زندگی کا آخری دن ہوگا۔ آج کی رات تمہارے لئے ایک خوب صورت، روشن، خواب ناک صبح کا سورج لے کر طلوع ہوگی۔ تمہارے خوابوں، خیالوں کی ساری ناممکن خواہشات کل سے حقیقت کی شکل اختیار کر لیں گی۔ اس وقت تک خواب کو جنت بنانے کا جادو، اس کی طاقت تمہارے قبضے میں رہے گی، جب تک تم میرے اور اپنے رشتے سے متعلق زبان بند رکھو گی۔ تمہاری زبان کھلی تو یہ پسندیدگی کا مارجن جو تمہیں مل رہا ہے، وہ خواب ناک عذاب میں بدل جائے گا، یاد رکھنا۔" وہ خونخوار وحشی لہجے میں کہے جا رہا تھا۔ تانیہ کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا، مگر اس کے لہجے کی غراہٹ اور خون پی لینے کی چھلکتی خواہش، تانیہ کا دل دہلا رہی تھی۔

"اب تم ریسٹ کرو۔ اپنے دماغ پر زیادہ زور نہیں دینا کہ ایک اچھی نیند، لمبے سفر سے پہلے ضروری ہوتی ہے۔" وہ اٹھ کر جانے لگا تو تانیہ گھبرا کر سیدھی ہوئی۔

"اور اگر ہم دونوں اس رشتے کے حوالے سے نہیں تو پھر کس تعلق سے......" اس کے سینے کی دیواروں سے سر ٹکراتا سوال ہر رکاوٹ کو توڑتا ہوا اس کے لبوں تک آیا تھا۔ جہانگیر ہمدانی کے لبوں پر ایک مکاری مسکراہٹ اُبھری۔

"نکاح کے رشتے کے علاوہ ایک جوان مرد اور عورت کس تعلق سے رہتے ہیں، اب اتنی بھی بھولی نہیں تم کہ سمجھ نہ سکو اس تعلق کو۔" وہ اس کے چہرے پر جھک کر ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی اٹھاتے ہوئے بے رحمی سے بولا۔

تانیہ کے جسم پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔

"م...... مگر کیوں؟...... میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی، مگر پلیز! یہ...... یہ ستم نہ کریں مجھ پر...... اتنا گھٹیا رشتہ نہ بنائیں مجھ سے، ایک پاک تعلق کی گواہی کے۔"

"شٹ اپ!...... بہت سر چڑھا لیا تم کو میں نے۔" اس نے ایک زوردار دھکا دیا تھا تانیہ کو۔ وہ اپنی ہی جھونک میں پیچھے گرتی چلی گئی اور جہانگیر ہمدانی کے خوف ناک ہاتھ اُس کی نازک دودھیا گردن کی قوس پر آ کر جم گئے۔

خوف سے اس کی آنکھیں باہر کو اُبل آئیں۔

"اس سے زیادہ رعایت نہ مانگنا مجھ سے۔ پہلے اپنے ماں باپ کی جھوٹی عزت، انا کی خاطر تم مجھے مجبور کر چکی ہو اور محض تمہیں پانے کی خاطر میں نے یہ مصیبت جھیل لی۔ مگر اب مزید نہیں، سنا تم نے؟ اور کیا ثبوت ہے تمہارے پاس ہمارے اس پاک تعلق کا...... نکاح نامہ کدھر ہے، تمہیں وہ کبھی نہیں ملے گا۔ اب اپنے دماغ کو میری بتائی ہوئی لائنز پر سوچو اور بس، کل ہماری روانگی ہو جائے۔" وہ جھٹکے سے اس کی گردن ایک طرف لڑھکا کر باہر نکل گیا۔

وہ کتنی دیر بے حس اسی طرح چت لیٹی چھت کو تکتی رہی۔ کوئی بھی بات، کوئی بھی منظر ذہن کے پردے پر نہ شکل بنا رہا تھا، نہ کوئی خیال ابھر رہا تھا۔

"تم کیا سمجھتی تھیں، جہانگیر ہمدانی تمہیں اپنے دل کی ملکہ، اپنے محل کی رانی بنانے کے لئے بیاہنے آیا ہے؟...... بھول گئیں، جہانگیر ہمدانی نے سب کچھ جانتے بوجھتے ایگریمنٹ سائن کر کے اپنی خوشی سے اسے شادی کے لئے مجبور کیا تھا۔ وہ کاغذی تعلق نبھانے کے لئے باندھنے کے لئے مجبور ہو گیا۔ اب اُس کی مرضی، اس تعلق کو شو کرے یا کسی مکروہ حقیقت کو اس طرح چھپا کر رکھے۔ تم اپنا سب کچھ خود کھو چکی ہو۔ زبان اور ذہن کے ساتھ اپنا وجود بھی گروی رکھوا چکی ہو۔ اور یہ سب کچھ جانتے ہوئے تم خود اپنے پیروں پر چل کر یہاں آئی ہو، اپنے گھر، اپنے ماں باپ، بہن بھائی، ہر تعلق، ہر رشتے کی زنجیر خود توڑ کر خوشی خوشی اس نئی دنیا کو بسانے آئی ہو تو پھر یہ پارسائی کا ڈھکوسلا کیوں بھلا؟"

جو کوئی بھی تھا، اس کے اندر بیٹھا چلا آیا۔ لمحوں میں اس نے ہر آئینے کو چٹخا کر کرچی کرچی کر ڈالا۔

ڈھکوسلا...... ہاں، یہی وہ درست لفظ ہے، جو اس کی یہاں موجودگی کا حق ادا کرنے کے لئے۔ وہ ایک نئی دنیا ہی تو بسانے یہاں تک آئی ہے۔ بے شک، یہ جو کچھ بھی ہوا، شروع سے لے کر اس بیڈروم میں آنے تک، اس کو مظلوم بنانے کے لئے ہے۔ مگر اس مظلومیت کی کہانی خود اس کی تمنا، اس کی حرص کی ابتدا سے شروع ہوئی تھی۔

خواہشوں بھری زندگی اُس کے سامنے بانہیں پھیلائے کھڑی تھی، بیچ میں صرف پارسائی اور شرافت کا مسکین سا نالہ تھا، جسے وہ

چاہتی تو سمندر بھی بن سکتا تھا۔ مگر اس کی خواہش کی شدت نے اس نالے کو بھی ایک لکیر میں بدل ڈالا، جسے وہ ایک ہی ہمت میں عبور کر آئی تھی تو اب نکاح نامے کے کاغذ کے ٹکڑے کو ٹیگ بنا کر سینے سے لگانے کا کیا فائدہ؟ کون سا اس دلدل میں پاؤں رکھنے کے بعد کسی نے اس کی شرافت و پارسائی کا یقین کرنا ہے؟ جن کی عزت کی خاطر اس نے جہانگیر ہمدانی کو شادی جیسے معاشرتی دکھاوے پر مجبور کیا اور اس نے بھی دکھاوے کی خاطر یہ سب کیا، وہ نادان سچ سمجھ بیٹھی۔

جہانگیر ہمدانی ایک گھاگ بزنس مین، ایک ٹکے کا نقصان اُٹھانے والا بھلا خسارہ اُٹھا سکتا تھا؟

اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ آج اس اندھیری، خاموش، سیاہ رات کے دامن میں چپکے سے ثانیہ مراد کی لاش کو کسی گڑھے میں دفن کر ڈالے اور صرف ان خطوط پر نیا جنم لینے کی کوشش کرے، جس کی ہدایت اس کا خریدار اسے کر کے گیا ہے۔ وہ کہنیوں کے بل کھسکتی ہوئی تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

'اور ایک بیچ کا راستہ بھی تو ہے۔' آنکھیں بند کیے، اپنی بے کسی پر کچھ دیر آنسو بہانے کے دوران اسے خیال آیا۔

'جہانگیر مانے یا نہ مانے، قانوناً اور رسماً تو وہ دونوں میاں بیوی بن ہی چکے ہیں۔ اگر وہ تھوڑی ہمت کرے، خود کو بہادر بنائے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اس رستے سے بھٹکے، ظلم کی تاریکیوں میں اور بھی اضافہ کرنے والے لٹیرے کو روشنی کا رستہ دکھا سکتی ہے۔ آسیہ جیسا صبر اور برداشت، جس نے فرعون جیسے نام نہاد خدا کے سامنے رہتے ہوئے اپنے ایمان کو داؤ پر نہیں لگنے دیا تھا، میں بھی کوشش کروں تو کیا نہیں ہو سکتا؟

مجھے تنزیل کو بچانا تھا، سو وہ مقصد پورا ہو گیا۔ اب مجھے دوسروں کے سامنے نہ سہی، اپنی نظروں میں خود کو مزید نہیں گرنے دینا۔ مجھے پیہم کوشش سے ہاتھ نہیں اٹھانا۔ ہاں، میں یہ کر سکتی ہوں۔'

نہ جانے کیسے تاریک اندھیروں میں ٹمٹماتی اُمید کا یہ جگنو اسے دکھائی دے گیا تھا۔

وہ کہنیوں کے بل اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

'اور جب کسی بڑے کام کا بیڑہ اُٹھاؤ تو اللہ سے مدد مانگنی لازم ہو جاتی ہے۔ میں نے بیڑہ نہیں اُٹھایا، صرف کوشش کرنے کا سوچا ہے۔ خدا میری اس کوشش کو یقین میں بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ مجھے اس سے یہ مدد مانگنی چاہیے۔'

وہ لیٹے سے اُٹھ کر کھڑی ہوئی اور آہستگی سے چلتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

❀◉......◉❀
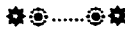
شیلی اُس کی فرسٹ کالج فرینڈ تھی۔ اس کالج میں اُس کے اسکول کی لڑکیاں تو آئی تھیں، مگر اس کی کلاس فیلو کوئی نہیں تھی۔ خاص طور پر ان سبجیکٹس میں، جو اس نے رکھے تھے۔ ایسے میں اتنی گڈ لکنگ، فیشن ایبل لڑکی کا خود سے اس کی طرف دوستی کے لیے ہاتھ بڑھا دینا، اس کے لئے غنیمت ہی نہیں، ایک گولڈن چانس تھا، جسے اس نے آگے بڑھ کر تھام لیا۔ اور مزے کی بات یہ کہ دونوں کے آپشنل سبجیکٹس بھی تقریباً ایک جیسے تھے، سو تقریباً ساری کلاسز ساتھ ساتھ ہونے لگیں۔

"عائشہ! تمہیں دیکھ کر تو لگتا نہیں کہ تم فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہو یار! تم تو سیونتھ، ایٹتھ کی اسٹوڈنٹ لگتی ہو۔ اصل میں اگر اور فکر تو تمہارا ایج وائز ٹھیک ہے، پر جو تمہارے چہرے پر بچوں کی سی معصومیت اور آنکھوں میں ایسی حیران سی چمک ہے، جیسے کوئی بھولا بھالا بچہ میلے میں اپنے والدین سے بچھڑ کر اس بھیڑ میں آ نکلا ہو، یہ بھولپن ہی تمہیں اپنی ایج سے دو تین سال پیچھے دھکیل رہا ہے۔" وہ رُکی۔

"اور مزے کی بات بتاؤں، پہلی نظر میں، میں یہی سمجھی تھی کہ تم یہاں اپنی کسی سسٹر یا کزن کے ساتھ یونہی کالج کی بتیاں دیکھنے آئی ہو۔" کہتے ہوئے وہ کھلکھلائی۔ اُس کی یہی عادت سامنے والے کو ڈھیر کرنے کے لئے کافی تھی کہ وہ اپنی ہنسی کی جھنکار سے سب کو لوٹ لیا کرتی تھی۔ اور اس کھنکتی ہنسی کے ساتھ دائیں گال اور گول ٹھوڑی کے بیچ جو خم سے پڑتے تھے، وہ تو سامنے والے کو گھائل کر دیتے تھے۔

"اور جب تم دوسری، پھر تیسری کلاس میں بھی مجھے نظر آئیں تو میں چونک گئی۔ اور مجھے معلوم ہے، میں نے کالج کے ان تین مہینوں میں صرف ایک دن تمہاری وجہ سے لگاتار پانچ کلاسز ایک ساتھ اٹینڈ کی تھیں اور چھٹی کلاس میں، میں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ اور تھینک گاڈ! تم نے قبول بھی کر لیا۔" ہاتھ میں پکڑی کھوئے والی قلفی اب پگھل پگھل کر ٹپکنے لگی تھی، جبکہ عائشہ تمتماتا سرخ چہرہ لئے، شرم سے پلکیں اُٹھاتے گراتے اپنی قلفی کھائے گئی تھی۔ اسے اپنی تعریف سن کر یونہی شرم سی آ جایا کرتی تھی۔ اور ادھر شیلی، اُف توبہ! اتنی بے شرمی سے، لڑکوں کے انداز میں تعریف کیا کرتی تھی کہ کبھی کبھی تو عائشہ کو شک ہونے لگتا، کہیں وہ لڑکی کے بہروپ میں کوئی لڑکا تو نہیں۔ مگر یہ اس کا محض وہم ہی تھا۔ وہ بڑی خوب صورت، پُرکشش لڑکی تھی کہ سڑک پر ذرا دیر کھڑی ہوتی تو چار چھ گاڑیوں کو آگے پیچھے بریکیں لگ جایا کرتی تھیں۔

یہ ٹیسٹ ہفتے میں دو بار تو ضرور ہی کیا کرتی تھی۔ وہ بھی عائشہ کے سامنے۔ اسے کالج گیٹ کے پاس کھڑا کر کے خود قیمتی
پرلگا کر، گلے میں دوپٹہ ڈالے، چیونگم چباتے سڑک کے کنارے کھڑی ہو جاتی اور پھر بس........
ایسا کرنے میں کیا مزہ آتا ہے؟'' دو چار بار اس تماشے سے اُکتا کر عائشہ نے کہا بھی تو وہ وہی جھنکارسی ہنسی ہنسنے لگتی۔
ٹ میری جان!........ جیسے خواتین اپنے قیمتی زیورات کی ویلیو کا اندازہ گولڈ کی چڑھتی، اُترتی قیمتوں سے لگا لگا کر خوش
طرح میں اپنے حُسن کی مارکیٹ ویلیو اسی طرح جج کرتی ہوں اور یہ ججمنٹ مجھے کتنی خوشی دیتی ہے، میں تمہیں بتا نہیں
بار تم بھی یہ ٹرائل کر کے دیکھو، پھر پوچھوں گی، اس کا نشہ کیسا ہے۔'' وہ اُلٹا اسے مشورہ دینے لگتی تو وہ سر جھٹک کر نظر انداز

میری برتھ ڈے ہے نیکسٹ سیچر ڈے۔ آؤ گی نا ہمارے گھر؟'' اس کے انوی ٹیشن پر وہ ایک دم سے گھبرا گئی۔ اُس کی
تک جاتی دوستیوں کے کتنا خلاف تھیں، اسے معلوم تھا۔ سو فوراً ہی نفی میں سر ہلا دیا۔
......کیوں بھئی؟ میں نے کیا غلط بات کہہ دی؟'' شیلی کے لئے اس کا انکار بہت حیرت انگیز بات تھی۔
امی پسند نہیں کرتیں۔ تم تھوڑا بہت یہیں اہتمام کر لینا۔ ہم ادھر کالج میں ہی سلیبریٹ کر لیں گے۔'' اس کے چہرے پر
کو دیکھتے ہوئے اس نے فوراً تجویز پیش کر ڈالی۔ جواباً وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔
تمہارے گھر آ کر آنٹی سے بات کر لوں گی۔'' چند لمحوں بعد وہ بولی تو عائشہ گھبرا گئی۔
شیلی! پلیز، امی بہت خفا ہوں گی۔ اُلٹا مجھے شاید کالج ہی سے اُٹھوا لیں۔ انہوں نے مجھے پہلے دن ہی سختی سے کہا تھا کہ
پلیز کو کلاس تک رکھنے والی دوستیں بنانا، اس سے آگے کی نہیں پلیز۔'' وہ رو دینے کو تھی۔
کے میری جان! کمال ہے، تمہاری امی کی سوچ کیسی عجیب دقیانوسی سی ہے، جیسے........ جیسے خدانخواستہ انہیں تم پر اعتبار نہ
نے کچھ ایسے عجیب لہجے میں کہا کہ عائشہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔
کے، ڈونٹ وری۔ برتھ ڈے تو میں تمہارے ساتھ ہی مناؤں گی۔ ہم کوئی اور راستہ نکال لیں گے۔'' وہ اسے تسلی دیتے
کر چلی گئیں۔
کو اُمید نہیں تھی کہ ایسا کوئی رستہ ہو سکتا ہے، سو اس کے دماغ سے شیلی کی سالگرہ نکل ہی گئی کہ اسے تحفہ لینا بھی یاد نہیں رہا،
برتھ ڈے کا دن۔ کیونکہ پھر دونوں کے بیچ اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔
آج ہم دونوں سیکنڈ پیریڈ کے بعد آف کر جائیں گے۔'' وہ دونوں ابھی کلاس میں داخل ہی ہوئی تھیں کہ شیلی نے اس کے کان
کی۔
مطلب؟'' وہ ذرا نہیں سمجھی۔ یوں بھی اس کا دھیان سارا کلاس کے شور اور ٹیچر کے آنے والے دروازے کی طرف تھا۔
بیٹھوں پر بیٹھی تھیں۔
لو........'' شیلی نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر اسے ہاتھ میں پکڑے شاپر میں سے کچھ نکال کر دکھایا۔
ہے؟'' وہ کچھ حیران سی ہوئی۔ لفافے میں تھوڑی سی نظر آتی جھلک کسی کپڑے کی تھی۔
کے بعد دکھاؤں گی، ٹیچر آ گئیں۔'' اس نے فوراً شاپر بائیں طرف اپنے پیچھے غائب کر لیا اور باقی کلاس کے ساتھ ٹیچر
کھڑی ہو گئی۔
ہے۔'' وہ عائشہ کو فزکس لیب کے ساتھ بنے اسٹور روم میں لے آئی تھی، جو عموماً بند ہی رہتا تھا۔ اندر داخل ہو کر اس کے
بند کر لیا تھا۔
مطلب؟........ کیا ہے یہ؟'' وہ ایک دم سے بدک کر پیچھے ہٹی۔
نہیں ہے، کپڑے ہیں۔ میں چینج کر رہی ہوں۔ تم بھی کر لو فنا فٹ۔'' اس نے کہتے ہی عائشہ کے ہونق چہرے کو
لئے ہوئے یونیفارم اتار کر کپڑے پہننے شروع کر دیئے، ایک دم اس کے سامنے بغیر کسی جھجک کے۔ عائشہ نے بے اختیار
رخ پھیر لیا۔ اس کے پورے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ ہاتھوں پیروں میں سنسناہٹ ہونے لگی۔
یہ شیلی اتنی بے شرم ہے۔'' پہلا خیال اسے یہی آیا تھا۔
ہو یار! اچھا، میں باہر چلی جاتی ہوں۔ تم جلدی سے چینج کر لو۔'' اس نے کپڑے بدل کر اس کے کندھے پر دھپ لگائی
اسے چڑاتے ہوئے باہر جانے لگی۔
کیوں بدل لوں؟ میں نہیں بدلوں گی۔'' اسے بالآخر ہوش آ ہی گیا کہ انکار بھی تو وہ کر سکتی ہے۔
اس کے بغیر چوکیدار ہمیں باہر نہیں جانے دے گا۔'' وہ اب اپنے بیگ میں سے مرر اور برش نکال کر اپنے تراشیدہ بال

سنوار رہی تھی۔

”مگر ہم ابھی سے باہر کیوں جائیں گے بھلا؟“ عائشہ تھوڑا جھلا کر بولی۔

وہ اب چہرے پر ہلکا سا پف لگانے کے بعد بڑی مہارت سے بلشر کا استعمال کر رہی تھی۔

”یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم چینج تو کر لو۔ پلیز جلدی۔ اتنا ٹائم نہیں ہے۔ اوہو! دس بج رہے ہیں۔ جلدی کرو۔“ مرر کو دیوار پر لگے کیل اور لکڑی کے بیچ اٹکاتے ہوئے وہ تیزی سے بولی۔

جبکہ عائشہ کی سمجھ میں ابھی بھی کچھ نہیں آیا تھا۔ وہ یونہی کپڑے ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔

”اوہو، مان بھی لو۔ اب ایسے بھی کیا نخرے؟ اچھی دوست ہو، ہفتہ بھر پہلے تم سے اپنی سالگرہ کا ذکر کیا تھا، سوچا ضرور تم اور کچھ نہیں تو مجھے صبح آتے ہی وش کرو گی۔ کوئی چھوٹا موٹا سا گفٹ نہ سہی، ایک گلاب کا پھول ہی پیش کر دو گی۔ مگر تمہیں تو شاید یاد بھی نہیں رہا کہ آج کا دن میری زندگی میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔ میں ہی تمہاری دوستی میں پاگل ہوں۔ صرف تھوڑا سا ٹائم تمہارے ساتھ گزارنے، انجوائے کرنے اور تمہیں ٹریٹ دینے کے لئے مری جا رہی ہوں۔ اچھا رہنے دو، مت پہنو۔ چلو ہٹو، میں بھی چینج کر لیتی ہوں۔ کلاس میں چلتے ہیں۔“ وہ بولتے بولتے ایک دم آنکھوں میں آنسو لے آئی اور اس کے ہاتھ سے کپڑے لیتے ہوئے واپس شاپنگ بیگ میں رکھنے لگی تو عائشہ کو جیسے ہوش آیا تو اپنی یادداشت کا ماتم کرنے کو جی چاہا۔

وہ واقعی بھول گئی تھی کہ آج شیلی کی سالگرہ ہے۔ اور وہ تو کوئی گفٹ بھی نہیں لائی۔ اسے ایک اور ملال نے گھیر لیا۔

’یہ مجھ سے اتنا پیار کرتی ہے، اتنا میرا خیال رکھتی ہے اور میں...... حد ہوتی ہے روکھے پن کی بھی...... امی کی نصیحتوں نے مجھے بالکل ہی ہونق بنا دیا ہے۔‘ اس نے خود کو کوسا۔ شیلی اب مکمل طور پر تیار تھی۔ لپ اسٹک لگائے، میرون اینڈ کیمل کلر کے ٹائی اینڈ ڈائی سوٹ کے ساتھ ہلکی جیولری پہنے، وہ عام دنوں کی نسبت بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

عائشہ نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے کپڑے لئے اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”اچھا بابا! چلی جاتی ہوں باہر۔ میں نے بھی تو تمہارے سامنے بدلے ہیں۔ دیکھتی ہوں، تمہاری شرم حیا اور کتنے دن قائم رہتی ہے۔“ وہ اسے ہلکی سی دھپ لگاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

’کاش! میں نادان اسی جملے سے کچھ اخذ کر کے اس کے ساتھ کالج کی چار دیواری سے باہر نکلنے سے پہلے کچھ سوچ لیتی۔ اگر یہ جملہ اس کے منہ سے ارادتاً نہیں نکلا تھا، بلکہ تقدیر لکھنے والے نے غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے یہ جملہ نکلوایا تھا، انڈیکیٹر کے طور پر۔ اور میں...... میں کچھ بھی نہ سمجھی۔‘ اس نے دونوں ہاتھوں پر اپنا سر گرا لیا۔

باہر طوفان شور مچا رہا تھا۔

کھڑکیوں سے ٹکراتی ہوا اور کسی سانپ جیسی اُس کی پھنکار، سننے والوں کے دل دہلا رہی تھی۔

ساڑھے دس بجے دونوں کالج سے نکل آئیں۔ شیلی نے اس کا میک اپ کیا تھا، عائشہ کے بہت منع کرنے کے باوجود اور اس کا لایا ہوا لباس...... بے شک قیمتی اور خوبصورت تھا۔ مگر اتنا باریک اور جسم کے ساتھ سلا ہوا، آگے پیچھے سے گہرائی میں بنے ہوئے گلے کے ساتھ، جسے سوٹ کے ساتھ کا دھجی نما دوپٹہ ڈھانپنے سے قاصر تھا۔ اس نے اپنی چادر لینا چاہی۔ شیلی نے وہ بھی اس کے کندھوں سے اتار کر بیگ میں رکھ لی۔

وہ دونوں باہر سڑک پر آئیں تو اسے یوں لگا، جیسے وہ بے لباس ہو۔ برہنہ گھر سے، ایک محفوظ چار دیواری سے نکل کر سڑک پر آ گئی ہو۔

دو بار اس نے بھاگ کر پلٹ جانے کی کوشش کی اور دونوں بار ہی شیلی نے اسے جکڑ لیا۔

”بس، وہ دیکھو میری گاڑی کھڑی ہے۔“ سڑک پار بلیک کلر کی بڑی سی گاڑی کھڑی تھی۔ عائشہ کو معلوم تھا، وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ آئی ہے، سو تھوڑا سا اطمینان ہوا۔

شیلی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ رکھا تھا، پھر بھی اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

”پلیز! واپس چلو، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ وہ سڑک کراس کرنے سے پہلے روہانسی آواز میں بولی۔

”اوہ ہو، پینڈو لڑکی! کس قدر ڈرپوک اور بزدل ہو تم۔ چلو اب آ جاؤ، اگر میری سو منتوں کے بعد مان ہی گئی ہو۔“ اس نے سڑک کے دونوں جانب سے آتی جاتی، تیز رفتار ٹریفک کی پروا کئے بغیر اس کا ہاتھ کھینچا اور سڑک پار کروائی۔

گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر اس کا ڈرائیور نہیں تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، عائشہ کو نہیں معلوم تھا۔ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری شیش ناگ ہے، جس نے اس کی زندگی سے سارا حسن، خوب صورتی، حیا، پارسائی، عزت ناموس اور سکون چوس کر بدلے میں بے حیائی اور بے سکونی کا زہر بھر دیتا ہے کہ آج اُس کی رگوں میں خون نہیں، وہی زہر دوڑ رہا ہے۔ وہی زہر......

وہ ایک دم سے تکیے پر سر رکھا کر اونچا اونچا رونے لگی۔
"مگر پاپا! آپ کیسے کہتے ہیں کہ میں شادی کرلوں؟........ پاپا! میں تو وہ زہریلی ناگن ہوں، گندگی کا وہ ڈھیر جسے کوئی اپنے پاس منٹ بھی برداشت نہ کرسکے۔ میں غلاظت اور پلیدی کا وہ بدترین نمونہ بن چکی ہوں کہ پاپا! آپ تو کیا، اپنے آپ کو بھی اس کا چہرہ نہیں دکھا سکتی........ اس سے آگے کتنے بھیانک روپ دیکھنے میں نے زندگی کے........ سوچوں تو ابھی........ ابھی شاید میرا دل بند ہو جائے۔ نہیں پاپا!........ آپ کی بیٹی تو اب کسی کی دلہن بننے کے قابل نہیں رہی۔ کیوں میرے زخموں کو اُدھیڑتے ہیں، اس درد کو چھیڑ کر........ کیوں؟" وہ پاگلوں کی طرح اٹھی اور سائیڈ ٹیبل سے نیند کی گولیوں کی شیشی نکال کر تین گولیاں ایک ساتھ پانی کے گھونٹوں کے ساتھ نگل گئی۔
تھوڑی ہی دیر میں وہ بے جان جسم مگر چکرائے ہوئے دماغ کے ساتھ نیند اور بیداری کے ساتھ جنگ کر رہی تھی۔

✲○........○✲

"امی!........ امی!........ کہاں ہیں آپ امی؟" وہ دروازے سے اندر داخل ہوئے ہوئے صحن، برآمدے اور کچن سے ہوتا ہوا اب کمرے میں جھانک کر ان کے کمرے کی طرف آیا۔
وہ جو ابھی تھوڑی دیر پہلے بیدار ہوئی تھیں، ان کی آواز سنتے ہی ان کا دل جیسے ڈوب سا گیا۔ انہوں نے زور سے آنکھیں بند کر لیں۔
"امی! کیا ہوا؟........ ایسے کیوں لیٹی ہیں؟" یاسمین کبھی بھی دن کے وقت اس طرح نہیں لیٹی تھیں۔ انہیں یوں پڑے دیکھ کر وہ کچھ پریشان سا ہو کر آگے بڑھا۔
"بھائی! امی کی طبیعت اچھی نہیں۔ آپ پلیز، آہستہ بولیں۔ ابھی وہ سوئی تھیں۔" کونے میں بیٹھی ربیعہ بے اختیار اٹھ کر ان کی طرف لپکی تھی۔
"کیا ہوا ہے انہیں؟" اس نے اسی بے چین انداز میں آگے بڑھ کر اُن کی پیشانی چھوئی۔ ہلکا سا ٹمپریچر محسوس ہوا۔
"بخار ہوا ہے انہیں؟" وہ بولا تو ربیعہ نے سر ہلا دیا۔
"ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟........ تانیہ لے کر گئی انہیں؟" وہ بے قراری سے کہتے ہوئے باہر کی طرف جانے لگا۔
ربیعہ سُن سی اسے دیکھتی رہی۔ وہ کیسے بتاتی؟........ اُس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے، بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا، جن کی آنکھوں کے پپوٹے بے قراری سے لرز رہے تھے۔
"تانیہ کہاں ہے؟" وہ دوسرے کمرے سے دیکھ بھی آیا۔
"وہ گھر پر نہیں ہیں۔" ربیعہ مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر بولی۔
"کہاں گئی ہے؟" ایک دم اس کے لہجے میں غصہ اُمڈا۔ ربیعہ چپ رہی۔
"کہاں گئی ہے تانیہ؟........ امی کی دوا لینے، بولو؟" وہ اس کے پاس آ کر تیزی سے بولا۔
ربیعہ نے بے بسی سے پہلے اس کی طرف، پھر ماں کی طرف دیکھا۔ یاسمین نے اب آنکھیں کھول لی تھیں۔
کبوتر کے آنکھیں بند کر لینے سے بلی بھاگ تو نہیں جاتی۔ وہ خود کو کتنی دیر بند آنکھوں کے پیچھے محفوظ کر سکتی تھیں؟
"کہاں ہے وہ؟" ربیعہ کی خاموشی نہ جانے اسے کیا سمجھا گئی کہ وہ ایک دم سے دھاڑا۔
"پتہ نہیں۔" ربیعہ بھنچی بھنچی آواز میں بولی۔
"پتہ نہیں؟" وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔ "امی! تانیہ کہاں ہے؟" وہ اس سے پہلے کہ یاسمین کو جھنجوڑتا، ان کی آنکھیں کھلی دیکھ کر رکا۔
"ربیعہ مجھے پانی پلاؤ۔" یاسمین نے نقاہت بھرے انداز میں کہتے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کی۔
ربیعہ جاتے ہوئے ان کے پیچھے ایک اور تکیہ رکھ گئی۔ وہ ذرا سا اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
"تانیہ چلی گئی، جہاں اسے جانا تھا۔" انہوں نے کمزور آواز اور دبے ہوئے لہجے میں یوں کہا، جیسے وہ کسی سے ملنے گئی ہو اور ابھی آنے والی ہو۔
"واٹ........؟" وہ اُچھل ہی تو پڑا تھا۔ "کہاں........ کہاں چلی گئی؟........ کہاں جانا تھا اسے؟" وہ اُن کے مدِ مقابل بیٹھتے ہوئے ان کی طرف چہرہ جھکا کر پوچھنے لگا۔
"جہاں گھبراہٹ کے ساتھ........ ہم نے اُس کا نکاح کر کے رخصت کر دیا، بس۔" یاسمین نے اپنی ساری طاقت جمع کر کے بڑے شکستہ لب سے انداز میں کہا۔ اگرچہ ان دو جملوں کے بیچ دو بار ان کا سانس بھی ٹوٹا۔

''کیا......کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' وہ ڈوبتی اُبھرتی آواز میں بے یقینی سے بولا۔
''وہی جو تم نے سنا۔ ہم نے اسے نکاح کر کے رخصت کر دیا۔'' وہ اب کے خاصے حوصلے سے بولی تھیں۔
''کس کے ساتھ؟''
''جہانگیر ہمدانی کے ساتھ۔''
''جہانگیر ہمدانی کے ساتھ......؟'' وہ اُٹھتے ہوئے اتنی زور سے چلایا کہ جیسے سارے گھر کی دیواروں نے اُس کے ساتھ دہرایا ہو۔ ''کیوں؟......کیوں؟......میں مر گیا تھا یا میرا جنازہ اُٹھ گیا تھا تو آپ نے میرے دفن ہونے کا انتظار کیے بغیر جنازہ بھی اٹھا دیا......کیوں؟'' وہ پاگلوں کی طرح وحشت بھرے انداز میں بغیر سوچے سمجھے چیختا چلا گیا۔
''وہ ہماری بھی بیٹی تھی، ہمارا حق تھا اُس کی خوشی پوری کرنے کا۔'' وہ کمزور لہجے میں اپنا دفاع کرتے ہوئے بولی تھیں۔
''آپ کی بیٹی، میری کیا ہوئی؟ بولیں امی!'' اس کا غصہ نقطہ عروج پر آ گیا تھا۔
''میں جانتی ہوں۔ مجبوری تھی تنزیل! میں نے یہ سب خوشی سے کب کیا ہے؟ بس......'' وہ اب کے اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے ذرا نرم لہجے میں گھگھیائیں۔
''مگر امی! میری کوئی مجبوری نہیں؟ اور میں جو کروں گا، اب وہ کسی کی خوشی کے لئے نہیں، اپنی خوشی کے لئے کروں گا، جس طرح کی خودغرضی آپ نے، اس نے دکھائی، اب اس طرح کی خودغرضی میں بھی دکھاؤں گا۔ ان دونوں کو گولیوں سے چھلنی نہ کر دیا تو میں بھی آپ کا......''
یاسمین نے تڑپ کر اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
''خدا کے لئے تنزیل! کوئی اُلٹی سیدھی قسم نہ کھا لینا......تمہیں میری قسم۔ وہ چلی گئی۔ اُسے چلے ہی جانا تھا۔ تم بھی اُسے بھول جاؤ اسے۔ ہم بھی بھول گئے ہیں۔ ایک رات ہی میں بھول گئے ہیں اسے......تم بھی تھوڑا دل کو سمجھا لو، بھول جاؤ میرے بچے!'' انہوں نے اسے شانے سے پکڑ کر اپنے ساتھ لپٹانا چاہا۔ وہ بجلی کی طرح تڑپ کر ان سے الگ ہوا۔
''امی! آپ بھول سکتی ہیں اسے، مگر میں نہیں۔ اور میں جب تک ان دونوں کو اس دنیا سے چلتا نہ کروں، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ اتنا بے غیرت، بے حیا سمجھ رکھا ہے آپ نے مجھے کہ اپنی غیرت کا لہو ماتھے پر سجا کر جی لوں گا میں؟......نہیں امی! امرا میں جیتے جی۔ بھلا ایسے بے غیرت بھائی بھی جیا کرتے ہیں، جن کی بہنیں رات کی تاریکی میں ان کے منہ پر کالک مل کر اپنے ہی بے حیا کے ساتھ منہ کالا کر جائیں، وہ جی سکتے ہیں؟ نہیں۔'' وہ پاگلوں کی طرح دیوار سے ٹکریں مارنے لگا۔
''اس کو رخصت کرنے سے پہلے آپ نے یہ نہیں سوچا ایک پل کے لئے بھی، میں واپس آ کر کیسے اس تمغے کو اپنے سینے پر سجاؤں گا امی!......بہت ظلم کیا آپ نے مجھ پر......مار دیا مجھے، جیتے جی۔ چند گھنٹے تو میرا انتظار کرتیں......'' چند لمحے سوچے سمجھے بغیر بولتے ہوئے دیوار سے ٹکریں مارے جا رہا تھا، جبکہ یاسمین اسے سنبھالتے ہوئے بے حال ہوئی جا رہی تھیں۔ اُن کے ہاتھوں کی گرفت سے نکلا جا رہا تھا اور انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سنبھالیں، کیسے سمجھائیں۔
''تنزیل! میرے بیٹے! تمہیں اللہ کا واسطہ! سنبھالو خود کو۔ نہیں بھاگی وہ رات کے اندھیرے میں۔ ساتھ والے انکل سے پوچھ لو جا کر، وہ اور ان کی بیگم آئے تھے نکاح میں......تمہارے ابو بھی......مجبوری تھی بیٹا! جہانگیر کو جلدی تھی اور......بھی۔ تم یہ پسند نہیں کرتے۔ اس فساد، اس جھگڑے کے خوف سے......اللہ کی قسم، تنزیل! میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ ابو سے پوچھ لو جا کر۔ سب ان کی صلاح مشورے سے......مجبوراً......سمجھنے کی کوشش کرو تنزیل!'' وہ اسے سنبھالتے، گلے ساتھ لگاتے بالآخر نڈھال ہو کر نیچے گر پڑیں۔
''آپ سب نے باہمی رضامندی سے، خوشی اور صلاح سے یہ کام کیا ہے نا۔ اور مجھے کسی قابل نہیں سمجھا۔ آپ نے جان کر مجھے یہاں سے بھیجا تھا۔ امی! کتنی اخباروں میں ایسی خبریں چھپتی ہیں، جب بدچلنی، بدکرداری کے شبے میں بھائی، باپ، ماں پورے کنبے کو تہہ تیغ کر دیا جاتا ہے، انہیں ان ہی کے خون میں نہلا دیا جاتا ہے۔ لیکن سوچا کرتا تھا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ بدچلن، بدکردار ہو اور باقی بھی اس کے ساتھ......'' وہ رکا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے عجیب سی وحشت ٹپک رہی تھی کہ یاسمین کو خوف سا محسوس ہوا۔
''ابو بھی راضی تھے۔ نکاح میں شامل تھے اور آپ بھی۔ یعنی فقط میرے جانے کا انتظار کیا......اب ایک آخری بات بالکل سچ سچ بتا دیں، پھر میں یہاں سے چپ کر کے چلا جاؤں گا۔ آپ سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔'' وہ آستین سے منہ اور کف اور چہرے پر آئے پسینے کو رگڑتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔
یاسمین نیچے بیٹھی ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

بیوپاری کے ہاتھ کتنے میں اپنی بیٹی آپ نے فروخت کی؟ صرف مجھے اتنا بتا دیں۔ ابو کے علاج کے لئے، میرے روزگار
بھی رہائش کے لئے، کس مقصد کے لئے؟ آپ نے کتنا مال اینٹھا اس سے......؟"
نانے بے بسی سے ہاتھ اٹھا کر اس کے جھکے ہوئے چہرے پر تھپڑ مارنے کی کوشش کی اور ان کا اُٹھا ہوا ہاتھ ہوا ہی میں لہرا کر

ل کے چہرے سے چھلکتی نفرت اور غصہ، بدگمانی انہیں باور کرا گئی کہ اب وہ ایسے کتنے ہی تھپڑ کیوں نہ اس کے چہرے پر جڑ
یقین بحال نہیں کر سکتیں۔ وہ مکمل طور پر ان سے، اس گھر کی شرافت سے بدگمان ہو چکا ہے۔ وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر رونے

ا جا رہا ہوں۔ ان دونوں کو قتل کر کے اپنی جان لے لوں گا۔ دل چاہے تو میری لاش ڈھونڈیے گا، ورنہ لاوارث بھی شہر میں
بلے کے ڈر سے بالآخر دفنا ہی دیئے جاتے ہیں۔ خدا حافظ!" وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتا ہوا ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور
ل بھرتا باہر کی طرف چلا گیا۔
زیل!......تنزیل! میری بات سنو۔" وہ دیوانہ وار اُس کی طرف لپکیں مگر اس کے سائے تک بھی نہ پہنچ سکیں کہ وہ بیرونی
ر گیا۔
ن کے بیچوں بیچ بیٹھ کر رونے لگیں۔

✿◎......◎✿

انے مجھے کیوں بلایا ہے؟" وہ دونوں ابھی بیٹھے بھی نہیں تھے کہ دائم نے روکھے لہجے میں اس سے پوچھا۔ اس کے لہجے پر
بے اختیار چونک کر اسے دیکھا۔ وہ تو اسے جب بھی ملا، بہت تازہ دم، بہت خوش اور چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں ملا کرتا تھا۔ تو

ے اندر کہیں خطرے کی گھنٹی بجی۔ لگتا ہے، حضرت کا موڈ آف ہے۔ نہ جانے میری بات کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔
بور ہو رہی تھی گھر میں اکیلی۔ پاپا ایک ہفتے سے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ ماما بھی ان کے ساتھ چلی گئی ہیں۔ نہ جانے
دل کیا۔ اور میں......"
کو بھی چلے جانا چاہیے تھا۔" وہ اسی روکھے لہجے میں بولا۔
ل تو جاتی۔ کالج کا مسئلہ تھا۔ لگتا ہے، آپ کو میرا یہاں بلانا اچھا نہیں لگا۔ اس کیفے کی آئس کریم اور کافی بہت زبردست ہوتی
آئس کریم کھانے کو جی چاہ رہا تھا، سوچا کوئی ساتھ دینے والا بھی ہونا چاہیے۔ آپ کو کوئی کام ہے تو آپ چلے جائیں۔"
ایک اپنے انداز میں بے چارگی اور افسردگی سی بھر کر کہنے لگی۔ دائم نے ایک گہرا سانس لے کر اسے دیکھا۔
کافی اور آئس کریم کا ایک ساتھ لینا کیا کمبی نیشن ہوا بھلا؟"
نے ایک نظر اس کے زبردستی مسکراتے چہرے پر ڈالی۔
کوئی پرابلم ہے آج آپ کے ساتھ؟" وہ تھوڑے توقف سے پوچھ ہی بیٹھی۔
پرابلم تو مجھے تمہارے ساتھ لگتی ہے۔" وہ چونک کر بولا۔ "سوال کچھ کرتا ہوں، جواب کچھ دیتی ہو۔"
آپ کا موڈ واقعی اچھا نہیں۔ میں نے غلط وقت پر آپ کو بلا لیا۔ سوری!" وہ ایک دم سے چہرہ پھلا کر بولی اور منہ دوسری
لیا۔
خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر خود بھی باہر کی طرف دیکھنے لگا۔
سے کیسے بتائے کہ اس پر کیسا انوکھا، ناقابلِ یقین سا انکشاف ہوا ہے۔ وہ رات بھر سو نہیں سکا۔ کئی بار ماما اور پاپا کا نمبر ملایا اور
کاٹ دی...... اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ اپنے اتنا پیار کرنے والے، اتنے مہربان محبت کرنے والے ماں باپ سے یہ
سوال کیسے کرے کہ وہ اُن کی سگی اولاد نہیں...... کسی سے چھینی ہوئی، چرائی ہوئی ہے، کیسے پوچھے؟
ساری رات جاگتا رہا تھا اس کشمکش میں...... ٹہل ٹہل کر اس کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔
میڈم یاقوت کی بات کو رد کرتا تو فوراً ہی سوال اُٹھتا کہ اس عورت کو بھلا اس سے اتنا بڑا جھوٹ بولنے کی ضرورت کیا
کوئی اتنی بڑی بات کیسے کہہ سکتا ہے؟ اور اگر اس کی بات سچ ہے تو ڈاکٹر رخشندہ اور مصطفیٰ صاحب جھوٹے، بے ایمان۔ اور
کم، میڈم یاقوت خائن عورت یعنی خیانت کرنے والی...... ماما نے خیانت کی؟ میری اتنی لونگ، اتنی ذمہ دار، کیئرنگ ماما
اتنی بڑی خیانت کر سکتی ہیں؟
خیالات کا سارا ڈاکٹر رخشندہ کی طرف جھک جاتا۔

اور بس، مجھے کیا بے چینی تھی، جس نے مجھے امن سے بیٹھے بٹھائے پاکستان چلے آنے کی لگن جگا دی؟ نہ جانے وہ کیسی کشش سی قوت تھی، جو مجھے اپنے اتنے پیارے والدین کو چھوڑ آنے پر مجبور کیے دے رہی تھی۔ اور میں چلا بھی آیا۔ بغیر کسی ٹھوس وجہ کے
"تو کیا یہی قوت تھی؟........ میڈم یاقوت کی ممتا کی کشش؟ او مائی گاڈ! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا...... اور اگر میڈم یاقوت کہہ رہی ہیں، وہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے بھی تیار ہیں تو کیا میں اس عورت کا بیٹا ہوں جو اتنی گلیمرس دنیا میں ایک ایسا کردار ہے، جس کا کریکٹر قابلِ بحث ہے........ میں دائم مصطفیٰ، اس عورت کا بیٹا........ تو میرا باپ........ یقیناً پھر پاپا نہیں کون؟........ کون ہو سکتا ہے؟ جس ٹائپ کی میڈم یاقوت ہیں، اس ٹائپ کی عورتوں کے بچے عموماً سنگل پیرنٹ ہی رکھتے ہیں میں........ اُف، نہیں........
اُسے یکایک لگا، جیسے اُس کا وجود کسی گندگی کے ڈھیر یا کسی گندے نالے سے برآمد ہو رہا ہے۔ اس کا باپ تاریک اندھیرا نقیب اور اس کی ماں اس قحص کی........
'اُف، نہیں........' اسے بہت زور سے چکر آیا تھا۔
"دائم! آپ ٹھیک ہیں نا؟" وہ اس کے یوں سر جھٹکنے سے اور اجنبی نگاہوں سے ڈر گئی تھی۔
"ہوں........ ہاں ٹھیک ہوں۔" وہ بھی اس کی موجودگی سے چونکا تھا۔
"اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھ سے کہہ سکتے ہیں۔" وہ جو کچھ سوچ کر آئی تھی، جس مقصد کے لئے دائم سے ملنا چاہتی تھی وہ ساری باتیں اس کے دماغ سے نکل گئی تھیں۔ اسے دائم کے گم صم سے، کھوئے کھوئے سے انداز نے پریشان کر دیا تھا۔
"کیا؟" وہ حیران سا ہوا۔
"جو کچھ آپ ابھی لبوں میں بڑبڑاتے ہوئے سوچ رہے تھے۔" وہ جلدی سے بولی۔
"میں تو کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا۔" وہ پھیکے سے لہجے میں بولا۔
"تو گویا آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتے کہ اپنی کوئی بات مجھ سے شیئر کریں۔ تو پھر ہماری دوستی کس بات کی؟" وہ خفا ہو کر بولی تو پہلی بار دائم کو وہ بہت اپنی سی لگی۔
اس اجنبی دیس میں، جہاں دور دور تک اسے ایسا کوئی کندھا دکھائی نہیں دے رہا تھا، جس پر سر رکھ کر وہ اپنے دل کا بوجھ ذرا سا سرکا سکے، یہ لڑکی کیسی اپنائیت سے اسے اپنی پرابلم شیئر کرنے کا کہہ رہی تھی۔
"ایسی کوئی بات نہیں عزہ!" اس نے گہرا سانس لے کر افسردگی سے بالوں میں اُنگلیاں چلائیں۔
"گویا مجھے اس قابل نہیں سمجھتے۔"
"نہیں یار! یہ بات نہیں۔ مجھے خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ مسئلہ کیا ہے؟ اسے مسئلہ کہنا بھی چاہئے یا نہیں؟" وہ الجھن میں بولا۔
"آپ کہیں تو سہی، پھر دیکھتے ہیں، یہ مسئلہ ہے بھی یا نہیں یا محض آپ کے اپنے ذہن کی اختراع ہے؟" وہ خلوص بھرے انداز میں بولی تو وہ مسکرانے لگا۔
"اب یوں مسکرا مسکرا کر کیا دیکھ رہے ہیں؟........ بولیں بھی سہی۔" وہ کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد خفا ہو کر بولی۔
اسی وقت ویٹر اُن کی آرڈر کی ہوئی آئس کریم لے آیا۔
"پہلے میرے خیال میں اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، پھر بات کرتے ہیں۔" دائم نے دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے آئس کریم کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بھی خاموشی سے چمچہ ہلانے لگی۔

❁◉......◉❁

میڈم یاقوت کمرے میں مسلسل ٹہلے جا رہی تھیں۔
کمرے کی فضا مہنگے برانڈ کے سگریٹ کے دھوئیں سے بوجھل ہو رہی تھی۔ ٹیبل پر پڑا شیشے کا نازک ایش ٹرے جلے ادھ جلے سگریٹ کے ٹکڑوں سے لبریز جھلک رہا تھا۔
اب بھی ان کی گداز مخروطی اُنگلیوں میں سگریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا دبا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں سیل فون تھا۔
وہ اس فون پر تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی نمبر ڈائل کرتیں اور پھر خود ہی آف کر دیتیں۔ وہ مسلسل ڈیڑھ گھنٹے سے یہی کر رہی تھیں۔
'آخر اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ اب تک تو اس کا فون آ جانا چاہئے تھا۔ پر ایک دن اور ایک رات۔ اور اب دوسری رات سر پر........ اس نے میری بات کو، میری عمر بھر کی ریاضت کو جھوٹ جانا، مذاق سمجھا........ میں تو سمجھی تھی، وہ گھنٹہ بھر ہی میں

گا، بری طرح دیوانہ ہو اُٹھے گا۔ اس فراڈ عورت سے لڑ جھگڑ کر، اس سے سب اُگلوا لے گا اور میری سچائی جان جائے گا۔ مگر اس بات کو چالیس گھنٹے بیت گئے اور پھر انتظار...... اُف، یہ انتظار مجھے مار ڈالے گا۔'
ہو سکتا ہے وہ ایموشنل ہو کر انگلینڈ ہی چلا گیا ہو، سید حا لندن اپنے ماں باپ سے مناظرہ کرنے۔ اور یہ تو سامنے کی بات میری ہی پہلے آئی نہیں۔ مجھے چیک تو کرنا چاہیے تھا کہ وہ اِدھر ہے بھی یا نہیں۔'
ایک نئی سوچ ان کے دماغ میں آئی تھی۔ وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئیں اور نمبر ملانے لگیں۔
"اچھا...... کب گئے تھے گھر سے؟"
"گھنٹے تک آ جائیں گے؟" وہ مایوسی سے بولیں۔ "کہیں شہر سے باہر تو نہیں گئے؟...... کنفرم ہے؟"
"اچھا...... سات بجے تک...... ادھر ہی تھے۔ او کے، تھینک یُو۔" انہوں نے بے حد مایوس و دلگرفتہ ہو کر سیل آف کر دیا۔
تو وہ یہیں ہے۔ اور اس نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ اس نے اتنی بڑی حقیقت کو کچھ بھی نہیں سمجھا۔ اور میں یہاں بے پانی کی ی طرح تڑپ رہی ہوں۔ اَن دیکھی ممتا کی آگ میں سلگ رہی ہوں اور اسے کوئی پرواہی نہیں۔' انہیں ایک دم غصہ آ گیا۔
'میں اُس کی ماں ہوں۔ خود اس سے رابطہ کر سکتی ہوں۔ ایسی کیا بات ہے؟...... اس میں کیسی غیریت؟' ایک لپکا سا ان کے ں اٹھا اور وہ سیل سید ھا کر کے نمبر ری ڈائل کرنے ہی لگی تھیں کہ اسکرین پر کوئی اور نمبر آ گیا اور ٹیون بجنے لگی۔
"ہاں کہو، کیا بات ہے؟" انہوں نے لٹھ مار انداز میں سیل آف کرتے ہوئے کہا۔
"می لائبہ بی بی رات بھر گھر نہیں آئیں۔ اب بھی صبح کئی گھنٹے انتظار کر کے...... آپ کو فون......"
"کیا بکواس کر رہی ہو؟...... کدھر گئی تھی وہ رات کو؟" ان کے ہاتھ سے ادھ جلا سگریٹ گر گیا۔
"بی وہ اسامہ صاحب کے ساتھ ان کے گھر دعوت پر گئی تھیں۔ اب ان کا نمبر بھی بند مل رہا ہے اور ان کے گھر کا بھی کوئی فون اٹھا رہا۔ اور لائبہ بی بی کے سیل پر بیل جاتی ہے مگر وہ ریسیو نہیں کر رہیں۔" فاخرہ رو دینے کو تھی۔
"تم دونوں کو تو میں کتوں کے آگے ڈلواؤں گی، دیکھنا۔ تم اس بار مجھے لائبہ کی طرف سے ذرا مطمئن ہو لینے دو، پھر دیکھنا تم ں کے ساتھ میں کیا کرتی ہوں؟" اس کے آگے جو موٹی موٹی گالیاں انہوں نے بکیں، فاخرہ نے سیل فون کان سے ہٹا لیا۔
غصے اور پریشانی سے ان کے ہاتھ اور بدن کانپنے لگا تھا۔
"ایک پریشانی ابھی تمام نہیں ہوئی کہ نیا عذاب۔ اور یہ لائبہ میرے سامنے آ جائے، میں...... میں اس بے وقوف لڑکی کا وہ کروں کہ......"
اسی وقت زور سے دروازہ کھلا۔ بغیر دستک کے کوئی ان کا دروازہ یوں کھول ڈالے۔ وہ بری طرح مشتعل ہو کر پلٹیں اور ساکت رہ گئیں۔

☆۞......۞☆

"مصطفیٰ! یہ ان دنوں کی بات ہے۔ وہ دن جو میں سوچنے بیٹھوں تو میری زندگی کے بدترین دن شمار ہوں گے۔ جب دن رات ری عزت نفس، میری شخصیت، میرے کردار کی دھجیاں اُڑائی جاتی تھیں، وہ بھی آپ کی آنکھوں کے سامنے۔ اور آپ یوں انجان ہو گزر جایا کرتے تھے جیسے یہ سنگ باری مجھ پر نہیں، کسی اور پر کی جا رہی ہو۔" وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھیں۔
"یہ کن دنوں کی بات کر رہی ہو تم؟" انہوں نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔
"آپ کو برا لگا شاید۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولیں۔
"ان دنوں تو آپ کو برا نہیں لگا کرتا تھا، کوئی چاہے کچھ بھی میرے ساتھ کر گزرتا، خاص طور پہ......"
"ہوں...... خاص طور پر؟" وہ ابرو اچکا کر بولے۔
"آپ کی والدہ۔ شاید آپ کے حافظے میں وہ دن ہیں بھی نہیں۔ مٹ مٹا گئے۔ مگر میری اُلجھن کا تعلق ان ہی دنوں سے ہے ان کے بغیر میں یہ بیان نہیں کر سکتی۔ ورنہ مقصد آپ کو شرمندہ کرنا ہرگز نہیں۔" وہ تھوڑی دیر بعد نظریں جھکا کر بولا۔
"میں سمجھ گیا، تم کن دنوں کا ذکر کر رہی ہو۔ جب اماں جان کے سر پر ایک ہی سودا سوار تھا، پوتے کا۔ ہے نا؟" ان کے حافظے سے کچھ بھی نہیں مٹا تھا، سر ہلاتے ہوئے بولے تو رخشندہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ہماری شادی کو کئی سال تو نہیں......" وہ چپ کر کے گننے لگیں۔
"ہاں، مجھے معلوم ہے۔ ڈاکٹرز کے بقول ہم دونوں میں کوئی کمی نہیں تھی، سوائے قدرت کی مہربانی کے۔ تم آگے کہو۔" وہ بے سے بولے۔
"ان دنوں مجھ سے ایک سنگین غلطی ہو گئی......" وہ ہولے سے بولیں۔

✲⊙......⊙✲
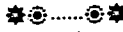
"ماما.......!" وہ پورا دروازہ چوپٹ کھول کر ایک دم سے ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"سویٹی!" ان کے لب ہلے۔ اولین پل میں اچانک ملنے والی خوشی....... پھر تحیر اور آخر بڑھتا ہوا غصہ و غضب۔

وہ جیسے ہی ان کے سینے سے لگی، ان کی ساری کیفیات ایک ہی جذبے میں ڈھل گئیں۔ اور وہ تھا اُن کی پیاسی مامتا۔

"ماما! کیسی ہیں آپ؟ سوری۔ میں آپ کو بتائے بغیر آ گئی۔ کیسا لگا آپ کو یہ سرپرائز؟....... اچھا لگا ہے نا ماما؟" وہ ان کے گلے لگی، انہیں بھینچ بھینچ کر پیار کرتی ان کے سینے میں منہ چھپائے جوش اور خوشی میں کہے گئی۔

ان کے ہاتھ خود بخود اس کے سر اور کندھے کو سہلاتے ہوئے کمر پر ٹِک گئے۔ کیسا سکون، کیسی ٹھنڈک سی اُتر رہی تھی ان کے سینے میں۔

'ہم خود ہی کیسی بے مول خوشیوں سے محروم رکھتے ہیں خود کو، اَن دیکھے وسوسوں کے باعث۔' وہ اس کی کمر کو سہلاتے ہوئے سوچنے لگیں۔

"ماما! آپ ناراض تو نہیں؟" وہ ان کی مسلسل چپ پر کچھ خوف زدہ سی ان کے سینے سے سر اٹھا کر بولی۔

"بس سوچ رہی ہوں، تم اتنی بڑی، اتنی خودسر کس وقت ہوئیں کہ خود سے ہی سارے فیصلے کرنے لگیں۔ ماں کو انفارم کرنا ضروری نہ سمجھا۔" ان کا سارا طیش جو کہ بپھرے ہوئے دریا کی طرح ایسے موقع پر اُمڈا کرتا تھا، جانے کیسے نرمی کی کول دھارا میں ڈھل گیا۔

"سوری ماما!....... آئی ایم ویری سوری۔ وہ بس میں رہ نہیں سکی۔ بہت زیادہ بے چین ہو گئی تھی، آپ سے ملنے کے لئے۔" اپنے نرم و گداز مخروطی ہاتھوں میں ان کا چہرہ کسی مقدس کتاب کی طرح تھامے بے قراری سے کہہ رہی تھی۔ "اور سچ ماما!" دوڑی اور پھر سے ان کے سینے پر ٹکا دیا۔ "اب میرا آپ کے بغیر وہاں بالکل دل نہیں لگتا۔ میں اب نہیں جاؤں گی اور وہ بھی اکیلی۔" وہ پھر موڈ میں پھر انہیں بانہوں کے گھیرے میں لئے ہوئے بولی۔ میڈم یاقوت کے ماتھے پر شکن سی اُبھر آئی۔

یہ لڑکی جلد یا بدیر ان کے لئے مسئلہ بن سکتی تھی۔ انہیں بہت دنوں سے لائبہ کے انداز و اطوار دیکھتے ہوئے اندازہ تھا۔

اور اب وہ وقت آ گیا تھا۔ ان کا دل زور سے پھیلا اور سکڑا تھا۔ دزدیدہ نظروں سے سینے سے لگی اپنی قیمتی متاع کو دیکھا اور ان کے دل نے اس متاع کے محفوظ و مامون رہنے کی دعا کی تھی۔

"یعنی اکیلی نہیں جاؤ گی۔ پھر اس کا مطلب ہے، مجھے ارجنٹ تمہارے لئے لائف پارٹنر کا انتظام کرنا پڑے گا۔ ہے نا؟" انہوں نے فضول وہموں سے دماغ ہٹاتے ہوئے اس کے سلکی بالوں والے سر پر بوسہ دے کر اسے خود سے الگ کیا۔

"ہوں ہوں، ماما! ہرگز نہیں۔ یہ ٹاپک بالکل بھی آپ ڈسکس نہیں کریں گی۔" وہ منہ بناتے ہوئے پیچھے ہٹی اور سر ہلاتے ہوئے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

"گویا صرف تم ڈسکس کرو گی؟" انہوں نے پھر اسے چھیڑا اور ذرا سی پیچھے ہو کر ٹیبل کو اپنی آڑ میں کر لیا، جس پر پڑا ایش ٹرے سگریٹوں کے جلے، ادھ جلے ٹکڑوں سے اٹا ہوا تھا۔

لائبہ نے چور نگاہ سے ان کی اس خفیف سی حرکت کو اور پیچھے سے نظر آتے ایش ٹرے کو دیکھا۔

"ماما.......!" اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر فوراً بھینچ لئے۔ نہ جانے کیوں دونوں ماں بیٹی کے درمیان ایک نظر نہ آنے والی دیوار سی تھی، جسے لائبہ کئی بار کوشش کے باوجود ڈھا نہیں سکی تھی اور اس کی یہ تمام کوششیں میڈم یاقوت کے سرد رویے کے باعث ناکام ہو جاتی تھیں۔

"اور اسامہ تمہارے ساتھ شامل تھا، اس سازش میں؟" انہوں نے اس کے کھلتے اور بند ہوتے لب دیکھے اور ماحول میں یک دم سے در آنے والے تناؤ کو کم کرنے کے لئے کسی ہلکے پھلکے انداز میں بولیں۔

"ہوں!" وہ کسی نادیدہ نقطے کو تکتے ہوئے بے خیالی میں ناخن چبانے لگی تھی۔

"چلو اب اٹھو۔ دل چاہے تو ہاتھ لے لو، ورنہ یونہی منہ ہاتھ دھو لو۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔ تم شاید دوسری بار اس گھر میں آئی ہو۔ آرام سے پہنچ گئیں۔ ایئرپورٹ سے فون ہی کر دیتیں، میں خود آ جاتی یا ڈرائیور کو بھیج دیتی۔" وہ اس کے کھوئے کھوئے سے انداز پر کچھ بے چین سی ہو کر بولتی چلی گئیں۔

"ماما! جب میں اتنا لمبا سفر طے کر کے تن تنہا یہاں تک پہنچ سکتی ہوں تو ائرپورٹ سے گھر آنا کون سا مشکل تھا؟ ایڈریس میرے پاس تھا اور یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور اپنے کام کے ماہر ہوتے ہیں۔"

نہ جانے کیسی اجنبیت سی اس کے لہجے میں یکدم اُتر آئی تھی۔

ئو ر یقیناً ماہر ہوتے ہیں۔ مگر میری جان! آج کل اِدھر لاء اینڈ آرڈر کے لحاظ سے جو حالات چل رہے ہیں ایسے میں تم یوں کا یوں ایئرپورٹ سے آنا...... تمہارا بچپن کب جائے گا؟'' انہیں اس خیال ہی سے وحشت سی ہوئی تھی کہ وہ اکیلی آئی ہے اور پھر ایئرپورٹ سے گھر تک...... باہر پھیلتی تاریک رات...... انہوں نے اس کے سانچے میں ڈھلے نازک صورت چہرے کو دیکھا اور نظریں چرالیں۔

اب ادھر کیوں بیٹھ گئیں؟ مجھے بھی بھوک لگی ہے۔ میں نے بھی شاید تمہارے انتظار میں ابھی تک ڈنر نہیں کیا تھا۔ چلو گے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے اسے اٹھانے لگیں۔

!آپ اتنی اسموکنگ کیوں کرتی ہیں؟'' وہ اٹھتے ہوئے اس بھرے ہوئے ایش ٹرے کو دیکھ کر پست لہجے میں بولی۔

یوں لگا، جیسے وہ کہہ رہی ہو''ماما! آپ اتنا ڈرنک کیوں کرتی ہیں؟'' ان کی سماعتوں نے کچھ اور سنا جس کی وجہ سے وہ فوری جواب نہ دے سکیں۔

بار...... اس بار لائبہ سے کچھ بھی چھپانا...... جو چھپانے کے لئے ضروری ہے، سب مشکل ہو جائے گا۔ وہ اب بچی جس طرح وہ اکیلے اتنی دور کا سفر کر کے یہاں تک آ گئی ہے، اس کی خودسری اور خوداعتمادی کو مجھے اب انڈر اسٹیمیٹ نہیں ہے سمجھ کر، سنبھل سنبھل کر بھی چلی تو کچھ نہ کچھ عیاں ہو کر ہی رہے گا اور...... اس کا بہترین حل لائبہ کا یہاں سے چلے ہے۔ اور اب وہ یوں آسانی سے تو ہرگز نہیں جائے گی۔ کیا مصیبت ہے؟' انہیں جھلاہٹ ہونے لگی۔ غصہ بے بسی پر غالب کر جاتی تھیں، ابھی اس غصے کو ظاہر کرنے کا وقت نہیں آیا۔

آپ نے ابھی تک ڈنر کیوں نہیں کیا؟'' وہ اتنی جلدی باتھ لے بھی آئی تھی اور وہ اپنی سوچوں میں گم تھیں اس کے آنے پر گیا۔

ادھر کوئی ہوئی ہیں ماما جانی؟...... آپ تو میرے آنے سے ایسی حیران پریشان سی ہو گئی ہیں جیسے......'' وہ ے ان کے رخسار پر ہلکی سی چٹکی لیتے ہوئے بولی۔

جیسے کیا......؟'' وہ تو بڑی آسانی سے ان کی ہر اُلجھن کو پڑھ رہی تھی۔ کیا ان کا چہرہ کھلی کتاب کا سا ہو رہا تھا؟ انہیں یکدم

جیسے میں آپ کا کوئی اہم راز جان کر رہوں گی۔'' وہ دھم سے ان کے برابر ہی بیٹھ گئی۔

لگا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا۔

''راز...... راز کون سا؟'' اس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

''کیوں...... آپ کا ایسا کوئی راز ہے؟'' اس نے بڑے محظوظ ہونے والے انداز میں پوچھا تھا۔

''نہیں نہیں۔ میرا ایسا کوئی راز کیوں ہونے لگا۔'' وہ یک دم کھڑی ہو گئیں۔

''تو پھر آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟'' وہ کتنے آرام سے انہیں نوٹس کرتی جا رہی تھی، انہیں دھچکا سا لگا۔

''میں کب پریشان ہوں؟ اور کیوں ہونے لگی؟ بھلا تم پہلے بھی تو آتی رہتی تھی۔ اس میں کون سی نئی بات ہے؟'' وہ ساڑھی کا پلو درست کرنے لگیں۔

''پہلے...... پہلے کی بات اور ہوتی تھی۔ آپ خود اپنی رضامندی سے مجھے بلواتی تھیں۔ گویا میدان صاف پا کر۔''

''کیا میدان؟'' ان کا دل یکبارگی دھڑکا۔ لائبہ کے انداز اس بار بہت کچھ جان لینے والے یا کچھ جان چکنے والے تھے۔ ان بھاگی۔

یہ چھوڑیں، کھانا لگوایا نہیں۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے اٹھ گئی۔ ''ویسے جب میں آپ کے روم ہوئی، آپ کچھ پریشان سی تھیں۔ سیل ہاتھ میں لئے کسی سے کانٹیکٹ کر رہی تھیں یا کوشش میں تھیں۔ اپنی پرابلم، جو آپ مجھ نا چاہیں؟'' وہ ان کے بالکل سامنے کھڑی بڑے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

ں...... ایسی کوئی بات نہیں۔ بس فاخرہ نے تمہارے بارے میں اطلاع دی تو میں پریشان ہو گئی تھی اور تمہارا ہی نمبر ٹرائی لا۔'' انہیں بروقت یہ بات سوجھی تھی۔

ہوں۔'' وہ مڑ گئی۔ ''ویسے مجھے تو آپ کی کوئی کال موصول نہیں ہوئی۔'' وہ جواب میں خاموش رہیں۔

ازم کھانا لگا چکے تھے۔

''اُف...... ماما! کیا آپ کو علم تھا کہ میں نے آج آنا ہے جو اس قدر زبردست اہتمام کیا ہے۔ یا آپ روزانہ اسی اہتمام سے کھانا کھاتی ہیں اور اس کے باوجود اتنا شاندار فگر مینٹین رکھا ہوا ہے آپ نے۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

وہ کوئی جواب دینا چاہتی تھیں کہ ملازم ان کا بجتا ہوا سیل فون اٹھا لایا۔ ملازم کو انہوں نے جاتے ہوئے اپنا کمرہ خالی کرنے اور سب ''ممنوعہ وغیر ممنوعہ'' اشیاء ہٹا دینے کو کہا تھا، اسی لئے اسے سیل پر بجتی ٹیون سنائی دے گئی اور جو نمبر اسکرین پر آ رہا تھا وہ دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ پھر دوسری طرف مڑتے ہوئے ڈائننگ روم سے باہر نکل گئیں۔

لائبہ کے ہاتھ جو کھانے کی طرف بڑھ رہے تھے، وہیں رک گئے۔

''میم! میں آپ کی طرف آ رہا ہوں ابھی۔'' دائم کی بھرائی ہوئی، گھٹی گھٹی سی آواز ان کے کان سے ٹکرائی۔

''ابھی......؟'' وہ جو تھوڑی دیر پہلے خود اس سے ملنے کو اس درجہ بے تاب تھیں، اب ٹھٹک سی گئیں۔ لائبہ کے انداز بھی ہی چونکا رہے تھے۔

''جی۔ ابھی اور اسی وقت۔ آپ سے دریافت کرنے کہ آپ نے میرے ساتھ ایسا گھٹیا اور سطحی جھوٹ کیوں بولا؟'' وہ پھٹتے ہوئے بولا تھا۔

''میں نے جو کہا، اس میں ایک حرف بھی جھوٹ نہیں۔ سطحی اور گھٹیا کیا ہوگا؟ خیر، ایسا ہے کہ میرے گھر تو کچھ گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔ تم گھر پر ہی ہو؟'' انہوں نے رخ پھیرتے ہوئے کھلے دروازے کی درز سے لائبہ کو دیکھنے کی کوشش کی۔

''یس۔''

''تو پھر میں آ رہی ہوں، دس منٹ میں۔ اوکے بائے!'' انہوں نے اس کا جواب سنے بغیر سیل کان سے ہٹا لیا۔

''سویٹی ڈارلنگ! مجھے ایک ضروری کام سے جانا پڑ گیا ہے۔ تم کھانا کھاؤ، میں بس گھنٹہ بھر میں آتی ہوں۔'' انہوں نے دروازے میں کھڑے کھڑے اسے اطلاع دی اور اس کا جواب سنے بغیر مڑ گئیں۔

وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی، جب انہوں نے ایک زوردار چھناکے کی آواز سنی تھی۔ لائبہ نے شاید ہاتھ مار کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھے برتن فرش پر دے مارے تھے۔

غصے کی تیز لہر ان کے جسم میں دوڑی، جسے اگلے ہی پل وہ کنٹرول کرتی ہوئی گاڑی میں بیٹھیں اور روانہ ہو گئیں۔

✲◉......◉✲

''اماں جان کے طعنے، ان کی آہیں، ان کی حسرتیں دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھیں۔ انہیں میرا ڈاکٹر ہونا، صبح کلینک جانا، سارا دن ایک طرح سے گھر سے باہر گزار کر شام کو گھر آنا اور معمولی سے گھر کے کاموں میں حصہ لے کر اپنے بیڈروم میں چلے جانا سب کھلنے لگا تھا۔ اب تو وہ کھلم کھلا آپ کی دوسری شادی اور مجھے ڈاکٹر ہونے کے باوجود اپنی لاعلاج بیماری کا علاج نہ کر سکنے پر انجانے کون کون سے جاہلانہ طعنے دینے لگی تھیں۔ میرا ضبط، میرا تحمل سب دن بہ دن کم ہونے لگا تھا۔ میں بھی انسان ہی تھی، تنگ........

سوچتی ہوں تو آج بھی خود پر رحم کے ساتھ رشک آتا ہے کہ میں کتنے اتنے دن، اتنے مہینے یہ سب جھیل گئی۔ شاید خود میں کوئی عیب تھا، جس کی وجہ سے۔ خیر........ ان سب باتوں کا، چاہے آپ نے یہ کان بند کر کے ہی سنی ہوں، آپ کو تھوڑا بہت علم تھا، کے دہرانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ اور اماں جان کی روح کو خدانخواستہ کوئی تکلیف دینے کا میرا خیال نہیں۔ وہ اپنی جگہ حق بجانب درست تھیں۔ ایسی ماں جس کا عمر بھر کا سرمایہ ایک ہی بیٹا ہو، اسے تو اپنی نسل آگے بڑھانے کا جنون ہوگا ہی۔ ان ہی دنوں میرے پاس ایک کیس آیا۔'' وہ رکیں جیسے ان دنوں کے مناظر کو وقت کے کینوس پر پھیلا کر دیکھ رہی تھیں۔

''کیس بھی کیا، بس مشکوک ہی سمجھیں۔ کسی بااثر شخصیت نے مجھے اپنی کوٹھی پر بلوا کر ایک کم عمر مگر بے حد خوبصورت لڑکی کو چیک کروایا۔ وہ ایکسیکٹڈ تھی اور دن بھی بے حد قریب کے تھے۔ اور الٹرا ساؤنڈ ان دنوں اتنا عام تو نہیں تھا، مگر پھر بھی تھا، انہیں بالکل نہ بتایا۔ معلوم نہیں کیوں، شاید شک کی وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ میرا خیال غلط ہو۔ میں شام کو گھر لوٹی تو اماں کا مزاج گرم تھا۔ طعنوں کے بیچ ہی وہ نہ جانے کیا کیا کہہ گئیں۔ میرا ذہن خود پریشان تھا۔

''رب کی قدرت ہے، وہ کبھی کسی کو دو دو، تین تین اکٹھے بھی دے ڈالے۔ سوکھے سبز پیڑوں پر جب جی چاہے پھل لگا دے۔ اس کی قدرت، اس کی رحمت کو جوش دلانے کی ضرورت ہے نا۔ پر ادھر کسی کو فرصت ہے نہ ضرورت۔ ایک میں پاگل بڑھیا وظیفے کرتی دن بھر اور رات بھر دماغ پلپلا کرتی ہوں۔ رب بھی سوچتا ہوگا، اس بڑھی کو اس عمر میں بچہ چاہئے جو دن رات لگا ہے۔ جسے چاہئے اسے تو ایک بار مجھے سجدہ کر کے مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی۔''

وہ بھی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ میں کلینک سے آتی تو اتنا تھک جاتی کہ نماز کی ہمت ہی نہ رہتی۔ مگر اس شام میں نے بڑے، بڑی لگن سے نماز پڑھی اور سجدے میں رو رو کر گڑگڑائی، اپنے اللہ سے وہ گوہر مقصود مانگا، جس کے لئے اماں اور میں تڑپ رہے تھے۔ اس رات بستر پر لیٹے مجھے ایک عجیب سا خیال آیا۔

وہ لڑکی، جس کا بچہ مشکوک لگتا ہے تو نکاح اس کا کہاں ہوا ہوگا۔ اور یہ دونوں ہونے والے بچے یقیناً وہ کوڑے کے ڈھیر پر ہی پھینکے گی یا اگر اس کا تعلق دوسرے علاقے سے ہوا اور لڑکی یا لڑکیاں پیدا ہوئیں تو وہ یقیناً انہیں کس طرح پروان چڑھانا چاہے گی، یہ بھی صاف نظر آرہا تھا۔

مگر ایک یقین سا نہ جانے کیوں مجھے اس لڑکی سے مل کر ہوا کہ اس کا تعلق یقیناً اس بازار سے نہیں ہے۔ وہ کسی شریف گھرانے کی لگتی تھی۔ اس رات میرے دماغ میں ایک ایسا خیال گھسا کہ میں صبح اٹھنے تک بھی اسے اپنے دماغ سے نہیں نکال سکی۔ بلکہ دن کے مختلف اوقات میں جب بھی مجھے ذرا فرصت ملتی میں اس کے بارے میں سوچنے لگتی۔

انہوں نے اگلے ہی ہفتے پھر مجھے چیک اپ کے لئے بلوایا۔ اور میرا شک یقین میں بدل گیا کہ ٹوئنز بچے ہیں۔ اپنی ازدواجی زندگی بچانے اور اماں جان کا منہ بند کرنے کے لئے میں نے ایک بچہ.......ایک بچہ......" آگے شاید ان سے الفاظ نہیں بن پڑے تھے یا مصطفیٰ صاحب کی ملامتی نظروں کا اثر تھا کہ وہ رک گئیں۔

"ان ہی دنوں اماں جان کو عمرے پہ جانے کا خیال آ گیا۔ وہاں ان کی بھانجی بھی تھی، جس کے پاس ان کا ٹھہرنے کا پروگرام بن گیا۔ مجھے لگا، قدرت میری مدد کر رہی ہے۔" انہوں نے گہری سانس لی۔

"اس لڑکی کے ورثاء میں کوئی نہیں تھا۔ اور میرے گھر میں فقط اماں جان۔ آپ تو پہلے ہی گھر میں کم ہوتے تھے۔ اکثر کاروبار کے سلسلے میں ایک ملک سے دوسرے ملک ہفتوں، مہینوں کے لئے جاتے رہتے تھے۔ اماں جان نے عمرہ بھی کر لیا۔ ان کا ابھی ادھر رہنے کا پروگرام تھا۔ میں انہیں جھوٹ موٹ فون پر خوشخبری کا بتاتی تو انہوں نے دوڑے چلے آنا تھا اور وہ لڑکی........ نہ جانے اور کتنے دن نکلتے۔ میں تو آپریشن کے لئے تیاری کر چکی تھی کہ اس کی ملازمہ کا فون آ گیا کہ لڑکی کی طبیعت خراب ہے۔ میں ضروری سامان اور رحیمہ کو لے کر فوراً چلی گئی۔

سب کچھ میری توقع کے مطابق تھا۔

اتنی بڑی کوٹھی میں چوکیدار اور ملازمہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ اور لڑکی........ پہلی بار ماں بننے جا رہی تھی، کچھ کم سنی، کچھ شاید دنیا کا خوف اور جان کا خطرہ تو ایسی حالت میں ممکن ہوتا ہے۔ وہ نیم بے ہوش تھی درد، نقاہت اور خوف کی وجہ سے۔

پہلا بچہ تھا اور پانچ منٹ بعد ہونے والی بچی۔

میں نے چوکیدار کو پہلے ہی کچھ ادویات لینے بھیج دیا تھا اور اس کی ملازمہ کو باورچی خانے میں پانی بوائل کرنے کے لئے۔ رحیمہ میرے کہنے پر بچے کو لے کر چپکے سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

گاڑی میں خود ہی ڈرائیو کر کے لائی تھی، سو کسی تیسرے کو شامل راز کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

لڑکی ابھی نیم بے ہوش تھی، مگر ویسے اس کی حالت خطرے سے بالکل باہر تھی۔ میں نے اس کا اچھی طرح چیک اپ کیا۔ بچی کو اس کے پاس لٹایا اور خود ایمرجنسی کا کہہ کر نکل آئی۔

اس کی ملازمہ نے بے منٹ کے لئے مجھے تھوڑا رکنے کو کہا کہ ان کی مالکہ یا مالک جو بھی ہیں آ جائیں تو پھر میں پیسے لے کر چلی جاؤں۔ مگر میں اسے "ایمرجنسی ہے، پھر لے لوں گی یا کسی کے ہاتھ منگوا لوں گی۔" کہہ کر چلی آئی۔

بچہ کتنا خوب صورت تھا، یہ میں نے گھر آ کر دیکھا۔ مگر میرا دل........ میرا دل بری طرح سے گھبرا رہا تھا۔ ڈوب ڈوب جا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں سر بھی جیسے ہلکا ہلکا چکرا رہا تھا۔ شاید پہلے جرم کی وجہ سے۔

اور وہ بچہ اتنا پیارا، اتنا خوب صورت تھا کہ میرے دل سے اس گناہ کی ساری ندامت ڈھلنے لگی اور........"

"اور تم نے میرے بارے میں کیا سوچا تھا کہ ایسی گناہ کی اولاد میں قبول کر لوں گا؟ اس کے لئے تمہارے شاطر دماغ نے کون سی کہانی گھڑی تھی؟........ تم........ تم رخشندہ! میں تمہیں کیا سمجھتا تھا اور تم کیا نکلیں۔" وہ تو جیسے صدمے اور غصے سے ٹھیک طرح سے بول بھی نہیں پا رہے تھے۔ رخشندہ ان کے یوں برافروختہ ہونے پر کچھ گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

"ایک مسیحا ہو کر زندگی دینے والے ہاتھوں سے تم نے زندگی چرا لی۔ تم اپنے مقام، اپنے پیشے سے اتنا بڑا دغا کرو گی کہ انسانیت کے درجے سے گر جاؤ؟ اور تم نے کیا مجھے بھی اتنا سطحی، اتنا گھٹیا سمجھ لیا تھا کہ تمہارے اس کریہہ پلان میں تمہارا ساتھ دوں گا؟ حیف ہے تم پر۔" وہ ایک دم بھڑک اٹھے تھے، جیسے رخشندہ کو ابھی کھڑے کھڑے شوٹ کر دیں گے۔ رخشندہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے ان کے غصے کو ٹھنڈا کریں۔

"لیکن........ لیکن آپ بیٹھیں تو، میں بتاتی ہوں۔" وہ گھبرا کر ان کا ہاتھ پکڑنے لگیں۔

"شٹ اپ! میں عمر بھر تمہیں کیا سمجھتا رہا اور تم کیا نکلیں۔ جن کو خدا اپنے خزانے سے اولاد نہیں دیتا تو کیا وہ دوسروں کی گود اجاڑتے پھرتے ہیں؟ ایک عام آدمی یا عورت جیسے سوچتے ہوئے شرم کھائے، تم نے ڈاکٹر ہوتے ہوئے کر لیا........ میں کیا کہوں

تمہیں؟" وہ غصے میں ان کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے باہر نکل گئے۔
"مصطفیٰ!........ مصطفیٰ! پلیز، لسن ٹو می، پلیز........!" وہ ان کے پیچھے بھاگی تھیں اور وہ کمرے سے ہی نہیں، اتنی رات گئے گھر سے ہی چلے گئے تھے۔
رخشندہ کچھ دیر کھڑی ان کا انتظار کرتی رہیں، پھر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔
'اسی بات کا مجھے ڈر تھا کہ مصطفیٰ بھڑک اُٹھیں گے۔ اپنے اسی رشتے کو قائم رکھنے کے لئے میں اتنے برسوں سے یہ آتش فشاں لمحے اپنے سینے میں چھپائے بیٹھی تھی۔ اور آج تو تمہید ہی میرے منہ سے نکلی ہے اور یہ آپے سے باہر ہو گئے ہیں۔ اگر پوری بات سن لیتے تو شاید........ او مائی گاڈ! میں نے ایسا کیوں کیا؟ اور جو یہ سارا کچھ دائم سن لے تو؟' اس سے آگے وہ کچھ سوچ ہی نہیں پائیں، ان کا سر چکرانے لگا تھا۔

✲⊙......⊙✲
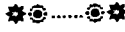
"مجھے آپ سے پوری بات سننی ہے۔" وہ بے چینی سے باہر لان ہی میں انہیں ٹہلتے ہوئے مل گیا اور ان کے پاس آتے ہی بنا سلام دعا کے بے قراری سے بولا۔
انہوں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ دو ہی دنوں میں اس کا چہرہ انہیں اُترا ہوا محسوس ہوا تھا۔
"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ پوری بات ابھی تمہیں بتانا ممکن نہیں۔" وہ گہرا سانس لے کر کچھ بے بسی سے بولیں۔
"تو پھر یہ ادھوری بات بتانے کی بھی کیا ضرورت تھی کہ اس کی سچائی ہی مشکوک ٹھہرے؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔
"سچائی مشکوک نہیں، یہ میں تمہیں گارنٹی دے سکتی ہوں۔"
"مجھے آپ کی خالی خولی گارنٹی نہیں، پوری سچائی بمعہ ثبوت کے چاہئے۔" وہ روکھے لہجے میں بولا۔
میڈم یاقوت بے بس سی، چپ کھڑی رہیں۔
"ویسے اس بات کو تو میرا دل ایک فیصد بھی نہیں مان رہا کہ یہ سچ ہے۔ لیکن پھر بھی اگر ایک لمحے کے لئے فرض کر لیا جائے تو میرے دادے، وہ کون حضرت تھے، یقیناً آپ کو بھی پتہ نہیں ہوگا۔ جس فیلڈ اور جس کیٹگری سے آپ کا تعلق ہے، اس میں کیا پتہ چلتا ہے کہ یہ کس بے تکلف فرینڈ کی دوستی کی نشانی ہے؟"
وہ اتنی نفرت سے کہہ رہا تھا کہ میڈم یاقوت کو لگا، وہ واقعی اسی کیٹگری سے تعلق رکھتی ہیں، جس میں محبت کی نشانی دینے والوں کے نام کے آگے ہمیشہ سوالیہ نشان رہتا ہے۔ اور اس سوالیہ نشان کا باعث ان کا شرم ناک وجود ہے، جو زمین پر صرف تعفن کا باعث ہے، اور اس کا کوئی مصرف نہیں۔
انہوں نے ایک سلگتی نگاہ، پول کی مدھم روشنی میں نظر آتے دائم کے طنزیہ چہرے پر ڈالی اور سر جھکا لیا۔
ان کے سر جھکانے پر دائم کو اپنا شک یقین میں بدلتا ہوا محسوس ہوا۔
"ایسا کچھ نہیں ہے، جیسا تم سمجھ رہے ہو۔ ہاں، محبت کی نشانی ضرور ہو جس کا اصلی چہرہ دیکھنے تک میں اسے محبت کا ہی نام دیتی رہی........ فقط یہی تو سب سے کامیاب ہتھکنڈا ہے، جس سے مرد کسی بھی عورت کو دام میں لا سکتا ہے۔ ہر دور، ہر زمانے کا آزمودہ ہتھیار........ یہی میری غلطی، یہی میرا جرم تھا۔ اس ہتھکنڈے پر ایمان لانا........ میری معصومیت، میرے گناہ کا تاوان البتہ نہیں بن سکتی۔ کسی کی بھی معصومیت اس کے گناہ کو نہیں دھو سکتی۔ سو میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ میں بے گناہ ہوں۔ محبت میں شریک جرم رہنے کا اعتراف کرتی ہوں، مگر اس کی بھی قسم کھاتی ہوں کہ تم کسی گناہ کی نشانی نہیں ہو۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہوں گی۔"
وہ بولتے بولتے شاید تھک گئی تھیں۔ نڈھال سی ہو کر پیچھے پڑے سنگی بینچ پر بیٹھ گئیں۔
دائم ان کے تھکے تھکے سے وجود کو دیکھنے لگا۔ وہ تو ہر دم فریش اور خوش باش دکھائی دیا کرتی تھیں........
'شاید یہ انکشاف ہی ایسا ہے، جس نے ان کی ساری تازگی نچوڑ لی ہے۔' دائم نے سوچا تھا۔ تھکن تو اس پر بھی طاری تھی۔ اسے مزید کھڑے رہنا محال لگ رہا تھا۔ وہ بھی ان سے ذرا فاصلے پر اس بینچ پر بیٹھ گیا۔
"آپ نے ایسے شخص سے شادی کیوں کی، جو نبھا نہیں سکتا تھا؟" نہ جانے کیسے اس کے لبوں پر سوال آ گیا۔
"کاش! میں خود یہ سوال اپنے آپ سے کر سکتی، اس کی محبت میں سینے تک دھنس جانے سے پہلے۔" وہ ڈوبی ہوئی آواز میں بولیں۔
"مگر میرا ذہن اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ ڈاکٹر رخشندہ........ ماما، پاپا وہ میرے رئیل پیرنٹس نہیں ہو سکتے۔" اب کے اس کے لہجے میں پہلے سی بے یقینی نہیں تھی۔
"میں بے اماں تھی، بے سائبان تھی۔ نہ کوئی سرپرست، نہ والی........ راہ میں پڑے کسی گھر کے بکھرے سامان کی طرح تمہارا

ایک مہذب لٹیرا نکلی۔ میں اس وقت نیم جان تھی۔ اور اس نے اپنے بنجر پن کا علاج میری اس بے ہوشی اور لاوارثی کو جان کر
یں اُڑا لیا۔ مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنی ہی کوکھ سے جنم دینے کے بعد مجھے تمہارے ہونے کا علم نہ ہو سکے۔ اسی لئے تو وہ مجھ سے
نے کے لئے یہاں سے سب کچھ ختم کر کے بیرونِ ملک چلی گئی۔ مجھے اُس کی اس کمینی حرکت کا علم ہو گیا تھا۔ اور میں نے اس سے
ہہ دیا تھا کہ میں اپنا بچہ اس سے پاتال کی تہوں سے بھی نکلوا لوں گی۔ اور پھر کیا میں اسے یونہی چھوڑ دیتی؟ پر ان دنوں میں بہت
زور تھی، اپنا دفاع نہیں کر سکتی تھی تو تمہیں کیسے حاصل کرتی؟ پھر مجھے پتہ نہیں چلا کہ وہ سب چھوڑ کر جا چکی ہے، میں تو اسے ادھر ہی
اشتی رہی، جب بھی ادھر آئی۔"

"آپ طاقت ور کیسے بنیں؟" اس نے بالکل اچانک سوال پوچھا۔

"میرے جذبۂ انتقام اور تمہیں پانے کی لگن نے مجھے طاقت ور بنا دیا۔" انہوں نے لمحہ بھر توقف کے بعد بھرپور جواب دیا۔
تمہیں پتہ ہے، تم اکیلے اس دنیا میں نہیں آئے تھے۔ تم ٹوئنز تھے۔"

"ٹوئنز؟" وہ امید کے عین مطابق تھوڑا مشتاق ہوا تھا۔

"ہاں........ تمہاری بہن بھی ہے۔" وہ اس کے اشتیاق کو اور ہوا دینے کو بولیں۔

"ریئلی........ مائی سسٹر؟........ آئی کانٹ بلیو۔" وہ واقعی حیران ہوا تھا۔

"اوکے۔ میں اب چلتی ہوں۔ کل تم رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔ میری بیٹی، تمہاری بہن بھی وہیں موجود ہوگی۔ تم دونوں کو
ایک دوسرے سے مل کر بہت خوشی ہوگی اور حیرانی بھی۔ میں کل تمہارا ویٹ کروں گی۔" وہ اُٹھتے ہوئے اس کے پاس رُک کر بولیں۔

وہ انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم آج کل میں اُس عورت کو فون کر کے سب کنفرم کر لو اور پھر........ میں اب زیادہ دن تمہیں خود سے الگ نہیں دیکھ سکتی اور
نہ تم سے دور رہ سکتی ہوں۔ اوکے، ٹیک کیئر آف یو مائی ڈارلنگ!"

وہ ذرا سا آگے ہوئیں اور اس کے کندھے کو اپنے شانے سے مس کرتی ہوئیں الوداعی ہاتھ ہلا کر مڑ گئیں۔

"اُس عورت۔" دائم تو صرف ان دو لفظوں میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

"کہاں ہے وہ تمہارا پالتو کتا، کرائے کا بدمعاش؟" وہ جو اپنے ایک بہت دیرینہ کلائنٹ سے کسی ڈیل کے سلسلے میں ہونے والی فائنل میٹنگ میں مصروف تھیں کہ یکدم سے کوئی بپھرے شیر کے مانند دھاڑ سے دروازہ کھولتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔
دل دہلانے کو تو جس بھرپور طاقت کے مظاہرے کے ساتھ دروازہ کھولا گیا تھا، وہی کافی تھا کہ اس کے بعد بولے جانے والے الفاظ......میڈم یاقوت کو لگا، کسی نے ان کے گرد آگ کی بھٹی سی دہکا دی ہو اور اس کی لپٹیں سارے کمرے میں پھیلنے لگیں۔ وہ کمرہ، جو چند منٹ پہلے سکون، ٹھنڈک اور خوشگواریت کا احساس لئے ہوئے تھا، ایک دم سے شعلوں میں گھر گیا تھا۔
شعلے تو تنزیل کی آنکھوں سے لپک رہے تھے۔ وہ قدم بہ قدم ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔
"اے مسٹر! کون ہو تم؟......اور یہ کیا طریقہ ہے کسی کے آفس میں داخل ہونے کا؟" مرد ہونے کے ناتے شاید اسی پوزیشن میں انہیں ہی آگے ہونا چاہئے تھا۔ یوں بھی جعفر صاحب، میڈم یاقوت کے پرانے مداحوں میں سے تھے۔ اتنا تو اس پرانی دوستی کا حق بنتا تھا کہ وہ آگے بڑھتے۔
تنزیل نے ایک زوردار جھٹکا ان کے گریبان کو دیا اور دوسرے ہاتھ سے انہیں کسی بے وزن شے کی طرح دوسری طرف دھکیل دیا۔
میڈم یاقوت کے ہاتھ آپوں آپ انٹرکام کی طرف بڑھے۔ تنزیل نے آگے بڑھ کر اپنا وزنی ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔
"اپنے پالتو کتوں کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں زندہ تو چھوڑوں گا نہیں۔ پر فکر نہ کر، ابھی تیری باری نہیں آئی۔ پہلے میں تیرے اُس بڈھے گدھ کی بوٹیاں نوچوں گا، جو جال بچھا کر میری بہن کو لے اُڑا۔ بول! کہاں چھپا ہے وہ بزدل، حرام خور؟"
میڈم یاقوت کو پہلی بار کسی مرد کی ایسی آہنی گرفت اور ایسے آتشیں مزاج سے واسطہ پڑا تھا، ورنہ وہ تو آج تک آہن کو موم میں ہی ڈھالتی آئی تھیں۔ تنزیل کی خونخوار نگاہوں سے انہیں سچ مچ کا خوف محسوس ہوا تھا۔
"کون؟......کس کی بات کر رہے ہو؟ اور کس لہجے میں؟" انہوں نے حتیٰ الامکان خود کو کمپوز رکھنے کی کوشش کی تھی، مگر ان کا لہجہ چغلی کھا گیا تھا۔
"بڑھیا! بھولی مت بن۔ وہ حرام......" موٹی گالیوں کے ساتھ اس نے جہانگیر ہمدانی کا نام لیا تھا۔ اور میڈم یاقوت کی سمجھ میں تنزیل کا سارا اشتعال آ گیا۔
رات کے دو بجے انہیں جہانگیر ہمدانی کی کال موصول ہوئی تھی کہ وہ تین بجے والی فلائٹ سے دبئی جا رہا تھا۔ جلدی میں تھا، اس لئے ملنے نہیں آ سکتا۔
ان کے سینے سے تو جیسے کسی نے بھاری پتھر ہٹا دیا تھا۔
لائبہ کے اچانک دن بتائے چلے آنے پر سب سے زیادہ خوف انہیں جہانگیر کی آمد سے تھا۔
'اگر اسے کسی طرح لائبہ کی یہاں موجودگی کا علم ہو گیا تو......' اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتی تھیں۔ انہیں اس پروفیشنل شکاری سے کتنا پیار تھا اور کتنی نفرت، یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔ جب سے انہوں نے لائبہ کے لئے اس کی حیوانی نگاہوں میں اور دیکھی تھی، وہ اندر ہی اندر ڈر گئی تھیں۔ محتاط، ڈری ڈری سی، پھونک پھونک کر ہر لمحہ چوکنا رہنے لگی تھیں کہ کہیں اس شیطان کی حریص فطرت لائبہ کی طرف متوجہ نہ ہو جائے۔
لائبہ کو ان کے بزنس کے "اسرار و رموز" کا علم نہ ہو جائے۔ یہ دھڑکا ان کی جان لینے کو کافی تھا۔ اور جہانگیر کے اچانک چلے جانے کا سن کر انہیں علم نہیں تھا کہ اس سرپرائزنگ نیوز کا تعلق تانیہ سے بھی ہے۔
'تو وہ گھاگ صیاد لے اُڑا اُس بلبل کو۔' اب سارا معاملہ ان کی سمجھ میں آ گیا۔
"دیکھو، مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے۔ باہر ریسپشن سے جا کر ان کا ایڈریس لو، فون نمبر اور خود پتہ......" وہ رک کے بولیں۔ ابھی اتنا ہی بول پائی تھیں کہ تنزیل نے انہیں ایک زوردار دھکا دیتے ہوئے سامنے دیوار کے ساتھ بنی کیبنٹ سے ٹکرا دیا۔
"میرے ساتھ زیادہ مکر مت کر عیار عورت! وہ تیرا......تیرا ساتھی...... بھلا تجھے اس کا علم نہ ہو۔ مجھے بتا، ورنہ میں......

تیری آخری سانسوں کی گنتی شروع ہو جائے گی۔ بول، کہاں ہے وہ؟" وہ ان پر جھکا، اب پوری طاقت سے ان کا گلا دبانے کو تھا پیچھے سے آنے والے گارڈ کی بندوق کا بٹ سید ھا اس کی گردن پر لگا تھا اور وہ اس اچانک حملے سے لڑکھڑا گیا تھا۔
"پکڑلو اس کو اور دھکے دے کر نکال دو........ بلکہ یہیں ٹھہرو، میں پولیس کو کال کرتی ہوں۔" میڈم یاقوت اپنی ساڑھی کو درست کرتی اُٹھتے ہوئے چلائی تھیں۔
تین گارڈز نے اسے جکڑ رکھا تھا۔
"دور لے جاؤ اسے میری نگاہوں کے سامنے سے۔ ورنہ میں اسے کتوں کے آگے ڈلوا دوں گی۔ بڑا آیا باغیرت۔ ایسا غیرت مند تھا تو پہلے بہن کو پیٹ ڈالتا، جو خود مری جا رہی تھی اس حرام کاری میں پڑنے کو۔" وہ جاہل عورتوں کی طرح بازو نچا نچا کر چیخ رہی تھیں۔
"نہیں چھوڑوں گا........ نہ ان دونوں کو، نہ تجھے........ یاد رکھنا، نہیں چھوڑوں گا کسی کو بھی زندہ۔"
گارڈز اسے پوری طاقت سے کھینچتے ہوئے باہر دھکیل رہے تھے اور وہ ان سے کھینچا نہیں جا رہا تھا۔ اس کے باہر جاتے ہی میڈم یاقوت کے گم ہوتے حواس آہستہ آہستہ بحال ہوئے تھے۔
وہ دھڑام سے اپنی چیئر پر گر گئی تھیں۔
"تو لے گیا جہانگیر ہمدانی، اس بلبل کو........ زبردست!" انہوں نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔
'کاش احسن مراد! میں تمہاری حالت، تمہاری شکل دیکھ پاتی۔ بیٹی کے گھر سے منہ کالا کر کے چلے جانے کے بعد تمہاری شکل کیسی لگ رہی ہے۔ پہلے کی طرح رعونت بھری یا........ یا پھٹکار برسی یا........ کسی یتیم و بیسہارا، بے بس، مسکین کی سی........ کاش میں تمہیں دیکھ پاتی۔' وہ نہال سی اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگیں۔ 'کیسا لگا ہوگا تمہیں اپنا گھر، بیٹی کے یوں گھر سے بھاگ جانے کے بعد۔ یا آج بھی تمہیں کوئی فرق نہیں پڑا ہوگا۔ تم ظالم، پتھر دل لوگ، جنہیں ایک زندگی کے برباد ہو جانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اگر اس زندگی کا تعلق تم سے نہ ہو تو۔ تمہیں مبارکباد کا فون تو کرنا چاہیے۔ اتنا تو حق بنتا ہے تمہارا۔' وہ فون کرنے سیٹ کے پاس آ کر بیٹھیں اور وہی نمبر ملا کر ان کی انگلیاں بے جان سی ہو گئیں۔
'مجھے وہ خوشی کیوں نہیں ہو رہی، جس کو پانے کے لئے میں نے برسوں انتظار کیا اور یہ سارے جال بچھائے کہ ایک ایک کر کے سارے پاکباز پرندے میرے جال میں آتے جائیں اور میرا دل ہر پرندے کے گرفتار ہونے پر خوشیوں کے شادیانے بجائے........ پر یہاں تو اندر گہرے سناٹے چھا رہے ہیں۔ کیوں؟ میرے اندر اُداسی چھا رہی ہے، گھنگھور گھٹا کی طرح جیسے........ جیسے گھنے جنگلوں میں اندھیرا۔'
"ایکسکیوزمی میم! گاڑی تیار ہے۔" عائشہ بخاری نے شاید دروازے پر دستک دی تھی۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھے گئیں۔
"کیوں، مجھے کہاں جانا ہے؟" وہ غائب دماغی سے بولیں۔
"میم! ابھی آپ نے مشہور فلمسٹار رجا کی بوتیک کی اوپننگ کرنے جانا ہے۔ اس کے بعد نئے گیسٹ ہاؤس کی بلڈنگ دیکھنے جانا ہے۔ اور پھر چیمبر آف کامرس کے صدر کی طرف سے دیئے گئے ڈنر میں جانا ہے۔" عائشہ کسی معمول کی طرح بغیر ڈائری دیکھے ان کی آئندہ سات آٹھ گھنٹوں کی مصروفیات بتاتی چلی گئی۔
"ان میں سے ڈنر اور گیسٹ ہاؤس کا وزٹ کینسل کر دو۔ وہاں میں کل چلی جاؤں گی۔ سہیل صاحب سے میں ابھی خود فون کر کے معذرت کرلوں گی کہ ڈنر میں نہیں آسکتی۔ اور رجا........ چلو، میں آ رہی ہوں۔"
اس وقت مصروفیت ان کے لئے بے حد ضروری تھی۔ کم از کم اس قنوطیت سے نکلنے کے لئے۔
'اور جو میں سارا دن اور آدھی رات تک مصروف رہی ہوں تو وہ جو بھی سر پھری لڑکی گھر میں بیٹھی رہے، شاید سارے گھر کو طیش میں آ کر آگ ہی لگا دے اگر میں اسے ٹائم نہ دے پائی تو۔'
انہیں بروقت خیال آ گیا تھا۔ اپنی ضروری چیزیں سمیٹتے ہوئے انہوں نے اٹھ کر سائیڈ میں بنے ڈریسنگ روم میں جا کر اپنا حلیہ درست کیا اور باہر نکل گئیں۔
عائشہ انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ یہ بھی شکر تھا کہ آج اسے ان کے ساتھ صرف رجا کی طرف ہی جانا تھا۔
اس کے پاس چند منٹ تھے۔
اس نے جلدی سے ان تین گارڈز میں سے پرویز کا نمبر ملایا، جو تنزیل کا دماغ درست کرنے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔
"اس کا کیا حال ہے؟ میم دریافت کر رہی ہیں۔" کال ملتے ہی اس نے پروفیشنل لہجے میں پوچھا۔

"وہی جس کا میم نے حکم دیا تھا۔ ایک ہفتہ بستر سے اُٹھ نہیں سکے گا۔" پرویز اکڑ کر بولا۔
عائشہ کے دل میں درد کی لہر سی اُٹھی۔
"او کے ...... کِدھر پھینک کر آ رہے ہو، ایڈریس لکھواؤ۔ شاید میم چیک کروانا چاہیں تمہاری اسٹیٹ منٹ کو۔" اس نے تیزی سے کہا۔ وقت کم تھا، میڈم یاقوت زیادہ انتظار پر بھڑک جایا کرتی تھیں۔
اس نے ایڈریس لکھتے ہی سوچنے میں ایک لمحہ لگایا۔
'اس کے گھر میں اس وقت کون ہوگا، جو اسے ہاسپٹل پہنچائے گا؟ یقیناً کوئی بھی نہیں ...... پھر میں کسے کال کروں؟ معلوم نہیں، اس کی کیسی حالت ہے۔ ذرا دیر ہوگئی تو کہیں ...... دیر ہی نہ ہو جائے۔'
اسے جھرجھری سی آئی اور وہ تیزی سے اس سڑک سے قریبی ایدھی سنٹر کا نمبر ملانے لگی، جہاں وہ تنزیل کو پھینک کر آ رہے تھے دوسرے لمحے وہ بھاگتی ہوئی لفٹ کی طرف جا رہی تھی۔

✿⊙......⊙✿
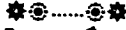
"اب یہ مجھے اور کون سی اذیت دینا چاہ رہے ہیں؟ حد ہوگئی۔ یہ ہوتی ہے پارٹنر شپ، شیئرنگ۔ اور ان ہی کے کہنے پر میں نے اپنی زبان کھولنے کی کوشش کی تھی، ورنہ اتنے برسوں سے بھی تو چپ تھی۔ اس پھوڑے کو سینے میں دبائے۔ بس یہیں تک تھی ان کی محبت۔" ڈاکٹر رخشندہ جلتے کُوھتے کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ بیچ میں رک رک کر خود ہی بڑبڑانے لگتیں۔
ابھی مصطفیٰ صاحب نے آفس سے فون کیا تھا کہ وہ ایک ہفتے کے لئے بزنس کے سلسلے میں آئرلینڈ جا رہے ہیں، ان کے تین چار سوٹ بھجوا دیئے جائیں اور کچھ دوسری ضروری چیزیں ملازم لینے آ رہا ہے۔
'مصطفیٰ! دیٹس ناٹ فیئر۔ آپ میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے۔ ٹھیک ہے، میں نے غلطی کی۔ مجھ سے نادانستگی میں یہ جرم ہو گیا۔ مگر میری نیت میرا خدا گواہ ہے یہ نہ تھی اور ......' وہ ابھی یہیں تک سوچ پائی تھیں کہ انہوں نے لائن ڈراپ کر دی۔
اور ڈاکٹر رخشندہ کا جی چاہا، اسی وقت کھڑے کھڑے اپنی جان لے لیں۔ ملازم آکر ان کا سامان لے جا چکا تھا۔
'چھ آٹھ ماہ میں بزنس ادھر سے وائنڈ اپ کر رہے ہیں تو یہ کون سے سلسلے میں آئرلینڈ جا رہے ہیں بھلا؟' وہ جھلائے جا رہی تھیں۔ 'آخر میں کس سے اپنے دل کی بات کہوں؟ میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ دائم کو فون کرتی ہوں تو نہ جانے کیوں، وہ یا تو کال ریسیو نہیں کرتا یا اچانک نمبر بزی ہو جاتا ہے۔ گھر پہ کرو تو یہی جواب ملتا ہے، وہ ابھی گھر نہیں آیا، ابھی گھر سے نکلا ہے، آئیں گے تو آپ کے فون کا بتا دیا جائے گا ...... آخر یہ دونوں باپ بیٹا مجھ سے کون سا بدلہ لے رہے ہیں، یوں گریز اختیار کر کے؟ ...... فرار ...... فرار کسی مسئلے کا حل نہیں۔ ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا؟'
اب وہ تیزی سے دائم کا نمبر ملا رہی تھیں اور وہ پھر بند تھا۔ انہوں نے غصے میں سیل اٹھا کر سامنے دیوار پر دے مارا۔
'مانا مجھ سے غلطی ہوئی جذبات میں آ کر ...... اور ایک ...... چلو، جرم ہی سہی۔ مگر یہ سزا کیا کم ہے جو میں آج تک جھیلتی آئی ہوں؟ ...... ایسا زخم جو میرے اندر ہی اندر پلتا رہا ہے۔'
"رخشندہ! حقیقت پسندی سے دیکھو تو اس عورت کی سزا، اس کی اذیت کا تصور کرو جو نارسائی کے کرب سے مسلسل اتنے سال گزری ہو تو وہ کیا نہ کرنے میں حق بجانب ہوگی؟" پہلی بار ان کے دل نے میڈم یاقوت کی طرف داری کی تھی۔ وہ اپنے دل کی اس بغاوت پر ششدر سی رہ گئیں۔
یہ خیال تو انہیں آیا ہی نہیں تھا کہ وہ کن عذابوں سے گزر کر یہاں تک آئی ہے۔
اور وہ جو خود کو ہر طرح سے justify کرتی آ رہی تھیں، اس کو کیسے فیس کریں گی، جس کی ممتا اتنے برسوں سے پیاسی رہ کر وہ اب انتقام میں پاگل ہو چکی ہے۔
'اگر تم اسے کہتی ہو کہ دائم اس کا بیٹا نہیں ہے تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالے گی، کبھی سوچا تم نے؟ ...... اسے دوبارہ مٹی میں رلنا کا آسان نہیں بلکہ ناممکن ہے ...... تم اسے کہو گی کہ دائم اس کا بیٹا نہیں تو پھر وہ آگے سے کیا پوچھے گی۔ تمہیں معلوم ہے، ایک ہی بات، سیدھا سا سوال!
پھر میرا بیٹا کہاں ہے؟
اس کے بعد کیا ہوگا، کیا تم اس کا تصور کر سکتی ہو؟ ...... اور اگر تم اسے کہتی ہو کہ دائم ہی اس کا بیٹا ہے تو پھر اپنی اس پاگل ہوتی ممتا کا کیا کرو گی، جو دائم کے محض دو چار فون اٹینڈ نہ کرنے پر دیوانی ہوا ٹھی ہے؟
'میرا پاکستان جانا بہت ضروری ہے۔ اس پہیلی کو مجھے ہی حل کرنا ہے۔ مجھے اب کسی کے آگے صفائیاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا سچ خود بولے گا، خود مجھے انصاف دلائے گا۔ اگر میں یہ خود غرضی چھوڑ دوں، صرف اپنے جذبات، اپنے احساسات کو پہلا

ے کے علاوہ کسی اور کی اذیت، اس کے دکھ کا خیال بھی کرلوں تو شاید........اس گڑے مُردے پر قابو پانا آسان ہو جائے، ......ورنہ بہت تباہی آئے گی۔'

ان کے اندر چڑھتا، جوش کھاتا، کناروں سے سر مارتا دریا آہستہ آہستہ اُترنے لگا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہیں آنٹی؟" اسامہ جانے کب اندر آیا تھا۔

"ہوں.......کچھ نہیں۔" وہ بے اختیار چونکیں۔ دوسرے لمحے انہیں یاد آیا۔

"تمہارے انکل صاحب تمہیں اپنے ساتھ نہیں لٹکا کر لے گئے مصروفیت کا بہانہ کر کے؟"

"ارے نہیں۔" وہ ہنس پڑا۔ "اور وہ کوئی کینگرو ہیں، جو مجھے اپنے ساتھ لٹکا کر لے جاتے؟ آپ بھی حد کرتی ہیں۔ اور روفیت کا بہانہ کیوں؟ وہ واقعی ضروری کام سے گئے ہیں۔ کیا بات ہے؟ آج کل لگتا ہے، آپ دونوں کے درمیان کوئی خاموش جنگ چل رہی ہے۔" وہ سیل فون ہاتھ میں لے کر چیک کرنے لگا۔

"اوہو.......تین مسڈ کالز کس کی آئی ہوئی ہیں؟" وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ "اور ہاں، یہ انکل آپ کے لئے دے گئے تھے کہ آپ کو دے دوں۔" وہ جاتے جاتے مڑا اور ہاتھ میں پکڑا سفید لفافہ ان کی طرف بڑھا دیا۔

ان کا دل یکبارگی دھڑکا۔

"یہ.......یہ کیا ہے؟" ان کا رنگ اس لفافے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔

"دیکھ لیں آپ خود.......آں.......یہ لائبہ کا نمبر ہے.......یہ آفس سے.......اور یہ دو کالز دائم کی طرف سے ہیں۔ کس لئے آئی ہیں؟" وہ خود ہی بڑبڑاتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

'دائم کی طرف سے۔' وہ بے قرار ہو کر اُٹھیں۔ دائم نے اسامہ کو فون کیا اور ان کی کال ریسیو نہیں کر رہا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ پریشان سی اسامہ کے پیچھے جانے لگیں مگر پھر اس سفید لفافے نے جیسے ان کا آنچل پکڑ لیا۔

وہ لفافہ ہاتھ میں لئے وہیں بیٹھ کر دھڑکتے دل کے ساتھ کھولنے لگیں۔

✲✲......✲✲
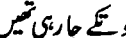
یاسمین نا اُمیدی سی نظروں سے بار بار بند دروازے کو تکے جا رہی تھیں۔ انہیں برآمدے میں اماں جان کے اس تخت پر بیٹھے، انتظار کرتے اب شام سے رات ہو چکی تھی، مگر وہ نہیں آیا تھا۔ ان کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔

یوں تو یوں بھی ان کی طبیعت اچھی نہیں تھی، کچھ جس عالم میں تنزیل گھر سے نکلا تھا، نہ جانے کیوں انہیں کسی خیر کی خبر کی اُمید نہ تھی۔ مگر اس کے باوجود تیز تیز دھڑکتا دل ان کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ احسن مراد ایک بار اٹھ کر باہر آئے۔ انہیں ایسی خوف و اس حالت میں بیٹھے دیکھ کر پہلے تو چپ رہے، پھر بولے۔

"جانے والوں کی خاطر اپنی جان پر کیوں ظلم کرتی ہو؟ یا تو پہلے جانے نہیں دینا تھا، اب بھیج چکی ہو تو صبر کرو۔" وہ اسی سنگ کہتے اندر چلے گئے جو ان کا وطیرہ تھا۔

'کاش یہ صبر کرنا میرے بس میں ہوتا۔' ان کے دل کو پنکھ لگے جا رہے تھے۔ تنزیل کی پریشانی کے دوران جب انہیں تانیہ کا خیال آتا تو جیسے کوئی کلیجہ مٹھی میں بھر لیتا۔

'تانی! میری بچی!.......یہ تُو نے کیا کیا؟' اُن کی بے بس مامتا تڑپتی ہوئی چپکے چپکے اس کے لئے دعا کرنے لگتی۔

"امی! کسی خاتون کا فون آیا تھا ابھی کہ تنزیل بھائی، جاب کے سلسلے میں کسی شخص سے ملنے شہر سے باہر گئے ہیں، تین چار دن لگیں گے۔" ربیعہ نے آ کر ان کی سوچ کا سلسلہ توڑا تھا۔

"ہیں.......کون خاتون؟.......بے وقوف لڑکی! میری بات کرائی تھی۔ اسے اگر شہر سے باہر جانا ہی تھا تو خود فون کر کے کسی عورت کو کیوں پیغام دے کر جاتا؟ اس کی بھلا کون ایسی واقف عورت ہے؟" وہ ایک دم غصے میں آ گئیں۔ "خود بڑی اماں بنی ہو، یہ نہیں کہ ماں سے بات کراؤ، خود سب کچھ کر کرا کے اطلاع دینے آ جاتی ہو۔ جیسے بڑی نے کیا، وہی تم دونوں نے کرنا ہے۔ اور کیا امید ہے تم سے؟"

ان کے زخم جیسے اُدھڑنے لگے تھے۔ جبکہ ربیعہ حیران سی نظروں سے یوں قابو سے باہر ہوتی ماں کو دیکھنے لگی۔ اوّل تو وہ غصہ کرتی نہیں تھیں۔ اور یوں طعنے دینا تو ان کا شیوہ تھا ہی نہیں۔

"امی! میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ ہولڈ کریں، میں امی کو بلاتی ہوں۔ مگر انہوں نے کہا کہ میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ تم اپنی امی کو یہ پیغام دے دینا۔ اب بھلا میں کیا کرتی، فون ہولڈر پر رکھ آتی؟" ربیعہ پہلے نرمی سے اور پھر تھوڑا چڑتے ہوئے بولی تو یاسمین مایوس سی اسے دیکھنے لگیں۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ گھر سے جس پاگل پن کی حالت میں نکلا تھا، اسے بھلا نوکری کا کیا ہوش ہونا تھا۔ پر میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ..... اللہ کرے، میرے دل کی گواہی جھوٹی ہو، غلط ہو...... میرا بچہ ٹھیک ہو۔ میرے رب! میرے بچے کو اپنی امان میں رکھنا۔ اسے اپنی رحمت کے پروں میں چھپائے رکھنا۔ اسے کچھ بھی نہ ہو۔ اس کے غصے، اس کے اشتعال کو تُو نرمی اور سمجھداری میں بدل دینا۔ میں دعا کے سوا اور کچھ بھی نہیں کرسکتی۔ کاش! میں اس کو وہیں روک سکتی۔'' وہ دل ہی دل میں دعا گو تھیں۔

''امی! دادی جان کا فون ہے۔'' تب ہی اندر سے سبیعہ آ کر بولی۔

''دادی کا فون؟...... وہ بھلا کیوں کر رہی ہیں؟ اُن کا دل بھی بے چین ہوگا۔ میں کیا بات کروں گی ان سے؟ کیسے بات کروں گی؟...... کچھ اُلٹا سیدھا میرے منہ سے نکل گیا تو...... کہہ دو ان سے، امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، کچھ بخار تھا تو دوا لے کر سو رہی ہیں۔ اُٹھیں گی تو خود فون کرلیں گی۔'' وہ جھوٹ بولنے سے ہمیشہ گریز کیا کرتی تھیں، مگر اب تو انہیں لگ رہا تھا، ان کی عمر زندگی اسی طرح کے جھوٹ بولتے گزرے گی۔ ایک مستقل جھوٹ کا پلندہ تو تانیہ ان کے ہاتھ میں تھما گئی تھی، جسے انہیں تا عمر بہلانا تھا۔

سبیعہ سر ہلاتی اندر جا چکی تھی اور وہ اُن دیکھے ملال میں گھری جا رہی تھیں۔

''امی! دادی کہہ رہی تھیں، ان کا دل بہت پریشان سا ہے۔ وہ کل یا پرسوں آ رہی ہیں۔ آپ کو اور ابو کو بہت یاد کر رہی تھیں اور...... اور تانیہ آپی......'' وہ ہکلا کر بولتے ہوئے خود ہی چپ ہوگئی تو یاسمین نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''کیسی اچھی تھی تمہاری تانیہ آپی۔ سب کی ہمدرد، غم گسار، خیال کرنے والی۔ میری ایک آواز پر دوڑ کر آنے والی اور ہر ایک ہائے پر تڑپ اُٹھنے والی۔ ہمیں عمر بھر کی ہائے ہائے دے گئی۔''

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں تو دونوں نم آنکھیں لئے اُداس سی ماں کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ اتنے خالی، چپ چاپ در و دیوار والے سے ان دونوں کو خوف سا آنے لگا تھا، جیسے اس گھر سے چند دن پہلے کوئی جنازہ اُٹھا ہو اور جیسے ہی شام کے پر پھیلتے ہوں، اس روح بھٹکتی ہوئی اس آنگن میں آ جاتی ہو۔ وہ دونوں تو اکیلی کمرے میں بھی نہیں بیٹھتی تھیں۔

اسی وقت باہر رکشہ رکنے کی آواز آئی۔

''دیکھو...... دیکھو تو کون آ گیا؟...... تنزیل...... تنزیل تو نہیں آ گیا؟...... ربیعہ! دوڑنا ذرا۔'' یاسمین کے مُردہ بدن میں جیسے کسی نے جان ڈال دی تھی، تڑپ کر اُٹھنے لگیں اور پھر کراہ کر رہ گئیں۔

ابھی دروازے پر دستک نہیں ہوئی تھی کہ ربیعہ، ماں کی ہدایت پر دروازے تک پہنچ گئی اور دستک سے پہلے ہی وہ دروازہ کھول چکی تھی۔ بھائی کی طرف سے، اس کی خیریت کی طرف سے تو ان دونوں کو بھی خاصی تشویش تھی۔

آنے والا ان کے گھر میں آ رہا تھا۔ پہلی سیڑھی پر قدموں کی آواز نے بتایا تھا۔ ربیعہ نے جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے آغا جان کھڑے تھے۔ اسے یوں دروازہ کھولے منتظر دیکھ کر وہ مسکرا اُٹھے تھے۔

''السلام علیکم آغا جان!...... آیئے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ان کو سہارا دینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو۔ ابھی تو بمشکل میں نے بیل بھی نہیں دی تو تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں آیا ہوں؟'' وہ اتنے پُرجوش استقبال پر خوش ہوتے ہوئے بولے۔

''آغا جان! آپ جس جنگی طیارے کی سواری پر آئے ہیں، اس سے تو فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ کس کے گھر کے آگے کھڑا ہوا اور کس گھر کی بیل بجے گی۔'' وہ ان کا ہاتھ پکڑے انہیں صحن سے برآمدے میں لے آئی۔

یاسمین سر پر دوپٹہ لئے سیدھی ہو کر بیٹھ چکی تھیں۔ جس امتحان کی گھڑی سے وہ بچنا چاہ رہی تھیں، وہ بار بار آئے جا رہی تھی۔ یہ آغا جان، جن کو وہ بھولی بیٹھی تھیں، اچانک ہی چلے آئے تھے۔

یاسمین کے سلام کا جواب دیتے وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گئے۔

''کیا بات ہے، طبیعت تو اچھی ہے تمہاری؟'' انہوں نے آتے ہی یاسمین کی زرد رنگت، کمزور چہرے اور نڈھال سی کیفیت کو نوٹ کرلیا تھا۔ خود ان کی طبیعت اور صحت بہت بہتر نظر آ رہی تھی۔

''ہوں...... اچھی ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟ اور اتنے دن لگا کر آئے؟'' (کچھ دن اور لگا آتے۔) انہوں نے دل میں کہا۔

''بس سوچا، اب چلنا چاہئے۔ وہ بچہ تو ماشاء اللہ اتنا اچھا، اتنا مہمان نواز تھا۔ ابھی آنے کہاں دے رہا تھا؟ مُصر تھا کہ میں عمر بھر اس کے پاس ہی رہوں۔ تم لوگوں کی خیریت معلوم کرنا تھی، بس چلا آیا۔ گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟ بھائی کہاں ہیں؟ تنزیل اور تانیہ؟'' انہوں نے بھی آتے ہی گھر کی ویرانی کو بھانپ لیا تھا۔ یا گھر کے در و دیوار ہی ایسے منہ پھٹ سے ہوگئے تھے کہ آنے والا خود سے احوال کہنے لگتے تھے۔

''اماں جان تو فوتگی پر ملتان گئی ہیں، ایک دو دن میں آ جائیں گی۔ تنزیل باہر گیا ہے۔ آپ کیا لیں گے؟ ٹھنڈا یا چائے، ناشتہ لاؤں؟

لیے اب تو کھانے کا ٹائم ہے۔ چائے تو نہ ہی پئیں تو اچھا ہے۔" وہ تانیہ کا ذکر گول کرتے ہوئے بات ٹال کر اُٹھنے لگیں۔
"ہاں، میں کھانا ہی کھاؤں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ اور تنزیل کو کوئی نوکری وغیرہ ملی؟" انہوں نے یاسمین کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا تو انہیں بیٹھنا ہی پڑا۔
"جی ابھی تو نہیں۔ کوشش کر رہا ہے۔" وہ افسردگی سے بولیں۔
"اصل میں وہ دائم ہے نا، مجھے خیال آیا، اسے یوں بھی ضرورت ہے اچھے اور محنتی ایمپلائز کی۔ نیا بزنس ہے ابھی اس کا۔ بس اس لئے میں آ گیا کہ تنزیل کو اپنے ساتھ لے جا کر دائم سے ملواتا ہوں۔ وہ ضرور اسے بہت اچھی جاب دے گا۔ سمجھو مسئلہ تو حل ہو گیا۔ اور یہ تانیہ نظر نہیں آ رہی۔ کیا پھر کہیں جاب کر لی اس نے؟" آغا جان کی اس عمر میں بھی یادداشت قابلِ رشک تھی۔
"تانیہ......" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے سرد آہ بھری۔ "ربیعہ! تم آغا جان کے پینے کے لئے کچھ لے کر آؤ۔ اور سبیعہ! تم اپنے ابو سے کھانے کا پوچھو۔" انہوں نے دونوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔
"کیا بات ہے یاسمین بیٹا! کوئی مسئلہ ہے؟" وہ یاسمین کے سرد آہ بھرنے اور دونوں لڑکیوں کو وہاں سے بھیج دینے پر کچھ اُلجھتے ہوئے بولے۔
"نہیں تو آغا جان! بس......" وہ اُنگلیاں مسلنے لگیں۔
"کیا تانیہ کی طرف سے کوئی پریشانی ہے؟ اس نے جاب نہیں چھوڑی جس پر دونوں بہن بھائی میں ٹکراؤ رہتا تھا؟" انہوں نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا تو یاسمین نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔
"نہیں...... وہ تو چھوڑ چکی ہے بلکہ...... اصل میں آغا جان! وہ شادی کرنا چاہتی تھی...... پسند کی، تو......" انہوں نے رُک رُک کر بمشکل کہا۔
"شادی...... وہ بھی پسند کی...... مگر کس سے؟" انہیں حیرانی ہوئی تھی۔ کیونکہ انہیں تانیہ ایسی تو نہ لگی تھی، جو خود اپنے لئے پسند کا بر ڈھونڈتی پھرے۔
"بس آغا جان! جب آدمی کی قسمت بگڑ جائے تو پھر کچھ نہیں سوجھتا۔ وہیں آفس میں باس تھا اس کا۔ اللہ جانے اسے کیا گھول کر پلایا کہ اپنی ہی لڑکی کا دماغ اُلٹ گیا۔ دونوں کی عمروں میں بھی اچھا فرق ہے۔ پھر بھی اس نے اپنا رشتہ بھیجا جو طریقہ ہوتا ہے۔" سب کہتے کہتے وہ سنبھل سی گئیں۔ "گھر میں تو کوئی بھی راضی نہیں تھا۔ نہ احسن، نہ تنزیل اور نہ میں...... میں بھی کب تیار تھی؟ مگر پھر مجبوری ایسی آن پڑی۔"
"کیسی مجبوری؟" وہ قطعاً نہیں سمجھے۔
"بس آغا جان! اگر حرام کو حلال کر کے کھانے کا موقع مل رہا ہو تو زیادہ بہتر نہیں کہ آپ حرام کو حلال کر کے کھا لیں، بجائے حرام کھانے کے۔ تانیہ کی وجہ سے میں مجبور ہو گئی تھی۔ وہ کسی طور مان نہیں رہی تھی اور لڑکے...... لڑکے کو جلدی تھی۔ انہیں جانا تھا۔ ان کا بزنس ہوتا ہے یورپ اور مڈل ایسٹ میں...... بس اس نے اصرار کیا کہ اگر نکاح، رخصتی ابھی کرنی ہے تو ٹھیک، ورنہ پھر دو تین سال...... اور تانیہ اور تنزیل کا جو کلیش چل رہا تھا، دو تین سال کیا دو چار دنوں میں دونوں جانے کیا کر ڈالتے۔ اماں جان کو فوتگی پر جانا پڑ گیا تو میں نے تنزیل کو زبردستی ساتھ بھیج دیا، ورنہ وہ تو جوش میں مرنے مارنے پر تلا ہوا تھا۔ چھوٹی خرابی کو بڑے فتنے میں بدلنے سے پہلے میں نے...... بہت مشکل سے احسن کو راضی کیا اور دو چار لوگوں کو بلا کر سادگی سے دو بول پڑھوا کر رخصت کر دیا ہے۔" انہوں نے جلدی جلدی سر جھکا کر قصے کو یوں نمٹایا جیسے جان چھڑائی ہو۔
"اور مجھے خبر کرنا بھی ضروری نہ سمجھا۔" وہ دکھ سے بولے۔
"آغا جان! کیا خبر کرتی؟ اپنی داؤ پر لگی عزت کو بچانے کے لالے پڑے تھے، بس اس لڑکی نے کچھ ایسے مجبور کیا آغا جان! مجھے جیتے جی قبر میں اُتار گئی۔" ضبط کرتے کرتے بھی ان کے آنسو بہہ نکلے۔
"اور تنزیل کہاں ہے؟ ابھی ملتان ہی میں ہے؟" وہ چند لمحوں بعد بولے۔
"نہیں، کہاں؟ آج ہی آ گیا تھا۔ آتے ہی پوچھنے لگا، تانیہ کے بارے میں۔ کتنی دیر تک چھپاتی؟ کتنے جھوٹ بولتی؟ اور یہ معاملہ کوئی چھپنے والا تھوڑی تھا، مجبوراً بتانا پڑا۔"
"پھر؟" وہ تنزیل کے ردعمل سے واقف تھے، پھر بھی پوچھ بیٹھے۔
"مت پوچھیں۔ وہ تو غصے سے پاگل ہی ہو گیا۔ ان دونوں کو مارنے کی دھمکیاں دیتے گھر سے دوپہر کا نکلا ہوا ہے۔ اب تک نہیں لوٹا۔ اب کسی کا فون آ گیا ہے کہ جاب کے سلسلے میں کسی سے ملنے شہر سے باہر گیا ہے۔ مجھے تو یقین نہیں۔ ایسی حالت میں اسے جاب کی کیا پروا؟...... اللہ جانے کہاں گیا؟ کس حال میں ہے؟ پھر اسے کسی سے فون کروانے کی کیا ضرورت تھی؟ میرا تو سوچ سوچ

کر دل بیٹھا جا رہا ہے۔" ان کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔
آغا جان دکھ بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔
"اب اس وقت کسے اس کی تلاش میں، اس کی خبر لینے کو بھیجوں؟ سخت پریشان بیٹھی ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولیں۔ "ایک کھو چکی، دوسرے کو کھونے کا حوصلہ نہیں۔"
"حوصلہ کرو یاسمن!........ اللہ مالک ہے، وہ بہتر کرے گا۔ تم دعا کرو۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ اُٹھنے لگے تو یاسمین نے انہیں روک دیا۔
"آپ بھلا رات کے اس وقت اسے کہاں دیکھیں گے؟ اور معلوم نہیں، وہ ادھر ہے بھی یا شہر سے باہر۔ رہنے دیں آپ آ جائے گا خود ہی۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔
تھوڑی دیر کو خاموشی سی چھا گئی۔
"ثانیہ چلی گئی یا دوبارہ ملنے آئی؟" انہوں نے لایعنی سا سوال پوچھا۔
"اسے کیا ضرورت تھی، ملنے آنے کی؟ ویسے بھی میں نے منع کر دیا تھا اسے کہ دوبارہ اس گھر کی دلہیز پر قدم نہ رکھے۔ ہمارے لئے مرگئی۔" ان کے خشک ہوتے آنسو پھر بہنے لگے۔
"کیا نام بتایا تم نے اس کے باس کا، جس سے نکاح کیا ہے تم نے اس کا؟" وہ بے دھیانی میں پوچھنے لگے۔
"جہانگیر........ جہانگیر ہمدانی۔" وہ ناک رگڑتے ہوئے پست لہجے میں بولی تھیں۔
آغا جان کو لگا، انہوں نے کچھ اور سنا ہے مگر آواز کی بازگشت جس نام کو دہرا رہی تھی، اسے سنتے ہی وہ بیٹھے سے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ "کیا........ کیا نام بتایا تم نے اس کا؟" وہ کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے ذرا اونچی آواز میں بولے۔
یاسمین نے دوبارہ نام بتایا تو وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے دھڑام سے کرسی پر گر گئے۔
"جہانگیر ہمدانی........ مائی گاڈ!........ یاسمین! یہ تم نے کیا کیا؟" ان کے لب ہولے سے کانپے تھے اور وہ زور زور سے ہاتھ مسلنے لگے۔
"آغا جان! کیا ہوا؟........ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" یاسمین گھبرا کر ان پر جھکیں۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔
"جہانگیر ہمدانی........ جہانگیر........" وہ بڑبڑا رہے تھے۔

✲◉......◉✲
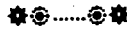
"اسامہ! یار ایک ریکویسٹ ہے۔" رسمی سلام دعا کے بعد دائم نے چھوٹتے ہی اس سے کہا۔
"خیریت........ کیا بات ہے، کچھ پریشان لگ رہے ہو۔"
"ہاں، ٹھیک ہے۔ میں ادھر ایک اُلجھن میں ہوں اور تمہاری ضرورت شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ تم بس آ جاؤ۔" وہ ایک سے حتمی لہجے میں بولا۔
"میں آ جاؤں؟" وہ حیرت سے بولا۔
"ظاہر ہے، میں تم ہی سے کہہ رہا ہوں، تمہارے فرشتوں سے نہیں۔" وہ چڑ کر بولا۔
"بھئی جتنی جلدی تم مجھے آنے کو کہہ رہے ہو، اتنی جلدی تو میرے فرشتے ہی آ سکتے ہیں، میں نہیں۔" وہ ذرا ہنس کر بولا۔
"مذاق اُڑا رہے ہو؟" دائم خفا لہجے میں بولا۔
"نہیں یار! بالکل نہیں۔ مگر مسئلہ کیا ہے، جو میری ضرورت آن پڑی ہے؟"
"مسئلہ فون پر بتانے والا ہوتا تو بتا نہ چکا ہوتا؟"
"تو کیا گلے لگ کر بتانے والا ہے؟"
"اچھا، تم اسی طرح مذاق اُڑاتے رہو، میں فون بند کر رہا ہوں۔"
"اچھا، سنو سنو!" اسامہ کو لگا، وہ کہیں فون بند ہی نہ کر دے۔ "ادھر بھی مجھے کچھ مسئلہ لگ رہا ہے۔"
"کیا مطلب؟ ادھر کدھر؟........ گھر میں؟"
"ہاں۔ انکل، آنٹی کے درمیان شاید کوئی ناراضی چل رہی ہے۔"
"ماما، پاپا کے درمیان؟........ امپاسیبل۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" اس نے فوراً تردید کی۔
"نہیں، غلط فہمی تو نہیں، ٹھیک ٹھاک سرد جنگ چل رہی ہے۔ انکل تو یوں بھی آج آئرلینڈ چلے گئے ہیں ہفتہ بھر کے لئے۔ کہ

تھے، شاید ایک دو دن اور بھی لگ جائیں۔ اور آنٹی بھی مجھے کافی پریشان لگ رہی ہیں۔" وہ آہستہ آہستہ بتانے لگا۔

"انہوں نے تم سے کچھ کہا؟...... ماما نے؟" دائم کا ماتھا ٹھنکا۔ (جو اُلجھن اُسے اِدھر درپیش ہے تو کہیں اس کا کوئی سرا اُدھر تو نہیں جا ملا؟) اُس کے دل نے خفیف سی پیش گوئی کی۔

"نہیں۔ وہ مجھے کچھ کب بتاتی ہیں؟"

"تم نے پوچھنا تھا۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا۔ تم ہوتے تو اور بات تھی۔ ویسے تمہاری ان سے بات ہوئی؟"

"نہیں۔" وہ کیسے کہتا کہ وہ آج کل انہیں...... اُن کی کالز کو کیسے اگنور کر رہا ہے۔

"آخر میں ایسا کیوں کر رہا ہوں؟ اس حقیقت، اس اُلجھن کو فیس کیوں نہیں کر رہا؟ ان سے کہہ کیوں نہیں دیتا؟ پوچھ کیوں نہیں لیتا؟" وہ کم سا خود ہی سے جھگڑنے لگا۔

"کہاں کھوئے ہو؟"

"کہیں نہیں۔ پھر بتاؤ، تم آ رہے ہو؟" وہ سر جھٹک کر بولا۔

"ابھی فوراً تو ظاہر ہے نہیں آ سکتا۔ انکل بھی موجود نہیں ہیں۔ کم از کم ان کے آنے تک تو نہیں آ سکتا۔ ہاں، جیسے ہی وہ آتے ہیں تو ان سے پوچھ کر آ جاؤں گا۔ ویسے بھی انہیں معلوم تو ہے کہ مجھے جلد یا بدیر پاکستان جانا تو ہے۔ پہلے تو وہ بھی خاصے پُرجوش ہوئے تھے، ان کے آنے کے لئے۔ مگر دو چار دنوں سے نہ جانے وہ مجھے کیوں کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں۔ تم ان سے اور آنٹی سے کانٹیکٹ تو کرو۔ شاید ان کی پرابلم کا کوئی کلیو ہاتھ لگے۔"

اسامہ اسے سمجھا رہا تھا، جسے وہ آج کل جان بوجھ کر نظر انداز کیے جا رہا تھا۔

"اب میں کیا کروں؟...... کس سے بات کروں؟" وہ اس کی بات اَن سنی کرتے ہوئے پریشان لہجے میں بولا۔

"یار! یہ زیادہ گمبھیر مسئلہ ہے؟" اسامہ بھی پریشان ہو گیا۔

"ہاں، یہی سمجھ لو۔ "پہچان" کا مسئلہ آ پڑا ہے۔" اس کے منہ سے ایک دم پھسلا۔

"ٹ؟" اسامہ کو شاک سا لگا تھا۔

"نہیں۔ تم آؤ گے تو بتاؤں گا۔ ایسے تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ آ بھی گیا تو کچھ کر نہیں سکو گے۔"

"۔ دائم کا فون ہے۔ آپ نے بات کرنی ہے؟ آ جائیں..... دائم! آنٹی سے بات کرو۔ میں فون انہیں دے رہا ہوں۔"

معلوم کہا تھا۔ شاید ڈاکٹر رخشندہ اس کے کمرے کے کھلے دروازے سے آتی باتوں کی آواز سن کر اندر آ گئی تھیں۔

"...... دائم!...... دائم بیٹا!...... میری جان! میں کتنے......" وہ جوش میں فون لیتے ہی بولنے لگی تھیں۔

دوسری طرف لائن بے جان ہو چکی تھی۔

"کیا ہوا آنٹی! بات نہیں کر رہیں؟" اسامہ ان کے گم صم سے انداز دیکھ کر بولا۔

"کٹ گئی شاید یا سگنل ڈراپ...... یہ لو۔"

بس ایک لفظ بمشکل بولی تھیں۔ سیل فون اسے تھماتے ہوئے بے جان قدموں سے باہر چل دیں۔ ایک بار تو اسامہ کا جی چاہا کہ روک کر ان کی پریشانی کا سبب پوچھ لے۔ مگر وہ جا چکی تھیں۔

✻......◉......◉......✻

"کیا بات ہے؟...... آپ کہاں ہیں؟" عزہ کی ایئر پیس سے آتی تیز آواز اسے کچھ حیران کر گئی۔

وہ آفس سے اٹھ کر گھر کے لئے نکلنے والا تھا، جب اس کا سیل بجنے لگا۔

"آفس سے نکل رہا ہوں۔ کہو تو نہیں نکلتا۔" وہ پھر سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

وہ اِدھر کو چپ ہو گئی۔

"کیا ہوا ہے؟" اس کی خاموشی پر وہ بولا۔

"کچھ نہیں...... بس یونہی نمبر ملا بیٹھی تھی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"یہ کس بات کی خفگی ہے بھلا؟" وہ اسی طرح ناراض سی بولی۔

"آن! میں کسی بھی پہیلی کو بوجھنے کی پوزیشن میں نہیں۔ تم نے پوچھا، کہاں ہیں؟ میں نے کہا، آفس سے نکل رہا ہوں اور تم کہا۔ اب ان دو لائنز والے سوال جواب میں ناراضی کی تو مجھے کوئی بات نظر نہیں آتی، مگر تمہارا موڈ فوراً ہی آف ہو گیا۔" وہ بولا۔

"آپ کو اتنا اندازہ ہے کہ میرا موڈ خراب ہے؟" وہ جتانے والے انداز میں بولی تو دائم ٹھٹکا۔
"اوہ.......آئی سی۔ سمجھ میں آیا۔" وہ سیٹی بجانے والے انداز میں لب سکوڑتے ہوئے بولا۔
"کیا.......کیا سمجھ میں آیا؟"
"تمہاری ناراضی۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "تمہارے کہاں ہیں آپ؟ پوچھنے کا مطلب تھا وہی جو ایک محبت کرنے والا منتظر دل دوسرے کے مسلسل اگنور کرنے پر ہوتا ہے کہ میں نے تم سے رابطہ نہیں کیا اور محترمہ کا حال دریافت نہیں کیا۔ ہے نا؟" وہ یوں خوش ہو رہا تھا، جیسے بہت مشکل عقدہ حل کر لیا ہو۔
اور خوش تو دوسری طرف اس کی آواز سنتی عزہ بھی بہت ہوئی تھی کہ اس کی ناراضی کا سبب یہی تھا۔
"خیر، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" اس نے فوراً پہلوتہی اختیار کی۔
"بالکل، یہی بات تھی جناب! اور مجھے اللہ نے اتنی صلاحیت دی ہے کہ میں سامنے والے کا موڈ منٹ میں جج کر لیتا ہوں۔" اپنے اندازے کے درست ہونے پر خوش ہو کر بولا۔
"اتنی اتراہٹ بھی اچھی نہیں۔ اکثر ایسے خود پر گمان کرنے والے کبھی کبھی بڑی مات کھا جاتے ہیں۔" نہ جانے کس جھونک میں اس کے منہ سے نکلتا چلا گیا۔ حالانکہ ایسا کہنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔
"دائم!" اپنے بولے گئے الفاظ کی سختی کا اسے احساس ہوا تو ہولے سے پکاری۔
"تم کیا چاہتی ہو؟.......میری مات یا جیت؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔
"کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے یونہی عام سی بات کی تھی۔" وہ سنبھل کر بولی۔ وہ بات کو جانے کدھر لے گیا تھا۔
"مجھے تمہارا جواب چاہئے عزہ!" وہ اڑیل پن سے بولا۔
"کیسا جواب؟" وہ انجان بنی۔
"تمہیں میری جیت چاہئے کہ مات؟" وہ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔
"کیا آپ کی ہار جیت میں میری بھی فتح اور شکست ہوگی؟" لمحہ بھر کے بعد وہ بولی۔
"ہاں.......میری مات، تمہاری بھی شکست ہوگی۔ چاہو تو اپنے دل کو ٹٹول لو اور تمہاری جیت میری فتح۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا تو وہ ڈگمگا سی گئی۔
"پتہ نہیں، آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اس دن بھی عجیب سے ہو رہے تھے۔ کسی بات کا ڈھنگ سے جواب ہی نہیں دیا۔ پوچھا بھی میں نے تو بچوں کی طرح مجھے ٹال گئے۔ کیا قدرت نے مجھے دوسرے کے موڈ کو جج کرنے کی صلاحیت نہیں دی؟ شاید آپ یہ سمجھتے ہیں۔" وہ خفا خفا سی بولتے ہوئے اسے اپنے بے حد قریب لگی تھی۔
جو کچھ دائم کے دل میں عزہ کے حوالے سے تھا، کیا عزہ کا دل اس کو خبر نہ کرتا؟ ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟
"تم ابھی بچی ہی تو ہو۔" اس نے شرارت سے اسے چھیڑا۔
"ہرگز نہیں۔ میں تو......." پھر سے اس کی زبان خلاف توقع پھسلنے لگی تھی، جسے اس نے بروقت دانتوں تلے دبا کر روکا۔
"اچھا، اپنی الجھن نہیں بتائیں گے؟ میں نے دو تین دن انتظار کیا کہ شاید آپ خود مجھے کسی قابل سمجھیں مگر......." وہ اداس ہو کر چپ کر گئی۔
"انکل، آنٹی آگئے اسلام آباد سے؟" اس نے بات ٹالنا چاہی۔
"آپ پھر مجھے ٹال رہے ہیں۔ اوکے، میں اب نہیں پوچھوں گی۔ بائے!"
"ارے.......فون بند نہیں کرنا.......بتاتا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا تو وہ رک گئی۔
"ایسا ہے عزہ! کہ یہ بات ہم کریں گے۔ مگر کہیں بیٹھ کر۔ فون پر نہیں۔" وہ ذرا توقف سے بولا۔
"ماما، پاپا آگئے ہیں۔ میں کالج کے علاوہ.......بڑا مشکل ہوتا ہے نکلنا۔"
"اور تم کل شام میں کہاں تھیں؟ تمہارے ملازم نے بتایا نہیں۔ تمہارے سیل پر فون کیا تو وہ آف تھا۔" وہ اچانک بولا تو گڑبڑا سی گئی۔
"وہ.......میں گھر پر ہی تھی۔" اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔
"جھوٹ نہیں۔ ہمارے تعلق کے بیچ ڈیئر! جھوٹ نہیں چلے گا۔" وہ ایک دم سے اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔
"لیکن.......کون سا تعلق؟" وہ تیزی سے بولی۔

"دوستی، فرینڈ شپ۔" وہ بھی اسی تیزی سے بولا تو عزہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"اب ہنسی کیوں ہو؟"
"استاد کی استادیوں پر۔" وہ بے ساختہ بولی۔
"ٹال رہی ہونا؟......کل شام کدھر تھیں؟"
"کہیں بیٹھ کر بات کریں گے تو بتاؤں گی۔" وہ بھی اسی کے لہجے میں بولی۔
"خوب ترقی کرو گی......نظر آ رہا ہے۔" وہ شرارت سے بولا۔" اچھا کہاں آؤں؟"
"گھر آ جائیں۔"
"نہ بابا! تمہاری ماما......اُف، میں ان کا سامنا نہیں کر سکتا۔" ایک دم سے اسے سارہ عالم کی گفتگو، مصطفیٰ صاحب سے نفرت بھار اور میڈم یاقوت......اسے سب کچھ یاد آتا گیا۔ عزہ سے بات کر کے جو اس کی طبیعت تھوڑی سی بحال ہوئی تھی، وہ پھر پہلے کی طرح پژمردہ سی ہو گئی۔
"ماما تو کمرہ بند ہیں آج کل۔ رات ہی دونوں آئے اور دونوں کی خوب زبردست جنگ ہوئی اور......" وہ بولتے ہوئے چپ

"کیوں؟"
"معلوم نہیں۔ بچپن سے دیکھ رہی ہوں۔ ان کے جھگڑوں کا سبب کیا ہے؟ وہ بھی معلوم نہیں۔ جو بھی وجہ ہے، وہ میرے باشعور ہونے سے پہلے دونوں کے بیچ موجود ہے۔ مگر دونوں اس کا ذکر نہیں کرتے۔ مگر ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے ہیں اور پھر بھی ساتھ رہ رہے ہیں۔ معلوم نہیں کیوں؟" اس کے گلے میں پھندے سے لگ رہے تھے۔ آج تک اس نے اپنے منہ سے کسی کے سامنے اپنی اس اذیت کا ذکر نہیں کیا تھا۔ آج پہلی بار بولتے ہوئے اسے لگا، خود سے اپنے زخموں کی اذیت کو بیان کرنا نا مشکل ہے۔
"اوکے، بائے! پاپا آ گئے، پھر بات کریں گے۔" وہ جو اس سے تسلی کے لئے کوئی ڈھارس بھرا جملہ بولنا چاہ رہا تھا، اس کے فون رکھنے پر چپ سا بیٹھا رہ گیا۔
والدین اولاد کے لئے ندامت کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔ وہ آج تک اس طرح کے احساس سے بے خبر تھا۔ اس کے لئے تو والدین فخر کا باعث تھے، پھر ایسے والدین جیسے خدا نے اسے دیئے تھے۔ اور یہ فخر اس سے چھننے جا رہا تھا۔ یہ احساس، یہ خیال ہی اتنا اذیت ناک تھا، جیسے کوئی کند چھری سے اسے ذبح کر رہا ہو۔ اس لمحے اسے عزہ کی تکلیف کا صحیح معنوں میں ادراک ہوا تھا۔

✲◉......◉✲

جہاز اوپر ہی اوپر، بلندی کی طرف آسمان کا سینہ چیرتا محوِ پرواز تھا۔ اور اس کا دل نیچے ہی نیچے، بہت نیچے زمین کے اطراف شہر کے اس پسماندہ، مڈل کلاس علاقے کے خستہ حال گھر کی طرف محوِ سفر تھا، جہاں وہ اپنی زندگی کے بائیس تئیس سال، ان سالوں کی محبتیں، چاہتیں، خوشیاں، غم، دوستیاں سب چھوڑ آئی تھی۔
اور کمایا کیا لوٹی تھی، جو ہمیشہ کے لئے اس کے پلو سے بندھ گیا تھا۔ نفرت، آہیں، سسکیاں، غم، ذلت، تحقیر اور جدائی۔
یہ تھا اس کا زادِ راہ تو اسے چین وسکون کہاں ملنا تھا۔
وہ جو اپنے سے منسلک رشتوں اور محبتوں کو بے سکونی اور بے عزتی بخش کر آئی تھی، اسے سکون اور عزت کیسے مل سکتا تھا؟ آرام دہ نرم گداز بستر، شاندار طرزِ رہائش، نرم حریری لباسِ شب خوابی، خوشبوئیں، راحتیں اس کے سرہانے دھری تھیں اور آنکھوں سے سکون نیند اور خوشی غائب تھی۔
یہ کیسی آسائشیں تھیں جو اسے سکون اور خوشی نہیں دے سکتی تھیں، اپنے اندر تمام تر خوش نمائی اور کشش رکھتے ہوئے بھی۔ اور یہ جو اس کا ہم سفر بنا ہے ان آسائشوں، راحتوں کے ساتھ اسے عزت تو کیا وہ نام، وہ رشتہ بھی دینے کو تیار نہیں، جس کے عوض اس نے بے سکونی کی یہ جنت خریدی ہے۔
اور ابھی قدم قدم پر ذلت، غلاظت اور گندگی کے کتنے گڑھے آئیں گے، جنہیں اسی پُر آسائش زندگی کے ساتھ اسے بخوشی عبور کرنا ہوگا۔ اسے نہیں معلوم تھا۔
اس کی آنکھیں بند تھیں، صرف پپوٹے لرز رہے تھے۔
جہانگیر ہمدانی نے دو تین بار اسے بلانے، مخاطب کرنے کی کوشش کی اور ہر بار وہ سوتی بن گئی۔
جہانگیر ہمدانی کے ہونٹوں پر بڑی شیطانی مسکراہٹ تھی۔ یہ آنکھیں بند کر کے سوتے رہنے کی ایکٹنگ کتنے دن اس کے کام آ

سکتی ہے، اسے اندازہ تھا۔ سو وہ بھی اطمینان سے آنکھیں بند کر کے سوتا بن گیا۔

✲ ◉......◉ ✲
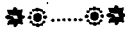
''کیسے ہو اب؟'' نرم، مہین سی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے ایک دم سے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے سامنے عائشہ بخاری کھڑی تھی۔

اس نے کوئی بھی جواب دیئے بغیر آنکھیں بند کر لیں۔

''اس طرح کی حماقتیں کرو گے تو بہت جلد مارے جاؤ گے۔'' وہ چند لمحوں بعد بولی۔

''یہاں جینا کون چاہتا ہے؟'' وہ تلخی سے بولا۔ اگرچہ جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔

کتنی مشکل سے عائشہ نے ایدھی والوں سے اس کا پتہ لیا تھا کہ اسے کون سے ہسپتال میں ایڈمٹ کروایا گیا ہے اور وہاں سے اس نے تنزیل کو پرائیویٹ روم میں منتقل کروایا تھا۔ اور اب رات گہری ہوتے ہی اس سے ملنے چلی آئی تھی۔

وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی، اسے معلوم نہیں تھا۔

اگر میڈم یاقوت کو اس کی ان ہمدردیوں کا ذرا بھی علم ہو تو وہ اس کا کیا حشر کرتیں، اسے معلوم تھا۔ مگر پھر بھی...... سب کچھ جانتے بوجھتے، وہ موت کے پھندے سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ شاید اس ذلت بھری زندگی کا بوجھ اٹھانا اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔

''جتنی زندگی لکھوا کر آئے ہو، اتنی تو جینی پڑے گی۔ کیا ضروری ہے کہ ہاتھ پاؤں تڑوا کر بستر پر گزارو؟'' وہ اس کا سر سہلاتے ہوئے ٹیبل پر رکھی دوائیں اور چارٹ دیکھنے لگی۔

''میں زندہ سلامت رہوں یا مر جاؤں، ان کو مار ڈالوں یا خود لولا لنگڑا ہو کر بستر پر پڑ جاؤں۔ تمہیں کیا؟'' وہ حسب عادت بھڑک اُٹھا۔

عائشہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

عائشہ نے مڑ کر کرسی گھسیٹی اور اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''یہاں آتے ہوئے، تمہارے لئے یہ سب کرتے ہوئے میں نے یہ سوال خود سے بھی پوچھا تھا کہ تم جیو یا مرو، مجھے کیا؟ لیکن مجھے اس سوال کا جواب نہیں مل سکا۔ اس لئے یہاں دروازے تک پہنچ کر واپس جانے کے ارادے سے پلٹ گئی تھی۔ مگر پھر خیال آیا کہ تم سے پوچھ لوں، شاید تمہیں اس کا جواب آتا ہو۔'' وہ بے بس سی آواز میں اپنی کھلی ہتھیلی پر اُنگلی پھیرتے ہوئے اس کی طرف دیکھے بغیر نرم سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

اس کا سوال شاید اتنا مشکل تھا یا سوال تو آسان تھا، جواب مشکل تھا کہ تنزیل کوشش کے باوجود کچھ بول نہ سکا۔

دونوں کے بیچ خاموشی متکلم ہونے لگی۔ اور یہ بولتی چپ اتنی جان دار تھی کہ دونوں کو لگا، اگر وہ بولیں گے تو ان کے منہ سے کوئی بے جان لفظ ہی نکلے گا، جس سے اچھی یہ بھرپور خاموشی ہے۔

''جواب نہیں دو گے؟'' بہت دیر بعد باہر ہونے والے کسی شور پر عائشہ جیسے نیند سے جاگی تھی۔

''خود سے پوچھو۔ مجھ سے کیا پوچھتی ہو؟'' اس نے بے رخی سے کہتے ہوئے نظروں کا زاویہ پھیر لیا۔ اس کے دل میں عائشہ کے لئے جو نفرت تھی، ان لمحوں میں کیسی کشید ہوتی رہی تھی۔ کثافتوں سے پاک، کچھ نکھرے ہوئے قطرے رگ جان میں توانائی سی بھرنے لگے تھے، وہ اب اس سے نظریں چرا رہا تھا۔

''دیکھو، یہ اس طرح کی ہنگامہ......'' وہ بولنے ہی لگی تھی کہ زور سے کسی نے دروازہ پیٹ ڈالا۔ عائشہ کو جیسے کسی اسپرنگ نے اچھال دیا۔ وہ جھپاک سے باتھ روم میں نکل گئی۔

دروازہ کھول کر کوئی بھاری قدموں سے اندر آیا تھا۔ تنزیل نے اپنی بند آنکھیں کھول دیں۔

✲ ◉......◉ ✲
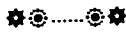
جہاز اوپر ہی اوپر اُڑا جا رہا تھا اور اس کی بلندی کی طرف بڑھتی ہوئی پرواز کے ساتھ ڈاکٹر رخشندہ کا دل بھی اُڑانیں بھر رہا تھا۔ وہ دائم کے پاس جا رہی تھیں۔

دائم، جو ان کی زیست کا حاصل، ان کی ممتا کا جنون، ان کا اس زمین پر کئے جانے والا کسی بھی انسان سے سب سے بڑا عشق تھا، مصطفیٰ کے بعد۔

مصطفیٰ......' ان کے دل نے کسمسا کر کروٹ سی لی اور وہ مسکراتے ہوئے سوچنے لگیں۔ 'اُف! مجھے نہیں معلوم تھا کہ مصطفیٰ کا

غصہ، ان کی ناراضی اس نوعیت کی بھی ہوسکتی ہے کہ وہ مجھ سے ملے بغیر کسی بھی سفر پہ نکل سکتے ہیں، مجھ سے بات کئے بغیر........ وہ شخص جس نے ساری زندگی شادی کے بعد جب بھی گھر میں موجود ہوئے میرا چہرہ دیکھے بغیر اپنی صبح کا آغاز نہ کیا ہو، مجھ سے ایسی بے اعتنائی کا اظہار کرے گا۔'

''اگر آپ مجھ سے ملنے نہیں آئیں گے تو میں بھی پاکستان نہیں جاؤں گی۔'' انہوں نے بڑے استحقاق بھرے انداز میں فون کر کے ان سے کہا تھا۔

''نہ جاؤ۔'' اتنا روکھا، پھاڑ کھانے والا لہجہ۔ لمحہ بھر کو تو انہیں اپنی سماعت پر شک ہوا۔

''مصطفیٰ......!'' وہ شاکڈ رہ گئیں۔

دوسری طرف چپ تھی۔ ناراضی بھری چپ۔ ان کا دل پھر سے اس محبت کا سہارا لے کر توانا ہوا، جو ان کے درمیان سب سے مضبوط بندھن تھی۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں، آپ اس سفید لفافے میں مجھے ٹکٹ بھجوا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں آپ کی نظروں سے دور چلی جاؤں؟ اتنی نفرت کرنے لگے ایک آدھی ادھوری سچائی جان کر آپ مجھ سے؟'' وہ رقت بھرے لہجے میں بولیں۔ اپنی بے وقعتی وہ بھی محبوب شوہر کی نگاہوں میں۔ اس کا خیال آتے ہی آنسو نکل پڑے۔

''ٹکٹ بھیجنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔'' وہ شاید ان کے آنسوؤں سے بے چین ہو کر لہجہ حتیٰ الامکان نرم بناتے ہوئے بولے تھے۔

''تو کیا مطلب ہے؟'' وہ تیزی سے بولیں۔ ''خود ناراض ہو کر اتنی دُور جا بیٹھے ہیں تو میں کیسے چلی جاؤں؟ وہ بھی آپ سے ملے بغیر۔''

ڈاکٹر رخشندہ کے صدمے کی اصل وجہ ہی یہ تھی کہ وہ ان سے ملے بغیر جانا نہیں چاہتی تھیں۔ صرف یہ خیال رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ رنہ جیسے ہی ٹکٹ ان کے ہاتھ آیا تھا، وہ تو اُڑ کر دائم کے پاس جانا چاہتی تھیں، جس نے اتنے دنوں سے ان سے بات تک نہیں کی تھی۔ معلوم نہیں، وہ ایسا کیوں کر رہا تھا۔ مگر ان کا دل کچھ اچھے سگنل نہیں دے رہا تھا۔ اوپر سے شوہر کی ناراضی انہیں مزید بے بسی کے احساس میں مبتلا کر رہی تھی۔

''اُفوہ! میں بھی جلد آجاؤں گا۔ اور ہم ملتے رہتے ہیں ہمیشہ۔ آئندہ بھی ملیں گے، اِن شاء اللہ! میرا ادھر آنا بہت ضروری تھا اور تمہارا دائم کے پاس جانا بھی بہت ضروری ہے، تمہیں معلوم ہے نا؟'' رخشندہ کو لگا، وہ یک دم سے پھر پہلے جیسے مصطفیٰ بن گئے ہیں۔ ان کا بے حد خیال رکھنے والے۔

''اور جو آپ مجھ سے خفا ہیں؟'' وہ دل کی بات لبوں پر لے آئیں۔

''خفا نہیں ہونا چاہئے۔ تم نے اتنی بڑی بات...... اتنی بڑی بات کہ میں سوچتا ہوں تو میرا خون سا کھولنے لگتا ہے، تمہاری اتنی گری ہوئی حرکت پر۔ اور مجھے تم نے کس مقام پر رکھا، اس خیال پر...... رخشندہ بی بی! کیا دو طرفہ محبت، اپنی ہم آہنگی اسی کا نام ہے کہ آپ اس طرح کا اتنا بڑا جرم......''

''پلیز مصطفیٰ! میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔'' ان کی برداشت جواب دے گئی تھی، ایک دم سے پھٹ پڑیں۔

''کیا ابھی بھی تسلیم نہیں کرو گی؟...... اپنے دل میں جھانکو ذرا۔'' وہ ان کے یوں چلانے پر ملامت بھرے انداز میں بولے تو وہ چپ ہو گئیں۔

''تسلیم نہ کرنا ہوتا تو آپ کے سامنے اعتراف ہی کیوں کرتی؟ میرا اس سارے معاملے کو اتنے سالوں بعد آپ کے سامنے بیان کرنے کا مطلب ہی اعتراف جرم ہے۔'' وہ شکستہ لہجے میں بولیں۔

''کیا محض اعتراف کر لینے سے، مجھ سے یا کسی تیسرے فرد سے یہ سب کہہ دینے سے حق ادا ہو جاتا ہے؟ میں تو صرف یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں کہ جب دائم کو اس کا علم ہوگا اور جتنا زیادہ وہ تمہیں آئیڈیلائز کرتا ہے، سوچوں اس کا کیا حال ہوگا؟'' انہوں نے آہستگی سے کہتے ہوئے مستقبل کی ایک خوفناک سی تصویر ان کے سامنے رکھی، جسے وہ اتنے سالوں میں جاگتی کیا، بند آنکھوں سے بھی دیکھنے سے گریز کر رہی تھیں۔

''اسی لئے تو اتنے سال اس پھوڑے کو اپنے دل میں چھپا کر جھیلتی رہی۔ اب آپ سے کہا تو آپ بھی یوں غیر بن گئے، جیسے...... جیسے میں واقعی بہت بڑی مجرم ہوں۔ پلیز مصطفیٰ! میرے ساتھ ایسا سلوک مت کیجئے کہ میں اپنی جان لینے کا سوچنے لگوں۔'' وہ سسکنے لگیں۔ مصطفیٰ کے طعنے اور اپنے ضمیر کے کچوکے انہیں اندر ہی اندر بے حال کرنے لگے تھے۔

''ایک حماقت کے بعد دوسری حماقت یقیناً پہلی کا علاج نہیں ہوتی۔ اپنے اس قدر منفی انداز میں سوچنے کی بھی ضرورت نہیں۔ لہٰذا صرف اس متوقع صورتِ حال کا ذکر کر رہا ہوں جو آگے پیش آسکتی ہے۔ تمہیں اور مجھے اس صورتِ حال کے لئے خود کو ذہنی طور

پر تیار رکھنا چاہئے۔'' وہ انہیں سمجھانے والے انداز میں بولے تو جیسے ان کی ڈھارس بندھی۔ ہلکتے دل پر کسی نے نرمی سے ہاتھ رکھا تھا۔ انہوں نے آنسو پونچھے۔

''تو آپ میرے ساتھ ہیں نا؟'' وہ یقین بھرے لہجے میں پوچھنے لگیں۔

''میں زندگی کے ہر موڑ پر تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا ابھی اتنے سالوں کی اتنی خوشگوار رفاقت کے بعد بھی تمہیں مجھے یقین دہانی کی ضرورت ہے؟'' وہ گلہ آمیز لہجے میں بولے۔

''نہیں...... بالکل نہیں۔ آپ پر یقین، آپ پر بھروسہ اپنے اللہ کے بعد مجھے خود سے بھی بڑھ کر ہے۔ اچھا یہ بتائیں، آپ واپسی کب تک ہے؟'' انہیں لگا جیسے ان کی زندگی کی سب سے بڑی مشکل حل ہوگئی ہے۔

''اسی ویک اینڈ پر۔''

''مگر ٹکٹ تو پرسوں کی ہے؟'' وہ مایوسی سے بولیں۔

''تو تم چلی جانا۔ میں فون کرلوں گا۔'' وہ سہولت سے بولے۔

''آپ سے ملے بغیر کیسے چلی جاؤں؟ ٹکٹ آگے کروالیتی ہوں۔''

''اور وہ جو تمہاری جلدی جلدی کی رٹ تھی؟...... اور اگلے پندرہ روز میں شاید ہی تمہیں کوئی فلائٹ مل سکے۔'' انہوں نے احساس دلایا۔

''ہوں...... ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ میرا وہاں جانا بے حد ضروری ہے۔ دائم کی آپ سے بات ہوئی؟'' انہیں ایک دم ضروری بات پوچھنا یاد آئی، جو فون کرتے وقت سب سے پہلے پوچھنے کا سوچ رہی تھیں۔

''نہیں۔ معلوم نہیں کیوں، میں فون بند کرتا ہوں تو نمبر آف ہوتا ہے یا بزی۔ گھر فون کروں تو گھر پہ موجود نہیں۔ ملازموں کو تاکید کرتا ہوں کہ جیسے ہی وہ گھر آئے میری بات کروانا، مگر پھر بھی اس کا کوئی فون نہیں آیا۔'' انہوں نے بتایا تو ڈاکٹر رخشندہ کا دل جیسے نیچے ہی نیچے کسی پاتال میں گرنے لگا۔ ''تمہاری بات ہوئی اس سے؟'' انہوں نے آخر میں پوچھا۔

''نہیں...... بالکل آپ والی سچویشن ہے۔'' وہ ڈوبتی آواز میں بولی۔

''پھر تو کوئی گڑبڑ ہے۔ تمہیں فوراً اس کے پاس جانا چاہئے۔ تم اپنی پیکنگ شروع کردو، میں جلد آنے کی کوشش کروں گا، پرسوں رات سے پہلے نہیں پہنچ سکتا۔ جبکہ تمہاری فلائٹ شام چار بجے کی ہے۔ اس لئے تم میرے آنے کے بارے میں تردد نہ کرو، بس جانے کی تیاری کرو۔'' وہ کچھ تشویش بھرے انداز میں انہیں تاکید کرنے لگے۔

''ہوں...... ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولیں۔ ''اچھا، آپ واپس آئیں گے تو بیڈروم کے لیفٹ سائیڈ والے بڑے نچلی دراز میں آپ کو ایک ڈائری ملے گی، بلیک کلر کی۔ اسے ضرور پڑھ لیجئے گا۔ مجھے شدت سے انتظار رہے گا، آپ کے ریمارکس اور آپ کی ایڈوائز کے لئے۔ یاد رہے گا نا؟'' وہ تاکیداً بولیں۔

''کیا نئے سرے سے اظہار محبت کے لئے شعر و عشقیہ جملے لکھنے کی ضرورت پیش آگئی ہے جو ڈائری کو بیچ میں لایا جا رہا ہے؟'' اپنے مخصوص انداز میں بولے تو ڈاکٹر رخشندہ نے طمانیت کا سانس لیا۔

''یہی سمجھ لیں۔ کبھی کبھی اتنی لمبی، تھکا دینے والی رفاقت کے بعد تجدید محبت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔'' انہوں نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

''لمبی، تھکا دینے والی رفاقت...... تمہارا مطلب ہے......''

''جی، میرا یہی مطلب ہے۔ اچھا، پڑھنا نہ بھولیے گا۔ میں آپ کو میسج بھی کروں گی۔ اپنا بہت زیادہ خیال رکھئے گا۔ اور جیسے ہی دائم سے رابطہ ہو، مجھے ضرور بتائیں۔ مجھے اس کی ذہنی کیفیت کا کچھ تو اندازہ ہو۔ میرا خیال ہے، اب میں پیکنگ شروع کردوں، صرف کل کا دن تو بیچ میں ہے۔ ٹیک کیئر۔ اللہ حافظ!'' انہوں نے جلدی جلدی الوداعی کلمات کہے کہ اب ان کا دل دائم کی طرف لگ گیا تھا۔ شوہر کی طرف سے بے فکری جو ہوگئی تھی۔

''اللہ حافظ! اپنا اور دائم کا خیال رکھنا اور میری طرف سے مہربانی فرما کر بدگمان نہ کرنا۔ فی امان اللہ!'' انہوں نے کہا تو ڈاکٹر رخشندہ نے ہنستے ہوئے فون بند کردیا۔

اور اسی رات انہوں نے بیٹھ کر اس سیاہ ڈائری کے قلب میں اپنے دل کی ساری دکھ بھری کہانی کہہ ڈالی تھی۔ اپنی ترپ، اپنی غلطی، اس غلطی کا اعتراف سارے confessions جو ان کے خیال میں ان کے دل کو ہلکا پھلکا کر سکتے تھے اور مصطفیٰ کو مطمئن! انہیں نہ جانے وہاں کتنے دن، کتنے مہینے رُکنا پڑتا۔ سو اسی حساب سے انہوں نے اپنی پیکنگ کی تھی۔

انہیں بار بار خیال آرہا تھا، بلکہ اب تو یقین ہو چلا کہ میڈم یاقوت، دائم کو ساری بات بتا چکی ہے، جس کی وجہ سے دائم ان سے

ت کرنے سے کترا رہا ہے اور شاید اس بات کو سچ بھی مان چکا ہے۔ اتنا سوچتے ہی ان کے ہاتھوں پیروں سے جان سی نکل جاتی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہیں بیٹھ جاتیں۔

'اگر وہ جادوگر عورت اپنا جادو چلا چکی ہے تو پھر میں اکیلی کیسے؟........ دائم کو فیس کروں گی۔ ایک تو اسے ساری حقیقت بتانا اور پھر اس پر قائل کرنا........ میڈم یاقوت کی سحر انگیز شخصیت اس قابل ہے کہ وہ اسے یقین دلا سکتی ہے۔ پھر میں........ میں کیا کروں گی؟........ میرا اعتراف جرم دائم کو مجھ سے متنفر کرنے کے لئے کافی ہو گا۔ او مائی گاڈ! یہ تو نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا ہے؟........ پلیز مصطفیٰ! آپ آ جائیں۔ میں خود کو بہت کمزور فیل کر رہی ہوں۔ کیسے یہ سب ہینڈل کروں گی؟ میں تو آج بھی سوچتی ہوں تو اپنی بہادری پر یقین نہیں آتا کہ کیسے میں نے اس رات وہ بچہ اغوا کیا........ بالکل، اس حرکت کے لئے سب سے موزوں لفظ اغوا ہی ہے۔ ڈاکٹر رخشندہ! ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ اغوا' وہ سوچتے ہوئے شرم سے پانی پانی ہو گئی تھیں۔

"آنٹی! تو آپ جا رہی ہیں؟" اسامہ اُداس سا اس رات ان کے پاس آ کر بیٹھا تھا۔

"ہوں، بس۔" وہ جو اپنی ہی اُلجھن میں گرفتار تھیں، بہ دقت بولیں۔ وہ خاموش، نیچی نظروں سے جانے کیا سوچ رہا تھا، انہیں متوجہ ہونا پڑا۔

"کیا سوچ رہے ہو اسامہ!........ کچھ پریشان ہو؟"

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ جبراً مسکرایا۔

"نہیں........ کچھ تو ہے۔ جب سے میرے جانے کا تم نے سنا ہے، کچھ ایسے ہی حال میں دیکھ رہی ہوں تمہیں۔" انہیں کریدسی لگی۔

"آنٹی! آپ انکل سے کہیں کہ وہ جلدی پاکستان جانے کا پروگرام بنائیں۔ یا........ یا مجھے جانے کی اجازت دیں۔" وہ کچھ مضطرب سا ہوا۔

"تو ایسی کیا بات ہے؟ تم کہتے تو میرے ساتھ ہی چلتے۔ خیریت تو ہے نا پاکستان میں؟" وہ اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگیں۔

"بس، آغا جان کی طرف دھیان لگا ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ آغا جان تمہارے سگے دادا نہیں تو پھر تمہارا ان سے کیا تعلق ہے؟" انہیں یک دم یاد آتا تھا۔

"تعلق تو کوئی نہیں، انسانیت کے ناتے کے سوا۔" وہ اسی طرح نظریں نیچی کئے بیٹھا تھا۔

"رئیلی........ تو کیا انہوں نے تمہیں اڈاپٹ کیا تھا؟" وہ بے تحاشا حیران ہوئیں۔

"یہی سمجھ لیں۔" وہ مبہم انداز میں بولیں۔

"سمجھ لیں کیا؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔ اچھا، پاکستان جانے کا خیال کیا محض آغا جان کے لئے ہے یا........ یا کچھ اور بھی ہے؟" تجسس سا ہو رہا تھا۔

"اور........ اور بھی ہے........ یا شاید نہیں ہے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب، ہے بھی اور نہیں بھی؟"

"مجھے خود کچھ معلوم نہیں۔ اتنے سال بھی تو بیت گئے ہیں۔ اب تو میں شاید کسی کو یاد بھی نہیں ہوں گا۔" وہ نم ہوتی پلکیں تیزی سے جھپکنے لگا۔

"تمہارے پیرنٹس ہیں اسامہ؟" وہ کچھ متحیر، کچھ ہراساں سی بولیں۔

"معلوم نہیں آنٹی! یہی تو معلوم کرنے جانا چاہتا ہوں۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔

ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مزید کیا سوال کریں۔

"ان کا کوئی ایڈریس وغیرہ، کچھ ہو تو مجھے دو۔ میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا، اس اُداس لڑکے کی اُداسی کو اپنے دل میں سمو لیں۔

"کچھ نہیں ہے آنٹی! اب کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے خود ہی جانا ہو گا اور انہیں تلاش کرنا ہو گا۔ بہر حال، آپ میرا دائم کو بہت سلام کہئے گا کہ میں جلد ہی اس کے پاس آ رہا ہوں۔" وہ زبردستی لہجے میں بشاشت بھرتے ہوئے بولا۔

"لائبہ کے لئے اُداس ہو؟" انہیں دوسرا خیال آیا۔

'جو ہر گھڑی دل میں رہتا ہو، اس کے لئے کیا اُداس ہونا۔' اس کی نظروں نے کہا اور ڈاکٹر رخشندہ پڑھ کر ہنس دیں۔

"میں سمجھ گئی........ چلو، میں مصطفیٰ سے پہلی کال جو ملتی ہے، اس بات کی تصدیق کرتی ہوں کہ وہ تمہاری راہ میں مزید رکاوٹ نہ ڈالیں اور تمہیں جانے کی اجازت دیں۔ میں اور دائم تمہارے منتظر رہیں گے اور........ لائبہ بھی۔" وہ آخر میں اضافہ کرتے ہوئے

بولیں تو وہ بے یقین سے انداز میں سر ہلانے لگا۔
''مایوسی گناہ ہے۔ خود اُمیدی زندگی ہے۔ خوش رہا کرو اور اپنا بہت خیال رکھنا۔ اور جب تک ادھر ہو، اپنے انکل کا بھی۔ ویسے میرا اصرار ہوگا کہ آپ دونوں اکٹھے ہی آ جائیں، پھر بھی، جو اللہ کو منظور ہوا۔'' انہوں نے اسے تسلی دی تھی۔
پھر وہی انہیں ایئرپورٹ سی آف کرنے آیا تھا۔ اتنے کڑے مراحل کے بعد گھر کو چھوڑتے ہوئے، پھر مصطفیٰ کی غیر موجودگی کا شدت بھرا احساس اُنہیں اندر تک اُداس کر رہا تھا۔
مگر جہاز میں بیٹھتے ہی وہ اُداسی کہیں فضا میں گم ہو گئی تھی۔ دائم سے ملنے کا خیال بھی انہیں نہال کرنے کے لئے کافی تھا۔ وہ ایک بار پھر بے چینی سے گھڑی دیکھنے لگیں کہ کب جہاز لینڈ کرے اور وہ دائم سے ملیں۔ وہ اپنی بے چینی پر قابو پانے کے لئے کھڑکی سے باہر اُڑتے بادلوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگیں۔

✲○......○✲
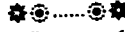
''تم یہ کیا کرنے جا رہی ہو؟'' دائم نے اس کی بات سن کر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا۔ اسے عزہ کی بات سن کر شاک لگا تھا۔
''اس میں اتنی پریشان صورت بنانے کی کیا بات ہے؟ آج کل ہر دوسرے لڑکے لڑکی کا یہ پیشن ہے۔ اور پھر یہ میرا شوق ہے۔'' وہ دائم کی شکل دیکھ کر بڑے لاپروا انداز میں بولی تو دائم اس کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔
''یہ اتنا بڑا فیصلہ، اتنا بڑا قدم کسی سے پوچھے بغیر ہی اٹھا لیا؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' وہ ابھی تک بے یقین تھا۔
''کیوں، آپ کو میں اتنی بہادر نظر نہیں آتی کیا؟'' اس کا انداز سراسر چیلنج کرنے والا تھا۔
''نہیں، وہ تو خیر سے آپ اپنے ارادوں اور ثابت قدمی سے کسی بھی نارزن، ہلاکو خان یا ایسے کسی بھی نوع کے بشر کو با آسانی مات دے سکتی ہیں۔ اور اس کا ثبوت آپ کی پچھلی رائل فورٹ والی پرفارمنس ہے، جسے میں محض ایڈونچر یا یونہی خود کو آزمانے کے شوق میں اٹھایا گیا کوئی جذباتی قدم سمجھتا ہوں۔ مگر عزہ! بی سیریس۔ یوں ایگری منٹ سائن کر کے ایز اے ماڈل پرفارم کرنا ایک بہت بولڈ اسٹیپ ہی نہیں، میں تو اسے غلط فیصلہ کہوں گا۔''
''کیوں، غلط فیصلہ کیوں بھلا؟'' وہ کمان سے ابرو اچکا کر بولی۔
''تمہارے فائنل سمسٹر سر پر ہیں۔ اس وقت تمہیں صرف اور صرف اپنی اسٹڈیز کے بارے میں فکرمند ہونا چاہئے، نہ کہ ان فضولیات میں اپنا وقت برباد کرنا چاہئے۔ اتنی سمجھ تو تمہیں بھی ہے۔ اس طرح کی کوئی بھی ایکٹیوٹی تمہارے تعلیمی کیریئر کو متاثر کر سکتی ہے۔ چلو، اگر تمہیں کریز ہے بھی، تو تکمیل ہونے کے بعد بھی......''
''میں دورانِ تعلیم شروع ہی سے ہر طرح کی غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی عادی ہوں۔ میرا کوئی بھی اینول ایگزام اس طرح کی گیمز کے فائنلو کھیلے بغیر نہیں گزرا۔ اور تھینک گاڈ! میں نے ہمیشہ سب سے بیسٹ رزلٹ شو کرتے ہوئے اپنی فرسٹ پوزیشن برقرار رکھی ہے۔'' وہ تفاخر سے بولی۔
دائم نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کیفے کی گلاس ونڈو سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔
دائم نے عزہ کو یہاں اپنا مسئلہ شیئر کرنے کے لئے بلایا تھا۔ ابتدائی دو چار رسمی باتوں کے بعد عزہ نے بڑے پُرجوش انداز میں اسے ڈریسز کی ایگزی بیشن اور اس میں بطور ماڈل کام کرنے کے بارے میں بتایا تو وہ اپنی ساری پریشانی، سارا مسئلہ بھول گیا۔
''عزہ! ٹرائی ٹو انڈراسٹینڈ۔ دِس اِز ناٹ اے گیم۔'' وہ کہتے کہتے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ ''تمہیں معلوم ہے، جسے تم محض ایک گیم، ایک غیر نصابی سرگرمی سمجھ کر انوالو ہو رہی ہو، اس میں صرف تمہاری باڈی انوالو نہیں ہوگی، تمہارا پورا انر سلیف (Inner self)، تمہارا Spirit، تمہاری روح...... سب کے سب نہ چاہتے ہوئے بھی انوالو ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا...... کہ...... تم اپنی زندگی کے ساتھ کون سا کھیل کھیلنے جا رہی ہو۔'' دائم کا لہجہ خوف ناک حد تک سنجیدہ تھا کہ عزہ اس کی بات کو مکمل طور پر نہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ خوف زدہ سی ہو گئی۔
''کیا مطلب؟...... میں بالکل نہیں سمجھی۔''
''تم ایگزی بیشن کا مطلب سمجھتی ہو نا؟...... اور ڈریسز ایگزی بیشن کا مطلب لباس کی نمائش...... اب یہ کروانے والے اور کرنے والے پہ ڈیپنڈ کرتا ہے کہ وہ اس نمائش میں کس حد تک آگے جا سکتا ہے کہ پھر وہاں سے واپسی بہت مشکل ہوتی ہے۔ کاش! میں تمہیں سمجھا سکتا کہ تم ایک پازیٹو تھنکنگ سے کس طرح نگیٹو وے کی طرف جا رہی ہو۔'' وہ رکا۔ ''میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اس ملک میں گزارا ہے، جہاں انسانی جسم جنسِ تجارت سمجھا جاتا ہے۔ اور آرٹ، فن اور ایگزی بیشن کے نام پر وہ بے لگامی کہاں تک چلی جاتی ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ جتنی زیادہ نمائش، اتنا بڑا آرٹ، اتنا عظیم فن کا نام اسے دیا جاتا ہے۔ اور اس آرٹ کو وہ کس جتن سے مشرق میں بامِ عروج پر لانے کی کوششوں میں جتے ہوئے ہیں، ہم مشرق کے سادہ ذہن اس تک رسائی نہیں پا سکتے۔'' وہ

عجیب دکھ بھرے انداز میں ٹھہر ٹھہر کر جیسے اپنے دل کا کوئی دکھ بیان کر رہا تھا۔
"سوری دائم! میرے سر کے اوپر سے آپ کی یہ ساری ثقیل گفتگو گزر گئی ہے۔ مگر میں اتنا سمجھی ہوں کہ آپ اتنا عرصہ یورپ کی اس Civilized society میں رہنے کے بعد بھی عام پاکستانی مردوں کی طرح متعصب اور تنگ نظر ہیں۔ عورت کو محض نمائش کی چیز سمجھتے ہیں۔" اس نے بھی بے دھڑک اپنے دل کی بات کہہ دی۔
"عورت کو نمائش کی چیز کون بناتا ہے؟ خود عورت......اور پھر اپنے لئے سکیورٹی، تحفظ اور اسپیشل شیلٹر کے الفاظ اس نمائش کرنے والی عورت کے منہ سے کسی لطیفے سے کم نہیں لگتا۔ یہ تو وہی بات ہوئی نا کہ درندوں سے بھرے جنگل میں جگہ جگہ گوشت کی دکان سجا کر درندوں سے تہذیب کے جامے میں رہتے ہوئے اس کو منہ مارنے سے منع کر دیا جائے۔ اِکس یا سپیل ڈیئر؟" وہ طنزیہ بولا۔
"آپ کی مثال ضرورت سے زیادہ فضول اور بے ہودہ ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تو دائم کی نظریں اس کے چہرے پر جم سی گئیں۔
"اگر کسی کو فضول اور بے ہودہ کام سے روکنے کے لئے اس قسم کی کوئی مثال دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔" وہ بمشکل اپنی نظر اس کے چہرے سے ہٹا کر کندھے اُچکاتے ہوئے بولا۔
"اچھا، اب ان سب باتوں کا کیا مقصد ہے؟ جبکہ میں ایگریمنٹ سائن کر چکی ہوں۔ سو اس بحث کا کچھ حاصل بھی نہیں۔" وہ اسی کے اسٹائل میں کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔
"مگر میں تمہیں ایسا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دوں گا۔" وہ یکدم تپ کر بولا۔
"بائی داوے، آپ سے اجازت مانگ کون رہا ہے؟" اس کے یوں گھورنے پر عزہ تمسخرانہ انداز میں بولی تو اس کا پارہ مزید چڑھ گیا۔
"میں چاہوں تو تمہیں زبردستی بھی روک سکتا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قطعی انداز میں بولا۔
"زبردستی کریں گے میرے ساتھ آپ...... پوچھ سکتی ہوں کس حساب میں بھلا؟" اس کی آنکھیں شرارتی انداز میں ابھی بھی چمک رہی تھیں۔
"حساب کتاب تو شاید شروع ہو چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں محبت میں حساب کا قائل نہیں۔ مگر ایسا موقع آ گیا تو یقین جانو، تم مجھ سے بڑھ کر حساب کتاب کرنے والا اور کسی کو نہیں پاؤ گی۔ اور مجھے لگتا ہے کہ وہ موقع آ گیا ہے۔" وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"مطلب؟......کیسا حساب کتاب؟......کون سا موقع؟"
"تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟" وہ جیسے ہار کر بولا۔ "تمہیں معلوم ہے، یہ سب کرنا اپنے ساتھ دشمنی کے برابر ہے۔ وہ بھی تم جیسی اچھی لڑکی کے ساتھ۔"
"مجھے پسند ہے، سو کر رہی ہوں۔ اور اپنے ساتھ دوستی دشمنی کیا ہوتی ہے؟ اس کا علم آپ سے زیادہ خود مجھے ہونا چاہئے۔" وہ ضدی انداز میں بولی۔
"اگر انکل آنٹی کو پتہ چل جائے؟" اس نے آخری حربہ استعمال کیا۔
"تو چل جائے۔ انہیں کیا پروا ہوگی؟ یوں بھی انہیں آپس کی لڑائیوں سے فرصت ہوگی تو میرے بارے میں سوچیں گے۔ اس لئے اگر آپ یونہی ہمدردی میں میرے لئے سوچ سوچ کر ہلکان ہوئے جا رہے ہیں یا مجھے اس کام سے باز رکھنے کے لئے ترکیبیں سوچ کر اپنا دماغ پلپلا کر رہے ہیں تو پلیز مت کیجئے۔" وہ پاس آ کر ایک دم سے دور چلی گئی تھی۔ دائم کو تو اس کی بات سے ایسا ہی لگا تھا۔ اس نے دکھی انداز میں اسے دیکھا۔
"تو گویا تم یہ سب ان کی توجہ حاصل کرنے کے لئے کر رہی ہو؟" وہ بہت دیر بعد بولا تھا، جب عزہ اپنی کہی بات بھول کر گرم ہوتی کولڈ ڈرنک کے گھونٹ بدمزہ ہو کر لے رہی تھی۔ دائم کی بات پر اس کے ادھ کھلے ہونٹوں میں اسٹرا معلق رہ گیا۔
"ہرگز نہیں، مجھے کیا ضرورت ہے ان کی توجہ حاصل کرنے کی؟" وہ کچھ اس انداز میں ہکلا کر بولی تھی کہ لہجے کی ہکلاہٹ میں نمی بھی گھل گئی تھی۔
دائم کی سمجھ میں سارا معاملہ آ گیا۔
"عزہ! مجھے کسی کی تلاش نہیں تھی، نہ میں کسی ایسے دوست کے لئے متجسس تھا۔ لائف پارٹنر کے بارے میں بھی جب سوچا، سر جھٹک دیا۔ جو بھی اچھی لگے گی، پسند آئے گی، سیدھا سیدھا کسی بھی بحث وغیرہ کے چکر میں پڑے بغیر آرام سے اس کا ہاتھ تھام کر ہم سفر بنا لوں گا۔ بہت سادہ سی لاجک تھی میری اپنے لائف پارٹنر کے بارے میں مگر......" وہ رکا۔ عزہ جو سر جھکائے اپنی ہتھیلی پر اُنگلی

پھیر رہی تھی، سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''جب تمہیں پہلی بار دیکھا تو کچھ ایسا وہ حادثاتی سا لمحہ تھا کہ میں غور نہیں کر سکا۔ مگر جب محمود انکل نے تمہیں ڈرائنگ روم میں بلا کر مجھ سے باقاعدہ متعارف کرایا اور اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے پر تمہارے چہرے کے اُڑتے رنگوں کو دیکھا تو پہلی بار میرے دل نے چاہا کہ اس سادہ سی، معصوم، پیاری سی، ڈری سہمی لڑکی کو اٹھا کر اپنے دل میں محفوظ کر لوں۔ اگرچہ ڈری سہمی والی اختراع میرے اپنے دل نے گھڑی تھی، ورنہ تم تو ایک بار بھی اس طرح کی ٹپیکل لڑکی لگیں ہی نہیں۔ خیر بس اس دن سے میرے دل نے کہا۔ لو بھیا! اگر تم ابن بطوطہ کی طرح کسی کی تلاش میں نکلنا بھی چاہتے تھے تو اپنا ارادہ ملتوی کر دو۔ تمہارے جوتے گھسنے سے اور آنکھیں تارے گننے سے محفوظ رہ گئی ہیں۔ تمہاری تلاش تمام ہوئی۔ اس شام میں تمہارے گھر سے تو نکل آیا مگر اپنا دل تمہیں سونپ آیا۔ تو بھلا اب انہیں اتنے پاس کر کے میں خود سے دور جانے دوں گا؟ کبھی بھی نہیں۔'' وہ جس پیرائے، جس انداز میں اپنے دل کی حالت بیان کر رہا تھا، عزہ کے دل کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ اس سے نگاہ اٹھا کر بات کرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ خود کو ٹپیکل، عام لڑکیوں جیسا نہ سمجھتے ہوئے بھی وہ اس وقت ان ہی کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ محبت کے کلیشے سے پٹتی ہوئی لڑکیاں۔

''اب جواب میں کچھ بولو گی نہیں یا چہرے پر یہ قوسِ قزح کے رنگ سجا سجا کر مجھے پاگل کرتی رہو گی؟'' وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

''کہنا صرف مجھے یہ ہے......'' اس نے اپنی کیفیت پر بروقت قابو پایا تھا۔ ''کہ اگلے وِیک اینڈ پر اس ایگزی بیشن کا پہلا شو ہے، آپ آئیں گے نا؟''

دائم نے اس کی بات سنی تو اس کا جی چاہا، اپنا سر پیٹ لے۔ بس ملامتی نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

اسی وقت ٹیبل پر رکھے اس کے سیل فون کی بیپ بج اٹھی۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے سیل اٹھایا۔ ڈاکٹر رخشندہ کا نمبر آ رہا تھا۔ ''ماماز کالنگ'' کے الفاظ بار بار چمک رہے تھے اور وہ سپاٹ نظروں سے تکے جا رہا تھا۔

''کس کی کال ہے؟ ریسیو کیوں نہیں کر لیتے؟'' عزہ نے اسے ٹوکا۔

''بس ایسے ہی۔'' اس نے آہستگی سے سیل ایک طرف رکھا جو اب خاموش ہو چکا تھا۔ اس نے سیل اٹھا کر اسے Silent پر لگا دیا۔

''او کے، چلیں پھر۔ جب تم سب کچھ ڈن کر چکی ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ کہتے ہوئے اٹھنے لگا۔ اس کے انداز میں کچھ تھا کہ عزہ بے قرار سی ہو گئی۔

''اور وہ آپ کا مسئلہ، جو آپ نے مجھ سے شیئر کرنا تھا؟'' اسے ناراض سے دائم کو تھوڑی دیر اور روکنے کا بھی بہانہ نہ سوجھا۔

''اس کو اب جانے دو۔ پھر سہی، پھر کبھی اور بات کریں گے۔'' وہ کی چین اٹھاتے ہوئے آگے بڑھا تو مجبوراً عزہ کو بھی اٹھنا پڑا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ دائم پہلی فرصت میں محمود عالم سے ملنے اور ساری بات کر لینے کا دل میں تہیہ کر چکا ہے، اس لئے عزہ کے ساتھ اس نے مزید بحث کو لاحاصل سمجھا تھا۔

❁

''سنو، یہ تمہاری زندگی کا آخری چانس تھا، جو تم اس بستر پر لیٹے زندہ سلامت سانس لے رہے ہو۔ تمہیں یہاں تک کون لایا، یقیناً تمہارا کوئی ایسا ہمدرد ہے جس کا پتہ لگانا پڑے گا۔ مگر ایک بات یاد رکھو۔'' وہ خونخوار مونچھوں اور سیاہ بڑے سے چہرے والا شخص، میڈم یاقوت کے گارڈز میں سے ایک تھا، جس نے دوسرے دونوں گارڈز کے ساتھ مل کر اس کی مرمت کی تھی۔ وہ کسی جنگلی جانور کی طرح دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا اور آتے ہی پستول کا رخ تنزیل کے سینے کی طرف کرتے ہوئے دھمکانے لگا۔ ''آج کے بعد اگر تم نے میڈم کے دفتر، گھر یا میڈم کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کا ارادہ بھی کیا تو خدا کی قسم! تیری لاش بھی تیرے گھر والوں کو نہیں ملے گی۔ اور یہ صرف دھمکی ہے نہ گیدڑ بھبکی۔ اور یہ آخری چانس تیرے لئے نہیں، تیرے گھر والوں کے لئے بھی ہے۔ تیری ان اوچھی حرکتوں کا خمیازہ تیرے ساتھ اب وہ بھی بھگتیں گے۔ تیرا لنگڑا باپ، بوڑھی ماں اور نوخیز کلیوں جیسی بہنیں....... کچھ نہیں بچے گا تیرے پاس۔ اب کے جو بھی کرنا، ذرا سوچ سمجھ کر۔ آئی سمجھ میں؟ اب دوبارہ تجھے یہ سب بتانے کوئی نہیں آئے گا، یاد رکھنا۔'' وہ اسے دو تین جھٹکے دیتا، گریبان سے پکڑ کر بیڈ پر گراتا جس طرح دھم دھم کرتا آیا تھا، اسی طرح واپس چلا گیا اور اس کے ساتھ دروازے پر کھڑا اس کا دوسرا ساتھی بھی۔ کمرے کی بھونچال زدہ فضا دم بھر میں جیسے گونگی ہو گئی۔ ایک دم سے گہری خاموشی سارے میں چھا گئی۔

وہ جو کچھ کہہ کر گیا تھا، وہ تنزیل اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور اسے یہ بھی پتہ تھا کہ یہ سب خالی خولی دھمکی ہے نہ ان لوگوں کی گیدڑ بھبکی۔ اس عورت کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں اور وہ کتنی طاقت ور ہے کہ اسے اور اس کے گھر والوں کو جب چاہے، جس وقت چاہے پاتال سے نیچے پہنچا سکتی ہے۔ اور اس کے ہاتھوں پر لہو کا ایک دھبہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

'کیا ثانیہ کے بعد اب مجھے ان تینوں کے عبرتناک انجام کا بھی سبب بننا ہے؟' تیز جلتے شعلے کی لپک سی سوچ تھی، جس نے پل بھر میں اس کے سارے بدن کو بھڑکا دیا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر بے بسی سے رہ گیا کہ اب وہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں تھا۔ احساسِ بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس جلتی بھڑکتی آگ کو اس معمولی سی نمی نے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ یقیناً اب ان کے لئے، اپنے ''پسماندگان'' کے لئے ذرا سا بھی برا نہیں چاہ سکتا تھا۔

''چلے گئے؟'' وہ تو بالکل عائشہ بخاری کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھا تھا، اس کی آواز سنتے ہی اس نے آہستگی سے آنکھوں کے کنارے صاف کئے اور رخ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔

''اگر انہیں ذرا سی بھی میری بھنک مل گئی کہ میں نے تمہیں یہاں ایڈمٹ کروایا ہے تو....... میرا انجام.......'' وہ جھرجھری لیتے ہوئے چپ ہو گئی۔

''تم کیوں میرے پیچھے لگی ہو؟....... جاؤ، چلی جاؤ۔ میری جان چھوڑ دو۔'' وہ ایک دم غصے میں بھڑک کر بولا تو عائشہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ وہ خفت بھرے انداز میں لب کاٹنے لگی۔

''جا رہی ہوں۔ جانتی ہوں تم مجھ سے....... مجھ جیسی لڑکی سے کیسی نفرت، کیسی گھن کھاتے ہو، پھر بھی....... خوامخواہ ہمدرد بننے کی کوشش میں....... میری شکل، میرا وجود تمہیں اور بھی کتنا غلیظ، تعفن زدہ محسوس ہو رہا ہے، مجھے اندازہ ہے۔ سوری....... بس بھی....... انسان ہوں نا، رہ نہیں سکی....... کہ وہ لوگ تمہارے ساتھ ایسا سلوک کریں۔ اور تمہارے گھر میں بھی تو کوئی نہیں تھا پیچھے آنے والا....... خیر، او کے میں چلتی ہوں۔ ٹیک کیئر۔'' اس نے بے حد خوب صورتی سے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو، سیاہ لبادے کو نقاب کے طور پر چہرے پر لاتے ہوئے صاف کر لیا اور اٹھ کر جانے لگی۔

تنزیل اسی طرح رخ موڑ کر لیٹا رہا۔

''سنو!'' عائشہ کو ایک فیصد بھی توقع نہیں تھی، مگر تنزیل نے اسے پکارا تھا۔ وہ پلٹی نہیں، بس دروازے کے پاس ٹھہر گئی۔

''اگر تمہیں مجھ سے ذرا سی بھی انسانیت کے ناتے ہمدردی ہے تو میرا ایک کام کر دو گی؟'' اس کا لہجہ نہ تو نرم تھا نہ درخواست گزار، بس لٹھ مار سا تھا۔ پھر بھی وہ مڑ کر دو قدم آگے آ گئی۔

''ثانیہ کا پتہ معلوم کر کے دے سکتی ہو مجھے؟'' وہ ذرا سا اٹھتے ہوئے بولا۔ عائشہ افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس کا خیال اب دل سے نکال دو۔" وہ ذرا توقف سے بولی۔

"کیا؟........ ہرگز نہیں۔" وہ حسبِ توقع بھڑکا تھا۔

"اس کا پتہ لگا کر کیا کرو گے؟" وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

"اس کا گلا ان ہاتھوں سے گھونٹوں گا، تو ہی مجھے قرار آئے گا۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

عائشہ آگے بڑھ کر پھر سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں پتہ ہے، وہ جس جگہ پہنچ گئی ہے، وہاں اسے کسی بھی ہتھیار، کسی بھی آلے سے ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا اپنا وجود اس کے لئے سب سے مہلک ہتھیار بن جائے گا اور وہ قطرہ قطرہ قتل ہو گی۔ ہر صبح، ہر شام بلکہ ہو چکی ہو گی۔ تو ایک لاش کا گلا گھونٹ کر تم کیا کرو گے؟" وہ اتنی خوف ناک حقیقت کو اتنے آرام سے بیان کر رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے نا، وہ کہاں ہے؟" وہ بے تابی سے بولا۔

اس نے آہستگی سے چہرے سے نقاب سرکا دیا۔

"وہ جہاں کہیں بھی ہے، اس ملک سے باہر ہے۔ تمہاری رینج سے بہت دور۔ تم یہاں ان لوگوں کے ساتھ لڑتے بھڑتے رہو گے، مار کھا کر خود کو لہولہان کراتے رہو گے یا اپنا اور اپنے باقی ماندہ گھر والوں کا کوئی ناقابلِ تلافی نقصان کر بیٹھو گے۔ مگر وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی۔ سو بہتر نہیں، تم ٹھنڈے دل سے اپنے آپ کو سمجھا لو۔"

"کس بات پر سمجھا لوں کہ وہ وہاں بے غیرتی کی زندگی گزارتے ہوئے میرے اور میرے ماں باپ کے لئے جیتے جی جہنم کا ایندھن تیار کر رہی ہے اور میں اسے بھول کر اطمینان بھری زندگی گزاروں۔ ہرگز نہیں۔ وہ اگر اس ملک میں نہیں تو جہاں کہیں بھی ہے، میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا اور ختم کر ڈالوں گا۔ بس یہی ہے میرے چین کا رستہ۔" وہ اپنے مخصوص تنے ہوئے انداز میں کہتا چلا گیا۔

"پھر میرا یہاں بیٹھنا بے کار ہے۔ تم کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتے۔" وہ مایوسی سے کہتے ہوئے اُٹھنے لگی۔

"تم مجھے اس کا ایڈریس نہیں لا کر دے سکتیں؟" وہ اس کے اُٹھنے پر خائف ہو کر بولا۔

"تمہیں اپنے غصے، جوش اور غیرت کے سامنے کسی ایڈریس یا رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ کسی بھی دیوار سے سر پھوڑ کر اپنا غصہ نکال لو تو شاید تمہیں کچھ سمجھ میں آنے لگے۔" وہ طنزیہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تنزیل عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اسے جانے کیا ہوا، وہ ایک دم سے اپنے ہاتھوں پر سر گرا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

عائشہ کے قدموں میں اس کے آنسوؤں کی بھاری زنجیر پڑ گئی تھی۔ وہ تو اب یہاں سے ہل بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ اب بے آواز آنسوؤں کے ساتھ رو رہا تھا۔

عائشہ نے اٹھ کر اسے اپنے ساتھ لائے ہوئے جوس کے پیکٹ کو کھول کر گلاس میں ڈالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ پی لو۔ تمہارے بے چین دل کو کچھ قرار ملے گا۔" اس نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے گلاس ہاتھ سے پرے ہٹا دیا۔

"تنزیل، پلیز! تھوڑا سا تو خود کو سنبھالو۔ اس طرح تو بہت مشکل ہو جائے گی۔" وہ بے اختیار اپنائیت بھرے انداز میں اس کا کاندھا ہلا کر اس کا نام پہلی بار لیتے ہوئے بولی تو تنزیل کو یک دم اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ رگڑ ڈالا اور سر اٹھا کر نم آنکھوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھا جو اس کی کچھ بھی نہیں لگتی تھی اور جو ان لمحوں میں جو اس کی زندگی کے کٹھن ترین لمحات تھے، اپنی زندگی داؤ پر لگائے محض اس کے لئے یہاں موجود تھی اور اس کی دلجوئی کی کوشش کر رہی تھی۔

جو ہو چکا تھا، اس کو تو کسی طور پر بھی بدلا نہیں جا سکتا تھا، حتیٰ کہ تانیہ کو مار دینے کے بعد بھی نہیں کہ جس انداز میں وہ جہانگیر ہمدانی کے ساتھ نکاح کر کے گئی تھی، اس سے تو اچھا تھا وہ رات کی سیاہی میں اس کے ساتھ بھاگ جاتی۔ بات ایک ہی تھی، اب اسے مار ڈالنے یا بھول جانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ بات بھی ایک ہی تھی، اس کے دل نے اندھیرے میں چنگاری جلائی۔

اس نے آہستگی سے عائشہ کے ہاتھ سے گلاس لے کر لبوں سے لگا لیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔

عائشہ کرسی پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ کلائی پر بندھی نازک رسٹ واچ کو بھی دیکھتی جاتی تھی۔

"کیا تم بھی ان لوگوں کے ہتھے اسی طرح چڑھی تھیں؟" آدھا گلاس پی کر اس نے گلاس واپس کرتے ہوئے بے اختیار پوچھا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" گلاس پیچھے ریک پر رکھتے ہوئے چہرہ دوسری طرف کیے وہ پست آواز میں بولی تو اس نے مزید کچھ نہ پوچھا۔

کمرے میں بولتی خاموشی تھی، دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔

"میں اب چلتی ہوں۔ یہ میرا سیل رکھ لو۔ اس میں، میں نے نئی سم ڈال دی ہے۔ کسی کے ہاتھ بھی لگ گیا تو خیر ہے۔" اس نے پرس سے اپنا سیل نکالتے ہوئے اس کے سرہانے رکھ دیا۔ "میں کل آنے کی کوشش کروں گی۔ نہ آ سکی تو فون کر دوں گی۔ میرا رابطہ نمبر

ا لکھ کر دے رہی ہوں مگر تم کوشش کرنا کہ خود سے فون نہ کرو۔ میں کرلوں گی، ویسے بھی میرے خیال میں کل رات یا
تمہیں ڈسچارج کر دیں گے۔ اب مزید کچھ نہ سوچنا۔ میڈیسن نرس دے گئی ہے تمہیں؟'' وہ کسی فکرمند اٹینڈنٹ کی
تھی۔ تنزیل نے نفی میں سر ہلا دیا۔
آ جائے گی۔ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' وہ جانے کو تیار تھی۔
ے گھر...... گھر میں کیا بتایا تم نے؟''
جاب کے لئے شہر سے باہر گئے ہو۔'' وہ بولی۔ ''اور دیکھو، تم ان کے بارے میں اس حال میں بھی اتنے پریشان ہو تو
خواستہ انہیں کچھ ہو جائے اور جس طرح کی وہ میڈم کا چچہ تمہیں دھمکی دے کر گیا ہے، اگر خدانخواستہ اس پر وہ لوگ عمل کر
ہارا کیا حال ہوگا؟ تو خود کو ایسی اذیت میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟'' وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''تانیہ کے
م انتقامی انداز میں سوچنے کے بجائے اس کے لئے مثبت انداز میں سوچتے ہوئے اس کے لئے دعا کرو۔ شاید اللہ اس کے
رستہ نکال ہی دے۔ اس کے ہاں کچھ بھی ناممکن نہیں، جبکہ اس طرح ری ایکٹ کر کے تم اپنا ہی دوہرا نقصان کرلو گے۔ اس کو
ڈاور اپنے ماں باپ اور دونوں بہنوں کے بارے میں سوچو۔ انہیں ان مشکل گھڑیوں میں تمہاری کیسی ضرورت ہے۔ اور تم
طرح منظر سے غائب ہو کر انہیں اور بھی پریشان کر دیا ہے۔ اور جو غصے میں کسی انتہائی عمل کو چھو لیتے تو اب حوالات میں
، اور پھر وہاں سے نکلنا جیتے جی ناممکن سمجھو، تو سوچو...... پیچھے ان چاروں کا کیا بنتا؟ ان ساری باتوں پر ٹھنڈے دل سے سوچو،
انے کی کوشش کروں گی۔ او کے، خدا حافظ!''
ہاتے جاتے اس کی پیشانی کو ذرا سا چھو کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے مڑ گئی اور نقاب اچھی طرح چہرے پر جماتی باہر نکل
ل نڈھال سا بستر پر گر گیا۔
ی باتوں میں کچھ بھی جھوٹ نہیں تھا، بلکہ سب اس کی بہتری کے لئے تھا۔ مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتا، جو تانیہ کے بارے میں
غصے کی آگ میں جلنے لگتا۔
آخر یہ کیوں رسک لے کر میرے پیچھے آئی ہے؟ مجھے ہاسپٹل بھجوایا۔ میری خاطر یوں رات کے اندھیرے میں...... ہے تو
ں کار عورت کی معتمد خاص۔ یقیناً اس کی جاسوس ہے، اور کسی خاص مقصد کے لئے یوں میرے پیچھے لگی ہے۔ بالکل یہی بات
اور جوں جوں سوچتا جاتا، اس کا دماغ اس کی تائید کرتا جاتا۔
تو کیا تمہیں یہ کوئی جاسوس لگتی ہے؟ تمہاری خاطر جو جیل میں ملنے کے لئے چلی آئی اور یہاں بھی۔ کیا تم اپنے طیش اور انتقام
راتنے بدگمان ہو چکے ہو کہ اپنے سائے پر بھی شک کرنے لگے ہو اور بھول گئے ہو، اپنی اس اولین کیفیت کو جو اس لڑکی کو
ے دل نے محسوس کی تھی اور پھر اس کی ''گڑبڑ'' جان کر کیسے بدک کر پیچھے ہٹے تھے۔ تانیہ جیسی عفت مآب لڑکی جب صرف
طرانی پاکیزہ زندگی کو گٹر جیسی گندگی میں گرانے کی جرأت کر سکتی ہے، تو سوچو اس کی کیا مجبوری ہوگی جو یہ اس غلاظت میں
اور پھر بھی...... پھر بھی سروائیو کر رہی ہے۔ اور جو تمہارے پیچھے آ رہی ہے، تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''
''وجہ'' اس کا دل سمجھ رہا تھا مگر دماغ اس سے انکاری تھا اور ابھی ایک نئی جنگ میں خود کو جھونکنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔
ہاس نے آنکھیں موند لیں۔

✻ ◉ ...... ◉ ✻

''کیا...... کیا کہا تم نے؟...... جہانگیر ہمدانی؟'' آغا جان جو سینے پر ہاتھ رکھے اسے مسلتے ہوئے دبا رہے تھے، یاسمین کے
بتانے پر ذرا سا سیدھے ہوئے اور نقاہت بھری آواز میں پھر سے پوچھنے لگے۔
''جی آغا جان! یہی نام بتایا ہے میں نے آپ کو۔'' ان کے چہرے کی پیلی زرد پڑتی رنگت نے یاسمین کو بہت کچھ سمجھا دیا کہ کچھ
غلط ہو گیا ہے یا ہونے والا ہے۔
''یا اللہ خیر...... آغا جان کو اس وقت تو کچھ نہ ہو۔ تنزیل بھی گھر پہ نہیں ہے۔'' انہوں نے اپنا دھیان اس ''غلط'' کی طرف لگایا،
جو شاید آغا جان کے اٹیک کی صورت میں ہونے والا تھا۔
''تمہیں پتہ ہے، یہ مردود جہانگیر ہمدانی کون ہے؟'' وہ یاسمین کے متردد چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے اسی طرح کمزور آواز
میں بولے تو یاسمین نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''تم نے بتایا تھا نا کہ میری پوتی...... میری پوتی تھی، آبگینے...... آبگینے...... جس کا نکاح میں نے اسی مردود کے ساتھ
اور تھوڑے ہی دنوں میں میری پوتی...... میری معصوم بچی...... بقول اس شیطان کے اس نے خودکشی کر لی تھی، اپنے سینے
...... چھو سکتی تھی اس...... اس نے...... یہی تھا وہ...... میرے پاس تصویر ہے۔ میرے براؤن

سوٹ کیس کا لاک 303 پر کھولو۔ اندر کی پاکٹ میں تصویر ہے اس ملعون کی۔ دیکھو، ذرا لاؤ۔"
وہ اب ہانپتے ہوئے کہہ رہے تھے اور یاسمین ان کی حالت کی پروا کئے بغیر اندر جا چکی تھیں، جہاں آغا جان کا سامان پڑا تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ لٹھے سا سفید پڑتا چہرہ لئے، کانپتے ہاتھوں سے تصویر تھامے باہر آ گئیں۔
اور آغا جان اس دوران دل ہی دل میں دعا کر رہے تھے کہ اس نام کا وہ کوئی اور شخص ہو۔ خدا نہ کرے ان کو وہ دکھ اور اذیت دیکھنی پڑے، جس سے وہ گزر رہے ہیں۔ مگر یاسمین کا پیلا پھٹک چہرہ دیکھ کر ہی وہ بیٹھ گئے۔ ہمیشہ کی طرح ان کی دعا غیر مقبول ہوئی۔ یاسمین سامنے پڑی کرسی پر دھپ سے گر گئیں۔ کسی سوال جواب کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے تصویر کو اٹھائے کسی پتھرائے ہوئے وجود کی طرح بیٹھی تھیں۔
"کاش...... کاش تم مجھے خبر کر دیتیں۔ ہلکا سا اشارہ، کچھ بھی، تو شاید یہ انہونی ہونے سے رک سکتی۔" بہت دیر بعد وہ مرے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔
"پھر بھی کیا ہو جاتا آغا جان! وہ سیاہ بخت اپنی قسمت ڈبونے کو خود تیار بیٹھی تھی۔ میں اور آپ کیا کر لیتے؟" یاسمین کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آئی تھی۔
"بے شک، کچھ نہ کرتیں۔ مگر میں اس حرام خور، اس نامراد کو ضرور پولیس کے حوالے کر سکتا تھا۔ میرے پاس یہ تصویریں تھیں اور کچھ نہیں تو جعلسازی کا کیس تو بن ہی جاتا۔ لڑکی کو ورغلانے اور پہلا نکاح چھپانے کا۔ اور اس کے علاوہ جانے کتنی لڑکیوں کی زندگی برباد کر چکا ہو گا یہ زہریلا ناگ۔" وہ کہہ رہے تھے اور یاسمین کے ارد گرد پچھتاوے کے کالے ناگ پھن اٹھا اٹھا کر لہرا رہے تھے اور ان کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ فقط ایک لمحے کی بھول، ذرا سی کوتاہی...... آغا جان کو اگر پتہ چل جاتا تو شاید تانیہ اس بھیانک گڑھے میں گرنے سے بچ جاتی۔
ان کا دل چاہ رہا تھا، سینے پر دو ہتڑ مار کر اپنی کم عقلی، اپنی نادانی اور بیٹی کی ذلت آمیز رخصتی پر خوب ماتم کریں۔
اسی وقت آغا جان کی واسکٹ میں پڑا ان کا سیل فون بجنے لگا۔
"ہوں، اسامہ!...... وعلیکم السلام۔ جیتے رہو۔" وہ بھیگی ہوئی آواز میں خود کو سنبھالتے ہوئے کہہ رہے تھے۔
"بھلا چنگا ہوں۔ جیتا ہوں۔ معلوم نہیں قدرت نے مجھے کیا کچھ دکھانے کے لئے زندہ چھوڑا ہے۔"
"کوئی نیا غم نہیں بیٹا! پرانے زخم ہی اُدھڑ اُدھڑ کر ہستی کو ملیا میٹ کر رہے ہیں۔" وہ بے دم ہو کر بولے۔
"تم پاس ہوتے تو سب کہتا تم سے، اب کیا کہوں؟"
"آنے کا ارادہ ہے تو بس آ چکو۔ اب ان بوڑھی آنکھوں میں اور دم نہیں انتظار کا۔ ہر دن نیا غم، ہر پل نیا صدمہ آخر یہ بوڑھی جان اور کتنا جھیلے گی۔ دیکھو، اس مردود کو، میری بوڑھی، تجربہ کار، جہاں دیدہ آنکھیں نہ پرکھ سکیں۔ وہ تو بہت بڑا پروفیشن شکاری نکلا۔" وہ پھولی ہوئی سانسوں کے بیچ بمشکل بول رہے تھے۔
"اس جہانگیر ہمدانی کی بات کر رہا ہوں۔ میری آنکھوں میں دھول جھونک کر، میرے ہی گھر میں نقب لگا کر میرے بوڑھے سینے پر ایک اور زخم لگایا ہے۔ کیا کہوں، کیسے کہوں؟ ایک بار پھر......" وہ بے اختیار رونے لگے۔
"پھر اس ظالم نے شکار کے لئے میری معصوم پوتی کا انتخاب کیا...... کاش! میں غافل نہ ہوتا، کاش میں یہاں سے نہ جاتا اور اسے موقع نہ ملتا۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ہانپنے لگے۔ یاسمین سیدھی ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔
"بس آ جاؤ تم جلدی سے تو اس مردود کی کوئی تدبیر کریں، ورنہ وہ نہ جانے کتنی معصوم زندگیوں کو زندہ درگور کرتا رہے گا۔ ہم تو جو صدمہ جھیل چکے، اللہ کسی اور کے نصیب میں یہ اذیت نہ لکھے۔ اللہ، تانیہ کو اپنی امان میں رکھے۔ وہ جس بھی بہکاوے میں مجبوری میں اس کے ساتھ گئی ہے، میری بچی کو خدا اپنی امان میں رکھے۔ اس کے بچاؤ، اس کی حفاظت کا اپنی جناب سے بندوبست کرے۔ تم بھی دعا کرنا۔ اور بس اب اگلا فون مجھے اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لئے ہی کرنا۔ اب اس نئے زخم کے بعد اور وقت نہیں گزارا جائے مجھ سے۔ اللہ حافظ! اپنا خیال رکھنا۔" انہوں نے کپکپاتے ہاتھوں سے سیل آف کر دیا۔
"آغا جان! اب کیا ہو گا؟" بہت دیر بعد کمرے میں یاسمین کی آواز گونجی تھی کہ دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑے احسن مراد کا ہاتھ بے اختیار تیزی سے دھڑکتے دل پر ٹھہرا۔
"دعا کرو یاسمین! اس کے لئے بہت زیادہ۔ اللہ کرے، اسامہ جلدی آ جائے اور تنزیل بھی۔ دونوں اگر مل کر اسے ڈھونڈ نکالیں تو کچھ کیا جا سکتا ہے، ورنہ تمہارے پاس تانیہ کا کوئی نمبر، کوئی ایڈریس؟"
"نہیں، وہ اپنا موبائل بھی جاتے ہوئے ادھر ہی چھوڑ گئی تھی۔" وہ روتے ہوئے بولیں تو آغا جان کے وجود پر بھی گمبھیر خاموشی چھا گئی۔ احسن مراد کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد آگے بڑھے۔

"یاسمین! وہ ہمارے لئے مرچکی ہے۔ تم نے خود اسے یہ کہہ کر رخصت کیا تھا۔ اب یہ دکھاوے کے آنسو کس لئے بہاتی ہو؟ اس کی سلامتی کا خوف لاحق ہے تو ان آنسوؤں کو پونچھ لو۔ جتنی بد دعائیں ہمارے دُکھی دلوں نے اس کو دی ہیں، اس کی سلامتی محال ہے۔ اور اس وقت اس کی سب سے بڑی نجات اسی میں ہے کہ وہ مرجائے...... مرجائے وہ۔" احسن مراد سفاک لہجے میں کہتے ہوئے لوبھر کو رک کر یاسمین کو جھکے سر کے ساتھ آنسو بہاتے دیکھتے رہے، پھر جس طرح آئے تھے، اسی طرح اپنے اندھیرے کمرے میں لوٹ گئے۔

اور ان کے جانے کے بعد یاسمین نے ان کے لفظوں پر غور کیا تو انہیں احساس ہوا، وہ سچ کہتے ہیں۔ اس وقت تانیہ کے لئے اس سے اچھی اور کوئی "دعا" ہو ہی نہیں سکتی...... مگر وہ ایک ماں ہو کر یہ "دعا" اس کے حق میں کیسے کر سکتی تھیں؟

انہیں سمجھ میں نہ آیا تو پھر سر جھکا کر بے اختیار بے آواز آنسوؤں سے رونے لگیں۔

✲⊙......⊙✲

"ہوں...... استادوں سے استادیاں۔ جہانگیر! اب تمہیں یہ فن بھی آ گیا ہے۔ مبارک باد دینے کے لئے فون کیا ہے۔ کس کمال سے تم اپنے شکار کو نکال لے گئے کہ اور تو اور، ہم جیسے زیرک نظر کو بھی علم نہیں ہو سکا۔ ویسے سچ بتاؤ، اس طرح اور کتنے خفیہ منصوبے تمہارے شیطانی دماغ میں محفوظ ہیں؟"

میڈم یاقوت نے گھر جانے سے پہلے جہانگیر ہمدانی کا نمبر ملایا تھا۔ گھر میں تو آج کل ان کے لئے "کرفیو" والی کیفیت تھی۔ لائبہ کی موجودگی میں وہ "اس طرح" کی کوئی بھی کال نہیں کر سکتی تھیں۔ سو خیال آتے ہی فوراً متجسس ہو کر نمبر ملایا۔ دن بھر تو جہانگیر کا نمبر نہیں آف ملتا رہا تھا۔

"ہمارے ساتھ رہو گی تو بہت کچھ سیکھو گی۔ اور رہ گیا بتانے والا معاملہ تو تمہیں معلوم ہے کہ میں جس کام کا بیڑا اُٹھا لوں، اسے کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ جلد یا بدیر تو مجھے کرنا ہی تھا۔ اگرچہ ہمارے حساب سے دیر ہو ہی گئی تھی، مگر کامیابی نے اس دیر کے ملال کو دھو ڈالا ہے۔ اور تمہیں تو معلوم ہے، کامیابی حاصل کرنے سے پہلے اس کے ڈنکے بجانا میری سرشت میں نہیں۔"

جہانگیر ہمدانی کا مطمئن، کامران سا لہجہ میڈم یاقوت کو اندر ہی اندر ان دیکھے حسد میں مبتلا کر گیا۔

وہ ہمیشہ اس طرح کے کام بنا بتائے چھپ چھپا کر کرنے کا عادی تھا مگر ہر بار انہیں دھچکا سا ضرور لگتا تھا کہ جہانگیر مجھے بتائے بغیر یہ کیسے کر سکتا ہے؟ ان کے اندر کی عورت بری طرح سے ہرٹ ہوتی تھی۔

"خیر، اپنی سرشت کی بات تو تم نہ کرو۔ یہ تو ہم سے پوچھو، تمہاری ظالم سرشت میں کیا کیا کچھ ہے۔" وہ جتانے والے انداز میں بولیں۔ اصل بات وہ چاہتی تھیں کہ وہ اپنے منہ سے خود اُگلے۔ "اور تم جو اس چڑیا کو بھگا کر لے آئے ہو، اس کے غیرت مند، جیالے بھائی نے جو ہنگامہ ادھر برپا کر رکھا ہے، ذرا یہاں ہوتے تو تمہیں معلوم پڑتا، کس طرح تمہاری "کرنیوں" کو میں نے بھگتا ہے۔" وہ احسان جتانے والے انداز میں بولیں۔

"ففٹی پرسینٹ کی پارٹنر ہو۔ اتنا تو بھگتنا تمہارا فرض ہے۔ اور رہ گئی بات اس جیالے کی تو سمجھو اس گیسی غبارے کی گیس نکالنا تو اُلٹے ہاتھ کا کام ہے میرا۔ اور یوں بھی میں ناجائز طریقے سے شکار کو اُڑا کر نہیں لایا بلکہ......" اور میڈم یاقوت کا دل اتنی زور سے دھڑکا جیسے سینے کا حصار توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"کتنواں شرعی نکاح ہے تمہارا؟" وہ اپنے ہی دل پر پاؤں رکھتے ہوئے سنگ دلی سے بولیں۔

"جانے دو، اتنا بے وقوف سمجھ رکھا ہے مجھے، جو خود اپنے گلے میں طوق ڈالتا پھروں؟ کہاں کا نکاح، کیسا نکاح؟" اس نے معنی خیز انداز میں ذرا پرے بیٹھی تانیہ کو تمسخر بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"اچھا...... اب کیا اپنے منہ سے نکلے لفظوں سے بھی مکرو گے؟" وہ بولیں۔

"کون سے لفظ؟" وہ صاف مکر گیا۔ "میں نے کون سا نکاح کیا ہے اس سے؟ اور بھگا کر بھی نہیں لایا، بلکہ بڑے جائز طریقے سے، عزت و احترام کے ساتھ اس کے ماں باپ اور محلے کے سرپرستوں کی موجودگی و بخوشی اجازت سے لے کر آیا ہوں۔ پوچھ لو وہاں جا کر کسی سے بھی۔ اتنا اناڑی کھلاڑی سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟" وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا تو تانیہ کا جی چاہا، سامنے پڑا شیشے کا بھاری مینٹل پیس اُٹھا کر اُس کے سر پر دے مارے۔

"ماشاء اللہ! کیا بات ہے۔ نہ تم اناڑی ہو، نہ وہ بے وقوف تو جو بغیر کسی شرعی کام کے اپنی پلی پلائی، خوبرو لڑکی کا ہاتھ عزت و احترام سے تمہیں تھما دیں۔ سچ کہو، معاملہ کیا ہے؟"

"تمہاری جان کی قسم! بالکل یہی معاملہ ہے۔ آؤ گی تو خود پوچھ لینا ہماری بیوٹی کوئین سے۔" وہ تانیہ کو آنکھ مار کر جلانے والے انداز میں بولا۔

''کسی اور کو چلانا۔ میرا نام بھی میم یاقوت ہے۔ اب ایک مرحلہ تو طے ہو گیا، آگے جس مقصد کے لئے اسے لے کر گئے تھے، اس کو شروع کرنے کا ارادہ کب تک ہے؟'' وہ جہانگیر ہمدانی کی شیخیوں سے بیزاری ہو کر بولیں۔

''آج ہی سے شروع سمجھو۔''

''وہ راضی ہو جائے گی؟'' انہیں کچھ حیرت ہوئی۔

''راضی ہے تو میری جان! میرے پہلو سے لگی بیٹھی ہے۔'' وہ عامیانہ انداز میں ٹھٹھا مار کر ہنسا۔

تانیہ غصے میں پیر پٹختی وہاں سے ساتھ والے روم میں چلی گئی تو جہانگیر ہمدانی کا قہقہہ کچھ اور بھی طویل ہو گیا۔

''مذاق نہیں کرو۔ وہ اس طرح کے ماحول میں پلی بڑھی ہے، یوں یک دم اس فیلڈ میں کیسے آ سکتی ہے؟ جبکہ اسے نہ شوق ہے، نہ تجربہ۔ تمہارے ساتھ تو بھولپن میں آ گئی۔ یہ مٹکنا، ٹھمکنا مرضی سے سیکھنے میں تو عمریں لگ جاتی ہیں۔'' وہ جتا کر بولیں۔

''کتنی بھی پارسا ہو، نیکی کے جھولے میں جھول جھول کر پروان چڑھی ہو، دیکھنا کیسے اس ہیرے کو تراشتے ہیں ہم۔ جس مقصد کے لئے اسے لائے ہیں، ان شاء اللہ مقررہ تاریخوں پر ہی ہو گا سب کچھ۔ ہم تو اڑیل ٹٹو کو سدھارنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ تو پھر معصوم، بے ضرر سی لڑکی ہے۔ ٹھمکنا، مٹکنا تو عورت کی سرشت میں ہے ہی، بس اندر سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کی گرومنگ کے لئے آج ہی سے مستند انسٹرکٹر آ رہی ہے۔ دیکھنا ذرا آ کر اس ہیرے کی لشکارے چند ہی دنوں میں۔'' وہ بڑے بااعتماد لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''ارے میں تو بھئی دعا ہی کر سکتی ہوں۔ ورنہ تم سمجھ نہیں رہے، اونٹ کو پہاڑ کے نیچے لانا آسان کام نہیں۔ پھر بات کریں گے اور تمہاری پروگریس کے بارے میں پتہ کروں گی۔ ابھی مجھے ذرا جلدی ہے، بائے!.......اور سنو!'' انہیں اچانک کچھ یاد آیا۔

''کوئی اسپیشل پری کاشن نہ بتانا۔ یوں بھی آج کل ہمارے ''ظرف'' کا بڑا کڑا امتحان چل رہا ہے۔'' وہ اس کمرے کی طرف آتے ہوئے ذومعنی انداز میں بولا، جدھر تانیہ گئی تھی۔

''تمہیں کسی ہدایت کی کب کوئی ضرورت ہے۔ مجھے کال کرنی ہو تو دن میں آفس ٹائم میں کر لیا کرنا۔ رات کو میں آج کل فیکٹری کا پیپر ورک مکمل کروا رہی ہوں، اس لئے ڈسٹربنس ہو گی۔''

''اوہو! اتنی محنتی تم کب سے ہو گئیں؟ تمہاری راتیں کون سے پیپر ورک میں گزرتی ہیں؟ کیا اب یہ بھی ہمیں بتاؤ گی۔ چلو، عیش کرو اور ہمارے لئے دعا کرو، بائے۔''

اس نے گھٹیا پن سے کہتے ہوئے ہنس کر فون بند کر دیا تو میڈم یاقوت دانت پیس کر رہ گئیں۔

'مکار! ہم سے داؤ کھیلتا ہے، جیسے میں اس کے بارے میں جانتی نہیں۔ سارا کچا چٹھا معلوم کروا لوں گی، کون سا داؤ آزما کر لڑکی لے اڑا ہے۔ یہ سمجھتا ہے، یاقوت ابھی بھی بھولی، نادان، بے وقوف سی لڑکی ہے، جو اس کی بنائی ہوئی خوب صورت کہانی پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی تھی، جیسے محبت کے ڈائیلاگ بول کر تم پچاس پرسینٹ کے شیئر کو ستر میں تبدیل کروا کے بڑے آرام سے مجھ سے سائن کروا لیا کرتے تھے اور میں بے وقوف بن جایا کرتی تھی، جیسے اب.......اب بن گئی اور وہ معمولی سی لڑکی تمہارے پہلو.......'

ان کے اندر کچھ دھڑا دھڑ جلنے لگا تھا۔

انہوں نے گاڑی کے ایکسلیٹر پر پاؤں رکھ دیا۔ اسی وقت ان کے سیل کی مدھر ٹیون بجنے لگی۔

''ماما! آپ کب آئیں گی؟........ میں گھر میں اس مسلسل انتظار اور اکیلے پن سے فیڈ اپ ہو گئی ہوں۔ اگر مجھے اسی طرح رہنا تھا تو یو۔ کے کیا برا تھا؟ آپ کے پاس مجھے آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ ان کی کال ریسیو کرتے ہی پھٹ پڑی۔

''میری جان!........ سویٹی! دیکھو یہ بھی تمہاری اپنی چوائس ہے اور اسی لئے تو میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھتی تھی کہ میں تمہیں مناسب وقت نہیں دے پاؤں گی۔ تم اسی لونلی نیس کا شکار ہو کر فرسٹیٹڈ ہو جاؤ گی۔ بہر حال میں راستے میں ہوں۔ آ رہی ہوں۔ ڈنر کی کیا صورتِ حال ہے؟'' ان کی کچھ دیر پہلے والی جلن کہیں گم ہو چکی تھی۔

''ایک دم ریڈی، ہر چیز۔ اور اب تو میری بھوک بھی خوب چمک اُٹھی ہے۔ آپ بس جلدی سے آ جائیں تو دیگ کا ڈھکن اُٹھنے کی کوئی صورت بنے۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''اور بھول گئیں، آج کے اسپیشل گیسٹ کو؟........ بھئی اس کی آمد تک تو کوئی دیگ کے ڈھکن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔'' انہوں نے بھی مذاقاً اسی کے انداز میں کہا۔

''اوکے، جیسے آپ کا حکم۔ مگر دیکھئے، اب آپ کا وہ اسپیشل گیسٹ قیامت کا انتظار نہ کروا ڈالے۔ مجھ میں ہمت نہیں ہے۔''

''اوکے، ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ میں معلوم کرتی ہوں۔ اور میں بھی بس پہنچنے والی ہوں۔ اوکے، سی یُو۔'' کہتے ہوئے انہوں نے سیل بند کر کے رکھ دیا۔

ذرا دیر بعد وہ دائم کا نمبر ملا رہی تھیں۔ نیٹ ورک بزی تھا شاید۔ انہوں نے سیل ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔
"ہائے ماما!" سویٹی ہمیشہ کی طرح انہیں پہلے سے بھی زیادہ کیوٹ اور تازہ دم لگی تھی۔ ان کے اندرونی دروازہ کھولتے ہی وہ ان کے گلے لگ گئی۔ وہ اسے پیار کرتے، اپنے ساتھ لگائے اندر چلی آئیں۔
"اُف! تھک گئی۔ مگر اپنی جان کو دیکھ کر ساری تھکن اُتر گئی۔ کیسا دن گزرا؟" وہ جھک کر پیروں کو نازک سلور سینڈل سے آزاد کرتے ہوئے بولیں۔
"بور...... بلکہ بور ترین...... ماما! میں نے سوچا ہے بلکہ فیصلہ کرلیا ہے کہ کل سے میں بھی آپ کے ساتھ ہی آپ کے آفس جایا کروں گی۔ ٹھیک ہے نا؟" وہ جو جوتے اتار کر سیدھی ہو رہی تھیں، لحہ بھر کو جھکی رہ گئیں۔
"یہ تو مجھے پتہ چل گیا ہے، تم کتنی بڑی ہوگئی ہو کہ اپنے سارے فیصلے خود کرنے لگی ہو۔ مجھے شامل کرنے کی بھی زحمت نہیں کرتیں۔ مگر میری جان! ابھی کچھ دن مزے سے ریسٹ کرو، پھر اس پر بات ہوگی۔ میں ذرا فریش ہو آؤں۔ تم کھانا لگواؤ۔" وہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئیں۔
"ماما! کھانا لگ گیا ہے اور آپ کا وہ خاص مہمان ابھی نہیں آیا، اس لئے میں تو اور صبر نہیں کرسکتی۔ شروع کرنے لگی ہوں۔" وہ ان کو دیکھتے ہی دور سے اعلان کرنے والے انداز میں بولی۔
"اگر میں صرف اتنا بتا دوں کہ وہ خاص مہمان کون ہے تو شاید تم صبح تک کیا، اس سے بھی آگے تک بغیر شور مچائے بڑے صبر و سکون سے بیٹھ سکتی ہو۔" وہ اس کے سامنے کرسی سنبھالتے ہوئے بیٹھ گئیں۔ رات کی مناسبت سے انہوں نے ڈارک میرون اور بلیک کمبی نیشن کا لائٹ سا سوٹ پہنا تھا، جس میں ان کی دودھیا رنگت اور بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ انہوں نے بڑی نزاکت سے پانی کا گھونٹ بھرا۔
"رئیلی...... ایسا کون سا مہمان ہے؟ پھر تو آپ ضرور بتائیں۔" وہ مشتاق لہجے میں بولی۔
"جس کا نام سن کر ہی تم اتنی دور سے دبے صبرے پن سے بھاگی آئی ہو۔" انہوں نے اسے یاد دلانا چاہا۔
"کون؟...... کس کے لئے؟" لائبہ کو قطعاً یاد نہیں آیا۔
"سویٹی! بھول گئیں، میں نے تم سے ایک اہم بات شیئر کی تھی کہ تمہارا بھائی بھی ہے۔ ٹوئنز ہو تم دونوں۔ بھول گئیں؟" ان کے کہنے پر وہ اچھل ہی تو پڑی۔
"رئیلی ماما! آپ نے بھائی کو بلایا ہے؟...... واقعی؟" وہ جوش سے تمتماتے چہرے کے ساتھ بولی۔
"ہاں بھئی، واقعی تمہارے بھائی کو بلایا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"تو بھائی کو معلوم ہے، وہ مجھ سے...... اپنی بہن سے ملنے آرہے ہیں؟"
"ہوں، ہاں!" وہ کچھ سوچ کر بولیں۔
"تو پھر انہوں نے آنے میں اتنی دیر کیوں لگا دی؟ مجھے تو سنتے ہی اُف کتنی بے چینی ہونے لگی ہے۔ اُف! فون کریں نا انہیں۔" اب بے چین سی کھڑی ہوگئی۔
"ماما! بھائی کا نام کیا ہے؟...... وہ دیکھنے میں کیسے ہیں؟ اور وہ آپ کے ساتھ یہاں کیوں نہیں رہتے؟ کیا Mysterious (پُراسرار) لائف گزار رہے ہیں ہم؟" وہ اب اِدھر سے اُدھر چکرا رہی تھیں۔
اسی وقت باہر بیرونی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔
"لو، میرے خیال میں وہ آگیا۔ تم یہیں رکو، میں خود اسے جا کر لے آتی ہوں۔ تم ابھی سامنے نہیں آنا، اوکے؟" وہ بھی پُر جوش سی اٹھ کر باہر کی طرف بڑھیں۔ لائبہ مشتاق سی دو قدم ان کے پیچھے چل کر پھر سے پیچھے ہوگئی۔
"بھئی آج میں نے تمہیں ادھر ایک خاص ہستی سے ملوانے کے لئے بلوایا ہے۔ ملو گے تو حیران بھی ہوگے اور...... اور خوش بھی۔ جس طرح کی بے چینی تمہیں یہاں کھینچ کر لائی ہے اپنی جڑواں بہن سے ملنے کے لئے۔ سوچو ذرا، وہ کتنی بے چین ہوگی۔ آؤ، آ جاؤ۔" وہ تیز تیز بولتے اسے ساتھ لئے چلی آرہی تھیں۔
دائم جھنجلایا جھنجلایا سا کچھ ان کے عقب سے آگے ہوا تھا۔
لاؤنج میں جلتی قرمزی دودھیا لائٹوں اور فینسی فانوس کی چمکتی روشنیوں کے عین نیچے تھوڑی گھبرائی اور پُر جوش سی لائبہ کو دیکھ کر دائم اپنی جگہ کسی پتھر کی طرح جامد ہوگیا...... کچھ ایسا ہی حال لائبہ کا بھی تھا۔ وہ اُلجھن اور حیرت میں ماں سے سوال کرنا بھی بھول گئی۔
میڈم یاقوت نے ایک نظر دونوں کے چہروں پر ڈالی اور پھر دونوں کے بیچ آکر کھڑی ہوگئیں۔
"ارے، دائم! آؤ نا بیٹا!...... میری جان! رک کیوں گئے؟ یہ لائبہ ہے، میری بیٹی۔ تمہاری جڑواں بہن۔ آؤ!" وہ کھنکھناتی

آواز میں بڑے شوق سے انداز میں کہہ رہی تھیں۔
اور لائبہ کو ایک زور کا چکر آیا۔ اِدھر اُدھر کسی سہارے کے لئے دیکھا اور پھر لاچاری ہو کر ڈولتے سر کو تھام کر گرتی چلی گئی۔

✲◉......◉✲

جہاز لینڈ کرنے سے لے کر ارائیول لاؤنج میں آنے تک ڈاکٹر رخشندہ کی اُنگلیاں دائم کا نمبر ملا ملا کر گھس گئیں۔
اُس کا سیل آن تھا، مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔
دو بار اس دوران انہوں نے گھر فون کیا تو ملازم یہی کہہ رہے تھے کہ وہ ابھی گھر نہیں آیا۔
آخری بار بات کرتے کرتے تو وہ چیخ پڑیں۔
''میں تم سب جھوٹے، نمک حراموں کو گھر آ کر دیکھ لوں گی۔ تم جو مذاق میرے ساتھ کر رہے ہو۔ بتاؤ کدھر ہے دائم؟''
وہ اس طرح چیخیں کہ ارد گرد کھڑے لوگ کچھ حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔ انہیں اپنی اس جذباتی حرکت پر شرمندگی اور دائم سے ملنے والی خوشی پر شدید غصہ حاوی ہو گیا۔
اس کے بعد انہوں نے اس کو فون نہیں کیا۔ سامان ملتے ہی خود ہی ٹیکسی کر کے گھر کی طرف چل دیں۔
وہ وقتاً فوقتاً پاکستان آتی رہتی تھیں، چار پانچ سالوں بعد۔ اس بار وہ چھ سال بعد آئی تھیں۔ ارد گرد بہت کچھ تبدیل ہو چکا انہیں نوٹس کرنے کی فرصت نہیں تھی۔
رنج، غصہ، ناراضی، سب مل کر ان کا دماغ ماؤف کر رہے تھے۔ گھر کے گیٹ کے آگے ٹیکسی رُکوا کر انہوں نے ڈور بیل پر ہاتھ رکھا تو تین چار منٹ تک اٹھایا ہی نہیں۔ مگر کوئی گیٹ کھولنے بھی نہیں آیا۔ وہ پریشان سی کھڑی رہ گئیں۔

✲◉......◉✲
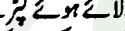
''ماما! وہ آپ سے ایک بات کہنا تھی۔'' سارہ درزی سے لائے ہوئے کپڑے دیکھ رہی تھیں، جب کتاب پڑھتی عزہ نے ان سے
''ہوں، بولو۔'' وہ بے دھیانی سے بولیں۔ ان کا سارا دھیان کپڑوں کی سلائی کی طرف تھا۔
''ماما! مجھے پندرہ بیس دنوں یا شاید مہینہ بھر کے لئے اپنی فرینڈ فرح کی طرف شام کو کمبائن اسٹڈی کے لئے جانا پڑے گا، کم تین چار گھنٹوں کے لئے۔'' وہ کتاب بند کر کے آگے ہو کر بتانے لگی۔
''ہیں۔'' وہ بے اختیار چونکیں۔ ''کمبائن اسٹڈیز اور تم کرو گی، کسی اور کے ساتھ؟''
''کیوں، اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے؟ سب ہی اسٹوڈنٹس کرتے ہیں۔'' وہ ذرا ناک چڑھا کر بولی۔
''میں سب ہی کی نہیں، صرف تمہاری بات کر رہی ہوں۔ آج تک تو تمہیں ایسی کوئی ضرورت نہیں پڑی۔'' وہ پھر سے کپڑوں کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔
''جس چیز کی کبھی ضرورت نہیں پڑی، کیا ضروری ہے کہ کبھی بھی ضرورت نہ پڑے؟'' وہ جھلا کر بالوں میں اُنگلیاں چلاتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔
''ایسی کیا ضرورت آن پڑی؟'' وہ اس کے انداز پر پھر سے اس کی طرف پورے دھیان سے متوجہ ہوئی تھیں۔ عزہ کے انداز میں اضطراب سا تھا۔
''ماما! مجھے کیمسٹری اور فزکس میں ضرورت ہے تھوڑی کوچنگ کی۔ اور فرح کے پاپا ان دونوں سبجیکٹس میں پرفیکٹ ہیں، وہ ہمیں تھوڑا گائیڈ بھی کر دیا کریں گے اور ہم دونوں مل کر اپنی پرابلمز بھی شیئر کر لیا کریں گے، اتنی سی بات ہے۔'' وہ تفصیل دے رہی تھی، مگر آنکھوں میں، انداز میں بولتی ہوئی بے چینی صاف جھلک رہی تھی۔
''تمہارے پاپا نہیں مانیں گے۔ اگر تمہیں کسی قسم کی کوچنگ کی ضرورت ہے تو وہ تمہارے لئے گھر پر ٹیوٹر کا بندوبست کر دیں گے، مگر یوں کسی دوسرے کے گھر جا کر وہ بھی روزانہ تین چار گھنٹوں کے لئے قطعاً اجازت نہیں دیں گے، تمہیں معلوم ہے۔'' انہوں نے قطعی انداز میں کہا اور کپڑے سمیٹنے لگیں۔
''ماما! مجھے کوئی دو چار ماہ کے لئے ٹیوشن وغیرہ نہیں پڑھنی۔ یوں بھی آئی ہیٹ ٹیوشن۔ یہ تو جسٹ تھوڑی گائیڈ لینی ہے اور ہم دونوں مل کر ڈسکس کر لیا کریں گے۔ کون سا دو چار ماہ کے لئے کہہ رہی ہوں؟ پندرہ بیس دنوں کے لئے اور بس۔'' وہ بے حد تھوڑی ملتجی ہو کر کہہ رہی تھی۔
''تمہارے پاپا نہیں مانیں گے، ان سے بات کرنے یا بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جو کرنا ہے گھر میں کرو۔'' وہ کپڑے سمیٹ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔
''آپ تو مان سکتی ہیں نا؟'' عزہ نے آگے بڑھ کر کپڑے ان کے ہاتھ سے لئے اور دوبارہ صوفے پر رکھ دیئے۔

"تو میرے ماننے سے کیا ہوگا، میں کون سا ان سے منوا سکتی ہوں؟ میری اس گھر میں ویلیو ہی کیا ہے؟" وہ خود ترسی والے انداز میں کچھ تلخی سے بولیں۔

"پاپا آج کل تو یوں بھی گھر آٹھ نو سے پہلے نہیں آ رہے۔ اوّل تو میں ان کے آنے تک آ جایا کروں گی، وہ آتے ہی تو اپنی اسٹڈی میں چلے جاتے ہیں، آج کل کھانا تک وہیں کھا رہے ہیں۔ اگر........" وہ کہتے کہتے جھجک کر رک گئی۔

"تمہارا مطلب ہے، ان کی نالج میں لائے بغیر میں تمہیں اجازت دے دوں؟ یہ کہہ رہی ہو تم؟" وہ تیزی سے بولیں تو عزہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

"ناممکن۔" سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے اس گھر میں زلزلہ نہیں لانا، اتنا بڑا فیصلہ خود ہی کر لوں اور تمہارے باپ کو خبر نہ ہو، بالکل ناممکن........ جو انہیں ذرا سا بھی پتہ چل گیا تو........" سارہ نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

"تو کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ زور زور سے چلائیں گے، دس بارہ برتن ٹوٹیں گے تو کون سی نئی بات ہوگی؟ یوں بھی تو وہ سب بلا جواز کرتے ہی رہتے ہیں۔" وہ منہ موڑ کر تلخی سے بولی۔

"عزہ!" سارہ تنبیہی انداز میں بولیں۔ "وہ تمہارے فادر ہیں، تمہیں ان کے بارے میں ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔" سارہ نے شاید پہلی بار عزہ سے محمود عالم کے بارے میں اتنے مثبت انداز میں بات کی تھی۔

"سوری ماما! مجھے ان کے بارے میں، آپ کے بارے میں کیا سوچنا ہے اور کیا رائے رکھنی چاہئے، یہ بتانے میں آپ نے خاصی دیر کر دی۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی تھی، مگر سارہ نے سن لیا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"خیر، آپ اجازت دیں یا نہ دیں، میں شام سے جا رہی ہوں فرح کی طرف اور........ گاڑی بھی خود لے کر جاؤں گی۔" وہ یکدم ٹون بدل کر بولی تھی، بالکل دوٹوک انداز میں۔ سارہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ یہ کس انداز میں مجھ سے بات کر رہی ہو؟ اور کیا میری یا محمود کی اجازت کے بغیر تم پوری شام باہر گزار سکتی ہو؟ کیا ہمیں دنیا سے گزرا ہوا سمجھ لیا ہے تم نے؟" وہ غصے سے بولیں۔

"ایسا تو شاید آپ دونوں نے سمجھ رکھا ہے۔" وہ بے خوفی سے بولی۔

"عزہ!" سارہ تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر بولیں۔

"ماما! شام آپ دونوں کی لڑائی دیکھتے ہوئے اپنا دماغ خراب کر کے گزاروں یا کہیں کسی پُرسکون ماحول میں کچھ دیر ریلیکس ہو لوں؟ ظاہر ہے، مجھے دوسری چوائس ہی اپیل کرتی ہے۔" وہ بڑے آرام سے کہہ کر مڑی اور کتابیں اٹھانے لگی۔

"دیکھو، تمہاری فضول کی ضد میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ جو اجازت لینی ہے اور جو بحث مباحثہ کرنا ہوگا، شام کو اپنے طرم خان باپ سے کرنا۔ اس نے آج تک مجھے چوں نہیں کرنے دی، اس گھر میں کس کی اجازت کا سکہ چلتا ہے، تمہیں بخوبی علم ہے۔ پھر بھی ایسی ہٹ دھرمی دکھانا چاہتی ہو تو شوق سے اپنے باپ کو دکھا لینا۔" وہ کندھے اچکاتی، بے نیازی سے کہہ کر جانے لگیں تو عزہ کو ٹھٹکنا پڑا۔

'اس طرح تو کام خراب ہو جائے گا۔ اگر بابا کے نالج میں یہ بات آ گئی تو میرا گھر سے نکلنا تو کیا، کمرے سے نکلنا موقوف کر دیں گے۔ اور مجھے وہ انتہائی قدم جو میں نے آخری حد کے طور پر سوچ رکھا ہے، ابھی اٹھانا پڑ جائے گا۔ اور ابھی تو نیا ساحل کنارے ہے، ابھی چٹانوں سے سر پھوڑنا بہت نقصان دہ ہوگا۔' اس نے یہ سب سوچنے میں ایک لمحہ ہی لگایا تھا اور دوسرے پل دوڑ کر جاتی ہوئی ماں کے کندھے سے لٹک گئی۔

"ماما پلیز!........ اچھی ماما! آپ کو تو پتہ ہے پاپا کے غصے کا۔ خوامخواہ اشتعال میں آ جائیں گے۔ مجھے بس تھوڑے سے دنوں کے لئے تو جانا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو پاپا کی نالج میں لائے بغیر بھی یہ ہو سکتا ہے، ورنہ پلیز........ ماما! میری تھوڑی سی پرابلم ہے۔ آپ کو پتہ تو ہے، میں نے کبھی ٹیوشن نہیں لی اور نہ مجھے پسند ہے۔ یونہی ذرا آج کل اکیلے بیٹھ کر پڑھنے میں جی نہیں لگتا۔ بس تھوڑے دنوں کی تو بات ہے۔ پھر میں گھر پر ہی پڑھ لوں گی۔"

جو گڑ سے مر سکتا ہو، اسے فوری زہر دینے کی بھلا کیا ضرورت ہے........ وہ مسلسل سارہ کے کندھے سے چپکی، ان کے گلے میں جھولتی لاڈ سے کہے جا رہی تھی۔ اور سارہ بھی شاید اس کی محبت کے اس مظاہرے سے کچھ نرم پڑ گئی تھیں، فوری طور پر اس کے بازوؤں کو جھٹکا نہیں ورنہ انہیں ایسے لاڈ پیار سے سخت چڑ تھی۔

"عزہ! یہ ٹھیک نہیں۔ اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا کہ محمود کو پتہ نہ چلے اور پھر تم جو کہہ رہی ہو کہ گاڑی خود لے کر جاؤ گی، یہ تو اور بھی ان کے غضب کو ہوا دینے والی بات ہے۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہیں؟" وہ نرمی سے اس کے بازو اپنے گلے سے نکالتے ہوئے اسے اپنے سامنے کھڑا کر کے بولیں۔

''ماما! ڈرائیور کے ساتھ جاؤں گی تو وہ پاپا کو بتا دے گا۔ اور ماما! گھر میں دو ہی تو سپر پاورز ہوتے ہیں، ماں اور باپ۔۔۔ آپ کی کیا اتنی بھی اہمیت نہیں، آپ میرے بارے میں ایک چھوٹا سا بے ضرر فیصلہ کر سکیں جو کہ کسی ناجائز بات کے لئے نہیں۔ میری کلاس فیلوز کی مدر اتنی کوآپریٹو، اتنی ہیلپ فل ہوتی ہیں، اپنی بیٹیوں کی بیسٹ فرینڈز، اپنے فادرز کے ہر اٹل فیصلے کے مقابل انہیں اپنی ماں کی فل سپورٹ اور ان کا ووٹ حاصل ہوتا ہے۔ وہ سارا سارا دن اپنی فرینڈز کے ساتھ گھر سے باہر رہیں، کہیں بھی جائیں، انہیں کوئی ٹینشن نہیں ہوتی کہ ماما کو بتا آئی تھی میں یا ماما کو فون کر کے انفارم کر دیا تھا میں نے اور بس۔ جبکہ میں تو آج تک آپ کی اجازت کے بغیر کہیں گئی بھی نہیں اور۔۔۔۔۔۔۔''

وہ سارہ کو نرم پڑتے دیکھ کر بولتی چلی گئی، اور جس انداز میں اس نے ان کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

''محمود ہنگامہ کر دیں گے۔ بہتر ہے، ایک بار تم ان سے پوچھ لو، میں تمہارا ساتھ دوں گی، جب تم ان سے بات کرو گی۔'' انہیں شاید اس کے منت بھرے انداز پر رحم آ گیا تھا۔

''ماما! آپ تو پاپا کی طبیعت کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہیں۔ وہ تو سنتے ہی آپے سے باہر ہو جائیں گے، یا پھر گھر پہ ٹیوٹر کا انتظام ہو جائے گا اور بس پھر نہ آپ کی حمایت کام آئے گی اور نہ میری کوئی دلیل۔''

''تو اس میں حرج کیا ہے؟ اچھا ہے، ٹیوٹر گھر آ جائے گا تو تمہارا مسئلہ گھر بیٹھے حل ہو جائے گا۔ دو چار ماہ جتنے دن چاہو پڑھنا اور فارغ کر دینا۔''

''ماما! کچھ دن۔۔۔۔۔۔۔ پلیز! کچھ دنوں کے لئے اس گھر کے ٹینس ماحول سے علیحدہ ہو کر میں پورا دھیان اپنی اسٹڈیز کی طرف لگانا چاہتی ہوں۔'' اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ سارہ لمحہ بھر کو چپ سی رہ گئیں۔

''اب ایسی کون سی تمہاری پڑھائی تھپ ہو گئی ہے، جس سے اس گھر کے ماحول سے فرار لازمی ہے؟ بچپن سے آج تک اسی ماحول میں رہتی رہی ہو اور پوزیشن لیتی رہی ہو۔ اب اس ماحول کو کیا ہو گیا ہے؟'' وہ بھی سارہ تھیں، عزہ کے اتنے بڑے طعنے کو کیسے پی سکتی تھیں۔

''پہلے میرا بچپنا تھا۔ آپ کی چپقلش، آپ دونوں کے جھگڑے مجھے خوف زدہ تو کرتے تھے مگر۔۔۔۔۔۔۔ اب میں بڑی ہو گئی ہوں، آپ کو شاید علم نہیں۔'' وہ طنزیہ لہجے میں جت کر بولی۔ ''اور میری اسٹڈیز بھی اور میں بھی اس سے کتنی متاثر ہو رہی ہوں، شاید آپ جاننے میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں گی۔ تو پھر شام کو میں چلی جاؤں فرح کی طرف؟'' اس نے بات کرتے کرتے کہا تو سارہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

'میں اب بڑی ہو گئی ہوں۔' ان کے دھیان کی سوئی عزہ کے اس جملے پر ٹِک ٹِک بجے جا رہی تھی۔

''ہوں۔۔۔ چلی جانا۔ مگر صرف دو گھنٹے کے لئے۔ پانچ بجے سے سات بجے تک۔ اس سے زیادہ نہیں۔'' انہیں بادل ناخواستہ اجازت دینا پڑی تھی۔

''تھینکس ماما! یُو آر گریٹ۔ مجھے پہلے ہی پتہ تھا، آپ اجازت دے دیں گی۔'' وہ آگے بڑھ کر ان کا منہ چومتے ہوئے خوشی سے بولی۔ سارہ سپاٹ چہرہ لئے کھڑی رہیں۔

''اب کیا سوچ رہی ہیں؟'' عزہ نے جاتے جاتے یونہی پوچھا۔

''ہوں۔۔۔۔۔۔۔ کچھ نہیں۔ اماں جان نے اتنے دنوں سے نہ فون کیا، نہ میں نے ہی کیا۔ آج یونہی ان سے ملنے کو دل کر رہا ہے۔ سوچ رہی ہوں، ابھی جا کر ہو آؤں۔ پھر شام کو تو شاید تمہیں بھی جانا ہو گا۔'' وہ جو سوچ رہی تھیں، اس سے اپنے دماغ کو ہٹانے کے لئے بولی تھیں، ورنہ پہلے ایسا کوئی خیال بھی ان کے دماغ میں نہیں تھا۔

''میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔'' وہ فوراً تیار ہو گئی۔

''ہوں۔۔۔۔۔۔۔ چلو ٹھیک ہے، تم چینج کر لو۔ میں بھی تیار ہو جاتی ہوں۔ آدھے گھنٹے میں نکل چلتے ہیں۔''

سارہ فوراً مان گئیں۔ ورنہ احسن مراد کی طرف سے نہ تو وہ خود بھی جانے پر اتنی آسانی سے راضی ہوتی تھیں، نہ کسی اور کا جانا پسند کرتی تھیں۔ مگر آج۔۔۔۔۔۔۔

'آج یقیناً سورج تھوڑا آڑا ترچھا نکلا ہو گا۔ ماما اور میری ساری باتیں مانتی جائیں۔ امپاسیبل۔'

وہ کچھ حیران، کچھ خوش سی تیار ہونے چل دی تھی۔

✲ ۞ ...... ۞ ✲

''لائبہ! میری جان!۔۔۔۔۔۔۔ سویٹی!۔۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا لائبہ؟'' میڈم یاقوت پریشان سی اسے یوں گرتا دیکھ کر پکڑنے کو آگے بڑھی تھیں۔ مگر وہ پہلے ہی تیورا کر گر چکی تھی۔ وہ اب فکرمندی سے اس کے سر، ماتھے پر کسی امکانی چوٹ کو تلاش کر رہی تھیں اور اسے

...ہا کر رہی تھیں۔
...لائبہ شاید بے ہوش ہو چکی تھی۔ اور دائم کون سا اپنے حواسوں میں تھا۔ ہوش تو اس کے بھی گم ہو چکے تھے۔
...لائبہ اور اس کی بہن۔ لائبہ...... اس کی نگاہوں کے سامنے چت لیٹی لائبہ ہی نہیں، سارا منظر بھی گول گول گھومے جا رہا تھا۔
...میڈم یاقوت اب نوکروں کو آوازیں دے رہی تھیں، جو لائبہ کو اٹھا کر اندر کمرے میں لے جا رہے تھے۔ اور میڈم یاقوت حواس
...موبائل اٹھا کر شاید ڈاکٹر کو کال کر رہی تھیں۔
...پریشانی کی اس گھڑی میں وہ پیچھے کھڑے دائم کو شاید بالکل فراموش کر چکی تھیں۔ ڈاکٹر کا نمبر ملا کر اسے فوری طور پر گھر آنے کا
...کہہ کر وہ اس جانب جا رہی تھیں، جدھر ملازم لائبہ کو اٹھا کر لے گئے تھے۔
...وہ کچھ دیر گم صم بخود سا اس خاموش منظر میں کسی مجسمے کے مانند کھڑا رہا اور پھر مڑ کر بوجھل قدموں سے باہر آ گیا۔
...باہر اندر جیسا سکوت تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ اتنی بند کہ لان کے درخت، پودے، پھول سب یوں سانس روکے، اپنا وجود تھامے
...ساکت کھڑے تھے، جیسے ذرا سا بھی ہلے تو کائنات کا کوئی اہم راز فاش ہو جائے گا۔
...راز تو فاش ہو گیا شاید۔ اسے اتنی نقاہت، اتنی کمزوری ہو رہی تھی، جیسے ذرا دیر اور کھڑا رہا تو گر پڑے گا۔
...اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے سر اٹھا کر تاروں بھرے نیلگوں آسمان کو دیکھا۔
...کتنی عجیب بات ہے، دنیا میں بڑے سے بڑا حادثہ ہو جائے، چھوٹی موٹی قیامتیں تو کائنات بھر میں روز کہیں نہ کہیں برپا ہوتی
...ہیں اور یہ تمام مظاہر فطرت کتنے آرام سے، کتنے معصومانہ انداز میں پلک جھپکے بغیر یوں ساکت کھڑے تکتے ہیں، جیسے ان
...کا شناسائی اور کوئی ہے ہی نہیں...... یہ چھوٹی موٹی قیامتیں اتنی لرزہ خیز، اتنی خوف ناک ہوتی ہیں اور مظاہر فطرت ٹس سے مس
...نہیں ہوتے۔ اور جب اصل قیامت ظہور میں آئے گی تو وہ کیسی ہلا دینے والی ہوگی، جب چٹانیں روئی کے گالوں کے مانند اڑیں
...گی، اور جو اس چھوٹی سی قیامت سے میرا دل کسی روئی کے گالے کے مانند ہی بے وزن ہو کر میرے سینے میں چکراتا پھر رہا ہے،
...اسے کیسے ٹھکانے پر لاؤں؟...... اور اس کی حقیقت؟
...یہ "حقیقت" ہے کہ لائبہ میری بہن ہے...... میرا دل، میرا دماغ کیسے یقین کرے گا؟...... کیسے؟
...میں یقین کر بھی لوں تو لائبہ...... جس نے دوستی کے اتنے سالوں میں بلکہ شناسائی کے اوّل دن ہی سے میرا تصور کسی اور
...طرح وابستہ کر رکھا ہے، وہ جذباتی، حد سے زیادہ حساس لڑکی جو ایک بار اپنی جان لینے کی کوشش کر چکی ہے، کیا وہ اس قیامت
...پر یقین کرے گی؟ مکمل یقین، مان لینے کے ساتھ کہ میں، دائم مصطفیٰ اُس کا حقیقی بھائی ہوں۔'
...پہلی بار ہوا تھا کہ اس کے دھیان کی سوئی دائم کے ساتھ لگے مصطفیٰ پر آ کر کیسے تھرتھرائی تھی، اٹک کر رہ گئی تھی۔
...مصطفیٰ کون ہیں پھر؟...... میرا ان سے تعلق؟...... مائی گاڈ! میں پاگل ہو جاؤں گا۔ یہ میڈم یاقوت نے مجھے کس الجھاؤ،
...کس بھنور میں چکرا دیا ہے؟...... میں اب اور ضبط نہیں کر سکتا۔ انہیں مجھے تمام تر حقیقت بتانی ہی ہوگی...... اگر یہ سب اس عورت
...کا ہی کوئی چال، کسی منصوبہ بندی کا حصہ ہے...... تو میں کسی بہت گہری سازش کے جال میں پھنس چکا ہوں۔ اور اگر ایسا کچھ
...نہیں تو پھر وہ دونوں کون ہیں؟ ڈاکٹر رخشندہ اور مصطفیٰ۔ ان سے میرا رشتہ، میرا تعلق کیا ہے؟...... یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی
...میرا دل ان ہی کی طرف کیوں جھکا جا رہا ہے؟
اگر یہ سب مجھ سے سچ منوانا چاہتی ہیں تو انہیں سب کچھ...... سب کچھ مجھے بتانا ہوگا۔ اوّل و آخر...... کل...... کل ہی میں
...کھل کر بات کروں گا۔ اگر اس عورت نے مجھے سچ...... کلی سچ بتانے میں آنا کانی کی تو میں یہاں ایک دن بھی نہیں رکوں گا، ماما پاپا
کے پاس چلا جاؤں گا۔ یہ عورت شاید مجھے ٹریپ کرنا چاہتی ہے۔ مگر کیوں؟'
...اسی کیوں پر آ کر اس کے دماغ کی ساری توانائی نچڑ کر رہ جاتی۔ وہ کھلے گیٹ سے چلتے ہوئے پیدل ہی کافی آگے نکل آیا تھا۔
...رک کر سوچنے لگا کہ وہ کہاں ہے؟
...پیچھے مڑ کر دیکھا تو میڈم یاقوت کے گھر کا گیٹ کھلا تھا اور وہ اپنی گاڑی اندر ہی چھوڑ آیا تھا۔
...وہ تھکے تھکے قدموں سے مڑا اور گاڑی لینے چل دیا۔
...اندر اسی طرح جامد خاموشی تھی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور سست رفتاری سے گاڑی باہر نکال لایا۔ وہ کتنی دیر تک یونہی بے
...مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ اسے یہ سب بہت عجیب و غریب، بہت ناقابلِ یقین سا لگ رہا تھا۔
...کوئی ہوا ایسا، جس سے وہ اپنی زندگی کے ساتھ ہونے والا یہ انوکھا واقعہ شیئر کر سکے۔ ایسا واقعہ جس نے اس کا ماضی، حال،
...مستقبل سب کے معنی بدل ڈالے تھے۔ سب چیزوں، سب واقعات کو بے ترتیب سا کر دیا تھا۔ اور وہ تو بہت ترتیب، بہت ڈسپلن
...سے زندگی گزارتا آیا تھا۔ اب ایسی ہنگامہ خیز بے ترتیبی...... کہ اس کا اندر باہر ہل کر رہ گیا تھا۔

دو بار میڈم یاقوت کی کال آئی تھی اس کے سیل پر اور اس نے نمبر دیکھ کر سیل واپس رکھ دیا تھا۔
'اب کوئی عذر لنگ نہیں۔ کوئی مجبوری کی، سمجھوتے کی کہانی نہیں سنوں گا۔ جو سچ ہے صرف وہی........بس رات کے یہ چند گھنٹے گزر جائیں۔ میں اس ''سچ'' کے سوا اور کسی بات پر کمپرومائز نہیں کروں گا، مگر مزید خود کو آزمانا پاگل کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور دائم مصطفیٰ! یہ چند گھنٹے یقیناً یوں سڑکوں پر مٹر گشت کرنے سے بھی نہیں گزارے جا سکتے، اس کے لئے بہرحال گھر جانا اور تھوڑا بہت ریسٹ یا نیند........اُس نے بالآخر دل کو سمجھاتے ہوئے گاڑی کو گھر کے رستے پر ڈال دیا۔
اس کا جسم ہی نہیں، دماغ بھی جیسے ان دیکھے بوجھ سے شل ہو رہا تھا۔ جب وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے تھکا ہارا، لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور اندر سے آتی مانوس آواز نے اس کے قدموں کو کسی بھاری زنجیر سے باندھ دیا۔ وہ خواہش کے باوجود اگلا قدم آگے نہیں بڑھا سکا تھا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے کھڑا ہی رہ گیا۔
آج کی رات لگتا ہے، کائنات کے سب ہی چھپے ہوئے راز اس پر منکشف ہو جائیں گے۔ ہینڈل پر رکھے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہوئے اس نے آخری بات یہی سوچی تھی اور گہرا سانس لیتے ہوئے ہینڈل ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

❋◉......◉❋
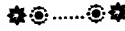
''سر! شی اِز کوائیٹ فِٹ۔ آئی میوڈ (measured) ایوری تھنگ۔''
وہ جو کسی ماہرِ حُسن وزیبائش کی طرح کافی دیر سے اِدھر اُدھر، اوپر نیچے سے اسے ناپنے تولنے لگی تھی، ایک لمبی پروفیشنل چپ کے بعد سرگرم آواز میں بولی تھی۔
جہانگیر ہمدانی ان سے کافی فاصلے پر تین چار فائلوں میں سر دیئے، گم بیٹھا تھا۔ لینا کی چہکتی آواز پر فائلیں وہیں چھوڑ کر ان کے پاس آ گیا۔
''بھئی تم نے باقاعدہ measurement کے بعد یہ اعلان کیا تو داد تو دو ہماری باریک بینی کو۔ ہم نے پہلی نظر میں اس قابل سراپے کو اوکے کر ڈالا تھا۔''
اس کی آواز میں لینا سے بھی زیادہ چہچہاہٹ تھی اور تانیہ کو لگا، کسی نے گرم گرم سیال اس کے کانوں میں اُنڈیل دیا ہو۔
''آپ کی کیا بات ہے۔ میری مہارت آپ کی جوہر شناس نگاہوں کے سامنے پانی بھرتی نظر آتی ہے۔'' اس نے سامنے پڑی نازک کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنی نیم عریاں دودھیا ٹانگوں کو ایک دوسرے پر رکھا اور دلچسپ نظروں سے سپاٹ چہرہ لئے بیٹھی تانیہ کو دیکھنے لگی۔
''گڈ، لینا! تم خوب ترقی کرو گی۔ اس کی پروڈکشن تو میں نے پہلے دن ہی کر دی تھی، اب ایسا ہے کہ آج ہی سے کام شروع کر دو۔ تانیہ یوں بھی بہت کوآپریٹو ہے، تم سے مکمل تعاون بھی کرے گی۔ اور بھئی تم بھی اپنی تمام تر پروفیشنل اسکل (مہارت) اس پر لگانا کہ ہمارا ہیرا جب مارکیٹ میں آئے........تو آئے ہائے ہائے........تہلکہ مچ جائے، قیامت ہی ہو جائے۔ پھر دیکھنا لینا! جہانگیر ہمدانی کیسے تمہیں سونے میں تولتا ہے۔'' وہ خالص کاروباری انداز میں کہہ رہا تھا۔
اس لمحے کے تصور سے اس کی آنکھوں میں گلابی سا نشہ تیرنے لگا تھا۔ جب........تانیہ کا........معصوم حُسن........سرِعام بے نقاب ہونے جا رہا تھا۔
''اوکے سر! آپ میری مہارت کی انتہا دیکھیئے اور میں آپ کی زبان کی ساکھ کو۔'' وہ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور چھوٹے سے بلیک بلاؤز کو درست کرتی، تانیہ کی طرف بڑھی۔
''چلو میری باربی ڈول! تمہیں سچ مچ کی ڈول بنانا ہے، یہ سر نے چیلنج دیا ہے مجھے۔'' وہ بے تکلفی سے تانیہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اِک ادا سے جہانگیر ہمدانی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
تانیہ نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے کیا اور اُٹھ کر دوسرے کمرے میں بھاگ گئی، جہاں لینا اس کی اس اچانک حرکت کے لئے تیار نہیں تھی، وہیں جہانگیر ہمدانی کا منہ بھی لحہ بھر کو کھلا رہ گیا۔
''ہوں........'' اپنی کھسیاہٹ کو مصنوعی مسکراہٹ سے چھپاتے ہوئے وہ بیڈروم کی طرف بڑھا، جہاں تانیہ گئی تھی۔
لینا کے لبوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ اس نے اپنا پرس اٹھا کر اس میں سے سگریٹ نکالا اور سنہری لائٹر سے سلگا کر اطمینان سے کش بھرنے لگی، کیونکہ اسے پتہ تھا، ابھی فوری طور پر دونوں کا باہر آنا ممکن نہیں تھا۔
''یہ کیا تماشا ہے؟'' وہ اندر جا کر بیڈ کے آخری کونے پر سمٹ کر بیٹھی تانیہ سے غرّا کر بولا۔
''تماشا تو تم شروع کرنے جا رہے ہو، میرا اور اپنا۔'' وہ یک دم آپ جناب سے تم پر آتے ہوئے نڈر لہجے میں بولی تھی۔
جہانگیر ہمدانی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مطلب کیا ہے اس بکواس کا؟" وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے خونخوار لہجے میں بولی۔
"اگر تم نے میرے ساتھ زبردستی کی تو تمہیں اس کا مطلب بھی سمجھا دوں گی۔ اتنا کمزور اور بے وقوف نہ سمجھنا مجھے۔" وہ پہلے سے بھی زیادہ دلیری سے جہانگیر ہمدانی کی لحہ بہ لحہ سرخ ہوتی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔
"کمزور، بے وقوف۔ ہاہاہ......" وہ پہلے اسے گھورتا رہا، پھر دانت کچکچا کر بولتے ہوئے کھوکھلا قہقہہ لگانے لگا۔ "لگتا ہے، اتنے زیادہ عیش و آرام، یہ ٹھاٹھ باٹ اور مزے کی زندگی دیکھ کر تمہارا دماغی توازن بگڑ گیا ہے تو کوئی بات نہیں میری جان! اگر ان چیزوں کی وجہ سے تمہارا میٹر گھوما ہے تو میں اس میٹر کو درست بھی کر سکتا ہوں۔ ابھی تم نے میرا پیار ہی تو دیکھا ہے جانو!" وہ چبا چبا کر بولتے ہوئے اس کے قریب آ رہا تھا۔
"اگر تم مجھے اپنی بیوی اناؤنس کرو تو میں بخوشی یہ سب کرنے پر تیار ہو جاؤں گی، جو تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اور اگر بطور داشتہ رکھ کر مجھے اس گندگی میں چھلانگ لگانے کو کہو گے تو یاد رکھو، یہ تم مجھ سے قیامت تک نہیں کروا سکتے۔ میں اپنی اور تمہاری جان تو لے سکتی ہوں، مگر اس دلدل میں نہیں اُتر سکتی۔" وہ اس سے بھی زیادہ خونخوار انداز میں کہہ رہی تھی اور بیڈ کے اوپر سے چلتے ہوئے دوسری طرف کو دوڑ گئی تھی۔
جہانگیر ہمدانی اس کے انداز و اطوار کو اُلجھی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"یہ فتور ابھی تمہارے دماغ میں آیا ہے یا تم یہ سب پلان کر کے آئی تھیں؟" وہ اسے شاید ٹائم دینا چاہ رہا تھا۔
"تم نے مجھے اپنے کون سے پلان سے آگاہ کیا ہے، جو میں تمہیں اپنی سوچوں میں شریک کروں؟" وہ بے لحاظ لہجے میں بولی۔
"مطلب کیا ہے، اس سارے کا؟"
"بتا چکی ہوں، اپنے شیطانی حلقہ احباب کو دعوت ولیمہ دو۔ مجھے اپنی بیوی اناؤنس کرو اور پھر اگلے دن سے جو مجھ سے کہو گے، میں کر دکھاؤں گی۔ مگر یوں نہیں جیسے تم چاہ رہے ہو۔" وہ انگلی اٹھا کر اسے متنبہ کرنے والے انداز میں بولی۔
"تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو؟" وہ سر ہلاتے ہوئے کچھ پُرسوچ انداز میں بولا تھا۔
"مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں، صرف تمہیں ہماری شادی کے بارے میں سب کو بتانا ہے، پھر جو تم کہو گے۔"
"ورنہ؟" وہ دھیرے دھیرے اس کے پاس آ رہا تھا۔
"ورنہ میں تمہیں ختم کر سکوں یا نہیں، اپنی جان ضرور لے لوں گی اور تم جانتے ہو، میں اپنے ارادوں میں کیسی مصمم ہوں۔ جو کہتی ہوں، طے کرتی ہوں، کر کے چھوڑتی ہوں۔ ورنہ تم مجھ سے شادی کر سکتے تھے بھلا؟" وہ صاف جہانگیر ہمدانی کو اپنا مذاق اُڑاتی ہوئی محسوس ہوئی۔
اس کے خون میں چنگاریاں سی اُڑنے لگیں۔ گویا وہ اس کے بے وقوف بن جانے کا مذاق اُڑا رہی تھی۔
"اپنی جان ضرور لے لوں گی۔" دوسرے ہی پل جہانگیر ہمدانی کے دماغ میں یہ جملہ کسی بازگشت کی طرح گونجا، جیسے پیچھے سے کسی نے ٹیپ کو ریورس کر دیا ہو۔
ثانیہ کی جگہ آبگینے کھڑی تھی۔
"اگر تم نے مجھے مجبور کیا تو میں اپنی جان لے لوں گی۔ ابھی، اسی وقت...... میرے قریب مت آنا......" اس کے ہاتھ میں تیز دھار، چمکتے پھل والی چھری تھی اور باہر...... باہر لینا کی جگہ جہانگیر ہمدانی کا سب سے مہنگا کسٹمر...... اپنے آرڈر کی تکمیل کے انتظار میں بیٹھا تھا۔
جہانگیر ہمدانی نے غیر ارادی طور پر قدم آگے بڑھائے۔
"ایک قدم...... ایک قدم بھی اور آگے مت بڑھانا، ورنہ......" وہ ثانیہ تھی کہ آبگینے۔
نہیں، وہ آبگینے تھی...... اور جہانگیر ہمدانی کے قدم آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

❋......❋
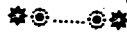
"ایں...... ہیں...... کیا بک رہی ہو؟ میں سمجھی نہیں۔" ثریا بانو کی عینک بدحواسی میں ناک سے پھسلی اور زمین پر جا پڑی۔
یاسمین نے جلدی سے آگے کو جھک کر عینک اٹھائی۔ آگے پیچھے سے دیکھ کر عینک کی سلامتی کا یقین کرتے ہوئے عینک انہیں تھما دی، جن کا دھیان عقب کی طرف بالکل بھی نہیں تھا۔ وہ تو آنکھیں چندھیا کر یک ٹک یاسمین کو تکے جا رہی تھیں، جو انہیں عینک تھما کر اب مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھیں۔
"تم نے یہ کہا۔" انہوں نے اپنے حواس قابو میں کرتے ہوئے کھنکار کر گلا صاف کیا اور ذرا متوازن آواز میں بولیں۔ "کہ تم نے...... یعنی تم نے خود ثانیہ کا نکاح کر دیا، میری غیر موجودگی میں۔ محض چار دن کے لئے میں گھر سے نکلی اور تم اتنی خودمختار، اتنی

طاقت ور ہو گئیں کہ تم نے سوچا، بڑھیا جہان سے گئی۔ خس کم جہاں پاک۔ سو دل کی جتنی بھی حسرتیں ہیں، اپنی خود مختاری ظاہر کرنے کی، سو کر ڈالو۔ ہے نا یہی بات؟ .... ہے نا؟" آہستہ آہستہ ان کا جلال عود کر آ رہا تھا اور یاسمین کو نظر آ رہا تھا، تھوڑی دیر میں اس گھر میں کیا بھونچال آنے والا ہے۔ ان کو زندگی کی بدترین ذلت ملنے والی ہے، جو مل تو چکی ہے۔

"اماں! مجبوری......... سخت مجبوری تھی......... آپ احسن سے پوچھ لیں، کس طرح......... یہ سب ہوا......... عزت بچانے....." وہ ہکلا ہکلا کر کوئی بھی جملہ پورا نہیں کر پا رہی تھیں۔

"اے جانے دو۔ کون سی عزت؟ کون سی بے عزتی؟......... بے حیا بیٹی کو رات کے اندھیرے میں بھگا کر اب اسے کون سی کھلی پرانی عزت کی چادر پہنا کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہ رہی ہو؟ اور اس......... اس محتاج لنگڑے لولے کو کیوں الزام دیتی ہو تم ماں بیٹی نے جانے کیا ڈھونگ رچا کر اس کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکی اور اب مجھے بھی بے وقوف بنا رہی ہو۔ کیا سمجھتی ہو مجھے ایسی کم عقل، سٹھیائی ہوئی ہو گئی ہوں کہ تمہاری اس بے پر کی بکواس پر یقین کر لوں گی؟ کیا آفت آ گئی تھی؟ ایسی کون سی مجبوری تھی کہ راتوں رات......... تم نے دو دن اس پاگل بڑھیا کا انتظار کیا نہ اسے کسی مشورے کے قابل سمجھا۔ کیا سمجھا تم نے مجھے، بولو؟" ثریا بانو کے منہ سے غصہ اب کف کی شکل میں اُڑ رہا تھا۔

"اماں جان! پلیز میری پوری بات سنیں، میں نے یہ سب اس گھر کے لئے......... آپ میرا یقین کریں۔ معاملہ ایسا تھا، تانیہ کی ضد........." یاسمین کانپتی آواز کے ساتھ رو ہی پڑیں۔

"کیا ضد؟......... کھلونا مانگ رہی تھی؟......... اس گھر کو تیلی لگا کر آتش بازی کا مزہ لینا چاہ رہی تھی؟ اور تُو نے اُس کی ضد کی خاطر اس گھر کو ایک انار، ایک پھلجھڑی کی طرح پھونک ڈالا۔ یہ کیا تم نے اس گھر کے لئے، بولو؟......... ارے یونہی ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی تو زہر کیوں نہ دے ڈالا اس کرموں جلی، بدبخت، نامراد کو؟......... وہ ہاتھ بھر کی چھوکری تیری آنکھوں کے نیچے سارا کھیل کھیلتی رہی اور تُو نادان، انجان بنی اس کی نوکریوں کے چکر میں نوٹ اینٹھتی آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ ارے تف......... تف ہے یاسمین بیگم! تیرے ماں ہونے پر......... ایسا گندا دودھ تھا تیرا۔ ہماری پُرکھوں کی لاج کو تُو نے گندے جوہڑ میں پھینک ڈالا......... اور........." اُن کا بس نہیں چل رہا تھا، اُٹھ کر یاسمین کو جوتوں، ہاتھوں، مکوں، لاتوں سے پیٹ ڈالیں یا آگے بڑھ کر ان کے سر پر جوتوں کی بارش کر ڈالیں۔

"ہائے ہائے......... اندھیر مچ گیا۔ غضب خدا کا، چار دن......... چار دن کے لئے میں گھر سے گئی اور اس نے جوان، پلی پلائی بیٹی اللہ جانے کس بدکار کے ساتھ روانہ کر دی اور اب مظلوم بی بی بنی ٹسوے بہا رہی ہے اور......... میں......... میں کیا ہوں؟ مٹی کا مادھو، کاٹھ کا اُلو؟......... احسن! سن اُٹھ کے، تیری ماں کو جیتے جی اس تیری لاڈلی مظلوم بیوی نے کیسے مرا ہوا جان لیا۔ چار لوگوں کو بلا کر گناہ کو ثواب میں بدلتے ہوئے اس نامراد کو ایک بار بھی یہ خیال نہ آیا کہ لوگ اس بڑھیا کے بارے میں کیا سوچیں گے......... ارے ثریا بانو......... وہ ثریا بانو، جو ہمیشہ ٹانگ اٹھا کر، لوگوں کے سامنے ناک اونچی رکھ کر بات کیا کرتی تھی، اس کی بہو بیٹے نے اسے جیتے جی مار ڈالا۔ ایک مشورے کے قابل نہ جانا۔ یہ......... یہ اوقات رہ گئی میری، ثریا بانو کی۔ تو میں رہوں گی اس گھر میں؟ مر کر بھی نہیں۔" وہ تو غصے میں پاگل ہو رہی تھیں۔

اندر بیٹھے آغا جان نے ہتھیلی پر رکھی گولیوں کا ڈھیر پانی کے پورے گلاس کے ساتھ نگلا اور باہر جا کر ثریا بانو کو سمجھانے، ٹھنڈا کرنے کی ترکیب سوچنے لگے۔ مگر اس وقت اس بپھری شیرنی کے سامنے جا کر اپنی بے وقعتی کو اور بھی دو کوڑی کرنے کے برابر تھا۔ وہ تو یوں بھی اس گھر میں ذرا بچ بچا کر رہ رہے تھے۔ بن بلائے مہمان وہ بھی مستقل وبالِ جان کا مشورہ، ہمدردی بھی کسی تازیانے کی طرح لگا کرتا ہے۔ یہی سوچ کر وہ دو بار اُٹھے اور پھر بے ہمت ہو کر بیٹھ گئے۔

باہر ثریا بانو کا اشتعال بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

انہیں احسن مراد کے سکوت، ایسے ضبط پر حیرت ہو رہی تھی، جو ماں کے سارے ہذیان کو اندر بیٹھے آرام سے سن رہا تھا۔ ذرا باہر نکل کر بیوی کی ہمدردی میں نہ سہی، معاملے کی رنگینی کے لئے بھی دو چار لفظ بولا دیتا تو شاید ثریا بانو کو اتنی شہہ ملتی نہ اتنا طیش آتا۔ یاسمین کے رونے نے انہیں اور بھی غضب ناک کر ڈالا تھا۔

"اماں جان! پلیز، تھوڑا ٹھنڈے دل سے میری بات سنیں۔ میں آپ کو ساری بات آرام سے سمجھاتی ہوں۔" یاسمین نے ایک بار پھر اپنی ہمت کے چپو سنبھالے اور شوریدہ لہروں پر کشتی جمانے کی کوشش کی۔

"کیا......... کیا سمجھاؤ گی مجھے؟......... کیا بچ رہا ہے اس معاملے میں سمجھانے کو؟......... کچھ ہے؟......... ہوگا، یقیناً ہوگا۔" ایک دم ان کو جیسے کسی بات کی سمجھ آئی تھی، زور زور سے سر ہلاتے ہوئے کہنے لگیں۔ "پیسے بٹورے ہوں گے تُو نے اس سیٹھ سے، تب ہی جوان، کم سن بیٹی اُس بڈھے کے ہمراہ کر دی۔ بول، یہی بات ہے نا؟"

یاسمین کو تو جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا، بدک کر ان سے پرے ہٹ گئیں۔ وہ ان کے گھٹنے پکڑ کر معافی تلافی مانگتے ہوئے انہیں منانے کے لئے پاس آ بیٹھی تھیں، اُچھل کر پھر پرے کرسی پر جا کے بیٹھ گئیں۔

"اماں جان! خدا کے لئے ایسا بہتان نہ لگائیں مجھ پر۔" ان کے رکے ہوئے آنسو پھر سے بہنے لگے۔

"یہ بہتان نہیں بی بی! سچ ہے۔ حق ہے۔ بیٹی بیچی ہے نا تُو نے اور...... اور کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ یوں کالی اندھیری رات میں چپ چپیتے ایسی رخصتی کی، اللہ جانے اس نے بھی نکاح کیا یا جعلسازی۔ تُو اتنی سمجھ بوجھ والی، ہشیار ہوتی تو یہ نوبت ہی کیوں آتی؟ وہ چھپا ہوا پیلا کاغذ نکاح نامہ بنا کر لے آیا ہوگا، تجھ آنکھ کی اندھی کو کیا پتہ چلا ہوگا۔ یوں بھی کرارے نیلے، ہرے نوٹوں کے سامنے تجھے وہ پیلا کاغذ دکھائی ہی کہاں دیا ہوگا۔" وہ اس روانی سے بول رہی تھیں، جیسے سارا کچھ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔

یاسمین تو اب صدمے کے مارے گنگ سی تھیں۔ بولنے کو جیسے اب کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

اسی وقت باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ ذرا دیر میں ہونے والی ڈور بیل نے بتایا کہ آنے والا ادھر ہی آیا ہے۔ یاسمین کے منہ سے گھٹی ہوئی سسکی سی نکلی۔ 'اب نہ جانے قدرت کیا تماشا دکھائے۔'

دروازہ کھلا تھا۔ کوئی دھکیل کر اندر آ گیا۔ اور یاسمین کو لگا، ان کی زندگی کے سارے امتحان، ساری ذلتیں آج ہی ان کے نامۂ اعمال میں درج ہو کر رہیں گی۔

سارہ عالم کے ساتھ عزہ بھی تھی۔ اور چارہ کی چال اور طمطراق نے یاسمین کے رہے سہے حواس بھی گم کر دیئے۔

"آ گئیں...... آ گئیں تم۔ سارہ! میری بچی! بہت اچھا کیا...... اللہ نے غیب سے تمہیں ماں کی مدد کو بھیجا۔ نہ آتی ابھی تو میں خود تیری طرف آنے والی تھی۔ اب تُو چاہے مجھے اپنے گھر کے کتے کے ساتھ بھی رکھے گی تو یہ بڑھیا خوشی خوشی رہ لے گی، پر اِدھر نہیں رہے گی۔ اور ابھی چلو، میں یہاں ذرا دیر کو بھی نہیں رک سکتی۔" وہ جھٹ پٹ اُٹھ کر نیچے پڑی جوتیاں پیروں میں پہننے لگیں۔

"اماں جان!...... اماں جان! پلیز۔" یاسمین نے گھگھیا کر انہیں روکنا چاہا۔

"کیا ہوا؟...... کیا ہو گیا؟...... اماں جان! خیریت تو ہے؟" سارہ حیران سی آگے بڑھ کر بولیں۔

"بنی رانی نے گل کھلایا ہے۔ اماں جان خدا جانے کون سے سہانے سپنوں میں پڑی اونگھ رہی تھیں، خبر ہی نہ ہوئی۔ اور جب معاملہ پک گیا، لڑکی بھی ہاتھ سے نکل گئی اور عزت بھی تو راتوں رات چوروں کی طرح بیٹی رخصت بھی کر ڈالی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ میرے گھر سے نکلنے کا انتظار کر رہی تھیں، ماں بیٹی۔ میں بھی کہوں، اس روز کیسے اصرار کر کے مجھ سے کہے جا رہی تھیں۔ اماں جان! جائیں، آپ کا جانا تو بہت ضروری ہے۔ موت کا معاملہ ہے، جائیں، ضرور جائیں۔" انہوں نے تاسف سے ہاتھ ملے۔ "دلوں کے بھید اللہ جانے، پر ہمیں تو جو نظر آتا ہے، وہیں کہیں گے۔ اللہ مُعاف کرے، قربِ قیامت بلکہ قیامت ہی سمجھو۔ ایسا قہر سنا نہ دیکھا، ماں خود اپنے ہاتھوں سے بیٹی کا......"

"اماں جان! پلیز بس کریں...... بہت ہو گیا...... میری بیٹی تھی، میں نے رخصت کی یا قبر میں اُتاری۔ آپ کو کیا خبر؟...... سچ کہا آپ نے، دلوں کے بھید اللہ جانتا ہے۔" یاسمین کی روتے روتے آواز پھٹ رہی تھی، انہیں اماں جان سے ایسے واویلے ایسی حدود پار کر لینے کی توقع تو تھی، مگر وہ یہاں تک نہ صرف سوچ لیں گی، بلکہ سارے جہان کو بھی سنا ڈالیں گی، اس کی انہیں ذرا بھی امید نہیں تھی۔ آخر کو اتنے سال یاسمین نے دل و جان سے ان کے برے ترین رویوں کے باوجود خدمت کی تھی، مگر...... مگر آج تو جیسے ہر خدمت گیا، ہر تعلق خاطر پر انہوں نے پانی پھیر دیا تھا۔ اس سے زیادہ سننے کی نہ ان میں تاب تھی نہ حوصلہ۔ روتے ہوئے اندر بھاگ گئیں۔

"دیکھا...... سن لیا، ہماری عزت افزائی...... اے مولا!...... چار دن جو زندگی کے لکھ رکھے تھے، عزت سے کاٹنے دیتا۔ ایسی ذلت، ایسی بے وقعتی، ہم جن پوتے پوتیوں کو جگر کا ٹکڑا سمجھے، سینے سے لگا کر جینے کا سبب جانتے رہے، بہو بیگم فرما گئیں کہ وہ ان کی اولاد، ان کا مال ہے، جو چاہے فیصلہ فرمائیں، ہمیں منہ سے بھاپ نکالنے کی بھی اجازت نہیں۔"

آج ثریا بانو اپنے آپ میں نہیں تھیں۔ بائیس برس پہلے والی خوب رعب داب، طمطراق والی ثریا بانو جاگ اُٹھی تھیں۔

"چلو بی بی! ہمارا تو دانہ پانی یہاں سے اٹھ گیا۔ ہم تو ایسے بے غیرت نہیں نہ ایسے پتے والے کہ بے غیرتی سے ہی سہی، جیسے ملے جائیں۔ اور سنو سارہ بی بی! تم بھی بول دو، ساتھ لے کر چلو گی؟ ورنہ شہر میں بہتیرے ہم جیسے لاوارث بڈھوں کے لئے چھپر بن چکے ہیں، کہیں بھی گمنامی (شرمندگی) سے پڑ کر چار دن گزار لیں گے۔" انہوں نے تخت کے ایک طرف رکھا اپنا وہی سفری بیگ اٹھایا جو ملتان سے واپسی پر ان کے ہمراہ تھا۔ تخت پر پڑی چادر اٹھائی، اوڑھی اور آگے چل پڑیں۔

"اماں جان! رُکیں تو سہی۔ میں بھائی جان سے مل لوں۔ پتہ تو کروں، آخر معاملہ کیا ہے؟" سارہ کے تو فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ ادھر آتے ہی لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ وہ تو یونہی دنیاداری کو ماں کی خیریت دریافت کرنے آئی تھیں، یہ نہیں پتہ تھا

کہ اماں جان ساتھ ہی چل پڑیں گی۔ وہ بھی نہ جانے کتنے دنوں، مہینوں کے لئے یا پھر ہمیشہ کے لئے۔ سارہ عالم کو سوچ گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ وہ احسن مراد سے مل کر اماں جان کی واپسی کے لئے محفوظ مارجن کا اندازہ کرنا چاہ رہی تھیں۔

''ارے رہنے دو، بھائی جان بن بیٹھے۔'' وہ فضا میں ہاتھ نچا کر خوب ہی بدمزاجی سے بولیں۔ ''اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ماں لمبا سفر کر کے آ رہی ہے، اٹھ کر اس کا حال احوال ہی پوچھ لوں، یوں اپنا کوئی ذرا سا بھی دُکھڑا ہو، سارے زمانے کو سنانے کے چلا چلا کر سارے گھر میں ناچتا ہے۔ اب ماں کے پاس آنے کو قدم دُکھ گئے۔ آتے ہی بیوی نے جو ہوش رُبا کہانی سنائی، اس آنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ آتا بھی کس منہ سے........ میں تمہاری گاڑی میں بیٹھتی ہوں۔ تم جا کر بھائی جان سے مل آؤ۔ میں اب پل بھر کو بھی نہ رکوں گی۔'' وہ تیز تیز بولتی باہر نکل گئیں تو سارہ کچھ حیران، کچھ متجسس سی صحن کے درمیان میں کھڑی اندر جاؤں کہ جاؤں والی کیفیت میں کھڑی رہیں۔

ثریا بانو کے باہر نکلتے ہی جیسے گھر کے در و بام بھی دم سادھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اگرچہ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، مگر اِدھر اُدھر کے درخت کے پتے یوں سانسیں روکے کھڑے تھے، جیسے انہیں کسی نے پھانسی کی سزا سنا دی ہو۔ ایک بھیانک چپ!

سارہ کو خوف سا آیا اور وہ تیزی سے مڑیں اور باہر نکل گئیں۔ عزہ پہلے ہی ثریا بانو کے ساتھ باہر جا چکی تھی۔

حسبِ توقع اماں جان ابھی بھی اونچا اونچا بولے جا رہی تھیں۔ سارہ کو کوفت سی ہوئی۔

''پلیز اماں جان! گھر جا کر کر لیں گے باتیں۔ ابھی کچھ تو خیال کریں۔'' انہوں نے جھنجلا کر آنکھ سے ڈرائیور کی موجودگی کی طرف اشارہ کیا اور بولتے ہوئے وہیں بیٹھ گئیں تو ثریا بانو خاموش ہو گئیں۔ یوں بھی اب وہ سارہ عالم کے گھر رہنے جا رہی تھیں، تو گھر والوں کی خواہشات کو ملحوظِ خاطر رکھنا لازم تھا، وہ چپکی بیٹھی رہ گئیں۔

ایک دھڑکا بس ثریا بانو اور سارہ دونوں کو ہی لگا ہوا تھا کہ کہیں گھر جاتے ہی محمد عالم سے سامنا نہ ہو جائے۔ اماں جان کے وہاں رہنے کے لئے تو کوئی بھی جواز گھڑا جا سکتا تھا، مگر ابھی جو اشتعال ثریا بانو پر طاری تھا، اگر اس کے باعث وہ جاتے ہی بولنا شروع ہو گئیں تو کیا محمود عالم کو بھی ساری کہانی سنانی پڑے گی؟

'ہرگز نہیں۔ پہلے ان کی نظروں میں ہماری عزت دو کوڑی کی نہیں، اس شاندار کارنامے کے بعد تو........' سارہ اس سے آگے نہیں سوچ سکتی تھی۔ یوں بھی ابھی محمود عالم کے گھر آنے کا ٹائم نہیں تھا۔

وہ تینوں آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئیں اور سامنے بیٹھے محمود عالم کو دیکھ کر تینوں ہی ٹھٹک گئیں۔

ثریا بانو کی تیز تیز چلتی زبان اور یاسمین کو کوسنے، ملامت دیتی، زناٹے سے چلتی زبان فوراً ہی ٹھٹھرا کر رہ گئی۔ ٹھٹھرا دینے والی تو محمود عالم کی نگاہیں ہوتی تھیں۔ ایسی سرد، ایسی پتھریلی کہ سامنے نظر آنے والے کو بھی پتھر کا کر ڈالیں گی۔ اور وہ ان تینوں کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

❁⊙......⊙❁

''تمہیں گھنٹہ بھر میں یہاں سے ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ ڈیوز میں نے پے کر دیئے ہیں، یوں بھی میرے خیال میں تم اب کافی بہتر ہو۔'' عائشہ بخاری نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

تنزیل بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھا تھا۔ اس کے معمولی زخم تو مندمل ہو چکے تھے، صرف سر کا زخم ابھی بھرا نہیں تھا اور ڈاکٹر نے اس نے کہا تھا، تین دن اور بینڈیج کروانی ہو گی اور ایک ہفتہ میڈیسن لینی ہو گی، وہ یوں بھی جلد یہاں سے نکلنے کے لئے بے چین تھا۔

اُس نے رات خواب میں یاسمین کو بہت بیماری حالت میں دیکھا تھا، تب سے اس کا دل جیسے اُڑا جا رہا تھا۔

'یقیناً وہ اچھی نہیں ہیں۔ تانیہ کے بعد میں بھی جس طرح انہیں چھوڑ آیا ہوں، وہ کیسے اچھی رہ سکتی ہوں گی؟........ اگر ڈاکٹر اسے آج نہ بھی ڈسچارج کرتے تو اس نے خود ہی زبردستی چھٹی لے لینی تھی۔

''کہاں گم ہو؟'' عائشہ نے اس کے گم صم انداز دیکھ کر اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرا کر پوچھا۔

''تم تو دن میں آ نہیں سکتی تھیں، آج کیسے آ گئیں؟'' وہ عائشہ سے بات کرتے ہوئے خود بخود تلخ ہو جاتا تھا۔ لاکھ تنہائی میں سوچتا کہ اب اس ہمدرد لڑکی سے نرمی سے نہ سہی، نارمل انداز میں بات کرے گا۔ مگر اسے اپنے سامنے دیکھتے ہی اس کا انداز ایک دم سے تیکھا ہو جاتا۔

''ہاں، آ تو نہیں سکتی۔ آج میڈم آفس نہیں آئی تھیں، اس لئے موقع مل گیا۔'' وہ اس کے تلخ انداز کو نظرانداز کرتے ہوئے سادگی سے بولی۔

''تم نے آگے کیا سوچا ہے؟'' وہ ذرا دیر بعد بولی۔ شاید اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کرنا چاہ رہی تھی۔

''ابھی گھر جاؤں گا فی الحال۔'' اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ عائشہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔

"تم ان لوگوں کے چنگل میں کیسے پھنس گئیں؟ شکل سے تو سمجھ دار لگتی ہو۔" تنزیل جو اس کے جھکے ہوئے چہرے کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لے رہا تھا، تلخی سے بولا۔
"تقدیر اگر شکلیں دیکھ کر لکھی جاتی تو اس دنیا میں کسی شخص کی قسمت میں تکلیفیں نہ آتیں۔" وہ ایک آہ سی بھر کر بولی۔
"چھوڑ کیوں نہیں دیتیں یہ سب؟" وہ ذرا تیز لہجے میں بولا۔
"اتنا آسان ہے دلدل سے نکلنا؟" وہ اسی طرح سرد آہ بھر کر بولی۔
"اگر کوئی ہاتھ پکڑ کر نکالنا چاہے، تو بھی نہیں؟" جانے کیسے، تنزیل کے منہ سے پھسل گیا کہ جواب میں عائشہ یوں گونگی ہوئی کہ کتنی دیر بول ہی نہیں سکی۔
"یا تم واقعی نکلنا نہیں چاہتیں؟" وہ اس کی خاموشی پر طنز سے بولا۔
"جو تم سمجھو۔" اس نے گہرا سانس لیا اور نظروں کا زاویہ پھیر لیا۔
"تو پھر میرے پیچھے کیوں آتی ہو؟" تنزیل کو اس کے مبہم سے جواب پر غصہ آ گیا۔ وہ اس کے منہ سے کچھ اور سننے کے لئے بے تاب ہو کر بولا۔
"بار بار بتانا پڑے گا؟" وہ اٹھ کر بیڈ کے سرہانے پڑی میز سے اس کی دوائیاں سمیٹنے لگی۔
"ہمدردی میں، ترس کھا کر، ہے نا؟" وہ یک دم اٹھا اور اس کے حرکت کرتے ہاتھ کو زور سے پکڑ کر طیش میں بولا۔ عائشہ کو اس سے ایسی حرکت کی توقع نہیں تھی، حیران سی اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"چھوڑو میرا ہاتھ....... مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس نے دوسرے ہاتھ سے تنزیل کا ہاتھ پرے ہٹانے کی کوشش کی۔
"ہاں، مجھے معلوم ہے۔ تمہیں ہاتھ لگانے کے بھی چارجز ادا کرنا پڑتے ہیں۔ اور میری جیب میں تو ہسپتال کے بل کے پیسے نہیں، سو تمہیں ہاتھ لگانا کہاں افورڈ کر سکتا ہوں؟" کہتے ہوئے اس نے یک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر چھوڑ دیا۔ عائشہ کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔
"شٹ اپ......" وہ منہ پھیر کر گھٹی ہوئی آواز میں بولی اور چہرے کا نقاب درست کرنے لگی۔
"میں اب چلتی ہوں۔ اگر کبھی مجھ سے کانٹیکٹ کرنا ہو تو میرا سیل ہے تمہارے پاس....... لیکن......" وہ رکی تھی۔ "کوشش کرنا اس کی نوبت نہ ہی آئے۔"
"ثانیہ کہاں ہے؟ بتاؤ گی نہیں؟" وہ اس کے سامنے آ کر ڈٹے ہوئے انداز میں بولا۔
"مڈل ایسٹ جا چکی ہے۔" وہ نارمل انداز میں بولی۔
"ایڈریس مل سکتا ہے؟"
"میرے پاس نہیں۔ کوشش کروں گی۔" تنزیل اپنی ٹھوڑی کو سہلاتا ہوا کسی سوچ میں گم تھا۔ شاید اس نے عائشہ کا جواب سنا نہیں تھا۔
"یہ کچھ پیسے رکھ لو، فوری طور پر تو ابھی تم کچھ نہیں کر سکتے۔" عائشہ نے پرس سے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔
"تم کیوں چاہتی ہو کہ میں ضرور ہی تمہارا احسان مند ہوں؟ اور یہ اپنا سیل بھی لے جاؤ۔ مجھے تم سے رابطہ کرنے کی اول تو کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ہوئی بھی تو تمہارے اور تمہاری میڈم کے اڈے کا مجھے پتہ ہے، وہیں آ کر بات کر لوں گا۔" اس نے مڑ کر بیڈ کے سرہانے پڑا سیل فون اٹھا کر عائشہ کو تھمایا، جسے اس نے خاموشی سے پکڑ لیا اور کچھ بھی کہے بغیر جانے لگی۔
تنزیل کے دل میں پھر بے چینی سی ہوئی۔
'یہ کیا ہے؟....... یہ سب کیا ہے؟' وہ اُلجھ گیا۔ 'وہ میرے پاس آتی ہے تو مجھے غصے اور طنز کے سوا کچھ سوجھتا نہیں۔ دل کرتا ہے، جی بھر کر اسے ذلیل کروں۔ اور جانے لگتی ہے تو جی چاہتا ہے، لپک کر پکڑ لوں، رابطے کی کوئی وجہ ہم دونوں کے بیچ بندھی رہے۔ اور رابطے کا ہر ذریعہ اپنے ہاتھوں سے لوٹا بھی دیتا ہوں۔ یہ سب کیا ہے؟'
"ویسے تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اپنی ہی کشمکش سے گھبرا کر اس نے عائشہ کے قدموں میں سوال کی بیڑی ڈالی۔
"کون سے سوال کا؟" حسبِ توقع وہ رک گئی۔
"اگر تمہیں کوئی ہاتھ پکڑ کر اس دلدل سے نکالنا چاہے تو؟" وہ شاید ہلکا سا مسکرایا تھا۔ عائشہ کو تو یہی لگا۔ مگر اگلے پل اس کا چہرہ پہلے کی طرح سخت ہو چکا تھا۔
"ایسا کوئی جی دار ہے نہیں۔ اگر ہو بھی تو......"
"تو......؟"
"نکل کر میں کیا کروں گی؟....... مجھے کون قبول کرے گا؟" وہ نم سے لہجے میں بولی اور چہرہ گھما لیا۔

''تم میرا ایک پیغام اپنی میڈم کو دے سکتی ہو؟''
''نہیں۔'' عائشہ نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے تیزی سے کہا۔
''اتنی خوف زدہ ہو اس مکار بڑھیا سے؟''
''جو بھی سمجھ لو۔ میں چلتی ہوں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔ ابھی تک تو میم آفس سے نہیں آئی تھیں۔ ان کی بیٹی کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔ مگر وہ کسی بھی وقت آ بھی سکتی ہیں، اور مجھے نہ پا کر......اوکے، میں........''
''سنو، اس کی بیٹی بھی ہے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ ایک دم اس کے سامنے آیا اور عائشہ کو کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف گھما کر بولا۔ عائشہ نے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹکا۔
''اس میں بتانے والی کون سی بات ہے بھلا؟'' وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔
''بتانے والی نہیں ڈیئر! یہ تو چھپانے والی بات تھی، جو تم میرے سامنے اُگل گئیں۔ تھینکس فرینڈ......تم نے مجھے جاتے جاتے ایک اچھی خبر دی ہے۔ میڈم یاقوت کی بیٹی........یقیناً اس عورت کو بہت عزیز ہوگی، اپنی جان سے بھی بڑھ کر۔ اور اس کی زندگی، اس کی جان، اس کی عزت........دنیا کی ہر قیمتی شے سے زیادہ بیش قیمت ہوگی، اس عزتوں کی لٹیری عورت کو، ہے نا؟''
وہ چمکتی آنکھوں اور پُرجوش چہرے کے ساتھ عائشہ کو پلک جھپکے بغیر تکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
عائشہ پہلے تو اس کے جوش کا مطلب نہ سمجھ سکی اور جب سمجھ میں آیا تو کندھے اچکا کر رہ گئی۔
''اگر تم میرا ساتھ دو عائشہ!......اگر تم میرا ساتھ دو، ہم دونوں اس عورت کو اسی طرح پاگل کر سکتے ہیں جیسے......جیسے اس نے مجھے، تمہیں، تم سے وابستہ لوگوں کو اور مجھ سے منسلک رشتوں کو دیوانہ کر دیا۔ بولو، میرا ساتھ دو گی؟'' وہ سرخوشی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔
''کیا مطلب؟........کیسا ساتھ؟'' عائشہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔
''جس طرح اس نے تمہاری زندگی کو، تمہاری خودداری اور عزت کو پامال کیا ہے، اگر اس کی بیٹی کی ایسی پامالی کے لالے پڑ جائیں تو سوچو، اس پر کیا بیتے گی؟'' وہ جوش میں اس کا ہاتھ پکڑ چکا تھا۔
''مگر یہ سب کیسے ممکن ہے؟ اور کیونکر؟'' عائشہ اُلجھ کر بولی۔
''اگر تم میرا ساتھ دو تو یہ ناممکن نہیں۔ صرف ایک پتا کھیل کر ہم اپنے سارے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ تم اس دلدل سے نکل سکتی ہو اور میں........میں تانیہ کو واپس لاسکتا ہوں اور........'' وہ جوش میں اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
''آئیڈیا اچھا ہے۔ مگر ایسا ہونا ممکن نہیں۔ جس طرح میم تک پہنچنا ممکن ہے، اسی طرح ان کی بیٹی تک........''
''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ صرف میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرو۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولا۔
''میں وعدہ نہیں کر سکتی۔ یہ بہت مشکل کام ہے، پھر........'' وہ ہچکچا کر رہ گئی۔
''پھر کیا؟'' وہ خفگی سے بولا۔
''تمہارے عزائم کیا ہیں اس کے بارے میں؟'' عائشہ نے پوچھا تو تنزیل یکدم ٹھٹک گیا۔
'یہ میڈم یاقوت کی جاسوسہ بھی ہو سکتی ہے۔ اور میرے عزائم جاننے کے لئے میرے ساتھ ساتھ ہے، اور میں بے وقوفوں کی طرح۔' اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا تھا۔
''کچھ خاص نہیں۔ اور تمہاری بات صحیح ہے۔ یہ سب تو بہت مشکل ہے۔ چھوڑو پرے۔'' وہ ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔
عائشہ حیران سی اسے دیکھنے لگی۔ یہ عجیب سالڑکا اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ پل میں تولہ، پل میں ماشہ۔
''اچھا خیر، میں پھر بھی تمہیں یہی مشورہ دوں گی، گھر جا کر ہفتہ بھر آرام کرو اور پھر کوئی مناسب جاب تلاش کر کے، کسی کام سے خود کو لگاؤ۔ فارغ ہو گئے تو اس طرح کی منفی سوچیں آتی رہیں گی اور تمہاری زندگی کا بیڑا غرق کرتی رہیں گی۔ دوست سمجھتے ہو تو میرا مشورہ ماننا۔ یہ زندگی ایک بار ہمیں ملتی ہے، اس کی ناقدری نہ کرو۔ یہ سیل رکھ لو۔ میں اگر کسی سلسلے میں تمہارے کام آ سکی تو مجھے خوشی ہوگی۔ میں اب چلتی ہوں۔ خدا حافظ۔'' وہ اس کے ہاتھ میں وہ سیل فون تھما کر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ ساتھ ہی تنزیل کے دماغ میں سوچوں کے کئی در وا کر گئی۔

✿✿......✿✿

''لائبہ ڈیئر! اُٹھو بھی اب۔ صبح سے یونہی پڑی ہو، ناشتہ بھی نہیں کیا۔ اُٹھ کر ہاتھ لو، ذرا فریش ہو جاؤ میری جان! کچھ کھا لو۔''
وہ صبح سے اس کے کمرے کے تین چار بار چکر لگا چکی تھیں، مگر وہ ہر بار انہیں آتا دیکھ کر آنکھیں بند کیے سوتی بن جاتی۔
وہ جانتی تھیں، وہ جاگ رہی ہے۔ نہ جانے کیوں ان سے نظریں نہیں ملانا چاہ رہی۔ 'یہ خود ہی خود کو سنبھالے تو اچھا ہے۔' وہ ہر بار اس کی ایکٹنگ کو سچ مانتے ہوئے چپکے سے باہر نکل گئیں۔

"مجھے بھوک نہیں۔اور پلیز! مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" وہ کروٹ بدلتے ہوئے رُکھائی سے بولی۔
میڈم یاقوت اس کے بیڈ کے پاس کھڑی کچھ سوچتی رہیں۔ 'آخر یہ غصہ، یہ ناراضی کس بات پر ہے؟' وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔
"کوئی غصہ، ناراضی نہیں۔ پلیز، لیو می الون۔" اس نے جھلا کر ان کے ہاتھ جھٹکے اور بیڈ پر ذرا پرے کھسک گئی۔
"جو تمہارے دل میں ہے، کہہ ڈالو۔ شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔" وہ اس کے کٹیلے انداز کو دیکھتے ہوئے نرمی سے بولیں۔
"آپ تو شاید اپنی مدد نہیں کر سکتی، میری کیا کریں گی؟" وہ طنز بھرے انداز میں بولی۔ لائبہ کے سارے ڈھنگ ہی بدلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔
"کیوں، ایسی کیا بات ہے؟ تم نے مجھے کہاں بے بس پایا؟"
"جو انسان اپنے ہی وجود کے حصوں کو شناخت کا ہنر نہ دے سکے، اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟" وہ ذرا اُٹھتے ہوئے اسی طے کئے انداز میں بولی، جس سے پہلے بول رہی تھی۔
"تمہیں شاک لگا ہے، دائم کو بھائی کے رشتے میں دیکھ کر؟" انہوں نے صاف گوئی سے بات کی۔
"پلیز ماما! آئی ہیٹ اٹ آل دس۔" وہ یک دم اپنی دونوں کنپٹیوں کو زور سے ہاتھوں میں جکڑ کر تیز آواز میں بولی۔
"حقیقت کا سامنا کرنا سیکھو، پھر زندگی اتنی تلخ نہیں لگے گی۔ ضروری نہیں، ہمارا ہر خواب ہی سچا ہو۔" وہ اس کی فرسٹریشن کا سبب سمجھ گئیں، تب ہی نرمی سے بول رہی تھیں۔
"ہر خواب، ہونہہ......آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔" وہ درشتی سے بولی اور منہ پھیر لیا۔
"اس طرح کیا حقیقت بدل جائے گی؟" بڑا صلح جُو سا انداز تھا ان کا۔
"کیسی حقیقت؟ کون سی حقیقت؟" وہ چیخ کر بولی۔
"دائم تمہارا بھائی ہے اور تم اس کی بہن۔" وہ بڑے تحمل سے بولیں۔
"ایک کام کریں مام ڈیئر! اپنی یادداشت پر زور دے کر کوئی اور بھولی بسری حقیقت، ایسی ہی کوئی اور کہانی، کچھ اور ایسے نرالے رشتے، کردار جو آپ کی اس مصروفیت بھری زندگی کے جنجال میں کہیں گم ہو کر رہ گئے ہوں، انہیں بھی ذرا فرصت میں بیٹھ کر یاد کر لیجئے گا۔ اور ایسی تمام پراسرار کہانیاں ایک ہی بار مجھے بیٹھ کر سنا ڈالیے۔ تاکہ میں ہر بار اس نروس بریک ڈاؤن کا شکار نہ ہونے پاؤں......آپ جیسے مضبوط حوصلے نہیں ہیں میرے جو ایسے ایسے انہوں نے راز سینے میں دبائے نارمل زندگی گزارتی رہوں۔"
وہ چبا چبا کر، غصے میں بولتے ہوئے انہیں کیسی نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ وہ اندر سے کٹ کٹ جا رہی تھیں۔
"لائبہ! تمہیں جتنا غصہ مجھ پر ہے، ایک ہی بار نکال لو۔ مگر ایک بار ٹھنڈے دل سے یہ سب تسلیم کر لو اور اپنی ماں کی بے بسی، اس کے حوصلے کا بھی خیال کرو، جو زندگی کے ایسے مصائب تن تنہا سہتی، تمہیں پرورش کرتی یہاں تک لے آئی۔ اور اب قدرت کو اس کے صبر، اس کے ضبط پر رحم آ گیا تو بچھڑا بیٹا......"
"کم آن ماما!......یہ گھسی پٹی فلمی سٹوری آپ کسی اور کو سنایئے گا۔ مجھے یہ سٹولن چائلڈز، گم شدہ بچے کا جوان ہو کر ملنا، خون کی کشش کی بنا پر پہچاننا اور پھر سب کچھ قدرت کا انعام سمجھنا۔ ربش......آپ کے لئے یہ انعام ہو گا......اور میں......میں کتنی دور جا چکی ہوں، آپ کو اس کا احساس ہی نہیں......نہیں ہے آپ کو احساس۔" وہ غصے میں تکیے اٹھا اٹھا کر سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر مارنے لگی۔ شدتِ جذبات سے اس کا چہرہ ایک دم سے بھڑک اُٹھا تھا۔
"تو بات اتنی سادہ نہیں ہے، یاقوت! جتنا تم سمجھ رہی تھیں۔ اس کے من پسند سپنے کو تم اس کی آنکھوں سے نوچ کر نئے رشتے کے کاغذ میں لپیٹ کر اسے کسی قیمتی تحفے کی طرح پیش نہیں کر سکتیں۔ اسے اتنی دور سے واپس لانا بہت مشکل ہے۔ بہت!" وہ دکھ بھرے انداز میں اسے دیکھتی رہ گئیں۔
"مام! میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ فرسٹ اویل ایبل فلائٹ میں جو بھی ٹکٹ مل سکے، پلیز! میرے لئے کنفرم کروا دیجئے۔ مجھے اب یہاں ایک دن بھی نہیں رہنا۔ اور یہ آپ کی مجھ پہ آخری مہربانی ہو گی، پلیز!" وہ اُٹھی اور ان سے نظریں ملائے بغیر کہتے ہوئے تیزی سے واش روم میں گھس گئی اور دروازہ لاک کر لیا۔
'میرے خدا! میرے لئے ابھی اور کتنے امتحان باقی ہیں؟ خوشی بھی ملتی ہے تو غم کے کانٹوں میں لپٹی ہوئی۔ میں تھک گئی ہوں یہ کانٹے چنتے چنتے۔ اور کتنا سفر کروں؟ ایک پُرسکون، سادہ زندگی کیوں میرے مقدر میں نہیں؟......کیوں؟' آج برسوں بعد ان کی آنکھوں میں ایسا ٹوٹ کے بادل آیا تھا۔

پُرسکون، سادہ زندگی........اگر یہ کانٹوں بھری خوشیاں مکمل خوشیوں میں بدل جائیں تو بھی ایسی زندگی مجھے نہیں مل سکتی۔ بہ
سارے کانٹے میرے مقدر نے میری زندگی میں بوئے اور بہت سارے کانٹے خود چن کر میں نے اپنی راہوں میں بچھا لئے ہیں
اب چاہوں بھی تو نہ ان کانٹوں کو ہٹا سکتی ہوں، نہ راہ بدل سکتی ہوں۔ تو پھر یہ پُرسکون، سادہ زندگی تو شاید مجھے مرنے کے بعد
نصیب ہو........مگر وہ بھی ممکن نہیں۔ محض ایک زندگی کی بربادی کا انتقام لینے کے لئے میں نے بے شمار زندگیوں کو تباہ کر ڈالا۔
ان بے شمار زندگیوں کی آہیں، بددعائیں کیا مجھے مرنے کے بعد پُرسکون عاقبت بخش سکیں گی؟ کبھی نہیں!
یہ کون تھا، جو آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ انہیں کیسا بھیانک آئینہ دکھائے جا رہا تھا۔ شاید ان کا ضمیر جو جب جب
کے سامنے آتا، ان کو اندر باہر ملامت کے پتھروں سے سنگسار کر ڈالتا۔

''دائم، لائبہ بھی تو دونوں ایک دوسرے کو اس نئے رشتے کے حوالے سے قبول نہیں کر رہے........ بالفرض کر بھی لیں تو جب
میری حقیقت ان کے سامنے کھلے گی.... کیا وہ میری طرح مجھے مظلوم، حق بجانب سمجھ سکیں گے؟ کبھی نہیں۔ اور میں ان دونوں کو
بھی کھو دوں گی۔ کیسی بدنصیب ہوں میں، جسے نہ خوشی راس آتی ہے نہ غم..... غم میں انتقام اندھا کر دیتا ہے اور خوشی میں اب یہ
ایک ہمیشگی کا جہنم میرے اندر سلگ رہا ہے۔ کس کو اس دوزخ کی جھلک دکھاؤں؟ جو بھی دیکھے گا، اُلٹا میرے منہ پر تھوک کر.....
شاید وہ جذبات کی یورش میں ابھی دھاڑیں مار مار کر رو پڑتیں کہ ان کے ہاتھ میں دبا ان کا سیل بج اٹھا تو جیسے وہ کسی گہرے
کنوئیں سے باہر نکلی ہوں۔

''دائم اِز کالنگ'' چمک رہا تھا اور وہ خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''یس........تم رات کو چپکے سے ہی چلے گئے........ ہاں، لائبہ ٹھیک ہے اب........ظاہر ہے، اسے شاک تو لگنا تھا۔ اٹ
نیچرل۔'' وہ اپنی آنسوؤں سے بوجھل آواز کو گلا کھنکار کھنکار کر صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''ہو جائے گی ٹھیک........ ہاں، میں خود ملنا چاہتی ہوں تم سے۔ نہیں، میں آج آفس بھی نہیں گئی........ لائبہ کے پاس وقت
گزارنا چاہتی تھی، اس لئے۔'' وہ خود کو سمیٹتے سنبھالتے اُٹھ کر باہر نکل آئیں۔

''میں آ جاتی ہوں تھوڑی دیر میں تمہاری طرف۔ گھر میں ہو نا؟'' وہ اب خود کو مکمل طور پر سمیٹ چکی تھیں۔

''گھر نہیں، آفس میں ہو........ اوکے، میں تمہارے آفس آ جاتی ہوں۔ اور سنو!'' انہوں نے پلٹ کر دیکھا، لائبہ پیچھے نہیں آ
رہی۔

''تم ذرا لائبہ کو فون کر لو، اس کی خیریت پوچھنے کے لئے۔ اور ذرا اپنی طرف سے تھوڑی خوشی، جوش........ آئی مین سرپرائز کا
اظہار کرنا۔ شاید اسے سنبھلنے میں کچھ آسانی ہو........ نہیں، نہیں........ یوں تو ٹھیک ہے۔ بس ذرا جذباتی زیادہ ہے۔ تم دونوں میں
کمیونیکیشن ذرا بہتر ہو جائے، اس لئے........ چلو، جیسے تم چاہو۔''

''یس، میں آ رہی ہوں، گھنٹہ بھر میں........ اوکے، ٹیک کیئر۔ اپنا بہت خیال رکھنا۔ آئی لو یو میری جان!........ اللہ حافظ!''
کے لہجے میں وہی وارفتگی عود کر آئی تھی، جو دائم کو سوچتے، اس کو دیکھتے ہی ان کے لہجے میں آ جایا کرتی تھی۔
'وسوسہ شیطان کا سب سے مؤثر آلہ کار ہے، جو انسان کو لمحوں میں کمزور کر کے چت کر سکتا ہے۔ اور مجھے کمزور نہیں پڑنا،
کانٹوں سے گھبرانا ہے، نہ راہ بدلنا ہے۔ وقت آنے پر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔' وہ خود کو تسلی دیتی تیار ہونے چل دیں۔
جاتے ہوئے وہ ملازمہ کو اپنا اور لائبہ کا ناشتہ ٹیبل پر لگانے کا کہہ گئیں۔ اگرچہ انہیں لائبہ کے میز پر آنے کی اُمید کم ہی تھی، پھر
بھی وہ اس وقت کوئی بھی مایوس خیال دل میں لانا نہیں چاہ رہی تھیں۔

✿⊛......⊛✿

''السلام علیکم........ ماما!'' پہلی بار اپنی زندگی میں اس کی زبان کو یہ چار حرفی لفظ، ماما ادا کرنے میں اتنی دشواری ہوئی تھی۔
وہ اندر داخل ہوتے ہوئے چہرے پر ایک نمائشی مسکراہٹ سجا لایا تھا، جسے ڈاکٹر رخشندہ بڑی جانچتی نظروں سے پرکھ رہی تھیں۔

''وعلیکم السلام! تم روز اس وقت گھر آتے ہو؟'' انہوں نے جتاتی ہوئی نظروں سے سامنے دیوار پر لگے سنہری وال کلاک کی
طرف اشارہ کیا، جس کی سوئیاں رات کا ڈیڑھ بجا رہی تھیں۔

''نو، آج ہی دیر ہو گئی۔ آپ نے اچھا سرپرائز دیا۔ کم سے کم آنے کے بارے میں بتا دیتیں، میں ایئرپورٹ پر لینے آ جاتا۔''
ان سے ذرا فاصلے پر پڑے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولا تو ڈاکٹر رخشندہ جو اسے گلے لگانے کے لئے اپنی جگہ
سے اُٹھ کر کھڑی ہو چکی تھیں، یوں اس کے بیٹھ جانے پر حیران و ششدر سی کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔
دائم کو بھی لمحہ بھر بعد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا........ وہ متذبذب سا کچھ اُٹھ ہی گیا، مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر رخشندہ
مایوس، دل گرفتہ سی دوبارہ بیٹھ چکی تھیں۔

اب دونوں ایک دوسرے سے نظریں چُرا رہے تھے۔
نہ گیٹ پر چوکیدار تھا، نہ کوئی اور ملازم۔ احمقوں کی طرح میں بیل بجا رہی تھی۔ بے چارہ بشیر کاکا، بخار میں مدہوش، جانے کیسے گیٹ تک اُٹھ کر آیا، ورنہ میں ابھی تک گیٹ ہی پر تمہیں کھڑی ملتی۔'' ایک تکلیف دہ خاموشی کے بعد وہ بولیں تو دائم کو ان کا انداز، ان کا لہجہ کیسا اجنبی سا لگ رہا تھا۔
''ایسا کیوں؟'' وہ حیران سا سوچ رہا تھا، ان کی باتوں کو ان سنا کرتے ہوئے۔
''آپ مجھے کال کر لیتے۔'' وہ چپ ہوئیں تو کافی دیر بعد دائم بولا۔
''اور تم سیل آف کر دیتے میرا نمبر دیکھ کر یا سائلنٹ پر لگا دیتے، ہے نا؟'' وہ ترشی سے بولیں۔
''نن......نہیں۔ میں بھلا ایسا کیوں کرتا؟'' وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔
''جیسے اب تک، اتنے دنوں سے کرتے آ رہے ہو۔ وجہ پوچھ سکتی ہوں، مجھے اس طرح نظر انداز کرنے کی؟'' وہ پھٹ پڑنے کے انداز میں بولی تھیں۔
''نہیں تو۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ یونہی کچھ دنوں سے فیکٹری میں بہت کام تھا، مصروفیت کے باعث یا کسی میٹنگ کے دوران ایسا ہو گیا ہوگا، ورنہ میں جان بوجھ کر ایسا کیوں کروں گا؟'' اپنا جواب اسے خود بھی بے وزن، بودا محسوس ہوا تھا۔
''کیا پریشانی ہے دائم! تمہیں آج کل؟'' ان کی بے چین ممتا زیادہ دیر خود پر سختی کا خول قائم نہ رکھ سکی تھی۔
''کوئی پریشانی نہیں۔ بس یونہی تھک سا گیا ہوں، آرام کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔ آپ نے کھانا کھا لیا؟'' وہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔
''تم نے کھا لیا؟'' وہ اس کے یوں اُٹھنے پر خود بھی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔
''جی، کھا لیا تھا۔'' وہ دانستہ نظریں چرا کر بولا۔
''اوکے ماما! گڈ نائٹ۔ آپ بھی آرام کریں۔ سفر سے تھکی ہوں گی، صبح باتیں کریں گے۔'' وہ رسماً ان کے پاس رکا۔ ڈاکٹر رخشندہ بے تابانہ آگے بڑھیں اور وہ سر ہلاتا آگے چلا گیا۔
''تم نے اپنے پاپا کے بارے میں تو پوچھا ہی نہیں۔'' وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا، جب ڈاکٹر رخشندہ نے پیچھے سے طنز بھرے لہجے میں پوچھا۔
''سوری، بھول گیا۔ کیسے تھے پاپا؟'' وہ بالکل غائب دماغ لگ رہا تھا۔
''تم واقعی تھکے ہوئے ہو، سو جاؤ جا کر۔'' وہ تھکی ہوئی آواز میں کہہ کر دوسری طرف مڑ گئیں۔
دائم کچھ دیر کھڑا انہیں جاتا دیکھتا رہا، پھر آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگا اور ڈاکٹر رخشندہ کو صبح اُٹھتے ہی دوسرا شاک لگا تھا۔
دائم ان کے اٹھنے سے پہلے ہی جا چکا تھا۔ وہ حق دق سی بیٹھی رہ گئیں۔ صبح انہوں نے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی تھی، لان میں پھرتی بھی رہیں، دو تین بار جی میں آیا کہ جا کر دائم کو دیکھیں، مگر پھر اس کا رات کا اُلجھا ہوا رویہ انہیں روک لیتا۔
رات بھر وہ ٹھیک سے سو نہیں سکی تھیں۔ انہوں نے بے دلی سے ناشتہ کیا۔ رات بھی انہوں نے دائم کے انتظار میں کچھ نہیں کھایا تھا، اس کے روکھے پھیکے رویے نے ان کا دل ہی توڑ دیا تھا۔
'تو یہاں بہت کچھ ہو چکا ہے۔ میرا دل ٹھیک سگنل پاس کر رہا تھا کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ جادوگر عورت اپنا وار کر چکی ہے۔ میرا پالا پلایا بیٹا، مجھ پر جان چھڑکنے والا بیٹا، ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔ اور میں جو سات سمندر پار کر کے اس کے پاس آ گئی ہوں، یہاں آ کر ہتھیار ڈال دوں، اپنا بیٹا اسے تھال میں سجا کر پیش کر دوں اور خود پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ جاؤں؟........ ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر رخشندہ بزدل کبھی بھی نہیں رہی۔ اور میں میدان بھی نہیں چھوڑوں گی۔ ابھی بہت کچھ نہیں بگڑا........ مصطفیٰ کو پریشان کرنے کے بجائے مجھے خود کوشش کرنا ہوگی۔'
انہوں نے بشیر کاکا کو بلا کر کچھ ہدایات دیں۔
تھوڑی دیر بعد وہ ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی، دائم کے آفس کی طرف جا رہی تھیں۔
'مجھے اس گتھی کو خود ہی سلجھانا ہوگا۔' وہ پُرعزم سی آفس میں داخل ہوئی تھیں۔ دائم کے سیکرٹری کو پہلے سے ان کے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔ یوں بھی اس وقت آفس میں کوئی نہیں تھا۔ وہ گلاس ڈور دھکیلتی اندر جانا چاہتی تھیں مگر کمرے کے اندرونی منظر نے ان کے قدم جکڑ لیے، جو بلائنڈز ایک طرف ہونے کی وجہ سے نظر آ رہا تھا۔

"کک...... کیسے ہو عالی؟" ثریا بانو کی فراٹے سے چلتی زبان ذرا دیر کو رُکی اور اس وقفے کے بیچ انہوں نے محمود عالم کی طرف سے سلام کی توقع کی تھی، مگر وہ اسی طرح بیٹھے سرد نگاہوں سے انہیں دیکھتے رہے تو انہیں دعا سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے حال پر آنا پڑا۔

"اب یہ کس قسمت کے مارے کی شامت آئی ہے آپ کی عمل داری میں؟" وہ ان کا سوال قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے والے انداز میں بولے۔

"کسی کی نہیں، بس یونہی...... اماں کو جانتے تو ہیں، ان کی عادت ہے۔" سارہ اب ماں کی مدد کو آگے بڑھی تھیں۔ ثریا بانو کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے خود بڑے استحقاق بھرے انداز میں محمود عالم کے ساتھ صوفے پر نچی جگہ پر بیٹھ گئیں۔ عزہ البتہ دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔

"ہاں، جانتا ہوں۔ مجھ سے زیادہ انہیں کون جانتا ہے؟" وہ ایک دم سے ٹون بدل کر بولے تو سارہ اور ثریا بانو کچھ چونک سی گئیں۔ "ان کو عادت ہے، یونہی.... زندگیوں سے کھیلنے کی۔" آخری الفاظ انہوں نے زیرِ لب ادا کئے تھے مگر پھر بھی تینوں نے سن لئے ذرا دیر کو کمرے میں سکوت سا چھا گیا۔

"اماں!...... اماں اب یہیں رہیں گی، ہمارے پاس۔" سارہ نے تیزی سے اس کی سکوت کی پھیلتی چادر پر ضرب لگائی۔

"ہمیشہ کے لئے؟" وہ تیزی سے بولے اور ثریا بانو کی نظریں اپنے پیروں پر گڑ گئیں۔

"ہاں...... نہیں...... وہ اماں کا دل ہی نہیں لگتا، ورنہ میں تو......" پہلی بار سارہ اس طرح اٹک اٹک کر بولتی، عزہ کو دلچسپ لگیں۔

"ویسے میری توقع کے خلاف یہ خاصی دیر سے آئی ہیں، ورنہ انہیں تو شاید بہت سال پہلے ہی...... اس کے لئے تمہاری اماں گولڈ میڈل کی مستحق ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولے تو ثریا بانو کو یک دم پتنگے ہی تو لگ گئے۔

"ہاں، وہ چلتر عورت کیوں نہیں گولڈ میڈل کی حق دار...... اتنا بڑا یہ......" وہ باہیں پھیلا کر بولیں۔ "یہ بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اس نے۔ گولڈ میڈل کیا، نجانے کس کس انعام کی مستحق ہے نامراد۔"

"اماں!...... اماں! پلیز۔" سارہ اٹھ کر تیزی سے ان کے پاس آئیں۔

"اے رہنے دو۔ یہ پردہ پوشیاں مجھ سے نہیں ہوتیں۔ اور یہ کون سا دال دلیہ ہے کہ خاموشی سے نگلا جائے گا۔ ارے یہ تو ہماری زندگیوں کے حلق میں پھنسنے والا وہ کانٹا ہے، جو عمر بھر نہ نکلے گا، نہ اُترے گا۔ اور ہمارا واویلا ساری دنیا سنے گی۔ تو جس کا نانی کی خبریں کل چھپیں، آج کیوں نہیں۔" ان کا سانس شدتِ جذبات سے تیز تیز چلنے لگا تھا۔ اور محمود عالم بڑے اطمینان سے بیٹھے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سارہ بے بس سی ماں کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"بھاگ گئی، احسن مراد کی بیٹی تانیہ...... ماں نے نوکری کا جھانسہ دے کر رقم بٹورنے گھر سے نکالا اور وہ ہاتھوں سے نکل گئی۔ میں چار دن کے لئے گھر سے کیا نکلی، ان ماں بیٹی کو موقع مل گیا۔ مجھے مسکین بنتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ میں نے اس کی ضد کی وجہ سے مجبور ہو کر نکاح کر دیا۔ نامراد، بختوں جلی نے جانے کیا مول لگایا، بیٹی کا۔ حریص عورت۔ چھوٹے گھر سے آئے، کم ذات ایک دم موٹی رقم کو دیکھ کر پاگل ہو گئی۔ بیٹی ہی...... ہائے، کیا ظلم کمایا...... کیا؟"

وہ غصے اور غضب میں بولتے ایک دم سینے پر دوہتڑ مار کر رونے لگیں اور اس واویلے کے دوران کن انکھیوں سے محمود عالم کے تاثرات دیکھ رہی تھیں۔

وہ اب سپاٹ چہرے مگر سوالیہ نظروں سے سارہ عالم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"مجھے تو خود پورے معاملے کا پتہ نہیں۔ ابھی تو میں اندر بھی داخل نہیں ہوئی تھی کہ اماں چلنے کو تیار ہو گئیں۔ نہ بھائی جان

ممی منہ بھائی......" سارہ صفائی دینے والے انداز میں کہہ رہی تھیں۔ایک بالکل بدلی بدلی سارہ۔
"مت کہو اس گھٹیا کمین عورت کو بھابی۔" ثریا بانو زور سے گرجیں۔
"تمہیں معلوم ہے نا، میں اس قسم کے ایشوز میں پڑنا پسند نہیں کرتا۔" محمود عالم، ثریا بانو کی طرف دیکھے بغیر رُکھائی سے بولے۔
"معلوم ہے مجھے۔" سارہ چبا چبا کر بولی۔ "کتنا دور بھاگتے ہیں آپ اس قسم کے ایشوز سے۔" سارہ کے انداز میں کچھ تھا، جو محمود عالم کو لمحہ بھر کو چپ کروا گیا۔
"مگر محمود عالم صاحب! یہ میری ماں ہیں اور ان کا کچھ نہیں، بہت حق ہے مجھ پر۔" وہ پہلے والی سارہ بنتے ہوئے بولیں۔
"بڑی جلدی آگیا یاد تمہیں یہ حق استعمال کرنا۔" وہ جواباً طنز سے بولے۔
"پہلے اماں ہی میرے ساتھ آنے پر راضی نہیں ہوتی تھیں۔خوش تھیں وہاں۔ان پوتے پوتیوں میں خوش تھیں، جنہوں نے زندگی کے اتنے بڑے بڑے فیصلے کرتے ہوئے انہیں کسی قابل نہیں سمجھا۔"
بیٹی کے یوں اپنے حق میں بولنے پر ثریا بانو کے دل پر رکھا ڈھیروں ڈھیر بوجھ سرک گیا، جو اس اچانک فیصلے کے باعث دل پر آ پڑا تھا۔ خود کو مضبوط کرتے ہی انہیں یاسمین سے شدید نفرت اور غصے کا احساس ہونے لگا۔
"اور اب تمہیں امید ہے، یہ یہاں خوش رہ سکیں گی؟" محمود عالم بولے۔
"ہاں، کیوں نہیں؟ ان کی بیٹی کا گھر ہے۔" وہ جوش میں بولیں۔
"بیٹی بھی وہ جو نہ کسی سے خوش ہو سکتی ہے، نہ کسی کو خوش رکھ سکتی ہے۔" محمود عالم کٹیلے لہجے میں کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور سارہ کو لگا، جیسے کسی نے کھولتا ہوا پانی ان پر ڈال دیا ہو۔
"کس کو خوش نہیں رکھا میں نے؟........ کس کو؟" وہ کھڑے ہوتے ہوئے چلائیں۔ "کس نے مجھے خوش رکھا زندگی بھر؟ میری کسی خوشی کی پروا کی، جو میں کسی کو خوش رکھتی؟" وہ ہیجان بھرے انداز میں بے قابو ہوتے ہوئے بولیں۔
"میں تم سے فضول بحث نہیں کرنا چاہتا، مگر یاد رکھو۔" محمود عالم کے لہجے میں تنفر کے علاوہ بیزاری بھی تھی۔ "تمہارے خاندان کے یہ چھوٹے چھوٹے ایشو میری زندگی اور میری بیٹی کی زندگی پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہونے چاہئیں۔ورنہ اپنی والدہ کا ان کے بیٹے کے گھر میں، وظیفہ باندھ دو۔مگر میں انہیں یہاں رکھنے کی فیور نہیں کروں گا۔یوں بھی........" وہ رُکے، ششدر بیٹھی ثریا بانو کو دیکھا اور بولے۔ "یہ اس طرح کے ایشوز میں زیادہ خوش رہتی ہیں۔آخر یہ سب انہی کی محنتوں کے بوئے ہوئے بیج ہیں جو اب تناور درخت بن گئے ہیں، انڈر اسٹینڈ؟" وہ جو جو کچھ، جس لہجے میں بول گئے تھے، سارہ کا طیش، غصہ سب جھاگ کی طرح بیٹھ گئے اور ثریا تو ایسے بیٹھی تھیں جیسے ابھی اُٹھیں گی اور یہاں سے بھاگ جائیں گی۔یا یہیں کہیں زمین کے اندر غرق ہو جائیں گی۔
اسی وقت ان کا ڈرائیور بیگ اٹھائے اندر داخل ہوا۔
"بیگم صاحبہ! یہ کہاں رکھوں؟" وہ سارہ کے پاس کھڑا مؤدب لہجے میں پوچھ رہا تھا۔اور ثریا بانو کا جی چاہا کہ اس کے ہاتھ سے بیگ جھپٹیں اور یہاں سے نکل جائیں۔
سارہ بھی متذبذب سی تھیں۔ثریا بانو نے چور نظروں سے انہیں دیکھا۔
"رکھ دو یہیں ابھی، اور تم جاؤ۔" سارہ بیزاری سے بولیں تو ڈرائیور بیگ ان کے پیروں کے پاس رکھ کر واپس مڑ گیا۔
ثریا بانو اُمید بھری نظروں سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔
"یہی...... یہی ڈر تھا مجھے۔محمود عالم........ وہ برداشت کرے گا مجھ سے وابستہ کسی بھی چیز کو........ ناممکن۔" وہ منہ میں بڑبڑائیں۔
اور ثریا بانو کا جی چاہا کہ وہ دھاڑیں مار کر روئیں اور اپنی بیٹی کو بتائیں کہ وہ کوئی چیز نہیں، ان کی ماں ہیں۔مگر ان کا حلق اتنا خشک ہو رہا تھا کہ ان سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

❀ ⚙ ...... ⚙ ❀
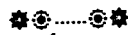
گھر کا دروازہ کھلا تھا۔وہ دروازے میں ذرا سا رکا اور پھر پٹ دھکیل کر اندر آگیا۔
"دروازہ بند رکھا کرو۔پتہ ہے، آج کل حالات کتنے خراب جا رہے ہیں اور تم لوگوں کو ذرا احساس نہیں۔" چند ماہ پہلے اس طرح کھلے دروازے سے اندر آتے ہی وہ کس طرح تانیہ اور یاسمین پر برسا تھا۔
مگر جس گھر کی سب سے قیمتی شے چوری ہو چکی ہو، لٹیرے سب سے قیمتی موتی چرا کر لے جا چکے ہوں، اسے اب دروازہ کھلا رکھنے یا بند کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑ سکتا۔وہی تلخ خیال اس کے دماغ میں پوری شدت سے جاگا، جسے وہ ہر صورت جھٹک دینا چاہتا تھا۔

سامنے ویران، دھول میں اٹا صحن تھا۔

امرود کے درخت کے پتے یہاں وہاں بکھرے پڑے تھے۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے کئی دنوں سے نہ تو کسی نے انہیں سمیٹا ہو، نہ اس آنگن کو کسی نے صاف کرنے کا سوچا ہو۔

سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ کچھ اس پہر کی اُداسی اور کچھ گھر کی فضا اور کچھ اس کے مکدر خیالات...... صحن میں قدم رکھتے ہی جی چاہا، یہاں سے واپس بھاگ جائے۔

سامنے برآمدے میں دادی جان کے تخت کے پاس آغا جان بیٹھے تھے اور اسے صحن میں کھڑا دیکھ رہے تھے۔

"السلام علیکم آغا جان!" اس نے تھکے تھکے لہجے میں مجبوراً انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کہاں تھے تم؟ اور یہ حالت؟" وہ چشمے کے پیچھے سے آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"امی کہاں ہیں؟" وہ ان کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے بولا۔

آغا جان اپنے سوال کو یوں نظرانداز کیے جانے پہ لحہ بھر کو چپ ہوئے۔

"اندر ہی ہے یاسمین۔ ابھی ڈاکٹر کے پاس سے آئے تھے۔" وہ مرجھائے ہوئے لہجے میں بولے تو وہ آہستہ روی سے چلتے ہوئے کمرے میں چلا آیا۔

سہ پہر کی ملگجی روشنی کے سوا کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی۔ ملگجا سا اندھیرا اور سامنے بیڈ پر چادر اوڑھ کر لیٹی یاسمین اسے پہلی بار میں بے حد کمزور لگیں۔

"کیا ہوا آپ کو؟ ڈاکٹر کے پاس سے آئی ہیں۔ طبیعت نہیں اچھی؟" اس کے لہجے میں فکر تو تھی مگر چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔ بوجھل قدموں سے چلتا وہ ان کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

یاسمین نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا، پھر ایک گہرا سانس لیا۔

"تم کہاں تھے اتنے دنوں سے؟" وہ بھاری سی آواز میں بولیں۔

"یہیں تھا۔" اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔

یاسمین نے تھوڑی دیر اسے دیکھا اور پھر نم آنکھوں کے ساتھ چھت کو دیکھنے لگیں۔ ان کے مزید کچھ نہ پوچھنے پر تنزیل نے بے چینی سے انہیں دیکھا۔

"کیا ہوا ہے آپ کو؟...... طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کی تپتی کلائی کو چھوا۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟ بڑی سخت جان ہوں، بلکہ ڈھیٹ...... زندہ ہوں، دیکھ لو، پوری ڈھٹائی کے ساتھ۔" وہ تمسخر بھرے لہجے میں بولیں تو تنزیل انہیں دیکھنے لگا۔

اس کے اندر ابھی بھی بہت غصہ دبا تھا کہ انہوں نے ثانیہ کو اس کا انتظار کیے بغیر اس کے گھر سے رخصت کر دیا۔ مگر اب ان کی خستہ حالت اور پژمردہ انداز بالکل مٹی کی کمزور پڑتی دیوار کے مانند خستہ حال لگے تھے اور اس کا غصہ، فکرمندی میں ڈھل گیا۔

"دادی جان ابھی تک نہیں آئیں؟" وہ ذرا دیر بعد بولا۔

"آ گئی تھیں۔ تمہاری پھپھو کے گھر چلی گئیں، شاید ہمیشہ کے لیے۔" یاسمین گردن موڑے یک ٹک آنکھوں میں آئے پانی کو شاید روکنے کے لیے دیوار کو پلک جھپکے بغیر تکے جا رہی تھیں۔

"پھپھو کی طرف...... کیوں؟ وہاں تو وہ......" وہ بولا، رکا اور پھر جیسے سب سمجھ گیا۔

جو قیامت ان پر گزر چکی تھی، اب اس کے بعد کوئی بھی بات، کوئی بھی انہونی، انہونی نہیں لگتی تھی۔

"آپ ان کے جانے کی ٹینشن لے کر بیمار پڑ گئی ہیں۔" وہ نرمی سے ان کا تپتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

یاسمین چپ رہیں۔

"آ جائیں گی خود ہی۔ وہاں نہ تو وہ زیادہ دن رہ سکیں گی، نہ ان کی وہ دولت مند بیٹی انہیں زیادہ دن رکھ سکے گی۔ آپ ان کی فکر نہ کریں۔" وہ انہیں تسلی دینے والے انداز میں بولا۔

"فکر۔" وہ ہنکارا بھر کر ہنسیں۔ "اب فکر کا ہے کی؟...... ساری فکریں تو وہ لے گئی۔ اس بھرے بھرائے گھر کو ایک دم سے خالی کر گئی۔" بالآخر ان کی آنکھوں میں ٹھہرا پانی چھلک ہی پڑا۔

تنزیل نے بے ساختہ ان کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس تکلیف دہ موضوع پر کسی شعلے کی طرح بھڑک کر ابھی انہیں اتنی باتیں سنا سکتا تھا کہ...... مگر ماں کی حالت...... اس نے اپنے لب دانتوں میں اتنی زور سے بھینچے کہ اسے لگا، اس کا نچلا لب کٹ گیا ہے۔

"ربیعہ اور سبیعہ کہاں ہیں؟" تنزیل کے ایک دم ہاتھ چھوڑ دینے اور خاموش ہو جانے پر جیسے انہوں نے اپنے آنسوؤں پر قابو

باندھ لیا۔

"سامنے والوں کی طرف گئی ہیں۔ یہاں تو........"

"پہلے تو آپ نے بھی انہیں اِدھر اُدھر نہیں بھیجا تھا۔ اور اب........ اب تو........ ابھی بھی آپ نہیں سنبھلیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"پہلے ثانیہ سے پڑھ لیتی تھیں انگلش، سائنس وغیرہ، اب سامنے والوں کی بیٹی فائزہ اچھی ہے۔ یونہی تھوڑا بہت ہوم ورک کر لیتی ہیں جا کر یا........" وہ بہت آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

"تم اتنے دن کہاں تھے؟" ذرا وقفے کے بعد وہ بولیں۔ "اور یہ چوٹیں کیسی ہیں؟" وہ اب اسے مسلسل دیکھے جا رہی تھیں، جیسے اس کے چہرے پر کچھ تلاش کر رہی ہوں۔

"کچھ نہیں، ویسے ہی........ ابو اپنے کمرے میں ہیں؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہوں........ بھوک لگی ہوگی۔ کیا کھاؤ گے؟" وہ قدرے بے چینی سے بولیں۔

"نہیں........ میں ان دونوں کو بلا کر لاتا ہوں۔ یہ ربیعہ آ کر چائے بنا دے گی۔ دودھ اور پتی ہے نا گھر میں؟" جاتے جاتے وہ رکا تھا۔

یاسمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اپنے ابو سے مل لو جا کر۔ وہ تو جیسے کمرہ بند ہی ہو گئے ہیں۔ بالکل بھی باہر نہیں نکلتے۔" یاسمین نے اسے پیچھے سے کہا۔ وہ ان سنی کرتا باہر نکل گیا۔

آغا جان کرسی صحن میں لے گئے تھے اور دونوں ہاتھ گود میں دھرے سامنے دیوار سے ڈھلتی دھوپ کو یوں دیکھ رہے تھے، جیسے وہ اپنے وجود کو گم ہوتا دیکھ رہے ہوں۔

تنزیل یونہی احسن مراد کے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ کرسی پر بیٹھے کتاب سینے پر رکھے یک ٹک کھلی کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہے تھے۔ کمزور، مضمحل اور بالکل غائب دماغ۔

تنزیل ان سے کوئی بھی بات کیے بغیر باہر نکل گیا۔

اسے یک دم ہی اس گھر سے وحشت سی ہونے لگی تھی، جیسے کسی نے تین حنوط شدہ ممیاں یہاں ڈال دی ہوں، جو وجود تو رکھتی ہیں مگر زندہ نہیں۔ اور بظاہر کوئی سڑی بھی نہیں کہ کوئی ان کے تعفن سے گھبرا کر انہیں زیرِ زمین ہی دفن کر آئے۔

کبھی یہ گھر بھی جیتا جاگتا تھا۔ ادھر زندگی ایسی تلخیوں کے ساتھ ہی سہی، کیسے دھڑکتی پھرتی تھی۔ اور اب صرف وحشتیں اور ویرانیاں........ اور یہ سب........

'ثانیہ! کاش........ کاش! تم میرے سامنے آ جاؤ۔' وہ باہر جاتے جاتے مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ 'اور یہ سب میڈم یاقوت کی سازش ہے۔ میری زندگی جتنی بھی ہے، اس عورت کے بدترین انجام کے لئے وقف ہے۔ مجھے اس گھر کی ویرانی، اس کی وحشتوں کی قسم........ میڈم یاقوت! میں ایسی وحشتیں، ایسی ہی ویرانیاں تیری زندگی، تیرے گھر کا مقدر کر کے رہوں گا۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔' مٹھیاں بھینچے کھڑے کھڑے ہی اس کے لہو میں شرارے سے چٹخنے لگے تھے۔ اور اس وعدہ کے ساتھ ہی جیسے اس کے تیز تیز گردش کرتے لہو کی رفتار میں کمی آ گئی۔

وہ گھر سے نکلا تو ربیعہ اور سدیعہ کو بلانے تھا، مگر بے ارادہ ہی بے سمت رستوں پر چلتا چلا گیا۔ اس کے بھڑکتے، دُکھتے دماغ میں ایک ہی خیال مختلف زاویوں سے گردش کر رہا تھا۔

انتقام........ صرف انتقام........ اور اس کے لئے اس کے ذہن میں بڑی واضح تصویر تھی........ میڈم یاقوت کی بیٹی۔

'صرف اب کہیں بیٹھ کر ٹھنڈے دل و دماغ سے اس پلان کو عملی شکل دینا ہے۔ ایک جامع منصوبہ........ کہ وہ عورت چوہے دان میں پھنسی چوہیا کی طرح بھاگے، دوڑے، پھڑکے مگر نکل نہ سکے۔'

تھوڑی دیر میں وہ ایک سستے ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ چائے کے چند گھونٹوں نے ہی اس کے دماغ میں موجود اس نئے خیال کو منصوبے کی شکل دینا شروع کر دی۔

وہ تھوڑی دیر بعد جیب میں رکھے سیل کو نکال کر کسی کے ساتھ ملاقات کا وقت مقرر کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کے دل میں اٹھتا ابال بھی پُرسکون ہوتا جا رہا تھا۔

٭٭........٭٭
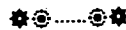
"السلام علیکم ماما! آپ ابھی تک سوئی نہیں؟" وہ اتنی دیر سے گھر آیا تھا اور اسے یقین تھا کہ رخشندہ سو چکی ہوں گی۔ انہیں

سامنے لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔
''تو تم میرے سونے کا انتظار کر رہے تھے، اس لئے اتنی دیر سے لوٹے ہو؟'' وہ زہر خند لہجے میں بولیں تو دائم پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلتا ان کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔
''نن...... نہیں، بالکل نہیں۔ اور سوری، میں آپ کو ٹائم بھی نہیں دے پا رہا، مصروفیت......'' اس نے پیشانی ملتے ہوئے بات بنانے کی کوشش کی تھی۔
''گویا میرا ٹائم کسی اور کو دے رہے ہو؟'' وہ جتاتے ہوئے انداز میں بولیں تو دائم نے بے اختیار چونک کر انہیں دیکھا۔
''نہیں...... بالکل نہیں۔'' وہ پھر تیزی سے بولا۔
''دائم! نہ تو میری تربیت کے رنگ اتنے کچے ہیں کہ ان چھ سات ماہ کی دوری میں ڈھل جائیں اور نہ میں اپنی اولاد کے بارے میں کسی قسم کا شک رکھتی ہوں کہ تم مجھے، میری محبت کو بھول کر یہی جذبہ کہیں اور تلاش کرتے پھرو۔ جو بات ہے، مجھے کہہ دو۔ میرے اندر سب کچھ اور سب سچ سننے کا حوصلہ ہے'' اگرچہ ان کا دل ان کے بولے ہوئے الفاظ کا ساتھ نہیں دے پایا تھا، اپنے دعوے پر ذرا گڑبڑایا تھا۔ سب سچ سننے کا حوصلہ ان میں کب تھا۔
''ماما! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ میں کیوں کہیں اور کچھ بھی تلاش کروں گا، آپ کے علاوہ؟'' وہ صاف نظریں چرائے ہوئے بولا تھا۔
''ابھی کچے ہو۔'' وہ افسوس بھرے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔
''کیا مطلب......؟'' معلوم نہیں کیوں اس کے دل کی فریکوئنسی کسی اور ہی نمبر پر دھڑک رہی تھی، ڈاکٹر رخشندہ کی ناراضگی فراموش کرتے ہوئے۔
''جھوٹ نیا نیا بولنا سیکھ رہے ہو نا، اسی لئے چہرہ اور آنکھیں تمہارے لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہے۔'' وہ دکھ سے بولیں۔ دائم چپ سا رہ گیا۔
''کھانا کھاؤ گے یا کھا آئے ہو؟''
''نہیں، کھاؤں گا۔ ذرا چینج کر آؤں۔'' وہ کھسیانے سے انداز میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
''دائم! میری بات سنو۔'' ڈاکٹر رخشندہ کی آواز پر وہ ٹھٹک کر مڑا۔
''یاد رکھو، کبھی خود کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرنا۔ آدمی دوسرے کو چیٹ کرے، اس کا ضمیر اسے تھوڑا مارجن دے دیتا ہے، خود کو چیٹ کرنے والے کو اس کا ضمیر کبھی معاف نہیں کرتا۔ اور میری دل سے دعا ہے کہ خدا نہ کرے تمہیں کبھی ضمیر کی اس مار کا سامنا کرنا پڑے، جس سے......'' بولتے بولتے وہ ایک دم سے چپ ہو گئیں۔
''جس سے......؟'' دائم فوراً بولا۔
''تم چینج کر آؤ۔ کھانا کھاتے ہیں، پھر بات کریں گے۔'' وہ بات ٹال کر آگے بڑھ گئیں تو دائم اس مشکل مرحلے کو سوچتے سیڑھیاں چڑھنے لگا جو کھانے کے بعد آنے والا تھا۔
''چائے پیو گے یا کافی؟'' کھانے کے بعد ڈاکٹر رخشندہ نے ملازم کو برتن سمیٹنے کا کہا اور اُٹھ کر ڈائننگ ہال سے نکل آئیں۔ دونوں اب ایک بار پھر لاؤنج میں بیٹھے تھے۔
''کچھ بھی نہیں...... ہاں، قہوہ پی لوں گا تھوڑا سا۔''
رخشندہ، ملازم کو بلا کر اپنے لئے کافی اور دائم کے لئے قہوے کا کہنے لگیں۔
''پاپا سے میری آج بات نہیں ہو سکی۔ ابھی سونے سے پہلے بات کروں گا۔'' اس نے موضوع چھڑنے سے پہلے ٹال دینے والے انداز میں کہا۔
''اچھا، تمہیں یاد ہے یہ غیر اہم سی بات؟'' وہ جتاتے ہوئے بولیں۔
''مام! کیا مطلب ہے آپ کا اس سارے طنز سے؟'' وہ برامان کر بولا۔
''مطلب تو مجھے تمہارا سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تم کس طرح مجھ سے بی ہیو کر رہے ہو؟'' وہ فوراً بولیں۔
''کس طرح بی ہیو کر رہا ہوں؟ ٹھیک تو ہوں۔ تھوڑا بزی ہوں۔ کل وِیک اینڈ ہے۔ پرسوں کا پورا سنڈے آپ کے ساتھ گزاروں گا تو آپ کا گلہ مٹ جائے گا۔'' وہ جلدی سے بولا۔
''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ بڑبڑائیں۔
دائم نے تردید یا تائید نہیں کی، بس انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"اب یہ کون سی مصروفیت تھی کہ تم مجھے کال نہیں کرتے تھے؟ میں کال کرتی تھی تو یا ڈراپ کر دیتے تھے یا آف........اور پلیز دائم! مجھ سے بھونڈے انداز میں جھوٹ بولنے یا کوئی بہانہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" انہوں نے ایک دم دونوں کنپٹیاں تھام کر عاجزی سے کہا۔

"آپ کا مطلب ہے، میں آپ سے جھوٹ بولتا ہوں یا بہانے کرتا ہوں؟" وہ ایک دم غصے میں آ گیا۔

"پلیز، ڈونٹ بی ہائپر۔" وہ یک دم ہاتھ اٹھا کر بولیں۔ "چلو، میں مان لیتی ہوں تم سچ بولتے ہو اور بہانے نہیں کرتے۔ تو بتاؤ مجھے یہ سب کیا ہے؟" وہ صلح جو لہجے میں بولی تھیں۔

"کیا......کیا ہے سب؟" وہ انجان بنتے ہوئے بولا۔

"تم مجھے اور اپنے پاپا کو اگنور کیوں کر رہے ہو؟ وہ بھی اس حد تک کہ مجھے خود آنا پڑا۔" وہ خود پر تھوڑا کنٹرول کرتے ہوئے حتی الامکان نرم الفاظ میں بولیں۔

"میں آپ لوگوں کو اگنور کیوں کروں گا؟" اس کا یہ صاف مکرنے والا انداز ڈاکٹر رخشندہ کو اندر تک جھلسا گیا تھا۔ مگر وہ کسی قسم کا غصہ دکھا کر معاملہ بالکل ہی خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں، ورنہ جس طرح انہوں نے دائم کے آفس میں دائم اور میڈم یاقوت کو پاس پاس بیٹھے باتیں کرتے دیکھا تھا اور ان کے خون میں جو آتش فشاں اُبلا تھا اور جس طرح وہ اپنے اعصاب اور اپنے طیش کو قابو میں کر کے گھر لوٹی تھیں، یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔

اور مصطفیٰ کو ساری صورتِ حال بتاتے ہوئے جس طرح بے قابو ہو کر وہ روئی تھیں، یہ مصطفیٰ کا ہی کام تھا، انہیں سنبھالنا اور سمجھانا کہ اس طرح غصہ اور طیش دکھانے سے دائم مکمل طور پر متنفر ہو کر ان کے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے نکل بھی سکتا ہے اور وہ کسی بھی طور پر یہ منظور نہیں کر سکتی تھیں۔

اور یہ مصطفیٰ کی ہی نصیحت تھی کہ نرمی اور طریقے سے بات کرتے ہوئے اسے اپنے قریب لا کر اس سے اُگلوایا جائے کہ وہ کیا کچھ اور کس حد تک جان چکا ہے۔

اور اب ڈاکٹر رخشندہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ یہ سب دائم سے کیسے اُگلوائیں۔

ملازم قہوے اور کافی دونوں کے آگے سرو کر کے جا چکا تھا۔

"تم میڈم یاقوت کو کب سے جانتے ہو؟" انہوں نے چکر پھیریاں کھانے کے بجائے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دائم ان کے سوال پہ لمحہ بھر کو ٹھٹکا تھا۔

"کب سے تو نہیں، یہیں پاکستان آ کر ان سے ملاقات ہوئی تھی اور ان کے ساتھ پارٹنر شپ بھی۔" اس نے بڑے محتاط انداز میں جواب دیا تھا۔

"اور یہ پارٹنر شپ کس حد تک جا چکی ہے؟" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"کیا مطلب؟" دائم نے قہوے کی پیالی لبوں سے لگائی۔

"مطلب تم مجھے سمجھاؤ........صبح تمہارے آفس میں تمہاری یہ پارٹنر صاحبہ کیا کر رہی تھیں؟ جبکہ تم دونوں کے آفس بھی ایک جگہ نہیں اور میں......" وہ لب کاٹتے ہوئے اگلی بات بولنے سے پہلے شاید اسے تولنے لگی تھیں۔

"وہ......وہ کسی ضروری کام کے سلسلے میں آئی تھیں اور بس۔ کیا آپ میرے آفس آئی تھیں یا آپ نے فون کر کے پتہ کروایا تھا؟" دائم ذرا سا جھجکا، پھر نارمل لہجے میں پوچھا تھا۔

"کیا وہ سلسلہ ایسا راز و نیاز کا تھا اور بالکل پاس بیٹھ کر بات کرنے سے حل ہوتا تھا، جس کے لئے......" ان کے دماغ نے شاید ناپ تول کی زحمت نہیں کی اور وہ بول گئیں جو وہ بولنا چاہ رہی تھیں۔

دائم چپ سا ہوا۔ شاید اسے اس بات کی توقع نہیں تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اور ماما! میں بھلا ان کے نزدیک کیوں ہوں گا بھلا؟ نجانے آپ کو کیسا وہم ہوا ہے؟" وہ صاف نظریں چراتا تھوڑا بگڑ کر بولا۔

"دائم پلیز! ٹیل می، واٹ یُو نو۔" وہ جیسے زچ ہو کر بولی تھیں۔

"کیا بتاؤں؟......کیا جانتا ہوں میں؟" وہ چوکر بولا۔

"وہ عورت تم سے کیا کہتی ہے؟" وہ دانت بھینچ کر بولیں۔

"کیا......کیا کہے گی وہ مجھ سے، ماما؟" دائم اگر ایکٹنگ کر رہا تھا تو ڈاکٹر رخشندہ نے اس کی ایکٹنگ کی دل ہی دل میں داد دی۔

"اس نے میرے متعلق، تمہارے پاپا کے متعلق کیا بات کی ہے؟" وہ پھر سے اپنے ضبط کو آزما کر بولیں۔

''کچھ نہیں........ کچھ بھی نہیں۔'' وہ اتنی صاف گوئی سے کہہ رہا تھا کہ ایک بار تو ان کا دل چاہا، اُٹھ کر اس کے دو ہاتھ دے ماریں اور شاید وہ ایسا کر بھی لیتیں کہ دائم کے سیل کی مدھر ٹیون بج اُٹھی۔ اس نے سیل اٹھایا، نمبر دیکھا اور ایک نظر رخشندہ کے برافروختہ چہرے پر ڈالی۔

''ایکسکیوزمی!'' وہ اجنبی سے لہجے میں کہتے ہوئے اٹھا اور سیل کان سے لگائے لابی میں چلا گیا۔

وہ پہلے تو غصے میں کھولتی رہیں، پھر دبے قدموں سے اُٹھ کر اُس کے پیچھے چلی گئیں۔

وہ بہت ہلکی آواز میں باتیں کر رہا تھا اور ان کی چھٹی حس انہیں سگنل دے رہی تھی کہ فون کس کا ہو سکتا ہے؟

وہ دائم کے اندر آنے سے پہلے ہی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ چکی تھیں۔

''کس کا فون تھا؟'' انہوں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

''ایک دوست کا۔'' اس کا انداز بھی عام سا تھا۔

''نیا یا پرانا؟''

''کیا؟'' وہ بے خیالی میں بولا۔

''دوست نیا ہے یا پرانا........ تاکہ میں اس رازداری کی وجہ جان سکوں جو تم نے برتی۔'' انہوں نے جملے میں ''مجھ سے'' کر لیا۔

''آپ کیوں شک کر رہی ہیں مجھ پر؟ ایسا کیا کر ڈالا ہے میں نے؟'' وہ اب کے زچ ہو کر بولا۔

''تم وہ دائم نہیں جو لندن میں میرے بیٹے کم، دوست زیادہ تھے۔ تم تو مجھے کوئی اجنبی، بالکل غیر لگ رہے ہو۔ کیوں؟ مجھے یقین ہے، تمہارے دل کے احساسات بھی کم و بیش میرے بارے میں ایسے ہی ہوں گے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں'' آہستہ دھیرے سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھیں اور محبت لٹاتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھیں جو ان کی بات سن کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

''آخر میں یہ سب ماما سے شیئر کیوں نہیں کر لیتا؟ اگر میڈم یاقوت کے کہے میں سچ بھی ہے تو ماما کوئی جینوئن ریزن (جائز وجہ)، کوئی ٹھوس بہانہ تو پیش کر سکتی ہیں۔ اور جو میڈم یاقوت نے صرف چند دن اور مجھ سے صبر کرنے کو کہا ہے کہ اس کے بعد وہ ثبوت بھی پیش کر دیں گی کہ میں ان ہی کا بیٹا ہوں تو پھر مجھے چند دن اس معاملے کو اسی طرح رکھنا ہو گا۔ ابھی ماما سے ڈسکس کرنا بات بگڑ بھی سکتی ہے اور شاید اُلجھ بھی جائے۔ پھر میں دونوں سے کسی کی بھی بات پر یقین کرنے کے قابل نہ رہوں گا۔ پہلے ایک طرف اپنے دماغ کو مطمئن کر لوں، پھر ماما یا پاپا سے بات کروں گا کہ انہوں نے میری زندگی کے ساتھ ایسا کھیل کیوں کھیلا؟ چند دن ایکٹنگ ہی تو ہے، کر لیتا ہوں۔' اس نے چند ہی لمحوں میں بہت کچھ سوچ لیا۔

''ماما! کچھ بھی نہیں ہے۔ سب آپ کا وہم ہے۔ اور خدانخواستہ میں کیوں آپ کو غیر سمجھوں گا؟ ہاں اگر آپ مجھے ایسا سمجھ رہی ہیں تو مجھے پھر سخت شکایت ہے آپ سے۔ آپ نے ایسا میرے بارے میں سوچا بھی کیوں؟'' وہ یکدم لہجے کو ہشاش بشاش بناتے ہوئے ان کے کندھے کو تھام کر قدرے اپنائیت سے بولا۔

''ایک بات کہوں دائم؟'' ان کی آنکھوں اور چہرے پر گہری مایوسی تھی۔

''جی بولیے۔'' وہ خود کو بشاش رکھنے کی مسلسل سعی کر رہا تھا۔

''تم ابھی بھی مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو۔'' ان کی آواز رندھ سی گئی تھی۔

دائم شاک زدہ سا رہ گیا۔ کچھ بول ہی نہ سکا۔

''چلو، تم تو مجھے کچھ بتانے پر تیار نہیں۔ اگرچہ مجھے اپنے لہو پر، اپنی تربیت پر اندھا اعتماد تھا کہ تم کبھی کسی موڑ پر مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گے، میری ممتا کے ساتھ ڈبل گیم نہیں کھیلو گے، مگر تم نے........'' وہ رنجیدہ سی کہہ رہی تھیں۔

''ڈبل گیم میں کھیل رہا ہوں؟'' اس نے ان کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا لئے اور تلخی سے بولا۔

''اور کون کھیل رہا ہے؟'' وہ اسی دل گرفتگی سے بولیں۔

''اگر میں کہوں یہ سب آپ نے میرے ساتھ کیا ہے تو........؟'' وہ لمحہ بھر توقف کے بعد تلخ لہجے میں بولا۔

''تو میں کہوں گی کہ تمہیں کسی نے بری طرح سے گمراہ کیا ہے۔'' وہ تیزی سے بولیں۔

''گمراہ یا صحیح راہ پہ لگایا ہے؟'' وہ چبا چبا کر بولا تو ڈاکٹر رخشندہ ششدر سی رہ گئیں۔ ان کے سارے شکوک درست تھے۔ ہنڈرڈ پرسنٹ ایکوریٹ!

''پوچھ سکتی ہوں کہاں تک صحیح راہ پر لگ چکے ہو؟'' وہ تھوڑے توقف کے بعد تلخی سے بولیں تو وہ فقط کندھے اچکا کر انہیں دیکھنے لگا۔

"تو تم مجھ سے کبھی بھی شیئر نہیں کرو گے؟" اب کے پھر وہ دکھی ہو کر بولیں۔
"کچھ ہے بھی نہیں ایسا۔" دائم پھیکے سے انداز میں بولا تھا۔
ڈاکٹر رخشندہ نظریں جھکا کر اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھنے لگیں۔
"اس نے تمہیں بتا دیا ہے نا کہ میں........ میں تمہاری ماں نہیں۔" وہ اسی طرح نظریں جھکائے ہتھیلی کو تکتی، نم آواز میں بولیں اور ان کا یہ انکشاف اتنا اچانک تھا کہ دائم کو لگا، اس کی تالو سے لگی زبان کبھی کوئی لفظ اب بول ہی نہ سکے گی۔
ڈاکٹر رخشندہ اب آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی لئے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

✿......✿
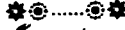
"سارہ! یہ حالی ابھی اس بات کو بھولا نہیں کیا؟" سارہ عالم بڑے مگن انداز میں اپنے بائیں ہاتھ کے ناخنوں پر کیوٹیکس لگا رہی تھیں، جب ثریا بانو نے اچانک پوچھا۔
"کس بات کو اماں؟" وہ لاپروا انداز میں ناخن دیکھتے ہوئے سرسری انداز سے بولیں۔ اور پھر ماں کی گہری نظر کا مفہوم سمجھتے ہی جیسے ان پر کسی نے ڈھیر ساری برف انڈیل دی ہو۔ فضا میں اٹھا کیوٹیکس لگا دودھیا ہاتھ بھی بے جان ہو کر نیچے گر گیا۔
"بھول گیا ہوتا تو کیا آپ کو میری زندگی ایسی جہنم نظر آتی؟" وہ ترشی سے بولی۔
"یاد رکھنے کا مقصد؟" ثریا بانو نا سمجھی سے بولیں۔
"کوئی قبروں کو کیوں یاد رکھتا ہے، یادوں کے دیے جلانے کے لئے۔" وہ جلے کٹے انداز میں بولیں تو ثریا بانو انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔
"تمہاری کبھی بات ہوئی اُس سے اس موضوع پر؟" وہ کریدنے والے انداز میں بولیں۔
"اماں! مت آگ لگائیں مجھے۔" وہ جیسے چیخ اٹھیں۔ "بہت مشکلوں سے سنبھلی ہوں میں۔ اس آگ کو کرید کر اپنی انگلیاں ہی نہیں، ساری کی ساری جھلس جاتی ہوں، ان چنگاریوں سے .... اور وہ بھی .... اسے بھی بھڑکانے کے لئے صرف اس طرف اشارہ کر دینا کافی ہوتا ہے، بات کیا کرنی ہے اس نے یا میں نے؟" وہ تلخی سے بولتی چلی گئیں۔
"وقت گزرنے کے ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ بہت سی ماضی کی تصویریں دھندلا جاتی ہیں، ان پر گرد پڑ جاتی ہے اور نقش و نگار ہی بدل کر رہ جاتے ہیں اور شعور جوں جوں پختہ ہوتا جاتا ہے، آدمی کی دیکھنے، جانچنے اور پرکھنے کے انداز بدل جاتے ہیں۔ پھر بڑے بڑے چڑھتے دریا اُترتے دیکھے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کوئی اتنے برسوں بھی اسی شدت، اسی جذباتیت کے ساتھ ایسی بے تکی حماقتوں کو نہ صرف یاد رکھے بلکہ ان کی وجہ سے اپنے حال کو بھی بے حال کر لے؟" ثریا بانو بہت ٹھہر ٹھہر کر زیرک انداز میں بول رہی تھیں۔
سارہ دھیان نہیں دینا چاہتی تھیں، پھر بھی کان لگا کر سن رہی تھیں۔
"اماں! دنیا میں شاید دو چار نمونے ایسے ضرور ہوتے ہیں جو فطرت کے فطری ڈھب اور طور طریقوں سے الگ ہی چلتے ہیں۔ ہر مستند اصول اور بنا بنایا سانچہ ان کے لئے بالکل بے کار ثابت ہوتا ہے۔ ان کی بے وقوفی اور حماقتوں کے لئے کوئی سانچہ گزرتے ہوئے وقت کے پاس ہوتا ہے، نہ وہ اس میں فٹ آتے ہیں۔ آپ سمجھ لیں، محمود عالم انہی دو چار نمونوں میں سے ایک ہیں، جنہیں زمانے کی ڈگر سے ہٹ کر چلنا سب سے محبوب ہے اور اس پر ڈھٹائی سے جمے رہنا اس انفرادیت ہی کی طرح عزیز تر۔"
وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیزاری سے بولتی چلی گئیں، ورنہ اس موضوع پر کسی تو کیا، اپنے آپ سے بھی ایک لفظ بولنے یا کہنے کی روادار نہیں تھیں۔
"کبھی تم نے اس کا ذہن کھرچنے یا دل جیتنے کی کوشش نہیں کی؟" وہ آہستگی سے بولیں۔
"یہ........ یہ میرا سفید بالوں والا سر دیکھ رہی ہیں آپ، جنہیں میں ہر ہفتے مختلف رنگوں میں ڈائی کروا کروا کے خود کو اپ ٹو ڈیٹ کرنے کے چکر میں ہلکان ہوتی رہتی ہوں، کیا یہ محض گزرتے وقت کا کارنامہ ہے؟ ہرگز نہیں۔" وہ زور سے سر ہلا کر بولی۔ "یہ اس ہٹ دھرم شخص کی ضدی اور سرد رفاقت سے سر پھوڑنے کا نتیجہ ہے، جہاں آپ نے مجھے جھونکا تھا۔" وہ تلخ ہوتے ہوتے بگڑ گئی۔
"ہم نے جھونکا تھا؟" ثریا بانو اس سے زیادہ برا مان کر بولیں۔ "تمہارے سر پر جو جنون سوار تھا، اس کی یاد نہ دلاؤ مجھے۔ محمود عالم کوئی نہیں........ بھول گئے تمہیں وہ سرکشی کے دن؟........ اب مجھے اتنے سالوں بعد اس جہنم میں جھونکنے کا طعنہ دے کر مجھے جتا رہی ہو۔ سوچتی ہوں، پلٹ کر دیکھتی ہوں تو خیال آتا ہے، یاسمین کیسی مجبور ہوئی ہو گی۔ یہ اولاد ہے ہی ایسی ظالم شے کہ بڑی سے بڑی چٹان کو بھر بھری مٹی بنا ڈالتی ہے۔ بھول گئیں تم سب کچھ مگر میں کچھ نہیں بھولی، سارہ بی بی!" انہوں نے ہوکے نما سانس بھری اور سارہ کی طرف شکایتی نظروں سے دیکھا۔

''تمہارا وہ جنون.......اور اپنے نفس کی بے ایمانیاں....... یہ مال، یہ اولاد فتنہ ہے۔ اس حقیقت کا علم سب کچھ گزر
بعد کیوں ہوتا ہے؟ اور جب ہوتا ہے تو کیسے کچوکے لگتے ہیں دن رات۔ خدا نہ کرے، تم اس خود احتسابی کے دوزخ
اتنے عجیب مگر بے نیاز سے لہجے میں بول رہی تھیں جیسے سارہ کی موجودگی سے بالکل ہی بے خبر ہوں۔
''تو کیا ہوا؟ آپ نے احسان کیا تھا؟........سب ہی والدین، اولاد کی خوشی کے لئے اسی طرح تگ و دو کیا کر
سارہ برا مانتے ہوئے تیزی سے بولیں تو ثریا بانو نے اس احسان فراموش بیٹی کی طرف شکوہ کناں نظروں سے دیکھا، جس
ایک خواہش کے حصول کے لئے انہوں نے اپنے دامن میں عاقبت کے لئے کیسے کیسے کانٹے چن کر بھرے تھے۔
''سوچ سمجھ کر بولو سارہ بی بی! اولاد اللہ نے تمہیں بھی دے رکھی ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی بے سوچی سمجھی بات ان
آ گئی۔

''اب آپ میرے سامنے بیٹھ کر مجھے بد دعائیں دیں گی۔ پہلے کون سی میری زندگی باغ و بہار ہے۔'' سارہ یک دم
اُکھڑ کر بولیں تو ثریا بانو کو یاد آیا، وہ کس بد دماغ کے سامنے یہ سب کہہ رہی ہیں۔ وہ بھی جب وہ مستقل اس کے گھر میں
ڈالے بیٹھی ہیں۔ یہ تو بڑی بات تھی۔ وہ اتنے دنوں سے انہیں بلا چوں و چرا سہہ رہی تھیں اور اب وہ خود ہی معاملہ بگاڑنے
''خدانخواستہ میں کیوں بد دعائیں دینے لگی تمہیں؟ میں تو حقیقت بیان کر رہی تھی۔'' وہ فوراً ہی گھبرا کر معذرت خواہانہ
بولیں۔

''اور کیا مطلب ہے آپ کا کہ میری بیٹی بھی ایسی سرکشی کرے اور میں بھی اس کی ضد سے مجبور ہو کر ان چاہا قدم اٹھاؤ
اپنے مقام سے گر کر اس کی ضد بھی پوری کروں اور گناہ بھی کماؤں؟'' سارہ بدتمیز بھی تھیں اور منہ پھٹ بھی، اس کا انہیں انداز
بڑھاپے کے بھلکڑ پن میں بھول گئی تھیں کہ شاید سارہ بدل چکی ہو۔ انہوں نے دل میں اپنی اس خوش فہمی کو کوسا۔
اسی وقت عزہ اسٹائلش سا سوٹ پہنے، نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگائے سلکی بالوں کو کھلا چھوڑے اندر آئی تھی۔
''مام! میں جا رہی ہوں اپنی فرینڈ کی طرف۔'' اس کا انداز سراسر مطلع کرنے والا تھا، اس میں اجازت مانگنے کا عنصر
نہیں تھا۔ سارہ نے ایک سرسری نظر اس کے حلیے پر ڈالی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔
''اور سنو، جلدی آ جانا۔ اپنے پاپا کے آنے سے پہلے۔'' انہوں نے پیچھے سے اسے رسماً کہا تھا۔
وہ گاڑی کی چابی ہاتھ میں جھلاتی، سر ہلاتی کوئی بھی جواب دیئے بغیر باہر نکل گئی تھی۔
ثریا بانو نے بے چین ہوتی زبان کو بے ساختہ دانتوں تلے دبایا تھا۔
وہ جب سے ادھر آئی تھیں، ایک بدلی ہوئی عزہ کو دیکھ رہی تھیں۔ بھولی سی، معصوم، ڈری سہمی عزہ کی جگہ انہیں ایک
تھوڑی فیشن ایبل اور سب سمجھنے والی نگاہوں کے ساتھ آتی جاتی عزہ نظر آ رہی تھی۔
وہ جب تک گھر میں ہوتی، گھر اور گھر کے افراد سے لاتعلق اپنا روم بند کئے اندر ہی رہتی، کمرے سے نکلتی تو گاڑی لے کر
جاتی۔ البتہ یہ تھا کہ وہ محمود عالم کے گھر آنے سے پہلے ہی واپس بھی آ جاتی تھی۔ مگر اس کا جلدی واپس آنا جیسے اس کے
ضروری حصہ لگ رہا تھا اور یہی چیز ثریا بانو کو پہلے دن عزہ کی غیر حاضری کو نوٹس کرتے ہی نظر آئی تھی۔
'کچھ ایسا کر رہی ہے یہ لڑکی، جسے یہ کسی بھی طور محمود عالم سے چھپانا چاہتی ہے۔ تب ہی تو اس کے آنے سے قبل گھر پہنچ
ہے۔ اور ساری شام ماں کی اجازت سے باہر گزار کر آنے والی لڑکی ایسی پُر اعتماد نظر نہ آئے تو کیا ڈری سہمی ہو گی؟'
ثریا بانو، سارہ کو جتانا چاہتی تھیں کہ کسی کو بھی اسے اب بد دعائیں دینے کی ضرورت نہیں۔ اس نے اپنے لئے کچھ بھی برا کر
انتظام خود ہی کر لیا ہے، نوخیز بیٹی کو اتنی ڈھیل دے کر۔
مگر انہیں ابھی اس گھر میں رہنا تھا، اس لئے زبان کو قابو میں رکھنا بہت ضروری تھا۔ اب سارہ، یاسمین تو تھیں نہیں جو ا
کڑوی کسیلی باتیں کڑوے شربت کے گھونٹ کی طرح اندر اتارتی جائیں گی اور چہرے کو یوں شانت رکھیں جیسے وہ اسے دعائیں
رہی ہوں۔

'دیکھو، اس یاسمین اور احسن کا حال.......کیا پہلے ہی یہ میرے گھر سے دفعان ہونے کے منتظر تھے جو جھوٹے منہ ایک بھی
کر کے گھر آنے کو نہیں کہا۔ ہائے ایسی بھاری تھی میں ان پر.......ایک تو اتنا بڑا جرم کیا، اوپر سے تنتنا اور اکڑ.......کہ میرے
ڈانٹنے، چلانے پر لاتعلق ہی ہو گئے۔ یہ ہوتی ہے ثریا بی بی! اولاد۔ جس کی خاطر ساری عمر پاپ کمائے، بڑے سے بڑے گناہ کو
کیا جیسے یہ بھی اولاد کی پرورش کا حصہ ہے اور اب وہی اولاد ہے جو تمہارے ذرا زبان ہلانے پر کیسا بے دخل کرنے کی قدرت
ہے کہ.......'

وہ آنکھوں میں اُمڈتے آنسوؤں کو روکتے ہوئے، سر جھکائے سوچے جا رہی تھیں کہ فون کی مسلسل بجتی گھنٹی نے انہیں ا

خیالوں سے چونکایا۔
وہ لاؤنج میں اکیلی بیٹھی تھیں۔ سارہ جانے کب اٹھ کر وہاں سے جا چکی تھیں۔ یوں بھی وہ کب ان کے پاس آکر بیٹھتی تھیں، وہ تو آج ہی۔ گھنٹی مسلسل بجے جا رہی تھی۔
"کم بخت! یہ سارے نوکر کہاں مر گئے یا کانوں میں کڑوا تیل ڈال کر سو گئے؟" وہ گھنٹی کی آواز سے بدمزہ ہوتے ہوئے، بڑبڑاتے ہوئے اُٹھیں اور اس مسلسل شور مچاتے آلے کو چپ کرانے کے لئے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔
"ہیلو......!" تیز تیز دھڑکتے دل کو سنبھالتے ہوئے وہ بولیں تو انہیں لگا دوسری طرف کوئی بھی نہیں ہے۔
"کمبخت، بند ہو گیا سارا سکون غارت کر کے۔" وہ بڑبڑا کر ریسیور رکھنے کو تھیں کہ انہیں لگا، دوسری طرف کوئی بولا ہے۔
"ایں!" انہوں نے ریسیور کان کے ساتھ چپکایا۔

❊......❊

"تم مجھے کچھ رقم اُدھار دے سکتی ہو؟" تنزیل اس کے پاس بیٹھتے ہی بولا۔ عائشہ بخاری ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔
"کس لئے؟" وہ ذرا دیر بعد بولی۔
"کیا اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے؟" وہ خفگی سے بولا۔
"نہیں......ایسا ضروری بھی نہیں۔" وہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے بولی۔
یہ ایک غیر معروف جگہ پر بڑا ہی غیر معروف، قدرے سنسان ریسٹورنٹ تھا۔ تنزیل نے فون کر کے اسے فوراً آنے کو کہا تھا اور اس کے پوچھنے پر اس ریستوران کا بتایا تھا۔ پھر بھی وہ مکمل حجاب میں آئی تھی۔
میڈم یاقوت کی آنکھوں میں دھول جھونکنا آسان بات نہیں تھی اور وہ آج کل یہ مشکل کام انجام دے رہی تھی۔ وہ بھی اس لئے کہ جہانگیر ہمدانی پاکستان میں نہیں تھا، ورنہ تو اسے ہر گھڑی اس خبیث کے ساتھ آن ڈیوٹی رہنا پڑتا تھا۔ کچھ میڈم یاقوت آج کل جانے کون سی ایسی خاص مصروفیات میں مگن تھیں کہ آفس بھی بہت کم آ رہی تھیں۔ سو اس طرف سے تو اسے کچھ اطمینان تھا۔
"تم نے مجھے اس لئے یہاں بلایا ہے؟" اب کے اس کے لہجے میں کچھ مایوسی سی تھی۔
"ہوں......اسی کام کے لئے۔" وہ حتمی انداز میں بولا۔
"کتنی رقم چاہئے؟" وہ ذرا دیر بعد بولی۔
"تم مجھے کتنی رقم دے سکتی ہو؟" وہ اُلٹا اس سے پوچھنے لگا۔
"معلوم نہیں تمہیں کتنی رقم درکار ہے۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں؟" وہ کچھ اُلجھ کر بولی۔ اوّل تو اُسے تنزیل کا رقم مانگنا ہی خاصا مشکوک لگ رہا تھا۔ کہاں وہ اس سے کسی بھی قسم کی مدد لینے کو تیار نہیں تھا اور اب منہ پھاڑ کر خود سے رقم مانگ رہا تھا۔
"ایک لاکھ یا اس سے زیادہ......قرض سمجھ لو......البتہ قرض لوٹانے کا کوئی ٹائم نہیں دے سکتا۔ جیسے ہی ہوئے، جلد لوٹا دوں گا۔" وہ اس کی حجاب سے نظر آتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔
"اتنی رقم کا کیا کرو گے؟"
"خیر، یہ اتنی بڑی رقم نہیں کہ تم مجھ سے جرح کرنے لگو۔ کسی سے مانگنے کے لئے یہ ایک معقول رقم ضرور ہے......چلو یوں سمجھ لو، مجھے اپنے والدین کے علاج اور گھر میں پیسوں کی ضرورت ہے۔ یوں بھی فوری طور پر جاب تو مل نہیں سکتی تو اتنے دن......کوئی اور راستہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سوچا، تم سے مانگ لوں۔ اب دس بیس ہزار مانگوں، دو چار دنوں میں ختم ہو جائیں گے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے ڈاکٹرز کی فیسیں، علاج، دوائیں سب کتنا مہنگا ہے اور گھر کی دوسری ضروریات......اگر تم خوشی سے دے سکو بھروسہ کر کے تو ٹھیک......ورنہ کوئی مجبوری نہیں۔ میں تمہیں مجبور کر بھی نہیں سکتا۔" اس نے صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں، والے انداز میں بندوق عائشہ کے کندھوں پر رکھ دی تھی۔
"اوکے، میں تمہیں یہ رقم دے دیتی ہوں لیکن......" وہ ایک لمحے تذبذب کے بعد فیصلہ کن انداز میں بولی۔
"لیکن کیا شرائط پیش کرو گی؟" وہ ہلکا پھلکا سا ہو کر مذاق اُڑانے والے انداز میں بولا۔
"صرف یہ کہ تم یہ رقم کسی غلط کام کے لئے استعمال نہیں کرو گے۔" وہ متنبہ کرنے والے انداز میں بولی تو تنزیل لحہ بھر کو چونکا اور بڑی دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔
"مثلاً تمہارے خیال میں کس قسم کا غلط کام، جس میں، میں یہ رقم استعمال کر سکتا ہوں؟" وہ محظوظ ہونے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔
"مجھے نہیں معلوم، مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ تم یہ رقم کسی جائز کام کے لئے نہیں لے رہے۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔
"تو کون سے ناجائز کام کے لئے؟" وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔

''میں نے کہا نا، مجھے نہیں معلوم۔''

''تو تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ میں یہ رقم کسی ایسے ویسے کام کے لئے مانگ رہا ہوں؟''

''میرا دل کہہ رہا ہے۔'' وہ بولی۔ ''کیونکہ تم جس نیچر کے ہو، آئی مین خوددار اور وہ کیا کہتے ہیں، غیرت مند...... تم یونی مجھ سے تو کیا، کسی سے بھی پیسے کیا، کچھ نہیں مانگ سکتے۔''

تنزیل اس کا تجزیہ سن کر ذرا شاکڈ رہ گیا۔

''اتنا جان گئی ہو مجھے بھی اور میری نیچر کو بھی۔ اور کیا کیا سمجھی ہو؟'' وہ تھوڑا اور اس کی طرف جھکا۔ ''گہرا مشاہدہ ہے میرے بارے میں۔''

''یہ تو سامنے کی باتیں ہیں، اس میں گہرے مشاہدے کی کیا بات ہے؟ تم جس طرح ری ایکٹ کرتے ہو، اس سے میں نے یہ اخذ کیا ہے۔'' وہ کرسی پر ذرا پرے ہوتے ہوئے بولی۔

تنزیل خاموش ہو گیا۔

''میں تمہیں چیک لکھ دیتی ہوں۔ اور سوری، مائنڈ نہیں کرنا، میں کوئی بہت موٹی آسامی نہیں ہوں، بس تھوڑی بہت رقم یوں ہی برے وقتوں کے لئے ڈیپازٹ کروا رکھی ہے اور اس میں سے اگر کچھ تمہارے کام آتا ہے تو مجھے خوشی ہو گی۔'' اس نے بیگ سے چیک بک نکالتے ہوئے ایک چیک نکال کر اسے فِل کرتے ہوئے کہا۔

''فکر نہیں کرو۔ میں تمہیں یہ جلد ہی لوٹانے کی کوشش کروں گا۔'' اس کی نظر عائشہ کے تیزی سے چلتے پین پر تھی۔

''نہیں۔ اگر نہ دے سکو تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے چیک لکھ کر اس کے آگے سرکا دیا۔

''یہ رعایت کس خوشی میں؟'' وہ چیک اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''میرا خیال ہے، اتنی دوستی ہے نا ہم میں...... اس کی وجہ سے سمجھ لو۔'' وہ پین بند کر کے بیگ میں رکھتے ہوئے بولی۔

''کیا سمجھتی ہو تم مجھے؟'' تنزیل نے چیک فولڈ کر کے احتیاط سے والٹ کی اندرونی جیب میں رکھا۔

''بتایا تو ہے دوست! اور تم نے بینڈیج نہیں کروائی اپنے زخم کی؟'' وہ اس کی پیشانی دیکھتے ہوئے بولی۔

''کل کروائی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا تھا، اب ضرورت نہیں۔ اچھا، بہرحال تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میں تمہارے چھوٹے چھوٹے اس بڑے چیک جیسے احسانات تلے خاصا مقروض ہو چکا ہوں۔ یہ چیک تو شاید میں لوٹا دوں، مگر جو دوسری مہربانیاں ہیں اس کے لئے......'' وہ رُکا، عائشہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تم واقعی اچھی لڑکی ہو...... اور سنو!'' وہ پھر رکا۔ ''اور مجھے اچھی بھی لگتی ہو...... مگر......'' وہ پھر رک گیا۔

''اظہار نہیں کرنا چاہتے؟'' وہ سر جھکا کر ہولے سے ہنسی۔ ''اور ڈیئر! تم فکر نہ کرو، مجھے اظہار کی ضرورت بھی نہیں۔ اور یہ فکر بھی نہ کرنا کہ میں یہ سب کسی غرض کی خاطر کر رہی ہوں، آئی مین......'' وہ رُکی، آگے کچھ بولنا چاہا مگر بول نہ سکی۔ تنزیل نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑے ہوئے تھا۔

''آئی مین سے آگے نہیں کہو گی؟'' وہ ذرا دیر بعد بولا تو وہ بے بس سی اسے دیکھنے لگی۔

''میں جانتا ہوں، تم یہ سب کچھ بے غرضی سے کر رہی ہو۔ مگر ایسی بھی بے غرضی نہیں۔ کہیں نہ کہیں ملاوٹ تو ہے اس میں اپنی غرض کی۔'' وہ مسکرایا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب تو بارہا کہہ چکا ہوں۔ اپنے دل سے پوچھو، تمہارا دل اس بے غرضی کے بیچ کس غرض کی ملاوٹ کر رہا ہے۔ جیسے میرا دل، ہر مصیبت ہر مشکل کے موقع پر صرف تمہیں ہی پکارنے پر کیوں اصرار کرتا ہے، اس اصرار کا مطلب میں تو سمجھ گیا ہوں، تم بھی سمجھ جاؤ۔'' وہ شوخ لہجے میں بولا۔

''کیا کروں گی سمجھ کر؟'' وہ پھیکے پن سے بولی تو تنزیل کی شوخی دم توڑ گئی۔

دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک بامعنی وقفہ آیا تھا۔ دونوں اپنے اپنے خول میں سمٹ گئے تھے، ایک دوسرے سے نگاہیں چراتے، اس کمزور لمحے سے باہر آنے کے لئے کوشش کر رہے تھے۔

''چلتی ہوں میں۔'' عائشہ بخاری اس بولتی چپ سے گھبرا کر یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم بیٹھو گے ابھی؟''

''نہیں، جا رہا ہوں۔ کچھ کھا پی لیتیں؟'' وہ رسماً بولا۔

''نہیں، تھینکس۔ دیر ہو جائے گی مجھے۔ تمہیں ڈراپ کرنے کی آفر کرتی مگر...... مجبوری ہے۔ او کے!'' وہ کرسی کھسکا کر

مجرم ہوں۔

"پھر ملوگی؟" تنزیل اُٹھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

"پتہ نہیں...... تم بھی ذرا محتاط ہی رہو۔ اور پلیز......" وہ مڑی۔ "کوئی ایسا ویسا کام نہیں کرنا...... مجھے معلوم ہے، تمہیں اپنی تو پروا ہے نہیں مگر تمہارے گھر کے دوسرے افراد...... ہم اکثر چھوٹے نقصان کو پورا کرنے کے چکر میں بڑے خسارے اپنے نام کروا لیتے ہیں۔ ایک بار پھر کہہ رہی ہوں، کوئی بھی غلط کام کرنے سے پہلے ان کے بارے میں ضرور سوچنا۔ اوکے، ٹیک کیئر۔ اللہ حافظ!"

وہ کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی کرسیوں اور ٹیبلو کے بیچ سے گزرتی ہوٹل کا شیشے کا دروازہ کھولتی باہر نکل گئی۔

"یہ غلط قدم تو ہے ڈیئر! مگر ایسا بھی غلط نہیں...... یہ اس سارے کھیل کی ایسی ترپ کی چال ہے، جو سب بگڑا ہوا سیدھا کر دے گی۔ ایک دم درست۔ تم دیکھنا، میرا یہ بظاہر غلط کام کس طرح سے، کتنی گتھیاں سلجھاتا ہے اور تو اور ان شاء اللہ تمہیں بھی اس دلدل سے نکال لے گا۔ اچھی لڑکی! تم واقعی اچھی ہو اور...... مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔" وہ اس کے آخری قدموں سے نظریں لپٹائے دل میں کہے جا رہا تھا۔

اس نے جو کچھ سوچا تھا، اب اس کی تکمیل ہوتی اسے صاف نظر آ رہی تھی۔ یوں لگا، جیسے اتنے دنوں کا چھایا گہری دُھند کا غبار ہٹ گیا ہو۔

وہ مطمئن وشاد جیب میں پڑے والٹ کو تھپکتا باہر نکل گیا۔

✲◉......◉✲
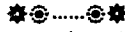
یہ تو جہانگیر ہمدانی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ مڈل کلاس کی پروردہ بظاہر ڈری سہمی، احمق سی لالچی لڑکی یوں اس طرح اسے اس آکر بھی کا ناچ نچا دے گی۔

وہ کسی بھی طور پر جہانگیر ہمدانی کے چکر میں نہیں آ رہی تھی، اس نے لاکھ دانہ پھینکا، لالچ کا، ڈر کا، خوف کا اور اس کے علاوہ بے رحمانہ دھمکیاں...... مگر وہ تو جیسے ہر قسم کے ڈر و خوف سے بے پروا ہو چکی تھی۔

بار بار ایک ہی رٹا ہوا اٹل جملہ بولتی۔

"ہماری شادی کا اعلان کرو۔ سب لوگوں کے بیچ مجھے اپنی بیوی اناؤنس کرو، پھر جو کہو گے، کر دوں گی۔" وہ ایسی ضدی، ہٹ دھرم ہو گی، اس کا اندازہ جہانگیر ہمدانی کو ایک فیصد بھی نہیں تھا۔

آخری حربہ پیار محبت، تو بہ...... اپنی ان دیکھی مجبوریوں کی زنجیروں کا رونا رو کر بلکہ خود بھی رو کر خود کو ان دیکھے ناقابلِ برداشت قرضے میں جکڑنے، دیوالیہ ہونے اور قرض خواہوں کی مار ڈالنے کی دھمکیوں کے ذریعے اسے ٹریپ کرنے کی کوشش کی مگر مکھیا لڑکی مجال ہے جو کسی بھی پھندے میں ذرا سی بھی پھڑکی ہو، اُلٹا اور بھی شیر ہو گئی کہ وہ تو مجبور ہو کر اس کی منتوں، ترلوں پر اُتر آیا ہے۔

اس کے انداز پہ جہانگیر ہمدانی کا دماغ گھوم گیا۔ اور وہ کسی وحشی جانور کی طرح اس پر پل پڑا۔ ذرا سی دیر میں جہانگیر ہمدانی نے مار مار کر اس کا بھرتہ بنا ڈالا۔

"تُو کیا سمجھتی ہے، بڑی شے ہے تُو؟ تجھ پر جو میں نے لاکھوں انویسٹ کئے ہیں، یونہی ڈبو دوں؟ تیری ان گیدڑ بھبکیوں میں آ کر راضی ہو جاؤں گا؟...... منت منت کر رہا ہوں تیرے سامنے تو کیا بالکل ہی گیا گزرا ہو گیا ہوں؟ تُو نے میرا پیار دیکھا تھا، اب میرا اصل روپ دیکھے گی تو تیری روح بھی کانپ اُٹھے گی۔ تیرا جسم نہیں مانے گا تو تیری روح مان جائے گی یہ سب کرنے پر۔ دیکھنا تُو۔" وہ غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔ پاگلوں کی طرح چیختا چلاتا اسے لاتوں، گھونسوں سے مارتے مارتے تھک کر باہر نکل گیا۔

باہر جا کر شاید اس نے تیز ترین نشے کے جانے کتنے پیگ چڑھائے۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں لمبا سا ہنٹر تھا۔ تانیہ جو پہلے ہی مار کھا کر ادھ موئی ہو چکی تھی، اسے یوں نشے میں لڑکھڑاتے ہوئے آتے اور اس کے ہاتھ میں سانپ کی طرح لہراتے ہنٹر کو دیکھ کر ایک دم سے اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اسے فوری طور پر اس درندے کی پہنچ سے کہیں اور جانا تھا۔ وہ اس وقت اکلوتی جائے پناہ واش روم ہو سکتا تھا اور وہ اس کی جانب دوڑی بھی۔ مگر مسلسل پٹنے کی وجہ سے نہ صرف اس کا پورا بدن گھائل تھا بلکہ اس میں بھاگنے کی سکت بھی کم تھی۔

دو تین قدم بھی آگے نہ بڑھی تھی کہ جہانگیر ہمدانی نے کسی بدمست سانڈ کی طرح غراتے ہوئے زوردار ہنٹر اُس کی کمر پر جمایا تھا۔ تانیہ کے منہ سے دلدوز چیخ نکلی۔ پھر بھی اس نے ہمت کی اور باتھ روم کے دروازے پر پہنچ گئی۔ مگر اس سے پہلے وہ تانیہ کے سر پر موجود تھا۔ اس نے پوری طاقت سے اسے کندھے سے پکڑ کر پیچھے کی طرف دھکیلا اور کمرے کے وسط میں لا پھینکا۔

''کیا سمجھا رکھا ہے تُو نے مجھے؟........ بول، کیا سمجھ رکھا ہے مجھے؟'' وہ غصے میں پاگل ہو رہا تھا اور اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا اور ہاتھ........ ہاتھ دیوانہ وار فضا میں اُٹھتے اور اس کی کمر پر برستے جاتے۔ اس نے دو چار بار اُٹھنے، بھاگنے کی کوشش کی اور پھر ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح گرتی چلی گئی۔

اس کی دلخراش چیخوں سے وہ لگژری اپارٹمنٹ ایسے تھرتھرا رہا تھا، جیسے کسی نے کوئی سپر سانگ میوزک لگا رکھا ہو۔ اور ایسا نہ بھی۔ باہر والے روم میں فل والیوم میں چلتا میوزک کسی بھی سننے والے کو تانیہ کی چیخوں اور اس زمین دہلا دینے والے میوزک میں فرق محسوس نہ ہونے دیتا۔

وہ چیخ چیخ کر بالآخر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ مگر جہانگیر ہمدانی مارتے مارتے نہ تھکا۔ وہ اس کے بے ہوش، بے سدھ پڑے جسم پر کوڑے برسائے جا رہا تھا اور ہر اٹیک پر تانیہ کا بے ہوش بدن کسی ختم ہونے والی بیٹری کے کھلونے کے مانند ذرا سے اچھل کر زمین پر پھر گر پڑتا۔

بہت........ بہت دیر بعد جہانگیر ہمدانی کے ہاتھ جب کوڑے برسا برسا کر شل ہو گئے اور وہ خود بھی گر پڑا تو اسے پتہ چلا کہ اس کا شکار تو جانے کب سے اس وحشیانہ تشدد سے بے خبر ہو چکا ہے۔

''اب تو مانے گی۔ اب تو تیرا باپ بھی مانے گا۔ ایک رتی برابر ترس نہیں کھاؤں گا تجھ پر........ یونہی یہاں بھوکی پیاسی اپنے زخم چاٹتی رہ۔ دیکھتا ہوں، کیسے نہیں گڑگڑاتی میرے آگے۔'' وہ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ بڑبڑاتے ہوئے بے سدھ ہو گیا۔

✿◉......◉✿
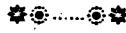
''دائم! کہاں ہیں آپ؟'' کئی دنوں بعد عزہ نے اسے کال کیا تھا۔ وہ تو آج کل اسے بھی بھولا ہوا تھا۔

''بھئی ہر بار یہ سوال کیوں کرتی ہو؟ اب کیا کسی گھسی پٹی اشتہاری فلم کی طرح کہوں، آپ کے پاس؟'' وہ جھلا کر بولا۔ لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

''تو ایسا کہنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ یا ہے؟'' وہ محجوب سے انداز میں بولی۔

''او کے، پھر میں ہر بار یہی کہا کروں گا، آپ کے پاس........ بلکہ بہت پاس۔ ذرا سا سر جھکا کر اپنے دل میں تو جھانکئے۔'' وہ بھی شوخ ہو گیا۔

''اوں ہوں۔ اور ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ فوراً بولی۔

''تو پھر کس چیز کی ضرورت ہے؟........ میری موجودگی کی؟ تو ابھی آ جاتا ہوں۔ بولو کہاں؟'' وہ فوراً بولا۔

''اسی لئے تو فون کیا تھا۔ آپ کے پاس کچھ ٹائم ہے اس وقت تو ذرا آ جائیں۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''تم اس وقت گھر پہ نہیں ہو؟'' دائم نے بے اختیار رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ سات بج چکے تھے۔ باہر گہری شام تھی۔ اس وقت تو عزہ باہر نہیں ہو سکتی۔

''نہیں........ میں گھر پر نہیں ہوں۔ آپ ایڈریس لکھیں، میں بھی پہنچنے والی ہوں۔ آپ کو ایک سرپرائز دینا ہے۔'' وہ مزے سے بولی۔

''تم خود ڈرائیو کر رہی ہو گاڑی؟'' دائم کو شک گزرا تو پوچھنے لگا۔

''بالکل جناب! میں خود ڈرائیو کر رہی ہوں۔'' وہ فخریہ لہجے میں بولی۔

''اوہ خدایا! رحم کرنا اس شہر کے لوگوں پر۔'' وہ گویا کراہتے ہوئے بولا تھا۔

''جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ اب تو مجھے روز خود سے آتے سترہ اٹھارہ دن ہونے لگے ہیں۔''

''تم روز اس وقت باہر ہوتی ہو؟'' دائم اچنبھے سے بولا۔ اس نے گاڑی آہستہ کرتے ہوئے سروس روڈ پر ڈالی اور ایک طرف پارک کر لی۔

''ہاں، روز ہی........ کیوں، اس میں حیرانی کی کون سی بات ہے؟'' وہ اُلٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''آنٹی، انکل تمہیں پرمیشن دے دیتے ہیں یوں گھر سے نکلنے کی؟ وہ بھی شام ڈھلے؟'' وہ حیران ہوئے جا رہا تھا۔

''ماما نے تو پرمیشن دے رکھی ہے، البتہ پاپا کے گھر پہنچنے سے پہلے میں گھر پہنچ جاتی ہوں۔ اور صد شکر، وہ آج کل دس گیارہ سے پہلے گھر ہی نہیں لوٹتے۔'' وہ بڑے مزے سے بتا رہی تھی۔

''تو تم دس گیارہ بجے گھر جاتی ہو؟'' وہ شاکڈ لہجے میں بولا۔

''نہیں، میں تو نو دس بجے تک گھر چلی جاتی ہوں، البتہ آج اور آنے والے تین چار دنوں میں ذرا لیٹ ہو جایا کروں گی۔'' وہ بے فکری تھی اور دائم کے جیسے ہوش اُڑ رہے تھے۔

"تم ایڈریس لکھواؤ۔" وہ سنجیدگی سے بولا تو وہ ایڈریس لکھوانے لگی۔

"ادھر کیا کرنے جا رہی ہو؟" وہ ایڈریس نوٹ کر کے بولا۔

"آپ آئیں گے تو دیکھ لیجئے گا۔ یہی تو سرپرائز ہے۔ اور میں باہر ہی آپ کا ویٹ کروں گی۔ آ رہے ہیں نا آپ، کتنی دیر میں؟"

"ابھی تھوڑی دیر میں۔ اس جگہ سے زیادہ دور نہیں میں۔ او کے، بائے......!" اس نے پریشان سے لہجے میں کہہ کر سیل آف کر دیا۔

"یہ لڑکی اب کیا گل کھلانے جا رہی ہے؟" اُس کا دل بڑے غلط اشارے دے رہا تھا۔ دائم نے ایکسیلیٹر پر پاؤں بڑھا دیا، جبکہ اس کا دماغ کہیں اور ہی تھا۔

❋......❋
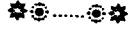
"افوہ!...... بھئی کیا ہے لائبہ! ہر وقت کمرہ بند کر کے پڑی رہتی ہو۔ اُٹھو، باہر نکلو۔ اتنے عرصے بعد پاکستان آئی ہو۔ ذرا گھومو پھرو۔"

وہ ڈھیر سارے کشنز کے بیچ اوندھی پڑی تھی، بیڈ روم میں مکمل اندھیرا کئے، جب میڈم یاقوت نے اندر داخل ہو کر کہا اور لائٹ آن کرتے ہوئے کھڑکیوں کے پردے سمیٹنے لگیں۔

لائبہ نے تیز روشنی سے بچنے کے لئے دو تین کشنز اُٹھا کر اپنے چہرے اور سر پر رکھ لئے۔

وہ لمحہ بھر کھڑی اسے دیکھتی رہیں، پھر آگے بڑھیں۔

"لائبہ! کیا ڈپریشن خود پر طاری کر رکھا ہے؟..... اُٹھو نا۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر نرمی سے ایک کشن ہٹاتے ہوئے بولیں۔

"آپ کو میری اتنی فکر کیوں ہے؟" وہ کشن جھپٹ کر درشتی سے بولی۔ "ہر وقت میرے سر پر سوار۔" وہ کشن منہ کے آگے رکھ کر منہ میں بڑبڑائی۔ مگر میڈم یاقوت نے سن لیا۔ وہ افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"ہاں، ہوں میں تمہارے سر پر سوار...... تم نے مجھے پریشان جو کر رکھا ہے۔" وہ ایک بار پھر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے بولیں۔ اس نے زور سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کیا فکر ہے آپ کو میری؟" وہ زور سے سارے کشنز اُچھال کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور تند نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"آپ اس لئے پریشان ہیں کہ میں پھر سے سوسائیڈ (خودکشی) نہ کر لوں۔"

میڈم یاقوت نے ناگوار نظروں سے اسے دیکھا۔

"فضول باتیں مت کرو۔"

"آپ کے دل کی بات کہہ دی، اس لئے آپ کو فضول لگی۔" وہ ایک دم نارمل لہجے میں بولی۔

"اچھا، اب یہ بچوں جیسی ضدیں چھوڑو، اُٹھ کر باتھ لو، اچھی طرح ڈریس اپ ہو، پھر ہم دونوں ماں بیٹی باہر چل کر کسی اچھی سی جگہ پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور......"

"ارے......" وہ طنز سے بولی۔

"اور ایک دوسرے کی موجودگی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرتے ہیں۔" وہ اس کی پیشانی سے لٹیں ہٹاتے ہوئے بولیں۔

"ایک دوسرے کی موجودگی کو انجوائے کرنا...... آئی تھنک اِٹس اے نیو آئیڈیا۔" وہ چٹکی سی بجا کر بولی۔ "ہم دنیا کی شاید پہلی ماں بیٹی ہوں گی، جو ایک دوسرے کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے اس فیلنگ کو انجوائے کرنے کی کوشش کریں گی...... کوشش۔"

میڈم یاقوت بے بسی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ویسے مام ڈیئر! آپس کی بات اگر آپ مجھ سے شیئر کرنا پسند کریں تو؟" وہ ذرا سا ان سے ... کھسکی۔

میڈم یاقوت کچھ نہیں بولیں۔

"ہم دونوں، آئی مین آپ اور میں، ہم دونوں میں رئیل ریلیشن ہے نا، ماں بیٹی کا...... یا ایک دن آپ کسی اور عورت کو میری ماں کے طور پر متعارف کروانے لے آئیں۔"

میڈم یاقوت کو لگا، ان کے صبر کا پیمانہ چھلکنے کو ہے۔ وہ لب بھینچ کر اسے دیکھتی رہیں۔

"تم صرف مجھے اتنا بتا دو...... ان باتوں کا مقصد؟...... کیا چاہتی ہو تم؟" وہ زور سے سر ہلا کر بولیں۔

"گڈ۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "یہ آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔" وہ آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے بالوں میں برش کرنے لگی۔ "میں اسی طرف آنا چاہ رہی تھی۔" وہ اب آئینہ میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

وہ کچھ دیر یونہی کھڑی بالوں میں بے مقصد برش چلاتی رہی۔

''میں واپس جانا چاہتی ہوں۔''

''کیوں؟'' وہ جلدی سے بولیں۔

''فرسٹ ایویل ایبل (دستیاب) فلائٹ سے۔ ایک دو دن کے اندر۔'' وہ برش ہاتھ میں لئے ان کے مدمقابل کھڑی ہو کر بولی۔

''چلی جانا۔ اتنی جلدی.......''

''مام! پلیز۔ میرے ساتھ یہ ''سی سا'' والا کھیل کھیلنا چھوڑ دیں۔ آئی ایم نو مور اے چائلڈ۔ اِٹس یور پلیور (pleasure) (آپ کی خوشی) کہ میں واپس چلی جاؤں۔ اینڈ آئی ہیو ٹو گو۔ اور جب جانا ہی ٹھہرا تو دو چار دن پہلے کیا اور بعد میں کیا۔ اور میرا یہ جانا واپس نہ آنے کے لئے ہوگا۔'' وہ زور سے برش پیچھے بیڈ پر اچھالتے ہوئے بولی۔

میڈم یاقوت حقیقی معنوں میں خود کو لاچار محسوس کر رہی تھیں۔

''لائبہ! میرے بچے! تم نے تو میرا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کس طرح تمہاری نظروں میں اپنی پوزیشن کلیئر کروں؟'' وہ سر پکڑ کر کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔

''آپ کی پوزیشن کلیئر ہے ہی نہیں تو آپ کیسے کریں گی، ڈیئر مام!'' وہ تیزی سے بولی تو میڈم یاقوت نے اسے سر اٹھا کر دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب بہت سارے ہیں، کس کس کی وضاحت کروں؟ آپ میری ٹکٹ کنفرم کروائیں گی یا میں خود ہی یہ کام کر لوں؟'' وہ دو ٹوک لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''چند دن کے لئے رک جاؤ، پھر میں خود تمہیں.......'' وہ لجاجت سے بولیں۔

''مام! کیوں خود کو اور مجھے فضول betray (دھوکا دینے) کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ میرا یہاں آنا اور رہنا آپ کے بہت سے پرابلمز کا سبب بنتا ہے۔ ٹھیک، میں اس چیز کو جانتی تھی، مگر پھر بھی.......نہ جانے کیوں کیسے آپ کی محبت کے لالچ میں چلی آئی۔ اس لالچ کی بھیانک حقیقت میں نے دیکھ لی ہے۔ اب میں یہاں ایک دن بھی مزید نہیں رک سکتی۔''

''مجھے بھی تم سے گلہ ہے۔ تم اپنے سب ہی فیصلے خود ہی کرنے لگی ہو۔ وہ بھی جو تمہارے علاوہ کسی اور سے متعلق ہوں۔''

''اس کو شاید ری ایکشن کہتے ہیں۔ میری ساری زندگی کے سب فیصلے آپ نے کئے۔ اب اگر فیصلے کی ڈور میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے، اور وہ بھی صرف اپنے سے متعلق.......دوسروں سے مجھے کچھ غرض نہیں، جیسے دوسروں کو مجھ سے نہیں۔'' وہ جتانے والے انداز میں بولتی چلی گئیں۔

''اچھا، دو چار دن ٹھہر جاؤ۔ میں دائم کے.......''

''پلیز مام! آئی کانٹ ہیئر دیٹ نیم۔''

''وہ تمہارا بھائی.......''

''پلیز مام! ڈونٹ سپیک فیک فیکٹس (غلط حقائق مت بنائیں)'' وہ زور سے دھاڑی۔

''تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں تم سے جھوٹ بول رہی ہوں۔'' وہ بے بسی کی انتہا پر تھیں۔

''کیونکہ آپ نے مجھ سے سچ بولا ہی نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''میری سیٹ کے بارے میں مجھے معلوم کروا دیں ایک دو دن میں، ورنہ میں خود کر لوں گی۔'' وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

''کیوں آپ نے کبھی مجھ سے سچ بولا ہی نہیں۔'' صرف اس ایک جملے کی بازگشت اس کے دماغ پر کسی ہتھوڑے کے مانند برس رہی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے بیٹھی رہ گئیں۔

✿◉.......◉✿

''آں.......کون.......آغا.......ہاں، کیا ہے؟'' وہ بہ وقت ریسیور کان کے ساتھ چپکا کر بولیں۔

''ہاں، میں ہی بات کر رہا ہوں۔ دیکھو بھابھو! اس عمر میں ایسی ضد اچھی نہیں کہ تم خود کو بھی کڑی مشکل میں ڈالو اور دوسروں کو بھی۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولے۔

خود کو تو وہ کڑی مشکل میں ڈال چکی تھیں، اس کا اعتراف تو دل میں کر رہی تھیں۔ مگر دوسروں کو مشکل میں ڈالنے والی بات کا اعتراف نہ وہ کرنا چاہتی تھیں، نہ انہوں نے ساری زندگی کیا تھا۔

''ہاں، تو دوسروں نے مجھے جس کڑے عذاب میں ڈالا ہے، ان کو نہیں سمجھاتے۔'' وہ اپنی ٹون میں آتے ہوئے چمک کر بولیں۔

"کیا سمجھاؤں؟......کیسے سمجھاؤں؟ اللہ معاف کرے، مجھے تو ایسا لگ رہا ہے، جیسے میں کسی قبرستان میں رہ رہا ہوں۔ دونوں یہاں یوں قبر کے مُردوں سے بدتر ہو گئے ہیں اور بچیاں الگ......جیسے چلتی پھرتی لاشیں......اب بتاؤ، میں کیا کہوں ان سے؟" وہ جیسے بے بسی سے بولے۔

"زندہ تو ہیں نا۔" وہ ہاتھ ہوا میں چلا کر بولیں۔ "ماں ناراض ہو کر گئی ہے، اس کا احساس نہیں انہیں۔"

"جو میں کہوں، وہ ہر احساس سے عاری ہو گئے ہیں تو؟"

"تو جہنم میں جائیں۔ وہ میرے لئے، میں ان کے لئے مر گئی۔ قصہ پاک!"

"کیا قصے اتنی جلدی پاک ہوتے ہیں؟ اور تمہاری شتابی عادت نہ گئی، منٹوں میں آر پار کر دینا چاہتی ہو۔"

"اور خود تم کیا بھول گئے؟......سب بھول گئے؟...... ہاں، بڑھاپا ہے مزے کی چیز۔ بندے کی سو پرسشوں سے جان چھٹ جاتی ہے کہ بھئی کچھ یاد ہی نہیں رہا۔" وہ جتانے والے انداز میں بولیں۔

"وہی تو تمہیں یاد نہیں کروانا چاہتا۔ پھر سے اس کہانی کو دہراؤ گی تو ان گرتی مٹی کی دیواروں میں اب اتنا دم نہیں کہ سہہ جائیں یہ۔ تھوڑا سا ٹھنڈے دل سے سوچو، احسن کا خیال کرو......وہ تو تمہیں ہمیشہ سے پیارا رہا ہے۔" وہ یاد دلانے والے انداز میں بولے۔

"اسی لئے تو......اسی لئے تو اتنا عرصہ جھیل گئی سب۔" وہ مظلومیت سے بولیں۔

"اب ان پر کڑا وقت آیا ہے تو دامن چھڑا گئیں۔"

"میں دامن چھڑا گئی ہوں؟"

"تمہیں کسی نے گھر سے نہیں نکالا تو تم خود ان مرے ہوؤں کو مار کر اپنی مرضی سے......"

"بس آغا! بس کرو ان کی ہمدردی۔ میرا منہ مت کھلواؤ۔ ان بے غیرتوں نے جو کیا ہے تو کیا میں ان کو شاباش دیتی، کمر ٹھونکتی ان کی؟......تمہارے جیسی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔" وہ کہتے کہتے یک دم بولیں تو آغا جان کو یوں لگا جیسے کسی نے انہیں یخ پانیوں میں دھکیل دیا ہو۔ ان سے اگلا لفظ ہی بولا نہ گیا۔

"ہوں......ہیلو! سو گئے ہو کیا؟" وہ گمبھیر خاموشی سے گھبرا کر بولیں۔ انہوں نے کچھ بھی کہے بغیر آہستگی سے ریسیور رکھ دیا اور پی سی او والے کو پیسے دے کر باہر نکل آئے۔

باہر جھلستی ہوئی دھوپ تھی۔ انہوں نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور خود کو گھسیٹتے ہوئے آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگے۔

❁

وہ طوفانی انداز میں ڈرائیو کرتے ہوئے ہسپتال پہنچا تھا۔
اگر چہ وہ سارے شہر کے راستوں سے اتنا زیادہ تو آشنا نہ ہو سکا تھا کہ فوراً ہی ہر جگہ پہنچ پاتا، مگر یہ پرائیوٹ ہسپتال ترین ہسپتال تھا اور پھر شہر کے پوش ایریا میں۔ اور یہ ایریا ان کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لئے وہ کسی بھی پریشانی ہوئے بغیر پہنچ گیا تھا۔
''وہ I.C.U میں ہیں۔'' ریسپشن پر اسے بتایا گیا اور اسے لگا، اس کے پیروں کے نیچے کی زمین سچ مچ دھڑک رہی ہے۔ کتنے سارے پل تو اس نے خود کو سنبھالنے میں لگائے۔
وہ intensive care میں تھیں۔ مگر stable ہو چکی تھیں۔ وہ دبے قدموں ان کے پاس پہنچ کر مجرمانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔
ڈاکٹر رخشندہ کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ اتنا زرد، اتنا بے رونق تھا جیسے وہ کئی مہینوں سے بیمار ہوں۔
اس کا دل بے اختیار ان کے گلے لگ کر خوب رونے کو چاہ رہا تھا۔ مگر ایسا کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ ایک تو ان میں دونوں کے بیچ سرد مہری کی جو دیوار اُٹھ گئی تھی، دوسرے ان کی حالت کی وجہ سے۔
''ماما!'' اس نے دھیرے سے لب ہلائے۔
وہ شاید جاگ رہی تھیں۔ ہلکے سے ان کے پپوٹے ہلے اور انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔
کیا کچھ نہیں تھا ان کھلی آنکھوں میں۔ شکوے، شکایتیں، دکھ، غصہ، اجنبیت۔
''ماما! کیا ہوا آپ کو؟........ یہ سب؟'' وہ ذرا سا ان کی طرف جھکتے ہوئے دل گرفتگی سے بولا۔ ڈاکٹر رخشندہ نے منہ پھیر لیا۔ وہ شرمندہ سا ہو کر رہ گیا۔
''اچھی بھلی تو آپ تھیں صبح میں۔'' وہ پھر سے حوصلہ کر کے بولا۔
''یہی تو تم چاہتے تھے نا کہ اچھی بھلی میں نہ رہوں، سو تم خوش ہو جاؤ۔ تمہاری مراد پوری ہو گئی۔'' وہ اسی طرح رخ کٹیلے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔
''ماما! پلیز یوں نہ کہیں........ میں کیوں ایسا چاہنے لگا؟'' وہ تڑپ کر دوسری طرف کو آیا جدھر ان کے چہرے کا رخ تھا۔
''دائم! تم جوان ہو........ اور میرا تو رواں رواں تمہارے لئے دعا کرتا ہے کہ تم صحت مند رہو اور میری عمر بھی تمہیں لگے طرح کی پہاڑ سی بجھارتیں تم جھیل سکتے ہو، میرا بوڑھا دل نہیں۔'' وہ رکیں۔
''کیا سمجھتے تھے تم مجھے، میں کتنی مضبوط نظر آتی ہوں تمہیں؟'' ان کی آنکھیں چھلک ہی پڑیں۔
وہ چپ سا انہیں دیکھے گیا۔
''آپ ایک رات نہ جھیل سکیں اور مجھے دیکھیں۔'' اس نے لب کاٹے۔
''میں اتنی مضبوط نہیں ہوں دائم! کہ کوئی میری عمر بھر کی کمائی مجھ سے چھین لے اور میں بڑے صبر سے خدا کی طرف سے کا انتظار کروں یا خود........ اور تمہارے معاملے میں........ میرے اعصاب ہارنے لگتے ہیں، میں کیا کروں؟'' وہ بے بس شکست کھا کر ڈھے چکی تھیں۔
دائم ایک طرف بیٹھ گیا۔
وہ عزہ کی طرف جا رہا تھا، اپنی دھن میں۔ اگر کا کا بشیر کا فون نہ آ جاتا کہ بیگم صاحبہ ایک دم سے چیخ مار کر نیم بے ہوش ہیں، میں نے ایمرجنسی نے ایمبولینس منگوائی ہے۔
''چھوٹے صاب! مجھے تو دل کا دورہ لگتا ہے۔'' اس کی خدشے بھری آواز پر دائم کے ہاتھ سے اسٹیئرنگ چھوٹ گیا۔
وہ کس طرح ہسپتال پہنچا، اسے یاد نہیں۔

"انجائنا کی تکلیف تھی۔ مائنر سا اٹیک۔ شاید کوئی ٹینشن لی ہے انہوں نے۔" ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا۔

"اس نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں تمہاری ماں نہیں؟" وہ ڈبڈبائی ہوئی نگاہوں سے کہہ رہی تھیں اور وہ کوئی بھی تائید یا تردید کیے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

اور وہ اس اُلجھن سے رات بھر اور آدھا دن لڑتی رہیں اور آخر ہار مان کر ادھر آ پڑیں۔

"جن ماؤں کے مجھ جیسے کڑیل جوان بیٹے ہوں، وہ ہارا نہیں کرتیں۔" اس کا جی چاہ رہا تھا، اٹھ کر ان سے یہ جملہ کہہ دے اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی غیر مرئی طاقت نے اس کے لب سی دیئے ہوں۔

"میں نے بھی تو اتنے سال تلاش کے اس دشت میں گزارے ہیں۔ تم پھر میرے کیا ہو؟" میڈم یاقوت دونوں ہاتھ پھیلائے اس کے سامنے سراپا سوال تھیں۔

وہ سر جھٹک کر ڈاکٹر رخشندہ کی طرف دیکھنے لگا، جو شاید غنودگی میں چلی گئی تھیں۔

اسی وقت اس کے موبائل کی بیل بجنے لگی۔ ڈاکٹر رخشندہ نے ذرا سی آنکھیں نیم وا کر کے اسے دیکھا۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر باہر چلا آیا۔

عزہ کال کر رہی تھی۔ وہ یقیناً اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔

"سوری عزہ! میں آج نہیں آ سکتا۔ ایمرجنسی ہے۔ سوری اگین۔" اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

فوراً ہی دوبارہ بیل بجیں اور سیل چپ کر گیا۔

یقیناً وہ ناراض ہو گئی ہوگی۔ اس نے کاریڈور کی ٹھنڈی دیوار سے پشت لگائی اور آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو گیا۔

'کیا ہے یہ سب؟...... کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟' اس کا گیلی لکڑی کی طرح سلگتا دماغ دھوئیں سے بھرنے لگا تھا۔

'اس عورت نے شک کا جو بیج میرے اندر بو دیا ہے، وہ میرے اندر اتنا بڑھ، پھل پھول چکا ہے کہ میں چاہتا بھی ہوں تو اسے اکھاڑ کر پھینک نہیں سکتا کہ میں اس کٹ کٹ کر مرنے کے تکلیف دہ عمل سے نجات پا سکوں۔ اور ماما؟...... اُن کی حالت تو شاید مجھ سے بھی خستہ ہے کہ وہ محض چند دن اس کھنچاؤ کو برداشت کر سکیں گی۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا؟'

خدشہ اتنا زوردار تھا کہ وہ آنکھیں کھول کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت اس کا سیل پھر سے بج اٹھا۔ اس نے ناگواری سے نمبر دیکھا۔ مصطفیٰ صاحب کا نمبر تھا۔

حواس یکدم الرٹ ہو گئے۔

"لیس پاپا! آئی ایم فائن۔" وہ آواز میں مصنوعی بشاشت بھرتے ہوئے بولا۔

"کیا پتہ چلا؟...... کیا بتایا؟" وہ چونکا۔

"ماما...... بس وہ ذرا...... کاکا بشیر نے......" وہ دل میں تلملایا۔ یہ کاکا بشیر تو ساروں کا ماما بن رہا ہے۔

"نہیں پاپا! خدانخواستہ ایسی کوئی سنگین...... سوری......"

"ماما ٹھیک ہیں، آپ یقین کریں......" وہ ذرا آگے ہو کر کمرے کے اندر جھانکنے لگا۔ ڈاکٹر رخشندہ سو رہی تھیں یا یونہی آنکھیں بند کی تھیں۔ وہ پھر سے پیچھے ہو گیا۔

"اچھا، آپ آ رہے ہیں؟" وہ بری طرح سے ٹھٹکا ان کی بات سن کر۔ "کب آ رہے ہیں؟"

"ایک دو دنوں میں......؟" اسے خود اپنی آواز ڈوبتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"جی...... ماما ٹھیک ہیں تو بس انہیں بتا دیتا ہوں، آپ کے فون کا بھی اور آپ کی آمد کا بھی۔" وہ مرجھائے ہوئے انداز میں بولا۔

"تمہارا بھائی بھی آپ کے ساتھ آ رہا ہے؟" اسے خیال آیا تو اس نے جلدی سے پوچھا مگر لائن بے جان ہو چکی تھی۔

'کیا رو کھا پھیکا، اجنبی سا فون تھا...... یہ پاپا تھے؟' وہ کتنی دیر موبائل ہاتھ میں لئے کھڑا سوچتا رہا۔

'اور یہ سب تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ جس طرح میں ان کے بدلے ہوئے روّیوں اور انداز سے اُلجھ رہا ہوں تو ان کے دلوں پہ کیا بیت رہی ہوگی۔ اور یہ سب اس عورت...... اس عورت کا کیا دھرا ہے، جو اصل بات کی طرف سے ہر بار دامن بچا جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے سچ میں کچھ نہ کچھ "جھوٹ" شامل ہے۔ اور مجھے اب اس سے پوچھنے کے بجائے خود سے اس جھوٹ کا پتہ کرنا ہے کیسے؟

کسی ذریعے۔ مجھے ان کو اعتبار دینا اور ان کا اعتبار حاصل کرنا ہے۔ اس کہانی کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ماما کے پاس بھی ہے۔ وہ یونہی بلاوجہ اتنا اس طرح شکست خوردہ نہیں ہو سکتیں۔ ان کے اندر بھی پہلے سے کچھ موجود تھا۔ کوئی گلٹ شاید۔ یقیناً ایسا ہی ہے۔' وہ اندر ہی اندر ہلا کر سوچنے لگا۔ کس طرح سے ڈاکٹر رخشندہ کے اندر سے اس گلٹ کو نکالنا ہے۔ اس کا طریق کار سوچنے لگا۔

❀◎......◎❀
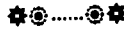
''میں ایک رائٹر ہوں اور آج کل ایک بڑا ناول لکھ رہا ہوں۔ جس کے لئے مجھے مکمل تنہائی اور ارد گرد کا پُرسکون ما
بلکہ صاف بتاؤں تو مجھے ایک ویران گوشے کی ضرورت ہے، جہاں بیٹھ کر میں اپنا یہ شاہکار ناول مکمل کر سکوں۔ اب
میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟'' اس نے بڑے اطمینان سے اپنی بات پوری کی اور بڑھی ہوئی شیو میں کھجلی کرنے لگا۔
سامنے بیٹھے کیم شحیم، ذرا گہرے رنگ والے شخص نے اپنی تیز چمکتی مگر چھوٹی چھوٹی آنکھیں خاصی پھیلا کر اس کا
''آپ کو مجھ سے کس قسم کی مدد درکار ہے؟'' اس کی آواز اس کے جسم کی طرح بھاری بھر کم تھی۔
''جس قسم کی مدد کے لئے آپ یہاں بیٹھے ہیں۔'' اس نے دو بدو کہا۔
''اپنی رینج بتائیں۔'' وہ آدمی موٹا سا رجسٹر کھولتے ہوئے بولا۔
''رینج کی فکر نہ کریں، جگہ میرے مطلب کی ہونی چاہئے۔'' وہ ٹانگیں میز کے نیچے پھیلاتے ہوئے پُراعتماد لہجہ
''اچھا!'' وہ آدمی ٹھوڑی کھجاتا ہوا اپنا رجسٹر دیکھنے لگا۔
''اچھا یہ جگہ ہے۔ مطلب نئی آبادی ہے۔ کالونی سیکٹرز کچھ بن گئے ہیں، کچھ بن رہے ہیں۔ جو بن چکے ہ
معلومات کے مطابق ابھی کوئی شاید آباد بھی نہیں ہوا۔ وجہ........ وجہ یہی ہے کہ علاقہ شہر کی رواں سڑکوں سے خاصا ہ
بلڈنگ کے تین فلورز بن چکے ہیں اور فرسٹ فلور میں شاید ایک آدھ اپارٹمنٹ چڑھ بھی گیا ہو، ورنہ تو سب خالی ہیں۔ آ
دوں آپ کو؟'' وہ تنزیل کو نقشہ دکھاتے ہوئے بلڈنگ کی لوکیشن بتا رہا تھا۔
''ہوں! اچھی جگہ ہے، میرے کام کی۔'' تنزیل نے ذرا دیر اس نقشے کو بغور دیکھنے کے بعد سر ہلا کر کہا۔
''یہ تھرڈ فلور ہے، اس میں اگر کوئی اپارٹمنٹ ہو جائے تو بہترین ہے۔'' اس نے سب سے اوپر والے فلور کے
کمرے کی جگہ پر انگلی رکھ کر کہا۔
ڈیلر کچھ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگا، پھر ہلکے سے کندھے اچکا کر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے بتایا نا، ساری بلڈنگ
ہے۔ جو آپ پسند کریں۔ شام کو آجائیں یا دو گھنٹے بعد۔ آپ کو میں دکھالاؤں گا۔''
''او کے، ٹھیک ہے۔ میں پھر دو گھنٹوں بعد آتا ہوں۔ یہ اپارٹمنٹ مجھے ایک ماہ یا زیادہ سے زیادہ دو ماہ کے لئے چاہئ
اُٹھتے ہوئے بتانے لگا۔
''ٹھیک ہے، جیسے آپ کی مرضی۔ مگر کرایہ دو ماہ کا ایڈوانس ہوگا۔ اور ایڈوانس تو ظاہر ہے، ہے ہی۔''
''ٹھیک ہے، ایک بار میں جگہ دیکھ لوں پھر اس کو بھی طے کر لیں گے۔ خدا حافظ!'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ اور ڈیلر کافی دیر تک
کے بارے میں سوچتا رہا۔
'یقیناً کوئی دو نمبر کام ہوگا جو اسے ویرانے میں اس کو ٹھکانہ چاہئے۔ شاید کوئی لڑکی وڑکی کا چکر یا کچھ اور...... شکل سے
خاصا کریمنل لگتا ہے........ لگتا ہے تو لگتا رہے، ہمیں تو اپنی روزی سے مطلب ہے۔ پہلے ہی دھندا ایک دم ٹھپ جا رہا ہے۔ کو
لوگوں کی دال روٹی پوری نہیں ہو رہی۔ گھر، بلڈنگیں کس نے خریدنی ہیں؟ میں تو ایک بلڈنگ کو بنوا کر پچھتا رہا ہوں۔ اچھے بھلے
سستے داموں پلاٹ لیا، اتنا پیسہ روپیہ لگا بیٹھا ہوں۔ اب کوئی اس طرف جانے کا سن کر کانوں کو ہاتھ لگانے لگتا ہے۔ اس سے
کرایہ چار ماہ کا بٹوروں گا، ضرورت مند لگتا ہے، دے دے گا۔' وہ پیسے بٹورنے کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔

❀◎......◎❀
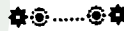
وہ تیز جلتی بجھتی روشنیوں کے بیچ بڑی مہارت سے ریمپ پہ چل رہی تھی۔
بے شک یہ شاندار کیٹ واک اتنے دنوں کی ریہرسل اور مائنز ایکسپرٹس کی ماہرانہ کاوش کا نتیجہ تھی، مگر اس میں زیادہ تر
اس کے شوق، اس کے اندر موجود ٹھاٹھیں مارتے ولولے، جوش اور جذبے کا کمال تھا۔ تیسری وجہ اس کے اس درجہ مہارت سے
میں اس کے نازک جسم کی قدرتی لچک تھی، جو اس کے کم سن ہونے کی وجہ سے تھی۔
اس کا ڈریس وائٹ کلر کا تھا اور خاصا معقول تھا، یوں بھی اتنے دنوں کی ریہرسل کے دوران پریکٹس کرتے اسے کسی
نامعقول سچویشن کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور اب تو اس کے دل میں یہ یقین جڑ پکڑ چکا تھا کہ اس پروفیشن بلکہ شوبز کی سب ہی فی
کے بارے میں جو کچھ بھی لوگ کہتے ہیں، سب جھوٹ ہوتا ہے، بالکل گپ۔
اس کے ساتھ کام کرنے والی لڑکیاں سب ہی پڑھی لکھی، اس کی طرح کالج یا کسی بھی ادارے میں پڑھ رہی تھیں اور اپنے
کی وجہ سے آئی تھیں۔ دو ایک ہی اسے پروفیشنل اور ڈگری لگی تھیں مگر اتنا ہیر پھیر تو سب ہی پروفیشنز میں چلتا ہے۔ یوں بھی اسے
سا اس پروفیشن کو مستقبل میں جاری رکھنا تھا۔ وہ تو اسے جسٹ اے ہابی اور ٹائم ایکویٹی سمجھ کر کر رہی تھی۔

نت نئے ڈریسز اپنے سانچے میں ڈھلے جسم پر فٹ دیکھ کر، شیشے میں خود کو دیکھتے کیسی خوشی ملا کرتی تھی کہ اس کا نعم البدل اور کوئی خوشی ہو ہی نہیں سکتی۔

خوب صورت میک اپ، نت نئی جیولری، جھمر کے ساتھ اپنا سجا سنورا روپ اسے خود کو ہی کتنا سحر انگیز، کتنا بھلا لگا کرتا تھا تو دیکھنے والوں کو وہ کتنا مسحور کرتا ہوگا، اس کا اندازہ اسے ہال سے اُٹھنے والی مسلسل تالیوں کی گونج سے ہوتا رہتا تھا۔ ابھی تو جسٹ ان کے اپنی ورکرز یا دوسرے ایمپلائز ہی سراہنے کے لئے ہال میں موجود ہوتے تھے، جب رئیل آڈیئنس کا سامنا ہوگا...... اس خیال سے ہی اس کے بدن میں جھرجھری سی دوڑ جاتی۔ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے اور خون جسم میں بہنے کے بجائے جیسے ریہرسٹ دوڑنے لگتا تھا۔

آج ان کی لاسٹ سیکنڈ پریکٹس تھی۔ اگلے ہفتے سب کچھ آن ایئر...... اس کے لئے تو آن ایئر ہی تھا، اتنی بڑی آڈیئنس کے سامنے آنا۔

اصل ہچکچاہٹ اسے اپنے آخری آئیٹم میں ہوتی تھی۔ اگرچہ اس کا جی پورے دل سے لگتا بھی اسی آئیٹم میں تھا۔ نومنٹ کے کلاسیکل رقص کا ڈانس آئیٹم۔ اگرچہ وہ یہ نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر میڈم یاقوت کی حد سے زیادہ حوصلہ افزائی...... اُن کی محبت بھری اکساہٹ۔

"میری جان! جتنا پوٹینشل، جتنا ٹیلنٹ تمہارے اندر ہے کچھ کر دکھانے کا، ایسے لوگ تو صدیوں میں کہیں دو چار ہوتے ہیں۔ اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مقدر نے یہ ہیرا تراشنے کا مقدس فریضہ مجھے سونپا ہے مائی ڈیئر! یو آر اے پریشز جیم۔" وہ کہتی جاتیں اور وہ مسحور ہوتی جاتی۔

اپنی تعریف وہ بھی ایسے الفاظ، اس خوب صورت دلکش پیرائے میں کسی کو اچھی نہیں لگتی۔

اور وہ تو وہ تھی، جس کی تعریف کالج کی چار دیواری سے باہر کبھی کسی نے کی ہی نہیں تھی۔ حتیٰ کہ اس کے سرد گلیشیر جیسے ماں باپ...... ہاں، ان ہی کو تو دکھانا تھا کہ ان کے بدترین روّیوں اور نامہربان تربیت کے باوجود وہ کیسا روشن ستارہ بن کر اُبھری ہے، فقط اپنے شوق، اپنی انرجی اور zeal (ولولے) کے باعث۔

اور یہ کر دکھانے کی ہی دھن تو تھی جس نے اسے اس بغاوت اُکسایا۔

اور یہ الگ بات کہ اسے اب اس بغاوت سے عشق ہو چلا تھا۔

ریمپ پر چلتے اس کے لہو میں کیسی حدت پھوٹتی تھی، جیسے چنگاریاں اُڑ رہی ہوں۔ جیسے پھلجھڑیاں سی چھوٹ رہی ہوں۔ جیسے ہر طرف کوئی رنگوں کی ہولی کھیل رہا ہو۔ جیسے...... جیسے کوئی یہ سارے رنگ، جگنو، ستارے اس پر نچھاور کر رہا ہو۔

وہ ریمپ پر چلتی نہیں تھی، جیسے ہوا میں تیرتی تھی، کسی اپسرا کی طرح۔

ابھی بھی وہ اسی دھن، اسی الوہی منظر نامے میں چلی جا رہی تھی، جب پوری تن دہی، سرخوشی سے کلیپ کرتی میڈم یاقوت پر اس کی نظریں ٹھہریں۔

وہ ستارے جو اس نے میڈم یاقوت کی نگاہوں میں اس لمحے جلتے دیکھے، اسے لگا وہ روشن ستارے اس کے رخساروں، اس کے بالوں پر آ کر چمک گئے ہیں اور وہ کسی اور ہی خواب ناک دنیا کی باسی بن گئی ہو۔

مسلسل بجتی تالیوں کی گونج سے وہ اس خواب ناک تصور سے باہر نکلی تھی۔ میڈم یاقوت نے کچھ ایسی شدت سے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ کر سینے سے لگایا، اسے لگا وہ کچھ دیر اور اس طرح ان کے ساتھ لپٹی رہی تو ان کے ہی تن کا حصہ بن جائے گی۔

"مائی ڈیئر لو، مائی جیم، مائی ڈائمنڈ! میں جتنا بھی تم پر فخر کروں کم ہے۔ دیکھو، پہلی بار میں نے تمہیں کالج ڈانس پر دیکھا اور میرے دل نے اسی پل گواہی دے ڈالی کہ یاقوت! یہی ہے وہ تمہارے مقدر کا سب سے قیمتی ہیرا جسے تم سارے جہان میں بھی ڈھونڈتی رہو گی تو ناکام رہو گی۔ بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لو۔ خوب...... بہت خوب...... بلکہ زبردست۔ آئی ریئلی پراؤڈ آف یو مائی ڈارلنگ۔" وہ ایک بار پھر اس کی پیشانی پر ایک والہانہ بوسہ دیتے ہوئے اسے اپنے ساتھ بھینچ کر بولیں تو عزہ ایک دم سے شرما گئی۔

"دیکھو، اتنی مصروف ہوں میں کہ آج بھی ایک انتہائی امپورٹنٹ پارٹی میں منسٹر صاحب نے انوائٹ کر رکھا تھا اور ایسی پارٹیز تم کو کیا پتہ ہے، ہمارے لئے بزنس کے کتنے مواقع ہوتے ہیں۔ سب پر دو حرف بھیج کر میں آج صرف تمہارے لئے ادھر آئی کہ تم کو کہیں یہ نہ لگے کہ میں نے پلٹ کر تمہاری خبر نہیں لی۔ کسی بھی جینوئن آرٹسٹ کے لئے فیڈ بیک اور اس طرح کی pushes (تھپکیاں) بہت ضروری ہوتی ہیں۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

وہ اسے اپنے ساتھ لے کر اب ہال کے نسبتاً نیم تاریک گوشے میں کھڑی تھیں۔

"تھینک یو میم!...... آپ کے یہ قیمتی حوصلہ افزائی کے الفاظ یقیناً میرے لئے انمول ہیں۔" وہ اپنے ازلی اعتماد سے بولی تو ان

کی آنکھیں اور بھی چمکنے لگیں۔

''نو تھینکس۔ ہمارے تعلق میں کوئی شکریہ، کوئی سوری انٹرفیئر نہیں کرے گا، ہے نا؟'' وہ زور سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر بولیں۔ ''اچھا، اپنی مدر کو کیا کہتی ہو تم؟'' وہ بڑے مشتاق انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

''ماما......'' اس نے ذراسی ہچکچاہٹ سے اس بے محل سوال کا جواب دیا۔

''مجھے تم آج سے مام کہو گی۔ نو میم۔'' وہ اسی والہانہ پن سے بولیں جو شاید انہوں نے صرف عزہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

''تھینکس میم!''

''اوں ہوں......نو تھینکس، نو میم۔'' انہوں نے فوراً انگلی اٹھا کر ٹوکا تو وہ ہنس پڑی۔ اور میڈم یاقوت یک ٹک اس کی کھلکھلاتی سی ہنسی کو سنتے ہوئے دیکھے گئیں۔

''بولو نا، مام!'' وہ جیسے ہی چپ ہوئی، انہوں نے فوراً محبت بھرا اصرار کیا۔ عزہ ابھی خاصی جھینپ سی گئی۔

''ہوں!'' انہوں نے اسے اکسانے کے لئے اُس کا ہاتھ دبایا۔

''مام!'' اس نے اتنی آہستہ لب ہلائے کہ بمشکل اسے خود بھی سنائی دے سکا، مگر جس کے لئے بولا تھا، اس نے سن لیا اور ایک بار پھر اپنے خوشبودار بدن سے لپٹا لیا۔

''بہت شکریہ میری جان!''

''مام! نو تھینکس، نو سوری اِن آور ریلیشن۔'' اس نے انہی کے لہجے میں ٹوکا تو وہ بھی ہنس دی۔

''بس اب ایک ریہرسل رہ گئی ہے اور اگلے ہفتے فائنل۔ کس کس کو انوائٹ کرو گی؟'' وہ ذرا سنجیدگی سے بولیں۔

''کسی کو بھی نہیں۔'' اس نے سوچنے کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں لگایا۔

''ہو سکتا ہے، کوئی ایک ہو۔'' وہ اسے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولیں تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ان سے اجازت لے کر باہر آ گئی۔

''کوئی ایک بھی نہیں۔'' اس نے اپنی ہی گاڑی کے بونٹ پر زور سے ٹھوکر ماری۔

ساری ریہرسل کے دوران اس کا دھیان دائم کے نہ آنے پر اٹکا رہا تھا اور جس طرح اس نے عزہ کی بات سنے بغیر ہی فون آف کر دیا تھا، اس کے دل میں سخت رنج اور غصہ تھا۔

'اب میں بھی اس سے بات نہیں کروں گی۔ نیور!' وہ فیصلہ کن انداز میں سوچتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

❁◉......◉❁
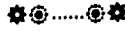
وہ پورے تین دن، تین راتیں اپنے ہی رستے لہو اور زخموں میں لوٹتی، کراہتی اسی ایک جگہ پر پڑی رہی۔

کسی نے اس کے زخموں پہ معمولی سا مرہم لگانا تو درکنار اس کے پاس پھٹکنا بھی گوارا نہیں کیا۔ وہ بے ہوشی سے ذرا ہوش میں آتی اور زخموں سے اٹھتی ٹیسیں اسے اس حد تک درد سے بے حال کر دیتیں کہ وہ پھر سے بے ہوش ہو جاتی۔

اس کے بدن کو تو کبھی ہلکی سی چوٹ نہ لگی تھی، نہ کبھی خراش سے بڑھ کر زخم آیا تھا۔ اور اب جو اس کا سارا جسم زخموں سے رنگ ہو رہا تھا تو اس کی یہ مسلسل بے ہوشی قابلِ فہم تھی۔

اس دوران جہانگیر ہمدانی کہاں تھا، اسے پتہ نہیں چل سکا۔ بلکہ پورے اپارٹمنٹ میں شاید اس کے سوا اور کوئی ذی نفس نہیں۔

چوتھے دن اسے مکمل ہوش آیا اور وہ کتنی دیر بے حس سی اپنی جگہ پر لیٹی رہی۔ کسی بھی پہلو پر لیٹنا یا پشت کے بل ہلنا بھی اس کے لئے قیامت سے کم نہیں تھا۔

شاید وہ سخت جان تھی یا ڈھیٹ......آدھ گھنٹہ ایک ہی جگہ لیٹے رہنے کے بعد اس نے خود کو سمیٹنے کی کوشش کی۔ پنجوں کے بل کسی چوپائے کی طرح چلتی ہوئی وہ اپارٹمنٹ کے درمیان والے کمرے میں آئی تھی اور نڈھال ہو کر گر پڑی تھی۔

تین دن کا مسلسل فاقہ اور پیاس......اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرے چھا رہے تھے۔

بہ دقت وہ فریج تک پہنچی تھی۔

پانی کی بوتل منہ سے لگا کر وہ آدھی سے زیادہ بوتل پی گئی، پھر فریج میں سے اسے جو چیز کھانے کے قابل نظر آئی، وہ کھائی اور ہر ہر نوالے کے ساتھ اسے لگ رہا تھا، اسے نئی زندگی مل رہی ہے، اس کا جسم، اس کی روح، اس کی سوچنے کی صلاحیت جو سلب دم تھی، سر اٹھا کر توانا ہونے لگی تھی۔

جسم میں خوراک آ جانے سے اس کی آنکھوں کے اندھیرے چھٹے اور وہ تھوڑا چلنے کے قابل ہوئی، اُٹھ کر صوفے پر گر گئی۔

اُدھر دیکھتی کمرے کا جائزہ لیتی رہی۔
زخموں سے درد کی ٹیسیں زیادہ شدت سے اُٹھنے لگی تھیں۔ وہ بھی توجہ مانگ رہے تھے شاید۔
اس نے خود ہی ڈھونڈ کر درازوں میں سے مرہم تلاش کی اور جہاں جہاں اس کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا، اس نے اپنے زخموں پر اس مرہم کو لگایا۔ زخم صرف جسم، بازو، پشت، کمر یا ہاتھوں پر نہیں آئے تھے، اس کے چہرے پر بھی لہو کی دو سرخ لکیریں جمی ہوئی تھیں۔
اُس نے شیشے میں اپنی صورت دیکھی اور اس کی چیخیں نکل گئیں۔
'ایسی زندگی سے تو موت اچھی۔' وہ بیڈ پر گر کر رونے لگی۔
'اس شیطان نے جس بے دردی اور بے رحمی سے کسی بے زبان جانور کے مانند مجھے پیٹا ہے، اب اس سے کسی بھی ہمدردی کی توقع فضول ہے۔ اور خود میں اپنے ساتھ کیا ہمدردی کروں؟ اور کیا وہ ہمدردی ہوگی جو......' وہ کراہ کر رہ گئی۔
'وہ جو مجھ سے چاہتا ہے، خود کو اس ذلت آمیز تشدد سے بچانے کے لئے اُس کی بات مان لوں؟
یقیناً، میرے پاس اب تیسرا راستہ کوئی نہیں۔
موت......جو شاید وہ مجھے دینا کبھی پسند نہیں کرے گا۔
میں خود کو تو دے سکتی ہوں نا......قصہ ختم۔'
وہ ایک جوش سے اُٹھی اور پورے اپارٹمنٹ میں چکرانے لگی۔ کھڑکیاں، دروازے سب مقفل تھے۔ برنر میں گیس نہیں تھی۔ لیکن ماچس، لائٹر یا اس نوع کی کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ حتیٰ کہ کچن میں، کسی بھی کمرے میں کوئی چاقو، چھری، قینچی، ہتھوڑی، سوئی کچھ بھی نہیں تھا۔
'مرنے کے طریقے بہت ہیں، مگر شاید مجھ میں حوصلہ نہ ہو۔' وہ بے دم سی ہو کر بیڈ پر گر گئی اور سامنے بجلی کے بٹنز سے سجا ڈیش بورڈ دیکھنے لگی۔
اسے بجلی سے کتنا خوف آتا تھا کہ کبھی گیلے ہاتھوں کے ساتھ اس نے بٹن آن نہیں کیا تھا۔ تو پھر خود کو ایسی تکلیف دہ موت وہ کیسے دے سکتی تھی؟ چاہے مرنے کے لئے وہ کتنی ہی مشتاق کیوں نہ ہو۔
اس نے بجلی کے شاک کے خیال سے ہی جھرجھری لے کر آنکھیں بند کر لیں اور دل میں مرنے کی دعائیں مانگنے لگی۔
پورے آٹھ دن اور وہ اسی کسمپرسی کی حالت میں کبھی جیتی، کبھی مرتی، کبھی مرنے کے طریقے سوچتی اس اپارٹمنٹ میں پھرتی رہی۔ فرار ہونے کے لئے کئی بار اس نے کوئی روزن، کوئی راستہ تلاشا مگر وہاں تو باہر سے مکھی کے اندر آنے کی جگہ نہیں تھی، اس کے باہر جانے کا راستہ کہاں سے نکلتا؟
مرہم بھی ختم ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس کے زخم کچھ بہتر ہو گئے تھے، مگر ابھی مندمل نہ ہوئے تھے۔
زندگی کے کتنے سارے تقاضے ہوتے ہیں، اب اسے آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا تھا۔
پورے گھر میں موجود کھانے پینے کا سب سامان ختم ہو چکا تھا، صرف اس کی سانسیں چلتی رہنے کے لئے ایک دن کی خوراک برائے نام موجود تھی۔
کل کیا ہوگا؟ وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔
اس وقت اس کا جسم پانی مانگ رہا تھا۔ ایک اچھا باتھ......
وہ نہا کر نکلی تو اس کو اپنے اندر جینے کی اُمنگ انگڑائی لے کر بیدار ہوتی محسوس ہوئی۔
گیلے بال تولیے سے جھاڑتے اور ان میں برش کرتے ہوئے اس نے اتنے دنوں بعد خود کو آئینے میں دیکھا تو لمحہ بھر کو پہچان بھی نہ سکی۔
'تو خواہشوں کا یہ انت ہوتا ہے۔' وہ اپنا بیمار، مضمحل، ہڈیوں بھرا چہرہ دیکھ کر ذرا سا ہنسی۔
سست روی سے بال سلجھاتے ہوئے وہ کچھ سوچنے کی کوشش کر رہی تھی۔
باہر ہلکا سا کھٹکا ہوا اور بیرونی دروازہ کھل گیا۔ اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا جیسے سینہ چیر کر باہر نکل آئے گا۔
"ہائے، وہاٹ ہینڈ؟......کیا ہو رہا ہے؟......زبردست، تازہ دم......گریٹ!" وہ شیطان مسکراتا ہوا یوں اندر داخل ہو رہا تھا جیسے وہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اور یہ تازہ دم بھی شاید اسی کے لئے ہوئی تھی۔
ثانیہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔
"غصہ ابھی اترا نہیں میری ڈارلنگ کا۔" وہ دو قدم آگے بڑھا اور وہ تن کر پیچھے کھڑی ہو گئی۔
اس کے تیور دیکھ کر وہ ذرا ٹھٹکا اور پھر ہنسنے لگا۔

''سوری یار! اس دن کچھ زیادہ ہی ہاتھ چل گیا تھا۔ تمہیں پتہ تو ہے، جب میں پوری طرح، مطلب......ٹُن ہو رہا ہوں تو پھر بہت سے اَن ایکسپیکٹڈ کام بھی کر جاتا ہوں۔ سوری!'' وہ مزے سے اس کے سامنے بیٹھ کر ٹانگیں ہلانے لگا۔

''ایک ہفتے کے لئے مسقط جانا پڑ گیا اور تمہیں ٹائم نہیں دے سکا۔ اگین سوری......کھانے پینے کا کافی سامان تو میں چھوڑ گیا تھا۔ کم تو نہیں پڑا؟''

اُس کی باتیں تانیہ کے تن بدن میں آگ لگا رہی تھیں اور وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ اپنی زندگی کے سب سے بے بس مقام پر وہ کتنی لاچار ہو گئی تھی۔

''چلو، کہیں تمہیں آؤٹنگ کے لئے لے چلتا ہوں۔ باہر ہی کھانا کھائیں گے۔ تم ذرا اچھے والے کپڑے پہن لو۔'' وہ ذرا اور بولا تو اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی۔

''گوٹو ڈاہیل......یُو راسکل ڈیول۔''

وہ یوں اُچھلا جیسے کسی اسپرنگ نے اسے اچھالا ہو۔

''تیری اکڑ ختم نہیں ہوئی ابھی......یوں کہہ، عزت راس نہیں تجھے......اور میں تجھے پہلے بتا چکا ہوں، اب مزید نخرے نہیں اٹھاؤں گا۔ اس دن تو زندہ چھوڑ گیا تھا، آج......آج خود تیری آخری سانس نکلنے تک یہاں بیٹھا رہوں گا، اب اگر انکار کرے گی۔'' وہ انسان سے ایک دم شیطان بن گیا۔ اس کی آنکھوں کی وحشت اور چہرے کا دیوانہ پن......تانیہ کو لگا، وہ ابھی آگے بڑھ کر اس کا گلا دبا ڈالے گا۔

''تُو اب مر بھی جائے گی تو ہمیں پروا نہیں۔ تُو نہیں تو اور سہی......اور نہیں تو اور سہی......بڑا زبردست گفٹ لایا ہوں تیرے لئے، سنے گی تو تیرا دل باغ باغ ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس بھری جوانی میں دنیا سے اُٹھ بھی گئی تو جاتے جاتے بھی تیری روح ادھر ہی اٹکی رہ جائے گی۔ کہو تو گفٹ کی رونمائی کراؤں؟'' اس نے پھر سے لہجہ بدلا تھا۔

وہ اس میدان کا کتنا پرانا اور کتنا ماہر کھلاڑی تھا، تانیہ کو اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔ اس کی عمر سے دُگنا تو اس کھاگ کا تجربہ تھا اور وہ اس سے مار کھائے جا رہی تھی، جو اس زعم میں تھی کہ اسے فتح کر لیا۔

''دیکھ، کیا زبردست چیلنج ملا ہے ہمیں۔ تُو تو شاید اس کی ایک ڈوز ہی سے عالمِ بالا کو روانہ ہو جائے۔ اِدھر اپنے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔ پھر بھی بے وفا نہیں، تمہارے ایصالِ ثواب کے لئے دعا ضرور کروں گا۔ آخر تم جاتے جاتے ہم پر اتنی مہربانی جو کرکے جا رہی ہو۔ لو، سنبھالو اپنے دل کو۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا اور ذرا دیر بعد واپس آ گیا۔

اس کے ہاتھ میں کیا تھا، تانیہ پہلی نظر میں بالکل نہیں سمجھی۔ وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور چہرے پر شیطانی مسکراہٹ لئے اسے دیکھنے لگا۔

تانیہ کا دل جیسے نیچے ہی نیچے جانے لگا تھا کیوں؟ وہ سمجھ نہیں پائی۔

✲......✲
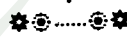
''کدھر گم ہو گئیں بے وفا لڑکی؟'' اس نے بہت دنوں بعد اسامہ کی کال اٹینڈ کی تھی، وہ چھوٹتے ہی بولا تھا۔

''گم......صحیح کہا تم نے، گم ہی تو ہو گئی ہوں اِدھر آ کر۔'' وہ کھوئے ہوئے سے لہجے میں بولی۔

''پھر اب ڈھونڈنے کے لئے اخبار میں ایڈ دوں یا خود چلا آؤں؟''

''تمہارا کیا خیال ہے، گم ہو جانے والی چیزیں اس طرح سے مل جایا کرتی ہیں، ایڈ دینے سے، ڈھنڈورا پیٹنے سے یا اوا کرنے سے؟'' وہ اُلٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''کبھی کبھی تو مل جاتی ہیں، کبھی شاید نہیں ملتیں۔ تمہارا کیا گم ہو گیا؟''

''خود ہی تو تم نے کہا ہے کہ میں گم ہو گئی ہوں تو......''

''اوہو، کم آن لائبہ! کیا اِدھر کسی شاعر کی کمپنی میں بیٹھنے لگی ہو؟''

''کیا پوچھتے ہو دوست! میں تو اپنی کمپنی سے بھی گئی۔'' وہ آہ سی بھر کر بولی اور اُٹھ کر ٹہلنے لگی۔

''اوکے، ایز یُو وِش......اچھا سنو، میں آ رہا ہوں چند دنوں میں۔'' اس نے ذرا جوش میں اسے گویا خوشخبری سنائی۔

''مت آنا۔'' وہ فوراً بولی۔

''کیوں؟''

''تم بھی گم ہو جاؤ گے۔'' وہ ہنسی۔

''مطلب کیا ہے تمہارا؟'' وہ اُلجھا۔

"پاکستان از اے گڈ کنٹری فار لیونگ۔ لیکن میرے خیال میں ہم جیسے لوگ جو اپنی آدھی عمریں کسی اور سرزمین پہ کاشت کر آئے ہوں، ان کے لئے یہ لینڈ آف مسنگ آئی ڈینٹٹی (گمشدہ پہچان کی سرزمین) بن جاتی ہے۔"
"یار! کیا ثقیل گفتگو کرنے لگی ہو؟ فلاسفی کی کلاسز تو نہیں جوائن کر لیں؟" وہ زچ آ کر بولا۔
"اچھا سنو، میں آ رہی ہوں۔"
"یہ کیا تم مقابلے کے طور پر جوابی مطلع عرض کر رہی ہو۔ میں آ رہا ہوں، میں آ رہی ہوں۔"
"میں واقعی واپس آ رہی ہوں، ایک دو دنوں میں....... سمجھو ہمیشہ کے لئے۔" وہ آہستگی سے بولی اور لان کی طرف کھلنے والی قد دم گلاس ونڈو کھولنے لگی۔
"اب کیا ہو گیا؟"
"کچھ نہیں۔"
"اچھا، تمہارا ادائم سے کانٹیکٹ تو ہوا ہو گا۔ عجیب بات ہے یار! وہ بھی ادھر آ کر گم ہو گیا ہے۔ کتنے دنوں سے نہ تو وہ مجھے کال کر رہا ہے، میں کرتا ہوں تو ریسیو نہیں کرتا۔ تم ملیں اس سے؟" اسامہ اپنی دھن میں کہتا چلا گیا۔
لائبہ سوچ میں پڑ گئی۔
"اے مس! پھر کہیں کھو گئیں؟" وہ بے صبری سے بولا۔
"آں....... نہیں۔" اس نے لان کی گھاس پر اڑتی سفید تتلی پر نظریں جمائیں۔
"اور سنو، رخشندہ آنٹی پاکستان آ چکی ہیں۔ تمہیں معلوم ہو گا۔" اس نے لائبہ کو واقعی نئی اطلاع دی مگر اس کے دل کی کلی اور بھی بجھ گئی۔
"اچھا!" وہ بے دلی سے بولی۔
"تمہیں نہیں معلوم تھا؟" وہ کچھ حیرانی سے بولا۔
"نہیں۔"
"پھر تو تمہیں یہ بھی نہیں معلوم ہو گا کہ وہ ہسپتال رہی ہیں۔ انجائنا کا اٹیک ہوا تھا انہیں۔"
"کیوں؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔
"کیوں ہوتا ہے انجائنا کا اٹیک کسی کو؟" وہ الٹا پوچھنے لگا۔
"اسامہ! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ پلیز، پھر بات کریں گے۔" اسے یک دم وحشت سی ہونے لگی۔
"اچھا سنو، ان کی عیادت کو تو جاؤ گی نا؟"
"کچھ کہہ نہیں سکتی۔" وہ روکھے پن سے بولی۔
"تمہاری ام کیسی ہیں؟" اس نے سلگتا ہوا سوال کیا جو اسے شاید بہت شروع میں کرنا چاہئے تھا۔
"جیسی تھیں، ویسی ہیں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔
"تم سے خفا تو نہیں؟"
"کیا فرق پڑتا ہے، وہ مجھ سے خفا ہوں یا خوش۔"
"لائبہ! کیا ہوا ہے؟" وہ پریشان سا ہو کر بولا۔
"کچھ نہیں۔ اچھا پھر بات کریں گے۔ شاید کوئی آیا ہے۔ میں دیکھوں، کون ہے۔ او کے، بائے!" وہ جان چھڑانے والے انداز میں کہہ کر فون بند کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔
ڈرائیو وے پر واقعی بلیک کلر کی گاڑی آہستگی سے چلتی ہوئی اندر آ رہی تھی۔
لائبہ نے ذرا آنکھیں سکوڑ کر مدھم روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی کہ ڈرائیونگ سیٹ پر کون ہے؟ وہ اندازہ نہیں کر پا رہی تھی۔

❋❁......❁❋
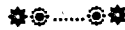
وہ پانی پینے کے لئے کچن میں آیا تھا، جب کاکا بشیر کچن صاف کر کے اپنے کوارٹر کی طرف جانے لگے تھے۔
پانی کا پہلا گھونٹ پیتے ہی اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔
"کاکا بشیر! ٹھہرئیے، ذرا بات سنیے۔" اس نے انہیں آواز دے کر روکا۔ وہ کھڑے ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔ "کاکا بشیر! ایک بات بتائیے۔ آپ اس گھر میں کب سے ملازم ہیں؟"
"بہت سالوں سے۔ اب تو سالوں کی گنتی بھی یاد نہیں۔"

''ماما، پاپا کے لندن جانے سے پہلے بھی آپ ادھر ہی کام کرتے تھے نا؟''
اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''پھر تو آپ مائی رحیمہ کو بھی جانتے ہوں گے۔ وہ عورت، جو ایک دن گھر بھی آئی تھی اور آپ نے ہی میرا اس سے تعارف کرایا تھا۔'' دائم انہیں یاد کراتے ہوئے بولا۔
''ہاں۔ مجھے یاد ہے۔ جانتا ہوں میں مائی رحیمہ کو۔''
''وہ آپ کے ساتھ گھر میں کام کرتی تھیں؟'' اس نے جان بوجھ کر پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''نہیں، وہ بیگم صاحب کے ساتھ کلینک میں ہوتی تھی۔ گھر تو کم ہی آیا کرتی تھی۔''
''اچھا، آپ میرے لئے ایک کام کریں گے، مگر کرنا ضرور ہے۔'' کاکا بشیر سوالیہ نظروں سے دائم کو دیکھنے لگے۔
''مجھے مائی رحیمہ کے گھر کا پتہ چاہئے۔''
''مجھے تو اس کے گھر کا پتہ معلوم نہیں۔'' وہ فوراً بولے۔
''میں جانتا ہوں، آپ کو معلوم نہیں۔ مگر آپ کو مجھے اس کا پتہ معلوم کر کے دینا ہے۔ وہ بھی ایک دو دن کے اندر۔ پلیز!'' وہ حکمیہ لہجے میں بولتا ہوا ذرا سا نرم پڑا۔
''اچھا، میں وعدہ نہیں کرتا مگر کوشش پوری کروں گا۔'' وہ کچھ متذبذب لہجے میں بولے۔
''اگر آپ کو اس کام کے لئے چھٹی چاہئے تو وہ بھی......''
کاکا بشیر نے جواب میں ہاتھ اٹھا کر منع کیا۔ ''نہیں صاحب! مجھے چھٹی نہیں چاہئے۔ یہاں میری نظر میں ایک شخص ہے جو شاید میرے خیال کے مطابق رحیمہ کا جاننے والا ہے۔ میں صبح سویرے اس کے پاس جاؤں گا۔ نہیں تو کچھ اور دیکھ لوں گا۔''
''بہت شکریہ، اگر آپ میرا یہ کام کر دیں۔ یہ رکھیں۔'' اس نے جیب سے دو ہزار روپے نکال کر ان کے آگے کئے۔
''بیٹا صاحب! مجھے گناہ گار نہ کیجئے، اس گھر کا نمک خوار ہوں۔ اب میں جاؤں؟'' انہوں نے دائم کا نوٹوں والا ہاتھ یوں پرے کیا جیسے ان ہاتھوں میں کوئی خطرناک چیز ہو۔
وہ چلے گئے تو دائم بھی اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔
کل ڈاکٹر رخشندہ کو ہسپتال سے گھر آ جانا تھا۔
وہ روز اُن کے پاس جاتا، گھنٹوں بیٹھا رہتا اور وہ آنکھیں بند کئے پڑی رہتیں۔
دونوں کے بیچ آئی اجنبیت کی دیوار دن بہ دن مضبوط ہوتی جا رہی تھی اور شاید اونچی بھی۔
وہ اس دیوار کو ناقابلِ تسخیر ہونے سے پہلے گرا دینا چاہتا تھا۔ وہ میڈم یاقوت کی کالز کو بھی ڈراپ کر رہا تھا۔
''ایک آخری کوشش مجھے ضرور کرنی چاہئے۔ اگر مائی رحیمہ کا پتہ بالفرض نہیں بھی ملتا تو......اس نے بھی پہلے مجھے میڈم یاقوت سے سچ اُگلوانے کی آخری کوشش...... کمبخت......'' اُس نے جھلا کر اپنے ہی ہاتھ پر مُکا مارا۔
''اس شخص کا نام پتہ بھی نہیں بتاتی...... میں تو ڈی این اے تک کروانے کو تیار ہوں۔ کم از کم اس ذہنی اذیت سے تو نجات ملے گی مجھے۔'' وہ مسلسل لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔
وہ بہت رات تک یونہی بے چین رہا تھا۔ دو بار عزہ کو کال کی، اس نے کال ڈراپ کر دی۔
''میں جب تک اس جھنجٹ سے نکل نہیں آتا، کسی کو بھی راضی یا خوش نہیں کر سکتا۔'' اس نے کال کرنے کی کوشش ترک کر دی۔
اور یہ اُس کی خوش قسمتی تھی یا قدرت کو اس پر رحم آ گیا تھا۔ وہ آفس جانے کے لئے تیار ہو کر نکل رہا تھا، جب اس نے کاکا بشیر کو گیٹ سے اندر آتے دیکھا۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے دائم کو گاڑی روکنے کو کہہ رہے تھے۔
''چھوٹے صاب! یہ میں آپ کا کام کر آیا ہوں۔ صبح سے نکلا ہوا تھا، تین چار جگہوں پر گیا ہوں۔ ویسے یہ پتہ بالکل درست ہے اس کے گاؤں کا۔ میں نے اچھی طرح معلوم کیا ہے۔'' انہوں نے گاڑی کی کھڑکی میں جھک کر بتاتے ہوئے کاغذ کا ٹکڑا دائم کو دیا۔
دائم نے ایک سرسری نظر اس ٹکڑے پر ڈالی اور اسے تہہ کر کے احتیاط سے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔
''بہت شکریہ، کاکا بشیر! اب تو انعام آپ کا حق بنتا ہے۔'' وہ پھر سے پیسے نکالنے لگا۔
''بیٹا صاب! آپ کا کام ہو گیا، یہی میرا انعام ہے۔ اب میں جاؤں جی؟''
''اچھا سنو۔'' دائم نے انہیں جاتے ہوئے روکا۔
''جی صاب!'' وہ رک گئے اور ذرا سا جھکے۔
''اس کام کا...... میرا مطلب ہے، میں نے مائی رحیمہ کا ایڈریس منگوایا، ماما کو اس بارے میں پتہ نہ چلے۔''

"ٹھیک ہے بیٹا صاب!" وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گئے تو دائم نے گاڑی گیٹ سے باہر نکال لیا۔
'دو آپشنز ہیں۔ یا تو ابھی مائی رحیمہ کے گاؤں نکلا جائے یا پھر وہ قریبی سورس جورات کو میں نے سوچا تھا........اور سب سے بڑھ کر آفس گول کیا جائے۔ فیکٹری کو توجہ بھی نہیں مل رہی اتنے دنوں سے۔ اور جو بابا آ گئے اور انہوں نے........' اس نے سوچتے ہوئے اپنے منیجر کا نمبر ملایا۔
"تنویر! آج شاید میں آفس لیٹ ہو جاؤں۔ پلیز تم دیکھ لینا۔" اسے پتہ تھا، اگر وہ اشارتاً بھی کہہ دیتا کہ وہ آج آفس نہیں آئے گا تو تنویر صاحب نے اس سے پہلے آفس چھوڑ کر گھر کو نکل لینا تھا۔ انتہائی غیر ذمہ دار شخص ہے۔ اور اتنے مہینوں میں اسے کوئی بھی ڈھنگ کا، ذمہ دار شخص اس سیٹ کے لئے نہیں مل رہا تھا۔ دو بار تو میڈم یاقوت اپنے آفس سے بھیج چکی تھیں مگر بات نہیں بن سکی تھی۔
'اس مسئلے سے نمٹ لوں تو بزنس کی طرف دھیان دوں۔'
اس نے سر جھٹک کر گاڑی دوڑانی شروع کر دی اور دوسرے ہاتھ سے مائی رحیمہ کے گھر کا ایڈریس نکال کر دیکھنے لگا۔

✲◉......◉✲

آج شاید اس کی بختی کی گھڑیاں سر پر آ گئی تھیں، جن کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ اتنے دنوں میں ہراساں ہوتی رہی تھی۔
اسے تو یہ یقین نہیں تھا کہ سارہ اسے سرسری سی اجازت دے کر یوں غافل ہو جائیں گی۔
پہلے چند دن تو وہ ٹائم پر یعنی محمود عالم کے گھر لوٹنے سے پہلے ہی آتی رہی تھی، پھر بعد میں بھی فون کر کے پہلے سارہ سے کنفرم کر لیتی کہ کہیں وہ گھر تو نہیں آ گئے۔
اور یہ اُس کی خوش قسمتی تھی جو اتنے دنوں سے محمود عالم گھر لیٹ آنے لگے تھے۔
شاید سارہ کی غفلت کی یہ وجہ ہو کہ آج کل دونوں میاں بیوی میں شدید سرد جنگ چل رہی تھی۔
سارہ یوں بھی محمود عالم کو چھیڑنا نہیں چاہتی تھیں کہ پھر گھمسان کا رن پڑنا تھا اور ثریا بانو کے سامنے رہی سہی عزت و بھرم کے بھی چیتھڑے اُڑ جانے تھے۔ شاید اس لئے وہ عزہ کی دیر سویر کو بھی نظر انداز کئے ہوئے تھیں۔ وہ تو یہ پوچھنا بھی بھول گئی تھیں کہ اس نے تو ان سے چند دنوں کا کہا تھا اور اب مہینہ بھر ہونے کو آیا تھا۔
وہ دیر سے گھر آتی تو گاڑی کی لائٹیں دُور ہی سے بند کر دیتی تھی، پھر گاڑی گھر کی باؤنڈری وال کے ساتھ کھڑی کر کے گیٹ سے اندر جھانکتی تھی کہ کہیں محمود عالم آ تو نہیں چکے۔
مگر آج تو سارا کام اُلٹا ہوا۔
وہ گاڑی گیٹ سے ابھی اندر ہی لے کر جا رہی تھی کہ پیچھے سے محمود عالم کی گاڑی آ گئی۔
عزہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ گاڑی بند کر کے بھی اس میں بیٹھی رہی۔
انہوں نے اس کے پیچھے گاڑی پارک کی اور چلتے ہوئے اس کی گاڑی تک آئے۔ ان کے بھاری بوٹوں کی دھمک اسے اپنے دل پر کسی ضرب کی طرح پڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
وہ آ کر اس کی گاڑی کے پاس رکے تھے۔ اُس کی نظریں ان کے سیاہ کوٹ کی بیرونی پاکٹ پر جمی تھیں۔
"اترو نیچے۔" اس کے کانوں نے ان کی سرد آواز سنی۔
وہ اپنی ٹھنڈی ہتھیلیاں کھولتی، بھینچتی آہستگی سے باہر نکل آئی اور ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔
انہوں نے کلائی پر کوٹ کی آستین ذرا سی ہٹا کر گھڑی پر ٹائم دیکھا اور دوسری نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔
"کہاں سے آ رہی ہو؟"
"م......مارکیٹ سے۔" اس کے منہ سے نکلا۔
"اس وقت........کون سی مارکیٹ؟"
"وہ.......قریبی گھر کی۔" اس کا حلق، منہ یوں خشک تھا جیسے لکڑی ہو۔
"اوّل تو وہ مارکیٹ دس سے گیارہ کے درمیان بند ہو جاتی ہے۔ اگر تمہارے جھوٹ کو فی الوقت میں سچ مان لوں تو کس لئے گئی تھیں مارکیٹ؟" وہ کسی کامیاب وکیل کی طرح بولے تھے۔
"وہ.......وہ نانو کی دوائی........دوا لینے۔" اس نے بمشکل زبان پھیر کر خشک لبوں کو تر کرنے کی کوشش کی۔
"ملازم سارے مر گئے تھے کیا؟" وہ درشتی سے بولے۔
وہ سر جھکا کر کسی مجرم کی طرح کھڑی رہی۔

''اچھا، مل گئی دوا؟ ....کہاں ہے؟'' وہ اسے گھورنے کے بعد اسی سرد لہجے میں بولے۔

''نن........نہیں ملی۔''

''اچھا........کون سی دوا تھی؟ ....نسخہ کہاں ہے؟'' آج عزہ کو یقین ہو گیا، وہ یونہی بیرسٹر، جسٹس نہیں بنے تھے۔ اس نے ایک لاچار سی نظر گاڑی پر ڈالی اور چپ رہی۔

''تم ....کہاں گئی تھیں؟ اب ان فضول گھڑے ہوئے بہانوں کے علاوہ مجھے سچ بتاؤ۔''

''اپنی دوست کی طرف۔'' اس نے سوچنے میں ایک لمحہ لگایا۔

''کون سی دوست؟''

''ہدیہ۔''

''نمبر کیا ہے اس کا، ملا کر دو مجھے۔'' ان کا اگلا مطالبہ اس کی روح قبض کرنے کے لئے کافی تھا۔

وہ اسی طرح ساکت کھڑی رہی۔

''عزہ عالم! آئی ایم سوری ٹو سے، یو آر ناٹ اے پرفیکٹ لائیر۔ ناؤ ٹیل می دا ٹروتھ۔'' انہوں نے اتنی سختی سے اس کے کندھے میں پنجہ کھبو کر کہا، اسے لگا اس کے کندھے کی دو تین چھوٹی ہڈیاں تو ضرور ٹوٹ گئی ہوں گی۔

اس کا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔

''کہاں سے آ رہی ہو، بولو!'' انہوں نے اتنی زور سے اسے جھنجوڑا کہ وہ کسی بے جان شے کی طرح ہل کر رہ گئی۔

''بابا! میں........اپنی دوست کے ساتھ کمبائن اسٹڈی........'' اس کی آواز کیسی کپکپا رہی تھی، اسے خود بھی پتہ چل گیا۔

''کب سے چل رہا ہے یہ سب؟''

''نہیں........''

''کیا نہیں؟'' وہ غرائے۔

''ابھی........آج ہی........''

''تو نمبر ملا کر دو مجھے اپنی اس دوست کا۔'' وہ اتنی زور سے گرجے کہ پورا عالم ولا گونج اٹھا۔

''اس........اس کا فون خراب ہے۔''

محمود عالم اسے یوں دیکھنے لگے جیسے اسے کچا چبا جائیں گے۔

''تم کیا سمجھ رہی ہو مجھے؟'' ایک بار پھر ان کے آہنی پنجے نے اس کا کندھا دبوچا تھا۔

اس کی آنکھوں میں تکلیف اور بے بسی سے آنسو آ گئے۔

''چلو میرے ساتھ...... یہ ساری جھوٹی بکواس اپنی ماں کے سامنے کرنا، جس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تم جانے کیا گل کھلا رہی ہو...... یا وہ بھی شامل ہے تمہارے ساتھ۔'' وہ جو اسے گھسیٹتے اندر کی طرف لے جا رہے تھے، راستے میں ٹھٹک کر رکے۔

عزہ کے آنسو اب آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہہ رہے تھے۔ اس نے رحم طلب نظروں سے اپنے وجیہہ مگر سفاک باپ کی طرف دیکھا۔

✽⊙......⊙✽
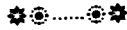
''تنزیل! بات سنو میری۔'' وہ سر جھکائے، کندھے ڈھیلے، بے آواز قدموں کے ساتھ چلتا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا جب یاسمین نے اسے کچن سے پکارا۔

''جی امی!'' وہ مڑ کر کچن میں آ گیا۔

کچن میں بلب کی پیلی مریل روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں پر پتیلیوں، برتنوں، گلاس اسٹینڈ کے عجیب و غریب سائے ماحول کو کیسا پُراسرار سا بنا رہے تھے۔ کبھی اسے اور تانیہ کو بلب کی روشنی سے کیسی چڑ ہوا کرتی تھی۔

''کیا ٹیوب لائٹ خراب ہو گئی ہے؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا۔

''بہت دن ہو گئے اب تو........تانیہ کے جانے کے بعد........'' انہوں نے روانی سے بولتے، بے ساختہ اپنی زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

''میں لے آؤں جا کر؟'' وہ یک دم مڑنے لگا۔

''اچھا، لے آنا۔ پہلے میری بات سنو۔'' انہوں نے اسے یوں جاتے دیکھا تو جلدی سے بول پڑیں۔

وہ رک کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"تم آج کل کدھر ہوتے ہو؟"

"کہیں نہیں۔ ادھر ہی۔" وہ ہلکے سے کندھے اچکا کر بولا۔

یاسمین اسے تاسف سے دیکھنے لگیں۔

"تمھیں اس گھر کی کچھ خبر ہے؟" وہ اس کے یوں رک کر بات سننے کو ہی غنیمت سمجھتے ہوئے مزید جرح کو فی الحال ملتوی کرتے ہوئے بولیں۔

"کیا ہوا ہے گھر کو؟" وہ بے زار سا بولا۔ "ابھی کل تو سارا سامان......"

"ہاں، کل تم نے سارا سامان ڈلوایا ہے، کچن بھر دیا ہے۔ اور دوسری ضروریات بھی، جیسے تمہارے ابو کی دوائیں، وہ بھی لے آئے ہو۔ ابھی بلوں کی ادائیگی باقی ہے اور ربیعہ، سنیعہ کے کالج کی فیسیں۔"

"سنیعہ کے کالج کی فیس...... وہ تو اسکول میں......" اسے متعجب سا دیکھ کر یاسمین کو پھر اس کی بے خبری پر افسوس ہوا۔

"وہ بھی کالج جانے لگی ہے۔ دو دن ہوئے ابھی اس کے واجبات تیں نے ساتھ والی ممتاز بہن سے اُدھار لے کر جمع کروائے تھے، اور......"

"امی! آپ کو مجھ سے جو بھی اور جتنی رقم ان کاموں کے لئے چاہئے ہو، بتا دیجئے گا۔ صبح جاتے ہوئے دے جاؤں گا۔ اب میں جاؤں؟" اسے لگا کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل سی ہونے کو ہیں۔

"تنزیل! رکو۔" یاسمین نے اسے مڑتے دیکھ کر تحکم سے کہا۔

"اب کیا ہے؟"

"یہ سارے پیسے، رقم کہاں سے آئی تمہارے پاس؟" وہ اس سوال کی طرف آئیں جس نے دن بھر ان کا قرار لوٹے رکھا تھا۔ کل شام جس طرح تنزیل نے سامان سے گھر بھرا تھا، وہ تو حیران پریشان سی بستر پہ لیٹی بھی نہ رہ سکیں۔ صبح ہی بستر چھوڑ دیا اور بازپرس تو اس سے صبح ہی کرلیتیں مگر وہ ان کے اُٹھنے سے پہلے ناشتہ کئے بغیر گھر سے جا چکا تھا۔

"ایک دوست سے ادھار لئے ہیں۔" وہ نظریں چُرا کر لہجے کو بے نیاز سا بناتے ہوئے بولا۔

"ایسا کون سا دوست ہے تمہارا، جو اتنا دیالو ہے اور جس سے میں بے خبر ہوں؟" وہ طنز سے بولیں۔

"آپ نہیں جانتیں......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"نیا دوست بنا ہے کوئی؟" وہ کریدنے والے انداز میں بولیں۔

"یہی سمجھ لیں۔" اس کا انداز صریحاً ٹالنے والا تھا۔

یاسمین دکھ سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟" وہ جھلا کر بولا۔

"دیکھ رہی ہوں، اب قدرت کون سا نیا صدمہ میری تقدیر میں درج کرنے کا اہتمام کر رہی ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ ناگواری سے بولا۔

"تنزیل! مجھ میں اور ہمت نہیں ہے دکھ جھیلنے کی۔" وہ بے حد تھکے تھکے انداز میں بولیں۔

"امی! ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ محض انہیں تسلی دینے کو بولا۔

"ایسا ہی ہے تنزیل! سب سے قوی گواہی دل کی ہوتی ہے۔ ثانیہ کے معاملے میں بھی میرے دل نے پل بھر کے لئے کوئی مثبت گواہی، کوئی خوشگوار دلیل نہیں دی تھی، پھر بھی...... پھر بھی میں نے...... میرا اللہ جانتا ہے، کس مجبوری میں...... خیر...... اور تمہارے معاملے میں......" وہ رکیں، ایک گہرا سانس لیا۔

"میرے لئے ازحد خوشی کا مقام تھا کہ بیٹے نے کل سامان سے گھر بھر دیا۔ مگر تمہیں پتہ ہے، اس بھرے گھر نے مجھے تمام رات سونے نہیں دیا۔ جن پیسوں سے تم یہ سب کچھ لے کر آئے ہو، وہ "اچھے" پیسے نہیں تھے۔ یہ میرے دل کی گواہی ہے۔" وہ رکیں۔ "اور صبح سے سوچ رہی ہوں، جو لوگ ناجائز پیسوں سے اپنا گھر بھرتے ہیں، خوب صورت ملبوسات پہنتے ہیں، وہ کپڑے ان کے دلوں کو کاٹتے نہیں۔ اور وہ سامان...... وہ سامان کیسے انہیں چین سے رہنے دیتا ہے؟ میں غمگین تھی، بے حد دُکھی بھی...... مگر خدا کی قسم تنزیل! ایسی بے چین نہیں تھی، جیسی کل شام سے ہوں۔ بتاؤ یہ پیسے کہاں سے لائے ہو؟" وہ ہراساں چہرہ لئے عین اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں اور تنزیل تو ان کی باتیں سن کر ہی خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔

انہیں یہ سب کیسے پتہ چل گیا تھا کہ یہ پیسے......

"امی! خدا کی قسم، ایک دوست سے پیسے ادھار لئے ہیں۔ اس نے مجھ سے جاب کا بھی وعدہ کیا ہے۔ جیسے ہی جاب لگتی ہے،

آہستہ آہستہ اسے لوٹا دوں گا۔'' وہ گڑبڑا کر بولتا چلا گیا۔

''پھر وہ تمہارا دوست جس نے اس فراخ دلی سے تمہیں اتنا بڑا قرض دے ڈالا ہے، اس کے پاس بھی یہ پیسہ کسی جائز ذریعے نہیں آیا ہوگا۔ کیسا دوست ہے تمہارا، یقیناً ایسے پیسے کمانے اور ادھار دینے والا وہ دوست ''اچھا'' نہیں ہو سکتا۔ ہے نا؟''

اور تنزیل اسے یوں یک ٹک دیکھ رہا تھا، گویا ان کی وحشت زدہ آنکھوں سے عائشہ بخاری کو جھانکتے ہوئے دیکھ رہا ہو۔ چند لمحے اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

''چھوڑو اس کی دوستی....... اور اس کے پیسے بھی لوٹا دو، تنزیل! یہ ادھار....... یہ پیسہ ہماری زندگی کے بچے کھچے اسباب کو لے جائے گا۔ سب کچھ تباہ کر ڈالے گا۔ مان لو....... میری بات مان لو۔'' یاسمین کو ایسی حالت میں تنزیل نے پہلی بار دیکھا تھا وہ جیسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''سنا نہیں تم نے، کیا کہہ رہی ہوں میں۔'' وہ اس کے کندھے جھنجوڑ کر بولیں۔

''ہوں....... اچھا....... کر دوں گا۔ کھانے کو کچھ ہے؟ بھوک لگی ہے مجھے۔'' وہ غائب دماغی سے بولا۔

''تم منہ ہاتھ دھولو، لاتی ہوں میں۔'' وہ افسردگی سے بولیں، جیسے اپنی بات کے رائیگاں جانے کا انہیں یقین ہو گیا ہو۔ ''لا سنو....... سب سے ضروری بات۔'' انہوں نے پھر سے روکا۔

''اب کیا ہے؟'' وہ جیسے سخت بے مزا ہوا۔

''ابھی کھانا کھا کر....... یا صبح پہلی فرصت میں....... تمہاری منت کرتی ہوں۔'' وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ ''کسی طرح جا کر اپنی دادی کو لے آؤ۔ وہ مجھ سے کبھی نہیں مانیں گی، ورنہ میں خود جا کر لے آتی....... پھر سارہ....... میں ابھی کسی کا سامنا نہیں کر سکتی۔ بس میں ہوتا تو تمہارے باپ کی طرح منہ چھپا کر دنیا سے کنارا کر لیتی۔ تم تینوں کی وجہ سے یہ بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے چولہے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

تنزیل گہرا سانس لے کر باہر نکل گیا۔

❁

"یہ ڈرامہ کب سے چل رہا ہے؟" محمود عالم نے انتہائی غصے کے عالم میں کسی جاہل باپ کی طرح اسے بیڈروم میں داخل ہو کر صوفے میں دھنسی سارہ عالم کے سامنے یوں زور سے دھکیلا جیسے وہ کوئی بے جان چیز ہو۔

وہ گرتی، سنبھلتی، لڑھکتی، خود کو بمشکل گرنے سے بچا سکی تھی اور سارہ کے پاس ذرا فاصلے پر مجرموں کی طرح سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ ماں کے پاس کھڑے ہو کر اس کے دل کو عجیب سی تقویت ملی تھی، چند لمحے پہلے جو خوف اور دہشت کی حالت تھی، اس میں قدرے افاقہ سا ہو گیا تھا۔ اگرچہ جواب دہی کی تلوار تو ابھی بھی سر پر لٹکی تھی۔

"کیا مطلب؟...... کون سا ڈرامہ؟" سارہ نے ہاتھ میں پکڑا فیشن میگزین یونہی ذرا سا پرے کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ اس وقت اکیلی گاڑی میں کہاں سے آ رہی ہے...... تمہاری اجازت سے؟ بولو......" وہ دھاڑے۔

سارہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹھکیں اور پھر پُرسکون سی ہو کر سر جھکا کر کھڑی عزہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

"کیوں، اس سے نہیں پوچھا آپ نے، یہ کہاں سے آ رہی ہے اس وقت؟" سارہ نے اُلٹا نپے تلے انداز میں پوچھا۔

"جھوٹ پر جھوٹ بکے جا رہی ہے۔ پوچھو اس سے...... کون سی دوست ہے اس کی، جس کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کرنے جاتی ہے اور پھر......" طیش کے مارے ان کا سانس پھولنے لگا تھا۔

"دوست کا نمبر ملانے کو کہا تو کہنے لگی، اس کا فون خراب ہے۔ پھر نیا بہانہ...... نانی کی دوا لینے گئی تھی۔ یہ پرانی فلموں کے دقیانوسی شاٹس میرے گھر میں کیونکر ری شوٹ ہونے لگے ہیں؟ پوچھو اپنی ماں سے...... اس نے بھیجا تھا، ملازموں کی فوج ہوتے ہوئے اسے دوا لینے؟" تیز تیز بولتے انہوں نے سائیڈ پر پڑی تپائی کو اتنی زور سے ٹھوکر ماری کہ وہ لڑھکتی ہوئی عزہ کے پیروں میں آ گری تھی۔ گویا وہ تپائی اٹھا کر اس کے سر پر دے مارنا چاہتے تھے۔

"آرام سے محمود عالم! کوئی قیامت نہیں آئی۔ ابھی تو رات اُتری ہے، کون سا ڈھل رہی ہے، جو تم یوں چلا رہے ہو، جیسے خدانخواستہ یہ رات باہر گزار کر آئی ہو اور......"

"جو اس وقت تک باہر اکیلے رہنے کا حوصلہ کر سکتی ہو، امید رکھو جلد ہی راتیں بھی باہر گزارنے لگے گی، جس لڑکی کی ماں ایسی بے خبر ہو، وہ جلد ہی کوئی بھی گل کھلا سکتی ہے۔" وہ اجنبیت کی آخری حد پر کھڑے تھے۔

"تمہیں بڑا تجربہ ہے اس "گل" کھلنے کا۔" سارہ نے عجیب سے لہجے میں طنز کیا تھا۔ اور محمود عالم کے چہرے کا رنگ یوں بدلا جیسے کسی نے بھڑکتے الاؤ پر برفیلا پانی ڈال دیا ہو۔ "وہ کیا کہتے ہیں، دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔" وہ ان کے چہرے کے پل بھر میں بدلتے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے بڑے جتانے والے انداز میں بولیں۔ "اور سنو، میری ماں کو ضرورت نہیں تمہارے گھر میں پرانی فلموں کے دقیانوسی شاٹس شوٹ کروانے کا۔ یاد کرو تو یہ شوق بھی تمہیں ہی ہے۔ اگر تمہیں یاد ہو ذرا......" سارہ کے انداز سراسر آگ لگا دینے والے تھے۔

بہت دنوں بعد تو محمود عالم کے زخموں کو بھنبھوڑنے کا اتنا شاندار موقع ہاتھ آیا تھا، بھلے عزہ کی درگت کے طفیل سہی۔

"شٹ اپ...... بے ہودہ عورت!...... آئی ول کل یُو...... بتاؤ، یہ اس وقت کہاں سے آ رہی ہے، ورنہ......" چہرے کے ادھر ادھر لیے تاثرات یکدم اسی ابال، اسی طیش میں پھر سے ڈھل گئے۔

"بتا تو رہی ہے، دوست کی طرف سے کمبائن اسٹڈی کر کے آ رہی ہے، دیٹس آل۔" عزہ کو سارہ کے اطمینان بلکہ کمال اطمینان پر حد سے زیادہ حیرت ہو رہی تھی۔ وہ اپنی کم بختی ان دونوں کے جھگڑے کے دوران یکسر فراموش کر چکی تھی۔

"ملاؤ اس کی دوست کا نمبر اور بات کراؤ میری اس سے۔" محمود عالم نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا اور عزہ کے سامنے کارڈلیس کر دیا۔ عزہ نے گھبرا کر ماں کو دیکھا۔

"ملاؤ نمبر سعدیہ کا، عزہ! اور میری بات کراؤ...... تمہارے اتنے غیرت مند باپ کی "تسلی" بھی تو کروانی ہے۔" سارہ بڑے پُرسکون انداز میں آگے پڑے فیشن میگزین کا صفحہ اُلٹتے ہوئے بولیں تو عزہ نے کانپتے ہاتھوں سے کارڈلیس سے کر ایک لمحہ سوچنے

میں لگایا اور سعدیہ کا سیل نمبر ملا کر سارہ کو فون دے دیا۔
"ہاں سعدیہ بیٹی! کیسی ہو؟ میں ہوں...... عزہ کی ماما، سارہ عالم۔"
"ہاں، ہاں...... خیریت ہے بھئی۔ وہ اصل میں کچھ پرابلم ہو گئی، تمہارے انکل اس بات کو مان ہی نہیں رہے کہ عزہ تمہاری طرف کمبائن اسٹڈی کے لئے آج کل جا رہی ہے۔ پلیز! تم ان سے ذرا بات کر کے بتا دو کہ وہ آجکل شام کو تمہاری طرف رہی ہے۔ تھینکس بیٹا!" سارہ، سعدیہ سے یوں باتیں کر رہی تھیں، جیسے اس سے روزانہ اسی بے تکلفی سے بات کرتی رہی ہوں۔ بڑے اطمینان سے فون محمود عالم کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے فون بے دلی سے لیا تھا۔ اور سعدیہ نے دوسری طرف سے جو کہا انہوں نے بے دھیان سے انداز میں سنا تھا۔
ان کی نگاہیں تمام تر شدتوں کے ساتھ عزہ پر ٹکی ہوئی تھیں، جس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جگمگانے لگے تھے۔
"او کے، ٹھیک ہے۔ تھینکس۔" کہہ کر انہوں نے فون آف کر کے صوفے پر اچھال دیا۔
"تمہارا کیا خیال ہے سارہ بیگم! تم یہ سارا جھوٹ کا کھیل رچا کر مجھے بے وقوف بنا لوگی، تو یہ تمہاری بھول ہے۔" وہ سارہ عالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں بولے۔ "اور جو کھیل تم محض مجھے نیچا دکھانے کے لئے کھیلنا چاہ رہی ہو، اس میں مجھے تو شاید تم ہرا ڈالو...... مگر یہ ہار ساری تمہارے حصے میں بھی آئے گی۔ جتنا نقصان میرا ہوگا، اس سے کہیں زیادہ کہ گمان بھی نہ کر سکو۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کرنے والے انداز میں کہا اور ایک جھٹکے سے مڑ گئے۔
"اور تم...... بات سنو میری کان کھول کر...... آج کے بعد کالج ٹائمنگ کے علاوہ اگر میں نے تمہیں باہر سے آتے دیکھ لیا تو تم سوچ نہیں سکتیں کہ میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں...... تم اب کسی گاڑی کو ہاتھ نہیں لگا سکتیں۔ ڈرائیور تمہیں ڈراپ کرے گا، وہی تمہیں پک کرے گا۔ انڈر اسٹینڈ؟...... سونے کا وہ ہار، سارہ بیگم! جو گلے کی سجاوٹ بننے کے بجائے آپ کا گلا گھونٹنے لگے تو اسے توڑ کر گلے سے علیحدہ کر دینا میں زیادہ بہتر سمجھوں گا۔ یاد رکھنا۔" وہ بہت کچھ جتانے والے انداز میں کہہ کر باہر نکل گئے اور عزہ یوں دھڑام سے صوفے پر گری جیسے اس کے جسم سے جان ہی ختم ہو گئی ہو۔
سارہ اسے جانچتی نظروں سے بغور دیکھ رہی تھیں۔
"اے ہے، سارہ! یہ محمود عالم کو رات کے اس پہر کون سا بھوت سر چڑھا تھا بھلا، جو یوں باؤلوں کی طرح چلا رہا تھا۔"
غیر متوقع طور پر ثریا بانو کی انٹری ہوئی تھی۔
اور سارہ جو عزہ کی "انکوائری" کا آغاز کرنے والی تھیں، ایک دم سے الرٹ سی ہو کر بیٹھ گئیں۔
ثریا بانو کی جہاندیدہ نظریں سارہ سے ہوتی ہوئیں عزہ پر آ کر رکی تھیں۔ اور لمحہ بھر میں انہوں نے بہت کچھ "جان" لیا تھا۔
"کچھ نہیں اماں جان! عادت سے مجبور ہیں۔ اور آپ کیا ابھی تک سوئیں نہیں؟ دو گھنٹے پہلے تو آپ سونے کے لئے گئی تھیں۔" سارہ عالم کے ماتھے پر جو شکنیں تھیں، سو تھیں۔ ان کا لہجہ اتنا ہتک آمیز تھا کہ ثریا بانو ٹھٹک سی گئیں۔
"آں ہاں، سو ہی رہی تھی کہ...... یوں بھی یہ عالی میاں جس طرح سے چلا چلا کر بول رہے تھے، جانو مردے بھی قبر سے سوتے میں اٹھ کر نکل آتے۔ میں تو پھر جیتی جاگتی بڑھیا ہوں۔" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولیں۔
"تو سو جائیں پھر جا کر۔ خوامخواہ آپ کی نیند خراب ہو گئی تو پھر نیند کی گولیاں ڈھونڈتی سارے گھر میں چکراتی پھریں گی اور دوسروں کی نیند حرام کرتی۔" سارہ نے بے زاری سے کہا اور میگزین پٹخ کر ڈریسنگ روم میں چلی گئیں۔
عزہ آہستگی سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔
ثریا بانو خجل سی ہو کر لمحہ بھر یوں کھڑی رہیں، پھر من من کے بھاری قدم اٹھاتی باہر نکل گئیں۔
سارہ عالم، شب خوابی کا لباس پہن کر نکلیں اور مرر کے سامنے بیٹھ کر جیولری اتارتے ہوئے بڑبڑانے لگیں۔
'مفت کا عذاب گلے پڑ گیا ہے۔ اماں یوں تو بالکل سٹھیائی ہوئی ہیں۔ ہر طرح سے "فارغ" ہوئی لگتی ہیں اور ایسے میں یوں الرٹ ہو جاتی ہیں، جیسے سارے حواس صحیح کام کر رہے ہوں۔ سارا دن جاسوسوں کی طرح گھر میں پھرتی ہیں، جیسے ... ہے۔ خوامخواہ مصیبت ہے...... اب چاہے من کو مارنا پڑے یا خود پر جبر کرنا پڑے، یاسمین کو فون کرتی ہوں، آ کر لے جائے ان کو...... یہ یاسمین جیسی گھُنی کو "وارا" کھاتی ہیں، مجھے نہیں۔'
وہ ثریا بانو پر آئے غصے کے باعث محمود عالم اور عزہ والے معاملے کو بالکل بھول چکی تھیں، صرف ماں کو ادھر سے ہٹانے کی ترکیبیں سوچ رہی تھیں۔

✿✿......✿✿
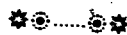
"تم ربیعہ ہو نا...... تانیہ مراد کی بہن؟" اسپیکر سے ایک اجنبی آواز تھوڑا ڈولتی ڈولتی ابھری تھی۔

تانیہ کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ انداز سراپا سماعت تھا۔

جہانگیر بھوانی نے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا اور اس کے لبوں پر بڑی گہری مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

"جی، میں ربیعہ ہوں۔ آپ کون؟" وہ آواز......وہ آواز بلاشک وشبہ ربیعہ کی تھی۔ اس کی بہن، اس کی ماں جائی......اتنے دنوں بعد، اتنے سارے کرب ناک دنوں کے بعد اس کے کانوں نے یہ آواز سنی تھی۔

"مجھے تم تانیہ کی دوست سمجھ لو۔ ہم راز و غمگسار اور......اب تمہاری بھی دوست......اگر تم چاہو تو۔" اجنبی نسوانی آواز میں لگاوٹ تھی۔ تانیہ کا جی چاہا، ابھی چیخ کر ربیعہ کو منع کر دے، ان سانپوں کی دوستی کے دام میں کبھی نہ پھنسے۔

"تھینکس......میں یونہی ہر کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا کرتی۔" ربیعہ یقیناً اس سے زیادہ عقل مند تھی یا بہن کے ساتھ ہو جانے والی واردات نے اسے "ہوشیار" کر دیا تھا، وہ اچھی خاصی رکھائی سے بولی۔

"کیا کام ہے آپ کو مجھ سے؟" اب کے لہجہ اور بھی روکھا تھا۔

"تانیہ مراد تم سے ملنا چاہتی ہے۔" وہ لڑکی اب کے ذرا ٹھٹکے ہوئے، محتاط انداز میں بولی تھی۔

"مگر میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ ایکسکیوزمی۔"

"پلیز ربیعہ! رکو......تانیہ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وہ پاکستان آئی ہوئی ہے اور......ایک ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو گئی ہے۔ خود تم سے ملنے کے لئے آنا چاہتی تھی، مگر اس کی حالت......وہ بہت زیادہ ہرٹ ہے، جسمانی اور ذہنی طور پر......بہت یاد، تمہیں، اپنے گھر کو مس کر رہی ہے۔ وہ تمہیں اور سعیعہ کو رابطہ بنا کر اپنے والدین سے معافی مانگنا چاہتی ہے۔ پلیز کچھ تھوڑی سی گنجائش......وہ تمہاری بڑی بہن ہے، تھوڑا دل کو نرم کرو تو......" اس اجنبی آواز میں کیسی دل سوزی اور لچک تھی کہ پل بھر کو تانیہ کو بھی اس کی گھڑی ہوئی کہانی پر سچ کا شبہ ہونے لگا۔

"سوری......انہوں نے دل نرم کیا تھا، یہی سوچ کر کہ ہم ان کی چھوٹی بہنیں ہیں؟" ربیعہ بے لچک انداز میں کہہ رہی تھی۔

"یہ ربیعہ ہے؟ اتنی بڑی، اتنی سمجھ دار......وہ تو اسے معصوم، بے زبان چھوڑ کر آئی تھی، چند ہی ہفتوں میں......ٹھیک ہے وہ حق بجانب ہے۔" تانیہ کا دل گہرے دکھ سے بھر گیا۔

"ہو سکتا ہے، اس کے دل میں تم لوگوں کے لئے کتنی محبت ہو اور اس نے یہ انتہائی قدم تمہاری اور گھر کی بہتری کے لئے اٹھایا ہو۔ ذرا سوچو، اس نے اپنی قربانی دے ڈالی ہے۔ میں زیادہ نہیں جانتی، مگر جتنا تھوڑا بہت اس نے مجھے بتایا ہے، اگر تم ایک بار اس سے مل لو تو شاید سب معاملے کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکو۔" وہ کیسے دلنشیں انداز میں اسے شیشے میں اتار رہی تھی۔ ربیعہ شاید کشمکش میں مبتلا ہو گئی تھی، جو فوراً کچھ بولی نہیں تھی۔

"وہ کہاں ہیں؟" وہ خاصی دیر بعد بولی۔

"ادھر قریب ہی پرائیویٹ کلینک میں۔ کل تک شاید انہیں ڈسچارج کر دیا جائے یا آج شام کو ہی۔"

"میری ان سے بات ہو سکتی ہے؟" ربیعہ نے ذرا توقف کے بعد کیسا عقل مندی والا سوال پوچھا تھا۔

تانیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں، بہن کے محتاط طرز عمل پر۔

"ہو تو سکتی ہے۔ مگر وہ اس وقت بات کرنے کے قابل نہیں، ہاں گھنٹے تک وہ جاگ جائیں گی۔ اصل میں ان کے زخموں میں بہت تکلیف تھی۔ میں نکلنے لگی تو انہیں نیند کا انجکشن لگایا گیا تھا کہ ان کی تکلیف کچھ کم ہو سکے اور سچی بات ہے پہلے میرا ارادہ تم لوگوں کو ان کے سلسلے میں ادھر آنے کا نہیں تھا، مگر ان کی تکلیف، التجا بھرے آنسو......میرا دل پسیج آیا۔ میں تو غیر ہوں، تم سگی بہن ہو، انہیں ایک نظر دیکھو گی تو......آگے تمہاری مرضی ہے۔"

دوسری طرف پھر خاموشی تھی۔

"پھر چلیں! میں تمہیں آدھے پون گھنٹے میں دوبارہ کالج ہی ڈراپ کر جاؤں گی۔ کلینک زیادہ دور نہیں۔" اس کی خاموشی کو وہ نیم رضامندی سمجھی تھی، اسی لئے بولی۔

"میں سعیعہ کے بغیر نہیں جاؤں گی۔ وہ کلاس لے رہی ہے۔" ربیعہ متذبذب سے انداز میں بولی۔

"تو سعیعہ مان جائے گی؟"

ربیعہ پھر چپ ہو گئی۔

"ربیعہ! تم بڑی ہو، سمجھ دار ہو، اس کی کسی کلاس فیلو کو بتا جاؤ، ورنہ میں تمہیں ذرا دیر میں چھوڑ ہی جاؤں گی۔ تم سعیعہ کو رہنے دو۔"

"نہیں، سوری! میں سعیعہ کے بغیر نہیں جاؤں گی۔ آپ یہاں ویٹ کریں، میں دس منٹ تک اسے لے کر آتی ہوں۔"

"دیکھو، میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔ میں دس منٹ سے زیادہ رک نہیں سکوں گی۔ اور یاد رکھنا۔" وہ رکی۔ "یوں سمجھو، اپنی

بہن سے ملنے کا یہ تمہارا آخری موقع ہے۔ پھر شاید میں بھی ایسی ہمدردی نہ کر سکوں۔ آگے تمہاری مرضی۔"

"میں سعیعہ کو لے کر آتی ہوں۔" ربیعہ کہہ کر شاید وہاں سے چلی گئی تھی۔

جہانگیر ہمدانی نے اسپیکر اور سیل دونوں آف کر دیئے۔

"ہوں، کیا خیال ہے پھر؟ تم تو اڑیل ٹٹو کی طرح خوب نخرے دکھا رہی ہو۔ اور تم جانو، آج کل زمانہ جس اسپیڈ سے جا رہا ہے، اتنے نخرے اٹھانے کا ٹائم کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ میں اپنے دس کام ادھورے چھوڑ کر تمہارے نخرے اُٹھانے آیا ہوں۔ مگر اب ایک دن مزید بھی ضائع نہیں کر سکتا۔ بہت ہو گیا۔ اگر تم مجھے پوزیٹو جواب دیتی ہو تو میں پنکی کو منع کر دیتا ہوں۔ معصوم بہنوں کو اپنی معصوم، نوخیز جوانی کے ساتھ اپنے بے چارے بوڑھے ماں باپ کے پاس رہنے دو، ورنہ......" اس نے جیب سے سگار کیس نکالا اور صوفے پر ایک طرف رکھ دیا۔

"یہ سب کیا ہے؟" تانیہ ابھی بھی وہ نہیں سمجھنا چاہتی تھی، جو اس فون پر ہونے والی گفتگو کا مطلب تھا۔

"ابھی بھی نہیں سمجھیں تو تمہارے بھولپن پر میرا سارا بزنس قربان......کم از کم ڈرامہ نہیں تھا۔ بہن کی آواز کو پہچانتی ہو جان؟"

وہ گم صم سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تمہارے پاس آٹھ منٹ ہیں سوچنے کے لئے، تا کہ میں نویں منٹ پنکی کو فون کر دوں، وہاں سے نو دو گیارہ ہو جائے۔ اگر میں نے نویں منٹ اسے کال نہ کی تو پھر......ایک کی جگہ دو کا پیکیج ہمیں کیا برا لگے گا اور پروڈکٹ کو اپنے سانچے میں کیا ڈھالنا ہے، ہم سے بہتر کوئی نہیں جانتا، او کے! ناؤ اسٹارٹ ٹو تھنک۔ یو ہیو ایٹ منٹس اونلی۔" وہ چٹکی بجا کر کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

'یہ اس بدمعاش کی چال بھی ہو سکتی ہے۔ ربیعہ کی آواز......آج کل جعلسازی کے زمانے میں کیا ممکن نہیں۔ میں اس کے دھوکے میں نہیں آؤں گی۔'

"میں سعیعہ کو لے کر آتی ہوں دس منٹ میں۔" اس کے کانوں میں ربیعہ کی آواز گونجی۔

"تمہارے پاس سوچنے کے لئے نو منٹ ہیں۔" اس نے ہراساں نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا، جدھر سے ہمدانی باہر گیا تھا۔

"اور یہ نو منٹ صرف اور صرف پوزیٹو آنسر کے لئے ہیں۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں اس دلدل کے کنارے کھڑی ہوں، ایک قدم اٹھاؤں گی تو دلدل کے اندر......صرف ایک قدم آگے کی طرف دھرنے پر ہمیشگی کے لئے میں اس دلدل میں اُتر جاؤں گی۔ قدم پیچھے ہٹانے پر......ایک قدم پیچھے......بہت سے آپشنز ہو سکتے ہیں۔ اور میں ایک قدم پیچھے ہٹا کر دیکھوں گی۔'

وہ پُرعزم انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ لمحہ بھر سوچتی رہی اور پھر اطمینان سے دوبارہ بیٹھ گئی۔ اب اسے اگلے چند منٹ کچھ نہیں سوچنا تھا۔ نہ مثبت، نہ منفی۔

✲⊙......⊙✲
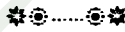
"میرا کام زیادہ تر کلینک میں ہی ہوتا تھا۔ گھر میں تو بیگم صاحبہ کے ساتھ بہت کم جایا کرتی تھی۔ مگر جب بھی گئی۔" رحیمہ بولتے ہوئے ذرا سا رکی۔ "آپ کی دادی جان کا سلوک آپ کی امی کے ساتھ بہت برا ہوتا تھا، صرف بچہ نہ ہونے سے۔ بے چاری بیگم صاحبہ دل کی اتنی اچھی، اتنی نرم اور مہربان تھیں کہ میرے خیال میں تو ان سے کوئی بھی ناراض نہیں رہ سکتا تھا۔ آپ کی دادی صاحبہ کی ناراضی کی جو وجہ تھی، اسے دور کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحبہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں، خود ڈاکٹر ہونے کے باوجود اور......"

"اچھا مائی رحیمہ! آگے تو بتائیں۔" دائم نے بے چین ہو کر کہا۔ اسے مائی رحیمہ کا گھر ڈھونڈنے میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر خاصی حیران بھی ہوئی تھیں۔

وہ اس کے سامنے سچ بولے اور سب کچھ بول دے، صرف اسی مقصد کے لئے وہ آتے ہوئے بے شمار پھل، مٹھائی اور خورونوش کا سامان لے کر آیا تھا۔ اس نے پیسوں کی پیشکش بھی کی تھی، جس پر مائی رحیمہ ناراض ہونے لگی تھی۔ پھر وہ اس کے ماضی کے ان دنوں کو یاد کرنے لگی، جن کی بازگشت نے دائم سے حال کا چین سکون چھین لیا تھا۔

"میں بتا رہی ہوں نا کہ آگے چل کر اس قصے میں ڈاکٹر صاحبہ نے جو کچھ کیا، کس مجبوری کے عالم میں، تم جانو کیا ہوا......" وہ رکی۔ اسے شاید دمے کی تکلیف تھی۔ ذرا ذرا دیر بعد گہری گہری سانس لینے لگتی۔

دائم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"ان ہی دنوں کی کوٹھی میں کسی امیر آدمی کی طرف سے کسی مریضہ کو دیکھنے کے لئے ڈاکٹر صاحبہ کو بلوایا گیا۔ میں بھی ساتھ گئی۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحبہ گھروں میں پیشنٹ دیکھنے نہیں جایا کرتی تھیں، مگر اس روز نہ جانے وہ کس تعلق کی وجہ سے آئی تھیں۔ خیر!" وہ پھر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"کوٹھی میں دو چار ملازموں کے ساتھ بڑی خوبرو اور کمسن لڑکی تھی، جو ماں بننے والی تھی۔ حالت البتہ اس کی اتنی اچھی نہیں تھی۔ بے چاری لڑکی حد سے زیادہ ڈری سہمی اور خوف زدہ تھی۔ میں نے اور ڈاکٹر صاحبہ نے اندازہ لگا لیا کہ کیس ناجائز بچے کی پیدائش کا ہے۔ لڑکی نے ڈاکٹر صاحبہ کے سوالوں میں سے کسی کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔ بس ہراساں سی نظروں سے تکتی رہی تھی۔ اس چیک اپ کے بعد ڈاکٹر صاحبہ کا ارادہ نہیں تھا، اسے چیک کرنے کے لئے جانے کا۔ مگر پھر وہ پندرہ دن بعد مجھے لے کر چل دیں۔ کیس تھوڑا پیچیدہ تھا، ڈاکٹر صاحبہ نے......" دائم نے بے چینی سے پھر پہلو بدلا۔

"مائی رحیمہ! مجھے ذرا جلدی بھی ہے۔ اگر آپ مہربانی فرما کر تھوڑا مختصر کر دیں اس کو تو۔" وہ بول ہی اٹھا۔

"ہاں، آ رہی ہوں اسی طرف۔" وہ ہاتھ اٹھا کر، منہ اٹھائے فضا میں گہرا سانس لے کر بولی۔ "آپ کی دادی کا حج کا پروگرام بن گیا تھا یا شاید عمرے کا، مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ انہیں مکہ شریف گئے کافی دن ہو گئے تھے، جب اس کیس کی طرف سے کال آئی کہ لڑکی کی حالت سیریس ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ مجھے اور ضروری سامان کے ساتھ اپنی گاڑی میں کوٹھی پہنچیں تو وہاں پہلے کی طرح دو ایک ملازموں اور ایک تکلیف سے بے حال ہوتی اس لڑکی کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

سچی بات کہوں، ایسی دکھیاری، قسمت کے ماری میں نے تو آج تک نہیں دیکھی۔ ہمارے معاشرے میں تو کوئی ظالم قصائی بھی ہو تو بھی ایسے حال میں بیوی، بیٹی، بہو جو بھی رشتہ ہو...... بھلے نہ بھی ہو، اس کا خیال رکھتا ہے، بہترین سلوک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پر وہ تو تھوڑی جیسے بھری دنیا میں تنہا تھی۔ میرا تو مانو دل ہی کٹ گیا اسے یوں دیکھ کر۔" وہ پھر پٹڑی سے اُتر چکی تھیں۔

"پھر......؟" دائم تیزی سے بولا۔

"پھر کیا...... سمجھو، اس کی زندگی تھی باقی جو اس رات وہ بچ گئی۔" وہ سرد سی آہ بھر کر بولی۔

"ہوں...... پھر؟" دائم کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔

"دو بچے ہوئے اس کے جڑواں۔ لڑکا، لڑکی۔" وہ پھر سر اٹھا کر منہ اوپر کیے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

دائم بے صبری سے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

"پہلے لڑکا ہوا اور پھر تھوڑی دیر بعد لڑکی...... کیس چونکہ پیچیدہ تھا، لڑکی بے ہوش ہو گئی تھی، اور اسی دوران ایک عجیب بات ہو گئی۔" رحیمہ مائی کی سلیٹی چندی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"بیگم صاحب نے دو ایک چیزوں کے بہانے ملازموں کو اِدھر اُدھر بھیج دیا اور مجھے...... مجھے وہ بچہ دے کر گاڑی میں جا کر بیٹھنے کو کہا۔ پہلے تو میں بڑی حیران ہوئی، ایک نظر اس بے چاری بے ہوش لڑکی کو دیکھا، جو مرنے کے قریب تھی اور دوسری نظر ڈاکٹر صاحبہ کو...... اور مجھے ان کا مطلب سمجھ میں آ گیا۔ میں نے بچے کو احتیاط سے کپڑوں میں لپیٹا، کمبل میں چھپایا اور باہر جا کر چپکے سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ باہر گہری تاریک رات تھی اور مجھے اس سرد رات میں خوف سے پسینے آنے لگے تھے۔ اگر جو کوئی آ جائے...... پتہ چل جائے...... شاید پہلی بار چوری کرنے والے کی ایسی ہی حالت ہوتی ہے، جو میری ہو رہی تھی۔" مائی رحیمہ یوں خلا میں دیکھ رہی تھی، جیسے اس کے سامنے اس رات کا منظر ری وائنڈ ہو رہا ہو۔

دائم کا سر بے اختیار شرمندگی سے جھک گیا۔

ایک اَن پڑھ، جاہل دائی جس عمل کو چوری، پہلی چوری کہہ رہی تھی، وہ اس کی اتنی پڑھی لکھی، مہذب، کلچرڈ ماں نے سرانجام دی تھی۔

"شرم سے ڈوب مرو اس پر نادم بھی نہیں۔" اس نے تلخی سے سوچا۔

"خیر گزری، تھوڑی دیر میں بیگم صاحب بھی عجلت میں آ گئیں۔

"ڈاکٹر صاحبہ! اس لڑکی کو ہوش آ گیا تھا؟" میرا ہمدرد دل اس بے چاری کی طرف لگا تھا۔ حرام تھا کہ حلال، اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے والا انعام تو ہم لوٹ کر لے جا رہے تھے۔

"نہیں، ابھی نہیں آیا۔ لیکن زیادہ سیریس بات نہیں ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔ میں اس کی ملازمہ کو ہدایت کر آئی ہوں۔"

"سچی بات ہے جی، نمک کھایا ہے آپ کے گھر کا۔ اور بیگم صاحبہ جیسی نیک، مہربان عورت...... اس رات جی مجھے پہلی بار وہ ظالم لگیں کہ...... بس جی، ان کی نمک خوار تھی، کیا کہہ سکتی تھی۔ پر میرا دھیان سارا اس نامراد، بے آسرا پڑی نیم مُردہ لڑکی کی طرف رہا۔" وہ پھر سرد سی آہ بھر کر چپ ہوئی۔

دائم سے شرمساری کی وجہ سے کچھ بولا نہیں گیا۔

''ہم بچہ لے کر سیدھا گھر آ گئے۔بیگم صاحبہ بہت خوش تھیں۔''

''رحیمہ! دیکھو، کسی سے ذکر نہیں کرنا۔اور پتہ ہے، جس علاقے سے مجھے اس لڑکی کا تعلق لگتا ہے، وہاں تو بے چارے لڑکیاں پیدائش تو ان کے لئے مرگ کے برابر ہوتی ہے، ہاں لڑکی کو تحفۂ خداوندی سمجھتے ہیں۔انہوں نے اسے اِدھر اُدھر یا زیادہ سے زیادہ یتیم خانے میں ڈالنا تھا، یا بھانڈ میراثی، طبلچی یا گویا بنالینا تھا یا سیڑھیوں کے نیچے بیٹھ کر اوپر جانے والوں کو پان دینے والا زیادہ ...... میں نے اس کے اور اس کی ماں کے حق میں اچھا ہی کیا نا؟'' وہ بچے کو دیکھتے، اس کو پیار کرتے مجھے اور شاید خود کو تسلی دے رہی تھیں۔

''بھلے بندہ جب پہلی برائی کرے تو اسی طرح خجل ہو ہو کر دلیلیں گھڑتا ہے، جیسے اس رات بیگم صاحبہ گھڑ رہی تھیں۔'' دائی سے بول کر چپ ہو گئی۔

''پھر......'' دائم کو لگا، وہ کسی تاریک جنگل میں بھٹکتے ہوئے ذرا سی روشنی میں آ گیا ہو۔

''پھر جی اب جانے...... وہ رات تو میرے لئے بھی قیامت کے برابر تھی۔بیگم صاحبہ سے چھٹی لے کر گھر آ گئی تو مرنے والے کا جنازہ ریڑھے میں پڑا تھا۔مت پوچھو پھر جو میرا حال ہوا...... ہم جیسے نمانے بندوں کو تو اللہ سوہنا پہلی برائی پر ہی پکڑ لیتا ہے...... میں نے جرم کیا تھا یا نہیں، شریکِ جرم تو تھی...... میری تو اس رات پکڑ ہو گئی۔پھر تو مجھے ہفتوں ہوش نہیں آیا۔چار دس دن عدت کے گزرے، اس دوران ڈاکٹر صاحبہ کی بے وفائی کا خیال آتا تو دل گُوھ کر رہ جاتا۔انہوں نے پلٹ کر افسوس بھی نہ کیا تھا، میرے بندے کے مرنے کا...... تین نِکے نِکے جی...... کلی جان کو وخت پڑ گیا۔اب تو نوکری کی اور بھی ضرورت تھی، ہی سوا چار مہینے بعد ڈھیٹ، بے حیا بن کر پہلے کلینک گئی، وہ بند پڑا تھا، وہاں سے کوٹھی آئی تو وہاں بھی اتنا بڑا تالہ منہ چڑا رہا تھا۔ پاس سے ہمسائیوں سے پوچھا تو پتہ چلا، بیگم صاحبہ اور صاحب تو یہاں سے سب چھوڑ چھاڑ ولایت چلے گئے ہیں۔دل کو بڑا دکھ لگا...... ہم غریب لوگ اپنے مالکوں کے لئے وفادار ہوتے ہیں۔ان کے دکھ میں دکھی، ان کی خوشی میں خوش...... ان کی جان پہ بنے تو ہم اپنی جانوں کی پروا نہیں کرتے اور مالک......'' اس نے ہوکا سا بھرا۔''مالک جو ہوئے۔کیا گِلہ کر سکتے تھے؟ پر مجھے تو بڑا گِلہ تھا کہ بیگم صاحبہ نے بھی مجھے معمولی ملازمہ یا دائی نہیں سمجھا تھا۔ہمیشہ یہی احساس دلاتیں کہ میں بھی ان کے برابر کی انسان ہوں۔ دل میں ہنسی کہ بیگم صاحبہ! اچھا انسان سمجھا کہ جاتے ہوئے بندہ خدا حافظ کے دو بول ہی بول جاتیں۔پھر بھی ان کے لئے دعا کرتی لوٹ آئی اور زندگی کی چکی میں جُت گئی۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر پھر چپ کر گئی۔

''اور وہ بچہ؟'' دائم مضطرب سا بولا۔

''ظاہر ہے جی، ان کے ساتھ ہی گیا ہو گا...... میں تو ایک دن چپکے سے اس کوٹھی کے باہر بھی چکر کاٹ آئی تھی، پر وہاں تو سب کچھ بدل چکا تھا۔نہ ملازم، نہ مالک...... کوئی اور ہی لوگ تھے۔کبھی کبھی اس واقعے کو سوچتی ہوں تو یوں لگتا ہے، کوئی فلم دیکھی تھی یا اس اندھیری ڈراؤنی رات میں کوئی خواب دیکھا تھا۔'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

''اسی لئے تو اس دن کوٹھی کھلی دیکھی تو مارے محبت اور جوش کے اندر چلی گئی، میں نے سوچا شاید بیگم صاحبہ ہوں، ویسے تو سالوں میں بھی کبھی کبھار اِدھر چکر لگا آتی تھی۔پر جی بڑا دکھ ہوا، بیگم صاحبہ نے تو...... خیر جی، مالک جو ہوئے۔آپ کے آنے کی بڑی خوشی ہوئی اور حیرت بھی۔اللہ آپ کو خوش رکھے، لمبی عمر دے۔اور ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے۔''

''مائی رحیمہ! اور تمہیں کچھ معلوم نہیں؟'' وہ مایوس سا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''اور کیا جی؟'' وہ چونک کر حیرت سے اُلٹا پوچھنے لگی۔

''کچھ بھی۔'' وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بے چینی سے بولا۔مائی رحیمہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

وہ ذرا دیر کھڑا رہا، پھر آہستگی سے باہر کی طرف چل پڑا۔

''اچھا سنو۔'' وہ جاتے جاتے رکا اور مڑ کر بولا۔مائی رحیمہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی، دو قدم آگے بڑھی۔

''اگر تم اس لڑکی کو...... اگرچہ کافی سال ہیں بیچ میں، دیکھو گی تو پہچان لو گی؟'' وہ یک آس کے سہارے بولا۔

''پتہ نہیں جی۔اب تو یوں بھی نظر کافی کمزور ہو گئی ہے اور حافظہ بھی...... میرے حافظے میں تو اس کی وہی برسوں پرانی ہے۔پتہ نہیں، پہچان سکوں گی یا نہیں۔''

اس کی بات بھی غلط نہیں تھی۔

دائم مزید کچھ بھی کہے بغیر باہر نکل گیا۔اب اس کی گاڑی کا رخ میڈم یاقوت کی طرف تھا۔

✲◉......◉✲

"عزہ!بات سنو میری۔" وہ اپنے بیڈروم کی طرف جا رہی تھی، جب لاؤنج میں بیٹھی سارہ عالم نے اسے آواز دی۔
انہوں نے اسے کس لئے آواز دی ہوگی، عزہ کو خیال آتے ہی پسینے آ گئے۔
"لیں ماما؟" وہ ان کے پاس آ کر بولی تھی۔
"تو تم سعدیہ کی طرف اسٹڈی کے لئے نہیں جا رہی ہو۔" انہوں نے نظریں اس کے چہرے پر جما کر کہا۔ عزہ نے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔ "میں پوچھ سکتی ہوں، تم اتنے دنوں سے کہاں جا رہی ہو؟"
"ماما! میں سعدیہ کی طرف ہی جا رہی ہوں، بس رات........"
"شٹ اپ۔ مزید جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کرنا۔ میں سعدیہ سے معلوم کر چکی ہوں۔" انہوں نے اس کے بولنے کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ یکدم ڈھیلی سی پڑ کر ان کے پاس بیٹھ گئی اور گود میں رکھے دونوں ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔
"ماما! میرا گھر میں بہت دل گھبراتا ہے، بہت ڈسٹرب فیل کرتی ہوں ادھر۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔
"تو کہاں دل لگنے لگا ہے تمہارا؟" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولیں۔
"اگر آپ غصہ نہ کریں تو۔" وہ ڈرتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ کر بولی۔ سارہ کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔
'اتنے سارے دن، اتنی شاموں میں........ یہ اکیلی گاڑی لے کر گھر سے نکلتی رہی تو کہاں جاتی رہی؟' ان کو شدید قسم کی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔
'تو محمود عالم کا غصہ بے جا نہیں؟' یک دم انہیں خیال آیا تھا۔
"بولو........ مگر سچ!" وہ انگلی اٹھا کر تنبیہ کرنے والے انداز میں بولیں۔
"ماما! میں نے یونہی خود کو مصروف کرنے کے لئے، اپنا دھیان بٹانے کے لئے اکیڈمی........ ایکٹنگ اکیڈمی جوائن کر لی۔ یونہی...... چند گھنٹے شام کو۔" بمشکل اس کے دماغ نے یہ قابلِ ہضم بہانہ گھڑا تھا۔
"ایکٹنگ اکیڈمی؟" وہ زور سے چیخیں۔ "تو تم نے گھر سے نکلنے کے لئے مجھ سے جھوٹ بولا۔ وہ بھی ایسا کام سیکھنے کے لئے۔ مائی گاڈ، عزہ! میں تمہیں کیا سمجھتی تھی اور تم........ تم کیا نکلیں۔" وہ صدمے سے چُور لہجے میں سر پکڑ کر بولیں تو عزہ کو پہلی بار احساس ہوا کہ جب ان کو اصل قصے کا علم ہوگا تو کیا کیا نہیں ہو جائے گا۔ مگر اس معاملے میں اس کا دل ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ سے سارہ کی حالت سے کوئی دکھ یا رنج نہیں ہوا تھا۔ "ماما! اب تو ویل آف فیملیز سے ایجوکیٹڈ لڑکیاں ایسی اکیڈمیز جوائن کر رہی ہیں۔ میری کلاس سے تین چار لڑکیوں نے جوائن کی تو میں نے بھی........ پلیز ماما! یونہی میرا شوق ہی تو ہے، کون سا میں نے اسے پروفیشن بنانا ہے؟" اسے یکدم یاد آیا کہ محمود عالم رات کو اس پر گھر سے نکلنے پر پابندی لگا چکے ہیں، سو ابھی سے ماما کو راضی کرنا از حد ضروری ہے۔
"ابھی سیکھنے کے لئے جوائن کی ہے، کل کو اسی طرح پروفیشن بھی بنا لو گی۔ اور آدمی وہی چیز سیکھتا ہے، جسے پروفیشن بنانا چاہتا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا ہے، پہلی بار میں نے تم پر ٹرسٹ کیا، تم نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا۔"
"ماما! ایسی کوئی بات نہیں۔"
"بیگم صاحبہ! باہر تنزیل صاحب آئے ہیں۔ اندر بھیج دوں؟" اسی وقت ملازم نے دروازے پر آ کر اطلاع دی۔
"آں، ہاں........ بھیج دو۔" انہیں یاد آیا، صبح یاسمین کا خود ہی فون آ گیا تھا۔ شرمندہ شرمندہ سی ثریا بانو کو واپس بھیجنے کا کہہ رہی تھیں۔ سارہ کو باتیں سنانے کا اور بھی موقع مل گیا۔ انہوں نے اپنے طور پر جتا کر کہہ دیا کہ اماں اب ایسے گھر میں نہیں رہنا چاہتیں، جہاں نانا کی عزت ہے اور جہاں عزت و غیرت کی یوں دھجیاں بکھیری جاتی ہیں۔ پھر اماں سے پیچھا چھڑانے کے خیال سے کہہ دیا کہ کسی کو بھیج دینا۔ اگر اماں مان گئیں تو بھیج دوں گی۔
"السلام علیکم سارہ آنٹی!" تنزیل اندر داخل ہو کر دروازے کے پاس کھڑے بولا۔
"یہ تم کیا مجنوں بنے ہوئے ہو؟ ابھی تک گھر سے بہن کے بھاگ جانے کا سوگ منا رہے ہو؟" سارہ یہ سب نہیں کہنا چاہتی تھیں، مگر ان کی فطرت ہی ایسی بن چکی تھی کہ اچھا بولنا بھی چاہتیں تو منہ سے طنزیہ جملے نکلتے تھے۔ وہ بھی دوسروں کا دل چیر دینے والے۔ اب بھی تنزیل کی بڑھی ہوئی شیو اور اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر جتائے بغیر نہ رہ سکیں۔
تنزیل کا چہرہ یک دم تاریک پڑ گیا۔ عزہ نے ملامتی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔
"آؤ، آؤ تنزیل! بیٹھو۔ اور کیا حال ہے؟" ماں کے کاٹ دار طنز کی تلافی کے لئے وہ ویلکم کرنے والے انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئے بولی۔
"دادی جان کہاں ہیں؟" اس نے دونوں کے سوالوں کو نظرانداز کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

سارہ کچھ ڈھیلی سی پڑ گئیں۔
''ملازم کو آواز دو، اماں جان کو بلا لائے۔'' سارہ نے عزہ سے کہا۔
''اور کیا کر رہے ہو آج کل؟'' اب کے ذرا نرمی سے بولیں۔
''کچھ نہیں۔'' وہ اس طرح کھڑا لاتعلقی سے کندھے اچکا کر بولا۔
''آؤ، میں تمہیں نانو جان کے کمرے میں لے جاتی ہوں۔'' عزہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ تنزیل نے کن اَ
سارہ کی طرف دیکھا۔ وہ جان بوجھ کر لاتعلق سی نظر آنے لگیں تو وہ عزہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔

✲●......●✲
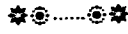
''ہیلو دائم! بھئی کہاں ہو؟ اچھے غائب ہوئے۔''
دائم نے بالکل بے خیالی میں ایک اجنبی نمبر جان کر سیل کان سے لگایا تھا۔ ڈرائیونگ کے دوران دوسری طرف جنا
بے حد اپنائیت بھرے انداز میں اس سے گلہ کر رہے تھے۔
''السلام علیکم انکل! جی، میں فائن ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟'' وہ کچھ بوکھلا کر بولا اور سیل دوسرے کان سے لگا کر گاڑی
ایک طرف پارک کرنے لگا۔
''اتنے دن گزر گئے، بلکہ مصطفیٰ سے میرا شاید دو ہفتے قبل رابطہ ہوا تھا، وہ بھی آنے کو کہہ رہا تھا، وہ بھی نہیں آیا۔ کل رات
سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کرتا ہوں، رابطہ ہی نہیں ہو سکا۔ میں سمجھا، شاید تم بھی واپس چلے گئے ہو۔'' وہ اسے تفصیل بتانے
''اوہ، نہیں انکل! بس کچھ بزی تھا۔ پاپا شاید جلد ہی آ رہے ہیں۔''
''بھئی یہ تو وہ بھی بہت دنوں سے کہہ رہا ہے کہ تم نے بھی دوبارہ ملنا پسند نہیں کیا۔'' وہ یوں گلہ کر رہے تھے، جیسے دائم
کے مشتاق ہوں اور وہ......گریزاں......اُس کی نظروں کے سامنے سارہ عالم کا چہرہ آ گیا، ناراض، نفرت بھرے تاثرات
''میں اِن شاء اللہ جلد ہی چکر لگاؤں گا۔'' اس نے یونہی کہہ ڈالا۔ ورنہ ابھی اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
''تم کہو تو میں آ جاؤں؟'' اسے ان کے لہجے سے لگا، جیسے انہیں اس سے کوئی بہت ضروری بات کرنی ہے۔ وہ ٹھٹکا۔
''اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی کی بات اور کیا ہوگی، اگر آپ آ جائیں۔ کب آئیں گے؟'' وہ مروتاً خوش اخلاقی
دعوت دیتے ہوئے بولا اور اسی دوران اسے یاد آیا، ڈاکٹر رخشندہ جنہوں نے آج شام کو ہسپتال سے آنا تھا......اور ساری
کہانی کے تار......یہ وقت کسی بھی ''دعوت'' کے لئے بالکل مناسب نہیں تھا۔
''اوکے، کمنگ وِیک اینڈ پر ملتے ہیں۔ میں شام یا رات کو جیسے ہی فارغ ہوا، تمہاری طرف آ جاؤں گا، پھر بیٹھ کر با
گے۔'' ان کے پروگرام پر دائم نے سکون بھرا سانس لیا۔ وِیک اینڈ میں ابھی چار دن باقی تھے، چار دنوں میں وہ کچھ نہ کچھ کر
اور کچھ نہیں تو محمود عالم بھی اس کمٹ منٹ کو اپنی مصروفیات کے دوران بھول سکتے تھے، جس کا امکان زیادہ تھا۔
چند الوداعی کلمات کہہ کر انہوں نے رابطہ منقطع کر دیا۔
محمود عالم سوچنے لگے۔
'مجھے یوں لگ رہا ہے، وہ خطرہ جو ایک زمانے سے مجھے دہشت زدہ کر رہا تھا، وہ سر پر آ بیٹھا ہے۔ جب سارہ پریگنن
میں نے پورے نو ماہ کے عرصے میں دن رات کیسے گڑگڑا کر اللہ سے دعا کی تھی کہ مجھے خدا بیٹی نہ دے۔ مجھے یوں لگتا تھا
پیدائش کے ساتھ ہی شاید کسی بڑی مصیبت کے لئے کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو جائے گا۔ اسی لئے......اسی لئے تو میں نے
سختی سے پرورش کی۔ بھی سخت ماحول......سخت گیر، ریزروڈ ماں باپ......
ڈھیر ساری محبت، بہت سا لاڈ پیار بھی تو لڑکیوں کو سر چڑھا دیتا ہے اور......' انہوں نے سر جھٹکا۔
'یہ بہرحال طے شدہ فارمولا نہیں کہ سخت ماحول میں پروان چڑھنے والی لڑکیاں بہت ڈری، سہمی، مؤدب اور آپ کے
سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوں۔ اور یہ تجربہ دوسری بار میری زندگی میں ہو رہا ہے۔ پھر بھی۔' انہوں نے بے اختیار پیشانی پر آ
پسینے کے قطروں کو ٹشو میں جذب کیا۔
وہ رات بھر نہیں سو سکے تھے۔
رات بھر اسموکنگ کرتے انہوں نے اپنا خونِ جگر ہی نہیں، بہت کچھ پھونک ڈالا تھا۔
اور صبح تک وہ اسی نتیجے پر پہنچے تھے کہ انہیں فوری طور پر دائم سے رابطہ کرنا چاہئے......اس سے پہلے کہ پانی سر سے
جائے۔ اور جب سر سے پانی اونچا ہو جائے تو کیا ہوتا ہے، انہیں معلوم تھا۔ پھر پانی کے نیچے سانس لینے کا عمل شروع ہو جاتا۔
وہ اس دوزخ میں دوسری بار جلنا نہیں چاہتے تھے۔

وہ ہر صورت ویک اینڈ پر دائم سے مل کر خود سے عزہ کے لئے اسے پرپوز کریں گے۔
'اٹ اِز ڈن!' فقط یہ ایک جملہ، یہ ایک خیال تھا، جو انہیں رات سے لے کر اب تک آکسیجن فراہم کرنے کا واحد ذریعہ تھا۔ رات سے جوان کی سانسیں چل رہی تھیں صرف اسی ایک خیال سے........وہ مطمئن ہو کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگے۔

✽◉......◉✽

"لائبہ! میری بات سنو۔ یُو ہیو ٹو لسن می۔" وہ اس کے پیچھے تقریباً لپکا تھا۔
وہ کوریڈور میں تھی، جب دائم کی گاڑی ڈرائیو وے سے اندر داخل ہوئی اور اسے ڈرائیونگ سیٹ سے اترتے دیکھ کر لائبہ تیزی سے اندر جانے لگی تھی، جب وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے بولا۔
"مجھے نہ تم سے کوئی بات کرنی، نہ تمہاری کوئی بات سننی ہے۔" وہ رُکھائی سے کہتے ہوئے اندر جانے لگی۔
"تمہیں نہ ہو سنی، مگر مجھے کرنی ہے۔" اس نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی۔
"شٹ اپ!" وہ درشتی سے بولی۔
"کہہ لینا، مگر پہلے میرے پاس بیٹھو۔" اس نے دھکا دے کر اسے زبردستی صوفے پر بٹھا دیا اور خود اس کے گھٹنوں کے پاس پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ لائبہ کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔
"دیکھو، ہم دونوں دوست بھی ہیں........ ہیں نا؟"
"نہیں۔" وہ غصے میں بولی۔
"تمہارا "نہیں" اس رشتے کی نفی نہیں کر سکتا، جو ہم دونوں کے بیچ موجود ہے۔"
"میں لعنت بھیجتی ہوں اس رشتے پر اور........"
"لائبہ! کول ڈاؤن، پلیز۔ میں صرف فرینڈ شپ ریلیشن کی بات کر رہا ہوں، تم مجھے اس رشتے کے حوالے سے، جو میڈم یاقوت نے ہم دونوں کے بیچ بنایا ہے، نہیں مانتی، مت مانو۔ مگر ہماری دوستی، اگر ہم دونوں کے بیچ یہ تعلق رہ چکا ہے کمزور سہی، تمہیں اس کی قسم، پلیز میری بات سنو!" وہ کچھ ایسے ملتجی لہجے میں بولا کہ لائبہ کی آنکھوں سے مترشح نفرت کچھ دھیمی پڑ گئی۔
"آئی نیڈ یور مورل ہیلپ پلیز۔"
"مطلب؟" وہ روکھے پن سے بولی۔
"یوں دوستیاں نہ بھاڑو تو میں تم سے بات کروں۔ یار! میں بہت مشکل میں ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کس سے بات کروں مما۔" اس نے اذیت سے اپنے بال دونوں ہاتھوں میں جکڑ لئے۔
لائبہ نے ایک گہرا سانس لیا اور صوفے پر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ دائم آہستگی سے اُٹھ کر صوفے کے دوسری طرف بیٹھ گیا۔
"میڈم یاقوت کیا کہہ رہی ہیں، میرا دل اس کو مانتا بھی ہے اور نہیں بھی........ میں آج ان سے ساری بات آر پار کرنے آیا ہوں۔ آفس گیا تھا، وہ وہاں موجود نہیں تھیں، پھر........ سنو گی جو کہانی میں سن کر آ رہا ہوں۔ سن کر مجھے بتاؤ، مجھے کیا کرنا چاہئے؟" وہ آہستہ آہستہ اسے مائی رحیمہ سے سنی ہوئی ساری کہانی سنانے لگا۔ لائبہ بے توجہی سے سنتے سنتے بھی متوجہ ہو ہی گئی۔

✽◉......◉✽

اس کے ستارے آج کل واقعی گردش میں تھے، اسے پورا یقین آ گیا۔
وہ سارہ کی ہزار منتیں کر کے سات بجے سے پہلے آنے کا وعدہ کر کے، تیار ہو کر باہر جانے لگی تھی۔
یوں بھی آج فائنل ریہرسل تھی، اسے مقررہ وقت سے بھی تین چار گھنٹے پہلے ہی جانا تھا، اسی لئے اس نے آج کالج سے بھی آف کی تھی۔
اور محمود عالم دوپہر میں تو کبھی بھی گھر نہیں آتے تھے۔ اسے دو بجے گھر سے نکلنا تھا اور اسے امید تھی، وہ شام کو سات بجے سے پہلے لوٹ آئے گی۔
ثریا بانو نے ایک زوردار قسم کے جھگڑے کے بعد تنزیل کے ساتھ باہر جانے سے انکار کر دیا تھا اور اب وہ بے چارہ ناکام و شرمندہ سا واپس جا رہا تھا، جب عزہ اندر سے تیار ہو کر باہر نکلی تھی۔
"آؤ، تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔" اس نے فوراً اسے دعوت دے ڈالی۔ اس کے چہرے پہ کیسی بے بسی تھی۔
"نو، تھینکس۔ میں چلا جاؤں گا۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انکار کر دیا۔
"آ جاؤ! بڑی پرفیکٹ ڈرائیو کرنے لگی ہوں۔ یقین کرو، نو رسک۔" وہ شروع کے دنوں کا واقعہ یاد کرتے ہوئے مسکرائی، جب اسے ڈرائیونگ نہیں آتی تھی اور........ تنزیل کو بھی یاد آیا، مگر وہ مسکرا بھی نہیں سکا۔

"پلیز، آ جاؤ نا۔" وہ فرنٹ ڈور کھولے خوش اخلاقی سے بولی۔
"نہیں بھئی، میں چلا جاؤں گا۔ تمہیں زحمت ہو گی۔"
"اب جانے دو، اتنے تکلف میں مت پڑو۔ زحمت رحمت بھی بن جایا کرتی ہے کبھی کبھی۔" اس نے ہنس کر کہا تو تز
سوچ کر اس کی آفر قبول کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔
ان کی گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی، جب محمود عالم کی گاڑی رات کی طرح اس کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔
عزہ کو لگا، اس کا دل دھڑکنا بھول چکا ہے۔
محمود عالم کی گاڑی، اس کی گاڑی کا راستہ روکے کھڑی تھی اور وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے اور تنزیل کو دیکھ رہے تھے۔

❊ ...... ❊
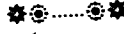
کمرے میں ملگجا سا اندھیرا تھا۔ ملگجے اندھیرے میں سگار کا دھواں کمرے میں چکراتا پھر رہا تھا۔
شطرنج کی بساط سامنے بچھی تھی اور میڈم یاقوت اس اندھیرے میں بساط سجائے کسی گہری سوچ میں گم، سگار کے کش لیتے
کوئن کا مہرہ ہاتھ میں لئے بیٹھی تھیں۔
"یس میم!" ہلکا سا دروازہ ناک ہوا اور عائشہ بخاری ملگجے اندھیرے میں کسی سائے کی طرح اندر داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے
سے کھلے دروازے سے روشنی کی لکیر سی اندر آئی تھی۔
"کیا ٹائم ہوا ہے؟" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولیں۔
"تین بجنے والے ہیں۔" عائشہ نے کچھ حیران سا ہو کر کہا۔
"گاڑی نکلواؤ میری۔ مجھے پہنچنا ہے۔ آج فائنل ریہرسل ہے۔ میرے پیادے دونوں چالیں چلنے کے لئے تیار ہیں،
میرے گھر میں پڑا ہے اور دیکھو، کوئن میرے ہاتھ میں.......اور کنگ.......اس کا حال....... تمہیں شطرنج کھیلنا آتی ہے؟" وہ
باتیں کر رہی تھیں، جیسے خود کلامی کر رہی ہوں۔ بولتے ہوئے یکدم اس سے پوچھنے لگیں۔ عائشہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"جھوٹ مت بولو میرے ساتھ۔ تم یہ چھوٹی چھوٹی چالیں چل کر میری جمی جمائی بساط کو اُلٹانا چاہتی ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔"
وہ بولتے ہوئے یک دم جلال میں آ گئیں اور chess board عائشہ کے چہرے کی طرف اُلٹا دیا۔
"م.......میں نے کیا، کیا ہے میم؟" اس کا دل بند ہونے لگا۔
"بتاؤں تمہیں، تم نے کیا کیا ہے، مکار لومڑی!" وہ ٹھوکر سے شطرنج کے مہرے پورے کمرے میں اُڑاتے ہوئے بولیں۔
"جی میم!" وہ کانپنے لگی تھی۔
میڈم یاقوت شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"تم اس سنپولیے سے ہی ہونا۔" وہ اس کے پاس آ کر غراتے ہوئے بولیں۔
"کس....... کس سے میم؟"
"بتاؤں میں؟" انہوں نے دانت پیس کر کہا اور ایک زوردار ہاتھ عائشہ بخاری کے منہ پر جڑ دیا۔
وہ اُلٹ کر پیچھے ٹیبل کی گلاس ٹاپ سے ٹکرائی تھی۔
"کمینی! جس تھالی میں کھاتی ہے، اسی میں چھید کرتی ہے۔ بول! کتنی بار ملی ہو اپنے یار سے؟" وہ اس کے پیچھے آ کر نازک سی
اس کی گردن پر پورے دباؤ سے رکھتے ہوئے بولیں کہ عائشہ کو لگا، آج وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گی۔ اور اگر زندہ بچ گئی تو.......
اس کا دماغ ایک بڑی ہی انوکھی بات سوچ رہا تھا۔

❊ ...... ❊
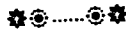
"اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ آخر میں سپاٹ لہجے میں بولی۔
"تم سے کیا چاہتا ہوں، تمہیں نہیں پتہ؟" وہ چونک کر بولا۔
"بتاؤ گے تو پتہ چلے گا۔" وہ اسی طرح لاتعلقی سے بولی تو دائم کا جی چاہا، اسے دو چار کھری کھری سنا کر وہاں سے چل دے۔
"میں اس گتھی کو کیسے سلجھاؤں؟" وہ خود پر قابو پا کر بولا۔
"یعنی تم اصل میں کس کے بیٹے ہو؟" وہ ذرا سا مسکرا کر بولی تو دائم کو لگا، وہ اس کا مذاق اُڑا رہی ہے۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر
کھڑا ہو گیا۔
"چلتا ہوں میں۔ تمہیں کچھ اور سمجھ کر آیا تھا۔" کہہ کر وہ رکا نہیں اور لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر جانے لگا۔ لائبہ بے اختیار اس
کے پیچھے لپکی۔

"سنو تو، ناراض مت ہو۔ رُکو ذرا۔" اگر چہ اُس کا موڈ دائم کو منانے کا نہیں تھا، مگر پھر بھی وہ اپنی سے بے اختیاری پر قابو نہ رکھ سکی۔
"اب کیا کوئی کسر رہ گئی ہے مذاق اُڑانے کی؟" وہ تُرشی سے بولا۔
"دائم! تم یوں اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مارتے اپنے مسئلے کو خود اُلجھا رہے ہو۔" لائبہ نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی تو وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔
"کیا مطلب؟" وہ لائبہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"بھئی سیدھی سی بات ہے، جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" وہ اس کے یوں ٹھٹکنے پر مزا سا لے کر بولی۔ وہ کس دھیان، کس توجہ سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا، بہت دنوں بعد ایک بھولا ہوا، لطیف سا احساس اس کے دل کو چھو کر گزرا تھا۔ اس لطیف احساس کے ساتھ لگا کانٹا سیدھا اس کے دل میں گڑ گیا۔
"دائم تمہارا بھائی ہے لائبہ!" اسے میڈم یاقوت کا باور کراتا لہجہ حقیقت کی تلخ دنیا میں کھینچ لایا۔
'دائم، میڈم یاقوت کا بیٹا نہیں.......اس بات کو سچ کرنے کے لئے مجھے ہر صورت دائم کا ساتھ دینا ہوگا۔' اس نے کھڑے کھڑے جیسے فیصلہ کر لیا تھا۔
"اب بتا بھی چکو گی یا یونہی میری حالت کا مزہ لیتے ہوئے مسکراتی رہو گی؟" دائم زور سے اس کا کندھا جھنجوڑ کر خفگی سے بولا تو وہ واپس پڑی۔
"دائم ڈیئر! یہ بالکل سامنے کی بات ہے، جو تمہیں نہ اپنی میڈم یاقوت سے پوچھنی چاہئے نہ مائی رحیمہ وغیرہ سے نہ کسی اور سے، بلکہ......" وہ یونہی سسپنس پھیلانے کو پھر رک گئی۔
"بلکہ کس سے؟........دیواروں سے؟........بکو بھی اب۔" وہ بے صبری سے چڑ کر بولا۔
"یار اسیدھے جاؤ اپنی ڈیئر مام کے پاس۔ یہ ساری گتھی، تمام تر اُلجھنوں کے ساتھ ان کے سامنے رکھو اور اصل حقیقت جاننے کا زوردار مطالبہ کرو۔ اور میں تمہیں بتاؤں، اصل سچ صرف وہی بتا سکتی ہیں۔ اس راز کی اصل کنجی ان کے پاس ہے اور یہ بالکل سامنے کی بات ہے، جو تمہیں نہ معلوم کیوں نہیں سوجھی۔" لائبہ بولتی چلی گئی۔
دائم کے چہرے کے رنگ مرجھا گئے۔
"سوجھی تھی۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔
"پھر کوشش نہیں کی؟" اس نے جواب میں نفی میں سر ہلا دیا۔
"کیوں؟"
"لائبہ! مجھے نہیں معلوم، ماما کے سامنے میری ساری ہمت دم توڑ دیتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے، جیسے میں ایسا کوئی بھی سوال پوچھ کر ان کے بے داغ من کو داغ داغ کر ڈالوں گا، یا پھر آج کل تو بالکل نہیں۔"
"آج کل کیوں نہیں؟"
"وہ ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ سینے سے سانس کھینچ کر بولا۔ پہلے ہی وہ اس مسئلے کی وجہ سے ٹینشن لے چکی ہیں۔ آج انہیں ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر آنا ہے۔ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔" وہ دونوں ہاتھوں میں سر جکڑ کر بے بسی سے بولا۔
"کیا نہیں سمجھ پا رہے؟" لائبہ کو اس پر ترس آیا۔
"میں ڈبل مائنڈڈ ہو رہا ہوں۔ ماما سے دور جاتا ہوں تو ان کے پاس جانے کو بے قرار ہوتا ہوں کہ بس جاتے ہی ساری ٹینشن، ساری اُلجھنیں ان کے سامنے کھول کر رکھ دوں گا۔ اور پھر سے پہلے ہی کی طرح ایک دم خوش، مطمئن اور ماما کی محبت کو اپنی خوش بختی پر ناز کرتا رہوں گا اور جب نزدیک جاتا ہوں۔" وہ رک کر کچھ سوچنے لگا۔
"اور نزدیک جانے پر؟" لائبہ تیزی سے بولی۔ دونوں آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے باہر آ گئے۔
"پاس جاتا ہوں تو عجیب سی اجنبیت کی دیوار ہم دونوں کے بیچ اُٹھ آتی ہے۔ اس قدر Indifference (لاتعلقی) ہم دونوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے کہ میں........میں تو جیسے سارے سوال ہی بھول جاتا ہوں۔ سرد مہری ایسا رنگ جماتی ہے کہ ان کے سامنے سے ہٹ جانے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں سوجھتا۔" وہ تھک کر سنگی ستون سے ٹیک لگا کر بولا۔
"تو پھر میں تمہیں بتاؤں، یہ گتھی کبھی بھی نہیں سلجھ سکے گی۔"
"اور میڈم یاقوت کہہ رہی ہیں، وہ؟" وہ سینے پر بازو لپیٹے، تھکا ماندہ سا کھڑا تھا۔
"معلوم نہیں۔" لائبہ نے کندھے اچکائے۔ "ماما کے پاس اس کے کیا پروف ہیں۔ لیکن........" وہ رکی۔ "میں ابھی بھی سمجھتی ہوں اس گتھی کا آخری اور حتمی سرا تمہاری مدر کے پاس ہے اور وہی اس کو سلجھا سکتی ہیں، اگر تم انہیں اعتماد میں لے سکو تو۔"

"کیا مطلب؟ اعتماد میں لے سکوں۔" دائم نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"اگر تم...... جہاں تک میں تمہاری اس ساری کتھا سے سمجھی ہوں، وہ اندر سے ڈری ہوئی ہیں، شاید اس اُلجھی ہوئی کسی موڑ پر ان کا کردار مسخ ہوتا ہے جو وہ تمہارے سامنے لانے سے ڈرتی ہوں کہ کہیں اس خفیہ گوشے کے سامنے آنے پر بیٹا ہونے کے باوجود انہیں ٹھکرا نہ دو، اس لئے...... اس لئے وہ یہ سب تم سے شیئر کرنے سے گریزاں ہوں۔"

دائم اسے غور سے سن رہا تھا۔ اسے لائبہ کی بات کافی حد تک معقول لگی، وہ سوچنے لگا۔

'بالکل ایسی ہی بات ہوگی، تب ہی تو ماما یوں ڈیپریس، نا اُمید سی ہوگئی ہیں جیسے انہیں اپنی کسی قیمتی ترین چیز کے کھو جانے کا ڈر ہو...... اور ان کی قیمتی ترین چیز تو میں ہوں...... شاید میں وہی چرایا ہوا بچہ ہوں، جو اس رات انہوں نے مائی رحمہ سے لیا تھا' یہ سوچ کر...... اسے زور کا چکر آیا تھا، اس نے سر جھٹک کر ستون کو تھام لیا۔

"کیا ہوا؟" لائبہ اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی، فوراً بولی۔

"کچھ نہیں...... ہوسکتا ہے، تمہاری بات درست ہو...... مگر پتہ ہے لائبہ! دونوں صورتوں میں نقصان کا اندیشہ ہے۔" وہ دکھی آواز میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"اگر میں ان کا بیٹا ہوں اور انہوں نے کہیں کوئی بلنڈر کیا ہے، اس کو جان لینے کے بعد ان کا مقام کیا میری نظر میں پہلے جیسا رہ جائے گا؟ اور اگر میں ان کا بیٹا نہیں، پھر تو نقصان (ناقابلِ برداشت) ہوگا۔" وہ اٹک اٹک کر بولا۔

ان ہی دو خدشوں کو تو وہ اپنے دل پر جھیل رہی ہیں۔ اس لئے ہاسپٹلائز ہوگئی ہیں۔ اس گتھی کو سلجھانا اور ان کو ان خدشوں سے نکالنا تمہارے ہاتھ میں ہے، ورنہ تم اِدھر اُدھر ٹکریں ہی مارتے پھرو گے۔"

"اور میڈم یاقوت؟" وہ امید و بیم کے بیچ بولا۔ لائبہ تاسف سے سر ہلانے لگی۔

"تم مسئلے کو خود حل نہیں کرنا چاہتے، آئی انڈر اسٹینڈ۔" وہ خفگی سے بولی۔

"ایسی بات نہیں ہے، تم غلط سمجھ رہی ہو۔" وہ جلدی سے صفائی دینے والے انداز میں بولا۔

"ماما کی پرسنالٹی ایک پاورفل میگنٹ کی حیثیت رکھتی ہے، آئی ایڈمٹ۔ مگر یار! ایسا بھی......"

"کنٹرول یور سیلف۔ تھوڑا ماما کی پارسنالٹی کو اس قصے میں مائینس کر کے سوچنے کی کوشش کرو۔" لائبہ کا انداز زچ آنے والا تھا۔ دائم جیسے اس کی بات سمجھ گیا اور سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

"ٹھہرو، میں بھی تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔" وہ اس کے پیچھے ہوئی۔

"کہاں؟" وہ حیران ہو کر بولا۔

"زخشندہ آنٹی کو دیکھنے۔" اس کا اتنے دنوں کا غصہ، فرسٹریشن کافی حد تک غائب ہو چکا تھا۔

دائم خوش دلی سے مسکرایا۔ دونوں دائم کی گاڑی میں بیٹھے اور کھلے گیٹ سے باہر چلے گئے۔

ابھی گارڈ گیٹ بند کر رہا تھا کہ مخالف سمت سے میڈم یاقوت کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔

"یہ ابھی کون گیا ہے گاڑی میں؟" وہ وہیں گاڑی روک کر گارڈ سے پوچھنے لگیں۔

"چھوٹی بی بی اور دائم صاحب۔" گارڈ بولا تو وہ خوشگوار حیرت میں گھری کھڑی رہ گئیں۔

✿......✿

"کہاں جا رہی ہو تم؟" وہ ڈرائیونگ سیٹ والے شیشے کے پاس آکر سرد لہجے میں بولے۔

"میں...... تنزیل کو ڈراپ کرنے۔" بڑا بروقت بہانہ سوجھا تھا اسے۔

"کیوں...... پہلے کیا یہ گاڑیوں میں سفر کرتے پھرتے ہیں، جو آج ان کی ٹانگوں میں دم نہیں رہا چلنے کا؟" وہ طنزیہ انداز میں تنزیل کو دیکھتے ہوئے بڑی حقارت سے بولے۔

تنزیل کو لگا، گاڑی کی چھت اس کے سر پر آگری ہو اور اس کا پورا وجود ایک اَن دیکھے شدید بوجھ کے نیچے دبتا چلا جا رہا ہو۔

"نہیں...... وہ میں......" عزہ نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر اس سے ان تین لفظوں کے بعد کچھ بولا نہ گیا۔

"تمہیں ابھی تک لوگوں سے ملنے کا سلیقہ نہیں آیا کہ کس حیثیت کے لوگوں کو منہ لگانا چاہئے اور کس طرح کے لوگوں کو کہاں رکھنا چاہئے۔ اب تم ڈراپ کرنے چلی جاؤ گی تو بے چارے کو اگلی بار گھر سے نکلنا مشکل لگے گا، خود اپنی ٹانگوں سے چلنا۔" وہ تنزیل سے حقیر ترین سلوک کرنے کی کوشش میں عزہ سے باز پرس کرنا بھی بھول چکے تھے، جسے وہ گاڑی کو ہاتھ لگانے اور گھر سے

اجازت کے بغیر نہ نکلنے کا عندیہ دے چکے تھے۔

'کاش! اس وقت میرے جسم کے گرد کوئی بم بیلٹ بندھی ہوتی اور میں اس شخص کے پاس جا کر کھڑا ہوتا اور اسے اذیت ناک موت سے ہمکنار ہوتے، ٹکڑوں میں بٹتے دیکھ کر بھی شاید میری تکلیف میں کمی واقع نہ ہوتی۔'

تنزیل نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس چٹان جیسے پتھریلے انسان اور اس کے چہرے کے روئیں روئیں سے چھلکتی نفرت کو دیکھا اور آخری خواہش کے طور پر سوچتا ہوا سیدھا ہوا اور گاڑی سے نکل آیا۔

"آپ اتنے بڑے ہو گئے ہیں، آپ کو آدمی کیا، انسان کی پہچان نہیں تو آپ کی بیٹی تو ابھی بہت کم سن ہے۔ شاید آنے والے دنوں میں یہ آپ کو انسان کی اصل پہچان سکھا سکے اور آپ کو خدا وہ نگاہ ضرور دے، جس میں کم از کم آپ اپنی اصل شکل دیکھ سکیں اور خود سے نفرت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ کیونکہ جسٹس محمود عالم! آپ ایک قابلِ نفرت انسان ہیں۔" وہ ان کے پاس کھڑا چبا چبا کر پورے جبڑے بھینچ کر بول رہا تھا۔

اس نے اپنے طیش اور خون میں اُبلتے جوش پر قابو پانے کے لئے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بنا کر انہیں پوری قوت سے بھینچ رکھا تھا اور پھر بھی خود پر کنٹرول کرنے میں ناکام تھا کہ اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور آنکھوں سے نکلتے شعلے شاید محمود عالم کو جلا کر بھسم کر دیتے، اگر وہ ایک پل اور ان کے پاس کھڑے رہنے کی کوشش کرتا۔

"اور یہی دعا میں تمہارے لئے کروں گا کہ خدا بھی تمہیں وہ نگاہ ضرور دے، جس میں تم خود کو دیکھو اور لعنت بھیجو۔" وہ اس سے بھی زیادہ نفرت سے بولے تھے۔

تنزیل نے زور سے پہلے زمین پر پاؤں مارا، پھر گاڑی کو ٹھوکر مارتا تیزی سے ہٹ گیا۔

وہ بھاگ رہا تھا اور اس کا تنفس کسی دھونکنی کے مانند چل رہا تھا۔ وہ گیٹ سے نکل جانے کے بعد بھی بھاگتا رہا۔

"ہونہہ!" محمود عالم نے اسے یوں دیوانوں کی طرح بھاگتے دیکھ کر نفرت سے ہنکارا بھرا اور عزہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کہاں جا رہی تھیں تم؟" ان کے لہجے کی تمام تر سختی عود آئی تھی۔

"بتایا تو تھا۔" وہ ادھورا سا فقرہ بول کر اندر جانے لگی۔

"تم نے شاید سنا نہیں تھا۔ میں نے رات تم سے کہا تھا کہ کالج کے علاوہ کہیں نہیں جاؤ گی۔ اگر جاؤ گی تو میری پرمیشن سے اور ڈرائیور کے ساتھ۔ پھر یہ حکم عدولی کیوں؟" انہوں نے سختی سے اس کا کندھا اپنی طرف گھمایا تھا۔

ان کی گاڑی کا ڈرائیور خاموش اور نیچی نگاہ کے ساتھ ان کا بریف کیس لئے پاس سے گزرا تو انہیں کچھ خیال آیا۔

"اندر چلو۔" وہ اسی طرح اس کا کندھا اپنی آہنی گرفت میں لئے درشتی سے بولے۔ عزہ کسی معمول کی طرح ان کے ساتھ چل دی۔

"پاپا! میں سمجھی تھی کہ نانو، تنزیل کے ساتھ جا رہی ہیں تو میں ماما سے پوچھ کر انہیں ڈراپ کرنے جا رہی تھی۔" اندر آنے تک اس کا دماغ کام کرنے لگا تھا، ایک بھی لمحہ ضائع کئے بغیر بولی۔

"اور تمہاری نانی کیا سلیمانی ٹوپی اوڑھے گاڑی میں بیٹھی تھیں؟" وہ اس کا کندھا چھوڑتے ہوئے اسے سختی سے پرے دھکیل کر بولے۔ "اور کس سے اجازت لی تم نے جانے کی؟"

"ایں...... کیا تنزیل چلا گیا؟ میں سامان باندھنے لگی تھی۔ کیسا غصیلا، ہٹ دھرم لڑکا ہے۔ دو چار کیا سنا دیں، باپ کی طرح اکڑ گیا۔ اب بھئی ہماری زبان بندی کر دو، بلکہ سوئی دھاگے سے سی دو۔ نہ منہ کھلے، نہ کم بختی کے الفاظ نکلیں۔ اب تیرے میرے آسرے پر باقی کے دن جو گزارنے ہیں۔" وہ اپنے کمرے سے بولتے ہوئے نکلی تھیں۔ سامنے عزہ اور محمود عالم کو کھڑے دیکھ کر ٹھٹکی تھیں۔

"آپ کی زبان بندی سوئی دھاگے جیسی حقیر چیز بھی نہیں کر سکتی۔" محمود عالم منہ میں بڑبڑائے۔ ثریا بانو سن کر بھی انجان سی بن گئیں۔

"تم یوں بنی ٹھنی کہاں جا رہی ہو؟ باپ کے ساتھ جا رہی ہو؟" گھر کے مکین انہیں کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں تھے تو وہ کس کا لحاظ کرتیں؟ مروت، پاسداری کچھ بھی تو یہاں رائج نہیں تھا۔ ان کے یوں بنی ٹھنی کہنے پر محمود عالم کو از سر نو غصہ آ گیا۔

"تم میری اسٹڈی میں جاؤ، میں وہیں آ رہا ہوں۔" انہوں نے عزہ سے کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

عزہ نے ایک نظر باپ اور نانی کی طرف دیکھا اور پھر سست قدموں سے اندر چلی گئی۔

"آپ کو جانا ہے تو ڈرائیور چھوڑ آتا ہے، میں کہہ دیتا ہوں اسے۔" وہ ثریا بانو سے جان چھڑانے والے انداز میں بولے۔

"نہیں...... یوں نہیں جاؤں گی۔ خود سے چلی جاؤں؟ تھو کے کو کون چاٹتا ہے؟ جب تک کوئی لینے نہیں آتا، ایسے ہی چلی

جاؤں؟" وہ کہتے ہوئے آرام سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

محمود عالم کوفت سے انہیں دیکھنے لگے۔ انہوں نے اب نہ جانے کا ارادہ کیوں کیا تھا؟ وہ نہ سمجھنے کے انداز میں دیکھ رہے

"وہ لڑکا آپ کو لینے آیا تھا؟" انہوں نے جان بوجھ کر تنزیل کا نام نہیں لیا تھا۔ اس کا نام لیتے ہی ان کا منہ کڑوا ہو جاتا تھا

"آیا تھا نا........ رسم پوری کرنے۔ دو باتیں سنائیں، الٹا اینٹھ کر چل دیا۔ جاتا ہے تو جائے۔ میں بڑی ہوں ان کی، وہ بڑے نہیں۔" انہیں اب یہاں آنے کا جواز زیادہ مضبوط اور دلچسپ لگ رہا تھا تو کیوں جاتیں؟

"بڑا آدمی عقل سے ہوتا ہے، عمر سے نہیں۔ اور یوں ضد لگانے سے بھی بڑائی میں اضافہ نہیں ہوتا۔" وہ کہنا تو نہیں چاہ مگر پھر بھی کہہ گئے۔

"کچھ تو ہوتا ہی ہوگا یوں ضد لگانے سے، جو تم بھی اس مشغلے سے چمٹے بیٹھے ہو۔ غلط کہا میں نے؟" وہ مزہ لینے کے سے میں بولیں تو محمود عالم نے کچھ چونک کر انہیں دیکھا اور ان کے چہرے پر آئی مسکراہٹ سے جز بز ہوتے ہوئے یونہی منہ میں بڑ وہاں سے چلے گئے۔

"ہونہہ، چلا ہے مجھے پڑھانے........ اور بھول گیا، ضدی کون ہے۔" وہ آرام سے صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئیں۔

❁

"ہوں...... پھر کیا سوچا ہے تم نے؟" وہ مقررہ ٹائم سے دو منٹ قبل اس کے سامنے موجود تھا۔
"کم از کم وہ نہیں، جو رزلٹ سوچ کر تم نے یہ پلاننگ کی تھی۔" وہ کمال اطمینان سے بولی تھی اور جہانگیر ہمدانی کے کھلے لب بھنچ گئے تھے، فقط پل بھر میں۔
"کتے کی دُم سے لگی لگتی ہو۔" وہ دانت پیس کر لمحہ بھر کے توقف سے بولا۔ "او کے! اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو یہی سہی۔ اس کے بعد جو ہوگا، مجھے الزام نہیں دینا۔ اور جو تمہارے دماغ میں ہے، یہ کوئی ٹرک ہے یا جعل سازی، تو اس کا پتہ بھی تمہیں چند گھنٹوں میں چل جائے گا، جب وہ دونوں یہاں موجود ہوں گی، تمہارے سامنے۔" وہ چبا چبا کر بول رہا تھا، جیسے غصے کو ابل پڑنے سے روک رہا ہو۔
تانیہ تو اس کی بات سن کر ہی سناٹے میں آ گئی۔ سارا جوش، سارا طنطنہ دودھ پہ آتے ابال کی طرح بیٹھ گیا تھا۔
وہ جو کہہ رہا تھا، کر گزرنے پر کتنا قادر تھا، اس کا علم اسے تھا۔ صرف آخری کوشش کے طور پہ اس نے یہ حربہ آزمایا تھا۔
"میں...... مجھے سوچنے کے لئے تھوڑا ٹائم چاہئے۔" اس نے خشک ہوتے حلق کو تھوڑا نگل کر تر کیا۔
"شٹ اپ...... یُو بچ۔ تمہارا کیا خیال ہے، میں اُلو ہوں یا گدھا، جو تمہاری مسلسل چالاکیوں میں آتا جاؤں گا، یا بالکل فارغ ہوں کام سے بھی اور عقل سے بھی اور تم مجھے بے وقوف بناتی چلی جاؤ گی۔ یہ......" اس نے زور سے چٹکی بجائی۔ "آخری منٹ ہے۔ بولو...... بولو فافٹ۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا سیل فون آگے کیا اور ری ڈائل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔
"صرف چند گھنٹے اور سوچنے کے لئے۔" وہ گڑگڑا کر بولی۔
"ایک لمحہ بھی زائد نہیں۔" وہ دھاڑا۔
"بولو...... بول چکو...... صرف ابھی پوچھ رہا ہوں، پچاس سیکنڈ بعد وہ بھی نہیں۔"
تانیہ بے دم سی ہو کر کاؤچ پر گر گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ سفید لٹھے کے مانند ہو رہا تھا۔
اسی وقت اس کے کانوں میں اوپر تلے ڈائل ہوتے ہندسوں کی ٹوں ٹوں کی آواز کسی موت کی گھنٹی کی طرح گونجتی چلی گئی۔
"یس، پنکی! تم ان دونوں کو لے آؤ۔" اس کی سفاک آواز اسے سنائی دی۔ تانیہ نے بولنے کے لئے لب کھولے اور اسے کچھ بولا نہیں گیا۔
"ارے آؤ، آؤ...... ربیعہ! آ گئیں بھئی، تم نے دیر لگا دی۔ میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے۔"
"ہم پیریڈ آف ہوتے ہی چلے آئے ہیں۔ آؤ سعیقہ!...... آ جاؤ۔"
"اوں، ہوں...... چلو نا۔ بس ہم رکیں گے نہیں زیادہ دیر، پلیز!"
"ہاں، میں تمہیں کیوں روکوں گی اگر تمہاری بہن تمہیں نہ روک سکی تو۔ چلیں پھر؟"
"جی چلئے۔ سفید دوپٹہ کھول کر لو۔"
"نن...... نہیں......" تانیہ نے بے اختیار چلا کر کہا۔ "میں تیار ہوں، پلیز!" وہ وحشت زدہ سی کھڑی تھی۔
"پنکی! ابھی انہیں ٹال دو۔" جہانگیر نے سرگوشی کی صورت سیل کے پاس منہ کر کے کہا۔
"او کے! تم دونوں یہاں کھڑی رہو، میں دیکھتی ہوں، گاڑی ابھی تو سامنے سڑک پار کھڑی تھی، کدھر ہو گئی۔ آ رہی ہوں۔ جانا مت تم لوگ۔"
"بچ گئیں تمہاری معصوم بہنیں، ہماری سالیاں...... آدھی گھر والیاں اور پورے دل والیاں...... بھئی تم سے تو اچھی ہیں۔ ٹاک بک میں انہوں نے ٹائم برباد نہیں کیا۔ چٹکیوں میں فیصلہ کیا اور یوں چل پڑیں ساتھ۔ ایسا ہونا چاہئے بندے کو۔ پل بھر میں فیصلہ کیا اور عمل کر ڈالا۔ تمہاری طرح نہیں۔ خود بھی ذلیل ہوئی، مجھے بھی کیا۔"
تانیہ سن سی بیٹھی تھی۔

"تمہیں خود پر ترس نہیں آتا؟" وہ اس کے چپ ہونے پر بولی۔

"مجھے......یعنی خود اپنے اوپر......کیوں بھئی؟" وہ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"اس سارے کھیل کا ایک نہ ایک دن انجام ہونا ہے۔ سوچو، اس انجام کے بعد تمہارا کیا حال ہوگا؟" وہ نفرت سے اسے ہوئے بولی تھی اور وہ ہنسنے لگا۔

"بہت حساس ہو میری جان! اور اتنی حساسیت، اتنے پیارے چہرے پر جچتی نہیں۔ صرف اپنا سوچو، اپنی فکر کرو۔ کسی کا ہے آغاز کہ انجام، بھول جاؤ۔ "میں" صرف "میں" کو ہر سمت پھیلا کر باقی ہر چیز کو فراموش کر دو، سمجھیں؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ طرف کھینچنے لگا۔ تانیہ نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے کیا اور اس کی رینج سے ذرا ہٹ کر بیٹھ گئی۔

"اس "میں" کی تو بات کر رہی ہوں۔ سوچو، تمہاری اس "میں" کا کیا حال ہوگا؟"

"آئی ڈونٹ کیئر۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔ "میری نظر میں صرف آج ہے، ابھی۔ کل کچھ بھی نہیں۔" وہ اٹھ کر اپنا نشہ کرنے کو کچھ لینے چل دیا۔ اگلے لمحے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں گلاس تھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ کر پینے لگا۔

"لو......چکھ لو۔ اس کے بغیر تو تم پہلا قدم اٹھا ہی نہیں سکتیں۔" اس نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ تانیہ نے نفرت سے پھیر لیا۔

"کب تک میری جان! یہ ناز و انداز، یہ نخرے۔ آج کا دن اور کل کا دن تم ریسٹ کر لو۔ بلکہ ابھی میرے ساتھ چلو۔ تمہاری آؤٹنگ ہو جائے گی۔ کھانا باہر کھائیں گے۔ تھوڑی سیر شیر کرو، ذرا اپنا موڈ بحال کرو۔ آگے کی سوچو یار!......کیوں پریشان ہوتی ہو اور کرتی ہو؟ ذرا سا کام ہے اور فائدے بے شمار۔ ایک شاندار لگژری لائف قدموں کے نیچے، زمین نہیں ہر جگہ کارپٹ......زندگی کی ہر سہولت، خوشی، آسائش، آرام سب تمہاری رینج میں۔ اور بھلا کیا چاہئے ہوتا ہے، ایک زندگی جینے کے لئے؟" وہ گھونٹ پیتے ہی ترنگ میں آ چکا تھا۔

تانیہ نے نفرت سے اسے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ وہ بے شرمی سے ہنسنے لگا۔

"اب مزید کوئی اڑیل پن نہ دکھانا۔ یہ تمہارے لئے آخری وارننگ ہے۔" وہ انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔

"تم جو بھی کہو......آخر تو میں تمہاری بیوی ہوں۔ مجھے تمہاری فکر ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو، اس کا انجام......تمہارے ساتھ میری بھی تقدیر بن جائے گا......ایک بار......صرف ایک بار ذرا گہرائی سے سوچو، جب یہ سنہرا جال ٹوٹے گا تو تم کہاں ہوگے؟ صرف ایک بار اگر تم ہمت کرو، اس جال کو ابھی سے توڑنے کی، جہانگیر! میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے ساتھ اس دنیا کے آخری کنارے تک جانے کو تیار ہوں، اگر تم خود کو ایک بار......صرف ایک بار میری محبت، ایک پاک زندگی کے حوالے کرنے کی سوچو......تم کیسے ہلکے پھلکے ہو جاؤ گے؟ اس گناہ کی دلدل سے ایک بار باہر آنے کا سوچو......میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہر جگہ، ہر قدم پر تمہاری ڈھال بنوں گی۔ پلیز جہانگیر!"

وہ جو اتنے دنوں سے سوچ رہی تھی، ان سوچوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے، آج حوصلہ کر کے بول ہی پڑی۔ یوں بھی یہ سب کہنے کا آج شاید آخری موقع تھا، اس کے بعد......اس کے بعد تو شاید کچھ بھی کہنے کا اسے موقع نہ ملتا۔

جہانگیر ہمدانی گھونٹ گھونٹ پیتا یوں دھیان سے اس کی باتیں سن رہا تھا، جیسے ان پر غور کر رہا ہو، کشمکش میں مبتلا ہو۔

"ہاں جہانگیر! میں تمہارے ساتھ ہوں، ہر قدم پر......ہم دونوں ہم سفر ہوں گے تو ہر مشکل کو آسان کر سکیں گے۔ صرف ایک بار تم ہمت تو کرو۔"

وہ پوری طرح سے بے خود ہو چکا تھا۔ یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اسے دیکھتے دیکھتے پہلے تو وہ ضبط کرتا رہا، پھر جو اس پر ہنسی کا دورہ پڑا تو یوں پاگلوں کی طرح ہنسا کہ پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔

تانیہ پہلے حیران ہوئی، پھر شرمندہ اور آخر میں متنفر۔

کتے کی دُم وہ نہیں، جہانگیر ہمدانی تھا، جو کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔ آخری بات اس نے پیٹ پکڑ کر دوہرا ہوتے جہانگیر کو دیکھتے ہوئے نفرت سے سوچی۔

"تم......ایمان سے تانی جان! اتنی بذلہ سنج......دیکھو، مشکل لفظ میں آرام سے بول گیا، کتنی Humourous (مزاحیہ) ہو، سچی! ایسا لطیفہ کسی لڑکی......میری شکار لڑکی نے مجھے نہیں سنایا کہ میں بھی یہ راستہ چھوڑ دوں اور......شلوار ٹخنوں تک ٹانگ کر منہ پر داڑھی، سر پر ٹوپی، ہاتھ میں تسبیح اور مسجد کی سیڑھیاں چڑھتا، اللہ اکبر، اللہ اکبر، سبحان اللہ کرتا رہوں۔ میرے ہامی بھرتے ہی اگلی ڈیمانڈ تم یہ کرو گے۔ واٹ اے جوک یار! لگتا ہے، اُس دن کی دُرگت کے دوران کوئی ہاتھ تمہارے دماغ کی کسی حساس رگ کو چھو گیا ہے۔ سوری یار! پھر تو معذرت......اور جو یہ تم بیوی......میری بیوی ہو۔ خوب یاد دلایا، میں بھی اس پر غور کر رہا تھا۔ اور دیکھو، بطور

شوہر میں کیسا لگتا ہوں۔ ابھی تک تمہاری رونمائی بھی تمہیں پیش نہیں کر سکا اور آج آتے ہوئے مجھے خیال آیا تو لے کر آیا۔ بھول چلا تھا۔ یہ دیکھو" وہ کہہ کر باہر چلا گیا اور اگلے لمحے ہاتھ میں کچھ لئے چلا آیا۔ تانیہ حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

✿......✿
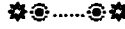
"مجھے تم سے ملنا ہے۔ ابھی اور اسی وقت۔ تمہارے گھر کے باہر مین روڈ کے دوسری جانب گرلز کالج ہے اور اس کی پچھلی سمت ہاسٹل گیٹ...... تم ہاسٹل گیٹ سے اندر آؤ گے تو پہلے لان میں مَیں ہوں گی۔ اِٹس ارجنٹ۔"

تنزیل کو آغا جان نے بلایا تھا۔ وہ ان کے پاس آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے سیل فون پر عائشہ بخاری کا میسج آیا۔ اس سیل کا نمبر اس نے کسی کو بھی نہیں دیا تھا اور اس پر ابھی کوئی کال بھی نہیں آئی تھی۔ اس میسج کے ساتھ عائشہ کا نام نہیں تھا، مگر وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ پیغام اسی کی طرف سے ہے۔

"تمہیں کوئی جاب ملی؟" آغا جان نے اس سے وہ سوال پوچھا، جس پر آج کل اس نے سوچنا بالکل موقوف کر رکھا تھا۔ آج کل تو اس کا دماغ ایک ہی ادھیڑ بن میں لگا تھا کہ کس طرح سے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنائے۔ کئی طریقے سوچنے کے بعد بھی اسے کوئی قابل عمل راستہ نہیں سوجھ سکا تھا۔ اور اب عائشہ کا پیغام اسے کسی بھی عملی رستے کی طرف اشارہ کرتا نظر آ رہا تھا۔ اس نے بے چین سا ہو کر آغا جان کی طرف دیکھا اور بے دھیانی سے ان کا سوال سن کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلو، اس کا بندوبست میں کر سکتا ہوں۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔" وہ ذرا پُر جوش سے انداز میں بولے۔

"ابھی؟" تنزیل پریشان ہو کر بولا۔

"ہاں ابھی۔ اور سمجھو، تمہاری نوکری ادھر پکی۔" وہ جوش بھرے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"مگر آغا جان! آپ تو جانتے ہیں اور میرے پاس تو کوئی تجربہ بھی نہیں اور تعلیمی قابلیت......" اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"اس کو چھوڑو تم۔ یہ باتیں ضروری نہیں۔"

ان کی اس بات پر تنزیل نے یوں انہیں دیکھا، جیسے وہ غیر حاضر دماغ ہوں۔

"مگر آغا جان! اس وقت تو کسی بھی آفس کی ٹائمنگ نہیں۔ آئی مین شام میں بھلا کون سا آفس کھلا ہوگا؟" وہ کہتے ہوئے جان چھڑانے والے انداز میں ذرا سا اٹھا۔

"اس کو چھوڑو تم۔ میں نے تمہیں کسی آفس نہیں، گھر لے کر جانا ہے۔ سمجھو، جس نے تمہیں جاب دینی ہے، اس باس کے گھر۔"

"ایسا کون سا کوئی واقف کار مل گیا آپ کو؟" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم چلو گے تو مل لینا۔ چلیں؟" پھر وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آغا جان! سوری۔ اس وقت تو مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ہم کل چلے جائیں گے۔" اس نے کچھ معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ اسے یوں بھی آغا جان پہلے دن سے اچھے لگے تھے۔ ان کا عاجزانہ سا انداز اور لئے دیئے رہنا، اور جب سے احسن مراد نے انہیں جھاڑا تھا، وہ یوں بھی دانستہ ان کا دل دُکھانا نہیں چاہتا تھا۔

"چلو، جیسے تمہاری مرضی۔" وہ کچھ مایوس سے ہو گئے۔ "ایک کام اور بھی ہے تم سے۔" وہ آہستہ سے دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

"جی کہئے، کوئی دوا وغیرہ لانی ہے؟"

"نہیں، شکریہ بیٹا! وہ تو میں خود ہی جا کر لے آتا ہوں۔ تمہاری ماں خاصی پریشان ہے۔"

"کیوں...... کس وجہ سے؟" اس نے بے چینی سے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں دیئے۔ آغا جان اسے دیر کرائے جا رہے تھے۔

"تمہاری دادی جو جھگڑ گئی ہے۔ میں کہہ رہا تھا، اگر تم چلو ساتھ میرے تو ہم دونوں دادا پوتا جا کر اس جھگڑالو، سنکی بڑھیا کو لے آئیں۔" وہ شاید اپنی تنہائی سے اُکتائے ہوئے تھے، اس لئے اس کی کمپنی چاہ رہے تھے۔ تنزیل کو تھوڑا ترس، تھوڑی ہمدردی سی اس بوڑھے سے محسوس ہوئی مگر اس وقت وہ انہیں ذرا سی بھی مزید کمپنی نہیں دے سکتا تھا۔

"آغا جان! میں گیا تھا اُدھر۔" اسے اپنی زندگی کی وہ تلخ دوپہر یاد آ گئی، جسے جیتے جی شاید ہی کبھی بھلا سکتا۔ "انہوں نے لڑ جھگڑ کر معاف میرے ساتھ آنے سے انکار کر دیا۔ ابھی ان کا کچھ دن اور اُدھر رہنے کا موڈ ہے تو رہ لیں۔ میں جاؤں ذرا۔ مجھے ضروری کام ہے۔" وہ دونوں ہاتھ جیبوں سے نکال کر باہر کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

انہوں نے بے دلی سے سر ہلا دیا تو وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

"امی کو یہ بات مت بتانا۔ انہی خاصی ڈانٹ پڑ جائے گی۔" ربیعہ اور سبیعہ دونوں برآمدے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ باہر جاتے ہوئے تنزیل نے سنا، ربیعہ کہہ رہی تھی۔

''پر ربیعہ! امی کو بتانا تو چاہئے۔ کیا پتہ، آپی کا واقعی ایکسیڈنٹ ہوا ہو۔ اگر سیریس ہوا ہو تو......اور وہ عجیب سی لڑکی پتہ کرنے گئی اور غائب ہو گئی۔'' سنیعہ آہستہ بول رہی تھی، مگر تنزیل نے سن لیا۔

''کون لڑکی؟......کس کی بات کر رہی ہو تم؟......تانیہ کا ایکسیڈنٹ؟'' وہ بجلی کی طرح تڑپ کر مڑا تھا اور ان کے بے ربط سا ہو کر بولا تو ربیعہ کا رنگ اُڑ سا گیا۔ ان دونوں کی اس کی طرف پشت تھی۔

''کوئی......کوئی نہیں بھائی!'' ربیعہ ڈر کر بولی۔

''سنیعہ! تم بولو، کیا بات ہے؟'' وہ سنیعہ سے سختی سے بولا۔

''بھائی! کچھ بھی نہیں۔ وہ......'' اس نے ڈری ہوئی نظروں سے ربیعہ کو دیکھا، جیسے پوچھ رہی ہو، بتا دوں؟

''سنیعہ! اس کی طرف مت دیکھو۔ میری طرف دیکھ کر بات کرو۔ بولو، کیا بات ہے؟'' وہ اور بھی سختی سے بولا۔ امی اندر سے نکل کر آئیں اور ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے تینوں کی شکلیں دیکھ کر پوچھا۔

''بولو سنیعہ!'' تنزیل، یاسمین کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے سنیعہ سے بولا۔

''بھائی! وہ کوئی لڑکی آئی تھی ہمارے کالج میں۔ کہنے لگی کہ تمہاری تانیہ آپی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ ہم سے ملنا چاہ... کالج سے قریب ہی ہاسپٹل ہے تو ہم لوگ کھڑے کھڑے ان سے مل لیں۔'' سنیعہ نے ربیعہ کی گھوریوں، آنکھیں دکھانے ڈرتے ڈرتے کہہ ڈالا۔

''او میرے خدا!......کون......کون لڑکی تھی وہ؟'' تنزیل یک دم پریشان ہو کر بولا۔

''پتہ نہیں بھائی!......پھر وہ کہنے لگی، میری گاڑی سامنے کھڑی تھی اب نہیں ہے۔ تم دونوں یہاں کھڑی ہو، میں... ہوں۔''

''او میرے اللہ! تم دونوں اس کے ساتھ چل پڑی تھیں؟'' یاسمین سینے پر ہاتھ مار کر بولیں۔

''امی! وہ اتنا اصرار کر رہی تھی۔ پھر آپی کا سن کر......میں نے کہا بھی کہ ہماری ان سے بات کرا دو تو وہ کہنے لگی حالت سیریس ہے تو......'' یاسمین فق چہرے کے ساتھ دیکھنے لگیں۔

''سن رہا ہوں ان دونوں کی عقل مندی......اتنا آپی سے پیار پہلے تو کبھی نہیں جوش کھایا اور اب۔'' وہ دانت پیس کر... سے بولا۔

''معلوم ہے تمہیں وہ کہاں گئی ہے؟......کن لوگوں میں؟'' اس دنیا میں جہاں دعائیں بھی بددعائیں بن جایا کرتی... تم......تم دونوں بے وقوفوں کی طرح چل پڑیں۔ یہ......یہ کوئی چکر تھا تنزیل! سمجھاؤ ان کو۔ میرے اللہ! میرے اندر اب... دھچکا سہنے کا دم نہیں۔ رحم کرنا ہم پر۔'' یاسمین سر پکڑ کر تخت پر بیٹھ گئیں۔

''امی! جو خود پر رحم نہیں کرتا، خدا بھی اس پر رحم نہیں کرتا......اور تم دونوں ابھی کچھ دن کالج نہیں جاؤ گی، سنا تم نے؟ بعد میں بھی سن رکھو۔ چاہے تمہاری آپی خود چل کر تمہارے پاس آ جائے، تمہیں ساتھ چلنے کو، گھر ڈراپ کرنے کو یا کہیں بھی... کہ میری، امی کی، ابو کی، کسی کی موت، ایکسیڈنٹ کا بھی کہہ کر ساتھ لے جانا چاہے، تم دونوں ایک قدم اس کے ساتھ نہیں... تم نے؟ اور آئندہ اس نے تم دونوں سے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش کی تو سب سے پہلے مجھے بتانا ہے۔ اب اگر وہ لڑکی دوبارہ... کچھ کہے، ہرگز ہرگز اس کے ساتھ نہیں جاؤ گی۔ سنا تم دونوں نے؟''

تنزیل درشت آواز میں ان کی طرف دیکھتا چلا گیا۔ دونوں کچھ خوف زدہ، کچھ پریشان صورتیں لئے سن رہی تھیں۔

''امی! میں نے سمجھا دیا ہے، اب آپ اپنی زبان میں انہیں سمجھا لیں کہ ان کی آپی صاحبہ کس دلیں میں گئی ہیں اور وہاں... ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ کر مڑا۔ ''اور اگر نہ سمجھا سکیں تو کہیں تانیہ کی طرح سمجھنے کے بجائے......'' وہ تلخی سے بات ادھوری چھوڑ... قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔

یاسمین پلک جھپکے بغیر اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

✿......✿
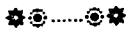
''السلام علیکم آنٹی!'' ڈاکٹر رخشندہ بیڈ پر بیٹھی تھیں، جب لائبہ نے اندر داخل ہو کر انہیں سلام کیا۔

وہ بس ایک لمحے کے لئے چونکیں، پھر خوش دلی سے مسکرا دیں۔

''وعلیکم السلام۔ آؤ......کیسی ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے لائبہ کو پہلے سے کمزور لگیں اور اُداس بھی۔ ان کی مسکراہٹ میں... عنصر اتنا غالب تھا، اگر وہ پہلے ان سے نہ ملی ہوتی تو بھی محسوس کئے بغیر رہ نہ پاتی۔

"آنٹی! آپ نے البتہ اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے، اتنی وِیک ہوگئی ہیں۔" وہ بڑے اپنائیت بھرے انداز میں ان کے پاس بیٹھی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

"وقت وقت کی بات ہے ڈیئر!" انہوں نے کہہ کر آہ سی بھری۔ "تم سناؤ، میرا پتہ کیسے چلا، یعنی ہسپتال میں ہونے کا؟"

"میں دائم کے ساتھ آئی ہوں....... وہ راستے میں ڈاکٹر سے ملنے کے لئے رک گیا تو میں ادھر آ گئی۔ اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"پہلے سے بہت بہتر۔" وہ دروازے کی طرف بے چین نظروں سے دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولیں۔ لائبہ نے ان کی نظروں کی بے قراری کو بطورِ خاص نوٹ کیا۔

"انکل نہیں آئے آپ کے ساتھ پاکستان؟" وہ ان کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولی۔

"نہیں....... اب شاید آ جائیں۔ تم بیٹھو نا۔" وہ سنبھل کر بولیں تو لائبہ ان کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ تو شاید مستقل آ گئی ہیں دائم کے پاس۔" وہ ان کی سوچ کو ٹٹولنے کے لئے بولی اور وہ نظریں چرا گئیں۔

"دیکھو، ابھی کچھ سوچا نہیں۔" وہ ذرا توقف سے بولیں۔

"آنٹی! ایک بات پوچھوں؟ لائبہ کو یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ ڈاکٹر رخشندہ اور دائم کی کشمکش کے بیچ ہی اس کے اپنے مسائل کا حل پوشیدہ ہے۔ اور اسے اس کشمکش کے اصل سرے کو ڈھونڈنا تھا۔

"ہوں، بولو....... کیا لوگی؟ چائے یا کولڈ ڈرنک؟" وہ میزبان کے سے انداز میں پوچھنے لگیں۔

"او نو! میں یہاں آپ کی عیادت کو آئی ہوں۔ آنٹی! آپ تھوڑی بیمار تو ہیں، مگر پریشان زیادہ ہیں۔ اگر میں کہوں تو......" وہ کہہ کر رک گئی۔

ڈاکٹر رخشندہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ ایک نسبتاً انجان لڑکی کو ان کی پریشانی کا اندازہ ہو رہا تھا اور وہ جو ان کے اتنے قریب ہے، ساتھ رہتے ہوئے بھی کیسا انجان بنا نظریں بچا کر گزر تا تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"آنٹی! آپ کو معلوم ہے نا، میں کون ہوں؟" وہ ہچکچا کر بولی۔

"کیا مطلب؟....... کون ہو؟" وہ سمجھیں نہیں۔

"میں کس کی بیٹی ہوں، آپ جانتی ہیں نا....... میڈم یاقوت۔" وہ یوں اعتراف کر رہی تھی، جیسے کسی جرم کا اقرار کر رہی ہو۔ رخشندہ نے ہولے سے سر ہلا دیا۔

"مجھے تو دائم بھی خاصا پریشان لگا ہے۔ ہم دونوں میں ایسی فرینڈ شپ، مطلب انڈر اسٹینڈنگ ہے، مگر میرے پوچھنے پر....... کیا آپ مجھ سے کچھ شیئر نہیں کرنا چاہیں گی؟" وہ کرسی پاس گھسیٹ کر بولی۔

"کچھ ہے ہی نہیں شیئر کرنے کو۔" وہ اسی پھیکی مسکان کے ساتھ بولی تھیں۔

"تو پھر ہسپتال میں کیوں آ بیٹھی ہیں؟" وہ بے ساختہ بولی۔

"تم کیوں جا بیٹھی تھیں ہسپتال میں، یاد ہے نا؟" ان کے منہ سے بھی بے اختیار نکلا۔

"اچھا کیا آپ نے یاد دلا دیا۔" وہ ذرا سا ہنسی۔ "اور اس وقت بھی آپ کو معلوم تھا، میں کسی جسمانی تکلیف کے باعث نہیں، اسی طرح کی ذہنی کشمکش اور ٹینشن کے باعث....... اور اس وقت آپ نے مجھے کتنا باور کرایا تھا کہ زندگی سے مایوسی، زندگی کی آخری حد تک نہیں ہونی چاہئے، اور مجھے تو ابھی بہت جینا ہے، آپس کی بات ہے۔" وہ رکی اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ "یہ جو ڈاکٹر لوگ ہیں، مریضوں کو نصیحت کرتے ہیں، کیا ان پر خود بھی عمل کرتے ہیں؟"

جواب میں وہ آہستگی سے مسکرائیں اور چپ رہیں۔

"اگر ایک عام آدمی اپنے مسائل سے گھبرا کر زندگی ختم کرنے کی سوچ سکتا ہے تو آپ جیسے خاص لوگ......."

"لائبہ! خاص کوئی بھی نہیں ہوتا۔ اس کے خیالات اسے خاص بناتے ہیں۔"

"آپ کے خیالات تو بہت خاص ہیں۔ آپ کی نصیحتوں اور خیالات نے ہی تو مجھے زندگی کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہونے کی جرأت عطا کی تھی، اب بھی....... جس لمحے بکھرنے لگتی ہوں، آپ کے خیالات میرے گرد بند باندھنے لگتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیں آپ کہ کبھی خالی نصیحت یا محض شیئرنگ بھی اتنی پاورفل ہو سکتی ہے....... کہتے ہیں نا، غم بانٹنے سے آدھا رہ جاتا ہے تو آدھا نہ بھی رہے، اس کے احساس کی شدت و سختی میں کمی آنے لگتی ہے۔ آپ ایگری کریں گی میرے ساتھ؟" وہ انہیں ٹریک پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ہوں!'' وہ سر ہلا کر آہستگی سے بولیں۔
''مگر ڈیئر!'' ذرا توقف سے وہ بولیں۔ ''مجھے ایسا کوئی غم، مسئلہ نہیں جو میں شیئر کرنا چاہوں اور نہ کرسکوں۔ لگتا نہیں۔'' وہ صاف چھپا گئیں۔
''اچھا، شاید آپ کو اپنے اعصاب پر اتنا بھروسہ ہے کہ سب کچھ باآسانی سہہ سکیں۔ مگر میرے اعصاب اتنے مضبوط نہیں۔'' وہ کندھے اچکا کر بولی۔
رخشندہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔
''زندگی کی عجیب ترین اُلجھن میں گھری ہوں میں آج کل۔'' وہ انگلیاں چٹخا کر بولی۔ ''میں شاید آج واپسی کے کنفرم کروالیتی اگر دائم میری طرف نہ آتا۔ اور آپ کا پتہ چلا کہ آپ ٹھیک نہیں۔ میرا مقصد ایک تو ادھر آکر آپ کی دوسرے مشورہ کہہ لیں یا رہنمائی....... مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، میں یہ سب کس سے اور کس طرح شیئر کروں؟'' وہ آہستہ چلی گئی۔
''کیا.......کیا مسئلہ ہے؟'' وہ بے اختیار سی بولیں۔
''مسئلے کا تعلق آپ سے بھی ہے۔ معلوم نہیں مجھے ادھر آنا چاہئے تھا یا نہیں اور آپ سے یہ سب کہنا چاہئے یا نہیں، میں اُلجھن میں ہوں کہ آپ کو سامنے دیکھ کر اظہار کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتی۔''
وہ ان کے چہرے کو جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا، وہ لائبہ کی بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کررہی تھیں۔
وہ اب خاموش بیٹھی اُنگلیاں چٹخا رہی تھی۔ ڈاکٹر رخشندہ بے قراری سی اسے دیکھنے لگیں۔
''ہاں کہونا۔'' جب وہ کچھ دیر نہ بولی تو انہیں اصرار کرنا پڑا۔
''آنٹی! آپ کے علم میں ہے یا نہیں، مجھے نہیں معلوم، مگر آپ کو معلوم ہے نا میں نے خودکشی کی کوشش کیوں کی تھی۔''
ڈاکٹر رخشندہ خاموشی سے اسے دیکھے گئیں۔
''مجھے.......دائم.......میں دائم کے بغیر.......آئی فیل ہیلپ لیس۔'' وہ بے بس سے لہجے میں بولی۔ ''اور یہ سمجھتی ہیں اور ہر سمجھ دار انسان....... یہ سب تو ریئلی تو سائیڈ.......ون سائیڈ ٹریفک ہیونو ٹرننگ وے.......اور یہ نہیں بھی نہیں۔ بٹ آئی کمپرومائز اٹ۔'' انہیں لگا، یہ سب کہتے ہوئے اس کی جھکی پلکوں پر ستارے سے لرزنے لگے ہیں اور گورے اس کے دودھیا، آپس میں جکڑے ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے، انہیں پہلے کی طرح اس پر بے اختیار پیار اور ترس آیا۔
''لیکن یہ جو نیا پرابلم مام کری ایٹ کررہی ہیں، آئی کانٹ ایکسیپٹ اِٹ۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں رگڑ کر سے سر اٹھا کر متوحش لہجے میں بولی۔
''کیا.......کون سا پرابلم ہے؟'' لحہ بھر کو ڈاکٹر رخشندہ قطعاً نہیں سمجھیں۔
''آپ کو معلوم ہے.......سچ کا، حقیقت کا آپ کو علم ہے....... ہے نا آنٹی! مگر دائم.......میں اور دائم، ہم کیسے ہو سکتے ہیں؟ یو نو، پلیز ہیلپ می۔'' اس کے کہنے پر ڈاکٹر رخشندہ ساکت نظروں سے اسے دیکھے گئیں۔
اسی وقت دروازے کے دوسری طرف دائم نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا، جب اس کے کانوں میں لائبہ کی آواز
''آنٹی پلیز، بتائیں نا....... آپ کی چپ کہہ رہی ہے، ایسا ہی ہے۔ میری مام ٹھیک کہتی ہیں، بولیں نا۔'' وہ بے قرار ہو کر کھڑی ہوگئی۔
''نن.......نہیں، غلط ہے یہ۔ جھوٹ ہے۔ بکواس کرتی ہے وہ۔ میں.......میں.......'' وہ بے ربط سا اونچا اونچا بولیں
''ہاں....... ہاں۔ آپ کو معلوم ہے۔ سچ بولیں نا۔ پلیز بول دیں۔ یہی وقت ہے، آپ کا بوجھ اترے گا اور میرے تو اعصاب لگتا ہے، ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، اگر آپ نہیں بولیں گی۔ مام غلط کہتی ہیں نا تو بتا دیں پھر یہ بھید کیا ہے ہے؟ میں کون ہوں؟....... پلیز آنٹی!'' وہ ان کے کندے پر ہاتھ رکھے دباؤ ڈالتے ہوئے بے قرار بولتی گئی۔
''میں جانتی ہوں، وہ غلط کررہی ہے۔ وہ پھنسا رہی ہے دائم کو.......تم ٹھیک کہتی ہو، مجھے سب سچ بول دینا چاہئے ہے بول دینے کا، کہہ دینے کا۔ تم بلاؤ ابھی اسی وقت اپنی ماں کو۔ آج میں اس کے سامنے سب کھول کر رکھ دوں گی، تب پتہ چلے گا، سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔ بلاؤ اس عورت کو۔ بلاؤ!'' وہ ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے بولیں۔
''ریلیکس آنٹی!.......پلیز خود کو سنبھالیں۔ میں بلاتی ہوں مام کو ابھی....... لیکن آپ مجھے تو بتائیں کچھ....... میں طبیعت کہیں بگڑ نہ جائے، وہ انہیں ریلیکس کرتے ہوئے بولی۔

"تم فون کرو اپنی ماں کو، ابھی۔"

"جی میں کرتی ہوں.......کر رہی ہوں۔ آپ زیادہ ٹینس نہ ہوں، تھوڑا خود کو ریلیکس کریں۔ یہ میں ملاتی ہوں۔" اس نے شولڈر بیگ سے سیل فون نکالا اور نمبر ملانے لگی۔

دائم باہر کھڑا کشمکش میں تھا کہ وہ اندر جائے یا یہیں کھڑا رہے۔ اگر وہ اندر جاتا ہے تو کہیں ڈاکٹر رخشندہ پھر سے اپنا ارادہ نہ بدل ڈالیں اور بنی بات پھر نہ بگڑ جائے۔ وہ دو قدم آہستگی سے پیچھے ہٹ گیا۔

لائبہ کا میڈم یاقوت سے رابطہ ہو گیا تھا اور وہ انہیں ہاسپٹل کا ایڈریس سمجھاتے ہوئے فوراً وہاں پہنچنے کی تاکید کر رہی تھی۔ شاید وہ آنے پہ راضی تھیں، جب لائبہ نے "او کے، آئی ایم ویٹنگ یُو۔" کہہ کر فون بند کر دیا۔

دائم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ ایک کانٹا جو اتنے دنوں سے گویا اس کے دل میں گڑا تھا، آج ابھی ذرا دیر میں نکلنے کو تھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

٭......٭
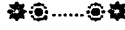
گیٹ کھلا ہوا تھا۔

اس نے ذرا سا دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ چوکیدار، گارڈ کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ جھجکتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

سامنے سرخ رنگ کی ہاسٹل کی عمارت تھی اور اس کے دائیں بائیں پہلو میں ہرے بھرے لان تھے۔

تنزیل نے دونوں جانب دیکھا۔ اسے عائشہ بخاری کہیں نظر نہیں آئی۔ شاید اسے آنے میں دیر ہو گئی تھی۔

وہ چند قدم آگے بڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر جیب سے سیل نکال کر نمبر ڈائل کرنے لگا تھا کہ اسے بائیں طرف سے وہ آتی دکھائی دی۔

"اتنی دیر لگا دی۔" وہ آج بھی مکمل حجاب میں تھی۔

"ہوں......بس ایک مسئلہ ہو گیا۔ خیریت تھی؟" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کچھ بے چینی سے بولا۔

"ہاں......ہے بھی، نہیں بھی۔ تم بتاؤ، کیا مسئلہ ہو گیا تھا؟" دونوں ایک طرف ہٹ کر سنگی بینچ پر بیٹھ گئے۔

"یہاں کوئی چوکیدار وغیرہ، کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گا؟" ہاسٹل کے برآمدوں میں اِکا دُکا لڑکیاں آ، جا رہی تھیں۔ تنزیل انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں، تم کہو کیا بات تھی؟" عائشہ نے گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا تو تنزیل اسے جلدی جلدی ربیعہ اور سدیعہ کے ساتھ آج ہونے والے واقعے کے بارے میں بتانے لگا۔

"اوہ، یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔ اور ان لوگوں کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں......اس کا مطلب ہے، تانیہ ان کے قابو میں نہیں آ رہی۔ یہ سب اسے بلیک میل کرنے کے لئے کیا گیا ہو گا۔" عائشہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا......کیا مطلب؟" تنزیل پریشان ہو گیا۔

"اس میں فکرمند ہونے کی بات ہے بھی اور نہیں بھی۔ ویسے تم چند دنوں کے لئے انہیں کالج نہ جانے دو۔"

"ہاں، وہ تو میں انہیں کہہ آیا ہوں۔ وہ چند دن کالج نہیں جائیں گی۔ تم کہو......کیا تانیہ تک رسائی ممکن ہے؟" اسے پھر اسی زاری نے گھیرا تھا، تانیہ کے ذکر پر۔

"ناممکن۔" عائشہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم سے کہا نا، اسے بھول جاؤ۔ اس کی واپسی اب ناممکن ہے۔"

"تو پھر......؟"

"پھر کچھ بھی نہیں۔ تم نے کیا سوچا ہے؟"

"اس ناممکن کو ممکن بنانا ہے۔ میں تانیہ کو لے کر آؤں گا......یوں سمجھو، زندہ یا مُردہ۔" وہ بے لچک لہجے میں بولا۔

"تو تم نے کیا سوچا ہے اس سلسلے میں؟"

"بہت کچھ سوچ لیا ہے۔ تم بتاؤ، مجھے کیوں بلایا ہے یہاں؟"

"تنزیل! تم نے کہا تھا مجھ سے......" وہ ذرا توقف سے بولی اور چہرے سے حجاب کھسکا دیا۔ اس کے گال کے نیچے گہری لمبی لکیر تھی اور گال پر گول سا زخم......تنزیل بھونچکا سا رہ گیا۔

"یہ......یہ کیا ہوا تمہیں؟"

"تنزیل! تم نے مجھ سے کہا تھا نا؟" وہ اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔

"کیا......کیا کہا تھا؟ اور مجھے بتاؤ، یہ کس نے کیا ہے؟" وہ جذبات بھرے انداز میں بولا۔ اُسے لگا، یہ زخم عائشہ کے چہرے

پر نہیں، اس کے چہرے پر لگے ہوں۔ اسے اپنے چہرے کی جلد سے ٹیسیں بھی اُٹھتی محسوس ہوئی تھیں۔
"تنزیل! میں........ میں اس دلدل سے نکلنا چاہتی ہوں۔ تم........ تم میرا ہاتھ پکڑو گے؟" اس نے بالکل ایک غیر متوقع بات کی تھی۔ لمحہ بھر کو تو تنزیل کو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔
"کک........ کیا مطلب ہے؟........ تم خود........ خود سے........ اور تم تو کہتی تھیں یہ ناممکن ہے؟" وہ حیرت زدہ تھا۔
"ہاں، کہتی تھی، کہتی ہوں........ مگر اب سوچتی ہوں، ایسی زندگی جی کر بھلا میں کیا کر رہی ہوں؟ اس دلدل سے نکلنے میں موت ہے اور اس کے اندر رہتے ہوئے جتنی موتیں روز میں اپنے اندر اتارتی ہوں، اس آخری موت سے کم اذیت ناک ہیں۔ کیوں نہ میں اس آخری موت کو "حلال" کرلوں۔ خود سے، اس گناہ بھری دلدل سے میرے قدم باہر نکلیں یا نہ نکلیں، شاید میرا ارادہ، میری اس آخری موت کو آسان کر ڈالے۔ ہے نا؟" وہ نم جھکی آنکھوں سے کہتی سیدھی تنزیل کے دل میں اتر گئی۔
"یہ خیال........ یہ نیک خیال یکایک تمہارے دل میں کیونکر آیا؟" وہ پوچھنے لگا تو وہ کچھ دیر بولی نہیں۔
"روز زخم کھاتی تھی۔ روح پر بھی اور جسم پر بھی........ مگر احساس ایسے تھا جیسے کسی پہاڑ کے گلیشیر کے نیچے دب کر بالکل سن ہو چکا ہو، مگر آج........ آج جب میڈم یاقوت نے مجھے اپنی ہیل والی جوتی کے نیچے کسی مریل کتیا کی طرح دبا کر ٹھڈے لگائے، مار کر تم سے ملنے کے شک کی یقین دہانی کرانی چاہی تو مجھے یہ خیال آیا کہ میں لاکھ ان کی فرماں بردار اور مؤدب، وفادار رہوں، میری حیثیت ان کے نزدیک ایک معمولی سے، مسلے ہوئے، گندے ٹشو پیپر سے زیادہ نہیں تو پھر........ پھر میں یہاں کیوں رہوں؟........ روز مرنے سے اچھا ہے، ایک ہی بار کیوں نہ مر جاؤں۔" وہ اذیت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔
"مگر اس طرح کا سلوک تو بقول تمہارے، روز تمہارے ساتھ ہوتا تھا۔ پھر آج کیا خاص بات ہوئی کہ گلیشیر کے نیچے دبے احساس نے دھڑک کر اپنی موجودگی کا پتہ دیا۔"
"ابو........ ابو کی وجہ سے۔ میرے والد، تمہیں پتہ ہے، میری والدہ میری وجہ سے اس دنیا سے گئیں۔ میں تھی ان کی موت کی براہ راست وجہ........ ان لوگوں نے میرے کالے کرتوتوں کو مجسم کر کے میری ماں کو دکھایا تھا۔ میری بھول، میری نادانیوں، حماقتوں کی کہانی........ وڈیو فلم، تصویریں اور........" اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے نمکین پانی نے جیسے ہی اس کے زخموں کو چھوا، وہ لب بھینچ کر سسک اُٹھی۔
"میں........ میں سب کچھ تانیہ کے ساتھ........ اور کبھی اس طرح وہ بھی اپنی یہ اذیت بھری، رسوائی بھری کہانی کہہ رہی ہوگی تو؟" اس کے دل پر جیسے کسی نے گھونسا مارا۔
"وہ جانبر نہ ہوسکیں اور مرنے کے بعد........ مرنے کے بعد بہت دیر تک کوشش کے باوجود ان کی پھٹی پھٹی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ زبردستی بند کرنے پر بھی وہ نیم وا رہیں........ ان کی آنکھوں کی وحشت، ان کا یہ ہراس........ تنزیل! ہر بار مجھے کسی مردانہ قدم اٹھانے سے روک ڈالتا۔ میں اپنے ابو کو اس اذیت، اس جان کنی سے دوچار نہیں کرنا چاہتی تھی، کبھی بھی۔ میرے حوصلے کے بند پھر ٹوٹنے لگے ہیں۔ تنزیل! میں نہیں کرسکوں گی۔" وہ زخموں کی ٹیسوں کو دباتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"تم انہیں خود سے بتا دو ساری حقیقت تو شاید انہیں اتنی تکلیف، اتنا دھچکا نہ لگے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔
"نہیں بتا سکتی........ کیسے بتا سکتی ہوں؟ کوئی بیٹی اپنے شریف النفس باپ کو اپنی گندی زندگی کی کہانی نہیں سنا سکتی۔ ہاں، جہاں اتنے سال اس گندگی میں گزار لئے، باقی بھی جیسے تیسے گزار لوں۔ اب نہیں کرسکوں گی۔" وہ ٹشو سے بڑی احتیاط سے چہرہ صاف کرنے لگی۔
"ایک بار قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو پیچھے مت ہٹو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، اللہ سے دعا مانگو۔ تمہارے والد صاحب سے میں بات کرلوں گا۔ عائشہ! ایک بار حق کی طرف، سچائی اور راستی کی طرف قدم بڑھا کر تو دیکھو، تم خود بخود اپنے اندر اطمینان محسوس کرو گی۔ ایک بار پختگی سے اپنے ارادے پر ڈٹ جاؤ، میں تمہارے ساتھ ہوں، یقین کرو۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی سے بولا۔
"تنزیل! یہ سب کہنا آسان ہے۔ مگر یہ مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔" وہ آہستگی سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔
"ایک بار ڈٹ کر تو دیکھو۔ جیسے ابھی کچھ دیر قبل تم نے ارادہ کیا تھا۔ عائشہ! صرف تم........ صرف تم میری مدد کرسکتی ہو ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کے لئے۔ ورنہ........ ورنہ ہر گھر سے تانیہ اور عائشہ نکلیں گی، ان کے ہتھے چڑھیں گی اور گھروں کے گھر برباد ہوتے جائیں گے۔ پھر کتنی ماؤں کی آنکھیں مرنے کے بعد بھی وحشت و ہراس میں پھٹی رہیں گی۔ بولو، کیا تم ایسا چاہو گی؟"
"نہیں........ بالکل نہیں۔" اس نے زور سے سر ہلایا۔

"تو پھر میرا ساتھ دو۔"

"لیکن تنزیل! میرے ابو........ میرے ابو نے زندگی بھر دکھ ہی دکھ دیکھے ہیں۔ ان کا دل سمجھو، زخموں سے چُور ہے۔ اب یہ ...... مر جائیں گے۔ اور اپنی ماں کے بعد اپنے باپ کے مرنے کی وجہ بھی میں ہی بنوں گی........ میں یہ گناہ نہیں کر سکتی۔"

"اور جو اتنے باپ، اتنی مائیں ان لوگوں کی بلیک میلنگ سے مریں گی، ان کا گناہ کس کے سر جائے گا؟" وہ فوراً بولا۔ عائشہ چپ رہی۔

"ایک بار ہمت کر لو۔ انکل سے ملنے میں آؤں گا۔ اُن سے بات کروں گا۔ عائشہ! ایک بات........ ایک بات یاد رکھنا۔ یہ ہی ذاتی زندگی، ہماری نہیں، دوسروں سے جڑی ہوتی ہے اور اس کے نفع نقصان صرف ہمارے کھاتے میں درج نہیں ہوتے، ہم منسلک ہر شخص اس کی لپیٹ میں آتا ہے۔ جس روز تانیہ والا واقعہ ہوا تھا، میں نے اس دن اپنے اندر سے اپنی ذاتی زندگی کو مار ڈالا خود کو ان لوگوں کی تباہی کے لئے وقف کر ڈالا تھا۔ مگر ان پر ہاتھ ڈالنے کے لئے مجھے کوئی سرا نہیں مل رہا، وہ صرف تم مجھے فراہم کر ہو اور کوئی نہیں۔" وہ گہرا سانس لے کر چپ ہو گیا۔

"میں کیا کروں تنزیل! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا........ ویسے ایک بات ہے۔" وہ اب خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔ "تم ان سے میڈم یاقوت کی کوئی خاص دشمنی ہے؟"

"کیا مطلب؟ باقیوں سے عام ہے اور ہم سے خاص؟" تنزیل یوں ہی ہنسا۔

"نہیں، ایک بار جب تانیہ، جہانگیر ہمدانی کے ساتھ جا چکی تھی، میڈم کا موڈ اچھا تھا۔ میں کافی لے کر گئی تو ان کے یوں خوش نے پر میں نے یونہی کہہ ڈالا، اگرچہ میرا ارادہ نہیں تھا، نجانے کیسے........ میں نے کہا۔ میم! کیا مراد فیملی کے ساتھ آپ کی کوئی دشمنی ہے؟........ اور وہ عورت جیسے غصے میں پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے کافی کا مگ میری طرف اچھالا۔ اگر میں ایک طرف نہ ، کاش نہ ہوتی۔ کم زکم ان کے کام کی تو نہ رہتی۔" وہ آہ سی بھر کر بولی۔

"اور میم کہنے لگی۔ میری خاص دشمنی ہے۔ اور مجھے لگتا ہے، تیری خاص اُلفت ہے ان کے ساتھ۔ سب سمجھتی ہوں میں۔ زیادہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ وہاں بچنا کچھ بھی نہیں........ کچھ نہیں چھوڑوں گی میں۔" عائشہ کہہ کر چپ کر گئی تو تنزیل سر سہلانے لگا۔

"سمجھتا ہوں میں، یہ بات بہت دیر سے میرے دل میں ہے۔ اس عورت کی دشمنی ہم سے خاص ہے۔ مگر اب اس سے کچھ فرق پڑتا۔ خاص ہو یا عام، اب تو تباہی کے لئے سمجھو دعوت عام ہے، دشمنی کے لئے........ کیا خیال ہے؟" وہ یوں خوشگواری سے بولا کوئی کھانے پینے کی دعوت عام ہو۔

"اچھا، اب یہ بزدلی کی باتیں چھوڑ دو۔ صرف جو میں کہتا ہوں، وہ کرو۔"

"کیا........ کیا کروں؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"میں نے جو منصوبہ سوچا ہے، اب اس میں تم میرا رائٹ ہینڈ بنو گی۔ اور اس میں اگر تم میرے اعتماد کو دھوکا بھی دو گی تو مجھے پروا نہیں۔ کیونکہ میں سب کچھ ہارنے کا تہیہ کر چکا ہوں، ان کی بربادی کے عوض۔" وہ پُر عزم لہجے میں بولا۔ عائشہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"پھر کیا کہتی ہو؟" تنزیل نے پوچھا۔

عائشہ نے آہستگی سے اس کے بینچ کی ٹیک پر رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور مسکرانے لگی۔

تنزیل کو لگا، جیسے کسی نے ایک پہاڑ اس کے کندھوں سے سرکا دیا ہو۔ وہ بھی مسکرانے لگا۔

✲ ...... ✲

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ اور مائنڈ اِٹ! اس میں رائے دینے یا ترمیم کرنے کی گنجائش نہیں۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ تمہیں میرے اس فیصلے کو ماننا اور میرا ساتھ دینا ہے۔" وہ بڑے مستحکم انداز میں کہہ رہے تھے۔

سارہ نے ایک طنز بھری نظر ان پر ڈالی اور سر ہلانے لگیں۔

"آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں آپ کے فیصلے پر سر جھکاتے ہوئے مان بھی لوں گی اور آپ کا ساتھ بھی دوں گی؟"

"تمہیں دینا پڑے گا کیونکہ یہ معاملہ صرف مجھ اکیلے کا نہیں، ہم دونوں سے متعلق ہے۔"

"کیا مطلب؟" سارہ متجسس ہوئیں۔

"پہلے عزہ کو بلاؤ، اس کے سامنے میں یہ فیصلہ سناؤں گا۔"

"میں کچھ نہیں؟"

"عزہ کو بلاؤ، پھر سمجھاتا ہوں۔" وہ سگار جھاڑتے ہوئے مطمئن لہجے میں بولے۔

سارہ اٹھ کر ملازم کو آواز دینے لگیں۔

"اچھا دیکھو، عزہ بی بی اپنے کمرے میں ہیں؟ ان کو فوراً ادھر اسٹڈی میں بلا کر لاؤ۔" سارہ نے ملازم کے آنے پر اس
وہ سر ہلا کر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد عزہ کے بجائے وہ خود واپس آ گیا۔
"جی بی بی تو اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔"
"وہاٹ؟......ابھی تو وہ اپنے کمرے میں تھی۔ میں نے آتے ہوئے دیکھا ہے اسے۔" سارہ خفگی سے بولیں۔ "کہا
ہیں تمہاری؟ دیکھو جا کر، واش روم یا ڈرائنگ روم میں ہو گی۔"
ملازم اُلٹے قدموں واپس چلا گیا۔
"جی وہ کہیں بھی نہیں ہیں۔" ملازم نے ذرا دیر بعد آ کر بتایا۔ اس سے پہلے کہ سارہ کچھ بولتیں، محمود عالم سگار ایش
پھینک کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔
"میں خود دیکھتا ہوں۔" ان کے اندر بڑا غلط سگنل بجا تھا۔
اور تھوڑی دیر میں وہ سارا گھر دیکھ چکے تھے۔
"جی بی بی تو شاید باہر گئی تھیں۔ میں اپنے کوارٹر سے آیا تو دیکھا، وہ پیدل ہی کہیں جا رہی تھیں۔ میں سمجھا شاید
جمیل صاحب کی طرف گئی ہیں۔ ان کی بیٹی کے ساتھ دوستی ہے ان کی۔" گارڈ بتا رہا تھا اور محمود عالم کے ماتھے کی شکنیں گہری ہو
رہی تھیں۔
اور سارہ کو لگا، جیسے بہت کچھ غلط ہو گیا ہے۔ کیا؟ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
وہ بھاگتی ہوئی عزہ کے کمرے میں گئیں کوئی خطرہ......کوئی پیغام......کچھ تو وہ اپنے جانے کے بارے میں بتا کر گئی ہو
وہ اس خیال سے بھاگی تھیں۔

✲◉......◉✲

"یہ......یہ کیا......کیا ہے یہ؟" پل بھر کو سہی، اس کے مرجھائے ہوئے چہرے کے رہے سہے رنگ بھی اُڑ گئے
کے اندر بجتی خطرے کی گھنٹی نے کیسی تان لہرائی تھی کہ اس کے بعد ایک گمبھیر چپ چھا گئی تھی۔
"خود کھول کر دیکھو، تمہارا گفٹ ہے۔" وہ پوری خباثت سے مسکرایا۔ اس کی آنکھوں کی شیطانی چمک پل بھر میں اس
کی بالکل آخری ساعت میں سب کچھ سمجھا گئی۔
اس نے سر جھکا کر ذرا سا سوچا، ہاتھ میں پکڑے اس زرد لفافے کو دیکھا، جو اس پل اسے کسی سانپ کے مانند لگا
ڈنک اس کے اندر چھپا تھا۔
ذرا سے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے لفافے کے کھلے منہ میں ہاتھ ڈال کر سفید رنگ کا کاغذ نکالا......وہ خود پر
تھی، مگر پھر بھی جانے کیوں، سارے بدن پر ہلکا سا لرزہ طاری تھا۔
اس نے انہی لرزیدہ انگلیوں کے ساتھ اس دودھیا کاغذ کو کھولا۔
اور بس ایک ہی پل لگا۔
اور سب کچھ ختم ہو گیا۔
اس کا طنطنہ، اس کا غصہ، اس کا طمطراق، اس کا فخر اور اس کی اکڑ......سب کچھ ان سیاہ چھپے حروف کی سیاہی میں کھو گیا
وہ دھندلی دھندلی بصارت کے ساتھ یک ٹک ان سیاہ حرفوں کو گھور رہی تھی۔
"کیوں......کیسا لگا گفٹ، جانِ من؟" وہ اس کی لمبی چپ کا مزہ لیتے ہوئے اسی خباثت سے بولا۔
تانیہ کے اندر زبردست توڑ پھوڑ مچی تھی۔ ایک زلزلہ، ایک ہنگامہ، ایک شورِ محشر......مگر چند لمحوں کے لئے۔ اس کے
گمبھیر۔ اس کی آنکھوں کے آگے سرمئی دُھند اُتری ضرور تھی، مگر اس نے اسے پھیلنے نہیں دیا۔
"بہت اچھا......بہت زبردست۔" پورا زور لگا کر اس نے اپنی جھکی ہوئی بوجھل گردن تھوڑی سی تان کر کہا۔
ہاتھ میں پکڑے اس کاغذ کو جس نے اس کی "چند روزہ" تکلیف دہ بیاہتا زندگی کا چند حرفوں میں خاتمہ کر دیا تھا، اس
سے تہہ کر کے دوبارہ لفافے میں بند کرنے لگی۔
"واقعی......یو لائیک اِٹ؟" اب کے حیران ہونے کی باری جہانگیر ہمدانی کی تھی۔
"یس......آئی لائیک اِٹ۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بڑے اطمینان سے کہا۔ "اس کے
فائدے ہوں گے، جہانگیر ہمدانی! اور تمہارا شکریہ میں یوں ادا کروں گی کہ تم نے یہ گفٹ بڑا اِن ٹائم دی ہے۔ اب میرے لئے
تمام تر فیصلے کرنے آسان ہوں گے۔" اس نے مطمئن لہجے میں کہتے ہوئے وہ لفافہ بیڈ کے نچلے دراز میں یوں احتیاط سے

کوئی قیمتی دستاویز ہو۔

"کون سے دو فائدے؟" جہانگیر متجسس ہوا۔

"اب مجھ پر کسی بھی ضابطۂ اخلاق کی پابندی لازم نہیں۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "اور دوسرا فائدہ.......دوسرا فائدہ تمہیں ابھی نہیں، اس نازک گھڑی پر بتاؤں گی، جب تمہارے لئے اس کا بتایا جانا یا نہ بتایا جانا ایک برابر ہوگا۔" خود پر بے تحاشا جبر کے بعد ایسے اطمینان واعتماد کا اظہار اسے تھکانے کے لئے کافی تھا۔ وہ کھڑے سے گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔" وہ اُلجھتا ہوا اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

"میں یہی چاہتی تھی۔"

"کیا.......کیا چاہتی تھیں تم؟"

"کہ تم سمجھ نہ سکو.......اور یہ تم آخر تک اس گیم کی تمام تر بساط اُلٹ جانے تک نہیں سمجھ سکو گے۔" اس کے بے رنگ چہرے سے جھانکتی آنکھوں میں کیسے دکھ کی تحریر تھی۔ ایک ہی لمحے کو جہانگیر نے دیکھا اور دیکھ نہ سکا، بے اختیار نگاہ چرا گیا۔

"آج سے ہم میں اور تم میں جو رشتہ ہوگا، اس کا نام تم نہیں، میں رکھوں گی۔"

"کیا.......کیا نام؟" وہ مشتاق سا ہوا۔

"خدا اور رسول ﷺ کو گواہ بنا کر جو کاغذی کھیل تم نے مجھ سے کھیلا اور اس کھیل نے ہم دونوں کے بیچ جو رشتہ استوار کیا، اسے تم نے اس کاغذ کے ذریعے ہی توڑ ڈالا۔ مگر میں تم سے اب جو رشتہ استوار کرنے جا رہی ہوں، اسے تم چاہو گے بھی تو میری مرضی کے بغیر توڑ نہیں سکو گے۔"

"کیا عجیب، بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو؟ خوامخواہ وقت کا ضیاع۔ بک بھی چکو۔" وہ اتنے زیادہ سسپنس سے جھلا کر بولا۔

"وقت کا ضیاع تو جو ہونا تھا، ہو چکا ڈیئر! اب نہیں ہوگا۔" وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "میں تمہاری بزنس پارٹنر بننا چاہتی ہوں۔ تمہارے ہر برے، بھلے، بدترین کام میں برابر کی حصے دار۔ اور میرا سرمایہ.......ایک عورت کی نسوانیت، اس کی حرمت کا انمول موتی ہے۔ بولو، اس سرمایہ کاری پر مجھ سے پارٹنر شپ کرو گے؟" اس کا لہجہ ابھی بھی پُراعتماد تھا۔ مگر آنکھوں میں تیرتی درد کی لہر گہری ہی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ جہانگیر ہمدانی کو دوسری بار نظر چرانا پڑی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟" آنکھوں کی تحریر سے نظریں چرا کر اسے تانیہ کے لفظوں نے چونکایا تھا، قدرے بے یقینی سے بولا۔

"بالکل سچ.......تمہارے دھندے میں.......آئی مین ہمارے دھندے میں بے ایمانی کی پہلی شرط ہی ایمان داری اور سچ ہے نا؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی تو وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"تم نے جواب نہیں دیا میری آفر کا؟"

"ہنڈرڈ اینڈ ون پرسینٹ قبول ہے۔" وہ پُرجوش ہو کر بولا۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا.......تمہیں اسی طرح کی سرمایہ کاری پر ایسی پارٹنر شپ قبول ہوگی۔"

"او میری جان! تم نے مجھے خوش.......'' وہ جذباتی پن میں آگے بڑھا اور وہ دوسرے پل بیڈ سے اُٹھ گئی۔

"مجھے ابھی آرام کرنا ہے۔ کل آ کر باقی کے معاملات طے کرنا۔ اور اب اس کاروبار کی شرائط طے شدہ ہوں گی اور پکے کاغذ پر، جو صرف تم ختم نہیں کر سکو گے۔ جاؤ اب۔" وہ کہہ کر دوسرے کمرے میں مڑ گئی اور دروازہ بند کر لیا۔

سب کچھ اس کی توقعات کے بالکل برعکس ہوا تھا۔ اگر وہ محض طلاق دینے پر اتنی جلدی آمادہ ہو سکتی تھی تو وہ اسے پہلی رات ہی فارغ کر دیتا۔ اسے کیا معلوم تھا، اتنے دن اس کے اڑیل پن کی نذر ہو گئے۔ سچ کہتے ہیں سیانے، عورت ایک پہیلی ہے۔ یعنی جس بات پر اسے امید تھی، وہ طوفان اٹھا دے گی۔ چیخ چیخ کر زمین و آسمان ایک کر دے گی۔ وہ یہ پیپرز لاتے ہوئے ذہنی طور پر متوقع طوفان کے لئے تیار ہو کر آیا تھا اور یہاں.......یہاں کچھ ایسا ہوا ہی نہیں۔ وہ اس بدنما سانحے کو یوں پی گئی جیسے شربت کا گھونٹ۔ اُلٹا شراکت داری پر اتر آئی۔

"کیا طرفہ تماشا ہے؟" اس کی عقل دنگ تھی۔

❊⊚.......⊚❊
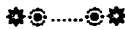
"ماما! مجھے اس گھر میں بچپن سے لے کر اب تک آپ دونوں کے وجود سے کیا ملا؟ لاکھ سر کھپاؤں، جوڑ توڑ کروں، حساب میں الٹی اُلٹاؤں تو بھی.......تو بھی سوائے ماں باپ.......زندہ ماں باپ.......جسمانی طور پر زندہ ماں باپ کے سائے کے اور کچھ نہیں۔ شاید اس پر آپ کہیں دنیا جہان کی نعمتیں، آسائشیں، آرام، لذتیں، سہولتیں.......سب تو دیا آپ نے مجھے اور میں ناشکری۔ ہاں، میں ناشکری ہوں۔ مجھے اقرار ہے کہ میرے لئے یہ تمام نعمتیں، یہ لگژریز سب زیرو ہیں۔ آپ دونوں کی محبت، مشترکہ پیار،

آپس کی انڈراسٹینڈنگ کے بغیر یہ سب میرے لئے معنز تھا، بے معنی، بے کار۔ آپ دونوں کے درمیان کیا تنازع ہے؟ میں نہیں جانتی۔ اور ایک زمانے تک شعور میں آنے تک اس کے بھی بہت سالوں بعد تک مجھے اس تنازع، اس شاخسانے کی جستجو تھی، مگر اب نہیں ہے۔ بالکل بھی نہیں۔

آپ دونوں لڑیں، جھگڑیں، چلائیں، جاہلوں کی طرح ایک دوسرے پر چیزیں پھینکیں، ایک دوسرے کو مار ڈالنے کی دل میں ہی نہیں، آمنے سامنے دعائیں مانگیں، اپنی اپنی زندگی برباد ہونے کا واویلا مچائیں، برملا ایک دوسرے کو گالیاں دیں، آئی ڈونٹ کیئر۔ آپ نے سنا، مجھے پروا نہیں۔ جب آپ دونوں کے جھگڑوں کی پروا نہیں تو آپ دونوں کی بھی پروا نہیں......شاید اس بات سے آپ میری ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا سکیں۔ (اگر اس کا وقت ہو آپ کے پاس۔)

میں اب اپنی زندگی جینا چاہتی ہوں......آپ دونوں اپنی زندگی ''جی'' چکے اور جی رہے ہیں تو مجھے اس بنیادی حق سے کیوں محروم رکھا جائے؟......میں بطور والدین آپ دونوں کو ایک حد تک احترام اور مقام دینے کو تیار ہوں، مگر اس سے آگے جہاں میری ذاتیات اور اس کے بنیادی حقوق کی باؤنڈریز شروع ہوتی ہیں، میں آپ دونوں کو ان باؤنڈریز کو کراس کرنے کی اجازت نہیں دوں گی۔

اگر آپ کو اپنے بھڑکتے غصے اور جاہلانہ طیش بھرے جھگڑوں سے کچھ ٹائم ملے تو اس پر آپس میں طے کر لیجئے گا۔ اب جو آگے ہو گا کم از کم میری زندگی سے متعلق، وہ میری مرضی، میری خوشی سے ہوگا۔ آپ دونوں کی اجازت یا مرضی سے نہیں ہوگا۔ یہ مت سمجھئے گا کہ میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں......میں کہیں نہیں جاؤں گی، یہیں رہوں گی۔ آپ دونوں کے سامنے۔ میں اپنی زندگی کے لئے ایک راستہ منتخب کر چکی ہوں اور شاید آپ دونوں کو وہ راستہ پسند نہ آئے اور آپ دونوں اس پر کچھ نہیں، اچھے خاصے تحفظات کا اظہار کریں تو بھی آئی ڈونٹ کیئر۔ یہ میری زندگی ہے۔ اگر آپ کو میرا راستہ، میری چوائس اپری ٹیٹ کرے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ پچھلے بیس برسوں میں، میں نے کیسی زندگی گزاری ہے۔

میں رات کو شاید ذرا دیر سے آؤں۔ آپ اگر چاہیں تو میرا ڈنر پر انتظار کر لیجئے گا، ورنہ کر لیجئے گا۔ اور پلیز! میرے واپس آنے پر اگر آپ کو ملازموں کو، نانی اماں کو ایک اور زبردست تماشا دکھانے کا شوق ہوا تو پورا کر لیجئے گا (کہ اس کے بغیر آپ دونوں کو مزا آتا بھی نہیں) مگر انتائج بھگتے گا، میں اب بالغ ہوں، اپنی مرضی رکھتی ہوں۔ پاپا تو فیملی لاز کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں، مجھے وضاحت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ آئی نو!''

سارہ کانپتے ہاتھوں اور دھندلی نگاہوں کے ساتھ بڑی تفصیل سے لکھے عزہ کے دل کا تمام حال پڑھ رہی تھیں اور ان کے ذرا پیچھے کندھے کی طرف کھڑے محمود عالم ایک حیرانی، ایک طیش اور آخر ایک وحشت کے عالم میں ان سطروں پر تیز تیز نظریں دوڑاتے بے بس سے ہوتے چلے گئے۔

✲✲......✲✲

''میں اس رات کو سوچتی ہوں اور خود سے نظریں نہیں ملا سکتی......مجھے اپنا چہرہ اتنا مکروہ، اتنا قابل نفرت نظر آتا ہے کہ میں بے اختیار پلٹ آتی ہوں۔'' انہوں نے رک کر ایک دکھ بھری آہ سی بھری۔ ''مگر ایک نہ ایک دن تو مجھے اپنے اس مکروہ چہرے سے نظریں ملانا ہی ہوں گی کہ اس کے سوا نجات نہ سہی، نجات کی امید کی طرف جاتا اور کوئی رستہ بھی نہیں......اور وہ دن شاید آج ہی کا ہے۔''

کمرے میں اتنی گہری خاموشی تھی کہ چار نفوس کی موجودگی کے باوجود ڈاکٹر رخشندہ کی آواز کمرے میں یوں گونج رہی تھی، جیسے ان کے سوا وہاں اور کوئی بھی نہ ہو۔

میڈم یاقوت نے ان کے شرمسار، دھواں ہوتے چہرے کو گہری نفرت سے دیکھا تھا۔ کچھ بولنے کے لئے لب کھولے اور بھینچ لئے۔ وہ خود پر بڑی مشکل سے کنٹرول کر پا رہی تھیں۔ لائبہ، ڈاکٹر رخشندہ کے پیچھے ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھی تھی اور دائم ان کے بیڈ کے دوسری جانب، قدموں کی طرف جس کی جانب وہ دانستہ نہیں دیکھ رہی تھیں۔

''رات نوع انسان کے لئے ایک امتحان ہی ہے۔ اگر تو سو جائے یا رحمٰن کی یاد میں جاگتا رہے تو اس سے زیادہ معصوم اور بے ضرر کوئی نہیں۔ باقی ہر طرح کی بیداری بدصورت عزائم اور تکلیف دہ نتائج کا سبب بنتی ہے۔ میرے ساتھ بھی اس رات کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔'' وہ رک رک کر بول رہی تھیں اور ان کے ذرا بھی رکنے پر میڈم یاقوت کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی اور ماتھے کی شکنیں بھی۔

''میرے اندر کی لالچی، کمینی ماں کی پیاسی عورت جاگ گئی تھی اور ایک ایماندار، مسیحا، ذمہ دار ڈاکٹر کہیں سو گئی تھی......مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ وہ ٹوئنز ہیں اور یہ بات بہت دنوں سے میرے اندر شور مچا رہی تھی کہ کسی بھی طرح اس میں سے ایک بچہ مجھے لے لینا چاہئے۔ میری ساس، جس نے دن رات میری اس محرومی، اس کمی کا احساس دلا رکھا تھا، ہر گھڑی طعنہ، ہر وقت واویلا۔ اگرچہ میرے اندر بھی ماں بننے کی تڑپ کچھ کم نہ تھی، مگر میری اس تڑپ کو آندھی آگ بنانے کی ذمہ دار کچھ نہ کچھ میری ساس بھی تھیں اور

گزشتہ آٹھ نو ماہ سے سعودیہ میں تھیں۔ عمرے کے لئے گئی ہوئی تھیں اور وہیں اپنے کسی بھانجے بھتیجے کے ساتھ رہ گئی تھیں۔ بہت اچھی کہانی بن سکتی تھی.......کہ انہیں سرپرائز دینے کے لئے ان سے اتنے ماہ یہ خوشخبری چھپائی گئی۔ رہ گئے مصطفیٰ، ان سے میں خود بات کر لوں گی۔ اور یہ لڑکی.......''

انہوں نے ذرا سی ترچھی نگاہ میڈم یاقوت پر ڈالی اور زاویہ بدل لیا۔

''اوّل تو اسے پتہ نہیں چلے گا۔ اگر پتہ چل بھی گیا تو جن حالات کا یہ شکار لگتی ہے، شاید ہی پروا کرے۔ پروا کر بھی لے تو کیا کرے گی، زیادہ سے زیادہ واویلا کرے گی تو میں صاف مکر جاؤں گی۔''

ان کا سر یہ الفاظ بولتے ہوئے اور بھی جھک گیا۔

دائم نے ایک افسوس بھری نظر اپنی آئیڈیل ماں پر ڈالی۔

''میں نے رحیمہ کو اپنے ساتھ ملایا ضرور تھا مگر میرا ارادہ نہ تو اس شہر میں رہنے کا تھا، نہ اس ملک میں۔ اور اللہ کی قدرت، رحیمہ اس رات کے بعد بہت دن آئی ہی نہیں۔'' وہ رکیں۔

''پہلا بیٹا تھا۔ تھوڑا کمزور مگر بہت خوب صورت۔ پہلی نظر میں میرے دل نے فیصلہ کر لیا اور دوسرے بچے کے پیدا ہونے سے پہلے میں نے اسے گلابی کمبل میں لپیٹ کر رحیمہ کے ذریعے گاڑی میں بھجوا دیا اور بعد میں ہونے والی بچی کو اچھی طرح کپڑے اور کمبل میں لپیٹ کر اس کے پہلو میں لٹا آئی.......لڑکی کی حالت stable تھی۔ وہ نیم بے ہوش تھی۔ میں نے اسے معمولی سا بے ہوشی کا انجکشن بھی لگا یا تھا۔'' انہوں نے سر اٹھاتے اٹھاتے پھر جھکا لیا۔

''مگر اس رات قدرت نے میرے ساتھ عجب کھیل کھیلا۔'' وہ ذرا سا ہنسیں اور رک کر میڈم یاقوت کو دیکھنے لگیں، جن کے چہرے پر تنفر لحہ بہ لحہ بڑھتا جا رہا تھا۔

''میں نے گھر جاتے ہی رحیمہ کو بھجوا دیا اور بچے کو خود سنبھالنے لگی۔ ساتھ ساتھ میرا دماغ کہانی کی بُنت میں لگا تھا کہ اب آگے کس طرح یہ سب پیچ کرنا ہے۔ مصطفیٰ چین گئے تھے یا جاپان تقریباً پندرہ دن سے۔ رات کے دو بجے ان کا فون آیا کہ وہ آرہے ہیں اور ان کے ساتھ اماں بھی ہیں۔ ساڑھے تین بجے ان کی فلائٹ ہے تو میں گاڑی ایئرپورٹ بھجوا دوں۔ مجھے اس سب کا اتنی جلدی ہو جانے کی امید نہیں تھی اور اماں کا ساتھ آنا، ساری کہانی اُلٹ پلٹ ہو کر رہ گئی۔

مصطفیٰ کا فون سنتے ہی سمجھیں میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اماں اس بات کو ایک نہیں، کئی ہزار بار میرے سامنے دہرا چکی تھیں کہ انہیں بچہ صرف مصطفیٰ کا چاہیے۔ وہ نہ تو کسی یتیم خانے سے لیں گی، نہ کسی اور سے۔ اب اس وقت اس کے سوا اور کون سی کہانی بن سکتی ہے کہ کوئی عورت بچہ پیدا کر کے کلینک میں چھوڑ گئی تو ایسے بچے کو اماں کبھی بھی قبول نہیں کریں گی اور نہ مصطفیٰ۔ اس معاملے میں مصطفیٰ اپنی ماں کے ہم نوا بن جایا کرتے تھے۔

خوف، پریشانی اور گھڑی کی تیزی سے بھاگتی سوئیاں میرے ہاتھ پاؤں پھلا رہی تھیں۔

کاش میں رحیمہ کو روک لیتی۔ فی الحال بچہ اسے دے کر بھیج دیتی، بعد میں کچھ سوچ لیتی۔

تین بجنے کو تھے۔ میں نے مجبور ہو کر ڈرائیور کو ایئرپورٹ بھجوانے کے لئے بلوایا۔ بچہ میرے بیڈ پر کمبل میں لپٹا میٹھی نیند سو رہا تھا۔ تو اس بات کا کسی نوکر کو بھی علم نہیں تھا۔

''بیگم صاحبہ! یہ ڈاکٹر فرحان کا ڈرائیور دے گیا تھا، بلکہ ڈاکٹر صاحب بھی تھے ساتھ۔ آپ گھر پہ نہیں تھیں تو وہ پھر آنے کا کہہ کر گئے۔'' ڈرائیور نے آتے ہی مجھے سفید رنگ کا لفافہ پکڑا دیا۔

ڈاکٹر فرحان شہر کے سب سے مہنگے ترین ہسپتال کے ہیڈ تھے اور میرا ان کے پاس ٹریٹ منٹ چل رہا تھا۔

میں نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ کھولا تو اس میں میری پریگنینسی رپورٹ تھی.......میں ناقابلِ یقین حالت میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر لفافے کو گھورے جا رہی تھی۔ مجھ پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

اچانک گہری نیند سویا وہ بچہ رونے لگا تو میں اپنی بے سُدھ سی کیفیت سے نکل آئی۔

اور پہلی بار.......پہلی بار مجھے احساس جرم ہوا کہ میں کیا کر آئی ہوں مگر.......اب شاید دیر ہو چکی تھی۔

رت مجھ پر ''مہربان'' بھی ہوئی تو کس وقت! ڈرائیور جا چکا تھا۔ گویا وہ لوگ گھنٹہ پون یا ڈیڑھ گھنٹہ میں ادھر ہوتے اور یہ ہم اس کی موجودگی کا کیا کہوں گی؟ اور اگر وہ لڑکی ہوش میں آتے ہی.......اگر اسے پتہ چل جاتا ہے، اگر اس کے ورثا رسوخ والے ہوئے.......اگر انہوں نے کوئی فوری ایکشن لیا تو میرے گھر پر بھی آ سکتے ہیں۔ مصطفیٰ اور اماں کے سامنے کیا بھرم رہ جائے گا۔ اور اتنی خوشی کی خبر.......میری ماں بننے کی خبر سب خاک میں مل جائے گی۔ اس بچے کو فوری طور پر ہی چھوڑ آنا چاہئے۔ میں نے روتے ہوئے بچے کو اٹھا کر ساتھ لگا کر جھلایا اور فیصلہ کیا۔ صرف چند منٹ کا کھیل تھا اور میں بدل

چکی تھی۔

تھوڑی دیر قبل میرے دل میں جو اس بچے کے لئے بے تحاشا ممتا اور محبت تھی، وہ کسی گہرے سرد خانے میں اُتر گئی۔ جذبات، احساسات اس کے لئے بالکل بے تاثر ہو چکے تھے اور میں جلد از جلد اس مصیبت سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔"

میڈم یاقوت نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"صد شکر، میری گاڑی ٹھیک تھی اور موجود تھی۔ میں کسی کو بھی بتائے بغیر اس بچے کو لئے رات کے اس آخری پہر گھر آئی۔ پہلے میں اس کوٹھی کی طرف گئی ......اور وہ بہت دُور تھی۔ جاتے جاتے مجھے بہت ٹائم لگ گیا۔ اور جب میں وہاں پہنچی پہلے وہاں روشنیاں تھیں، گیٹ کے باہر گارڈ تھا، جسے میں نے خود کچھ سامان لینے کے لئے وہاں سے ہٹایا اور اب وہاں تاریکی تھی۔ گھپ اندھیرا۔ پہلے تو جی چاہا، بچے کو کسی طرح اس گیٹ کے آگے یا گیٹ کے اندر رکھ جاؤں۔ مگر باہر شدید سردی کا عالم۔ بچہ نومولود تھا اور کمزور بھی۔ چند گھنٹے اتنی ٹھنڈ میں رہا تو شاید زندہ نہ رہ سکے۔

شاید بیل دیتی تو کوئی آ ہی جاتا۔ آ جاتا تو کیا کہہ کر بچہ اسے دیتی؟ مگر پھر میں نے ایک ترکیب سوچی۔ بچے کو گیٹ کے احتیاط سے لٹایا اور اپنی گاڑی میں پہلے سے دور کھڑی کر آئی تھی اور کوٹھی کی زور زور سے تین چار بار بیل بجا کر ہٹ آئی۔ گھنٹی کی آواز دور دور تک گونجی، مگر کوئی نہ آیا۔ میں نے کئی بار ایسا کیا مگر شاید وہاں کوئی تھا ہی نہیں......اور بچہ اس سردی کی وجہ سے بے تحاشا رونے لگا تھا۔ بالآخر اس کے رونے پر میں نے گھبرا کر اٹھا لیا اور دوبارہ گاڑی میں ڈال کر وہاں چل پڑی۔

اس اندھیری رات مجھے کوئی رستہ نہیں سوجھ رہا تھا اور وقت گزرتا جا رہا تھا۔ کہیں اذانوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ گویا اور مصطفیٰ گھر آ چکے ہوں گے۔ یہ سوچ کر بھی مجھ پر گھبراہٹ سی طاری ہو گئی اور۔

مجھے ایک یتیم خانے کا بورڈ نظر آیا......میں نے فیصلہ کرنے کے لئے ایک پل لگایا اور بچے کو اس عمارت کے دروازے آگے رکھ کر دور چلی گئی۔

بچہ پھر رو رہا تھا اور میرا دل اس کے رونے کی آواز سن کر گھٹا جا رہا تھا کہ اندر سے دروازہ کھول کر کوئی شخص آیا، اس نے پہلے بچے کو دیکھا اور پھر اِدھر اُدھر......ذرا دیر کھڑا رہنے کے بعد اس نے بچے کو اٹھایا اور اندر لے گیا۔ میں قدرے مطمئن ہو کر واپس آ گئی۔

اماں اور مصطفیٰ آ چکے تھے اور میں نے ایک ڈلیوری کیس کا کہہ کر انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر میری رپورٹ انہیں خوش کرنے کے لئے بہت تھی۔ اور اگلے دن......اگلے دن سے جو میرے ضمیر کی ملامت شروع ہوئی، میں اگلے ہی روز اس علاقے کی طرف گئی تھی۔ اس یتیم خانے کی طرف۔ اور ہزار بار سارے میں چکر لگانے کے بعد بھی مجھے وہ یتیم خانہ نہیں مل سکا۔ میں اندر ہی اندر بہت پریشان سی تھی کہ اس لڑکی کا دھمکی بھرا فون مجھے آ گیا کہ تم نے جو حرکت کی ہے، اس کا انجام کتنا ہولناک ہوگا۔ یہ انتقام تمہاری عبرت ناک موت تک تمہارا پیچھا کرے گا، یاد رکھنا۔

اور میں اندر تک ہل کر رہ گئی۔

پھر یہ میری ہی ضد تھی کہ ہم پہلے چند دنوں کے لئے اور پھر ہمیشہ کے لئے پاکستان سے انگلینڈ چلے گئے۔ دائم کی پیدائش وہاں ہوئی، اور بس۔"

ان کے پاس جیسے کہنے کو کچھ بھی نہ رہا۔ کمرے میں پل بھر کو موت کا سناٹا چھا گیا۔

ایک زوردار ٹھوکر نے اس سناٹے کو توڑ ڈالا۔ میڈم یاقوت نے کھڑے ہو کر زور سے کرسی کو ٹھوکر ماری تھی اور وہ لڑھکتی ہوئی دروازے کے پاس اوندھی ہو کر رہ گئی۔

"اس جھوٹ کے پلندے سے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟" وہ خونخوار نظروں سے انہیں گھورتے ہوئے بولیں۔

"اس سارے قصے میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں۔" ڈاکٹر رخشندہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"تو دائم تمہارا بیٹا ہے۔ ہیں!" وہ غرا کر بولیں۔ ڈاکٹر رخشندہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو میرا بیٹا کہاں ہے، جھوٹی مکار عورت؟" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ڈاکٹر رخشندہ کو مار ہی ڈالیں۔

"میں بتا چکی ہوں۔" وہ بے بسی سے بولیں۔

"اور تمہارا خیال ہے، میں تمہاری اس بکواس کو مان لوں گی، بغیر کسی ثبوت کے؟" وہ زور سے ان کا کندھا ہلا کر بولیں کہ ان کا پورا وجود جھٹکے سے لائبہ پر جا گرا۔ ڈاکٹر رخشندہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ابھی وہ ہسپتال میں تھیں۔

"مام! پلیز۔" لائبہ نے کسی خدشے کے تحت انہیں سنبھالتے ہوئے میڈم یاقوت سے کہا۔

"تم اپنی بکواس بند کرو۔" وہ طیش میں چلائیں۔ "بتاؤ، کہاں ہے میرا بیٹا؟"

"میں بتا چکی ہوں۔" وہ پھر اسی لہجے میں بولیں۔

"تم یہ سارا جھوٹ کا پلندہ اس لئے بول رہی ہو کہ میں خود اپنی شکست مان کر پیچھے ہٹ جاؤں کہ دائم میرا بیٹا نہیں........ ہے نا؟......ہے نا؟" وہ پاگلوں کی طرح دائم کی طرف بڑھیں اور اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"یہ......یہ میرا بیٹا ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے........اور سب سے بڑی گواہی دل کی........اور میں صرف اس گواہی کو مانتی ہوں، تمہاری بکواس کو نہیں۔ سنا تم نے؟........چلو دائم! دیکھا، اس عورت کی حقیقت۔ یہ مکار، اس کا اصل روپ۔ یہ لوگوں کی گودیں اُجاڑتی ہے۔ ڈاکہ زنی کی ڈگریاں لے رکھی ہیں۔ یہ مسیحا کے روپ میں کیسی مکار ہے۔ سن لیا........سنا تم نے اپنے کانوں سے؟......اب تو تمہیں یقین آجانا چاہئے۔ اور بات سنو اس کی، جس بانجھ، بنجر عورت کے سالوں تک ایک کلی نہ چٹکی، وہ رات ہی رات میں ماں بننے کے قابل ہو گئی۔ اس کا جھوٹ تو یہیں پر کھل گیا۔ یہ صرف تم پر........تم پر اپنا قبضہ جمائے رکھنا چاہتی ہے۔ تم پوچھتے تھے نا مجھ سے ساری بات، سو سن لی خود اس مہذب ڈاکٹر کے منہ سے۔ ظالم عورت کو پل بھر کے لئے بھی خدا کا خوف نہیں آیا کہ وہ کیا ظلم کما رہی ہے۔ ایک ماں سے........ایک ماں سے جو پہلے ہی زمانے کے پتھروں سے سنگسار ہوئی پڑی ہے، یہ اس کا آخری سرمایہ، آخری امید بھی ڈبونے چلی ہے۔ چلو تم میرے ساتھ۔ چلو، لعنت بھیجو ایسی مکار عورت پہ۔ یہ ماں تو کیا، عورت کہلانے کی بھی مستحق نہیں۔ اس لئے قدرت نے اسے بانجھ رکھا۔ یہ تھی ہی اسی قابل۔ تم چلو میرے ساتھ۔" وہ دیوانوں کی طرح بولتی جا رہی تھیں اور دائم کو گھسیٹتی جاتی تھیں۔

ڈاکٹر رخشندہ بے بسی کے عالم میں اس کے ساتھ گھسٹتے دائم کو دیکھے جا رہی تھیں۔

میڈم یاقوت اسے گھسیٹتی ہوئی دروازہ کھول کر اپنے ساتھ لے گئیں۔

ڈاکٹر رخشندہ کے ضبط کا پیمانہ چھلک پڑا۔ وہ بے اختیار رونے لگیں۔

"آنٹی پلیز! سنبھالیں خود کو۔ دائم آجاتا ہے ابھی......ابھی مام اپنے حواسوں میں نہیں، اس لئے انہیں جانے دیں۔ ورنہ وہ ادھر کوئی تماشا لگا دیں گی۔ پلیز، حوصلہ کریں۔" لائبہ انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دینے لگی۔ مگر ان کے آنسو بہتے چلے گئے۔

✲✲......✲✲
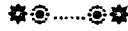
"اوں ہوں.......یوں نہیں، یوں۔" لینا نے بے اختیار اسے کندھوں سے تھام کر گردن کو کچھ اور اونچا کرتے ہوئے اسے ٹوکا۔

"او کے!" ثانیہ نے برا مانے بغیر اپنی اٹھی ہوئی گردن کو ذرا اوپر اٹھایا۔ اس کے نیم برہنہ شانوں سے اوپر کو اٹھی ہوئی صراحی دار دودھیا شفاف گردن پہلی نظر میں دیکھنے والے کی توجہ بے اختیار اپنی جانب مبذول کروا رہی تھی۔

"ویسے سر کے انتخاب کی داد دینا پڑتی ہے ڈیئر! تمہارے پورے وجود میں تمہاری گردن کتنی خوب صورت ہے، تمہیں خود بھی پہلے کبھی اس کا اندازہ نہیں ہوا ہوگا۔ جیسے کسی راج ہنس، کسی پُرشکوہ ملکہ کی سی اُٹھان والی گردن.......ہے نا؟"

وہ برابر اس کے ساتھ چلتی اس کو ہدایات دیتی اس کی چال کو عجیب عجیب زاویے پر جھکاتی، اکڑاتی اور لچک دیتی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وقفے سے اس کے حُسن کی تعریفیں۔ کبھی گردن کی، کبھی فگر کی، کبھی اس کی رنگت کی، کبھی پیشانی کی، کبھی آنکھوں کی، کبھی دانتوں اور ہونٹوں کی۔

پہلے پہل تو ثانیہ کو تھوڑی شرم سی آئی، اس سے یوں کھلے ڈُلے الفاظ میں تعریف سن کر۔ پھر اس کی شرم اور جھجک فقط دو چار دنوں ہی میں رخصت ہو گئی بلکہ اس سارے پیریڈ کے دوران اگر لینا معمول سے ذرا کم اس کی تعریف کرتی تو اسے گھبراہٹ سی ہونے لگتی۔ اپنے اتنے شاندار حُسن اور سراپے کے بارے میں شک سا ہونے لگتا۔

اور آج سے پہلے میں بھلا کہیں اپنی گردن کے ایسے gorgeous (شاندار) روپ کو کہاں پہچان سکتی تھی کہ یہ گردن کبھی یوں نیم برہنہ ہو کر، دوپٹے اور چادر کی بُکل سے نکلی جو نہیں تھی۔

وہ سر پر دوپٹہ بہت کم لیتی تھی اور یاسمین کی عادت تھی اسے ٹوکنے کی۔

"امی! اب بندہ گھر میں کیا دوپٹہ اوڑھتا پھرے؟ یوں تو لے رکھا ہے میں نے۔" وہ جھلا کر کہتی۔

"بے وقوف! سر پر دوپٹہ رکھنے سے عورت اللہ کی رحمت کے سائے میں رہتی ہے۔ حیا بڑی دولت ہے اور جو عورت اس دولت کو سنبھال سنبھال چلتی ہے، کبھی کنگال نہیں ہوتی۔ نہ حُسن کے معاملے میں، نہ کشش کے معاملے میں۔ یہ حیا ہی اس کے معمولی حسن میں کشش پیدا کرتی ہے کہ دیکھنے والا اس عورت کو بہت حسین سمجھنے لگتا ہے۔"

یاسمین جانے کس موڈ میں تھیں اس روز۔

"یعنی حقیقت میں وہ عورت حسین ہوتی نہیں، بس نظر کا دھوکا ہوتا ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''حسین وہی ہوتی ہے جو باحیا ہوتی ہے۔ جس کی نظر میں حیا ہوتی ہے۔'' یاسمین اپنی بات پر قائم تھیں۔
''او رامی! دیکھیں، میری نظر میں تو ''حیا'' ہے۔ مگر یہ مجھے باحیا تو نہیں بنا سکتی۔'' اس نے بے اختیار سسکی سی لی۔
''شیطان کا پہلا ہدف حیا ہوتی ہے۔ جب ایک بار بندہ بے حیا ہو جائے، پھر اسے کوئی برائی، برائی لگتی ہی نہیں۔''
اسے بے اختیار چکر سا آ گیا۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے اس کے ساتھ لینا نہیں، یاسمین چل رہی ہوں جن کے لب ہل رہے تھے وہ کہہ رہی تھیں۔ ''شیطان کا پہلا ہدف حیا ہوتی ہے، ایک.......''
''او.......اوہ، بھئی سنبھل کر۔ کیا ہوا، تھک گئیں؟'' وہ لینا کے سنبھالتے سنبھالتے بھی گر ہی گئی۔
''لگتا ہے، تھک گئی ہو۔ چلو تھوڑا ریسٹ لے لو۔ ہے بوائے!'' اس نے دور کھڑے ڈرنکس والے لڑکے کو اشارے سے بلا
''یہ پیو دو گھونٹ۔ تمہاری انرجی بحال ہو گی۔'' اس نے چھوٹا سا براؤن مشروب والا گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔
پچھلے دو ہفتوں سے لینا یونہی وقفے وقفے سے یہ منحوس مشروب اس کو کبھی زبردستی، کبھی پیار سے اور کبھی کسی اور طریقے پلانے کے جتن کر رہی تھی اور ہر بار وہ نفرت سے منہ پھیر لیتی۔
اور آج وہ اسے سونگھے بغیر، سانس روکے ایک ہی گھونٹ میں آدھا گلاس پی گئی۔
''واؤ، زبردست! بھئی تم تو خوب امپروو کر رہی ہو۔'' لینا نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا اور ثانیہ نے اسے یوں دیکھا پوچھ رہی ہو۔ ''کیسا؟''
ایک بار جب بندہ بے حیا ہو جائے تو پھر اسے کوئی بھی برائی، برائی لگتی ہی نہیں۔
اس نے زور سے سر جھٹکا اور آرام کرسی سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

✲......✲

وہ آفس میں نیم روشنی کیے اِدھر اُدھر چکراتی پھر رہی تھی۔
کبھی سینٹرل ٹیبل سے منسلک درازیں کھولتی، کبھی خفیہ لاک مختلف ریموٹ سے کھول کر اندر رکھی فائلز، سی ڈیز اور دوسرے کاغذات دیکھتی اور مایوس ہو کر بند کر دیتی۔
ریٹائرنگ روم کی ماسٹر الماری کا لاک اس سے نہیں کھل رہا تھا۔
'جو کچھ بھی ہے، یقیناً اس الماری کے اندر ہے۔ بہت شاطر عورت ہے۔ یوں اپنے راز کو کھلے عام نہیں چھپا سکتی۔ عائشہ تم بے وقوف ہو۔ اس کے آفس پر تو کسی بھی وقت کوئی چھاپہ پڑ سکتا ہے۔ یا کچھ بھی انہونا ہو سکتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ پیر کٹوا کر یہاں رکھ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔' وہ تھک کر کمرے کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر سوچنے لگی۔
تنزیل نے اگرچہ اسے یہ سب کرنے کے لئے نہیں کہا تھا اور جو منصوبہ وہ بتا رہا تھا، اس سے میڈم یاقوت یا اس کے نیٹ ورک کو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ خود سے ایسے ثبوت حاصل کرنا چاہتی تھی، جو وہ ان کے خلاف منظر عام پر لا سکے۔ مگر ابھی تک اسے ایسی کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔
یہاں آفس میں سب کاغذات، معاہدے، ان کی کاپیاں، کچھ امپورٹ ایکسپورٹ سے متعلق اور سی ڈیز معمول کے فیشن شوز پریڈز کی تھیں۔
'بہت شاطر ہے۔ بہت کائیاں۔ اس پر ہاتھ ڈال کر تم اپنی جان سے تو جاؤ گی مگر تمہارے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔ اور وہ بے وقوف تنزیل اس ''مونسٹر'' کی تباہی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ناممکن ہے۔'' اس نے شکست خوردہ سے انداز میں سر ہلا کر سوچا۔
اسی وقت زور سے دروازہ کھلا اور اس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔
مختار تھا جو ایڈمنسٹریشن میں ہوتا تھا۔ اسے دیکھ کر عائشہ کا رُکا ہوا سانس باہر آیا تھا۔
''مس عائشہ! میڈم کہاں ہیں؟ وہ آج فائنل ریہرسل ہے۔ منیجر صاحب کے تین چار فون آ چکے ہیں۔''
''کیوں، میم پہنچیں نہیں ابھی؟ انہیں تو شاید سات بجے اِدھر ہی جانا تھا۔''
''نہیں پہنچیں۔ اسی لئے تو آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ کو میم کے ساتھ نہیں جانا تھا؟''
''ہاں، جانا تو تھا۔ مگر وہ مجھ سے کہہ کر گئی تھیں کہ گھر جا رہی ہوں، کچھ دیر میں آ جاؤں گی۔ میں بھی شاید ادھر ہی ہوں۔ چلیں، میں معلوم کرتی ہوں۔'' وہ اس کے باہر نکلنے سے پہلے خود تیزی سے باہر نکل گئی۔ اور اپنے آفس میں آ کر یاقوت کے نمبر پر فون کرنے لگی۔
وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھیں۔ تین چار بار ملانے کے بعد اس نے مایوس ہو کر فون رکھ دیا۔
'مجھے بھی ریہرسل پر پہنچنا تھا اور شاید دیر بھی ہو گئی ہے۔ یہاں بیٹھ کر ان کا انتظار کروں یا خود سے چلی جاؤں؟' وہ سوچ

جدا ہو گئی۔
اسی وقت اس کے سیل کی بیپ بجی۔
قاسم بخاری کا فون تھا۔ وہ خود سے اسے فون بہت کم کرتے تھے۔
"جی بابا! خیریت، آپ نے فون کیا۔"
"ہاں بھی...... اور نہیں بھی...... تم آسکتی ہو؟" اسے ان کی آواز ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔
"کیا مطلب بابا؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔
"کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔ معلوم نہیں۔ تم اگر آ جاؤ۔" ان کی آواز بتدریج ڈوب رہی تھی۔
"میں...... میں آ رہی ہوں بابا!...... آپ خود کو سنبھالیں۔ میں دس پندرہ منٹ میں پہنچتی ہوں۔" اس نے فون بند کرتے ہوئے جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹنی شروع کیں۔ اور باہر نکلتے ہوئے وہ قطعاً بھول چکی تھی کہ اسے میڈم یاقوت سے رابطہ کرنا ہے یا ریہرسل پر جانا ہے۔

✲◉......◉✲
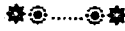
"آپ نے مجھ سے یہ سب اتنے روز کیوں چھپایا جبکہ...... میں آپ کے سامنے کس ذہنی اذیت سے گزر رہا تھا۔"
وہ ان کے بیڈ کے پاس دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور بڑے دنوں بعد بڑی اپنائیت سے ان سے گلہ کرتے ہوئے بولا تھا۔
وہ کچھ بول ہی نہ سکیں۔
دائم کے ہاتھ ان کے گھٹنوں پر تھے اور ان پر گرم گرم آنسوؤں کے قطرے گرے تو وہ تڑپ کر ذرا سا اٹھا۔
"ماما! پلیز، یوں نہ کریں۔ ابھی آپ کی طبیعت اچھی نہیں۔ ڈاکٹر نے آپ کو مکمل ریسٹ کے لئے کہا ہے اور آپ شام سے۔ مجھے آپ کو ہسپتال سے لانا ہی نہیں چاہئے تھا۔ ایسا نہ کریں پلیز۔" وہ ٹشو لے کر ان کا چہرہ پونچھتے ہوئے بے چینی سے بولا۔
"تم نے میری بات پر یقین کر لیا۔ تمہیں یقین آ گیا نا، میں نے جو کہا سچ کہا ہے، اس میں......" وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بے اختیار سی بولی تھیں۔
دائم نے ایک پل کو انہیں دیکھا اور نظریں ہٹا لیں۔
"دائم! میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔" انہوں نے آہستگی سے دہرایا۔
"مام! آپ کو معلوم ہے نا، آپ میری آئیڈیل تھیں۔" اور "تھیں" پر ان کا دل جیسے تھم سا گیا۔
"کیا اب نہیں ہوں؟" وہ سہم کر بولیں۔
"آپ بہتر جانتی ہیں۔" وہ ان سے نظریں ملائے بغیر بولا تو وہ گم صم سی ہو گئیں۔
"ماما آپ کو معلوم ہے نا، آپ نے کیا، کیا ہے؟" وہ ذرا توقف سے بولا۔
"معلوم ہے، جانتی ہوں۔ اسی لئے تو اتنا عرصہ اس جرم کی بھاری سِل سینے پر دھرے کس طرح سانس لیتی رہی۔ میں تمہیں، کسی کو بھی نہیں بتا سکتی۔"
"اور اس ماں کی اذیت کا اندازہ کر سکتی ہیں آپ، جس نے بائیس سال ایک آس کے سہارے گزارے۔ اور جب دریا پاس آیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو سراب تھا۔ اُس کی حالت مام!"
وہ ان سے زیادہ اس کے لئے، اس کی تہی دامنی کے احساس پر تڑپ رہا تھا، اس خیال نے ہی انہیں ششدر سا کر ڈالا۔
"مام! آپ تو لوگوں کی تکلیفیں دور کرنے والی، ان کے درد گھٹانے والی، انہیں نئی زندگی کی نوید سنانے والی تھیں تو آپ نے یوں اس طرح ایک نہیں، دو زندگیوں کو محض اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے ایسی بے دردی سے تباہ کر ڈالا۔ آئی کانٹ بی لیو، مام! یہ آپ کر سکتی ہیں۔ آپ، میری مام...... نیور۔" وہ ان سے زیادہ صدمے کی حالت میں تھا۔
"اور جب قدرت نے آپ کو نوازنے کا، اس خواہش کی اپنی طرف سے تکمیل کا عندیہ سنایا تو آپ نے ذرا بھی ایک جیتی جاگتی زندگی کی سانسوں کی ڈور کی پروا کئے بغیر اس پیدا کرنے والی کے درد و غم، اس کے احساسات کی پروا کئے بغیر اسے یوں ننگے آسمان، اندھیری رات کے ظالم دامن میں پھینک دیا، جیسے وہ جیتی جاگتی زندگی نہ ہو، کوئی مٹی کا بے جان کھلونا اور بس۔ آئی کانٹ بی لیو مام! مجھے یقین نہیں آتا، آپ ایسا کر سکتی ہیں۔"
وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں اپنے ہی سر کو جکڑے کس اذیت کے عالم میں بول رہا تھا کہ اس کی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے ان کا اپنا دل کٹ سا گیا۔
"میں آپ کا بیٹا ہوں یا نہیں؟" دائم نے یہ کہا تو انہیں لگا، وہ کٹا ہوا دل ان کے سینے سے باہر آ نکلا ہو۔

''مام! انصاف کا تقاضا تو یہی ہے نا، ہاتھ کے بدلے ہاتھ، بازو کے بدلے بازو، جان کے بدلے جان۔ ہاں، بالکل جان کے بدلے جان۔'' وہ انہیں اپنے حواس میں نہیں لگا۔ ''میں ڈھونڈوں گا اسے۔ لیکن اگر اسے نہ ڈھونڈ سکا تو ایک وعدہ آپ کو بھی مجھ سے کرنا ہوگا، خلوصِ دل اور سچی نیت کے ساتھ۔''

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گئیں، کچھ بول ہی نہ سکیں۔

''مام! اگر میں اسے نہ ڈھونڈ سکا، اس عورت کی پیاسی ممتا کی پیاس کا منبع نہ تلاش کر سکا تو آپ خود اپنی خوشی، اپنی مرضی سے مجھے اسے سونپ دیں گی۔ میں بنوں گا، آپ کے جرم کا کفارہ...... میں بنوں گا، اس جان کے بدلے جان کا ازالہ۔ بولیں، مانیں گی میری یہ بات؟''

اس کی آنکھوں میں دوڑتے سرخ لہو کے ڈورے اس کے زخمی دل کا سارا حال کہہ رہے تھے۔

انہیں لگا، مکافاتِ عمل کا دورانیہ شروع ہو چکا ہے۔

ماضی ان کے اعمال کا محتاج تھا اور حال، ان ہی اعمال کے نتائج کو ان کی زندگی کا حصہ بنانے پر تلا ہوا تھا، یوں کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں، سوائے بے بسی کے۔

''دائم! میں مانتی ہوں، میں نے غلطی کی۔ مجھ سے......'' انہوں نے آخری کوشش کے طور پر کچھ کہنا چاہا۔

''نہیں مام! یہ غلطی نہیں، یہ جرم ہے جو آپ سے سرزد ہوا۔ ایک جیتی جاگتی زندگی، معلوم نہیں زندہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر وہ واقعی اس رات مر گیا تو مام! پھر آپ کو اس کفارے کو ادا کرنے کے لئے خود کو ابھی سے تیار کرنا ہوگا۔ آپ اب آرام کریں، میں چلتا ہوں۔'' وہ یک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک دم اجنبی سا۔

''کہاں...... کہاں جا رہے ہو؟'' وہ ٹوٹے ہوئے، بے مراد سے لہجے میں بولیں۔

''میڈم یاقوت کے پاس، ان کی حالت اس وقت بہت قابلِ رحم ہو رہی ہے۔ آپ نے دوا لے لی ہے نا؟'' وہ سرسری لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ انہوں نے یونہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ ذرا دیر کھڑا رہا، پھر ذرا سا جھکا، ان کے ماتھے پر اپنے بے تاثر سے لب رکھ دیئے اور مڑ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ عجب سی کیفیت میں گھری بیٹھی رہ گئیں۔

"دیکھ لیا تم نے انجام؟" وہ زہر خند لہجے میں بولے۔
"کس بات کا؟" وہ انجان پنے سے بولیں۔
"اسے یوں چھوٹ دینے کا، بے جا آزادی دینے کا۔" وہ چبا چبا کر بولے۔
"محمود عالم صاحب!" سارہ قہر بھرے لہجے میں سختی سے بولیں۔ "آپ نے شاید بیٹی کا خط غور سے نہیں پڑھا۔ اس نے بغاوت، آپ کے اور میرے باہمی جھگڑوں اور اس گھر کے ناہموار ماحول کی وجہ سے کی ہے۔ محض مجھ پر الزام لگا کر تم یوں خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔" سارہ نے اس معاملے میں کبھی ادھار نہیں رکھا تھا تو اب کیوں رکھتیں۔
"اور یہ جھگڑے کون کرتا ہے؟" وہ نفرت سے بولے۔
"جناتی مخلوق۔" وہ ہنکارا بھر کر بولیں۔ "ظاہر ہے، تم۔ ظاہر ہے میں اگر اب بھی اس چند سطری واضح پیغام کے بعد تم سارا ملبہ مجھ پر ڈال کر خود کو صاف بچا لینا چاہتے ہو تو یہ پھر تمہاری ایک بڑی غلطی ہوگی اور اس غلطی کا انجام یقیناً اتنا سادہ نہیں ہوگا، بہت خوفناک، بہت بھیانک۔ سمجھ رہے ہو نا؟ اور کہوں تو تم سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے اسے بھلا؟ میں صحیح کہہ رہی ہوں نا؟" آخر میں وہ معنی خیز انداز میں جتا کر بولیں تو محمود عالم نے انہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اٹھ کر ٹہلنے لگے۔
دونوں کے درمیان خاموشی کا، اجنبیت کا لمبا وقفہ آیا تھا۔ محمود عالم بے چینی سے ٹہلے جا رہے تھے اور سارہ کرسی پر بیٹھی کبھی کسی سوچ میں ڈوب جاتیں، کبھی بے چین سی ہو کر محمود عالم کو دیکھنے لگتیں، جو وقفے وقفے سے ایک ہندسے کے بعد دوسرے کو اور دیوار گیر گھڑی کی سوئیوں کو دیکھے جا رہے تھے۔
"ٹائم دیکھا ہے تم نے؟" وہ شاید ٹہلتے ٹہلتے تھک گئے تھے، کہتے ہوئے نڈھال سے، کرسی پر بیٹھ گئے۔
"دیکھ رہی ہوں۔" نو تو بج چکے تھے۔ دونوں سوئیوں کا اگلے ہندسے کی طرف سفر تیزی سے شروع ہو چکا تھا۔
"کھانا کھا لیں۔" سارہ ذرا دیر بعد بولیں۔
"تم جاؤ کھاؤ۔ اگر کھا سکتی ہو تو۔" وہ چیخ کر بولے۔
سارہ کچھ بھی بولے بغیر اٹھ کر چلی گئیں۔
"بے درد، بے حس عورت۔" وہ ان کے جاتے ہی زور سے بڑبڑائے۔
"تھوڑا کھانا کھا لیں۔" وہ ذرا دیر بعد پھر آ چکی تھیں پوچھنے کے لئے۔
"کہا نا، بھوک نہیں۔ سنو، اس کی دوستوں کی طرف فون کر دو یا پھر میں پتہ کرنے جاؤں۔ یوں کب تک بیٹھے رہیں گے؟" وہ کچھ پریشان، تھوڑے صلح جو لہجے میں بولے تھے۔
"کر چکی ہوں فون تینوں فرینڈز کی طرف........ وہ کہیں بھی نہیں گئی۔ معلوم نہیں، کہاں گئی ہے؟ کیا کرنے؟" وہ خود پر تشویش لہجہ میں کہہ کر بے دم سی ہو کر بیٹھ گئیں۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، ان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ سہ پہر سے گہری رات ہونے کو آئی اور وہ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔
"اس کا سیل فون........ اس پر ٹرائی کرنا تھا۔" وہ کچھ یاد آنے پر بولے۔
"کر چکی ہوں۔ سیل اسی کے روم میں پڑا ہے، وہ لے کر نہیں گئی۔" جواب سن کر وہ دھک سے رہ گئے۔
"کہیں ہمیشہ کے لئے........ نہیں نہیں۔" وہ گھبرا کر سیدھے کھڑے ہو گئے اور بے یقین سی نظروں سے سارہ کی طرف دیکھنے

لگے۔
"اسی لئے........ اسی لئے میں نوٹ کر رہا تھا، دیکھ رہا تھا۔ اُس رات بھی سگنل تھا ہمارے لئے۔ اگر تم ماں ہو، پوچھ لیتیں ذرا پیار سے، پیار یا سختی سے۔ ماؤں کو ہزار طریقے آتے ہیں، تو شاید آج........ آج وہ یہ انتہائی قدم نہ اٹھاتی۔" وہ ایک بار پھر ساری غلطی کا الزام سارہ پر دھر کر بولے اور خلاف توقع سارہ خاموش رہیں۔

"ماؤں کو بھلے ہزار طریقے آتے ہوں، مگر جب تقدیر اپنے طریقے، اپنے داؤ آزمانے پر آتی ہے تو ان کے ہزار طریقے دھرے رہ جاتے ہیں، محمودِ عالم!........ دس بج رہے ہیں۔ بے وقوف سی ہے، کسی بدخواہ کے ہتھے........ میرا دل گھبرا رہا ہے محمود! جائیں، اس کا پتہ کریں۔ کہیں ڈھونڈیں اسے۔" سارہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"سب سوچ لیا تھا میں نے........ مجھے اس کے تیور کئی دنوں سے بہت بدلے بدلے محسوس ہو رہے تھے۔ اچھا لڑکا، اچھا، دائم۔ میں نے سب طے کر لیا تھا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑا رہے تھے۔

"مت نام لو اس کا۔" وہ یکدم آنسو پونچھ کر غرائیں۔

"تمہیں اس سے کیا تکلیف ہے؟" وہ جواباً تیزی سے بولے۔

"اسی........ اسی مکار مصطفیٰ کا بیٹا ہے نا یہ لڑکا، جسے میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ اذیت بھرے انداز میں بولیں۔

"مصطفیٰ نے تمہارا کم از کم کوئی نقصان نہیں کیا۔ تم نے جو چاہا، سو پا لیا۔ پھر اس سے خواہ مخواہ بیر باندھنے کا مطلب؟" بولے۔

"پا تو آپ نے بھی لیا تھا، جو چاہا........ پھر جیت کس کی ہوئی؟" وہ فاتحانہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اسی جیت کے خمار نے تمہیں عمر بھر آنکھیں نہ کھولنے دیں، ورنہ یوں اس گھڑی بیٹی کی سرکشی نہ دیکھ رہی ہوتیں۔"

"اور تم نے........ تم نے جو عمر بھر میرے ساتھ بدترین سلوک روا رکھا، کیا خدا نہیں دیکھ رہا تھا؟ یہ سب تمہارے کیے کا نتیجہ ہے۔ آخر میری آہ بھی تو کسی طرح لگنا تھی تمہیں۔" وہ خاص دشمنوں والے لہجے میں بولیں۔

"کیا خوب لگی آہ کہ اپنی ہی بیٹی کی........" اسی وقت باہر قدموں کی آہٹ ہوئی اور دونوں چپ کر گئے۔

ثریا بانو اندر آ چکی تھیں۔

گھڑی کی سوئیوں کا سفر اب گیارہ کا ہندسہ عبور کر کے آگے کی طرف رواں دواں تھا۔

"ایں........ یہ تم دونوں ابھی تک جاگ رہے ہو، خیر تو ہے؟" ان کا انداز خالص جاسوسانہ تھا۔ محمود عالم نے بیزاری سے منہ پھیر لیا۔

"خیر ہے اماں! آپ سوئیں نہیں۔" سارہ نے کوفت سے جواب دیا۔

"اے کہاں، ہم بڈھوں کو ایسی جلدی نیند آنے لگے تو کیا ہی خوب ہو۔" وہ کہتے ہوئے پرے صوفے پر اطمینان سے نشست جمانے کے ارادے سے بیٹھ گئیں۔

"اور میں گئی تھی عزہ کے کمرے میں........ کلامِ پاک پڑھ کر عزہ کے لئے کچھ پانی دم کیا تھا۔ بچی اتنا پڑھتی ہے تو میں نے سوچا ذرا اسے پلاؤں۔ اللہ کی مدد شامل ہو جائے گی اس کی محنت میں۔ پر وہ تو کمرے میں تھی نہیں۔ کیا گھر میں نہیں ہے؟"

"ہے اماں! آپ سو جائیں نا جا کر۔" سارہ ادھورا سا جواب دے کر بولیں۔

"دیکھو میاں! چاہے تم دونوں کو برا لگے یا بھلا، پر کہوں میں سچ۔" انہوں نے سارہ کی ہدایت سنی ہی نہیں۔ "جوان بیٹی بڑی بھاری ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر کوئی سمجھے تو۔ بھئی میں تو آج کل کے ماں باپ کو دیکھتی ہوں اور حیران ہوتی جاتی ہوں۔ ہماری بہو صاحبہ، کیا کہوں آگے میں۔ قیامت کی نشانیاں ایسی مائیں بھی ہوتی ہیں۔ اور تم........ تم نے بھی بیٹی کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ جس گھڑی دیکھو، شتر بے مہار گھر سے باہر۔ بھلا یہ کیا طریقہ ہوا کہ آدمی........"

وہ نان اسٹاپ بولے جا رہی تھیں۔ محمود عالم نے غصے میں کرسی کو لات ماری اور میز پر پڑی گاڑی کی چابیاں اٹھا کر باہر نکل گئے۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" سارہ بدحواس سی باہر ان کے پیچھے گئیں تو ثریا بانو کی چلتی زبان یکلخت تھم گئی۔

"ابھی یہ دونوں اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اللہ جانے کیا چکر ہے۔ دیکھوں تو۔" وہ کہتے ہوئے چپل پہننے لگیں۔

اسی وقت بیرونی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔

ثریا بانو ننگے پاؤں ہی باہر نکل گئیں۔

✿ ●........● ✿

آسمان پر ستارے اگرچہ چمک رہے تھے، مگر چاند کی غیر موجودگی میں رات تاریک اور گہری سی لگ رہی تھی۔

لائبہ بہت دیر سے یونہی خنک لان میں ٹہلے جا رہی تھی۔

ڈاکٹر رخشندہ کی کہانی اور میڈم یاقوت کا ردِعمل........ اسے دونوں ہی چیزیں عجیب سی لگ رہی تھیں۔

کہ زندگی کی حقیقت ہے افسانے سے عجیب تر۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے چاند سے خالی سیاہ آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔
اصل بات ابھی بھی نہیں کھلی۔ ہو سکتا ہے، اپنے دفاع کے لئے رخشندہ آنٹی واقعی جھوٹ بول رہی ہوں۔ جبکہ ان کے بقول
انے اس بچے کو کہاں پھینکا، انہیں خود بھی معلوم نہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک ذمہ دار، سمجھ دار ڈاکٹر ایسی حرکت کرے اور
جائے۔ ناممکن......انہوں نے شاید مام سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ کہانی گھڑی ہو یا پھر...... مائی گاڈ! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا،
ہے اور جھوٹ کیا۔ حقیقت اور افسانہ سب گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے۔ مام گھر نہیں آئیں۔ جانے کہاں چلی گئیں۔
وہ خود سے باتیں کرتے، گہری سوچ میں ڈوبے، لان کے انتہائی کنارے پر آ گئی تھی، جس کے بائیں جانب انیکسی تھی۔ وہ یونہی
چلتی چلی گئی، جب اسے اندر سے کسی کی کھانسی کی آواز سنائی دی۔ وہ حیران سی کھڑی رہ گئی۔
'بھلا یہاں کون رہتا ہے؟' وہ سوچنے لگی۔

✲◉......◉✲
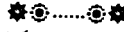
'یقیناً، لازماً یہ بدمعاش ڈاکٹر مجھ سے جھوٹ بک رہی ہے۔ اس کی کہانی میں ذرا بھی جان نہیں۔ سب...... سب جھوٹ کا
مدعا معلوم ہو رہا ہے۔ اور سمجھتی ہے، میں اس کی گھڑی ہوئی کہانی پر یقین کر لوں گی...... میرا دل...... میرا دل صاف گواہی
دیتا ہے کہ اب ہی میرا بیٹا ہے۔ ورنہ...... ورنہ وہ یہ سب سن کر ایسا کیسے کر سکی۔ ایسی پیار کرنے والی ماں کو لات مار کر میرے ساتھ کیوں
آتا؟ کیسے گھنٹہ بھر بیٹھ کر میرے بکھرے وجود کو سمیٹتا رہا، مجھے سنبھالتا رہا، تسلیاں دیتا رہا۔ آپ کیوں ایسا سوچتی ہیں، کچھ بھی نہ سوچیں،
میں آپ کا بیٹا ہوں، یقین رکھیں۔ وہ کیسے میرے آنسو پونچھتا، دل سوزی سے کہہ رہا تھا۔
بھلا کوئی غیر ایسے کسی کی دلجوئی کر سکتا ہے؟...... بالکل نہیں۔ اور وہ گھامڑ کہتی ہے، اسے وہ جگہ تک معلوم نہیں، جہاں اس ظالم
اس بچے کو...... نہیں، نہیں۔ وہ میرا بچہ نہیں ہو سکتا، جھوٹ بولتی ہے۔
اس طرح یتیم خانے کی چوکھٹ پر پھینکا جانے والا بچہ...... اگر بچ بھی گیا ہو تو کیا بنا ہو گا؟ زیادہ سے زیادہ کوئی جاہل،
گنوار...... یا کوئی جرائم پیشہ...... بھکاری یا جیب کترا۔'
انہوں نے گھبرا کر سر جھٹکا۔ ان کا تخیل انہیں کہاں لے گیا تھا۔
وہ مسلسل اسموکنگ کر رہی تھیں اور ڈرنک کر رہی تھیں۔ مسلسل سوچتے ہوئے ان کا دماغ سن ہوا جا رہا تھا اور جیسے کوئی سرا ہاتھ
نہیں آ رہا تھا۔
ان کے سیل کی بیپ بجی، اس سے پہلے بھی کئی بار بج کر خاموش ہو چکی تھی۔ انہوں نے بے دھیانی میں سیل اٹھا کر نمبر دیکھے بغیر
کان سے لگا لیا۔
"میم! آپ کہاں ہیں؟ آج فائنل ریہرسل ہے۔ سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ آ رہی ہیں نا؟" کون بول رہا تھا،
انہیں فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔ مگر جو کچھ کہا تھا، وہ سمجھ گئی تھیں۔
"فائنل ریہرسل۔" ان کے دماغ پر چھایا غبار یکدم چھٹ گیا۔
"میں آ رہی ہوں، پندرہ منٹ میں۔"
اس کے بعد انہوں نے فریش ہونے میں صرف دس منٹ لگائے اور اسپاٹ پر پہنچنے میں سات منٹ۔
اور وہ بالکل ان ٹائم پہنچی تھیں۔
اس وقت ریمپ پر عزہ چل رہی تھی۔ اور کس شاندار، پُر وقار انداز میں ایک پروفیشنل ماڈل کی طرح وہ کیٹ واک کر رہی تھی کہ
فرم میڈم یاقوت کو لگا، ان کی برسوں کی ریاضت ٹھکانے لگ گئی ہو۔
قیامت...... قیامت ڈھائے گی یہ لڑکی، ان شاء اللہ!...... ویسی قیامت جیسی میری زندگی میں آج سے بائیس برس پہلے
آئی...... زبردست!' وہ سگار کا بھرپور کش لیتے ہوئے عین اسٹیج کے سامنے چلی گئیں۔
تالیوں کا شور ان کی پسندیدگی کو واوکے کر رہا تھا۔
انہوں نے سر ہلا کر اور انگوٹھے کو انگلی سے باہم ملا کر عزہ کو وکٹری وش کیا تھا۔
میڈم یاقوت کے یوں وش کرنے پر بھی اُس کی پُر اعتماد چال میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔
میڈم یاقوت نے نشست سنبھالتے ہوئے ذرا دیر بعد اِدھر اُدھر دیکھا اور پرے کھڑے اسپاٹ بوائے کو اشارے سے بلایا۔
"جاوید کہاں ہے، اسے بلاؤ؟" انہوں نے اس سے کہا۔
"یس میم!" جاوید ان کے پاس آ کر آہستگی سے بولا۔
"اس پریڈ کے انوی ٹیشن کارڈ ڈسٹری بیوٹ کر دیئے گئے ہیں؟"

''یس میم! سب ہی تقریباً۔''
''کوئی رہ تو نہیں گیا؟'' ان کی نظریں اسٹیج پر تھیں۔
''نو میم!'' وہ یقین سے بولا۔
''اچھا تو ایک خاص نام جو مجھے ابھی یاد آیا، لکھو اور کارڈ فوراً ڈلیور کرو۔ یہ مس نہیں ہونا چاہئے۔'' انہوں نے کہتے ہوئے کو نام لکھوایا اور مطمئن سی ہو کر بیک اسٹیج جاتی عزہ کو دیکھتے ہوئے سگار پینے لگیں۔

❀◉......◉❀
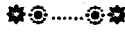
ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا تھا۔
وہ جو اپنی سوچ میں گم، گھونٹ گھونٹ جوس کے سِپ لے رہی تھی، اس طرح دروازہ کھلنے پر اچھل ہی پڑی اور تھوڑا سا جوس اس کی شرٹ کے دامن پر چھلک گیا۔
مگر آنے والے کو دیکھ کر وہ دامن جھٹکنا ہی بھول گئی۔ چھلکے ہوئے قطرے ابھی بھی ٹپک رہے تھے۔ مگر وہ...... ٹک ٹک دم نہ کشیدم کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔
''تم...... تم یہاں؟'' وہ بھی اس کا خیال کر کے یہاں نہیں آیا تھا، وہ تو میڈم یاقوت کو اخلاقی سہارا دینے، ان کے مجروح وجود کو اپنے ہمدرد و حساس جذبات کے ذریعے سمیٹنے آیا تھا۔
اور عزہ تو یوں بھی آج کل اس کی یادداشت سے بالکل نکل چکی تھی اور اب اسے یوں اچانک اتنے خوب صورت، اتنے بے باک لباس میں کسی گڑیا کی طرح سجے دیکھ کر بالکل ہی مبہوت سا ہو گیا تھا۔
اور اس کے ''تم یہاں'' کہنے پر پہلے عزہ کو ہی ہوش آیا تھا۔ اس نے گلاس میز پر رکھا اور ٹشو باکس سے ٹشو پیپر نکال کر نزاکت سے قمیص کا نم دامن رگڑنے لگی۔
اور پہلی بار دائم کی نظر اُس کی اس بے حد مختصر اور دودھیا گردن سے نیچے تک جاتی قمیص، گلے کی گہرائی کا احساس ہوا تھا وہ بے اختیار نگاہیں چرا گیا اور ڈھیلے ڈھالے قدموں سے چلتا ہوا عین اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔
''اس وقت تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' خاموشی کے ایک مختصر وقفے کے بعد وہ ایک ترچھی نگاہ اس پہ ڈال کر بولا۔
وہ چپ رہی اور گلاس اٹھا کر پھر سے گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔
''میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' ذرا سے انتظار کے بعد وہ قدرے تُرشی سے بولا۔
''پچھلے دنوں میری ایک فرینڈ نے مجھے ایک جوک ایس ایم ایس کیا تھا۔ ٹونی بیٹھا ڈھیر ساری کینڈیز کھا رہا تھا۔ اس بینچ پر ایک شخص بیٹھا اور کہنے لگا۔ ننھے بچے! اتنی ٹافیاں کھاؤ گے تو تم جلدی دنیا سے گزر جاؤ گے تو ٹونی جواب میں کہتا ہے۔
''میرے دادا نے ایک سو چھ سال کی عمر میں وفات پائی اور ان کے دادا نے ایک سو دس سال کی عمر میں۔''
''کیا وہ کینڈیز کھاتے تھے؟'' وہ شخص پوچھتا۔
''نہیں۔ انہوں نے ساری زندگی صرف ایک اصول پر عمل کیا۔ مائنڈ یور اون بزنس۔'' ٹونی جواب دیتا ہے۔
کسی روبوٹ کی طرح بے تاثر آواز میں وہ پھپھسا لطیفہ سنا کر پھر سے جوس پینے لگی تھی۔
دائم نے اُلجھی نظروں سے اسے دیکھا اور دوسرے لمحے وہ پھپھسا لطیفہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔
''تم مجھ سے ناراض ہو نا؟'' وہ اب کے صلح جو انداز میں اس کی طرف باقاعدہ رخ پھیر کر بولا۔
''کیا یہ جوابی لطیفہ ہے؟'' وہ گلاس کے شفاف کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے تمسخر سے بولی۔
''مطلب؟'' وہ تیکھی نگاہ سے اسے دیکھ کر بولا۔
''مسٹر! ہم دونوں کے بیچ ایسا کوئی تعلق ہے، جس کی وجہ سے میں، آپ سے خوش یا ناخوش ہوں؟'' وہ چبھتے ہوئے لہجے
''تمہارا غصہ اور ناراضی بجا ہے۔ مگر میں...... میری زندگی آج کل جس گرداب میں پھنسی ہوئی ہے، میں کس طرح وضاحت دوں'' وہ بے بس سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اور دائم نے پہلی بار اس کے قاتل سراپے کو بھرپور نظر سے دیکھا اور جیسے ششدر رہ گیا اس کی شرٹ ہی نہیں، ٹانگوں سے چپکا وہ مختصر سا ٹراؤزر بھی اس کے جسم کی تشنہ سی کہانی بیان کر رہا تھا۔
دائم اس ماحول، اس فضا میں ایک عمر گزار کر آیا تھا اور اس کے لئے یہ برہنہ شانے اور مختصر لباس کوئی نیا نظارہ نہیں تھا اس کا دل جس مرتبے پر فائز کر چکا تھا، وہ مرتبہ، وہ مقام ایک تقدس، ایک پاکیزگی میں لپٹا ہوا تھا۔ یوں بھی وہ آج سے پہلے جب بھی ملا تھا، اسے پورے لباس اور پوری معصومیت کے ساتھ دیکھا تھا۔

لہاں...... آج اس مختصر، مچی نما لباس میں اسے اس کی معصومیت بھی خالص نہیں لگ رہی تھی۔ کہیں کسی انداز میں اس میں
اُلاہم کا بیج آ چکا تھا اور اسی بیج، اسی احساس نے اسے ششدر کر دیا تھا۔
وہ خوشبوئیں لٹاتی اس کے پہلو سے ہو کر گزرنے لگی تھی، جب دائم نے مڑتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑی تھی، وہ
اس قدر زور سے کہ عزہ کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔
"چھو...... چھوڑو مجھے۔" وہ چلائی تھی۔
"شٹ اپ...... میں سمجھ نہیں سکتا، یہ سب کیا ہے۔ کیا کر رہی ہو؟ اور کیا کرنے جا رہی ہو؟ بتا کر جاؤ مجھے۔"
بولتے ہوئے اس کا جوش اور بھی بڑھ گیا تھا۔ ساتھ ہی اس کا زور اُس کی کلائی پر۔
وہ دوسرے ہاتھ سے زور لگاتی بے اختیار رو پڑی تھی، تکلیف کی شدت سے۔
وہ لب بھینچے اپنا جوش دباتے ہوئے اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک زوردار جھٹکے سے اسے دروازے کی طرف دھکیل رہا تھا۔
اسی وقت دروازہ کھلا اور میڈم یاقوت اندر داخل ہوئیں۔
اور کا منظر ان کے لئے بھی کسی جھٹکے سے کم نہیں تھا۔
عزہ نے رک کر انہیں بھی نہ دیکھا۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر اندھادھند باہر بھاگ گئی۔
"اسے کیا ہوا؟" وہ حیران سی اسے جاتا دیکھ رہی تھیں۔ دائم اپنے غیر متوازن تنفس پر قابو پاتا چپ کھڑا رہا۔
"تم جانتے ہو عزہ کو؟" وہ اب اس کی طرف متوجہ ہو کر بولیں تو بے اختیار اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور آنکھوں میں چبھتی
اس کو مسلتے ہوئے رخ موڑ کر آہستگی سے بولا۔
"نہیں...... میں جس عزہ کو جانتا تھا، وہ یہ تو نہیں تھی۔" اس نے کرسی کی بیک کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

✲⊛......⊛✲

انیکسی کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔
وہ تجسس سی اسے دھکیلتی ہوئی اندر چلی آئی۔ گھر کا یہ حصہ اس کے لئے نیا ہی تھا۔ پہلا کمرہ شاید سٹنگ روم کے طور پر استعمال
ہوتا یا پھر ڈرائنگ روم کے طور پر، پہلی نظر میں اسے ایسا ہی لگا۔
صوفے، میز، کرسیاں وغیرہ سب ہی اولڈ فیشن کے تھے۔ سرمئی رنگ کا قالین اور اس کے ہم رنگ پردے گرد آلود تھے۔ فرنیچر
پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں، دیواروں کے کونوں میں جالے لگے تھے، جن میں بیٹھی مکڑیاں اپنے گھروں کو مضبوط بنانے کے لئے
لگاتار مزید جال بن رہی تھیں۔
شاید یہ کمرے کافی مدت سے استعمال میں نہیں لائے گئے ہیں۔' ان جالوں کو دیکھ کر اس کے دل میں پہلا خیال یہی اُبھرا۔
مگر کمرے میں جلتی روشنیاں وہاں زندگی کی گواہ تھیں۔
وہ اسی گواہی کو بنیاد بنا کر دبے قدموں آگے بڑھی۔ کاریڈور میں روشنی خاصی مدھم تھی اور دائیں ہاتھ کا پہلا کمرہ روشن بھی تھا اور
اس کا دروازہ بھی پورا کھلا تھا۔
وہ کھلے دروازے کے ایک طرف کھڑی ہو کر سوچنے لگی، اندر جائے یا یہیں سے لوٹ جائے۔
اسے یکدم کسی انہونے راز کے افشا ہونے پر میڈم یاقوت کے شدید ردِعمل کا خیال آیا تھا، جس نے اس کے پیر پکڑے تھے۔ مگر
اس خیال کے پہلے حصے نے جیسے اس کے قدموں کی زنجیر کو ایک جھٹکے سے توڑ بھی ڈالا تھا۔
انہونے راز کے افشا ہونے کا خیال ہی اس کے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر گیا۔ اسی وقت کمرے کے اندر سے کسی کی کمزور
سی کھانسی کی آواز اُبھری، جسے سن کر وہ یہاں تک آئی تھی۔
وہ اب مزید نہیں رک سکتی تھی۔ دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے آہستگی سے اندر آ گئی۔
یہ کمرہ پہلے کمرے کی نسبت کچھ چھوٹا تھا۔ مگر پہلے کمرے کے مقابلے میں قدرے صاف تھا۔
کمرے کے وسط میں مغربی کھڑکی کے نیچے ایک بڑا سا بیڈ بچھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک پرانا صوفہ سیٹ۔ قالین کا رنگ کبھی
براؤن رہا ہو گا مگر اس وقت کہیں بھورا، کہیں سے بالکل اُڑا ہوا تھا۔ کچھ ایسا ہی حال کھڑکیوں دروازوں پر پڑے پردوں کا بھی تھا۔
کھانسی کی آواز نے اسے پھر سے بیڈ کی طرف متوجہ کیا۔
وہ بھی خاصی عمر رسیدہ، بے حد کمزور بوڑھی عورت تھی، جو پہلی نظر میں کمبل کے نیچے لیٹی تو شاید محسوس بھی نہیں ہوتی تھی۔
لائبہ کو دور سے وہ ہڈیوں کا پنجر ہی لگی۔ وہ ابھی بھی کھانس رہی تھی۔ لائبہ آہستگی سے اس کی طرف بڑھی۔
بڑی بی کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کھانستے ہوئے بری طرح سے ہل رہی تھی۔

لائبہ نے بیڈ سائیڈ پر پڑا پانی کا جگ اور گلاس دیکھا تو آگے بڑھ کر گلاس میں تھوڑا سا پانی نکالا اور اسے مخاطب کرنے کے لیے لفظ سوچنے لگی۔

عورت کو شاید کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے دفعتہً خود ہی آنکھیں کھول لیں۔

وہ لائبہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے کمزور چہرے پر بڑی بڑی اندر کو دھنسی سرمئی آنکھیں تھیں۔ اس کے کمزور چہرے اور اجڑے رخساروں پر وہ آنکھیں بہت عجیب لگ رہی تھیں۔ پورے وجود پر چھائی مردنی کے برعکس جن میں زندگی کی لپک تھی۔ لائبہ نے بھی کہے بغیر گلاس اس کی طرف بڑھا دی۔

وہ گلاس دیکھ کر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لائبہ کو ذرا جھک کر اسے سہارا دینا پڑا۔

اس نے فقط دو گھونٹ پیئے اور سر پھر سے تکیے پر گرا لیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

''آپ......آپ کون ہیں؟'' لائبہ نے وہ سوال پوچھ ہی لیا، جو اسے یہاں تک کھینچ کر لایا تھا۔

عورت ہونٹ بھینچے اپنی بڑی بڑی سرمئی آنکھیں چھت پر ٹکائے اَن سنی کیے لیٹی رہی۔

''آپ نے بتایا نہیں، آپ کون ہیں؟'' وہ ذرا انتظار کے بعد پھر سے بولی تو عورت نے ذرا سی گردن گھما کر، اس کی طرف دیکھا اور پھر یک ٹک دیکھتی چلی گئی۔

لائبہ کو اس کی گہری گہری اور خود پہ مستقل جمی نگاہوں سی گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

''آپ کون ہیں اور یہاں......؟'' وہ اب یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ کمرے میں عجیب سی نامانوس اور ناپسندیدہ باس پھیلی ہوئی تھی۔ وہ لمحہ بھر کھڑی عورت کے بولنے اور اس کی نگاہیں خود سے ہٹنے کا انتظار کرتی رہی اور پھر مڑ کر کمرے سے جانے کو تھی کہ عورت کی مدھم مگر کھنک دار سی آواز اس کے کانوں میں آئی اور اسے پلٹنے پر مجبور کر گئی۔

''سنو لڑکی!......تم یاقوت کی بیٹی ہو؟''

''جی......مگر آپ نے کیسے جانا؟'' وہ حیران سی ہوئی کہ اس نے تو ابھی اپنا نام بھی نہیں بتایا تھا۔

''یاقوت کی جوانی مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔'' وہ ایک تمسخرانہ ہنسی کے ساتھ چھت کو دیکھتے ہوئے بولی اور ساتھ ہی اسے کھانسی آ گئی۔

''مگر آپ کون ہیں؟'' اس کی کھانسی پورے ایک منٹ بعد رکی تھی۔ عورت کے حواس قائم ہونے پر لائبہ نے بے قرار ہو کر سوال کیا تھا۔

''کیا کرو گی جان کر؟'' وہ آنکھوں کے کنارے انگلیوں سے صاف کرتے ہوئے اجنبیت سے بولی۔

''شاید......شاید میں آپ کے کسی کام آ سکوں۔'' اس کے منہ سے بے اختیار ہی نکل سکا۔

''کام......وہ بھی میرے......'' وہ پھر سے ہنسنے کی کوشش میں کھانسنے لگی تھی۔ مگر یہ کھانسی جلدی رک گئی۔ ''ہاں بہت کام کی ہوتیں اگر چند سال پہلے مجھ سے مل جاتیں۔ پر اس کمبخت یاقوت نے تو تمہیں میرے سائے سے بھی یوں دور رکھا، میرا سایہ بھی تمہیں اس سے چھین لے گا......اور ایک لحاظ سے تو وہ سچی بھی جانتی تھی نا مجھے۔''

وہ عورت اب جیسے خود سے باتیں کر رہی تھی مگر اس کی باتوں نے لائبہ کو چونکا دیا تھا۔ گویا وہ عورت، لائبہ کو اور میرا ماں کو بہت قریب سے جانتی تھی۔

''مگر انہوں نے کیوں دور رکھا مجھے آپ سے؟ کیا لگتی ہیں آپ اُن کی، میری؟'' وہ بے چین سی ہو کر بولی۔

''وجہ تو بتا چکی ہوں......کمبخت کو بالکل بھروسہ نہیں تھا مجھ پر......ہائے، کیا موہنی صورت ہے اور کیسے منتیں کرتی تھی کہ یاقوت! ایک جھلک دکھا دے مجھے میری گڑیا کی، ایک بار......ایک بار تو دیکھ لوں اسے......اس برس کی ہو گئی......اس برس اتنی بڑی ہو گئی ہو گی۔ بس ایک بار، چاہے دُور سے ہی سہی، مجھے لائبہ سے ملوا دے۔ پر جیسا اس کا نام ویسا پتھر دل تھا اس کا......اور ہے۔ اب کون سا رنیکم ہو گئی ہے۔ وہی پتھروں جیسا نام، پتھروں جیسا دل۔

وہ اب بغیر رکے، بغیر کھانسے بول رہی تھی اور لائبہ حیران پریشان سی اسے سن رہی تھی۔

اس عورت کا اس سے کوئی بہت قریبی رشتہ لگتا ہے، مگر کیا؟

''یہ آپ نے بتایا نہیں مجھے، آپ......آپ کا کیا تعلق، کیا رشتہ ہے مجھ سے؟'' وہ ذرا قریب ہو کر بولی۔

''پورے ڈھائی برس کی تھیں تم جب یہ یاقوت ظالم تمہیں مجھ سے چھین کر لے گئی تھی۔ میں چیخی، چلائی، روئی، بڑے واسطے دیئے، ترلے منتیں، جو مجھ سے ہو سکا تھا۔ کاغذ پتر آگے رکھے، جو شرط چاہے، پکے کاغذ پر لکھوا لے۔ پر میری اس میری جان کو مجھ سے جدا نہ کرے۔ بس پیر پکڑنے کی کسر رہ گئی تھی، وہ بھی پکڑ لیتی ظالم کے۔ اگر ذرا سا بھی یقین ہوتا کہ

ا۔وہ جو ٹھان لیتی ہے، طے کر لیتی ہے۔ پھر اسے اس سے دنیا کی کوئی طاقت ایک انچ نہیں ہٹا سکتی۔ دیکھ تو لیا ہو گا تم نے بھی
ے۔ کیسے عمر بھر اس نے تجھے مجھ سے، خود سے دُور رکھا۔ اس شہر میں بھی تمہیں نہ رکھتی، جس میں خود رہتی...... بڑا خلجان تھا اس کے
ا ملا...... پر کیا ہوا، دیکھو میری محبت، میری ماما کی کشش تمہیں کھینچ کر خود میرے پاس لے آئی۔ اب چھپا لے تمہیں سو پردوں
ا...... کیا کرے گی حرام......"

اس نے منہ سے دو تین گالیاں نکالیں اور لائبہ تو جیسے پتھرا سی گئی تھی۔

یہ کیا راز ہے؟ کیا وہ یاقوت کی بیٹی تھی؟...... اس عورت کی؟...... نہیں نہیں، ایک اور انہونی شناخت، انوکھی پہچان۔ اُس کا
اپنے کی طرح کانپا تھا۔

"آ میری بچی! آ تجھے میں سینے سے لگاؤں۔ ایک بار تجھے اپنے ساتھ لگا کر خود کو یقین دلا سکوں کہ مرنے سے پہلے میں نے تجھے
تھا۔ میری پیاسی مامتا اس دنیا سے بے مراد نہیں جائے گی۔ آج...... آج مجھے یقین ہو گیا، میرا خدا، مجھ جیسی رذیل پر بھی کس
بے مہربان ہے۔ کیسے بستر مرگ پر پڑے اس نے میرے دل کی سب سے بڑی مراد کو پورا کر ڈالا۔ ورنہ اب تو میں بالکل مایوس ہو
تھی کہ شاید تمہیں مرنے سے پہلے دیکھ ہی نہ سکوں، مگر......"

جذبات سے مغلوب آواز میں بولتے ہوئے وہ لائبہ کو سینے سے لگانے کے لئے ہاتھ بڑھا رہی تھی، جب اسے کھانسی کا شدید دورہ
ا اتنا شدید کہ لائبہ کو لگا شاید وہ اسی کھانسی کے دوران ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گی، اسے اپنے بارے میں بتائے بغیر۔
اس نے بےتحاشا اس کے لبوں کو تر کیا، حلق میں پانی ٹپکایا، پاس پڑی دوائیوں میں سے ایک سیرپ پلایا، جس کے بعد اس کی کھانسی
ذرا تھما آ گیا۔ مگر وہ اتنی بری طرح نڈھال تھی کہ بولتی تو کیا، اس میں آنکھیں کھولنے کی بھی سکت نہ رہی تھی۔

"پلیز آپ مجھے یہ تو بتا دیں، آپ کا مجھ سے کیا رشتہ ہے؟" لائبہ نے اس کے ہڈیوں کے پنجر جیسا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے
منت سے کہا۔ اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں اور لائبہ کو یک ٹک دیکھنے لگی۔

"پلیز!" لائبہ نے پھر کہا۔

اسی وقت باہر سے کسی کے قدموں کی آواز قریب آتی سنائی دی۔

"نا...... نانی ہوں میں تمہاری۔" اس نے اٹک اٹک کر، رک رک کر کہا تھا اور پھر سے کھانسی شروع ہو گئی۔

قدموں کی آواز قریب آ چکی تھی۔ لائبہ نے گردن موڑ کر آنے والے کو دیکھا۔

❁◉......◉❁

قاسم بخاری کی حالت بہت خراب تھی۔

انہیں اس حال میں دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔

"بابا!...... بابا! کیا آپ تھوڑا چل کر...... میرا مطلب ہے گاڑی تک...... یا میں ایمبولینس کے لئے کال کروں؟"

ان کا رنگ لمحہ بہ لمحہ بدلتا جا رہا تھا اور آنکھوں میں درد کا صحرا عجیب سی وحشت میں بدل رہا تھا۔ کسی بھی لمحے کسی ناقابلِ تلافی
نقصان کے ہو جانے کی گھنٹی، عائشہ بخاری کے دل میں انہیں دیکھ کر بجے جا رہی تھی۔ وہ نیم مُردہ سے صوفے پر گرے ہوئے تھے۔

"بابا جان!...... بابا پلیز!" اس کے اپنے ہاتھ پاؤں یخ پانیوں میں شل ہوئے جا رہے تھے۔

اس کی روہانسی آواز پر انہوں نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور اس کا سہارا لینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اور اگلے چند منٹ شاید
گزرے تھے۔

ان کے ہاتھوں، کندھوں کے سہارے بہ دقت گھسٹتے ہوئے گاڑی تک خود آئے تھے۔ اس نے انہیں یوں سنبھل سنبھل کر اگلی
سیٹ پر بٹھایا، جیسے وہ کانچ سے بنے ہوں، ذرا ٹھیس لگنے سے چُور چُور ہو جائیں گے۔

اس نے کھلے گھر کی بھی پروا نہیں کی۔ گیٹ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھی اور گاڑی بیک کرتے ہوئے چور نظروں سے
دیکھ رہی۔ یہی تو وہ کانچ تھا، جسے ٹھیس سے بچانے کے لئے وہ خود اذیتوں کی دلدل میں اُترتی چلی گئی۔ میرے خدا!...... بابا
وہ بار بار اس کی آنکھوں کے آگے سرمئی دُھند چھا رہی تھی، جسے وہ دوسرے ہاتھ سے رگڑتی جا رہی تھی۔
شاید نیم بے ہوش تھے یا ہوش میں...... مگر ان کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست۔
شاید درد کی لہروں کو اپنے اندر جذب کرنے کی ناقابلِ برداشت کوشش میں لگے تھے۔ عائشہ کو ان کا چہرہ دیکھ کر یہی اندازہ ہو

کم رش والی سڑکوں سے ہوتی ہوئی قریب ترین ہسپتال میں پہنچی تھی۔
معمولی ہی قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ انجائنا کی تکلیف تو انہیں پہلے سے تھی، مگر اٹیک اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔

"سوری، ان کی حالت اچھی نہیں ...... آپ دعا کریں۔ انہیں ایک اور اٹیک ہو گیا ہے ...... اور اگر خدانخواستہ ایک اور ہو گیا تو ...... آپ دعا کریں۔"

عائشہ بخاری کے سارے حواس یوں شل ہوئے جیسے ہر احساس سے عاری ہو گئے ہوں۔ لمحہ بھر میں اس کے پورے جسم سے جان ہی نکل گئی۔

ایسی حالت تو اس کی کڑے سے کڑے پل صراط سے گزرتے ہوئے بھی نہیں ہوئی تھی، جب ہر بار میڈم یاقوت اسے آگ کی بھٹی سے گزر جانے کا حکم دیتی تھیں ...... وہ کیسے سب سہہ جاتی تھی۔

مگر اس پل ...... اگرچہ ایک مدت سے اس نے قاسم بخاری کے زندہ وجود کو بس زندہ ہی سمجھ رکھا تھا، ان کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کرنا، دکھ درد، خوشی غم کو بانٹنا سب چھوڑ چکی تھی کیونکہ ان کی ہر بات کی تان اس کی شادی کے مطالبے پر آکر ٹوٹتی تھی، اس وجہ سے وہ ان کے پاس بہت کم بیٹھتی تھی۔ یوں بھی اسے ٹائم ملتا کب تھا، وہ رات گئے تو گھر آیا کرتی تھی۔ اکثر ہی وہ اپنے کمرے میں لیٹے لیٹے یا نیم دراز، انتظار کی سی حالت میں بیٹھے نظر آتے اور وہ ان کے سوال و جواب سے بچنے کے لئے تھکاوٹ کا بہانہ کر کے نکل آتی۔

اور وہ اتنے دنوں سے دوا لے رہے تھے، اپنا ریگولر چیک اپ کروا رہے تھے یا اپنے دل میں کون کون سے غبار کو اکٹھا کر رہے تھے، اسے کچھ احساس نہیں تھا۔

اور آج اس آتش فشاں کا لاوا بہہ نکلا تھا۔

خود احتسابی اور احساسِ ذمہ داری میں اس درجہ غفلت نے اسے کچھ ایسا پشیمان کیا کہ وہ دعا کرنا بھی بھول گئی۔

'میں بابا کی خاطر یہ سب کچھ سہے جا رہی ہوں۔ اگر ان کو ہی خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو میری ریاضت کس کام کی؟'

پہلی بار اسے احساس ہوا، وہ بابا کو کھونے کی صورت میں اپنے زندہ رہنے کا سب سے ٹھوس جواز ہی کھو دے گی۔

'پھر مرنا اور سب کچھ کر گزرنا کس قدر سہل ہو جائے گا۔' عجیب سا طمانیت بھرا احساس تھا، جس نے چند لمحوں کے لئے اس کے اعصاب کو پُرسکون سا کر ڈالا۔

مگر اس کے باوجود ...... اس کے باوجود میں جانتی ہوں، مجھے دعا کا حق نہیں۔ اور یہ دعا میری اذیت کے سفر کو اور بھی طویل کر دے گی۔ میرے خدا! میں تجھ سے اپنے بابا کی، اپنی زندگی کے اکلوتے جواز، زندگی کے بچنے کی دعا مانگتی ہوں ...... انہیں نئی زندگی میرے لئے نہ سہی، اس کے لئے بخش دے ...... وہ جو ہے ...... نہیں ہے۔ نہیں نہیں۔

اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلاتے آنکھیں کھول دیں۔

یہ میں کیا سوچ رہی تھی؟ ...... وہ خود ہی حیران ہوئی۔

اور مجھے پہلے اس کا خیال کیوں نہیں آیا؟ ...... وہ سر جھٹکتے ہوئے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور پھر سے بیٹھ گئی۔ اس کا جسم بے جان ہو رہا تھا۔

'نہیں ...... مجھے اس کے بارے میں نہیں سوچنا۔ مجھے کسی کے بارے میں نہیں سوچنا۔ اور اس کے بارے میں تو بالکل نہیں۔ ورنہ شاید میں، جو بابا کی زندگی کی دعا مانگ رہی ہوں، ان کے زندہ ہوتے ہوئے بھی موت کو گلے لگا بیٹھوں، ہاں ہاں کر سکتی ہوں مگر اس کا ...... قطعاً نہیں۔'

عجیب سے خیالات کی یورش تھی، جس نے اسے لمحہ موجود سے جانے کہاں پہنچا دیا تھا کہ وہ یہ بھی بھول گئی، وہ کہاں بیٹھی ہے۔

"آپ قاسم بخاری کی بیٹی ہیں ......؟" وہ ڈاکٹر ہی تھا۔ شاید آئی سی یو سے نکل کر آ رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ان کی حالت قدرے بہتر ہے۔ ان سے ملنا چاہتی ہیں تو جا کر دیکھ لیں، مگر ان سے بات نہ کیجئے گا۔" وہ اس سے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

وہ بے خیال سی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ کاریڈور کے آخری سرے پر لگی گھڑی پر نگاہ کی تو پانچ منٹ نہیں، تین گھنٹے کا احساس ہوا۔ اپنا سیل شاید گھر ہی بھول آئی تھی، ورنہ اب تک تو بے شمار بار بج چکا ہوتا۔

وہ سہمی ڈری سی آئی سی یو میں آئی تھی۔

قاسم بخاری مختلف ڈرپوں اور سُوئیوں میں جکڑے شاید بے ہوش تھے یا سو رہے تھے۔

اس کی آنکھوں سے خود بخود آنسو بہتے چلے گئے۔ وہ بے حد خاموشی سے ان کے پہلو میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ ان کے ساتھ منسلک مشینیں مختلف ریڈنگز دیتے ہوئے بڑی سرعت سے چل رہی تھیں۔

اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے طمانیت بھرا گہرا سانس لیا۔

"عائشہ......!" اُن کی نحیف آواز پر وہ بے ساختہ چونکی تھی۔ ان کی آنکھیں بند تھیں، صرف لب ذرا سا ہلے تھے۔

"جی......جی بابا! کیسے ہیں اب آپ؟......ٹھیک ہیں؟" وہ بے اختیار ان کی طرف جھکی۔ اس کی آنکھوں سے پھر آنسو رکے بغیر بہنے لگے تھے۔

"عائشہ......!ایک کام کرو گی؟" اسے بغور سننے پر ان کی بات سمجھ میں آئی تھی۔

ان کی یخ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر وہ ان پر جھکی۔

"جی......جی بابا! آپ حکم کریں......بولیں۔" اس نے بے اختیار اپنے لب اس کی سرد پیشانی پر رکھ کر کہا تھا۔

"اس......اس کا کہیں سے پتہ کرو......کہیں سے اسے ڈھونڈ لاؤ......اس سے کہنا، میں اس سے ملے بغیر، دیکھے بغیر مر بھی نہیں سکتا۔ میں......" ان کی آنکھیں ذرا سی کھلیں جیسے بند ہی ہوں اور بے ربط سانسوں کے بیچ کمزور، بے حد دھیمی آواز میں انہوں نے جو کچھ کہا، اس نے عائشہ کے دل کی دھڑکنوں کو جیسے درہم برہم کر ڈالا۔

وہی......وہی خیال......خیالوں کی یورش......جنہیں ابھی چند لمحوں پہلے وہ اپنے تئیں جھٹک کر جھٹلا کر آ گئی تھی، وہی سب کچھ بابا کہہ رہے تھے۔

اور یہ تھی وہ خواہش، جس نے ان کی سانسوں کی مالا کو ایک لڑی میں پرو رکھا تھا......اور وہ سمجھتی تھی، اس کے اندر کوئی خود ترسی کی کیفیت میں ہنسا۔

وہ اس سے ملنے کے لئے دوبارہ زندہ ہوئے تھے۔ ابھی جو ڈاکٹرز کہہ رہے تھے، ہم نا اُمید ہو چکے تھے، ساری ریڈنگز صفر کی طرف جا رہی تھیں، پلین لائنز شو کر رہی تھیں......پھر شاید معجزہ ہو گیا۔

اور وہ معجزہ یہ تھا......یہ خواہش۔ وہ گہرا سانس لے کر سیدھی ہوئی۔

"بابا! آپ اچھے ہو جائیں ٹھیک پھر......" وہ انہیں دلاسا، تسلی، کوئی جھوٹی اُمید دلانا چاہتی تھی، مگر یوں لگا، جیسے اس کے پاس اس جھوٹی تسلی کے لئے بھی الفاظ نہیں۔

وہ پھر سے شاید گہری غنودگی میں جا چکے تھے، جواب میں ذرا سی بھی ہوں نہیں کی۔

اور عائشہ کو لگا، قدرت نے اسے ایک اور موقع دیا ہے، اس سارے معاملے کو سوچنے کا۔ مگر کیسے؟ اتنا بڑا سوالیہ نشان تھا، جس سے آگے وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ وہ تھک کر پیچھے دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور یک ٹک اس زندگی موت کی دہلیز پر کھڑے اپنے باپ کو دیکھنے لگی، جس کی خواہشیں پوری کرنا اس کے لئے مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی تھا۔

٭......٭

"کیا بات ہے، تم اتنی پریشان کیوں ہو؟" وہ کتنی دیر سے اسے انگلیاں چٹخاتے، بے چینی سے بار بار سیل فون آن کر کے ٹائم لیتے، پھر بے قراری سے گاڑی سے باہر نظریں کرتے دیکھ رہی تھیں، بول ہی پڑیں۔

"ن......نہیں تو......بس یونہی۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔

"کیا زیادہ دیر ہو گئی ہے؟" اس کی پریشان صورت دیکھ کر ان کے دل میں کیسی خوشی کی لذت قطرہ قطرہ اُتر رہی تھی۔ اس لطیف سے وہ اندر ہی اندر محظوظ ہو رہی تھیں۔

"جی......ہاں......" وہ گھبرا کر بولی۔

"کیا گھر بتا کر نہیں آئی تھیں؟" وہ ہمدردی سے بولیں۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"گڑیا! ایک بات پوچھوں؟" وہ تھوڑے توقف سے بولیں۔

"جی......ہوں۔" وہ بالکل بے دھیان سی ہو رہی تھی۔

"تمہارے اس شوق، اس ایکٹویٹی کا علم تمہارے پیرنٹس کو ہے؟" وہ اس سوال کا جواب جانتی تھیں مگر پھر بھی یونہی اس قطرہ قطرہ اُترتی لذت بھری خوشی کا مزہ دوبالا کرنے کو بولی تھیں اور جواب ان کے حسبِ توقع تھا۔

وہ آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلاتی جا رہی تھی۔

"تو اب جب شو ہوگا......میرا مطلب ہے......ظاہر ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی سی بات تو ہو گی نہیں......وہ نہ بھی آئیں تو بھی جاننے والا......یعنی پتہ تو انہیں چل ہی جائے گا تو نتائج کے بارے میں سوچا ہے تم نے؟" وہی ظالم سوال جو اسے آج پوری ریہرسل کے دوران کانٹا بن کر جھنجھوڑتا رہا تھا، وہی سوال میڈم یاقوت کے لبوں پر تھا۔ وہ اسے خود گھر چھوڑنے جا رہی تھیں۔

ایک عجیب بغاوت کی سی کیفیت میں وہ گھر سے آئی تھی، اس کا احساس اسے پوری ریہرسل کے دران چبھتا رہا تھا۔ پھر یوں

دائم کا سامنا ہونے پر، اس کا اتنے دنوں سے بے اعتنائی برتنے پر اس کے اندر غصے کا طوفان اُبل پڑا تھا۔ اور ابھی گھر جا کر طوفان کا سامنا کرنا تھا، اسے سوچ کر ہی اس کا دل پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اپنے اس خوف کے دوران بارہا اس نے تجزیہ کیا تھا مگر اس طوفان کی شدت اس کے عزم، اس کے شوق کو خس و خاشاک کی طرح بہا تو نہیں لے جائے گی؟

اور ہر بار اس کے عزم نے بڑے توانا لہجے میں اس خدشے کی نفی کی تھی۔ وہ اپنے اس جنون کی راہ میں آئی ہر کاوٹ جذبے سے عبور کر ڈالے گی، اس کا شوق اب جنون بن چکا تھا۔

''جو بھی ہو، میں فیس کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' ذرا سے توقف کے بعد اس نے یہ سب کچھ سوچتے ہوئے ساعت پل بے ساختہ کہا تھا۔

میڈم یاقوت کے اندر بھرپور خوشی کا انوکھا احساس اس جواب سے کروٹیں لینے لگا تھا۔

''گڈ!......ویری گڈ! مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔'' انہوں نے فوراً اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ''دیکھو، شوق کرنا برا نہیں ہوتا۔ برائی اس کو جج کرنے والی نظر میں ہوتی ہے۔'' وہ اب بالکل ہلکی پھلکی ہو چکی تھیں۔ انہیں اب اپنی تھکا دینے والی محنت کا پھل ذرا فاصلے پر پلیٹ میں سجا نظر آ رہا تھا کہ ہاتھ بڑھائیں گی اور پالیں گی۔

''پھر بھی اس کے باوجود تمہارے پیرنٹس تمہارے اس معصوم شوق اور پُرجوش ولولے کو اسی غلط پیمائش والی نظر سے دیکھیں تو ایک بار بھی خود کو تنہا مت سمجھنا۔''

انہوں نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے دباؤ ڈالا۔ عزہ نے ملگجی تاریکی میں ان کے چاند کی طرح روشن چہرے کی طرف دیکھا۔ ''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہر قدم پر، ہر مشکل گھڑی میں، ہر طوفان میں۔'' انہوں نے کہتے اسے اپنے خوشبودار حصار میں لیتے ہوئے محبت سے کہا۔

''تھینکس میم!'' وہ مغلوب آواز میں بولی۔

''پھر میم؟'' انہوں نے محبت بھری سرزنش کی۔

''سوری، مام۔''

''نو سوری، نو تھینکس۔'' انہوں نے اس کے ریشمی خوشبودار بالوں کی مہک کو اپنے اندر اتارا تو بے ساختہ انہیں ایک بھولی مہک اپنی رگِ جاں میں مہکتی، سانس لیتی محسوس ہوئی تھی اور اس کا احساس ایسا جاندار تھا کہ انہوں نے سر جھٹک کر بے اختیار اس احساس کی نفی کی تھی اور آہستگی سے عزہ سے اپنے وجود کو پرے کھسکا لیا۔ ان کے پورے بدن کی مضبوط عمارت اس احساس کے زلزلے سے لمحہ بھر کو سہی، لرز کر رہ گئی تھی۔

وہ گہرے سانس لے کر خود کو سنبھالنے لگیں۔

''گاڑی بہت آہستہ چل رہی ہے شاید۔'' عزہ کی کچھ جھلائی ہوئی آواز انہیں لمحہ موجود میں لائی تھی۔

وہ خفیف سا مسکرائیں، چلنے سے پہلے انہوں نے ہی آہستگی سے ڈرائیور کو یہ ہدایت دی تھی کہ گاڑی بہت کم رفتار سے چلائے۔

''اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے یا کوئی بڑا مسئلہ......تو گھبرانا نہیں۔ میں یوں تو کچھ دیر تمہارے گیٹ کے باہر انتظار کروں گی۔ کچھ ایسا ویسا ہوا تو مجھے باہر اپنا منتظر پاؤ گی۔ میرا گھر بھی تمہارا ہے اور اس کے علاوہ اگر تم کہیں علیحدہ سے رہنا چاہو، ادھر میرے شار لگژری فلیٹس اور دوسری جگہیں ہیں اس لئے تم قطعاً فارل نہ ہونا، ایسی کوئی بھی بات کہتے ہوئے۔''

ان کی ایسی آفر پر عزہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

''کیا ماما، پاپا مجھے گھر سے نکال دیں گے؟'' پہلی بار میڈم یاقوت کی آفر کی وجہ سے اس کے دل نے سوال کیا تھا۔

''شاید ہو بھی سکتا ہے۔'' دل نے بے ساختہ کندھے اچکا کر کہا تھا۔

''دیکھو تم ابھی معصوم، کم سن اور تھوڑی بھولی بھی ہو۔ اس طرح کے مسئلے پر اکثر پیرنٹس جتنے بھی لبرل ہوں، کنزرویٹو ہو جاتے ہیں۔ پڑھے لکھے اور براڈ مائنڈڈ ہونے کے باوجود، جاہلانہ حدوں کو چھونے لگتے ہیں، سو ان سے کسی بھی انہونے فیصلے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ تم یہ بھی ذہن میں رکھنا۔''

ایک بار پھر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا، وہی اپنائیت بھرا مہکتا لہجہ عزہ کو گھیرنے کے لئے کافی تھا۔

''لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنا۔ ایسا کوئی بھی انتہائی فیصلہ، والدین کا حتمی نہیں ہوتا۔ پھر غصے اور جذبات کی وجہ سے ان کی نام نہاد غیرت کو ٹھیس لگتی ہے، جس پر وہ ایسا واویلا کرتے ہیں۔ مگر یہ سب وقتی ہوتا ہے۔ اور تم تو پھر ان کی اکلوتی، ایسی پیاری، خوبصورت بیٹی ہو، وہ تم سے اوّل تو کسی انتہا پر جا کر بات نہیں کریں گے۔ اور اگر کریں گے بھی تو یہ سب وقتی ہوگا۔ اس میں امتحان تمہاری ثابت قدمی اور پختہ عزمی کا ہوگا۔'' وہ اسے آنے والے لمحات کے لئے پوری طرح تیار کر رہی تھیں۔

"وہ شاید تمہیں جذباتی طور پر خود کو مظلوم بنا کر بلیک میل کرنے کی کوشش بھی کریں اور وہ کریں گے بھی۔ اب ایسی بلیک میلنگ پر بھی تمہارے جنون کی آزمائش ہوگی........ ایک بار اپنے دل کو اس بات پر سختی سے قائل کر لو کہ تم کوئی بھی بڑا کام نہیں کرنے جا رہی ہو۔ اپنی خوب صورتی کو، خوب صورت وجود کو ایکسپوز کرنا، دوسروں سے ایز این آرٹسٹ اس کی داد چاہنا کوئی بری بات نہیں۔ قدرت نے تمہیں ٹیلنٹ سے نوازا ہے اور تم اسے بروئے کار لا رہی ہو، فقط اپنے شوق کی پذیرائی، ہر شخص کے مختلف شوق ہوتے ہیں نا۔ کسی کو گارڈننگ کا، کسی کو میوزک کا، کسی کو ایکٹنگ کا۔ دوسروں کی نظر میں چاہے یہ بے کار ہوں، وقت اور انرجی کا ضیاع مگر یہ تو اس کے دل سے پوچھا جائے، جس کو ایسا شوق ہے۔ اس لئے تو کہتے ہیں، شوق دا کوئی مول نئیں۔"

آخر میں وہ ہنسیں تو عزہ کے دل سے جیسے منوں من بوجھ ہٹ گیا۔

"میری بات سمجھ رہی ہو نا؟" وہ اسے ذرا سا رک کر بولیں تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب اس کے پاس ایک نہیں، کئی راستے تھے۔ اس کا دل جو ذرا دیر پہلے آنے والے طوفان کے خوف سے پتے کی طرح لرز رہا تھا، ایک دم سے پُرسکون ہو گیا تھا۔ وہ اب ہر طوفان کا بڑی آسانی سے سامنا کر سکتی تھی، اس نے پُرسکون ہوتے ہوئے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا دیا۔

"تم دائم کو جانتی ہو؟" ان کے اگلے سوال نے اس کا لمحاتی سکون غارت کر ڈالا۔

"ہاں یا ناں........ وہ کیا جواب دے، فوری طور پر فیصلہ نہیں کر پائی۔

"شاید جانتی ہو اور بتانا نہیں چاہتیں۔" انہوں نے اس کے جواب کے لئے بس ذرا سا ہی صبر کیا تھا، فوراً سے پیشتر بولیں۔

"اچھا لڑکا ہے۔ مگر اتنا بھی اچھا نہیں کہ تمہارے ساتھ میچ کرے۔" ان کا اگلا جملہ اسے چونکا گیا۔

"کیا مطلب؟" وہ پوچھے بنا رہ نہ سکی۔

"جانتی ہو نا، اس کی عمر انگلینڈ کی آزاد فضاؤں میں گزری ہے۔ اب جوانی کے جوش میں محض یونہی ایڈونچر کے طور پر ادھر آیا ہے اور اس کے ادھر رہنے کا عرصہ اس ایڈونچر کے ابال کے ختم ہونے پر منحصر ہے۔ کس وقت یہ ابال بیٹھ جائے، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ میں نے تمہیں بیٹی کہا ہی نہیں، سمجھا بھی ہے۔ اور تم کسی بھی طور پر زندگی کے کسی بھی معاملے میں ذرا سا بھی نقصان اٹھاؤ، یہ تو مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔ تم ہرٹ ہوگی تو کیا میرا دل پُرسکون رہے گا؟ نہیں نا۔ اسی لئے تمہارے اس پرسنل افیئر میں دخل دے رہی ہوں، شاید تمہیں برا لگا ہے۔"

وہ چپکے چپکے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھیں۔

"نن........ نہیں تو........" وہ بجھی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"تم بہت Pure (خالص) ہو۔ شفاف چاندنی کی طرح۔ اور........" وہ رک گئیں۔ عزہ کا دل بری طرح دھڑکا۔ وہ ان کے بولنے کی منتظر تھیں۔

"محبت تو اعتبار کا نام ہے نا۔ چلو اس پر پھر بات کریں گے۔ لو، تمہارا گھر آ گیا۔ وش یُو بیسٹ آف لک۔" وہ بالکل بے دھیان سی تھی، جب انہوں نے کہا تو اسے ایک بھولی ہوئی پریشانی یاد آ گئی۔

مگر اس سے بھی سوا جو کانٹا دائم سے متعلق ابھی میڈم یاقوت نے اس کے دل میں چبھویا تھا، اس کی چبھن ہر پریشانی سے بڑھ کر تھی۔

وہ اترتے ہوئے تھینکس اور گڈ بائے! کے فارمل الفاظ بھی کہنا بھول گئی۔

وہ گم صم سی گاڑی سے اتر کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

گاڑی فوری طور پر آگے بڑھ گئی اور اندھیرے موڑ کے پاس جا کر رک گئی۔

وہ بیل بجانا چاہتی تھی، مگر گیٹ کھلا تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

اور اس اندھیرے موڑ پر میڈم یاقوت سگار کے گہرے گہرے کش لیتی، گردن مڑے بہت دیر تک اس کے واپس آنے کی منتظر رہیں۔ ان کے دل میں کروٹیں لیتا ہلکا ہلکا سا درد انہیں بے قرار کئے دے رہا تھا۔

ان کی عمر بھر کی ریاضت کا ثمر فقط چند قدم پیچھے اس روشن سنگی عمارت میں موجود تھا اور انہیں اس کو پانے کے لئے اب بس تھوڑا سا انتظار کرنا تھا!

سگار کے گہرے گہرے کش لیتا ان کا دماغ، درد کی ان کروٹوں کو نظر انداز کرتا، اگلی چال کے لئے تیزی سے مہرے سیٹ کر رہا تھا کہ ان کے سیل فون کی سلور اسکرین جگمگانے لگی۔

'جہانگیر ہمدانی۔' ان کے لب ذرا سے سکڑے اور گہرا سانس لیتے ہوئے انہوں نے سیل اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

✻⊙......⊙✻
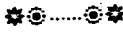
''بیگم صاحبہ! وہ آغا جان آئے ہیں، چھوٹے صاحب سے ملنے۔'' ملازم نے انہیں آکر اطلاع دی تھی۔ وہ غائب دماغی سے نہ سوچتے ہوئے بھی لاؤنج میں بیٹھی جانے کیا کیا سوچے جا رہی تھیں۔

''کون آغا جان؟'' وہ واقعی نہیں سمجھی تھیں۔

''جی چھوٹے صاحب کے دوست کے والد ہیں، شاید آپ کے یہاں آنے سے پہلے بھی ادھر آ کر رہتے تھے۔'' ملازم نے جتانے والے انداز میں ان کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

''دائم تو گھر پہ نہیں ہے۔'' ان کی بات پر ملازم انہیں دیکھنے لگا۔

''پھر انہیں جانے کا کہہ دوں؟...... جب چھوٹے صاحب آئیں تو آ جائیں۔ ان کے ساتھ ایک لڑکا بھی ہے۔'' وہ مڑنے لگا۔

''اچھا سنو!'' انہیں کچھ خیال آیا۔ اگرچہ اس وقت ان کا کسی سے بھی ملنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، مگر پھر بھی شاید کوئی کلیو، کوئی ہاتھ لگ جائے کے خیال سے انہیں ملازم کو آواز دینے پر مجبور کیا تھا۔

''انہیں ادھر ہی لے آؤ۔'' ڈرائنگ روم تک جانے کی نہ ان میں سکت تھی، نہ خواہش۔

''السلام علیکم!'' کی بارعب آواز پر وہ ذرا سا اُٹھی تھیں اور پھر بیٹھ گئی تھیں۔

''آپ...... پلیز بیٹھیے۔'' ڈاکٹر رخشندہ نے آغا جان اور تنزیل کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں سامنے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔ دونوں ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

''آپ ڈاکٹر رخشندہ ہیں؟'' آغا جان نے ان سے پہلے پوچھ ڈالا۔ ورنہ وہ سوال کرنا چاہ رہی تھیں، وہ دائم کے کس دوست کے والد ہیں۔

''جی، میں دائم کی والدہ ہوں اور...... آپ؟''

تنزیل اجنبی نگاہوں سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر رخشندہ کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھا۔ شاید وہ اپنے ساتھ آنے والے آغا جان کی طرف بھی متوجہ نہیں تھا۔

''میں...... دائم کے دوست...... لندن میں اس کا دوست ہے، اسامہ۔ میں اس کا دادا ہوں۔''

وہ قدرے ہچکچا کر اپنا تعارف کروا رہے تھے۔ اصل میں تو وہ بڑے اعتماد کے ساتھ تنزیل کو اپنے ساتھ لائے تھے کہ دائم گھر پر ہو گا اور وہ ان کے کہنے پر تنزیل کو اپنے آفس میں، فیکٹری میں کہیں بھی کوئی اچھی سیٹ وے ڈالے گا۔ مگر ڈاکٹر رخشندہ کو یوں پورے استحقاق کے ساتھ گھر میں موجود پا کر اور پھر تعارف ہی کا مرحلہ...... انہیں گڑبڑا گیا تھا۔ جبکہ تنزیل کے چہرے پر نمودار ہونے والی کوفت اب صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

''اوہ...... تو آپ اسامہ کے گرینڈ فادر ہیں۔'' ڈاکٹر رخشندہ کا ردِعمل ان کی توقعات کے برعکس خاصا پُرجوش تھا۔

''جی وہ میں......'' وہ انکساری سے بولتے بولتے رہ گئے۔

''اسامہ تو ابھی ادھر ہی ہے اور ہمارے ساتھ رہ رہا ہے۔ اس نے آپ کو بتایا نہیں؟ اور آپ کا غائبانہ تعارف تو ہے مجھے، بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' وہ حسبِ عادت اپنی اصل جون کی طرف پلٹتے ہوئے خوش دلی سے بولی تھیں۔

آغا جان کے چہرے کی ہچکچاہٹ اگلے ہی پل اطمینان میں بدل گئی۔

''ہاں، یاد آیا...... بلکہ یاد کیا آنا ہے، معلوم ہے مجھے، اب یادداشت ہی ایسی ہو گئی ہے، کیا کریں؟ آپ سنائیں، آپ کب آئیں لندن سے؟'' وہ اب کے خاصی بے تکلفی سے بولے۔ ان کے سوال پر رخشندہ کے چہرے کی خوش دلی مرجھا گئی۔

''کچھ دن ہوئے۔'' وہ بے دلی سے بولیں۔ تنزیل اب بڑے دھیان سے اتنی سوبر خاتون کے چہرے کے پل پل بدلتے تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔

''اسامہ کو بھی آنا تھا...... ہر بار فون پر تو یہی کہتا ہے۔'' آغا جان کچھ آس بھرے لہجے میں بولے۔

''ہاں، آنا تو ہے اس نے۔ بس ادھر ابھی سارا کچھ ایک دم سے سمیٹنا اور پتہ نہیں......'' وہ اُلجھن بھرے انداز میں بولتے بات پلٹ گئیں۔ ''اچھا، کیا لیں گے آپ؟...... ویسے کھانے کا ٹائم ہے۔ اس سے پہلے کچھ تھوڑا بہت...... کیونکہ آپ کو کھا کر ہی جانا ہو گا۔'' وہ ایک پُرخلوص میزبان کی طرح بولیں۔

''نہیں، تکلف کوئی نہیں بیگم صاحبہ!'' وہ ہاتھ اٹھا کر کہہ رہے تھے کہ رخشندہ نے ان کی بات کاٹی۔

''اسامہ مجھے آنٹی کہتا ہے، اس حساب سے میں......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ کر گئیں۔

"ہاں، اس حساب سے تم میری بیٹی ہوئیں نا۔" انہیں شاید دوسری طرف سے ایسی مدارت کی امید نہیں تھی، سو تخاطب میں کچھ گنجائش رکھ کر بول رہے تھے۔ اپنی نشست سے اٹھ کر بے اختیار ڈاکٹر رخشندہ کے سر پر پیار دینے لگے تو ان کی آنکھیں خوامخواہ جھلملا گئیں۔ اتنے دنوں سے جس کرب سے گزر رہی تھیں، اس کی اذیت ان دو بزرگ ہاتھوں کے نیچے کم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"شکریہ انکل!" وہ مسکراتے ہوئے بولیں تو پھر انکساری سے اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

"یہ......آپ کے......" ڈاکٹر رخشندہ کو ہی تنزیل کا خیال آیا، ورنہ وہ تو شاید اسے اپنے ساتھ لا کر بھول چکے تھے۔

"یہ بھی میرا پوتا ہے، تنزیل۔ ماشاءاللہ! دائم کی طرح بہت نیک، فرمانبردار اور خیال رکھنے والا۔"

اس طرح یوں نرم ملائم لہجے میں ہرا چھے بڑے، اپنے کی تعریف کرنا کبھی بھی آغا جان کی عادت نہیں رہی تھی مگر جانے کیوں کچھ دنوں نہیں، بہت مہینوں سے وہ خود اپنے اندر آئی اس اچانک تبدیلی کو بہت شدت سے محسوس کرنے لگے تھے۔ یا تو ان کی بصارت بالکل ہی چلی گئی تھی کہ انہیں دور و نزدیک کی چیزیں یکساں طور پر ایک جیسی بلکہ اچھی ہی نظر آنے لگی تھیں۔ یا واقعی ان کا اندر بدل گیا تھا۔ اگر مؤخر الذکر بات درست تھی تو یہ بدلاؤ بہت دیر سے آیا تھا۔

'کاش، یہ بدلاؤ کچھ سال پہلے آیا ہوتا تو شاید...... یوں اتنا کچھ کھو جانے کا احساس اتنا شدید نہ ہوتا۔' انہوں نے دل گرفتگی سے سوچا۔

دو تین راتوں سے پھر انہیں وہی خواب پریشان کر رہا تھا اور جیسے ان کے اعصاب کے گرد خود احتسابی کا شکنجہ کستا جا رہا تھا۔ وہ اپنی ہی بے بسی پر بے دھیانی میں مسکرائے۔

ڈاکٹر رخشندہ اب تنزیل سے باتیں کر رہی تھیں۔ کیا؟ وہ پہلی بار سننے پر سمجھ نہ سکے۔

"دائم کہاں ہے؟" انہوں نے بے ساختہ پوچھا اور جس تیزی سے ڈاکٹر رخشندہ کے چہرے کا رنگ اُڑا تھا۔ آغا جان کے ساتھ تنزیل بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

رنج سا رنج تھا، جو دل سے نکل ہی نہیں پا رہا تھا۔

✻......✻
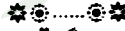
اسے سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتے جانے کتنی دیر بیت گئی تھی۔ فیول کی سوئی، میٹر کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی، جب وہ اپنے پریشان خیالوں سے چونکا تھا۔

'یہ لڑکی......احمق لڑکی کس سے انتقام لے رہی ہے، جو یہ سب کر رہی ہے؟ اپنے والدین کی توجہ حاصل کرنے کے لئے یا...... سستی شہرت اور اپنے حُسن کو ایکسپوز کرنے کی گھٹیا خواہش جو اس کم عمری میں دل میں جڑ پکڑ لے تو پھر سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے اور اس میں کس کی تباہی ہے؟ صرف اس کی اپنی، جسے اس تباہی کا رتی برابر احساس نہیں۔

اور میں...... میں نے اپنی اُلجھنوں میں گم ہو کر اس کی کتنی پروا کی۔ کیا محبت پارٹ ٹائم جاب ہوتی ہے کہ جب فرصت ملے گی، جب سب پریشانیوں سے چھٹکارا مل جائے گا تو اس کی طرف دھیان دیا جائے گا۔

دائم مصطفیٰ! اگر محبت کو محبت سے سنبھال نہیں سکتے تو اس کے دعوے دار کیوں بنے تھے؟ میں نے تمہیں بلایا، بار بار کال کی اور تم ہر بار نظر انداز کرتے رہے کیونکہ تم بہت بڑی اُلجھن میں گرفتار تھے، تمہاری شناخت کی اُلجھن؟ تمہاری بنیاد کی پہچان......جس کے لئے تم نے دنیا کے ہر مسئلے پر لعنت بھیج دی، وہ کچھ بھی نکلتی۔

تم میڈم یاقوت کے بیٹے ہو یا ڈاکٹر رخشندہ کے؟......اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے دوران اگر کسی کی زندگی تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتی ہے تو تم اس کو محض اس لئے بچانے نہیں جاؤ گے کہ تم خود بڑی اُلجھن میں گرفتار ہو۔ کیا تمہاری یہ اُلجھن کسی کی زندگی برباد ہو جانے سے بھی بڑی ہے؟......زندگی بھی وہ جس کے بہت عزیز ہونے کا تمہارا دل دعویٰ کرتا ہے۔ اوہ مائی گاڈ! مجھ سے یہ کیسی کوتاہی ہو گئی...... میں نے اتنے دن ایک بار بھی نہ سوچا عزہ کے بارے میں......اس کی خفگی، اس کا غصہ سب درست ہے۔ میں ہوں اس قابل کہ وہ مجھے یوں دھتکار کر چلی جائے...... چلی جائے کہیں بھی، مگر میڈم یاقوت کے ہاتھوں میں نہیں۔

ان ہاتھوں میں کیوں نہیں؟......اس کے دل نے بڑا اچھبتا ہوا سوال کیا تھا۔

اس نے پٹرول پمپ کے آگے بے اختیار بریک لگائی تھی۔

"تم تو ڈاکٹر رخشندہ کا جرم ثابت ہو جانے پر خود کو میڈم یاقوت کے حوالے کر دینے کا عہد کر چکے ہو۔"

کوئی ہنستے ہوئے اسے یاد دہانی کروا رہا تھا، جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں آیا۔

وہ گھر کی طرف روانہ ہو چکا تھا، جب اس کے سیل پر میڈم یاقوت کی کال آ رہی تھی۔ اس نے لمحہ بھر کچھ سوچا اور کال ڈراپ کر
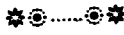
اوّلین چاند نے کیا بات سمجھائی مجھ کو
یاد آئی تری انگشتِ حنائی مجھ کو
دیکھتے دیکھتے تاروں کا سفر ختم ہوا
سو گیا چاند مگر نیند نہ آئی مجھ کو
انہی آنکھوں نے دکھائے کئی بھرپور جمال
انہی آنکھوں نے شبِ ہجر دکھائی مجھ کو
سائے کی طرح مرے ساتھ رہے رنج و الم
گردشِ وقت کہیں راس نہ آئی مجھ کو
دھوپ ادھر ڈھلتی تھی، دل ڈوبتا جاتا تھا اُدھر
آج تک یاد ہے وہ شام جدائی مجھ کو

ایک ہی غزل کے یہ چند اشعار بار بار ایک تکرار کے ساتھ احسن مراد کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ صبح ہونے کو آئی تھی، یاسمین کے کانوں میں آتے جاتے ان چند لائنوں کی تکرار پڑتی تو ان کے قدم ٹھٹک جاتے، پھر سر جھٹک کر کسی کام میں خود کو اُلجھا لیتیں۔

باہر ڈور بیل بجی تھی۔

وہ ''انہی آنکھوں نے شبِ ہجر دکھائی مجھ کو'' سے اُلجھتی دروازے تک گئیں۔

منی ایکس چینجر کی بڑی مشہور کمپنی کا نمائندہ تھا، دروازے پر۔ دو جگہ ان سے سائن کروا کے ایک پھولا ہوا لفافہ ان کے ہاتھ میں دے کر چلتا بنا تھا۔

وہ حیران پریشان سی لفافہ لئے اندر آئی تھیں۔

صحن کے بیچ رک کر لفافہ کھولنے لگیں، پھر کسی خیال سے رک کر احسن مراد کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

اندر وہی اشعار سارے کمرے میں چکراتے پھر رہے تھے۔

آج تک یاد ہے وہ شام جدائی مجھ کو

''نیلم......!'' ایک دردناک کراہ کے ساتھ احسن مراد کے منہ سے نکلنے والا نام یاسمین کے قدموں کو دروازے کے بیچ زنجیر کر گیا تھا۔ ان کے ہاتھ سے بے اختیار وہ پھولا ہوا سربہ مہر لفافہ گر گیا اور انہیں اس کے گرنے کا بھی پتہ نہ چل سکا۔

اُس روز ہم گھر گئے اور تم ملے ہی نہیں۔ بتایا ہوگا تمہیں رخشندہ بیٹی نے۔'' آغا جان نے اپنائیت بھرے انداز میں ہلکا سا گلہ کیا۔

''ہاں، آں بتایا تھا۔ بلکہ نہیں، اس روز میں خاصا لیٹ آیا تھا گھر اور وہ سو چکی تھیں اور صبح بھی میں جلدی نکل آیا تھا۔ ویسے آپ مجھے آنے سے پہلے فون کر لیتے۔ چلیں، اسی بہانے آپ کی ماما سے بھی ملاقات ہوگئی۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بظاہر بول رہا تھا۔

تنزیل، جس کی مشاہداتی حِس پہلے کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ بیدار ہو چکی تھی، اس روز اسے ڈاکٹر رخشندہ کا لہجہ، ان کی کشمکش اور رنجیدگی کی چغلی کھاتا لگا تھا۔ بظاہر پُرسکون اور نارمل سا۔ مگر اندر جیسے ہلکی ہلکی لہریں سی اُٹھ رہی ہوں۔ اور آج...... دائم بھی اسے کچھ ایسی ہی کیفیات کا شکار نظر آ رہا تھا۔

یوں تو وہ خود بھی اتنا متوجہ نہیں تھا، مگر یہ دائم کا اٹکتا، رکتا لہجہ ہی اسے توجہ دینے پر مجبور کر گیا تھا، ورنہ اس نے آج آغا جان کے ساتھ آنے سے بالکل انکار کر دیا تھا۔ خوامخواہ تعلقات کا ناجائز فائدہ اٹھانے کے چکر میں وہ اسے بھی خوار کر رہے تھے۔ اور اس کا تو تجربہ تھا، یہ بڑے لوگ اپنے کسی چھوٹے سے مفاد خواہ وہ کوئی یونہی سی خوشی کیوں نہ ہو، کے لئے آپ سے ہنس کر بات تو کر لیتے ہیں، کوئی بڑا فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

''ماشاءاللہ! بہت اچھی، نیک اور سمجھدار خاتون ہیں، سب سے بڑھ کر بہت خوش اخلاق اور ملنسار...... بالکل تم جیسی۔ تم سے مل کر کوئی بھی انہیں شناخت کرنے میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔ ماں، بیٹے کی مشابہت کے علاوہ تم دونوں کے مزاج بھی بہت میل کھاتے ہیں۔'' آغا جان شاید یہ محبت کے اظہار کے طور پر کہہ رہے تھے یا یونہی ان کی تعریف کرنا چاہ رہے تھے، مگر دائم کچھ چونک سا گیا۔

''واقعی، آپ نے ایسا محسوس کیا یا صرف...... یونہی...... میرا مطلب ہے کہہ رہے ہیں؟'' وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا تھا۔

''لو بھلا۔ یونہی کیوں کہوں گا؟ تنزیل سے پوچھ لو۔ کیوں تنزیل بیٹا! اس دن تم بھی تو ملے تھے ان کی والدہ سے۔ بے نادولر

میں مشابہت اور مزاج میں مماثلت؟'' وہ تنزیل کو شاملِ گفتگو کرتے ہوئے رواں اُردو میں بولے۔
دائم کی اُردو بہت اچھی تھی، مگر ایسے مشکل الفاظ وہ روانی میں نہیں بول سکتا تھا۔
''جی......!'' تنزیل نے سر ہلا کر کہا اور یونہی سرسری سی نگاہ اپنی طرف دیکھتے ہوئے دائم پر ڈالی۔
''یہ میرا پوتا ہے۔ میں تعارف کرانا بھول گیا۔ تنزیل مراد۔ اچھا، پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ مگر........ میں اس دن گھر بھی اسی سلسلے میں گیا تھا........ اور بس سمجھو، کوشش کے باوجود تمہاری والدہ سے یہ بات نہیں کہہ سکا تھا۔ زبان نے اجازت ہی نہیں دی۔''
وہ جھجکتے ہوئے بولے۔ تنزیل کو قطعاً یہ پسند نہیں تھا، مگر آغا جان کا اصرار۔
''آغا جان! پلیز، اتنا فارمل کیوں ہو رہے ہیں؟........ اچھا کیا لیں گے؟ چائے یا کولڈ ڈرنک؟'' وہ ان کی جھجک کم کرنے کو بولا۔
''نہیں، کچھ نہیں۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔
''چائے منگوا لیتا ہوں۔ میں بھی پی لوں گا۔'' اس نے انٹرکام پر خود ہی کہہ ڈالا۔
''آپ کچھ کہہ رہے تھے۔'' وہ آغا جان سے بولا۔
''ہاں، وہ بس کچھ خاص نہیں۔ اصل میں تنزیل کی جاب کا مسئلہ ہے۔ کوئی ڈھنگ کی نوکری مل ہی نہیں رہی۔ بہت پریشان ہے یہ آج کل۔ اور میں سمجھو، اس کی وجہ سے........ تو میں نے سوچا........''
وہ کچھ خجل سے انداز میں دائم کی طرف، اس کے چہرے کے تاثرات کی طرف ڈرے ہوئے انداز میں دیکھ کر بولے۔
''تو آپ نے جو سوچا، بالکل درست سوچا۔ رئیلی! مجھے آج کل خود ایک بہت محنتی، ایمان دار اور سمجھیں فیملی ممبر جیسے ہیلپر کی ضرورت تھی۔ میرا خیال ہے، آپ آج میرا ہی مسئلہ حل کرنے آئے ہیں۔'' اس کی بات اور انداز آغا جان اور تنزیل دونوں کو چونکانے کے لئے کافی تھا۔
''کیا مطلب؟'' وہ اُمڈتی خوشی کو چھپا کر بولے۔
''اپنا سی وی وغیرہ لائے ہو تنزیل؟'' وہ تنزیل سے یوں بے تکلف ہو کر بولا جیسے پہلے سے جانتا ہو۔
تنزیل نے خاموشی سے اپنے پیپرز آگے بڑھا دیئے۔ آغا جان نے چمکتی نگاہوں سے تنزیل کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں، دیکھا میں نہ کہتا تھا، دائم مجھے انکار نہیں کر سکتا۔
''تمہارا اکیڈمک کیریئر........'' دائم نے سرسری سی ورق گردانی کے بعد اس کی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔ تنزیل کو فوری ریجیکشن کا علم ہو گیا۔ ''اگرچہ کچھ خاص نہیں اور جاب ایکسپیرئنس۔'' وہ رک کر پیشانی مسلنے لگا۔
آغا جان یکدم مایوس سے نظر آنے لگے۔ انہیں تو مکمل اعتماد تھا کہ دائم تنزیل کو لازمی ہر صورت جاب دے دے گا۔
''اگرچہ میں اس تھیوری کو نہیں مانتا کہ صرف لائق اور زبردست اکیڈمک رزلٹ شو کرنے والے اسٹوڈنٹس ہی بہترین ورکرز ہوتے ہیں مگر پھر بھی، یہ چیز بھی کاؤنٹ کرتی ہے۔'' اس کا انداز صاف مایوس کر دینے والا تھا۔
اسی دوران چائے آ گئی۔ تنزیل کا جی چاہا، بے دھڑک دروازہ کھول کر باہر نکل جائے۔ آتے رہیں گے آغا جان خود ہی۔ اس نے سلگ کر انہیں دیکھا۔
''مگر میں تمہیں چانس ضرور دوں گا اور مجھے یقین ہے، تم تھوڑے عرصے میں کافی کچھ سیکھ لو گے۔ یہ اخبار کی ایک ایک ماہ کی نوکریوں کے علاوہ تم نے کہیں اور چند ماہ........ میرا مطلب ہے مستقل مزاجی سے جاب کی؟'' چائے ان کے آگے ملازم سرو کر کے باہر نکلا، جب دائم نے انہیں مژدۂ جاں فزا سنایا۔
آغا جان نے تنزیل کی طرف دیکھا، پھر آنکھوں آنکھوں میں اسے اشارے سے منع کرنے لگے کہ اس آخری منحوس نوکری کے بارے میں نہ بتانا، جس کی وجہ سے تم حوالات کی سیر بھی کر آئے۔
تنزیل نے اچٹتی نگاہ ان کے اشارے پر ڈالی اور سر گھما لیا۔
''ہاں، ایک جگہ کی تو تھی۔''
''اونہوں! رہنے دو نا۔ وہ کون سی کوئی خاص تھی۔ بالکل بے کار۔ وہ بھی چند ہفتوں کی۔ اور کم بختوں نے بغیر کسی وجہ سے نکال باہر بھی کیا۔ بس یہ سب ویسے ہی ہوتے ہیں۔'' آغا جان بلا سبب بولتے چلے گئے۔
''میں نے........ آپ ادھر نئے آئے ہیں، شاید نام نہ سنا ہو آپ نے، میں نے مائز (My's) ایسوسی ایشنز میں چند ماہ جاب کی ہے۔'' تنزیل کا جواب تھا یا دھماکا، آغا جان کو تو طیش آیا ہی مگر دائم بھی لمحہ بھر کو جیسے سناٹے میں آ گیا۔
''مائز........ یُو مین........ میڈم یاقوت کے ساتھ؟'' وہ ایک منٹ کے وقفے سے قدرے حیرت سے بولا۔
آغا جان نے بے بسی سے تنزیل کی طرف دیکھا اور کچھ ناراضی سے۔ تنزیل نے بے اختیار تائید میں سر ہلا دیا۔

اور دائم لحہ بھر اسے دیکھنے کے بعد خاموشی کے ساتھ چائے پینے لگا۔ مجبوراً آغا جان کو بھی کپ اٹھانا پڑا۔
تنزیل اپنے آگے پڑے کپ سے لاتعلق بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔
''احسن مراد ٹھیک کہتا ہے۔ یہ لڑکا انتہائی احمق، بے وقوف اور عقل کا اندھا ہے۔ بنی بنائی بات بگاڑ دی۔ اللہ جانے اب یہ جواب دے۔'' آغا جان گھونٹ بھرتے ہوئے چائے پی رہے تھے۔

✿✿......✿✿

''تم ادھر کیوں آئی ہو؟'' وہ اندر داخل ہوتے ہی چنگھاڑ کر بولیں۔
''ہوں...... کیا میرا ادھر آنا منع ہے یا یہ جگہ گھر کا حصہ نہیں؟'' لائبہ بھی دوبدو ہو کر بولی۔
''شٹ اپ! تم میری نرمی، میری محبت کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہی ہو۔'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کچھ کر ڈالیں۔
''جائز اور ناجائز کا فرق آپ کو بہت معلوم ہے؟'' وہ طنز بھرے انداز میں بولی اور میڈم یاقوت نے کرنٹ کھانے والے انداز میں بیٹی کی طرف دیکھا۔
''بدل لے یاقوت!...... اب اپنے یہ الہڑ مٹیاروں والے غصیلے انداز بدل لے۔ دیکھ، تیرے قد سے بڑی سامنے جوان ہو کر کھڑی ہے۔ اب تو سنبھل سنبھل کر بول۔ بولوں میں بڑے بھید چھپے ہوتے ہیں۔ سنبھل کر بول۔''
بڑھیا ایک دم سے بشاش ہو کر بولی تھی اور تکیے کی ٹیک سے اس نے سارا بوجھ اپنی خمیدہ کمر پر ڈال دیا تھا۔
''چپ کر بدبخت! کدھر سے میری زندگی میں آ گئی، مجھے برباد کرنے۔ ہمدردی کی، ترس کی سزا دے رہی ہے مجھے ابھی تک۔'' وہ طیش میں چٹکی بجا کر بولیں۔ ''ابھی تیرا گلا دبا کر فارغ کر دوں گی۔ مت میری نرم دلی کو میری بزدلی جان۔'' وہ جاہلوں کی طرح چیخ رہی تھیں۔ اور لائبہ حیران سی، ماں کا یہ روپ دیکھ رہی تھی۔
''یہ تو فیصلے اوپر، بہت اوپر ہوتے ہیں میری جان!...... کس کو کب ''فارغ'' کرنا ہے، یہ تیرے میرے جیسے زمین پر رینگنے والے کیڑوں کے اختیار میں نہیں۔ ہاں، جوانی میں یہ بھول ضرور ہوتی ہے۔ میں تو اس بستر مرگ پر پڑی اس ''بھول'' سے نکل آئی۔ تُو بھی جلد یا بدیر نکلنے والی ہے۔ پتہ ہے مجھے۔'' وہ کسی قیافہ شناس کی طرح بولتی یاقوت کو زہر لگی۔
''تُو اس قابل تھی ہی نہیں جھڑوس! تجھ پر ترس کھا کر میں تجھے یوں اتنے سال زندہ رکھتی۔ تُو تو......'' وہ اس کا گلا دبانے کو لپکیں۔
''مام!...... مام! کیا کر رہی ہیں؟...... ہوش کریں، چھوڑ دیں اسے۔ یہ تو پہلے ہی نیم مُردہ ہے۔ چھوڑ دیں۔'' میڈم یاقوت پوری طاقت سے اس کا گلا اپنے ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھیں۔ لائبہ نے پوری قوت لگاتے ہوئے انہیں پرے دھکیلا۔
اسی ذرا سے وقفے میں بڑھیا کی آنکھیں حلقوں سے باہر اُمڈ آئی تھیں اور اسے کھانسی کا شدید دورہ پڑ چکا تھا۔
''مام! پلیز، ہوش کریں۔ کچھ تو اخلاقیات کا بھرم ہی سہی۔ آخر کو ماں ہیں یہ آپ کی۔'' وہ میڈم یاقوت کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر ان کا جوش ٹھنڈا کرتے ہوئے بولی۔
''نہیں بیٹے! یہ میری ماں۔ یہ جھوٹ بکتی ہے، بکواس کرتی ہے۔ میری ماں...... میری ماں یہ نہیں...... ایسی نہیں تھی وہ...... ایسی......'' وہ چلاتے ہوئے یک دم بے بسی سے ہونٹ کاٹتی، آنکھوں میں آئے پانی کو پیچھے دھکیلنے لگیں۔
''تو بتا...... بتا اپنی بیٹی کو، کیسی تھی وہ؟...... اگر میں...... میں تیری ماں نہیں ہوں۔'' بڑھیا نے کھانسی کے بیچ ہی زور سے پوری قوت لگا کر کہا تھا۔
''تجھے تو آج میں مار ہی ڈالوں گی۔ میری زندگی کو جہنم واصل کرنے والی...... میں......'' وہ پھر اس مار ڈالنے کو لپکیں۔ لائبہ کو پھر انہیں بیچ میں ہی پکڑنا پڑا۔
''پلیز مام! کُول ڈاؤن۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟...... یہ قریب المرگ عورت موت کو سامنے دیکھ کر بدحواس ہوئی جا رہی ہے۔ اپنی نروز کو کنٹرول میں رکھیں پلیز۔'' وہ انہیں زبردستی بٹھاتے ہوئے سمجھانے لگی۔
''اس کی باتوں کا اعتبار نہ کرنا میری بیٹی! یہ تو...... یہ تو...... جھوٹی ہے۔ ڈائن، عورتوں کے کلیجے نکال کر کھانے والی عورت...... اسی لئے تو...... دیکھو اب کیسے مردار چھچھڑے کی طرح پڑی ہے۔ اسے تو موت بھی نہیں آ رہی اور آئے گی بھی نہیں۔ ایڑیاں رگڑے موت مانگے گی اور اسے موت نہیں ملے گی۔ دیکھنا تم۔'' وہ ٹوٹ ٹوٹ کر بے حد شکست خوردہ سے انداز میں بول رہی تھیں۔
''میں عورتوں کے کلیجے نکال کر کھانے والی...... تو تُو کون سی پاکیزہ ہے؟...... کہاں کی پاکباز؟...... ذرا ہمت کر، اُٹھ کر شیشے میں اپنی یہ مکروہ صورت تو دیکھ، لوگوں کو اُلّو بنا رہی ہے۔ مت بھول یاقوت!...... مت بھول، تُو وہی ہے، جو میں ہوں۔ میری بیٹی ہے۔ ہے نا؟ کسی سے بھی پوچھ لے، نہ بھی پوچھ، بس آئینہ دیکھ اور سچ سننے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کر۔ تُو میری ہی بیٹی ہے۔ ہے نا؟''

وہ ڈھانچہ عورت اپنی کھانسی کو شکست دے کر یوں ہاتھ نچا کر بول رہی تھی، جیسے آج کے بعد اسے یہ موقع نہیں ملے گا۔

"چلو یہاں سے، اس ڈھونگی بڑھیا کی کسی بات کا اعتبار نہ کرو۔ چلو آؤ میرے ساتھ۔" بمشکل میڈم یاقوت نے خود کو کنٹرول کیا تھا۔ اُٹھتے ہوئے لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے جانے لگیں۔

"آئینہ دیکھنے جا رہی ہے۔ جا شاباش! شکل دیکھ اس میں اپنی اور ہمت ہوئی تو اپنی بیٹی کو بھی اپنی مکروہ صورت ضرور دکھا دینا۔ جو اُنے یہ ہمت کر لی تو کل میری طرح کم از کم ایسے ہی کسی بستر پر پڑی موت کے ترلے نہیں کرے گی۔ اپنی مت کو آسان کر کے دکھا دے زمانے کو اپنی اصلی صورت۔ آخری احسان سمجھ کر میری یہ بات مان جا۔ پہلوں کا بدلہ تو تُو اتار نہ سکی، جا یہ بھی تجھے نہ کیا۔"

وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئی تھیں اور وہ عورت دیوانوں کی طرح بولتی جا رہی تھی۔

✲......✲
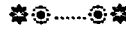
اس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کھلے گیٹ سے اندر قدم رکھا۔ گیٹ پر گارڈ یا چوکیدار کوئی بھی نہیں تھا۔ اور رات کے پہر گیٹ کا یوں کھلا ہونا، وہ بھی کسی چوکیدار کے بغیر...... اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہوتے چلے گئے۔

چوتھے ہی قدم پر وہ رک گئی تھی۔

وہ عین اس کے سامنے کھڑے تھے اور اسے لگا، اس کے جسم سے روح بس پرواز کرنے کو ہی ہے۔

"کہاں سے آ رہی ہو تم اس وقت؟" انہوں نے اسے اندر جانے کی مہلت بھی نہیں دی، ڈرائیو وے پر اس کے سامنے جم کر کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ان ہی کے سے انداز میں سارہ کھڑی اسے ملامتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"میں لکھ کر انفارم کر گئی تھی شاید۔" اس نے پتے کی طرح لرزتے دل کو قابو میں کرتے ہوئے بے خوف لہجے میں کہا، اگرچہ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

تڑاخ کی زوردار آواز آئی اور وہ تیورا کر پیچھے گر گئی۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی اس کے ہاتھ ڈرائیو وے کی کھردری زمین سے رگڑ کھا گئے۔

"یہ صلہ دیا ہے تم نے ہماری محبتوں اور نرمی کا...... تم یوں ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر راتوں کو گل کھلانے چل دو گی......" وہ دانت بھینچے عزاعزا کر، مگر آواز کا والیوم نیچا رکھتے ہوئے بول رہے تھے۔ ملازم سارے اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے، اور گارڈ بھی دروازے پر موجود نہیں تھا۔ مگر انہیں معلوم تھا، سرونٹ کوارٹرز نہ تو یہاں سے زیادہ دور ہیں اور نہ وہ لوگ ابھی سوئے ہوں گے۔

"تم نے ہمیں کیا سمجھا، ہماری عزت کو کھیل اور ہماری محبت کو جھوٹ...... مگر تم بھول گئیں، ایسی داغ دار عزت کی چادر سر پر لینے سے اسے تار تار کر دینا زیادہ بہتر سمجھوں گا۔ چلو میرے ساتھ۔" انہوں نے وحشی انداز میں اس کا بازو جکڑا اور طوفان کی طرح اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے اندر لے گئے۔ وہ بھاگنے کے باوجود ان کی اسپیڈ کا ساتھ نہ دے سکی اور گرتے، اُلجھتے اس کے گھٹنے رگڑ کھاتے گئے۔

سارہ کچھ حواس باختہ سی ان کے ساتھ دوڑ رہی تھیں اور انٹرس کی سیڑھیوں سے اوپر حیران اور متجسس سی ثریا بانو، محمود عالم کے ہاتھوں گھسٹتی عزہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"کیا کر رہے ہو عالی! ہوش کرو، ذرا سنبھل کر، جوان بیٹی ہے۔" انہوں نے مقدور بھر نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"شٹ اپ...... خبردار جو کوئی میرے راستے میں آیا۔ سب کچھ ختم کر ڈالوں گا۔" انہوں نے ساری "احتیاط" کی حدیں عبور کرتے ہوئے چلا کر کہا اور ثریا بانو سہم کر ایک طرف ہو گئیں۔ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے اس کے کمرے تک لے آئے اور بیڈ کے پاس فرش پر یوں پھینکا، جیسے کوئی ردی اخبار پھینکتا ہو۔ بچتے بچتے بھی اس کا سر بیڈ کے اسٹیل کارنر سے بری طرح ٹکرا گیا تھا۔

"تمہارے دماغ سے ہر طرح کا خناس نکل بھی گیا تو بھی میں تمہیں اس کمرے سے نہیں نکالوں گا۔ تم اب مر کر ہی اس کمرے سے نکلو گی۔ تم نے میری محبت ہی نہیں، میرے اعتماد، میرے بھروسے کا خون کیا ہے۔ اس کے لئے میں تمہیں کسی بھی صورت معاف نہیں کروں گا۔ تم آج سے میرے لئے مر گئیں عزہ عالم!" انہوں نے دانت پیستے ہوئے ایک ایک لفظ کہا۔

آگے بڑھ کر کمرے کی ساری کھڑکیاں اندر سے بند کیں۔

"تم جاؤ اور ان کھڑکیوں کو باہر سے بند کر دو۔ کل میں ان کے باہر مستقل دیوار کرا دوں گا۔ یہ زندہ رہے گی، مگر جیسے کوئی اپنی قبر میں زندہ رہتا ہے۔" انہوں نے سارہ کو باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے حکم دیا اور نفرت سے زمین پر گٹھڑی بنی عزہ کو دیکھنے لگے۔

"تم نے اس ذلت بھری موت کا انتخاب خود کیا ہے۔ یاد رکھنا، اب تم جیتے جی اس زندان سے باہر نہیں نکل سکو گی۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں کہہ کر باہر جانے لگے۔

سارہ نے کھڑکیوں کے بیرونی حصے کو دیکھا، جہاں چٹخنی، لاک نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ البتہ شیشے کے آگے لوہے کی ا
ہوئی تھیں، جن سے کم از کم کوئی انسان باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ وہ یونہی سرسری نظر میں کھڑکیاں دیکھ کر واپس آ گئیں۔
''اور میں آپ کو اس کمرے سے باہر نکل کر اور اپنی پسند اور مرضی کی زندگی گزار کر دکھاؤں گی۔'' وہ دروازہ لاک کر
جب ان کے کانوں میں عزہ کی بے خوف آواز پڑی اور دروازے کا لاک لگاتے ان کے ہاتھ ٹھٹک گئے۔
''نہ نکل سکی تو آپ کو میری لاش یہاں سے ضرور مل جائے گی۔'' اس کے لہجے میں کھلا چیلنج تھا۔
''اور اگر تم ایسا کر سکیں تو پھر تمہاری زندگی سے ہم سمیت، یہ گھر اور اس سے وابستہ ہر چیز مائنس ہو جائے گی۔ کیپ ا
مائنڈ۔'' انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔
وہ تیزی سے باہر نکلے اور باہر سے انہوں نے دروازے کو لاک کرتے ہوئے چابی اپنی مٹھی میں دبائی۔ سارہ اور
نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئے۔
انہوں نے سنا ہی نہیں، عزہ نے بڑبڑا کر کہا تھا۔ ''آئی ڈونٹ کیئر۔ آئی ڈونٹ کیئر اینی مائنس اور پلس۔'' اور اس نے ا
کو بیڈ کے اسی کونے پر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

٭......٭
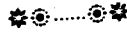
''کتنا عرصہ تم نے ''مائیز'' میں کام کیا؟'' خاموشی کے ایک طویل وقفے کے بعد دائم نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھ
پوچھا۔
''کچھ زیادہ نہیں۔ دو ڈھائی ماہ۔''
تنزیل کو اب کوئی پروا نہیں تھی، جاب ملے یا نہ ملے۔ یوں بھی آج کل اس کا دماغ جس ''پروجیکٹ'' میں دن رات لگا
کی وجہ سے وہ کوئی اور ''مصروفیت'' چھیڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔
''ہوں۔'' دائم کچھ سوچ رہا تھا اور آغا جان بے چینی سے اس کے چہرے سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔
دائم نے انٹرکام اٹھا کر کسی کو اندر بھیجنے کو کہا۔
''یس، کم ان۔'' دروازہ ناک ہونے پر دائم نے کہا۔ اس دوران بھی تینوں کے درمیان خاموشی حائل رہی۔
''آیئے امتیاز صاحب! یہ تنزیل مراد ہیں۔ ایک تو آپ ان کا اپائنٹمنٹ لیٹر نکلوا دیں۔ یہ کل سے جوائن کریں گے ہو
چونکہ انہیں آفس ورک کا کچھ خاص ایکسپیرئنس نہیں اور تھوڑا ٹرینڈ کریں گے۔ میں اصل میں کچھ دنوں شاید آفس کو پراپر
سکوں۔ اس لئے تنزیل صاحب کی ذمہ داری میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ اور تنزیل! یہ امتیاز صاحب ایڈمن میں ہوتے
ان کے ساتھ ہی کام کرو گے۔ میں تمہیں آئندہ بھی ایڈمن کے اپارٹمنٹ میں ایڈجسٹ کرنا چاہوں گا۔'' دائم نے امتیاز صا
ہدایات دیتے ہوئے تنزیل سے کہا۔
اس نے بے دلی سے سر ہلا دیا۔
'بالآخر آغا جان نے مجھے پھنسا ہی دیا۔' وہ کوفت زدہ سا سوچ رہا تھا۔
''اوکے امتیاز صاحب! آپ جایئے اور لیٹر نکلوا لایئے۔ میں ویٹ کر رہا ہوں۔''
امتیاز صاحب سر ہلا کر نکل گئے اور دائم مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔
آغا جان متشکرانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ کچھ بولنا چاہتے تھے کہ دائم نے ہاتھ اٹھا کر انہیں منع کر دیا۔
''لگتا ہے تنزیل کو زیادہ خوشی نہیں ہوئی جاب ملنے پر؟'' وہ بلا کا چہرہ شناس تھا، بولا تو تنزیل جیسے اچھل ہی پڑا۔ گڑبڑا
دائم کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر آغا جان کی طرف۔
''نن...... نہیں...... بالکل...... کیوں نہیں ہو گی خوشی۔'' وہ قدرے ہکلا گیا۔ ''تو مجھے کل سے آنا ہو گا؟'' وہ فوراً سن
پا کر بولا۔
''میرے خیال میں تمہارا دماغ شاید کسی اور اپنی مصروفیت میں اٹکا ہوا ہے۔ دو چار دنوں بعد جوائن کرنا چاہتے ہو تو کوئی
نہیں۔'' دائم کا دوسرا قیافہ بھی تنزیل کو پریشان کر دینے کے لئے کافی تھا۔
''نہیں۔ یہ بھلا خوش کیوں نہیں ہو گا؟ اللہ کا شکر ہے، فراغت پن سے جان چھوٹی۔ سارا دن گھر میں پریشان بیٹھے ر
ہوتا تھا۔ باپ الگ کڑھتا تھا، یہ الگ۔'' آغا جان خوشی میں کچھ زیادہ ہی بول گئے۔ تنزیل کو خاصا ناگوار گزرا۔
''ویسے مجھے لگتا ہے۔ تنزیل! میں نے پہلے بھی تمہیں کہیں دیکھ رکھا ہے۔'' دائم، آغا جان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بے
تکلفی سے تنزیل کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں بس، یاد آ گیا۔ میرے خیال میں تمہیں یہیں کسی روڈ پر........تم شاید زخمی تھے۔" دائم کی یادداشت بلا کی تھی۔ تنزیل دل یاد دلائے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے بھی یاد تو آ گیا تھا۔

"نہیں، وہم ہے آپ کا۔" اس کے لہجے میں کچھ تھا، جو دائم کے چہرے سے پہلے یک لخت، پھر آہستہ آہستہ ملائمت کے اثرات غائب ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد وہ آغا جان سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

تنزیل کالیٹر آتے ہی اس نے سائن کیے اور دونوں شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"میرا اس لڑکے کو جاب دینے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا، خصوصاً اس کا سی وی دیکھ کر میں آغا جان کو ٹالنے کا پکا ارادہ کر چکا تھا، دو لفظوں کا کہہ کر........پھر........اس نے مائیز کا ذکر کیا اور میرے دل نے بلا کسی تردّد کے اسے اوکے کر دیا۔ کیوں؟" دائم ان کے جانے کے بعد گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"شاید اس لڑکے کے پاس ایسا کچھ ہو میڈم یاقوت سے متعلق جس سے مجھے کچھ مدد مل سکے۔ شاید اسی لئے میں نے اسے رکھ لیا۔ مگر اس لڑکے کی چغلی کھاتی آنکھیں۔ وہ یہاں جاب کی تلاش میں ہرگز نہیں آیا تھا۔ محض آغا جان کے اصرار پر........اُس کی آنکھیں کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔ بے چین، گول گول گھومتی، مضطرب جیسے کسی کی تلاش میں ہوں۔ اور اس کی آنکھوں کی چمک........ایسی آنکھیں میں نے کہاں دیکھی ہیں؟ کہیں پاس ہی........ اِردگرد........کہاں؟"

اُسے عجیب سی اُلجھن نے گھیر لیا۔

✲●......●✲

"احسن!" یاسمین نے پاس کھڑے ہو کر دھیرے سے پکارا۔ احسن مراد نے آنکھیں کھول کر اجنبی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہوں......کیا بات ہے؟"

"ابھی......ابھی آپ نے کس کا نام لیا تھا؟" یاسمین شکست خوردہ سی بولیں۔

"کس کا؟" ان کی پیشانی پر بل سے پڑ گئے۔

"ابھی آپ کہہ رہے تھے۔" انہوں نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ "نیلم۔"

"نیلم......؟" وہ یوں بڑبڑائے جیسے نیند سے جاگے ہوں۔ "کیا بکواس کر رہی ہو؟ میں کیوں یہ بولوں گا؟.......کون نیلم، احمق عورت؟" وہ سر جھٹک جھٹک کر نفی میں سر ہلا رہے تھے۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟" یاسمین جو تاسف زدہ سی نظروں سے انہیں یوں سر جھٹکتے دیکھ رہی تھیں، ان کے پوچھنے پر ہاتھ میں پکڑے لفافے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"یہ پتہ نہیں، ابھی کون سی ایکس چینجر کا آدمی تھا، دے کر گیا ہے۔" وہ لفافہ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"کس نے بھیجا ہے؟ تم نے پوچھا نہیں؟" انہوں نے لفافہ پکڑا نہیں۔

"نہیں، یہ تو مجھے خیال نہیں آیا۔ اور جب آیا تو وہ جا چکا تھا۔ آپ کھول کر دیکھیں۔" وہ کچھ شرمندہ سی بولیں۔

"احمق عورت! پوچھے بغیر پکڑ لیا۔ نہ معلوم، اس میں کیا ہے؟" وہ چڑچڑے پن سے بولے۔

اسی وقت باہر کی طرف ہلکا سا شور ہوا اور کوئی کھلے دروازے سے اندر آ گیا۔

"تم پھر دروازہ کھلا چھوڑ آئیں، صرف میری ٹوہ لینے کو۔" وہ کسی طرح یاسمین کو یہاں سے "دفعان" کرنا چاہ رہے تھے، جو ان کی ٹوہ میں لگی ہوئی تھیں۔

"ارے یاسمین بیٹی! کہاں ہو؟" باہر سے آغا جان خوشی سے بولتے ہوئے اسی کمرے میں آ گئے۔ ان کے پیچھے تنزیل چند قدم چلے پر سپاٹ چہرہ لئے کھڑا تھا۔

"جی آغا جان!........آ جائیں۔ اِدھر ہوں میں۔" یاسمین آگے بڑھ کر بولیں۔

"بھئی مبارک ہو۔ اپنے تنزیل کو نوکری مل گئی ہے۔ بتاؤ تنزیل!........یہ اپائنٹمنٹ لیٹر لے کر آیا ہے۔" وہ مڑ کر تنزیل کی طرف نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"سچ؟" یاسمین کا چہرہ کھل اٹھا۔

"اتنا خوش مت ہو۔ یہ صاحبزادے اس طرح کی خوشیاں صرف دو چار دنوں کے لئے دیتے ہیں، اس کے بعد سب خلاص۔" ان لہجے بولے۔ یاسمین نے انہیں متاسف نظروں سے دیکھا۔ آغا جان بھی احسن کی بات پر ایک دم سے خاموش ہو گئے اور ذرا یونہی کھڑے ہو کر کچھ شرمندہ سے باہر نکل گئے۔

"اب تم بھی جاؤ اور آگ میں جھونکو جا کر اس لفافے کو۔ آج کل اتنے حالات خراب ہیں۔ پتہ نہیں کہاں سے یہ لفافہ اٹھا

ائیں۔ چاہے کچھ بھی ہو اس میں۔" وہ ہاتھ میں پکڑا لفافہ بےزاری سے پھینکتے ہوئے بولے۔

تنزیل جو واپس جانے کے لئے مڑا تھا، لفافہ زمین پر پھسلتا ہوا اس سے تین چار فٹ کے فاصلے پر رک گیا۔

اس نے جھک کر لفافہ اٹھایا اور کچھ بھی سوچے بغیر اس کا منہ چاک کیا اور اگلا لمحہ ان تینوں کے لئے حیران کن تھا۔
نیلے رنگ کے ہزار ہزار کی مالیت کے اَن گنت نوٹ گڈی کی صورت موجود تھے۔

"یہ...... یہ کون دے گیا؟" تنزیل حیرانی سے بولا۔

"وہ کوئی کوریئر والا...... منی ایکس چینجر کا آدمی تھا۔ وہ دے کر گیا ہے۔" یاسمین نے پاس آ کر کہا۔

"آپ نے پوچھا نہیں، کس نے بھیجے ہیں؟"

"نہیں۔ یہ رسید کی کاپی ہے شاید، یہ دے گیا تھا اور بس۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا پوچھنا۔ اور جب پوچھنے کے لئے گئی
تھا۔" انہوں نے وضاحت دی۔

تنزیل اب رسید دیکھ رہا تھا۔ وہ کمپیوٹرائزڈ سلپ تھی، جسے یاسمین پڑھ نہیں سکی تھی اور دیکھتے دیکھتے اس کے چہرے
خوف ناک ہوتے چلے گئے۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے اور ابرو تن گئے۔

"آپ کو معلوم ہے یہ پیسے کس نے بھیجے ہیں؟" وہ بولا تو اس کی آواز بالکل بدلی ہوئی تھی۔

"کس نے؟" یاسمین اس کے تاثرات دیکھ کر ڈر گئیں۔

"آپ کی کماؤ بیٹی نے، اپنے جسم کی پہلی کمائی بڑی فرمانبرداری سے آپ کو بھیجی ہے۔ سمجھ میں آیا آپ کے؟" وہ
دھاڑا کہ کمرے کی دیواریں تک لرز اُٹھیں۔

یاسمین حواس باختہ سی ہو کر پہلے تنزیل کو اور پھر احسن مراد کو دیکھنے لگیں۔ ان کے چہرے کے تاثرات بھی کم و بیش
ملتے جلتے تھے۔

"دو اپنی ماں کو۔ پہلا ایوارڈ ملا ہے انہیں حُسنِ کارکردگی کا اپنی بیٹی کی طرف سے۔" وہ بھی چبا چبا کر بولے۔

"لیجئے، اب اپنی ساری کی ساری حسرتیں ان جیتے جاگتے نوٹوں سے پوری کر لیجئے۔ انہی کے لئے تو آپ نے
ہے نا؟...... ہے نا؟" وہ پاگلوں کی طرح ان نوٹوں کو اپنی ہتھیلی اور سر پر مارتے ہوئے بول رہا تھا۔

"تت...... تنزیل! خدا کی قسم، مجھے نہیں پتہ کہ یہ اس نے...... قسم لے لو...... میں تو......" وہ اپنی صفائی
کانپنے لگی تھیں۔

"کیوں قسمیں کھا رہی ہیں؟...... خوش ہوں، جھومیں، ناچیں۔ اسی لئے تو آپ نے نکاح کا ڈھونگ رچا کر اسے
حوالے اسے کیا تھا...... اسی لئے۔" وہ چلاّتا ہوا باہر نکل گیا۔

"کیوں جا رہے ہو تنزیل! میری بات سنو۔" وہ پریشان سی اس کے پیچھے لپکیں۔

وہ باورچی خانے میں گیا تھا۔

وہ حیران پریشان اس کے پیچھے اندر داخل ہوئیں تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے نوٹوں
سمیت جلتے چولہے پر رکھ دیا تھا۔

"تنزیل!...... تنزیل! مت کرو ایسے...... یہ گناہ ہے۔ اٹھاؤ...... مت استعمال کرو، مگر یوں نہ کرو۔" انہوں
سے آگے بڑھ کر چولہا بند کر دیا۔

"اور جو اِک گناہ کیا ہے، وہ؟" چولہے سے زیادہ شعلے اس کی آنکھوں میں بھڑک رہے تھے، ان کا کندھا جھنجوڑ کر بولا تھا۔

"گناہ نہیں تھا۔ وہ ایک جوان، بالغ، مسلمان لڑکی کی مرضی تھی کہ اس کی بے لگام بغاوت کو میں صرف نکاح کے ذریعے
سکتی تھی اور مجھے اس پر شرمندگی نہیں۔ ہاں، شرمندگی ہے اس کے غلط انتخاب پر اور تمہارے اس جاہلانہ ردِعمل پر...... ہاں،
اولاد کی تربیت پر شرمندگی ہے کہ میری تربیت نے انہیں خام رکھا...... بالکل کچا...... جنہیں ان کی خواہشات، ان کی
آرزوئیں جس راہ پر چاہیں، لے جائیں۔ مجھے خود پر، اپنی تربیت پر شرمندگی ہے۔ سنا تم نے؟" وہ اس سے بھی زیادہ بلند آواز
بول رہی تھیں۔

اور پہلی بار تنزیل کا غصہ مستقل اشتعال میں بدلنے کے بجائے اپنی جگہ تھم سا گیا۔

"ہاں، یہ میرا قصور ہے۔ یہ میری غلطی ہے، میں جانتی ہوں...... یہ رقم ہمارے لئے حرام مگر کسی دوسرے ضرورت مند کے
ضرور حلال ہو سکتی ہے۔ اسے یوں آگ لگانا، خدا کے قہر کو بلانے کے مترادف ہے۔ جاؤ، اسے کسی مستحق جگہ پر ڈال آؤ......
کے لئے تنزیل! تمہیں خدا کا واسطہ ہے، بھول جاؤ تانیہ کو۔ وہ چلی گئی ہے۔ نکل چکی ہے ہماری زندگیوں سے...... تم کیوں نہیں

بنت کوتسلیم کرلیتے میرے بیٹے!....... کچھ چیزیں جو ہمارے اختیار میں نہیں رہتیں، انہیں اللہ اور تقدیر کے حوالے کر دینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ ڈال دو اسے قسمت کے خانے میں، بھول جاؤ۔"

وہ اسے بے اختیار اپنے ساتھ لپٹا کر تھپکیاں دینے لگیں، جیسے وہ کوئی ننھا بچہ ہو۔

"جاؤ، یہ پیسے کسی بھی خیراتی ادارے کے باہر ڈال آؤ....... بلکہ رہنے دو، میں آغا جان کے ذریعے بھجوا دیتی ہوں۔" انہوں نے لپے پڑا لفافہ اٹھایا۔

لفافہ مکمل جل نہیں سکا تھا اور لفافے کے منہ سے جھانکتے دو چار نوٹوں کے کونے گہرے بھورے ہو چکے تھے۔

"امی! جو چیز ہمارے لئے حرام ہے، وہ کسی دوسرے کے لئے کیسے حلال ہو سکتی ہے؟ اور اس طریقے سے....... جسم فروشی....... سمجھتی ہیں آپ، اس کی کمائی کے پیسے کھانے والے، کیسے خیالات ان کے خون میں سرایت کریں گے۔ آپ کو شاید اس خرابی کا علم ہے نہ ماں...... لیکن جو چیز اپنے لئے درست نہیں سمجھتا، دوسروں کے لئے کیسے ٹھیک سمجھوں؟ اور اب دوبارہ مجھے مت رد کیے گا، جو میں کہوں۔ جائیں یہاں سے۔" اس نے انہیں کندھے سے پکڑ کر بہ زور باہر کی طرف دھکیلا۔

دوسرے ہی لمحے چولہے سے ان بھڑکتے نوٹوں کے سرخ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ جیسے جیسے شعلے بلند ہو رہے تھے، تنزیل کے اندر آنکھوں میں سکون اُترتا جا رہا تھا۔

امی برآمدے میں تخت پر سر پکڑے بیٹھی تھیں اور آغا جان اپنے بستر پر حیران و گم صم سے نیم دراز سوچ رہے تھے کہ تنزیل جیسا مزاج شخص شاید ہی دائم کے کام کر سکے، بلکہ ہو سکتا ہے وہ کل آفس ہی نہ جائے۔

ان کے اندر عجیب سی شکستگی کروٹیں لے رہی تھی۔

✿⊛......⊛✿

"مام! پلیز کپوز یور سیلف۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ اتنے غصے میں، میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔" وہ انہیں ان کے کمرے میں بیڈ پر بٹھاتے ہوئے محبت سے بولا۔

"تم نے مجھے دیکھا ہی کب ہے؟" انہوں نے افسردگی سے اس کے معصوم چہرے کو دیکھ کر سوچا۔

"لیجیے، پانی پی لیں۔" اس نے یخ ٹھنڈا پانی انہیں گلاس میں پیش کیا اور جانے کیسی پیاس تھی، وہ غٹاغٹ ایک ہی سانس میں گلاس چڑھا گئیں۔

"ٹھیک ہیں اب آپ؟" وہ گلاس رکھ کر دوبارہ ان کے پاس آ بیٹھی۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ تھوڑا ریلیکس ہو جائیں۔" وہ ان کے پیچھے تکیے سیٹ کرتے ہوئے بولی۔ وہ نیم دراز سی ہو کر لیٹ گئیں۔ وہ ان کے دائیں ہاتھ کو ہاتھوں میں لے کر بیٹھ گئی۔ میڈم یاقوت بالکل چپ تھیں۔

"مام! مجھ سے کچھ شیئر نہیں کریں گی؟" وہ آہستہ آہستہ ان کا ہاتھ دباتے ہوئے ہولے سے بولی۔

سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"جو بھی آپ کے دل میں ہے، کب تک یہ بوجھ تنہا اٹھائیں گی؟" وہ ان کے ہاتھ پر نرم سا بوسہ دے کر بولی۔

"مجھے یہ بوجھ اکیلے ہی اٹھانا ہے۔" وہ بہت دیر بعد بولیں۔

"اور وہ جو آپ کا شریک سفر تھا، وہ؟"

انہوں نے اس کی بات پر یوں چونک کر اسے دیکھا، جیسے اس نے انہیں جھنجوڑ ڈالا ہو۔

"وہ کیوں ٹینشن فری لائف انجوائے کرے؟ اور آپ سارا بوجھ خود ہی اٹھاتی رہیں....... پلیز، شیئر وِد می....... آئی ایم یور فرینڈ...... اور ناٹ؟" وہ بڑے اعتماد سے ان کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔ انہوں نے پیار سے اس کے ہاتھ اپنے سے لگائے اور اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"پھر کہہ ڈالیں آج یہ سب۔" وہ انہیں اُکسانے کو بولی۔

"کہہ ڈالوں گی میری جان! میری روح تک اس بوجھ کو اٹھائے اٹھائے شل ہو چکی ہے۔ اور میں کہہ دینا بھی چاہتی ہوں، مگر ...... اور...... پھر شاید....... تمہیں سب پتہ تو چل جائے گا....... کیسے بھی سہی....... چاہے میں ہوں یا نہ ہوں۔" وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولیں۔

"مام پلیز۔" لائبہ تڑپ کر بولی۔

"میری جان! مام کی حقیقت جان جاؤ گی تو پھر شاید یوں بے تاب نہ ہو گی۔" وہ ایک بار پھر اس کے ہاتھ چوم کر چپ ہو گئیں۔

''ایسی باتیں نہ کریں......اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا نا۔'' وہ تھوڑے توقف سے محتاط لہجے میں بولی تو میم یاقوت رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''درست کہا تم نے......اس کا بہتر فیصلہ وقت ہی کرے گا کہ حقیقت جان لینے کے بعد تم مجھے ماں جیسے منصب بھی ہو یا نہیں......جیسے میں نے وہ فارسی میں شیخ سعدی کی مثال تو اب کہاوت بن چکی ہے کہ جب بنیاد کی اینٹ جائے گی تو پھر وہ دیوار ثریا تک ٹیڑھی ہو جائے گی۔ میں نے......میں نے اپنے تئیں اس ٹیڑھ کو دور کرنے میں عمر لگا دی ٹیڑھ نہ صرف اسی طرح میرا منہ چڑھا رہی ہے، بلکہ میری بنیاد کی اینٹ ٹیڑھی تھی......جبکہ بظاہر اس میں کوئی عیب نہیں کوئی بھی اس بات کو نہ مانتا کہ میری ٹیڑھ میں میری بنیاد کی اینٹ بھی میری ماں کا سارا قصور ہے، اگرچہ اس میں قصوروار

''تو ٹیکسی میں جو بڑھیا ہے، وہ آپ کی ماں نہیں؟'' لائبہ تیزی سے بولی۔

''شٹ اپ لائبہ!'' وہ ترش لہجے میں بولیں۔ ''وہ عورت اور اس جیسی کوئی بھی عورت ماں نہیں ہو سکتی۔ وہ صرف سوداگر تھی اور......''

'جا کر آئینے میں خود کو دیکھ لو......مت بھول، تُو وہی ہے جو میں ہوں......ہمت ہے تو زمانے کو اپنی مکروہ صورت بڑھیا ہاتھ نچاتی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ گنگ سی رہ گئیں۔

''آگے ماما!'' لائبہ بے تابی سے بولی۔

اب وہ اس سوداگر کی کیا تعریف کریں۔ وہ بستر مرگ پر پڑی بھی انہیں آئینہ دکھا چکی تھی۔ ان کی ساری ہمت دم توڑ گئی۔

''کچھ نہیں لائبہ!......پلیز مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔'' ان کا انداز منت ساجت والا تھا۔

''مام پلیز! آپ کی یہ تھکن یوں نہیں اُترے گی، جب تک آپ مجھے فار گاڈ سیک! فار یور اون سیک......رحم کریں پلیز، آج بتا دیں سب کچھ۔'' وہ ان کے ہاتھ بھینچ بھینچ کر انہیں اپنے ساتھ کا یقین دلاتے ہوئے منت کر رہی تھی۔

''بہت مشکل ہے لائبہ! اس پل صراط سے گزرنا۔'' وہ بے بسی سے بولیں۔ ان کی سرمئی آنکھوں کے شیشے جھلملانے لگے تھے۔

''آپ کی ماں کیسی عورت تھی مام؟'' وہ ان کی گردن کے گرد بازو پھیلا کر سرسری سے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''بظاہر خاندانی......بلکہ وہ تھی ہی خاندانی۔ ایک نیک، شریف خاندان کی لڑکی کیسی ہوگی۔ ویسی تھی وہ۔'' وہ لب کچلنے لگیں۔

''اور آپ کے والد؟'' لائبہ اب انہیں پیچھے ہٹنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

''ماں سے بھی زیادہ خاندانی، مگر بے حد ظالم، سفاک۔ جو شخص شادی کے بعد بھی اپنی ماں، بہن کے اشاروں پر ناچتا ہو، کردار پر شک کر کے اسے بات بے بات روئی کی طرح دھنک دینے والا ہوگا، وہی ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ خاندانی سمجھا جاتا ہے۔ ایسا ہی تھا میرا باپ۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں، جیسے ان دنوں کے تصورات میں کھو بھی رہی ہوں اور پیچھے بھی پلٹ رہی ہوں۔

''پھر......پھر کیا ہوا مام؟''

''کچھ نہیں......کچھ بھی تو نہیں۔ وہی جو ایسی کہانیوں میں ہوا کرتا ہے۔'' وہ جیسے پلٹ آئی تھیں، پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

''آپ کا کوئی بہن بھائی؟'

انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ان دونوں کے نفرت بھرے تعلق کے بیچ نامعلوم، قدرت نے کیسے میرے وجود کا بیج بو دیا۔ ورنہ تو میرے سامنے وہ دونوں کبھی پاس پاس بھی نہیں بیٹھے تھے۔'' وہ پھر سے کھو رہی تھیں۔

''اس کے باوجود وہ دونوں ساتھ ساتھ رہے۔'' لائبہ بات آگے بڑھانا چاہ رہی تھی۔

انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''بالکل بھی نہیں۔ وہ رہ سکتے ہی نہیں تھے۔ اور یہی میرے باپ کی، ماں اور بہن کی منشا تھی۔ جس روز میری ماں اس گھر سے تین حرفی کاغذ کا تحفہ لے کر گئی، اس شام اس گھر میں باقاعدہ جشن منایا گیا تھا۔'' ان کے لہجے میں کانچ سے ٹوٹنے لگے تھے۔

''اور آپ......آپ نہیں گئیں اپنی ماں کے ساتھ؟'' لائبہ کو ان پر بے تحاشا ترس آ رہا تھا۔ وہ اسے ماں، باپ کے ان کے تعلق کے بیچ روز پٹنے والی ایک معصوم سی سہمی ہوئی بچی لگ رہی تھیں۔

''میں......مجھے وہ اپنے ساتھ لے کر جاتی کبھی بھی نہیں۔'' وہ یکدم پلٹ کر آئی تھیں۔

"کیوں؟......انہیں آپ سے پیار نہیں تھا؟"

"پیار......ہونہہ۔" انہوں نے زور سے سر کو جھٹکا دیا۔ "یہ کس چیز کا نام تھا؟......ماں، باپ دونوں نے مجھے، میرے وجود تک کو نہیں کیا تو پیار کیوں دیتے بھلا؟"

"لیکن آپ کے والد نے آپ کو اپنے پاس خود رکھا، ضد سے یا آپ کی مدر آپ کو چھوڑ گئیں؟"

"وہ کاغذ پر لکھ کر دے گئی تھی کہ جیتے جی وہ میری شکل بھی نہیں دیکھے گی، اسے صرف رہائی چاہئے تھی۔" ان کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔

"اور آپ کے فادر؟"

"میں ایک اَن چاہے پل کا، بے خواہش کا پل......کوئی بھی مجھے رکھنے کو تیار نہیں تھا۔"

"پھر......آپ کیا اس عورت کے پاس آ گئیں؟"

"نہیں نہیں......بالکل نہیں۔" وہ تڑپ کر بولیں۔ اسی وقت ان کے سیل کی تیز بیپ بجنے لگی۔

"او......کیسے ہو؟......سوری، میں بھول گئی تھی، تمہیں کال بیک کرنا......ہاں، مجھے یاد ہے، سب یاد ہے......تم یہ کب آئے ہو پاکستان؟ اور ادھر کی سیٹنگ کیسی جا رہی ہے؟" وہ یکدم پوری کی پوری پلٹ آئی تھی۔

فون یقیناً جہانگیر ہمدانی کا تھا۔ ان کا جوش ہی بتانے کے لئے کافی تھا۔

لائبہ کوفت زدہ سی ان کی کال ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

وہ راز، وہ کہانی، جس نے پچھلے کتنے مہینوں سے اس کی نیندیں، اس کا سکون غارت کر رکھا تھا، آج اس کے کچھ نہ کچھ سرے تو ملنے کا امکان تھا ہی۔

"نہیں ڈیئر! میں نہیں آ سکتی......مجبوری ہے نا......تمہیں پتہ تو ہے میگا شو کا۔ اب تو کارڈ بھی ڈلیور کئے جا چکے ہیں۔" وہ قدرے اونچی آواز میں بولتی باہر نکل گئیں۔

"تم اچھا، ہاں......تم بتا رہے تھے، اس کی شاید کایا ہی پلٹ گئی ہے۔" وہ لاؤنج میں آ کر اطمینان سے جہانگیر ہمدانی سے بات کرنے لگیں۔

"کس شرط پر؟"

"کیا......پارٹنر شپ پر؟......تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟......اور تم نے اوکے کر دیا۔ میری رائے بھی ضروری نہیں تھی۔" وہ یکدم بھڑک کر بولیں۔

"جہانگیر! وہ بے وقوف یا نادان ہو سکتی ہے، صرف تمہارے جال میں پھنسنے کی حد تک۔ اور اس دھوکے سے بالمشافہ ملاقات کے بعد احمق سے احمق لڑکی بھی کتنی ہوشیار ہو جاتی ہے، اس کا اندازہ تمہیں مجھ سے زیادہ ہے۔ تم مجھ سے پہلے کے اس ٹریڈ میں ہو۔"

"تم کچھ نہیں جانتے۔ وہ اب تم سے کھیل رہی ہے۔ مجھے خطرے کی بُو آ رہی ہے۔ بہرحال، تم میرے شو میں شرکت کے لئے آ جاؤ، واپسی پر میں تمہارے ساتھ چلوں گی، پھر دیکھوں گی، تمہاری بساط کیسی جمی ہے۔ اور اتنا تو مجھے پتہ ہے جہانگیر ڈارلنگ! تم میرے بغیر جتنا بھی اُڑنے کی کوشش کرو، اُڑ نہیں سکو گے، اور پتہ ہے......"

وہ ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے آہستگی سے سیکنڈ فلور کی سیڑھیاں چڑھتی اوپر آ گئیں۔

"بہت مس کر رہی ہوں میں آج کل تمہیں۔" وہ خفگی بھرے لہجے میں بولیں اور دوسری طرف کیا کہا گیا، ان کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا۔

"بہت بے ایمان ہو تم کمینے!" انہوں نے آہستگی سے بیڈ روم کا دروازہ بند کیا اور سیل آف کر کے لائٹ بھی بند کر دی اور بیڈ پر گر گئیں۔

"یہ میں کیا کرنے جا رہی تھی؟......خود اپنے ہاتھوں سے بنا بنایا کھیل برباد کرنے لگی تھی۔ یہ لائبہ کی بچی مجھے ٹریپ کر رہی تھی اور معلومات ہوئی اس بڑھیا سے......چلو، آج کی رات تم زندگی کے مزے لے لو بڑھیا! کل کی رات تمہاری زندگی میں نہیں آئے گی سویٹ۔"

وہ اندھیرے کمرے میں چھت کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

دو بار دروازے پر دستک ہوئی، مگر وہ اَن سنی کر کے لیٹی رہیں۔

✲......✲......✲
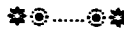
"ماما! کیسی ہیں آپ؟" وہ آج ٹائم پر ہی آفس آیا تھا۔ ڈاکٹر رخشندہ اسے سامنے ہی بیٹھی نظر آ گئیں، سلام کرنے کے بعد پاس بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"اچھی......ٹھیک......تم سناؤ، کیسا دن گزرا؟"

''ہمیشہ کی طرح۔'' وہ جھک کر بوٹوں کے تسمے کھولنے لگا۔ ''آپ نے دوا لی تھی؟'' وہ سیدھا ہو کر بولا۔
''ہاں لی تھی.......تم.......لنچ کیا تھا؟''
''کرلیا تھا۔ اور آپ نے؟'' دونوں کتنے فارمل ہو رہے تھے، دونوں کو ہی ان بے معنی سوالوں کے درمیان احساس ہوا
''لے لیا تھا۔'' وہ یک دم بے زاری سی ہو گئیں۔
''لگتا ہے، آپ بور ہو رہی ہیں۔''
''ٹھیک اندازہ لگایا تم نے۔''
''آپ کو فارغ رہنے کی عادت جو نہیں۔'' ایک دوسرے کے بارے میں بات کرتے ہوئے بھی دونوں جیسے ڈر رہے تھے۔

''یہی تو سوچ رہی ہوں، تم اپنا کچھ ارادہ بتاؤ۔ یہاں رہنا ہے یا جانا ہے۔ میں.......اسی حساب سے اپنا ٹائم ٹیبل
تمہارے پاپا کا بھی دو دن سے کوئی فون نہیں آیا۔ اس ہفتے آجاؤں گا تو اس ہفتے.......مذاق بنا رکھا ہے انہوں نے۔'' وہ
ہوئی لگ رہی تھیں۔
''ماما! ایک بات تو طے ہے۔'' خاموشی کے ایک مختصر وقفے کے بعد وہ بولا۔
''وہ کیا؟''
''جب تک یہ معاملہ کلیئر نہیں ہو جاتا، میں کم از کم یہاں سے نہیں جا سکتا۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا تھا۔
''کیسا معاملہ؟'' وہ چونک کر بولیں۔ ''خوامخواہ اس بازاری عورت کی بکواس کو تم نے ایشو بنا لیا ہے۔'' آج ان کی طبیعت
چڑچڑی ہو رہی تھی، سو ہر لحاظ بالائے طاق رکھ کر بولیں۔
''پلیز ماما! ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا۔'' وہ یکدم کھڑے ہو کر بولا تھا۔ اور ڈاکٹر رخشندہ جیسے سُن ہو کر رہ گئیں۔
''کیسا فیصلہ؟'' ان کا لہجہ ہی نہیں، آواز بھی کانپی تھی۔
''اچھا دیکھیں، میں نے تو ان سے پرامس کیا ہے نا۔ اور مجھے اپنا وعدہ نبھانا سب سے عزیز ہے۔ آپ کو میرا ساتھ
دیں گی نا؟'' وہ نرم پڑتا ہوا دوبارہ ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔
''کیسا ساتھ؟'' انہیں دائم کے سارے انداز ہی بدلے ہوئے لگ رہے تھے۔ ان کا دل گہرے وسوسوں میں ڈوبا جا رہا
''یہ میرے پاس تفصیل ہے، اس شہر کے چھوٹے بڑے سبھی یتیم خانوں کی.......تین دن میں ڈیٹا اکٹھا کیا ہے اور
میں نے ان یتیم خانوں کو انڈر لائن کیا ہے، جن کی عمر بیس بائیس سال سے زیادہ ہے۔ یہ تعداد میں قریباً تین سے اوپر ہیں۔''
جیب سے انہیں ایک دوسرا کاغذ نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔
''ان کا کیا کرو گے؟'' وہ متوحش نظروں سے اس کاغذ کو دیکھ کر بولیں۔
''ہم دونوں ان سب ہی یتیم خانوں میں جائیں گے۔ اور آپ ایک تو وہاں کا ماحول وغیرہ دیکھ کر اندازہ کریں گی کہ
ہے کہ نہیں۔'' وہ رکا۔ ''دوسرے ہم اس بچے کے بارے میں ان کی انتظامیہ سے جا کر معلوم کریں گے، جسے آپ یتیم خانے
چھوڑ آئی تھیں۔''
وہ کہہ رہا تھا اور ڈاکٹر رخشندہ بے حس بیٹھی تھیں۔
'تو گویا دائم اس حقیقت کے چہرے پر پڑا نقاب نوچے بغیر چین نہیں لے گا۔' انہیں صرف یہ ایک بات ٹھیک سے سمجھ آ رہی
تھی اور حقیقت؟.......وہ حد درجے پریشان ہو چکی تھیں۔
''میں ذرا فریش ہو آؤں، پھر آج سے ہی اس مہم کا آغاز کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟'' وہ ذرا دیر کھڑا رہا اور پھر اپنے کمرے کی
طرف چلا گیا۔ وہ اسی طرح بے حس بیٹھی رہیں۔

✻◉......◉✻

پیون نے ان کے آگے ڈاک لا کر رکھی تو وہ اپنے خیالات سے بری طرح چونکے۔
''ایک گلاس یخ پانی کا لاؤ۔'' انہوں نے عینک آنکھوں پر لگاتے ہوئے کہا۔
''سر! وہ اسحاق صاحب آئے ہوئے ہیں۔ ابھی رضا حمید کے چیمبر میں گئے ہیں، واپسی پر ادھر آئیں گے۔'' وہ پانی لائے
تھے، جب انٹرکام پر ان کے اسسٹنٹ نے بتایا۔
''ان سے کہہ دینا، میں جا چکا ہوں۔ اور پلیز! آج کسی کو میرے پاس مت بھیجنا۔ آئی ایم سوری۔'' انہوں نے اسے
تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"بزدلی...... ہونہہ!" وہ خود ہی پھنکارے۔ "کیا اب میں دوبارہ یکسوئی کے ساتھ کبھی اپنے کام میں بزی ہو سکوں گا؟........
نہیں۔" اُن کا سر بری طرح درد سے کراہ رہا تھا۔ وہ رات بھر سو نہیں سکے تھے۔
اور وہ تو اکثر راتوں کو نہیں سویا کرتے تھے۔ کبھی کسی کیس کی تیاری کے سلسلے میں اور کبھی کسی چلتے چلتے خیال کی ٹینشن انہیں سونے نہ دیتی۔ مگر صبح کو وہ اس طرح پژمردہ اور نیم جان نہیں ہوا کرتے تھے، جیسے آج تھے۔
"وہی ہوا، جس کا ڈر زمانوں سے میرے اندر کنڈل مارے بیٹھا تھا...... یہ خوف کیا چیز ہوتی ہے، جتنا ہم اس کو خود پر طاری کرتے ہیں، یہ مجسم ہو کر ہی رہتا ہے۔ میں نے عزہ کے معاملے میں کتنی احتیاط، کتنے طریقے سے خود کو چلایا اور نتیجہ کیا نکلا؟ وہی خوف حقیقت کا روپ لے کر...... کیا حاصل ہوا؟" وہ کنپٹیاں دباتے خود سے باتیں کر رہے تھے۔
"اور یہ سب اس جاہل عورت کی ناقص تربیت کا نتیجہ ہے، جس کے ساتھ نے میری زندگی تو جہنم بنائی ہی تھی...... عزہ کس حال میں ہے۔ میں اس کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں، نہیں جانتی۔"
وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے آگے پڑی ڈاک چیک کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں گولڈن، بے حد نفیس ڈیزائن والا پھسلتا کارڈ تھا۔ انہوں نے تجسس ہو کر کارڈ کھولا۔
کارڈ بے حد یونیک ڈیزائن اور کلر کا تھا، جیسے سونے کے پانی سے نکالا گیا ہو اور اس پر لکھی تحریر........
ان کی نگاہیں پھسلتی چلی گئیں۔
اور دوسرے پل انہوں نے وہ بے حد یونیک اور نفیس ڈیزائن والے خوب صورت کارڈ کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔
"رَبش!" ان چار ٹکڑوں کو انہوں نے آٹھ میں بدلتے ہوئے غصے سے کہا اور ٹکڑے ہوا میں اچھال دیئے۔

✲◉......◉✲

وہ جلدی جلدی ضروری چیزیں سمیٹ کر اپنے شولڈر بیگ میں ڈال رہی تھی۔
اس نے الماری سے نقدی، اے ٹی ایم کارڈ اور چیک بک بھی احتیاطاً رکھ لی، ماما کے کچھ ضروری کپڑے ایک علیحدہ سے ہینڈ بیگ میں ڈالے، گھر کے کمروں کو لاک کیا اور خود واش روم میں جا کر نہانے لگی۔
رات بھر کی تھکان ٹھنڈے پانی کے ساتھ بہہ گئی۔
وہ بالوں میں برش کر رہی تھی، جب اس کے سیل کی بیپ بجنے لگی۔ کوئی انجان سا نمبر تھا۔
اس نے فون ریسیو کیے بغیر ایک طرف رکھ دیا۔
"اوہ! میں نے آفس تو فون کیا نہیں۔" اسے یکدم یاد آیا تو نمبر ملانے لگی۔
"اوہ...... میم آج آفس نہیں آئیں...... اوکے، اگر آئیں تو انہیں بتا دینا، میرے فادر ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ میں آنہیں سکوں گی۔ ویسے ان سے کانٹیکٹ ہوا تو میں خود بھی بتا دوں گی۔" اس نے جلدی جلدی پیغام دے کر فون بند کر دیا۔
"اگر ایک کپ چائے مل جاتی تو باقی کی تھکن بھی اُڑن چھو ہو جائے۔" اس نے خود ہی رائے دیتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔
قاسم بخاری کی حالت اب تسلی بخش تھی کہ کس وجہ سے انہوں نے خود کو سنبھالا تھا، وہ سوچتی تھی تو ٹھٹک کر رہ جاتی۔ وہ اتنا مشکل کام جس کے کرنے کا ان سے وعدہ کر چکی ہے، کیسے کرے گی؟ چائے کے پہلے گھونٹ کے ساتھ اس نے سوچا۔
اسی وقت باہر دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔
"ایں...... یہ اس وقت کون آ گیا؟" اگرچہ دن کے گیارہ بج چکے تھے، مگر ان کے گھر یوں بھی آنے والے بہت کم تھے۔ صفائی کی، کپڑے دھونے والی آتی بھی تھی تو شام کے وقت۔
وہ یہی سوچتی ہوئی دروازہ کھولنے چل دی۔ ساتھ میں اپنا بیگ اور دوسرا سامان بھی اٹھا لیا۔ کمرہ لاک کر کے وہ گیٹ سے ہی نکل جانے کے ارادے سے باہر آئی۔ اور دروازہ کھول کر سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ ہکا بکا سی رہ گئی۔

✲◉......◉✲
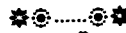
اس کے کمرے کے بند دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی اور وہ کمرے میں اندھیرا کیے، کان لپیٹے، بے حس پڑی تھی۔ صبح سے پہلے ناشتے کے لئے، پھر دوپہر کے کھانے کے لئے اور اب شام کے وقت مسلسل سارہ دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی اور وہ پتھر بنی لیٹی رہی۔
"اب میں ان کو مر کر دکھاؤں گی۔" ایسی سرکشی اس کے اندر سر اُٹھا رہی تھی، جس کا اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ وہ ڈرپوک سی عزہ جانے کیسے اتنی بہادر، نڈر ہو گئی تھی کہ اسے کسی سے بھی ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ اپنے شوق، اپنی ضد کے آگے سب ہیچ لگ رہا تھا۔
"عزہ پلیز! دروازہ کھولو میری جان! ماں کو تو اس طرح نہ ستاؤ۔ دیکھو، تمہارے پاپا نے غصے اور دکھ میں یہ سب کیا ہے۔ وہ آتے

ہیں تو میں بات کرلوں گی۔ پلیز، تم دروازہ کھولو۔ کچھ کھا تو لو۔" سارہ کا غصہ اور ناراضی دوپہر تک اس کے فاقے میں اپنے دم توڑ گئی تھی۔

"کم بخت موبائل بھی بیگ میں ہی رہ گیا۔" اور بیگ گھسیٹتے ہوئے جانے کہاں گر گیا تھا، ورنہ وہ کسی نہ کسی کو فون کرتی اور کچھ نہیں تو میڈم یاقوت سے رابطہ کر کے ساری صورتِ حال بتا کر مشورہ کرلیتی۔

وہ سخت جھنجلائی ہوئی تھی، جب ایک خیال کوندے کی طرح اس کے دماغ میں آیا اور اس نے جھٹ سے اٹھ کر دروازہ مگر دروازہ باہر سے لاکڈ تھا اور سارہ مسلسل دستک دے کر اب شاید جا چکی تھیں۔

"تھوڑی دیر تک ضرور آئیں گی۔" وہ بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔

✲◉......◉✲
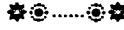
"نیلم ......تو احسن مراد! تم ابھی تک اس کو نہیں بھولے۔

وہ، جس کا نام تمہارے لبوں سے کس بے خیالی کے عالم میں نکلا کہ تمہیں خود بھی پتہ نہیں چلا۔

تو گویا وہ آج بھی تمہارے دل و جان کے ہر گوشے میں موجود ہے۔ اس کی یاد، اس کا خیال تو شاید تمہارے لہو میں ہے۔ تم نے اس کے بغیر زندگی یوں گزاری، جیسے کوئی عمر قید با مشقت کی سزا جھیلتا ہے۔ اور میں ...... کبھی تم نے مجھ سے پوچھا کہ ایسے ملزم کے ساتھ رہنے والی بیوی کیسی زندگی گزار رہی ہے۔ بس تمہارا ہر طعنہ، ہر گالی یوں محبت سے چنتی رہی کہ والے، سائبان دینے والے شوہر کا یہ استحقاق ہے۔ اور مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہ چاہت اس سائبان کی مضبوطی کی طرح جھوٹ وہی آج بھی سچ ہے، جو کل حقیقت تھی...... پھر تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟

یاسمین کی جلتی بلتی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

❀

"کیا کر رہی ہو یہاں کچن میں؟" آواز تھی یا صورِ اسرافیل........اُس کے ننھے ننھے ہاتھوں میں موجود دودھ کا ساس پین چھوٹا اور پورے شور کے ساتھ زمین پر جا گرا۔ پورے کچن کے فرش پر یہاں وہاں دودھ ہی دودھ بکھر گیا۔

"حرام خور! کیا کر رہی تھی یہاں گھسی، آدھی رات کو؟........ لے کے سارا دودھ برباد کر دیا۔ پٹیو! ماں زمانے بھر کی کام چور تو بیٹی بھی اسی پر جائے گی........ کیا تھا تیرا ادھر؟........ بول........ اور پوری دو روٹیاں ٹھونسی نہیں تھیں، کھانے میں جو یوں آدھی رات کو چوروں کی طرح چھپ چھپ کر کھانے کی چیزوں پہ ٹوٹ رہی ہے؟ تجھے موت آئے۔"

نہ صرف زبان انگارے برسا رہی تھی، بلکہ تابڑ توڑ برستے ہاتھ بھی اس کے کمزور سے بدن کو دھنک چکے تھے۔

وہ یہاں وہاں لڑھکنیاں کھاتی اس دودھ میں بھیگ چکی تھی۔

"بول........ ورنہ مار مار کر تجھے یہاں ذبح کر ڈالوں گی۔ کیا لینے آئی تھی یہاں؟" اب کے اس کا ننھا کان کچھ ایسی سخت گرفت میں تھا کہ اسے لگا، شاید اس کان ٹوٹ ہی گیا ہے۔

"دودھ........ دودھ میں ہلدی گرم........ دودھ میں........ امی کے لئے........" اس نے درد اور خوف کی شدت سے لرزتے ہوئے بمشکل سسکتی ہوئی آواز میں بتایا۔

"دودھ میں ہلدی ڈال کر، وہ بھی گرم دودھ میں........ اس نے اپنی ہڈیاں سینکنی تھیں جو نامراد کی ابھی ٹوٹی ہیں؟ ایک تو اکڑ اور ہا غرور........ اور تُو لے کر جائے گی اس کے لئے دودھ میں ہلدی ڈال کر؟........ بالشت بھر کی چھپکلی........ ماچس جلانی آتی ہے؟ ارے دودھ کا ستیاناس کر دیا۔ دفع ہو جا اور اس سے کہہ، اسی خصم سے جا کر ہڈیاں سنکوائے، جس کے لئے روز تڑواتی ہے کمینی۔"

اس نے پوری طاقت سے اس ننھی سی جان کو دھکا دیا۔ ایک تو دودھ سے لتھڑے کپڑے اور پیر.... جوتے تو کب کے جانے لدھر رہ گئے تھے۔ وہ لڑھکتی، پھسلتی دیوار کے ساتھ جا ٹکرائی۔ اس کا سر دیوار کے ساتھ یوں بجا، جیسے کوئی پیتل کا خالی برتن ہو۔

لمحہ بھر میں ساری دنیا اس معصوم کی آنکھوں کے سامنے گھوم کر رہ گئی۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی لگی نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

درد کے تکلیف دہ لمحات بیتے تو اس نے آہستہ آہستہ اپنی ننھی اُنگلیوں سے ٹٹول کر اپنے سر کو دیکھا۔ سر پر اچھا خاصا گومڑ سا اُبھر آیا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنی انگلیوں کو دیکھا، وہ اسی طرح سفید، بے رنگ سی تھیں۔

اُسے خون کے رنگ سے کتنا ڈر لگتا تھا۔ جب........ وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ اس کی ماں اسے پکار رہی تھی۔ اس نے خوف زدہ سی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ باورچی خانے کی لائٹ ابھی بھی جل رہی تھی۔

"لائی نہیں ہڈحرام، ودھ۔" اس کی ماں پلنگ پر لیٹی بری طرح سے کراہ رہی تھی، اس کو خالی ہاتھ دیکھتے ہی چلّا کر بولی۔

"دودھ........ دودھ گر گیا میرے ہاتھوں سے۔" وہ ماں کے پاس آ کر مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر بولی۔

"ہاتھ ٹوٹے ہوئے تھے تیرے؟........ عمر اتنی اور بڑوں کے برابر ٹھوستی ہے اور جو ذرا کام کہہ دو تو نہ ہاتھوں میں جان، نہ جسم میں دم۔" وہ اپنی کراہیں بھول کر دیوانہ وار اُٹھی اور تھپڑوں سے اس کے چھوٹے سے جسم کو پیٹنے لگی۔

"کیسے لاتی؟ تُو بھی اپنی نسل پر جائے گی، حرام خور، بے وفا، بے فیض نسل........ ان کتوں کے خون میں نہ وفا ہے نہ احساس نہ نسوانیت۔ تُو سنپولنی! تیرے اندر کہاں سے ماں کی ہمدردی پیدا ہونی تھی؟ تُو بھی اسی نسل میں سے ہے۔ سانپ کی اولاد سانپ ہی ہو گی........ موقع دیکھتے ہی زہر اُتارے گی میری رگوں میں........ جا، دُور ہو جا۔ دفع ہو جا میری نظروں سے........ دن رات پیٹتی ہوں، کوستی ہوں، پھر بھی ڈھیٹ ہڈی کو نہ موت آتی ہے نہ معذوری........ عمر بھر کا عذاب........ میرے پیروں کی زنجیر........ دفع ہو جا کاٹ کھنکوں گی ایک دن تجھے اپنے پیروں سے۔ جا یہاں سے۔" وہ اب اسے پیٹتے پیٹتے ہانپنے لگی تھی۔

"امی!........ میں........ باہر سردی ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔" وہ وہیں ماں کے قدموں میں گرتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں بلاتے ہوئے سکی۔

"باہر سردی ہے تو اللہ کرے، تجھے نمونیہ ہو جائے، مر جائے تُو راتوں رات۔ تجھے تو بھوت چڑیلیں بھی نہیں چمٹتیں۔ تُو جونک بن

کر چمٹ گئی ہے میری جان کو...... دن رات تیرا یہ وجود میرا خون چوستا ہے۔ تجھے کوئی چڑیل کہاں چمٹے گی؟ جا، چلی جا اپنے سگو کے پاس...... یہاں رہی تو تیرا گلا گھونٹ دوں گی...... دفع ہو جا یہاں سے...... ہائے...... مر گئی میں...... یا اللہ مجھے موت دے دے یا اسے۔ آج کی رات اس گھر میں موت بھیج...... اس کی مجھ سے خلاصی کرا یا میری اس سے...... نکل یہاں سے۔ مجھے اکیلا مرنے دے۔ نکل۔" وہ اسے باقاعدہ ٹھوکریں مارتی باہر دھکیل رہی تھی۔

وہ ہر ہر ٹھوکر پر بلبلاتی، چیختی پھر بھی ماں کے قدموں سے لپٹنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

اس کے زخمی ہونٹوں سے "امی...... امی نہیں...... امی نہیں......" ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہا تھا۔

وہ بند دروازے کی دہلیز پر گٹھڑی کی طرح فرش سے لپٹی ابھی بھی یہی کہے جا رہی تھی۔

برآمدے کی لائٹ جانے کس نے بجھائی کہ اسے وہ گٹھری بھی نظر نہیں آئی۔ اور اب ہر طرف اندھیرا تھا۔ گھنگھور اندھیرا۔ اندھیرے میں رینگتے بڑی بڑی سرخ آنکھوں والے جن بھوت، جن کے بڑے بڑے قوی ہیکل جسم اسی گاڑھے اندھیرے میں کہیں چھپے ہوئے تھے۔

اُس نے خوف سے آنکھیں میچ لیں...... کچھ اور بھی دہلیز سے چمٹ گئی۔

سردی کی تیز لہر سی آئی اور اس نے کپکپا کر آنکھیں کھول لیں اور اس کے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔

وہ بڑی بڑی سرخ، چمکیلی آنکھوں والے بھوت اب اس کے دائیں بائیں آ کر بیٹھ گئے تھے اور ایک عین اس کے سامنے بڑھ رہا تھا۔ اس کے لمبے لمبے سفید دانت......

وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

سیڑھیوں میں روشنی تھی۔

جانے کیسے، کس طرح، کس طاقت نے اسے وہاں سے اٹھایا اور وہ منہ سے خرخر کی آوازیں نکالتی پہلے زینے پر سمٹ کر کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

اب وہ تینوں بھوت اس اندھیرے برآمدے میں بیٹھے اسے گھور رہے تھے۔ اس نے پھر گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں کھولیں تو وہ اس اندھیرے برآمدے میں اس کے اور بھی قریب کھسک آئے تھے۔

"امی!...... امی! دروازہ کھولیں۔" اس نے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے گھٹی آواز میں سسکی بھری۔

قریب ہی سرسراہٹ سی ہوئی۔ خوف کے مارے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"کیا ہوا؟...... ڈر گئیں؟...... مارا ہے کسی نے؟...... یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ ہمدردی سے اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

اس نے کانپتے لرزتے ہاتھ نیچے کیے اور خوف زدہ نظروں سے اس گاڑھے اندھیرے کی طرف دیکھا جس میں وہ تینوں بھوت اپنی آگ جیسی آنکھیں لئے بیٹھے تھے۔ اب تھوڑا پیچھے کھسک گئے تھے، مگر موجود تھے۔

"م...... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ پھر سے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپانے لگی۔

"کیا ہوا؟...... کس سے ڈر رہی ہو؟" اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"احسن!...... احسن! وہ سامنے تین بھوت...... وہ دیکھو، اتنے بڑے بڑے...... سرخ آنکھیں ہیں ان کی اور دانت...... میری طرف آ رہے ہیں۔" وہ کانپ کانپ کر کہتی اس سے چمٹ گئی۔

"کوئی بھی نہیں۔ وہاں تو کوئی بھی نہیں۔ تم خوامخواہ ڈر رہی ہو۔" احسن نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے دلاسا دیا۔

"نہیں...... ہیں، تین بھوت...... اتنے ڈراؤنے...... کھانے والے...... م...... مجھے کھا جائیں گے۔" وہ پوری اس کے ساتھ چمٹ گئی۔

"احسن!...... احسن! کہاں ہو تم؟" احسن کی ماں گرجدار آواز میں اسے پکار رہی تھی۔

"اوہ...... امی آ گئیں...... تم جاؤ، اندر اپنے کمرے میں سو جاؤ۔ ادھر سردی بھی ہے اور اندھیرا بھی، اسی لئے جاؤ شاباش!" احسن اپنا آپ اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے اُٹھنے لگا۔

"نہ...... نہیں جاؤ...... احسن! وہ مجھے کھا جائیں گے۔ م...... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

"اوہو، مجھے تو چھوڑو...... تم اپنے کمرے میں جاؤ نا۔"

"احسن!...... احسن! کہاں گئے تم؟" آواز اب برآمدے کے پاس سے آئی۔

احسن نے تیزی سے اس سے اپنا دامن چھڑایا اور آواز کے قریب آنے سے پہلے لمبی جست لگا تا وہاں سے بھاگ گیا۔

"امی!......امی!" وہ خوف کے مارے گھٹنوں میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔
اس نے تیزی سے آگے ورق الٹے۔
سرخ رنگ کی پیلے صفحوں والی ڈائری آگے سے بالکل خالی تھی۔
'یہ کیا؟......بھلا یہ کسی افسانہ یا کہانی کا کوئی صفحہ لکھا ہوا تھا یا......مگر رائٹنگ تھوڑی خستہ ہے، مگر...... پڑھی جا سکتی ہے۔
اور......لائبہ نے جھنجلا کر پہلے پوری ڈائری اور پھر صفحہ صفحہ کر کے دیکھنا شروع کیا۔
آگے ساری ڈائری خالی تھی۔
پورے چار گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد اسے یہ ڈائری میڈم یاقوت کے اوپر والے بیڈ روم کی الماری کے اسٹور والے خانے سے ملی تھی۔

وہ اس دن کے بعد نہ تو اس سے اس موضوع پر کوئی بات کر رہی تھیں نہ اس کو تھوڑا سا بھی ٹائم دینے پر راضی ہوتی تھیں۔ مجبوراً اس نے ان کے کمرے اور دوسری جگہوں کی تلاشی لینا شروع کی۔ کہیں کچھ بھی نہیں تھا۔ اور یہ ڈائری بھی ملازمہ الماری کے اس کیبنٹ سے پرانا کمبل لانڈری میں بھیجنے کے لئے نکلوا رہی تھی کہ اس کے اندر سے پھسل کر گر گئی تھی۔
'یہ رائٹنگ یقیناً ماما کی ہے۔ اتنا تو مجھے یقین ہے......اگر وہ ڈائری لکھتی تھیں تو ایسی کوئی اور ڈائری بھی ہوگی۔'
اس نے اچھی طرح چیک کرنے کے بعد خالی ڈائری بے زاری سے بیڈ پر اچھال دی۔
'وہ بچی کون تھی؟......اور یہ احسن کون ہے؟......وہ بچی کو پیٹنے والی عورت......بچی کی ظالم ماں......خدایا! مام ایک بار کھل کر سب کچھ بتا کیوں نہیں دیتیں؟" اس نے جھلاہٹ میں ٹہلتے ہوئے سوچا اور رک کر کھڑکی سے باہر پھیلتی شام کے اندھیروں کو دیکھنے لگی۔
'مام کی زندگی پر ایسا ہی جھٹپٹا سا اندھیرا کسی نقاب کی طرح پڑا ہے، جس میں نہ دن کی روشنی ہے، نہ رات کا گھور اندھیرا۔ بس دھندلاہٹ۔ اور مجھے اس نقاب کو اتارنا ہے، ہر صورت۔' اس نے دل میں پختہ عزم کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا سیل اپنے سامنے کیا اور کوئی نمبر ملانے لگی۔

✲⊙......⊙✲
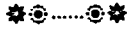
"نانو! جب یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند ہی نہیں کرتے تھے تو آپ نے ان کی شادی کیوں کی؟" عزہ، ثریا بانو کی گود میں منہ چھپائے لیٹی تھی۔ سخت بے زاری کے عالم میں پوچھنے لگی۔
"ضد۔" انہوں نے اس کے بال سلجھاتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھرا۔
"کیسی ضد؟"
"ایک دوسرے کو جیت لینے کی......نیچا دکھانے کی۔" ان کا جواب ابھی بھی تشنہ سا تھا۔
سارہ پارلر جا چکی تھیں اور محمود عالم ابھی گھر نہیں آئے تھے اور عزہ کو کمرے میں بند ہوئے دوسرا دن تھا۔
موقع پا کر ثریا بانو نے سارہ کے کمرے سے چابی لے کر دروازہ کھول ڈالا۔ عزہ کو خوب پیار کر کے، منتیں واسطے دے کر کھانا کھلایا اور اب اسے گود میں لئے بیٹھی تھیں۔
محمود عالم اور سارہ کے ناروا رویے کے باوجود کل سے ان کا دل عزہ کے لئے بری طرح سے تڑپ رہا تھا۔ اگرچہ شروع میں تو انہیں اس منظر اور دونوں کی کشمکش نے خوب مزہ سا دیا۔ مگر یہ کمینی سی خوشی تو چند منٹوں کی تھی۔
ان کا دل فوراً ہی نواسی کی محبت میں پگھلنے لگا تھا۔ نواسی بھی وہ، جسے پیار کرنے، اپنے پاس بلانے کے لئے وہ سدا تڑپتی ہی رہی تھیں۔ سارہ، احسن کی طرف آنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ بحالتِ مجبوری ماں سے ملنے بھی جاتیں تو بہت کم۔ سالوں بعد عزہ کو وہ بھی ثریا بانو کے بہت اصرار پر کبھی کبھار لے آتی تھیں اور انہیں چند منٹ بیٹھنا بھی عذاب لگتا۔ ثریا بانو کی دہائی کے باوجود فوراً اسے ایک ہی جھٹکے سے اٹھا کر چل پڑتیں۔
"اماں! آپ کو پتہ تو ہے، محمود کو ذرا پسند نہیں کہ عزہ یہاں میں ادھر آئیں۔"
وہ لاکھ بڑبڑاتیں، منتیں کرتیں، سارہ بیٹی، کو لے کر فوراً چل پڑتیں اور وہ دل میں اسے ڈھیروں پیار کرنے کی حسرت لئے دیکھتی رہ جاتیں۔ کیسی معصوم، بھولی بھالی اور بے زبان سی لگتی تھی انہیں اپنی یہ امیر نواسی......اکثر وہ اپنی خشکی کا دھارا، ثانیہ اور تنزیل کی طرف موڑ لیا کرتیں اور......اس کا کیا نتیجہ نکلا؟
انہیں پھر سے اس عمر میں دربدر ہونے کی وجہ یاد آئی اور انہوں نے فوراً اپنے خیالوں کا رخ اس گھر کی طرف سے موڑ لیا، جہاں سے وہ کبھی اتنے دن کے لئے نہیں نکلی تھیں۔

''نانو!'' ایک...... جس نے پایا، جس نے جیتا اسے تو خوش ہونا چاہئے تھا اپنی فتح پر...... مگر یہ...... انہیں تو میں نے ہوش سنبھالنے سے بھی پہلے یونہی جاہلوں کی طرح لڑتے جھگڑتے، چیختے چلاتے دیکھا۔ اگر یہ ماما کی ضد تھی پاپا سے شادی کرنے کی، تو ماما خوش کیوں نہیں؟'' وہ ان دونوں میں ہی پژمردہ نڈھال سی ہو گئی تھی۔

''ضد سے حاصل کی ہوئی چیز کبھی خوشی نہیں دیتی میری بیٹی! یہ بات یاد رکھنا۔'' ثریا بانو بے دھیانی میں اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بولیں۔

عزہ کا دھیان بے اختیار اپنی ضد کی طرف چلا گیا۔

''آپ نے کبھی ضد نہیں کی؟'' اس نے اپنے خیال کا رخ موڑنے کے لئے یونہی پوچھا۔

ثریا بانو بری طرح سے ٹھٹکی تھیں۔ ان کے بالوں میں چلتے ہاتھ بھی تھم گئے اور دھیان...... دھیان تو جانے کہاں سے کہاں بھٹکتا چلا گیا۔

''یہ میری ہی تو ضد تھی جو......'' وہ ادھورا سا بڑبڑائیں۔

''ہاں...... آں...... کچھ نہیں۔ سمجھایا تھا میں نے بہت سارہ کو...... محمود اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ شادی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بس یہ تو کچھ محمود کی ماں، اللہ بخشے شاہین کی ضد تھی، کچھ میری اور سب سے بڑھ کر سارہ کی۔'' وہ اب ذرا سنبھل کر بول رہی تھیں۔

''کیوں...... کیوں ضد تھی آپ سب کو، جب پاپا راضی نہیں تھے؟'' وہ تاسف بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''شروع میں انکاری تھا محمود۔ پھر پتہ نہیں کیسے، شاید ماں کے کہنے پر چپ چاپ راضی ہو گیا۔ ہم نے بھی سوچا، چلو بہ خاموشی سے مان گیا ہے تو دل سے راضی ہی ہوگا۔'' وہ جیسے ان دنوں میں کھو گئی تھیں۔

''پر یہ دلوں کے معاملے، اس کے حساب کتاب بھی عجیب ہوتے ہیں۔ ایک بار بیٹھ کر کسی جذباتی معاملے میں ٹھنڈے دل سے غور کرو تو اپنی حماقت لگتا ہے۔ آدمی فوراً عقل کی پٹری پر چڑھ کر دنیا داری کے حساب سے فیصلے کرنے لگتا ہے، ماننے لگتا ہے۔ پر یہ کمینہ...... یہ کمینہ کہاں چھوڑتا ہے ضد۔ کچھ دیر کے لئے پیچھے ضرور ہٹ جاتا ہے، پر مکمل شکست ناممکن۔''

وہ کیا بول رہی تھیں، عزہ کو سمجھ میں نہیں آیا۔

''مطلب نانو!'' وہ انہیں ٹوک کر پوچھنے لگی۔

''اس وقت تو محمود بھی یہی سمجھا ہوگا کہ چلو، عقل کا تقاضا اور دنیا داری کے حساب سے سارہ سے شادی کرنا بالکل درست ہے، ٹھیک بھی۔ مگر...... پھر......'' وہ پھر رک گئیں۔

''پھر کیا؟''

''پھر وہی تمہاری ماں کا جیت لینے کا غرور، طعنے اور تشنے...... محمود کو اپنی پسپائی کا بری طرح سے احساس ہوا۔ اور جب مرد اس کی ہتک یا اس کی شکست کا احساس دلایا جائے تو وہ کبھی برداشت نہیں کرتا۔ سارہ کی بدزبانی، اس کے غرور نے چند ہی دنوں میں جیتی ہوئی بازی ہار دی۔ محمود کے دل میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں تھا، سوائے اس چند روزہ شرعی و قانونی تعلق کے۔ اگر وہ ذرا صبر کر کے اپنی متکبر فطرت کو قابو کر کے خاموش رہتی تو شاید یہ تعلق مضبوط ہو جاتا...... اس کی خاموشی اور تھوڑی محبت......

محبت تو وہ بہت کرتی تھی محمود سے...... جس کے دعوے تھے اس کے بلند و بانگ...... ان بلند و بانگ دعووں سے ہٹ کر تھوڑی سی محبت، دلی خلوص کے ساتھ محمود کو دیتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ محمود اسے دل سے قبول نہ کرتا۔ پر اس پاگل کو تو جلن، حسد، رقابت سب سے بڑھ کر وسوسے...... اس جیت کے چھن جانے کے وسوسے لے بیٹھے۔''

''اور اس میں میرا کیا قصور تھا؟'' عزہ تلخی سے بولی۔

''یہی ان دونوں نے نہیں سوچا...... سوچا ہوتا تو یوں آج جاہلوں کی طرح جوان بیٹی کو کمرہ بند نہ کر جاتے۔'' وہ بھی دکھی سی بولیں۔

''نانو! ان دونوں نے اپنے جھگڑوں کے دوران کبھی میری پروا نہیں کی۔ میں ماما کی طرف جھکتی تو وہ بدلحاظی سے مجھے باپ کی چمچی کہہ ڈالتیں۔ پاپا کی طرف لپکتی تو وہ مجھے اتنی سرد، ٹھنڈی نظروں سے دیکھ کر کہتے ''جاؤ اپنی ماں کے پاس'' جیسے میرا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ میرے سگے ماں باپ ہیں اور انہوں نے قدم قدم پر میری عزتِ نفس کو روندا ہے۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ میں احساسِ کمتری کا شکار ہو کر گھر کے کسی کونے کھدرے میں منہ سر لپیٹ کر پڑ جاؤں...... مگر نانو! میں ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ نہیں کر سکی۔'' وہ ایک دم سے جوش میں آ کر بولی۔

''میں جانتی ہوں، تم ایسا نہیں کر سکتی تھیں اور یہی ان دونوں کی بھول تھی۔'' وہ مدبرانہ انداز میں بولیں۔

"کیا مطلب؟......کیا جانتی تھیں آپ؟"

"ضد......جو ضد ان دونوں نے آپس میں لگا رکھی تھی، کیا وہ تمہارے لہو میں نہ آتی؟......انہوں نے تمہیں اس ٹکراؤ کی محبت دااور کچھ نہیں دیا تو جواب میں انہیں بھی اس جذبے کا ردِعمل ملنا تھا......تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔" وہ قائل ہونے والے انداز میں اکر بولیں۔

"کیا؟" عزہ انہیں ناسمجھی سے دیکھنے لگی۔

"ان کے روّیے کا نتیجہ یا تو ایک بے حد دبو، ڈرپوک، احساسِ کمتری کی ماری بیٹی کی صورت نکلتا یا ان دونوں کی دبی طبیعتوں کا ......تم وہی کر رہی ہو، جو وہ دونوں تمہیں آج تک دیتے آئے ہیں۔" وہ عزہ کی اس معاملے میں حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی ں مگر جانے کیسے حقیقت بیان کرتے کرتے وہ سب کہہ گئیں۔

عزہ خاموش سی ہوگئی۔

"لیکن میں پھر بھی کہوں گی۔" وہ اس کی خاموشی پر بولیں۔ "ضد کا نتیجہ کبھی بھی اچھا نہیں نکلتا......ضد ہم خوشی حاصل کرنے لئے کرتے ہیں، من پسند چیز پانے کے لئے۔ اور وہ من پسند چیز پا کر بھی ہمیں خوشی نہیں ملتی......یہ بات ان دونوں نے ایک زار کر نہیں سمجھی۔ مگر تم بہت سمجھدار، پیاری بیٹی ہو، پھر سب سے بڑھ کر اتنی ذہین، ہونہار، ان جاہل میاں بیوی سے کئی ہزار گنا ں۔ تم اس بات کو سمجھ جاؤ گی......اور بیٹی! اگر تم ان دونوں کو لڑانے کے لئے یا زچ کرنے کے لئے یہ سب کر رہی ہو تو یاد رکھنا، ں میں بے شک ان دونوں کا بھی نقصان ہوگا مگر سب سے زیادہ خسارے میں تم رہو گی۔" وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

"نانو! اب بات فائدے نقصان سے بہت آگے نکل چکی ہے......آپ کی بات بالکل درست ہوگی کہ ضد سے کبھی خوشی نہیں لتی مگر میری جنریشن کے ساتھ ایک اور پرابلم بھی ہے۔" وہ رکی۔ "ہم قناعت کرنے والی نسل نہیں ہیں......ہمیں تو اور، اور کی ہوس ہے اور یہ "اور" صرف اور صرف تجربے سے حاصل ہوتا ہے۔ ہم محض پچھلی نسلوں کے مشاہدات یا ان کی کسوٹی پر قناعت کر کے نہیں رکتے۔ سمندر گہرا ہے، اس کے اندر جانے کی صورت میں سراسر نقصان ہمارا ہے۔ ہم کنارے پر بیٹھ کر بڑے صبر کے ساتھ مچھلیوں کے آنے کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمیں کنارے کے سکون و عافیت سے زیادہ سمندر کی شوریدہ سر لہروں کے سینے میں اُترنا زیادہ اٹریکٹو لگتا ہو۔ شاید آپ میری بات نہ سمجھ سکیں مگر میں اپنے وژن میں بالکل کلیئر ہوں اور مجھے اب کوئی اُلجھن نہیں......مجھے اپنی زندگی کا کیا کرنا ہے، میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ اور میں اپنے کسی بھی فیصلے کو دوسروں کی خاطر نہ تو تبدیل کر سکتی ہوں اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہوں۔ آپ مجھے یہاں سے کچھ دنوں کے لئے......شاید میں ادھر سے نکل کر ذرا دوسرے انداز میں سوچ سکوں۔"

وہ اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں میں برش کرنے لگی۔

"کیا مطلب؟" عزہ کی پُرعزم شکل اور اس کے الفاظ سے زیادہ اس کے عزائم نے انہیں بوکھلا سا دیا۔

"نانو! آپ کا بھی تو مجھ پر حق ہے نا۔ پھر سیکنڈلی آئی ایم میچورڈ......نابالغ نہیں ہوں میں، جو یہ مجھے حبسِ بے جا میں رکھ لیں۔ میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ لے کر چلیں گی مجھے؟" وہ ان کے قریب آ کر کندھے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

"مگر کہاں؟" وہ پریشان ہو چکی تھیں۔

وہ آہستہ سے انہیں بتانے لگی۔

ثریا بانو سوچ میں پڑ گئیں۔

"بولیں نا......ماما آنے والی ہیں، ان کے آنے سے پہلے۔ کیا آپ چاہتی ہیں، وہ آئیں اور پھر یہ دروازہ مقفل ہو جائے اور

چلو......ابھی چلو۔" وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

وہ اتنی جلدی مان جائیں گی، عزہ کو یقین نہیں تھا۔ وہ خوشی خوشی جوتے پہننے لگی۔

❋◉......◉❋
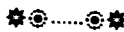
"تم یہاں؟" وہ تنزیل کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کیوں......تم کیا مریخ پر رہتی ہو، جو میں تمہارا پتہ نہیں پا سکتا تھا؟ دوسرے تم کیا مجھے بے وقوف بنا رہی ہو؟" وہ اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے بے تکلفی سے اندر داخل ہو گیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟......اور یہاں چلے آنا۔ تنزیل! کیوں مجھے مروانے پر تلے ہو؟" عائشہ نے تیزی سے گیٹ بند کرتے ہوئے ناراضی سے کہا اور اس کے پیچھے چل دی۔

''کوئی تمہیں مروانے پہ گولی، چھری کیوں ضائع کرے گا؟ تم خود ہی ڈر ڈر کر مر جاؤ گی۔'' وہ مزے لے کر بولا۔ ''اچھا، یہ چائے میرے لئے بنا کر رکھی ہے تم نے۔ لگتا ہے، کشف بھی ہونے لگے تم پر میری آمد کے۔'' اس نے میز پر پڑا کپ اٹھا کر منہ سے لگایا۔
عائشہ دانت پیستی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔
''کیوں آئے ہو یہاں؟'' وہ بے چینی سے گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔
''تم سے ملے جو بہت دن ہو گئے تھے۔'' وہ شرارت سے بولا۔
''تنزیل! پلیز، میں اس وقت نہ تو مذاق کے موڈ میں ہوں اور...'' وہ رکی۔ ''اور مجھے تمہارا یہاں آنا بھی قطعاً اچھا نہیں لگا۔''
''مجھے تمہارے اچھا یا برا لگنے کی قطعاً پروا نہیں...... تم ایسی چائے پیتی ہو؟ بالکل پھیکی، کڑوی، اپنے جیسی۔'' اس نے چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہی کپ دوبارہ میز پر رکھ دیا۔
عائشہ خود پر ضبط کرتی اسے دیکھتی رہی۔
''اب یوں کیوں گھور رہی ہو؟ بن بلایا جو چلا آیا ہوں۔'' وہ آرام دہ انداز میں ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔
''تنزیل! مجھے دیر ہو رہی ہے۔''
''وہ تو تمہیں ہمیشہ ہو رہی ہوتی ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ اس کے ہلنے کے بالکل ارادے نہیں لگ رہے تھے۔
''میرے بابا ہاسپٹل میں ہیں اور مجھے وہاں پہنچنا ہے۔'' آخر زچ ہو کر اسے کہنا ہی پڑا اور اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
''اوہ...... ویری سیڈ۔ کیا ہوا؟'' وہ نادم سا سیدھا ہو کر بولا۔
''ہارٹ پرابلم ہے انہیں۔ اسی لئے میں......'' وہ آہستگی سے بولی۔
''میرے والی پرابلم ہو گئی پھر تو......'' وہ لبوں میں بڑبڑایا اور پھر عائشہ کی طرف دیکھ کر سنجیدہ ہو گیا۔ ''میں چلوں تمہارے ساتھ؟'' اس نے فوراً آفر کی۔
''نہیں شکریہ۔ تمہیں معلوم تو ہے اور تمہیں تو یہاں بھی نہیں آنا چاہئے تھا۔ تم میرے لئے کوئی بہت بڑی مشکل کھڑی کرنے والے ہو، مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
''نہیں عائشہ بی بی! جتنی مشکلات آپ خود اپنے لئے کھڑی کر چکی ہیں، اس کے بعد میرا کنٹری بیوشن تو کسی شمار میں نہ آئے گا۔''
''تم انٹ شنٹ باتیں کرنے کے لئے آئے ہو ادھر؟'' وہ جھلا کر بولی۔
''نہیں، بہت ضروری بات۔ تم میرا فون اٹینڈ کرتی ہو نہ خود سے فون کرتی ہو، اس لئے مجھے مجبوراً آنا پڑا۔''
''میں نے تم سے کہا تھا، جب میں ضروری سمجھوں گی، تمہیں خود سے فون کر لوں گی۔''
''اور وہ تم جانے کب ضروری سمجھو گی۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا۔'' وہ کندھے اچکا کر بولا۔
''تم میں سب سے بڑا فالٹ یہی ہے کہ تم حد سے زیادہ عجلت پسند ہو اور جلدی تمہاری اب تک کی ناکامیوں کی سب سے بڑی وجہ ہے۔'' وہ ایک بار پھر گھڑی دیکھتی ہوئی جھلا کر بولی۔
''تم اسے میری خامی کہو یا خوبی، مجھے کام کو لٹکانے سے نفرت ہے پھر ایسا کام......'' وہ رکا۔ عائشہ نے فوراً اس کی بات اُچک لی۔
''ایسا شاندار کام...... یعنی انتقام کا، اس میں تو جلد بازی یوں بھی لازمی ہے۔ ہے نا؟''
''دیکھو، تم میرے منصوبے کو پانچ سالہ سمجھے بیٹھی ہو تو میں تمہاری یہ بھول دور کرنے آیا ہوں۔ یا تو مجھے اس میڈ کی بیٹی تک رسائی کا کوئی طریقہ بتاؤ یا کسی طرح مجھے اس تک جانے دو۔ میں سارے انتظام کر چکا ہوں اور تم...... تم جانے کیوں اتنا ٹائم لگا رہی ہو۔ جتنا وقت زیادہ گزرے گا، یہ کام مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ آج میرے ساتھ فائنل بات کرو۔'' وہ آر یا پار کرنے کی نیت سے آیا تھا، دوٹوک انداز میں بولا۔
''اس تک پہنچنا آسان نہیں۔'' عائشہ تھوڑے توقف کے بعد بولی۔
''جانتا ہوں میں۔ ورنہ تم سے مدد کیوں مانگتا؟''
''مانگی ہے تو اب صبر کرو۔'' وہ لطف لینے والے انداز میں بولی۔
''صبر نہیں ہے مجھ میں۔ اگر تم مجھے ابھی کچھ نہیں بتاؤ گی کہ کچھ کر سکتی ہو یا نہیں تو میں خود کچھ کر لوں گا، چوبیس گھنٹوں کے اندر چاہے اسے زندہ ہائی جیک کروں یا مُردہ۔ ایک بار میں نے اس کو سبق ضرور سکھانا ہے۔ پھر ہی میں نارمل زندگی گزار سکوں گا۔'' اپنے مخصوص جذباتی پن سے بولا۔
''یہ سب کر چکنے کے بعد بھی کیا تم نارمل زندگی گزار سکو گے؟''

"آئی ڈونٹ کیئر۔ اس کے بارے میں، میں نہیں سوچتا۔ تم مجھے اپنے ارادے بتاؤ....... ساتھ ہو یا بدل چکی ہو؟" وہ اس کے قریب آکر بولا۔
"اس طرح کا سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟" وہ افسوس سے بولی۔
"میں تمہیں اسی طرح کا سمجھوں گا، جس طرح کا تم مجھ سے رویہ رکھوگی۔ اتنے دنوں سے میں تمہاری کال کے انتظار میں پڑا سڑ رہا ہوں اور تمہیں کوئی پروا نہیں۔" وہ تپے ہوئے لہجے میں بولا۔
"تو سمجھو تمہارا کام ہوگیا۔" عائشہ یک دم جوش میں آکر بولی۔
"کیسے؟....... مطلب؟" تنزیل بے صبری سے بولا۔
"پرسوں رات مائیز گروپ کا میگا شو ہے، شہر کے سب سے مہنگے ہوٹل میں۔ اگر تو لائبہ، میڈم کے ساتھ نہیں جاتی تو ہمارا کام بن جائے گا۔ ویسے میں کوشش کروں گی، میڈم اسے اپنے ساتھ نہ لے کر جائیں بلکہ وہ اکیلی جائے۔ اور اکیلا اسے کون لائے گا....... تم؟" وہ اس کی طرف اشارہ کر کے بولی۔
"میں....... میں کیسے؟" وہ ناسمجھی سے بولا۔
"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ پرسوں رات دس گیارہ بجے کے دوران میری کال کا انتظار کرنا اور ایک زبردست سی گاڑی کا انتظام کر رکھنا۔ شاید....... شاید تمہیں ایک شوفر بننا پڑے۔"
عائشہ کی بات پر تنزیل کی سمجھ میں اس کا سارا منصوبہ آگیا۔
"میں اس کام کے لئے شوفر تو کیا، چپراسی، خاکروب بھی بننے کے لئے تیار ہوں۔ اور اب پرسوں رات کا انتظار....... اور مجھے بہرصورت یہ کام پرسوں کر ڈالنا ہے۔ اچھا آئیڈیا دیا ہے تم نے، گڈ۔ مجھے پسند آیا۔" وہ خوشی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔
"چلو، اسی خوشی میں یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ....... مجھے دیر ہو چکی ہے۔ میں گھر لاک کر کے تمہارے بعد نکلتی ہوں۔ سی یو۔" اس نے تنزیل کو باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا اور وہ واقعی شرافت سے نکل بھی گیا۔
عائشہ اس کے جاتے ہی سامان اٹھا کر باہر نکل آئی اور گیٹ لاک کر کے گاڑی میں بیٹھ گئی۔
'میں جانتی ہوں، میں کتنا خطرناک کھیل کھیل رہی ہوں اور اس میں میرے جل مرنے کا سو فیصد یقین ہے۔ مگر پھر بھی..... پھر بھی مجھے یہ سب کرنا ہے۔ اپنے لئے نہ بھی سہی، تنزیل کے لئے ضرور۔'
اس نے دور بس اسٹاپ کی طرف جاتے تنزیل کو دیکھتے ہوئے سوچا اور گاڑی مخالف سمت میں موڑ دی۔

❁✺.......✺❁
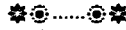
"آخر تم میں اکڑ کس چیز کی ہے؟" وہ کھانے کے برتن اُٹھانے آئیں تو احسن مراد خوامخواہ برہم ہو کر بولے۔
"کیا مطلب؟....... کیسی اکڑ؟" یاسمین حیران سی ہو کر بولیں۔
"تم خود جا کر اماں کو کیوں نہیں لے آتیں؟ اتنے دن ہو گئے انہیں گھر سے ناراض ہو کر گئے اور ان کی ناراضی غلط بھی نہیں تھی۔ تم نے تو خوشی منائی ہے، چلو اسی بہانے بڑھیا سے جان چھوٹی۔"
یاسمین تاسف بھری نگاہوں سے اس شخص کو دیکھنے لگیں جو کبھی ان سے راضی نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے قیمتی ترین سال اس کو خوش کرنے، راضی کرنے میں مٹی کر دیئے اور اس کے نزدیک یاسمین کی حیثیت مٹی کے برتن سے بھی کم تھی، جسے وہ روز ٹھوکریں مار کر توڑتا اور پھر سے التفات کی دو بوندیں ڈال کر اپنی مرضی کے مطابق گھڑ لیتا۔ مگر اس کا وجود تھا اس کے لئے مٹی کا کھلونا ہی۔
"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں؟" وہ گلہ کرنا نہیں چاہتی تھی، مگر دکھ کی شدت کے باعث منہ سے نکل گیا۔
وہ کیا جانتی نہ تھیں، ان کا شوہر انہیں عمر بھر کیسا سمجھتا رہا ہے۔
"میں جانتا ہوں۔ انہوں نے تمہارے ساتھ ہمیشہ زیادتیاں کی ہیں۔ تم اوپر سے چاہے نہ ظاہر کرتی ہو، مگر دل میں تو انہیں خوب کوستی ہوگی۔ اور اب تمہارے دل کی مراد بر آئی۔ وہ خود ہی پورا گھر تمہارے حوالے کر کے چل دیں اور تم نے پلٹ کر انہیں پوچھا نہیں۔ جانتی بھی ہو کہ اس نک چڑھی، مغرور بیٹی کے گھر وہ کبھی ایک پہر سے زیادہ نہیں ٹکیں، پھر بھی تم نے پروا نہیں کی۔"
'اور آپ نے خود کون سی پروا کر لی؟ آپ کی تو ماں ہیں وہ۔' یاسمین نے جل کر دل میں سوچا۔
"خود جانے میں تذلیل ہوتی ہے تو فون کر کے کہہ ڈالتے۔ آپ سے تو اتنا بھی نہ ہوا۔ میں نے فون بھی کیا تھا اور تنزیل کو بھی بھیجا تھا مگر انہوں نے آنے سے صاف انکار کر دیا تو میں......."
"اور تم نے دل میں شکر ادا کیا، چلو جان چھوٹی۔" وہ فوراً ان کی بات کاٹ کر بولے۔
"میں کیوں شکر کرنے لگی؟" وہ چڑ کر بولیں۔

''تو اور کیا، چلی نہ جاتیں خود سے انہیں لینے۔ تمہاری شان جو گھٹتی ہے۔'' وہ طنز سے بولے۔
''میری شان کیوں گھٹنے لگی؟ انہوں نے مجھے وہاں......'' وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے چپ ہو گئیں۔ ثریا بانو جب گلہ کرنے کا موقع پاتی تھیں تو پھر وہ اپنے آپ میں نہیں رہتی تھیں۔
''چلو، اپنے گھر میں تو ٹھیک ہے، مگر انہوں نے محمود عالم کے گھر میں جو اس کی عزت افزائی کرنا تھی، اس خیال سے تم خود سے جانے کی ہمت نہیں کی تھی، ورنہ یہ خیال تو خود انہیں بھی دو ایک بار آیا تھا کہ جا کر انہیں منالائیں۔
''کیا ہو جائے گا، دو چار باتیں سنا دیں گی۔ بڑی ہیں ہماری، پھر غلطی بھی کس کی ہے، یہ بھی تو سوچو۔ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ ان کا یوں خفا ہونا بنتا ہے۔'' احسن مراد نے آرام سے سارا ملبہ یاسمین کے کندھوں پر ڈالا اور پاس پڑی شاعری کی کتاب کھولنے لے۔
وہ صدمے سے چُور سی بیٹھی رہ گئیں۔
ہر طرف سے سنگ باری انہی پر تو ہو رہی تھی اور وہ کیسی لاچار تھیں کہ اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی بولنے کی مجاز نہیں تھیں۔ خوردہ سی اُٹھ کر چل دیں۔
''ابھی وہ تمہارا کماؤ پوت آتا ہے تو اسے لے کر اماں جان کو لے آؤ۔ اب مزید سُستی نہ ہو۔ اس گھر میں کون سی رونق رہی ہیں جو ماں کو بھی ناراض کر کے نکال باہر کیا ہے؟'' وہ بڑبڑا رہے تھے۔ یاسمین سُستی سے کچن میں آ کر کام کرنے لگیں۔

✲⊙......⊙✲
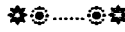
''آپ تھک گئی ہیں؟'' دائم نے گاڑی سائیڈ پہ روکتے ہوئے ڈاکٹر رخشندہ سے پوچھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ دائم خاموش بیٹھا سامنے دیکھتا رہا۔
''ماما! بس آخری تین یتیم خانے رہ گئے ہیں۔ ان تین دنوں میں ہم سب جگہوں پہ، جہاں بھی اس قسم کے بچے رکھے جا سکتے، ذرا سی بھی اُمید ہوتی ہے، وزٹ کر آئے ہیں اور رزلٹ ناکامی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔
ڈاکٹر رخشندہ کچھ نہیں بولیں۔
''ماما! کیا آپ کو امید ہے کہ ان باقی کے تین یتیم خانوں میں اس بچے کا پتہ چل جائے گا، جہاں آپ نے اسے اس رات چھوڑا تھا؟'' وہ تھوڑی دیر بعد مضطرب سے لہجے میں پوچھنے لگا۔
ڈاکٹر رخشندہ نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا اور گہری سانس لے کر گردن دوسری طرف موڑ لی۔
''نہیں۔'' وہ ایک لمبی چپ کے بعد بولی تھیں۔
''کیا مطلب؟'' دائم بے اختیار چونکا۔
''تم نے امید کے بارے میں پوچھا نا، میں اسی کی بات کر رہی ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔
دائم پریشان سا انہیں دیکھنے لگا۔
''کیا آپ کو ان تمام یتیم خانوں کے وزٹ سے پہلے ہی معلوم تھا کہ اس بچے کا پتہ نہیں چلے گا؟'' وہ ذرا توقف سے بولا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''تو گویا آپ نے وہ بچہ کسی یتیم خانے کے آگے پھینکا ہی نہیں۔'' دائم شاک زدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔
''ہاں...... میں نے جھوٹ بولا تھا۔'' وہ مجرمانہ اعتراف کرنے والے انداز میں بولیں۔
''واٹ؟'' حیرت سے اس کی آواز بھی نہ نکلی۔ 'ایک اور جھوٹ۔' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔
''ماما! آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟...... آپ کیا کر رہی ہیں؟ کیا کرنا چاہتی ہیں؟ پلیز، فار گاڈ سیک، جو سچ ہے، وہ ایک بار بتا کیوں نہیں دیتیں؟ کیوں چاہتی ہیں کہ میں پاگل ہو جاؤں؟'' وہ وحشت بھرے انداز میں بولا۔
''اللہ نہ کرے۔'' وہ بڑبڑائیں۔
''تو پھر یہ سب کیا ہے؟''
''امتحان۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔
''کس کا امتحان؟...... میرا...... میرے اعصاب کی مضبوطی کا؟'' وہ چڑ کر بولا تھا۔
''میری ممتا کا۔'' وہ سکون سے بولیں۔
''کیوں اتنی بے بھروسہ ہو رہی ہیں؟ کم از کم مجھ پہ تو ٹرسٹ کریں نا۔'' وہ خود پر قابو پا کر ان کا ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔

"تم نے کیا ہے مجھے بے بھروسہ۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"میں نے یا آپ نے خود؟" وہ شکایتی لہجے میں بولا۔ "بار بار بیان بدل کر...... ماما! کیوں ایسا کر رہی ہیں؟ کس بات کا ڈر ہے آپ کو؟...... جو جرم کیا تھا، وہ تو آپ کہہ چکی ہیں، اب کس بات کا خوف ہے؟" وہ زِچ آ کر بولا۔

"تمہارے چھن جانے کا۔" وہ صاف گوئی سے بولیں۔

"ماما! میں کوئی کھلونا نہیں، جسے کوئی مجھے آپ سے چھین کر لے جائے گا۔" وہ تلخی سے بولا۔

"کوئی چھین کر لے جا بھی سکتا ہے، اگر تم اسی طرح مجھ پر شک کرتے رہے۔" وہ شکوہ کرتے ہوئے بولیں۔

"تو اس معاملے کو ختم کیوں نہیں کر دیتیں؟"

"کیا یہ میرے بس میں ہے؟" وہ بے بسی سے بولیں۔

"تو پھر کس کے بس میں ہے؟"

"تقدیر کے...... یا ظالم رات کے اس پہر کے بس میں تھا، جب میں نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اتنی بڑی نادانی کر ڈالی۔" وہ پچھتانے کے سے انداز میں بولیں۔

"آپ نے اسے کہاں پھینکا تھا؟" وہ ذرا دیر بعد تحمل سے بولا۔ وہ چپ رہیں۔

"ماما! میں نے کچھ پوچھا ہے۔ پلیز بولیں...... مگر سچ...... ماما! ایک منٹ۔" وہ کسی خیال کے آنے پر چونکا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"آپ نے کہیں...... کہیں اسے مار تو نہیں ڈالا؟"

"دائم!" وہ اپنے فوری ردِعمل پر قابو نہ پا سکیں، زور سے بولیں۔

"تھینک گاڈ!" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "آپ کا یہ فوری ری ایکشن بتاتا ہے، آپ نے یہ سب کچھ نہیں کیا تھا۔ ہے نا ماما؟" مطمئن ہونے کو ان کی تائید چاہ رہا تھا۔

انہوں نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر وہ بچہ؟"

"تمہیں اس کی تلاش کیوں ہے؟ میری سچائی کو جانچنا چاہتے ہو؟" وہ تلخی سے کہہ بیٹھیں۔

"اس پاگل عورت کے پاگل پن پہ ترس بھی آتا ہے اور تھوڑا خوف بھی...... وہ اپنی تلاش کو رائیگاں جانتے ہوئے کسی انتہا پر نہ پہنچ جائے۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"اور...... میں کہاں ہوں تمہاری نظر میں...... تمہارے دل میں؟" وہ ڈر ڈر کر پوچھ رہی تھیں۔

وہ غور سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"ماما! شروع کے دنوں میں بلکہ ابھی دو چار دن پہلے تک میں بہت بے چین تھا۔ بہت پریشان اور خوف زدہ بھی کہ اگر میں واقعی میڈم یاقوت کا بیٹا ہوا...... وہ تو ابھی بھی اس بات پر مصر ہے۔ اور جب آپ نے بتایا کہ آپ نے ایسا جرم کیا ہے تو یقین کریں میرے دل میں آپ کا رتبہ اتنا گر گیا تھا کہ میں نے فوری طور پر اللہ سے دعا کی تھی کہ میں واقعی میڈم یاقوت کا بیٹا ہوں...... آپ سے گھن سی آنے لگی تھی۔ مگر پھر آپ کی بیماری، ڈپریشن اور سب سے بڑھ کر میں نے بہت سوچا اس مسئلے پر اور میرے دل کی ...... ماما! دل تو کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ ہے نا؟" وہ معصوم سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"میرا دل کہتا ہے، میں ڈاکٹر رخشندہ اور مصطفیٰ کا بیٹا ہوں۔ اور جب میں نے دل کی گواہی کو مان لیا تو جیسے سکون میرے روم روم میں اتر گیا۔ اتنے دنوں کی بے چینی اور کشمکش دم توڑ گئی۔ مگر...... ماما! یہ سکون وقتی تھا۔"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"میں ہوں یا آپ، ہم اس عورت کے مجرم ہیں۔ اور جب تک میں اس کا بچہ ڈھونڈ کر اس کے حوالے نہیں کر دیتا، نہ تو مجھے کبھی سکون ملے گا، نہ آپ کو اطمینان...... یہ بہت ضروری ہے، ایک پُرسکون زندگی کے لئے۔" وہ سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"دائم! وہ جو تم تاوان کا کہہ رہے تھے، وہ؟" وہ ڈری ہوئی آواز میں بولیں۔

"ماما! میں اس بات پر قائم ہوں...... میں آپ کا بیٹا تب ہی ثابت ہوں گا، جب آپ کے جرم کا کفارہ ادا کر سکوں گا۔ مجھے اپنے والی آئیڈیل، شفاف، بے داغ ماں چاہئے۔ اس کے لئے چاہے مجھے خود کو کیوں نہ تاوان میں دینا پڑے۔" وہ مستحکم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ڈاکٹر رخشندہ کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

مگران ڈوبتی دھڑکنوں میں سب سے زیادہ نمایاں ارتعاش اس خیال نے پیدا کیا تھا کہ دائم ان کو اپنی حقیقی
وہ ان کے جرم کا تاوان ادا کرنے کے لئے اس درجہ بے چین ہے تو وہ ماں ہو کر اس کی بے چینی پر کیسے سکون سے رہ
اتنے دنوں کی کشمکش میں مبتلا ان کے دل و دماغ نے یک دم فیصلہ کر ڈالا۔
وہ فیصلہ جو شاید دائم کے اس طرح اعتماد سے بات نہ کرنے پر وہ کبھی نہ کر پاتیں۔ کشمکش اور ہراس میں مبتلا
گزر جاتیں۔

"دائم!" انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ "تمہیں یقین ہے نا کہ وہ عورت غلط کہہ رہی ہے۔ تم میرے بیٹے ہو؟"
ایک بار اس یقین پر تائید کی مُہر ثبت کروانا چاہ رہی تھیں، اپنے اندر اعتماد کی فضا کو مزید پائیدار کرنے کے لئے۔
دائم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"تو پھر آج سے یہ تمہاری تلاش ہی نہیں، اس کے اختتام تک میری بھی زندگی کا مقصد ہے۔ میں نے اتنے سال
کرب کو اپنے دل کی کال کوٹھری میں بھگتا ہے۔ راتوں کو جب نیند نہ آئی تو گڑگڑا کر خود سے معافی مانگا کرتی تھی اور
میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ صرف معافی نہیں بلکہ تلافی، اس جرم کا کفارہ ہے۔ ورنہ اگر یہ بات میرے دماغ میں
میں بہت کچھ کر سکتی تھی۔ اوّل یہاں سے جاتی ہی نہیں۔ اگر چلی بھی گئی تھی تو دو چار سال بعد جبکہ ان علاقوں کا نقشہ اتنا
تھا، آ کر اسے ڈھونڈ سکتی تھی، اسے بچہ مل جاتا تو وہ یقیناً مجھے سالوں پہلے معاف کر چکی ہوتی۔ اور اگر یہ عورت مجھے اس وقت
بھی میں اس معصوم کو اپنے ساتھ لے جا کر خود اس کی اچھے طریقے سے پرورش کر کے اپنے جرم کا کفارہ ادا کر سکتی تھی۔
بیٹے! تمہاری سوچ نے مجھے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے۔ سچ ہے، نئی نسل ہم بوڑھوں کے مقابلے میں سوچ کے بجائے عمل
ہے۔ آئی ایم پراوڈ آف یُو مائی سن!" انہوں نے بے اختیار اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔
"تم نے میرے اندر مرنے سے پہلے اپنے جرم سے پاک ہونے کا خیال پوری طاقت کے ساتھ بیدار کیا ہے۔ اب
خاطر نہ بھی سہی، تمہیں پہلے جیسی آئیڈیل، شفاف ماں دینے کے لئے ضرور یہ مہم سر کروں گی۔ ڈونٹ وری۔" وہ بہت
دنوں بعد دائم کو پہلے جیسی پُرعزم، باہمت اور پُرجوش لگی تھیں۔
"مگر کیسے ماما؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ارادے مضبوط ہوں تو فطرت خود بخود راستے بناتی چلی جاتی ہے۔ اب یہ اس عورت کے جذبے
تھی یا میری بے گناہی پر خدا کو رحم آ گیا، جو اس نے تمہارے دل میں یہاں آنے کا خیال ڈالا اور باقی جو کچھ ہوا، وہ نہ تمہاری
آیا نہ میری....... اور اب جب سمجھ میں آیا ہے کہ یہ سب کھیل کس لئے رچایا گیا تو یقین کرو، مجھے بے ساختہ اپنے رب پر
ہے، اس نے کس طریقے سے میری معافی کا اہتمام کیا ہے۔ آئی ایم سوری، میری جان! میری وجہ....... بلکہ میری غفلت کی
تمہیں اتنے دن تکلیف اٹھانا پڑی۔" وہ بے حد ایکسائیٹڈ ہو رہی تھیں۔ دائم کے دل کو عجیب سی خوشی مل رہی تھی، انہیں یوں
دیکھ کر۔

"مگر ماما! سوال ابھی بھی اپنی جگہ قائم ہے، کیسے؟" وہ پھر زور دے کر بولا۔
"اب تم کل سے اپنے آفس، فیکٹری پر دھیان دو گے اور میں اس کی تلاش میں نکلوں گی۔ یہ میرا شہر ہے۔ نہ اس کے
میرے لئے اجنبی ہیں نہ لوگ۔ اور میرے ذہن میں وہ چہرہ بالکل عین اپنے نقوش اور لباس کی رنگت کے ساتھ محفوظ ہے۔
میرے اللہ نے اتنا راستہ بنایا ہے تو وہ آگے بھی میری مدد کرے گا۔ اور کچھ نہیں تو وہ چہرہ ضرور مجھے کہیں نہ کہیں خود سے آ ٹکرائے
لگن سچی ہونی چاہئے تو کہتے ہیں، آپ خدا کو بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ ڈونٹ وری، اب گھر چلو۔" وہ یوں ہلکی پھلکی تھیں، جیسے
معرکہ سر کر چکی ہیں۔
محض میرے یقین دلانے سے کہ میں انہیں ہی اپنی حقیقی ماں سمجھتا ہوں، ماما کے اندر جیسے کسی نے نئی روح پھونک دی ہو۔
لائبہ یہی تو مجھ سے کہتی تھی۔ اور میں شک کے اندھیروں میں بھٹکتا، اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مارتا رہا۔ اور یہ لائبہ کی بچی جانے
غائب ہے۔ گھر جاتے ہی فون کرتا ہوں۔'
وہ راستے بھر ڈرائیونگ کرتے ہوئے، رخشندہ کی شکل دیکھتا اور یہ سب سوچتا رہا۔

✿⊙......⊙✿

گاڑی مسلسل ہارن بجا رہی تھی اور گارڈ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔
اس نے غصے سے ہارن پر ہاتھ ہی رکھ دیا۔
گارڈ بھاگتا آیا مگر گیٹ ہنوز بند تھا۔

"کیا تکلیف ہے؟ گیٹ کیوں نہیں کھولتے؟" وہ جھنجلا کر بولی۔
"صاب کا حکم ہے، گیٹ نہیں کھولنا۔" وہ مؤدب لہجے میں بولا۔
"دماغ خراب ہے تمہارا۔ گھر کیا کوئی جیل ہے یا تمہارے صاب کا انکوائری روم؟...... کھولو گیٹ۔"
"معاف کیجئے گا بی بی! بڑے صاحب سختی سے منع کر کے گئے ہیں کہ گیٹ آپ کے لئے بالکل نہیں کھولنا۔" وہ جھجکتے ہوئے اصل حکم بول گیا۔
"واٹ؟" اس کے چلانے میں زور نہیں تھا۔ ساتھ بیٹھی ثریا بانو کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
"نظر نہیں آ رہا، اتنے موٹے موٹے دیدے ہیں منہ پر۔ کیا سجاوٹ کے لئے ہیں؟ میں جا رہی ہوں باہر، کھولو دروازہ۔" وہ کرختگی سے بولیں۔ گارڈ اسی طرح کھڑا رہا۔
"ارے! میں نے ڈاکٹر کی طرف جانا ہے اور...... درد سے میرا برا حال ہے۔ اور تُو گیٹ نہیں کھول رہا۔ کھول جلدی سے۔" انہوں نے چہرے پر تکلیف کے مصنوعی آثار پیدا کرنے کی کوشش کی۔
"نانو کو ڈاکٹر کی طرف لے کر جا رہی ہوں۔ کھولو گیٹ۔" عزہ اب کے ذرا کمزور لہجے میں بولی۔
"ڈاکٹر کو فون کر کے گھر بلا لیں۔ ہمیں گیٹ کھولنے کے آرڈر نہیں ہیں۔" وہ اسی بے لچک انداز میں بولا۔
"حد ہو گئی۔ پاگل ہو گئے ہو جو یوں سر چڑھے آ رہے ہو۔ ابھی ماما بھی تو گئی ہیں باہر۔"
گارڈ خاموش کھڑا رہا۔ جیسے کہہ رہا ہو، گیٹ نہ کھولنے کا حکم صرف آپ کے لئے ہے، آپ کی ماما کے لئے نہیں۔
"نانو آپ بات کریں ماما سے اور ان کو بتائیں سب کچھ۔ ابھی آپ کی ڈاکٹر کے پاس اپائنٹمنٹ ہے۔ دیر ہو گئی تو چیک اپ اگلی پر چلا جائے گا۔" اس نے اپنا سیل نکال کر سارہ کا نمبر ملاتے ہوئے ثریا بانو کو دیا۔
ثریا بانو آہیں بھرتی، ہائے ہائے کرتی بیٹی سے فریاد کرنے لگیں اور یہ گول کر گئیں کہ وہ عزہ کے ساتھ باہر جا رہی ہیں۔
"آپ گارڈ کو دیں فون۔" سارہ نے کہا تو انہوں نے جھٹ سے فون اس اکڑے ہوئے پٹھان کو تھما دیا۔
فون سنتے ہی وہ "جی صیب، جی صیب" کرے جا رہا تھا۔ "مگر بڑے صاحب کا حکم جی...... چھوٹی بی بی......" اس نے اتنا ہی کہا کہ ثریا بانو نے فون اس سے جھپٹ لیا۔
"اب ہو گئی تسلی۔ چل کھول گیٹ۔ حرام خور! مفت کی تنخواہیں لیتے ہیں۔ آ لینے دو عالی کو۔ آج تجھے تو نوکری سے فارغ کراؤں گی۔ اللہ لگا کر بیٹھا ہے کوتوال کی۔ جی گیٹ نہیں کھولنا۔ نامراد نے ہمیں انارکلی سمجھ رکھا ہے۔ زندہ دیواروں میں چنوائے گا، موا۔" نان اسٹاپ بولتی جا رہی تھیں۔ چوکیدار پہلے کچھ دیر پریشان سا کھڑا رہا، پھر متذبذب سا ہو کر گیٹ کھولنے کو چل دیا۔
ان کی گاڑی ابھی چند فرلانگ ہی آگے گئی ہو گی کہ محمود عالم کی گاڑی گیٹ کے اندر آ رکی۔
"ابھی کون گیا ہے ادھر سے؟" انہوں نے جانے اس سیاہ کرولا کو دیکھ لیا تھا یا یونہی پوچھ لیا تھا۔
"جی وہ چھوٹی بی بی...... اپنی نانی جان کے ساتھ باہر گئی ہیں۔" گارڈ نے تھوڑے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔ اور اُن کا ری ایکشن اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔
"کیا بکواس کر رہے ہو؟...... کس سے پوچھ کر گیٹ کھولا تم نے؟" وہ اسے زور کا دھکا دیتے ہوئے وحشی پن سے بولے۔
"وہ...... بیگم صیب کے حکم سے...... ان کا فون......" وہ ہکلا گیا۔
"تجھے تو میں آ کر دیکھتا ہوں، باسٹرڈ!" وہ گالیاں بکتے، گاڑی کھلے گیٹ سے دوبارہ باہر نکال لے گئے۔

❀●......●❀

"آخر یہ گتھی کس طرح سلجھے گی؟" وہ اپنی دکھتی کنپٹیاں دباتے ہوئے خود سے بولی۔
"ماما! آپ ڈائری لکھتی ہیں؟" اس نے بڑے معصومانہ انداز میں رات کو میڈم یاقوت سے پوچھا تھا۔
انہوں نے کھانا کھانے کے دوران لحہ بھر کو ہاتھ روکا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔
"میرے پاس ایسی خرافات کے لئے ٹائم نہیں ہوتا۔" وہ متردد ہوئے بغیر بولیں۔
"کبھی لکھی ہو؟" اس نے اصرار کیا۔
"نہیں۔ کبھی نہیں۔" وہ قطعیت سے بولیں۔
"ماما! ایک بات پوچھوں؟"
"پوچھو۔" وہ بڑی رغبت سے کھانا کھا رہی تھیں۔
"آپ کس کو اُحسن کو جانتی ہیں؟" اس نے پوری طرح سے نظریں ان کے چہرے پر جما کر پوچھا تھا۔

کانٹا ذرا سا ان کے ہاتھ میں مرتعش ہوا۔ چہرے کی صبیح رنگت شاید لمحہ بھر کو دھندلائی تھی، مگر کوئی خاص ردِ عمل کچھ نہ ہوا
''نہیں۔'' وہ یک دم سرد مہری سے بولیں۔
''کسی بھی احسن کو نہیں......... بچپن میں؟'' اس نے پھر سے انہیں گھیرنا چاہا۔
''نہیں بھئی۔ اب اس نام کے تو دس بندے میرے آفس میں ہوں گے، دوسری برانچز میں ہوں گے۔ دن بھر ملتے ہیں
گے۔ اب جانے تم کس کا پوچھ رہی ہو۔ اور پھر بچپن......'' انہوں نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ ''بچپن تو کہانیاں
کہانیاں کہاں یاد رہتی ہیں میری جان! اور نہ اتنی فرصت۔'' انہوں نے پورا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کرتے ہوئے کہا۔
''جانے دیں۔ ابھی آپ نہ بچپن کی ہیں اور نہ کوئی اپنے بچپن کی باتیں یونہی بھول سکتا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ آپ
سے شیئر نہیں کرنا چاہتیں۔'' اس نے گلہ کرنے والے انداز میں کہا تو میڈم یاقوت اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگیں۔
''اس لئے تمہیں خود سے اتنے برس دور رکھتی ہوں۔'' ان کی نظریں علی الاعلان کہہ رہی تھیں۔
''کچھ نہیں ہے میرے پاس شیئر کرنے کو......... یہ فضول سی کہانیاں سننے کا شوق تمہیں اس عمر میں کہاں سے پیدا ہو گیا
آرام سے کھانا کھاؤ۔''
اور اس کے بعد لائبہ سے مزید کچھ پوچھا ہی نہیں گیا۔ بلکہ کھانے کے دوران ہی اس اسٹوپڈ جہانگیر ہمدانی کا فون آ گیا
نے ہر اہم و نازک موڑ پر انٹری مارنے کی قسم کھا رکھی تھی۔
وہ جلتی کڑھتی انہیں ہنس ہنس کر فون پر باتیں کرتے دیکھتی رہی۔ اور اسے کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔
رات کو کمرے کی وہ دوبارہ تلاشی لے چکی تھی۔ وہاں ڈائری تو کیا ایک سادہ ورق تک نہیں ملا تھا۔ گھر اتنا بڑا تھا کہ
گھر کو تو چھان پھٹک نہیں سکتی تھی، مگر اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ ہے......... کچھ ایسا اس سارے معاملے میں، جو اس سے
صورتی و ہوشیاری سے چھپایا گیا ہے۔
کیا.........؟ یہاں آ کر اس کا دماغ تھک جاتا۔
'اوہ......... میرے خدایا! مجھے یہ پہلے کیوں نہیں سوجھا۔' خیال آنے پر وہ یک دم اُچھل ہی تو پڑی۔
'وہ انیکسی والی بڑھیا۔' اس کے دماغ میں کیسا اسپارک ہوا تھا۔
'وہ بڑھیا یقیناً بہت کچھ جانتی ہے۔ بہت زیادہ۔' وہ جلدی جلدی بالوں میں برش کرتی سوچتی باہر آ گئی۔
اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے بے زاری سے فون اٹھایا۔ دوسری طرف اسامہ تھا اور اس سے بات کرنے
بے تاب۔ جب کہ وہ اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی اور اسامہ سے تو خاص طور پر۔
''پلیز اسامہ! ہم بعد میں بات کریں گے۔ اس وقت میں بے حد مصروف ہوں۔'' اس نے رُکھائی سے کہا۔
''ایک بہت اہم اطلاع، آئی مین نیوز تھی میرے پاس۔'' اسامہ نے اس کے رُوکھے لہجے سے ہمت نہیں ہاری۔
''میں نے کہا نا، پھر بات کریں گے۔ رات کو کر لینا فون۔ یا میں فارغ ہو کر کر لوں گی۔ بائے!'' اس نے انتہائی
سرد مہری سے جواب دیا اور فون رکھ کر باہر آ گئی۔
باہر کاریڈور بالکل ویران پڑا تھا۔ وہ لان سے گزرتی ہوئی انیکسی کی طرف بڑھی۔
سہ پہر کی تیز دھوپ، لان کے آخری کناروں پر پھیل چکی تھی اور اب اپنا آپ سمیٹتے ہوئے دیواروں کی منڈیروں پر
تھی۔ سنہری دھوپ میں ہری گھاس کے رنگ میں عجیب سا سنہرا پن آ گیا تھا۔ وہ سنہری گھاس کو روندتی تیزی سے آگے بڑھ
رہی تھی۔
اندر سے ملازمہ بھاگتی ہوئی باہر آئی اور لائبہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔
''آپ جی.........'' وہ لائبہ کو ادھر دیکھ کر گھبرا گئی۔
''کیوں......... میں نہیں آ سکتی ادھر؟''
''جی......... جی نہیں......... جی ہاں......... وہ.........'' وہ اچھی خاصی بدحواس ہو رہی تھی۔
''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ اس کے یوں بدحواس ہونے پر تیزی سے اندر کی طرف بڑھی۔
''جی بی بی! وہ ابھی ڈاکٹر صاب کو بلایا ہے۔'' وہ پیچھے آتے ہوئے متوحش لہجے میں بولی۔
''کیوں، کیا ہوا اولڈ لیڈی کو؟'' وہ اندر کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔
''جی پتہ نہیں......... میں تھوڑی دیر پہلے آئی......... دوپہر کا کھانا جوں کا توں رکھا تھا اور......... میں ابھی موجود تھی
بھی کہہ رہا تھا جی.........''

"کیا؟" وہ اب کمرے میں پہنچ چکی تھی۔
"یہ......کہ یہ بوڑھی عورت مر چکی ہے۔" وہ اٹک اٹک کر بولی۔
"کیا......؟" لائبہ کے حلق سے چیخ سی نکلی اور اس نے ہاتھ بے ساختہ منہ کے آگے رکھ لیا۔
سامنے بوسیدہ پلنگ پر وہ لیٹی ہوئی بغور دیکھنے پر بمشکل محسوس ہو رہی تھی۔ اور اس کے سر تک اوڑھی چادر۔
لائبہ یک ٹک اُس کے مُردہ جسم اور کھلی آنکھوں کو دیکھتی گئی جیسے وہ کھلی، زندگی سے محروم آنکھیں اس کا تمسخر اُڑا رہی ہوں۔
"لو اب معلوم کر لو مجھ سے سارے بھید......سارے اسرار۔"
لائبہ سر پکڑ کر بیٹھتی چلی گئی۔

❋⊙......⊙❋

"میں نے تمہیں یہاں اپنے ایک بے حد ذاتی کام کے لئے بلایا ہے اور وہ تمہیں کرنا بھی ہوگا۔ اگرچہ مجھے معلوم ہے، یہ بہت مشکل بلکہ ناممکن سا کام ہے مگر شاید......تم اگر ہامی بھر دو تو کوئی امید نکل آئے، ورنہ تو ناممکن ہے۔" وہ ڈوبی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔
"کیا کام ہے؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔
"بتاتی ہوں۔" اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ وہ بے چینی سے اس کے بات شروع کرنے کا منتظر تھا۔
"یہ ایک بھولی بسری کہانی ہے۔ سمجھو میری زندگی۔ اور کہاں سے شروع کروں؟......کہانیاں شروع کرنا ہمارے بس میں ہوتا ہے اور ان کا اختتام......شاید کسی کے بھی بس میں نہیں ہوتا۔ دیکھا نہیں، اکثر کہانیاں کسی بھی نتیجہ خیز اختتام کے بغیر یونہی abruptly (عجلت میں) بغیر کسی منطق کے ختم ہو جاتی ہیں، کسی بھی عبرت آموز سبق کے بغیر۔ قدرت بہت سی کہانیوں کو ادھورا، نامکمل چھوڑ کر اس کے مرکزی کرداروں کو چپکے سے منوں مٹی تلے دبا دیتی ہے۔"
"یہ کیا اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں تم نے؟ جس کام کے لئے بلایا تھا، وہ بولو۔" وہ اتنی لمبی تمہید پہ بگڑتے ہوئے بولا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
"تو سنو پھر۔ میری عمر اس وقت پانچ چھ سال یا اس سے کچھ آگے پیچھے ہوگی۔" وہ ماتھے پر انگلی پھیرتی عمر کے اس دور میں چلی گئی۔ وہ بغور سن رہا تھا۔

❋⊙......⊙❋

"نانو! آپ اُتریں۔ یہاں گاڑی پارک کرنے کی کوئی مناسب جگہ نظر نہیں آ رہی۔" عزہ نے گاڑی گھر کے آگے روکتے ہوئے زلیخا نو سے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔
"لو، اِدھر ہی کھڑی کر دو۔ گھر کے آگے اگر کسی کا آنا جانا بھی ہوا تو اتنی چوڑی گلی ہے۔ سڑک ہی سمجھو۔ تم گاڑی یہیں رہنے دو۔" وہ کھلے دروازے سے نیچے اُترتے ہوئے بولیں۔
"نہیں نانو! یہ راستہ تنگ ہوگا۔ یہ گلی کے باہر کی طرف جو خالی پلاٹ ہے، وہاں کھڑی کر آتی ہوں۔" وہ ان کے اُترتے ہی گاڑی بیک کرتے ہوئے بولی۔
"اے دھیان سے تالا لگا کر، اچھی طرح دیکھ بھال کر کھڑی کر کے آنا۔ آج کل تو کمبخت چور اُچکے، تالا لگی گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں اُچک کر لے جاتے ہیں اور کہیں ہم غریبوں پر ملبہ پڑتا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے گھر کے کھلے دروازے میں اندر داخل ہو گئیں۔
"کیا بادشاہ کی سرائے ہے۔ جس گھڑی جو بھولا بھٹکا آئے، سب کے لئے دروازے چوپٹ کھلے۔ ہاں بھئی، ڈر وہاں کس چیز کا ہے، کسی قیمتی چیز کے لئے کا خوف جنہیں دہلاتا ہو، وہی کنڈی چٹخنی کا دھیان رکھتے ہیں۔ اِدھر تو سب سے قیمتی مال ہی اپنے ہاتھوں لٹا چکے تو خوف خیال کیسا؟" چوکھٹ کے اندر قدم رکھتے ہی انہیں خود سے چلے آنے کی سبکی کا احساس ستایا تو اس احساس کو زائل کرنے کے لئے وہ اُلٹا بولتی چلی گئیں۔
ربیعہ پانی کا خالی گلاس ہاتھ میں لئے احسن مراد کے کمرے سے نکل رہی تھی۔ دادی کو یوں بکتے جھکتے گھر کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو لحہ بھر کو وہیں تھم سی گئیں۔
"ابو!......ابو! دیکھیں تو، کون آیا ہے۔" اسے فوری طور پر یہی خیال سوجھا کہ احسن مراد کو سب سے پہلے اطلاع کی جاتی۔
"کیا ہو گیا، کون آ گیا؟ کیا تیری ماں آ گئی واپس دادی کو لے کر؟ کیا ہوائی گھوڑے پر گئی تھی، اُڑتی اُڑاتی جو منٹوں میں آ بھی گئی؟" احسن مراد نے ہاتھ میں پکڑی کتاب بیزاری سے سینے پر اُلٹی کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، امی تو ابھی نہیں آئیں، دادی آ گئی ہیں۔'' ربیعہ، باپ کی کرسی کے پیچھے کھڑی ہو کر بولی۔

''ہاں بھئی، چودھویں صدی ہے۔ سمجھو، قیامت قرب آ گئی۔ نہ چھوٹوں میں شرم و حیا اور بڑوں کا خوف، ادب اور بڈھوں کھوسٹوں میں انا، خودداری، حیا...... تھوکے کو چاٹنا پڑتا ہے بھیا! جب جھاٹا چٹا ہو جائے تو عقل، دانائی سب چوپٹ! نقشِ پا پہ چلتے جس اکڑ اور غرور سے نکلے تھے، اس سے نظریں چراتے ڈھیٹ، بے شرموں کی طرح پھر آ پڑے ہیں ایسے بے غیرتوں کی بھلا کیا عزت افزائی ہوگی، جو کوئی استقبال کو ہی آگے بڑھ کر دو حرف ملامت کے ہی پھوٹ دے'' ندامت اور شرمندگی کو یوں بول بول کر دوسرے کے منہ پر ملا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں۔ احسن مراد کرسی اور ربیعہ کا سہارا لنگڑاتے ہوئے اُٹھے، دو قدم ماں کے استقبال کو بڑھے۔

''السلام علیکم اماں جان! ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں لنگڑا، معذور خود اپنا آپ نہ ڈھوسکوں تو کسی کے پیچھے کیا جاؤں منت ساجت کرنے۔ ارد گرد والوں پر زور تھا، سو دن رات چیختا چلاتا اور اپنا خون جلاتا تھا کہ کوئی جا کر میری پیاری اماں جان کو لے آئے۔ فون تو کمبخت اس گھر کا کبھی زندہ ہوا ہی نہیں۔ جب دیکھو، عدم ادائیگی کے کفن میں لپٹا بے زبان پڑا ہوتا ہے۔ کئی بار اس ناہنجار کی منت کی۔ اور آپ کی بہورانی...... اس میں تو انا اور خودداری آپ سے بھی کئی گنا زیادہ کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔'' ماں کو کندھوں سے پکڑ کر اپنے پلنگ پر بٹھاتے ہوئے خود بھی پاس ہی بیٹھ گئے۔

ان دو تین قدموں میں ہی ان کی سانسیں بے ہنگم سی ہو گئی تھیں، جس کی وجہ کمزوری یا کوئی بیماری نہیں تھی بلکہ ماں کو سامنے پا کر اور جھوٹ سچ کی لفاظی کو ملاتے ہوئے وہ جوشِ جذبات میں اچھے خاصے بے حال ہو گئے۔

اور اس لفاظ کا نتیجہ خود ان کے سامنے آ بھی گیا۔

ثریا بانو دونوں ہاتھ ان کے سر پر رکھے اب ان کا ماتھا چوم رہی تھیں۔ دونوں کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔

ثریا بانو نے جھٹ سے بیٹے کا سر اپنے بوڑھے سینے سے لگا لیا۔

''آج دس ہزار منتوں کے بعد گئی ہے، سبعہ کو لے کر آپ کو منانے، یا سمین۔ میرا تو مانو کھانا پینا، ہنسنا بولنا سب چھٹ چکا۔ ایک تو پہلے گھر پر قیامت ٹوٹی، دوسرے آپ نے ایسی بے رُخی برتی۔ اماں جان! بھلا اس سارے میں مجھ غریب کا کیا قصور؟ خود جانے کیسے زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔ میرا کسی پر زور ہی کب ہے۔ نہ اولاد پر، نہ ماں پر۔ جس کا جی چاہتا ہے، ٹھکرا دیتا ہے مجھے۔'' احسن مراد نے لہجے میں زمانے بھر کی مظلومیت بھرتے ہوئے کچھ ایسی روہانسی آواز میں کہا کہ ثریا بانو کو لگا، کسی نے ان کے کلیجے سے مٹھی بھر لی ہو۔

''ماں صدقے، ماں واری۔ ہاتھ نہ کاٹ ڈالوں، اس نامراد کے، جو میرے لعل کو ستانے کے لئے آگے بڑھیں۔ میرا اکیلا بھر کا دکھیارا۔ کوئی اسے ستا کر تو دیکھے۔ احسن! ابھی تیری ماں زندہ ہے۔ مت دل برا کر...... تیری اولاد، تیری گھر والی جو جی چاہے کرے، سیاہ کرے، سفید کرے، عزت بیچے، لٹائے، خریدے، مول لے یا سب کچھ بیچ چوراہے سجا کر بیٹھ جائے، قسم خدا کی اب ثریا بانو پروا نہیں کرے گی۔ اب تو اس بڑھیا کو چار کاندھے ہی اس گھر کی دہلیز کے پار لے کر جائیں گے، جو میں بھی اب اپنے جگر کے ٹکڑے کو چھوڑ کر جاؤں...... مت پوچھ، کیسے اتنے دن تڑپ تڑپ کر گزارے۔ تجھے دیکھے بغیر جو میری صبح ہوئی تو رات، کہاں اتنے دن؟...... بس بہت ہی دعائیں کی، میرے خدا! میرے بچے پر اب مزید کوئی آفت نہ بھیجنا...... کوئی کچھ بھی کہے، میرا احسن ماں کا سدا کا فرماں بردار ہے۔ میری ماںتا ہی نہیں، میری قبر کی مٹی بھی گواہی دے گی۔ میرے بچے کر ماں کا فرماں بردار اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ میں ہی تھڑدلی اپنے جذباتی پن میں تجھے بھول کر چل دی۔ اب نہیں جاؤں گی۔''

وہ مرغی کی طرح احسن مراد کو اپنے سینے میں یوں سمیٹے بیٹھی تھیں جیسے اب خود سے کبھی جدا ہی نہیں کریں گی۔

''آج بھی نہ وہ عزہ بچی خواہش ظاہر کرتی ادھر آنے کی، دیکھو تو، ان ظالموں نے اس مظلوم پر کیا ظلم توڑا۔ احسن! میں تجھے کیا بتاؤں۔ ادھر تو اور ہی کہانی چل رہی ہے۔''

انہوں نے خود ہی احسن کا سر اپنے سینے سے اٹھاتے ہوئے انکشاف کرنے والے انداز میں کہا اور مزید بولنے سے پہلے اُدھر دیکھنے لگیں۔ لیکن احسن منتظر نظروں سے ماں کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا...... کیا اماں جان! آپ کچھ بتا رہی تھیں؟'' وہ زیادہ دیر صبر نہ کر سکے تو بول ہی پڑے۔

''ائے ہے، عالی اور سارہ کے تو وہی جھگڑے، وہی بدمعاشیاں۔ اس کا میں کیا قصہ سناؤں۔ تُو بھی جانے اور یہ زمانہ بھی۔ پر نئی بات تو یہ ہوئی......'' وہ ذرا سا ان کی طرف جھکیں۔ ''لڑکی بائی ہو گئی۔''

''لڑکی...... کون سی لڑکی؟'' احسن قطعاً نہ سمجھے۔

''ائے ہے، احسن! بولا گیا ہے؟ اپنی عزہ کی بات کر رہی ہوں۔ عجیب پر اسرار سرگرمیاں دیکھیں میں نے تو جاتے ہی اس

کی۔ نہ ماں کو ہوش، نہ باپ کو خبر......اور بھانڈا پھوٹ گیا۔'' وہ احسن کے کندے پر ہاتھ مار کر بولیں۔

''کیسا بھانڈا؟'' ان کا دل دھڑکا۔

''راتوں کو دیر سے گھر آتی، باپ سے چھپ چھپا کر۔ ماں کی بلا شیری تھی......اللہ جانے یہ آج کل کی بد بخت ماؤں کو کون سی وبا آگئی ہے، جوان بیٹیوں کو شہسواروں کی طرح خود میدان مارنے گھر سے نکال باہر کرتی ہیں۔ راتوں کو باہر رہنے لگی۔ اب بتاؤ مجھے، کوئی راتوں کو باہر کسی نیک، پاک کام دھندے کے لئے تو نہیں نکلتا نا۔ پھر لڑکی ذات اور جس حلیے، لباس میں بن ٹھن کر، گاڑی لئے باہر نکلتی، میرا تو پہلے ہی دن ماتھا ٹھنک گیا۔ دو ایک بار اشاروں میں سارہ سے کہا بھی، مگر وہ بی بی تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتیں۔ پھر میں نے بھی دل میں کہا، میری جوتی کو پروا ہو۔ پر وہی ہوا۔ ایک رات میں اللہ جانے کہاں سے آرہی تھی، کیا چکر تھا، باپ نے پکڑ کر جوان جہان لڑکی کو پہلے تو خوب مارا پیٹا، پھر کمرے میں بند کر کے تالا لگا دیا۔ ہائے، مت پوچھو میرے دل کی تڑپن......جو بھی کہو، ہے تو اپنی نواسی، میری پوتی بھی ہے۔ کلیجہ منہ کو نہ آوے......سو بار سارہ سے کہا، وہ بے چاری خود دوسرے دن بیٹی کی منت پر اتر آئی۔ اس نے اُلٹا اندر سے دروازہ بند کر لیا اور......اس پہ......وہ کہاں گئی؟ گاڑی کھڑی کرنے گئی تھی۔'' یکدم انہیں خیال آیا کہ عزہ ابھی تک اندر نہیں پہنچی۔

''اے ربیعہ! دوڑیو ذرا، دیکھنا تو یہ عزہ باہر ہی کہیں رہ گئی بابا! بڑی ذمہ داری کی گھڑی ہے، جو تیری دادی اپنے ان بوڑھے کندھوں پر دھر لائی ہے۔ جا میری بچی! دیکھ ذرا جا کر اس بے مہار چھوکری کو۔'' انہوں نے فوراً ربیعہ کو دوڑایا اور خود پریشان سی بیٹھی رہ گئیں۔

احسن مراد اور ثریا بانو بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ربیعہ تھوڑی دیر میں واپس آگئی۔

''دادی! باہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' اس نے جان لیوا خبر دی آکر۔

''ہائے، میں مر گئی۔'' انہوں نے بے ساختہ دو ہتڑ اپنے سینے پر دے مارے۔ ''احسن! یہ کیا ہو گیا؟......تیری ماں دو کوڑی کی نہیں رہ جائے گی۔ وہ عالی، سارہ......میری ہڈیاں چھوڑ دیں گے، وہ نہ ملی تو۔ مجھ بڑھیا کی عقل......حیف ہے اس پر۔ خوامخواہ جانے اس بار اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر جوش میں آگئی اور سینہ ٹھونک کر اسے ساتھ لئے، ماموں کی پناہ میں دینے آگئی۔ جیسے ماموں بڑا کوئی ڈی سی لگا ہے۔ ہائے ربیعہ! چل میرے ساتھ۔ دیکھیں اس کو۔ نامراد کیسا چکمہ دے گئی مجھ بڑھیا کو۔'' وہ سینے پر ہاتھ مارتی، ربیعہ کے ساتھ باہر نکل گئیں۔

ان کا واویلا باہر سے بھی سنائی دے رہا تھا۔

''اماں جان کی بھی حد ہے۔ اب پل بھر میں کیا سارے خزانے کو خبر کریں گی یوں واویلا کر کے۔ ربیعہ!......اور ربیعہ!'' احسن نے لنگڑاتے ہوئے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا اور پھر دھم سے اپنی کرسی پر گر گئے۔ ربیعہ نے شاید دادی کے واویلے میں ان کی پکار کو سنا ہی نہیں۔

''او میرے خدا! اب یہ کیا ہونے جا رہا ہے؟......ایک اور کہانی......مکافاتِ عمل نہیں ہے۔'' انہوں نے بے اختیار اپنا سر تھام لیا۔

✲⊙......⊙✲
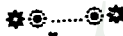
یاسمین، رکشے والے کو پیسے دے کر کھلے گیٹ کی طرف بڑھی تھیں کہ انہیں سارہ کے خوب اونچا اونچا بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔

''جاؤں کہ نہ جاؤں؟'' ان کے قدم وہیں ٹھٹک گئے۔

''امی! کیا بات ہے؟ چلیں نا۔'' سعیعہ نے دھوپ کی شدت سے گھبرا کر متذبذب کھڑی ماں سے کہا۔

''ہوں......ہاں۔'' وہ پسینہ پونچھتی، اِدھر اُدھر دیکھ کر رہ گئیں مگر قدم پھر بھی آگے نہ بڑھائے۔

''چلیں نا۔'' اب کے سعیعہ نے باقاعدہ ماں کا بازو گھسیٹ کر آگے کیا۔

''حرام خورو!......کتو! تمہیں بوٹیاں نوچنے کے لئے یہاں بٹھا رکھا ہے؟......نمک حرامو! جس تھال میں کھاتے ہو، اسی میں چھید کرتے ہو۔ ایک ایک کو آج نکال باہر کرے گا تمہارا صاحب۔ یونہی نہیں تمہیں ہر مہینے مٹھی بھر بھر ہرے نیلے نوٹ تھماتا وہ۔'' سارہ کی بدکلامی ہر حدود کو زنانے سے توڑتی آگے بڑھ رہی تھی کہ ان کی نظر گیٹ کے پاس آکر رکی یاسمین اور سعیعہ پر پڑی۔ ایک جیسے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ ان کی نظروں سے نکلتی چنگاریاں یاسمین کو دور ہی سے سلگانے لگی تھیں۔ انہوں نے سعیعہ کو بازو سے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''بڑی جلدی خبر ہوگئی، جو یوں چسکا لینے چلی آئی۔ بڑا اچھا ہاتھ کیا، اماں جان نے ہمارے ساتھ۔ اتنے دن یہاں کس طرح رکھا۔ وہ طعام، وہ آرام پہنچایا بڑی بی کو جوان کے بڑوں نے اپنے خواب میں بھی سوچا نہیں ہوگا۔ یہ انعام، یہ صلہ دیا نے۔ خوب! ماں میری اور وفادار کسی اور کی...... کیا منہ دکھاؤں گی میں محمود کو۔ ہائے! کس جنم کا بدلہ لیا میری سگی ماں نے میرے ساتھ...... یا اللہ! یہ گھڑی دیکھنے سے پہلے مجھے موت کیوں نہ آگئی؟'' وہ طیش میں بولتے بولتے یک دم رونے لگیں۔

یاسمین کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں۔ یہاں رک کر سارہ سے اس ساری چیخم دھاڑ کی وجہ پوچھیں یا سعیعہ کو لے کر فوراً گیٹ سے نکل لیں۔ مگر نکل جانا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔

یاسمین نے ایک ترحم بھری نگاہ خود پر اور دوسری سر پکڑ کر روتی سارہ پر ڈالی۔

''سارہ! کیا ہوا ہے؟ کیوں ایسے رو رہی ہو؟ میں تو اماں جان کو لینے آئی تھی۔'' وہ ساری ہمتیں جمع کر کے چند قدم آگے بڑھاتے ہوئے نرم آواز میں بولیں۔

''اماں...... اماں جان...... سچ بتاؤ مکار عورت! تم نے اماں جان کو کس مشن پر ادھر بھیجا تھا؟...... کس جرم کا بدلہ لیا ہو مجھ سے؟'' سارہ آنسو جھٹک کر، چہرہ صاف کرتے ہوئے پھر سے چلانے لگیں۔

اور یاسمین تو ان کی الزام تراشیوں پر یوں سُن سی ہوئیں کہ لمحہ بھر کو کچھ سمجھ ہی نہ سکیں۔

''م...... میں نے...... میں نے بدلہ لیا تم سے؟...... کس بات کا؟'' ٹوٹ ٹوٹ کر لفظ ان کے لبوں سے نکلے تھے۔

''تمہاری بیٹی اپنے کسی...... کے ساتھ بھاگ گئی...... ارے یہ تم نیچ کلاس کا سب سے کامیاب پتا ہے، جو تم بیٹیوں کے ذریعے چلتی ہو۔ اور یہ الگ بات، پھر بھی قسمت نے تمہارے دن نہ پھیرے۔ تم رہیں وہی مفلوک الحال فقیرنی، مانگنے والی...... دوسروں کے گھروں میں نقب لگانے والی۔ یہاں کی دولت کسی طرح ہاتھ نہ آئی تو تم نے ادھر ہماری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی منصوبہ بندی کی۔'' سارہ کو خود پتہ نہیں تھا کہ وہ غصے اور پریشانی میں کیا اول فول بکے جا رہی ہیں۔

ان تیروں کی طرح الزامات کی بوچھاڑ میں زخمی ہوتی یاسمین تو یوں کھڑی تھیں، کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

سعیعہ کے ہاتھ پر ان کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہوتی ہوتی بالکل ختم ہوگئی۔ ان کے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں یوں لٹک رہے تھے جیسے کسی نے جسم سے کاٹ ڈالے ہیں۔

''دفع ہو جاؤ، اب یہاں کیا لینے آئی ہو؟ اب تُو لینے کو ادھر کیا بچا ہے؟...... نکلو...... نکلو یہاں سے۔'' وہ غصے میں چلا رہی تھیں۔

نوکر جو ذرا دیر پہلے ان کے غصے کا ہدف بدلتے دیکھ کر بہت آہستہ وہاں سے کھسک گئے تھے، یاسمین انہیں دوبارہ بلانے لگی تھیں۔

''امی! چلیں نا یہاں سے...... چلیں بھی۔'' سعیعہ نے پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑی ماں کو جھنجوڑا۔

بادامی رنگ کی گھسی ہوئی چادر کے ہالے میں یاسمین کا ادھیڑ عمر گندمی چہرہ، دھوپ اور گرمی کی حدت سے سرخ ہوتا ہوا رنگ بدل سا گیا تھا۔ ماتھے اور کانوں کے اطراف بہتی پسینے کی دھاریں اور پتھرائی ہوئی آنکھیں۔ شاید وہ گرنے کو تھیں۔

سعیعہ نے بازو کے حلقے میں ماں کو لیتے ہوئے وہاں سے گھسٹنا شروع کیا۔

''امی! چلیں...... چلیں نا۔'' وہ انہیں کھینچتی، گھسیٹتی کہے جا رہی تھی۔

''تماشا دیکھنے آئی ہیں ہمارا...... ابھی آتی ہوں، اماں جان کے ساتھ تو وہ کروں گی، جو وہ عمر بھر یاد رکھیں گی۔ خوب مزہ چکھاؤں گی اس کو اس کی خدمت گزاری کا...... بہو نے دھکے مار کر گھر سے نکالا تو میں نے سمیٹا، اس دن کے لئے......'' سارہ پاگلوں کی طرح چلا رہی تھیں۔

سعیعہ کے ساتھ گھسٹتی یاسمین کو اب ان کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، صرف بازگشت سی تھی یا آوازوں کا شور...... کوئی مفہوم نہیں ہوتا...... کوئی مطلب نہیں۔ یاسمین کی غیر ہوتی حالت نے سعیعہ کے ہاتھ پیر پھلا دیئے۔ وہاں دور دور تک رکشہ سواری کچھ بھی نہیں تھا۔

''امی! آپ یہاں بیٹھیں۔ میں دیکھتی ہوں کوئی رکشہ وغیرہ۔'' ایک بند کوٹھی کے گیٹ کے دوسری طرف بنی کیاری کے بڑے پتھر پر سعیعہ نے ماں کو بٹھایا۔ وہاں چھاؤں بھی تھی۔ مگر پیاس...... پیاس سے جیسے دونوں کے حلق میں کانٹے سے اُگ آئے تھے۔

''یہاں معلوم نہیں، کوئی سواری ملے گی بھی یا نہیں۔ امی! آپ ٹھیک ہیں نا؟'' سعیعہ کبھی اِدھر اُدھر دیکھتی اور کبھی ماں کی طرف۔

اسی وقت سیاہ رنگ کی لمبی سی گاڑی ان کے پاس سے گزری۔

ایئر کنڈیشنڈ گاڑی کے نم شیشوں سے پرے سعیعہ نے محمود عالم کو بیٹھے دیکھا۔

انہوں نے بائیں طرف بیٹھی یاسمین اور کھڑی سنیعہ پر ایک اچٹتی، اجنبی سی نظر ڈالی اور چند قدم آگے کھلے گیٹ کے اندر اپنی گاڑی لے گئے۔

"معلوم نہیں کیوں آ گئی تھیں آپ ادھر، ان سنگ دلوں کے پاس۔ خود ہی آ جاتیں دادی۔ پتہ نہیں کیا بکواس کیے جا رہی تھیں، پھر ایسی بے ہودہ باتیں........ اب یہاں سے کوئی سواری بھی نہیں ملے گی۔ ادھر ہی انسانوں کے ویرانے میں گرمی اور پیاس سے جائیں گے ہم۔" سنیعہ جھنجلائے ہوئے لہجے میں بڑبڑا رہی تھیں۔

اسی وقت وہی سیاہ گاڑی پھر سے ان کے پاس سے گزری۔ اب ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ پہ سارہ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے آنکھوں پر سیاہ گلاسز لگا رکھے تھے۔ نہ بھی لگا رکھے ہوتے تو بھی انہوں نے کون سا ان دونوں مفلوک الحال ماں بیٹی کو دیکھ لینا تھا۔

گاڑی اسی طرح تیزی سے ان کے پاس سے گزر گئی۔ کتنے خاموش، بے حس سے لمحے خاموشی سے سرک گئے۔

دھوپ میں وہ تندی نہیں رہی تھی یا ان کے دل پہ دھوپ کی تپش سے بھی جھلسا دینے والا کوئی احساس غلبہ پا چکا تھا۔ ذلت اور تذلیل کے یوں سر عام پیروں تلے کچلے جانے کا احساس۔

دونوں اسی ذلت بھری چپ کو سہتے ہوئے ایک دوسرے سے نظریں چرائے بالکل خاموش تھیں۔

"چلو سنیعہ! یہاں سے کوئی سواری نہیں ملے گی۔ مین روڈ سے ملے گی۔" یاسمین یوں اٹھ کھڑی ہوئیں جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بالکل خاموش چلنے لگیں۔

ان کے ساتھ میں سن سن کرتی دھوپ کی شعاعیں تھیں یا پھر ذلت بھرا احساس۔

✲ .... ✲

"تم لوگوں نے اس کی گمشدگی کے بارے میں کوئی اشتہار نہیں دیا؟"

"دیا تھا........ بابا تو یہی کہتے ہیں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"مگر اب اسے تلاش کرنا تو اور بھی ناممکن ہے، وہ بھی اتنے سالوں بعد۔"

"میں جانتی ہوں۔ نہ جانتی ہوتی تو تم سے کس لئے سر پھوڑتی؟" وہ چڑ کر بولی۔

"یہ سر تو تمہیں مجھ سے تمام عمر پھوڑنا ہی ہے۔ چاہے تم مانو یا نہ مانو۔" وہ ہنس کر بولا۔

"نہیں تنزیل! یہ ممکن نہیں۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولی۔

"کیا ممکن نہیں........ سر پھوڑنا یا مجھ سے پھوڑنا؟"

"دو باتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں۔" وہ اسی طرح سنجیدہ تھی۔

"کون سی دو باتیں؟" وہ الجھا۔

"تمہارا اس معاملے میں ساتھ بھی دینا اور پھر عمر بھر کا ساتھ۔" وہ تھوڑا سا سانس بھر کر بولی۔ "یہ ممکن نہیں۔ ان لوگوں کو بے نقاب کرنے کے بعد شاید ہی میں زندہ بچ سکوں۔ اور اگر بچ بھی گئی........ تو میں خود سے ایسا نہیں چاہوں گی۔"

"کیوں؟" وہ اسے گھور کر بولا۔

"تنزیل! میں کسی بھی طرح سے تمہارے قابل نہیں ہوں۔ میرا شرمناک ماضی اور یہ غلیظ جاب جسے دھندا کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ اگر تم کسی طرح مجھے مجبور کر بھی لیتے ہو تو میں عمر بھر اپنے جسم و جاں پر لگی یہ غلاظت مل مل کر دھوتی بھی رہوں تو تمہارے ایک پل کے ساتھ کے بھی قابل نہیں ہو سکوں گی۔ تم آج مجھ سے ایک وعدہ کرو۔" وہ مضطرب سی ہو کر بولی۔

"کوئی الٹا سیدھا وعدہ ہی ہو گا۔" تنزیل بڑبڑایا۔

"جو بھی ہو........ تم مجھے اپنے ساتھ کے لئے مجبور نہیں کرو گے۔" وہ اس کی بڑبڑاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"اور اگر میں وعدہ نہ کروں؟" وہ اکھڑ پن سے بولا۔

"تو سوری! میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گی۔ کل رات بھی نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"تو گویا تمہیں خود اس دلدل میں دھنسے رہنے کا نشہ ہو چکا ہے۔" وہ طنز سے بولا۔ عائشہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔ اس کی آنکھیں لمحوں میں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

"اب یہ رونا دھونا کیوں؟" وہ اس کے ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں پر جھنجلا کر بولا۔

"تنزیل! اگر تم مجھ سے سچی محبت کرتے ہو تو کبھی میرے ساتھ کی تمنا نہ کرنا۔ میں تمہارے ساتھ قدم بھر بھی نہ چل سکوں گی۔ بس، تمہاری یہ خواہش میری باقی عمر بسر کرنے کے لئے سب سے ٹھوس جواز ہو گی، پلیز!" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''اچھا! اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔ سرِ دست کام کرنے کے لئے تم نے مجھے بلایا تھا۔ اگر تمہارے بابا کی تصویر کے ساتھ اشتہار دے دیا جائے تو کیسا ہے؟'' وہ اس کا دھیان دوسری طرف لگاتے ہوئے بولا۔

''بالکل بھی ممکن نہیں۔ ایک تو میڈم یاقوت مجھے اس کی اجازت نہیں دیں گی۔ پھر اشتہار........ معلوم نہیں اب وہ کہاں ہے اس ملک میں یا کہیں اور۔ جبکہ بابا........ ان کی تو جیسے سانسیں اٹکی ہیں اس کے لئے۔'' وہ مایوسی سے بولی۔

''اوہو، بھئی تو اب ہتھیلی پر سرسوں تو نہیں جمائی جا سکتی۔ جو کوائف اور کہانی تم بتا رہی ہو، گویا سولہ سترہ سال یا اس سے بھی ایک برس اوپر نیچے لگا لو، کیسے کسی کو محض نام اور کم عمری کی تصویر کی بنا پر ڈھونڈا جا سکتا ہے؟'' وہ جھلاتے ہوئے سامنے میز پر پڑی تصویر اٹھا کر پھر سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر یہ بات میری سمجھ میں آجاتی تو میں خود سے نہ یہ مسئلہ حل کر لیتی؟ تمہیں کیوں زحمت دیتی؟'' عائشہ چڑ کر بولی۔

''کبھی اس کا کوئی خط، فون، کوئی اطلاع کچھ؟''

''نہیں........ کچھ بھی نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ خود بھی تم لوگوں سے ملنا نہیں چاہتا۔''

''ہاں ظاہر ہے۔ میری امی کا سلوک ہی اس کے ساتھ اتنا بدنما تھا کہ وہ جب بھی یاد کرتا ہوگا، اگر زندہ ہوا تو اسے ہم سے نفرت بھی محسوس ہوتی ہوگی۔ مگر میں بابا کا کیا کروں؟ جب ان کے سامنے جاتی ہوں، ان کی نظروں میں ایک ہی سوال ہوتا ہے۔ اور جب میں نظریں چرا لیتی ہوں تو منہ سے پوچھ لیتے ہیں۔ جھوٹی تسلیاں دیتے دیتے میں تھک گئی ہوں۔''

اسی وقت اس کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔ وہ یک دم سیدھی ہوئی اور موبائل اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''یس میم........ جی میں بس نکل رہی ہوں........ جی، بس تھوڑی دیر میں........ جی۔'' وہ خاموشی سے سر جھکائے، پلکیں جھپک جھپک کر شاید میڈم یاقوت کی مغلظات کو جی جی کرتی اپنے کانوں میں انڈیل رہی تھی۔

تنزیل بے چین سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ میں پکڑی تصویر جیب میں رکھی اور عائشہ کے فون بند کرنے کا انتظار کرنے لگا۔ فون بند کر کے وہ اپنا بیگ سمیٹتی کھڑی ہو گئی۔

''کر دی اس میڈم نے طبیعت صاف؟'' وہ طنز سے بولا۔

''ہوں........ میں کیا کروں؟ بابا کے ہاسپٹل ہونے کی وجہ سے میں ذرہ برابر اپنی جاب کو ٹائم نہیں دے پا رہی۔ اس وقت مجھے آفس میں ہونا چاہئے تھا۔ اچھا! اب تم یہ ساری باتیں دھیان میں رکھنا، میں موقع ملتے ہی تم سے خود رابطہ کر لوں گی۔ اوکے، چلتی ہوں۔ سوری! تمہیں ڈراپ نہیں کر سکتی۔'' وہ خود سے سب کچھ کہتی جلدی جلدی سب سمیٹ کر تنزیل پر آخری اچٹتی نظر ڈالتی ہاتھ ہلاتے باہر نکل گئی۔

'اونہہ!' تنزیل نے کرسی کے پائے کو زور سے ٹھوکر لگائی۔ 'اس میڈم کا علاج ہو جائے گا۔ فقط چند گھنٹے۔' وہ خون کھولاتا، بڑبڑاتا باہر نکل آیا۔

باہر سڑک پر ٹریفک ضرورت سے زیادہ تھی۔ بس اسٹاپ ادھر سے کافی دور تھا مگر اسے بھی جلدی نہیں تھی۔ رات تو ہو چکی تھی مگر ایسی گہری نہیں۔ اسے کل رات کا شدت سے انتظار تھا، جب........

اس کے قریب کوئی گاڑی ہارن بجاتی گزری اور پھر سست ہوتی رک گئی۔ تنزیل نے چونک کر دیکھا۔

گاڑی میں بیٹھا شخص بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

✿ ✿........✿ ✿
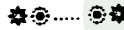
''اس ڈیل کا پرافٹ میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو چکا ہے نا؟'' وہ اپنے میک اپ کو آخری ٹچ دے رہی تھی، جب جہانگیر ہمدانی اندر داخل ہوا اور تانیہ نے بڑے بے نیاز سے انداز میں پوچھا۔

''میری جان! کیوں اتنی حسابی کتابی ہوتی جا رہی ہو؟'' اس نے تانیہ کے ہوش ربا جلوے سے گھائل ہوتے ہوئے بے ساختہ پیچھے سے بازو اس کی نیم برہنہ کمر کے گرد حمائل کرتے ہوئے منہ اس کی عریاں گردن پر رکھا ہی تھا کہ تانیہ نے ایک زور کا جھٹکا دیتے ہوئے اسے خود سے دور ہٹایا کہ اگر وہ آخری لمحے میں خود کو سنبھال نہ لیتا تو یقیناً ڈریسنگ ٹیبل پر اوندھا ہو کر گرتا اور ڈھیر سارا نازک، کاسمیٹکس کی کھلی خوشبودار شیشیاں یقیناً اس کی مزاج پرسی کر چکی ہوتیں۔

''حسابی کتابی ہونا پڑتا ہے ڈیئر! تمہاری شاگرد ہوں، تم ہی سے سیکھا ہے یہ حساب کتاب کہ تانی ڈیئر! ایک کیس کے اتنے ریال، ایک کے اتنے ڈالر، ایک منٹ کے اتنے پونڈ........ اب استاد جی! یہ سارا حساب کتاب لگا کر مجھ سے بات کیا کرو کہ اتنے ریال، پونڈ اور ڈالر ہیں جیب میں۔'' وہ اس کے یوں لڑکھنے اور پھر بے ساختہ سنبھلنے اور بوکھلانے پر بچوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

ہنستی چلی گئی تھی۔
جہانگیر ہمدانی یہ کوفت بھری ذلت پہلے تو دانت کچکچا کر باہر اُگلنے کو تھا، مگر پھر اس بے انتہا حُسن لٹاتی، چھلکتی گاگر سے اُڈتی موتی موتی بکھرتی خوشبوئیں لٹاتی اور جہانگیر ہمدانی کے مضمحل اور آخری دم والے گڑگڑاتے انجان کی ساری رفتار کو مختل کرتی، تانیہ مراد کو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی کھنکتی ہنسی اور چنچل شوخی نے اس سے اپنی ذلت کا احساس بھی چھین لیا تھا۔
"تو دیکھ لیا پھر میری استادی کا کرشمہ۔ دیکھو ذرا آئینے میں اپنے اس قیامت لٹاتے حُسن کو، جسے سات گز کی بُکل میں چھپا چھپا بڑی دولت کما رہی تھی......خزانے پہ سانپ بنی بیٹھی تھی......" وہ پھر اس کے قریب آنے لگا۔
تانیہ نے اب کے اسے پرے دھکیلنے کے بجائے نخوت سے ناک چڑھاتے ہوئے اپنے موبائل کو اٹھایا اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔
جہانگیر ہمدانی ایک بار پھر حسرت بھری پیاسی نگاہوں سے اسے تکتا رہ گیا۔
"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" کوئی نمبر ملا کر وہ کان سے موبائل لگاتے ہوئے بولی۔
"کون سی بات؟" جہانگیر نے ترسی ہوئی نظروں سے تانیہ کو دیکھا اور آہ سی بھرتا کرسی پر بیٹھ گیا۔
"پرافٹ کی بات کر رہی ہوں۔ مجھے پاکستان پیسے بھجوانے ہیں اور ابھی نکلنا بھی ہے عمادالدین کی طرف۔" وہ پھر سے نمبر ری ڈائل کر کے کان سے لگا چکی تھی۔
"اپنے پینتالیس فیصد شیئرز میں سے پندرہ فیصد کا حصے دار بنایا ہے میں نے تمہیں۔ مگر یہ مت بھولو کہ پچپن فیصد کی اکیلی مالک یاقوت ہے۔ اور میں کسی بھی ڈیل کے بارے میں اسے انفارم کئے بغیر اِدھر اُدھر پرافٹ کی بندر بانٹ نہیں کر سکتا۔" وہ انگور کھٹے ہیں، کی تفسیر بنا اب کے ذرا بدلحاظی سے بولا۔
تانیہ نے کھٹ سے فون بند کر دیا۔
"یہ ڈیل میڈم یاقوت کی کمائی ہے نہ اس کی مشقت کا صلہ، جسے اب کوئی دو چار سو کے عوض بھی خریدنا پسند نہ کرے، سنا تم نے۔ یہ ڈیل تانیہ مراد کے خون پسینے کی کمائی ہے، جسے تم دونوں بغیر کسی محنت کے اپنے حصے میں ڈالنا چاہتے ہو تو یاد رکھو، یہ میں نہیں ہونے دوں گی۔ میری محنت کی کمائی صرف میری ہوگی۔ اس میں ایک روپے کی بھی ہیرا پھیری کی تو سارا کچا چٹھا بیچ چوراہے کھڑے کی طرح پھوڑ ڈالوں گی۔ مجھے وہ سات گز کی بکل میں لپٹی، تھر تھر کانپنے اور تم جیسے بڈھے گِدھ کی منتیں کرنے والی تانیہ مت سمجھنا۔" وہ خونخوار انداز میں چلاتی اس کے اوپر چڑھ دوڑی۔
"مگر پارٹنرشپ، پارٹنرشپ ہوتی ہے۔ اس کے اصول......"
"شٹ اپ! مجھے یہ اصول، قاعدے مت سمجھاؤ۔ میں تم سے زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔ شرافت سے میرا حصہ میرے اکاؤنٹ میں جانا چاہئے، ورنہ مجھ سے تم کسی قسم کی خیر کی توقع نہ رکھنا۔" وہ بے لحاظی سے آخری حد پھلانگتی، اسے دھمکاتی اپنا بیگ سمیٹنے لگی۔
"چھ بجے عمادالدین کا ڈرائیور آئے گا مجھے لینے، بلکہ آتا ہی ہوگا۔ تم کیا یہاں ہی پڑے رہو گے؟ نکلو اب یہاں سے۔ بلاوجہ منہ اٹھائے، بغیر اجازت کے چلے آتے ہو۔ واپس آ کر باہر اپنے لئے کوئی گارڈ رکھواتی ہوں۔ سچی بات ہے، اب مجھے کسی پر بھروسہ نہیں رہا۔ سمجھو خود پر بھی نہیں۔ جانے اگلے پل میں کیا کر ڈالوں۔ کیوں ڈارلنگ!" وہ بڑے آرام سے پینترا بدلتے ہوئے بولی تو جہانگیر ہمدانی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔
"بڑی جلدی بڑی اونچی ہواؤں میں اُڑنے لگی ہو میری جان! مگر اتنا اونچا مت اُڑنا کہ پَر جل جائیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا، جو تمہارے اس کمزور بدن سے پر جوڑ سکتا ہے، وہ انہیں کتر بھی سکتا ہے۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے میری باربی ڈول! تمہیں اس لائن میں آئے۔ اتنے اونچے اونچے دعوے نہ باندھو، ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گی۔" وہ اسے تنبیہ کرتا، دھمکاتا کھڑا ہو گیا۔
"ہونہہ......جب کچھ نہ بن پڑے تو پھر دھمکیوں سے کام لینا چاہئے۔ ہے نا؟" وہ آخری بار اپنا بیگ چیک کرتے ہوئے لاپرواہی سے بولی۔
اسی وقت نیچے سے گاڑی کا ہارن بجتا سنائی دیا۔
"اچھا سنو! تمہارا عمادالدین کے ساتھ ایک ہفتے کا ٹرپ ہے۔ اس کے بعد اگر وہاں رکنا چاہو یا شاپنگ وغیرہ، تو وہاں شارجہ میں میرا اپارٹمنٹ ہے، رکنا چاہو تو وہاں رک جانا۔ یہ اس کی چابیاں ہیں۔ اور یہی دینے آیا تھا میں۔ ورنہ مجھے ضرورت نہیں منہ اٹھا کر چلے ہوئے کارتوسوں کے دیدار کرنے آؤں۔" وہ جتانے والے انداز میں بولا۔
"جانے دو جہانگیر ہمدانی! انگور کھٹے ہیں۔ ہے نا؟" وہ پھر سے وہی قاتل ہنسی ہنس دی۔ "اور یہ چابیاں......تاکہ تم جب چاہو، آدھمکو۔"

"مجھے یہاں بھی آ دھمکنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ تو میں تمہارے ناز نخرے، تمہاری دل لگی سہہ رہا ہوں تو اس کا غلط مطلب نکالو۔ چلتا ہوں میں۔ اپنا خیال رکھنا۔" وہ کہتے ہوئے اسے الوداعی بوسہ دینے کو آگے بڑھا اور اس کے قریب آنے سے پہلے ہی دوسری طرف سے ہو کر ہاتھ ہلاتی اس سے پہلے باہر نکل گئی۔

"سمجھتی کیا ہے خود کو۔ پہلے تو بہت برداشت کیا تھا میں نے خود پر کہ ان چھوئے مال کی قیمت ہی اور ہوتی ہے۔ اب بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے میں حرج ہی کیا ہے؟ ہو آؤ میری جان! عمادالدین کے پاس سے۔ پھر لیتا ہوں اپنا حصہ۔ آخر اور کچھ نہیں تو تمہیں مارکیٹ میں انٹروڈیوس کرانے کا سہرا کس کے سر ہے؟ اور قسم اللہ پاک کی، جو پرافٹ کے نام پر ایک دھیلا بھی ابھی تک دھولا ہو سب وصولوں گا میری جان! بمعہ سود کے۔ واپس آ جاؤ تم۔" وہ کھڑکی میں کھڑا اسے گاڑی میں سوار جاتے دیکھ کر جاتا گویا منصوبہ بندی کرنے لگا۔

❁●......●❁
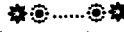
"دائم! جا رہے ہو آفس؟" وہ ان سے مل کر ہی نکلا تھا، پھر بھی جانے انہیں کیا یاد آیا کہ پھر اسے پکار کر بولیں۔

"جی مام! کوئی بات ہے؟" وہ جاتے جاتے پلٹ آیا۔

"ہاں۔ دو باتیں۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"کون سی بھلا؟" وہ ان کی مسکراہٹ دیکھ کر خود بھی مسکراتا پاس چلا آیا۔

"ایک تو تمہارے پاپا آ رہے ہیں۔ رات ان کا فون آیا تھا۔ اسی ہفتے کی ٹکٹیں کنفرم ہو گئی ہیں ان کی؟"

"اسامہ بھی آ رہا ہے؟"

"بالکل.......وہ بھی آ رہا ہے۔" وہ بہت خوش تھیں۔ دائم کو ان کے تاثرات دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی تھی۔

"مستقل آ رہے ہیں نا پاپا؟"

"یہ تو میں نے بھی ان سے پوچھا تھا، مگر وہ ٹال گئے۔ یقیناً ابھی وہ مستقل نہیں آ رہے۔"

"اور دوسری بات؟" دائم نے بے چینی سے گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، دوسری بات اس سے بھی زیادہ خوشی کی ہے۔" وہ اس بار مسکراہٹ دبا کر بولیں۔

"تو جلدی بتائیں نا پھر۔" وہ عجلت میں بولا۔

"ایسے نہیں۔ پہلے ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو۔" وہ مزہ لینے کے سے انداز میں بولیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"چلیں، اب تو بتا دیں۔"

"تمہارے پاپا نے بھی یہی بات سوچی اور میں نے بھی۔" وہ پھر سے اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"او ہو۔ یہ تو مجھے بچپن سے پتہ ہے، آپ دونوں اکثر ایک ہی بات کو سوچا کرتے تھے اور اکثر اکٹھے آپ دونوں کے منہ سے نکل بھی جایا کرتی تھی۔ اب اتنے دور بیٹھ کر بھی آپ دونوں کی ٹیلی پیتھی والی حس اتنی شد و مد سے کام کر رہی ہے تو مام! مجھے تو حیرت نہیں۔ اب بتا بھی چکیں۔" وہ بے صبرے پن سے بولا تو وہ ہنس دیں۔

"بھئی اس بار تمہارے پاپا مستقل آئیں یا چند دنوں کے لئے، ہم دونوں اس زندگی کا سب سے اہم اور سب سے زیادہ خوشی دینے والا فریضہ انجام دینے کے موڈ میں ہیں۔" وہ پھر سے بات ادھوری چھوڑ کر بولیں۔ دائم کو جھلاہٹ سی ہونے لگی۔

"کون سی خوشی؟........حد کرتی ہیں مام!"

"تمہاری شادی میری جان!.......وہ بھی جھٹ پٹ۔" وہ اس کے کان کی لو کھینچتے ہوئے چونچال سے بولیں۔

دائم کے چہرے کا رنگ لمحہ بھر میں بدلا تھا۔

"کوئی پسند ہے تو بتا دو، ورنہ ہم یہ کام بھی خود کر لیں گے۔ وہ بھی جھٹ پٹ۔"

"کیا کوئی ریڈی میڈ لڑکی ہاتھ آ گئی ہے، جو سب جھٹ پٹ کر لیں گے؟"

"یہی سمجھ لو۔" وہ رازداری سے بولیں۔

"اگر مجھے کوئی پسند ہو تو؟"

"اس سے اچھی بات تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔" وہ اور بھی خوش ہو کر بولیں۔

"او کے، تو پھر تیار رہیے گا۔ میں شام کو آپ کو ان کی طرف لے چلوں گا۔ آپ میری پسند کو دیکھئے گا اور پھر پسند کیجئے گا۔" وہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آر یو سیریس یا مذاق کر رہے ہو؟"

"توماما اس میں مذاق کی گنجائش نہیں........ میں سیریس ہوں۔ وہ مجھے واقعی پسند ہے۔"
"کون؟" وہ متجسس ہو کر بولیں۔
"یہ آپ کو شام کو پتہ چلے گا۔ او کے بائے، میں اب چلتا ہوں۔" وہ انہیں متجسس چھوڑتا باہر نکل گیا۔
"لیکن ماما اس کے لئے میری سب سے ضروری کنڈیشن بھولیے گا نہیں۔" وہ اسی طرح واپس آ کر بولا تھا کہ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔
"کون سی شرط؟" وہ ناسمجھی سے بولیں۔
وہ آہستگی سے آگے بڑھا اور دوزانو ان کے پاس بیٹھ گیا۔
"میں کسی سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر اس وعدے کو ایفا نہ کر سکا تو پھر میری باقی کی تمام زندگی اور اس کے سب اختیار ان کے ہوں گے۔ میں اپنے ہر اختیار سے خود بخود دستبردار ہو جاؤں گا۔ پلیز یاد رکھیے گا۔" اس کے لہجے میں کیا کچھ نہیں تھا۔ ڈاکٹر شدہ تڑپ کر رہ گئیں۔
"نہیں میری جان! میں تمہیں جھوٹا پڑنے دوں گی نہ یونہی کسی کی جھولی میں ڈالوں گی۔ تم میرے ہو اور میرے ہی رہو گے۔ اس یقین نے تو مجھے حوصلہ بخشا ہے کہ میں اس ناممکن کو ممکن کر دکھاؤں۔ میں تمہارا وعدہ نبھاؤں گی۔ چاہے تاوان میں مجھے اپنی جان کیوں نہ دینی پڑے۔ یہ اب میرا ہیڈیک ہے۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔"
انہوں نے کچھ ایسے تسلی بھرے انداز میں دائم کو دلاسا دیا کہ وہ مزید کچھ بول ہی نہ سکا اور انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔
اس نے راستہ بھر دو تین بار عزہ کے سیل پر رابطہ کرنے کی کوشش کی کہ اسے اپنی ماما کے ساتھ شام کی آمد کے بارے میں بتا سکے گر رابطہ ہی نہ ہو سکا۔
"شاید سگنل پرابلم ہو۔" اس نے کوشش موقوف کر دی۔
آفس میں اسے لنچ بریک کے دوران پھر یاد آیا تو اس نے عزہ کا چہرہ دھیان میں لاتے ہوئے گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس کا نمبر ملایا۔
"لیں!" رابطہ فوراً ہی ہو گیا۔ دائم کو اس کی آواز سنتے ہی لگا جیسے تمام جہان کی موسیقیت نے اس کی سماعتوں میں رس گھول دیا ہو۔
"جناب! کدھر گم ہو؟ فون کر کر کے تھک گیا ہوں۔ کون سے بکھیڑوں میں اُلجھی ہو کہ ہمیں ہی بھول گئیں۔ اچھا، اب ریڈی ہو جاؤ، شام کو میں اپنی مدر کے ساتھ باقاعدہ......" اپنی ترنگ میں مسلسل بولتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ دوسری طرف لائن بے جان ہے۔ اس نے رک کر ہیلو کہا۔
ایک گمبھیر خاموشی نے جیسے اس کی ہنسی اُڑائی۔ اس نے دوبارہ نمبر ملایا۔
عزہ کا سیل آف ہو چکا تھا۔
"تو گویا وہ مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔ کیوں؟" اُس کی فراخ پیشانی عرق آلود ہو گئی۔
اس نے سیل ٹیبل پر ڈال دیا۔
"اور جو میں شام کو ماما کو لے کر جاؤں اور وہ کچھ اُلٹا سیدھا بول دے اور نہیں تو سارہ عالم، وہ تو میری شکل دیکھنے کی روادار نہیں۔ مجھے دیکھ کر خوامخواہ بھڑک اُٹھیں تو ماما کے سامنے کیا امیج بنے گا ان لوگوں کا۔ مجھے انکل محمود سے بات کرنی چاہئے۔"
اس نے سوچتے ہوئے محمود عالم کا نمبر ٹرائی کیا۔
پہلے تو نمبر ملا ہی نہیں رہا تھا اور جب ملا تو انہوں نے بھی ہیلو کہنے کے فوراً بعد اپنا سیل بند کر دیا۔
"یہ کیا چکر ہے؟" وہ بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر ٹہل کر کچھ سوچتا رہا، پھر ایک فیصلے پر پہنچ ہی گیا۔
"مجھے خود ہی جانا چاہئے، فوراً۔" وہ چابیاں اور دوسری ضروری چیزیں لیتا عجلت میں باہر نکل گیا۔

❁◉......◉❁
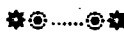
جس وقت یاسمین اور سنیعہ گھر کے دروازے پر پہنچیں، سارہ اور محمود عالم سخت غصے میں ان کے گھر سے باہر نکل کر دروازے کے آگے کھڑی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔
ان دونوں کو دیکھ کر انہوں نے اسی نفرت بھری نظروں کا تبادلہ کیا اور گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔
یاسمین کو لگا، اب تک گزاری ہوئی زندگی اور آئندہ آنے والے سالوں میں وہ کبھی عزت کے اس درجے کو نہیں پا سکیں گی، جس کا خواب بننے سے لگائے ایک عمر انہوں نے صبر شکر اور متانت سے گزار دی تھی۔
"سب کار رائیگاں تھا یا کچھ تھا ہی نہیں، صرف میری خوش گمانی اور کچھ بھی نہیں۔"

وہ شکستہ قدموں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئیں۔ سامنے احسن مراد اور ثریا بانو بالکل چپ کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔
ثریا بانو کو دیکھ کر یاسمین کو یاد آیا کہ وہ تو انہیں لینے "عالم ولا" گئی تھیں اور تضحیک کے ٹکڑے جھولی میں سمیٹ لائی تھیں۔
"احسن! قربِ قیامت ہے۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے...... ایک کے بعد دوسرا...... پہلے تانیہ کا واقعہ...... اور اب عز...... اور کس مہارت کے ساتھ وہ چھوٹی سی لڑکی مجھے جُل دے گئی اور ماں باپ اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہیں کہ مجھے علم نہ ہو، وا کہاں ہے۔ احسن! کیا میں اتنی جھوٹی اور میری بات اتنی بے وزنی ہے کہ یہ اسے کچھ سمجھتے ہی نہیں یا واقعی میں ان کی ماں نہیں، دشمن ہوں۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بول رہی تھیں۔
احسن مراد نے خالی خالی نظروں سے سوال کرتی ماں کی طرف دیکھا اور کسی قسم کی تردید یا تائید نہیں کی۔
"کہیں ایسے بھی ہو جاتا ہے نا احسن! کہ ہمارا ایک عمل برا یا اچھا ہماری پوری زندگی کے میزان کو بدل ڈالتا ہے۔ مرنا عمل۔"

"کیا عمل اماں؟" احسن غائب دماغی سے بولے۔
"ان واقعات کے اوپر تلے ہونے سے احسن! تجھے کچھ خیال آیا بالکل بھی؟" وہ کچھ اچنبھے سے بولیں۔
"کیسا خیال؟" احسن اسی کیفیت میں تھے۔
"اچھی بھلی ہماری نیک، شریف بچیاں۔ رزقِ حلال سے ہر ممکن طور ہم نے ان کی پرورش کی، سو فیصد خالص رزق۔ انہیں کا فرق تو بندہ خشوع و خضوع سے کی گئی عبادت میں بھی چھوڑ دیتا ہے۔ بشر جو ہوا۔ ہماری نسلوں کی عزت آن کی آن میں...... سمجھ میں نہیں آتا احسن! سوچتی ہوں تو دماغ چکرانے لگتا ہے۔" وہ سر کو جھٹکا سا دے کر بے بسی سے بولیں۔
"کیسی سوچیں اماں؟" احسن اب کے اُکتا کر بولے۔
"ایک ہی عمل کیا تھا۔ برا یا شاید بدترین...... میں نے...... تُو نے...... ہم سب نے۔ اور پھر اس پر سالوں کی گرد ڈال ہم سب زندگی کے چکر میں اُلجھ گئے اور سب بھول بھال گئے۔ پھر دن ڈھلے شام ہوئی اور رات سر پر آئی تو میں نے مصلیٰ اور تسبیح لی۔ سالوں کی عبادت و ریاضت نے دل میں یقین بھر دیا کہ اب تو پیدا کرنے والے کو بخشنا پڑے گا، مجھ نیکوکار کو...... جو را کیں، گناہ کیے ان چند سالوں کی عبادت نے دھو ڈالے۔ پر نہیں...... احسن! سب غارت ہو گیا، مٹی میں مل گیا۔ مجھے اب ا ہونے لگا ہے۔" وہ مسلسل نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے جا رہی تھیں۔ آواز یوں تھی، جیسے خود سے سرگوشیاں کر رہی ہوں۔
"کیا ہے اماں! کیسی اوٹ پٹانگ، اُلجھی اُلجھی باتیں کر رہی ہو؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"
"کتنا وہ روئی تھی ہمارے آگے۔ کیسے گڑگڑائی تھی۔ قسمیں، واسطے...... پیروں پڑی میرے، تیرے، ہم سب کے...... ہم سب پتھر...... پتھر کے بن گئے تھے۔ یاد ہے نا تجھے سب، احسن! یاد ہے نا وہ رات......؟" وہ سامنے دیوار کی طرف دیکھتی کھوئی کھوئی سی تھیں، جیسے اس رات کے منظر نامے کو اس دیوار پر چلتے پھرتے دیکھ رہی ہوں۔
"کون سی رات؟" ثریا بانو کے لفظوں کا سحر تھا کہ احسن مراد کو بھی کچھ یاد آ گیا تھا۔ رک رک کر بولے۔
"وہ اندھیری طوفانی رات جب وہ ہم سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔ روتے، گڑگڑاتے اور ہم...... نہیں میرے مولا! بھول کی سزا اس دنیا میں نہیں...... نہیں اس دنیا میں ہی سہی، روزِ حشر کیسے سامنا کریں گے...... کیا کریں؟" وہ سر پکڑ کر گھگھیا لگیں۔

ذرا سی آہٹ پر انہوں نے مڑ کر دیکھا۔
آغا جان ان کے دائیں طرف ساکت کھڑے تھے۔ ثریا بانو نے ایک جتاتی نگاہ ان پر ڈالی اور منہ پھیر لیا۔
وہ آہستہ آہستہ بوجھل قدموں سے چلتے گھر سے باہر نکل گئے۔ وہ تینوں اپنی اپنی جگہ ساکت بیٹھے رہ گئے جیسے آنے والے ر کی ہولنا کی کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ کوئی بے چاپ قدموں سے ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کون؟
تینوں نے بے چین ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔
کوئی بھی نہیں تھا۔ صرف دن کی روشنی میں گھلتی شام کی سیاہی اور اُترتی رات کے سناٹے۔

✻......✻
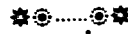
"تم...... تم یہاں کیوں آئی ہو......؟" میڈم یاقوت آفس میں داخل ہوتے ہی اپنی کرسی پر بیٹھی، لائبہ کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گئیں۔

"کیوں، کیا میرے یہاں آنے پر پابندی ہے؟" وہ چڑ کر بولی۔
"کب آئی تھیں؟" وہ متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولیں، جیسے بے حد پریشان ہو گئی ہوں۔

"او، کم آن ماما میں تو کافی دیر سے آئی بیٹھی ہوں۔ آپ جانے کدھر ہیں؟ ایک نیوز ہے آپ کے لئے۔ شاید گڈ کہ بیڈ۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہولو!" ان کا سگار کیس کی طرف بڑھتا ہاتھ رک گیا۔

"وہ آپ کی ایکسی والی بڑھیا مر گئی۔" لائبہ ان کے چہرے پر نظریں جما کر بولی۔

"معلوم ہے مجھے۔" وہ بے سکون ہوئے بغیر بولیں تو لائبہ کو سخت مایوسی ہوئی۔

"ماما میں گھر میں فارغ رہ کر بور ہو چکی ہوں۔ پلیز! اپنے آفس میں میرے لئے کوئی کام نکالیں۔" وہ ذرا دیر بعد بولی۔

"تم واپس جانا چاہتی تھیں۔ کہو تو ٹکٹ کروا دوں؟" وہ اس کی فرمائش ٹال کر بولیں۔

"نہیں، ابھی میں نہیں جانا چاہتی۔ اگر جاؤں گی بھی تو آپ کو ساتھ لے کر۔" وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

"آ جاؤں گی میں بھی........ اب تو بس چند دنوں یا ہفتوں کی بات ہے۔ سب کچھ سمٹنے والا ہے۔ بس یہ دائم۔" وہ لبوں میں بڑبڑائی تھیں۔

"کیا ہوا دائم کو؟" لائبہ نے سن لیا تھا۔

"معلوم نہیں۔ دو ایک دن سے نہ آ سکا۔ کوئی فون آیا نہ خود ہی آیا ہے۔ مجھے......" وہ ڈاکٹر رخشندہ کا ذکر کرتے کرتے رک گئیں۔

"تو آپ چلی جاتیں۔" وہ جتانے والے انداز میں بولی۔

"ہاں چلو، دونوں چلتے ہیں۔ ابھی تو وہ آفس میں ہی ہوگا۔" وہ عجلت میں کہتے ہوئے باہر کی طرف بڑھیں۔

"ماما پلیز، مجھے اس عورت کے بارے میں کچھ تو بتائیں۔" وہ ان کے پیچھے آتے ہوئے بولی۔

"کیا جاننا چاہتی ہو؟" ان کا لہجہ یکدم سرد ہو گیا۔

"وہ کون تھی؟ آپ کی کیا لگتی تھی؟ اور آپ کے گھر میں، آپ کے ساتھ یوں کسی........ آئی مین deserveperson (بیکار) کی طرح کیوں رہتی تھی؟ اور آج اچانک سے مر بھی گئی۔ اور آپ کو اس کے مرنے پر ذرا سا بھی دکھ نہیں ہوا۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے ایک ہی سانس میں سارے سوال کر ڈالے۔

"لائبہ! وہ عورت میری کچھ بھی نہیں تھی۔ کوئی رشتہ نہیں تھا میرا اس عورت کے ساتھ۔ کیوں رکھا تھا میں نے اسے اپنے گھر میں منتی کی طرح........ وہ یہی سلوک deserve کرتی تھی۔ اس نے جو کچھ میرے ساتھ کیا، اس کے بعد وہ اسی سلوک کی مستحق تھی کہ اسے میں کسی بے تحاشا چلتی ٹریفک والی سڑک کے بیچوں بیچ ڈال دیتی یا کسی ٹرین کی پٹڑی پر۔ مگر میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، اس لئے کہ شاید جو سلوک ایک ظالم بادشاہ نے ایک خارش زدہ کتے کے ساتھ رحم کھا کر کیا تھا اور اس ایک عمل کی بدولت وہ بخش دیا گیا تھا، میں نے بھی اس کتیا پر یوں رحم کھایا کہ اس کی بدولت خدا میرے بچوں کو سلامتی اور ایک باعزت شاندار زندگی بخش دے۔ اور کوئی مطلب نہیں تھا میرا اس پر رحم کھانے کا۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"اور بس؟" لائبہ جیسے تھک کر بولی۔

"ہاں بس۔"

دونوں کے درمیان خاموشی آ گئی۔ گاڑی میں بے حد خنکی تھی، جس کی وجہ سے ہر ڈھلتی شام میں موسم کیسا تھا، کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

بے اختیار ان کی گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور گاڑی رک گئی۔

میڈم یاقوت نے اپنی طرف والی کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا؟" وہ ڈرائیور سے پوچھ رہی تھیں۔

اسی وقت ایک سال خوردہ بوڑھا ان سے آگے والی گاڑی کی سائیڈ سے ٹکرا کر گرا تھا۔ اگلی گاڑی نے بھی بروقت بریک لگائے تھے۔ چشم زدن میں لوگ اکٹھے ہو گئے۔

میڈم یاقوت نے اُکتائی ہوئی نظروں سے باہر کی جانب دیکھا اور دوسرے ہی پل ان کی نظریں ایک چہرے پر جم گئیں۔

ان کے ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے پر لگے گلاسز کی طرف بڑھے۔ گلاسز اُتار کر انہوں نے بہت غور سے باہر کی طرف دیکھا اور اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر لیا۔

منظر اب بے حد واضح تھا۔ اور وہ چہرہ ان سے چند قدم کے فاصلے پر........

اُن کا دل جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا۔

❀⊙......⊙❀
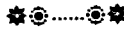
''تو تمہاری بدھ کی سیٹیں کنفرم ہیں؟''
''جی آغا جان! بالکل۔ اسی لئے تو آپ کو فون کیا ہے۔'' دوسری طرف اسامہ کہہ رہا تھا۔
''چلو اچھا ہے، آجاؤ۔ میں ادھر بہت تنہا محسوس کر رہا ہوں خود کو۔'' وہ تھکی ہوئی آواز میں بولے۔
''کیا بات ہے، طبیعت تو اچھی ہے نا آپ کی؟'' وہ تشویش سے بولا۔
''ہاں طبیعت تو ٹھیک ہے۔ بس یونہی عجیب سا اکیلا پن ہے۔ شاید یہ اس عمر کی سب سے لازمی کنڈیشن ہوتی ہے کہ آدمی اور اکیلا پن محسوس نہ ہو، ناممکن۔'' وہ خود ہی ہنس دیئے۔
''اچھا آغا جان! ایک کام تو کریں۔''
''ہاں بولو۔'' وہ پورے دھیان سے بولے۔
''آغا جان! یہاں کوئی فلیٹ یا گھر وغیرہ رینٹ پر دیکھ لیں۔''
''وہ کس لئے؟'' وہ حیرت سے بولے۔
''آغا جان! میں آؤں گا تو جہاں آپ رہ رہے ہیں، اپنے رشتے داروں کے ہاں تو وہاں میرا رہنا تو مناسب نہ ہوگا۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔
''ہاں۔ یہ تو تم نے اچھی بات کی۔ مجھے پہلے اس کا خیال کیوں نہ آیا؟ اب چھ سات دنوں میں ایک دم سے گھر کہاں ملے گا۔'' وہ کچھ فکرمندی سے بولے۔
''آپ دائم سے کہہ دیجئے گا، وہ انتظام کروا دے گا۔ اب تو وہ ادھر اچھا سیٹ ہو گیا ہے۔'' اسامہ نے ان کی فکر دور کی۔
''وہ اپنی طرف رہنے کی آفر کر ڈالے گا۔'' وہ ہنسے۔
''ہاں، یہ تو ہے۔ پھر اسے رہنے دیں۔ آپ خود سے کوشش کر دیکھئے۔ نہ ہوا تو میں فی الحال کسی ہوٹل میں ٹھہر جاؤں گا۔''
''اور وہ مصطفیٰ صاحب تمہارے ساتھ نہیں آ رہے؟''
''آ رہے ہیں۔''
''تو پھر وہ تمہیں کسی ہوٹل میں کیوں ٹھہرنے دیں گے، جب تم ادھر بھی ان کے ساتھ رہ رہے ہو؟''
''ادھر کی بات اور ہے آغا جان! مگر پاکستان میں انڈیپنڈنٹ رہنا چاہوں گا۔''
''تم سب کچھ...... میرا مطلب ہے، مصطفیٰ صاحب سب کچھ سمیٹ کر آ رہے ہیں نا وہاں سے؟''
''سب کچھ تو نہیں لیکن تقریباً۔ اصل میں وہ ابھی ادھر آ کر یہاں کے حالات دیکھنا چاہ رہے ہیں، پھر آخری فیصلہ کریں گے۔''
''اور تم؟''
''میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں جس تلاش میں ادھر آ رہا ہوں، اگر وہ مجھے نہ مل سکی تو شاید میں چند ماہ میں واپس چلا جاؤں۔''
''پھر سے واپس؟'' انہیں شاک لگا۔
''اچھا دیکھیں نا آغا جان! ابھی تو میں آ رہا ہوں۔ آپ دعا کیجئے گا، خدا مجھے میرے مقصد میں کامیاب کرے۔ اپنا خیال رکھیے گا اور گھر کے لئے کوشش کر دیکھئے گا۔''
''اچھا ٹھیک ہے۔ تم بھی اپنا خیال رکھنا۔''
''خدا حافظ!'' انہوں نے موبائل بند کیا اور گہری سانس لے کر ارد گرد پھیلتے اندھیرے کو دیکھا اور بنچ سے کھڑے ہو گئے۔ پارک میں لوگوں کا رش کم ہو رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے پارک سے نکل کر مین روڈ پر آ گئے۔
'جانے یہ اسامہ کو کس کی تلاش ہے اور......'
انہیں پیچھے سے آتی گاڑی نے زور سے ہٹ کیا اور دوسرے پل وہ نیچے گرتے چلے گئے۔

❀⊙......⊙❀
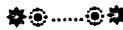
سڑکوں پر پھرتے انہیں دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی مگر ان کی تلاش۔
اس کی تمام دوستوں کے گھر وہ دونوں خود ہو آئے تھے۔ حتیٰ الامکان کرید کرید کر معلوم بھی کر چکے تھے۔ ذرا ذرا سے وقفے بعد گھر فون کر کے بھی معلوم کرتے رہے تھے مگر اس کا کچھ پتہ نہیں تھا۔
محمود عالم نے تو ڈھیٹ بن کر احسن مراد کی طرف بھی دو بار فون کر کے پوچھ لیا تھا۔
وہ کہیں بھی نہیں تھی۔

ان کے کندھے اس لاحاصل تلاش میں یوں گاڑی دوڑاتے دوڑاتے شل ہو چلے تھے۔
سارہ کسی بت کی طرح ساکت ان کے بائیں جانب بیٹھی تھیں، جب وہ گاڑی روک کر کوئی نمبر ملا کے کسی سے بات کرتے وہ بھری نظروں سے شوہر کی طرف دیکھتیں اور پھر ان کے مایوس چہرے کو دیکھ کر منہ پھیر لیتیں۔
وہ دونوں اس اتنے بڑے واقعے کا ملبہ ایک دوسرے پر ڈالے بغیر بالکل چپ تھے، شاید ایک دوسرے کے وجود سے بھی لاعلم!
ل پر آنے والے نمبر نے محمود عالم کو بے اختیار چونکایا۔ ان کے لب بھینچ گئے۔
بیپ بجے جا رہی تھی اور وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔
"ہیلو نا!" سارہ بے چین ہو کر بولیں۔
محمود عالم نے بے ساختہ سیل آف کر دیا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

"کدھر پھر رہے تھے، تم یوں مٹرگشت کرتے ہوئے؟" دائم نے تنزیل سے پوچھا۔ وہ اسے فٹ پاتھ پر اپنے خیال
جاتے دیکھ کر گاڑی روک بیٹھا۔ اور اب وہ اس کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھا تھا، جب دائم نے اس سے پوچھا۔
"کچھ خاص نہیں۔ ایک خاص دوست سے ملنے آیا تھا اور اب واپس جا رہا تھا۔" وہ کچھ بے نیاز سے انداز میں کہہ
دیکھ کر بولا۔

"تمہارا کوئی خاص دوست بھی ہے؟" دائم نے دلچسپی سے پوچھا۔
"ہر کسی کا ہوتا ہے، آپ کا نہیں ہے؟" وہ اُلٹا پوچھنے لگا۔
"دوست تو ہر کسی کے ہوتے ہیں۔ یہ تو اب فیلنگز پر ڈیپنڈ کرتا ہے کہ آپ اسے کس کیٹگری میں رکھتے ہیں۔ خاص
میں۔" دائم نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اور یہ شاید gender پر بھی ڈیپنڈ کرتا ہے۔ ہے نا؟" اس کا انداز اُگلوانے والا تھا۔
"شاید۔" تنزیل نے ٹالنے والے انداز میں مختصراً کہا۔
"اب کدھر جا رہے ہیں؟"
"گھر۔" وہ بھی اسی اختصار سے بولا۔ دائم نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور کچھ سوچنے لگا۔
"آفس میں دل لگ گیا تمہارا؟"
"آفس میں دل لگانے جاتا ہی کب ہوں؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو دائم مسکرانے لگا۔
"بالکل ٹھیک۔ دل تو تمہارا شاید کہیں اور لگ چکا ہے۔" دائم اسے چھیڑنے والے انداز میں بولا۔
"یہ آپ نے کیسے جانا؟ لگتا ہے، ان ہی مراحل سے گزر چکے ہیں۔" دائم اس پورے دورانیہ میں پہلی بار بے تکلف
بولا۔ دائم کے لب پل بھر کو بھنچ سے گئے۔

اسے عزہ کا تکلیف دہ رویہ یاد رہ گیا۔ وہ اس کا نمبر دیکھ کر کال اٹینڈ نہیں کر رہی تھی۔ دن بھر اس نے یہی کیا اور اب
موبائل مسلسل بند تھا اور محمود عالم نے جس طرح اس کی کال شاید بے خیالی میں ریسیو کرنے کے بعد سیل آف کیا تھا۔ اس
اسے خاصا ذہنی دھچکا لگا تھا۔
"اگر آپ مجھے میرے گھر ڈراپ کر رہے ہیں تو اس سڑک سے بائیں ٹرن کرنا تھا۔" تنزیل نے اسے چونکایا۔
"اب تو غلط مڑ چکے، واپس اوپر سے آنا پڑے گا۔ اچھا تنزیل! ایک بات بتاؤ۔" دائم احتیاط سے ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔
"پوچھیں۔"
"تم میڈم یاقوت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"
"یہ سوال شاید آپ پہلے بھی مجھ سے کر چکے ہیں۔ مجھے لگتا ہے، آپ کو اس سے کچھ خاص دلچسپی ہے۔"
"کہہ سکتے ہو۔ بلکہ یوں سمجھو......" وہ کہتے کہتے اس کی طرف دیکھ کر رک سا گیا۔
"جی کہیے۔" لمحہ بھر انتظار کرنے کے بعد تنزیل بولا۔
"تنزیل! میرا ایک مسئلہ ہے۔ ادھر آ کر مجھے اس مسئلے کا بڑی شدت سے احساس ہوا ہے۔" گاڑی کی رفتار اب سست ہو
تھی۔

"کیسا مسئلہ؟" دائم گاڑی سڑک کے ایک طرف روک چکا تھا۔
"میرا یہاں پاکستان میں کوئی دوست نہیں...... ہے بھی...... مگر...... میں اس سے سب دل کی بات نہیں کہہ سکتا۔" اس
نظروں میں لائبہ کا چہرہ آ گیا، جس سے ملے اسے کتنے دن ہو چکے تھے۔
"پھر؟" تنزیل سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"تم مجھ سے دوستی کرو گے۔" اس نے بلا تکلف اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

تنزیل کو دائم سے یک دم ایسی بے تکلفی کی اُمید نہیں تھی۔ وہ جتنا بھی خوددار و بے نیاز بنتا، اپنے اور دائم کے بیچ موجود فاصلے کا بخوبی احساس تھا۔ اس نے دائم کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو ایک نظر دیکھتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

"آپ...... مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہیں، یوں بھی پوچھ سکتے ہیں۔"

"تو کیا تم مجھ سے دوستی نہیں کرنا چاہو گے؟" دائم کو اس سے ایسے سرد رویے کی توقع نہیں تھی، ہاتھ ہٹائے بغیر بولا۔

"لاتی...... جناب! امیر غریب کے بیچ دوستی...... صرف امیر کے مفاد کے حصول تک قائم رہتی ہے، آپ کو بھی مجھ سے...... شاید میڈم یاقوت کے بارے میں کچھ پوچھنا ہے، جس کے لئے اس نام نہاد رشتے کا سہارا لینا چاہ رہے ہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"تنزیل! تم مجھے ایسا سمجھتے ہو؟" دائم کو صدمہ سا ہوا۔ "میں تو سمجھتا تھا، تم بظاہر جتنے رُوڈ لگتے ہو، اندر سے اتنے ہی نرم اور مخلص ہو گے۔ اور جس طرح تم مارے مارے پھرتے ہو ہر طرف، کچھ چہرہ شناس ہو گے۔ پھر جب میڈم یاقوت کے ہاں جاب بھی کر چکے ہو تم نے خود کہا تھا کہ وہ اپنی زندگی کا تلخ ترین تجربہ رہا ہے تو میرے یوں دوستی کے لئے ہاتھ بڑھانے کو تم نے محض ایک ڈیل سمجھا۔ غریب کے بیچ امیر کے مفاد کے حصول کی ڈیل اور بس۔" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولتا چلا گیا۔

تنزیل پہلے تو ان سنا سا بیٹھا رہا اور پھر اس کے بولنے پر جیسے کچھ شرمسار سا ہونے لگا۔

اس نے اگلی کوئی بھی بات کہے بغیر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

اور یہ سچ بھی تھا۔ دائم کے ساتھ اس کی جتنی بھی ملاقاتیں ہوئی تھیں، وہ اسے تمام امیرزادوں سے بہت مختلف لگا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنے اندر پلنے والے کمپلیکس سے اتنی جلدی چھٹکارا کیسے پا سکتا تھا۔

"تو مجھ سے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟" گاڑی کی خاموش فضا میں اس کی آواز نے ارتعاش پیدا کیا۔

"تو تھینکس۔ مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔" دائم ناراضی سے بولا۔

"آپ کی دوستی والی آفر ٹائم لمیٹڈ تھی یا اَن لمیٹڈ ٹائم پیکج کے ساتھ؟" وہ ذرا دیر بعد اشتہاری لہجے میں بولا تو دائم بے ساختہ مسکرا کر منہ موڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کہیں بیٹھ کر چائے پئیں؟" اس نے تنزیل سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہاری ان کے ساتھ کیا دشمنی ہے کہ انہوں نے تمہیں جاب سے نکالا؟" چائے کا آرڈر کرتے ہوئے بھی دائم نے اس سے پوچھ لیا۔ تنزیل گہرا سانس لے کر کچھ دیر چپ رہا۔

"دشمنی کا آغاز میں نے نہیں، میڈم یاقوت نے کیا۔"

اس نے حیرانی سے اس سے پوچھا۔ "ان کی تم سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"یہی بات تو مجھے حیران کرتی تھی۔ انہوں نے مجھے اتنی شاندار جاب میرے اتنے معمولی اکیڈمک ریکارڈ کی بنا پر بغیر کسی وجہ کے دے ڈالی، پھر ان کی نوازشیں، مہربانیاں...... مگر یہ سب چند روزہ ہی تو تھیں۔ پھر انہوں نے مجھے جعلی کیس میں اندر کروا دیا۔ چند دن حوالات کی سیر اور وہاں سے رہائی، ایک انتہائی گھٹیا ترین ڈیل کے بدلے...... کہ وہ ڈیل، وہ رہائی میرے لئے موت ثابت ہوئی۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا...... مرنے کے لئے بے قرار پھر رہا ہوں۔ مگر میڈم یاقوت کو جہنم واصل کرنے کے بعد۔"

اس کے پہلا سوال پوچھنے پر خود کو اچھی طرح سمجھا لیا تھا کہ اسے بولتے ہوئے خاص طور پر اپنی مستقبل کی پلاننگ کی کوئی خبر نہیں کروائے؟" اس کا جذباتی پن، وہ لمحہ بھر میں سارا زہر، اپنا اگلا منصوبہ اُگل چکا تھا۔

طلب اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

جذباتی، تھوڑا سا دیوانہ تو جوان جھوٹا ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ میرا دل کہہ رہا ہے۔ میڈم یاقوت میری ماں ہے یا نہیں، اس تلخ نقطے مجھے اب ہر صورت اس عورت کے وجود کے اسرار سے پردہ اٹھانا ہے اور اس پردے کو سرکانے میں یہ لڑکا میرے بہت کام آ

"کیا یہ عورت تمہارے خیال میں؟" چائے سرد ہوتے ہی اس نے پوری دلچسپی سے تنزیل سے سوال کیا تھا۔

"کا کون یا......؟" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"مجھے تم سے کم از کم سچ کے سوا اور کسی بات کی توقع نہیں...... ہم دونوں کی دوستی کی بنیاد فقط سچ ہی ہونی چاہئے۔" دائم ہنس

''شی اِز اے سپلائر......ایک پورا نیٹ ورک ہے اس کا یہاں، بیرونِ ملک۔ کچھ ایسے شاطرانہ انداز میں اپنا کام کرتی ہے اس کے خوبصورت وجود کے آگے کسی کی عقل کام کرتی ہی نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔
'سپلائر......نیٹ ورک......یہاں......بیرونِ ملک۔' دائم کی سُوئی ان تین لفظوں میں اٹک کر رہ گئی۔
'اور عزہ......عزہ اس کے دام میں آ چکی ہے۔ وہ ایسی ہے یا نہیں، مگر عزہ کا اس کے اتنے قریب جانا......اور اتنا، بہت بڑی گڑبڑ ہونے والی ہے۔'
وہ سوچتے ہوئے بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔
''کیا ہوا؟ چائے نہیں پئیں گے؟''
''نہیں تنزیل! سوری۔ تم کہو تو میں تمہیں ڈراپ کر دوں، ورنہ تم خود......میں بہت سخت ایمرجنسی......میں تمہیں نہیں بتا سکتا، کیا مسئلہ ہے۔ اِف یُو ڈونٹ مائنڈ یار!'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا تھا۔
تنزیل پہلے تو حیران ہوا، پھر کچھ سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلانے لگا۔
''اِٹس اوکے۔ کوئی بات نہیں۔ یہاں سے میرا گھر یوں بھی قریب ہی ہے۔ آپ چلے جائیں۔''
دائم نے اس کا پورا جواب بھی نہیں سنا اور تقریباً بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔
وہ طوفانی رفتار سے گاڑی اُڑا رہا تھا، اس کا رُخ ''عالم وِلا'' کی طرف تھا۔

✲✲......✲✲
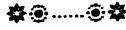
ابھی رات نہیں ہوئی تھی۔ مگر انہیں لگ رہا تھا، ہر طرف گہری سیاہ کالی رات اپنی پوری خوفناکیوں کے ساتھ چھا چکی ہے۔ ایسی سیاہ، اندھیرے والی رات کہ جس کے دامن میں پناہ لینے والا یہ وجود اس سیاہ کالک کا حصہ لگنے لگتا ہے، جو پہچان ہے۔
انہوں نے اسے کہاں کہاں نہیں تلاش کیا تھا، بھری دوپہر سے لے کر۔ مگر اب سیاہ پڑتی شام کی لالیوں تک وہ اسے ڈھونڈ کھوج آئے تھے۔
وہ انہیں ملتی بھی کیسے؟ وہ گم تو نہیں ہوئی تھی، ان سے بچھڑی تھی۔ وہ تو خود انہیں چھوڑ گئی تھی۔
انہیں، یعنی محمود عالم اور سارہ عالم کو......کہ ان دونوں کے وجود زمانے میں نشانِ عبرت بن جائیں۔
انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ادھ جلا سگار ایش ٹرے میں مسل ڈالا۔ سارے کمرے کی تمباکو کی بُو سے بوجھل فضا اُن کی ذہنی کیفیت کی غمازی کر رہی تھی۔
'آخر کیوں؟......میرے ساتھ ہی کیوں؟' انہوں نے دبیز قالین پر پاؤں مارتے ہوئے سخت طیش کے عالم میں خود سے بار بار پوچھا ہوا سوال دہرایا اور ہر بار کی طرح انہیں ایک ہی جواب ملا۔
گمبھیر خاموشی!
مگر نہیں، یہ گمبھیر خاموشی وہ والی چپ نہیں تھی، جو سائیں سائیں کرتی ہے۔ یہ تو بہت بولنے والی، جتانے والی، اُکسانے والی خاموشی تھی، جس کے اندر آوازیں ہی آوازیں تھیں۔ شور ہی شور!
'نہیں، مجھے بہت ٹھنڈے دل و دماغ سے اس سارے مسئلے پر بہت شروع سے سوچنا چاہئے۔ میری ٹریننگ اس طرح کی ہے کہ میں جذباتی ترین مقدمے میں بھی خود کو انوالو نہیں کرتا تو اس مقدمے میں بھی خود کو انوالو کئے بغیر ایک حقیقی تجزیہ کرتے ہوئے سارے واقعات پر از سرِ نو غور کرنا ہوگا۔ عزہ عالم کا باپ بن کر نہیں، ایک عام ناقد، ناظر بن کر مجھے سب کچھ دوبارہ جانچنا ہوگا، شروع سے لے کر آج تک۔'
وہ آرام دہ انداز میں صوفے کی بیک پر پشت ٹکا کر بیٹھ گئے۔ گردن ایک طرف ڈال کر عزہ کے بچپن سے لے کر آج تک کے رویوں اور ان کے ردِعمل، اپنے اور سارہ کے اس سے سلوک اور اس کے رسپانس کا بڑے ناقدانہ انداز میں جائزہ لینے لگے۔
'وہ ایک ذہین ترین طالبہ، نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں میں پوری شدومد سے حصہ لینے والی، محبت، خلوص، سادگی کا مجسم پیکر......فقط ہم دونوں کی محبت بھری کمپنی میں کسی خوش رنگ تتلی کی طرح اُڑنے والی، ہاتھ بھر اُڑان بھر کر خوش ہو جانے والی ایک عام سی، سادہ دل بیٹی، کس طرح اتنے خوف ناک کھیل میں یوں نڈر ہو کر ہمارے سامنے کھڑی ہو سکتی ہے۔ بلکہ ہمارے ہماری لحہ بھر کی چپقلشوں کا جواب، بغاوت سے دیتی ہوئی علی الاعلان یہ گھر چھوڑ کر جا سکتی ہے۔ اور اس کے لئے......اس کے لئے کوئی نہ کوئی پیش کرنے والا ضرور ہے۔'
'سارہ......سارہ نہیں، کچھ بھی ہو، اپنی تباہی کا انتظام خود اپنے ہاتھوں سے نہیں کر سکتی۔ اس کی کالج کی دوستوں میں ایک

کی دوست نہیں، جو اسے اس طرح کی سرگرمی میں انوالو کر سکے۔ وہ سب اچھے گھرانوں....... اُن کی سُوئی اٹک گئی۔
"تو کیا عزہ اچھے گھر کی نہیں؟ .... نہیں نہیں، یہ کسی کو پرکھنے کی کسوٹی نہیں ہو سکتی۔ اسے بہکانے والا، پھسلانے والا، زندگی کی جھوٹی چکا چوند دکھا کر ان تاریک سرنگ جیسی راہوں پر لے جانے والا کوئی اور ہے جو پسِ پردہ ہے۔ عزہ کو کسی کٹھ پتلی کی طرح نچاتے ہوئے اس کی ساری دشواریاں اس غیبی طاقت کے ہاتھ میں ہیں۔
یقیناً یہی بات ہے....... کوئی ہے....... کون؟ اس کا ایسا کوئی استاد، کوئی کولیگ....... بالکل بھی نہیں۔
ہاں، وہ ڈانس اکیڈمی جہاں اس نے مجھ سے چوری چھپے داخلہ لیا تھا اور پھر ادھورا چھوڑ دیا تھا....... وہیں سے منسلک کوئی ہے، جس نے اس پر ایسا جادو کیا ہے کہ اسے اصل نقل کی پہچان بھول گئی ہے۔ فقط اپنی ذات اور خود پسندی نے اسے ہم سے کس درجے دور کر ڈالا ہے کہ وہ گھر چھوڑ کر....... نہیں، نہیں....... مجھے وہیں اس اکیڈمی میں جا کر اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہئے۔'
بے اختیار اٹھتے ہوئے ان کے قدم کو سامنے میز کی ٹھوکر لگی تھی۔
'کیا صرف ظاہری عوامل ہوتے ہیں، جو ایک انسان، ایک خاندان کی پوری اگلی پچھلی زندگی کو برباد کر کے رکھ دیتے ہیں، محمود عالم! کیا فقط ظاہری عوامل؟'
رائٹنگ ٹیبل پر پڑی پتھر کی سیاہ سفید انصاف کی مورتی نے بے اختیار آنکھوں کی پٹی ہلاتے ہوئے پوچھا تھا۔
'تو....... تو اور کیا؟' وہ بوکھلا سے گئے۔
'اس کے علاوہ اعمال، کردار....... اور سب سے بڑھ کر مکافاتِ عمل....... کیا یہ سب کچھ بھی نہیں؟....... اور تم جانتے ہو، قدرت اپنا کام نکلوانے کے لئے کبھی بھی، کسی کو بھی بطور ہتھیار استعمال کر سکتی ہے، خواہ وہ بے ضرر سی، سادہ، بھولی بھالی، معصوم تمہاری بیٹی عزہ ہی کیوں نہ ہو۔ قدرت اپنے فیصلے صادر کرنے اور ان پر عمل کروانے کے لئے ہر طریقہ اختیار کر سکتی ہے۔
تم دونوں کی چپقلشوں اور جھگڑوں پر سہم سہم کر کونے کھدروں میں چھپنے والی عزہ کس طرح سے اتنی بہادر بن گئی یکدم....... لیکن یہ قدرت کا کوئی انتقام تو نہیں....... یا اس کا کوئی گھناؤنا مذاق!
یا تم نے بھی قدرت کے ساتھ کوئی گھناؤنا مذاق کیا ہو؟
یونہی....... بس کھیل کھیل میں....... اور تمہیں تو پتہ ہے، اس معاملے میں قدرت کا حافظہ کس غضب کا ہے۔ بھولنے پر آئے تو عالم کی لغزشوں کو صدیوں تک بھلائے رکھے اور جب یاد کرنے پر آئے تو....... ایک پل میں عمروں کے کھاتے کھول ڈالے۔ سارے حساب، عمر کے گوشے گوشے خانے سے نکال سامنے بچھی کسی تاش کے گیم کے پتوں کی طرح سجا ڈالے۔
'ہو سکتا ہے نا ایسے محمود عالم!' کوئی ہنسا تھا۔ وہ پتھر کی سیاہ سفید مورتی!
اُن کا رنگ اُڑا جا رہا تھا۔
'کبھی ہم چالاکی کرتے ہیں نا تقدیر کے ساتھ، شریر بچوں کی طرح چھپ کر چوری کر ڈالی یونہی چھوٹی سی، کسی کا چھوٹا سا نقصان کر ڈالا....... ایسے ہی معمولی سا....... کسی نے دیکھا بھی نہیں، آستین سے منہ رگڑا اور کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے اپنی راہ چلا گئے کہ کسی نے دیکھا ہی نہیں!
ذرا سوچو، قدرت نے اپنا انتقام لینے کے لئے کیسا بے ضرر کند ہتھیار منتخب کیا ہے کہ تم ذبح بھی ہو رہے ہو اور فریاد بھی نہیں کر سکتے۔ کیا کر سکتے ہو.......؟' اس سیاہ سفید مورتی کی آنکھوں پر تو پٹی بندھی تھی، اس کے سیاہ پتھریلے لب سلے ہوئے تھے تو پھر یہ ساری گفتگو آخر کون کر رہا تھا؟
وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر بولتی، ہنستی، سرگوشیاں کرتی دیواروں کو بے یقینی سے تکے جا رہے تھے اور اپنے پتھر ہوئے وجود کو زمین سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔
"صاحب! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔" ملازم کی آمد کسی فرشتے کے مانند لگی تھی انہیں۔
وہ پیشانی پر آیا پسینہ آستین سے رگڑتے، بھاری قدم گھسیٹتے اس کے پیچھے چل دیئے۔

✲ ● .... ● ✲

وہ ڈسپوزایبل مگ میں کافی لے کر پلٹی اور سنبھلتے سنبھلتے بھی پیچھے اچانک آ کر کھڑے شخص کے ساتھ ٹکرانے سے بچ نہ سکی۔ اور اس کی کافی کا مگ چھلکتے ہوئے اس اجنبی کی سفید شرٹ کو سینے سے نیچے تک داغ دار کرتا چلا گیا۔
"اوہ....... اوہ سوری!....... ویری سوری۔" بے اختیار گھبرائے ہوئے اس کے منہ سے نکلا۔ اور سامنے کھڑا اسامہ کچھ ایسی بے بسی سے کھڑا تھا کہ جواب میں اِٹس او کے یا آل رائٹ بھی نہ کہہ سکا کہ یہاں او کے، آل رائٹ والی کوئی صورتِ حال نہیں تھی۔

اُس کا تمام تر سامان ڈریسز سمیت پلین پر لدا تھا اور اس وقت شرٹ بھی نہیں بدل سکتا تھا۔ اور شرٹ کی حالت یقیناً کے قابل تو رہی نہیں تھی۔

''آپ واش کرلیں۔'' اس کے منہ سے فوری طور پر نکلا۔

''کیا واش کرلوں......؟'' وہ جھلا کر بولا۔ گرم کافی کی فوری جلن تھوڑی سی چبھی تو تھی، مگر اب یہ آکورڈ سچویشن زدہ تھی۔

اس نے عجلت میں ہاتھ میں پکڑا ٹشو آگے کیا۔

اسامہ کو ہنسی آگئی۔ تانیہ کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہوا تو مسکرا کر ہاتھ پیچھے ہٹالیا۔

''ایکسکیوزمی۔ گٹ اے سائیڈ پلیز!'' پیچھے سے آتی آواز نے دونوں کو احساس دلایا، وہ بیچ راستے میں کھڑے ہیں۔

اسامہ نے شرٹ کے اوپر دو بٹن کھولے اور ان میں سے ایک فوری طور پر بند کرلیا۔

''سوری۔ میری وجہ سے آپ کو اس تکلیف سے گزرنا پڑا۔'' تانیہ معذرت کرتے ہوئے بولی۔

اب دونوں راستے سے ہٹ کر ماربل پلر کے ساتھ کھڑے تھے۔

''یہاں کوئی شاپ ہوگی؟ وہاں سے نئی شرٹ لے کر چینج کرلیتا ہوں۔''

وہ دونوں شاپنگ مال ہی میں کھڑے تھے۔ اسامہ کو اپنے کئے گئے سوال کا جواب سامنے ڈریسز شاپ پر نظر پڑتے ہی مل

''ارے تو آپ گھر جا کر چینج کرلیں نا۔ ہاں، اگر شاپنگ کو جی چاہ رہا ہے اور سامنے شاپ سے کوئی چیز پسند آگئی بات ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''محترمہ! میرا گھر یہاں نہیں ہے۔ میرا گھر تو......'' وہ قدرے شوخ انداز میں بول رہا تھا۔ بولتے بولتے اسے خود لگ گئے۔

''میرا گھر تو......'' یہ تو اسے خود بھی پتہ نہیں تھا، اس کا گھر کہاں ہے۔

''ہمارے پلین میں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے ہمیں یہاں چار پانچ گھنٹے رُکنا پڑ رہا ہے۔ تو میں نے سوچا، شارجہ کی سیر ہی کرلی جائے۔ یہ مال ایئرپورٹ سے قریب تھا تو سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔ اب مجھے کیا پتہ تھا، نہ چاہتے ہوئے یہاں سے کچھ خریدنا پڑ جائے گا۔ آپ ویٹ کریں گی، میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ بڑے بے تکلف انداز میں اسے بتاتے ہوئے کے جواب کا انتظار کئے بغیر سامنے شاپ میں گھس گیا۔

تانیہ کو بھی جانے کیوں اس کے لئے یوں باہر ٹھہر کر اس کا انتظار کرنا اچھا لگا۔ اگر اچھا نہیں بھی لگا تو برا نہیں لگا۔ اس نے گھما کر اپنے عقب میں دور تک دیکھا۔

اس کا پرسنل گارڈ بڑی مستعدی سے اپنی گن پر ہاتھ رکھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ اب ''آزاد'' ہو کر بھی ''آزاد'' نہیں تھی۔ بے شک وہ اب ''پابند'' تھی، نہ جہانگیر ہمدانی سے بندھے رہنے پر مجبور آزادی تو شاید لمحہ بھر کے لئے اس کی قسمت میں نہیں رہی تھی۔

ہاں، اگر میرا یہ داؤ چل جائے اور اتنے اہم ڈاکومنٹس کی موجودگی میں دنیا کا کوئی بھی قانون جہانگیر ہمدانی کو پاک صاف دے کر دنیا میں یوں آزادانہ گند پھیلانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

یقیناً میرا شارجہ آنا رائیگاں نہیں گیا۔

اور اس بوڑھے شیطان کو دیکھو، خود اپنے ہاتھوں سے اپنی تباہی کے ثبوت میرے ہاتھ لگنے کو اپنے اپارٹمنٹ کی چابی بھی ڈالی۔ وہ سوچتی چلی گئی۔

اور تانیہ بی بی! وہ بوڑھا شیطان ایسا احمق تو نہیں ہوسکتا۔ یہ اس کی کوئی چال...... بے حد گہری چال بھی ہوسکتی ہے۔ پروف بوگس بھی ہوسکتے ہیں۔

شک جو یقین کے قریب تر تھا، بار بار اس کے اندر سر اٹھاتا، مگر وہ آزادی حاصل کرنے کی خوش فہمی پالنے سے خود کو روک رہی تھی۔

''مجھے زیادہ دیر تو نہیں لگی؟'' وہ بلیو پینٹ کے ساتھ اب لائٹ پنک کلر کی نئی شرٹ پہنے اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' وہ گہری سوچوں سے باہر آئی۔

''اور مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ باہر کھڑی یوں میرا انتظار کررہی ہوں گی۔'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بولا۔

''تو کیا مجھے انتظار نہیں کرنا چاہئے تھا؟''

"نہیں۔ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ یوں بھی ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے میں اُکتا گیا تو سوچا، ذرا باہر نکل کر گھوم آتا ہوں۔ چاہے اسے شارجہ کو ہاتھ لگا کر آنا ہی بولا جائے، مگر میں کہہ تو سکوں گا، ہاں میں نے شارجہ بھی دیکھ رکھا ہے۔ اکیلے پن سے ہونے والی بوریت کا بھی احساس تھا۔ تھینک گاڈ! آپ مل گئیں۔"

وہ اتنا باتونی نہیں تھا۔ مگر جانے کیوں۔ شاید اتنے گھنٹوں کی مسلسل خاموشی کے بعد اس کا جی چاہ رہا تھا کہ بولتا چلا جائے۔

تانیہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

اس کا گارڈ سائے کی طرح اس کے ساتھ تھا۔

"کہیں بیٹھیں؟...... آپ نے تو شاید کافی بھی نہیں پی۔" اسامہ کے کہنے پر دونوں ایک ریسٹورنٹ کی خالی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔

"ایکسکیوز می!...... میں نے آپ کا نام تو پوچھا نہیں۔"

"تانیہ...... تانیہ مراد۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"میں اسامہ ہوں۔ آپ پاکستانی ہیں یا انڈین؟"

"پاکستانی۔" وہ ہونٹ کچل کر دور کھڑے ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"میں بھی۔ بہت عرصے بعد جا رہا ہوں پاکستان۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

"پاکستان میں کہاں؟" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بظاہر بے نیازی بنی ہوئی تھی۔

"معلوم نہیں...... بتایا نا، بہت عرصے بعد جا رہا ہوں۔"

"فیملی ہے ادھر آپ کی؟"

"ہوں۔" دونوں ہی اس موضوع سے بچنا چاہ رہے تھے۔

"اور آپ کی؟"

تانیہ نے جواب میں کندھے اچکا دیئے۔ ویٹر ان کا آرڈر لے آیا تھا۔ دونوں کی مشکل آسان ہو گئی۔

پھر ریفریشمنٹ کے بیچ دونوں میں بے شمار باتیں ہوئیں۔ مگر ذاتیات سے بالکل ہٹ کر۔

تین گھنٹے کے ساتھ کے بعد دونوں جب علیحدہ ہوئے تو اسامہ کے ذہن میں سوائے ایک اچھے شناسا سے بچھڑ جانے کے اور کوئی دکھ نہ تھا۔

مگر تانیہ...... تانیہ کے خیالات میں جیسے تلاطم سا پیدا ہو چکا تھا۔

ایک ایسے شناسا سے یوں سرِ راہ ملنے اور بچھڑ جانے کا دکھ، جس سے اگر وہ ان حالات میں نہ ملتی تو یقیناً اب سے اس کے اور دوبارہ ملنے کی دعا ضرور کرتی۔

وہ اسے ایئرپورٹ ڈیپارچر لاؤنج تک چھوڑنے گئی تھی اور دیر تک کھڑی جانے کس کس ملال کا سوگ مناتی رہی۔

وہ اس دیس جا رہا تھا، جہاں اس کا سب کچھ تھا۔ مگر اب کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ہاتھ اپنے پیاروں کے لیے سوغات، کوئی سندیسہ کچھ بھی تو نہیں بھجوا سکی تھی۔

"میں نے ایک جنم میں سو جنموں کے خسارے کیوں خرید لیے؟ کیا یہ فقط تنزیل کی زندگی بچانے کا سودا تھا یا میری بے انت خواہشوں کی دلدل، جس نے مجھے گھٹنوں تک اس میں دھنسا دیا ہے۔ اور اس دلدل میں دھنسا شخص...... اسے صرف اپنی موت کے جلد آنے کی دعا کرنی چاہئے نہ کہ زندگی سے وابستہ نئے پرانے تعلقات کے ملنے، بچھڑ جانے کے دکھ میں کُڑھ کر ہاتھ ملنا چاہئے۔"

کاش، جہانگیر ہمدانی! تم میری زندگی میں کبھی بھی مجھ سے نہ ملے ہوتے۔

کاش! تنزیل اُس جھوٹے مقدمے میں نہ پھنستا۔

کاش کی ایک لمبی فہرست تھی، جس پر وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ جہانگیر ہمدانی اس سے نہ بھی ملا ہوتا تو بھی اس کے ضمیر میں جو لالچ چھپی ہوئی تھی، وہ اسے زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر، کسی نہ کسی جہانگیر ہمدانی سے ضرور ملوا دیتی۔

اس نے سر اٹھا کر دور تک پھیلے گہرے سرمئی رنگ کے وسیع تک آسمان کو دیکھا اور کھل کر سانس لینے کی کوشش کی۔

"جانے اس بسیطِ قفس سے مجھے رہائی کب ملے گی۔" اس نے گہرا سانس لے کر واپسی کی نیت سے قدم آگے بڑھا دیئے اور سیٹ پر بیٹھتے ہی بڑی احتیاط سے تانیہ کا دیا ہوا سفید لفافہ اپنے بے حد قیمتی ہینڈ بیگ میں رکھ لیا۔

جاتے جاتے ہی تانیہ کا بتایا ہوا یہ کام ضرور کرنا تھا اور کام کی تفصیل...... شاید اسی لفافے کے اندر لکھی ہو۔ اس نے سوچتے ہوئے سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا۔

✿◉......◉✿
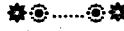
ڈرائنگ روم میں گمبھیر خاموشی تھی۔ دونوں بالکل چپ بیٹھے تھے۔
یہ تو تیز آندھی کا شور تھا، جس نے باہر کھڑکیوں کے شیشے، کمروں کے دروازے اور فرنٹ لان میں لگے درختوں اور پودوں نے ساتھ مل کر اودھم سا مچا رکھا تھا۔ تیز آندھی کا شور بند کھڑکیوں سے بھی سنائی دے رہا تھا۔
وہ جب یہاں پہنچا تھا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ آسمان کم صم ضرور تھا، مگر مطلع ابر آلود یا کسی آندھی کے آثار نہیں تھے۔ اس کے بیٹھے بیٹھے ہی طوفان شروع ہو گیا۔
''آپ شاید کسی میٹنگ یا کسی اہم کیس میں مصروف تھے۔ میں نے کال کی تھی آپ کو تو۔'' اسے آغاز گفتگو کے لیے کچھ کہنا تھا۔
''آں، ہاں....... ایسا ہی تھا۔'' محمود عالم کے منہ سے ٹوٹا پھوٹا سا نکلا۔
''یہاں سے گزر رہا تھا تو خیال آیا....... پھر یہ طوفان....... میں نے سوچا کچھ دیر ذرا ٹھہر جاؤں، یہ تھم جائے۔''
بے ساختہ ہی اسے اس اچانک آنے والی آندھی پر پیار سا آ گیا، جس نے اسے یہاں کچھ دیر ٹھہرنے کا ٹھوس جواز فراہم کیا تھا۔
''اچھا کیا۔'' وہ پھر سے مبہم انداز بولے تھے۔ ان کے منہ سے نکلے لفظ ان کی ذہنی حالت کا بالکل ساتھ نہیں دے رہے تھے۔
''مجھے پتہ ہے۔ سوری، اِف یُو ڈونٹ مائنڈ، آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' اس کی ابھی تک محمود عالم سے ایسی بے تکلفی نہیں تھی کہ وہ بے دھڑک اپنے محسوسات ان سے کہہ سکتا۔
''ہاں، ایسا ہی ہے۔'' خلاف توقع وہ فوراً مان گئے۔
اب دائم کے پاس رکنے کا جواز نہیں تھا۔
''سوری، پھر تو میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔ مجھے چلنا چاہئے، آپ آرام کریں۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہوئے لگا۔ اسے امید تھی، وہ مروتاً اسے روکیں گے ضرور۔
''ہاں، میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ بہت شرمندہ ہوں، ورنہ تمہیں رکنے کو ضرور کہتا۔ چائے تو پی جاؤ۔'' وہ اس کے کھڑے ہونے سے بھی پیشتر اٹھ کر اسے رخصت کرنے کے خیال سے بولے۔
''تھینکس۔ پھر سہی۔'' دائم کے چہرے پر سنجیدگی آ گئی۔ اسے بہرحال محمود عالم سے ایسے کٹھور پن کی توقع نہیں تھی۔
''کچھ پتہ چلا عزہ کا؟....... میں تو اس کی دو تین اور فرینڈز کی طرف بھی فون کر آئی ہوں، کسی کو بھی نہیں معلوم۔ اب تو اور پھر رات ہونے کو....... سارا دن بیت گیا اسے غائب ہوئے....... یا اللہ خیر!''
یا تو سارہ کی نظر کمزور تھی یا باہر اُترتی رات اور آندھی کی تاریکی میں وہ اسے دیکھ نہیں سکی تھیں۔ اچھی بھلی آتی لائٹ بھی تو پیشتر دغا دے چکی تھی، سو اس میں سارہ کا بھی زیادہ قصور نہیں تھا۔ اس کے باوجود محمود عالم کا جی چاہا، آج....... اس گھڑی کم اپنی عمر بھر کے اس تشنہ خواب کو تو عملی جامہ پہنا ہی ڈالیں، اس منحوس عورت کا گلا دبا کر۔
مگر کمان سے نکلے تیر کو دوبارہ کمان میں نہیں پھنسایا جا سکتا تھا۔
''کدھر ہے عزہ؟ خیریت تو ہے؟ سوری، یہ آپ کا یقیناً ذاتی معاملہ ہے، مگر.......'' دائم چاہتے ہوئے بھی اپنے فوری رد عمل پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔
محمود عالم نے کھا جانے والی نظروں سے پہلے سارہ کو اور پھر ذرا دھیما پڑتے ہوئے دائم کو دیکھا اور کچھ بول نہ سکے۔
''میں نے دن میں اسے دو، تین بار کال کی۔ ایک بار اس نے میری کال ریسیو کی، مگر پھر ڈراپ کر دی۔ سچ پوچھئے تو میں ٹینشن میں....... سوری! میرا خیال ہے مجھے اس معاملے میں بولنے کا حق نہیں، مگر.......'' وہ ان دونوں کے سخت چہرے دیکھ کر بولتے بولتے رک گیا۔
اور سارہ کا بس نہیں چل رہا تھا، اس پُرکشش نوجوان کو جسے دیکھتے ہی ان کے تن بدن میں آگ سی لگ جایا کرتی تھی، اٹھا کر باہر پھینک دیں۔
''تم ٹھیک سمجھے ہو۔ ہم پہلے ہی پریشان ہیں۔ تم پھر کبھی آ جانا۔'' شاید شوہر کی موجودگی کا دھیان تھا یا اپنی پریشانی کا، وہ نرم دلی کا مظاہرہ کر کے خدا سے اس مصیبت کو ٹالنے کی درخواست کر رہی تھیں، جو وہ خلاف عادت آرام سے بولیں۔
''میں اگر اس پریشانی میں کچھ آپ کی ہیلپ کر سکوں؟'' وہ جھجک کر محمود عالم کے پاس آ گیا۔
انہوں نے بے تاثر نگاہ اس پر ڈالی اور بولے کچھ نہیں۔
''آپ کو معلوم ہے آج کل عزہ کس سرگرمی میں انوالو تھی؟'' وہ دو قدم آگے بڑھا اور ذرا رک کر آہستگی سے بولا۔

محمود عالم بے اختیار چونکے تھے۔
"کیا مطلب؟......تم جانتے ہو؟" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف گھماتے ہوئے بے تابی سے بولے۔
"تھوڑا بہت۔ وہ ماڈلنگ کرنا چاہ رہی تھی، شاید ایک دو فیشن پریڈز میں حصہ لے بھی چکی تھی اور آج کل......" دائم کا انکشاف محمود عالم کے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہے تھے۔
"آج کل وہ ایک میگا شو میں حصہ لینے کی تیاری کر رہی تھی۔ اسی مسئلے پر ایک دو بار میں نے اسے کچھ سخت سنا دیں، جس کی وجہ سے وہ مجھ سے کچھ خفا تھی۔" بے اختیار اس کے منہ سے سچ نکلتا ہی چلا گیا۔
"او میرے خدا!" محمود عالم سر پکڑ کر یوں صوفے پر گرے جیسے تیز آندھی میں کسی خوب صورت عمارت کا سب سے مضبوط ستون کھڑے قد سے گر پڑتا ہے۔
"محمود!......محمود! ٹھیک کہتے ہو تم۔" سارہ بے قراری ہو کر آگے بڑھیں۔
"آپ ٹھیک ہیں انکل؟" دائم تشویش سے ان پر جھکا۔
وہ آنکھیں موندے بے بس پڑے تھے۔
"انکل پلیز! کچھ تو بولیں۔" دائم دوزانو ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کا کندھا ہلا کر بولا۔
"سارہ! یہ کھڑکیاں کھول دو ساری کی ساری۔" انہوں نے سر اٹھا کر کمرے کی نیم اندھیری، گھٹن زدہ فضا کو دیکھتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا۔
"جس لمحے کی آمد کے خوف سے میں نے عمر بھر اپنی ذات کے، اس گھر کے دروازے، کھڑکیاں سب بند رکھیں، وہ لمحہ تو بے چاپ قدموں سے، بے آواز آہٹ سے گھر کے اندر آچکا ہے۔ اب کھڑکیاں دروازے بند رکھنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ کھول دو...... سب کھول دو۔"
وہ آخر میں ہسٹریائی انداز میں چلائے تھے اور مٹھیوں میں اپنے بال جکڑتے سر جھٹکنے لگے۔
سارہ جلدی جلدی ساری کھڑکیاں کھول رہی تھیں۔

✿◉......◉✿

"آ گئیں عائشہ بیٹی! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" قاسم بخاری اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر بشاش لہجے میں بولے۔
"جی ہاں، آ گئی میں۔ کیسے ہیں اب آپ؟"
"اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک۔" وہ صورت سے ہی نہیں، آواز اور لہجے سے بھی بہتر لگ رہے تھے۔
"یہ میں ڈاکٹر صاحب سے مل کر آپ کے لئے ساری میڈیسن لکھوا لائی ہوں اور ضروری ہدایات بھی۔ انہوں نے آپ کو گھر لے جانے کی اجازت دے دی ہے، ٹھیک ہے نا بابا؟" وہ انہیں نسخہ دکھاتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"ہاں اچھی بات ہے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں، اس بار میرا گھر جانے کو قطعاً دل نہیں چاہ رہا۔"
"وہ کیوں بھلا؟" عائشہ حیران سی ہوئی۔
"گھر میں وہی ویرانی، اکیلا پن اور سناٹے......سچ پوچھو تو اب مجھ سے نہیں سہے جاتے۔ یہاں ہسپتال میں تم تو میرے پاس ہی ہوتی تھیں، آتے جاتے نرسیں، ڈاکٹرز، کچھ اور چلتے پھرتے باتیں کرتے لوگوں کو دیکھ کر زندگی کا، پھر سے جینے کا احساس پیدا ہونے لگا تھا، مگر گھر......" وہ ایک سرد آہ سی بھر کر رہ گئے۔
عائشہ جو تیزی سے سامان سمیٹ رہی تھی، ہاتھ روک کر انہیں دیکھنے لگی۔
"مگر بابا! اب کوئی خدانخواستہ زندگی بھر محض رونق کی خاطر ہسپتال میں تو پڑا نہیں رہ سکتا نا۔" وہ ان کے سفید بالوں والا سر سہلا کر بولی۔
ان کے ڈسچارج ہونے کے خیال نے اس میں پھرتی سی بھر دی تھی۔
کل مائی فیشن میگا شو کا اینول ایونٹ تھا اور وہ اتنے دنوں سے میڈم یاقوت کے پاس نہ ہونے کے برابر گئی تھی۔ اور آج انہوں نے اسے آخری بار اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اسے کل صبح کس طرح اپنی ڈیوٹی پر ہونا چاہئے، ورنہ......
وہ اس ورنہ سے آگے سوچنا نہیں چاہتی تھی۔
"اور تم نے میرے کام بھی کچھ نہیں کئے، جس کا وعدہ بلکہ میں کہوں گا جسے تم اتنے دنوں سے محض مجھے بہلانے کے واسطے ٹرخا رہی تھیں۔ ہے نا؟" انہیں یاد آیا تو ناراضی سے بولے۔
"بابا! خدا نہ کرے، میں آپ کو ٹرخاؤں یا بہلاؤں۔ میں نے کوشش تو کی ہے۔ ایک دو جگہ رابطہ بھی کیا ہے۔ مگر اب اتنے

سالوں بعد اسے ڈھونڈنا کچھ آسان کام تو نہیں۔ معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ پھر وہ اگر خود سے چاہتا تو ہم سے نہ سہی، آپ سے رابطہ کر سکتا تھا۔ یوں بغیر کسی اتے پتے کے کسی کو بھی تلاش کرنا آسان تو نہیں۔" وہ پاس بیٹھ کر انہیں سمجھانے والے انداز میں کہنے لگی۔

"وہ مجھ سے کیوں رابطہ کرتا؟ میں نے اس کے ساتھ کون سا بھلا سلوک کیا تھا؟" وہ افسردگی سے بولے۔

"بابا! اتنے سال بھولے رہے تو اب......کیوں خود کو اس طرح اذیت دے رہے ہیں یاد کر کے؟"

ان کی آنکھوں میں یکدم آنسو آ گئے۔

"میں اسے بھول گیا؟" انہوں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "کوئی باپ اپنی اولاد کو جیتے جی، وہ بھی بچھڑی اولاد کو بھول سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ ہاں تمہاری ماں کی ناراضی کے خیال سے بھی اس معصوم کا ذکر زبان پر نہیں لایا۔ بزدل تھا نا، عمر بھر ایک عورت کی ناراضی کے خوف میں مبتلا رہا۔ بیٹے کو کھو بھی دیا، پھر بھی اس خوف کے چنگل سے نکل نہ سکا۔" وہ رکے۔

"سوچتا ہوں اگر وہ کسی طرح مجھے مل جائے تو میں کس منہ سے اس کا سامنا کروں گا؟ میں نے اس کا کون سا حق ادا کیا ہے؟ کوئی بھی تو نہیں۔"

"پھر آپ اسے کیوں ڈھونڈنا چاہتے ہیں؟" عائشہ بے بسی سے بولی۔

"میرا دل بے آب مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہے اسے دیکھنے کے لئے۔ کیا کروں؟......بتاؤ میں کیا کروں؟" وہ بچوں کی طرح رونے لگے۔

ان کے جذبے میں اس درجے شدت آ چکی ہے، عائشہ کو اس کا اندازہ نہیں تھا۔

"بابا! امی نے یہ ظلم آپ پر، اس پر میری وجہ سے کیا تھا نا!......آئی پرامس بابا! میں اسے آپ سے ضرور ملواؤں گی۔ چاہے......چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ میں کل ہی تمام پیپرز میں اس کے متعلق اشتہار دیتی ہوں......صرف پاکستان میں نہیں، باہر جہاں جہاں بھی یہ کر سکی۔ آئی پرامس بابا! بس آپ دعا کریں، میری کوشش سے زیادہ آپ کی دعا رنگ لائے۔" وہ پیار سے ان کا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

وہ بچوں کی طرح رونے کے بعد اب بچوں کی طرح ہی خوش ہو رہے تھے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے، پھر سے وعدے لے رہے تھے اور ان کی اس کیفیت نے عائشہ کو ایک بار پھر آگ کے ہر دریا کو عبور کر دینے کی ہمت عطا کر ڈالی تھی۔

وہ بہت کچھ کر گزرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

✿◉......◉✿
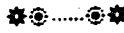
"یہ لو پیسے اور اس بے چارے بوڑھے فقیر کو دے آؤ۔"

میڈم یاقوت ایک گہرے ٹرانس سے باہر نکلیں تو ان کا ہاتھ اپنے پرس میں گیا اور پانچ سو کا نوٹ نکال کر انہوں نے پیچھے بیٹھے گارڈ کو دیتے ہوئے کہا۔

دو تین راہ گیر اس بوڑھے کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے سڑک کے ایک طرف لے جا رہے تھے۔

گارڈ بے حد پھرتی سے آگے کی دونوں گاڑیاں اور سست روچلتی ٹریفک سے بچتا اس بوڑھے تک جا پہنچا تھا۔

اس نے بوڑھے کی طرف نوٹ بڑھاتے ہوئے کچھ کہا تھا۔ میڈم نے اس کے ہلتے ہونٹ دیکھے۔ اور بوڑھے کے چہرے پر آئی حیرت انہیں دور ہی سے نظر آ گئی۔ وہ شاید گارڈ سے اتنی سخاوت سے ملنے والی بھیک کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

گارڈ کے بتانے پر اس کی نظریں اس سیاہ شاندار پراڈو پر آ رکی تھیں۔

میڈم یاقوت نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے گرا رکھا تھا۔

اور دور سے......اتنی دور سے بھی وہ اس کھڑکی سے نظر آتی، حسین چہرے والی عورت کو بغور دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس چہرے کو تکتے تکتے وہ بے خیالی میں تین چار قدم آگے بھی گئے تھے۔

کچھ تھا......کچھ نہ کچھ......بلکہ بہت کچھ۔ وہ آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔

"بابا جی! یہ پیسے......" گارڈ جھلا کر ان کی طرف لپکا۔

"اپنی مالکن سے کہنا، ہر ٹھوکر کھا کر گرنے والا بھکاری نہیں ہوتا، ہاں تقدیر کا مارا ضرور ہو سکتا ہے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے نوٹ جھپٹ کر فضا میں اچھال دیا تھا۔

تیز تیز بجتے ہارنز نے لوگوں کے صبر کی انتہا کا اعلان کر دیا تھا۔ گارڈ بمشکل نوٹ پکڑتے، رینگتی گاڑی میں سوار ہوا تھا اور گاڑی اس بوڑھے کے عین آگے سے گزرتی ہوئی ٹریفک کے اژدہام میں گم ہو گئی تھی۔

"او بابا جی! جاؤ۔ اب کیا دوبارہ کسی گاڑی سے ٹکرانا ہے؟" کوئی پیچھے سے بولا تھا۔

"ہا...... باباجی کو خوامخواہ کی غیرت میں آ کر زبردست بھیک جھٹک دینے کا افسوس کھایا جا رہا ہے، جو پاگلوں کی طرح اسی گاڑی کو دور تک تکے جا رہے ہیں۔" دوسرے نے آواز کسی۔

ان کے دماغ میں آوازوں کو وصول کرنے والا ریسیور تو ٹھیک کام کر رہا تھا، مگران آوازوں کا مفہوم، مطلب یعنی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ اپنی پیشانی رگڑتے اپنی آنکھیں مسلتے خود سے بولے تھے۔

"او باباجی! راہ تے چھڈو۔" پیچھے سے کسی نے ان کا بازو سختی سے مروڑتے ہوئے انہیں بیچ رستے سے ایک طرف کیا تھا۔

وہ بہ دقت خود کو سنبھالتے، بچتے اس رش والی سڑک سے نکلتی نسبتاً سنسان سڑک پر آ گئے۔

ان کا سر اب چکر سا کھا رہا تھا۔

تو وہ زندہ ہے...... ہاں، وہ زندہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور زندگی کا ثبوت کیا ہوگا۔ اس سے ملنے والی بھیک میں قبول کر لیتا۔

اوہو...... یہ کیا کیا...... وہ پھر سے گم ہو گئی۔ چند ہی تو قدم تھے۔ فقط دو چار...... اور...... اور وہ گاڑی پاس سے گزری تو بالکل قریب...... پھر میں نے اسے پکارا کیوں نہیں؟...... بلایا کیوں نہیں؟ آواز ہی دے دیتا۔' وہ سر پکڑ کر فٹ پاتھ پر بیٹھ گئے۔

'ایک بار پھر میں نے اسے کھو دیا۔ اب جانے کہاں ملے گی؟ اور ملے گی بھی تو...... نہیں...... نہ ملے...... اس کی آنکھوں کی نفرت...... ہاں، میں کچھ دیر اور ان نفرت بھری نگاہوں کے سامنے کھڑا رہتا تو شاید وہ نگاہیں مجھے بھسم ہی کر ڈالتیں۔ نہ ملے وہ مجھے دوبارہ، نہ ملے اللہ کرے۔ مگر پھر میرے دل کو قرار کیسے آئے گا؟...... کیسے یہ بے قراری تھمے گی؟ کیسے اس بے کلی کا علاج ہوگا؟' وہ اپنا ہی سر پکڑے اسے جھٹکے سے دے رہے تھے۔

'تو یہ تھی وہ کشش...... یہ تھی وہ بے کلی، جو مجھے لاکھوں میل دور سے کھینچ کر یہاں تک لے آئی۔ قدرت مجھے ایک اور موقع دینا چاہتی ہے۔ ایک اور موقع۔

ہاں، زندگی کسی کے ساتھ اتنی فیاض نہیں ہوتی کہ بار بار اسے تلافی کا موقع دے۔ میں خوش قسمت ہوں، مجھے یہ موقع پھر مل رہا ہے۔ وہ اسی شہر میں ہے، یہی لگتا ہے۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ ہاں ایک بار تو ضرور۔'

"آغا جان! آپ یہاں...... یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟...... دیکھیں تو سہی تیز آندھی چل پڑی ہے۔ آپ ایسے موسم میں گھر سے کیوں نکلے؟' تنزیل دوزانو زمین کے پاس بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

انہوں نے سر اٹھا کر گرد آلود ہوتے آسمان کو دیکھا۔ چند منٹ پیشتر تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ پھر اچانک ایسی گرد، ایسا طوفان...... جیسا طوفان میرے اندر اُٹھ رہا ہے، ویسا طوفان......

"آغا جان! اُٹھیے نا...... کیا بات ہے، آپ ٹھیک تو ہیں نا؟' تنزیل نے انہیں سہارا دے کر اُٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

وہ کچھ نہیں بولے۔ وہ بہ دقت اُٹھے، تنزیل نے انہیں دونوں طرف سے تھام رکھا تھا۔

"آپ ایسے موسم میں باہر کیوں نکلے؟" وہ پوری طرح سے انہیں سنبھالے ہوئے تھے۔

"شام کو تو اچھا بھلا تھا۔ بلکہ کچھ دیر قبل بھی۔ اچانک ہی جانے کیا ہوا۔ شاید یہ موسم بھی انسانوں جیسے ہوتے ہیں۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب طوفان اُمڈ آئے اور کب برکھا۔" انہوں نے بارش کی آس میں سر اُٹھا کر دیکھا۔

سرخ زرد آسمان کے چہرے پر گرد ہی گرد تھی۔ کہیں بھی کوئی بوند ٹپکنے کے آثار نہیں تھے۔

"اچھا جلدی چلیں نا، کہیں بارش ہی شروع نہ ہو جائے۔ ابھی تو گھر تک کافی فاصلہ ہے۔" تنزیل ان کی خود کلامی کو نظر انداز کرتا انہیں سہارا دیتا قدرے تیز چلنے لگا۔ انہیں بھی مجبوراً اس کا ساتھ دینا پڑا۔ ورنہ قدم تو پیچھے پلٹنے پر مصر تھے۔

شاید وہ گاڑی...... وہ حسین، بے حد شناسا سا چہرہ کہیں دوبارہ سے دکھائی پڑ جائے۔

✲⊙......⊙✲
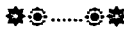
ایک، دو، تین، چار، پانچواں...... ہاں اینگزیکٹلی پانچواں گھر تھا۔ مسجد سے آگے پانچواں گھر۔ انہوں نے گاڑی گلی کے موڑ پر ہی پارک کر دی تھی۔

انہیں اس مسجد سے آگے آنے والے پانچویں نمبر کے گھر کی تلاش میں بھٹکتے چوتھا دن تھا۔

وہ علاقہ ان کے ذہن اور خیالات کے برعکس بہت حد تک تبدیل ہو چکا تھا۔

اس زمانے میں اردگرد کوئی بازار نہیں تھا۔

اگرچہ اس زمانے میں بھی وہ اس علاقے میں بہت کم آئی تھیں، مگر چونکہ اسی شہر میں پرورش پائی تھی، سو تقریباً سارے علاقوں

اوران رستوں سے پرانی واقفیت تھی۔ پھر جس طرح سے انہوں نے اپنے ذہن میں اس رات کی وہ یادگار تصویر بمعہ نقشے کے کندا رکھی تھی، وہ تصویر اوران کی یادداشت انہیں اس معاملہ میں دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔
اتنا انہیں پکا یاد تھا۔ گلی کے شروع میں بائیں طرف سے لے کر دائیں کونے تک پھیلی ہوئی مسجد تھی اور مسجد سے آگے گن پورے چار گھر تھے اور پھر وہ پانچواں۔
اگرچہ اس وقت وہ سب ہی گھر ایک منزلہ تھے۔ لکڑی یا لوہے کے دو پٹ والے دروازے اور اینٹوں کی کچی پکی چاردیواریاں اب سب ہی گھر کئی منزلہ تھے۔ دیواریں پختہ ٹائلوں سے مزین اور بڑے بڑے خوب صورت گیٹ، کسی بھی طرح سے ان گھروں ''وہی والا'' ثابت نہیں کر پا رہے تھے۔
مگران کے ذہن میں ایک تیسری نشانی بھی تھی۔ اس تصویر کی طرح پختہ اورازبر۔
اس پانچویں گھر کی بیرونی دیوار سے جھانکتے تین اونچے اونچے درخت۔ کسی پھل کے یا یونہی......انہیں علم نہیں تھا۔ مگر تین بلند درخت۔ خوب پھیلی پھیلی شاخوں والے گھنے درخت۔
اوراب اس پانچویں گھر میں صرف ایک درخت تھا، وہ بھی امرود کا۔ دور ہی سے پتہ چل رہا تھا۔
'شاید درخت انہوں نے کٹوا دیئے ہوں۔' انہوں نے قیاس کیا۔ 'پھر اس گھر کا رقبہ بھی پہلے سے خاصا کم لگ رہا ہے۔' وہ جوں اس گھر کو دیکھتیں، اس وقت کے گھر سے میچنگ کرتی جاتیں، ان کے دل میں مایوسی تہہ در تہہ اُترتی چلی جارہی تھی۔
یوں بھی وہ اس مسلسل تلاش سے اب کچھ تھکنے لگی تھیں۔ دائم کی ضد کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید وہ فقط نمازوں، دعاؤں اور عبادات کے ذریعے اللہ سے اپنا یہ ماضی کا گناہ بخشوانے پر اکتفا کرتیں۔
مگر دائم کی دھمکی......اور وہ جانتی تھیں، یہ صرف دھمکی نہیں ہو سکتی۔
'نہیں.... ہمت نہیں ہارنی، کوشش تو کرنی ہوگی۔'
خود کو حوصلہ دیتے ہوئے انہوں نے قدم آگے بڑھائے۔ اس وقت فضا میں عجیب سی ہلچل ہوئی اور جب تک وہ اس پانچویں گھر تک پہنچیں، یہاں وہاں گلی میں آندھی کا شور، گرد کے حصار میں لپٹا، شور مچاتا چکرانے لگا۔
''افوہ!.......موسم تو دیکھو۔ سمیعہ، ربیعہ! دوڑ کر جاؤ۔ اوپر دُھلے ہوئے کپڑے پڑے ہیں، لے آؤ اتار کر۔'' یاسمین کچن سے کسی کام کے لئے صحن میں نکلیں تو چڑھتی آندھی کو دیکھ کر پکاریں۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔
''یہ کون آ گیا اس وقت.......بیل نہیں بجا سکتا تھا؟ لو، ابھی آندھی چلی نہیں اور بجلی غائب۔'' وہ بولتے بولتے دروازہ کھولنے چل دیں۔
''جی فرمایئے.......؟'' دروازے کے ہوا سے ہلتے پٹ کو بمشکل تھامتے ہوئے ملگجی شام میں یاسمین نے اجنبی خاتون کو دیکھ کر پوچھا۔
''السلام علیکم!'' ڈاکٹر رخشندہ نے خوش دلی سے مسکرا کر کہا۔
''وعلیکم السلام۔'' انہوں نے کچھ متذبذب سا ہو کر جواب دیا تھا۔
''معاف کیجئے گا، میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ اور کچھ اتنی اچانک آندھی بھی چل پڑی۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو اور اگر آپ بھروسہ کریں.......تو میں کچھ دیر کے لئے.......آندھی کا زور ٹوٹنے تک آ کر آپ کے گھر بیٹھ جاؤں؟'' وہ اٹک اٹک کر اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے بولیں۔
یاسمین شش و پنج میں مبتلا ہو گئیں۔
گہری شام، اندھیری رات میں ڈھل رہی تھی۔ پھر ایسا طوفانی موسم....... پہلے ہی اماں جی کا عتاب ان پر کم نہیں، ایک بالکل اجنبی خاتون کو گھر کے اندر لے آنا.......کہیں پھر کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے۔
اسی لمحے طوفانی ہوا کا ایسا شوریدہ سر ریلا سا آیا کہ چوکھٹ میں کھڑی ڈاکٹر رخشندہ کے قدم بھی اُکھڑ سے گئے۔ مٹی جیسے کسی نے مٹھیوں میں بھر کر ان پر اُچھالی تھی۔ وہ بے بسی سے دروازہ تھام کر سنبھلنے کی کوشش کرنے لگیں۔
'اُس شام بھی تو ایسی ظالم آندھی چل رہی تھی، جب تانیہ اس گھر سے گئی تھی۔' انہیں بے اختیار وہ جان لیوا گھڑیاں یاد آئیں۔
''چلیں کوئی بات نہیں۔ اگر آپ مجھے پناہ نہیں دینا چاہتیں، میں یہیں کسی شیڈ کے نیچے ٹھہر کر طوفان تھمنے کا انتظار کر لیتی ہوں۔'' ڈاکٹر رخشندہ کہہ کر واپس مڑنے لگیں۔
''نہیں، نہیں.......آ جایئے۔ کوئی بات نہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے تو.......آئیں پلیز!'' وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے انہیں اندر بلا ہی بیٹھیں۔

سبیعہ اور ربیعہ جو کپڑے لے کر سیڑھیاں اُتر رہی تھیں، کسی اجنبی سو بر سی خاتون کو ماں کے ساتھ اندر آتے دیکھ کر حیران سی ہو گئیں۔

"آجائیں پلیز!"

خاتون دیکھنے میں بھی اچھی فیملی کی لگتی تھیں۔ اب اتنی تو انسانیت ہونی چاہیے۔

'اماں جان تو اندر ہی ہیں، پوچھا بھی تو کہہ دوں گی، جاننے والی ہیں۔' لمحہ بھر میں یاسمین نے اپنے دل کو مضبوط کر لیا۔

"اب خدانخواستہ اس "ڈاکے" سے بڑا ڈاکہ تو اب اس کٹیا میں نہیں پڑ سکتا۔ پڑ بھی جائے تو اس "خسارے" جتنا "خسارہ" تو نہ ہوگا۔' وہ خود کو دلاسا دیتی ڈاکٹر رخشندہ کو ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔

"پلیز بیٹھیں۔" بجلی غائب ہونے کی وجہ سے انہوں نے کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیئے۔

"یونہی آپ کو زحمت دی۔ گاڑی خراب نہ ہوتی تو میں کسی نہ کسی طرح چلی ہی جاتی۔" انہوں نے ایک بار پھر عذر پیش کیا۔

"چلیں کوئی بات نہیں۔ ویسے ابھی تو موسم ٹھیک تھا، جانے اچانک ہی آندھی سی اُٹھی۔" یاسمین نے میزبانی کا فرض ادا کرتے ہوئے مروّت سے کہا۔

اسی وقت احسن مراد کی دھاڑتی ہوئی آواز ہوا کے دوش پر ڈولتی ہوئی اندر تک آئی۔

"معاف کیجئے گا، میں ابھی آتی ہوں۔" یاسمین کہہ کر باہر آ گئیں۔

رخشندہ کو ذرا مفصل انداز میں ارد گرد کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا۔

"ارے بیٹا! یہ زحمت کیوں کی؟" سبیعہ ٹرے میں شربت کا جگ اور گلاس لئے اندر آئی تو انہوں نے مسکرا کر کہا۔ پھر اس کے شربت سرو کرنے تک وہ اس سے اس کی کلاس، بہن بھائیوں کی تعداد اور ان کے نام پوچھنے لگیں۔

اسی وقت یاسمین اندر چلی آئیں۔

"سبیعہ! تم جاؤ۔ دادی بلا رہی ہیں تمہاری۔" انہوں نے آتے ہی اسے بھجوا دیا۔

ان کے سوال ادھورے رہ گئے۔

"اصل میں میری ایک دوست رہا کرتی تھی ادھر اسی گلی میں......... میں بہت سال پہلے، ایک عرصہ انگلینڈ میں رہ کر آئی ہوں تو یہ علاقے کافی بدل گئے ہیں۔" انہوں نے اپنی تلاش کے آغاز کے لئے تمہید باندھی۔

"جی ظاہر ہے، وقت کے ساتھ تبدیلی تو ناگزیر ہوتی ہے۔ کیا نام تھا آپ کی دوست کا؟" یاسمین نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"نام تو اس کا........ مجھے کچھ ٹھیک سے یاد نہیں........" انہیں فوری طور پر کوئی نام سوجھا بھی نہیں۔

یاسمین انہیں مشکوک نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"آں، یاد آیا........ میرے خیال میں شگفتہ........ نہیں، یقیناً شاہین تھا۔" فوری طور پر یہی نام یاد آ سکے۔ اور یاسمین کے چہرے کے تاثرات ایک دم سے بدل گئے۔

"آپ........ آپ شاہین آپی کی دوست ہیں؟" رخشندہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ان کا تکا لگتا تھا کہیں، لگ ہی گیا ہے۔

"جج........ جی........" انہوں نے مجرمانہ سا اعتراف کیا۔

"اوہ........ پھر تو بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر........ مگر........" وہ جوش میں آتے آتے کچھ متذبذب سی ہوئیں۔ "پھر تو اماں جان جانتی ہوں گی آپ کو۔" وہ لمحہ بھر بعد بولیں۔

"کون اماں جان؟" رخشندہ کچھ بوکھلا کر بولیں۔

"شاہین آپا کی والدہ۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"معلوم نہیں........ میں........ شاید آندھی تھم گئی ہے۔" انہیں لگا وہ کسی پریشانی میں گرفتار ہونے والی ہیں۔

اسی وقت ان کے بیگ میں پڑا موبائل فون بجنے لگا۔

"اُفوہ بھئی، کہاں ہو تم دونوں ماں بیٹے۔ میں ادھر گھر میں بیٹھا گھنٹہ بھر سے تم دونوں کا انتظار کر رہا ہوں۔" مصطفیٰ کی جھنجلائی ہوئی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔

اور ان کا سرپرائز........ کہ وہ گھر میں بیٹھے ہیں........ رخشندہ سے آگے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"بس........ ابھی پہنچ رہی ہوں میں........ بس دس منٹ میں۔" وہ فون ہاتھ میں پکڑے پکڑے ہی جوش میں کمرے سے باہر نکل گئیں۔

انہیں تو اپنے پیچھے آتی یاسمین بھی نظر نہیں آئیں، نہ ان کی آنکھوں میں اُترتی بے تحاشا حیرت جو انہیں آرام سے گلی کے کارنر پر

پارک کی گئی گاڑی میں اس آندھی میں گاڑی ڈرائیو کرتا دیکھ کر اُتری تھی۔

'یہ تو کہہ رہی تھیں، میری گاڑی خراب ہوگئی ہے تو یہ پھر........؟' وہ حیرت میں کھڑی سوچتی رہ گئیں۔'یہ کس چکر میں تھیں؟' ان کا ماتھا ٹھنکا۔

اسی وقت تنزیل، آغا جان کو سہارا دیتے ہوئے گلی کے موڑ سے آتا دکھائی دیا تو وہ اپنی حیرت کو بھول کر انہیں دیکھنے لگیں۔

❁⊙......⊙❁

''پاپا........! بڑا غصیلا فقیر تھا۔ دیکھا کیسے نوٹ ہوا میں اچھال کر غصے کا اظہار کیا۔'' لائبہ جو اس سارے منظر کو انتہائی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی، گارڈ کے گاڑی میں آکر بیٹھتے ہی بولی تو میڈم یاقوت کچھ بھی نہیں بولیں۔

ان کی نگاہیں کھڑکی سے باہر بند شیشے کے پرے اب بھی کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

''یہ دنیا گول ہے۔ بالکل سچ ہے۔ ایک دم سچ۔'' وہ خود سے بولی تھیں۔

''جی........ کیا کہا ماما! آپ نے؟'' لائبہ حیرت سے بولی۔

''کچھ نہیں۔ جیتا ہے آدمی تو سب ہی کچھ دیکھ لیتا ہے اور........'' اسی وقت ان کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔ اسکرین پر ان کے چہرے کی سرخی بڑھا گیا۔

''کون........ جہانگیر ہمدانی؟'' لائبہ ناک چڑھا کر بولی۔

''لیس ڈیئر! کدھر ہو؟'' انہوں نے اس کا انداز یکسر نظر انداز کرتے ہوئے میٹھے لہجے میں کہا۔

''اوہ........ اچھا........ اوکے، ڈونٹ وری! میں آرہی ہوں........ بس ڈونٹ وری، کہا نا........ دس منٹ میں۔'' انہوں نے کہہ کر فون بند کردیا۔

''کون تھا مام؟''

''ڈرائیور! میم کو سیدھا گھر لے جانا اور مجھے وی ایچ بلڈنگ کے قریب ڈراپ کردو، جلدی۔ شارٹ کٹ مارو۔'' وہ جلدی سے ڈرائیور کو ہدایات دیتے ہوئے بولیں اور پھر بے تابی سے یوں باہر دیکھنے لگیں جیسے وی ایچ بلڈنگ سامنے ہی تو ہے۔

''یہ کیا مام! آپ گھر نہیں چل رہیں میرے ساتھ؟ بلکہ ابھی تو ہم دائم کی طرف جارہے تھے۔'' لائبہ ناراضی سے بولی۔

''ڈونٹ بی سلی۔ تم گھر چلو۔ مجھے بے حد ضروری کام سے جانا ہے۔ مشتاق! یہیں روک دو گاڑی۔'' انہوں نے صرف گاڑی کی اسپیڈ ہلکی ہونے کا انتظار کیا اور لائبہ کے کچھ بولنے سے پہلے، اسے ''خدا حافظ'' کہہ کر نیچے اُتر گئیں اور سامنے وی ایچ بلڈنگ کے شاندار گیٹ سے اندر داخل ہوگئیں۔

لائبہ غصے میں بل کھاتی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

❁⊙......⊙❁

سب کچھ بدل گیا تھا۔ کچھ بھی تو ویسا نہیں تھا۔

'اتنے سال...... اتنے سالوں میں تم اتنے بدل گئے تو کیا یہ شہر نہ بدلتا؟' سامنے آسمان سے باتیں کرتے پلازہ کے آخری فلور نے جیسے اس کا منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے نظروں کا زاویہ بدلا۔

ٹیکسی ڈرائیور کی پوری توجہ گاڑی چلانے کی طرف تھی، وہ چہرے سے ہی کرخت آدمی لگتا تھا۔

'یا اسے بھی حالات نے اتنا کرخت بنا ڈالا ہو، پہلے یہ ایسا نہ ہو۔' ڈرائیور کی پختہ صورت اور پکے رنگ کو دیکھتے ہوئے اسامہ نے چپکے سے سوچا۔

''اور کتنی دور ہے ہوٹل؟'' ایک لمبی فلائٹ کے بعد یہ طویل ڈرائیونگ اسے تھکا رہی تھی۔

صبح صبح کا وقت تھا۔ لگتا تھا، شہر بھی خوابیدہ ہے۔ پُرسکون، کھلی کھلی سڑکیں اور ان کے اردگرد بنی گرین بیلٹس، بڑی بڑی کوٹھیوں کے خوب صورت گیٹ، وسیع رقبوں پر پھیلے پارک........ یہ یقیناً شہر کا پوش ایریا تھا۔ اسامہ نے دل میں سوچا۔

'میں نے آغا جان کو اپنے آنے کے وقت کے بارے میں بھی نہیں بتایا۔' اس نے تھک کر سیٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے سوچا۔ 'وہ خود پرائے گھر میں بیٹھے ہیں۔ اوپر سے بن بلایا مہمان چلا جاؤں۔'

'کیا میں انہیں ڈھونڈ پاؤں گا؟' یکدم اُس کی ذہنی رو بھٹکی تھی۔ اس نے بے اختیار آنکھیں بند کرلیں۔

'وہ عورت........ اگر اس نے مجھے ابھی بھی قبول نہ کیا؟........ ابو........ وہ........ وہ پہلے بھی کچھ نہیں کرسکتے تھے، اب شاید انہوں نے مجھے مِس کیا ہو........ اب بھی کرتے ہوں........ جانے وہ کون سا علاقہ تھا، کیسے تلاشوں گا؟........ وہ مجھے پہچان لیں گے

گے۔
وہی بے چینی، وہی اضطراب پھر سے سر اٹھانے لگا تھا جو ان اذیت ناک یادوں کو کریدتے ہوئے اس کا دماغ چھیدتا تھا۔
'وہ بھی تو بڑی ہوگئی ہوگی..... وہ..... کیا نام تھا اس کا.....' وہ ذہن پر یونہی زور دینے لگا۔ حالانکہ اس کا نام وہ بھولا تو نہیں تھا۔
'پورے گھر میں میری اکلوتی ہمدرد........ عائشہ........ عشو........ بہت اچھی تھی وہ........ اپنی ظالم، سخت گیر ماں سے بہت
...... کاش! ابو اس قدر کمزور نہ ہوتے، اتنا اس عورت کی خوشنودی کی خاطر آنکھیں کان بند کرکے نہ رہتے تو مجھے یوں اپنی عمر
دربدری میں نہ گزارنا پڑتی۔ جن بچوں کو جنم دینے والی مائیں بے وقت اس جہاں سے گزر جاتی ہیں، کیا ان کے باپ بھی........
انہی ان کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں؟........ اپنی غرض کی خاطر شادی کی........ اور پھر اس کی خوشی کی خاطر مجھے ان کی
گود میں دے دیا اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے؟ جو ذرا ذرا سی خطا پر مجھے کس طرح دھنک کر رکھ
دیتی۔ کتنا سخت دل تھا اس عورت کا........ کہتے ہیں عورت ماں بن جائے تو موم میں ڈھل جاتی ہے۔ مگر سوتیلی ماں؟ کیسا برا رشتہ
ہے یہ...... شاید رشتوں میں بدترین........ اور اس نام کے ساتھ جڑا 'ماں' کا لفظ جیسے کسی بددعا کے ساتھ لپٹی دعا........ ماں
ماں...... ہاں، شاید یہ میری مری ہوئی ماں کی کوئی دعا تھی، جو میں جیتا رہا اور اچھے ہاتھوں میں پرورش پا گیا۔ ورنہ جس طرح اس
میں اس عورت کے ظالمانہ تشدد سے باغی ہو کر گھر سے نکلا تھا، آغا جان مجھے نہ ملتے........ میں نے پورے سات دن ان کے
گھر لگے نے رہنے کا ڈراما کیا۔ وہ مجھے آبگینے کا دل بہلانے کے لئے اپنے ساتھ لندن لے جانے پر مجبور ہو گئے۔ آبگینے اچھی تھی
بے وقت چلی گئی۔ کاش! آغا جان نے اتنی جلدی نہ کی ہوتی یا میں........ میں کسی طرح اپنے دل کو منا لیتا۔ اس سے شادی کر لیتا۔
کر لیتا؟...... یہ تو دلوں کے سودے ہوتے ہیں۔ دل کی خوشی سے طے پاتے ہیں۔ جیسے میرے لاکھ چاہنے، اکسانے پر بھی
...... اور یقیناً میں اس کے دل کی خوشی نہیں تو وہ کیسے مان جائے؟ جیسے میں نے آغا جان کے تمام تر احسانوں کو یکسر نظر انداز
کرتے ہوئے آبگینے سے شادی سے انکار کر دیا تھا اور اب........ اگر وہ مجھے نہ ملے تو........ تو میں اسی خاموشی سے واپس چلا جاؤں
جس طرح آیا ہوں۔'
گاڑی کسی عالیشان ہوٹل کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ اسامہ نے سر جھٹک کر خود کو سب پریشان کن خیالات سے آزاد کیا۔
'اچھا، مگر کرایہ سن کر وہ لحہ بھر کو سوچ میں پڑ گیا۔
'ابھی تین چار دن کے لئے لے لیتا ہوں۔ شاید آغا جان نے کچھ انتظام کر لیا ہو۔' وہ ریسپشنسٹ سے معلومات لینے لگا۔
'ابھی فریش ہو کر آغا جان کو فون کرتا ہوں، پھر لائبہ کو۔ نہیں، پہلے دائم کو........ دیکھتا ہوں پہلے کون پہنچتا ہے مجھ سے ملنے۔
اور ایک عرصے کے بعد ہم تینوں پھر سے ایک شہر میں اکٹھے ہوئے ہیں۔' بہت دیر بعد اس خیال ہی سے اس کے لب مسکرا اٹھے
تھے۔

ویٹر نے اس کا سامان کمرے میں رکھا۔
وہ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے ڈریسنگ روم، واش روم اور باہر کی طرف سے ٹیرس کا جائزہ لینے لگا۔
'کمرہ تو اچھا ہے۔' اس نے دل میں اعتراف کیا اور ویٹر کو تھوڑی دیر بعد آنے کا کہہ کر خود جوتوں سمیت بیڈ پر لیٹ کر ریلیکس
کرنے لگا۔

✲⊙......⊙✲

"کون...... کون ہے یہ میڈم یاقوت؟" محمود عالم کے منہ سے مضطرب آواز نکلی۔
"میری بزنس پارٹنر اور........" آگے کیا بتائے، اس کی زبان خود بخود دانتک گئی اور محمود عالم تو جیسے ساعت ہی بن بیٹھے تھے۔ کچھ
یہی حال سارہ کا تھا۔
"اور...... اور کیا؟" وہ اس کی مستقل چپ پر بے زاری سے بولے۔
"اور...... میں زیادہ نہیں جانتا........ ابھی بہت کچھ جاننا باقی ہے شاید ان کے بارے میں۔" وہ خود ہی انہیں اس موضوع
سے اگر اب خود ہی اس سے جان بھی چھڑانا چاہ رہا تھا۔
"تم مجھے اس کے پاس لے چلو۔ ابھی، اسی وقت۔" وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
"اس وقت؟" وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔
"ہاں، اٹھو۔ چلو پلیز! اس وقت تم ہی میری مدد کر سکتے ہو۔ یہ رات........ یہ رات گزرنے نہ پائے........ اگر یہ گزر گئی........
بچالاں رات، خدا کی قسم! اس سیاہ رات کی کالک میں عمروں کے عرق سے بھی دھوتا رہا تو میرے وجود سے الگ نہیں ہوگی۔ پلیز چلو
میرے ساتھ، اٹھو۔ ابھی، اسی وقت۔ فار گاڈ سیک دائم!"

صرف دائم کے پاؤں پکڑنے کی کسر انہوں نے چھوڑی تھی۔ ایک بے بس، مجبور عزت کی ڈولتی ناؤ کو لمحہ لمحہ سنبھال لینا چاہتے تھے، کنارے لے آنا چاہتے تھے۔

''میں بھی ساتھ چلوں گی.......وہ شاید آپ کو دیکھ کر.......'' سارہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

''ہاں، مجھے دیکھ کر بدک جائے گی اور تمہیں دیکھ کر ہنسی خوشی چل پڑے گی ہمارے ساتھ.......آئینہ جا کر دیکھو سارہ بیگم کے کتنے قریب رہی ہو، بحیثیت بیٹی کی ماں کے۔ کب کب تم نے اسے اپنے اس محبت بھرے رشتہ، مان بھری ممتا کا اعتماد دیا؟ عمر بھر بس جنگ لڑی ہے۔ یک طرفہ جنگ، مجھے جیتنے کے لئے اور بس۔''

ان کی آنکھوں میں سرخی دوڑنے لگی۔ بے حد ضبط، بے حد برداشت سے ان کا بدن بھی ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔

''میں نے اگر ماں بھری ممتا نہیں دی تو تم نے کون سا اسے باپ والی شفقت اور بھروسہ دیا؟ آئینہ دیکھنے کی ضرورت محمود عالم! تمہیں ہے۔ اور یہ جنگ کس نے مجھ پر مسلط کی، تمہارے اس دوغلے، پتھریلے رویے نے، جو میرے ساتھ...'' دوبدو ہاتھ نچا نچا کر چلّانے لگیں۔ دنوں کے اندر دن بھر کا غبار بھرا تھا۔

آنے والی ذلت، بیت جانے والی ہتک اور بیٹی کی طرف سے اس بے اعتمادی کے اظہار نے دونوں کو جیسے چٹخا کر رکھ دیا ان کے بحیثیت ماں اور باپ فخر کے آئینے چکنا چور ہو کر رہ گئے تھے۔ وہی بیٹی جو ان کا مان تھی، ان کا غرور کہ ہم دونوں کے کرائسز بھرے تعلقات کے بیچ ہماری کیسی لائق فائق، ذہین بیٹی پروان چڑھی ہے، وہ سارا فخر آج اسی بھری دوپہر میں دھول سڑکوں پر کہیں رُل کر رہ گیا تھا۔

اور اب وہ دونوں تھے، ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے سے بھی گریزاں.......نظریں چراتے، دن بھر کی نڈھال کر دینے لا حاصل تلاش کے بعد اب بالمقابل آ کھڑے ہوئے تھے۔

دائم پریشان سا دونوں کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ دونوں کے تیور آخری حدوں کو چھوتے نظر آ رہے تھے۔ اب دخل دینا لئے فرض بنتا تھا۔

''پلیز انکل، آنٹی!.......ریلیکس.......یہ ٹائم یوں ایک دوسرے کو الزام دینے کا نہیں۔ پلیز کول ڈاؤن۔''

سارہ نے تو اس نازک لمحے میں بھی اسے تحقیر بھری نظر سے دیکھ کر ''اونہہ!'' کہہ کر منہ پھیر لیا تھا، جبکہ محمود عالم کے تاثرات ہی بدلے تھے۔ شاید وہ دائم کی موجودگی فراموش کر چکے تھے۔ نظریں جھکا کر بے اختیار ان کے منہ سے ''سوری'' نکلا تھا۔ رگڑتے ہوئے وہ لہو میں اُٹھتی حدت بھری لہروں پر قابو پانے لگے۔

''مجھے لے چلو گے اس کے پاس، ابھی؟'' ذرا توقف کے بعد وہ پھر اس نکتے کی طرف لوٹے جہاں سے دونوں کے شروع ہوئی تھی۔

''اس وقت؟'' دائم نے متذبذب انداز میں گھڑی دیکھی۔

''ابھی تو زیادہ وقت نہیں ہوا۔'' وہ جلدی سے بولے۔

''کیا کہیں گے آپ ان سے؟'' دائم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ انہیں کیسے ٹالے۔ وہ خود ابھی اس معاملے میں کلیئر نہیں تھا اچانک، اس کا موبائل بجنے لگا۔ دوسری طرف مصطفیٰ صاحب تھے۔ دائم سے حیرت و خوشی چھپائے بھی نہ چھپ سکی۔

اور محمود عالم کے بدن میں مصطفیٰ کا نام سنتے ہی جیسے لہو ہی نہ رہا۔ وہ بے دم سے ہو کر گر گئے۔

انہوں نے دائم اور عزہ کے حوالے سے کیا کیا نہیں سوچ لیا تھا اور مصطفیٰ سے اشاروں کنایوں میں طے بھی کر ڈالا تھا کہ وطن آئیں گے، یہ معاملہ سر دست ہوگا۔ پہلی ترجیح تھی دونوں کی اور اب مصطفیٰ کس موقع پر آ رہے تھے۔ آج کی تاریخ سے پہلے ان کے دماغ میں ہمیشہ عزہ کے حوالے سے۔ دوسروں کے سامنے سر اونچا کر کے بڑے فخر سے بات کیا کرتے تھے۔ رات.......لمحہ بہ لمحہ ان کے غرور اور طنطنے کو کیسے دھواں دھواں کرنے جا رہی تھی۔ اگر یہ بیت گئی، ان کے منہ پر ملتی کالک تو کل کی صبح.......کل کی صبح کیسی بھیانک ہو گئی۔

'ویسی بھیانک جیسی.......وہ صبح.......'ان کے دماغ میں چیونٹا سا رینگا۔

''پاپا آ گئے ہیں۔ بالکل اچانک۔ حالانکہ انہوں نے ٹکٹ کنفرم ہونے کی ڈیٹ کچھ اور بتائی تھی۔ صرف سرپرائز دینے کے لئے۔'' وہ فون کر کے جوش و خروش میں بتاتا چلا گیا اور دوسری طرف چھائی خاموشی سے اسے احساس ہوا، یہ خوشی شیئر کرنے کی نہیں۔

''تم لے چلو گے مجھے اس کے پاس؟ یا پھر مجھے ایڈریس بتا دو، میں خود چلا جاؤں۔'' پہلی بار.......زندگی میں پہلی بار محمود یوں گڑگڑاتے ہوئے اپنا آپ اس حقیر سائل سا لگا، جن کی اوپر تلے ڈھیروں ڈھیر فائلیں ان کے چیمبر کی میزوں، الماریوں

ماں میں بڑی ان کی توجہ طلب کرنے کے لئے گڑ گڑاتی رہتی تھیں.......اور وہ ہر بار سائل کے چہرے پر جلتی جوت کو بے دردی سے بجھاتے، اگلی پیشی کی تاریخ دیئے ہی جاتے اور انہیں کبھی احساس نہیں ہوا تھا کہ یہ پیشی پہ پیشی کیسے اس مظلوم سائل کو قطرہ قطرہ مار رہی ہے۔

"آپ کا جانا مناسب نہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں خود چلا جاتا ہوں اور ان سے عزہ کے بارے میں جو بھی معلوم ہو سکا، آپ کو فوراً فون پر بتا دوں گا۔ ویسے مشکل ہے وہ ادھر ہو۔"

محمود عالم نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"چلو تم ابھی میرے ساتھ.......اس سے جو کہنا، کہلوانا ہوگا، میں کہہ لوں گا۔ پلیز تم ابھی چلو میرے ساتھ۔" وہ زبردستی اس کا ہاتھ تھامے باہر کی طرف لے گئے۔

حاتم نے ذرا سی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا مگر پھر اسے بھی محمود عالم کے اٹل ارادے نے مجبور کر دیا کہ وہ کچھ بھی سوچے بغیر ان کے ساتھ ہو لے۔

سارہ اٹھ کر دو قدم ان کے ساتھ آئیں اور پھر دروازے میں رک کر انہیں جاتا دیکھتی رہیں۔

باہر اندھیرا تم چکی تھی۔ آسمان لہو رنگ ہو رہا تھا، مگر ہوا بالکل گم صم.......''عالم ولا'' پر اترتی اس وحشت ناک رات کی طرح لب بستہ بالکل خاموش۔

سارہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

عزہ! یہ تم نے کیا کیا؟.......میری عمر بھر کی ریاضت.......میرا غرور.......کیسا میں یاسمین کو بول کر آئی تھی، کیسی حقارت تھی میرے انداز میں، میرے الفاظ میں.......اور نہیں جانتی تھی کہ فقط چند دنوں بعد ہی میرے یہ بڑے بول مکافاتِ عمل کی طرح کسی ننگی تلوار کی طرح میرے سر پر تلوار بن کر جھول رہے ہوں گے۔ کیوں کیا عزہ! تم نے ایسا.......کیوں؟'

وہ بے قابو ہو کر دروازے سے لپٹ کر رونے لگیں اور روتی چلی گئیں۔

٭٭٭

"تم اب یہاں بالکل محفوظ ہو۔ کوئی خوف نہیں۔" انہوں نے اسے اپنی پیار بھری آغوش میں ذرا سا لے کر کندھوں سے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔

اس کے چہرے پر ہراس تھا، پریشانی اور خوف۔

"ڈونٹ وری۔ یہاں کوئی نہیں آ سکتا۔ بس مجھے اتنا بتا دو، تم اپنے فیصلے پر پشیمان تو نہیں ہو؟" وہ اس کے اس بیٹھتے ہوئے اسے بازو کے حصار میں لیتے ہوئے بولیں۔

"میں ایسا کرنا چاہتی تھی، مگر اس طرح نہیں۔" عزہ نے انگلیاں مروڑتے ہوئے پریشانی عیاں کی۔

بیگم یاقوت لحہ بھر کو سوچنے لگیں۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے، تمہارے پیرنٹس تمہیں گھر پر موجود ہوتے ہوئے یہ سب کرنے کی اجازت دے دیتے؟"

"نہیں، وہی چاہئے تھی۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"کوئی نہیں دیتا.......کوئی نہیں دیتا۔ نہ خوشی سے، نہ مجبوری سے.......ہاں، بعد میں سب خوشی سے پھانسی دے دیتے ہیں عزا نہیں پالنے والے کو، اور عمل کر گزرنے والے کی تو کیا ہی بات ہے۔"

انہیں سگریٹ پینے کی شدید طلب ہو رہی تھی مگر عزہ کے سامنے وہ خود کو کنٹرول کرنے پر مجبور تھیں۔

"آپ.......آپ بھی اس مرحلے سے گزری ہوں گی۔" عزہ ان کے روشن چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"سب ہی گزرتے ہیں میری جان! اور پھر جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے، سب کچھ ٹھیک ہوتا جاتا ہے۔ ڈونٹ وری۔" وہ اپنا پلو لے کر کھڑی ہو گئیں۔

"اس لگژری اپارٹمنٹ میں تمہاری ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ پھر بھی کچھ چاہئے ہو تو یہ انٹرکام موجود ہے۔ باہر میرا گارڈ اور ملازمہ ہے، جس میں تم فون کر کے کچھ بھی منگوا سکتی ہو۔" وہ اسے بتانے لگیں۔

"سکون بھی؟" عزہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

بیگم یاقوت یک ٹک اسے دیکھنے لگیں۔

"تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے سوچنے کے لئے۔ کم از کم یہ رات ضرور۔ اس کے بعد.......اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔"

"بیگم.......؟" عزہ پریشانی سے بولی۔

''میری جان! شہرت، عزت، دولت سب کچھ........بس واپسی کے لئے تھوڑا سا حوصلہ اور برداشت اور بس۔'' ہم
بھٹکتی رو کو کنٹرول کرتے ہوئے فوراً پینترا بدلا تھا۔
'اس رات کے بعد واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔'انہوں نے عزہ کے صبیح چہرے پر چھلکتی پریشانی کو دیکھتے ہوئے دل!
''آپ میرے پاس نہیں رہیں گی؟'' عزہ جھجکتے ہوئے بولی۔
''نہیں میری جان! یہاں نہیں........اور دیکھو، آج کی تو رات ہے۔ اتنا کام ہے کرنے والا۔ اور کل رات!
مصروفیت بھری ہے یہ رات اور آنے والا دن........اور تمہارے لئے اس رات میں بھرپور نیند لینا بہت ضروری ہے۔
کوئی چیز تمہیں اٹریکٹو نہیں بنائے گی، صرف یہ بھرپور نیند، وہ بھی ٹینشن فری۔ میں تمہیں یہ ٹیبلٹ دیتی ہوں۔ یہ نیند
سکون کی ضرور ہے۔ اسے کھاتے ہی تمہارا دماغ ہر قسم کی ٹینشن اور پریشانی سے آزاد ہو کر اتنا ہلکا پھلکا ہو جائے گا
سمندروں کے ٹھنڈے شفاف پانیوں میں غسل کر رہا ہوں۔ آزمائش شرط ہے۔'' انہوں نے اپنے پرس سے اسے
ٹیبلٹس دیتے ہوئے کہا۔
عزہ متذبذب سی انہیں دیکھنے لگی۔
''دل مانے میری جان! تو لینا۔ ورنہ ڈسٹ بن موجود ہے اور مجھے ان کے ضائع ہو جانے کا دکھ بھی نہیں ہوگا
مجھ پر قائم رہنا چاہئے۔ اچھا بتاؤ، کھانے میں کیا لو گی؟ شاید تم نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا۔'' وہ ایک بار پھر اسے اپنا
ہوئے بولیں۔
''ابھی کچھ نہیں۔ جی نہیں چاہ رہا۔''
''نو، نو........اس جی چاہنے کے پیچھے نہیں چلنا۔ بر اپر ڈائٹ، بھرپور نیند ان تین گھنٹوں کے لئے جادو کا کام کرے گا
لے کر فریش ہو جاؤ، میں کھانا منگواتی ہوں تو ماں بیٹی مل کر ڈنر کریں گے۔'' ان کے بے ساختہ ماں بیٹی کہنے پر عزہ کی آنکھ
آنسو آگئے اور پھر جیسے دل کا دُکھتا پھوڑا بہہ نکلا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
میڈم یاقوت نے آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے کے بعد آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں
پڑتی چلی گئیں۔
میڈم یاقوت اس کے بال سہلاتی اس کی کمر اور پشت پر ہاتھ پھیرتی رہیں۔
''چلو، تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔ اُٹھو، تم سہہ نہیں سکتیں اپنے پیرنٹس کی جدائی، آئی نو۔ میں تمہاری رئیل مدر نہیں تو کیا ہوا
فیلنگز کو سمجھتی ہوں۔ ماں تو ہوں نا۔ اٹھو شاباش! چلو۔'' وہ اس کے بال سنوارتی، چہرہ صاف کرتی اس کے ہاتھ پر بوسہ دیتی
ہوئیں۔
عزہ کو یوں لگا جیسے کسی نے اسے آزادی کا پروانہ تھما دیا ہو۔ وہ خوشی خوشی ناک سے سوں سوں کرتی کھڑی ہوگئی۔
''چلیں؟'' وہ بولیں تو اس نے سر ہلا دیا۔
دونوں بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

❋◉......◉❋
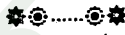
''آپ دروازے میں کیوں کھڑی ہیں؟'' تنزیل نے یاسمین سے پوچھا اور آغا جان کو سہارا دیتے ہوئے اندر لانے لگا
''یونہی........آغا جان کو کیا ہوا؟'' وہ ان کے ساتھ چلنے لگیں۔
''پانی........پلا دو مجھے۔'' آغا جان برآمدے میں ہی کرسی پر بیٹھ گئے۔
یاسمین نے انہیں پانی لا کر دیا۔
''کوئی آیا تھا ابھی؟'' تنزیل نے یاسمین سے پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔
ربیعہ شربت والا جگ اور ٹرے لئے ڈرائنگ روم سے نکل رہی تھی۔
''ہاں، کوئی عورت تھی۔ طوفان میں پھنس گئی تھی اور........اور اُس کی گاڑی بھی خراب ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر رک کر چلی
گئیں۔'' یاسمین اٹھ کر آغا جان کے کندھے دباتے ہوئے بتانے لگیں۔
''اور چلی کیسے گئیں، گاڑی خراب تھی تو؟'' اور یاسمین دل میں پچھتانے لگیں، تنزیل کو کیوں بتایا۔ کسی ہمسائے کے آ
ٹال دیتیں۔
''معمولی خرابی ہوگی۔''
''امی! آپ سے ہزار بار کہا ہے، لیکن مجھے لگتا ہے آپ کو ابھی بھی کوئی سبق نہیں ملا۔'' وہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے

"اور تم...... تم کیا کرتے ہو؟ تم نے زندگی میں کون سے کارنامے انجام دے دیئے ہیں، پے در پے لگنے والی ٹھوکروں کے
احسن مراد کس وقت کمرے سے نکل کر آئے، کسی کو پتہ نہیں چلا۔
بہاں بھی تنزیل بہت دنوں بعد تو ان کے ہاتھ لگا تھا۔ تنزیل نے جواب دینے کے لئے لب کھولے اور بھینچ لئے۔
یاسمین باری باری دونوں کو دیکھنے لگیں۔
"میں سے کہو...... سمجھے۔ اس وقت کو غنیمت جانے۔ کیوں زندگی کو پاس ٹائم بنا رہا ہے؟ پچھتائے گا۔ اور جو اسے مفت کی
ہے، یہ گھر...... کیسے چلے گا؟ کیا ان دونوں کو بھی یونہی کسی راہ چلتے، لفنگے کے ساتھ رات کے اندھیرے میں بنا دھیلا خرچ
روں گی؟"

یاسمین نے بے اختیار برآمدے کے ٹوٹے ہوئے فرش کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ کاش! یہ گڑھا کچھ اور کشادہ ہو جائے اور وہ پوری
بہار اس کے اندر سما جائیں۔
"ممی پلیز" تنزیل اور اتنا ضبط کر جائے، اتنی بڑی باتیں یونہی صرف دو لفظوں کے سہارے سہہ جائے۔
اور سعیہ یاسمین کے کچھ اور بھی اندر چلی گئیں۔
"بے وجہ بات کا بتنگڑ بنانا نہیں چھوڑو گے احسن مراد! ابھی تو بے چارہ گھر آیا ہے صبح کا گیا۔" اندر سے ثریا بانو کو مداخلت کرنا

"آج آوارگی سے تھک کر آیا ہو گا نا، اماں کا چہیتا۔" وہ اسی طرح جم کر بولے۔
"نوکری مل گئی ہے اسے، آفس ہی سے آ رہا ہے۔ اور کیا چاہتے ہیں اس سے؟" یاسمین، تنزیل کے آگے کھڑے ہوتے ہوئے
تیز لہجے میں بولیں۔
"یہ بھی پوچھ لو، کتنے دنوں کی ہے تا کہ اگلے فاقوں کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جائیں۔"
آغا جان آہستگی سے اٹھے اور اندر جانے لگے۔
"آغا جان! ٹھیک ہیں اب آپ؟" یاسمین انہیں سہارا دیتے ہوئے پوچھنے لگیں۔
"ہونہہ" احسن مراد کہتے ہوئے واپس اپنے کمرے کی طرف مڑ گئے۔ تنزیل گہرا سانس لے کر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔
"اگر فرصت ہو جائے تو باپ کو ایک پیالی چائے کی بنا کر بھیج دو، جو دونوں باورچی خانے میں گھسی سر جوڑے بیٹھی ہو۔"
ربیعہ اور سعیہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور سعیہ اُٹھ کر چولہے پر چائے کا پانی رکھنے لگی۔
"کتنی عجیب طبیعت ہے ابو کی۔" ربیعہ ہولے سے بولی۔
"بیمار جو ہیں۔" سعیہ دال صاف کر رہی تھی۔
"کیا لوگ بیمار نہیں ہوتے؟ بس جسمانی بیماری سے زیادہ آدمی کی روح کو کوئی روگ نہ لگے۔" سعیہ حیرت سے اسے دیکھنے
لگی۔ "اس گھر میں سب ہی روح کے بیمار ہیں۔"
"ہم بھی؟" سعیہ نے مسکرا کر کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ہم سب کو ابو کی طرح چلانا چاہیے۔"
"بیماری ایک تو نہیں ہوتی۔ جس طرح جسم کی مختلف بیماریاں ہوتی ہیں، اسی طرح روح کی...... اور ہم سب مختلف روحانی
بیمار ہیں۔" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔
"نفسیات پڑھ رہی ہو یا اسے اپنے اعصاب پر سوار کر رہی ہو؟ کہا تھا، یہ سبجیکٹ نہ رکھو۔" سعیہ نے اسے گھورا۔
"بہت دلچسپ ہے سعیہ! یہ جو گوشت پوست کا مٹی کا باوا ہے، کھلونا...... جس کے تمام افعال پہلے سے متعین شدہ ہیں، اس
کی کہانی چلتی ہے اور ان طے شدہ کاموں کو سر انجام دیتے ہوئے اس کی روح میں کیسے مد و جزر اُٹھتے ہیں اور یہ
جیسے آپی کا جانا اس گھر کی تقدیر میں لکھا تھا اور اس کے بعد اُٹھنے والے مد و جزر نے ہم سب کو بیمار کر ڈالا ہے۔ روحانی

"تم مجھے ذہنی بیمار یعنی پاگل کر دو گی، اپنے اس بے تکے فلسفے سے۔ چائے کھول رہی ہے، لے جاؤ، اس سے پہلے ابو جی
اپنی والی بڑھک لگائیں۔"
وہ اٹھ کر دال بھگونے لگی۔ ربیعہ چپ چاپ چائے کپ میں نکالنے لگی۔

❋ ⊙ ...... ⊙ ❋

"کہاں گئی تھیں لے آئے تنزیل! جا کر؟" ثریا بانو نے تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے چھت کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے آغا جان سے

کہا۔ وہ متوجہ نہیں ہوئے۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری آغا؟'' انہوں نے ذرا توقف سے پوچھا۔

''ہوں...... ہاں۔'' انہوں نے لمبا سا سانس کھینچا۔

''تو پھر یوں کیوں لیٹے ہو؟ جب سے آئے ہو بالکل گم سم، بس ٹکٹکی باندھے چھت اور دیواروں کو تکے جا رہے ہو
باہر؟......اور تم گئے کہاں تھے؟'' انہیں یاد آیا تو پوچھنے لگیں۔

''ہاں......'' وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ''وہ آ رہا ہے۔''

''کون؟'' انہوں نے تسبیح مٹھی میں بند کر لی۔

''اسامہ......میرا پوتا۔''

''تمہارا پوتا......خوب...... یہ بھی خوب کمال کیا تم نے۔ زندگی میں جو اپنے تھے، انہیں کبھی اپنا نہ سمجھا اور ایک
اپنایا کہ بڑے فخر سے پوتا بتاتے ہو۔'' ثریا بانو چاہتے ہوئے بھی طنز سے باز نہ رہ سکیں۔

''تنزیل سے کہنا کہ اسٹیٹ ڈیلر سے کسی اپارٹمنٹ کا پتہ کروائے کرائے کے لئے۔'' وہ ان کے طنز کو نظر انداز کر
بولے۔

''سٹھیا گئے ہو اس عمر اور اس خوف ناک بیماری میں۔ یہ موئے اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں کیسے چڑھو گے؟ جو چار روز
اسی طرح چلتے گھسٹتے گزار لو تو اچھا ہے۔ کہیں گر کر ہڈی تڑوا بیٹھے تو کون سنبھالے گا؟'' وہ صاف گوئی سے بولیں۔

''اسامہ اب یہاں تو نہیں رہ سکتا نا، اسی نے مجھے کہا تھا، ادھر کوئی کرائے پر اچھا فلیٹ مل جائے۔''

''تو دادا پوتا باہر رہے، خوب کمایا و مایا بھی ہو گا۔ یہاں کا سو روپیہ ان کے ایک کے برابر......تو کیا کرائے کے
دھکے کھاؤ گے؟''

'ماں بیٹے کی زبان کے آگے خندق ہے۔' آغا جان نے دل میں سوچتے ہوئے ثریا بانو کو دیکھا۔

''ابھی تو وہ جاب کے لئے گیا تھا اور میں نے عرصہ ہوا......خیر چھوڑو، وہ آ رہا ہے تو خود ہی کچھ کر لے گا۔ مجھے
طرح رہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جبکہ میں اپنا حصہ لے چکا ہوں۔ اچھا نہیں لگتا۔'' وہ بولے تو ثریا بانو نے کچھ نہیں کہا۔
گویا وہ آغا جان کے فیصلے سے متفق تھیں۔

''اچھا بھابھو! سنو۔'' ذرا دیر بعد وہ بے چین سے ہو کر بستر سے اٹھے اور کرسی پر ثریا بانو کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔
سے انہیں دیکھنے لگیں۔

''میری نظر اس عمر میں بھی اچھی بھلی ہے۔ اور دھوکا مجھے ہوا نہیں کہ دھوکا پل بھر کا ہوتا ہے۔ اور میں نے اسے بہت
ہے۔ بس غلطی یہ ہوئی کہ میرے اعصاب یک دم بے حس ہو گئے۔ ذرا بھی کام نہیں کر رہے تھے، ورنہ...... ورنہ مل
دے ہی سکتا تھا، جب گاڑی بالکل میرے پاس سے گزری، اتنا پاس کہ ہاتھ بڑھا کر روک لیتا۔ اور پتھر کی طرح جما کھڑا
نہ بڑھا سکا۔'' وہ جیسے خود سے بولتے ہوئے تاسف سے کہہ رہے تھے۔

''کیا......کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟......کس کو دیکھ لیا؟'' ثریا بانو ان کی بے ربط گفتگو سے کچھ بھی اخذ نہ کر
''بھابھو!'' وہ جوش میں اور آگے بڑھے اور رازداری سے بولے۔ وہ حیران سی ان کو دیکھنے لگیں۔ ''بھابھو وہ......
ہے۔'' کپکپاتی آواز میں وہ بولے تھے۔

''کون؟......کون زندہ ہے؟ تمہاری پوتی آبگینے؟'' فوری طور پر عقل کا گھوڑا دوڑانے پر انہیں یہی سوجھا تو بول پڑیں
جان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو......تو کون؟''

''سوچو...... بوجھو۔'' وہ جیسے ان کی حیرت سے محظوظ ہو کر بولے۔

''زرین......زرین زندہ ہے؟''

''اونہہ......'' انہوں نے پھر سر ہلایا۔

''تو کون؟...... بولو بھی......اب تو میرا دل بھی رفتار پکڑنے لگا ہے۔'' اب کے وہ جھنجلا کر بولیں۔

''زرین کی بیٹی......'' وہ پھر سے کپکپاتی آواز میں سرگوشی کرتے ہوئے بولے اور اگلا لفظ ان کے لبوں ہی میں کانپ
گیا۔

''ز......زریں......کی بیٹی......زندہ......تم نے دیکھا؟'' وہ ہکلا کر بولیں تو آغا جان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ثریا بانو بے بس سی رہ گئیں۔

"لیکن...... یونہی آج کل میرا دل اُڑا اُڑا نہیں رہتا تھا اور پے در پے جو یہ سارے واقعات ہوئے ہیں...... عقل سٹھیا کر رہ گئی تھی، وہ سوچتے ہوئے۔ اور کئی دنوں سے آغا!...... کئی دنوں سے، خدا کی قسم، جھوٹ نہیں کہوں گی، خود بخود...... ذہنی رو بہک کر اسی کی طرف جا رہی تھی۔ حالانکہ اب تو مدتیں ہوئیں۔ تو یہ اشارہ تھا۔ میں نے احسن سے بھی بولا تھا۔ تم...... تم نے اسے روکا کیوں نہیں؟" سحر زدہ لہجے میں بولتے بولتے وہ تیزی سے بولیں۔

"روک ہی نہیں سکا۔ سارے اعصاب برف بن گئے تھے میرے۔" وہ تھکن زدہ انداز میں بولے۔

"اب کہاں ڈھونڈو گے اسے؟"

"جب اتنے برسوں بعد نظر آ گئی ہے تو......"

"اس نے تمہیں دیکھا؟" یک دم انہیں یاد آیا تو پوچھنے لگیں۔ آغا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو اس نے بھی نہ بلایا تمہیں؟"

کیا بتاتے کہ اس نے انہیں پانچ سو روپے کی بھیک بھیجی تھی، یہ بتاتے...... وہ خالی خالی نظروں سے ثریا بانو کو دیکھے گئے۔

☸......☸
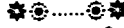
"اُف...... نظر نہیں آتا تم لوگوں کو۔ کیا حال ہو گیا ہے گھر کا۔ جب آندھی چلی تو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ کھڑکیاں دروازے بند کر لیتے۔ سارا گھر مٹی سے اٹ گیا ہے۔ سانس لینا دشوار ہو رہا ہے۔ سب کے سب کام چور ہیں۔" وہ سارے نوکروں کے سر پر کھڑی صفائی کرواتی بول رہی تھیں۔

لاؤنج میں بیٹھے مصطفیٰ نے اپنی پیاری بیوی کو یوں مالکانہ حقوق کے ساتھ نوکروں پر برستے دیکھ کر ایک مدت سے سینے میں اٹکا وہ گہرا سانس لیا جو صرف اسی فضا، اسی گھر کی چار دیواری میں وہ لے سکتے تھے۔

"آپ تو اندر چلے جائیں۔ اتنی مٹی ہے، وہیں بیٹھے رہیں۔" رخشندہ کی نظر ان پر پڑی تو وہیں سے بولیں۔

"اسی مٹی کو سونگھنے، اوڑھنے اور اس میں بسنے کی خواہش تو مجھے یہاں کھینچ کر لائی ہے بیوی!" وہ وہیں بیٹھے آرام سے بولے۔

"پھر ڈائیلاگ پھر بولیے گا۔ اُٹھ جائیں یہاں سے، ابھی تو ہاتھ لے کر آئے ہیں۔"

"تم میرے پاس بیٹھو تو مانوں گا۔" وہ شرارت سے بولے۔

"مصطفیٰ!...... گھر کا حال دیکھ رہے ہیں؟"

"او گریلو گھر خاتون! نوکر بے چارے تمہارے اس فوجی آپریشن سے ڈر کر جلدی جلدی صفائی کر تو رہے ہیں۔ اب تم انہیں چھوڑو اور کچھ اس غریب پر بھی نظرِ کرم جو اتنے سمندر پھلانگ کر، اتنے ملکوں کی فضائی حدود کراس کر کے صرف آپ کی محبت سے فیض پانے کے لئے یہاں آیا ہے اور یہاں آ کر......" پاس آ کر بولتے ہوئے وہ آہ سی بھر کر رہ گئے تو رخشندہ ہنسنے لگیں۔

"آپ کا بدلنا بہت مشکل ہے مصطفیٰ!"

"بدل جاؤں ابھی، کھڑا کھڑا پھر دیکھ لو، تم ہی پچھتاؤ گی۔" انہوں نے ذرا محبت سے کہا تو ڈسٹنگ کرتی ملازمہ کی بیٹی شرما کر ہنسی، رخشندہ نے اسے دیکھ لیا۔

"آپ بھی حد کرتے ہیں۔ کچھ نوکروں کا ہی خیال کر لیں۔ اچھا چلیں، میں بھی چلتی ہوں آپ کے ساتھ۔" وہ زچ ہو کر ان کو ساتھ لیے بڑھیں۔

"مما، یہ صاحب زادے کا حال دیکھ رہی ہو؟ گھنٹہ بھر سے کال کر کے بتا رکھا ہے، ابھی تک غائب ہیں۔" وہ کمرے میں آ کر جھنجھلاتے ہوئے بولے۔

"عجیب ہی طرح کا ہو گیا ہے دائم۔" وہ بے دلی سے بولیں۔

"کس طرح کا؟" وہ بے اختیار چونکے۔

"کبھی بے حد اپنا اور کبھی بالکل اجنبی۔" وہ تھک کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

مصطفیٰ ان کی شکل دیکھتے ہوئے کھڑکی کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"کیا بات ہے، اس مسئلے کا؟" وہ ذرا توقف سے بولے۔

"مسئلہ تو کچھ بھی نہیں۔" وہ اُداس پن سے بولیں۔

"کیا مطلب؟"

''تلاش جاری ہے۔''

''کوئی کامیابی؟''

''فی الحال نہیں۔'' تھکن آواز میں نمایاں تھی۔

''او کے، ڈونٹ بی ٹینس۔ پیاری بیوی! میں آ گیا ہوں نا، اب دونوں مل کر سب کچھ ٹھیک کر لیں گے۔ اور سچ کہوں؟'' وہ اُٹھ کران کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

''کیا؟'' وہ افسردہ سی تھیں۔

''تمہاری غلطی........ بہت پہلے کی........ کاش! تم اس رات ہی مجھے تمام معاملے سے آگاہ کر دیتیں۔ خدا کی قسم! مصطفیٰ اتنا تھڑ دلا نہیں تھا کہ ایک بچے کو باپ کی شفقت نہ دے سکتا یا اس کی ماں کے پاس دوبارہ جا کر تمہاری خاطر معافی نہ مانگ سکتا۔''

''مصطفیٰ........!'' وہ ایک دم سے ان کے ہاتھوں پر چہرہ رکھ کر رونے لگیں۔

''اس گلٹ نے مجھے مار ڈالا اندر ہی اندر۔ میں برسوں سے مری پڑی ہوں اور اپنی زندہ لاش اٹھاتے اٹھاتے تھک گئی ہوں اور دائم کا اتنا خوف ناک رویہ، اتنا عجیب ساری ایکشن، وہ تو مجھے اون کرنے پر بھی تیار نہیں تھا۔ پتہ نہیں کیسے مانا ہے کہ میں نے کیا ہے اس لڑکے کو ڈھونڈنے کا........ اس عورت سے ملوانے کا........ مصطفیٰ! دائم اصول پسندی میں آپ سے بھی کئی ہاتھ آگے ہے۔''

وہ سسکتی ہوئی، اپنے دل کا درد کہہ رہی تھیں۔ آج اتنے دنوں بعد، اتنے سالوں بعد انہیں اس درد کو بانٹنے کا موقع مل سکا تھا۔

''میرا بیٹا جو ہوا........ ہے نارخشی؟'' وہ بولتے ہوئے ایک دم بے یقین سے ہو کر پوچھنے لگے۔

''خدا کے لئے مصطفیٰ! آپ تو میرا یقین کریں........ کوئی تو........'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''او ہو، بھئی بی بریو۔ کیا ہو گیا ہے؟ اگر مجھے تم پر یقین نہ ہوتا تو میں تمہاری ڈائری پڑھتے ہی تم سے رابطہ نہ کرتا ہیں! چھوڑو، اب بتاؤ، آگے کیا کرنا ہے؟'' وہ اُن کا چہرہ اُٹھا کر ٹشو سے صاف کرتے ہوئے نرمی سے بولے۔

''آج میں اس جگہ گئی تھی۔'' آنکھیں صاف کرتے ہوئے وہ بولیں۔

''کہاں؟''

''جہاں مجھے شک ہے کہ میں نے بچہ اس رات رکھا تھا۔''

''ظاہر ہے، اب وہاں پڑا تو مل نہیں سکتا، وہ بھی اتنے برسوں بعد۔ اچھا، تو کوئی کلیو ملا؟''

''ملا بھی اور نہیں بھی۔''

''کیا مطلب؟''

''مل جاتا........ بلکہ مجھے لگ رہا تھا کہ میں ٹھیک جگہ پر پہنچی ہوں کہ اچانک آپ کا فون آ گیا اور میں........ میں بھول ہی گئی میں کہاں کھڑی ہوں۔ بس یہی خیال کہ اُڑ کر آپ تک آ پہنچوں۔''

''او لیلیٰ، سوہنی کی جانشین! اگر کلیو مل رہا تھا تو تھوڑا دل کو باندھ لینا تھا۔ مصطفیٰ تو بے چارہ جو آپ سے بندھا ہے تو بندھا رہے گا۔ فرار کا امکان ہے نہ تبدیلی کا۔''

''اچھا مذاق نہیں........ دوبارہ دائم کو کال کریں، وہ آتا ہے تو کھانا کھاتے ہیں۔'' وہ اُٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔

''اور ہم جو اتنے مہینوں کے ترسے ہوئے آپ سے ملے ہیں، وہ؟''

وہ معنی خیز انداز میں ان کا ہاتھ پکڑ کر بولے تو رخشندہ نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''آپ مرد لوگ موقع محل نہیں دیکھتے اور جھٹ سے رومانٹک ہو جاتے ہیں۔ اور ہاں........'' انہیں جاتے جاتے کچھ یاد آیا۔

''اسامہ نہیں آیا آپ کے ساتھ؟''

''آیا ہے۔ مگر دوسری فلائٹ سے۔ اچھا یاد دلایا، میں ذرا اس کا بھی پتہ کر لوں۔ ایڈریس تو میں اسے دے آیا تھا کہ ایئرپورٹ سے سیدھا ادھر ہی آنا۔ اور اب میرا خیال ہے، اس کی فلائٹ پہنچ چکی ہوگی۔ فون کرتا ہوں کہ ڈرائیور بھجوا دوں۔'' وہ سیل فون نکال کر نمبر ملانے لگے تو رخشندہ باہر چلی گئیں۔

✲✲........✲✲
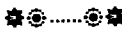
لائبہ مسلسل کمرے میں ٹہلے جا رہی تھی۔

اس کا سارا دھیان ایک نکتے کی طرف تھا۔ وہ وقفے وقفے سے ہاتھ میں پکڑے موبائل فون سے میڈم یاقوت کا نمبر ملاتی اور موبائل غصے میں بند کر دیتی۔

موبائل مسلسل آف مل رہا تھا۔ ان کے بیگ میں پڑے دو فون بج تو رہے تھے، مگر کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔
پھر وہ تنگ آ کر دائم کا نمبر ملانے لگی۔ اس کی کال جا رہی تھی۔ مگر بار بار ڈراپ کر دی جاتی۔
اور اس کی تیسری ٹینشن اسامہ کی مسلسل آنے والی کالز تھیں، جسے وہ بار بار ڈس کنکٹ کر رہی تھی۔
آخر تنگ آ کر اس نے موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارا اور خود بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔
'مام کے گرد پھیلا یہ پُراسرار لبادہ دبیز ہوتا چلا جا رہا ہے، ہر آنے والے دن کے ساتھ۔ ان کی پراسرار سرگرمیاں، جن کے نزدیک وہ مجھے آنے نہیں دینا چاہتیں۔ اور کاش! میں ضد کر کے ان کے پیچھے ہی گاڑی سے اُتر جاتی یا ان کے اُترنے کے بعد..... انہوں نے اچانک دائم کی طرف جانے والا فیصلہ کیوں بدلا؟
وہ کال کس کی تھی؟........ کسی بے حد خاص شخص کی....... مام کی بے چینی دیکھنے والی تھی اور اس سے پہلے وہ مشکوک بڑھیا......مام کی پانچ سو روپے کی خیرات بھیجنا اور ان کے چہرے کے تاثرات کچھ.......کچھ مسٹریس ہوتا جا رہا ہے۔ جیسے....... جیسے میں ہیری پوٹر کی دنیا میں آ گئی ہوں۔ آخر مام مجھ سے کیا چھپانا چاہ رہی ہیں؟ اور میں گھامڑ اتنے دنوں سے یہاں ڈمب بنی بیٹھی ہوں، کیوں نہیں کھوج لگاتی؟' اسے خود پر غصہ آنے لگا۔
'کہاں کھوج لگاؤں؟....... ہر دروازہ، ہر کھڑکی، ہر روزن تو بند ہے۔ اور ان پر مام کی پُراسراریت کا اتنا بھاری تالا پڑا ......کیا کروں؟' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
'اسامہ کہیں پاکستان تو نہیں آ گیا؟' یک دم اُسے خیال آیا۔
"اونہوں، آ بھی گیا ہو تو.......ایک اور ٹینشن سر پر سوار، جس طرح.......شاید دائم مجھے اپنی نروز کے لئے بوجھ سمجھتا ہے، اسی طرح میں اسامہ کو........نہیں، میرا دل کسی بھی طرح راضی نہیں ہوتا۔ اسامہ دوست اچھا، مگر ہمسفر.......نہیں، بالکل بھی نہیں۔' وہ بیڈ پر دراز ہو گئی اور سوچنے لگی۔
"بی بی جی! کھانا لے آؤں؟" ملازمہ دروازہ ناک کر کے اندر آئی اور پوچھنے لگی۔
"نہیں۔ اور مجھے بھوک نہیں۔ بار بار آ کر یہ بکواس نہ کرنا۔" وہ اس پر غصہ نکالتے ہوئے بولی۔
وہ سر ہلاتے ہوئے جانے لگی تو لائبہ کو کچھ خیال آیا۔
"سنو!"
آخر، مام کی اچھی راز دان تھی۔ مگر کمبخت بالکل بند بوتل تھی۔ بوتل بھی ایسی جس کا کوئی کاک ہوتا ہے نہ ڈھکن۔ وہ سوچنے لگی۔
"جی بی بی جی!" ملازمہ کچھ حیران سی اسے دیکھتے ہوئے بیٹھ گئی۔
"مام آ گئیں؟"
"جی ابھی نہیں۔"
"ان کا کوئی فون آیا؟" اسے معلوم تھا، اس سے زیادہ تو ان کے ملازم ان کے بارے میں خبریں رکھتے ہیں۔
"نہیں جی۔"
"اچھا، تم مام کے پاس کب سے ہو؟"
"بہت عرصے سے۔ اب تو یاد بھی نہیں۔"
"لیکن وہ تو بیچ میں دبئی چلی گئی تھیں۔ آٹھ، دس سال وہاں رہیں تو تم ساتھ تھیں؟"
"نہیں جی، ساتھ نہیں گئی۔ ادھر جوان کا پہلا پرانا چھٹے والا گھر تھا، وہیں رکی رہی تھی دیکھ بھال کے لئے۔" گویا اس کے پاس بیگم صاحبہ کے بارے میں بہت کچھ ہو سکتا تھا۔
"اچھا، وہ جو بوڑھی عورت پچھلے دنوں مری، اس کا مام سے کیا تعلق تھا؟" اسے یک دم ہی خیال آیا تھا۔ ملازمہ کچھ گھبرا گئی۔
"پتہ نہیں جی۔ آپ خود ان سے پوچھ لیں۔ ہم تو ملازم ہیں، ہمیں صرف خدمت کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ تعلق یا رشتہ معلوم کرنے کا نہیں۔" وہ خود کو صاف بچاتے ہوئے بولی۔
"یہاں اس گھر میں کب سے تھی وہ بوڑھی عورت؟"
"جب بیگم صاحبہ دبئی سے آئیں تو.......اسے.......انہیں ایک دن اپنی گاڑی میں لے کر آئیں۔ بہت بیمار تھیں وہ۔"
"کہاں سے لے کر آئی تھیں، یہ بھی پتہ نہیں؟" وہ تیز لہجے میں بولی تو وہ کچھ ڈری سی گئی۔
"لیکن بی بی، اسے دیکھ کر تو تقریباً سب ہی ملازم پہچان گئے تھے۔ وہ زہرہ بائی تھی۔ پہلے بازار میں ہوتی تھی اور کبھی کبھار ریڈیو پر گاتی تھی، پھر چھوڑ چھاڑ گئی.......ان جیسیوں کی جی آخر بڑی خراب ہوتی ہے۔ پتہ نہیں کدھر پڑی تھی جو بیگم صاحبہ ترس کھا کر

لے آئیں...... میں اب جاؤں جی؟'' اسے یکدم خیال آیا کہ وہ کہیں اپنی حدود سے آگے ہی نہ کراس کر جائے تو گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ لائبہ اسے دیکھنے لگی۔

''مام اسے ترس کھا کر لے آئیں...... کس رشتے سے؟''

''مجھے کیا پتہ جی؟...... یہ بڑے لوگوں کی باتیں ہوتی ہیں۔''

''اور مام کو کبھی اس پر ترس کھاتے بھی دیکھا تم نے؟...... میں نے تو نہیں دیکھا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

ملازمہ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

''وہ طوائف تھی؟'' لائبہ نے اس سے پوچھا۔ اب کے ملازمہ کچھ نہیں بولی۔ سر جھکا کر کھڑی رہی۔

''جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ سب جانتی ہو، مگر بکو گی نہیں۔ دُور ہو جاؤ۔'' اس نے غصے میں چلا کر کہا تو وہ اُلٹے قدموں بھاگ گئی۔

'وہ طوائف تھی۔ ہیرا منڈی سے لائی گئی...... اور مام اس پر ترس کھا کر لے آئیں...... وہاں کی سینکڑوں طوائفیں علاوہ بیمار رُل رہی ہوں گی۔ کسی اور کو مام کیوں نہیں لائیں؟ وہ وہ بڑھیا...... اسے کیا ضرورت تھی مجھ سے جھوٹ بولنے کی کہ وہ ہے؟...... وہ ہو گی یقیناً میری نانی۔ مام...... مام کب تک چھپیں گی، جھوٹ کے پردے میں؟...... ہاں، جس کا ایسی جگہ سے تعلق ہو، وہ آخری دم تک خود کو چھپانے کے لئے جھوٹ کا سہارا تو لے گا۔

اور مام کے حوالے سے میں بھی اسی گٹر...... اوہ نو...... یہ سب عذاب ایک ہی بار کیوں نہیں اُتر آتے؟'

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

✻◉......◉✻
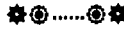
وہ بار بار اپنے موبائل پر نمبر ڈائل کرتی اور پہلی بیل جانے سے پہلے فون بند کر دیتی۔

'معلوم نہیں، میں نے یہ کیسا فیصلہ کیا ہے۔ میرا مائنڈ ٹوٹلی ڈیوائیڈ ہو چکا ہے۔' اس نے دونوں ہاتھوں میں سر جکڑ لیا۔

'مجھے خود کو منوانا ہے۔ آخر اس میں کیا حرج ہے؟ اگر میم کی نیت میں کوئی گڑبڑ ہوتی تو جس طرح میں ان کے ساتھ چلی گئی تھی، وہ فوراً بدک جاتیں۔ مجھے بہکاتیں۔ مگر انہوں نے تو فوراً مجھے گھر چھوڑنے کی آفر کی...... اور اگر میں ان کی یہ آفر نہ مانتی تو اس تاریک رات کے بعد میرے درخشاں فیوچر کا جو دروازہ کھلنے والا ہے، وہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا۔ میرے پیرنٹس اتنے پڑھے لکھے ہونے کے باوجود کتنے کنزرویٹو ہیں، اس کا اندازہ تو مجھے ان چند ماہ میں ہو ہی چکا۔'

وہ اُٹھ کر ٹہلنے لگی۔

'صرف یہ تین گھنٹے گزر جائیں، میں گھر چلی جاؤں گی۔ ان سے معافی بھی مانگ لوں گی اور وہ مجھے معاف بھی کر دیں گے لیکن اگر اب چلی گئی تو...... میرا یہ شائننگ فیوچر ایک دم سے تاریک اندھیروں میں بدل جائے گا اور مجھے اسے حاصل کرنا ہے، خود کو منوا کر۔ مجھے پتہ ہے، میرے گھر جاتے ہی پاپا نے، ماما نے کہیں بھی، کسی طرح، کسی سے بھی پکڑ کر میری شادی کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ ہاں، وہ ہیں ہی اتنے تنگ نظر۔ تو کیوں نہ میں ان کی تنگ نظری کا شکار ہونے سے پہلے اپنے دل کی یہ خوشی پوری کر لوں۔ شادی کے لئے تو عمر پڑی ہے اور وہ......' اُسے یک دم دائم کا خیال آیا۔ دن بھر میں اس کی آنے والی کالز اُس کی بے چینی کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔

'جب اسے میری پروا نہیں تو میں کیوں کروں؟' وہ کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگی۔ 'کتنا خوبصورت اپارٹمنٹ ہے۔ ہر چیز شاندار ماڈرن اور لگژری۔ میم کے پاس کتنی دولت ہے، شاید انہیں خود بھی معلوم نہیں ہو گا۔ وہ ایک ٹیلنٹڈ خاتون ہیں۔ میرا آئیڈیل اور قدر انکساری ہے ان میں۔ ذرا بھی غرور نہیں۔ اور مجھے تو اپنی بیٹی کہتی ہی نہیں، سمجھتی بھی ہیں، تو وہ کیوں اپنی بیٹی کے ساتھ برا کریں گی؟...... کبھی نہیں۔ آئی ایم شیور۔'

وہ مطمئن سی ہو کر صوفے پر لیٹ کر میوزک سننے لگی۔

✻◉......◉✻
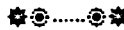
نائٹ گاؤن پہنے، سگار کے مسلسل کش لیتے ہوئے میڈم یاقوت کھڑکی کی طرف آئیں اور بلائنڈر ہٹا کر باہر دیکھنے لگیں۔

'کاش جہانگیر ہمدانی! تم آج میرے پاس ہوتے، میں تمہیں بتاتی کہ خوشی کس کو کہتے ہیں۔ میرے پَر ہوتے اور میں اُڑ جاتی۔ مگر پروں کے بغیر بھی مجھے یوں لگ رہا ہے، میں اُڑ رہی ہوں...... اُوپر ہی اُوپر...... اُف! میں کیسے یہ خوشی برداشت کروں؟...... یہ خوشی...... میری گیم کا ٹرمپ کارڈ میری مٹھی میں......

'عزہ عالم!...... عزہ عالم! تم کون ہو، میرے لئے کیا ہو، کاش! میں تمہیں بتا سکتی۔ جیسے پرانی کہانیوں میں شہزادے شہزادیوں کے حصول کے لئے منزلوں پر منزلیں مارتے، ملکوں ملکوں خاک چھانتے اپنے مقصد کو حاصل کرتے ہیں، اسی طرح

ہاں تمہارے لئے میں نے سالوں کی، صدیوں کی مسافت طے کی ہے اور اب فقط تمیں گھنٹے ہیں۔ میں....... میں سمجھوں گی، میری زندگی کا مقصد مل گیا۔ میں مکمل ہو گئی۔ وہ آگ جو اتنے برسوں سے مجھے بھڑ بھڑ جلا رہی تھی، نہ خاکستر کرتی تھی، نہ جینے دیتی تھی۔ ان تمیں گھنٹوں کے بعد کیسی سرد پانیوں کے پُرسکون احساس میں ڈھل جائے گی۔ آہ....... کوئی میری خوشی کو محسوس کر سکتا۔' وہ گہرے گہرے سانس لیتی وہیں کاؤچ پر نیم دراز ہو گئیں۔

اسی وقت انٹر کام کی بیل بجی۔

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہوں....... بولو!"

"میم! وہ دائم صاحب ہیں۔ اور ان کے ساتھ ایک اور شخص۔ پہلے بھی دو بار آ چکے ہیں، آپ گھر پر نہیں تھیں۔ کیا حکم ہے، گیٹ کھول کر اندر بٹھا دوں؟" گارڈ پوچھ رہا تھا۔

وہ ریسیور ہاتھ میں لئے اُٹھیں اور کھلی کھڑکی سے دیکھنے لگیں۔

دائم انہیں دور ہی سے نظر آ گیا۔ انہوں نے دوسرے ہاتھ سے اپنے کمرے میں جلتی مدھم روشنی بھی بند کر دی۔

دائم کے ساتھ....... دوسرا شخص....... کاش! یہ تمیں گھنٹے بیچ میں حائل ہوتے نہ چند فرلانگ کا فاصلہ....... تو وہ اسے بتاتیں، عزہ کہاں ہے؟

ان کے بھرے بھرے سے لب مسکرا اُٹھے۔

"ان سے کہو میم ابھی نہیں لوٹیں۔ انڈر اسٹینڈ؟" کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھا اور خود کھڑکی میں کھڑے ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔ گارڈ نے انہیں بتایا تھا۔

ان کی ناکام و نامراد صورتیں۔

'کاش تھوڑی روشنی ہوتی، تھوڑی قربت....... اور میں نے زندگی سے کیا مانگا تھا؟'

وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔

وہ آہستگی سے پلٹ آئیں۔

'جب کسی کی زندگی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر اس کے پاس جینے کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ یقیناً کوئی نہیں۔' ایک سوچ کا کوندا لپکا تھا اور انہیں منجمد کر گیا۔

'تو....... اس کا مطلب؟' بہت دیر بعد انہوں نے جھرجھری سی لی تھی۔

'لائبہ مجھ سے بے حد خفا ہے۔ اور میرا بیٹا....... اگر میرا مقصد حاصل ہونے کے بعد....... ہاں، میری خواہش بھی یہی ہے۔ میرے مرنے کی مہلت پوری ہو گئی تو دونوں کیسے جان سکیں گے کہ ان کی ماں "اصل" میں کیا تھی۔

اور لائبہ، اس کی نظروں میں تیرتے شکوک....... میں اس سے نظر ملا ہی نہیں سکتی۔

اسے کیسے بتاؤں کہ اس کے شکوے درست ہیں۔ مگر اس کے باوجود میں اس سے کتنی محبت کرتی ہوں....... تو کیا میری بیٹی میرے جانے کے بعد بھی میرے بارے میں اسی انداز سے سوچتی رہے گی؟ اسے کبھی اصل کہانی کا علم نہیں ہو سکے گا، کبھی نہیں۔' وہ نڈھال سی ہو کر گر گئیں۔

"ماما! آپ نے کبھی ڈائری لکھی ہے؟" ان کے کانوں میں لائبہ کا کچھ دن پہلے کیا گیا سوال گونجا۔

اور جیسے انہیں اس گھپ اندھیرے میں روشنی کی لکیر سی نظر آ گئی۔ وہ ایک عزم کے ساتھ اٹھ کر کمرے کی الماریاں کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگیں۔

✲◉......◉✲
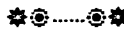
ثانیہ کو بے چینی سے اسامہ کے فون کا انتظار تھا۔

وہ اپنی خفیہ سم سے اسے کئی بار کال کر چکی تھی۔ مگر ابھی اس نے کچھ کیا ہی نہیں تھا۔

"مجھے ابھی یہاں کا کچھ پتہ نہیں۔ کوئی قابلِ اعتماد، اچھا اور ذہین وکیل جو اس کیس کو بہت احتیاط کے ساتھ ہینڈل کر سکے، اتنی آسانی سے تو نہیں مل سکے گا۔ پلیز، تم صبر کرو۔ تھوڑا ویٹ کرو، مجھے یاد ہے تمہارا یہ کام۔"

اس نے ثانیہ کی پانچویں کال پر تحمل سے اسے سمجھایا۔ وہ اسے کیسے بتاتا، وہ خود کتنا پریشان ہے۔

وہ جن کے لئے یہاں گویا اُڑتا ہوا آیا تھا، ان میں سے کوئی بھی اس سے ملنے کو مشتاق نہیں تھا۔ نہ لائبہ، نہ دائم اور نہ وہ....... جنہیں وہ تلاشنے آیا تھا۔ اور ابھی تو تلاش کا سفر شروع بھی نہیں ہوا تھا اور وہ تھک سا گیا۔

وہ اٹھ کر آغا جان سے ملنے کے لئے تیار ہونے لگا۔

٭٭٭
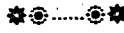
''میری کہانی میری بیٹی لائبہ سے شروع ہوتی ہے۔

میڈم یاقوت کا اصل، اس کا سچ، اس کی حقیقت ہی اس کے لئے سب سے بڑا کرب ہے۔

محبت کرنے والے خوابوں کا سفر کرتے ہیں اور دکھ اٹھاتے ہیں۔ میری بچی! تمہاری ماں نے بھی یہی دکھ بیٹے۔ بانٹا دکھوں کے کانٹے تھے اور جو شخص کانٹے سمیٹتا ہے، وہ جواب میں دوسروں کو بھی فقط کانٹے ہی دیتا ہے۔ تو میں نے بھی یہی کیا تم کہوگی، برا کیا...... ہاں، برا کیا...... ہوتے ہیں دنیا میں ایسے لوگ بھی جن کے ساتھ زمانہ برا کرتا ہے، وہ اچھے بن جاتے ہیں، اچھائی تقسیم کرتے ہیں۔

اور وہ لوگ بھی، جن کے ساتھ زمانہ بدترین کرتا ہے، وہ دکھ جھیلتے ہیں، کانٹے سمیٹتے ہیں اور جب ان کا ''وقت'' شروع پھر وہی کانٹے جھولیاں بھر کر دوسروں میں تقسیم کرنا شروع کرتے ہیں۔

اور تمہاری بدنصیب ماں کا شمار انہی دوسری قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے۔

میں نے محبت کی...... خواب دیکھے...... اور پھر صدیوں کا سفر کیا...... دکھ جھیلے، کانٹے سمیٹے اور پھر کانٹے بانٹے دیئے...... اب ان کانٹوں بھری فصل کی کٹائی کا موسم آگیا ہے، میں جانتی ہوں...... تمہیں اور اپنے بیٹے کو اس کٹائی کے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ ہوں ناخوش فہم...... اس لئے کہ ''ماں'' ہوں۔

شاید آگے آنے والے صفحات پڑھ کر تمہیں عمر بھر کے لئے اس ''ماں'' نامی لفظ سے ہی نفرت ہو جائے، گر میں تم سے آخری سانسوں تک محبت کرتی رہوں گی اور یہ محبت خوابوں کے سفر والی نہیں، حقیقت ہے۔ زندگی کی سب سے ٹھوس حقیقت۔

چلو کہانی شروع کرتے ہیں...... اس گھر سے، جہاں وہ لڑکی رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے یہ کہانی شروع ہوئی۔

اس اوسط درجے کے متوسط گھرانے میں، جہاں نیلم رہتی تھی۔ احسن مراد، سارہ، تائی، دادی...... پھوپھی زرین...... اور وہ...... تمہیں ''وہ'' کے بارے میں نہیں پتہ۔

وہ، یعنی عالی۔

٭٭٭
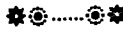
''اب کیا کہتی ہے وہ نامراد؟'' وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے دادی کے پیر دبا رہی تھی، جب فیضی کے امر پر دادی نے تنفر سے پوچھا۔

''آپ تمام دن گھر پر ہوتی ہیں، آپ پوچھیں۔ میں تو جب گھر آتا ہوں......''

''وہ گھر میں ٹکے تو کچھ پوچھوں۔ ہر وقت تو اس ماں سے ملنے کا بخار چڑھا رہتا ہے۔ یا گھر میں ہوگی تو الوائی کھٹوا پر لمبی لمبی پڑی رہے گی۔ اور کچھ نہیں تو کم سے کم کنڈی چڑھائی اور دن بھر کے لئے تالہ بندی...... اب کوئی جا کر دروا پھوڑے؟''

دادی بھری ہوئی تھی، غصے میں بولتی چلی گئیں اور اسی حصے میں اسے بھی ایک جھانپڑ رسید کر دیا۔

''کلموہی! دم نہیں ہاتھوں میں؟...... ٹھونستی دو ٹائم کا ہے اور دباتی یوں ہے جیسے ابھی مری کہ ابھی...... جیسی ما دونوں نے ہمارے اگلے پچھلے بداعمالوں کے ٹھڑ لا کر ہمارے سامنے دھرے ہیں، دن رات کی شامت۔''

وہ اپنی پوری طاقت لگا کر دبانے لگی۔ مگر اسے معلوم تھا، دادی ابھی بھی خوش نہیں ہوں گی۔

بلکہ وہ کبھی بھی خوش نہیں ہوں گی۔

صرف دادی ہی نہیں بو اس سے کوئی بھی خوش نہیں اور نہ کبھی ہوگا۔ دادی کے یوں جھانپڑ مارنے پر کیسے اس بھری نظر اس نے ہاتھ بھر کے فاصلے پر بیٹھے شکست خوردہ مگر اجنبی سے باپ کو دیکھا تھا۔

شاید...... شاید اس کی اجنبیت کی برف ذرا سی سہی، پگھلی تو ہو۔ مگر انہوں نے تو شاید اس تھپڑ اور کوسنوں کو سنا بھی نہ دادی نے محض اسے زرین کی بیٹی ہونے کی وجہ سے دیئے تھے۔ ورنہ سات آٹھ سال کی عمر میں اس سے کون سے ایسے ا جرم سرزد ہو سکتے تھے۔

''شامت تو میری ہے اماں! جس میں آپ سب لوگوں نے مجھے پھنسایا ہے۔'' وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بولے۔

''بدبختی...... فیضی! بدبختی ہم سب کی...... بدنصیبی یہ خالی تیری نہیں۔ ارے میری تو پوری نسل کو داغ لگ گیا۔ اس حرافہ نے۔ بول، میں کسے الزام دوں جا کر؟'' دادی یوں اُٹھ کر بیٹھیں، جیسے انہیں سو واٹ کا کرنٹ لگا ہو اور ان کے یوں

ے وہ ننھی سی جان سنبھلتے سنبھلتے بھی کسی چھوٹی سی گٹھڑی کی طرح پلنگ سے نیچے لڑھک گئی۔
"دیکھا...... دیکھا حرام خور کی ہڈ حرامی...... مظلوم بننے کو اب نیچے چھلانگ لگا بیٹھی......اس نسل سے مجھے فیض ملے گا؟
ماں۔" دادی کو دبوانے کی لت تھی۔ وہ بھی دن کے اٹھارہ گھنٹوں میں سے ساڑھے سترہ گھنٹوں کی۔ گھر کے بچوں میں سے جو ہو جائے اور جس کے ہاتھ ڈھیلے پڑے یا جو کنی کترا کر دادی کی نظر بچا کر گزر گیا، بس پھر وہ دن بھر کے لئے معتوب۔ اور وہ بھی بہت آہستہ سے تھی۔ اور مزے کی بات، سب سے زیادہ دادی کے ہاتھ بھی وہی لگتی تھی۔
اں سے ڈری، باپ سے سہمی، خوفزدہ وہ چھپنے کو اکثر دادی کے کمرے کا ہی رخ کیا کرتی تھی اور دھر لی جاتی۔
ان کے تیرہ چودہ گھنٹے تو وہی بیٹھی ہلتے ہلتے دادی کی ٹانگوں، پیروں، بازوؤں، کندھوں کو دباتی جاتی، ان کی جھڑکیاں، کوسنے، اور گالیاں کھاتی جاتی۔
مگر اسے یہ گالیاں، کوسنے اور لاتیں ماں اور باپ کی خوف ناک قربت کے مقابلے میں بہت آرام دہ لگا کرتی تھیں، تب ہی تو کے لاکھ غم کے باوجود وہ وہیں کہیں نہ کہیں کسی کونے میں رینگتی مل جایا کرتی اور بس پھر۔
"اماں! دفع کریں۔ میرے پہلے ہی سر میں درد ہے۔" فیضی نے یوں حقارت بھری نظر اس پر ڈالی جیسے وہ واقعی نالی کا کوئی کیڑا ہو۔
"ہاں...... میرے بچے کے نصیب۔ جس دن وہ منحوس نصیبوں میں لکھی گئی، اس کا چین، سکون، خوشی سب کچھ عنقا ہو گیا۔ رہ گیا یہ رونا، نحوست اور اداس صورت...... کیا زندہ دل بیٹا ہوتا تھا میرا۔" دادی کی محبت بیٹے کے لئے بے اختیار ہی عود کر آئی۔
تھیں، گلے ہاتھوں بھر بھر کے ابا کی بلائیں لیتے، ان کا سر اپنے کمزور سینے سے لگا خوب پیار لٹانے لگیں۔
دادی جگہ پائنتی کی طرف گٹھڑی بنی بیٹھی رہی اور انگلی سے کالے فرش پر مختلف ڈیزائن بناتی رہی۔ رکھی صفائی کرنے آتی تو تھی سے زیادہ صفائی میں ڈنڈی وہ دادی کے کمرے میں ہی مارا کرتی تھی۔
اگرچہ سب کے لئے ہمہ وقت میٹنگ روم کا کام یہی کمرہ دیا کرتا تھا، مگر دادی کی کمزور نظر کا فائدہ اٹھا کر، خاص طور پر پلنگ کے نیچوں اور پرانے ڈیزائن والے بھدی موٹی لکڑی کے اُڑی ہوئی پالش والے صوفوں کے نیچے اور پیچھے گرد کا طوفان چھپا ہی رہتا اور پچھلے سال تک تو یہ مٹی نیلم کے لئے دنیا کے بہترین کھانوں سے بھی زیادہ لذیذ تھی۔
اسے نہیں یاد پڑتا تھا، رینگتی ہوگی یا گھٹنوں گھٹنوں چلتی ہوگی، جب ماں اور باپ کی بے توجہی پر اس نے گھر کے کونے کھدروں سے چھپ چھپ کر مٹی کھانا شروع کی تھی۔ یوں تو چھپنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کی پروا کرنے والا تھا بھی کون۔
اس مٹی کے عشق کے دور میں بھی دادی کا کمرہ اس کے لئے خاص کشش کا باعث تھا۔
سب سے زیادہ کھا جا اسے اس کمرے میں ملا کرتا تھا۔ وہ ہاتھ لتھڑ لتھڑ خوب مٹی چاٹا کرتی اور جب خوب اس کے منہ ہاتھوں پر گجرا بن جاتے اور جو تائی کی نظر پڑ جاتی، پھر تو وہ شامت آتی۔ وہ ہاتھ بھر کی اس معصوم جان کو روئی کی طرح دُھنک کر رکھ دیا اور جب اس کا خوب اچھی طرح قیمہ بن چکتا تو دادی چونکی ہو کر کہتیں۔
"کب یہ آئے میرے کمرے میں۔ لگائے کہیں سے ذرا سی بھی اُنگلی۔ اس کی اُنگلی کاٹ لوں گی۔"
مگر لگتی ہی پلی ان کا یہ عزم بھی اسی مٹی میں مل چکا ہوتا۔ پھر اس مٹی کو چاٹتے، کھاتے کہیں کوئی ظالم جرثومہ اس کے اندر چلا گیا۔
اس کے بعد جو وہ بیمار ہوئی، ڈاکٹرز نے اس کے جسم کا پانی ختم ہونے پہ بالکل جواب دے دیا۔
اسے یاد ہے، صرف ان ہی دنوں صرف چند دن ابا اور ماں کی توجہ اسے مل سکی تھی۔ کاش! جہاں انہوں نے اسے نظر انداز کیا تھا، وہاں بھی کر ڈالتے تو آج......
اس بیماری کے بعد جو وہ ٹھیک ہوئی تو جانے کیسے اُسے مٹی کھانے سے خود بخود نفرت ہوگئی۔
مٹی کو دیکھتے ہی جی متلانے لگتا اور یہ کہیں دُور کی نہیں، اس برس کے شروع کی بات تھی۔
مٹی میں دلچسپی اس کی اب بھی برقرار تھی۔ اب وہ تائی، دادی کے عتاب سے بچنے کے لئے دادی کے پلنگ کے پیچھے کی طرف چھپ کر بیٹھ جاتی اور فرش پر دور تک بچھی مٹی کی چادر پر پھول بوٹے، اپنی پسند کی اُلٹی سیدھی شکلیں، جانور اور پرندے بنا کر اُڑاتی تھی۔ اس کے لئے دادی کے پلنگ کے پیچھے بغیر کسی کھلونے کے ایک دنیا آباد ہو چکی تھی۔ اور اس دلچسپ دنیا میں اسے کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔
اب بھی گٹھڑی بنی آڑی ہو کر وہ مزے مزے کے ڈیزائن بناتے بناتے جانے کب نیند کی مہربان وادی میں اُتر گئی۔
ابا کے لئے تائی چائے بنا لائیں اور پھر تینوں سر جوڑ کر اس کی ماں سے چھٹکارا پانے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔
غنودگی میں ان کی بھنبھناہٹیں اس کے کانوں میں پڑتی رہیں، مگر اسے دلچسپی نہیں تھی۔

اس کی ماں گھر میں ہے یا چلی جائے، اسے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ جس چیز سے فرق نہ پڑتا ہو، اس پر کان دھرنے کا فائدہ؟

وہ تھوڑی دیر میں مزے کی گہری نیند سو چکی تھی۔

❋◉......◉❋
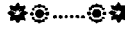
''نیلی! آؤ کھیلیں۔'' احسن نے اسے سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے پکارا تھا۔

وہ ادھر لپکنے لگی تھی کہ پیچھے سے کندھوں تک آتے اس کے اُلجھے، گھنگھروؤں جیسے اخروٹی بال اس کی ماں نے پوری مٹھی میں لئے۔

''کدھر دفعان ہو رہی ہے، ان بے فیض لوگوں کی اولادوں کے ساتھ؟........ کچھ ماں کی بکواس کی خبر ہے؟ گھنٹہ بھر سے رہی ہوں۔'' وہ اسے اسی طرح گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لے گئی۔

بچے ماؤں کی گود میں آکر کیسے محفوظ و مامون سمجھنے لگتے تھے خود کو۔ اور وہ........ کم عمری میں ہی اپنی جنم دینے والی ماں سے اس قدر خوف زدہ تھی کہ ماں کے نزدیک جاتے ہی تھر تھر کانپنے لگتی۔

''چلو، دفع ہو جا کر، نہاؤ اور یہ کپڑے نکالے ہیں میں نے تمہارے، پہنو آکر۔'' ماں نے اسے اندر آتے ہی پلنگ کی طرف دھکا دیتے ہوئے کہا اور خود کپڑوں کی الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔

اور نیلم کا سانس جیسے وہیں رک گیا۔

'آج پھر ماں ادھر جائے گی۔' پلنگ پر پڑے اپنے بے حد اچھے اور تقریباً سب سے نئے کپڑے دیکھ کر وہ لحہ بھر میں مجھ گئی۔

''پتھرا کیوں گئی؟........ دادی، تائی کی طرح تجھے بھی موت پڑ گئی میرے جانے کا خیال آتے ہی؟ چل دفع ہو۔'' اسے دھکا باتھ روم کی طرف ملا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ نہا دھو کر، نئے کپڑے پہنے، اپنے اُلجھے گھنگھریالے اخروٹی بالوں کو ماں سے سلجھوا رہی تھی جب باہر گاڑی کا ہارن بجا۔ اور ماں نے اس کے بالوں کو اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

''لو ایک اور عذاب آ گیا میرے سر پر........ یہ تین بلائیں کم ہیں دن رات میری بوٹیاں نوچنے کو........ یہ تیری ڈائن لکڑی کا کنگھا وہیں دیوار پر مار کر پلنگ کے پاس زمین پر ہی پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی جیسے کسی کا ماتم کرنے بیٹھی ہو۔

نیلم بے حس سی کھڑی ماں کے اگلے ردعمل کا انتظار کرنے لگی۔

''اندھے ہوتے ہیں ایسے ماں باپ جو بن سوچے سمجھے بیٹیوں کو ایسی دوزخ میں دھکیلتے ہیں، صرف یہ سوچ کر چلو ایک بوجھ کم ہو گا۔ سات بڑی بڑی چٹانیں تھیں، کیسے انہوں نے اِدھر اُدھر دھکیلیں، یہ بھی نہ دیکھا، ان بدبختوں کا بنا کیا۔'' وہ سر پکڑے پلنگ کی پٹی سے لگی باقاعدہ بولنے لگی تھی۔

''ابھی آ جائے گا تمہارا باپ، ماں، بہن سے ساری پٹیاں پڑھ کر، ہلاکو خان کی طرح چنگھاڑتا ہوا۔ کمبخت ذرا گھنٹے بعد آ جاتا۔ نکل تو جاتی........ اب تجھے........ تجھے میں کب سے پکار رہی تھی۔ تیری وجہ سے دیر ہوئی۔'' زریں کو اور کچھ نہ سوجھا تو نیلم کو مارنے لگی۔

''مر، دفع ہو۔ اُتار یہ کپڑے۔ تیرے باپ کا ولیمہ نہیں ہے آج.... آج تو ادھر قُل پڑھے جائیں گے تیری ماں کے۔ اُتار۔''

وہ جاہلوں کی طرح اسے مارتی، نوچ نوچ کر اس کے کپڑے اُتارنے لگی۔ کپڑے اُتارنے کے دوران بھی اسے کئی جگہ تھپڑ پڑتے رہے اور وہ منہ سے سی بھی کئے بغیر چپ چاپ مار کھاتی رہی۔ اب تو اس کی کھال اتنی سُن ہو گئی تھی کہ یہ معمول کی مار تو دھوپ دھپے کی طرح ہی لگتی تھی۔

زریں نے اسے کپڑے اتار کر وہی پرانے کپڑے پہنا کر کمرے سے باہر دھکا دیا اور خود کمرہ بند کر لیا۔ مگر اب نیلم کو ماں کے کمرہ بند ہونے اور خود کو یوں باہر دھکیلے جانے کا بھی غم نہیں تھا۔

اس کی مختصر سی زندگی میں دو ہی تو خوشیاں تھیں۔ ایک دادی کے پلنگ کے پیچھے اپنی خیالی دنیا میں گم رہنا، دوسرا عالی...... اس کا واحد دوست کہ وہ خود تو دوستی کے مفہوم سے بھی انجان تھی۔ جبکہ وہ گیارہ بارہ سال کا صحت مند لڑکا بڑا سینہ تان کر اس کی گردن کے گرد اپنی بازو کا گھیرا ڈال کر بھی علی الاعلان کہتا تھا۔

''میں ہوں نیلی کا دوست۔ ہر گیم میں نیلی کا پارٹنر میں ہی ہوں گا، کوئی اور نہیں۔''

اور کسی کی مجال بھی نہیں تھی کہ اس کے دعوے کو رد کر سکے۔ محمود عالم...... عالی کوئی رد کی جانے والی چیز نہیں تھا۔

ماں باپ کا اکلوتا، لاڈلا، بے حد منتوں مرادوں کے بعد پورا ہونے والا عالی...... اس زمانے میں باپ کی لاکھوں کی جائیداد

اکلوتا وارث.....نانی، ماموں کا سر چڑھا اور اس گھر میں کسی وی آئی پی کی طرح آنے والا عالی.....اس کا دوست تھا۔ نہیں بلکہ اس کو اپنا دوست کہتا تھا.....بے نا فخر والی بات.....پھر نیلم کیوں نہ عالی کی آمد اپنے لئے دوسری بڑی قیمتی ترین خوشی قرار دیتی۔

اگرچہ اس خوشی کے حصول میں بھی کوئی راحتیں نہیں تھی، دشواریاں ہی دشواریاں تھیں۔

اسے تقدیر یہ خوشی بھی قطرہ قطرہ، کسی کنجوس کی چوسی ہوئی گنڈیری سے نچڑنے والے آخری قطرے کی طرح بخشتی تھی۔ عالی کے اور اس کے بیچ میں عالی کی ماں شاہین، اس کی تھانیدار جیسی پھوپھی ہی نہیں، تائی اور دادی بھی تھیں۔ خود اس کی اپنی ماں زریں کو سب سے زیادہ نفرت شاہین اور اس کے سر چڑھے بیٹے عالی ہی سے تو تھی۔

جس روز شاہین کی شاہی سواری ان کے گھر کے سامنے آ کر رُکتی تھی، زریں کے کمرے میں شام غریباں منائی ہی نہیں جاتی تھی بلکہ باقاعدہ رونمائی ہوتی تھی اس شام کی.......جسے سارا گھر ملاحظہ فرمایا کرتا اور محلے والے سنا کرتے۔

تو پھر زریں کیوں نہ اپنی اس کرّ و فر والی دولت مند مگر کینہ پرور نند سے نفرت کرتی۔ اور اس کے بیٹے سے اس سے بھی زیادہ۔ ماں کو ذرا جو بھنک بھی مل جاتی کہ نیلم، عالی کے ساتھ کھڑی، بیٹھی ہے یا کھیل رہی ہے یا کھیلنے کا سوچ رہی ہے، وہ سب کے سامنے کوئی بھی لمحہ ضائع کئے بغیر اسے دھنا دھن پیٹنا شروع کر دیتی.......اور آج تو بڑی بات تھی، ماں نے اسے خود کمرے سے باہر بھگا دے ڈالا تھا۔

وہ چپکے چپکے کمرے سے نکل کر برآمدے، دالان سے ہوتی ہوئی دادی کے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ سیڑھیوں کی طرف سے اسے بچوں کی ملی جلی سی آواز سنائی دی۔

سیڑھیوں میں سارہ اور عالی بیٹھے کسی بات پر ہنس رہے تھے اور نیلم کو لگا، اس کے جسم میں خون کی گردش رک سی گئی ہے۔ سارہ بھی تو تھی ان ساری رکاوٹوں میں سر فہرست۔ اس کے قدم وہیں سست پڑ گئے۔

وہ دیوار سے لگ کر چپ چاپ کھڑی ہو گئی اور انہیں دیکھنے لگی۔

❁

''چل جلدی مر۔ تیرے قدم نہیں اُٹھتے........ٹانگوں میں جان نہیں؟'' یہ زریں اسے باقاعدہ اپنے ساتھ دوڑا رہی تھی۔
اور وہ ماں کے قدموں کے ساتھ قدم ملانے کے لئے ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ اس کا سانس پھول چکا تھا، مگر زریں......ا
بھی اسے زور زور سے آگے کو دھکے دیئے جا رہی تھی۔
اس شام زریں نے بڑی بہادری دکھائی۔
فیضی ماں بہن سے پٹی پڑھ کر آیا۔ سب سے بڑھ کر زریں کی جرأت کہ وہ شاہین کے آنے پر کمرے ہی سے نہیں نکلی تھی
اسے سلام کرنے بھی نہیں........اور یہ جرم بہر حال، قابلِ معافی نہیں تھا۔
فیضی نے دروازہ دھڑ دھڑایا، وہ بھی اس قدر کہ اُس کی چولیں ہل کر رہ گئیں۔
''اے کہیں اندر مرمرا ہی نہ گئی ہو کچھ کھا کر، کُتیا۔'' دادی نے وہیں پلنگ پر بیٹھے آواز لگائی۔
''اماں! بڑی ڈھیٹ شے ہے۔ اور زمین کے گند اتنی جلدی اٹھا نہیں کرتے۔ بے فکر رہو........ایسی نفس اور ہوس کی ماریوں
جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔'' شاہین پھپھو نے وہیں سے لقمہ دیا تھا۔
پھر تایا ابا نے زبردستی ابا کو روکا کہ دروازہ پیٹنے کے شور سے سارے محلے میں بدنامی ہو رہی ہے، دفع کرو۔ پر ابا کا غصہ......ا
اور پھوپھی کا بھڑکایا شعلہ یوں تو بجھنے والا نہیں تھا۔ وہ جلے پیر کی بلی کی طرح باہر دالان میں دروازہ کھلنے کا انتظار کرتے رہے۔
رات گئے شاہین پھپھو کی واپسی ہوئی۔
سارہ نے اس بار عالی کو اس کے ساتھ دو گھڑی بھی نہ کھیلنے دیا۔ صرف چند منٹوں کے لئے وہ آیا، اس کو چاکلیٹ دینے۔ ابھی نیل
کی ہتھیلی پر اس نے چاکلیٹ رکھے ہی تھے کہ سارہ وہ اچک کر لے گئی۔
''واہ! مجھے صرف دو دیئے اور اس کو پورے چار........اس کا ہاضمہ خراب کرو گے؟'' وہ مذاق اُڑاتی نہ صرف چاکلیٹ لے
بلکہ عالی کا بھی ہاتھ کھینچ کر لے گئی۔
زریں نے دروازہ نہیں کھولا اور ابا کو صبح سویرے کسی ضروری کام سے جانا پڑ گیا۔
زریں کے لئے اس سے بڑا موقع اور کون سا ہو سکتا تھا، اس نے نیلم کو سوتے سے اٹھا کر غسل خانے میں کھڑا کر دیا۔ دو چھ
اس کے منہ پر مار کر کل والے کپڑے پہنائے، خود وہی سیاہ برقعہ پہنا، برقعے کے بٹن بھی اس نے گھر کے دروازے سے نکلتے ہو
بند کئے۔
ذرا جو دیر ہوگئی، اس کا باپ آ گیا۔
بس اس خوف نے اسے نو بجے سے بھی پہلے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اور تو اور اس نے دادی سے اجازت لینے کی بھی زحمت
نہیں کی۔
''اب اس بڑھیا کے فضیحتے کون سنے، صبح صبح اپنا مغز خراب کرے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر آ گئی۔
گھر سے نکل کر انہوں نے تانگہ لیا۔
گھوڑے کے سموں کی ٹپ ٹپ اور صبح کا پیارا سماں، ٹریفک سے خالی سڑکیں۔ نیلم کو تھوڑی ہی دیر میں نیند آ گئی۔
تانگہ رکا تو اس کی آنکھ کھلی۔
اندرون شہر کی ان پیچ در پیچ، تنگ گلیوں میں تانگہ گھوڑا کیا، کوئی گاڑی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ دونوں تانگے سے اُتر کر پیدل
چل دیں۔
تھوڑی سی نیند لینے کی وجہ سے وہ ست ہو چکی تھی، اسی لئے زریں اسے اپنے ساتھ گھسیٹے جا رہی تھی۔
ان کے سامنے اونچے چبوترے والا پختہ مکان تھا، جس کی کھڑکیوں اور روشن دانوں کے رنگین شیشے اسے بہت پسند تھے۔
''چلو، پھر جم گئی ہو۔ آج تو تم نے مجھے بہت ستایا ہے۔'' زریں نے اسے آگے کو دھکیلا اور وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہ

✿◉......◉✿
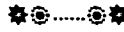
یں کے لئے رنگین شیشوں والا وہ گھر آخری منزل نہیں تھا۔

مرآتے ہی وہ سیاہ برقعہ، جس کے بٹن وہ گلی میں آتے آتے ہی کھول چکی ہوتی، اُتار کر تخت پر اُچھالتی، وہیں کسی کونے میں عمر رسیدہ، کمزور نگاہ والی ماں کو سلام کرتی اور کسی ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی صحن کے مغربی کونے میں اوپر جاتی سیمنٹ کی یڑھیاں پھلانگ جاتی۔

م صحن کے بیچوں بیچ اکیلی، گم صم سی کھڑی رہ جاتی۔

ت دیر بعد کوئی کمرے سے نکلتا، اسے یوں بے آسرا سا کھڑے دیکھ کر فوراً سلام کہتا۔

اچھا......زریں آئی ہے......ناشتہ کر آئی ہو؟'' اس سے کوئی بھی اگلا سوال یہ نہیں کرتا تھا۔

زریں آئی ہے تو کدھر ہے؟' اس پورے گھر کے تیرہ چودہ افراد میں جیسے یہ خاموش سمجھوتا تھا کہ وہ یہ سوال نہیں پوچھیں گے۔

کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ امی کہاں ہے؟' وہ اکثر اس سوال پر اپنے ننھے سے دماغ کو اُلجھاتی رہتی۔ اسے کوئی کھینچ کر تخت یا بٹھا جاتا۔

ہت دیر بعد یا کبھی فوراً ہی کسی کو خیال آ جاتا تو اس کے آگے کھانا، ناشتہ جو بھی ہوتا، فوراً رکھ دیا جاتا۔ اور کبھی کبھی گھر والوں کی ائی طویل ہو جاتی کہ صبح سے دوپہر یا شام ہو جاتی، کوئی اسے کچھ کھانے کو ہی نہ پوچھتا۔

ب اس کے اردگرد پھرتے، باتیں کرتے اور اسے کوئی دیکھ ہی نہ پاتا۔ وہ اکثر بیٹھے بیٹھے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا کرتی۔

میں نے کہیں سلیمانی ٹوپی تو نہیں پہن رکھی؟ کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔' اسے تو یوں بھی خود سے باتیں کرنے کی عادت تھی۔

اس طرح سب لوگوں کے بیچ بیٹھ کر جب کوئی اس کی موجودگی کو محسوس ہی نہ کرتا تو وہ خود سے کہانیاں جوڑ جوڑ کر باتیں کرتی اس کی عمر کے گھر میں کئی بچے تھے۔ کبھی اسے کھیلنے کو اپنے ساتھ گھسیٹ کر لے جاتے اور کبھی اپنے بڑوں کی طرح اسے مکمل طور ماز کر دیتے۔

جیسے ہی سورج غروب ہو کر اپنے صحن میں جا اُترتا، اس کی عمر رسیدہ نانی اپنی بے حد جھکی کمر کو پکڑے پکڑے صحن کے بیچ میں ہ اوپر کر کے شام کی بچی کھچی روشنی کو ناپتی اور آواز لگاتی۔

''زریں!......اے زریں! مر نیچے......شام ہو گئی......سنتی ہے، تیری ساس ابھی تیری فاتحہ پڑھنے آتی ہو گی۔ مر نیچے۔'' پھر تھے وقفے سے اس ''مر نیچے'' کی گردان کئے جاتیں۔

پھر تین لوگ باری باری اوپر دوڑائے جاتے۔

زریں جب مکمل اندھیرا ہر طرف چھا جاتا تو ڈھیلے قدموں اور کھلتے بالوں کی ڈھیلی چوٹی سینے پر ڈالے، مرمر کر زینہ اُتر آتی۔

''میں نہیں جاؤں گی۔'' ہر بار آخری زینے پر اُتر کر وہیں بیٹھ کر زریں یہی اعلان کیا کرتی تھی۔

''ہر بار کی ضد......نامراد! تُو یہاں آتی ہی کیوں ہے؟ وہیں کیوں نہیں مری رہتی؟'' اور ہر بار نانی کے بھی کم و بیش یہی الفاظ ا تے تھے۔

''ایک دن تجھے میرے مرنے کی اطلاع ہی آئے گی۔ پھر ''پھوڑی'' بچھا کر رونا مجھے۔'' زریں ٹسوے بہانے لگتی۔

''آمین!'' نانی اونچی آواز میں کہتیں۔

''چل، ویرا چلتا ہے تیرے ساتھ۔ تانگہ کروا دے گا تجھے۔ رات ہونے کو ہے۔ جا دفع ہو۔''

''کیسی ماں ہے تُو؟ مہینوں بعد گھر آئی ہوں، ظالموں کی طرح دھکے دے کر نکالتی ہے۔''

''مجھی تُو بیٹی ہے......صبح سے آئی بیٹھی ہے، ایک بار میرے ''متھے'' لگی؟ آ کر دو گھڑی ماں کے پاس بیٹھی؟ اس کے دُکھ ونے؟......ناشکری! تجھے تو اپنے رونے سے ہی فرصت نہیں۔ ایسا اچھا گھرانہ، کنبہ جس میں بیاہا اور تُو نے ہماری ناک کٹوا نہ نانی بولے چلی جاتی۔

''میں نے کہا تھا، اس جنمی کنبے میں بیاہنے کو؟'' زریں تڑخ کر جواب دیتی۔

''ہاں، تُو تو گند میں گرنے کو مری جا رہی تھی۔ کیا پتہ تھا مجھے، مرنے دیتی تجھے وہیں۔'' زور سے ماتھے پر ہاتھ مار کر نانی کہتی۔

''تمہیں پتہ تھا......اب تو چل گیا نا؟''

''زریں!......زریں! حیا کر کچھ......شرم کھا، بے غیرتے!......مرے باپ کی مٹی رول دی تُو نے۔ سارا خاندان تھو تھو کرتا ہے۔ اُس موالی ٹیکسی ڈرائیور میں کیا نظر آتا ہے تجھے؟''

''میری خوشی، میری زندگی، میری محبت، میرا سکون۔''

اور نانی دونوں جوتیاں اتار کر اسے مارتیں۔ پھر جو چیز پاس پڑی ہوتی، وہ اٹھا اٹھا کر اندھا دھند پھینکے جاتیں۔ کوئی آ کر پکڑتا۔

''اماں! بس کر، وہ ڈھیٹ اور بے شرم ہے۔ تُو کیوں خود کو ہلکان کرتی ہے؟ نہیں باز آئے گی وہ۔''

''پوچھ اس سے، نہیں باز آئے گی، اس بے غیرت سے ملنے سے؟''

''نہیں آؤں گی۔'' زریں ڈھٹائی سے چلائی۔

''تو آئندہ تیری ٹانگیں توڑ دوں گی، اس گھر میں آئی تو۔ ملنا ہو اپنے یار سے تو بیچ چوک میں مل۔ دیکھ، کیسے لوگ تجھے پتھر مار کر لہولہان کرتے ہیں۔ ہمارے مونہوں سے یہ کالک تو ہٹے، تیرا گندا خون ہے۔'' نانی ہذیانی انداز میں چلانے لگتیں۔ زریں سے اُٹھتی، تخت کے کونے پر پڑا اپنا سیاہ برقعہ اٹھاتی، مسلسل نانی کو گالیاں دیتی، نصیبوں کو کوستی، برقعہ پہنتی، نیلم کا ہاتھ پکڑتی اور گھر باہر نکل آتی۔

ان کے گھر سے نکل آنے کے بعد بھی نانی کے مسلسل بولنے، چیزیں پھینکنے کی آوازیں ان کے پیچھے آتی رہتیں۔

راستے بھر زریں اسے پھر دوڑاتی۔

اکثر انہیں تانگہ بہت دور جا کر ملتا یا سواریوں والا۔ اور سواریاں اُتارتے اُتارتے جب وہ دونوں گھر کے سامنے پہنچتیں تو عام طور پر عشاء کی اذان بھی ہو چکی ہوتی۔ اس کے بعد اندر جا کر جو ہر بار کہانی دہرائی جاتی، نیلم اس کی شوٹنگ اتنی بار دیکھ چکی تھی کہ اسے مزید دیکھنے کی خواہش نہ ہوتی۔

اور عام طور پر یہ شوٹنگ دادی کے کمرے میں ہوتی۔ یوں اس کا چھپنے کا آخری گوشہ بھی محفوظ نہ رہتا۔

وہ گھر میں داخل ہوتے ہی چپکے چپکے اوپر کی سیڑھیاں چڑھ کر آخری سیڑھی جہاں تک صحن کی تھوڑی سی روشنی آ رہی ہوتی، چھپ کر بیٹھ جاتی۔

نیچے طبلِ جنگ بج جاتا۔

بہت دیر بعد اس کی ڈھنڈیا پڑتی۔

اکثر وہ اس زینے پر بیٹھے بیٹھے سو بھی چکی ہوتی۔

احسن ہی اسے عموماً ڈھونڈنے آتا اور زبردستی اُتار کر نیچے لاتا۔ تائی شاید ترس کھا کر اسے تھوڑا بہت بچا کھچا کھانا دے دیتیں، کبھی نہ بھی دیتیں۔ اور وہ پورا دن کبھی کبھار فاقے میں ہی گزار دیتی۔

سونے کے لئے دادی کے کمرے میں کہیں نہ کہیں جگہ مل ہی جایا کرتی تھی، کیونکہ اس رات بھی اس کی ماں کمرے کا دروازہ نہیں کھولتی تھی۔

✽◉......◉✽
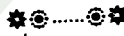
''اماں! یہ چاچی کی اتنی پٹائی کیوں ہوتی ہے، چاچا سے؟'' سارہ بیٹھی ماں سے پوچھ رہی تھی کہ نیلم سن کر پیچھے چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ اس سوال کے جواب کی تو اسے بھی بہت تلاش تھی۔

''وہ ہے ہی پٹائی کے قابل۔'' تائی نفرت سے بولیں۔

''وہی تو پوچھ رہی ہوں، کیوں؟'' سارہ زور دے کر بولی۔

''تم نہیں سمجھو گی۔ بڑی ہو گی تو سمجھ آئے گی۔''

''لو، میرے بڑے ہونے تک چاچی اسی طرح پٹتی رہی تو فوت ہی ہو چکی ہو گی۔'' سارہ ہنس کر بولی۔

''اللہ کرے۔'' تائی نے فوراً کہا۔ اور نیلم کو ماں کے مرنے کی ایسی آرزوئیں کرتی تائی اور سارہ سے ذرا بھی نفرت یا غصہ محسوس نہ ہوا۔

'شاید میں بھی یہی چاہتی ہوں۔' بے اختیار اس نے سوچا۔

وہ آزردہ سی اپنے کمرے میں آ گئیں۔ زریں ہمیشہ کی طرح بستر پر پڑی تھی۔

نیلم ماں کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا تکلیف ہے، یہاں کیوں آئی ہو؟'' زریں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسی کانٹوں بھرے لہجے میں پوچھا۔

''بھوک لگی ہے۔''

''تو کیا میری بوٹیاں کھائے گی؟ .... جو بچی ہیں، تُو کھا لے۔''

"کھانا دو اماں!" وہ ماں کی نفرت کو نظر انداز کر کے بولی۔
"مجھے کوئی اس گھر میں کچھ کرنے دیتا ہے؟ اچھوت سمجھتے ہیں، سمجھیں؟......کہاں سے دوں تجھے؟"
"کیوں سمجھتے ہیں ایسا؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔
زریں لمحہ بھر کو چپ ہی رہ گئی۔ نیلم کی شکل دیکھتی رہی۔ پھر آہستگی سے اس کا بازو پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور خود بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"میں تجھے بتا تو دوں، پر تیری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اس گھر میں کوئی بھی تو مجھے نہیں سمجھا۔"
پہلی بار اس نے ماں کو یوں افسردگی سے بولتے دیکھا تھا، اسے پہلی بار ماں سے ہمدردی سی محسوس ہوئی۔
"میں سمجھنے کی کوشش کروں گی۔ مجھے بتاؤ امی!" اس نے بے حد پیار سے ماں کے دودھیا بازو کو چومتے ہوئے کہا۔
"کیا فائدہ تیرے سمجھنے کا، مجھے......" وہ چپ ہو گئی۔
"امی! میں آپ کی بیٹی ہوں۔"
"نہ ہوتی کاش۔" وہ ہولے سے بولی اور نیلم سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔
"امی! ایک بات کہوں؟"
"ہاں......کیا؟" وہ بے دھیانی سے بولی۔
"اگر میں مر جاؤں؟"
زریں نفی میں سر ہلانے لگی۔
نیلم کو خوشی ہوئی کہ اس کی ماں اتنی نفرت کے باوجود اس کی موت کی خواہاں نہیں۔
"ایسا ممکن نہیں۔ میں اتنی خوش قسمت کب ہوں؟ اتنے سالوں سے تیری بیڑی نے تو مجھے یہاں روک رکھا ہے، ورنہ کسی کی جرأت نہیں تھی، زریں کو باندھ سکتا۔ پر اب میں یہ بیڑی بھی توڑ ڈالوں گی۔ اب اور نہیں سہا جاتا ظلم......اسی لئے تو تجھے خود سے دور دور رکھتی ہوں، اتنی نفرت کا اظہار کرتی ہوں کہ......کہ جب بھی میں تجھے چھوڑ جاؤں، چلی جاؤں......جانا تو مجھے ہے ہی، تو مجھے ذرا بھی یاد نہ کرے......یاد بھی کرے تو نفرت سے گھن آئے تجھے میرے ذکر سے۔" زریں بے خیالی میں اس کے اخروٹی بالوں کو سلجھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اور نیلم تو جیسے گہرے سناٹے کے حصار میں آ گئی تھی۔ گم صم، ماں کو سنے جا رہی تھی۔
"ماں جانے والی ہے......کہاں؟ اور یہ چاہتی ہے، میں مر جاؤں۔ اگر میں مر جاؤں تو ماں کو آسانی ہو جائے گی۔ پھر وہ یہاں سے نہیں جائے گی......نہیں، چلی جائے گی......وہ کہتی ہے، اسے چلے ہی جانا ہے......اسے کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ میں بھی نہیں۔" اس کا معصوم سا دل گہری اداسی میں گھر گیا۔
"ماں!......ماں! مجھے ساتھ لے جاؤ گی......اپنے ساتھ؟" اس نے آس بھرے لہجے میں پوچھا۔ اگرچہ اس کا دل تو کبھی بھی ماں کی رفاقت کا خواہاں نہیں ہوا تھا۔
زریں نے گہرا سانس لے کر اسے دیکھا۔
"نہیں، نہیں......تمہیں ساتھ نہیں لے جاؤں گی۔ اس لئے تو تجھے اپنا عادی نہیں بنایا۔ رہ لے گی آرام سے میرے بغیر۔ جا دفع ہو۔ کچھ کھا جا کر، یا میرا دماغ کھاتی رہے گی؟" اس کی ماں نے سابق ٹون میں آتے ہوئے اسے زور سے پلنگ سے دھکا دیا۔ وہ گرتے گرتے بچی اور دروازے کے قریب جا کر اس نے مڑ کر ماں کو دیکھا۔ ماں دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو رہی تھی۔
پہلے اس کے جی میں آیا، جا کر ماں سے لپٹ جائے، اس کے آنسو پونچھ لے۔ مگر وہ جانتی تھی، اسے دوسرا دھکا جو ملے گا، وہ اسے سنبھلنے نہیں دے گا۔
وہ دل برداشتہ سی کمرے سے باہر آ گئی اور بھول ہی گئی کہ اسے بھوک لگی تھی۔
اس کا معدہ ناقابلِ یقین حد تک بھوک سہنے کا عادی ہو چکا تھا۔ اکثر وہ ڈیڑھ دن تک کچھ کھاتی ہی نہیں تھی اور کسی کو خیال بھی نہیں آتا۔
وہ چپکے سے دادی کے پلنگ کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی اور ذرا دیر میں سو بھی گئی۔

✲✲......✲✲

"اماں! بن گیا میرا ویزا اور ٹکٹ بھی او کے ہو گئی۔ تین دن بعد کی فلائٹ ہے اور جاتے ہی نوکری بھی پکی۔"
نیلم کی آنکھ، باپ کی جوش بھری آواز پر کھلی تھی۔
"بات تو خوشی کی ہے، پر ماں کا دل کیسے خوش ہو؟ مجھے تو جدائی ڈالی جائے گی۔" دادی دل گرفتگی سے بولیں۔
"اماں! باہر جانا تو میرا خواب تھا۔ پھر زندگی سنور جائے گی میری۔ اور کیا چاہئے تمہیں؟" ابا نے ماں کو بانہوں میں جکڑ کر کہا۔

''ہاں، اس سے تو دل مطمئن ہے۔ چلو، زندگی بن جائے گی تیری۔'' کمرے میں خاموشی چھا گئی۔
''اور اس روگ کا کیا کرے جائے گا؟'' اسے پتہ تھا، دادی ابھی یہ ذکر چھیڑیں گی، سو وہ منتظر بیٹھی تھی۔
''یہیں مرے گی اور کیا کرنا ہے اس کا؟'' وہ نفرت سے بولا۔
''نہ بابا! میں اس گند کی پوٹ کو نہ رکھوں گی۔ میرے پیٹ میں کیا پھوڑے ڈلوائے گا، اس کا عذاب میرے سر منڈھ کر؟''
''تو کیا کروں، ساتھ لے جاؤں؟ کبھی نہیں۔''
''اس کی ماں کے گھر دفعان کر جا۔''
''اس کی ماں اسے کبھی بھی نہیں رکھے گی۔ آدھا دن تو وہ سہتی نہیں تو مستقل رکھے گی؟''
''تو پیدا کیوں کیا ایسی گندی اولاد کو؟......اب بھگتے۔''
''بھگتنے کے لئے میں جو ہوں، آپ کی نیکی میرے گلے پڑی ہے۔''
''نہ کر اور شرمندہ، فیضی! مجھے۔ پہلے ہی گھومتی رہتی ہوں۔ اچھا یوں کر، اس کو بلا ادھر میرے سامنے اور پوچھ اس سے، کیا چاہتی ہے۔''
''جو چاہتی ہے، تمہیں، مجھے پتہ تو ہے۔'' وہ تلخی سے بولا۔
''صرف پتہ ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ منہ سے کیا پتہ کچھ اور کہے۔ ایک بار پوچھنا تو فرض بنتا ہے نا۔ تُو ایک بار بلا کر پوچھ۔''
''میں نہیں پوچھوں گا۔ تم یہ فرض نبھاؤ۔'' اس کا باپ غصے میں کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔
''احسن!......احسن!......او ثریا!'' دادی لگاتار آوازیں دینے لگیں۔
''نیلی!......او نیلو!......کہاں مرگئی منحوس!......شام سے نہیں دیکھا......ماں کے گھٹنے سے لگی بیٹھی ہوگی۔ ایسی اچھی تو نہیں گھٹنے لگانے والی۔'' دادی پکارتے ہوئے خود ہی بولے گئیں۔
اور وہ ڈھیٹ بنی وہیں پڑی رہی۔

✲⊙......⊙✲
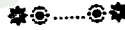
اُس رات بارش ہو رہی تھی۔
بلکہ یہ جھڑی صبح سے ہی لگی تھی اور ایک پل کو نہ رکی تھی۔ سردی کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔
ماں نے ابھی تک اس کے گرم کپڑے بھی نہیں نکالے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر سردی میں ٹھٹھرتی پھر رہی تھی۔
تائی نے ترس کھا کر سادہ کم پرانا سا سویٹر اسے دے دیا۔ سارہ نے اگلے لمحے آ کر اس سے وہ سویٹر اُتروا لیا۔
''میں اسے کبھی اپنا نیا تو کیا، پرانا کپڑا بھی نہ دوں۔ زہر لگتی ہے یہ مجھے۔''
اس چھوٹی سی لڑکی میں جانے نیلم کے لئے کیسی نفرت تھی۔ ایک پل کو بھی اسے برداشت نہیں کر پاتی تھی۔
وہ سویٹر اُتار کر پھر سے اسی طرح پھرنے لگی۔ ماں اندر کمرہ بند کئے پڑی تھی۔ وہ آخری ٹھکانے کے طور پر پھر دادی کے پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی۔
اور بیٹھنے کی فیس......ہولے ہولے اُن کی ٹانگیں دبانے لگتی۔
دادی غنودگی میں تھیں۔
''چل، تجھے بھی خیال تو آیا۔'' ذرا سی آنکھیں کھول کر بولیں۔ اسی وقت فیضی اندر داخل ہوا۔ احسن اور سارہ ساتھ تھے۔
''یہ تم دونوں کے لئے ریوڑیاں، چلغوزے اور یہ مونگ پھلیاں......جاؤ اور مزے کرو۔ اماں! یہ آپ کے لئے۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑے سارے شاپر زبانٹ دیئے۔
نیلم کو لگا، اس نے یہاں بھی سلیمانی ٹوپی پہن رکھی ہے۔
''آ گیا تُو......تیاری ہو گئی مکمل تیری؟''
''ہو گئی اماں! سب مکمل......آج کی رات تو ہے بس۔''
''تو میرے پاس آ کر بیٹھ۔ پھر پتہ نہیں، یہ زندگی مہلت دے نہ دے۔''
فیضی پاس بیٹھ کر محبت سے ماں کا سر دبانے لگا۔ احسن اور سارہ سامنے برآمدے میں کھڑے ہو کر مزے مزے سے مونگ پھلیاں اور چلغوزے چھیل چھیل کر کھا رہے تھے۔
''احسن!......سارہ!'' دادی نے آواز دی۔
''جی دادی!'' دونوں نے وہیں سے جواب دیا۔

"تھوڑے سے یہ نیلی کو بھی دو۔" پتہ نہیں دادی کو کیسے خیال آ گیا۔

"دادی! میرے پاس تھوڑے ہیں۔ احسن سے کہیں۔" سارہ نے جواب دے دیا۔

احسن ذرا سی دیر بعد اس کے پاس تھوڑے سے چلغوزے اور مونگ پھلیاں رکھ گیا۔ اور بھوک ہونے کے باوجود وہ انہیں کھا ہی نہ سکی۔ وہ دادی کی رضائی کی سلوٹوں میں ادھر اُدھر گھس گئے۔

کہیں دل میں اُداسی سی تھی کہ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"آ رہی ہے اماں! وہ ادھر۔" دادی آنکھیں بند کئے رضائی کی گرمائش اور اس کے دبانے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں، چونک گئیں۔

"کون؟"

"تیرا لایا ہوا تحفہ۔" فیضی نے حقارت سے کہا۔

اسی وقت زریں، ملگجے جوڑے میں بغیر کسی سویٹر یا گرم شال کے اندر داخل ہوئی۔

مدھم آواز میں دادی کو سلام کرتی، دروازے کے پاس پڑے صوفے پر بیٹھ گئی، یوں جیسے ابھی بھاگ جائے گی۔

"چل، تیرے پیروں کی مہندی بھی اُتری، ساس کے کمرے میں آنے کے لئے۔" دادی طنزاً بولیں۔

"کل جا رہا ہوں میں پانچ سالوں کے لئے باہر۔" فیضی نے خشک لہجے میں بات کا آغاز کیا۔

"تو میں کیا کروں؟" وہاں فیضی سے بھی زیادہ سرد مہری تھی۔

"کیا تم اسی طرح رہتی رہو گی؟"

"کس طرح؟"

"جس ڈھٹائی سے رہ رہی ہو۔"

"نہیں۔"

دادی اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"تو...... کیسے رہے گی؟...... کچھ سدھرنے کی اُمید لگائیں ہم؟"

"نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"بتا تو دیا۔" زریں ڈھٹائی کی انتہا پر تھی۔

دادی نے نیلم کے ہاتھ پرے جھٹکے۔

"چاہتی کیا ہے تُو؟"

"طلاق۔" وہ فیضی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"ٹھیک ہے۔ میں نے تجھے طلاق دی...... طلاق دی...... طلاق دی......" اور دادی "فیضی، فیضی" چیختی رہ گئیں۔

باہر اتنے زور سے بادل گرجے کہ نیلم کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ دادی کے پیروں سے لپٹ گئی۔

✲◉......◉✲
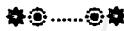
کمرے میں موت کا سا سناٹا تھا۔

اتنی خاموشی کہ باہر گرتی ہلکی بوندیں کھڑکیوں کے بند شیشوں پر کسی پتھر کی طرح لگ رہی تھیں۔ جیسے بہت سے پتھر ان شیشوں پر تڑاخ تڑاخ کر رہے ہوں اور سب ہی شیشوں کو ان کاری ضربوں سے چُور چُور کر جائیں گے۔

چُور چُور تو شاید بہت کچھ ہو چکا تھا۔ اس کے ننھے دماغ کو اس کا ادراک نہیں تھا۔

وہ گھر گرسب کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

دادی کا پوپلا سا منہ یوں کھلا ہوا تھا، جیسے نکڑ والا ڈاکٹر ان کی داڑھ میں دوائی لگوانے کے لئے کھلواتا تھا۔ اس خیال سے ہی اسے ہنسی آنے لگی۔ مگر آغا فیاض کی شکل...... جیسے کوئی خونخوار بھیڑیا اپنے شکار کو مار مار کر ادھ موا کر چکا ہو اور اب خود ہی پڑا زور زور سے ہانپ رہا ہو۔

وہ دیکھے گئی۔

"جانوروں کے اس پروگرام میں بھیڑیا یونہی تو ہانپ رہا تھا۔" اس نے آغا فیاض کے سینے کے زیر و بم کو دیکھ کر سوچا۔

تائی ثریا ہاتھ میں دادی کے لئے یخنی کا پیالہ لئے وہیں ساکت دروازے کی چوکھٹ پر کسی بت کی طرح کھڑی رہ گئی تھیں۔

ایک زریں تھی!
اس کمرے کا واحد مطمئن چہرہ.......کچھ ایسی پُرسکون بیٹھی تھی، جیسے باہر برستی رِم جھم بارش کے میوزک سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔
احسن اور سارہ کھڑے اسی طرح مونگ پھلیاں اور ریوڑیاں کھا رہے تھے۔
"فیضی!" دادی نے اس سوئے ہوئے منظر کو جیسے اس مُنے سے لفظ سے دھکیل کر جگایا۔
زریں چہرے پر بے حد جان دار مسکراہٹ لئے کھڑی ہوگئی۔ اور نیلم جیسے ماں کا چہرہ تکتی چلی گئی۔ اس نے یوں کبھی ماں کو کھل کر مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔
'یہ کتنی خوب صورت ہے۔ کتنی زیادہ۔' پہلی بار اس کی آنکھوں نے ماں کے سوگوار حُسن کو ایک اور ہی نظر سے دیکھا تھا۔ حُسن اور بدصورتی کو جانچنے والی نظر سے۔
'ماں تو بہت خوب صورت ہے۔' وہ مبہوت سی، ماں کو دیکھتی چلی گئی۔ اور اسے یہ احساس بھی کب ہوا، جب زریں مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"بہت شکریہ۔ ورنہ شاید تم سے یہ تین حرف کہلوانے میں مجھے جانے کتنے سال لگ جاتے۔" وہ مسکراتے ہوئے پلٹ کر جانے لگی۔
"ابھی وقت ہے فیضی!.......سوچ لے، کسی مولوی سے مشورہ کر لے۔ تین طلاقیں ایک دفعہ دو تو اصل میں وہ ایک ہی ہوتی ہے.......دو ابھی......." دادی یوں ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں جیسے سردی سے انہیں کپکپی لگی ہو۔
"بس.......کوئی مذاق ہے؟ ہوگئیں تین طلاقیں، بس۔" زریں کسی چوٹ کھائے جانور کی طرح بلبلا کر چلائی تھی۔
"اماں! یہ عورت تین نہیں، تین ہزار طلاقوں کے قابل ہے۔ تم رجوع کرنے کی بات کرتی ہو، میں اس کی شکل زندگی میں دوبارہ کبھی نہ دیکھنا چاہوں گا۔" آغا فیاض نفرت بھرے لہجے میں بولے۔
"اور تمہارا خیال ہے، میں تمہاری سوہنی صورت دیکھنے اس چوکھٹ پر پڑی ایڑیاں رگڑتی رہوں گی.......کبھی نہیں آغا جی! مجھے تم سے اتنی نفرت ہے کہ اسے لفظوں میں بیان کرنے کے لئے نہ میرے پاس الفاظ ہیں نہ فالتو وقت۔"
"ہاں!" وہ جاتے جاتے رکی۔ "تم نے مجھے اپنا قرض دار کر لیا ہے۔ دس سال بعد سہی، چھوڑ تو دیا۔ اب تو میرا یہاں رکنا کا کوئی جواز نہیں۔" وہ اسی طرح چہرے پہ چمکیلی مسکراہٹ سجائے وہاں سے جانے لگی۔
"اور.......دفع ہو رہی ہے کمینی! تو یہ جو سوغات ہے تیری، اس کو بھی ساتھ لے جا۔" دادی نے یکدم کچھ ایسا اچانک دھکا دیا کہ وہ کسی گیند کی طرح اُچھلتی ہوئی پائنتی سے لڑھکی تھی۔
پائنتی کا پایہ پکڑے وہ یخ زمین پر ننگے پاؤں کھڑی اپنی اتنی حسین ماں کو دیکھ رہی تھی۔
'امی! مجھے بھی ساتھ لے جائیں.......وہاں.......وہاں ہی جائیں گی نا، اُس رنگین شیشوں والے گھر میں.......اگر کوئی مجھے وہاں کچھ سمجھتا نہیں تو یوں مارتا پیٹتا بھی تو نہیں۔' اس نے جلدی جلدی دل میں دعا مانگی تھی۔
"یہ.......یہ تمہاری نسل ہے۔ تمہاری اولاد.......میں نے تو اسے یوں پیدا کیا، جیسے کوئی عورت ناجائز اولاد پیدا کرتی ہے کسی گناہ کی طرح۔ اسے تم ہی سنبھالو.......مجھے معافی دو۔" وہ کہہ کر رکی نہیں۔ "اگر اس کی ہوتی تو ضرور لے جاتی۔" جاتے جاتے بولی تھی۔
"اللہ میری توبہ.......توبہ.......اماں توبہ.......قربِ قیامت.......یا اللہ! آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑا۔ ایسے گندے بول اُمّ دینے والی ماں کے منہ سے.......اماں! یہ عورت ہے یا کوئی ڈائن.......پچھل پیری۔" تائی نے پیالہ وہیں کارنس پر رکھا اور دونوں ہاتھ کانوں سے لگاتی دھپ سے دادی کی رضائی پر بیٹھ گئیں۔
"عورت یا ڈائن نہ کہلوائے۔ یہ تو بلیات میں سے کوئی بلا تھی، جو میرے بیٹے کی زندگی کے دس سال کھا گئی۔ سب مجھ نصیبوں جلی کا کام تھا۔ اس کے خاندانی نصب پر گمان کر بیٹھی۔"
"اماں! اس سے بولو، اسے اپنے ساتھ لے کر جائے۔ میں کل جا رہا ہوں، اسے یہاں کوئی نہیں رکھے گا۔ نہیں رکھتی تو کسی یتیم خانے میں جمع کرا دو۔"
اس کا باپ.......اس کا سگا باپ کہہ رہا تھا۔ اور اسے لگا، وہ آٹھ نو سال سے ایک دم اٹھارہ سال کی ہوگئی ہو.......سب رویوں، سب لفظوں کے ظاہر میں چھپے مفہوم سمجھنے والی۔
"فیضی!" اماں کے منہ میں بچے کھچے دانت سردی سے کانپے تھے یا دونوں میاں بیوی کی سفاکی سے۔
آغا فیاض کے الفاظ سن کر تو اس بار تائی فراخ دلی سے توبہ بھی نہ کر سکیں۔ حق دق سی دیکھے گئیں۔
"چل، تُو کیوں پریشان ہوتا ہے۔ کل اس کی نانی کو بلا کر اس کے حوالے کرتی ہوں، قصہ ختم۔"

اور قصہ تو جیسے واقعی ختم ہو گیا تھا۔ مگر اس کے ماں باپ کا........

اس کا قصہ تو اسی رات سے شروع ہوا تھا۔

اس سرد، برستی سفاک رات سے شروع ہونے والا یہ قصہ ایک ایسی سرد، برستی سفاک رات میں تمام ہوا تھا، جس میں نیلم مری تھا۔

اس نو سالہ نیلم کو لگا، وہ اس مرنے والی کے پلنگ کے سرہانے کھڑی رو رہی ہے۔

گھٹ گھٹ کر روتی، اپنے آنسوؤں کو روکتی وہ کیسے کانپے جا رہی تھی کہ وہیں، اپنے قدموں میں بیٹھ کر دادی کے پلنگ کے پائے سے لپٹ گئی۔

ایک بار پھر اس نے سلیمانی ٹوپی پہن لی اور کسی کو نظر نہیں آئی۔

وہ اس پائے سے لپٹی ساری رات روتی رہی۔

صبح جب دادی نماز کے لئے اُٹھیں تو اس کا سردی سے اکڑا، پائے سے چمٹا وجود دیکھ کر بے اختیار چیخ اُٹھیں۔

کاش! وہ اس رات سردی سے اکڑ کر مر گئی ہوتی۔

اور یہ موت...... جس سے لوگ بھاگتے ہیں، اس نے اپنی آئندہ زندگی میں اپنے لئے اتنی بار مانگی کہ اسے یاد بھی نہیں۔ اور اسے ملی بھی نہیں!

شاید موت اس کے لئے تھی ہی نہیں!

جو تکلیفوں کی انتہا سے نہ مرے، وہ بددعاؤں سے مر جاتا ہے۔ مگر وہ ایسی ڈھیٹ جان کہ جتنی بددعائیں ملتی گئیں، اس کی زندگی کی دراز ہوتی چلی گئی۔

❋◉......◉❋

زریں اس رات اسی برستی بارش میں چلی گئی۔

دادی نے اگلی شام اس کی نانی کو بلوایا۔ اس کی جھکی کمر والی، بے حد بوڑھی اور تھوڑا ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے والی نانی، اس شام شاید نانی نہیں دیکھ پا رہی تھیں۔ انہوں نے آنکھیں کچھ یوں جھکا رکھی تھیں، جیسے بیٹھے بیٹھے سو گئی ہو۔

دادی نے زریں کو گالیوں اور کوسنوں کے ساتھ نانی کو، ان کے خون کو اور ان کے خاندان کو بھی خوب اچھالا۔ کئی بار نیلم نے چھپ ہو کر دیکھا۔ نانی شاید واقعی سوئی ہوئی تھیں۔ وہ دادی کے جواب میں بولتیں تو کیا، سر بھی اونچا نہ کیا۔

"اب یہاں مراقبے میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بہتر ہے، اپنے گھر کا کوئی اندھیرا کونہ خالی کروا کر قبر میں جانے تک وہیں۔ جب ایسی بیٹی کی ماں پہلے پہل اس کی حرکتوں پر آنکھ نہ کھولے تو پھر اسے یونہی دنیا سے منہ چھپا لینا چاہئے۔"

نانی پھر اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہیں۔

"چلو ثریا! نیلم کے دو چار جو کپڑے ہیں، لا کر دو۔ جائے یہ ادھر ہی جدھر اس کی خوب پرورش ہوگی۔ تیسری پیڑھی کیوں محروم ہے، نانی کی مہربان آغوش سے۔"

اور پہلی بار نانی نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں، جیسے انہیں کسی نے جھنجوڑ کر گہری نیند سے جگا دیا ہو۔

"نن...... نہیں...... بالکل نہیں...... میں نہیں لے جاؤں گی اسے۔" بوڑھی، اُبھری نسوں والے کانپتے ہاتھ اٹھا کر انہوں نے لرزیدہ آواز میں کہا۔

"تو کسی یتیم خانے میں ڈال جا...... فیضی تو گیا، وہ چنڈال کل دفع ہو چکی تو اسے کون رکھے؟" دادی زہر خند لہجے میں بولیں۔

"میرے دو چار دن ہیں...... بس دو چار...... اس کے بھائی، بھابیاں، کوئی بھی نہیں رکھیں گے۔" نانی کانپتی آواز کے ساتھ کہنے لگیں، جیسے کوئی پرانی مشین کو زبردستی چلانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"تو...... تو ہم کیا کریں؟ ایک اور گند کو پالیں؟...... نہیں۔"

نانی ایک دم سے بڑھیں اور دادی کے پیروں سے لپٹ کر دھواں دھار رونے لگیں۔

اُس کی بے تحاشا بولنے والی دادی جیسے ایک دم سے گونگی ہو گئیں۔ نانی روتی رہیں۔ پھر دادی بھی رونے لگیں۔ دونوں بوڑھیاں جی بھر رو چکیں تو نانی ہولے سے اُٹھیں۔ اپنا ململ کا دوپٹہ اس سردی میں اپنے بے حد کمزور جسم کے گرد لپیٹتی، لمحہ بھر کو نیلم کے پاس رکیں، اپنا کانپتا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور منہ سے کوئی بھی لفظ نکالے بغیر جھکی جھکی باہر نکل گئیں۔ یوں زریں کے ساتھ وہ رنگین شیشوں کی کھڑکیوں، روشندان والا گھر اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا۔

لیکن زریں کو وہ کبھی بھول نہ سکی۔

اس آخری شام نیلم نے زریں کے چہرے کی جس خوب صورتی کو محسوس کیا تھا، وہ چہرہ جیسے اس کے دماغ میں محفوظ ہو گیا
تھا۔ اور کچھ اسے اردگرد کے لوگوں نے ماں کو بھولنے ہی نہیں دیا۔ کوئی بھولا بھٹکا، پرانا رشتہ دار نکل آتا تو فوراً اسے دیکھنے
پڑتا۔

"یہ تو بنی بنائی زریں ہے۔"

دادی اسے یوں کڑی نظروں سے گھورتیں کہ وہ ایک دم سے بھاگ ہی لیتی۔ اور وہ کہیں بھی بھاگ جاتی، اس شناخت
کا بچنا، چھپنا ناممکن تھا۔

اور ایک روز بہت سالوں بعد جو اس نے خود کو غور سے آئینے میں دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ اس کے دماغ میں زریں کی اس
شام والی شبیہ کسی فلیش کی طرح چمکی۔ اور بے اختیار اس کے ہاتھ اپنے چہرے کو چھونے لگے۔

'کوئی کسی سے اس درجہ بھی مشابہ ہو سکتا ہے؟' وہ حیرت زدہ سی کھڑی رہ گئی۔

پھر اسے ماں کے نقش کو یاد رکھنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ وہ خود چلتی پھرتی زریں تھی!

✿۞......۞✿

"تم کتنی خوب صورت ہو، یہ کوئی میرے دل سے پوچھے...... تمہیں ہاتھ لگاتا ہوں تو ڈرتا ہوں، یہ موی گڑیا کہیں
جائے۔ اور پگھل تو تم میرے لمس سے........"

اور نیلم نے زور سے اس کے ہاتھوں کو پرے دھکیلا۔ اس کا چہرہ شرم سے لال بھبوکا ہو گیا تھا۔

"شرم نہیں آتی؟" وہ بمشکل بولی۔

"آتی تھی، جب تک تمہارے تصور سے خیالوں میں باتیں کرتا رہتا تھا۔ مگر جب سے تم نے اظہار محبت کیا ہے، اب تو بڑا
بہت سکون، بہت خوشی ملتی ہے دل کو یہ سب کہہ کر۔ اظہار کے بغیر محبت کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔" اسے جانے کہاں کی
لمبی باتیں کرنا آ گئی تھیں۔

"اچھا، ذرا اپنی ممی جان کے سامنے یہ محبت کی بقا کی بات کرو نا۔" اس نے اسے چھیڑا۔

"بزدل نہ سمجھنا مجھے۔ تم آج مجھے کہو، میں آج کہہ ڈالوں گا۔ صرف ممی سے نہیں بلکہ سب کے سامنے۔ چلو۔" وہ اس
کا ہاتھ کھینچنے لگا۔

"چھوڑو........ چھوڑو نا۔ کوئی آ جائے گا۔ کیا کرتے ہو؟" وہ پورا زور لگانے کے باوجود اس سے ہاتھ نہیں چھڑا سکی۔ موم کی
طرح پگھلتی چلی گئی۔

"عالی! یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" وہ اس کے سامنے کیسے دنیا جہاں کے غموں سے آزاد ہو جایا کرتی تھی۔

"کیا...... محبت کرنا یا اس کا اظہار کرنا........ یا........"

"سب ہی کچھ۔"

"تو کیا کریں؟" وہ آنکھیں بند کئے مدہوش سا اس کے اخروٹی بالوں کی خوشبو اپنے اندر اتارتے ہوئے مخمور لہجے میں بولا۔

"تم پھپھو سے بات کیوں نہیں کرتے؟"

"ہاں، تو کروں گا نا۔"

"تو کب؟" اس نے جھلا کر اپنا آپ چھڑانا چاہا مگر وہ بس پھڑ پھڑا کر ہی رہ گئی۔

"جب تم کہو۔" اس نے ہمیشہ والا جملہ بولا۔

"اچھا مجھے تو چھوڑو نا!" اس کی سانسیں گھٹنے لگی تھیں۔

"تمہیں چھوڑ دوں........ ناممکن!" وہ اس کے ہر ہر جملے کو استعمال کرتا تھا کہ وہ بے بس ہو جاتی۔

"وعدہ؟" اسے بھی یہی ڈھنگ آتا جا رہا تھا۔

"موت ہی اس دعوے کو اب توڑ سکتی ہے۔"

اور اس کے دل کے اندر تک سکون اتر گیا۔ اور وہ جانتی نہ تھی کہ موت سے بھی طاقت ور، سخت ترین کوئی چیز ہے۔

وہ ہے زندگی!

زندگی موت سے بھی کٹھن ہوتی ہے۔ وہ بھی جب ہم اسے اپنی متعین کردہ شرطوں کے ساتھ گزارنا چاہیں۔

"تو پھر کچھ کرو نا!" اب اسے چھت کے اس اندھیرے کمرے میں ملنے سے بہت ڈر لگنے لگا تھا۔ عالی کی بے خودی کا جنون
اس کے لئے ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔

"تو کر رہا ہوں نا!" اس کی جسارت پر نیلم نے پوری قوت سے اسے دھکا دیا اور باہر بھاگ گئی۔
باہر گھپ اندھیرا تھا، شام کب رات میں ڈھلی، ان دونوں کو پتہ ہی نہیں چلا۔
تایا، تائی، احسن اور سارہ کسی شادی میں گئے ہوئے تھے۔ دادی کی طبیعت خراب تھی، اس لئے وہ دادی کے پاس رک گئی تھی اور
عالی شادی کا فنکشن چھوڑ کر اس سے ملنے چلا آیا تھا۔ وہ ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتا تھا۔
دادی دوا کے زیر اثر گہری نیند میں تھیں۔
وہ اپنی کھلتی ہوئی دونوں چوٹیوں کو گوندھنے لگی۔ وہ بھی پیچھے آ گیا۔ وہ کچھ بولنے لگا تھا کہ ہم نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے
چپ رہنے کو کہا۔
دونوں پھر باہر آ گئے۔
"پتہ ہے عالی!" وہ دونوں سیڑھیوں پہ آ بیٹھے تھے۔
"کیا؟" وہ اس کی گندھی ہوئی چوٹیاں پھر سے کھولنے لگا۔
"دادی کل تایا سے کہہ رہی تھیں۔"
"کیا......؟" وہ بالکل بھی متوجہ نہیں تھا۔ نیلم جب اس کے پاس ہوتی تھی تو اس کے پاس جیسے متوجہ ہونے کے لئے کچھ بھی
باقی نہیں رہتا تھا۔
"کل دادی، تایا سے کہہ رہی تھیں کہ میں نیلم کی شادی ان ہی دو چار مہینوں میں لازمی کر دینا چاہتی ہوں۔"
"اچھا......دادی کو کیا جلدی ہے؟"
"پتہ نہیں۔ ملک الموت ان کے کانوں میں پھونک گیا ہوگا۔ چلیں اب، بہت خدا کی زمین پر فساد پھیلا لیا۔" وہ اس کے لمبے
بالوں سے کھیلتے ہوئے ہنسا۔
"تم بہت فضول ہو۔" اس نے اپنے بال سمیٹے۔
"پھر ماموں نے کیا کہا؟" وہ اس کی خفگی دیکھ کر متوجہ ہوا۔
"وہ بھی راضی ہیں۔"
"کس کے لئے؟"
"احسن کے لئے۔" وہ ہولے سے بولی۔
"کیا......؟" وہ اتنی زور سے چیخا تھا کہ وہ اس کے منہ پر ہاتھ ہی رکھتی رہ گئی۔
"ہاں تو اور کیا......احسن بھی تو......" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ کیسے بتاتی کہ اب اس گھر میں احسن کے ساتھ رہنا، اس کی بولتی
نگاہوں اور نظروں سے چھلکتی آتش سے دامن بچانا اس کے لئے کتنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔
"کیا......احسن......" وہ بھی اٹک گیا۔
"مگر تائی نے ایک ہنگامہ مچا دیا۔" اس کی سرمئی آنکھوں میں ڈھیر ساری اُداسی اُتر آئی۔
"کیوں؟" وہ اس کی اُداس آنکھوں کو دیکھ کر بے چینی سے بولا۔
"وہ کہنے لگیں، میں مر جاؤں گی مگر زریں کی بیٹی کو اپنی بہو کبھی نہیں بناؤں گی۔" وہ روہانسے لہجے میں بولی۔
عالی جواب میں خاموش رہا۔ نیلم خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔
"امی بھی ٹھیک کہتی ہیں۔" وہ بہت دیر بعد بولا تو جیسے نیلم کا پورا وجود دبیز سناٹے کے حصار میں آ گیا۔
"کیا؟" بہت دیر بعد وہ بول پائی تھی۔
"یہی کہ زریں کی بیٹی......بہت بہت نفرت ہے انہیں اس عورت سے۔" وہ شرمندہ شرمندہ سا بتا رہا تھا۔
"اور میں اس عورت کی بیٹی۔" وہ تمسخر سے ہنسی۔ "کیا ہوا جو اس گھر میں پروان چڑھی ہوں، رہوں گی تو زریں کی بیٹی نا۔"
عالی نے آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔
"اور محمود عالم! تمہیں بھی دل لگانے کے لئے اسی عورت کی بیٹی ملی تھی۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے زخمی لہجے میں بولی۔
"نیلم! یہ میرا نہیں، دل کا قصور ہے۔ اور دل پر زور......" وہ بے بسی سے بولا۔
"اگر دل پر زور نہیں چل سکا تو پھر تقدیر پر بھی زور نہ دو۔"
"تم مجھے بزدل سمجھتی ہو؟" وہ ناراضی سے بولا۔
"میں کچھ نہیں......تم مجھے اس محبت کے سفر میں اتنی دور لے آئے ہو کہ میرے لئے پیچھے ہٹنا بھی ممکن نہیں رہا۔ عالی! جو کرنا

ہے، جلدی کرو۔" وہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
دادی اسے پکار رہی تھیں۔
"ورنہ پھر مجھے الزام نہ دینا۔" کہہ کر وہ رکی نہیں۔
وہ بہت ویران ٹھنڈی سیڑھیوں میں اکیلا بیٹھا سوچتا رہا۔ جانے کیا؟......نیلم پھر باہر نہیں آئی۔

❋......❋
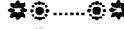
اور دادی کی طبیعت جُوں جُوں بگڑتی جا رہی تھی، ان کے اندر یہ تحریک زور پکڑتی جا رہی تھی کہ نیلم کا بیاہ وہ جلد سے جلد اپنے ہاتھوں سے کہیں بھی، کسی کے ساتھ بھی کر ڈالیں۔ عالی کی طرف تو ان کا دھیان کبھی بھی نہیں جا سکتا تھا۔ یہ تو ایک بالکل ہی ناممکن خیال سا تھا۔
جیسے زمین کے آسمان ہو جانے کا خیال۔
اور یہ خیال پھپھی تو کیا، اس کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اسے اپنی اس گھر میں حیثیت کا علم تھا۔
تائی نے اسے بھی خوشی سے دو ٹائم کا کھانا نہیں دیا تھا۔ دادی کی دیکھ بھال سے لے کر صفائی ستھرائی، چھوٹے بڑے کام سے لے کر ہر کسی کی خدمت اس کے لازمی فرائض میں شامل تھا، مگر اس کے باوجود اس کی حیثیت اس گھر میں کسی پرانی ترین نوکرانی سے بھی کمتر تھی۔
اس کی ماں ایک بدکردار عورت تھی۔ جس کا شادی سے پہلے اپنے کسی محلے دار سے خوب زوردار معاشقہ چل رہا تھا۔
نانی نے اس کے جذبات کی پروا کیے بغیر اسے خاندان کے سب سے شریف گھرانے میں بیاہ دیا، جہاں دولت تو کم تھی مگر شرافت......شرافت کے تو جیسے ٹوکرے کمروں کی چھت تک لدے پڑے تھے کہ اس شرافت سے رہنے والوں کے دم گھٹنے لگے مگر کوئی بول نہیں پاتا تھا۔
اس کی ماں بولی تھی اور ہمیشہ کے لئے معتوب، قابلِ نفرت ہو گئی۔
اگر اس کی ماں کا قصور تھا تو......اس کا باپ، جسے پہلی رات ہی تنفر کر کے حجلۂ عروسی میں بھیجا گیا تھا، وہ پورے دس سال اس پہلی رات کے گھٹیا تعارف کو لمحہ بھر کے لئے بھی فراموش نہیں کر سکا۔
اسی شرافت کا لبادہ اوڑھے، اسی شرافت کو قائم و دائم رکھنے کے لئے وہ ماں بہن اور بھابی کی طرف سے کانوں میں انڈیلے گئے زہر کے زیرِ اثر بیوی کو روئی کی طرح دُھنک کر رکھ دیتا تھا۔
زریں کے دل میں شادی کے شروع میں "شریف" بن جانے کا اس "شریف گھر" میں آنے کے بعد خیال تھا بھی تو وہ آغا فیاض کے ظالمانہ، تشدد پسند روّیے نے کہیں اُڑن چھو کر دیا۔ ورنہ اس کا عاشق تو اس شادی پر دل برداشتہ ہو کر ملک ہی چھوڑ گیا تھا۔
یہ آغا فیاض کا ظلم اور نفرت تھی، جس نے زریں کو پلٹنے پر مجبور کر دیا اور اس شخص کو رو رو کر خط لکھ کر واپس بلوا لیا۔
ان شریف خاندانوں میں طلاق سے بڑی گالی کوئی نہیں تھی۔ اور عورت کے پسند کی شادی کرنے یا پسند کا اظہار...اس سے بڑی بغاوت یا سرکشی بھی کوئی نہ تھی۔
اور زریں......زریں جیسی جانے کتنی تھیں جو کھونٹے سے بندھی تو تھیں مگر ان کے دل کہیں اور ہوتے تھے۔ وہ گھٹ گھٹ کر مر جاتیں، طلاق منہ سے نہ مانگتیں۔
اور زریں کا یہ مطالبہ نسلوں تک ناقابلِ معافی تھا۔ وہ جیت کر چلی گئی، مگر بیٹی کو عمر بھر کے لئے ناکردہ گناہ کی سزا میں اذیت میں چھوڑ گئی۔
اور آغا فیاض......اس کے بے حد غیرت مند، خوب صورت باپ جو پلٹ کر کبھی نہیں آئے تھے۔ انہوں نے دبئی میں شادی کر لی تھی۔
اور دوسری شادی کر کے بھی وہ بدقسمت ہی رہے کہ دوسری بیوی بھی انہیں چھوڑ گئی، ایک بیٹا جھولی میں ڈال کر۔
آغا فیاض نے ہمت نہیں ہاری۔ ایک باوفا، باکردار عورت کی تلاش کے لئے۔
تیسری باوفا یا باکردار تھی یا نہیں، اس کا بھرم یوں رہ گیا کہ وہ علیحدگی سے پہلے ہی ایک ایکسیڈنٹ میں فوت ہو گئی۔ شاید وہ باوفا ہی تھی، جو دنیا کو دکھانے کو سہی، آخری دم تک ان کے ساتھ رہی۔
آغا فیاض نے چوتھی شادی نہیں کی اور بیٹے کو دل جمعی سے پالنے لگے۔ بیٹی سے انہوں نے کبھی بات کی، نہ بات کرنے کا شوق ظاہر کیا، نہ کبھی اس کے لئے کچھ بھیجا، نہ پوچھا۔ تو یہ گھر اس ماں باپ کی نفرتوں کی شکار نیلم سے جتنا بھی بدتر سلوک کرتا، کم تھا۔ مگر اس کے باوجود دادی کا طعن آمیز وجود جیسا بھی تھا، اس کے لئے کسی پناہ گاہ سے کم نہیں تھا۔

اور اس وقت اسے اس پناہ گاہ سے بھی بھاگنا پڑتا، جب شاہین پھپھو آتیں۔ وہ اس کے باپ کی طرح اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ کچھ خاص ہی نفرت تھی انہیں زریں سے........ اور وہی نفرت، نیلم کے حصے میں آئی۔

پھپھو کے جانے کے بعد اب بہت دیر تک دادی کا مزاج بھی برہم سا ہی رہتا۔ مگر اب اسے یہ برہمی پریشان نہیں کیا کرتی تھی بلکہ اپنی اس گھر میں اتنی گھٹیا حیثیت بھی یاد نہیں دلاتی تھی، جب سے محمود عالم نے اس سے اپنی اس جنونی محبت کا اظہار کیا تھا جو کئی سالوں سے اس کے دل میں نیلم کے لئے پنپ رہی تھی۔ بلکہ اب اسے تو کسی کی بھی پروا نہیں تھی، سوائے عالی کے۔

پھر اب کیا کیا جاتا کہ دادی نے پورے خاندان میں ہر آنے جانے والے سے برملا نیلم کے رشتے کے لئے کہہ ڈالا تھا۔

اس کا حسن کوئی دیکھتا تو اگلے ہی دن رشتہ دے دیتا، پھر جانے کیسے اُدھر جیسے سانپ ہی سونگھ جاتا۔

"اماں! کتنی بھی حسین، پُرکشش ہو تمہاری یہ پوتی، اس چاند کو جو داغ لگا ہے نا، اس کی ماں کے ماضی کا، تو شاید ہی کوئی جگرے والا اس چاند کو اپنے آنگن میں اُتارنے کی جسارت کرے گا۔"

پھپھو اور تائی کے ملتے جلتے یہی الفاظ ہوتے تھے ہر رشتے کے آنے اور پھر گم صم ہو جانے پر۔

پر دادی کو بھی جیسے ضد ہو گئی تھی۔

"مرگئی میں، تو یہ ثریا تجھے گھر میں بھی نہ رکھے گی۔ پتہ نہیں کیسے شرما شرمی اتنے سال برداشت کیا ہے تجھے........ اور چاہوں تو میں بھی پروا نہ کروں........ پر ہم پرانے لوگ، بڑا خیال رہتا ہے ہمیں پرانے تعلقات کا۔ تمہاری نانی اور میں منہ بولی بہنیں تھیں۔ لیکن دوستی، ایسی محبت کہ کیا کسی بہن کو بہن سے ہوگی........ غیرت مند عورت تھی۔ بیٹی کے کرتوت کے دوسرے مہینے ہی دنیا سے منہ چھپا گئی۔ کیسے روتے ہوئے میرے پیروں پر سر رکھ کر خاموش التجا سے مجھے باندھ گئی، ورنہ جیسے کبھی فیضی نے پروا نہیں کی تیری، میں بھی بے پروا ہو سکتی تھی۔ پر ہم پرانے لوگ تعلق کی لاج نبھاتے ہیں۔ زبان سے نہیں، آنکھوں کی التجا سے عہد دیا تھا میں نے تیری نانی کو........ جا کر خدا کو منہ بھی دکھانا ہے اور اسے بھی، جس کا اس سارے میں اس سے زیادہ کوئی قصور نہیں کہ یہ سب اس کی تقدیر میں لکھا تھا۔" دادی کو بولنے کا مراق تھا۔

"نیلی! ایک وعدہ کرے گی مجھ سے؟" سردی کی لمبی راتوں میں دادی کے قصے سنتے سنتے اسے نیند آ جایا کرتی تھی، مگر دادی کی باتیں ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔

"ہوں!" اب بھی وہ نیند میں تھی۔

"اپنی ماں کے داغ دھوئے گی نا؟........ دادی، تائی کے نام کو کبھی کھوٹا نہیں کرے گی........ اب تُو جو بھی کرے گی، میری تربیت پر حرف آئے گا۔ اچھی، باکردار بیوی بن کر رہے گی تو لوگ تب ہی ماں کے کالے کرتوت کو بھول پائیں گے۔ اب یہ سب تیرے ہاتھ میں ہے۔ بول، ایسا کرے گی؟"

اور دادی کیسی بے وقوف تھیں۔ وہ وعدے لے رہی تھیں، جن کا ایفا ہونا اس کی تقدیر میں کہیں لکھا ہی نہیں تھا۔

اور نیلم اس سے بھی بڑی بے وقوف! صرف وعدہ ہی نہیں کیا، قسم بھی کھائی۔

"دادی! مر تو جاؤں گی، مگر کبھی آپ کی تربیت پر لوگوں کو انگلی اٹھانے نہیں دوں گی۔"

اس سے اچھا تو وہ مر ہی جاتی تو شاید وعدہ وفا ہونے کی صورت نکل آتی۔

"شاباش میری دھی! اب سن میری بات۔ لعنت ہو ان دنیا دار لوگوں پر۔ پھل کو نہیں دیکھتے، اس کے داغ کو دیکھتے ہیں۔ جو بھی آیا ہے، دوسری دفعہ جیسے اسے موت ہی پڑ جاتی ہے آ کے۔ اگر میں تیرا رشتہ........ نیلی! تُو اپنے گھر کی ہو گئی تو ہی میں چین سے مر سکوں گی........ کوئی دوہاجو ہو، کوئی رنڈوا اور دوسری شادی کا خواہاں بچے کے لئے یا کسی اور وجہ سے تو دادی کی لاج رکھے گی؟ ہاں بھی کرے گی اور نبھائے گی بھی؟........ بول!"

لاج کی اتنی خوف ناک قیمت ہو گی، وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے تو ہونٹ ہی سل گئے۔

"دادی!" وہ دادی کے مسلسل دیکھنے پر بولی۔

"ہاں، بول نا نیلی!........ دادی کی لاج رکھے گی؟"

اور اس نے ہولے سے سر ہلا دیا۔ دادی خوش ہو گئیں۔

✲◉......◉✲
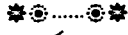
"یہ میری شرٹ کا بٹن تو لگا دو ذرا۔" احسن اس کے سامنے تیار کھڑا کہہ رہا تھا۔

اس کی نظروں سے لپکتی آتشِ شوق سے نظریں چُرا کر وہ بولی۔

"آپ شرٹ اتار دیں، میں لگا دیتی ہوں۔"

''افوہ!........ مجھے پہلے ہی کالج سے دیر ہوگئی ہے۔ اتاروں گا، پھر پہنوں گا۔ تم ویسے ہی لگا دو پلیز!'' وہ اس کے سامنے آ کر
ہوا۔

وہ اس کے بالکل قریب کھڑی بٹن لگا رہی تھی اور ان چند لمحوں میں کیا کچھ نہ بیت گیا دونوں پر۔
احسن کی جرأتیں اور اس کا خوف بڑھتا ہی چلا گیا اور عین اسی وقت تائی کی چنگھاڑ۔
سُوئی سیدھی احسن کے سینے پر لگی۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹا اور تائی بولتی ہوئی اندر آ گئیں۔
''نامراد! تجھے میں نے بستروں کی میلی چادریں اُتارنے اندر بھیجا تھا اور تُو یہاں کھڑی میرے بیٹے پر ڈورے ڈال رہی
ہے........ ہے نا اُسی حرافہ کا خون........ وہی کرے گی، جو وہ کرتی رہی۔'' تائی دن میں ستر بار اسی ٹائپ کے فقرے دہرا دہرا کر
اسے یاد کرایا کرتی تھیں کہ وہ کون ہے۔
''اور تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟........ دیر نہیں ہو رہی تمہیں؟''
''جا رہا ہوں۔ خدا حافظ!'' وہ اسی طرح سوئی دھاگا شرٹ کے ساتھ لٹکائے بھاگ گیا۔ اور وہ پیچھے رہ گئی، دن بھر تائی کے طعنے
سننے کے لئے۔ اور سونے پہ سہاگہ، اسی شام شاہین بھی آ گئیں اور دونوں مل کر طنز کے تیر چلانے لگیں۔
دادی اب ان دونوں کا ساتھ کم ہی دیتی تھیں۔ شاید اس گھر کا کھلا دروازہ بانہیں وا کئے بلا رہا تھا، جس میں وہ جانے والی تھیں۔
اس کا خوف تھا یا واقعی اتنے سالوں کی رفاقت میں وہ سچ مچ نیلم سے پیار کرنے لگی تھیں۔

☼◉......◉☼
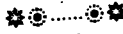
''مجھے ذرا بازار جانا ہے۔ لے چلیں گے نا؟........ پھپھو تو ابھی بیٹھیں گی۔'' سارہ، عالی کو دیکھتے ہی لپک کر آئی۔ اس نے ریڈ
سوٹ کے ساتھ گہرا میک اپ کیا ہوا تھا۔
تائی نے اسے خاص طور پر عالی کے آنے پر یوں بن سنور کر رہنے کی خصوصی تاکید کر رکھی تھی۔
''میں تو جا رہا ہوں، ایک ضروری کام سے۔'' وہ نیلم پر پیاسی نظریں گاڑ کر کچھ بیزاری سے بولا۔
''پھپھو! دیکھیں نا۔'' سارہ اٹھلا کر بولی۔ اور پھپھو اس بھتیجی بھتیجے پر تو فدا تھیں۔
''لے جاؤ نا عالی! اور ایسا کوئی ضروری کام تمہیں ہے نہیں۔'' اور عالی کسی کے سامنے دم مارے یا نہیں، ماں کے سامنے نہیں مار
سکتا تھا۔
''تم بھی چلو ہمارے ساتھ۔'' باہر آتے ہوئے وہ نیلم سے بولا۔
''کیوں، یہ کیوں جائے؟........ ابھی کھانا تیار کرنا ہے۔ پھپھو آئی ہیں تو اماں بے چاری اکیلی کیا کیا کریں گی؟'' سارہ فوراً اکڑ
پن سے بولی۔
''تو تم کیوں جا رہی ہو؟ امی کا ساتھ دینے کے لئے رکو نا۔'' وہ بھی جھٹ سے بولا۔
''تو تم مجھے نہیں لے کر جانا چاہتے؟ میں پھپھو سے کہتی ہوں۔'' اس کا یہی ہتھیار سب سے توانا تھا۔
''پھپھو........!'' اس نے آواز ہی لگائی تھی کہ عالی نے فوراً سے پہلے گاڑی کا لاک کھول ڈالا۔
وہ شام کیسی اُداس اور پھیکی سی تھی۔
'دونوں........ دونوں مجھے چاہتے ہیں۔ عالی اظہار کر چکا ہے اور میں........ میں خود بھی تو اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور
احسن........ احسن میں تو اظہار کی جرأت بھی نہیں، وہ تائی سے اس قدر خوف زدہ ہے۔ اور خوف زدہ تو عالی بھی ہے مگر........ میں اس
کے بغیر رہ نہیں سکتی۔ کیا بنے گا میرا........ پھپھو کبھی بھی مجھے قبول نہیں کریں گی........ اور عالی جتنا پھپھو کا فرمانبردار ہے اگر انہوں نے
اس کے سامنے دو راستے رکھ دیئے۔ میں یا تو وہ........'
اسے اس خنک شام میں بھی پسینہ آ گیا۔
'اب عالی کو جلد ہی کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لینا چاہئے۔ ورنہ دادی کچھ نہ کچھ کر ڈالیں گی۔ آج پھپھو کو انہوں نے یونہی نہیں بلوایا۔'
یہ خیال آتے ہی وہ تیزی سے نیچے بھاگی۔
تقدیر پر بے شک زور نہیں تھا، مگر تقدیر کے فیصلے سننے کا حق تو تھا۔
''اچھا رشتہ ہے۔ میں تو سوچ رہی ہوں، ہاں کر ڈالوں۔'' دادی کہہ رہی تھیں۔ گویا وہ صحیح وقت پر پہنچی تھی۔
''ہاں تو اماں! کر ڈالیں۔ اور اس کے لئے کون سا کسی نواب یا جاگیردار کا رشتہ آئے گا؟'' پھپھو نفرت سے بولیں۔
وہ سامنے ہوتی تھی تو ان کی نفرت اور بھی بڑھ جایا کرتی تھی۔ وہ اور بھی پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی۔
''بچے کے لئے شادی کرنا چاہتا ہے وہ۔ پہلی شادی کو پندرہ سال ہونے کو آئے۔ خوب پکی عمر کا ہے اور کچھ سخت مزاج بھی

نانی کو تو ابھی سترھواں لگا ہے۔ بس یہی خیال۔" دادی نے اس کے پیروں تلے سے زمین ہلا دی۔
"دفع کریں اماں! ان باریکیوں میں پڑیں گی تو یہ چھینٹ آپ کے دامن سے نہیں اُترنے والی۔ پیچھا چھڑائیں۔ اور میں بتاؤں۔" وہ رازداری سے بولیں۔ "ایسیوں کے لئے اسی طرح کے سخت مزاج، خرانٹ اور پکی عمروں کے شوہر ٹھیک رہتے ہیں۔ بے خوف ہو کر پاس کر ڈالیں۔
پھپھو کے دل میں اس کا کیا مقام تھا، اسے کچھ خوش فہمی تو نہیں تھی۔ مگر اتنی نفرت........ اس کا اندازہ اسے کم ہی تھا۔
"آ جائے ریاض تو اس سے پوچھ لوں۔ پھر فیضی سے بھی تو پوچھنا ہے۔ آخر باپ ہے اس کا۔"
"ماشاء اللہ! ایسے باپ اللہ سب کو دے، جس نے کئی سالوں سے کبھی پلٹ کر خبر نہیں لی، ذکر نہیں کیا۔ انہیں بھلا کیا دلچسپی اس کے ٹھکانے لگنے سے؟"
"جو بھی ہو، باپ سے پوچھنا تو فرض بنتا ہے۔" دادی دوٹوک لہجے میں بولیں۔
اور شام واقعی اُداس اور پھیکی ہی نہیں تھی بلکہ فیصلہ کن بھی تھی۔
اُسی رات آغا فیاض کا فون آ گیا۔ دادی نے فوراً ہی پوچھ ڈالا۔ اور ان کا جواب بالکل وہی تھا، جس کی توقع سب ہی کو تھی۔
"اماں! آپ نے یہ ذمہ داری اٹھائی، آپ ہی نبھائیں۔ جہاں آپ کا دل چاہے کر ڈالیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"
"تو نہیں آئیگا؟" دادی کے دل میں بیٹے سے ملنے کی ہوک تھی۔
"نہیں........ میں کہاں آ سکتا ہوں؟ بیٹے کی پڑھائی کا حرج ہوگا۔ اگلے سال چکر لگا لوں گا۔"
دادی نے مایوس ہو کر فون رکھ دیا۔ اور تایا جان کو ایسے کاموں میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ دادی کے اصرار پر انہوں نے فقط یہی کہا۔
"اماں! جو آپ مناسب سمجھیں۔ لوگ شریف ہیں، خاندانی اور بغیر کسی شرط کے رشتہ کر رہے ہیں۔ اور کیا چاہئے؟"
اور یہی تو اصل بات تھی۔ تایا، تائی پر رتی برابر بوجھ نہیں آتا تھا۔ انہوں نے جہیز کے لئے جو منع کر دیا تھا اور اس مصیبت سے جان بھی چھوٹ جاتی۔
"ایسا رشتہ تو قسمت والوں کو ملا کرتا ہے۔" تائی اُٹھتے بیٹھتے دادی کے کانوں میں اُنڈیلتی رہتیں۔
اور دادی نے تیسرے دن انہیں ہاں، کہلوا بھیجی۔
"اگلے مہینے کی کوئی تاریخ رکھ کر نکاح اور رخصتی کر ڈالیں گے۔" تایا مطمئن تھے۔
"میرا خیال ہے، اس کی رخصتی کے بعد آپ بھی بات کریں شاہین سے۔" تائی نے دادی کے یوں سرگرم ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔
"کیا؟" تائی کو سمجھائے بغیر بات کم ہی سمجھ میں آیا کرتی تھی۔
"اُفوہ! عالی اور سارہ کے بارے میں۔"
"ہیں!" تایا چونکے۔ پھر بیوی کی کھا جانے والی نظروں کو دیکھ کر "ہاں، ہاں کیوں نہیں۔" کہہ کر سر ہلانے لگے۔
"کیوں اماں؟" انہیں فوراً اماں کی موجودگی کا خیال آیا۔
"ہاں، دیکھو بات کر کے۔" دادی کچھ بے نیازی سے بولیں۔
"کیوں........ شاہین کا دل نہیں ہے؟" تائی بے اختیار بولیں۔
"شاہین اکیلی کی مرضی کیا........ اس کا میاں ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر عالی۔"
"کیوں، انہیں کیا اعتراض ہے؟" تائی کو تو پتنگے ہی لگ گئے یہ سن کر۔
"وہ تو بھئی اپنے ہم پلہ خاندان میں کہیں رشتہ جوڑنا چاہتا ہے۔ اور عالی نے ماں سے کہہ دیا ہے کہ وہ شادی کرے گا اپنی مرضی سے۔"
دادی کی بات تھی یا بھونچال!
"تو اس کی مرضی کیا ہے؟........ ڈھونڈ رکھی ہے اس نے کوئی؟" تائی نے ساری حدیں پھلانگنے کا فیصلہ کر لیا۔
"پتہ نہیں۔" دادی انجان بن کر بولیں۔
"اِدھر دوڑ دوڑ کر آتا ہے........" تائی رُکیں۔ "ہونہہ ہو اماں! یہ آپ کی نیلم پری اوپر سے معصوم بھولی، اندر سے تو وہی چلتر ہے نا، ماں والا........ اچھے اچھے باؤلے ہو جائیں، کمبخت کے حُسن کے جادو سے۔"
"ثریا! بس کر........ یونہی........" دادی کا سالوں پہلے والا دم خم ختم ہو چکا تھا، ورنہ مزاج کے خلاف یوں بات کرنے پر وہ ثریا بیگم کو کچل کر رکھ دیتیں۔

"تو کیوں نہ کروں؟........اماں! کان کھول کر سن لیں۔ مہینہ بھر کے اندر اس حرافہ کو یہاں سے چلتا کریں اور شاہین ے بھ
بھی ہوتا ہے، سارہ کے لئے بات پکی کریں۔"

"دھمکا رہی ہو مجھے؟" دادی کا پرانا غصہ عود کر آیا۔

"بتا رہی ہوں........آپ بھی تو بولیے کچھ۔" انہوں نے شوہر کو ٹہوکا دیا۔

"ہوں........ہاں اماں!........سارہ بھی تو پوتی ہے آپ کی۔"

"میں نے کب انکار کیا؟" دادی خائف ہو کر بولیں۔

"اور بتاؤں میں اماں! اپنی اس فساد کی جڑ پوتی کو یوں بھی جلد سے جلد چلتا کریں۔ احسن کو قابو کرنے کے چکر میں ہے!
دیکھتی نہیں سب میں؟"

"ایں!" دادی کا منہ کھلا رہ گیا۔

"کالج سے آتا ہے تو اسی کے پیچھے دیوانہ وار پھرتا ہے۔ جانے ان کم بختوں کی کون سی ادائیں ہیں جو مردوں کو پاگل بنا
ہیں۔ جیسی ماں، ویسی بیٹی۔" ثریا بانو غصے میں بولتی چلی گئیں۔

"گڑے مُردے کیوں اُکھاڑتی ہے؟" دادی بولیں۔

"اگر یہ دونوں کام جلد نہ ہوئے اماں! تو سن لیں، یہاں بہت کچھ اکھڑ کر رہ جائے گا، ہاں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"ہاں، تو کیوں چلاّئے جا رہی ہے؟ کرامت کی طرف میں نے ہاں کا پیغام بھجوا تو دیا ہے کہ اس ہفتے تاریخ رکھوا کر نکاح کر
لیں۔ شاہین سے میں کہہ دوں گی، زور بھی ڈالوں گی۔ پر میں کسی کو مجبور تو نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے شوہر سے کچھ دبتی بھی ہے، ایک
تک اس کی مانتا ہے ورنہ تو........"

"بس رہنے دیں اماں!" تائی بڑبڑائیں۔

"تو پھر خود کر ڈالو بات۔" دادی غصے میں بولیں۔

"خود کروں؟........بیٹی کی ماں ہو کر؟"

"تو دوسروں پہ اعتبار جو نہیں تمہیں۔"

"دوسرے بھی تو مخلص ہوں نا۔"

"سن رہے ہو، جورو کے غلام! ماں کے سامنے بیٹھے، یہ........یہ میرے خلوص پر شک کر رہی ہے۔" دادی بھڑک اٹھیں۔

"اچھا! ہاں! کر لیں گے نا۔ اس کی تو عادت ہے۔"

"ہاں، پاگل ہوں نا میں، ذرا بیٹی کا باؤلا پن دیکھو تو۔" وہ بولتے ہوئے ایک دم سے چپ ہو گئیں۔

بیٹی کا کتنا بڑا راز وہ یوں سرِ عام کہہ گئی تھیں۔ کہہ کر رکی نہیں۔ دادی تو ششدر سی بیٹھی رہ گئیں۔

یہ وہ کھلا راز تھا، جسے سب ہی جانتے تھے۔ کم از کم عالی اور نیلم تو ضرور ہی باخبر تھے۔

سارہ نے اس کو کبھی چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ اور نیلم نے تو خود اپنے کانوں سے کئی بار سنا تھا۔ سارہ، تائی سے بضد
ہوتی تھی۔

"اماں! میری سب ہی دوستوں کی منگنی تو ہو چکی ہے۔ آپ کیسے جا رہی ہیں، مگر پھپھو سے بات کب کریں گی؟........میں
شادی کروں گی تو صرف عالی سے........آپ دیکھ لیں، وہ اس حسینہ جادوگرنی کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔ کل کلاں کو کچھ ہو گیا تو خدا
کی قسم! ان دونوں کی جان لے کر خود چھت سے کود جاؤں گی اور ساری دنیا میں بدنام کر جاؤں گی آپ کو۔"

تائی جو دن میں ہزار بار نیلم کو اس کی ماں کے طعنے دیتے نہ تھکتی تھیں، انہوں نے کبھی رک کر، لمحہ بھر کو ٹھہر کر، سارہ کی زبان اور
اس کی بغاوت پر بھی اس نکتہ نظر سے خود ہی نہیں کیا۔

وہ تو ان کی بیٹی تھی........ان کی بیٹی........ثریا بانو کی۔

جس کی اگلی اور پچھلی پشتوں میں کوئی بھی زریں جیسا نہیں تھا۔

تو پھر وہ کیسے سارہ کی دھمکیوں کو سرکشی، بے حیائی یا بے غیرتی کے زمرے میں لا سکتی تھیں؟

انہیں اپنے خون اور اپنے مہر شدہ خاندانی وقار و شرافت پر بڑا زعم تھا اور ان کا زعم بے جا بھی نہیں تھا۔ اور قسمت جانے کیوں
ایسے لوگوں کے زعم کے بھی ناز اُٹھاتی ہے، انہیں بے توقیر نہیں ہونے دیتی۔

شاہین پھپھو بلا حیل و حجت مان گئیں۔

"مگر عالی کے ابا کو بس منانا ہے بھابی! ورنہ سارہ تو مجھے اپنے دل و جان سے عزیز ہے۔"

اور ثے کو...... اس کے بارے میں یا تو وہ بے خبر تھیں یا انہوں نے انجان بننا ہی مناسب سمجھا۔

✲⊙......⊙✲

"تم ممی کی باتوں کو کیوں حرفِ آخر سمجھتی ہو؟" اس کے وہی دلاسے تھے۔

"میں کیوں نہ حرفِ آخر سمجھوں کہ تمہارے گھر میں، ہمارے گھر میں آخری فیصلہ بہرحال، ان ہی کا مانا جاتا ہے۔ چلو، اس میں بھی اگر تنک کی گنجائش ہو کہ تمہارے ڈیڈی کے ماننے کا مرحلہ باقی ہے۔ مگر عالی! دادی اس بڈھے کو نکاح کا پیغام بھجوا چکی ہیں اور اس ہفتے تاریخ بھی رکھی جا رہی ہے۔ تم ان دو چار دنوں میں پھپھو کو ایک بالکل مخالف فیصلے پر راضی کر لو گے؟...... مجھے ہاں یا ناں میں جواب دو۔" آج تو وہ اس کے سائے سے بھی کئی فٹ پرے ہٹ کر بیٹھی تھی۔

"تم پاس آ کر بیٹھو گی تو بتاؤں گا۔"

"بہت بیٹھ چکی پاس اور بہت بہلا چکے تم مجھے...... جو پوچھ رہی ہوں، اس کا بتاؤ۔ راضی کر لو گے پھپھو کو؟" وہ اب ان محبت کے بہلاووں میں آنے کو تیار نہیں تھی۔

"کر لوں گا۔" وہ ذرا رک کر بولا۔

"کیسے؟" وہ بے قراری سے بولی۔

"نیلی! تیری قسم، کر لوں گا نا۔ اس بات کو چھوڑو، کیسے...... تم مجھے دھوکے باز سمجھنا، نہ فلرٹ، نہ میں تمہارے ساتھ ٹائم پاس کر رہا ہوں۔ اگر تم مجھے نہ ملیں تو شاید میں زندہ نہ رہ سکوں۔ اب اگر زندہ رہ بھی گیا تو جیسے کسی لاش کا زندہ رہنا ہوتا ہے، ویسے ہی رہوں گا۔ ممی کو میں اپنی جان کی دھمکی دے کر منا لوں گا اور انہیں ماننا ہی پڑے گا۔" وہ جذب کے عالم میں بولتا ہوا آنکھوں میں ڈھیر ساری محبت کی جوت جگائے اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

"عالی! کب؟...... کب؟...... دو تین دن تو ہیں۔" وہ اس کی قربت سے وحشت زدہ ہو کر بولی۔

"ایک بات مانو گی؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کہو۔"

اس نے بے اختیار اپنا ہاتھ نیلم کے سر پر رکھا۔

"تمہارے سر کی قسم کھا کر کہتا ہوں، تمہارے ساتھ دھوکا نہیں کروں گا۔ ابھی جو دو چار دنوں میں ہونے جا رہا ہے، تم فی الحال ہونے دو۔ مجھے صرف پندرہ دن کا ٹائم دو۔ اگر پندرہ دنوں میں، میں کچھ نہ کر سکا تو تمہیں حق ہے، جو تم فیصلہ کرو۔" وہ اتنا سنجیدہ تھا کہ وہ اگلا کوئی لفظ بول ہی نہ سکی۔

"ت...... تاریخ رکھ لینے دوں؟" دوسرے پل پھر اسے سر پر لٹکتی تلوار یاد آئی۔

"ہاں، رکھ لینے دو۔ کچھ نہیں ہوتا اس سے...... میں ممی سے پہلے ڈیڈی کو راضی کروں گا، تم دیکھنا۔ اور ممی کی جرأت ڈیڈی کے سامنے کھڑی ہونے کی نہیں ہے۔" وہ عزم سے بولا۔

"تمہارے ڈیڈی۔" وہ طنز سے بولی۔ "جو میرے ہوش میں اس گھر میں شاید دو بار آئے ہیں یا تین بار۔ اس گھر کی سب سے ذلیل لڑکی سے اپنے اکلوتے بیٹے کا رشتہ جوڑیں گے وہ؟"

"کیوں خود کو دوسروں کی نظر سے دیکھتی ہو، میری نظر سے دیکھو تو تمہیں اپنی قسمت کا اندازہ ہو گا۔ نیلم! تم انمول ہو۔" اور اس کی یہی باتیں تو اس کے دل کا سکون لوٹ لیا کرتی تھیں۔

اس کے ایک جملے نے اس کے اگلے تمام تر وسوسے نابود کر دیئے۔ وہ بخوشی آنے والے پندرہ دنوں کا انتظار کرنے لگی۔ چاہے اس دوران اس کے نکاح کی تاریخ ہی کیوں نہ رکھ لی جاتی، اسے پروا نہیں تھی۔

✲⊙......⊙✲

"تم سوئیں نہیں ابھی؟" وہ کچن میں دادی کے لئے قہوہ بنا رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد کا ٹائم تھا۔ ان کے سینے میں درد تھا۔

"ٹھنڈ لگ گئی ہے مجھے نیلی! جا، قہوہ بنا لا۔" دادی نے کہا۔

"وہ...... ہاں دادی کے لئے قہوہ۔" احسن کو یوں اپنے پاس دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔

"میرے لئے بھی چائے بنا دو۔ مجھے ابھی پڑھنا ہے۔" وہ خلافِ توقع نرمی سے بولا تو وہ خاموشی سے چائے بنانے لگی۔

"نیلی! ایک بات کہوں؟" وہ اس کے پاس ہی اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا اور چائے کمبخت اُبل نہیں رہی تھی۔ وہ بار بار چولہے کی آنچ تیز کیے جا رہی تھی۔ احسن کی قربت، اس کی نظروں کی تپش...... وہ خود کو گرم شال میں چھپائے جا رہی تھی۔

"ہاں!" وہ مڑ کر جگ اٹھانے لگی۔

"نیلی!.......آئی لو یو۔" اور اس کے ہاتھ سے جگ سنک میں گر گیا۔ وہ بوکھلا کر پلٹی۔
"ہاں نیلی! بہت چاہتا ہوں تمہیں۔ تم نہ ملیں تو مر جاؤں گا میں....... قسم سے، میرا یقین کرو۔ اماں کی وجہ سے کچھ نہیں کہا
سے.......مگر اب.......اب میں اور چپ نہیں رہ سکتا۔" وہ بے قراری سے بولتے ہوئے سٹول اور قریب کھینچ کر بولا۔
"شاید آپ بھول رہے ہیں احسن بھائی!" اس نے اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "دادی میرا رشتہ طے کر چکی ہیں۔"
"اس رشتے کی ایسی کی تیسی۔" وہ دانت بھینچ کر بولا۔
"کہہ سکتے ہیں ذرا.......سب کے سامنے یہ؟" اسے احسن کی جرأت کا اندازہ تھا، لہٰذا چیلنج کرنے والے انداز میں بولی۔
"یہی تو مسئلہ ہے۔ اسی لئے تو تم سے کہہ رہا ہوں۔ پلیز کوئی حل نکالو۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا۔
"سوری.......میں کیا کہہ سکتی ہوں؟" اس نے چائے کا کپ اس کے آگے رکھا اور قہوہ لے کر جانے لگی کہ احسن نے
راستہ روک لیا۔
"کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟" وہ کیسے پُر یقین لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"یہ کس نے کہا آپ سے؟" وہ لمحہ بھر رک کر بولی۔
"میرے دل نے۔" وہ پھر اسی لہجے میں بولا۔
"آپ کا دل بھی آپ کی طرح شاید خیالی پلاؤ پکاتے ہی خوش رہتا ہے.......اور جانتے ہیں نا آپ تائی جان کو۔ جانے ا
نے مجھے اتنے سال کیسے برداشت کیا ہے۔ آپ کی بات اس گھر میں نہیں، آپ کی زندگی میں بھی طوفان لا سکتی ہے۔ سوچا ہے آ
نے؟" وہ طنز سے بولی۔
"اور طوفان تو میری زندگی میں یوں بھی آ جائے گا اگر تم مجھے نہ مل سکیں تو۔" وہ بے دھیان سے لہجے میں بولا۔
نیلم ایک طرف سے ہو کر باہر نکل گئی۔

✲⊙.......⊙✲

کرامت کے ساتھ اس کے نکاح کی تاریخ ٹھیک ایک مہینے بعد کی طے کی گئی تھی۔
کرن لگے دوپٹے کے جھالر میں چھپا اس کا روپ دیکھنے والوں کے دل میں اس کے لئے کیسے رحم جگا رہا تھا یا تاسف، اسے ا
نہیں تھی۔
اسے صرف کل کا انتظار تھا۔ اگلے دن سے آنے والے کل کا۔ جب عالی کے وعدے کو پورے پندرہ دن ہو جائیں گے۔
اس کے دل کو پورا یقین تھا کہ عالی اس کی محبت کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے.......کچھ بھی۔
عالی.......احسن.......نہیں، جو تائی کے خوف سے اسے دیکھتا بھی ہے تو نظریں جھکا کر.......
"اماں! بس آپ ابھی فارغ ہوتی ہیں تو شاہین سے بات کریں، سارہ اور عالی کی نسبت کی۔" وہ اپنے خیالوں میں گم تھی، جب
اس کے کانوں میں تائی کی خفا خفا سی آواز پڑی۔
"ہاں، صبر تو کرو۔ دو چار لوگ جو اکٹھے ہیں، وہ تو چلے جائیں..... ہتھیلی پہ سرسوں جماتی ہو۔" دادی کے سر سے نیلم کا بوجھ اترا
تھا۔ وہ چاق و چوبند ہوئی پھرتیں۔
"اماں! مجھے بھلا کیا اعتراض ہے، پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ اور اچھی بات یہ ہے کہ عالی کے ڈیڈی سے بھی میں نے بات کی
تھی۔"
نیلم ابھی وہیں تھی، جب یہ ذکر بھی چھڑ گیا۔
اب تو وہ منسوب ہو چکی تھی، سو کسی بدمزگی کا امکان نہیں تھا۔
"اچھا، پھر کیا بولا کاظم؟"
"کچھ بھی نہیں۔"
"کچھ بھی نہیں....... یہ کیا بات ہوئی؟" دادی بولیں۔ تائی کی آنکھوں میں کیسی آس ہلکورے لے رہی تھی کہ دادی کو پرے
دھکیل کر جلدی سے خود شاہین سے بات طے کر والیں بلکہ فیصلہ کروا کے اُٹھیں۔
اور دروازے سے چپکی، بے قرار سی سارہ.......اس ماں کی کاہلی پر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔
"ارے اماں! جانتی نہیں داماد کو، ان کی سب سے بڑی رضامندی خاموشی ہوتی ہے.......جس بات پر وہ پچاس فیصد راضی
ہوں، اس پر چپ رہتے ہیں، ورنہ ذرا بھی متفق نہ ہوتے تو فوراً بھڑک اُٹھتے.......دو ایک دن بعد اچھا مزاج دیکھ کر پھر بات کروں
گی۔ بس اب تو طے ہی سمجھیں۔"

نائی کا جی چاہا، اُٹھ کر شاہین کو گلے سے لگا کر دھمال ڈالنے لگیں۔
پھر تینوں میں باقی تفصیلات طے ہونے لگیں اور نیلم ڈوبتے دل کے ساتھ وہاں سے اُٹھ آئی۔

❁ .... ❁

"اب......اب کیا کہتے ہو؟......ہو گئے پندرہ دن۔" دو دن بعد دونوں اپنے مخصوص ٹھکانے پر تھے۔ اس وقت ثریا بانو بازار گئی تھیں، سارہ کے ساتھ۔ احسن اور تایا گھر پر نہیں تھے۔ اور دادی نے اپنے کمرے سے نکلنا بے حد کم کر دیا تھا۔

"ہاں......ہو تو گئے۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"عالی......!" خوف سے اس کا دل بند ہونے لگا۔

"کیا کروں میں؟" وہ بے بسی سے بولا۔

نیلم کا جی چاہا، اس چھت سے چھلانگ لگا دے۔ عالی اور احسن میں تو کچھ بھی فرق نہیں تھا۔ مایوسی نے اسے چاروں اطراف اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔

"میں نے ڈیڈی سے بات کی۔ وہ ایک دم سے غصے میں آ گئے۔ بلکہ مجھے ان سے بات کرنی ہی نہیں چاہئے تھی۔" وہ پُر ملال لہجے میں بولا۔

وہ دھک سے رہ گئی۔

"مجھے ممی کو منانا چاہئے تھا۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"پھپھو......وہ مان جاتیں جیسے فوراً تمہاری بات۔" وہ آتشیں لہجے میں سلگ کر بولی۔

"جانتی ہوں، نہ مانتیں۔ مگر ان کے کان میں یہ بات ڈالنی تو چاہئے تھی۔ بس اس خیال سے نہ کہا کہ وہ پھر میرے ادھر آنے پر پابندی لگا دیں گی۔"

نیلم چھلکتی آنکھوں کے ساتھ اسے تکتی رہ گئی۔

"بس، یہ تھی تمہاری محبت؟" آنسوؤں کے ساتھ اس کے منہ سے یہی نکل سکا۔

"نیلی!......نیلی! میری جان!......دیکھو......" وہ بے قرار سا ہوا اسے اپنے حصار میں لینے کو۔

"خبردار جو مجھے ہاتھ بھی لگایا تو......مجھے ایسے بودے، کمزور رشتے نہیں چاہئیں، جو حقیقت کا ایک جھونکا نہ سہار سکیں۔ جاؤ، چلے جاؤ یہاں سے......مجھے اب......" وہ دھواں دھار رونے لگی۔

"نیلی......!" وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"چلو......چلو میرے ساتھ۔" ایک دم وہ جارحانہ موڈ میں اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولا۔

"کہاں؟......چھوڑو، مجھے کہیں نہیں جانا......کہیں بھی نہیں۔" وہ اسے گھسیٹتا ہوا لے جانے لگا۔

"میں تمہیں لے کر جاؤں گا۔ آج اپنی محبت کا ثبوت دے کر رہوں گا۔ چلو!" وہ اس کے رونے کی پروا کئے بغیر سنگ دلی سے کھینچتا ہوا لے جا رہا تھا۔

"میں......میں شور مچا دوں گی......دادی!......چھوڑو مجھے۔"

"جو جی میں آتا ہے کرو، مگر تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا۔ ایسے نہیں جاؤ گی تو اٹھا کر لے جاؤں گا۔" اس کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور پہلی بار وہ دادی کو یوں بتائے بغیر، گھر کھلا چھوڑ کر عالی کے ساتھ چلی گئی۔

❁ .... ❁

دونوں جب باہر نکلے تو ان کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے والی وحشتیں، خوف اور وسوسے سب فنا ہو چکے تھے۔
وہ ایک اور ہی دنیا میں داخل ہو چکی تھی۔
امیدوں کی دنیا...محبت سفر کرتے ہوئے خوابوں کی منزل تک اسے لے آئی تھی۔ اور اب اسے اس موڑ پہ کسی کا بھی ڈر نہیں تھا۔
نہ دادی کا، نہ پھوپھی کا، نہ تائی کا......نہ اس دنیا کا، نہ ماضی کے کسی حوالے کا۔
وہ محمود عالم کی سنگت میں بڑے اعتماد سے قدم اٹھاتی، اس کے ساتھ قدم سے قدم ملاتی گاڑی کی اگلی نشست پر بیٹھی تھی۔
اس کی سرمئی آنکھوں میں ہزاروں جگنو روشن تھے۔ اس کی منزل مل جانے کے گواہ!
وہ محض ڈیڑھ گھنٹے میں نیلم فیاض سے نیلم محمود بن چکی تھی۔
محبت یقیناً خواب ہوتی ہے اور یہ خواب ہر کسی کے حصے میں آتا بھی نہیں۔ وہ خوش قسمت تھی۔ اس نے یہ خواب بھی دیکھا اور ایک طویل عمر کی مسافت کے بعد اس کی تعبیر بھی پا لی۔

اس نے مسکراتے ہوئے گاڑی چلاتے عالی کو دیکھا اور اس کے اسٹیئرنگ پر رکھے مضبوط مردانہ ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ دونوں نے محبت کی منزل کو پا لیا تھا۔

❋......❋
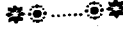
''سنو.........'' وہ چائے کا کپ رکھ کر جانے لگی تھی کہ احسن نے اسے ٹوکا۔ وہ مڑ کر دیکھنے لگی۔ وہ جیسے کی کشمکش میں تھا۔

''نیلم!.........تم اس شادی سے انکار کر دو۔''

اور وہ بہت بری طرح سے چونکی تھی۔ دل کا چور جیسے چہرے پر عیاں ہونے لگا تھا۔

''کک.........کس شادی سے؟'' وہ بے اختیار نظریں چرا کر بولی۔

''اس بڈھے کرامت سے۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔

اس کے اندر سکون سا اتر گیا اور احسن کی جھنجلاہٹ جیسے لطف دینے لگی۔

''مگر کیوں انکار کروں؟'' وہ اسے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے مزے سے بولی۔

''کیوں، تم خود چاہتی ہو اس سے شادی کرنا؟'' وہ بھی گھوم کر بولا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''تو پھر انکار کر دو۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''مگر کیوں کروں؟'' وہ جو کہنا چاہ رہا تھا، کہہ نہیں پا رہا تھا اور شاید کبھی کہہ بھی نہ سکے۔ مگر کچھ دیر کو ہی، احسن کی بے بسی بہت محظوظ کر رہی تھی۔

''دادی سے کہہ دو نا، تم نے ابھی نہیں کرنی شادی۔''

''اور دادی میری بات مان لیں گی.........اچھا، کیا کہہ کر منع کروں انہیں؟'' وہ دیوار سے ٹیک لگا کر، سینے پر دونوں بازو گولڈن لچھوں کی ادھ گندھی چوٹیاں سینے پر ڈالے احسن کو اپنی رسائی سے کس قدر دور لگ رہی تھی۔

''ادھر آ کر بیٹھ جاؤ نا۔'' وہ اس کے حسن کی چکاچوند سے خیرہ ہوتی نظریں چرا کر بولی۔

''تائی ابھی آ جائیں گی۔ چلتی ہوں۔''

''اور وہ میری بات۔'' وہ تیزی سے بیڈ سے اتر کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ مجھے یہ سب کرنے کو کیوں کہہ رہے ہیں؟ مجھے نہیں پتہ۔ اوّل تو میں یہ بات کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ دادی میری کسی بات پر میرا جو حشر کریں گی، اگر میں کر بھی دوں......... ہاں! اگر آپ کو کوئی مسئلہ ہے تو آپ خود دادی سے بات کریں، ظاہر ہے، آپ کر نہیں سکتے۔'' اس نے دیکھتے ہوئے طنز سے کہا۔

''نہیں، کر تو لوں گا، پر اماں.........'' وہ متذبذب ہو کر بولا۔

''ابھی میں زیرِ تعلیم ہوں۔ دو سال لگیں گے اور.........پھر نوکری، اماں میری کہاں مانیں گی؟'' وہ مایوسی سے بولا۔

''تو آپ کیوں منوانا چاہتے ہیں؟'' پہلی بار نیلم کو احسن کے اتنے پاس کھڑے ہونے سے قطعی گھبراہٹ نہیں ہو رہی تھی۔ محمود عالم کی ہو جانے کے بعد کیسا احساسِ تحفظ اس کے اندر قدم جما کر بیٹھ گیا تھا۔

''تم نہیں جانتیں، میں یہ سب کیوں کہہ رہا ہوں؟'' اب کے وہ بے صبری سے جھنجلا کر بولا۔

''نہیں۔'' وہ اطمینان بھرے انداز میں بولی تو احسن پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

''نیلی!.........میں تمہیں.........کیسے بتاؤں؟'' وہ اپنی اس بے بسی پر لب بھینچ کر رہ گیا۔

''ایک کام کریں۔'' وہ مسکراہٹ چھپا کر بولی۔

''کیا؟''

''آپ خود کو بتا سکتے ہیں؟''

''کیا.........کیا بتا سکتا ہوں؟''

''وہی جو مجھے بتانا چاہ رہے ہیں۔''

احسن الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''پہلے آپ خود کو بتا لیں.........مگر آپ میں تو شاید خود سے اکیلے میں بھی یہ سب کہنے کی جرأت نہیں ہے تو مجھ سے یا دادی، تائی سے کیسے کہہ پائیں گے؟'' وہ طنز سے کہہ کر جانے لگی۔ احسن کا تاریک پڑتا چہرہ اور بھنچے ہوئے ہونٹ پہلی بار اسے کتنے برے سے لگے تھے۔

"ایک بات یاد رکھیں، کبھی ایسی تمنا نہ رکھیں، جس کا اظہار آپ خود سے بھی نہ کر سکیں۔ اور پانے کے لئے اظہار پہلی اور سب سے کڑی شرط ہے، پانے کا مرحلہ تو اور بھی جان لیوا ہے۔ یہ آپ سے کہاں ہو سکے گا؟ سنبھالیں خود کو۔ آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہوگی۔" وہ مڑی اور سامنے کھڑی سارہ کو دیکھ کر بے اختیار ٹھٹک گئی۔

"کون سی پٹیاں پڑھا رہی تھیں اسے؟" اس کی کڑی نفرت بھری نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ کچھ نہ کچھ سن چکی ہے۔

"میں چائے دینے آئی تھی۔" وہ کنی کترا کر گزرنے لگی۔

"چائے دینے آئی تھیں یا پینگیں بڑھانے........ بہت پَر پھیلاتی جا رہی ہو تم۔ دیکھ رہی ہوں میں....... اماں صحیح کہتی ہیں، میں ماں ہو ایسی بیٹی۔ اور تم شاید اپنی ماں سے بھی چار ہاتھ آگے نکلی ہو۔ نظر نہیں، نشانہ کہیں، سب سمجھ رہی ہوں۔"

سارہ نے سارا کڑوا پن اور نفرت اپنی ماں اور پھوپھی سے لی تھی۔ خیر، اس صفت میں دادی بھی کچھ کم نہ تھیں۔

"مجھ پر جلنے کڑھنے کے بجائے تم جا کر آئینہ دیکھ لو، خود ہی پتہ چل جائے گا، کون چار ہاتھ آگے ہے اور کون آٹھ ہاتھ۔" وہ بے خوفی سے بولی اور سارہ کے ساتھ احسن بھی حیران رہ گیا۔ وہ تو آج تک پلٹ کر کسی کو تیکھی نظر سے دیکھنے کی جرأت نہیں رکھتی تھی، کجا جواب دینا۔

"بکواس کرتی ہو....... اپنا مقابلہ مجھ سے کرتی ہو؟....... مجھ سے؟....... سارہ سے؟ شکل دیکھی ہے تُو نے اپنی، لوفر زمانے بھر کی۔" وہ زور زور سے چلانے لگی۔

"زبان سنبھال کر بات کرو۔ دل کی جلن کہاں کہاں نکالو گی؟" وہ کہہ کر جانے لگی کہ سارہ نے پیچھے سے اس کی چوٹی اس بری طرح سے کھینچی کہ اس کی چیخ نکل گئی۔

"اماں!...... اماں! ادھر آ کر دیکھو اس حرافہ کے چلن۔ اس کی بکواس سو ذرا۔" وہ زور سے چیخنے لگی۔

"چھوڑو...... چھوڑو مجھے۔" وہ بہ زور اپنے بال چھڑانے لگی اور سارہ نے لحہ بھر میں اس پورے کمرے میں گھسیٹ ڈالا۔ بچپنے میں وہ چھپکلی سی تھی اور طاقت........ جیسے اس کے بال جڑوں سے اکھاڑ ہی ڈالے گی۔

"چھوڑتی ہوں میں تجھے کمینی!" وہ کیسے فراٹے سے گالیاں بک رہی تھی، جیسے یہ اس کی خاندانی زبان ہو اور نیلم کو اس کی گالیوں اور بالوں کے کھینچے سے اتنی تکلیف نہیں ہو رہی تھی، جتنی احسن کی لاچار چپ سے۔ وہ پلنگ پر بیٹھا جیسے تماشا دیکھ رہا تھا۔

نیلم نے سارہ کو پوری قوت سے پرے دھکا دیا اور باہر بھاگ گئی۔

"زندگی بھر تُو اسی طرح جلتی کڑھتی، گالیاں بکتی رہے گی۔ اور جو پانا چاہتی ہے، کبھی نہیں پا سکے گی۔ نیلم اس معاملے میں تجھ سے نہیں ہارے گی۔ یاد رکھنا، روئے گی تُو۔" پتہ نہیں کیسے، یہ راز....... یہ خوف ناک راز اس کے اندر کسی لاوے کی طرح اُبل رہا تھا، جی کر رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر ساروں کو بتا دے کہ وہ اب وہ معمولی، کم حیثیت نیلم نہیں....... وہ کیا سے کیا بن گئی ہے۔ اور پھر بھی اب اس سے وہی جانوروں سا سلوک کریں تو وہ برداشت نہیں کرے گی۔

اور وہ وہی کر رہی تھی۔ محض دو شاموں میں وہ پوری کی پوری بدل چکی تھی۔

محمود عالم کا نام اس کے نام کا حصہ بن چکا تھا۔

ایک ناممکن بات، ممکن ہو چکی تھی۔

ایسی بات، جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ آج یا کل تو اس بات کو کھلنا ہی تھا۔ پھر جو ہنگامہ برپا ہونا تھا، جو طوفان اُٹھنا تھا وہ ابھی سے خود کو اس کے لئے ذہنی طور پر تیار کر چکی تھی۔

بظاہر اس جیتی ہوئی بازی کا شہ مہرہ اُس کی جیب میں تھا، پھر بھی مات اس کا مقدر تھی۔

مات بھی ایسی کہ وہ صدیوں تک جیسے اپنے ہی زخم چاٹتی رہی اور وہ زخم مندمل نہ ہو سکے۔

وہ اس رات خوف کے مارے اوپر چھت والے کمرے میں چھپنے کے لئے نہیں گئی تھی، بلکہ بڑی بے خوفی سے دادی کے ساتھ والے پلنگ پر جا کر آرام سے اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

باہر خوب شور ہوا۔ سارہ کی چیخیں، تائی کے کوسنے اور تایا کی بھنبھناہٹ۔ مگر اس کمرے تک کوئی نہیں آیا کہ دادی کی طبیعت شام سے خراب تھی اور وہ دوا لے کر لیٹی تھیں۔ کوئی بھی ادھر نہیں آیا اور وہ خوش رنگ سپنوں کے رتھ میں بیٹھی تمام رات محمود عالم کے سنگ نئے جہانوں کی سیر کرتی رہی۔

❊......❊......❊
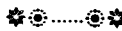
"تجھے کیا ضرورت تھی، سارہ سے پنگا لینے کی؟ دس دن تو رہ گئے ہیں تیرے ادھر، پھر تجھے اپنے گھر چلے ہی جانا ہے۔ صبح سے تائی نے بول بول کر میرا بھیجہ کھا لیا ہے۔" وہ مزے سے بیٹھی ساگ کے پتے توڑ رہی تھی، جب دادی نے اس سے کہا۔

''اس کی زبان نہیں سنی نا آپ نے۔ کیسے گندی گندی گالیاں بک رہی تھی۔ احسن بھائی سے پوچھ......'' اور اس کی نظر گئی۔ خود ہی اس نے نفی میں سر مارا۔ 'کاٹھ کا اُلو کیا گواہی دے گا کسی کی۔'

''چلو، یہ اچھی بات ہے کہ بندے کو تھوڑا بہت اپنے لئے بولنا آتا ہو۔ پر ایسی زبان چلانا، پھر احسان ہے ان لوگوں کا جو پوسا ہے تجھے انہوں نے۔ ورنہ اماں باوا تو دونوں دھتکار کر چل دیئے تھے۔ اب بیاہ بھی رہے ہیں۔ تیرے یہاں چار دن اچھی یادیں چھوڑ کر جا۔'' دادی نے پھر اسے ہی لتاڑا۔

''ضروری نہیں دادی! یہ چار دن، چار سالوں میں بھی بدل سکتے ہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ہے کالی زبان تیری۔ کیسی منحوس باتیں بکتی ہے۔ اللہ نہ کرے۔ میں تو صبح سویرے اُٹھتے ہی انگلیوں پر دن گنتی ہوں وہ خیر کا وقت لائے اور میں اپنے وعدے کی قید سے سرخرو ہو کر نکلوں۔''

''دادی! ایک بات پوچھوں؟''

''کوئی اُلٹی بات نہ پوچھیو۔'' وہ بیزاری سے بولیں۔

''آپ کو صرف نانی سے کیے ہوئے وعدے کی لاج ہے؟'' اس کی آنکھوں میں آس سی تھی۔ اگرچہ دل کو یقین تھا جھٹ سے ہاں کہیں گی۔

دادی نے اس کی طرف دیکھا مگر بولیں کچھ نہیں۔

''دادی!'' اس نے پھر پکارا۔

''پہلے تھی...... پہلے تو یہی خیال تھا، ہر گھڑی کہ تیرا کہیں ہو اور میں اپنی اس بہن سے کیا وعدہ نبھاؤں۔ پر اب خوف دھڑکا سا۔''

''کیسا دھڑکا؟''

''اگر تجھے اسے ہی چھوڑ گئی، نیلی!...... یہ دنیا بڑی ظالم ہے اور تُو نے دیکھی نہیں اور خدا تجھے دکھائے بھی نہ...... بس زندگی میں خدا تجھے اپنے گھر کا کر دے۔ مجھے اب اور کوئی لالچ نہیں اس زندگی سے۔''

وہ ایک دم سے اٹھ کر دادی سے لپٹ گئی۔

''اور دادی! مجھ سے پیار نہیں؟''

''تجھ سے پیار ہے تو چاہتی ہوں، صبح کی شام نہ ہو، تُو اپنے گھر کی ہو جائے۔'' دادی نے شاید پہلی اور آخری بار اسے سے گلے لگا کر کتنی دیر لگائے بھی رکھا۔

اور دادی کو پتہ نہیں تھا، نیلم کی زبان واقعی کالی ہے۔ کرامت کا بہت بڑا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور اس کی ٹانگ کا فریکچر ہو گیا تھا۔ پورے چھ مہینے کے لئے ڈاکٹروں نے مکمل بیڈ ریسٹ کہا تھا اور دادی کا جیسے کوئی مر گیا۔

کچھ ایسا ہی حال تائی کا بھی تھا۔ ان کا غصہ اور نفرت جیسے سوا نیزے پر آ گئی۔

''منحوس بلا جاتے جاتے بھی جان کو چمٹ جاتی ہے، اب پھر چھ ماہ کے لئے...... اماں! یہ نہیں جان چھوڑے گی، کھا کے رہے گی سے۔ یہ ہم سب کی جانیں لے کر جائے گی۔ یہ منحوس یوں نہیں ٹلے گی۔ اس سے کہو، دو بول پڑھوا کر لے جائیں۔ وہاں جا کر خدمت کرے۔ پتہ چلے، مفت کی روٹیوں میں اور کر کے کھانے میں کیا فرق ہے۔ ادھر تو روٹیاں ہی توڑ رہی ہے۔'' تائی نے سب لحاظ اٹھا دیئے تھے۔ پر اُسے پروا نہیں تھی۔ اس کے تو پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ پورے چھ ماہ جو مل گئے تھے۔ اور چھ ماہ میں بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ بس تقدیر کا لکھا نہیں مٹ سکتا تھا۔

✲......✲

''دیکھو، تمہیں پھوپھی جان سے بات کر لینی چاہئے۔ اب تو وہ معاملہ بھی فی الحال ٹل گیا ہے۔'' اگلے روز دونوں تنہائی میں ملے تو نیلم نے کہہ ڈالا۔

''نہیں!'' وہ فقط سر ہلا کر بولا۔

''ہوں، کیا؟'' وہ چونکی۔

''اب تو بات کرنی اور بھی مشکل ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ بری طرح چونکی تھی۔

''ہم نکاح جو کر چکے ہیں۔''

''تو......؟'' وہ ذرا نہیں سمجھی۔

محمود چپ کر گیا اور اس چپ میں کیسی معنوی خاموشی تھی۔

"سوچتا ہوں، ہم نے جلد بازی کر کے غلطی کی۔" ذرا دیر بعد وہ بولا۔ وہ اسے فقط دیکھ کر رہ گئی۔

"کیسی غلطی؟" اس کی اپنی آواز کسی پاتال سے آئی تھی۔

"نانی اماں کو، ممی کو، ڈیڈی کو ذرا بھی بھنک پڑ گئی ہمارے نکاح کی تو سوچو۔ تم تو ان کی نظروں میں پہلے ہی معتوب ہو، اپنے اس رخ کے لئے جو تم نے کبھی کیا ہی نہیں۔ تو اس نکاح کا علم ہونے پر........ بہت غلطی کی۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ سن ہو کر رہ گئی تھی۔

"پھر اب...... کیا کرو گے؟" آس و نراس کے ڈوبتے پل میں اس نے ڈبڈبائی نگاہوں سے پوچھا۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔" وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

اور اس کا وہ "کچھ نہ کچھ" بہت دنوں تک کچھ بھی نہ ہو سکا۔

علم کے پیروں تلے کسی نے جیسے زمین کے بجائے جلتا بچھونا رکھا تھا، پل کو چین نہ آتا۔

رات رات بھر جاگتی، چھت کو تکتی کچھ سوچتی رہتی۔ دن میں اس کی بے چین ہراساں نگاہیں اِدھر اُدھر پارے کی طرح تھیں۔ چند دن پہلے والا وہ سب کچھ پالینے والا نشہ اب ہرن ہو چکا تھا۔

اب تو بس ایک خوف تھا، ایک ہراس، ایک وحشت کا عالم!

وہ کیا کرتی۔ چند دنوں کی والہانہ محبت، بے تحاشا گرم بھڑکتے جذبات کی پیاس بجھتے ہی محمود عالم کا رویہ نہ بیزار کُن تھا، نہ بس بے نیاز سا ہو گیا تھا۔ کم از کم اُس کی اس وحشت کے متعلق۔

"میری غلطی نکاح نہیں...... خود تک رسائی دینا تھا۔" اس کا دل، سانپ کی سی سرسراہٹ سے یہ سرگوشی اس کے روئیں روئیں میں بھرتی جا رہا تھا۔

خوشی، رنج، محبت، خواب سب کسی گہرے الم میں ڈھلتے جا رہے تھے۔

پھر اس نے اب اس دحشت ناک ذہنی کیفیت سے کسی پل صراط کی طرح گزرتے ہوئے فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

رات کا آخری پہر تھا اور اس نے آخری بار نظرثانی کرنے کے بعد دل کو خوب پکا کیا اور لیٹ گئی۔

✿◉......◉✿
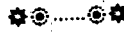
"تم آج مجھے اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے اپنے گھر؟" اس نے چھوٹتے ہی مطالبہ پیش کر دیا۔

"واٹ؟" حسبِ توقع وہ چیخا۔

"جو تم نے سنا...... اب جبکہ ہم نکاح کر چکے ہیں اور تمہارے خیال میں یہ بات سب کو اور بھی بھڑکا دے گی تو سب کی باری باری منت کرنی یا کچھ کہنا ہے تو کیوں نہ ایک ہی بار جا کر سب کے سامنے ہم اعلان کر دیں۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر، قدرے پُرسکون لہجے میں کہا تھا۔

محمود عالم اسے دیکھتا رہ گیا۔

"محمود!" اس نے کچھ دیر انتظار کے بعد کہا۔ "صحیح کہہ رہی ہوں نا میں؟"

"تاکہ وہ مجھے کھڑے کھڑے نہ صرف گھر سے نکال باہر کریں بلکہ عاق بھی کر ڈالیں۔" وہ طنز سے بولا۔

علم کتنی دیر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اب کیا ہوا؟" اس کی نظروں کے خالی پن سے جھنجلا کر اس نے پوچھا تھا۔

"تو یہ ساری باتیں پہلے تمہیں معلوم نہیں تھیں؟" بہت دیر بعد وہ تھکی ہوئی آواز میں کہہ سکی تھی۔

"معلوم تھا بھی۔ مگر اس کی شدت...... تم نہیں سمجھو گی۔"

"کیا نہیں سمجھوں گی؟" وہ تپ کر بولی۔

"گھر میں پہلے ہی جنگ چل رہی ہے۔" وہ آہستہ آواز میں بولا۔

"کیسی جنگ؟" وہ تو اپنے تئیں سب کچھ پہلے ہی جیت چکی تھی، یہ کس نئی جنگ کی کہانی سنا رہا تھا۔

"ممی ہما کے لئے لڑ رہی ہیں اور ڈیڈی اپنے دوست کی بیٹی کے لئے...... دونوں اپنے مؤقف سے ہٹنے کو تیار نہیں۔"

"اور تم...... تم نے اپنا کوئی مؤقف نہیں بتایا؟"

"میں کیا کرنے بیٹھ جاؤں؟ پہلے ہی......" وہ جھلا کر چپ ہو گیا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ بڑبڑائی۔

"کیا یقین نہیں آرہا؟"

"تم میں اور احسن میں کچھ بھی فرق نہیں۔" وہ زیرِ لب بولی تھی۔

"احسن...... احسن کہاں سے آ گیا بیچ میں؟" وہ ناگواری سے بولا۔

"تمہیں نظر نہیں آیا۔ ورنہ وہ پہلے سے بیچ میں تھا۔" وہ اسی لہجے میں بولی۔

"نیلم! کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"کہہ تو چکی ہوں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"کیا؟"

"مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ ایک ہی بار سب کچھ ہو جائے گا۔ سر پہ لٹکتی تلوار جو رات بھر مجھے سونے نہیں دیتی...... عالی! کچھ کرو۔" وہ رو ہی پڑی۔

"تمہارا کیا خیال ہے میری جان! میں پریشان نہیں؟...... مگر آگے جیسے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ کچھ سجھائی ہی نہیں دے" وہ بے بس لہجے میں بولتا ہوا اسے کتنا کمزور لگا تھا۔ اس کے بہتے آنسو جیسے جم سے گئے۔

"اگر کنارے پر کھڑے یونہی خوف سے کانپتے رہے، اندھیروں کی گہرائی ناپتے رہے تو کچھ بھی نہیں کر پاؤ گے۔"

"جانتا ہوں۔" وہ آہ سی بھر کر بولا۔

"جانتے بھی ہو اور بے نیاز بنے پھرتے ہو۔ میں مر جاؤں گی یوں سُلگ سُلگ کر...... اس سے اچھا تھا، یہ اتنا بڑا قدم اُٹھاتے۔ اور میں خاموشی سے جدھر دادی کہتیں، کنواں ہی سہی، چھلانگ لگا دیتی۔"

"تھوڑا انتظار کر لو...... اصل میں ممی تو بالکل بھی یہ نہیں سننا چاہتیں۔ اور ڈیڈی نیا ہی ایشو کھڑا کر بیٹھے ہیں۔ سمجھ نہیں کس سے بات کروں۔" وہ پھر اسی بے بسی سے بولا۔

وہ ایک دم غصہ میں کھڑی ہو گئی۔ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

"پھر یوں کرو، تم تیاری کرو۔"

"کس بات کی؟" وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"میرے جنازے میں شرکت کی...... تمہیں یہی چاہئے نا کہ تمہاری اس جھنجٹ سے جان چھوٹ جائے...... چاہتے تھے نا، وہ تم پا چکے۔ اپنا مطلب پورا کر چکے۔ اب...... اب تو مجھے مر ہی جانا چاہئے۔"

وہ کہہ کر روتی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی اور وہ کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

✿◉......◉✿
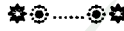
فتح شاہین پھپھو کی ہوئی۔

دو دو گاڑیوں میں مٹھائی لدوا کر شام ہی میں پہنچ گئیں۔

تائی کو تو جیسے شادیٔ مرگ ہو گیا اور سارہ کی طرف تو اس نے دیکھا ہی نہیں۔ آنکھوں کے سامنے لحظہ بہ لحظہ بڑھتی دُھند میں کچھ نظر ہی کب آ رہا تھا۔

احسن کی خوشی کچھ دیر اس کی سمجھ میں نہیں آئی، پھر اس کی نگاہوں سے لپکتی آتشِ شوق کی شعاعیں اسے بہت کچھ سمجھا گئیں۔

جس طرح ناپسندیدگی چھپی نہیں رہتی، اسی طرح پسند بھی مہک کی طرح ہوتی ہے۔ سات پردوں میں بھی رکھو، پھوٹ پڑتی ہے۔ عالی اور نیلم کی نگاہوں کے دو طرفہ پیام شاید گھر بھر میں کسی سے بھی پوشیدہ نہیں تھے۔ احسن کی خوشی کی وجہ ایک طرح کے بند ہو جانے کی تھی۔

"اگر سارہ کی سچی لگن کم آ سکتی ہے، وہ لڑکی ہو کر ڈٹ کر اپنا حق چھین سکتی ہے تو میں کیوں نہیں؟...... اب میں لڑوں گا مقدمے کے لئے۔"

وہ باورچی خانے میں گھسی کھانے کے برتن نکال رہی تھی، جب احسن دروازے میں کھڑے ہو کر، بڑا سینہ تان کر نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"کاش! یہ بات تم چند ہفتہ پہلے مجھ سے یا کم از کم خود سے ہی کہہ پاتے تو میں اس انتہا کی طرف جاتے ہوئے اب تو کوئی اور راستہ بچا ہی نہیں...... سارہ! تم خوش ہو لو گھڑی بھر کو، جیت تو بالآخر میری ہی ہو گی۔ اگر عالی میں اتنی جرأت تو نہ سہی، میں خود سب کے بیچ کھڑی ہو کر یہ اعلان کر دوں گی۔ چاہے پھر یہ لوگ مجھے سنگسار ہی کر دیں، مجھے پروا نہیں ہو گی طرح موت ہے تو موت یوں گھٹ گھٹ کر جینے میں بھی ہے۔ اور وہ بھی ذلت کی موت۔"

اسے پتہ نہیں تھا، احسن چلا گیا کہ کھڑا ہے۔ وہ تو خود اپنے آپ کو اپنا حق چھیننے کا حوصلہ دے رہی تھی کہ تیز خوشبو کا جھونکا سا آیا اور بے اختیار اس نے اپنا ہاتھ منہ کے آگے رکھ لیا اور تیزی سے غسل خانے کی طرف دوڑی۔

✲ ۞......۞ ✲
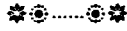
"یار! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں کیا کروں، اتنا بڑا قدم اٹھا چکا ہوں، اب پیچھے پلٹ بھی نہیں سکتا اور آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں۔" وہ دکھ بھرے لہجے میں مصطفیٰ کے پاس بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا، یہ جذباتی فیصلے ہوتے ہیں اور ان کی عمر بھی بہت کم ہوتی ہے۔ دیکھ لیا، ابھی چند ہی تو ہفتے گزرے ہیں۔"

"پچھتا نہیں رہا میں۔ خدا کی قسم مجھے پچھتاوا ہے نہ ندامت۔" وہ تیز لہجے میں بولا تھا۔

"مگر حوصلہ نہیں۔" مصطفیٰ طنز سے بولا۔ عالی نے سر ہلا دیا۔

"میں بات کروں تمہارے ممی ڈیڈی سے؟" مصطفیٰ نے راہ سجھائی۔

"تم؟" عالی اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

"کیوں اتنا سوچ رہے ہو؟ اس طرح سوچتے رہو گے تو بہت کچھ کھو دو گے۔ کیا تم اسے کھو دینا چاہتے ہو؟"

"نہیں، نہیں...... مر کر بھی نہیں۔" وہ تڑپ کر بولا۔

"تو وہ ٹھیک کہتی ہے۔ پھر جلدی کوئی فیصلہ کرو۔ تمہارے پاس اب وقت واقعی کم ہے۔"

"اگر سارہ انکار کر دے خود سے، تو؟" اسے خیال سوجھا۔

"بے وقوف ہو۔ وہ مر کر بھی ایسا نہیں کرے گی۔ تم خود تو کہتے ہو، وہ تمہیں پانے کے لئے ہر پاگل پن سے گزرنے کو تیار ہے تو وہ کیوں انکار کرے گی؟"

"تو پھر کیا کروں؟" وہ تھک کر بولا۔

"عالی! تم میں اتنی ہمت نہیں تھی تو تمہیں یہ قدم اٹھانا ہی نہیں چاہئے تھا۔ اٹھا چکے ہو تو پیچھے نہیں ہٹانا۔ یہ مرد کی توہین ہے اور رسوائی کی ذلت۔ محبت صرف جذبات کا نام نہیں، یہ ایک ذمہ داری کا نام ہے۔ مجھے دیکھو، مجھے رخشندہ سے کتنی محبت ہے۔ ہماری شادی کو اتنے سال بیت گئے۔ اماں نے طالب علمی میں ہماری شادی کر دی، محض پوتے کو گود میں کھلانے کے لئے۔ اور قدرت خدا کی، ابھی کوئی امید اتنے سالوں میں ہوئی نہیں...... دونوں محاذوں پر بڑی خندہ پیشانی سے لڑ رہا ہوں۔ جانتا ہوں، اماں نے رخشندہ کی زندگی تنگ کر رکھی ہے، مگر دونوں کو ان کے مقام پر رکھے، دونوں کی دلجوئی کرنا میرا فرض ہے کہ ہمارے گھر میں کوئی انتہائی صورتِ حال ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔ عمر میں بھی تم سے کچھ بڑا ہوں، بڑا بھائی بن کر سمجھا رہا ہوں۔ اس لڑکی نے تو پہلے ہی بہت دکھ جھیل رکھے ہیں۔ اگر تم بھی اس کے دکھ کو نہیں سمجھو گے، اس کی تکلیف کا احساس نہیں کرو گے، وہ عزت جو اسے کبھی اس گھر میں مل ہی نہ سکی، تم سے بھی نہ ملی تو شاید وہ مر ہی جائے۔ محبت کرنے والے دل تو یوں بھی بہت حساس ہوتے ہیں۔" مصطفیٰ اسے سمجھاتا چلا گیا۔

"تو کیا کروں؟...... مجھے خود بہت شدت سے نیلم کی بے بسی، اُس کے دکھوں کا احساس ہے۔ نانی کے گھر والوں کا جو رویہ اس کے ساتھ ہے، شاید کوئی چند منٹ بھی برداشت نہ کرے۔ مگر وہ خوش دلی سے سہہ رہی ہے۔"

"تمہاری محبت کی آس میں۔ اور اب تو تم...... عالی! تم بات کرو اپنی ممی سے، ورنہ وہ نیلم والی تجویز ٹھیک ہے۔ تم اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤ اور اپنے اماں بابا کے سامنے پیش کر دو۔ غصہ تو انہوں نے یوں بھی دکھانا ہی ہے، کتنے دن ناراض رہیں گے؟ بالآخر تمہاری ضد کے سامنے ہاریں گے نا۔ آخر کو ان کے اکلوتے بیٹے ہو، اس کا فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟"

"سوچا تو میں نے بھی یہی تھا، مگر ممی کا غصہ اور ڈیڈی...... جانتے ہو نا، ابھی میں کسی قابل نہیں۔ پڑھائی مکمل نہیں میری اور روزگار، جاب ایسا کچھ بھی نہیں۔ اکڑ دکھاؤں گا تو کس بل بوتے پر؟"

"چ، چ...... بہت دکھ ہو رہا ہے مجھے تم سے دوستی پر۔ میرا دوست اتنا بزدل اور کم ہمت ہے۔" مصطفیٰ نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ تم نیلم کے جن دکھوں اور ذلت بھری زندگی کی بات کر رہے ہو تو وہی میں بھی اسے دوں گا، اگر سب کی ناراضی مول لے کر یوں اسے گھر لے آؤں گا۔" اس نے توجیہ پیش کی، مگر مصطفیٰ کی نظریں!

"تو پھر یوں کرو، منگنی تو تمہاری ہو رہی ہے خوب دھوم دھڑکے سے، شادی بھی ہو جانے دو۔ پھر سارہ سے بات کر کے اگر تم شادی کے بعد اس کے غصے اور ناراضی سے بھی نہ ڈرنے لگے تو اس سے بات کر کے بے چاری نیلم پر ترس کھا کر اسے اپنے گھر کے پورشن کو اور یا انیکسی میں اگر سارہ اجازت دے تو لے آنا۔ تمہاری محبت بھی سرخرو ہو جائے گی اور نیلم کو عزت بھی مل جائے گی۔ ٹھیک

ہے نا؟"

"تم بھی طنز کر رہے ہو؟" وہ طنز سے بولا۔

"نہیں۔ تم جیسے شخص پر تو لعنت بھیجنی چاہیے۔ کمال آدمی ہو۔ اتنا بڑا فیصلہ کرتے ہوئے تمہیں ذرا خوف نہیں آیا۔ اب خفا ہو بنا کر لوگوں سے ڈر رہے ہو۔ پھر تم میں اور عام ہوس پرست مردوں میں کیا فرق رہ گیا؟ تم صرف اُس کے حُسن اور جسم کے دیوانے تھے۔ پالیا تو دس قدم پیچھے ہٹ گئے۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے تم سے دوستی پر۔" مصطفیٰ نے دل کی ساری کھولن اس پر انڈیل دی۔

"ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ اور اب سب کچھ خود ہی ہینڈل کر لوں گا۔ تم سے مشورہ کرنے نہیں آؤں گا۔" وہ غصے میں اٹھ کر جانے لگا۔

"یا تو اپنے ممی ڈیڈی کے سامنے ڈٹ جاؤ یا پھر اس کے ساتھ کہیں بھاگ جاؤ۔ تم سے تعلق جوڑنے کے بعد بھی اسے اگر ذلت ہی ملنی ہے تو پھر تم کیوں نہ حصے دار بنو کہ بہر حال، اب یہ والی ذلت تو اسے تمہاری وجہ سے ملے گی نا!" مصطفیٰ نے پیچھے سے کہا۔ وہ عالی غصے میں پیر پٹختا چلا گیا۔

یونہی آدھی رات تک بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے وہ مصطفیٰ کی باتوں پر غور بھی کرتا رہا اور خود کو باہمت بنانے کی کوشش بھی۔ اور یہ آخری کام اس سے ہو ہی نہیں پا رہا تھا۔ وہ ماں کے غصے اور باپ کے عاق کر دینے کی دھمکی سے خائف تھا اور یہی خوف اسے کوئی بھی قدم نہیں اٹھانے دے رہا تھا۔ اور یہ سب کچھ سوچتے ہوئے نیلم ہر بار کی طرح کہیں پسِ پشت ہی چلی گئی۔ وہ تھکا گھر لوٹ آیا۔ کسی بھی فیصلے پر پہنچے بغیر۔

❁

محمود عالم کی منگنی، سارہ مراد کے ساتھ شہر کے سب سے مہنگے ہوٹل میں خوب دھوم دھام سے ہوئی۔
نیلم کے دل پر اس سارے فنکشن کے دوران کیسی کیسی قیامتیں ٹوٹتی رہیں، یہ صرف اس کا دل ہی جانتا تھا۔ کیونکہ محمود عالم کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ صرف منگنی کی انگوٹھی پہناتے ہوئے جب کیمرہ مین نے پلیز سمائل کہا تو لحہ بھر کے لئے اس کے ہونٹ ذرا سا ہلے تھے اور نیلم کو جانے کیا ہوا کہ وہ ایک دم سے پیچھے سے نکل کر عین دونوں کے سامنے آ گئی۔
محمود عالم کا انگوٹھی کو تھامے ہوا ہاتھ ذرا سا کانپا اور ڈائمنڈز سے مزین وہ قیمتی انگوٹھی نیچے کارپٹ پر گر گئی اور نیلم جس تیزی سے آئی تھی، اسی تیزی سے گزر گئی۔ اور انگوٹھی اس کے جوتے تلے کراہ کر رہ گئی۔
ایک شور سا مچ گیا۔
انگوٹھی اچھی بھلی مڑ گئی تھی۔ بے ڈھب ہو گئی تھی۔ انگلی کی جگہ سے کرہ اندر کی طرف خم کھا گیا تھا۔
فنکشن کا لحاظ کئے بغیر تائی اور پھوپھی شاہین نے جو اسے گالیاں، کوسنے اور بددعائیں دیں، لوگوں کو ایک ٹکٹ میں دو مزے مل گئے۔
دادی نے اسے نظروں گھرکا۔
”جا، جا کر باہر گاڑی میں بیٹھ منحوس! اچھی بھلی تقریب کا ناس مار دیا۔ ابھی دفعان ہو یہاں سے۔“
وہ خود کون سا یہاں رُکنا چاہتی تھی۔ یہ رنگ و بُو کی محفل، یہ روشنیاں، یہ مسکراہٹیں، یہ نغمے بکھیرتی فضا کیسے اس کے دل پر چھریاں چلا رہی تھی۔ وہ تو یہاں سے کسی اندھیرے کونے میں چھپ جانا چاہتی تھی۔ اور شاید اس کے نصیب میں کوئی اندھیرا کونا بھی نہیں تھا۔
اس کی قسمت میں تو اندھیرے تھے۔ مگر اسے عمر بھر ان ہی جگمگاتے مصنوعی اُجالوں میں رہنا تھا۔
”تم باہر کیوں آ گئیں؟“ احسن گاڑی سے کوئی چیز نکال کر اندر جا رہا تھا، اسے باہر آتے دیکھ کر فوراً بولا۔
”یونہی!“ اس نے اپنے بھیگتے رخساروں کا رخ روشنی سے اندھیرے کی جانب کرتے ہوئے بے رخی سے جواب دیا۔
”ایک بات پوچھوں؟“ اسے اندر کیا لے کر جانا تھا، وہ قطعی بھول چکا تھا۔
”نہیں۔“ وہ اسی بے رخی سے بولی۔
وہ لحہ بھر کو چپ کر گیا۔
”کیا تم عالی کو پسند کرتی ہو؟“
اس کے آنسو اور بھی رفتار سے بہنے لگے۔
”تم نے جواب نہیں دیا؟“ احسن نے پھر پوچھا۔
”اگر کرتی بھی ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے؟........ تمہیں پڑتا ہے؟“ وہ چہرہ بری طرح سے رگڑ کر تندی سے بولی۔
”مجھے کیوں پڑے گا؟“ وہ گڑبڑا کر بولی۔
”مجھے پسند کرتے ہو نا تم........ اور کچھ نہیں کر سکتے، سو پسند کرتے رہو۔ کیا فرق پڑتا ہے؟“ وہ طنز سے بولی۔
احسن یوں ہو گیا، جیسے کسی نے اس کی چوری پکڑ لی۔
”خیر، مجھے فرق کیوں نہیں پڑتا ہے؟........ پڑتا ہے۔ اور تم یہ مت سمجھنا، میں پیچھے ہٹ جانے والوں میں سے ہوں۔“ وہ پُرعزم انداز میں بولا۔
”اچھا، کیا کرو گے؟........ اندر جا کر تائی سے کہو، سب کے بیچ۔ اور ابھی اسی فنکشن کے ساتھ اپنی منگنی کا بھی فنکشن کروا ڈالو، بچ جائے خرچ سے۔ تمہارے پیسے بھی بچیں گے اور تمہاری جرأت کا بھی پتہ چل جائے گا۔“
اسے احسن کو چڑانے میں مزہ آنے لگا تھا۔ یکلخت دل پر بڑا بھاری سا بوجھ محسوس ہونے لگا۔

''ابھی.......اسی وقت؟''احسن بھونچکا سا رہ گیا۔
''ہاں، ابھی.......اسی وقت۔''اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور تصور میں اس لمحے کو سوچا، جب احسن یہ اعلان کرے گا، عالم پر کیا گزرے، وہ اس کی طرح ڈھٹائی سے انگوٹھی پہن لے احسن کے ہاتھ سے تو.....اس کے آگے اس کی ہنسی نکلنے لگی۔
''ابھی تو اچھا نہیں لگے گا۔ اور اماں خوانخواہ ہنگامہ کھڑا کر دیں گی۔ اور میں کیوں پھوپھا کے پیسوں میں اپنا فنکشن کروں، میں خود کروں گا سب۔''وہ جیسے سینہ ٹھونک کر بولا۔
اور نیلم بے اختیار ہنس پڑی۔ اور اس کی آنکھوں سے پھر سے آنسو بہنے لگے۔
''کیا ہوا؟''احسن نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''بہت کچھ۔''وہ زیر لب بولی۔
''کیا؟''وہ اُس کے حسین چہرے کو ٹکٹکی لگائے دیکھتا چلا گیا، جو اس روشنی اور اندھیرے کے امتزاج میں مسکراہٹ اور آنسوؤں کے تال میل سے ایک انوکھا، دلکش نظارہ پیش کر رہا تھا۔ احسن کو لگا، وہ عمر بھر بھی اس کے سامنے کھڑا رہا تو نظر کی پیاس نہیں بجھے گی۔
''احسن!.......احسن! کہاں رہ گئے ہو؟''تائی اماں کی کڑک دار آواز گونجی اور وہ عمر بھر تو کیا، لمحہ بھر بھی وہاں کھڑا نہ رہ سکا، کی شدید خواہش کے باوجود بھی۔
''بس اتنی جرأت تھی؟''اسے پیچھے سے نیلم کی طنز بھری آواز سنائی دی اور احسن کے قدم لمحہ بھر کو ٹھٹکے۔
پل بھر کو تو دل چاہا، پلٹ جائے اور اسے بتائے کہ میرے اندر کتنی جرأت ہے۔ مگر کیا فائدہ؟ نہ اس نے یقین کرنا تھا، نہ خود بھی اس جرأت کو ثابت کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ سو تیزی سے اندر چلا گیا۔ نیلم اسے جاتا دیکھتی رہی۔
'اندر کیا ہو رہا ہوگا؟' یہ سوچتے ہی جیسے اس کے دل پر کسی نے بھالا سا مار دیا۔ وہ گاڑی کی بیک پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
اسے لگا، وہ جیت کر بھی سب کچھ ہار گئی ہے، محمود عالم سمیت!

❀◉......◉❀

''تم شادی شدہ ہو؟''ڈاکٹر کے سوال نے اسے جیسے سو واٹ کا کرنٹ لگایا تھا۔ وہ دیکھتی رہ گئی۔
''شادی کو کتنے ماہ ہو گئے تمہارے؟''وہ خالص پروفیشنل انداز میں پوچھ رہی تھی، اپنی میز پر چیزوں میں سے کچھ ٹٹولتی ہوئی۔
''ج.......جی۔''وہ ڈاکٹر کے دوبارہ متوجہ ہونے پر بمشکل ہکلائی۔
''مبارک ہو، ماں بننے والی ہو۔ تم اماں جی کی بہو ہو؟''اس کا اشارہ دادی کی طرف تھا، جو ابھی اس ڈاکٹر کو دکھا کر واپس گئی تھیں تو وہ کچھ سوچ کر کہ کئی دنوں سے کھانا کھاتے ہی اسے اُلٹی سی آنے لگتی ہے یا جی متلانے لگتا ہے اور کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اس نے سوچا، شاید اس کے معدے میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے.......وہ نہیں جانتی تھی، یہ گڑبڑ اس کی پوری زندگی کی بنیاد ہلا دینے والی ہے۔
''تمہاری ساس ہیں وہ؟.......بلاؤ ذرا انہیں۔ کچھ ہدایات کر دوں۔ اور تم چیک اپ کے لئے آتی رہنا۔ ابھی کم عمر ہو اور کمزور بھی بہت.......تو تمہیں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔''ڈاکٹر نسخے پر کچھ لکھتے ہوئے کہے جا رہی تھی۔ وہ ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔
''یہ لو۔ اور اپنی خوراک کا خاص خیال رکھنا۔ کھانے میں وٹامن........''
اس نے نسخہ ڈاکٹر کے ہاتھ سے لیا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ دادی دوا ہاتھ میں لئے ادھر ہی آ رہی تھیں۔
''دکھا لیا ڈاکٹر کو؟ کیا کہتی ہے؟ چل میں بھی پوچھوں اس سے، آج کل کھانے پینے کی کیوں ہڑتال کر رکھی ہے۔''دادی اس کے ساتھ چلتی ہوئی اندر جانے لگیں، ڈاکٹر کے پاس۔ نیلم نے زبردستی ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔
''دادی! دکھا دیا ہے میں نے۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاضمہ کا سیرپ لکھ دیا ہے اس نے۔ چلو اب گھر۔''وہ دادی کو باہر لانے میں کامیاب ہو ہی گئی۔
''تو دوا تو لے لے اندر سے۔''دادی نسخہ لینے لگیں۔
''لے لوں گی۔ مجھ سے یہ سیرپ وغیرہ نہیں پیئے جاتے۔ چلو بس اب۔''اور دادی کی نظر بچا کر اس نے راستے میں وہ نسخہ مروڑ کر پھینک ڈالا۔ مگر یہ مسئلے کا حل کب تھا۔
وہ تو اسے اپنانے کا اعلان نہیں کر سکتا تھا کہ یہ گمبھیر صورت حال۔ اب جبکہ وہ اس گھر کا ہونے والا داماد بھی تھا۔ اس کی آمد کا مقصد ہمیشہ سارہ کے لئے سمجھا جانے لگا۔ آتے ہی اسے گھر میں پہلے سے بھی زیادہ وی آئی پی پروٹوکول ملنے لگتا۔
وہ جو پہلے چھپ چھپا کر یا موقع دیکھ کر چھت پر مل لیا کرتے تھے، کتنے دنوں سے وہ بھی موقوف تھا۔

"دادی! ایک بات کہوں؟" رات سونے سے پہلے وہ بولی۔
"ہوں!" دادی غنودگی میں تھیں۔
"دادی! ابھی تو میرے پاس کچھ وقت ہے۔ میری پڑھائی ادھوری رہ گئی ہے۔ میں اپنی ایک دو سہیلیوں سے کالج جا کر کتابیں لے آؤں، گھر میں پڑھ لیا کروں گی۔" اسے محمود عالم سے ملنے کا یہی رستہ سوجھ رہا تھا۔
"ہیں! خوامخواہ، کیا ضرورت ہے؟" دادی ہڑبڑا کر بولیں۔
"دادی! ضرورت کی بات نہیں، آپ خود ہی تو کہتی ہیں۔ علم وہ خزانہ ہے جسے کوئی چور چرا نہیں سکتا۔ پلیز دادی!"
"اونہوں، رہنے دے۔ پہلے ثریا جینے نہیں دیتی۔"
"دادی! مجھے کوئی روز تھوڑا ہی جانا ہے؟ صرف کل۔ پلیز دادی!"
"اچھا چلی جانا...... سو جا اب۔" دادی نے جان چھڑانے کو کہا اور اجازت ملتے ہی جیسے اس کے تن بدن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹ گئیں۔
اُسے اُمید تھی، وہ عالی کو مناتے ہوئے کسی ایک نقطے پر قائل کر لے گی اور یہ خوشخبری سننے کے بعد وہ یقیناً خوش بھی ہوگا اور اس کا حوصلہ بھی کچھ مضبوط ہوگا۔
"ظاہر ہے، ہم نے نکاح کیا ہے۔ کوئی چوری یا گناہ تو نہیں کیا۔ میں اپنے ہونے والے بچے کے لئے ہر ایک سے لڑ سکتی ہوں، حتیٰ کہ محمود عالم سے بھی۔"
یہی سوچتی ہوئی وہ جانے کب گہری نیند میں چلی گئی۔

✲◉......◉✲

"تم فوراً ابارشن کروا لو۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔"
"کیا......؟" نیلم کے بالکل پاس ہی جیسے کسی نے بم پھوڑا تھا۔ "تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" وہ غصہ سے کانپتے وجود کو بمشکل کنٹرول کر کے بولی۔
"دماغ تو تمہارا خراب ہے، اس فضول خبر پر خوش ہو رہی ہو۔ ایک اور مصیبت مول لے لیں؟ ابھی پہلی اُلجھنیں حل نہیں ہو رہیں۔" وہ انتہائی بیزار لہجے میں بولا۔ اور وہ حیرت، رنج اور دکھ سے کتنی دیر اسے دیکھتی رہ گئی۔
"میں نے اس شخص کی محبت پر بھروسہ کیا تھا۔" وہ اسے دیکھتی رہی۔
"میں ایسا نہ کروں تو؟" بہت دیر بعد وہ جیسے نیند سے جاگ کر بولی تھی۔
"تو کیا کرو گی؟ تماشا بنواؤ گی اپنا اور میرا؟" وہ جل کر بولا۔
"ہاں بنا بھی سکتی ہوں۔ تمہارا بھی اور اپنا بھی۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی تھی۔
محمود عالم پہلی بار اس کے انداز پر چونکا تھا۔ "کیا مطلب؟" وہ آنکھیں سکیڑ کر بولا۔
"ایک بات بتاؤ؟" وہ اپنے بے قابو ہوتے تنفس پر قابو پا کر بولی۔ "تم نے واقعی مجھ سے محبت کی ہے؟"
"کیا مطلب...... اور کیا کرتا رہا ہوں؟ اس محبت میں اتنا بڑا قدم اٹھایا میں نے، تمہیں اعتبار دلانے کے لئے۔ ابھی بھی تم تو بھروسہ نہیں کر رہیں۔" وہ برامان کر بولا۔
"یہ اعتبار، یہ بھروسہ...... صرف ان تنہائیوں اور خلوتوں میں ہے، کیا اس کیبن سے نکل کر تم سرِ عام مجھے یہ اعتبار، یہ بھروسہ دے سکتے ہو؟ نہیں نا۔ تو یہ محبت تو نہ ہوئی، یہ تو گناہ ہو گیا۔ لوگ گناہ کو ہی ایسے سرِ عام اختیار کرنے سے، اپنانے سے شرماتے ہیں اور تم نے۔ تم نے ہماری پاکیزہ محبت کو گناہ بنا دیا ہے۔"
وہ رو ہی تو پڑی۔ نہ اتنی تجربہ کار تھی اور نہ عمر ہی اتنی کہ ایسے دھچکے سہہ سکے۔ بات بات پر رونا آ جاتا تھا۔ اور آج کل تو کچھ زیادہ ہی۔
"پاکیزہ محبت کو تم گناہ گار بنا رہی ہو، بے وقوف لڑکی!" وہ اس کے آنسوؤں پر ذرا سا پگھل کر بولا۔
"کیا مطلب؟" خود ہی رونا، خود ہی آنسو صاف کرنا اسے آ چکا تھا، اس لئے چہرہ رگڑ کر بولی۔
"ابھی تو سب کو تمہیں قبول کرنا مشکل ہوگا کہ یہ بچے والا تنتا...... یار! سمجھنے کی کوشش کرو...... وہ ہے نا مصطفیٰ، اس کی بیوی ڈاکٹر ہے، لیڈی ڈاکٹر، بہت قابل۔ اسی کے پاس تمہیں لے چلتا ہوں۔ مصطفیٰ کو تو یوں بھی اس معاملے کی سنگینی کا پتہ ہے۔ وہی تو نکاح میں گواہ بھی تھا۔ ذرا حالات سنبھل جائیں، ڈھب پر آ جائیں تو میری جان! بچے بہت۔ کیوں روتی ہو؟" وہ اُسے حسبِ عادت بہلاتے ہوئے بولا اور وہ تڑپ کر اس سے دور ہٹ گئی۔

''تمہارا مطلب ہے، میں جانتے بوجھتے گناہ کی راہ پر چل پڑوں؟'' وہ پھر سے رونے لگی تھی۔
''اچھا تو پہلے تمہارے خیال میں ثواب کما رہی ہو۔ یہ چھپ کر نکاح کرنا، مجھ سے ملنا، یوں پریگنٹ ہونا، سب ٹھی
ہیں؟'' اور نیلم کے آنسو تو یوں تھمے جیسے کبھی نکلے ہی نہ تھے۔ وہ شاک زدہ اسے دیکھتی رہ گئی۔
وہ جو اس کے اتنے قریب تھا، آج جیسے صدیوں کے فاصلے پر دُور بیٹھا، اس پر طنز کے پتھر برسا رہا تھا اور اس کے ز
اسے جتا بھی رہا تھا کہ وہ ان ہی پتھروں کی حق دار ہے۔
''اچھا پلیز، اب روؤ نہیں۔ میرا مطلب تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ ظاہر ہے، یہ بچہ ہماری محبت کی پہلی نشانی ہے۔ لیک
اس کے سوا اور کوئی راستہ ہے بھی تو نہیں۔'' وہ نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔
''پہلے تم نے میری منگنی ہو جانے دی کہ اس کے سوا فی الحال کوئی راستہ نہیں، پھر تم نے اپنی بھی منگنی کروالی کہ فی الحال
ہے اور اب........ آخر تم کیوں مجھے اس اندھے موڑ تک لے آئے ہو، جہاں کوئی راستہ نہیں؟........ عالی!........ عالی، اب
گی۔ پلیز کچھ کرو۔ یہ بچہ میں ضائع نہیں کروں گی، تم چھوڑ دو سب........ سب کچھ۔ ہمیں پیسہ، دولت کچھ بھی نہیں چاہئے
کرلیں گے کسی بھی طرح........ مگر یہ اس طرح جینا، چھپ چھپ کر کسی گناہ کی طرح ملنا........ بس کرو عالی! میرے اعصا
رہے ہیں۔ میں یہ سب اور نہیں سہہ سکتی۔ پلیز!'' وہ ایک دم سے اونچا اونچا رونے لگی۔ خود پر جیسے قابو ہی نہیں رہا تھا۔
''اُفوہ! کیا حماقت کر رہی ہو؟........ اچھا، چپ تو کرو۔ تماشا بنواؤ گی یہاں؟'' وہ جھنجلا کر بولا تھا۔
''تماشا، تماشا، تماشا........ تمہیں اور کسی چیز کا خیال نہیں، صرف اس تماشے کا........ اگر ایسا ہے تو پھر تماشا ہونا چاہئے
خوف اسی طرح دور ہوگا۔ اب تم نہیں، میں کروں گی یہ بات سب کے بیچ، تم دیکھنا، میں بتاؤں گی سب کو۔'' وہ عزم سے چہ
کر کے اُٹھتے ہوئے بولی۔
''اچھا، کیا بتاؤ گی؟'' محمود عالم سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
''کیا مطلب........ کیا بتاؤں گی۔ اپنی اور تمہاری شادی کا، اور کیا بتاؤں گی؟'' وہ گڑبڑا کر بولی۔
''اچھا، کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اپنی اور میری شادی کا؟'' وہ کیا بولا تھا، لحہ بھر کو تو وہ سمجھ ہی نہ سکی۔
''کچھ ہے تمہارے پاس؟ کوئی نکاح نامہ، کوئی اس کی کاپی یا کچھ بھی؟ اور یہ بچہ، جس کے لئے تم یوں طوفان اٹھا رہ
کیسے ثابت کرو گی کہ میرا ہے؟........ اور اس کے بعد جب تم یہ ثابت نہ کرسکو، وہ سب تمہیں کیا سمجھتے ہیں۔ جانتی ہو نا........ کس
بیٹی ہو تم........ یہ ٹھپہ تم پر ابھی بھی لگا ہے۔ کوئی بھی تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کرے گا۔ کہ کرے گا؟'' اس کا انداز مذاق
والا تھا۔

اور نیلم کو لگا، وہ ابھی گرے گی اور دنیا سے گزر جائے گی۔ مگر دنیا سے گزر جانا اس قدر آسان تو نہیں ہوتا۔
وہ کسی بت کی طرح جامد سی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے دماغ سے سوچنے، سمجھنے کی سب صلاحیت مفقود ہوگئی تھی، صرف محمود عا
جملوں کی گونج تھی۔
'کیا سمجھتے ہیں تمہیں یہ........ کس ماں کی بیٹی ہو؟ ٹھپہ لگا ہے........ کیسے ثابت کرو گی؟........ کوئی نکاح نامہ، کوئی کاپی
یہ بچہ........' اس کے دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔
''اس لئے کہہ رہا ہوں، تھوڑا صبر کرو۔ ذرا حالات کو مجھے اپنے رخ پر لے آنے دو۔ میں نے قسم کھائی ہے، تمہیں کس
سچویشن میں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ پھر تم میرا اعتبار کیوں نہیں کرتی ہو؟ کیوں بار بار اس بداعتمادی کا اظہار کرتی ہو؟ میں نے ایک
سوچا ہے فی الحال۔'' وہ اب کے اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ اور وہ تو کسی پتھر کی طرح ساکت تھی۔ اس
سب حسیات مر چکی تھیں۔
''میں کہیں علیحدہ کوئی فلیٹ دیکھ رہا ہوں، جہاں تم رہو، اگر یہاں صورت حال نہ بن سکی۔ میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا
تمہارے ساتھ........'' وہ بول رہا تھا اور وہ کسی روبوٹ کی طرح اُٹھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ وہ پکارتا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا مگر
نے پلٹ کر دیکھا نہیں۔
پلٹ کر دیکھنے کو اب رہ بھی کیا گیا تھا۔

✽⊙........⊙✽
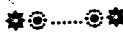
کرامت کی طرف سے اگلے مہینے کی کوئی بھی تاریخ رکھنے کا پیام آیا تھا اور دادی پھر سے پُرجوش ہوگئی تھیں۔
''بس، نیلم کی رخصتی کے فوراً بعد سارہ کی تاریخ رکھ لیں گے۔ دیکھو، جب اللہ کرنے پر آتا ہے، کیسے جھٹ پٹ سب ہو
گیا۔'' دادی نے پھر سے ٹرنکوں، پیٹیوں میں سے اس کے جہیز کے لئے جمع کیا گیا تھوڑا بہت سامان نکلوا کر دیکھنا شروع کر دیا۔

وہ اب انگلیوں پر دن گن رہی تھیں۔

اور وہ تو جیسے کچھ بھی محسوس نہیں کر رہی تھی۔

نانے اوپر ٹوٹ پڑنے والی قیامت کو، نہ آنے والی قیامت کو۔ دادی نے اکیس تاریخ رکھوا دی تھی۔

اس کے بعد عالی تین بار گھر آیا تھا، مگر وہ اس کے سامنے نہیں آئی۔ وہ بہانے سے دادی کے کمرے میں آتا تو وہ کہیں اور چلی
جاتی۔ وہ اس کے پیچھے لپکتا تو سارہ اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ تائی آواز دے لیتیں۔ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا۔

چوتھی بار وہ بالکل اچانک آیا تھا۔

وہ دادی کے سر میں تیل لگا رہی تھی۔ جیسے ہی تیل کی بوتل رکھنے باہر نکلی، وہ اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا۔ سارہ اپنی سہیلی کی
طرف گئی ہوئی تھی، تائی ہمسائے کی طرف۔ اسے موقع مل گیا۔

"کیا کر رہی ہو تم یہ سب؟" وہ اسے پوری قوت سے پرے دھکیل کر سرد لہجے میں بولی۔

"نیلی! میری جان!.......سوری.......قسم سے، اُس دن پتہ نہیں، میں کیا کیا بکواس کر گیا تھا۔ مجھے خود نہیں پتہ چلا۔ بعد میں
خود کو کس بری طرح سے لعن طعن کیا تھا، آتا بھی رہا ہوں۔ یار! ایسی ناراضی.......سوری! یہ دیکھو۔" وہ اس کے آگے دونوں ہاتھ
جوڑ کے کھڑا تھا۔

نیلم نے اچٹتی نگاہ ڈالی اور اسی طرح کھڑی رہی۔

"دیکھو، میں نے فلیٹ کا بندوبست بھی کر لیا ہے اور......."

"تاکہ میں چپکے سے کسی اندھیری رات میں اس گھر سے بھاگ جاؤں، وہاں اس فلیٹ میں چوری چھپے رہوں اور تم اپنی بیوی
سے چوری چھپے اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے ہفتے میں ایک دو بار مجھ سے ملنے آتے رہو اور میں اپنے اوپر لگے اپنی ماں کے ٹھپے کو
ثابت کر دوں۔ اور جو میرے تمہارے گھر یا تمہاری زندگی میں باعزت طور پر بسنے کا ذرا سا بھی امکان ہے، وہ ہمیشہ کے لئے
ختم ہو جائے۔ ہے نا، یہی چاہتے ہو نا تم؟" وہ نفرت بھرے لہجے میں کہتی چلی گئی۔

"نہیں نہیں.......خدا کی قسم، بالکل بھی نہیں۔ اور سارہ.......تمہارا خیال ہے، میں سارہ کو بیوی بنا لوں گا؟ باقی کی زندگی اس
کے ساتھ گزاروں گا؟ کبھی نہیں۔ مر کر بھی نہیں۔ مجھے تم سے جتنی شدت کی محبت ہے، اس سے اتنی ہی نفرت ہے۔ میں مر تو سکتا ہوں،
اس کے ساتھ نہیں۔ وہاں تو میں حالات موافق......."

"نہیں ہوں گے، وہ حالات کبھی بھی موافق۔ تم صرف اپنا مطلب نکال رہے ہو۔" وہ زور سے چیخی۔

"کون سا مطلب؟.......اتنا گرا ہوا سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟.......میں صرف اپنا وقت رنگین بنانے کے لئے تم سے ملتا ہوں،
میری محبت نہیں، صرف ہوس اور حرص ہے؟ تم میرے متعلق اتنی گھٹیا سوچ رکھ سکتی ہو، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آج کے بعد میں
تم کو اب ہی ہاتھ لگاؤں گا، جب تمہیں سب کے سامنے اپنانے کا اعلان کر دوں گا۔ ورنہ کبھی نہیں۔ چاہے اس آزمائش میں جان
سے گزر جاؤں۔ یاد رکھنا!" وہ ایک جذب کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

"تو پھر اسی دن میرے پاس آنا۔ ابھی جاؤ۔ اگر تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہے تو اسے ثابت بھی کرو کہ مجھے محبت گناہ کی طرح
نہیں۔ ہاں، تمہارے ماں باپ اس انکشاف کے بعد ہمیں قبول نہ کریں تو میں تمہارے ساتھ ہوں، ہر قدم پر۔" وہ کہتے ہوئے
جانے لگی۔

"اور ہاں۔" وہ جاتے جاتے رُکیں۔ "اکیس دن بعد نکاح ہے میرا کرامت کے ساتھ۔ اب تم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر
کے بلی کے لوٹ جانے کا انتظار کر رہے ہو۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں بچا، میں قریب آئی اس موت کو تو نہیں ٹال سکتی مگر خود کو
اس گناہ کے لئے تیار نہیں کر سکتی۔ نکاح پر نکاح.......ایک لمحے میں کیا کر ڈالوں، مجھے نہیں پتہ۔ شاید اپنی جان دے دوں، شاید
سب کے سامنے اس جان لیوا حقیقت کا انکشاف کر ڈالوں، یہ سوچے بغیر کہ میرے ہاتھ پاؤں کٹے ہیں، میرے پاس اس سچ کو ثابت
کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور یہ کہ میں کس ماں کی بیٹی ہوں کہ زریں کو لوگ آج بھی بدکردار عورت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور
سب جان لینے کے بعد میرے ساتھ کیا کریں گے، مجھے نہیں معلوم۔ مگر تمہارے پاس بھی صرف اکیس ہی دن ہیں۔" وہ کہہ کر تیزی
سے باہر نکل گئی۔

اور محمود عالم نڈھال سا ہو کر کرسی پہ گر گیا۔

✲⊛......⊛✲

وہ بہت عجیب رات تھی۔
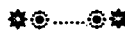
بالکل ویسی عجیب رات، جیسی اس کے بچپن میں آئی تھی، جب زریں کو اس گھر کی دیواروں نے آخری بار دیکھا تھا۔

جانے صبح سے اس کا دل کیوں بجھا بجھا سا تھا۔ کچھ موسم بھی ایسا کٹھور ہو رہا تھا کہ اندر باہر جیسے فضا میں اُداسی سی گھلی ہوئی تھی۔ صبح سے ہونے والی مسلسل سردیوں کی پہلی بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

ٹپ ٹپ گرتی بوندیں بار بار اسے اسی رات کی یاد دلائے جا رہی تھیں اور وہ اس خیال سے بچنے کے لئے اپنا دماغ جانے کدھر لگائے جا رہی تھی کہ نکاح میں صرف نو دن تو رہ گئے تھے۔ محمود عالم اس کے بعد ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔

شاہین پھپھو ایک بار آئی تھیں اور دادی کے کمرے میں گھسی جانے کیا کھسر پھسر کرتی رہیں۔ تائی کو بھی لفٹ نہیں کرائی او کے ساتھ بھی ان کا رویہ واجبی سا تھا۔ اس کے بعد وہ بھی نہیں آئیں۔

جوں جوں دن قریب آتے جا رہے تھے، اس کے دل کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اس کا سینہ جیسے گھٹنے لگتا یہ سب کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

احسن کی محبت جتلاتی نظروں کی تپش دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔ سارہ اسے اور بھی نفرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی تھی کا عتاب بھی بڑھتا جا رہا تھا، مگر اس کی تمام تر حسیں تو جیسے برف ہو چکی تھیں۔

اس کے حواس صرف اور صرف محمود عالم کی طرف سے آنے والے کسی خاص پیام کے منتظر تھے۔

وہ سر شام ہی دادی کے کمرے میں بیٹھ گئی تھی، ان کی ٹانگیں دباتے جانے خود بھی کب غنودگی میں چلی گئی اور وہیں ان کی لحاف میں چھپ کر سو گئی کہ اچانک اس کی آنکھ کھلی۔

کوئی تھا کمرے میں اور بھی......

”نانی! ممی نے کہا، آپ سے مل جاؤں۔ بس ایک ہفتے کے لئے جا رہا ہوں، اسلام آباد سے آگے سوات تک، دوستوں کے ساتھ۔“

اس کے پیروں تلے سے زمین ہی کھسک گئی۔ یہ محمود عالم کہہ رہا تھا۔

”نہیں نانی! موسم کو کیا ہوا ہے؟ یہی تو موسم ہے۔ اُدھر سنو فال شروع ہو رہی ہے۔ بس چھ دنوں کی تو بات ہے۔“

نانی نے کیا کہا، نیلم نے سنا نہیں۔

”نہیں، جا رہا ہوں، رُکوں گا نہیں۔ باہر گلی میں گاڑی کھڑی ہے۔“

”مصطفیٰ کے ساتھ جا رہا ہوں...... راستے میں دو چار دوست اور بھی ساتھ ہو جائیں گے...... خدا حافظ! میں ذرا ممانی سے مل لوں۔“

اسے فیصلہ کرنے کے لئے چند منٹ لگے تھے۔

”کہاں جا رہی ہو، گرم رضائی سے نکل کر؟ ٹھنڈ لگ جائے گی۔“ دادی پیچھے سے پکارتی رہ گئیں۔ اور وہ پچھلے دروازے سے شال اچھی طرح لپیٹتی باہر گلی میں نکل آئی، جہاں سیاہ گاڑی کھڑی تھی

گاڑی میں کوئی نہیں تھا۔

اس نے لمحہ بھر کو چادر آہستگی سے سمیٹتے ہوئے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور پچھلی سیٹوں کے درمیان چھپ کر بیٹھ گئی۔

اسے چند لمحے ہوئے تھے کہ اگلی سیٹوں پر وہ دونوں آ کر بیٹھ گئے اور گاڑی اسٹارٹ ہو کر روانہ ہو گئی۔

وہ اسی طرح چھپی بیٹھی رہی۔

✿◉......◉✿

زور سے بریک لگی۔ کوئی اچانک اسپیڈ بریکر آیا تھا۔

شاید ویسا ہی اسپیڈ بریکر، جیسا اس کی زندگی میں آیا تھا، یہ سیاہ رات بن کر۔ اس کا سر سیٹ کی بیک سے ٹکرایا اور ایک بے اختیار سی چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔

وہ دونوں جو پچھلے سات منٹ کے سفر کے دوران بالکل خاموش بیٹھے تھے، بے اختیار چونکے۔ دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ گاڑی رک گئی۔ لمحہ بھر کی گمبھیر خاموشی اور اس میں چھید کرتی بوندیں۔

نیلم کا دل جیسے سینہ پھاڑ کر اس اندھیری سڑک میں دوڑ نکلے گا۔ شاہد محمود نیچے اُتر کر آیا تھا۔

گاڑی کی اندرونی لائٹیں جل اُٹھیں۔ پچھلی طرف کا دروازہ کھلا۔

وہ اسی طرح چادر میں منہ چھپائے مرغی کی طرح سیٹوں کے بیچ دبکی بیٹھی رہی کہ ایک اجنبی کرخت آواز نے اسے دو فٹ اُچھلنے پر مجبور کر دیا۔

”کون ہو تم؟“ گاڑی کی روشنی میں اس کا چہرہ، اس کی آواز سے بھی زیادہ کرخت لگا نیلم کو۔

بے اختیاری میں اس کے ہاتھ سے چادر کا پلو بھی چھوٹ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"لالا! کام بن گیا۔" وہ شاید خوشی سے بولا تھا، مگر آواز کی سختی ہنوز قائم تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی چمکیلی سیاہ مقناطیسی آنکھیں نیلم کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

اور نیلم کو اس لمحے احساس ہوا کہ اس سے کتنی سنگین غلطی بلکہ ایک خوف ناک خطا، بھیانک سی بھول سرزد ہو گئی ہے۔

وہ محمود کی گاڑی کے بجائے کسی اور گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"م....... میں .... غلطی سے .... مجھے جانے دو۔" آخری مزاحمتی کوشش کے طور پر اُس نے اس بھیانک سی بھول کو پلٹانا چاہا، مگر کائنات کی گردش میں وہ لمحہ منجمد ہو کر رہ گیا تھا، جسے اب نہ تو اس کی فریادیں کھرچ سکتی تھیں نہ آنسو مٹا سکتے تھے، نہ آہیں پگھلا سکتی تھیں۔

اس کی زندگی انہونی ہو چکی تھی۔ اس کی جلد بازی نے لمحہ بھر میں اس کی تقدیر کا پانسہ پلٹ ڈالا تھا۔

وہ تو محمود عالم کی ہو جانے کو 'انہونی' سمجھتی تھی اور ہو جانے کے بعد کسی اور انہونی کا تو تصور کیا، شائبہ بھی اس کے دل و دماغ میں نہیں تھا۔ اور بے درد تقدیر دور کھڑی تالیاں پیٹتی ہنسے جا رہی تھی۔

'دیکھو، یہ ہوتی ہے انہونی .... اس کو کہتے ہیں تقدیر کا لکھا کہ صیاد خود اپنے دام میں آتا ہے۔ بھولا پنچھی خود جال میں آ بیٹھتا ہے۔'

اور وہ خود جال میں آ بیٹھی تھی۔

اب لاکھ پھڑ پھڑاتی، اُڑنے کو پَر تولتی، کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔ ان میں سے ایک اب اسی خاموشی اور پورے دھیان کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اور دوسرا وہی کرخت چہرے والا، سیاہ چمکتی پستول کا رخ اس کی طرف کیے بے حد چوکنا بیٹھا تھا۔

باہر بارش تیز ہو چکی تھی اور اس کے آنسو بھی۔

وہ رو رو کر، فریاد کر کے، منتیں کر کے ہار گئی تھی کہ وہ غلطی سے اس گاڑی میں آ بیٹھی تھی مگر ان کے کانوں میں تو جیسے پتھر گڑے تھے۔ اب تھک ہار کر وہ خاموشی سے آنسو بہائے جا رہی تھی۔

ان دونوں نے کسی اجنبی زبان میں بات کی۔ شاید منزل کا تعین کیا۔

اور گاڑی نے سبک خرامی کے ساتھ موڑ کاٹا اور ایک لمبی سڑک پر رواں ہو گئی۔

"تم .... تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" اس نے گاڑی سے باہر بڑھتے اندھیرے اور اس گاڑھے اندھیرے سے پرے گھنے درختوں کے خوف ناک سایوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جنت میں۔" وہ منہ پھاڑ کر ہنسا تھا اور اسی کرخت آواز میں بولا تھا۔

"دیکھو، میں تمہاری منت کرتی ہوں، میں ...." اس نے آخری کوشش کے طور پر پھر سعی کی۔

"چپ!" اس نے غرا کر کہا اور پستول اس کے چہرے کے قریب کر دی۔ اس کی زبان وہیں جکڑی رہ گئی۔

'تو یہ تھا نیلم بی بی! تمہاری بے چینیوں کا انجام، بے قراریوں کا انت۔ اس لئے تمہیں کئی راتوں سے نیند نہیں آ رہی تھی، بے کلی کھائے جا رہی تھی۔ اس مشکل کو دنیا کی سب سے بڑی مشکل جانتی تھیں اور تمہیں پتہ بھی نہیں تھا کہ دنیا میں اس سے بھی مہا مشکلیں ہوتی ہیں، جن کا حل تو کیا تلاش کریں، ہم آزادی سے ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکتے۔'

'کاش! میں بے صبرا پن نہ دکھاتی .... فقط دادی سے یہ سب کہہ ڈالتی۔ بھلے وہ میری کھال کھنچوا دیتیں، گھر میں تو رہتی نا۔'

اب پچھتاوے اسے چہار اور سے گھیرنے لگے تھے۔

"دیکھ لیا نا اماں! نکلی نا پھر اُسی حرافہ زریں کی بیٹی۔ بھاگ گئی نا گھر سے۔" تائی کی آواز کسی پٹاخے کی طرح اس کے کان میں پھٹی تھی اور اس کا پورا وجود سناٹے میں آ گیا۔

'تو تقدیر نے اپنا وہ اَن مِٹ ٹھپہ اس پر لگا ہی دیا، جس سے بچنے کے لئے ....' اس کے آنسو اور بھی روانی سے بہنے لگے۔

✲⊚.......⊚✲
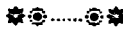
گاڑی کسی نامانوس جگہ پر آ کر رکی تھی۔ یوں تو اس کے لئے اپنے گھر سے باہر کی ساری دنیا ہی نامانوس تھی، وہ کبھی گھر سے نکلی ہی نہیں تھی۔ اسکول سے گھر اور بعد میں صرف گھر۔

"نکلو۔" اس کرخت صورت و آواز والے کے پاس اپنے حکم کو منوانے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ وہ سیاہ آلہ، جو اس نے نیلم کے پہلو کے ساتھ ہی لگا رکھا تھا۔ باہر جگر جگر کرتی روشنیاں تھیں۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ حواس باختگی میں اس کے سر سے دوپٹہ بھی پھسل گیا اور اسے خبر نہ ہو سکی۔

بے حد کشادہ گلی، جیسے سڑک ہوتی ہے اور اس کے دونوں اطراف بنے لکڑی کے جنگلوں والے اونچے اونچے چوبارے نما جنگلوں کے اس طرف برآمدوں سے آگے مہین و رنگین سرسراتے پردوں سے چھن چھن کر آتا روشنیوں کا غبار......بس ایک ہی لمحہ لگا۔ فقط ایک لمحہ!

نیلم کے سر پر کسی نے جیسے زور سے پتھر دے مارا ہو۔

''یہ......یہ جگہ......آپ مجھے......'' اس کے حلق سے پھٹی ہوئی آواز نکلی اور ذرا دیر کو رکے آنسو پھر سے بہہ نکلے۔

''چلو......زیادہ ڈرامے نہ کرو'' اس نے پھر سے وہی حربہ آزمایا، مگر اب کے وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''چلو، سنتی نہیں؟'' دوسرے پل اس نے اسے زور سے آگے کو دھکیلا اور وہ لڑھکتی ہوئی گرتے گرتے بچی۔

''چل رہی ہے نا۔ کیوں بے چاری کو دھکے دیتے ہو؟ چلو اٹھو شاباش! چلو اوپر۔'' دوسرا آدمی پہلی بار آگے آیا تھا اور نیلم کو جھک کر اٹھاتے ہوئے نرمی سے بولا۔

''بھائی!......بھائی! آپ ہی خدا کے لئے رحم کریں۔ مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں۔ آپ کو اللہ کا واسطہ۔'' اس نے اس کی ذرا سی ہمدردی پا کر بے اختیار ہی اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''اچھا، اوپر تو چلو۔ ادھر سب دیکھ رہے ہیں۔ اوپر چل کر بات کرتے ہیں۔ بارش بھی تیز ہو گئی ہے۔'' اس نے نیلم کے ہی بندھے ہوئے ہاتھ پکڑے اور اوپر لے جانے لگا۔

نیلم نے بے بسی سے آخری بار مڑ کر دیکھا۔

ان جگر جگر کرتی روشنیوں کے اس پار کتنی اندھیری سڑک تھی اور راستے گھپ تاریکی میں ڈوبے، بارش میں بھیگے اس کی فریادی نظروں سے بے نیاز سے کھڑے تھے۔

گول گول دو موڑ آئے، ٹوٹی پھوٹی اینٹوں سے بار ہا ٹھوکر کھاتے بچی۔ وہ دونوں اس کے پیچھے تھے۔

✿◉......◉✿
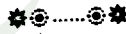
اوپر کا ماحول اس کے حساب سے یا اس کے تصور سے زیادہ مختلف نہ نکلا۔ نیچے آتی گھنگھروؤں کی آواز اس سے پہلے ہی اس جگہ کا تعارف کرا چکی تھی۔

بڑے ہال نما کمرے میں ''محفل'' لگی تھی۔

وہ دونوں اسے ساتھ لئے ہال کے پہلو سے منسلک ایک نسبتاً کم آرائش والے کمرے میں لے آئے۔

وہ کمرے کے وسط میں گم صم کھڑی ہو گئی۔

''جوتے اتارو اور آرام سے بیٹھ جاؤ۔'' وہی پہلا آدمی بولا، اس کی نظر اپنے پیروں پر پڑی۔

بارش اور کیچڑ میں اس کی چپل جو وہ پیروں میں اڑس کر محمود عالم کے پیچھے دیوانہ وار نکلی تھی، کتنی بری لگ رہی تھی۔ بڑا قالین داغ دار ہو گیا تھا۔

وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

اسی وقت کمرے میں ادھیڑ عمر، خوب کسے ہوئے ریشمی کپڑے پہنے، تیز میک اپ اور زیور سے لدی پھندی فربہی مائل عورت داخل ہوئی۔ اس کی سیاہ چھوٹی چھوٹی آنکھیں اس کے سانولے چہرے سے بہت مطابقت رکھتی تھیں اور شاید اس کی ذہنیت سے بھی۔ تیز تیز پارے کی طرح متحرک آنکھیں۔

''ہوں۔'' اس نے لمحہ بھر میں نیلم کا سرتا پا بھرپور جائزہ لے ڈالا۔

''مال تو بڑا اچھا لائے ہو۔'' وہ پان کھا رہی تھی۔ پسی ہوئی چھالیہ دوسرے جبڑے میں منتقل کرتے ہوئے بولی۔

''دام بھی اچھے ہونے چاہئیں۔ پر پہلے کچھ کھانے پینے کو تو منگواؤ، پھر ہم کو نکلنا بھی ہے۔'' پہلا آدمی پیچھے پڑے گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے نیم دراز سا ہو کر بولا۔

''کیا ابھی نکل لو گے؟......بارش ہو رہی ہے۔'' وہ بات تو ان سے کر رہی تھی، نظریں نیلم پر جمی ہوئی تھیں۔

''ہم کیا گھل جائیں گے، بارش میں؟......ابھی نکلیں گے تو صبح تک پہنچیں گے۔'' وہ پاس پڑا پان دان اٹھا کر جائزہ لینے لگا۔

''ایسی بھی کیا جلدی؟'' وہ اٹھلا کر بولی۔

نیلم متوحش نظروں سے دونوں کو باری باری تکے جا رہی تھی، جہاں کسی میں رحم کی ذرا سی بھی گنجائش نظر آئے۔ وہ اپنی فریاد بلند کرے۔ مگر ابھی تو۔

''آئیں گے اگلے ہفتے تو خوب وقت نکال کر آئیں گے۔ ابھی ذرا جلدی ہے۔'' وہ کرخت صورت والا آدمی نکل گیا۔ [illegible]

بھی داراث بھی نکل گئی۔

نیلم بھربھری مٹی کی طرح زمین پر ڈھے گئی۔ وہ آدمی لاتعلق سے چھالیہ چباتا رہا۔

✲ ...... ✲
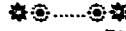
"بس..... یہ تو بہت کم ہیں۔ پچیس ہزار کا دانہ لگتا ہے تجھے؟" وہ کرخت شکل والا، نوٹ اس کی طرف اچھال کر بے رخی سے بولا۔

"تو اور کیا دوں؟" وہ تنک کر بولی۔

"ابھی لے جاتے نا فیروزہ کی طرف، آنکھیں بند کر کے اس نے پچاس ہزار جھولی میں ڈال دینا تھا۔ اتنی دل والی ہے وہ۔ اور آن کل تمہارے چوباروں میں پڑا ہے جو موٹی، بے سُری، بھدی جسم اور بھونڈی صورت والی آئٹم تم نے رکھی ہے، اس کا یہاں کی رونق دیکھ کر ہی ہو رہا ہے۔" وہ تیز تیز بولتا چلا گیا۔

"اور ہم تو پرانی شناسائی کو فوقیت دیتے ہیں۔ سیدھے تیری سیڑھی چڑھتے ہیں۔" دوسرا بولا۔

"اب یہ بھی تو دیکھو نا، پتہ نہیں کتنے مہینے لگتے ہیں، جو اہی ہوتا ہے نا!" وہ متذبذب سی ہو کر بولی۔ نظریں کونے میں گٹھڑی بنی نیلم پر تھا۔

"مہینے بھی لگیں، پر اب تیرا کام ہے اس کے بعد۔ اس کے بعد مجھے بتا، اس پورے بازار میں اس نایاب موتی جیسا کوئی دانہ ہے؟ ساری عمر کی کمائی لا دی ہے ہم نے تجھے۔"

"تیرے بڑھاپے کی لاٹھی۔" پہلے نے لقمہ دیا۔

"اچھا چلو، اب یہ چالیس پکڑو اور چلتے نظر آؤ۔ باقی کا آئندہ۔" اس نے بالآخر پوٹلی میں سے کچھ اور نوٹ گن کر نکالے۔

"چل بار بابائی کا موڈ نہیں ہے۔ اور یہ اُدھار تو ہے ہی محبت کی قینچی۔ یوں ہم سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے تو بول۔" وہ بے لحاظی سے اٹھ کھڑا ہو گیا تو بائی نے باقی کے روپے آرام سے نکال کر ان کے آگے رکھ دیئے۔

"دعائیں دے گی ہمیں۔" دونوں نوٹ سمیٹتے ہوئے بولے۔

"تو اس کا سودا ہو گیا۔" جیسے کسی نے اس کے بے حس بنے وجود میں سوئی کھبو دی۔

"تم..... تم کون ہو مجھے یوں بیچ کر جانے والے؟ میں شور مچا دوں گی۔ چھوڑو مجھے...... میں......" وہ بجلی کے کوندے کی طرح اٹھ کر باہر کی طرف بھاگی تھی اور سیڑھیوں تک پہنچنے سے قبل ہی تین آہنی بازو اسے جکڑ چکے تھے۔

"دیکھا، ابھی سے سختی شروع ہو گئی۔ یہ تو رسیاں تڑوا رہی ہے، مفت کا سر درد۔" زہرہ بائی ناک چڑھا کر بولی۔

نیلم ان بازوؤں کی گرفت سے نکلنے کے لئے پورا زور لگا رہی تھی۔ تڑاخ، مرد کا بھاری ہاتھ کا زوردار طمانچہ اس کا پورا چہرہ گھما گیا۔ اس کے ہونٹ کے کنارے سے خون رسنے لگا۔

"ہائے..... اے جانور نہ بن۔ وہ تیرا یہ جناتی تھپڑ سہنے کے قابل ہے؟ دیکھ، کیسے لال ٹماٹر سا منہ ہو گیا بچی کا۔ ادھر آ میری بچی..... میرے پاس آ، ادھر۔" وہ اسے یوں چمکا کر بولی، جیسے مدتوں سے اس کی شناسا ہو، یا اس کی آیا رہ چکی ہو۔

نیلم نے نفرت سے اسے دیکھا اور دوسرے لمحے ڈھیلی پڑ گئی۔

"خالہ!..... خالہ! دیکھو خدا کے لئے، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، پاؤں پڑتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں تو اپنے ماموں کے ساتھ غلطی سے، انہیں حیران کرنے کے لئے...... قسم سے...... میں ویسی نہیں ہوں، جو تم لوگ سمجھے ہو۔ مجھے جانے دو خدا کے لئے..... تم تو عورت ہو نا۔ تم تو کچھ رحم کرو، خدا کے لئے۔" وہ روتی روتی اس کے پیروں سے لپٹ گئی۔

زہرہ بائی بالکل خاموش کھڑی تھی۔

ایک وقفے کے بعد نیلم نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ کمرے میں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ دونوں بدبخت نوٹ سمیٹ کر جا چکے تھے۔

"چل اٹھو شاباش! منہ ہاتھ دھو، کچھ کھا پی، پھر بات کرتے ہیں۔"

"ک..... کیا بات؟" اس کی نرمی سے شہہ پا کر وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"یہی، جو تم کر رہی ہو۔ پہلے تم کچھ کھا پی لو۔"

"نہیں نہیں..... دیر ہو جائے گی۔ رات..... رات بیت گئی۔ نہیں، خدا کے لئے، وہ تو پہلے مجھے...... تم نہیں جانتیں میری ماں کے بارے میں...... خدا کے لئے مجھے جانے دو۔" وہ گڑگڑانے لگی۔

"تم کہاں چلی جاؤ گی؟" وہ مزے سے دوسرا پان بناتے ہوئے بولی۔ باہر سے متواتر گھنگھروؤں، طبلے اور دوسرے آلات کی آواز آ رہی تھی۔

"چلی جاؤں گی۔" وہ بے خوف ہو کر اُٹھنے لگی، جیسے جانے کی اجازت مل گئی ہو۔
"او بے وقوف! معلوم ہے تُو اس وقت شہر کے کون سے کونے میں ہے۔ پھر باہر بارش ہو رہی ہے۔ تُو کچھ کھا پی، یہ
میں فون لگا ہے؟"
اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
"تو فون کر دیتے ہیں کہ تُو سہیلی کی طرف ہے، صبح ہوتے ہی واپس آ جائے گی۔" وہ پان کے پتے پر بڑے اطمینان سے
رہی تھی۔
"صبح......نہیں، صبح تو بہت دیر ہو جائے گی۔ دادی تو میری......نہیں، خدا کے لئے مجھے ابھی بھجوا دیں۔ میں آپ کا ا
عمر بھر نہیں بھولوں گی۔" وہ پھر سے رونے لگی۔
"احسان مند تو تُو ہماری یوں بھی عمر بھر رہے گی۔ جس جنت میں ہم تجھے لے آئے ہیں۔ بس یہ آنسو، یہ رونا تو اسی رات
لئے ہے۔ کل سے تیرے لئے جنت کے دروازے کھل......"
"بکواس نہیں کرو۔" وہ ایک دم مشتعل ہو کر اسے زور سے دھکا دے کر باہر جانے لگی۔
باہر دو آدمی دروازے کے اطراف مستعد کھڑے تھے۔
وہ وہیں کھڑی رہ گئیں۔
"وہ سامنے غسل خانہ ہے۔ جی چاہے تو منہ ہاتھ دھو لے جا کر۔ کھانا آ رہا ہے تیرا۔ کھائے گی تو کچھ عقل کام کرے گی۔
رک کر بولی۔ "گھبراتی کیوں ہے؟ ہم بھی انسان ہیں، جانور تو نہیں کہ تجھے نوچ کھائیں گے۔ چل شاباش!" وہ پھر سے اسے
کر بولی۔
نیلم اَن سنی کرتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئی اور ہاتھوں میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جیسے اس کا کوئی م
ہو......ماں باپ تو اس کے لئے پہلے ہی مرے کے برابر تھے۔ دادی یا ماما کے مرنے پر وہ اس طرح کے آنسو تو کبھی بھی نہ بہائے
پھر کون مر گیا تھا؟ جس کے لئے وہ یوں بال کھولے ہر خوف سے بے نیاز زور زور سے رو رہی تھی۔
اسے لگا، اس کے سامنے اس کی اپنی میت پڑی ہے اور وہ اس کے سرہانے بیٹھی رو رہی ہے۔
ہاں، وہ نیلم کی میت تھی۔ اس سردیوں کی بھیگی رات میں نیلم مر گئی تھی۔ اور کسی کی جواں مرگی پر یونہی تو رویا جاتا ہے۔ وہ م
ہوئی نیلم کو رو رہی تھی اور محمود عالم کی مُردہ محبت کو......اس نامراد محبت کو، جس نے اسے یوں بے توقیر کیا تھا کہ آج وہ جسموں
منڈی میں آ کر چند کاغذ کے پُرزوں کے عوض بک گئی تھی۔
ان تمام رشتوں کی موت پر جو یوں تو اس کے کبھی تھے نہیں، مگر زندہ رہنے کے لئے، زندگی کے جواز کے لئے ضروری تھے
ان کی ناگہانی موت پر رو رہی تھی۔
وہ عورت یوں اطمینان سے پان کھاتے ہوئے اسے بین کرتے دیکھ رہی تھی، جیسے وہ اپنے کسی دل پسند مشغلے میں گم ہو۔
نیلم کی چیخیں لحظہ بہ لحظہ بلند ہوتی جا رہی تھیں۔
باہر سے کسی نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔ اسے ماتم کی مکمل آزادی دے دی گئی۔ آخر اتنی ساری موتوں پر آدمی کو کھل
آنسو تو بہانے چاہئیں اور وہ اردگرد سے بے خبر روئے جا رہی تھی۔

✻......◎......✻
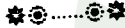
"کتنا روئے گی اور اپنے پچھلوں کو؟......چل شاباش، دو نوالے کھا لے۔ ساری رات بیت گئی تجھے روتے روتے......
رونے سے بھی کچھ ہوا ہے؟" وہ اسی طرح بیٹھی بازوؤں کے حلقے میں اپنا چہرہ لئے بے زار آنسو بہا رہی تھی کہ زہرہ بائی نے اس
پاس بیٹھ کر بے حد نرمی سے کہا۔
اس کے آگے ٹرے میں اشتہا انگیز کھانا پڑا تھا۔ اس نے کل دوپہر کے بعد سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ مگر ابھی بھی ذرا بھوک نہ
تھی۔ اس نے آنکھ اٹھا کر بھی کھانے کی طرف نہیں دیکھا۔
"اچھا چل، یوں کرتے ہیں دو چار لقمے کھا لے۔ پھر میں تجھے ڈرائیور کے ساتھ بھجوا دیتی ہوں تیرے گھر......ٹھیک ہے؟"
معلوم نہیں سچ کہہ رہی تھی یا اسے بہلا رہی تھی۔ نیلم نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔
اس کے سارے چہرے پر اسے سچ ہی نظر آیا۔
یوں بھی اس کو کون سا چہرے پڑھنے آتے تھے۔ یہ فن ہوتا تو سب سے پہلے اس محمود عالم کے چہرے کو نہ پڑھ کر اس کے اندر کی
بدنیتی کو جان لیتی۔

"ہاں، سچ بولوں میں قسم سے۔" وہ اس کا ہاتھ دبا کر دوستانہ مسکراہٹ سے بولی۔
نیلم اسے دیکھتی رہ گئی۔
"چل کھا، شاباش۔ لے ایک لقمہ۔" اس نے بڑے پیار سے ایک لقمہ بنا کر اس کے منہ کے پاس کیا۔
"رو رو کر کیا اپنا حال کر لیا ہے بچی نے۔ صورت کیا اور ہیرا سی اور دل چڑیا سا........ یہ لالہ بھی بالکل گھامڑ ہے۔ ہمارے یہ میں تو خرانٹ شکلیں اور پتھر دل چلتے ہیں کم بخت، کیسی بھولی بھالی بلبل کو گھیر لایا۔ مرد ہے نا کمبخت۔ کیا جانے عورت کے دل کی کو۔" اس نے اسے خوب باتوں میں لگایا۔
جیسے ہی نیلم نے نوالہ لینے کے لئے منہ کھولا، اس کے خالی معدے میں اُبال سا اٹھا اور وہ بے اختیار منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر باتھ روم کی طرف دوڑی۔
خالی معدے سے نکلنا تو کیا تھا، ابکائی کر کر کے اس کا حال خراب ہو گیا۔ وہ ہانپتی ہوئی اس کمرے پلنگ پر ڈھیر ہو گئی۔
زہرہ بائی کسی معمول کی طرح گم صم سی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی، اسے دیکھتی چلی گئی۔
"پانی........ پانی تھوڑا سا۔" بے حالی تنفس کے دوران وہ بہ دقت بولی۔
پانی پی کر اس کی حالت قدرے سنبھل گئی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر، اس کے بال سہلانے لگی۔
"گھر نہیں جانا تُو نے جو سو رہی ہے؟" اس نے جوں ہی آنکھیں بند کیں، وہ بول پڑی۔ نیلم کی آنکھیں جھٹ سے کھل گئیں۔
"ابھی بھیج دو۔" وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔
باہر اب مکمل سناٹا تھا۔ رات والی رونق، شور شرابا، ناچ گانے کی آوازیں جیسے گہری نیند سو چکی تھیں۔
"ابھی بھیج دیتی ہوں۔ ایک بات کہوں؟" وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔
"سچ بتاؤ........ اپنے بارے میں جو بھی ہے، بالکل سچ۔"
"کیا بتاؤں؟" وہ اپنے ہاتھ کو دیکھ کر بولی۔
"جو بھی ہے اپنے ماں باپ، بہن بھائی سب کے بارے میں اور........ اور اس کے بارے میں بھی۔" وہ رک کر بولی۔
"کس کے بارے میں؟" وہ بے اختیار چونکی۔
"جس نے تُو پیار کرتی ہے اور جس کی........ جس کی نشانی ہے تیرے پاس۔" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔
نیلم دھک سے رہ گئی۔
"ک........ کیسی نشانی؟........ کوئی بھی نہیں۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔
"زہرہ بائی نے دنیا دیکھی ہی نہیں رکھی، برت رکھی ہے۔ خوب ٹھونک بجا کر۔ اُڑتی چڑیا کے پَر گن لیتی ہوں۔" وہ پورے اعتماد سے بولی تو نیلم سوچ میں پڑ گئی۔ بتائے یا نہ بتائے۔
"دیر لگائے گی تو تیری واپسی کا رستہ کھوٹا ہوتا جائے گا۔ جلدی کرے گی تو شاید........ آگے تُو خود سمجھ دار ہے۔" اس نے نیلم کو بیچ میں ذرا دیکھ کر پھر سے کہا۔
"سمجھ دار ہوتی تو یہاں ہوتی؟" وہ منہ میں بڑبڑائی۔
زہرہ بائی اسے دیکھتی رہ گئی۔
"دھوکا دیا اس نے تجھے؟" وہ پھر سے اندھیرے میں تیر چلاتے ہوئے بولی۔ وہ چپ رہی۔
"مجھے تو یہی لگتا ہے۔ پر وہ مانتا نہیں اس بات کو اور اب تو........" وہ چپ کر گئی۔
"سب بول........ بول دے۔ جو تیرے دل میں ہے۔ تیرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے تو آگے کا راستہ سوجھے گا، ورنہ یونہی سر پٹختی رہ جائے گی اور دیر ہو جائے گی۔ پھر میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گی، اتنا سوچ لو۔" وہ آرام سے اس کے پاس ہی نیم دراز ہو گئی۔
اب بتانے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔
اس نے اپنی زندگی کی کہانی پرت پرت اسے سنا ڈالی۔
آخری بات سنتے ہی زہرہ بائی کو جیسے سو واٹ کا کرنٹ لگا، وہ اُچھل کر بیٹھ گئی۔
"ہائے میں مر گئی۔ یہ نامراد لالہ اور داور میرے ساتھ ہاتھ کر گئے۔ نامراد، مجھے "داغی" مال دے گئے اور میں جو زمانے بھر کی بانی بنتی ہوں، ان کے ہاتھوں بے وقوف بن گئی۔ ہائے ہائے، میرا پچاس تو ڈوب گیا۔ نامرادو! تمہارا ککھ نہ رہے، آ جاؤ ایک بار بیچارے، اپنی ٹانگوں پر چل کر نہ جائیں گے، حرام زادے۔" وہ اب فراٹے سے گالیاں بک رہی تھی۔

پھر نیلم کو زور سے پرے دھکا دے کر پلنگ سے اُتر گئی۔
"وے شبیرے!.......شبیرے! ادھر مر لے۔ جا اس پوٹ کو اٹھا کر جدھر کہے، ڈال جا کر۔ ہائے ہائے، میری رقم تو ڈوب گئی۔ پائی پائی ان نامرادوں سے نہ نکلوائی تو زہرہ بائی نام نہیں میرا۔ چل اُٹھ، دفعان ہو یہاں سے۔"
نیلم سہمی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
زہرہ بائی کا رویہ، اس کا اشتعال اس کی سمجھ سے باہر تھا مگر جو بھی تھا، اس کے حق میں بہترین ہو گیا۔
اگلے چند منٹ بعد وہ شبیرے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی گھر کی طرف جا رہی تھی، پورے اٹھارہ گھنٹوں کے بعد۔
وہ گھر جا رہی ہے.......وہ بے حد مسرور تھی۔ گھر جا کر اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، یہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔
گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی جا رہی تھی۔

✿◉......◉✿
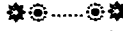
"جاؤ اب تم۔" گاڑی سے اُترتے ہی وہ یوں حکمیہ لہجے میں بولی، جیسے وہ اس کا ذاتی ڈرائیور ہو۔ اس نے بھی سعادت مندی سے گاڑی واپس موڑ لی۔
وہ کچھ دیر یوں ہی کھڑی رہی۔ گلی بالکل سنسان تھی۔ آسمان بادلوں سے اٹا ہوا تھا اور نیچے کو یوں جھکا ہوا، جیسے ابھی برس پڑے گا۔
'مجھے پہلے محمود سے ملنا چاہئے تھا۔' اسے کھڑے کھڑے یہ بات سوجھی۔
'مگر وہ بے ایمان کہاں؟ وہ تو رات کو چلا گیا تھا۔' اس کے دل نے دہائی دی۔
'ہو سکتا ہے میرے چلے جانے کی خبر فوراً ہی سب کو ہو گئی ہو اور وہ نہ گیا ہو اور.......اس 'اور' سے آگے اس سے کچھ سوچا نہیں گیا۔
سرد ہوا کا جھونکا آیا اور اسے کپکپی سی چڑھ گئی۔
'اندر کیسے جاؤں؟' دروازہ بند نہیں تھا، ذرا سا کھلا تھا کہ دستک دینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اس کے باوجود اس کے اندر اتنا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ ذرا ہاتھ بڑھا کر اس کھلے دروازے کو کھول کر اندر چلی جائے۔
شام گہری ہو رہی تھی۔ راستہ ہی گھنٹے دو سے زیادہ کا تھا اور جوں جوں وقت بیتتا گیا، اس کا دل ڈوبتا ہی گیا۔ جانے اسے اب کوئی قبول کرے گا بھی یا نہیں۔
'نہ بھی کرے تو بھی انہیں سب کچھ کھل کر بتا دوں گی۔ ان پردوں نے تو مجھے کہیں کا نہ رہنے دیا۔' اس کے باغی دل نے راہ سجھائی۔
اس نے مڑ کر دیکھا۔ گاڑی جا چکی تھی۔ اب یہاں کھڑے رہنے کا بھی فائدہ نہیں تھا۔ اندر تو جانا ہی تھا۔
وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ صحن میں مکمل سناٹا اور خاموشی تھی۔ اطراف کے کمروں سے بھی کسی قسم کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ رات بھر میں کچھ بھی تو بدلا ہوا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے لگا، سب گھر والے کہیں چلے گئے ہیں۔ کسی فوتگی پر.......فوتگی پر بے اختیار اسے اپنی جوان میت یاد آ گئی، جس کے سرہانے بیٹھ کر وہ رات بھر روتی رہی تھی۔
وہ بے حد بوجھل قدموں کے ساتھ دادی کے کمرے کی طرف بڑھی کہ روشنی صرف اسی کمرے سے آ رہی تھی۔ باقی کمروں میں کسی نے لائٹ بھی نہیں جلائی تھی۔
اس نے آہستگی سے کمرے کی دہلیز سے قدم اندر رکھے اور جیسے پتھر کی ہو گئی۔
دادی کے پلنگ کے گرد تایا، تائی، پھپھو شاہین، احسن مراد اور سارے بیٹھے تھے۔ اور ان ساروں نے بیک وقت اسے دیکھا اور جیسے اس سوئے ہوئے محل کے بتوں میں کسی نے جان، بجلی پھونک دی ہو۔
"تُو......" شاہین پھپھو کے منہ سے سانپ کی طرح پھنکار نکلی تھی اور سر جھکائے تایا بری طرح چونکے اور آنکھیں موند کر لیٹی دادی کو جیسے کسی نے رضائی میں کرنٹ کا جھٹکا لگا دیا ہو۔
"کہاں سے پھر آ گئی کُتیا! رات گزار کے؟" شاہین پھپھو کے اخلاق و زبان پر ان کی امارت نے ذرا بھی اثر نہیں ڈالا تھا۔ جب کسی کو ذلیل کرنے پر آتی تھیں تو اسی طرح سے بازاری زبان میں بولا کرتی تھیں۔
"کیوں آئی ہے یہ اب یہاں.......نکلواسے یہاں سے۔" تایا نے نفرت سے اسے دیکھ کر کہا۔
"مم.......مجھے معاف کر دیں، دادی! میں......." وہ تیزی سے دادی کے قدموں کی طرف لپکی۔ پلنگ کی پائنتی جو اس کمرے میں اس کی مخصوص جگہ ہوتی تھی۔
"دُور......دفع دُور کر و اس ملیچھ کو میرے پیروں سے۔ دفع۔" دادی نے رضائی کے اندر ہی یوں اپنے پیر زور زور سے ہلائے

جیسے ان کے قدموں سے کوئی پلید چیز لپٹ گئی ہو۔

"اب ادھر کیا لینے آئی ہے؟ ہم سب کے جنازوں پر فاتحہ پڑھنے آئی ہے یا اپنی ماں کی قبر پر اگربتیاں جلانے؟ کیا چاہئے اب تجھے یہاں سے، کتی!...... ہم سب کی عزت کا جنازہ تو تُو نے نکال دیا۔ جس یار کے ساتھ بھاگی تھی، کیا اس نے رات بھر کے بعد دھکا مار کر نکال دیا، جو پھر اپنا کالا منہ لئے چلی آئی ہے؟" تائی کی آواز فرانٹے بھرتی، گالیاں بکتی سب کے دلوں کی ترجمانی کر رہی تھی۔

"تائی!...... دادی! خدا کی قسم! میں جان بوجھ کر......" اس نے بے تحاشا روتے ہوئے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"جان بوجھ کر...... کیا جان بوجھ کر؟...... نیند میں اُٹھ کر گئی تھی اپنے یار کے ساتھ، بول!" تائی نے اسے بری طرح سے تھپڑوں سے پیٹ ڈالا تھا۔

"ماریں...... اور ماریں مجھے۔ مگر میں سچ کہوں گی۔ میں اپنی مرضی سے نہیں گئی تھی، ورنہ......"

"تڑاخ......"

شاہین پھپھو نے اُٹھ کر زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا۔

"ایک تو چوری، اوپر سے دیدہ دلیری۔ جھوٹ پر جھوٹ بکے جا رہی ہے اور کہتی ہے اپنی مرضی سے نہیں گئی تھی۔ ساروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھرے پُرے گھر سے غائب ہوئی کہ کسی کو کانوں کان پتہ نہیں چلا اور اب رات گزار کر آئی ہے اور ڈرامہ رچا رہی ہے۔" انہوں نے اسے لاتوں اور مکوں سے بری طرح دُھنکنا شروع کر دیا تھا۔

"ڈرامہ...... ڈرامہ کر رہی ہوں میں؟...... ڈرامہ تو تمہارے بچے نے میرے ساتھ کیا...... اُس نے......" وہ بے تحاشا پٹتے ہوئے پھولی سانسوں کے بیچ بے ربط سی ہو کر بولی۔

"عالی...... عالی کا نام تیری گندی زبان پر آیا تو تیری زبان گدی سے کھینچ دوں گی، حرام زادی!" پھپھو کو اور بھی طیش آ گیا۔ اندھادھند لاتیں مارنے لگیں۔

"ہاں آئے گا میری زبان پر اس کا نام، تمہارے اس شریف، پاکباز بیٹے کا نام، جس نے میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کیا۔" وہ زور سے چلائی۔

کمرے میں لمحہ بھر کو سکوت سا چھا گیا۔

احسن بے قراری سے اٹھ کر کمرے کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

"تو عالی کے ساتھ گئی تھی بھاگ کر؟" بہت دیر بعد تائی کی آواز نکلی تھی۔

"کاش! اس کے ساتھ بھاگی ہوتی۔ اسی کی گاڑی میں تو بیٹھنے کے لئے گئی تھی اور وہ کسی اور کی گاڑی نکلی۔ میں......" بار بار آنسو پونچھتے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

"دیکھا...... دیکھا اس کا ڈرامہ۔ یا مکاری کھیل رہی ہے ہمارے ساتھ کہ ہم پاگل ہیں، اُلّو کے پٹھے جو اس کی کہانی میں آ جائیں گے۔ میرے بچے پر الزام لگاتے، تجھے غیرت نہ آئی، بے حیا؟...... جیسی بے غیرت تیری ماں تھی، اسی کا تو خون نکلی۔ گندا خون...... وہ اس گھر میں۔ پھل تو کھانا ہی تھا سب نے۔ اس وقت......! ہاں! اس وقت کتنا چیخی تھی میں، کتنا کہا میں نے، اس زہر کو، آستین کے سانپ کو مت رکھو اپنے گھر میں۔ ناگن بن گئی ہے۔ دیکھ لیا...... دیکھ لیا نتیجہ، سپنولیے سے ہمدردی کرنے کا؟" عالی کا نام لینے پر ہی پھپھو جیسے پاگل سی ہو گئی تھیں۔ جو منہ میں آیا، بکتی چلی گئیں۔

"سپنولیا تو تمہارا بیٹا نکلا، جس نے میری زندگی کو ڈس لیا۔ بلاؤ، پوچھو اس سے، کون ہوں میں۔" وہ زور سے چلائی تھی۔

"کیا...... کیا پوچھیں اس سے نامراد! کون ہے تُو۔ یہ ہم سے پوچھ، حرافہ ماں کی حرافہ بیٹی! رات بھر منہ کالا کر کے اب کس دیدہ دلیری سے آ کر گلا پھاڑ رہی ہے اور ہم سے پوچھتی ہے کون ہے تُو...... اپنی اوقات کا ابھی بھی تجھے پتہ نہیں چلا۔ رات بھر کی لعنت ہے تیری، ایک رات میں ہی تیرا یار تجھے......"

"بس تائی!...... اس سے زیادہ نہیں سنوں گی۔" اس نے پوری قوت سے تائی کے دوہتڑوں کے جواب میں انہیں پرے دھکیلا۔ "بلاؤ اس شریف زادے محمود عالم کو...... نکاح کیا ہے اس نے مجھ سے...... بلاؤ اس کو، پوچھو اس سے۔ کیا ہے اس نے نکاح یا نہیں؟" وہ بے خوف ہو کر پاگلوں کی طرح چلائی تھی۔

اور کمرے میں جیسے موت کا سناٹا چھا گیا۔

شاہین پھپھو تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ تائی دل پکڑے کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ اور دادی تو جیسے پتھر ہو گئی تھیں۔

"ہاں، نکاح کیا ہے اس نے مجھ سے...... اور اب چھپنے کے لئے مجھ سے بھاگتا پھرتا ہے۔ مجھ سے، میری مجبوری سے کس

طرح فائدہ اٹھایا اس نے۔'' وہ نڈھال سی ہو کر بولی۔

''تڑاخ......''

شاہین پھپھو نے تھپڑ اس کے چہرے پر جما کر مارتے ہوئے اس کے گھنگھریالے بالوں کے گچھے پوری قوت سے نوچ ڈالے۔

''کتیا! جھوٹ، بہتان باندھے جا رہی ہے میرے معصوم بیٹے پر۔ کیا ثبوت ہے تیرے پاس اس گندی بکواس کا؟ بول...... بک، کیا کہے گی؟ کوئی ثبوت، کچھ تو ہو نا۔'' وہ غصے میں پاگل ہو رہی تھیں۔

''ہے میرے پاس ثبوت۔ ایسا ثبوت، جسے وہ بھی نہیں جھٹلا سکتا۔ اس کو بلاؤ پہلے۔''

اس کی بات پر کمرے میں ایک بار پھر گہرا سکوت چھا گیا تھا، سب کی زبانیں گنگ سی ہو کر رہ گئیں۔

''میں کھڑی ہوں، اُس کی ماں۔ بول میرے آگے۔ بتا، کیا ثبوت ہے؟ اگر تیرے اس ڈرامے کا مجھے پہلے سے پتہ ہوتا تو جانے نہ دیتی۔ تیرے جھوٹ کا پول وہ خود کھولتا۔ پر ابھی میں زندہ ہوں، عالی کی ماں۔ اس کی جگہ پر ثبوت دینے کو پہلے بکواس ثابت کر۔'' وہ حواس میں آتے ہی بدحواس ہو کر پھر سے چیخنے لگیں۔

''یہ...... یہ ثبوت ہے۔ میرے پیٹ میں پلتا اس کا بچہ۔'' اس نے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کمال بے خوفی سے کہا۔

اور کمرے میں جیسے موت کے سائے لہرائے اور ایک گمبھیر سناٹا پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

کمرے میں موجود بھی نفوس جیسے سانس لینا بھول گئے تھے۔ ایک جامد چپ...... نیلم آنسو بہاتی انہیں دیکھے گئی، جو ان لمحوں میں اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے تھے۔ اس کی قسمت...... جس کو سنوارنے کے لئے خود سے اپنے ہاتھوں سے اس کے لئے اس نے کتنا بڑا جوا کھیل ڈالا تھا اور داؤ پر لگی پھر اس کی قسمت...... وجود تو کب کا پامال ہو چکا تھا، اس جھوٹی محبت کے جھانسے میں!

اب تو اسے اپنی قسمت کے آخری فیصلے کا انتظار تھا۔ کمرے میں ایک منصف نہیں تھا، ایک دل نہیں تھا جس نے وہ رحم کی پھوٹنے کی دعا کرتی۔

وہاں تو چھ بے رحم اور پتھر دل جگر تھے۔ ان سے اسے رحم کیا، انصاف کی توقع بھی کم تھی۔ مگر اس طویل جامد چپ سے جانے کیوں اس کے دل نے بہت سی اَن سوچی امیدیں باندھ لیں۔

وہ ٹکر ٹکر سب کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

'تو یہ تھا سب میری ریاضت، میری محنت کا ثمر...... لاکھ تربیت کی جوت جگاؤ، فطرت کے اندھیرے غالب آ کر رہتے ہیں کیسی نادان تھی میں، جو فطرت سے لڑنے چلی تھی اور منہ کی کھائی۔''

جملے تھے یا نوک دار پتھر اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دادی کو دیکھتی چلی گئی۔

کمرے میں زندگی پھر سے سانس لینے لگی اور اس کی قسمت کا فیصلہ نوک پر اٹکا۔

سب کی نظریں دادی کی طرف تھیں۔

''تربیت ہار گئی، فطرت جیت گئی۔'' دادی نے شکست خوردہ انداز میں کہا اور تکیے پر سر گرا دیا۔

''جھوٹ...... دادی! جھوٹ۔ تربیت، فطرت سب کی قسمت میں شکست لکھی ہوتی ہے۔ جب قسمت جیتتی ہے...... اور میں نے یہ قسمت ہی تو بدلنے کی کوشش کی تھی...... دادی! آپ...... آپ تو میرا اعتبار کریں...... خدا کی قسم! میں جھوٹ......''

وہ دادی کے پیروں سے لپٹ کر روتے ہوئے فریاد کر رہی تھی۔

''مت خدا کا نام لے بیچ میں...... تُو نے آج مجھے ہرا دیا۔ میں نے سوچا تھا، اس زریں کی فطرت کے آگے تربیت کا بند باندھ کر رہوں گی، پر نہیں جانتی تھی، تخم کا بیج ہی گندا ہے، میری تربیت کیا کرے گی؟ چلی جاؤ، وہیں جہاں سے رات گزار کر آئی ہو۔ اب یہاں تیرے لئے کچھ نہیں۔ جا، چلی جا۔ دوبارہ کبھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔'' دادی نے کسی کتے کے پلّے کی طرح دھتکارا تھا۔

''کیسے...... کیسے چلی جاؤں؟ اس فریبی کو چھوڑ کر؟...... ایک بار تو اس کا گریبان پکڑوں گی، جس نے...... جس نے مجھے اس طرح چوک میں کھڑا کیا ہے اور خود چوروں کی طرح منہ چھپا کر......''

''چور تو تُو ہے کتیا!...... ڈاکہ تو تُو نے ڈالا ہے ہم سب کی عزتوں پر...... کسی اور کے ساتھ منہ کالا کر کے اب اس کا بہتان میرے بیٹے پر لگاتی ہے۔ شریف عورتیں تجھ جیسی نہیں ہوتیں، بے حیا! جو اپنے منہ سے ایسی ڈھٹائی اور بے شرمی سے اپنے گناہ کا اعتراف کریں۔ جیسی ماں، ویسی بیٹی۔'' پھپھو کو دادی کے ہتھیار پھینک دینے سے اور بھی شہہ ملی تھی۔ کسی زخمی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ کر آئی تھیں۔

"بس پھوپھی!......بس......جیسی میری ماں تھی، تم ساری اس سے دس ہاتھ آگے ہو۔ شرافت، دولت کے پردے لٹکا رکھے ہیں تم لوگوں نے اپنے کرتوتوں پر......یہ، یہ سارہ......اس سے پوچھو، کس بے حیائی اور ڈھٹائی سے اس نے لڑلڑ کر تمہارے بیٹے کے لیے ماں سے لڑائیاں کی ہیں۔ اُس کی ماں تھی، سو پردہ ڈال گئی۔ اور اس کی بے حیائی کسی کو نظر نہ آئی۔ اور تمہارا بیٹا......اگر تم میری بات کو جھوٹ ثابت کر دو، خود کو اپنے ہاتھوں سے مار ڈالوں گی۔ اگر آج تم لوگوں نے میرا اعتبار نہ کیا تو......تو......"

اس کی آواز پھٹ پھٹ کر نکل رہی تھی۔ آنسو اور ذہن میں چلتے تیز جھکڑ کچھ بھی سوچے بغیر اسے بولتے چلے جانے پر اُکسا رہے تھے۔

"تو کیا کرے گی، بے غیرت!......کیا کرے گی؟......باہر جا کر تماشا کرے گی لوگوں کے سامنے؟ اپنا یہ لباس تار تار کرے گی؟ جا، جا کر اُتار......تجھے نہ حیا نہ شرم۔ اتار بھی دے گی تو کیا فرق پڑے گا تجھے؟......جا چلی جا یہاں سے۔ اب تیرا کوئی نہیں بیٹا جو تیرے اس ڈرامے کا اعتبار کرے۔"

تائی نے سارہ کے خلاف سچ اُگلنے کا بدلہ اسے خوب پیٹتے ہوئے لیا اور باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے نکالا تھا۔

"تائی!......تائی! میرا اعتبار کرو۔ عالی نے مجھ سے نکاح کیا ہے......وہ مجھ سے......"

"تڑاخ، تڑاخ۔"

پھوپھی کے ہاتھ اس پہ برستے ہی چلے گئے اور اس کی زبان جیسے منہ میں گڑ سی گئی۔

اس نے سرخ، لہو رنگ چہرے، پھٹے ہونٹوں اور زخمی نظروں سے ان بے درد لوگوں کو دیکھا، جو اس کے اپنے تھے اور اب......اب اسے کیسے کسی کتے کی طرح دھتکار رہے تھے اس گناہ کے لئے، جو اس گھر کے شریف سپوت نے اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے کیا اور اب اسے یوں سب کے بیچ چھوڑ کر چلا گیا۔ بے آسرا و بے یارو مددگار!

"مجھے......مجھے عالی کے آنے تک......کہیں نہیں جانا۔ میں نہیں جاؤں گی۔" اس نے آخری مزاحمت کے طور پر کمرے کی دہلیز سے لپٹنا چاہا۔

"میرے بیٹے کا نام بھی تیری زبان پر آیا، فاحشہ! تو تجھے کتوں کے آگے ڈلوا دوں گی۔ اور دفع ہو، یہاں سے نکل اپنی گندی صورت لے کر......جدھر رات گزار کر آئی، وہیں جا کر منہ کالا کر......نکل!" تائی اور پھپھو نے اسے لاتوں اور تھپڑوں سے دہلیز چھوڑنے پر مجبور کر ہی دیا۔

اس نے آخری بار رحم طلب نظروں سے گونگے بہرے بن کر بیٹھے تایا کی طرف دیکھا۔ آنکھیں بند کیے دادی کی طرف اور دیوار سے لگے احسن مراد کی طرف۔

"تائی! دادی! آپ کو خدا رسول (ﷺ) کا واسطہ، ایک بار......صرف ایک بار مجھے خود کو ثابت......احسن!......احسن! للہ تم سمجھاؤ ان کو......تھوڑی دیر......دن......تھوڑے دن......عالی آ جائے۔"

عالی کے نام پر شاہین پھپھو نے اس کے گھٹنوں کے بل کھڑے وجود کو ایک زوردار ٹھوکر لگائی تھی اور دہلیز کی چوکھٹ اس کے سے چھوٹ گئی تھی۔

احسن مراد نے کس بے رخی سے اس سے چہرہ پھیرا تھا، وہ اس ٹھوکر کی چوٹ اور ذلت دونوں بھول گئی۔

یہ وہی احسن تھا، جو کل تک اس کے لئے مرا جا رہا تھا......مگر نہیں، یوں سب کے بیچ تو تب بھی اس کے اندر حوصلہ نہیں تھا بات کرنے کا......تو آج کیسے آ جاتا، اس انتہائی نازک صورتِ حال میں......اور جس کو ساتھ دینا تھا اس موقع پر، اس کا، جب وہی غائب ہو گیا تھا تو باقی کسی اور سے ہمدردی، رحم کی فریاد ہی بے کار تھی۔ اس کے حق میں کسی کی گواہی تو بہت دور کی بات تھی۔

وہ کتنی دیر اسی طرح دوزانو اس چوکھٹ کے آگے بیٹھی اس بے درد لوگوں سے ذرا سے رحم کی توقع کرتی رہی۔ مگر ان سب نے نفرت اور غرور سے اپنی گردنیں اکڑا رکھی تھیں اور چہرے دوسری طرف کر رکھے تھے کہ کہیں انہیں واقعی اس پر رحم آ ہی نہ جائے۔

وہ اپنے ریزہ ریزہ ہوتے وجود کی کرچیاں سمیت کر بہت مشکل سے اپنے قدموں پر کھڑی ہوئی تھی۔

دادی نے یوں آنکھیں موند رکھی تھیں، جیسے ہمیشہ کی نیند سو چکی ہوں۔

"میں جا رہی ہوں......کہاں جاؤں گی، معلوم نہیں......مگر ایک دن......ایک دن آئے گا، آپ سب لوگ میری گواہی دو گے میرے سچ کی......اور تمہارا وہ بیٹا......بہت پچھتائے گا۔ اس دھوکے اور فرار پر بہت پچھتائے گا۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے اور میرا گواہ صرف وہ ہے۔ میری سچائی اور حرمت کا، وہی وہ وقت لائے گا جب تم سب لوگ اپنے اصلی چہرے دیکھو گے اور تھو کو گے خود پر تم سب۔"

اس کے آنسو تھم چکے تھے اور اندر جیسے برف کی سلیں سی جم گئی تھیں۔

آواز میں ٹھہراؤ اور لہجے میں عجیب سی پژمردگی تھی کہ اسے خود بھی لگا کہ اس چار دیواری سے نکلے گی تو شاید گنتی کے چند سانس

بھی نہ لے سکے۔

"یہ دھمکیاں دیتی ہے۔ تیرے جیسے گند کی گراہی کو خدا دیکھ رہا ہے۔ ڈر........ ڈر خدا کے قہر سے۔ اپنی ذات اور
کسی کو بتا رہی ہے اور تھوک تو اپنے چہرے پر جا کر، جس کے گندے حسن نے یہ دن دکھائے ہیں تجھے۔" شاہین پھپھو کی نظر
پر تھی۔ سارہ کی آنکھوں میں تحقیر۔

اس نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور ان کی طرف دیکھا۔

"وہ دن دور سہی، پر آئے گا ضرور یاد رکھنا، جب تمہارے پاس پچھتانے کے لئے بھی کچھ نہیں بچے گا۔ تمہاری
شرافت اور عزت کو آگ لگا دوں گی........ یہ نیلم کا تم سے نہیں، خود سے وعدہ ہے۔ یہ رات یاد رکھنا........ جسے میں یاد رکھوں گی

وہ کہہ کر جانے لگی۔ تائی اور پھوپھی اسے پھر سے دھتکارنے کے لئے نکلی تھیں مگر وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی
بیرونی دروازے تک پہنچ چکی تھی۔

اس نے آخری بار مڑ کر دیکھا، اس ظالم آشیانے کو جہاں سے ایک بار اس کی ماں ایسی ہی شام تھی۔ اور آج وہ خود
واقعات کے بیچ، جیسے اتنے سال آئے ہی نہیں تھے۔

اور وہ شخص........ جو آج ان میں نہیں........ ہوتا بھی تو شاید مجھ سے بھی بدتر سلوک کرتا۔ اگر زندگی میں مجھے کبھی
شاید میں خود پر قابو نہ رکھ سکوں۔ کاش! وہ مجھے اس دنیا میں لانے کا سبب نہ بنا ہوتا۔ کاش! میری ماں مجھے اپنے ساتھ
ہوتی........ کاش!........ ایک کے بعد ایک لامتناہی کاش تھے اور ان کے آگے گھپ اندھیرے۔

کاش! عالی اسے یوں تنہا نہ چھوڑ کر گیا ہوتا........ یہ محبت تو نہ تھی۔ یہ تو کھلا دھوکا تھا۔ اور دھوکے کا بدلہ........ اس نے
سوچ لیا تھا کہ اس دھوکے کا انتقام لینے کے لئے اسے عمر بھر آگ کے دریا سے بھی گزرنا پڑا تو گزرے گی۔ مگر اپنے ساتھ
اس ناانصافی کو کبھی معاف نہیں کرے گی........ معافی کا لفظ اس اندھیری شام میں اس نے اپنی زندگی کی لغت سے کھرچ ڈالا
بہت سارے فیصلے دوسروں کی تباہی کے اس نے اسی شام کر ڈالے تھے، جبکہ وہ جانتی تھی، ابھی اس کے پاس اس
سے نکلنے کے بعد کہیں کوئی پناہ گاہ بھی نہیں۔

مگر اب اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ آہستگی سے اس دروازے سے ہمیشہ کے لئے باہر نکل گئی........ کسی نے بھی اسے پکار

✲✲✲
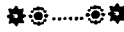
"دیکھ لیا اپنوں کی محبت کا نمونہ........ اس لئے کہتی تھی، مت جاؤ۔" زہرہ بائی اس سے کہہ رہی تھی۔

وہ کسی بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔

باہر نکلی تو موڑ کے پاس ہی بشیر گاڑی لئے مؤدب کھڑا تھا اور اس نے سوچنے کے لئے ایک پل بھی نہیں لگایا۔

دلدل میں تو وہ اُتر ہی چکی تھی، اب یہ دلدل کتنی گہری ہے، اس کا حساب رکھنے کا فائدہ۔

وہ خاموشی کے ساتھ دوبارہ زہرہ بائی کے کوٹھے پر آ گئی۔

"یہ جھوٹی عزت کے ٹھیکے دار اپنی انا کو جھکا سکتے تھے، تمہیں مان لیتے تو پوری دو نسلوں کا شجرہ بگڑ جاتا........ عزت کا نام
جاتا........ اگر وہ تمہیں مان لیتے تو زریں کے طعنے کا مطلب ہی کچھ اور ہو جاتا........ اور نادان پھر بھی انہیں آزمانے چلی
سگریٹ کے کش لیتے ہوئے آنکھیں بند کرتی، کھولتی کہہ رہی تھی۔

"رات........ ایک پوری رات جو آ گئی بیچ میں۔" بہت دیر بعد وہ بولی تھی۔

"اس بات کو مان لے۔ اگر تُو رات کو گھر سے باہر نکل کر لالے کی گاڑی میں نہ بھی بیٹھتی۔ اپنے اس پھوپھی کے پتر کو
کے سامنے یہ سب منوانے پر مجبور کرتی تو کیا وہ مان جاتا؟ سچ سچ کہہ دل پر ہاتھ رکھ کر، وہ بے ایمان مان جاتا؟"

اور نیلم اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"لعنت بھیج۔ بھول جا ان بے وفا، بے درد لوگوں کو، جن کے نزدیک زندگیاں کھلونا ہی تو ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر
پناہ نہیں دیں گے تو مر جائے گی یہ........ تو کیا اب انہیں مر کے دکھائے گی؟ ان کی بات کو سچ کرے گی؟........ جی کر دکھا
بھرپور جینا سیکھ۔ بھول جا انہیں۔" وہ اس کے کندھے پر اپنا آہنی ہاتھ رکھے سمجھا رہی تھی۔

"بھول نہیں سکتی........ بھولوں گی نہیں، مرتے دم تک، جب تک ان سب کو برباد نہیں کر دیتی، سب کو۔" وہ رک کر
زہرہ بائی کا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"شاباش میری شیرنی! دل خوش کیا میرا۔ یہی تو میں چاہتی ہوں تجھ سے........ دیکھ، تُو نے کہا تھا، ایک بار مجھے اپنے گھر
دو، میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ اگر انہوں نے تجھے نہ قبولا تو........ جو تُو کہے گی، وہی مانوں گی۔ یاد ہے اپنا قول؟"

اور نیلم کے پاس سر جھکانے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔

✲◉......◉✲

"بہت مشکل ہے بائی جی!.......اب تو بات بہت آگے نکل گئی ہے۔ ایسا تو آپ سوچیں بھی نہیں.......اب تو.......'
لیڈی ڈاکٹر نے اس کا مکمل معائنہ کرنے کے بعد مایوسی سے کہا تو زہرہ بائی سے کافی دیر کچھ بولا ہی نہیں گیا۔
"کوئی امید، کوئی راستہ؟ پانی کی طرح پیسہ بہاؤں گی۔" وہ پھر حوصلہ کر کے بولی۔
"ایک فیصد بھی نہیں۔ ہاں، اس کی جان گنوانی ہے تو پھر میں کچھ کر سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔" ڈاکٹر نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے کہا۔
"نہیں، اس کو تو کچھ نہ ہو۔" زہرہ بائی اسے بغور دیکھ کر بولی۔
"بس تو پھر انتظار کرو۔ فقط پانچ مہینے ہی تو ہیں۔"
اور زہرہ بائی کے پاس اس انتظار کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ کوٹھے پر رکھ کر سارے میں اس نے اپنی بدنامی نہیں کرانی تھی۔ اس ہیرے کو ان چھوا بنا کر کئی گنا دام وصول کرنا چاہتی تھی۔ برتا ہوا مشہور ہو جاتی تو زہرہ بائی کا پچاس ہزار تو ڈوبتا ہی، اسے اپنے محل کی یہ آخری روشن کرن بھی بجھانی پڑتی۔
سیٹھ حیات اس کی آخری امید تھے، جو کل ہی چھ مہینے کے لئے ملک سے باہر جا رہے تھے۔
شہر سے باہر ان کا بنگلہ خالی تھا، زہرہ بائی نے اس سے چابی لے کر نیلم کو دو ملازموں کے ساتھ وہیں منتقل کر دیا۔ خود بھی کبھار رات کے اندھیرے میں اس کا پتہ کرنے چلی آتی۔
نیلم کے اندر بھاگنے کی، اُڑنے کی ہر قسم کی خواہش مر چکی تھی۔ اسے بھی بچے کی پیدائش کا انتظار تھا۔ ابھی وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی۔

✲◉......◉✲

ایک اور اندھیری رات ایک لمبے انتظار کے بعد اس کی زندگی میں آ گئی تھی
"بچہ ہے۔" درد سے بے حال اس نے مدھم سی سرگوشی سنی تھی، وہ نیم بے ہوش تھی۔
"اور یہ بچی ہے۔" اس نے گہرے اندھیروں میں اترنے سے پہلے آخری مدھم آواز سنی تھی اور پھر سب کچھ تاریک ہو گیا۔

✲◉......◉✲

جب اسے ہوش آیا تو اس کے پہلو میں بچی تھی.......اس نے جلدی سے دوسرے پہلو کی طرف دیکھا۔ وہ خالی تھا۔
وہ بے قراری اٹھ بیٹھی۔
"میرا بیٹا کہاں ہے؟"
زہرہ بائی جو بچی کی پیدائش پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی، بری طرح سے چونکی۔
"بیٹا.......بیٹا کون سا؟"
"پہلے بیٹا ہوا تھا.......میرے ساتھ مذاق کر رہی ہو بائی؟ کہاں چھپایا ہے اسے؟" وہ بری طرح سے چلائی۔
"پاگل ہوئی ہے۔ میں کیوں چھپانے لگی بچے کو؟.......چھپاتی تو اس چاند کے ٹکڑے کو نہ چھپاتی، جسے دیکھتی ہی زہرہ بائی پھر جوان ہو گئی۔" وہ بچی کو چومتے ہوئے بولی۔
"مجھے تو جی ڈاکٹر صاحب نے دوائیاں لینے بھیج دیا تھا۔ واپس آئی تو وہ جا رہی تھیں، ان کا کوئی اور کیس آ گیا تھا۔" ملازمہ گھبرا کر کہہ رہی تھی۔
"پاگل ہو گئی ہے نیلم.......ڈاکٹر کو بھلا کیا ضرورت تھی یہ گھٹیا حرکت کرنے کی؟ پھر چوکیدار گیٹ پر موجود تھا۔ وہ بچہ کیسے لے جاتی؟" زہرہ بائی نے اسے ٹوکا۔
"تم نہیں سمجھو گی۔ اس نے ایسا ہی کیا ہے۔ پتہ کرو اس کا، ورنہ میں خود۔" اور کہتے ہوئے کراہ کر گر گئی۔
"کلینک تو بند پڑا ہے کئی دنوں سے.......اتنی مشکلوں سے اس کے گھر کا پتہ ڈھونڈا، گھر پر تالا پڑا ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"
بہت دنوں بعد زہرہ بائی نے اسے بتایا تھا اور وہ بس دیکھتی رہ گئی۔ پتہ نہیں، ابھی اس کی قسمت میں کتنے دھوکے درج تھے۔

❁

اُسے اپنے بچے کا کہیں نشان تک نہ مل سکا۔ اس کے مضطرب و بے قرار دل کو ایک اور روگ لگ گیا۔
صرف ایک بار ڈاکٹر رخشندہ سے بات ہو سکی
اور وہ بھی شاید اس کا واہمہ ہی تھا کہ وہ ڈاکٹر رخشندہ تھی۔ اس نے شدتِ جذبات میں جب خوفناک دھمکیاں دیں اور دوسری طرف سے جواب سننا چاہا تو لائن بے جان ہو چکی تھی۔ شاید وہ کسی رانگ نمبر پر بولتی رہی تھی۔
اس نے تھک کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔
زہرہ بائی کے وفادار ملازم نے دن رات اس کے رونے پر جانے کیسے یہ نمبر حاصل کیا تھا اور اُسے ملا کر دیا تھا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ بس اس ناسور کی جڑیں بننا شروع ہو گئیں، جو اسے اندر ہی اندر زہریلا کرتا چلا گیا۔
جتنا اس کی لاچاری و بے بسی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اسی قدر اس کے دشمن بڑھتے جا رہے تھے۔
دل میں غصے، انتقام اور نفرت کی آگ تھی اور خود وہ جیسے زنجیروں میں جکڑی جا چکی تھی۔
زہرہ بائی کے تقاضوں میں جبر آتا جا رہا تھا اور اسے پھڑپھڑانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ صرف ایک ہی راستہ تھا، اپنی ذات کا سودا۔ جبکہ وہ کوئی پروفیشنل بھی نہیں تھی، جو گا کر، رقص کے جوہر دکھا کر زہرہ بائی کے تقاضوں کی شدت کو کم کر سکتی۔ آج، کل، پرسوں یا اس کے بعد آنے والے تمام تر دنوں میں اسے یہی کام کرنا تھا اور وہ کیسے کرے، یہ سمجھانا اور دل کو اس پر آمادہ کرنا بے حد مشکل تھا۔ بہت مشکل۔

✻◉.....◉✻
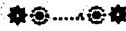
''او گلزار! اٹھا اس بالشت بھر کی چھوکری کو اور ملتان میری بہن کے ڈیرے پر چھوڑ آ۔ وہ سارے گر، سارے ہنر اس کے خون اور ہڈیوں میں ایسے سموئے گی کہ آنے والے سالوں میں لوگ پچھلے وقتوں کی امراؤ جان کیا، ہر طرح زہرہ بائی کو بھول جائیں گے اسے۔'' وہ لائبہ کو پہلو میں لٹائے ان ہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ زہرہ بائی کسی سفاک تھانے دار کی طرح اس کے سر پر آ چلائی۔
نیلم نے ہراساں نظروں سے ایک نظر زہرہ بائی کے تیوروں کو دیکھا اور دوسری نظر اپنے پاس لیٹی، ہاتھ پاؤں مارتی اس ننھی جان کو۔
حرافہ ماں کی حرافہ بیٹی۔ یعنی جیسی ماں، ویسی بیٹی۔ لوگوں کے پاس عورت کو پرکھنے کا ایک ہی پیمانہ تھا اور یہ پیمانہ اس کی بیٹی پر بھی اسی دن سے لاگو ہو گیا تھا، جب وہ اس کی گود میں آئی تھی یا اس نے اس دنیا میں پہلا سانس لیا تھا۔ اس کی ماں طوائف نہیں تھی مگر پھر بھی زندگی نے اس کی بیٹی کے ساتھ ایک طوائف زادی کا سا سلوک کیا تھا اور اس کی اپنی بیٹی جبکہ وہ خواہ مخواہ طوائف بنی جا رہی تھی، کیا کہلوائے گی؟ اور زمانہ کس نام، کس کردار سے جانے گا۔
لمحہ بھر کا خیال تھا اور وہ اندر تک کانپ کر رہ گئی۔
گلزار آگے بڑھ کر لائبہ کو اٹھانے لگا۔ نیلم نے تیزی سے اسے اٹھا کر اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔
''تُو اپنی ماں کے میکے میں چھلہ گزارنے آئی ہے منحوس! جو پلنگ ہی نہیں چھوڑ رہی۔ بہت ہو گئے تیرے نازنخرے، بہت گیا بھن بنی رہی۔ اب بچی جنی ہے تو ماں تا گلے کو آ رہی ہے۔ چھوڑ اسے۔'' وہ آدم خور چڑیل کی طرح لائبہ کو جھپٹنے کے لئے اس طرف بڑھی تھی۔
''نہیں......نہیں دوں گی میں اسے۔ اور جو تم چاہتی ہو، اس کے لئے تو بالکل بھی نہیں۔''
اب کیا وہ سب کچھ زمانے کی نرمی کے مطابق ہی کرتی چلی جائے؟
''تو کیا کرے گی، چاؤ چونچلوں سے پالے پوسے گی اسے، شریف زادیوں کی طرح؟ بول!'' وہ غصے میں آگ بگولہ ہو کر بولی۔
''تو ہوں نا شریف زادی۔ تو میری بیٹی بھی......'' اتنی چوٹیں کھا کر بھی دردسہنا نہیں آیا تھا۔ بائی کا طعنہ پرانی چوٹ پر تھا۔

ح لگا تھا۔

"شریف زادی...... ابھی بھی شریف زادی۔" تابڑ توڑ اس نے تین چار تھپڑ نیلم کے منہ پر جڑ دیئے۔ "یہ ہوتے ہیں شریف
یوں کے لچھن۔ کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی اور سارے کُل کمل بھی گئے۔ ارے تم نے تو ہم...... ہم کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اب
نول کی بکواس چھوڑ اور دھندے کی بات کر۔" وہ آج آر پار کرنے کے موڈ میں تھی۔

"تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گی۔" چار تھپڑ کھانے کے دوران بھی اس نے لائبہ پر اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کی تھی۔

"چل نہیں لگاتی۔ پھر تُو خود کو تو لگانے دے۔" وہ خباثت سے آنکھیں نچا کر بولی۔ نیلم کی نظریں لائبہ پر جم سی گئیں۔

"دس لوگ آس لگائے بیٹھے ہیں۔ ابھی تو میرا وہ پچاس پورا نہیں ہوا جو تیری مدارات میں اٹھا۔ اس کا حساب الگ۔ ابھی تو تُو
ف ان کی ادائیگی کا سوچ۔ قرض ہے تیرے اوپر، قرض۔"

اور وہ زہرہ بائی کو دیکھتی رہ گئی۔ کہتی بھی کیا، سنتا یا سمجھتا کس نے تھا؟

اور یہ کیسا قرض تھا، جس کی پائی بھی اس نے خود سے خرچ نہیں کی تھی۔

"تم اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچو گی۔" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"ائے ہئے، میں کیا سٹھیا گئی ہوں جو ابھی سے اس چار انچ کے بارے میں سوچ کر ریشہ خطمی ہوں گی۔ اس کے دن بھی آئیں
گے......"

"خبردار...... خبردار آگے ایک لفظ بھی بولا اس کے دن...... اس کے بارے میں سوچنے والے دن تیرے اوپر کبھی نہیں
ئیں گے۔ ابھی اس کی ماں زندہ ہے۔" وہ کسی جوالا مکھی کی طرح تڑپ کر اٹھی تھی۔

زہرہ بائی خوامخواہ ہنس پڑی۔ شاید اس کے بودے دعوے کی حقیقت پر ہنسی تھی۔

"چل پھر تُو طے کر جو کرنا ہے۔" ہنسی سے فارغ ہو کر وہ خالص کاروباری انداز میں بولی۔

"اس کے بارے میں ہر فیصلہ میرا ہوگا۔ یہاں ایک کمرہ صرف میرا اور میری بچی کا ہوگا اور میری غیر موجودگی......" گلے میں
کچھ اٹک سا گیا کہ اس کی غیر موجودگی کی "وجہ" یہاں صرف ایک ہی ہو سکتی تھی۔ "میں...... اس کی دیکھ بھال کے لئے نیک، شریف
رت......"

زہرہ بائی پر اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے دوسری بار ہنسی کا مصنوعی دورہ پڑ گیا۔ ورنہ وہ تو بہت کرخت مزاج، روکھی عورت
تھی۔ ہنسنا تو درکنار، اتنے دنوں میں نیلم نے اسے مسکراتے بھی نہیں دیکھا تھا۔

"اے...... آج کیا مجھے پاگل کرے گی ہنسا ہنسا کر؟...... رہنا کوٹھے پر، تقاضا کرنا شریف نیک عورت کا۔ کس کو اُلّو بنا رہی
ہے؟"

وہ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں صاف کرتے ہوئے اسی روکھے پن سے بولی۔

"پھر میری کوئی گارنٹی نہیں۔" وہ فوراً ہتھے سے اُکھڑ کر بولی۔

"تجھے تو میں منٹوں میں ٹھیک کر لوں گی۔ او گلزار...... لے پکڑ اس بالشت کو۔" اس نے پھر سے دروازے کے پاس مستعد
کھڑے گلزار کو آواز دی اور نیلم کا سارا طمطراق رخصت ہو گیا۔

زہرہ بائی اطمینان سے بیٹھ کر پان کھانے لگی اور وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اس جگہ جو کچھ بھی طے ہونا تھا، زہرہ بائی کی
مرضی سے ہونا تھا، اتنا تو اس کی سمجھ میں بھی آتا جا رہا تھا۔

✲ ...... ✲

زہرہ بائی نے نیلم کے اطمینان کے لئے ایک عورت کا بندوبست کر دیا تھا، لائبہ کو سنبھالنے کے لئے۔ اب وہ شریف تھی یا نہیں،
اس کا تقاضا نہ نیلم نے کیا تھا، نہ زہرہ بائی نے۔ اس کی کچھ ایسی "تسلی" کروانا ضروری سمجھا۔

تھوڑی سی ٹریننگ کے بعد زہرہ بائی نے اسے "رونمائی" کے لئے تیار کروا دیا۔

وہ اگرچہ دلدل میں آ چکی تھی، مگر پھر بھی ابھی غرق نہیں ہوئی تھی۔ ہاتھ پاؤں تو نہیں مار رہی تھی، مگر جانے کیوں غرق ہونا بھی
نہیں چاہتی تھی۔ وہ اب خود کو "لائبہ" اور اپنے گم شدہ بیٹے کی تلاش کے لئے بچانا چاہتی تھی۔

ہاں، کبھی کبھی دل میں اُبال ضرور اُٹھتا کہ جس طرح محمود عالم نے اسے دغا دیا ہے اور اس کی ماں کی گندی زبان اور رکیک
الزامات نے اس کی رہی سہی عزت نفس بھی تار تار کی ہے، وہ بھی اس کے خون، اس کی نسل کو اس منڈی کا سب سے انمول ہیرا بنا کر
سر بازار سجادے اور کم از کم اس دن محمود عالم اور شاہین کو تو ضرور بلوائے۔

اور شاید وہ ان خطوط پر سوچتی چلی جاتی، اگر اسے عقل کی ایک دوسری شاندار راہ نہ سجھاتی۔

منڈی میں محمود عالم کی بیٹی تو سجے گی، مگر نیلم کی نہیں۔ محمود عالم اور سارہ کی بیٹی۔

اور وہ بتائے گی ان ساروں کو، دیکھو یہ ہوتا ہے خون کا اثر۔ تربیت کی ڈھال اور قسمت کی چال۔ جس پر سب مہرے چاہے شاہ ہوں یا پیادے، کس بری طرح پٹتے ہیں۔

اس قسمت نے تو اسے ہرایا تھا۔

اور اس لمبے گیم میں جیتنے کے لئے بہت وقت، بہت صبر اور بہت سا پیسہ چاہئے تھا اور ان سب کے لئے اسے خود کو قربان کرنا ہی ہوگا۔

اور زہرہ بائی حیران سی رہ گئی، جب رونمائی کے بعد وہ کام میں یوں جت گئی، جیسے پیدائشی یہیں کی ہو۔ اس کے لئے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

بظاہر وہ کسی روبوٹ کی طرح بائی کی ہدایتوں پر عمل کر رہی تھی، مگر اندر سے جیسے سنگلاخ ہوتی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی تو اسے لائبہ دیکھ کر ایسے سفاک خیالات ابھرتے کہ شاید وہ گلا گھونٹ کر اسے مار ہی دیتی اور ایک آنسو نہ بہاتی۔

لائبہ پانچویں سال میں تھی، جب اس نے اسے دوسرے شہر کے بورڈنگ میں داخل کروا دیا۔ وہ وہاں رہنا نہیں چاہتی تھی، اتنا ٹوٹ کے بکھر کے روئی کہ نیلم کو لگا، وہ یہیں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اس سارے گورکھ دھندے سے کہیں دور بھاگ جائے۔

"یہ آنسو اس کے لئے بہت ضروری ہیں۔ پانی کے ہیں، اسے زیادہ دکھ نہیں دیں گے۔ مگر میرے پاس رہی تو ایک دن خون کے آنسو روئے گی۔ نہیں، نہیں......اب مجھے اپنے دل کو پتھر کرنا ہی ہوگا۔"

اس نے یکدم لائبہ کو اپنی بانہوں کے گھیرے سے پرے جھٹکا اور پھر اس دن کے بعد سے اس نے کبھی اسے خود سے قریب نہیں آنے دیا۔

✲⊙......⊙✲

"اب تو اس دھندے میں جان رہی ہے نہ مال۔ روزمرہ گزراوقات مشکل ہوتی جا رہی ہے، کمبخت عیاشی کیا ہوگی۔" تین چار سالوں میں ہی زہرہ بائی کو نظر آ گیا تھا، نیلم کی کہانی دو چار سال بعد ٹھپ ہو جائے گی۔

"آج کل جس کو دیکھو، منہ اٹھائے فلم کی طرف جا رہا ہے۔ ادھر تو سارا بازار اجڑ گیا۔ چاہے ہیروئن کے پیچھے لائن میں لگ کر گھڑے اٹھا کر مٹکتی رہیں، مگر چانس ضرور لینا ہے جیسے لوگ ان فلمی دنیا کے ستاروں کو بڑا شریف سمجھتے ہیں۔"

نیلم اس کی اس بے تکی تمہید کا مقصد نہیں سمجھی۔

مگر اگلے روز آنے والے دو فلم ڈائریکٹرز نے جس طرح اسے شوکیس میں سجی کسی نمائشی چیز کی طرح پرکھا اور زہرہ بائی کو "او کے" ہونے کی خوشخبری سنائی، اسے سب سمجھ میں آ گیا۔

"نیلم نہیں، کوئی اور نام ہو، یونیک سا۔" ایک ڈائریکٹر نے شاید اپنے فن میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی، مسلسل اس پر ٹکٹکی لگائے شاید اس کا ایکسرے کر رہا تھا۔

"تو آپ ہی کچھ فرمائیں خواجہ صاحب!" زہرہ بائی لجاجت سے بولی۔

"یاقوت......تمہارا پتھر بھی قیمتی بائی! اور نام بھی۔" وہ پیلے گندے، پان اور سگریٹ نوشی کی کثرت کا شکار دانت باہر نکال کر ہنسا۔

"لو جی......سر جی! کیا نام بتایا ہے۔ جس طرح ہماری بیوٹی کوئین کی مارکیٹ میں آتے ہی دھوم مچ جائیں گی، اسی طرح اس انوکھے نام کی بھی۔ کیا نام ہے جی۔ یاقوت......واہ واہ!" یہ اسی ڈائریکٹر کا کوئی چمچہ تھا، یوں سر دھن رہا تھا جیسے سر جی نے کوئی چوٹی سر کی ہو۔ اور نیلم نے بھی اس نام کو ہنسی خوشی قبول کر لیا۔

کیا فرق پڑتا تھا، وہ نیلم ہوتی یا یاقوت۔ دونوں ہی تو پتھر ہوتے ہیں۔ اور اس کے گرد موجود سب لوگوں نے آج تک اسے پتھر ہی تو سمجھا تھا اور پتھر کا سا سلوک کرتے رہتے تھے۔

اور وہ، جو محمود عالم کی بیٹی کو کسی دن منڈی میں سجانے کے خواب دیکھ رہی تھی، آج خود اسی میں سجنے جا رہی تھی۔ خوابوں کی قیمت کتنی بھاری ہوتی ہے۔ پہلی فلم کے پہلے شوٹ کے لئے تیار ہوتے وہ اسی پتھر دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

✲⊙......⊙✲
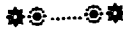
اور مات یہاں بھی زہرہ بائی کا مقدر رہی۔

وہ کون سا اس بازار کی پیداوار تھی، جو دنوں میں ناچنا مٹکنا سیکھ جاتی۔ کوریوگرافر کی ہزار محنت، ڈائریکٹر کی سر کھپائی مگر نیلم کے لئے یہ کام بہت مشکل تھا۔ پھر بھی اس نے جیسے تیسے کر ہی لیا۔

فلم بری طرح پٹی تھی مگر لوگوں میں اس کی پہچان بن گئی تھی۔ ایک نئے خوبصورت چہرے کے اضافے کے طور پر۔

اور یہ "اضافہ" دو تین سالوں تک محض اضافہ ہی رہا۔ تین سالوں میں آنے والی دو فلمیں بھی بس یونہی سا بزنس کر سکیں اور چوتھی کا رسک لینے کی کسی پروڈیوسر نے ہمت نہیں کی۔

جس دن اس کی تیسری فلم کے پرنٹس بھی سارے سینماؤں سے اُتر گئے، اس دن زہرہ بائی کے کوٹھے پر سوگ منایا گیا۔

اور نیلم نے دل میں شکر کیا، اس مصیبت سے تو جان چھوٹی۔ جس طرح ڈانس کر کر کے وہ ہلکان ہوتی تھی اور پھولی سانسوں کے دوران اس منحوس ہیجڑے نما کوریوگرافر کی جھڑکیاں اور ڈائریکٹر کی بکواس سننی پڑتی، اس سے بچت ہو گئی۔

"سوچا تھا، چل پڑے گی چار فلموں میں تو ہمارے بھی دن پھر جائیں گے۔ پر اپنا تو وہ حال ہے، کمبخت سونا بھی "دھندے" میں لگاتے ہیں تو مٹی بن جاتا ہے۔ ایسی موہنی صورت، ایسا قیامت جسم اور نصیب......." سارا دن وہ ٹھنڈی آہیں بھر بھر کے نیلم اور اپنے نصیبوں کو جی بھر کر کوستی رہی۔

اور اندر کمرے میں اندھیرا کئے پڑی نیلم کے کانوں میں جیسے اس کی ایک بھی آواز نہیں پڑی تھی۔ اسے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ بس ایک منظر بار بار آنکھوں کے سامنے پھرتا تھا، جو اس کے پردۂ بصارت پر جیسے نقش ہو کر رہ گیا تھا۔

کل یونہی مارکیٹ سے گزرتے اس نے محمود عالم اور سارہ کو گاڑی سے نکلتے دیکھا اور ان کے پیچھے ان کی گھریلو ملازمہ تین چار سال کی چھوٹی سی گڑیا جیسی بچی کا ہاتھ تھامے آ رہی تھی۔ وہ چاروں سامنے بنے شاپنگ مال میں چلے گئے اور نیلم کے دل و دماغ میں جیسے بہت بھونچال سا برپا کر گئے۔

"تو اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ نیلم! تجھے قدرت کس طرح تیرے بنائے ہوئے منصوبے کے مطابق آسانیاں دے رہی ہے اور تُو یہاں بیٹھی سوگ منا رہی ہے۔ بازار میں بھی سج گئی اور اپنی ڈھنگ کی بولی بھی نہ لگوا سکی۔ تف ہے تجھ پر۔' کوئی اندر بیٹھا للکار رہا تھا۔ وہی جس نے ساری منصوبہ بندی اس کے دماغ میں پہلے سے کر رکھی تھی، آئندہ کے بیس سالوں کی۔

'نہیں، میں خود کو یوں پھر سے ہارنے نہیں دوں گی۔ مجھے کچھ بن کر دکھانا ہو گا۔ کچھ ایسا کہ یہ سب میرے اور میری طاقت کے سامنے تنکے کی طرح بہہ جائیں۔ مجھے ان سے بہت سے حساب کتاب چکانے ہیں، جو یوں یہاں پڑے پڑے، غم مناتے نہیں چکائے جائیں گے۔'

وہ تڑپ کر اُٹھ بیٹھی۔ مگر اس تڑپن کا بھی کچھ فائدہ نہیں تھا۔ اسے کوئی بھی رستہ نہیں سوجھ رہا تھا۔

ہر طرف تاریکی، اندھیرا اور بے بسی......شاید وہ اسی طرح رات اندھیروں میں سسک سسک کر ایک دن مر جائے گی اور اس کی جگہ اس کی بیٹی آ جائے گی، جس کے مہنگے ترین اخراجات پورے کرنا اب اس کے بس سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ یونہی تو یہ بائیاں آخری عمر میں خون تھوکتی نہیں مرتیں۔ ساری عمر خود کو بیچنے کے بعد اتنا آسرا بھی نہیں ہوتا کہ بڑھاپے کے چند سال آسودگی کے ساتھ گزار سکیں۔

شاید اس کے ساتھ بھی یہی ہونے والا تھا۔

اس کے انتقام کے خواب، اس کے بڑے بڑے بول سب اس کے منہ پر مارے جانے والے تھے کہ اس کے پاس جیتنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ مایوسی نے چاروں اور سے اسے گھیر لیا تھا۔

انہی مایوسیوں کے اندھیرے میں جہانگیر ہمدانی اس کے لئے روشنی کی جگمگاتی کرن بن کر آیا تھا۔

✲◉......◉✲

جہانگیر ہمدانی سے اس کی ملاقات ایک پارٹی میں ہوئی، جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر دل گرفتہ سی الگ تھلگ بیٹھی تھی۔

"کس قدر خوب صورت نظارہ ہے، جسے کوئی آنکھ والا ہی دیکھ سکتا ہے۔"

اس کے بائیں طرف سے گمبھیر مردانہ آواز نے اسے چونکایا تھا۔

"آپ اس اندھیرے میں بیٹھی دور سے یوں جگمگا رہی تھیں، جیسے چودھویں کا مکمل چاند ہو اور آپ کے عقب میں جو پیڑ ہیں، وہاں ٹمٹماتے جگنو یوں دکھائی دے رہے تھے، جیسے چاند کے گرد جھلملاتے ستارے۔" وہ اس کے سامنے آ کر بولا تو اتنے سالوں کی مشق کے باوجود نیلم اس تعریف پر کسی نوخیز لڑکی کی طرح سمٹی تھی۔

یہ ان کی ملاقات کا ابتدائیہ تھا۔ اس کے بعد جہانگیر کی لچھے دار گفتگو اور دل موہ لینے والی باتوں نے نیلم کو کچھ اور ہی سوچنے پر مجبور کر دیا۔

وہ جو عمر بھر کے لئے محبت کے نام سے نفرت کرنے لگی تھی، از سرِ نو اس جذبے کو دل میں پڑی راکھ میں ٹٹولنے لگی۔

جہانگیر ایک بزنس مین تھا۔ خوبرو، گھاگ اور باتوں کے ذریعے دلوں سے کھیلنے والا مشاق کھلاڑی۔ مگر نیلم سے اس کا رویّہ بہت والہانہ اور ہمدردانہ تھا۔

اس رات جب وہ اپنے ٹھکانے پر واپس آئی تو دونوں کے درمیان اگلی ملاقات کی جگہ اور وقت دونوں طے ہو چکے تھے۔
رات اگر زہرہ بائی کی تھی تو دن اس کا اپنا ہوتا تھا۔ چاہے تو دن بھر آرام کرے، چاہے کہیں شاپنگ یا سیر کو نکل جائے۔ زہرہ بائی نے اس پر روایتی نائیکہ والی جارحانہ قسم کی پابندیاں نہیں لگا رکھی تھیں۔ ہاں، ایک بات جس کی خبر اسے پچھلے پانچ سال کے دوران نہیں ہو سکی تھی، اس کی خبر اس وقت ہوئی، جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔
وہ اس کی خفیہ نگرانی ہمہ وقت، دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کرواتی رہتی تھی۔ اس کے ہمزاد کی طرح کوئی سایہ تھا، جو اسے کبھی نظر نہیں آیا۔
جہانگیر سے دوسری ملاقات پہلی سے بھی زیادہ خوشگوار اور باا ثر ثابت ہوئی۔ اس نے دوسری ملاقات میں ہی اسے ڈائمنڈ رنگ اپنی دوستی کے حلقے میں شامل کرنے کے نام پر پہنا ڈالی تھی۔
اگرچہ اس کے دل خوش فہم نے اسے کسی اور ہی زاویے سے لیا تھا۔
اس نے یہ انگوٹھی بائی سے چوری اپنے خفیہ لاکڈ کیس میں رکھ لی تھی۔ بہرحال اسے لائبہ کے اخراجات کا بھی انتظام رکھنا ہوتا تھا اور برے دنوں میں خون تھوکتے، بے بسی کی موت بھی نہیں مرنا تھا۔
ان دنوں زہرہ بائی نے اس سے ایک عجیب سا تغافل برت رکھا تھا۔ نیلم نے اس کی وجہ نئی آنے والی ''برکھا'' کو سمجھا، جو لائی تو اس کی طرح باہر سے گئی تھی، مگر جانے کیسے ان چوباروں کے ابتدائی اسرار و رموز اسے مہینہ بھر میں از بر ہو گئے تھے۔ آواز بھی اچھی تھی اور جسم میں لوچ بھی خوب تھا۔ زہرہ بائی کا کوٹھا ایک بار پھر بارونق ہوتا جا رہا تھا۔ شاید اسی لئے بائی کی توجہ ساری کی ساری اسی کی جانب تھی اور نیلم کو جہانگیر سے روابط بڑھانے کے خوب مواقع مل گئے۔
''تم شادی شدہ ہو؟'' ایک دن بہت ان دیکھے، پریشان وسوسوں سے گھبرا کر اس نے جہانگیر سے پوچھ ہی لیا۔
''اونہہ........ اس کے لئے کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔ تعلیم، پھر بزنس، یہ معاملے کیسے دیکھتا؟ پھر یہ تو والدین کا ارمان ہوتا ہے وہی نہ رہے تو........''
اور نیلم کے دل میں گہرا سکون اتر گیا۔
''اب سوچ لو، اب تو بزنس ہی ہے۔'' اس نے فراخ دلانہ مشورہ دیا۔
''یہی سوچ رہا ہوں۔ بلکہ جلد ہی عمل کرنے والا ہوں۔'' وہ نظریں اس پر جما کر ذو معنی انداز میں بولا تو نیلم سے کچھ دیر بولا ہی نہ گیا۔
''لڑکی دیکھ لی؟'' اب معاملے کو آگے بھی تو بڑھانا تھا، سو پوچھنا پڑا۔
''دیکھی سمجھو۔'' وہ سگار پیتا، مخمور نظروں سے تکتا کیسے دل کو بھاتا تھا کہ اس کے خیالوں نے تو محمود عالم کی تصویر کو دھندلا دیا تھا۔
پھر بہت سارے دن بیت گئے۔
جہانگیر ہمدانی نے جلد ہی عمل والے فیصلے کے بارے میں کوئی بات ہی نہ کی۔ وہ منتظر رہی۔ اگرچہ اس کے انداز میں اب جس طرح کی بے اختیاری و بے باکی آتی جا رہی تھی، اس کی نیت کو سمجھنا مشکل نہیں رہا تھا۔
مگر اب کے وہ صحیح انداز سے سب کچھ کرنا چاہ رہی تھی۔
کیا وہ بھی اسے کوئی بکاؤ مال سمجھ کر یوں بے باک ہوا جا رہا ہے یا مستقبل میں اس پر ملنے والے کسی استحقاق کے خیال سے؟
''تم مجھ سے شادی کرو گے؟'' اگلا دور........ نازک ترین مرحلہ بھی سوچ سوچ کر اس نے خود ہی طے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
''یہ میری خوش قسمتی ہو گی، اگر ایسا ہو جائے۔''
اُس کی بات پر وہ کتنی دیر دم بخود بیٹھی رہ گئی۔ وہ بھی جواب دے کر یوں فارغ ہو کر بیٹھ گیا، جیسے شادی کر ہی چکا ہو۔
''میں بھی یہی چاہتی ہوں۔'' نظریں جھکا کر اس نے پیادہ آگے بڑھایا۔
''تو پھر دیر کیسی؟'' وہ اُس کی طرف جھک کر بولا۔
نیلم اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔
'آگے کیا کہے؟ آگے کے مرحلے نے اس کی زبان جکڑ لیا۔ کیا اس سے یہ کہے کہ زہرہ بائی سے آ کر میرا رشتہ مانگ لو۔
اس کا تعلق کس بازار سے ہے، جہانگیر نے کبھی اشارتاً بھی اسے نہیں جتایا تھا اور یہ تو ناممکن سی بات تھی کہ اسے اس کا علم نہ ہو۔
مگر خود سے یہ سب زبان پر لانا کس درجے مشکل تھا۔ وہ دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔

٭ .... ٭

''یہاں........ یہاں اپنے سائن کر دو۔'' وہ چند دن بعد اس کے سامنے کچھ پیپرز رکھے کہہ رہا تھا۔ پیپرز کے اوپر انگلش میں

بہت کھوکھلا نظر آ رہا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" وہ کچھ حیران سی ہو کر بولی۔
"تمہارا پاسپورٹ بنوا رہا ہوں۔" وہ یوں مطمئن ہو کر بولا جیسے اس سے پہلے ہی سب مشورہ کر چکا ہو۔
"میرا...... مگر کیوں؟"
"تم وہیں رہو گی نا، جہاں میں جاؤں گا۔ اتنا تو سمجھتی ہو نا۔" وہ کچھ ایسے انداز میں بولا کہ نیلم سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔
"لیکن جہانگیر...... یہ" وہ متذبذب سی ہو کر بولی۔
"اونہہ...... یاقوت کے نام سے سائن کرنا۔ آئندہ یہی تمہارا نام ہو گا۔" وہ جو پین چلانے لگی تھی، جہانگیر اسے ٹوک کر بولا اور اسے ایک بھولی بسری شناخت یاد کرا ڈالی۔ فلم انڈسٹری سے وابستہ تلخ ترین یادیں۔ تو وہ اسے یہاں تک جانتا تھا۔
"یہاں لوگوں میں ذوق نہیں رہا، اب ہم دنیا میں ذرا با ذوق لوگ ڈھونڈیں گے۔" وہ سائن کر رہی تھی، جب وہ بولا۔ اور وہ اپنے دھیان میں قطعاً اس کی بات نہیں سمجھی۔
"مگر جہانگیر! یہ کیسے ممکن ہو گا؟" پیپرز لپیٹ کر اسے دیتے ہوئے وہ کچھ پریشانی سے بولی۔ جہانگیر کے ساتھ جانا، بائی کی اجازت کے بغیر کیسے ممکن تھا؟
"ڈونٹ وری۔ میں جو ہوں۔ سب سنبھال لوں گا۔" وہ اسی طرح سگار پیتا رہا اور ایسے مرد کی تو اسے ضرورت تھی، جو اس پر کسی بھی پریشانی کا بوجھ ڈالے بغیر سینہ ٹھونک کر کہے۔ "ڈونٹ وری، میں سب سنبھال لوں گا۔"
کاش! یہی سب محمود عالم نے کیا ہوتا۔
عالی...... ! اس کے دل سے ہوک سی اُٹھی۔
'شاید اب میں ٹھیک ہوں۔ مجھے رائٹ مین اسی طرح، اسی وقت پر ملنا تھا۔' اس نے تقدیر کو زور آور جانتے ہوئے بڑی نیاز مندی سے سر جھکا دیا۔

✲✲......✲✲

اس روز جہانگیر ہمدانی نے اسے صبح ہی بلوا لیا تھا۔ دونوں نے ناشتہ بھی اکٹھے کیا۔ وہ پہلی بار اس کے گھر آئی تھی اور حسرت بھری نگاہوں سے اس شاندار رہائش گاہ کو دیکھ رہی تھی، جو "گھر" تھا، کوٹھا نہیں۔
"تم فریش ہو لو تو پھر نکلیں۔" وہ اس سے بولا تو وہ بری طرح سے چونکی۔
"کیا مطلب...... کہاں نکلیں؟" وہ حیرت سے بولی۔
"ابھی فی الحال تو دبئی جاتے ہیں، اس کے بعد آگے کی سوچیں گے۔" وہ اسی طرح مطمئن لہجے میں بولا تو نیلم کچھ دیر بول ہی نہ سکی۔
"یہ کیسے ممکن ہے جہانگیر! میں اس طرح تمہارے ساتھ...... جبکہ زہرہ بائی...... تم جانتے ہو نا" وہ آخر میں اٹک اٹک کر بولی۔
"اسی لیے تو تمہیں پہلے سے کچھ نہیں بتایا تھا، یونہی تم نے پریشان ہوتے رہنا تھا۔ اب تم کوئی بھی خیال، کوئی بھی فکر اپنے دماغ میں نہ رکھو۔ سب اٹھا کر اس کچرے کے ڈسٹ بن میں ڈال دو۔ میرے ساتھ ایک دم سے تازہ، فریش ہو کر چلو۔ باقی سب بھول جاؤ۔"
وہ کتنے مزے سے کہہ رہا تھا، جیسے اس کے پیروں میں پڑی بیڑیاں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔
"مگر جہانگیر! میری بیٹی ہے، لائبہ۔" وہ پریشانی سے بولی۔
"بورڈنگ میں ہے نا۔ اور تمہارا اسے مستقل اُدھر ہی رکھنے کا ارادہ ہے۔ اب تم اس شہر میں رہو یا کہیں بھی، تمہیں اس کی فکر نہیں ہونی چاہئے۔ صرف اسے بھیجنے والے اخراجات کی فکر ہونی چاہئے اور وہ سب اب میری ذمہ داری ہے۔ سو ہری اپ!" اس نے چٹکیوں میں اس کی ہر پریشانی، ہر خوف کو حرفِ غلط کی طرح مٹا ڈالا تھا۔
"تم میرے بارے میں سب جانتے ہو؟" وہ دل شکستگی سے بولی۔
"ہوں...... جن سے محبت کی جاتی ہے، ان کی ہر فکر، ہر خوف کا دھیان رکھنا ہی پڑتا ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ اٹھو اب جلدی کرو۔ دو بجے ہماری فلائٹ ہے۔"
"میرا سامان...... میں تو کچھ بھی نہیں لے کر آئی۔" اسے دوسری پریشانی نے گھیرا۔
"پھر وہی؟...... تم چلو تو سامان بہت۔ بلکہ جو چاہئے ہو گا، تم وہیں سے میرے ساتھ لے لینا۔ اب اٹھ چلو۔"
یوں اتنی جلدی، اتنی اچانک یہ سب ہو جائے گا، اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ پھر جہانگیر جیسے شاندار، ہینڈسم کامیاب بزنس مین کا ساتھ...... اسے اپنی قسمت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ وہ جیسے خواب میں چل رہی ہو، یوں سج سج کر قدم اٹھا رہی تھی۔
جہانگیر نے دو چار ضروری فون کئے اور وہ فریش ہو کر بے یقین سی اس کے پاس آ بیٹھی۔
اس نے کس محبت اور یقین کے ساتھ اسے اپنی بانہوں میں لیا کہ پل بھر کو وہ ہر خوف سے آزاد ہو گئی۔
اس کی دوستانہ، محبت بھری باتیں، اس کے دلاسے اور زندگی بدل جانے کی نوید نے اسے اندر سے تھوڑا تھوڑا طاقتور کر ڈالا۔
جانے سے پہلے اس نے لائبہ کے بورڈنگ فون کر کے ضروری ہدایات اور جہانگیر کے بتانے پر اپنا نیا ٹیلی فون نمبر بھی انہیں لکھوا دیا اور لائبہ کا خاص خیال رکھنے کی بھی تاکید کر دی۔ یہ بھول کر کہ وہ ماں ہو کر اس کا خیال نہ رکھ سکی تو محض پیسے کے زور پر وہ کیسے ان کے لئے ''خاص خیال'' رکھنے والوں کو پابند کر سکتی ہے۔
وہ زندگی کا نیا سفر شروع کرنے جا رہی ہے، نئے ہم سفر کے ساتھ۔ اس لئے اب صرف اور صرف اچھی باتیں سوچنی چاہئیں۔
جہاز میں جہانگیر کے پہلو میں بیٹھے اس نے مسکراتی نظر جہانگیر کے چہرے پر ڈالی اور مطمئن ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ اب اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ اسے پتہ بھی نہیں چلا کہ وہ تقدیر کے ہاتھوں ایک بار پھر بڑی رضامندی سے دھوکا کھانے جا رہی ہے۔

٭......٭
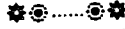
''جہانگیر! ہم شادی کب کریں گے؟'' ان کی رفاقت کو یہ تیسرا دن تھا، جب اس نے بار بار دل میں مچلتا یہ سوال کر ہی ڈالا۔ اور جہانگیر ہمدانی کا اس کے چہرے پر ہاتھ اٹھ گیا۔
''اِتنوں کا بستر...... کے بعد بھی تجھے شادی کا شوق لگا ہے'' اس نے ایسی گندی بات کی کہ نیلم کو لگا، وہ کھڑی کھڑی غرق ہو جائے گی۔
وہ اتنی تیزی سے بات کہہ کر اب بڑا اطمینان سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تیار ہو رہا تھا۔
''سوری!'' آئینے میں اسے کسی بت کی طرح ساکت کھڑے دیکھ کر اس نے کہا۔
''تو پھر تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' وہ غرق نہیں ہوئی تھی بلکہ کھڑے کھڑے اپنے قد سے دوگنا ہونے کی کوشش میں پہلا قدم اٹھا کر بولی۔
اب اسے اپنی ''حیثیت'' اور ''اوقات'' سب ہی پتہ چل گئے تھے۔ اور اسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس بار بھی تقدیر کا داؤ بھاری رہا تھا۔ وہ پھر سے جیت کر ہار گئی تھی۔
اور اس کی جیت تو یوں بھی نظر کا دھوکا تھا، ورنہ تو وہ ہاری ہی ہاری تھی۔
''ہاں، یہ تم نے اچھا سوال کیا۔ میں اس پر تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔'' وہ اس کے پاس آ کر یوں دوستانہ انداز میں بولا، جیسے ابھی چند لمحے پہلے دونوں کے بیچ کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔
''ابھی چھ ماہ تو تمہیں سلیف گرومنگ کے کچھ کورسز کرنا ہوں گے، اس کے بعد طے کیا جائے گا کہ تم کیا کر سکتی ہو۔'' وہ خالص کاروباری انداز میں بول رہا تھا۔
''اور یہ کورسز کون سے ہوں گے؟'' وہ بغیر غصہ دکھائے اسی کے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ وہ محمود عالم سے محبت کی بازی ہار گئی تھی تو جہانگیر کے ساتھ تو ابھی اس کے جذبات کی کلی نے سر بھی نہیں اٹھایا تھا۔ اسے کچلنا، مسلنا کون سا دشوار تھا اور اس نے سب سے پہلے یہی کام کیا تھا۔
''ابھی پتہ چل جائے گا۔ تمہیں وہیں لے کر جا رہا ہوں۔'' وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔
''اور دیکھو یاقوت! تم پہلے ہی بہت وقت ضائع کر چکی ہو۔ اگر تمہیں کچھ بننا ہے، بننا نہ بھی سہی، صاف لفظوں میں ڈھیر سارا مال و دولت کما کر خود کو اس معاشرے میں منوانا ہے تو پھر تمہیں ان فضول سستے بازاری جذبات کو بھول کر خالص اپنے لئے کام کرنا ہوگا اور اس کام کی رکاوٹ جو بھی بنے، خواہ تمہارا اپنا دل ہو یا ضمیر، اسے پیروں تلے روند ڈالو۔ تب ہی تم کامیابی کی اس بلند چوٹی کو چھو سکو گی، جو تمہارا مقصد ہے۔ ہے کہ نہیں؟'' اس نے رک کر سوال کیا تھا۔
اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''یہ باتیں میں تمہیں روز روز بتاؤں گا، نہ سمجھاؤں گا۔ ہم دونوں کو اب ریس کا گھوڑا بننا پڑے گا۔ انتھک محنت اور سرپٹ دوڑ۔ دیکھنا پھر کامیابی ہمارا مقدر بنے گی۔ رکنا نہیں، سوچنا نہیں۔ ہمارے پاس وقت ہی نہیں ہوگا۔ آئندہ چند سالوں میں اس شہر کی قسمت ترقی و کامرانی کا ایسا جگمگاتا تاج پہننے والی ہے، جو پوری دنیا کی نگاہیں خیرہ کر دے گی۔ ہمیں، تمہیں اس چمک میں سے اپنا حصہ بٹورنا ہے۔'' وہ کسی منجم کی طرح آنے والے دنوں کی پیش گوئی کر رہا تھا۔
''اور تم نے جو جو کچھ خود سے کہنا ہے، پوچھنا ہے، مجھ سے پوچھ لو۔ خود کو سمجھا لو۔ مگر اس کے بعد نہیں۔ میں نہ تو ''نہ'' برداشت

کہوں گا، نہ شکل و حجت۔ ہر جائز، ناجائز سب کچھ کرنا ہوگا۔ کامیابی کی گارنٹی میری۔" اور نیلم اسے دیکھ کر رہ گئی۔
وہ زہرہ بائی کے چنگل سے نکل کر ایک سفاک مرد کی قید میں آ گئی تھی۔ زہرہ بائی سے عورت ہونے کے ناتے کبھی کبھار کچھ نرمی کا پہلو نکل آتی تھی، مگر جہانگیر کا اصل چہرہ کس قدر شقی تھا، اس کا اعلان اس کی باڈی لینگویج کر رہی تھی، جس کا احساس اسے اتنے پہلی مکمل ملاقات میں بھی نہیں ہو سکا تھا۔
مگر اب اس احساس کا کچھ فائدہ نہیں تھا، اس کے سارے خسارے جہانگیر کی سخت گیری کے توسط سے سہی، اگر کامیابی میں ملے جا رہے تھے تو برا کیا تھا۔ اسے بھی تو یہی سب کچھ چاہئے تھا۔ کم از کم اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لئے اسے ڈھیر سارا پیسہ، نئی شناخت اور ایک نام چاہئے تھا۔ تینوں چیزیں اس کے سامنے تھیں اور اسے صرف انہیں حاصل کرنے کے لئے ماضی اور ماضی سے وابستہ جذبات بھلانا تھے اور وہ یہ سب کرنے کے لئے تیار تھی۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے بہت سے فیصلے کر لئے اور آخری بار ایک نظر اس منحوس ماضی پر ڈالی اور اس کا ورق ہمیشہ کے لئے پھاڑ دیا۔
اس نے چھ ماہ کے سیلف گرومنگ کورسز یوں کئے کہ کچھ دیر کو تو جہانگیر بھی حیران رہ گیا۔
"یو آر ریئلی جینئس۔" وہ اس بدلی ہوئی یاقوت کو دیکھ کر ششدر سا تھا۔
اب ان دونوں نے مل کر اپنا بزنس پلان شروع کیا۔ اور یہ عقدہ بھی یاقوت پر اس دن کھلا کہ جہانگیر کا اصل بزنس تو یہی تھا۔
کم بخت مرد لڑکیاں گھیرنا، انہیں اسمگل کر کے برضا و رغبت لانا نسبتاً مشکل کام تھا، اس کے لئے اسے یاقوت جیسی کسی راز دار اور وفا جذبے سے مالا مال عورت پارٹنر کی ضرورت تھی اور وہ اسے مل گئی اور منصوبے بنانے اور ان پر عمل کرنے میں اس کا دماغ زرخیز تھا۔
یاقوت کا حُسن و جوانی"...... وہ ایک ٹکٹ میں دو مزے لینے لگا۔ کلائنٹس مہنگے ترین وہ گھیر کر لاتا اور یوں دونوں ہر ڈیل میں برابر کے حصے دار بن جاتے۔
شروع کے کچھ سال انہیں لندن میں بھی گزارنے پڑے۔ وہ لائبہ کو اپنے ساتھ ساتھ شہر بہ شہر، ملک ملک گھماتی رہی مگر بے حد فاصلے پر۔ بیٹی سے ملنا وہی سال میں ایک یا دو تین چار دنوں کے لئے اور بس۔ ہاں کبھی کبھی وہ لائبہ کی ضد سے مجبور ہو کر اسے ہفتہ دس دن کے لئے کسی اپارٹمنٹ میں بھی رکھ لیتی اور اس دوران دوسری تمام تر سرگرمیوں سے کنارہ کر لیتی اور اس عرصہ میں اس نے جہانگیر کو بیٹی سے ملنے سے منع کر رکھا تھا۔ حالانکہ شروع میں جہانگیر ہی یاقوت کے ساتھ لائبہ سے ملنے جاتا رہا تھا۔
مگر اس روز جب وہ لائبہ کی چودھویں سالگرہ پر اسے اپنے ساتھ ہوٹل اُس کی برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے لے گئی، جہانگیر ان کے ساتھ تھا۔
صرف ایک لمحہ لگا تھا، اسے جہانگیر کی گندی نظر پڑھنے میں۔ جب لائبہ کیک کاٹتے ہوئے جھک کر موم بتیوں کو پھونک مار رہی تھی جہانگیر کی بے خود نظریں اس پر جمی تھیں۔ بلیک ٹاپ میں سے چھلکتا لائبہ کا نوخیز حُسن اور جہانگیر کی بے قرار نظریں۔
اس نے کھڑے کھڑے کیک پیک کروا کر لائبہ کو ہاسٹل چھوڑا اور اس دن کے بعد وہ جہانگیر کو نہ کبھی لائبہ سے ملوانے لے گئی، نہ کبھی خود گھر میں اسے گھر بلوایا۔
بلکہ ایک بار لائبہ نے کہا کہ انکل جہانگیر اس سے ملنے آئے تھے تو اس نے سختی سے بورڈنگ کی انتظامیہ سے اور لائبہ سے کہا کہ اس کے سوا اور کسی سے ملنے کی اس کو اجازت نہ دیں۔ یوں اس کا لائبہ سے ملنا اور بھی محدود ہو گیا۔
لائبہ کے دل میں ماں کے حوالے سے جذبات باغی ہوتے چلے گئے۔ مگر یاقوت کو یہ بغاوت اس خرابی سے بہت کمتر لگتی، جو جہانگیر کے ساتھ آ کر رہنے میں تھی۔
اور وہ دونوں مستقل دبئی آ گئے۔
یہاں کا ملک واقعی کامیابی و ترقی کا جگمگاتا تاج پہن چکا تھا، جس کے بارے میں ایک دن جہانگیر نے کہا تھا۔
یہاں دبئی میں اس نے ڈریس ڈیزائننگ، میک اپ، جیولری اور اس طرح کی فیلڈز سے متعلق سب ہی شارٹ، لانگ کورسز بھی اور ایک اکیڈمی سے باقاعدہ ڈانس بھی سیکھا۔ وہ سب کام جو زہرہ بائی اس کی رضامندی کے بغیر کروا رہی تھی اور اس سے ہوتے نہ تھے، اب اپنی خوشی اور رضامندی سے وہ کس آسانی سے سیکھتی چلی گئی۔
مگر اب اسے ان آرٹس کے سیکھنے یا خود کو بہتر بنانے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اب ان سب شعبوں میں ماسٹر کی سی سند رکھتی تھی۔
پھر انہوں نے دبئی میں اپنی اس طرح کی شاپس کھولیں جہاں آنے والی لڑکیاں کسی نہ کسی طرح کچھ ایسے گھیر لی جاتیں کہ وہ پھر کبھی ان کے چنگل سے باہر نہ نکل سکتیں۔ یوں ان کے بزنس کی جڑیں مضبوط تر ہوتی چلی گئیں۔
پھر یاقوت کو لگتا، وہ کسی سونے کی کان میں آ بیٹھی ہے۔ اس کے پاس اتنا روپیہ پیسہ، بینک بیلنس تھا کہ کبھی گننے یا

حساب رکھنے کا بھی ٹائم نہیں ملا تھا اسے۔
اس کے خیال میں اب وقت آ گیا تھا کہ وہ واپسی کا قصد کرتی اور اپنی زندگی کے ان دو اہم ترین کاموں کو سرانجام دے ڈالا کرتی، جس کو مکمل کرنے کے لئے وہ اس دل میں اُتری تھی۔
اس سارے سفر میں وہ ایک واہمے کی طرح موجود مگر ایک یقین کی طرح لہو میں سرایت کرتے اپنے بیٹے کے خیال کو بھلا نہ سکی تھی، واپس تو اسے آنا ہی تھا۔

✿◉......◉✿
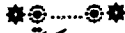
زہرہ بائی اس کی زندگی کے بھولے ہوئے باب کا کوئی صفحہ بن چکی تھی، جب اس نے جہانگیر کے نام آیا اس کا طویل خط پڑھا وہی خون تھوکنے والی بیماری اسے لگ چکی تھی اور وہ ایڑیاں رگڑ رہی تھی مگر دو وقت کی روٹی کے لئے اس کے پاس کچھ نہ اس نے جہانگیر کو اس کے وعدے، قسمیں اور اس ایگریمنٹ کی بوسیدہ فوٹو کاپی بھجوائی تھی، جس کے تحت وہ یاقوت کو اپنے جا کر اس سے کمانے والی دولت میں سے چالیس فیصد زہرہ بائی کو ادا کرنے کا پابند تھا۔
ایک اور پردہ جو اس کی آنکھوں سے اُٹھ گیا۔
اور وہ جو سمجھتی تھی کہ زہرہ بائی، برکھا کی وجہ سے اس سے تغافل برت رہی ہے، وہ سب شعوری تھا۔
وہ جان بوجھ کر اسے جہانگیر سے ملنے کے مواقع فراہم کر رہی تھی۔ دونوں کے درمیان پہلے سے اس کا سودا طے ہو چکا تھا شرائط بھی لکھی جا چکی تھیں۔ سائے کی طرح زہرہ بائی کا آدمی جو نیلم کا پیچھا کرتا تھا، جہانگیر کے ساتھ موجود ہونے پر اکثر کیوں نظر آتا تھا، اسے سب کچھ سمجھ میں آتا چلا گیا۔
ہاں، یہ بالکل درست ہے۔ وہ اس برفیلی رات میں غلطی سے جس جال کے پھندے میں پیر رکھ چکی تھی، وہاں سے نکلنا ممکن نہ تھا یہ ایسا اُلجھا ہوا، گورکھ دھندا تھا، جس کو اسے سمجھتے اتنے سال لگ گئے مگر ایک بات عیاں تھی کہ وہ اس غلطی کو پلٹا نہیں سکتی تھی زہرہ بائی کے چنگل سے نکل بھی جاتی تو جہانگیر ہمدانی جیسا کوئی بھی بیوپاری اسے با آسانی شکار کر لیتا۔
اور اب تو ان باتوں سے کچھ حاصل بھی نہیں تھا اور دیکھا جائے تو یہ جہانگیر ہمدانی ہی تو تھا، جس نے اسے دولت کی اس چکا چوند روشنیوں میں لا کھڑا کیا تھا۔ ورنہ وہ بھی اب تک زہرہ بائی کے پاس پڑی اپنے بدن کے زخموں کو چاٹتی مکھیوں کو بھی ہٹانے سے نا تواں ہوتی اور جہانگیر جیسے اپنے کسی سابقہ قدردان کو خط لکھ لکھ کر امداد کی درخواستیں کر رہی ہوتی۔
اس نے سب سوچتے ہوئے اس خط کو وہیں پھاڑ دیا جسے جہانگیر بھی کسی نچلی دراز میں ڈال کر بھول چکا تھا۔ اس خط کی اہمیت اس کی نظر میں بھی اتنی تھی کہ اس نے اسے ضائع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔
یہ آخری پھانس بھی اس کے دل سے نکل گئی۔ یوں بھی اس سے اس کے تنفس میں کوئی رکاوٹ تو تھی نہیں، سو وہ آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

✿◉......◉✿
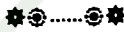
''یہ ہمارا پرانا، سمجھو آبائی گھر ہے۔ بوسیدہ اس قدر ہو چکا ہے کہ اب کوئی ملبے کے طور پر بھی اسے خریدنا پسند نہیں کر رہا، البتہ پلاٹ بہت قیمتی ہے۔ اس بار میں اسے بھی سیل کر کے جاؤں گا۔'' وہ دونوں اس کھنڈر نما گھر میں داخل ہوئے تو جہانگیر کہنے لگا۔
''ایک دو دن جب تک تمہیں کسی پوش ایریا میں گھر اور دفتر پسند نہیں آ جائے۔ فی الحال یہیں رہ لو یا کسی ہوٹل چلیں؟''
جانے کیوں وہ اسے ادھر لے آیا تھا، جس کے اونچے اونچے ابوالہول جیسے کمرے اور برج تھے، جنہیں دیکھ کر رات کے اس اندھیرے میں خوف سا آ رہا تھا، جبکہ اس کا کچھ حصہ ہی روشن تھا۔
''رات گزار لیتے ہیں، کل دیکھیں گے کچھ۔'' وہ تھکی ہوئی تھی اور مزید کہیں جانے کی ہمت بھی نہیں تھی۔
''ارے ملازم تو ہیں ادھر دو۔ کھانا منگوا لیں۔ پہلے تم فریش ہو لو، پھر بیٹھ کر آگے کی پلاننگ کریں گے۔'' وہ اسے اس بڑے سے نسبتاً صاف اور ذرا سجے ہوئے بیڈروم میں لے آیا۔ کمرے کے روشن دان، رنگین ٹوٹے شیشوں والے تھے۔
اور یاقوت کو ایک بھولی بسری یاد نے گھیر لیا۔ اس کی نانی کا وہ پرانا سا گھر.......
''اوہ!........ یہ تو بالکل اس سے ملتا جلتا ہے۔'' لمحہ بھر اس خیال پر ٹھٹکتے ہی اسے دوسری سوچ نے چونکایا۔
پھر تو غول در غول سوچوں کے کبوتر اس کے اردگرد پھڑ پھڑانے لگے، جن کو اپنی دانست میں وہ سالوں پہلے لپیٹ کر کہیں دفن کر چکی تھی۔
''نہیں جہانگیر! میں صرف آرام کروں گی۔ پلیز، اگر تمہیں برا نہ لگے تو میں اکیلی ذرا ریسٹ کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس وقت جہانگیر کی رفاقت بھی برداشت نہیں کر رہی تھی، جس کی وہ بہت عادی ہو چکی تھی۔

"کوئی گھر کو کھاتو لو۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا تو اس نے انکار کر دیا۔

"میں ابھی ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ بہت دیر میں آؤں گا۔ یہ گھنٹی ہے۔ جب چاہو ملازم کو بلا لینا اور یہ اس طرف کمرہ ہے۔ اگر کہتی ہو تو کسی اچھے ہوٹل میں......"

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔ بس تھک گئی ہوں۔ تھوڑا آرام کروں گی۔ میرے لئے اس وقت یہی سب سے ضروری ہے۔" اس نے نیم دراز ہو کر کہا تو جہانگیر کندھے اچکاتا باہر نکل گیا۔

"میں نے اسے کیوں بھیج دیا؟...... کیا اس ہولناک، پُراسرار جگہ پر میں ان منحوس یادوں سے کھیلنا چاہ رہی ہوں جن کا ہر سرا بلانے سے جڑا ہے؟" وہ جہانگیر کے جاتے ہی گھبرا کر سوچنے لگی۔

✲◎......◎✲
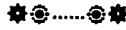
وہ رات کا جانے کون سا پہر تھا، جب سوتے میں اس کا گلا بے حد خشک ہوا۔ اسے اس گھنٹی کا بھی خیال نہیں آیا، جس کا جہانگیر بتا گیا تھا۔

شاید رات کا آخری پہر تھا۔

اس کی نیند بھی پوری ہو چکی تھی۔ بڑے سے صحن میں چاند اور ستاروں کی کھلی ہوئی روشنی تھی۔ ہلکی سی ٹھنڈک کے ساتھ خوشگوار ہوا تھی۔ وہ پیاس کو بھول کر اس صحن میں ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ کر اس حسین نظارے میں گم سی ہو گئی۔

"اپنا وطن، اس مٹی میں خوشبو اور کشش ہے، جس نے مجھے مسحور کر دیا ہے۔" وہ اپنی سوچ پر خود ہی ہنستے ہوئے اُٹھ گئی کہ وہ ایسے کسی جذبے سے آشنا نہیں تھی۔

یکدم سے کوئی کڑک دار آواز کہیں سے آئی۔

وہ بری طرح سے چونکی تھی۔ آواز کدھر سے آئی تھی، وہ سمت کا تعین نہ کر سکی۔

دوسری بار جب وہ آواز ہوا کے دوش پر تیرتی اس کے کانوں تک پہنچی تو اسے معلوم ہوا کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ وہ آہستہ قدم اٹھاتی اس ٹوٹے پھوٹے اندھیرے برآمدے کی طرف بڑھی، جو صحن سے کافی نیچے تھا۔ بڑے بڑے بوسیدہ ستونوں نے چاند اور ستاروں کی روشنی کو برآمدے میں داخل ہونے سے روک رکھا تھا۔

برآمدے میں کھڑی ہو کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگی کہ آواز کہاں سے آئی ہے۔

"کہاں مر گیا کمبخت! پانی پلا۔" وہی گرج دار آواز اس اندھیرے میں اُبھری تو یاقوت کو اندازہ ہوا، وہ برآمدے کا آخری سرا تھا۔

وہ آہستہ چلتی اُدھر پہنچی۔ اب تک اس کی آنکھیں اندھیرے سے کچھ مانوس ہو چکی تھیں۔

"ارے...... پانی...... موت پڑ گئی تجھے؟" وہ کسی عورت کی آواز تھی۔

یاقوت کی دوسری نظر اس کے پلنگ کے ایک طرف پڑے مٹی کے گھڑے اور پیالے پر پڑی۔

اس نے آگے بڑھ کر پانی پیالے میں نکال کر اس عورت کی طرف بڑھایا، جو پلنگ پر یوں ہوشیار بیٹھی تھی، جیسے یہ رات نہیں، کوئی پہر ہو۔

"پانی"...... بے پہلے جانے کیسے اس کی زبان سے نکل گیا۔

"کون ہو تم؟" اب یاقوت کو اس کا چہرہ اور چہرے کے جھریوں بھرے نقش بھی کچھ کچھ دکھائی دے رہے تھے۔

عورت نے دیوار پر ہاتھ مار کر پرانے سے سوئچ بورڈ کے تین چار بٹن نیچے گرائے اور زیرو پاور کا مدھم سا بلب جل اٹھا۔

یاقوت اسے دیکھ کر بری طرح سے ڈر گئی۔

اس عورت کے اوپر کے دھڑ کے نیچے...... نیچے کچھ بھی نہیں تھا۔

دونوں ٹانگیں...... وہ جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔

عورت کمزور بینائی کی وجہ سے آنکھیں سکوڑ سکوڑ کر اب یاقوت کا جائزہ لے رہی تھی۔

"کون ہے تو؟" اب کے وہ اسی پُر جلال لہجے میں بولی۔

"تمہیں میں نے کہاں دیکھا ہے؟...... تمہارا نام...... کیا نام ہے تمہارا؟" یاقوت اُلجھی اُلجھی نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"تجھے مطلب...... پانی لا ادھر۔" وہ پیاسے لبوں پر زبان پھیر کر بدلحاظی سے بولی۔

"پہلے بتا، کون ہے؟ پھر پانی دوں گی۔" یاقوت کو بھی اس کی کمزوری کا پتہ چلا تو اکڑ کر بولی۔

"اچھی مصیبت ہے۔ یہ کمبخت کہاں مر گئے...... تُو......"

"نام بتا اپنا۔" اب کے یاقوت ڈپٹ کر بولی تو عورت کچھ ڈری سی گئی۔

"ز.......زریں......." وہ اٹکتے ہوئے بولی اور یاقوت کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ پیالے کا مائع اس کے پیر بھگو گیا۔ مگر اسے ہوش ہی کہاں تھا۔

یک ٹک اس بوڑھے، بدصورت چہرے اور بے دھڑ کے جسم کو دیکھتے ہوئے اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔
"آ.......آغا فیاض کی بیوی؟" میکانکی انداز میں اس کے لبوں سے نکلا تھا اور اب کے عورت کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ یہاں جیسے موت کے سناٹے چھا گئے تھے۔

"آخ تھو۔" بہت دیر بعد اسے ہوش آیا تو اس کے پلنگ کے پاس تھوک کر وہ دوڑتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔
عورت پیچھے سے شاید چیخی تھی، مگر اسے کوئی آواز سنائی نہ دی۔
دوسرے پل وہ گھر سے نکل آئی تھی۔ وہ اب کمزور سی نیلم نہیں تھی، جو گھر کی دہلیز پر کھڑے ہونے سے پہلے بھی سو بار سوچا کرتی تھی۔ وہ یاقوت تھی.......میڈم یاقوت.......!
پہلے وہ اس شہر میں کسی معذور و مجبور غلام کی طرح رہتی تھی، وہ اس شہر کو فتح کرنے آئی تھی اور فتح کرنے والے ڈرا نہیں کرتے، سو وہ کیوں خوف زدہ ہوتی۔
رات کے اس پہر وہ اکیلی، تاریک سڑکوں پر جا رہی تھی اور اسے کوئی ڈر نہیں تھا۔ یوں بھی ڈر تو انہیں ہوتا ہے، جن کو کچھ لٹنے کا ڈر ہو۔ وہ تو اپنا سب کچھ لٹا چکی تھی، اب تو وہ سب کو لوٹنے آئی تھی، سو بے دھڑک چلتی چلی گئی۔

✽◉......◉✽
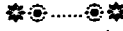
"ابا کی عاشقی کی نشانی تھی۔ ویسے جوانی میں تھی سونے کی کان۔ یہ جو میں نے بزنس کی "جاگ" سمجھتی ہو نا، دودھ کو دہی بنانے کے لئے جو لگاتے ہیں، اسی زریں کے کمائے ہوئے مال سے لگائی تھی۔ پر منحوس ایک ایکسیڈنٹ میں دونوں ٹانگیں کٹوا بیٹھی۔ اس لئے تو فارغ مال ہو گئی۔ پر ابا کے دل سے اس کی عاشقی نہیں گئی۔ جب تک زندہ رہے، کمبخت کو محبوبہ بنا کر گھر میں سجائے رکھا۔ میں تو گھر کی حفاظت کے لئے ایک دو ملازم رکھے ہوئے تھے، وہی اس بڑھیا کی دیکھ بھال کرتے رہتے۔ ورنہ اکیلی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جانے کب کی مر کھپ گئی ہوتی۔ پر خیر، میں بھی آج اس کا انتظام کر آیا ہوں۔"
وہ بڑے مگن انداز میں آئینے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی، جب جہانگیر اسے خود ہی بتانے لگا۔
یاقوت نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"لاوارثوں کے سینٹر میں چھوڑ آیا ہوں۔ اب جب دل چاہے، آرام سے مرے۔ کفن تو مل ہی جائے گا۔ گھر تو سمجھو دنوں میں ہی نکل جائے گا۔ اب کوئی مسئلہ نہیں۔" جہانگیر کا موڈ صرف اچھی عورت اور ہاتھ آتا ڈھیروں ڈھیر پیسہ خوش کرتا تھا۔ سو وہ اس سے بہت خوش تھا۔ "اچھی عورت" سامنے تھی اور پیسہ ایک دو دن میں آنے والا تھا۔
اور یاقوت کے دل کو ذرا بھی کچھ نہیں ہوا اس عورت کے اس آخری عبرت ناک انجام پر، بلکہ شاید اس کا انجام اس سے بھی اذیت ناک ہوتا تو اسے اور بھی سکون ملتا۔ ویسا سکون، جیسا اس شام زریں کے چہرے پر تھا، جب وہ اس کی قسمت کا فیصلہ سناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"تمہاری اولاد ہے، تم ہی رکھو۔ ہاں، اگر اُس کی ہوتی تو ضرور ساتھ لے جاتی۔"
'اور "اُس کی" اولاد نے اسے آج کس طرح اُٹھا کر لاوارث سینٹر میں پھینکا تھا۔ شاید اسے اپنی اس شام کے بول یاد آئے ہوں۔' فاؤنڈیشن اپنی صراحی دار گردن کی جلد میں جذب کرتے ہوئے اس نے سوچا۔
زریں کا خیال اس کے دل کی پھانس کبھی نہیں رہا تھا۔ مگر اسے لگا، جیسے اس کا لاشعور اس کے ایسے ہی انجام کا منتظر تھا۔
پھر آنے والے دنوں میں وہ اس قدر مصروف ہو گئی کہ اس بھولے بسرے باب کو سوچنے کا بھی وقت نہیں مل سکا۔
اس کے لئے وہ وکٹری ڈے تھا، جب اس نے عزہ عالم کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور آگے کے مرحلے بہت آسان تھے۔
احسن مراد کا بیٹا تنزیل مراد.......پھر تانیہ مراد.......ان دونوں کے ساتھ بدترین کرتے ہوئے اسے کتنا سکون ملا تھا۔ بس خلش تھی تو ایک دائم کے روٹھنے اور اس کو ہمیشہ کے لئے پا لینے کی۔
صرف ایک رات بیچ میں اور محمود عالم کی قسمت کا فیصلہ!
جانے کون تھا، زور زور سے اس کا دروازہ دھڑ دھڑائے جا رہا تھا۔ انہوں نے بے جان سی نظروں سے لکھے ہوئے ان سارے اوراق کو دیکھا، جو ان کے آگے کھلے پڑے تھے۔ اُن کی پوری زندگی کا ورق ورق۔
'اب بھلا میری بچے کیوں نہ سمجھ سکیں گے کہ ان کی ماں نے یہ سب کیوں کیا۔'
بے اختیار آنکھیں بند کرتے ہوئے وہ راکنگ چیئر پر جھولنے لگیں۔ دروازے پر ہوتی دستک کو ان سنی کرتے ہوئے ذرا دیر بعد

بھولتے جھولتے گہری نیند سو چکی تھیں۔ اب تو ان کے سونے کا وقت تھا اور محمود عالم کے رت جگوں گا!

✲◉......◉✲

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اور موت کا سا سناٹا۔ اور فضا میں تھمی ہوئی گیلی مٹی کی باس! رات کے اس آخری پہر اس طرح کی اور ایسے ہی اندھیرے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اور سونے والے کی غفلت بھری مدہوش نیند کی۔

کچھ دیر پہلے وہ بھی ایسی ہی بے خبر، مدہوش نیند کے غلاف میں لپٹ خوابوں کے مٹے مٹے نقوش کھوجنے میں سرگرداں تھے دنوں بعد انہیں پھر وہی خواب نظر آیا۔

اور نیلم بال بکھرائے، لمبے چوغے سے بے رنگ لباس پہنے، وحشت زدہ سی ان کی طرف بڑھی چلی آرہی ہیں۔

کچھ اس طرح ان کے اوپر آکر جھکتی ہیں کہ ان کا پورا وجود ان کے سائے میں چھپ جاتا ہے۔

چیخنے کی کوشش کرتے ہیں مگر چیخ نہیں پاتے۔

ان کے ہاتھ ان کے گلے کی طرف بڑھتے ہیں اور وہ لحہ بہ لحہ ان کے قریب آتی چلی جاتی ہیں۔

کہ ان کا دم آپ ہی آپ گھٹنے لگتا ہے۔

ایک زوردار چیخ مارنا چاہتے ہیں۔ بے بسی سے ان کا سارا وجود پھڑپھڑاتا ہے، مگر نہ تو ان کے حلق سے آواز نکلتی ہے، نہ وہ اپنے اوپر سے ہٹا سکتے ہیں۔ بے بسی سی بے بسی۔

نے کیسے ظالم نیند کو ان کی بے بسی پر رحم آگیا اور بالآخر ان کی آنکھ کھل ہی گئی اور ان کا نحیف وجود ان دونوں کے خونخوار پنجوں

دل

سانسیں لے رہے تھے، جیسے میلوں دور سے دوڑ کر آئے ہوں یا ان کے اوپر رکھا منوں وزنی پہاڑ سرکا ہو۔

سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر پانی پینے کی کوشش کی تو لرزتے ہاتھوں سے گلاس چھوٹ کر نیچے گرا اور ایک لوٹ گیا۔

کے اس سناٹے میں اس چھناکے کی آواز دور دور تک گونجی، مگر کہیں ذرا سی بھی آہٹ نہیں ہوئی۔

انسان کسی کانچ کے گلاس کی طرح ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ چھناکے کی آواز بھی آتی ہے، مگر کسی کو وہ آواز سنائی اور لوا ہوا، کرچی کرچی انسان اندر ہی اندر مر جاتا ہے۔ مگر وہ تو ٹوٹے نہیں تھے۔ وہ کانچ کا گلاس تو نہیں تھے۔ وہ تو کا پختہ فرش تھے، جن سے ٹکرا ٹکرا کر ان کے قریب رہنے والے کسی کانچ کے گلاس کی طرح ٹوٹتے رہتے اور انہیں اس پتھر طرح نہ ان کے چھناکے کی آواز سنائی دی، نہ ان کے ریزہ ریزہ ہونے کا احساس۔

✲◉......◉✲

تیری دلہن ہے کہ چاند کا ٹکڑا۔ بلکہ چودھویں کا چاند...... دیکھو تو، ایسا جوار بھاٹا اُٹھتا ہے کہ دیکھنے والا پاگل ہو پاگل ہی ہو جاؤ گے دیکھو گے تو۔ اماں نے کیسا دُرِ نایاب ڈھونڈا ہے تیرے لئے۔"

بہن کی۔ بظاہر باپ کا گھر بسنے پر خوش مگر اندر ہی اندر زریں کے سنہرے پانیوں سے لہریں کھاتے حُسن سے خائف۔ ایسی نظر لوہو بھر کو نہ ٹھہر سکے۔

ہے، چاند میں داغ ہوتا ہے۔ لاکھ چودھویں رات کو چمکتا رہے، داغ نہیں مٹتا اس کا۔" یہ ثریا بانو تھیں، ان کی بھابی۔

ان کا ذہن ٹھٹکا۔

ہے۔" شاہین نے ہی انہیں ٹھوکا دیا تھا۔ "کیسا داغ؟"

بے داغ تھے۔ کردار تو بہت بڑی بات تھی، انہیں اپنے لباس پر ذرا سا دھبہ برداشت نہیں ہوتا تھا۔

کی شکل کی بیٹی ہے۔ باقی اولاد کی شکلیں تو واجبی سی ہیں، پر زریں...... کسی نے نام بھی اسمِ بامسمیٰ ہی رکھا ہے۔"

کے حُسن کے گیت گانے لگیں۔

کے دل میں کانٹا سا چبھتا رہ گیا۔

اس روز نکل گیا، جب وہ بارات کے دُولہا بنے، گلی میں لگے شامیانے کے اندر اسٹیج پر ہار پھول پہنے بیٹھے تھے۔

تھے، وہاں اماں، بھابھو، شاہین تینوں ہی بیٹھی تھیں۔

کے دوسری طرف دو عورتیں باتیں کر رہی تھیں۔

کمال ہیرا سا دولہا ڈھونڈا اس عورت نے اپنی زریں کے لئے۔ چاند سورج کی جوڑی لگے گی دونوں کی۔"

ایسے چاند کو کیا جو داغوں داغ ہو۔ اور اس کے کرتوت کسی سے چھپے ہیں۔ اس زریں کے...... پہلے وہ کمال تھا۔

دیکھو تو جیسے کوئی شہزادہ پران گلیوں کا........ روپیہ نہ دولت۔ اسے تو دونوں چیزیں چاہئیں تھیں اپنی شہزادی کے لئے۔ ڈھونڈ بھی........ تلاش لیں نا!'' دوسری چٹخارہ لے کر بولی۔

''اور چلتر پن دیکھو اس زریں کا، پہلے اس بے چارے کمال کو اتنے سال پیچھے لگایا اور اب جو لڑکے والوں کی دولت دیکھا تو نیک پروین بن کر کیسے ماضی کی رضا میں راضی ہو گئی ہے۔ سنا ہے، وہ کمال تو گلے میں پھندا ڈالنے لگا تھا۔ پتہ نہیں ماں نے سمجھا بجھا کر اسے اپنے ماموں کی طرف چلتا کیا ہے''

''ہاں، اس کا تو دُکھ ہے۔ دونوں کا یارانہ بھی تو دو چار مہینوں کا نہیں تھا۔ دس سال کم ہوتے ہیں؟ یوں زریں نے یوں ساتھ والے گھر کی دیوار سے ٹنگی۔ اور آج کس مزے سے کسی اور کی دُلہنیا بن کر چل پڑی۔ کون نہیں جانتا، اس جوڑی کو........ پتا پتا، بُوٹا بُوٹا جانے۔ بس یہ اتنے سارے بدھو باراتی نہ جانیں۔'' دونوں ہنس پڑیں اور شاید پھر اُٹھ کر دیں۔

نکاح ہو چکا تھا، اب تو بس رخصتی باقی تھی۔

ان چاروں کو سانپ سونگھ چکا تھا۔

''میں پوچھتی ہوں جا کر اس کمینی میسنی سے........ یہ کھیل کھیلا اُس نے ہم شریفوں کے ساتھ۔'' اماں ہی سب میں آ کر بھڑکی تھیں۔

''اب کیا فائدہ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ یہ باتیں تو پہلے جاننے کی ہوتی ہیں اماں!'' ثریا بانو نے فیاض کے چہرے کو دیکھ کر افسردگی سے کہا۔

''لو، ایسی کی تیسی۔ ابھی لے چلوں گی بارات کو یونہی دُلہن کے بغیر۔ کوئی زور زبردستی ہے؟'' اماں کو جلال آ گیا۔

''اب تو ہے اماں!........ زبردستی ہی ہے۔ اب یہ ان کی عزت کا ہی نہیں، ہماری بھی عزت کا معاملہ ہے۔ ہاں نا لے جانا، چاہے عیب کسی میں ہو، اُنگلیاں تو اُٹھیں گی۔'' شاہین گہرا سانس لے کر بولیں۔

''تم تو پہلے یہ سب معلوم کرتیں۔ میرا بھولا بھالا بھائی، اس نے تو کبھی مرد ہو کر غیر لڑکیوں کی طرف نہیں دیکھا اور تو........''

اور آغا فیاض کا جی چاہ رہا تھا، گلے میں پڑے ہار نوچ نوچ کر پھینک دیں اور اس سارے شامیانے اور پکتے کھانے کے جلتے کڑھاؤ میں پھینک دیں۔

'ایسا ظلم، ایسی دھاندلی۔ وہ بھی سب کو خبر، سارے محلے کو، سارے علاقے کو..... اور لوگ کیسے میری بے عقلی اور جوڑ کر ٹھٹھے لگاتے ہوں گے، فقرے کستے ہوں گے۔ اس کی عیاری اور میرا بھولپن، آج تو ہر دو لوگوں میں یہی ایک موضوع اسے پوری عزت کے ساتھ دُلہن بنا کر ساتھ لے جاتے۔ کیسا کاٹھ کا اُلو لگوں گا میں..... تف ہے آغا فیاض تجھ پر۔'

اماں، ثریا بانو اور شاہین تینوں جانے کہاں جا چکی تھیں۔ دو تین اجنبی عورتیں ان سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی جا رہی تھیں، ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

شاید وہ زریں کی قریبی رشتہ دار تھی، مگر اب فیاض کو زریں سے منسلک کسی بھی رشتے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ دماغ اور بیٹھتے ہوئے دل کے ساتھ آنے والے فیصلہ کن لمحات کا انتظار کر رہے تھے۔

❋........❋

''کون ہے یہ کمال؟'' اس نے زریں کا گھونگھٹ اٹھایا نہیں تھا بلکہ اس کا دوپٹہ نوچ کر پرے پھینک دیا تھا۔ اور اس حُسن کے ساتھ متوحش نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی فیاض کو کسی اور ہی جہان کی مخلوق لگی۔

''کون نہیں جانتا، اس لیلیٰ مجنوں کی جوڑی کو۔ پتا پتا، بُوٹا بُوٹا حال ہمارا جانے ہے........ بس........'' اور قہقہہ۔

آغا فیاض کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑا۔

''بول! کون ہے کمال؟........ تیرا یار؟........ کتنے سالوں کا یارانہ تھا تیرا اُس کے ساتھ، جسے آج ٹھوکر مار کر آئی ہے''

''پوچھ........ پوچھ فیضی! اس حرافہ سے۔ صورت موموناں، کرتوت کافراں........ اے ہے، دن دیہاڑے دھوکا۔ ہائے ڈاکہ ڈالا ان کٹنیوں نے........ پوچھ اس سے۔''

وہ آغا فیاض کی سہاگ رات تھوڑی تھی، وہ تو اس رات زریں کی پہلی پیشی کی رات تھی۔ کوتوالی لگی تھی اور ہر کوئی اسے کر رہا تھا۔

اماں، ثریا بانو اور شاہین تینوں خون آشام چڑیلوں کی طرح دروازہ کھول کر اندر آ گھسی تھیں۔ اور زریں پھٹی پھٹی آنکھوں

رہے جارہی تھی۔
ابھی تو وہ گھونٹ یوں نوچ کر پھینکے جانے کے سانحے سے نہیں سنبھلی تھی کہ اس کے رستے زخموں کو کسی نے چھری کے ساتھ
کرید ڈالا تھا۔
اس کا کمال کے ساتھ تعلق تھا، محبت کا، عاشقی کا، دل لگی کا۔ پر ماں کے واسطے، بھائیوں کی منتیں...... وہ سب کچھ ہمیشہ کے
لئے دل کے قبرستان میں دفن کر کے آغا فیاض کی سچے دل سے ہونے اور اس کا گھر بسانے چلی آئی تھی۔
وہ گھر جو پہلی ہی رات اُجڑ گیا۔
"ابے بولے گی تھوڑی میسنی، خود بتائے گی اپنے گندے کرتوت۔ مرد بن مرد۔ پوچھ اس سے۔ اس نے یہ ماں باپ کی عزت
ایک نمی بیٹھ کر اور کل ملے یہ کچھی، میں پوتڑے دھوتی ہوں، دیکھنا تم۔ قہر خدا کا، دھوکا دینے کو اسے پورے شہر میں ہم ہی ملے
تھے" اماں سینے پر دوہتڑ مار کر خدا کے قہر کو آواز دینے لگیں۔ یہ جانے بغیر کہ قہر تو آچکا...... کم از کم زریں کے لئے۔ اس رات کے
آنے والے ہر دن کے لئے۔
پھر ثریا بانو، شاہین، اماں تینوں نے مل کر آغا فیاض کو اتنا بھڑکایا، اُکسایا کہ پہلی رات زریں کو رونمائی میں آغا فیاض کی چار
ہاتھ کی مار ملی اور پھر یہ آنے والی ہر رات کا تحفہ بنتی گئی۔
پہلے وہ نہ بولنے پر مار کھاتی تھی، پھر وہ بول پڑی۔
"جانے کیسے، کس کمبخت چور لمحے میں نیلم کا بیج اُس کی کوکھ میں اُگ آیا اور وہ اس بیج کو نکال پھینکنے کے لئے محلے کی سب سے
پرانی دائی کے پاس گئی تھی۔
اور اس نے صاف جواب دے دیا تھا کہ اب تو تُو شریفوں کی بہو ہے، یہ کام نہ کر۔ دوسرے میں کر بھی دیتی، جتنے نوٹ تو مجھے
دکھا رہی ہے، کبھی انکار نہ کرتی۔ پر تُو نے دیر کر دی۔ اب تو جان سے چلی جائے تو جان چھوٹ سکتی ہے، ورنہ نہیں...... بول، سودا
طے ہے تو کیے دیتی ہوں۔" اور اس نے بزدلی دکھائی۔
دوسری بار قسمت اور زندگی کے محاذ پر شکست کھا گئی۔
ہر بار یہ کمبخت قسمت ہی جیت جاتی تھی۔ جیت گئی اس بار بھی!
مگر اب وہ پہلے والی بے زبان زریں نہیں رہی تھی، جو چھ ماہ سے آغا فیاض کی لاتیں، مکے، جوتے اور تھپڑ خاموشی سے کھاتی رہی
تھی۔ اب وہ ایک نڈر، بے خوف، دیدہ دلیر زریں بن گئی۔
"اب جو ہوگا، اس سے بدتر تو نہیں ہوگا، جو ہو رہا ہے۔" اس نے دل میں ٹھان لی، کسی طرح فیاض کو اس حد تک بھڑکایا جائے کہ
وہ ایسی مار مارے کہ یہ "عذاب" اس سے خود بخود ٹل جائے۔
مگر یہاں بھی قسمت نے یاوری نہیں کی اور نیلم اسی مار پیٹ کے دوران بڑے آرام سے پیدا ہو گئی۔
اور زریں کو تو اسی دن اس پیدا ہونے والی بچی کی بدقسمتی اور سیاہ نصیبی کا یقین ہو گیا تھا، جو اتنی ذلتوں میں، اتنی مار کٹائی کے
باوجود بھی صحیح سالم، صحیح الدماغ پیدا ہو گئی تھی۔
زریں کا اعتراف...... اعترافِ محبت...... اس کو ہمیشہ کے لئے سب کی نظروں میں گرا گیا۔ یوں بھی وہ کون سا اس گھر میں آ
کر اپنے کے لئے بھی معتبر ٹھہری تھی، جو اسے اس طرح نظروں سے گرنے پر دکھ ہوتا۔
کمال واپس آ گیا تھا اور اب وہ کھلم کھلا اس سے ملتی تھی۔
اسے اب کسی بھی بات، کسی بھی مار پیٹ کا خوف، کمال سے ملنے سے نہیں روکتا تھا۔
جب بھی اماں اور فیاض اسے طلاق کی رجسٹری بھیجنے کا مژدہ سناتے، اس کی ماں جا کر ان کے پیروں میں اپنا دوپٹہ رکھ دیتی اور
کے ہاتھ آئی آزادی پھر سے اسی قیدِ بامشقت میں بدل جاتی۔
وہ آغا فیاض کی ہونے آئی تھی۔ سچے دل سے۔ کمال کی محبت کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر...... مگر اس پرانی محبت کے قصے اسے
لے۔ پھر اس کا اخلاص، اس کی سچائی بھی اس کے کام نہیں آ سکی۔
قسمیں کھانے کے باوجود، پہلے چھ مہینے آغا فیاض سے اس قدر پٹنے کے بعد بھی اپنا یقین نہیں دلا سکی۔ اور چھ ماہ کے بعد اس
کوشش ہی چھوڑ دی، بلکہ کمال ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے کھلم کھلا کمال سے ملنے لگی۔ اب اسے آغا فیاض سے تعلق، نسبت کسی
کی خواہش تھی نہ تمنا۔
نیلم سات آٹھ سال کی تھی، جب آغا فیاض ملک سے باہر جا رہا تھا۔
لالا منیر چار سالوں سے اس کوشش میں لگا تھا۔ جیسے ہی اس کی کوششیں بارآور ہوئیں، اس نے آزادی کا پروانہ جو زریں نے خود

بار ہا اپنے منہ سے مانگا، زریں کے منہ پر نفرت سے مارا اور ہمیشہ کے لئے زندگی کے اس باب کو بند کر دیا۔ نیلم سمیت!
آغا فیاض نے آج تک اس بچی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ جب بھی دیکھتا، اسے اس میں کھوٹ، ملاوٹ، گناہ نظر آتا۔

اور جاتے سمے جس طرح زریں نے اعتراف کیا کہ اگر اس بچی میں ذرا بھی کمال کا خون ہوتا یا یہ جائز ہونے کے بجا ہوتی تو وہ ضرور اسے اپنے ساتھ لے جاتی۔ وہ آغا فیاض سے اتنی نفرت کرتی تھی کہ اس کی کوئی بھی نشانی اپنے پاس نہیں رکھ
اس کے باوجود آغا فیاض کے دل میں اس خوب صورت، من موہنی شکل والی معصوم سی بچی کے لئے ذرا بھی تڑپ نہیں ہو سکی۔

اور جس بے دردی سے وہ اسے ہمیشہ کے لئے ماں کے پاس چھوڑ گیا اور پھر کبھی اس کے نام پر ماں کو ایک دھیلا بھیجا
فون پر اس کا حال پوچھا، نہ کبھی اس سے بات کی کہ اس کے ذکر سے وابستہ ماضی کا وہ رشتہ آغا فیاض کے لئے ایک گالی تھا۔
اور اسے پتہ نہیں تھا، قسمت نے اسے ماضی میں جو گالی دی تھی، اس کا تسلسل ابھی ٹوٹا نہیں۔
"نیلم گھر سے بھاگ گئی ہے فیضی!" اماں کا روتے ہوئے فون آیا تھا اور آغا فیاض کے دل میں جو کبھی کبھار ضمیر کی طرف
ہلکی سی چبھن ہوتی تھی، آج وہ بھی ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔
اس کی ہر حق تلفی کا انہیں بڑا ٹھوس جواب مل گیا۔ وہ کیوں اس کی ذمہ داری سے بھاگتے تھے، اب بڑے دھڑلے سے
کا جواب دے سکتے تھے۔
"وہ نامراد ایک رات منہ کالا کر کے پھر آ گئی اور اتنا بڑا بہتان باندھا اس نے کہ عالی نے اس سے نکاح کر رکھا ہے۔
غصہ میں پاگل ہی ہو گئی۔ جیسی ماں تھی، ویسی بیٹی نکلی۔ دھکے مار کر نکال دیا ہم نے اُسے۔"
تیسرے دن پھر اماں کی طرف سے آنے والے فون نے اس پُر سکوت دریا میں زور سے پتھر پھینکا اور پھر سالوں
خاموش ہو گئیں۔

یہ خاموشی دو تین سال پہلے ٹوٹی، جب سے انہیں یہ خواب آنے لگے۔ جانے یہ عمر کے اس خاص حصے کا کمال تھا یا
کے لاشعور میں کوئی خلش تھی، کوئی بوجھ جواب آہستہ آہستہ سر اُٹھانے لگا تھا اور بالآخر وہ انہیں نظر آ ہی گئی، جسے وہ اپنے تئیں
چکے تھے۔

'کیا وہ سچی تھی؟........ وہ بے شک زریں کی بیٹی تھی، مگر میری بھی تو کچھ لگتی تھی۔ اور زریں جتنی منہ پھٹ اور صاف گو
نے اپنے عاشقی کے قصے بھی مجھے سنانے سے دریغ نہیں کیا تھا، وہ آزادی کا پروانہ ہاتھ میں لے کر بھی جھوٹ نہیں بول سکتی تھی اور
نے یہ سمجھا کہ وہ پیوں کی اس زنجیر کو اتار کر جانا چاہتی ہے........ ورنہ میرا اس سے کیا تعلق! پھر یہ خواب........ یہ جواب طلبی کا
ان کے وحشت زدہ حلیے........ عمر کے اس حصے میں تو جب میں ایک زندگی کے پورے تجربے سے گزر آیا ہوں، مجھے اب سب
اپنی آنکھوں سے اور اپنے دماغ سے سوچنا چاہئے۔
زریں بری تھی، بدکردار بھی ہو گی۔ مگر پچھلے چھ ماہ کیسے خاموشی سے وہ پٹتی رہی اور ہاتھ جوڑ کر قسمیں بھی کھاتی رہی کہ وہ
کچھ چھوڑ آئی ہے، اسے معافی دے دی جائے........ مگر اس نے اس سے نہ صرف یہ سب منوا کر چھوڑا بلکہ اسے انہی انہی
راستوں کی طرف پلٹا کر چھوڑا........ اور پھر بڑے آرام سے نیلم پر بری ماں کی بری بیٹی کا ٹھپہ لگا کر، خود ہر الزام، ہر ذمہ داری
بری الذمہ ہو گیا........ زندگی کی ٹھوکریں کھانے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دیا۔ اور اب چاہتا ہوں، میری جواب دہی بھی نہ
کیسے؟........ مکافات عمل میں یہ کیسے ممکن ہے؟........ مکافات عمل........ نہیں نہیں........
وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھر اندھیرے میں کچھ ٹٹولنے لگے۔

٭٭........٭٭
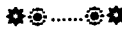
رات نے جلتی تنہائی میں
اندھیاروں کے جال بُنے تھے
دیواروں پر تاریکی کی گرد جمی تھی
خوشبو کا احساس فضا میں ٹوٹ رہا تھا
گھر آنگن خاموشی اوڑھے جاگ رہا تھا
دروازے باہیں پھیلائے اونگھ رہے تھے
دُور سمندر پار ہوائیں

اسے باتیں کرتی تھیں
ایسے میں اِک نیند کا جھونکا
لہرایا اور گزر گیا
پھر آنکھ کھلی تو
اس موسم کی پہلی بارش
تیری یادیں
دونوں مل کر
ٹوٹ کر برسیں

باہر دیوانہ وار بارش برس رہی تھی۔

رات کا دوسرا پہر تھا یا تیسرا...... جیسے ذہن سے زمان و مکان کا احساس ہی معدوم ہو گیا تھا۔

خود شکستگی...... خود شکستگی کا ناقابلِ برداشت، دھیرے دھیرے رگوں کو کاٹتا اندر ہی اندر اُترتا احساس انہیں مٹاتا جا رہا تھا۔

تیز آندھی کے بعد گمبھیر خاموشی اور پھر تیز ہوا کے شور کے ساتھ برستی یہ طوفانی بارش...... جس کا زور آہستہ آہستہ ٹوٹ رہا تھا، جیسے اس طوفانی بارش نے اس کی زندگی کی تمام تر کہانی بیان کر دی تھی۔

ان کی زندگی میں سبک ہوا کی طرح شامل نیلم اور ان کی محبت، جب تیز آندھیوں کی زد میں آئی تو شاخوں سے محبت کا ہر پھول پات ٹوٹ کر بکھر گیا اور ہوا...... تند بلا خیز ہوا جانے اسے کہاں کہاں اُڑائے پھری۔

اور اس طوفان کے بعد کی خاموشی...... گمبھیر، معنی خیز چپ...... جو اس کی دوبارہ واپسی پر کسی طوفان کا پیش خیمہ بنی۔ اور پھر تیز ہواؤں کا شور، جس میں گھر کے بجتے دروازے، کھڑکیاں، امرود کے درخت کے پتوں کا شور، نیلم کی آہیں، فریادیں اور بددعائیں اس طوفانی بارش کی طرح گھر کی ہر دیوار، ہر چوکھٹ سے لپٹ کر روئی تھیں۔

پھر چلی گئیں...... نہیں، چلی نہیں گئیں، یہیں کہیں ان کی زندگیوں کے اندھے روزن اور کونے کھدروں میں پیر جما کر بیٹھی بددعاؤں اور آہوں کو تمسخر خیز قہقہوں اور چیخوں میں بدل رہی تھیں۔

قطرہ قطرہ پگھلتی رات اور بارش کے پانیوں میں نہاتے یہ اندھیرے کسی آسیب کی طرح انہیں چہار جانب سے اپنے پنجوں میں لیے جا رہے تھے۔

ٹن...... رات کے تین بجے۔ باہر بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا اور اب وہ جیسے تھکی ہاری یونہی اپنی بچی کھچی بوندوں کو یوں برسا رہی تھی، جیسے کسی دور پار کے عزیز کی موت پر آدمی یونہی دکھاوے کے آنسو بہاتا ہے۔

'تو یہ تھا وہ مکافاتِ عمل، جو بالآخر ظہور پذیر ہونا تھا۔' انہوں نے بے تحاشا تھکن سے اکڑے ہوئے اعصاب کو کرسی کی بیک پر ڈھیلا چھوڑ دیا۔

رات گزر گئی گزر رہی ہے اور آج کے بعد جو صبح آئے گی۔

کالی صبح...... اس صبح جیسی جب نیلم اس گھر سے، ان کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل گئی تھی۔

کالی رات میں منہ چھپانا آسان ہوتا ہے۔ مگر کالی صبح...... وہ کیسے منہ چھپا کر یہاں پڑے رہیں گے۔ دن نکلتے ہی سوالوں کے تازیانے تو انہیں مار ڈالیں گے۔

'پندرہ گھنٹے گزر گئے اور صرف تین چار گھنٹوں بعد......' ان کے منہ سے سسکی سی نکلی۔

امی بتاتی تھیں۔ اس نے کس طرح واویلا کیا تھا آ کر۔ کیسے چلا چلا کر روئی تھی۔

"اور اس نے کیسے منہ پھاڑ کر تم پر بہتان باندھا تھا کہ تم نے اس سے نکاح کر لیا ہے۔ زمین ہلی نہ آسمان پھٹا، کلموہی کی اس بہتان بازی پر۔ میں نے بھی اسے کسی کتیا کی طرح دھتکار کر گھر سے باہر نکال پھینکا۔ میرا ہیرا سا بیٹا، اتنا اعلیٰ ذوق رکھنے والا تجھ جیسے منہ پر مرے گا...... تف ہے پھر میرے اسے جنم دینے پر۔"

وہ اس کے دو ہفتوں بعد لوٹ آنے پر اس جوش و خروش اور نفرت بھرے لہجے میں پھنکارنے لگیں، جیسے نیلم کو ابھی دھتکار کر آ رہی ہوں اور عالی کے تو اعصاب ہی پتھرا گئے تھے یہ سب سن کر۔

اُس کا فرار یقیناً وقتی تھا...... وہ اسے کبھی اکیلا نہ چھوڑتا۔

'مان لو، محمود عالم!...... مان لو۔ آج اتنے سالوں بعد تو اپنے دل میں چھپے اس سچ کو مان لو...... وہ فرار وقتی نہیں تھا۔ تم سب کچھ جانتے بوجھتے، ایک بھنورے کی طرح پھول کا رس چوس کر اب شتر مرغ کی طرح ریت میں گردن دھنسا کر یونہی نہیں بیٹھے تھے۔

تم مکر چکے تھے........عہدِ وفا سے........تم پیانِ محبت توڑ چکے تھے۔ آج اتنے برسوں بعد تو اس سچ کو مان لو۔'
کیسے تھکی ہاری، اُجڑی بچھڑی نیلم اُن کے سامنے بال بکھرائے کھڑی کہہ رہی تھی اور وہ یک ٹک اسے دیکھے گئے۔
'یہ سچ تھا نا........ بولو، یہ سچ تھا نا؟........تم بھاگ گئے تھے اپنی جان چھڑا کر۔ سر پر لٹکتی اس تلوار سے بچنے کے لئے جو تمہاری جھوٹی عزت اور وقار کو دولخت کرنے والی تھی۔ تم بھاگ گئے اور دو ہفتے بعد........تم جانتے تھے........سب جانتے تھے۔' وہ ان کے اپنے ہی قدموں میں گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
اور انہیں تو اب اسے چپ کرانے، دلاسا یا جھوٹی تسلی دینے کا بھی اختیار نہیں رہا تھا۔
انہوں نے برسوں پہلے ماں کے سامنے کس صفائی اور ہوشیاری سے اس سب سے صاف انکار کر دیا تھا۔
شاید انہیں انکار کرنے میں ہچکچاہٹ ہوتی، اگر نیلم ان کی واپسی پر وہاں موجود ہوتی۔ مگر وہاں تو میدان بالکل صاف تھا۔
پھر انہیں کیا ضرورت تھی، مرے ہوئے مدعا کو اپنے سر ڈالنے کی۔ انہوں نے اسے تلاشنے کی بھی کوشش کی نہ جستجو........اور سب کے ساتھ اس مفروضے کو دل و جان سے مان لیا کہ نیلم کسی کے ساتھ بھاگ گئی تھی، اپنی ماں کی طرح۔
کہانی ختم!
مگر یہ تو بعد میں پتہ چلا، کہانی یہاں سے ختم نہیں ہوئی تھی۔ ایک کہانی تو بظاہر چل رہی تھی، جو سب کو نظر آتی تھی، وجود رکھتی تھی۔ ایک کہانی وہ تھی، جو اس کے اندر تھی۔ وہ کہانی ان کے اندر ہی پیدا ہوئی اور مرنے کے بجائے ان کے اندر ہی نیم مُردہ سی سانسیں لیتی رہی۔
انہیں فوری طور پر جو نیلم کے چلے جانے سے کمینی سی آسودگی ملی تھی، وہ سب وقتی تھا۔ ایک کے بعد تو ایک مسلسل برزخ تھا، جس میں وہ جلتے رہتے تھے۔ ایسی برزخ، جس کا اظہار وہ کسی سے بھی نہیں کر سکتے تھے۔
ان کے اندر بیس سال سے ان کی محبت، ان ہی کے ہاتھوں برباد ہونے والی محبت سسکیاں بھر رہی تھی۔
وہ کتنی کوشش کرتے، کتنا خود کو پُرہجوم سرگرمیوں میں مصروف رکھتے، مگر وہ سسکیاں ان کے کانوں میں گونجتی ہی رہتیں۔
آج کی رات ان سسکیوں نے چیخوں اور بین کی شکل اختیار کر لی تھی۔ وہ سارہ کے ساتھ شاید بالکل نارمل زندگی گزارنے لگتے، ان منحوس مسلسل بجتی سسکیوں کے باوجود........مگر سارہ ان کے لئے زندگی کی سب سے بڑی سزا بن گئی۔
شادی کے اوّلین دنوں میں اس کے ہاتھ جانے کیسے وہ نکاح نامہ لگ گیا، جس میں محمود عالم اور نیلم کے نکاح پر محبِ مصطفیٰ کے گواہ کی حیثیت سے دستخط موجود تھے۔
اگرچہ بعد میں انہوں نے وہ نکاح نامہ پھاڑ بھی دیا اور سارہ کے سامنے مکر بھی گئے۔ مگر وہ اپنا اعتبار سارہ پر بحال نہ کر سکے۔
ان کے لئے مکر جانا، منظر سے ہٹ جانا اور پھر کیے پر نادم ہونے کے بجائے اکڑ جانا، منجمد ہو جانا دوسری صورتِ حال کی نسبت بہت آسان تھا۔

اور عزہ نے ان سے جب پوچھا تھا کہ انہوں نے کبھی محبت کی ہے تو انہوں نے آدھا سچ اور آدھا جھوٹ بولا۔
''نہیں........محبت ایک ذمہ داری کا نام ہے۔''
اور وہ اس ذمہ داری کو نبھانے کے قابل نہیں تھے۔ سو انہیں محبت بھی نہیں کرنا چاہئے تھی۔ مگر محبت کرنا یا نہ کرنا کسی کے بس کی بات تو نہیں ہوتی۔ مگر محبت کر کے کسی کو آباد کرنا یا برباد کر دینا تو بس کی بات ہے۔ وہ ذمہ داری سے گھبرا گئے اور کسی کو برباد کر دیا۔ ایک زندگی، ایک جان........بلکہ نہیں........شاید دو جانیں........دوسری وہ جان، جس کے لئے انہوں نے آسانی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اسے ختم کر دے۔
ان کے لئے یہ سب کتنا آسان تھا۔ ہر طرح سے آسان! محبت کرنا، لطف اُٹھانا، فیض پانا اور پھر فرار ہو جانا اور آخر میں مکر جانا، پھر جانا........اور اس آسانی میں کیسا قہر تھا، اس کا احساس انہیں آنے والے سالوں میں ہوا، جب پوہ ماگھ کی برفیلی راتوں میں بھی ان کا اندر کسی جیٹھ اُساڑھ کی جلتی دوپہروں کی طرح اُبلتا تھا۔ ان کی نامراد محبت انہیں بھی تو برباد کر گئی تھی۔
اور وہ خود کون سا آباد تھے۔ بظاہر چٹان کی طرح نظر آتے جسٹس محمود عالم اندر سے پگھلی ہوئی موم کی طرح تھے، جو لحہ بہ لحہ انہیں سلگائے رکھتی۔ کبھی اپنی لو کو دھیما کرتی نہ تیز........وہ جل کے نہ بجھ سکے اور لحہ حساب آ گیا۔
جب عزہ پیدا ہونے والی تھی تو وہ ان جلتی بلتی راتوں میں جو کبھی خدا کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوئے تھے، رو رو کر خدا سے بیٹے کے لئے دعائیں کرتے کہ انہیں بیٹی نہیں چاہئے........بیٹی........بیٹی ہونا انہیں کسی تہمت، کسی گالی کی طرح لگتا۔ اور بیٹا ہونا کتنا سہل، کتنا کشائش آمیز لگتا۔ اگر زندگی میں کچھ اوپر نیچے ہو بھی گیا تو انہیں پروا نہیں ہو گی، بیٹا جو ہو گا۔ جسے فرار ہو جانے کی اور مکر جانے کی صلاحیت موروثی طور پر ان سے ملے گی۔

مگر خدا نے ان کی ایک نہ سنی۔ محبت کو ٹھکرانے کے بعد وہ گن سکتے تھے، اپنی مانگی ہوئی تمام تر دعاؤں کو، جو رد کر دی گئیں۔
انہوں نے محبت کو رد کیا، خدا نے ان کی دعاؤں کو ٹالنا شروع کر دیا۔ ان کے گھر بیٹی ہوئی۔
تو انہوں نے پھر سے دعا کی کہ ان کی بیٹی اتنی کم صورت ہو...... اتنی کم شکل ہو کہ کوئی بھی اسے محبت کے دام میں نہ پھنسا سکے اور وہ بھی چوری چھپے ان کے منہ پر کالک نہ مل سکے۔
اور ان کی یہ دعا بھی رد کر دی گئی۔ انہیں بے حد حسین اور خوب صورت بیٹی دی گئی۔
بس اسی دن سے دھڑکا، وسوسہ کوڑیالے سانپ کی طرح ان کے اندر پھن پھیلا کر بیٹھ گیا تھا۔
ایک نہ ایک دن کچھ ضرور ہو گا!
اور اس "کچھ" کو ٹالنے کے ردِ بلا کے طور پر انہوں نے کچھ نہیں کیا۔
عزہ کے جوان ہونے کے بعد ان کی سختیوں میں اور بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان کی بے نیازی، ان کی بے اعتنائی بڑھتی چلی گئی۔
گو عزہ کے انداز، اس کے چال چلن میں کچھ بھی ایسا نہیں تھا، جو کبھی بھی قابلِ گرفت رہا ہو۔
سارہ نے بھی اس کی ذمہ دار ماؤں کی طرح پرداخت نہیں کی تھی مگر اس کے باوجود ان کی بیٹی بہت سمجھ دار، ذہین اور حساس تھی اور اپنے باپ کی خفیہ محبت میں بھی مبتلا!
کئی بار خود انہوں نے عزہ کی یہ چوری پکڑی۔ جس طرح وہ انہیں کن انکھیوں سے نظروں میں پیار اور فخر سموئے دیکھا کرتی تھی، وہ کچھ بے فکرے ہو گئے۔ کم از کم عزہ کی طرف سے۔
پھر وہ کچھ بزدل بھی تھی اور ماں باپ کے جھگڑوں سے خوب ڈری ہوئی بھی...... اکثر سہمی رہتی۔ اگرچہ بلا کی خود اعتمادی تھی، مگر پھر...... جانے کیسے...... قدرت نے اسے چن لیا۔
محمود عالم کو اس کے کئے کی سزا دینے کے لئے قدرت نے عزہ کو آلۂ کار بنانے کا فیصلہ کر لیا۔
اور کتنی عرصے کی بات...... عزہ کو کسی نے پسند بھی کر لیا اور خود عزہ نے بھی...... اور انہیں دائم اس لحاظ سے کسی قدر پسند بھی آ گیا تھا اور یہ آخری مرحلہ تھا، جس سے عمر کے بیس سال ان کا دل سینے میں یوں سکڑا سمٹا پڑا رہا کہ کبھی کھل کر سانس نہیں لے سکا، خوشی کھل ہی اٹھا۔
ان کے تمام تر وسوسے اور دھڑکے تمام ہو گئے۔
اور آج مصطفیٰ نے وعدہ کیا تھا۔ آج شام وہ رخشندہ کے ہمراہ دائم اور عزہ کی بات پکی کرنے آئے گا۔
اور آج شام...... آنے والی صبح کے بعد اُترنے والی شام...... جب وہ آئیں گے...... عزہ کہاں ہے؟ وہ وحشت زدہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"عزہ......!" انہوں نے زور سے آواز دی۔ بے اختیار و بے ساختہ انہوں نے اپنے دل کے چور، اپنے وسوسوں کے ہاتھوں رد ہو جانے والی دعاؤں کے باوجود آخری کوشش کے طور پر...... آخری گند ہتھیار کے ذریعے تقدیر کی جنگ جیتنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، نام کا اثر شخصیت پر خوب مستند ہوتا ہے۔ انہوں نے دعاؤں کے رد ہو جانے کے بعد اس کا نام عزہ رکھا۔ عزت والی۔ یہ نام لوگ عزت سے لیں گے اور جوان کی دنیا میں عزت کو بلند کرے گی شاید...... ان کی سخت قسمت اس نام کی عظمت کے آگے ہار جائے، شکست کھا جائے۔
مگر تیسری بار ان کی دعا راندۂ درگاہ ہو گئی، خدا کے گھر سے۔
وہ بھی ایسا بھی کرے گی؟ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔
تمہیں بھی نیلم پر خود سے بڑھ کر بھروسہ تھا اور تم نے کتنی آسانی سے لوگوں کے کہے کو سچ مان لیا...... ایک بار بھی کوئی تردید نہیں کی کہ نیلم ایسا نہیں کر سکتی...... وہ کیسے کر سکتی ہے، جبکہ وہ میرے نکاح میں ہے۔
ہاں محمود عالم! کسی کے ساتھ اتنا برا کر چکنے کے بعد تمہیں اپنے ساتھ کسی بھی اچھائی کی امید نہیں رکھنی چاہئے تھی۔ اور اگر اس پر تم پُر امید تھے تو یہ ڈھٹائی کی انتہا تھی۔ تم بھول گئے۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے اور اس کا وقت بھی مقرر ہے۔ بس اتنے سال مہلت دے رکھی تھی، شاید کبھی نادم ہو کر اقرار کر سکو، اعتراف...... اعتراف گناہ...... توبہ کچھ بھی مگر...... تم تو اُلٹا احسان کی کیفیت میں خود کو محروم محبت سمجھ کر سوگ اور ماتم ہی کرتے رہے اور وہ لمحہ آ گیا، جس سے بچنے کے لئے تم نے شترمرغ کی طرح ریت میں چھپایا تھا۔ بیس سال پہلے نہ سہی، بیس سال بعد سہی، لوگوں کا، سچائی کا سامنا تو اب تمہیں کرنا ہی ہو گا...... بس پہلے ایسے ہی سچ، ایسے ہی اعتراف سے تم بھاگ گئے تھے نا...... اب بھاگو!...... کہاں بھاگو گے؟ کہاں تک بھاگ سکو گے، کسے سوالوں سے؟...... اور عزہ جو کالک تمہارے چہرے پر اس رات مل گئی ہے، کیا اس کو دھو سکو گے؟ چلو دھولو، دھو سکتے ہو

تو......ٹکر جاؤ، ٹکر سکتے ہو تو......بھاگ جاؤ، بھاگ سکتے ہو تو۔'
وہ بے دردہنس رہی تھی۔ قہقہے لگا رہی تھی اور وہ بے بسی سے دیکھتے رہے۔ اور پھر کرسی پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ باہر دن کی روشنی اندھیروں میں گھل رہی تھی۔
اب کوئی بھی راہ فرار تھی نہ جائے پناہ۔ وہ کہیں بھی چھپ سکتے تھے، نہ بھاگ سکتے تھے......بس رو سکتے تھے......انھیں لگا، آنسو تو یہ کے لئے تھے نہ اعتراف گناہ کے......فقط خوف اور بدنامی کے ڈر سے ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔
نیلم کا بے حس بت دہلیز پر کھڑا انہیں دیکھتا رہا، پھر تاسف سے سر ہلایا۔
'محمود عالم! تم محبت کے قابل ہی نہیں تھے۔' وہ ہیولا دن کا اُجالا پھیلتے ہی کہیں فضا میں تحلیل ہو گیا۔

وہ تو یہ کیسے گھڑی تجھ سے جدا ہونے کی تھی
ورنہ یہ ساعت جو تھی میرے خدا ہونے کی تھی
میں خود اپنی آگ ہی میں جل بجھا تو یہ کھلا
شرط جلنے کی نہیں تھی ، کیمیا ہونے کی تھی

❁......❁
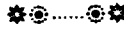
کھڑے کھڑے سارہ کی ٹانگیں شل ہو گئیں۔
طوفان آ کر گزر بھی گیا۔ بارش برس کر تھم بھی گئی اور رات کے اندھیرے اُجالوں میں بدلنے لگے۔ مگر وہ خود کو بیٹھنے پا لیٹنے آمادہ نہیں کر سکیں۔
'کیا مجھے عزہ سے اتنی محبت تھی یا مجھے بھی محمود عالم کی بیٹی کی طرح بیٹی کے اس گھر سے چلے جانے پر ذلت کا خوف مارے ڈال رہا ہے؟'
کھڑکی کی چوکھٹ پر چہرہ رکھ کر انہوں نے باہر سے آتی نم ہوا کو اپنے چہرے پر محسوس کرنا چاہا، مگر بے حسی سی بے حسی تھی، جو ان کے پورے وجود کے مساموں میں اُتری ہوئی تھی۔
'ذلت کے خوف نے مجھے کبھی خائف نہیں کیا، نہ اس وقت جب میں ماں سے لڑ لڑ کر جلد سے جلد محمود عالم سے شادی کے لئے مری جاتی تھی، نہ اس وقت جب مجھے شبہ ہوا کہ محمود اور نیلم کے درمیان کوئی بہت گہرا راز چل رہا ہے......کیا؟......اگر میں اس راز کو کھوج لیا تو شاید مر ہی جاؤں گی۔'
'مجھے محمود عالم سے اتنی محبت تھی؟' اس نے خود سے پوچھا۔ جواب نفی میں تھا۔
'پھر میں نے خود کو اسی آگ میں کیوں جھونکا، جس میں میرا وجود ہی نہیں، میری پوری زندگی جل گئی۔ صرف رقابت، حسد اور جلن......نیلم کا بے تحاشا حسن......ایسا حسن جو دیکھنے والے کو مبہوت کر دے، مجھے پاگل کر دیتا تھا......کھانے پینے، پہننے اوڑھنے میں تو وہ میرے مقابل آ ہی نہیں سکتی تھی......مگر محمود عالم ہمارے خاندان کا سب سے قیمتی ہیرا، وہ اپنے حسن کی لاٹری سے جیتنا چاہتی تھی۔
وہ لڑکی ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والی، اس شے کی مالک بن جائے، جس پر میری نظر ہے......ہاں محمود عالم! میں نے عمر بھر تمہیں "شے" ہی سمجھا اور ساری زندگی داؤ پر لگا دی، اس حق ملکیت کو پانے کے لئے۔ تو دیکھو، میرے ہاتھ میں کیا آیا، یہ تنہائی، ذلت، نفرت اور تمہاری تضحیک۔ میں نے وہ جنگ شروع کی، جو میری تھی ہی نہیں۔
اس چیز کے لئے تقدیر کے خلاف ہتھیار اٹھایا جس پر کسی اور کے نام کی مُہر لگی تھی۔
میں تمہیں جیت کر خود کو فتح مند سمجھ رہی تھی، مگر شادی کے تیسرے ہفتے میرے ہاتھ لگنے والا وہ نکاح نامہ......تمہاری ساری قلعی مجھ پر کھول گیا۔ اس کے باوجود میں اس شان دار حق ملکیت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھی۔
میں نے تمہارے چہرے کا یہ تاریک حصہ کسی کو دکھایا نہیں، مگر اپنی نفرت چھپائی بھی نہیں اور تمہاری منافقت اور دھوکے کو کم رضامندی کی سند بھی نہیں دی۔ تم مجھ سے محبت کا اظہار بھی کرتے تو مجھے لگتا، تم میری جگہ نیلم کو دیکھ کر یہ جھوٹے مکالمے بول لیتے ہو۔ میری برداشت کی حد ختم ہو جاتی۔
میں پاگل ہو جاتی۔ جی چاہتا، چیخ چیخ کر تمہارا فریبی چہرہ ساری دنیا کو دکھا دوں۔
اور جب تم مجھے چھوڑنے کی بات کرتے تو مجھے لگتا، تم مجھے چھوڑ کر نیلم کو اپنا لو گے۔ اور اتنے سال مجھے یہی شک رہا کہ نیلم تمہارے پاس ہے، کسی خفیہ گھر میں، کسی اندھیرے فلیٹ میں......جہاں مجھ سے لڑ جھگڑ کر تم اس سے ملنے جاتے ہو۔ میں راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تمہاری اسٹڈی میں موجودگی کنفرم کرتی۔ تمہاری کتابیں، ڈائریاں، ٹیلی فون نمبرز کریدتی، کھوجتی......بس میں عمر بھر تمہاری

کوج میں ہی لگی رہی۔ مجھے تو یاد بھی نہیں رہا کہ قدرت میرے کندھوں پر کیسی بھاری ذمہ داری ڈال چکی ہے۔ اور اگر اس ذمہ داری سے بطریق احسن نبرد آزما نہ ہو تو پھر ایسی کالی راتیں آجاتی ہیں۔

اور دیکھو، آ گئی وہ کالی رات...... میں تمہیں پانے کے لئے خود سے، تقدیر سے، تم سے لڑتی رہی...... اس چیز کو پانے کے لئے، جو میری کبھی تھی ہی نہیں اور بھول گئی کہ کوئی اور بھی ہے جو میری اس فضول لڑائی میں پس رہا ہے، ختم ہو رہا ہے۔ مجھ سے، ہم دونوں سے دور ہو رہا ہے۔

عزہ کو میں نے کبھی بیٹی کی نظر سے دیکھا ہی نہیں۔ میں اس کے خدوخال میں نیلم کی شباہت ڈھونڈتی تو اور بھی اشتعال میں آجاتی اور مجھے تمہاری محبت اور دلچسپی کی وجہ سمجھ میں آنے لگتی۔

دنیا میں کوئی ایسی ماں ہوگی، جو اپنی بیٹی کو اپنا رقیب سمجھتی ہوگی؟ وہ میں تھی۔ سارہ عالم۔ میں وہ بدنصیب ماں تھی عزہ! جو تمہیں بھی پیاری بیٹی نہ سمجھ سکی۔ تم پیار و توجہ کی تلاش میں شاید بھٹک گئیں۔ وہ توجہ جو تمہیں اس گھر میں نہ مل سکی۔

یہ نیلم کی بددعا تھی کہ سب کچھ پا کر بھی میں عمر بھر بے قرار، مضطرب اور بے بھروسہ رہی۔ میری سانسیں میرے اختیار میں نہ رہیں۔ جب جب ان دونوں کی گہری، پُراسرار محبت کا خیال آتا، مجھے دمے کا نڈھال کر دینے والا ایسا دورہ پڑتا کہ پھر کسی بھی دوا سے افاقہ نہ آتا۔

یہ دمہ نہیں تھا، یہ حسد کی آگ تھی، جو میرے اندر ہی جلتی بجھتی اور پھر سے بھڑک اٹھتی۔

اور اس آگ میں جلتے میں خود بھی بھول گئی کہ میری کوئی بیٹی بھی ہے...... اور اس کی کوئی پسند بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس کی پسند نے اور بھی میرے اندر شعلے بھڑکائے۔

اس شاطر محب مصطفیٰ کا بیٹا، اسے میں اپنا داماد بنا لوں...... نیور...... مگر داماد تو بیٹی سے ہوتا ہے...... تو بیٹی کہاں ہے؟ کہاں ہے عزہ؟...... میری بچی! میری جان! ایک بار آجاؤ۔ میں تم سے اپنی ساری بے توجہی، ساری بے نیازی کی معافی مانگ لوں گی۔ ایک بار لوٹ آؤ عزہ! ایک بار۔

وہ بے اختیار رونے لگیں۔

٭......٭
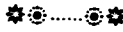
"ماما!...... ماما! دروازہ کھولیں ماما!" کوئی زور زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اس کے سوئے سوئے دماغ میں وقتاً فوقتاً آوازیں گونج تو رہی تھیں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"ماما!...... ماما! دروازہ کھولیں۔ ماما! پلیز...... ماما!" وہ لائبہ کی آواز تھی، بہت دیر بعد انہیں سمجھ میں آیا۔

انہوں نے مندی مندی آنکھوں سے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ مخملیں پردوں سے روشنی چھن چھن کر کمرے کو روشن کر چکی تھی۔

انہوں نے گہرا سانس لیا۔

ایک صدی کا سفر رات بھر میں کیا تھا۔ اتنی گہری نیند تو آنا ہی تھی۔ انہوں نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

دروازہ پھر سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

انہیں بادل نخواستہ اٹھنا ہی پڑا۔

"او مائی گاڈ، مام! آپ نے تو مجھے ڈرا کر رکھ دیا۔ صبح سے دس بار آ کر دروازہ کھٹکھٹا چکی ہوں، اب میں نوکروں کو بلا رہی تھی کہ آ کر دروازہ ہی توڑ ڈالیں۔" وہ جانے کیا سمجھی تھی، میڈم یاقوت کو اپنے سامنے زندہ سلامت دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"تم نے سمجھا کہ میں کچھ کھا کر سو رہی۔" اس کے یوں گل لگ جانے پر وہ کٹھور پن سے بولیں اور اسے ذرا سا خود سے الگ کیا۔ وہ لحہ بھر کو خاموش سی رہ گئی۔

"خدا نہ کرے، میں ایسا سمجھتی۔ مگر آپ نے رات سے خود کو جیسے کمرے میں بند کر رکھا ہے، میں نے رات بھی آپ کا بہت انتظار کیا۔" وہ کمرے میں آتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

"کیوں، کچھ خاص کام تھا؟" وہ اسی بے نیاز لہجے میں بولیں۔

"آپ نے رات کو کھانا بھی نہیں کھایا اور......"

"میں ذرا فریش ہو جاؤں۔ پہلے ہی لیٹ ہو چکی ہوں۔ آج تو اتنے زیادہ کام ہیں کہ بس۔" انہیں یکایک دن بھر کی مصروفیت اور آنے والی رات...... اُس معجزانہ رات کا خیال آیا، جس کے انتظار میں انہوں نے بیس سال گزار دیئے تھے۔

"ہاں، بالکل فریش ہو جائیں۔ میں ناشتہ لگواتی ہوں۔ اور پتہ ہے، آپ سے ملنے کون آیا ہے؟" وہ کھڑکیوں کے پردے

ہٹاتے ہوئے بولی۔
وہ وارڈروب کھولے اپنے لئے کوئی لباس منتخب کر رہی تھیں، سرسری لہجے میں بولیں۔
"کون؟"
"دائم.......او ماما! تو میں نے آپ کی چوری پکڑ لی۔" وہ ایک دم سے پُرجوش ہو کر بولی تو وہ واش روم کی طرف جاتے جاتے بے اختیار رکی تھیں۔ لائبہ کے ہاتھ میں ان کی رات بھر کی لکھی ہوئی ڈائری تھی۔
"اور آپ کہتی ہیں، آپ ڈائری نہیں لکھتیں اور یہ کیا ہے؟" وہ ڈائری کھولنے لگی۔
'یہ میں نے اسی کے لئے تو لکھی ہے۔ اگر یہ پڑھ لے تو کیا حرج ہے۔' لمحہ بھر کو انہوں نے سوچا۔
'مگر ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔' دوسرے ہی پل وہ آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ڈائری جھپٹنے لگیں۔
"سوری مام! یہ اب آپ کو نہیں مل سکتی۔ کم از کم پڑھے بغیر نہیں۔" وہ پھرتی سے ان کے آگے سے ہٹی تھی اور وہ بے بسی سے کھڑی دیکھتی رہ گئیں۔

✿◉......◉✿
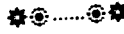
کمرے میں موت کی سی خاموشی تھی۔
اگرچہ کمرے میں پانچ نفوس موجود تھے، مگر اتنی خاموشی تھی کہ گھڑی کی سوئیوں کی ٹِک ٹِک سنائی دے رہی تھی۔
آغا فیاض، ثریا بانو، محمود عالم، سارہ اور تنزیل۔
اور محمود عالم کا جی چاہ رہا تھا، ان سب کو اُٹھا کر باہر سڑک پر پھینک آئیں۔
تنزیل کو ان دونوں کے ساتھ آتے دیکھ کر ان کا خون جوش کھانے لگا تھا۔
"اب تو رات بھی گزر گئی اور کل کا دن بھی.......اب کس بات کا انتظار ہ؟" ثریا بانو نے اپنی آنکھوں کے بھیگے گوشوں کو رگڑتے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔
کسی نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس میں جواب طلب کچھ تھا بھی نہیں۔
"پولیس میں رپٹ......." وہ ذرا آہستگی سے بولیں مگر محمود عالم نے فوراً ان کی بات کاٹی۔
"پلیز! آپ لوگوں کی آمد کا شکریہ.......وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہی ہوگی.......مجھے پتہ ہے، ان کا ٹرپ جانا تھا۔" وہ رک رک کر کمزور لہجے میں بولے۔
کمرے میں کچھ دیر کے لئے پھر گہرا سکوت چھا گیا۔
"ابھی بھی غیر سمجھتے ہو محمود عالم! اب تو اس گھڑی میں دشمن بھی اپنے ہو جاتے ہیں۔ وہ ہماری بھی کچھ لگتی ہے۔ اور یہ تم بودی دلیلیں فقط خود کو دو۔ مجھے تو نہیں۔ میں نصیبوں جلی.......برا وقت تھا مجھ پر جو اسے ساتھ لے کر......" ثریا بانو سِسک سِسک کر رونے لگیں۔
اور محمود عالم کو پھر وجۂ تنازع یاد آیا تو دل چاہا اس ڈھکوسلے باز بڑھیا کے ٹکڑے کر دیں۔
"میں تو اسے کل دوپہر کو لے کر نکلی تھی۔"
آغا فیاض، جوس کے سِپ لیتے یوں بیٹھے تھے جیسے اس ساری گفتگو سے ان کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔
'اگر یہ شخص اپنی بیٹی کی سرپرستی کرتا.......اُس کی بیٹی کا خاندان میں کوئی مقام، کوئی عزت ہوتی تو مجھ سے یہ گناہ تو سرزد نہ ہوتا اور آج.......آج یوں مجھے حساب تو نہ چکانا پڑتا۔' انہوں نے سلگتی نظروں سے آغا فیاض کو دیکھا۔
انہیں گناہ کے جواز تو بہت مل رہے تھے، مگر اعتراف گناہ کی ہمت ابھی بھی ان میں نہیں تھی۔
'اور یہ منحوس لڑکا، جس کی شکل سے مجھے نفرت ہے، یہ کیا میرا تماشا دیکھنے آیا ہے؟.......اسے کیوں اُٹھا لائے ہیں یہ دونوں بڈھا بڑھیا.......میلہ لگا ہے ادھر؟'
اور عین اسی لمحے تنزیل نے محمود عالم کی چنگاریاں اُڑاتی نظروں کی طرف دیکھا اور لمحہ بھر میں ان کا مفہوم بھی جان گیا۔
"آغا جان! میں چلتا ہوں۔ مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ اگر آپ نے چلنا ہے تو میرے ساتھ چلئے۔ دادی تو ابھی رُکیں گی۔" وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
آغا فیاض نے اجازت طلب نظروں سے ثریا بانو اور سارہ کو دیکھا۔
"اونہوں! تم جاؤ۔ یہ تو رُکیں گے ابھی اِدھر۔ میں جو ہوں۔ تم آ جاؤ اپنے ضروری کام سے فارغ ہو کر۔" انہوں نے خود ہی فیصلہ کرتے ہوئے کہا تو محمود عالم غصے میں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
"میرے تو خیال میں ممانی جان! آپ کے یہاں رکنے کی کوئی ضرورت نہیں اور......."

اسی وقت ڈرائنگ روم میں رکھے فون کی بیل بجی۔
محمود عالم نے سارہ کی طرف ایک نظر دیکھا جو ستے ہوئے چہرے کے ساتھ کسی بت کی طرح ساکت بیٹھی تھیں۔
چوتھی بیل پر انہوں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔
"یار! ہم تمہارے علاقے میں بھٹک رہے ہیں۔ اس عمر میں حافظہ جواب دے گیا ہے یا تمہارا ''قصہ'' کہیں کھسک گیا ہے۔ ایڈریس سمجھاؤ صحیح طرح۔ ہم ادھر ہیں۔''
مصطفیٰ انہیں محلِ وقوع سمجھانے لگے اور ان کا دماغ فوری طور پر کوئی بھی بہانہ گھڑنے سے قاصر تھا جو وہ مصطفیٰ کو یہاں آنے سے روکنے کے لئے کہہ سکیں۔ بے بس نظروں سے سارہ کو دیکھتے ہوئے وہ انہیں ایڈریس سمجھانے لگے۔

✲⊙......⊙✲
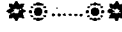
'یہ میں نے کیا کیا؟'
آنکھ کھلتے ہی احساسِ زیاں کی ٹیس سی اُس کے اندر کسی لہر کی طرح اُٹھی۔
'میں یہاں...... ماما، پاپا...... رات بھر اپنے گھر سے دُور محض ایک شوق کی تکمیل کی خاطر...... سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔' وہ وحشت بھرے انداز میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
اس نے رات کو میڈم یاقوت کی دی ہوئی سکون آور گولی نہیں کھائی تھی مگر اس کے باوجود اسے ایسی بے ہوشی کی نیند آئی تھی، جیسے وہ کئی راتوں کے رت جگے کے بعد سوئی ہو۔
کھانا...... جوس، کولڈ ڈرنک...... اُس کی سوئی اٹکنے لگی۔ یہی کچھ تو اس نے رات کو میڈم یاقوت کے ساتھ کھایا تھا۔
اور ان میں سے کسی کا بھی Taste چینج نہیں تھا۔ جانے کیسا وہم سا اس کے اندر سر اُٹھانے لگا تھا۔
رات بستر پر لیٹنے تک وہ بہت کنفیوزڈ اور پریشان تھی۔ اس کے وسوسوں نے کچھ ایسا زور پکڑا کہ اس نے چپکے سے دل میں سوچ لیا تھا کہ میڈم یاقوت کے جاتے ہی وہ خاموشی سے وہاں سے نکل جائے گی۔ اور نہیں تو دائم کو کال کر کے اس سے مشورہ ضرور لے گی۔
مگر بستر پر لیٹتے ہی وہ صرف چند منٹوں میں بے بس سی ہو چکی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ پپوٹوں پر جیسے کسی نے کچھ دھر دیا تھا۔
'اور اب بھی میں کتنی لیٹ اُٹھی ہوں۔' اس نے گیارہ بجاتے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ اس کا ذہن ابھی بھی سویا سویا سا تھا۔
'مجھے چلے جانا چاہئے۔' وہ چند لمحے سوچنے کے بعد ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
'میڈم یاقوت کے آنے سے پہلے۔' وہ تیزی سے اپنی چیزیں بیگ میں رکھنے لگی۔
'اور تمہارا شوق، جنون، دیوانگی جبکہ فقط دس گھنٹوں کے فاصلے پر ہے تو یوں کنارے پر پہنچ کر......' اس کے ہاتھ اس خیال کے آتے ہی تھم گئے تھے۔
'اور رات...... پوری رات جو میں یوں گھر سے باہر، بغیر کسی کو بتائے گزار چکی ہوں، کیا پاپا، مما معاف کر دیں گے؟ رات بھر میں انہوں نے مجھے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا ہو گا۔ اور میں تو کل دوپہر نانو کے گھر سے...... اور وہیں سے سب کو پتہ چل گیا ہو گا۔ اگر ماما، پاپا میری اس حرکت کو چند گھنٹے چھپا بھی لیتے مگر نانو، احسن ماموں...... اوہ مائی گاڈ! سب طرف، ہر کسی کو پتہ چل گیا ہو گا...... کتنا چیپ سوچا ہو گا سب نے میرے بارے میں...... شاید...... شاید عزہ کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی۔ اس کا افیئر ہو گا...... اور دائم...... دائم جو کل سے مجھے کال کر رہا ہے، میری اس حرکت کو اس نے کس رنگ میں لیا ہو گا۔ فقط ایک شوق اور جنون کی تکمیل کے لئے میں کیا کیا کچھ کھو چکی ہوں۔ کھو آئی ہوں، کیا مجھے اس کا احساس ہے؟' وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔
'اب ان پچھتاوؤں سے کیا حاصل؟ پورے بیس گھنٹے گزر چکے مجھے گھر سے نکلے۔ اور میں چلی بھی جاؤں تو مجھے کون قبول کرے گا...... اور پاپا کا رویّہ کس قدر Rigid (سخت) تھا۔ اگر وہ اتنی بری طرح سے behave نہ کرتے، مجھے کمرے میں لاک نہ کرتے، میری بات سن کر اس کو سمجھ لیتے، سمجھا لیتے تو شاید...... میں تو ان کو اپنے لئے ایک آئیڈیل سمبل کے طور پر لیتی تھی۔ کیوں نہ مانی ان کی بات۔ وہ ایک بار...... ایک بار مجھے بیٹی سمجھ کر بات تو کرتے۔'
اس کی آنکھوں میں گرم گرم آنسو اُمڈ آئے۔
'اور مما؟ تو ان دونوں نے شاید مجھے کبھی سمجھا ہی نہیں۔ اپنے جھگڑوں کے درمیان وہ ہمیشہ مجھے اس طرح نظر انداز کرتے تھے، جیسے میں ہوں ہی نہیں۔ اور وہ دونوں کیوں جھگڑتے تھے؟'
ایک انوکھے سے سوال نے اس کے دل کو Punch کیا۔

ایک سوال جو اس نے کبھی خود سے نہیں پوچھا تھا۔
'وہ دونوں کس لئے جھگڑتے تھے؟........کس کے لئے؟........کون تھا وہ تیسرا؟........وہ تیسرا جوان کے ہر جھگڑے میں رکھے بغیر پورے استحقاق کے ساتھ موجود ہوتا تھا۔ شاید پاپا کی کوئی ایکس Beloved یا ان کی ایکس وائف..... یا کون؟..... بھی تھی، اس کا تعلق پاپا سے تھا۔' وہ سوچتی چلی جا رہی تھی۔
اس نے آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔
'پاپا کی وہ ہر دم ٹھہر سے ڈھکی سرد آنکھیں جیسے کسی دُھند کے پار سے جھانکتی ہوں۔ وہ دُھند کسی کی یاد کا ہمہ وقت جلتا چراغ کون تھی؟ اور میں نے اس کو جاننے کی کبھی کوشش کیوں نہیں کی؟........ پاپا کی ڈائریوں میں وہ المیہ شاعری، ان کا رات بھر میں جاگنا اور کھوئے کھوئے سے انداز...... کچھ تھا...... بلکہ بہت کچھ تھا۔ اور پاپا نے ماما کے سامنے اس تیسرے نہ نظر آنے والے کو کبھی نہیں جھٹلایا تھا........ اس کا مطلب ہے، وہ موجود تھی اور ہے۔ کہیں آس پاس........ شاید بہت پاس...... جیسے پاپا اور ماما کے جھگڑوں کو درج کرتی، ان سے لطف اندوز ہوتی، شاید کچھ پلان کرتی، اپنے ٹھکرائے جانے کا بدلہ لینے کے لئے۔
مگر نہیں........ مجھے تو ایسا کچھ بھی، کبھی بھی محسوس نہیں ہوا........ یہ میں کیا اُوٹ پٹانگ سوچتی جا رہی ہوں؟' وہ ایک دم اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ گہرا سانس لے کر وال کلاک کی طرف دیکھا۔
'اب ایک بار اگر میں نے اس سمندر میں چھلانگ لگا دی، تب تو ڈرنا بے کار ہے۔ اب چاہے مجھے تیرنا آئے یا نہ آئے، مجھے کوشش تو کرنی ہو گی۔ یہ گولڈن چانس جو مجھے مل رہا ہے، اسے Avail تو کرنا ہو گا۔ اور آج کی رات ایک فیصلہ کن رات...... میرا فیوچر ڈیسائیڈنگ نائٹ........ پتہ نہیں، میں اچھی طرح سے پرفارم کر بھی سکوں گی یا نہیں........ اور میں میم کی توقعات پر پوری اُتر بھی سکوں گی یا نہیں۔ محض چند دنوں کی ریہرسل، وہ بھی کچھ ایکسٹرا آرڈنری نہیں۔ اس کے باوجود میم مجھے اتنے بھرپور طریقے سے پروموٹ کر رہی ہیں، ان کا خصوصی رویّہ صرف میرے لئے کیوں؟........ کیوں؟' پہلی بار اسے یہ خیال بہت شدت سے آیا تھا۔
'وہ کہیں آس پاس ہی ہے۔ ان دونوں کے........ میرے........ ہمارے........ کون؟' اسے چند لمحے پہلے سوچے گئے خیال نے ہِٹ کیا۔
'کہیں وہ میڈم یاقوت........ ہاہا، سرپرائزنگ!' اور پھر وہ زور سے ہنسنے لگی۔
'شاید میں پاگل ہو گئی ہوں۔ پاپا نے آج تک میم کو نہیں دیکھا اور میم کو تو میرے پاپا کا پتہ بھی نہیں........ مجھے لگتا ہے، مجھے وحشت نے تھوڑا نہیں، اچھا خاصا کنفیوز کر دیا ہے۔ میں بہت اوٹ پٹانگ سوچ رہی ہوں۔ مجھے اب باتھ لے کر فریش ہو جانا چاہئے اور خود کو حالات کے ہاتھوں میں دے دینا چاہئے۔ جو ہو گا، بہتر ہی ہو گا۔'
اس نے گہرا سانس لے کر واش روم کا رخ کیا ہی تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ وہ دائم کی کال تھی۔ وہ بے اختیار ٹھٹکی۔
'کیا کروں، ریسیو کر لوں؟' وہ سوچ میں پڑ گئی۔
'نہیں........ وہ فوراً پاپا کو لے آئے گا۔' اس نے سوچنے میں صرف چند لمحے لگائے اور سیل واپس رکھ دیا۔ بیپ بج کر خاموش ہو گئی۔
'کیا میں صحیح کر رہی ہوں؟' پھر ان ہی سوچوں نے اسے جکڑنا شروع کیا۔
'اِٹس او کے، اب جو ہو گا، سب آج رات کے بعد۔' وہ سر جھٹک کر جانے لگی کہ پھر سیل کی بیپ گنگنانے لگی۔
دوسری طرف میڈم یاقوت تھیں۔
وہی میٹھا، محبت بھرا شیریں لہجہ۔ عزہ کی رات بھر کی تھکان اور درد، کچھ دیر پہلے کی تکلیف دہ سوچیں سب اُڑن چھو ہو گئے۔
"خوب سوئیں، ہی!" اس کے ابھی اُٹھنے کا سن کر وہ پیار سے بولیں۔ "اِٹس گڈ........ تمہارے لئے تو یہ گہری اور طویل نیند ایک ٹانک تھا۔" وہ پیار سے کہہ رہی تھیں۔
"میں نے وہ ٹیبلٹ نہیں لی تھی، مگر پھر بھی ایسی گہری نیند، میری سمجھ میں نہیں آیا۔"
"اونہوں، فضول اب کچھ نہیں سوچنا۔ تم بس فریش ہو جاؤ۔ میں آ رہی ہوں۔ دونوں ماں بیٹی مل کر بریک فاسٹ کریں گے اور رات کا سارا پروگرام فائنل کریں گے، اوکے؟" وہ اسی لہجے میں کہہ رہی تھیں۔
"اوکے........ آپ جلدی سے آ جائیں۔ میں خود کو بہت لونلی فیل کر رہی ہوں۔" اس نے بے بسی سے کہا۔
"بس آدھے گھنٹے میں، میں تمہارے پاس ہوں گی۔ ڈونٹ وری۔ اور پلیز! کچھ اُلٹا سیدھا سوچنا نہیں۔ آئی ایم جسٹ کمنگ۔ گڈ بائے!" انہوں نے ہولے سے اسے پیار کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔
ابھی وہ فون رکھ بھی نہیں پائی تھی کہ وہ پھر بجنے لگا۔

"پاپا کالنگ۔" وہ بے حس نظروں سے تکے جا رہی تھی۔
تھک کر سیل چپ ہو گیا۔
'پاپا! آپ نے کال کرنے میں بہت دیر کر دی....... بہت دیر....... کاش! آپ مجھے ایک بار سمجھنے کی کوشش تو کرتے....... اور
مما مجھے تو شاید......' ابھی وہ اتنا ہی سوچ پائی تھی کہ سیل پھر وائبریٹ کرنے لگا۔
"ماما کالنگ۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
'تو آپ کو بھی میری یاد آ ہی گئی مما!....... بٹ اِٹس ٹو لیٹ۔'
اس نے بجتا ہوا سیل ریک پر رکھا اور نڈھال قدموں سے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

✲ ⊙ ...... ⊙ ✲
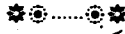
"عزہ کہاں ہے؟" وہ چبھتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے جس لہجے میں ان سے پوچھ رہا تھا، وہ چونک گئیں۔
دائم نے آج تک ان سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔
'یہ...... سب محبت کے کرشمے ہیں پیارے بیٹے! جب ہاتھوں میں جوان ہوتے بیٹے اپنی ماؤں سے اپنی محبت کی جواب دہی
چاہیں تو لہجے میں تلخی آ ہی جاتی ہے۔'
انہوں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے گہری بات سوچی اور انہیں دائم کا عزہ کے لئے یوں ڈسٹرب ہو کر بات کرنا کچی بات ہے،
بالکل نہیں بھایا تھا، ہر ماں کی طرح۔
"کون عزہ.......؟" وہ چہرے پر اپنی مخصوص دل نواز مسکراہٹ سجا کر قدرے بے نیازی سے بولیں۔
"پلیز!" دائم نے خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا۔
"اوہ، آئی سی...... بٹ آئی ڈونٹ نو۔" انہوں نے کمال کی اداکاری کرتے ہوئے اسی بے نیاز سے انداز میں کندھے اُچکا
کر کہا۔
"مجھے پتہ ہے۔" چند لمحے انہیں بغور دیکھنے کے بعد دائم نے آہستگی سے کہا۔
"کیا...... کیا پتہ ہے؟" پہلی بار اُس کی آنکھوں میں اُلجھن نظر آئی تھی۔
"وہ آپ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں جا سکتی۔ اور جس طرح سے کل سے آپ مجھے کہیں بھی نہیں مل پا رہیں، آپ کا یہ گریز،
پہلی اس بے نیازی کا پردہ چاک کر رہا ہے، یُو نو۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر ان کے چہرے پر نظریں جما کر بولا تھا۔
"پھر تو غلط فہمی ہے تمہاری۔ گریز میں نہیں، تم کر رہے ہو، مجھ سے ملنے کے لئے۔ کئی دنوں سے یوں چھپتے پھر رہے ہو مجھ سے،
جیسے میں تمہیں زبردستی اپنا لوں گی۔ کوئی کسی کو زبردستی تو اپنا نہیں سکتا نا ڈیئر! جیسے میں تمہیں اتنے مہینوں سے۔" وہ ایک دم سے لہجہ
پلٹ کر بولیں۔ دائم چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکا۔
"پلیز، اس کے پیرنٹس بہت پریشان ہیں۔ میں اس کے فادر کے ساتھ رات میں بھی آپ کی طرف آیا تھا، مگر آپ....... آپ
ہم سے ملنا نہیں چاہتی تھیں۔" وہ جتانے والے انداز میں بولا۔
"کیوں، میں کیوں Avoid کروں گی ملنے سے؟...... اور مجھے لگ رہا ہے، تمہیں شک ہے کہ میں نے اسے کہیں چھپا رکھا
ہے۔ لو، میں یہاں بیٹھی ہوں۔ تم پلیز اُٹھ کر سارا گھر چیک کر لو۔" وہ شکایتی انداز میں کہتی صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔
دائم انہیں دیکھتا رہا۔ اُن کے چہرے پر کچھ بھی نہیں تھا، جو قابلِ گرفت ہوتا۔ مگر کچھ ہے....... کیا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔
"خیر، ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔
"بات یقین کی ہے۔ تمہیں مجھ پر اتنا یقین تو ہونا چاہئے۔" وہ بھی جواباً مسکرائیں۔
"بات یقین کی نہیں، کامن سینس کی ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"سیدھی سی بات ہے، آپ اسے یہاں کیوں رکھیں گی؟"
"واٹ؟" وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئیں۔
"مجھے یقین ہے، آپ سچ کہہ رہی ہیں۔ عزہ یہاں آپ کے گھر میں نہیں ہے۔ مگر وہ کہاں ہے، آپ بخوبی جانتی ہیں۔" وہ رک
گیا۔
"تم اتنے شیور کیسے ہو؟" وہ طنز سے بولیں۔
"میرا دل کہتا ہے۔" اسے فوری طور پر یہی جواب سوجھا تھا۔

''میری ایک بات مانو گے؟'' وہ آگے کو جھک کر بولیں۔ ''کبھی دل کے کہنے پر نہ چلنا۔عمر بھر بھٹکتے رہو گے۔''

''جیسے آپ بھٹک رہی ہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''میرا یہاں کیا ذکر؟...اور میں کیوں بھٹکوں گی؟ میں نے ہمیشہ دل کی نہیں، دماغ کی سنی ہے۔'' وہ خود اعتمادی سے

''ایک دُھند سی ہے۔ایسی دبیز کہ چھٹتی تھی.......آپ کے اور میرے بیچ اسرار کا پردہ.......مجھے آپ کا مکمل ادراک روکتا ہے۔''

وہ جواب میں خاموش ہو گئیں۔

''شاید آپ اس پردے کو کبھی بھی سرکانا نہیں چاہیں گی۔اس کے پیچھے آپ کی پوری زندگی ہے۔''

وہ عجلت بھرے انداز میں گھڑی دیکھتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔

''سوری۔مجھے دیر ہو گئی ہے۔نکلنا ہے مجھے۔شام کو فنکشن میں تو آؤ گے نا؟'' وہ آخر میں اسی میٹھے لہجے میں بولیں۔

''آپ کا عزہ سے آخری بار رابطہ کب ہوا تھا؟'' وہ انہیں گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

''شاید پرسوں رات....... یا دن میں۔ٹھیک سے یاد نہیں۔فائنل ریہرسل کے بعد میری کوئی ملاقات نہیں ہوئی اس سے'' وہ جانے لگیں۔دائم بے بس نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''وہ اپنی دوست کے یہاں ہو گی۔اس کے پیرنٹس شاید اسے پرمیشن نہیں دے رہے تھے اور وہ اپنے جنون کے آگے... وہی عام سی گھسی پٹی اسٹوری.......والدین کو خود پر، اپنی تربیت پر اتنا بھی اندھا غرور اکثر لے بیٹھتا ہے۔تم لائبہ سے کہہ کر شام کو ملیں گے۔''

دائم اٹھ کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''Can I check it?'' اس نے بالکل اچانک سے ان کے ہاتھ میں ڈھیلا سا پکڑا موبائل فون کھینچ لیا۔

وہ اس چیز کے لئے قطعاً تیار نہیں تھیں۔

''میں صرف آپ کی کالز چیک کروں گا۔کل اور آج کے دوران۔''

وہ ان سے تین چار قدم ہٹ کر اب بڑے آرام سے کالز چیک کر رہا تھا۔

وہ خاموش کھڑی پیچ و تاب کھاتی رہیں۔

''اس نے کل دوپہر میں آپ سے کانٹیکٹ کیا تھا اور یہ وہی ٹائم تھا، جب وہ گھر سے نکلی۔اور.......'' بولتے ہوئے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی جو بالکل سپاٹ تھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے آپ نے اس کے سیل پر کال کی ہے۔ایم آئی رائٹ؟''

وہ جواب میں لاپروائی سے کندھے اُچکا کر رہ گئیں۔

''اب آپ اکیلی نہیں جائیں گی۔میں سارے دن کے لئے آپ کے ساتھ ہوں۔اور دیکھیں نا، اتنے دن ہو گئے، ہم یوں اکٹھے ہوئے، ایک دوسرے کو کمپنی دیئے۔بے شک آپ بے حد مصروف ہیں اور میں بھی.......مگر ہمیں ایک دوسرے کے لئے ٹائم نکالنا چاہئے۔کیوں مام؟'' وہ بڑی اپنائیت بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے ان کی طرف موبائل بڑھا کر ساتھ چل پڑا۔

میڈم یاقوت جواب میں اسے روکنے کا کوئی بہانہ بھی نہ گھڑ سکیں۔وہ اب اپنا اگلا قدم سوچ رہی تھیں کہ انہیں فوری طور پر اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔

٭◉......◉٭

''تم دائم کو ساتھ لے لیتے تو اتنی پریشانی نہ ہوتی۔'' انہوں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مصطفیٰ سے کہا۔

''دائم کا مت پوچھو، میں تو اس کو سمجھ نہیں پا رہا۔اب بھی دیکھو، صبح سے بغیر بتائے خدا جانے کہاں نکل گیا۔اور مجھ سے ہی مجھ سے صبر نہیں ہو سکا، یہ شام وام کا.......بس ابھی رخشندہ کو لیا اور.......'' مصطفیٰ اپنی اپنائیت بھرے بے تکلف انداز میں بول رہے تھے۔

اور ان کی عرق عرق ہوتی پیشانی برسوں بعد ملنے والے دوست کی آمد کا کچھ اور ہی مطلب ظاہر کر رہی تھی۔

''تم کچھ پریشان ہو؟'' مصطفیٰ نے ان کی مسلسل چپ پر کہا۔

''نہیں....... بالکل بھی نہیں۔اور بھابی! آپ کیسی ہیں؟'' انہوں نے لہجے میں مصنوعی بشاشت سموتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک۔آپ بھابی کو بلوائیں نا۔اور عزہ کو بھی۔مصطفیٰ اور میں تو بہت ایکسائیٹڈ ہو رہے ہیں، ورنہ یہ ٹائم تو نہیں تھا کسی کے گھر جانے کا۔'' ڈاکٹر رخشندہ نے پھر سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔یوں بھی محمود عالم کے پھیکے سے خوش آمدید کہنے کے

...انہیں کچھ شرمسار کر دیا تھا۔

"نہیں بھائی! یہ آپ کا اپنا ہی تو گھر ہے۔" وہ زبردستی پھر مسکرائے تھے اور ان کے ہونٹ ذرا سا پھیل کر سکڑ گئے تھے۔

"...بھابی کو بلاؤ نا۔" مصطفیٰ نے ذرا بے تاب سا ہو کر کہا۔

"...وہ اصل میں سو رہی ہے۔ اس کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔ رات بھر سو نہیں سکی تو صبح دوا لے کر سوئی ہے۔"

...اگر ہما رہ نکل آئیں، اوّل تو اس کی امید نہیں تھی، جس طرح مصطفیٰ کے آنے کا سن کر وہ غصہ میں تنتناتی، ثریا بانو کو لے کر ...میں چلی گئی تھیں، شاید ہی ان لوگوں کے جانے سے پہلے باہر آ سکیں۔

...آج کل تو ان کا بہت برا وقت چل رہا تھا۔

"...اور... وہ یقیناً کالج گئی ہوگی۔" انہوں نے خود ہی ان کی مشکل آسان کر دی۔

وہ بات میں سر ہلا کر رہ گئے۔

"میں آپ کو منع بھی کر رہی تھی، مگر پھر بھی آپ بے وقت چل پڑے تو کیا فائدہ ہوا؟" رخشندہ نے شوہر کو گھر کا۔

"...نہوں...... دوستی میں وقت نہیں دیکھا جاتا ڈیئر وائف! میرا دل تو اپنے دوست سے ملنے کے لئے اُڑا جا رہا تھا۔" وہ محمود ...کو محبت پاش نظروں سے دیکھ کر بولے۔

"...دوست کا دل......" رخشندہ نے چپکے سے محمود عالم کے چہرے کو دیکھ کر کہا، جسے وہ دونوں ہی نہیں سن سکے۔

"...نے کچھ کہا؟" محمد عالم دونوں کے خاموش ہونے پر شرمندہ سا ہو کر چونکے تھے۔

...دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کھڑے ہو گئے۔

"ہم چلتے ہیں محمود! پھر کسی دن چکر لگا لیں گے۔ بلکہ یوں کیوں نہیں کرتے، تم بھابی اور عزہ کو لے کر شام میں ہماری طرف آ..." مصطفیٰ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"ہاں، کیوں نہیں...... ضرور!" وہ ان کے اتنی جلدی اُٹھ جانے پر ایک دم سے خوش ہو کر بولے۔

"تو پھر آج شام پکا ہے؟" وہ اقرار لینے پر تُل گئے۔

"نہیں، آج شام تو نہیں۔ ابھی میرے ایک کیس کی ہیئرنگ ہے اور کل بھی...... اِن شاء اللہ! پرسوں شام میں ضرور۔" انہیں ...نے کے لئے بھی کچھ وقت چاہئے تھا۔

"چلو، جیسے تمہاری مرضی۔" وہ مرجھائے ہوئے لہجے میں بولے۔

...محمود عالم سے ایسے روکھے پھیکے استقبال کی توقع نہیں تھی۔

"...ارے، تم لوگ چل کہاں دیئے؟ چائے وغیرہ، کچھ تو...... لے کر آ رہے ہیں ملازم۔ کمبخت ایک سے ایک بڑھ کر کام چور، ...تم دونوں نے ساروں کے دماغ خراب کر رکھے ہیں۔ سچ بتاؤ۔" جانے کہاں سے بولتی ہوئی ثریا بانو آ گئی تھیں۔ پل بھر کو وہ ...ٹھٹک گئے۔

"...بس آنٹی! بس ہم جا رہے ہیں۔ یونہی ادھر سے گزرے تو آ گئے۔" مصطفیٰ نے آہستگی سے کہا۔

"...ہارون کی اماں اور عالی کی ممانی بھی...... جانتی ہوں تمہیں تو میں۔ عالی کے بڑے پرانے دوست ہوں۔ یوں کھڑے ...نہیں جا سکتے کچھ کھائے پیئے بغیر۔ بیٹھو ذرا۔" وہ خوامخواہ گرم جوشی دکھاتی محمود عالم کو زہر لگ رہی تھیں۔

"...ہاں، پھر بھی۔" مصطفیٰ نے ترچھی نظروں سے محمود عالم کے غصیلے چہرے کو دیکھا۔

"...بھئی۔ کہاں کچھ کھایا جائے گا یہاں۔ صبح سے کسی نے دانہ رزق کا کھایا نہ پانی کا گھونٹ پیا۔ صدمہ ہی ایسا ہے۔" وہ روانی ...میں ایک نظر محمود عالم کو دیکھ کر بے اختیار ٹھٹکی تھیں۔

"...صدمہ...... کیسا صدمہ؟" بات اتنی اچانک سی تھی کہ دونوں کا چونکنا لازمی بات تھی۔

"...کچھ نہیں، وہ ممانی تو......" محمود عالم نے بے بسی سے دونوں کی طرف دیکھا۔

...عالی نے ایک جتاتی ہوئی نظر محمود عالم پر ڈالی۔

"...کب تک چھپاؤ گے؟...... ابھی نہیں تو شام، رات، کل...... پتہ تو چل جائے گا۔"

...وہ ٹوٹ کر صوفے پر گر گئے۔ مصطفیٰ بے اختیار ان کی طرف بڑھے۔

❋⊙......⊙❋

...مسلسل کالز آ رہی تھیں اور ان کالز کے بند ہوتے ہی وہ خود بھی فون کرنے لگتیں۔

...کے سامنے خود کو بے حد مصروف شو کر رہی تھیں یا واقعی تھیں۔ دائم گھنٹہ بھر میں ان کی ہمراہی سے بیزار ہو گیا۔

'یہ محض مجھے بے وقوف بنا رہی ہیں۔ اگر عزہ ان کے پاس ہے بھی تو یہ میرے سامنے اس سے ملنے تو نہیں جا سکیں گی بھی ضرور، یہ مجھے پتہ ہے۔ مجھے ان کے ساتھ ساتھ رہنا چاہیے مگر ایسے نہیں۔'

اس نے بغور ان کی طرف دیکھتے ہوئے دل میں فیصلہ کیا۔

اس نے اپنا سیل نکال کر ڈرائیور کو مطلوبہ جگہ پر گاڑی لانے کو کہا تو میڈم یاقوت خفیف سا مسکرائیں۔

''کیا بہت تھک گئے؟ ابھی تو ہم صرف سڑکوں پر ہیں۔ ابھی تم میرے ساتھ چل کر سارے انتظامات دیکھو گے۔''

''میرا چکرانے کا کوئی پروگرام نہیں، اس لئے جا رہا ہوں۔ ڈرائیور سے کہیں مجھے سائیڈ پر اتار دے۔ میرا ڈرائیور آتا ہی ہوگا۔''

''اوکے.......بڑی جلدی ہمت ہار گئے۔'' وہ طنز سے بولیں۔

''ہمت ہارنے والوں میں سے ہوں نہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے۔ بس اتنا یاد رکھیے گا۔ اوکے، ٹیک کیئر۔'' گاڑی سے ہاتھ ہلا کر اُتر گیا اور میڈم یاقوت اسے دیکھتی رہ گئیں۔

❁

یا کیوں نہیں رہیں؟......آدھے گھنٹے کا کہہ کر ڈیڑھ گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں۔فون بھی ان کا آف جا رہا ہے اور دوسرا
یہ کیا مصیبت ہے؟" وہ کمرے میں کسی قیدی کی طرح بند اب اچھی خاصی پریشان ہونے کے بعد کوفت میں مبتلا ہو چکی

ٹمنٹ کا دروازہ لاکڈ تھا۔وہ کئی بار باہر جا کر کھولنے کی کوشش کرنے کے علاوہ ناک بھی کر چکی تھی۔
رام پر بھی کوئی نہیں تھا۔فریج سے جوس نکال کر تھوڑا سا اس نے پی لیا تھا اور پھر رات کی مدہوش نیند کا خیال آتے ہی وہ بھی

ہیں میں کسی جال میں تو نہیں پھنس رہی......یا پھنس چکی ہوں؟' بہت برا خیال آیا تھا اسے۔
اس سے پہلے کہ ہر رستہ بند ہو جائے، مجھے یہاں سے نکلنے کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔' اس خیال کے آتے ہی اس کی تمام حسیات

یا۔
نے جلدی سے دائم کا نمبر ملایا......مسلسل بیل جا رہی تھی مگر کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔
پاپا کو نہیں کر سکتی۔وہ تو......' متفکر سی وہ آگے کچھ نہیں سوچ سکی۔
منٹوں میں اس نے سترہ بار دائم کو کال کر ڈالی۔کال ریسیو نہ ہونے پر اس پر وحشت طاری ہو گئی۔
نے گھر کا نمبر بھی ملا ڈالا مگر وہاں بھی کوئی اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔وہ بے اختیار رو پڑی۔
وقت اس کا سیل فون گنگنا اٹھا۔
دائم کالنگ۔" اور اُس کے مُردہ جسم میں زندگی کسی کرنٹ کی طرح دوڑی۔
دائم!......دائم پلیز آ جاؤ۔آئی ایم اِن ٹربل۔" وہ روتے روتے بولی۔
ایڈریس بتاؤ جلدی سے۔" اس نے بھی کوئی اور سوال نہیں کیا۔
ایڈریس......ایڈریس تو مجھے نہیں پتہ۔" پہلی بار اسے احساس ہوا وہ کتنا بڑا بلنڈر کر چکی ہے۔
بات......تمہیں نہیں پتہ تم کہاں ہو؟ کیا تمہیں کڈنیپ کیا گیا ہے؟" وہ بری طرح سے پریشان ہوا تھا۔
نہیں......کڈنیپ نہیں......مگر مجھے واقعی نہیں پتہ یہ جگہ یا علاقہ کون سا ہے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔
گھر ہے یا اپارٹمنٹ؟" وہ جلدی سے بولا۔
اپارٹمنٹ......پوش ایریا ہے۔نیئر ٹو......" وہ اندازے سے لوکیشن بتانے لگی۔
کس کے ساتھ آئی تھیں تم یہاں؟"
میڈم یاقوت۔" وہ آہستگی سے بولی۔
اوہ......تو میرا شک درست تھا۔ویسے عزہ! یوں تو تم بہت ذہین اور......خیر تمہیں کچھ تو خیال کرنا چاہئے تھا، یوں گھر سے
۔" اسے ڈانٹنے کا خیال ترک کر کے وہ قدرے نرمی سے بولا۔
تمہارا ان سے رابطہ ہے؟"
نہیں......وہ کافی دیر سے فون اٹینڈ نہیں کر رہیں۔حالانکہ انہوں نے مجھے آنے کے لئے کہا تھا اور میں ان کا ویٹ کر رہی

تم گھر سے نکلیں کیوں؟" وہ بے اختیار چیخ کر بولا۔
مجھے نہیں پتہ......پلیز! مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔جانے کیا ہونے کو ہے بظاہر......" وہ ارد گرد خوف زدہ سی نظروں سے دیکھ

تم ایک کام کرو۔اندر سے سارے دروازے لاک کر لو۔میں تم سے مسلسل رابطے میں رہوں گا۔اندازے سے اس جگہ

پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم پلیز! فون آف نہیں کرنا، میں آ رہا ہوں تھوڑی دیر میں۔ اور گھبرانا نہیں۔" وہ اسے تسلیاں دے رہا
اسی وقت باہر سے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔
"سوری ڈارلنگ! میں تھوڑی لیٹ ہوگئی دس کام تھے جو مجھے یہاں آنے تک راستہ بھر نمٹانے پڑے۔ تم نے نا
اندر آتے ہی اسے اپنے ساتھ لپٹا کر بوسہ لیتے ہوئے تشویش سے پوچھنے لگیں۔
"نہیں وہ......جی نہیں چاہ رہا تھا۔" وہ رکھائی سے بولی۔
"ہوں......خفا ہوگئیں میری جان! قسم سے، میں پورے ٹائم پر گھر سے نکلی تھی، مگر......اچھا تم اتنی دیر میں
میں ناشتہ منگواتی ہوں۔ میں نے بھی ابھی کچھ نہیں کھایا۔ ہری اپ جان! بہت کام ہیں۔" وہ اسے ڈریسنگ روم کی طرف
بولیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔
"اگر میں واپس جانا چاہوں؟" لمحہ بھر کی معنی خیز چپ کے بعد وہ بولی تھی۔
میڈم یاقوت ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگیں۔
"ڈارلنگ! مجھے صرف تمہاری خوشی چاہئے۔ اگر تم واپس جانا چاہتی ہو تو نو پرابلم۔ تم چینج کرلو، ناشتہ کرتے
راستے میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔" وہ اس لگاوٹ سے بولیں تو عزہ الجھ سی گئی۔
"اب کیا ہوا؟" اسے سوچتے دیکھ کر وہ بولی۔
"میری گاڑی تو ہے نا۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ انہیں بغور دیکھ کر بولی۔
"اوہ! میں بھول گئی تھی۔ بالکل، تم گاڑی میں جا سکتی ہے۔ مگر میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔ تم گھر پہنچ
واپس آؤں گی۔" وہ فکرمند گارجین کے سے لہجے میں بولیں تو عزہ سر ہلا کر چینج کرنے چلی گئی۔
میڈم یاقوت کھڑی کچھ سوچنے لگیں۔
انہوں نے ایک نظر ادھر دیکھا، جدھر عزہ گئی تھی۔
ان کا دماغ بہت تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا۔
'یوں ہاتھ آئی عمر بھر کی ریاضت جانے دوں بڑے آرام سے۔ خوب!......بہت خوب!' وہ دانت پیس کر رہ
انہوں نے آہستگی سے میز پر پڑا عزہ کا سیل فون اٹھایا اور کالز چیک کرنے لگیں۔ ان کی آنکھوں کی چمک بڑھ
'بس چند گھنٹے میری چڑیا!......صرف چند گھنٹے۔ جب پر کترے جائیں گے تو پھر جی بھر کے اڑان بھرنا، اگر
ابھی نہیں۔'
انہوں نے زہرخند مسکراہٹ کے ساتھ عزہ کے سیل سے سم نکالی اور اپنے بیگ میں ڈال لی اور سیل واپس رکھ
میں صوفے پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگیں۔

✲◉......◉✲

"خدا گواہ ہے، میں نے سارہ کیا، کسی کی بھی بیٹی کے لئے کبھی برا سوچا نہ چاہا۔ اگرچہ وہ جس تکبر کے ساتھ
گھائل تھا، پھر بھی میں نے کوئی بری سوچ دل میں نہیں آنے دی۔" یاسمین پُرملال لہجے میں کہہ رہی تھیں۔
تنزیل، آغا جان کو گھر لے آیا تھا۔ ثریا بانو ادھر ہی رہ گئی تھیں۔ وہ خود محمود عالم کی نفرت بھری نظروں کو بڑی مش
کر کے آیا تھا۔ اگر آج ان پر یہ صدمہ نہ ٹوٹا ہوتا تو وہ یقیناً ان سے نظروں کی وجہ تو پوچھ ہی لیتا جن کا وہ بچپن سے سا
"تم کچھ دیر کو رک جاتے۔ وہ بے چارے اکیلے محمود بھائی کہاں دوڑ دھوپ کریں گے؟" یاسمین اسے چپ د
"انہیں میری ایسی کسی مدد کی ضرورت نہیں تھی، دوسرے......" وہ رک گیا۔ "امی! ایک بات تو بتائیں، یہ محمود
قدر نفرت کیوں کرتے ہیں؟" وہ وہی سوال جو ہزار بار خود سے پوچھ چکا تھا، مجبور سا ہو کر پھر دوہرا بیٹھا۔
"اچھا......ایسا نہیں۔ وہ کیوں کریں گے نفرت؟" یاسمین یوں چونکیں جیسے انہوں نے بالکل نئی خبر سنی ہو۔
ایسی ہے۔ دیکھا تو ہے، وہ کب کسی سے ڈھنگ سے بات کرتے ہیں؟" وہ سرسری انداز سے کہنے لگیں۔
"آپ نہیں سمجھیں گی۔" وہ مایوسی سے بولا۔
"اچھا، میں ذرا کام سے جا رہا ہوں۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔
"اب کون سا کام ہے تمہیں؟ گھر میں رہو۔ تمہارے ابو کی اور آغا جان دونوں کی طبیعت مجھے اچھی نہیں لگ
ہو کر اس کے ساتھ ہی کھڑی ہوگئیں۔
"آ جاؤں گا میں جلد ہی۔ اور آپ کو کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کرلیں۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

اسے شدت سے عائشہ بخاری کی کال کا انتظار تھا اور اس نے خود سے اسے کال کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو وہ صبح سے دس بار کر چکا ہوتا۔

عزہ محمود عالم سے کوئی ہمدردی تھی نہ سارہ سے۔ مگر عزہ کا یوں غائب ہو جانا اسے بہت تکلیف دے رہا تھا۔ ویسی ہی تکلیف وہ تانیہ کے چلے جانے پر محسوس کرتا رہا تھا۔

"عزہ کے بارے میں عائشہ بخاری کو ضرور علم ہوگا۔" کوندے کی طرح یہ خیال اس کے دماغ میں لپکا تھا۔

سڑک پر ایک طرف ہو کر اس کا نمبر ملانے ہی لگا تھا کہ اس کے بالکل پاس ایک گاڑی آ کر یوں رکی کہ وہ بری طرح سے

❁◉......◉❁
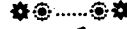
"...ایک گھنٹے بعد فلائٹ ہے۔ چلنا ہے تمہیں اپنے گھر والوں سے ملنے؟'' جہانگیر ہمدانی آج تین دن بعد اس کے سامنے آیا تھا، شاید اُسے چڑانے کو بولا تھا۔

اس نے ایک نظر میں اس کی آفر میں چھپے طنز کو جا لیا تھا۔

"مجھے جانا ہوگا تو میں خود چلی جاؤں گی۔ تم یا کوئی اور مجھے نہیں روک سکتا۔'' وہ خود اعتمادی سے کہتے ہوئے اپنی وارڈروب سے ... کے لیے لباس منتخب کرنے لگی۔

"بڑا غرور آ گیا ہے تم میں۔''

"نہیں، اعتماد...... وہ بھی خود پر۔'' وہ دیکھے بغیر بولی۔

"ٹھیک ہے، تم نہیں جانا چاہتیں تو کوئی بات نہیں۔ میں جا کر ان کو تمہاری خیریت سے آگاہ کر آؤں گا۔ رشتے دار موجود ہوں تو ملتے رہنے چاہئیں۔'' وہ پھر سے اسے جلانے کو بولا۔

"تم خود بے جڑ کے پودے ہو۔ ابھی زور کی ہوا چلی، ابھی اُکھڑ کر پیروں تلے چلے گئے۔ بس اسی لئے تو دوسروں کو ایسا کہتے ہو۔'' تانیہ زہر خند لہجے میں بولی۔

"...... زیادہ پر نکل آئے ہیں۔'' وہ اتنا کھلا طعنہ جھیل نہیں سکتا تھا۔

"اور تم ابھی سے دن شمار کرنا شروع کرو۔ تمہارا کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا ہے۔ اس موج مستی کے دن اب جانے والے ہیں۔'' وہ حقارت سے اسے دیکھ کر بولی۔

"تو اب ان تسلیوں سے دل بہلا رہی ہو۔''

"نہیں ڈیئر انکل۔ ذرا آئینے کے سامنے تو آؤ۔ اور ان وحشت زدہ، کانپتے ہاتھوں کے ساتھ کوئی نوخیز کلی تو کیا جام بھی نہیں تھام سکتے۔ بڑھے کھوسٹ ہو رہے ہو۔ ذرا تسلی سے خود کو دیکھو۔'' وہ اسے چڑانے والے انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

جہانگیر ہمدانی بالکل غیر شعوری طور پر آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ کثرتِ مے نوشی، رات رات بھر جاگنا اور ہوس پرستی کی ... سے اس کا ڈھلکی کھال اور چھائیوں زدہ چہرہ وہی کہانی سنا رہا تھا، جو ابھی تانیہ طنز میں کہہ کر گئی تھی۔

"کیا میں بوڑھا ہو رہا ہوں؟...... اور چند سالوں میں بے نام ونشان...... اور یہ ساری جائیداد، روپیہ، دولت، پیسہ جو ... بینکوں میں ڈال کر جمع کیا، سب لاوارثوں میں تقسیم ہو جائے گا اور میں...... میں اس مکار لومڑی تانیہ اور اس ... دھکے کھاتا پھروں گا؟'

زندگی میں پہلی بار اسے بے نام ونشان رہ جانے کا ایسا تھرا دینے والا خوف ٹھیک دل میں اُبھرا تھا کہ درد کی تیز لہر ... نکل کر پوری لیفٹ سائیڈ کو اپنے حصار میں لیا کہ وہ ضبط کرتے ہوئے بھی نڈھال سا ہو کر صوفے پر گر گیا۔ چند ... کرنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر اس نے آنکھیں میچ لیں۔

"... کی پہلی نشانی۔ یوں بیٹھے بیٹھے سو بھی گئے۔ چلو نکلو، میں جا رہی ہوں۔ مجھے لاک کرنا ہے سب۔''

... بجلی کی طرح لشکارے مارتی، تیار ہو کر اس کے سامنے کھڑی نفرت سے کہہ رہی تھی۔

... خالی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"... آؤٹ ہو گیا، جو ٹکر ٹکر دیکھے جا رہے ہو؟'' وہ دوبارہ سے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"... تھی مجھ سے۔ تانیہ لائف پارٹنر کے طور پر اچھی تھی۔ بزنس تو میں اور ڈھیر ساری لڑکیوں سے چلا ہی رہا تھا، ... کیسا احمقانہ فیصلہ کیا میں نے لالچ اور جلد بازی میں۔'

تانیہ کو یک ٹک دیکھتے ہوئے اسے اس ناقابلِ تلافی نقصان کا احساس ہوا جو وہ خود ہی خود کو پہنچا چکا تھا۔
''اٹھ چکو اب۔'' پرفیوم میں خود کو نہلاتے ہوئے وہ اب کے بیزاری سے بولی۔
''ایک بات کہوں۔'' جہانگیر ہمدانی اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔ تیز خوشبوئیں، رنگ اور چمکتی جلد اور جوانی کا رنگ... کی نظریں خیرہ ہونے لگیں۔
''کوئی فضول بات نہیں پلیز۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بیزاری سے بولی۔
''میں ابھی بھی جوان ہوں اور تم ابھی بھی حسین۔'' وہ بے اختیار اس کی صراحی دار دودھیا گردن کو چھو کر بولا۔
''اس آدھے سچ کا مطلب؟'' وہ ناگواری سے اس کے منہ سے آتے بدبو کے بھبھوکے سے بیزار ہو کر پیچھے ہٹی۔
''پورا سچ۔'' وہ اسے پیاسی نظروں سے دیکھ کر بولا۔
''میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔'' وہ گھڑی دیکھ کر بولی۔
''میرے دل میں تمہارے لئے وہی پرانے جذبات پوری قوت سے انگڑائی لے کر بیدار ہوئے ہیں ڈارلنگ! آؤ... ہو جائیں۔'' وہ مخمور لہجے میں کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔
''یہ تمہارے ذہن کا مسئلہ ہے۔ علاج کراؤ اس نامراد کا۔ اور رہی ایک ہونے کی بات...... وہ بھی تم سے مجھ... میں ہر گھڑی فن۔'' وہ نفرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔
''تانیہ! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ رئیلی، آئی ایم اِن لو وِد یو۔'' وہ بے بس سا ہو کر بولا۔
''اچھا، اب یہ گھسے پٹے ڈائیلاگ کسی اور مجھ جیسی احمق گدھی پر آزماؤ جا کر۔ میرے لئے تو ان کی ڈیٹ ایکسپائر ہو... گیٹ لاسٹ۔'' وہ بولتے بولتے ایک دم سے دھاڑی تھی۔
''میں یہ سب دل سے کہہ رہا ہوں۔''
تانیہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر فروٹ باسکٹ میں رکھی تیز دھار چھری اٹھالی۔
''کک...... کیا کرنے لگی ہو؟'' وہ بے اختیار گھبرایا تھا۔
''تمہارا دل سینے سے نکال کر دیکھوں، اس خانہ خراب نے اور کتنا دنیا میں گند پھیلانا ہے۔'' وہ خطرناک ارادے... طرف بڑھ رہی تھی۔
''پاگل ہو گئی ہو؟'' وہ گھگھیا کر بولا۔
''ہو گئی ہوں...... ابھی نہیں، پہلے سے تھی۔ تمہیں پتہ اب چلا ہے۔''
وہ اس کے بالکل قریب آ چکی تھی اور دروازہ بھی اس کے عقب میں تھا، جسے اُلٹے ہاتھ سے تانیہ نے بند کر دیا۔
جہانگیر ہمدانی کا دل بند ہونے لگا۔

✲✲......✲✲

''آؤ بیٹھو۔'' تنزیل کو ساکت کھڑے دیکھ کر دائم نے سنجیدگی سے کہا۔
''ابھی نہیں۔ ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔'' وہ اس وقت کہیں بھی نہیں جا سکتا تھا، سوائے عائشہ بخاری کے... علاوہ۔
''کام ہے مجھے تم سے، پلیز!'' دائم کچھ جھلا کر بولا تو تنزیل بادل نخواستہ بیٹھ گیا۔
''میڈم یاقوت کے اس شہر میں کہاں کہاں ٹھکانے ہیں، تم جانتے ہو؟'' اس کے بیٹھتے ہی وہ بولا۔
''سارے تو نہیں، دو تین کے بارے میں پتہ ہے۔''
دائم سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ڈیش بورڈ پر پڑا موبائل فون اٹھا کر کوئی نمبر ری ڈائل کر کے کان سے لگا... دوسرے لمحے مایوس ہو کر اس نے فون رکھ دیا۔
''کہاں جانا ہے؟'' تنزیل کچھ بیزار سا ہو کر بولا۔
''اس علاقے میں میڈم کے کسی اپارٹمنٹ کا پتہ ہے تمہیں؟'' دائم نے اسے علاقے کا نام بتایا۔ تنزیل نے نفی میں سر ہلا... دائم کے چہرے پر فکر کی لکیریں گہری ہوتی چلی گئیں۔
''مسئلہ کیا ہے؟'' تنزیل اس کی سنجیدگی دیکھ کر بولا۔
''عزہ کو اس نے ایسے ہی کسی اپارٹمنٹ میں رکھا ہے۔ مگر ایگزیکٹ لوکیشن نہیں پتہ۔''
''عزہ......؟'' تنزیل اُچھل پڑا۔

"وہ میڈم یاقوت کے نیکسٹ پراجیکٹ کی پروموشن کے لئے ماڈلنگ کر رہی ہے، آج رات شہر کے مہنگے ترین ہوٹل میں۔ مگر اس پروڈیوسر کے عزائم کچھ اور ہیں......کیا؟ فی الحال میں نہیں جانتا۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"میں جانتا ہوں۔" تنزیل تلخی سے بولا۔

دائم نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا......؟"

"وہی جو اس نے ثانیہ کے ساتھ کیا، یا اس سے بھی بدترین۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔

"ثانیہ کے ساتھ......تمہیں کیسے اندازہ ہے؟"

"اس کی دشمنی اور کسی کے ساتھ ہو نہ ہو، ہمارے سارے خاندان کے ساتھ گہری اور جڑ دار ہے۔ اس کا مجھے اندازہ نہیں، یقین ہے۔" وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"دشمنی کیسی، تنزیل؟......مگر عزہ کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟" دائم نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"وہ ہم سب میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گی۔ برباد کر دے گی۔ مجھے پتہ ہے۔" وہ بڑبڑا کر بولا۔

"مگر کیوں؟" دائم زور سے بولا۔

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ مگر میں یوں اس پر ہاتھ رکھ کر اس بربادی کا انتظار نہیں کر سکتا۔"

"کیا کرو گے؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔"

"ہم دوست ہیں۔" دائم نے اسے یاد دلانا چاہا۔

"بات دوستی سے آگے کی ہے......اور یہ رات اگر اس کے خیال میں ہماری بربادی کے لئے اہم ترین ہے تو اس کے لئے بھی بلکہ بہت فیصلہ کن ہو گی۔" وہ جیسے خود سے باتیں کر رہا تھا۔

"میں نہیں سمجھا......اور یہ عزہ کے فون کو کیا ہوا ہے؟" اس نے تیسری بار جھنجلا کر فون، ڈیش بورڈ پر پٹخا۔

"تمہاری عزہ سے بات ہوئی تھی؟" تنزیل نے چونک کر پوچھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے اس نے مجھے ایریے کا بتایا تھا اور یہ کہ وہ میڈم کے ساتھ ان کے کسی اپارٹمنٹ میں ہے۔ کہاں؟ یہ مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔ تم یہاں کے مقامی ہو۔ شاید مجھے گائیڈ کر سکو۔"

تنزیل کچھ بولنے کے بجائے سوچنے لگا۔

"عائشہ......عائشہ کو یقیناً پتہ ہو گا۔ آئی گیس۔" وہ زیرِ لب بولا۔

"یو مین عائشہ بخاری، میڈم کی پی اے؟"

تنزیل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس کے پاس چلیں۔"

اسی وقت دائم کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے جھپٹ کر فون اٹھایا۔ مگر دوسری طرف عزہ کے بجائے اسامہ تھا۔

"ہاں یار! کیسے ہو؟" دائم پھیکے سے لہجے میں بولا۔

"بہت اچھی یاری نبھا رہے ہو تم لوگ......وہ لائیر کی بچی فون ریسیو نہیں کر رہی میرا۔ اس سے مجھے اسی سلوک کی توقع تھی، مگر تم......" وہ بولتے ہی پھٹ پڑا۔

"سوری یار! بہت بڑے مسئلے میں پھنسا ہوا ہوں۔ اچھا بتاؤ، کدھر ہو تم اس وقت؟" اسے احساس ہوا کہ وہ اسامہ کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے۔

اس نے ہوٹل کا بتایا تو دائم نے تھوڑی دیر میں پہنچنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔

"اب میرا خیال ہے مجھے تو یہیں ڈراپ کر دیں۔" تنزیل جلدی سے بولا تو دائم ان سنی کر کے گاڑی چلاتا رہا۔

✲◉......◉✲

"ایک رات......لڑکی ہو یا عورت، اس کی زندگی میں رات کس قدر اہم ہوتی ہے۔ تمہیں شاید اس کا اندازہ نہیں۔"

غزل اس کے سامنے تھی، جب میڈم یاقوت نے بے ساختہ ہی کہا تھا۔

گاڑی "عالم ولا" سے ذرا سی دور تھی اور عزہ اپنے تخیل ہوتے حواس کو مجتمع کر کے بس اترنے ہی والی تھی۔

"تم بھی نہیں۔" یوں بھی اس کا دھیان ان کی طرف تھا کب......وہ تو آنے والے خوف ناک لمحات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"ایک پوری رات تم گھر سے باہر گزار چکی ہو۔ اب اگر گھر چلی بھی جاتی ہو، تمہارے گھر والے تو شاید مجبوراً تمہیں قبول کر لیں مگر یہ معاشرہ نہیں قبول کرے گا۔ یہ رات تمہاری زندگی کی ہر ساعت میں کسی سیاہ دھبے کی طرح جگمگاتی رہے گی۔" وہ سحر زدہ گمبھیر سے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"مجھے ایک کوشش تو کرنی ہوگی۔ ابھی امید باقی ہے۔ پاپا مجھے معاف کر دیں گی، مجھے یقین ہے۔" وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

"اور تمہاری ماں؟" میڈم یاقوت بمشکل نفرت دبا کر بولیں۔

"وہ بھی۔" وہ مطمئن لہجے میں کہہ کر نیچے اُتر گئی۔ میڈم یاقوت پھٹی پھٹی نظروں سے یوں اپنی عمر بھر کی ریاضت کو اس بھری دوپہر میں خاک ہوتے دیکھتی رہ گئیں۔

✲◉......◉✲
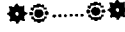
"یہ تنزیل ہے، میرا نیا دوست۔ اور تنزیل! یہ اسامہ، میرا پرانا دوست۔" دائم نے ان الفاظ میں دونوں کو متعارف کرایا تو تنزیل مسکرا بھی نہیں سکا۔

"تم ادھر ہوٹل میں کیوں بیٹھے ہو؟ گھر کیوں نہیں گئے، پاپا کے ساتھ؟" دائم نے اس سے پوچھا۔

"صبح الگ الگ فلائٹس سے آئے تھے۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں۔ اچھا پلیز! تم اپنا سامان اٹھاؤ اور چلو میرے ساتھ فوراً ابھی گھر۔"

"تم جانتے ہو، میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں......کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" پھر سے عزہ کا نمبر ٹرائی کرتے ہوئے وہ جھنجلا کر بولا۔

"آغا جان ہیں میرے ساتھ......مجھے انہیں اپنے ساتھ ہی رکھنا ہے۔ اور میں ان سے ملنے جا رہا تھا۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"اُفوہ! تو وہ بھی رہ لیں گے نا۔ اب کیا ساری بحث یہیں ہوں گی؟ تم سامان تو اُٹھاؤ۔" دائم کو سخت کوفت ہو رہی تھی۔

اسی وقت تنزیل کا موبائل بج اٹھا۔

"عائشہ کی کال......ایکسکیوز می!" تنزیل بولتے ہوئے عجلت میں کہہ کر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

"عائشہ۔" اسامہ بڑبڑایا۔

"اب تمہیں کیا ہوا ہے، اُٹھو نا۔" دائم بولا۔

"یہ تنزیل ابھی کیا بول کر گیا......عائشہ نام لیا نا اس نے؟" وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔

"پتہ نہیں یار! میں نے نہیں سنا۔ تم اٹھ جاؤ اب۔" دائم پھر سے عزہ کا نمبر ٹرائی کر رہا تھا۔

اسامہ تیزی سے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تنزیل کو دیکھنے اور کاریڈور دور تک خالی تھا۔

تنزیل جا چکا تھا۔ اسامہ ساکت سا کھڑا رہ گیا۔

✲◉......◉✲
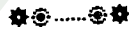
"جس کو خدا نے رحمت عطا کی ہو، وہ اس رحمت کی قدر نہ کرے، اسے ہمہ وقت اپنے لئے زحمت گردانے اور پھر خدا کی رحمت اس سے روٹھ جائے تو پھر زندگی میں کیا باقی رہ جاتا ہے؟" وہ نڈھال سے لہجے میں معلوم نہیں خود کو بتا رہے تھے یا مصطفیٰ اور رخشندہ کو۔

ثریا بانو نے تاسف بھری نظروں سے اس اونچے لمبے، عالی شان قد بت اور متکبر مزاج رکھنے والے اپنے اس داماد کو دیکھا، جسے کبھی اپنی مٹھی میں کر کے بیٹی کو تحفہ دینے کا خیال ہی انہیں شادمان کر دیتا تھا۔ مگر جس طرح کی زندگی سارہ اور محمود نے گزاری، اس کے بعد آہستہ آہستہ جانے کیسے محمود عالم ان کے دل کے اعلیٰ ترین مرتبے سے کھسک کر کسی ذیلی زینے پر آ بیٹھا۔

"اپنا دکھ نہیں کہو گے ہم سے؟" مصطفیٰ کو دوست کی دوست سے ایسی پردہ داری نے بڑا رنجیدہ کیا تھا۔

"کاش! یہ دکھ کہہ دینے والا ہوتا۔ کہہ دینے سے بٹ جانے والا ہوتا۔ مگر نہیں، یہ دکھ جو داغ بن کر صرف میری زندگی کی پیشانی پر دکھے گا، کوئی اس کو شیئر نہیں کر سکے گا۔" وہ ابھی بھی یہ سب کہہ ڈالنے کا خود میں حوصلہ نہیں پا رہے تھے۔

"تم جانتے ہو مجھے اچھی طرح محمود! میں کن دوستوں کے زمرے میں آتا ہوں۔" انہوں نے اپنی بے لوث پُرخلوص دوستی کا احساس دلایا جو کبھی ان میں اٹوٹ رشتے کی طرح قائم تھا۔

"رہنے دیں نا، شاید وہ نہیں بتانا چاہ رہے۔" رخشندہ نے آہستگی سے مصطفیٰ کا ہاتھ دبایا۔

محمود عالم کی نظریں چراتی بے بسی اور جھکا ہوا سر ندامت کی کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا، جسے رخشندہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھیں اور اس میں کچھ کچھ کو واضح انداز میں سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ محمود عالم کے نڈھال، شکست خوردہ انداز......ان کے اندر ان کہی سی خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ملی سارہ کو دیکھوں ذرا۔" ثریا بانو کو بہت دیر میں احساس ہوا کہ شاید ان کی موجودگی کے باعث محمود کچھ کہہ نہیں پا رہے۔
وہ کہتے ہوئے اُٹھ کر چلی گئیں۔
"میرا خیال ہے مصطفیٰ! ہمیں بھی چلنا چاہئے۔" رخشندہ نے کن انکھیوں سے اسی طرح سر جھکائے اِردگرد سے بیگانہ بیٹھے محمود
کو دیکھا، ان کی حالت........
مصطفیٰ کی مرضی جانے بغیر ہی اُٹھ کھڑی ہوئیں اور انہیں بھی اُٹھنے کا اشارہ کرنے لگیں۔ مصطفیٰ نے ایک نظر محمود عالم کو دیکھا۔
"رخشندہ پلیز! تم گاڑی میں چل کر بیٹھو، میں آ رہا ہوں۔" ایک دم انہیں احساس ہوا کہ ان دو دوستوں کے بیچ شاید اس وقت
تیسرے کی موجودگی محمود کو کچھ نہ کہنے دے گی۔ وہ تیسرا خود ان کی اپنی محبوب بیوی کیوں نہ ہو۔
اور محمود عالم کو لگا، اب کے وہ نہ بولے تو ان کا دل پھٹ جائے گا۔ یہ ٹھیک ہے، ان کی قوتِ برداشت نا قابلِ شکست تھی اور
بھی ہٹ دھرم عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کے بعد یہ قوت کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ مگر اس لمحے، اس پوری سیاہ رات کی
نے ان کو اندر باہر سے ریزہ ریزہ کر ڈالا تھا۔
"وہ چلی گئی مصطفیٰ!... وہ چلی گئی، مجھ سے روٹھ کر، ناراض ہو کر۔ اور اسے حق بھی تھا۔ مگر اس طرح نہیں... اس طرح نہیں۔"
جانے کیا ہوا تھا، رخشندہ کے جانے کے بعد ایک گمبھیر چپ جب ٹوٹی تو محمود عالم کسی کٹی ہوئی شاخ کی طرح یوں ٹوٹے اور پتا
بکھرے کہ مصطفیٰ کو انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔
"کچھ بتاؤ گے؟ پتہ تو چلے محمود!........ سنبھالو خود کو۔" وہ انہیں دلاسا دیتے ہوئے خود بھی پریشان ہو گئے۔
یقیناً کوئی بہت بڑی بات ہے۔ ورنہ محمود یوں بکھرنے والوں میں سے نہیں ہے۔' ان کی چھٹی حس انہیں الارم کرنے لگی۔
"کچھ نہیں رہا میرے پاس بتانے کو مصطفیٰ!........ مکافاتِ عمل، یومِ حساب آ پہنچا۔ میری اس خطا، اس جرم کا یومِ حساب جو
برسوں پہلے میں نے نیلم کے ساتھ کیا۔ قدرت ٹھیک ایک ایسے وقت میں جب میں مکمل اعتماد، مکمل بھروسے کی حالت میں تھا کہ میں
نے زندگی کی بساط کیا خوب طریقے سے جمائی، سب کچھ میرے داؤ، میرے ہاتھ سے درست ہی چلیں گے اور ایک ہی داؤ نے ساری
بازی الٹ دی۔ سب کچھ فنا ہو گیا۔ میری، میرے باپ دادا کی برسوں کی آن بان، میرا جھوٹا غرور اور خود گمانی سب رات بھر میں بہہ

اور کو سنبھال چکے تھے چند ہی منٹوں میں۔ مگر یوں ٹوٹ ٹوٹ کے بولتے، حالِ دل کہتے مصطفیٰ کو وہی برسوں پہلے والا عالی یاد
بھی نیلم کی محبت میں اسی طرح ٹوٹ کر بکھرا تھا اور پھر شاید خود ہی جو بھی گیا تھا۔ تو آج اتنے برسوں بعد ایک ممنوعہ نام جو
کبھی نے ان کی زبان سے نہیں سنا تھا ان کے لبوں پر، وہ بھی یومِ حساب کے خوف کے ساتھ........
کیا نہیں نیلم ملی؟" وہ ان ساری بے ربط باتوں سے یہی اخذ کر سکے۔
"کاش مل جاتی۔ میں اس کے پیروں میں گر کر معافی مانگ لیتا تو یہ میرے ساتھ نہیں ہوتا۔" وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی پگھل گئے۔
کیا ہوا عالی! بتاؤ گے نہیں؟" ان کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔
"وہ چلی گئی گھر چھوڑ کر، ہم سے ناراض ہو کر۔ کہاں؟........ ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ کل........ کل سے اسے سارے میں کھوج کر
رات کا داغ پیشانی پہ سجا کر تمہارے سامنے اس یومِ حساب کی تفسیر بنا بیٹھا ہوں۔ اب کہو، یہ اس قرض کی پہلی قسط نہیں جو
ادا کرنا واجب تھا؟" وہ جلدی جلدی، یوں روانی بولتے چلے گئے جیسے اب کے نہ بولے تو ان کا سانس گھٹ جائے گا۔
"مگر کیوں؟........ کیوں چلی گئی؟" وہ پریشان ہو کر بولے۔ وہ اس خبر کو کس انداز میں لیں، فوری طور پر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں

"ببول بو کر گلاب کی توقع کرے تو اس کی اس حماقت پر صرف ہنسا جا سکتا ہے۔ میری حماقت پر ہنسو گے نہیں؟" کہتے
رو دیئے۔
رخشندہ مجھے بتا رہی تھی، بڑی سلجھی ہوئی، ذہین، معصوم بیٹی ہے تمہاری، تو پھر........؟" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولے۔
"ٹھیک........ ٹھیک یہی گمان تھا مجھے بھی۔ بلکہ یقین۔ شاید کسی کی بیٹی اتنی سمجھ دار، ذہین اور پیاری نہیں ہو گی، جتنی وہ........ مگر
قدرت نے مجھے سزا دینے کے لئے اسی کو چنا۔"
"ایسے کیوں سوچتے ہو؟ خدانخواستہ کوئی مسئلہ بھی تو ہو سکتا ہے۔" وہ تسلی دینے والے انداز میں بولے۔
محمود عالم نے نفی میں سر ہلایا۔
"نہیں، اب یہ خوش گمانی بھی نہیں دل میں۔"
"کیا وہ خود گئی ہے؟" وہ بے یقینی سے بولے۔

انہوں نے یوں اثبات میں سر ہلایا جیسے یہ دنیا کا مشکل ترین کام ہو۔
"کیا...... کسی کے ساتھ.....؟" وہ ذرا سا جھجک کر بولے۔ یہ سوال کسی جوان بیٹی کے باپ سے کرنا بہت مشکل لگتا تھا۔
"کاش! ویسے ہی ہو جاتا۔" وہ آہ سی بھر کر بولے۔ ان آہوں نے کل سے ان کا سینہ چھلنی کر ڈالا تھا۔
اس طرح اَن دیکھے انتظار کی صلیب پر لٹکنا کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے، انہیں ان چند گھنٹوں میں نیلم پر بیتنے والی ہر ان عذاب گھڑی کا احساس ہو گیا تھا، جن سے وہ آخری دنوں میں گزر رہی تھی۔
"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے، میں عزہ کے متعلق سوچنا چاہتا ہوں اور ہر بار اسے سوچنے لگتا ہوں۔ وہ تو شاید جانے کہاں کب کی کھپ گئی ہو گی۔ اس کے حساب اور میزان کے کھاتے تو اب ربّ کے حضور ہی کھلیں گے۔ اس کا اس سارے سے کیا تعلق؟" وہ کر خود ہی کو ڈانٹنے لگے۔
"اللہ بہتر کرے گا۔ تم اس قدر اسٹریس نہ لو۔ میں پتہ کرتا ہوں۔ شاید دائم کو کچھ علم ہو، وہ جانتا ہے یہ سب۔" اٹھتے اٹھتے انہوں نے سرسری لہجے میں پوچھا اور محمود کا اثبات میں ہلتا سر انہیں لمحہ بھر کو ٹھٹکا گیا۔
"اچھا تم جا کر کچھ آرام کرو، میں دائم سے رابطہ کر کے معلوم کرتا ہوں۔ اگر وہ صرف ناراض ہو کر گئی ہے تو آ جائے گی۔ فکر کرو۔" وہ اسے تسلی دینے کے بعد لمحہ بھر کو ٹھہرے اور پھر خاموشی سے باہر نکل گئے۔

✲ ◉......◉ ✲
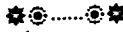
"اب اس کا آنا یا نہ آنا، کچھ فرق نہیں پڑتا۔ وہ اب میرے لئے مر گئی ہے۔ اگر آ بھی گئی تو میں اسے اس گھر میں قدم نہیں رکھنے دوں گا۔ یہ بات آپ بھی سمجھ لیجئے اور اپنی بیٹی کو بھی اچھی طرح سے سمجھا دیجئے۔ ورنہ چاہے اسے بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔"
ایک قہر تھا، جو محمود عالم کی آواز ہی نہیں، لہجے سے بھی برس رہا تھا۔ ثریا بانو کے تو حواس مختل ہوئے ہی، جو سارہ کو ساتھ لے جانے کے خیال ہی سے لرز اٹھی تھیں۔ گیٹ سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی عزہ بھی لمحہ بھر کو سہی، پتھرا کر رہ گئی۔
"عالی! وہ......" انہوں نے ہکلاتے ہوئے لہجے میں کچھ کہنا چاہا، وہ شاید سنے بغیر اندر چلے گئے۔ ان کے جاتے قدموں کی آواز بھی اسے سنائی دی تھی۔
ابھی چند لمحے پیشتر رخشندہ اور مصطفیٰ کی نکلتی گاڑی اس نے ایک درخت کی آڑ میں ہو کر دیکھی اور اندر جانے کے لئے بڑھی تھی کہ محمد عالم کی گھن گرج نے اس کے قدم جکڑ لئے۔
وہ اسی طرح گڑی کھڑی تھی کہ اس کے گھر کا گیٹ اس کے سامنے بند ہوتا چلا گیا اور اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر پورے استحقاق کے ساتھ اس گیٹ کو کھول سکے۔
اب وہ میرے لئے مر گئی ہے۔ اگر آ بھی گئی تو میں اسے اس گھر میں قدم نہیں رکھنے دوں گا۔ کل تک اس کے لئے آگے اور پیچھے کے سب دروازے کھلے تھے، مگر آج اس پر پیچھے کا سب سے اہم دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا تھا۔
'اور پیچھے......' وہ دھک سے رہ گئی۔
میڈم یاقوت کی گاڑی بھی جا چکی تھی۔
'انہوں نے میرے لئے، میری خاطر میری ہر بات مانی، آج ان کے لئے اتنا اہم دن ہے۔ میں ان کا آئٹم پروگرام چھوڑ کر بچوں کی طرح کبھی انہیں واپسی کے لئے لے آتی ہوں اور کبھی اس رنگین دنیا کا حصہ بننے کے لئے مچلنے لگتی ہوں۔ یہ میری غیر مستقل مزاجی نہیں تو اور کیا ہے۔ اور وہ کس مستقل مزاجی سے میرا بچپنا جھیلے جا رہی ہیں۔ میں نے ایک بار چلنے کو کہا، وہ مجھے ادھر ڈراپ کر گئیں۔ ایک بار بھی اعتراض کیا، نہ بحث کی۔ اور اب...... اب کہاں جاؤں؟'
وہ پریشان سی، خالی خالی کئی قدم اٹھاتی اس ویران رستے پر چلتی چلی گئی۔
'اب دائم کو فون کرنے کا بھی کچھ فائدہ نہیں۔ اس کی ماما میرے یوں گھر سے چلے جانے سے آگاہ ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد میری ان کے دل میں جگہ کہاں ہو گی۔ اور اس کے بعد بھی میں دائم کو کسی آزمائش میں ڈالوں گی تو یہ میری محبت نہیں، محبت کا ناجائز استعمال ہو گا۔ زبردستی کسی پر مسلط ہونا مجھے کبھی گوارا نہیں۔'
وہ تیز تیز چلنے لگی۔ سب روی سے چلتی گاڑی اس کے پاس آ کر ٹھہر گئی۔
میڈم یاقوت اسے بے تاثر نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔
'کوئی تو ہے جسے میری پروا ہے۔' انہونی سی خوشی اس کے دل کو اس ویران رستے کی ذرا سی مسافت طے کرنے کے بعد ملی۔ وہ جلدی سے دروازہ کھول کر ان کے برابر بیٹھ گئی۔
"تمہیں میں ایسے اب ساتھ نہیں لے جاؤں گی۔" وہ بے لچک سے لہجے میں بولیں۔

"جی......" وہ حیرانی سے کہہ گئی۔ "وہ پاپا نے بھی......میں اندر نہیں گئی مگر......"

"پلیز!" انہوں نے اسے ہاتھ اٹھا کر آگے کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا۔ "یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔" وہ ایک دم سے اس سے دور ہٹ کر بیٹھی تھیں۔

"تو پھر؟" وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ وہ ان کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر ڈرسی گئی۔

"دیکھو، میں اس قدر فارغ نہیں ہوں کہ دن میں دس بار تمہارے پچھتانے پر تمہیں گھر چھوڑ آؤں اور تمہیں اپنے گھر میں جگہ نہ ملنے پر واپس لے آؤں۔ نیور......اب تم میرے ساتھ چلو گی تو فیصلہ کر کے کہ اس کے بعد تم دوبارہ ادھر آنے کا نہیں سوچو گی۔ اور کم از کم آج رات کے فنکشن ختم ہونے تک۔ تمہارے سوچنے کو ایک منٹ ہے۔ ورنہ گاڑی کا دروازہ ابھی بھی کھلا ہے۔" وہ کسی پیشہ ور کی طرح اسے کھیل کی شرائط بتا کر اس کی ہاں یا نہ کی منتظر ہو کر بیٹھ گئیں۔

'شاید یہ ٹھیک کہتی ہیں۔ میں نے ان کی نرمی اور اسپیشل اٹینشن کا کچھ زیادہ ہی فائدہ اٹھا لیا ہے۔ ظاہر ہے، یہ مجھ سے زبردستی نہیں کر رہی تھیں، میں نے اپنی چوائس سے یہ راستہ منتخب کیا تھا۔ اب بچوں کی طرح بار بار پلٹنا......ان کا غصہ بجا ہے۔ مجھے اب سنجیدہ ہو کر ایک منٹ کے لئے ہی سہی، اس فیصلے پر سوچنا ہوگا اور اس کے بعد دوبارہ کبھی نہیں۔'

اس نے کن انکھیوں سے ان کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔ سیاہ، خوبصورت گلاسز کے پیچھے چھپی ان کی سحر انگیز آنکھوں میں کیسے تاثرات تھے، وہ جان نہ سکی۔

"سوری میم! میں آپ کو بار بار ڈسٹرب کر رہی ہوں۔ اگین سوری۔ چلیں اب میں آپ کو دوبارہ تنگ نہیں کروں گی اور کم از کم آج کے فنکشن ہو چکنے تک۔ پلیز!"

وہ اس سے زیادہ معذرت نہیں کر سکتی تھی، سو کہہ کر چہرہ باہر کی طرف کر کے بیٹھ گئی۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں، مگر تمہاری غیر مستقل مزاجی مجھے پریشان کر رہی ہے، جو تمہارے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ اور یہ تمہارے گھر والے تو بعد میں سب ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اس مسئلے کو اپنے ذہن پر اتنا سوار مت کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

انہوں نے ایک بار پھر اسے والہانہ انداز میں اپنے ساتھ لپٹا لیا اور بڑے گرمجوش طریقے سے اس کے دونوں ہاتھ دبا کر محبت سے اسے دیکھنے لگیں تو عزہ کے دماغ سے ہر وہم، ہر خوف حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا۔

گاڑی پھر سے روانہ ہو گئی۔

اس کا دل اب ہلکا پھلکا نہیں بھی تھا تو بوجھل بھی نہیں۔

'فقط چند گھنٹے ہی تو ہیں خود کو منوانے کے، باقی سب اس کے بعد۔' اس نے مطمئن انداز میں سوچا اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

وہ سیاہ گلاسز کے پیچھے کس طرح اس کے تاثرات دیکھ رہی تھیں، عزہ کو اندازہ نہ ہو سکا۔

✲◉......◉✲

"اگر آپ کہیں تو میں جا کر سارہ کی طرف ہو آؤں؟ اماں جان بھی کہہ رہی تھیں۔" احسن مراد کا موڈ کچھ نارمل ہی لگ رہا تھا۔ یمن چائے دینے آئیں تو دو چار اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد بولیں۔

"کیوں؟" ان کے چتون پر ایک دم سے بل نمودار ہوئے۔

"عزہ کا معاملہ......وہ کیا کہیں گی، جان بوجھ کر......"

"وہ یہی کہے گی کہ جان بوجھ کر ہمارا تماشا دیکھنے آ گئی۔ تمہیں پتہ نہیں، وہ اور اس کا بندہ دونوں کتنے خر دماغ ہیں۔ اُلٹی کھوپڑیاں ہیں۔ اچھی بات کا مطلب بھی دنگے والا نکالیں گے۔ اور وہ محمود عالم، اس کا تنتنا......رہنے دو۔" انہوں نے قطعیت سے کہہ ڈالا۔

جانے اس سالے بہنوئی کے بیچ میں کون سا اَن دیکھا تنازع تھا، جسے یاسمین آج تک نہ بوجھ پائیں۔ مگر دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔

"پھر بھی رشتہ داری تو ہے۔ پھر بچیوں کا معاملہ تو سانجھا۔" ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ احسن کو معاملے کی نزاکت کس طرح سمجھائیں۔

"اونہہ......یہ مڈل کلاس وسوسے تم اپنے پاس رکھو۔ انہیں اس کی ضرورت نہیں۔ اور بچیوں کے سانجھے معاملے والا زمانہ بھی گزر گیا۔ یوں کسی سے ایسے موقع پر جا کر اپنے دکھ کا اظہار کرنا بھی ہتکِ عزت سمجھا جاتا ہے کہ یہ ہمارا مذاق اُڑا رہا ہے اماں جان چلی گئیں، کافی ہے۔ اب تمہیں خود جا کر خوامخواہ اپنے عورتوں والے تجسس کو پانی دینے کی ضرورت نہیں۔" وہ آخر میں اچھی خاصی بے

لحاظی سے بولے۔
"اور یہ نواب زادہ کدھر ہے؟" ایسے برہم موڈ میں اکثر انہیں "نواب زادے" کی یاد آ ہی جایا کرتی تھی۔
"پتہ نہیں۔ آغا جان کو گھر چھوڑ کر کسی ضروری کام کا کہہ کر گیا ہے ابھی۔" وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکا کر اعتراف بولیں۔
"بس اس آنے جانے میں عمر گزار دے گا۔ یوں تو ہر گھڑی تمہارے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہتا ہے۔ سمجھاتی کیوں نہیں اسے کوئی کام کاج کیوں نہیں کرتا جا کر۔ سارے زمانے کی نوکریاں فنا ہو گئیں اس کے لئے۔" وہ جلے کٹے لہجے میں بولتے چلے گئے۔
"جانے کہاں سے اینٹھ اینٹھ کر روپے لے آتا ہے اس گھر کا دوزخ چلانے کے لئے۔" وہ منہ میں بڑبڑائے۔
اور یاسمین اب یہاں سے اٹھ کر جانے کا کوئی مناسب سا بہانہ سوچ رہی تھیں اور اسی لمحے بیرونی دروازے کی بیل بج اٹھی۔
"دیکھو، باہر کوئی آیا ہے۔"
وہ دل میں قدرت کی اس غائبانہ مدد کا شکریہ ادا کرتے فوراً اٹھ کر چلی گئیں۔ احسن مراد کی بڑبڑاہٹ ابھی بھی جاری تھی۔
"جی فرمائیے؟" دروازے میں کھڑے بے حد اسمارٹ، اونچے لمبے وجیہ لڑکے کو دیکھ کر وہ ذرا سا جھجک کر پیچھے ہو گئیں۔
"یہ احسن مراد کا گھر ہے نا؟" اس نے نیم پلیٹ کی تلاش میں دروازے کے دونوں جانب دیکھا، جہاں ایسا کچھ بھی نہیں اور یاسمین کا دل یوں دھڑکا جیسے آنے والا تانیہ کی کوئی خبر لایا ہو۔
"جی........جی ہاں........آپ کون؟" اس نئے خیال نے ان کے لہجے میں اضطراب سا بھر دیا تھا۔
"میں اسامہ ہوں۔ آغا جان سے ملنے آیا ہوں۔ آغا جان ہیں گھر پر؟" اس نے اپنا تعارف کرایا اور یاسمین کے اندر اور چنگاریوں پر جیسے کسی نے مٹھی بھر پانی چھڑک دیا ہو۔
"جی ہیں........آئیں، میں آپ کو ان کے کمرے تک لے جاتی ہوں۔" وہ پژمردگی سے کہتی ہوئی اسے اندر لے چلیں۔
'آغا جان کا پوتا بڑا ہینڈسم اور خوبصورت ہے۔ اگر قسمت اس بلا کی تیزی سے میری تانیہ کو مجھ سے جھپٹ کر نہ لے جاتی تو ان تھوڑے سے مہینوں بعد اسامہ کا آنا تو قدرت کی طرف سے طے ہی تھا۔ شاید آغا جان خود تانیہ کو مانگ لیتے۔ واہ ری قسمت' وہ چولہے پر چائے کا پانی رکھ کر سوچتی رہیں۔
'اب میرے پاس ان سوچوں کے سوا اور رہ بھی کیا گیا ہے۔ اس بے مروّت نے نہ کوئی پیغام، نہ خط، نہ فون........ایک بار پیسے بھیج کر........' انہیں ان پیسوں کے آنے پر برپا ہونے والا ہنگامہ یاد آ گیا۔
'معلوم نہیں، کس حال میں ہو گی اور کہاں۔ جانے کیوں آج کل دل کا دھیان ہر لحظہ اسی کی طرف لگا رہتا ہے، جیسے اچانک کسی روز چپکے سے آ جائے گی اور میرے گلے میں بانہیں ڈال کر کہے گی۔
'امی! کیوں اتنی گرمی میں کچن میں کھڑی ہیں؟ میں آ گئی ہوں نا۔ اب سب کر لوں گی۔ جائیں آپ اندر۔'
ان کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔ چولہے پر کھولتا پانی انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔

❋........❋
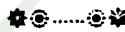
"تم رات دس بجے کسی بھی پبلک بوتھ کے آگے میری کال کا انتظار کرنا، میں تمہیں کال کروں گی، پھر بتاؤں گی تمہیں کیا کرنا ہے۔ گاڑی کا ارینج منٹ کر لیا تم نے؟" عائشہ بخاری مدھم آواز میں کہہ رہی تھی۔
"گاڑی........ہاں سمجھو ہو گیا۔" اس سارے میں اسے پہلی بار خیال آیا کہ ابھی تک اس نے گاڑی کا تو کچھ سوچا نہیں۔
"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ آگے سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ میں لائبہ تک تمہیں پہنچا دوں گی۔ آئی مین تمہارا پیغام۔ پھر کیا کرنا ہے، یہ تمہیں اچھی طرح سوچ لینا چاہئے۔ یہ ایک بہت مشکل اور خاردار راستہ ہے۔ سمجھتے ہو نا؟" وہ پھر اسے سمجھانے کو بولی۔
"سمجھتا ہوں۔ اب تم مجھے لیکچر دینا نہ شروع کر دینا۔ اور کچھ؟" وہ چڑ کر بولا۔
"اور........کچھ نہیں۔" وہ ایک دم سے افسردہ ہو گئی۔
"ایک بات پوچھوں؟" وہ رک کر بولی۔ "تم کیا کیا ڈیمانڈز رکھو گے تاوان میں؟"
"تمہیں نہیں پتہ؟" وہ اسی چڑچڑے پن سے بولا۔
"بتا دو گے تو کچھ بگڑ جائے گا تمہارا؟" وہ تلخی سے بولی۔
"ہر بات فون پر بتانے والی نہیں ہوتی۔ جب کام ہو جائے گا، پھر بیٹھ کر طے کر لیں گے، اس بڑھیا سے کیا کیا منوانا ہے۔" وہ آخر میں ذرا نرمی سے بولا۔
"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ تمہیں کچھ چاہئے؟" وہ اس کی چپ پر مذاق اُڑانے والے لہجے میں بولا۔
"مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ وہ بھی یوں دوسروں کو بلیک میل کر کے۔" وہ درشتی سے بولی۔ اسے لگا تنزیل اسے اگنور کر کے اس کی

انسلٹ کر رہا ہے۔
"اوہ.......تو تمہیں اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے؟ یہ پلان تو ہم دونوں کا ہے۔"
"اوہ پلیز!....... پلان ٹوٹلی تمہارا ہے۔ اور میں نے صرف تھوڑا ساتھ دینے کی ہامی......."
"ساتھ تھوڑا ہو یا زیادہ، ساتھ ہی ہوتا ہے۔ ویسے بائی دا وے، بیچ راستے میں پہنچ کر تمہاری نیت تو نہیں بدلنے لگی؟"
"واٹ.......واٹ ڈو یو مین؟" وہ اسی تلخی سے بولی۔
"غصہ کس بات کا ہے تمہیں؟" وہ اس کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہو کر بولا۔
"تمہیں میرے غصہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف وہ کرو، جو کرنے والے ہو۔ مگر میرا نام بیچ میں کہیں نہ آئے۔ میں تم سے پہلے کہہ چکی ہوں، انڈر اسٹینڈ؟" وہ غصے میں بولتی چلی گئی۔
"آئی انڈر اسٹینڈ میم! اب مجھے فون بند کرنے کے بعد تمہاری ناراضی کی وجہ سوچنی ہوگی تو پلان پر عملدرآمد میں خاک کر سکوں گا۔ پلیز فون بند کرنے سے پہلے خود ہی بتا دو۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا تو عائشہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرانے لگی۔
"اچھا نہیں ہوں ناراض واراض۔ تم اپنا کام کرو۔ رات دس بجے۔ اوکے، بائے!" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔
"تمہیں کیا چیز بری لگی ہے، اس کا اندازہ مجھے نہیں ہوگا تو اور کسے ہوگا۔" وہ مسکراتے ہوئے تیزی سے ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

✿◉.......◉✿
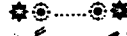
"کس ٹائپ کی لڑکی تھی وہ، رخشندہ؟" انہوں نے اتنی گہری سنجیدگی سے پوچھا کہ رخشندہ فوری طور پر سمجھ ہی نہ سکیں۔
"کس کی بات کر رہے ہیں آپ، عزہ کی؟" اگلے پل جواب دیتے ہوئے وہ سمجھ چکی تھیں۔
"نہیں، مصطفیٰ! آپ کو پتہ ہے، دائم کبھی کچھ ایسا ویسا پسند نہیں کر سکتا۔ وہ تو......." ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیسا مطمئن کر دینے والا مدلل جواب دیں۔
"میں تم سے پوچھ رہا ہوں، کسی بھی ٹھوس وجہ کے بغیر یوں ماں باپ کو گھر چھوڑ کر چلے جانا گھر ہی سے، وہ بھی پوری رات، پورا دن....... کیا Credibility ہے تمہارے نزدیک ایسے ہلکے کردار کی لڑکی کی؟" وہ تلخی سے بولے۔
"ہلکے کردار......." وہ زیرِ لب ہی کہہ سکیں۔
"بہرحال، محمود عالم لاکھ میرا دوست سہی، اس پر میں آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکتا ہوں۔ حتیٰ کہ اس کی بیٹی کو دیکھے بغیر ہامی بھی بھر چکا تھا۔ مگر اس واقعہ کے بعد اور اس میں بھی خدا کی کچھ بہتری ہے کہ ہم عین اس وقت وہاں پہنچے کہ سب جان سکیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں بچانا چاہتا ہے کہ انجانے میں ہم کوئی غیر دانشمندانہ فیصلہ نہ کر ڈالیں۔" شاید انہوں نے اس تھوڑے سے وقت میں بہت کچھ سوچ ڈالا تھا۔
"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ یہ فیصلہ آپ کے بیٹے کو کرنا ہے۔" وہ جتا کر بولیں۔
"کیا اس کا کوئی بھی فیصلہ ہماری رضامندی کے بغیر خود اسے ہی گوارا ہوگا؟" انہوں نے ایک اور سوال اٹھا دیا۔
وہ کیا کہتیں، وہ تو دائم کے اتنے متضاد رویے دیکھ چکی تھیں، کچھ بھی حتمی نہیں کہہ سکتی تھیں۔
"تم دائم کو فون کر کے بلاؤ۔ مجھے اس سے ضروری بات کرنا ہے۔"
رخشندہ نے مصطفیٰ کو کبھی اتنا سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔
"کیا بات کریں گے؟" وہ اُلجھن زدہ لہجے میں بولیں۔
"تم نے شاید سنا نہیں کہ جو بھی بات کرنی ہے، مجھے اسی سے کرنی ہے۔" وہ یوں رُکھائی سے بولیں گے، رخشندہ کے لئے بالکل نیا تھا۔
وہ خاموشی سے دائم کا نمبر ملانے لگیں۔
"بزی ہے۔" انہوں نے آہستگی سے بتایا۔
وہ یوں کسی گہری سوچ میں گم تھے، جیسے انہوں نے رخشندہ کی بات سنی ہی نہیں۔
"میرا خیال ہے آپ جلد بازی کر رہے ہیں۔" ذرا دیر بعد وہ بولیں۔
"یہی وقت ہے یہ بات کرنے کا۔"
"نہیں.......میرے خیال میں اس وقت ایسی کوئی بات کرنا....... یوں تو آپ اپنے دوست سے خوب دوستی کا دم بھرتے ہیں، اس پر اندھا اعتماد بھی کرتے ہیں۔ اب جبکہ اس کی عزت پر بنی ہے تو آپ نے کیسا دنیا داروں کا سا رویہ اختیار کر لیا ہے۔ کیا آپ کے دوست کی عزت، آپ کی عزت نہیں؟ شاید اس لئے کہ آپ بیٹی کے باپ نہیں، بیٹے کے باپ ہیں۔ اسی زعم میں اپنی طاقت کا

مظاہرہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ وہ بھی ایسے ایشو پر جو ابھی طے بھی نہیں ہوا۔ گویا آپ محمود عالم کو بیچ چوراہے میں کھڑا کر رہے ہیں۔ معاف یہ کیسی دوستی ہے؟ معاف کیجئے گا، میری ناقص عقل نہیں سمجھ سکی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولتے سب ہی کچھ کہہ گئیں جوان کے دل میں تھا کے فوری ردِعمل کو دیکھ کر اُبھرا تھا۔

''یعنی تم کہہ رہی ہو، میں سنگ دلی کا مظاہرہ کر رہا ہوں؟'' وہ تلخی سے بولے۔

''نہیں۔ آپ جلد بازی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ وہ ناراض ہو کر گئی ہے۔ کسی کے ساتھ گئی ہے یا کچھ بھی، آپ کو کم از کم ایسی بات کا اظہار کر کے اپنے دوست کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہئے، جو ابھی ہمارے درمیان ڈسکس بھی نہیں ہوئی۔ صرف دونوں کا خیال تھا۔''

''اور اگر اس کے آجانے پر میرے اس ہمدردانہ رویے کی بنا پر محمود عالم صاحب اس غیر طے شدہ بات کو طے کروانے کے لئے سوال دراز کر بیٹھے تو کیا میرے پاس پیچھے ہٹنے کا راستہ بچے گا؟''

تو گویا وہ حفاظتی اقدام کے طور پر یہ کرنا چاہ رہے تھے۔ رخشندہ کو پہلی بار ان کے اتنے خود غرض رویے سے تکلیف ہوئی۔

''شاید آپ بہت آگے کی سوچ رہے ہیں۔ ایسا ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور محمود عالم! میرا نہیں خیال، وہ ایسا کوئی سوال آپ سے کریں گے۔ اور ممکن ہے کہ دائم ......وہ بھی تو آپ کا بیٹا ہے۔ اس نازک موقع پر وہ بھی ایسی کسی سخاوت یا ہمدردی کے موڈ میں نہ ہو، پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔ تاریکی ہی میں تو سائے ساتھ چھوڑا کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی بے حد روشن دن میں ایک دم سے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ یہاں تو کچھ بھی طے شدہ نہیں۔ زندگی کا طرزِ عمل بہت پیچیدہ چیز ہے۔ آپ تھوڑا ویٹ کریں۔ دائم کے گھر آنے پر اس سے بات کر لیں، میں ذرا کچن میں ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے ان کا اگلا جواب سنے بغیر باہر نکل گئیں۔

✻⊙......⊙✻

''نہیں......میں تمہارے ساتھ یوں کسی دوسرے کے گھر رہنے کے لئے نہیں جا سکتا۔'' آغا جان نے سلیقہ سے کہا۔ اسامہ انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

''مگر آغا جان! یہ چند دنوں کے لئے ہے۔ جیسے ہی میں ادھر سیٹ ہوتا ہوں تو ہم اپنی رہائش کا انتظام کر لیں گے۔'' اس نے پھر وہی بات سمجھانا چاہی، جو وہ پہلے ہی دو بار سمجھا چکا تھا اور وہ سمجھنے پر تیار نہیں تھے۔

''تو پھر ابھی تم جہاں رہ رہے ہو، وہیں رہو۔ اور مجھے بھی ادھر ہی رہنے دو۔ جب انتظام ہو جائے گا، پھر لے جانا آکر مجھے۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولے۔

''خفا ہیں آپ مجھ سے؟'' ان کے چہرے سے وہ کچھ بھی قیاس نہیں کر پا رہا تھا۔

''نہیں۔ اور اب یہ میری عمر بھی نہیں کہ میں بلاوجہ کسی سے بھی خفا ہوں۔ اب تو بس راضی ہی رہنے کو جی چاہتا ہے، مگر......'' وہ کسی نادیدہ نقطے پر نظریں جما کر ایک دم سے چپ کر گئے۔

''مگر کیا؟ آپ مجھے کچھ پریشان، کچھ اُلجھے ہوئے لگ رہے ہیں۔''

''اُلجھن تو ہے۔ مگر میں اس کی سلجھن سے ڈر رہا ہوں۔ اسے سلجھانا نہیں چاہتا۔'' وہ مبہم سے انداز میں بولے۔

''میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟'' وہ ان کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے بولا۔

انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا۔ میں خود بھی نہیں۔''

''کیا مطلب آغا جان؟......کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ پلیز مجھے بتائیں۔'' وہ پریشان سا ہو گیا۔ وہ اسے بہت رنجیدہ، تھوڑے خوف زدہ سے لگ رہے تھے۔

''کچھ نہیں۔ چھوڑو......جب رات کا پچھلا پہر آتا ہے تو ساتھ بڑے گہرے، بڑے ڈراؤنے سے خواب آتے ہیں۔ اور جب آنکھ کھلتی ہے......زندگی کا آخری پہر بھی تو ایسا ہی ڈرا دینے والا ہوتا ہے۔ سمجھو میں اس پہر کی ہولناکی سے، اس کی بھیانک خاموشی سے ڈر گیا ہوں۔ سناٹا چھن چھن کر رہا ہے، میرے خیال سینے کے پنجر میں۔'' ان کی سرمئی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

''آغا جان! آپ ٹھیک نہیں۔ میں آپ کو کسی ڈاکٹر کو دکھاتا ہوں۔ چلیں ابھی میرے ساتھ۔'' وہ متفکر ہو کر بولا۔

''بیٹا! کھانا تو کھا کر جاؤ گے نا؟......سب تیار ہے۔'' یاسمین اندر آکر بولیں۔

''نہیں آنٹی! میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ بس آغا جان......میں انہیں لینے آیا تھا اور یہ چل ہی نہیں رہے۔'' اسے یہ چپ چپ سی خاتون اچھی لگی تھیں، چہرے کے نقوش کچھ دیکھے بھالے سے۔

''بیٹا! آخری عمر تو آدمی اپنوں ہی میں بسر کرنا چاہتا ہے۔ یہ بھی تو ان کا گھر ہے۔ تم بھی آتے جاتے رہنا۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

''اچھا، اسامہ! اب تم کھانا کھا کر جانا۔ یاسمین کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔'' وہ ایک میزبان کی طرح بولے تو اسامہ نے

ھنکا یا۔

"امی! میری بلیو شرٹ کدھر ہے؟ مل نہیں رہی۔" تنزیل بولتا ہوا اندر آیا تو سامنے بیٹھے اسامہ کو دیکھ کر بے اختیار چونکا۔
اسامہ کو بھی بس لمحہ بھر لگا تنزیل کو پہچاننے میں اور ساتھ میں ٹھک سے وہ خواہش دل سے ٹکرائی کہ وہ تنزیل سے دوبارہ ملنے کا
خواہش مند تھا۔ کیوں؟

تنزیل اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کچھ حیران سا تھا۔ آغا جان کے تعارف کرانے پر مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا۔
"یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آنے والی۔" وہ کان کھجا کر بولا۔
"کون سی بات؟" اسامہ کو یہ کم گو سا نوجوان اچھا لگا تھا۔
"آپ لوگ اچھے بھلے سیٹل تھے۔ نیشنلٹی ہے آپ لوگوں کے پاس۔ پھر وہاں کی سہولتیں۔ اور یہاں....... یہاں کیا ہے، جو
اور دائم یوں سب چھوڑ چھاڑ چلے آئے؟" وہ کئی دنوں سے دل میں مچلتا سوال جو دائم کو دیکھ کر اکثر اس کے دل میں ابھرتا تھا، کر
گیا۔

"یہاں کیا نہیں ہے۔ سب سے بڑھ کر اپنے لوگ، محبتیں جو شاید وہاں نہیں ہیں۔" وہ رسان سے انداز میں بولا۔
"محبتیں....... آغا جان! یہ کچھ ایسی ناگزیر چیز ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے، اس کے نہ ہونے پر بندہ سب کچھ لات مار کر
آئے؟ میرے خیال میں نہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔
"اس لیے کہ تم کبھی ان محبتوں سے دور گئے نہیں۔ جب جاؤ گے تو پتہ چلے گا کہ ان کے بغیر زندہ رہنا محال ہی نہیں، ناممکن بھی
ہے آغا جان؟" اسامہ نے ان کی تائید چاہی اور وہ بے بس نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔ کبھی تو ان کے خیالات بھی تنزیل
جیسے ہی تو انہوں نے لوٹنے میں اتنے سال لگا دیئے۔ کسی دیے کی بجھتی لو سی ماں کی محبت، بیٹی بھائی کی محبت، کچھ بھی تو انہیں
روک سکی تھی۔

ان محبتوں کو بے کار کا جذبہ سمجھتے تھے اور اب....... اب ان کے خیالات بالکل بدل چکے تھے۔ خاص طور سے جب سے
انہوں نے نیلم کو دیکھا تھا۔ مگر اب ان بدلے خیالات سے کچھ بھی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔
"تم دونوں بیٹھ کر باتیں کرو، میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
"اسامہ! جانا نہیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔ پھر مل کر کھانا کھائیں گے۔" یہ نماز بھی انہوں نے چند دن پہلے شروع کی تھی کہ شاید ان
.... سکون انہیں مل سکے۔ یا وہ....... اس سے وہ ایک بار معافی ہی مانگ سکیں۔ بے شک انہوں نے حقِ ولدیت ادا نہیں کیا تھا۔
"اور، یہاں کیا کریں گے؟" تنزیل کو یہ لڑکا بالکل اپنے جیسا لگ رہا تھا، مگر اس کے باوجود وہ خود یوں شاخ سے ٹوٹے پتے
کی طرح ادھر اُدھر ڈولتا پھر رہا تھا، بغیر منزل کی پہچان کے۔
"فی الحال تو دائم کے پاپا کے ساتھ ان کا کام دیکھوں گا۔ وہاں بھی ان کے ساتھ ہی تھا میں۔ پھر بعد میں کچھ اور سوچ لوں گا۔ تم
کیا کرتے ہو؟"
یاسمین جو دروازے میں کھڑی دونوں کو دیکھ رہی تھیں، گہرا سانس لے کر کمرے سے نکل گئیں۔
"فی الحال بلکہ بہت عرصے سے کچھ بھی نہیں۔ جاب لیس ہوں۔" اس نے ماں کو اتنی مایوس حالت میں جاتے دیکھا تو بے بسی
سے بولا۔

"چلو، اس کی تو تم فکر نہ کرو۔ مصطفیٰ انکل کچھ نہ کچھ کر دیں گے۔ وہ تو......."
"ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دائم کے ساتھ کام تو کر رہا ہوں، بس چند دنوں سے۔ اصل میں مجھے ایک بہت ضروری
کام نمٹانا ہے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ! سب ٹائم صرف نوکری کو۔" پُرعزم انداز میں کہتے اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔
"ایسا کیا خاص کام ہے؟" اس کی آنکھوں کی چمک نے اسامہ کو چونکا سا دیا۔
"بس ہے....... آپ تو شاید دائم کے گھر چلے گئے تھے؟" وہ بات ٹال کر دوسری طرف آ گیا۔
"ہوں....... ایک بات پوچھوں، اگر تم مائنڈ نہ کرو تو؟" اسامہ کچھ جھجک کر بولا۔ جانے اس کا کیا ردِ عمل ہو، سن کر۔
"مائنڈ....... اور میں۔ بالکل نہیں۔ پھر آپ تو ہمارے مہمان ہیں۔ جو پوچھنا ہے، پوچھیں۔" وہ فراخ دلی سے بولا۔
"اس وقت جب ہوٹل میں بیٹھے تمہارا کوئی فون آیا تھا تو تم نے نام لیا تھا....... عائشہ....... ہے نا؟"
تنزیل اس کی بات پر بری طرح چونکا۔
"کیا مطلب؟" وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔
"مجھے اس نام سے غرض ہے، بلکہ ہر اس لڑکی سے، جس کا نام عائشہ ہے۔" وہ اپنا مدعا بیان نہیں کر پا رہا تھا۔

''اے مسٹر!.......کیا چکر ہے؟'' وہ ایک دم سے تیکھے لہجے میں بولا۔

''اسی لئے میں نے تم سے پہلے پوچھ لیا تھا کہ تم مائنڈ تو نہیں کرو گے۔ اور ابھی کچھ دیر پہلے تم نے پوچھا تھا کہ بھلا سیٹل تھا، وہاں کی سہولتیں، اچھی زندگی چھوڑ کر ادھر کیوں آیا۔ تو دوست! مجھے ادھر آنا ہی تھا.......مجھے کسی کی تلاش ہے۔ تلاش کا صرف ایک ہی سرا میرے ہاتھ میں ہے.......اور وہ عائشہ کا نام ہے.......بس اس کے سوا کچھ بھی نہیں، کچھ تصویروں کے سوا۔'' وہ رک رک کر بولا۔

تنزیل اس دوران بغور اس کا چہرہ پڑھتا رہا تھا۔

''کیا رشتہ ہے تمہارا اس نام کی لڑکی سے؟'' بے اختیار ہی اس کے لبوں سے یہ سوال نکلا تھا۔ اگرچہ اس نے ایسا کچھ کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

''بہن ہے میری وہ۔ سوتیلی مگر سگی بہن سے بڑھ کر عزیز ہے مجھے۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولا۔

''اوہ.......!'' اس نے اوہ کو خوب کھینچا۔

''اور ماں باپ؟'' ذرا توقف سے پوچھا۔

''ماں تو میرے بچپن میں ہی چل بسی تھی، اسی لئے ابو نے دوسری شادی کی اور وہ دوسری عورت.......سوتیلی ماں کی بد مثال بن گئی میرے لئے۔ اور اس کی بیٹی عائشہ اس کے خوف ناک تشدد کے سامنے کمزور سی ڈھال۔ پھر ایک دن میں گھر سے بھاگ نکلا اور.......''

وہ جانے کس رو میں سب کہتا چلا گیا۔

''اوہ! تو آپ آغا جان کے سگے پوتے نہیں؟'' اسے حیرانی ہوئی تھی یہ سن کر۔

اسامہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''چلیں، پھر میرا وعدہ ہے آپ سے، میں آپ کو عائشہ سے ضرور ملواؤں گا۔ مگر کچھ دن ٹھہر جائیں۔ لیکن میرے خیال میں عائشہ نہیں، جس کی آپ کو تلاش ہے۔ اور آپ اس کو پہچانیں گے کیسے؟''

اسے یہ فلمی سی کہانی مزہ دے رہی تھی۔

''میں پہچان لوں گا۔ یہ میرا مسئلہ ہے۔'' اسامہ بے فکری سے بولا تو تنزیل دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

✲◎......◎✲
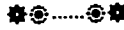
''رات بھی گزر گئی اور پورا دن بھی۔ اس کا کچھ پتہ نہیں چلا، اماں جان! وہ کہاں ہو گی؟ کس حال میں؟.......یہ تو اپنے ہر تعلق کو توڑنے کا اعلان کر کے عرصے سے کمرہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ میں کیا کروں؟ ماں ہوں، میرے دل کو چین کہاں آئے؟'' سارہ بے قراری سے روتے ہوئے ماں کی گود میں سر رکھ کر بولیں۔

ایک مدت کے بعد انہوں نے یوں بے قراری سے ثریا بانو کی آغوش میں پناہ لی تھی۔ ورنہ پہلے تو وہ ہر گھڑی خود ہی ہر مصیبت میں انا، خودداری کا خول چڑھائے اکڑی سی رہتی تھیں۔

''دکھ اور غم تو ایسا پڑا میری بچی! کہ وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا ہے۔ اسے اپنے غم کا اظہار نہیں کرنا آتا۔ اسی طرح رعب جما کر، دھمکا کر اس دکھ پر پردے ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے اور بس۔ ورنہ اس کا حال تو کل سے تمہارے سامنے ہے۔ اس نے پلک نہیں جھپکی، کسی بت کی طرح بیٹھا رہا ہے۔'' ثریا بانو کو محمود عالم کی سرخ انگارہ سی آنکھیں یاد آئیں تو دل بھر آیا۔

''اور یہ سب کیا دھرا بھی تو ان کا ہی ہے۔ نہ ایسی سختی کرتے اس پر، نہ وہ یہ انتہائی قدم اٹھاتی۔'' سارہ نے روتے ہوئے

''بیٹا! ماں باپ تو سختی کیا ہی کرتے ہیں۔ اور وہ کوئی ایسی کند ذہن، بچی تو نہیں تھی کہ ماں، باپ کی خفگی کی سزا انہیں دے، ہی کو تباہ کر ڈالے۔ اس نے تو نادانی کی انتہا کر ڈالی۔

انہیں رہ رہ کر عزہ پر غصہ آ رہا تھا۔ کس طرح وہ انہیں استعمال کر کے اس گھر سے نکلی تھی۔ ہاتھ بھر کی لڑکی انہیں بیوقوف بنا کر انہیں کھولانے کو یہ خیال ہی بہت تھا۔

''وہ تو پھر بچی تھی اور ہم نے اسے کبھی ماں باپ کی محبت دی بھی تو نہیں جو اس کا حق تھا۔ ہاں، سختی کا حق خوب استعمال کا باغی ہو کر گھر سے نکلنا تو سمجھ میں آتا ہے۔'' سارہ کو اب رفتہ رفتہ عزہ کی ساری کیفیت سمجھ میں آ رہی تھی۔

''تم تو ماں تھیں۔ ماں، بیٹی میں تو ایسا اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے۔ دوستی کا، بہناپے کا۔'' انہوں نے جتایا۔

''اماں جان! یہی تو بھول ہو گئی، جس کا ڈنک مجھے کاٹ کاٹ کر نڈھال کر چکا ہے۔ اماں جان! آپ تو ماں ہیں، ماؤں کی دعا خدا ضرور قبول کرتا ہے۔ ایک بار لوٹ آئے، میں اس سے کچھ بھی گلہ نہیں کروں گی۔ اسے سینے سے لگا لوں گی اور اس کے

"بہت سوچا ہے، آپ بھی سنیں گی تو خوش ہو جائیں گی۔" ثریا کو لگا، سارہ کی ذہنی رو بہک گئی ہے، شاید صدمے سے۔

"کیا سوچ لیا ہے تم نے؟" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے بولیں۔

"ابھی نہیں۔ وہ آئے گی تو بتاؤں گی۔ اور اب تو اماں جان! میں اس کی ہر خوشی، ہر ضد پوری کروں گی۔ اور آپ کو پتہ ہے، اس نے مجھ سے کوئی ضد کی بھی نہیں۔ جب مجھے استھما کا اٹیک ہوتا تھا، کیسے بڑوں کی طرح وہ مجھے سنبھالتی تھی اور میں نے........ نے اپنی اتنی پیاری بیٹی کی قدر نہیں کی۔ اللہ اسے بھیج دے ایک بار، مجھے صرف ایک موقع اور دے۔ صرف ایک بار........ اماں! وہ آئے گی نا؟........ آجائے گی نا؟" سارہ کی ذہنی حالت بچوں کی سی ہو رہی تھی۔

ثریا فکرمندی سے اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچے جا رہی تھیں۔

✲⊙......⊙✲

جہاز کی سیٹ بیلٹ باندھتے ہی اس کے دل میں نئی امنگوں نے کچھ اس طور سے بھرپور انگڑائی لی کہ جہانگیر ہمدانی کو جہاز کے اڑنے کا پتہ نہیں چلا۔ اس کا دماغ اب کسی اور ہی نہج پر سوچ رہا تھا۔

'ثانیہ نے مجھے بالکل نئی، انہونی سی بات بتائی کہ جہانگیر ہمدانی کی ڈیٹ ایکسپائر ہو رہی ہے اور وہ بالکل خالی ہاتھ ہے۔ بینک اکاؤنٹ کالے دھن سے سیاہ پڑے ہوئے ہیں اور اس کو سفید کرنے والا کوئی رشتہ، کوئی تعلق ان کے پاس نہیں یعنی جہانگیر ہمدانی کی واپسی؟

تو........ نور........ جہانگیر نے کبھی ہار نہیں مانی، اور نہ مانے گا۔ اور مجھے اتنے سالوں سے اس کھلی حقیقت کا ادراک ہی نہیں ہو سکا، آدھی عمر کی لڑکی چٹکیوں میں سمجھا گئی۔ چند ماہ پہلے جب یاقوت نے یہی بات کی تھی تو میں نے کیسے اس کا تمسخر اڑایا تھا۔ مجھے میرے دنیاوی رشتے سب کھوکھلا پن لگتا تھا۔ اور اب جب میں خود ایک کھوکھلا تنا بنتا جا رہا ہوں تو مجھے اس کے زوال کا، ٹوٹ جانے کا کس شدت سے احساس ہو رہا ہے۔'

'ثانیہ بی بی! میں نے تمہارے ساتھ برا کیا یا بھلا، مگر تم میرے ساتھ یہ بھلائی کر گئیں۔ اور اب مجھے اور وقت ضائع نہیں کرنا۔'

ہال نے کر اس نے نئے آپشنز پر غور کرنا شروع کر دیا۔

'کسی بھی بات کا، تکلیف دہ بات کا بہت دیر تک بیٹھ کر غم منانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ سال خوردہ ہو چکے ہیں۔ اور مجھے ابھی زیادہ سال اور بہت فٹ رکھنا ہے۔ ابھی ایک مکمل نئی زندگی کی شروعات کرنی ہیں۔'

اس کا دماغ اب تیزی سے جوڑ توڑ کرنے میں مصروف تھا۔

قریب قریب زندگی کے متوقع سال، بینک بیلنس کی تعداد اور ان کا شاندار استعمال........ کیسے؟ اس کے دماغ کی سوئی اس پر اٹک کر رہ گئی۔

'یاقوت........ وہ تو ہنس کر تیار ہو جائے گی۔ عائشہ........ ناٹ بیڈ۔ مگر تیسرا آپشن بھی ہے ایک........ وہ کیسا ہے؟'

اس کے شیطانی دماغ نے تیسرا آپشن اس کے سامنے رکھا تو اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔

✲⊙......⊙✲

"دیکھو، تمہارے پاس تین گھنٹے ہیں۔ ریہرسل سب ہو چکی۔ اب بس رات کو فنکشن کی تیاری ہے۔ تم تھک گئی ہو گی۔ میں بھی کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

فائنل ریہرسل کے بعد میڈم یاقوت نے اسے ڈریسنگ روم سے نکلتے دیکھ کر کہا۔

'اور تین گھنٹے........' وہ جو سب کچھ بھولے ہوئے تھی، یہ تین گھنٹے اسے پھر سے سب یاد کرا سکتے تھے۔ اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"تم اپارٹمنٹ میں جا کر آرام کرو۔ آٹھ بجے کے قریب میں خود تمہیں پک کرنے آجاؤں گی۔ چلو ابھی تمہیں جاتے ہوئے ڈراپ کر دیتی ہوں۔"

وہ باتوں کے دوران بھی اس کے چہرے کی ایک ایک لکیر کو پڑھ رہی تھیں، اندر کہیں کسی بدلاؤ کے آثار!

"کیا بات ہے، خاموش کیوں ہو اتنی؟" اس کی چپ انہیں بے چین سا کر گئی۔

"میں........ ویسے ہی........ بس تھک گئی ہوں نا۔" وہ جبراً مسکرا کر بولی۔

"اونہوں........ تھکنا نہیں۔ آج رات تو بالکل بھی نہیں۔ آج کا شو سپر ڈوپر ہٹ ہو جائے۔ دیکھنا، تم رات بھر میں کیسے اسٹار بنتی ہو۔ یہ سب میڈیا والے تمہارے آگے پیچھے اور تم........ میری تم سے وابستہ تمام نیک تمنائیں پوری ہوں گی۔" وہ لہجے میں اپنی مخصوص مٹھاس گھول کر بولیں۔

عزہ نے سر ہلا کر مسکرانے پر اکتفا کیا۔
یہ کیسی خوشی تھی، جس میں اس کے ساتھ خوش ہونے والا اور کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے دکھ سے سوچا تھا۔
''ایک عجیب بات ہوئی میم! آج۔'' اسے اچانک سے کچھ یاد آیا تو بیگ میں ہاتھ ڈال کر بولی۔ اس کے ہاتھ میں اس کا سیل
''یہ میرے سیل میں سے کسی نے سم نکال لی۔ میں بہت پریشان ہوں۔'' اس نے سیل انہیں دکھایا۔
''اوہ........ یہ کس کی گھٹیا حرکت ہے؟'' انہوں نے سیل ہاتھ میں لے کر کھول کر دیکھا۔
''اگر کوئی چوری کی نیت سے لیتا تو سیل لیتا۔ مگر سم نکالنے کا مطلب؟'' وہ خفگی سے بولی۔
''میں ادھر معلوم کرتی ہوں۔ ویسے تمہیں میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ذرا ہوشیار رہ کر کام کیا کرو۔ یہاں بس سب کی طرح لوگ ہوتے ہیں۔ چلو، فی الحال میں اس میں نئی سم ڈلوا دیتی ہوں۔ تمہیں فون وغیرہ بھی تو کرنا ہوتا ہے۔ آؤ، آفس میں بیٹھ کر ویٹ کرو۔ اتنی دیر میں یہ مسئلہ حل کرواتی ہوں میں۔'' وہ اسے آفس میں بٹھا کر باہر نکل گئیں۔
'یہ جرأت کون کر سکتا ہے کہ میں کہیں فون نہ کر سکوں یا کوئی مجھ سے رابطہ نہ کر سکے۔ میرا نمبر چینج ہو، اس کا فائدہ کس کو اس کے دماغ میں گرہ سی پڑ گئی۔
'میڈم یاقوت........ کیا وہ ایسا چاہتی ہیں؟........ مگر کیوں؟ میں تو پہلے بھی وہی کر رہی ہوں جو وہ چاہتی ہیں۔ پھر اس کس کا مفاد ہو سکتا ہے؟' وہ گہری سوچ میں گم ہو گئی۔
میز پر رکھے بجنے والے فون نے اس کی سوچ منقطع کی۔
'میں ایک بار فون کروں دائم کو، اسے یہ سب صورتِ حال بتاؤں، اس کا مشورہ........' نمبر ملاتے اس کے ہاتھ ٹھٹک گئے
'وہ مجھے یہ سب نہیں کرنے دے گا۔' اس نے دو نمبر پُش کر کے چھوڑ دیئے۔
'ماما کو........ وہ بہت پریشان ہوں گی۔ مجھے ایک بار ان سے بات کرنا چاہئے۔' اس نے اگلی کسی بھی سوچ سے پہلے ملا دیا۔
''بیگم صاحبہ سو رہی ہیں۔ آپ کون ہیں؟'' فقط تیس گھنٹوں میں اس کے گھر کے ملازم اس کی آواز پہچاننے میں نا کام تھے اور ماما........ ماما بھی وہی ہیں، انہیں میرے گھر سے چلے آنے سے کچھ بھی فرق نہیں پڑا۔ وہ اسی طرح بے خبری کی نیند ہیں، جیسے میں گھر ہی میں ہوں۔
اور پاپا........ پاپا کے خیالات تو میں سن چکی ہوں۔ اور دائم........ وہ بھی یقیناً میرا فون بند ہونے پر میرے بارے میں کیا کیا گمان کر چکا ہوگا۔ اس کو فون کر کے مجھے باتیں ہی تو سننا ہیں۔'
وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
آفس کا دروازہ دھکیل کر باہر نکلی۔ اسے اب میڈم یاقوت کا بھی انتظار نہیں تھا۔ سیل کی ضرورت جو نہیں رہی تھی۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دو قدم آگے بڑھی تھی کہ اس کے قدم بے اختیار ٹھٹک گئے۔

✲⊙......⊙✲
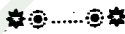
دائم کو ذرا بھی اُمید نہیں تھی کہ مصطفیٰ اور رخشندہ صبح صبح محمود عالم کی طرف پہنچ جائیں گے۔ اور اس خبر کے معلوم ہونے پر مصطفیٰ جس بری طرح سے ری ایکٹ کریں گے۔ وہ ایک دم سے بدلے ہوئے انسان لگے تھے، دائم کو۔
''پاپا! مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے یہ سب سن کر۔ آپ اس بات پر بگڑ رہے ہیں، جس کا ابھی کوئی سر پیر نہیں۔ مجھے نہیں معلوم آپ کے ساتھ دوستی کی کس شرط پر پورا اُترنا ضروری ہے۔ مگر میرے ساتھ دوستی کا مطلب فقط بے غرض رفاقت ہے۔ اور میں صرف اتنا جانتا ہوں، اس وقت ان لوگوں کو میری ضرورت ہے اور بس۔ آگے کیا ہوگا، میں نے ابھی کچھ سوچا ہے، نہ طے کیا ہے۔'' وہ غصے میں بولتا ہوا اُٹھ کر چلا آیا۔
دو دن سے وہ سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا تھا۔ عزہ سے دوبارہ رابطہ بھی نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اس کے بارے میں بہت پریشان تھا۔ دو بار محمود عالم سے بات ہو چکی تھی، وہ اسے ایک دم سے بہت بوڑھے بوڑھے سے لگنے لگے تھے۔
'کس قدر نامعقول اور غیر ذمہ دار احمق لڑکی ہے۔ یہ مجھے مل جائے تو میں پتہ نہیں اس کا کیا حال کروں۔' اسے رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا ان کے فنکشن کی فائنل ریہرسل فلاں ہوٹل میں ہو رہی ہے۔ جانے کس نے یہ میسج بھیجا تھا۔ مگر دائم پڑھ کر اچھل ہی پڑا۔ برق رفتاری سے گاڑی دوڑاتا وہ وہاں پہنچا اور ریسپشن سے پتہ چلا کہ ریہرسل جاری ہے۔ اسے لگا وہ منزل پر آ پہنچا ہے۔

✲⊙......⊙✲
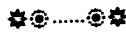
''مام! میں دائم کے گھر میں ہوں، اس کی مدر کے ساتھ۔ آپ مجھے راستے سے پک کر لیں۔'' میڈم یاقوت نے گاڑی میں

نمبر ملایا تھا اور اس کی فرمائش سن کر ان کا جی چاہا، اس لڑکی کو شوٹ کر دیں۔

لڑکی...... دشمنوں سے دوستی بڑھا رہی ہے۔ جانے یہ ادھر آ کیوں گئی ہے۔ اچھی بھلی لندن میں تھی، مجھے سکون تھا۔ ئی ہے، میرا چین و سکون سب غارت کر رکھا ہے اس نے۔' وہ وہیں بیٹھے بیٹھے بل کھا کر رہ گئیں۔

ڈرائیور کو لائبہ کا بتایا ہوا ایڈریس سمجھانے لگیں۔

کچھ میری مرضی، خواہش اور پروگرام کے مطابق ٹھیک ٹھیک ہو رہا ہے۔ ورنہ اس عزہ کے پل پل بدلتے، ڈگمگاتے نے تو مجھے ڈرا کر ہی رکھ دیا تھا۔ تھینک گاڈ! اب صرف چھ گھنٹے کی گیم اور سب ختم۔ اور وہ اہم فون کال، جو مجھے محمود عالم کو کرنی ابھی نہیں...... ابھی کچھ تھوڑا سا وقت اور مزے کر لو محمود عالم! اس کے بعد تمہاری رسوائی کی تصویریں اس شہر کی ہر گلی، ہر ہر کی صورت جگمگائیں گی اور تم منہ چھپانے کے لائق بھی نہیں رہو گے۔ پھر مجھے بھاگ کر دکھانا۔'

یہ لمحہ ہی کتنا خوش کن اور یہ خیال کس قدر خوش آفریں تھا کہ محمود عالم...... وہی محمود عالم، جس نے انہیں بیس سال کے ذرے سے بھی حقیر کر ڈالا تھا، چند ہی گھنٹوں بعد اس حقارت سے بھی کئی ہار گنا قابلِ نفرت منظر میں ڈھل جانے والا تھا۔ کل ہی اس لائبہ کی سیٹ بک کراؤں گی اور اُسے چلتا کروں گی۔ بلکہ نہیں، کل رات کو میری اور لائبہ کی بکنگ...... بس...... پیچھے چلا ہی رہے گا۔ کاش! وہ منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔'

انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

'یوں بھی کل رات کے بعد میرا یہاں کام ختم ہو جائے گا تو پھر جانا ہی ہوگا۔ کہاں......؟' ان کی بل کھاتی سوچیں یہیں تک کہ ان کا سیل بج اُٹھا۔

"میں ایئرپورٹ سے نکل رہا ہوں۔ تم ہوٹل آؤ گی؟" جہانگیر ہمدانی کی عین اس شاندار فتح کے موقع پر قربت...... ان کی تو چاہی مراد پوری ہونے جا رہی تھی۔

"جہانگیر! اب اتنا ٹائم نہیں ہے...... تم یوں کرو، نو بجے سیدھا ہوٹل ہی چلے آنا۔ میں منتظر رہوں گی۔ گاڑی آ گئی تمہیں

"آ گئی ہے۔ میں بس نکل رہا ہوں۔ پھر تین گھنٹوں بعد ملتے ہیں۔ بہت ضروری اور بہت سی غیر ضروری باتیں کرنی ہیں تم ہے، کتنے دنوں بعد ملیں گے ہم؟" وہ لہجے میں صدیوں کی پیاس سمو کر بولا تو وہ زور سے ہنس پڑیں۔

"اپنی ان سکڑتی نروز پر اتنا پریشر نہ ڈالا کرو۔ تمہاری عمر کا تقاضا اب کچھ اور ہے۔ خدانخواستہ اتنا اسٹریس نہ سہہ پائیں

جہانگیر ہمدانی کے دل پر ٹھک جیسے کسی نے مُکا دے مارا۔ ایک ہی دن میں عمر خستہ کا ایسا شدید طعنہ......

آپ کو خبر ہو گئی کہ جہانگیر ہمدانی کی ڈیٹ ایکسپائر ہو رہی ہے؟'

ان کی طرح لرز اُٹھا اور وہی بائیں حصے کو سکیڑ دینے والی بے دردی لہر...... دانتوں تلے زبان بھینچ کر دبائی۔

بارے میں کیا خیال ہے؟" بمشکل مسکرا کر اس کے منہ سے نکل سکا تھا۔

"تم عورتوں کی طرح طعن بازی کرنے لگے۔ چلو ملتے ہیں تو پھر، مجھے بھی تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔ اوکے، ٹیک

کا بتایا ہوا ایڈریس آ چکا تھا۔ ڈرائیور گاڑی روک کر چوکیدار کو لائبہ کو بلانے کا کہہ رہا تھا۔

سیکنڈ میں نکل آئی۔

"اندر نہیں چلیں گی؟ دائم کی مدر اور پاپا آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" وہ بہت خوش تھی، گاڑی کے شیشے سے لگ کر بولی۔

"آج نہیں، پھر کبھی سہی۔ جانتی ہو نا، آج مجھے کتنا کام ہے۔" انہوں نے ترچھی نظر سے عالیشان گھر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس کھڑے کھڑے مل تو لیں۔" وہ بضد ہو کر بولی اور ان کی طرف کا دروازہ کھول کر انہیں باہر نکالنے لگی۔

"کیا بتاتیں کہ ان کے لئے ان دونوں ہی سے ملنا ممکن ہی نہیں، انتہائی ناخوشگوار عمل بھی ہے۔

"اِز ٹو مچ۔ اور تم بچی بھی نہیں ہو کہ میری مجبوری کو نہ سمجھ سکو۔ کہا نا، پھر مل لوں گی۔ چلو اب، دیر ہو رہی ہے مجھے۔"

ادھر آ گیا۔ اور لائبہ کا چہرہ ایک دم سے مرجھا گیا۔

جانتی تھی، آپ کی زندگی میں میرے لئے صرف مجبوریاں ہی مجبوریاں ہیں، اور کچھ بھی نہیں۔ اور میں واقعی اب بچی نہیں بچی تھی بھی تو کون سا آپ کو میری پروا تھی، جواب ہو گی؟" وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔

اوقات کا جی چاہا، اسے ایک تھپڑ تو لگا ہی دیں، جو ملازموں کی پروا کئے بغیر بولنا شروع کر دیتی تھی۔

''اچھا سوری، پرامس۔ کل تم جو کہو گی، کروں گی۔ اور پتہ ہے، ایک خوشخبری بھی ہے تمہارے لئے۔ بیٹھو، پھر سناتی ہوں۔'' وہ اسے پیار سے ساتھ لگا کر زبردستی گاڑی میں بٹھاتے ہوئے بولیں۔

لائبہ کا چہرہ سپاٹ ہی رہا۔

اور گاڑی اسٹارٹ ہونے پر یونہی ان کی نظریں کوٹھی کے ٹیرس کی طرف اُٹھیں اور جیسے ٹھٹک کر رہ گئیں۔

مصطفیٰ ان کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ اتنے فاصلے سے بھی ان کا یوں دیکھے جانا پہلی نظر میں محسوس ہو رہا تھا۔

ٹھٹک تو وہ بھی گئیں۔

پہچاننے میں شاید منٹ کا آخری پل لگا تھا انہیں۔ نفرت کی تیز لہر ان کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ انہوں نے رخ پھیر لیا۔ گاڑی چل پڑی۔

اور ٹیرس پر کھڑے مصطفیٰ صاحب تو جیسے کسی بت کی طرح ساکت رہ گئے تھے۔

اتنے سالوں بعد وہ اسے فقط چند سیکنڈ میں پہچان لیں گے، اس کی توقع انہیں خود سے نہیں تھی۔ مگر وہ اسے پہچان چکے تھے۔ جس نظر سے اس نے جاتے سے انہیں دیکھا تھا، گویا وہ بھی انہیں پہچان چکی تھی۔

'نیلم........ نیلم فیاض........ اور پھر نیلم محمود عالم........ یہ وہی تھی........ یقیناً وہی........ میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ لائبہ کی مدر........ اس کے علاوہ یہ کیا ہے؟ مجھے معلوم کرانا چاہئے۔ محمود کی تباہی میں اور کسی کا ہاتھ ہو یا نہ ہو، نیلم........ نیلم اسے کبھی معاف نہیں کرنے والی۔' وہ تیزی سے بیڈ روم میں آئے۔

'مجھے محمود کو فوراً بتانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے، اسے پہلے سے علم ہو۔' ان کے نمبر ملانے ہاتھ سست پڑ گئے۔

'مگر کچھ ہے سلسلہ ان دونوں کے بیچ۔ مجھے خود محمود کی طرف جانا چاہئے، ابھی۔' انہوں نے ایک دم سے فیصلہ کیا اور کمرے سے نکل گئے۔

✲✲......✲✲

'آج مجھے ثانیہ کیوں اس قدر یاد آ رہی ہے؟'' انہوں نے تھک کر خود سے سوال کیا۔ وہی جو وہ اس لمحے سے کر رہی تھیں، جب سے اسامہ کو دیکھا تھا۔ عجیب سا ملال، اَن دیکھا خسارہ جیسے ان کے ساتھ ہو گیا تھا۔

''اور ان کے گھر سے بیٹی نکلی ہے، کوئی مرغی یا بکری نہیں جو تم یوں وہاں بیٹھی تماشا دیکھ رہی ہو۔ میری بچی کیسے ثانیہ کا سن کر رلی آئی تھی فوراً اور تم........ دکھا دیا نا بھاوج بن کر۔'' ثریا بانو کا پھنکار بھرا ٹیلی فون جو یاسمین نے عزہ کا پتہ کرنے کے لئے کیا تھا، الٹا ان کے گلے پڑ گیا۔

''اماں جان! میں نے تو احسن سے پوچھا تھا، مگر انہوں نے منع کر دیا۔'' انہوں نے صفائی دینا چاہی۔

''ساری طرف تو تیری مرضیاں چلتی ہیں، وہ بیمار شمار برسوں سے دنیا چھوڑ بیٹھا ہے، اس پر کاہے کا الزام دھرتی ہو؟ صاف کہو خود تم بدلے اتار رہی ہو، مجھ سے اور میری بیٹی سے۔ اب تو تمہیں موقع ملا ہے کہیں جا کر۔'' ثریا بانو اور کسی کی سن جائیں، ناممکن۔

اور ان کی باتیں سن کر یاسمین کی ہزار بار کی چاہی گئی تمنا پھر سے سر اُٹھانے لگی کہ کاش! وہ اس طرح ڈنکے کی چوٹ پر ثریا بانو کو جواب دے سکتیں، جیسے ان کی سگی بیٹی سارہ دیتی تھی۔

اور ہر بار کی طرح یہ حسرت تشنہ رہ گئی

گھنٹے بھر بعد وہ محمود عالم اور سارہ کے ڈرائنگ روم میں کسی مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھیں، جیسے عزہ کو گھر سے چلے جانے کا مشورہ انہوں نے دیا ہو۔

ثریا بانو نے تیز نظروں سے انہیں یوں خاموش بیٹھے دیکھ کر گھورا۔

''کچھ پتہ چلا سارہ! عزہ کا؟'' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا پوچھیں۔

''پتہ چلا ہوتا تو قسمت کی ماری یوں بیٹھی ہوتی؟'' بیٹی کے جواب دینے سے پہلے ثریا بانو بول پڑیں۔

اب وہ اور کیا پوچھیں۔ پھر خاموش ہو گئیں۔

''تیری طرح اطمینان سے بھی نہیں بیٹھ سکتی کہ دکھاوے کو سہی، نکاح کے دو بول پڑھوا کر بھیجے تھے تم نے اور یہ میری نادان بچی بے خبری میں ماری گئی۔ جانے کس دشمن نے بدلہ نکالا۔ اور اس معصوم کو کیسے خواب دکھائے کہ ماں کا سوچا، نہ باپ کی عزت کا۔ لاکھوں میں ہیرا تھی۔ ہائے ہائے، ہماری قسمت۔'' وہ رونے لگیں تو یاسمین نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔ سارہ تو بالکل گم صم تھی۔ اس کا تنتنا، نخوت، غرور سب جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ یاسمین کو دلی دکھ ہوا۔

'کیسی ظالم ہوتی ہیں یہ بیٹیاں، ایسا انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے ماؤں کے ان بوڑھے دلوں کے متعلق کیوں نہیں سوچتیں

بھی بڑا بریک وقت غصہ آیا تھا۔

بھی بڑی ہو گی، وہ دونوں سے اجازت لے کر اُٹھ کھڑی ہوئیں کہ انہیں اکیلے گھر جانا تھا۔ اس علاقے سے سواری کا ملنا بھی مسئلہ ... باہر نکل کر سوچ میں پڑ گئیں۔ سارہ نے یا ثریا بانو نے جھوٹے منہ بھی نہ کہا کہ ڈرائیور گھر تک نہیں تو باہر اسٹاپ تک چھوڑ ... جبکہ گھر میں تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔

... نفرت اور سفید پوشی کی چادر اوڑھے خاموشی سے چلنے لگیں۔

✲◉......◉✲

"صاحب آگے سڑک بند ہے۔ کوئی جلوس نکل رہا ہے۔" ڈرائیور نے دور ہی سے گاڑی روک کر کہا۔

"... جانا تو ہے۔ دائیں بائیں کہیں اور رستہ دیکھو۔" وہ بے زاری سے بولا اور ڈرائیور نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد تیزی ... کی جانب جاتی ذیلی سڑک کی طرف موڑ دی۔

... ہوتے ہی رہائشی علاقہ تھا۔ پوش ایریا...... ایک کے بعد ایک عالیشان کوٹھی اور بنگلے۔

... کو ان شاندار گھروں میں پہلی بار دلچسپی محسوس ہوئی۔ پہلی بار اس کی سوچ نے اپارٹمنٹ اور ہوٹل کے گھٹے ... سے نکل کر گھر...... اپنے گھر کے بارے میں سوچا تھا۔

"... ایسا ہی گھر لیں گے ہم۔" بے اختیار اس نے خود سے کہا۔

"...؟" دل بے دردی سے ہنسا۔

... اس "ہم" کے خانے میں کبھی یاقوت کو فٹ کرتا تو کبھی عائشہ کو اور کبھی........

... نے زوردار بریک لگائے اور کسی کی چیخ اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ شاید گاڑی سے کسی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ وہ فوراً ... کر رہ گیا۔

✲◉......◉✲

"... بھی کس قدر احمق ہوں۔ مجھ سے عائشہ نے خود تو ایک بار ذکر کیا تھا کہ اس کا کوئی بھائی....... اسے تلاش ہے، اس ... ہے۔ اور یہ اسامہ....... یہ تو خود بتا رہا ہے کہ اس کا نام عائشہ ہے۔ اس کے بابا کا نام میں نے نہیں پوچھا۔ مگر یقیناً یہ ... انہیں ایک دوسرے کی تلاش ہے۔ مجھے ابھی عائشہ کو کال کرنی چاہئے۔ اسی وقت۔'

"... الم ولا" کے باہر ڈراپ کر کے وہ بائیک موڑ کر جا رہا تھا کہ اسے یک دم سے خیال آیا اور اپنی غائب دماغی پر افسوس ... ایک طرف بائیک روکی اور عائشہ کا نمبر ملایا۔

"... لئے خوشخبری ہے۔" وہ چھوٹتے ہی بولا۔

"... ہیں منع کیا تھا کہ خود سے مجھے فون نہیں کرنا پھر......."

... کی بات سنے بغیر ہی دھاڑ کر بولی اور فون بند کر دیا۔

'بے وقوف....... مجھے خود جانا ہو گا۔' تنزیل کے موبائل میں بیلنس نہیں تھا، وہ بڑبڑاتے ہوئے مڑ گیا۔

✲◉......◉✲

"... کے لئے ایک بیڈ نیوز ہے۔ پلیز! آپ فوراً گھر پہنچیں، ابھی....... جی، میں بات کر رہا ہوں۔ میں نے بتایا نا،

"

... بتائے بغیر فون بند کر دیا۔

... کھڑی سوچتی رہ گئی۔

✲

"تم......؟" روشنی کم ہونے کے باوجود وہ اسے پہچان چکی تھیں۔ یوں بھی وہ منظر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہی کب تھا
میں انہوں نے خود تانیہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا تھا۔
گاڑی ٹکرانے کے نتیجے میں انہیں بظاہر کوئی شدید چوٹ نہیں آئی تھی، مگر دونوں گھٹنے اور پنڈلیوں میں شدید تکلیف تھی،
نے چھری کی نوک سے اوپر سے نیچے تک چھید ڈالا ہو۔
"چوٹ تو نہیں لگی جی؟" ڈرائیور نے خوب باریک بینی سے ان کا جائزہ لیتے ہوئے کچھ اعلانیہ انداز میں پوچھا تھا،
لہجے کا اطمینان ہی جہانگیر ہمدانی کے لئے کافی تھا۔ یوں بھی وہ سوچ رہا تھا، خوامخواہ ہمدردی بگھارنے کو نیچے اُتر آیا، ورنہ
ضرورت تو نہ تھی۔
ڈرائیور تو یاسمین کا جواب سنے بغیر، پھر سے لپک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جہانگیر ہمدانی ان کا بولا ہوا "تم" مرہا
نظرانداز کرتے ہوئے، آنکھوں میں اجنبیت لئے مڑنے ہی کو تھا کہ یاسمین نے پیچھے سے اس کی قمیض کسی زخمی شیرنی کی طرح پکڑ لی
تھی۔
"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" وہ غصے میں گھوما۔ کوئی اس سے اس درجے کی "بے تکلفی" بھی برت سکتا ہے، یہ تصور ہی محال تھا۔
"کدھر ہے میری تانیہ؟ بولو۔" وہ اس کے چلاّنے اور خود کو چھڑانے کی پروا کئے بغیر اسی سختی سے اس کا کالر کھینچتے ہوئے گرجدار
بولی تھیں۔
"تانیہ......کون؟" یکسر انجان بنتے ہوئے کس بلا کی اداکاری کی تھی جہانگیر نے۔ اپنے ہی لہجے کی حیرت اسے خود بھی حیران
کر گئی۔ یاسمین ششدر سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔
"جہانگیر ہمدانی ہونا......تعارف کراؤں اپنا بھی۔ یاسمین ہوں میں......یاسمین......بھول گئے اتنی جلدی؟......ابھی
سال بھی نہیں ہوا۔ چند مہینے......چند مہینے پہلے تم کس طرح مسکین و عاجز بنے میری تانیہ کو مجھ سے جدا کرنے آگئے تھے۔ بتاؤ
کدھر ہے وہ؟......کہاں چھوڑ کر آئے ہو اسے؟" وہ اسے دونوں ہاتھوں سے جھنجوڑتے ہوئے چلاّئیں۔
ڈرائیور کچھ حیران سا یہ انوکھا منظر دیکھ رہا تھا۔ ایک معمولی سی عورت کس استحقاق سے صاب لوگوں کا کالر پکڑے جھنجوڑ رہی تھی
۔ اور صاب لوگ......جہانگیر ہمدانی کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑنے لگیں۔
"جھوٹ......بکواس......میں کسی تانیہ کو نہیں جانتا۔ میں تو تمہیں بھی پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ تم ہو کون؟" اس
سے پہلے کہ حواس بالکل مختل ہو جاتے، جہانگیر ہمدانی نے خود کو سنبھالتے ہوئے لہجے میں خوب ڈھٹائی سموئی تھی۔
اور یاسمین کے ہاتھ تو وہیں ڈھیلے پڑ گئے، جیسے کسی نے انہیں عمر بھر کی کمائی لٹ جانے کی خبر سنا دی ہو۔
"تم......تم مجھے نہیں جانتے......تانیہ کو؟" ان کی پشت پر گاڑی کا سہارا نہ ہوتا تو شاید وہ اب تک گر ہی چکی ہوتیں۔
"او بی بی! میں نے بولا نا، میں تمہیں جانتا ہوں نہ کسی تانیہ وانیہ کو۔ میں تو یہاں پردیسی ہوں۔ ابھی انگلینڈ سے آرہا ہوں
مجھے کیا پتہ ان باتوں کا، جو تم مجھ سے پوچھ رہی ہو؟" یاسمین کے ہراساں چہرے نے اسے تقویت دی تھی۔ قمیض کا کالر جھاڑتے
ہوئے گاڑی کے کھلے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس بحث کے طویل ہو جانے کی صورت میں کوئی چوتھا یہاں نکل آتا یا یہ خبطی بڑھیا
چلا چلا کر کوئی تماشا کھڑا کرنے کی کوشش کرتی تو جانے بات کہاں سے کہاں جا پہنچتی۔ خیریت اسی میں تھی کہ نکل لو۔
"بات سنو میری۔" ابھی پہلا ہی قدم ہی اوپر رکھا تھا کہ یاسمین نے کچھ اس تندی سے اسے جھٹکا دیا کہ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی
تک لڑکھڑا گیا۔
"یو بچ!" وہ ہاتھ اٹھا کر اسے مارنے کو لپکا کہ ڈرائیور جانے کیسے چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر بیچ میں آگیا دونوں کے۔
"صاب! عورت ذات ہے۔ معاف کر دو۔" وہ خوامخواہ گڑگڑا کر بولا۔
جہانگیر نے اسے پوری طاقت سے دھکا دیا۔

"ارے ذات تیری ماں لگتی ہے یا تُو اُس کا بچھڑا یار ہے جو بیچ میں آتا ہے۔ تجھے تیری اوقات دکھاؤں میں۔" وہ اسے ایک دھکا دیتے ہوئے طیش میں چلایا۔

ڈرائیور کی ساری غیرت و مردانگی ہوا ہو گئی۔ بھیگی بلی کی طرح سکڑا سمٹا صاحب سے تھپڑ کھاتا گیا۔

"پھر اس کے باوجود میں تم سے پوچھ کر رہوں گی، تانیہ کدھر ہے۔ تم نے میری بیٹی کے ساتھ کیا دھوکا کیا؟ کہیں اسے بیچ باچ کر تو نہیں ڈالا۔ کچھ تو بتاؤ اس کا کوئی اتا پتہ، کچھ........ میں تمہیں اس کے بغیر جانے نہیں دوں گی۔" وہ جیسے ہی گاڑی کی طرف بڑھا یاسمین اڑیل ٹٹو کی طرح بیچ میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"پاگل عورت! دفعان ہو یہاں سے۔ مر گئی ہو گی کہیں تیری تانیہ، منہ کالا کر کے۔ اب کیوں ڈھونڈتی پھرتی ہے اسے؟ دام لے لئے تھے تجھے اس کے، جو اتا پتہ لے گی؟........ دفع ہو پرے۔" وہ نفرت سے کسی حقیر چیز کو ٹھوکر مارتے ہوئے یاسمین کو بھی پرے دھکیل گیا۔

لیکن اسے پتہ نہیں تھا، پاگل کبھی کبھی خطرناک بھی ہو جایا کرتے ہیں۔

دوسرے لمحے یاسمین نے دونوں ہاتھوں سے اس کے بال جکڑے اور پوری قوت لگا کر اسے گاڑی سے باہر پھینک دیا۔ دو ناخن اور ایک ہی ہاتھ میں اُدھڑتا ہوا گریبان، اس پاگل کے پاگل پن کو اور بھی ثابت کر گیا۔

"تم........ تمہاری یہ جرأت........" جہانگیر کو لگا، اب یہ عورت اس کے ہاتھوں سے زندہ نہیں بچے گی۔ وہ دیوانہ وار اٹھا اور اسے کسی کھلونے کی طرح زمین پر پٹخ دیا اور بھاری بوٹوں کی ٹھوکروں سے اس کا کمزور بدن دُھنک کر رکھ دیا۔

ڈرائیور کی آنکھیں اُبلنے کو تھیں، ایک بار ہمدردی کر کے وہ بھگت چکا تھا اور دوسری بار کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ مگر یہ سب دیکھنا بھی ناقابلِ برداشت تھا اس کے لئے۔

"تم مجھے مار بھی ڈالو گے کتے! تو بھی میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ تجھے شہر بھر میں رُسوا کر دوں گی۔ تھوکیں گے لوگ تیرے کالے ہوئے منہ پر۔ تُو نے........ میری تانیہ........" وہ مسلسل ٹھوکروں کی زد میں تھی اور مزاحمت کئے جا رہی تھی۔

"تو بچے گی زندہ تو تیری یہ زبان کھلے گی نامردود! تجھے میں ختم کر ڈالوں گا۔ ابھی یہاں چیل کوّے تیری لاش نوچنے کو اکٹھے ہوں گے۔" وہ بالکل پاگل ہو چکا تھا۔

اسی وقت مخالف سمت سے آتی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے ساری اندھیری فضا میں اُجالا کر دیا اور جہانگیر ہمدانی جیسے ہوش میں آیا۔ یاسمین کو آخری لات مار کر، اچھل کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور دروازہ بند کر لیا۔

ڈرائیور نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر گاڑی اسٹارٹ کی اور سامنے سے آتی گاڑی کے پہلو سے زن کر کے گاڑی نکل گئی۔ سڑک کے کنارے گٹھڑی کی طرح بے ہوش یاسمین پر جاتے جاتے جہانگیر نے نفرت بھری نظر ڈالی اور ہاتھ سے پھٹے ہوئے گریبان اور ناخنوں کی کھرونچوں سے چھلے سینے کو ڈھانپنے لگا۔

پیچھے سے آنے والی گاڑی آگے بڑھتے ہوئے یاسمین کو دیکھ کر ایک دم سے رکی تھی۔ لمحہ بھر کو دائم سمجھ ہی نہیں سکا، یہ کوئی عورت ہے یا کپڑوں کی گٹھڑی، جو کوئی یونہی سڑک کنارے پھینک گیا ہے۔

وہ باہر نکل کر دیکھنے لگا۔ اردگرد کوئی ذی روح نہیں تھا۔

"اگر یہ کوئی لاش ہوئی تو؟" وہ پاس آ کر جھجک سا گیا۔

"اور یہ سب شاید یہ گاڑی جو ابھی یہاں سے گئی ہے، اسے یہاں پھینک کر گئی ہے........ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ پولیس کو بلاؤں۔" وہ وہاں کھڑا سوچنے لگا۔

"دائم صاحب! یہ لندن نہیں ہے، جہاں آپ کی ایک کال پر پولیس بھاگی چلی آئے گی۔ یہ پاکستان ہے۔ اور اتنے مہینوں میں آپ کو تو پتہ چل گیا ہوگا، یہاں کی پولیس کیسی ہے۔"

پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر وہ کچھ متذبذب سا آگے بڑھا، جھک کر خاتون کو سیدھا کیا، جن کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔

"یہ زندہ ہے۔" اس نے نبض ٹٹول کر دیکھا۔

دوسرے لمحے وہ انہیں گاڑی میں ڈال کر کسی قریبی ہسپتال میں لے جانے کے لئے اُڑا جا رہا تھا۔

"اس کو کسی نے بری طرح زدوکوب کیا ہے، اور اگر ہسپتال والوں نے اسے پولیس کیس سمجھ کر ایڈمٹ کرنے سے انکار کر دیا تو؟" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

یہاں اس ملک میں قدم قدم پر مظلوم کی دادرسی کی راہ میں بڑے بڑے قانونی اور غیر قانونی پتھر ہیں، جن کو ہٹانا کتنا دشوار ہے، یہاں کا اندازہ دائم کو بھی تھا۔

'پھر اسے کہاں لے کر جاؤں؟........ کسی سڑک کنارے ڈال جاؤں؟' وہ عجیب سی اُلجھن میں گرفتار ہو گیا۔

❋❋

'مجھے تھوڑی دیر کے لئے سو جانا چاہئے، رات بھر کے فنکشن میں ورنہ میں کیسے جاگ پاؤں گی؟' مسلسل سوچوں کے درمیان وقفے وقفے سے وہ خود کو یاد دہانی کروا رہی تھی اور اگلے لمحے پھر سے خود ہی بھول بھی جاتی۔

'مجھے دائم سے مل لینا چاہیے تھا۔ وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ میرا ہی متلاشی، اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا۔ وہ بھلا میرے سوا اور کسے تلاش کر رہا تھا؟ اتنی بے اعتباری کیوں آ گئی ہے میرے اندر؟ دائم سے مل لینے میں تو کوئی حرج نہیں تھا۔' اسے عجیب سے پچھتاوے نے چہار طرف سے گھیر لیا تھا۔

'وہ اس لمحے مجھے وہاں سے گھسیٹتا ہوا لے جاتا، ایک پل کو بھی مجھے وہاں رُکنے نہ دیتا تو میڈم یاقوت کا عتاب........ جس طرح انہوں نے مجھے صبح میں خوب اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اب واپسی ممکن نہیں تو شاید وہ دائم کو مجھے یوں لے جانے پر کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیتیں تو........' اسے دوسرا خیال آیا۔

'اچھا ہی ہوا، جو بھی ہوا۔ مجھے اب یہ باتیں سوچنی بھی نہیں چاہئیں۔ اب میں ان سے بہت دور نکل آئی ہوں۔' تھکن [illegible] کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ سب کچھ بھول کر وہ گہری نیند سو جائے۔ مگر نیند........ اس کے اختیار میں کب تھی۔

اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

'میڈم یاقوت!' اس کا دل دھڑکا۔ 'مگر وہ تو کہہ رہی تھیں، اب رات ہی کو ملاقات ہوگی، پھر کیوں آئی ہیں؟' وہ کچھ ہراساں سی سوچ گئی۔

دستک پھر سے ہوئی تو وہ اُٹھ کر باہر چلی آئی۔

"کون؟" ذرا رُک کر اس نے پوچھا۔

"مس! یہ میم نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔" باہر شاید ان کا کوئی ملازم تھا، خیال آتے ہی عزہ نے بے دھڑک دروازہ کھول دیا۔ وہ اسے کوئی ڈبہ تھما رہا تھا۔ وہ لیتے ہوئے ذرا سا ہچکچائی۔

"سنو!" وہ جانے کو مڑا تو کسی اچانک خیال کے تحت عزہ نے اسے پکارا۔

"جی میم!"

"وہ، مجھے جانا ہے کہیں۔ گاڑی ہے نا نیچے؟" وہ پُراعتماد لہجے میں ڈبے کو یونہی اُلٹتے پلٹتے ہوئے بولی۔

"نو میم! گاڑی تو نہیں ہے نیچے کوئی بھی۔" وہ مؤدب لہجے میں بولا۔

"اوہ........ تو کوئی کنوینس تو مل جائے گی نا ادھر سے؟"

"میم! ہمیں میڈم نے کہہ رکھا ہے کہ آپ صرف ان کے ساتھ ہی کہیں آ جا سکتی ہیں۔" وہ ذرا سوچ کر اسی مؤدب لہجے میں بولا۔

"واٹ؟........ میں کیا یہاں قید میں ہوں تمہاری میڈم کی؟" وہ تو یونہی یہ سب کہہ رہی تھی، ورنہ اسے تو کہیں بھی آنا جانا نہیں تھا۔

"نو میم! آپ جا سکتی ہیں۔ مگر میڈم کا حکم ہے کہ آپ چونکہ اس علاقے سے انجان ہیں تو ہم میں سے کوئی آپ کے ساتھ جائے گا۔"

"باڈی گارڈ بن کر۔ ہے نا؟" وہ منہ میں بڑبڑائی اور اس کی طرف دیکھے بغیر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ 'جانے یہ کیا چاہتی ہیں مجھ سے۔' وہ نئی اُلجھن میں گرفتار ڈبہ کھولتے ہوئے بڑبڑائی۔ نیا موبائل سیٹ تھا، نئی سم کے ساتھ۔ کہیں بھی کوئی گھپلا نظر نہیں آ رہا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

'بظاہر سب کچھ پرفیکٹ ہے۔ اعتماد بھی، اعتبار بھی۔ پھر مجھے چین کیوں نہیں آ رہا؟'

'اور یہ میرے موبائل سے سم کس نے نکالی؟ اور یوں نئی سم کے ساتھ........ مجھے تو بہت سے نمبر زبانی یاد بھی نہیں۔ اور یوں فون بھیجنے کا مطلب، انہیں کچھ بھی ڈر نہیں مجھ سے........ یہی بات ہے۔'

وہ بے خیالی میں کوئی نمبر ملاتی چلی گئی۔

دوسرے لمحے چونک گئی۔ تیسری بیل کے فوراً بعد کسی نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"ہیلو" کی ہلکی سی آواز پر اس نے جلدی سے سیل کان سے لگایا اور دوسرے لمحے دھک سے رہ گئی۔

وہ انجانے میں محمود عالم کا نمبر ملا چکی تھی۔

"ہیلو........ ہیلو........ کون؟" وہ بے قراری سے کہہ رہے تھے۔ پاپا کی آواز اتنے گھنٹوں بعد اس نے سنی تھی، جانے کیسے اس کے آنسو نکل پڑے۔

"مما! آپ سے کبھی بھی اتنی دیر تک دور نہیں رہی پاپا!" وہ بے آواز آنسوؤں کے ساتھ روتی چلی گئی۔
"کون ہے؟...... بولو نا!" اب کے وہ عاجزی سے بولے اور ان کے لہجے میں جو شکست سی تھی، شاید بہت کچھ بدل گیا ہے
یہ ایک فعل سے۔ 'یہ ایک فعل نہیں، ایک پورا اعمال نامہ بدل دینے والا قدم۔'
"بولو، کون ہے؟...... عزہ......؟" ان کی آواز میں عاجزی و بے بسی کی نمی سی اُتر آئی تھی اور ان کے منہ سے اپنا نام سن کر
اس کا دل پھٹ جائے گا۔
"جی پاپا! میں...... میں آپ کی...... عزہ...... اسی لئے آپ نے میرا یہ نام رکھا تھا کہ میں آپ کی عزت پر کبھی آنچ نہ آنے
دوں گی، وہی عزہ آپ کی عزت کی کانچ کو کیسے پیر سے ٹھوکر مار گئی ہے۔ تو پھر کیسے آپ سے بات کروں؟...... پاپا! کیسے؟'
بے اختیار روتے ہوئے فون بند کر دیا۔
وقفے سے موبائل پھر بجنے لگا۔ اس نے تڑپ کر نمبر دیکھا۔
وہ عالم اسے فون کر رہے تھے۔ گویا انہیں یقین ہے کہ یہ فون اسی کا ہے۔ وہ آنکھوں میں لئے اس بے حد اجنبی سے نمبر کو تکے
رہا۔
فون بج کر چپ ہو گیا۔
پاپا! اگر میں آپ کو فون کروں بھی تو کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے؟...... نہیں نا؟ تو پھر ہم دونوں کے بیچ اس معافی کے
سوا اور کیا رہ جائے گا؟ اور جب وہ تعلق ختم ہو گیا تو ہم دونوں کا رشتہ اتنا ہی مضبوط اور گہرا رہ پائے گا، جتنا آپ سے تیس
سال پہلے تھا؟ یقیناً نہیں!'
بیل کی بیپ پھر بجنے لگی۔ وہ وحشت سے نمبر کو دیکھتی رہی اور جانے کیسے اس نے ریسیور کا بٹن پش کر دیا۔
"تم عزہ ہو نا...... خدا کے لئے بولو!...... کیا تمہیں عزہ کے بارے میں کچھ پتہ ہے؟...... تمہیں قسم ہے اس کی، جو سب
سے بڑا ہے۔ بولو خدا کے لئے! ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ بولو!" وہ چیختے ہوئے رو ہی پڑے۔
"پاپا! میں آجاؤں گی گھر...... کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے میرے آنے پر؟ آپ فیصلہ کر لیجئے۔ خدا حافظ!"
ان کا جواب سنے بغیر اس نے سیل آف کرتے ہوئے سم ہی نکال دی اور سیل اسی طرح پیک کر کے اسے پرے رکھ دیا۔ عجیب
سکون مل گیا تھا، پاپا سے یہ دو جملے بول کر اس کے دل کو۔
میرا یہ فعل یقیناً ناقابلِ معافی ہے، مگر پاپا سوچیں گے ضرور۔ کیونکہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ آج...... آج ان کی
محبت چھپی نہیں رہ سکی۔ ان کا غصہ، ان کی سرد مہری، ان کی اجنبیت آج ان کے یوں چیخنے پر ان کے اندر چھپے محبت کے اس آتش
فشاں کے لاوے کی طرح اُچھال گئی تھی۔ جان گئی ہوں پاپا! آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ میں آپ کی محبت کو اور نہیں آزماؤں
گی، بس چند گھنٹے مجھے اور دے دیں۔ آئی پرامس پاپا! میں خود گھر آجاؤں گی۔"
اک گہرا سکون، ایسا اطمینان اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ یہ احساس ہی کہ پاپا اس سے کتنی شدید محبت کرتے ہیں،
سے شانت کر گیا۔
'اب وہ مجھے معاف کریں یا نہ کریں، یہ خیال مجھے عمر بھر کے لئے کافی ہے کہ وہ مجھ سے کس شدت کی محبت کرتے ہیں۔ مجھے اور
چاہئے بھی نہیں۔' اس نے پُرسکون ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔
'شدید محبت ہی تو شدید نفرت کو جنم دیتی ہے۔ کیا یہ اتنا آسان ہے کہ خود جب جی چاہا اپنی مرضی سے گھر کو لات مار کر نکل آئے۔
اور پھر کسی بادشاہ کی طرح اسی اطمینان سے دوبارہ گھر میں داخل ہو گئے۔ جبکہ پاپا کے نفرت بھرے الفاظ وہ اپنے کانوں سے سن چکی ہے
کہ ان کے لئے مر گئی ہے۔ یہ تو لمحاتی کمزوری تھی۔ کمزور لمحوں کی گرفت جوان کے اس خفتہ پدرانہ اُلفت کو عیاں کر گئی، ورنہ عزہ
تم بڑی بھولی فرما رہی ہو کہ خود گھر آجاؤ گی۔ ذرا جا کر دیکھنا تو تمہیں کتنا سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے، جتنے پر تم نے ان کی عزت کی
دھجیاں اڑائی ہیں، اس کے بعد بھی۔'
اس کی خوشی کو وسوسوں نے برباد کر ڈالا۔ وہ خالی خالی نظروں سے چھت کو دیکھتی رہ گئی۔

✲......✲
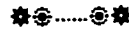
"تم! یہ کیا طریقہ ہے؟...... کون ہے یہ عورت؟ اور میں اس کا کیا کروں؟" وہ انہیں کھینچتا ہوا کمرے میں لے کر آیا تھا اور
سامنے بیڈ پر بے ہوش عورت کو پڑے دیکھ کر ڈاکٹر رخشندہ بوکھلا سی گئیں۔
"آپ ڈاکٹر ہیں، آپ کو معلوم ہے آپ کو اس کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ شی اِز انجرڈ۔" وہ آرام سے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا
تھا۔ فرسٹ ایڈ باکس وہ پہلے ہی لا کر رکھ چکا تھا۔

''مگر یہ ہے کون؟ اور زخمی ہے تو اسے کسی ہسپتال لے کر جاؤ، یہ تو سیدھا سیدھا۔''
''پولیس کیس ہے نا۔ یہی تو ماما! اس ملک میں انسان زخمی ہو، مرنے کے قریب ہو تو اسے فرسٹ ایڈ دینے کے بجائے یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ پولیس کیس تو نہیں۔ یعنی انسان کی اہمیت، اس کی جان کی ویلیو کاغذی کارروائی کے بغیر اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور اسی جھنجٹ سے بچنے کے لئے میں اسے کسی ہسپتال میں نہیں لے کر گیا۔ آپ نے بھی اسے چیک کرنے کے بجائے اپنے دفاع کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔'' وہ جیسے بھرا ہوا تھا، بولتا چلا گیا۔
''بیٹا! یہ ضروری ہوتا ہے کہ پہلے.......''
''ماما! انسانی جان کو پہلے بچانے سے ضروری کچھ بھی نہیں۔ باقی سب معاملے تفتیش وغیرہ بعد میں آتے ہیں۔ پہلے جان بچانا ضروری ہے۔'' وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔
اسی وقت یاسمین نے کراہ کر کروٹ لی، ان کے منہ سے سسکی سی نکلی۔ دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چہرے پر شدید تکلیف کے آثار لئے یاسمین نے بہ دقت آنکھیں کھول کر ان دونوں کو دیکھا۔ نظروں میں حیرت اور اجنبیت تھی۔
''ارے یہ تو.......'' رخشندہ کو یاسمین کے آنکھیں کھولتے ہی جیسے کوئی بھولا ہوا منظر یاد آ گیا، جب وہ اس آندھی بھری شام ان کے گھر گئی تھیں۔
''میں یہاں.......آپ کون ہیں؟'' وہ اُٹھنے کی کوشش میں دوسرے پل ہی ڈھے سی گئیں۔ ان کی پسلیوں میں جیسے کسی نے جلتی اینٹیں رکھ دی تھیں۔
''لیٹی رہئے، پلیز! آپ زخمی ہیں۔ اور میں.......میں ڈاکٹر رخشندہ۔ اور یہ میرا بیٹا دائم۔ یہی آپ کو زخمی حالت میں سڑک کے کنارے سے اُٹھا کر لایا تھا۔ شاید آپ کو یاد ہو۔'' اور یاسمین کی نظروں کے سامنے وہ بے درد منظر پوری جزئیات کے ساتھ نمایاں ہو گیا۔
''وہ.......'' وہ پریشان متلاشی سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں کہ وہ خبیث جہانگیر ہمدانی شاید یہیں کہیں ہو۔
''آپ اُٹھیے، میں آپ کو فرسٹ ایڈ تو دیتی ہوں مگر آپ کی چوٹیں مجھے اندرونی لگ رہی ہیں۔ کیا کسی سے جھگڑا ہو گیا تھا یا.......'' رخشندہ نے فرسٹ ایڈ باکس میں سے مطلوبہ چیزیں نکالتے ہوئے پوچھا۔
''ماما! میں جا رہا ہوں، ضروری کام سے۔ پہلے ہی لیٹ ہو گیا ہوں۔'' دائم گھڑی دیکھ کر عجلت بھرے انداز میں جاتے ہوئے بولا۔
''دائم! سنو۔'' کسی خیال کے آنے پر وہ لپک کر اس کے پیچھے گئیں۔ ''عزہ کا کچھ پتہ چلا؟'' انہوں نے آہستگی سے پوچھا۔
اور یاسمین، عزہ کا نام سنتے ہی چونک سی گئیں۔
''نہیں۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں۔ اور میں اُدھر ہی تو جا رہا تھا کہ یہ خاتون مجھے اس طرح روڈ کنارے پڑی نظر آئیں۔ میں نکلتا ہوں۔''
''وہ، لائبہ آئی تھی تم سے ملنے۔ تم تھے نہیں تو.......'' وہ عجلت میں بتانے لگیں۔
''اوکے ماما! مجھے دیر ہو رہی ہے۔ آپ پلیز ان سے گھر کا ایڈریس وغیرہ پوچھ کر ڈرائیور کے ساتھ انہیں ان کے گھر بھجوا دیجئے گا۔ خدا حافظ!'' وہ ذمہ دارانہ انداز میں انہیں تاکید کرتا ہوا چلا گیا۔
اور ڈاکٹر رخشندہ دل ہی دل میں مسرور سی ہو گئیں کہ ان کے بیٹے کو خدا نے کتنا پیارا، کتنا محبت کرنے والا دل دیا ہے اور ایسے لوگ.......'' وہ ایک دم سے رک گئیں۔ ''نہیں نہیں، خدا نہ کرے یہ محبت بھرا دل کوئی چوٹ کھائے۔ میرے اللہ! میرے بیٹے کے دل کی ہر مراد پوری کرنا۔ خاص طور پر اس کی محبت.......'' یاسمین کی کراہ پر وہ اپنے خیالوں سے باہر آ گئیں۔
''میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے شاید۔'' وہ ان کے زخم صاف کرتے ہوئے دوائی لگا رہی تھیں، جب یاسمین نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''بالکل دیکھا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔
''کہاں، مجھے یاد نہیں آ رہا۔'' یاسمین اُلجھ کر بولیں۔
''ارے تھوڑے دن پہلے ہی تو میں آپ کے گھر آئی تھی، جب شام کو خراب موسم کے دوران میری گاڑی اچانک آپ کے گھر کے پاس خراب ہو گئی تھی۔'' وہ ذرا سا ہنس کر بتانے لگیں۔ یاسمین یک ٹک انہیں دیکھتی رہیں۔
''اور ایک دم سے کوئی فون آنے پر آپ اُٹھ کر چلی گئیں، اسی خراب گاڑی میں۔'' بہت دیر بعد یاسمین نے جتانے والے انداز میں کہا جب رخشندہ ان کے زخموں پر مرہم لگا چکیں۔
اب چونکنے کی باری ڈاکٹر رخشندہ کی تھی۔

"ہاں یہ سچ ہے، میری گاڑی خراب نہیں ہوئی تھی۔" وہ لمحہ بھر کچھ سوچنے کے بعد بولیں۔
"تو پھر؟" وہ اُلجھ کر بولیں۔
رخشندہ سوچتی ہوئی نظروں سے یاسمین کو دیکھنے لگیں کہ اپنا کچھ شیئر کریں یا........
"مجھے کسی کی تلاش تھی، گھر بھول گیا تھا مجھے۔" وہ مبہم سے انداز میں بولیں۔
"یہ تو آپ نے اس دن بھی کہا تھا کہ آپ کو کسی کا گھر بھول گیا ہے۔" رک کر دیکھا۔ "اور میرے خیال میں یہ والی بات بھی سچ نہیں تھی، آپ کسی اور وجہ سے ہمارے گھر آئی تھیں۔"
ارے...... بظاہر اتنی معمولی، سادہ سی نظر آنے والی عورت سے رخشندہ کو ایسی ذہانت کی توقع نہیں تھی۔ حیرت سے دیکھنے لگیں۔
"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"
انہوں نے بے اختیار اقرار میں سر ہلا دیا۔
"تو آپ کس لئے آئی تھیں ہمارے گھر؟" وہ اب کے بے چین سی ہو کر بولیں۔
"بتاؤں گی آپ کو سب کچھ۔ یہ سچ ہے کہ میں ایڈریس ڈھونڈتے ہوئے ہی آپ کے گھر پہنچی تھی مگر........"
"مگر کیا؟" یاسمین کو عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا۔
"میں بتاؤں گی آپ کو سب کچھ تفصیل سے۔ مگر اس وقت تو آپ کے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ آپ کو خاصی دیر ہو گئی ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔ راستے میں آپ کی میڈیسن بھی لے لیں گے۔" وہ شاید ابھی کچھ وقت لینا چاہتی تھیں، یاسمین پر اعتبار کرنے کے لئے۔
"میں آپ کے لئے جوس لے کر آؤں۔ بلکہ نہیں، گرم دودھ صحیح رہے گا۔ پھر آپ کو گھر ڈراپ کر دوں گی۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئیں اور یاسمین گھر کا خیال آتے ہی بے قراری سے اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔
"نہ جانے ربیعہ اور سدیعہ کیا کر رہی ہوں گی، مجھے گھر سے نکلے کئی گھنٹے تو ہونے کو آئے۔ نہ وہ خبیث مجھے ملتا اور اگر اس عورت نے فرشتہ بن کر مجھے نہ یہاں لاتا تو میں ابھی تک وہیں...... جانے کیا ہو چکا ہوتا...... احسن کا پارہ ہائی ہو چکا ہو گا۔ شاید اماں نے گھر فون کر لیا ہو یونہی۔ اور اگر انہیں پتہ چل گیا کہ میں ابھی گھر نہیں پہنچی تو......"
وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئیں اور دوسرے پل دھڑام سے پھر بیڈ پر گر گئیں۔ ان کے گھٹنے ان کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھے۔
"او میرے خدا!...... یہ کیا ہو گیا؟ میں احسن اور بچوں کو کیا بتاؤں گی؟ اور جو تنزیل، اسے پتہ چل جائے کہ میرا یہ حشر اس نے کیا ہے، اور وہ یہاں سے تو میری تانیہ...... میرے خدا! میری تانیہ کہاں ہے؟ زندہ یا...... نہیں، نہیں۔" وہ دل پہ ہاتھ رکھ کر بے اختیار رونے لگیں۔
دروازے کی طرف سے رخشندہ کی آواز آئی تو انہوں نے بے اختیار اپنے آنسو پونچھ لئے، اب تو انہیں صرف گھر جانے کی جلدی تھی۔

✲◉......◉✲

وہ پاگلوں کی طرح ہسپتال پہنچی تھی، اندھا دھند ڈرائیو کرتے ہوئے۔
قاسم بخاری ایمرجنسی میں تھے۔
"انہیں بہت شدید اٹیک ہوا ہے، بہت مشکل ہے ان کا بچنا۔ آپ ان کے لئے دعا کریں۔" ایمرجنسی سے نکلتے ڈاکٹر نے اس کے پوچھنے پہ بتایا تھا۔
"بابا! ابھی نہ جائیں...... ابھی نہیں...... پلیز بابا! کچھ دن اور......" وہ دیوار سے سر ٹکرا کر سسکنے لگی۔
"کچھ دن...... تو کیا تم انہیں سب بتا دو گی؟ اور ان کے یہ کچھ دن ان کی زندگی کے اذیت ناک لمحے بن جائیں؟" ضمیر کسی اژدہے کی طرح لہرایا تھا۔
اس کے سیل کی بیپ بجنے لگی۔
"اب اگر اس تنزیل کا فون ہو، I will kill him (تو میں اسے مار ڈالوں گی) اس نے شدید غصے میں سیل نکال کر دیکھا۔
دوسری طرف میڈم یاقوت تھیں۔
"کدھر مر گئی ہو تم اتنے اہم موقع پر؟" وہ کال ریسیو ہوتے ہی پھٹ پڑنے کے انداز میں بولیں۔
"میم! میرے بابا ایمرجنسی میں ہیں۔ انہیں شدید ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور ان کی حالت ڈینجرس ہے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی

رو پڑی۔

''جہنم میں گیا تمہارا باپ اور اس کی حالت۔ مر نہیں جائے گا وہ بڈھا۔ کتنے سالوں سے اس نے یہ طبیعت خرابی کا ڈھونگ رچا
رکھا ہے تمہیں۔ اب بھی اسے کچھ نہیں ہو گا۔ تم اسے ہسپتال چھوڑ کر جلدی سے ادھر پہنچو۔ یہاں میں اکیلی پاگل ہو رہی ہوں۔''
اپنے مخصوص بے حس لہجے میں دھاڑی تھیں۔

عائشہ بخاری چند لمحوں کو تو سُن سی کھڑی رہ گئی۔

''اور اگر نہ آؤں تو؟'' وہ اپنے سارے جذبات کو کنٹرول کر کے برف لہجے میں بولی۔

''تم جانتی ہو اس کا انجام۔'' وہ غرائیں۔

''آئی ڈونٹ کیئر۔ جس شخص کی زندگی کے لئے میں آپ کے ہاتھوں اتنے سالوں سے بلیک میل ہو رہی ہوں۔ اس
داؤ پر لگی ہے، ان کو اگر کچھ ہو گیا تو اس کے بعد میرے ساتھ کیا ہونا ہے، مجھے پروا نہیں۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر ٹھوس لہجے میں بولی۔
میڈم یاقوت بے یقین سی ہو گئیں۔

''تو تم نہیں آؤ گی؟'' وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولیں۔

''بابا کی حالت خطرے سے باہر ہونے تک نہیں۔'' وہ فیصلہ کُن انداز میں بولی۔

''تو پھر یہ بھی یاد رکھنا، وہ بڈھا بچ بھی گیا تو تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا، اُلٹا نقصان ہو گا۔ جب وہ تمہارے
کرتوت سن کر خود بخود مر جائے گا۔ اور تم مجھے جانتی ہو، صرف دھمکی نہ سمجھنا اسے۔'' وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں اور کیا کہہ رہی تھیں، وہ
بخوبی سمجھ رہی تھی اور لحہ بھر کو گنگ سی ہو گئی۔

''مگر میڈم! میں جان بوجھ کر یہ سب نہیں کر رہی، میرے بابا...... وہ بستر مرگ پر ہیں، میں ان کو اس حالت میں چھوڑ کر کیسے آ
سکتی ہوں؟ ان کی حالت سنبھلتی ہے تو آ ئی پرامس۔'' دوسرے لمحے وہ ان کے نفسیاتی دباؤ میں آ چکی تھی۔

اس کو خوف زدہ کرنا، وحشت زدہ کرنا ان کے اُلٹے ہاتھ کا کمال تھا۔

''شٹ اپ! میں یہاں انتظار میں بیٹھی مصلیٰ بچھا کر تیرے اس بڈھے باپ کے لئے دعائے خیر کر رہی ہوں۔ وہ مر
جائے تو تم ادھر آؤ گی...... صرف تیس منٹ کے اندر اگر تم نہ پہنچیں، میں ادھر سے رفیق کو بھیج رہی ہوں۔ وہ
تیمارداری خوب کرے گا۔ تم کل صبح سے پہلے ہل نہیں سکتیں ادھر سے، سنا تم نے۔ بس اب تم جاؤ، تمہارے پاس آنے
اس کے بعد کیا ہو گا۔ مجھے تمہارے باپ کے پاس پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکے گا، نہ ایمرجنسی، نہ تم...... انڈر اسٹینڈ؟''
نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

اور عائشہ بخاری کا جسم تیز آندھیوں میں جھولتی کمزور شاخ کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے
منتظر تھا۔

''نہیں بابا! میں آپ کو اپنی وجہ سے مرنے نہیں دوں گی۔ وہ عورت...... وہ عورت کس قدر گندی ذہنیت کی
بات منوانے کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہے، کسی بھی حد سے گزر سکتی ہے۔ میں جانتی ہوں۔ اور مجھے جانا ہی ہو گا۔'' وہ گھٹنوں
پیٹتے ہوئے بے بسی سے زمین پر بیٹھ گئی۔

''کیوں میں اس عورت کے سامنے ڈٹ کر بات نہیں کر سکتی؟ کیوں میں اس قدر ڈر جاتی ہوں اس سے
ڈرنے کے لئے بچا ہی کیا ہے۔ سب کچھ تو لٹا چکی ہوں۔''

''بس بابا......!'' وہ ہمت کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ کے فادر کو ہوش آیا ہے۔ آپ اگر ان کو دیکھنا چاہیں۔ مگر بات نہ کیجئے گا ان سے۔'' ڈاکٹر نے پاس آ
بھاری قدموں سے آئی سی یو کی طرف بڑھ گئی۔

''تو بابا! خدا نے آپ کو زندگی دے دی۔ اب تو مجھے میم کی بات ماننی ہو گی۔ میں آپ کو اپنی وجہ سے نہیں
نے گھڑی دیکھتے ہوئے سوچا۔ اس کے پاس ابھی چھبیس منٹ تھے، بابا کو دیکھ کر وہ نکل سکتی تھی۔

✲......✲
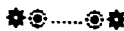
''یہ تم کیا کہہ رہے ہو مصطفیٰ؟'' وہ بے یقینی سے بولے۔

''عالی! میں نے خود دیکھا ہے اسے، وہ نیلم ہی تھی اور جن پُر اعتماد نظروں سے اس نے مجھے دیکھا، صاف ظاہر
پہچان چکی ہے۔'' وہ تیزی سے بولے اور محمود عالم وحشت بھرے انداز میں سر پکڑ کر رہ گئے۔

''نیلم زندہ ہے۔ یہیں آس پاس۔'' وہ بڑبڑائے۔

"ہاں، بالکل عالی! تمہارے آس پاس......اور پتہ ہے، مجھے اب اس چکر کی کچھ کچھ سمجھ آ رہی ہے۔" وہ پُرجوش انداز میں بولے۔

"عزہ......عزہ کو ورغلانے والی نیلم کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی، عالی!......اور کون ہے جو تمہاری تباہی میں اتنی دلچسپی لے گا، اس کے سوا؟" وہ نئی سی بات کر رہے تھے۔ محمود عالم ناسمجھی سے دیکھتے رہ گئے۔

"مگر کیوں؟......وہ مجھے کیوں تباہ کرنا چاہتی ہے؟" اپنی رو میں وہ ایسا سوال پوچھ گئے، جس کا جواب شاید مصطفیٰ کے پاس بھی نہیں تھا، تب ہی تو وہ ایک دم سے خاموش ہو گئے۔

"ہاں!" ذرا سا ہنس کر۔ "ٹھیک کہا تم نے۔ اور کون خوش ہو گا میری بربادی سے بھلا۔ ایک وہی تو ہے جس کو میں نے برباد کیا تھا، لگتا ہے کہ وہ واقعی اس کو بھول نہیں پائی ہو گی۔ مگر وہ عزہ کو کیسے ورغلا سکتی ہے؟" بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"جیسے تم نے بھی اسے محبت کے دام میں ورغلایا تھا۔" وہ جتا کر بولے۔

"میں نے اسے نہیں ورغلایا تھا، وہ خود......" وہ ابھی بھی صفائی دینے سے باز نہ آئے۔

"پلیز عالی! اب تو مان جاؤ۔" مصطفیٰ ان کی ڈھٹائی پر ناگواری سے بولے۔

"مان بھی جاؤں تو کیا گیا وقت لوٹ آئے گا نہیں نا!" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"تم نے اسے کہاں دیکھا؟" بہت دیر بعد انہیں خیال آیا۔

"اپنے گھر کے باہر۔"

"کیا مطلب؟......تو تم نے اسے بلایا کیوں نہیں؟ وہ کیا کرنے آئی تھی تمہارے گھر؟" وہ ایک ہی سانس میں تین سوال کر گئے۔

"وہ اس کی بیٹی لائبہ، دائم کی دوست ہے اور رخشندہ سے بھی خاص محبت رکھتی ہے۔ وہ ملنے آئی تو تھی۔ نیلم اسے پک کرنے آئی تھی۔"

تھی۔ مم سر ہلا کر کچھ سوچنے لگے۔

"کچھ یار! کچھ مسنگ ہے بیچ میں۔"

"کیا......کیا مسنگ ہے؟" وہ چونک کر بولے۔

"رخشندہ کہہ رہی تھی، لائبہ کس کی بیٹی ہے؟ اس نے نیلم کا نام تو نہیں لیا تھا۔ کچھ اور ہی عجیب سا نام۔ مجھے یاد نہیں آ رہا۔" وہ زور دینے لگے۔

"نیلم کی بیٹی۔" محمود عالم کی سوئی کہیں اور ہی اٹک چکی تھی۔

"مصطفیٰ! نیلم کی بیٹی۔" وہ تصدیق کرنے والے انداز میں بولے۔

"میں پرفیکٹ ہوں عالی!" برسوں پہلے کا منظر شیشے کی طرح چمکا تھا ان کے دماغ میں۔

"سوراتے ہوتے ہیں، تم بھی اس مصیبت سے پیچھا چھڑانے کے لئے کچھ کرلو۔ وہ مصطفیٰ کی بیوی ڈاکٹر ہے۔ میں لے چلوں اس کے پاس، تم ابارشن کرالو۔"

وہ وحشی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا ہوا عالی! تم ٹھیک تو ہو نا؟" مصطفیٰ انہیں یوں ساکت بیٹھے دیکھ کر بولے۔

"مصطفیٰ! وہ اگر نیلم ہی تھی اور وہ اس کی بیٹی......" وہ آگے کچھ کہہ ہی نہ پائے۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں، سنبھالو خود کو۔ اور دیکھو ضروری نہیں، لائبہ تمہاری ہی بیٹی ہو۔ ہو سکتا ہے نیلم نے دوسری شادی کر لی ہو اور۔" وہ تسلی دینے والے انداز میں بولے۔

"نہیں، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ نیلم کی دوسری شادی......میرا دل نہیں مانتا۔" وہ سر ہلا کر بولے۔

"تمہارا دل......جانے دو۔ ابھی بھی تمہیں اس کی باتوں کا اعتبار ہے۔" مصطفیٰ گردن جھٹک کر بولے۔

"تم......تم دائم سے بات کرو، رخشندہ سے، وہ پتہ کرائیں۔ شاید اسے نیلم کو، عزہ کے بارے میں پتہ ہو گا۔" وہ ایک دم سے بھی بولے۔

"تم عزہ کو ابھی بھی قبول کر لو گے؟ عالی! تمہاری ماں اور قریبی رشتہ داروں نے......نیلم کے ایک رات گھر سے باہر رہنے پر بری طرح ذلیل کر کے گھر سے باہر پھینک دیا تھا۔ اس کا کردار مشکوک ہو گیا تھا، اس ایک رات میں۔ یاد ہے نا تمہیں؟" وہ بولے۔

''اور تم اپنی بیٹی کو جسے آج دوسری رات ہونے کو ہے۔'' کیا کچھ نہیں تھا، مصطفیٰ کے لہجے میں۔
''نیلم میری محبوبہ اور خفیہ بیوی تھی۔ عزہ میری بیٹی ہے، میرے جگر کا ٹکڑا۔ اگر وہ ایسی دس راتیں بھی باہر گزار آتی تو مصطفیٰ شاہ میں اسے کبھی معاف نہ کرتا، مگر ایک باپ کا دل........ میں کیا کروں مصطفیٰ! میں خود کو اس سے متنفر کرنا چاہتا ہوں اور میرا دل اور اس کو دیکھنے کے لئے تڑپنے لگتا ہے۔ یہ کیا ہے، مجھے بتاؤ؟ تم بیٹی کے باپ نہ سہی، باپ تو ہو۔ اس طرح تمہارا بیٹا تم سے گم ہو جا یا دور چلا جائے، یا........ مصطفیٰ! کیا تم اس کی غلطی معاف نہیں کرو گے؟ معاف نہیں بھی کرو گے تو بھی........ ایک بار...... ایک! اسے دیکھنا نہیں چاہو گے؟''
ایک بالکل بدلا ہوا محمود عالم کیسے کسی عاجز، بے کس فقیر کی طرح ان کے آگے گڑگڑاتے ہوئے دل کی حالت بیان کر رہا تھا۔ اس کے دوغلے پن پر مصطفیٰ کو غصہ بھی آ رہا تھا اور اس کی حالت پر رونا بھی، یہ وہی عالی تھا، جو نیلم کو ٹھوکر مارتے ہوئے ایک نہیں تڑپا اور اب بیٹی ٹھکرا کر چلی گئی تو یہ اسے دیکھنے کے لئے ادھ موا ہو رہا تھا۔
''یہ سب کیا ہے میرے خدا!'' وہ پریشان سے عالی کو گلے سے لگا کر سوچنے لگا۔

✲◉......◉✲

اس نے گاڑی کا انتظام کر لیا تھا۔ پیسے کم پڑ گئے تو جلدی میں گھر لینے چلا آیا۔ اسی وقت رخشندہ، یاسمین کو گھر چھوڑ کر گئی تھی وہ تو یاسمین کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت ربیعہ اور سعیعہ کی بھی تھی۔
''کس نے کی آپ کی یہ حالت، بتائیں مجھے۔'' اس کی آنکھیں لمحوں میں سرخ ہو جاتی تھیں، ایسے جذباتی موقع پر۔''
''ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ پیچھے سے گاڑی نے... میں ہارن سن ہی نہیں سکی تھی۔'' وہ نظریں چرا کر نقاہت زدہ لہجے میں بولیں۔
''جھوٹ........ غلط........ ایکسیڈنٹ کی چوٹیں ایسی نہیں ہوتیں۔ بے وقوف سمجھ رکھا ہے آپ نے مجھے؟'' وہ غصے سے کر بولا۔
''کیوں خوامخواہ چلا رہے ہو؟ میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ آرام کرنے دو مجھے۔'' ان کے پاس اس وقت اس بچاؤ کا اور کوئی بہانہ نہیں ہو سکتا تھا۔
''امی! آپ کو........ آپ کو کس نے ہاتھ لگایا؟'' مارا کا لفظ وہ کوشش کے باوجود نہیں بول پایا تھا۔ ''کون تھا وہ، جھگڑا آپ کا کسی سے؟........ میں تو آپ کو سارہ پھپھو کے گھر چھوڑ کر گیا تھا۔ پلیز مجھے ٹھیک ٹھیک بتائیں۔'' وہ بڑے حسابی کتابی انداز ان کے پاس بیٹھ کر قدرے تحمل سے پوچھنے لگا۔
''اچھا، ہوا تھا میرا جھگڑا۔ ہو گئی لڑائی بھی تو پھر........ اب تم کیا کرو گے؟'' وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولیں۔
''میں اس کی زندگی ختم کر دوں گا، جس نے میری ماں کو ہاتھ لگایا ہے۔ خدا کی قسم، امی!........ میں........ میں...... آپ بتائیں تو سہی۔ آپ کو میری قسم ہے۔'' وہ ایسی طرح غصے میں آ گیا، جیسے اس طرح کے موقع پر آ جایا کرتا تھا۔
''قسم نہ دو میرے بچے! مجھے۔ میں مجبور ہوں۔ اور ایسا کرنے پر بھی میری ممتا مجھے مجبور کر رہی ہے۔ میں ہر صورت میں سلامتی چاہتا ہوں اور بس۔ اب تم جاؤ۔ مجھے آرام کرنے دو۔'' وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کچھ ایسی عاجزی سے بولیں کہ وہ سختی سے بھینچ کر رہ گیا۔
''آپ کو یہاں تک کون چھوڑ کر گیا؟'' وہ اب خود سے سب معلوم کرنا چاہتا تھا
''اللہ اس کا بھلا کرے۔ کوئی فرشتہ سمجھو۔'' وہ بھی اس کی طبیعت کو سمجھتی تھیں، مبہم سے انداز میں کراہ کر بولیں اور پھر کرنے لگیں۔
''تو آپ مجھے نہیں بتائیں گی کچھ بھی۔'' ذرا دیر بعد وہ بے لحاظ لہجے میں بولا۔
''معافی دے دو بیٹا!........ مجھے کچھ نہیں معلوم۔'' وہ رو پڑیں۔
وہ کچھ دیر کھڑا دیکھتا رہا اور پھر پیر پٹختا چلا گیا۔
''بھائی! کوئی عورت تھیں، جو امی کو لے کر آئیں گاڑی میں۔ بلکہ ہاں، یاد آیا وہ ایک دفعہ پہلے بھی ہمارے گھر میں آئی شاید ان کو کسی اور گھر کی تلاش تھی، جب ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی اور پھر آندھی آنے پر وہ چلی گئی تھیں۔'' ربیعہ رک رک کر رہی تھی اور اُس کی اُلجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔
''کون عورت؟........ تم نے پوچھا نہیں، کوئی نام پتہ کچھ بھی؟'' وہ کچھ جھلا کر بولا۔
''نہیں۔ وہ بس امی کو اندر تک چھوڑ کر فوراً چلی گئیں اور جس طرح وہ امی کو ہدایات اور دوائیوں کو بارے میں بتا رہی تھیں لگا وہ ڈاکٹر ہیں۔'' ربیعہ اپنے انداز سے بتا رہی تھی اور وہ ماتھے پر بل ڈالے بے دھیان سا سن رہا تھا۔

٭٭......٭٭

"دیکھو، فنکشن شروع ہونے میں صرف چار گھنٹے رہ گئے ہیں۔ تم ساری تیاری مکمل کر چکے ہو نا؟" وہ اب اپنی دن بھر کی تھکن مٹانے کے لئے اپنے پسندیدہ سگار کے کش لگاتے ہوئے اپنے خاص ملازم سے کہہ رہی تھیں۔

"بالکل میم! سب کچھ مکمل ہے۔" وہ اعتماد سے بولا۔

"دیکھو، غلطی کہیں بھی ذرا سی بھی نہیں ہونی چاہئے۔" وہ تاکیداً بولیں۔

"پہلے کبھی ہوئی ہے میڈم؟"

"پہلے ہو جاتی تو معافی کی گنجائش تھی۔ مگر آج نہیں۔ اتنی ذرا سی بھی لاپروائی کی گنجائش نہیں۔ آج کا شو صرف فیشن شو نہیں، یوں سمجھو میری بائیس سالوں کی محنت کا نچوڑ ہے۔" وہ رُک رُک کر کہہ رہی تھیں۔

"ریئلی میم! ایسا کیا ہے آج کی پریڈ میں؟" وہ ایک دم سے ایکسائیٹڈ ہو کر بولا۔

"جو بھی ہے، تم نہیں سمجھو گے۔ سب کچھ پرفیکٹ ہونا چاہئے۔ اور ساری کارروائی ڈریسنگ روم کی ہے، وہی تمہارا اصل ٹارگٹ ہونا چاہئے۔ تمہیں ٹائم بھی زیادہ ملے گا، اس لئے کوئی غلطی نہیں۔" وہ پھر سے تاکید کرتے ہوئے بولیں۔

"میم! میں بالکل سمجھ چکا ہوں۔ آپ جو چاہتی ہیں، جیسا چاہتی ہیں، ویسا ہی رزلٹ آپ کو ملے گا۔ پرنٹس اتنے نیچرل لگ رہے ہوں گے اور کیمرہ ٹرکس مجھ سے بہتر کون جانتا ہے؟ دس ہزار زاویوں سے بھی جانچیں گے، کوئی اتنا سا take پوائنٹ نہیں پکڑ سکے گا۔" وہ ضرورت سے زیادہ پُر اعتماد تھا۔ میڈم یاقوت نے آنکھیں سکیڑ کر اس کے اعتماد کی ڈگری کا درجہ ناپا۔

"اوور کانفیڈنس اکثر بنے بنائے کھیل کا بیڑہ غرق کر دیتا ہے، یاد رکھنا!" وہ نصیحت کرنے کو بولیں۔

"آپ بھروسہ رکھیے میم! آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔" وہ اب کے ذرا سنبھل کر بولا۔

"مایوسی اگر ہوگی تو تم نہیں ہو گے، پھر بس اتنا یاد رکھ لینا۔ اب تم جا سکتے ہو۔" انہوں نے قدرے بے نیازی سے کہا۔ وہ سر ہلا کر چلا گیا۔

وہ اپنا سیل فون اٹھا کر کوئی نمبر ملانے لگیں۔

"تمہیں تو توفیق نہیں ہوئی کہ آنے کی اطلاع ہی کر دو۔ کہو پہنچ گئے؟" وہ جہانگیر ہمدانی کا نمبر ملا کر بے تکلفی سے بولیں۔

"بس سمجھو پہنچ ہی گیا، بچ بچا کر۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

"کیوں، کیا ہوا؟" وہ چونکیں۔

"بس ہوتے ہوتے بچ گیا۔"

"پھر بھی، پتہ تو چلے۔ کہیں پلین تو نہیں ڈول گیا تھا تمہارا؟ گناہوں کا گٹھڑ بھی اتنا بھاری ہے، تمہارے جہاز نے تو لڑکھڑانا ہی تھا۔" وہ مذاق کرتے ہوئے بولیں۔

"اپنے بارے میں کہو۔ تمہاری گٹھڑی تو دس بندے بھی مل کر نہ اٹھا سکیں۔" وہ جواب دینے سے کیوں چُوکتا، پہلے ہی اس کا دل جلا ہوا تھا۔

"بس، بدلہ اتارنے سے باز نہ آنا۔ اب بتاؤ، ہوا کیا؟" وہ اب کے کچھ اُکتاہٹ سے بولیں۔

"وہ بڑھیا مل گئی آج...... تانیہ کی ماں...... پاگلوں کی طرح مجھے کاٹنے کو چڑھ دوڑی۔ میں نے پھر بھی اس کا وہ حال کیا، کہ بیٹھی اپنی بوڑھی ہڈیاں سینک رہی ہوگی۔" وہ حقارت سے کہتے ہوئے خود ہی ہنس پڑا۔

میڈم یاقوت پل بھر کو خاموش سی رہ گئیں۔

"یہ کام تمہارے علاوہ اور کوئی کر بھی نہیں سکتا تھا، جہانگیر ہمدانی!"

"اچھا کیا نا میں نے؟" وہ فوراً خوش ہو کر بولا۔

"بہت اچھا۔ اور تم نے اپنا ریکارڈ برقرار رکھا۔ کبھی جو کوئی مردوں والا کام کیا ہو۔ اور کچھ نہیں ملا تو ایک کمزور عورت...... خیر!" وہ موضوع بدلنے کو بولیں۔ انہیں پتہ تھا، دوسری طرف جہانگیر کا موڈ آف ہو چکا ہوگا۔

"مردوں والے کام کرنے کے لئے تمہیں جو چھوڑ رکھا ہے میں نے۔" وہ ایسا کینہ پرور شخص تھا کہ اپنے خلاف بولا گیا معمولی سا جملہ بھی معاف نہیں کرتا تھا۔

"اوہ، مائی کمپلیمنٹ۔ تم کب آ رہے ہو ادھر؟" انہیں یاسمین سے کوئی دلچسپی تھی نہ ہمدردی۔ سو اس کو مزید ڈسکس کر کے وہ اپنے موڈ کو کیوں خراب کرتی۔ زندگی نے ہی لین دین تو سکھایا تھا، جو اچھا کرے اس کے ساتھ اچھا کرو اور برے کے ساتھ برا۔ یوں بھی جہانگیر ہمدانی نے اس کے دشمنوں کو ضرب ہی تو لگائی تھی، اگرچہ کمزور ترین پر۔

''ابھی نہیں۔ تھوڑا آرام کروں گا، اس کے بعد فنکشن تو پھر رات بھر کا ہے۔ کچھ نئی انٹریز بھی ہیں یا وہی گھسی پٹی چار، چھ والی ماڈلز۔ تم ابھی تک چلا رہی ہو۔'' وہ طنزاً بولا۔

''اور تم ان ہی چار، چھ پسلیوں والی گھسی پٹی ماڈلز کو دیکھ کر رالیں ٹپکانے لگتے ہو۔'' بغیر ارادے کے ان کے منہ سے نکل گیا۔

''صرف تین ماہ تم اکیلی کیا رہیں، تمہیں مجھ میں ایک ہزار برائیاں نظر آنے لگیں، میڈم یاقوت! تم شاید بھول رہی ہو کہ آسمان کی اس بلندی پر لانے والا کون ہے؟ کس نے پہلے اپنے ہاتھوں اور پھر کندھوں کو سیڑھی بنا کر تمہیں زینہ زینہ اوپر چڑھایا گئی ہو تم؟'' وہ تحقیر بھرے انداز میں جتا کر بولا۔

''اچھا، اب کیا میں بھی اپنا منہ کھول کر تمہاری خوبیاں بیان کروں کہ تم نے بھی یہ سب فی سبیل اللہ نہیں کیا تھا؟'' وہ پیچھے رہتیں۔

دوسری طرف کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

''خیر، میں آ رہا ہوں ابھی۔ آرام گیا بھاڑ میں۔ مجھے تم سے بہت سی ضروری باتیں طے کرنی ہیں، اب اور تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔'' وہ ایک دم سے بے مروت لہجے میں بولا۔

''کیسی باتیں؟'' اس کا لہجہ انہیں الارم کر گیا۔

''میں اب تھک گیا ہوں، آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اپنا حصہ الگ کر کے، اپنی ایک الگ دنیا بسا کر۔ سمجھو نئی زندگی کا آغاز کر رہا ہوں۔''

میڈم یاقوت نے ایک دم سے سیل فون کان سے ہٹا کر یوں دیکھا، جیسے انہیں جھٹکا سا لگا ہو بے یقینی کا۔

وہ ایک دم سے کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور پھر ہنستی چلی گئیں۔

''میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا۔'' وہ ہنسی سے چڑ کر بولا۔

''ڈیئر! اس عمر میں جب لوگ چلنے کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں، تم نئے بستر کھول کر، نئے سرے سے شامیانے لگانے کی بات کرو گے تو ہنسی تو آئے گی نا!'' وہ اسی طرح ہنستے ہوئے بولیں۔ ''اور رہی بات پارٹنر الگ کرنے کی، میں خود اس بار تم سے یہی بات کرنے والی تھی۔ دیکھو، ہمارے خیالات کتنے ملتے جلتے ہیں۔'' وہ بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پا کر بولی تھیں۔

''کیا تم بھی نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہو؟'' وہ طنزاً بولا۔

''یہی سمجھ لو۔ تم نے اچھا کیا، خود سے یہ بات شروع کر دی۔ اب واقعی ہمیں خوش اسلوبی سے ان معاملات کو نمٹا لینا چاہئے۔ ٹھیک ہے، تم آ جاؤ۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔ ان ایک دو گھنٹوں میں موٹے موٹے پوائنٹس طے کر لیں گے۔'' وہ تو اس سے بھی زیادہ تیار بیٹھی تھیں، فوراً سے پیشتر بولیں اور اس کا جواب سنے بغیر سیل ہٹا لیا اور کچھ سوچنے لگیں۔

اسی وقت ان کا موبائل پھر سے بجنے لگا۔

''اب اسے کیا یاد آ گیا؟'' وہ بڑبڑائیں۔ مگر کال لائبہ کی تھی۔

''مام! میں آپ کا wait کر رہی تھی۔'' وہ چھوٹتے ہی بولی۔

''کیوں، کیا کام ہے؟'' ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''آپ لنچ پر بھی نہیں آئیں تو۔ آپ کو گھر آ کر کچھ ریسٹ کرنا چاہئے تھا۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی تو میڈم یاقوت کو کچھ شرمندگی سی ہوئی۔ جانے وہ اس کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیوں کرنے لگی تھیں، پرایا پرایا سا۔

''لنچ تو جلدی میں دو، چار لقمے لے لئے تھے۔ تم نے کیا لنچ سویٹی!'' بہت دنوں بعد وہ پرانے لہجے میں بولیں۔

''میرا دل نہیں کر رہا تھا مام!'' وہ اُداس سے لہجے میں بولی۔

''کیوں، کیا بات ہے؟ کوئی پرابلم ہے جان؟''

''مام! آپ کا میگا فیشن ایونٹ آج رات کو ہے نا! جس کے لئے آپ اتنے مہینوں سے تیار کر رہی تھیں۔'' وہ ان کی بات اَن سنی کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''کیوں، آج ہی ہے۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' پھر سے ان کی فراخ پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''مجھے نہیں بلائیں گی وہاں؟'' وہ کیسے ترسے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولیں۔

''کیوں؟'' وہ حیران سی ہوئیں۔

''تمہارا کیا کام بھلا؟'' انہیں اور کوئی جواب نہیں سوجھا۔

ادل کر رہا ہے۔ پھر گھر بیٹھے بیٹھے میں بور ہو گئی ہوں۔ پلیز مام!" وہ التجا کرنے والے انداز میں بولی۔
اس نے کہا تھا، لندن سے آؤ۔ خیر، یوں سمجھو، بس یہ ایک دن اور ایک رات کی بات ہے۔ اس کے بعد تمہاری بوریت
ا دور بھگا دوں گی۔" وہ اسے بہلانے کو بولیں۔
مطلب!...... وہ کیسے؟"
آنے والے بہت سارے دن ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے گزاریں گے اور......" وہ رک گئیں۔
بھول گئی ہیں۔" وہ ان کے چپ ہونے پر بولی۔
نہیں۔ ٹائم دے رہی ہوں۔" وہ فوراً سمجھ کر بولیں کہ لائبہ کا اشارہ دائم کی طرف ہے۔
؟" اس کے لہجے میں اضطراب تھا۔
بیٹی! ابھی ان باتوں کو۔ بس تھوڑے سے گھنٹے۔ اور پھر ماں، بیٹی ساری دل کی باتیں ایک دوسرے سے کریں گے۔

میری بوریت۔" وہ بیزاری سے بولی۔
ا چکا ہے ادھر۔ مجھے دائم بتا رہا تھا۔ تم اس کے ساتھ ڈنر پر بھی جانا۔ کچھ ٹائم پاس کرو گی تو یہ بوریت خود بخود ختم ہو
اے بوریت کا علاج بتا کر بولیں۔
...... میری بوریت میرا مسئلہ ہے، آپ کا نہیں۔ اس لئے جانے دیں، بائے!" اس نے ایک دم سے کہہ کر فون بند کر دیا۔
ہوئی ہے۔ پہلے علاج پوچھتی ہے، پھر ان کی نظریں وال کلاک پر تھیں۔
کے بعد مجھے اپنی زندگی کی سب سے اہم ترین فون کال کرنی ہے، عالی! اور میرا دل اسی طرح بے چین ہو رہا ہے، ابھی سے
پہلے تم چپ کر مجھ سے چھت پر ملنے آیا کرتے تھے اور...... وہ ایک دم سے کھو سی گئیں۔
بڑنال آنے پر وہ پھر سے کوئی نمبر ملانے لگیں۔
تم شاید اس بات کو بھول گئی ہو، مگر میں نہیں۔ تمہارے پاس مہلت کے بعد صرف چند ہی دن بچے ہیں ڈاکٹر رخشندہ! مجھے
پتہ چاہئے، ورنہ تم مجھ سے کسی بھی نرم دلی کی توقع نہیں رکھنا۔ صرف ایک ہفتہ اور دے رہی ہوں...... پورے سات
کے بعد تم مجھے الزام نہیں دو گی۔"
نے رک کر دوسری طرف کی بات سنی اور ہنسنے لگیں۔
نہیں وقت بتائے گا۔ تم آج سے دن گننے شروع کر دو۔ ٹھیک سات دن بعد تم ہو گی اور شہر بھر میں تمہاری رسوائی کے
اخبار، ہر چینل پر تمہاری سچائی کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دوں گی، یاد رکھنا!" یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

✻......✻

م بخاری کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ اگرچہ انہیں ابھی ہوش نہیں آیا تھا، مگر پوری روانی سے چلتی، اُن کے بدن سے
یں ان کی حالت بہتر ہونے کا اعلان کر رہی تھیں۔
اکٹر سے ضروری معلومات لینے کے بعد وہ جانے سے پہلے قاسم بخاری کو دیکھنے آئی تھی۔ بڑی منت سماجت کے بعد میڈم
نے اسے گھنٹہ بھر ٹھہرنے کی اجازت دی تھی اور اب وہ گھنٹہ بھی گزر چکا تھا۔
بوجھل دل کے ساتھ باہر نکل آئی، باہر شام گہری ہو چکی تھی۔
نے پارکنگ کے پاس رک کر فضا میں موجود خنکی کو اپنے اندر اتارا۔
ں گاڑی اتم مل گئیں۔" تنزیل کی آواز سن کر وہ گاڑی کا لاک کھولتے بری طرح سے چونکی تھی۔
ارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ کیوں میرا پیچھا کرتے پھر رہے ہو؟" وہ بری طرح سے چونکی۔
مونالیزا ہو، مس ورلڈ کہ میں تمہارے پیچھے چک پھیریاں کھاؤں، کس خوش فہمی میں مبتلا ہو تم، بری طرح سے۔" وہ بھی اسی
بولا۔
یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ جلدی سے اس کو بھگتانا چاہ رہی تھی۔
تمہارے ہمسائے نے ہی پتہ دیا تھا کہ انکل اسی ہسپتال میں ہیں۔"
تو......؟" وہ کمر پہ ہاتھ رکھ کر بولی۔ "عیادت کرنے آئے ہو؟"
نہیں اور تمہارے فادر کو بمباسٹک نیوز دینی تھی، اس لئے آنا پڑا۔" وہ ذرا سے کندھے اُچکا کر بولا۔
بمباسٹک نیوز؟" وہ دہرا کر بولی۔

''ہاں، سنو گی تو.......''
''اگر نہ سنوں تو؟''
''تم تو بالکل پاگل ہو۔'' وہ سر ہلا کر بولا۔
''ہاں، ہوں پاگل۔ اگر موت تم سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑی ہو تو تم ایسی بمباسٹک نیوز کا کیا کرو گے؟'' وہ چبا چبا کر
''چند منٹ۔'' وہ اپنا اور اس کا فاصلہ نظروں سے ناپتے ہوئے بولا۔
''افوہ! تمہارا تجسّس تو مجھ سے بھی گیا گزرا ہے۔ میں تو تم سے چند انچ کے فاصلے پر کھڑا ہوں اور یہ کیا الزام لگا رہی ہو
خدانخواستہ تمہاری موت کیوں ہونے لگا؟'' وہ بولتا چلا گیا۔
وہ لمحہ بھر اسے گھورتی رہی، پھر گاڑی کا لاک کھول کر تیزی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔
''تمہارے بچھڑے گم شدہ بھائی کا نام سمیر تھا نا؟'' وہ کھڑکی پر جھک کر بولا۔ عائشہ کو جھٹکا سا لگا۔
''یہ کون سا موقع ہے مذاق کرنے کا؟'' وہ خفگی سے بولی۔
''میں کیوں مذاق کروں گا، وہ بھی ایسی بدذوق، کوڑھ مغز لڑکی سے؟'' وہ فوراً بدلہ اتارتے ہوئے بولا۔
''تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟'' وہ اس کی بکواس نظرانداز کر کے بولی۔
''کیونکہ میرا دماغ ہل گیا ہے۔ ارے بھئی، تمہارا بھائی خود تم دونوں کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ دیکھو، میں نے اسے تلاش
اب میرا انعام۔'' وہ اس کے آگے ہاتھ پھیلا کر خوش دلی سے بولا۔ عائشہ یک ٹک اس کو دیکھتی رہ گئی۔

✿◉......◉✿

''تو پھر میں کیا کروں؟ تمہاری ماں ہے، خود جا کر لے آؤ۔'' وہ سارہ کی اس انوکھی فرمائش پر ایک دم غصے میں آ کر
''میں.......'' وہ رنج بھرے انداز میں آنکھوں میں آنسو لے آئیں۔
''کیوں، یوں تو تم لور لور پھرتی ہو گاڑی لے کر پورا شہر۔ کبھی تم نے گھر کا خیال کیا، نہ جوان بیٹی کا۔ اب باہر جانے
شاک کیوں لگا؟'' وہ عورتوں کی طرح لڑ رہے تھے، طعنہ دے رہے تھے۔
دو دن سے مسلسل گھر بیٹھے، عزہ کے بارے میں سوچتے، آنے والے دنوں کی رُسوائی اور وحشتوں کو سوچتے وہ ازحد
گئے تھے۔
''اماں کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ ان کی ساری دوائیں ادھر ہیں، نسخے بھی، ورنہ میں یہاں سے منگوا لیتی۔
تنزیل بھی گھر پہ نہیں ورنہ وہ دے جاتا۔ پلیز محمود! وہ آپ کی بھی تو کچھ لگتی ہیں اور ادھر ہمارے دکھ بانٹنے کو بیٹھی ہیں، ورنہ
سارہ اتنی رقیق القلب ہو گئی تھیں، ڈیڑھ منٹ کے اندر دوسری بار رونے لگیں۔
'عزہ! تم جو چاہتی تھیں، وہ ہو گیا ہے۔ بیٹا! آ کر دیکھو۔ ہم دونوں ہی بدل گئے ہیں، سرتاپا۔ تمہاری ماں جسے کبھی
نہیں رہی تھی، بہانے بہانے سے آنسو بہائے جا رہی ہے اور تمہارا یہ کڑوا باپ کیسے سر جھکائے، بونا سا بن گیا ہے۔ جھکے
شانوں والا خبطی سنکی بوڑھا۔' سارہ کی نظر بچا کر انہوں نے بھی اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔
''دو دن سے گھر بیٹھے ہیں۔ ایک بار پھر سے باہر جا کر محمود! اس کا پتہ تو کریں، پلیز! وہ مل جائے گی۔ وہ ناراض ہو
کسی کے ساتھ نہیں۔ اگر وہ ایسی ویسی ہوتی، کسی کے ساتھ جاتی تو بھی دائم کے سوا کوئی اور نہیں۔ وہ کیوں اتنا ناراض ہو
سے۔ محمود! ایک بار اس کو بلا کر پوچھیں تو سہی، اس نے ہم سے ایسا مذاق کیوں کیا؟ وہ آنکھ مچولی کھیل رہی ہے۔ وہ چھوٹی سی
تھی، ماما! آؤ آنکھ مچولی کھیلیں، میری آنکھوں پر پٹی باندھیں۔ اور میں اسے جھڑکیاں دے کر بھگا دیا کرتی تھی۔ وہ مجھ سے
رہی ہے محمود! وہ مجھ سے اسی آنکھ مچولی کا بدلہ لے رہی ہے۔ اس سے کہو، میں ہار گئی۔ عزہ جان! میں ہار گئی۔ وہ جیت گئی
جائے۔'' اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا۔
محمود گھبرا کر سارہ کو سنبھالنے لگے۔
''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ جائیں، پلیز! اس کو لے کر آئیں۔ محمود! آپ کو....... آپ کو نیلم کی قسم، آپ عزہ کو
کہیں سے بھی۔ میں ساری زندگی آپ سے بھی نہیں لڑوں گی۔ کبھی آپ کو طعنہ نہیں دوں گی۔ آپ ایک بار اسے لے
آئیں!'' وہ کہتے کہتے نڈھال ہو کر صوفے پر گر گئیں۔
اور محمود عالم اس ضدی، ہٹ دھرم عورت کو دیکھنے لگے، جس کی ضد ٹوٹی بھی تو کب؟....... اور ٹوٹی بھی کس کے ہاتھوں
بیٹی.......
''میں اسے کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں؟ میں خود پاگل ہو رہا ہوں، ٹوٹ چکا ہوں۔ مگر....... وہ جانے کہاں جا کر چھپ

ہے۔ سارہ! ہم نے اس کی قدر نہیں کی، اس کو کبھی پیار نہیں دیا۔ ایسے تو کوئی پرائے بچے نہیں رکھتا، جیسے ہم دونوں نے
تو ناراض ہونا ہی تھا۔" وہ اس کے پاس نیچے زمین پر بیٹھ کر خود بھی رونے لگے۔
ہائے محمود! آپ اس کو منانے جائیں گے۔ وہ آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔ آپ ایک بار اسے ڈھونڈیں تو پلیز۔
ہاتھ جوڑتی ہوں محمود! یہ... یہ نیلم نہیں جس کے گم ہونے پر آپ نے اسے ایک بار بھی نہیں تلاشا۔ محمود! یہ ہماری عزہ
خدا کے لئے اس بار انا نہ دکھائیں۔ اسے ڈھونڈ لائیں۔" وہ روتے ہوئے بے ربط جملے بولے جا رہی تھیں۔
ان کے بازو پر چہرہ رکھے روتے چلے گئے۔ اس کو ڈھونڈنا اب ان کے بس میں نہیں تھا۔
میرا دل کہتا ہے، ابھی آپ جائیں گے تو وہ آپ کو مل جائے گی۔ مجھے دیکھ کر پھر سے چھپ جائے گی۔ آپ جائیں تو
" سارہ کی دماغی رو بھٹکی ہوئی لگ رہی تھی۔
چہرہ صاف کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔
جا رہے ہیں....... اسے لے کر آئیے گا....... میں انتظار کر رہی ہوں۔" وہ پیچھے سے تاکید کر رہی تھیں اور وہ ٹوٹے
سے باہر نکل گئے۔

✿⊙......⊙✿

ہا سے تیار ہو رہی تھی۔ صرف گھنٹے بعد میڈم یاقوت اسے پک کرنے آ رہی تھیں۔ اتنے دنوں سے جو ایکسائٹمنٹ تھی،
ری ہوا ہو چکی تھی۔
امی ابو مجھے کیوں اتنا یاد آ رہے ہیں؟" اس نے جھلا کر برش پٹخ دیا۔ جانے کیوں امی اور ابو اسے بہت بری طرح
تھے۔ اس نے سیل نکال کر نمبر ملایا۔
بیل پر ریسیو کر لیا گیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو خاموش رہی۔
ان؟" ابھی نمبر دیکھ کر دائم بہت محتاط لہجے میں بول رہا تھا۔
مطلب؟ ابھی تک قائم ہو اسی فیصلے پر؟" وہ تعجب سے بولا۔
ہاں تو۔" وہ اٹک کر بولی۔
کر خاموش ہو گیا۔
کیا جنون ہے عزہ! کچھ احساس ہے تمہیں انکل، آنٹی کا کتنا برا حال ہے دو دن سے۔ تم...... کیسے سمجھاؤں تمہیں؟" وہ
ا۔
سمجھاؤ۔" وہ آرام سے بولی۔
کیوں پھر؟" وہ عاجز آ گیا تھا، اس عجیب سر پھری لڑکی کے پل پل بدلتے موڈ سے۔
ملو مجھ سے۔" وہ پھر سے اسی انداز میں بولی۔
ہنڈل جیل میں ہو؟ اب مجھے ایڈریس سمجھاؤ گی تو آؤں گا نا۔" وہ چڑ کر بولا۔
دو گھنٹہ بعد آنا، فائیو اسٹار ہوٹل کے ہال نمبر سیون میں۔"
ہے سناٹا چھا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ بول ہی نہیں سکا۔
آؤ گے نا؟" وہ انتظار کے بعد بولی۔
آؤں تو؟" وہ شاید اسے آزمانے کو بولا۔
آؤ گے تو سہی تم، مگر........"
با...... تمہیں احساس ہے، تم کیا کرنے جا رہی ہو؟ سستی شہرت اور اسٹار بننے کا یہ فضول طریقہ اتنا قابلِ عزت سمجھا
ری ہو سائٹی میں۔"
اب پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ اور گھنٹہ بھر پہلے تمہیں فون میں نے یہ اخلاقیات پر لیکچر سننے کے لئے نہیں کیا، تمہیں انوائٹ
کیا ہے۔ آنا چاہو تو آ جانا، مجھے انتظار رہے گا۔" وہ کہہ کر فون بند کرنے لگی۔
تمہارا یہ انتظار، انتظار ہی رہے گا۔ کیونکہ میں نہیں آؤں گا۔ جب تمہیں میری پروا نہیں تو میں تمہاری پروا کیوں
۔ گڈ بائے فار ایور۔" اس نے کہتے ہوئے غصے میں فون بند کر دیا۔ عزہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

✿⊙......⊙✿

کہاں سے بات کر رہے ہیں؟" اجنبی آواز اور نمبر دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

''ہاں، کون؟'' وہ اندازہ لگانے میں ناکام ہوا تو بولا۔
''میں تنزیل بات کر رہا ہوں۔ ذرا بات کیجئے گا۔'' اس نے کہتے ہوئے فون عائشہ کو تھما دیا۔
''آپ اسامہ........آپ کا نام سمیر بخاری ہے نا؟'' کوئی لڑکی مہین آواز میں اس سے پوچھ رہی تھی اور اسامہ دھک سے رہ گیا۔
''آ........آپ کون؟'' وہ اٹک کر بولا۔
''پہلے آپ بتائیں، آپ سمیر ہیں نا؟'' وہ اصرار کرتے ہوئے بولی۔
''ہاں، میں ہی سمیر ہوں۔'' وہ شکست خوردہ انداز میں اقرار کرتے ہوئے بولا۔
''بھائی........سمیر بھائی........میں، آپ کی عشو........یاد ہے نا آپ کو؟........جب آپ گھر سے گئے تو کتنے دن ممی نہیں اور........'' وہ ایک دم سے چھوٹی بچی کی طرح رونے لگی۔
''عشو!........عائشہ!........میں آ رہا ہوں۔ کہاں ہو تم؟ پلیز مجھے جلدی بتاؤ۔'' وہ بے قراری سے بولا۔
عائشہ اسے ایڈریس سمجھانے لگی۔
''بس، میں ابھی آیا دس منٹ میں۔'' کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔
گاڑی اور رہائش کا مسئلہ دائم اور مصطفیٰ صاحب کی مہربانی سے حل ہو گیا تھا اور ابھی تو وہ چند منٹ پہلے بے حد مسرور تھا۔
لائبہ نے خود اسے ڈنر پر انوائٹ کیا تھا اور وہ اسی کی طرف جا رہا تھا۔
گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ دوسرے ہاتھ سے موبائل پر نمبر ملانے لگا۔
''سوری لائبہ! میں آ نہیں سکوں گا۔ ایک بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ ڈنر پھر سہی۔ بلکہ میری طرف اُدھار رہا۔ او۔ ٹیک کیئر۔'' کہہ کر اس نے لائبہ کی اگلی بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔
جوش بھرے انداز میں گاڑی چلاتے ہوئے وہ اُڑا رہا تھا۔
ہاسپٹل کی بلڈنگ سامنے دیکھ کر اس کا دل انجانی خوشی کے تصور سے دھڑک اٹھا تھا۔ وہ گاڑی پارکنگ میں لے گیا۔

✲✲......✲✲

''میں پارٹنرشپ ختم کر رہا ہوں۔ کل بیٹھ کر ہم اپنے مشترکہ اور الگ الگ اثاثوں کا حساب کتاب کر لیں گے۔ کیا خیال ہے؟'' وہ اس کے سامنے بیٹھا کہہ رہا تھا۔
''بہت زبردست خیال ہے۔'' وہ سگار کا دھواں اندر لے جاتے ہوئے بولیں۔ ''ویسے تمہیں تو نیک خیال کم ہی آتے ہیں، تو یہ کیسے سوجھ گیا؟'' وہ مذاقاً بولیں۔
''چلو، اپنی محبت کا نتیجہ سمجھ لو۔'' وہ بھی اسی انداز میں بولا۔
''اور دوسرا فیصلہ بھی سنا ڈالو، یا کل تک سسپنس پھیلاؤ گے؟ لگتا ہے، اس تانیہ نے تمہارے میٹر کے کُل پُرزے خوب اچھی طرح کس دیئے ہیں۔''
''میں شادی کر رہا ہوں۔'' اس نے گویا بم پھوڑا۔
''اچھا، کنتویں؟........اصلی کہ جعلی؟'' وہ پھر سے ہنسیں۔ ''اچھا یہ نہیں پوچھتی، کس سے کر رہے ہو یا ابھی فیصلہ نہیں کیا۔ یا سوئمبر رچاؤ گے، چناؤ کے لئے بھی۔''
''آئیڈیا بُرا نہیں تمہارا۔ آج کا فنکشن میرا فیصلہ آسان کر دے گا۔'' وہ چٹکی بجا کر بولا۔
''پھر سے کالی پیلی شکلوں پر مرو گے۔ اگر واقعی گھر بسانے کے بارے میں سنجیدہ ہو تو کوئی گھر بسانے والی لڑکی دیکھو، تمہارے آنے والے دنوں میں نرس کی ڈیوٹی بھی انجام دے سکے۔''
اس کے گھورنے پر بیگم یاقوت ہنستے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔
ان کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔ نمبر دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹینڈ کیا۔
''ڈارلنگ! آ رہی ہوں نا۔ بس پندرہ منٹ میں پہنچ رہی ہوں۔ تم ریڈی ہو نا؟'' ان کے منہ سے پھول جھڑنے لگے۔ جہانگیر چونک کر دیکھا۔
''کیا کوئی نیا آئٹم ہے؟'' وہ رہ نہ سکا۔
''ٹپک گئی رال تمہاری۔ اور چلو، کیا یاد کرو گے کبھی یاقوت کا........آج کا شو ہو جائے، یہ ہیرا تمہیں مل جائے گا، رات بھر کھیلنے کے لئے۔ ایک دم کھرا اور بے مول۔ دیکھو گے تو آنکھیں چندھیا جائیں گی۔'' وہ بیگ اُٹھا کر نکلنے لگیں۔
''میں چلتا ہوں ساتھ۔'' وہ بے صبری سے بولا۔

...نا لمحہ تھوڑا دل کو سمجھاؤ، صبر کرنا سیکھو۔ بائے!" کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔

✲◉......◉✲

...نظریں ایک بالکل انجان چہرے پر جمی ہوئی تھیں، وہ چونک گیا۔
...نہیں...... یہ وہ تو نہیں، جس کی تلاش میں، میں یہاں تک آیا ہوں۔ یہ تو...... کوئی اور ہے...... میں یہاں کیوں
...مجھے جانا چاہئے۔" وہ گھبرا کر پلٹنے لگا کہ ایک دم سے قاسم بخاری نے آنکھیں کھول دیں۔
...کے قدم وہیں جم کر رہ گئے۔
...کے اندر میں جھانکتی وہ مری مری، وحشت زدہ آنکھیں وہی تھیں۔ وہ بے قرار ہو کر ان پر جھکا۔
...بابا میں...... سمیر...... آ گیا ہوں...... بابا!"
...بے یقینی نظروں سے اسے دیکھتے چلے گئے۔

✲◉......◉✲

...سڑکوں پر گاڑی دوڑائے جا رہا تھا۔ اس نے کس کام کے لئے یہ گاڑی لی تھی، اسے یہ بھی بھول چکا تھا۔ صرف ایک
...گردش کر رہی تھی کہ یاسمین کو کس نے مارا۔
...نہیں کہ امی کسی سے جھگڑیں یا پھپھو کے گھر ایسا کچھ ہو۔ تو پھر کیسے؟...... کیا راستے میں...... کسی رکشہ، ٹیکسی
...مگر ایسا جھگڑا نا ممکن!'
...عادت ہے ان کی، کبھی جو مجھ سے کچھ شیئر کر جائیں۔ جیسے میں اسے قتل ہی تو کر ڈالوں گا۔ ایسا جوشیلا اور غیرت
...جہانگیر ہمدانی کو نہ خون میں نہلا دیتا۔ مجھ سے تو وہ بھی نہیں ہو سکا، پھر ایسا کون ہے؟'
...ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ یہ تو پکی بات ہے۔ مگر امی سے اس نے کس بات کا بدلہ لیا؟'
...بات کا لیا تھا؟' کوئی اس کے اندر سے بولا۔
...بدلہ۔ شاید اس کی زندگی کا مقصدِ حیات ہے، ہمارے خاندان کی تباہی۔ اسی کی وجہ سے اس نے امی کا یہ حال کیا۔
...کے ساتھ کرنے والا ہوں، ایڑیاں رگڑے گی میرے آگے۔ ایسا حشر کروں گا اس کی بیٹی کا۔' غصہ سے اس کا جسم

...کب سے بجے جا رہی تھی اور وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھا۔
...شروع ہونے میں اب زیادہ ٹائم نہیں ہے۔ ہم اس وقت بہت مصروف ہیں اور بار بار آنے والی کالز کی وجہ سے
...آف کر دیئے ہیں۔ صرف تیسرا جو آفیشل کالز کے لئے ہوتا ہے، وہ آن ہے۔ اس لئے خطرہ بہت کم ہے۔"
...اسے بتا رہی تھی۔
..." وہ اسی بے دھیان لہجے میں بولا۔ اور یہ حقیقت بھی تھی کہ اس کا دماغ بالکل حاضر نہیں تھا۔
...بلکہ......" وہ رک گئی۔
...نہیں مانوں گا۔ الّو کا پٹھا ہی تو ہوں، جو ایک عورت سے اپنا بدلہ نہیں لے پا رہا۔" وہ خود اذیتی کی انتہا پر تھا۔

...جاؤ میم کے گھر اور اندر صرف پیغام بھجوا دو کہ لائبہ بی بی کے لئے ہم نے گاڑی بھیجی ہے، فنکشن میں آنے کے
...تو مجھے کال کر لینا، او کے؟ اور ہاں، ابھی نہیں۔ کم از کم پون گھنٹے بعد جانا۔ آگے یہ سب کس طرح ہینڈل کرنا
...۔ سمجھ گئے نا؟"
...کر لوں گا۔ اور تمہارے فادر کے پاس کون ہے؟ کیسی حالت ہے ان کی؟"
...ہے اور میں دوبارہ فون بھی نہیں کر سکی۔ دل تو میرا بہت پریشان ہے، مگر اگلے چھ سے آٹھ گھنٹے تک میں یہاں
...حال، ٹیک کیئر! بہت احتیاط سے۔ بہت بڑا رسک لے رہے ہو تم۔ گڈ بائے!" وہ خاصی عجلت میں تھی، اس
...نے فون آف کر دیا۔
...ہے، یہ تو مجھے پتہ ہے۔ اور جو حال میں امی کا دیکھ کر آیا ہوں، اس کے بعد میڈم یاقوت! تمہارا تو مجھ پر اتنا
...واجب ہے۔ دیکھنا تم، میں کیسے اتارتا ہوں۔'
...لے گیا۔ ابھی پون گھنٹہ اس نے یونہی سڑکوں پر پٹرول کے ساتھ اپنا خون جلاتے ہوئے گزارنا تھا۔

✲◉......◉✲

''تم سے ایک بات کہنا تھی مجھے۔'' وہ اِدھر اُدھر کی دو چار باتوں کے بعد ذرا سا ہچکچا کر بولے۔
محمود عالم نے انہیں یوں خالی خالی نظروں سے دیکھا، جیسے اگر وہ یہ بات نہیں بھی سنیں گی تو بھی انہیں کچھ فرق نہیں پڑے گا۔
''کچھ پتہ چلا اعزہ کا؟'' وہ شاید اس بات کو کرنے کے لئے خود کو کچھ اور مہلت دے رہے تھے۔
''محمود عالم نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ دونوں کے بیچ پھر اُن کہا سا سناٹا بولنے لگا۔
''پولیس میں........'' وہ جملہ مکمل نہ کر سکے کہ محمود عالم نے انہیں تڑپتی نظر سے دیکھا، دونوں پھر خاموش ہو گئے۔
''اس کا فون آ گیا تھا۔ وہ اپنی کسی دوست کے گھر ہے۔ ہم دونوں سے سخت ناراض ہے۔ آ جائے گی ایک دو دن میں......کہہ رہی تھی۔'' ذرا توقف سے وہ ڈوبی ہوئی آواز میں کہہ رہے تھے۔
اس کے جواب میں آغا فیاض نے انہیں جن نظروں سے دیکھا، وہ کچھ شرمندہ سے ہو گئے۔
''آپ کچھ کہنے والے تھے؟'' گھڑی دیکھ کر وہ اُٹھنے لگے تو یونہی یاد آنے پر بولے۔
''میں نے......نیلم کو دیکھا تھا۔ چند دن پہلے، یہیں اس شہر میں۔'' وہ دبے دبے سے جوش سے بولے تھے۔ محمود عالم بے تاثر چہرہ لئے بیٹھے تھے۔
''عالی! تم نے سنی میری بات؟'' وہ سمجھے، شاید محمود عالم نے ان کی بات ہی نہیں سنی۔
''مجھے معلوم ہے آغا جان!'' گہرا سانس لے کر بولے سے کہا۔
''کیا؟'' وہ بری طرح سے چونکے تھے۔ ''تمہیں معلوم تھا کب سے؟''
''اور تم نے کبھی ہمیں بتایا بھی نہیں۔ اسی لئے سارہ تم سے زندگی بھر خفا رہی کہ تم......''
''پلیز آغا جان!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بیزاری سے بولے۔ ''مجھے بھی یہ بات کل ہی پتہ چلی ہے کہ وہ زندہ ہے اور یہیں ہے ہمارے کہیں آس پاس۔''
''تم ملے اس سے؟'' وہ بے تابی سے بولے۔
انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''نہیں......اور مل کر کروں گا بھی کیا؟''
''ایک بات پوچھوں عالی؟'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولے۔
''مجھے پتہ ہے، آپ کیا پوچھیں گے؟'' وہ اسی تھکے ہوئے انداز میں بولے۔
''پھر تو یقیناً اب سچ ہی بولو گے، اب اتنے سالوں بعد ظاہر ہے جھوٹ بولنے کا تمہیں کوئی فائدہ بھی نہیں جو کہ شاید تم پہلے اٹھا چکے ہو۔'' آخر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ سے ہو گئے۔
''تم نے واقعی اس سے نکاح کیا تھا؟......نیلم سے؟'' وہ رک کر بولے۔
محمود عالم نے ان کی طرف دیکھا اور پھر آہستگی سے اثبات میں سر ہلا کر جھکا دیا اور وہ جیسے گہرے سناٹے میں گھر گئے۔
''تم......تم نے اس سے نکاح کر رکھا تھا اور اتنے سال......تم نے ایک بار بھی......ایک بار بھی یہ سچ بولنے کی، اس کی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی، وہ جسے اس نے محض اس جرم کے لئے دھتکار دیا، جو اس نے کیا ہی نہیں۔'' اُن کا سانس پھول گیا۔ ''مجھ پر تو لعنت بھیجو۔ نہ میں اچھا شوہر بن سکا، نہ باپ۔ میری پرسش کی تو ظاہر ہے تمہیں فکر ہونی بھی نہیں چاہئے تھی۔ مگر یہ سب لوگ، جنہوں نے اس سے کسی کتے سے بھی بدتر سلوک کیا، ان کو تو......کبھی تو محمود عالم!......کبھی تو تم نے اپنی زبان سے یہ سچ بول کر اس کے نامۂ اعمال کو ہلکا کر دیا ہوتا، تمہیں ایک بار بھی اس بدنصیب پر رحم نہیں آیا۔ یہ کیسی محبت تھی تمہاری؟''
وہ جو کبھی بھی زریں کی بیٹی کے لئے حساس ہوئے تھے نہ دُکھی، آج جانے کیسے پھٹ پڑے اور محمود عالم سرخ آنکھیں لئے انہیں بے تاثر انداز میں دیکھتے رہ گئے۔
''اور سارہ، جس نے ساری زندگی اس وہم کے پاگل پن میں گزار دی، اگر اسے معلوم ہو جاتا تو شاید وہ خود کو ہی ختم کر لیتی۔ اور آغا جان! اس اعتراف کا کیا فائدہ تھا؟ نہ مجھے، نہ اسے۔ وہ تو ہم سب کے لئے مر چکی تھی۔ مرے ہوئے کو الزام یا اعتراف سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ہاں، زندہ لوگ ایک اَن دیکھے عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ایک کو تو میں اپنی بزدلی سے برباد کر ہی چکا تھا، باقیوں کو بھی مار ڈالتا۔'' وہ تڑپ کر بولے۔
''تو تمہارے خیال میں باقی زندہ ہیں، بڑا تم نے انہیں خوش باش رکھا ہوا ہے۔ سارہ کو دیکھ کر کسی پاگل خانے کا خیال آتا ہے اور تمہاری بیٹی ہے کہیں تمہاری اس سخاوت کی گواہی دینے کے لئے کہ تم نے ان سب کو آباد رکھنے کے لئے اتنے بڑے سچ پر اپنی خاموشی کا پردہ ڈال رکھا۔ تمہارے ضمیر نے ایک بار بھی تمہیں ملامت نہیں کیا۔'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس جھوٹے، دغاباز، بظاہر آسمان سے بلند کردار رکھنے والے شخص کو گریبان سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالیں۔

"اور آپ کو اتنے سالوں میں، میں کتنا خوش نظر آیا، آغا جان! اور ضمیر کی ملامت کس کو کہتے ہیں؟" وہ زخمی لہجے میں کہتے ہوئے
ؕم سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ "اور آپ کو مجھ سے یہ سب سوال کرنے کی اجازت تب ہو، جب آپ نے خود کو بھی اپنے ضمیر کے
ؕرے میں کھڑا کیا ہو۔ مجرم آپ کی بیوی بھی تھی، آپ نے ساری زندگی سزا اپنی بیٹی کو کیوں دی؟ اگر آپ اس کے سرپرست ہوتے،
ؕکے باپ بنتے تو کیا کوئی مجھ جیسا بزدل اس سے اظہارِ محبت کرتے یوں چھپ چھپا کر شادی رچاتا؟...... کبھی نہیں۔ اور وہ جو ہر
ؕف سے صرف ایک ماں کے گندے کردار کی گالیاں کھاتی سب کی ٹھوکروں پر تھی، میری محبت کے میٹھے بول سن کر یوں میرے ساتھ
ؕکر اتنا بڑا اقدم نہ اٹھاتی...... معاف کیجئے گا، آغا جان!...... سوال کرنا اور گریبان پکڑنا بہت آسان ہوتا ہے۔ مگر ذمہ داری قبول
ؕنا اور اپنے گریبان میں جھانکنا بہت مشکل۔ اگر یہ سب مجھ سے پوچھنے کے بجائے یوں پہلے ایک بار...... پوری ایمان داری سے
ؕب بار خود سے پوچھ لیتے تو شاید آج ہم سب کی زندگی ایسی نہ ہوتی۔"

وہ منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ شاید اُمڈ آنے والے غصے اور بے بسی کے ملے جُلے جذبات کو وہ چھپا لینا چاہتے تھے۔

"اور آغا جان! وہ یہیں ہے، ہمارے آس پاس۔ اور میرے ساتھ جو بھی بدترین ہو رہا ہے، عزہ کی صورت میں...... یہ سب وہ
کر رہا ہے۔ اور اگر میری بیٹی کو کچھ ہوا یا اس کو آلۂ کار بنا کر اس نے مجھے برباد کرنا چاہا تو آغا جان! میں ہر جذبۂ محبت، نفرت،
محبت اور ندامت سب بھول جاؤں گا۔ اگر وہ مظلوم ہے تو اذیت میں نے بھی اتنے سال برداشت کی ہے۔ سب گواہ ہیں۔ آپ
ؕل، جو بھی ایک معمولی سی خوشی بھی میرے حصے میں آئی ہو، سوائے میری بیٹی کے۔ اور اب وہ اس کو بھی چھین لینے کے درپے ہیں تو
ؕے میں اور برسوں والے عالی میں کیا فرق نہیں ہوگا؟ اور یہ تو آپ سب جانتے ہیں کہ میں اپنی عزت اور اپنے مفاد کی خاطر کبھی
ؕرٹر نہیں کر سکتا...... اگر وہ آپ کو ملے تو اسے اپنی زبان میں سمجھا لیں، ورنہ میں آج کل میں اسے کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالوں
ؕر پھر جو ہوگا، وہ ان سالوں پہلے والے کھیل سے بھی بدترین ہوگا۔ خدا حافظ!" وہ غصے میں تنتناتے چلے گئے۔

"اور تمہارے لئے یہ کھیل ہی تو تھا سب۔" وہ نڈھال سے ہو کر بیٹھ گئے۔

"تو یہ تھی تمہاری اصلیت محمود عالم صاحب!" دروازے کی چوکھٹ سے لگے احسن مراد نے محمود عالم کو دیکھ کر نفرت سے کہا۔
ؕرآمدے میں جلتے بلب کی ملگجی روشنی میں اس اونچے لمبے، وجیہہ انسان کا خاکہ کتنا بدنما لگ رہا تھا۔ احسن مراد کو پہلی بار اندازہ
ؕوا تو بھی خوب صورت تھا ہی نہیں۔

"اور تمہاری اصلیت کیا ہے؟" وہ یہاں بھی خود کو ذرا سا بلند تر کرنے میں حق بجانب سمجھے۔

"یقیناً میری اصلیت تم سے بہترین نہ سہی، مگر اتنی بری ہوگی بھی نہیں۔ اگر تم واپس آ کر سچ بول دیتے......"

"تو کیا تم اس کو ڈھونڈ کر، اس سے دو بول پڑھوا لیتے؟ احسن مراد! اتنی جرأت تھی تم میں؟...... تم ایک بزدل اور کینہ پرور شخص
ؕیا انسان صرف اندھیرے میں چھپ کر بات کر سکتا ہے، روشنی کا سامنا کرنے کی ہمت اس میں نہیں ہوتی۔" وہ نفرت بھرے
ؕہجے میں بولے۔

"اور تم...... تم نے کیا کیا...... تم نے بھی تو اندھیروں میں اس کی زندگی لوٹ لی۔ اور روشنی میں ذرا تمہارے اس سیاہ
ؕار تو ہی نظر آیا تو تم مکر گئے۔ صاف انکار کر گئے۔ میں بزدل سہی، اعترافِ محبت اس سے کبھی نہ کر سکا۔ مگر میں تمہاری طرح
ؕرنقب زن بھی نہیں تھا، جس نے اسے برباد ہی کر ڈالا اور ندامت و شرمندگی تو ایک طرف، تم تو اپنے جرم کا اعتراف بھی نہ کر
ؕب اگر منصف ہو...... جو کہ تم ہو تو انصاف سے بتاؤ، بزدل کون تھا؟ کینہ پرور اور کمینہ کون تھا؟...... ایک معصوم لڑکی کی
ؕور آبرو، اس کے خوابوں سے کھیلنے والا، شب خون مارنے والا کون تھا؟ کیا نام دو گے تم ایسے انسان کو، جو بزدلی کے ہر پیمانے
ؕہ پہنچے ہو۔"

"شٹ اپ! تم...... تم خود کیا ہو، پہلے جا کر آئینہ دیکھو اور پھر مجھ پر انگلی اٹھانا۔" وہ نفرت سے غرّا کر بولے۔ یوں کوئی بیچ راہ
ؕھیں یوں لعن طعن کرے، ان کا احتساب کرے، وہ بھی اس جرم کا، جس کا سامنا وہ اتنے سالوں میں خود بھی نہیں کر پائے۔

"مجھے آئینہ دیکھنے کا مشورہ مت دو ظالم انسان! خود جا کر ایک بار اپنا یہ مکروہ چہرہ دیکھ لو۔ خود بخود اپنے اس اعلیٰ وجود سے گھن
ؕنے لگو گے۔" وہ ذرا ہنس کر بولے۔

"مگر نہیں...... گھن تو تمہیں خود سے کبھی بھی نہیں آئے گی۔ تم تو پہلے ہی اندر سے گل سڑ چکے ہو۔ اور گلی سڑی چیزوں کو کبھی خود
ؕے نہیں آتی۔ محمود عالم! اپنی ہی سڑانڈ میں گل سڑ جاؤ، مگر کبھی اعتراف نہ کرنا...... ورنہ شاید خدا تمہیں بخشنے کا ارادہ ہی نہ کر
ؕلے اور تم اپنا اچھا اپنے حق میں تو کبھی چاہو گے نہیں۔ جاؤ، بے فکر ہو کر۔ اب تم پر کوئی انگلی نہیں اٹھائے گا۔ کیونکہ تم اس قابل ہو ہی
ؕنہ۔"

"نفرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اندر کی طرف مڑ گئے۔

اور محمود عالم کو لگا، کوئی ان پر گندگی سے بھرا غلیظ ٹوکرا اچھال گیا ہو، جس کی بُو ناقابلِ برداشت۔" انہوں نے بے اختیار ٹٹول کر دیکھا۔

ان کی شرٹ پسینے سے بھیگی ہوئی تھی۔ دو دن سے نہ نہانے سے اس پسینے سے اٹھنے والی بدبو انہیں کسی کوڑے کی سڑاند ہی لگی۔

وہ ایک دم سے بھاگتے ہوئے اس طلسم زدہ گھر سے دور نکل آئے، جس نے زندگی میں دوسری بار ان کے وجود کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ پہلی بار محبت نے اور دوسری بار نفرت نے۔

اور اندھیرے کمرے کی دیوار کے ساتھ لیٹی یاسمین کا جی چاہا، کاش! یہ چوٹیں ان کی جان ہی لے لیتیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، مگر آنکھیں جل رہی تھیں۔

'کاش! وہ ذلیل کمینہ مجھے اپنی گاڑی کے بھاری پہیوں کے نیچے کچل جاتا تو احسن مراد کی اس درگاہ پر جلنے دیئے گئے محبت...... جس نے مجھے ہمیشہ تجسس میں مبتلا رکھا، آج اس کا بھید تو میرے کان نہ سن پاتے۔'

'تو یہ وجہ تھی، احسن مراد اور محمود عالم کی اتنی گہری نفرت کی۔ نیلم...... ہاں، کئی بار سرگوشیوں میں اشعار پڑھتے ہوئے احسن مراد کے لب یہ نام بولتے ہوئے کس عقیدت سے ایک دوسرے کو مس کر گئے تھے۔

تو احسن مراد! ایک اور احساسِ رائیگاں...... ایک عمر کے رائیگاں ہو جانے کا احساس۔ بے کار زندگی گزر گئی۔ وہ جو کھری محبت کا ایک پل نہ آسکا...... نہ محبت، نہ خواب...... بس سفر ہی سفر...... یہ سفر کب ختم ہوگا؟...... کب؟' دو جلتے ہوئے آنسو ان کی آنکھ کے گوشوں سے پھسل ہی پڑے۔

✲◉......◉✲
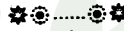
لائبہ نے میڈم یاقوت کی لکھی ہوئی ڈائری کی تلاش میں سارا گھر چھان مارا تھا۔

اگر وہ اس وقت ذرا سا اڑ جاتی، ڈائری ہاتھ سے جانے نہ دیتی تو آج یوں پورا گھر تو نہ اوندھا کرنا پڑتا۔

'اگر وہ سب کچھ ڈائری میں لکھ چکی ہیں تو پھر اسے مجھ سے کیوں چھپا رہی ہیں؟ یعنی وہ چاہتی ہیں کہ میں یہ ڈائری پڑھوں جب...... اوہ، نو۔ تو کیا وہ اپنے ساتھ کچھ ایسا کرنے والی ہیں؟' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"یہ ڈائری میں نے تمہارے لئے ہی لکھی ہے اور تم ہی پڑھو گی اسے۔ مگر وقت آنے پر...... اور یقین رکھو، وہ وقت آنے والا ہے، بہت قریب میں۔"

انہوں نے ڈائری اس کے ہاتھ سے جھپٹتے ہوئے بڑے عجیب سے انداز میں کہا تھا اور ڈائری اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال کر کسی سے ملنے چلی گئی تھیں۔

'تو وہ ڈائری ایسے میرے ہاتھ نہیں لگے گی۔' وہ تھک سی گئی تھی۔ اسامہ نے ڈنر ساتھ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

'اب میرے پاس کرنے کو ہے ہی کیا؟...... مام نے فنکشن میں آنے سے بھی منع کر دیا، جانے وہ مجھے اپنے قریب کرنے سے اتنا خائف کیوں ہیں...... کاش وہ بڑھیا نہ مرتی تو وہ مجھے کچھ نہ کچھ تو بتا ہی سکتی تھی۔ مجھے یہاں آئے اتنے دن ہو گئے اور ابھی بھی میں مام سے متعلق اسی گھپ اندھیرے میں ہوں۔ جس میں اوّل روز سے تھی۔

اور دائم...... دائم مجھ سے آج بھی اتنا ہی دور، جتنا لندن میں تھا۔ وہاں تو ہر روز ہم مل بھی لیتے تھے، مگر یہاں آ کر...... ہفتے گزر جاتے ہیں اس سے ملے ہوئے، فون کروں تو کال ریسیو نہیں کرتا۔ تو پھر میرے جینے کا مقصد کیا ہے؟ کیوں ہوں میں زندہ؟' اسے پھر وہی فرسٹریشن کا دورہ پڑنے لگا تھا۔

'دل چاہ رہا ہے، خود کو شوٹ کر لوں...... میں کیوں جی رہی ہوں، لاحاصل خواہشوں کے لئے؟ اور کسی کو میری پرواہ نہ ضروری۔' وہ خود ترسی کی انتہا پر تھی۔

"بی بی جی! باہر ڈرائیور آیا ہے۔" ملازمہ نے اچانک آ کر کہا تھا۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

"جی وہ آپ کو لینے کے لئے آیا ہے؟" وہ اسی طرح مؤدب لہجے میں بولی۔

"کہاں...... جہنم میں؟" وہ چلا کر بولی۔

"جی وہ میڈم جی نے بلایا ہے آپ کو ادھر...... ہوٹل میں۔" وہ اس کے چلانے پر کچھ ہکلا کر بولی۔

"مجھے...... مجھے بلایا ہے؟...... میرا خیال کہاں سے آ گیا انہیں؟" وہ تلخی سے بولی۔ ملازمہ خاموش کھڑی رہی۔

"فون دو مجھے۔ پتہ کروں، اب کیوں بلوایا ہے۔" لمحہ بھر سوچ کر وہ بولی تو ملازمہ کارڈلیس اٹھا کر لے آئی۔ دوسری دفعہ

نمبر مل گیا۔
"مام! آپ نے مجھے بلوایا ہے، ہوٹل فنکشن میں؟" وہ رابطہ ملتے ہی بول پڑی۔
"جی...... اوہ اچھا سوری...... مام بزی ہیں...... ان سے میری بات ہو سکتی ہے؟"
"اوکے، میں آ کر خود ہی بات کر لیتی ہوں۔" اس نے مایوسی سے فون بند کر دیا۔
"اچھا، اس سے کہو تھوڑا ویٹ کر لے۔ میں دس منٹ میں چینج کر کے آ رہی ہوں۔" وہ کہہ کر تیار ہونے چل دی۔
جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو گاڑی اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔
'چلو لیٹ ہی سہی، مام کو میرا خیال آخر آ ہی گیا۔' وہ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ گاڑی آہستگی سے چل پڑی۔
وہ یوں ہی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔
شہر کی بارونق سڑکیں اور ان کی روشنیاں آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ بھی اتنی لمبی اور بور ڈرائیو سے تھکنے لگی تھی۔
پھر لائٹ پولز میں وقفہ کچھ زیادہ ہی بڑھنے لگا۔ آگے دور دور تک کسی ہوٹل یا ایسی کسی بھی جگہ کا نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ یوں بھی راستے تو اس کے لئے اجنبی تھے، مگر پھر بھی اسے اتنا اندازہ تو تھا کہ ہوٹل بہر حال اتنا دور نہیں ہو سکتا۔
"یہ تم کدھر لے کر جا رہے ہو گاڑی؟" وہ ذرا سا کڑک کر بولی۔
"جی ہوٹل۔" اس نے مڑے بغیر مختصراً جواب دیا۔
"اس ویرانے میں کون سا ہوٹل ہو گا بھلا؟ تمہیں کس نے بھیجا ہے مجھے لینے؟" اب کے وہ کچھ مشکوک سی ہو کر بولی۔
"میں خود ہی چلا آیا تھا آپ کو لینے۔" وہ اسی طرح رخ پھیرے بولا تو لائبہ کا ماتھا ٹھنک گیا۔
"کیوں؟...... تم کون ہو؟" وہ آگے ہو کر بولی۔
"یہ بتانا ضروری نہیں۔" وہ ذرا توقف سے بولا۔ اب گاڑی بے حد ویران اور نیم تاریک سڑک پر جا رہی تھی۔
"گاڑی روکو...... روکو گاڑی۔" وہ زور سے چلائی۔
"اگر میں نہ روکوں تو کیا کر لیں گی آپ؟" گاڑی کی رفتار کچھ اور بھی تیز ہو گئی۔
"میں شور مچا دوں گی۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر کود جاؤں گی۔ روکو گاڑی۔" وہ اب اس کی شرٹ پیچھے سے کھینچ رہی تھی۔
"اور مجھے بزدل نہ سمجھنا...... روکو گاڑی، ورنہ......" وہ اس کی گردن دبوچ کر بولی۔ وہ اتنی مضبوط گرفت کے باوجود بڑے آرام سے گاڑی چلا رہا تھا۔
"روکو میں کہتی ہوں۔" اس کی ڈھٹائی سے طیش میں آ کر اسے مکّے، تھپڑ اور بال نوچتے ہوئے زور سے چلائی۔
گاڑی ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ رکی اور لائبہ ایک جھٹکے سے آگے کو گرتے گرتے بچی۔ اور دوسرے لمحے اس کی گردن تنزیل کے ہاتھوں میں تھی۔
کوئی نرم سی چیز لائبہ کے پورے چہرے پر پھیل چکی تھی اور دوسرے لمحے اسے لگا، اس کی سانسیں رک گئی ہیں۔ اس نے پوری طرح مزاحمت کرنا چاہی اور دوسرے لمحے اس کا جسم زوردار طریقے سے پھڑک کر ایک دم سے ڈھیلا پڑ گیا۔
"اس کی ذرا سی ڈوز بھی اوور ہو گئی تو سمجھو بندہ گیا۔" اس کے کیمسٹ دوست نے دوا دیتے ہوئے خاص ہدایت دی تھی، جسے وہ اپنے جذباتی پن میں یکسر بھول گیا تھا۔
اور اب لائبہ کا آدھا بے جان دھڑ پچھلی نشستوں کے درمیان یوں لٹکا دیکھ کر لحہ بھر کو اس کے ہاتھ پاؤں بھی پھول گئے۔
"کیا ہو گیا؟...... کہیں......" وہ بوکھلاہٹ میں اس کی نبضیں اور دل کی دھڑکن ٹٹولنے لگا۔

✲◉......◉✲

"Are you confused?" انہوں نے اسے انگلیاں چٹخاتے دیکھ کر پوچھا۔
"ہونہہ!" وہ نظریں چرا کر بولی۔
کیا کرتی، اس کمبخت جہانگیر ہمدانی کی حریص نظریں یک ٹک اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ بیک مرر سے اس نے لحہ بھر کے لئے بھی نظر ادھر سے اُدھر نہیں کی تھی۔
"تم ایسے کیوں بیٹھی ہو عزہ جان؟ کوئی بات کرو نا...... آج تمہاری زندگی کا اہم ترین دن ہے۔ اس دن کے بعد آنے والا ہر دن تمہارے لئے انوکھی زندگی کی شروعات ہوں گے۔ تمہیں تو بہت زیادہ ایکسائیٹڈ ہونا چاہئے۔" وہ جانے اس سے کیا توقع کر رہی تھیں کہ وہ مارے خوشی کے چھلانگیں لگائے گی۔
"تم خوش نہیں ہو؟" وہ اس کے پاس ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

''خوش ہوں۔'' وہ بمشکل بولی

''سمجھ گئی، وہی مسئلہ ہے نا۔ تو ڈارلنگ! ڈونٹ وری۔ فنکشن سے فارغ ہو کر تم سیدھا اپنے گھر کے آگے ڈراپ ہونا۔ اور پیرنٹس تو اتنا پیارا دل رکھتے ہیں اولاد کے ساتھ۔ آپ کتنا بھی misbehave کرلو، وہ آپ کے لئے بہت ساری جگہ بنا کر رکھتے ہیں۔ تمہیں ذرا بھی مشکل نہیں ہوگی۔'' وہ اسے تسلی دینے والے انداز میں بولیں۔

''اور اگر کچھ ہوا بھی تو میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ یقیناً انہیں تمہارے اس طرح چلے آنے پر غصہ ہوگا اور وہ حق بجانب بھی ہیں۔ لیکن تم ذرا سا ان سے Excuse کروگی تو وہ خوش دلی سے معاف کر دیں گے تمہیں۔''

''جی!'' وہ آہستگی سے بولی۔

اسی وقت میڈم یاقوت کے بیگ میں پڑا سیل فون بجنے لگا۔

انہوں نے سائیڈ پہ پڑا بیگ آگے کیا اور بیگ ان کے قدموں سے چھوٹ کر عزہ کے قدموں میں گر گیا۔ اس نے جلدی سے انہیں بیگ اٹھا کر دے دیا۔

''اونہوں........ لائبہ کا فون ہے۔ ایک تو اس لڑکی کو چین نہیں۔'' سیل پر آتا نمبر دیکھتے ہی انہوں نے کچھ ناگواری سے کہا۔

''تو سن لو نا۔ لاؤ مجھے دو، میں بات کرتا ہوں۔ اسے بھی ادھر ہی بلوا لیتے ہیں۔'' جہانگیر ہمدانی ایکٹو ہو کر بولا اور فون لینے لگا۔

''کوئی ضرورت نہیں۔ دو چار گھنٹوں کی تو بات ہے۔ وہ یوں بھی ایسی چیزوں سے بور ہو جاتی ہے۔'' انہوں نے سیل آف کرتے ہوئے بیگ میں دوبارہ رکھ دیا۔

''تمہاری دائم سے تو بات نہیں ہوئی دوبارہ؟'' خیال آنے پر انہوں نے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اسے انوائٹ تو کر لینا تھا۔ ویسے تو میں بھی کر چکی ہوں۔ معلوم نہیں، وہ آج کل ہے کہاں۔ دو تین بار فون کر چکی ہوں لیکن نو رسپانس۔ بات کروگی؟'' جیسے مرغی کو دانہ دکھاتے ہیں، کچھ ایسے ہی وہ اسے چمکار رہی تھیں۔

''نہیں۔'' وہ منہ پھیر کر بولی۔

''ایک بات پوچھوں؟'' وہ جہانگیر کی فکس نظروں کو گھور کر آہستگی سے بولیں۔

جہانگیر نے بمشکل خود کو نظریں ہٹانے پر مجبور کیا اور باہر دیکھنے لگا۔

''پسند کرتی ہو نا دائم کو؟'' وہ اور بھی سرگوشی میں بولیں۔ عزہ خاموش رہی۔

''مجھ سے شیئر نہیں کروگی؟ اور وہ تو مجھے بتا چکا ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔'' انہوں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''جی........!'' وہ بری طرح سے چونکی۔

''کیوں، تم نہیں پسند کرتیں اسے؟........ اور اس نے یقیناً تم سے اظہار تو کیا ہوگا۔ تمہارے پاپا کے کلوز فرینڈ کا بیٹا ہے۔'' وہ بے اختیار جتا کر بولیں۔

''آپ کو کیسے پتہ؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

''اتنا تو پتہ چل ہی جاتا ہے۔ دائم سے یوں بھی میرا جو تعلق ہے، جانتی ہو نا، بتایا ہوگا اس نے۔'' وہ اسے آج یوں کرید رہی تھیں جیسے بتایا ہوگا اس نے، کہہ کہہ کر اس کے اندر چھپے محبت کے سارے راز اگلوا لیں گی۔

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ احتیاطاً بولی۔

''یعنی بتا چکا ہے اس کی ماں کے کرتوت وہ تو۔'' ایک موٹی سی گالی ان کی زبان کی نوک کے ادھر ہی ٹھہر گئی اور وہ اپنے اندر اٹھتے ابال کو کنٹرول کرنے کے لئے کچھ دیر کو خاموش ہو گئیں۔

اسی وقت گاڑی ہوٹل کے پچھلے گیٹ سے اندر داخل ہونے لگی۔

''Be brave عزہ ڈارلنگ! آج کی رات خود کو Prove کرنے کی ہے۔ بالکل نہیں گھبرانا۔ تم بہت ٹیلنٹڈ ہو اور دعائیں، میری محبت سب تمہارے ساتھ ہے۔ اور آج کے فنکشن میں تمہارے لئے ایک سرپرائز بھی ہے۔'' وہ اترنے سے پہلے بولیں۔

''کیسا سرپرائز؟'' وہ رک کر پوچھنے لگی۔

''بھئی آجاؤ نا اب۔'' جہانگیر ہمدانی گاڑی سے اتر چکا تھا۔

''تم جانتی ہو نا، میں تم سے محبت ہی نہیں کرتی، یوں سمجھو عشق کرتی ہوں۔ جو تمہارے دل میں ہو، مجھے پتہ نہ چلے، یہ تو ممکن نہیں۔ اس وقت تمہارے دل کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟'' وہ اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولیں۔ انہیں تو یہ سرپرائز کھیلنا بہت اچھا لگتا تھا۔

"تو کیا آپ نے دائم کو بلایا ہے؟" اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی، میڈم یاقوت کی گہری مسکراہٹ سے۔
"تو گویا تمہارے دل کی سب سے بڑی خواہش اس دائم کا یہاں ہونا ہے۔" وہ اس سے دل کی بات اُگلوا چکی تھیں۔
"نہیں۔ میں نے تو کیس کرنے کی کوشش کی ہے، آپ کا سرپرائز۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔
"لیکن آئی ایم سوری ٹو سے، میرا سرپرائز اس سے بھی زبردست ہے۔" وہ مسکرا کر پلو درست کرتی ہوئی گاڑی سے اتر گئیں۔
اس سے بھی زبردست سرپرائز کیسا ہوگا بھلا؟ وہ سوچنے لگ گئی۔
"عزہ! آ جاؤ جلدی سے۔ ہری اپ!" انہوں نے پیچھے مڑ کر اسے پکارا تو وہ جلدی سے گاڑی کے کھلے دروازے سے نیچے اتری اور دوسرے لمحے ٹھٹک گئی۔
اس کے پیروں سے ٹکرا کر کوئی چیز نیچے گری تھی۔
وہ سیاہ رنگ کی ڈائری تھی، جو شاید میڈم یاقوت کے بیگ سے نکل کر گری تھی۔
"میم! یہ آپ کی ڈائری۔" اس نے انہیں پکارا لیکن وہ آگے جا چکی تھیں۔
"بعد میں دے دوں گی۔" اس نے ڈائری بیگ میں رکھی اور ان کے پیچھے چل پڑی۔

✿◉......◉✿
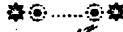
انہوں نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ جلائی اور ٹھٹک سی گئیں۔
دائم بیڈ پر آڑا ترچھا پڑا تھا، جوتوں سمیت۔
"دائم!......دائم بیٹا! کیا ہوا؟......تم تو باہر گئے تھے۔ میں تو یونہی تمہارا کمرہ دیکھنے آئی تھی، گھر کب آئے تم؟" وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے تشویش سے بولیں۔ وہ اسی طرح خاموش آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔
"کیا بات ہے دائم! کیا ہوا؟" وہ فکرمند ہو گئیں۔
"مام! وہ بہت غلط کر رہی ہے۔" وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے بولا۔
"کون؟......کس کی بات کر رہے ہو تم؟"
"میں نے اس کو منع بھی کیا ہے، سمجھایا بھی ہے اور جانے اس کے دماغ پر کیا سوار ہے، جو وہ کسی کی سن ہی نہیں رہی۔" وہ دکھ کر بولا۔
"تم عزہ کی بات کر رہے ہو؟"
"ماما! وہ ایسی تو نہیں تھی۔ میں نے بتایا تھا نا آپ کو، وہ بہت سویٹ، بہت سمجھدار اور اچھائی برائی میں تمیز کرنے والی تھی۔" اس بار وہ ایک ہی طرف بہے جا رہی تھی
"جب سب کچھ اچھا ہو، بالکل ٹھیک تو بھی اس میں کچھ مسنگ ہوتا ہے، جو نظر نہیں آتا تمہیں۔ اس کی سویٹ نیچر، سمجھداری، خود تمہیں نظر آئی مگر اس کے اندر ہونے والی توڑ پھوڑ شاید تم نہیں دیکھ سکے، جو اس کے پیرنٹس کے جھگڑوں کی وجہ سے تھی۔ اس لیے......"
"لیکن مام! کسی سے انتقام لینے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان خود کو توڑ ڈالے۔" وہ تیزی سے ان کی بات کاٹ کر بولا۔
"جب بار بار تضحیک کی جائے، کسی کے ہوتے ہوئے اس کے وجود سے انکار کیا جائے تو پھر خود کو اس انتقام کا نشانہ بنانے میں برائی محسوس نہیں ہوتی۔"
"ماما! آج اس نے مجھے بلایا ہے۔ جس فیشن پریڈ میں حصہ لینے کو وہ اپنا جنون اور اپنا برائٹ فیوچر کہتی ہے، وہ صرف اس کی ضد اور انا کو سبق سکھانے کے لئے۔ اور اس میں اس کا اپنا کتنا نقصان ہے، اسے اندازہ ہی نہیں ذرا بھی۔" وہ بری طرح سے بکھرا ہوا تھا۔
"تو پھر تم جاؤ ضرور وہاں اگر اس نے تمہیں بلایا۔"
"میں بالکل نہیں جاؤں گا۔ اگر وہ میری بات نہیں مانتی، میری پروا نہیں کرتی تو میں کیوں اس کی خوشی کی فکر کروں؟" وہ ضدی بچے کی طرح بولا۔
"محبت میں ضد ہوتی ہے نہ ٹکراؤ۔ اور اگر یہ دونوں ہو جائے تو پھر محبت نہیں ہوتی۔" وہ رک کر بولیں۔
وہ چپ سا انہیں دیکھے گیا۔
"محبت کرتے ہو نا اس سے؟" وہ اس کے بال سلجھاتے ہوئے بولیں۔
وہ پھر خاموش تھا۔ اس سوال کا جواب تو وہ جانتا تھا، مگر نتائج......

"کیسے خود کو باور کراؤ کہ تم واقعی اس سے محبت کرتے ہو اور اس کی محبت میں کہاں تک جا سکتے ہو؟"
وہ یک ٹک انہیں دیکھے جا رہا تھا۔
"دائم! میں کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے۔"
"مام! میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بس میں اتنا جانتا ہوں۔" وہ بے بسی سے بولا۔ انہیں اس پر پیار سا آ گیا۔
"اور تمہارے پاپا، جانتے ہو ان کے خیالات؟"
"ماما! مجھے اس معاملے میں کسی کی پروا نہیں۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔
"فیس کر لو گے ان کی مخالفت کو؟" وہ اسے تیار کر رہی تھیں۔
"مجھے پتہ ہے، وہ مخالفت کریں گے ہی نہیں۔ اگر کریں گے بھی تو میں سب فیس کر لوں گا۔ پاپا کے بارے میں آپ جانتی نا، وہ میری بات کو نہیں ٹھکرا سکتے۔"
"تو پھر تم عزہ کے بارے میں پریشان ہونا چھوڑو۔ اس سے بات کرو۔ اگر وہ اس کو اپنا پروفیشن بنانا چاہتی ہے تو پھر اے دل اور ظرف کو ٹٹولو کہ تم کتنی گنجائش پیدا کر سکتے ہو، میری اور تمہارے پاپا کی بات بعد میں آتی ہے۔ پہلے فیصلہ تمہیں خود کرنا ہوگا۔
وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور جوتے اتارنے لگا۔
"فیصلہ تو میں کر چکا ہوں، مجھے کیا کرنا ہے۔"
"تو تم وہاں نہیں جا رہے؟" وہ اسے جوتے اتارتے دیکھ کر بولیں۔
"وہیں جا رہا ہوں۔ مگر فریش ہو کر۔" وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔
"اور مام! وہ عورت؟ اسے آپ اس کے گھر چھوڑ آئی تھیں؟" اسے خیال آیا۔
"ہاں چھوڑ آئی تھی بہت بہتر تھی اب وہ۔" وہ نظریں چرا کر بولیں۔
"اور اس مسئلے کا آپ نے کیا کیا؟" وہ جاتے جاتے رک گیا۔
"کل جاؤں گی نا پھر پوچھنے۔" وہ بے دھیان سے لہجے میں بولیں۔
"کیا پوچھنے؟......آپ کو پتہ چل گیا ہے؟" وہ پُرجوش ہو کر بولا۔
"اس عورت کی خیریت پوچھنے۔ یاسمین نام ہے اس کا اور بہت اچھی خاتون ہیں۔" وہ اپنی رو میں بولیں۔
"اور اس اچھی خاتون کی دُھلائی کس نے کی تھی؟"
"اچھائی کی دُھلائی کون کرتا ہے؟" وہ اُلٹا سوال کرتے ہوئے بولیں۔
"ظاہر ہے برائی۔" وہ ہنس پڑا۔
"یہی بات تھی۔ بے چاری اچھی خاصی دُکھی لگ رہی تھی، مگر وضع دار بھی۔ کھلتے کھلتے بھی کھل نہیں پائیں۔ اس لئے مجھے کل جانا ہوگا۔" وہ جیسے خود سے کہہ رہی تھیں۔ اب تو انہیں وہ کتھی سلجھتی نظر آ رہی تھی۔
"مجھے بھی کل ساتھ لے جائیں۔" وہ اچانک سے بولا۔
"کیا کرو گے جا کر؟"
"جو آپ کریں گی۔ عیادت......تو یہ ثواب کا کام ہے۔ آپ اکیلی کیوں بیٹھیں؟"
"ابھی نہیں۔ بس تھوڑا سا انتظار اور۔ پھر ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرا دل کہتا ہے۔" وہ پُریقین لہجے میں بولیں
"اور میرا دل؟" وہ ان کے زانو پر ہاتھ رکھ کر نیچے بیٹھ گیا۔
"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟" وہ اسے چھیڑنے کو بولیں۔
"مام! ایسا کیوں ہوتا ہے، مجھے اس پر اتنا غصہ ہے۔ وہ میری کوئی بات نہیں مانتی۔ ہم دونوں بہت ساتھ بھی نہیں رہے اے دوسرے کے۔ مگر اس کے باوجود اگر اس دوستی کو ختم کرنے کا سوچتا بھی ہوں تو میرا دل بند سا ہونے لگتا ہے۔"
"یہی تو محبت ہے۔" وہ مسکرا کر بولیں۔
"تو اُس کی ایسی فیلنگز کیوں نہیں؟"
"اس کی بھی ایسی ہی ہیں۔ بس ابھی ضد پر اُتری ہوئی ہے وہ۔"
"آپ تو راضی ہیں نا مام؟" وہ اُٹھ گیا۔
"اس کا فیصلہ بھی وقت کرے گا۔ بہر حال میری دعائیں تمہارے اور عزہ کے ساتھ ہیں۔ اب تم تیار ہو جاؤ تو میں کھانا لگواؤں پھر شاید تمہیں نکلنا ہے۔" وہ جاتے ہوئے بولیں۔

کھانا میں نہیں کھاؤں گا، بس پہلے ہی بہت ٹائم ہو گیا ہے۔" وہ عجلت میں کہہ کر واش روم میں گھس گیا۔
ندر باہر نکلتے ہوئے دروازے پر ٹھٹک گئیں۔
ئی باہر کھڑے تھے۔
اسے سمجھانے کے بجائے الٹا شہہ دے رہی ہو، جبکہ تم جانتی ہو۔" وہ چڑے ہوئے انداز میں بولے۔
ر آپ ہماری تمام گفتگو سن چکے ہیں تو پھر تو آپ کو اندازہ ہو جانا چاہئے کہ یہ معاملہ کتنا آپ کے اور میرے ہاتھ میں ہے
کے ہاتھ میں۔" وہ جتا کر بولیں۔
یں میں شاید ایسا نہ ہونے دوں۔" وہ سخت لہجے میں بولے۔
ر آپ اپنے لئے مشکل پیدا کریں گے۔ کیونکہ میں اس معاملے میں دائم ہی کا ساتھ دوں گی۔" وہ پورے عزم سے بولیں۔
ا ہمیں...... میرا ساتھ کون دے گا؟" انہیں غصہ ہی تو آ گیا۔
پ خود اپنا ساتھ دے دے رہے تو میں کیا کہوں؟...... اور مصطفیٰ! میں نے یوں سمجھیں، دائم کو کھو کر پایا ہے۔ میں دوبارہ
ے ایک پل کو بھی دور کرنے کا حوصلہ نہیں پاؤں گی۔" وہ جھرجھری سی لے کر بولیں۔
بھی ابھی اس کا فیصلہ بھی ہونا باقی ہے۔" وہ جتا کر بولے۔
انے غلطی کی یا جرم، اس کا اعتراف میں کر چکی ہوں اور اپنے رب کے حضور بہت توبہ بھی کر چکی ہوں اور وہ غلطی کے بعد
ر کنا ہے، میں اس کے گھر سے نا اُمید نہیں۔ وہ میرے حق میں بہت منصفانہ، رحم بھرا فیصلہ فرمائے گا۔ مجھے یقین ہے۔" وہ
تے مضبوط اور ٹھوس انداز میں بول رہی تھیں۔ ساری کمزوری، بے بسی، لاچاری جیسے کہیں ہوا ہو چکی تھی۔
الے میں میں تمہارے ساتھ ہوں، بے وفا بیوی! چاہے تم بہو کے چناؤ میں میرا ساتھ دو یا نہیں۔" وہ ان کے کندھے
رت سے بولے۔
کون ہے، یہ بھی آپ جانتے ہیں اچھی طرح۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔
میں؟" وہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے بولے۔
انے نہیں کہا۔ آپ بہتر جانتے ہیں۔" وہ ہنس پڑیں۔
ں بیٹوں کی ڈھال ملتے ہی پرانے وفادار شوہروں کے سامنے اکڑ کیوں جاتی ہیں۔"
ں کو آپ سلجھائیے گا۔ میں کھانا لگا رہی ہوں۔" کہہ کر مسکراتے ہوئے چلی گئیں۔

❁

''بابا! ایسا کیوں ہوتا ہے، مرنے والی صرف آپ کی پہلی بیوی تو نہیں ہوتی، وہ آپ کے بچے کی ماں بھی ہوتی ہے۔ وہ بچہ جب ماں کی آنکھیں بند کرتے ہی باپ سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے، آپ نے ماں کے مرنے کے بعد شاید اس عرصے تک میرے وجود کو محسوس کیا، جب تک میرا وجود آپ کی دوسری شادی کا جواز بنا رہا۔'' اس کی آواز میں نمی گھل گئی۔
وہ سب کہنا نہیں چاہتا تھا، وہ بھی ایک بسترِ مرگ پڑے شخص سے۔ مگر اسے لگا، اگر وہ آج یہ سب نہیں کہے گا تو شاید اس کا دل یہ بھاری بوجھ اٹھاتے اٹھاتے بند ہو جائے گا۔
لمحہ بھر کو سوچا تو شاید یہ اس کی خود غرضی تھی۔
''بابا! اس عورت نے، آپ کی دوسری بیوی نے، بیوی کی خالی جگہ تو پُر کر دی، مگر اس نے میری ماں کی خالی جگہ جان بوجھ کر ایسے ہی چھوڑ دی اور اس پورے سیٹ اپ میں، میں تو کہیں تھا ہی نہیں۔ میں آپ کے سامنے گھنٹوں بیٹھا رہتا اور آپ مجھ سے ایک لفظ بولنا تو در کنار، میری طرف دیکھتے بھی نہ تو میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ میں آپ کو نظر ہی نہیں آتا۔
اس عورت کی نفرت دن بہ دن مجھ سے بڑھتی چلی گئی اور میرا معصوم بدن کیسے تختۂ مشق بنتا تھا اس کی نفرت کا۔ کئی بار وہ دُکھتا ہوا زخمی بدن میں نے آپ کو دکھانا چاہا، آپ نے سرد مہری سے مجھے منظر سے ہی ہٹا دیا۔
بابا! آپ کا گھر بن گیا، بیٹی بھی ہو گئی اور میرا گھر ٹوٹ گیا۔ ٹوٹتا چلا گیا۔ ماں کے مرنے کے بعد میں باپ سے بھی محروم ہو گیا، آپ کے جیتے جی۔
وہ مجھے گھنٹوں اور کئی بار رات رات بھر کے لئے گرم سلاخوں سے داغ کر اسٹور میں بند کر دیتی۔ ان گرم سلاخوں کے نشان ابھی بھی میرے سارے بدن پر ہیں اور آپ کو کبھی میری تکلیف اور اس اذیت کا اندازہ بھی نہیں ہوا جو........ میرا ننھا جسم جھیلتا رہا...... میں شاید خود کو ختم کر لیتا اگر وہ مہربان شخص آغا فیاض مجھے ریل کی پٹریوں سے اٹھا کر نہ لاتا۔
پورے ڈیڑھ ماہ میں نے اس کے سامنے گونگا بننے کا ناٹک کیا اور اس سارے عرصے میں میری نفرت آپ سے بڑھتی چلی گئی۔
دیارِ غیر میں ایک مدت رہنے، بسنے، سب کچھ پا لینے کے بعد بھی کچھ کمی، دل کا ایک کونہ خالی تھا۔ بالکل ویران، ہر موسم کی بارش، مزاج کے ہر زاویے کو مسحور کرتی مگر بابا! دل کا وہ ویران کونہ........ وہ اُداس کونہ جس میں آپ تھے، کبھی نہ ان بارشوں کی ایک بوند سے بھیگا، نہ اس میں کبھی کسی خوشبو کا گزر ہوا۔'' بولتے بولتے وہ تھک گیا اور ان کے پلنگ کی پٹی پر سر رکھ کر بالکل خاموش ہو گیا۔
کمرے میں صرف ٹک ٹک کرتی مشینوں کی خفیف آوازیں تھیں، یا اس کی اپنی سانسوں کے زیر و بم........ بہت دیر گزر گئی۔
ایک ہاتھ اس کے سر پر آ کر ٹھہر گیا۔ وہ چونک گیا۔
''پھر بابا! مجھے پتہ چل گیا، وہ ویران کونہ، وہ اُداس کونہ صرف آپ سے ملنے کے بعد ہی آباد ہو گا۔ ایک بار آپ سے مل لوں، ایک بار آپ کو دیکھ لوں، پھر بے شک واپس چلا آؤں۔ مگر ایک بار.....'' وہ ان کا ہاتھ بے اختیاری میں چومتا ہوا رونے لگا۔
''آپ نے ایسا کیوں کیا بابا؟ میں زندہ تھا، آپ مجھے کیوں مرا ہوا سمجھ بیٹھے؟........ کیوں؟'' وہ اسے شرمسار نظروں سے دیکھتے رہے، وہ روتا رہا۔

❋◎......◎❋
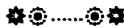
''مائی گاڈ! یہ کیا مصیبت میں نے مول لے لی؟........ وہ کیمسٹ کا بچہ........ اتنی تیز اثر تھی اُس کی بے ہوشی کی دوا۔ مجھے تو لگتا ہے یہ گزر گئی۔ اگر نہیں بھی گزری تو بھی بس چند گھنٹے اور........ یا خدا! کیا کروں؟'' وہ اسے فلیٹ تک تو لے آیا تھا مگر اس کے ہزار طریقے استعمال کرنے کے باوجود بھی لائبہ کو ہوش نہیں آ رہا تھا۔
بار بار پانی چھڑکتے وہ تقریباً اسے نہلا چکا ہوتا، ناک بند کر کر کے اس کی ناک سے خون رِسنے لگا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔
جوں جوں رات بھیگتی جا رہی تھی، تنزیل کے ہاتھوں کے طوطے اُڑتے جا رہے تھے۔

"غضب ہو گیا عائشہ! اسے ہوش نہیں آ رہا۔ اور کمبخت کی نبض اتنی آہستہ چل رہی ہے، بلکہ پتہ نہیں، چل بھی رہی ہے کہ نہیں۔
یار، ایسے میں ہر چیز کپکپاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاتھ کانپ رہے ہیں میرے۔ کیا کروں میں۔" ساتویں بار کوشش کے بعد اس کا
رابطہ عائشہ سے ہو پایا تھا۔

"کس قدر گدھے ہو۔ احمق، الّو، گھامڑ! تمہیں ایک لڑکی کو بے ہوش کرنا نہیں آیا ڈھنگ سے، اور دعوے کرتے ہو پوری دنیا کو
ہلا دینے کے۔ اور اگر اسے کچھ ہو گیا تو یاقوت، قسم خدا کی تمہارے بدن کا ریشہ ریشہ اُدھیڑ ڈالے گی، کس قدر، خدانخواستہ یہ تمہیں
معاف ہی نہیں۔" عائشہ تو بھڑک ہی اُٹھی۔

"اب کیا فون پر ہی میرا ہارٹ فیل کراؤ گی؟ اس مصیبت کا بتاؤ، کیا علاج کروں؟ کیسے ہوش آئے گا اسے؟" وہ عجیب مشکل
میں پھنس گیا تھا۔

"میں کیا بتاؤں، خود بھگتو۔ میں نے کہا تھا، اتنی دوا سونگھا ڈالو اسے کہ پھر وہ روزِ محشر کو ہی اُٹھے۔ ویسے تم بڑے عقل مند بنے
پھرتے ہو، یہ کر دوں گا، وہ کر دوں گا۔ باتوں کے کھلاڑی جو ہوں، ان سے کام دھیلے کا نہیں ہوتا۔" وہ تو جانے کب سے بھری بیٹھی
تھی، اپنی چلی گئی۔

"اب تم اپنی بکواس بند کرو گی یا میں فون بند کروں؟" وہ چڑ کر غصے میں بولا۔

"کرو بند۔ میں نے نہیں کہا تھا، کرو فون۔" وہ عجیب بے دید، بے لحاظ لڑکی تھی۔

"ٹھیک بات ہے۔ مرے یا یہیں پڑی رہے۔ مجھے یوں بھی اس سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ اس کی ماں نے میرے ساتھ کم کی
ہوگا، اچھا ہی ہوگا۔" وہ بھی تنگ آ چکا تھا، بالآخر ہاتھ جھاڑ کر بولا۔

"ہاں، جو ہوگا، اچھا ہی ہوگا۔ جہاں سے تم اس مرغی کو اُٹھا کر لائے ہو وہاں کے ملازم گارڈ سب نے تمہیں دیکھا ہے۔ پورے
وقت تم خیر سے وہاں کھڑے رہے ہو، آگے تم اپنا انجام سوچ لو۔ جو تاوان وصولنا تھا، جو شرائط منوانی تھیں وہ تو سب رہیں ایک
وہ کیا کہتے ہیں کھایا نہ پیا، گلاس توڑا بارہ آنے کا...... تو فرینڈ! سیدھا سینٹرل جیل۔ وہاں سے بچ بھی گئے تو میڈم یاقوت
کے عتاب خانے سے تو بچ نہیں سکو گے۔" وہ فراٹے سے بولتی ہوئی اسے اس کی نازک سچویشن سمجھاتی چلی گئی۔

"کس قدر بے درد لڑکی ہو تم۔ ہونا اُس منحوس یاقوت کی سیکرٹری، اثر تو ہوگا اس جیسا تم پر...... اور تم تو چاہتی بھی یہی ہو کہ میرا
ایسا ہی ہو۔ چلو، تمہارے دل کی مراد تو پوری ہو جائے گی۔ میں جاؤں جہنم میں۔"

"اسے فوراً یہاں کے کسی قریبی ہسپتال میں لے کر جاؤ۔ ورنہ بہت بڑی مشکل کھڑی کر لو گے اپنے لئے۔" وہ جلدی سے بولی
کہ غصے میں فون ہی بند نہ کر دے۔

"تاکہ یہ ہوش میں آتے ہی شور مچا دے اور میں پھر سے سیدھا سینٹرل جیل۔ اور میری اتنے مہینوں کی پلاننگ سب غارت۔
یاقوت کی تباہی کا خواب یونہی رہ جائے۔"

"تو پھر یوں کرو، یہیں بیٹھ کر اس کے مرنے کا انتظار کرو۔ پھر جو ہوگا، دیکھا جائے گا، جب تم نے کسی کی بات سننی نہیں۔" وہ
یہ کہہ کر فون بند کرنے لگی۔

"بات سننے والی بھی تو ہو احمق لڑکی! یہ تو سیدھا سیدھا کیس بنے گا۔ اب کون ڈاکٹر میری بات پہ یقین کرے گا کہ یہ میری بہن
بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گئی، اسے ذرا ہوش دلا دیں۔"

"تو پھر ایک ہی طریقہ ہے۔" عائشہ سنجیدگی سے بولی۔

"تم اسے کسی ہسپتال کے گیٹ کے آس پاس کہیں بھی چھوڑ آؤ اور خود اپنی اس فضول پلاننگ پر لعنت بھیج کر چلے آؤ۔ پھر موقع
ملا تو پھر کر لینا۔"

"ماشاء اللہ! کیا ترکیب بتائی ہے...... سانپ بھی نہ مرا اور لاٹھی بھی ٹوٹ گئی۔ اتنے مہینوں سے مجھے باؤلے کتے نے کاٹا تھا
نا۔"

"بات سنو میری مسٹر تنزیل مراد! میرے پاس اتنا فضول وقت نہیں ہے کہ میں تمہاری ان بچکانہ حرکتوں پر بیٹھ کر تمہیں اُلٹے
سیدھے مشورے دیتی رہوں۔ بس تم اپنے دماغ میں اتنی بات بٹھا لو کہ قتل کے مقدمے سے اغوا کے مقدمے میں بچ نکلنے کے چانسز
زیادہ ہیں۔ اور یوں بھی میرے خیال میں تم کسی بے گناہ کی جان نہیں لینا چاہو گے، نہ یہ چاہو گے کہ کسی کی زندگی تمہاری غفلت یا
نادانی کی وجہ سے چلی جائے۔ اس لئے اب یہ منصوبے وغیرہ پر دو حرف بھیجو اور اس لڑکی کو کسی ہسپتال میں چپکے سے چھوڑ آؤ، اگر تم
اپنی زندگی کسی جیل میں گزارنا نہیں چاہتے تو۔" کہہ کر اس نے تنزیل کی اگلی بات سنے بغیر کھٹ سے فون بند کر دیا۔

وہ بے بس سا فون ہاتھ میں لئے بیٹھا رہ گیا۔

'عائشہ کہتی تو صحیح ہے۔ اگر اسے کچھ ہوا...... پھانسی سے تو شاید مجھے خوف نہیں آتا، مگر کسی کی جان لینا بہر حال میرا مقصد نہ تھا، سوائے اس یاقوت کے۔' وہ بے ہوش پڑی لائبہ کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔

'ایک تو اس مصیبت کو کتنی مشکل سے اٹھا کر یہاں تک لایا اور اب پھر سے اٹھا کر نیچے جاؤں اور کسی ہاسپٹل کی تلاش کروں اس دوران اگر کوئی پولیس والا مل گیا یا کچھ mishap ہو گیا تو سب احتیاط دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اور میں آج ہی سیدھا انجام کو پہنچ جاؤں گا۔'

وہ جھلائے ہوئے انداز میں سوچتے ہوئے لائبہ کو دیکھتا رہا۔ وہ اب بالکل بے حس ہو چکی تھی۔ سینے کا زیر و بم بھی محسوس نہیں رہا تھا۔

پھر ہر خیال پر دو حرف بھیج کر اس نے صرف لائبہ کی جان بچانے کی خاطر اسے اٹھایا اور لا کر دوبارہ گاڑی میں ڈال دیا۔ یہ جگہ شہر سے خاصی دور بھی اور بالکل ویرانہ۔ یہاں کوئی ایسا مرکز ڈھونڈنا بہت مشکل تھا۔ پھر بھی وہ اندازے سے گاڑی چلا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے دماغ میں صرف لائبہ کی جان بچانے کا خیال تھا اور کچھ بھی نہیں۔

✲ ⊙...... ⊙ ✲

''شاید آپ کو میری آواز بہت اجنبی لگے۔ اور جو خبر میں آپ کو دینے والی ہوں، وہ بہت ہی عجیب تر...... لیکن اس کے باوجود مجھے فون تو کرنا تھا آپ کو، مسٹر جسٹس محمود عالم صاحب!''

وہ ابھی نہا دھو کر، صاف ستھرا لباس پہن کر تیار ہوئے تھے۔ احسن مراد کی باتوں نے ان پر عجیب نفسیاتی اثر کیا تھا۔ انہوں نے معمول سے ہٹ کر پورا پون گھنٹہ صرف نہانے میں لگایا۔

'کیا اس طرح سے وہ سڑانڈ، وہ گندگی کا احساس ڈھل جائے گا، جو احسن کی باتوں نے میرے اندر جگایا؟' آئینے کے سامنے کھڑے، بال برش کرتے وہ خود سے پوچھتے رہے اور پھر احسن مراد کو دل میں دو تین گالیاں دے کر آئینے کے سامنے سے ہٹ گئے۔ انہیں عزہ کی اگلی کال کا انتظار تھا یا اس کے آنے کا۔ اس نے گھر آنے کی جو شرط رکھی تھی، وہ اس کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکے تھے۔ وہ اسے معاف کر دیں گے۔

باپ کی محبت معاشرتی رسوم اور غیرت کے اصولوں کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی تھی اور جیت بھی گئی تھی۔

اور وہ خود بھی کئی بار اس کا نمبر ملا چکے تھے، جہاں سے کوئی رسپانس نہیں مل رہا تھا۔

ان کے سیل کی بیپ بجی تو وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکے اور دوسرے لمحے ٹھٹک سے گئے۔ اجنبی آواز، اجنبی لہجہ اور الفاظ بے حد بیگانے۔ مگر خود سے جیسے جڑے ہوئے لگے۔ کچھ دیر کو تو وہ بول ہی نہ سکے۔

''کون...... کون ہیں آپ؟ اور کس سے بات کرنی ہے؟'' وہ اس آواز کے زیر و بم میں اُلجھ کر بے ربط سے بولے۔

''ہاں، بھول جانا تو تمہاری فطرت کا حصہ ہے بلکہ خاصا ہے۔ لمحوں میں بھولتے ہو۔ اور یہ تو صدیوں پرانا قصہ ہے، اتنی جلدی کیسے یاد آئے گا تمہیں؟'' لہجے کی کھنک تھی یا کسی بھاری قدم کی چاپ، ٹھک سے ان کے دل پر لگی۔

ایسا بولتا سناٹا کہ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکے اور یوں لگا جیسے شاید وہ اب کبھی کچھ کہہ پائیں گے بھی نہیں۔

''تم......'' وہ ہکلائے۔

''پھر پوچھو گے تم کون...... پھر پوچھو گے اور پھر پوچھو گے کیا، صرف بتانے سے تمہیں سمجھ میں نہیں آتا ہے محمود عالم! کہ بتانے والا کون ہے۔ تم شاید فطری اداکار ہو۔ مگر اب اس لاحاصل بحث کی ضرورت بھی نہیں۔'' لہجے میں ایک دم سے سرد مہری اُتر آئی تھی۔

''ٹھیک پچپن منٹ بعد تمہاری بیٹی عزہ عالم ایک نیم عریاں ماڈل کے روپ میں ریمپ پر جلوہ گر ہونے والی ہے، ایک ہوشربا جسم کے ساتھ، قاتل سراپا جسے دیکھنے اور سراہنے والی نظریں اس کے جسم کے کس کس زاویے اور کس کس خط میں اُلجھیں گی، اتنا اندازہ تو تمہیں ہو گا۔ اور تین دن سے وہ گھر سے غائب...... کہاں تھی؟ تمہیں یہ بھی پتہ چل گیا ہو گا۔ ملنے کے لئے بھی بے قرار ہو گے۔ اور یقین کرو، یہاں پورے ہال میں ایک ایک شخص، تماش بین ہی بولیں گے نا اگر ہم گھٹیا زبان میں استعمال کریں تو...... کیسے بے قرار ہو رہا ہے اس نوخیز حسینہ کے دودھیا جسم کی ایک جھلک......''

''شٹ اپ...... وِل یُو شٹ اپ...... یُو بچ...... یُو بلڈی باسٹرڈ......'' خون ان کے سر کی رگوں سے اچھل کر باہر آنے کو تھا۔

''وہ سب تو تم بہتر جانتے ہو، بچ کون ہے، باسٹرڈ کون اور بلڈی کون...... ابھی تو اس کا حساب ہونا بھی باقی ہے۔ اور ڈیئر! یہ فیشن پریڈ تو اس پیار کی ایک معمولی سی جھلک ہے، جو مجھے تمہاری بیٹی سے ہے۔ اس کی اصل کہانی کل رات تک پوری دنیا میں نیٹ کی اسپیشل سائٹ پر کچھ اس طرح سے ڈاؤن لوڈ ہو گی۔ ڈریسنگ روم کی ساری......''

اوران کا ضبط جواب دے گیا۔فون ان کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ خود کو سنبھالتے سنبھالتے بھی جانے کس کس چیز سے ٹکراتے نے چلے گئے۔

بہت سنبھال کر رکھا تھا انہوں نے زندگی کے ہر سانحے، ہر حادثے میں خود کو۔ ذرا سا بال بھی اپنا بیکا ہونے نہیں دیا تھا۔ ذرا سا بھی خود کو نہیں پہنچنے دیا تھا۔ بس ایک ہجر و فراق کا درد تھا، جو جلتے دیے کی طرح ان کے بدن کے اندر ہی کہیں لو دیتا تھا۔ بظاہر تو کبھی آنچ بھی نہیں آئی تھی، مگر یہ دھچکا......ان کے سینے میں درد کا طوفان جیسے ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔ شاید اب کے وہ نہ بچ ں۔ کاش! ایسا ہی ہو......اب تو زندہ رہنے کی رتی برابر تمنا تھی بھی نہیں......مگر عزہ......نہیں، نہیں......ابھی پچاس منٹ ہیں اس کے پاؤں پکڑ لوں گا......اس کو......جو وہ کہے گی، جو وہ چاہے گی، میں اپنی عزہ......نہیں، مجھے جانا ہے ابھی......ورنہ دیر ہو جائے گی......اور اگر دیر ہو گئی......نہیں، نہیں۔"

وہ پورا زور لگا کر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر درد کا طوفان انہیں مہلت نہیں دے رہا تھا۔

"سارہ!......سارہ!" وہ پورا زور لگا کر چیخے۔

وہ تو اب ان کے آس پاس ہی کہیں رہتی تھیں، دوسرے لمحے وہ دوڑتی ہوئی چلی آئیں اور محمود عالم کی حالت......سارہ کو پہلی بار کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

ڈرائیور کو بلانے جا رہی تھیں، جب محمود عالم نے بمشکل انہیں آواز دے کر روکا۔ وہ اس درد کو سہہ جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ "مصطفیٰ......مصطفیٰ کو بلاؤ......جلدی، ورنہ دیر ہو جائے گی......سارہ! بہت جلدی۔" وہ بیڈ کی بیک سے سر ٹکرا کر بولے۔

ان عزہ کو بچا لینے کا خیال آہستہ آہستہ اس درد پر بھی حاوی ہوتا جا رہا تھا۔

"پہلے آپ کو ہسپتال......" سارہ ان کی فق رنگت کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"احمق عورت!......مصطفیٰ کو بلاؤ، جلدی۔" وہ سینے کو دبا کر چلائے اور سارہ جلدی سے ان کا گرا ہوا سیل فون اٹھا کر اس میں فیٰ کا نمبر نکال کر کال کرنے لگیں۔

"میرے خدا! مجھے تھوڑی سی مہلت......تھوڑی سی......میں اس سے معافی مانگ لوں گا......اس کے پاؤں......مجھے توبہ کا ایک موقع مالک! صرف ایک موقع......ایک بار میری عزہ......مالک! وہ معصوم ہے، بے گناہ......سب گناہ میرے وہ کیوں سزا بھگتے؟......وہ کیوں؟......صرف ایک موقع......توبہ کا ایک موقع تو سب کو ملتا ہے......مجھے بھی۔"

ان کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

☼☼......☼☼
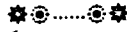
وہ اپنی زندگی کی وہ اہم ترین کال کر چکی تھیں اور ان کے دل کی دھڑکنیں کسی سُر، لے اور تال پر رقصاں تھی۔ اس گھڑی اگر وہ ہو بھی کسی کو اپنا سینہ چیر کر یہ والہانہ رقص دکھا نہیں سکتی تھیں۔

لیکن اب انہیں عزہ کے ریمپ پر آنے سے بھی اتنی دلچسپی نہیں رہی تھی کہ ان کا اصل مقصد پورا ہو چکا تھا۔

"دس بجے گا تو یہاں بیٹی کی کیٹ واک دیکھنے آئے گا۔ اگر زندہ بچ کر آ گیا تو میں جانوں، محمود عالم! کہ تم سے بڑھ کر ڈھیٹ کوئی نہیں سکتا۔ اور جس حالت میں تم اس وقت ہو گے، میرا دل گواہی دے رہا ہے......دل کی کٹتی رگوں کا درد کیا ہوتا ہے، تم رہے ہو گے......کاش! میں تمہیں دیکھ سکتی۔"

وہ بے دھیان نظروں سے ریمپ پر آتی جاتی ماڈلز کو دیکھتے ہوئے کسی اور ہی خیال کی دنیا میں محمود عالم کی اذیت کا مزہ لے رہی

"کب آئے گی؟" جہانگیر ہمدانی کی حالت کثرتِ مے نوشی سے بہت بری ہو رہی تھی۔ اس طرح کی محفلوں میں وہ یوں بھی خود کو بھٹکتا تھا۔ اب تو سیلف کنٹرول کی طاقت بھی ختم ہو چکی تھی اور مزاحمت تو شاید جوانی میں بھی اس نے کبھی اپنی اس خواہش کی مزاحمت نہیں کی تھی۔

"ارے کیوں جا رہے ہو؟......ابھی تو کسی کے مرنے کا لطف لے رہی ہوں میں۔" وہ پھر سے اسی دنیا میں پہنچ گئیں۔

تبھی ان کا سیل فون بجنے لگا۔

گھر سے ملازمہ کا تھا۔ اس کو کوئی ہدایت دیتے ہوئے انہیں لائبہ کا خیال آ گیا۔ فنکشن عروج پر تھا۔ وہ آہستگی سے اُٹھ کر گئیں۔

"لائبہ نے کھانا کھا لیا؟ یا اسامہ کے ساتھ جانا تھا مجھے یاد آیا، اس کے ساتھ گئی ہے وہ؟"

"بیگم صاحبہ! وہ تو آپ نے گاڑی بھیجی تھی انہیں لینے کے لئے تو وہ آپ کے پاس ہی تو آئی ہیں۔" ملازمہ کچھ ڈر کر بولی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟ میں کیوں گاڑی بھیجنے لگی؟ میں نے تو اسے منع کر دیا تھا۔کون آیا تھا؟......کس کے ساتھ گئی ہے
ایک ہی سانس میں پریشانی سے بولتی چلی گئیں۔
''پتہ نہیں جی۔وہ کہہ رہا تھا کہ آپ نے ہوٹل بلوایا ہے۔بی بی نے شاید آپ کو فون بھی کیا تھا۔آپ ملیں نہیں تو وہ ڈرائیور
پہلے اس گاڑی میں چلی گئیں۔اب تو......'' وہ رک رک کر بول رہی تھی اور میڈم یاقوت کو لگا، ان کا دل بند ہو جائے گا۔
لائبہ کا جانا انہونی بات نہیں تھی۔مگر انہوں نے گاڑی بھیجی......ان کے اندر خطرے کی گھنٹی سی بج اٹھی تھی۔
وہ جلدی جلدی لائبہ کا نمبر ملانے لگیں۔
ایک بار، دو بار اور پھر کئی بار......اس کا سیل فون آف جا رہا تھا۔ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے ہو سکتا ہے، لائبہ
بتائے بغیر......اس کا فون کیوں بند ہے؟ وہ جھنجلا کر دوبارہ نمبر ملائے گئیں اور وہی چلتی ٹیپ۔ان کے دماغ کی رگیں جھنجھنا اٹھیں
ساری شام، ساری خوشی کا مزہ غارت ہو کر رہ گیا۔انہیں تو یہ بھی بھول گیا کہ وہ کس کس مہمانِ خصوصی کو انوائٹ کئے بیٹھی
بس بار بار لائبہ کے نمبر ملائے جا رہی تھیں۔

✲◉......◉✲
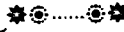
''یہ تم کیا کہہ رہے ہو محمود! اپنی حالت دیکھی ہے تم نے؟'' وہ ان کی انوکھی فرمائش سن کر پریشان ہو گئے۔
''اگر میں اتنا درد، اتنی تکلیف سہہ کر بھی زندہ ہوں تو یقین کر لو، قدرت نے مجھے یونہی یہ مہلت نہیں دی۔مجھے پہنچا
مصطفیٰ! ابھی اور اسی وقت تم خدا کے لئے مجھے وہاں لے چلو......تم نہیں جانتے، اگر ذرا سی بھی دیر ہو گئی تو یہ رات......یہ رات
گئی......اور میں ہسپتال جا کر زندہ بچ گیا تو شاید خود اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لوں۔'' وہ بچوں کی طرح رو رہے تھے۔
''عالی! میرے دوست! تمہاری کنڈیشن......'' مصطفیٰ بے حد پریشان تھے۔
اور جسٹس محمود عالم......وہ شخص جو کبھی کسی کے آگے سر کیا، آنکھیں جھکانے کے بارے میں سوچ نہیں سکتا تھا، مصطفیٰ
سامنے دونوں ہاتھ جوڑے اس کی روتے ہوئے منت کر رہا تھا۔
''مصطفیٰ! تمہیں اس دوستی کی قسم! جو ہم دونوں کے بیچ اتنے سالوں سے ہے۔بس آج، ابھی میری یہ بات مان لو۔پلیز
ٹھیک ہوں، بالکل نہیں مروں گا......اپنی بیٹی کو بچانے سے پہلے نہیں مروں گا۔یہ میرا تم سے نہیں، خود سے نہیں، اپنی عزت
ہے......میں اپنی عزت کو سولی نہیں چڑھنے دوں گا۔اچھے دوست! تمہیں اس دوستی کی قسم۔''
وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے گڑگڑا رہے تھے۔مصطفیٰ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔مصطفیٰ نے اگلا سوال کئے بغیر خاموشی
گاڑی آگے بڑھا دی۔

✲◉......◉✲
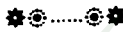
عائشہ بخاری کے سیل پہ بار بار تنزیل کی کال آ رہی تھی۔
وہ میڈم یاقوت سے ذرا ہی دور کھڑی تھی اور اس کال کو ریسیو کرنے کا مطلب......وہ بار بار کال ڈراپ کرتے ہوئے
سائلنٹ پر لگا چکی تھی۔مگر ہاتھ میں ہوتی بار بار وائبریشن اسے کانشس کئے جا رہی تھی۔
''عائشہ! بات سنو۔'' انہوں نے اشارے سے اسے پاس بلایا۔''کیا تم نے لائبہ کو گھر سے لانے کے لئے کوئی گاڑی بھیجی تھی
وہ فنکشن کی رنگا رنگی سے بے خبر، پریشان لہجے میں چہرے پر اڑتی ہوائیوں کے ساتھ پوچھ رہی تھیں۔
''تو خبر پہنچ گئی ان تک۔'' اس کا دل زور سے دھڑکا۔
''آپ نے کہا تھا مجھ سے گاڑی بھجوانے کو؟'' اس نے خود کو پُراعتماد ظاہر کرنے کی کوشش کی۔
''اُلٹی بکواس مت کرو مجھ سے۔جو پوچھا ہے، وہ بکو۔'' وہ طیش میں آ کر غرائیں۔
''میں نے ایسی کوئی گاڑی نہیں بھیجی۔'' وہ منہ پھیر کر بولی۔
''معلوم نہیں، وہ کدھر چلی گئی۔میں باہر، گیٹ سے اندر سب جگہوں سے معلوم کروا چکی ہوں۔سیل اس کا مسلسل آف ہے
پتہ نہیں وہ کدھر ہے۔'' انہیں لگا وہ ابھی رو دیں گی۔
وہ بھول چکی تھیں، وہ ذرا دیر پہلے کتنی خوش تھیں، اپنی زندگی کے خوشگوار ترین لمحوں سے گزر رہی تھیں اور اب وہ بے چین سے
اِدھر جاتی، کبھی اُدھر، پھر رک کر نمبر ملاتیں۔کبھی کسی سے پوچھتیں، کبھی لائبہ کے بند موبائل پر ٹرائی کرتیں۔
''مجھے اتنا پریشان نہیں ہونا چاہئے۔وہ آ جائے گی ابھی گھر۔اسامہ کے ساتھ گئی ہو گی۔مجھے اسامہ سے معلوم کرنا چاہئے
خود کو بہلاتے ہوئے اسامہ کا نمبر ملانے لگیں۔
''یور ڈائلڈ نمبر از ناٹ رسپانڈڈ۔'' ان کا رنگ اُڑ گیا۔

'کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔'

سامنے سے آتے دائم کو دیکھ کر وہ مسکرا بھی نہ سکیں، جبکہ اس کی نظریں بھی ان کے بجائے ریمپ کی طرف تھیں۔ یک ٹک نظریں۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ ان کی زندگی کا حاصل......!

لاریب کیٹ واک کرتی، نیم عریاں لباس میں کسی نوخیز ماڈل کی سی لچک لئے وہ جیسے پانی پر چلتی ہوئی آ رہی تھی۔

لحہ بھر تو وہ لائبہ کا غم بھول سی گئیں۔ مڑ کر بڑی جتانے والی نظر انہوں نے دائم پر ڈالی، جو ارد گرد سے بے خبر، سرخ چہرہ لئے ادھر دیکھے جا رہا تھا۔

'یہ تو میری فتح کا دن ہے...... دیکھو لوگو! میں نے تو ایسا کچھ کیا بھی نہیں تھا اور دھتکار دی گئی تھی۔ یہ تو...... یہ تو سب کے سب...... دیکھو محمود عالم! تمہاری خاندانی عزت و وقار کی دھجیاں...... جو اک زریں کے خفیہ عشق سے بکھر کر رہ گئی تھیں۔ آج...... آج کیا ہو گا۔ اگر تم دیکھو، تمہارے خاندان کا وہ غرور، تکبر سب اس کے ایک ایک اُٹھتے قدم کے نچلے کچلا جا رہا ہے۔ کر بچا لو، اپنے اس خاندانی غرور کو...... شرافت و نجابت کو...... عزت و وقار کو۔'

انہیں لگا وہ پاگل ہو گئی ہیں۔ ابھی تالیاں پیٹ پیٹ کر ہنستی چلی جائیں گی۔ اور شاید وہ یہ پاگل پن کر بھی بیٹھتیں اگر ان کی نگاہیں ان کے نظارے پر جم سی نہ جاتیں...... تالیاں پیٹنا کیا، پاگل بننا بھی بھول گئیں۔

❋⊙......⊙❋

اس کے موبائل کی مسلسل وائبریشن اور میڈم یاقوت کی تیز نظریں اور انتہائی **Critical situation**...... عائشہ کو سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

وہ موبائل کا سوئچ آف کرنے ہی والی تھی کہ لحہ بھر کو کچھ خیال آنے پر اس نے ذرا سا رخ پھیر کر سیل کان سے لگا لیا۔

"کہاں...... کیا کہا...... یہ کیسے ممکن ہے؟...... نہیں...... بالکل نہیں...... یہ......"

وہ بے خیالی سے بولتی مڑ کر دیکھنا بھی بھول گئی۔

دوسری طرف سے لائن ڈراپ ہو چکی تھی اور وہ ساکت ابھی بھی سیل فون کو کان سے لگائے کھڑی تھی۔

❋⊙......⊙❋

میوزک، تیز شور اور اس کے سُر تال کے ساتھ قدم اُٹھاتی ماڈلز...... مختصر مگر بے حد مہنگے کاسٹیومز میں ملبوس، ریمپ پر چلتی ایک وہ، اک قیامت چال اور حاضرین کی توجہ...... سب ایک مذاق، ایک کھوکھلا بدنما مذاق لگ رہا تھا۔ جیسے اس وسیع و عریض ہال میں ہر انسان کی زندگی کی اصل حقیقت پر قہقہے لگا رہا ہو۔

'تم کھو جاؤ۔ بے شک گم ہو جاؤ ان مناظر کی رنگینی میں، ان شوخ رنگوں کی قوسِ قزح میں...... ان خوشبو اُڑاتے لباسوں اور نگاہوں میں، دل کو کھینچتے ان خوب صورت جسموں کے خدوخال میں...... جنون اور عشق کی مستیوں میں تم لاکھ خود کو گم کرو، گم ایسا کہ خود کو ڈھونڈنے سے بھی نہ مل پاؤ۔ مگر میں...... میں تمہیں بتاؤں اس ساری خوب صورتی، اس سارے دلکش مناظر کی انجام، بھیانک تاریک اندھیروں کا سفر...... اکیلے پن اور تنہائی کے اٹوٹ بندھن سے جُڑا خالی پن اور بے مائیگی کا احساس...... کیا...... موت اور صرف موت، جوان سارے رنگوں، خوشبوؤں، سُر تال سب کو گم کر دے گی۔ جیسے کبھی تم ان میں گم ہو گئے تھے اور مجھے بھول گئے تھے۔'

اس کا بے اختیاری کا جی چاہا، چیخ چیخ کر سارے ہال کو بتائے۔ ایک شور قیامت اٹھا دے۔ بے شک سب اسے پاگل، دیوانی اور مجنوں کہیں، مگر دو چار...... یا شاید ایک آدھ...... ایک آدھ اس کی حقیقت کو جان لے...... جیسے وہ جان گئی تھی، اس لحہ خاص کہ اس زندگی کی اصل حقیقت صرف موت ہے۔

سیل فون مٹھی میں جکڑے جہاں کھڑی تھی، پکڑ کر وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا اور کان ہر آواز سے بے بہرہ ہوتے جا رہے تھے۔

'مجھے جانا چاہئے۔ ابھی اور اسی وقت...... میں اگر چیخ بھی لوں چلا چلا، کر ان سب ہوس پرستوں کو کھوکھلے جسموں اور مناظر پر مرمٹنے والی ان بے حس نظروں کو میرے چلانے سے کچھ بھی فرق نہیں پڑے گا۔ کسی ایک آدھ کو بھی نہیں۔ اور یہ پردہ تو صرف اس کی نگاہ سے اٹھتا ہے، جس کو اصل دکھانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہو۔ اور اس کی نگاہ سے فی الوقت یہ پردہ اٹھ (چکا تھا)'

وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

'ابھی کچھ اور مجھے خود کو بہت مضبوط رکھنا ہے، کم از کم وہاں پہنچ جانے تک۔' اس نے خود کو خود ہی سمیٹا اور چند قدموں پہ کھڑی

میڈم یاقوت کے پاس جا کر آہستگی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، ان کو متوجہ کرنے کے لئے۔

عائشہ بخاری My's کی ایک عام ایمپلائی اور اس جرأت سے میڈم یاقوت کے کندھے پر ہاتھ رکھ دے، اس ہجوم میں...... مگر وہ تو جیسے ہر احساس سے عاری ہو چکی تھی۔ ہر ڈر، خوف، ہر اس سب دل سے نکل چکا تھا۔

شاید زندگی میں پہلی بار اس نے موت کی حقیقت کو جانا تھا اور یہ حقیقت اسے کتنا طاقت ور بنا گئی تھی کہ پہلی بار اسے یاقوت سے لمحہ بھر کو بھی خوف نہیں آیا۔ اک ذرا سا ڈر بھی نہیں۔

''میڈم! میں گھر جا رہی ہوں۔'' اس نے اسی طرح ہاتھ ان کے کندھے پر جماتے، بے حد مدھم آواز میں کہا اور اسے پتا تھا اس Peak time event پر یہ احمقانہ ترین بات کرنے پر میڈم کا ردِعمل کتنا شدید ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اسے اب کسی بات کی پروا نہیں تھی۔

''میرے فادر کی ڈیتھ ہو گئی ہے میم! And I have to go'' اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

لمحہ بھر کھڑی ان کے شدید ردِعمل کا انتظار کرتی رہی، پھر دوسرے لمحے مڑ کر تیزی سے اس ہجوم میں جگہ بناتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

یہ رات تو بقول میڈم یاقوت کے، ان کی ساری زندگی کی ریاضت کا حاصل تھی اور وہ اس حاصل میں کس قدر محو تھیں کہ انہیں میرے آنے یا جانے سے کچھ بھی فرق نہیں پڑنے والا۔ انہوں نے مڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔

اور اب مجھے بھی مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں...... جس ایک شخص کی سانسوں کی ڈور نے مجھے اس دلدل میں، اس گورکھ دھندے میں پھنسا رکھا تھا، آزادی سے چلتے پھرتے رہنے کے باوجود بھی ان دیکھی زنجیروں سے جکڑی تھی، آج وہ ساری زنجیریں ٹوٹ گئیں۔

'گڈ بائے میڈم یاقوت اینڈ یور ایمپائر...... فار ایور۔' اس نے مڑ کر آخری نظر اسی طرح پتھر کا بت بنی میڈم یاقوت پر ڈالی اور تیز تیز قدموں سے چلتی باہر نکل گئی۔

✲◉......◉✲
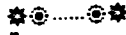
'تو تم آ ہی گئے۔ اور تمہیں آنا تو تھا۔ تم خود سے تو کبھی نہ آتے۔ میں تمہیں بسترِ مرگ پر بھی بلاتی تو تم کبھی نہ آتے محمود عالم! تم میں اتنی جرأت تھی ہی نہیں کہ تم اپنا مکروہ چہرہ خود سے دیکھتے۔ تمہیں خود کو دکھوانے کے لئے بھی مجھے ہی تم کو آئینہ دکھانا پڑا۔ تمہارا آئینہ، تمہارا غرور، تمہارا فخر تمہاری یہ شاندار بیٹی...... جو چند گھنٹے پہلے سب کچھ گنوا چکی ہے۔

تمہاری عزت، تمہاری جھوٹی شان، تمہارا وہ غرور اور گھمنڈ جو تمہیں خود پر، اپنی دولت اور خاندان پر بہت تھا...... سب کچھ میری مٹھی میں ہے۔

چند سال پہلے جب میں نے تمہیں یوں بے بس و لاچار، ان کانپتی ٹانگوں اور لرزتے قدموں کے ساتھ اپنے سامنے کھڑا ہونے کی تمنا کی تھی...... تو محمود عالم! وہ صرف تمنا ہی نہیں تھی، پورا منصوبہ تھا تمہاری تباہی کا...... اور آج...... آج وہ منصوبہ وہ سب پورا ہوا۔

تم یاس و حسرت اور لاچاری کی تصویر بنے اپنے اسی دوست کے کندھے کا سہارا لئے میرے سامنے کھڑے ہو، جس کی گواہی کے بل بوتے پر تم نے محض تین دستخطوں کے عوض مجھے حاصل کیا اور مجھے برباد کر ڈالا...... برباد۔ ورنہ آج تمہارے پہلو سے قدم ملائے، تمہارے کندھوں پر بازو حمائل کئے یہاں یہ محبت مصطفیٰ نہیں، تمہارا جوان بیٹا ہوتا، دائم۔ جسے اس کی ہتھیارن بیوی نے کس طریقہ سے مجھ سے چھین لیا۔

تم میں ذرا بھی جرأت ہوتی تو میں اتنے برس آبلہ پائی کا سفر طے نہ کرتی۔

تمہاری محبت کے جھوٹے خواب کا ایسا کانٹوں بھرا سفر...... محمود عالم! یہ محبت تھی، یہ اذیت کی انتہا...... کبھی ملتے تم تو تمہارا گریبان پکڑ کر ایک بار تو ضرور پوچھتی۔

''تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟...... کیوں؟''

انہیں لگا، آج ان کا برسوں کا ضبط ٹوٹ جائے گا...... آج سب کچھ اس ریلے میں، جذبات کے اس طوفان میں بہہ جائے گا۔ آج کچھ بھی نہیں بچے گا۔ محمد عالم! نہ تم، نہ میں، نہ ہی محبت، نہ اس کے جھوٹے خواب اور نہ یہ لمبا سفر۔

تھک گئی ہوں، ان پیروں کے چھالوں کے ساتھ چلتے چلتے۔ اور دیکھو میری بے بسی۔ میرا پہلو بھی تو خالی ہے...... سب کچھ حاصل...... اور بالکل خالی۔

مجھے دیکھو، میرے پاس بھی تو کچھ نہیں ہے۔ میں تو بالکل تہی دامن ہوں...... سب کچھ حاصل کر کے بھی کنگال...... تمہاری

رہا۔

لیکن نہیں، نہیں...... میں تمہاری طرح نہیں ہوں...... ہو بھی نہیں سکتی۔ وہ تو تم ہو...... میرے پاس تو لائبہ ہے، دائم......
ان کے دماغ میں جھما کا سا ہوا۔

لائبہ...... لائبہ کہاں ہے؟...... سویٹی! میری جان! کہاں ہو تم؟' وہ دیوانہ وار اپنے سے محض تین قدم کے فاصلے پر کھڑے محمود عالم کو نظر انداز کر کے مڑ گئیں۔

اور جسے کبھی خود کے سامنے یوں لاچار کھڑا کرنے سے بڑی کوئی خواہش ہی نہیں تھی۔ آج وہ خواہش پوری ہوئی تو کتنی بے معنی لگنے لگی۔

اور ہمیشہ سے ایسا ہی تو ہوتا آیا ہے۔ خواہش پوری ہونے کے بعد کس قدر بے مزہ سی لگنے لگتی ہے، لمحے کے چوتھائی حصے کی ذرا خوشی اور بس۔

ان کے ساتھ بھی تو یہی ہوا تھا۔

اتنے برسوں کی یہ حسرت، یہ خواہش آج مجسم ہو کر سامنے آئی تو کیسی بے معنی سی لگنے لگی تھی کہ یہ تو ہونا ہی تھا اور بس۔
'کیا خواہشیں اسی طرح سے پوری ہو جاتی ہیں کہ وہ تو ہونا ہی ہوتی ہیں۔' پلٹتے ہوئے انہوں نے لمحہ بھر کو سوچا اور بس۔
"نیلم!" کسی نے انہیں اتنے برسوں، اتنی صدیوں بعد اس نام سے پکارا تھا۔
وہ جسم میں روح اور سینے میں دل رکھتے ہوئے بھی لمحے کے اسی چوتھائی حصے میں جیسے پتھر بن کر گڑی رہ گئیں۔
"نیلم...... نیلی......!" اس زور کا جھٹکا تھا، شاید وقت کے پہیے نے اُلٹا گیئر لگایا تھا کہ زمین، آسمان، پاتال کم از کم ان کے ان کی ذات کا آسمان، زمین پاتال سب زلزلے کی زد میں آ گئے تھے۔
اور وہ مڑ کر پیچھے دیکھ لیتیں تو وہ پتھر ہو چکی ہوتیں۔
"نیلم!...... مم...... معاف کر دو مجھے۔" لڑکھڑاتی، لرزتی آواز میوزک کے اس شور اور وقفے وقفے سے ردھم میں بجتی تالیوں میں بھی صاف سنائی دے گئی کہ ان کے جسم کا ریشہ ریشہ اس ایک جملے کو سننے کے لئے صدیوں سے سماعت بنا ہوا تھا۔
خواہشیں یوں بھی پوری ہوتی ہیں؟...... ایک ہی پل میں زندگی کو حسرت بنانے والی دو خواہشیں ایسے پوری ہو گئیں۔
یہ معجزہ تھا تو بھی اس کو دیکھنے کے لئے وہ مڑ نہ سکیں۔
"ایک بار، خدا کے لئے نیلم! مجھے معاف کر دو۔"
ان ہاتھوں کا لمس، جس نے سالوں پہلے انہیں کیسے پامال کیا تھا، سرسراتے اندھیروں اور گرم مہینوں کی تند لو دیتی راتوں میں اور پیاسی دھوپ بھری دوپہروں کے تاریک گوشوں میں۔ اور وہ پامال ہوتی چلی گئیں۔
مگر اب نہیں!
کبھی یہ لمس حاصل تھا۔ حاصلِ زندگی، مگر اب کچھ بھی نہیں۔
لمحے کا چوتھائی حصہ ہی تو تھا...... وہ تو ایک عمر کو ہرا آئی تھیں تو یہ چوتھائی حصہ کیا چیز تھا...... وقت کی یہ معمولی سی ساعت انہیں کمزور کر سکتی تھی۔

"ہٹ جائیے!" بے تاثر لہجے میں مڑ کر کہتے ہوئے انہوں نے بہت جتا دینے والے انداز میں کندھے پر دھرا، محمود عالم کا کپکپاتا ہاتھ جھٹکے سے پرے کیا تھا۔

"اور مسٹر! مائنڈ یو...... یہاں شاید ہال میں کوئی نیلم موجود ہو۔ مگر مجھے یاقوت کہتے ہیں...... یاقوت۔ میں اس ہماری ایمپائر آف فیبرکس کی مالک ہوں...... انڈر اسٹینڈ؟"

ان آنکھوں میں، جن میں ہمیشہ محمود عالم نے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھا تھا یا پھر بے بسی کی انتہا...... آج یہ نفرت اور ایسی ...... کہ انہیں لگا، اس ریلے میں وہ ساری محبت کی یادیں اور وہ کسک...... سب کچھ کھو دینے کا ملال، سب بہہ چکا ہے۔ انہوں نے ہمت ہار کر دی۔

"پلیز! آئی ایم سوری!" ان کی آنکھوں میں اپنی ہی بے بسی پر پانی جھلملانے لگا۔
"But for what!" وہ اس وقت بے گانگی کی انتہا پہ کھڑی تھیں۔
"جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا۔" وہ لرزتی آواز میں بولے۔ "تم...... تم میری بیٹی کے ساتھ مت کرو۔"
"کیا کیا تھا آپ نے میرے ساتھ؟" وہ ایک قدم چل کر عین ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں، نظریں جماتے ہوئے۔
"پلیز نیلم......!" وہ گڑگڑائے۔

اپنے منہ سے اپنا جرم یا گناہ خلوت میں، اکیلے پن میں بول دینا آسان ہے، مگر یوں اتنے لوگوں کی موجودگی میں، بھلا متوجہ نہ ہو مگر اس جھوٹی انا کا بت پاش پاش نہ ہو جاتا؟ اس اعتراف کو سالوں انہوں نے اپنی بے اعتنائی کا لبادہ کر پروان چڑھایا۔

''تم جانتی ہو......خدا کے لئے۔'' وہ بے ربط ہو کر گڑگڑائے۔

''کس خدا کے لئے؟'' آج تو ان کے پاس سارے ہتھیار تھے اور کوئی بھی کُند نہ تھا۔ ''آپ مانتے ہیں خدا کو؟''

''دیکھو......تم......تم میرا تمہارا جو بھی حساب کتاب......'' وہ بائیں طرف سے سینہ دبا کر بمشکل بولے۔

''آپ شاید ان کے دوست ہیں......دوست ہی ہوں گے جو ایسے......بلکہ ہر ایسے کڑے وقت میں سہارا دینے کو کھڑے ہوتے ہیں۔'' وہ اسی تند لہجے میں مصطفیٰ سے بولیں۔ ''مسٹر! انہیں یہاں یہ شاندار میلہ، آئی مین فیری واک دکھانے کے لئے لانے کے بجائے کسی ہسپتال لے کر جائیں......بلکہ نہیں، ہسپتال کیوں؟ آپ کے اپنے گھر میں اس طرح کے عالم نزع میں بے بس لاچار انسانوں کی بے بسی سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک ماہر مسیحا کے روپ میں راہزن موجود ہے، اس کے پاس لے جائیں۔ اور سوری! ہمارے شو میں کسی ایسی ایمرجنسی کے لئے ایمبولینس کی سہولت نہیں ہے۔ ایکسکیوزمی!''

وہ نفرت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں، مگر زبان پر ایسی نفرت نہیں تھی، طنز اور جتا دینے والے، مار ڈالنے والے جملے۔

''نہیں......یوں نہیں جاؤ نیلم!......میری عزہ......'' وہ ایک قدم آگے بڑھے اور درد کی شدت نے انہیں جکڑ لیا۔ مصطفیٰ انہیں سنبھالتے سنبھالتے بھی لڑکھڑا گئے۔

''تو آپ عزہ سے ملنے آئے ہیں۔ سوری! وہ تو ریمپ پر ہیں۔ وہ دیکھیں، ان کے لاسٹ اسٹیپ۔ کیا قیامت ہے۔ دیکھیں پورا ہال مبہوت ہے۔ ایسی سر اٹھاتی جوانی اور ایسا معصوم حسن......آپ بھی دیکھئے اور لطف اٹھائیے۔ میں تھوڑی بزی ہوں۔ سوری'' کہہ کر وہ رکی نہیں اور محمود عالم کے سامنے، اسپاٹ لائٹ کے ساتھ چلتی واک کے اختتامی قدم اٹھاتی عزہ کی شبیہ دھندلا سی گئی۔

یوں بھی انہوں نے ایسی بے حجاب، اتنے مختصر لباس میں اپنی عزہ کو کب دیکھا تھا، جو اسے فوراً سے پہچان لیتے۔

انہیں تو یہ شبیہ بھی کسی اور ہی کا عکس لگ رہی تھی۔

ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا۔ دوسرے پل مصطفیٰ کا سہارا لینے کے باوجود وہ کھڑے قد کے ساتھ زمین بوس ہوتے چلے گئے۔

پاس ہی کھڑے دو چار لوگ ان کو پکڑنے کے لئے لپکے۔

اور باہر کی طرف جاتی میڈم یاقوت نے مڑ کر زمین پر پڑے اس شخص کو دیکھا، جو آج ان کے لئے قطعی اجنبی تھا۔ اور یہ منظر، اس کی شکست کا یہ منظر بھی تو ان کے منصوبے کا حصہ تھا۔ بلکہ سب سے شاندار حصہ۔

اور افسوس! ان کے پاس اس شاندار حصے سے لطف اٹھانے کے لئے وقت نہیں تھا۔

لائبہ نے ان کی ساری فتح کا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔ وہ فتح، جس کے لئے انہوں نے یہ سارا میلہ سجایا، وہ خود بھی مزہ نہ لے سکیں۔ اگرچہ اس سارے منظر کا ایک ایک جزو ان کے حسبِ خواہش پوری ترتیب کے ساتھ وقوع پذیر ہوا تھا، مگر پھر بھی کمی سی رہ گئی۔

وہ باہر نکلتے ہوئے بے چینی سے پھر سے لائبہ کا سیل ملا رہی تھیں، جو حسبِ سابق ناٹ رسپانڈ کی ٹیپ چلا رہا تھا۔

اب ان کی جھنجلاہٹ، فکر مندی میں بدل چکی تھی۔ ایک طرف کھڑے اپنے پرسنل اسسٹنٹ کو کچھ سمجھا کر وہ پارکنگ کی طرف بڑھ گئیں۔

اب انہیں باقی کے شو سے کوئی دلچسپی رہ بھی نہیں گئی تھی۔ اور یہ ان کی پروفیشنل لائف کا پہلا شو تھا، جو انہوں نے پرسنل انٹرسٹ میں کیا تھا اور اس سے اتنی جلدی فیڈ اپ بھی ہو گئی تھیں۔

انہیں صرف عزہ کی واک سے دلچسپی تھی اور عزہ اب ریمپ سے جا چکی تھی۔ ان کا انٹرسٹ بھی ختم ہو گیا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی انہوں نے ڈرائیور سے چلنے کو کہا اور خود لائبہ کے بارے میں سوچنے لگیں۔

✲......✲
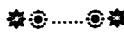
''ڈاکٹر صاحب! میں بالکل نہیں جانتا۔ میں گھر پہنچا تو یہ بے ہوش تھیں۔'' وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اور یونہی بے ہوش نہیں ہوئی ہیں مسٹر! انہیں اچھی خاصی بے ہوشی کی دوا سونگھائی گئی ہے۔ معاملہ سیریس بھی ہے اور .... بھی۔'' ڈاکٹر کا اعتراض اس کے خدشہ کے عین مطابق تھا۔

''اب میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ میں صبح کو جاب کے لئے نکلتا ہوں اور کچھ دیر پہلے گھر پہنچا تو یہ اس حالت میں تھیں۔'' وہ کچھ اٹک اٹک کر بولا۔

"آپ کے گھر میں اور کون ہوتا ہے؟" ڈاکٹر معائنہ سے زیادہ تفتیش میں دلچسپی لے رہا تھا اور تنزیل کا جی چاہا تھا، کچھ اٹھا کر اس کے سر پہ دے مارے۔

"صرف میں اور میری سسٹر!" وہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔ "پلیز ڈاکٹر صاحب! آپ ان کو چیک تو کریں...... مجھے یہ بالکل ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" اس نے ڈاکٹر کی توجہ لائبہ کی طرف دلانے کی کوشش کی۔

"یہ ٹھیک ہیں بھی نہیں مسٹر!...... آپ کا نام؟" وہی تنبیہی افسروں والا انداز۔

"طالب۔" وہ اپنا نام بولتے ہوئے رہ گیا۔

جونیئر ڈاکٹر، اٹینڈنٹ کے ساتھ لائبہ کو اسٹریچر پر ڈالے، آئی سی یو کی طرف لے گئے۔

"نو پرابلم، ڈونٹ وری!...... میں بھلا اپنی سسٹر کو چھوڑ کر اس حالت میں کہاں جاؤں گا؟...... پلیز! آپ ذرا اسے اچھی طرح ....." وہ چہرے پر زمانے بھر کی مظلومیت اور معصومیت لا کر بولا تو ڈاکٹر سر ہلاتا ادھر چلا گیا، جدھر لائبہ کو لے جایا گیا تھا۔

'موقع اچھا ہے، نکل لینا چاہئے۔ یہ کام بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔' ان کے جانے کے چند لمحوں بعد اس نے سوچا اور کن انکھیوں سے ادھر دیکھا۔

ادھر رش کم تھا۔ یوں بھی آدھی سے زیادہ رات ہو چکی تھی، اس وقت رش بالعموم کم ہو ہی جاتا تھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" وہ ابھی کاریڈور کے دروازے سے باہر نکلنے لگا تھا کہ ایک عام سے شخص نے سخت لہجے میں اس سے پوچھا۔

"میں...... میں ذرا پانی پینے جانا چاہتا تھا۔ وہ سامنے۔" سامنے کولر کی طرف اشارہ کیا تو تنزیل پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلاتا پانی پینے چل پڑا۔

✿⊙......⊙✿

"میڈم یاقوت کہاں ہیں؟" اس نے کچھ بے چینی سے ڈرائیور سے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ اندر ہوں گی۔" وہ لاعلمی سے بولا۔

"اندر کہیں بھی نہیں ہیں۔ میں دیکھ آئی ہوں۔" وہ لب چبا کر بولی۔

ڈرائیور خاموش کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"ان کی پی ایس، عائشہ کہاں ہیں؟ انہیں تو پتہ ہوگا۔" اسے یکدم خیال آیا تو بولی۔

"معلوم نہیں جی۔ مگر شاید وہ بھی جا چکی ہیں۔" وہ اندازے سے بولا۔

وہ کچھ سوچتی رہی، اب کیا کرے۔

"میڈم جی!" ڈرائیور اس کی اتنی گہری سوچ سے کچھ اکتا کر بولا۔

"ہاں...... ہاں ٹھہرو!" وہ ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ گھر جائے یا ڈرائیور کے ساتھ اسی فلیٹ میں۔

اس نے میڈم یاقوت کا نمبر ملانے لگی۔ مگر حسب سابق کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔

'وہ شو ادھورا چھوڑ کر چلی گئیں۔ مجھ سے ملے بغیر، کچھ کہے بغیر۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟' عجیب سی بے چینی تھی، جو اسے مسلسل ہو رہی تھی۔

کئی بار نمبر ملانے پر بھی نتیجہ وہی رہا۔ ڈرائیور مؤدب کھڑا رہا۔

ہوٹل میں گاڑیوں کے دروازے ایک مستقل شور کے ساتھ بند، کھل رہے تھے۔ وہ ہوٹل کے نسبتاً تاریک گوشے میں کھڑی تھی۔

'میں نے لائم کو دیکھا تو تھا، مگر ایک لمحے کے لئے۔ پھر وہ کہیں چلا گیا یا شاید وہیں تھا، میری نظروں سے اوجھل۔'

وہ لائم کا نمبر ملاتے ملاتے رہ گئی۔

"چلو۔" اس نے فیصلہ کرتے ہوئے ڈرائیور سے کہا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

'فی الحال فلیٹ پر چلتی ہوں۔ یوں بھی اتنی رات کو گھر جانا...... معلوم نہیں، وہاں کیا حالات ہوں...... صبح پاپا سے بات کر لوں گی۔ اور شاید میم فلیٹ پر پہنچ چکی ہوں۔' وہ کچھ مطمئن سی ہو کر بیٹھ گئی مگر اس کا دل مسلسل مضطرب تھا۔

'یہ بے کلی کیوں ہے؟...... اتنا کامیاب شو کرنے کے بعد بھی۔ کیمروں کی فلیش لائٹیں، اسپاٹ لائٹ میں خود کو فوکس کروانا کتنا دلچسپ اور پُر لطف تھا۔ مگر اس کے باوجود بھرپور خوشی کا احساس کیوں نہیں؟...... سمجھ میں نہیں آ رہا، دل اس قدر بے چین کیوں ہے۔ دل اندر بیٹھا جا رہا ہے۔ گھر میں سب خیریت ہو۔' آخری سوچ حقیقتاً پریشان کر دینے والی تھی۔

'اتنے دنوں سے جو سب تمہاری اس بچکانہ خواہش کا تناؤ جھیل رہے ہیں، ان کی خیریت طلب کرنا کچھ عجیب نہیں، عزہ بی بی؟' اندر سے کوئی ڈپٹ کر بولا۔

اس نے کچھ پریشان ہو کر محمود عالم کا نمبر ملایا۔

'کال ریسیو ہو گئی تو کیا کہوں گی؟' وہ عجیب مشکل میں گرفتار تھی۔ اگر نہیں ریسیو ہوتی تو پریشانی۔ ریسیو ہو گئی تو کیا جواز پیش کرے گی، اپنی اس حرکت کا؟

تین چار بار نمبر ملانے پر بھی کال ریسیو نہیں کی گئی۔ وہ اور بھی پریشان ہو گئی۔

''دیکھو سنو! مجھے میرے گھر ڈراپ کر دو۔'' وہ بالآخر حتمی فیصلے پر پہنچ کر بولی۔

''وہ جی، میڈم کا حکم ہے کہ آپ کو فلیٹ پر ڈراپ کریں۔ وہاں سے وہ خود آپ کو جہاں لے جانا چاہیں گی، لے جائیں گی۔'' وہ مؤدبانہ مگر انتہائی انداز میں بولا اور غصہ کی لہر سر اٹھا کر رہ گئی۔

وہ لاکھ اس کو حکم دے گی، وہ وہی کرے گا، جو اس کی میڈم کا حکم ہے۔ اس لئے کہنے کا فائدہ نہیں۔ اگلے لمحے وہ جھاگ کی طرح بیٹھ چکی تھی۔

'اور یہ میڈم یاقوت میرا نمبر کیوں اٹینڈ نہیں کر رہی ہیں؟' آخری کوشش کے بعد اس نے جھلا کر فون بند کر دیا اور خود کو ریلیکس کرنے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

اور اندھیرے میں کوئی گاڑی مسلسل اس کی گاڑی کا پیچھا کر رہی ہے، اسے پتہ نہیں چل سکا۔

✲ ⊙...... ⊙ ✲
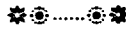
وہ اِدھر اُدھر دس جگہوں پر فون کر چکی تھیں مگر لائبہ کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ گھر آ کر ملازموں پر بھی خوب برس چکی تھیں۔ اور اتنا تو ان کی سمجھ میں بھی آ رہا تھا، جس کسی کی بھی حرکت ہے، خوب سوچ سمجھ کر پلان کر کے کی گئی ہے۔ اور ان کا ایسا خاص دشمن کون ہو سکتا ہے؟

ان کے دھندے میں تو دشمن زیادہ تھے، دوست کم...... اسی لئے تو انہوں نے لائبہ کو ہمیشہ خود سے دور رکھا۔

جو گرم لُو انہیں جھلسا سکتی تھی، اس کی تپش ان کی بیٹی تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ اسی لئے وہ اسے اپنے پاس آنے ہی نہیں دیتی تھیں۔

''اسامہ بیٹا! تم لائبہ...... میرا مطلب ہے، لائبہ تمہارے ساتھ ہے؟'' چوتھی بار کی کوشش پر اسامہ کا نمبر مل ہی گیا۔

''نہیں تو آنٹی! میں تو یہاں ہوں۔ ہسپتال میں۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ہسپتال میں؟'' وہ چونکیں۔ ''کس کے ساتھ؟''

''آنٹی! میرے فادر کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔'' وہ آنسو ضبط کرتے ہوئے آہستگی سے بولا تو میڈم یاقوت کو ہزار واٹ کا کرنٹ سا لگا۔

''کون...... آغا جان؟'' وہ اٹک کر بولیں۔

''نہیں آنٹی! میرے اپنے، آئی مین رئیل فادر۔ قاسم بخاری۔'' وہ رنجیدگی سے بولا۔

''اوہ اچھا...... سوری۔'' وہ سرسری لہجے میں بولیں ورنہ انہیں نہ تو کسی قسم کے بخاری کی موت سے کوئی دلچسپی تھی، نہ اسامہ کی رنجیدگی سے۔ انہوں نے ہمیشہ زمانے کی اور زمانے والوں کی خود غرضی جھیلی تھی۔ سو وہ بھی خود غرض ہو چکی تھیں، انہیں کسی کے غم، دکھ سے کم ہی رنج پہنچا کرتا تھا۔

''اچھا، اسامہ! اگر تمہارا لائبہ سے رابطہ ہو تو پلیز مجھے ضرور بتانا۔ میں ویٹ کر رہی ہوں۔ اوکے، ٹیک کیئر!'' کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

'اب کہاں اسے تلاش کروں، رات کے اس پہر؟' انہوں نے لان کی پول لائٹس کے اوپر تنے ہوئے سیاہ آسمان کو دیکھا جہاں آج چاند نکلا تھا نہ ستارے۔

شاید بادل تھے یا ان کی قسمت کے اندھیرے جو فلک تک جا پہنچے تھے۔

انہوں نے رنجیدگی سے سوچا۔

'میں جو دوسروں کے پیروں کے تلے یہ کانٹوں بھری چادر بچھانے جا رہی تھی کہ خود میرے پیروں کے نیچے کسی نے انگارے دہکا دیئے ہیں۔'

ویسی ہی کالی رات ان کی بیٹی کے سر پر تنی کھڑی تھی، جس نے برسوں پہلے ان کی زندگی میں کالک بھر دی تھی۔

وہی کالک، جو محمود عالم کے منہ پر ملنے جا رہی تھی۔ محمود عالم...... وہ کسی ہسپتال کے آئی سی یو میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہوں گے۔

'جیو یا مرو، مجھے اب تمہاری زندگی، موت سے کچھ بھی دلچسپی نہیں۔ مر تو تم میرے لئے اسی دن گئے تھے، جب اپنے کرتوت پہ منہ موڑ کر مجھے زندگی کے اس اندھیرے موڑ پر تنہا چھوڑ گئے تھے۔ مر گئے تھے تم میرے لئے محمد عالم! اسی رات مر گئے تھے۔'
شدتِ کرب سے سوچتے آنسو ان کی پتھر جیسی آنکھوں سے چھلک پڑے۔

'مما جب نیلم تھی، تب بھی پتھر سمجھا تم لوگوں نے مجھے۔ ہمیشہ ٹھوکروں میں رکھا۔ اور اب یاقوت ہوں تو بھی پتھر...... پتھر بن گئی ہوں میں محمود عالم! اور پتھروں کے سینے میں دل نہیں ہوا کرتے...... صرف کانچ اور روڑے ہوا کرتے ہیں۔
ان کے سیل فون کی بیپ بجنے لگی۔
وہ بری طرح سے چونکیں۔ "لائبہ......"
"میم! کام ہو گیا۔ اگر آپ بزی نہ ہوں تو ایک نظر آ کر دیکھ لیں۔"
ان کے منصوبے کا اہم ترین حصہ یہ کال بھی تو تھی۔ انہیں یاد آیا۔
"ہوں، ٹھیک ہے۔ صبح میں دیکھ لوں گی۔" اُف، کیسا ظالم احساس تھا جو سارے جسم میں سرایت کرتا جا رہا تھا کہ سب کچھ مل جانے کے بعد کیسا بے معنی سا لگنے لگتا ہے۔ ہر خواہش پوری ہونے کے بعد بے وقعت، بے حقیقت۔ یہ ان لمحوں کے لئے میں برسوں سے مر رہی تھی، آگ سی جلتی راتیں میں نے ننگے پاؤں گزاریں۔ کب یہ لمحے آئیں گے، یہ سارے عذاب، یہ ساری اذیت لمحہ بہ لمحہ سود کے محمود عالم کی جھولی میں ڈال سکوں۔
اور وہ لمحے آ پہنچے اور میرے اندر خوشی کی کوئی حرارت ہی نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ کیسا خالی پن سا ہے۔ کیوں؟ وہ چیخ کر رہ گئیں۔
"میم! مکسنگ تو نہیں کرنی؟" خاص ٹرم ان کے اس خاص شعبے کا ضروری جزو۔
"اور ہاں، ہو جائے تو اچھی بات ہے۔" وہ لمحہ بھر سوچ کر بولیں۔
'میری نفرت کی انتہا تو ابھی تم نہیں، محمود عالم! پوری دنیا دیکھے گی، جب یہ ڈریسنگ روم کی یہ شاندار کارکردگی۔ اُف...... لوگ لے کر اندھیرے بیڈ رومز میں...... 'پہلی بار انہیں کمینہ سا لطف محسوس ہوا تھا۔
کسی خاص کے ساتھ یا میں خود سے کچھ ارینج کر لوں؟" وہ ان کا سب سے خاص بندہ تھا اور کوڈ ورڈز میں بہت احتیاط سے تھا۔
ہاں، نہیں...... لیکن ٹھہرو تم...... میں تمہیں تھوڑی دیر میں کال کر کے بتاتی ہوں۔" کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔
بجلی کے کوندے کی طرح ان کے شیطانی دماغ میں یہ خیال آیا تھا۔
تنزیل مراد...... تنزیل مراد کے ساتھ عزہ عالم کی وڈیو کی مکسنگ۔ کیسا شاندار آئیڈیا ہے۔ احسن مراد! تم بھی شامل تھے اس ٹھوکریں مار کر کسی کتیا کی طرح گھر سے باہر پھینکنے والوں میں...... تو تمہیں اس تباہی میں حسبِ توفیق حصہ کیوں نہ ملے۔ یہ گھر سے چلے جانے کا مزہ نہیں آیا، ڈیئر کزن! تنزیل مراد کی عزہ کے ساتھ یہ فلم جب گھر گھر چلے گی تو اُف...... شراب پرانی ہو، دوہرا نشہ۔' وہ خود ہی مزہ لے کر آنکھیں بند کئے جھومنے لگیں۔
اسی لمحے ان کا سیل پھر بج اٹھا۔
اجنبی نمبر تھا اور اجنبی آواز۔ لمحہ بھر کو وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکیں۔
"لائبہ ہمارے پاس ہے۔ اس کی زندگی کی سلامتی چاہتی ہو تو صبح ہونے کا انتظار کرو۔ ہم اپنی شرائط بتائیں گے۔ خبردار، پولیس کو بتایا تو بیٹی کی لاش بھی وصول نہیں کر پاؤ گی۔"
وہ ابھی اس سارے پر غور ہی کر رہی تھیں کہ لائن کٹ گئی یا کاٹ دی گئی۔ تو قسمت کی گدڑی میں ہمیشہ دو دھاری خنجر رہتا ہے۔ ایک وار کرنے کے لئے اور دوسرا دشمن کے ہاتھ میں ہم پر وار کرنے کے لئے۔ یہ کیا تماشا ہے؟
وہ بار بار اس اجنبی نمبر کو ڈائل کر رہی تھیں، جواب مسلسل بند تھا۔
'یہ کون ہو سکتا ہے؟ اور کیا چاہتے ہیں یہ لوگ مجھ سے؟ محمود عالم تو یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر کون؟' بہت سر مارنے پر بھی انہیں نہیں آ رہا تھا۔
'انگیز ہوا تھی کدھر ہے؟' بہت دیر بعد انہیں خیال آیا تو اس کا نمبر ملانے لگیں۔

✻⊙......⊙✻

اور مصطفیٰ I.C.U کے باہر تھے۔
ڈاکٹر نے ابھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔
ماں شدید تھا جو کہ جان لیوا بھی ہو سکتا تھا۔

''آپ کو انہیں وہاں نہیں لے جانا چاہئے تھا۔'' بار بار دل میں مچلتا شکوہ سا بالآخر دائم کے لبوں پر آ ہی گیا۔
''تمہارا کیا خیال ہے، میں نے منع نہیں کیا ہوگا۔ کتنا زیادہ روکا میں نے محمود کو، مگر اس پر تو ایک ہی ضد سوار تھی۔ اس لڑکی...... میرے بس میں ہوتا تو اسے وہیں شوٹ کر دیتا۔''
دائم کو پہلی بار محب مصطفیٰ ایک بالکل بدلے ہوئے انسان لگے تھے۔ غیرت اور عزت کے معاملے میں قتل کو جائز سمجھنے والے۔
''پلیز پاپا! اگر اسے شوٹ ہی کرنا ہوتا تو یقیناً پہلا حق اس کے باپ کا تھا۔ اور اس نے یہ قدم کیوں اٹھایا؟ آپ کو جب اس کا بیک گراؤنڈ معلوم نہیں تو آپ کو یوں مشتعل ہونے کی ضرورت نہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جتا گیا۔
''تم ابھی بھی...... ابھی بھی اس لڑکی کے لئے ایسے نرم جذبات رکھتے ہو، جس نے میرے دوست کو موت کے منہ تک پہنچا دیا ہے۔ کن گھروں میں لڑائی جھگڑے نہیں ہوتے؟ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اولاد احسان فراموشی پر اتر آئے۔'' وہ اور بھی اٹل ہو کر بولے۔

''میرا خیال ہے، ہم یہ سب بعد میں بھی ڈسکس کر سکتے ہیں۔'' وہ انہیں یوں طیش میں دیکھ کر قدرے نرمی سے بولا۔
وہ یہ سارا معاملہ نرمی ہی سے سلجھانا چاہتا تھا کہ سختی تو پہلے بھی عزہ جیسی لڑکی کو راہ سے بھٹکا چکی تھی۔
''نہیں۔ نہ بعد میں، نہ ابھی۔'' وہ ایک دم سخت ہو کر بولے۔
دائم نے جواب میں خاموشی اختیار کر لی۔
دونوں گم صم سے بیٹھ گئے۔ آئی سی یو کے باہر مسلسل ریڈ لائٹ آن تھی۔
اسی وقت سارہ حواس باختہ سی کاریڈور کے اینڈ سے آئیں۔
''محمود عالی ٹھیک ہیں نا؟ فون کر رہی تھی میں مسلسل۔'' وہ عجیب ٹوٹے پھوٹے لہجے میں مصطفیٰ سے نظریں ملاتی چرانی پوچھنے کی کوشش میں نڈھال سی ہو کر بیٹھ گئیں۔
''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ دعا کریں۔'' وہ ان سے نظریں ملائے بغیر بے تاثر لہجے میں بولے۔ سارہ کو دیکھتے ہی دائم کو بھولا ہوا وہ پریشان کن خیال یاد آیا۔
'آخر سارہ عالم مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں؟' ان کی تحقیر بھری نظروں کو دیکھ کر اس نے بارہا خود سے سوال کیا تھا۔
اسی لمحے رخشندہ کا فون آ گیا۔
دائم انہیں مبہم انداز میں جلد آنے کی یقین دہانی کروانے لگا۔
''رخشندہ کا فون ہے؟'' مصطفیٰ قریب آ کر بولے۔
''جی پاپا! میں نے ان سے کہہ دیا کہ پاپا میرے ساتھ ہیں، ہم تھوڑا لیٹ ہو جائیں گے۔'' اس نے قصداً ان کے قریب آنے سے پہلے فون بند کر دیا تھا۔
''لاؤ، میں ملاتا ہوں دوبارہ۔'' انہوں نے فون لینا چاہا۔
''پاپا! مجھے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کر بیٹھی سارہ کو دیکھ کر بولا۔ مصطفیٰ کاریڈور کی گلاس ونڈو سے باہر ہر طرف پھیلی سیاہ رات کو دیکھنے لگے۔
''ابھی نہیں یار! ابھی کچھ نہیں پوچھو۔'' وہ تھکے ہوئے سے لہجے میں بولے۔ ''بس دعا کرو، میرے دوست کو کچھ نہ ہو۔'' پھر دل سے انہوں نے محمود کے لئے دعا کی۔
''میں تو دعا کر لوں گا پاپا! مگر آپ کے جو خیالات ہیں، ان کی عزیز از جان بیٹی کے بارے میں، انہیں جاننے کے بعد کیا وہ دوبارہ اسی حالت...... '' وہ جتا کر بولا۔
''پلیز، چپ کر جاؤ ابھی۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولے۔
''یہ عورت...... محمود عالم کی بیوی سارہ عالم...... آپ سے، مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہے؟'' وہ پوچھنے سے خود کو روک نہیں سکا۔
''اس کو دو بیماریاں ہیں۔ دونوں لاعلاج۔'' وہ مڑ کر دیکھے بغیر بولے۔
''کیا مطلب؟...... کون سی بیماریاں؟'' دائم چونکا۔
''ایک شک کی بیماری، دوسری کسی کے دل کو ختم کرنے کی بیماری، وہ بھی بزور شمشیر۔ اور دل بھی وہ جو پہلے سے کسی اور کا ہو چکا ہو۔'' وہ رک رک کر بولے۔

"واٹ؟" وہ بے اختیار بول اٹھا۔
"آپ...... یعنی یہ آپ سے...... میرا مطلب ہے، آپ کا دل جیتنا چاہتی تھیں؟" اس کا شک واقعی حقیقت ہو سکتا ہے، یہ تو
نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ صرف خیال سا تھا، جس پر وہ خود پر سو بار لعنت بھیج چکا تھا۔
"ارے نہیں احمق شخص! میں یہ اپنے بارے میں نہیں کہہ رہا۔" وہ کچھ جھلا کر بولے۔
"تو کس کے بارے میں...... محمود انکل؟"
انہوں نے جواب دیئے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔
"اوہ...... تو محمود انکل ان کے بجائے کسی اور سے محبت کرتے تھے، ہے نا؟"
انہوں نے پھر اسی انداز میں سر ہلا دیا۔
"تو کون تھا وہ؟" وہ متجسس ہو کر بولا۔ "یوں تو مجھے بھی کئی بار ان کی گہری نظروں کو دیکھ کر یہ احساس ہوا تھا، مگر یہ واقعی فیکٹ ہو
لے پتہ نہیں تھا۔ کون تھی وہ پاپا! جس سے محمود انکل محبت کرتے تھے؟" وہ ان کی طرف جھک کر بولا۔
"کیا کرو گے جان کر؟" وہ اسی انداز میں بولے۔
"تو اس عورت نے پاپا! مجھے اتنی بار ذلیل کیا، دھتکارا، نفرت بھرا سلوک کیا اور اس کی وجہ آپ نہیں تھے۔ پھر بھی...... تو جاننے
ق ہے نا مجھے؟"
"تم اسے پہلے سے جانتے ہو، وہ بھی بہت قریب سے۔" وہ اسی طرح گھور اندھیرے میں دیکھتے ہوئے بے تاثر لہجے میں

"کون؟...... پلیز بابا! اور تو سسپنس نہ پھیلائیں۔ کون ہے جسے میں جانتا ہوں، وہ بھی قریب سے؟" وہ بے تابی سے بولا۔
"تمہاری دوست لائبہ کی مدر۔ یاقوت...... یہی نام ہے نا ان کا؟"
وہ ششدر سا انکار یا اقرار میں سر بھی نہیں ہلا سکا۔
"نیلم نام تھا اس کا بہت سال پہلے۔ محمود عالم نے اس سے کورٹ میرج کی تھی اور اس کے بعد اسے اپنانے سے انکار کر دیا تھا
ک رات وہ کہیں چلی گئی۔ اور اتنے سالوں بعد نظر بھی آئی تو یاقوت کے روپ میں۔"
دائم ششدر سا یہ انوکھی سی کہانی مختصراً سن رہا تھا۔
"کہاں چلی گئی؟" بہت دیر بعد اسے خیال آیا۔
"معلوم نہیں۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔
"وہ جس طرح کے کاموں میں انوالو ہے تو پھر سوچو، کہاں اس نے اتنے برس گزارے ہوں گے" وہ پھر مڑے بغیر توقف سے
ے۔
دائم گم صم سا سوچتا چلا گیا۔
"تو اس لئے انہوں نے عزہ کو استعمال کیا۔ محمود انکل سے انتقام لینے کے لئے۔ ہے نا پاپا؟" وہ چند ہی لمحوں میں ساری کہانی
ہ تک پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
وہ بالکل خاموش ہو گیا۔
"تو پاپا! میں کون ہوں؟ اُس یاقوت کا کھویا ہوا بیٹا، ہے نا؟" وہ بہت دیر بعد شکست خوردہ سے لہجے میں بولا۔ اور عزہ...... اس کا
دل بند ہونے لگا، اس سے اگلی بات سوچتے ہوئے۔
"نہیں میری جان! بالکل جھوٹ، بالکل غلط...... ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ رخشندہ ساری بات بتا تو چکی ہے۔" وہ بے اختیار
رہے تھے۔
"پھر اس کا بیٹا کہاں گیا؟" وہ بے یقین سے لہجے میں بولا۔
"مل جائے گا...... ڈھونڈ تو رہے ہیں۔"
"وہ عورت اتنے سالوں میں محمود انکل کو معاف نہیں کر سکی پاپا! وہ ماما کو...... نہیں، کبھی نہیں۔ وہ نہ بھولے گی، نہ معاف کرے
، مجھے یہ سارا کھیل سمجھ میں آ رہا ہے۔ پاپا! اس لڑکے کا ملنا بہت ضروری ہے...... بہت ضروری۔" وہ مضطرب سا ہو کر بولا۔
"جانتے ہیں بیٹا! مگر ظاہر ہے، اتنے سالوں بعد اس کو یوں تلاش کر لینا بھی تو آسان نہیں۔" وہ سر ہلا کر بولے۔
"تو لائبہ اور وہ گمشدہ لڑکا، محمود انکل کی اولاد ہیں؟" ذرا دیر بعد وہ بولا۔
"معلوم نہیں۔ یہ تو اب یاقوت یا وہ نیلم ہی بتا سکتی ہے...... اگر اس نے اس دوران کوئی اور شادی نہ کر لی ہو۔"

اسی وقت کاریڈور میں دو نرسوں کے بھاگ کر آئی سی یو میں جانے کی آواز گونجی۔ دونوں چونک کر مڑے اور انہیں دیکھنے لگے۔
''نہیں......'' انہوں نے بے ساختہ سارہ کی گھٹی ہوئی چیخ سنی اور تیزی سے ان کی طرف بڑھے، جن کا سر صوفے کے ایک طرف ڈھلک چکا تھا۔

✲◉......◉✲
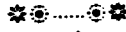
''ڈاکٹر صاحب! میرا آئی ڈی کارڈ اور جنرل تو میرے پاس نہیں ہے۔ اور دیکھیے، خدانخواستہ میں کوئی غلط شخص تو نہیں ہوں۔ اور آپ مجھ سے یوں Behave کر رہے ہیں۔'' وہ احتجاجاً بولا۔
''اور آپ نے شاید کسی کو مجھے واچ کرنے پر بھی لگا رکھا ہے۔ This is too much....... میں کوئی مجرم تو نہیں ہوں، اپنی بہن کا علاج کروانے آیا ہوں۔'' وہ تیز لہجے میں بولا۔
''مسٹر! ابھی یہ کہاں ثابت ہے کہ لڑکی جو بری طرح سے بے ہوش ہے، آپ کی بہن ہی ہے یا......'' انہوں نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
''بہرحال اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ لیکن آپ اس کے باوجود ابھی نہیں جا سکتے، جب تک آپ کا این آئی سی او آپ کے آفس کے کسی ذمہ دار شخص سے ہم بات نہیں کر لیتے یا......'' وہ واقعی ڈاکٹر کم، تھانے دار، ریٹائرڈ ایس ایچ او زیادہ لگ رہا تھا۔ تنزیل دل میں پچھتایا، وہ اس ہسپتال میں آیا ہی کیوں۔
''اور ''یا'' کیا؟'' وہ جھنجلا کر بولا۔
''یا پھر یہ لڑکی خود ہوش میں آ کر اپنا بیان لکھوائے آپ کے بارے میں...... اس کا، آپ کا رشتہ کیا ہے۔''
'اوہ، یہ تو خدا کرے کبھی بھی نہ ہو کہ یہ لڑکی ہوش میں آئے اور تنزیل کے بارے میں انکشاف کرے۔' اس نے بے ساختہ دل میں دعا مانگی۔
''آپ فی الحال یہیں رکیں، صبح ہونے میں دو چار ہی گھنٹے ہیں۔ اس کے بعد کچھ دیکھیں گے۔'' ڈاکٹر اسے تنبیہی انداز میں کہتا ہوا باہر نکل گیا۔
وہ کوفت زدہ انداز میں سر پکڑے بیٹھا رہ گیا۔
'اب کیا کروں؟ یہ تو اُلٹی آفت گلے پڑ گئی ہے۔ یہ ڈاکٹر تو مجھے یوں نہیں بخشنے والا۔ اور اگر اس مصیبت کو ہوش آ گیا تو......' اس نے بے زار نظروں سے سوئی ہوئی لائبہ کو دیکھا۔
'اور میں تو اس یاقوت بیگم کو فون بھی کر چکا ہوں۔ آگ تو لگا ہی چکا ہوں۔ اگر اسے ذرا سا بھی شک ہو گیا تو......' اسے نئی پریشان کُن سوچ نے گھیرا۔
'اس کے لئے یہاں تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ تو کیا کروں؟...... کیسے یہاں سے نکلوں؟...... اگر عائشہ کو یہاں بلا لوں، وہ کسی طرح یہ سچویشن ہینڈل کرے۔ کم از کم اس لائبہ کو تو سنبھال ہی سکتی ہے۔ مجھے بیچ میں سے نکال دے۔'
'تف ہے تنزیل مراد تم پر۔ ایک لڑکی کی بیساکھی لے کر اس ساری نازک سچویشن سے نکلنا چاہ رہے ہو۔ بس اتنی قابلیت تھی تم میں؟' کوئی بدتمیزی سے اندر بیٹھا اس پر ہنسا۔
'نہیں، میں عائشہ سے کبھی یہ ریکویسٹ نہیں کروں گا۔ وہ اور بھی میرا مذاق اُڑائے گی۔' اس نے دل میں فیصلہ کیا۔
'مگر مجھے اس سے رابطہ تو کرنا چاہئے۔'
اگلے لمحے وہ عائشہ بخاری کو فون کر رہا تھا مگر اس کی کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔
وہ زچ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور باہر جانے لگا۔
ایک دم سے سوئی ہوئی لائبہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
تنزیل اس بری طرح سے اُچھلا، جیسے اسے ہزار واٹ کا کرنٹ لگا ہو۔
''اگر تم مجھے سچ سچ نہیں بتاؤ گے کہ تم مجھے کیوں کڈنیپ کرنا چاہتے تھے تو میں ابھی شور مچا کر سارے ہسپتال کو اکٹھا کر لوں گی۔'' وہ اس پر نظریں جما کر بولی۔
''اور تم جانتے ہو، میں یہ کر سکتی ہوں۔'' وہ تمسخرانہ نظروں سے دیکھ کر بولی۔
''تو کیا تم بے ہوش نہیں تھیں؟'' اس کے یوں روانی سے بولنے پر وہ اچنبھے سے بولا۔
''تم نے مجھے موت کے منہ تک تو پہنچا دیا تھا اور مجھ سے پوچھتے ہو، میں بے ہوش نہیں تھی۔ جانتے ہو نا، اس سارے پر تمہیں کتنی سزا ہو سکتی ہے۔''

"مجھے پروا نہیں۔" وہ کندھے اُچکا کر بولا۔
"کیوں مجھے اغوا کیا تھا تم نے؟" وہ پھر سے بولی۔
"یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟...... اسے کیوں نہ بتاؤں جس کی وجہ سے میں نے یہ کیا تھا۔" وہ بے نیازی سے بولا۔
"یہ تم جانتے ہو کہ تمہیں مجھے یہ سب بتانا پڑے گا، ورنہ......"
"مجھے دھمکی دے رہی ہو؟"
"تمہیں بتا رہی ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے نڈھال سے انداز میں آنکھیں موند لیں۔
"تم ابھی ریسٹ کرو۔ ابھی تمہاری طبیعت۔"
"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں، مجھے بتاؤ سب۔ تمہیں کیا چاہئے میرے بدلے میں؟"
"سب سے پہلے تمہاری ماں کی اذیت...... اُس کی ذلت اور تمہاری جدائی...... دائمی جدائی میں اس کا جو حال ہو، وہ سب ہے۔ اپنی ذات کا بدلہ، اپنی بہن کی زندگی برباد کرنے کا تاوان اور بہت کچھ۔ کہو، کس حساب کے بارے میں بتاؤں؟ بہت نکلتا ہے تمہاری ماں کی طرف میرا۔" وہ تلخی سے بولا۔
وہ اسے دیکھتی رہی۔ کچھ تھا اس کے چہرے پر۔ کیا؟ لائبہ جان نہ سکی۔
"کوئی بھی حساب کتاب ہے، مجھے سب کھل کر بتاؤ۔ تمہیں تاوان کی ادائیگی میں کراؤں گی، اگر تم حق بجانب ہوئے تو۔" وہ نرمی سے بولی۔
"تم سن نہیں سکو گی اپنی ماں کے کرتوت۔" وہ طنز سے بولا۔
وہ کچھ دیر کے لئے خاموش سی رہ گئی۔
"یہ میرا مسئلہ ہے۔ تم بتاؤ مجھے۔"
وہ گہرا سانس لے کر بیٹھ گیا۔
"بولو!" اسے چپ دیکھ کر لائبہ کو اُلجھن سی ہوئی۔
تنزیل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں سے شروع کرے۔
اُس دن سے، جب وہ پہلی بار انٹرویو دینے گیا تھا، اس شاندار مقناطیسی عورت کو اور کیسا امپریس ہوا تھا۔
اس نے آہستگی سے وہیں سے بولنا شروع کیا۔ لائبہ نظریں جمائے اسے سننے لگی۔

✲......✲

"بابا! آپ کی جدائی میرے لئے کبھی نہ بھرنے والا زخم ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ آپ کا جانا بہرحال میری وجہ سے نہ ہوا۔ خدا نے اس دائمی کرب سے بچالیا۔ آپ کا جانا میرے پیروں میں پڑی کتنی زنجیریں کاٹ گیا۔ کاش! آپ زندہ بھی رہتے اور یہ بھی کٹ جاتیں۔ مگر ایسا ممکن کب تھا؟ اور میں آپ کی وہ آخری خواہش بھی پوری نہ کر سکی۔ اور آپ جاتے ہوئے مجھے اس سے بھی رہا کر گئے۔ تھینک یو بابا!"
وہ ان کے سرد، بے جان ہاتھ کو اپنے چہرے سے لگا کر بے اختیار سسکنے لگی۔
جب وہ ہسپتال پہنچی تھی تو قاسم بخاری کو ایمبولینس میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ اسامہ ان کے ساتھ ہی تھا۔ اس کا چہرہ بظاہر پُرسکون آنکھیں گہرے کرب کا پتہ دے رہی تھیں۔
تھوڑی دیر میں اردگرد سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔
عائزہ بخاری آہستگی سے اٹھ کر اندرونی کمرے میں چلی گئی کہ محلے والے بہرحال اس کے بارے میں کچھ ایسی اچھی رائے نہیں رکھتے اور بظاہر پرسہ دیتے ہوئے، تعزیت کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی طنز کا نشتر اس کا دل تو چھلنی کرتا ہی، اسامہ کو بھی چونکا دیتا۔ وہ شاید جانے کے ارادے سے آیا تھا، اور وہ یہاں رک بھی نہیں سکتا تھا اور وہ اس کے جانے تک اپنے تمام بھیدوں کو پوشیدہ ہی رکھنا چاہتی تھی۔
خون کے رشتے سے وہ بھلے بہن بھائی ہوں، مگر اتنے سالوں کی دُوری نے ہر طرح کی اپنائیت ختم کر دی تھی۔ دونوں کے بیچ ایک دھیمی اجنبیت کی دیوار سی تھی۔ اور یہ دیوار اُٹھی ہی رہتی تو اچھا تھا۔
وہ کمرے میں آ کر سامنے دیوار سے لگی قاسم بخاری کی تصویر دیکھ کر بے آواز آنسو بہانے لگی۔ اس کا سیل فون بجنے لگا۔
تنزیل ہوگا۔ اسے فوراً خیال آیا۔
"تم کہاں مرگئی ہو جا کر۔ کتنی دیر سے غائب ہو۔" میڈم یاقوت کی چنگھاڑتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''اب آپ مجھے غائب ہی سمجھیں، ہمیشہ کے لئے۔'' وہ آنسو صاف کر کے اطمینان بھرے انداز میں بولی۔
''کیا بکواس کر رہی ہو؟......جلدی پہنچو گھر۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ پھر سے دھاڑیں۔
''بہتر ہے یاقوت صاحبہ! آپ اپنے انتظار کو ابھی سے ختم کر لیں۔ کیونکہ مجھے اب کبھی بھی آپ کے پاس نہیں آنا۔'' وہ پہلی جرأت سے بولی۔
دوسری طرف لحہ بھر کو حیرت بھری خاموشی چھا گئی۔
''میرا خیال ہے، تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔'' اب کے آواز میں دھاڑ اور چنگھاڑ دونوں ندارد تھیں۔
''آئی ہوں۔ ابھی تو حواسوں میں آئی ہوں، اتنے سال آپ کی بے داغ غلامی کے بعد۔'' وہ چیخ کر بولی۔
''کہنا کیا چاہتی ہو، صاف لفظوں میں کہو۔'' انہیں عائشہ کے لہجے، انداز اور الفاظ کسی بہت بڑی تبدیلی کے ہو چکنے کا پتہ دے رہے تھے۔
''اتنے سال آپ مجھے کس وجہ سے بلیک میل کرتی رہیں؟'' وہ تیز سانسوں کے بیچ جذباتی پن سے بولی۔ ''میری ماں کو تم نے اپنی اس گندی بلیک میلنگ سے اس دنیا سے بے وقت جانے پر مجبور کیا۔ اور اس کے بعد میرے بابا......بابا کو ہتھیار بنایا اور مجھے پامال کرتی چلی گئیں۔'' اس کی آواز بلند ہوتی چلی گئی۔
''تم کیا بک رہی ہو؟ شاید جانتی نہیں کہ میں کیا کچھ کر سکتی ہوں۔'' وہ دھمکی آمیز لہجے میں غرا کر بولیں۔
''کر لیں، جو آپ کو کرنا ہے۔'' وہ زور سے بولی۔ ''میرے کالے دن رات، وہ تاریک گوشے، جن سے میں خود بھی نظر نہیں ملا سکتی، ساری دنیا میں ان کے اشتہار لگوا دیں گی تو لگوا دیں۔ میرے بابا کو، جن کی وجہ سے میں تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی، آج چلے گئے۔ رہ گئی میں تو ایکسکیوزمی میڈم! مجھے اب زندہ رہنے کا بھی ارمان نہیں۔ آپ کو جو کچھ کرنا ہے، کر لیجئے۔ میں اب اس دلدل میں نہیں آؤں گی۔ گڈ بائے!'' کہہ کر اس نے تیزی سے سیل فون آف کر دیا۔
جھٹکے سے مڑتے ہوئے لحہ بھر کو ساکت سی رہ گئی۔
اس کے عین پیچھے اسامہ کھڑا تھا۔
''تمہاری زندگی کے کالے دن رات، وہ تاریک گوشے کون سے ہیں، جن کی وجہ سے تم کھلونا بنی رہیں؟......میں سننا چاہوں گا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہتا ہوا اس کے چہرے پر نظریں جما کر کھڑا تھا۔
اور عائشہ بخاری کا حال، کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔
اس کے کانوں میں اسامہ کی آواز کے بجائے زنجیریں کھنک رہی تھیں۔
یا میڈم یاقوت کے تمسخرانہ قہقہے۔

❁◉......◉❁

''تم بکواس کر رہے ہو......جھوٹ......بالکل غلط۔'' لائبہ اس کی بات سنتے ہی بھڑک کر بولی۔
''کاش ایسا ہوتا، سب غلط، جھوٹ اور بکواس۔'' وہ حسرت ناک لہجے میں بولا۔
''تم نہیں جانتیں، میں اور میری بہن ہم دونوں جڑواں تھے۔ اور ہم دونوں میں اتنا پیار تھا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ اور میری وہ بہن کس طرح میری خاطر اس شخص جہانگیر ہمدانی کے ہاتھوں بلیک میل ہو کر رہ گئی۔ اب وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے؟ اتنے مہینوں سے اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ اور یہ سب تمہاری ماں کی وجہ سے۔''
''میری ماں کا اس میں کیا قصور؟......معاملہ تو تمہاری بہن اور جہانگیر ہمدانی کے بیچ پوری انڈر اسٹینڈنگ کے ساتھ طے تھا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر طنز سے بولی۔
''شٹ اپ! بہر حال مجھے ہر صورت تانیہ چاہئے۔ اس کے لئے چاہے مجھے تمہاری جان کیوں نہ لینا پڑے۔''
''میری جان لے کر تمہیں کیا ملے گا بھلا؟......کم از کم تمہاری وہ بہن تو نہیں۔'' وہ طنز سے بولی۔
''میں تمہیں کر کے دکھاؤں گا۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔
''ابھی تو تم فی الحال یہاں سے نکل کر دکھاؤ تو پھر بات کرنا۔ اور میں ابھی یہاں ایک لفظ بول دوں، تم مجھے کیوں، کس عزم سے لے کر آئے ہو، سوچو تم گھنٹے بھر کہاں ہو گے؟ اور تمہاری بہن......اس کا حشر۔''
ایک دم سے شرٹ کے اندر سے نکال کر چھوٹا سا سیاہ پسٹل اس نے لائبہ کی کنپٹی پر رکھ دیا۔
''میرا حشر جو بھی ہو، شاید تم یہ دیکھنے کے لئے زندہ نہ بچو۔'' وہ دھیمی آواز میں غرا کر بولا۔
اور لحہ بھر کو ہی، لائبہ شاکڈ رہ گئی۔

"ورے اپنی جان لینا اور بات ہے، کسی کے ہاتھوں یوں مرنا بالکل دوسری بات۔"
وہ بالکل خاموش ہوگئی۔ اس سرپھرے سے کچھ بھی متوقع تھا۔
"فون دو مجھے۔" لائبہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔
"کیا کرو گی؟"
"تمہاری شرائط نہ اپنی مام کو پیش کروں؟"
"وہ میں خود کرلوں گا۔ ڈونٹ وری۔"
"تو مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"
"تمہارا تعاون۔"
"کس قسم کا تعاون؟" وہ ذرا سا چونکی۔
"یہاں، اس ہسپتال سے میرے ساتھ، میری سسٹر بن کر خود بھی نکلو اور مجھے بھی... باقی کیا کرنا ہے، یہ میں خود دیکھ لوں گا۔"
وہ خاموش ہوگئی۔
"اتنا مشکل کام تو نہیں ہے۔" وہ اسے خاموش دیکھ کر بولا۔
"تم نے میری مام کو فون کر دیا ہے؟"
"ہاں، تمہارے زندہ ہونے کی اطلاع تو کردی ہے۔ اب تم کہو، کیا کہتی ہو؟...... تعاون یا موت؟" اس کی آنکھوں میں رتجگے
کے ڈورے تھے یا واقعی خون اُترا ہوا تھا، لائبہ صحیح اندازہ نہ لگا سکی۔
"تعاون۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں اعتراف کیا۔
بابل کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ اُبھر کر معدوم ہوگئی۔ وہ پسٹل واپس شرٹ میں رکھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور سیل فون
پر میڈم یاقوت کا نمبر ملانے لگا۔

✿⊙......⊙✿

"مجھے پاکستان جانا ہے۔" تانیہ نے سامنے بیٹھے گھنگھریالے بالوں کی خوب پھولی ہوئی پونی بنائے، موٹے بے ہنگم وجود
والے سے کہا۔
"تم ہر ملک میں جاسکتی ہو، سوائے پاکستان کے۔" وہ بے ہنگم انداز میں منہ میں پڑی چیونگم کو گھلاتے ہوئے اپنے سیل فون
سے کھیلتے ہوئے بولا۔
"کیوں؟" وہ احتجاج کرتے ہوئے بولی۔
"باس کا آرڈر ہے ڈارلنگ!" وہ مصنوعی پن سے بولا۔
"مگر مجھے پاکستان جانا ہے۔" وہ ہٹیلے پن سے بولی۔ "جب میں سب کچھ آپ لوگوں کی مرضی کے مطابق کر رہی ہوں تو مجھے
اتنا تو چاہئے کہ اپنی مرضی ساری نہ سہی، تھوڑی بہت تو پوری کرسکوں۔ اور میرے پیرنٹس پاکستان میں رہتے ہیں اور مجھے ان
سے ملنا ہے۔" وہ تیز تیز بولتی چلی گئی۔
"اس کے لئے تمہیں میم یاقوت یا پھر باس سے لکھوانا یا آرڈر کروانا پڑے گا، تم جہاں مرضی جاؤ پھر۔ مگر ان کے حکم کے بغیر
ناممکن۔" اس نے کندھے اچکا کر بے نیازی سے کہا۔
وہ لب چبانے لگی۔
"اور کوئی صورت؟" تھوڑی دیر بعد اس نے پھر آس بھرے لہجے میں پوچھا۔ کیونکہ یہ تو اسے پتہ تھا، وہ دونوں ہی اس طرح کا
آرڈر نہیں دیں گے۔ کبھی بھی نہیں۔
"ہاں، ہے تو ایک صورت اور بھی۔"
"وہ کیا ہے؟" تانیہ بے تابی سے بولی۔
"تمہاری موت۔ تم مر جاؤ گی تو ہم تمہاری ڈیڈ باڈی بے حد احترام کے ساتھ پاکستان بھجوا دیں گے۔ بغیر باس اور میم کے
آرڈر کے، اوکے!" وہ خباثت سے ہنسا۔
وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہ گئی۔
"مجھے منظور ہے۔" وہ کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔
"کیا؟" باب حیرانی سے بولا۔

''اپنی موت۔ تم میری ڈیڈ باڈی پاکستان بھجوانے کا انتظام کرو، او کے بائے!'' یکدم وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

باب حیران سا بیٹھا رہ گیا۔ پھر جلدی سے جہانگیر ہمدانی کا نمبر ملانے لگا۔

ثانیہ سیدھی کیمسٹ کے پاس گئی اور اس سے سلیپنگ پلز خرید کر اپنے بیگ میں رکھ لیں۔ اس کا ذہن اس وقت سخت پراگندہ رہا تھا۔

'میں کس لئے جی رہی ہوں؟...... اپنے لئے، اپنے جسم کی دن رات پامالی کے لئے؟...... بس، اور نہیں۔' اس کا جی بھرا تھا۔ چھلکنے کو تیار۔

'نہ میرے ماں باپ میری شکل دیکھنا چاہتے ہیں، نہ میرا پیسہ استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ کس کے لئے کماؤں؟ کس کے لئے سب کر رہی ہوں میں؟...... اپنے لئے...... نہیں، مجھے اپنے لئے ایسی گندی زندگی نہیں جینا...... کاش! مجھے یہ خیال پہلے آ جاتا۔ میں اپنی جان لینے سے پہلے اس جہانگیر ہمدانی کے منحوس وجود کو ختم کر دیتی اور ساتھ میں خود کو...... کچھ تو فائدہ ہوتا میرے مرنے کا کسی کو۔ کوئی ایک ثانیہ بچ جاتی، اس کا اگلا شکار بننے سے...... کاش! میں نے اس کو مار ڈالا ہوتا۔''

پانی کے گلاس کے ساتھ پلز لیتے ہوئے بے تحاشا ملال نے گھیرا۔

'کچھ دیر اور اے زندگی!'

اس نے گولیاں ہتھیلی پر نکالنے سے پہلے آنکھیں بند کر کے ذرا دیر کو یاسمین، احسن، تنزیل، ربیعہ اور ثانیہ کو سوچنا چاہا۔ آنکھیں بند کئے اس نے بیگ سے سیل فون نکالا۔

'آخری بار ان کی آواز تو سن لوں' اس نے سیل نکال کر آن کیا۔ وہاں کوئی میسج پہلے سے موجود تھا۔

اس نے بیزاری سے Inbox کھولا اور پڑھنے لگی اور مبہوت سی بیٹھی رہ گئی۔

❊◉......◉❊

'مجھے گھر چلے جانا چاہئے تھا۔ میں یہاں کیوں چلی آئی؟' فلیٹ میں آتے ہی اسے پچھتاوے گھیرنے لگے۔

'جانے کیوں دل اس قدر بے چین ہے۔ اپنی زندگی کا سب سے بڑا ایڈونچر کرنے کے بعد بھی اس قدر بے چینی اور بیزاری۔ مگر کیوں؟' اسے اپنی کیفیت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

میڈم یاقوت کو وہ کئی بار فون کر چکی تھی، مگر ان کا سیل فون بند تھا۔ انہوں نے خود بھی اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اور وہ بدتمیز ڈرائیور اسے ادھر پھینک گیا تھا۔ 'یقیناً یہ میڈم کا حکم ہوگا۔ مگر اب وہ مجھے کس لئے یہاں رکھنا چاہتی ہیں؟...... مجھے گھر جانا چاہئے۔ میں نے پاپا سے وعدہ کیا تھا کہ میں فوراً گھر آ جاؤں گی۔' اس نے سیل فون نکال کر محمود عالم کا نمبر ڈائل کیا۔

بیل مستقل جا رہی تھی اور کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

اس کا دل اور بھی ڈوب گیا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ پاپا اس کا فون نہ ریسیو کریں یا کچھ اور مسئلہ...... کیا؟' وہ بے چین ہو کر سوچے گئی۔

رات کے تین بج رہے تھے۔ اس وقت وہ خود سے بھی نہیں جا سکتی تھی۔

'چند گھنٹے تو انتظار کرنا ہی پڑے گا۔ مگر یہ چند گھنٹے' پوری رات جاگنے کے بعد بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

پھر اس نے گھر کے لینڈ لائن نمبر پر ڈائل کیا۔ وہ بھی کسی نے ریسیو نہیں کیا۔

'دائم کو فون کروں؟' وہ شش و پنج میں مبتلا ہو کر سوچنے لگی۔

'دائم کا نمبر میں نے لکھا تھا' اس نے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔ سیاہ رنگ کی ڈائری اس کے ہاتھ میں تھی۔

'یہ ڈائری کس کی ہے؟' اس نے حیرانی سے سوچا اور دوسرے لمحے اسے یاد آ گیا۔ یہ تو میڈم یاقوت کے بیگ سے گری تھی۔

'تو کیا یہ میم کی ہے؟' اسے تجسس نے گھیر لیا۔

وہ بالکل بھول گئی تھی کہ اسے دائم کو فون کر کے پاپا کے بارے میں پوچھنا ہے۔

بیگ ایک طرف رکھ کر اس نے ڈائری کا پہلا صفحہ کھولا۔ حیرت بھرے انداز میں تین چار اور پھر کئی صفحے الٹا کر دیکھے۔

'یہ تو کسی نیلم نامی لڑکی کی کہانی ہے۔ میم کے پاس...... شاید وہ لڑکی بھی میری طرح سے میم کے پاس...... لیکن یہ عالی کون ہے؟...... عالی محمود عالم' لمحہ بھر کو تو اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

دوسرے پل وہ بے تابی سے پڑھنے لگی۔

جوں جوں وہ پڑھتی جا رہی تھی، تحیر سے اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

وہ محمود عالم اور نیلم کی کورٹ میرج تک پہنچی تھی کہ اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

اہٹ آہستگی سے اس کی گردن پر سرسرائی۔
کے ہاتھ سے بے اختیار ڈائری چھوٹ کر گر گئی۔
نے مڑ کر دیکھا اور اس کے منہ سے زوردار چیخ نکل گئی۔

❋◉......◉❋

گہری نیند سو رہی تھیں اور جیسے خواب میں کوئی مسلسل دروازے کی گھنٹی بجا رہا تھا یا فون کی بیل بجے جا رہی تھی۔
نیند میں ان کے حواس کام نہیں کر رہے تھے کہ اس مسلسل ڈسٹربنس سے گھبرا کر انہوں نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول

ے کمرے میں پڑا فون مسلسل بج رہا تھا۔
خیر' وہ دل پر ہاتھ رکھے تیزی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئیں۔
ت آغا جان دوسرے کمرے سے اندر داخل ہوئے۔
نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا اور سارے گھر کے سناٹے میں گونجتے اس گھنٹی کے شور نے ایک طوفان بپا کر رکھا تھا، سکون

......کیا کہا؟" ان کے منہ سے چیخ کی شکل میں نکلا۔
رے لمحے نڈھال سے انداز میں انہوں نے فون رکھ دیا۔
......کون تھا یاسمین؟" آغا جان نے اپنے کمزور دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔
بت کی طرح ساکت تھیں۔
نے پاس آ کر یاسمین کا کندھا جھنجوڑا۔
ن! کس کا فون تھا؟" وہ اب کے زور زور سے بولے۔
بری خبر ہے آغا جان!" وہ شاکڈ لہجے میں بولیں۔
جان پتھرائی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگے کہ اب ان کے دل میں کسی بھی ایسی بری خبر کو سننے کا حوصلہ نہیں تھا۔

❋◉......◉❋

......کون ہو تم؟" مارے خوف اور ڈر کے عزہ کا دم جیسے حلق میں آ گیا تھا۔
کے سامنے سرخ، جلتی آنکھوں میں ہوس کی چمک لئے جہانگیر ہمدانی کھڑا تھا۔
......آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟......جا......جائیے پلیز!" وہ غیر محسوس طریقے سے پیچھے کی طرف کھسک رہی تھی۔
چ......ایسی لاعلمی، ایسی معصومیت......گنگا نہا آئیں اور تن بھی نہ بھیگا۔ کیسا بھولپن ہے میری جان!......جی چاہتا
پر فدا ہو جاؤں۔ اور میری جان! فدا ہونے ہی تو آیا ہوں۔ بلکہ تمہارے قدموں میں لوٹ جانے، فنا ہو جانے......کیا
یہ خوف کیسا؟......ابھی ریمپ پہ جو تمہاری چال تھی، جو بانکپن، ایسا اعتماد کہ جیسے ساری کائنات ان سڈول ٹانگوں کے

شٹ اپ......گیٹ لاسٹ!......آئی سے یو گیٹ لاسٹ۔" ایسی گندی اور بے ہودہ زبان اس نے آج سے پہلے کب

نے سے پہلے تم ریمپ پر چلی کب تھیں عزہ بی بی؟' کوئی طنزاً اس کے اندر سے بول اٹھا۔
......آؤ میری جان! میرے پاس۔ خوف نہیں کھاؤ۔ ڈرو نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں......اور اب تو مجھے کہیں بھی نہیں جانا،
ن زلفوں کی چھاؤں کے سوا۔"
جذب کے عالم میں بولتے ہوئے وہ جو نشے میں چور ڈول رہا تھا، جانے کیسے اچانک سی جست لگائے وہ عزہ کے پاس آ

رہ تو یاقوت کا خاص تحفہ ہے میرے لئے۔ ہر بار جب بھی اس کا مہمان بنتا ہوں، اسی طرح کا کوئی نیو برانڈ، ان چھوا،
ہر میں لپٹا تحفہ مجھے ملا کرتا ہے۔" وہ آنکھوں میں بے تحاشا ہوس لئے بہ دقت بول پا رہا تھا۔
اس سے اتنی گھن آئی کہ وہ خود پر اپنا ضبط کھو بیٹھی۔
گھٹیا، ذلیل، کمینے، گھٹے، باسٹرڈ! تم مجھے تحفہ سمجھ کر......تم نے مجھے سمجھا کیا، میں کوئی گلی میں، راہ میں پڑی یونہی سی چیز
سے نٹ پاتھ شاپ کا معمولی سا آئٹم۔ اور تم رالیں ٹپکاتے ان کانپتے ہاتھوں اور گندی نظروں کے ساتھ مجھے مفت کا

مال......“وہ جیسے غصے سے پاگل ہوگئی۔

ایسی بے ہودگی، ایسا اندازِ گفتگو اور سب سے بڑھ کر خود کو تحفہ تصور کرنا، گالی کی طرح اسے لگا تھا۔

اس نے پاگلوں کی طرح کمرے کی چیزیں اُٹھا اُٹھا کر اسے مارنا شروع کر دیں۔

”تو تم کیا ہو؟......ہو کیا تم؟ ابھی جو سارے زمانے میں نمائش کر کے آئی ہو، اپنے اس نوخیز بدن کا ایک ایک انگ، کر، تم نے کیا سمجھا، وہ کھیل تھا؟“ اس کے منہ سے خود کو بچاتے ہوئے کف سا اُڑنے لگا۔

عزہ تابڑ توڑ اس پر چیزیں پھینکے جا رہی تھی۔

”لاکھوں......لاکھوں لگتے ہیں ہمارے، تم جیسی ایک آئٹم تیار کرنے پر اور ریمپ پر لانے میں اور کروڑوں اس طرح سجانے میں۔ کل تمہیں پانے کے لئے بے تاب دیوانوں کی ایک لمبی لسٹ ہوگی، یاقوت کی پی ایس کے پاس۔ اور تم ہارا ہمارے ہر کلائنٹ کو خوش......“

اس نے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا جلتا ہوا ٹیبل لیمپ کھینچا اور پوری قوت سے جہانگیر ہمدانی کو دے مارا۔

خود کو بچاتے بچاتے بھی کچھ اس بری طرح اس کی گردن کے پچھلے حصے میں بھاری کانچ کا سلگتا گولا سا لگا کہ اس کے بے اختیار چیخ سی نکل گئی۔

بس یہی چند لمحے تھے، جہانگیر ہمدانی کے چیخنے اور پھر سے سنبھلنے کے بیچ، جن کا عزہ نے پوری مستعدی سے فائدہ اٹھایا۔ وہ آتے ہوئے کمرہ شاید پہلے سے لاک کر آیا تھا۔

عزہ کے پورا زور لگانے اور چیخنے کے باوجود نہ تو دروازہ ٹس سے مس ہوا اور نہ ہی اسے باہر کوئی ہلکی سی آواز یا آہٹ ہی سنائی
’اب اور دیر نہیں۔‘ وہ دروازے سے ہٹ کر اپنے بچاؤ کا کوئی اور طریقہ سوچنے لگی۔

اور اتنی دیر میں وہ شیطان پوری طاقت کے ساتھ ڈگراتا اس تک پہنچ چکا تھا، فربہی مائل جسم کے ساتھ۔ اُس میں پھرتی تھی۔ یا اس چوٹ کی تکلیف نے اسے ایسی پھرتی دکھانے پر اُکسایا تھا۔

وہ راستے میں حائل بیڈ کو پھلانگتا عین عزہ کے سر پر آ پہنچا تھا۔ مگر اس کے رعشہ زدہ اُبھری نسوں والے لرزہ ہاتھوں میں طاقت تھی۔

”نہیں، نہیں......خدا کے لئے چھوڑ دو مجھے۔“ اور اگلے چند لمحوں میں کیا کچھ ہونے والا تھا، اس کو سوچ کر اس کے بدن جیسے جان ہی نکلتی جا رہی تھی۔

”بچاؤ......بچاؤ......ہیلپ......کوئی ہے؟......پخ......بچاؤ......“ وہ اس کے بازوؤں کی گرفت میں آ چکی تھی۔

اسے آخری رستہ صرف چیخ و پکار میں نظر آیا۔

جبکہ وہ جانتی تھی، اس کمرے کے در و دیوار ساؤنڈ پروف ہیں۔ اس کی چیخ و پکار تو کیا، اس کو مار دیئے جانے کی ذرا سی آواز باہر نہیں جا سکتی۔

”نہ......نہ میری جان! اتنا شور شرابا اچھا نہیں۔ شاباش! اچھے بچوں کی طرح ادھر بیڈ کی طرف صرف۔“

اس کے منہ سے آتے بدبو کے تیز بھبکے نے عزہ کا جی متلا کر رکھ دیا۔

وہ اب پوری طرح سے اس شیطان کے آہنی پنجوں میں جکڑی جا چکی تھی۔ اگرچہ مزاحمت کر رہی تھی، مگر بے حد کمزور
’تو یہ تھا اس ایڈونچر کا الٹی میٹ اینڈ۔‘ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔

”دیکھو......دیکھو مجھے چھوڑ دو۔ خدا کے لئے......میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ میں تو محض شوق۔“ وہ اب مجبوراً گڑگڑانے اُتر آئی۔

”شوق ہی تو میری جان! ہر تباہی کی تمہید ہوتا ہے۔“ وہ نشے میں ڈولتا، مخمور لہجے میں جھوم جھوم کر بول رہا تھا۔

لمحے کے چوتھائی حصے میں اس پر آشکار ہو گیا۔

’انجام......تو تم یہی انجام چاہتی تھیں نا......جس کو سوچ کر کہتی تھیں I don't care......میں اپنے کیریئر کی خاطر روشن فیوچر کی خاطر کسی کی بھی پروا نہیں کروں گی۔ اور دیکھو، تمہارا یہ شان دار کیریئر، یہ روشن فیوچر جس نے زینے کے پہلے قدم پہ تم سے آنکھیں پھیر لی ہیں۔

جن ماں باپ کو سبق سکھانے تم یہ سب کرنے نکلی تھیں، کل صبح ان کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤ گی؟ اس رات کے شروع ہونے والے اپنے روشن مستقبل کی پہلی جھلک یا اس رات کے آخری پہر میں مل جانے والی کالک؟

چوائس تو تمہاری اپنی تھی۔ اور تم کہتی تھیں، میں ہر قسم کا نتیجہ بھگتنے کو تیار ہوں۔ کیونکہ یہ میرا اپنا فیصلہ ہوگا......اب اپنے فیصلے کا

...گھٹو اور بھڑ بھڑا اس بھڑکتی آگ میں جل جاؤ کہ صبح اپنے راکھ بدن اور سیاہ چہرے کو خود بھی نہ پہچان سکو'
...مدد کی جنگ لڑتی، باہر سے بالکل بے دم ہو چکی تھی۔

...جہانگیر بھائی کا کام آسان ہوتا چلا گیا۔ وہ اسے اپنی بانہوں کے حصار میں بیڈ تک لے آیا۔

...اس بند کمرے میں اس کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کوئی ہتھیار، کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔

...موت بھی نہیں۔' کوئی با آواز بلند اُس کے اندر چلایا۔

...مر جاؤ...... عزہ! تم جیسی بے لگام خواہشوں والی بیٹیوں کو تو مر جانا چاہیئے۔ مر تو سکتی ہونا...... کل جب تمہارے والدین اس
...تمہاری مسلی کچلی، برہنہ لاش وصولنے آئیں گے تو تم کہاں دیکھ سکو گی کہ ان کی آنکھیں اپنی بیٹی کے روشن فیوچر کو یوں
...موت کے منہ میں جاتا دیکھ کر کیسے ویران ہوئی ہیں۔ ان کے دل اور روح کی ساری حسرتیں ان کی آنکھوں میں سمٹ آئی
...ان آنکھوں میں دیکھ سکو گی؟ نہیں نا!

...کل جب اس ملک سے نکلنے والے ہر اخبار کے کرائم پیج پر تمہاری تصویریں چھپیں گی اور ساتھ میں خبر، جسٹس محمود عالم کی
...شہزادی...... جو کہ ایک اُبھرتی ہوئی ماڈل تھی، کسی گمنام فلیٹ میں اپنے دوستوں کے ساتھ عیش کرتی، کسی جھگڑے کے نتیجے
...طرح سے زدوکوب کی گئی اور بالآخر قتل کر دی گئی۔ اور اس بہیمانہ قتل کے پیچھے کوئی ایسی مسالے دار اسٹوری ہوگی، جو چند دن
...میں گردش کرتی رہے گی۔ اور ایسی خبروں کے شوقین چن چن کر اس کے بقیہ کو پڑھیں گے تو سوچو تمہارے ماں باپ
...گی؟...... چلو، جو بھی گزرے، تم نے اپنا شوق، اپنا ایڈونچر تو پورا کر لیا'

...جیسے ہزار واٹ کا کرنٹ لگا تھا۔

...بھائی بڑے پیار سے اس کے بال سہلاتا اس کی گردن تک آیا تھا اور عزہ نے پوری قوت سے اسے دھکا دیا اور چھلانگ
...اتر گئی۔

...سکتی ہوں نا میں، کسی بھی طرح۔ چاہے کھڑکی سے کود کر یا...... یہ لیمپ خود کو مار کر...... کچھ بھی...... مگر تم جیسے گدھ
...جاؤں گی۔"

...اچانک افتاد کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا، لمحہ بھر کو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا اور عزہ کو ایک دم سے اپنے پیچھے ڈریسنگ
...اس کا دروازہ کھلا تھا اور اسے سمونے کا منتظر۔

...بھائی کے اس تک پہنچنے سے پہلے وہ ڈریسنگ روم کے اندر گھس کر دروازہ لاک کر چکی تھی۔

...کی طرح باہر سے دروازے کو لاتیں، مکے، دھکے مارتا رہا اور وہ خوف سے تھر تھر کانپتی، زارزار روئے جا رہی تھی۔

❁◉......◉❁
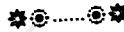
...لاکھ روپے اور تانیہ مراد۔" بدلی ہوئی آواز میں تنزیل نے رک رک کر کہا۔

...؟" وہ بری طرح سے چونکی تھیں۔ پچاس لاکھ تو سمجھ میں آتا تھا تاوان، مگر یہ تانیہ مراد۔

...پچاسویں حصے میں وہ سب کچھ سمجھ گئیں، اس کھیل کے پیچھے کون بیٹھا ہے اور ڈوریاں ہلا رہا ہے۔ رات بھر سے کس
...غارت کر رکھا ہے۔

...ان کا جی چاہا، اسے خوب موٹی موٹی گالیاں دیں۔ اسے اس کی اور اس کے باپ کی اوقات یاد کرا دیں۔ مگر دوسرے
...آیا کہ اس بدذات کے قبضے میں ان کی بیٹی ہے۔

...؟" وہ خاموشی کے ایک مختصر وقفے کے بعد ہنکار کر بولیں۔

...زندہ سلامت چاہیئے یا اس کی لاش؟" وہ اسی بھاری ٹھوس لہجے میں بولا۔

...دل میں ایک موٹی سی گالی دی۔

...دونوں شرطیں منظور ہیں۔" وہ خون کا گھونٹ بھر کر بولیں۔

...ہیں مجھے؟" وہ طنز کرنے سے رہ نہ سکا۔ تانیہ کو اس آسانی اور سہولت سے محض ایک فون کال پہ آپ کیسے میرے
...ہو سکتی ہیں؟...... اوہ، یاد آیا، آپ کی اپنی نازک معصوم بیٹی جو داؤ پر لگی ہے۔"

...... زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں۔ بولو، آگے کیا کرنا ہے؟"

...کرنا انہیں بے حد ہتک آمیز لگ رہا تھا مگر اس وقت مجبوری اس ہتک سے بڑی تھی، سو پھر سے متوازن لہجے میں

...ہے؟" اسے یقین نہیں تھا اس بات کا، سو اُس کی سُوئی اسی نکتے پر اٹکی جا رہی تھی۔

"یہیں، پاکستان میں۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولیں۔

"جھوٹ۔" وہ غرّایا۔

"تمہیں اس سے غرض نہیں ہونا چاہئے۔ پچاس لاکھ اور وہ لڑکی چاہئے نا تمہیں، بولو دونوں کہاں پہنچانے ہیں؟" وہ بے انداز میں بولیں۔

تنزیل ان کے پُراعتماد انداز پر ٹھٹک کر رہ گیا۔

اور یہ تو اسے پتہ تھا، اس طرح کا گھناؤنا کاروبار کرنے والی میڈم یاقوت، پولیس کی مدد تو کبھی بھی نہیں لے گی۔

"پہلے میری تانیہ سے بات کراؤ۔" اگلے لمحے اسے ان کا اعتماد پرکھنے کا طریقہ سمجھ میں آ گیا۔

"وہ فلائٹ پر ہے۔ گھنٹے بھر میں یہاں پہنچنے والی ہے۔"

"جھوٹ بول رہی ہیں۔"

"دیکھو، اپنی بکواس بند کرو۔ تمہیں وہ لڑکی اور پیسے چاہئیں نا۔ مجھے ایک گھنٹے بعد کا ٹائم دو اور لائبہ کو میرے حوالے کرو۔"

"میں مکمل کنفرمیشن کے بغیر اسے آپ کے حوالے نہیں کروں گا۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ وہ بہرحال اس شاطر عورت پر آسانی سے اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔

"اوکے، یہ ایڈریس لکھ لو۔ تانیہ ٹھیک ایک گھنٹے بعد ایئرپورٹ سے سیدھی اس جگہ پہنچے گی۔ اس کے آتے ہی میں تمہاری اس سے بات بھی کرادوں گی۔ تم چاہو تو گھنٹے بعد جا کر خود اس سے مل لینا۔"

انہوں نے بے حد سنجیدہ لہجے میں اسے کوئی ایڈریس لکھوایا۔

"اور لائبہ کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے، یاد رکھنا۔ ورنہ تم مجھے جانتے ہو۔" وہ آخر میں دھمکانے سے رونہ تکیں۔

"اور اگر ایک گھنٹہ بعد تانیہ مجھے یہاں نہ ملی تو؟"

"تو تم بے شک لائبہ کو رہا نہ کرنا۔" وہ فوراً بولیں۔

"اور کیا تمہیں یقین ہے کہ تانیہ تمہارے ساتھ جانے کے لئے تیار بھی ہوگی یا نہیں؟"

جواب میں وہ لمحہ بھر کو خاموش سا رہ گیا۔ یہ بات تو اس نے سوچی بھی نہیں تھی۔

"یہ میرا مسئلہ ہے، آپ کا نہیں۔" وہ رکھائی سے کہہ کر فون بند کرنے لگا۔

"اوہ یس! میں بھول گئی تھی کہ تم اپنے مسئلے کتنے شاندار طریقے سے solve کرتے ہو۔ یہ بھی کر لو۔ بس خیال رہے، لائبہ کو کچھ نہیں ہونا چاہئے، اوکے؟" آخر میں پھر سے اسے تنبیہ کرتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا۔

وہ یقیناً وہاں پہنچے گا ایک گھنٹے بعد، تانیہ کے لئے۔ ان کے لبوں پر گہری مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ آگے کا سب پلان تیار شدہ تھا، صرف لائبہ۔ وہ اس نکتے پر آ کر لمحہ بھر کو پریشان سی ہوئیں اور اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

❁

جہاز پاکستان کی طرف محوِ پرواز تھا۔
اور ثانیہ بے یقین سی بیٹھی تھی کہ وہ واقعی پاکستان جارہی ہے۔
گن اس آخری لمحے میں سلیپنگ پلز کھانے سے پہلے اگر وہ باب کا SMS نہ پڑھتی تو شاید اس وقت اس کی ڈیڈ باڈی پاکستان
جارہی کی جارہی ہوتی۔
فوراً ائیرپورٹ پہنچو، تم فرسٹ فلائٹ سے پاکستان جارہی ہو۔ یہ میم کا آرڈر ہے۔ تمہارا ٹکٹ وہاں پہنچ چکا ہے اور تم ڈیڈ
باڈی بنے ہوئے بغیر پاکستان جارہی ہو۔ ہاؤ لکی یو آر۔''
وہ کتنی بے یقین سی بیٹھی رہی تھی۔
باب کی کال آگئی اور اسے صرف پندرہ منٹ کا ٹائم دیا گیا، اپنا کچھ بھی ضروری سامان اپارٹمنٹ سے سمیٹنے کے لئے۔
اگلے گھنٹے وہ جہاز پر سوار ہو چکی تھی۔
ظاہر ہے، ان لوگوں نے مجھے میرے گھر بھجوانے یا میرے پیرنٹس سے ملوانے کے لیے تو نہیں بلایا۔ ان کا ضرور کوئی اور مقصد
اور کیا ہوسکتا ہے؟' حیرت اور بے یقینی کی کیفیت سے باہر آنے کے بعد اس کا ذہن مسلسل اسی سوال میں اٹکا ہوا تھا۔
کچھ سوچ کر اس نے اسامہ کا نمبر ملایا، اس کا سیل آف تھا۔
'کیا میں اس سے مل سکوں گی، جس سے ایک بار...... محض ایک بار کی ملاقات کے بعد میں اس پر ایسے اندھا اعتماد کرنے لگی اور
ملاقات کے بعد بار بار میرا دل اس سے ملنے کے لئے کتنا بے چین ہے۔ کیا ملنے پہ میں اسے بتا پاؤں گی؟' وہ آنکھیں بند کر
گئی۔

✲◉......◉✲
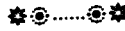
سب لوگ آئی سی یو کے باہر جمع تھے۔
نور عالم کی حالت کچھ بہتر تو ہوئی تھی مگر خطرے سے باہر نہیں تھی۔ مگر سارہ کو جو انجائنا کا اس قدر اچانک اٹیک ہوا تھا، اس نے
ہلا دیا تھا۔
بابا، آغا جان، یاسمین افتاں و خیزاں ہسپتال پہنچے تھے۔
کی گمشدگی تو ایک مستقل پریشانی تھی، مگر اب دونوں جو موت کے کنارے جا بیٹھے تھے، سب ہی کے دل پریشان تھے۔
مصطفیٰ صاحب ایک طرف کھڑے فون پر کسی سے بات کررہے تھے۔
ایک طرف گم صم سا بیٹھا تھا۔
کا بس نہیں چل رہا تھا، اس احمق لڑکی کو پکڑ کر لے آئے اور اتنا مارے کہ اسے اپنی حماقت کا عمر بھر کے لئے احساس ہو
دوبارہ وہ ایسا کرنے کا سوچے بھی نہیں۔ مگر وہ بے بس سا صرف سوچ سکتا تھا۔
یاقوت اس کی کال ریسیو نہیں کررہی تھیں۔ وہ تین چار بار ٹرائی کر چکا تھا، مگر وہ شاید اسے جان بوجھ کر اگنور کررہی

میرا خیال ہے، ہم دونوں کو کچھ دیر کے لئے چلنا چاہئے۔'' مصطفیٰ اس کے پاس آکر آہستگی سے بولے۔
''پاپا؟...... ابھی میں گھر نہیں جاؤں گا۔ انکل آنٹی کی حالت کچھ بہتر ہو جائے تو مجھے عزہ کو لے کر آنا......''
''جیسے وہ تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہی بیٹھی ہے۔ ربش!'' عزہ کے نام پر وہ ویسے ہی تپ جاتے تھے۔
''میں ابھی گھر نہیں جارہا۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔
''جانے کو کہہ کون رہا ہے؟'' وہ جھلا کر بولے۔
رات بھر کی تھکن اور اعصابی شکست و ریخت نے انہیں بری طرح سے نڈھال کردیا تھا۔

''پاپا! آپ گھر چلے جائیں۔آپ تھک گئے ہیں بہت۔'' وہ ان کی طرف دیکھ کر نرمی سے بولا۔
''اسامہ کے فادر کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔تمہیں اور مجھے چلنا چاہئے۔تم آغا جان کو بھی بتا دو۔اگر وہ چلنا چاہیں تو ہمارے ساتھ ہی چلیں۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔وہ یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتا تھا اور اسامہ کے پاس جانا بھی ضروری تھا۔فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکا۔
''پھر کیا کہتے ہو؟'' وہ اسے گہری سوچ میں گم دیکھ کر تیز لہجے میں بولے۔
''تھوڑی دیر میں نکلتے ہیں۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔
اسی وقت جونیئر ڈاکٹر ان کے پاس آ کر بولا۔
''مسٹر دائم آپ ہیں؟'' وہ دائم سے بولا تھا۔
''جی......میں ہی ہوں۔کیسی حالت ہے اب محمود انکل کی؟'' وہ تیزی سے بولا۔
''ابھی بہت ٹھیک نہیں۔وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔''
''مجھے؟'' وہ حیرانی سے بولا۔
ڈاکٹر سر ہلا کر واپس مڑ گیا۔دائم نے مصطفیٰ صاحب کی طرف دیکھا۔
انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''شاید اس نے تم سے کچھ ضروری بات کہنا ہو۔جاؤ، میں یہیں ہوں ابھی۔''
وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ایسی کون سی ضروری بات ہے جو وہ صرف مجھ سے کرنا چاہتے ہیں؟ شاید عزہ کو لانے کو کہیں۔ دروازے پر پہنچ کر ٹھٹک گیا۔
وہ اسی طرح مختلف مشینوں میں جکڑے، کمرے کی خنک بے حد خاموش فضا میں آنکھیں بند کیے شاید بے ہوش ہی تھے۔
وہ پاس جا کر آہستگی سے کھڑا ہو گیا۔
ٹک ٹک کرتی مشینوں کی آواز سنتے ہوئے ان کے بے حد زرد چہرے کو دیکھے جا رہا تھا۔
''دائم! میرا ایک کام کرو گے؟'' وہ اسی طرح بند آنکھوں کو کھولے بغیر بولے۔
''جی ضرور۔آپ کہئے۔'' وہ ان کی طرف جھک کر آہستگی سے بولا۔
''اسے بلا لاؤ۔'' وہ اتنی نقاہت بھری مدھم آواز میں بول رہے تھے کہ دائم کو بڑی مشکل سے ان کی بات سمجھ میں آ رہی تھی۔
''کون انکل؟......کسے بلا لاؤں؟'' کہتے ہوئے اس نے کچھ دیر انہیں ٹٹولتی نظروں سے دیکھا کہ کہیں ان کی دماغی رو......اتنا شدید ٹینشن میں مسلسل رہنے کے بعد کچھ بھی متوقع تھا۔
''نیلم کو......یاقوت ہی ہے نا آج کل اس کا نام۔'' وہ آنکھیں بند کیے پھر سے کمزور آواز میں رک رک کر بولے۔
''آج کل۔'' دائم بڑبڑایا۔تو پہلے ان کا نام نیلم تھا۔اسے جھٹکا سا لگا۔انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔حسرت و یاس مرقع آنکھیں جن کے کناروں پر ویرانیاں ڈیرے ڈالے بیٹھی تھیں۔
''شاید انکل کی زندگی۔'' وہ بس اتنا ہی سوچ سکا۔
''صرف تم اسے لا سکتے ہو......وہ صرف تمہارے ساتھ آئے گی۔'' وہ اسے انہی ویران نظروں سے دیکھتے ہوئے اٹک اٹک کر بولے۔
''لے آؤ گے نا اسے؟'' وہ اس کی مسلسل چپ پر بولے۔
''لے آؤں گا۔گھر لے آؤں گا۔آپ پہلے ٹھیک تو ہو جائیں۔'' وہ جھک کر نرمی سے بولا۔
''نہیں، اتنا انتظار اب مجھ سے نہیں ہو گا۔اور اس وقت تک تو پتہ نہیں میں ہوں گا بھی یا نہیں۔''
''ایسی بات نہ کریں آپ۔''
''عزہ کا کوئی فون آیا؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر قدرے مضطرب لہجے میں بولے۔
وہ کیا جواب دیتا، خاموش کھڑا رہا۔
''تو تم اسے لے آؤ گے نا ابھی؟......تم لا سکتے ہو دائم اسے۔جب تک وہ نہیں آئے گی، میرا دم بھی نہیں نکلے گا۔'' انہوں نے بے دم سا ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔
''میں انہیں لے کر آتا ہوں۔آپ پلیز کوئی ٹینشن نہ لیں۔عزہ ابھی آ جائے گی اور......'' وہ سارہ کے متعلق بتاتے بتاتے رک گیا۔

مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ تم بس اسے لے آؤ۔" وہ آہستگی سے بولے۔ دائم چند لمحے کھڑا رہا، پھر آہستگی سے باہر نکل گیا۔

✿⊙......⊙✿

"......ایسا کچھ نہیں ہے۔" عائشہ بخاری اسامہ سے نظریں چرا کر بولی۔

"سب سن چکا ہوں، جو کچھ تم ابھی فون پر کہہ رہی تھیں۔ کون تھا دوسری طرف؟" وہ جرح کرنے والے انداز میں بولا۔

"نہیں۔" عائشہ کو سخت اُلجھن ہو رہی تھی۔

"خاتون، جسے تم میڈم کہہ رہی تھیں اور وہ تاریک گوشہ...... پلیز عائشہ! مجھے بتاؤ، کیا ہے یہ سب؟ تم کیا کرتی رہی ہو؟ لوگوں سے ایسی باتیں سنی ہیں جو مجھے سمجھ میں تو نہیں آئیں مگر......"

الجھن کا شکار ہو چکا تھا۔ بظاہر سادہ و معصوم سی نظر آنے والی اس کی بہن جانے کن کاموں میں ملوث رہ چکی ہے کہ وہ کے باوجود دل میں خواہش کر رہا ہے، عائشہ اسے کچھ ایسا غلط نہ بتا دے۔ کچھ ایسا بھیانک کہ اسے پھر سے حالات سے پڑ جائے۔

"آپ جانتے ہیں، فرار مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ مگر آپ تو یہاں چند دنوں کے لئے آئے ہیں۔ بابا کی تدفین کے بعد اور فروخت اور اس میں سے اپنا حصہ لینے کے بعد شاید یہاں رکنا بھی پسند نہ کریں۔" وہ رخ پھیر کر کہتی چلی گئی۔

"......ا" وہ صدمے سے اتنا ہی کہہ سکا۔

"بچپن میں اپنی جس سوتیلی بہن کو جانتے تھے بھائی! وہ بہت پیچھے، کہیں بہت دور رہ گئی ہے۔ وہ عائشہ تو کہیں گم ہو گئی ہے اسے ڈھونڈ نہیں سکتی اور آپ...... آپ اتنے برسوں بعد چاہتے ہیں کہ میں ایک دم سے آپ پر اعتماد کر کے اپنی زندگی تاریک گوشے آپ کو دکھلا دوں، جن کو دیکھنے کے بعد آپ مجھے ٹھوکر مار کر چلتے بنیں، تو یہ ممکن نہیں۔"

"نہیں؟ کیا تم مجھے کچھ بتانا نہیں چاہتیں؟" وہ درشتی سے بولا۔

"آپ کو وجہ بتا چکی ہوں۔ آپ یہاں چند دن کے لئے تو ہیں، اس کے بعد ہم دونوں پھر سے اجنبی بن جائیں گے۔ تو آج مجھے آپ سے کچھ بھی کہنا سننا نہیں۔ بابا کو آپ سے ملنے کی آس تھی۔ خدا کا شکر ہے، ان کی وہ اُمید پوری ہوئی۔ اب کی خواہش ہے نہ تمنا۔ باہر لوگ جمع ہیں، ہمیں باہر ہی ہونا چاہئے۔ آئیں پلیز!"

اسے کہتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گئی۔ اسامہ کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا۔

سالوں پہلے والی عائشہ، عشو تو کہیں گم ہو چکی ہے۔ اور شاید وہ چاہتے ہوئے بھی اسے تلاش نہ کر سکے۔ فاصلے دُوریاں دل بھی دُور کر دیتے ہیں۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں باہر نکل گیا۔

✿⊙......⊙✿

پلی چوکھٹ سے ہلنے لگا تھا، مگر جہانگیر ہمدانی نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

"دروازہ نہیں کھولو گی۔ مجھے اب کسی اور کو بلانا ہی پڑے گا۔" آخر میں وہ ہانپتے ہوئے بولا اور باہر ذرا دیر بعد خاموشی

"اس طرح مجھے بخش دینے والا نہیں۔"

کی رات تو واقعی بہت شاندار نکلی عزہ بی بی! آپ زمین سے اُٹھ کر عرش پر چلی گئیں۔ اس سے بڑھ کر اور پذیرائی کیا ہو ہوں کی؟' کوئی اندر بیٹھا مسلسل اسے کچوکے لگا رہا تھا۔

خدا! ایک بار...... ایک بار مجھے معاف کر دے۔ میں ماما، پاپا کے قدموں میں گر کر ان سے معافی مانگ لوں گی، کبھی ان کے فیصلے سے روگردانی نہیں کروں گی۔ ایک بار...... صرف ایک بار۔" رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں کی طرح ہو رہا تھا۔

ات بھر کا رتجگا، اوپر سے یہ افتاد اور سب کچھ پامال ہو جانے کا بھیانک احساس۔ اُس کا رُواں رُواں کانپ رہا تھا۔ سب ہم کی چال تھی۔ اُن کا پلان، اُن کا منصوبہ...... وہ ڈائری بھی میں پوری نہیں پڑھ سکی تھی۔ ہو سکتا ہے پاپا نے انہیں ان کے بعد انہوں نے پاپا سے انتقام لینے کے لئے...... مگر میں ہی کیوں؟ وہ بھی اتنے سالوں بعد؟'

سوال تھے جو تشنہ تھے اور ان کے جواب یقیناً اسی ڈائری میں تھے اور وہ ڈائری۔

ں کی آہٹ سی اُبھری تھی۔

دل زور سے سکڑ کر پھیلا اور جیسے بند ہی ہونے لگا۔

رے سے ہٹ کر وارڈ روب کے ساتھ چپک کر کھڑی ہو گئی۔

باہر پھر سے خاموشی چھا گئی تھی۔ کوئی کمرے میں آ کر رک گیا تھا۔
وہ خوف زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر اپنے بچاؤ کے لئے کوئی چیز تلاش کرنے لگی۔
اس کی نظریں دروازے کے نیچے ٹھٹک سی گئیں۔
ڈائری کا آدھا حصہ دروازے کے نیچے سے ڈریسنگ روم کے اندر کی طرف تھا۔ وہ کسی بھی ہتھیار کی تلاش کو بھول کر بے اختیار جھکی اور انگلیوں کی پوروں سے اس ڈائری کا کونا پکڑ کر اندر کی طرف کھینچنے لگی۔
باہر پھر سے کسی نے زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ اور ساتھ ہی کسی سیل فون کے بجنے کی آواز اُبھری۔
وہ بے حس و حرکت وہیں بیٹھی رہی۔
جہانگیر ہمدانی کسی سے بات کر رہا تھا۔ عزہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کا سیل فون بھی باہر ہی کہیں پڑا، ورنہ وہ کسی کو مدد کے لئے بلا سکتی تھی۔
کمرے میں پھر سے قدموں کی چاپ اُبھری۔ اس نے کان لگا کر سنا مگر سمجھ نہ سکی کہ آواز باہر جا رہی ہے یا کمرے کے اندر ہے۔
کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے پھر سے ڈائری کو کھینچنے کی سعی شروع کر دی۔ دوبارہ ڈائری اندر آنے کے بجائے باہر کی طرف پھسل گئی۔
تیسری بار اس نے پھر کوشش کی اور ڈائری کا زیادہ حصہ اندر کی طرف آ گیا۔ اس نے ڈائری کھینچی اور خود بھی زمین پر جھک کر دروازے سے باہر کچھ دیکھنے کی کوشش کی، مگر باہر کچھ بھی نہیں تھا۔ خاموشی اور تیز روشنی کے سوا۔
'جانے کیا ٹائم ہو گیا۔ اگر تو یہ میڈم کا منصوبہ تھا تو وہ مجھے یہاں سے نکالنے کبھی نہیں آئے گی۔ اور کسی کو اس جگہ کا پتہ نہیں۔ کیا میری موت یہیں واقع ہو جائے گی یا یہ شخص کسی کی بھی مدد سے دروازہ با آسانی توڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد......'' اسے سوچ کر جھرجھری سی آ گئی۔
اس نے ڈائری اٹھائی اور ناکافی روشنی میں پڑھنا شروع کر دی۔
ڈریسنگ روم کی لائٹس کا بورڈ بیرونی طرف تھا۔
روشنی کم تھی، وہ پڑھ نہیں پا رہی تھی۔ مگر تجسس ہر مشکل پر غالب آ رہا تھا۔ وہ ڈائری سے آنکھیں جوڑے پڑھنے کی کوشش کر رہی۔ اور جوں جوں وہ پڑھتی جا رہی تھی، اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔
جانے کب دن طلوع ہوا اور اس کی روشنی اس بند سے ڈریسنگ روم کے کونے کھدروں سے اندر آنے لگی، اسے پتہ بھی نہ چلا۔ وہ پڑھنے میں گم تھی۔

❊◉......◉❊

تانیہ جیسے ہی ایئر پورٹ سے باہر نکلی تو ٹھٹک سی گئی۔
دو تنومند جوان اس کے دونوں اطراف بڑھے اور اسے اپنے حصار میں لے کر آگے بڑھنے لگے۔
''کک......کون ہو تم لوگ؟'' وہ کچھ ڈر کر بولی۔
دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اسے دکھایا۔
تانیہ بالکل خاموش ہو گئی۔
ایئر پورٹ سے گاڑی باہر کھڑی تھی۔ اسے گاڑی میں بٹھا کر کسی انجان منزل کی طرف لے جایا جانے لگا۔
''تم لوگ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟'' طویل مسافت طے کر لینے کے بعد بھی جب گاڑی رکنے کے آثار نظر نہ آئے تو پوچھ بیٹھی۔
دونوں نے اس کو یوں دیکھا، جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔
اس دوران ان میں سے ایک کا موبائل فون بجنے لگا۔ دوسری طرف کی بات سن کر وہ خاموشی سے سر ہلاتا رہا۔
''یہ بات کرو میڈم سے۔'' اس نے سیل فون تانیہ کے کان سے لگا دیا۔
''ابھی ذرا دیر بعد تمہیں تنزیل کی کال آئے گی۔ وہ تم سے بات کرے گا اور تصدیق چاہے گا کہ تم پاکستان پہنچ چکی ہو۔ یہ لوگ تمہیں جس ایڈریس کے بارے میں بتائیں گے، تم نے تنزیل کو وہی ایڈریس بتانا ہے کہ تم وہاں ہو۔ اور ذرا گڑبڑ نہیں کرنی ورنہ نہ تمہارا وہ بدمعاش بھائی زندہ بچے گا۔ سن لیا سب کچھ، سمجھ گئی ہو نا؟''
دوسری طرف میڈم یاقوت حقارت آمیز لہجے میں اس سے مخاطب تھیں۔

وہ جواب میں گنگ سی بیٹھی رہ گئی۔

تنزیل کی کال اور اسے ایڈریس بتانا...... یہ کیا گڑبڑ ہے؟ وہ پریشان سی بیٹھی رہ گئی۔

موبائل اس کے ہاتھ سے لینے کے بعد دوسرا لڑکا اسے کوئی ایڈریس سمجھانے لگا اور وہ غائب دماغی سے سنتی رہی۔

سفر ابھی بھی جاری تھا، مگر گاڑی کی رفتار پہلے سے سست ہو چکی تھی۔

گاڑی میں گہری خاموشی تھی اور اس خاموشی کو اسی لڑکے کے دوبارہ بجنے والے سیل فون کی بیپ نے توڑا۔

وہ نمبر دیکھ کر لمحہ بھر خاموش رہا۔

"لو، کال ریسیو کرو اور جو کچھ میڈم نے بتایا ہے، صرف وہی کہنا ہے۔ سن لیا؟" اس نے غراتے ہوئے بجتا سیل فون اس کے کر دیا۔

تانیہ نے کانپتے ہاتھوں سے سیل فون کان سے لگایا۔

"ہیلو...... ہیلو تانیہ!...... تانیہ ہو نا تم؟" کتنے مہینوں بعد وہ تنزیل کی ایسی اکھڑ غصیلی آواز میں کھلی یہ بے تابیاں سن رہی تھی، جو اس وقت صرف اس کے لئے تھیں۔

"ہاں، میں تنزیل!...... تانیہ...... تم کیسے ہو؟" آگے بیٹھے لڑکے کے گھورنے پر وہ بہ دقت اٹک اٹک کر بولی۔

دونوں طرف ایک دم سے گہری خاموشی چھا گئی۔

"تنزیل!" اس نے ڈرتے ہوئے انداز میں پکارا، کہیں اس نے کال ڈراپ تو نہیں کر دی۔

"کہاں ہو تم؟" وہ عجیب نڈھال سے انداز میں بولا۔

"ایڈریس بتاؤ اسے۔" اس لڑکے نے سیاہ پستول کی نوک اس کے آگے کی۔

تانیہ جلدی جلدی اسے ایڈریس بتانے لگی۔

"اوکے...... میں پہنچ رہا ہوں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس۔"

ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اس کے ہاتھ سے سیل فون چھین لیا گیا۔

وہ الجھن بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگی کہ وہ اب اسے کہاں لے جانے والے تھے۔

✲......✲

"تم تانیہ سے جا کر مل سکتے ہو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو تو مجھے کوئی پرابلم نہیں۔ ایڈریس میں تمہیں بتا چکی ہوں۔" انہوں نے دن نکلتے ہی تنزیل کی آنے والی کال کے جواب میں بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"اور پہلے میری لائبہ سے بات کراؤ۔" اگلے ہی لمحے وہ بولیں۔ "تمہاری تانیہ سے بات ہو چکی ہے نا؟" وہ بہت پُراعتماد تھیں ان کا یہی اعتماد، تنزیل کے اعتماد کو متزلزل کیے جا رہا تھا۔

"لائبہ سے ابھی بات نہیں ہو سکتی۔ میں پہلے تانیہ کو لے آؤں، اس کے بعد۔" وہ ذرا سا رکا اور پھر روانی سے کہہ گیا۔

"اب تم وعدہ خلافی کر رہے ہو۔" وہ درشتی سے بولیں۔

"ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں کہ میں آپ سے یہ فضول کے وعدے وعیدیں کرتا پھروں۔" وہ تلخی سے بولا۔

"تعلق...... تعلق بنتے دیر کتنی لگتی ہے؟ بن بھی سکتا ہے۔ جیسے قاتل مقتول۔ کچھ اس قسم کا تعلق تو بن سکتا ہے۔" وہ بے باکی سے ہنس کر بولیں۔ "یا پھر عاشق معشوق...... یا......"

"آپ سے ایسی ہی گری ہوئی بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔" وہ طیش میں بولا۔

"اور تم کتنی اُٹھی ہوئی باتیں کرتے ہو، کبھی آئینہ دیکھا ہے، تم خود کیا ہو۔ جیسی گھٹیا حرکت تم نے کی ہے۔" وہ بھی طیش میں آ گئیں۔

یوں بھی انہیں طیش دلانا کیا مشکل تھا۔

"اس الزام کے بھی بہت سے جواب ہیں میرے پاس۔ مگر میں دوں گا نہیں۔ کیچڑ میں پتھر پھینکنے سے اپنے ہی کپڑے داغ دار ہوتے ہیں، میری ماں نے مجھے بہت بچپن میں سکھا دیا تھا، میں ابھی بھی بھولا نہیں۔" وہ چبا چبا کر بولا۔

لمحہ بھر کو وہ بالکل خاموش سی رہ گئیں۔

"بہت غرور ہے تمہیں اپنی ماں کی تربیت پر۔" وہ طنزاً بولیں۔

"غرور تو بہت چھوٹا لفظ ہے، میرے لئے میری ماں کیا ہے، آپ جیسی بازاری عورت کیا جانے جو کبھی شاید غلطی سے ماں بن گئی اور نبھا نہیں سکی۔ غلطی سے ہی تم جیسی عورتیں مائیں بنتی ہیں نا؟" اس کے لہجے میں کیا نہیں تھا۔ نفرت، حقارت، تضحیک اور اس

جیسے بے کنار جذبے......میڈم یاقوت کو لگا، کسی نے انہیں بھرے بازار میں تین چار کس کے طمانچے جڑ دیئے ہوں۔

"تم......اگر میرے سامنے ہوتے۔" وہ غرا کر بولیں۔

"تو بھی میرا یہی جواب ہوتا۔ اور اس وقت بھی آپ کے پاس سوائے تلملانے اور بل کھانے کے کوئی جواب نہ ہوتا۔ بہر حال مجھے آپ کے ماں ہونے یا نہ ہونے یا غلطی سے ہو جانے سے کچھ بھی غرض نہیں۔ جب میں تانیہ کو اپنے ساتھ لے آؤں گا، پھر آپ تاوان کی دوسری شرط پچاس لاکھ دے جایئے گا اور اپنی بیٹی لے جایئے گا، خدا حافظ!"

وہ اسے دو چار ٹھیک ٹھاک سنانا چاہ رہی تھیں، لائن کٹ جانے پر بل کھا کر رہ گئیں۔ وہ ایک حقیر سالڑ کا جسے وہ خود اپنے پیروں تلے مسل بھی چکی تھیں، کس کروفر سے ان پہ طعن بازی کر گیا تھا اور انہیں کوئی جواب بھی نہیں سوجھ سکا تھا۔

"غلطی سے ماں بن جانے......آپ جیسی بازاری عورتیں......غلطی سے ہی ماں بنتی ہیں نا۔" اس کا تمسخرانہ انداز اور نفرت بھرا لہجہ میڈم یاقوت کی سماعتوں میں انگارے بھر رہا تھا۔

"میڈم! آپ سے دائم صاحب ملنے آئے ہیں۔" ملازمہ نے شاید اندر آنے کی اجازت مانگی تھی یا نہیں، عین ان کے پاس آکر بولی تو وہ یوں چونکیں جیسے گہری نیند میں تھیں۔

"تم بٹھاؤ انہیں۔ میں ذرا فریش۔ ہو کر آتی ہوں۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

رات بھر کے اس رت جگے نے ان کے جسم کو ہی نہیں، روح کو بھی تھکا ڈالا تھا اور اب یہ تھکن ایک بھرپور شاور اور اچھے ڈریس سے دور ہو سکتی تھی۔

"عزہ کہاں ہے؟" وہ بہت تر و تازہ ہو کر آئی تھیں۔ بالکل کھلا ہوا زرد گلاب۔ ان کے چہرے پر شگفتگی پہلے دن کی سی تھی، جب دائم ان سے پہلی بار ملا تھا۔ مگر آنکھوں کے گرد پڑے حلقے ان کی اس تازگی کی چغلی کھا رہے تھے۔

"تم ہر بار مجھ سے یہی فضول سا سوال کیوں کرتے ہو؟" وہ ذرا بھی برا مانے بغیر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"کیونکہ اس فضول سے سوال کا جواب صرف آپ کے پاس ہے۔" وہ ان کے شاندار سراپے پر نظریں جما کر بولا۔

"ربش!" وہ ناگواری سے گردن ہلا کر بولیں اور ملازم کو ناشتہ لگانے کا اشارہ کرنے لگیں۔

"ناشتہ تو تم میرے ساتھ ہی کرو گے نا؟" وہ اپنائیت بھرے لہجے میں بولیں۔

"نہیں۔" وہ دوٹوک لہجے میں انہیں دیکھ کر بولا۔

دونوں خاموش ہو گئے۔

"میڈم! بریک فاسٹ لگا دیا ہے۔" ملازمہ نے آکر اطلاع دی۔

انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔

"وہ موت اور حیات کی کشمکش میں ہیں۔" دائم ایک لمبی چپ کے بعد بولا۔

"کون؟" وہ اپنے نیلو چیک کرتے ہوئے چونکیں۔

"محمود عالم۔" وہ ان پر نظریں جما کر بولا۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ بے نیازی سے دیکھنے لگیں۔

"آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" وہ تحکم آمیز لہجے میں بولا۔

"نہ جاؤں تو؟" وہ کٹیلی نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

"چلنا تو آپ کو پڑے گا۔"

"وجہ؟" وہ بہت بدلی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"میں آپ کا بیٹا ہوں، آپ سے اتنی سی بات بھی نہیں منوا سکتا؟" وہ ایک دم سے اٹھا اور ان کے بالکل پاس ہو کر بیٹھ گیا۔

یاقوت اس کی بات سن کر جیسے پتھرا سی گئیں۔ یک ٹک اسے دیکھنے لگیں۔

"مام......!" دائم نے مذاقاً ہاتھ ان کی آنکھوں کے آگے لہرایا۔

اور یک ٹک دیکھتے جانے کیسے آنسو ان کی آنکھوں سے پھوٹ پڑے۔ ایک اعصاب شکن رات اور مسلسل تناؤ کی حالت نے بالآخر انہیں توڑ ڈالا تھا۔

وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"مام!......مام! کیا ہو گیا؟......کیا ہوا؟......میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟......پلیز، یوں نہ روئیں۔ کچھ تو بتائیں۔" وہ ان کے یوں رونے پر ایک دم سے پریشان ہو گیا۔

اور وہ تو یوں بکھر بکھر کر رو رہی تھیں، جیسے انہوں نے اس سیلاب پر جانے کب سے بند باندھ رکھے تھے۔
دائم نے بے اختیار ان کا سراپنے کندھے کے ساتھ لگالیا اور انہیں بچوں کی طرح تھپکنے لگا۔
"میں ہوں نا، آپ کا بیٹا۔ حقیقت میں چاہے جو ہوں یا نہیں، مگر مام! میں آپ کا بیٹا ہوں اور رہوں گا، رہتی دنیا تک.......
ماما نے آپ کے ساتھ جو زیادتی کی تھی، اس کا تاوان میں ساری زندگی آپ کا اصلی اور پکے والا بیٹا بن کر دوں گا۔ پلیز،
بی خود کو۔" وہ انہیں بچوں کی طرح ہی بہلا رہا تھا۔
"دائم! میں بہت اکیلی ہوں۔ بہت اکیلی...... بالکل تنہا۔" روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی تھی۔
"کیوں ہیں آپ تنہا، اکیلی؟ میں جو ہوں آپ کے ساتھ۔ ابھی نہیں، ہمیشہ۔ پلیز مام! اس طرح مت روئیں۔ اور یہ لائبہ کی
ں ہے؟ ادھر آکر سارا وقت کمرے میں پڑی اینڈتی رہتی ہے، اسے ذرا آپ کا خیال نہیں۔" وہ اپنائیت بھرے لہجے میں بولتا
تنا اپنا اپنا سا لگا تھا۔
"لائبہ نے تو مجھے توڑ کر رکھ دیا ہے۔" وہ بمشکل خود پر قابو پا کر بولیں۔
"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔ "کہاں ہے وہ؟ واپس چلی گئی کیا؟" وہ ایک سانس میں کہہ گیا۔
"چلی جاتی تو شاید مجھ پر یہ پریشانی نہ آتی۔"
"کیسی پریشانی؟ آپ مجھے تو کچھ بتائیں، میرا دل گھبرا رہا ہے۔"
"لائبہ کو کسی نے اغوا کرلیا ہے۔"
"کیا......؟" دائم کو لگا اس نے غلط سنا ہے۔ "آپ مجھ سے مذاق کر رہی ہیں؟"
"کاش! یہ مذاق ہوتا۔" وہ دل گرفتگی سے بولیں۔
"کس نے اغوا کیا؟ کب سے؟ اور آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ مضطرب لہجے میں بولا۔
"تمہیں تو صرف عزہ کی فکر تھی یا میرے خفیہ راز جاننے کی۔ تم تو میرے پاس آکر اتنا دور چلے گئے کہ میں تمہیں چاہ کر بھی آواز
کی۔" وہ یوں بولیں جیسے کوئی بچہ، بڑے کی بے اعتنائی کا گلہ کرتا ہے۔
"میں آپ سے کبھی بھی دُور نہیں جاسکتا۔ آئی پرامس۔" وہ ان کا گداز ہاتھ تھام کر محبت سے بولا۔
"اچھا، اب مجھ لائبہ والے مسئلے کے بارے میں بتائیں۔ میں واقعی بہت پریشان ہوگیا ہوں۔" وہ خلوص سے بولا۔
"وہ میں سنبھال لوں گی۔ کس نے اغوا کیا ہے، یہ میں پتہ لگا چکی ہوں اور کہاں ہے، یہ بھی پتہ چل جائے گا۔ تم اس کی فکر نہ
وہ چند منٹوں میں ہی خود کو سنبھال چکی تھیں۔
دائم انہیں دیکھتا رہ گیا۔
"تو چلیں پھر میرے ساتھ۔" وہ گہرا سانس لے کر کھڑا ہوگیا۔
"اور اب آپ سوال نہیں کریں گی۔" وہ ان کے لب کھلتے دیکھ کر فوراً بولا تو وہ ذرا سا مسکرا کر اس کے ساتھ چل پڑیں۔

✻......✻

سارہ آنکھیں کھول کر چھت کو دیکھ رہی تھیں۔
ان کے ایک بازو کے ساتھ ڈرپ لگی تھی اور سینے پر ابھی بھی جیسے کوئی من بھر کا بوجھ رکھا تھا۔ کیسا درد کا طوفان کسی بگولے کے
ان کے سینے میں اٹھا تھا۔
اگر محمود کو کچھ ہوگیا یا عزہ نہ ملی یا......' بس یہ آخری سوچ تھی۔ پھر سارہ کو اس درد کے بگولے نے جیسے چکرا کر رکھ دیا تھا اور اس
انہیں کچھ ہوش نہ رہا تھا۔
"اب کیسی طبیعت ہے سارہ؟" بہت قریب سے آئی یاسمین کی آواز پر سارہ نے ذرا سی گردن ترچھی کر کے انہیں دیکھا۔
یاسمین سے سارہ نے اپنی پوری زندگی میں جب سے وہ احسن مراد کی زندگی میں آئی تھیں، کبھی ڈھنگ سے بات نہیں کی تھی۔
ان پر لگے کیچڑ کی طرح جھٹک دیا کرتی تھیں۔ آج وہی یاسمین اسے خود سے بہت بہتر، بہت اوپر نظر آرہی تھیں
"محمود ٹھیک ہیں یاسمین؟"
"ہوں...... بہتر ہیں۔ ابھی ڈاکٹر مطمئن تو نہیں مگر جو اُن کی حالت تھی اور جو رات کو تمہاری حالت تھی، ہم تو اس بری طرح
...... آغا جان کو تو میں لانا نہیں چاہتی تھی، مگر وہ ضد کر کے آگئے اور یہاں آکر جو انہوں نے تم دونوں کو دیکھا...... خدا نے نئی
ی ہے تمہیں۔" وہ نرمی سے اس کا ہاتھ دبا کر بولیں۔
سارہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

کیا کرنا تھا اس نئی زندگی کا، جس میں پرانی رفاقتوں کا کوئی موسم ہی نہ ہو۔
''عزہ.....عزہ گھر آئی؟......کچھ پتہ چلا اس کا؟'' ڈرتے ڈرتے سارہ نے یہ سوال کیا، شاید کوئی مثبت، کوئی آس بھرا جواب مل ہی جائے۔
مگر یاسمین کی خاموشی نے ان کی آس کو پھر سے مایوسی میں بدل دیا۔
''جانے کس کی نظر لگ گئی ہمارے گھر کو۔'' بہت دیر بعد وہ آہ سی بھر کر بولیں۔
''لیکن نہیں......نظر کس کی لگنا ہے۔ لگی بھی ہوگی تو خود اپنی۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں ذرا دیر بعد خود ہی بولیں۔
یاسمین ترحم بھری نظروں سے اس مغرور عورت کو دیکھنے لگیں، جس نے کبھی انہیں کیا کسی کو بھی بات کرنے کے قابل نہیں سمجھا تھا اور آج اس کی بے بسی۔
''کس گناہ کی سزا ملی ہے، کس گناہ کی؟ یہ بھی یاد نہیں کہ توبہ ہی کر لیں۔'' وہ حسرت بھرے انداز میں خود ہی سے مخاطب تھیں۔
''انسان ہیں ہم۔ بندہ بشر چھوٹے موٹے گناہ تو ہم سے سرزد ہوتے ہی رہتے ہیں۔ توبہ تو ہر گھڑی کرنی چاہئے۔'' یاسمین آہستہ سے بولیں۔
''اور جب آدمی توبہ کرنا ہی بھول چکا ہو اور ہر بات میں خود کو ہی حق بجانب سمجھنے لگے؟'' سارہ خود کلامی کے انداز میں بولیں۔
''پھر بھی وہ رحیم ہے۔ توبہ کا دروازہ بند نہیں کرتا۔''
''اور انسان......کیا وہ کسی کی توبہ قبول کر لیتا ہے؟ معاف کر دیتا ہے گناہ کرنے والے کو؟'' سارہ تلخی سے بولیں۔
یاسمین خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ وہ سارہ کی بات کا پس منظر سوچ رہی تھیں۔
''تم تانیہ کو معاف کر دو گی اگر وہ لوٹ آئے؟ پسند سے نکاح کر کے گئی تھی نا......اور نکاح بھی پتہ نہیں۔'' سارہ بستر مرگ پر بھی پڑی چوٹ لگانے سے باز نہیں آئیں۔
یاسمین سر جھکا کر کچھ سوچنے لگیں۔
''غلط کہہ دیا نا میں نے۔ آدمی میں ایسا حوصلہ کہاں؟'' سارہ ان کو خاموش دیکھ کر جت کر بولیں۔
''آدمی جو ہوا، خدا تو نہیں......لیکن پھر بھی سارہ! میں یہی کہوں گی، یہ اپنی آنتیں بڑی ظالم ہوتی ہیں۔ اپنے جگر کا ٹکڑا......اور ماں کی مامتا ایسا بے قابو کر دینے والا جذبہ کہ شاید......شاید اگر وہ آ جائے......میں دعویٰ نہیں کرتی مگر شاید میں اسے معاف تو نہ نہیں کر سکوں یا نہیں، مگر گلے ضرور لگا لوں گی۔'' یاسمین متذبذب سی جیسے خود سے کہہ رہی تھیں۔
''اور تم عزہ کو......وہ تو......'' اب کے چوٹ لگانے کی باری یاسمین کی تھی اگرچہ انہوں نے الفاظ کے چناؤ میں بہت احتیاط کی تھی۔
''جانتی ہوں۔ ہمارے معاشرے کی قیود کچھ اور کہتی ہیں۔ غیرت کے تقاضے بھی کچھ اور ہیں۔ مگر یہ مامتا۔'' وہ بے اختیار رونے لگیں۔
یاسمین انہیں چپ کرانے لگیں۔
''یاسمین! اگر وہ نہ آئی تو میں مر جاؤں گی۔ عزہ! آ جاؤ اب میری بچی! تمہاری ماں تمہیں معاف کر دے گی۔ بہت کمزور ہے وہ تمہاری محبت میں۔'' وہ یاسمین کا ہاتھ تھام کر سسکنے لگیں۔

✲⊙......⊙✲

''تو کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟'' وہ طنز سے بولی۔
''تم پر تو شاید ہو مگر خود پر نہیں۔'' تنزیل کا انداز سراسر ٹالنے والا تھا۔
''تو اتنا بڑا کام تم نے خود پر اعتماد کئے بغیر ہی کر ڈالا۔ تو گویا تمہارا کوئی پارٹنر بھی ہے اس سارے میں۔'' لائبہ نے بہت اچانک سے کہا تھا۔
تنزیل لمحہ بھر کو خاموش ہو گیا۔
''میں نے صحیح کہا نا؟'' وہ اس کی خاموشی کو اثبات سمجھی۔
''ایسا کچھ ہوتا تو تم اسے میرے ساتھ دیکھتیں۔ بہر حال مجھے اب چلنا چاہئے۔ پہلے ہی خاصا لیٹ ہو چکا ہوں۔'' وہ موبائل اٹھا کر جانے لگا۔
کچھ دیر پہلے دونوں ہسپتال سے آئے تھے۔
لائبہ نے تنزیل کے ساتھ اس کی توقع کے برخلاف بہت تعاون کیا تھا۔ شاید اسے بھی ماں کا اصلی چہرہ دیکھنے کی جستجو تھی۔ شاید

رح اس تھوڑے سے احمق، تھوڑے سے ڈرپوک اور تھوڑے سے غیرت مند پلس بہادر لڑکے کی اس حماقت کے عوض وہ یہ راز جان ہی لے، وہ اس کے ساتھ تعاون کرتی چلی گئی۔

اب وہ دونوں اسی ویران فلیٹ میں تھے، جو تنزیل نے اس مقصد کے لئے مہینہ بھر سے ہائر کر رکھا تھا۔

"یہاں کھانے پینے کا سامان بھی موجود ہے اور دوسری چیزیں بھی۔ اگر پھر بھی کچھ چاہئے ہوگا تو تمہیں میری واپسی تک صبر کرنا ہوگا۔"

"اور اگر تم نہ آئے، میں تو یہاں بند ہی پڑی رہ جاؤں گی۔" ایک ایسا سیاہ امکان جس کے بارے میں تنزیل نے ایک ثانیے کے لئے بھی نہیں سوچا تھا۔

وہ میڈم یاقوت کی کچھار میں جا رہا تھا اور کس قدر خوش گمان تھا۔

جیسے وہ شاطر عورت اس کی ساری شرائط یوں باآسانی مانتی چلی جا رہی ہے تو کیا وہ اس سے ڈر گئی ہے یا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے ہوگی، ثانیہ کو اس کے لئے سجا کر کہ وہ آئے اور اسے لے جائے۔ کس قدر کم عقل ہوں میں اور یہ سارے معاملے سے انجان لو بھر میں کیسی پتے کی بات کہہ گئی ہے کہ اگر میں واپس نہ آسکا تو۔

"اگر میں واپس نہ آسکا تو پھر تمہیں بھی یہاں بند رہ کر ہی مرنا ہوگا۔ اسی قسم کی سزا تو میں تمہاری ماں کو دینا چاہتا ہوں۔" وہ کہے بولا۔ لائبہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں، تم اس طرح کی سزا کسی کو بھی نہیں دے سکتے۔ تمہارے سینے میں لکڑی یا پتھر کا دل نہیں بلکہ کبوتر کا دل ہے۔" وہ کچھ تفاخرانہ لہجے میں بولی۔

"تم مجھ پر طنز کر رہی ہو؟" وہ بپھر کر بولا۔

"ٹھیک بتا رہی ہوں۔ تم تھوڑے سے اِدھر سے خالی بھی لگ رہے ہو مجھے۔" وہ کنپٹی پر انگلی رکھ کر شرارت سے بولی۔

تنزیل کچھ اور بھی تپ گیا۔

"تم میری نرمی کو غلط انداز میں لے رہی ہو۔ تم نے مجھے......" وہ غصے میں بولنے لگا۔

"بالکل صحیح انداز میں لے رہی ہوں ڈیئر! اگرچہ تم نے مجھے کڈنیپ کیا ہے، ایک بے حد قابلِ گرفت حرکت مگر اس کے باوجود تمہارا ساتھ دے رہی ہوں تو کیوں؟ تم نے سوچا؟" وہ اس کے سامنے آکر بولی۔

"مجھے تمہاری اس تھوڑی سی کم عقلی پر اعتماد سا آگیا۔ مگر جس طرح کی کہانی مام کے متعلق تم سنا چکے ہو، اس کی روشنی میں تمہاری ہار بہت کم ہے۔ تم وہاں نہیں جا رہے بلکہ کسی جال میں پھنسنے جا رہے ہو، میری یہ بات لکھ لو۔" وہ صاف گوئی سے کہتی چلی گئی۔

وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ بالکل بھی غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ میڈم یاقوت بہرحال اتنا آسان شکار نہیں تھا۔

"میں نے اس لئے تم سے پوچھا تھا کہ تمہارا کوئی پارٹنر...... اگر نہیں ہے تو مجھے حیرت ہے۔" وہ کندھے اُچکا کر بولی۔

"اب تم جاؤ۔ واقعی لیٹ ہو رہے ہو۔" وہ مزے سے میٹرس پر نیم دراز ہوتے ہوئے ریلیکس انداز میں بولی۔ مگر تنزیل اچھا خاصا ڈسٹرب ہو چکا تھا۔

اس کی باتوں میں بھی جھول نہیں تھا۔ جھول تو اس بے وقوف کی پلاننگ میں تھا۔

"تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟" وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بے وقوفوں کی طرح اس سے پوچھنے لگا۔

"پتہ نہیں۔" اس نے پھر کندھے اچکائے۔ "میں نے کبھی کسی کو کڈنیپ نہیں کیا، نہ اس کے بدلے کسی کو بلیک میل کرنے کی ٹرائی کی۔"

وہ ایک دم سے ہی بے نیاز سی بن گئی۔

اس کا راستہ کھوٹا کر کے وہ کیسے پُرسکون سی تھی، اسے غصہ سا آنے لگا۔

"تم مجھے کوئی مشورہ تو دے سکتی ہو؟" اب کے وہ کچھ نرمی سے بولا۔

"میں کیا کہوں؟" وہ خول میں بند ہو چکی تھی اور اس کا انداز ایسا تھا کہ "جاؤ اب دفع بھی ہو جاؤ۔"

عائشہ کو فون کر چکا تھا اور اس کے فادر کی ڈیتھ کے بارے میں بھی اسے معلوم ہو چکا تھا۔ تو ایسی صورت میں عائشہ اسے کسی سپورٹ پہنچانے کے قابل نہیں تھی۔ اگر یہ واقعی میڈم یاقوت کی کوئی چال ہوتی تو...... وہ ثانیہ کو حاصل کرتے خود بھی شاید بے حال میں یا موت کے منہ میں۔

"دیکھو، اس کا سیدھا سا حل ہے۔" شاید اسے تنزیل کی شکل پر ترس آگیا تھا۔ "تم مجھ پر بھروسہ کرو۔"

"کیا بھروسہ؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''تم مجھے لاک کر کے جا رہے ہو تو ایسا مت کرو۔''
''سبحان اللہ! گویا تمہیں یونہی چھوڑ جاؤں اور تم مزے سے پتلی گلی سے نکل لو۔ اور میں وہاں تمہاری ماں کے جوتے کھاتا رہوں، شاباش۔'' وہ طنزیہ بولا۔
''اسی لئے تو کہا ہے کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ کرنا ہوگا، جو کہ ظاہر ہے تم نہیں کرو گے۔ اس لئے اپنی ذمہ داری پر جاؤ۔ جو تیر مار سکتے ہو، آئی ڈونٹ کیئر۔'' وہ حسبِ عادت کندھے اُچکا کر بولی۔
''اپنے سیل میں میرا نمبر فیڈ کر لو۔ اگر تمہارا آخری وقت آ جائے تو مجھے انفارم کر دینا کہ میں اپنے بھی آخری سفر کی تیاری کر لوں۔'' وہ جانے لگا تھا کہ وہ پیچھے سے اسے ٹوک کر بولی۔
تنزیل نے خاموشی سے اس کا نمبر فیڈ کر لیا اور اپنا بھی اسے دے دیا۔
''ظاہر ہے، اس سیل فون کی موجودگی میں تم یہاں مرو گی تو نہیں، دس لوگوں کو بلوا لو گی۔ میں جانتا ہوں۔ مگر پھر بھی تم پر بھروسہ کر کے جا رہا ہوں۔'' وہ اسے جتا کر بولا۔
''مجھ پر نہیں، خود پر احسان کر کے جا رہے ہو۔ Remember'' وہ پیچھے سے نعرہ لگا کر بولی تو وہ بے ساختہ مسکرانے لگا۔
'یہ لڑکی تو کسی بھی طرح اس ناگن جیسی میڈم کی بیٹی لگتی ہی نہیں۔ یہ تو تانیہ کی طرح...... میں صرف اس کے متعلق تانیہ کی طرح ہی کیوں سوچ رہا ہوں؟ یہ مکمل میری دسترس میں ہے اور مجھے کوئی ایسا ویسا خیال آیا تک نہیں۔ اسٹرینج۔'' وہ خود ہی حیران سا ہوتا ہوا باہر سے لاک لگاتا نکل گیا۔

❋۞......۞❋
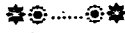
تانیہ کمرے میں گم صم بیٹھی تھی۔ اس کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔
'کیا یہاں تنزیل آنے والا ہے؟ کیا یہ وہی جگہ ہے، جس کا ایڈریس فون پر تنزیل کو بتایا گیا تھا؟'
مگر یہ وہ جگہ نہیں تھی۔ اتنا اسے معلوم ہو چکا تھا۔
یہ بالکل مختلف علاقہ تھا اور یہ جگہ ویل ڈیکوریٹڈ کسی محل نما گھر کا یہ کمرہ جہاں اسے لا کر بند کیا گیا تھا، یقیناً وہ جگہ نہیں تھی۔
'کیا یہ مجھے ادھر قید کر دیں گے؟ مگر کیوں؟' ٹہل ٹہل کر اس کے پیر شل ہو گئے تھے۔
وہ دونوں لڑکے اسے یہاں چھوڑ گئے تھے اور دوبارہ یہاں کوئی نہیں آتا تھا۔
وہ ایک بار باہر جانے کی کوشش بھی کر چکی تھی، مگر دروازہ لاکڈ تھا۔
فون اس کا یہاں کام نہیں کر رہا تھا۔ وہ بالکل بے بس ہو کر بیٹھ گئی تھی۔
'آخر مجھے یہاں بلوانے کا مقصد؟ کیا تنزیل سے پھر کوئی غلط کام ہو گیا ہے اور اسے بلیک میل کرنے کے لئے مجھے یہاں بلوایا گیا ہے؟' اسے اُلٹے سیدھے خیالات آتے جا رہے تھے۔
یکدم باہر کچھ عجیب سا شور ہوا۔ کوئی بے ہنگم انداز میں چیخ رہا تھا یا کچھ ایسا شور جو اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
وہ سہم کر کمرے کے ایک کونے میں کھڑی ہو گئی۔
'یا اللہ! کیا کروں؟ میں تھک گئی ہوں۔ بس کر دیں اس ذلت کے سفر کو۔ میں اپنے ماں باپ سے، اپنے بھائی سے مل سکوں۔' روتے ہوئے اس کے دل سے بے اختیار فریاد نکل رہی تھی۔ اسے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔
اس کی نظر کھڑکی کے پیچھے ذرا سی کھلی کھڑکی پر پڑی، جس کی طرف اس کا دھیان پہلے نہیں گیا تھا۔
اس نے جلدی سے کمرے کی لائٹ آف کی اور دھڑکتے دل سے کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔
کھڑکی میں صرف لوہے کی گرل تھی۔ وہ متجسس نظروں سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ بے حد خوب صورت، سجا سجایا کمرہ تھا۔ قیمتی سامان اور پینٹنگز سے آراستہ۔
دیواروں اور ڈیکوریشنز کا جائزہ لیتی اس کی نظریں اس خوفناک منظر پر آ کر بے اختیار ٹھٹک گئیں۔
خوف کے مارے اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔ اس نے بے اختیار پردہ چھوڑ دیا اور نیچے کارپٹ پر بیٹھ کر سہمے ہوئے انداز میں خود کو چھپانے لگی۔

❋۞......۞❋
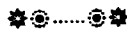
''تانیہ!...... تانیہ! تم ادھر ہو؟...... ہو نا تم یہاں؟...... تانی!'' وہ محتاط انداز میں ریوالور ہاتھ میں لئے ادھ کھلے دروازوں سے اندر آتا اس خالی اپارٹمنٹ میں اِدھر اُدھر دیکھتا آ رہا تھا۔
وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

"تو اس کا مطلب اس عورت نے مجھے ڈاج دیا۔ کھیل کھیلا میرے ساتھ۔ اس کی ایسی کی تیسی۔ اب دیکھتا ہوں کیسے اپنی بیٹی مجھ سے الگ کرتی ہے۔"
اگلے میں سارا اپارٹمنٹ پھر کر زچ سا کھڑا رہ گیا۔
نیا طلا ایک بار پھر ثانیہ کو پکارا۔ نمبر جس سے ثانیہ کی کال آئی تھی، ناٹ رسپانڈڈ تھا۔
واپس جانے کے بارے میں سوچنے لگا۔
مڑنے ہی لگا تھا کہ کسی آہٹ پر وہ بری طرح سے چوکنا ہو کر مڑا اور پیچھے دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔
ہرے لمحے اس کے پیچھے اپارٹمنٹ کا دروازہ زور کی آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ وہ چھلانگ لگا کر دروازے تک پہنچا۔
کا ہینڈل گھمایا، مگر دروازہ لاک ہو چکا تھا۔
ارادہ جال میں پھنس چکا تھا۔ تو اس کا مطلب ہے وہ لائبہ بھی اپنی ماں کی پلاننگ میں شامل تھی۔
زور سے دروازے کو ٹھوکر مار کر سیل پر نمبر ملانے لگا۔

☼ ◉ ...... ◉ ☼

گیر ہمدانی پاگلوں کی طرح سامنے میز پر پڑی وائن کے گلاس پہ گلاس چڑھائے جا رہا تھا، جو کچھ تو بہہ کر اس کے منہ کی ے گریبان میں جا رہی تھی اور کچھ اس کے زانو پر گر رہی تھی۔
کے ہاتھ بری طرح سے کپکپا رہے تھے، جب ہاتھ زیادہ کانپتے تو وہ گلاس اٹھا کر سامنے دیوار پر مار دیتا۔ کمرے کی دیوار بہت پہ جگہ جگہ ٹوٹے گلاسوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ آخر میں اس نے وائن کی ٹیبل کو لات مار کر اُلٹا دیا اور خود صوفے کی پشت سے رونے لگا۔
کے رونے کی آوازیں تھیں، جیسے کوئی مکروہ جانور کراہ رہا ہو۔
اس کے رونے کی آواز پر گھبرا کر ذرا سا گھٹنوں کے بل اونچی ہو کر کھڑکی سے دیکھنے لگی۔
بار پھر اس کے پھندے میں آ چکی تھی، یک ٹک اس مکروہ بڈھے کو دیکھتے، اس کی آنکھوں میں بے تحاشا آنسو آ گئے۔
اں ہوئی یا کہیں اور، ہمیشہ کے لئے اس غلیظ جال میں پھنس چکی تھی، جس سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔
اہش ایک بار امی سے، ابو سے، تنزیل، ربیعہ، ثانیہ سے مل لیتی۔ صرف ایک بار۔ پھر چاہے یہ لوگ مجھے دوبارہ اس کالے جہ، میں بھی مڑ کر دیکھتی، نہ اس سے ملنے کی خواہش کرتی۔ میرے اللہ! صرف ایک بار۔ وہ دیوار سے لپٹ کر رو دی۔
اس دلدل سے نکلنے کا کوئی راستہ تو ہوگا۔" ایک بار اس نے ترنگ میں آئے باب سے پوچھا، جب اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔
تو بھی میری بار بی ڈال! مگر ناممکن۔" وہ اس کی لٹیں کھینچ کر بولا۔ ثانیہ نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔
ن ہی کہی، ہے تو نا۔ کون سا راستہ ہے؟" ذرا دیر بعد پھر اسی تجسس نے اسے دوبارہ سوال کرنے پر اُکسایا۔
گیر ہمدانی اور میڈم یاقوت کی اکٹھی موت....... پھر تو یہ ساری ایمپائر دھڑام سے گرے گی اور ان کے ساتھی، گماشتے بھاگیں گے، اپنی اپنی چار اینٹوں کی ایمپائر بنانے کے لئے۔ اور دیکھو، یہ تو ناممکن ہے کہ ان کی موت، وہ بھی اکٹھے، ہے اس کی آنکھوں میں یوں دیکھ کر بولا جیسے اس کا منہ چڑا رہا ہو کہ مانگ لو جتنی دعائیں مانگنی ہیں، یہ دونوں شیطان کم از کم سکتے، نہ یہ سنہری پنجرہ ٹوٹ سکتا ہے۔
ل کمبخت اکٹھے جی رہے ہیں تو اکٹھے مر بھی سکتے ہیں۔ اور یہ صرف مجھ اکیلی کی بدعائیں تو نہیں، نہ جانے مجھ جیسی کتنی اور اور مُردہ، جنہوں نے انہیں جھولیاں اُٹھا اُٹھا کر بددعائیں دی ہوں گی اور قبر میں اُتر گئی ہوں گی۔" وہ جل کر بولی۔
تم بھی اپنی شرٹ...... آئی مین جھولی اُٹھاؤ۔ بٹ تمہاری شرٹ تو اتنی چھوٹی ہے کہ خدا کی قسم! تم خود بددعا بن جاؤ گی۔
آنکھوں میں ہوس اور کمینگی لا کر بولا۔
ے دھکا دے کر باہر نکل گئی، وہاں کوئی ایک جہانگیر ہمدانی تھوڑا تھا۔
دن سے ثانیہ نے جھولی اُٹھا کر نہ سہی، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، ہر جائز ہر ناجائز کام کے دوران اپنے دھیان کی ایک بددعا کی طرف لگا دی تھی۔ اور یہ الگ بات کہ اتنے مہینوں میں اس بددعا کا رتی برابر اثر بھی اسے نظر نہیں آ سکا

ے دروازہ کھلا اور وحشی حلیے میں جہانگیر ہمدانی چند قدم کے فاصلے پر اس کے سامنے کھڑا تھا۔
آنسو وہیں رک گئے۔ اب اسے رونا نہیں، وہ خود کو ریلیکس شو کرتی کھڑی ہو گئی۔
ری عادت ہے یاقوت کی۔ تحفہ دیتی بھی ہے تو ریپرز میں لپیٹ لپیٹ کر، چھپا کر۔ بھئی تحفہ دے رہے ہو کہ ترسا رہے

ہو۔اب دیکھو مجھے گھر بلایا، خود غائب۔اور میں پاگلوں کی طرح اس کے انتظار میں یونہی باہر بیٹھا اپنا جی جلاتا رہا، جب کہ میرا دل اندر تھا۔'' وہ لڑکھڑاتا اس کے پاس آکر صوفے پر گرتے ہوئے بولا۔

''اور دیکھی تم نے ہماری محبت کی طاقت، کیسے تمہیں کھینچ کر یہاں تک لے آئی۔ چند دن بھی ہمارے بغیر نہ رہ سکیں۔'' آنکھیں میچ کر مخمور لہجے میں بول رہا تھا۔

''یہ......میڈم یاقوت کا گھر ہے نا؟'' تانیہ سرسری انداز میں کہتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

دوسرے کمرے سے آتی تیز روشنیوں نے اس اندھیرے کمرے کو بھی اُجال رکھا تھا، ورنہ اس نے تو ابھی تک لائٹس آن نہیں کی تھیں۔

''ہاں۔گھر ہی تو ہے میرا دل، جس میں تم رہتی ہو، یاقوت اور وہ......'' وہ نشے میں دھت ہو چکا تھا۔

''تمہارا دل جس میں صرف غلاظت اور گندگی رہتی ہے۔'' وہ تنفر سے اسے دیکھ کر زیرِ لب بولی۔ وہ بمشکل اپنی آنکھیں کھول رہا تھا۔

''بہت عالی شان ہے۔ظاہر ہے، ہماری زندہ لاشوں کا خون چوس کر بنایا گیا ہے تو عالی شان کیوں نہ ہوگا۔'' اس کا دھیان بھی گھر کی خوب صورتی اور زیبائش کی طرف تھا۔

''ادھر آجاؤ نا ڈیئر تانیہ! کم آن۔ کیوں ستا رہی ہو؟'' وہ پوری طرح سے نیند کے خمار میں ڈوب چکا تھا۔ ٹوٹی ہوئی شاخ سی بانہیں ذرا دیر کو اٹھا کر بولا۔

''اگر ان دونوں کی اکٹھی موت واقع ہو جائے تو؟'' باب اسے آج بار بار کیوں یاد آ رہا تھا۔

'یہ گھر میڈم یاقوت کا ہے اور جہانگیر ہمدانی میرے سامنے دنیا و مافیہا سے بے خبر......تو انتظار کس بات کا؟......انہوں نے مجھے بھی تو مارا ہے۔خون کا بدلہ خون۔' یکدم اس کا دماغ کسی اور ہی نہج پر سوچنے لگا۔

وہ جوں جوں جہانگیر ہمدانی کو دیکھتی جا رہی تھی، اس کی آنکھوں میں خون اُترتا جا رہا تھا۔

'اگر میں اس ملعون کو ختم کر دوں تو مجھ جیسی کتنی بے گناہ روحوں کو چین مل جائے گا اور کتنی جن کا یہ سودا طے کر چکے ہیں، اگر تانیہ کام آبھی گئی تو کیا۔' وہ یک ٹک جہانگیر کو دیکھے جا رہی تھی۔

''تو آؤ نا......کیوں ترسا رہی ہو؟'' وہ زور سے آنکھیں کھول کر بہ دقت بولا۔

تانیہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے پاس آگئی اور آہستگی سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

جہانگیر ہمدانی نے بانہیں اس کے گرد پھیلا دیں۔تانیہ نفرت سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ نیند میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔اس کا دماغ اب ایک ہی نکتے پر آکر ٹھہر گیا تھا اور وہ اسے کر گزرنا چاہتی تھی۔ ذرا دیر میں جہانگیر کے خراٹے کمرے میں گونجنے لگے۔

تانیہ اس کے ہاتھ پرے ہٹا کر کھڑی ہوگئی۔ایسا موقع پھر تو نہیں ملنا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ کھڑکی کا پردہ برابر کیا اور صوفے پر آدھے گرے لٹکے جہانگیر ہمدانی کو دیکھنے لگی۔

نپے تلے قدموں سے ہاتھ میں کشن لئے وہ اس کے پاس آکر رُک گئی۔

اس نے آہستگی سے کشن پہلے اس کے چہرے کے قریب کیا اور پھر ایک دم سے اس کے چہرے پر رکھ دیا اور اس پر اپنا پورا وزن ڈال دیا۔

جہانگیر کا نچلا دھڑ زور سے مچلنے لگا۔

❋◉......◉❋
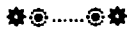
''مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے یاسمین!'' ثریا بانو ابھی کمرے سے نکل کر گئی تھیں، وہ گھر سے صبح ہی آئی تھیں۔ یاسمین کو زیادہ دیر یہاں رکھنے کے حق میں نہیں تھیں، ثریا بانو کی اپنی طبیعت بار بار خراب ہو رہی تھی۔

آغا جان، اسامہ کی طرف سے ہو کر واپس آچکے تھے۔ جانے وہ کیوں گھر جانے پر راضی نہیں ہو رہے تھے۔ یاسمین ابھی کچھ دیر پہلے ان سے اصرار کر کے آئی تھیں۔

''ہاں کہو سارہ!'' دو دن میں دونوں میں اچھے تعلقات کا آغاز ہو گیا تھا، جو ان پچیس برسوں میں نہیں ہو سکا تھا۔

''اگرچہ میرے خیال میں تم مانو گی نہیں۔ مان بھی گئیں......'' وہ تذبذب میں تھی۔

''تم کہو تو۔'' یاسمین نرمی سے بولیں۔

''مجھے محمود کہہ رہے تھے سارہ! عزہ گھر واپس آجائے گی۔''

"ان شاء اللہ!" یاسمین نے ذرا سا مسکرا کر کہا۔
"اور جب وہ گھر واپس آ جائے گی تو......" سارہ کھوسی گئیں۔
"تو کیا؟" یاسمین سمجھی نہیں۔
"میں کیا کروں گی یاسمین!" وہ بچوں کی سی معصومیت سے پوچھ رہی تھیں۔
"کیا مطلب؟" اسے یاسمین نے حیرانی سے پوچھا۔
"سارے شہر کو خبر ہو چکی ہے، عزہ کے گھر سے جانے کی اور ہوٹل میں اس شو کی ماڈلنگ کی۔ جب میں محمود کے پاس ICU میں تو مجھے محمود کے ایک کولیگ جج کی مسز کا فون آیا تھا، جنہوں نے خود عزہ کو ریمپ پر دیکھا اور تصدیق کے لئے مجھے فون کیا لئے تو مجھے انجائنا کا اٹیک...... یاسمین! سارے شہر کو پتہ چل چکا ہے۔" وہ اس سے اپنا دکھ، اپنے خوف شیئر کر رہی تھیں جیسے ان دونوں میں بڑے دوستانہ تعلقات رہ چکے ہوں۔
"ہوں...... ظاہر ہے، پتہ تو چلنا ہے۔" یاسمین نے گہرا سانس لیا۔ اب چھپانے کو رہ بھی کیا گیا تھا۔
"بس تم دعا کرو، وہ ساتھ خیریت کے گھر آ جائے۔ پھر جو ہوگا، بعد میں دیکھا جائے گا۔" یاسمین نے نرمی سے ان کا ہاتھ دبا کر بال سہلائے۔
"گھر آنے کے بعد یاسمین! میں اسے کہاں چھپاؤں گی؟ سب ہی لوگ آئیں گے، عزہ کے حوالے سے نہ سہی، عالی کی طبیعت کا حال جاننے اور پھر بات سے بات نکلتی جائے گی۔ سوال سے سوال اور میرے پاس تو کسی بھی سوال کا جواب نہیں ہوگا۔"
"تم کیوں فکر کرتی ہو سارہ! اللہ مالک ہے۔" یاسمین یہی کچھ کہہ سکتی تھیں، سو کہنے لگیں۔
"اللہ تو مالک ہے یاسمین! مگر......" جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھیں، یاسمین کو اب لگا کہ اس ساری تمہید کے پیچھے کوئی بڑی بات بھی

"تمہیں جو کہنا ہے سارہ! تم کھل کر کہو۔" وہ نرمی سے بولیں۔
سارہ نے احسان مندانہ نگاہوں سے انہیں دیکھا، جو ان کی بات کو سمجھ تو گئی تھیں۔
"بہت مشکل بات ہے یاسمین!" وہ ہچکچائیں۔
"اپنوں میں کیا تکلف۔ اپنے تو مشکلوں کو آسان کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔" یاسمین نے تسلی دی۔
"میں عالی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔" انہوں نے غیر متوقع بات کی۔
"ابھی تمہارے سامنے ڈاکٹر کہہ کر تو گیا ہے کہ شام تک آپ چہل قدمی کر سکتی ہیں، آپ کی رپورٹس بالکل ٹھیک آئی ہیں۔ کچھ ...... سوپ منگواؤں؟"
"میں عالی کے سامنے یہ بات کرنا چاہتی ہوں۔" سارہ ان سنی کرتے ہوئے بولیں۔
"کون سی بات؟" یاسمین ٹھٹکیں۔
"تم مان جاؤ گی نا یاسمین!" وہ لجاجت سے بولیں۔
وہ انہیں اسے دیکھتی رہ گئیں، پھر کوئی سوال...... اور جب سے تانیہ گئی تھی، یاسمین تو خود سراپا سوال بن گئی تھیں، ان کا جواب کیا

"کیا ہے میرے پاس دینے کے لئے؟" وہ بے چارگی سے بولیں۔
"ہماری سیاہ پڑی عزت کو ڈھانپنے کے لئے چادر۔" سارہ نے بالکل انہونی سی بات کی۔
"میں ابھی بھی نہیں سمجھی۔ اور میری تو خود اپنی عزت تم جانتی ہو کیسے بے لباس ہوئی۔" یاسمین نے دانتوں سے ہونٹ کچلے۔
"تو پھر تم میری بے بسی کو بہتر سمجھ سکتی ہو؟" سارہ انہیں دیکھ کر بولیں۔
"تم کہو، مجھ سے جو ہو سکا، میں ضرور کروں گی، اگر میں کسی قابل ہوئی تو۔" سارہ پھر سے خاموش ہو گئیں۔
"جب عزہ گھر آ جائے گی تو میں چاہتی ہوں، میں جلد سے جلد اس کی شادی کر دوں، فوری طور پر۔ اور اس کے لئے تم اور احسن چاہیں تو تنزیل کے ساتھ......" یاسمین کو لگا کسی نے ہاسپٹل میں بم بلاسٹ کر دیا ہو۔
وہ بے یقینی سی نظروں سے دیکھتی جا رہی تھی۔ یہ تو کبھی یاسمین نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔
"یہ کیسے ممکن ہے سارہ!...... نہیں۔" وہ بہت دیر بعد نفی میں سر ہلا کر بولیں۔
"کیوں ممکن نہیں؟ ایسی کیا بات ہے؟" سارہ اپنے مخصوص ہٹ دھرم لہجے میں بولیں۔
"عالی بھائی کبھی نہیں مانیں گے۔" یاسمین سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

''ابھی بھی نہیں مانیں گے تو پھر ان سے بڑا نقصان اٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اور تم دیکھنا، میں ان سے یہ بات
چھوڑوں گی۔ چاہے اس کے لیے مجھے اپنی جان سے گزرنا پڑے۔'' وہ اپنی سابقہ فطرت پر آ چکی تھیں۔
یاسمین نے لاچاری سے انہیں دیکھا۔
''اور اس کے سوا ان کے پاس کوئی رستہ بھی نہیں ہے۔ اتنی سمجھ نہیں ہے انہیں۔'' سارہ تلخی سے بولیں۔
''میرے خیال میں عالی بھائی کا دوست، مصطفیٰ صاحب اور ان کا بیٹا.....'' یاسمین دبی زبان سے بولیں۔ ان چند گھنٹوں
بھی بہت کچھ دیکھ اور سمجھ چکی تھیں۔
''ہونہہ! ان کا تو نام نہ لو۔ یہی شخص تو ہے، جس نے میری زندگی برباد کی۔ اس نے عالی کو اس منحوس نیلم سے نکاح پر اکسایا
نکاح نامے میں یہ نیلم کا سرپرست بنا تھا، اسی کے سائن تھے۔ اور جب سے عزہ والا معاملہ ہوا ہے، میں نے خود سنا ہے یہ
سے جس طرح عزہ کے کردار پر اس پر تنقید کر رہا تھا، یہ لوگ کبھی رشتہ نہیں کریں گے۔''
اور یہ تو سارہ کبھی بھی نہیں چاہتی تھیں۔ عزہ کا رشتہ دائم کے ساتھ ہو۔ اب تو قدرت نے خود بخود ایک موقع فراہم کر
اگرچہ تنزیل کے بارے میں بھی پہلے انہوں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا، مگر اس وقت تنزیل سے بڑا الّو بھی تو انہیں کوئی اور دکھا
ہو سکتا تھا، جو عزہ کو کوئی بھی سوال کیے بغیر اپنی زندگی میں شامل کر لیتا۔
یاسمین بالکل خاموش تھیں۔
''تم بالکل بھی فکر نہیں کرو۔ ہم ان دونوں کو ابروڈ بھجوا دیں گے۔ تنزیل وہیں اپنا کوئی بزنس سیٹ کرے گا۔ بعد
شک آتے جاتے رہیں، ایک بار اس سچویشن سے نکل آئیں۔
''تو ایک بار پھر تعلقات میں بہتری صرف Use کے لئے آئی ہے۔ یاسمین کو پھر کسی استعمال میں لانے کے لئے اپنا
کیا تھا سارہ نے۔
''اور میں تمہیں بتاؤں، یہ معاملہ جتنی جلدی سیٹل ہو جائے، اتنا ہی اچھا ہے۔ ابھی لوہا گرم تھا تو چوٹ بھی خوب لگ
عالی سے آج ہی بات کروں گی، تم احسن بھائی سے بلکہ انہیں کیا اعتراض ہوگا، ان سے میں خود بات کروں گی۔ تم صرف تنز
بات کر لو اور وہ تمہاری مانتا بھی بہت ہے۔ ایک بار ہی ذرا اصرار سے کہو گی تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔'' سارہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں
جیسے کبھی بیمار تھیں ہی نہیں۔
یاسمین خاموش بیٹھی دیکھتی رہیں۔
''تم تو راضی ہونا؟'' یاسمین کی چپ سارہ کو کھٹکی۔
''آں، ہاں..... عزہ تو مجھے اپنے بچوں سے بڑھ کر پیاری ہے۔ اور جو یہ مشکل وقت آیا ہے تو میں کیوں نہیں۔ مگر تنزیل...''
وہ تنزیل کے مزاج کو سمجھتی تھیں، عین ٹائم پر آ کر وہ رسیاں تڑوا سکتا تھا۔
''اونہوں..... تنزیل تو تمہاری مٹھی میں ہے۔ ذرا سختی، نرمی سے کہو گی تو فوراً مان جائے گا۔'' سارہ بالکل ایک مڈل کلاس
عورت کی طرح باتیں کر رہی تھیں، آنے والے وقت کی مکمل منصوبہ بندی۔
اسی وقت ثریا بانو اندر داخل ہوئیں۔
''اب کیسی طبیعت ہے سارہ بیٹی تمہاری؟..... بہت ڈرایا تم نے مجھے تو۔'' وہ پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ سارہ کے ماتھے پر بل
گیا۔
''اماں! آپ سے کہا نا، ابھی باہر جا کر بیٹھیں یا گھر چلی جائیں۔ ادھر ہسپتال میں آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' وہ
ٹالنے والے انداز میں بولیں۔
''اور جو گھر جا کر تم دونوں کے بارے میں سوچ سوچ کر میری طبیعت خراب ہوتی ہے، اس کا کیا کروں؟'' وہ بے بسی
چینی سے بولیں۔
سارہ نے آنکھ کے اشارے سے یاسمین کو کوئی بھی بات کرنے سے منع کر دیا۔
''تم جو یہاں کل سے آئی بیٹھی ہو، اب جاؤ گھر۔ جس کا حق ہے احسن مراد کا کہ بہن، بہنوئی کو دیکھے آ کر، اسے تم نے گھر
بند کر رکھا ہے۔ جاؤ، جا کر اسے بھیجو، آ کر ان کو دیکھ جائے۔ ڈرائیور کھڑا ہے گاڑی لے کر۔ اس کے ساتھ جاؤ اور احسن سے کہنا
گاڑی میں ہی آ جائے۔ اب خودداری میں ٹیکسی کے چکر میں نہ پڑ جائے۔ غیرت بھی بہت ہے دونوں میاں بیوی میں۔'' وہ ایسا
لتاڑنے کا کوئی موقع گنوا تو نہیں سکتی تھیں۔
سارہ کی بے توجہی کا بدلہ وہ اس سے لے کر بولیں تو یاسمین اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

بھیجا تم رکو۔ میں ڈرائیور کو بھجوا دیتی ہوں۔ وہ گھر جا کر بھائی جان کو لے آئے گا۔ اور اماں! یہ میری دیکھ بھال کے لئے
یہاں۔ میں نے روکا ہے۔ اب آپ سے تو کچھ ہوتا نہیں۔"

ای انقلاب زمانہ منظر کو دیکھ کر حق دق سی رہ گئیں۔ مزید کوئی اعتراض اٹھا ہی نہ سکیں۔ یاسمین ڈرائیور سے کہنے باہر نکل

ل یاسمین نے سارہ کے کان میں کچھ پھونکا ہے جو یہ ایسی عجیب باتیں کر رہی ہے۔" ثریا بانو انہیں جاتا دیکھ کر خود سے
ہ۔

❋◉......◉❋
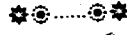
لو بہ نمبر نہیں مل سکا تھا، وہ پریشان سا کھڑا رہ گیا۔
ی آہٹ ہوئی تو اسے یاد آیا، پہلے بھی پچھلے کمرے میں یہ آہٹ سنی تھی اس نے۔
ات عزہ اور دہلیز پر ہی کھڑا رہ گیا۔
سامنے عزہ کھڑی تھی۔ سوجی سرخ آنکھیں، متورم چہرہ، بکھرا حلیہ اور ملگجا لباس۔ تنزیل کو سامنے دیکھ کر وہ جیسے اپنا ضبط

پھوٹ کر روتے ہوئے وہ اس کے گلے سے لگ گئی۔
تم...... اس جگہ پہ...... کس نے تمہیں یہاں قید کر رکھا تھا؟...... اس نے...... یاقوت نے؟...... اس خبیث
نے...... ہے نا؟" وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجلائے ہوئے انداز میں بولتا چلا گیا۔
قسمت نے تنزیل! میری بے وقوفی اور حماقت نے، میری کم عقلی اور نادانی نے...... ماں باپ گھر میں جھگڑیں تو کیا
بچے کے لئے خود کو برباد کر لیتے ہیں؟ مجھ سی کم عقل اور بے وقوف لڑکیوں کو اس سے بھی گھناؤنی سزا ملنی چاہیے۔" وہ
ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔
مجھے یہاں سے لے چلو۔ خدا کے لئے ایک بار، ماما پاپا کے پاس۔ میں ان سے معافی مانگنا چاہتی ہوں، ایک بار۔
آواز گھٹ کر رہ گئی۔
لے جاؤں؟ یہ کمبخت دروازہ تو شاید باہر سے لاک ہو گیا ہے۔ وہ...... میڈم کی بچی نے مجھے الّو بنایا اور اس کی بیٹی......
دونوں کو، تم دیکھنا۔" وہ لاکڈ دروازہ کھینچ کر غصے میں اسے ٹھوکریں مارنے لگا۔
سب پلاننگ سے کیا تھا ہمارے ساتھ۔ کم از کم میرے ساتھ تو۔" تھوڑی دیر بعد عزہ خود کو سنبھال چکی تھی، پژمردہ

پرانی رشتہ داری ہے اس (گالی) کے ساتھ۔" تنزیل غرا کر بولا۔
ہے، وہ بھی پرانی۔" عزہ بے دھیان سی بولی۔
تم جانتی ہو اس کے بارے میں؟"
جانتی تھی، مگر اب۔" وہ اٹھی اور ایک طرف پڑی ڈائری اٹھا کر لے آئی۔ "اس میں سب کچھ لکھا ہے۔ اس عورت کا
سانے میرے پاپا، تمہارے ابو اور میری ماما کے ہاتھوں کتنی تکلیفیں سہیں، ذلت برداشت کی اور نہ جانے کیا کیا۔"
میں بتا رہی تھی۔
ڈائری میں لکھا ہے؟" تنزیل بے یقینی سے بولا۔
پڑھ لو۔" عزہ نے ڈائری اس کی طرف بڑھائی۔
دی جلدی چھ آٹھ صفحے پڑھے اور عزہ کی طرف دیکھنے لگا اور دوسرے لمحے اس نے ڈائری اٹھا کر سامنے دیوار پر

اس، فراڈ، ڈراما...... اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔" وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔
ا...... میں میڈم کی رائٹنگ پہچانتی ہوں۔ اور وہ کیوں یہ سب جھوٹ لکھیں گی؟" عزہ حیران ہوئی۔
ابت کرنے کے لئے۔ اس سارے گھناؤنے کھیل اور گندے کاموں کو Justify کرنے کے لئے۔" وہ نفرت

کس قدر بے وقوف ہو، دھوکا کھا گئیں۔ یہ ڈائری ذرا بھی پرانی نہیں اور تحریر اس ڈائری سے بھی نوخیز...... یعنی
ن اسے چند دن پہلے لکھا گیا، جیسے اسے پڑھوانا مقصد تھا۔ تمہیں یہ کہاں سے ملی؟"

''میڈم کے بیگ سے اتفاقاً گر گئی تھی تو میں نے اٹھالی۔
''اور ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ یہی تو وہ چاہتی تھیں کہ وہ یہ سب کچھ جس کے لئے تحریر کر رہی ہیں، وہ اسے پڑھ لے۔ ورنہ بھلا
کوئی ایسے ماضی کی کہانی خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر بیگ میں ڈال کر گھومتا پھرے اور پھر یہاں وہاں کہیں بھی گرا دے۔ ایک
بوگس......ارے احمق! لوگ تو اس طرح کی ڈائریوں کو سات تالوں میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ اتنی سادہ تو نہیں ہو تم۔'' وہ طنز سے بولا۔
عزہ پہلے حیران اور پھر کچھ متاثر ہو جانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
''یہ سب جھوٹ ہے، بکواس۔ اور غلط لگاتی ہو شرط۔'' وہ اس کے آگے ہاتھ پھیلا کر پُر یقین لہجے میں بولا۔
''میرا دل نہیں مانتا۔'' وہ تذبذب سے بولی۔
''تمہارا دل جانے دو کیسا فضول ہے جو الٹی بات بے کار کی ضد بھری پڑی ہے اس میں اور کچھ نہیں۔ سو عقل کی بات کیوں کر
اور کیوں مانے گا بھلا ڈیئر!'' وہ اس کا مذاق اُڑانے والے انداز میں بولا۔
''مگر میں پھر بھی یہی کہوں گی۔ یہ سب جھوٹ نہیں ہو سکتا۔'' وہ سر ہلا کر ٹھوس لہجے میں بولی۔
''یعنی تھوڑا، بہت جھوٹ تو ہو سکتا ہے نا! مطلب جب بنیاد ہی جھوٹ پر ہو تو سمجھو آسمان تک جھوٹ ہی جھوٹ۔'' وہ مذاق
اُڑا رہا تھا۔
اسی وقت اس کا سیل فون بجنے لگا۔
دوسری طرف لائبہ تھی۔ تھوڑی بے چین، تھوڑی فکرمند......اور یہ الگ بات کہ تنزیل کو اس کی پریشانی بھی مصنوعی لگی۔
''اچھا تو اس لئے فون کیا کہ معلوم کرو، میں جال میں ٹھیک طرح سے پھنس گیا تم ماں بیٹی کے یا ابھی کسر باقی ہے۔''
''کیا مطلب؟ میں کچھ نہیں۔ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟'' لائبہ حیرانی سے بولی۔
''کوئی گڑبڑ......ساری گڑبڑ تمہاری اس بازاری ماں کی پھیلائی ہوئی ہے، اور کیا گڑبڑ ہو گی؟'' وہ گھٹیا پن سے بولا۔
''زبان سنبھال کر بات کرو۔ میں ذرا تم سے نرمی برت رہی ہوں، تم سر پر چڑھتے آ رہے ہو۔'' وہ درشتی سے بولی۔
''ابھی یہ نرمی ہے نا مس صاحبہ! معاف کیجئے گا، سختی کیا ہوتی ہے، مجھے یہاں بلوا کر کمرے میں لاک کروا دیا اور فرماتی ہو
کر رہی ہوں۔ میں تم دونوں ماں بیٹی کو دیکھ لوں گا۔ اب میں میڈیا میں بھی جاؤں گا، پولیس کے پاس بھی، جہاں جہاں تم کو
رُسوا کر سکا، جاؤں گا۔'' وہ غصے میں دہک رہا تھا۔ ''میرے پاس تو کچھ بچا نہیں۔ اب میں تم دونوں کے پاس بھی کچھ نہیں رہنے دوں
گا۔ کتے کی موت مرے گی وہ عورت۔''
دوسری طرف سے لائبہ نے فون بند کر دیا تھا۔
''تم کس قدر فضول ہو تنزیل! نہ موقع محل دیکھتے ہو، بس بولنا شروع کر دیتے ہو۔ اتنی نازک سچویشن ہے اور تمہیں ذرا
نہیں۔'' عزہ کو بھی اس کی لینگویج سن کر غصہ آ گیا۔
''تمہارا کیا خیال ہے، اس عورت نے ہم دونوں کو یہاں محض گپیں مارنے کے لئے رکھا ہے؟ کیا وہ جانتی نہیں تھی کہ میں
پہلے سے موجود ہوں اور تمہیں یہاں بھیجنے کا مقصد......کوئی بڑا منصوبہ، کوئی گیم......کچھ سمجھ رہے ہو؟'' اب کے عزہ نے اسے
ہی ڈالا۔
اور تنزیل بھی جیسے کچھ سمجھ گیا، وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے۔
''تو کیا کریں؟'' پہلی بار وہ نرم پڑا۔
''کون تھی فون پر؟''
''یاقوت کی بیٹی، جسے میں نے کڈنیپ کیا تھا۔''
''وہاٹ......؟'' عزہ شاکڈ رہ گئی۔
تنزیل اسے لاپروائی سے دیکھنے لگا۔
''اب کہاں ہے وہ؟''
''جہاں میں نے اسے رکھا ہوا ہے۔ شہر سے باہر ایک جگہ ہے۔''
''اور یہ فون......تم اس کے پاس فون بھی چھوڑ آئے کہ وہ جس کو چاہے، ہیلپ کے لئے بلا لے......کتنے عقل مند
طنز کا موقع کیوں گنواتی۔
''اس نے مجھ سے کہا تھا کہ شاید مجھے اس کی ہیلپ کی ضرورت پڑے۔'' وہ اعتراف کرتے ہوئے بولا۔
عزہ پہلے تو اسے دیکھتی رہی، پھر ہنسنے لگی اور ہنستی چلی گئی۔

"ہم ے، کس قدر اسٹوپڈ ہو تم۔ بالکل گدھے۔" وہ ہنستی چلی جا رہی تھی۔ "بھئی جس کو اغوا کیا، وہ تمہاری مدد کرے گی۔
۔۔۔خوب!" اس کی ہنسی رکنے میں نہیں آ رہی تھی۔
تنزیل لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھ کر دوسری طرف گیا اور لائبہ کا نمبر پھر سے ملانے لگا۔ بہت دیر بعد اس نے کال ریسیو کی۔
"اب کیا تکلیف ہے؟" وہ غصے میں تھی۔
"تم نے کہا تھا کہ تم میری مدد کرو گی۔ میں ادھر آیا ہوں تو میری بہن یہاں موجود نہیں تھی اور پیچھے سے کسی نے کمرے کا دروازہ
دیا۔ اب میں یہاں بند ہوں۔ کیا کرو گی تم؟"
"یہ پیچھے سے کسی لڑکی کی ہنسی کی آواز آ رہی ہے، کون ہے؟" لائبہ اس کی بات سنے بغیر بولی۔
"یہاں میری کزن بھی ہے، وہ پہلے سے یہاں بند تھی۔ اب تم کچھ بتاؤ یا جرح کرتی رہو گی؟" وہ جھلا کر بولا۔
"اچھا! اگر میں کچھ نہ کروں، خود یہاں کھڑکی سے کسی کو آواز دے کر یا ریسکیو والوں کو فون کرنے کے ہیلپ کے لئے بلالوں تو
گے؟" وہ آرام سے بولی۔
"ہم......" تنزیل لمحے بھر کو سناٹے میں رہ گیا۔ "تم کیوں نہیں کرو گی؟ اس عورت کی بیٹی جو ہوئیں، جو اوروں کی مجبوریوں کو
رتی ہے اور پھر انہیں تگنی کا ناچ نچواتی ہے۔" وہ چبا چبا کر بولا۔
"تمہاری اس طرح کی بکواس کی وجہ سے میں نے پہلے بھی فون بند کیا تھا۔ اگر مجھے یہ سب کرنا ہوتا تو سب سے پہلے اپنی مام
یا۔" وہ تیزی سے بولی۔
تنزیل خاموش رہ گیا۔
"اچھا بس...... کچھ تو لوکیشن وغیرہ لکھواؤ، میں کچھ کرتی ہوں۔" ذرا دیر بعد وہ بولی تو تنزیل اسے بتانے لگا۔
"ٹھیک ہے۔ میں کچھ کرتی ہوں۔ پہلے تو مجھے یہاں سے نکلنا ہوگا، پھر ہی کچھ ہو سکے گا۔" اس نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔
تنزیل اور عزہ خاموش بیٹھ کر کچھ دیر سوچنے لگے۔ جانے آگے کیا ہونے والا تھا۔

✲⊛......⊛✲

گاڑی میں بیٹھا غصے میں بل کھا رہا تھا۔
یاقوت کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ وہ دس منٹ کا کہہ کر سامنے کی بلڈنگ میں گئی تھیں اور اب پون گھنٹہ ہو چکا تھا۔
سیل بھی آف تھا۔ دائم اندر جا کر ایک بار پھر دیکھ آیا تھا۔ وہ کہیں بھی نہیں تھیں۔
انہوں نے تین گھنٹوں سے اسے خوار کر رکھا تھا۔
سب ہی ضروری وغیر ضروری کام آج ہی نمٹانے تھے۔ دائم تحمل سے ان کے ساتھ جگہ جگہ پھرتا رہا کہ انہوں نے ہسپتال
کی تو بھر رکھی ہے، آخر میں سہی، جائیں گی تو ادھر ہی۔ لیکن اب تو اس کے بھی آثار نہیں تھے۔
"شاید مجھے بے وقوف بنا رہی ہیں۔" اسے اب خود پر تاؤ آنے لگا۔ اس جہنمی عورت پر بھروسہ کیوں کیا۔
بار ہسپتال فون بھی کر چکا تھا۔ محمود عالم کی حالت ابھی بھی پہلے جیسی تھی۔ بس اس کا انتظار شدت اختیار کر گیا تھا۔
وقت دائم کے سیل پر میڈم یاقوت کی کال آ گئی۔
"ہیلو دائم! مجھے کچھ وقت لگ جائے گا۔ مجھے یہاں سے آگے جانا پڑ گیا۔ تم ہاسپٹل پہنچو، میں وہاں خود ہی آ جاؤں گی۔" اور
سنے بغیر انہوں نے فون بند کر دیا۔
اس نے جلدی سے ان کا نمبر ری ڈائل کیا، دوسری طرف فون بند ہو چکا تھا۔
"مصیبت ہے؟" اس نے غصے میں سیل پٹخ دیا۔ "اگر انہیں میرے ساتھ نہیں جانا تھا تو جھوٹ کیوں بولا؟"
"میں انکل سے وعدہ بھی کر آیا تھا کہ انہیں لے کر آؤں گا۔ نہ عزہ کا کچھ پتہ چل رہا ہے۔" اس کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا

بھی جانے کہاں چلی گئی۔ اور میڈم کا پُراسرار رویہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ خود کو ایسے سوالوں میں گھرا محسوس کر رہا تھا، جو
نہیں ہونے تھے۔
وقت دائم کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔ اس نے نمبر دیکھے بغیر تھکے ہوئے انداز میں سیل کانوں سے لگا لیا۔ دوسری طرف
حیرانی بھری خوشی محسوس ہوئی۔
"...چھوڑ، میں کہاں چلی گئی تھی۔ پلیز! میں تمہیں جگہ بتا رہی ہوں۔ وہاں پہنچو اور پلیز ماما کو بالکل بھی نہیں بتانا، تمہیں
وہ بولتے ہوئے رک گئی۔

''اس کی قسم جسے تم دل سے چاہتے ہو۔'' بہت آہستہ سے اس نے کہا تو دائم کچھ بول ہی نہیں سکا۔
''سمجھ آ گئی نا تمہیں ایڈریس کی؟'' وہ اس کی خاموشی پر بولی۔
''یہاں تمہارے ساتھ کون ہے؟''
''فی الحال کوئی بھی نہیں، اسی لئے تو تمہیں بلا رہی ہوں۔ اور سنو، ادھر جہاں میں ہوں، وہاں دروازہ باہر سے لاک ہے۔ تم پلیز اسے کھولنے کا کچھ سامان وغیرہ ساتھ لے کر آنا۔ جگہ سمجھ میں آ گئی ہے نا؟''
''ہوں۔ پہنچ جاؤں گا۔ اور جس نے تمہیں یہاں قید کیا ہے، وہ خود کہاں ہے؟'' اسے خیال آ گیا تو پوچھ بیٹھا۔
''اس کا جواب بھی ایک لطیفہ ہے۔ وہ خود بھی قید ہو گیا ہے۔'' وہ ہنسی۔ ''اور اچھا، پلیز جلدی آ جاؤ۔ میں ویٹ کر رہی ہوں۔'' کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔
'جانے یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کون کر رہا ہے؟ کیا سب کے پیچھے میڈم یاقوت کا ہاتھ ہے؟ جبکہ کسی کے پاس کوئی پروف نہیں۔' اس نے سوچتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
اس کا سیل فون پھر سے بجنے لگا۔ دوسری طرف مصطفیٰ صاحب تھے۔ ان کی آواز میں تھکن سی تھی۔
''تم کب پہنچ رہے ہو ہسپتال؟''
''پاپا! مجھے شاید ابھی کچھ ٹائم لگے۔ کیوں، خیریت؟''
''یار! میں تھک سا گیا ہوں۔ اب گھر جا کر کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہاں محمود کے پاس کوئی بھی نہیں۔'' وہ نڈھال سی آواز میں بولے۔
''اوہو پاپا! تو آپ گھر چلے جائیں نا۔ انکل تو I.C.U میں ہیں۔ سب اسٹاف ہے ان کو look after کرنے کے لئے۔'' مصطفیٰ صاحب کم ہی گھر پر رہا کرتے تھے۔ مگر اب جو تھکاوٹ ان کی آواز سے نمایاں تھی، دائم پریشان ہو گیا۔ لائبہ کی طرف جانا ضروری نہ ہوتا تو شاید وہ ایک منٹ نہ رکتا۔
''محمود نے ہی تو پریشان کر رکھا ہے سب کو۔''
''کیا مطلب؟ وہ ٹھیک ہیں نا؟''
''کہتا ہے مجھے گھر جانا ہے، آج ہی۔''
''کیا، گھر؟...... کس لئے؟ ابھی تو ان کی کنڈیشن اتنی تشویش ناک ہے۔''
''یہی تو سب سمجھا رہے ہیں۔ مگر اس کی ایک ہی رٹ ہے کہ گھر جانا ہے۔ عزہ نے کہا تھا، صبح وہ ضرور گھر آ جائے گی۔ اب بتاؤ۔''
''اوہ...... تو یہ بات ہے۔'' وہ سر ہلا کر رہ گیا۔
''اب کیا کریں؟ تم ہی بتاؤ۔''
''آپ انکل سے کہہ دیں، میں عزہ کو لینے گیا ہوں اسے لے کر سیدھا ہسپتال ہی آؤں گا۔ انہیں رات تک ویٹ کرنا پڑے گا۔''
''ہوں...... یہیں رہنا پڑے گا۔ ابھی تو ڈاکٹر نے اسے سکون آور دوا کا انجکشن لگا دیا ہے، مگر پھر بھی اسے نیند نہیں آ رہی، بہت بے چین ہے وہ۔ چلو تم جلدی فارغ ہو کر پہنچو۔'' انہوں نے کہہ کر فون بند کر دیا۔
'اور میں جانتا ہوں وہ کیوں اس قدر بے چین ہیں۔ انہیں عزہ کے علاوہ کس کا انتظار ہے۔' دائم نے گہرا سانس لے کر گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

✲⊙......⊙✲
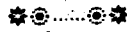
اگر عزہ کا رشتہ تنزیل کے ساتھ ہو جائے۔ اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو گی۔ تنزیل کی زندگی، اس کا مستقبل سنور جائے گا۔ اور یہ جو احسن ہر وقت اسے بدحرامی کے طعنے دیتے ہیں، ان کا تو منہ بند ہو جائے گا۔ اور سارہ نے کیسی خوشی کی بات کی، مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا، اگر ایسا ہو جائے۔
انہوں نے جلدی جلدی گھر کے تمام کام نمٹائے تھے اور پھر سے ہسپتال جانے کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔
'لیکن محمود عالم شاید کبھی نہ مانے۔ وہ ایک ضدی اور مغرور شخص ہے، جو غریب رشتہ داروں کو بھی کسی گنتی میں شمار نہیں کرتا۔' اس خیال سے ان کے ہاتھ سست پڑ گئے۔
انہیں یاد تھا، ان کی اور احسن کی شادی تین دن کے ہنگامی نوٹس پر ہوئی تھی۔ ثریا بانو ان کی دور کی رشتہ دار تھیں اور وہ کبھی اس کے گھر جھانکنے بھی نہیں آئی تھیں کہ یاسمین کے ماں باپ، ثریا بانو کے کزن تھے اور بے حد غریب۔ اچانک ثریا بانو، یاسمین کا رشتہ

لے لئے چلی آئیں۔ اور تیسری شام سادگی سے نکاح تھا اور اگلی دن سادہ سے ولیمہ میں سارہ اور محمود عالم کی بارات تھی۔ یہ ناہانک ہوا تھا کہ وہ تو کچھ سمجھ ہی نہ سکی تھیں، ان اچانک شادیوں کی وجہ۔

بیاتے سالوں بعد انہیں یہ وجہ سمجھ میں آئی تھی۔ یہ وہی تو دن تھے، جب نیلم کو اس گھر سے دھکے دے کر نکالا گیا تھا اور اس لہ کہیں احسن یا محمود عالم اس کی تلاش میں نکل نہ کھڑے ہوں، ان کی جھٹ پٹ شادیاں کر دی جائیں۔

اب میرے بیٹے کی بھی شادی اسی طرح ہوگی۔" وہ افسردہ سی ہو گئیں۔

بھائی کل سے گھر نہیں آئے۔" ربیعہ اندر آ کر بولی۔

بھی دھک سے رہ گئیں۔ یہ خیال تو وقتاً فوقتاً انہیں خود بھی آتا رہا تھا کہ وہ ہسپتال کیوں نہیں آیا۔ پھر یہی سوچا کہ محمود عالم ماکی نئی نہیں، شاید اسی ضد میں نہیں آیا اور گھر آ کر بھی انہیں پوچھنا یاد نہیں رہا۔ اور اب ربیعہ کیا کہہ رہی تھی۔

ناپا اس کا کوئی؟" وہ توقف سے بولیں۔

یا۔ کوئی بھی نہیں۔ رات دیر تک میں انتظار کرتی رہی کہ آئیں گے تو دروازہ کھول دوں گی۔ مگر وہ آئے نہیں۔" وہ فکرمندی کہ۔

نے خود فون کر کے پتہ کرنا تھا اس کا۔"

بار کیا، وہ کال ہی ریسیو نہیں کر رہے۔"

میرے سامنے ملاؤ۔ میں بات کرتی ہوں۔" یاسمین کے کہنے پر ربیعہ نمبر ملانے لگی مگر بیل جاتی رہی، کسی نے کال ریسیو

اللہ کرے۔ وہ خیریت سے ہو۔" وہ پریشان ہو گئیں۔

کے کی دوست کی طرف کرو فون۔" خیال آنے پر وہ بولیں۔

کا کوئی دوست ہے بھلا جو فون کروں؟" ربیعہ منہ بنا کر بولی۔

ابو نے تو نہیں پوچھا تنزیل کا؟"

بار پوچھ چکے ہیں اور انہوں نے ہسپتال جانے سے انکار کر دیا ہے۔ کہتے ہیں، جانا ہوگا تو خود ہی چلے جائیں گے، ان کی لد۔

نہیں گئی اس شخص کی ساری زندگی۔ کیا کیا ہے سوائے اکڑ دکھانے کے۔ اب اتنا اچھا موقع ہاتھ آ رہا ہے قسمت سے بھی یونہی اپنی ضد میں گنوائے گا۔"

بن کو احسن پر ٹھیک ٹھاک غصہ آ گیا۔

✲◉......◉✲
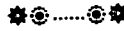
باتھ روم میں منہ دھونے کے بعد تولیے کی تلاش میں ادھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا، جب فینسی لائٹ کے پلگ میں لگی کسی بار۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پلگ کے اندر سے وہ چیز کھینچی اور دھک سے رہ گیا۔ وہ ایک بہت اسمال سائز کا کیمرہ تھا۔

نے اس بڑھیا کی کمینگی۔ یہ کیمرہ فٹ کر رکھا تھا اس نے واش روم میں۔" وہ گم صم بیٹھی عزہ کے پاس وہ کمرہ لے آیا۔

ے اس کیمرے کو دیکھنے لگی۔

اطرح کے ہوں گے اس فلیٹ میں۔" کہہ کر وہ سارے اپارٹمنٹ کی تلاشی لینے لگا۔

...تنزیل! یہ کیسی اسمیل ہے؟" عزہ زور سے چلائی۔ اس کے نتھنوں میں عجیب سی مہک گھسی جا رہی تھی۔

دوڑ کر اس کے پاس آئی۔

ہے سارے میں...... یہ اسمیل......" وہ خوف زدہ آواز میں بولی۔

ب دیئے بغیر دیوانہ وار اپارٹمنٹ کی کھڑکیوں کی طرف بڑھا اور انہیں کھولنے لگا۔

لاک کے ذریعے باہر سے بند تھیں۔ ایک بھی کھڑکی نہ کھل سکی۔

......" عزہ نے اپنے چکراتے سر کو تھام کر کہا۔

ومنے لگا تھا۔

ہاں موجودگی اور یہ بے ہوشی کی دوا...... کیا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہے وہ بڑھیا؟" تنزیل کے دماغ میں دھماکا

اس نے اسٹیل کا لیمپ اٹھا کر زور سے کھڑکی کے شیشے پر دے مارا۔ شیشہ بھی شاید فولاد کا تھا، ذرا سا ہی تڑخ سکا۔

اسی دراڑ نے تنزیل کو ہمت دی اور اس نے تابڑتوڑ انداز میں لیمپ اس شیشے کو مارنا شروع کر دیا اور پھر مارتا چلا گیا۔
دو منٹ بعد وہ کھڑکی شیشے کے بغیر تھی اور شاید اپارٹمنٹ کے پچھلی طرف کھلتی تھی۔ کھڑکی سے نیچے کچرے کا ڈھیر تھا اور ارد گرد بھی اونچی دیواریں تھیں۔
مگر شیشہ ٹوٹنے سے اب کمرے کی حالت قدرے بہتر ہو رہی تھی۔ گیس کا اثر کافی کم ہو گیا تھا۔
وہ عزہ کا ہاتھ کھینچ کر اس کھڑکی کی طرف لے آیا تھا۔ اور نیچے جھک کر کھڑکی کی اونچائی کا اندازہ کرنے لگا۔
''ہم دونوں کا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا بہت ضروری ہے عزہ! ان لوگوں کے عزائم بہت خطرناک ہیں۔''
گیس کا اثر کم ہو چکا تھا، مگر عزہ کی رنگت خطرناک حد تک پیلی پڑ چکی تھی۔ شاید کمزوری اور ذہنی تھکان کی وجہ سے وہ اپنی ہمت کھوتی جا رہی تھی۔
'اگر اسے کچھ ہو گیا تو مجھے اسے سنبھالنا بہت مشکل ہو جائے گا۔' وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''تم ٹھیک ہو نا عزہ؟'' وہ اس کا کندھا ہلا کر پریشانی سے بولا۔ عزہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
وہ تیزی سے ریفریجریٹر سے جوس کے دو پیکٹ نکال کر لایا اور زبردستی عزہ کو پلانے کے بعد دوسرا خود پینے لگا۔
'کہاں مر گئی یہ لائبہ کی بچی؟' وہ جھلا کر بار بار فون پر ٹرائی کر رہا تھا، ساتویں کوشش میں فون مل گیا تھا۔
''تھینک گاڈ! تمہارا فون مل گیا۔ میں یہاں بہت برا پھنس گیا ہوں، عائشہ! آئی نیڈ یور ہیلپ۔'' وہ آہستہ آہستہ عائشہ بخاری کو ساری صورتِ حال بتانے لگا۔ عزہ صوفے پر سر ایک طرف ڈالے شاید سو چکی تھی۔
بہت دیر بعد تنزیل کی اس پر نظر پڑی تو وہ جلدی سے فون بند کر کے اسے اٹھانے لگا۔ جب وہ بار بار ہلانے پر بھی نہیں اٹھی تو تنزیل نے گھبرا کر جوس کے ڈبے چیک کرنے شروع کر دیئے۔
'جوس تو میں نے بھی پیا ہے۔ میں تو......' اسے لگا، اسے بھی نیند آ رہی ہے۔
'نہیں، نہیں...... مجھے نہیں سونا۔' وہ تیزی سے باتھ روم کی طرف بھاگا اور شاور کھول کر اس کے نیچے اپنا سر کر دیا۔
اس کا سر بری طرح سے چکرا رہا تھا۔

❁◉......◉❁
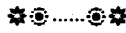
''لیکن تمہیں کہاں جانا ہے؟ میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں نا۔'' دو گھنٹے کی مسافت تھی، وہاں جانا اور آنا۔ اور پھر لاک کھولنے میں بھی ٹائم لگتا۔
لائبہ کو صحیح دیکھ کر دائم نے سکون کا گہرا سانس لیا مگر اس کی انوکھی فرمائش سن کر وہ کچھ حیران و پریشان ہو گیا۔
''مگر تمہیں یہیں راستے میں کیوں اتار دوں؟ ذرا دیر میں رات ہونے والی ہے۔ پھر یہ جگہ ابھی شہر سے دس پندرہ منٹ مسافت پر ہے۔''
''ابھی نہیں، بس شہر میں داخل ہوتے ہی۔ پلیز! مجھے اتار دینا۔''
''تمہیں جانا کہاں ہے؟...... میم کی طرف نا؟...... میں تمہیں وہیں ڈراپ کر دوں گا۔'' وہ تحمل سے بولا۔
''مجھے وہاں نہیں جانا۔'' اُس کا سیل فون بجنے لگا۔ وہ اگنور کرنے لگی۔ اور پھر فون وقفے وقفے سے بجتا چلا گیا۔
''سن کیوں نہیں لیتیں؟'' وہ چڑ کر بولا۔
''ایک بات پوچھوں دائم؟'' وہ اس کی طرف کافی دیر سے دیکھ رہی تھی، بغیر پلک جھپکے۔
''ہوں...... پوچھو۔'' وہ اس کے ارتکاز کو نوٹ کر رہا تھا، انجان بن کر بولا۔
''تم یہاں میرا فون سننے کے بعد کس لئے آئے تھے؟''
''تمہیں یہاں سے نکالنے، بچانے اور کس لئے؟'' وہ حیرانی سے بولا۔
''میری جگہ کوئی بھی ہوتا، تم اسے یونہی بچانے آتے؟''
''ظاہر ہے۔'' وہ مختصراً بولا۔
''تو گویا تمہیں اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا، مجھے اغوا کرنے والا چاہے مجھے مار ڈالتا۔ تمہیں صرف اتنا افسوس ہوتا، جیسے کوئی کڈنیپ ہونے والا مار دیا جائے تو فیل ہوتا ہے۔''
''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ اس کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔
''جو تم سمجھنا نہیں چاہتے۔'' وہ لب کاٹ کر بولی۔
''تمہارا اسامہ سے کوئی رابطہ نہیں؟'' وہ موضوع بدلنے کو بولا۔

"نہیں۔اور مجھے ضرورت بھی نہیں۔" وہ منہ پھیر کر بولی۔
"مگر وہ تمہارے لئے......"
"آئی نو" وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔
دائم اسے گہری جتا دینے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔
"پھر تم مجھے کیوں نہیں سمجھ پا رہیں لائبہ؟ ہم دونوں دوست ہیں، ایک دوسرے کو ایک مدت سے جانتے ہیں، سمجھتے ہیں۔ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتے، محبت بھی ہے، خیال بھی۔ مگر جس طرح کے جذبوں کی توقع تم مجھ سے کرتی ہو یا اسامہ تم سے کر رہا ہے، نہ میرے بس میں ہے، نہ تمہارے اختیار میں۔ تو بتاؤ ہم دونوں میں سے قصوروار کون ہے؟ تم یا میں؟" وہ ٹھہر ٹھہر کر سمجھانے والے انداز میں بولا تو لائبہ آنکھوں میں اُمڈتے پانیوں کو روکنے کے لئے پلکیں جھپکنے لگی۔ اس کا اندر گہرے دکھ سے بھر گیا تھا۔
آج دائم نے اس سے کھل کر وہ سب کہہ دیا تھا، جو وہ کبھی سننے کی خواہش مند نہیں تھی۔ بس بہلاووں اور خوابوں کے جھولے میں جھولتی رہنا چاہتی تھی۔
شاید اس کے سچے جذبے کبھی اثر کر جائیں۔ شاید دائم کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے، شاید کبھی تو یہ انہونی ہو جائے۔ مگر آج......وہ خوش گمانی کا جھولا ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گیا تھا۔
"کون ہے وہ، جس کے لئے یہ انمول جذبے تم نے سنبھال رکھے ہیں؟" اپنے غم پر قابو پانے کے لئے تو شاید عمر پڑی تھی۔ اگر اس سوال کا جواب نہ ملا تو شاید یہ بے چینی بھی تمام ہو گی نہیں۔ اور پھر ایسا موقع جانے زندگی دے یا نہ دے۔ وہ پوچھ ہی بیٹھی۔
"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وہ سنجیدگی سے بولا گویا وہ اس موضوع کو بند کر دینا چاہتا تھا۔
لائبہ زخمی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔
"مجھے ہسپتال جانا ہے، پاپا کے قریبی دوست ہسپتال میں ہیں۔ تم چلو گی؟"
لائبہ نے چونک کر باہر دیکھا۔ وہ روشنیوں بھری سڑکوں کے بیچ سے گزر رہے تھے۔ رات کے سائے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔
'کہیں مجھے دیر تو نہیں ہو گئی؟ تنزیل کا فون بھی پھر نہیں آیا۔' اسے بے اختیار پریشانی لاحق ہوئی۔
"پلیز مجھے یہیں ڈراپ کر دو۔" وہ بے چینی سے بولی۔
"تمہیں جانا کہاں ہے، میں وہیں ڈراپ کر دوں گا نا۔"
"اس بحث کو چھوڑو، مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ بے رخی سے بولی۔
"اوکے......تو تم یوں کرو کہ گاڑی لے جاؤ۔ میں یہاں سے کوئی بھی کنوینس لے لوں گا۔ یوں بھی ہسپتال نزدیک ہے یہاں سے۔"
اُس کی آفر پر لائبہ نے لمحہ بھر ہی سوچا اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں تھا، اس نے سر ہلا دیا۔
ذرا دیر میں دائم اس سے رخصت ہو کر جا رہا تھا۔
"میں تھوڑی دیر بعد تمہیں پھر فون کروں گا۔ پلیز! اپنا خیال رکھنا اور کوئی اوٹ پٹانگ حرکت نہیں کرنا۔ تمہیں شہر کے رستوں کی واقفیت ہے بھی نہیں۔" وہ فکر مند انداز میں اسے نصیحت کر رہا تھا۔
"اور تم پلیز! مام سے کوئی ذکر نہیں کرو گے۔ وعدہ کر چکے ہو نا!" لائبہ نے اسے یاد دہانی کرائی۔
"تمہیں دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یاد ہے۔ اوکے بائے، ٹیک کیئر!" ہاتھ ہلاتا وہ چلا گیا۔

✽⊚......⊚✽
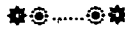
"میں یہیں پاکستان میں سیٹل ہونے کے لئے آیا ہوں اور یہیں رہوں گا۔ میں نہ یہ گھر بیچنے آیا ہوں نہ اپنا حصہ لینے۔ اگر تمہیں بے اعتباری ہے تو میں یہ سب کچھ تمہارے نام کر دیتا ہوں۔ مگر تم مجھ سے اتنا اجنبی رویہ مت رکھو۔" اسامہ رنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔
"میں کب ہوں اجنبی؟" وہ اسی روکھے پھیکے لہجے میں بولی۔
"اور اگر آپ کو یہیں رہنا ہے تو میں کہیں اور چلی جاتی ہوں۔" وہ ذرا ٹھہر کر بولی۔ "کیونکہ مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ بلکہ نہیں، میں اب کسی کے بھی ساتھ رہنے کے قابل نہیں۔"
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم عائشہ! ایسی کیا بات ہے؟ پلیز مجھے بتاؤ" وہ پریشان ہو کر بولا۔ "اور تمہیں پتہ ہے، میں یہاں صرف تمہارے لئے اور بابا کے لئے تو آیا تھا۔ وہ چلے گئے، اب اس دنیا میں میرا تمہارے سوا اور کون ہے؟"
"اس کی پھر ایک شرط ہو گی۔" وہ کتنی عجیب سی ہو گئی تھی، مہجوری، بے گانی سی، پاس بیٹھ کر بھی دُور دُور سی تھی۔
"مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" وہ اس کی دل جوئی ہر حال میں چاہتا تھا۔

''آپ پہلے سن تو لیں، شاید آپ کو اعتراض ہو۔'' وہ جتا کر بولی۔
''نہیں ہوگا۔تم کہو تو۔''
''آپ میری کسی بات میں دخل نہیں دیں گے۔ نہ مجھ سے کچھ پوچھیں گے، نہ میرے ماضی کے بارے میں، نہ کوئی اور ایسا سوال جو میری پرائیویسی سے متعلق ہو...... میں کب گھر آتی ہوں، کب جاتی ہوں، آپ کو اس سے کچھ غرض نہیں ہونی چاہئے۔'' وہ رک رک کر گنوانے لگی۔
''اور اگر غرض ہو تو؟'' اُسامہ کے ماتھے پر بل پڑ چکے تھے۔
''پھر ہمارا اکٹھے رہنا مشکل ہے۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی۔
اسامہ نے ضبط کرنے کی کوشش کی مگر اس کی رگوں میں دوڑتا لہو جیسے انگاروں میں جلنے لگا۔
''کیا دھندا کرتی ہو تم، جو مجھ سے اس قدر پرائیویسی چاہتی ہو......؟'' وہ زور سے اس کا کندھا اپنی طرف موڑ کر شدید طیش سے بولا۔
''اب میری سمجھ میں آیا کہ بابا اس طرح اس دنیا سے کیوں گئے۔ تم جیسی بیٹیاں ہوتی ہیں، جو باپوں کو ان کی موت سے پہلے قبروں میں بھیجتی ہیں۔'' اس کے ماتھے کی رگ پھڑ پھڑانے لگی تھی اور ہتھیلیوں میں خون جلنے لگا تھا۔
''اور آپ جیسے بیٹے...... آپ جیسے بیٹے کیا کرتے ہیں؟ انہیں جدائی کا روگ دے کر، جیتے جی مار ڈالتے ہیں۔ آپ کو بھی احساس ہوا کہ آپ جو خود کو تکلیف سے بچانے کے لئے گھر سے فرار ہو گئے تھے، پیچھے انہوں نے آپ کی جدائی میں کتنی تکلیف اٹھائی ہو گی۔'' وہ بھی جواباً زور سے چلائی۔
''تم میری توجہ اس طرف سے ہٹا نہیں سکتیں۔ تمہیں بتانا ہوگا۔ تمہیں اپنے معاملات کے بارے میں مجھے بتانا ہوگا۔''
''اور اگر نہ بتاؤں تو؟'' وہ بھی غصے میں آ چکی تھی۔
''تو میں بڑا بھائی ہونے کے ناتے اتنا حق رکھتا ہوں کہ زبردستی تم سے پوچھ سکوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔
''تو کریں زبردستی۔ پوچھیں مجھ سے جو بھی پوچھنا ہے۔ میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ ایک لفظ بھی نہیں۔ سن لیا آپ نے؟'' وہ غصے میں چلاتی، چیزوں کو ٹھوکریں مارتی باہر بھاگ گئی۔
اسامہ کو اُس سے اس ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو اسے ابھی تک وہی معصوم اور بے ضرر سی چھوٹی بہن سمجھے ہوئے تھا، جو ہر تکلیف میں تڑپ کر اس کی ڈھال بن جایا کرتی تھی اور اب......
'یقیناً کچھ ایسا گہرا راز ہے جو یہ مجھ سے شیئر نہیں کرنا چاہتی۔ اور مجھے اس سے زبردستی کرنی بھی نہیں چاہئے۔' وہ بیٹھ کر سوچنے لگا۔
'مجھے نرمی اور محبت سے اس سے پیش آنا چاہئے۔ ابھی تو بابا کی جدائی کا زخم تازہ ہے، میری سخت گیری اسے اور بھی برگشتہ نہ کر دے۔ مجھے فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔' وہ فیصلہ کر کے کھڑا ہو گیا۔
'مجھے لائبہ کا پتہ کرنا چاہئے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دائم نے اسے بابا کے انتقال کے بارے میں بتایا ہو اور وہ کم از کم مجھے فون بھی نہ کرے۔ اور جو آنٹی اس کے بارے میں فون کر کے پوچھ رہی تھیں تو کیا وہ کہیں چلی گئی تھی؟'
وہ بے چین سا ہی کچھ سوچتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔
'اس بھائی کی واپسی کے لئے میں دعائیں مانگا کرتی تھی کہ یہ آ جائے تو میری زندگی کا یہ دوزخ، گلزار میں بدل جائے۔' عائشہ نے اسامہ کو باہر جاتے دیکھ کر اپنے آنسو پونچھے اور کمرے سے نکل گئی۔

✲......◉......✲

''مجھے ہر صورت گھر جانا ہے، چاہے کچھ ہو جائے۔ اور اگر مجھے گھر نہیں بھیجا جائے گا تو میں یہ ساری ڈرپس، یہ مشینیں اپنے جسم سے اتار پھینکوں گا۔'' دوبارہ انہیں ٹرانکولائز دیئے جا چکے تھے، جنہوں نے ذرا سا ہی بس اثر کیا تھا۔
ہوش میں آتے ہی محمود عالم نے وہی رٹ شروع کر دی کہ مجھے ابھی گھر جانا ہے۔
سارہ ایک بار دن میں اس کے پاس آ چکی تھیں، اب پھر بیٹھی محمود عالم کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔
''محمود! آپ کی حالت ایسی نہیں کہ ڈاکٹر آپ کو ڈسچارج کر سکیں۔''
''تم اپنی بکواس بند کرو۔ مجھے اب یہاں اور نہیں رہنا۔ اگر مجھے مرنا ہی ہے تو گھر جا کر۔ ان سے کہو مجھے جانے دیں، ورنہ......'' وہ عجیب بہکی ہوئی حالت میں تھے۔
مصطفیٰ نے بے بسی سے محمود عالم اور سارہ کو دیکھا۔
دائم ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ وہ اکیلے سب کچھ سنبھالتے بری طرح سے نڈھال ہو چکے تھے۔

"تم نے گھر جا کر کیا کرنا ہے، مجھے صرف اتنا بتا دو۔ پھر میں ڈاکٹرز سے پرمیشن لے دوں گا۔ آئی پرامس یار!" انہوں نے ہار
نے والے انداز میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ ان کی حالت ایسی نہیں کہ انہیں گھر لے جایا جا سکے۔ میں یہ رسک نہیں لینے دوں گی۔" سارہ بے تابی سے بولی۔

"تم......تم ہوتی کون ہو مجھے روکنے والی؟ ابھی......ابھی طلاق کے تین لفظ تمہارے منہ پر ماروں گا اور اپنی زندگی سے
ان کر دوں گا، اب اگر تم میرے معاملے میں بولیں تو۔"

وہ کس پاگل پن میں مبتلا تھے، اس کا اندازہ تو وہاں موجود کسی بھی شخص کو نہیں تھا۔

اور محمود عالم کی دھمکی تھی یا وہ واقعی یہ کر گزر جاتے، سارہ کو سکتہ سا ہو گیا، ایسے انتہائی الفاظ تو انہوں نے بدترین لڑائی کے دوران
ہیں بولے تھے۔

"تم بھابی کو چھوڑو، مجھ سے بات کرو۔" مصطفیٰ نے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑا۔

"کیوں جانا چاہتے ہو تم گھر، مجھے بتاؤ؟"

محمود عالم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"مصطفیٰ! عزہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سیدھی گھر آئے گی، شو ختم ہوتے ہی۔ تو اب تک وہ شو ختم ہو چکا ہوگا۔ وہ گھر آ چکی
مجھے نہیں دیکھے گی تو سمجھے گی، میں اس سے ناراض ہوں، اسے معاف نہیں کرنا چاہتا، اس لئے سامنے نہیں آ رہا۔" وہ پھر سے
تو کبھی واپس نہیں آئے گی، پلیز!" انہوں نے بے اختیار مصطفیٰ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔
"مجھے گھر لے چلو۔ میری بیٹی ایک بار چلی گئی تو پھر نہیں آئے گی۔ پلیز! تمہیں اپنے بیٹے کی قسم! مجھے گھر لے چلو۔" وہ بچوں کی
ہی پڑے تھے۔

"اچھا پلیز! تم مت روؤ۔ میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں۔ اور کون یقین کرے گا کہ ابھی کچھ ہی گھنٹے پہلے تمہیں اتنا سیریس
ہے اور تم یوں بچوں کی طرح ضد کر کے گھر جانا چاہتے ہو۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولے۔

ود عالم اسی طرح التجائیہ نظروں سے انہیں دیکھتے رہے۔

اگر میں تمہارے گھر چلا جاؤں یا دائم، جیسے ہی عزہ گھر آئے اسے یہاں لے آئیں گے۔ پرامس!" انہوں نے بہلانا چاہا۔

ہیں، ہرگز نہیں۔ بس خود...... پرامس! وہ آ جائے گی تو تم لوگ بے شک مجھے دوبارہ ہاسپٹل لے آنا، لیکن آج رات مجھے گھر
ہے۔ پلیز!"

کے۔ میں بات کرتا ہوں ڈاکٹر سے۔ تم پلیز ریلیکس ہو جاؤ۔ عزہ آ گئی تو بھی کہیں نہیں جائے گی۔ ریلیکس۔" وہ آہستہ
کی پیشانی سہلانے لگے۔

❁

''عزہ! تم ٹھیک ہو نا؟'' تنزیل اس پر خوب سا پانی چھڑک کر اسے ہوش میں لایا تھا۔
''ہوں...... ہاں...... تنزیل! ہم گھر کیسے جائیں گے؟'' نقاہت کی وجہ سے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔
''ابھی کچھ دیر میں...... میں ٹرائی کر تو رہا ہوں، مگر کسی سے بھی رابطہ نہیں ہوا۔ عائشہ، لائبہ دونوں ہی رسپانس نہیں کر رہیں۔'' وہ خود پریشان تھا۔ ٹھوڑی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔
''تو کسی اور کو فون کرو نا۔ پولیس کو بلاؤ۔ کچھ کرو۔'' وہ زور سے بولی۔
''ہوں...... میرا خیال ہے اب یہی کرنا پڑے گا۔'' تنزیل اٹھ کر نمبر ملانے لگا۔
''کوئی نہیں اٹھا رہا یار!...... باہر اندھیرا ہو چکا ہے۔ آگے پھر رات ہے اور رات میں ان کی کیا پلاننگ ہے I can't understand۔'' وہ پریشان ہوئے جا رہا تھا۔
''یا اللہ! کوئی مدد بھی۔ یہ یاقوت کی بچی نے ہمیں یہاں مرغیوں کی طرح ڈربے میں بند کر دیا ہے۔ میں نے تو ابھی کوئی گناہ، کوئی قتل شتل بھی کھل کر نہیں کیا تھا، بس جب بھی ارادہ ہی کیا اور بس۔'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر باقاعدہ دعا مانگنے لگا۔
''بس اوٹ پٹانگ بولے جانا۔'' وہ چڑی ہوئی تھی۔
''دعا مانگ رہا ہوں، جس کی توفیق تمہیں بھی نہیں ہو رہی۔''
زوردار جھٹکے سے دروازہ کھلا اور ان کے سامنے لائبہ کھڑی تھی۔ دونوں جیسے شادیٔ مرگ میں مبتلا یک ٹک اسے دیکھے چلے گئے۔
''تم...... تم آ گئیں، واقعی؟'' تنزیل بے یقینی سے اس کے پاس آ کر بولا۔
''نہیں۔ تم خواب دیکھ رہے ہو۔'' لائبہ نے زور سے تنزیل کے بازو میں چٹکی کاٹی۔
''افوہ! کیسی زہریلی ہو، ماں کی طرح۔'' وہ بلبلا کر بولا۔
''خبردار! ابھی میری مام کو کچھ نہیں بولنا۔ ابھی کچھ بھی پروف نہیں ہوا ان کے خلاف۔'' وہ غرّا کر بولی۔
''ابھی بھی تمہیں پروف کی ضرورت ہے۔ ویری اسٹرینج!'' وہ مصنوعی حیرت سے بولا۔
''تم نے یہ لاک کیسے کھولا؟'' لحہ بھر بعد اسے خیال آیا۔
''چابی ہے۔'' لائبہ نے چابی اس کے آگے کی۔
''تمہارے پاس اس کی چابی تھی۔ گویا تم پہلے سے اپنی مام کے ساتھ......'' وہ شکی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
''اے خبردار! پھر اپنے فضول دماغ میں کوئی اُلٹی پلٹی بات نہیں سوچنا۔''
''یہ چابی تو دائم نے اس لاک کو لگائی تھی، جہاں تم مجھے چھوڑ کر آئے تھے اور دیکھو، ذرا سی کوشش سے یہ اسے بھی لگ گئی۔''
''دائم...... تم دائم کو جانتی ہو؟'' عزہ اس کے پاس آئی۔
''آف کورس۔ تم عزہ ہو شاید۔ مام سے تمہارا ذکر سنا تھا اور......'' وہ بولتے ہوئے چپ کر گئی۔
تینوں لحہ بھر کو خاموش ہو گئے۔
''اچھا اب چلو بس۔ اس سے پہلے کہ کوئی آ جائے۔ آئی مین تمہاری سویٹ مام کا کوئی ہرکارہ۔'' وہ پھر سے اسے تاؤ دلانے کو بولا۔
''شٹ اپ...... جاؤ تم دونوں اب۔''
وہ آگے بڑھ کر اپارٹمنٹ کا جائزہ لینے لگی۔
''کیا مطلب؟...... تم نہیں جاؤ گی؟'' وہ حیرانی سے بولا۔
''نہیں۔''
''مگر کیوں؟'' تنزیل پریشان سا ہو گیا۔

"مجھے یہاں رک کر اپنی ماں کا انتظار کرنا ہے۔ ابھی مجھے ان کے خلاف کچھ بھی ثبوت نہیں مل سکا، اس لئے تم جاؤ۔"
"میں نہیں جاؤں گا۔" تنزیل ہٹ دھرمی سے بولا۔
"پاگل مت بنو۔ جاؤ، کوئی آ گیا تو پھر میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکوں گی...... جاؤ۔" وہ تنزیل کو غصے سے دروازے کی دھکیل کر بولی۔
"ہرگز نہیں، میں تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"
"ابھی میں اکیلی نہیں ہوں۔ تم کیوں نہیں سمجھ رہے؟ مجھے ابھی مام کو فون کر کے یہاں بلانا ہے۔ پلیز جاؤ!"
"یہاں کچھ کھانے کو بھی ہے؟" وہ پھر سے بولا۔
"ہاں۔ جب تک تمہارا تاوان نہیں چکتا ہو جاتا، میں تمہاری ذمہ داری ہوئی۔ سو میرے لئے جاتے ہوئے کھانا لے آؤ۔ بلکہ میں یہیں سے آرڈر کر دوں گی۔ مام آتے ہوئے لے آئیں گی۔ پلیز، اب جاؤ۔"
"تنزیل! چلو نا پلیز۔" عزہ اب کے اس کا بازو کھینچ کر عاجزی سے بولی تو وہ دونوں کو دیکھتا باہر نکل گیا۔
بس یوں لگا، جیسے وہ کسی جیل سے سالوں بعد رہا ہو کر نکلے ہیں۔
برے لمحے وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ پیچھے لائبہ نے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند کر لیا تھا۔

✲⊙......⊙✲

"محمود! تم ٹھیک ہو نا؟" مصطفیٰ نے مڑ کر سیٹ پر نیم دراز محمود سے پوچھا۔
"ہوں...... گھر آ گیا؟" وہ غنودگی میں تھے۔
"ہاں، بس آنے والا ہے۔" مصطفیٰ، محمود کی بدلتی رنگت دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔
"منع بھی کیا تھا میں نے، یہ اپنی حماقت میں ضد کر رہے ہیں۔ آپ کو تو سمجھ داری کا ثبوت دینا چاہئے تھا۔" سارہ بڑبڑائی۔
گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔
مصطفیٰ کا فون بجنے لگا۔
"ہاں دائم!...... تم پہنچ گئے ہسپتال...... ہم گھر آ گئے ہیں، محمود کے۔"
"کیا...... کون ہے تمہارے ساتھ؟" وہ چونکے۔
"کون...... عزہ ہے؟"
محمود عالم نے بے قراری سے آنکھیں کھول لیں۔
"یاقوت میڈم...... تمہارے ساتھ......" وہ آہستگی سے بولے اور محمود عالم نے بے ساختہ سینے میں اُٹھی درد کی لہر کو زور سے بھینچ کر روکا۔

✲⊙......⊙✲

کوشش کے ساتھ قسمت کا کتنا عمل دخل ہوتا ہے، قسمت کے بغیر کوشش اکثر بے کار ہوتی ہے اور کوشش کے بغیر شاید قسمت بھی۔ یہ تو کسی نے نہیں دیکھا، لیکن کوشش...... کم از کم اس کی کوشش قسمت کے ساتھ کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اور اس وقت یہی ہوا۔
بالکل عین وقت پہ جبکہ شاید جہانگیر ہمدانی کی آخری سانسیں اس کے گلے تک آ چکی تھیں اور صوفے سے گرا آدھا دھڑ بھی حرکت کرنا موقوف کر چکا تھا، اپنی طرف سے ثانیہ نے کمرے کا دروازہ بھی بند کیا تھا، پھر......
بس اصل جھگڑا ہی قسمت اور کوشش کے بیچ ہوا اور ہاتھ آئی بازی اُلٹ گئی۔
یا شاید جہانگیر ہمدانی کی موت کم از کم اس گھڑی نہیں تھی یا اگر تھی بھی تو ثانیہ مراد کے ہاتھوں نہیں۔
پہلے ہلکے سے، پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا اور میڈم یاقوت کی خاص ملازمہ، ثانیہ کے سامنے کھڑی تھی۔
ثانیہ نے جھک کر ہاتھ سے پھسلا کشن نیچے سے اٹھایا اور خود بھی کھڑی ہو گئی۔
جہانگیر ہمدانی کے نتھنے اس فراوانی سے آکسیجن ملنے پر کھل کر سانس لینے لگے۔
ثانیہ رخ پھیر کر اپنے تنفس پر قابو پانے لگی۔
"کمرے میں کوئی آیا تھا؟" ملازمہ یقیناً خوب سر چڑھی تھی، جو کڑے تیوروں سے پوچھ رہی تھی۔
"اس (مردود) کے علاوہ تمہیں کوئی نظر آ رہا ہے؟" ثانیہ نے ذرا سا رخ پھیر کر درشتی سے کہا۔
"کھانا لگا دیا ہے میں نے ساتھ والے کمرے میں، یا جہانگیر صاحب کے اُٹھنے کا انتظار کریں گی؟"

"یقیناً کرتی اگر اس کے دنیا سے اُٹھنے کی امید ہوتی۔" دل میں کلستی وہ ایک نظر اب زور زور سے خراٹے لیتے جہانگیر ہدانی دیکھ کر بولی۔

"نہیں...... مجھے بھوک لگی ہے۔ ابھی کھانا چاہوں گی۔" وہ اس پہ ایک نفرت بھری نظر ڈال کر ملازمہ کے پیچھے کرے نکل گئی۔

ڈائننگ روم میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"میڈم یاقوت کب تک آئیں گی؟" لمبی چوڑی میز پر سجا کھانا دیکھ کر اس کی جانے کتنے دنوں کی سوئی بھوک جاگ اٹھی تھی۔

"معلوم نہیں۔" وہ رُکھائی سے بولتی اس کے سر پہ ہی کھڑی رہی۔

تانیہ اگلا کوئی بھی سوال پوچھے بغیر خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔

بیرونی کسی کمرے میں پہلے ہلکی سی ہلچل ہوئی اور پھر کسی کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

تانیہ پورے دھیان سے کھانا کھا رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وقوع ہو جانے والی انہونی اس کے دماغ سے نکل چکی تھی، کم از کم شیطان کا مرنا اس کے ہاتھوں نہیں لکھا تھا۔

"لائبہ بی بی کدھر ہیں؟ وہ اسامہ صاحب آئے ہیں، پوچھ رہے ہیں۔ کیا بتاؤں؟" دوسری ملازمہ اس پہلی والی سے پوچھنے لگی تانیہ کے ہاتھ وہیں رک گئے۔ دوسرے لمحے اسامہ کمرے میں کھڑا تھا۔

تانیہ کو یوں لگا، دیارِ غیر میں اپنے وطن سے آئی ٹھنڈی ہوا کا کوئی معطر جھونکا لمحہ بھر کو یہاں آ کر ٹھہر گیا ہو۔

"آپ یہاں کب آئیں؟" وہ خوشگوار حیرت سے بولا۔

"آئیں پلیز، میرا ساتھ تو دیں۔" وہ ملازمہ کو دونوں کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیتے نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"تھینکس۔ آپ کھائیں، میں ویٹ کر لیتا ہوں۔" وہ ایک طرف بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میں بھی کھا چکی۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتی کھڑی ہو گئی۔

"کافی ملے گی؟" اس نے سر پر کھڑی اس مصیبت سے کہا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"آپ پاکستان کب آئیں؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"آ تو گئی ہوں، لیکن کیوں آئی ہوں بلکہ لائی گئی ہوں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" گہرا سانس لے کر کچھ پریشانی سے بولی۔

"کیا مطلب؟ آپ کو نہیں پتہ؟" وہ کچھ اُلجھا۔

"میں آپ کو شاید اپنے بارے میں تھوڑا بہت، بلکہ کافی بتا چکی ہوں۔" وہ جتا کر بولی۔

"جانتا ہوں میں۔ مگر اتنی جلدی آپ آ رہی ہیں ادھر، یہ مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

"مجھے بھی نہیں تھا۔" وہ آہستگی سے بولی۔ دونوں کچھ دیر کو خاموش ہو گئے۔

"آپ جن کی تلاش میں پاکستان آئے تھے، وہ آپ کو ملے؟" ذرا دیر بعد تانیہ کو خیال آیا۔

"ہوں!" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "یوں سمجھیں، ملے بھی اور نہیں بھی۔"

تانیہ سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

"میرے پاکستان آتے ہی میرے فادر کی ڈیتھ ہو گئی، اور......اور بس۔"

"اوہ، ویری سیڈ۔ بہت برا ہوا یہ تو۔"

"معلوم نہیں، برا ہوا کہ اچھا۔ بہت ساری چیزیں، بہت سارے واقعات جب وقوع پذیر ہوتے ہیں تو جیسے دُھند کے گہرے غبار میں لپٹے ہوتے ہیں۔ فوری طور پر ہم کچھ سمجھ نہیں پاتے، مگر پھر دھیرے دھیرے جب دُھند چھٹتی ہے تو......" اس کے سامنے عائشہ کا بے مروت چہرہ آ گیا، جس کی نظروں میں شناسائی بھی نہ رہی تھی۔

"کیا ان لوگوں نے آپ کو آسانی سے آنے دیا؟" بہت دیر بعد اسامہ کو خیال آیا۔

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ مجھے اچانک کیوں بلایا گیا۔ پھر میری اپنے بھائی سے بات بھی کرائی گئی اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔ کئی گھنٹوں سے یہاں محبوس ہوں، جنہوں نے بلایا ہے وہ بھی موجود نہیں۔"

"کون؟" اسامہ نا سمجھی سے بولا۔

"میڈم یاقوت، اس گورکھ دھندے کی آل اِن آل۔" وہ تلخی سے بولی۔

"اگر میں آپ سے نہ ملا ہوتا، آپ کی کہانی سن نہ چکا ہوتا تو شاید میں کبھی یقین نہ کرتا۔ کیا میڈم یاقوت جیسی ریفائنڈ لیڈی اس طرح کے گھناؤنے کام...... تانیہ! آپ پولیس کی ہیلپ کیوں نہیں لیتیں؟" اسے خیال آیا تو فوراً بولا۔

"آپ پاکستان میں نہیں رہتے نا۔ اس لیئے یہاں کی پولیس اور یہاں کے قانون کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"یہاں ایسے لوگوں کی پشت پناہی ہماری پولیس، ہمارا قانون ہی تو کرتا ہے۔ چھوٹی مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں، بڑے مگرمچھ پھسل جاتے ہیں، وہ کسی اور دریا میں جا کر پھر سے اپنے قدم جماتے ہیں اور پھر سے وہی دھندہ شروع۔"

اتنے تھوڑے سے دنوں میں اسے اس گورکھ دھندے کی ساری تو نہیں، تھوڑی بہت سمجھ آ ہی گئی تھی۔

"پھر اس کا کیا حل ہوگا؟"

"پتہ نہیں۔ شاید میری موت یا پھر......"

"یا پھر کیا؟" وہ بے قراری سے بولا۔ جانے کیوں پہلے دن سے اس کا جی چاہ رہا تھا، اس اچھی سی لڑکی کی مدد کرے، جو کہیں اس فیلڈ کا حصہ نہیں لگتی تھی۔

"یا پھر میں کسی دور دیس، زمین کے اندر یا کسی دوسرے آسمان کے نیچے چلی جاؤں، چھپ جاؤں خود سے بھی۔ اور دیوانے کا کیا ہو سکتا ہے؟" وہ آنکھیں بند کیئے کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔

دونوں پھر خاموش ہو گئے۔

"اگر لائبہ ہوتی تو وہ یقیناً آپ کی مدد کرتی۔" ذرا دیر بعد اسامہ کو خیال آیا۔

"کون لائبہ؟"

"میڈم یاقوت کی بیٹی۔ شی اِز ویری نائس اینڈ پریٹی۔" وہ آنکھوں کے سامنے لائبہ کا چہرہ لا کر جذبات کے عالم میں بولا۔

"پریٹی۔" تانیہ زیرِ لب ہی کہہ سکی۔ اس نے اسامہ کی آنکھوں میں بہت کچھ پڑھ لیا تھا۔

"اتنا جانتے ہیں آپ لائبہ کے بارے میں کہ وہ ضرور میری مدد کرتی؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولی۔

اسی وقت کافی آ گئی۔ دونوں خاموشی سے کافی پینے لگے۔

عزہ ان سے کچھ فاصلے پر پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی، مگر انداز مستقل نگرانی کا تھا۔ دونوں شاید اس کے خیال سے خاموشی پی رہے تھے۔

"آگے کیا سوچا ہے؟" اسامہ آہستگی سے بولا۔

"کچھ نہیں، کیا سوچنا ہے؟" اسے پھر سے جہانگیر ہمدانی کا خیال آ گیا، جو اُٹھ کر آتے ہی اس کی جان مصیبت میں ڈال سکتا تھا۔

اسی وقت اسامہ کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔ وہ موبائل سنتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"جی آنٹی! بات کر رہا ہوں۔ جی، میں تو آ گیا تھا آپ کے کہنے کے مطابق۔ آپ کدھر ہیں؟......اوہ اچھا تو پھر مس تانیہ کو لے آؤں اپنے ساتھ۔ ٹھیک ہے، آپ ویٹ کریں، میں نکل رہا ہوں مس تانیہ کے ساتھ......اوکے!" یہ کہہ کر اس نے سیل آف کر دیا۔

"آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا، یاقوت آنٹی بلا رہی ہیں۔" وہ تانیہ کے پاس آ کر جتانے والے انداز میں بولا۔

"آپ بھی؟" تانیہ ششدر سی رہ گئی۔ (تو کیا اسامہ بھی ان ہی کا ساتھی ہے؟)

"ٹائم ویسٹ نہیں کریں۔ میم انتظار کر رہی ہیں۔" وہ عجلت بھرے انداز میں بولا۔ تانیہ نے ایک افسردہ سی نظر اس پہ ڈالی اور ساتھ چل پڑی۔

وہ لمحہ بھر کو تو کھڑی رہی، پھر ان کے ساتھ چلتی باہر نکل گئی۔

کچھ ہی دیر میں اسامہ، تانیہ کو لے کر گاڑی میں باہر نکل گیا تھا۔

✻⊙......⊙✻

اس نے حیرانی سے اپنے سیل فون کو دیکھا۔

"یہ کیا بول رہا تھا؟ اور اس نے میری ایک بھی بات نہیں سنی۔" وہ حیران سا سوچتا رہ گیا۔

اسے امید نہیں تھی کہ میڈم یاقوت ہسپتال آ جائیں گی۔ مگر جانے کیسے ان کے دل میں رحم آیا یا شاید دائم کا خیال جو وہ اچانک آ گئیں۔ جو نوجوان کے انتظار میں اپنی سانسیں گن رہا تھا، وہی موجود نہیں تھا۔

"وہ تو رستے گھر جانے کے لئے۔ انہیں یقین ہے عزہ گھر ہی آئے گی تو آپ میرے ساتھ چلیں نا ان کے گھر، پلیز!" وہ روتے ہوئے بولا۔

وہ گہری نظروں سے دیکھتی رہیں۔

"کیا دیکھ رہی ہیں آپ مجھے؟"

''تمہارے چہرے میں کسی اور کا چہرہ تلاش کر رہی تھی، وہ بھولے بسرے، مگر خوب جانے بھالے خدوخال کہ اگر میری آنکھوں میں بصارت نہ بھی رہے تو بھی میں اس چہرے کو چھوئے بغیر پہچان سکتی ہوں۔'' وہ دل ہی دل میں سوچ کر رہ گئیں۔

''تم کیا سمجھتے ہو، میں محمود عالم کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی ہوں یا کرنا نہیں چاہتی؟''

''گھبرانے والی بات تو آپ جیسی پُراعتماد شخصیت کو دیکھ کر ایک دم جھوٹ لگے۔ ہاں، سامنا نہیں کرنا چاہتیں۔ اور کیوں نہیں کرنا چاہتیں، یہ سوال مجھے بھی اس ضد پہ اُکسا رہا ہے کہ آپ کو میں اپنے ساتھ ہی لے کر جاؤں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''تو بالکل فکر مت کرو، سامنا کرنے سے نہ گھبرا رہی ہوں، نہ کترا رہی ہوں۔ ہاں، تمہارے محترم انکل کی جو اس وقت حالت ہو رہی ہے، وہ یقیناً میرا سامنا نہیں کر پائیں گے۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ان کی بیوی......'' انہوں نے کہتے ہوئے دانت بھینچ لئے۔ ''میں خود کو نہیں، ان کو ٹائم دے رہی تھی ڈیئر! ذرا ان کا دل طاقت پکڑے۔ ابھی تو کچھ معاملات رہتے ہیں ہمارے بیچ میں۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولیں۔ ''یوں بھی دشمن کمزور ہو تو مقابلے میں بھی مزہ نہیں آتا۔'' وہ مسکرا کر عامیانہ انداز میں دائم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''آپ ان سے کیا بات کرنا چاہتی ہیں؟'' دائم کو ان کے عزائم سے خطرے کی بُو آئی تھی۔

''یہ میں تمہیں تو کیا، کسی کو بھی نہیں بتا سکتی، تھوڑا انتظار اور۔ ابھی تو مجھے لائبہ کی فکر ہے، جانے وہ کہاں ہے۔'' یک دم سے انہیں یاد آ گیا۔ وہ جس کام کے چکر میں چکرا کر رہ گئی تھیں، اب ادھر کھڑی محض ٹائم برباد کر رہی ہیں۔

''لائبہ، آئی تھنک شی اِز آل رائٹ......'' دائم کہتے کہتے رک گیا کہ لائبہ نے اسے سختی سے منع کیا تھا۔

''تم کیسے کہہ سکتے ہو یہ؟'' وہ شک بھرے انداز میں بولیں۔

''میں نہیں، میرا دل کہہ رہا ہے میم!'' وہ مسکرا کر بولیں۔ وہ اسے پہلے کی طرح پیار لٹاتی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''پتہ ہے دائم! میں نے کیا سوچ رکھا ہے؟'' وہ ایک دم سے دوستانہ انداز میں بولیں۔ ''صرف ایک بار تمہارے محمود عالم صاحب سے دو باتیں کرنی ہیں، اس کے بعد لائبہ کے ملتے ہی وہ بھی اِن شاءاللہ مجھے آج ہی مل جائے گی۔ اور پھر تمہاری سو کالڈ مدر کو دی گئی مہلت بھی سمجھو پوری ہو جائے گی، تو پھر تم اپنے وعدے کے عین مطابق میرے ساتھ اور لائبہ کے ساتھ چلو گے، جہاں جانے کا میں نے سوچ لیا ہے۔ اور ہم باقی کی زندگی وہاں جا کر خوب سکون اور خوشی سے بسر کریں گے۔ میں یہ سب کام، سب کچھ چھوڑ دوں گی۔'' ان کی آنکھوں میں بہت سے جگنو، بہت سے ستارے تھے۔

''کون سے کام؟'' دائم نے بہت برا اور بے وقت یہ سوال کیا تھا۔ وہ سوال جو شاید اسے ان سے ملاقات اور ان کی شخصیت کے سحر میں مبتلا ہونے کے ابتدائی دنوں میں پوچھ لینا چاہئے تھا۔

میڈم یاقوت نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی اور نظریں پھیر لیں۔

''تم اب گھر جا کر ریسٹ کرو۔ میں کل اِن شاءاللہ خود ہی محمود عالم کے پاس پہنچ جاؤں گی ان کے گھر۔ اور اگر باقی لوگوں کی طرح تمہیں بھی تجسس ہو کہ آگے کیا ہونے والا ہے تو تم بھی چلے آنا۔ اور آؤ گے تو ضرور، یہ تو میں جانتی ہوں۔'' وہ آنکھوں میں مخصوص چمک بھر کر بولیں۔

اور اب وہ ان سے یہ سوال نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں اس کے آنے کا یقین کیوں ہے۔

''چلتی ہوں میں، کل شام پانچ اور چھ کے درمیان محمود عالم کی طرف چلیں گے۔ اپنا خیال رکھنا اور تیاری بھی۔ تم نے وعدہ کر رکھا ہے۔'' وہ اس سے خوب پکا عہد لینا چاہ رہی تھیں۔

وہ خفیف سا سر ہلا کر رہ گیا۔

دوسرے لمحے وہ وہاں سے جا چکی تھیں۔

''اب انہوں نے محمود عالم سے کیا کہنا ہے؟'' فوری طور پہ دائم کو اس سوال کا جواب نہیں مل سکا اور واقعی جاننا تو اسے کل تھا۔ تجسس میں نہ سہی، محمود عالم کی عیادت کو بھی۔

وہ سر جھٹک کر اسامہ کا نمبر ملانے لگا اور اسامہ نے کچھ اور ہی اوٹ پٹانگ باتیں کر کے فون رکھ دیا۔

''دوبارہ فون کروں؟'' لمحہ بھر بعد اس نے سوچ کر دوبارہ سے نمبر ملایا۔

''دائم! میں تمہیں خود تھوڑی دیر میں کال کرتا ہوں، پلیز!'' دائم کے کچھ بولنے سے پہلے اسامہ نے کہہ کر دوبارہ سے رابطہ منقطع کر دیا۔

''یہ کن چکروں میں ہے؟ اور یہ تانیہ نام بھی سنا سنا سا لگ رہا ہے۔'' وہ اُلجھتا ہوا باہر نکل آیا۔

اے میڈم یاقوت کی چالاکی کہوں یا کہ ان کی قسمت کی خوبی کہ انہوں نے مجھے باتوں کا ایسا چکر دیا کہ میں پھر سے عزہ کے
بارے میں نہیں پوچھ سکا۔ اور محمود عالم کو اتنا یقین کیوں ہے، عزہ گھر میں آئے گی؟"
وہ خود کہاں جائے، یہ بات بھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔
اس کے بغیر گھر گیا تو مما کے سوال ختم نہیں ہوں گے اور دوبارہ سے "عالم ولا" جانا بھی اچھا نہیں لگتا۔ وہ عالی شان محل، عزہ کی
کے بغیر کتنا اُجاڑ، کتنا ویران سا لگتا ہے۔' اور وہ پہلی ملاقات یاد کرنے لگا، جب عزہ اس سے اسی گھر میں ملی تھی اور اس نے
کے ورق کا حوالہ دینا چاہا تو پہلی ہی ملاقات میں اس کا غصہ کتنا شدید تھا۔
لیکن اس سے پہلے تو ہم اس روڈ ایکسیڈنٹ میں بھی مل چکے تھے، جب اس کی فضول ڈرائیونگ کی وجہ سے مجھے میرا بیگ مل گیا تھا۔'
ایک ایک کر کے عزہ کی یادیں تھیں جو قطار باندھے چلی آئیں اور وہ سوچتا چلا گیا۔

✲●......●✲

سنو، مجھے ان دونوں قید کر کے نہیں رکھنا، مجھے جو مقصد چاہئے تھا، وہ حاصل ہو چکا ہے۔ تم بے شک آٹو لاک باہر سے کھول
دروازہ باہر سے کسی بھی عام چابی سے کھل جائے گا۔ یوں سمجھو، مجھے ان کی ضرورت نہیں رہی۔" انہوں نے خاص گن مین کو
ہدایت دے کر آنے کے بعد وہ ذرا دیر کے لئے اپنے آفس آئی تھیں۔
جانے سے پہلے عائشہ بخاری سے بھی دو دو ہاتھ کرنے تھے۔
کی کچھ خاص الخاص چیزیں ان کے پاس موجود تھیں، جسے ایک بار اسے دکھا کر انہوں نے آئینہ دکھانا تھا۔ وہ عائشہ کو ایک
قدموں میں گر کر گڑگڑاتے ہوئے، معافیاں مانگتے دیکھنا چاہتی تھیں۔
نے یہ کیسا مزہ ہے کہ ہزار بار دُہرائے گئے اس منظر کو پیروں کی ٹھوکریں مارنے کے باوجود بھی تسکین نہیں ہو پاتی۔
دل سنگلاخ ہو جائے، شقاوت کی انتہا کو پہنچ جائے تو پھر ایسے مناظر اس شیطانی فطرت کو اور بھی شہہ دیتے چلے جاتے
انسان میں بدرجہ اتم موجود ہے، کسی میں بہت کم اور کسی میں پوشیدہ اور کسی میں انتہا سے زیادہ۔ اسی لئے تو چنگیز خان کی
کے مینار کھڑے کرنے کے باوجود انسانی لہو سے نہانے کی تشنگی ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔
ایسا ہی حال میڈم یاقوت کا بھی تھا۔
ہم بیٹھے اختیار ملتے ہی ظلم کرنے کی کچھ یوں عادی ہوئیں، جیسے کوئی پیشہ ور نشئی۔ انہیں اس کریہہ کام میں انسانوں کو
رانے اور ذلیل و خوار کرنے میں لطف آتا تھا۔ کہتے ہیں، اللہ نے انسان کو اپنے عکس پر پیدا کیا ہے۔ ذرا سا اختیار مل جانے
تخلیق کار جیسا، اس کے حصے کے برابر تصور کرنے لگ جاتا، شاید یہ اس عکس کا کمال ہے کو میڈم یاقوت میں بھی پیدا ہو چکا
کو منواتے ہوئے ان کی پوری شخصیت پر چھا چکا تھا۔
ہم خفیہ کیمروں سے ہم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں یا مجھے اندر جا کر اوریجنل سینز کرنے ہوں گے یا میں فلم کی مکسنگ سے
وں؟"
یل اور عزہ کی فلم اس سارے گیم۔ اس اتنے سارے کھیل کا واحد مقصد وہ شو بھی نہیں تھا، صرف ان دونوں کے انتہائی کلوز
ہے۔
ان کیمرہ پرنٹس سے کیا کچھ کر سکتے ہو؟" ان کے لبوں پہ شیطانی مسکراہٹ تھی جو ان کی فتح کی علامت تھی۔
ب کچھ۔" ان کا یہ ماہر ترین کیمرہ مین اپنے ہنر میں کیسا یکتا تھا، اگرچہ انہیں اس سے یہ سوال کرنے کی ضرورت بھی نہیں
کے، تو پھر تمہیں آن دی سپاٹ جانے کی ضرورت نہیں۔ انہی پرنٹس سے سب کچھ تیار کرو اور پھر میرے پاس لے کر آنے
م لگے گا؟"
ن ویک میم!"
کے، مجھے بہت بے چینی سے انتظار رہے گا۔" انہوں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ پھر گھر فون کر کے لائبہ کے بارے میں
یں۔ وہ تو نہیں آئیں۔" ملازمہ کے جواب نے انہیں ازسرِنو فکرمند کر دیا تھا۔ خیر، یہ کچھ ایسا مسئلہ نہیں تھا۔ انہوں نے دوبارہ
گن مین کا نمبر ملایا۔
م اس لڑکے تنزیل کو، جو اپارٹمنٹ میں ہے، اس کو نہیں جانے دینا، روکے رکھو۔ بس پہنچ رہی ہوں۔"
یل سے لائبہ کو حاصل کرنا انہیں بچوں کا کھیل لگ رہا تھا۔

''جی میم! میں ابھی شبیر سے کہتا ہوں۔ اوپر اس کی ڈیوٹی ہے۔'' اس نے سعادت مندی سے کہا اور فون بند کر دیا۔
اور جہانگیر ہمدانی گھر پر ہے، یہ سن کر انہیں بے حد کوفت محسوس ہوئی تھی۔
جانے کیا بات تھی، جب سے انہوں نے دوبارہ محمود عالم کو دیکھا تھا، جہانگیر ہمدانی کو دیکھتے ہی جس، گھٹن اور نفرت کا احساس ان کے اندر کروٹ لے کر جاگتا کہ وہ اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔
''جب سب کچھ طے ہو گیا ہے ہمارے درمیان، جس نے جتنا لینا ہے تو اس کے بعد یہ ادھر کیوں پڑا ہے؟ دفعان کیوں نہیں ہوتا؟'' غصے میں ان کے جسم کا سارا خون چہرے کی طرف سفر کرنے لگتا تھا۔
''دیکھو، اس جہانگیر ہمدانی کو۔ اگر تو وہ ہوش میں ہے تو فوراً گھر سے نکال دو۔ اگر نشے میں مدہوش پڑا ہے تو ملازموں سے کہو اسے باہر کہیں سڑک پر ڈلوا دو، انڈر اسٹینڈ!'' انہوں نے دوبارہ سے گھر فون کر کے کہہ دیا۔
'مجھے اب جا کر اس تنزیل سے لائبہ کا ایڈریس لینا چاہئے۔ اور وہ تانیہ...... اسے میں نے خوامخواہ بلا لیا۔' چند لمحے اس بارے میں وہ سوچنے لگیں، اس کا کیا کریں۔
'پہلے لائبہ کو لے آؤں، پھر اس کا سوچتی ہوں۔' ایک دو ضروری فون کرنے کے بعد وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر آفس سے آئیں۔

✻◉......◉✻

ان دونوں کے سامنے گن مین کھڑا تھا۔
عزہ نے لاشعوری طور پر تنزیل کی آستین پکڑ لی۔
گن مین نے ان دونوں کو ایک بے نیاز سی نظر سے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔
اس بے نیاز سی نظر نے دونوں کو ایک دم سے بہادر بنا ڈالا۔ دونوں تیزی سے لفٹ میں سوار ہو گئے۔
''تھینک گاڈ! آئی کانٹ بلیو تنزیل! میں زندہ سلامت وہاں سے نکل آئی ہوں۔'' بلڈنگ سے باہر آتے ہی بے یقین انداز عزہ نے سر اٹھا کر کھلے آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''ہوں!'' وہ بے دھیانی سے بولا۔
''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ چونک کر بولی۔
''کچھ نہیں۔'' وہ روکھے پن سے بولا۔
''جس کام کے لئے اتنے پاپڑ بیلے، وہ پھر بھی نہیں ہوا۔'' اسے جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔
'تانیہ ابھی بھی وہیں ہو گی۔ اور لائبہ نے کیوں خود کو مشکل میں ڈالا؟ مجھے ایک بار تو اسے روکنا چاہئے تھا۔ اس نے میری نہ کیا نہیں کیا۔ اپنی ماں سے ٹکر لی اور اب وہ جانے اس کا کیا حشر کرے۔ کاش! وہ اس عورت کی بیٹی نہ ہوتی تو کتنا اچھا تھا۔'
وہ کسی اور ہی دھیان میں سوچے جا رہا تھا۔
'اگر وہ اس عورت کی بیٹی نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟' کوئی معنی خیز انداز میں اس سے بولا۔
'کچھ بھی...... وہ اچھی لڑکی ہے۔' اس نے افسردگی سے سوچا۔
''تنزیل! تم کہاں ہو؟'' عزہ کسی بچی کی طرح اس کے تحفظ کے سائے میں، اس کے روکھے رویے سے کچھ بددل ہو کر اس بازو ہلا کر بولی۔
''تمہارے ساتھ تو ہوں۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔
''میرے ساتھ ہی رہنا۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ بچکانہ پن سے بولی۔
''اور یہ سب حرکتیں کر کے سب کو پریشان کرتے نہیں ڈر لگتا تمہیں؟'' وہ چونک کر بولا۔
''اب تم مجھ سے لڑو گے؟'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔
وہ بے بسی سے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پاس سے گزرتی ٹیکسی کو روکنے لگا۔

✻◉......◉✻

''لیکن احسن بھائی! آپ کو عالی بھائی کو دیکھنے جانا چاہئے۔ دوپہر میں اماں جان نے گاڑی بھی بھیجی مگر......اور پھر سارہ بھی ہے، اس کی طبیعت......'' یاسمین کافی دیر سے احسن مراد کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر وہ پہلے تو گم بدھ بنے خاموش رہے، پھر ایک دم سے گرجنے برسنے لگے۔
''میں اتنے سالوں سے بیمار ہوں، گھر میں پڑا ہوں، وہ کتنا مجھے دیکھنے یا پوچھنے آئے جو میں دوڑ دوڑ کر ان کی گاڑی میں بیٹھ کر

...خیریت دریافت کرنے؟'' وہ آگ بگولا ہو کر بولے۔
...مراد کا ظرف ہی کم نہیں تھا ان میں معاف کر دینے کی گنجائش بھی بہت کم تھی۔
...آپ کے بہنوئی......'' یاسمین نے رشتے کی نزاکت کا احساس دلانا چاہا۔
...نوئی سے زیادہ وہ ایک دولت مند، صاحب ثروت، صاحبِ حیثیت انسان ہے۔ اور میں ایک بے توقیر، بے ثروت، کم
...انسان ہوں، تو یوں بھی میرا جا کر اس کی خیریت پوچھنا بنتا ہے۔'' وہ جل بھن کر بولے۔
...مراد کے دماغ میں حیثیت کا یہ فرق دن بہ دن کچھ زیادہ ہی بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ شاید سارہ کے مستقل بے اعتنا روّیے نے
...ن کو زیادہ محسوس کرنے پر مجبور کیا تھا۔
...رہو یا غریب، عیادت تو سنت بھی ہے اور انسان کو پسند بھی ہے۔'' اب یاسمین نے اور طریقے سے قائل کرنے کی کوشش

...یا وہ ان احکام اور سنتوں کی پیروی سے مبرا ہیں؟ خود انصاف کرو، کبھی یہ مسٹر عالی صاحب میری خیریت پوچھنے چل کر
...جب میں بیمار ہوا، پورے ڈیڑھ ماہ ہسپتال میں رہا، یہ ایک دن بھی آیا؟''
...ن بیماری میں بدلا......'' یاسمین ذرا توقف کے بعد نرمی سے کہنے لگیں۔
...وہ غصہ میں بھر گئے۔
...تم بہت نیک پروین، صورت کی پیاری بھی اور خدا کے احکامات پر عمل کرنے والی بھی ہو۔ تم نے جھولی بھر بھر نیکیاں کما
...دولت مندوں کی انا کو خوب گھوڑے پر چڑھایا، دنیاوی لحاظ سے بھی بہت کیا، مگر ایک بات تم بھول جاتی ہو۔''
...ان کا سانس پھول جایا کرتا تھا۔
...احکام میں تمہارا شوہر، تمہارا مجازی خدا راضی نہ ہو، وہ خواہ صفا مروہ کے پھیرے ہی کیوں نہ ہوں یاسمین بی بی! قبول
...یں۔'' وہ عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر بولے تو یاسمین بے بس سی انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔
...اس سے بھی کہہ رہی تھی، وہ......سارہ نے......'' یاسمین کو سمجھ میں نہیں آیا، بات کیسے شروع کی جائے۔
...نے حکم دیا ہوگا، بیگم صاحبہ نے کہ اس بڈھے کو بھی حاضر کیا جائے۔ اس کی اور اس کے شوہر کی تیمارداری کریں۔'' وہ طنز
...کر بھی نہیں سکتے تھے۔
...سارہ تو بہت خیال کر رہی تھی آپ کا کہ آپ کیسے آئیں گے ہسپتال۔'' یاسمین جلدی سے صفائی دینے کو بولیں۔
...اور میرا خیال؟'' وہ ہنکارا بھر کر بولے۔ ''جانے دو یاسمین بیگم! اب ان سفید بالوں کے ساتھ ایسا بے دھڑک جھوٹ تو

...احسن مراد کو کسی بھی بات پر قائل کرنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا، کم از کم یاسمین کے لئے۔
...نے ایک تجویز پیش کی ہے۔'' احسن کی طنزیہ گفتگو سے بے زار ہو کر یاسمین نے دوٹوک بات کرنے کا ارادہ کیا۔
...ہے، اس کی تجویز بھی تو حکم کا درجہ رکھتی ہے، ہم جیسے دو ٹکے کے لوگوں کے لئے۔'' وہ ایک بھی نشانہ خطا نہ جانے دے

...عزہ کے گھر آنے پر......'' یاسمین ان کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے جلدی سے بات مکمل کرنے کو بولیں۔
...عزہ بی بی کہیں سیر سپاٹے کو گئی ہوئی ہیں اور یہ ہوائی تو کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی کہ محمود عالم کی بیٹی شوبز کی چکا چوند کا
...ے بھاگ گئی۔''
...'' یاسمین کا جی چاہا اپنا سر سامنے دیوار پر دے ماریں۔
...پلیز! میری بات تو سن لیں۔'' بس ہاتھ جوڑنے کی کسر رہ گئی تھی، وہ عاجزی کی انتہا پر تھیں۔
...ت باقی ہے تمہاری؟''
...گھر واپس آنے پہ سارہ......عزہ اور تنزیل کا رشتہ کرنا......''
...'' وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ یاسمین کا دل تو دل، سارے گھر کے در و دیوار بھی دہل کر رہ گئے۔ ''تم پاگل تو نہیں
...اک دھاڑ کے بعد گرجے۔
...واقعی لگا، وہ پاگل ہو چکی ہیں جو اس شخص کے ساتھ مغز ماری کر رہی ہیں۔
...پاگل پن کی کیا بات ہے؟'' وہ دھیرے سے معترض ہوئیں۔
...ذرا مٹھائی بانٹنے پر اُتر آئی ہوگی۔ لو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ عزہ بی بی گھر سے بھاگ گئیں، نہ تمہارے نکھٹو، ناکارہ

بیٹے کے بھاگ جاگتے۔“

”اُف! کس قدر منہ پھٹ اور بے دید شخص ہیں احسن مراد۔‘ یاسمین واقعتاً اپنا سر پکڑ کر رہ گئیں۔

”پہلی بات، تمہارا بیٹا لاکھ نکھٹو، ناکارہ، بدحرام سہی، تھوڑی بہت غیرت تو یقیناً اس میں بھی ہوگی۔ ہاں، اگر واقعی بے غیرت ہوا تو ایسی چھٹی ہوئی لڑکی سے رشتہ جوڑتے میں واقعی فخر محسوس کرے گا۔“

وہ تو ایک دم سے خود کو اس سارے قصے سے الگ کر کے بیٹھ گئے تھے۔

”تمہارا بیٹا۔“ بہت سال سے سن رہی تھیں، مگر یہ دو لفظی طعنہ اس بری طرح سے انہیں پہلے کبھی نہیں چبھا تھا۔

”تو میں سارہ کو جواب دے دوں؟“ وہ آنکھوں میں اُترتی نمی کو چھپا کر بولیں۔

”وہ تو تم نہیں دے سوگی، لکھوا لو مجھ سے۔“ وہ چیلنج کرنے والے انداز میں بولے۔ ”ایسی ہوتیں تم تو اس وقت اس کے منہ پر انکار کر کے آتیں۔ مگر تم میں ایسی جرأت ہی نہیں۔ نہ اب نہ آئندہ کبھی ہوگی۔“ وہ طعنہ باز عورتوں کی طرح بولے۔

”آپ کی بہن ہے وہ۔“ یاسمین نے گویا پھر سے یاد دہانی کروائی تھی۔

”تھی۔“ انہوں نے فوراً تصحیح کی۔ ”اس محمود عالم خبطی کی دولت کی ہوس میں سارہ نہ کسی کی بہن رہ سکی، نہ بیٹی۔ اماں جان کے ساتھ اس کا سلوک اتنے سالوں میں کیا کسی سے ڈھکا چھپا ہے؟“

’کھردرے انسان میں سچائی بھی بہت ہوتی ہے۔‘ یاسمین نے دل میں اعتراف کیا۔

”میں کیا کہوں سارہ کو؟“ یاسمین ذرا دیر بعد پھر بولیں۔

”مجھ سے پوچھتی ہو تو صاف جواب۔ ہاں اگر تم لالچ میں آ چکی ہو، اپنے اکلوتے بیٹے کو جس پر تمہیں بہت مان تھا، ہاتھوں سے گنوانا چاہتی ہو تو بصدِ شوق ہامی بھر لو کہ پھر وہ ادھر کا رخ کرنے والا نہیں۔ سارہ تم سے رشتہ نہیں جوڑنا چاہ رہی، تمہارے بیٹے کو داؤ لگانا چاہ رہی ہے۔ ورنہ رشتہ تو اس کا پہلے بھی تم سے تھا، کتنا نبھایا اس نے؟“ وہ جیسے ہاتھ میں آئینہ لے کر بیٹھ گئے۔

اور پہلی بار یاسمین، احسن کی دلیلوں کے آگے لاجواب سی ہو کر رہ گئیں، ورنہ تو ہمیشہ وہ ان کے غصے کو بے وجہ اور ان کی جھگڑالو طبیعت کا شاخسانہ سمجھتی تھیں۔

”تو پھر جوڑو گی رشتہ، سارہ بیگم سے؟“ وہ ان کا چہرہ پڑھ رہے تھے۔

”اماں جان سے بھی سارہ شاید بات کر چکی ہیں۔“ یاسمین نے احساس دلایا۔

”بات تمہارے بیٹے کی ہو رہی ہے، اماں جان کی نہیں۔“ وہ پھر سے جتا کر بولے۔ یاسمین کو غصہ سا آ گیا۔

”آپ کا بھی تو ہے۔ مسلسل تمہارا، تمہارا کیے جا رہے ہیں۔“ وہ چڑ کر بولیں۔

”اس کے مفادات تم مجھ سے بہتر جو سمجھتی ہو۔“ وہ مبہم انداز میں بولے۔

”پھر...... ابھی تو صاف انکار کرنا بھی مناسب نہیں۔“ وہ تذبذب میں پڑ گئیں۔

”پاگل ہو تم یاسمین بیگم! بالکل ہی۔“ وہ پہلی بار نرمی اور اپنائیت سے بولے۔ وہ ہونق پن سے ان کی شکل دیکھنے لگیں۔

”احمق! لڑکی موجود نہیں۔ گھر آتی ہے یا نہیں، پہلے یہ مسئلہ تو حل ہو جائے۔ اس کے بعد اس رشتے کا سوال اُٹھے گا۔ اور تم تمہیں ایک بات بتاؤں، چاہو تو لکھ کر رکھ لو۔ یہ جو محمود عالم ہے نا، یہ کبھی بھی نہیں چاہے گا کہ یہ رشتہ ہو، پھر اس کی بیٹی چاہے گناہ کی دلدل سے نہا دھو کر بھی نکل آئے تو بھی نہیں۔ اور بہتر ہے، تم یہ خواب دیکھنا چھوڑ دو۔“

اور یاسمین کتنی دیر کچھ بول ہی نہ سکیں۔

ان چند گھنٹوں میں واقعی ان کے دل نے ڈھیروں ڈھیر خواب دیکھ لئے تھے، تنزیل کے روشن مستقبل کے حوالے سے۔

عزہ جیسی بھی سہی، کم از کم تنزیل کے حق میں پارس ثابت ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں تنزیل کا مستقبل سیٹ ہونے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی، پھر جس طرح کی وہ پُراسرار سرگرمیوں میں آج کل گھر سے غائب رہنے لگا تھا، انہوں نے تو ان چند گھنٹوں میں سوچ لیا تھا کہ جیسے ہی سارہ کہے گی، وہ فوراً نکاح کر کے دونوں کو باہر بھجوا دیں گی۔ ایک پل کی بھی دیر نہیں لگائیں گی۔ مگر خواب!

غریبوں کے خواب بھی ان کی طرح غریب ہوتے ہیں، سر ڈھکو تو پاؤں ننگے، پاؤں ڈھانپو تو سر ننگا۔

وہ احسن مراد سے مزید کچھ بھی کہے بغیر ایک سرد سی آہ بھر کر خاموشی سے باہر آ بیٹھیں۔

’اور یہ بات تو احسن کی بھی غلط نہیں۔ سارہ صرف اپنے مطلب کے لئے میٹھی ہوئی ہے اور محمود بھائی کبھی نہیں مانیں گے۔ دونوں کے درمیان ایک نئی اور شدید جنگ چھڑ جائے گی اور شاید اس کی لپیٹ میں تنزیل اور ہماری پوری فیملی بھی آ جائے۔ نہیں، اس کا آسان حل خاموشی ہے۔ جب تک سارہ اور محمود دونوں خود سے یہ رشتہ نہ مانگیں۔‘ انہوں نے پکا فیصلہ کر لیا۔

رابعہ اور سمیعہ کہاں ہیں؟ ذرا جو انہیں ہوش ہو کہ رات کے کھانے کا کچھ ہوا یا نہیں۔" وہ کُڑھتی ہوئی اُٹھ کر کچن میں جانے
بی بیرونی دروازے کی بیل پورے زور سے بج اٹھی۔
یر تو ہوگا۔ اور آج یہ مجھ سے نہیں بچے گا۔ اس نے کیا طریقہ اپنا رکھا ہے دن بھر، رات بھر غائب رہنا۔ آج یہ احسن سے
ٹھیک ٹھاک سنے گا۔" وہ غصہ میں بھری دروازے تک آئیں۔
اس دوران دوسری بار گھنٹی بج چکی تھی۔
طریقہ ہے گھنٹی بجانے کا۔ دو دن گھر سے غائب رہنے کے بعد ایسی ڈھٹائی کے ساتھ۔" زور سے کہتے ہوئے انہوں نے
ول دیا اور دھک سے رہ گئیں۔
ن کے سامنے ثانیہ کھڑی تھی۔

✲✲......✲✲
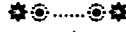
کیا بات ہے؟...... کیا تکلیف ہے؟" کسی نے شاید نشے کی حالت میں جہانگیر ہمدانی کو سخت ہاتھوں سے باقاعدہ اٹھا کر کھڑا
وہ غصے میں بمشکل آنکھیں کھول کر غرایا۔
چلو نکلو باہر، شاباش!" یاقوت کا خاص کن مین چٹکی بجا کر اسے باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
کیا مطلب؟" وہ اپنا بازو چھڑا کر زور سے اپنے سینے پہ مُکا مار کر دھکیلتے ہوئے غصے میں بولا۔
مطلب باہر...... گھر سے باہر۔" وہ پھر سے اسے باہر کی طرف دھکیل کر بولا۔
دماغ خراب ہے تمہارا۔ جانتے ہو کس سے، کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟" وہ غرا کر بولا۔
جانتا ہوں میں، مگر صرف ایک بات، وہ ہے مالکوں کا حکم۔ ہم اپنے مالکوں کے گھر بیٹھے کتے ہیں، صرف ان کے حکم پر دم ہلا
یا کرتے ہیں۔ چلو شاباش، باہر کا رستہ پکڑو۔" وہ پھر سے اپنے مخصوص انداز میں بولا۔
تمہیں یہ سب یاقوت نے کہا ہے؟" جہانگیر کا تمام تر نشہ ہرن ہو چکا تھا۔
مالک کون ہے؟ اور وہ کس کی بات کر رہا ہے، اسے سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔
ظاہر ہے، مجھے کوئی خواب میں تو بشارت نہیں ہوئی کہ گھر کو گند سے پاک کیا جائے۔" وہ کریہہ ہنسی ہنستے ہوئے بولا اور جہانگیر
خون کھول اُٹھا۔
جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا اور میڈم یاقوت کا نمبر ملانے لگا۔ دوسری طرف سے جہانگیر کا نمبر دیکھ کر فون کاٹ دیا گیا۔
دوسری بار، تیسری بار اور پھر چوتھی بار!
بس کرو اب۔ اس سے زیادہ اور کیا جوتے کھا کر نکلو گے؟ میڈم جی فون کاٹ رہی ہیں تو کیا مطلب ہے؟ وہ تم سے بات نہیں
رہیں، چل شاباش!"
میں اس سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔" جہانگیر ہمدانی کا بس نہیں چل رہا تھا، اس ملازم کے ٹکڑے کر ڈالے۔
ٹھیک ہے، گیٹ کے باہر بیٹھ کر شوق سے انتظار کرو، جب وہ آئیں تو بات کر لینا۔ ابھی تو ہمیں حکم کی تعمیل کرنی ہے۔" وہ ایک
پر بضد تھا۔
میری گاڑی کی چابیاں اندر سے منگواؤ۔" وہ ذرا سوچ کر بولا۔
تمہاری گاڑی؟" وہ اچنبھے سے بولا۔ پھر اس نے پاس کھڑی ملازمہ کو چابیاں لانے کا اشارہ کیا۔
میڈم جی کا حکم تھا، اگر یہ گاڑی لے کر جاتا ہے تو جانے دینا۔ بعد میں منگوا لوں گی۔ مگر میرے آنے پر اسے گھر میں موجود نہیں
ہے۔" چابیاں دیتے ہوئے اس نے بڑا احسان جتا کر کہا۔
جہانگیر ہمدانی چابیاں لیے چند لمحے خاموش کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ وہ پھر سے بازو پکڑ کر اسے باہر کرنے لگا۔
جہانگیر نے جھٹکے سے بازو چھڑایا اور خود تیزی سے باہر نکل گیا۔
نشے سے اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں، مگر اس وقت اس کے پورے وجود میں شدید غصہ اور نفرت چنگاریاں اُڑا رہے تھے۔
تم بہت پچھتاؤ گی یاقوت! اپنے اس سلوک پر۔ مجھ سے معافی مانگو گی، مگر تم جانتی ہو، جہانگیر ہمدانی کسی پر ترس تو کھا سکتا ہے،
انسلٹ کرنے والے کو معاف نہیں کر سکتا۔"
وہ شدید غصے میں گاڑی اُڑاتا چلا جا رہا تھا۔
اور تم یہ نہ سمجھنا، یہ صرف میری گیدڑ بھبکی ہے، مجھے اب کیا کرنا ہے، تمہاری دُم کے کس نازک حصے پر پاؤں رکھنا ہے، سب
ہے۔ بس اب تم انتظار کرو، اپنی موت کی دعا مانگنے کا۔"

اُس نے SMS سینڈ کر کے موبائل ڈیش بورڈ پر پھینک دیا۔
اس کی گاڑی اُڑی جا رہی تھی۔

❊⊙......⊙❊

"دیکھو دائم! حد ہوتی ہے کسی بات کی۔" وہ ابھی کمرے میں پہنچ کر بیٹھا بھی نہیں تھا کہ رخشندہ غصے میں بولتی ہوئی آ گئیں۔
"کیا ہو گیا مام؟" وہ حیرانی سے بولا۔
"تمہارے پاپا نے اور تم نے جو روٹین شروع کر رکھی ہے، میں کیا ہوں تم دونوں کی نظر میں، فالتو، بے کار؟" وہ غصے میں رہی تھیں۔
"مام کیا ہو گیا ہے؟ اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے آپ کو؟" وہ انہیں بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا کر بولا۔
"نہ آتے ابھی بھی تم، کب آئے تھے گھر آخری بار، ہیں؟" وہ تڑخ کر بولیں تو وہ مسکرانے لگا۔
"بکواس کر رہی ہوں میں؟" اس کی مسکراہٹ پر وہ اور بھی تپ گئیں۔
"آپ غصے میں کتنی پیاری لگ رہی ہیں، مجھے پہلے پتہ نہیں تھا۔" وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر بولا۔
"تم تو ورنہ ہر وقت مجھے ستایا ہی کرتے، جیسے آج کل ستا رہے ہو۔"
"چلیں مام! برداشت کر لیں۔ پھر شاید آپ کو کوئی ستانے والا ہی نہ رہے۔" وہ دھیرے سے بولا۔
"دائم! کیسی باتیں کر رہے ہو؟" وہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔
"تو اور کیا کہوں؟" وہ مایوسی سے بولا۔
"کیا ہو گیا ہے؟ کچھ بتاؤ مجھے۔" وہ بے چین ہو کر بولیں۔ وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا۔
"دائم! اپنی پرابلم؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔
"آپ نے ایک وعدہ کیا تھا نا مجھ سے، خود سے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ رخشندہ اُلجھی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگیں۔
"کون سا وعدہ؟" وہ یاد نہ آنے پر بولیں۔
"اتنی جلدی بھول گئیں آپ؟" وہ تاسف سے بولا۔
"دائم! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔ مجھے اور پریشان نہیں کرو۔" وہ جھنجلا کر بولیں۔
"آپ نے میڈم یاقوت کے بیٹے کو ڈھونڈنا تھا۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
"اور آپ بھول گئیں۔ بھول گئیں کہ اگر آپ اسے نہیں ڈھونڈ سکیں تو پھر...... پھر آپ کو مجھے کھونا ہوگا۔"
"دائم!" وہ تڑپ کر رہ گئیں۔
"میں نے وعدہ کیا ہے نا!" وہ جلدی سے بولیں۔
"مام! اس وعدے کی لمٹ اس ہفتے ختم ہو جائے گی، مگر شاید آپ کو یاد نہیں، مگر مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ اگر ہم اس عورت کے بیٹے کو نہ ڈھونڈ سکے تو پھر مجھے اس کے ساتھ جانا ہوگا۔ آپ سے پہلے بھی میں نے کہا تھا کہ میں مر کر بھی اپنا وعدہ نبھاؤں گا۔" وہ زور دے کر بولا۔
رخشندہ ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
"تم سے یاقوت نے کچھ کہا؟"
"یہ کہ میں صرف یاد دہانی کراؤں۔ وہ دو چار دنوں میں مجھے لے کر یہاں سے چلی جائیں گی اور میں...... میں انکار نہیں کروں گا۔ آپ کی غلطی کا کفارہ بہرحال مجھے تو ادا کرنا ہی ہے۔" وہ کہہ کر اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔
رخشندہ اسی طرح بیٹھی رہ گئیں اور کچھ دنوں سے تو وہ واقعی سب کچھ بھول چکی تھیں۔
"نہیں دائم! میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔" وہ زور سے سر جھٹک کر بولیں۔

❊⊙......⊙❊

"محمود! اب ٹھیک ہو نا تم؟" مصطفیٰ اس کا ہاتھ دبا کر نرمی سے بولے۔ انہوں نے ذرا سا مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا، پھر گہری دیکھ کر کچھ کہنے کی کوشش کی، پھر خاموش ہو گئے۔
"گھر جانا چاہتے ہو؟" محمود کمزور آواز میں بولے تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ٹھیک ہے، تم جاؤ۔ پہلے ہی میں نے تمہیں بہت پریشان کیا۔" وہ ذرا سا مسکرا کر آہستگی سے بولے۔

کی باتیں نہیں کرو یار!"

راخیال ہے، محمود ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اب آپ کو گھر جا کر آرام کرنا چاہئے۔" اندر آ کر سارہ جتا کر بولی۔

دعالم نے سارہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

ل بھابی! میں بس نکل ہی رہا تھا۔ نرس موجود ہے محمود کو دیکھنے کے لئے اور آپ بھی ہیں۔" وہ جلدی سے کھڑے ہو کر محمود

پہ ہاتھ پھیر کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

میری جان نہیں چھوڑ سکتیں؟ اگر کچھ دن اور زندگی مل گئی ہے تو مجھے سکون سے جی لینے دو۔" وہ تلخی سے منہ پھیر کر بولے۔

، ساری دنیا میں ایک میں ہی تو ہوں آپ کی بے سکونی کی وجہ، ورنہ تو ہر شخص سے آپ کو سکون اور خوشی ملتی ہے۔" سارہ نہ

ے بھی درشت لہجے میں بول گئیں۔

راس ساری دنیا میں ایک بس تم نہ ہوتیں تو شاید یہ دنیا جیسے جانے کے قابل ہوتی، یا اس کا ساتھ ہوتا......" بے اختیار ان کی

ے سامنے یاقوت کا چہرہ آ گیا، انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو پلکوں پہ چمکنے لگے۔

✿◉......◉✿

ا، تم اب جاؤ۔" وہ گیٹ کے سامنے آ کر رکے ہی تھے کہ عزہ نے پیچھے مڑ کر ساتھ آتے تنزیل سے رکھائی سے کہا۔

پھر کو یونہی کھڑا رہ گیا۔

ں آتا ہوں نا تمہارے ساتھ۔" وہ ذرا دیر بعد بولا۔

ں۔" وہ سختی سے بولی۔

ں جانتی ہوں، تمہیں میرا اس طرح کہنا برا لگا ہے۔ مگر تنزیل! اندر جا کر میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، یہ میں بھی نہیں

ں کے بعد......" وہ رک گئی۔ "صبح کا اُجالا میرے لئے یا پیغام لے کر آتا ہے، موت کا یا زندگی کا، مجھے سب تنہا اکیلے فیس

یہاں سے جانے کا فیصلہ بھی میرا اپنا تھا، سو اس کے نتائج بھی مجھے بھگتنے ہیں۔ پلیز، تم جاؤ۔"

ل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

ں ایک بار تمہارے ساتھ......اوکے، میں چلتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے رک گیا اور ہاتھ ہلا کر پیدل ہی اندھیری سڑک میں

م ہو گیا۔

ی دستک پر ہی گیٹ وا ہو گیا تھا۔

نے اس کی شکل دیکھ کر کوئی سوال نہیں کیا تھا، صرف رستہ دیا تھا۔

ر ٹھہر کر قدم رکھتی گھر کے اندرونی حصے کے دروازے پر آ گئی۔

پاپا نے مجھے چلے جانے کو کہہ دیا تو میں کہاں جاؤں گی؟ یہاں سے جا رہی تھی، اس وقت نہیں سوچا تھا کہ اگر میڈم یاقوت

نکار دیا تو کہاں جاؤں گی۔ مجھے یقین تھا کہ میں با آسانی یہاں واپس آ جاؤں گی۔ مگر کیا واپس آنا اتنا آسان ہوتا ہے؟'

وں کے آگے آنسوؤں کی دُھند چھانے لگی۔

اب تو میڈم یاقوت کا اصل چہرہ بھی میں دیکھ چکی ہوں۔ ان کا پیار، ان کی محبت، لگاوٹ سب فریب تھا۔ ایک جال، ایک

یں اس میں پھنستی چلی گئی۔ کاش! میں نے ذرا سی دیر کے لئے کسی اور کے لئے نہیں، صرف اپنے بارے میں سوچا ہوتا۔'

وہ کھلے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے رستے کے بیچ کھڑی تھی۔ لاؤنج میں اندھیرا تھا۔

ر کی مین لائٹیں بجھ چکی تھیں۔

ہلے تو رات کے اس پہر یہاں روشنیاں رہا کرتی تھیں، کوئی جاگ رہا ہوتا یا نہیں، گھر کی لائٹیں آدھی رات کے بعد تک روشن

یں۔ اور آج......شاید میں اس گھر کی روشنی بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔'

آہستگی سے اندر داخل ہو گئی۔

رے میں کوئی بھی نہیں تھا۔

ایک ایک کر کے اس نے سب کمرے دیکھ ڈالے۔

ارہ کے کمرے میں زیرو پاور بلب جل رہا تھا۔ سارہ دیوار کی طرف کروٹ لئے شاید سو چکی تھیں۔

کافی دیر وہاں مبہوت سی کھڑی رہی۔

ہیں، پہلے مجھے پاپا کا فیصلہ معلوم کرنا ہوگا۔ شاید پاپا میرے حق میں فیصلہ دے دیں۔ لیکن اگر پاپا نے مجھے قبول نہیں کیا

پھر ماما بھی کچھ نہیں کر سکیں گی۔ اور پاپا......انہوں نے سالوں پہلے اس لڑکی نیلم کے جرم کو معاف نہیں کیا تھا، تو میں......'

بہت سے وسوسے تھے اور بہت سے خوف اور خدشے قدم قدم پر اس کے پیر جکڑ رہے تھے۔
وہ سست روی سے چلتی، ساتھ والے کمرے کا ادھ کھلا دروازہ ذرا سا دھکیل کر اندر داخل ہو گئی۔ اندر کا منظر اس کے لئے کسی جھٹکے سے کم نہیں تھا۔
محمود عالم بیڈ پر سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے، ملگجی روشنی میں کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ ان کے بیڈ کے ایک طرف لگا ڈرپ اسٹینڈ اور بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر لگا دواؤں کا ڈھیر بہت کچھ کہہ رہا تھا۔
'کیا پاپا بیمار ہیں؟........ کیا پاپا ہسپتال میں رہ کر آئے ہیں، میری وجہ سے؟' اتنی دیر سے رُکے اس کے آنسو روانی سے بہنے لگے۔ وہ بے چاپ قدموں سے چلتی ان کے بیڈ کی پائنتی کی طرف آ گئی۔
'اگر مجھے دیکھ کر پاپا کو شاک لگا اور یہ شاک ان کے لئے اچھا نہ ہوا تو....؟' وہ ہاتھ بڑھا کر انہیں اٹھانے لگی تھی کہ خیال آیا۔
وہ بے بس، آنسو بھری نظروں سے بیڈ پر لیٹے اس نحیف شخص کو دیکھتی رہ گئی، و چند دن پہلے ایک غرور کے عالم میں زمین کو زعم سے دبا کر چلتا تھا۔ اُس کی قابلِ رشک صحت اور کروفر کے سامنے کوئی دوسری مثال نہیں تھی۔ اور اب......اب وہ بے بسی کی تصویر لگ رہا تھا۔

وہ بے دم سی ہو کر ان کے بازو کے پاس بیٹھ گئی۔ آہستگی سے اُنگلیاں ان کے ہاتھ کو مس کرنے لگیں۔
محمود عالم کے ہاتھوں سے کرنٹ کی ایک لہر پورے جسم میں دوڑ گئی۔
''کک......کون......کون ہے؟'' وہ بے اختیار اُٹھے۔
وہ جلدی سے پیچھے ہوئی۔
''سارہ!......سارہ! عزہ آئی ہے۔ دیکھنا، ادھر ہیں، پاس کمرے میں۔'' وہ ذرا سا سر اُٹھا کر بے چین نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔
اور ایک دم ان کی نظر اپنے بائیں پہلو پر ٹھٹک کر رہ گئی۔ وہ ان کے اتنے قریب تو بیٹھی تھی۔
''عزہ......!'' ان کے لب کپکپائے۔
''پاپا!...... پاپا! مجھے معاف کر دیں پاپا!'' اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ بے اختیار ان کے بازو پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
محمود عالم بے بس نظروں سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

✲ ◉......◉ ✲

''تم......تم سب اُلو کے پٹھے ہو۔'' مارے طیش کے ان کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔
''میم! میں نے تو اوپر جا کر شبیر کو بتا دیا تھا۔'' نیچے والا گارڈ جلدی سے صفائی دینے لگا۔
''اس وقت تک وہ دونوں میرے قریب سے گزر کر جا چکے تھے۔ تم نے ہی کہا تھا کہ میم کا حکم ہے، انہیں جانے دو۔'' شبیر تیزی سے بولا۔
''ہاں، تو میں نے خود سے تھوڑی کہا تھا؟ وہ تو......''
''بند کرو اپنی بکواس اور دفع ہو جاؤ میری نظروں سے۔'' وہ طیش میں چلائیں تو دونوں ایک دم خاموش ہو کر آہستگی سے وہاں سے چلے گئے۔
'اب لائبہ کا کیا کروں؟' وہ پریشانی سے کھڑی سوچتی رہ گئیں۔
کچھ سوچ کر پھر سے لائبہ کا نمبر ملانے لگیں۔
اور ان کے لئے یہ لمحہ کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ لائبہ نے ان کی کال ریسیو کر لی تھی۔
''مام! میں بالکل ٹھیک ہوں اور ادھر اپنی ایک دوست کی طرف ہوں، صبح آ جاؤں گی۔ پلیز مجھے دوبارہ ڈسٹرب مت کیجئے گا۔'' رکھائی سے کہہ کر اس نے میڈم یاقوت کی بات سنے بغیر فون بند کر دیا تھا۔
'دوست؟......اس کی یہاں ایسی کون سی دوست ہے؟' وہ پریشانی سے سوچنے لگیں۔ 'یہ سب اس تنزیل کی پڑھائی پٹی ہو گی۔' وہ دانت پیس کر رہ گئیں۔
'صرف آج کی رات تنزیل! کل اگر لائبہ مجھے ملی تو تمہارا گھر، تمہارا وہ لنگڑا بے حس باپ، تمہاری ماں اور بہنیں سب کی سب راکھ کا ڈھیر بن جائیں گی۔ صرف آج کی رات مزے کر لو۔'
وہ غصہ میں دل میں پختہ ارادہ کر کے باہر نکل آئیں۔

ہانگیر کے مسلسل آتے فون انہوں نے ڈس کنکٹ کیے تھے اور اب آنے والا میسج انہیں تپا گیا۔
"تم مجھ سے انتقام لو گے، بڈھے شرابی! پولیس کی ایک لات نہیں سہہ سکو گے۔ چلو، تم بھی آج کی رات عیش کر لو، کل تمہیں بھی
روں گی۔ جانے سے پہلے تمہارا بندوبست تو کرنا پڑے گا۔"
ان کی گاڑی اب گھر کی طرف جا رہی تھی، جہاں انہیں تانیہ کے ذریعے تنزیل سے لائبہ کا ایڈریس لینا تھا، ورنہ...... تانیہ تو تھی نا!

✻ ◉......◉ ✻

ؤں پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھی تھیں۔ تانیہ نے دونوں ہاتھ ان کے آگے جوڑ رکھے تھے۔
"مجھے معاف کر دیں امی! مگر اس میں میرا کچھ قصور نہیں تھا، آپ جانتی ہیں اچھی طرح سے، تنزیل کے لئے، اس کی
"......
زور سے یاسمین کا ہاتھ اٹھا اور تانیہ کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔
"کیا سمجھا تھا تم نے، اس عیش پرستی کو آڑ بنا کر تم ہم سب کو بے وقوف بنا لو گی۔ اور تنزیل کا نام مت لو۔" وہ نفرت سے اسے
بولیں۔
وہ گال پر ہاتھ رکھے ششدر سی بیٹھی رہ گئیں۔
"تم کہاں تھیں؟ کہاں رہیں اتنے مہینے؟ کیا کرتی رہیں؟ کچھ حساب ہے تمہارے پاس؟"
وہ گنگ سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ یہ حساب کتاب تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔
اسے تو صرف ماں، باپ اور گھر والوں سے ملنے کی پیاس تھی۔ وہ اتنا عرصہ کہاں رہی، کیا کرتی رہی، وہ کیسے بتا سکتی تھی۔
"کوئی جواب تمہارے پاس؟" یاسمین نے کبھی اس سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ اور ایسا کام بھی تو اس نے پہلے کبھی نہیں
وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔
"اگر جواب نہیں تھا تو یہاں کیوں آئی ہو؟" وہ اسے خاموش بیٹھے دیکھ کر حقارت سے بولیں۔
"امی! مجھے معاف کر دیں۔ میں......"
"میں تمہیں معاف بھی کر دوں تو کیا یہ دنیا ہمیں معاف کر دے گی؟ کیا سمجھا تھا تم نے؟"
"امی! میں نے اس سے طلاق لے لی تھی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔
"اور...... کیا کرتی رہیں اتنا عرصہ اس کے پاس؟" وہ جملہ پورا نہیں کر سکیں۔
"ا......"
"تانیہ! اور کچھ مت کہو۔ ہماری برداشت اور ہماری عزت کا امتحان مت لو۔ اب تم ہی نہیں صرف، ربیعہ اور سفینہ کی
بھی سوال ہے۔ تمہیں یہاں آنے سے پہلے یہ بات سوچ لینی چاہیے تھی۔" وہ بہت ناپ تول کر بول رہی تھیں۔
جب سارہ نے ان سے پوچھا تھا کہ اگر تانیہ گھر آ جائے تو وہ کیا کریں گی تو یاسمین کا دل لمحہ بھر کو موم ہوا تھا کہ وہ تانیہ کو سینے
سے لگا کر ساری دنیا سے چھپا لیں گی۔
سینے سے لگانا اور دنیا سے چھپانا آسان تو نہ تھا۔ یہ انہیں معلوم نہیں تھا۔
"امی! میں مجبور تھی۔ ان لوگوں نے میری واپسی کے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی، ان کی بات ماننے
نظریں جھکائے اٹک اٹک کر بولی۔
وہ پتھر نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔
"امی! میں نے بہت کوشش کی، میں کسی طرح ان کے جال سے نکل آؤں۔"
"یہاں آ کر ہمیں نئی مصیبتوں کے جال میں پھنسا دیا، یہ سوچا تم نے؟" وہ بے دید لہجے میں بولیں۔
"کہاں جاؤں امی؟"
"تمہارے خیال میں وہ لوگ تمہیں یہاں رہنے دیں گے؟...... وہ تمہارا پیچھا کرتے یہاں تک نہیں آئیں گے؟ اور جب یہاں
......" وہ جیسے دہل سی گئیں، اس سے آگے سوچ کر ہی۔
"مجھے کچھ دن رکھ لیں، چھپا لیں اپنے پاس، امی!...... میرا پورا وجود زخم زخم ہے۔ امی! کچھ دنوں کے لئے، پلیز! میں
چلی جاؤں گی۔ اچھا صرف آج کی رات۔ امی! میں کہاں جاؤں؟...... امی! میں تھک چکی ہوں۔ میں بالکل اکیلی
باہر کالی سیاہ رات۔ امی! یہ اندھیرے بولتے ہیں۔ مجھے...... اتنے مہینوں سے مجھے ڈس ڈس کر انہوں نے نیل و نیل
امی! آپ تو میری ماں ہیں، مجھے چھپا لیں۔ امی! مجھے مار دیں...... قسم سے امی! مجھے مار دیں۔ زہر...... کچھ بھی دے

دیں۔" وہ ایک دم سے حواس باختہ سی ہو گئی تھی۔
اور یاسمین کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔
"اب کچھ بھی ہو، یہ دنیا کچھ بھی کہے، میں تانیہ کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ وہ لوگ آئے بھی تو کیا کر لیں گے؟ میں پولیس کو بلا لوں گی۔ جب یہ اُس خبیث سے طلاق بھی لے چکی ہے تو۔" لمحے بھر میں انہوں نے بہت آگے تک کے فیصلے کر لئے۔
"امی!......امی! مجھے رکھ لیں گی نا؟......بس آج کی رات......صرف آج کی رات۔ کل صبح میں خود ہی کہیں بھی چلی جاؤں گی۔ پلیز!" وہ دونوں ہاتھ جوڑے بچوں کی طرح رو رہی تھی۔
بے اختیار ان کا ہاتھ اس کے سر پر ٹک گیا۔
"امی......!" وہ بے اختیار ہو کر ان کی بانہوں میں مچل گئی۔
"یاسمین! اس سے کہو، ابھی اور اسی وقت یہ یہاں سے چلی جائے۔ جس طرح سیاہ اندھیری رات میں آئی ہے، اسی طرح اندھیرے میں یہاں سے چلی جائے۔ اس گھر میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ رات بھر کے لئے، نہ لحہ بھر کے لئے۔" احسن مراد دروازے میں کھڑے سفاک لہجے میں کہہ رہے تھے۔ وہ ششدر سی باپ کو دیکھتی رہ گئی۔

✲◉......◉✲

وہ جوں جوں ڈائری پڑھتی جا رہی تھی، اس کی آنکھیں حیرت، خوف اور اُلجھن سے پھیلتی جا رہی تھیں۔
رک رک کر وہ نیلم اور یاقوت کے درمیان موجود رشتے کو سوچتی اور ان میں ربط پیدا کرنے کی کوشش کرتی۔
"تو یہ مام تھیں۔ اور میرا باپ محمود عالم۔ اگر مام نے دوسری شادی نہیں کی، جو کہ یقیناً نہیں کی۔ اور ماما نے مجھ سے سب چھپائے رکھا۔ اور اب یہ ڈائری جو کہہ رہی ہے۔ اور یہ وہی ڈائری ہے جو انہوں نے مجھ سے چھینی تھی؟......تو انہوں نے خود یہ کہانی اس لئے لکھی کہ میں پڑھ لوں۔" وہ سوچتی جا رہی تھی۔
"اور وہ خود غرض، ظالم شخص میرا باپ تھا، جسے شاید میرے وجود کی خبر بھی نہیں۔ اور وہ بچہ جو مام کے پہلو سے چرایا گیا، ڈاکٹر مدر کا اتنا گھناؤنا کردار۔ کیا کوئی ڈاکٹر ایسا بھی کر سکتی ہے؟" لحہ لحہ حیرت اُس پر اُتر رہی تھی، رات بھیگتی جا رہی تھی۔
اس نے پوری ڈائری پڑھ ڈالی۔
"اس سب کا مطلب کیا ہے کہ مام کا اس سارے گورکھ دھندے میں کوئی قصور نہیں؟ مام بس یہ چاہتی تھیں کہ میں انہیں بے قصور سمجھوں۔" وہ سوچنے لگی۔ سوچتے سوچتے اس کی جانے کس وقت آنکھ لگ گئی۔
بے آہٹ، بے آواز کمرے کا دروازہ اَن لاک ہوا اور کوئی آہستگی سے اندر آ گیا۔ سوئی ہوئی لائبہ بے سدھ تھی۔
ایک ہاتھ آہستگی سے اس کے منہ اور ناک پر آ کر رک گیا۔

✲◉......◉✲

یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔
وہ جو سمجھتے تھے، عزہ آئے گی، وہ اسے گلے لگا لیں گے۔ اتنی محبت دیں گے کہ ان کے سارے پچھلے سرد رویوں کی تلافی ہو جائے گی۔ پھر وہ وہی کچھ کریں گے جو عزہ چاہے گی۔
مگر جو کچھ وہ چاہے گی، وہ تو بعد کی باتیں تھیں۔ ابھی تو جو کچھ وہ کر آئی تھی، اس کے بعد، اتنی راتیں گھر سے باہر گزارنے کے بعد کیا واقعی وہ اسے گلے سے لگا سکتے ہیں؟ اپنے گزشتہ سرد مہر رویوں کی تلافی کر سکتے ہیں؟
وہ جوان کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگائے، ڈبڈبائی نظروں میں ڈھیر ساری آس سموئے انہیں دیکھ رہی تھی، اتنے پاس ہوتے ہوئے بھی انہیں خود سے بہت دور لگی۔
انہوں نے بے حد آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے کھینچ لیا۔
"پاپا!" وہ جو اُن کی نرم نگاہوں کو ان کا راضی نامہ سمجھی تھی، وہ اس سے خفا نہیں مگر یوں ہاتھ کھینچ لینا......وہ خالی ہاتھ انہیں دیکھتی رہ گئی۔
"سس......سوری پاپا!......میں نے غلط کیا۔ مگر مجھے اس کا احساس بہت دیر سے ہوا اور میں......" اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔
"جتنی بھی دیر سے ہوا، جب میں نے تم سے فون پر بات کی، تمہیں آنے کو کہا، کیا کیا منتیں نہیں کیں......مگر تم......اب تمہارے ایک سوری......نہیں عزہ!" وہ پھٹ ہی تو پڑے۔
"مجھے اس وقت ایک جنون تھا پاپا! دیوانگی......میں نہیں سمجھ سکی، جان ہی نہ سکی کہ وہ عورت آپ کا انتقام لینے کے لئے......

ما اتنی سمجھ دار نہیں تھی، پھر بھی اس کی محبت بھری باتیں، اس کی کشش...... پاپا! میں جیسے بے بس ہوتی چلی گئی۔'' اسے پتہ تھا، نہیں بولے گی تو پھر عمر بھر کا بولنا رہے، تو بے کار ہی ہوگا۔

''تو اب کیوں آئی ہو؟'' انہوں نے وہ سرد سوال کیا، جو انہیں اتنی دیر میں اندر سے برف بنا چکا تھا۔

''پاپا!'' وہ ششدر سی رہ گئی۔ ''میں... مجھے آنا تو تھا۔'' وہ اتنی آہستہ بولی کہ بمشکل خود بھی سن پائی۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگے۔

''پاپا! آپ......'' وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہ پائی۔

''عزہ! اب چیزیں بالکل مختلف ہو گئی ہیں، وہ سب کچھ جو ایک ہفتہ پہلے تک تھا، ایسا اب کچھ بھی نہیں ہے...... نہ تم، نہ ...اور نہ ہمارے ارد گرد کی زندگی۔'' وہ ٹوٹ ٹوٹ کر بولے۔

''کیا مطلب پاپا!...... کیا بدل گیا ہے؟'' وہ چہرہ صاف کر کے بولی۔

''پاپا! اگر آپ...... خدانخواستہ سمجھتے ہیں، کچھ ایسا ویسا I swear papa...... میں نے کچھ بھی......''

وہ تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

''تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت تھی بھی نہیں۔'' وہ نڈھال سے بولے۔

''وہ عورت...... تمہیں صرف ریمپ پر چلانا اس کا مقصد تھا، وہ اس سے بھی پہلے اپنے مقاصد حاصل کر چکی تھی۔''

ان کی نظروں کے سامنے میڈم یاقوت کا بے رحم چہرہ آ رہا تھا۔

''کیا...... کیا کیا ہے اس نے میرے ساتھ؟'' وہ بے یقین سی بولی۔

وہ کچھ جواب نہ دے سکے۔ اس عورت کے عزائم کو تو وہ اپنے دل میں نہیں لا سکتے تھے، زبان پر کیسے لاتے۔

کچھ تھا، جو اُن کی نگاہوں سے چھلکا جا رہا تھا۔

یہ کیسی بے بسی تھی۔ وہ تو سمجھتے تھے، کچھ بھی نہیں ہوگا۔ عزہ آ جائے گی، سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔ انہیں کسی چیز کی پروا نہیں ...ان کے پاس نہ پیسے کی کمی ہے، نہ کسی چیز کی...... وہ سب ٹھیک کر دیں گے...... شاید دنیا میں سب کچھ پیسے سے نہیں خریدا جا ...کم از کم گئی عزت پیسے سے واپس نہیں لائی جا سکتی۔ تب طوائف کے پاس لاکھوں کا زیور اور کروڑوں کا بینک بیلنس رکھنے کے ...عزت کا ایک سکہ، ایک کھرا سکہ اس کی گدڑی میں نہیں ہوتا کہ عزت پیسے کا سودا ہے ہی نہیں...... اور ان کی عزت جا چکی تھی۔ ...چند کالی راتوں کے خونخوار پنجوں نے اسے کھرچ ڈالا تھا۔ اب ان زخموں کا کوئی مرہم نہیں تھا۔

انہوں نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

''پاپا! پلیز میں آئندہ......''

وہ پھر نفی میں سر ہلانے لگے۔

''آئندہ تو اب کچھ بھی نہیں...... کاش! میں تمہارے یوں لوٹ آنے سے پہلے ہی چلا گیا ہوتا۔''

اور عزہ کا جی چاہا، زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔

وہ ان چند راتوں میں اپنی عمر سے جیسے بیس سال آگے نکل آئی تھی۔

''محض ماں باپ کی توجہ نہ مل سکنے پر یوں گھر چھوڑ کر چلے جانا اور شہرت کا جنون ایک وقتی دیوانگی۔ اب تو اس کے اندر ایسی کوئی ...ہل تھی بھی نہیں۔ تو پھر یہ سب کیا تھا۔ اس نے خود کو برباد کرنے کے لئے یہ حماقت کیوں کی؟...... اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا؟ اسے ...ہی اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔

''تم نے ایسا کیوں کیا عزہ!...... کیوں؟'' وہ اپنے اندر اس سوال کا جواب تلاش کر رہی تھی کہ محمود عالم نے پھٹی ہوئی آواز میں ...ا۔''

''پاپا! آپ مجھے معاف......'' اسے یہی حل نظر آ رہا تھا۔ پاپا کی معافی میں سب کچھ ہے، جادو کی چھڑی ہے یہ معافی۔ سب ...پہلے جیسا ہو جائے گا۔

''نہیں عزہ! یہ کسی بھی بات کا حل نہیں۔ ابھی تم جاؤ۔'' وہ بے گانگی سے منہ پھیر کر بولے۔

''پاپا! میں کہاں جاؤں؟'' وہ پھر سے رو پڑی۔

''کہیں بھی...... مگر میرے سامنے نہیں۔'' وہ اسی بے رخی سے بولے۔ وہ خاموش بیٹھی روتی رہی۔

''تم تو میرا مان تھیں۔ میرا فخر، میرا پرائیڈ... تم نے کیا کیا... اپنے باعزت باپ کی برسوں کی کمائی عزت کو یوں اس کانٹوں ...بھرے پر چل کر تار تار کر آئیں۔ تم چاہتی ہو، میں تمہیں معاف کر دوں۔ کیسے معاف کر دوں؟'' وہ منہ پھیر کے بولے۔

''ہاں، آپ معاف کر سکتے ہی نہیں، آپ میں ظرف ہی نہیں کسی کو معاف کر دینے کا۔ اور سوری پاپا! جو کچھ میں نے کیا، وہ تو

شاید میری تربیت کا حصہ تھا۔ مگر یہ کیوں ہوا اور وہ عورت، اس نے مجھے ہی نشانہ کیوں بنایا، جانتے ہیں نا آپ؟" وہ ایک دم سے لہجہ بدل کر بولی۔

"اور یہ سب مجھے آپ کے اس گناہ کی سزا ملی ہے، جس سے آپ کبھی تنہائی میں بھی نظریں نہیں ملا سکے...... اگر میں گناہ گار ہوں پاپا! تو آپ...... آپ کیا ہیں؟"

ہاں، یہ تو انہیں پتہ تھا، ایک روز عزہ ان سے یہ سوال ضرور کرے گی۔ ایک بار تو وہ ان کا دامن پکڑے گی۔

مگر یہ سب اس طرح ہوگا، یہ انہوں نے نہیں سوچا تھا۔

"آپ جانتے ہیں نا، اس عورت نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" وہ پھر سے ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"آپ اگر پہلے...... بہت سال پہلے نہ سہی، اس سے ذرا بعد اس کو ڈھونڈ کر اس سے معافی مانگ لیتے، اپنی ڈھٹائی کی، پاپا! تو آج میرے ساتھ یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔" اس کا گلا رُندھ سا گیا، آگے بولا ہی نہ گیا۔

"مگر تمہیں اس لئے بھی معاف نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سب میرے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ تم جانتی ہو نا، ہر انسان اپنے اعمال اور افعال کا خود نتیجہ بھگتتا ہے۔" وہ اس رکھائی سے بولے جو ان کے لہجے کا حصہ ہوا کرتی تھی۔

"نہیں پاپا!" وہ پُرسکون سی ہو کر بولی۔ "کم از کم انسان کی زندگی میں چند رشتے ایسے ضرور ہوتے ہیں، جن کے اعمال کی فصل دوسروں کو کاٹنا پڑتی ہے۔ ماں باپ کے گناہ اکثر اولاد کے کھاتے میں درج ہوتے ہیں اور اولاد کے بُرے فعل پر اکثر والدین بھی سزا بن جاتے ہیں، اس بات کو تو مانیں گے آپ۔ ہر روز آپ کے کورٹ میں اس طرح اس کیس آتے ہوں گے۔" وہ طنز سے بولی۔

"مگر اس کے باوجود فعل سرزد کرنے والا بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔"

"یہی سوال آپ خود سے پوچھیں ضرور، پھر آپ ابھی بھی اس عورت کے قرض دار ہیں، کم از کم جس کی معافی تک......"

وہ بھی ان ہی کی بیٹی تھی، حساب کتاب سے کیسے چوکتی۔

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ مگر تم نے جو کیا، اس کے لئے معافی تو پتہ نہیں ہے یا نہیں۔ تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔" کہہ کر انہوں نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔

"کاش پاپا! یہ آپ کا اور اس کا معاملہ رہتا۔ وہ آپ کو ٹیز کرنے کے لئے میرا انتخاب نہ کرتی۔" وہ انہیں نم نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

"مگر اس کے باوجود میری مرضی...... میری چوائس پھر بھی سوال بنی رہے گی۔ مجھے یوں اندھا دھند اس بے لگام خواہش کے ساتھ بھاگنے سے پہلے ایک بار رک کر واپسی کے بارے میں تو سوچنا چاہئے تھا۔"

وہ تھکے ہوئے قدموں سے باہر کی طرف پلٹ گئی۔

محمود عالم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جانے کس کے لئے یاقوت کی معافی یا عزہ کی واپسی کے لئے...... وہ خود بھی سمجھ نہیں سکے۔

اسی وقت سارہ کمرے میں داخل ہوئیں اور دروازے میں کھڑی عزہ کو دیکھ کر ان پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

"عزہ!...... عزہ میری بچی!...... میری بیٹی! تم آ گئیں عزہ!" وہ بے اختیار اسے اپنے ساتھ لپٹا کر دیوانگی سے بولیں اور دوسرے لمحے پیچھے ہٹ گئیں، غور سے عزہ کو دیکھنے لگیں۔

"تم کہاں تھیں اتنے دنوں سے...... عزہ! تم......" وہ عجیب نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

عزہ کے پاس سارہ کے اس سادہ سے سوال کا جواب نہیں تھا۔

شاید ماما کو علم نہیں، ان کی بیٹی کیسے اس کانٹوں بھرے ریمپ پر چل کے ان کی عزت کی دھجیاں اُڑا کر آئی ہے۔

"میں سمجھی نہیں، رات کو جسٹس امتیاز کی بیوی کا فون آیا، تمہارے بارے میں اتنی عجیب باتیں، بکواس کرنے کی عادت ہے لوگوں کی۔ تم کہاں تھیں؟ اپنے پاپا سے ملیں؟"

وہ شاید اس وقت بہت ڈسٹرب تھیں۔ انہیں کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سا جملہ بولیں، کس طرح اپنے سمجھ میں آنے والے تاثرات کا اظہار کریں۔

"سارہ! اسے جانے دو۔" محمود عالم دیوار کی طرف منہ کیے سرد لہجے میں بولے۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ عزہ آہستگی سے باہر نکل گئی۔

"محمود! وہ آ گئی ہے، لوٹ آئی ہے تو اب... اب تو ناراض نہ ہوں۔ اب تو وہ آ گئی ہے۔" وہ اسی طرح بے حس لیٹے رہے۔

سارہ کھڑی انہیں دیکھتی رہیں۔

لے خود سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ اُلجھن بھرے لہجے میں بولیں۔
آپ تو مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں، سمجھ دار ہیں۔ محمود! ایک بات تو بتائیں۔" وہ بڑے دنوں بعد یوں ان کے پاس
جب بیٹی اتنے دن گھر سے باہر گزار کر لوٹ آئے تو کیا کرنا چاہئے، خوش ہو کر اسے گلے لگانا چاہئے؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ

بے بسی سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

✲⊙......⊙✲

نے نکالا نہیں اسے؟" احسن مراد گرج کر بولے۔
یہاں سے نہیں جائے گی۔" پیچھے سے سامنے آ کر تنزیل نے ہٹیلے لہجے میں کہا۔ یاسمین اور تانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
ہ!" احسن نے استہزائیہ انداز میں اسے دیکھا۔ "یہ تو خیر مجھے معلوم ہی تھا کہ اتنے بے غیرت اور بے شرم تم ہی ہو سکتے ہو۔"
اسے دیکھ کر بولے۔
آپ جو بھی کہیں، مجھے اس کے ذریعے اس حرامی کا خون کرنا ہے، جو اسے یہاں سے نکال کر لے گیا تھا۔ میں اسے بخش نہیں

اتنا عرصہ جو یہ دلدل میں گزار کر آئی ہے، اسے معاف کر دو گی؟" وہ نفرت بھری نظروں سے تانیہ کو دیکھ کر بولے۔
عورت کے لئے اقدار کبھی نہیں بدلتیں۔ نہ اب، نہ صدیوں سے، نہ سالوں پہلے۔ چاہے وہ نیلم ہو یا عزہ اور تانیہ اپنی مرضی
غلط فہمی میں...... کسی اور کے ساتھ یا کسی اور وجہ سے...... عورت کے لئے گھر سے باہر گزاری گئی چند راتیں یا فقط ایک
کی پوری زندگی کو داغ دار کرنے کے لئے کافی ہے۔"
ہیں۔" تنزیل بے لچک لہجے میں بولا۔
تنزیل!" تانیہ کے لب پھڑپھڑائے۔ "میں نے تو تمہاری خاطر...... خدا کی قسم! میں تو کبھی بھی اس شخص......"
اُسے مار کر خود کو کیوں نہ مار لیا تم نے؟" وہ زور سے چلایا۔
ہاں، بس یہی بزدلی ہوئی مجھ سے۔" وہ اعترافاً سر جھکا کر بولی۔
صرف یہی غلطی نہیں۔" احسن مراد چبا کر بولے۔ "یہاں واپس آنے کی بھی۔ نکل جاؤ یہاں سے، تم میرے لئے اسی رات
جب میری خوشی اور رضا پر تم نے اپنی خوشی کو فوقیت دی تھی...... اور مُردے کبھی زندہ نہیں ہوا کرتے۔ اقدار پر جان تو دی
سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔"
مراد کی نگاہوں میں یہ ہٹیلی تحریر صاف لکھی تھی۔
ابو...... ابو پلیز، مجھے معاف کر دیں...... ابو پلیز!...... میں چلی جاؤں گی، صبح ہوتے ہی۔ قسم لے لیں۔" وہ ایک دم سے
ان کے قدموں سے لپٹ گئی۔
"اور اسی وقت۔" انہوں نے بمشکل جھک کر اسے کندھے سے پکڑا اور باہر کی طرف دھکا دے دیا۔ اور یک لخت ان کی
سامنے ایک منظر پوری جزئیات کے ساتھ آ گیا، چھم سے۔ جب نیلم کو اسی طرح دھکے دے کر نکالا جا رہا تھا...... اور وہ
بالکل خاموش، دیوار کی طرف منہ کئے کھڑے تھے۔
نے تو ان سے بھی رحم کی بھیک مانگی تھی۔ مگر ایسی بدکار عورتوں سے پیار تو کیا جا سکتا ہے، مگر ان پر رحم کھا کر انہیں اپنے
پناہ نہیں دی جا سکتی۔
میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، خدا کے لئے اسے رہنے دیں یہاں۔ اتنی اندھیری کالی رات میں باہر کہاں
یاسمین نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑا کر کہا۔
جو یہ گھر میں رہ گئی تو یاسمین بیگم! اس گھر میں کالی رات ٹھہر جائے گی۔ سمیعہ اور ربیعہ پہ بھی اس کے سائے چھا جائیں گے۔
"
جیسے وہ صدیوں کا سفر کر کے نڈھال سے ہو گئے تھے۔ اور یاسمین کو ایسی چپ لگی کہ وہ دوبارہ بول ہی نہ سکیں۔
اب یہاں سے۔" وہ منہ پھیر کر بولے۔
نے کہا نا، یہ نہیں جائے گی۔" تنزیل پھر سے آگے آ کر بولا۔
آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ کسی بھی خیال سے سہی، وہ اس کا خیال رکھ تو رہا تھا۔
ٹھیک ہے، پھر تم بھی چلے جاؤ۔ جانتے ہو نا، یہ گھر کس کا ہے؟" وہ سرد لہجے میں بولے۔

''جانتا ہوں، مگر میں اس گھر سے اس وقت تک نہیں نکلوں گا، جب تک میری ماں اور بہنیں میرے ساتھ نہیں جائیں گی۔'' وہ یکدم پینترا بدل کر بولا۔

''تو لے جاؤ انہیں بھی۔ انہوں نے کون سا میری زندگی میں سُکھوں کی برسات کر رکھی ہے۔'' وہ بیزاری اور کوفت سے بولے۔

''امی! چلیں۔ ابھی اور اسی وقت۔'' وہ بغیر سوچے سمجھے کہ رات کے اس پہر ان سب کو لے کر کہاں جائے گا، فوراً یاسمین کا بازو پکڑ کر بولا۔

''تنزیل......!'' انہوں نے ناگواری سے اپنا بازو چھڑایا۔

''یہ تمہارے ساتھ کبھی نہیں جائے گی، تنزیل صاحب! کیونکہ آپ نے زندگی میں رکیا ہی کیا ہے، سوائے پھکڑ بازی اور شوبازی کے......لوگوں کے آپ جیسے بیٹے قابلِ رشک نوکریوں پر ہوتے ہیں، ان کو قدموں کے نیچے شاندار گاڑی اور سر پر عالیشان گھر کی چھت ہوتی ہے، جب ہی ایسے نازک موقعوں پر وہ اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر آ جاتے ہیں۔ آپ کے پاس کیا ہے بائی دا وے؟'' انہوں نے آج اپنے ترکش سے طنز کے سارے تیر چلانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''یہ سوچنا آپ کا دردِ سر نہیں۔ چلیں امی!'' وہ ان کے طنز کو نظرانداز کر کے پھر سے یاسمین کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

''نہیں تنزیل! تمہارے ابا ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ یہاں رہی تو پھر سعیعہ اور ربیعہ کے رشتے لینے کون آئے گا؟'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''اس سے کہو یہاں سے چلی جائے۔'' وہ تانیہ کے آنسو بھرے چہرے سے نظریں چرا کر کٹھور لہجے میں بولیں۔

''امی!'' تانیہ کے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔

''ہم سب کے حق میں اب یہی بہتر ہے بیٹی! اب جاؤ یہاں سے۔'' وہ اسی طرح رخ پھیرے ہوئے بولیں۔

تانیہ ششدر سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

تو یہ وہ رشتے تھے، جن سے ملنے، جن کو دیکھنے کے لئے وہ دیارِ غیر میں ہزار ستم سہہ کر بھی زندہ رہنے کی سعی کرتی رہی۔ خود پر، اپنے وجود پر ہزار زخم ہے مگر پھر بھی مرنے کا حوصلہ نہ کر سکی کہ ایک بار وطن جا کر اپنی ماں کی آغوش میں سر رکھ کر لیٹ سکے۔ اپنی پیاری بہنوں کے ساتھ پہلی سی چہلیں کر سکے، اپنے باپ کی سخت باتیں سن کر بھی ان کو چائے کی پیالی پیش کر سکے۔ اور تنزیل اس کے لئے کیا تھا۔ اس کے دل نے تو کبھی اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ بھی اس سے متنفر ہو سکتا ہے......وہ بھی گیا تو وہ منتوں میں منا لے گی......تو یہ تھے وہ رشتے اور ان کی حقیقت۔ یوں پل میں نگاہیں پھیر لینے والے۔

وہ تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

''یاسمین! جا کر دروازہ بند کر کے آؤ۔ اور اب دوبارہ پوچھے بغیر نہیں کھولنا۔ اس عمر میں بار بار اس طرح کے ڈرامے نہیں دیکھ سکتے ہم۔'' احسن کے الفاظ اور لہجے میں کیا نہیں تھا۔ وہ کٹ کر رہ گئی۔

''میں نے کہا نا، یہ یہاں سے نہیں جائے گی۔'' تنزیل ایک بار پھر بیچ میں کود پڑا۔ احسن نے زور سے اس کا بازو کھینچا۔

''تو نکلو تم بھی یہاں سے۔ اور تمہارے چلے جانے سے کوئی یہاں نہ بھوکا مرے گا، نہ تمہاری جدائی سے۔ نکلو!''

''چلو تانیہ!'' اس نے آگے بڑھ کر تانیہ سے کہا۔

''تنزیل!......تم......'' یاسمین کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ کیا بولیں۔

اگر تنزیل کو روکتی ہیں تو پھر تانیہ اکیلی اس وقت کہاں جائے گی۔ اگر تنزیل کو جانے دیتی ہیں تو احسن جیسے ضدی شخص نے اگر اسے گھر واپس نہ آنے دیا تو؟

''امی! میں جاؤں گا آپ سے ملنے۔'' وہ ان کے دو لفظی ادھورے جملے کا مفہوم سمجھ کر نرمی سے بولا۔

''جو یہاں سے جائے گا، اسی وقت اس کے لئے اس گھر کے دروازے بند ہمیشہ کے لئے۔'' احسن کو بولنا پڑا۔

''اگر دروازے بند کرنے سے آپ کو خوشی اور سکون مل سکتا ہے ابو! تو ایک بات یاد رکھیے گا، کبوتر کی طرح حالات کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کے بعد بھی اگر آپ کو سکون نہ ملا، خوشی نہ ملی تو کیا کریں گے آپ؟'' وہ ان کے پاس رک کر بولا۔

سالوں پہلے بھی تو ان کے گھر کے دروازے کسی کے لئے بند ہوئے تھے، بعد میں نہ کسی کو سکون ملا، نہ خوشی۔

انہوں نے حیران نظروں سے تنزیل کی طرف دیکھا۔

''تو کیا یہ اس برسوں پرانے قصہ سے واقف ہے؟''

مگر تنزیل نے شاید یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔ اس کی نظریں اور چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

دونوں خاموشی سے گھر سے باہر نکل گئے۔ یاسمین بے قراری ہو کر ان کے پیچھے گئیں۔

نہایت...... یاسمین! دروازہ بند کر کے لوٹ آؤ۔" وہ پیچھے سے تنبیہا بولے اور یاسمین کے قدم جکڑ گئے۔
ان مراد کے سینے میں دل نہیں تھا۔ اگر کبھی ہو گا بھی تو وہ نیلم پر نچھاور کر چکے تھے۔ اتنے سالوں میں تو یاسمین نے دلی جذبات کی کوئی بات ان کے لبوں سے نہ سنی تھی، اب کیسے یہ توقع کر لیتیں۔
نڈھال انداز میں دروازہ بند کر کے واپس مڑ گئیں۔
تانیہ کے ساتھ تنزیل بھی۔' ان کے دل پر جیسے کسی نے مُکا مارا۔ 'اب میں جیتے جی اسے بھی دیکھنے کو ترستی رہوں گی۔ میری اس زندگی میں پہلے کون سی ڈھیروں ڈھیر خوشیاں تھیں؟ بس اپنے بچوں کے ساتھ خوش تھی، وہ بھی تُو نے چھین لی۔' وہ کمرے میں پلیٹ کر رونے لگیں۔

✿◉......◉✿

دونوں باہر نکلے تو اسامہ گاڑی کے سامنے کھڑا تھا۔
تنزیل نے کچھ کہنا چاہا، اس نے خاموشی سے گاڑی کے دروازے کھول دیئے۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔
"مجھے معلوم تھا، یہی ہو گا۔" اسی لئے میں انہیں چھوڑ کر باہر کھڑا رہا۔" اسامہ کافی آگے جا کر بولا۔
"مگر اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" تنزیل کو آگے کی فکر تھی۔ وہ تانیہ کو لے تو آیا تھا، اس کے دماغ میں کیا ہے، وہ کس لئے یوں لایا، خود اسے بھی معلوم نہیں تھا۔ اور زندگی میں پہلے اس نے کون سے کام بہت سوچ سمجھ کر کئے تھے؟ اور جو سوچ بچار کے بعد کیا اس کا انجام کیا ہوا۔
"لائبہ کہاں ہو گی؟" اس کے دل میں عجیب سی بے چینی پیدا ہوئی۔
"فی الحال تو آپ دونوں میرے ساتھ چل رہے ہیں۔" اسامہ نے شاید کافی سوچ کر جواب دیا تھا۔
اسی وقت اسامہ کا سیل فون بج اٹھا۔ وہ نمبر دیکھتے ہوئے لحہ بھر کو سوچتا رہا، فون میڈم یاقوت کا تھا۔
"جی آنٹی!...... تانیہ میرے ساتھ گئی تھی۔" چھوٹتے ہی جو سوال کیا تھا، وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا جھوٹ نہیں بولے گا۔ شاید اسی طرح میڈم یاقوت اپنی اصلیت اپنی زبان سے بول ڈالیں۔
"کیوں...... تم اسے اپنے ساتھ کیوں لائے؟" وہ غرا کر بولیں۔
"اور تم نے جھوٹ بھی بولا کہ میں نے بلوایا ہے اسے تمہارے ساتھ۔" یاد آنے پر وہ دوسرے لمحے گرجیں۔
"میری تانیہ صاحبہ کے ساتھ اچھی فرینڈ شپ ہے۔ انہوں نے مجھے اپنی مجبوری بتائی تو میں انہیں لے آیا۔ آپ کو برا لگا؟" وہ سادگی سے بولا۔
"کہاں ہے وہ اب؟" وہ لب چبا کر بولیں۔
"مجھے نہیں معلوم۔ انہوں نے مجھے راستے میں کہا ڈراپ کرنے کو، میں نے کر دیا۔" وہ تانیہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ تانیہ کی رنگت اڑ رہی تھی۔
"میں نہیں...... تم نے اچھا نہیں کیا اسامہ!" ان کا بس نہیں چل رہا تھا، جانے کس بات کا لحاظ تھا۔ شاید لائبہ کی دوستی کا یا کچھ اسامہ فوری طور پر سمجھ نہیں سکا۔
"آپ کو برا لگا تو سوری آنٹی!" وہ معصومیت سے بولا۔
"اور لائبہ کا پتہ چلا کچھ؟" وہ فوراً اُن کی کمزوری پر انہیں لے آیا۔
"اس لڑکی نے تو مجھے پریشان کر رکھا ہے۔" وہ فی الفور تانیہ کو بھول گئیں۔ "اس کا فون آیا تھا کہ وہ اپنی کسی دوست کی طرف ہے۔ مگر میں جانتی ہوں اس کی یہاں کوئی دوست نہیں ہے۔" وہ افسردگی سے بولیں۔
"کہیں یہ اس کی شرارت تو نہیں؟...... بس وہی ہو سکتی ہے...... مجھے سمجھ میں آ گئی بات اسامہ! پھر بات کریں گے۔ مجھے کہیں پہنچنا ہے۔" انہوں نے کسی خیال کے آنے پر عجلت میں فون بند کر دیا۔
بہر حال ان کے نزدیک تانیہ سے زیادہ لائبہ کا مسئلہ اہم تھا۔ اسامہ نے بھی سکون کا سانس لیا اور فون بند کر دیا۔
"وہ غصے میں ہوں گی۔" تانیہ ڈرے ہوئے لہجے میں بولی۔
"ظاہر ہے۔" اسامہ لاپروائی سے بولا۔
"لائبہ......" تنزیل سوالیہ انداز میں بولا۔ "آنٹی یاقوت کی بیٹی ہے اور میری......" وہ رک سا گیا۔ اس کی تو وہ کچھ بھی نہیں لگتی۔ اس کے دل میں تھا کہ دونوں کے بیچ کوئی تعلق، کوئی رشتہ......
"دوستی ہے اس کے ساتھ۔" وہ اپنے غم زدہ دل کا واویلا جھٹک کر بولا۔

"جانتا ہوں یہ تو۔" وہ تلخی سے بولا۔
"وہ گھر کیوں نہیں پہنچی ابھی تک؟" وہ بے خیالی میں بولا۔
"کیا وہ گھر میں نہیں؟...... تمہیں کیسے پتہ؟" اسامہ اُلٹا پوچھنے لگا۔
"یونہی، میں نے تو پوچھا تھا۔" تنزیل ہکلا کر رہ گیا۔
اسامہ اسے شکی نظروں سے دیکھتا رہا۔
تانیہ نے تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں بند کر کے سیٹ سے سر لگا دیا۔
جتنی بددعائیں میں نے اس عورت کے لئے کی ہیں اور جتنی مجھ جیسی ہزاروں لڑکیوں نے کی ہوں گی، کیا اس کے بعد عورت سکون سے رہ سکتی ہے۔
اور اس کی بیٹی...... خدا کرے اس کی بیٹی بھی ایسے ہی عذابوں سے گزرے، جن سے میں گزر کر آئی ہوں۔ یہ عورت تڑپے، جیسے میری ماں اور میں تڑپے ہیں۔ مگر تانیہ بی بی! بددعاؤں سے کیا حاصل؟ اب تک کی بددعاؤں نے اس عورت کا کیا بگاڑا بھلا؟" اس نے تھک کر سوچنا چھوڑ دیا۔
اسی وقت گاڑی جھٹکے سے رکی۔
"یہ کدھر لے آئے آپ ہمیں؟" تنزیل نے سفید گیٹ کی طرف ہچکچا کر دیکھا۔
"میرا گھر ہے یہ...... پلیز!" اسامہ نے کہا تو تنزیل پریشان نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
"آ جائیں نا، فی الحال۔ بعد میں کچھ اور سوچ لیں گے۔" اسامہ نے نرمی سے کہا تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے نیچے اُتر کر اسامہ کے پیچھے چلے گئے۔

✻......✻

وہ تو اس کی ذرا سی طاقت نہیں سہہ پائی تھی۔ لمحہ بھر میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ جہانگیر سامنے بے ہوش پڑی لائبہ کو دیکھنے لگا پہلے ہی سے کمزور اور نڈھال تھی۔
اس نے ذرا سا زور لگا کر اس کی ناک اور منہ دبایا اور فوراً بے ہوش ہو گئی۔
'ایسے کیا مزہ؟ ذرا ہوش میں تو آ لے۔ اتنے برس جہاں انتظار کیا، وہاں چند گھڑیاں اور سہی...... اور وہ بڑھی یاقوت سمجھتی رہی میں اس کے ساتھ اس کی وجہ سے چپکا ہوا ہوں۔ مردار بڑھیا، بغل میں ایسا نایاب ہیرا لے کر سمجھنے لگی، جہانگیر کی عقل چوپٹ ہے۔' جہانگیر کی مسلسل لائبہ کو دیکھتے ہوئے رال ٹپکنے لگی۔
'سالوں کیسے اسے چھپا چھپا کر رکھا۔ اب دیکھو، پہنچ گیا نا میں۔ اب کیا کر لوگی بڑھیا!' وہ خیال میں یاقوت کے چہرے کی اور بے بسی کو دیکھ کر محظوظ ہونے لگا۔
اس نے بڑے اطمینان سے لائبہ کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے تھے۔ اور اب اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگا۔
یونہی وقت گزاری کو لائبہ کے پاس پڑی ڈائری اٹھا کر پڑھنے لگا اور پھر دلچسپی سے پڑھتا چلا گیا۔
تیز تیز پڑھتے ہوئے وہ سارے صفحات پڑھ گیا۔
'مکار، ڈھونگی بڑھیا۔ اب مظلوم بننے کو یہ پمفلٹ چھاپنے لگی۔ اس کی پرچیاں بنوا کر سارا شہر میں جہاز کے ذریعے بھی گرا۔ بھی کوئی اس مردود کی معصومیت پر یقین نہیں کرے گا۔ سمجھتی ہے، یہ چار صفحے لکھ کر خود کو مظلوم ثابت کرے گی۔ بڑی لمبی لسٹ۔ تیرے کالے کاموں کی، یاقوت میڈم جی!' اس نے ہنستے ہوئے ڈائری کے دو چار صفحے پھاڑ کر ڈائری کو پیر سے دور پھینک دیا۔ وقت لائبہ ذرا سا کسمسائی۔
"اُٹھو میری جان! پاس ہے زندگی کا سامان۔ برسوں کیا ہے انتظار۔ اُٹھو، آنکھیں کھولو شاباش!" وہ اس پر جھک کر مہ چھلکاتے انداز میں بولا۔
لائبہ نے آنکھیں کھول دیں اور خود پر جھکے جہانگیر ہمدانی کو دیکھتے ہی اس کے منہ سے بھیانک چیخ نکل گئی۔

✻

چند ہی راتوں میں کتنا بدل گیا تھا۔
وہ جو سمجھتی تھی کہ کچھ بھی نہیں ہوگا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر سب اس کی خام خیالی نکلی۔ پاپا جن کے معاف کر دینے کا اسے
تھا...... اور اب یہ کمرہ اس کا کمرہ...... اس دنیا میں وہ محفوظ ترین جگہ، جہاں وہ خود کو ہر غم، ہر پریشانی، ہر ٹینشن سے محفوظ سمجھتی
جب بھی ماما پاپا اسے دھتکارتے یہ کمرہ کسی مہربان دوست کی طرح اس کو اپنی بانہوں میں سمو لیتا تھا۔ آج وہ کمرہ، اس کی چاروں
اریں، کھڑکیاں، چھت، دروازہ سب اجنبی بنے کھڑے تھے۔ اگر ان کی آنکھیں ہوتیں تو شاید ان میں بھی اتنی ہی نفرت اور بے
ی ہوتی، اسے اپنانے سے انکار لکھا ہوتا، جتنا اس نے محمود عالم کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔
'اور یہ سب کچھ تو ہونا ہی تھا، پھر میں کیوں چلی آئی؟' اس نے تھک کر صوفے کی بیک پر سر ٹکا دیا۔
'کیسے میں تڑپ رہی تھی کہ یہاں آؤں گی تو سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔ وہ سب میرے لئے ایک ایڈونچر ہی تو تھا...... اور
ڑی نہ تھی کہ میں اس ایڈونچر میں سب کچھ مٹا آؤں گی۔ اپنی ناموس، اپنی آبرو بھی جو کہ میرے خیال میں سلامت تھی...... ابھی
مجھے یہی یقین تھا۔ وہ پوشیدہ کیمرے...... اس عورت کے عزائم...... اس کے بعد بھی...... کیا عزت صرف جسم کی پامالی کا نام
...... نہیں، عزت تو وہ تھی، جو میرے اس طرح گھر سے چلے جانے سے روٹھ گئی...... اور اب کبھی نہیں آئے گی۔ اب اگر پاپا
معاف بھی کر دیں گے تو ان کی نظریں...... وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گی۔ وہ اسی معاشرے کے ایک اقدار پسند شخص ہیں،
نے برسوں پہلے اس عزت اور غیرت کے سودے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، تو اب میرے لئے ان کی ویلیوز کیوں بدلے
اور میرے ہاتھ کیا آیا؟...... چند گھنٹوں کی چمکتی دمکتی روشنیاں اور تالیوں کی گم ہوتی آوازیں۔ یا اس سیاہ رات کی
ہاں...... یہ میں نے کیا کر دیا؟'
وہ صوفے کی بیک پر اپنا سر پٹخنے لگی۔
'اگر ماں باپ یا گھر والے محبت نہ دیں، توجہ نہ دیں تو کیا یوں ایڈونچر کے لئے گھر سے نکل جاتے ہیں؟...... نہیں۔ گھر سے نکل
م ہے، جسے یہ معاشرہ کبھی بھی معاف نہیں کرتا...... میں اتنی ذہین، اپنے کالج کی آل راؤنڈر، ٹاپر...... اور اتنی آسان، سامنے
نہ سمجھ سکی کہ خود کو منوانے کا یہ طریقہ صرف خودکشی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اور میں نے خودکشی کر لی۔'
اس نے نڈھال ہو کر ٹانگیں اوپر کیں اور صوفے پر ہی دراز ہو گئی۔ سیدھے ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ پیچھے پڑے فون سے
ئے۔ کوندے کی طرح خیال اس کے دماغ میں لپکا۔
'چلو محبت کو بھی آزما کر دیکھتے ہیں...... محبت کر کے بھی دیکھا، محبت میں بھی دھوکا ہے۔' کب کا سنا مصرع اس کے دماغ کی
ں سے ٹکرایا۔
"دائم!...... میں عزہ...... آ گئی ہوں۔" جانے کس طرح اس نے دائم کا نمبر ملایا اور اس کی نیند میں ڈوبی "ہیلو" سنتے ہی آہستگی
بولا۔

دوسری طرف اس کا ردعمل کیسا تھا، یہ جانے بغیر اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔
'میں جانتی ہوں۔ فوری بے قراری کے بعد جب تمہارے جذبات ذرا سرد ہوں گے تو کیسے کیسے سوال نہ تم پوچھو گے...... جب
پاپا مجھے معاف کرنے کو تیار نہیں تو دائم مصطفیٰ! تم تو پھر وہ مرد ہو، جس نے مجھ سے محبت کی ہے۔ اور مرد...... ہمارے
ے کا مرد ایک صاف ستھری، پاکیزہ، ان چھوئی عورت سے محبت کرتا ہے۔ یوں رات کی سیاہی بدن پر ملے، داغی عورت سے
بت کرتا ہے؟ وہ لاکھ پارسائی کی قسمیں کھائے اور لاکھ دنیا اس کی گواہ بنے کہ اس کے وجود کو پامال نہیں کیا گیا، وہ آج بھی ان
ہے۔ کسی مرد کے اجنبی ہاتھوں یا لمس نے اسے نہیں چھوا، پھر بھی کوئی یقین نہیں کرے گا۔ تم بھی نہیں کرو گے۔ میں جانتی ہوں۔'
بہت دنوں بعد آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی پلکوں سے گرنے لگے، اسے اب صرف محمود عالم کے فیصلے کا انتظار تھا۔

✲◉......◉✲

عائشہ ان تینوں کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔
"عائشہ! انہیں فی الحال اپنے کمرے میں لے جاؤ۔ یہ تھکی ہوئی ہیں۔ آرام بہت ضروری ہے ان کے لئے۔" اسامہ نے عائشہ کے کوئی بھی سوال کرنے سے پہلے تانیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا تو عائشہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ وہ خاموشی سے تانیہ کو اپنے کمرے میں چھوڑ کر آ گئی۔ اسی وقت بیرونی گیٹ کی بیل بج اٹھی۔
دوسرا لمحہ اس کے لئے حیرت انگیز تھا۔
گیٹ پر خوفناک تیور لئے میڈم یاقوت کھڑی تھیں اور ان کے پیچھے ان کا خاص گن مین۔ اگرچہ عائشہ اب ان کی ملازمہ تھی، نہ ان کے ساتھ کام کر رہی تھی، پھر بھی انہیں سامنے دیکھ کر اس کے اندر کا خوف جاگ اٹھا۔
اس کے چہرے کی رنگت اڑ سی گئی۔
میڈم یاقوت اسے زور سے پرے دھکا دے کر اندر جانے لگیں۔
"میم! آپ اس طرح میرے گھر میں؟" وہ ہکلا ہکلا کر اتنا بولتے ہی ہانپ گئی۔
"اوہ...... تو تم بھی اب عزت والی ہو کہ تمہارے گھر میں داخل ہونے سے پہلے وارنٹ حاصل کئے جائیں۔" وہ اس کے پاس رک کر غرا کر بولیں۔
"مگر آپ اس وقت...... میں آپ سے......" وہ دوسری بار بھی پورا جملہ نہ بول سکی۔
"لائبہ کہاں ہے؟" انہوں نے انگلی سے زور سے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔
"لائبہ......!" عائشہ حیرت سے بولی۔
تنزیل ابھی اسامہ کے ساتھ گھر آیا تھا، اس نے لائبہ کے ساتھ کیا کیا اُسے خبر نہیں تھی۔ اور میڈم۔
"بڑا یارانہ ہے نا تیرا اس چور کے ساتھ۔ بول، ادھر رکھوا کر گیا تھا وہ لائبہ کو...... مجھے تمہارے گھر کی تلاشی چاہئے، ابھی۔" وہ پیچھے منہ کر کے غرا کر بولیں اور ان کا گن مین اندر آ گیا۔
عائشہ کا جسم کانپنے لگا۔
"نہیں میم!...... نہیں...... یقین کریں، میں تو لائبہ......"
"لائبہ کو نہ سہی، اپنے اس لگتے کو تو اچھی طرح جانتی ہو نا، جس کی وجہ سے شیرنی بنی ہوئی تھیں۔" انہوں نے غصے میں اسے پورا ہی جھنجوڑ ڈالا۔
"نہیں میم! آپ میرا یقین کریں، میں کسی کو بھی نہیں جانتی۔ اور جس دن سے میرے والد کی ڈیتھ ہوئی ہے، میں تو آفس یا آپ کے......" وہ گھگھیا کر پوری ہمت کر کے جملہ پورا کر رہی تھی۔
"یہ ڈرامے میرے ساتھ نہیں چلیں گے۔ کدھر ہے وہ تنزیل تیرا......" موٹی سی گالی بکے بغیر تو وہ اس طرح کا جملہ بولا ہی نہیں کرتی تھیں۔ "سارے تیرے کالے کرتوت میری مٹھی میں ہیں۔ ابھی چاہوں، تجھے شہر بھر میں ننگا کر دوں۔ سیدھی طرح بکے گی یا نہیں؟"
دوسرے لمحے اسامہ ان کے سامنے نکل کر آ گیا۔
"اوہ، آپ آ گئیں...... آپ میرے گھر میں...... آیئے، آیئے نا پلیز! اندر تو آئیں۔" وہ ساری گفتگو سن چکا تھا، مگر اس لمحے کا تقاضا کچھ اور تھا۔
"تم!" میڈم یاقوت کے غصے اور جذبات پر جیسے کسی نے یخ پانی انڈیل دیا ہو۔
"آپ اندر تو آئیں نا...... آنٹی! آپ پہلی بار میرے گھر آئی ہیں، وہ بھی اس وقت۔" وہ ان کے تاثرات نظرانداز کر کے خاصا گرم جوشی سے بولا۔ "یہ عائشہ ہے۔ میری بہن۔"
عائشہ اپنی کپکپاہٹ پر قابو پانے کو انگلیاں چٹخا رہی تھی۔
"نہیں، میں بس چلتی ہوں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں...... پھر کبھی آؤں گی۔" بے حد پھیکے لہجے میں کہہ کر وہ جانے لگیں۔
جانے اسامہ کو دیکھ کر وہ اپنے ہر قسم کے بد ارادے سے پیچھے کیوں ہٹنے لگتی تھیں۔ کچھ ایسا تھا اس میں۔ جب بھی اسامہ ان کے سامنے آتا، ان کی نظروں کے سامنے لائبہ کا چہرہ آ جاتا۔
"پلیز! رکیں تو...... کیا زیادہ طبیعت خراب ہے؟" وہ فکرمندی سے کہتا ان کے ساتھ ہو گیا۔
"ہوں...... بس میں یونہی آ گئی تھی۔" وہ نظریں چرا کر بولیں۔ "لائبہ...... لائبہ کا پتہ چلا؟" یک دم ان کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی آ گیا۔ وہ نڈھال سی ہو چکی تھیں، اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر۔

لیز آنٹی! حوصلہ کریں نا۔ آ جائے گی وہ گھر۔ بلکہ شاید وہ آ بھی چکی ہو۔ آپ نے گھر فون کیا؟'' وہ بے اختیار انہیں اپنے
بولا۔
ں نے رنجیدگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔
ہ اپنا سیل فون نکال کر لائبہ کا نمبر ملانے لگا۔
ل آف ہے۔ آرام کر رہی ہوگی...... میں آپ کے ساتھ چلوں؟''
ں شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔'' وہ بہت سارا پانی آنکھوں میں دھکیل کر جانے لگیں۔
''مجھے آپ کی طبیعت اچھی نہیں لگ رہی...... آئیں، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔'' وہ زبردستی ان کے ساتھ گاڑی میں جا

''کیا وہ آپ سے ناراض تھی؟'' انہیں ٹشو سے آنکھیں صاف کرتے دیکھ کر وہ دل جوئی کرنے کو بولا۔
''خوش تو مجھ سے کوئی بھی نہیں ہوا آج تک اس زندگی میں۔'' وہ دل گیر ہو کر بولیں۔
''اس وقت آپ بہت ڈپریس ہیں، اس لئے ایسا سوچ رہی ہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا سب۔'' وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولا۔
''پتہ نہیں، سب کچھ ٹھیک کرتے کرتے میں سب کچھ غلط کر بیٹھتی ہوں۔'' بہت اندر تک کوئی گہرا ملال سا تھا۔ وہ اتنا کچھ بگاڑ
ہیں کہ اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔
''میں لائبہ سے بات کروں گا، اگر وہ آپ سے ناراض بھی ہے تو...... وہ آپ کے بغیر رہ نہیں سکتی۔ وہاں لندن میں بھی وہ
ے زیادہ آپ کی کمی کو محسوس کرتی تھی۔''
''کاش! میں نے اس کے احساسات کو سمجھا ہوتا۔ کیوں اتنا لالچ تھا میرے اندر، کیوں اتنی نفرت، غصہ، جلن؟ اتنا کچھ مل جانے
وجود بھی کیوں سب کو تباہ کر دینے کی خواہش میں، میں نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔ حتیٰ کہ اپنی پیاری بیٹی بھی۔ بیٹا! اگر مجھے نہ مل سکا،
تم میرے پاس۔ میں اگر چاہتی تو کئی سال پہلے اس کے ساتھ ایک مکمل نہ سہی، بہتر زندگی گزار رہی ہوتی۔ یوں رات کے اس
اس کی تلاش میں سڑکوں پر ماری ماری نہ پھر رہی ہوتی۔''
بہت سارے ملال ان کے اندر گھیرا ڈالنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں دھندسی اترنے لگی تھی۔
''آر یو آل رائٹ آنٹی؟'' ان کی مسلسل چپ پر وہ آہستگی سے بولا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''بظاہر ٹھیک، مگر سب کچھ غلط۔'' وہ گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔ ''اسامہ! ایک بات کہوں تم سے؟''
''ضرور آنٹی!'' وہ پوری طرح متوجہ ہوا تھا۔
''تم لائبہ کو سمجھتے ہو نا...... صرف تم ہی اسے سب سے زیادہ سمجھتے ہو۔'' وہ ان کی تمہید کو فوراً ہی سمجھ گیا تھا، خاموش سا ہو گیا۔
''مجھ سے بھی زیادہ۔'' ان کے درمیان پہلے بھی اس قسم کی گفتگو ہو چکی تھی اور وہ اب بھی جانتی تھیں، یہ لاحاصل ہے، پھر بھی کوئی
تھی۔
''میں ہر طرح سے لائبہ کے ساتھ ہوں آنٹی! آج بھی، ہمیشہ کے لئے، جب بھی اسے میری ضرورت ہوگی۔'' وہ کافی دیر بعد
ے بولا۔
ان کے کندھوں سے جیسے کسی نے بھاری بوجھ اتار دیا۔
''بہت شکریہ بیٹا! بہت احسان مند ہوں گی میں تمہاری، اگر میرے بعد تم اس کا خیال رکھو تو۔''
''آپ جا رہی ہیں کہیں؟'' وہ چونک کر بولا۔
''نہیں...... ابھی تو نہیں۔ جا بھی سکتی ہوں۔'' وہ مبہم سے انداز میں بولیں۔
''آپ عائشہ کو جانتی ہیں، جاب کرتی تھی وہ شاید آپ کے پاس۔'' اس نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔
''ہاں، ہاں...... نہیں...... اب تو نہیں۔'' وہ پوری طرح سے شپٹا چکی تھیں۔
''بہت عزیز ہے مجھے اپنی یہ بہن۔ بہت اکیلے پن میں زندگی گزاری ہے اس نے۔ بابا کی بیماری، اس کا سب مسائل کا مردانہ
مقابلہ کرنا۔ بہت تکلیفیں سہی ہیں اس نے۔ میں چاہتا ہوں اب اس کی زندگی میں کوئی دکھ نہ آئے۔ میں نے یہاں سیٹل ہونے کا
ارادہ کیا ہے۔ اور کوئی بھی اچھا رشتہ دیکھ کر جلد سے جلد عائشہ کی شادی کرنا چاہوں گا۔''
ے یک ٹک دیکھے جا رہی تھیں۔ اب وہ ان کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔
اب تو شروع سے یہاں رہ رہی ہیں۔ کوئی ایسا اچھا رشتہ آپ کی نظر میں ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا۔ مجھے اب اپنے مسائل میں
اتھ چاہئے۔ یہاں میرے جاننے والے بہت کم ہیں۔''

وہ خفیف سا سر ہلا کر رہ گئیں۔ تنزیل خاموش ہو کر باہر دیکھنے لگا۔
کس بری طرح سے پھانسا تھا اس نے انہیں...... وہ جو آج عائشہ کے ساتھ وہ کرنے گئی تھیں، جو وہ رہتی سانسوں تک یاد رکھتی، سارے محلے میں اس کے سارے کرتوت بتا کر وہ اس کے ساتھ جتنا بھی برا کر سکتی تھیں، کر ڈالتیں مگر یہ اسامہ......
وہ مٹھی بھینچ کر رہ گئیں۔
''میں تو شاید کچھ دنوں تک لائبہ کو لے کر باہر چلی جاؤں۔ وہ یہاں سیٹ نہیں ہو رہی اور میں نے سوچا ہے، اب جو وہ چاہے گی، وہی کروں گی۔ وہ پہلے ہی میری وجہ سے بہت ڈسٹرب رہی ہے۔ تمہارے ساتھ آنے کا شکریہ۔ ڈرائیور تمہیں ابھی ڈراپ کر آئے گا۔'' ان کا گھر آ چکا تھا۔ نیچے اُترنے سے پہلے انہوں نے جتا دینے کے انداز میں جملے بولے اور رسمی سلام لے کر اندر چلی گئیں۔
'نہیں اسامہ! یہ عورت اتنی آسانی سے کھلنے والی نہیں۔ دائم یونہی نہیں چکرایا۔ اور وہ گھامڑ مجھ سے ملا بھی نہیں۔ صبح تو ضرور اس کی طرف جاؤں گا۔' گاڑی پھر سے چل پڑی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔
''جب تانیہ واپس آ چکی ہے، تم اپنا مقصد بھی حاصل کر چکے ہو، پھر تم نے لائبہ کو رہا کیوں نہیں کیا؟'' اگلے دن صبح ہی وہ تنزیل پر برس پڑی۔
''میں نے اسے قید ہی کب کیا تھا؟'' وہ جھلا کر بولا۔ ''خود اتنی اُلجھن میں گھر گیا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''
''تو پھر وہ اسے کیوں تلاش کرتی پھر رہی ہے؟''
''مکر کر رہی ہے۔ لائبہ اس کے پاس پہنچ چکی ہے۔'' تنزیل نفرت سے بولا۔
''مجھے نہیں لگتا۔'' عائشہ تشویش سے بولی۔
''نہیں بھی پہنچی تو میں کیا کروں؟'' وہ خود غرضی سے بولا۔
''اس نے تمہارا اتنا ساتھ دیا، بھول گئے؟'' وہ یاد کرا کے بولی۔
''بھولنے والا تو میں کچھ بھی نہیں۔ اس عورت نے آج تک جو کچھ تمہارے ساتھ کیا، وہ شاید تم بھول رہی ہو۔'' وہ طنز سے بولا۔
''میرے بھائی کو کچھ پتہ نہیں تنزیل! اگر انہیں ذرا بھی پتہ چل گیا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی۔'' وہ زمین پر نظر گاڑے رندھی آواز میں بولی۔
''یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے۔ پہلے تم اپنی ماں کی وجہ سے، پھر بابا کی وجہ سے اس گھٹیا عورت سے بلیک میل ہوتی رہیں۔ اب کیا بھائی کی وجہ سے ہو گی؟ چھوڑ دو عائشہ! یہ بزدلی۔ تم دوسروں کی وجہ سے خود کو اور بھی دلدل میں اُتارتی جا رہی ہو۔'' وہ اسے اُکساتے ہوئے بولا۔
''بہت خوف ہیں تنزیل! میرے اندر۔ یہ بہت ظالم لوگ ہیں، تم ان کو نہیں جانتے۔'' وہ خوف زدہ ہو کے بولی۔
''مگر میں تو ان کو جانتی ہوں۔ اور بہت اچھی طرح سے جان گئی ہوں۔ جان دے دوں گی، مگر دوبارہ اس دلدل میں نہیں جاؤں گی۔'' تانیہ کمرے میں آ کر بولی تو دونوں ایک دم سے خاموش ہو گئے۔
''تنزیل! تم دو گے میرا ساتھ؟ میں ان لوگوں کو ہر اس عدالت میں گھسیٹوں گی، جہاں سے مجھے انصاف مل سکے گا۔'' وہ آس بھری نظروں سے تنزیل کی طرف دیکھ کر بولی۔ وہ نظریں چرا گیا۔
اتنا حوصلہ تو اس میں بھی نہیں تھا، وہ یوں بھری عدالت میں اپنی بہن کی جسم فروشی اور اس گینگ کے کالے کرتوت براہ راست سن سکتا۔
''تم...... تم دو گی میرا ساتھ؟'' وہ عائشہ سے بولی۔ عائشہ بھی نظریں چرا گئی۔
''یہی بزدلی...... یہی کم ہمتی ان جیسے شیطانوں کو طاقت ور کرتی ہے، اتنا نہیں سمجھتے تم لوگ۔'' وہ زور سے چلا کر بولی۔
''ان کو پکڑنا ممکن نہیں تانیہ!'' عائشہ آہستہ سے بولی۔
''حرفِ قیاس، گمان فریب کے بل پر ان کو کھلا چھوڑے رکھیں؟...... نہیں، میں ان کی گردنوں تک ضرور پہنچوں گی۔ اگر کسی عدالت کے ذریعے نہ سہی، میں کسی بھی طرح انہیں اپنے ہاتھوں سے مار ڈالوں گی، مگر ان کے لئے تر نوالہ نہیں بنوں گی۔ تنزیل! تمہیں تو میرا ساتھ دینا چاہئے۔'' وہ تنزیل کا بازو زور سے ہلا کر بولی۔
''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ایک بار مجھے اس جہانگیر کا پتہ مل جائے، کم از کم اس شیطان کے وجود کو اس دنیا سے پاک کر دوں گا۔''
''صرف اس کو مار دینے سے کچھ نہیں ملے گا، وہ تو محض ایک مہرہ ہے، وہ ہٹے گا تو اس جیسے اور آ جائیں گے۔'' اسامہ اندر آ کر بولا۔
عائشہ کے قدموں کے نیچے زمین ہل سی گئی۔

ارنم بابا سے یہ سب کہہ دیتیں تو شاید تم اتنی آگے نہ جا پاتیں۔" وہ اس کے پاس بیٹھ کر نرمی سے بولا۔ اور عائشہ کو لگا، برسوں
ا ہوا بند آج ٹوٹ گیا ہے۔ وہ اس کے بازو سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اُس کا سر تھپکنے لگا۔
ائی! میں بہت ڈر گئی تھی۔ بہت زیادہ۔ ان لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"
یا خدا کے انصاف، اس کے قانون سے بھی؟ تم ایک بار اپنے اللہ پر بھروسہ تو کرتیں۔" وہ اسے تھپکتے ہوئے نرمی سے بولا۔
نیا میں دوں گا آپ کا ساتھ۔ میں نے ایک وکیل سے بات کر لی ہے۔ ایک دو دن میں کیس فائل ہوتے ہی ان پر ہاتھ
اری کر لی جائے گی۔"
بے یقین نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
ف غصہ، جذباتی پن یا بد دعاؤں سے ایسی بلاؤں کا مقابلہ نہیں کیا جاتا تنزیل! کچھ اور ہتھیار بھی ان جیسے شیطانوں کے
لانے پڑتے ہیں۔" وہ طنز نہیں کر رہا تھا، مگر تنزیل کو لگا، وہ اسے جتا رہا ہے۔
ت تنزیل کا سیل فون بج اٹھا۔
بھی اور اسی وقت محمود ولا پہنچو۔" دوسری طرف یاسمین تھیں، تحکمیہ انداز میں اس کی آواز سنتے ہی بولیں۔
محمود کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" اسے فوری تشویش بھی لاحق ہوگئی۔
ٹھیک ہیں وہ۔"
اور عزہ؟"
بھی ٹھیک ہی ہے۔ تم پہنچ رہے ہو نا وہاں؟" وہ عجلت میں تھیں۔
رر تانیہ...... کو لے آؤں؟" وہ ذرا پرے ہٹ کر بولا۔
یں، ابھی نہیں۔" کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔
وان تینوں سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ جانے اب کیا ہونے والا تھا، جو یاسمین نے یوں ایمرجنسی میں اسے بلایا تھا۔

✲◉......◉✲

تم نے اپنی من مانی کر لی، ہماری شہر بھر میں جتنی ذلت کروانی تھی، کروالی۔ تمہارا شوق، جنون جو بھی تھا، پورا ہو گیا۔" سارہ سر
ی عزہ کو دیکھ کر تیز لہجے میں بولیں۔
ما پلیز......!"
کیوں، دکھ ہوتا ہے ان باتوں سے؟" وہ طنز سے بولیں۔ "خیر اب ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے...... بلکہ کر لیا ہے۔ اور تمہیں
ماننا ہو گا۔"
کیا فیصلہ؟" عزہ الجھ کر انہیں دیکھنے لگی۔
آج ہی...... ابھی...... تمہارا نکاح ہو گا۔"
زہ کو لگا، اس کے نزدیک کسی نے بم پھوڑا ہو۔ وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔
ماما!...... کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" بہت دیر بعد بہ دقت وہ بول پائی تھی۔
تم نے سنا۔" وہ حتمی لہجے میں بولیں۔
ماما!...... میں ابھی......"
رہ ہی کیا گیا ہے، ابھی یا کبھی کرنے کے لئے؟" وہ اسی کٹیلے لہجے میں بولیں۔ اب تو انہیں پورا حق تھا، اس لہجے میں
اپنی اکڑ، ضد سب ہی کچھ بھول چکی تھی۔
ماما! میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ آہستگی سے بولی۔
ر تمہیں یہاں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اچھی طرح سوچ لو۔"
لہ ہر طرح فیصلہ کیا جا چکا تھا، اسے صرف اطلاع دی جا رہی تھی۔
آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
ماما!...... سوری! میں نے جو کچھ کیا، میں اس کے لئے......"
کے لئے معافی کا لفظ بہت چھوٹا ہے۔ اور تم نے رحم کیا تھا ہم پر؟ ہم نے آج تک جو کچھ تمہارے لئے کیا، تم نے اس
ر دیا۔ اور اس کے بعد بھی توقع رکھتی ہو کہ تم پر رحم کیا جائے؟"
اس نہیں چل رہا تھا، وہ اسے کیا کیا نہ سنا ڈالیں۔

"بلایا ہے تمہارے باپ نے اپنے اس یار غار کو، جو ان کے ماضی کے اور حال کے گناہ میں شامل کار تھا۔ اس کے آگے جھولی پھیلائیں گے کہ ان کی اس شان دار بیٹی کو اپنی بہو بنا کر، اس پر ایک اور احسان فرما دیں۔ آ رہے ہیں دائم کے والدین ابھی۔ تم خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو۔"

سارہ کسی کٹھور اجنبی کی طرح سخت لہجے میں سب کچھ بول کر دوسرے لمحے تن فن کرتی کمرے سے نکل چکی تھیں۔

'دائم کے والدین...... تو ماما، پاپا نے غصہ اور ضد میں بھی میرے لئے کتنا صحیح فیصلہ کیا۔ ابھی بھی...... میں نے ان کے ساتھ کتنا برا کیا اور انہوں نے میرے ساتھ۔ اور دائم...... پتہ نہیں اس کے میرے بارے میں کیا خیالات ہیں۔ میں نے اسے فون بھی کیا، اس کا جواب بھی نہیں سنا اور دوبارہ سے اس کی کال آئی بھی نہیں۔ پھر سے خود فون کروں۔'

وہ متذبذب سی سوچنے لگی۔

'نہیں، مجھے خود سے فون نہیں کرنا چاہئے۔ اگر دائم کو کرنا ہوتا تو وہ مجھے کر چکا ہوتا۔ تو گویا اس کے خیالات بھی میرے بارے میں......' اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگی یخ بستہ سی ہو گئیں۔

وہ بے چین سی ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اسے آنے والی گھڑیوں کا شدت سے انتظار تھا۔

✲✲......✲✲
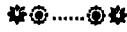
یاسمین نے بہت منتوں کے بعد ثریا بانو سے دس بار کہلوانے کے بعد احسن کو راضی کیا تھا، عزہ اور تنزیل کے رشتے کے لئے۔

"دیکھو بی بی! یہ عمر بھر کے سنجوگ ہوتے ہیں اور جس طرح تم دونوں جذباتی پن میں یہ بے جوڑ رشتہ جوڑنے جا رہی ہو، لکھ لو میری بات، ایسے رشتے نبھنے والے نہیں ہوتے۔" دروازے پر ٹیکسی بھی آ گئی، سوار ہونے سے پہلے بھی ثریا بانو طعنہ دینے سے باز نہیں آئیں۔

یاسمین نے اَن سُنی کر دیا۔

تنزیل کا مستقبل اسی طرح سے بن جائے، انہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے تھا۔

"تم سب محمود کی طرف جا رہے ہو؟" آغا فیاض بہ دقت اندر سے اپنی عینک تلاش کرتے عین وقت پر باہر پہنچے اور اثبات میں جواب ملتے ہی وہ بھی چلنے کو تیار ہو گئے۔

"تم بعد میں چلے جانا۔ اب یہ ٹیکسی ہے، کوئی جہاز تو نہیں۔" ثریا بانو ناگواری سے بولیں۔

اصل خدشہ تو انہیں محمود عالم کے مزاج سے تھا۔ جو کھچڑی یاسمین اور سارہ نے پکائی تھی، اگر تو وہ محمود عالم کے علم میں نہیں تو اس کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹنے والا تھا اور وہ اتنی بے عزتی میں کم سے کم لوگوں کی شمولیت چاہتی تھیں۔

'بیچ میں آغا فیاض...... کدھر سے آ گیا لسوڑہ۔' وہ دانت پیس کر رہ گئیں۔

"کیوں نہیں، میں خود سے چلا جاتا ہوں۔" وہ شرمندہ سے ہو کر بولے۔

جانے کیوں، دل کو آس سی تھی کہ وہ وہیں آئے گی۔ ایک بار وہ مل جائے، صرف ایک بار۔ وہ اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی تو مانگ لیں۔ آدمی بھی بلا کا خود غرض ہے۔ آخری سانسوں تک صرف اپنے ہی چھٹکارے، اپنے ہی فائدے کی بات سوچتا ہے۔ نیلم کس جہنم میں جل کر یہاں تک پہنچی تھی، انہیں یہ سارا مقصد بھول چکا تھا، صرف اپنی معافی کی طلب تھی اور بس......

"آ جائیں۔ جگہ تو ہے۔" یاسمین نے ایک طرف ہوتے ہوئے کہا تو ثریا بھی بادل ناخواستہ ذرا سکڑ گئیں۔

ان کے بیٹھتے ہی گاڑی چل پڑی۔

'اب تنزیل وہاں پہنچ جائے۔' یاسمین کو یہی فکر تھی۔

"اگر اس شخص نے مجھے ذلیل کیا یا کوئی اُلٹی سیدھی بکواس کی تو یہ تمہارے حق میں اتنا برا ہو گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔" احسن مراد نے پیچھے منہ کرتے از سر نو یاسمین کو دھمکایا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ پلیز! آپ تھوڑا سا خود کو نرم کریں۔" وہ لجاجت سے بولیں۔

"آلو کی طرح بنا لوں خود کو، تو بھی محمود عالم کے حلق میں اٹک جاؤں گا۔ اور تم جو ٹاٹ میں کمخواب کا پیوند لگانے کا سوچ کر جا رہی ہو، ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ ایسی منہ کی کھا کر آؤ گی۔ ہفتوں بستر سے نہیں اُٹھو گی۔"

چند دنوں سے ان دونوں کے بیچ ہر طرح کا لحاظ مروت اُٹھ چکا تھا۔

"اب اللہ کا نام لو احسن! کیوں اول فول بکے جا رہے ہو؟ نہیں دل چاہ رہا تھا تو صاف انکار کر دیتے۔" تسبیح پڑھتے ثریا بانو کے ہاتھ رکے نہیں بولنے کے دوران بھی۔

"کیا تو تھا؟" وہ کون سا ادھار رکھنے والے تھے۔

"اچھا، اب احسان کیا ہے تو جتاؤ بھی مت یوں بار بار۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولیں۔
"اور وہ تمہارا آوارہ بیٹا کہاں ہے، جس کے مستقبل کے لالچ میں تم ہم سب کو ذلیل کروانے لے جا رہی ہو؟" احسن کو کسی پل
نہیں تھا۔
ثریا نے لبوں پر انگلی رکھ کر یاسمین کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔
"کیا منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھ گئی ہو؟ بولتی نہیں آگے سے؟" خاموشی تو احسن مراد کو اور بھی کھلی۔
"کسی غیر کا ہی لحاظ کر لیا کرو احسن مراد! اپنوں کی مروّت تو اُٹھ گئی تم سے۔" ثریا بانو نے بالآخر ٹیکسی ڈرائیور کی موجودگی کا
اس دلاتے ہوئے شرم دلانی چاہی۔
"ہونہہ، غیر کا لحاظ...... بس، اب غیروں کا لحاظ ہی تو رہ گیا ہے، اپنوں سے تو ذلت ہی ملی ہے۔" نخوت سے کہہ کر منہ آگے کی
ف کر لیا تو یاسمین نے دل میں شکر کا کلمہ پڑھا۔ ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔

❊◉......◉❊

کمرے میں موت کی سی خاموشی تھی۔
محمود عالم نے آس بھری نظروں سے سامنے بیٹھے مصطفیٰ اور رخشندہ کی طرف دیکھا۔
"بہت امید ہے مجھے تم سے...... تم نے ہمیشہ میری ہر مشکل موقع پر مدد کی ہے۔ اور یہ نازک موقع...... تم مجھ سے بہتر سمجھتے
۔" مسلسل خاموشی پہ محمود عالم کو لجاجت سے بولنا ہی پڑا۔
سارہ نے تنفر سے تینوں کی طرف دیکھا۔
دائم کونے والی کرسی پہ خاموش بیٹھا تھا، جیسے اس سارے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔
رخشندہ نے مصطفیٰ کی طرف دیکھا، نظروں میں ان سے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر وہ نظروں کا زاویہ بدل گئے۔
"یہ صرف ایک سازش تھی، اس گھٹیا عورت کا انتقام۔ اور کچھ بھی نہیں۔ یقین کرو میرا...... اور یہ عزہ کا بچپنا تھا۔ اسے اتنی سمجھ
تھی کہ اس طرح کے قدم...... تم سمجھ رہے ہو نا؟" وہ توڑ توڑ کر وضاحت پیش کر رہے تھے۔
مصطفیٰ کا سرد رویہ ان کی پریشانی کو بڑھا رہا تھا۔
"تم دائم سے پوچھ لو، وہ تو جانتا ہے عزہ کو۔" وہ ذرا توقف سے بولے، دائم کو دیکھ کر لجاجت سے۔
"جانتا تھا، جانتا نہیں۔" وہ بہت دیر بعد جتا کر بولے۔
"مصطفیٰ!" اس جتانے میں آدھا جواب موجود تھا۔ محمود عالم ششدر سے رہ گئے۔
"نہیں محمود عالم! یہ ممکن نہیں۔" بہت وقت لگا کر انہیں بولنے میں کامیابی ہوئی۔ اگرچہ وہ فیصلہ گھر ہی سے کر آئے تھے کہ اگر
ی بات ہوئی تو ان کا جواب کیا ہوگا۔
"تمہاری بیٹی نے جو کچھ کیا، ہو سکتا ہے وہ تمہاری نظروں میں ایک بچکانہ فعل ہو مگر...... معاف کرنا، میں تھوڑا روایت پسند کہہ
ر دقیانوسی یا تنگ نظر جو لفظ بھی تمہیں میرے لئے پسند آئے، کہہ ڈالو۔ مگر میرا اکلوتا بیٹا، اس کے لئے میں نے جو کچھ بھی سوچ رکھا
اس میں بہر حال ایک اخلاق باختہ......"
"مصطفیٰ......" محمود عالم کے منہ سے دھاڑ سی نکلی۔ دائم لپک کر ان کی طرف آیا۔
" وقت احسن مراد، یاسمین اور ثریا بانو نے کمرے میں قدم رکھا۔
وری محمود! مجھے تمہاری اور اپنی دوستی پر فخر ہے۔ مگر یہ...... ممکن نہیں۔" انہوں نے دوٹوک لہجے میں کہہ دیا۔
لر آج مجھے اس دوستی پر فخر نہیں، شرمندگی ہے۔ تم جا سکتے ہو۔" وہ لحہ بھر میں ہی دائم کے تھامنے سے پہلے خود کو سنبھال چکے تھے۔
ٹھہر جائیے۔ آپ نے اپنے لئے جو بھی القاب پسند کئے، بالکل درست۔ مگر ابھی اس دنیا میں بہت وسیع القلب، ایک
کی عزت پر پردہ ڈالنے والے ہمدرد، سچے لوگ موجود ہیں۔" سارہ کے جملے بھی کو بے وقت یا شاید ان کے ذہنی توازن کا بگاڑ
ر ابھن کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔
بت، اپنائیت سے یاسمین کے پاس جا کر کھڑی ہو گئیں۔
نے اپنی بیٹی عزہ عالم کا رشتہ اپنے بھائی کے بیٹے تنزیل مراد سے طے کر دیا ہے۔ اور آج ہی نکاح بھی ہے۔ آپ لوگ
ہوں۔" وہ رک رک کر بڑی دل لگی کے سے انداز میں سب کی طرف دیکھ کر بولی۔ اسی وقت باہر سے آتے تنزیل کے
ں میں جکڑے گئے۔
ارہ......!" محمود عالم اس بیماری کی حالت میں جتنی قوت سے دھاڑ سکتے تھے، دھاڑے۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ ہانپ کر

بولے۔
کمرے میں موت کی خاموشی چھا گئی۔

✲◉......◉✲
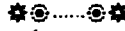
ان کی زندگی کا حاصل ان کے سامنے دھرا تھا اور انہیں اس سے کوئی بھی دلچسپی نہیں تھی۔
اتنے سال جب ان کے دماغ نے انتقام کا یہ طریقہ سوچنا شروع کیا تھا، انہیں بہت پہلے پتہ چل چکا تھا کہ محمود عالم ایک بیٹی کا باپ بن چکا ہے۔
وہ چند ہی سالوں میں اتنا اختیار، اتنی طاقت حاصل کر چکی تھیں کہ اگر چاہتیں تو محمود عالم کو کسی بھی اندھیری رات میں، کسی اندھی گولی، کسی پاگل اندھا دھند بھاگتی گاڑی کے ٹائروں کے نیچے کچل سکتی تھیں مگر...... محمود عالم کی موت تو ان کا مقصد نہیں تھا۔
وہ مر جاتا تو پھر کون دیکھتا، نیلم کامیابی، بلندی اور طاقت کے کس منصب پر فائز ہو چکی ہے، وہ کیا کیا کچھ کر سکتی ہے۔
وہ سب کچھ، جس کا وہ خود بھی تصور نہیں کر سکتے۔
انہوں نے انتقام کے لئے ایک طویل اور صبر آزما، مشکل راستہ چنا، جس میں محمود عالم قطرہ قطرہ پگھل کر گھلتا...... مرنا چاہتا، مر نہ سکتا۔ جینا چاہتا، جی نہ سکتا۔ بس یہ ان کی خواہش تھی، جس کی تڑپ نے انہیں اتنے سال گناہ کی دلدل میں دھنسے ہونے کے باوجود اس کی گندگی اور تعفن کو محسوس نہیں ہونے دیا۔
ورنہ وہ چاہتیں تو چند سال پہلے کوشش کر کے اس گناہ بھری دلدل سے آہستہ آہستہ باہر نکل سکتی تھیں، لیکن اگر وہ ایسا کر لیتیں تو پھر آج یہ سب کرنے پر کیسے قادر ہوتیں؟
انہوں نے سلگتا سگار ایش ٹرے میں رکھا اور اپنے سامنے پڑا لفافہ اٹھا کر اس میں سے سی ڈی نکال کر دیکھنے لگیں۔
صرف ایک چھوٹا سا فیصلہ، معمولی سا ارادہ ان کے اس شان دار، صبر آزما انتقام کو پوری دنیا میں نشر کر سکتا تھا۔
عزہ کی ڈریسنگ روم اور اپارٹمنٹ کی وڈیو۔ اور جس لڑکے کے ساتھ اس کی مکسنگ کی گئی تھی، اس کا چہرہ کہیں نہیں تھا۔ مگر اس کے باوجود یہ سین مکمل اور جامع تھا اور اس کے باوجود...... اس کے باوجود وہ کون سی طاقت تھی، جس نے انہیں اتنی بڑی خوشی، اتنی طاقت ملنے کے باوجود نڈھال سا کر ڈالا تھا۔
بدن سے ساری توانائی نچڑ گئی تھی، جیسے کوئی غبارے سے ہوا نکال دیتا ہے۔
انہیں لگا، یہ ایک بے کار، بالکل ردی سی چیز ہے، جس نے ان کے اتنے سال کھا لئے۔ ان کی سوچیں، ان کے خیالات سب کچھ اس بیکار سی شے کی نذر تو ہو گئے تھے۔
'اس کو محمود عالم اگر دیکھ لے گا تو اس کا دل ایک جھٹکا بھی نہیں سہہ سکے گا۔'
انہوں نے آنکھیں بند کر کے اس شام کا منظر دیکھا، جب وہ مصطفیٰ کا سہارا لئے، ریمپ پہ چلتی عزہ سے بے خبر، کمزور پتے کی طرح لرزتا ان کے سامنے کھڑا تھا۔
'وہ تو اس سی ڈی کا ایک سین نہیں دیکھ پائے گا اور مر جائے گا۔ اور جب محمود عالم مر جائے گا...... تو یہ دنیا کتنی خالی، کتنی بے مقصد، بے وجہ سی ہو جائے گی۔'
عجیب سی کیفیت ان کے اندر پیدا ہو رہی تھی۔
محمود عالم مر جائے...... یہ تو انہوں نے اس وقت بھی بددعا کی تھی، نہ سوچا تھا، جب وہ اسے دھوکا دے کر دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کو چلا گیا تھا۔
پھر اتنے سالوں بعد...... اتنی اذیت، کرب اور تکلیف کے اتنے سال گزر چکنے کے بعد بھی ان کا دل یہ گوارا نہیں کر رہا تھا کہ محمود عالم مر جائے!
'تو پھر یہ کیا ہے؟' وہ سُن ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ اپنی کیفیت خود ان کو ہی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔
انہوں نے ہاتھ میں پکڑی سی ڈی کو کچھ دیر دیکھنے کے بعد پاس پڑے اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ دیا۔
'وہ میری بلا سے جیے یا مرے، مجھے اب اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔ جیسے عزہ کی زندگی اور موت سے دلچسپی نہیں رہی، کبھی بھی۔ تو میں کیوں اس کے بارے میں سوچوں؟ چاہے وہ زندہ رہے یا جہنم میں جلے...... آئی ہیٹ ہم۔ اور اس نے جو کچھ میرے ساتھ کیا، اسے اس کی سزا تو بھگتنی ہی ہوگی۔'
اگلے ہی لمحے وہ پہلے والی یاقوت بن چکی تھیں۔ ظالم اور بے رحم!
انہیں تیار ہونے میں پون گھنٹہ لگا۔

ب سے ضروری کام انہوں نے اپنی اور لائبہ کی انگلینڈ کے لئے فرسٹ اویل ایبل فلائٹ میں ٹکٹیں کنفرم کرائیں۔
لائبہ آج آ جائے گی۔ خود سے نہ بھی آئی تو اس تنزیل کو گھٹنے کی موت مار کر میں اکیلی ہی نکل لوں گی۔ مجھے اب ان سب سے کچھ غرض نہیں ہونی چاہئے۔ محمود عالم، عزہ کی سی ڈی دیکھ کر اور احسن مراد، تنزیل کی لاش دیکھ کر جیتے جی مر جائیں، مجھے بڑی خوشی اور کہاں سے ملے گی؟ لائبہ اگر آج ملتی ہے تو ٹھیک، ورنہ اسے بعد میں بھی بلایا جا سکتا ہے۔ اب میرا یہاں رہنا بے خالی نہیں۔'
کچھ دیر پہلے آنے والا فون کچھ اسی طرح کی بری خبریں دے گیا تھا کہ ان کے گرد قانون کا گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔ ان کی کچھ باتوں سے حساس اداروں کے انڈر آبزرویشن ہیں۔ اس آبزرویشن کا آخری نتیجہ کیا نکلنا ہے، یہ تو انہیں بھی معلوم تھا۔
انہوں نے کچھ سوچ کر احتیاطاً اپنا ویزہ، پاسپورٹ، کچھ دوسری ضروری سفری دستاویزات بھی اپنے بیگ میں رکھ لیں۔
اے ٹی ایم کارڈ، چیک بکس اور کافی کیش ان کے بیگ میں پہلے سے موجود تھا، اس کی انہیں فکر نہیں تھی۔
اگر حالات کچھ ایسے ہوئے تو شاید میں سیدھا ایئر پورٹ ہی چلی جاؤں۔' اس آخری خیال کے ساتھ انہوں نے کمرے میں بھی ایسا ویسا جہاں ان کے قدموں کے نشان کھوجے جا سکتے تھے، سب ضائع کیا اور پھر اطمینان بھری نظر اپنی تیاری پر ڈالی۔
انہوں نے لائبہ کے فون پر ٹرائی کیا، اس کا فون بند تھا۔
'کہیں لائبہ واپس تو نہیں چلی گئی؟'' ایک دم سے انہیں خیال آیا۔
انہوں نے جلدی سے جا کر لائبہ کے کمرے کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ اس کا پاسپورٹ موجود تھا اور دوسری چیزیں بھی۔
'وہ جا کہاں سکتی ہے؟' انہیں نئے سرے سے پریشانی نے آن گھیرا۔
'اور جہانگیر ہمدانی کہاں دفعان ہوا؟ اس دھمکی کے بعد اس کا بھی کچھ پتہ نہیں...... کہیں اس نے تو لائبہ کے ساتھ کچھ برا......
نہیں۔ اس میں اتنی جرأت نہیں ہو سکتی۔' انہوں نے فوراً سر جھٹک دیا۔
کچھ سوچ کر انہوں نے اسامہ کا نمبر ملایا۔
'اسامہ! میری بات دھیان سے سنو۔ تنزیل سے کہو، لائبہ کو لے کر گھنٹہ بھر میں میرے گھر پہنچ جائے۔ ورنہ جو میں اس کے ساتھ کروں گی، وہ الگ، جو میں تمہاری بہن عائشہ کے ساتھ کروں گی، اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''
کچھ دیر چپ رہ کر وہ بولیں۔
'سن بھی رہا ہوں اور سمجھ بھی رہا ہوں میم! اور مجھے بے حد افسوس ہے، میں آپ کا یہ پیغام تنزیل یا عائشہ کو یا لائبہ کو، کسی کو بھی نہیں دے سکتا۔ ایسا کرنے کے لئے مجھے آپ کے چہرے پر پڑا خوب صورت نقاب نوچنا پڑے گا...... اور مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں...... ہاں یہ تو ہو سکتا ہے، لائبہ آپ کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہو اور اب وہ آپ سے نظریں ملانے سے گریزاں ہو۔''
ایک پل رک کر اسامہ نے دلخراش حقیقت سے نقاب کھینچ ڈالا، جس کو ایک ڈھب سے لائبہ کے سامنے پیش کرنے کے لئے انہوں نے ڈائری لکھی تھی۔
'وہ ڈائری...... وہ ڈائری کہاں گئی؟'' دوسرے لمحے ان کا ماتھا ٹھنکا۔
انہوں نے اسامہ کو کوئی جواب نہیں دیا اور فون بند کر دیا۔
انہوں نے لائبہ کے کمرے کی تلاشی لینا شروع کی، مگر وہ یہ بھی نہیں جانتی تھیں کہ ڈائری یہاں نہیں ہے۔
تھک ہار کر بیٹھ گئیں اور سوچنے لگیں کہ انہوں نے آخری بار اس ڈائری کو کہاں رکھا تھا۔ بیگ میں انہوں نے وہ ڈائری خود رکھی، اس کے بعد وہ کہاں گئی، بہت سوچنے پر بھی انہیں یاد نہیں آ سکا۔
'کاش! میں اس وقت جب لائبہ نے مجھ سے وہ ڈائری لی تھی، اسے ہی دے دیتی، وہ پڑھ تو چکی ہوتی۔' انہیں پچھتاوا ہونے لگا۔
'اگر اس نے وہ ڈائری پڑھ لی ہوتی تو وہ ضرور میرے پاس آتی، ایک بار تو پوچھتی...... اس کا باپ......' ان کے دل میں کچھ

'لائبہ کا باپ بھی تو ہے...... اور اس رشتے کے لئے کبھی وہ جہانگیر ہمدانی کی منتیں کیا کرتی تھیں کہ وہ ان سے شادی کر لے، سب کو بتا سکیں کہ لائبہ کا کوئی باپ بھی ہے۔
'کیا لائبہ کبھی نہیں جان پائے گی کہ اس کا باپ کون ہے؟' ان کے ماتھے پر پسینہ سا آ گیا۔ عجیب فیصلے کی گھڑیاں تھیں۔
'مجھے اب چلنا چاہئے...... لائبہ کو ڈھونڈ نا ہے۔ وہ یقیناً جہاں کہیں بھی ہے، اپنی مرضی اور خوشی سے ہے۔ وہ صرف مجھے تکلیف دینا چاہتی ہے، اور کچھ بھی نہیں۔'
اس خیال سے ان کے دل کو اطمینان سا ہوا۔

ان کی تیاری مکمل تھی۔ ایک آخری نظر سب طرف ڈال کر وہ باہر نکل آئیں۔

وہ پہلے بھی کبھی جانے سے پہلے بتا کر نہیں گئی تھیں اور اس کی ضرورت تھی بھی نہیں۔ یہاں تھا کون، جو ان کے آنے جانے کی خبر رکھتا یا منتظر رہتا تھا۔

وہ گاڑی میں آکر بیٹھ گئیں اور کتنی دیر یونہی پلٹ کر گھر کو دیکھتی رہیں۔ انہیں اس گھر سے کچھ خاص اُنسیت تو نہیں تھی، مگر جانے کیوں لگ رہا تھا، وہ دوبارہ یہاں نہیں آسکیں گی۔

ڈرائیور اور گن مین کو ان کے آنے کا پتہ نہیں چلا تھا۔ دیکھتے ہی بھاگ کر آئے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو منع کر دیا۔

'اب شاید مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں۔' انہوں نے ایک الوداعی نظر سب طرف ڈال کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

جانے سے پہلے انہیں ایک بار تو محمود عالم سے ملنا تھا، وہ سی ڈی دینے کے لئے۔

✲◉......◉✲
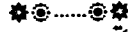
''بھائی! آپ جانتے ہیں، امی کی طبیعت کتنی سخت گیر تھی۔ اور اولاد کے ساتھ بھی ایک حد تک بے تکلفی کی قائل تھیں۔ بابا آپ کے چلے جانے کے بعد گھر سے، ہم سے بالکل لاتعلق سے ہو کر رہ گئے تھے اور میں جیسے اکیلی پڑتی چلی گئی۔ دوست بھی میری کوئی نہیں تھی۔ پھر جب یہ سب ہوا تو میں کسی سے بھی کچھ شیئر نہ کر سکی۔ میرا ایک غلط قدم، مجھے ہر اگلا قدم اسی غلط سمت میں اُٹھانے پر مجبور کرتا چلا گیا۔''

وہ نظریں جھکائے اسامہ کو اپنی تکلیف دہ آپ بیتی کا کچھ حصہ بتا رہی تھی۔

''انہوں نے میرے انکار پر آخری حد پار کر ڈالی۔ وہ سارا گند اٹھا کر گھر بھیج دیا اور امی...... امی تو اگلی سانس بھی نہ لے سکیں۔ ان کی آخری ملامتی نظریں میں کبھی بھی نہیں بھول سکتی۔''

اتنے سالوں بعد بھی وہ ماں کا نزع کا عالم بھول نہ پائی تھی۔

''میں بابا کو یہ سب کیسے بتاتی؟ اور کیسے یہ برداشت کر سکتی تھی کہ وہ یہی کچھ بابا کے ساتھ کر گزریں۔''

''پھر......؟'' اسامہ خود کو کڑے امتحان سے گزار رہا تھا، برداشت اور ضبط کے...... اور جراحی کے عمل میں تو یہ سب ناگزیر ہے۔ جب معاشرے میں اس قسم کے ناسور پلتے چلے جاتے ہیں تو پھر انہیں جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لئے غیرت کے دعوے دار والدین اور ایسی لڑکیوں کے گھر والے اگر تھوڑا سا خود پر جبر کر کے اس عمل سے گزر سکیں تو بہت کچھ نہ سہی، مگر کافی حد تک اس ناسور کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

''پھر کچھ بھی نہیں...... میں میڈم یاقوت اور ان کے گینگ کے ہاتھوں کھلونا بنتی چلی گئی۔'' وہ بے حد دھیمی، نم گھلی آواز میں بہ دقت بولی۔

''اور تم یہ سب کہہ سکتی ہو نا دوبارہ؟...... ان ظالموں پر ہاتھ ڈالنے کے لئے یہ ضروری ہے۔''

''نہیں بھائی!'' وہ خوف سے لرز اُٹھی۔

''تو گڑیا! یہ سب پھر کیسے ہوگا؟'' وہ بے بسی سے بولا۔

''مجھے نہیں پتہ۔ مگر خدا کے لئے بھائی! اور نہیں۔ بار بار میں اس اذیت سے نہیں گزر سکتی۔ مجھے کسی گمنام گوشے میں، کسی کونے میں، جہاں سے کوئی مجھے ڈھونڈ سکے نہ پہچان سکے، وہاں ڈال دیں۔ مجھے اب اور کچھ نہیں چاہئے۔''

''تم جانتی ہو، دنیا میں رہتے یہ ممکن نہیں۔''

''رہتے....'' وہ دہرا کر بولی۔ ''یعنی زندہ رہتے...تو مر ابھی تو جا سکتا ہے۔ اور بے تحاشا لوگ مرتے ہیں تو میں کیوں نہیں؟''

''نہیں...... اب نہیں۔ اگر تم نے بہادری سے یہ سب کہنے کا حوصلہ کیا تو پھر زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا سامنا بھی کرو۔''

''میں اتنی بہادر نہیں۔'' وہ بھنچی ہوئی آواز میں بولی۔

''بننا پڑے گا تمہیں عائشہ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''میں نے بہت ضبط کیا ہے، اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو......'' وہ ذرا دیر بعد بولا۔

''میں نے یہ سب کچھ آپ کو اس لئے سنایا ہے کہ...... میں اب کوئی بھی فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہوں، خود سے۔''

''جانتا ہوں...... اس لئے چاہتا ہوں، اب تمہارے ساتھ کوئی اور ہو، جس کے ساتھ مل کر تم آنے والی زندگی کا یہ فیصلہ پورے اعتماد اور بھروسے سے کر سکو۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''جی......!'' وہ حیرانی اور نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

ں تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔
ممکن نہیں۔" بہت دیر بعد وہ سر جھکا کر بولی۔
ممکن ہے یا نہیں، تم اسے مجھ پر چھوڑ دو، تم صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں اس فیصلے پر؟"
یا نہیں ہوسکتا۔ آپ سمجھ کیوں نہیں رہے؟" اب کے وہ کچھ جھلا کر بولی۔
تم اس بات کو جانے دو......" وہ سرسری انداز میں بولا "تمہیں کوئی پسند ہے تو مجھے بتاؤ۔"
بھائی......!" وہ بھونچکی سی رہ گئی۔ اسے امید نہیں تھی، اسامہ اس سے یہ باتیں کرے گا، وہ بھی بغیر کسی جھجک کے۔
دیکھو، اب وہ بات نہیں ہے۔ اگر بابا زندہ ہوتے یا تمہاری والدہ تو شاید یہ سب مجھے اپنے منہ سے نہ کہنا پڑتا۔ تمہیں شاید
بے تکلفی حیران کر رہی ہے، مگر یہ ضروری ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔
تنزیل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" ذرا دیر بعد وہ پھر سے بولا۔ اور وہ اس کی شکل دیکھنے لگی۔
میرا خیال ہے، وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور شاید تم بھی...... ایم آئی رائٹ؟" وہ اُس کے اس طرح دیکھنے پر پھر سے بولا۔
نہیں بھائی! بالکل بھی نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔
لمحہ بھر کو خاموش سا رہ گیا۔
تنزیل تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔" وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں بہت کچھ جتا گیا تھا۔ عائشہ کی نظریں اور بھی جھک

اور اب تمہاری شادی اس سے ممکن ہے، جو تمہیں پہلے سے جانتا ہو۔ تم سمجھ رہی ہونا؟"
ں کا سر مزید جھک گیا۔
میں تنزیل سے بات کروں گا۔" وہ اس کے جھکے سر کو نیم رضامندی سمجھا تھا۔
نہیں بھائی!...... بالکل نہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔
نہیں، میرے خیال میں اس میں کچھ بھی حرج نہیں۔" وہ اطمینان سے بولا۔ "اگر وہ تمہیں پسند کرتا ہے، تمہارے بارے میں
و جانتا بھی ہے تو یقیناً وہ خود سے بات کرے گا۔ لیکن ابھی وہ جاب لیس ہے تو شاید بات کرنے میں جھجک محسوس کرے یا اس
و ابھی ڈلے کرنا چاہے تو اس لئے اگر میں خود سے بات کرلوں تو اس میں کچھ برائی نہیں۔"
نہیں بھائی! میں ایسا نہیں چاہوں گی۔"
تو تمہیں صرف یہ اعتراض ہے کہ میں تنزیل سے خود بات نہ کروں، تنزیل سے رشتے پہ تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟" اسامہ
بے گھیر لیا تھا۔
نہیں...... میں یہ تو نہیں......" وہ گھبرا گئی۔
"میں جانتا ہوں، تمہیں اب کسی بھی معاملے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اب ہوں تمہارے ساتھ، ہر جگہ۔ تمہیں کسی
نے کی بھی ضرورت نہیں۔ میڈم یاقوت ہوں یا کوئی بھی تم سے ملنے آئے یا فون کرے، تم سامنے نہیں آؤ گی۔ میں اب سب
فیس کروں گا۔ تم گیٹ کھولنے بھی نہیں جاؤ گی۔ سمجھ رہی ہونا میری بات کو؟" وہ اسے ہدایات دے رہا تھا۔
وہ سر ہلا کر رہ گئی۔
"آج تنزیل آتا ہے تو میں اس کی بھی رائے لینے کی کوشش کرتا ہوں، یہ معاملہ جتنی جلدی طے ہوجائے، اتنا ہی اچھا ہے۔" وہ
بولا۔
"بھائی! تنزیل کی فیملی...... وہ خود...... میرے خیال میں آپ ان سے کوئی بات نہ ہی کریں تو اچھا ہے۔" دروازے کے
ک کر تذبذب انداز میں عائشہ پھر سے بولی تو اسامہ یونہی سر ہلا کر رہ گیا۔
وہ لمحہ بھر کھڑی رہی، پھر باہر نکل گئی۔
سے پتہ چل گیا تھا اسامہ، تنزیل سے بات ضرور کرے گا۔ اور شاید تنزیل کچھ ٹائم کی مہلت لیتے ہوئے مان بھی جائے۔ مگر
اس کی فیملی...... یقیناً وہ عائشہ کا بیک گراؤنڈ جاننے کے بعد کبھی بھی ہامی نہیں بھریں گے۔
وہ سوچتی ہوئی کمرے میں آکر بیٹھ گئی۔
اور جو کچھ تانیہ کے ساتھ ہو چکا ہے، اس کے بعد بھی......؟" اس کے دماغ میں نئی سوچ اُبھری۔
اور انہوں نے تانیہ کو بھی گھر سے نکال دیا تو پھر مجھے کیسے اور کیونکر قبول کریں گے؟" ایک کے بعد ایک اندیشہ سر اُٹھا رہا تھا۔

اس نے تھک کر آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی کچھ بھی واضح اور یقینی نہیں تھا۔

✲◉......◉✲
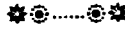
''سب لوگ بڑے صاحب کے کمرے میں ہیں۔ جو مہمان آئے ہیں، وہ بھی۔'' ملازمہ نے عزہ کو جوس پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اور کون آیا ہے؟'' وہ ملازمہ سے بھی نظریں ملا کر بات کرنے میں دقت محسوس کر رہی تھی۔

''آپ کے ماموں کی فیملی اور نانا۔''

''دائم......دائم بھی ہے؟'' اس نے دھڑکتے دل سے وہ بات پوچھی، جو وہ بہت دیر سے پوچھنا چاہ رہی تھی۔

''جی، وہ بھی ہیں۔ بلاؤں انہیں؟'' وہ جیسے جان بوجھ کر بولی۔

عزہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اس کے اشارہ کرنے پر ملازمہ جا چکی تھی۔ اس نے جوس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

'اگر دائم نے خود سے کوئی فیصلہ کر لیا ہوتا...... میں نے اسے آتے ہی کال کی تھی، وہ مجھے کال بیک کرتا یا خود سے جو بھی اس کے دل میں ہے، رات بھر سوچنے کے بعد صبح سے اتنا ٹائم ہو گیا۔ وہ مجھ سے بات کر سکتا تھا۔ یوں اس طرح اپنے پیرنٹس کے ساتھ آنا اور پھر مجھ سے ملنے سے گریز کرنا...... اس سب کا کیا مطلب ہے؟' اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔

'تو وہ فیصلہ کر چکا ہے۔ اپنے منہ سے صرف مجھے نہیں سنا سکتا، تو اس لئے اس کے پیرنٹس......' اسے دھیرے دھیرے سب سمجھ میں آنے لگا۔

'جب سب کچھ کھو چکی ہوں تو دائم کو کھونے کا حوصلہ بھی تو میرے اندر ہونا چاہئے۔ اس وقت بارہا میرے دل و دماغ نے مجھے اس وسوسے سے ڈرایا تھا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ دائم مجھ سے متنفر ہو سکتا ہے، ناراض ہو سکتا ہے۔ اور ناراض تو وہ تھا مجھ سے، میں نے اس کی ناراضی کی کون سی پروا کی۔ اب مجھے اس کی نفرت سہنے کے لئے بھی خود کو تیار کرنا چاہئے اور اس کا انکار سننے کے لئے بھی۔' اس کا دل ہی اس خیال سے جیسے مٹھی میں آ گیا۔

''نہیں...... یا اللہ! اتنا کڑا، اتنا مشکل امتحان مجھ سے نہ دیا جا سکے گا۔ مجھ پر رحم کرنا، مجھے معاف کر دینا۔ دائم...... دائم مجھ سے دور نہ ہو۔ وہ تو مجھ سے متنفر نہ ہو۔ میرا دل یہ سہہ نہیں پائے گا۔' اس کا چہرہ اپنے ہی آنسوؤں سے بھیگنے لگا۔

'پاپا اور مما کی نفرت تو میرے لئے کچھ نئی نہیں۔ روزِ اوّل سے بس یہی کچھ تو سہتی چلی آ رہی ہوں۔ مگر دائم کی نفرت...... نہیں، یہ میں برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گی، اس کے آگے ہاتھ جوڑوں گی، جو وہ کہے گا مگر وہ مجھے نہ چھوڑے۔' وہ جذباتی انداز میں سوچتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

'اگر اسے میرا یقین ہی نہ رہا ہو تو میری معافی اور میری منت، اسے کیا مجھ پر بھروسہ کرنے دے گی؟...... ہرگز نہیں۔' اس خیال نے جیسے اس کے جسم کو بے جان سا کر دیا۔

'اب اس طرح کے بہت سے انہونے اور ناقابلِ یقین لمحے میری زندگی میں بارہا آنے والے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا۔ میرے ایک فعل کا مسلسل نتیجہ بن کر۔ تو مجھے ان سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ مجھے بہادری کے ساتھ ان سب لمحوں کا سامنا کرنا ہے۔ گھر سے جانے کا فیصلہ بھی میرا تھا اور اس کی صلیب بھی مجھے ہی اٹھانی ہے۔ اب جو بھی ہو، خواہ پاپا مجھے گھر میں رکھیں یا نہیں، دائم مجھے اپنائے یا نہیں...... مجھے ان سیاہ راتوں کا کفارہ ادا کرنا ہے، مکمل بہادری کے ساتھ۔ سب کچھ فیس کرتے ہوئے۔'

لمحے بھر کی سوچ نے جیسے اسے صدیوں کی توانائی دے ڈالی۔

اس نے بڑے اطمینان سے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال سنوارے، اپنے روئے ہوئے چہرے پر ذرا سی بشاشت پیدا کی، تین چار گہرے گہرے سانس لے کر پھر سے خود کو باور کرایا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔

وہ بظاہر مضبوط قدموں سے چلتی ہوئی محمود عالم کے کمرے تک آئی تھی۔

انکار یا اقرار...... قبولیت یا حقارت جو بھی اس کا مقدر بننے جا رہا تھا، اسے وہ سب کچھ اپنے کانوں سے سننا اور آنکھوں سے دیکھنا تھا کہ کل کو کہیں دل کسی جھوٹے خواب کی بے یقین رتی نہ تھام سکے۔

مگر کمرے کے باہر پہنچتے ہی اُسے جس طرح کے انکشافات سننے کو ملے لمحہ بھر کو وہ سب کچھ بھول گئی۔

✲◉......◉✲
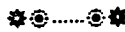
''میں اندر آ سکتی ہوں؟'' وہ دائم سے ملنے کے لئے تیار ہو کر باہر نکل رہا تھا، جب دروازے پر اسے دیکھ کر تانیہ رُکتے ہوئے بولی۔

''ہاں، آ جائیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

چند ہی دنوں میں ایک نہ کہہ سکنے والی اُنسیت پیدا ہو چکی تھی۔
وہ کمرے میں آ کر کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گئی۔
"آپ کو شاید کچھ کہنا ہے مجھ سے؟" ذرا سے انتظار کے بعد وہ اسے دیکھ کر بولا۔
"جی، کہنا تو ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ اُنگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔
"آپ کو جو کہنا ہے، بلا جھجک کہہ سکتی ہیں۔" وہ نرمی سے بولا۔
"سب کچھ تو آپ جانتے ہیں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔
"تو پھر......؟" اسامہ سمجھا نہیں۔
"مجھے پتہ ہے، ابو مجھے کبھی قبول نہیں کریں گے، نہ گھر آنے دیں گے۔ اور ظاہر ہے، میں یہاں تو پڑی نہیں رہ سکتی۔" وہ رُک رُک کر بولی۔
"مگر تنزیل نے تو......" اس نے کہنا چاہا۔
"تنزیل کی بات ابھی رہنے دیں۔ ابھی اسے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے اور میں اسے اپنی وجہ سے مزید کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی۔"
"تو پھر کیا کریں گی آپ؟"
"فی الحال کہیں رہنے کا بندوبست ہو جائے تو اس کے بعد چھوٹی موٹی جاب کر لوں گی۔"
"پھر اس کے بعد؟" اسامہ اسے دیکھ کر بولا۔
"اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔ بہت طلب نہیں ہے مجھے زندگی سے۔" وہ سادگی سے بولی۔ اسامہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے چہرے پر ایک مستقل حزن کی کیفیت ٹھہری گئی تھی، جیسے وہ ابھی بہت سے آنسو بہا بیٹھی ہو اور اب اس کی آنکھیں آنسوؤں سے خالی ہو چکی ہوں۔
"اور جو...... میڈم یاقوت اور جہانگیر پر آپ کیس کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں وہ، کیا پیچھے ہٹ گئیں؟" اسامہ جتا کر بولا۔
"میں اکیلی کیا کر سکتی ہوں؟" وہ بے بسی سے بولی۔
"اکیلی کیوں؟...... میں جو ہوں آپ کے ساتھ۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور تانیہ اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔
"میرا مطلب ہے، میں آپ کا اس کیس میں ہر طرح سے ساتھ دوں گا۔" وہ اگلے ہی لمحے وضاحت دیتے ہوئے بولا۔
تانیہ کی نظریں جھک گئیں۔
اس ثانیے بھر کی مہلت میں اس دلِ نادان نے کتنا کچھ سوچ اور اخذ کر لیا تھا اور یہ سوچ تو اس دن سے اس کے دل میں جڑ پکڑ چکی تھی، جب وہ پہلی بار اس سے ملی تھی۔ پھر آنے والی بہت سی راتوں میں اس نے اسامہ کے بارے میں بہت کچھ سوچ ڈالا تھا۔
اس کے چہرے پہ شاید انہی سوچوں کا عکس نمایاں ہو رہا تھا، جو اسامہ بھی یک ٹک اس کو دیکھتا چلا گیا۔
"کیا سوچنے لگیں آپ؟" وہ آہستگی سے بولا۔
"نہیں...... کچھ بھی نہیں۔ میرے پاس سوچنے کو ہے ہی کیا؟" وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولی۔ ابھی ابھی دل جس خوش فہمی میں مبتلا ہوا تھا، وہ لمحہ بھر میں ہوا کا رزق بن چکی تھی۔ اب پھر اس کے ہاتھ خالی تھے۔
"بہت کچھ ہے۔ کیوں نہیں ہے۔ اور کچھ نہیں تو ایک ہینڈسم، وجیہہ نوجوان آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ آپ اس کے بارے میں سوچ سکتی ہیں۔" وہ مذاقاً بولا اور تانیہ کے دل میں جیسے اس کا مذاق ترازو ہو گیا۔
'کیا اس نے میری سوچوں کو پڑھ لیا ہے، کچھ دنوں سے وہ سب جو چوری چھپے میں اس کے بارے میں سوچتی چلی جا رہی ہوں؟'
"آپ کو برا لگا کچھ؟" وہ پھر سے بولا۔ تو وہ اس حد تک اس کی سوچوں کو پڑھنے کے قابل ہو چکا تھا۔ تانیہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔
"نہیں، اس میں برا لگنے والی کون سی بات ہے؟" وہ پھیکے سے لہجے میں بولی۔
"تو اچھا لگنے والی تو ہے نا۔" وہ مسکرا کر بات سے بات نکال کر بولا۔ "میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟" اس نے اچانک سے پوچھ ڈالا۔
لمحہ بھر کو تانیہ سُن سی ہو گئی جیسے کسی نے اس کے دل کے اندر جھانک لیا ہو۔ وہ اسامہ سے نظریں نہ ملا سکی۔
"تانیہ!" اس کی خاموشی پر وہ آہستگی سے بولا۔
"آپ شاید کہیں جا رہے ہیں۔ میں نے آپ کا کافی ٹائم لیا۔" وہ ایک دم سے کھڑے ہو کر بولی۔

اسامہ اسے دیکھتا رہ گیا۔
کشمکش میں تو وہ بھی مبتلا تھا، جب سے تانیہ سے ملا تھا۔ مگر وہ یہ سب سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس سے تو پوچھ بیٹھا تھا، مگر خود سے پوچھتے ہوئے کترا بھی رہا تھا، وہ بھی تو اس کے دل کو انوکھی سی لگی تھی، چونکا دینے والی۔
لائبہ کے بعد وہ پہلی لڑکی تھی، جس کے بارے میں اس کا دل سوچنا چاہتا تھا، ہر وقت اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔
'لائبہ کے بعد کیوں؟......لائبہ سے زیادہ تو کوئی بھی نہیں......اور ابھی مجھے لائبہ سے بات کرنی ہے۔ ایک بار تو پوچھنا ہے اس سے۔' وہ یکدم سوچ کا زاویہ بدل کر خود سے کہنے لگا۔
'اور اس کے بعد......اگر اس نے پھر بھی انکار کر دیا تو؟ اور میں نے تو اس سے کہہ رکھا تھا، میں عمر بھر کا انتظار کرتا رہوں گا۔ تو وہ انتظار کیا تانیہ کو دیکھتے ہی بدل گیا؟' وہ اپنی سوچ کی تبدیلی پہ خود ہی حیران رہ گیا۔
'آپ پلیز! میرے لئے کہیں اور رہائش کا بندوبست کر دیں۔ میں جلد سے جلد یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔'' تانیہ جاتے ہوئے کہہ کر گئی تو اسامہ اسے جواب میں کچھ کہہ نہیں سکا۔ فی الحال وہ اسے کوئی بھی جھوٹا دلاسا دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔
'چیزیں کب اپنے ٹھکانے پر آئیں گی؟' اس کا ذہن تھکنے لگا۔ 'لائبہ کا گریز، اس کا بار بار انکار، اور میں اس کے منہ سے کیا سننا چاہتا ہوں؟' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھی وہ تھکن اس کے اعصاب پر سوار رہی۔
'مجھے آج یا کل میں یہ فیصلہ کر لینا چاہئے۔ تانیہ......تانیہ کو کہیں اور نہیں جانا چاہئے۔ عائشہ کے لئے تنزیل سے بات کرنا بھی ضروری ہے، چیزوں کو ٹھکانے پر لانے کے لئے کوشش بھی تو کرنا پڑتی ہے۔' اس کے دل میں موہوم سی اُمید پیدا ہوئی کہ وہ چیزوں کو جلد ہی ان کے اصل ٹھکانے پر لے آئے گا۔ اور اطمینان سے ڈرائیو کرنے لگا۔ اسے دائم سے مل کر ابھی یہ سب کچھ ڈسکس کرنا تھا۔

✲◉......◉✲

لحہ بھر کو تو جی چاہا، فی الحال واپس پلٹ جائیں۔ ہوا سے ہلتا پردہ، اندر کا منظر دکھا چکا تھا۔
ان سے چند قدم آگے ان کی طرف پشت کیے، تنزیل کھڑا تھا۔ تنزیل مراد......جس کی وہ ابھی اور اسی وقت حالات کی نزاکت کا خیال کیے بغیر بھی گردن دبوچ لینا چاہتی تھیں۔
مگر اندر کمرے میں محمود عالم کے اردگرد مصطفیٰ، ڈاکٹر رخشندہ، دائم، سارہ کے ساتھ احسن مراد، یاسمین اور آغا فیاض بھی موجود تھے۔
اتنے سارے لوگوں کا بیک وقت سامنا کرنا......اگرچہ وہ سب ہی ان کے مجرم تھے، مگر وہ ان سے یوں باز پرس کے بارے میں سوچ کر نہیں آئی تھیں۔
''کیوں نہیں ہو سکتا یہ؟'' سارہ کی دھاڑ نے ان کے خیالات کو بریک لگائی۔
''کم از کم میرے جیتے جی یہ ممکن نہیں سارہ بیگم!'' خوب چبا کر مگر قدرے مدھم آواز کے ساتھ محمود عالم حقارت سے سارہ اور اس کے ساتھ بیٹھے احسن اور یاسمین کی طرف دیکھ کر بولے۔
''اور میں یہ کر کے دکھاؤں گی۔ تنزیل اور عزہ کی شادی۔'' وہ اپنے ازلی ہٹ دھرم لہجے میں بولیں۔ اور لاؤنج کے آخر میں کھڑی عزہ کو چوکھٹ کو تھامنا پڑا۔
وہ تو یہاں کچھ اور ہی سوچ کر آئی تھی۔ یہ تو اس کے خواب و گمان میں بھی نہیں تھا۔
'کیا مما ابنارمل ہو چکی ہیں؟' پہلا خیال اس کے دل میں یہی آیا۔
''تم پاگل ہو چکی ہو، خبطی عورت!'' محمود عالم نے اس کی سوچ کو الفاظ کا روپ دیا۔ ان کے لہجے کی حقارت اور بے زاری سب ہی پر عیاں تھی۔
''پاگل ہوں یا صحیح الدماغ، آپ کی طرح عمر بھر دھوکا نہیں کھاتی رہی، ان جیسے خود غرض اور مطلبی دوستوں کے ہاتھوں۔'' سارہ کو مصطفیٰ سے آج بدلہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔
مصطفیٰ نے ایک نظر اسے دیکھا اور اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
''میرے خیال میں محمود! مجھے اب اجازت دو۔'' وہ دائم کے چہرے کی طرف دیکھے بغیر بولے، جہاں کچھ اور ہی تحریر تھا۔
محمود عالم نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خفت بھرے انداز میں پھر سے بیٹھ گئے۔
''اور محمود عالم! میں نے کبھی دھوکا کھایا بھی نہیں۔ پہلے دن سے مجھے یقین تھا کہ تم مجھ سے نہیں، نیلم سے محبت کرتے ہو۔ اور تم جانتے ہو، میرا یہ یقین کتنا حقیقت پر مبنی تھا۔'' وہ پرانے حساب کتاب کھولتے ہوئے بولیں۔
''اور میں یہ بھی جانتی تھی، تمہارا یہ ہمراز دوست جو تمہارے کمینے لمحوں کا ساتھی ہے، یقیناً تمہیں ایسے ہی کسی موقع پر دھوکا ضرور دے گا۔'' وہ نفرت سے بولیں۔

اپنی حدود میں رہیں۔" مصطفیٰ نے اس طرح کی ذلت کب سہی تھی۔
مجھے ضرورت بھی نہیں آپ جیسے شخص کے منہ لگنے کی۔ میرے خیال میں اب آپ جا سکتے ہیں۔" وہ اسی انداز سے

تم آکر ادھر بیٹھو۔ تنزیل نہیں آیا؟" وہ یک بیک لہجہ بدل کر مٹھاس بھرے انداز میں بولیں۔
نام مت لو میرے سامنے۔" محمود عالم ایک دم سے بھڑک کر بولے۔
نام نہیں محمود! اب وہ آپ کا بیٹا، اس گھر کا حصہ بھی بننے والا ہے۔ بہتر ہے آپ اپنے دل کو سمجھا لیں۔" سارہ بڑے
لیں۔
تی ہو، تنزیل کون ہے؟" محمود نفرت سے بولے۔
انداز میں کیا تھا، لمحہ بھر کو کمرے میں سانپ سونگھ گیا۔ اُٹھتے ہوئے مصطفیٰ پھر سے بیٹھ گئے۔
ہے، مجھ سے بڑھ کر اور کون جانے گا۔ میرا بھتیجا ہے، میرے بھائی کا اکلوتا بیٹا۔" ایسا تفاخر عمر بھر میں کبھی سارہ کو اپنے
محسوس نہیں ہوا تھا، جیسے اس وقت تنزیل کے لئے ان کے لہجے میں تھا۔
آپ کو نہیں پتہ؟" وہ اعتماد سے بولیں۔
ہمارے بھائی کا بیٹا نہیں...... بلکہ اس کا کچھ بھی نہیں۔" وہ ڈرامائی انداز میں بولے۔ سارہ بھلا کیا سمجھتیں، سب ہی ان
کر رہ گئے، سوائے احسن مراد کے۔
...... کیا کہہ رہے ہیں؟ طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے آپ کی۔" سارہ ہکلا کر بولیں۔
رے تنزیل کے دل کی دھڑکنیں ابتر ہو رہی تھیں۔ اس کا چہرہ لمحہ بہ لمحہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس جگہ سے بھاگ جانا چاہتا
دیکھی قوت نے اس کے دونوں پاؤں جیسے زمین کے ساتھ باندھ دیئے تھے۔
کا بھی کچھ نہیں۔ وہ رات کے اندھیرے میں ویرانے سے اٹھایا گیا وہ وجود ہے سارہ بیگم! جسے عام طور پر پیدا کرنے
والے کے ڈھیر پر پھینک دیا کرتی ہیں۔ میری بات کا یقین نہیں تو سامنے کھڑے اپنے اس بھائی سے پوچھ لو، کیا میں نے
عرصے کے بعد تو انہیں احسن مراد کو یوں ضرب لگانے کا مزہ آیا تھا۔
مراد کا سر جھکتا چلا گیا اور یاسمین کی آنکھوں میں جیسے مرچیں سی بھرنے لگیں۔
...... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟...... جھوٹ، غلط، بکواس۔" سارہ بے یقینی سے دیکھتی اٹک اٹک کر بولیں۔
رے نہیں، اپنے بھائی سے پوچھو۔ اب تو ان کو سچ بول دینا چاہئے۔ اب تو وہ آئینہ انہیں بھی دیکھ لینا چاہئے، جو وہ شاید
نہیں دیکھتے ہوں گے، ایک حرام کا بچہ گود لیتے۔
بھائی صاحب!" یاسمین کی ممتا تڑپ کر آگے بڑھی۔
میں جھوٹ بول رہا ہوں؟ پوچھو اپنے اس شوہر نامدار سے۔" جانے کیوں انہیں اذیت دینے میں مزہ سا آیا۔
کا ایک دریا عبور کر آئے تھے، مگر احساس کی دولت سے شاید ابھی بھی محروم تھے۔
بت اب بھی سامنے نہیں آنی چاہئے یاسمین بھابی؟" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔
راد محمود کیا کہہ رہا ہے؟ بتاؤ مجھے۔" ثریا بانو کو کسی نے جیسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ احسن خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئے۔
نے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائے رکھی۔" وہ صدمے سے بے جان ہی ہو گئیں۔
ہے؟...... بولو، کہاں سے اٹھا کر لائے تھے؟...... اور کیوں؟" وہ ان کا کالر کھینچ کر اذیت سے بولیں۔
راد کی آنکھوں کے سامنے سالوں پہلے اس سیاہ بھید بھری رات کا آخری پہر آ گیا۔
فائیں ہر طرف حیّ علی الفلاح کی صدائیں گونج رہی تھیں اور وہ نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلے
اپنے اس وجود کی رونے کی آوازیں جانے کیسے ان کا دل تڑپا گئیں۔ وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اسے بانہوں میں بھر کر
ہاں ان کی زچہ بیوی جس نے رات کے آخری پہر تانیہ کو جنم دیا تھا، ابھی ابھی تو وہ اس کے کانوں میں اذان دے کر
...... وہ فوری طور پر کچھ بھی نہ سوچ سکے اور اسے لا کر یاسمین کے پہلو میں اس بچی کے ساتھ لٹا دیا۔
ہوال بچے کو دیکھتے ہی دم توڑ گئے۔
رے میں یہ خوش خبری گردش کر رہی تھی کہ احسن مراد اور یاسمین کے گھر جڑواں بچے پیدا ہوئے ہیں۔
بانو بھی اس حقیقت سے لاعلم رہیں۔ وہ ان دنوں شدید بیمار تھیں اور یاسمین کے ساتھ نہ تو ہسپتال جا سکیں اور نہ ان
کے پاس تھیں۔

''تو یہ تھی میری حقیقت......'' جانے کس قوت نے اس کے قدم زمین سے اُکھیڑے تھے۔ وہ وحشت زدہ آنکھیں لئے احسن مراد کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ''تو اس لئے آپ کو مجھ سے اتنی نفرت تھی۔'' وہ رک رک کر بولا۔

''نن...... نہیں۔'' لفظ احسن مراد کا ساتھ نہیں دے پائے۔

''کیا نہیں؟...... کیا اس بات کو جھٹلا سکتے ہیں آپ؟'' وہ زور سے چیخا۔

''نن.... نہیں۔ تنزیل میرے بچے! یہ... یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔'' یاسمین پاگلوں کی طرح اسے اپنے ساتھ لپٹا کر بولیں۔ ''میرے بیٹے ہو...... میری جان! میں نے تمہیں پیدا......'' وہ بولتے ہوئے ایک دم سے رک گئیں۔

''مجھے پیدا کیا تھا آپ نے؟'' وہ یک دم ان سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔ اور یاسمین سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ نظریں بھاری بوجھ سے جھک گئیں۔

''ان سے کیا پوچھتے ہو؟...... ان میں سچ بولنے اور بتانے کی ہمت ہوتی تو یہ اس رات، جب تمہیں اپنے دروازے کے آگے سے اٹھا کر لائے تھے تو اپنی سگی ماں سے نہ بول دیتے کہ ان کے گھر صرف پوتی پیدا ہوئی ہے، جڑواں بچے نہیں۔'' محمود عالم طنز کا نشتر چبھو کر بولے۔

''جب بڑی امی! یاد ہے نا آپ کو، آپ نے اپنی بیماری کی شدت میں مجھے ہسپتال بھیجا تھا کہ ان کی کوئی اطلاع نہیں آئی، پتہ کروں۔'' وہ بول رہے تھے، جیسے بیماری اُن کے قریب آئی ہی نہیں تھی۔

''اور ہسپتال میں مجھے بتایا گیا کہ یاسمین نے بیٹی کو جنم دیا ہے اور انہیں ڈسچارج کر دیا گیا ہے۔ میں گھر کی طرف پلٹ آیا۔ کچھ دور تھا کہ میں نے جو منظر دیکھا......'' وہ رک گئے۔

''اور پھر بھی تم چاہتی ہو کہ میں اپنی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے، جس کے حسب کا پتہ ہے نہ نسب کا، جو کس کے گندے اعمال کا ثمر......''

''چپ کر جائیں بھائی صاحب!...... خدا کے لئے چپ کر جائیں۔ آپ میرے بیٹے کو یہ سب نہیں کہہ سکتے۔'' یاسمین پاگلوں کی طرح آگے بڑھ کر بے اختیار محمود عالم کے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر بولی تھیں۔

''کیا میرے چپ کر جانے سے حقیقت چھپ جائے گی؟'' یاسمین کا ہاتھ منہ کے آگے سے ہٹا کر وہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''نہیں...... اب یہ بات چھپ سکتی ہے اور نہ میں اسے برداشت کروں گا۔'' وہ انہی نفرت بھری نظروں سے تنزیل کو دیکھ کر بولے، جن سے وہ ہمیشہ آج تک اسے دیکھتے آئے تھے۔

اور تنزیل کو یوں لگ رہا تھا، جیسے اس کا پورا وجود کسی گٹر سے برآمد شدہ تعفن میں لپٹا ہے۔ اور سب لوگ ناک منہ کو ڈھکے اسے ترحم اور نفرت کی ملی جلی کیفیت سے دیکھ رہے ہیں۔

''لیکن میں صرف اتنا جانتی ہوں، یہ میرا بیٹا ہے۔ جس لمحے یہ میری گود میں آیا، میں نے اسے کبھی خود سے الگ نہیں سمجھا۔ ہوا جو میں نے اسے پیدا نہیں کیا۔ رشتہ صرف پیدا کرنے والے کا نہیں ہوتا، پالنے والے کا بھی ہوتا ہے۔'' یاسمین اپنا چہرہ صاف کر کے مضبوط، بے لچک آواز میں بولیں۔

وہ غیر محسوس طریقے سے تنزیل کے آگے کسی ڈھال کی طرح کھڑی ہو گئی تھیں۔

''اور مجھے اس کے حسب نسب، کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا بیٹا ہے اور میں اس کی ماں ہوں۔ اس کے پیچھے کیا حقیقت ہے یا کہانی اور اس کے کیا نتائج ہیں، مجھے ان میں سے کسی بھی بات سے کوئی غرض نہیں۔'' وہ رک رک کر کہتے ہوئے پھر سے اسے اپنے پیچھے چھپاتے ہوئے بولیں۔

کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا چکی تھی۔

میڈم یاقوت وہیں جمی کھڑی تھیں۔

ہوا سے بار بار ہلتا پردہ ان کی موجودگی سے سب کو آگاہ کر چکا تھا۔ مگر شاید اس وقت کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

اور وہ خود جیسے اس انکشاف کے تانے بانے سے اُلجھ کر رہ گئی تھیں۔

''ٹھیک ہے، تم لوگوں کو فرق نہیں پڑتا تو نہ پڑے۔ پہلے بھی کون سا پڑا تھا۔ یہ تو خاندانی اور عالی نسب لوگوں کی باتیں ہیں۔'' محمود عالم تھکے ہوئے انداز میں کہہ کر تکیے سے ٹیک لگا گئے۔

''اور میں اس سے نہ اب، نہ آئندہ کبھی کوئی تعلق رکھنا چاہوں گا۔'' وہ سارہ کو دیکھ کر بولے۔

''تمہاری بیٹی نے محمود عالم! جیسا خاندانی کام کیا ہے، اس کے بعد یہ اتنی بڑی بڑی باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔

یابانو نے تنزیل کو اپنانے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا تھا۔ مگر اس لمحے انہوں نے محمود عالم کو یاد دلانا ضروری سمجھا کہ وہ کون سا
ہے، جس نے اسے بستر پر ڈال رکھا ہے۔
مود عالم جواب میں لمحہ بھر کو کچھ بول ہی نہ سکے۔
زیل آہستگی سے یاسمین سے ہاتھ چھڑا کر جانے لگا۔
ٹھہرو، ابھی یہ کہانی مکمل نہیں ہوئی۔" ڈاکٹر رخشندہ نے آگے بڑھ کر تنزیل سے کہا۔
ب بے اختیار چونکے تھے۔
جس وقت مجھ سے یہ ناقابلِ معافی جرم سرزد ہوا، اس لمحے میں بھی اپنی زندگی کے نازک ترین دور سے گزر رہی تھی، جس سے
عورت گزرتی ہے۔ بانجھ پن کا داغ میں صحیح ہوتے ہوئے بھی خود سے دھو نہ سکتی تھی، اگرچہ ایسا نہ تھا۔ قدرت مجھے بارآور
کا فیصلہ کر چکی تھی، مگر اس سے پہلے......" وہ رک گئیں۔
بے حد مختصر الفاظ میں انہوں نے اس شام کی ساری کہانی بیان کر دی۔
"اور وہ عورت، جسے میں لاچار، بے سہارا مان کر اس کا بچہ لے آئی تھی وہ بعد میں......لیکن نہیں۔" وہ رک گئیں۔
"وہ بچہ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے احسن صاحب کے گھر کے دروازے کے آگے رکھا تھا اور خود دور کھڑی دیکھتی رہی تھی کہ
یہ بچہ کسی جانور کی خوراک نہ بن جائے۔
اِس، اس لمحے میں اتنی خوف زدہ تھی کہ جب احسن صاحب نے اس بچے کو جھک کر اٹھایا تو میں تیزی سے وہاں سے گاڑی لے
ں کے بعد مجھے زندگی نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ میں پلٹ کر پتہ کر سکتی کہ اس بچے کا کیا بنا۔ مگر محمود بھائی! وہ عورت، جس کا
......" وہ محمود عالم کے سامنے آ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولیں۔ "بہت سالوں بعد میرے بیٹے کی دعوے دار بن کر چلی آئی
ں مشکل کہ میں اس گھر کا ایڈریس فوری طور پر یاد رکھ سکی، نہ صاحبِ خانہ کا نام، نہ میں ان کے بارے میں کچھ جانتی تھی۔"
ب حیرت بھرے انداز میں رخشندہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔
"لیکن ان ساری باتوں سے پھر بھی یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ لڑکا کون ہے۔" وہ اسی لمحے میں پھر سے جتاتے ہوئے اسے اس کے
ٹ ہونے کا طعنہ دے گئے تھے۔
ڈاکٹر رخشندہ آگے بڑھیں اور یاقوت کا ہاتھ پکڑ کر سامنے لے آئیں۔
"اب یہ تو میں نہیں بتا سکتی کہ اس لڑکے کا باپ کون ہے، البتہ وہ عورت جس سے میں نے اس کا بچہ جدا کیا تھا، وہ یہی یاقوت
جن کے بارے میں، میں پہلے بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی تھی۔"
رخشندہ کا یہ سب کہتے ہوئے جیسے سانس پھول گیا۔
اور محمود عالم کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف پلک جھپکے دیکھ رہے تھے۔
"میرے خدا! یہ تو نیلی ہے......نیلو......" ثریا بانو نے سر پکڑ کر بے یقینی سے یاقوت کو دیکھتے ہوئے کہا۔
اور آغا فیاض تو جیسے پتھر کے بُت بن کر رہ گئے۔
"کرو اقرار، محمود عالم! سب کے سامنے......آج تو ان سب کے سامنے اقرار کرو کہ میں کون ہوں......یہ کون ہے؟" یاقوت
گی کے عالم میں آگے بڑھ کر ان کا گریبان جھنجوڑ کر بولیں۔
عجیب وحشت بھری نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئے۔
نیلم......!" ان کے لب کپکپائے۔
"بول جاؤ میرے نام کو۔ بتاؤ، تمہارا مجھ سے کیا تعلق تھا؟ کیا رشتہ تھا؟......اور مصطفیٰ صاحب! آپ تو گواہ تھے ہمارے نکاح
تھے نا؟ کچھ فرض تو آپ کا بھی تھا......تھا یا نہیں؟" وہ ان کے آگے آ کر لرز کر بولیں۔
مصطفیٰ بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئے۔ اور ثریا بانو لبوں پر انگلی رکھے حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھیں۔
"بتاتے کیوں نہیں، نکاح کیا تھا تم مجھ سے یا چند کالی راتوں کا سودا؟" وہ پھٹ پڑیں۔
اور محمود عالم نے زمین پہ نظریں گاڑ دیں کہ کاش! یہ زمین شق ہو سکے اور وہ اس میں سما جائیں۔
"اور یہ......" وہ جو تنزیل کی طرف مڑ کر کچھ کہنے لگی تھیں، جیسے پتھرا کر رہ گئیں۔ جس سے اتنے عرصے میں سب سے زیادہ
کی تھی، سب سے زیادہ اپنے انتقام کا نشانہ بنایا تھا، وہی......وہی تھا۔ اُن کی زیست کا حاصل۔ اس آبلہ پائی کا ثمر وہی تو تھا۔
اس کے ساتھ کیا کیا نہ کرتی رہیں۔
اور محمود عالم تو خود جیسے سکتے کے عالم میں تھے۔

ابھی جس کے حسب نسب اور کوڑے کے ڈھیر سے اٹھانے کے طعنے وہ دے چکے تھے، وہ وہی تھا، جس کی کبھی انہوں نے عزہ کی پیدائش سے پہلے ہونے کی بے تحاشا دعائیں مانگی تھیں۔

اور انہیں پتہ بھی نہیں تھا، قدرت ان کی یہ دعا پہلے سے قبول کر چکی ہے۔

وہ بے یقین نظروں سے تنزیل کو دیکھ رہے تھے، جس کی نظروں میں ان کے لئے کوئی جذبہ نہیں تھا۔ نہ نفرت، نہ محبت، نہ جوش، نہ امید۔ صرف اجنبیت تھی۔

اور یاقوت کو تو لگا، وہ اس سے کبھی بھی نظریں نہیں ملا سکیں گی۔

''تنزیل!......تنزیل! میرا بیٹا۔'' وہ بے یقین لہجے میں زیر لب خود سے بولے۔

''بھول رہے ہیں آپ جسٹس صاحب! آپ کا کوئی بیٹا نہیں۔ تنزیل جس بے نسب، بے نام شخص کا نام ہے، وہ کسی کوڑے کے ڈھیر سے اٹھایا ہوا قابلِ نفرت کیڑا ہے۔ یاد ہے نا آپ کو، ابھی چند لمحے پہلے آپ نے یہ سب بولا تھا۔'' وہ ایک قدم آگے بڑھ کر عین ان کے سامنے آ کر بولا۔

یاقوت نے بے اختیار سا ہو کر اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ وہ کرنٹ کھا کر بدکا تھا۔

''تم......مجھے چھونے کا حق بھی نہیں تم کو۔'' وہ نفرت سے غرایا۔

''تنزیل! وہ سب غلط فہمی......'' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کن الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کریں۔ غلطی بھی وہ، جو کسی ٹوٹی مالا کے گرتے دانوں کی چین کی طرح ایک کے بعد ایک ہوتی چلی گئی ان سے۔

''غلط فہمی......غلط فہمی تو خاتون! آپ کو ہوئی ہے۔'' وہ زور سے چلّایا۔

''میرا تم سے، اس شخص سے، جس کے اندر تکبر اور حسب نسب کا غرور کوٹ کوٹ کر بھرا ہے، اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ کسی سے بھی نہیں۔ میں......'' وہ یاقوت کو ایک دھکے سے ہٹاتا ہوا جانے لگا کہ یاسمین نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''تنزیل! ٹھہرو۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔'' وہ اس سے ملتجی لہجے میں بولیں۔

''ہرگز نہیں۔ میرے بیٹے ہو تم...... میں نے تمہیں اتنے سالوں کی تلاش کے بعد پایا ہے میں تمہیں اب خود سے جدا نہیں ہونے دوں گی۔'' یاقوت ایک دم سے دونوں کے بیچ آ کر سوچے سمجھے بغیر بولیں۔

اور وہ دونوں کے بیچ کھڑا تھا۔

میڈم یاقوت کے مدِمقابل بھی کون تھا۔ وہ معمولی سی عورت، جسے شاید وہ کبھی دیکھنا بھی پسند نہیں کرتیں اور آج......انہیں خود کو اس سے برتر ثابت کرنا کیسا مشکل لگ رہا تھا۔ بلکہ ناممکن۔

''بیٹا......'' وہ چبا کر بولا۔ ''کیا تم جیسی عورتوں کو بھی بیٹوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؟'' اس کا طرزِ تخاطب اس طرح کا تھا کہ میڈم یاقوت جیسے عرق عرق ہو کر رہ گئیں۔

''نہیں یاقوت میڈم! تم کو بیٹے کی نہیں، ایک آلۂ کار کی ضرورت ہوتی ہے۔ استعمال کیا اور استعمال کے بعد اس کی ضرورت نہ رہی تو اسے برباد کر دیا۔ یہی ہے نا آپ کے بزنس کا موٹو؟'' وہ نفرت سے بولا۔

''میں آج جو کچھ بھی ہوں، جیسی ہوں اس شخص کی وجہ سے ہوں جو تمہیں بھی اس دنیا میں لانے کا سبب بنا اور میری بربادی کا بھی۔'' وہ محمود عالم کی طرف انگلی اٹھا کر تڑختے ہوئے لہجے میں بولیں۔ کچھ یوں جیسے کوئی چٹان ٹوٹ کر گری ہو۔

''اور کیا خدا کو بھی یہی شاندار جواب دے کر مطمئن کر دیں گی آپ؟......کیا وہاں بھی آپ کی یہی ہوشیاری اور جعلسازی کام آ جائے گی؟''

وہ لاجواب سی ہو کر رہ گئیں۔

''تم آج مجھے کچھ بھی کہہ سکتے ہو۔ کچھ بھی۔'' بہت دیر بعد وہ بولی تھیں۔ ''میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا، اس کی کیا وجہ تھی، یہ تم نہیں جانتے۔'' وہ رک رک کر نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کرنے لگیں۔

''میں آپ کے بارے میں سب جانتا ہوں۔ وہ بھی جو نیلم پر گزرا اور وہ ظلم بھی جو آپ نے یاقوت بن کر معصوم لوگوں پر ڈھائے۔ اور کیا بتانا چاہیں گی آپ مجھے؟''

اس کے پاس ان کے ہر تیر کا جواب موجود تھا۔

''لیکن تم......'' ان کی سمجھ میں نہ آیا، اب کیا بولیں۔

''لیکن حقیقت صرف یہ ہے میڈم یاقوت! کہ اگر اس دنیا میں نام و نسب اتنا ضروری ہے، رشتے، تعلق اتنے ناگزیر ہیں تو آپ جیسوں سے رشتہ، تعلق، نسب قائم کرنے سے بہتر ہے، میں اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لے لوں۔''

"نہیں، نہیں۔ ایسے مت کہو۔ میں بہت تڑپی ہوں تمہیں پانے کے لئے۔" وہ بے قراری سے بولیں۔
"بھی ان لڑکیوں کے ماں باپ بھی تڑپے ہوں گے، جن کو آپ نے یوں برباد کیا کہ وہ جیتے جی کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ

ریڈم یاقوت پر جیسے کسی نے یخ پانی انڈیل دیا ہو۔ وہ ساکت سی کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔
اطرح برملا کب کسی نے انہیں یہ سب کہا تھا۔ اور اگر ایسا کچھ کہنے کی کوشش بھی کی تھی تو وہ کب اپنے پیروں پر سلامت گیا
ں وقت ان کی بے بسی کس عالم کی تھی کہ وہ اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔
ں کے باوجود بھی آپ کے خیال میں رشتہ ہونا ضروری ہے تو مجھے بہت فخر ہوگا اس بات پر کہ مجھے فقط اس عورت نے اکیلے
نا۔" وہ آہستگی سے یاسمین کے کندھے کے گرد بازو حمائل کر کے بولا۔ "کاش! خدا نے بچے کی پیدائش کے لئے باپ کا وجود
ما ہوتا اور آج مجھے اس بات پر فخر ہوتا کہ میرا کوئی باپ نہیں۔" اس نے ایک نظر محمود عالم پر ڈالی اور دوسری احسن مراد پر۔
ںکی نظروں میں سوائے شرمندگی اور پچھتاوے کے کچھ بھی نہیں تھا۔
"یہ بےلوث عورت، جو پہلے دن سے جانتی تھی کہ یہ لاوارث بچہ ہے، زمین پر پڑا اٹھایا ہوا بچہ....... پھر بھی اس نے میری
ںوں کی، جیسے کوئی اپنے اعلیٰ خاندانی ولی عہد کی کرتا ہے۔ یہ شاید دنیاوی لحاظ سے ہر طرح سے غریب تھی مگر اس کا دل ممتا کے
ے مالا مال تھا۔ اور اگر مجھ سے دوسری بار بھی اس دنیا میں آنے سے پہلے پوچھا گیا کہ میں کسے اپنی ماں منتخب کروں تو خدا کی
ا انتخاب پھر یہی کم حیثیت، بے مایہ عورت ہوگی جو میری ماں ہیں۔" کہہ کر اس نے یاسمین کو اپنے ساتھ لپٹا لیا، جو روئے جا
ں۔
"چلیں امی! ان حسب نسب، سیم وزر کی پوجا کرنے والوں میں ہم جیسے تہی دامن لوگوں کی جگہ نہیں۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر
تھ لئے باہر نکل گیا۔
ریڈم یاقوت کو لگا جیسے وہ اپنی زندگی کی ہر بازی ہار گئی ہوں۔ ان کے قدم، ان کا اپنا ہی بوجھ اٹھانے سے لاچار تھے۔ شاید وہ
کھڑے گر پڑتیں کہ ان کے بیگ میں پڑے مسلسل بجتے سیل فون نے انہیں ان کے وجود کا احساس دلایا۔
ہارے ہوئے قدموں سے چلتی باہر آ گئیں۔
یں محمود عالم سے کیا کہنا تھا؟ وہ یہاں کیوں آئی تھیں؟ ان کے بیگ میں محمود عالم کی بربادی کا مکمل سامان موجود تھا اور وہ انہیں
بھول گئیں۔ یہ کیا انہونا واقعہ ہو گیا تھا۔
یں تو لگ رہا تھا، وہ عمر بھر اب صرف اپنی بربادی پر ہی نوحہ کناں رہیں گی۔ انہیں یاد بھی نہیں آئے گا کہ انہوں نے کسی کو بھی
نے کا سوچا بھی تھا۔
رے میں ابھی بھی موت کی سی خاموشی تھی، جیسے یہاں سے ابھی ملک الموت اپنے تیر چلا کر گیا ہو۔
ہر آ کر پلر سے ٹیک لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگیں۔ سینے میں رکے سانس کو باہر کھینچنے میں انہیں کافی دقت ہو رہی تھی۔
کا سیل فون پھر سے بجنے لگا۔ اگرچہ انہیں کسی بھی خبر، کسی بھی شخص کا انتظار نہیں تھا، مگر پھر بھی غیر ارادی طور پر ان کے ہاتھ
طے گئے۔ ان کے ہاتھ میں وہ سی ڈی تھی۔
ے کھڑی عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہیں۔ دوسرے لمحے انہوں نے اس سی ڈی کے چار ٹکڑے کر ڈالے اور پیروں کے
یے۔
فون پھر بج رہا تھا۔
انے نام اور نمبر دیکھے بغیر سیل فون کانوں سے لگا لیا۔ اور دوسری طرف سے آتی آواز نے جیسے ان کے مُردہ جسم میں ہزار
ٹ دوڑا دیا۔
ئے سے سیدھی ہوئیں اور دوسرے لمحے ان کی گاڑی اُڑتی ہوئی ایک مخصوص سمت میں دوڑ رہی تھی۔

✿

''اور تمہارا فیصلہ؟'' ایک لمبی چپ کے بعد بہت پُر امید نظروں سے دائم کو دیکھتے ہوئے عزہ نے مدھم آواز میں پوچھا۔
جواب میں ایک گمبھیر خاموشی تھی۔ عزہ اسے پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتی رہی، پھر جیسے تھک کر اس نے نظریں دوسری طرف کر لیں۔
''میرا فیصلہ بھی بھی...... '' جب وہ اس کے جواب سے مایوس ہو چکی تھی تو دائم نے بہت ناپ تول کر کہنا چاہا۔ عزہ نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔
''مجھے تمہارا جواب مل گیا ہے۔ اب کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔'' بہت تیزی سے اس نے یہ دونوں جملے بولے۔ لحہ بھر کو اسے لگا، اس کا آدھا سانس حلق کے نیچے ہی کسی خلا میں گم ہو گیا ہے اور اس کا گلا گھٹنے سا لگا۔ گلے کو ہاتھ سے دبا کر اس نے بمشکل سانس باہر کو کھینچا۔
''تم ابھی بھی کچھ نہیں سمجھیں؟'' وہ اس کی کیفیت سے بے خبر تلخی سے بولا۔ ''ابھی بھی وہی جلد بازی، وہی عجلت ہے تمہارے اندر جو فٹافٹ کسی فیصلے پر پہنچ جانے اور نتائج اخذ کرنے کی عادی ہے۔'' اس کی نگاہوں میں شکایتیں ہی شکایتیں تھیں۔
''ابھی بھی عجلت میرے اندر ہے؟'' وہ تعجب بھرے انداز میں بولی۔
''یہ عجلت پسندی نہیں تو اور کیا ہے؟ تم خود سے ہی ہر نتیجہ نکال لیتی ہو۔'' وہ چڑے ہوئے انداز میں بولا۔
''اور کتنا میں نے تمہیں منع کیا تھا، روکا تھا کہ عزہ! اتنی جلدی اتنا بڑا فیصلہ مت کرو۔ مگر اس وقت بھی یہی جلد بازیاں......''
''پلیز! مجھے اب اور کچھ نہیں کہنا سننا۔ آپ جا سکتے ہیں۔'' اس کے حلق میں نمکین پانیوں کے گولے سے اٹکنے لگے تھے۔
ماں باپ کے بعد اب دائم کا اسے یوں اکیلا چھوڑ دینے کا فیصلہ...... یہ سب کچھ سہہ جانا آسان کب تھا۔
وہ اب اس سے صرف اتنی رعایت چاہتی تھی کہ وہ جلد سے جلد یہاں سے چلا جائے اور وہ جی بھر کر کمرہ بند کر کے روئے۔ اتنا...... اتنا کہ پھر زندگی بھر کے لئے اس کی آنکھیں ان پانیوں سے خالی ہو جائیں۔
''اور جو تم سے محبت کرتے ہیں، تم انہیں اتنا سا بھی حق نہیں دو گی کہ وہ تمہیں ذرا سی سرزنش ہی کر سکیں؟'' وہ پھر سے شکایتی لہجے میں بولا۔ اس کی نظریں عزہ کے متغیر چہرے پر جمی تھیں۔
''ذرا سی سرزنش۔'' اس نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔
اس ذرا سی سرزنش کا سلگتا جہنم جو اس کے اندر سانسیں لینے لگا تھا، معلوم نہیں آئندہ آنے والے دنوں میں وہ اسے جینے بھی دیتا یا نہیں۔ ابھی تو وہ سراپا سوال بنی ہوئی تھی۔ باہر والوں کے، ارد گرد والوں کے فیصلے سننے کی منتظر۔
مگر وہ یہ بھی جانتی تھی، آخری فیصلہ وہی ہوگا جو اس کے اندر سے آئے گا۔ اور وہ کیسا دہشت ناک اور خوف ناک ہوگا۔ اور اس فیصلے کے ماتحت اس کی آنے والی زندگی کیسے گزرے گی، یہ خیال اسے ابھی سے ہراساں کر رہا تھا۔
''میں نے ساری زندگی ہر طرح کا فیصلہ چھوٹا ہو یا بڑا، معمولی یا غیر معمولی، خود کیا ہے۔'' وہ جانے کس پل اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا اور اب نظریں اس کے ہراساں چہرے پر جمائے کہہ رہا تھا۔
عزہ کا جی چاہ رہا تھا، اپنے پیچھے ایستادہ پلر دھکا دے کر گرائے اور یہاں سے بھاگ جائے، کہیں بھی آخری فیصلے کو سنے بغیر!
''مگر ہر چھوٹے بڑے، معمولی، غیر معمولی فیصلے میں میرے پیرنٹس کی رضامندی شامل ہوتی تھی۔ کبھی ان کی رضا مجھے پہلے مل جاتی اور کبھی ذرا بعد میں۔ میری کچھ کوشش اس میں شامل ہوتی اور کبھی وہ خود ہی میرے مزاج کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ اب انہیں یہ سب کرنا ہی پڑے گا۔''
''اوہ!...... تو آپ اپنے مزاج کو ابھی اس نہج پر لے کر جائیں گے، جس سے خوف زدہ ہو کر یا بلیک میل ہو کر آپ کے پیرنٹس بالآخر آپ کا کوئی بھی فیصلہ منظور کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' وہ ایک دم سے پہلے والی عزہ بن کر بولی۔ ''تو پھر میری طرف سے سوری۔''
دائم نے بے اختیار اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔
''ابھی نہیں...... ابھی، کچھ بھی نہیں کہو۔ پلیز!''

نے تیزی سے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے ہٹایا۔

ے ایڈونچر کے جھٹکے سے ہماری محبت کی پوری عمارت جو ابھی نو تعمیر شدہ تھی، سُوکھے پتے کی طرح لرز رہی ہے۔ سو پلیز!
وئی جلد باز سا فیصلہ نہیں کرو۔" وہ ذرا سا مسکرا کر آنکھوں میں گہری سنجیدگی سے بولا۔

و فیصلہ آپ کے پیرنٹس ابھی فرما کر گئے ہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔

نا کا حق ہے۔ میں نے انہیں استعمال کرنے دیا۔ مگر عزہ! یہ میری زندگی ہے۔ جس طرح اپنی زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کا
ے حق حاصل رہا ہے تو میں یہ حق کسی کو آسانی سے کیسے تفویض کر سکتا ہوں؟ مگر مجھے اس طرح کمزور پڑنے پر بھی تم نے

ے پتھرائی نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

یہ جملہ اس کی زندگی کے آنے والے ہر دن کا ایک ناگزیر حصہ بننے والا تھا۔ کیا وہ اسے اپنی زندگی کے ہر دن کا لازمی
مکمل زندگی گزار پائے گی؟

یا سوال، جس نے اسے منجمد سا کر دیا۔

ابھی کچھ بول رہا تھا، مگر اس کے کان کچھ نہیں سن رہے تھے۔ صرف دائم کے ہلتے لب اور......

کمزور بھی تم نے کیا۔" ایک ہی جملے کی بازگشت۔

ابھی گھر جا رہا ہوں۔ اور تم یہ مت سمجھنا، میں تم سے بہت ناراض ہوں۔ اب اس کا فائدہ بھی نہیں۔ تم اپنی مرضی کر چکی
کچھ دن یہ سب کچھ سیٹ کرنے دو۔ اتنا تو مجھے فیور کرو گی نا عزہ؟" وہ اس کا کندھا ہلا کر پوچھ رہا تھا۔

خالی خالی نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

ہوا، اب کیا سوچنے لگیں؟" وہ اس کی کیفیت پہ لمحہ بھر کو چونکا۔

نے کوئی جواب دیئے بغیر آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا دیا۔

راضی ہیں۔ اور مجھ سے یا تم سے اس وجہ سے خفا بھی نہیں۔ بلکہ ان کا ووٹ تو میرے ساتھ ہے۔ انہوں نے پاپا کو منانے
نہیں کی۔ بلکہ تم دیکھنا، چند دنوں میں پاپا بھی مان جائیں گے۔ وہ میری اور مما کی کسی بات سے زیادہ دن انکار کر ہی نہیں
......"

ذرا جوش میں اسے تسلی دے رہا تھا۔

اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" وہ منجمد لمحے اس سے فیصلہ کروا چکے تھے۔

ب؟"

شاید گھر جا رہے تھے۔" وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

ں کے چہرے کو دیکھ کر کچھ اخذ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

نے کیا سوچا ہے؟" وہ اس کی چپ سے قدرے ڈرے ڈرے انداز میں بولا۔

از کم وہ نہیں، جو اب میرے اردگرد والوں کے لئے مزید کسی پریشانی کا باعث بنے۔" وہ ٹھوس آواز میں بولی۔

میں تمہارے اردگرد والوں میں شامل ہوں نا؟" وہ ذرا سا بے یقین ہو کر بولا۔ عزہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

......!"

ابھی آپ جائیں۔ ابھی ہمارے گھر میں بھی...... بلکہ کہیں بھی کچھ نارمل نہیں۔ تو ہم ایسے حالات میں کوئی بھی اچھا نہ
صلہ بھی نہیں کر سکیں گے۔"

کچھ عجیب سا لگا۔ کچھ دیر پہلے وہ دائم کا آخری فیصلہ جاننے کی منتظر تھی اور اب وہ کہہ رہی تھی "ہم" کوئی مناسب فیصلہ

یکتا رہ گیا۔

ہ کر چکی تھی مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ اپنی طبیعت یا فطرت کے اس لازمی جزو کو اپنے اندر سے نکال پھینکنے
۔ بلکہ شاید کوئی اور ایسا ہی فیصلہ!

کیا سوچا ہے عزہ؟" وہ لمحہ بھر میں بہت کچھ جان چکا تھا کہ عزہ کچھ اور سوچ چکی ہے۔

...... کیا اس سارے منظر نامے میں مجھے بھی حق حاصل ہے کوئی فیصلہ کرنے کا؟" وہ عجیب پھیکے سے لہجے میں بولی۔
بہت بکھری ہوئی اور شکست خوردہ سی لگی۔

اس سارے میں اگر کسی نے کچھ نہیں پایا تھا تو عزہ کے ہاتھ بھی کچھ نہیں آیا تھا۔ آگ کا دریا عبور کر آنے کے بعد بھی وہ خالی ہاتھ تھی۔

"تمہیں واپس آجانے کا دکھ ہے؟......پیشن تھا نا تمہارا تو خود کو یوں پروجیکٹ کرنے کا؟" ایک دم سے دائم کو خیال آیا۔

"پروجیکٹ......ہونہہ۔" وہ صرف یہی دُہرا کر چپ ہو گئی۔

اس منحوس پریڈ کے بعد اس دن سے برینڈڈ کمپنیوں کے کتنے فون آچکے تھے اسے کہ اس نے فون ہی مستقل آف کر دیا تھا۔ لوگوں کے لئے یہی بات بہت حیران کن تھی کہ ایک ہی رات میں شہرت کی بلندیوں پر بیٹھ کر وہ کیسے شہرت سے خائف ہو گئی۔

وہ شاید ابھی بھی خائف نہ ہوتی، اگر میڈم یاقوت کا اصل چہرہ......تکلیف کا تیز احساس اس کے اندر کسی برقی رو کی طرح دوڑا۔ وہ میڈم یاقوت، جس کو میڈم بنانے میں کچھ نہ کچھ نہیں بلکہ بہت بڑا ہاتھ اس کے آئیڈیل باپ کا بھی تھا۔

"او کے، تم اندر چل کر تھوڑا ریسٹ کرو، ہم پھر بات کریں گے۔" دائم کو اس کی ذہنی حالت کچھ اتنی اچھی نہیں لگ رہی تھی، نرمی سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر بولا۔ عزہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نہ کوئی الوداعی کلمہ۔ اور آہستگی سے اندر کی طرف مڑ گئی۔

اور دائم کے روش پر چلتے قدم بے اختیار ٹھٹک گئے۔

وہ جھک کر اس سی ڈی کے چاروں ٹکڑے اٹھا کر سیدھا ہوا اور ان ہی قدموں پر واپس چلتا عزہ کے پاس آگیا۔ وہ اس کے یوں واپس آنے پر ٹھٹک کر مڑی۔

دائم نے خاموشی سے وہ چاروں ٹکڑے اس کی طرف بڑھا دیئے۔

اتنی محنت کے بعد سب کچھ حاصل کرنا اور پھر فوراً ہی اسے یوں برباد کر دینا۔ وہ ان ٹکڑوں کو دیکھتی رہ گئی۔

ان چمکتے بے جان ٹکڑوں میں کیا نہیں تھا۔

محمود ولا کو بنیادوں سے ہلا کر زمین بوس کر دینے کا سارا سامان......اور اس سے زندہ رہ جانے کا ہر جواز چھین لیا جاتا اگر ٹکڑے آپس میں جڑے رہتے۔

وہ کانپ کر رہ گئی۔

"شاید وہ ابھی بھی صرف محمود عالم سے محبت کرتی ہیں۔ اور اسی محبت سے مجبور ہو کر......" دائم دو ادھورے جملے بول کر بھی کچھ کہہ گیا۔ عزہ ہاتھوں میں وہ بے جان ٹکڑے لئے اس عورت کی محبت کے ٹکڑوں کو جوڑنے کی ناکام سعی کرتی رہی، جو شاید اسے ثابت مکمل ملی ہی نہیں تھی۔

کبھی دن کے چور لمحوں میں یا رات کے تاریک اندھیروں میں......ایک مکمل سالم دن بھی اس کی محبت کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ اور وہ پھر بھی......پھر بھی محمود عالم کو اس کی پوری زندگی لوٹا گئی تھی اور عزہ کو......پہلے برباد کرنا چاہا اور اب......

اس نے زور سے ان ٹکڑوں کو مٹھی میں بھینچ لیا۔

٭......٭

میڈم یاقوت کو لگا، ان کے قدم زمین سے کچھ اس قوت سے جکڑے ہیں کہ وہ عمروں کی توانائی لگا کر بھی اپنے پیر نہیں چھڑا سکیں گی۔ اور یہ منظر......کاش! کچھ ان کی بینائی چھن چکی ہوتی تو اس طرح کا کوئی منظر وہ نہ دیکھ پاتیں۔

مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

وہ اسی طرح مقناطیسی زمین کے ساتھ ایستادہ تھیں اور ان کی بے دم ہوتی نگاہیں اس منحوس منظر کو یک ٹک دیکھ رہی تھیں۔

لائبہ اور جہانگیر ہمدانی......دونوں ساتھ ساتھ ایک ہی صوفے پر، ایک دوسرے کے پاس قدرے بے تکلف سے انداز میں اور مطمئن چہروں کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے، جیسے وہ انہیں کوئی کرتب دکھانے لگی ہوں۔

"مام! میٹ مائی ہزبینڈ، جہانگیر ہمدانی۔" لائبہ چہک کر بولی۔ "اوہ، سوری! میں بھول گئی۔ آپ دونوں تو شاید پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"

"نہیں۔ پہلے سے نہیں......پچھلے کسی جنم سے۔" جہانگیر بے باکانہ انداز میں لائبہ کی گردن میں بانہہ حمائل کر کے خباثت سے بولا۔ اور میڈم یاقوت کو لگا، آج ہی حشر کا دن ہے۔

ان کے اعمال نامے کا ایک ایک پرت آج ہی کھل کر رہے گا۔ ہر وہ پرت، جس پہ ان کے کردہ، ناکردہ، چاہے، ان چاہے، ان دیکھے گناہ کا حساب یوں سطر سطر درج ہے کہ وہ خود سے یہ سب پڑھ سکتی ہیں اور اس سارے شمار نامے کے ساتھ ان کی سزا کا اندراج بھی ساتھ ہی لکھا ہے۔

"کیا بات ہے ساس جی! یہ منظر اتنا دل کو بھایا کہ نظریں ہٹانے کو جی نہیں چاہ رہا۔ ایسی بات ہے تو ادھر آجائیے نا، ہمارے

...ب۔ آپ بھی پاس ہوں گی ہمارے دل و جان کی روشنی، زندگی، خوشبو، بہار اور کیا نام دوں میں اپنی اتنی شاندار، حسین لائف ...دیکھئے، زندگی کی ہر بہار ہم سے حسد کرنے لگے گی، قسم سے۔"

جہانگیر ہمدانی...... ان کے دربار کا وہ کتا، جو ہمیشہ ان کے قدم چاٹنے کے لیے دُم ہلاتا، لوٹیں لگاتا، یاقوت کی قربت کے چند ...نصیب ہونے کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتا تھا، اب وہ لائبہ، ان کی سگی، ان کی جائز، ان کی سب سے لاڈلی

...

...کتنا کریہہ منظر تھا۔

...نہیں...... انہوں نے تو اس سے بھی زیادہ کریہہ اور غلیظ مناظر بہت سے...... ان گنت کہ اب تو ان کی گنتی بھی بھول گئی تھی ...ہمارے رجسٹر، اندراج نامے بھی کل دفتر کھلنے پر نذرِ آتش کر دیئے جاتے، ایسے کتنے ہی منظر انہوں نے بہت سی لڑکیوں کے ...لکھے تھے۔ اور ان کی بے بسی پر فلک شگاف قہقہے بھی لگائے تھے۔

...کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ نہ آسمان شق ہوا تھا، نہ زمین پھٹی تھی، نہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوئے تھے۔ بس یومِ حساب کو این اوسی مل گیا ...شاید صرف ان کے لیے۔

...باقی دنیا کے سارے لوگ تو اسی طرح اپنی دنیا داری کے دھندوں میں مگن، رواں دواں تھے...... یہ یومِ حشر صرف ان کے ...لیے۔

...جانے کون سا وہ لمحہ تھا، جب انہوں نے اپنے وجود کی ساری قوتوں کو مجتمع کر کے زور سے جھٹکا لگایا اور جیسے اُڑتی ہوئی ان ...کے سروں پر پہنچ گئیں۔

...ایک زوردار تھپڑ انہوں نے لائبہ کے منہ پر رسید کیا اور پھر ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا......

...خبردار......!" دوسرے لمحے جہانگیر ہمدانی نے پوری قوت سے ان کی کلائی جکڑی تھی۔ "جوش میں بھی ہوش قائم رکھو یاقوت ...کسی زخمی شیر کی طرح غرّایا۔

...یہ اب تمہاری بیٹی ضرور ہے، مگر میری بیوی ہے...... اس کو ہاتھ لگانے سے پہلے بلکہ چھونے سے بھی پہلے تمہیں مجھ سے ...ہوگی، ورنہ مجھے اتنا کمزور نہ سمجھنا کہ میں اپنی چیز کی حفاظت نہ کر سکوں۔

...پورا زور لگا کر بھی اپنی کلائی اس خبیث سے چھڑا نہیں سکی تھیں۔

...تم سے اب میرا جو رشتہ ہے، صرف اس کا لحاظ کر کے چھوڑ رہا ہوں۔ ورنہ تم جانتی ہو، جہانگیر اپنے غصے میں کیسا دیوانہ ہو جاتا ...ہے، غیر کی پہچان نہیں رہتی اسے۔"

...جانے غرور بھرے انداز میں یاقوت کی کلائی ایک جھٹکے سے چھوڑ کر انہیں پرے دھکا دیا تھا۔

...دوسرے لمحے میڈم یاقوت نے نیچے گرتے گرتے سنبھل کر تیزی سے اپنے کندھے سے جھولتے بیگ میں ہاتھ ڈالا اور دوسرے ...ان کے ہاتھ میں تھی۔

...میری سمجھ میں آیا کہ اتنا اتنا کچھ ہوا اور تم مر دو نہیں مرے، اس کی کیا وجہ تھی۔" وہ جھٹکے سے سنبھل چکی تھیں۔ "اس کی وجہ ...تم نے آج، اس لمحے میرے ہاتھوں سے مرنا تھا۔" وہ نفرت بھرے انداز میں غرّا کر بولیں۔

...اپنی بیٹی کو اتنی جلدی بیوہ کر دو گی؟ ایسی بھری جوانی میں بیوگی، مر نہ جائے کہیں یہ۔ اس کا ہی سوچ لو، مجھ سے اگر ...بھی تمہیں تو ساس جی!" وہ بہت مطمئن انداز میں بول رہا تھا۔

...نی، دوستی کو بھول جاؤ۔ اب صرف اپنی آتی جاتی سانسوں کو گنو کہ کون سی سانس آخری ہوگی۔" انہوں نے بڑی مہارت ...رخ عین اس کے دل کی طرف کرتے ہوئے مطمئن انداز میں کہا۔

...مام!" دوسرے لمحے لائبہ عین جہانگیر ہمدانی کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اور جہانگیر ہمدانی کو لگا، وہ اپنی جوانی کے ...سال میں چلا گیا ہے، جب بھی یاقوت بھی اس کی یونہی ڈھال بنا کرتی تھی، اسی طرح سے ہر مشکل میں اس کے آگے ...کرتی تھی۔

...سویٹ ہارٹ!...... مائی ڈارلنگ! تمہیں ذرا سی خراش بھی آئے تو اس سے پہلے میں اس گولی کو اپنے سینے پر کھانا پسند ...ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔" وہ بڑی بے باکی سے لائبہ کو اپنی بانہوں میں بھر کر بولا۔

...یاد ہے یاقوت بیگم! کبھی تم بھی ہماری یونہی ڈھال بنا کرتی تھیں۔ لوہے اور اسٹیل سے مضبوط ڈھال۔" وہ بے باکی سے ...کر بولا۔

...ہٹ جاؤ اس شیطان کے سامنے سے۔ آج میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" وہ پاگلوں کی طرح چلا کر بولیں۔

لائبہ، یاقوت کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔

''کیوں مام!....... کیوں زندہ نہیں چھوڑیں گی؟'' وہ مطمئن انداز میں سامنے آ کر بولی۔

''تم....... تم ہٹ جاؤ، میں کہہ رہی ہوں۔'' وہ جنونی انداز میں بولیں۔

''؟اس لئے کہ میں نے اس سے اپنی رضا اور خوشی سے شادی کی ہے؟'' وہ اسی بے لچک آواز میں بولی۔

''لائبہ.......!'' اس سے زیادہ سننا ان کے لئے محال تھا، زور سے چیخ کر بولیں۔ لائبہ کے چہرے پر وہی سکون تھا۔

''یا اس لئے کہ اس نے ہر اس شیطانی دھندے میں آپ کی معاونت کی، اسے آگے بڑھایا جس میں آپ کی بھی خوشی شامل ہوتی تھی۔'' وہ رک رک کر بولی۔

یاقوت کے ہاتھ میں پستول لرز کر رہ گیا۔

''بکواس بند کرو اور ہٹ جاؤ اس کے سامنے سے۔'' وہ خود پر قابو پا کر چلائیں۔

''مام! اگر یہ گولی کے لائق ہے، کتا کہلوانے کے قابل ہے تو آپ خود کیا ہیں، کچھ سوچا آپ نے؟ یا ابھی سوچنے کے لئے آپ کو قیامت کے دن کا انتظار ہے؟''

وہ لائبہ کو دیکھتی رہ گئیں۔ اس نے کیسے تاک کر نشانے لگائے تھے۔

''مام! اگر ایسی موت اس کا مقدر ہو سکتی ہے تو آپ کی کیوں نہیں؟'' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں، یہ سب کچھ ان سے لائبہ کہہ رہی ہے۔

دوسرے لمحے وہ پیچھے پھل کی ٹوکری میں پڑے لمبے پھل والا چاقو کھینچ کر ہاتھ میں لے چکی تھی۔

''اگر آپ جہانگیر کو شوٹ کر دیں گی تو میں اس سے آپ کی جان نہ لے سکی تو اپنی لے لوں گی۔ آئی سویئر مام!'' اس نے چاقو کے لمبے پھل کی نوک اپنے سینے میں کھبو رکھی تھی، یاقوت کو لگا شاید نوک ان کے سینے میں اتر چکی ہے۔

''ہٹاؤ....... ہٹاؤ اسے۔ یہ لگ جائے گا لائبہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ ہٹاؤ۔'' وہ زور سے چیخیں۔

''میں اسے ایک انچ ہٹا لوں گی یا ایک انچ اپنے اندر اتار لوں گی مام! اگر آپ نے اگلے سیکنڈ میں یہ پسٹل ہاتھ سے نہیں رکھی تو۔'' وہ پھر سے اسی لہجے میں بولی۔

''اوہ.......'' جو لڑکی اس جیسے شیطان سے جانتے بوجھتے شادی کر سکتی ہے، وہ کیا نہیں کر سکتی۔ اتنا تو انہیں اندازہ ہو ہی گیا تھا۔ لائبہ جذباتی پن میں ان سے بھی بہت آگے ہے۔ وہ ان کی کسی دھمکی میں نہیں آئے گی۔

انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں پسٹل والا ہاتھ نیچے کر لیا۔

''گڈ!'' جہانگیر بچوں کی طرح تالیاں بجانے لگا۔ ویری اوبیڈینٹ مدر۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔

''رکھو اسے واپس۔'' یاقوت خود پر، اپنے آتش فشاں کی طرح اُبلتے غصے پر قابو پا کر لائبہ سے بولیں۔

اس نے آہستگی سے چاقو پھل والی ٹوکری میں واپس رکھ دیا۔ کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔

''چلیں ڈارلنگ! آپ کی والدہ کا آشیرباد تو ہمیں مل گیا۔ یہ دل اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنے کے لئے بے تاب ہوا جا رہا ہے۔ اب اور زیادہ انتظار ممکن نہیں۔''

وہ پھر سے لائبہ کی گردن میں بازو حمائل کر کے بے تکلف انداز میں بولا اور یاقوت کے ہاتھ کی گرفت پستول کے ٹرائیگر پر سخت ہوگئی۔

''ہوں....... کیوں نہیں۔ مام! آپ پلیز بیٹھیں گی؟'' لائبہ یوں جہانگیر کی طرف نرم مسکراہٹ اُچھال کر بولی، جیسے دونوں میں بے تحاشا محبت ہو اور یہ قربت.......

میڈم یاقوت کی آنکھوں میں جیسے کسی نے مرچیں بھر دیں۔ وہ زور سے آنکھیں بند کر کے رہ گئیں۔

''کیوں اس بے چاری کا اس عمر میں اتنا کڑا امتحان لے رہی ہو؟ اس عمر میں بلڈ پریشر، ہارٹ اٹیک، برین ہیمبرج جیسی کتنی جان لیوا بیماریوں سے اچانک اٹیک کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ تم پھر بھی بار بار انہیں اسی اذیت ناک کیفیت سے دوچار کر رہی ہو۔'' وہ پھر سے مزہ لے کر اس کے اور بھی قریب ہو کر بولا۔

''بے چاری کھڑے کھڑے تھک گئی ہوں گی، اب انہیں آرام کرنے دو۔ اس عمر میں آرام کی کتنی ضرورت ہوتی ہے، تمہیں بھی اندازہ ہوگا۔ آج یہ عمر رسیدہ عورت تمہاری ماں ہے، لاکھ خود کو فٹ شو کرے مگر عمر کا جادو تو اثر کر کے ہی رہتا ہے۔'' جہانگیر اس سے گن گن کر بدلے لے رہا تھا۔

اور میڈم یاقوت کے پاس سوائے بدن سے اُٹھتے شراروں کو ضبط کرنے کے اور کوئی راستہ نہیں تھا فی الحال۔

کیا یہ بڈھا صحیح بکواس کر رہا ہے لائبہ؟'' وہ خود پر قابو کر کے قدرے نارمل آواز میں بولیں۔
یہ سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی۔
ڈارلنگ! حیران کیوں ہوتی ہو؟ یہ ایک سو کالڈ، الٹرا ماڈرن ماں کا المیہ ہے جو اپنی بیٹی کے شوہر کو حریص نظروں سے دیکھتی
حسد ہے جو چیخ رہا ہے اس کے لہجے میں۔'' وہ پھر سے ٹانگ اڑا کر بولا۔
آپ کا مطلب نکاح سے ہے مام؟'' لائبہ نے جہانگیر کی ہرزہ سرائی کو نظر انداز کر کے کہا۔
ہم آپ سے جھوٹ کیوں بولیں گے مام؟'' وہ ذرا توقف سے بولی۔
"مگر کیوں؟'' وہ زور سے چیخیں۔
"یہ ضروری تھا مام!'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔
"کیوں......کیوں ضروری تھا؟'' وہ سامنے پڑا مینٹل پیس فرش پر مار کر زور سے بولیں۔
"دو باتوں کے لئے۔'' لائبہ اسی سکون سے بولی۔
"اونہوں، ڈارلنگ! چلو نا۔ کیوں اس خبطی بڑھیا کے ساتھ اپنے بھیجے کی لسی بنا رہی ہو۔ ہم اس کے آگے جواب دہ نہیں۔'' اس
طرح بہتی رال اسے اور بھی مکروہ بنا رہی تھی۔
"میری آپ سے ایک ریکویسٹ ہے جہانگیر!'' لائبہ نے ایک نظر یاقوت کے لحہ بہ لحہ سرخ ہوتے چہرے پر ڈال کر ملائمت
جہانگیر سے کہا۔
"حکم کرو میری جان! کہو تو پلکوں کے بل چل کر باہر گاڑی اسٹارٹ کروں یا جو تم کہو۔'' وہ اور بھی رال ٹپکا کر بولا۔
"ہماری ہوٹل میں بکنگ ہو چکی ہے نا؟'' وہ اس کی بہتی رالوں سے نظریں چرا کر بولی۔
"آف کورس ڈارلنگ! بلکہ روم بھی فرسٹ برائیڈل نائٹ کے لئے ڈیکوریٹ کرا لیا گیا ہے۔ اب تم چلو نا۔ اور کتنا تڑپاؤ گی
بس اب اس بحث پر لعنت بھیجو اور چلو بس۔'' وہ بچوں کی طرح ضدی پن سے کہتے ہوئے لائبہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر
بیزاری سے بولا۔
یاقوت نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔
"آپ ہوٹل جائیں، میں مام سے بات کر کے وہیں آ جاؤں گی۔'' وہ تحمل سے اسے دیکھ کر بولی۔
"کیا؟'' اس کا منہ اور بھی کھل گیا۔
"نہیں، بالکل بھی نہیں۔'' دوسرے لمحے وہ زور سے سر ہلا کر بولا۔ ''میں تمہیں ساتھ لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ ہرگز نہیں۔'' وہ پھر
اس کے قریب آنے لگا تھا۔ لائبہ آہستگی سے ایک طرف ہو گئی۔
"میرا مام سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔"
"اوکے، تم کر لو بات۔ میں یہیں بیٹھ کر انتظار کر لیتا ہوں۔'' وہ اب کے ذرا مہذب انداز میں کہتے ہوئے پھر سے صوفے پر
گیا۔
"نہیں پلیز! ایسے نہیں۔ میں اس طرح بات نہیں کر سکوں گی۔ آپ ہوٹل چلے جائیں۔ مجھے کچھ ٹائم لگے گا۔''
جہانگیر اُلجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
"مجھے صرف وہ بات بتاؤ جو تمہارے دل میں ہے۔'' دوسرے لمحے وہ اکھڑ پن سے بولا۔
"ایسا کچھ بھی نہیں ہے جہانگیر! آئی سوئیر......وہ میری ماں ہیں اور یہ نکاح میں نے ان کی رضامندی کے بغیر کیا ہے تو اتنا حق
بنتا ہے کہ میں اپنی ماں کو منانے کی کوشش کروں۔''
وہ ایک تابعدار بیوی کی طرح جہانگیر کی منتیں کر رہی تھی۔
"نہیں ہے یہ عورت کسی کی بھی ماں بننے کے لائق۔ اور نکاح کے بعد اس کو منانے یا کسی بھی اور رشتہ کو شوہر کی خوشی پر ترجیح نہیں
دی جا سکتی۔ اتنا تم سمجھتی ہو نا؟'' وہ ہٹ دھرم لہجے میں بولا۔
اپنے مطلب کے لئے اسے رشتوں کی درجہ بندی بھی کرنا آ گئی تھی۔
"تم دفع کیوں نہیں ہو جاتے یہاں سے؟'' یاقوت اسے کھا جانے والے لہجے میں بولیں۔
"پلیز مام! میں بات کر رہی ہوں نا۔ آپ ہمارے معاملے میں نہ بولیں، اوکے۔'' وہ ایک بالکل ہی بدلی ہوئی لائبہ تھی۔
یاقوت بے یقینی سے اسے دیکھتی چلی گئیں۔
جہانگیر! آپ کا رشتہ سر آنکھوں پر، لیکن میں مام سے بات کئے بغیر نہیں جاؤں گی اور وہ بھی آپ کی غیر موجودگی میں۔ آپ کو

جانا ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر بولی۔
''اور اگر نہ جاؤں تو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔
''تو آپ جانتے ہیں، آپ بھی میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔'' وہ لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد ٹھوس آواز میں بولی۔
''کیا مطلب ہے اس ساری ڈرامے بازی کا؟'' وہ پھر سے غصے میں آ کر بولا۔
''میں ابھی گارڈز کو بلاتی ہوں، اسے ہاتھوں میں اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک کر آتے ہیں۔'' یاقوت نفرت سے بولیں۔
''مام! پلیز۔'' لائبہ زور سے چلائی۔ اور یاقوت کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔
اب ان کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا کہ اس جہانگیر کو کس طرح ہمیشہ کے لئے.......
'اگر بہت پہلے میں نے اس سے جان چھڑا لی ہوتی....... جبکہ میں جانتی تھی، یہ لائبہ پہ بری نظر رکھتا ہے...... تو کیا لائبہ کو تنزیل نے نہیں، اس نے اغوا کیا تھا؟'
ایک حیرت انگیز سی بات ان پر منکشف ہوئی۔ وہ مشکوک نظروں سے جہانگیر کو دیکھنے لگیں۔
'تو پھر تنزیل مجھے فون کیوں کرتا رہا؟'
''او کے، اگر تم دو گھنٹے میں ہوٹل نہ پہنچیں تو میں خود آ جاؤں گا۔ اور اکیلا نہیں آؤں گا۔ اپنی ماں کو اپنی زبان میں سمجھا لینا۔ ویسے تو شرافت کی زبان اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تم جو اس کو سمجھانا چاہ رہی ہو، نہیں سمجھے گی یہ۔' وہ نفرت سے میڈم یاقوت کو دیکھ کر بولا اور اٹھ کر جانے لگا۔
''میں نے کہا نا، میں آ جاؤں گی۔ ڈونٹ وری۔'' لائبہ اس کو دروازے تک چھوڑنے جا رہی تھی۔
''اپنا فون آن رکھنا۔'' وہ فکر بھری تاکید اسے کر رہا تھا، جیسے دونوں بطور میاں بیوی ایک لمبا عرصہ ایک ساتھ گزار چکے ہوں۔ میڈم یاقوت کے بدن میں پھر چنگاریاں سی پھوٹنے لگیں۔
''میں آپ کے فون کرنے سے پہلے پہنچ جاؤں گی۔ آئی پرامس۔'' وہ اسے خوب تسلیاں دے رہی تھی۔
وہ سر ہلاتا چلا گیا اور لائبہ اندر آ گئی۔ میڈم یاقوت نے منہ پھیر لیا۔

❁⊚.......⊚❁
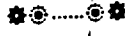
''کیا سوچ رہے ہو آغا!...... کیسی الٹی کہانی نکلی۔ محمود عالم...... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ حق ہاہ...... اللہ بخشے اس کی ماں شاہین کو۔ کیسے کیسے حلف اٹھا رہی تھی۔ بیٹے کی پارسائی کے دعوے، قسمیں۔ بتاؤ بھلا، بندہ کس کا یقین کرے، کس کا نہ کرے؟''
ثریا بانو ایک شاک کے عالم میں تھیں۔ کبھی تو بالکل گم صم بیٹھے آغا فیاض کو مخاطب کر کے کچھ بولتیں اور کبھی خود ہی اپنے آپ سے باتیں کرتی جاتیں۔
''لاکھ بری سہی نیلم۔ ہزار برائیاں ہوں گی اس کی ماں زریں میں...... اس کا بھید ہم تم جانیں۔ پر انصاف سے کہو، ہم میں سے کسی نے نیلم کو کوئی گناہ کرتے دیکھا؟ اس پر بدکردار ماں کا ٹھپہ لگا ہی رہا۔ اور اس محمود نے کیسے فائدہ اٹھایا۔ اس کو کیا کہو گے؟''
اتنے سارے سوالوں نے بھی آغا فیاض کی چپ کو نہیں توڑا۔
''سچ بولتی تھی سارہ۔ بالکل ٹھیک اس کو دورے پڑتے تھے، عالی سے جھگڑنے کے۔ بے چاری پہلے پہل آ کر مجھ سے دہائیاں دیتی رہی کہ اماں! رات رات بھر جاگ کر خالی کتابوں کو کوئی کیسے چاٹ سکتا ہے؟ ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے، مگر اس کو تو اس عشق کا ہڑکا لگا تھا اور ضمیر کے کچوکے بھی تو جگاتے ہوں گے۔ ظلم تو کمایا ہی کمایا تھا۔ اور لو، دیکھو تنزیل...... کوئی مان سکتا ہے، اس بات کو، عقل شل ہوتی ہے سوچ سوچ کر۔ کیسا دھتکارا ہوا انداز ہوتا تھا عالی کا ہمیشہ تنزیل کے ساتھ۔ اور دیکھو، قدرت نے کیا کھیل کھیلا اس کے ساتھ۔ پر دیکھ لو، بیٹا بھی اس کا توڑ نکلا۔ کیسا منہ پر جوتا کھینچ کر مار آیا کہ اگر خدا بچے کو بغیر باپ کے پیدا کرتا تو کیا خوب تھا۔ اس کا غصہ غلط تو نہیں تھا آغا!...... تم کیا پتھر کے بن گئے ہو؟'' بہت دیر بعد انہیں آغا کی لمبی چپ پر غصہ سا آ گیا۔ ''اتنی بکواس کرے جا رہی ہوں میں۔ کچھ تو منہ سے پھوٹو۔'' وہ اپنی اصلیت میں آ کر تیز آواز میں بولیں۔
''تم نے وہ بات تو سنی ہوگی نا، بھابھو! نیچے والی اینٹ ٹیڑھی رکھو تو اس دیوار کو پھر آسمان تک اٹھا کر لے جاؤ، وہ ٹیڑھی ہی جائے گی۔'' وہ بغیر ان کی طرف دیکھے جیسے خود کلامی کے سے انداز میں بولے۔
''لو، یہاں اس عالم فاضل محاورے کی کیا ضرورت؟'' وہ ناک چڑھا کر نخوت سے بولیں۔ ''یہ سارا گند جو پھیلا اور جس کا ذمہ دار ہم نہ خالی محمود کو کہہ سکتے ہیں نہ نیلم کو نہ کسی اور کو بلکہ...... '' وہ پھر چپ کر گئے۔
''اور کون ہوگا ذمہ دار اس محمود کے سوا؟'' وہ تیزی سے بولیں۔
''میں...... میں ہوں اس ساری تباہی کا ذمہ دار۔ اور میری حصے دار تم بھابھو! اور بہشتن میری اماں۔''

"کیا بک رہے ہو؟ میں نے کیا، کیا ایسا؟" ثریا بانو کو تو گویا بچھو نے کاٹ لیا، تڑپ کر بولیں۔
"کچھ نہ کرتے ہوئے بھی بہت کچھ کر ڈالا" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔
"سٹھیا گئے ہو جواب اپنے کیے دھرے کا ملبہ مجھ پر اور اپنی اماں بے چاری پر ڈال رہے ہو۔"
"وہ سب جو میں زرین کے ساتھ کرتا تھا، اس پر مجھے کون اُکساتا تھا، بھول گئیں؟...... ایک شخص...... اگر فقط ایک شخص کو کر دیا جاتا، زرین کی خودسری کو، اس کی جوانی کی بھول سمجھ کر ہمیشہ کے لئے معاف کر دیا جاتا تو بھابھو! آج اتنی زندگیاں تباہ نہ ...... بھول گئیں تم اور اماں کس کس طرح مجھے اس کے خلاف بڑھ چڑھ کر اُکساتی تھیں۔ میں کیا دن بھر گھر میں بیٹھا رہتا تھا؟ تم لوگوں کے منہ سے اور اس کے بعد......"
"جانے دو آغا فیاض! اب اپنے گناہوں پر تم یوں نہ پانی ڈالو۔ اتنی آسانی سے نہیں دُھلنے والے۔" انہوں نے کبھی غلطی تسلیم کی اب کرتیں۔
"یہ تو میں جانتا ہوں، یہ تو عمروں کی غلاظت ہے۔ یوں دو چار آنسوؤں سے تو نہ دُھلے گی۔ اور میرے یہ سب کہنے کا مقصد اور دالزام ٹھہرانا نہیں تھا، صرف حقیقت بیان کرنا تھا۔" وہ اسی نہ نظر آنے والے نکتے کو مسلسل گھور کر بولے۔
"حقیقت بیان کر رہا تھا۔" وہ منہ میں بڑبڑائیں۔
"اگر ان دنوں میں تحمل سے جو کچھ اس کے بارے میں جان چکا تھا، اس سے پوچھ لیتا یا اسے معاف کر کے اسے گھر میں ایک جگہ دے دیتا تو نیلم اس نفرت کی زد میں نہ آتی جو زرین کا مقدر بن چکی تھی۔ کیوں میں نے یہ فیصلہ بھی تسلیم کر لیا کہ زریں کی اس جیسی ہی نکلے گی؟ کیوں میں نے اس کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیا؟ ایسا کیا دیکھ لیا تھا بھابھو! اس کی ننھی سی عمر میں مَیں نے، ہم سب نے کہ مسلسل ایک ہی گردان، زریں کی بیٹی ہے نا...... ورنہ اگر میں اس کا باپ بن کر، سینہ تان کر اس کے آگے کھڑا ہی شاہین، میری بہن کیسے عاجزی سے اپنے بیٹے کے لئے نیلم کا رشتہ مانگتی اور سب کچھ ایسے ہرگز نہ ہوتا جیسے ہوا۔ یا پھر احسن کا۔"
"بس رہنے دو آغا فیاض! اب گڑے مُردے اُکھاڑ کر تم کون سا کمال کر رہے ہو؟ اس سے بھلا اب کیا ٹھیک ہوگا؟" وہ اُلٹا رکخوت سے بولیں۔
"جانتا ہوں۔" وہ آہ سی بھر کر بولے۔ "اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"
"اور تم تو بڑے تھکے سے گئے تھے کہ مجھے نیلم سے ملنا ہے تو اُس وقت جانا تھا۔ ساروں کے بیچ جا کر ذرا ہاتھ جوڑ کر، منمنا کر کے دو بول بولتے، پھر دیکھتے وہ تمہارے ساتھ کیا کرتی۔ کیوں نہ گئے اس کے سامنے تم؟" وہ چمک کر بولیں۔
انہیں تو اس بات پر ہی غصہ آ گیا کہ آغا فیاض ہر کئے کا الزام ان پر لگا رہے ہیں۔
زریں کا ٹھپہ نیلم پر نہ ہوتا تو بھی وہ احسن کی شادی اس سے کرتیں نہ عالی کی نیلم سے ہونے دیتیں۔ سارہ کی دیوانگی ایسا کرنے ملا؟
اور ایسا کرنے کے بعد بھی بہت کچھ غلط ہو جاتا؟" انہوں نے دل میں سوچا اور یہ ایسا کچھ غلط تو نہیں تھا۔
"اب جانے کا کچھ فائدہ نہیں تھا۔ مجھے اب اس سے معافی نہیں مانگنی چاہئے تھی۔" وہ پھر بہت سوچ کر بولے۔
"اِیں...... اب کیا دُھل دُھلا گئے تمہارے سارے کالے گناہ؟" وہ اگلے کو اس کی بدصورتی سے بار بار آگاہ کئے بغیر رہ نہیں ں۔
"گناہ تو توبہ سے دُھلتے ہیں نا۔ وہ اگر مجھے معاف کر بھی دیتی تو شاید میرا خدا مجھے معاف نہ کرتا۔ جس طرح ایک باغ کا رکھوالا ہے اور اس باغ میں ہونے والی ہر خرابی اور بڑھوتری کا ذمہ دار وہی ایک فرد، اسی طرح ایک گھر کا سربراہ اس گھر کے اندر والی ہر خرابی اور بہتری کے لئے جوابدہ ہوتا ہے۔ میں اپنی غرض کے لئے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ لیکن اب میری سمجھ میں آ گیا کہ میری مشکل کو آسان نہیں کر سکتی...... اور کچھ بھی اس کے لئے......" ان کی آواز ڈوب سی گئی۔
"کچھ اور...... یعنی؟" وہ اُلجھ کر بولیں۔
"احساسِ ندامت...... توبہ کے آنسو اور بس۔"
ثریا بانو آگے سے کچھ بول ہی نہ سکیں۔ یہ تو ان کا دل بھی گواہی دیتا تھا مگر توبہ کے آنسو تو کوئی تب بہاتا ہے، جب وہ اپنے گناہ کرتا ہے۔ وہ تو ابھی اس مرحلے میں تھیں، اس آخری درجے کی تمنا کیسے کر سکتی تھیں؟
آغا فیاض آہستگی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔
"لگتا ہے بے چارے کے بھیجے پر ٹھیک ٹھاک اثر ہو گیا ہے اور اس گھُنّے میسنے عالم کو دیکھو، کیا پارسا بنا رہا ساری زندگی۔ جیسے

اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ لو دیکھو بھئی شریف امیر زادوں کے کرتوت۔ اور جو کوئی اس بے چاری نیلم کے رونے چلانے پر کسی کو یقین آیا ہو۔"

جانے کیسے ان کا دل نیلم کی حمایت میں آگے ہی آگے سوچتا چلا گیا۔

✿......✿

اتنی ساری باتیں ہو گئیں اور محمود عالم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اپنی خطا کا سرا کہاں سے پکڑیں۔

ڈاکٹر رخشندہ کی کہانی کو سوچتے تو جیسے پیشانی عرق عرق ہو جاتی۔

تنزیل ان کا بیٹا...... تو دل جیسے مٹھی میں آ جاتا۔

'ایک اور بیٹی، وہ بھی نیلم کے پاس۔ اور نیلم جو اب یاقوت ہے، کالے دھندے کی سرپرستِ اعلیٰ۔ تو کیا اس کی بیٹی محمود عالم کی بیٹی...... کیا اپنی ماں کی لائن پر نہیں چلی ہو گی؟'

ان کا دل جیسے نیچے ہی نیچے اُترتا چلا جا رہا تھا۔

'اور میں جو صرف عزہ کو ایک ریمپ پر چلتے دیکھ کر دل پکڑ کر بیٹھ گیا ہوں، اگر وہ بھی ماں جیسی۔'

ان کے کمزور دل میں درد کی تیز لہر سی اُبھری تھی۔

'اور مصطفیٰ کا رویہ کتنا ہتک آمیز تھا۔ کس طرح اس نے میرے منہ پر...... اور یاقوت...... اس کا تنزیل کے سامنے تڑپنا، سب کچھ کہہ گئی اور میں...... میں کیسے تنزیل کو بتاؤں کہ میرے دل میں بیٹے کی تمنا کتنی شدید تھی، وہ بھی اپنے بیٹے کی۔ اور تم ملے تو...... ملتے تھے جب بھی، میں تمہارے ساتھ کس نفرت سے پیش آتا تھا۔ تو کیا اس کے بعد بھی معافی...... نہیں۔

سارہ، جس کے غصے، ناراضی اور اس کے شک کو میں ساری زندگی اس کا پاگل پن، نفسیاتی پن قرار دیتا رہا اب کس منہ سے اس کا سامنا کر سکوں گا؟

ایک بھول سے کیسے کیسے گناہوں نے جنم لیا۔

اور اب عزہ...... جانے اس نے، یاقوت نے عزہ کے بارے میں کیا سوچا۔ اگر وہ عمل کر گزری یہ۔'

انہیں اپنی وہ اولین بے چینی یاد آئی، جس کی بنا پر وہ مصطفیٰ اور دائم کی منتیں کر رہے تھے کہ وہ کسی طرح میڈم یاقوت کو یہاں لے آئیں۔ وہ آئی بھی اور وہ اتنی اہم بات اس سے کرنا بھول گئے۔ اس کی منت کرنا، اس کے پاؤں پکڑنا۔

'اگر وہ اپنے عزائم پر عمل کر گزری۔ اب تو اس کے پاس بہت سے جواز ہیں۔ تنزیل کو نہ سہی، عزہ کو تو وہ بخوشی برباد کرنا چاہے گی۔ میں کیا کروں؟ خود جاؤں اس کے پاس؟' وہ بے قرار ہو کر اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

'اگر وہ ضد میں، انتقام میں اندھی ہو رہی ہے، اور بھی ضد میں آ گئی تو...... کس کو بلاؤں؟...... کون اس کے عزائم کے بارے میں مجھے پتہ کر کے بتا سکتا ہے؟'

وہ بے قراری سے سینہ مسلنے لگے۔

مصطفیٰ کا رویہ کتنا ناقابلِ فہم سا تھا۔ اگرچہ اس معاشرے کے اصول و ضوابط سے ہٹ کر تو نہیں مگر انہیں اپنے اتنے جانثار دوست سے یہ توقع نہ تھی۔

'تم اس کی جگہ ہوتے محمود عالم! تو شاید تمہاری جانثاری کا عالم اس سے بھی سوا ہوتا۔ اس نے کون سا انوکھا کام کیا ہے؟ اب معاملہ دوستی و جانثاری کا نہیں بلکہ اپنے گھر کی عزت کا تھا۔'

'آہ، عزت...... جس کی خاطر میں نے کیا نہ کیا، اس جھوٹی عزت کی خاطر کاش! میں نیلم کو دن کی روشنی میں Own کرنے کی ہمت کر لیتا تو آج یہ سب......

میں...... اب کیسے پتہ کروں، یاقوت کی بیٹی...... میری بیٹی، وہ بھی...... نہیں، نہیں خدا نہ کرے...... یاقوت کا نمبر، ایڈریس کچھ بھی تو نہیں میرے پاس۔' وہ بے وقت بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

سرہانے پڑا اسیل فون ہاتھ میں لے کر سوچنے لگے، کس کو فون کریں۔ یوں لگ رہا تھا، شہر بھر میں ایک بھی دوست، ایک بھی خیر خواہ نہیں رہا۔

'اگر کسی جاننے والے کو فون کیا، اس نے عزہ کے بارے میں پوچھ لیا تو؟' ان کے ہاتھ بے جان سے ہونے لگے۔

✿......✿

"بس کریں ناں مما! اور کتنا طویل سجدہ کریں گی؟...... گھنٹہ بھر سے نفل پڑھ رہی ہیں۔" دائم رخشندہ کی مسلسل نماز سے کچھ چڑ کر بولا۔

رخشندہ نے کچھ دیر بعد سر اٹھایا تو ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔
"اللہ رب العزت! تیرا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ تُو نے ایک جان بچالی جو میری غفلت کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔ میں کس زبان سے شکر ادا کروں؟"
انہوں نے چہرہ صاف کر کے جائے نماز سمیٹ لی۔
دائم خاموش بیٹھا انہیں دیکھتا رہا۔
"ایسے کیوں بیٹھے ہو دائم؟ میں اپنے اللہ کا جتنا بھی طویل سجدہ شکر ادا کروں، کم ہے۔ اس نے میری برئیت کو قبولیت عطا کی۔ آج تمہاری اور اپنی نظروں میں سرخرو ہوگئی میں۔" وہ پھر سے رونے لگیں۔
"پاپا کہاں ہیں؟" وہ خود پر قابو نہیں پا رہی تھیں، اس لئے ان کا دھیان بٹانے کو بولا۔
"معلوم نہیں۔"
"بہت مایوس کیا مجھے مصطفیٰ کے رویے نے دائم!" ذرا دیر بعد وہ خود ہی اصل موضوع کی طرف آگئیں۔ "میں مصطفیٰ کو بہر حال تنگ نظر تو نہ سمجھتی تھی۔ اور جب ان سے میں نے یہ سب شیئر کیا تو بھی انہوں نے فراخ دلی سے سب قبول کرلیا۔ مگر اب عزہ، وہ تو ان کے دوست کی بیٹی تھی۔ اور پھر عزہ کی غلطی اتنی بڑی تو نہیں۔" وہ رک گئیں۔
"لیکن گھر سے یوں نکل کر راتیں باہر گزار کر آنا واقعی ایک لڑکی کے لئے اچھی بات نہیں۔ مگر مصطفیٰ کو کم از کم محمود بھائی کے ساتھ...... جب کہ وہ اتنی سیریس کنڈیشن میں ہیں، مجھے اچھا نہیں لگا۔"
دونوں خاموش بیٹھے رہ گئے۔
"اور قسمت کی خوبی دیکھو، محمود بھائی ساری زندگی بیٹے کے لئے ترستے رہے اور بیٹا ملا بھی تو کس طرح۔" دائم کے پاس تو جیسے کہنے کے لئے بھی کچھ نہیں رہ گیا تھا۔
"تمہاری عزہ سے بات ہوئی؟"
"وہ بہت عجیب کیفیت سے گزر رہی ہے۔ میں آگیا کہ ابھی شاید کچھ بھی کہنا مناسب نہیں۔ کچھ خاص بات نہیں ہوئی۔"
"مما! پاپا نے ایسا کیوں کیا؟" بہت دیر بعد وہ کچھ بے بسی سے بولا۔
"تمہارے پاپا اس معاشرے سے الگ تھوڑی ہیں؟" وہ پھیکی مسکراہٹ سے بولیں۔
"پھر بھی...... میرے لئے، میری خاطر۔"
"کرنا تو پڑے گا انہیں سب کچھ۔ تمہاری خاطر سہی، اپنے ان ہی قدموں پر لوٹ کر شاید جانا پڑے۔"
"اگر پاپا نہ مانے تو؟" وہ بے یقین سا تھا۔
"تو تم نے کیا سوچا ہے، کیا کرو گے؟"
"مجھے کیا کرنا چاہئے؟" وہ اُلٹا سوال کر کے بولا۔
"مما! میں کچھ بھی ایسا نہیں کرنا چاہتا، جس سے آپ یا پاپا ہرٹ ہوں یا کوئی ایسی بات جس سے ہماری یا انکل کی عزت کو اور بھی نقصان پہنچے، یہ سب کچھ جو بھی ہوا ہے، اس کی وجہ یہی کمزور فیصلہ تو تھا، جس پر جذباتی پن میں انہوں نے عمل تو کر ڈالا مگر پھر اسے نبھانے سے بھاگ گئے اور دیکھیں۔"
"شاباش میری جان! مجھے تمہارے خیالات جان کر خوشی ہوئی۔ کاش! ہم سب ایسے جذباتی مرحلوں پر پہنچ کر کوئی بھی بڑا قدم اٹھانے سے پہلے اس کے نتائج پر غور کرلیا کریں تو بہت سی خرابیوں اور مصیبتوں سے بچ جائیں۔" وہ تاسف سے بولیں۔
"آپ پاپا سے بات کریں گی؟" وہ ذرا دیر بعد اُمید بھرے لہجے میں بولا۔
"ابھی نہیں۔ میرے خیال میں ان کا غصہ کہہ لو یا خفگی، جو بھی ہے، وقتی ہے۔ وہ خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے کچھ دنوں میں۔"
"اور مما! میں اتنے دن......" وہ اُلجھ گیا۔
"بیٹا! جہاں اتنا صبر کیا، کچھ دن اور ٹھہر جاؤ۔ وہ یقیناً درست فیصلہ کرے گا ہمارے حق میں۔"
"آپ کہاں جارہی ہیں؟" انہیں اُٹھتے دیکھ کر دائم بولا۔
"تمہارے پاپا کو دیکھوں۔ اور دائم! مجھے لگتا ہے ایک بار تو مجھے یاقوت سے معافی مانگنی چاہئے۔ ایک بار اس سے مل کر یا کچھ بعد۔ ابھی تو وہ جس ذہنی ابتری میں ہے، اسے کوئی بھی بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔"
اسی وقت دائم کا فون بجنے لگا۔
"کس کا فون ہے...... عزہ کا؟" رخشندہ اسے دیکھ کر بولیں۔

''نہیں۔ میں آتا ہوں ابھی۔'' وہ فون کان سے لگائے باہر نکل گیا۔

''مجھے یاسمین کی طرف بھی جانا چاہئے۔تنزیل کا رویہ یاقوت کے ساتھ ......وہ ہے تو اس کی ماں ہی، جس کے لئے وہ اتنا تڑپا ہے۔ مجھے پہلے وہیں جانا چاہئے۔مگر مصطفیٰ......شاید وہ یہ سب پسند نہیں کریں۔''

''جی میں بس ابھی پتہ کر کے بتاتا ہوں گھنٹے بھر میں۔'' دائم کہتے ہوئے باہر کی طرف جا رہا تھا۔وہ اسے آواز دے کر پوچھنا چاہتی تھیں مگر رک گئیں۔شاید وہ انہیں صحیح جواب نہیں دیتا۔

'یہ یقیناً عزہ کا فون ہو گا۔'

وہ قیاس کرتی باہر نکل گئیں۔ابھی انہیں مصطفیٰ کا موڈ دیکھنا تھا۔

✿......✿
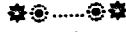
''بہت بھیانک لمحے تھے مام! وہ۔میری زندگی کے خوف ناک ترین لمحات۔اگر اس لمحے میں کمزور......مگر میں کمزور تو پڑ چکی تھی۔میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی، اس پہ جس طرح شیطان سوار تھا۔شیطان...... مام! آپ اس کو تو اچھی طرح جانتی ہوں گی، جو ایک زمانے سے آپ کا ہم راہی ہے۔'' وہ طنز بھرے انداز میں بولی۔

یاقوت کچھ بول نہیں سکیں۔

''اتنی ساری لڑکیاں...... مام! آپ کو گنتی یاد ہے ان کی، کس طرح اپنے اس ہم راہی کے ساتھ مل کر آپ نے زندہ جسموں کو زندہ لاشوں میں تبدیل کیا؟'' وہ کرب سے بولی۔

شاید آئینہ وہ کام نہیں کر سکتا تھا، جو کام اس وقت لائبہ کے الفاظ کر رہے تھے۔

بہت بار انہوں نے سوچا، اس دلدل سے نکل جائیں مگر ہر بار یہ خیال سوچ سے آگے نہ بڑھ سکا۔کاش! کبھی انہوں نے اس پر عمل کرنے کا ارادہ کیا ہوتا تو آج لائبہ انہیں اپنی نگاہوں میں اتنی نفرت لئے نہ دیکھ رہی ہوتی۔

''آپ کو مام! لاشیں پسند ہیں نا؟...... بے جان لاشیں مزاحمت نہیں کرتیں۔میں بھی اس لاش میں بدلنے والی تھی کہ میرے ہاتھ پیروں نے مزاحمت کرنا چھوڑ دی تھی۔اس لمحے مام! میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔بہت زیادہ......کاش! آپ اس لمحے وہاں ہوتیں تو میرا تار تار ہوا لباس دیکھ سکتیں۔مجھے مادر زاد...... مام! آپ سمجھتی ہیں نا، کیا ہوتا ہے، آپ کی سب ہی برانچز میں یہی کام ہوتا ہے نا۔کبھی بوتیک کی شکل میں، کہیں پارلر اور مساج سینٹر میں، ہر جگہ ایسی لڑکیوں کی کلیکشن اور پھر ان میں سے بہت سی بدقسمتوں کو سلیکٹ کر لیا جاتا ہے، ان تاریک کنوؤں میں دھکیلنے کے لئے۔وہاں سے نکلنے کا راستہ موت کے سوا اور کہیں بھی نہیں جاتا، جانتی ہیں نا آپ؟''

اور میڈم یاقوت کی زبان جیسے گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

ان کے پورے بدن میں جیسے کہیں بھی زندگی کی رمق باقی نہیں تھی۔صرف ان کے کان زندہ تھے اور آنکھیں، جو لائبہ کی آنکھوں اور اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں، جہاں صرف نفرت تھی۔دکھ اور اذیت!

''ان لمحوں میں، میں نے خواہش کی، کاش! آپ آئیں اور مجھے اس حالت میں دیکھ کر ایک اچھی سی وڈیو بنوائیں اور......لیکن نہیں۔صرف ایک وڈیو سے کیا ہوتا ہے؟ آپ کو تو مختلف کلائنٹس کو ڈیل کرنا ہوتا ہے۔سب کی پسند الگ، سب کا مزاج الگ۔تو اس حساب سے اٹریکشن پیکج۔''

وہ انہیں واقعی یونہی ختم کر دینا چاہتی تھی، اپنی باتوں کے زہر سے۔

وہ بے حس بنی سن رہی تھیں۔

''ایک وڈیو تو آپ کے اتنے سالوں کی محنت کا صلہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ظاہر ہے مام! آپ کے بعد یہ پروفیشن میں نے سنبھالنا تھا، اس لئے ذرا مجھے بھی تو پریکٹیکل ہونا چاہئے تھا۔تھوڑا ٹرینڈ۔ہے نا مام؟'' وہ ان کی حالت سے مزہ لے رہی تھی۔

''اور مجھے جو ٹرینڈ کرے، وہ آپ کا رائٹ ہینڈ کیوں نہ ہو؟ اس سے اچھا خیال اور کیا ہو سکتا ہے۔بس میں نے جہانگیر کے سامنے یہی خیال رکھا اور مام! یہ میری لک تھی کہ انہیں نہ صرف یہ خیال پسند آیا بلکہ انہوں نے مجھ سے شادی کرنے کا بھی فوری فیصلہ کر لیا۔To live in an ever last hell (ہمیشہ کی طرح دوزخ میں رہنا)......کیسا آئیڈیا تھا مام؟ میں نے ٹھیک کیا نا؟''

وہ پُرجوش انداز میں پوچھ رہی تھی۔

میڈم یاقوت خاموش بیٹھی رہیں۔

''اگر آپ ہمارے ساتھ پارٹنر شپ کرنا چاہیں گی تو موسٹ ویلکم، ورنہ ہم دونوں نے یہ سوچا ہے کہ ہم آپ کے مقابلے میں آپ سے بھی زبردست ایمپائر کھڑی کر سکتے ہیں۔ظاہر ہے، جہانگیر کا تجربہ آپ سے زیادہ ہے اور اس کی مسز، میڈم یاقوت کی بیٹی۔

!مجھے بھی کوئی ایسا یونیک سا نیم دیں نا، کوئی قیمتی پتھر، نیلم، جیسا کہ آپ کا پہلے نام تھا۔ ظاہر ہے، اس فیلڈ کو سپروائز کرنے کے سینے میں گوشت پوست کا دل تو نہیں چلے گا۔ پتھر کا، زرد جواہرات کا دل چاہئے۔ آپ مجھے اچھا سا کوئی نام دیں گی؟"
وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہیں۔
"اوکے مام! میں اب چلتی ہوں۔ جہانگیر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ شاید ہم زندگی میں دوبارہ کبھی ملے تو کسی مقابلے کی میز پر ایسے ہی اندھے کنوئیں کے کنارے، جہاں آپ بھی کچھ لاشیں دھکیلنے آئی ہوں اور میں بھی...... والدین کا پروفیشن تو اولاد ہی کو ملتی ہے نا مام!" وہ جاتے ہوئے رُکی۔
"ایک منٹ۔" وہ ابھی دروازے تک نہیں پہنچی تھی کہ میڈم یاقوت کھڑی ہو کر بولیں۔ لائبہ رک گئی۔
"تم نے ٹھیک کہا کہ اب شاید ہم دوبارہ کسی ایسی ہی جگہ پر ملیں۔ تو کیوں نہ آج جانے سے پہلے میرے ساتھ ایک کپ کافی کا آخری کپ۔ اور بےفکر رہو، اس کپ میں، میں تمہیں زہر نہیں دوں گی۔ تم خود ملازم کو بلا کر کافی کا آرڈر دو گی اور میں دونوں تمہارے سامنے چکھوں گی۔" وہ بولتے ہوئے رکیں۔
لائبہ متذبذب سی کھڑی رہ گئی۔
"کیا ماں اپنے شوہر سے زیادہ قابلِ بھروسہ نہیں؟" اسے سوچتے دیکھ کر وہ بولیں۔
"اس میں کوئی حرج نہیں، میرے خیال میں۔" لائبہ کندھے اچکا کر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"تو پھر آرڈر کرو۔"
"کیوں نہ ہم کہیں باہر جا کر کافی پی لیں؟"
"تو گویا ابھی بھی شک ہے مجھ پر کہ گھر میں کچھ نہ کچھ ملایا جا سکتا ہے۔ اوکے، ایز یو وِش۔" وہ پھیکے پھیکے انداز میں کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ لائبہ انہیں بغور دیکھ رہی تھی۔
"میرے خیال میں ہم یہیں پیتے ہیں۔ آپ ملازمہ کو بلا کر میرے سامنے آرڈر کر دیں۔" لائبہ قدرے مطمئن انداز میں بولی تو یاقوت مسکرا دیں۔

✿◉......◉✿
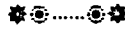
"سو جائیں نا آپ۔ میں کہیں نہیں جاتا۔ آپ کے پاس ہی ہوں۔ کیوں بےبھروسہ ہو رہی ہیں؟" تنزیل نرمی سے یاسمین کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔
"نہیں، تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" یاسمین رونے لگیں۔ "پہلے تانیہ چلی گئی، اب تم۔ پہلے تو مجھے پتہ تھا، تم ناراض ہو بھی گئے تو لوٹ آؤ گے۔ اور اب......"
"تو کیا اب یقین نہیں رہا؟"
"ہے۔ مگر وہ عورت...... وہ ماں ہے تمہاری۔"
"پلیز امی!" وہ ایک دم سے کھڑا ہو گیا۔ "اب اگر آپ نے یہ بات دہرائی تو میں واقعی آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"
"اور محمود بھائی، باپ ہیں تمہارے۔ ماں باپ کی محبت، تنزیل! آدمی کو بےبس کر دیتی ہے۔"
"تو آپ واقعی چاہتی ہیں، میں آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں؟" وہ دھمکانے والے انداز میں بولا۔
"اچھا، چھوڑیں...... آپ سے ایک بات کہنی ہے۔" وہ ذرا دیر بعد بولا۔ "اور آپ کا خیال ٹھیک ہے امی! مجھے یہاں رہنا تو ہے......"
"تنزیل......!" اب وہ دہل گئیں۔
"ابو کا رویہ...... نہیں امی! یہاں رہنا اور یہ فیس کرنا، اب بہت مشکل ہو گا میرے لئے۔"
"اس لئے تو میں کہہ رہی ہوں، تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" وہ پھر سے رونے لگیں۔
"امی! میں شادی کر رہا ہوں۔" وہ یاسمین کے آنسو صاف کرتے ہوئے رک کر ایک دم سے بولا۔
یاسمین کے آنسو وہیں رک گئے۔
"اب یہ مذاق رہ گیا تھا کرنے کو۔" وہ خفگی سے بولیں۔
"مذاق نہیں، حقیقت امی! اور لڑکی بھی پسند کر لی میں نے۔"
"مذاق کر رہے ہو نا تنزیل!"
"امی! اس عورت کی ڈسی ہوئی ایک اور لڑکی...... تانیہ جیسی...... آپ اسے قبول کر لیں گی نا؟"

اور یاسمین جیسے جواب میں بولنا ہی بھول گئیں۔ ایسا تو انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

٭......٭

''دیکھا، کتنا بڑا دھوکے باز انسان ہے تمہارا باپ۔ ایک عمر مجھے دھوکے میں رکھا۔ جس کے ساتھ محبت کی، اس کو کتنا بڑا دھوکا دیا۔ یہ ہے اس صاف ستھرے، بظاہر مہذب انسان کی اندر سے اصلی صورت۔ تو کیا میں اس سے غلط لڑتی جھگڑتی تھی؟''

سارہ، عزہ کے پاس بیٹھی پھٹ پڑنے والے انداز میں بولی۔ عزہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''ایسا بے وفا انسان۔ دیکھو جس سے محبت کی، اسے کیسا کھلا دھوکا دیا اور ساری زندگی قسمیں کھاتا رہا۔ جھوٹی قسمیں کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

''اور مجھے پہلی بار عزہ!...... پہلی بار نیلم سے اتنی ہمدردی محسوس ہوئی۔ ہوسکتا ہے، وہ بہت بری عورت ہو، برے کام کرتی رہی ہو۔ مگر یہ بھی تو دیکھو، اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا، پہلے ہمارے گھر میں، پھر اس شخص نے۔ میرا دل چاہتا ہے...... اس عمر میں تمہارا خیال نہ ہوتا تو عزہ......''

وہ بولتے ہوئے رک گئیں۔

''تمہاری شادی ہو جائے جلدی سے تو میں اس دھوکے باز کے ساتھ ایک دن نہیں رہوں گی۔ یہ تو طے کرلیا ہے میں نے۔''

''عزہ کی شادی کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آج، ابھی کیوں نہیں؟''

ان دونوں کو پتہ نہیں چلا، کب محمود عالم ان کے پیچھے آ کر کھڑے ہوئے تھے۔

''اتنی شرم تو ہے مجھ میں، تم میں نہیں ہوگی کہ خدا نے بیٹی کی ذمہ داری دی تو میں اسے نبھانے کی کوشش کروں۔'' وہ تڑخ کر بولیں۔

''زندگی بھر تو تم نے یہ کوشش کی نہیں، اب بھی کیا ضرورت ہے؟'' وہ جواباً بولے۔ ''تمہیں طلاق چاہئے نا، ایک دن۔ تم مجھ جیسے دھوکے باز کے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ تم عزہ کی فکر مت کرو۔ اس کا باپ ابھی زندہ ہے۔'' وہ تلخی سے بولے۔

''تمہیں طلاق چاہئے نا، تو میں تمہیں طلاق......'' وہ نفرت بھرے انداز میں دیکھ کر بولنے ہی لگے تھے کہ عزہ اٹھ کر ان دونوں کے درمیان آ گئی۔

''عزہ! تم ہٹ جاؤ بیچ میں سے۔'' وہ غرا کر بولے۔

''ہٹ ہی تو رہی ہوں۔'' وہ بھی اسی لہجے میں بولی۔

''اور مجھے اس بات میں بھی کوئی اعتراض نہیں کہ آپ دونوں اب مزید اکٹھے نہ رہیں۔ پہلے آپ دونوں نے اکٹھے رہ کر کیا کر لیا؟ کم از کم میرا نقصان تو کر دیا۔''

دونوں اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ تلخی سے بولی۔

''آپ بے شک کوئی بھی فیصلہ کرلیں۔ لیکن پہلے میرا فیصلہ سن لیں۔'' وہ دونوں کی طرف دیکھ کر بولی۔

٭......٭

''مسٹر جہانگیر ہمدانی۔ سویٹ نمبر 105۔ او کے۔'' وہ ریسیپشن سے معلوم کر کے مسکراتے ہوئے آگے بڑھنے لگیں۔

''میم! انہیں اطلاع کر دوں؟'' ریسپشنسٹ نے انہیں ٹوکا۔

''نو تھینکس۔ میں چلی جاؤں گی۔ انہیں میں فون کر چکی ہوں۔'' وہ مسکرا کر جواباً بولیں۔

ریسپشنسٹ مسکرا کر فون اٹینڈ کرنے لگی۔

لفٹ رکتے ہی وہ باہر نکل آئیں۔

'سوری لائبہ بیٹی! کم از کم میں تمہیں اتنی دکھ بھری زندگی کے حوالے نہیں کرسکتی۔ کچھ تو مجھے کرنا ہی تھا، اور میری جان! مرنا تو سب کو ہی ہے ایک دن، اس سے فرار تو کسی کو بھی نہیں۔ مجھے، تمہیں...... سب کو مرنا ہے۔ ہے نا؟ اور اگر آپ کی یہ موت بہت سوں کی مشکلوں کو آسان کر دے تو کیا یہ مرنا اچھا نہ ہوا۔'

وہ کوریڈور کے سرے پر ہی رک کر خود کو کمپوز کرنے لگیں۔

ظاہر ہے، یہ کوئی چھوٹا کام تو نہیں تھا، جو وہ کرنے آئی تھیں اور آج تک یاقوت نے چھوٹا کام کیا کون سا تھا۔ حتیٰ کہ دل کے معاملے میں بھی، جب محبت نہ ملی تو اس نے ہر محبت بھرے دل کو بنجر کر دیا۔

وہ سنبھل سنبھل کر چل رہی تھیں۔ اس بات سے بے خبر کہ کوئی اور بھی ان کا منتظر ہے۔

ذرا سی دیر میں ہوٹل میں ایک دلدوز چیخ ابھری تھی، جس نے لمحہ بھر کے لئے ہر شے کو ساکت کر دیا۔

✲✲.....✲✲
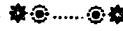
"آپ اُٹھ کر دوا تو کھا لیں احسن!" یاسمین نے گم صم، نیم دراز، سینے پہ کتاب اوندھی رکھ کر عینک سے بے نیاز احسن سے کہا۔
"ٹھیک ہوں میں۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولے۔
"دوا تو ضروری ہے۔" وہ نرمی سے بولیں۔ دو دن سے احسن کی ایسی ہی حالت تھی۔ نہ کچھ کھا رہے تھے، نہ پی رہے تھے، نہ چیخ نہ گالی گلوچ، نہ کوئی اور ہنگامہ۔ ایک مسلسل خاموشی۔
"کس لئے؟" وہ بھڑکنے کے بجائے سوالیہ لہجے میں بولے۔
"آپ کے لئے ضروری ہے نا۔" یاسمین کی سمجھ میں نہ آیا، اس روزانہ کھائی جانے والی دوا کے لئے وہ کیا توجیہہ پیش کریں۔
"اگر زندہ رہنے کے لئے، تو مجھے زندگی کی کوئی ایسی خواہش نہیں۔ اور اگر کسی تکلیف کے لئے ہے تو یاسمین بیگم! میرا یقین کرو، تکلیف نہیں ہے۔" وہ پہلی بار اس انداز میں بات کر رہے تھے۔
"وہ جو عشق کا عارضہ تھا، یوں سمجھو ٹل گیا۔" وہ آنکھیں بند کر کے زیر لب یوں بولے کہ یاسمین نے بھی بخوبی سن لیا۔
ہاتھ میں پکڑی دوا ایک طرف رکھ کر خود بھی کرسی پر بیٹھ گئیں، یوں جیسے دنیا کا ہر کام کر لیا ہو، اب کرنے کو کچھ بھی نہ بچا ہو۔ یا احسن مراد کے پاس آ کر یوں فرصت سے بیٹھنا، یاسمین کی روز کی عادت ہو۔
وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے تھے مگر ایک دوسرے سے بے حد دور۔
"وہ چلا جائے گا نا احسن!" بہت دیر بعد یاسمین کو اپنی آواز کسی گڑھے سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ گونج دار مگر ٹوٹی پھوٹی۔
"شاید!" بہت دیر بعد نامکمل سا جواب آیا۔
"نہیں...... میں مر جاؤں گی احسن!" وہ تڑپ کر بولیں۔ "میں نے اسے کبھی خود سے الگ نہیں سمجھا۔"
"اور یہ حقیقت ہے، وہ ہم دونوں کے وجود کا حصہ نہیں۔" وہ تلخی سے بولے۔
"اس گھر...... اس گھر کا تو حصہ ہے نا، اتنے سالوں سے۔" وہ تیزی سے بولیں۔
"یہ سامنے دیوار دیکھ رہی ہو نا، کیسے تڑخ رہی ہے۔ جگہ جگہ رخنے اور دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ جس دن یہ گر گئی، دوبارہ تعمیر کرتے بہت سی ٹوٹی پھوٹی، کائی زدہ اینٹیں نکال کر باہر پھینک دی جائیں گی۔ اگرچہ یہ سالوں اس گھر کا حصہ رہی ہیں۔" وہ جانے ان کٹھن گھڑیوں میں یاسمین کو مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے مگر آنے والے لمحات کے لئے انہیں تیار بھی کر رہے تھے۔
"یہ مان لو کہ اس نے ایک دن چلے جانا ہے۔"
"میں اسے نہیں جانے دوں گی۔" وہ ضدی لہجے میں بولیں۔
"روک بھی نہیں سکتیں۔" وہ سرسری انداز سے بولے اور کتاب سیدھی کر کے یونہی دیکھنے لگے۔
"روک سکتی ہوں۔" وہ ذرا دیر بعد جوشیلے لہجے میں بولیں۔ "اگر میں اس کی بات مان لوں، وہ رک جائے گا۔ کبھی نہیں جائے

"کون سی بات؟" احسن اُلجھن زدہ نظروں سے دیکھ کر بولے۔
"وہ......" یاسمین یک دم رک گئیں۔
'عائشہ والی بات اگر احسن کو بتا دی اور ان کے دماغ کی رو پھر سے اُلٹی چل پڑی تو معاملہ بنتے بنتے پھر سے بگڑ بھی سکتا ہے۔'
"ہر وہ بات جو وہ چاہے گا۔" ذرا دیر میں ہی وہ اپنی بات بدل کر بولیں۔
"ایسی کون سی بات ہے؟" ان کی تسلی نہیں ہوئی۔
"کوئی بھی، جو وہ کہے گا۔" وہ صاف نظریں چرا کر بولیں۔
"تو تم مجھے نہیں بتانا چاہتیں۔" وہ اندازہ کر چکے تھے، کچھ ہے جو چھپایا جا رہا ہے۔
"یہ بات نہیں۔ ایسا تو کچھ بھی نہیں۔ مگر احسن! میں تنزیل کو کھونا نہیں چاہتی۔ کسی بھی قیمت پر نہیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں

تھا۔
"اس کے ماں باپ جیسے بھی سہی، ہم کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں؟ بہتر ہے، تم خود کو سمجھا لو کسی بھی طرح۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ اور جس زمانے...... میں نے بھی کب اس کو دل سے قبول کیا تھا۔ ہاں، اگر مجھے پتہ ہوتا۔" وہ بھی ایک دم سے رک گئے۔ "کہ وہ نیلم کا بچہ ہے تو...... تو شاید آپ اس سے اس طرح کا سلوک کبھی نہ کرتے، ہے نا؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔
احسن مراد نے کچھ کہنا چاہا، مگر پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔
"احسن! ایک بات پوچھوں؟" بہت دیر بعد یاسمین کو پھر سے خیال آیا۔ اتنے عرصے بعد تو وہ دونوں اس طرح ایک دوسرے

کے پاس بیٹھے تھے۔ ''محمود عالم، تنزیل کو لینے آسکتے ہیں؟''
''وہ ایسا کرسکتا ہے۔ میں جانتا ہوں۔'' وہ بڑبڑائے۔
''اور تنزیل...... وہ چلا جائے گا؟'' وہ مایوس سی ہو گئیں۔
کمرے کے باہر سے گزرتا تنزیل اپنا نام سن کر لمحہ بھر کو ٹھٹک کر رک گیا۔
اتنے زمانوں کے بعد ان دونوں کے یوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھنے کا مطلب، وہ لمحہ بھر میں سمجھ گیا تھا۔
وہ یاسمین کو جواب دینے کے لئے اندر کی طرف بڑھا، پھر رک گیا۔
'نہیں۔ اس کا جواب تو شاید میرے پاس بھی نہیں ہے۔ اس کا جواب تو وقت کے پاس ہے۔ جانے آنے والے وقت میں، میں کیا فیصلہ کروں۔ ابو نے مجھے دل سے قبول ہی کب کیا ہے؟ اور اب تو ہم دونوں کے درمیان ایک واضح دیوار اُٹھ چکی ہے...... پھر محمود عالم سے انہیں جتنی نفرت ہے، اس کے بعد بھی وہ میرا وجود اس گھر میں گوارا نہیں کریں گے۔ شاید نہیں۔ اور اس کے بعد مجھے کہاں جانا ہوگا؟'
وہ آہستگی سے پیچھے کی طرف مڑ گیا۔ بہت کچھ منکشف ہو چکا تھا اور بہت کچھ ابھی طے کیا جانا باقی تھا۔

✿......✿
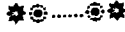
تنزیل کو کسی جاننے والے نے ملازمت کے لئے ہوٹل بلایا تھا۔
وہ اس ملازمت کے حصول میں کافی سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ اسے ہر حال میں یہ نوکری چاہئے تھی۔
وہ کرسی پر بیٹھا بے چینی سے مطلوبہ شخص کی آمد کا انتظار کر رہا تھا، جب اس کی نظر اسی طمطراق سے چلتی ہوئی، ریسپشن کی طرف جاتی میڈم یاقوت پر بے اختیار پڑی اور وہ پلک جھپکنا بھول سا گیا۔
چند دن پہلے تک اس عورت کو دیکھ کر لہو میں جو شرارے سے جلتے بجھتے تھے، آج ان کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔
وہ ساکت سا پلکیں جھپکائے بغیر دیکھے جا رہا تھا۔
وہ کتنی شان دار عورت تھی۔ چلتی تو یوں جیسے دنیا اس کے قدموں کے نیچے ہو۔ اور سر اٹھاتی تو یوں جیسے آسمان کو طنزیہ نظروں سے دیکھ رہی ہو۔
'اور یہ شان دار عورت میری ماں۔ میری حقیقی ماں۔' چونکا دینے والا خیال تھا۔ 'اور یہ کہتی ہے کہ اس نے میری تلاش میں ایک عمر گنوا دی۔' اس کے خیالوں کی رو کسی اور ہی ڈگر پر چل نکلی تھی۔
'مگر یہ عورت جو جرائم کی کالی دنیا میں اس حد تک رنگی جا چکی ہے کہ نہ وہ دنیا اس سے الگ کر کے دیکھی جاسکتی ہے، اور نہ اسے اس دنیا سے۔ تو میرا تعلق ایک ایسی......' اور اس نے زور سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔
'کاش! مجھے یہ بات کبھی پتہ نہ چلتی، کبھی نہیں نہیں تو شاید۔ یہ عورت ہوتی ہی نہ...... اور یہ تو ابھی بھی نہیں ہوسکتی۔' بجلی کے کوندے کی طرح اس کے دماغ میں خیال آیا تھا۔
اور دوسرے لمحے وہ برق رفتاری سے اٹھ کر اس کے پیچھے کچھ اس طرح سے چلا کہ جہانگیر کے کمرے کے باہر پہنچنے تک انہیں اس کے پیچھے آنے کا احساس بھی نہیں ہوسکا۔
'اور یہ یقیناً اسی خبیث شیطان کے پاس آئی ہوگی۔' نفرت بھرا سیال سا اس کی رگوں میں دوڑا تھا۔ اور اسے آخری فیصلہ کرنے میں چند ثانیے ہی لگ تھے۔
دروازہ کھل چکا تھا اور وہ اندر جا رہی تھیں۔
وہ ایک ہی جست لگا کر اس بند ہوتے دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔
''آؤ ڈارلنگ! مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔'' جہانگیر ہمدانی کی نشے میں مخمور آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔
''تم......'' میڈم یاقوت کو اپنے کندھے کے عین پیچھے کھڑے تنزیل کو دیکھ کر کرنٹ سا لگا تھا۔
''ہاں میں...... تمہارا اصل چہرہ دیکھنے آیا ہوں۔ اگر میں بدقسمتی سے تمہارا بیٹا ہوں بھی، تو دیکھوں تم اس بیٹے کے سامنے کس حد تک گر سکتی ہو۔'' وہ نفرت سے بولا۔
یاقوت اسے دیکھتی رہ گئیں۔ نظروں میں جمی سرد مہری، تنزیل کی نفرت سے ذرا سی پگھلی تھی۔ دوسرے لمحے وہ پھر سے نارمل ہو چکی تھی۔
''او کے...... دروازہ بند کر دو۔'' وہ یوں مطمئن لہجے میں بولیں، جیسے وہ پہلے بھی ایسی تنہائی میں ملتے رہتے ہوں۔
''تو یہ تمہارا بیٹا ہے...... کون سی محبت کا؟...... کتنے نمبر کا ٹوکن؟'' جہانگیر ہمدانی ہاتھ میں پکڑا ریوالور یاقوت کی طرف کرتے

بھرے لہجے میں بولا۔

ربوائے! دو دشمن...... جانی دشمن ایک ساتھ سامنے ہوں تو پہلے کس کو مارنا پسند کرو گے؟ مجھے یا اسے؟...... یا دونوں کو ایک
مسکراتے ہوئے بولا۔ "پر یار! تم مارو گے کس چیز سے؟ خالی نفرت سے یا......کوئی ہتھیار بھی جیب میں ہے..... یا میں
؟" وہ طنز سے بولا۔

یل اسی طرح دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔

طے وہ کر چکا تھا اب دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مگر کیسے؟...... یہ اسے بھی طے کرنا تھا۔ جہانگیر جس طرح نشے میں تھا،
الت اسے مدد دے سکتی تھی، مگر میڈم یاقوت۔

ایک طرف ہو جاؤ، مجھے ذرا اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ پھر تم نے جو کرنا ہو، کر لینا۔" میڈم یاقوت سنجیدگی سے
مخاطب ہوئیں۔

میں آپ کا زرخرید ہوں کہ آپ کا ہر حکم مانوں گا۔" وہ تنفر سے بولا۔ وہ کندھے اچکا کر جہانگیر کی طرف مڑ گئیں۔

اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی۔ لائبہ میری بیوی ہے۔ اور تم یقیناً اسے کہیں بند کر کے آئی ہو گی۔ اور سمجھتی ہو گی کہ جہانگیر کو
مکاراداؤں سے پٹا لو گی۔"

انے چونک کر جہانگیر کو دیکھا۔

میری بیوی...... میڈم یاقوت کی بیٹی اور میری جڑواں بہن۔' اس کی اُلجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

بات نہیں ہے۔ میں تم سے ڈیل کرنے آئی ہوں۔ لائبہ میرے ساتھ ہے اور باہر کھڑی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔

ٹ، بکواس۔ مجھے کیا سٹھیایا ہوا سمجھتی ہو؟ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ زور سے چلایا۔

ن نہیں تو دروازہ کھول کر دیکھ لو۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولیں۔

ب میرے ساتھ کیا چال چلنے آئی ہو؟" وہ اس کے اعتماد پر مشکوک ہو کر بولا۔

ی طرح ہم دونوں پارٹنرز ہیں۔ ففٹی پرسینٹ میرے شیئر اور باقی تم دونوں کے۔ اگر تمہیں منظور ہے تو لائبہ کی رخصتی میں
ھ کر دیتی ہوں۔" وہ خالص کاروباری لہجے میں بولیں۔

ت ہو تم پرے عورت! تم ماں ہو کر اپنی بیٹی کا ایسا گندا سودا کر رہی ہو۔ کاش! تم ماں بننے سے پہلے مر چکی ہوتیں۔" تنزیل
ہ ضبط کر ہی نہیں سکتا تھا۔ نفرت بھرے لہجے میں چلایا اور میڈم یاقوت مطمئن سی کھڑی رہیں۔

وئی چال چل رہی ہو نا؟" وہ تنزیل کے چلانے کو نظرانداز کر کے بولا۔

یقین نہیں رہا؟ میں تمہاری یاقوت ہوں۔ جس پر رات کے اندھیروں میں آنکھیں بند کر......"

رو اپنی بکواس۔" تنزیل ایک دم سے ان کے سامنے آ کر بولا۔

تم باہر جاؤ۔" یاقوت زور سے چلائیں۔ اور یہیں جہانگیر سے چوک ہوئی۔ وہ بے اختیار دروازے کی طرف مڑا اور
نے فروٹ باسکٹ سے اٹھایا ہوا لمبے پھل والا چاقو ایک دم سے جہانگیر کی طرف پھینکا جو سیدھا اس کے دل پر لگا۔
تھ میں ریوالور پھسلا اور اس کے منہ سے دلدوز چیخ نکلی تھی۔

ن اور فاتحانہ نظروں سے کھڑی اسے مرتا دیکھنے لگیں۔

..... یہ کیا کیا تم نے؟" تنزیل نے پہلی بار کسی کو یوں اپنے ہی لہو میں نہاتے ہوئے دیکھا تھا۔

نے جھک کر جہانگیر کا گرا ہوا ریوالور اٹھایا اور اسے تنزیل کی طرف کر دیا۔

..... نکل جاؤ یہاں سے، ابھی فوراً۔ آؤٹ۔" وہ آہستہ آہستہ پسٹل اس کے سینے کے قریب لاتے ہوئے غرا کر بے رحم
ا۔

انہیں وحشت نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

!" وہ زور سے چلائیں۔ اور تنزیل نے دروازے کا لاک کھول دیا۔ اگلا قدم باہر نکالتے ہوئے وہ بے اختیار ٹھٹک گیا۔

بھی..... چلیں میرے ساتھ...... اسے تو مرنا ہی ہے۔" جانے اس کے دل میں کیا آئی، بے اختیار ٹھٹک گیا۔

آؤٹ آئی سے۔" وہ اسی زور سے بولیں اور تنزیل کو زور سے باہر کی طرف دھکا دے کر انہوں نے کمرے کا دروازہ

آنکھوں میں زندگی کی رمق تھی اور رحم کی فریاد بھی۔

ن اس کے پاس پہنچ کر رک گئیں۔ جھک کر چاقو اس کے سینے سے نکالا۔

خون آلود چاقو کے قطرے جہانگیر کے چہرے پر ٹپکاتے ہوئے نفرت سے اسے دیکھنے لگیں۔
''رحم کے قابل نہ تم ہو، نہ میں۔ مگر تمہیں میں نے پھر بھی ایک آسان انجام سے دوچار کیا ہے اور اپنے لئے ایک مشکل راستہ۔ لیکن تم جانتے ہو، مجھے مشکلوں سے کھیلنا تو ہمیشہ پسند رہا ہے۔ بہت لطف آتا ہے خود کو اذیت دینے میں۔''
انہوں نے زہر آلود مسکراہٹ کے ساتھ اسی چاقو سے اس کے جسم کو جگہ جگہ سے چھیدنا شروع کر دیا۔
''بورنگ جہانگیر ہمدانی! نشے نے تو تمہارے اندر ایک بوٹی بھی نہیں چھوڑی۔ صرف یہ بھنبھوڑی ہوئی بے کار ہڈیاں، جو کوئی کتا بھی منہ میں لے کر چبانا پسند نہ کرے۔'' اس نے چاقو دوبارہ سے اس کے سینے کے دوسری طرف گھونپ دیا۔
جہانگیر ہمدانی کے منہ سے آخری کراہ سی نکلی اور اس کی کھلی آنکھوں میں موت دوڑ گئی۔
میڈم یاقوت نے اپنے ہاتھ دھوئے اور اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنے ہائی ہیل جوتے کی ایک ٹھوکر اس کے مُردہ وجود کو لگائی۔
''دیکھو، میں ایئرپورٹ کے لئے نکل رہی ہوں۔ اب شاید ہی واپس آؤں۔ تم ہماری ساری برانچز کا ریکارڈ، جو جو میں بتا رہی ہوں...... بلکہ یوں کرو، سب کو آگ لگا دو۔ سب کچھ...... سمجھ رہے ہو نا؟...... ہاں، میں بس نکل رہی ہوں۔ بائے! اور سنو، کچھ نہیں بچنا چاہیے۔ او کے!''
مطمئن لہجے میں کہہ کر انہوں نے سیل فون آف کر دیا۔ اور بیگ میں اپنا سامان چیک کرنے لگیں۔

✿◉......◉✿

''مجھے اب یہاں نہیں رہنا۔'' وہ توقف سے بولی۔ دونوں نے چونک کر عزہ کو دیکھا۔
''پاپا! مجھے ہائیر اسٹڈیز کے لئے ابروڈ بھیج دیں۔ یا میں خود بھی جا سکتی ہوں۔ You know'' وہ نظریں چرا کر، انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔
''اور یہ مت کہیے گا کہ آپ کو میری شادی کر کے بدنامی کی مصیبت سے جان چھڑانی ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''میں نے زندگی بھر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور کوئی مجھے اس کو بدلنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔''
''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' سارہ شاک سے نکل کر بولیں۔ وہ عزہ کے روّیے سے پہلے ہی کچھ ہراساں تھیں۔
''وہی جو میں نے طے کیا ہے۔ پاپا! آپ تو میری فیور کریں گے نا؟ آپ تو چاہتے تھے نا، میں اعلیٰ تعلیم حاصل کروں اور آپ کا......'' وہ ایک دم سے رک گئی۔
''مگر اس طرح نہیں۔'' وہ دکھ سے بولے۔
''ہاں، اس طرح تو آپ نے واقعی نہیں چاہا ہو گا۔ اور شاید میں نے بھی نہیں سوچا ہو گا۔ مگر پاپا! اب اس کے سوا میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں۔ آپ کے پاس بھی نہیں۔''
''ایسے نہ کہو۔ تم...... کوئی نہ کوئی......'' وہ اسے کوئی تسلی تو نہیں دینا چاہتے تھے کہ ایسا کچھ انہیں ہوتا نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ مگر پھر بھی وہ عزہ کو اپنی طرف سے ایک بار پھر مکمل مایوس کر کے اسے گھر سے باہر کا رستہ نہیں دکھانا چاہتے تھے۔ وہ اگرچہ وہ پہلے سے دیکھ چکی تھی۔
''ایسا کچھ نہیں کہا پاپا!'' وہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔ ''دائم کے پیرنٹس آپ کو انکار کر چکے ہیں اور ان سے دوبارہ اگر آپ بات کریں گے یا کرنے کی کوشش کریں گے تو میں خود کو ختم کر لوں گی، مگر ایسا نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ پہلے سے زیادہ ضدی لہجے میں بولی۔
''میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ تم فکر نہیں کرو۔''
''اور آپ کے وہ دوست صاحب بھی بے فکر ہی رہیں میں ایسی ہمدردی اور دوستی نبھانے کے موڈ میں نہیں۔ بات اپنے گھر پہ جو آتی ہے۔'' سارہ طنز کرنے سے نہ چوکیں۔
محمود صاحب نے ان کی بات اَن سنی کر دی۔
''اس کے باوجود پاپا! I have to go! پلیز، ورنہ شاید میں یہاں پاگل ہو جاؤں گی۔''
''او کے، جو تم چاہو۔'' وہ جیسے تھک کر بولے۔ اور اس وقت اس سے بہترین آپشن شاید اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔
''میں چند دنوں میں سب انتظام کروا دیتا ہوں۔ تم اب کوئی ٹینشن نہیں لو گی۔'' وہ سارہ کی طرف جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولے۔
''ایک اور ریکویسٹ۔'' محمود جانے لگے تو عزہ پیچھے سے بولی۔ ''آپ کو اور ماما کو اگر ایک دوسرے کو معاف کرنا نہیں آتا تو یوں

ے سے بھی کیا حاصل؟ لیکن پھر بھی۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ میری خاطر، اب تو وہ وقت چکا۔ آپ کے جھگڑوں سے آپ دونوں کا کچھ بنایا بگڑا، آئی ڈونٹ نو۔ مگر مجھے برباد کرنے میں ان جھگڑوں نے کوئی کسر نہیں صرف اتنا سوچ لیجئے، اب یہاں کچھ ایسا نہیں، جسے آپ نے تباہ کرنا ہے۔

ماما!" وہ مڑ کر ماں کے کندھے تھام کر بولی۔ "آپ کو پاپا نے اگر چھوڑنا ہوتا تو شاید شادی کی رات ہی چھوڑ دیتے۔ مگر وہ نے ہی کوشش کرتے رہے۔ کیا ایسی کوشش آپ نے بھی کبھی کی؟ ایمان داری سے خود سے پوچھئے گا ضرور۔"

محمود صاحب نے گہرا سانس لیا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ سارہ گم صم سی کھڑی تھیں۔ عزہ کچھ سوچ کر تیزی سے باہر کی ف بڑھ گئی۔

"پاپا......!"

وہ چونک کر مڑے۔

"ایک بار اس عورت سے معافی ضرور مانگ لیں جو آپ کی وجہ سے نیلم سے یاقوت بنی۔ اس کی وجہ سے نہ سہی تو اپنے ...... آپ کے لئے یہ معافی شاید سکون کا کوئی دروازہ کھول دے۔"

وہ اسی طرح رخ موڑے بے حس کھڑے رہے۔

عزہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی اور پھر لان کی طرف بڑھ گئی۔

یہ خزاں کے دن تھے اور ہرے بھرے لان میں ہر طرف زرد پتوں کا ڈھیر سا لگا تھا اور ان پر چلتی تیز ہوا انہیں اِدھر اُدھر اُڑائے ہی تھی۔

"یہ ڈال سے ٹوٹے پتے اب کبھی اپنی شاخوں سے نہیں جڑ پائیں گے...... آج سے اس گھر میں تین اجنبی رہ رہے ہیں اور کچھ بعد دو...... اور پھر شاید...... ایک۔" وہ ٹکٹکی باندھے درختوں کی ٹنڈ منڈ شاخوں اور سرد ہواؤں سے اُڑتے پتوں کو دیکھنے لگی۔

✻◉......◉✻

دائم ابھی بھی جھنجوڑ کر نیم خوابیدہ، نیند کے جھولوں میں جھولتی لائبہ کو بمشکل سیدھا کر کے بٹھاتا، وہ پھر سے ایک طرف ڈول ا۔

اس نے پاس پڑے پانی کے گلاس سے ڈھیر سارا پانی اس کے منہ پر چھڑک دیا۔

"اونہوں......" اس نے ناگواری سے منہ دوسری طرف کیا۔

"کہاں تھیں تم اتنے دنوں سے؟" وہ اسے ٹشو پکڑاتے ہوئے بولا۔

"مام کہاں چلی گئیں؟...... اور میں سو کیسے گئی؟" یک دم اسے خیال آیا تو اپنے چکراتے سر کو تھام کر بیڈ سے اُترنے لگی۔

"میں نے مام کے ساتھ کافی پی اور اس کے بعد...... تو وہ میرے ساتھ ہاتھ کر گئیں۔" وہ خود سے باتیں کر رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں؟" وہ جھنجلا کر بولا۔

"دائم! تم نے مام کو دیکھا، وہ باہر ہیں؟" وہ عجلت بھرے انداز میں بولی۔

"وہ نہیں ہیں۔ مگر تم......"

وہ اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر اپنا سیل فون تلاش کرنے لگی، جو نیچے کارپٹ پر گرا تھا۔ دائم نے جھک کر سیل فون اسے دیا۔

وہ تیزی سے نمبر ملانے لگی۔

"سیل آف ہے...... دوسرا نمبر بھی بند۔ مام کہاں ہوں گی، آئی نو۔" وہ تیزی سے اٹھ کر باہر جانے لگی۔

"لائبہ! پلیز رکو۔ میں تمہارے ساتھ آتا ہوں۔ تم یہ سب کیا کر رہی ہو؟ کچھ مجھے بھی تو سمجھاؤ۔ میں یہاں تمہاری مام کے پاس آیا تھا۔ کام تھا مجھے ان سے۔" وہ اس کے ساتھ تقریباً دوڑتا ہوا باہر نکلا۔

"کیا کام تھا؟" وہ اُلجھن بھرے انداز میں بولی۔

"تم جوتے تو پہن لو۔" وہ اس کے ننگے پاؤں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اوہ، ہاں......" وہ تیزی سے مُڑی اور جوتے پہن کر اس کے پاس آ گئی۔

"میں تمہیں لے چلتا ہوں نا، جہاں جانا ہے۔ مجھے تمہاری حالت اتنی اچھی نہیں لگ رہی۔" وہ اس کے ڈولتے قدم دیکھ کر اسے ا دیتے ہوئے بولا۔

"ہوں...... چلو۔ پتہ نہیں، مام نے کافی...... جبکہ مجھے یقین بھی تھا کہ وہ ہاتھ کرنے سے باز نہیں آئیں گی، مگر پھر بھی۔" وہ پیشانی دباتے ہوئے بولی۔

''انہوں نے تمہیں کافی میں کچھ ملا کر دیا تھا؟'' دونوں گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔
وہ خاموش رہی۔ دائم نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
''مگر کیوں؟...... کیوں کیا ایسا انہوں نے؟''
''کیونکہ میں نے ان کی مرضی کے خلاف نکاح کر لیا تھا۔
''وہاٹ......؟'' دائم کا پیر بالکل لاشعوری طور پر بریک پر دبتا چلا گیا۔ دونوں بمشکل سنبھلے۔ ''مذاق کر رہی ہو نا تم؟'' وہ کافی دیر بعد بولا۔
''ہم دونوں میں جو مذاق کا فیز تھا، وہ گزر چکا۔ فیکٹ بتا رہی ہوں تمہیں۔'' وہ جذبات سے عاری آواز میں بولی۔
دائم کو وہ بہت بدلی بدلی سی محسوس ہو رہی تھی۔
''کب...... کب کیا تم نے نکاح؟...... اور کس سے؟''
''تم پلیز! ڈرائیونگ کی طرف دھیان دو۔ ہمیں ہوٹل پہنچنا ہے۔ مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ کچھ گڑبڑ ہو چکی ہے۔ مام ایسے آرام سے کچھ بھی نہیں کرنے والی...... انہوں نے......'' وہ پریشانی سے لب چبا کر خاموش ہو گئی۔
''تو تم مجھ سے کچھ بھی شیئر نہیں کرو گی؟'' دائم کو اس کے رویے سے دکھ سا ہوا۔ ان دونوں کے بیچ کبھی بھی ایسی اجنبیت نہیں آئی تھی۔
''بتا تو چکی ہوں، نکاح کیا تھا۔ اور کس سے؟ یہ تمہیں ابھی ہوٹل پہنچ کر پتہ چل جائے گا۔ اور تم اتنے فارغ کب سے ہو گئے کہ میرے لئے یوں فکر مند ہوتے پھرو؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنز سے بولی۔
''تم مجھے کبھی سمجھ ہی نہیں سکیں۔'' وہ زود رنج لہجے میں بولا۔
''میں ہی تو تمہیں سمجھی ہوں۔'' وہ زیرِ لب بولی۔
''پلیز! ذرا جلدی۔'' وہ آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔
''مگر میں تمہارے ساتھ کچھ شیئر کرنا چاہتا ہوں، جو تم سے بھی Related ہے۔''
وہ اسی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھی رہی۔
''کیا تمہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں؟'' اس کا انداز دیکھ کر دائم بولا۔
''میں سن رہی ہوں۔ تم بولتے رہو۔'' لائبہ نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔
اُن کی گاڑی ''عالم وِلا'' کے سامنے کھڑی تھی۔
''یہ...... یہ کہاں لے آئے تم مجھے؟'' وہ کچھ حیرانی اور تھوڑی ناگواری سے بولی۔
''ایک نہ ایک دن تو تم نے یہاں آنا ہی تھا۔ تو یہ اچھی بات ہوئی کہ تم میرے ساتھ آئیں۔ آؤ تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔'' وہ گاڑی بند کرتے ہوئے بولا۔
''ہرگز نہیں۔ مجھے کسی سے نہیں ملنا۔ پلیز مجھے ہوٹل پہنچنا ہے۔ مجھے پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔ ہم ادھر پھر آ جائیں گے۔'' وہ اسی طرح بے چین سی بیٹھی رہی۔
''صرف دو منٹ کے لئے۔ زیادہ دیر نہیں رُکیں گے۔ آئی پرامس۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولا۔
''دائم! تم بالکل نہیں سمجھ رہے ہو، میں اس وقت جس سچویشن میں پھنسی ہوں، معلوم نہیں، مام نے کیا کر ڈالا ہو گا، تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' اس کا دل بری طرح سے گھبرا رہا تھا۔
''تم جانتی ہو، میں تمہیں یہاں کس سے ملوانے کے لئے لایا ہوں؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکالتے ہوئے بولا۔
''مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ پلیز تم مجھے جانے دو، اگر تم نے یہاں رکنا ہے تو۔'' وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔
''تمہیں بہت تجسس تھا نا کہ تمہارے فادر کون ہیں؟ کہیں وہ کوئی ایسا شخص تو نہیں کہ تم اسے قبول ہی نہ کر سکو۔ آؤ، تمہیں تمہارے فادر سے ملواؤں۔ وہ تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔''
لائبہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
''Believe me۔ آؤ تو۔'' وہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔

٭٭......٭٭

تنزیل بے حس نظروں سے سامنے ہوٹل کی انٹرنس کو دیکھے جا رہا تھا۔
وہ وہاں سے نکل کر اس ہوٹل کے مدِ مقابل ایک دوسرے ہوٹل میں آ کر بیٹھ گیا، جہاں سے سڑک پار ہوٹل کا گیٹ صاف نظر آ

نے اپنی نظروں کے سامنے کبھی کسی کو یوں قتل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ اور وہ جو دن رات جہانگیر ہمدانی کو مارنے کے بناتا رہتا تھا، یہ تو اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ سامنے آنے پر وہ کبھی بھی اسے یوں اپنے ہاتھوں سے مار نہیں سکے گا۔ کسی جیتے کی روح کے بدن سے یوں زندگی کشید کر لینا اتنا بھی آسان نہیں، جتنا اس نے سمجھ رکھا تھا۔
بار اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔
ور اس عورت کی دیدہ دلیری...... اگرچہ اس شیطان کا مرنا ایک اچھی بات تھی، مگر اس طرح سے مارنا۔ اور انہوں نے مجھے سے نکال کر دروازہ بھی لاک کر لیا۔ وہ کیا کرنا چاہتی ہوں گی؟...... اس کی تو ساری زندگی اسی طرح کے کاموں میں گزری ب انسان کو یوں مار دینا اس کے لئے کیا مشکل ہوگا۔'
کاش! آپ ایسی نہ ہوتیں۔' جانے کیسے یہ خواہش اس کے دل میں اُبھری۔ 'ورنہ اتنی شاندار عورت کا بیٹا کہلانے میں، میں کتنا کر کے چلتا۔ مگر......'
فعتہً اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔
دوسری طرف عائشہ بخاری تھی، بے چین اور پریشان سی۔
"تم کہاں ہو؟ اتنے دنوں سے فون بھی نہیں کیا، آئے بھی نہیں۔" وہ تیزی سے بولتی چلی گئی۔
"میں آؤں گا...... ایک نیوز ہے تمہارے لئے عائشہ!" وہ بے دھیان سے لہجے میں بولا۔ نظریں تو اس کی سامنے گیٹ پر جمی

"جہانگیر ہمدانی قتل ہو گیا، اپنی پارٹنر کے ہاتھوں۔" اس کی زبان پر چڑھ ہی نہیں سکا کہ میڈم یاقوت کا نام لیتے عجیب سی جھجک رہی تھی۔
"میں خود اسے اپنی آنکھوں سے خون میں نہایا ہوا دیکھ کر آیا ہوں۔" وہ اس کے لہجے سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔
عائشہ گنگ سی رہ گئی۔
"کس...... کس نے مارا اسے؟"
"تمہاری میڈم نے۔ اور کس نے؟" اب کے پھر وہ نام نہیں لے سکا تھا، کچھ جھنجلا کر بولا۔
"میڈم یاقوت۔" وہ دہرا کر بولی۔ "ناقابلِ یقین۔ ان دونوں کی دوستی تو ان کے حلقے کی سب سے ہاٹ اسٹوری تھی۔ اور تم قت کہاں ہو؟ کیا ان لوگوں کے قریب؟" وہ ذرا دیر بعد بولی۔
"ہاں، آس پاس سمجھو۔" وہ گیٹ پر نظریں جما کر بولا۔
"تم نکلو فوراً یہاں سے۔ تم پاگل تو نہیں ہو گئے تنزیل! تمہیں پتہ ہے وہ عورت تمہیں کس طرح سے پھنسوا سکتی ہے۔ تم سے کتنی ت ہے اسے، وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ پلیز! اٹھ آؤ وہاں سے۔" وہ پریشانی سے کہتی چلی گئی۔
"فکر نہیں کرو۔ اب وہ ایسا نہیں کرے گی۔ کم از کم میرے ساتھ۔" وہ سکون سے بولا۔
"کیوں...... تمہارے ساتھ اب وہ ایسا کیوں نہیں کرے گی بھلا؟"
"بتاؤں گا پھر کبھی فرصت سے۔ اب تم فون بند کرو۔ میں فارغ ہوتے ہی تمہاری طرف چکر لگاؤں گا۔ خدا حافظ!" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔
پولیس کی گاڑیاں تیز تیز سائرن بجاتی ہوٹل کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھیں۔

✲⊙......⊙✲

"معلوم نہیں، یہ تنزیل کہاں رہ گیا۔ صبح کا نکلا نہ گھر آیا ہے، نہ فون اُٹھا رہا ہے۔ کہیں اس کا ارادہ تو نہیں بدل گیا؟ اسے مجھے تو بتانا چاہئے۔" یاسمین پیر جلی بلی کی طرح صحن میں پھر رہی تھیں۔
"اب تم کسی بھول میں نہیں رہنا۔ جیسے بھی سہی، اس کے ماں باپ کروڑ پتی ہیں۔ ایک جائز، دوسرا ناجائز دھن کا مالک سہی، ہیں تو پیسے والے۔ اور اتنے مال دار والدین کو چھوڑ کر اس نے اس اینٹوں کی چار دیواری میں آ کر کیا کرنا ہے؟" ثریا بانو تھوڑی دیر پہلے انہیں یوں بے چینی سے پھرتے دیکھ کر طعنہ دے چکی تھیں۔
یاسمین کا دل اور بھی پریشانی میں گھر گیا۔
تنزیل ایسا نہیں، یہ تو ان کے دل کو یقین تھا۔ مگر کس لمحے دل کیا فیصلہ کر بیٹھے، انہیں یہ تو پتہ نہیں تھا۔ تنزیل جیسا متلون مزاج تو آج تک کسی ایک فیصلے پر قائم نہیں رہ سکا۔

'اور اماں غلط بھی نہیں کہتیں۔ وہ بھلا اس بھوک ننگ اور پریشانی میں کیوں آئے گا؟ ثانیہ کا بھی پوچھتی ہوں تو کہتا ہے، وہ خیریت سے ہے، آپ فکر نہیں کریں، میں اسے تھوڑے دنوں میں لے آؤں گا۔ اب وہ یہاں کیسے آسکتی ہے؟ احسن بھی اسے قبول نہیں کریں گے۔' وہ تھکی تھکی سی تخت پر بیٹھ گئیں۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور رخشندہ کچھ جھجکتی ہوئی اندر داخل ہو گئیں۔

''آیئے، آیئے بہن!'' یاسمین خوش دلی سے مسکرا کر ان کی طرف بڑھیں۔

سلام دعا کے بعد وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے جانے لگیں۔

''نہیں بہن! مجھے زیادہ دیر نہیں بیٹھنا۔ آپ سے اور آپ کے بیٹے تنزیل سے ملنا تھا اور معافی مانگنا تھی'' وہ تخت پر ان کے ساتھ ہی بیٹھتے ہوئے انکساری سے بولیں۔

''معافی کس بات کی؟'' یاسمین کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''میں نے اس معصوم بچے کو اس کی ماں سے جدا کر کے...... پھر آپ لوگوں نے جس طرح، جس بھی نظریہ سے اس کی پرورش کی، ایک بالکل غیر فطری سا عمل۔'' وہ اپنا مدعا بیان نہیں کر پا رہی تھیں۔

''ممتا کبھی بھی غیر فطری نہیں رہی۔ اور تنزیل نے تو جیسے میرے اندر کی پیاس کو ختم کیا تھا۔ مجھے نہیں پتہ، آپ نے یہ سب کیوں کیا۔ مگر میرا اللہ شاہد ہے۔ میں نے کبھی اس کو خود سے الگ نہیں سمجھا۔ نہ اپنی اولاد سے جدا، نہ کبھی یہ خیال کیا کہ اس نے میری کوکھ سے جنم لیا۔'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولیں۔

''یہ آپ کا بڑا پن ہے، ورنہ آج جتنی بھی پیچیدگیاں ہوئی ہیں، میرے اس ایک عمل کی وجہ سے، جس کے لئے میں دل میں سب ہی سے شرمندہ ہوں۔'' رخشندہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیسے اپنی شرمندگی کا اظہار کریں۔''

نہیں...... آپ کے اس عمل سے پہلے جو سلوک نیلم سے اس گھر میں ہو چکا تھا اور پھر اس کے بعد محمد بھائی نے...... کاش! وہ اس لمحے ذرا سا سوچ لیتے تو یہ سب کچھ...... چھوڑ دیں یہ......شاید اسی طرح ہونا تھا۔ میں آپ کے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔'' وہ اُٹھنے لگیں۔

''نہیں بہن! اس وقت نہیں۔ میں تو صرف تنزیل سے ملنے آئی تھی۔ اس کی تو دائم سے بھی اچھی دوستی ہے۔ اور یہ بچہ تو شروع ہی سے پسند آیا تھا مجھے۔ کم گو، تھوڑا اکھڑ سا۔''

''وہ ایسا ہی ہے۔'' یاسمین مسکرائیں۔ ''ابھی گھر پر نہیں۔ آپ کچھ دیر بیٹھ کر انتظار کر لیں۔ آجاتا ہے ابھی۔''

''پھر تو آپ چائے بنا ہی لیں۔ بیٹھ کر کچھ باتیں بھی کر لیں گے۔'' رخشندہ خوش دلی سے بولیں تو یاسمین مسکراتے ہوئے چائے بنانے چل دیں۔

✲⊙......⊙✲

دونوں بے یقین سی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

مگر آگے بڑھ کر بات کرنے یا گلے لگانے کی ہمت شاید دونوں میں ہی نہیں تھی۔ محمود عالم تو لائبہ سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہے تھے۔

''کیا آپ دونوں کو خوشی نہیں ہوئی؟'' دائم دنوں کو یوں لاتعلق سا کھڑا دیکھ کر بولا۔

''ہوں۔ اگر میری ماں کو اس حالت میں پہنچانے والے یہ نہ ہوتے، کوئی اور ہوتا۔'' لائبہ زہر خند سے بولی تو دونوں نے چونک کر لائبہ کو دیکھا۔

''سب کچھ جانتی ہوں میں، یہ کیا تھے اور انہوں نے کیا کیا میری مام کے ساتھ۔ اب کس دعوے کے ساتھ مجھے بیٹی کہہ سکتے ہیں؟ یہ تو مجھے اس دنیا میں لانے کا محض ایک سبب تھے اور بس۔ اس سے زیادہ تو یہ کچھ بھی نہیں لگتے میرے۔'' وہ سرد لہجے میں بولتی چلی گئی۔

''میں پیدا ہوئی اور میری ماں مجھے اپنے ماحول، اپنی زندگی سے بچانے کے لئے، خود سے دور دور رکھنے کے لئے کہاں کہاں بھٹکتی رہی۔ کبھی بورڈنگ میں، کبھی ہاسٹل میں، کبھی اس شہر، کبھی اس ملک میں۔ جیسے ایک بے جڑ کا پودا، ایک شاخ سے بچھڑا ہا جگہ جگہ دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ مجھے نہ ماں مل سکی، نہ باپ۔ اور ان کو تو شاید یہ بھی خبر نہیں ہوگی کہ ان کی کوئی بیٹی بھی ہوگی۔ ایم آئی رائٹ فادر؟'' اور محمد عالم کو لگ رہا تھا، آج پھر سے یوم حساب کی گھڑیاں آ گئیں۔ پیشانی سے پھوٹتا پسینہ وہ چاہنے کے باوجود صاف نہیں کر پا رہے تھے۔

''مگر اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے لائبہ! کہ یہ تمہارے باپ ہیں۔ تمہیں صرف دنیا میں لانے کا سبب سہی مگر.....''

ان کی حالت دیکھ کر صفائی دینے کو بولا۔
"پلیز دائم! تم درمیان میں نہیں آؤ۔ اِٹس ناٹ یور پرسنل۔" وہ ایک دم سے اجنبی لہجے میں بولی۔
"میں جانتا ہوں۔ میں نے کیا کیا اور میں کس سلوک کا مستحق ہوں۔ حتیٰ کہ میں تم لوگوں سے معافی بھی نہیں مانگ سکتا۔ نہ تم سے، نہ نیلم سے، نہ تنزیل سے۔" وہ ٹوٹے لہجے میں بولے۔
"تنزیل سے؟" لائبہ چونک کر بڑبڑائی۔
"تمہارا ٹوئن برادر۔" دائم آہستگی سے بولا۔ اور وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔
بے اختیار اس کے لب خفیف سا مسکرائے تھے۔
تنزیل، وہ جذباتی سا اور تھوڑا بے وقوف سالڑکا جو اسے اغوا کر کے خود اس کی مدد چاہ رہا تھا...... 'تو وہ میرا بھائی ہے...... میرا بھائی۔' اسے عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔ 'دائم، جسے مام میرا بھائی سمجھ رہی تھیں...... تھینک گاڈ!'
"لیکن اس کے باوجود جب تک میں زندہ ہوں، میری سانسیں چل رہی ہیں، میں تم سے، تمہاری ماں سے اور تمہارے بھائی سے معافی کا طلبگار ہوں گا۔ مجھے اب اور کچھ چاہئے بھی نہیں۔" وہ انتہائی شکست خوردہ لہجے میں بولے۔ اتنی توڑ پھوڑ ہو چکی تھی کہ اب تو ان میں مزاحمت کرنے کا، انا دکھانے کا، خود کو کھڑا رکھنے کا حوصلہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔
وہ نڈھال سے کرسی پر بیٹھ گئے۔
"آپ ٹھیک ہیں نا انکل؟" دائم تشویش سے بولا۔ لائبہ لاتعلق سی کھڑی رہی۔
"ہوں...... ٹھیک ہوں۔ تمہارا شکریہ، میں تمہیں مسلسل تکلیف دے رہا ہوں۔"
اسی وقت عزہ اندر داخل ہوئی اور ان دونوں کو دیکھ کر بے اختیار ٹھٹک کر رک گئی۔ تینوں کو خاموش دیکھ کر واپس مڑ کر جانے لگی۔
"شاید میں غلط وقت پر آ گئی۔" وہ زیر لب بولی تھی۔
"یہ لائبہ ہے...... میڈم یاقوت کی بیٹی۔" دائم نے تعارف کرانا چاہا۔
"جانتی ہوں۔" عزہ تلخی سے بولی۔ "اینڈ مائی اسٹیپ سسٹر آلسو۔"
"اور ان سے سے بڑھ کر آپ کی فاسٹ فرینڈ۔"
"ہو وانٹ ٹو میری یو...... ایم آئی رائٹ؟" وہ دائم کے سامنے آ کر بولی۔
دائم کچھ دیر تو بول ہی نہیں سکا۔
"ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم بے فکر رہو۔ اور اگر ہوتا بھی تو..... میری شادی ہو چکی ہے۔" لائبہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔
محمود عالم اور عزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
"چلیں دائم! یا تم ابھی رکو گے؟ آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔" وہ دائم کو دیکھ کر بولی۔
"ہوں...... ہاں چلو۔ اوکے انکل!" دائم گہرا سانس لے کر جانے کو مڑا۔
"ایک منٹ لائبہ!" محمود عالم تیزی سے اس کی طرف آئے۔ "تم آؤ گی نا پھر یہاں؟" وہ بے قرار سے لہجے میں بولے۔
لائبہ کچھ دیر انہیں یونہی دیکھتی رہی، پھر نفی میں سر ہلا کر باہر کی طرف جانے لگی۔
اسی وقت دائم کے فون کی بیپ بجی۔ وہ فون سننے کو رک گیا۔ لائبہ اس کے فارغ ہونے تک کھڑی ہو گئی۔
"یہ کیا کہہ رہے ہو؟" دائم کی حیران پریشان سی آواز نے کمرے میں موجود تینوں نفوس کو چونکا دیا۔ "اوکے...... میں آ رہا ہوں۔" دائم نے تھکن زدہ انداز میں فون بند کر دیا۔
"میڈم یاقوت نے جہانگیر ہمدانی کو قتل کر دیا۔"
"کیا......؟" لائبہ زور سے چلائی اور بے یقین نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "جھوٹ...... مام ایسا نہیں کر سکتیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے خود سے بولی اور تیزی سے بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ دائم بھی اس کے پیچھے نکل گیا۔ محمود عالم گم صم سے کھڑے رہ گئے۔
عزہ نے ایک جتاتی ہوئی نظر اپنے باپ پر ڈالی اور باہر نکل گئی۔

✲◉......◉✲
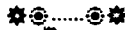
"کاش وہ اس وقت قتل ہو چکا ہوتا، جب مجھ سے ملا تھا۔" ثانیہ تلخی سے عائشہ کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔
عائشہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ وہ اسے کیا بتاتی، خود اس نے اذیت کی ہر گھڑی میں اس شیطان کے کس طرح مرنے کی کتنی دعائیں کی تھیں اور ہر بار مایوس ہوئی تھی۔ اور آج اس کے قتل کی خبر سن کر یوں لگ رہا تھا، جیسے یہ تو ایک عام سی بات تھی، معمولی سا

واقعہ کہ یہ تو ہونا ہی تھا۔

''اور اس یاقوت کا اس کو مارنا...... اس سے بھی زیادہ سکون دینے والی بات...... وہ کس قدر شاطر عورت ہے، تم تو خوب جانتی ہو گی اسے۔ اتنے سال اس کے ساتھ کام کیا تھا تم نے۔ خود تو وہ نکل گئی ہو گی'' ثانیہ اسی لہجے میں بولی۔ ان دونوں کے لئے اس کے دل میں کتنی نفرت تھی، وہ چاہتی بھی تو بیان نہیں کر سکتی تھی۔

''اس طرح کے بہت سے اندھے قتل ان کے پروفیشن کا حصہ ہے۔ سطح آب پر پھینکنے کے لئے ایک پتھر کے جتنی ہلچل ہوتی ہے اور کچھ عرصے بعد پھر سے وہی روز و شب۔ انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا'' عائشہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

''پتہ نہیں کیوں، مجھے عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے۔ عائشہ! ایک بات پوچھوں؟'' ثانیہ کے چہرے پر خوف سا تھا۔

''کیا اس طرح خود کو ان سے الگ کر لینا، کہیں بھی چھپ کر بیٹھ جانا بہت آسان ہے؟ اس گندگی سے نکل آنا۔ مجھے رات بھر نیند نہیں آتی۔ کھڑکیاں دروازے اُٹھ اُٹھ کر لاک کرتی ہوں مگر پھر بھی ایسا عجیب سا خوف ہے جسے میں خود سے بھی نہیں کہہ سکتی۔ جیسے ابھی کوئی آئے گا اور مجھے دبوچ کر لے جائے گا۔ اور یہ جہانگیر۔'' اس نے نفرت سے زمین پر تھوکا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ بہت سے دن اور بہت سی راتیں میں نے بھی ایسی ہی گزاری ہیں اور ابھی بھی...... اگر بھائی نہ آتے تو شاید میں خودکشی کر لیتی۔ بہت بار سوچا بھی اور عمل بھی کرنا چاہا۔ اور بابا کی وفات کے بعد تو میں یہ ضرور ہی کر لیتی۔ مگر اب نہیں۔''

''جانے کیسا عجیب سا سکون ہے کہ اب وہ لوگ چاہیں بھی تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور اگر کچھ کر بھی لیں تو کیا...... یہ آخری چند دن میں نے اپنے گھر کی پُرسکون عافیت بھری فضا میں گزارے ہیں۔ میرے بھائی نے میرے ماضی کے بارے میں جانتے ہوئے بھی مجھے نہیں دھتکارا۔ میری مجبوری کو میرا دھوکا نہیں سمجھا۔ یہی طمانیت، یہی سکون مجھے بہت نارمل رکھے ہوئے ہے۔''

''اور میرے پاس تو یہ بھی نہیں۔'' ثانیہ مایوسی سے بولی۔ اس کا چہرہ اور بھی مرجھا سا گیا تھا۔

''ابو کو تو میں جانتی تھی، وہ مجھے قبول نہیں کریں گے۔ مگر امی...... امی نے بھی اپنی دونوں بیٹیوں کے مستقبل کے خوف سے مجھے نکال کر، کاٹ کر الگ کر کے پھینک دیا۔ اور تمہارے سامنے اتنے دنوں میں ایک دن بھی انہوں نے یہ کھوجنا نہیں چاہا کہ میں کہاں ہوں یا مجھ سے بات کرنے کی تڑپ یا کچھ بھی...... میرے ہاتھ تو بالکل خالی ہیں۔''

''تنزیل نے وعدہ کیا ہے نا، وہ ان دونوں کو ضرور ساتھ لے کر آئے گا۔ ماں باپ کے دل اتنے سخت نہیں ہو سکتے۔'' عائشہ نے اسے تسلی دینا چاہی۔

''جب بیٹیاں اس طرح گھر سے باہر راتیں اور دن گزار آئیں تو پھر ماں باپ کے دل سخت ہو جایا کرتے ہیں۔'' وہ یاسیت سے بولی۔ ''اور کبھی میرا دل ایسی وحشت سے بھر جاتا ہے کہ جی چاہتا ہے یہاں سے نکلوں اور پھر سے اسی دنیا میں......'' عائشہ نے بے اختیار اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ایسا سوچو بھی مت، کہنا تو دور کی بات۔ منہ سے نکلی بات اکثر قبول بھی ہو سکتی ہے۔ اور خدا نہ کرے، تم اس دلدل میں دوبارہ......''

''دوبارہ کیوں؟'' ثانیہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔ ''مجھے تو ابھی بھی یہ یقین نہیں آیا کہ میں وہاں سے نکل بھی آئی ہوں یا نہیں۔''

''آ جائے گا یقین بھی۔ جہانگیر کے بعد اگر میڈم یاقوت بھی......''

''کیا صرف یہ دونوں؟...... نہیں عائشہ! صرف یہ دونوں نہیں، ان کے بہت سے رائٹ اینڈ لیفٹ ہینڈز ان سے بھی زیادہ ظالم اور بے رحم ہیں۔ جن میں، میں یہ چند ماہ گزار کر آئی ہوں۔ یہ لوگ معاف کرنا نہیں جانتے۔''

''تم اس وقت بہت مایوس ہو۔ میں ابھی تمہیں یہ خبر سنانا نہیں چاہتی تھی، مگر تمہارے لئے...... تم کچھ تو حوصلہ کرو۔'' عائشہ مسکراتی ہوئی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''بھائی سے میں نے پوچھا تھا، وہ تم میں انٹرسٹڈ بھی ہیں اور...... تم سے شادی بھی کرنا چاہتے ہیں۔''

''مگر میں ایسا نہیں چاہتی۔'' ثانیہ آہستگی سے بولی۔

''پاگل ہو گئی ہو؟'' عائشہ اسے دیکھ کر بولی۔

''نہیں عائشہ! میں اس قابل نہیں ہوں۔ تمہارا بھائی اتنا اچھا انسان ہے کہ اس کے لئے کوئی اتنی ہی اچھی، ان چھوئی لڑکی ہونی چاہئے۔ اور مجھ جیسی تو ہزاروں نہیں تو سینکڑوں ہاتھوں کی مسلی...... نہیں عائشہ! یہ بہت مشکل ہے۔ میں اب ایک شریف، باعصمت بیوی بننے کے قابل نہیں رہی، ایک شریف شخص کے قابل...... نہیں عائشہ! میں اگر اس دلدل سے نکل بھی آئی تو کبھی شادی نہیں کروں گی...... کبھی نہیں۔ اگر اسامہ مجھ سے بات کریں گے بھی تو میں منع کر دوں گی۔ یہ ممکن نہیں۔''

اور عائشہ گم صم سی اسے دیکھتی رہ گئی۔ نہ جواب میں کچھ کہہ سکی، نہ کوئی اسے جھوٹی تسلی دے سکی۔
اس کے تو اپنے اندر بے شمار روزن اور جھروکے کھل گئے تھے۔
گزارے ہوئے روز و شب کے تاریک لمحے، سیاہ آنکھیں ان جھروکوں سے لگائے اسے گھور رہے تھے۔
'کیا تم ان جھروکوں، ان تعفن زدہ کھڑکیوں کو بند کر سکو گی، جو تمہارے وجود کے اندر جا بجا کھلے ہیں؟ کہاں کہاں سے انہیں بند کی؟ اور تنزیل جیسے اچھے انسان کے ساتھ یہ دھوکا...... تم سے سمجھ دار تو یہ تانیہ ہے۔' وہ بے چین سی اٹھ کر باہر نکل گئی۔
'اگرچہ تنزیل سب کچھ جانتا ہے، مگر پھر بھی وہ مرد ہے۔ ابھی اس کا مجھ سے کوئی رشتہ نہیں۔ اور جب رشتہ قائم ہو جائے گا تو میں افتخارانہ انداز میں اس کے ساتھ چل سکوں گی؟...... کبھی نہیں۔'
اس نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

✲ ◎...... ◎ ✲

''پاپا! میرے جانے کے بعد آپ لائبہ کو یہاں لے آئیں۔ وہ بھی تو آپ کی بیٹی ہے۔ آپ کو سکون بھی مل جائے گا اور اس کی چبھن بھی کچھ کم ہو جائے گی۔ پلیز! اس پر ضرور سوچئے گا۔'' عزہ نے لائبہ کے جانے کے بعد محمود عالم سے کہا تھا۔
''اور مما کی پروا مت کیجئے گا۔ انہیں اور آپ کو کسی کے ساتھ کی ضرورت ہوگی۔ مما سے آپ کبھی دل کی بات تو کر کے دیکھیں۔ یے کھلے دل سے معذرت کریں۔ آپ نے اگر شروع میں انہیں سچ بتا دیا ہوتا تو شاید آپ کو اتنے لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا
''
اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی غلطی کے سرے کہاں سے پکڑیں کہ کچھ سدھار سکیں۔
''اب کچھ بھی سدھارنا ممکن نہیں۔ اب مجھے کسی سے بھی کچھ نہیں چاہئے۔ معافی بھی نہیں۔'' انہوں نے دل میں فیصلہ کیا اور یں موند لیں۔ ان کے اندر دور تک سناٹے پھیل گئے تھے۔

✲ ◎...... ◎ ✲

تانیہ اسے اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر حیران سی رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ یہاں بھی آ سکتا ہے۔
''تمہیں یہاں کا ایڈریس کس نے دیا باب؟'' اس کے چہرے پر کچھ خوف، پریشانی اور اضطراب سا تھا۔
''Dont ask such a childish question. (اس قدر بچکانہ سوال مت پوچھو)'' باب ہنس کر بولا۔ ''میرے پاس ی کچھ امانتیں تھیں، وہ دینا چاہتا تھا۔ اس کے لئے تمہیں ڈھونڈنا تو ضروری تھا نا۔''
''کیسی امانتیں؟'' تانیہ کا دل بری طرح سے دھڑکا۔
''تمہارے گزشتہ مہینوں کے شب و روز کی کہانی...... میں بھی ان لوگوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، واپس اپنے گھر۔ سوچا، جاتے ے یہ نیکی کر جاؤں۔ ورنہ اور کسی کے ہاتھ لگ گئیں تو کہیں وہ پھر سے اس کا مس یوز نہ کر ڈالے۔'' وہ تفصیل بتاتے ہوئے بولا۔
''کیا ہے وہ سب؟'' وہ اُلجھی ہوئی بولی۔
''تم جانتی ہو اچھی طرح سے۔'' وہ ذو معنی لہجے میں بولا۔ تانیہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گئی۔
''میں یونہی اندازے سے یہاں آیا تھا کہ شاید تم ملو یا نہیں۔ ورنہ وہ سب ساتھ لے آتا۔ میری فلائٹ میں گھنٹہ بھی نہیں ہے۔ کلنا ہے۔ اگر تمہیں وہ سب چاہئے تو......''
''تو تم انہیں ضائع کر دو۔'' تانیہ جلدی سے بولی۔
''میرے پاس اتنا ٹائم نہیں۔ اگر تم میرے ساتھ چل سکو تو ٹھیک، ورنہ میں وہ سب ہوٹل میں ہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ میں ھا ایئرپورٹ جا رہا ہوں۔ اوکے، بائے!'' وہ جانے لگا۔
''سنو باب! میں تمہارے ساتھ آتی ہوں۔'' اس نے فیصلہ کرنے میں ایک لمحہ لگایا۔
''تم ہوٹل سے خود ہی واپس آ جانا۔'' باب اسے ساتھ لے جاتے ہوئے بولا۔
تانیہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے ایک طرف کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی چل پڑی۔

❁

''میں چاہتا ہوں، میں تمہارے لئے شہر کا بہترین وکیل ہائر کروں، جو تمہارے کیس کی اس طرح پیروی کرے کہ تمہیں کم سے کم سزا ہو۔'' بہت دیر خاموش رہنے کے بعد انہیں خیال آیا تھا کہ وہ یہاں کس مقصد کے لئے آئے ہیں۔

''عجب منصف شہر ہے۔ جو چاہتا ہے مجرم کو کم سے کم سزا ہو۔ ایسا قاضی، جس کی ہمدردیاں جرم کرنے والے کے ساتھ ہیں۔ اور مجرم بھی ایسا جو اقبالِ جرم بھی کر چکا ہو اور سزا کے لئے بھی تیار ہے۔ پھر قاضی کی ایسی ہمدردی چہ معنی دارد؟'' وہ اسی تمکنت بھرے انداز میں ان کے چہرے پر نظریں جما کر بولیں۔ نظریں بھی ایسی جو مدِمقابل کو اندر سے چت کر ڈالیں۔

''اور اگر آپ اس طرح ہر مجرم کے ساتھ ایسی ہی ہمدردیاں دکھاتے ہیں تو پھر ہم سب کو اس شہر کی فسادی فضا سے سمجھوتا کر لینا چاہئے کہ یہاں ہر مجرم کا ہمدرد کوئی نہ کوئی قاضی ضرور ہے۔ اور وہ محاورہ کیا ہے...... اکیلی کلہاڑی تو جنگل سے ایک لکڑی نہیں کاٹ سکتی، جب تک جنگل کی لکڑی غداری کر کے کلہاڑی کا دستہ نہ بن جائے...... میر جعفر، میر صادق صرف اپنی شر پسند طبیعت کی وجہ سے بدنام نہیں ہوئے بلکہ کچھ تو خیر خواہ ہوں گے ان کے، جو اس شر پہ ان کے کندھے تھپکتے تھے۔''

'اُف...... اتنا لمبا، اتنا کٹیلا جواب!' محمود عالم کی توقع نہیں تھی۔

وہ تو آئے تھے کہ یہاں ایک بالکل بدلی ہوئی، ٹوٹی ہوئی یاقوت سے ملاقات ہوگی، جو اتنے عرصے کے بعد یوں ان کی خالص ہمدردیوں کو ایسے کٹھن لمحوں میں پا کر کچھ تو پگھل سکے گی۔ معافی کا کوئی نہ کوئی در تو کھل ہی جائے گا۔ اُمید سی اُمید تھی۔ اور اب ایک دم سے جیسے سب کچھ اُلٹ پلٹ سا گیا۔

وہ ابھی بھی اسی طمطراق، اسی شان کے ساتھ گردن اُٹھائے ان کے سامنے کھڑی تھیں۔

''آپ جانتے ہیں، میں نے گرفتاری خود دی تھی۔ میرے پاس بھاگنے کے، بچ نکلنے کے ایک نہیں، ایک ہزار راستے تھے۔ آپ جیسے اس شہر میں میرے اتنے مہربان، اتنے قدردان موجود ہیں کہ میرے ایک فون پر پورے ایئرپورٹ کو میرے لئے اتنا محفوظ بنا دیتے، جہاز کی پرواز تک کہ میں ان فضاؤں سے اتنی دور جا چکی ہوتی، کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی تھی۔''

محمود عالم نے ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کیا۔

''مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں آج سے پہلے کس لئے بھاگتی رہی۔ اس بار مع ثبوت کے قانون کے ہتھے چڑھی اور کوئی میرا بال بیکا نہیں کر سکا۔ یہاں سے آپ جرم کی دنیا کی طاقت کا اندازہ کر لیں۔ جب تک مجرم بھی خود سے willing (خواہاں) نہ ہو، ہمارا نام نہاد قانون بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور مجھے ابھی کھوجنا تھا، تلاش کرنا تھا اپنے بیٹے کو اور تمہاری بے وفائی اور بزدلی کا انتقام لینا تھا۔ سو میں ہر بار بچ نکلی۔ اس بار بھی نکل جانا کچھ دشوار نہیں تھا۔ مگر کس لئے؟ اب کس کے لئے مجھے بھاگنا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ تنزیل ہوگا...... میرا بیٹا، مجھے اتنے سالوں کی تلاش کے بعد ملے گا تو وہ مجھے یوں دھتکار دے گا۔ شاید اگر وہ مجھے پہلے سے نہ جانتا تو یوں مجھ پہ تھوک کر نہ چل دیتا۔ میری قسمت کی خوبی دیکھئے۔ جس کی تلاش تھی، اسی کو دنیا بھر کی ذلت دے چکی تھی میں۔ اور انتقام...... میں نے لیا بھی تو آدھا ادھورا...... اور مجھے آج کہنے دو محمود عالم! میں تم جیسی سخت دل نہ ہو سکی۔ چاہتی تو جس طرح تم نے میری اور میرے بچوں کی زندگی برباد کی، میں تمہیں بھی جیتے جی زندہ درگور کر دیتی۔ مگر میں انتقام میں بھی کچی نکلی۔ یا شاید اس محبت میں پکی جو کبھی مجھے تم جیسے بزدل سے رہی۔'' کہتے ہوئے انہوں نے منہ پھیر لیا۔ ''دیکھو، میں انتقام بھی پورا نہیں لے سکی۔'' وہ اسی طرح رخ پھیرے کھڑی تھیں۔

محمود عالم نے آہستگی سے ان کے کندھے کو چھوا۔

''مجھے معاف کر دو نیلی! میں تمہارا مجرم ہوں۔ ایک زندگی کا نہیں، تین زندگیوں کا۔ بلکہ نہیں، چھ زندگیوں کا مجرم ہوں۔ اور میں جانتا ہوں، میں معافی کے قابل بھی نہیں۔ مگر پھر بھی...... درِ توبہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے اوپر دستک دینے سے پہلے مجھے تم سے معافی مانگنا ہوگی۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے تھے۔

وہ بے حس کھڑی رہیں۔

''نیلم......!'' ان کی مسلسل خاموشی پر وہ کراہ کر بولے جیسے نزع کا عالم طاری ہو ان پر اور اگر ان کی پکار کا جواب نہ آیا تو

سانسیں سینے میں اٹکی رہیں گی۔

"کیا کرو گے معافی لے کر؟......اور کیا اس معافی سے کچھ بدلا جا سکتا ہے؟ سدھارا جا سکتا ہے؟...اب کچھ بھی نہیں۔ اب تم معافی مانگو، نہ مانگو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہیں معاف کروں نہ کروں۔ ہمارا مقدمہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو چکا ہے۔ اب ہم دونوں میں سے کسی کو بھی اس کے فیصلے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری عدالت میں بھی تو ایسے بے شمار کیس آتے ہوں گے جو بغیر کسی فیصلے کے ہمیشہ کے لئے فائلوں کے مُردہ خانے میں دفن ہو جاتے ہوں گے۔ تم سمجھ لینا، یہ بھی ایک ایسا ہی کیس تھا۔"

وہ ذرا سے وقفے میں ایک بار پھر خود کو سنبھال چکی تھیں۔

"تو تم مجھے معاف نہیں کرو گی؟"

"اگر اس معافی سے وہ نیلم واپس آ سکتی ہے......وہ گھڑیاں...... جب میں نے لاوارثوں کی طرح اپنے دونوں بچوں کو پیدا کیا اور ان میں سے ایک کو کھو دیا۔ اور پھر میں جرائم اور گندگی کی دلدل میں دھنستی چلی گئی۔ کوئی مہربان، مخلص ہاتھ مجھے اس دلدل سے نکالنے کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ میرا بیٹا، میرے انتقام کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اگر یہ سب کچھ واپس آ سکتا ہے تو میں نے تمہیں سچے دل سے معاف کیا۔"

محمود عالم کی آنکھوں میں بے بسی اور لاچاری تھی۔ وہ ہمیشہ کے لئے نا اُمید ہو گئے۔

وہ ان میں سے کوئی ایک گمشدہ لمحہ بھی تو واپس نہیں لا سکتے تھے۔ اور وہ ٹھیک کہتی تھیں، اب معافی یا معاوضے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

"اور تمہارا کیس......" بہت دیر بعد انہیں پھر سے خیال آیا تو بولے۔ یاقوت نے فوراً ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

"اگر مجھے اپنی صفائی کے لئے، اپنی بریت کے لئے لڑنا ہو گا تو میں خود لڑوں گی۔ مجھے کسی وکیل کی، کسی قانونی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔ انسان کا سب سے بڑا وکیل اس کا ضمیر ہوتا ہے۔ وہی اس کا منصف بھی۔ یہاں ان سلاخوں کے پیچھے آنے سے پہلے میں اپنا کیس اپنی ضمیر کی عدالت میں پیش کر کے سزا بھی پا چکی ہوں۔ اب یہ سلاخیں، اس تنگ کوٹھڑی کی گھٹن یا پھانسی کا پھندا میرے لئے کچھ بھی معنی نہیں رکھتے۔ کبھی وقت نے میرے لئے یہ سزا رکھی، پھر میں نے اپنے اردگرد، یہاں وہاں، سب میں یہ تقسیم کرنا شروع کر دی۔ اور محمود عالم! اب تو مکافاتِ عمل شروع ہے۔ اور میں تیار ہوں۔ میرے ساتھ کیا ہونا ہے یا ہونا چاہیے۔"

وہ یوں ذہنی طور پر تیار تھیں جیسے آنے والے دنوں میں انہیں اپنی فیشن انڈسٹری کا کوئی پراجیکٹ لانچ کرنا ہے۔ جس میں دشوار مرحلے ہیں اور ان کی چیلنجنگ طبیعت ان مرحلوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔

"اور تمہیں تو میری اس وقت فکر نہیں ہوئی جب تم مجھے واقعی بچا سکتے تھے، جب مجھے واقعی تمہاری ضرورت تھی۔ اب میں اس طرح کی احتیاج سے دور ہو چکی ہوں۔ مجھے جینا ہو گا یا مرنا۔ مجھے اس کے لئے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی اس دنیا میں اسی طرح واپس چلے جاؤ، جیسے ان مشکل ترین لمحوں میں مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اور میرے بارے میں کچھ نہ سوچنا، بھول جانا۔ بالکل ویسے جیسے تم مجھے ان اندھیری راتوں اور تاریک لمحوں کی کال کوٹھری میں ڈال کر بھول گئے تھے۔ جاؤ محمود عالم! مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں۔" کہہ کر وہ دوسری طرف منہ کر کے کھڑی ہو گئیں، جیسے اب کبھی ان کی طرف نہیں دیکھیں گی۔ اور محمود عالم بہت دیر تک اسی آس میں ساکت کھڑے رہے کہ شاید اب لمحہ بھر کو وہ پھر سے ان کی طرف دیکھیں، شاید اس آخری دیکھنے والی نظر میں ان کے لئے کوئی درد، کوئی پچھلی محبت کا نازک لمحہ، کوئی پچھلا پیمان دھڑک سکے اور وہ ایک نظر......التفات کی......اُلفت یا پھر معافی کی اُن پہ ڈال دیں۔ مگر وہ بے مراد ہی رہے کہ ان کے لئے اب نیلم کے پاس ایک نظر بھی نہیں تھی۔

وہ وہاں سے یوں پلٹے جیسے ساری دنیا کی مسافت طے کر کے زندگی کے آخری کنارے پر آ بیٹھے ہوں۔ اب انہیں نہ آگے جانا ہے، نہ پیچھے پلٹنا ہے۔ ہر طرح کا سفر تمام ہوا۔ محبت کا بھی، خواب کا بھی۔ آگے اب کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف حیات تمام کا قصہ اور سفرِ آخرت، جس پر ہر کوئی جاتا ہے۔ مرضی سے جائے یا زبردستی، جانا ضرور ہے۔ اب انہیں بھی بس اس آخری ہنگل کا انتظار کرنا تھا، جب ان کی زندگی کا بیڑا اس آخری سفر پر جانے کے لئے روانہ ہو جاتا، جس کے بعد انہیں معلوم تھا، حساب کتاب کے لئے نہ ختم ہونے والے کھاتے تھے، جس کا اختتام کہیں بھی نہیں تھا۔ نیلم کے اعمال کی اس دنیا میں سزا کا اختتام تھا۔ مگر ان کی سزا بے انجام تھی۔ کبھی نہ ختم ہونے والی۔ نہ اِس دنیا میں، نہ اُس دنیا میں۔

✻⊙......⊙✻
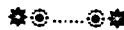
"کمال ہے......تم نے اسے جانے کیوں دیا؟ اتنی بے خبر رہیں تم اس کے جانے سے؟" اسامہ جھنجلا کر عائشہ پر برس پڑا۔

"بھائی! قسم لے لیں۔ میں نہانے کے لئے گئی تھی۔ اور اس کا کہیں جانے کا ارادہ تھا بھی نہیں، ورنہ وہ مجھ سے ذکر ضرور کرتی۔"

"اس کا سیل فون بھی گھر پر ہے۔ یہیں چھوڑ گئی وہ۔ حتیٰ کہ اپنا پرس، ضروری سامان، کچھ بھی تو ساتھ نہیں لے کر گئی۔" اسامہ

متفکر لہجے میں بولا۔

''اسی بات کی تو مجھے پریشانی ہے۔ وہ خالی ہاتھ، بنا بتائے کہاں جا سکتی ہے؟''

''آپ نے تنزیل سے رابطہ کیا؟'' ذرا دیر بعد اسے خیال آیا۔

''وہ میرے ساتھ ہی تو تھا۔ ہم دونوں شہر بھر کی خاک چھان کر آ رہے ہیں۔ اور ہمیں تو اس کی کسی ایسی دوست، شناسا کا بھی علم نہیں تھا، جہاں وہ جا سکتی ہے۔ جو دو چار میڈم یاقوت کے ٹھکانے تھے، خاص طور پر ان کا گھر جو پولیس سیل کر چکی ہے، ملازمین بھی حراست میں ہیں تو وہاں تو وہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اور ہم کہاں ڈھونڈتے اسے؟'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''جہانگیر مر چکا ہے۔ میڈم یاقوت جیل میں ہیں۔ تو پھر اور کون ہے جو اسے لے جا سکتا ہے؟'' عائشہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''جس طرح وہ یہاں سے غائب ہوئی ہے، کہیں بھی یہ آثار نہیں کہ اسے زبردستی لے جایا گیا ہے۔''

''تو آپ کے خیال میں وہ اپنی مرضی سے گئی ہے؟'' عائشہ کچھ چونک کر بولی۔

''مجھے کیا پتہ؟ وہ مجھے کون سا کچھ بتا کر گئی ہے؟'' وہ چڑ کر بولا۔

''اچھا یوں کرو، ثانیہ کا سیل فون لے کر آؤ۔ اس میں جو نمبر فیڈ ہیں، ان پر ٹرائی کرتے ہیں۔'' اسامہ کو اچانک سے خیال آیا۔ اسی وقت ڈور بیل بجی۔

''میں دیکھتا ہوں جا کر، تنزیل ہوگا۔ تم ثانیہ کا سیل لے کر آؤ۔'' اسامہ جاتے ہوئے اس سے بولا۔

اسامہ، تنزیل کے ساتھ واپس آیا تو اس کے چہرے پر بھی تھکن اور مایوسی تھی۔

''کچھ خاص نمبر نہیں ہے۔ گھر کے، یاقوت، جہانگیر اور یہ کسی باب کا نمبر ہے اور شاید ادھر کا نہیں۔'' عائشہ نمبر چیک کرتے ہوئے بولی۔

اسامہ نے اس سے سیل فون لے کر باب کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے باب نے ہی کال ریسیو کی۔

''مگر میں کسی ثانیہ کو نہیں جانتا۔'' اسامہ کے پوچھنے پر وہ لحہ بھر سوچ کر بولا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ نمبر ثانیہ کے سیل فون میں فیڈ ہے۔''

''تو اس بات کا اس سے کیا تعلق جڑتا ہے کہ میں ان خاتون کو جانتا بھی ہوں۔ سوری۔'' پھر اس نے فون آف کر دیا۔

تینوں گم صم بیٹھ گئے۔

''وہ بہت ڈپریس تھی۔ بہت زیادہ۔ اپنے گھر والوں کے رویے سے اور جہانگیر کی باقیات سے خوف زدہ۔ میں نے اسے بہت سمجھایا، تسلی دینے کی کوشش بھی کی مگر.......'' عائشہ افسردگی سے بولی۔

''تم نے اردگرد ہمسائے میں کسی سے پوچھا؟ ہو سکتا ہے، ثانیہ کو کسی نے جاتے دیکھا ہو کسی کے ساتھ؟'' اسامہ کو پھر سے خیال آیا۔

''بھائی! میں خود بہت کم اردگرد والوں سے ملتی ہوں۔ میں کیسے پوچھتی؟'' وہ شرمندہ سی، نگاہیں جھکا کر بولی۔

''تم نے اپنے پیرنٹس کو بتایا؟''

''ابھی نہیں۔ مجھے امید تھی کہ وہ اب تک واپس آ چکی ہوگی، اس لئے میں نے گھر میں کسی کو نہیں بتایا۔ امی بہت پریشان ہو جاتیں۔'' تنزیل تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اگر تو وہ اپنی مرضی سے گئی ہے، پھر تو اس کا واپس آنا مشکل ہے۔'' اسامہ آہستگی سے بولا۔ تنزیل نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

''وہ ایسا کیوں کرے گی؟ وہ بہت خوف زدہ تھی۔ اور واپس تو وہ بالکل بھی نہیں جانا چاہتی تھی، اسی لئے تو میں اسے ادھر لے کر آیا تھا کہ کچھ دنوں میں، میں امی ابو کو راضی کر لوں گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' تنزیل ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

''جو اس دنیا میں رہ آتا ہے پھر اس کے لئے زندگی میں کچھ بھی ٹھیک نہیں رہتا۔ ٹھیک ہو بھی تو غلط ہوتا چلا جاتا ہے۔'' عائشہ رندھے گلے سے بولی اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔

''میں جاتا ہوں۔ اگر کوئی اطلاع ملے ثانیہ کی تو پلیز! مجھے ضرور بتانا۔'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ہوں، رات تک دیکھ لیتے ہیں۔ تم ابھی گھر میں نہ بتانا۔ شاید اس کا خود ہی کوئی فون آ جائے یا کچھ پتہ چل جائے۔''

''ہو سکتا ہے، اسے کسی نے کڈنیپ کر لیا ہو، ان لوگوں کے گروہ میں سے؟'' اسامہ کو اچانک خیال آیا۔

''دونوں صورتوں میں اس کی واپسی ناممکن ہے۔'' تنزیل مایوسی سے بولا۔

پولیس کی ہیلپ لے سکتے ہیں؟" اسامہ نے خیال ظاہر کیا۔
نے نفی میں سر ہلا دیا۔
نگیر ہمدانی کی ساتھی رہ چکی ہے۔ پولیس کے لئے اتنی خبر ہی ہم لوگوں کی زندگی دشوار کرنے کے لئے کافی ہوگی۔ اس
پولیس کو تو اس واقعہ کی بھنک بھی نہ ملے۔ پہلے ہی وہ یاقوت اور جہانگیر کے اڈوں اور ساتھیوں کو شہر بھر میں سونگھتے پھر

س نے ٹھیک ہی کیا۔" اسامہ زیر لب بڑبڑایا۔
طلب؟" تنزیل چونکا۔
وف سے تم لوگوں نے اسے اپنے ہی گھر میں پناہ نہیں دی، یہی خوف اسے یہاں سے بھی لے گیا۔
بھا نہیں؟" تنزیل اُلجھ کر بولا۔
م بے شک اپنے پیرنٹس کو بھی گھر جا کر بتا دو، اس کی گمشدگی کے بارے میں۔ اور یہ بھی کہ وہ شاید اب کبھی بھی نہیں

، تم کیا کہنا چاہ رہے ہو، میں واقعی نہیں سمجھ پا رہا؟" تنزیل پریشان ہو کر بولا۔
وگوں کی وجہ سے، میرے خیال میں دوبارہ اس کھائی میں کود گئی ہے جس میں سے قدرت نے اس پر اپنی مہربانی کرتے
کال دیا تھا۔ اگر تم لوگ اپنے دل وسیع کر لیتے، اس کی ناکردہ غلطی کو معاف کر دیتے تو شاید ہم آنے والی بہت بڑی
سکتے تھے۔ اب آگے کیا ہوگا اس کے ساتھ، میں بھی نہیں جانتا، تم بھی نہیں جانتے۔ مگر ابھی شہر بھر میں میڈم یاقوت کا قصہ
اروں میں شہ سرخیوں کے ساتھ لگایا جا رہا ہے اور اس کی پسِ پردہ کہانی آدھا شہر جان چکا ہے، کیا تم پھر بھی تانیہ کے
لے دنوں کا تصور نہیں کر سکتے؟" اسامہ ڈھکے چھپے الفاظ میں بہت کچھ کہہ گیا اور تنزیل اس کی بات سن کر دنگ سا رہ گیا۔
نے کم از کم...... میرا خدا گواہ ہے، میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ میں اس کے لئے آخری حد تک لڑتا، سرف گھر والوں سے
دنیا سے۔ وہ میرا بھروسہ تو کرتی۔ اسے میرا انتظار کرنا چاہئے تھا۔" وہ ایک دم سے دل برداشتہ ہو کر صوفے پر گر گیا اور
س مزید کہنے کے لئے الفاظ ختم ہو گئے۔

✲⊙......⊙✲
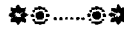
تمہارا انتظار کر سکتا ہوں۔" وہ پُر اُمید لہجے میں بولا۔
صل ہوگا۔" عزہ کے لہجے میں قطعیت تھی۔
ں؟" وہ احتجاج کرتے ہوئے بولا۔
کیوں کا جواب تو میرے پاس بھی نہیں۔" وہ دُور خلاؤں میں دیکھتے ہوئے بولی۔
راتیں خود سے لڑی تھی کہ وہ کیوں یہ سب کر رہی ہے۔ اس کی محبت ہاتھ بڑھائے اس کے سامنے کھڑی ہے تو وہ ہاتھ
بھاتی۔
رتم میرے انتظار کو لاحاصل کہو، مجھے پروا نہیں۔ مجھے تمہارا انتظار تو کرنا ہے۔" وہ بھی اٹل لہجے میں بولا۔
ہے دائم! میں میڈم یاقوت سے ملنے حوالات گئی تھی۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔
والات کیوں گئیں؟" وہ چونکا۔
ے یہ پوچھنے کہ انہوں نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ پتہ ہے انہوں نے کیا کہا؟"
ہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
ہ لگیں۔ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ تم خود میری طرف کھنچی چلی آئیں۔ شاید یہ اس محبت کی تشنگی تھی جو کبھی تمہارے دھوکے باز
ے کی تھی اور میرا کام آسان ہوتا چلا گیا۔ اس وقت میں نے فیصلہ کیا۔" وہ لمحہ بھر رکی۔
مجھتی تھی، میں ایکسٹرا آرڈنری ذہین ہوں۔ اتنی سمجھ دار کہ مدِ مقابل کی آنکھوں سے اس کی نیت کا باآسانی پتہ چلا سکتی
ڈم یاقوت نے مجھ پر یہ عقدہ وا کیا کہ مجھ سے بڑا ایکسٹرا آرڈنری بے وقوف تو اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ تم نے سمجھایا، خود
رہا تھا، بظاہر روشنیوں کے جلو میں جتنا یہ سیدھا سادہ، پُرکشش راستہ کس کھائی میں جا کر ختم ہوتا ہے۔ میں اس عورت کی
اندھا دھند سوچے سمجھے بغیر دوڑتی چلی گئی۔ شاید یہ قسمت کی مہربانی تھی، یا کچھ میرا دامن اُجلا رہا کہ کہیں کوئی داغ دھبہ
یا ہوتا تو شاید میں تمہارے کیا، کسی کے بھی سامنے کھڑی نہ ہو پاتی۔ خود کو ختم کر چکی ہوتی۔ مگر سیاہ رات کے اندیشے......
، جو میڈم یاقوت کے گھناؤنے عزائم مجھ پر مسلط کرنا چاہتے تھے، اس کا خوف کتنا جان لیوا ہے۔" اس نے ایک دم سے

آنکھیں بند کرلیں۔

''میں اس کا تصور کرتی ہوں تو لرز جاتی ہوں......اس لئے میں نے سوچ لیا ہے، مجھے ابھی نہ تو شادی کرنا ہے، نہ اس کے بارے میں سوچنا ہے۔ کتنے سال تک؟ یہ بھی نہیں بتا سکتی۔ معلوم نہیں، اس خوف کے دور ہونے اور خود پر اعتماد بحال ہونے میں مجھے کتنے برس لگ جائیں۔ میں تم سے یہی کہوں گی۔ میرا انتظار نہیں کرنا۔'' وہ ایک دم سے بڑی بڑی، بردبار اور سنجیدہ سی لگنے لگی تھی۔

''تم اپنے بارے میں خود فیصلے کرو اور مجھے اپنے بارے میں کرنے دو۔ اگر تم نے مجھے خود سے الگ سمجھ ہی لیا ہے تو ہمیں اب اپنے فیصلے خود ہی کرنے چاہئیں۔'' وہ چڑے ہوئے انداز میں بولا۔

''جیسی تمہاری مرضی۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتی، جیسے تم مجھے نہیں کر سکتے۔'' وہ دھیرے سے مسکرا کر بولی۔

پھر دونوں یوں چپ ہو گئے جیسے ان کے درمیان ہونے والی باتیں تمام ہو چکی ہوں۔

خزاں کی ہوائیں اِدھر اُدھر پتے اُڑاتی پھر رہی تھیں۔ چاروں اور ٹنڈ منڈ پتوں، پھولوں سے خالی ننگی شاخیں عجیب اُداسیاں بکھیر رہی تھیں۔ موسم کا دوغلا پن جیسے بازباز کئے ہوئے تھا۔ نہ چھاؤں، نہ دھوپ، نہ سردی، نہ گرمی، نہ ہوا، نہ حبس۔ بس اُداسی ہی اُداسی وحشت سی......جو دلوں کو کھینچ رہی تھی کہ یہاں سے بھاگ چلو۔ مگر کہاں؟

دونوں نے بے بسی سے سر اٹھا کر اس دوغلے موسم سے پوچھا۔ ایک موسم کی حد پر دوسرا موسم کھڑا ہے، دن کی حد پر رات، دوپہر کی حد پر شام، محبت کی حد پر نفرت......مگر ہجر کی حد پر کیا تھا؟ ہجر بھی وہ جو طے شدہ ہو......اس کی حدود کا علم تھا دونوں کو نہ اپنی اپنی ضد پر قائم رہنے کا انجام۔

''فون تو کر سکتا ہوں نا تمہیں؟ رابطہ تو رکھو گی نا؟'' بہت دیر بعد دائم کو خیال آیا تو پوچھ بیٹھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے دیکھتی گئی۔ اس کی نظروں میں نہ ہاں تھی، نہ ناں۔

''اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے، جس طرح پہلے مجھے تمہاری کشش نے لندن سے پاکستان لا پھینکا، اسی طرح سے پھر میں پاکستان سے لندن چلا جاؤں۔ فاصلے سمٹ جائیں تو دُوریوں کے امکان بھی سمٹ جاتے ہیں۔'' وہ بچوں کی سی خوشی سے بولا۔

''چلو، یہ بھی کر کے دیکھ لینا۔ ابھی تو میرے لئے دوری اور قربت ایک جیسے ہیں۔'' وہ یونہی مسکرائی۔

''ایسا ہے تو پھر یہیں رہ کر دکھاؤ نا۔ پھر میں مانوں تا کہ تمہارے نزدیک قربت اور دُوری ایک جیسی ہے......سچ کہوں، تم مجھ سے بھاگ رہی ہو عزہ!'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

''سچ کہا تم نے۔ مگر آدھا سچ۔ میں بھاگ رہی ہوں۔ تم سے نہیں، خود سے۔'' وہ افسردگی سے بولی۔ ''دائم! مجھے خود سے نفرت سی ہو گئی ہے۔ میں اتنی بودی، اتنی کمزور نکلوں گی، مجھے یقین نہیں آتا۔ اپنی اس کمزوری کی میں خود کو سزا دینا چاہتی ہوں۔ بہت بڑی سزا۔ محبت سے دُوری کی سزا۔ اور یہ آسان نہیں۔ تمہارے بارے میں، میں نہیں جانتی۔ مگر میں......میں نے تم سے واقعی......'' اس کے الفاظ جیسے ختم ہو گئے اور اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے۔

''تو مت دو نا سزا۔ مجھے تو تم پر بھروسہ ہے کہ تم پہلے کی طرح مضبوط، بہادر اور باکردار ہو۔'' دائم افسردگی سے بولا۔

''یہ ممکن نہیں۔'' وہ جھرجھری سی لے کر سیدھی ہو گئی۔ چہرہ صاف کر کے پہلے جیسی ضدی سی عزہ بن گئی۔

''میرے لئے یہ ضروری ہے ورنہ......دائم! میں فوری طور پر ہاں بھی کر دوں تو ایک جھینپی جھینپی......خائف، شرمندہ سی عزہ شاید تمہیں بھی قبول نہ ہو۔ تم چند دنوں میں ہی مجھ سے بیزار ہو جاؤ۔ پلیز، مجھے خود سے خود کو سمیٹ لینے دو۔ تم اس عمل سے نہیں گزرے۔ اور میں دعا کروں گی، تمہارے ساتھ ایسا کبھی نہ ہو۔ مگر یہ بہت مشکل عمل ہے۔''

''تو کیوں مشکل میں پڑتی ہو؟ یہیں رہ جاؤ۔ سال دو سال تو میں ویسے بھی انتظار کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد جو تم کہو۔'' وہ بڑی نرمی سے بولا۔

''میں نے کہا نا، ابھی مجھے ہر شے سے دور ہو جانے دو۔ میں اسٹڈیز کرنا چاہتی ہوں۔ خود کو بھول جانا چاہتی ہوں۔ اگر تم سے جڑی رہی تو پھر خود کو کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔ اور جو کچھ میں نے اپنے ساتھ کیا ہے دائم! وہ میری ہی نظر میں ناقابلِ معافی ہے۔ اس کی سزا میرا حق ہے۔ سزا کے بغیر درستگی مستحکم نہیں ہوتی۔ میرے ذہن میں یہ یقین پکا ہے۔'' اس نے مسکرا کر بات ختم کر دی۔

اور دائم نے بھی محسوس کیا، اب محبت لاحاصل ہو گی۔ پھر ابھی مصطفیٰ صاحب کب راضی تھے؟ انہیں بھی منانے میں شاید بہت وقت لگتا۔ یہ دوری یقیناً بہتری کے لئے تھی۔ اس کے دل کو یقین تھا۔ اس نے گہرا سانس لے کر عزہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی ہلکا سا مسکرائی۔ وہ اپنے فیصلے پر مطمئن تھی اور اس کی خوشی میں دائم کی خوشی تھی۔ دونوں اٹھ کر روش پر ٹہلنے لگے۔

❋......❋
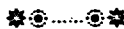
''نہیں۔ اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ وہ جہاں بھی گئی ہے، شاید اپنی مرضی سے۔'' تنزیل تھکے ہارے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ یاسمین

ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ بے اختیار رونے لگیں۔

"امی! اب رونے کا کیا فائدہ؟ وہ آئی تو تھی بہت آس، بہت امید لے کر۔ مگر اس کی آس بڑی تھی اور ہمارے دل چھوٹے۔ ہم معاف کرنا نہیں جانتے۔ ہم ایسے اذیت پسند لوگ ہیں، جو خود ہی اپنے زخموں کو کھرچتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔ اور پھر ان زخموں کی اذیت کو سہتے خود کو مظلوم کہلواتے ہیں۔ کتنے منافق ہیں ہم لوگ۔" اسے خود پہ بھی بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ اسے ثانیہ کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اس کے لئے جلد سے جلد کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہئے تھا۔ یوں اسے دوسروں کے گھر میں ڈال کر کیا اس کا فرض ادا ہو گیا تھا؟

"اسے ایک بار ہی سہی، پاس تو آنا چاہئے تھا؟ میں نے بات کی تھی احسن سے۔ وہ بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ جس کا مطلب رضامندی تھا مگر......تم اسے فون کرو۔ کہیں تو اس سے رابطہ ہو سکتا ہے۔" وہ روتے ہوئے بولیں۔

"آپ کے خیال میں، میں نے ایسا نہیں کیا ہوگا؟" وہ گہرا سانس لے کر مایوسی سے بولا۔ "وہ اپنا فون بھی وہیں چھوڑ گئی تو رابطہ کہاں کرتا؟"

یاسمین کی سسکیاں کمرے کی خاموشی میں گونجنے لگیں۔

اسی وقت کمرے کے باہر آہٹ سی ہوئی۔ اور ربیعہ کے ساتھ اندر آتے محمود عالم کو دیکھ کر دونوں چونک سے گئے۔

ربیعہ انہیں دروازے کے پاس چھوڑ کر واپس مڑ گئی۔

"آئیں، آ جائیں محمود بھائی!" یاسمین چہرہ صاف کرتے قدرے بوکھلا کر بولیں اور کھڑی ہو گئیں۔ تنزیل کے اعصاب تن سے گئے۔ اس نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"میں آپ کے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔" چند لمحوں کی معنی خیز خاموشی سے گھبرا کر یاسمین کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔

محمود کھڑے کھڑے شاید تھک سے گئے، اس لئے خود ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟" وہ تنفر بھرے لہجے میں بولا۔ یہ وہی شخص تھا، جو کسی بھی حوالے سے پہلے، کسی بھی نسبت سے آگاہ ہونے سے پہلے کس نفرت اور عناد بھری نظروں سے اسے دیکھا کرتا تھا اور آج یوں ہارے ہوئے انسان کی طرح بیٹھا تھا۔ اور تنزیل کو اس پہ ذرا بھی ترس نہیں آ رہا تھا۔ اس کی موجودگی اسے اُلجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

"مجھے خود نہیں پتہ، میں یہاں کیوں آیا ہوں۔" وہ نڈھال سے انداز میں بولے۔

تنزیل اسی طرح منہ موڑے بیٹھا رہا۔

"کیا تم بھی مجھے معاف نہیں کرو گے؟" وہ عجیب ٹوٹے ہوئے التجائیہ لہجے میں بولے۔

محمود عالم اور اس طرح تنزیل جیسے انسان سے برملا معافی مانگتے؟ تنزیل کو ان کی ذہنی حالت کچھ ابتر سی لگی۔ اس کے بعد ایک انکشاف، وہ صحیح الدماغ رہ بھی کیسے سکتے تھے؟ اسے لمحہ بھر کو سہی، ان پر ترس سا آ گیا۔

"اس سے کیا ہوگا؟" وہ چاہتے ہوئے بھی بہت سخت لہجہ نہ اختیار کر سکا۔

"پتہ نہیں، کیا ہوگا؟" وہ خود سوالوں اور جوابوں کے بھنور میں اُلجھ رہے تھے، اسی سوالیہ انداز میں بولے۔

"شاید مجھے یہ خیال رہے کہ کوئی تو ہے۔ کوئی ایک، جس کے کندھے پہ میں سر رکھ کر رو سکوں۔ تنزیل! مجھے لگتا ہے، میرے اندر آنسوؤں کا سمندر اکٹھا ہو گیا ہے، مگر میری آنکھیں خشک ہیں۔ میں رونا چاہتا ہوں۔ دھاڑیں مار مار کر، کسی کے گلے لگ کر۔ جب کوئی مرتا ہے تو کسی اپنے کے گلے لگ کر اس کے پرسے کے لئے لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں تو پھر اس کے دل کا سارا غبار نکل جاتا ہے۔ وہ پاگل ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ میں بھی اپنی موت کا پرسہ کسی کے گلے لگ کر رونا چاہتا ہوں۔ اس اکڑفوں محمود عالم کی موت پر......جس نے یہ سارا گند مچایا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بے خود سے لہجے میں بولتے چلے گئے، جیسے انہیں خود بھی پتہ نہ ہو کہ وہ کیا بول رہے ہیں۔

"کیا آپ کو اس محمود عالم کے مرنے پر افسوس ہے؟" وہ سحر زدہ سا ان کے قریب دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

اور دونوں نے پہلی بار ایک دوسرے کو اتنے قریب سے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور پتہ نہیں کیا ہوا۔ محمود عالم کے سمندروں کے بند ٹوٹ گئے اور اس الوہی لمحے میں تنزیل بھی بھول گیا کہ اسے اس شخص سے کتنی نفرت ہے۔ وہ بھی اس کے پاس بیٹھنا تو کیا اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہے گا، مگر وہ بالکل بھول گیا۔

محمود عالم زور زور سے اس کے گلے سے لگے رو رہے تھے اور اس نے بڑی فراخدلی سے اپنا کندھا ان کے سامنے پیش کر دیا تھا اور وہ روئے چلے جا رہے تھے۔

"میں نے سب کچھ برباد کر دیا، اپنے ہاتھوں سے، اپنی بزدلی سے، اپنی کمینگی سے، اپنے گھٹیا پن سے۔ میں اعلیٰ خاندان کا ہو کر

نیچ ظرف نکلا۔ اور ایسے کمینے انسان کو کوئی بھی معاف نہیں کرتا۔ کرنا بھی نہیں چاہئے۔ تم بھی مجھے معاف نہ کرو۔ میری وجہ سے...... میری وجہ سے وہ نیلم سے یاقوت بن گئی اور ہزاروں زندگیاں تباہ ہو گئیں۔ اگر میں ایک نیلم کو بچا لیتا تنزیل!...... بتاؤ میں اتنا بزدل، اتنا کمینہ کیوں نکلا؟'' وہ یوں اس کا چہرہ ہاتھوں میں لئے اس سے بچوں کی طرح پوچھ رہے تھے، جیسے ہر ایسے مشکل موقع پر اس سے مشورہ لیا کرتے ہیں۔

اور اس لمحے تنزیل پر کھلا کہ وہ جو اپنی زندگی میں اتنا نان پریکٹیکل تھا، اس کی وجہ محمود عالم کے لہو کی تاثیر تھی۔ اگر وہ احسن مراد کا بیٹا ہوتا تو یقیناً ان کی طرح پریکٹیکل زندگی میں اتنا ناکام نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اصل باپ کی طرح بزدل تھا۔ صرف ڈینگیں مارنے اور اونچے اونچے منصوبے بنانے، خواب دیکھنے والا...... کچھ کر گزرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

''تمہارا بہت شکریہ، تم نے مجھے اپنا کندھا دیا، رونے کے لئے۔ اور تم نے مجھے زیر بار کر لیا۔ میں تو تمہیں باپ ہونے کی حیثیت سے کچھ نہیں دے سکا، مگر تم نے مجھے ان لمحوں میں اپنے جسم کی دیوار سہارے کو دی۔ بہت شکریہ...... مجھے اب تم سے کچھ نہیں چاہئے۔'' وہ ایک دم سے جیسے پہلے والے محمود عالم بن گئے اور چہرہ صاف کر کے کھڑے ہو گئے۔

''لیکن ایک بات ہے، میرا سب کچھ تمہارا اور لائبہ کا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں، میں ایک ناکام انسان ہی نہیں، ایک ناکام باپ بھی ہوں۔ ایک بچی کی سرپرستی تھی نا میرے ذمے، وہ بھی ڈھنگ سے نہیں نبھا سکا۔ تو تم دونوں کا سرپرست بن کر بھی میں کوئی فرض ادا نہیں کر سکوں گا۔ تم وہ کرنا جس میں تمہاری خوشی ہو۔ اگر میں تمہیں ساتھ چلنے کو کہوں گا تو پھر نادانستگی میں، میں تمہیں اس خود غرضی کا سبق دوں گا، جس کا مظاہرہ میں نے ساری زندگی کیا۔ خود غرضی اور احسان فراموشی۔ میری خواہش ہے کہ کوئی تمہیں کل کو یہ طعنہ نہ دے سکے کہ نکلے نا پھر محمود عالم جیسے خود غرض انسان کے بیٹے۔ جب میں تمہیں کچھ نہ دے سکا تو مانگنے کا بھی حق نہیں رکھتا۔ اپنا خیال رکھنا، اگر کبھی...... لیکن نہیں۔'' وہ خود ہی رک گئے۔

''چلتا ہوں میں۔'' وہ کہہ کر بھی وہیں کھڑے رہے۔

''ایک خوشی تو بہر حال قدرت انجانے میں سہی، مجھے دے چکی۔ تم میرے پاس رہو یا نہیں، مجھ سے ملو یا نہیں۔ مگر مجھے یہ تسلی ضرور رہے گی، محمود عالم جیسے لالچی، خود غرض انسان کا مرنے کے بعد بھی کسی کے نام کے ساتھ نام جڑا ہو گا اور وہ میرا بیٹا ہے۔ جس کی میں نے انجانے میں ہی ان گنت دعائیں کر ڈالی تھیں۔ بس اب یہی دعا ہے کہ میرا سایہ تم پر نہ پڑے۔ خدا حافظ!''

وہ اس کے کندھے پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اس کے پاس سے گزر کر باہر چلے گئے۔

اور وہ کچھ بھی نہیں بول سکا، بس کسی بت کی طرح کھڑا رہا۔

✻⊙......⊙✻
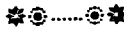
''تم اپنے باپ کے پاس چلی جانا۔'' یاقوت نے آس بھری نظروں سے لائبہ کا سپاٹ چہرہ دیکھ کر کہا۔

''کون سا باپ؟'' وہ تڑخ کر بولی۔

''جیسا بھی سہی......'' یاقوت نے کہنا چاہا۔

''پلیز مام! جیسا، کیسا، ویسا، آئی ایم ناٹ انٹرسٹڈ۔ ایک ایسا انسان، جسے میں جانتی تک نہیں، آدھی زندگی اس کا نام جانے بغیر گزار دی اور باقی کی آدھی زندگی اس کے ساتھ گزار دوں۔ امپاسیبل۔'' وہ تندی سے بولی۔

''نو نو، میں اب کوئی سات آٹھ سال کی بے سہارا، بے آسرا بچی نہیں جسے کسی ایسے راستہ دکھانے والے کی یا انگلی پکڑ کر ساتھ چلنے والے کی ضرورت ہو۔ اور مام! میری تو جب یہ ایج تھی، آپ نے اس وقت مجھے بھی انگلی نہیں پکڑنے دی تو اب کیسا خوف ہے آپ کو؟ یہی کہ میں کہیں گم نہ ہو جاؤں؟ ہو بھی گئی تو کیا، آپ کو تو اب کسی بھی بات کی فکر نہیں ہونی چاہئے۔'' لائبہ کا غصہ، اس کی نفرت اس کے ہر ہر لفظ سے چھلک رہی تھی۔

''میں تمہاری مجرم ہوں۔'' وہ سر جھکا کر بولیں۔

''نو مام! صرف میری نہیں، ان سینکڑوں لڑکیوں کی، جن کی زندگیوں کو آپ نے بیوپار بنایا، اندھے غار میں دھکیل دیا، ان سے معافی کون مانگے گا؟ آپ نہ قابل معافی ہیں، نہ قابل رحم۔'' نفرت بھری نظریں، جن کا یاقوت نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

''ظلم آپ کے ساتھ ہوا تو ظلم آپ نے بھی کم نہیں ڈھایا۔ اب آپ کو کیوں فکر ستانے لگی کہ آپ کی بیٹی اکیلی اس معاشرے میں کس طرح رہے گی؟ بالکل اسی طرح مام! جس طرح آپ جیسی بلائیں اکیلی پھرنے والی کسی بھی لڑکی کی چھایا بن کر اس سے چمٹ جاتی ہیں اور اس کے بدن سے لہو کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیتی ہیں۔ آئی وش کہ مجھے بھی ایسی ہی کوئی بلا......''

''لائبہ!'' اس سے زیادہ ان کی برداشت نہیں تھی۔

''کیوں؟...... دل دہل گیا نا آپ کا مام! کبھی آپ نے ان معصوم زندگیوں کے بارے میں بھی ایسے لمحہ بھر کو سوچا تھا جو آپ کی

وجہ سے برباد ہوئیں؟"

"اس کا کفارہ تو یہ جیل......" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولیں۔

"یہ کفارہ نہیں مام!...... یہ کفارہ ہو بھی نہیں سکتا۔ اتنی زندگیوں کا کفارہ صرف آپ کی ایک زندگی......اس میں مجھے بھی حصہ ڈالنا ہوگا۔ آپ کی بیٹی جو ہوئی میں۔ والدین کا ورثہ تو اولاد ہی سنبھالتی ہے نا، خواہ یہ گناہ ہو یا ثواب۔ I have to contribute۔" اور یاقوت بے بس نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ یہ ببول کی فصل تھی، جو انہیں کاٹنی ہی کاٹنی تھی۔

"میں جا رہی ہوں مام! اور اب کبھی آپ سے ملنے نہیں آؤں گی۔ آپ نے سمجھا، ایک جہانگیر ہمدانی کو آپ قتل کر دیں گی تو آپ کی بیٹی محفوظ ہو جائے گی، اس معاشرے میں آپ جیسے اور آپ کے اس شیطان صفت پارٹنر جیسے کتنے سانپ ہیں۔ آپ کس کس کو ختم کریں گی؟......نہیں کر سکتیں نا؟ بھول جائیے، آپ کی کوئی بیٹی بھی نہیں۔ وہ باہر نکلتے ہی ضرور کسی ہمدانی یا یاقوت کے ہتھے چڑھے گی اور آپ کا کچھ نہ کچھ کفارہ ادا ہو جائے گا۔ بائے فار ایور!"

اس نے ایک نظر ڈالی اور چلی گئی۔ میڈم یاقوت دیکھتی رہ گئیں۔

✲◉......◉✲
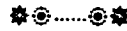
ایئرپورٹ پر محمود عالم اور سارہ، عزہ کو سی آف کرنے آئے تھے۔ دائم پہلے سے وہاں موجود تھا۔

"میرا مشورہ ابھی بھی تمہیں یہی ہے دائم! کہ تم......"

"میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں مانگا، نہ مجھے ضرورت ہے۔ یہ طے ہو چکا ہے کہ ہم دونوں وہ کریں گے، جو ہمارا دل کہے گا۔ تم اپنے دل کی مانو، میں اپنے دل کی مانوں گا اور بس۔" اس نے عزہ کو بات مکمل نہیں کرنے دی۔

وہ افسردگی سے مسکرا کر رہ گئی۔

"شاید پھر یہ میری قسمت کا کوئی اچھا گوشہ ہے، جس میں میرے لئے اتنی خالص محبت محفوظ ہے، ورنہ یہ ماں، باپ کی دعائیں تو ہو نہیں سکتیں کہ میرے ماں باپ کو اپنی ذات کی دیواروں کے باہر جھانکنے کی کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔"

"تم ابھی بھی ان سے ناراض ہو؟"

"اب تو یہ قصہ ہی ختم سمجھو، پھر کیسی ناراضگی؟" اناؤنسمنٹ سنتے ہوئے اس نے اپنا مختصر سامان اٹھایا، باری باری نارمل انداز میں محمود عالم اور سارہ کے گلے لگی۔ اور دائم کی طرف ہاتھ ہلاتی، مضبوط قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"عزہ!......تم آ جاؤ گی نا؟......دیکھو دیر نہیں کرنا۔ پتہ نہیں، میں اتنے دن تمہارا انتظار کر سکوں یا نہیں۔" آخری لمحے میں جانے سارہ کو کیا ہوا، ایک دم سے دوڑتی ہوئی گئیں اور اس سے لپٹ کر بولیں اور عزہ کے مضبوط قدم ڈول گئے۔

"مما! میں آپ کے پاس ہی ہوں۔ جب آواز دیں گی، میں آ جاؤں گی۔" وہ بھی بے اختیار ان سے لپٹ گئی اور دائم کے دل کو یقین ہو گیا، وہ اب زیادہ عرصہ خود کو ان محبتوں سے دور نہیں رکھ سکے گی۔ وہ ایک دم سے ہلکا پھلکا ہو کر دور جاتی عزہ کو دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا۔

✲◉......◉✲
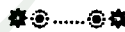
"دیکھو تو اس بڈھے آغا کو کیا ہو گیا۔ اس عمر میں سٹھیا گیا۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جانے کدھر کو نکل گیا۔ نہ اتا، نہ پتہ۔ مر گیا تو کون کفن دفن کرے گا؟"

ثریا بانو وقفے وقفے سے ایک ہی طرح کے جملے تھوڑے سے فرق سے بولے جا رہی تھیں۔

"تنزیل کو بھیجا ہے میں نے اماں جان! شاید کچھ پتہ چل جائے۔" یاسمین تسلی دینے کو بولیں۔

اور رات گئے تنزیل نامراد واپس لوٹ آیا۔

"پورے شہر میں تلاش کر ڈالا، مگر وہ کہیں نہیں ہیں۔"

پھر گھر میں ایک جامد خاموشی چھا گئی۔ تانیہ کی گمشدگی کے بعد یہ دوسری بڑی خبر تھی۔

احسن مراد کے کمرے میں تو اب یوں بھی خاموشی ہی رہتی تھی۔ نہ چیخ دھاڑ، نہ گالم گلوچ، کچھ بھی نہیں تھا۔

"امی! مجھے جاب مل گئی۔" اس جامد سناٹے کو تنزیل کی مدھم آواز نے توڑا۔

"سچ......او خدا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے، میرے مولا! کوئی تو اچھی خبر ملی۔" یاسمین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے نوکری کا مطلب، تنزیل کا مستقل یہیں رہنا۔ یاسمین کے لئے تو یہی سب سے بڑی خوشخبری تھی۔

"لیکن مجھے کمپنی کی طرف سے تین سال کے لئے ملائیشیا جانا ہوگا۔" اس خبر کا بقیہ حصہ یاسمین کے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"اور یقین کیجئے، میں نے خود سے ایسی نوکری تلاش نہیں کی تھی، مگر......اگر آپ کہتی ہیں تو میں انکار کر دیتا ہوں۔" وہ یاسمین

کے تاثرات دیکھ کر اگلے ہی لمحے بولا۔

''نہیں بیٹا! اتنے عرصے کے بعد تو خدا نے یہ کرم کیا ہے تو کیا ٹھوکر مارو گے؟ ہرگز نہیں، تم بے فکر ہو کر جاؤ نوکری پر۔''

وہ ایک دم سے مان گئیں اور تنزیل حیران سا دیکھتا رہ گیا، ورنہ اسے یاسمین سے اچھے خاصے معرکے کی امید تھی کہ وہ کبھی نہیں مانیں گی۔ شاید اس لئے انہیں یہی بہتر لگا کہ فی الحال تنزیل یہاں سے چلا جائے۔ ورنہ محمود عالم کی کشش اسے کسی بھی لمحے کھینچ سکتی تھی۔

''لیکن جانے سے پہلے ایک خوشی تم میری بھی پوری کرو گے۔'' ذرا دیر بعد وہ بولیں۔

''جو آپ کہیں۔'' وہ فوراً سے بولا۔

''تمہیں شادی کر کے عائشہ کو اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔''

اور تنزیل کو اپنے کانوں پہ یقین ہی نہیں آیا۔ وہ بے یقینی سے دیکھتا ہوا نفی میں سر ہلاتا جاتا تھا۔

''تو تم میری بات نہیں مانو گے؟'' وہ خفگی سے بولیں۔

''میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، امی! کہ آپ عائشہ کے لئے اتنی آسانی سے مان جائیں گی۔'' وہ یاسمین کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولا۔

''خودغرضی کہو اسے بھی میری۔ شاید اسی طرح خدا کو مجھ پر، میری ثانیہ پر رحم آ جائے۔ وہ گھر آ جائے، اگر میں عائشہ کو سینے سے لگا لوں تو۔'' وہ کہتے ہوئے ایک دم سے رو پڑیں۔

✲●......●✲
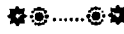
''آج کتنے عرصے بعد ہم تینوں پھر سے اس طرح اکٹھے ہوئے ہیں۔ کچھ یاد ہے دائم! لندن میں ہماری یہ تکون کبھی بھی اکیلے شام نہیں مناتی تھی۔ ہمیشہ ساتھ مل کر۔'' اسامہ، دائم اور لائبہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''ہوں، یاد ہے۔ اور بیچ میں اتنا کچھ بدل گیا کہ پھر یاد کرنے کی فرصت بھی نہیں مل سکی۔'' دائم ٹانگیں پھیلا کر بولا۔

''تم نے آگے کیا سوچا ہے؟'' دائم نے اسامہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ لائبہ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ وہ آج کل ڈاکٹر رخشندہ کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اگرچہ محمود عالم اسے دو بار لینے آئے تھے، مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔

''میں لندن واپس جا رہا ہوں۔'' اسامہ توقف سے بولا۔ ''مجھے وہاں بہت اچھی جاب مل گئی ہے۔''

''مگر یہاں میں نے جو تمہیں آفر کی تھی؟''

''نہیں یار! ادھر ابھی بھی میں مینٹلی بہت ڈسٹرب ہوں۔ آغا جان کی اچانک گمشدگی، والد کی وفات اور بہت کچھ...... میں یہاں سے فی الحال دور چلے جانا چاہتا ہوں۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

''اور لائبہ! تم؟'' دائم نے اسے بھی شاملِ گفتگو کرنا چاہا۔

''میں کیا؟'' وہ غائب دماغی سے بولی۔

''کیا پروگرام ہے آگے تمہارا؟''

''وہ دن تو گئے، جب زندگی ہمارے پروگرام کے مطابق چلا کرتی تھی۔ اب وہی کچھ چلے گا جو زندگی چاہے گی۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے۔'' وہ بے نیاز لہجے میں بولی۔

اسی وقت دائم کا سیل فون بجنے لگا۔

''ایکسکیوزمی!'' کہہ کر وہ فون سننے ایک طرف چلا گیا۔

''تم میرے ساتھ چلو گی لندن؟ تمہارا ڈریس ڈیزائنر بننے کا شوق اور......''

''اور کیا؟'' لائبہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''اور...... میرا ساتھ۔'' وہ لحہ بھر کو جھجکا پھر مسکرا کر بولا اور لائبہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ابھی بھی اسامہ! تم مجھے......'' بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ابھی بھی کیا؟'' وہ سمجھا نہیں۔

''میری حقیقت جاننے کے بعد...... میری ماں کی اصلیت......''

''میں تو تمہاری اصلیت کو جانتا ہوں۔ تم کیا ہو، تمہارا دل، تمہاری فطرت، تمہارا ماضی میرے سامنے ہے اور حال بھی...... مستقبل میں ایک ساتھ رہنے کا میرا تو پکا ارادہ ہے، تم جانے ابھی بھی مجھے قبول کرتی ہو یا دائم کی خالی ویکنسی اپویل (حاصل) کرنے کی کوشش۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنزاً کہہ گیا۔

طنز کر رہے ہو نا مجھ پر؟......اور دائم کی ویکنسی کبھی میرے لئے خالی نہیں ہو سکتی۔" وہ آنسو صاف کر کے بولی۔
"پھر تم بتاؤ؟"
"اوکے، میرے خیال میں تمہارا آئیڈیا برا نہیں۔ سوچا جا سکتا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"صرف آئیڈیے پر یا پرپوزل پر بھی؟" وہ آگے کو جھک کر بولا۔
"اچھا، کیا اب یہیں سب کچھ کہہ دوں؟ یوں بھی مجھے کچھ ٹائم چاہیے۔"
"اور ٹائم نہیں مل سکتا تمہیں۔ پہلے تم بہت ٹائم لے چکی ہو۔ یہ نہ ہو، اس ٹائم لینے کے چکر میں ہم دونوں کی ڈیٹ ایکسپائر ہو
جائے۔" دونوں ہنس پڑے۔ اور فون پر بات سنتا دائم، دونوں کو ہنستے دیکھ کر چونکا اور خود بھی مسکرانے لگا۔

✻⊙......⊙✻

"یہ آپ کی بہو، میڈم یاقوت!...... عائشہ تنزیل۔ میں نے سوچا ہم یہاں سے جا تو رہے ہیں، آپ سے آخری ملاقات بھی
کر جائیں۔"
یاقوت سیاہ لباس میں ایک جھلسا ہوا، مرجھایا ہوا پھول لگ رہی تھیں، جس کا رنگ، خوشبو سب کچھ پتی پتی بکھر چکا ہو۔ آنکھوں
کے گرد پڑے سیاہ حلقے اور چہرے کی جھائیاں، سیاہ پڑتے ہونٹ اور آنکھوں کی ویرانی اُن کے اندر کا احوال کہہ رہی تھی۔ وہ سپاٹ
نظروں سے عائشہ کو دیکھے گئیں۔
"آپ کے لئے ایک مسلسل خوشی کا سامان وہ کلی، جسے آپ نے اپنے پیروں میں مسلا اور دوسروں کے ہاتھوں نے روندا، وہ
اس گھر کی عزت...... مگر نہیں، آپ کو شاید اس لفظ کا مطلب بھی نہیں آتا۔ تو پھر یہ آپ کے نزدیک کیا ویلیو رکھتا ہوگا؟ میں نے
کیا کہا نا؟" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"تم جا رہے ہو؟" وہ بے بس سے لہجے میں بولیں۔ "پھر نہیں آؤ گے؟"
اور تنزیل کی زبان لحہ بھر کو گنگ ہو گئی۔
ایسی بے چارگی، ایسی بے بسی اس نے کب دیکھی تھی اس عورت میں۔ وہ نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔
"آدمی عمر بھر رشتوں کی کھوج میں بھٹکتا ہے۔ اس کے رشتوں کی بھاری گٹھڑی جس کا بوجھ وہ بخوشی ڈھوتا ہے۔ اور تب زندگی
کے آخری پہر میں جب اسے اس گٹھڑی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، وہ اسے کھولتا ہے، ایک ایک گرہ کھولتا ہے اور حیران ہو جاتا ہے
کہ وہ گٹھڑی تو بالکل خالی تھی۔ ایک رشتہ، ایک ناطہ، ایک بھی تعلق اس گٹھڑی میں نہیں ہوتا۔ تو پھر وہ عمر بھر کس کا بوجھ ڈھوتا رہا؟ وہ
اس گٹھڑی اٹھا کر، اتنا جھک کر کیوں چلتا تھا؟ وہ کیسا بوجھ تھا؟ گٹھڑی تو خالی تھی۔ تب اسے پتہ چلتا ہے، وہ بوجھ تو اس کی اپنی
خواہشوں، اپنی ہوس اور اپنے حرص کا تھا۔ اور اس آخری پہر میں آ کر جب سب رشتے ناتے چھوڑ گئے تو اس خالی گٹھڑی میں حرص ہے
نہ ہوس، خواہش نہ خواب، صرف اکیلا پن اور اعمال کی فصل۔ اور مجھے اب یہی فصل کاٹنی ہے۔ اس کے لئے مجھے کسی کے بھی ساتھ کی
ضرورت نہیں۔ جاؤ، میں ہر رشتے، ہر بندھن سے آزاد ہوں۔ تم بھی آزاد ہو۔ میں جو عمر بھر بھٹکتی رہی اندھے رستوں پر، محبت اور
اب کی گٹھڑی کندھے پر اٹھا کر لایعنی سفر...... اور اس سفر کی شام دیکھو، اس کال کوٹھری پر ختم ہوئی اور اندھیری رات شروع ہوئی،
اندھیری سیاہ کالی رات، جس میں نہ خواب کا جگنو، نہ خواہش کی کرن، نہ محبت کا بہلاوا۔ صرف اندھیرا اور لمبا سفر......"
وہ خود سے باتیں کرتی جا رہی تھیں۔ کبھی ایک دیوار پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگتیں، کبھی دوسری دیوار پر۔ مگر وہ مخبوط الحواس نہیں تھیں۔
مگر شاید صحیح الدماغ بھی نہیں...... دونوں کے بین بین...... تنزیل کھڑا نم آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا اور آہستگی سے عائشہ کا ہاتھ پکڑ کر
باہر نکل گیا۔

✻⊙......⊙✻

رات کے سناٹے میں گیٹ کی بیل بجی۔
وہ ہڑبڑا کر اپنی ریوالونگ چیئر پر سیدھے ہوئے اور زور زور سے ملازموں کو آوازیں دینے لگے۔
"دیکھو، گیٹ پر کون ہے؟...... عزہ ہوگی۔ لائبہ یا تنزیل۔ جاؤ، جا کر دروازہ کھولو۔" وہ اندر آتے پہلے ملازم پر برس پڑے۔
"مگر جی، کوئی گھنٹی نہیں بجی۔" ملازم حیرانی سے بولا۔
اور یہ کون سی نئی بات تھی؟ رات دن میں کئی بار وہ یونہی بیٹھے بیٹھے چونک پڑتے۔ کبھی ملازموں پر چیختے اور کبھی خود ہی گیٹ کھول
آنے والوں کی راہ تکتے رہتے۔
اور سارہ ان کے اس سارے خبط سے بے نیاز پہروں کمرے میں بیٹھی، ایک ہی زاویے پر نظریں جمائے جانے کیا کھوجتی
رہتیں۔

عزہ کو گئے چار سال ہونے والے تھے اور وہ اس دوران ایک بار بھی ملنے نہیں آئی تھی۔

لائبہ، اسامہ سے شادی کے بعد لندن جا چکی تھی۔ تینوں اکثر آپس میں ملا کرتے تھے۔ مگر پاکستان جانے کے ذکر پر تینوں کترا جاتے۔

دائم ہر چھ ماہ بعد لندن چکر لگا کر عزہ کو یقین دہانی کرواتا کہ کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے۔ اور وہ خاموش ہو جاتی۔

عائشہ اور تنزیل، ملائیشیا کے بعد سویڈن اور پھر اسی طرح چند دن پہلے لندن شفٹ ہوئے تھے۔ دونوں کے دو بچے تھے۔ دونوں خوش تھے۔ اگرچہ عائشہ کے لئے وہ بیتے سال ابھی بھی کسی ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھے، مگر تنزیل کی محبت رفتہ رفتہ ڈراؤنے خواب کی شدت کو کم کر رہی تھی۔

دونوں سال میں ایک بار یاسمین اور احسن صاحب سے ملنے پاکستان ضرور جاتے۔ احسن صاحب سرتاپا بدل چکے تھے۔ تنزیل کے لئے ایک بہت محبت کرنے والے باپ اور یاسمین کے لئے ایک خیال رکھنے والے شوہر بن چکے تھے۔

تنزیل بعد میں صرف ایک بار محمود عالم سے ملنے گیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر خاموشی سے اٹھ کر آ گیا۔

عائشہ بچوں کا ناشتہ کرا کے خود بھی چائے کا کپ لے کر ٹی وی کے سامنے بیٹھی یونہی چینل سرچنگ کر رہی تھی جب ایک فیشن پر کو دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ بے اختیار تھم سے گئے۔

فیشن پریڈ کے اختتام پر اس پریڈ کی روح رواں، بہت سی بوتیکس اور آرٹ اکیڈمی کی چیئر پرسن تانی مائیک ہاتھ میں لئے، حد مختصر لباس میں بہت بے باک انداز میں اطراف میں بیٹھے لوگوں سے بہت فخریہ انداز میں اپنی ماڈلز کا تعارف کرا رہی تھی۔ اور عائشہ کا جسم سُن ہو چکا تھا۔

'تو تم پھر اس دلدل میں جا گریں......شیطان کا گناہ غرور یا تکبر نہیں تھا تانیہ! اس کا گناہ تو خدا کی رحمت سے مایوس ہونا تھا کہ خدا اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ تم نے یہ گناہ کیوں کیا؟ خدا کی رحمت سے مایوس ہونے کا؟'

اسے پتہ بھی نہیں چلا اور اس کے آنسو جھرنوں کی طرح بہتے چلے گئے۔

❁......❁

'دن کے اُجالے اور رات کی تاریکیوں کے مالک! تُو گواہ ہے، میری زندگی کے ظاہر، پوشیدہ ہر گوشے سے، جہاں مجھ سے بھول ہوئی، جہاں میں تجھے بھول گئی۔ جہاں تیری مخلوق نے میرے ساتھ برا کیا اور جہاں مجھ سے تکبر اور غرور میں ان کے ساتھ ظلم ہوا، سب کا گواہ ہے......یقیناً میرے مظالم کا پلڑا بھاری ہے۔ مگر میں یہ بھی جانتی ہوں، تیری رحمت اور عفو و درگزر کا پلڑا اس سے بھاری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تُو مجھے یوں معافی کے لئے، توبہ کے لئے اس طرح نہ چھوڑ دیتا۔

اس قید بامشقت نے، جس نے میرے ہاتھوں کو رِستے پھوڑے بنا دیا ہے اور میرے بدن کے بند بند میں اس عقوبت خانے کی سختی اور وحشت بھر دی ہے کہ میں دن رات کی کسی ساعت میں ایک لحہ بھی اذیت کے بغیر نہیں گزارتی اور لبوں سے سی نہیں کرتی۔ شاید اس طرح میرے گناہوں کا کچھ کفارہ ادا ہو جائے۔ کسی ایک جان کی سختی مجھ سے کم ہو جائے، جن پر میں نے ظلم ڈھایا۔ میں نہیں جانتی میں نے کتنی سزا کاٹ لی ہے اور برزخ میں کتنی باقی ہے۔ مگر میں یہ جانتی ہوں، اب میرے دل میں تجھ سے معافی کے سوا کوئی خیال نہیں۔ نہ کسی محبت کا، نہ نفرت کا، نہ خوشی کا، نہ خواب کا۔ سارے سفر تمام ہوئے۔ یہ آخری پڑاؤ......میں نے اپنے آپ تیرے حوالے کیا بھی تو اس آخری پڑاؤ میں۔ مجھے اور کسی کا خیال نہیں......تیرے سوا۔ اور شاید ان آخری لمحوں میں مَیں نے اپنی منزل کو پہچان لیا......مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔ کچھ بھی نہیں۔'

وہ سیاہ کٹھڑی گھنٹوں نہیں، پہروں سجدے میں گری گری کبڑی ہو چکی تھی مگر نہ اُس کی فریاد تھمتی، نہ اس کے آنسو رُکتے۔ پہرے داروں کے نزدیک وہ ایک پاگل، خبطی، حواس باختہ عورت تھی، جو ہفتہ دس دن بعد دو چار لقمے کھاتی یا دو چار پانی کے گھونٹ پیتی، چکی پیستی یا پھر رات بھر سجدے میں گری رہتی۔

سالوں بیت چکے تھے۔ نئے آنے والے پہرے داروں میں سے کسی کو علم بھی نہیں تھا کہ یہ عورت کبھی میڈم یاقوت رہ چکی ہے۔ اور کبھی اس کے قدموں کی چاپ سے دل سہم جایا کرتے تھے۔ لوگ میڈم یاقوت کی کہانی بھول چکے تھے......مگر کہانی دُہرائی جا رہی تھی......نام بدل کر......اب تانی......ڈولی......روبی یا کسی بھی نام سے۔

(تمت بالخیر)